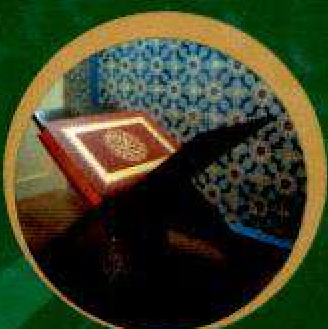
300 سے زائد کتب سے استفادہ شدہ کتاب جسکی تکمیل
روضہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے میں بیٹھ کر کی گئی

خصوصیاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

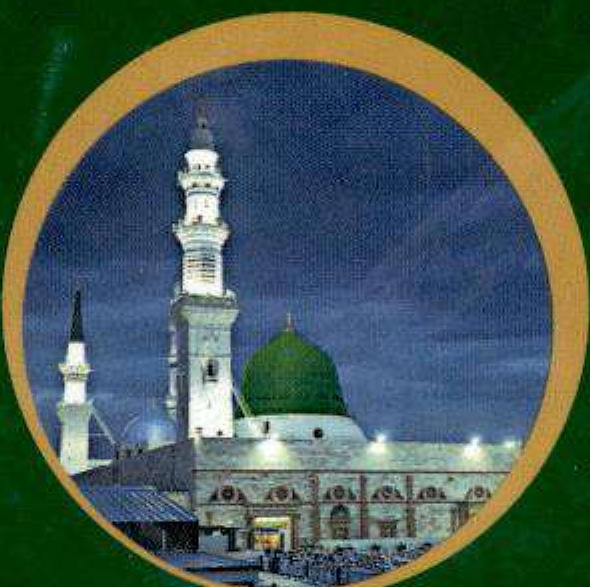


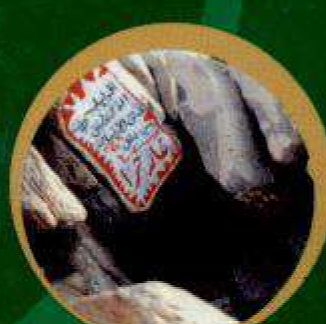
تالیف

مولانا محمد ہارون معاویہ

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی
خطیب جامع مسجد سرورِ کونینؐ







پسند فرمودہ

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ

استاذ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

تقاریظ

مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ

استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

مولانا مفتی عبد المجید دینپوری مدظلہ

نائب رئیس دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

دار الاشاعت

اُردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ

خصوصیاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مجمع فضل وکمال، سید الانبیاء، مقصود الخلائق، سید الکونین، اشرف الرسل، شفیع الامم، رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین کی سیرت کے عظیم گوشے سے چیدہ چیدہ سو امتیازی خصوصیات وکمالات پر جدید اسلوب میں جامع، مفصل و قابل قدر ذخیرہ

جلد اوّل

تالیف
مولانا محمد هارون معاویہ
فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
واستاد مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپور خاص

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : فروری ۲۰۰۷ء علمی گرافکس

ضخامت : 528 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿........ملنے کے پتے........﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

اجمالی فہرست

خصوصیت نمبر۱ .... ۹۶

رسول اکرم ﷺ کو سب سے پہلے نبوت ملی اور سب سے آخر میں مبعوث ہوئے

خصوصیت نمبر۲ .... ۱۰۴

رسول اکرم ﷺ کی ولادت اور بچپن کی شان سب انبیاء سے نرالی ہے

خصوصیت نمبر۳ .... ۱۴۷

رسول اکرم ﷺ کو وہ کمالات واوصاف یکجا عطا کئے گئے دیگر انبیاء کو فرداً فرداً عطا کئے گئے

خصوصیت نمبر۴ .... ۱۵۵

رسول اکرم ﷺ کا نام تخلیق کائنات سے دو ہزار برس پہلے رکھا گیا

خصوصیت نمبر۵ .... ۱۵۷

رسول اکرم ﷺ کا اسم محمدؐ ہر لمحے اللہ کے نام کے ساتھ کرۂ ارض پر گونجتا رہتا ہے

خصوصیت نمبر۶ .... ۱۶۱

رسول اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے روز اوّل ہی سے آپ کی آمد کی بشارتیں دی گئیں

خصوصیت نمبر۷ .... ۱۷۵

رسول اکرم ﷺ بچپن میں چاند سے باتیں کیا کرتے تھے

خصوصیت نمبر۸ .... ۱۷۷

رسول اکرم ﷺ کا شجرہ نسب مکمل محفوظ ہے

خصوصیت نمبر ۹...۲۰۷

رسولِ اکرم ﷺ کے بعض اعضاء مبارک کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا

خصوصیت نمبر ۱۰...۲۱۰

رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت تمام انبیاءؑ اور تمام امتوں کے لئے بھی ہے

خصوصیت نمبر ۱۱...۲۱۴

رسولِ اکرم ﷺ کے لئے سورج غروب ہونے کے بعد دوبارہ طلوع ہوا

خصوصیت نمبر ۱۲...۲۱۶

رسولِ اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے خود کثرت سے درود پڑھنے کا خصوصی حکم فرمایا

خصوصیت نمبر ۱۳...۲۸۶

رسولِ اکرم ﷺ کو معراج کی عظیم سعادت حاصل ہوئی

خصوصیت نمبر ۱۴...۳۶۹

رسولِ اکرم ﷺ کی احادیث کی سندات مکمل محفوظ ہیں

خصوصیت نمبر ۱۵...۳۷۴

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سب سے محبوب کتاب عطا فرمائی

خصوصیت نمبر ۱۶...۴۵۱

رسولِ اکرم ﷺ باعث تخلیق کائنات بن کر تشریف لائے

خصوصیت نمبر ۱۷...۴۵۴

رسولِ اکرم ﷺ کے اسم مبارک پر نام رکھنا دنیا و آخرت میں برکت و نجات کا ذریعہ ہے

خصوصیت نمبر ۱۸...۴۶۷

رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت، زندگی، شہر اور آپؐ کے زمانے کی اللہ نے قسم کھائی

خصوصیت نمبر ۱۹...۴۶۹

رسولِ اکرم ﷺ کا نام ہی آپ کی خصوصیت کا مظہر ہے

خصوصیت نمبر۲۰..۴۷۶

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کبھی نام لے کر مخاطب نہیں کیا جبکہ دیگر انبیاء کا نام لیکر خطاب کیا

خصوصیت نمبر۲۱..۴۸۹

رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لانے کا وعدہ تمام انبیاء سے عالم ارواح میں لیا گیا

خصوصیت نمبر۲۲..۴۹۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تاریخ انسانی کا سب سے افضل انسان بنایا

خصوصیت نمبر۲۳..۵۰۷

رسولِ اکرم ﷺ کا دفاع اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا جبکہ دیگر انبیاء اپنا دفاع خود فرماتے تھے

خصوصیت نمبر۲۴..۵۱۴

رسولِ اکرم ﷺ قیامت کے دن تمام بنی آدمؑ کے سردار ہونگے

خصوصیت نمبر۲۵..۵۲۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وہ بن مانگے عطا کیا جو دیگر انبیاء کو مانگنے سے عطا کیا

تفصیلی فہرست

انتساب..۲۸
عرضِ مؤلف..۲۹
تقریظ.....از حضرت استاذ العلماء مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی...........۳۵
تقریظ.....از استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی...۳۸
تقریظ.....از حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ العالی...........۳۹
تقریظ.....از محترم مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب مدظلہ العالی...........۴۴
انبیاء کرامؑ کے مراتب میں جزئی تفاوت اور ایک ضروری تطبیق...........۴۶
ایک ضروری وضاحت..۴۸
مقدمۃ الکتاب خصوصیات مصطفیٰ ﷺ (جلدِ اول)..۴۹
خصوصیات کی قسمیں..۵۰
چار قسم کے خصائص..۵۱
پہلی قسم اور مخصوص فرائض..۵۱
دوسری قسم اور صدقات..۶۰
دوسرے انبیاء اور صدقات..۶۱
تیسری قسم خصوصی جواز..۶۲
مخصوص امتیازات واختیار..۶۳
معاملہ کے ظاہر و باطن کی خصوصیت..۶۳

خصوصیات نبی ﷺ میں دوسرے کے نقائص نہیں ۶۵

انبیاء کی مشترکہ خصوصیات ۶۸

چوتھی قسم اور فضائل خصوصی ۶۹

مخصوص آیات سے نوازش خداوندی ۷۰

خزانہ عرش سے نوازشیں ۷۰

عرش پر نام نامی ﷺ کی نگارش ۷۱

ملکوت اعلیٰ میں اسم گرامی کا ورد ۷۱

انبیاء سے حضور ﷺ پر ایمان کا عہد ۷۳

حشر میں آنحضرت ﷺ کی سواری ۷۳

خصوصیت شق صدر ۷۳

آنحضرت ﷺ کے اوصاف جسمانی ۷۴

مسجد نبوی ﷺ کی خصوصیت ۷۵

عموم رسالت کا شرف ۷۶

خطاب خداوندی میں اعزاز ۷۷

قرآن میں آپ ﷺ کی جان کی قسم ۷۷

آپ ﷺ کی عورتوں کے خصوصی مرتبے ۷۸

آنحضرت ﷺ کے استثنائی فیصلے ۸۰

میدان حشر میں خصوصی مرتبہ ۸۱

محشر میں اعزاز نبی ﷺ ۸۳

پل صراط و جنت اور آپ ﷺ کا شرف ۸۵

چوتھی قسم اور آپ ﷺ کے فضائل ۵۸

اندھیرے میں بینائی کی خصوصیت ۸۶

پشت کی طرف بینائی کی خصوصیت...۸۷

امت محمدی ﷺ کی خصوصیات...۸۷

عبادات اور اس امت کی خصوصیات...۸۸

وضو اور خصوصیت امت...۹۴

خصوصیت نمبر ا...۹۶

رسولِ اکرم ﷺ کو سب سے پہلے نبوت ملی اور سب سے آخر میں مبعوث ہوئے

پہلی خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں...۹۷

سب انبیاء علیہم السلام پر تقدم کی وجہ...۱۰۰

فائدہ...۱۰۳

خصوصیت نمبر ۲...۱۰۴

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت اور بچپن کی شان سب انبیاء سے نرالی ہے

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت اور بچپن کے مثالی واقعات...۱۰۵

رسولِ اکرم ﷺ کے توسل سے بارانِ رحمت کا نزول...۱۰۷

رسولِ اکرم ﷺ کا طفولیت میں عدل، نظافت اور حیا...۱۰۷

رسولِ اکرم ﷺ کی آمد کے ساتھ ہی مشرق و غرب کی سیر...۱۰۸

رسولِ اکرم ﷺ کا مبارک قدم ہونا...۱۰۹

پتھروں سے سلام کی آواز...۱۰۹

رسولِ اکرم ﷺ کا اول کلام...۱۱۰

رسولِ اکرم ﷺ کا بے ستری میں کا غش کھا کر گر جانا...۱۱۰

سلطنت شام و فارس کے زوال کے نشانات کا ظہور...۱۱۱

بت خانوں سے غیبی آوازیں..........۱۱۱

پنگھوڑے میں انگلی کے اشارے کے موافق چاند کا جھک آنا..........۱۱۱

رسول اکرم ﷺ کی برکت سے حلیمہ سعدیہ کے بخت جاگ اٹھے..........۱۱۲

خانہ کعبہ سے نور معمور ہو گیا ستارے زمین کے قریب آگئے..........۱۱۳

مہر نبوت دیکھ کر یہودی کا بیہوش ہو کر گر پڑنا..........۱۱۴

رسول اکرم ﷺ کو جاہلیت کی باتوں سے محفوظ رکھا گیا..........۱۱۴

رسول اکرم ﷺ کے صغر سنی میں انگلی کے اشارے سے پانی برسنا..........۱۱۵

علماء یہود کا اپنے علم و حساب سے ولادت شریفہ کی خبر دینا..........۱۱۶

رسول اکرم ﷺ کی شب ولادت میں ستاروں کا جھک آنا..........۱۱۷

حضرت آمنہ کا گھر نور سے بھر گیا اور آسمان کے ستارے زمین کے قریب ہو گئے..........۱۱۷

حضرت حلیمہ کے گھر میں خیر و برکت..........۱۱۷

حمل سے والدہ ماجدہ کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور نہ کوئی کرب ہوا..........۱۱۸

رسول اکرم ﷺ کی ولادت سے پہلے حضرت آمنہ کا خواب..........۱۱۸

رسول اکرم ﷺ صغر سنی میں کرامات و برکات..........۱۱۸

رسول اکرم ﷺ کے قلب اطہر میں عالم ملکوت و عالم لاہوت کے مشاہدہ کی طاقت کا بھرنا..........۱۱۹

رسول اکرم ﷺ پر بچپن میں بادل سایہ کرتے تھے..........۱۱۹

رسول اکرم ﷺ کی ولادت سے پہلے حضرت عبدالمطلب کا خواب..........۱۲۰

رسول اکرم ﷺ کی ولادت پر نامور ادیبوں کا خراج تحسین..........۱۲۱

رسول اکرم ﷺ کی ولادت پر قیصر و کسریٰ کے خود ساختہ نظاموں میں زلزلہ..........۱۲۱

رسول اکرم ﷺ کی ولادت پر عروس کائنات کی مانگ میں موتی بھر گئے..........۱۲۲

رسول اکرم ﷺ کی ولادت پر کعبہ نور سے معمور ہو گیا..........۱۲۳

رسول اکرم ﷺ کی ولادت سے ہر سو مسرت کی لہر دوڑ گئی..........۱۲۵

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت معمورِ عالم کے لئے پیغام بشارت بھی..........۱۳۰
رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر ظلمت چھٹ گئی..........۱۳۱
رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر خواب کو تعبیر مل گئی..........۱۳۱
رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر گلشن خوشبو سے مہک اٹھا..........۱۳۵
رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر آفتابِ ہدایت کی شعائیں ہر طرف پھیل گئیں..........۱۳۶
رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر چمن انسانیت میں بہار آ گئی..........۱۳۷
رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت کا دن تاریخ ہستی کا اہم ترین دن ہے..........۱۳۸
رسولِ اکرم کی ﷺ ولادت پر چاند طلوع ہوا..........۱۴۱
رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت گویا کہ سراج منیر ہے..........۱۴۲
رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر ہر سو نیا رنگ تھا، نیا روپ تھا..........۱۴۳
رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت گویا نور کا ظہور ہے..........۱۴۳
رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت تخلیق کی تکمیل کا لمحہ آخریں تھا..........۱۴۴
رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر ظلمت کدوں میں نئی صبح کے آثار نظر آنے لگے..........۱۴۵

خصوصیت نمبر ۳..........۱۴۷

رسولِ اکرم ﷺ کو وہ کمالات و اوصاف یکجا عطا کیے گئے دیگر انبیاء کو فرداً فرداً عطا کیے گئے

تیسری خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں..........۱۴۸

خصوصیت نمبر ۴..........۱۵۵

رسولِ اکرم ﷺ کا نام تخلیق کائنات سے دو ہزار برس پہلے رکھا گیا

چوتھی خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں..........۱۵۶

خصوصیت نمبر ۵..۱۵۷

رسولِ اکرم ﷺ کا اسم محمدؐ ہر لمحے اللہ کے نام کے ساتھ کرۂ ارض پر گونجتا رہتا ہے

پانچویں خصوصیت کی وضاحت..۱۵۸

چاند پر اسمِ محمد ﷺ کی گونج..۱۶۰

خصوصیت نمبر ۶..۱۶۱

رسولِ اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے روزِ اوّل ہی سے آپ کی آمد کی بشارتیں دی گئیں

چھٹی خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں..۱۶۲

رسولِ اکرم ﷺ کی بابت بائبل سے بشارات..۱۶۴

رسولِ اکرم ﷺ سے متعلق تورات کی بشارتِ اوّل..۱۶۸

رسولِ اکرم ﷺ سے متعلق تورات کی بشارتِ دوم..۱۷۰

رسولِ اکرم ﷺ سے متعلق تورات کی بشارت سوم..۱۷۱

رسولِ اکرم ﷺ سے متعلق انجیل یوحنا سے بشارتِ چہارم..۱۷۲

خصوصیت نمبر ۷..۱۷۵

رسولِ اکرم ﷺ بچپن میں چاند سے باتیں کیا کرتے تھے

ساتویں خصوصیت کی وضاحت..۱۷۶

خصوصیت نمبر ۸ .... ۱۷۷

رسولِ اکرم ﷺ کا شجرہ نسب مکمل محفوظ ہے

آٹھویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں ۱۷۸

رسولِ اکرم ﷺ کا شجرہ نسب عدنان تک ۲۰۳

آباءالعظام ۲۰۳

اُمہات العظام ۲۰۴

رسولِ اکرم ﷺ کا شجرہ نسب حضرت اسماعیلؑ تک ۲۰۴

رسولِ اکرم ﷺ کا سلسلہ نسب حضرت آدمؑ تک ۲۰۶

حصہ سوم ۲۰۶

خصوصیت نمبر ۹ .... ۲۰۷

رسولِ اکرم ﷺ کے بعض اعضاء مبارک کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا

نویں خصوصیت کی وضاحت قرآنِ کریم کی روشنی میں ۲۰۸

خصوصیت نمبر ۱۰ .... ۲۱۰

رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت تمام انبیاء اور تمام امتوں کے لئے ہے

دسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۲۱۰

خصوصیت نمبر ۱۱ .... ۲۱۴

رسولِ اکرم ﷺ کی دعا سے سورج غروب ہونے کے بعد دوبارہ طلوع ہوا

گیارہویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں..........۲۱۵

خصوصیت نمبر۱۲..........۲۱۶

رسول اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے خود کثرت سے درود پڑھنے کا خصوصی حکم فرمایا

بارہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..........۲۱۷

درود وسلام کا حکم..........۲۱۸

صلوٰۃ وسلام کے معنی..........۲۱۹

صلوٰۃ وسلام کا طریقہ..........۲۲۰

صلوٰۃ وسلام کے مذکورہ طریقہ کی حکمت..........۲۲۲

صلوٰۃ وسلام کے احکام..........۲۲۲

صلوٰۃ علی النبی ﷺ کا مطلب اور ایک اشکال کا حل..........۲۲۳

درود شریف کی عظمت واہمیت..........۲۲۴

درود وسلام کے بارے میں فقہاء کے مسالک..........۲۲۵

درود شریف کی امتیازی خاصیت..........۲۲۶

درود وسلام کا مقصد..........۲۲۷

درود وسلام کی خاص حکمت..........۲۲۸

احادیث مبارکہ میں درود وسلام کی ترغیبات اور فضائل وبرکات..........۲۲۸

رسول اکرم ﷺ پر درود پڑھنے کا انعام..........۲۳۰

آپ ﷺ کے ذکر کے وقت بھی درود پاک سے غفلت کرنیوالوں کی محرومی اور ہلاکت..........۲۳۳

مسلمانوں کی کوئی نشست ذکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبی ﷺ سے خالی نہ ہونی چاہیے..........۲۳۵

درود شریف کی کثرت قیامت میں رسول اکرم ﷺ کے خصوصی قرب کا وسیلہ..........۲۳۶

اگر کوئی اپنے مقصد کے لئے دعاؤں کی جگہ بھی درود ہی پڑھے تو اُسکے سارے مسائل غیب سے حل ہونگے..........۲۳۷

درودشریف دُعا کی قبولیت کا وسیلہ..........۲۴۰

دنیا میں کہیں بھی درود بھیجا جائے، رسول اکرم ﷺ کو پہنچتا ہے..........۲۴۱

درود پاک سے متعلق چند آداب..........۲۴۴

مکمل درود نہ لکھنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی ناراضگی..........۲۴۵

درود پاک نہ لکھنے کی سزا..........۲۴۶

آپ ﷺ نے رخ پھیرلیا..........۲۴۶

درود پاک کے ممنوع مقامات..........۲۴۷

درود پاک کے متعلق چند مسائل..........۲۴۷

درود پاک کے مواقع..........۲۴۹

درود کی برکات..........۲۵۳

درودشریف کی حکمت..........۲۵۶

درود وسلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے..........۲۵۷

درود وسلام کے فضائل..........۲۵۷

درود پاک کے چند مخصوص صیغے اوران کے فضائل..........۲۶۰

درودِ غنا..........۲۶۰

درود جام حوض کوثر..........۲۶۱

درود تلافی صدقہ وخیرات..........۲۶۱

بہترین درود..........۲۶۲

درود برائے دفع جملہ مصائب و پریشانی وقضاء حاجات..........۲۶۳

درود دفع امراض مہلکہ..........۲۶۳

درودِ مکیال اوفی.......................................۲۶۴

درود پاک کی برکت سے طاعون ہیضہ وغیرہ کی بلاؤں سے حفاظت.......................۲۶۴

وہ درود پاک جس کی وجہ سے نبی ﷺ اور صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان جگہ ملی.......................۲۶۵

وہ درود جس کا ثواب ایک ہزار دن تک.......................................۲۶۵

وہ درود جس کا ثواب ستر فرشتے لکھیں گے.......................................۲۶۵

درودِ زیارت.......................................۲۶۵

درود شفاعت.......................................۲۶۷

ہر فرض نماز کے بعد درود شریف.......................................۲۶۹

درود امام شافعیؒ.......................................۲۷۰

بعض اوقات کے مخصوص فضائل.......................................۲۷۱

نماز پنجگانہ کے بعد درود پر آپ ﷺ کے اکرام کا ایک واقعہ.......................................۲۷۱

درود بوقت نوم (نیند).......................................۲۷۲

دعا و درودِ رکوب (سواری).......................................۲۷۲

صبح و شام درود.......................................۲۷۳

صبح و شام دس مرتبہ درود کی فضیلت.......................................۲۷۳

پچاس مرتبہ کی فضیلت.......................................۲۷۳

سو (۱۰۰) مرتبہ درود پڑھنے کی فضیلت.......................................۲۷۴

ہر دن سو (۱۰۰) مرتبہ درود کی فضیلت.......................................۲۷۴

سو مرتبہ درود کے معمول کی وجہ سے آپ ﷺ کا سلام.......................................۲۷۵

ایک ہزار مرتبہ درود پڑھنے کی فضیلت.......................................۲۷۵

جمعہ کے دن درود کی فضیلت اور اس کا حکم.......................................۲۷۵

جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھنے کا حکم.......................................۲۷۶

جمعہ کے درود کا ثواب ستر (۷۰) گنا زائد......۲۷۶
حضرات صحابہ کرامؓ کا جمعہ کے دن کثرت درود کا معمول......۲۷۷
جمعہ کی فضیلت اور درود کی تاکید......۲۷۷
جمعہ کے درود کے لئے ایک خاص فرشتہ مقرر......۲۷۸
جمعہ کے دن درود قضائے حاجات کا باعث......۲۷۸
جمعہ کے درود سے شفاعت اور شہادت......۲۷۹
جمعہ کے دن حضرات ملائکہ کا خاص اہتمام......۲۷۹
شب جمعہ میں درود شریف کے فضائل......۲۷۹
شب جمعہ میں درود کی فضیلت اور تاکید......۲۸۰
جمعرات کی شام سے ہی درود کا اہتمام......۲۸۱
یوم جمعہ کے بعض اہم درود......۲۸۱
اسّی (۸۰) سال کے گناہ معاف......۲۸۱
درود شب جمعہ......۲۸۲
سات جمعہ کو سات دفعہ پڑھنے کی فضیلت......۲۸۲
جمعہ کے دن عصر کے بعد درود کی فضیلت......۲۸۲
جمعہ کے دن سو (۱۰۰) مرتبہ درود کی فضیلت......۲۸۳
آپ ﷺ کی جان سے سلام مبارک کا تحفہ......۲۸۳
جمعہ کے دن ۸۰ مرتبہ درود کی فضیلت......۲۸۴
جمعہ کے دن ایک ہزار درود کی فضیلت......۲۸۴
دنیا میں آزادی جہنم کا پروانہ......۲۸۵

خصوصیت نمبر۱۳..........۲۸۶

رسولِ اکرم ﷺ کو معراج کی عظیم سعادت حاصل ہوئی

تیرہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..........۲۸۷

معراج کی وضاحت قرآن کریم کی روشنی میں..........۲۸۸

معراج کی رات بُراق پر سوار کر بیت المقدس کا سفر..........۲۹۰

معراج کی رات حضور ﷺ کا انبیاء کرام کی امامت کرنا..........۲۹۲

معراج کی رات انبیاء کی حمد وثناء..........۲۹۳

تحمید ابراہیمی علیہ السلام..........۲۹۳

تحمید موسوی علیہ السلام..........۲۹۳

تحمید داوٗدی علیہ السلام..........۲۹۳

تحمید سلیمانی علیہ السلام..........۲۹۴

تحمید عیسوی علیہ السلام..........۲۹۴

تحمید محمدی ﷺ..........۲۹۵

معراج سے متعلق صحیح بخاری میں تفصیل..........۲۹۶

معراج میں بیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا ملاحظہ فرنا..........۲۹۷

معراج کی رات پچاس نمازوں کا فرض ہونا..........۲۹۸

معراج کی رات نمازوں کے علاوہ دیگر دو انعام کا ملنا..........۳۰۰

معراج میں دیدارِ الٰہی اور کلام اور عطائے احکام..........۳۰۱

معراج سے واپسی پر قریش کی تکذیب اور ان پر حجت قائم ہونا..........۳۰۶

معراج کے سفر کے بعض مشاہدات..........۳۰۹

معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا..........۳۰۹.

معراج کی رات ایسے لوگوں پر گزرنا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے...... ۳۱۰
معراج کی رات ایسے لوگوں پر گزرنا جو اپنے سینوں کو ناخن سے چھیل رہے تھے......... ۳۱۰
معراج کی رات سُود خوروں کی بدحالی دیکھنا......... ۳۱۰
معراج کی رات فرشتوں کا پچھنا لگانے کے لئے تاکید کرنا......... ۳۱۱
معراج کی رات مجاہدین کے اجر کو ملاحظہ کرنا......... ۳۱۱
معراج کی رات ایسے لوگوں پر گزرنا جن کے سر پتھروں سے کچلے جارہے تھے......... ۳۱۱
معراج کی رات زکوٰۃ نہ دینے والوں کی بدحالی ملاحظہ کرنا......... ۳۱۲
معراج کی رات سڑا ہوا گوشت کھانے والے لوگوں پر گزرنا......... ۳۱۲
معراج کی رات لکڑیوں کا بڑا گٹھا اٹھانے والے کو ملاحظہ کرنا......... ۳۱۲
معراج کی رات ایک بیل کا چھوٹے سوراخ میں داخل ہونے کی کوشش کرنا......... ۳۱۳
معراج کی رات جنت کی خوشبو کا پانا......... ۳۱۳
معراج کی رات دوزخ کی آواز سننا......... ۳۱۳
معراج کی رات ایک شیطان کا پیچھے لگنا......... ۳۱۳
معراج شریف سے متعلق فوائد واسرار......... ۳۱۴
معراج کی رات براق کیا تھا اور کیسا تھا؟......... ۳۱۶
معراج کی رات بُراق کی شوخی اور اس کی وجہ......... ۳۱۶
معراج کی رات پہلے آسمان پر داروغۂ جہنم سے ملاقات ہونا اور جہنم کا ملاحظہ کرنا......... ۳۱۸
عراج کی رات دُودھ، شہد اور شراب کا پیش کیا جانا اور آپ ﷺ کا دُودھ کو لے لینا......... ۳۲۱
معراج کی رات جنت میں داخل ہونا اور نہر کوثر کا ملاحظہ کرنا......... ۳۲۲
معراج کی رات حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ملاقات روحانی تھی یا اجسام کے ساتھ تھی......... ۳۲۲
معراج کی رات آسمانوں میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے جو ملاقاتیں ہوئیں ان کی

ترتیب کے بارے میں کیا حکمت ہے؟............................۳۲۳
معراج کی رات نمازوں کی تخفیف کا جو سوال کیا تو پانچ نمازیں رہ جانے پر آگے سوال نہ کرنے کی حکمت............................۳۲۶
معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا اور رشک کرنا............................۳۲۷
معراج کی رات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز کم کرانے کی ترغیب کیوں نہیں دی؟....۳۲۸
معراج کی رات سونے کے طشت میں زمزم سے قلب اطہر کا دھویا جانا............................۳۲۹
معراج سے متعلق ملاحدہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات............................۳۳۵
معراج کا واقعہ اور جدید سائنسی حقائق............................۳۳۷
معراج جسمانی تھی یا روحانی، خواب تھا یا بیداری............................۳۴۲
معراج میں کیا آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا؟............................۳۵۵
معراج میں آپ ﷺ کے دیدارِ الٰہی سے متعلق ایک آیت مبارکہ کی تفسیر............................۳۵۷
معراج میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا یا نہیں؟ مزید وضاحت............................۳۶۰

خصوصیت نمبر ۱۴............................۳۶۹

رسولِ اکرم ﷺ کی احادیث کی سندات مکمل محفوظ ہیں

چودہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں............................۳۷۰

خصوصیت نمبر ۱۵............................۳۷۴

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سب سے محبوب کتاب عطا فرمائی

پندرہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں............................۳۷۵
رسولِ اکرم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے............................۳۷۶

قرآن کی ضرورت..۳۷۸

قرآن کے علوم..۳۸۰

قرآن کی عام قبولیت..۳۸۹

قرآن کی تعلیم وتاثیر کا نمونہ..۳۹۰

قرآن کی فصاحت وبلاغت..۳۹۲

نظم قرآن کا اسلوب بدیع..۴۰۳

قرآن کریم کے معانی عالیہ ومضامین نادرہ..۴۰۷

قرآن کی عظیم تاثیر..۴۰۹

قرآن کریم کی خصوصیات..۴۱۹

خصوصیت نمبر ۱ تعلیم قرآن پاک کا کل عالم کے لیے وسیع اور عام ہونا..۴۱۹

خصوصیت نمبر ۲ قرآن مبین کی تعلیم کا جامع ہونا..۴۲۰

خصوصیت نمبر ۳ علوم اخروی وعلوم عقل..۴۲۰

خصوصیت نمبر ۴ سب کو اپنے فیض سے یکساں مستفیض بنانا..۴۲۱

خصوصیت نمبر ۵ قرآن کسی صداقت کی تکذیب کا ارادہ بھی نہیں رکھتا..۴۲۱

خصوصیت نمبر ۶ ایک ممتاز خصوصیت..۴۲۲

خصوصیت نمبر ۷ اس کا پیش کرنے والا شخص واحد ﷺ ہے..۴۲۲

خصوصیت نمبر ۸ اس کا اسلوب کلام نہایت شستہ ومہتاب ہے..۴۲۴

خصوصیت نمبر ۹ آپ پر نازل ہونے والا قرآن مجید ہمیشہ محفوظ رہے گا..۴۲۵

وعدہ کی وقعت اور حفاظت قرآن کی عظمت..۴۲۵

خصوصیت نمبر ۱۰ آپ ﷺ پر نازل ہونے والے قرآن کریم کی نظیر کوئی نہ بنا سکے گا..۴۳۲

خصوصیت نمبر ۱۱ آپ ﷺ پر نازل ہونے والا قرآن مجید حفظ یاد رکھا جائے گا..۴۳۳

خصوصیت نمبر ۱۲ آپ ﷺ پر نازل ہونے والے قرآن مجید کو حفظ کر لینا آسان ہوگا..۴۳۴

قرآن کریم کے کچھ عظیم فضائل..........۴۳۴
آیۃ الکرسی کا اہتمام جنت میں لے کر جائے گا..........۴۳۵
سورۃ الملک جنت میں لے کر جائے گی..........۴۳۵
سورت اخلاص کی محبت جنت میں لے کر جائے گی..........۴۳۶
صاحب قرآن کا مقام ومرتبہ..........۴۳۶
تلاوت کرنے والوں سے وفات کے بعد فرشتوں سے ملاقات..........۴۳۶
قرآن پڑھنے سے فرشتوں کی معیت..........۴۳۷
سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت..........۴۳۹
سورۂ بقرہ اور آل عمران کی فضیلت..........۴۳۹
آیۃ الکرسی کی فضیلت..........۴۴۰
فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی کی فضیلت..........۴۴۱
سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات رات کو پڑھنے کی فضیلت..........۴۴۱
ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھنے سے کبھی فاقہ نہ ہوگا..........۴۴۲
سورۃ الفاتحہ کی فضیلت..........۴۴۴
سورۂ یٰسین کی فضیلت..........۴۴۴
سوۂ کہف کی فضیلت..........۴۴۵
دو سورتیں عذاب قبر سے بچانے والی..........۴۴۵
سورۃ الحشر کی آخری تین آیتوں کی فضیلت..........۴۴۶
سورۂ اخلاص کی فضیلت..........۴۴۷
سورۂ الہٰکم التکاثر کی فضیلت..........۴۴۷
قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی فضیلت..........۴۴۸
جمعہ کے دن سورۂ کہف کے فضائل..........۴۴۹

نماز جمعہ کے بعد سورۂ اخلاص اور معوذتین کے فضائل......۴۵۰

خصوصیت نمبر ۱۶......۴۵۱

رسولِ اکرم ﷺ باعث تخلیق کائنات بن کر تشریف لائے

سولہویں خصوصیت کی وضاحت......۴۵۲

محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا......۴۵۳

خصوصیت نمبر ۱۷......۴۵۴

رسولِ اکرم ﷺ کے اسم مبارک پر نام رکھنا دنیا و آخرت میں برکت ونجات کا ذریعہ ہے

سترہویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں......۴۵۵

آپ ﷺ کے اسم مبارک کی برکت واقعات کی روشنی میں......۴۶۲

خصوصیت نمبر ۱۸......۴۶۷

رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت، زندگی، شہر اور آپؐ کے زمانے کی اللہ نے قسم کھائی

اٹھارہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن کی روشنی میں......۴۶۸

خصوصیت نمبر ۱۹......۴۶۹

رسولِ اکرم ﷺ کا نام ہی آپؐ کی خصوصیت کا مظہر ہے

انیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں......۴۶۹

خصوصیت نمبر۲۰..۴۷۶

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کبھی نام لے کر مخاطب نہیں کیا جبکہ دیگر انبیاء کا نام لیکر خطاب کیا

بیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..........................۴۷۷

امتیازی تخاطب جس میں کوئی شریک نہیں..۴۸۱

خصوصیت نمبر۲۱..۴۸۹

رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لانے کا وعدہ تمام انبیاء سے عالم ارواح میں لیا گیا

اکیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..........................۴۹۰

میثاق سے کیا مراد ہے اور یہ کہاں ہوا..۴۹۱

خصوصیت نمبر۲۲..۴۹۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تاریخ انسانی کا سب سے افضل انسان بنایا

بائیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..........................۴۹۵

رسولِ اکرم ﷺ کے افضل المخلوقات ہونے سے متعلق چند روایات......................۴۹۶

پہلی روایت..۴۹۶

دوسری روایت..۴۹۷

تیسری روایت..۴۹۷

چوتھی روایت..۴۹۷

پانچویں روایت..۴۹۷

چھٹی روایت..۴۹۸

ساتویں روایت..۴۹۹
رسولِ اکرم ﷺ کے افضل الخلوقات ہونے سے متعلق چند دلائل..............۴۹۹
پہلی دلیل..۴۹۹
دوسری دلیل..۵۰۰
تیسری دلیل..۵۰۰
چوتھی دلیل..۵۰۰
پانچویں دلیل..۵۰۱
چھٹی دلیل..۵۰۱
ساتویں دلیل..۵۰۱
آٹھویں دلیل..۵۰۲
رسولِ اکرم ﷺ کی فضیلت تمام انبیاء اور آسمان والوں پر..............۵۰۲
رسولِ اکرم ﷺ کی اونچی شان..۵۰۴

خصوصیت نمبر۲۳..۵۰۷

رسولِ اکرم ﷺ کا دفاع اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا جبکہ دیگر انبیاء اپنا دفاع خود فرماتے تھے

تیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..............۵۰۸

خصوصیت نمبر۲۴..۵۱۴

رسولِ اکرم ﷺ قیامت کے دن تمام بنی آدمؑ کے سردار ہونگے

چوبیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..............۵۱۴

خصوصیت نمبر ۲۵..۵۲۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وہ بن مانگے عطا کیا جو دیگر انبیاء کو مانگنے سے عطا کیا

پچیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..........................۵۲۳

ماخذ ومراجع..۵۲۶

مؤلف کی چند دیگر کتب..۵۴۲

انتساب

حضور سرورِ کائنات، فخرِ مجسم، شافعِ محشر، ساقی کوثر حضرت محمد عربی مصطفیٰ ﷺ کے نام،
جو باعثِ تخلیقِ کائنات بن کر دنیا میں تشریف لائے اور اپنی ضوفشانیوں سے دنیا کے گھٹا
ٹوپ اندھیروں کو اجالوں سے روشن کر گئے۔

رخِ مصطفیٰ کو دیکھا تو دیوں نے جلنا سیکھا
یہ کرم ہے مصطفیٰ کا کہ شبِ غم نے ڈھلنا سیکھا
یہ زمیں رکی ہوئی تھی یہ فلک تھما ہوا تھا
چلے جب مرے محمد تو دنیا نے چلنا سیکھا

محمد ہارون معاویہ

عرضِ مؤلف

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب وخلیل حضرت محمد ﷺ کے بے شمار فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں اور انہیں زینت رحمت سے مزین فرمایا ہے گویا کہ آپ ﷺ سراسر رحمت ہیں، آپ ﷺ کی جملہ صفات وفضائل تمام مخلوقات کے لئے باعث رحمت ہیں، آپ ﷺ کی زندگی عین رحمت اور آپ ﷺ کا رفیق اعلیٰ سے ملنا عین رحمت ہے، الغرض آپ ﷺ جن وانس کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا شہرہ بلند فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ورفعنا لک ذکرک ”اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔“

اللہ کی قسم! بالکل ایسا ہی ہوا، دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا خوب چرچا فرمایا، دنیا میں کوئی خطیب، واعظ اور نمازی ایسا نہیں ہے جو اللہ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام نہ لیتا ہو اور اشهد ان لا اله الا الله کے ساتھ اشهد ان محمدا رسول الله نہ کہتا ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں سے دو مبارک نام رؤف اور رحیم اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رءوف رحیم ”دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایسا رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو ایسی دل ربا شکل وصورت سے نوازا جو رعنائی وزیبائی میں بے مثل اور انتہائی حسین وجمیل ہے اور اس سے پہلے یا بعد میں کوئی بھی اس حسن وجمال میں آپ ﷺ کا شریک وسہیم نہیں۔ چنانچہ خوبصورتی کی جملہ صفات میں سے وافر حصہ آپ ﷺ کو عطا کیا گیا اور دل ربائی کی جملہ اداؤں میں آپ ﷺ کو شریک کیا گیا حتیٰ کہ مختلف قسموں کا ذوق جمالیات رکھنے والے اگر آپ ﷺ کے رخ انور کو دیکھیں تو آپ ﷺ کی ہر ادا اور ہر پہلو میں اپنے لئے سامان طمانیت پائیں اور کوئی بھی زاویہ ان کے ذوق پر گرانی کا باعث نہ ہو۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک بے شمار انبیاءؑ بھیجے، ان میں اکثر انبیاءؑ وہ ہیں جن کے حالات تو کیا ہمیں ان کے نام بھی معلوم نہیں ہیں، قرآن کریم میں صرف پچیس انبیاء کرامؑ کے نام آئے ہیں۔

ان انبیاء کے نام اور حالات معلوم نہ ہونے کے باوجود ہم مسلمان ان تمام انبیاءؑ کا احترام کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے منتخب بندے تھے، وہ اپنے وقت کے سب سے بہتر، سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ انسان تھے۔ ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی، ان میں سے کسی کو کتاب اور کسی کو صحیفہ عطا کیا گیا، انہیں مختلف معجزات عطا کئے گئے۔ انہیں عزت وعظمت سے سرفراز کیا گیا۔ ہم ان سب باتوں کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بعض ایسی چیزیں بھی تھیں جو صرف ہمارے آقا ﷺ کے ساتھ خاص تھیں۔

چنانچہ انبیاء ورسلؑ کی اس مقدس جماعت میں جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو سینکڑوں امتیازی خصوصیات حاصل ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے "خصائص کبریٰ" میں اڑھائی سو کے قریب حضور ﷺ کے خصائص جمع کئے ہیں ان سب کی تفصیل بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم دفتر درکار ہے۔ اسی طرح دیگر اور بھی کتابیں اس عظیم موضوع پر لکھی گئیں لیکن عربی زبان میں۔

حضور سرور کائنات ﷺ کی سیرت کے اس عظیم گوشے کے بارے میں چونکہ اب تک اردو زبان میں ہماری معلومات کے مطابق مستقل کوئی کتاب ترتیب نہیں دی گئی تھی، اس لئے عرصے سے اس ضرورت کو محسوس کیا جارہا تھا، چنانچہ بندے کے ایک قریبی دوست مولانا محمد عمران سردار صاحب نے اس موضوع کی طرف توجہ دلائی کہ اس عظیم الشان موضوع پر کچھ کام ہوجائے تو ایک سعادت کی بات ہوگی، محترم موصوف کا مشورہ دل کو لگا، لہٰذا اسی وقت بندے نے اللہ رب العٰلمین کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اس عظیم سعادت کے حاصل کرنے کا عزمِ مصمم کرلیا اور اپنی طاقت کی بقدر سیرت کے عنوان پر لکھی جانے والی چھوٹی بڑی تقریباً ساری کتب کو خریدا، اور شب وروز کی محنت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قدر مواد جمع ہوگیا کہ جو چار جلدوں کی ضخامت تک پہنچ گیا، اور بحمد اللہ اس طرح سیرت النبی ﷺ کا یہ عظیم باب چار ضخیم جلدوں میں آپ تک پہنچانے کی سعادت حاصل ہوئی، جس میں حضور ﷺ کی چیدہ چیدہ سو

خصوصیات کو مرتب کیا گیا یعنی ہر جلد میں پچیس خصوصیات شامل کی گئیں۔

یہ عظیم کتاب اب سے کئی مہینوں قبل آپ کے ہاتھوں تک پہنچ جاتی لیکن تاخیر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جذبہ پیدا ہوا کہ کیوں نہ ایسا ہو جائے کہ اس مقدس کتاب کا کچھ کام صاحبِ خصوصیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقدس شہر مدینۃ المنورہ میں روضۂ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر کیا جائے، چنانچہ اللہ رب العٰلمین نے فضل فرمایا اور رمضان المبارک میں عمرے کی سعادت حاصل ہوئی، تو چونکہ اس وقت تک یہ چاروں جلدوں کی کمپوزنگ ہو چکی تھی، لہٰذا بندے نے سفر میں چاروں جلدوں کا ایک پروف اپنے ساتھ رکھ لیا، اور مسلسل تقریباً ۱۲ دن تک شب و روز روضۂ رسول کے سائے میں بیٹھ کر کتاب کو آخری ترتیب دی، یعنی کچھ کانٹ چھانٹ ہوئی، کچھ مزید اضافے ہوئے، کہیں کہیں کچھ وضاحت یا تمہیدات کی ضرورت محسوس ہوئی تو اسے پورا کیا گیا، اور مزید اس مقدس جگہ کی روحانیت کے نتیجے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالا اسے بھی ترتیب دیا، الغرض اس کتاب کی آخری مکمل ترتیب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے روضۂ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر مرتب کی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ہوا، ورنہ "من آنم کہ من دانم" بہر حال اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کا کروڑوں بار شکر ادا کروں تو بھی کم ہے۔

اور اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کو مرتب کرنے میں بھی میرا کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ یہ نہ تو میری تصنیف ہے اور نہ ہی تحقیق، لاشک یہ سب کچھ اکابرین کی کتب سے استفادے کے بعد ترتیب دیا گیا مواد ہے، اور اس بات کا میں کھلے دل سے اقرار کرتا ہوں، تاکہ کسی محترم کے دل میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے بدگمانی پیدا نہ ہو، ہاں البتہ اس عاجز نے شب و روز محنت کر کے 300 سے زائد کتابوں کے ہزاروں صفحات کو بار بار کھنگالا اور مختلف کتابوں میں بکھری خصوصیات کو یکجا کیا، مشکل الفاظ کو جدید اسلوب میں ڈھالنے کی کوشش کی، جدید دور کے نئے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نئی ذہنیت کے حامل مسلمانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش کی، اس کام کے لئے مجھے کس قدر باریک بینی اور شب و روز کی

محنت سے کام لینا پڑا، میرا علیم وخبیر خدائے وحدہٗ لاشریک اس سے بخوبی آگاہ ہے، اور بے شک میری نظر بھی اسی ذات پر ہے، اور اسی ذات سے اچھے بدلے کی امید ہے، کوئی قابلِ احترام دوست مجھ گنہگار کے بارے میں کچھ بھی کہے مجھے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے، پرواہ یا فکر تو تب ہو کہ دنیا والوں سے بدلے کی امید وابستہ ہو، بس میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے اس کے بعد اور کچھ نہیں چاہیے۔

اور اسی طرح اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جیسا کہ چاروں جلدوں میں بھی جا بجا یہ وضاحت کی گئی ہے کہ خصوصیاتِ مصطفیٰ کو لکھنے کا مقصد نعوذ باللہ دیگر انبیاء کرامؑ کی تنقیص نہیں ہے اور نہ ان کے مقام ومرتبے کو کم کرنا مقصد ہے بلکہ نیت صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری نبی ﷺ کو جو مقام ملا ہے امت کے سامنے اسے اجاگر کیا جائے اور امت کو تعلیماتِ نبوی ﷺ کی طرف آنے کی دعوت دی جائے بے شک جب امت اپنے نبی ﷺ کے مقام ومرتبے کو سمجھے گی تو ان کے دل میں اپنے نبی ﷺ کی محبت پیدا ہوگی اور اپنے نبی ﷺ کی سنتوں پر چلنا آسان ہوگا کیونکہ امت کے ہر فرد کی فلاح وکامرانی اب صرف اور صرف محمد مصطفیٰ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہے، لہٰذا ذہن میں رہے کہ اگر خدانخواستہ کسی کے دل میں دیگر انبیاء کرامؑ سے متعلق ادنیٰ سا بھی منفی خیال آیا تو اس کا ایمان اس کے پاس باقی نہیں رہے گا، اور یہ بات کوئی اپنی طرف سے نہیں کہی جارہی بلکہ خود خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات میں اس کی تلقین کی گئی ہے، جیسا کہ مختلف مقامات پر تفصیل آپ ملاحظہ فرماتے رہیں گے ان شاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! بندۂ عاجز کی یہ کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے، اگر کچھ اچھا لگے تو اس گنہگار کی آخرت کی کامیابی کے لئے دعائے خیر کے دو بول ادا کر دیجئے گا، اور اگر کچھ خامی یا کمزوری نظر آئے تو برائے مہربانی ایک کمزور اور ناقص سا مسلمان سمجھتے ہوئے معاف کر دیجئے گا اور اگر رہنمائی ہو جائے تو ایک بہت بڑا احسان ہوگا، آپ کے مشوروں کا دلی خیر مقدم ہے کیونکہ بندہ رہنمائی اور مشوروں کا طالب اور پیاسا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اور اب ضروری ہے کہ اپنے ان تمام مہربانوں کا شکریہ ادا کروں کہ جن حضرات نے مجھے مشورے دیئے، میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی، جن میں سرِ دست میرے استاذِ محترم میری

مادرِ علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے قدیم استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ ہیں کہ استاذ محترم نے اس کتاب کے لئے گراں قدر تقریظ تحریر فرما کر مجھ عاجز کے سر پر دست شفقت رکھا۔

اسی طرح شکریہ ادا کرتا ہوں استاذ محترم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی کا کہ حضرت استاذ محترم نے باوجود شدید مصروفیات کے بندے پر شفقت فرماتے ہوئے تقریظ تحریر فرمائی۔

اور میرے مشفق استاذ کہ جن کی شفقت کے سائے تلے میں نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی میں آٹھ سال کے شب وروز گزارے، استاذ الحدیث اور ناظم تعلیمات جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی حضرت استاذ العلماء مولانا عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ حضرت استاذ صاحب نے بھی اس کتاب کے حوالے سے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور قیمتی مشورے دیئے۔

اور اسی طرح استاذ الحدیث دارالعلوم کورنگی کراچی حضرت استاذ العلماء مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، کہ حضرت مدظلہ نے میرے اس کام کو خوب پسند فرمایا، میری حوصلہ افزائی فرمائی اور بہت سے اچھے اچھے مشورے بھی دیئے، اور اسی طرح میں خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ کا کہ جنہوں نے میری گزارش پر ایک جامع اور مانع تقریظ تحریر فرمائی اور بہت سی باتوں کی بڑے اچھے انداز میں وضاحت فرمائی، اور بہت سے قیمتی مشورے بھی دیئے۔

اسی طرح شکریہ ادا کرنا ضروری ہے برادرِ کبیر جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے فاضل، مشہور خطیب اور ایک رسالے کے مدیر حضرت مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب کا کہ جنہوں نے میری کتاب کے لئے تقریظ بھی تحریر فرمائی اور کتاب شروع کرنے سے لے کر آخر تک وقتاً فوقتاً ان کے مشورے بھی میرے شاملِ حال رہے، علاوہ ازیں

مفتی صغیر احمد صاحب، مفتی عمر انور بدخشانی صاحب، مفتی وقاص احمد صاحب، مولانا محمد سفیان بلند صاحب مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا عبداللہ صاحب شیخ الحدیث "مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میر پور خاص مکتبہ یوسفیہ کے مالک برادر کبیر جناب حضرت مولانا محمد یوسف کھوکھر صاحب استاذ الحدیث مدرسہ عربیہ قاسم العلوم اور مولانا محمد عمران سردار صاحب، استاذ مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، بے شک ان حضرات کا مجھ پر احسان ہے کہ مختلف موقعوں پر ان سے بھی مجھے مفید مشورے ملتے رہے اور ان کا تعاون میرے شامل حال رہا میری دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اساتذہ اور تمام پرخلوص معاونین کو دونوں جہانوں کی خوشیاں نصیب فرمائے، آمین۔

ان کے علاوہ بھی میں دیگر ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب سے لے کر کمپوزنگ اور کتاب کی اشاعت تک میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا، خصوصاً دارالاشاعت کراچی کے مالک جناب خلیل اشرف عثمانی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جو میری تمام کتابوں کو اہتمام کے ساتھ شائع کر کے میری حوصلہ افزائی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو دونوں جہانوں کی شادمانیاں نصیب فرمائے۔ آمین!

اور میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ قدسی میں دست بدعا ہوں کہ وہ ذات پاک اس کتاب کو میری پہلی کتابوں کی طرح مفید اور کارآمد بنادے اور ہم سب کو خلوص نیت کے ساتھ دین کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اور تمام قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ مجھے، میرے والدین، اساتذہ کرام کو اپنی خصوصی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، اور اگر آپ کو اس کتاب میں کوئی خامی اور کمزوری نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں آپ کا بہت شکریہ ہوگا۔ آپ کے ہر مشورے کا دلی خیر مقدم ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام　　　آپ کا خیر اندیش　　　محمد ہارون معاویہ

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

ساکن میر پور خاص سندھ

تقریظ

از حضرت استاذ العلماء مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت پر پہلی صدی ہجری سے لے کر گذشتہ چودہ صدیوں میں ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین ومقالات لکھے جاچکے ہیں، جن کا احاطہ کرنے کے لیے مستقل کتابیات اور فہرستیں تیار کی گئی ہیں، اگر اس پورے ادبیات سیرت کا اندازہ لگایا جائے تو شاید تاریخ انسانی میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں جس پر اس قدر اور ہمہ پہلو مواد تیار ہوا ہو، بلکہ یوں کہا جائے کہ سیرت کا موضوع محققین اور محبین وعاشقین کے لیے ایک مستقل میدان تحقیق وتصنیف بن گیا، خود متعلقات سیرت اس قدر متنوع اور وسیع ہیں کہ ان کا حاطہ کرنے کے لیے الگ کتابی جائزے کی ضرورت ہے، سیرت طیبہ کے ان مراجع ومصادر پر توجہ کریں تو ایک جہانِ سیرت اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے، سیرت نبوی کے ماخذ پر غور کیا جائے تو درج ذیل سولہ علوم وفنون اس کا سرچشمہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مقام پر اہم ہے:

۱۔ قرآن مجید ۲۔ کتب تفاسیر ۳۔ کتب تاریخ ۴۔ کتب شمائل نبویؐ ۵۔ کتب دلائل النبوۃ ۶۔ کتب شروح احادیث ۷۔ کتب احادیث، خطبات، مکاتیب، معاہدات، دستاویزات، ۸۔ کتب آثار واخبار ۹۔ اطلس وخرائط سیرت ۱۰۔ کتب نعت رسول ۱۱۔ کتب انساب ۱۲۔ کتب جغرافیہ عرب ۱۳۔ کتب تاریخ حرمین ۱۴۔ کتب اسماء رجال ۱۵۔ ادب عربی ۱۶۔ سفرنامہ حرمین

سیرت النبی کے مطالعے کا شوقین جب آگے بڑھ کر دیکھتا ہے تو اس موضوع پر

کتابوں کی کثرت اس کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ گذشتہ چودہ سوسال سے مسلسل لکھا جارہا ہے مگر ہنوز روزِ اول کا معاملہ محسوس ہوتا ہے اور یہ بذات خود امتیازات سیرت کا ایک حسین اور حیران کن باب ہے، رحمت عالم کی ذات وسیرت سراپا امتیاز ہے، صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے از خود پانچ درج ذیل امتیازات گنوائے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ ایسے امتیازات دیئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملے: (۱) ابھی ایک ماہ کی مسافت باقی ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے (۲) ساری روئے زمین میرے لئے اور میرے امتی کے لیے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے سو جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے (۳) غنیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا (۴) مجھے شفاعت کا حق عطا کیا گیا ہے (۵) پہلے انبیاء اپنی اقوام کے لیے خاص ہوا کرتے تھے، مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔

رسول اللہ کے خصائص وامتیازات پر عربی زبان میں کافی کتابیں ہیں جن میں امام جلال الدین سیوطیؒ کی "الخصائص الکبریٰ" اور حافظ ابن قیمؒ کی "زاد المعاد" سرفہرست ہیں، اس کے علاوہ ابونعیم اصبہانیؒ کی "دلائل النبوۃ" بھی اس موضوع پر مشہور کتابوں میں سے ہے، فارسی زبان کے مشہور شاعر اور صوفی بزرگ عالم مولانا جامیؒ نے فارسی میں "شواہد نبوت" کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی جس میں انہوں نے حضور ﷺ کے وہ امتیازی اوصاف جو حضور کی ذات مبارکہ میں پائے جاتے ہیں سات الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کئے ہیں، اردو زبان میں حضور ﷺ کی امتیازی خصوصیات وکمالات پر ایک مستقل اور مفصل کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی، اس کمی کو ہمارے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ہونہار نوجوان فاضل مولوی محمد ہارون معاویہ نے بخوبی پورا کیا اور انتہائی محنت کے بعد مختلف کتابوں سے مواد منتخب کر کے چار ضخیم جلدوں میں پیش کر دیا ہے، میں اس کتاب کا تفصیلی مطالعہ تو نہ کر سکا لیکن موضوع کی اہمیت کے پیش نظر امید ہے کہ کوئی قابل اعتراض بات اس میں نہ ہوگی، فاضل موصوف زمانہ طالب علمی سے ہی

جامعہ میں تقریری وتحریری سرگرمیوں میں پیش پیش رہے اور اب میر پور خاص میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، نیز اس سے قبل بھی مختلف موضوعات پر ان کی تقریباً تیرہ کتابیں زیب طبع ہو کر دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس محنت کو حضور ﷺ کے طفیل قبول فرمائے اور ہم سب کو آنحضرت ﷺ کی سیرت اور سنت پر چلنے والا بنائے، آمین۔

(حضرت استاذ العلماء مولانا) محمد انور بدخشانی (صاحب مدظلہ العالی)

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ

از استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی

نائب رئیس دارالافتاء واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

سیرت کا موضوع سدا بہار گلشن کی طرح ہے جس کا ہر پھول اپنی جگہ اہم ہے۔ یہ گل چین کا ذوق ہے کہ وہ کس پھول کو چنتا ہے۔ لیکن جو پھول چننے سے رہ جائے وہ ہرگز چنے ہوئے پھول سے غیر اہم نہیں۔ سیرت کا موضوع انتہائی متنوع ہے۔ قدیم وجدید، اپنے پرائے بہت سے محدثین نے اسے موضوع بحث بنایا ہے اور ہر مصنف نے اسے ایک نیا اسلوب دیا ہے۔ ''خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ'' ایسا موضوع ہے جس پر عربی میں بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، اور اردو میں اگرچہ سیرتِ نبوی ﷺ کا ذخیرہ عربی سے کسی طور پر کم نہیں۔ اور متفرق طور پر یہ موضوع کسی حد تک اس میں پایا جاتا ہے لیکن اسی موضوع پر یکجا طور پر قابلِ قدر ذخیرہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ عزیز محترم مولانا ہارون معاویہ زید علمہٗ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے چار ضخیم جلدوں میں تصنیف کر کے اردو کے دامن کو اس موضوع سے مالا مال کر دیا۔ کتاب کی اجمالی فہرست پیش نظر ہے۔ فہرست کے عنوانات سے موضوع پر جامعیّت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ عزیز موصوف نے بندہ ناچیز سے کچھ لکھنے کی فرمائش کی، بندہ لکھنے لکھانے کے فن سے نابلد ہے۔ پھر بھی صاحبِ خصوصیات ﷺ کی محبت کے تقاضے اور اس پر شفاعتِ مصطفوی ﷺ کے حصول کی امید پر چند سطور حوالہ قرطاس کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ عزیز موصوف کی اس کاوش کو قبول فرما کر ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت بنا دیں، (آمین)

(حضرت استاذ العلماء مولانا مفتی) عبدالمجید دین پوری (صاحب مدظلہ العالی)

نائب رئیس دارالافتاء واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

تقریظ

از حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ العالی

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

﴿الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مبارکا فيه مبارکا عليه كما يحب ربنا ويرضى والصلوٰة والسلام على حبيبه المصطفى ورسوله المجتبىٰ على اٰله وصحبه وعترته واهل بيته الاطهار الاتقياء وعلى كل من بهديهم اهتدىٰ. امابعد! فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم، بسم الله الرحمٰن الرحيم ومآ ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمين﴾ ترجمہ: اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔ (انوار البیان، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوق میں سب سے اعلیٰ وافضل شخصیتوں کے مالک ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں بھی فضل وکمال کے مختلف درجات رکھے ہیں بعضوں کو دوسرے بعض پر مختلف حیثیات میں فضیلت سے نوازا، بعض کو اولوالعزمی کا خاص اعزاز بھی عطا فرمایا پھر ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے فضائل وکمالات کو ایک ہستی میں یکجا فرمادیا، یہ ہستی مجمع فضل وکمال، سید الانبیاء، مقصود الخلائق، سید الکونین، اشرف الرسل، شفیع الامم، رحمۃ للعٰلمین، خاتم النبیین ﷺ کی ذات اطہر ہے، جو عالمگیر نبوت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔

عالمگیر نبوت آپ ﷺ کی منفرد خصوصیات میں سے اولین خصوصیت شمار ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ اپنی ذات اور صفات میں بے پناہ خصوصیات کے مالک ہیں جو منضبط

یا منتشر انداز میں تقریباً احادیث وسیرت کی ہر ہر کتاب میں موجود ہیں، تاہم باقاعدہ عنوان کے تحت میری ناقص معلومات کے مطابق اپنے موضوع کی جامع ومستند کتاب، نویں صدی ہجری کے مشہور مفسر ومحدث علامہ جلال الدین السیوطی (۸۴۹ھ۔۹۱۱ھ) نے ترتیب دی، جس میں آنحضرت ﷺ کی بڑی بڑی خصوصیات کو تقریباً ایک سو پچاس ابواب کے تحت ذکر فرمایا ہے، اس کتاب میں تتبع واستقراء کے طور پر چیدہ چیدہ وہ تمام خصوصیات ومعجزات تقریباً جمع فرمادیئے گئے ہیں جن میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی اور ہستی شریک نہیں، علامہ سیوطیؒ نے اس کتاب کا نام "کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب ﷺ" رکھا، جو بعد ازاں "الخصائص الکبری للسیوطی" کے نام سے مشہور ومتداول ہوئی، عرب وعجم کے مختلف مطابع متعدد بار اس عظیم کتاب کی اشاعت کا شرف حاصل کرچکے ہیں، اور مختلف بلاد میں مقامی زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے بھی ہوچکے ہیں۔

اس کتاب اور اس خاص موضوع کی وسیع پیمانے پر خدمت یہ بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیت وکرامت ہے، اسی کرامت وخصوصیت کا تسلسل کہیں یا مظہر، یہ زیر نظر مجموعہ بھی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس مجموعہ میں بھی علامہ سیوطیؒ کی پیروی واقتداء سے باوصف ہوتے ہوئے حضرت مصطفیٰ ﷺ کی ایک سو (۱۰۰) منفرد خصوصیات وامتیازات کو جمع فرمایا گیا ہے۔

یہاں پر روایت پسندی کے تناظر میں ممکن ہے یہ کہا جائے کہ علامہ سیوطیؒ کی خصائص کبریٰ جو اپنے اردو ترجمہ کے ساتھ بھی ہمارے ہاں دستیاب ہے تو اس عظیم کارنامہ پر مزید کسی اضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس حوالہ سے صرف اتنا کہہ دینا بھی کافی ہے کہ قرآن کریم اور سیرت طیبہ یہ دونوں ایسے موضوعات ہیں کہ ان موضوعات کی جس انداز سے جن پہلوؤں سے جتنی بھی خدمت کی جائے، وہ کافی وافی نہیں کہلاسکتی یہ بھی قرآن کریم اور حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت میں سے ہے۔

تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ حضور ﷺ کے خصائص پر عربی کتب کے اردو تراجم میں

سلاست وروانگی کی تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے، اس لئے اس موضوع پر سلیس ورواں انداز میں خدمت کی ضرورت زبان، لہجہ اور تعبیرات میں رونما ہونے والے تغیرات کی وجہ سے محسوس ہوتی رہے گی، موجودہ دور کی اسی ضرورت کے تحت ہمارے جامعہ کے ایک فاضل مولانا محمد ہارون معاویہ حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ تالیفی کوشش پیش فرمائی ہے۔

مولانا محمد ہارون صاحب بنوری ٹاؤن کے سابق طالب علم جواب فاضل کہلاتے ہیں، طالب علمی کے زمانہ میں جامعہ میں تقریر وبیان کے میدان کے شہسوار ہونے کی حیثیت سے شہرت وتعارف کے حامل رہے اور تقریری مقابلوں ومسابقوں میں سبقت سے ہمکنار ہوتے رہے ہیں، زمانہ طالب علمی ہی سے انہیں تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر سے بھی قلبی وعملی لگاؤ ہو چکا تھا فراغت کے بعد تحریری میدان میں بھی موصوف نے نہ صرف یہ کہ اپنی سابقہ نمایاں شناخت باقی رکھی بلکہ موجودہ دور کے کثیر التالیف مصنفین کی صف میں شامل ہو چکے ہیں، موصوف فراغت کے بعد چند ہی سالوں میں ایک درجن سے زائد کتابوں کی جمع وترتیب کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔

مولانا محمد ہارون معاویہ صاحب کی حالیہ تالیف ''خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

جس میں آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیات اور کمالات سے بحث فرمائی گئی ہے، کتاب کا مکمل مسودہ تو ہمارے سامنے نہیں ہے البتہ مؤلف موصوف نے مسودہ کی فہرست کے کچھ صفحات بطور تعارف کے پیش فرمائے تھے، فہرست کے مطالعہ سے اور خود مؤلف کی زبانی کتاب کا قدرے کفایت سے جو تعارف ہوا، اس سے کتاب کی افادیت، موضوع سے مناسبت اور امتیازی حیثیت واہمیت کا جو صحیح اندازہ ہوا وہی اس بات کا داعیہ بنا کہ آنحضرت ﷺ کے سیرت طیبہ کے امتیازی پہلو کی اس عظیم خدمت میں ہمارا بھی معمولی حصہ ہو جائے اور حضور ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے ﴿اللھم ابلغنا بغیتنا ،بمنزلتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لدیک﴾.

آنحضرت ﷺ کی امتیازی خصوصیات اور کمالات چونکہ اس کتاب کا موضوع ہے، اس لئے ایک اصولی بات کی یاددہانی بھی اس موقع پر نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اہل فضل وکمال میں سے کسی صاحبِ فضل وکمال کی خصوصیت اور امتیازی شان کو بیان کرنے میں اولاً تو "تقابل" کا انداز ہی اختیار نہیں کرنا چاہئے، اگر کسی ہستی کے درجہ ورتبہ کو تقابلی مثالوں ہی سے بیان فرمایا جارہا ہو تو پھر الفاظ وتعبیرات کا چناؤ ایسا ہونا ضروری ہے کہ کسی ہستی کی تفضیل وتکریم کسی دوسری ہستی کی تنقیص وتوہین کا مظہر نہ ہو، ورنہ یہ عملِ خیر اپنی اصلیت سے جدا ہو کر مواخذہ اخروی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذلک.

ہمارے مؤلف موصوف نے اس اصول پر کاربند ہونے کا بھرپور اطمینان دلایا ہے، اور ہمیں بھی موصوف کی گزشتہ کارکردگی کے تناظر میں احتیاط، ذمہ داری اور تیقظ کا حسن ظن ہے، اس حسنِ ظن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے قبل مؤلف موصوف نے اپنی ہر کتاب کے اصل مواد میں اپنی اختراعات اور تعبیرات سے زیادہ اپنی کتابوں کے مراجع وماخذ یعنی اسلاف کی کتابوں کے مواد پر انحصار کیا ہے جو یقیناً اعتماد اور استناد کی ضمانت کی حامل ہیں۔

اسلاف کی کتابوں پر انحصار میں مؤلف موصوف نے جس دیانت داری اور امانت داری کا ثبوت دیا ہے، اس سے مؤلف کی شخصیت اور ان کی تالیفی خدمات کو بھرپور اعتماد کا فائدہ حاصل ہوگا، انشاء اللہ، کیونکہ ہمارے اس دور میں اس نوعیت کے مرتبین ومؤلفین عام طور پر "سرقہ علمیہ اور علمی خیانت" جیسے القاب والزامات کے لئے بجا طور پر محل ومورد بنے ہوئے ہیں، جنہوں نے بزرگوں کی باتوں، واقعات اور حکایات بلکہ پورے کے پورے مضامین ومقالات کو اپنی تالیفات کے بھوکے پیٹ بھرنے کے لئے "من وعن" نقل کردینے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں فرمائی ہاں اتنا ضرور کیا کہ جہاں ان بزرگوں نے اپنایا اپنے بزرگوں کا نام ذکر کیا ہوا تھا وہاں ہمارے بعض جدید مؤلفین نے اپنا اور اپنے کسی بزرگ کا نام ڈال دیا یا پھر ضمائر اور متکلم کے صیغوں پر اکتفاء فرمالیا۔

چوری اور بددیانتی کی اس ناخوشگوار فضا میں اگر کوئی عالم دین، پوری امانت داری، دیانتداری، اور سچائی کے تقاضوں کے ساتھ کوئی تالیفی خدمت منظر عام پر لائے تو یقیناً وہ تحسین وتشجیع کا مستحق ہے، سیرت طیبہ کی خدمت سے ادنیٰ تعلق کے طمع کے بعد یہ دوسرا باعث ہے کہ یہ چند سطریں تحریر ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کے علم وعمل میں مزید برکت اور ترقی نصیب ہو، ان کی دینی خدمات کو ان کے لئے ان کے اساتذہ کرام اور والدین گرامی کے لئے ذخیرۂ آخرت اور وسیلہ نجات بنائے اور ہم سب کے لئے صراط مستقیم پر چلنا آسان فرمائے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں، بہت آسان ہے ہر عمل کی توفیق وقبولیت اسی کے پاس ہے۔﴿وصلى الله على النبى الكريم وعلى أله وصحبه اجمعين﴾

(حضرت مولانا مفتی) رفیق احمد بالاکوٹی (صاحب مدظلہ العالی)
استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ

محترم مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب مدظلہ العالی

ناظم اعلیٰ: معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ پر زمانہ نبوت سے اہل دانش واہل قلم اور زعماءِ امت مسلسل لکھتے آرہے ہیں، اور صبح قیامت تک لکھتے ہی رہیں گے، چونکہ بعد از خدا آمنہ کے در یتیم ہی کا مقام ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا۔ ؎

بعد از خدا بزرگ تو ہی قصہ مختصر

حال ہی میں ایک دانشور کی تحریر مطالعہ سے گزری جس میں موصوف نے سیرت مصطفیٰ ﷺ پر لکھی جانے والی کتب کی تعداد تین ہزار سے زائد بتائی ہے، جس میں پچاس کتابیں فقط نعلین مبارک سے متعلق ہیں، چنانچہ کئی کئی جلدوں پر مشتمل ضخیم کتابیں تاجدار مدینہ راحت قلب وسینہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت واخلاق حسنہ کی عکاسی کر رہی ہیں، آپ ﷺ کی سیرت پر تحریر شدہ کتب کی تعداد اسقدر زیادہ ہونے پر حیرت کی بات نہیں چونکہ آپ ﷺ کی سیرت کا طویل باب ہے جس کا بین ثبوت صدیقہ بنت صدیق اماں عائشہ کا فرمان ہے کہ پورا قرآن آپ کا اخلاق ہے۔

خدائے بزرگ وبرتر کے بعد سب سے اونچی ہستی اور اس دنیا کی آخری نسل تک کے لئے ہادی ورہبر سردار انبیاء، خاتم النبیین ﷺ ہیں جس کے روشن چہرے اور بکھری زلفوں کی قسمیں خود خالق ارض وسماء نے مقدس کلام میں اٹھائی ہیں یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز فرمایا کہ اے پیغمبر میں تمہیں وہ کچھ دوں گا کہ تو راضی ہوجائے گا، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز قرآن میں ورفعنا لک ذکرک فرما کر آپ ﷺ کا نام ہمیشہ کے لئے بلند وبالا کر دیا اور پھر آپ ﷺ کے نام کا چناؤ بھی ایسا ہوا کہ منکر بھی آپ ﷺ کا نام (محمدؐ) لے تو باعتبار معنی خود بخود آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف ہوجائے، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، ہاں یہ بھی آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ ساتوں آسمانوں پر حضرات انبیاءؑ نے آپ کا استقبال کیا، پھر آپ ﷺ کے لئے

عرش کے دروازے کھلے پھر آپ کو حبیب کا لقب ملا اور خود اللہ تعالیٰ نے آپ سے گفتگو فرمائی۔

چنانچہ یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ فاضل نوجوان عزیزم مولانا محمد ہارون معاویہ نے عوامی، علمی اور دینی خدمت کے احساس کے تحت ہادی برحق ﷺ کی اہم اہم خصوصیات کو یکجا کرنے کا عزم مصمم کیا اور چار جلدوں میں آپ کی سو خصوصیات کو جمع کر دیا۔

مولانا محمد ہارون معاویہ سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ بندۂ عاجز کے ماموں زاد بھائی ہیں، ایشیاء کی معروف دینی درسگاہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے سند فراغت حاصل کی ہے، زمانہ طالب علمی سے ہی تحریر وتقریر اور کتب اسلاف کا مطالعہ موصوف کا محبوب مشغلہ رہا ہے، دورۂ حدیث والے سال سے باقاعدہ میدان تالیف میں قدم رکھا اور تادم تحریر (۱۳) کتب شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں، چنانچہ میدان تالیف وتصنیف کے نشیب وفراز سے بخوبی آگاہی حاصل کرنے کے بعد خصوصیات کے لئے قلم اٹھایا ہے، یہ چار جلدوں پر مشتمل آپ ﷺ کی ۱۰۰ خصوصیات کا گرانقدر، جاذب نظر اور قابل فخر مجموعہ ہے، اس کی عظیم خصوصیت یہ بھی ہے کہ موصوف مؤلف نے صاحب خصوصیات ﷺ کے روضۂ اطہر کے سامنے بیٹھ کر ان گنت صفحات تحریر فرمائے ہیں، جسے قارئین دورانِ مطالعہ محسوس بھی کریں گے اور بہرہ اندوز بھی ہوں گے، بلاشبہ آپ اس کتاب میں ایک ایسی عظیم ہستی (ﷺ) کی ۱۰۰ خصوصیات کو پڑھ سکتے ہیں جس کے عام وخاص حالات بھی بالتفصیل محفوظ ہیں، اوران پر نازل شدہ الہامی کتاب بھی ہو بہو محفوظ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس نونہال نوجوان نے اتنی کم عمری میں بہت بڑا کام کر دکھایا ہے، یہ محض خالق کائنات ہی کی کرم نوازی ہے۔

راقم الحروف نے چاروں جلدوں پر اک طائرانہ نظر ڈالی ہے اور فہرست کو بغور پڑھا ہے، بحمد اللہ ایک جامع اور منفرد کام کیا ہے، بارگاہ صمدیت میں دست بدعا ہوں کہ رب ذوالجلال موصوف کی شب وروز کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے، اور علم وعمل، صحت وعمر میں برکت نصیب فرمائے، اور خود ان کے لئے اور ہمارے پورے خاندان کے لئے ذریعہ نجات بنائے، اور اہل علم وعامۃ الناس کو اس سے مستفیض فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

(مولانا حافظ) محمد اصغر کرنالوی (صاحب مدظلہ العالی)

ناظم اعلیٰ: معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

انبیاء کرامؑ کے مراتب میں جزئی تفاوت
اور ایک ضروری تطبیق

ہم جب قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک طرف تو ہمیں اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ کی صداقت پر یکساں ایمان لانا اور ان کو تمام پیغمبرانہ کمالات سے متصف جاننا ضروری ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

لَانُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ)

''ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔''

اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو یکساں صادق اور کمالاتِ نبوت سے متصف مانا جائے۔ دوسری طرف ارشاد ہے. تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ . وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ)

''یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے (مثلاً) بعضے ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ علیہا السلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدوس (یعنی جبرئیل) سے فرمائی۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب کمالیہ میں جزئی تفاوت بھی

ہے، ان دونوں صداقتوں کے درمیان تطبیق کے لئے تھوڑی تشریح کی ضرورت ہے، ملاحظہ فرمائیے:۔

حضرت انبیاء کرامؑ تمام کمالات نبوت وفضائل اخلاق سے یکساں سرفراز تھے زمانہ اور ماحول کی ضرورت اور مصالح الٰہی کی بنا پر ان تمام کمالات کا عملی ظہور تمام انبیاء میں یکساں نہیں ہوا بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات نمایاں ہوئے، یعنی جس زمانے کے حالات کے لحاظ سے کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی بہ مصلحت یہ کمال ظاہر نہیں ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ ہر کمال کے ظہور کے لئے مناسب موقع ومحل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہو تو اس سے نفس کمال کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے، اس لئے اگر بوجہ عدم ضرورت حال ان انبیاء کرامؑ کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) ان کمالات وفضائل سے متصف نہ تھے۔

غزوہ بدر کے قیدیوں کے باب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب فدیہ لے کر ان کے چھوڑنے کا اور حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا، تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شدت ورحمت میں لوگوں کے قلوب مختلف بنائے ہیں۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیم وعیسیٰؑ کی، اور اے عمر! تمہاری مثال نوح اور موسیٰؑ کی ہے، یعنی ایک فریق سے رحم وکرم کا اور دوسرے سے شدت کا اظہار ہوا۔

(دیکھئے مستدرک حاکم غزوۂ بدر)

اس حدیث میں اسی نقطہ اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو انبیاءؑ کے مختلف احوال مبارکہ میں رونما رہا ہے، لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت چونکہ آخری اور عمومی تھی، اس لئے بضرورت احوال آپ ﷺ کے تمام کمالاتِ نبوت آپ ﷺ کی زندگی میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے اور آپ ﷺ کی نبوت کے آفتاب عالم تاب کی ہر کرن دنیا کے لئے مشعل

ہدایت بنی اور ظلمت کدہ عالم کا ہر گوشہ آپ ﷺ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پُر نور ہوا۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا پہلو (نعوذ باللہ) پیدا نہ ہونے پائے جس سے دوسرے انبیاء کی توہین یا کسر پیدا ہو، اس سے ایمان کے ضائع جانے کا خطرہ ہے۔ (بحوالہ سیرت النبی ﷺ جلد اول)

ایک ضروری وضاحت

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دوسرے انبیاءؑ کے مقابلے میں جو خصوصیات اور فضیلتیں دی گئیں اسکے نتیجے میں بقیہ تمام انبیاءؑ میں معاذ اللہ نقص اور خامی ثابت ہو جاتی ہے، ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ بغیر استثناء تمام دوسرے انبیاء کرامؑ سے افضل ہیں، مگر اس عقیدے کی وجہ سے کسی نبی کے حق میں کوئی نقص اور خامی ثابت نہیں ہوتی، اس اعتراض کا جواب بھی دینے کی ضرورت نہیں تھی مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر کوئی جاہل آدمی یہ اعتراض سنے گا تو وہ کہیں آنحضرت ﷺ کی ان تمام خصوصیات سے ہی انکار نہ کردے جن کی وجہ سے آپ ﷺ کو دوسرے تمام انبیاءؑ پر فضیلت حاصل ہے، جاہل آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ چونکہ ان خصوصیات کو ماننے کی وجہ سے دوسرے انبیاءؑ میں خامیاں ثابت ہوتی ہیں لہذا آپ ﷺ کی خصوصیات سے ہی انکار کردیا جائے، اس کے نتیجہ میں پھر وہ شخص عیاذ باللہ کفر و گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا (اس بناء پر اس اعتراض کا جواب دینا ضروری سمجھا گیا) یہاں تک علامہ سیوطیؒ کا حوالہ ہے)

مقدمۃ الکتاب

خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ (جلدِ اول)

قابل احترام قارئین! اصل کتاب شروع کرنے سے پہلے ایک مفید اور معلوماتی مقدمہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، بحمد اللہ اس مقدمے کی آخری ترتیب روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر دینے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی اس سعادت پر میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکرادا کروں کم ہے، اس مقدمے میں رسول اکرم ﷺ کی کچھ چیدہ چیدہ خصوصیات کو مختصر مختصر ان کی قسموں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس مقدمے کے مطالعے کے بعد خصوصیت کے حوالے سے ابتدائی تمہیدات کو سمجھنا آسان ہوجائے گا کیونکہ اس مقدمے کو ہم نے اپنے اکابرین کی کتب خصوصاً سیرت حلبیہ سے مطالعے کے بعد ترتیب دیا ہے، لیجئے ملاحظہ فرمائیے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

خصوصیات مصطفیٰ ﷺ سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وہ خصوصیات جن کی وجہ سے آپ ﷺ انبیاء وغیر انبیاء سمیت تمام انسانوں سے ممتاز ہیں۔ نیز وہ خصوصیات جو آپ ﷺ کو دوسرے تمام انبیاء سے ممتاز کرتی ہیں یا وہ خصوصیات جن کی وجہ سے آپ ﷺ کی امت تمام دوسرے انبیاء وغیرہ سے ممتاز ہے۔ نیز وہ خصوصیات جن میں آنحضرت ﷺ کی امت دوسرے نبیوں کے ساتھ شریک ہے۔

خصوصیات مصطفیٰ ﷺ کا ذکر کرنا مستحب ہے

واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات کا تذکرہ کرنا مستحب ہے اور کتاب روضہ میں تو یہاں تک ہے کہ اس تذکرہ کے واجب ہونے کے متعلق جو قول ہے وہ بھی کچھ بعید نہیں ہے۔ تاکہ ایک جاہل آدمی بھی اس سے واقف ہو جائے اور اسے اپنی لاعلمی پر مایوسی نہ ہو۔

خصوصیات کی قسمیں

واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دوسرے تمام لوگوں کے مقابلے میں جو خصوصیات حاصل ہیں وہ دو طرح کی ہیں۔ یا تو وہ خصوصیت ایسی ہوگی کہ اس چیز کا واجب ہونا صرف آپ ﷺ کے لئے مخصوص ہوگا (دوسرے لوگ اس کی فرضیت سے بری ہوں گے) کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ بات جانتا ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کو یہ صبر و ثبات اور طاقت حاصل ہے کہ آپ ﷺ اس فرض کو ادا کر سکیں دوسرے لوگوں کی قوت سے یہ بات باہر ہے۔

دوسرے اس لئے بھی وہ خصوصیت آپ ﷺ کے لئے فرض کے درجہ میں رکھی گئی کہ فرض کا ثواب اکثر نفل کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے لہذا اس طرح آنحضرت ﷺ کو اس فرض کی ادائیگی کے نتیجے میں زیادہ ثواب دینا مقصود تھا۔

مثلاً وقت سے پہلے پاک ہو جانا یا وضو کر لینا سنت ہے اور وقت شروع ہونے کے بعد واجب ہے لیکن پہلی صورت زیادہ افضل اور زیادہ قابل ثواب ہے، اسی طرح سلام میں ابتداء کرنا سنت ہے، اور سلام کا جواب دینا واجب ہے لیکن پہلی صورت زیادہ افضل ہے ،ایک حدیث قدسی میں ہے کہ وہ عمل جس کے ذریعہ بندہ مجھ سے قریب ہوتا ہے مجھے زیادہ محبوب ہے، بہ نسبت اس کے جو میں نے اس پر فرض کیا ہے۔ لیکن بہر حال اکثر و بیشتر صورتوں میں ایسا ہی ہے کہ فرض کا ثواب نفل کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔

دوسری قسم ان خصوصیات کی ہے جو صرف آنحضرت ﷺ پر ہی حرام قرار دی

گئیں دوسرے لوگ اس کی حرمت سے بری ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آنحضرت ﷺ ان چیزوں کو چھوڑنے میں زیادہ صبر وثبات اور طاقت رکھتے ہیں، لہٰذا اس کو چھوڑنے میں جو زیادہ فضیلت ہے وہ آنحضرت ﷺ کو حاصل ہوگی۔

یا وہ خصوصیات کہ آنحضرت ﷺ کی سہولت کی خاطر صرف آپ ﷺ کے لئے کچھ چیزیں جائز قرار دی گئیں۔ بعض اوصاف سے صرف آپ ﷺ کو زینت بخشی گئی تا کہ ان کے ذریعہ آپ ﷺ کے شرف اور مرتبہ میں مزید اضافہ ہو۔

چار قسم کے خصائص

اس طرح آپ ﷺ کی خصوصیات چار قسم کی ہوگئیں، پہلی قسم میں وہ چیزیں ہیں جو صرف آپ ﷺ پر واجب تھیں کیوں کہ اللہ جانتا تھا کہ آپ ﷺ ہی میں اس وجوب کے تحمل اور برداشت کی طاقت ہے دوسروں میں نہیں ہے، نیز یہ کہ واجب اور فرض کا ثواب نفل سے زیادہ ہوتا ہے، لہٰذا آپ ﷺ کو زیادہ ثواب دینا بھی مقصود تھا دوسری قسم میں وہ چیزیں ہیں جو صرف آپ ﷺ پر حرام کی گئیں کیونکہ آپ ﷺ ہی اس حرمت کا تحمل کر سکتے تھے، اور ان کو چھوڑنے سے آپ ﷺ کے فضائل بڑھتے تھے، تیسری قسم میں وہ چیزیں ہیں جو آنحضرت ﷺ کی سہولت کی خاطر صرف آپ ﷺ کے لئے جائز رکھی گئیں اور چوتھی قسم میں وہ اوصاف ہیں جو آپ ﷺ کے فضل وشرف میں اضافہ کے لئے صرف آپ ﷺ کے ساتھ خاص کئے گئے۔

پہلی قسم اور مخصوص فرائض

چنانچہ پہلی قسم میں چاشت کی نماز ہے کہ یہ نماز صرف آنحضرت ﷺ پر ہی فرض کی گئی تھی یعنی اس کی جو کم سے کم مقدار ہے وہی فرض کی گئی اور وہ مقدار دو رکعتیں ہیں، اسی طرح نماز فجر کی دو سنتیں ہیں اور تین رکعات وتر ہیں کہ یہ نمازیں صرف آپ ﷺ کے لئے فرض کے درجہ میں تھیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین نمازیں ایسی ہیں جو میرے

اور فرض میں تمہارے لئے تطوع یعنی سنت کے درجہ کی ہیں، نماز وتر دو رکعات فجر یعنی سنت فجر اور دو رکعات نماز چاشت واضح رہے کہ کتاب امتاع میں ہے کہ یہ حدیث اپنے راویوں کے ہر سلسلے کے لحاظ سے ضعیف اور کمزور ہے۔

چنانچہ بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چاشت کی نماز کبھی نہیں پڑھی جبکہ میں یہ نماز پڑھتی تھی، ترمذی میں حضرت سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تو اتنی پابندی سے پڑھتے تھے کہ ہم کہتے کہ آپ ﷺ یہ نماز کبھی نہیں چھوڑتے، اور چھوڑتے تو اس طرح کہ ہم کہتے اب آپ ﷺ یہ نماز کبھی نہیں پڑھتے۔ اس روایت کے ظاہری الفاظ خود ہی واضح ہیں جن سے اس نماز کا عدم وجوب یعنی واجب نہ ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر یہ نماز آپ ﷺ کے حق میں واجب ہوتی تو اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی مداومت اور ہمیشگی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ رہتی، یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے۔ اس روایت پر اس دوسری روایت سے شبہ ہوتا ہے جو یہ ہے کہ جب فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے حضرت ام ہانیؓ کے گھر میں چاشت کی نماز پڑھی تو پھر آپ ﷺ نے اپنی وفات تک اس پر مداومت فرمائی اور کبھی یہ نماز ترک نہیں فرمائی اور یہ کہ آپ ﷺ آٹھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

ایک حدیث مرسل میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز میں دو رکعتیں اور چار رکعتیں اور چھ رکعتیں اور آٹھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، اب یہاں آیا وتر سے مراد اس کی کم سے کم تعداد ہے یا زیادہ سے زیادہ تعداد ہے یا اس کا ادنیٰ کمال مراد ہے۔

اسی طرح مسواک کرنا ہے۔ کتاب امتاع میں ہے کہ کیا یہ مسواک کرنا صرف فرض نمازوں کی حد تک محدود ہے یا ہر مؤکد حالت میں ہمارے حق میں ضروری ہے یا اس سے بھی عام احوال میں اس کے حکم کا عموم ہے۔ اسی طرح جمعہ کا غسل اور قربانی ہے۔ ان دونوں چیزوں کے وجوب کے سلسلے میں حق تعالیٰ کے اس قول سے دلیل حاصل کی گئی ہے۔ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ

اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ. (سورۂ انعام، پ ۸، ع ۲۰، آیت ۱۶۲)

ترجمہ...... ''آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خاص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے۔ اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔''

کتاب امتاع میں ہے کہ حکم اور امر وجوب کے لئے ہوا کرتا ہے جیسا کہ اس آیت میں وبذالک امرت فرمایا گیا ہے، یہاں تک امتاع کا حوالہ ہے۔ مگر اس قول میں شبہ ہے کیونکہ امر وجوب اور استحباب وافضیلت دونوں کے لئے ہوتا ہے، جس امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے وہ صیغہ افعل کے ذریعہ ہوا کرتا ہے یعنی امر اور حکم کے صیغہ سے جو بات کہی جائے وہ وجوب ثابت کرتی ہے جس کے معنی ہی میں حکم ہوتا ہے۔

کتاب امتاع میں ہے: علامہ آمدی اور ابن حاجب نے فجر کی دو رکعتوں کو جو امت کے لئے سنت کے درجہ میں ہیں آنحضرت ﷺ کے خصوصیات میں شمار کیا ہے۔ ان دونوں کے پاس اس سلسلے میں سوائے حضرت ابن عباسؓ کی ایک ضعیف روایت کے کوئی بنیاد نہیں ہے۔

اس بات پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر نماز وتر واجب تھی کیونکہ جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ وتر اپنے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے ہی پڑھی تھی، اگر نماز وتر واجب یعنی فرض ہوتی تو آپ ﷺ اس کو اپنی سواری پر نہ پڑھتے، علامہ نوویؒ نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ اس واجب کا سواری پر پڑھ لینا آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے یعنی یہ بات آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس واجب کا سواری پر ادا کر لینا آپ ﷺ کے لئے جائز تھا مگر علامہ قرانی مالکی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر نماز وتر صرف قیام کی حالت میں واجب تھی سفر کی حالت میں واجب نہیں رہتی تھی بلکہ مستحب کے درجہ میں رہ جاتی تھی۔ اس رائے میں شافعی فقہاء میں سے علامہ حلیمی اور عز ابن عبدالسلام نے بھی علامہ قرانی کی تائید کی ہے۔

اسی طرح عقیقہ ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ پر واجب تھا کہ آپ ﷺ پوری فرض نماز اس طرح ادا کریں کہ اس کے دوران کوئی خلل نہ پیدا ہو، اس طرح آپ ﷺ پر واجب تھا کہ آپ ﷺ ہر دن اور رات میں یعنی چوبیس گھنٹے میں پچاس نمازیں پڑھیں، یہ اس تعداد کے مطابق نمازیں ہیں جن کا شب معراج میں حکم ہوا تھا، علامہ سیوطیؒ کی خصائص صغریٰ میں اسی طرح ہے۔

اسی طرح دین اور دنیا کے اجتہادی معاملات میں سمجھدار اور باشعور لوگوں سے مشورہ کرنا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے کبھی کسی کو اپنے ساتھیوں سے اتنا مشورہ کرنے والا نہیں پایا جتنا رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ سے معاملات میں مشورہ فرماتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئی وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ......الخ (سورہ آل عمران) ترجمہ...... ''اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول اگر چہ مشورہ سے غنی اور بے نیاز ہیں مگر اللہ نے میری امت پر اپنی رحمت وشفقت کی وجہ سے یہ حکم فرمایا ہے۔ لہذا جو لوگ مشورہ کرتے رہا کریں گے وہ کبھی سیدھی راہ سے نہیں بھٹکیں گے اور جو لوگ مشورہ کرنا چھوڑ دیں گے وہ گمراہی سے محفوظ نہیں ہوں گے، ایک قول ہے کہ مشورہ ندامت اور دشمن کے حملے سے بچاؤ کا قلعہ ہے جتنا بھی ہو سکے زیادہ سے زیادہ کیا جائے۔

اسی طرح یہ بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے تھا کہ مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص ناداری کی وجہ سے قرض دار ہو کر مر جاتا تو آپ ﷺ اس کا قرض ادا فرماتے۔ اسی طرح اگر کسی شخص پر ناداری کی وجہ سے جنایات یعنی چھوٹے موٹے جرائم اور کفارات باقی ہوتے تو آپ ﷺ ان کو ادا فرما دیتے۔

اسی طرح آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بیویوں کو یہ اختیار

دیا گیا کہ وہ دنیا اور آخرت میں سے اپنے لئے کسی ایک کو چن لیں۔ مراد یہ ہے کہ یا تو دنیا کی زینت اور آنحضرت ﷺ سے جدائی وعلیحدگی کو اختیار کرلیں اور یا آخرت کا راستہ اور آنحضرت ﷺ کی حفاظت وسرپرستی اختیار کرلیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بیویوں میں سے اگر کوئی دنیا کو اختیار کرنا چاہے گی تو آپ ﷺ اس کو اپنے نکاح سے علیحدہ فرمادیں گے اور جو آخرت کا راستہ اختیار کرے گی آپ ﷺ اس کو اپنی حفاظت ونکاح میں برقرار رکھیں گے۔ علیحدہ نہیں کریں گے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے فرمادیا تھا کہ:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحاً جَمِيْلاً، وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْراً عَظِيْماً

"اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرمادیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی کا عیش اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال متاع دنیوی دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کردوں اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو تم جیسے نیک کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجرِ عظیم مہیا کر رکھا ہے۔"

ایک قول ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے سبب میں اختلاف ہے۔ چنانچہ اس بارے میں امت کے اسلاف کے نو قول ملتے ہیں: ایک قول کے مطابق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ کی ازواج نے آنحضرت ﷺ سے نان ونفقہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس پر ایک مہینے تک ان سے لاتعلقی رکھی، اس کے بعد آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ انہیں چھوڑ دیں کہ وہ ان دو راستوں میں سے کوئی ایک چن لیں جن کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ سے ملاقات کے لئے پہنچے، انہوں نے دیکھا کہ وہاں بہت سے لوگ آپ ﷺ کے دروازے پر جمع ہیں اور آپ کی اجازت کے منتظر بیٹھے ہیں، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے

حضرت ابوبکرؓ کو باریابی کی اجازت دی اور اندر بلوایا، اس کے بعد حضرت عمرؓ آئے اور انہوں نے حاضری کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے ان کو بھی اجازت دی اور اندر بلوایا، انہوں نے اندر جاکر دیکھا کہ آنحضرت ﷺ بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ کے گرد و پیش آپ ﷺ کی ازواج یعنی بیویاں بیٹھی ہوئی آپ ﷺ سے نان ونفقہ کا سوال کر رہی ہیں مگر آنحضرت ﷺ بالکل خاموش اور ساکت بیٹھے ہوئے ہیں حضرت عمرؓ نے سوچا کہ میں کوئی ایسی بات کہوں کہ آنحضرت ﷺ کو ہنسی آئے، چنانچہ انہوں نے کہا: ''یارسول اللہ! اگر میں فلاں عورت یعنی اپنی بیوی کو دیکھتا کہ وہ مجھ سے نفقہ کا مطالبہ کر رہی ہے تو میں اٹھ کر اس کی گردن دباتا۔''

آنحضرت ﷺ کو اس بات پر ہنسی آگئی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دیکھ ہی رہے ہو کہ یہ ازواج میرے گرد بیٹھی ہوئی مجھ سے نفقہ کا تقاضہ کر رہی ہیں۔ اسی وقت حضرت ابوبکرؓ اٹھ کر حضرت عائشہؓ کی طرف بڑھے اور ان کو گردن سے پکڑ لیا، دوسری طرف حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کی طرف بڑھ کر ان کی گردن دبائی، ساتھ ہی دونوں حضرات اپنی اپنی بیٹیوں سے کہتے جا رہے تھے کہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے ایسی چیز کا مطالبہ کر رہی ہو جو آپ ﷺ کے پاس نہیں ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے قسم کھائی کہ ایک مہینے تک آپ ﷺ اپنی ازواج کے پاس نہیں جائیں گے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے جس سے مزید وضاحت ہوتی ہے کہ ان کے ایک انصاری دوست نے ایک مرتبہ رات کے وقت ان کے دروازے پر دستک دی اور حضرت عمرؓ کو آواز دی۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں باہر آیا تو اس دوست نے کہا کہ ایک بہت بڑا واقعہ پیش آگیا ہے، میں نے کہا کیا ہوا؟ کیا قبیلہ غسان نے چڑھائی کر دی ہے، مجھے یہ خدشہ اس لئے گزرا کہ ہم ان دونوں یہ باتیں کرتے رہتے تھے کہ قبیلہ غسان والے ہم سے جنگ کرنے کے لئے سواروں کا لشکر ترتیب دے رہے ہیں، مگر میرے دوست نے کہا کہ نہیں بلکہ اس سے بھی بڑا اور اہم حادثہ پیش آگیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج سے کنارہ کشی اختیار فرمالی ہے، میں نے کہا کہ حفصہ برباد ہوگئی اور تباہی میں پڑگئی، میں جانتا تھا کہ

یہ ہونے والا ہے۔ آخر صبح کو نماز پڑھنے کے بعد میں بدن پر کپڑے لپیٹتا ہوا حفصہؓ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ رورہی ہے، میں نے پوچھا کیا تم لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے طلاق دے دی ہے؟ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم، مگر آنحضرت ﷺ وہاں اپنے بالا خانے میں گوشہ نشین بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی ازواج نے جمع ہوکر جب آپ ﷺ سے نفقہ کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے اس مطالبہ پر گرانی کی وجہ سے قسم کھالی تھی کہ ایک مہینے تک آپ ﷺ ان میں سے کسی کے پاس نہیں جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں کوئی ایسی بات کہوں گا جس سے آنحضرت ﷺ کو ہنسی آجائے اور طبیعت میں نشاط پیدا ہو چنانچہ میں آپ ﷺ کے ایک حبشی غلام کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ عمر کے لئے ملاقات کی اجازت حاصل کرو، وہ اندر گیا اور تھوڑی دیر بعد آکر کہنے لگا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے آپ کے بارے میں عرض کیا تھا مگر آپ ﷺ خاموش رہے۔

میں مسجد نبوی میں آکر کچھ دیر بیٹھا مگر پھر وہی ذہنی خلش ابھرنے لگی اور میں دوبارہ اس غلام کے پاس آیا۔ میں نے اس سے پھر کہا کہ عمر کے لئے اجازت حاصل کرو، وہ اندر گیا اور کچھ دیر بعد واپس آکر بولا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے آپ کا ذکر کیا مگر آپ ﷺ خاموش رہے۔ آخر جب چوتھی مرتبہ میں بھی غلام نے آکر یہی جواب دیا تو میں واپس لوٹ کر گھر کو چلا۔ اسی وقت غلام نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اندر چلے جایئے، آپ کو اجازت مل گئی ہے۔ میں نے اندر جاکر آپ ﷺ کو سلام کیا، اس وقت آپ ﷺ ایک چٹائی پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اور چٹائی کی بناوٹ کا نشان آپ ﷺ کے پہلو پر اتر آیا تھا، میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے، یہ سن کر آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا نہیں، میں نے کہا اللہ اکبر۔ پھر میں نے عرض کیا۔

ہم قریشی لوگ مکہ میں اپنی عورتوں پر حاوی رہا کرتے تھے، مگر جب ہم مدینہ آئے تو یہاں ہم نے ایسے لوگ دیکھے جو اپنی بیویوں سے دبتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کی عورتوں کو دیکھ کر ان سے ہماری عورتوں نے بھی طور طریقے سیکھنے شروع کر دیئے، چنانچہ ایک روز

میں نے فلاں عورت (مراد ہیں اپنی بیوی) سے بات کی تو وہ مجھ سے بحث کرنے اور الجھنے لگی، میں نے اس بات پر اپنی ناراضگی ظاہر کی تو وہ کہنے لگی کہ آپ اس بات پر مجھ سے خفا ہو رہے ہیں کہ میں آپ سے بحث کر رہی ہوں، خدا کی قسم آنحضرت ﷺ کی ازواج بھی آپ ﷺ سے بحث کرتی ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے ایک تو بعض دفعہ پورے پورے دن آپ ﷺ سے یکسو اور کنارہ کش رہتی ہیں۔ میں نے کہا جو بھی ایسا کرتی ہے وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ ان میں سے کوئی اگر اپنے شوہر یعنی آنحضرت ﷺ کو ناراض کرے گی تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہ سکے گی۔'' اس پر آنحضرت ﷺ مسکرائے حضرت عمرؓ نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''اس کے بعد میں سیدھا اپنی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی بیوی حفصہؓ کے پاس گیا اور اس سے بولا کہ کیا تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بحث کرتی ہو، وہ کہنے لگی ہاں ہم میں سے ایک تو کبھی کبھی پورے دن آنحضرت ﷺ سے بات نہیں کرتی، میں نے کہا تم میں سے جس نے بھی ایسا کیا وہ تباہ و برباد ہوئی، کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ تم میں سے کوئی اگر اپنے شوہر یعنی آنحضرت ﷺ کو ناراض کرے گی تو وہ اللہ کے غضب سے محفوظ رہے گی، آپ ﷺ سے کبھی بحث نہ کرنا اور نہ کبھی آپ ﷺ سے کوئی سوال یا فرمائش کرنا۔ تمہارا جو جی چاہے وہ مجھ سے سوال کرو۔ اس بات پر کبھی دل میلا نہ کرنا کہ تمہاری ساتھی یعنی حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ کو تم سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں۔''

اس پر آنحضرت ﷺ پھر مسکرانے لگے تو میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا میری باتوں سے کچھ دل بٹا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ میں بیٹھ گیا اور بولا یا رسول اللہ ﷺ اس چٹائی کے نشانات آپ ﷺ کی پہلو پر نمایاں ہو گئے، فارس اور روم کے لوگوں کے لئے حالانکہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے مگر ان کی بڑی گنجائش اور راحت کے سامان فراہم ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ ''اے خطاب کے بیٹے! کیا تمہیں اس بارے میں کوئی شک ہے کہ ان لوگوں کو دنیا کی نعمتیں اسی زندگی میں دے دی گئی ہیں۔''

میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں اللہ کے سامنے استغفار کرتا ہوں۔

غرض جب آنحضرت ﷺ کی اس قسم کو انتیس دن گزر گئے تو حق تعالیٰ نے آپ پر یہ آیات نازل فرمائیں جن میں آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ اپنی بیویوں کو دین و دنیا میں سے کوئی ایک راستہ چننے کا اختیار دیں۔ یہ بات گذشتہ سطروں میں گزر چکی ہے، اس حکم کے بعد آپ ﷺ نے اپنا عہد ختم کیا اور حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے آپ ﷺ کو آتے دیکھ کر عرض کیا۔ ''یارسول اللہ ﷺ! آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ آپ ﷺ ہم میں سے کسی کے پاس بھی ایک مہینہ تک نہیں آئیں گے، لیکن آج آپ آگئے جب کہ ابھی انتیس دن ہی گزرے ہیں جنہیں میں گن گن کر گزار رہی ہوں۔! آپ ﷺ نے فرمایا مہینہ انتیس کا ہی ہوتا ہے، ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: اتنا اور اتنا اتنا ہوتا ہے۔ تیسری مرتبہ اتنا کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے انگوٹھے کو روک لیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے فرمایا؛ ''اے عائشہ! میں تم سے ایک بات کہنے آیا ہوں، اس کے بارے میں جلدی مت کرنا بلکہ پہلے اپنے والدین سے مشورہ کر لینا۔'' انہوں نے دریافت فرمایا کہ وہ کیا بات ہے یارسول اللہ! اس پر آپ ﷺ نے ان کے سامنے یہی آیات پڑھیں یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ الخ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میں نے عرض کیا کہ کیا میں اس معاملے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی؟ میں تو اللہ، اس کے رسول اور دولت آخرت کی طلبگار ہوں، پھر میں نے عرض کیا کہ اپنی ازواج میں سے کسی عورت کو آپ یہ بات نہ بتلائیے جو آپ نے فرمائی ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''ان میں سے جو عورت بھی مجھ سے نفقہ کا سوال کرے گی میں اس کو یہ ضرور بتلاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چبا چبا کر باتیں کرنے والا بنا کر نہیں ظاہر فرمایا بلکہ مجھے معلم اور خوش خبریاں دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی تمام ازواج نے بھی وہی بات اختیار کی جو حضرت عائشہؓ نے اس اختیار کے جواب میں کیا تھا، کتاب امتاع میں اس بارے میں نو قول ذکر کئے

گئے ہیں، نیز اس میں ہے کہ اختیار دینے کا یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عباسؓ اپنے والد سمیت فتح مکہ کے بعد ہی مدینہ آئے ہیں اور ابن عباسؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اس واقعہ کے موقعہ پر موجود تھے۔

دوسری قسم اور صدقات

دوسری قسم یہ بیان کی گئی تھی کہ کوئی چیز صرف آنحضرت ﷺ کے لئے حرام کی گئی ہو کیونکہ حق تعالیٰ جانتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس سے بچنے کی زیادہ طاقت اور برداشت حاصل ہے نیز اس سے روکنے اور صبر و برداشت کرانے سے آپ ﷺ کے درجات کو بلند کرنا بھی مقصود تھا، چنانچہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے صدقات کا مال کھانے کی حرمت اور مذمت ہے چاہے وہ صدقہ واجبہ یعنی زکوٰۃ ہو اور چاہے مستحب و نفلی صدقہ ہو۔ اسی طرح کفارہ اور منت کا مال کھانے کی ممانعت ہے نیز وقف کا مال استعمال کرنے کی ممانعت ہے، ہاں اگر وہ وقف عمومی قسم کا ہو تو اس کا استعمال آپ ﷺ کے لئے جائز ہے جیسے وہ کنویں جو عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیئے گئے ہوں۔

آنحضرت ﷺ کی اس خصوصیت میں صدقات واجبہ کی حد تک آپ ﷺ کی اولاد بھی شریک ہے، یعنی آنحضرت ﷺ کے لئے بھی زکوٰۃ کا مال کھانا جائز نہیں ہے لیکن نفلی صدقات کی حد تک آپ ﷺ کی اولاد کا معاملہ آپ ﷺ کی اولاد سے مختلف ہے یعنی آپ ﷺ کے لئے تو نفلی صدقات کا استعمال بھی حرام ہے لیکن آپ ﷺ کی اولاد کے لئے جائز ہے اس طرح عمومی طور پر ان کا معاملہ اور آنحضرت ﷺ کا معاملہ یکساں ہے لیکن خصوصی طور پر علیحدہ اور مختلف ہے۔ جہاں تک ان کے لئے صدقات واجبہ کی ممانعت کا تعلق ہے تو وہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت اور متعین ہے کہ، صدقات کا مال آنحضرت ﷺ کے لئے مناسب نہیں ہے وہ لوگوں کا میل کچیل ہوتا ہے، جب ایک مرتبہ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ انہیں صدقات وصول کرنے

کا ذمہ دار بنادیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ "میں آپ کو لوگوں کے گناہوں کا دھوون وصول کرنے کا ذمہ دار نہیں بنا سکتا۔"

ایک مرتبہ حضرت حسن بن علیؓ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ آپ ﷺ نے فوراً ان سے فرمایا، ہاں ہاں اسے پھینک دو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ ہم صدقات کا مال نہیں کھاتے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ، آل محمد ﷺ صدقات کا مال نہیں کھاتے۔

دوسرے انبیاءؑ اور صدقات

سلف صالحین اور قدیم علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا دوسرے انبیاءؑ کرام بھی اس بارے میں آنحضرت ﷺ ہی کی طرح تھے یا نہیں کہ صدقات کا مال ان کے لئے حرام رہا ہو حضرت شیخ حسنؒ کا مذہب یہ ہے کہ تمام انبیاءؑ بھی اس بارے میں آنحضرت ﷺ کی طرح ہی تھے۔ مگر حضرت سفیان ابن عیینہ کا قول یہ ہے کہ یہ صرف رسول اللہ ﷺ کی ہی خصوصیت تھی دوسرے انبیاء اس بارے میں شریک نہیں ہیں۔

اس طرح آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں آپ ﷺ کے لئے اس بات کی حرمت اور ممانعت ہے کہ آپ ﷺ اس نیت سے کوئی چیز کسی کو دیں کہ اس کے بدلے میں اس سے زیادہ حاصل کرلیں، اسی طرح آپ ﷺ کے لئے اس کی بھی ممانعت ہے کہ آپ ﷺ لکھنا سیکھیں، یا شعر گوئی کا فن سیکھیں، نیز دوسروں کے شعر سننا بھی آپ ﷺ کے لئے حرام تھا ہاں کسی موقعہ پر کسی شاعر کے شعر کی مثال دینا اس ممانعت میں داخل نہیں تھا، نیز یہ بھی خصوصی طور پر آپ ﷺ کے لئے جائز نہیں تھا کہ آپ ﷺ اپنی امت کے لئے کوئی جنگ لڑنے کے لئے جنگی لباس پہن لیں اور اس کے بعد بغیر جنگ کئے اسے اتار دیں، بلکہ آپ ﷺ اس کے بعد اسی وقت یہ لباس اتار سکتے تھے جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے دشمن کے درمیان کوئی فیصلہ فرمادے، اس آخری خصوصیت یعنی جنگی لباس کے معاملے میں

دوسرے نبی بھی آپ ﷺ ہی کی طرح تھے۔اسی طرح آپ ﷺ کے لئے آنکھ کی خیانت اور چوری حرام تھی، یعنی آپ آنکھ سے کسی کو جائز طور پر قتل کرنے یا مارنے کا اشارہ فرمائیں جبکہ آپ ﷺ کے ظاہری انداز سے یہ ارادہ ظاہر نہ ہوتا ہو، اسی طرح آپ ﷺ کے لئے کسی عورت کو اس کی مرضی کے خلاف اپنے نکاح یا اپنی ملکیت میں، روکنا جائز نہیں تھا، نیز کسی اہل کتاب عورت یعنی یہودی یا عیسائی عورت سے نکاح جائز نہیں تھا، ایک قول کے مطابق اہل کتاب عورت کو اپنی باندی بنانا بھی جائز نہیں تھا، مگر راجح قول اس آخری بات کے خلاف ہے، نیز مسلمان باندی سے نکاح کرنا بھی آپ ﷺ کے لئے جائز تھا کیونکہ آپ ﷺ کے لئے زنا بدکاری کا اندیشہ نہیں تھا۔

تیسری قسم خصوصی جواز

تیسری قسم یہ بیان کی گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ کو سہولت دین کے لئے کوئی چیز خاص طور پر آپ ﷺ کے لئے جائز کی گئی ہو جب کہ باقی امت کے لئے وہ ناجائز ہو۔ چنانچہ روزہ کی حالت میں شہوت کے ساتھ بیوی کا بوسہ لینا اس تیسری قسم میں شامل ہے جو آپ ﷺ کے لئے جائز تھا۔ آپ ﷺ روزہ کی حالت میں حضرت عائشہ ؓ کا بوسہ لیا کرتے تھے، اسی طرح تنہائی میں اجنبی عورت کے پاس بیٹھنا بھی صرف آپ ﷺ کے لئے جائز تھا کیونکہ اس صورت میں فتنہ کا خدشہ نہیں تھا، اسی طرح آنحضرت ﷺ کو اگر کسی عورت کی طرف رغبت ہو جو شوہر والی نہ ہو تو آپ ﷺ کے لئے یہ جائز تھا کہ آپ ﷺ لفظ نکاح یا ہبہ کا ذکر کئے بغیر اور بغیر گواہوں اور اس کے ولی کے اس عورت کے ساتھ ہم بستری کر لی، یعنی ایسی صورت میں عورت لفظ نکاح کے بغیر آپ ﷺ کی بیوی ہو جائے گی جیسا کہ حضرت زینب ؓ بنت جحش کے معاملے میں ہوا۔ نیز عورت کی مرضی معلوم کئے بغیر بھی آپ ﷺ کے لئے ایسا کرنا جائز تھا۔ (بحوالہ سیرت حلبیہ جلد سوم)

مخصوص امتیازات واختیارات

اسی طرح اگر آپ ﷺ کو کسی ایسی عورت کی طرف رغبت ہو جائے جو شوہر والی ہو تو اس کے شوہر پر واجب تھا کہ آنحضرت ﷺ کے لئے وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے، اسی طرح اگر آپ ﷺ کو کسی باندی کی طرف رغبت ہو جائے تو اس کے آقا پر واجب تھا کہ وہ اپنی باندی آنحضرت ﷺ کو ہبہ کر دے، اسی طرح آپ ﷺ کے لئے جائز تھا کہ آپ ﷺ کسی عورت کو بغیر اس کی مرضی معلوم کیے جس سے چاہیں بیاہ دیں اسی طرح آپ ﷺ کے لئے جائز تھا کہ آپ ﷺ احرام کی حالت میں شادی کر لیں جیسا کہ حضرت میمونہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کے نکاح کا واقعہ ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کے لئے جائز تھا کہ آپ ﷺ مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے جو اپنے لئے پسند فرمالیں وہ چاہے باندی ہو یا کوئی سامان ہو، اس انتخاب اور پسند کو صفی کہا جاتا ہے۔ اس لفظ کی جمع صفایا ہے، آنحضرت ﷺ کے ایسے انتخاب اور صفایا میں حضرت صفیہؓ ہیں اور ایک تلوار ہے جس کا نام ذوالفقار تھا، اسی طرح آپ ﷺ کے لئے جائز تھا کہ آپ ﷺ بغیر مہر کے نکاح کر لیں جیسا کہ حضرت صفیہؓ کے ساتھ ہوا۔ بخاری وغیر میں اس بارے میں یہ ہے کہ چونکہ حضرت صفیہؓ باندی بن کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئی تھیں تو آپ ﷺ نے ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر قرار دے دیا تھا۔ اس حدیث کا مطلب محققین نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں بغیر معاوضہ کے آزاد کر دیا اور پھر بغیر مہر کے ان سے نکاح فرمالیا، لہٰذا اس بارے میں حضرت انسؓ کا جو یہ قول ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت صفیہؓ کا مہر خود ان کی ذات کو ہی بنا دیا تھا، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب آپ ﷺ نے ان کو کچھ مہر نہیں دیا تو ان کی آزادی ہی گویا حضرت صفیہؓ کا مہر بن گئی۔

معاملہ کے ظاہر وباطن کی خصوصیت

اسی طرح آپ ﷺ کے لئے جائز تھا کہ اتفاقاً آپ ﷺ مکہ میں بغیر احرام کے

داخل ہو جائیں، اسی طرح یہ کہ آپ ﷺ حدود اللہ میں بھی اپنی علم کی بنیاد پر کوئی فیصلہ فرمادیں، علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے علم کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کردے۔ اس بارے میں تمام علماء کا اتفاق ہے۔

علامہ سیوطیؒ اپنی کتاب خصائص الکبریٰ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے لئے یہ دونوں خصوصیات جمع کر دی گئی تھیں کہ آپ ﷺ معاملہ کی ظاہری صورت اور باطنی صورت پر فیصلہ کرنے کے مجاز تھے اور آپ ﷺ کے لئے شریعت اور حقیقت دونوں چیزوں کو جمع کر دیا گیا تھا جبکہ دوسرے انبیاء کرامؑ کو ان میں سے کوئی ایک ہی اختیار حاصل تھا، اس کی دلیل حضرت خضرؑ کے ساتھ موسیٰؑ کا واقعہ ہے اور حضرت خضرؑ کا یہ قول ہے کہ میرے پاس جو علم ہے اس کا جاننا آپ کے لئے مناسب نہیں ہے اور آپ کے پاس جو علم ہے اس کا جاننا میرے لئے مناسب نہیں ہے، یہاں تک علامہ سیوطی کا حوالہ ہے۔

تشریح...... حضرت موسیٰ وخضرؑ کے واقعہ میں کئی موقعوں پر حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ کے فیصلے پر روک ٹوک کرنی چاہی کیونکہ واقعات کی ظاہری صورت کے لحاظ سے وہ فیصلے سمجھ میں نہیں آتے تھے، جبکہ حضرت خضرؑ نے وہ فیصلے واقعات کی باطنی صورت یعنی حقیقت کے پیش نظر کئے تھے، واقعات کی ظاہری صورت پر فیصلہ علم شریعت کے ذریعہ کیا جائے گا اور باطنی صورت پر فیصلہ علم حقیقت سے کیا جائے گا۔ مگر علامہ شہاب قسطلانیؒ نے اس قول پر سخت تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ بڑی غفلت اور ابنیاءؑ کے سلسلے میں بے باکانہ جرأت کی بات ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے اولوالعزم پیغمبر بھی حقیقت کے علم سے بے بہرہ تھے جبکہ علم حقیقت سے بعض اولیاء تک کا خالی ہونا کہنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اس قول کے نتیجے میں حضرت خضرؑ ہی نہیں بلکہ کچھ دوسرے انبیاءؑ کا علم شریعت سے خالی ہونا ثابت ہوتا ہے، پھر اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ جب علامہ سیوطیؒ سے ان کے اس قول کی غلطی بتلائی گئی تو اس پر علامہ نے جواب دیا میری مراد یہ ہے کہ آپ کے لئے حکم اور فیصلہ یعنی عملدر آمد دونوں اختیار جمع کر دیئے گئے تھے، یہاں تک

قسطلانی کا حوالہ ہے۔

خصوصیات نبی ﷺ میں دوسرے کے نقائص نہیں

علامہ سیوطیؒ کی اس بارے میں ایک کتاب جس کا نام ''الباہر فی حکم النبی با لباطن والظاہر'' ہے، اس کتاب میں علامہ سیوطیؒ یہ لکھتے ہیں جیسا کہ آپ نے یہ قول ابتدا میں بھی پڑھا کہ کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دوسرے انبیاء کے مقابلے میں جو خصوصیات اور فضیلتیں دی گئیں اسکے نتیجے میں بقیہ تمام انبیاء میں معاذ اللہ نقص اور خامی ثابت ہو جاتی ہے، ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ بغیر استثناء تمام دوسرے انبیاء کرامؑ سے افضل ہیں، مگر اس عقیدے کی وجہ سے کسی نبی کے حق میں کوئی نقص اور خامی ثابت نہیں ہوتی، اس اعتراض کا جواب بھی دینے کی ضرورت نہیں تھی مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر کوئی جاہل آدمی یہ اعتراض سنے گا تو وہ کہیں آنحضرت ﷺ کی ان تمام خصوصیات سے ہی انکار نہ کر دے جن کی وجہ سے آپ ﷺ کو دوسرے تمام انبیاءؑ پر فضیلت حاصل ہے، جاہل آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ چونکہ ان خصوصیات کو ماننے کی وجہ سے دوسرے انبیاءؑ میں خامیاں ثابت ہوتی ہیں لہذا آپ ﷺ کی خصوصیات سے ہی انکار کر دیا جائے، اس کے نتیجہ میں پھر وہ شخص عیاذ باللہ کفر و گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا (اس بناء پر اس اعتراض کا جواب دینا ضروری سمجھا گیا) یہاں تک علامہ سیوطیؒ کا حوالہ ہے)

جن واقعات میں آنحضرت ﷺ نے معاملے کی ظاہری اور باطنی دونوں حیثیتوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ فرمایا ان میں سے ایک واقعہ زمعہ کی باندی کے ہاں ہونے والے بچے کا ہے، یہ زمعہ ام المومنین حضرت سودہؓ کے والد تھے، اس بچے کے سلسلے میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے دعویٰ کیا کہ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے، اس معاملے میں زمعہ کے بیٹے عبد کے ساتھ ان کا ٹکراؤ ہوا، حضرت سعدؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے، میرے بھائی نے قسم کھا کر مجھ سے کہا تھا کہ یہ اس کا بیٹا ہے، آپ

ﷺ اس کے یعنی میرے بھائی کے ساتھ بچے کی شباہت دیکھئے، ادھر عبد ابن زمعہ نے کہا کہ یہ بچہ میرا بھائی ہے کیونکہ یہ میرے باپ کے بستر پران کی باندی کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے بچے کی شباہت دیکھی تو اس میں عتبہ کی صاف شباہت نظر آئی، پھر آپ ﷺ نے عبد ابن زمعہ سے فرمایا کہ اے عبد یہ تمہارا ہی یعنی تمہارا بھائی ہے، بچہ اسی کا کہلاتا ہے جس کے بستر پر ہو لیکن ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے اپنی اہلیہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اور اے سودہ بنت زمعہ تم اس سے پردہ کرنا، ایک روایت میں اس کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں کہ، کیونکہ یہ تمہارا بھائی نہیں ہے۔

اس طرح گویا آنحضرت ﷺ نے اس معاملے میں ظاہری صورت کے اعتبار سے شریعت پر عمل کرتے ہوئے اس بچے کو حضرت سودہؓ کا بھائی قرار دے دیا کہ جب بچہ زمعہ کا کہلائے گا تو وہ حضرت سودہؓ کا بھائی ہوگا لیکن باطن حقیقت کے اعتبار سے آپ ﷺ نے بچے کے لئے حضرت سودہؓ کا بھائی ہونے کی نفی فرمادی، لہٰذا اس معاملے میں آپ ﷺ نے ظاہر اور باطن دونوں کے اعتبار سے فیصلہ فرمادیا، ایسا بہت سے معاملات میں ہوا، چنانچہ اسی کی ایک مثال میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حرث ابن سوید کو مجذّر ابن زیاد کے قصاص اور بدلے میں قتل کرایا جن کو حرث نے دھوکہ سے قتل کیا تھا، حالانکہ مجذّر کے کسی وارث کی طرف سے دعویٰ بھی نہیں تھا، نیز آپ ﷺ نے یہ فیصلہ بغیر کسی گواہ کے اور خون بہا بھی قبول نہیں فرمایا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے جس کا بھائی مرگیا تھا فرمایا کہ تمہارا مرحوم بھائی اپنے قرض کی وجہ سے گرفتار محبوس ہے اس لئے تم اس کی طرف سے قرض ادا کرو، اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے مرحوم بھائی کا تمام قرض ادا کر چکا ہوں، صرف دو دینار قرض باقی ہے جس کا دعویٰ ایک عورت نے کیا تھا مگر اس کے پاس اس بات کی کوئی گواہی نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اس کا مطالبہ ادا کر دو اس لئے کہ وہ درست کہتی ہیں۔

ایسے ہی ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک عورت ایک دوسری عورت کے پاس آئی، اور کہنے لگی کہ فلاں عورت نے تمہارے زیورات عارضی طور پر مانگے ہیں، یہ بات اس عورت نے جھوٹ کہی تھی (کیوں کہ حقیقت میں کسی نے بھی زیورات نہیں منگائے تھے) مگر اس دوسری عورت نے اس کا تعین کر کے اپنے زیورات اس آنے والی کے حوالے کر دیئے جنہیں وہ لے کر چلی گئی، کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد زیورات کی مالک عورت اس کے پاس اپنے زیورات واپس لینے گئی جس کی طرف سے پہلی عورت نے زیور مانگے تھے اس تیسری عورت نے کہا کہ میں نے تو تمہارے زیورات ہرگز نہیں منگائے، اب یہ عورت اس کے پاس آئی جو کسی کے نام سے زیورات لے کر گئی تھی اور اس سے اپنے زیورات مانگے مگر وہ صاف انکار کر گئی کہ میں نے تم سے کوئی زیورات نہیں لئے۔ آخر مجبور ہو کر زیورات کی مالک عورت رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ﷺ سے سارا قصہ بیان کیا، آپ ﷺ نے اسی عورت کو بلایا جو زیورات لے گئی تھی اس سے پوچھا، اس نے قسم کھا کر کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ ظاہر فرمایا، میں نے اس سے کوئی چیز نہیں لی، مگر آنحضرت ﷺ نے اس کی قسم کے باوجود فرمایا کہ جاؤ اس عورت کے بستر کے نیچے سے وہ زیورات اٹھا لو، اس کے بعد آپ ﷺ نے اس عورت کے ہاتھ کاٹے جانے کا حکم دیا گویا اس واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے بغیر گواہ کے اس عورت کو مجرم قرار دیا اور اس طرح ظاہر کو چھوڑ کر حقیقت اور باطن کے اعتبار سے فیصلہ فرمایا۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے لئے جائز تھا کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے بھی فیصلہ اور اس پر عملدرآمد فرما سکتے تھے اور اپنی اولاد کی طرف سے بھی، نیز آپ ﷺ اپنی ذات کے لئے بھی گواہی دے سکتے تھے اور اپنی اولاد کی طرف سے بھی گواہ بن سکتے تھے، نیز آپ ﷺ ایسے شخص سے بھی ہدیہ قبول فرما سکتے تھے جو آپ ﷺ سے کسی عہدہ کا طلبگار ہو، اسی طرح آپ ﷺ غصہ کی حالت میں بھی مقدمہ کا فیصلہ فرما سکتے تھے اور کوئی علاقہ فتح کرنے سے پہلے اس کی تقسیم بھی فرما سکتے تھے۔

انبیاءؑ کی مشترکہ خصوصیات

اس تیسری قسم میں کچھ چیزیں تو وہ بیان ہوئیں جو صرف آپ ﷺ کی خصوصیات تھیں اور وہ خصوصیات بلاشرکت غیرے صرف آپ ﷺ کا امتیاز تھیں اور صرف آپ ﷺ ہی کے لئے جائز تھیں، لیکن اس تیسری قسم میں کچھ چیزیں وہ ہیں جو آنحضرت ﷺ کی بھی خصوصیات تھیں اور دوسرے نبیوں کی بھی خصوصیات رہی ہیں، یعنی ان خصوصیات میں دوسرے نبی بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہیں۔

مثلاً آنحضرت ﷺ کے لئے جائز تھا کہ اگر آپ ﷺ بغیر ٹیک لگائے ہوئے بھی گہری نیند سو جائیں تو آپ ﷺ کا وضو برقرار رہتا تھا۔ یعنی اس نیند میں جس میں آپ ﷺ کی آنکھیں اور آپ ﷺ کا دل دونوں سوتے تھے، یہ بات اس قول کی بنیاد پر ہے جس کے مطابق آنحضرت ﷺ کی نیند دو قسم کی تھیں لہٰذا اب یوں کہنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کا جو یہ اشارہ ہے کہ ''ہم گروہ انبیاءؑ کی آنکھیں سوتی ہیں ہمارے دل نہیں سوتے۔'' اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ کیونکہ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی نیندیں دو قسم کی ہوں اور باقی تمام انبیاءؑ کی نیند ایک ہی قسم کی ہو۔

اسی طرح اس خصوصیت میں بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ دوسرے تمام انبیاء شریک ہیں کہ آپ ﷺ کے لئے زکوٰۃ کا مال نہ نکالنا جائز تھا، کیونکہ دوسرے تمام انبیاء کی طرح ان کے پاس جو مال ہوتا ہے وہ ان کی ملکیت نہیں ہوتا اور جو کچھ مال ان کے ہاتھوں میں ہوتا ہے وہ ان کے پاس اللہ کی امانت ہوتا ہے جسے وہ صحیح مصرف میں خرچ کرتے ہیں اور بے جا استعمال سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، دوسرے اس لئے کہ دراصل زکوٰۃ مال کی پاکیزگی کے لئے ہوتی ہے اور انبیاءؑ میل کچیل سے بری ہوتے ہیں، کتاب خصائص صغریٰ میں یہ بات شیخ تاج الدین ابن عطاء اللہ کے حوالے سے اسی طرح نقل کی گئی ہے۔

اس کے بعد اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خصوصیت بھی دی گئی تھی کہ آپ

ﷺ کا مال آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ ہی کی ملکیت میں باقی رہا جس میں سے آپ ﷺ کے اہل وعیال پر خرچ کیا گیا، اس بارے میں جو دو رائے ہیں یہ ان میں سے ایک ہے، امام حرمین نے اسی رائے کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن امام نوویؒ نے دوسری رائے کو صحیح مانا ہے یہ جو ہے کہ آپ ﷺ کا مال بھی آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ملکیت سے نکل جاتا ہے مگر وہ مسلمانوں کے حق میں صدقہ ہو جاتا ہے، اس میں کسی کی وراثت کی خصوصیت نہیں، زکوٰۃ کے سلسلے میں شیخ تاج الدین نے جو کچھ کہا ہے وہ اپنے امام حضرت مالک کے مذہب کی بنیاد پر کہا ہے جبکہ امام شافعی کی رائے اس بارے میں ان کے خلاف ہے، چنانچہ کتاب خصائص صغریٰ میں ہی اس سے پہلے یہ ہے کہ امام مالک کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ مال کے مالک نہیں ہوتے تھے بلکہ آپ اس میں تصرف یعنی اس کو خرچ کرنے اور اپنی ضرورت کے مطابق لینے کے ہی مجاز تھے، لیکن امام شافعی وغیرہ کے نزدیک آپ ﷺ اپنے مال کے مالک تھے یہاں تک خصائص صغریٰ کا حوالہ ہے۔

چوتھی قسم اور فضائل خصوصی

آنحضرت ﷺ کی خصوصیات کی چوتھی قسم یہ بیان کی گئی تھی کہ آپ ﷺ کے فضل وشرف میں اضافہ کے لئے وہ جو صرف آپ ﷺ کے لئے خاص کئے گئے تھے، چنانچہ اسی چوتھی قسم کے تحت آپ ﷺ کا ایک یہ وصف اور فضیلت ہے کہ یوم الست میں سب سے پہلے جس ذات سے عہد لیا گیا وہ آپ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور اس مجمع مخلوقات میں وہ آپ ﷺ ہی ہیں جس نے حق تعالیٰ کے سامنے اقرار بندگی کرتے ہوئے سب سے پہلے بلیٰ یعنی ہاں بے شک کہا۔

اسی طرح ایک فضیلت وشرف یہ ہے کہ صرف آپ ﷺ ہی کو کلمہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم دے کر نوازا گیا، مگر اس بات میں شبہ ہے، کہ یہ قول دو میں سے ایک رائے کے لحاظ

سے ہے، اور یہ کہ دوسری رائے زیادہ صحیح ہے کہ یہ آیت تنہا آنحضرت ﷺ کو ہی نہیں عطا فرمائی گئی بلکہ آپ ﷺ سے پہلے بھی نازل ہو چکی ہے جیسا کہ قرآن پاک کی سورۃ نمل سے واضح ہے جس میں سلیمانؑ اور ملکہ سبا کے واقعہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ذکر آیا ہے ادھر ایک مرفوع حدیث بھی ہے کہ مجھ پر ایک ایسی آیت نازل فرمائی گئی ہے جو سلیمانؑ کے بعد میرے سوا کسی پر نازل نہیں کی گئی، وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ ہر کتاب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوئی ہے، یہاں یہ شبہ بھی پیدا ہوتا ہے، کہ سب کتابوں کے تحت انجیل بھی آتی ہے جو حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ پر نازل شدہ کتاب ہے اور حضرت عیسیٰؑ حضرت سلیمانؑ کے بعد ہوئے ہیں۔

مخصوص آیات سے نوازش خداوندی

اسی طرح یہ بھی آپ ﷺ ہی کی فضیلت و شرف ہے کہ سورۃ فاتحہ، سورہ بقرہ کا آخری حصہ یعنی امن الرسول سے ختم سورت تک اور آیۃ الکرسی جیسی آیات صرف آپ ﷺ کو عطا فرمائی گئیں۔ یہ آیات عرش کے نیچے کے خزانے سے دی گئیں، یہی حال سورہ فاتحہ اور سورہ کوثر کا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ چار سورتیں ایسی ہیں جو عرش کے نیچے کے خزانے سے اتاری گئیں اور ان کے سوا کوئی سورت وہاں سے نہیں دی گئی، وہ ام الکتاب یعنی سورہ فاتحہ۔ آیت الکرسی، سورہ بقرہ کی آخری آیات اور سورہ الکوثر ہیں۔

خزانہ عرش سے نوازشیں

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب خصائص صغری میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کو جو خصوصیات اور امتیازات عطا فرمائے گئے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو عرش کے نیچے کے خزانے سے سورتیں اور آیات دی گئیں، اس خزانے سے کوئی چیز آپ ﷺ کے سوا کسی کو نہیں دی گئی، اسی طرح سات طوال اور مفصل سورتیں دیا جانا بھی صرف آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے، اسی طرح یہ بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کی ہجرت

گاہ یعنی مدینہ منورہ قیامت کے دن ساری دنیا کے بعد اور سب سے آخر میں تباہ ہوگا، اسی طرح یہ بھی آپ ﷺ ہی کا امتیاز ہے کہ اس عالم میں موجود ہر ہر چیز صرف آنحضرت ﷺ کی وجہ سے پیدا کی گئی۔

عرش پر نام نامی ﷺ کی نگارش

آپ ﷺ ہی کا ایک عظیم وصف اور شرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام نامی عرش پر لکھ دیا ہے، نیز ہر آسمان پر اور ان میں موجود ہر چیز پر لکھ دیا ہے جیسا کہ کچھ تفصیل آگے اپنے مقام پر آئے گی نیز پتھروں، کچھ درختوں کے پتوں اور بعض حیوانات کے جسموں پر بھی حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کا اسم گرامی نقش فرمادیا ہے، ان سب کی تفصیل بھی آگے آرہی ہے، انشاء اللہ۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہی نہیں بلکہ اس عالم سکوت کی ہر ہر چیز پر آپ ﷺ کا نام نامی ثبت فرمایا گیا ہے۔

ملکوت اعلیٰ میں اسم گرامی کا ورد

ایسے ہی آپ ﷺ کا ایک امتیاز یہ ہے کہ ملائکہ وفرشتے ہر گھڑی آپ ﷺ کے اسم گرامی کا ورد کرتے ہیں، نیز عہد آدم اور ملکوت اعلیٰ میں اذان میں آنحضرت ﷺ کے نام نامی واسم گرامی کا ذکر بھی آپ ﷺ کے عظیم اوصاف میں سے ایک ہے۔

جن خصوصیات میں آنحضرت ﷺ دوسرے تمام انبیاء سے ممتاز ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ازواج سے نکاح کرنا حرام ہے یہاں تک کہ انبیاء کے لئے بھی جائز نہیں ہے یعنی اگر کوئی پچھلا نبی زندہ ہوتا تو اس کے لئے بھی ایسا کرنا حرام ہوتا اس کے برخلاف دوسرے انبیاء کی بیویوں سے ان پیغمبروں کی وفات کے بعد مومنین کے لئے نکاح کر لینا جائز تھا۔

شیخ شمس رملی کہتے ہیں زیادہ قابل فہم بات یہ ہے کہ ان انبیاءؑ کی بیویوں سے نکاح کرنا ان کی امت کے متقی لوگوں کے لئے حرام نہ رہا ہو، اس پر یہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ

جب مومنوں میں کسی کے لئے بھی وہ حرام نہیں تھیں تو متقی لوگوں کے لئے تو یقیناً حلال ہوئیں، اس کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں فرق ممکن ہے، جس کا ثبوت لفظ ''اقرب'' سے ملتا ہے جس کے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ ''زیادہ قابل فہم بات یہ ہے'' ورنہ ظاہر ہے یہ بات ایسی ہے کہ جسے نقل کرنا بے معنی ہے۔

ایک قول کے مطابق آپ ﷺ کی خصوصیات اور فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج پر یہ واجب تھا کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھیں، وہاں سے نکلنا ان کے لئے حرام تھا چاہے حج یا عمرہ کے لئے ہی نکلنا کیوں نہ ہو، مگر ترجیحی قول وہی ہے جو اس کے مخالف ہے کیونکہ آپ ﷺ کی ازواج میں سے سوائے حضرت سودہؓ و حضرت زینبؓ کے سب نے حضرت عمر کے ساتھ حج کیا تھا، وہ سب حج کے لئے ہودجوں میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں اور ان ہودجوں پر سبز رنگ کی چادریں پڑی ہوئی تھیں یہ سبز رنگ کی چادریں جس کو طیلس کہا جاتا تھا علماء اور مشائخ استعمال کرتے تھے حضرت عثمان غنیؓ ان ہودجوں کے آگے آگے چل رہے تھے۔ اگر کوئی شخص ان ہودجوں کے قریب سے بھی گزرنا چاہتا تو فوراً ٹوکتے اور کہتے دیکھ کے بچ کے۔ یعنی نہایت عزت و احترام اور ہٹو بچو کی آوازوں کے ساتھ ازواج مطہرات کی سواریاں جارہی تھیں۔

ہودجوں کے آگے آگے حضرت عثمانؓ تھے اور پیچھے پیچھے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ تھے جو اسی طرح ہٹو بچو کی آوازیں لگا رہے تھے، ازواج مطہرات کے یہ ہودج عام مجمع سے بہت دور اور بالکل الگ تھلگ چل رہے تھے، پھر جب حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ کے سوا باقی ازواج نے پھر حج کیا۔

یہ بھی حرام ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج کے جب کہ وہ پردے کے کپڑوں میں لپٹی ہوئی ہوں جسمانی ہیولیٰ کو نظر بھر کے دیکھا جائے، اسی طرح بغیر پردہ کے ان کے سامنے بیٹھ کر ان سے کچھ پوچھنا بھی حرام ہے اسی طرح کسی گواہی اور شہادت کے سلسلے میں ان کا چہرہ کھولنا متفقہ طور پر ناجائز ہے۔

انبیاءؑ سے حضور ﷺ پر ایمان کا عہد

اسی طرح آنحضرت ﷺ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم سے لے کر آخر تک تمام انبیاء سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر ان میں سے کوئی بھی آنحضرت ﷺ کا زمانہ پائے تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی مدد و نصرت کرے، نیز یہ کہ اگر وہ آنحضرت ﷺ کا زمانہ نہ پائیں تو اپنی امتوں سے یہی عہد لیں، جیسا کہ اس کا بیان آگے بھی آرہا ہے۔

حشر میں آنحضرت ﷺ کی سواری

اسی طرح یہ بھی آپ کا شرف ہے کہ حشر میں آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر آئیں گے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کے پیچھے تمام انبیاء سواریوں پر ہوں گے حضرت صالح اپنی اونٹنی پر سوار ہوں گے جو معجزہ کے طور پر ان کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ حضرت فاطمہؓ کے دونوں صاحبزادے آنحضرت ﷺ کی دو مخصوص اونٹنیوں عصباء اور قصوی پر سوار ہوں گے اور حضرت بلالؓ جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار ہوں گے اسی طرح ایک فضیلت یہ ہے کہ روزانہ آپ کی قبر مبارک پر ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں جو اپنے پر مار کر آپ ﷺ کی قبر مبارک کو صاف کرتے ہیں، وہ آپ ﷺ کے لئے استغفار کرتے ہیں اور آپ ﷺ پر درود پڑھتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ شام کو وہ واپس اوپر چلے جاتے ہیں اور دوسرے ستر ہزار فرشتے آجاتے ہیں جو صبح تک رہتے ہیں ایک دفعہ جو آچکے ہیں وہ قیامت تک دوبارہ نہیں آئیں گے۔

خصوصیت شق صدر

اسی طرح آپ ﷺ کی ایک خصوصیت و امتیاز یہ ہے کہ وحی کا سلسلہ شروع ہونے کے وقت آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا ہے اور یہ عمل آپ ﷺ کے ساتھ کئی مرتبہ پیش آیا۔ جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے، انشاء اللہ۔ نیز یہ کہ آپ ﷺ کی پشت پر قلب کی سیدھ میں مہر نبوت تھی جہاں سے آپ کے سوا دوسرے انسانوں میں شیطان داخل ہوتا ہے

دوسرے تمام انبیاءؑ کی مہرہائے نبوت ان کے دائیں حصے میں تھی۔

آپ ﷺ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ایک ہزار نام ہیں، تفسیر رازیؒ کے حوالے سے جو روایت نقل کی جاتی ہے اس کے مطابق آپ ﷺ کے چار ہزار نام ہیں۔ نیز یہ کہ اسماء خداوندی میں سے تقریباً ستر ناموں سے آنحضرت ﷺ بھی موسوم کئے جاتے ہیں، نیز یہ کہ آنحضرت ﷺ نے دو مرتبہ جبرئیلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا یعنی اس صورت میں جس پر ان کی تخلیق کی گئی ہے، جبکہ آپ ﷺ کے سوا اور کسی انسان نے بھی حضرت جبرئیلؑ کو اصلی صورت میں نہیں دیکھا ہے، نیز یہ کہ آنحضرت ﷺ واقعات کی ظاہری اور باطنی دونوں حیثیتوں پر فیصلہ فرماتے تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے نیز یہ کہ فتح مکہ کے وقت دن کے ایک مخصوص حصے میں آپ ﷺ کے لئے مکہ میں خوں ریزی حلال کر دی گئی تھی، اسی طرح مدینہ منورہ کی دونوں جانبوں کا درمیانی حصہ بھی حرام یعنی حرمت والا قرار دیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے اوصاف جسمانی

یہ بھی آپ ﷺ ہی کا امتیاز ہے کہ آپ ﷺ کا ستر یعنی جسم مبارک کے پوشیدہ حصے کبھی کسی نے نہیں دیکھے اور یہ کہ اگر کسی کی ان حصوں پر نظر پڑی تو اس کی آنکھیں بے نور ہو گئیں، نیز یہ کہ اگر آنحضرت ﷺ دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ ﷺ کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ (بحوالہ سیرت حلبیہ جلد سوم)

اسی طرح اگر آپ ﷺ کا کوئی بال آگ میں گر جاتا تو وہ جلتا نہیں تھا (نہ آگ اس کو جلا سکتی تھی) نیز یہ کہ آپ ﷺ کے چلنے سے پاؤں کا نشان پتھر پر نقش ہو گیا تھا، نیز یہ کہ مکھی آپ ﷺ کے کپڑوں پر بھی نہیں بیٹھتی تھی، جسم مبارک پر بیٹھنے کا تو سوال ہی کیا ہے، اسی طرح مچھر اور جوں آپ ﷺ کا خون نہیں چوس سکتی تھی، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جوں آپ ﷺ کے کپڑوں میں بھی نہیں آسکتی تھی، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے کپڑوں میں سے جوئیں نکالا کرتے تھے، اسی طرح یہ کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک

کے پسینے میں مشک سے بہتر خوشبو آتی تھی، جیسا کہ آگے آئے گا، نیز یہ کہ آنحضرت ﷺ جب کسی جانور پر سوار ہوتے تو جب تک آپ ﷺ سوار رہتے وہ جانور نہ پیشاب کرتا تھا اور نہ گوبر یا لید کرتا تھا۔

مسجد نبوی ﷺ کی خصوصیت

اسی طرح یہ کہ اگر آپ ﷺ کی مسجد یعنی مدینہ کی مسجد نبوی صفاء یمن تک بھی ہو تو وہ اس اضافہ میں بھی آپ ہی کی مسجد رہے گی، مگر اس بارے میں علماء کی ایک جماعت کو اختلاف ہے، جس میں علامہ ابن حجر ہیثمی بھی شامل ہیں، علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ ان مسجدوں یعنی مکہ کی مسجد حرام اور مدینہ کی مسجد نبوی کے بارے میں علماء کی واضح رائے یہ ہے، کہ ان میں کتنی بھی توسیع ہو جائے ان کے جو متعین احکام ہیں وہ نہیں بدلیں گے بلکہ ہر وسعت و توسیع اسی میں شامل ہو جائے گی، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کی مسجد نبوی ذوالحلیفہ تک بھی وسیع ہو جائے تو وہ سب توسیع و اضافہ مسجد نبوی ہی کا حصہ شمار ہوگا، اس روایت سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے احکام اس کے لئے طے شدہ اور متعین ہیں لہذا کوئی بھی توسیع ان احکام کے جاری رہنے میں منافع نہیں بن سکتی۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی امت پر نماز کے دوران آخری تشہد میں آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا واجب ہے اور بعض علماء کے نزدیک ہر ذکر کے وقت واجب ہے، یہ بھی آپ ﷺ ہی کا امتیاز ہے کہ آپ ﷺ کے لئے شق قمر ہوا یعنی چاند کے دو ٹکڑے کئے گئے تھے، جیسا کہ اس کا بیان آگے آرہا ہے، نیز یہ کہ شجر و حجر یعنی درختوں اور پہاڑوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا، درخت نے آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دی اور آپ ﷺ کے بلانے پر آپ ﷺ کے پاس آگیا اسی طرح یہ کہ دودھ پیتے بچوں نے آپ ﷺ سے کلام کیا اور آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت و گواہی دی، یہ بھی آپ ﷺ ہی کی

خصوصیت ہے کہ ایک سوکھی لکڑی آپ ﷺ کے فراق میں روئی اور اس نے نوحہ کیا جیسا کہ اس واقعہ کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

عموم رسالت کا شرف

آنحضرت ﷺ ہی کا یہ بھی وصف خصوصی ہے کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کی طرف بحیثیت نبی ظاہر فرمائے گئے، جن میں انسان اور جنات دونوں شامل ہیں اور یہ بات یقینی طور پر دین سے ثابت ہے، لہذا اس بات سے انکار کرنے والا کفر کا مرتکب ہوگا۔ لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ اگر کوئی عام آدمی اس بات سے انکار کرے کہ آنحضرت ﷺ کو جنات اور فرشتوں کے لئے بھی نبی بنا کر بھیجا گیا تھا تو وہ بھی کافر ہوگا، کیونکہ اس بارے میں تامل ہے اور یہی قول ترجیحی ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کے مخالف جو قول ہے کہ آنحضرت ﷺ فرشتوں کے لئے نبی کی حیثیت میں ظاہر نہیں ہوئے تھے اس کی بنیاد یہ ہے کہ فرشتے انبیاءؑ سے افضل ہیں، مگر یہ قول غیر ترجیحی ہے جسے بیشتر علماء نے قبول نہیں کیا ہے اس کو معتزلہ اور فلاسفہ نیز اہلسنت میں سے اشاعرہ کی ایک جماعت نے ہی قبول کیا ہے، ان لوگوں نے اپنے اس قول کی تائید میں جن باتوں کو دلیل بنایا ہے وہ سب مردود یعنی رد کی ہوئی ہیں۔

علامہ بارزیؒ کے حوالے سے یہ قول ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام حیوانات اور جمادات یعنی پتھروں کی طرف بھی رسول بنا کر ظاہر کئے گئے تھے، مگر اس قول کی تائید میں انہوں نے وہ سب ہی واقعات لئے ہیں جن میں اس جانور اور اس درخت نے آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دی تھی، مگر اس بارے میں ان دونوں واقعات کو دلیل بنانے پر تامل کا اظہار کیا گیا ہے، علامہ سیوطیؒ کا یہ قول بھی ہے کہ جس کے مطابق خدا اپنی ذات کے لئے بھی آپ ﷺ کا ظہور ہوا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو نیکو کاروں اور بدکاروں دونوں کے لئے رحمت بنا کر ظاہر فرمایا گیا

تھا، اسی طرح آپ ﷺ اس لحاظ سے کفار کے لئے بھی رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے، کہ آپ ﷺ کی وجہ سے ان پر آسمانی عذاب یعنی تباہی و بربادی میں تاخیر ہوگئی مثلاً جیسے پچھلی امتوں کو اپنے نبیوں کے جھٹلانے کی وجہ سے مختلف عذاب دیئے گئے جیسے ان کی بستیوں کو زمین میں دھنسا دیا گیا، یا ان کی صورتیں بگاڑ دی گئیں، یا انہیں سیلاب میں غرق کر دیا گیا، اور ان کی سرکشی کے نتیجے میں انہیں فوری تباہی سے دوچار کیا گیا اس سے موجودہ امت میں سے کفار کو آنحضرت ﷺ کی وجہ سے رعایت ملی ہے (اس طرح آنحضرت ﷺ کفار کے حق میں بھی رحمت ثابت ہوئے ہیں)۔

خطابِ خداوندی میں اعزاز

ایسے ہی آنحضرت ﷺ کی ایک افضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ کا نام لے کر مخاطب نہیں کیا جیسا کہ آپ ﷺ کے سوا تمام دوسرے انبیاء کو مخاطب کیا گیا تھا، بلکہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن کریم میں یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ یعنی اے نبی کہہ کر پکارا ہے۔ یا پھر یٰا یُّھَا الرُّسُل اے رسول۔ یا یٰایھا المُدَّثِّرُ یعنی اے کپڑے میں لپٹنے والے۔ یا یاأیھا الـمـزّمّـل اے کپڑے میں لپٹنے والے کہہ کر مخاطب کیا گیا، جبکہ دوسرے انبیاءؑ کو نام کے ساتھ پکارا گیا جیسے یا آدم، یا نوح، یا ابراہیم، یا داوٗد، یا زکریا، یا یحییٰ، یا عیسیٰ وغیرہ۔ مزید تفصیل اس سے متعلق آگے آئے گی، انشاءاللہ۔

قرآن میں آپ ﷺ کی جان کی قسم

آپ ﷺ کی ایک عالی مقامی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حیات پاک کی قسم کھائی ہے۔ جیسے لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون "آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔" ابن مردویہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی کی جان کی قسم نہیں کھائی، نیز اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی رسالت کی بھی قسم کھائی جیسے ارشاد ہے۔ یٰسٓ، والقرانِ الحکیم، اِنکَ لَمِنَ

الْمُرْسَلِين "یٰس، قسم ہے قرآن باحکمت کی، کہ بیشک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں۔"

آپ ﷺ کی عورتوں کے خصوصی مرتبے

آنحضرت ﷺ کی ایک فضیلت ووصف یہ ہے کہ فرشتۂ قیامت اسرافیل آسمان سے اتر کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ آپ کے علاوہ وہ کبھی کسی نبی پر نہیں اترے، نیز یہ کہ آنحضرت ﷺ اللہ کے نزدیک سب مخلوقات سے زیادہ کریم ومعزز ہیں، یہ بھی آپ ﷺ ہی کی خصوصیت میں سے ہے، کہ ایسی تمام عورتوں سے کسی شخص کا نکاح کرنا حرام ہے جن سے آنحضرت ﷺ ہم بستر ہو چکے ہوں چاہے وہ آپ ﷺ کی بیویاں ہوں یا آپ ﷺ کی باندیاں ہوں سوائے ایسی باندی کے جسے خود آپ ﷺ ہی نے زندگی میں بیچ دیا ہو یا ہبہ کر دیا ہو، اگر یہ بات فرض کر لی جائے کہ ایسا ہوا، علامہ ماوردیؒ کا اس بارے میں مسلک یہ ہے کہ قطعاً حرام ہیں چاہے ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ ہم بستر بھی نہ ہوتے، نیز چاہے آپ ﷺ سے علیحدہ ہونے میں ان کو اختیار ہی کیوں نہ رہا ہوتا، مگر علامہ رافعی نے اپنی کتاب شرح صغیر میں اس کے خلاف لکھا ہے یعنی اگر آپ ﷺ کی زوجات میں سے کسی نے آنحضرت ﷺ سے اختیار حاصل ہونے پر علیحدگی اختیار کی ہوتی تو ایسی عورت سے دوسرے کا نکاح کرنا جائز ہوتا۔

اسی طرح ایک امتیاز یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بیٹیوں سے بھی شوہر کی وفات کے بعد شادی کرنا حرام ہے، ایک قول ہے کہ یہ امتیاز صرف حضرت فاطمہؓ کے لئے تھا، جہاں تک آپ ﷺ کی ازواج کو جنگ میں گرفتاری کی صورت میں باندی بنانے کا تعلق ہے میں اس کے متعلق کسی حکم سے واقف نہیں ہوں کہ آیا ان کو باندی بنایا جانا بھی جائز ہے یا نہیں لیکن آنحضرت ﷺ کی ازواج سے شادی کرنے میں جو احترام اور درجہ رکاوٹ ہے یعنی آنحضرت ﷺ کا قبر مبارک میں زندہ حیات ہونا) وہی وجہ ان کو باندی بنانے کے سلسلے میں بھی موجود ہے (لہٰذا یہ بھی جائز نہیں ہوا)

اسی طرح یہ کہ آنحضرت ﷺ کو ہمبستری کے لئے جو قوت مردی دی گئی تھی وہ جنت کے چالیس آدمیوں کی قوت مردی کے برابر تھی، اور جنت کے ایک آدمی کی قوت مردی دنیا کے سو آدمیوں کی قوت مردی کے برابر ہے، اس طرح گویا آپ ﷺ کو دنیا کے چار ہزار آدمیوں کی قوت مردی کے برابر قوت دی گئی تھی، حضرت سلیمانؑ کو سو آدمیوں کے برابر قوت دی گئی تھی، ایک قول کے مطابق ان کو دنیا کے ایک ہزار آدمیوں کے برابر قوت مردی دی گئی تھی، نیز یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ ﷺ کے فضلات پاک تھے، آنحضرت ﷺ ہی کی یہ بھی شان تھی کہ آپ ﷺ جسے چاہیں کسی بھی خصوصیت کے ساتھ متصف فرمادیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو آدمیوں کی شہادت کے برابر درجہ دیا۔

چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دیہاتی سے ایک گھوڑا خریدا یعنی زبانی معاملہ پختہ کرلیا اور پھر آپ ﷺ تیزی کے ساتھ وہاں سے قیمت لانے کے لئے روانہ ہوئے تاکہ دیہاتی کو قیمت ادا کر کے اس سے گھوڑا لے لیں، دیہاتی کافی پیچھے رہ گیا کیونکہ آنحضرت ﷺ تیز قدمی کے ساتھ جارہے تھے، گھوڑا دیہاتی کے ساتھ ہی تھا، اس دوران میں کچھ دوسرے لوگوں نے وہ گھوڑا دیکھا تو وہ دیہاتی سے اس کا بھاؤ تاؤ کرنے لگے کیونکہ یہ خبر نہیں تھی کہ آنحضرت ﷺ اس کو خرید چکے ہیں اور قیمت لانے کے لئے تشریف لے گئے ہیں ان لوگوں نے اس سے زیادہ قیمت لگائی جس پر آنحضرت ﷺ کا معاملہ طے ہوچکا تھا، یہ دیکھ کر اس دیہاتی نے بلند آواز کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اگر آپ ﷺ اس گھوڑے کو خریدنا چاہتے ہیں تو خرید لیجئے ورنہ سمجھیے کہ میں نے اس کو دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں میں تم سے اس کو خرید چکا ہوں، دیہاتی بولا کہ آپ اس بات کے دو گواہ پیش کیجئے کہ میں آپ کو گھوڑا بیچ چکا ہوں۔

حضرت خزیمہؓ بھی وہاں کھڑے ہوئے یہ گفتگو سن رہے تھے، وہ دیہاتی سے کہنے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تم یہ گھوڑا آنحضرت ﷺ کو بیچ چکے ہو، آنحضرت ﷺ نے حضرت

خزیمہؓ سے فرمایا کہ تم کیسے گواہی دے رہے ہو جبکہ تم اس وقت وہاں موجود نہیں تھے، انہوں نے عرض کیا۔ ”یارسول اللہ! جب ہم آسمان کی خبروں کے معاملے میں آپ ﷺ کی بات کی تصدیق کرتے ہیں تو کیا آپ ﷺ خود جو کچھ فرمائیں اس کی تصدیق نہیں کریں گے۔“ اس واقعہ پر آنحضرت ﷺ نے حضرت خزیمہؓ کو یہ امتیاز عطا فرمایا کہ مقدمات میں ان کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا، اسی واقعہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ آنحضرت کسی بات کا دعویٰ فرمائیں تو اس کی گواہی وشہادت دی جاسکتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے استثنائی فیصلے

اسی کی ایک مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ام عطیہؓ اور خولہ بنت حکیمؓ کو مخصوص لوگوں کی ایک جماعت کا نوحہ کرنے کے سلسلے میں رعایت دے دی تھی، ایسے ہی آپ ﷺ سے حضرت اسماء بنت عمیسؓ کو شوہر کی وفات پر بناؤ سنگار نہ چھوڑنے کی رعایت دی جبکہ ان کے شوہر حضرت جعفر ابن ابو طالبؓ شہید ہوئے تھے، اس وقت آپ ﷺ نے حضرت اسماءؓ سے فرمایا تھا کہ تین دن تسلی رکھو اس کے بعد جو چاہے کرنا، اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت ابی بردہ اور عقبہ ابن عامرؓ کو بکری کا ایک سال سے کم کا بچہ عید پر قربان کرنے کی اجازت دے دی تھی، بعض علماء نے ان دو کے ساتھ مزید تین آدمیوں کو بھی شامل کیا ہے۔

ایسے ہی ایک مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کی شادی ایک عورت سے کی اور مہر یہ متعین کیا کہ وہ بیوی کو قرآن کریم کی ایک سورت سکھلا دے۔ آپ ﷺ نے ساتھ ساتھ اس شخص سے فرمایا کہ اس قسم کا مہر صرف تمہارے لئے ہی ہے تمہارے علاوہ کسی اور کے لئے یہ رعایت نہیں ہے، غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ غیر متعین طور پر کسی سورت کو مہر بنانا ہر ایک کے لئے جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ایک مثال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ابوطلحہؓ سے ام سلیمؓ کی شادی اس شرط

کے ساتھ جائز قرار دے دی کہ ام سلیم ابوطلحہ کو مسلمان کر لیں گی جبکہ کافر و مسلم کی شادی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ایک واقعہ ابورکانہ اور ان کی بیوی کا ہے کہ ابورکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں مگر آنحضرت ﷺ نے بغیر حلالہ کے ان کی بیوی کو پھر ابورکانہ کے حوالے فرما دیا، اسی طرح مثلاً آنحضرت ﷺ نے صرف مہاجرین کی عورتوں کو یہ خصوصیت وامتیاز عطا فرمایا کہ اپنے شوہروں کے مرنے کے بعد وہی ان کے مکانات کی وارث ہونگی بقیہ دوسرے وارث نہیں ہوں گے یعنی مرحوم کے دوسرے ورثاء کو ترکہ نہیں ملے گا بلکہ ان مکانات کے وارث ان کی بیویاں ہوں گی۔

میدان حشر میں خصوصی مرتبہ

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے امتیازات وخصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ روز حشر میں آپ ﷺ پہلے انسان ہوں گے جو اپنی قبر سے برآمد ہوں گے، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے میں اپنی قبر سے برآمد ہوں گا پھر ابوبکرؓ پھر عمرؓ پھر قبرستان بقیع کے مدفونین ہیں جو میرے ساتھ چلیں گے پھر مکہ والوں کا انتظار کروں گا، ایک روایت میں یوں ہے میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جس کی قبر شق ہوگی اور اس طرح سب سے پہلے سر اٹھانے والا میں ہی ہوں گا، پھر میں دیکھوں گا کہ میں اور موسیٰ عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ اب میں نہیں جانتا کہ آیا وہ مجھ سے بھی پہلے اٹھ چکے ہوں گے یا وہ ان میں سے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے مستثنیٰ فرما دیا ہوگا جس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ طور پر جب ان کو تجلی رب دکھلائی گئی تو وہ اس وقت بے ہوش ہو گئے تھے لہٰذا اب یہاں کی بے ہوشی سے ان کو مستثنیٰ کیا گیا ہو۔

اس بارے میں ایک اشکال ہے کہ استثناء دراصل اس صور یا خوفناک آواز سے ہوسکتا ہے جو قیامت کا پہلا خوفناک صور ہوگا اور جس کی وجہ سے تمام آسمان اور زمین والے دہل جائیں گے، پہاڑ بادلوں کی طرح اڑنے لگیں گے، زمین اپنے مکینوں کے ساتھ اس

طرح لرزنے لگے گی جیسے سمندر میں کشتی اور سفینہ ڈولتا ہے جس کو موجوں کی روانی اور شدت اچھالتی رہتی ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ یوم ترجُفُ الرَّاجِفَة. تَتبَعُهَا الرَّادِفَة "جس دن ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی مراد نفخہ اولیٰ ہے جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آوے گی، یہاں سمندر کی موجوں کو امواج معینہ کہا گیا ہے معینہ سے جو مراد ہے اس کی وضاحت اس آیت سے ہوتی ہے۔

یاایھاالناس اتقواربکم ان زلزلة الساعة شئی عظیم "اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو کیونکہ یقیناً قیامت کے دن کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی۔" رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس دن کے ان بھیانک واقعات کا مردوں کو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کس کا استثنیٰ کیا ہے، الامن شاء اللہ یعنی سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ مستثنیٰ کرنا چاہے، آپ نے فرمایا کہ وہ شہداء ہوں گے جو مستثنیٰ ہوں گے، مستثنیٰ حضرات کو ان حوادث کا علم ہوگا، حقیقت میں یہ دہشت صرف زندوں کو ہی محسوس ہوسکتی ہے اور وہ یعنی شہید زندہ ہیں ان کو اپنے رب کے پاس اور ان کی نعمتیں مل رہی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دن کی دہشت سے محفوظ فرما دیا ہے اور اس سے انہیں مامون کردیا ہے۔

اس میں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ انبیاء کو بھی یہ دہشت متاثر کرے گی اسلئے کہ وہ بھی زندہ ہیں مگر رسول اللہ ﷺ نے شہیدوں کے ساتھ ان کا ذکر نہیں فرمایا۔ حالانکہ قیاس کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ انبیاء کو یہ دہشت متاثر کرے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک خصوصیت مفضول میں موجود ہے مگر فاضل میں موجود نہیں ہے یعنی ادنیٰ کو جو مرتبہ حاصل ہے وہ اعلیٰ کو حاصل نہیں ہے، مردے تو استثناء میں آتے ہی نہیں زندوں کا ہی استثناء ہوسکتا ہے کہ زندہ ہونے کے باوجود وہ ان ہولناک حوادث کی دہشت سے محفوظ رہیں، یہی خصوصیت وفضیلت کہلائے گی، اب زندوں میں جہاں شہید داخل ہیں وہیں انبیاء بھی داخل ہیں اور انبیاء پر ذکر کیا کہ وہ زندہ ہیں لیکن انبیاء کا استثناء نہیں فرمایا جبکہ وہ بھی زندہ ہیں

اور مرتبہ میں شہیدوں سے افضل ہیں، ایک نبی فاضل یا افضل ہے اور ایک عام شہید مفضول ہے، لہٰذا اس کا یہ مطلب ہوا کہ جو خصوصیت وامتیاز افضل میں موجود نہیں وہ مفضول میں موجود ہے۔ تو معلوم ہوا کہ انبیاء کا استثناء بھی ثابت ہے۔

محشر میں اعزاز نبی ﷺ

اسی طرح آنخضرت ﷺ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ آپ ﷺ کو روز محشر موقف یعنی میدان عرفات میں جنت کے حلوں میں سے اعلیٰ ترین حلہ پہنایا جائے گا، نیز یہ کہ اس روز آنخضرت ﷺ عرش کی دائیں جانب مقام محمود میں کھڑے ہوں گے، نیز وہ آنخضرت ﷺ ہی ہوں گے جو اہل موقف کے مقدمات کے فیصلوں میں سفارش اور شفاعت فرمائیں گے۔ اسی طرح اس دن آنخضرت ﷺ کو شفاعتوں کا حق حاصل ہوگا اور گیارہ قسم کی شفاعتیں ہوں گی، جن کا حق آپ ﷺ کو حاصل ہوگا، شفاعت کا بیان تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ آگے آرہا ہے۔ اسی طرح اس دن وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہوگی جس کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور آدم سے لے کر بعد تک کے تمام انبیاءؑ آپ ﷺ کے اس پرچم کے نیچے ہوں گے نیز اس دن آنخضرت ﷺ تمام انبیاء کے خطیب اور امام ہوں گے۔

اسی طرح روز محشر میں آپ ﷺ ہی پہلے شخص ہوں گے جنہیں سجدہ کی اجازت دی جائے گی، آپ ﷺ ہی پہلے شخص ہوں گے جو پروردگار عالم کا دیدار کریں گے، نیز یہ کہ آپ ﷺ پہلے سجدہ کریں گے تو پروردگار جل جلالہ فرمائے گا۔ "اپنا سر اٹھاؤ اے محمد ﷺ! کہو تمہاری بات سنی جائے گی، مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا، تم شفاعت کرو تمہاری شفاعت وسفارش قبول کی جائے گی۔"

پھر دوبارہ بھی اسی طرح ہوگا اور تیسری مرتبہ بھی اسی طرح ہوگا، تب آنخضرت ﷺ شفاعت فرمائیں گے، یہ بھی آنخضرت ﷺ ہی کا امتیاز ہے کہ اس دن کی ہولناک گرج کے بعد سب سے پہلے آنخضرت ﷺ ہی کو افاقہ ہوگا۔ اس بارے میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ نفحہ

صعقہ (یعنی وہ پھونک جس سے ایک ہولناک گرج پید ہوگی) یہی نفخہ ثانیہ ہوگی، جو زمین وآسمان والوں کے لئے موت کی گرج ثابت ہوگی (لہٰذا اس سے افاقہ کا کیا سوال ہے جب کہ وہ نفخہ خود موت طاری کرنے والا ہوگا) اس کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں صعقہ سے چوتھا صعقہ یعنی چوتھی گرج یا دھما کہ مراد ہے، علامہ ابن حزمؒ نے اسی کو درست قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں علامہ ابن حزمؒ کا اس بارے میں عجیب قول ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ قیامت کے دن صور کو چار مرتبہ پھونکا جائے گا، لہٰذا اس بنیاد پر (اور ان کے قول کے لحاظ سے) یہ نفخہ یعنی صعقہ وہ نہیں ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے بلکہ یہ نفخہ ہوگا موقف یعنی عرفات کے میدان میں ہوگا اور تیسرے نفخہ کے بعد ہوگا جو نفخہ بعث یعنی دوبارہ زندہ کرنے والا نفخہ ہوگا اور جس کے سبب سے لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کر محشر میں پہنچیں گے، حق تعالیٰ کے اس ارشاد میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنظُرُونَ ”پھر اس صور میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی، تو دفعۃً سب کے سب کھڑے ہو جائیں گے اور چاروں طرف دیکھنے لگیں گے۔“

اسی چوتھے نفخہ کو نفخہ صعق بھی کہا جاتا ہے (نفخہ کے معنی پھونک اور پھونک مارنے کے ہیں صعق یا صعقہ کے معنی گرج اور کڑک یا ہولناک چیخ اور آواز کے ہیں، لہٰذا صعق کے معنی ہوں گے صور میں ماری جانے والی ایسی پھونک جس سے ایک بھیانک گرج اور کڑاکا پیدا ہو یا ہولناک چیخ نکلے اس چوتھے کو نفخہ صعق اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس آواز کی وجہ سے اس وقت تمام آسمان وزمین والوں پر ایک غشی کی حالت طاری ہو جائے گی جو موت کی جیسی غشی ہوگی پھر اس حالت سے سب سے پہلے جس کو افاقہ ہوگا وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہوگی۔ آنحضرت ﷺ اس وقت بیدار ہونے کے بعد دیکھیں گے کہ موسیٰؑ عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ پکڑے کھڑے ہیں، ادھر اس بارے میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ میں پہلا آدمی ہوں گا جو زمین سے برآمد ہوں گا اور میں ہی سب سے پہلے اپنا سر اٹھاؤں گا پھر میں دیکھوں گا کہ میں موسیٰ کے ساتھ عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ پکڑے کھڑا ہوں،

اب اس تفصیل کی روشنی میں یوں کہنا چاہئے کہ اس روایت میں کسی راوی کی طرف سے خلط ملط ہو گیا ہے۔

لہٰذا اب اس پر پیدا ہونے والے شبہ کا جواب دینے کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد ہے کہ "اب میں نہیں جانتا کہ آیا وہ مجھ سے پہلے اٹھ چکے ہوں گے یا وہ ان میں سے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرما دیا ہوگا۔" یہ اس سے پہلے کا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی کہ علی الاطلاق آپ ﷺ ہی وہ شخص ہوں گے جو زمین سے نکلیں گے۔ لیکن عرش تک موسیٰؑ آپ ﷺ سے پہلے پہنچ جائیں گے کیونکہ آنحضرت ﷺ اہل بقیع کے نکلنے اور مکہ والوں کے آنے کا انتظار فرما رہے ہوں گے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

پل صراط و جنت اور آپ ﷺ کا شرف

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا یہ بھی امتیاز ہوگا کہ پل صراط پر سے گزرنے والے سب سے پہلے شخص آپ ﷺ ہوں گے، نیز سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے بھی آپ ﷺ ہی ہوں گے، اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں میں کے فقراء اور مساکین ہوں گے، پھر جنت میں کسی کو کوئی چیز آنحضرت ﷺ کے وسیلہ کے بغیر نہیں ملے گی، نیز یہ کہ جنت میں سوائے آنحضرت ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب یعنی قرآن کے کوئی دوسری کتاب نہیں پڑھی جائے گی اور یہ کہ جنت میں سوائے آپ ﷺ کی زبان کے کسی دوسری زبان میں بات چیت نہیں ہوگی۔

چوتھی قسم اور آپ ﷺ کے فضائل

اس چوتھی قسم میں کچھ خصوصیات وہ ہیں جن میں آپ ﷺ کے ساتھ انبیاء بھی شریک ہیں، آنحضرت ﷺ کو یہ خصوصیت حاصل ہے، کہ اگر کوئی شخص نماز میں مشغول ہو اور آپ ﷺ اسے پکاریں تو اس پر واجب ہے کہ وہ زبان سے بھی اور عمل سے بھی آپ

ﷺ کو جواب دے چاہے وہ عمل کثیر کیوں نہ ہو جس سے عام حالات میں نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے اس شخص کی نماز باطل نہیں ہوگی برخلاف آپ ﷺ کے سوا دوسرے پیغمبروں کے کہ اس صورت میں نماز باطل ہو جائے گی، نیز یہ کہ آپ ﷺ کو مطلقاً گناہوں سے امان اور تحفظ ہے چاہے وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، ارادی ہوں یا بھول چوک کے، اسی طرح مثلاً آپ کو جماہی نہیں آتی تھی، نیز احتلام نہیں ہوتا تھا کیونکہ یہ دونوں چیزیں شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں، نیز یہ کہ آنحضرت ﷺ کی قضاء حاجت کا اثر زمین پر باقی نہیں رہتا تھا بلکہ زمین اس کو نگل لیتی تھی، اور اس جگہ سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

اندھیرے میں بینائی کی خصوصیت

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ایک وصف یہ تھا کہ آپ ﷺ رات کے اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھ سکتے تھے، جس طرح دن کی روشنی میں دیکھتے تھے، مگر ایک دوسری روایت کی روشنی میں یہ بات مشکل ہو جاتی ہے، وہ روایت یہ ہے کہ جب حضرت ام سلمہؓ سے شادی کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ عروسی منانے کے لئے تشریف لے گئے تو رات کا وقت تھا اور حجرہ میں اندھیرا تھا حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ ان کے پہلے شوہر سے پیدا ہوئی بچی بھی تھی آنحضرت ﷺ جب اندھیرے میں کمرے کے اندر داخل ہوئے تو آپ ﷺ کا قدم مبارک بچی کے اوپر پڑ گیا جس سے وہ رو پڑی، پھر اگلی رات بھی آنحضرت ﷺ اندھیرے ہی میں حجرہ کے اندر تشریف لے گئے لیکن آپ ﷺ نے اس وقت اندر داخل ہوتے ہوئے فرمایا کہ اپنے چھوٹے بچوں کا خیال رکھنا کہیں میرا پیر نہ پڑ جائے اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی عام آدمی کی طرح اندھیرے میں نہیں دیکھ سکتے تھے حضرت ام سلمہؓ کی اس بچی کا نام زینب تھا اور یہ حبشہ میں ابو سلمہؓ کے یہاں پیدا ہوئی تھی (ابو سلمہؓ ام سلمہؓ کے شوہر کا لقب تھا)

ایک دن زینبؓ جب کہ یہ ابھی کم عمر بچی ہی تھیں آنحضرت ﷺ کے پاس حجرے

کے اندر چلی گئیں، آنحضرت ﷺ غسل فرمارہے تھے، آنحضرت ﷺ نے تھوڑا پانی ان کے چہرے پر ٹپکا دیا، اس کی برکت یہ ظاہر ہوئی کہ بوڑھی ہونے کے بعد بھی جب کہ ان کی عمر تقریباً سو سال ہو چکی تھی ان کے چہرے پر شباب کی سرخی چمکتی تھی۔

پشت کی طرف بینائی کی خصوصیت

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ایک وصف یہ تھا کہ آپ ﷺ اپنی پشت کی طرف سے بھی اسی طرح دیکھ سکتے تھے جس طرح آپ ﷺ سامنے کی طرف اور دائیں بائیں دیکھتے تھے، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ، میں اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے دیکھتا ہوں، چنانچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ پشت پر آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان دو آنکھیں تھیں جو سوئی کے ناکے جیسی تھی، آپ دیکھ سکتے تھے اور جسم کے اوپر کے کپڑے ان آنکھوں کی بینائی کے لئے رکاوٹ نہیں بنتے تھے، ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پشت پر جو چیز بھی ہوتی تھی اس کا عکس آپ ﷺ کے سامنے کی دیوار میں اس طرح ابھرتا تھا جیسے آئینہ میں ابھر آتا ہے، اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات صرف نماز کے حالت میں ہی مخصوص تھی (کہ آپ ﷺ پشت کی چیزوں کو بھی دیکھ لیتے تھے) اکثر روایات کا ظاہری مطلب یہی ہے، نیز جب کہ یہ نماز کسی دیوار کے سامنے پڑھی جائے بہرحال یہ اختلاف قابل غور ہے۔

آپ ﷺ ہی کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ آپ ﷺ ثریا کے جھرمٹ میں بارہ ستاروں کو دیکھ سکتے تھے، جبکہ آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے لوگ اگر گہری نظر سے دیکھیں تو نو ستاروں سے زیادہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

امت محمدی ﷺ کی خصوصیات

رسول اللہ ﷺ کی اس امت کو بھی کچھ ایسی خصوصیات سے نوازا گیا ہے جو اس سے پہلے کی کسی امت میں موجود نہیں تھیں، مثلاً یہ کہ یہ خیر الامم یعنی تمام امتوں میں بہترین

امت ہے، نیز یہ کہ یہ امت تمام مخلوق میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کُنتم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ. ''تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔''

عبادات اور اس امت کی خصوصیات

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کو تمام امتوں میں منتخب اور پسند فرمایا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ رمضان کی پہلی رات میں اس کی طرف نظر فرماتا ہے، اس امت کو احکام کے معاملے میں اجتہاد کی نعمت دی گئی ہے، نیز حق تعالیٰ نے توریت انجیل جیسی پرانی کتابوں میں اس امت کا ذکر نمایاں طور پر فرمایا ہے، اور اس کی تعریف کی ہے، اس کو پانچ نمازیں دی گئیں، اور یہ کہ اس کو عشاء کی نماز دی گئی۔

چنانچہ ابوداؤد اور بیہقی نے حضرت معاذ ابن جبلؓ سے روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، تمہیں اس نماز یعنی نماز عشاء کے ذریعہ دوسری تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے تم سے پہلے کسی امت نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی، اسی طرح یہ بھی اسی امت کی خصوصیت ہے کہ اس کو تکبیر کے ذریعہ نماز کے افتتاح اور آغاز کی نعمت دی گئی، نیز یہ کہ اس امت کو کلمہ آمین دیا گیا، یعنی دعا کے بعد کہا جانے والا آمین دیا گیا کیونکہ تم سے پہلی امتوں میں سے کسی کو یہ کلمہ نہیں دیا گیا، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہارون کو یہ کلمہ دیا ہو اس لئے کہ موسیٰؑ جب دعا کیا کرتے تھے تو ہارون آمین کہا کرتے تھے۔ اسی طرح اس امت کو ڈھیلے سے استنجاء کرنے کی اجازت دی گئی ہے، نیز اذان، تکبیر اور نماز کے دوران رکوع دیا گیا، جہاں تک حضرت مریمؑ کے لئے حق تعالیٰ کے ارشاد کا تعلق ہے جو قرآن حکیم میں اس طرح ہے ﴿وَارکَعِی مَعَ الرَّاکِعِین﴾ ''اور رکوع کیا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔'' اس ارشاد میں رکوع سے مراد عاجزی ہے، رکوع کی اس امت کی خصوصیت ماننے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ رکوع سے اٹھتے ہوئے کلمہ ''سمع اللہ لمن

حمدہ" بھی صرف اسی امت کو دیا گیا ہے، نیز اعتدال کی حالت پر "اللهم ربنا لک الحمد...... الخ" بھی اسی امت کو عطا کیا گیا ہے۔

اسی طرح یہ بھی اسی امت کی خصوصیت ہے کہ اس کے لئے نماز میں کلام اور بات کرنا حرام کیا گیا نہ کہ روزے میں جبکہ دوسری امتوں کے ساتھ معاملہ اس کے برعکس تھا، نیز اس کو نماز کے لئے جماعت کا پابند کیا گیا اور اس میں صف بندی کی نعمت دی گئی جیسے فرشتوں کی صفیں ہوتی ہیں، ایسے ہی صرف اسی امت کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں دی گئی، نیز چاند گرہن اور سورج گرہن کی نمازیں دی گئیں، خشک سالی میں استسقاء کی نماز دی گئی اور نمازِ وتر دی گئی، نیز سفر کے دوران قصر کی نماز کی سہولت دی گئی۔

اسی طرح یہ بھی اس امت کی خصوصیت ہے کہ اسے خوف اور شدت مصیبت میں اس کے ازالہ کے لئے ایک نماز دی گئی جسے نماز خوف کہا جاتا ہے، نیز صرف اسی امت کو رمضان یعنی روزوں کا ایک مہینہ دیا گیا اور اس مہینے میں مختلف نعمتیں دی گئیں، جن میں سے ایک شیاطین کی بندش ہے اس بارے میں ایک سوال کیا گیا کہ رمضان کے مہینے میں جب فتنہ وفساد اور قتل خون ہوتا رہا ہے تو شیاطین کو مقید کرنے کا کیا فائدہ ہے؟......

اس اعتراض کے چار جواب دیئے گئے ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ فساد کم سے کم ہو، یہ نہیں کہ اس سے فساد بالکل ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ خصوصیت کہ جب روزہ افطار کیا جاتا ہے تو فرشتے افطار کرنے والوں کے لئے دعا کرتے ہیں، اسی طرح یہ کہ زوال کے بعد روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ عمدہ ہے، نیز یہ کہ اس مہینے میں سال کے شروع سے آخر تک جنت کو سجایا جاتا ہے، نیز اسی مہینے میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور اس مہینے کی پہلی شب میں آسمان کے دروازے بھی کھول دیئے جاتے ہیں، اسی طرح اس مہینے کی آخری رات میں اس امت کے لوگوں کی لئے مغفرت کی جاتی ہے۔

نیز یہ کہ اس امت کو نومولود لڑکی کے لئے بھی عقیقہ کی سنت دی گئی، عمامہ پگڑی میں شملہ دیا گیا (مراد ہے وہ پلہ جو عمامے کی پیچھے لٹکایا جاتا ہے) اسی طرح اس امت کو وقف کا طریقہ اور موت کے وقت تہائی مال کی وصیت کی اجازت دی گئی نیز گناہوں سے مغفرت کے لئے استغفار کی دولت دی گئی، اسی طرح گناہوں پر ندامت اور پچھتاوے کے لئے توبہ کو بنادیا گیا، نیز جمعہ کی نماز دی گئی اور اس دن میں ایک گھڑی ایسی دی گئی کہ اس وقت دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے، اسی طرح شب قدر بھی اسی امت کی خصوصیت ہے، اسی امت کو سحری دی گئی، فطرہ کی ادائیگی میں جلدی کرنا بھی اسی امت کی خصوصیت ہے۔ مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون کی دعا بھی اسی امت کی خصوصیت ہے، نیز لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم کی دعا بھی صرف امت محمدی کو ہی عطا فرمائی گئی ہے، نیز ان پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا گیا جیسے قتل خطا یعنی غلطی سے کسی کی جان لینے پر قصاص ہوتا تھا، یا گناہ کے تصور پر پکڑ تھی یا زبردستی کرائے گئے گناہ پر سزا و عذاب کا معاملہ تھا، نیز یہ کہ اس امت کے کسی مسئلہ پر متفق ہوجانے کو حجت اور دلیل قرار دیا گیا کیونکہ یہ اس کی خصوصیت ہے کہ یہ امت (یعنی اس امت کے علماء) کسی گمراہی یعنی حرام بات پر متفق نہیں ہوسکتے اسی طرح اس امت کو یہ خصوصیت دی گئی کہ اس کے علماء کا اختلاف رحمت ہے جبکہ اس سے پچھلی امتوں کا اختلاف ہمیشہ عذاب کی نشانی ہوا کرتا تھا، یہاں امت کے علماء سے مراد مجتہدین ہیں جیسا کہ علامہ بیہقیؒ نے یہ مراد ظاہر کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کا اختلاف رحمت ہے، لہذا صحابہ پر ان غیر صحابہ کو بھی قیاس کیا جائے گا جو اجتہاد کے مرتبہ پر پہنچے ہوئے ہیں، بعض علماء نے لکھا ہے کہ اصولیوں اور فقہاء کا یہ قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یوں فرمایا ہے، میری امت کا اختلاف رحمت ہے، مگر جستجو اور کوشش کے باوجود یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث کس نے پیش کی ہے، البتہ قاسم ابن محمد سے ان الفاظ میں یہ حدیث ملتی ہے کہ امت محمدی کا اختلاف رحمت ہے، علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں شاید راوی نے یہ حدیث محدثین کی ایسی کتابوں

سے نکالی ہے جو ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔

اسی طرح یہ بھی اسی امت کی خصوصیت ہے کہ اس کے لئے طاعون (پلیگ) کی بیماری رحمت بنادی گئی، جبکہ پچھلی امتوں کے لئے یہ بیماری ایک عذاب تھی، نیز اس امت کو اسناد یعنی حدیث سند رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کی خصوصیت دی گئی، علامہ ابو حاتم رازی ؒ کہتے ہیں جب سے اللہ نے آدم کو پیدا فرمایا اس وقت سے آج تک دنیا کی کسی امت میں ایسا نہیں ہوا کہ لوگوں نے اپنے نبیوں کے اقوال کو محفوظ رکھا ہو اور نسل در نسل ایک دوسرے تک پہنچاتے رہے ہوں سوائے امت محمدی کے (کہ اس نے حدیث کا باقاعدہ فن ایجاد کیا اور تمام احادیث کو سند کے ساتھ محفوظ کیا) یہاں تک کہ ایک شخص ایک راوی کی حدیث تمیں تمیں یا اس سے بھی زیادہ طریقوں یعنی سندوں کے ساتھ لکھتا اور بیان کرتا ہے، نیز یہ بھی اسی مت کی خصوصیت ہے کہ اس میں اقطاب (یعنی قطب) انجاب، اوتاد جنہیں عمد بھی کہا جاتا ہے، ابدال، اخیار اور عصب ہوتے ہیں، ان میں سے ابدال ملک شام میں ہوتے ہیں، ان کی تعداد کے متعلق روایتیں مختلف ہیں (کہ کل ابدال کتنے رہتے ہیں) لیکن اکثر روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چالیس ہوتے ہیں، بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ چالیس مرد ہوتے ہیں اور چالیس عورتیں ہوتی ہیں، اسی طرح جب ان میں سے کوئی مرد مرتا ہے تو اللہ اس کے بدلے میں کسی دوسرے شخص کو متعین فرمادیتا ہے، اسی طرح جب ان میں سے کوئی عورت مرتی ہے، تو حق تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کی جگہ کسی دوسری عورت کو مقرر فرمادیتا ہے، (اسی وجہ سے ان کو ابدال کہا جاتا ہے) پھر جب حکم خداوندی ہوگا تو ان سب کو موت دے دی جائیگی اور اسی وقت قیامت واقع ہوجائے گی۔

فضل ابن فضالہ ؓ سے روایت ہے کہ ملک شام کے شہر حمص میں پچیس ابدال رہتے ہیں، دمشق میں تیرہ اور شہر نیساں میں دو ابدال رہتے ہیں، حضرت حذیفہ ابن یمانی سے ایک روایت ہے کہ ملک شام میں تمیں مرد ابدال رہتے ہیں جو حضرت ابراہیم ؑ کے طریقہ کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، حضرت ابن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا، چالیس ایسے آدمی ہمیشہ دنیا میں رہتے ہیں جن کے قلب حضرت ابراہیمؑ کے قلب کے مطابق ہوتے ہیں ان کی وجہ سے اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ زمین والوں کو بربادی سے بچاتے ہیں، ان کو ابدال کہا جاتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ روئے زمین کبھی ستر راست باز لوگوں سے خالی نہیں ہوسکتی، وہ ابدال ہوتے ہیں، ان میں سے چالیس شام میں رہتے ہیں اور تیس باقی ساری زمین میں پھیلے ہوئے ہیں، حضرت معاذ ابن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین وصف جس شخص میں ہوں وہ ابدال میں سے ہے جن سے دنیا اور دنیا والوں کا قوام بنا ہوا ہے، اول صفت تقدیر اور مشیت خداوندی پر راضی ہونا ہے، دوسرے اللہ کی طرف سے حرام کی ہوئی چیزوں پر صبر و پرہیز کرنا ہے اور تیسرے یہ کہ غصہ صرف اللہ کے لئے کیا جائے، ابدال کی صفات کے متعلق حدیث میں آتا ہے، کہ ان کو جو بلند مرتبہ ملا ہے وہ نمازوں کی کثرت کی وجہ سے نہیں ملا ہے، نہ ہی روزوں اور صدقات کی وجہ سے حاصل ہوا ہے، بلکہ نفس کی صحیح تربیت، دلوں کی سلامتی اور اپنے اپنے اماموں یعنی بادشاہوں کو نصیحت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے، ایک روایت کے مطابق تمام مسلمانوں کو نصیحت پہنچانے کی وجہ سے ملا ہے، ابوسلیمان سے روایت ہے کہ ابدال ملک شام میں رہتے ہیں اور نجباء مصر میں رہتے ہیں، ایک روایت میں یوں ہے کہ ابدال شام میں رہتے ہیں اور نجباء مصر والوں میں سے ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نجباء کوفہ میں رہتے ہیں، عصب یمن میں رہتے ہیں، اخیار عراق میں رہتے ہیں، ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ عصب عراق میں رہتے ہیں۔

بعض علماء سے روایت ہے کہ نقباء کی کل تعداد تین سو ستر ہے ابدال کی تعداد چالیس ہے، اخیار سات ہوتے ہیں، عمد چار ہوتے ہیں، غوث یعنی قطب ایک ہوتا ہے، اس طرح نقباء کا مسکن اور ٹھکانہ غرب ہے، نجباء کا مسکن مصر ہے ابدال کا مسکن شام ہے، اخیار ساری دنیا میں گھومتے رہتے ہیں، عمد کا مسکن زمین کے چاروں کھونٹ میں رہتا ہے، اور غوث یعنی

قطب کا مسکن مکہ مکرمہ رہتا ہے، جب عام انسانوں کے معاملات میں کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کے متعلق نقباء گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں پھر نجباء دعاء کرتے ہیں پھر ابدال کرتے ہیں، پھر اخیار کرتے ہیں پھر عمد کرتے ہیں، اگر ان میں سے کسی کی دعا قبول ہو جاتی ہے تو ٹھیک ورنہ پھر غوث یعنی قطب دعا کرتے ہیں، ابھی قطب کی دعا ختم نہیں ہونے پاتی کہ اللہ کے یہاں قبول ہو جاتی ہے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر نبی کو ساتُ نجباء دیئے گئے، جو اس کے وزیر اور فریق رہے لیکن مجھے چودہ نجباء دیئے گئے، یعنی حمزہ، جعفر، ابوبکر، عمر علی، حسن، حسین عبداللہ ابن مسعود، سلمان، عمار ابن یاسر، حذیفہ، ابوذر، مقداد، بلال اور مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنھم لیکن ترمذی نے ان میں سے حذیفہ، ابوذر، اور مقدادؓ کا نام چھوڑ دیا ہے۔ نیز یہ کہ اس امت کے لوگ اپنی قبروں سے بغیر گناہوں کے نکلیں گے، کیونکہ مومنوں نے ان کے لئے جو استغفار کی ہوگی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو مٹادیں گے یہی امت سب سے پہلے زمین سے برآمد ہوگی، اور میدان حشر میں یہ لوگ ایک اونچی جگہ پر جمع ہوں گے، جہاں سے یہ دوسری امتوں کو بھی دیکھتے ہوں گے، اسی طرح سے سے پہلے اسی امت کا حساب و کتاب ہوگا اور تمام امتوں میں سے سب سے پہلے یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے، نیز انبیاءؑ کی طرح اس امت کے ہر ہر شخص کو دو نور ملیں گے۔

اسی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ امت پل صراط پر سے بجلی کے ایک کوندے کی طرح گزر جائے گی اسی طرح یہ کہ اس امت کے لوگ ایک دوسرے کی شفاعت اور سفارش کریں گے، نیز یہ کہ ان کو اس عمل کا بھی ثواب ملے گا جو انہوں نے خود کیا اور اس عمل کا بھی ثواب ملے گا جو دوسروں نے ان کے لئے کیا، اسی طرح ایک راجح قول کے مطابق اس امت کو اسلام کی وجہ سے دوسرے انبیاء کی امتوں پر فضیلت اور امتیاز حاصل ہے کیونکہ سوائے انبیاءؑ کو ان کی امتوں میں کوئی بھی اسلام کا وصف نہیں رکھتا ہے، لہٰذا یہ اعزاز صرف اسی امت کو حاصل ہے کہ اسے ایک ایسا وصف حاصل ہے جو صرف نبیوں کو حاصل تھا، یہ

وصف اس امت کے اعزاز واکرام کے لئے اس کو دیا گیا، چنانچہ حضرت زید ابن اسلم کہتے ہیں جو سلف صالحین میں سے ہیں اور قرآن پاک کے زبردست علماء میں سے ہیں کہ، اللہ تعالیٰ نے اس امت کے سوا کسی کا بھی ذکر اسلام کے ساتھ نہیں فرمایا۔

وضو اور خصوصیت امت

نیز اس امت کو ایسی خصوصیات سے نوازا گیا ہے جو انبیاءؑ کو چھوڑ کر اس کے سوا کسی دوسری امت میں نہیں ہے، ان خصوصیات میں سے مثلاً وضو ہے کیونکہ سوائے انبیاء کے کسی نے وضو نہیں کیا، چنانچہ ابن مسعودؓ سے ایک مرفوع حدیث ہے کہ توریت وانجیل میں اس امت کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ امت محمدی کے لوگ اپنے جسم کے اطراف کو پاک کیا کریں گے، بعض آثار میں ذکر کیا گیا ہے کہ ان پر ہر نماز کے لئے پاکی حاصل کرنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جیسے انبیاءؑ پر فرض تھا، مگر ایک حدیث کے بیان میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اعضاء دھو کر وضو کیا اور فرمایا کہ یہ وہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی نماز قبول نہیں فرماتا۔ پھر آپ ﷺ نے اعضاء کو دو دو مرتبہ دھو کر وضو کیا اور فرمایا یہ وہ وضو ہے جو تم سے پچھلی امتوں کے لوگ کیا کرتے تھے، جو شخص دو دو دفعہ اعضاء دھو کر وضو کرے گا، اس کو اللہ تعالیٰ دوہرا اجر وثواب عطا کریں گے۔ پھر آپ ﷺ نے تین تین بار اعضاء دھو کر وضو کیا اور فرمایا، یہ میرا اور مجھ سے پہلے نبیوں کا وضو ہے اور میرے دوست ابراہیمؑ کا وضو ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کے معاملے میں پچھلی امتیں بھی اس امت کے ساتھ شریک ہیں اور انہیں بھی یہ فضیلت حاصل تھی البتہ اس امت کی خصوصیت صرف یہ ہے کہ یہ وضو میں اعضاء کو تین تین بار دھوتی ہے اسی طرح اس امت کی خصوصیت ناپاکی دور کرنے کے لئے غسل کرنا ہے، جیسا کہ ان لوگوں یعنی اس امت سے پہلے نبیوں کو اس کا حکم ملتا رہا ہے۔ اسی طرح اس امت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ستر ہزار آدمی ایسے ہوں گے جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے، نیز ان ستر ہزار میں سے ہر ایک

اپنے ساتھ ستر ہزار افراد کو بھی اسی طرح جنت میں لے جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و بزرگی کی وجہ سے امت کے مشائخ و بزرگوں کی توقیر فرمائے گا، نیز یہ کہ اس امت کے لوگ جب اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے جہاد میں شریک ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ فرشتے بھی دین کی مدد کے لئے پہنچتے ہیں، اسی طرح ہر سال شب قدر میں فرشتے ان کے اوپر اترتے ہیں، ایسے ہی اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کو نیک کاموں کا اجر وثواب بہت جلد دنیا میں بھی مل جاتا ہے، جب کہ اسی عمل کا ثواب آخرت میں بھی جمع ہوتا رہتا ہے۔ جیسے صلہ رحمی کا عمل ہے، یعنی رشتے داروں کی خبر گیری ہے، کہ اس کا ثواب عمر بھر بڑھتا رہتا ہے، اور آخرت میں بھی اس کا اجر ملتا ہے۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس امت کے لوگ جو دعا مانگتے ہیں وہ قبول ہوتی ہے۔ ترمذی میں حدیث ہے کہ اس امت کو ایک ایسی نعمت دی گئی ہے جو اس کے علاوہ کسی کو نہیں دی گئی، وہ نعمت حق تعالیٰ کا یہ ارشاد اور وعدہ ہے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِیْ أَسْتَجِبْ لَكُم اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ جب کہ یہ ارشاد انبیاءؑ کے لئے ہوا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد پر وحی نازل کی اور اس امت کے بارے میں فرمایا گیا کہ اگر انہوں نے مجھ سے دعا مانگی تو میں اسے قبول کروں گا، یا تو وہ قبولیت فوری طور پر ظاہر ہوگی، یا یہ کہ ان پر سے مصیبت ہٹادی جائے گی اور یا یہ کہ آخرت میں ان کے لئے اجر وثواب کا ذخیرہ کردیا جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

نوٹ...... اس مقدمے کی تیاری کے لئے خصوصی طور پر سیرتِ حلبیہ جلد سوم سے چیدہ چیدہ اقتباسات نقل کئے گئے ہیں، اگرچہ آسانی کے لئے کافی ردّ و بدل بھی کردی گئی ہے، بہر حال تفصیل کے لئے سیرت حلبیہ جلد سوم نصف آخر سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ا

رسولِ اکرم ﷺ کو سب سے پہلے نبوت ملی اور سب سے آخر میں مبعوث ہوئے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پہلی خصوصیت پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو سب سے پہلے نبوت ملی اور سب سے آخر میں مبعوث ہوئے" الحمدللہ ان سطور کو لکھتے وقت میں "ریاض الجنة" (یعنی اس حصے پر جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا یہ ٹکڑا جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اسی ریاض الجنة میں اللہ کی توفیق سے) میں بیٹھا ہوں، آقا ﷺ کا پیارا اور مقدس روضہ مبارک میرے سامنے ہے اور میں آقا ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں بلکہ یوں کہوں کہ صاحبِ خصوصیت ﷺ عین میرے سامنے آرام فرما ہیں اور میں مقدس روضہ مبارک کے سائے تلے اور جنت کے ٹکڑے میں بیٹھ کر انکی عظیم خصوصیت کو لکھ رہا ہوں، اگر چہ لوگوں کا اژدحام لکھنے کی اجازت نہیں دے رہا، بار بار ہاتھ ہلنے کی وجہ سے کافی مشکلات کا سامنا ہے لیکن دل آقا ﷺ کی محبت سے لبریز ہے اس لئے مجبور کررہا ہے کہ کچھ بھی ہو لکھو کہ شاید جب قیامت کا دن ہوگا، نفسا نفسی کا عالم ہوگا ایسے کٹھن وقت میں آقا ﷺ فرمادیں: "یا اللہ اگر چہ یہ میرا امتی تھا تو بہت گناہ گار لیکن چونکہ اس نے میرے روضے کے سامنے اور جنت کے باغیچے میں بیٹھ کر میری خصوصیات پر کام کیا تھا اس لئے میں تیرا محبوب (ﷺ) اس حقیر اور ناقص بندے کی سفارش کرتا ہوں قبول فرمالیجئے۔" اور یہ ہمارا ایمان ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی سفارش کو رد نہیں کرے گا بس دل کو یہی تسلی ہے اور اسی تسلی کی وجہ سے یہ آبلہ پا

قلم لکھتا چلا جارہا ہے، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء کرامؑ سے پہلے نبوت کی دولت عطا فرمادی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت اور حکمت کے مطابق اپنے محبوب نبی ﷺ کو سب سے آخر میں مبعوث فرمایا، جبکہ دیگر انبیاء کرامؑ کو ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت ملی تو معلوم ہوا کہ ہمارے نبی ﷺ کو سب سے پہلے نبوت کا ملنا بھی خصوصیت ہے اور سب سے آخر میں مبعوث ہونا بھی خصوصیت ہے، جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں اسکی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے، جسے احادیث کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس کتاب کی ترتیب کے مطابق یہ پہلی خصوصیت پڑھکر آپ کے دل میں نبی ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوگا اور اپنے نبی کی سنتوں پر عمل کرنے کا شوق مزید آگے بڑھے گا انشاء اللہ۔ تو محترم قارئین! اب تمہیدی بات ختم کی جاتی ہے اور اصل موضوع یعنی خصوصیات مصطفیٰ ﷺ سے متعلق پہلی خصوصیت پیش کی جاتی ہے، لیجئے ملاحظہ فرمایئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

پہلی خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

عن ابی مسعود قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اِنَّ اللّٰہَ جَمِیلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ" یعنی اللہ تعالیٰ حسین ہے اس کو حسن محبوب ہے۔ حسن کا تقاضہ اپنا ظہور اور اپنی معرفت کرانا ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت اور اپنے جمال وکمال کو ظاہر کرنے کے لئے مخلوق پیدا فرمائی اور سب سے پہلے اپنی صفت خلق کو ظاہر کیا اور رسولِ اکرم ﷺ کا نور پیدا فرمایا اور اس کو اپنی صفات جمال وکمال کا جامع بنایا پھر مجموعہ کمالات کی تفصیل کے لئے جملہ کائنات کو اسی نور سے پیدا کیا اور یہ بھی ثابت ہے کہ اپنے حبیب ﷺ ہی کے

لئے تمام کائنات کو پیدا فرمایا۔

حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں ؎

طفیل آپ کے ہے کائنات کی ہستی بجا ہے کہئے اگر تم کو مبداء الآثار

لگا تا ہاتھ نہ پتلے کو ابوالبشر کے خدا اگر ظہور نہ ہوتا تمہارا آخر کار

عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی۔ آپ نے فرمایا اے جابر اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے (نہ بایں معنی کہ نور الٰہی اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا اور نہ بہشت تھی اور نہ دوزخ تھی۔ اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا نہ چاند تھا اور نہ جن تھا نہ انسان تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے اور ایک حصے سے قلم پیدا کیا اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش، آگے طویل حدیث ہے۔

فائدہ...... اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔ واضح رہے کہ ظاہراً نور محمدی روحِ محمدی سے عبارت ہے اور حقیقت روح کی اکثر محققین کے قول پر مادہ سے مجرد ہے۔

اور حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میں حق تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر ہی میں پڑے تھے (یعنی ان کا پتلا بھی تیار نہ ہوا تھا) روایت کیا اس کو احمد اور بیہقی نے۔

فائدہ......اس وقت ظاہر ہے کہ آپ کا بدن تو بنا ہی نہ تھا پھر نبوت کی صفت آپ کی روح کو عطا ہوئی تھی اور نور محمدی اسی روح محمدی کا نام ہے جیسا اوپر مذکور ہوا اور اگر کسی کو یہ

شبہ ہو کہ شائد مراد یہ ہے کہ میرا خاتم النبیین ہونا مقدر ہو چکا تھا سو اس سے رسولِ اکرم ﷺ کے وجود کا تقدم آدم علیہ السلام پر ثابت نہ ہوا۔

جواب یہ ہے کہ اگر یہ مراد ہوتی تو آپ کی کیا تخصیص تھی تقدیر تمام اشیائے مخلوقہ کی ان کے وجود سے متقدم ہے پس یہ تخصیص خود دلیل ہے اس کی کہ مقدر ہونا مراد نہیں بلکہ اس صفت کا ثبوت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ کسی صفت کا ثبوت فرع ہے مثبت لہ کے ثبوت کی پس اس سے آپ کے وجود کا تقدم ثابت ہو گیا اور چونکہ مرتبہ بدن متحقق نہ تھا اس لئے نور اور روح کا مرتبہ متعین ہو گیا۔ اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس وقت ختم نبوت کے ثبوت کے بلکہ خود نبوت ہی کے ثبوت کے کیا معنی کیونکہ نبوت آپ کو چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی اور چونکہ آپ سب انبیاء کے بعد میں مبعوث ہوئے اس لئے ختم نبوت کا حکم کیا گیا سو یہ وصف تو خود تأخر کو مقتضی ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ تاخر مرتبہ ظہور میں ہے مرتبہ ثبوت میں نہیں جیسے کسی کو تحصیلداری کا عہدہ آج مل جاوے اور تنخواہ بھی آج ہی سے چڑھنے لگے مگر ظہور ہوگا کسی تحصیل میں بھیجے جانے کے بعد، واللہ اعلم۔

اور اسی طرح حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ آپ کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہو چکی تھی۔ آپ نے فرمایا جس وقت میں کہ آدم علیہ السلام ہنوز روح اور جسد کے درمیان میں تھے (یعنی ان کے تن میں جان بھی نہ آئی تھی) روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

فائدہ...... اور ایسے ہی الفاظ میسرہ ضبّی کی روایت میں بھی آئے ہیں امام احمد نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابونعیم نے حلیہ میں اس کو روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

اور شعبیؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کب نبی بنائے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام اس وقت روح اور جسد کے درمیان میں تھے جب کہ مجھ سے میثاق (نبوت کا) لیا گیا۔ کما قال تعالیٰ: ﴿واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک

وَمِنْ نُّوحٍ﴾

روایت کیا اس کو ابن سعد نے جابر جعفی کی روایت سے ابن رجب کے ذکر کے موافق۔ بے شک شاعر نے درست کہا۔

پہنچ سکا ترے رتبہ تلک نہ کوئی نبی ہوئے ہیں معجزے والے بھی اس جگہ ناچار
جو انبیاء ہیں وہ آگے تری نبوت کے کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبی اقرار

اور حضرت علی ابن الحسین (یعنی امام زین العابدین) سے روایت ہے وہ اپنے باپ حضرت امام حسینؓ اور وہ ان کے جدامجد یعنی حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے پروردگار کے حضور میں ایک نور تھا۔

ف...... اس عدد میں کمی کی نفی ہے زیادتی کی نہیں پس اگر زیادتی کی روایت پر نظر پڑے شبہ نہ کیا جاوے۔ رہ گئی تخصیص اس کے ذکر میں سو ممکن ہے کہ کوئی خصوصیت مقامیہ اس کو مقتضی ہو۔ (بحوالہ العطور المجموعہ از افادات حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ)

سب انبیاء علیہم السلام پر تقدم کی وجہ

حضرت سہل بن سعد نے امام باقرؒ سے پوچھا کہ رسولِ اکرم ﷺ کو سب انبیاء سے تقدم کیسے ہوگیا حالانکہ آپ سب کے آخر میں مبعوث ہوئے انہوں نے جواب دیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے یعنی ان کی پشتوں میں سے ان کی اولاد کو (عالم میثاق میں) نکالا اور ان سب سے ان کی ذات پر یہ اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب سے اول (جواب میں) بلیٰ (یعنی کیوں نہیں) محمد ﷺ نے کہا اور اسی لئے آپ کو سب انبیاء سے تقدم ہے گو آپ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے۔

فائدہ...... اگر میثاق لینے کے وقت ارواح کو بدن سے تلبس بھی ہوگیا ہوتا ہم احکام روح ہی کے غالب ہیں اسی لئے اس روایت کو کیفیات نور میں لانا مناسب سمجھا

اوراوپر شعبیؒ کی روایت میں آپ سے قبلِ آدم میثاق لیا جانا مذکور ہے اور یہ میثاق الست برظم ظاہر روایات سے بعد خلق آدم معلوم ہوتا ہے سو ممکن ہے کہ وہ میثاق نبوت کا بلا اشتراک غیرے ہو جیسا اس حدیث کے ذیل میں اس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے، واللہ اعلم۔

(بحوالہ نشر الطیب)

اس طرح رسول اکرم ﷺ کی اس خصوصیت کی مزید وضاحت حضرت عباسؓ کی اس قصیدے سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ جب غزوہ تبوک سے آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں واپس تشریف لائے تو حضرت عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو اجازت دیجئے کہ آپ کی مدح کروں (چونکہ حضور کی مدح خود طاعت ہے اس لئے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کہو اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سالم رکھے انہوں نے یہ اشعار آپ کے سامنے پڑھے۔

مِن قَبلِها طِبتَ فِی الظِّلالِ وفِی مُستَودَعٍ حَیثُ یَخصِفُ الورقُ
ثم هبطت البلاد لا بشر اَنتَ ولا مُضغةَ ولا علقُ
بل نطفةُ تَر کبُ لسفِینَ وَقَد اَلجم نسرَ اَو اَهله الغرقُ
تُنقل من صالب اِلی رحم ازا مضَی عالم بَدَا طبُقُ
وَرَدَتْ نارَ اُلخلیلِ مُکتتما فِی صُلبِهٖ أنت کیفَ یَحترقُ
حتی احتوی بیتک المُهیمن من خِندِف علیاء تحتها النطقُ
وأنت لما ولدتَ أشرقت الأرضُ وضائت بنورک الأفقُ
فنَحنُ فِی ذالک الضیاء وفی لنور سبل الرشاد نخترقُ

ترجمہ: زمین پر آنے سے پہلے آپ جنت کے سایہ میں خوشحالی میں تھے اور نیز ودیعت گاہ میں جہاں (جنت کے درختوں کے) پتے اوپر تلے جوڑے جاتے تھے یعنی آپ صلب آدمؑ میں تھے سو قبل نزول الی الارض کے جب وہ جنت کے سایوں میں تھے آپ بھی تھے اور ودیعت گاہ سے مراد بھی صلب ہے جیسا اس آیت میں مفسرین نے کہا

ہے۔ ''فمستقرو مستودع'' اور پتے کا جوڑنا اشارہ ہے اس قصہ کی طرف آدمؑ نے اس منع کیے ہوئے درخت سے کھالیا اور جنت کا لباس اتر گیا تو درختوں کے پتے ملا ملا کر بدن ڈھانکتے تھے یعنی اس وقت بھی آپ مستودع میں تھے اس کے بعد آپ نے بلاد (یعنی زمین) کی طرف نزول فرمایا اور آپ اس وقت نہ بشر تھے اور نہ مضغہ اور نہ علق (کیونکہ یہ حالتیں جنین ہونے کے بہت قریب کی ہوتی ہیں اور ہبوط کے وقت جنین ہونے کا انتفاء ظاہر ہے اور یہ نزول الی الارض بھی بواسطہ آدمؑ کے ہے غرض آپ نہ بشر تھے نہ علقہ نہ مضغہ) بلکہ (صلب آباء میں) محض ایک مادہ مائیہ تھے کہ وہ مادہ کشتی (نوح) میں سوار تھا اور حالت یہ تھی کہ نسر بت اور اس کے ماننے والوں کے لبوں تک طوفان غرق پہنچ رہا تھا (مطلب یہ کہ بواسطہ نوحؑ کے وہ مادہ راکب کشتی تھا) مولانا جامیؒ نے اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے۔

زجودش گرنگشتے راہ مفتوح بجودی کے رسیدے کشتی نوح

ترجمہ...... ان کے کرم (نور) سے اگر راستہ نہ کھلتا تو نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ پر کیسے پہنچتی۔

(اور) وہ مادہ (اسی طرح واسطہ در واسطہ) ایک صلب سے دوسرے رحم تک نقل ہوتا رہا جب ایک طرح کا عالم گزر جاتا تھا دوسرا طبقہ ظاہر (اور شروع) ہو جاتا تھا۔ (یعنی وہ مادہ سلسلہ آباء کے مختلف طبقات میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ اسی سلسلہ میں) آپ نے نار خلیل میں بھی ورود فرمایا چونکہ آپ ان کی صلب میں مخفی تھے تو وہ کیسے جلتے (پھر آگے اسی طرح آپ منتقل ہوتے رہے) یہاں تک کہ آپ کا خاندانی شرف جو کہ (آپ کی فضیلت پر) شاہد و ظاہر ہے اولاد خندف میں سے ایک ذروہ عالیہ پر جا گزیں ہوا جس کے تحت میں اور حلقے (یعنی دوسرے خاندان مثل درمیانی حلقوں کے) تھے (خندف لقب ہے آپ کے جد بعید مدرکہ بن الیاس کی والدہ کا یعنی ان کی اولاد میں سے آپ کے خاندان اور دوسرے خاندانوں میں باہمی وہ نسبت تھی جیسے پہاڑ میں اوپر کی چوٹی اور نیچے کے درمیانی درجوں میں ہوتی ہے اور نطق یعنی اوساط کی قید سے اشارہ اس طرف ہے

کہ غیر اولاد خندف کو ان سب کے سامنے بالکل نشیب کی نسبت درجات جبل کے ساتھ ہے) اور آپ جب پیدا ہوئے تو زمین روشن ہوگئی اور آپ کے نور سے آفاق منور ہوگئے سو ہم اس ضیاء اور اس نور میں ہدایت کے رستوں کو قطع کرر ہے ہیں۔

فائدہ...... ظاہر ہے کہ جنت کے سایوں میں ہونا اور کشتی نوح میں ہونا اور نار خلیل میں ہونا یہ قبل ولادت جسمانیہ ہے پس یہ سب حالات روح مبارک کے ہوئے کہ عبارت ہے نور سے اور ظاہر ان مراتب میں صرف آپ کا وجود بالقوۃ مراد نہیں ہے جو مرتبہ وجود مادہ کا ہے کیونکہ یہ وجود تو تمام اولاد آدم ونوح وابراہیم علیہم السلام میں مشترک ہے پھر آپ کی تخصیص کیا ہوئی اور مقام مدح مقتضی ہے ایک گونہ اختصاص کو پس یہ قرینہ غالبہ ہے کہ یہ مرتبہ وجود کا اوروں کے وجود سے کچھ ممتاز تھا مثلاً یہ کہ اس جزو مادی کے ساتھ علاوہ تعلق روح آباء کے خود آپ ﷺ کی روح کو بھی کوئی خاص تعلق ہو۔ یہ تو قرینہ عقلیہ ہے۔ اور نقلی قرینہ خود ان اشعار میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا سوزش سے محفوظ رہنا مسبب بتایا گیا ہے آپ کے ورود فرمانے سے سو اگر اس جزو مادی کے ساتھ آپ کی روح کا کوئی خاص تعلق نہ مانا جاوے تو اس جزو کے وارد فی النار ہونے کے کیا معنی کیونکہ ورود کے معنی لغوی مقتضی ہیں وارد کے خارج ہونے کو اور جزو کو داخل کہا جاتا ہے وارد نہیں کہا جاتا پس یہ امر خارجی آپ کی روح مبارک ہے جس کا تعلق اس جزو مادی سے ہے کہ مجموعہ جزو اور روح کا بوجہ ترکیب من الداخل والخارج ہوگا پس اس تقریر پر ان اشعار سے یہ تطورات آپ کے نور مبارک کے لئے ثابت ہوگئے اور چونکہ حضور اقدس ﷺ نے ان اشعار پر سکوت فرمایا اس لئے حدیث تقریری سے ان کے مضامین کا صحیح اور حجت ہونا ثابت ہوگیا۔

(بحوالہ العطور المجموعہ ونشر الطیب) (از افادات حضرت تھانویؒ)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اکرم ﷺ کی سچی محبت نصیب فرمائے، اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العلمین

خصوصیت نمبر۲

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت اور بچپن کی شان سب انبیاء سے نرالی ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی یہ دوسری خصوصیت شروع کی جارہی ہے جس کا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت اور بچپن کی شان سب انبیاء سے نرالی ہے'' بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے عین روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی، کہ صاحبِ خصوصیت میرے سامنے اپنے مقدس روضہ مبارک میں آرام فرما ہیں اور میں حضور ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، بے شک یہ میرے لئے ایک بہت بڑی سعادت ہے جسکے لئے میں اپنے اللہ کا دل سے شکر گزار ہوں۔

بہر حال محترم قارئین! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے حضور ﷺ کی دیگر تمام خصوصیات کی طرح ولادت و بچپن کی یہ عظیم خصوصیت بھی بڑی عظیم اور بلند و بالا ہے۔ جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ حضور ﷺ کی ولادت اور بچپن سے متعلق ایسے ایسے عظیم واقعات ملتے ہیں کہ انسان کی عقل حیرت میں آجاتی ہے جبکہ دیگر انبیاء سے متعلق ایسے واقعات نہیں ملتے اور اگر کسی نبی مثلاً حضرت عیسیٰ وغیرہ سے متعلق کچھ بچپن کے معجزات تاریخ میں ملتے ہیں تو وہ کچھ اور چند ہیں لیکن ہمارے نبی ﷺ کی ولادت اور بچپن کے بے شمار واقعات ہیں تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کے لحاظ سے بھی ہمارے نبی ﷺ تمام انبیاء کرامؑ پر فائق ہیں لیکن واضح رہے کہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دیگر انبیاء کرامؑ بھی اپنی جگہ پر افضل و اعلیٰ ہیں اور ان سب پر ایمان لانا ہمارا فرض ہے لیکن درجے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے خود ہمارے نبی ﷺ کو سب سے اونچا درجہ عطا فرمایا۔

بہر حال آنے والے اوراق میں تفصیل کے ساتھ حضور ﷺ کی ولادت اور بچپن کے واقعات پیش کئے جا رہے ہیں بے شک ان کے مطالعہ سے ہمارے ایمان میں اضافہ اور ہماری حضور ﷺ سے محبت کو جلا ملے گی، انشاء اللہ۔ دعا گو ہوں کہ یا خداوندِ قدوس روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر کی جانے والی میری اس کاوش کو مقبول و منظور فرما اور اگر حضور ﷺ کی شان میں کوئی کمی کوتاہی ہوگئی ہو تو معاف فرما، آمین یارب العالمین۔

رسول اکرم ﷺ کی ولادت اور بچپن کے مثالی واقعات

رسولِ اکرم ﷺ کی مبارک ذات کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ربوبیت کا اقرار کرا کر عبدیت کاملہ اور پھر رسالت سے سرفراز فرمایا جب انسانوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمانا چاہا تو روح مبارک کو بشریت کا جامہ پہنا کر اور بشری لوازمات (ماسوئ ایسی باتوں کے جو شان نبوت کے منافی ہیں) کے ساتھ ایسے خصائل سے نوازا کہ خدائی مخصوص صفات مثلاً الوہیت، ربوبیت، صمدیت، یکتائی اور کبریائی کے علاوہ جو صفات و کمال کسی بشر کو عطا کی جا سکتی تھیں ان سب کو جسد اطہر میں ودیعت رکھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالات اور محاسن کا مظہر بنا کر بشری نظام کے مطابق پیدا فرمایا۔ لیکن بشر ہونے کے باوجود مافوق البشر خصوصیات بھی عطا کیں جس کے متعلق کسی نے آپ ﷺ کی شان میں کیا خوب کہا۔

انما محمد بشر لیس کالبشر بل ہو یاقوت والناس کالحجر

یعنی رسولِ اکرم ﷺ بشر تو ہیں مگر اور انسانوں کی طرح نہیں بلکہ آپ ایسے ہیں جیسے پتھروں میں یاقوت ہوتا ہے۔ حقیقت تو یاقوت کی بھی پتھر کی ہے۔ مگر اس میں اور دوسرے پتھروں میں ایسا زمین آسمان کا فرق ہے کہ اس فرق پر نظر کر کے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر نہیں کچھ اور چیز ہے پس یاقوت کا کمال یہی ہے کہ وہ پتھر ہو کر ایسا قیمتی اور خوش نما ہے، اگر پتھر نہ ہوتا، سونا ہوتا تو کوئی عجیب بات نہ تھی۔

اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ کا کمال یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ انسان ہو کر سب انسانوں

سے اس طرح بڑھے ہوئے ہیں اور ایسے خصائص رکھتے ہیں جس کی مثال ساری کائنات میں نہیں ملتی۔ بے شک رسولِ اکرم ﷺ کی کماحقہ تعریف سے زبانیں عاجز ہیں، آخر میں سب کو یہی کہنا پڑتا ہے۔

''بعد از خدا بزرگ توہی قصہ مختصر......''

اگر بشر کے بجائے فرشتہ ہوتے تو بعض خصائص کے لحاظ سے مثلاً معراج وغیرہ میں کچھ کمال نہ تھا۔ بندہ کے خیال میں اگر شاعر حجر اسود کو شعر میں لا سکتا تو زیادہ اچھا ہوتا کہ وہ قیمت اور محبوبیت میں لاکھوں یاقوتوں سے بڑھ کر ہے۔ اس کو ''یمین اللہ'' کہا گیا ہے۔ حالانکہ وہ بھی ایک پتھر ہے، اور رسولِ اکرم ﷺ انسانوں میں حبیب اللہ ہیں، اگر کوئی دوسرے انسانوں کے برابر کہے تو کفر ہے۔

ہر نبیؑ کو بشر ہونے کے باوجود مافوق البشر خصوصیات عطا کی جاتی ہیں، بالفاظ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ: ''جس طرح ہمارا نفس اور ہماری روح یا ہمارے جسم کی پراسرار مخفی قوت ہمارے قالب خاکی پر حکمران اور ہمارے اعضاء اور جوارح اس کے ایک ایک اشارہ پر حرکت کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح نبوت کی روح اعظم اذن الٰہی سے سارے عالم جسمانی پر حکمران ہو جاتی ہے اور روحانی دنیا کے سنن واصول عالم جسمانی کے قوانین پر غالب آجاتے ہیں، اس لئے وہ چشم زدن میں فرش زمین سے عرش بریں تک عروج کر جاتی ہے، سمندر اس کی ضرب سے تھم جاتا ہے، چاند اس کے اشارے سے دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھوں کی دی ہوئی چند روٹیاں ایک عالم کو سیر کر دیتی ہیں، اس کی انگلیاں پانی کی نہریں بہا دیتی ہیں۔ اس کے نفس پاک سے بیمار تندرست ہو جاتے ہیں اور مردے جی جاتے ہیں، وہ تنہا مٹھی بھر خاک سے پوری فوج کو تہ وبالا کر سکتا ہے۔ کوہ، صحرا، بحر وبر، جاندار اور بے جان سب ہی بحکم الٰہی اس کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔''

(بحوالہ چیدہ چیدہ از سیرت النبی ج ۳)

فائدہ...... قرآن وحدیث اور اجماع امت کی روشنی میں مسلمانوں کا نبوت کے

بارے میں وہی عقیدہ ہے جو سید سلیمان ندویؒ نے بیان فرمایا۔

حضرت نانوتویؒ اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں:۔

بجز خدائی نہیں چھوٹا تجھ سے کوئی کمال　　بغیر بندگی کیا ہے لگے جو تجھ کو عار
جو دیکھیں اتنے کمال پہ تیری یکسائی　　رہے کسی کو نہ وحدت وجود کا انکار
یہ اجتماع کمالات کا تجھے اعجاز　　دیا تھا تا نہ کریں انبیاء کہیں تکرار
تو آئینہ ہے کمالات کبریائی کا　　وہ آپ دیکھتے ہیں اپنا جلوۂ دیدار
جمال کو ترے کب پہنچے حسن یوسف کا　　وہ دلربائے زلیخا تو شاہد ستار
رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت　　نہ جانا کون ہے کچھ بھی کسی نے جز ستار

(بحوالہ العطور المجموعہ)

رسولِ اکرم ﷺ کے توسّل سے بارانِ رحمت کا نزول

رسولِ اکرم ﷺ کے لڑکپن کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ مکہ میں سخت قحط پڑا۔ قریش حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابو طالب قحط سالی سے ہمارا برا حال ہو گیا ہے تم بارش کی دعا مانگو۔ ابو طالب رسولِ اکرم ﷺ اور مکہ کے بہت سے دوسرے لڑکوں کے ساتھ بارش کی دعا کرنے چل پڑے۔

بیت اللہ شریف پہنچ کر وہ اس کی دیوار سے پشت لگا کر کھڑے ہو گئے۔ ان کی انگلیاں رسولِ اکرم ﷺ نے پکڑیں اور پھر انہوں نے بارش کے لئے دعا کی۔ اسی وقت آسمان پر بادل چھا گئے اور اس زور کا مینہ برسا کہ مکہ کا ہر پرنالہ بہنے لگا۔ شہر میں غلہ کی ارزانی ہو گئی اور مویشیوں کے لئے چارہ کی فراوانی ہو گئی۔ (بحوالہ ابن عساکر)

رسولِ اکرم ﷺ کا طفولیت میں عدل، نظافت اور حیا

رسولِ اکرم ﷺ پستان راست (دائیں) کا دودھ پیا کرتے تھے اور پستان چپ (یعنی بائیں) اپنے بھائی رضاعی (یعنی حلیمہ کے بیٹے) کے لئے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ ایسا

عدل رسول اکرم ﷺ کی طبیعت میں تھا۔ اور لڑکپن میں کبھی آپ نے بول و براز کپڑے میں نہیں کیا بلکہ دونوں کے وقت مقرر رہتے تھے کہ اسی وقت آپ کو رکھنے والے آپ کو جائے ضرورت میں اٹھا کر پیشاب کرا دیتے تھے۔ اور کبھی ستر برہنہ نہ ہوتا۔ اور جو کپڑا اتفاقاً اٹھ گیا ہوتا تو فرشتے فوراً ہی ستر کو چھپا دیتے تھے۔

ایک بار اپنے بچپن کا واقعہ خود رسول اکرم ﷺ نے ذکر فرمایا کہ میں بچوں کے ساتھ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہا تھا اور سب اپنی لنگی اتار کر گردن پر پتھر کے نیچے رکھے ہوئے تھے، میں نے بھی ایسا ہی کرنا چاہا، (کیوں کہ اتنے بچپن میں انسان مکلف بھی نہیں ہوتا اور طبعاً و عرفاً بھی ایسے بچے سے اس طرح کا امر خلاف حیا نہیں سمجھا جاتا) دفعتاً (غیب سے) ایک زور دار دھکا لگا اور یہ آواز آئی کہ: ''اپنی لنگی باندھو۔'' پس میں نے فوراً لنگی باندھ لی اور گردن ہی پر پتھر لانے شروع کر دیئے۔

رسول اکرم ﷺ کی آمد کے ساتھ ہی مشرق و غرب کی سیر

ابو نعیم عبد الرحمٰن بن عوفؓ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنی والدہ شفا سے نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ: ''جب حضرت آمنہ سے رسول اکرم ﷺ پیدا ہوئے تو میرے ہاتھوں میں آئے اور (موافق معمول بچوں کے) رسول اکرم ﷺ کی آواز نکلی تو میں نے ایک کہنے والے کو سنا، کہتا ہے کہ ''رحمک اللہ'' (یعنی رسول اکرم ﷺ آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو) شفا کہتی ہیں کہ تمام مشرق و مغرب کے درمیان روشنی ہوگئی۔ یہاں تک کہ میں نے روم کے بعضے محل دیکھے پھر میں نے رسول اکرم ﷺ کو دودھ دیا۔

(یعنی اپنا نہیں بلکہ رسول اکرم ﷺ کی والدہ کا کیوں کہ شفا کو کسی نے مرضعات میں ذکر نہیں کیا)۔

اور تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ مجھ پر ایک تاریکی اور رعب اور زلزلہ چھا گیا اور رسول اکرم ﷺ میری نظر سے غائب ہو گئے۔ سو میں نے ایک کہنے والے کی آواز سنی۔ کہتا

ہے کہ: ''ان کو کہاں لے گئے تھے؟...... '' جواب دینے والے نے کہا کہ: ''مشرق کی طرف ۔'' وہ کہتی ہیں کہ اس واقعہ کی عظمت برابر میرے دل میں رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا، اور اول ایمان لانے والوں میں ہوئی ۔''

فائدہ...... مشرق کے ذکر سے مغرب کی نفی نہیں ہوئی دوسری روایات میں مغارب بھی آیا ہے ۔ شائد تخصیص ذکری اس روایت میں بنا بر شرف سمت مشرق کے ہے وجہ اس کے کہ وہ مطلع ہے شمس کا جیسا شروع والصّفّت میں رب المشارق فرمایا گیا ہے ۔

(بحوالہ المعطور المجموعہ)

رسولِ اکرم ﷺ کا مبارک قدم ہونا

کندیر بن سعیدؒ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں زمانہ جاہلیت میں حج کو گیا وہاں میں نے ایک شخص کو طواف کرتے ہوئے دیکھا وہ یہ شعر پڑھ رہا تھا ۔

﴿رُدَّ اِلَی رَاکِبِی مُحمدًا یارب ردوا صطنع عندی یدا﴾

''پھیر دے میرے محمدؐ کو، اے میرے پروردگار پھیر دے، اور مجھ پر یہ ایک احسان کر دے ۔''

میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ (قریش کے سردار) عبدالمطلب ہیں ۔ انہوں نے اپنے پوتے کو اپنے گم شدہ اونٹ کی تلاش میں بھیجا ہے ۔ وہ جب اپنے اس پوتے کو کسی کام کے لئے بھیجتے ہیں، تو وہ کام فوراً ہو جاتا ہے ۔ اب کی بار تھوڑی دیر ہو گئی اسی لئے وہ یہ دعا مانگ رہے ہیں ۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ رسولِ اکرم ﷺ گمشدہ اونٹ کو لے کر واپس تشریف لے آئے ۔ عبدالمطلب نے رسولِ اکرم ﷺ کو سینہ سے لگا لیا ۔ (تاریخ بخاری، بیہقی، ابونعیم، ابن سعد)

پتھروں سے سلام کی آواز

نبی اکرم ﷺ بعثت کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں، جو

مجھ کو بعثت سے پہلے سلام کیا کرتا تھا۔ میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں (یعنی دیکھ کر بتا سکتا ہوں)۔ (صحیح مسلم، مسند احمد حنبل)

رسولِ اکرم ﷺ کا اول کلام

بیہقی اور ابن عساکر نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حلیمہ کہتی تھیں کہ انہوں نے جب رسولِ اکرم ﷺ کا دودھ چھڑایا تھا تو رسولِ اکرم ﷺ نے دودھ چھوڑنے کے ساتھ ہی سب سے اول جو کلام فرمایا ہے وہ یہ تھا۔

"اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیراً وسبحان اللہ بکرۃ واصیلاً۔"

جب رسولِ اکرم ﷺ سیانے ہوئے تو باہر تشریف لے جاتے اور لڑکوں کو کھیلتا دیکھتے مگر ان سے علیحدہ رہتے تھے۔ (یعنی کھیل میں شریک نہ ہوتے) (کذا فی المواہب)

رسولِ اکرم ﷺ کا بے ستری میں غش کھا کر گر جانا

رسولِ اکرم ﷺ کا بچپن کا واقعہ ہے کہ اہل مکہ نے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی، اس کام میں سبھی شرفائے مکہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کے بچے بھی اینٹیں ڈھوڈھو کر لاتے تھے۔ اور رسولِ اکرم ﷺ بھی ان بچوں میں شامل تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ اس موقع پر ننھے محمدؐ صرف تہبند باندھے ہوئے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے کہا کہ اے بھتیجے! اپنا تہبند کھول کر کاندھے (یا گردن) پر رکھ لو، تاکہ پتھر کی رگڑ سے کندھے (یا گردن) پر خراش نہ آئے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ایسا ہی کیا، اسی وقت رسولِ اکرم ﷺ بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش آیا تو رسولِ اکرم ﷺ کی زبان پر یہی الفاظ تھے: "میرا تہبند، میرا تہبند......" لوگوں نے فوراً رسولِ اکرم ﷺ کا تہبند کمر سے باندھ دیا۔ اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ کے چچا ابوطالب نے آپ سے پوچھا کہ اے بھتیجے! تہبند کھولنے پر تجھے غش کیوں آ گیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے ایک سپید پوش آدمی نظر آیا جو کہہ رہا تھا، محمدؐ! اپنے ستر کو چھپا۔" (یا ستر پوشی کر)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند بیہقی ابونعیم)

سلطنت شام وفارس کے زوال کے نشانات کا ظہور

اور منجملہ رسول اکرم ﷺ کے عجائب ولادت کے یہ عجیب قسم کے واقعات روایت کئے گئے ہیں:۔قیصر وکسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑنا اور اس سے چودہ کنگروں کا گر پڑنا، اور بحیرہ طبریہ کا دفعتہً خشک ہوجانا اور فارس کے آتش کدہ کا بجھ جانا جوایک ہزار برس سے برابر روشن تھا کہ کبھی نہ بجھا تھا۔اس کو بیہقی نے اور ابونعیم نے اور خرائطی نے ہواتف میں اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

فائدہ. یہ واقعات اشارہ ہیں زوال سلطنت فارس وشام کی طرف۔(واللہ اعلم)

بت خانوں سے غیبی آوازیں

کتب احادیث میں متعدد روایات ایسی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے لوگوں نے بت خانوں سے غیبی آوازیں سنی کہ اب نبی آخر الزمان کا ظہور ہو چکا ہے اور بت خانوں کی بربادی کے دن قریب ہیں۔مثلاً صحیح بخاری میں حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ:

ایک روز میں (زمانہ جہالت میں) بتوں کے پاس سویا ہوا تھا کہ ایک شخص گائے کا بچہ لے کر آیا اور بتوں کے سامنے اس کی قربانی کی، یکا یک اس بچھڑے کے پیٹ کے اندر سے بڑے زور سے چیخنے کی آواز آئی: ﴿یا جلیح امر نجیح رجل فصیح یقول لا اله الا الله﴾ "اے جلیح یہ امر نجات دینے والا ہے ایک فصیح مرد کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔"لوگ یہ دہشت ناک اور پراسرار آواز سن کر بھاگ کھڑے ہوئے، یہی آواز دوبارہ آئی اور پھر تیسری مرتبہ یہی آواز بلند ہوئی، اس واقعہ کے تھوڑی ہی مدت بعد میں نے سنا کہ محمد بن عبداللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اور وہ "لا اله الا الله" کہتے ہیں۔(صحیح بخاری)

پنگھوڑے میں انگلی کے اشارے کے موافق چاند کا جھک آنا

بیہقی اور صابونی اور خطیب اور ابن عساکرؒ نے عباسؓ بن عبدالمطلب سے روایت

کی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے اسلام لانے کا باعث ایک علامت آپ کی نبوت کی یہ ہوئی کہ میں نے آپ کو مہد میں (یعنی پنگھوڑے) میں دیکھا کہ آپ چاند کی طرف انگلی کر کے اشارہ کرتے تھے، ادھر ہی چاند جھک جاتا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں اس سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھے رونے سے باز رکھتا تھا۔ اور میں اس کے گرنے کی آواز سنتا تھا جب کہ وہ عرش کے تلے سجدے کے واسطے گرتا تھا۔'' (ف) صابونی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث باب معجزات میں حسن ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی برکت سے حلیمہ سعدیہ کے بخت جاگ اٹھے

حضرت حلیمہؓ سے روایت ہے کہ میں (طائف سے) بنی سعد کی عورتوں کے ہمراہ دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ کو چلی (اس قبیلے کا یہی کام تھا) اور اس سال قحط تھا میری گود میں ایک بچہ تھا مگر اتنا دودھ نہ تھا کہ اس کو کافی ہوتا رات بھر اس کے چلانے سے نیند نہ آتی اور نہ ہماری اونٹنی کے دودھ ہوتا میں ایک دراز گوش پر سوار تھی جو غایت لاغری سے سب کے ساتھ نہ چل سکتا تھا ہمراہی بھی اس سے تنگ آگئے تھے۔

ہم مکہ آئے رسولِ اکرم ﷺ کو جو عورت دیکھتی اور سنتی کہ رسولِ اکرم ﷺ یتیم ہیں کوئی قبول نہ کرتی (کیوں کہ زیادہ انعام و کرام کی توقع نہ ہوتی) اور ادھر ان کو دودھ کی کمی کے سبب کوئی بچہ نہ مل سکا۔ میں نے شوہر سے کہا یہ تو اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں خالی جاؤں، میں تو اس یتیم کو لاتی ہوں۔ شوہر نے کہا: ''بہتر شائد اللہ تعالیٰ برکت کرے۔''

غرض میں رسولِ اکرم ﷺ کو لے آئی۔ جب اپنی رہائش گاہ پر لائی گود میں لے کر دودھ پلانے بیٹھی تو دودھ اس قدر اترا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رضاعی بھائی نے خوب آسودہ ہو کر پیا اور آسودہ ہو کر سو گئے اور میرے شوہر نے اونٹنی کو جا کر دیکھا تو تمام دودھ ہی دودھ بھرا ہوا تھا۔ غرض اس نے دودھ نکالا اور ہم سب نے خوب سیر ہو کر پیا اور رات بڑے آرام سے گزری اور اس سے قبل سونا میسر نہیں ہوتا تھا۔ شوہر کہنے لگے اے حلیمہ تو تو بڑی

برکت والے بچہ کو لائی ہے۔ میں نے کہا: "ہاں مجھ کو بھی یہی امید ہے۔" پھر ہم مکہ سے روانہ ہوئے اور میں رسولِ اکرم ﷺ کو لے کر اسی دراز گوش اونٹنی پر سوار ہوئی، پھر تو اس کا یہ حال تھا کہ کوئی سواری اس کو پکڑ نہ سکتی تھی، میری ہمراہی عورتیں تعجب سے کہنے لگیں کہ حلیمہ! ذرا آہستہ چلو۔ یہ وہی تو ہے جس پر تم آئی تھیں۔ میں نے کہا: "ہاں وہی ہے۔" وہ کہنے لگیں کہ بیشک اس میں کوئی بات ضرور ہے۔ پھر ہم اپنے گھر پہنچے، اور وہاں سخت قحط تھا سو میری بکریاں دودھ سے بھری آتیں، اور دوسروں کو اپنے جانوروں میں ایک قطرہ دودھ نہ ملتا۔

میری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ ارے تم بھی وہاں ہی سے چراؤ جہاں حلیمہ کے جانور چرتے ہیں، مگر جب بھی وہ جانور خالی آتے، اور میرے جانور دودھ سے بھرے ہوئے آتے۔ (کیوں کہ چراگاہ میں کیا رکھا تھا؟ وہ تو بات ہی اور تھی) غرض ہم برابر خیر و برکت کا مشاہدہ کرتے رہے، یہاں تک کہ دو سال پورے ہوگئے اور میں نے رسولِ اکرم ﷺ کا دودھ چھڑایا اور آپ ﷺ کا نشو نما اور بچوں سے بہت زیادہ تھا یہاں تک کہ دو سال کی عمر میں اچھے بڑے معلوم ہونے لگے تھے۔

پھر ہم آپ ﷺ کو لے کر آپ ﷺ کی والدہ کے پاس لے آئے۔ مگر آپ ﷺ کی برکت کی وجہ سے ہمارا یہ ہی جی چاہتا تھا کہ آپ ﷺ اور رہیں۔ اس لئے آپ ﷺ کی والدہ سے اصرار کر کے وباءِ مکہ کے بہانے سے پھر سے اپنے ہی گھر میں لے آئے تھے۔

خانہ کعبہ سے نور معمور ہوگیا ستارے زمین کے قریب آگئے

عثمان بن ابی العاص اپنی والدہ ام عثمان ثقفیہ سے جن کا نام فاطمہ بنت عبداللہ ہے، روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ جب رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت شریفہ کا وقت آیا تو رسولِ اکرم ﷺ کی تولید کے وقت میں نے خانہ کعبہ کو دیکھا کہ نور سے معمور ہوگیا اور ستاروں کو دیکھا کہ زمین سے اس قدر نزدیک آگئے کہ مجھے گمان ہوا کہ مجھ پر گر پڑیں گے۔

فائدہ...... اگر رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت رات کے وقت ہوئی ہو جیسا کہ ایک قول

ہے تب تو اس اخیر کے واقعہ میں کوئی تردد ہی نہیں اور اگر دن میں ہوئی جیسا کہ ایک قول ہے تو ستاروں کے نظر آنے کو بھی ایک خرقِ عادت کہا جاوے گا یہ سہل ہے کہ صبح صادق کے وقت رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت کو کہا جاوے تو اس وقت ستارے بھی نمایاں ہوتے ہیں اور اس کو عوام رات سے اور خواص دن سے تعبیر کرتے ہیں پس دونوں قول مطابق بھی ہو جائیں گے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

مہرِ نبوت دیکھ کر یہودی کا بیہوش ہو کر گر پڑنا

یعقوب بن سفیانؒ باسناد حسن حضرت عائشہؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک یہودی مکہ مکرمہ میں تجارت کی غرض سے رہتا تھا۔ جس شب رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی تو ایک مجلس میں قریش سے دریافت کیا کہ: ”کیا اس قریش کے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے؟“ قریش نے کہا، ہمیں معلوم نہیں ہے۔ یہودی نے کہا کہ: ”اچھا ذرا تحقیق کر کے آؤ، آج کی شب اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت (یعنی مہرِ نبوت) ہے۔ وہ دو رات تک دودھ نہیں پیئے گا۔ اس کے منہ پر ایک جنی نے انگلی رکھی ہوئی ہے۔“ لوگوں نے فوراً مجلس سے اٹھ کر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اس یہودی نے کہا کہ مجھے چل کر دکھاؤ۔ یہودی نے جا کر دیکھا اور دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت دیکھی تو فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو کہنے لگا کہ:۔ نبوت بنی اسرائیل سے چلی گئی۔ اے قریش واللہ یہ مولود تم پر ایک ایسا حملہ کرے گا کہ جس کی خبر مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جائے گی۔ (حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند حسن ہے)۔ (بحوالہ سیرتِ نبویؐ کے درخشاں پہلو)

رسولِ اکرم ﷺ کو جاہلیت کی باتوں سے محفوظ رکھا گیا

حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ”ایک دفعہ رات کو میں نوجوان گڈریوں کے ساتھ مکہ معظمہ سے باہر تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ شہر

کے اندر جا کر دوستوں کی مجلس میں بیٹھ جاؤں، اس ارادے سے مکہ کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں شادی کی ایک محفل نظر آئی اسے دیکھنے کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یکا یک مجھ پر نیند طاری کر دی اور میں اس وقت تک سویا رہا جب تک کہ سورج نہ نکل آیا۔

ایک اور موقع پر مجھے ایسا ہی ایک خیال آیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نیند طاری کر دی اس کے بعد کبھی میرے دل میں ایسا خیال نہ گزرا، اور یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مبعوث فرما دیا۔ (بیہقی)

اور حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے ایک بار رسولِ اکرم ﷺ سے پوچھا اے رسولِ اکرم ﷺ کیا آپ بعثت سے قبل کبھی عورتوں کے کھیل تماشہ میں شریک ہوئے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''نہیں'' (طبرانی)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسولِ اکرم ﷺ (بعثت سے پہلے) اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ اساف بت کے پاس کھڑے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ خانہ کعبہ کی پشت کی طرف دیکھتے رہے پھر وہاں سے تشریف لے گئے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے چچازاد بھائیوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے پوچھا۔ اے محمد تجھے کیا ہو گیا تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس بت کے پاس کھڑے ہونے سے منع کیا گیا تھا۔'' (ابن عساکر)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے رسولِ اکرم ﷺ سے پوچھا: ''اے رسولِ اکرم ﷺ کیا بعثت سے قبل آپ نے کبھی بتوں کی پوجا کی؟'' رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''نہیں'' صحابہؓ نے پوچھا: ''یا رسول اللہ ﷺ آپ نے کبھی شراب پی؟'' (یعنی شراب کے حرام ہونے سے پہلے)۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں اس لئے کہ میں جانتا تھا کہ جو شخص بت پرستی اور شراب نوشی کا مرتکب ہوتا ہے وہ کفر کا مرتکب ہوتا ہے، اور مجھے اس وقت تک کتاب اللہ عطا نہیں ہوئی تھی۔'' (بحوالہ ابونعیم)

رسولِ اکرم ﷺ کے صغرسنی میں انگلی کے اشارے سے پانی برسنا

ابن عساکر نے حلیمہ بن عرفطہ سے روایت کیا ہے کہ میں مکہ معظمہ پہنچا اور وہ لوگ سخت قحط میں تھے، قریش نے کہا:۔اے ابو طالب! چلو پانی کی دعا مانگو۔

ابو طالب چلے اور ان کے ساتھ ایک لڑکا تھا، جو اس قدر حسین تھا جیسے بدلی میں سے سورج نکل آیا ہو۔(یہ لڑکا رسول اکرم ﷺ تھے جو اس وقت ابو طالب کی پرورش میں تھے۔) ابو طالب نے ان صاحبزادے کی پشت خانہ کعبہ سے لگائی اور صاحبزادے نے انگلی سے اشارہ کیا اور آسمان میں کہیں بدلی کا نشان نہ تھا، سب طرف سے بادل آنا شروع ہوئے اور خوب پانی برسا اور یہ واقعہ آپ ﷺ کی صغر سنی میں ہوا۔

اور ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ ابو طالب کے ساتھ بارہ برس کی عمر میں سفر تجارت پر شام کو گئے راہ میں بحیرہ راہب نصاریٰ کے پاس اتفاقاً قیام ہوا۔ راہب نے رسول اکرم ﷺ کو علامت نبوت سے پہچانا اور قافلہ کی دعوت کی اور ابو طالب سے کہا کہ یہ پیغمبر سب عالموں کے سردار ہیں، اور اہل کتاب اور یہود اور نصاریٰ ان کے دشمن ہیں ان کو ملک شام میں نہ لے جاؤ، مبادا ان کے ہاتھ سے ان کو گزند پہنچے سو ابو طالب نے مال تجارت وہیں بیچا اور بہت نفع پایا اور وہیں سے مکہ کو پھر آئے۔ سیرت ابن ہشام میں یہ قصہ بہت مفصل ومبسوط ہے، تفصیل کے لئے وہاں مراجعت کی جاسکتی ہے۔

علماء یہود کا اپنے علم وحساب سے ولادت شریفہ کی خبر دینا

بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت حسان بن ثابتؓ سے نقل کیا ہے کہ میں سات آٹھ برس کا تھا، اور دیکھی سنی باتوں کو سمجھتا تھا۔ ایک دن صبح کے وقت ایک یہودی نے یکا یک چلانا شروع کر دیا:''اے یہود کی جماعت سنو!......'' سب جمع ہو گئے اور میں بھی سن رہا تھا۔ کہنے لگے تجھ کو کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا:''احمد (رسول اکرم ﷺ) کا وہ ستارا آج شب میں طلوع ہو گیا۔'' (جس کی ساعت میں رسول اکرم ﷺ پیدا ہونے والے تھے)۔ سیرۃ ابن ہشام میں یہ بھی ہے کہ محمد بن اسحاق صاحب اکسیر کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن عبدالرحمٰن بن حسان بن

ثابت سے پوچھا کہ: "جب آپ ﷺ مدینہ میں تشرف لائے تو حسان بن ثابت کی کیا عمر تھی؟" انہوں نے کہا: "ساٹھ سال کی تھی" اور آپ ﷺ ترپن سال کی عمر میں تشریف لائے ہیں۔ تو اس حساب سے حسان بن ثابتؓ (رسولِ اکرم ﷺ سے عمر میں سات سال بڑے ہوئے تو انہوں) نے یہودی کا یہ مقولہ سات سال کی عمر میں سنا تھا۔

رسولِ اکرم ﷺ کی شب ولادت میں ستاروں کا جھک آنا

بیہقی نے فاطمہ بنت عبداللہ والدۂ عثمان بن ابی العاصؓ سے روایت کی ہے کہ میں بوقت ولادت رسولِ اکرم ﷺ کے حاضر تھی، سو جب رسولِ اکرم ﷺ پیدا ہوئے میں نے دیکھا کہ سارا گھر نور سے بھر گیا اور میں نے دیکھا کہ ستارے قریب ہوگئے تھے اور لٹک آئے تھے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ یہ گر پڑیں گے۔

حضرت آمنہ کا گھر نور سے بھر گیا اور آسمان کے ستارے زمین کے قریب ہوگئے

اور طبرانی میں روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص بیان کرتے ہیں کہ جس رات رسولِ اکرم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے اس رات میری والدہ حضرت آمنہؓ کے گھر پر تھیں۔ میری ماں نے ہمیں بتایا کہ آمنہ کا گھر نور سے بھر گیا، اور جب میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو ستارے اس قدر قریب نظر آئے کہ تو میں ڈری کہ کہیں یہ ہم پر نہ گر پڑیں۔ جس وقت آپ ﷺ کی ولادت ہوئی سارا مکان نور سے بھر گیا۔ (طبرانی)

حضرت حلیمہ کے گھر میں خیر و برکت

جس وقت حضرت حلیمہ نے رسولِ اکرم ﷺ کو دودھ پلانے کے لئے لیا تو ان کے گھر میں بڑا افلاس تھا۔ مویشی سوکھ کر کانٹا ہوگئے تھے اور حلیمہؓ کا خاندان دودھ کو ترستا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو کثیر خیر و برکت عطا فرمائی ان کے تمام مویشی دودھ دینے لگے اور حلیمہؓ کا خاندان آسودہ حال ہوگیا۔ (طبرانی)

حمل سے والدہ ماجدہ کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور نہ کوئی کرب ہوا

نیز رسولِ اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ روایت کرتی ہیں کہ میں نے (کسی عورت کا) کوئی حمل نہیں دیکھا جو آپ سے زیادہ سبک اور سہل ہو۔

ف...... محاورہ میں اس عبارت کے معنی مساواۃ کی بھی نفی ہوتی ہے۔ سبک یہ کہ گراں نہ تھا، اور سہل یہ کہ اس میں کسی قسم کی تکلیف غشیان یا کسل یا اختلال جوع (متلی سستی بھوک کی کمی) وغیرہ نہ تھی، اور شمامہ میں ہے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ ثقل ہوا جس کی شکایت عورتوں سے کی، حافظ ابو نعیم نے کہا ثقل ابتداء علوق (یعنی حمل) میں تھا پھر وقت استقرار حمل کے خفت ہو گئی ہر حال میں یہ حمل عادت معروف سے خارج تھا۔ (نشر الطیب)

یارب صل وسلم دائماً ابدا علی حبیب من زانت به العصر

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت سے پہلے حضرت آمنہ کا خواب

حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے روایت ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں خدا کا بندہ اور خاتم الانبیاء اس وقت سے ہوں جب میرا باپ (حضرت آدمؑ) آب گل میں تھا۔ میں اس کی تفصیل بتاتا ہوں، میں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعا، حضرت عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی ماں آمنہ کا خواب ہوں۔ اور اسی طرح پیغمبروں کی مائیں خواب دیکھا کرتی ہیں۔''

حضرت عرباضؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ نے رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت کے وقت ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک نور ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے ہیں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے اسی خواب کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا تھا۔ (مسند ابن حنبل)

رسولِ اکرم ﷺ کے صغر سنی میں کرامات و برکات

رسولِ اکرم ﷺ جب ابو طالب کی کفالت و تربیت میں تھے۔ تو جب آپ ﷺ ان کے عیال کے ہمراہ کھانا کھاتے تو سب شکم سیر ہو جاتے اور جب رسولِ اکرم ﷺ نہ کھاتے تو وہ بھی بھوکے رہتے۔

رسولِ اکرم ﷺ کے قلبِ اطہر میں عالم ملکوت و عالم لاہوت کے مشاہدہ کی طاقت کا بھرنا

محمد بن اسحاق نے ثور بن یزید سے (پہلے شق صدر کے بعد کا واقعہ) مرفوعاً کا ذکر کیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان دو سفید پوش شخصوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ رسولِ اکرم ﷺ کو ان کی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو، چنانچہ وزن کیا گیا تو میں بھاری نکلا، پھر اسی طرح سو کے ساتھ پھر ہزار کے ساتھ وزن کیا پھر کہا کہ بس کرو، واللہ اگر رسولِ اکرم ﷺ کو ان کی تمام امت سے وزن کرو گے تب بھی یہی وزنی نکلیں گے۔

فائدہ...... اس جملہ میں آپ ﷺ کو بشارت سنا دی گئی کہ آپ ﷺ نبی ہونے والے ہیں۔ اور شق صدر اور قلب اطہر کا دھلنا چار بار ہوا ایک تو یہی جو مذکور ہوا، دوسری بار بعمر دس سال یہ صحرا میں ہوا تھا۔ تیسری بار وقت بعثت کے بماہ رمضان غار حرا میں ہوا۔ چوتھی بار معراج میں اور پانچویں بار ثابت نہیں مزید تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔

شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے تفسیر سورہ الم نشرح میں اس کے متعلق نکتہ لکھا ہے کہ پہلی بار کا شق کرنا اس لئے تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ کے دل سے حب لہو و لعب جو لڑکوں کے دل میں ہوتی ہے نکال ڈالیں۔ اور دوسری بار اس لئے کہ جوانی میں رسولِ اکرم ﷺ کے دل میں رغبت ایسے کاموں کی جو بمقتضائے جوانی خلاف مرضی الٰہی سرزد ہوتی ہیں نہ رہے۔ اور تیسری بار اس لئے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے دل کو طاقت مشاہدہ عالم ملکوت اور لاہوت کی ہو۔

رسولِ اکرم ﷺ پر بچپن میں بادل سایہ کرتے تھے

ابن سعد اور ابو نعیم اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کہیں دور نہ جانے دیا کرتیں، ایک بار ان کو کچھ خبر نہ ہوئی آپ ﷺ اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ عین دوپہر کے وقت مواشی کی طرف چلے گئے، حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی تلاش میں نکلیں یہاں تک کہ آپ ﷺ کو بہن کے ساتھ پایا کہنی لگیں اس گرمی میں (ان کو لائی

ہو) بہن کہنے لگی اماں میرے بھائی کو گرمی ہی نہیں لگی میں نے ایک بادل کا ٹکڑا دیکھا جوان پر سایہ کئے ہوئے تھا، جب ہم ٹھہر جاتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا تھا۔ جب چلنے لگتے تو وہ بھی چلنے لگتا تھا یہاں تک اسی طرح پہنچ گئے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت سے پہلے حضرت عبدالمطلب کا خواب

رسولِ اکرم ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب کا بیان ہے کہ ان کے والد عبدالمطلب نے انہیں بتایا کہ ایک دفعہ میں مقام حجر میں سو رہا تھا، کہ میں نے ایک خواب دیکھا، خواب میں دیکھا کہ:۔ ایک درخت اگا اور اس کی چوٹی آسمان تک پہنچ گئی، اور اس کی شاخیں مشرق سے مغرب تک پھیل گئیں، اسی کے ساتھ میں نے ایک نور دیکھا جو سورج سے ستر گناہ بڑا تھا تمام عرب وعجم اس نور کے سامنے سجدہ ریز تھے، کبھی یہ نور چھپ جاتا اور کبھی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہو جاتا۔ میں نے قریش کے کچھ لوگوں کو اس درخت کی شاخوں سے لٹکے ہوئے دیکھا اور قریش کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ اس درخت کی جڑوں پر کلہاڑا چلانے کا قصد کر رہے ہیں، جب وہ اس درخت کے قریب گئے تو ایک شکیل اور وجیہہ نوجوان نمودار ہوا اس نے ان لوگوں کو پکڑ کر ان کی کمر توڑ ڈالی اور آنکھیں نکال دیں، میں بھی اس درخت کا کچھ حصہ لینا چاہتا تھا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ میں نے پوچھا: "یہ درخت کن لوگوں کے لئے ہے؟ ......" مجھے بتایا گیا کہ: "یہ درخت ان لوگوں کے لئے ہے، جو لوگ اس درخت کی شاخوں کو پکڑ کر لٹکے ہوئے ہیں۔" اس وقت میری آنکھ کھل گئی، خوف وہیبت سے میرا جسم لرز رہا تھا، میں اسی وقت قریش کے ایک کاہنہ کے پاس گیا اور اس کے سامنے اپنا خواب بیان کیا ،وہ کہنے لگی کہ اگر یہ خواب سچا ہے تو تیرے صلب سے کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جو مشرق اور مغرب کا مالک ہوگا اور مخلوق خدا اس کی اطاعت کرے گی۔ ابو طالب کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے کہا شاید وہ شخص تو ہی ہے۔ لیکن خدا کی قسم وہ درخت ابوالقاسم (رسولِ اکرم ﷺ کی کنیت) ہے۔ (بحوالہ ابونعیم)

رسول اکرم ﷺ کی ولادت پر ناموراد یبوں کا خراج تحسین

محترم قارئین مندرجہ بالا واقعات کے بعد اب ذیل میں مختلف علماء و ناموراد یبوں کی تحریروں سے اخذ کر کے آپ ﷺ کی ولادت کی انوکھی اور نرالی شان کو بیان کیا جا رہا ہے جو کہ انشاء اللہ ایمان میں اضافے کا سبب ہوگا۔ لیجئے ملاحظہ فرمائیے:۔

رسول اکرم ﷺ کی ولادت پر قیصر و کسریٰ کے خود ساختہ نظاموں میں زلزلہ

انسانیت ایک سرد لاشہ تھی جس میں کہیں روح کی تپش، دل کا سوز اور عشق کی حرکت باقی نہیں تھی۔ انسانیت کی سطح پر خودرو جنگل اگ آیا تھا، ہر طرف جھاڑیاں تھیں۔ جن میں خونخوار درندے اور زہریلے کیڑے تھے۔ یا ہر طرف دلدلیں تھی، جن میں جسم سے چمٹ جانے والی اور خون چوسنے والی جونکیں تھیں۔ اس جنگل میں ہر طرح کا خوفناک جانور، شکاری پرندہ اور ہر قسم کی جونک پائی جاتی تھی۔ لیکن آدم زادوں کی اس بستی میں کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا۔

دفعتاً انسانیت کے اس سرد جسم میں گرم خون کی ایک لہر دوڑی۔ نبض میں حرکت اور جسم میں جنبش پیدا ہوئی۔ جن پرندوں نے اس کو مردہ سمجھ کر اس کے بے حس جسم کی ساکن سطح پر بسیرہ کر رکھا تھا۔ ان کو اپنے گھر ہلتے ہوئے اور اپنے جسم لرزتے ہوئے محسوس ہوئے۔ قدیم سیرت نگار اس کو اپنی خاص زبان میں یوں بیان کرتے ہیں کہ کسریٰ شاہ ایران کے محل کے کنگرے گرے اور آتش فارس ایک دم بجھ گئی۔

زمانہ حال کا مورخ اس کو اس طرح بیان کرے گا کہ انسانیت کی اس اندرونی حرکت سے اس کی بیرونی سطح میں اضطراب پیدا ہوا۔ اس کی ساکن و بے کسی کا ہر حال لوٹتا اور تنکوں کا ہر گھونسلا بکھرتا نظر آیا۔ زمین کی اندرونی حرکت سے اگر سنگین عمارتیں اور آہنی برج خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ سکتے ہیں تو رسولِ اکرم ﷺ کی آمد سے کسریٰ اور قیصر کے خود ساختہ نظاموں میں تزلزل کیوں نہیں ہوگا۔

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر عروس کائنات کی مانگ میں موتی بھر گئے

رات "لیلۃ القدر" بنی ہوئی نکلی اور "خیر من الف شہر" کی بانسری بجاتی ہوئی پوری دنیا میں پھیل گئی۔ موکلان شب قدر نے "تَنَزَّلُ الملآئکۃُ والرُّوحُ فِیھا" کی شہنائیاں شام سے بجانی شروع کر دیں۔ حوریں "باذن ربھم" کے پروانے ہاتھوں میں لے کر فردوس سے چل کھڑی ہوئیں اور "ھِیَ حتّٰی مَطلَعِ الفَجر" کی معیادی اجازت نے فرشتگان مغرب کو دنیا میں آنے کی رخصت دے دی۔

تارے نکل آئے اور طلوع ماہتاب سے پہلے عروس کائنات کی مانگ میں موتی بھر کر غائب ہوئے۔ چاند نکلا اور اس نے فضائے عالم کو اپنی نورانی چادر سے ڈھک دیا۔ آسمان پر گھومنے والی قوسیں اپنے آپ مرکز پر ٹھہر گئیں۔ بروج نے سیاروں کے پاؤں میں کیلیں ٹھونک دیں۔ ہوا جنبش سے، افلاک گردش سے، زمین چکر سے، دریا بہنے سے، رک گئے اور کارخانہ قدرت کسی مقدس مہمان کا خیر مقدم کرنے کے لئے رات کے بعد اور صبح سے پہلے بالکل خاموش ہو گیا۔ انتظام واہتمام کی تکان نے چاند کی آنکھوں کو جھپکا دیا، نسیم سحری کی آنکھیں جوش خواب سے بند ہونے لگیں۔

پھولوں میں نکہت، کلیوں میں خوشبو، کونپلوں میں بو محو خواب ہو گئی۔ درختوں کے مشام خوشبوئے اقدس سے ایسے مہکے کہ پتا پتا مخمور ہو کر سر بسجود ہو گیا۔ ناقوس نے مندروں میں بتوں کے سامنے، سر جھکانے کے بہانے آنکھ جھپکائی۔ قطرہ قطرہ ایک منٹ کے لئے سر بہ زمین ہو گیا، جس کے لئے یہ سب انتظامات تھے۔

فرشتوں کے پرے خوشیوں سے بھرے آسمانوں سے زمین پر اترنے لگے، اور دنیا کے جمود میں ایک بیدار انقلاب پوشیدہ طور پر کام کرتے ہوئے نظر آنے لگا۔ ملہم غیب نے منادی کی کہ افضل البشر، خاتم الانبیاء، سراپردہ لاحوت سے عالم ناسور میں تشریف لانے والے ہیں رات نے کہا: "میں نے شام سے اک سا انتظار کیا ہے گوہر رسالت کو میرے

دامن میں ڈال دیا جائے۔'' دن نے کہا: ''میرا رتبہ رات سے بلند ہے مجھے کیوں محروم رکھا جائے۔'' دونوں کی حسرتیں قابل نوازش نظر آئیں کچھ حصہ دن کا لیا اور کچھ حصہ رات کا، نور کے تڑکے نور علی نور کی نورانی آوازوں کے ساتھ دستِ قدرت نے دامن کائنات پر وہ لعل با بہار رکھ دیا اس کے سرسری جلوے سے دنیا بھر کے ظلمت کدے منور اور روشن ہو گئے، سرزمین حجاج جلوہ حقیقت سے لبریز ہوگئی۔

دنیا جو سر در جمود و کیفیت میں تھی ایک دم متحرک نظر آنے لگی۔ پھولوں نے پہلو کھول دیئے کلیوں نے آنکھیں وا کیں، دریا بہنے لگے، ہوائیں چلنے لگیں، آتش کدوں کی آتش سرد ہوگئی، زم خانوں میں خاک اڑنے لگی، لات ومنات جبل وعذات کی توقیر پامال ہوگئی قیصر وکسریٰ کے فلک بوس برج گر کر پاش پاش ہو گئے۔

درختوں نے سجدہ شکر سے سر اٹھایا، رات کچھ روٹھی ہوئی سی، چاند کچھ شرمایا ہوا سا، تارے نادم ومحجوب سے رخصت ہوئے اور آفتاب شان وفخر کے ساتھ مسرت ومباہات کے اجالے کئے ہوئے کرنوں کے ہار ہاتھ میں، قرص نور تھال میں، ہزاروں ناز وادا کے ساتھ افق مشرک سے نمایاں ہوا۔ عبداللہ کے گھر میں، آمنہ کی گود میں، عبدالمطلب کے گھرانے، ہاشم کے خاندان میں، اور مکہ کے ایک مقدس مقام میں، خلاصہ کائنات، فخر موجودات، محبوب خدا، امام الانبیاء، خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین، یعنی رسولِ اکرم ﷺ تشریف فرما کے عز وجلال ہوئے سبحان اللہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کتنی مقدس تھی، جس نے ایسی سعادت پائی اور پیر کا روز کتنا مبارک تھا جس میں حضورِ نے نزول واجلال فرمایا۔ "فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الخَالِقِين" (از مولانا ابوالکلام آزاد)

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر کعبہ نور سے معمور ہو گیا

رسولِ اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب سے روایت ہے کہ جب آپ حمل میں آئے تو ان کو خواب میں بشارت دی گئی کہ تم اس امت کے سردار کی حاملہ ہوئی

ہو، جب وہ پیدا ہوں تو یوں کہنا: "اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد" اور اس کا نام "محمدؐ" رکھنا۔ نیز حمل رہنے کے وقت رسولِ اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ نے ایک نور دیکھا جس سے شہر بصریٰ علاقہ شام کے محل ان کو نظر آئے۔

یا رب صل وسلم دائماً ابدا علی حبیبک من زانت بہ العصر

آمنہ بنت وہب (آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ) کہتی ہیں کہ جب رسولِ اکرم ﷺ میرے بطن سے جدا ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک نور نکلا جس کے سبب مشرق و مغرب کے درمیان سب روشن ہوگیا۔ پھر آپ ﷺ زمین پر آئے اور دونوں ہاتھوں پر سہارا دیئے ہوئے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے خاک کی ایک مٹھی بھری اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ اسی نور کا ذکر ایک دوسری حدیث میں اس طرح ہے کہ اس نور سے آپ ﷺ کی والدہ نے شام کے محل دیکھے۔ آپ ﷺ نے اسی واقعہ کی نسبت خود ارشاد فرمایا ہے کہ: "ورویا امی التی رات" اور اسی میں یہ بھی ارشاد ہے: "وکذالک امھات الانبیاء یرین" (یعنی انبیاء کی مائیں ایسا ہی نور دیکھا کرتی تھیں۔)

عثمان بن ابی العاص اپنی والدہ ام عثمان ثقفیہ سے جس کا نام فاطمہ بنت عبداللہ ہے، کہتی ہیں کہ جب رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت شریفہ کا وقت آیا تو رسولِ اکرم ﷺ کی تولید کے وقت میں نے خانہ کعبہ کو دیکھا کہ نور سے معمور ہوگیا اور ستاروں کو دیکھا کہ زمین سے اس قدر نزدیک آگئے کہ مجھے گمان ہوا کہ مجھ پر گر پڑیں گے۔

ابونعیم نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور وہ اپنی والدہ شفا سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ جب حضرت آمنہ سے آپ ﷺ پیدا ہوئے تو میرے ہاتھوں میں آئے اور (موافق بچوں کے) آپ کی آواز نکلی تو میں نے ایک کہنے والے کو سنا کہ کہتا ہے کہ رحمک اللہ (یعنی اے محمد ﷺ آپ پر اللہ کی رحمت ہو) شفا کہتی ہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان روشنی ہوگئی۔ یہاں تک کہ میں نے روم کے بعضے محل دیکھے پھر میں نے آپ کو دودھ دیا (یعنی اپنا نہیں بلکہ آپ کی والدہ کا کیونکہ شفا کو کسی نے مرضعات میں ذکر نہیں

کیا) اور لٹا دیا تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ مجھ پر ایک تاریکی رعب اور زلزلہ چھا گیا اور آپ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ سو میں نے ایک کہنے والے کی آواز سنی کہ کہتا ہے کہ ان کو کہاں لے گئے تھے، جواب دینے والے نے کہا کہ مشرق کی طرف، وہ کہتی ہیں کہ اس واقعہ کی عظمت برابر میرے دل میں رہی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا۔ پس اول اسلام لانے والوں میں ہوئی۔

اور منجملہ آپ کے عجائبات ولادت کے یہ واقعات روایت کئے گئے ہیں۔ کسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑ جانا اور اس سے چودہ کنگروں کا گر جانا اور بحیرہ طبریہ کا دفعۃً خشک ہو جانا اور فارس کے آتش کدہ کا بجھ جانا جو ایک ہزار سال سے برابر روشن تھا کہ کبھی نہ بجھا تھا۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی مکہ میں آ رہا تھا۔ سو جس شب حضور ﷺ پیدا ہوئے اس نے کہا اے گروہ قریش کیا تم میں آج کی شب کوئی بچہ پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا ہم کو معلوم نہیں۔ کہنے لگا کہ تم میں آج کی شب اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان میں ایک نشانی ہے (جس کا لقب مہر نبوت ہے) چنانچہ قریش نے اس کے پاس آ کر تحقیق کی خبر لی کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ وہ یہودی آپ کی والدہ کے پاس آیا انہوں نے آپ کو ان لوگوں کے سامنے کر دیا جب اس یہودی نے وہ نشانی دیکھی تو بیہوش ہو کر گر پڑا اور کہنے لگا کہ بنی اسرائیل سے نبوت رخصت ہوئی۔ اے گروہ قریش سن رکھو واللہ یہ تم پر ایسا غلبہ حاصل کریں گے کہ مشرق اور مغرب سے اس کی خبر شائع ہو گی۔ (از مولانا اشرف علی تھانویؒ)

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت سے ہر سو مسرت کی لہر دوڑ گئی

''وجدان نے چودہ سو سال کی الٹی زقند لگا کر واقعات کو تخیل کی نظر سے دیکھا۔ دنیا بداعمالوں سے ظلمت کدہ بنی ہوئی تھی۔ کفر کی کالی گھٹا ہر طرف تلی کھڑی ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی کہ کہیں روشنی کی کرن پھوٹے اور یاس کی حالت میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ کہیں روشنی

کی کرن نظر آئے اور اسے سلامتی کی راہ مل جائے وہ کفر کے اندھیرے میں ڈرتے ڈرتے قدم اٹھا رہی تھی ۔ دیکھو وہ چند قدم چل کر رک گئی ۔ سر راہ دوزانو ہو کر عالم یاس میں سینے پر ہاتھ باندھے ،گردن جھکائے ،مصروف دعا ہوگئی اور نہایت عجز اور الحاح سے بولی ،اے نور وظلمت کے پروردگار !میں غریب اس پر ہول اندھیرے میں کب تک بھٹکتی پھروں ۔ اے آقا!اپنے کرم سے اس نور کا ظہور کر جو ظلمت کدہ دہر کو منور کر دے ۔ وہ نور پیدا کر جو بے بصر کو طاقت دید بخشے ۔اس نے آمین آمین کہہ کر سر جھکایا۔ یک بیک اس کے دل میں خوشی کی لہر اٹھی اور اس کے رخسار نوشگفتہ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح شاداب نظر آنے لگے کیونکہ اسے قبولیت دعا کا القاء ہو رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ ستاروں سے زیادہ روشن آنکھیں اٹھائیں ،کفر کی گھٹائیں چھٹ رہی تھیں ۔افق مشرق پر محبت کی کہانی سے زیادہ دلکش پو پھٹ رہی تھی ۔آفتاب ہدایت کے طلوع کی تیاریاں ہو رہی تھیں ۔

20 اپریل 571ء بمطابق ۹ ربیع الاول دوشنبہ کی مبارک صبح کو قدسی آسمان پر جگہ جگہ سرگوشیوں میں مصروف تھے کہ آج دعائے خلیل اور نوید مسیحا مجسم بن کر دنیا میں ظاہر ہوگی ۔ حوریں جنت میں تزئین حسن کیے بیٹھی تھیں کہ آج صبح کائنات کا غازہ نمودار ہوگا۔ جس کے عالم وجود میں آتے ہی شرک اور کفر کی ظلمت کافور ہو جائے گی ۔لوگ اپنے پروردگار کو جاننے لگیں گے ،نسل اور خون کے امتیاز کی لعنت مٹ جائے گی ۔غلام اور آقا ایک ہو جائیں گے ،شبنم نے عالم ملکوت کی ان باتوں کو سنا اور یہ پیام مسرت کرہ ارض کے کانوں تک پہنچا دیا۔ وہ خوشی سے کھل گئے ،کلیاں مسکرانے لگیں ۔دن کے دس بجے بی بی آمنہ کے بطن سے وہ لعل جہاں تاب پیدا ہوا ،جس کے لئے قعر مزلت میں گری ہوئی انسانیت کو اٹھانا، غریب اور غلام کو بڑھانا عورت کو مرد کے برابر کر دکھانا ،ازل سے مقدر ہو چکا تھا۔

وہ نومولود زچہ خانہ میں مسکرایا۔ فضائے ملکوت میں بھی مسرت کی لہر دوڑ گئی کیونکہ دنیا کو سچی خوشی کا سبق اس سے ملنے والا تھا۔ کفر سجدہ میں گر گیا ،ادیان باطلہ کی نبضیں چھوٹ گئیں ۔عبداللہ کا بیٹا ،آمنہ کا جایا دنیا میں جلوہ گر ہوا۔ دنیا پر مستقل ترقی کے دروازے کھل

گئے۔ کائنات کی خوابیدہ قوتیں بیدار ہو کر مصروف عمل ہو گئیں۔ انسانیت کی تعمیر اخوت ومساوات کی خوشگوار بنیادوں پر شروع ہوئی۔ متلاشیانِ حق کو ایسا عرفانِ الٰہی عطا ہوا کہ ماسوا اللہ کا خوف خود بخود دلوں سے جاتا رہا۔

عبدالمطلب کو جب معلوم ہوا کہ عمل واخلاق کی حد کمال نے انسانی طریقہ اختیار کرلیا ہے تو دل نے دعاؤں کی پرورش کی۔ اس خیال سے کہ یہ مولود انسان کا ممدوح ہے، اس کا نام محمد ﷺ رکھا۔ انسانیت کے اس کمال کا عالم وجود میں آنا انسانوں کے لئے کس قدر باعث برکت ہوا، اس کا حال دنیا میں پھیلی ہوئی روشنی علم اور ترقی تہذیب سے پوچھو۔ مسلمان اس دن کو یاد کر کے جتنا مسرور ہو کم ہے کیونکہ حضرت محمد ﷺ کی تعلیم نے دنیا کو مسرتوں سے بھر دیا لیکن نعتیں سن کر رات آنکھوں میں کاٹ لی لیکن جب عین فجر کا وقت ہوا تو سو گئے۔ ہمارے ملک میں میلاد کی محفلوں پر اربوں روپے صرف ہوئے، مگر مسلمانوں کے پاس اپنے اور انسانیت کی تعمیر کے لئے پائی تک نہیں۔ کاش! مسلمان اس دن اپنے چندوں سے تربیت اطفال کے لئے مرکز قائم کریں تاکہ اولوالعزم بچے پیدا ہوں۔ جو تعلیم اسلام کو عام کریں اور دنیا سے اپنا لوہا منوائیں۔ دنیا کے سب سے بڑے خادم کی یاد تعمیری کام سے منانی چاہئے، صرف نعتیں پڑھ دینے سے حضرت محمد ﷺ کے مشن کو تقویت نہیں پہنچ سکتی۔ باتوں سے نہیں، عمل سے اسلام کا بول بالا کرو۔ مخلوق کی خدمت کے لئے مواقع تلاش کرو۔"

یاد رکھئے بچّے کی صحت کی حفاظت ماں باپ کا مقدس فرض ہے۔ توانا جسم تندرست روح کا مسکن ہوتا ہے۔ جب جسم توانا اور روح تندرست ہو تو ارادہ دُنیا کو مسخر کرنے نکلتا ہے۔ ورنہ عزم چند قدم چل کر مٹی کے ڈھیر پر بیٹھ جاتا ہے۔ اور تیز رو مسافران کو حسرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اہل عجم پر عربوں کی فتح کا ایک اہم سبب اُن کی قوتِ برداشت ہے۔ جنگجو عرب کی قوت کا انحصار تربیتِ اطفال پر تھا۔ ملک کا دستور تھا کہ قصبات کی بیبیاں بچہ پیدا ہوتے ہی دیہات میں اس کی پرورش کا انتظام کرتی تھیں تاکہ کھلی ہوا اور آزاد فضا

میں جسم کی مناسب نشونما ہو سکے اور اُن میں مردانگی کے جوہر پیدا ہوں اور وہ جوان ہو کر دشمن کے سامنے سر نہ جھکا دیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کی والدہ آمنہ نے پیدائش کے دو تین روز بعد دودھ پلانے کے لئے رسولِ اکرم ﷺ کو ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کے سپرد کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد حسب دستور قبیلہ ہوازن کی عورتیں شہر میں آئیں تا کہ کوئی بچہ اُجرت پر دودھ پلانے کو مل جائے۔ اِن عورتوں میں سے مائی حلیمہ، بی بی آمنہ کے گھر آئیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کو یتیم جان کر سوچ میں پڑ گئیں۔ تقدیر نے کہا۔ حلیمہ گدڑی کو نہ دیکھ لعل کو دیکھ۔ دین و دولت کو چھوڑ کر خالی ہاتھ نہ جانا۔ اس کے نام سے تیرا نام رہے گا۔ اس کی دایہ بن اور دنیا میں عزت حاصل کر!

بی بی آمنہ نے جب اپنے لختِ جگر کو مائی حلیمہ کے سپرد کیا ہو گا، بیٹے کی جدائی کے تصور نے قلب میں قلق کے کتنے طوفان اٹھائے ہونگے۔ مگر آزاد قوم کی بہادر عورتیں بچوں کی جدائی برداشت نہ کریں تو اپنی نسل میں غلامی اور ادبار کا ورثہ چھوڑ جائیں۔ جو مائیں غم کے آنسو بہا کر بچوں کو تربیت گاہوں اور جنگ و پیکار کے میدانوں میں جانے سے روکتی ہیں انہیں قدرت فرزندوں کی کامیاب واپسی پر خوشی کے آنسو بہانے کا موقع نہیں دیتی۔ مائی حلیمہ بچے کو لے چلی، بی بی آمنہ نے نورِ نظر کے صحت و سلامتی سے واپس لوٹنے کی دعائیں مانگیں۔ خدا کی برکتیں قریش کے گھر سے نکل کر ہوازن کے قبیلہ میں داخل ہو گئیں۔

جو موتی ریت کی تہہ میں پائے جاتے ہیں، درِ شہوار بنتے ہیں۔ مٹی اور پتھر میں رُلنے والے ہیرے کوہِ نور کہلاتے ہیں۔ غریب بچوں کے لئے قدرت کی یہ تسلیاں ہیں۔ محمد ﷺ حلیمہ کی گود سے مچل کر زمین پر بیٹھنے کی سعی کرتے ہیں۔ حلیمہ! انہیں سخت زمین پر کھیلنے اور اٹھ اٹھ کر گرنے سے نہ روک۔ ان کے ارادہ میں سختی پیدا ہونے دے تا کہ ان کی عزیمت کے سامنے لوہا پانی اور پتھر موم ہو جائے۔ انہیں زمین پر کھیلنے دے۔ قالینوں پر لوٹنے والے بچے ارادے کے کمزور ہوتے ہیں۔

دیکھو، سعید فطرت بچہ قدرت کے مکتب میں تعلیم پا رہا ہے۔ اب پانچ برس کی عمر

ہے۔ رضاعی بہن شیمہ کے ساتھ بھولی بھٹکی بھیڑ بکریوں کے پیچھے پھرتا ہے اور انہیں گلہ میں واپس لانے میں مدد دیتا ہے۔ جب کسی بھیڑ بکری کو گھیر کر واپس لاتا ہے تو اسے دنیا مسرّت سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

کھلی ہوا اور بکریوں کے پیچھے دوڑ دھوپ نے بچے کے ہاتھ پاؤں مضبوط کر دیئے ہیں۔ جب چھ برس کے بعد بچہ لوٹا تو ماں نازک پودے کو مضبوط پا کر باغ باغ ہوگئی۔ کیونکہ مضبوط بازو ہی تو بچے کی آئندہ کامرانیوں کے عنوان ہیں پاکباز بیوہ خوشی کے زمانے میں کیوں زیادہ روتی ہے۔ ظاہر کی آنکھ جہاں خوشی کے نظاروں میں مصروف ہوئی، فوراً سرتاج کی یاد تازہ ہوگئی جس کے خاک میں منہ چھپانے کے بعد سینہ آرزوؤں کا مزار بن جاتا ہے۔ بی بی آمنہ کے دل میں فرزند نے خاوند کی یاد تازہ کر دی۔ بیوہ کے سوا کون جانتا ہے کہ خاوند کے مرقد میں کتنی کشش ہوتی ہے۔ شوہر کی موت کے بعد بیوہ کے لئے اس سے زیادہ خوشی اور اطمینان کی بات کیا ہے کہ وہ اس کی چھوڑی ہوئی نشانی کو لے کر خاوند کی قبر کے سرہانے کھڑی ہو اور آنسوؤں کے موتی نذر کرے۔

حضرت آمنہ چھ برس کے یتیم بچے کو ہمراہ لے کر خاوند کی قبر کی زیارت کو گئیں، مہینہ سے زیادہ مدینہ میں اپنے میکے رہیں۔ کسی سیرت نگار نے ذکر نہیں کیا کہ کتنی دفعہ اپنے جگر گوشہ کو ساتھ لے کر آمنہ آنسوؤں کا انمول تحفہ نذر چڑھانے مرقدِ محبت پر حاضر ہوئیں اور کتنی دیر دل کے ٹوٹے ہوئے آبگینوں کو مرقد کی مٹی میں رُلاتی رہیں۔ ہاں صرف اتنا بتایا ہے کہ عُمر میں جوان، غم میں بوڑھی بیوہ واپسی پر مقام ابوا میں انتقال فرما گئیں۔

حضرت آمنہ کی لونڈی اُمّ ایمن اپنے یتیم آقا اور دو جہاں کے سردار کو لے کر مکہ پہنچی اور رسولِ اکرم ﷺ دادا کے سایہ عاطفت میں پرورش پانے لگے دو سال کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب بیاسی برس کی عمر میں اِس ملک فانی سے جہان جاودانی کو سدھار گئے۔ رسولِ اکرم ﷺ فرطِ محبت سے غم کے آنسو روئے۔ باپ کے بعد ماں، ماں کے بعد اب دادا بھی وہاں جا رہے ہیں جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آیا۔ ان کو چھوڑ کر جانے والوں کے لئے

آنسو بہانے کے سوا انسان کے بس میں اور ہے بھی کیا۔اس جہان سے جانے والو!تمہارے لئے رونا بھی فضول اور بن روئے رہنا بھی ناممکن! عبد المطلب نے مرتے وقت اس گنجِ گراں مایہ کو اپنے بیٹے ابو طالب کے سپرد کیا۔ابو طالب نے تمام عمر اسے جان سے لگائے رکھا اور اپنی عمر کے تجربے اور تدبیریں اس کی حفاظت کے لئے وقف کردیں ایسا کیوں نہ ہوتا۔ابُو طالب جناب عبداللہ کے ماں جائے بھائی تھے۔جوانا مرگ بھائی کی موت کا صدمہ بھتیجے کو دیکھ کر دُور ہو جاتا تھا۔ابو طالب کثیر الاولاد اور قلیل المال تھے۔اس لئے رسولِ اکرم ﷺ کو بکریاں چرانے پر لگا دیا گیا۔یہ پیشہ اکثر نیک لوگوں کے لئے بابرکت ثابت ہوا ہے۔یہ دین و دنیا کی فتح مندیوں کی تمہید ہے۔گلہ بانی جہاں بانی کا دیباچہ اس لئے ہے کہ لڑا دینے کا جذبہ پختہ ہو کر انسان کے بے پایاں محبت کے احساس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔نبوّت کا حقدار اور نیکی کا حامل وہی ہے جو مخلوق کی محبت میں سرشار ہو کر ان تمام عناصر کو فنا کرنے کی قابلیت رکھتا ہو، جو اُس کی ترقی اور خوشی میں حائل ہیں۔اس کے جسم اور روح کی بالیدگی قوموں کی رہنمائی کی ذمہ داری اٹھا سکے۔جسم اور روح کی ترقیوں کی حدِّ کمال کا نام ہی پیغمبری ہے۔ (از جناب چوہدری افضل حقؒ)

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت معمورِ عالم کے لئے پیغام بشارت تھی

خدایا وہ صبح کیسی سعادت افروز تھی، جس نے کائنات ارضی کو رشد و ہدایت کے طلوع کا مژدہ جاں فزا سنایا۔وہ ساعت کیسی محمود تھی جو معمورِ عالم کے لئے پیغام بشارت بنی۔الم کا ذرہ ذرہ زبانِ خال سے نغمے گا رہا تھا کہ وقت آ پہنچا کہ اب دنیائے ہست و بود کی شقاوت دور اور سعادت مجسم سے عالم معمور ہو۔ظلمت شرک و کفر کا پردہ چاک اور آفتاب ہدایت، برجِ سعادت سے نمودار ہوا اور چہار جانب چھائی ہوئی شرک و جہالت اور رسم و رواج کی تاریکیوں کو فنا کر کے عالمِ وبود کو علم و یقین کی روشنی سے منور کر دیا۔

(از حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ)

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر ظلمت چھٹ گئی

وہ برقِ تجلی جو صبحِ آفرینش کو ازل کے افق پر جھلملاتی اور جگمگاتی ہوئی نظر آئی تھی۔ سینا کے ذرے ذرے کو اپنی محشر خیز تڑپ سے بے قرار کر چکی تھی۔ اس کا مشعلہ جمال، شعیر کی فضا میں خاموشی سے چمک چمک کر، ارض بنی اسرائیل کے پردہ ظلم پر اپنے منور نقوش چھوڑتا گیا تھا۔

اب وقت آپہنچا تھا کہ اس کی گہتی فروز المانیاں ابر غلیظ کے اس سیاہ سائبان کو جو فاران کی چوٹیوں پر چھایا ہوا تھا، تار تار کر کے ایک نا متناہی چشمہ نور کی طرح صفحہ آفاق پر بہہ نکلیں۔ کیسا عظیم الشان معجزہ ہے کہ اونٹوں کے وہ حدی خواں، جن کے جمود کا طلسم صدہا برس سے نہ ٹوٹا تھا، یک بہ یک آتش بجاں ہو کر اٹھے اور دنیا و دین اور حکمت واخلاق کے ہر شعبے میں زمانے کو درس دینے لگے۔

جاہلیت کے وہی فرزند جو شاید کشت وخون اور جدال وقتال کے ہنگاموں میں اپنی عمریں کھو دیتے، ابو بکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ بن گئے اور آج لاکھوں اور کروڑوں دل ان کی عقیدت اور محبت سے لبریز ہیں۔ ایک نہایت ہی قلیل مدت کے اندر عرب کا نقشہ بدل گیا۔ گنگا کی روانی اب وہی ترانہ سنا رہی تھی۔ جس سے مست ہو کر بحر اوقیانوس کی موجیں ساحل ہسپانیہ پر اپنا سر پٹخ پٹخ دیا کرتی تھیں۔

ارض بطحا کے خشک اور بے برگ صحرا میں برقِ تجلی گری اور خس وخاشاک کو بھی منور کر گئی، جس کے نورانی جلوے دہلی سے لے کر غرناطہ تک قدم قدم پر جھلکنے لگے۔ غزالی اور ابو حنیفہ جیسے، فارابی ابن سینا اور ابن راشد، عالمگیر، الپ ارسلاں اور عمر ابن عبد العزیز جیسے بیسوں پرستار حق کے نام حیات جاواں کے آسمان پر درخشاں ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ یہ سب کچھ آفتاب کے پرتو تھے۔

کون کہتا تھا جس نے دنیا کو تاریکی سے نکال کر روشنی کا اور ظلمت سے نجات دے

کر نور کا راستہ دکھایا؟ جاؤ حجاز کے بیابان میں پکار پکار کر یہ سوال دہراؤ، اور پھر دہراؤ، شاید فاران کی گھاٹیوں میں گونج پیدا ہو۔ "محمد ﷺ........." "یٰاَیُّھا الَّذِینَ آمنُوا صَلُّوا عَلیهِ وسَلِّمُوا تَسلِیماً" (از پروفیسر حمید احمد خان)

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر خواب کو تعبیر مل گئی

۱۱ ربیع الاول کو صرف ظہور قدسی نہیں ہوا بلکہ عالم نو طلوع ہوا۔ اس تاریخ کو رسولِ اکرم ﷺ نے جہاں فانی میں قدم رکھا اور تاریخ عالم نے نئے سفر کا آغاز کیا۔ اس روز ایک ماں نے سعادت مند بیٹے ہی کو جنم نہیں دیا، بلکہ مادر گیتی نے ایک انقلاب کو جنم دیا۔

اس دن محض آمنہ کا گھر منور نہیں ہوا بلکہ تیرہ وتار خاکدان ہستی روشن ہوا، جس کے قدم رنجہ فرمانے سے زندگی پر شباب آ گیا اور صدیوں سے دیکھے جانے والے خواب کو تعبیر مل گئی۔ اس کی تاب رو سے شش جہت کائنات کو روشنی ملی اور اس کے حلقۂ نو میں حیات منتشر کو آسودگی نصیب ہوئی۔

رسولِ اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے دنیا کو شرف انسانی کا حقیقی اندازہ ہوا، ورنہ اس سے پہلے حضرت انسان کو دوسری ہر چیز کی عظمت وسطوت کا احساس تھا لیکن وہ اپنی حرمت اور اپنے مقام سے بے خبر تھے اسی بے خبری کے نتیجے میں وہ سورج چاند اور ستاروں کی چمک سے مرغوب ہو کر انہیں معبود بنائے ہوئے تھا۔

پہاڑوں کی بلندی غاروں کی گہرائی سے متاثر ہو کر انہیں خدا کا درجہ دیئے ہوئے تھا۔ راجوں، مہاراجوں نوابوں سرداروں شاہوں رہبانوں، کی ضلالت وحشمت سے محو ہو کر انہیں خدا کا اوتار مانے ہوئے تھا انسان اتنا دبا ہوا تھا کہ ہر ابھرتی چیز کے سامنے جھک جاتا تھا۔ اتنا ڈرا ہوا تھا کہ ہر ڈراؤنی شے کی بندگی پر آمادہ ہو جاتا تھا اتنا سہا ہوا تھا ہر ایک کا زور اس پر چلتا تھا اتنا سمٹا ہوا تھا کہ اسے اپنی وسعت کا ادراک نہ ہو سکا اتنا مجہوت تھا کہ جن بھوت اس کے سجدوں کے حق دار قرار پائے اتنا گھٹا ہوا تھا کہ اس بیکراں کائنات میں سانس لیتے

ڈرتا تھا اتنا جکڑا ہوا تھا کہ نئی زنجیر کو اپنے لئے تقدیر سمجھتا تھا۔

جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے آ کر بتایا کہ تیری حرمت کعبہ سے افضل ہے تیری ذات رازِ الٰہی ہے۔ تیری تخلیق صرف کن سے نہیں خاص وسعت قدرت سے ہوئی، تو امانت الٰہی کا حامل ہے تجھے ارادہ و اختیار کا وصف عطا کیا گیا ہے تو اپنی ذرہ ہستی میں صحرا ہے اور قطرہ وجود میں قلزم ہے۔ آپ ﷺ کی اس تعلیم اور خود آگہی کے اس درس کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ انسان جو مٹی کے مادھو (بت) کے سامنے سمٹا ہوا ہوتا تھا آج اس کی ہیبت سے پہاڑ سمٹ کر رائی بنے ہوئے ہیں۔ جو انسان مورتیوں بھوت پرتیوں اور وہموں کے خوف سے نیم جاں تھا اب صحرا و دریا اس کی ٹھوکر سے دو نیم ہوئے جا رہے ہیں جو انسان دیوتا کے سامنے ہاتھ جوڑ تا رہتا تھا آج وہ ''یزداں بکمند آور'' کا نعرہ مستانہ لگاتا نظر آتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ کائنات کا اعتبار اور انسانیت کا وقار یہ سب کچھ رسولِ اکرم ﷺ کے دم قدم سے ہے۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت اور بعثت باکرامت سے پہلے، یہی معمورہ ہستی جہان کا منظر پیش کر رہا تھا۔ یونان اپنی عظیم الشان تہذیب کے کھنڈر پر یکہ تنہا کھڑا آنسو بہا رہا تھا اور اہل یونان اس کھنڈر تلے دبے ہوئے کراہ رہے تھے۔ یونانی حکماء نے اپنے فلسفہ کے زور پر ہر مسئلہ حل کرنا چاہا۔ اس دور کا یونان فلسفوں سے بھرا پڑا تھا۔ یہ ارشمیدس، یہ اقلیدس، یہ بطلیموس، یہ سقراط اور بقراط، یہ ارسطو اور افلاطون۔

جس طرف نگاہ اٹھتی فلسفیوں کی قطار بندھی نظر آتی مگر بات پھر وہی ہے، جو علامہ

اقبال نے کہی ۔

اپنی حکمت کے غم و پیچ میں الجھا ہوا　　　آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

یونان کی چمکتی دمکتی اکیڈمیوں نے اندھیرا اور گہرا کر دیا۔ یہ دنیا منور ہوئی تو غارِ حرا کے گوشے سے طلوع ہونے والے آفتابِ نبوت سے ہوئی۔

رومتہ الکبریٰ کے قیصر اور فارس کے کسریٰ بھی انسانیت کی پیٹھ پر بوجھ ہی رہے۔ اگر کسی نے آ کر انسان کو سبکدوش کیا تو رسولِ اکرم ﷺ نے کیا۔ یہ تغفور و خاقان انسانیت کے لئے ناداں ثابت ہوئے۔ دنیا کو آمان ملی تو رسولِ اکرم ﷺ کے گوشہ دامان میں نصیب ہوئی۔ شاہی قبا و عبا، انسانی آبادی کے لئے وبا نکلی۔

وہ کالی کملی تھی، جو گرفتاران بلا کے لئے نسخہ شفا بنی۔ بادشاہوں کی وسیع سلطنت اپنے باشندوں کے لئے سخت اور تنگ شکنجے تھے۔ جب کہ یتیم مکہ کی چھوٹی سی کوٹھڑی دنیا بھر کے مظلوموں کے لئے اپنے اندر افلاک کی وسعتیں رکھتی تھی۔ حبش سے آنے والے، روم سے آنے والے، فارس سے آنے والے، اور نجد سے آنے والے آتے گئے اور سماتے گئے۔ ارقم کے چھوٹے سے کمرے میں بحر و بر سمٹ گیا۔

آج ہر آن پھیلتی ہوئی کائنات میں پھر سے تنگی کا احساس ہونے لگا ہے۔ سائنس کی بے کرانی میں دم گھٹنے لگا ہے۔ سٹلائیٹ، مریخ و مشتری کو گرفتار کرنے کے مشن پر ہیں مگر بد قسمت انسان ہوائے نفس کا اسیر ہو رہا ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کے پردے میں قبائے انسانی چاک ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ ''انٹرنیشنل ویلیوز'' کے چکر میں انسان اپنی رہی سہی قدر کھو رہا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ آج کا ''بوعلی'' غبارِ ناقہ میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔ کوئی ''مجنوں'' ڈھونڈا جائے ''محمل لیلیٰ'' کو پا سکے۔ یہ مجنوں یورپ کے دانش گاہوں میں نہیں ملیں گے۔ غبارِ حجاز کو آنکھوں کا سرمہ بنا کر دیکھا جائے تو شاید کہیں مجنوں نظر آ جائے۔ وہ کون سا نظام ہے جو دنیا نے آزما کر نہیں دیکھا مگر حاصل کیا ہے؟

انسانیت کی بے قدری، ایک دوسرے سے بے گانگی، تری، خشکی اور محض برہمی،

انسانی دنیا اگر فی الواقع خلوص دل سے چاہتی ہے کہ وہ مزید ٹھوکروں سے بچ جائے تو اس کا واحد حل یہی ہے کہ اپنا بستر اس گلی میں لگا دے جس کوچے کا ہر گدا، شکوہ قیصری رکھتا ہو۔ اس گلی کے پھیرا لگانے والے اپنے سر میں سکندری کا سودہ سمائے رکھتے ہیں۔ یہ بند اور اندھی گلی نہیں، اس کا ہر سرا دنیا اور دوسرا عقبیٰ ہے۔

دربار شہی میں وہ عزت نہیں ملتی، جس قدر اس گلی میں عزت نفس کا احساس نصیب ہوتا ہے کیوں کہ رسولِ اکرم ﷺ انسانیت کی آبرو بڑھانے تشریف لائے تھے۔ جو آبرو حضرت انسان کو ملی، وہ بھی رسولِ اکرم ﷺ کے کرم سے ملی اور جو آبرو آج بھی ملے گی۔ غالب نے تو کہا تھا ؎

جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

یہ تو غالب کے عشرہ طراز معشوق کا شیوہ تھا محبوب خدا کا عالم تو یہ ہے کہ ؎

جس کو ہو جان و دل عزیز اس گلی سے جائے کیوں

''میں'' اور ''سے'' کے فرق کو اہل نظر خوب جانتے ہیں۔ (از خورشید احمد گیلانی)

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر گلشن خوشبو سے مہک اٹھا

بہار کا موسم ہے۔ نہ سردی کی شدت نہ گرمی کی تیزی ہے۔ خشک زمین کو باران رحمت نے سیراب کر دیا۔ بلبل چہک رہی ہے، غنچے مسکرا رہے ہیں کلیاں چٹک چٹک کر ''یا مصور'' کہہ رہی ہیں، پھول مہک مہک کر دماغ کو معطر کر رہے ہیں، چمن میں کیوڑہ اور گلاب کا چھڑکاؤ ہو رہا ہے۔

قبل اس کے کہ سحر ہو، شبنم کی پنکھڑیوں پر ننھے ننھے خوبصورت موتی جڑ دیئے ہیں، سارا گلشن خوشبو سے مہک رہا ہے ڈالیاں وجد کر رہی ہیں، رات کی سیاہی دور ہو چکی ہے، مغرب کا شاہ سوار روشنی کی فوجیں ساتھ لے کر آنے والا ہے، ٹھنڈی نسیم چل رہی ہے، ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے، صحرا سے، آسمان سے، بلبل کے چہچہانے سے، غنچوں کے مسکرانے

سے غرض ہر طرف سے یہ صدا آرہی ہے کہ: ”آج نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہونے والا ہے۔“ (از درد کوکوروی)

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر آفتابِ ہدایت کی شعائیں ہر طرف پھیل گئیں

چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہوکر رہ گئیں لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کردیئے۔ سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخِ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح نواز کے لئے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔

کارکنان قضاوقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ وخورشید کی فروغ انگیزیاں، ابروباد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاس پاک، توحید ابراہیم، جمال یوسف، معجز طرازی موسیٰ، جان نوازی مسیح، سب اسی لئے تھی کہ یہ متاع ہائے گراں اور شہنشاہِ کونین ﷺ کے دربار میں کام آئیں گے۔ آج کی صبح وہی صبح جان نواز، وہی ساعت ہمایوں، وہی دور فراخ فال ہے۔ ارباب سیر اپنے محدود پیرایہ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے، آتش کدہ فارس بجھ گیا، دریائے سادہ خشک ہوگیا لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں، بلکہ شان عجم، شوکت روم، اوج چین کے قصر ہائے بوس گر پڑے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بتکدے خاک میں مل گئے۔ شیرازہ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔ توحید کا غلبہ اٹھا، چمنستان میں سعادت کی بہار آگئی۔ آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، عبداللہ کا جگر گوشہ، آمنہ شاہ حرم، حکمران عرب، فرمانروائے عالم، شہنشاہِ کونین ﷺ کی عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائی ہوئی اور، عزت واجلال ہوا۔ ”اللهم صل عليه وعلى آله واصحابه وسلم.“

(از علامہ شبلی نعمانیؒ)

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر چمن انسانیت میں بہار آ گئی

ربیع الاول وہ ماہ مبارک ہے جس کی ہر ساعت آنکھ کو ٹھنڈک اور ہر لحہ دل کو سکون کی لازال دولت عطا کرتا ہے۔ ہلال کے نمودار ہوتی ہی یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے قدرت نے عرصہ گیتی پر تسکین پرور روشنی بکھیر دی ہے۔ ظلمتوں کے دبیز پردے چاک ہو رہے ہیں اور انوار تجلیات کی پیہم بارشیں ہو رہی ہیں۔

عالم قدس کی لطافتوں نے فضاؤں میں کیف بھر دیئے ہیں اور جنت النعیم کے دریچوں سے بھینی بھینی اور ٹھنڈی ٹھنڈی مشک بیز ہوائیں آ کر مشام جان کو معطر کر رہی ہیں۔ اضطراب کی گھٹائیں چھٹ رہی ہیں اور رحمت و مرحمت کے بادل چھا رہے ہیں۔ چمن دہر ہی نہیں، بلکہ چمن انسانیت میں بہار آ رہی ہے۔ صحن گلستان کے غنچے ہی نہیں بلکہ دلوں کی لب بستہ کلیاں بھی تبسم آرا ہو رہی ہیں، اور لالہ وگل ہی نہیں بلکہ حیات کے مرجائے ہوئے چہرے پر بھی نکھار آ رہا ہے۔

۱۲ ربیع الاول یہ فضائل و برکات سے بھر پور مطاہر دن ہے جس کی آمد ہمیں تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل ماضی میں لے جاتی ہے۔ جب سید الانبیاء محبوب خدا رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

یہ وہ وقت تھا جب پوری کائنات پر جہالت کے بادل منڈلا رہے تھے، عقل و دانش اس کے نصیب میں نہ تھی، حسنِ اخلاق اٹھ چکا تھا، اور عیاری مکاری ان لوگوں کا مقدر بن چکی تھی، اور شرم وحیا کا جنازہ نکل چکا تھا، لوگ خدا فراموش ہی نہیں، بلکہ خود فراموش بھی بن چکے تھے۔ انہیں یہ خیال تک نہ تھا۔ کہ ہاتھ کی بنی یہ مورتیاں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ سب ہمارے زیر نگین ہیں۔

خانہ خدا کا برہنہ طواف کر کے اس کی توقیر کے بجائے اس کی تحقیر کی جاتی تھی۔ قتل وغارت گری کا بازار گرم رہتا تھا، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، انسانیت نام کی کوئی شے

ان لوگوں میں باقی نہ رہی تھی۔

ایسے میں پھر رحمت خداوندی جوش میں آگئی اور ریگستان عرب میں ایسا گل نایاب کھلا جس کی خوشبو سے نہ صرف اہل عرب بلکہ پوری کائنات معطر ہوگئی۔ ایسا چشمۂ نور پھوٹا جس کی نورانیت نے پورے عالم سے ظلم و جہالت کے گھٹا توپ اندھیروں کو مٹادیا اور دنیا کا گوشہ گوشہ منور کر دیا۔

رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت سے زمانے کی کایا پلٹ گئی ظلم کی تاریکی میں غرق لوگ دوسروں کے لئے ہادی بن گئے، عیاری مکاری کو چھوڑ کر ایثار کے عامل بن گئے، شرم وحیاان کا زیور بن گیا انہوں نے زمانے میں اپنی فصاحت و بلاغت دانش و حکمت کا سکہ منوایا الغرض اس فصل بہار میں اہل عرب کی بکھری ہوئی شاخوں نے ایک تنے کی شکل اختیار کر کے اتحاد و یگانت کی مثال پیدا کر دی۔ ماں نے رسول اکرم ﷺ کا نام احمد ﷺ رکھا، اور رسول اکرم ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے محمد رکھا۔

رسول اکرم ﷺ کی ولادت کا دن تاریخ ہستی کا اہم ترین دن ہے

جو اجالا اجالے کے لئے آیا جو نور افگن چاند چاندنی کے لئے ظہور پزیر ہوا، جس تابدار کی تاب شمس و قمر نہ لا سکے، جس مرکز تخلیات کو سراج منیر کا لقب ملا، یہ سراج جو سورج سماوی سے ممتاز ہے جب آسمانی سورج غروب ہوتا ہے تو اس سورج کا طلوع ہوتا ہے جہاں مکانات کی دیواروں کے حجاب اور بیشتر پردوں میں آسمانی روشنی پہنچنے سے قاصر ہے، وہاں اس دن رات کے سورج کی کرنیں پہنچ چکی ہیں۔ جناب رسول اکرم ﷺ کے عشق میں ڈوب کر کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔

یہ شمس ﷺ نہار و لیل وہ شمس نہار بس ہے   یہ قمر ﷺ منیر عالم قمر ستار بس ہے

جس کی دانائی، عقل و فہم اور منفرد عالی کردار پر قرآن شاہد عدل ہے، انجیل و تورات نے جس کے تقدس میں محمودیت کے نغمے گائے ہیں۔ جس کی صداقت و عظمت کی گواہی شجر

تجروے چکے ہیں۔ جس کے دشمن، عداوتوں کے باوجود عظمت ورفعت کے معترف رہے جس کی تکذیب کرنے والے آخر تصدیق پر...... مجبور ہوگئے، جس کو سب وشتم کرنے والے رطب اللسان رہے جس نے مہد سے لحد تک انسانیت کی رہنمائی کی، جب اس کی سطوت کا پرتو پڑا تو بتوں کے عزائم خاک میں مل گئے۔

اسی عظیم نبی ﷺ نے قیصر وکسریٰ کے طلسم توڑ دیئے، خسرو اور ہرقل کی سلطنتیں لرزہ براندم کردیں، دنیائے عالم کو ایک جامع اور ہمہ گیر نظام بخشا، بنی آدم کو حیوانیت کے اندھیروں سے نکال کر مصابیح توحید کے سامنے بٹھایا، امت محمدیہ کو زندگی کے اصول بتائے۔ رہن سہن کے طریقے سمجھائے، امن وآشتی کا سبق دیا، اور جس نے سیاست کے گر سکھائے۔

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ قضا وقدر کا یہی فیصلہ تھا، کہ مہینے اور دن کا بھی انتخاب ہو جائے، ماہ رمضان اگرچہ بابرکت ہے، مگر کوئی یہ نہ کہے، کہ شاید ہمارے نبی کو رمضان کے باعث عزت ملی بلکہ معلوم ہوجائے، ربیع الاول کو آقائے انسانیت کے طفیل برکت عطا ہوئی یوم جمعہ بیشتر انبیاء کی بعثت وولادت کا یوم ہے مگر یہاں بھی ایسی عظمت کی خاطر رسولِ اکرم ﷺ کے لئے سوموار کا روز مقرر کیا گیا۔

اب انتظامات مکمل ہوگئے، اطراف واکناف سنوارے گئے ہیں۔ آثار واقوام وقبائل دیکھتے، سردار تاکتے ہیں، یہودی ساہوکار عقل وخرد کھو بیٹھے ہیں۔ پریشان ہیں ادھر شاعروں کا تخیل جنبش میں ہے، مدح سراؤں کی نغمہ سنجیاں تحریک میں ہیں، ملائک کی مسرتیں عروج پر ہیں، رحمت ہی رحمت کے آثار ہیں، تقدس ہے۔ ان کی آمد کی گھڑی کچھ ایسی ہوئی، کہ جس پر ایام وشہور کی تمام ناز برداریاں قربان کردی ہیں۔

آدم کے لئے فخر یہ عالی نسبی ہے   مکی و مدنی ، ہاشمی، مطلبی ہے

ادھر فرشتگان قضا وقدر پکار پکار کر کہہ رہے تھے: صحرانوردوں سے کہو، بیابانوں کے حدی خواں بدل لیں.......... ہندوستان کے برہموں سے کہو باز آجائیں۔ یورپ کے

کمپاسٹو سے کہو، چیرہ دستیاں چھوڑ دیں، افریقہ کے سیاہ فاموں سے کہو، مذہب کی رغبت شروع کردیں، کفر والحاد کے پاسداروں سے کہو سرگرمیاں بند کردیں۔

آج دشمنوں پر واویلا مچانے والوں اور مرگھٹوں پر نالہ کرنے والوں کا مفرط مذہبی جنون خطرات میں جاپڑا ہے۔ اب قدسیاں ارض وسما کا تاجدار آتا ہے جن کے صدقے جگ کو شوق اور تخیل کو ذوق بخشا گیا جن کی بدولت عزم کو پختگی، روح کو طمانیت اور جزب کو عذب عطا ہوا، جس کے طفیل صبا کو رہا اور ادا کو وفا ملی، وہ لیل ونہار کا بدر منیر بشریت کے بھیس میں سرزمین عرب پر طلوع ہو چکا تھا۔

بدلا ہوا تھا رنگ گلوں کا تیرے بغیر
اک خاک سی اڑی ہوئی سارے چمن میں تھی (فانی بدایونی)

جس کے باعث تخیل کے صدقے عالم انجمن سنواری گئی تھی۔ قضا وقدر کی نغمہ آرائیاں ہوتی تھیں۔ عناصر کی جدت طرازیاں معرض شہود میں آتی تھیں۔ ابتدا آفرینش ہی سے جس کے استقبال کی تیاریاں شروع ہوگئیں تھیں۔ مشاطہ قدرت نے جن کی پاکیزہ زندگی کے نقوش سنوارے تھے۔

جس کے خطوط پر نوع انسانی کا سانچہ تیار کیا گیا تھا، اس آفتاب ہدایت کا کیا مطہر ہوگا؟۔ اور کتنا شفاف ہوگا؟ اس میں کیونکر کوئی ابہام واقع ہوسکتا ہوگا، اور بات بھی بالکل صحیح ہے۔ وہ پیغمبر عظمت کا تاجدار کیسے ہوسکتا ہے؟...... جس کے نسب میں کسی شبہ کا شمہ بھی موجود ہو۔ جب چمنسان دھر کی قسم کا ستارہ ہویدا ہوا اور ظلمات کو اجالوں کی خبر ہوئی تو یتیم عبد اللہ، جگر گوشہ آمنہ، امام حرم حکمران عرب، قائد انسانیت فرمان روائے عالم، شہنشاہ کونین عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف لائے۔

تو ہر قسم کا شر ختم ہوا، آتش کدہ کفر سرد ہوا، کلیسائے روم وایران ختم ہوا، صنم خانوں سے توحید کے نغمات اٹھنے لگے، مجوسیت کا شیرازہ بکھر گیا۔ یہودیت دم توڑ چکی، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔

قصرات نوشیرواں میں زلزلہ ہوا، فارس کی ہزار سالہ آتش نے تمازت کو خیر باد کہا، طیل کی سطوت کے کنگرے گرنے لگے۔ باطل سلطنت لرزہ براندام ہوگئی پاپائے روم اور ماہان حمیر سکتے میں پڑ گئے۔

ان کے اعجاز و امتیاز کے سامنے نگاہیں خیرہ ہوگئیں، عقول وفحول نے حیرت تعجاب میں ہمت ہاردی انسانی غبطہ ورشک کی کیفیت سرور میں سرمست ہوئی، شان فارس رشوکت روم نے اعتراف عظمت کرلیا۔ اوج چین کے قصرہائے فلک بوس گرنے لگے۔

آفتاب ہدایت کی شعاعیں چارسو عالم میں پھیل گئیں، بالآخر وہ دن آپہنچا کہ چشم لک کو مدت سے جس کا انتظار تھا۔ جس کی دید کے لئے ہر دن سورج طلوع ہوتا تھا۔ وہ دن و بطن تقدیر میں مدت سے پرورش پارہا تھا، جس دن کی دید کے لئے خلائق کا ہر ذرہ نگاہ وڑا رہا تھا، انسانیت جس کی جستجو میں تھی۔ جس دن کی شعاعیں ادھر آدم تک اور ادھر قیامت نک لمعہ افگن رہنے والی تھیں، وہی دن جو یوم الایام تھا، جو تاریخ ہستی کا سب سے اہم ترین ن تھا، وہ اقوام عالم میں سب سے عظیم یوم تھا، روشن روز تھا۔

اس روز مردہ دلوں کو زندگی بخشنے والے ظلمات کو لمعات دینے والے اقوام عالم کی اہمواریوں کو تعمیراتی نصب العین سے ہم آغوش کرنے والے، مظلوموں کی فریاد رسی اور ستانے والوں سے بھلائی کرنے والے۔ باطل کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں بھٹکنے والی قوم کو صراط مستقیم کا درس پڑھانے والے، سید الاولین والآخرین، اشرف الانبیاء خاتم الانبیاء، طیب الانبیاء امام الانبیاء، شفیع المذنبین یتیم مکہ کی وادی مکہ میں ولادت ہوتی ہے۔

(از علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ) (از رہبر ورہنما)

رسولِ اکرم کی ﷺ ولادت پر چاند طلوع ہوا

میں حیران ہوتا ہوں کہ خدا نے جس قوم کو آمنہ کا لعل دیا ہو، جسے امام الانبیاء، فخر رسل، باعث کل، پیغمبر آخر الزماں رسولِ اکرم ﷺ جیسا نبی ملا ہو اس کے پاس کس چیز کی کمی

ہے اسے اور کیا چاہئے۔ پورا قرآن، اسلام، احادیث، ائمہ کی محبت، یہ تصوف، یہ بس حضور ہی حضور ہیں، بیچ میں اگر ختم نبوت پر بال آئے گا تو پوری عمارت نیچے آگرے گی۔ خدا خدا نہ رہے گا، لوگ اور ہی بنائیں گے۔

توحیدرا کہ نقطہ پرکار دین ماست　　دانی؟ نکتہ ز زبان محمد ﷺ است

بلاواسطہ کچھ نہیں ملے گا۔ کعبہ میں جو صحف ابراہیم وموسیٰ کی درسگاہ تھا، اس میں تین سو ساٹھ پتھر لا کر رکھے۔ پھر آمنہ بی بی کے ہاں لعل آیا، اور عبداللہ کا چاند طلوع ہوا، تو ان کا گھر صاف ہوا۔ محور ہی ان کی ذات ہے، مجھے تو کچھ اور سوجھ ہی نہیں سکتا ہے۔

در پہ بیٹھے ہیں تیرے بے زنجیر　　ہائے کس طرح کی پابندی ہے

وہ ماں ہی مرگئی جو نبی جنے، مشاطہ ازل میں تیری ﷺ زلفوں میں کنگی کی ضرورت نہیں رہے گی۔ دیوانے بن جاؤ...... عقل کو جواب دے دو...... ختم نبوت کی حفاظت عقل کا نہیں عشق کا مسئلہ ہے...... صحابہ کرامؓ صحیح معنوں میں دیوانگان محمد ﷺ تھے۔ اور بس......

خراباتیاں مے پرستی کنند　　محمد ﷺ بگویند و مستی کنند

(از سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ)

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت گویا کہ سراج منیر ہے

جب سورج کی روشنی ذرہ پر پڑتی ہے تو وہ چمکنے لگتا ہے، لیکن اس کی چمک کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ سورج بھی اتنا ہی روشن ہے، جتنا ذرہ۔

یہ کتاب حضور کی خوبیاں اتنی ہی دکھلائے گی جتنی ذرہ سورج کی روشنی کو دکھایا کرتا ہے۔ نئی لائن بہار کا موسم تھا صبح صادق کی روشنی پھیل چکی تھی، سورج نہیں نکلا تھا دن دوشنبہ کا تھا، کہ ماہ ربیع الاول کی ۹ تاریخ کو سرورِ کائنات جنابِ رسولِ اکرم ﷺ پیدا ہوئے۔

رسولِ اکرم ﷺ کے باپ کا نام عبداللہ ہے، عبودیت رسولِ اکرم ﷺ کے خون میں شامل تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ کی والدہ مکرمہ کا نام آمنہ ہے اور رسولِ اکرم ﷺ کی دایہ کا نام حلیمہ

ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے حلم اور بردباری کا دودھ پیا ہے۔ آفتاب کی سفید وصاف روشنی کائنات میں نور وحرارت پیدا کرنے والی ہے۔ علماء نے اس روشنی میں سات مستقل رنگ معلوم کیے ہیں اور جب ان ساتوں نے بحکم وحدت بیضا ونقیہ بن کر عالم افروزی کی، تب اس کا نام ضیائے آفتاب ہوا۔ قرآن مجید نے رسولِ اکرم ﷺ کو ''سراج منیر'' کہا ہے اور یہ بتلا دیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی ذات گرامی میں ہفت اقلیم عالم کی رہبری کے رنگ جمع ہیں اور جامعیت کا یہ نور ہر ایک کے نزدیک ودور کا باصرہ افروز وبصیرت افزاء ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر ہر سو نیا رنگ تھا، نیا روپ تھا

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت کائنات کا اہم ترین واقعہ ہے۔ بحر احمر کی مضطرب لہروں سے عرب کا آفتاب زرفشاں طلوع ہوا۔ عطر بند ہواؤں کی نرم ونازک رفتار سے مس ہوکر پھوٹنا شروع ہوگئے۔ فرش سے عرش تک مینار نور نے آنکھیں خیرہ کردیں۔ بحر احمر کی سرخ موجیں، جھلمل جھلمل کرنے لگیں۔ ہوائیں کھجور کے جھنڈ میں پتوں سے مس ہوکر سارنگی بجانے لگیں۔ ریگ زاروں کا ذرہ ذرہ بقعہ نور بن گیا۔ ساری کدورتیں ڈھل گئیں، اور محبت کے دیپ جلنے لگے، ہر سو نیا رنگ تھا، نیا روپ تھا۔

آج کی صبح وہی صبح جاں نواز ہے کہ جس صبح، شان عجم اور شوکت وتمکنت عرب ماند پڑ گئی تھی، آتش کدہ کفر بجھ گیا، آذر کدہ گمراہی، سرد ہوکر رہ گیا تھا، صنم کدوں میں خاک اڑنے لگی۔ توحید کا غلبہ اٹھا، شاہ حرم، شہنشاہ کونین اور امام الانبیاء رسولِ اکرم ﷺ عالم ارواح سے عالم امکان میں تشریف لائے۔ سلام ان پر، درود ان پر، آج اس ذات گرامی کا آمد کا دن ہے، جن کی بشارت تورات اور انجیل نے دی، آج اس ظہور قدسی کا دن ہے، جن کے قدموں کی چاپ عیسیٰؑ، موسیٰؑ، اور داؤدؑ نے سنی تھی۔ (از ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی صاحب)

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت گویا نور کا ظہور ہے

یوں آنے کو تو سب ہی آئے سب میں آئے، سب جگہ آئے سلام ہو ان پر بڑی

کٹھن گھڑیوں میں آئے، لیکن کیا کیجئے کہ ان میں جو بھی آیا جانے ہی کے لئے آیا۔ پر ایک اور صرف ایک، جو آیا اور آنے ہی کے لئے آیا۔ وہی جو اگنے کے بعد کبھی نہیں ڈوبا، چمکا ہی چلا جا رہا ہے، بڑھا ہی چلا جا رہا ہے۔

سب جانتے ہیں اور سب ہی کو جاننا چاہئے کہ جنہیں کتاب دی گئی، اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کئے گئے، برگزیدوں کے اس پاک گروہ میں اس کا استحقاق صرف اسی کو ہے اور اس کے سوا کس کو ہوسکتا ہے؟...... جو پچھلوں میں بھی اس طرح جس طرح پہلوں میں تھا۔ دور والے بھی اس کو ٹھیک اسی طرح پا رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے ہی رہیں گے، جس طرح نزدیک والوں نے پایا تھا۔ جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے، اور ہمیشہ پہچانا جائے گا، جس طرح کل پہچانا گیا تھا، کہ اسی کے اور صرف اسی کے دن کے لئے رات نہیں ہے، ایک اسی کا چراغ ہے، جس کی روشنی بے داغ ہے۔ (از سید مناظر حسن گیلانیؒ)

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت تخلیق کی تکمیل کا لمحہ آخریں تھا

رسولِ اکرم ﷺ کے جسم اطہر کے سبب تمام عالم تجسیم ہوئے، حضور ﷺ نے جہاں جہاں بھی قدم رکھا، محبت کی بارگاہیں معطر ہوگئیں۔ حضور ﷺ نے جن جن اشیاء کو چھولیا، ان کو عظمت بے پناہ نصیب ہوئی۔ حضور ﷺ کے تخیل نے جن جن چیزوں کو سمولیا، وہ اوج مقدر پر جلوہ آفروز ہوئیں حضور ﷺ کی جدھر جدھر چشم رحمت اٹھی، ادھر ادھر عطائے الٰہی کے دفتر کھل گئے۔

انتخاب خداوندی کن کن مراحل سے گزر کر ایک نقطے پر مرکوز ہوا ہوگا، کتنے الفاظ نے طہارت کا سہارا لیا ہوگا، کتنے فلسفے دم بخود رہ گئے ہونگے۔ کتنی تشبیہات نے دم توڑ دیا ہوگا، کتنے لطیف احساسات مجسم ہوتے ہوئے رہ گئے ہوں گے، اظہار نے کیا کچھ ہاتھ پاؤں نہ مارے ہوں گے، سرور وکیفیت نے کیا کیا کروٹیں بدلی ہوں گی۔

دلوں کو وجد نصیب ہو رہا ہوگا، آنکھوں کو ٹھنڈک مل رہی ہوگی، جسم وجاں لطف

حیات کے امتحان سے گزر رہے ہوں گے، شوق مچل رہا ہوگا، ذوق دید کیفیات کے پل صراط پر رقص کناں ہوگا، جناب رسولِ اکرم ﷺ جب دنیا میں تشریف لا رہے ہوں گے، وہ وقت کتنا سہانا، پیارا، روح افزا، دل کشا، نزہت افروز، اور دردو آگیں ہوگا، وہ وقت جس کی ساعتوں کو سعادت کی لامتناہی خوشبو عطا کی گئی۔

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت پر ظلمت کدوں میں نئی صبح کے آثار نظر آنے لگے

دنیا نزع کے عالم میں تھی، ظلم کی اندھی اور بہری قوتوں کے سامنے انسانی ضمیر کے سارے حصار منہدم ہو چکے تھے۔ مظلوموں اور بے بسوں کے لئے اپنے مقدر کی تاریکیوں کے ہجوم سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ زیر دستوں میں فریاد کی سکت نہ تھی اور بالا دستوں کو یوم حساب کا خوف نہ تھا۔

یہ دنیا ایک رزم گاہ تھی جہاں افراد قبائل اور اقوام ایک دوسرے کا گوشت نوچ رہے تھے۔ امن عدل اور انصاف کے متلاشیوں کی چیخیں گمراہی، جہالت اور استبداد کی آہنی دیواروں سے ٹکرانے کے بعد خاموش ہو چکی تھیں۔ اور صحرائے عرب کے باشندوں کی قبائلی عصمتیں اپنے فرزندوں سے تازہ آنسوؤں کی طلب گار تھی۔

پھر یکا یک مکہ کی برہنہ برہنہ چٹانوں اور بے آب و گیاہ وادیوں پر پروردگار عالم کی ساری رحمتوں کے دریچے کھل گئے اور فرزندان آدم کی مایوس اور تھکی ہوئی نگاہیں عرب و عجم کے ظلمت کدوں میں ایک نئی صبح کے آثار دیکھنے لگیں۔

انسانی تاریخ کا سب سے مبارک وہ لمحہ تھا جب حضرت آمنہ خالق ارض و سماء کی ساری نعمتوں اور کائنات کی تمام مسرتوں، اور سعادتوں کو اپنے آغوش میں دیکھ رہی تھی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے مجروح اور ستم رسیدہ انسانیت کو یہ مژدہ سنا رہے تھے کہ عبد المطلب کا پوتا اور عبد اللہ کا بیٹا ان دعاؤں کا جواب ہے جو خانہ کعبہ کی بنیاد اٹھاتے وقت حضرت ابراہیمؑ کی زبان پر آئی تھی یہ وہی ہادی اکبر ہے جس کی بشارت حضرت عیسیٰؑ نے دی

ہے یہ خدا کے ان برگزیدہ بندوں کے سپنوں کی تعبیر ہے جو ماضی کی ہولناک تاریکیوں میں اللہ کی رحمت کو پکارتے ہیں۔اے زمانے کے مظلوم اور مقہور انسانو! یہ تمہارا نجات دہندہ ہے۔قیصر و کسریٰ کے استبداد کی چکی میں پسنے والے غلامو! تمہارے آلام اور مصائب کا دور ختم ہو چکا ہے۔ جہالت اور گمراہی کی تاریکی میں بھٹکنے والو! تمہیں سلامتی کا راستہ دکھائے گا۔اے عدل وانصاف کے متلاشیو! اس کے ہاتھ ظلم کے پرچم سرنگوں کردیں گے۔یتیموں بیواؤں اور زمانے کے ٹھکرائے ہوئے انسانو! یہ نبی ﷺ تمہارے لئے سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ (از نسیم حجازی صاحب) (بشکریہ ماہنامہ خلافتِ راشدہ)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۳

رسولِ اکرم ﷺ کو وہ کمالات واوصاف یکجا عطا کئے گئے جو دیگر انبیاء کو فرداً فرداً عطا کئے گئے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ تیسری خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے"رسولِ اکرم ﷺ کو وہ کمالات واوصاف یکجا عطا کئے گئے جو دیگر انبیاء کو فرداً فرداً عطا کئے گئے" الحمد اللہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی میں ریاض الجنۃ میں اللہ کی توفیق سے بیٹھا ہوں، آقا ﷺ کا پیارا اور مقدس روضہ مبارک میرے سامنے ہے اور میں آقا ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں دعا گو ہوں کہ یارب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور فرما آمین یارب العالمین۔

بہرحال قابل احترام قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ایک بہترین خصوصیت ہے کہ دیگر انبیاء کرام کو اللہ رب العالمین نے جو صفات عطا فرمائیں وہ فرداً فرداً عطا فرمائیں کسی کو ایک، یادو، تین، چار...... الخ لیکن جب نمبر آیا اللہ کے سب سے محبوب نبی اور ہمارے نبی ﷺ کا تو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرامؑ والی تمام صفات یکجا کر کے حضور ﷺ کو عطا کر دیں، گویا کہ یوں کہا جائے کہ پچھلے انبیاء کرامؑ کو اللہ نے پھولوں کی پتیاں یا زیادہ سے زیادہ کسی کو پورا پھول عطا فرمایا لیکن جب ہمارے حضور ﷺ کا نمبر آیا تو سارے پھولوں کا گلدستہ بنا کر اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور ﷺ کے گلے میں ڈال دیا۔ "ذالکَ فَضلُ اللہِ یؤتِیہِ مَنْ یَّشآء."

چنانچہ ذیل میں ہم نے مختصراً اسی خصوصیت پر روشنی ڈالی ہے، جس سے آپ ﷺ کی

یہ خصوصیت نکھر کر سامنے آجائے گی انشاء اللہ۔ لیجئے ملاحظہ فرمایئے:۔

تیسری خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

جو معجزات وکمالات وفضائل دیگر انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین میں جدا جدا موجود تھے ان سب کے نظائر یا ان سے بھی بڑھ کر حضور ﷺ کی ذات شریف میں مجتمع تھے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بغرض توضیح صرف چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱......حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے تمام چیزوں کے ناموں کا علم دیا۔ آپؑ کو فرشتوں نے سجدہ کیا۔

☆اور جبکہ سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اسماء کے علاوہ مسمیات کا بھی علم دیا۔ رسول اکرم ﷺ پر اللہ اور اللہ کے فرشتے درود بھیجتے رہتے ہیں اور مؤمنین بھی سلام ودرود بھیجتے ہیں ۔ یہ شرف اتم واکمل ہے ۔ کیونکہ سجدہ تو ایک دفعہ ہو کر منقطع ہو گیا اور درود وسلام ہمیشہ کے لئے جاری ہے اور اعم بھی ۔ کیونکہ سجدہ تو صرف فرشتوں سے ظہور میں آیا اور درود میں اللہ اور فرشتے اور مؤمنین سب شامل ہیں ۔ علاوہ ازیں امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس لئے سجدے کا حکم دیا تھا کہ نور محمدی حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں تھا۔

۲......حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھایا۔

☆اور جبکہ رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں آسمانوں کے اوپر مقام قاب قوسین تک اٹھایا۔

۳......حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اور ان پر ایمان لانے والوں کو غرق ہونے سے نجات دی۔

☆اور جبکہ رسول اکرم ﷺ کے وجود کی برکت سے آپ ﷺ کی امت عذاب

استیصال سے محفوظ رہی۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُم وَأَنتَ فِیھِم (یعنی اللہ تعالیٰ اس کو عذاب نہیں دینے کا جس حال میں کہ آپ ان میں موجود ہیں۔) اللہ تعالیٰ نے کشتی نوح کو بھی رسول اکرم ﷺ ہی کے نوری برکت سے غرق ہونے سے بچایا۔ کیونکہ اس وقت نور محمدی ﷺ حضرت سام کی پیشانی میں تھا۔ (زرقانی علی المواہب۔ جزء ثالث)

۴...... ہود علیہ السلام۔ کی مدد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیجی۔

☆ اور جبکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بادِ صبا سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد مغربی ہوا سے ہلاک کی گئی۔

۵...... حضرت صالح علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے پتھر میں سے اونٹنی نکالی۔ اور حضرت صالحؑ فصاحت میں یگانہ روزگار تھے۔

☆ اور جبکہ اونٹ نے آپ ﷺ کی اطاعت سے کلام کیا۔ فصاحت میں کوئی آپ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ جیسا کہ آگے چل کر فصاحت سے متعلق مستقل ایک الگ خصوصیت آرہی ہے انشاء اللہ۔ (خصائص کبریٰ بحوالہ صحیحین۔ جزء اول)

۶...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔

☆ اور جبکہ آپ ﷺ ہی کے نور کی برکت سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ رسول اکرم ﷺ کی ولادت شریف پر فارس کی آگ جو ہزار برس سے نہ بجھی تھی، گل ہوگئی شب معراج میں کرۂ نار سے آپ ﷺ کا گزر ا ہوا اور کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ آپ ﷺ کی امت میں بھی ایسے بزرگ گزرے ہیں کہ آگ میں ڈالے گئے اور سلامت رہے اور جب غزوہ تبوک کے بعد رمضان ۹ھ میں آپ ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباس نے آپ کی اجازت سے آپ کی مدح میں چند شعر کہے ہیں ان میں سے ایک شعر یہ ہے۔ آپ حضرت خلیل اللہ کی آگ میں پوشیدہ داخل ہوئے۔ آپ ان کی پشت میں تھے وہ کیسے جل سکتے تھے طبرانی وغیرہ نے اس قصہ کو روایت کیا ہے۔ (مواہب وزرقانی غزوہ تبوک)

ابراہیم علیہ السلام کو مقام خلت عطا ہوا۔ اسی واسطے آپ کو خلیل اللہ کہتے ہیں۔

☆ اور جبکہ رسول اکرم ﷺ کو نہ صرف درجہ خلت عطا ہوا بلکہ اس سے بڑھ کر درجہ محبت عطا ہوا اسی واسطے رسول اکرم ﷺ کو حبیب اللہ کہتے ہیں۔ (خصائص کبریٰ)

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بت خانے کے بت توڑے۔

☆ اور جبکہ رسول اکرم ﷺ نے خانہ کعبہ کے گرد اور اوپر تین سو ساٹھ بت نصب تھے محض ایک لکڑی کے اشارے سے یکے بعد دیگر سب کے سب گرا دیئے۔

ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنایا۔

☆ اور جبکہ رسول اکرم ﷺ نے بھی خانہ کعبہ بنایا۔ حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ تا کہ آپ کی امت کے لوگ طواف وہاں سے شروع کریں۔

۷...... حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو والد بزرگوار ذبح کرنے لگے تو آپ نے صبر کیا۔

☆ اور جبکہ اس کی نظیر رسول اکرم ﷺ کا شق صدر ہے جو وقوع میں آیا۔ حالانکہ ذبح اسمٰعیل وقوع میں نہ آیا بلکہ ان کی جگہ دنبہ ذبح کیا گیا۔

۸...... حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب برادران یوسف نے خبر دی کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے تو آپ نے بھیڑیئے کو بلا کر پوچھا بھیڑیا بولا میں نے یوسف کو نہیں کھایا۔ (خصائص کبریٰ)

☆ اور جبکہ آپ سے بھی بھڑیئے نے کلام کیا جیسا کہ اپنے مقام پر آگے آرہا ہے۔

یعقوب علیہ السلام فراق یوسف میں مبتلا ہوئے اور صبر کیا۔ یہاں تک کہ غم کے مارے آپ کی آنکھیں سفید ہوگئیں۔ اور قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتے۔

☆ اور جبکہ رسول اکرم ﷺ اپنے صاحبزادے ابراہیم کی دائمی مفارقت میں مبتلا ہوئے۔ مگر رسول اکرم ﷺ نے صبر کیا حالانکہ اس وقت اور کوئی صاحبزادہ آپ ﷺ کا نہ تھا۔

۹...... حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑا حسن و جمال عطا فرمایا۔

☆ اور جبکہ رسول اکرم ﷺ کو ایسا حسن عطا ہوا کہ کسی کو نہیں ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو تو نصف حسن ملا تھا مگر رسول اکرم ﷺ کو تمام ملا۔

.... یوسف علیہ السلام خوابوں کی تعبیر بیان کرتے تھے مگر قرآن مجید میں صرف تین خوابوں

کی تعبیر آپ سے وارد ہے۔

☆ اور جبکہ رسول اکرم ﷺ سے تعبیر رویا کی کثیر مثالیں احادیث میں مذکور ہیں۔

یوسف علیہ السلام اپنے والدین اور وطن کے فراق میں مبتلا ہوئے۔

☆ اور جبکہ آپ ﷺ نے اہل اور رشتہ داروں اور دوستوں اور وطن کو چھوڑ کر ہجرت کی۔

۱۰...... حضرت ایوب علیہ السلام صابر تھے۔

☆ اور جبکہ صبر میں رسول اکرم ﷺ کے احوال حد نظر سے خارج ہیں۔

۱۱...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا عطا ہوا۔

☆ اور جبکہ رسول اکرم ﷺ کی پشت مبارک پر مہر نبوت تھی۔ علاوہ ازیں رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اتنا روحانی نور عطا فرمایا تھا۔ اگر آپ نے نقاب بشریت نہ اوڑھا ہوتا تو کوئی آپ کے جمال کی تاب نہ لاتا۔

موسیٰ علیہ السلام نے عصا مار کر پتھر سے پانی جاری کر دیا۔

☆ حضور ﷺ نے اپنی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی جاری کر دیا۔ یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ پتھر سے پانی کا نکلنا متعارف ہے مگر خون و گوشت میں سے متعارف نہیں

موسیٰ علیہ السلام کو عصا عطا ہوا جو اژدہا بن جاتا تھا۔

☆ اور جبکہ ستون حنانہ جو کھجور کا ایک خشک تنا تھا رسول اکرم ﷺ کے فراق میں رویا اور اس سے اس بچہ کی سی آواز نکلی جو ماں کے فراق میں رو رہا ہو۔

موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اپنے رب سے کلام کیا۔

☆ اور جبکہ رسول اکرم ﷺ نے عرش مقام قاب قوسین میں اپنے رب سے کلام کیا۔ اور دیدار الٰہی سے بھی بہرہ ور ہوئے اور حالت تمکین میں رہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے عصائے بحیرہ قلزم کو دو پارہ کر دیا۔

☆ اور جبکہ رسول اکرم ﷺ نے انگشت شہادت سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا معجزۂ کلیم تو زمین پر تھا اور یہ آسمان پر۔ وہاں عصا کا سہارا تھا اور یہاں صرف انگلی کا اشارہ۔

۱۲.....حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے آفتاب ٹھہرایا گیا۔

☆اور جبکہ رسول اکرم ﷺ کے لئے آفتاب غروب ہونے سے روکا گیا۔

یوشع علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جبارین سے جہاد کیا۔

☆اور جبکہ رسول اکرم ﷺ نے بدر کیدن جبارین سے جہاد کیا اور ان پر فتح پائی۔ رسول اکرم ﷺ وفات شریف تک جہاد کرتے رہے اور جہاد قیامت تک آپ کی امت میں جاری رہیگا۔

۱۳.....حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ تسبیح پڑھتے تھے۔

☆اور جبکہ آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں سنگریزوں نے تسبیح پڑھی بلکہ آپ ﷺ نے دوسروں کے ہاتھ میں بھی کنکروں سے تسبیح پڑھوائی اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے طعام میں سے تسبیح کی آواز آیا کرتی تھی کیونکہ پہاڑ تو خشوع وخضوع سے متصف ہیں مگر طعام سے تسبیح معہود نہیں۔

پرندے داؤد علیہ السلام کے لئے مسخر کردیئے گئے۔

☆اور جبکہ پرندوں کے علاوہ حیوانات (اونٹ بھیڑیئے شیر وغیرہ) رسول اکرم ﷺ کے لئے مسخر کردیئے گئے۔

داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا موم کی طرح نرم ہوجاتا تھا۔

☆اور جبکہ رسول اکرم ﷺ کے لئے شب معراج میں صخرۂ بیت المقدس خمیر کی مانند ہوگیا تھا۔ پس آپ ﷺ نے اس سے اپنا براق باندھا۔ (دلائل حافظ ابونعیم اصفہانی)

داؤد علیہ السلام نہایت خوش آواز تھے۔

☆اور جبکہ رسول اکرم ﷺ بھی نہایت خوش آواز تھے۔ چنانچہ ترمذی سے حدیث انس میں نقل کیا ہے و کان نبیکم احسنهم وجهاً احسنهم صوتاً۔

۱۴.....حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عظیم عطا ہوا۔

☆اور جبکہ رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ نبوت کے ساتھ ملک لیں یا عبودیت۔ آپ ﷺ نے عبودیت کو پسند فرمایا۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے خزائن الارض کی

کنجیاں رسول اکرم ﷺ کو عطا فرمائیں۔ اور آپ ﷺ کو اختیار دیا کہ جس کو چاہیں عطا کر دیں۔

سلیمان علیہ السلام اپنے تخت کو جہاں چاہتے ہوا میں اڑا لے جاتے۔ صبح سے زوال تک ایک مہینہ کی مسافت اور زوال سے شام تک ایک مہینے کی مسافت طے کرتے تھے۔

☆ اور جبکہ رسول اکرم ﷺ کو شب معراج میں براق عطا ہوا بلکہ بجلی سے بھی تیز رفتار تھا۔

جن بقہر وغلبہ سلیمان علیہ السلام کے مطیع تھے۔

☆ اور جبکہ جن بطوع ورغبت رسول اکرم ﷺ پر ایمان لائے۔

سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی سمجھتے تھے۔

☆ اور جبکہ رسول اکرم ﷺ اونٹ بھیڑیے وغیرہ حیوانات کا کلام سمجھتے تھے، آپ ﷺ سے پتھر نے کلام کیا جسے آپ نے سمجھ لیا۔

۱۵.....حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا کر دیتے تھے

☆ اور جبکہ رسول اکرم ﷺ نے مردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا کیا۔ جب خیبر فتح ہوا تو وہاں کی ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ کو زہر آلود بکری کا گوشت بطورِ ہدیہ بھیجا۔ آپ ﷺ نے بکری کا بازو لیا اور اس میں سے کچھ کھایا۔ وہ بازو بولا کہ مجھ میں زہر ڈالا گیا ہے۔ یہ مردے کو زندہ کرنے سے بڑھکر ہے کیونکہ یہ میت کے ایک جزو کا زندہ ہونا ہے۔ حالانکہ اس کا بقیہ حصّہ جو اس سے الگ تھا مردہ ہی تھا۔

سلیمان علیہ السلام نے مٹی سے پرندہ بنا دیا۔

☆ اور جبکہ غزوۂ بدر میں حضرت عکاشہ بن محصن کی تلوار ٹوٹ گئی رسول اکرم ﷺ نے ان کو ایک خشک لکڑی دے دی۔ جب انہوں نے اپنے ہاتھ سے ہلائی تو وہ سفید مضبوط لمبی تلوار بن گئی۔

سلیمان علیہ السلام نے گہوارہ میں لوگوں سے کلام کیا۔

☆ ارسول اکرم ﷺ نے ولادتِ شریف کے بعد کلام کیا۔

سلیمان علیہ السلام بڑے زاہد تھے۔

☆اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ کا زہد سب سے زیادہ تھا۔ (بحوالہ سیرت رسول عربی)

بہر حال خلاصہ کلام یہ ہے کہ قدرت کی جانب سے نوعِ انسانی کو جہاں تک اللہ نے پہچانا تھا وہاں تک پہنچا دیا جتنے کمالات عطا کرنے تھے سب عطا کر دیئے۔ یوں تو دوسرے انبیاءؑ کو اللہ تعالیٰ نے کمالات سے نوازا تھا، اعلیٰ اخلاق عطا کئے تھے، مثالی کردار دیا تھا جیسا کہ مندرجہ بالا مثالوں میں آپ نے ملاحظہ فرمایا لیکن وہ سارے کمالات جو پہلے انبیاء کو فرداً فرداً عطا کئے تھے۔ وہ سارے کے سارے ہمارے حضور ﷺ میں جمع کر دیئے یعنی آدم علیہ السلام کا خُلق، شیث علیہ السلام کی معرفت، نوح علیہ السلام کا جوشِ تبلیغ، ابراہیم علیہ السلام کا ولولہ توحید، اسماعیل علیہ السلام کا ایثار، اسحاق علیہ السلام کی رضا، صالح علیہ السلام کی فصاحت، لوط علیہ السلام کی حکمت، موسیٰ علیہ السلام کا جلال، ھارون علیہ السلام کا جمال، یعقوب علیہ السلام کی تسلیم ورضا، داوٗد علیہ السلام کی آواز، ایوب علیہ السلام کا صبر، یونس علیہ السلام کی اطاعت، یوشع علیہ السلام کا جہاد، دانیال علیہ السلام کی محبت، الیاس علیہ السلام کا وقار، یوسف علیہ السلام کا حسن، یحیٰ علیہ السلام کی پاکدامنی اور عیسیٰ علیہ السلام کا زہد وتقویٰ جیسے اوصاف وکمالات آپ کی ذات میں یکجا کر دیئے گئے تھے اسی لئے تو حضرت نانوتویؒ نے فرمایا ؎

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں   تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

اور دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ایک تیسرا شاعر کہتا ہے ؎

لا یمکن الثناء کما کان حقہ   بعد از خدائے بزرگ توئی قصہ مختصر

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

چنانچہ ثابت ہوا کہ وہ تمام اوصاف وکمالات جو دیگر انبیاء کو فرداً فرداً عطا ہوئے تھے وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے رسول ﷺ کو کما حقہ اور بدرجہ اتم عطا فرمائے تھے، اسی لئے ہمیں بھی چاہئے کہ اپنے حضور ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی کوشش کریں، اسی میں ہماری نجات ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۴

رسولِ اکرم ﷺ کا نام تخلیق کائنات سے دو ہزار برس پہلے رکھا گیا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چوتھی خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کا نام تخلیق کائنات سے دو ہزار برس پہلے رکھا گیا'' الحمد للہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی میں مقدس روضہ مبارک کے سائے تلے بیٹھا ہوں، بہرحال ہمارے نبی اکرم ﷺ کی منجملہ خصوصیات میں سے یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا نام تخلیق کائنات سے دو ہزار برس پہلے رکھا گیا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں حضرت انس ؓ کی ایک روایت سے اسی طرح ثابت ہوتا ہے جبکہ دیگر انبیاء کرام ؑ سے متعلق اس طرح کی کوئی خاص بات تاریخ میں ہمیں نظر نہیں آتی تو معلوم ہوا کہ ہمارے نبی ﷺ کا نام مستقل ایک خصوصیت ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے نبی کے نام میں ایک خصوصیت ہی نہیں بلکہ کئی خصوصیات مضمر ہیں، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ ﷺ کے نام سے متعلق دیگر خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی جائے گی، اور اسی طرح دوسری اور تیسری جلد میں بھی آپ ﷺ کے نام کے بارے میں کچھ خصوصیات پر کلام کیا جائے گا انشاء اللہ۔

چنانچہ یہاں مختصراً آپ ﷺ کے نام سے متعلق ایک خصوصیت ذکر کی جارہی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا نام تخلیق کائنات سے دو ہزار برس پہلے رکھا گیا، امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کے مطالعے سے آپ ﷺ سے ہماری محبت میں اضافہ ہوگا۔

تو قارئین لیجئے اب اس خصوصیت کا مطالعہ فرمائیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

چوتھی خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق تخلیق کائنات سے دو ہزار سال قبل حضور کا نام محمد ﷺ رکھا گیا۔ (شمائل الرسول۔ از علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی)

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے آقا خاتم النبیین ﷺ کا اسم گرامی اس وقت "محمد ﷺ" رکھا گیا، جب اس کائنات کا دور دور تک نام ونشان بھی نہ تھا، نہ ابھی آسمان پیدا ہوا تھا نہ زمین، نہ عرش نہ کرسی، نہ لوح نہ قلم، نہ جنت نہ جہنم، نہ سورج نہ کرنیں، نہ چاند نہ چاندنی، نہ ستارے نہ چمک، نہ دن نہ رات، نہ صبح نہ شام، نہ فضا نہ ہوا، نہ اَبر نہ گھٹا، نہ زمان نہ مکان، نہ گل نہ بوٹے، نہ شجر نہ حجر، نہ بہار نہ خزاں، نہ نسیم نہ شمیم، نہ گرمی نہ سردی، نہ حسن نہ جمال، نہ سبزہ نہ مہک، نہ بلبل نہ چہک، نہ ڈالی نہ لچک، نہ ہیرے نہ جواہر، نہ زر نہ خزینے، نہ دولت نہ دفینے، نہ سمندر نہ سفینے، نہ دریا نہ کنار۔ نہ موج نہ حباب، نہ صحرا نہ گلشن، نہ ہوا نہ پانی ،نہ خاک نہ آگ، نہ جنگل نہ پہاڑ، نہ طفلی نہ شباب، نہ نشیب نہ فراز، نہ ثریٰ نہ ثریا، نہ جبرئیل نہ میکائیل، نہ عزرائیل نہ اسرافیل، نہ جن نہ شیطان، نہ حور نہ غلمان، نہ حیوان نہ انسان، نہ عقل نہ حواس، نہ بھوک نہ پیاس، نہ آدم نہ آدمیت، نہ چہل پہل تھی، نہ ریل پیل تھی، یہ دیوانگی نہ تھی، یہ شعور نہ تھا، یہ ہجر وصال کے قصے نہ تھے، یہ اقرار وانکار کی ادائیں نہ تھیں، نہ آہ تھی نہ فریاد تھی، نہ رونا تھا نہ ہنسنا تھا، نہ سونا تھا، نہ جاگنا تھا، نہ جوانی تھی نہ بڑھاپا تھا۔

الغرض خادم رسول ﷺ جناب انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ کچھ بھی نہ تھا، جی ہاں کچھ بھی نہیں تھا، کچھ بھی تو نہیں تھا جب ہمارے آقا ﷺ کا وجودِ مسعود اور اسمِ مبارک موجود تھا۔ غالباً اسی بات کی تصدیق میں اشعیا پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں "اے محمدؐ! میں نے تیرا معاملہ قابل تعریف پایا ہے، اے رب کے پاکباز بندے تیرا نام ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔" (بحوالہ معارف اسم محمدؐ)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۵

رسولِ اکرم ﷺ کا اسم محمدؐ ہر لمحے اللہ کے نام کے ساتھ کرۂ ارض پر گونجتا رہتا ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پانچویں خصوصیت ذیل میں پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کا اسم محمدؐ ہر لمحے اللہ کے نام کے ساتھ کرۂ ارض پر گونجتا رہتا ہے" الحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے عین روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی، بے شک یہ میرے لئے ایک بہت بڑی سعادت ہے جسکے لئے میں اپنے اللہ کا دل سے شکر گزار ہوں۔ دعا گو ہوں کہ یارب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ بھی ایک عظیم امتیازی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو یہ اعزاز بخشا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا نام زمین پر ہر لمحہ گونجتا ہے بالکل اسی طرح اللہ کے حکم سے ہمارے نبی ﷺ کا نام بھی ہر لمحے کرۂ ارض پر گونجتا رہتا ہے، یعنی چوبیس گھنٹوں میں سے ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں دنیا کے کسی نہ کسی کونے میں اللہ کے نام کے ساتھ ہمارے نبی ﷺ کا نام اذان کی صورت میں بلند نہ ہوتا ہو، بے شک یہ خصوصیت بھی صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیت ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی گئی ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں سے ہر وقت کس طرح دنیا کے کسی نہ کسی حصے پر ہمارے نبی ﷺ کا نام بلند ہوتا ہے، انشاء اللہ اس وضاحت کو پڑھ کر آپ کو یقین آجائے گا کہ بے شک یہ بات برحق اور سچی ہے، دعا کیجئے کہ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

تو محترم قارئین! لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

پانچویں خصوصیت کی وضاحت

کرۂ ارض پر ۲۴ گھنٹوں کے ہر لمحے میں کسی نہ کسی کونے میں اذان کی آواز گونجتی رہتی ہے۔ نظامِ قدرت کے مطابق کرۂ ارض کے گرد سورج کی گردش کے ساتھ ساتھ صبح وشام دن وشب اور سہ پہر کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ پانچ وقت کی اذانیں دنیا کے کسی نہ کسی کونے میں گونجتی رہتی ہیں۔ تفصیلات کے مطابق انڈونیشیا دنیا کے انتہائی مشرق میں واقع ہے اور یہ اسلامی ملک ہزاروں سمندری جزائر کا رقبہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ جن میں سماٹراء، جاوا، پورنیو، سیلرز بڑے جزائر ہیں۔ اور اس کی آبادی ۱۸ کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ دنیا کی پہلی طلوع سحر سیلز کے مشرق میں واقع جزائر میں ہوتی ہے۔ جہاں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ بیک وقت ہزاروں موذن اللہ اکبر کے ساتھ ساتھ محمد رسول اللہ کی صدائیں بھی بلند کرتے ہیں۔ مشرق جزائر سے یہ سلسلہ مغربی جزائر کی طرف بڑھتا ہے۔ اور سورج کے ساتھ ٹھیک ڈیڑھ گھنٹہ بعد انڈونیشیا کے دارالحکومت جکارتہ میں اذانوں کی آواز گونجنے لگتی ہے۔ جکارتہ کے بعد یہ سلسلہ سماٹرا میں شروع ہو جاتا ہے۔ اور سماٹرا کے مغربی قصبوں اور دیہات میں اذانیں شروع ہونے سے پہلے ہی ملایا میں اذانوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ایک گھنٹہ بعد سورج ڈھاکہ پہنچتا ہے، بنگلہ دیش میں ابھی یہ اذانیں ختم نہیں ہوتیں کہ کلکتہ سے سری لنکا تک فجر کی اذانیں شروع ہو جاتی ہیں۔ دوسری طرف یہ سلسلہ کلکتہ سے بمبئی کی طرف بڑھتا ہے اور پورے ہندوستان کی فضا توحید ورسالت کے اعلان سے گونج اٹھتی ہے۔ سری نگر اور سیالکوٹ میں فجر کی اذان کا وقت ایک ہی ہے۔ سیالکوٹ سے کوئٹہ کراچی اور گوادر تک چالیس منٹ کا فرق ہے۔ اس عرصے میں فجر کی

اذان پاکستان میں بلند ہوتی رہتی ہے۔ پاکستان میں یہ سلسلہ ختم ہونے سے پہلے افغانستان اور مسقط میں یہ اذانیں شروع ہو جاتی ہیں۔ مسقط کے بعد بغداد تک ایک گھنٹے کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس عرصے میں اذانیں سعودی عرب، یمن، متحدہ عرب امارات، کویت اور عراق میں گونجتی رہتی ہیں۔ بغداد سے اسکندریہ تک پھر ایک گھنٹہ کا فرق ہے۔ اس وقت شام مصر، صومالیہ اور سوڈان میں اذانیں بلند ہوتی ہیں۔ اسکندریہ اور استنبول ایک ہی طول وعرض پر واقع ہے۔ مشرقی ترکی سے مغربی ترکی تک ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہے۔ اس دوران ترکی میں اذانوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اسکندریہ سے طرابلس تک ایک گھنٹہ کا فرق ہے۔ اس عرصہ میں شمالی امریکہ میں، لیبیا اور تیونس میں اذانوں کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ فجر کی اذان جس کا آغاز انڈونیشیا کے مشرقی جزائر سے ہوتا ہے۔ ساڑھے نو گھنٹے کا سفر طے کر کے بحر اوقیانوس کے مشرقی کنارے تک پہنچتی ہے۔ فجر کی اذان بحر اوقیانوس تک پہنچنے سے پہلے مشرقی انڈونیشیا میں ظہر کی اذان کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور ڈھاکہ میں ظہر کی اذانیں شروع ہو جانے تک مشرقی انڈونیشیا میں عصر کی اذانیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ یہ سلسلہ ڈیڑھ گھنٹہ تک بمشکل جکارتہ تک پہنچتا ہے کہ مشرقی جزائر میں مغرب کی اذان کا وقت ہو جاتا ہے۔ مغرب کی اذانیں سیلبز سے ابھی سماٹرا تک ہی پہنچتی ہیں کہ اتنے میں انڈونیشیا کے مشرقی جزائر میں عشاء کی اذانیں گونجنے لگتی ہیں۔ الغرض

کوئی کرن نہ پھوٹے، کہیں روشنی نہ ہو — تیرا جو نام اذاں میں نہ ہو، صبح ہی نہ ہو

مختصر یہ کہ ۲۴ گھنٹے کے ۱۴۴۰ منٹ میں زمین کے کسی نہ کسی کونے میں پانچ میں سے کسی ایک وقت کی اذان ضرور سنائی دیتی ہے۔ اور اذان میں چونکہ اللہ کے نام کے ساتھ ساتھ ''محمد ﷺ'' کا نام بھی بلند ہوتا ہے تو اسمِ ''محمد ﷺ'' کی عظمت اس امر سے بھی نمایاں ہوتی ہے کہ جب تک زمین پر اذان کی آواز گونجتی رہے گی، اللہ کے نام کے ساتھ ساتھ اس کے محبوب پیغمبر سیدنا ''محمد ﷺ'' کا اسمِ گرامی بھی پوری آب وتاب کے ساتھ سماعتوں میں رس گھولتا رہے گا۔ (معارف اسمِ محمدؐ سے ماخوذ)

چاند پر اسمِ محمد ﷺ کی گونج

تاریخ کے عجائبات میں یہ بات محفوظ ہے کہ:

''نیل آرم سٹرانگ چاند پر پہلا قدم رکھنے والا انسان مصر گیا۔ کسی مسلمان ملک میں جانے کا اس کے لئے یہ پہلا موقع تھا وہاں پہلی رات صبح سویرے وہ بستر پر اچانک اٹھ کر بیٹھ گیا پھر وہ کھڑا ہو گیا کچھ دیر کھڑا رہنے کے بعد پریشانی کے عالم میں وہ کمرے سے نکل آیا۔ کمرے سے باہر اس کی بے چینی اور بڑھ گئی اس بے چینی کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ لان میں آ گیا۔

جس جگہ وہ ٹھہرا ہوا تھا یہ ایک ہوٹل تھا۔ ڈیوٹی پر موجود ہوٹل کے سٹاف نے اپنے اس قدر معزز مہمان کو پریشان دیکھا تو اس کے ارد گرد پروانہ وار جمع ہو گیا۔ جناب! آپ کیوں پریشان ہیں؟ ہم خدمت کے لئے حاضر ہیں، ان میں سے ایک نے کہا۔ میں کہاں ہوں؟...... اس نے الٹا ان پر سوال کر دیا۔ آپ اس وقت مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں ہیں۔ جواب آیا ''میں قاہرہ میں ہوں تو یہ آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں؟'' اس نے فوراً وہ سوال کیا جو اس کو پریشان کر رہا تھا۔ ''جناب یہ قاہرہ کی مسجدوں سے اذانوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔'' سٹاف نے یک زبان ہو کر کہا۔ یہ جواب پا کر وہ اتھاہ خاموشی میں ڈوب گیا جب محسوس کیا کہ اس کی خاموشی پہ سٹاف پریشان ہے تو وہ خاموشی کی کیفیت سے باہر نکلا ''میں چاند پر تھا تو وہاں بھی میں نے ایسی آوازیں سنی تھیں، یہاں انہیں دوبارہ سن کر میں بدحواس ہو گیا، مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں چاند پر ہوں یا زمین پر۔'' (از معارف اسم محمدؐ)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی قدر کرنے اور آپ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۶

رسولِ اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے روزِ اوّل ہی سے آپ کی آمد کی بشارتیں دی گئیں

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھٹی نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے روزِ اوّل ہی سے آپ کی آمد کی بشارتیں دی گئیں" بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں، فجر کی نماز سے فراغت ہوئی ہے اور اب روضہ رسول ﷺ کے قریب لوگ ہی لوگ ہیں، کافی دیر تک تو روضہ رسول ﷺ کے قریب جگہ نہ مل سکی، تلاش تلاش میں کافی وقت لگ گیا، لیکن بالآخر اللہ کے فضل سے جگہ مل ہی گئی کیونکہ جب طلب صادق اور اخلاص پر مبنی ہو تو اللہ تعالیٰ راہیں نکال ہی دیتے ہیں، چنانچہ اب میں اپنے آقا ﷺ کے روضہ کے سائے تلے بیٹھا اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اور دل سے بار بار یہی صدا آرہی ہے کہ یا اللہ آقا ﷺ کے مدینے میں بار بار آنے کی توفیق عطا فرما اور اخلاص سے آقا ﷺ کے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما، دل چاہتا ہے کہ روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کو دیکھتا رہوں اور پھر دیکھتا ہی چلا جاؤں کہ دل کا سرور اسی میں چھپا ہے، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس تیرے محبوب پیغمبر ﷺ کے مبارک روضہ پر بیٹھ کر تیرے محبوب ﷺ کی خصوصیت پر کام کرنے کی اس گناہ گار کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما اور آخر میں نجات کا ذریعہ بنا، آمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے، کہ

ہمارے نبی کی آمد سے پہلے روز ہی سے آپ ﷺ کی آمد کی بشارتیں دی گئیں، اگر چہ دیگر بعض انبیاء کرام کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ بعض انبیاء کرام کے آنے سے قبل ان کے آنے کی بشارتیں دی گئیں جیسا کہ اس کی وضاحت آنے والے صفحات میں آ رہی ہے، لیکن ہمارے نبی کی یہ خصوصیت ہے کہ روزِ اول ہی سے ہمارے نبی ﷺ کی آمد کی بشارتیں دی گئیں، اور روزِ اول سے بشارتوں سے متعلق اور کسی نبی کی یہ خصوصیت نہیں ہے، بہر حال آنے والے اوراق میں ہم نے اپنے نبی ﷺ کی اس خصوصیت کو حتی المقدور واضح کیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی ہمارے لئے ہمارے نبی ﷺ سے محبت میں اضافے کا ذریعہ بنے گی، اور کتاب لکھنے کا بھی یہی مقصد ہے کہ ہمارے دلوں میں غیروں کی نہیں بلکہ اپنے نبی ﷺ کی محبت ہو، بے شک نبی ﷺ کی محبت کے ذریعے ہی اللہ کی محبت نصیب ہوگی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ اور اس کے رسول سے سچی محبت نصیب فرمائے، اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

چھٹی خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

دوسرے انبیاء علیہم السلام میں بھی ایسے نبی ہیں جن کے وجود میں آنے سے پہلے ان کے متعلق بشارت دی گئی ہے۔ ایسے انبیاء علیہم السلام چار ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ سارہ علیہ السلام کے حق میں فرمایا۔

فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ ○ (الآیہ، پ۱۲ سورۂ ہود ع ۷)

ترجمہ:۔ ”سو ہم نے ان کو مکرّر بشارت دی اسحاق ؑ کے پیدا ہونے اور اسحاق ؑ کے پیچھے یعقوب کی“۔

کہا جاتا ہے کہ سارہؓ کو بشارت دی گئی تھی کہ وہ اس وقت تک زندہ رہیں گی جب

تک کہ ان کے بیٹے حضرت اسحاقؑ کے یہاں حضرت یعقوبؑ نہ پیدا ہو جائیں۔

اسی طرح حضرت زکریاؑ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ۔

اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحْیٰی ○ (الایہ۳۹ پ۳ سورۂ آل عمران ع۴)

ترجمہ:۔ ''تحقیق کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحیٰی کی'' اور حضرت مریمؑ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ۔

اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بکلمۃٍ مِّنْہُ اسْمُہُ الْمَسِیْحُ ○ (سورۂ آل عمران ع۵)

ترجمہ:۔ ''بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہو گا اس کا نام ولقب مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا''۔

اس طرح گویا رسول اکرم ﷺ کے علاوہ بھی چار انبیاء علیہم السلام ہیں جن کے متعلق ان کے اس دنیا میں آنے سے پہلے ان کی آمد کی بشارتیں دی گئی تھیں جو بعد میں پوری ہوئیں۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے متعلق حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے بشارتیں دی جارہی ہیں اور پچھلی تمام آسمانی کتابوں میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت اور آپ ﷺ کے متعلق بعض دوسری اہم پیشن گوئیاں موجود ہیں۔ چنانچہ ہر دور میں لوگ آپ ﷺ کا بے تابی سے انتظار کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے نورِ نبوت کو جو پاک صلبوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا آرہا تھا اپنے یہاں حاصل کرنے کے لئے مختلف خاندانوں میں کشاکش ہوتی رہی جیسا کہ اس کے متعلق ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ پچھلی امتوں میں ہمیشہ میرے نور کو حاصل کرنے کے لئے کشاکش رہی۔ (سیرت حلبیہ)

اس کے بعد آپ ﷺ نے اسی اعرابی سے فرمایا کہ۔ ''میں اپنے ماں باپ کی پہلی اور اکلوتی اولاد ہوں۔ میری والدہ پر میرے حمل میں ہونے کا بوجھ دوسری عورتوں کے حمل کے بوجھ سے زیادہ تھا یہاں تک کہ جو بوجھ وہ محسوس کرتی تھیں اپنی سہیلیوں سے وہ اس کی شکایت کیا کرتی تھیں۔ پھر انہوں نے خواب میں دیکھا کہ جو چیز (یعنی جو حمل) ان کے پیٹ میں ہے وہ ایک نور کی صورت میں نکلا (حضرت آمنہؓ نے) کہا کہ میں نے اپنی نظریں

اسی نور کے پیچھے دوڑائیں مگر وہ نور میری نظروں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس نور سے روئے زمین کا مشرق ومغرب جگمگا اٹھا۔ (بحوالہ سیرت حلبیہ)

رسولِ اکرم ﷺ کی بابت بائبل سے بشارات

فخر رسل، ہادیٔ سبل، دانائے کل حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور نبوت دلائل وافیہ اور براہین قاطعہ سے موثق اور انوار ساطعہ سے مزین ہے۔ یہ ایک ایسا روشن چمکتا دمکتا چراغ ہے جس کا انکار بلاشبہ جہالت اور حماقت ہے یا پھر ضد وعناد پر مبنی کفر وضلالت کی غلط روش، جو کسی بھی ذی فہم وذی شعور کے نزدیک راست بازی اور صداقت پسند حرکت نہیں ہے۔

منجملہ دلائل نبوت میں سے آپ ﷺ کی نبوت پر ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی آمد اور تشریف آوری کے متعلق سابقین نے اپنی اپنی امتوں کو بشارات دی ہیں کہ ہمارے بعد آخر زمانہ میں سرزمین عرب سے ایک کامل نبی مبعوث ہونے والا ہے اور ان کی کتب سماویہ میں مکتوب ان بشارات کی شب وروز تلاوت کی جاتی تھیں۔ تورات، انجیل اور زبور کے صفحات پر جمی بشارات کی شہہ سرخیاں اہل کتاب کو مستقبل میں آنے والے برگزیدہ پیغمبر کے شدت سے انتظار اور اطاعت میں سبقت کے ساتھ ساتھ ان کے پرزور استقبال کی تیاری کرنے کا اعلان کررہی تھیں۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کا اظہار یوں فرمایا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْباً عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْل. (الاعراف)

ترجمہ:۔ ’’وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں‘‘۔

یہی وجہ ہے کہ مخلص اہل کتاب آپ ﷺ کی آمد کے شدت سے منتظر تھے، یہودی، ربی اور عیسائی راہب اپنی عوام کو بتاتے تھے کہ آخری نبی کا زمانہ قریب آگیا ہے اور رسول

اکرم ﷺ کی آمد کے زمانہ کی علامات اور آپ ﷺ کی پیدائش کی سرزمین معلوم ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کی آمد اور بعثت کو سب سے پہلے اہل کتاب ہی نے پہچانا۔

قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے کہ۔ ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب (یعنی تورات و انجیل) دی وہ آپ ﷺ کو خوب پہچانتے ہیں (یہ وہ نبی ہیں جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی ہے، اہل کتاب آپ ﷺ کی شکل وصورت دیکھ کر) آپ ﷺ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح یہ اپنے بیٹوں کی شکل وصورت دیکھ کر پہچانتے ہیں اور تحقیق ان میں ایک فریق حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں''۔ (سورۃ البقرہ)

بالفرض اگر آپ ﷺ کے متعلق توریت اور انجیل میں بشارات موجود نہ ہوتیں تو جب رسول اکرم ﷺ نے مندرجہ بالا آیات یہودیوں اور عیسائیوں کے سامنے پڑھیں تو ان کے علماء برملا آپ ﷺ کی تردید کرتے اور مشرکین مکہ سے بھی کہتے کہ ہماری کتابوں میں اس قسم کی کسی شخصیت کا تذکرہ نہیں ہے۔اس دور کی یہودیت اور عیسائیت کا ان آیات کی تردید نہ کرنا اس بات کی واضح علامت ہے کہ ان ایام میں رائج تورات اور انجیل میں بشارات صاف شفاف اور ناقابل انکار انداز میں موجود تھیں۔ بلاشبہ آج تورات و انجیل ہمارے سامنے محفوظ انداز میں موجود نہیں ہیں اور نہ یہ کتابیں یہودی اور عیسائی پیشواؤں کے تغیر و تبدل اور دست برد سے بچ سکی ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ. (البقرہ: آیت ۷۹)

ترجمہ:۔ ''تو بڑی خرابی ہوگی ان کی (یعنی علماء یہود کی) جو بدل سدل کر کتاب (تورات) لکھتے ہیں (اور) پھر (یہودی عوام سے) کہہ دیتے ہیں کہ یہ حکم خدا کی طرف سے یونہی آیا ہے (اور غرض صرف یہ ہوتی ہے) کہ اس کے ذریعہ کچھ نقد وصول کرلیں تو بڑی خرابی پیش آوے گی اس کی بدولت بھی جس کو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور بڑی خرابی ہوگی اس نقدی کی بدولت بھی جس کو وہ عوام سے وصول کیا کرتے تھے''۔

قرآن مجید نے کیسے حکیمانہ اسلوب سے یہ بات واضح کر دی ہے کہ یہودی علماء محض دنیوی مفاد کی خاطر آسمانی کتابیں تبدیل کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے رہے۔ یاد رہے کہ موجودہ بائبل میں بھی بعض آیات ایسی موجود ہیں جو قرآن مجید کے مذکورہ دعویٰ کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ یرمیاہ علیہ السلام نزول قرآن سے کئی صدی قبل اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرما چکے تھے کہ۔

تم کیونکر کہتے ہو کہ ہم تو دانشمند ہیں اور خداوند کی شریعت ہمارے پاس ہے؟ لیکن دیکھ لکھنے والوں کے باطل قلم نے بطالت پیدا کی ہے۔

مزید ارشاد فرمایا ہے کہ۔ پر خدا کی طرف سے بار نبوت کا ذکر تم کبھی نہ کرنا اس لئے کہ ہر ایک آدمی کی اپنی ہی باتیں اس پر بار ہوں گی کیونکہ تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے۔ (یرمیاہ ۳۲:۲۳)

نیز رومن کیتھولک کی بائبل کے حاشیہ میں مرقوم ہے کہ۔ ''متن بعد مقامات میں بہت دھندلا ہے''۔ (تکوین، ۹۱:۴۹)

مگر ان تمام تر تحریفات، تغیر و تبدل کے باوجود بھی بائبل میں رسول اکرم ﷺ کی آمد کے متعلق پیشن گوئیاں لائق اطمینان انداز میں موجود ہیں جن سے کوئی بھی انصاف پسند، میانہ رو اور مثبت سوچ کا حامل یہودی اور عیسائی پیشوا انکار نہیں کر سکتا۔ ہم ان صفحات میں بائبل کے صرف چند مقامات پیش کرنا چاہتے ہیں جن میں رسول اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے بارے میں بشارات دی گئی ہیں۔ بشارات کی تفصیل سے قبل ابتدائی باتوں کا جاننا انتہائی ضروری ہے۔

(ا)۔ موجودہ اہل بائبل کا یہ خیالی قاعدہ ہے کہ ہر اس نبی کی تصدیق و تائید کی جائے گی جس کی آمد کی پیشن گوئی سابق نبی نے کی ہو اور جس مدعی نبوت کی آمد کی خبر و علامات گزشتہ نبی نے نہ بتائی ہوں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور پھر اپنے اس خود ساختہ قاعدہ کی بناء پر کہہ دیتے ہیں کہ چونکہ رسول اکرم ﷺ کی آمد کی پیشن گوئی ہماری کتب

میں موجود نہیں اور جو بشارات مسلمان ذکر کرتے ہیں وہ آپ پر منطبق نہیں ہوتیں لہٰذا آپ نبی نہیں ہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی آخری نبی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ قاعدہ خود تراشیدہ غلط اور بے بنیاد ہے۔ بائبل میں اس کا کہیں وجود نہیں ملتا۔ نیز اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کی آمد کی پیشن گوئی کس نبی نے دی ہوگی؟

(۲)۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور نصاریٰ کا دعویٰ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور اہل اسلام کا کہنا یہ ہے کہ دونوں غلطی پر ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کے دائمی اور عامی ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی موجود تورات اور انجیل میں ان کے خاتم النبیین ہونے کا کوئی ثبوت موجود ہے۔ اب اگر یہود و نصاریٰ اپنے اپنے نبی کے خاتم النبیین ہونے کا دعویٰ کریں تو ''مدعی سست گواہ چست'' والی بات ہوگی۔

نیز نصاریٰ حوارین اور پولوس کی نبوت کے قائل ہیں حالانکہ یہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے اور ان کی کتاب مقدس بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء علیہ السلام کے پائے جانے کا ذکر کرتی ہے۔

انہی دنوں میں چند نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے، ان میں سے ایک نے جس کا نام اگبس تھا کھڑے ہو کر روح ہدایت سے ظاہر کیا کہ تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا اور یہ کلودیس کے عہد میں واقع ہوا۔ (اعمال:۱۱:۲۷:۲۸)

ظاہر ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد پیش آیا جب بقول کتاب مقدس آپ کے بعد نبی مبعوث ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاتم النبیین ہونے کا دعویٰ غلط ثابت ہوا۔ اب پچھلی کتابوں سے رسول اکرم ﷺ کی آمد اور تشریف آوری کے متعلق بشارات ملاحظہ فرمائیے۔

رسولِ اکرم ﷺ سے متعلق تورات کی بشارتِ اوّل

اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں، میں ان کیلئے ان کے بھائیوں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری اُن باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔ (استثناء، ۱۸:۱۷تا۱۹)

اہل اسلام اور اہل کتاب کے نزدیک بالاتفاق ان آیات تورات میں مستقبل میں آنے والے برگزیدہ اور منتخب شخصیت کی بشارت دی گئی ہے لیکن وہ معزز شخصیت کون ہے؟ تعین میں اختلاف ہے۔ یہود کا خیال یہ ہے کہ یہ بشارت حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لئے ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ اس بشارت کے مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام جبکہ اہل اسلام دوٹوک انداز میں اس بشارت کو رسول اکرم ﷺ کے لئے خاص سمجھتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کا مصداق رسول اکرم ﷺ کے علاوہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ درج ذیل امور اس دعویٰ کی فیصلہ کن تائید کرتے ہیں۔

(۱)۔ تورات کے الفاظ ہیں ''میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں سے تجھ سا نبی برپا کروں گا''۔ تورات کے ان الفاظ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو رہی ہے کہ آنے والا بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے ہوگا اور ظاہر ہے کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں نبیوں کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے جو کسی بھی معیار سے اس بشارت کے مصداق نہیں ہو سکتے۔

باقی رہی یہ بات کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور آنے والا نبی کس خاندان سے ہوگا؟ تو آیئے تورات سے ہی اس کا جواب حاصل کرتے ہیں۔ تورات میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں ہے کہ۔

''اور اسماعیلؑ کی عمر ایک سو سینتیس برس کی ہوئی تب اس نے دم چھوڑ دیا اور وفات

پائی اور اپنے لوگوں میں جاملا، اور اس کی اولاد حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستہ پر ہے جس سے رسور کو جاتے ہیں آباد تھی، یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے۔"

(پیدائش:۲۵:۱۷:۸۱)

تورات کے خط کشیدہ الفاظ میں مذکورہ بھائیوں سے بالاتفاق بنی عیص اور بنی اسماعیل مراد ہیں اور اس بات پر بھی یہود و نصاریٰ کا اتفاق ہے کہ بنی عیص میں کوئی صاحب نبوت شخص پیدا نہیں ہوا۔ نیز یہ بھی مسلم بین الفریقین ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو اولاد قطورہ سے پیدا ہوئی اس میں بارگاہِ الٰہی سے برکت اور نبوت کا کوئی وعدہ موجود نہیں ہے جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں برکت کی صراحت اور نبوت کا اشارہ موجود ہے۔ الحاصل بلاشبہ اب تورات کی عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں ایک نبی پیدا فرمائیں گے جو احکام الٰہیہ کی تبلیغ کریں گے اور وہ بلاشبہ رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

(۲)۔ بشارت کے الفاظ ہیں "تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی شریعت حدود و قصاص، زواجر و تعزیرات، غسل و طہارت کے احکام سے ساکت ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور رسول اکرم ﷺ میں کامل مماثلت موجود ہے کہ ہماری شریعت محمدیہ ﷺ میں بھی مندرجہ بالا احکام بدرجہ اتم موجود ہیں۔ نیز اس مماثلت کی طرف قرآن مجید میں بھی اشارہ موجود ہے۔ اِنآ اَرسلنا اِلَیکُم رسُولاً شاھِداً علیکُم کما اَرسَلنَا اِلیٰ فِرعونَ رَسُولاً. (مزمل: آیت ۱۵) ترجمہ: "ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا تم پر گواہی دینے والا جیسے ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو بھیجا"۔

معلوم ہوا کہ بلاشبہ اس بشارت کے مصداق ہمارے نبی رسول اکرم ﷺ ہیں۔

(۳)۔ بشارت میں مذکور ہے کہ "اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا"۔ اس کا مطلب کس قدر واضح ہے کہ میں اس نبی پر تورات، انجیل اور زبور کی طرح کوئی لکھی ہوئی

کتاب نازل نہیں کروں گا بلکہ کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کی وحی لے کر اس نبی امّی پر ظاہر ہوگا اور وہ نبی فرشتہ سے کلام اللہ سن کر یاد کر کے اپنے منہ سے پڑھ کر امت کو سنائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ بات رسول اکرم ﷺ کے علاوہ کسی پر سچی نہیں آتی۔

رسول اکرم ﷺ سے متعلق تورات کی بشارتِ دوم

جاء الرّب من سينا و اشرق لهم مّن سعير وتلألأ من جبل فاران واتٰى من ربوات القدس وعن يمينه نار شريعة لهم. (عربی بائبل تثنیہ، ۲:۳۳)

ترجمہ از ریفرنس اردو بائبل: خداوند سینا سے آیا، اور سعیر سے ان پر آشکار ہوا، وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا، اس کے داہنے ہاتھ پر ان کیلئے آتشی شریعت تھی۔ (استثناء، ۲:۳۳)

تورات کی اس آیت میں تین بشارتیں مذکور ہیں۔

(۱)۔ طور، سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تورات عطا ہونا مراد ہے۔

(۲)۔ اور سعیر ایک پہاڑی کا نام ہے جو شہر ناصرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں واقع ہے، اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور انجیل کی طرف اشارہ ہے۔

(۳)۔ اور فاران سے مکہ کا پہاڑ مراد ہے اس سے رسول اکرم ﷺ کی رسالت اور نزول قرآن کی جانب اشارہ ہے۔ غارِ حرا اس فاران پہاڑ میں واقع ہے جس میں سب سے پہلے "اقرأ باسم ربک" کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ (کذا فی سیرۃ المصطفیٰ، ۳:۳۴۷)

کون نہیں جانتا کہ کوہِ فاران سے کونسی نبوت نمودار ہوئی؟ جس نے عالم انسانیت کو رشد و ہدایت کے لئے آتشی شریعت قرآن مجید کی صورت میں عطا کی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے عالم کو ظلم و ظلمت سے نجات دلا کر انوارات کی دنیا میں راہِ راست پر لا کھڑا کیا۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت اور قرآن مجید کے بارے میں اس قدر واضح بشارت کے بعد بھی امم سابقہ کا اپنی منسوخ شریعتوں سے ہاتھ نہ اٹھانا اپنی کتب مقدسہ پر عمل سے سر مو انحراف اور

اپنے انبیاء کرام سے یک گونہ بغاوت نہیں تو اور کیا ہے؟

تحریف کا ایک عجیب وغریب نمونہ ملاحظہ فرمائیے:۔

بائبل کی عبارت ”لاکھوں قدسیوں میں سے آیا“ میں یہودی ربیوں اور عیسائی پادریوں نے اپنے ہاتھوں کی خوب صفائی دکھائی ہے۔ قدیم بائبل جس سے حضرت مولانا محمد ادریس اندھلویؒ نے اپنی کتاب سیرۃ المصطفیٰ ۳/ ۲۷۷ پر مندرجہ بالا عبارت نقل کی ہے، اس میں یہ عبارت یوں ہے کہ۔ ”دس قدسیوں کے ساتھ آیا“ اور یہ جملہ مذکورہ بشارت کا مصداق متعین کرنے میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے کیونکہ جب مکہ فتح ہوا تو رسول اکرم ﷺ دس ہزار صحابہ اکرمؓ کی قدسی جماعت کے درمیان جلوہ افروز تھے جو اس بشارت کے ظہور کا مکمل نمونہ اور واضح آئینہ ہے۔

مگر اہل بائبل کو یہ بات ناگوار گزر رہی تھی اس لئے انہوں نے حسب عادت جدید ریفرنس بائبل میں جو ہمارے سامنے موجود ہے ”دس ہزار“ کی جگہ لاکھوں کر دیا ہے تا کہ اس بشارت کا رخ رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکت سے موڑا جا سکے۔

رسول اکرم ﷺ سے متعلق تورات کی بشارت سوم

”اے خدا بادشاہ کو اپنے احکام اور شہزادہ کو اپنی صداقت عطا فرما، وہ صداقت سے تیرے لوگوں کی اور انصاف سے تیرے غریبوں کی عدالت کرے گا، ان لوگوں کے لئے پہاڑوں سے سلامتی کے اور پہاڑیوں سے صداقت کے پھل پیدا ہوں گے، وہ محتاجوں کی اولاد کو بچائے گا اور ظالم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا“۔ (زبور:۷۲، ۱تا۴)

زبور کی ان آیات میں کسی ایسے نبی کی آمد اور تشریف آوری کی بشارت دی گئی ہے جس کے پاس نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی ہوگی اور ظلم وظلمت کی علمبردار سلطنتوں کا خاتمہ کر کے فقراء اور غرباء کو ان کے استبدادی شکنجے سے نجات دلائے گا۔ یہ سب صفات رسول اکرم ﷺ میں بدرجہ اتم موجود ہیں نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں کیونکہ نہ وہ بادشاہ بنے اور

نہ حکومت ملی اور نہ ہی انہوں نے دنیا کو ظالم اور جابر حکمرانوں سے جہاد کر کے امت کو نجات دلائی۔ معلوم ہوا کہ بلاشبہ اس بشارت کا مصداق رسول اکرم ﷺ ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ سے متعلق انجیل یوحنا سے بشارتِ چہارم

لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا، اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا:۲۶،۷،۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو تسلی دیتے ہوئے بشارت سنائی کہ تم کو یہودوں کے ظلم وستم اور چیرہ دستیوں سے رنجیدہ اور غمگین ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں اور نہ ہی میری تکلیف سے پریشان ہونے کی حاجت ہے کیونکہ میں عنقریب ایسے مقام پر جانے والا ہوں جہاں تک ہمارے دشمنوں کی رسائی نہیں ہو سکے گی۔

میرے بعد مددگار آئے گا تو میرے دشمنوں سے خوب نمٹے گا اور نہ ماننے والوں کو سزا دے گا۔ گزشتہ ادوار میں لفظ "مددگار" کی جگہ لفظ "احمد" مرقوم تھا۔ جیسا کہ انجیل برنا باس میں آج بھی موجود ہے۔ قرآن مجید میں انجیل کی اس بشارت کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ. (الصف)

"اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں ایک عظیم الشان رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔

مگر اب کی مروجہ انجیل میں "احمد" کی جگہ "مددگار" مندرج ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب انجیل کا عبرانی سے یونانی میں ترجمہ کیا گیا تو یونانیوں نے حسب عادت نام کا بھی ترجمہ

کرتے ہوئے "احمد" کا ترجمہ "پیر کلوطوس" کر دیا۔ پھر عربی ترجمہ کرتے وقت "ہیر کلوطوس" کا معرب "فارقلیط" بنا دیا گیا اور ایک عرصہ تک بائبل کے اردو، عربی اور فارسی نسخوں میں یہی لفظ لکھا اور پڑھا جاتا رہا، رفتہ رفتہ "فارقلیط" کے لفظ کو حذف کر کے اب اس کی جگہ "روح القدس"، "روح حق"، "تسلی دینے والا" اور ہمارے سامنے موجود ریفرنس بائبل میں "مددگار" مذکور ہے۔ اس قدر تغیر و تبدل کے باوجود بھی بشارت اپنی جگہ ثابت ہو رہی ہے، وہ اس طرح کہ ریفرنس بائبل کے حاشیہ میں "مددگار" کی تفسیر "وکیل یا شفیع" سے کی گئی ہے اور یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے صفاتی نام ہیں۔ عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے جانے کے بعد "وکیل یا شفیع" جیسے صفاتی ناموں سے موسوم شخصیت حضرت محمد ﷺ تشریف لائیں گے۔ وہ دین و دنیا کے سردار اور انتہائی بلند قدر پیغمبر ہوں گے۔ اس قدر اوصاف بیان کرنے سے مقصد ان پر ایمان لانے کا ترغیبی حکم ہے۔

آخر میں اہل کتاب کے چند ایسے سربراہوں کا تذکرہ پڑھتے جائیں جنہوں نے اپنی کتاب مقدسہ میں موجود بشارات صحیح سمجھنے کے بعد آنحضرت ﷺ کے تشریف کے وقت قریب آ جانے کی بشارت دیں۔

(۱) سیف ذی یزین حاکم یمن نے عبدالمطلب کو آپ کی پیدائش کے زمانے میں خبر دی تھی کہ آپ کے خاندان میں نبی آخر الزماں پیدا ہونے والا ہے۔

(۲) آپ ﷺ کی عمر بارہ سال تھی کہ آپ ﷺ کو چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر پیش آیا جہاں ایک نصرانی عالم بحیرہ راہب نے آپ ﷺ کو دیکھ کر ابو طالب سے کہا کہ اپنے بھتیجے کی خبر داری رکھنا، یہ نبی آخر الزماں ہوگا۔ میں نے کتب سماویہ (تورات انجیل و زبور وغیرہ) میں نبی آخر الزماں کی جو علامات دیکھی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔

(۳) دوسری مرتبہ آپ ﷺ پچیس سال کے عمر میں دوبارہ تشریف لے گئے، وہاں نسطورا راہب نے آپ ﷺ کو بغور دیکھا اور قافلہ والوں سے کہا کہ یہ شخص نبی آخر الزماں ہوگا۔ ہمارے نوشتوں (آسمانی کتابوں) میں جو علامات خاتم الانبیاء کی لکھی ہیں، وہ سب اس میں

موجود ہیں۔

(۴) ابتداء بعثت میں حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں تو یہی کہا کہ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں کہ جن کی حضرت موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) نے بشارت دی ہے۔

(۵) حضرت سلیمان فارسیؓ ابتداء میں مجوسی تھے، اس مذہب سے بیزار ہوکر یہودی مذہب اختیار کیا لیکن یہودیت سے بھی قلب کو تسکین میسر نہ آئی تو یہودی مذہب چھوڑ کر عیسائی بن گئے۔ علماء نصاریٰ نے جو نبی آخر الزماں ﷺ کی پیشن گوئیاں کی تھیں وہ خوب یاد تھیں۔ آنحضرت ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سلیمان فارسیؓ آپ ﷺ کی خبر سن کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں کہ جن کی پیشن گوئی میں سن چکا ہوں۔

(۶) نجاشی بادشاہ حبشہ نے بھی انبیاء سابقین کی پیشن گوئیوں کے موافق پا کر آپ ﷺ کو نبی آخر الزماں تسلیم کیا اور مشرف بہ اسلام ہوا۔ (سیرت المصطفیٰ، ۳/۴۵۴)

اہل کتاب کے راہبوں کا کتب سماویہ میں آپ ﷺ کے متعلق بشارت کی تصدیق کرنا اور ایک کثیر تعداد کا ان پیشن گوئیوں کی بناء پر آپ ﷺ کی نبوت تسلیم کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ان کتب مقدسہ میں آپ ﷺ کے متعلق بشارت موجود تھیں اور بائبل کی بار بار سرجری کے باوجود بھی بشارت کا کافی ذخیرہ آج بھی موجود ہے اور یہ سب کچھ آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ راست نصیب فرمائے اور خاتم النبیین ﷺ کی کامل اتباع اور تا حیات آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین واحکام پر کاربند رہنے کی توفیق بخشے، آمین یارب العالمین۔ (بشکریہ ماہنامہ انوار القرآن کراچی)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۷

رسولِ اکرم ﷺ بچپن میں چاند سے باتیں کیا کرتے تھے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ساتویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ بچپن میں چاند سے باتیں کیا کرتے تھے'' جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جارہی ہے، لیکن اس وضاحت سے پہلے گزشتہ خصوصیات کی طرح یہاں بھی بتاتا چلوں، کیونکہ میری زندگی کا یہی سب سے بڑا سرمایا ہے کہ بحمداللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر روضہ رسول ﷺ کے سائے میں ترتیب دیا ہے کیونکہ میرا ایمان ہے کہ روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر روضہ اقدس میں آرام فرمانے والے عظیم پیغمبر ﷺ اور ہم سب کے پیارے آقا ﷺ کی خصوصیت کو لکھنا اور ترتیب دینا بہت بڑی سعادت ہے، میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار مجھے مدینہ بلائے اور پھر اپنے محبوب ﷺ کی محبوب مسجد اور پھر پیارے روضہ کے سامنے بٹھا کر آقا ﷺ کی سیرت کے ہر ہر گوشے کو لکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ بہر حال محترم قارئین! ہمارے پیارے رسول ﷺ کی یہ بھی ایک امتیازی اور عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمارے نبی ﷺ بچپن میں چاند سے باتیں کیا کرتے تھے، یعنی اللہ تعالیٰ نے بچپن میں آپ ﷺ کے لئے چاند کو کھلونا بنا دیا تھا، جبکہ دیگر انبیاءؑ کی سیرتوں میں ایسی خصوصیت نظر نہیں آتی، تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا مظہر بھی صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ ہی ہیں، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ کو مطالعے کے بعد اندازہ ہوگا انشاء اللہ، لیجئے اب بغیر کسی تاخیر کے اس خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمائیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

ساتویں خصوصیت کی وضاحت

آنحضرت ﷺ دودھ پینے کی عمر میں چاند سے باتیں فرمایا کرتے تھے (مراد ہے بچہ کا غوں غاں کرنا) کہا جاتا ہے کہ عورت نے بچے کے ساتھ غوں غاں کر کے بات کی یعنی بچے سے اس طرح بولی جس سے بچہ خوش ہوتا ہے، چاند کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا باتیں کرنا آپ کی خصوصیات میں گنا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت عباسؓ سے ایک حدیث نقل کی جاتی ہے کہ آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے ایک مرتبہ آپ ﷺ سے فرمایا: یا رسول اللہ! ''میں نے آپ کی نبوت کی ایک علامت دیکھی تھی جس کی وجہ سے میں آپ کے دین میں شامل ہوا ہوں، میں نے دیکھا کہ آپ جھولے میں لیٹے ہوئے چاند سے باتیں فرماتے تھے اور آپ اپنی انگلی سے چاند کو جس طرف بھی اشارہ فرماتے وہ اسی طرف سرک جاتا تھا''۔ آپ ﷺ نے یہ سن کے فرمایا! ''میں اس سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھے رونے سے بہلائے رکھتا تھا ، جب وہ یعنی چاند عرش کے نیچے سجدہ ریز ہوتا تھا تو میں اس کے گرنے کی آواز سنا کرتا تھا (یعنی جب چاند ایک دھماکے کے ساتھ عرش کے نیچے گرتا تھا جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا سجدہ ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ اس کے سجدہ کرنے یعنی گرنے کی آواز سنا کرتے تھے)۔ اس حدیث کے راویوں میں بعض مجہول لوگ ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ (اس حدیث کے راویوں میں بعض ایسے نامعلوم لوگ ہیں جن کے پورے حالات کا پتہ نہیں ہے اور ان کے معتبر ہونے کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا)۔ حافظ ابو الفتح یعنی عیون الاثر کے مصنف کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر کتنی تھی (جب آپ جھولے میں لیٹے ہوئے چاند سے باتیں فرمایا کرتے تھے)۔ آنحضرت ﷺ کا جو جھولا یعنی پالنا تھا اس کو ملائکہ یعنی فرشتے ہلایا کرتے تھے اور اسی سے وہ ہلتا رہتا تھا، اسی لیے علامہ ابن سمیع نے اس کو بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں شمار کیا ہے۔ (چاند سے یا چاند کے باتیں کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ اس کو دیکھ کر غوں غاں کیا کرتے تھے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے چاند کو آپ کے دل بہلانے کا ذریعہ بنا دیا تھا)۔ (بحوالہ سیرت حلبیہ جلد اول)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۸

رسولِ اکرم ﷺ کا شجرہ نسب مکمل محفوظ ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ آٹھویں خصوصیت پیش کی جارہی ہے، جس کا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کا شجرہ نسب مکمل محفوظ ہے'' الحمدللہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اس کا فضل ہے ورنہ لوگوں کے اژدھام کی وجہ سے دو نفل کے لئے جگہ ملنا مشکل ہوتی ہے، چہ جائیکہ ایسی جگہ کا مل جانا کہ جہاں بیٹھ کر کئی گھنٹوں تک لکھا جاسکے، بہر حال اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں کہ جس ذات نے ریاض الجنۃ میں بٹھا کر اپنے محبوب ﷺ کی خصوصیت سے متعلق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اور مزید اسی اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو مقبول و منظور بھی فرمائے گا انشاء اللہ، اور جب قیامت کا دن ہوگا، لوگوں میں نفسانفسی ہوگی، تو انشاء اللہ آج ریاض الجنۃ میں روضہ رسول ﷺ کے سائے تلے بیٹھ کر آقا ﷺ کی خصوصیت کو ترتیب دینے کی وجہ سے آقا ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی اور انشاء اللہ اللہ کے فضل سے ضرور ہوگی، بس اسی امید پر قلم رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں لکھ رہا ہے اور دل کی یہ دعا ہے کہ یارب میرے نبیؐ اور میرے نبیؐ کے دین کے لئے میری جان، مال اور وقت قبول فرما، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے شجرہ نسب کو اللہ تعالیٰ نے مکمل محفوظ رکھا یعنی آپ ﷺ کے پورے نسب میں کہیں لچک اور جھول نظر نہیں آتا، نہ کردار کے لحاظ سے اور نہ کسی اور حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مکمل نسب یعنی آدمؑ

سے لیکر حضرت عبداللہ اور اماں حوا سے لے کر حضرت آمنہ تک مکمل حفاظت فرمائی، جیسا کہ آپ کو آنے والے اوراق میں تفصیل معلوم ہوگی انشاء اللہ، تو بہر حال اب تمہیدی گفتگو ختم کی جاتی ہے، لیجئے اصل خصوصیت کا مطالعہ شروع کیجئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین

آٹھویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

کلبیؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ماں اور باپ کے طرف سے پچھلی پشتوں میں پانچ سو مائیں ہیں، مگر ان میں کہیں بھی کسی کے لیے زنا اور بدکاری ثابت نہیں ہے حالانکہ ایسا ہوتا ہے کہ مرد وعورت زنا کر لیتے ہیں اور اس کے بعد اگر مرد چاہتا ہے تو اسی عورت سے شادی کر لیتا ہے مگر آنحضرت ﷺ کا پورا سلسلہ نسب کنگھال لیا جائے دادہال اور نانہال میں اوپر کی پشتوں تک آپ ﷺ کی جتنی مائیں بھی ہیں کسی کے متعلق ایسی بات ثابت نہیں ہوتی جس سے معلوم ہو کہ ان کے کردار میں جھول تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے پورے نسب کی کس طرح حفاظت فرمائی اور اسے کس طرح پاکیزہ اور صاف وشفاف رکھا نہ ان میں جاہلیت کی حرکتوں میں سے کوئی حرکت پائی جاتی ہے یعنی مائیدر اور سوتیلی ماں کے ساتھ یعنی باپ کی دوسری بیوی کے ساتھ (باپ کے مرنے کے بعد) نکاح کرنے کی رسم بھی آپ کے نسب میں کہیں نہیں ملتی۔ کیونکہ جاہلیت کے زمانے میں عرب اس بات کو جائز سمجھتے تھے کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کا سب سے بڑا لڑکا اپنی سوتیلی ماں کے لیے اپنے باپ کا جانشین ہو جاتا تھا۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں سب سے زیادہ بیہودہ رسم یہ سمجھی جاتی تھی کہ ایک شخص ایسی دو لڑکیوں سے شادی کر سکتا تھا جو آپس میں سگی بہنیں ہوں (پھر سوتیلی ماں کے ساتھ شادی کے متعلق لکھتے ہیں کہ) جو شخص اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ شادی کر لیتا تھا اس پر خود قریش بھی عیب لگاتے تھے ایسے آدمی کو وہ ''ضیزن'' کہتے تھے جس کے معنیٰ ہیں

وہ آدمی جو اپنے باپ کی بیوی کے متعلق رکاوٹ ڈالے۔ایسی شادی کو وہ لوگ ''نکاح المقت''یعنی زنا کا عقد کہتے تھے،ایسی عورت کو''رابہ''یعنی زنا والی اور ایسے شوہر کو زانی کہتے تھے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اوپر کی پشتوں میں بھی ایسا نکاح پایا جاتا ہے اس لیے کہ خزیمہ جو آپ کے اجداد میں سے ایک تھا،جب مرگیا تو اس کا سب سے بڑا لڑکا کنانہ اپنے مائیدر پر باپ کا جانشین بنا تھا اور اس سے نضر پیدا ہوا جو خود بھی آپ کے اجداد میں سے ہے یہ قول بالکل غلط اور لغو ہے اس لیے کہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد کنانہ جس عورت پر باپ کا جانشین ہوا تھا وہ مرگئی تھی اور اس سے کنانہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔یہ غلط بات اس لیے چلی کہ کنانہ نے اس کے بعد جس لڑکی سے شادی کی تھی اس کا بھی وہی نام تھا جو کنانہ کی مائیدر کا تھا اس سے نضر پیدا ہوا۔

اس سلسلے میں امام سہیلیؒ کا قول ہے کہ باپ کی بیوی سے نکاح گذشتہ شریعت کے مطابق جاہلیت کے زمانے میں جائز تھا اور یہ حرام رشتوں میں سے نہیں تھا جسے انہوں نے توڑا ہو اور نہ ان غلط باتوں میں سے تھا جسے جاہلیت کے دور میں ایجاد کیا گیا ہو کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو آنحضرت ﷺ کے نسب میں پیش آرہا ہے چنانچہ کنانہ نے اپنے باپ خزیمہ کی بیوی سے شادی کی جس کا نام بَرّہ بنت مُرّہ تھا اور امام سہیلیؒ کے قول کے مطابق اس سے نضر ابن کنانہ پیدا ہوا۔

اس کے علاوہ ہاشم نے بھی اپنے باپ کی بیوی واقدہ سے شادی کرلی تھی اس سے ان کے ایک لڑکی ضعیفہ پیدا ہوئی مگر یہ آنحضرت ﷺ کے نسب میں شامل نہیں ہے کیونکہ واقدہ کے پیٹ سے آنحضرت ﷺ کے اجداد میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ادھر آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں زنا سے نہیں (یعنی میرے نسب میں کہیں بھی کوئی زنا سے پیدا نہیں ہے)اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔''لاتنکحوا ما نکح اباؤ کم من النساء الا ما قد سلف الخ (پ۴سورۃ نساء رکوع۳)

ترجمہ: تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ دادا یا نانا نے نکاح کیا ہو مگر جو بات گزر گئی گزر گئی۔

یعنی گذشتہ زمانے میں اس نکاح کے حلال ہونے کی وجہ سے جو ایسی شادیاں ہوئیں وہ ہو چکیں (اب ایسی شادیاں تمہارے اوپر حرام کردی گی ہیں) اس استثناء کا فائدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نسب مبارک میں کوئی عیب نہیں پڑتا، یہ بات ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے اجداد میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو پیشہ ور عورتوں یا بدکار عورتوں میں سے کسی کی اولاد ہو ،آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک میں جن چیزوں سے روکا گیا ہے یعنی وہ چیزیں جو جائز نہیں ان میں سے کسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے **الا ما قد سلف** یعنی جو بات گزر گئی گزر گئی، کی شرط کا اضافہ نہیں فرمایا۔ **ولا تقربوا الزنا** : یعنی زنا کے قریب مت جاؤ اس کے بعد **الا ما قد سلف** نہیں فرمایا گیا (یعنی زنا ایسا فعل نہیں ہے کہ اگر پچھلے دور میں کسی نے کیا ہے تو وہ جائز ہوگا اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا بلکہ وہ ہمیشہ حرام رہا ہے اور ہے)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ** یعنی جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل مت کرو، مگر اس کے بعد بھی **الا ما قد سلف** کے ذریعے پچھلے زمانے کا استثناء نہیں فرمایا۔ اسی طرح سوائے اس کے گناہوں میں سے کسی بھی گناہ کو جہاں قرآن میں روکا گیا اس کے ساتھ استثناء ذکر نہیں کیا گیا، اسی طرح دو سگی بہنوں کا نکاح میں لانا کیونکہ یہ بھی ہم سے پہلے شریعت میں جائز تھا یعنی ایسی دو لڑکیوں سے نکاح کرنا جو آپس میں سگی بہنیں ہوں چنانچہ حضرت یعقوبؑ نے راحیل اور ان کی بہن لیا سے شادی کی ہوئی تھی۔ اس **الا ما قد سلف** سے ان معنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہاں تک امام سہیلیؒ کا کلام ہے۔

(جو کچھ پیچھے ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ سے) یہ نا قابل توجہ ہے اور نہ اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کا یہ کہنا کہ حضرت یعقوبؑ کی بیویاں آپس میں سگی بہنیں تھیں، اس کی تردید قاضی بیضاویؒ کے قول سے ہو رہی ہے کہ یعقوبؑ نے لیا سے اس کی بہن راحیل کے

انتقال کے بعد شادی کی تھی۔ علامہ واحزیؒ کی کتاب اسباب النزول میں ہے کہ بخاری میں اسباط سے روایت ہے کہ مفسرین کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مر جاتا تھا تو اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کا مالک ہو جاتا تھا لڑکا مائیدار کے اوپر اپنا کپڑا ڈال دیتا اور اس کے بعد اس عورت پر اس کا حق خود عورت یا کسی بھی دوسرے آدمی سے زیادہ ہو جاتا تھا، اگر وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تو بغیر مہر کے اس مہر پر شادی کر لیتا جو مرنے والا ادا کر چکا تھا اور اگر چاہتا تو کسی دوسرے آدمی سے اس کی شادی کر دیتا مگر مہر خود وصول کر لیتا، اس عورت کو کچھ نہیں دیتا تھا اسی طرح اگر وہ چاہتا تو اس عورت کو یوں ہی چھوڑے رکھتا (یعنی نہ خود شادی کرتا اور نہ دوسرے کے ساتھ کرنے دیتا) اور اس کو تکلیفیں پہنچاتا تا کہ وہ اپنی جان کی قیمت یعنی فدیہ دے کر اس کے پنجے سے نکلے۔ اسی دور میں (یعنی اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں) انصاریوں میں سے ایک شخص مر گیا فوراً اس کی بیوی کے پاس مرنے والے کا لڑکا آیا اور اس نے اپنا کپڑا اس عورت پر ڈال دیا اور پھر اس عورت کو یوں ہی چھوڑ دیا، نہ تو اس کے پاس گیا اور نہ اس کا خرچہ اُٹھایا تا کہ وہ اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے اپنی جان کا فدیہ اس کو ادا کرے، یہ عورت پریشان ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کو اپنی بپتا سنائی اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ. (سورۃ نساء)

ترجمہ: تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ دادا یا نانا نے نکاح کیا ہو مگر جو بات گزر گئی گزر گئی، اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کا سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص ابوقیس کا انتقال ہو گیا اس کے بیٹے قیس نے اپنی مائیدار کو اپنے نکاح میں لینا چاہا تو اس عورت نے کہا کہ میں نے تجھے ہمیشہ اپنے بیٹے کی طرح سمجھا ہے، پھر بھی میں آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر آپ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھتی ہوں۔ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر جب اس نے یہ صورتحال بتلائی تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت براء ابن عازبؓ سے روایت ہے کہ میری اپنے ماموں حضرت ابوالدرداءؓ سے ملاقات ہوئی، اس وقت ان کے پاس ایک جھنڈا تھا (یعنی وہ جہاد کی مہم پر جا رہے

تھے) میں نے پوچھا آپ کہاں جارہے ہیں۔ کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ ایک ایسے آدمی کے پاس بھیج رہے ہیں جس نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لی ہے اب میں اس کی گردن مارنے جارہا ہوں۔ "احمد" کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ (اس کی گردن ماردوں) اور اس کا مال ومتاع چھین لوں۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ایسے شخص کے لیے کتنا سخت حکم ہے)

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں میں یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی شخص نکاح کرنا چاہتا تو وہ "خطب" یعنی "رشتہ دیا" کہہ دیتا اور لڑکی والے اس کے جواب میں کہہ دیتے "نکح" یعنی "نکاح کیا" یہ لفظ گویا ان کے ایجاب وقبول کے قائم مقام تھے۔ نیز (ان ہی بعض مؤرخین کا قول ہے کہ) جاہلیت کے نکاحوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ لوگ ایسی دو لڑکیوں سے بیک وقت شادی کر لیتے تھے جو آپس میں سگی ہوں یعنی باوجود یہ کہ خود وہ بھی اس کو برا جانتے تھے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ توریت کے نازل ہونے سے پہلے (یعنی وہ آسمانی کتاب جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی) ایسی دو لڑکیوں سے نکاح کرنا جائز تھا جو آپس میں سگی بہنیں ہوں پھر توریت کے نازل ہونے کے بعد یہ بات حرام کر دی گئی، یہی بعض محققین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی جدات یعنی دادیوں پر فخر کیا کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکر طور پر جس سے آپ کا مقصد دوسری عورتوں کے مقابلے میں ان کی پاکیزگی اور فضیلت کا اظہار کرنا ہوتا تھا (کیونکہ عرب کے عام ماحول اور رسموں کے برخلاف آپ ﷺ کی تمام نسبی دادیاں نہایت پاکباز تھیں اور ان سب کے شریعت کے مطابق نکاح ہوئے تھے) آپ فرمایا کرتے! "میں عواتک اور فواطم کی اولاد ہوں" (عواتک عاتکہ کی جمع ہے عاتکہ کے معنی پاک دامن کے ہیں۔ فواطم فاطمہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں ایسی اونٹنی جس کے بچے کا دودھ چھڑا دیا گیا ہو۔ ادھر عاتکہ اور فاطمہ عرب میں عورتوں کے مقبول ناموں میں سے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نسبی دادیوں میں کئی عاتکہ اور فاطمہ نام کی ہیں، یہاں عواتک اور فواطم کے معنی مراد

نہیں ہیں بلکہ نام مراد ہیں کہ میں عاتکاؤں اور فاطماؤں کا بیٹا یعنی ان کی اولاد ہوں)۔

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ایوب انصاریؓ کے ساتھ اپنا گھوڑا دوڑایا، آنحضرت ﷺ کا گھوڑا حضرت ایوبؓ کے گھوڑے سے آگے نکل گیا تو آپ نے فرمایا! ''میں عواتک یعنی عاتکاؤں کا بیٹا ہوں اور یہ (یعنی میرا گھوڑا) نہایت سبک رفتار اور تیز رو ہے''

اور آنحضرت ﷺ نے ایک غزوہ میں یعنی غزوہ حنین اور غزوہ احد میں فرمایا! ''میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے، میں عبداللہ کا بیٹا ہوں، میں عاتکاؤں کا بیٹا ہوں'' ایک روایت میں ہے آیا ہے کہ میں بنی سلیم کی عاتکاؤں کا بیٹا ہوں (یہاں سب جگہ بیٹا سے مراد اولاد ہے) عیون الاثر میں ہے کہ عاتکہ کے معنی خوشبو سے معطر یا پاک کے ہیں۔

بعض محققین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احد کے دن فرمایا کہ میں فاطماؤں کا بیٹا ہوں یہ بات اس روایت کے خلاف نہیں ہے جو پیچھے گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے اس دن یہ فرمایا تھا کہ میں عاتکاؤں کی اولاد ہوں اس لیے کہ ممکن ہے آپ ﷺ نے اس دن یہ دونوں کلمے فرمائے ہوں۔ اس کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نسب میں کتنی عاتکائیں ہیں، کچھ نے زیادہ تعداد بتلائی ہے اور کچھ نے کم، حافظ ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نسبی مائیں (یعنی جدات۔ دادیاں) چودہ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ گیارہ ہیں اور ان میں سب سے پہلی عاتکہ (نامی عورت) لؤی ابن غالب کی ماں ہیں، بنی سلیم میں جو عاتکائیں ہیں ان میں ایک تو عاتکہ بنت ہلال ہیں جو عبد مناف کی ماں ہیں، دوسری عاتکہ بنت ارقص ابن مُرّہ ابن ہلال ہیں جو ہاشم کی ماں ہیں، تیسری عاتکہ بنت مُرّہ ابن ہلال ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے نانا وہب کی ماں ہیں، یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سلیم کی عاتکاؤں سے مراد قبیلہ بنی سلیم کی وہ تین دوشیزائیں ہیں ان تینوں کا نام عاتکہ ہے۔

یہی بعض لوگ سعد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نسبی ماؤں میں دس

فاطمائیں ہیں (یعنی دس کا نام فاطمہ رہا ہے)

مؤلف سیرت حلبیہ کہتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ پانچ (فاطمائیں) ہیں بعض کہتے ہیں چھ ہیں اور بعض کہتے ہیں آٹھ ہیں۔آپ ﷺ کی داد ہال کی جانب سے جو آپ ﷺ کی مائیں ہیں مجھے ان میں سے دو کے سوا متعین طریقے پر یہ معلوم نہیں کہ کس کس کا نام فاطمہ رہا ہے، وہ دو یہ ہیں، حضرت عبداللہ کی والدہ فاطمہ اور قصی کی ماں فاطمہ۔ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرما کر کہ ''میں فاطماؤں کی اولاد ہوں'' صرف وہ فاطمائیں مراد نہ لی ہوں جو آپ کے نسب کا جزو ہیں بلکہ عام داد ہالی فاطمائیں مراد لی ہوں اور اس طرح ان میں وہ فاطمہ بھی شامل ہوں جو اسد ابن ہاشم کی ماں ہیں، نیز وہ فاطمہ بنت اسد بھی جو حضرت علیؓ ابن ابو طالب کی ماں ہیں اور خود ان فاطمہ کی ماں فاطمہ (یعنی جو حضرت علیؓ کی نانی ہوئیں کہ ماں اور نانی دونوں کا نام فاطمہ تھا) یہ فاطمائیں ان تینوں فاطماؤں کے علاوہ ہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت علی کو ایک ریشمی تھان عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ اسے تین فاطماؤں کے درمیان تقسیم کردو، یہ تینوں فاطمائیں یہ ہیں ،ایک فاطمہ جو آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی ہیں، دوسری فاطمہ حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی ہیں اور تیسری فاطمہ بنت اسد ہیں، بعض محققین نے ان میں فاطمہ ام عمرو ابن عائذ اور فاطمہ بنت عبداللہ ابن رزام اور ان فاطمہ کی والدہ فاطمہ بنت حرث اور عبد مناف کی نانی فاطمہ بنت نصر ابن عوف کو بھی شامل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت، عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عباسؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا! ''میں نکاحوں کے ذریعے پیدا ہوا ہوں زنا کے ذریعہ نہیں۔'' یعنی آپ کے آباء اجداد میں جتنے بھی ہیں سب کے شرعی نکاح ہوئے ہیں اور ان کی جتنی اولادیں یعنی جو آپ کے نسبی دادا ہیں وہ سب کے سب اپنے ماں باپ کی جائز اولاد ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ماں باپ کی بدکاری کے ذریعہ پیدا ہوا ہو۔

یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ (اس زمانہ میں ایسا ہوتا تھا کہ) عورت مرد کے ایک

عرصہ تک ناجائز تعلقات رہتے تھے (اور اس کے نتیجہ میں ناجائز اولاد پیدا ہوتی تھی) پھر اگر وہ چاہتے تو آپس میں شادی کر لیتے تھے، مطلب یہ ہے کہ عرب زنا کو جائز سمجھتے تھے مگر ان میں جو شریف اور نیک لوگ تھے وہ کھلے عام اس برائی سے بچتے تھے اور ایسے بھی تھے جنہوں نے جاہلیت کے زمانے میں بھی اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا (یہ وہ لوگ تھے جو اپنی فطری شرافت اور نیکی کی وجہ سے جہالت اور لاعلم ہونے کے باوجود بُرائی کو برائی سمجھتے تھے اور تمام عمر اس سے اپنا دامن بچائے رکھتے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سب حضرات وہی ہیں جن میں شرافت طبعی اور فطری تھی اور وہ لوگ اپنی فطرت سلیمہ کی بناء پر ہمیشہ اپنے زمانے کی بُرائیوں کو بُرائی سمجھتے رہے اور ان سے اپنے آپ کو بچاتے رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی نسل اور نطفے سے دونوں جہان کے بہترین انسان کو پیدا کرنا تھا۔ اس لیے اس نے آپ کے پورے نسبی سلسلے کو ان گندگیوں اور برائیوں سے محفوظ اور پاک رکھا جن میں اس دور کے اکثر لوگ گھرے ہوئے تھے چنانچہ یہ بھی آنحضرت ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے کہ آپ کے پورے نسب میں جو ایک طویل سلسلہ ہے اور جس پر صدیوں کی لمبی مدت گزری اور علم وجہالت کے مختلف دور آئے ان میں سے یہ نسب وقت کی ہر برائی سے محفوظ رہا)

"ایک حدیث ہے کہ میں نکاحوں سے پیدا ہوا ہوں اور آدمؑ کے دور سے اس وقت تک جب کہ میں اپنے ماں باپ سے پیدا ہوا (میرے آباء اجداد میں) کہیں بھی کوئی بدکاری کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوا، مجھ میں زمانہ جاہلیت کی بدکاریوں میں سے کوئی چیز نہیں پہنچی اور میں سوائے اسلامی نکاح کے (کسی دوسرے طریقے سے) پیدا نہیں ہوا۔"

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جب سے میں آدمؑ کے صلب (نطفے) سے نکلا ہوں میں کسی بدکار کے ذریعہ پیدا نہیں ہوا اور تمام قومیں پشت در پشت (مجھے اپنی قوم کا فرد دیکھنے کے لیے) آپس میں الجھتی رہیں یہاں تک کہ میں دو انتہائی افضل آدمیوں یعنی ہاشم اور زہرہ کی اولاد میں پیدا ہوا۔

یعنی حضرت آدمؑ کی صلب سے منتقل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کا نور برابر ایک

سے دوسرے میں اولاد در اولاد منتقل ہوتا رہا اس پورے سلسلے میں کبھی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی پشت میں یہ نور نکاح کے بجائے بدکاری کے ذریعہ منتقل ہوا ہو اور اس کے نتیجے میں کہیں بھی اور کسی بھی دور میں آپ ﷺ کے نسب میں انگلی رکھی جا سکے دوسرے یہ کہ آپ ﷺ کا نور اس پوری کائنات سے پہلے پیدا کیا گیا اور جیسا کہ مختلف روایت سے پتہ چلتا ہے آپ ﷺ کی تخلیق ہی اس پورے عالم کی تخلیق کا سبب ہے۔ چنانچہ ابن عساکرؒ نے سلمان فارسیؓ سے روایت کی ہے کہ جبرئیلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا! ''آپ ﷺ کا رب آپ سے یہ فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراھیمؑ کو اپنا دوست بنایا تھا تو آپ کو اپنا محبوب بنایا ہے، میں نے اپنے لیے آپ سے زیادہ شریف و معزز کوئی چیز پیدا نہیں کی، میں نے دنیا اور دنیا والوں کو اس لیے پیدا کیا ہے تا کہ انہیں دکھاؤں میرے نزدیک آپ کا کتنا رتبہ اور مرتبہ ہے اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔''

اسی طرح سیرت النبویہ والآثار المحمدیہ میں حاکم کی حضرت عمر فاروقؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت آدمؑ نے عرش پر رسول اللہ ﷺ کا نام نامی لکھا ہوا دیکھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تھا کہ ''اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔'' نیز مختلف سندوں سے ایک روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا تو ان کے دل میں ڈالا گیا کہ وہ یہ کہیں !اے پروردگار! تو نے میرا لقب ابومحمد ﷺ کیوں رکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! ''اے آدم اپنا سر اُٹھا'' آدمؑ نے اپنا سر اٹھایا تو ان کو عرش کے پردوں میں آنحضرت ﷺ کا نور نظر آیا انہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ! اے پروردگار یہ نور کیسا ہے؟ جواب ملا کہ ''یہ نور میرے نبی کا نور ہے جو تمہاری اولاد میں ہوں گے، آسمانوں میں ان کا نام احمد ﷺ ہے اور زمین میں محمد ﷺ ہو گا اگر وہ نہ ہوتے تو میں نہ تمہیں پیدا کرتا اور نہ زمین و آسمان کو پیدا کرتا۔''

گذشتہ آسمانی کتابوں میں آپ ﷺ کے ظہور کی اطلاع ہے جو انبیاءؑ کے ذریعہ دوسروں تک پہنچی چنانچہ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس سعادت اور بزرگی کے لیے گذشتہ دور میں ہر قوم آرزو مند رہی جس کی طرف آپ ﷺ نے اوپر کی روایت میں اشارہ فرمایا ہے

مگر اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بنی ہاشم اور بنی زہرہ کے مقدر میں لکھی تھی کہ آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبداللہ قریش میں ہاشم کی اولاد میں ہوئے اور آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ زہرہ کی اولاد میں ہوئیں اور اس طرح ان دونوں خاندانوں کے ذریعہ سرور کائنات ﷺ اس عالم میں تشریف لائے۔

مؤلف سیرت حلبیہ کہتے ہیں (گذشتہ روایت میں بدکار کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) بدکار سے مراد زمانہ جاہلیت کی وہ عورتیں ہیں جو اپنے دروازوں پر ایک علامت یا جھنڈا لگا لیا کرتی تھیں جس شخص کا دل چاہتا وہ حرام کاری کے لیے ان کے پاس پہنچ جاتا تھا اگر ان میں سے کسی کو حمل ٹھہر جاتا اور پھر بچہ پیدا ہو جاتا تو اس کے پاس آنے والے لوگ اس کے ہاں جمع ہو جاتے اور آپس میں قیافہ شناسی کرتے اور اس بچے کی صورت ان میں سے جس کے ساتھ بھی کچھ ملی ہوئی ہوتی وہ بچہ اس کے سپرد کر دیا جاتا اور وہ اس کا بیٹا کہلانے لگتا وہ شخص کسی کو اس سے روک نہیں سکتا تھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کی آیت اس طرح پڑھی لقد جاء کم رسول من انفسکم (یعنی انفسکم میں ف پر زبر پڑھا یعنی تم میں رسول آئے ہیں جو تم میں سے بہترین آدمیوں میں سے ہیں۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا میں تم میں بہترین ہوں باعتبار نسب کے، باعتبار سسرالی رشتہ داروں کے اور باعتبار شرافت کے، میرے آباء و اجداد میں آدمؑ کے وقت سے کبھی زنا نہیں ہوا۔ سب کے نکاح ہوئے۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں (یہ لفظ بھی ہیں کہ سب کے نکاح ہوئے) اسلامی نکاح کی طرح ایک شخص دوسرے شخص کو لڑکی کے لیے رشتہ دیتا ہے، مہر ادا کرتا ہے اور شادی کر لیتا ہے۔ لَقَد جآءَکُم رَسُولٌ مِّنْ اَنفُسِکُمْ کی قرأت میں ف پر پیش ہے جس سے اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تمہارے پاس (یعنی قریش کے پاس، ایسے رسول آئے ہیں جو تم ہی میں سے ہیں، لیکن جیسا کہ اوپر کی روایت میں گزرا اگر اَنفَسِکُم کو ف پر زبر کے ساتھ انفَسکم پڑھا جائے تو اس کے معنی وہ ہوں گے جو اوپر بیان ہوئے)

امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے نسب میں حضرت آدمؑ تک جتنے بھی نکاح ہیں ان میں نکاح کے درست ہونے کی وہ تمام شرطیں پائی جاتی ہیں جو ایک اسلامی نکاح کے لیے ضروری ہیں۔ حضرت آدمؑ تک آپ کے نسب میں کوئی نکاح ایسا نہیں مل سکتا جس میں وہ ساری شرطیں موجود نہ ہوں جو آج کے موجودہ اسلامی نکاح کے درست ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ امام سبکیؒ کہتے ہیں، اس لیے اس بات پر اپنے دل سے اعتقاد اور یقین رکھنا ضروری ہے۔، اگر کوئی شخص یہ یقین نہیں رکھتا تو وہ دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔

بعض محققین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی یہ ایک عظیم عنایت ہے کہ آدمؑ سے لے کر آنحضرت ﷺ کی اپنے ماں باپ کے یہاں پیدائش تک اس نے آپ ﷺ کے تمام آباء واجداد کے نکاح ایک ہی طریقے پر رکھے جو آپ ﷺ کی شریعت کے مطابق ہیں آپ ﷺ کے نسب میں کسی کا نکاح زمانہ جاہلیت کے اس طریقے پر نہیں ہوا کہ اگر کوئی شخص شادی کا ارادہ کرتا تو وہ کہہ دیتا "رشتہ دیا" اور لڑکی والے کہہ دیتے "نکاح ہوگیا" جیسا کہ گزر چکا ہے (کیونکہ یہ طریقہ اسلامی طریقے کے خلاف ہے اس طرح نکاح نہیں ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور آنحضرت ﷺ پر اس کا خاص احسان رہا ہے کہ آپ ﷺ کے آباء واجداد میں کسی کا نکاح اس طریقے سے نہیں ہوا کہ آپ ﷺ کی نسبی شرافت وعظمت پر انگلی رکھی جاسکے، حالانکہ آپ ﷺ کے پورے نسب میں بہت سے ایسے دور آئے ہیں جب کہ ہر طرف جہالت اور خلاف شریعت باتوں کا دور دورہ تھا)

(زمانہ جاہلیت کے نکاح کا جو طریقہ اوپر ذکر کیا گیا ہے) وہ ایجاب وقبول کے قائم مقام سمجھا جاتا تھا، اسلامی نکاح سے مراد یہ ہے کہ وہ طریقہ جو عورت کو مرد کے لیے (اللہ کے نزدیک) حلال کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس میں باندی کا حکم بھی شامل ہے کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ حضرت اسماعیلؑ کے حمل تک حضرت ابراہیمؑ کی بیوی نہیں بلکہ باندی تھیں اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا تھا (اسلام میں باندی کے ساتھ جنسی تعلق رکھنا جائز ہے کیونکہ وہ اپنے مالک کی ملکیت ہوتی ہے، اگر مرد اس کو اپنی

بیوی بنا کر رکھنا چاہے تو اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر سکتا ہے)۔ حضرت عائشہؓ سے بخاری میں روایت ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں نکاح چار قسم سے ہوتے تھے۔ ایک تو ایسا نکاح جس طرح لوگ آج کل کرتے ہیں یعنی شرعی ایجاب وقبول کے ذریعہ۔ یہ نہیں کہ مرد کہہ دے رشتہ کیا اور لڑکی والے کہہ دیں نکاح کیا، دوسری قسم نکاح کی یہی تھی جو ذکر کی گئی (کہ مرد نے "رشتہ کیا" کہا اور لڑکی والوں نے "نکاح کیا" کہہ دیا) ایک نکاح بغایا او استبضاع تھا، ایک نکاح جمع تھا، جاہلیت کے نکاحوں میں ایک باپ کی بیوی سے (یعنی سوتیلی ماں سے باپ کے مرنے کے بعد) سب سے بڑے لڑکے کا نکاح تھا۔ اسی طرح جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے دو ایسی لڑکیوں سے نکاح جو آپس میں سگی بہنیں ہوں۔ اب مراد یہ ہوگی کہ آنحضرت ﷺ کے نسب میں باپ کی بیوی سے بھی کسی کا نکاح ثابت نہیں۔ یہ بات سہیلیؒ کی اس روایت کے خلاف ہے جو پیچھے گزر چکی ہے (یعنی یہ کہ ہاشم نے اور کنانہ نے اپنی اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کر لیا تھا) اسی طرح (آپ ﷺ کے نسب میں) نہ تو دو بہنوں سے نکاح ملتا ہے اور نہ نکاح بغایا ہے۔

نکاح بغایا میں بغایا سے مراد طوائفیں ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ طوائف سے مختلف لوگ ایک کے بعد ایک بدکاری کرتے تھے اگر اس کو حمل ٹھہر گیا اور پھر بچہ بھی پیدا ہو گیا تو اس بچے کو ان لوگوں میں سے اس شخص کا شمار کیا جاتا تھا جس سے اس بچے کی صورت ملتی ہوتی تھی۔

نکاح استبضاع کا مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں (ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی شادی شدہ) عورت اپنی ماہواری سے فارغ ہو جاتی تو اس کا شوہر اس سے کہہ دیتا کہ فلاں شخص کے پاس چلی جا اور اس سے جماع کرا لے (جب وہ عورت چلی جاتی تو) پھر اس کا شوہر اس سے علیحدہ رہتا اور اس وقت تک اس کو ہاتھ نہیں لگاتا جب تک کہ اس کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا جس کے پاس اس عورت کو جماع کرانے کے لیے بھیجا گیا تھا، جب حمل ظاہر ہو جاتا تو پھر اگر شوہر چاہتا تو خود بھی اس سے ہمبستری کر لیتا تھا۔ (اس نکاح استبضاع جیسی

ناپاک رسم کا مقصد یہ تھا کہ جس شخص کے پاس جماع کرنے کے لیے بیوی کو بھیجا گیا ہے اس سے حمل ہو جائے) اب جو بچہ پیدا ہو وہ ان ہی خصوصیات اور صلاحیتوں کا پیدا ہوگا جو اس شخص میں جس کا یہ حمل ہے، یہ بچہ ہوتا تھا ناجائز مگر باپ کا کہلاتا تھا عورت کے شوہر کا، اس طرح گویا ایک شخص دوسرے کی اچھی صلاحیتوں مثلاً بہادری، ذہانت اور حافظے کو اپنے گھر میں منتقل کر لیتا تھا۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے نسب میں نکاح جمع بھی نہیں تھا، نکاح جمع کا مطلب یہ ہے کہ ان طوائفوں میں سے جن کے دروازوں پر علامت لگی ہوتی تھی کسی کے یہاں دس سے کم تعداد میں آدمی جمع ہو جاتے اور پھر ایک ایک کر کے سب لوگ اس طوائف سے بدکاری کرتے، جب اس طوائف کو حمل ٹھہر جاتا اور بچہ بھی ہو جاتا تو بچے کی پیدائش کے چند دن بعد وہ طوائف ان ہی سب آدمیوں کو بلا بھیجتی جنھوں نے اس سے بدکاری کی تھی اب ان سب لوگوں میں سے کسی کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کے گھر پہنچنے سے انکار کر سکے چنانچہ وہ سب لوگ اس کے یہاں جمع ہو جاتے، اب وہ طوائف ان سے کہتی! ”تم لوگوں کو معلوم ہے جو کچھ تم نے کیا تھا، اس کے نتیجے میں میرے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے وہ بچہ اے فلاں تمہارا ہے“ طوائف ان لوگوں میں سے جس کو پسند کر لیتی اسی کا نام لے کر یہ کہہ دیتی اور پھر وہ بچہ اسی شخص کا کہلاتا۔ اب چاہے اس بچہ میں اس کی شباہت بھی نہ ہو مگر وہ شخص (جس کو اس طوائف نے اپنے بچے کا باپ کہہ دیا ہے) اس سے انکار کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

اسی طرح نکاح بغایا دو قسم کا ہوتا تھا (ایک یہ جس کا یہاں بیان ہوا ہے اور ایک وہ جو پچھلے صفحوں میں ذکر ہوا کہ اسی طرح بہت سے لوگ ایک طوائف سے بدکاری کرتے) اور جب اس کے یہاں بچہ پیدا ہو جاتا تو وہی سب لوگ جمع ہو کر قیافہ شناسی کرتے اور اندازہ کر کے جس سے اس بچے کی صورت ملتی دیکھتے اسی سے اس کو لاحق کر دیتے۔ نیز وہی بعض محققین کہتے ہیں یہ بھی روایت آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ”میں برابر پاک مردوں کے صلبوں سے پاک عورتوں کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا۔“ نیز ایک روایت میں ہے

کہ! ”اللہ تعالیٰ برابر مجھے شریف صلبوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا رہا۔“

بخاری نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ! ”میں بنی آدم کے بہترین زمانے سے ظاہر ہوا ہوں زمانہ در زمانہ کے بعد یہاں تک کہ اس زمانے میں جس میں کہ میں موجود ہوں۔

آیت پاک وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِین کے تحت یہ بات ملتی ہے کہ اس آیت کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ (رسول اللہ ﷺ کا نور) ایک نمازی سے دوسرے نمازی میں منتقل ہوتا رہا، اس تفسیر سے بعض مفسرین نے یہ بھی مراد لیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آباء واجداد تمام کے تمام مؤمن تھے یعنی اپنے اپنے دور کے نبیوں کی شریعت پر چلتے تھے۔

پھر ہم نے حافظ سیوطیؒ کی تحقیق دیکھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آباء واجداد میں آدمؑ سے مُرّہ ابن کعب تک جتنے افراد ہیں ان سب کے ایمان کے متعلق پختہ طور پر معلومات ملتی ہیں یعنی احادیث اور سلف کے اقوال کے ذریعہ سے، اس کے بعد مرہ اور عبد المطلب کے درمیان چار آباء واجداد باقی رہتے ہیں جن کے مؤمن ہونے کے متعلق کوئی روایت پانے میں ہمیں کامیابی نہیں ہوئی۔ جہاں تک خود عبدالمطلب کا تعلق ہے، ان کے متعلق تین قول ملتے ہیں جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچ سکی اور یہی سب سے زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ ان کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب کہ آنحضرت ﷺ کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ دین ابراہیمی کے پیرو تھے (اس لیے حق پر اور مؤمن تھے) یعنی وہ بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے اور تیسرا قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے ظہور کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ کیا یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور پھر دوبارہ فوت ہو گئے، یہ تیسرا قول سب سے زیادہ کمزور اور ضعیف ہے، جو کسی کمزور حدیث وغیرہ میں نہیں آتا، نہ ہی اس کو ائمہ سنت میں سے کسی نے نقل کیا ہے بلکہ بعض شیعہ حضرات نے اس قول کو ذکر کیا ہے۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ قول کہ ”میں پاک مردوں کے صلبوں سے پاک عورتوں کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا“۔ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت آدمؑ اور

حوا تک آنحضرت ﷺ کے تمام نسبی باپ اور ماؤں میں کوئی بھی کافر نہیں تھا اس لیے کہ کافر کو طاہر اور پاک نہیں کہا جاتا۔ اس قول پر یہ اعتراض ہے کہ ممکن ہے پاکی سے مراد جاہلیت کے نکاحوں کے مقابلے میں (آنحضرت ﷺ کے آباء و اجداد کے شرعی) نکاح مراد ہوں، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، آنحضرت ﷺ کے آباء و اجداد کے اسلام کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے مصنف نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

لم تزل فی ضمائر الکون تختار لک الامھات و آلاباء.

ترجمہ: کائنات کے جگر میں برابر آپ ﷺ کے لیے بہترین مائیں اور بہترین باپ اختیار کئے جاتے رہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ بہترین مائیں اور باپ پسند فرماتا رہا) اس لیے کافر کو یہ نہیں کہا جاتا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔

(اس بحث کے بعد آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کی شادی بنی زہرہ کے خاندان میں حضرت آمنہ سے کئے جانے کے متعلق کہتے ہیں کہ) عبدالمطلب نے بیٹے کی شادی کے لیے بنی زہرہ کا خاندان منتخب کیا، اس کا سبب جو ہے وہ عبدالمطلب کے بیٹے حضرت عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ عبدالمطلب نے کہا! ''ہم سردی کے موسم میں جانے والے تجارتی قافلے کے ساتھ یمن گئے تو ہم یہودیوں کے ایک کاہن کے پاس گئے جو زبور کتاب پڑھ رہا تھا (زبور سے مراد غالباً توریت ہے جو موسیٰؑ پر اتری تھی) اس یہودی نے ہم سے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ میں نے کہا ہم قریش میں سے ہیں، اس نے پوچھا قریش کے کس خاندان سے میں نے کہا بنی ہاشم سے، پھر اس نے کہا تم مجھے اس کی اجازت دو گے کہ میں تمہارے بدن کے کچھ حصے دیکھوں، میں نے کہا کہ ہاں اگر پوشیدہ حصوں کے سوا دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھ سکتے ہو، عبدالمطلب کہتے ہیں اس کے بعد کاہن نے پہلے میری ناک کا ایک نتھنا دیکھا اور اس کے بعد دوسرا دیکھا، پھر اس کے بعد کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تمہارے ایک ہاتھ میں سلطنت ہے اور دوسرے میں نبوت، ہاتھ سے مراد اصل میں نتھنا ہی ہے، اور یہ دونوں چیزیں یعنی سلطنت اور نبوت ہمیں بنی زہرہ کے خاندان (کے ساتھ آپ

کے رشتہ داری پیدا کرنے) میں نظر آ رہی ہیں ، یہ کیسے ہے ، میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں ،اس نے کہا کہ کیا تمہارا اس خاندان سے ناطہ ہے ، میں نے پوچھا ناطے سے کیا مراد ہے ،اس نے کہا بیوی جو ہمدم ہوتی ہے میں نے کہا آج تک تو نہیں ہے یعنی بنی زہرہ میں سے میرے یہاں بیوی نہیں ہے ، یعنی نہ تو یہ تھا کہ جو بیوی تھی اس کے ساتھ دوسری ہوتی اور نہ ایسا تھا کہ ان کی جو بیوی تھی اس کے ساتھ دوسری رہی ہو اور پھر اسے طلاق دے دی ، پھر اس یہودی کاہن نے کہا کہ جب تم شادی کرو تو بنی زہرہ ہی میں کرنا۔

ایسے لوگ جو بدن کے اعضاء اور چہرہ مہرہ دیکھ کر آدمی کے متعلق اپنی ذہانت اور ذکاوت کی بناء پر خبریں دیتے ہیں ان کو عربی میں جزاء کہتے ہیں ۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی نے اپنے شیخ سیدی علی الخواص کے متعلق ذکر کیا ہے کہ وہ آدمی کی ناک دیکھ کر اپنی ذہانت اور فراست کی وجہ سے اس کی اگلی اور پچھلی تمام لغزشیں متعین کر کے بتلا دیا کرتے تھے ، یہاں تک شیخ شعرانی کا کلام ہے۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ ہے کہ حضرت معاویہ ابن ابوسفیانؓ نے ایک عورت سے نکاح کیا ، ابھی وہ اس سے ملے نہیں تھے انہوں نے اپنی پہلی بیوی میسون امّ یزید سے کہا کہ جاؤ اسے دیکھ کر آؤ ، وہ اس عورت کے پاس آئیں اور اسے دیکھ کر واپس اپنے شوہر کے پاس گئیں اور کہا! ’’وہ اتنی حسین وجمیل ہے کہ میں نے اس جیسی دوسری نہیں دیکھی مگر اس کی ناف کے نیچے ایک سیاہ رنگ کا تل ہے ،، یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے شوہر کا سر کاٹا جائے گا اور اس کی گود میں رکھا جائے گا ، یہ سن کر حضرت معاویہؓ نے (اس کو دیکھے بغیر ہی) اسے طلاق دے دی ، اس کے بعد حضرت نعمان ابن بشیرؓ نے اس عورت سے شادی کر لی یہ حمص کے گورنر تھے ، مسئلہ خلافت کے وقت انہوں نے مروان کی مخالفت کی اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ (کی خلافت) کے لیے کوشش کی ۔ اس کے بعد جب ان کی کوشش ناکام ہو گئیں اور حمص والوں نے مروان کی بیعت کر لی تو یہ حمص والوں سے ڈر کر وہاں سے فرار ہو گئے مگر حمص والوں نے ان کا پیچھا کیا (اور آخر انہیں پکڑ کر) ان کا سر کاٹا اور اس کو اسی

عورت کی (جوان کی بیوی ہوگئی تھی) گود میں ڈالا، پھر ان لوگوں نے یہ سر مروان کے پاس بھجوایا۔

ان نعمان ابن بشیر کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے، کیونکہ جب یہ پیدا ہوئے تھے توان کی ... وہ انہیں لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائی تھیں، ہجرت کے بعد انصاریوں میں یہ پہلی پیدائش تھی، غرض ان کی والدہ انہیں لے کر آپ ﷺ کے پاس آئیں، آپ ﷺ نے ایک چھوہارا منگایا اور اسے چبا کر ان کے منہ میں رکھ دیا اس طرح آپ نے ان کی تحنیک کی (تحنیک اسی کو کہتے ہیں کہ چھوہارا چبا کر بچے کے منہ میں رکھا جائے) اس کے بعد بچے کی ماں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ "یارسول اللہ ﷺ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کی اولاد کے مال و دولت میں برکت عطا فرمائے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم اس کو پسند نہیں کرتیں کہ یہ اس طرح زندہ رہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اس طرح مرے کہ شہید کہلائے اور جنت میں داخل ہو جائے" (اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی پیشن گوئی پوری ہوئی کہ انہوں نے شریفانہ زندگی گزاری اور اس کے بعد شہید ہوئے اور انشاء اللہ جنت کے مستحق ہوئے)

یہی نعمان ابن بشیرؓ ہیں جنہوں نے یزید ابن سفیان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اہل بیت (یعنی آنحضرت ﷺ کے گھر والوں اور اولاد) کی عزت کرے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت امام حسینؓ اپنے ساتھیوں، بھتیجوں اور رشتہ داروں کے ساتھ شہید کئے گئے، انہوں نے یزید سے کہا تھا "اگر آنحضرت ﷺ ان کو (یعنی اپنی اولاد کو) اس حالت میں دیکھتے تو جس طرح آپ ﷺ ان کے ساتھ پیش آتے تم بھی ان کے ساتھ اسی طرح پیش آؤ"۔ یہ سن کر یزید کے آنسو جاری ہوگئے اور اس نے اہل بیت کا بہت عزت واحترام کیا اور نعمان کو ان کے ساتھ واپس بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ وہ نہایت عزت و احترام کے ساتھ انہیں لے جائیں۔ حضرت نعمانؓ سے جو روایت نقل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں

نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا! ''شیطان کے بہت سے پھندے اور جال یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غرور کرنا، اللہ کی دین پر فخر کرنا، اللہ کے بندوں پر تکبر کرنا اور اللہ کو ناخوش کرنے والی چیزوں میں اپنے نفس کی پیروی کرنا''

شہر حمص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں آپ ﷺ کے نو سو صحابہؓ آئے ہیں جن میں سے ستر وہ تھے جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی، حیات الحیوان نامی کتاب میں ہے کہ حمص میں بچھو زندہ نہیں رہتے اور اگر باہر سے کوئی بچھو لاکر وہاں چھوڑ دیا جائے تو وہ فوراً ہی مر جاتا ہے، اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس شہر کے طلسم اور جادو کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔ ایک ضعیف حدیث یہ ہے کہ حمص جنت کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ (پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ انسان کے بدن میں کچھ علامتیں اور نشانات دیکھ کر آدمی کے اگلے اور پچھلے حالات بتلانے والے کو حزاء کہتے ہیں اس کو ہم نے کاہن لکھا ہے اسی بارے میں مزید تفصیل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حزا کاہن ہی کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (حزا ایسے شخص کو کہتے ہیں) جو چیزوں کے متعلق اندازے اور تخمینے سے بتلاتا ہے۔

حزاء نجومی کو بھی کہتے ہیں (جو ستاروں کی رفتار سے آئندہ کے حالات معلوم کرتے ہیں) کیونکہ نجومی بھی ستاروں کے ذریعہ اندازے ہی کی بنیاد پر مستقبل کا حال بتلاتا ہے ،جس میں اکثر وہ دھوکہ بھی کھاجاتا ہے (حزاء سے) کاہن اس لیے بھی مراد لیتے ہیں کہ عرب کے جو مشہور فن ہیں ان میں کہانت ہے، عیافہ ہے (یعنی شگون) قیافہ ہے (یعنی چہرہ اور خط وخال دیکھ کر اندازہ کرنا) زجر ہے یہ بھی کہانت اور شگون کی ایک قسم ہے۔ مثلاً کوئی پرندہ داہنی جانب سے اڑتا تو اچھا شگون لیتے اور بائیں جانب سے اڑتا تو برا شگون لیتے تھے) خط یعنی علم رمل ہے (زائچے اور نقشے وغیرہ کھینچ کر آدمی کے متعلق پیشن گوئی کرنا) طب، معرفت انواء ہے (یہ کچھ مخصوص ستارے ہیں جن میں سے جب ایک مغرب میں غروب ہوتا ہے تو دوسرا مشرق میں اسی وقت طلوع ہوتا ہے، نجومیوں کے نزدیک ان ستاروں کی تعداد اٹھائیس ہے، ہر ستارا ایک مہینہ تیرا دن تک رہتا ہے، آخری ستارہ غروب کے ساتھ

سال پورا ہو جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ فن بھی مشہور تھا، اس کے ماہرین کا خیال تھا کہ ان میں سے ایک ستارے کے غروب اور دوسرے کے طلوع کے وقت موسم پر اثر پڑتا ہے یا تو اس وقت بارش آتی ہے یا آندھی چلتی ہے) اور علم ہوا تھا (یعنی علم موسمیات کہ ہواؤں کے رخ اور دباؤ کی بناء پر موسموں کے متعلق پیشن گوئی کرنا)

(اس تفصیل کے بعد اصل واقع کی طرف لوٹتے ہیں کہ یمن میں کاہن سے ملنے اور اس کی پیشن گوئی جاننے کے بعد) جب عبدالمطلب واپس مکے آئے تو انہوں نے ہالہ بنت وہیب ابن عبد مناف سے اپنی شادی کر لی، ان سے ان کے یہاں حضرت حمزہؓ اور حضرت صفیہؓ پیدا ہوئے (ہالہ بنت وہیب بنی زہرہ کے خاندان سے تھیں جہاں شادی کرنے کے متعلق کاہن نے عبدالمطلب کو مشورہ دیا تھا، یہ ہالہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کی چچازاد بہن تھی) پھر عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ بنت وہب سے کی، یہ وہب وہیب کا بھائی تھا، بہر حال حضرت عبداللہ کے یہاں حضرت آمنہ سے رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔ چنانچہ قریش کہا کرتے تھے کہ عبداللہ اپنے باپ سے بھی آگے بڑھ گئے، یعنی حضرت عبداللہ اس عظیم بچے کی پیدائش سے جو سعادت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے وہ ان کے باپ عبدالمطلب کو حاصل نہیں ہو سکی کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت ایسی علامتیں اور برکتیں ظاہر ہوئیں جو کبھی کسی کی ولادت کے موقع پر ظاہر نہیں ہوئی تھیں (یعنی کاہن کی پیشن گوئی کے سبب عبدالمطلب نے بنی زہرہ میں رشتہ قائم کیا اور اپنی بھی اور بیٹے کی بھی وہیں شادی کی تا کہ کاہن نے جو کہا تھا اس کے مطابق سلطنت اور نبوت ظاہر ہو۔ چنانچہ خود عبدالمطلب کے یہاں تو بنی زہرہ کی لڑکی ہالہ سے نبی نہیں پیدا ہوئے، البتہ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ کے یہاں بنی زہرہ کی لڑکی سے سلطنت اور نبوت ظاہر ہوئی اسی لیے قریش نے کہا کہ حضرت عبداللہ اپنے باپ سے بازی لے گئے)۔

ابن محدثؒ نے لکھا ہے کہ عبدالمطلب نے اپنا رشتہ ہالہ بنت وہب سے یعنی

حضرت آمنہ کے چچا کی لڑکی سے اسی مجلس میں کیا جس میں انہوں نے اپنے بیٹے کا رشتہ حضرت آمنہ سے کیا۔ پھر دونوں نے شادی کی اور ولیمہ کیا، اور اس کے بعد دونوں نے اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ ہمبستری کی۔

(مؤلف سیرت حلبیہ کہتے ہیں) پھر میں نے کتاب اسد الغابہ دیکھی تو اس میں بھی اسی کے مطابق تفصیل دیکھی یعنی عبدالمطلب اور حضرت عبداللہ کی شادی ایک ہی مجلس میں ہوئی، کہا جاتا ہے یہاں یہ صراحت ہے کہ اس وقت حضرت عبداللہ پیدا ہو چکے تھے جب یہودی کاہن نے عبدالمطلب سے کہا تھا کہ ان میں نبوت کی علامتیں موجود ہیں، اب اشکال یہ ہے کہ پھر عبدالمطلب میں نبوت کی علامت کیونکر موجود تھی جبکہ وہ حضرت عبداللہ کی پیدائش کے بعد ان میں منتقل ہو چکی تھی کیونکہ نبوت کے آثار ان میں جب تک موجود رہے جب تک کہ نور نبوت ان کی صلب میں رہا، پھر یہ نور عبدالمطلب سے حضرت عبداللہ میں منتقل ہو گیا تھا اور عبدالمطلب میں سے ختم ہو گیا تھا، اس اشکال کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ کہاں سے طے ہو گیا کہ عبدالمطلب کاہن کے پاس جانے سے پہلے ہالہ سے (جو بنی زہرہ میں سے تھیں) شادی کر چکے تھے کہ (اس کے نتیجہ میں) یہ اشکال پیدا ہوا کہ کاہن نے حضرت عبداللہ کے وجود میں آنے کے بعد یہ بات کہی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ کاہن نے یہ بات حضرت عبداللہ کی پیدائش سے پہلے کہی ہو۔ مگر اس میں یہ مشکل ہے کہ یہ جواب جبھی درست ہو سکتا ہے جبکہ حضرت عبداللہ کی والدہ بنی زہرہ میں سے ہی ہوں (کیونکہ اس جواب سے خود بخود یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عبدالمطلب نے کاہن کی پیشن گوئی کے مطابق اس کے پاس سے آنے کے بعد بنی زہرہ میں اپنی شادی کی ہوگی اور اس کے نتیجہ میں حضرت عبداللہ وجود میں آئے ہوں گے، حضرت عبداللہ کی پیدائش عبدالمطلب کے کاہن کے پاس آنے کے بعد ہی ضروری ہے ورنہ نبوت اور سلطنت کی علامتیں کاہن کو عبدالمطلب میں نظر نہ آتیں اس لیے کہ یہ علامتیں اور نور عبدالمطلب کی بیوی کے حضرت عبداللہ سے حاملہ ہونے کے ساتھ ہی عبدالمطلب میں سے نکل گئی تھیں اور یہ نور حضرت عبداللہ کی والدہ کے پاک رحم میں منتقل ہو

گیا تھا) اس دوسرے اشکال کا یہی جواب ہو سکتا ہے کہ یوں کہا جائے کہ ممکن ہے حضرت عبداللہ بنی زہرہ میں سے ہی ہوں (مگر اسی صورت میں کہ) ممکن ہے عبدالمطلب نے ہالہ کے سوا بھی بنی زہرہ کی کسی دوسری لڑکی سے شادی کی ہو اور حضرت عبداللہ ان سے پیدا ہوئے ہوں (کیونکہ جیسا کہ روایات ظاہر کرتی ہیں ہالہ حضرت عبداللہ کی والدہ نہیں تھیں)۔

پھر کاہن کا عبدالمطلب سے یہ کہنا بھی اشکال پیدا کر سکتا ہے کہ میں تمہارے ایک ہاتھ میں سلطنت دیکھ رہا ہوں جس بنی زہرہ سے (رشتہ پیدا کرنے کے بعد) ملتی ہے۔ کیونکہ عبدالمطلب کی اولاد میں سلطنت صرف ان کے ایک بیٹے حضرت عباسؓ کی اولاد میں ہوئی (مراد ہے خلافت عباسیہ جس میں ہارون رشید اور مامون رشید جیسے زبردست بادشاہ پیدا ہوئے) اور اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت عباسؓ کی والدہ بنی زہرہ میں سے تھیں (حالانکہ حضرت عباس کی والدہ بنی زہرہ میں سے نہیں تھیں) ہالہ جو حضرت حمزہؓ کی والدہ تھیں بنی زہرہ میں سے تھیں یا ان کے علاوہ کوئی دوسری عورت رہی ہوں اور حضرت عباسؓ کی والدہ بنی زہرہ میں سے نہ ہوں اگرچہ اس کے برخلاف بعض مؤرخین نے یہ کہا ہے کہ حضرت عباسؓ کی والدہ بھی ہالہ ہی تھیں اور حضرت عباسؓ حضرت حمزہؓ کے سگے بھائی تھے مگر یہ بات مؤرخین کے مشہور قول کے خلاف ہے۔

ہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے نبوت اور سلطنت سے کاہن کی مراد آنحضرت ﷺ کی نبوت اور سلطنت ہو، اس لیے کہ آپ ﷺ کو ان دونوں چیزوں یعنی نبوت کے ساتھ سلطنت بھی دی گئی تھی جو آپ ﷺ کی طرف آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ سے منتقل ہوئی تھیں کیونکہ حضرت عبداللہ کی والدہ بنی زہرہ کے خاندان سے تھیں (اس طرح گویا وہ اشکال دور ہو جائے گا کہ کاہن نے بنی زہرہ سے رشتہ قائم کرنے کی صورت میں جس نبوت اور سلطنت کی پیشن گوئی کی تھی وہ عبدالمطلب کی اولاد میں صرف حضرت عباسؓ کی اولاد میں ہوئی حالانکہ حضرت عباسؓ کی ماں بنی زہرہ میں سے نہیں تھی چنانچہ اگر نبوت کے ساتھ سلطنت سے مراد بنی عباسؓ کی سلطنت یعنی خلافت عباسیہ مراد نہ لی جائے بلکہ خود آنحضرت

ﷺ ہی کی سلطنت و بادشاہی بھی مراد لی جائے تو یہ اعتراض پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ دین اور دنیا دونوں کے بادشاہ تھے)۔

اس کے بعد غالباً بعض مؤرخین کا یہ قول بھی غلط نہیں رہتا کہ! عبدالمطلب نے فاطمہ بنت عمرو سے شادی کی، سواونٹ اور سو طل سونا مہر باندھا گیا اور اس فاطمہ سے ان کے یہاں ابوطالب اور حضرت عبداللہ یعنی آپ ﷺ کے والد پیدا ہوئے۔

اس قول کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ فاطمہ بنت عمرو بنی زہرہ میں سے ہوں، اب یہ بات بھی غلط نہیں رہتی کہ کاہن نے یہ پوچھنے کے بعد کہ کیا تمہاری کوئی بیوی بنی زہرہ میں سے ہے، عبدالمطلب سے کہا کہ تم جب شادی کرو تو بنی زہرہ میں کرنا۔

عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کے لیے بنی زہرہ میں حضرت آمنہ ہی کو کیوں منتخب کیا اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک کاہنہ عورت تھی جس کا نام سودہ بنت زمعہ تھا، یہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کے والد وہب کی پھوپھی تھی، اس عورت کا قصہ یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوئی تو اس کے باپ نے دیکھا کہ اس کا رنگ نیلگوں سیاہ ہے (یعنی بہت زیادہ اور چمک دار حد تک کالی تھی) ایسی لڑکیوں کو قریش کے لوگ (زمانہ جاہلیت میں) زندہ دفن کر دیا کرتے تھے اور جو اس قسم کی نہیں ہوتی تھی اس کو زندہ تو رہنے دیتے تھے مگر بہت ذلیل اور نیچ بنا کر رکھتے تھے اس لیے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے یہ لوگ یا تو عار اور شرم کی وجہ سے ایسا کرتے تھے اور یا غریبی اور فقر و فاقہ کی وجہ سے، ان کو زندہ دفن کر دیتے تھے، ان میں خاص طور پر قبیلہ کندہ کے لوگ تھے جو عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا (مگر ایسے لوگوں کے درمیان) ایک شخص عمرو ابن نفیل تھا جو ایسی لڑکیوں کو بچا لیا کرتا تھا جنہیں لوگ تنگ دستی کے خوف کی وجہ سے زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے، کوئی شخص لڑکی کو دفن کرنا چاہتا تو وہ اس سے کہتا کہ ایسا مت کرو (بلکہ لڑکی کو مجھے دے دو) میں اس کی پرورش کرونگا، اس کے بعد وہ بچی کو لے جاتا (اور اس کو اپنے خرچہ پر پالتا) جب وہ بڑی ہو جاتی تو عمرو بچی کے باپ کے پاس جا کر کہتا کہ (اب تمہاری بچی بڑی ہو گئی ہے) اگر تم چاہو

تو اس کو واپس لے سکتے ہو اور اگر (اب بھی لینا) نہیں چاہتے تو میں اس کی پرورش و پرداخت کا ذمہ دار ہوں گا۔ اسی طرح مشہور شاعر فرزدق کا دادا بھی ایسی لڑکیوں کی جان بچالیا کرتا تھا۔

(بہر حال سودہ بنت زمعہ پیدائش کے وقت چونکہ بہت زیادہ سیاہ رنگ کی تھی اور ایسی لڑکیوں کو عرب زندہ دفن کر دیا کرتے تھے) اس لیے اس کے باپ نے سودہ کو دفن کر دینے کا حکم دیا اور اس کو حجون کے مقام پر بھیج دیا تا کہ وہاں اس کو دبا دیا جائے۔ مگر جب گورکن نے گڑھا کھود کر اس کو دفن کرنا چاہا تو اسے ایک آواز آئی! ''بچی کو دفن مت کر و اس کو جنگل میں چھوڑ دو''

گورکن نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی مگر کوئی شخص نظر نہیں آیا اس نے پھر اس کو دفن کرنا چاہا تو دوبارہ اس کو کسی شخص کی آواز آئی جو دوسرے لفظوں میں یہی بات کہہ رہا تھا، اب اس نے لڑکی کو دفن کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اس کے باپ کے پاس جا کر اسے سارا ماجرا سنایا، باپ نے یہ سب سن کر کہا کہ اس بچی میں کوئی بات ہے (اس لیے اس کو زندہ رہنے دینا چاہئے) چنانچہ اس نے بچی کو رکھ لیا، بڑی ہو کر یہی بچی قریش کی کاہنہ بنی۔ ایک دن اس نے خاندان بنی زہرہ سے کہا!

''تم میں کوئی عورت یا تو نذیرہ ہے اور یا اس کے پیٹ سے کوئی نذیر پیدا ہو گا، تم لوگ اپنی لڑکیوں کو میرے سامنے پیش کرو'' (نذیر اور نذیرہ سے مراد ہے ایسی عورت یا ایسا مرد جو لوگوں کو خدا کے خوف سے ڈرائے، دوسرے لفظوں میں گویا نیک کاموں کی تبلیغ کرے، اور بُرے کاموں کے انجام سے ڈرائے چنانچہ انبیاء کو بھی نذیر کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا تھا وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ۔ یعنی سب سے پہلے اپنے خاندان کے قریبی رشتہ داروں کو خدا کے خوف سے ڈراؤ۔ اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نذیر ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ خاندان بنی زہرہ میں سے تھیں۔ اس لیے سودہ بنت زمعہ یعنی اس کاہنہ نے خاندان کے

لوگوں میں صرف اس شرف کی علامتیں دیکھیں اور اپنے علم سے معلوم کر لیا کہ اس خاندان میں یا تو کوئی عورت نبی ہے اور یا کسی نبی کو جنم دے گی، پھر اس نے چاہا کہ اس خاندان کی تمام لڑکیوں کو ایک نظر دیکھے تا کہ معلوم ہو سکے کہ نبوت کی یہ علامتیں کس میں پائی جاتی ہیں، چنانچہ بنی زہرہ کی تمام لڑکیاں سودہ کے سامنے پیش کی گئیں، وہ ہر لڑکی کو دیکھ کر اس کے متعلق کوئی نہ کوئی پیشن گوئی کرتی رہی جو کچھ عرصے کے بعد پوری ہوئی، آخر جب حضرت آمنہ بنت وہب اس کے سامنے پیش ہوئیں تو وہ فوراً بول اُٹھی۔

''یہی ہے وہ جو یا تو خود نذیرہ (یعنی نبیہ) ہے۔ اور یا اس کے پیٹ سے کوئی نذیر (یعنی نبی) پیدا گا، اس کی ایک خاص شان ہے اور اس میں بڑی صاف علامتیں موجود ہیں''۔

چنانچہ کاہنہ کے اس واقعہ سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ عبدالمطلب نے بنی زہرہ میں سے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کے لیے حضرت آمنہ کو کیوں انتخاب کیا۔ اب خود عبدالمطلب نے اپنی شادی کے لیے جو بنی زہرہ کی لڑکی انتخاب کی، اس کا سبب یمن کے اس کاہن کی پیشن گوئی ہے جس کا واقعہ گزر چکا ہے، مگر یہ اسی صورت میں ہے کہ حضرت عبداللہ کی والدہ کو بھی بنی زہرہ میں سے ہی تسلیم کیا جائے۔ مگر سیرت شمس شامی نے یہ لکھا ہے کہ یمنی کاہن کی پیشن گوئی کی بناء پر عبدالمطلب نے (اپنے لیے نہیں بلکہ) اپنے بیٹے عبداللہ کے لیے بنی زہرہ کی لڑکی پسند کی تھی۔ مگر علامہ شامیؒ کی اس رائے کو قبول کرنے میں بہت واضح اشکال ہے کیونکہ اگر اس کو مان لیا جائے تو پھر کاہن کے اس قول کا جوڑ کا ہے سے لگے گا جو اس نے عبدالمطلب سے کہا تھا کہ تم جب شادی کرو تو بنی زہرہ میں کرنا، ادھر اس سے پہلے وہ عبدالمطلب سے یہ بات پوچھ چکا تھا کہ کیا تمہاری بیوی بنی زہرہ میں سے ہے۔ اس کے بعد ہم نے کتاب تنویر کا مطالعہ کیا جس میں ابن دحیہؒ نے برقی کا قول نقل کیا ہے:۔ حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ سے شادی کا سبب یہ ہوا کہ عبدالمطلب (تجارتی سلسلے میں) یمن جایا کرتے تھے اور وہاں یمن کے ایک معزز آدمی کے یہاں ٹھہرا کرتے تھے

،ایک مرتبہ وہ وہاں گئے اور اس کے یہاں ٹھہرے تو دیکھا کہ میزبان کے پاس ایک عالم آدمی بیٹھا ہوا ہے (اس عالم نے عبدالمطلب کو دیکھا تو اسے ان نبوت کی علامتیں نظر آئیں) اس نے عبدالمطلب سے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ (کی ناک) کا نتھنا دیکھوں۔ عبدالمطلب نے کہا کوئی حرج نہیں لیجئے۔ اس نے (نتھنا دیکھ کر) کہا کہ میں آپ میں نبوت اور سلطنت دیکھ رہا ہوں اور یہ دونوں چیزیں مجھے دونوں منافوں (یعنی مناف نامی آدمیوں) کے خاندانوں میں نظر آرہی ہیں، یعنی عبدمناف ابن قصیٰ اور عبدمناف ابن زہرہ (یعنی یہ نبوت اور سلطنت دو خاندانوں کے آپس میں رشتہ داری پیدا کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہوگی ایک عبدمناف ابن قصیٰ کا خاندان یعنی خود عبدالمطلب کا خاندان کیونکہ یہ عبد مناف ابن قصیٰ کے پوتے ہیں اور دوسرے عبدمناف ابن زہرہ کا خاندان یعنی حضرت آمنہ کا گھرانہ)۔

عبدالمطلب جب یمن سے واپس آئے تو اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنے ساتھ لے کر بنی زہرہ گئے، انہوں نے اپنی شادی تو ہالہ بنت وہیب سے کی جس سے ان کے یہاں حمزہؓ پیدا ہوئے اور اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب سے کی جن سے رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔ برقی کی یہ مذکورہ بالا روایت بالکل صاف ہے کیونکہ اس میں اس عالم وکاہن کا یہ قول نہیں ذکر کیا گیا کہ کیا تمہاری کوئی بیوی بنی زہرہ میں سے ہے وغیرہ وغیرہ، چنانچہ عبدالمطلب نے اس بارے میں اتنی احتیاط برتی کہ خود بھی بنی زہرہ میں شادی کی اور اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی بھی اس خاندان میں کی۔ مگر اس کے ساتھ ہی علامہ برقی کے لیے زیادہ مناسب یہ تھا کہ وہ صرف یہ کہنے کے بجائے کہ عبداللہ کی آمنہ سے شادی کا سبب یہ تھا یوں کہتے کہ عبداللہ سے آمنہ کی شادی اور ہالہ سے عبدالمطلب کی شادی کا سبب یہ تھا (کیونکہ سبب بیان کیا جارہا ہے صرف عبداللہ کی آمنہ سے شادی کا حالانکہ اسی سبب کے تحت روایت میں حضرت عبداللہ کے ساتھ خود عبدالمطلب کے بھی اسی خاندان میں شادی کرنے کا تذکرہ ہے جو ظاہر ہے کہ اسی یہودی عالم کی پیشنگوئی کی بنیاد پر کی گئی تھی)۔

نوٹ...... (یہاں تک کی تمام تفصیل سیرت حلبیہ جلد اول سے لی گی ہے اگرچہ آسان اور سہل کرنے کے لئے کافی ردّوبدل سے بھی کام لیا گیا ہے، مزید تفصیل جاننے کے لیے اصل کتاب سے رجوع کیا جاسکتا ہے)۔

رسول اکرم ﷺ کا شجرہ نسب عدنان تک

رسول اکرم ﷺ کے شجرہ نسب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے چنانچہ پہلا حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عدنان تک ہے اور اس کی بابت حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ المعروف بابن عبدالبر النمری القرطبی نے کتاب الاستیعاب میں تحریر کیا ہے: **ھذا مالم یختلف فیہ احد من الناس** (اس شجرے میں کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں) آباء الکرام کے ساتھ میں نے تلاش کی کہ امہات العظام کے مبارک نام بھی مل جائیں تو بہتر ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضرت عبداللہ سے لے کر عدنان تک برابر سب کے نام مل گئے اور مزید برآں یہ بھی ہوا کہ ان اُمہات کے آباء اور قبائل کا پتہ بھی لگ گیا، مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا نام ملا، تو سیدہ آمنہ کے والد کا نام بھی مع ان کے سلسلہ نسب کے اور اُن کی والدہ کا نام مع ان کے سلسلہ نسب کے مل گیا۔ اس تمام سلسلے پر نظر ڈالو شاید دنیا میں کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کا بھی سلسلہ خاندانی اس وضاحت کے ساتھ اوراق تاریخ میں دستیاب نہ ہو سکے گا، پھر ہر ایک سلسلہ میں نسب کی رفعت شان پر نظر ڈالو کہ ددھیال درددھیال اور ننھیال درننھیال میں بھی کسی ایک جگہ دھبہ یا خمود نہ ملے گا، یہ شرف صرف اسی کو حاصل ہوسکتا ہے جسے ازل الآزال میں قدرت ربانیہ نے عالمین پر ممتاز فرمایا اور آدمؑ سے لے کر ذاتِ گرامی تک ہر ایک نسل کی حفاظت خود فرمائی ہو۔ چنانچہ ذیل میں آپؐ سے لیکر عدنان تک کا شجرہ نسب مع اُمہات العظام ملاحظہ فرمایئے۔

آباء العظام

عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصیؔ بن کلاب بن مُرہ بن کعب

بن لُوَی بن غالب بن فہر الملقب بہ قریش بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

اُمہات العظام

آمنہ بنت فاطمہ بنت سلمیٰ بنت عاتکہ بنت حُبیٰ بنت فاطمہ بنت ہند بنت مخشیہ بنت ماویہ بنت عاتکہ بنت لیلیٰ بنت جندلہ بنت عکرشہ بنت برّہ بنت حوانہ ہند بنت سلمیٰ بنت لیلیٰ (خندف) بنت رباب بنت سودہ بنت معانہ بنت مہدد۔

رسول اکرم ﷺ کا شجرہ نسب حضرت اسماعیلؑ تک

اورنسب نامہ گرامی حصہ دوم وہ ہے جو معد بن عدنان سے اوپر آتا ہے۔ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اس حصہ کا اندراج اس تفصیل کے ساتھ جیسا کہ ہم تحت میں تحریر کریں گے، اپنی کتابوں میں نہیں کرتے کیونکہ ان اصول کے مطابق جو صحیح روایات کے متعلق انہوں نے اختیار فرمائے ہیں، اس حصہ کا روایت کرنا دشوار ہے۔

ان بزرگوں کا یہ نہایت ورع وتقویٰ ہے بایں ہمہ جملہ محدثین اس سلسلے کے خاص خاص مشاہیر کے آٹھ نو نام لے کر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ نسب گرامی حضرات اسمٰعیل علیہ السلام تک منتہی ہوجاتا ہے، یہ طریق کہ سلسلہ نسب میں خاص خاص مشاہیر کا نام لے کر اختصار سے کام لیا جائے، بنی اسرائیل میں بھی مروج تھا، انجیل متیٰ کو دیکھو وہ لکھتے ہیں یسوع مسیحؑ ابن داؤدؑ وابرہیمؑ میں ۱۲ پشتیں دانستہ اختصار کے لیے چھوڑ دی ہیں۔

لیکن صاحبِ رحمۃ العالمین اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں کہ حصہ دوم کے شامل کتاب کرنے کی جرأت مجھے اس لیے ہوئی کہ **كَذَبَ النَّسَّابُونَ ما فَوْقَ العَدْنَان** کا قطعی صحت تک پہنچ جانا مجھ پر مخفی رہا اور میں نے دیکھا کہ اکثر علماء نے جو تاریخ اور حدیث میں امام تسلیم ہوئے ہیں، اس حصہ کو بیان کیا: **سبائک الذهب للسويدی صفحه ۱۹ میں ہے قد اختلف فی كراهة رفع النسب من عدنان الیٰ آدم فذهب ابن اسحاق و ابن**

جریر و غیرہ الیٰ جوازہ و علیہ البخاری و غیرہ من العلماء.

ترجمہ:عدنان سے اوپر تک نسب بیان کرنے کی کراہت میں اختلاف ہے،ابن اسحاق اور ابن جریر کے نزدیک جائز ہے۔اور بخاری وغیرہ کا مذھب بھی یہی ہے۔

کتاب رحلۃ الشافعی مصنفہ جلال الدین الیسوطی میں امام شافعیؒ اور ہارون الرشید کے مکالمہ کے ذکر میں ہے۔**فقال لی ابن لی عن نفسک قال الشافعی فلقیت حتی الحقت آدم علیہ السلام بالطین.**

ترجمہ:۔ہارون رشید نے کہا تم اپنی بات بتاؤ میں نے نسب بیان کرنا شروع کر دیا حتی کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے جا ملایا۔ان حوالجات کے بعد میں نے اس حصہ کا لکھنا ترک کر دینے سے بہتر سمجھا۔میں نے اول اول یہ حصہ ڈاکٹر سر سید احمد خان صاحب کی کتاب خطبات احمد یہ میں دیکھا تھا۔سر سیدؒ نے اس جگہ کسی کا پتہ نہیں لکھا،انہوں نے ارمیا کاتب بر خیا علیہ السلام اور الجیرا کے نسب نامہ کا ذکر فرمایا تھا،میں نہ سمجھ سکا کہ سر سیدؒ یہ سب باتیں کہاں سے لکھ رہے ہیں،اس کے بعد مجھے ابوالفداء میں ارمیا اور الجیرا کا ذکر ملا اور پھر امام طبری کی کتاب میں ایک روایت کلبی کی ملی جس کی بابت امام طبری نے لکھا ہے کہ یہ روایت ارمیا کے نسب نامے سے متوافق ہے،صرف کہیں کہیں اختلاف السنہ کی وجہ سے اختلاف لہجہ کا فرق پڑ گیا ہے۔دوسری روایت خود امام طبری کی ہے جسے انہوں نے ایک عرب نسب دان سے لیا ہے۔پھر مجھے امام ابن سعد کی کتاب طبقات الکبیر میں بھی یہی حصہ مل گیا،مجھے ان کتابوں سے مطابقت کرنے کے بعد سر سید کے نسب نامے میں لکھے ہوئے چند نام عدنان دوم۔ادو دوم۔الیسع ہمیسع دوم سلامان دوم۔ثابت،حمل،معد اول نہیں ملے،معلوم نہیں سر سید نے ان کا کس کتاب کے حوالہ سے اضافہ فرمایا ہے،میں نے وہی نام لکھے ہیں جو بالاتفاق متعدد روایات میں بیان ہوئے تھے۔چنانچہ اس تمہید کے بعد اب معد بن عدنان سے آگے والا نسب نامہ ملاحظہ فرمائیے:۔

ادو بن ہمیسع بن سلامان بن عوص بن بوز بن قموال بن اُبی بن عوام بن ناشد بن حزا

بن بلداس بن یدلاف بن طابخ بن جاحم بن ماخی بن عیضی بن عبقر بن عبید بن الدعا بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یلحن بن ارعوے بن عیضی بن دیشان بن عیصر بن اقناد بن ایہام بن مقصر بن ناحث بن زارح بن سمی بن مزی بن عوض بن عرام بن قیدار۔

رسول اکرم ﷺ کا سلسلہ نسب حضرت آدمؑ تک

نسب نامہ گرامی کا حصہ سوم جو اسمٰعیل علیہ السلام سے شروع اور ابو البشر آدم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے، تورات موجودہ سے لیا گیا ہے۔ اسماء کے اعراب عربی زبان کی توراۃ متشکل سے لئے گئے ہیں، لیکن توراۃ میں یہ بھی ہے کہ فلاں عمر میں فلاں شخص کے پسر پیدا ہوا، اس میں کئی اشکال ہیں، حصہ سوم کے نام تو صحیح ہیں البتہ دیگر معلومات بعض جگہ مشکوک ہیں۔ چونکہ نسب نامہ میں صحت اسماء ہی زیادہ تر درکار ہوتی ہے، اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ نسب نامہ گرامی کا یہ حصہ بھی بالکل صحیح ہے۔

حصہ سوم...... اسمٰعیلؑ بن ابرہیمؑ بن تارہ (آذر) بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالج بن عابر بن ارفلشاد بن سام بن نوحؑ بن لامک بن متوشالح بن اخنوع ادریسؑ بن یارد بن مہلہل ایل بن قینان بن آنوش بن شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام (بحوالہ رحمۃ العالمین جلد دوم ص ۴۳)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

چنانچہ اس تمام تفصیل کے بعد ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ کا شجرہ نسب مکمل محفوظ ہے اور کہیں بھی کسی قسم کا کوئی جھول نظر نہیں آتا، بے شک اس خصوصیت کا مظہر صرف اور صرف آپ ﷺ ہی کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اس عظیم نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

خصوصیت نمبر ۹

رسولِ اکرم ﷺ کے بعض اعضاء مبارک کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ نویں خصوصیت شروع کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کے اعضاء مبارک کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا" اور بات آگے بڑھانے سے قبل یہاں بھی واضح کرتا چلوں کہ بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے عین روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی، بے شک یہ میرے لئے ایک بہت بڑی سعادت ہے جسکے لئے میں اپنے اللہ کا دل سے شکر گزار ہوں۔

بہرحال! اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول ﷺ کو دیگر خصوصیات کی طرح یہ بھی ایک عظیم خصوصیت عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کے محبوب اعضاء مبارک کو اپنی محبوب کتاب میں بیان فرمایا، جبکہ دیگر انبیاءؑ کے اعضاء کے ذکر کو اللہ نے اپنی آسمانی کتابوں میں بیان نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا مظہر بھی صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ ہی ہیں، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے، اگرچہ ہم نے مختصراً مختصراً ان آیات ہی کو لکھا ہے کہ جن میں آپ ﷺ کا ذکر آیا ہے، تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، کیونکہ ہمارا مقصد صرف ان آیات کی نشاندہی کرنا ہے کہ جن میں آپ ﷺ کے اعضاء مبارک کا تذکرہ ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کے مطالعے سے بھی ہمارے ایمان میں اضافہ ہوگا، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی سچی محبت نصیب فرمائے، اور حضور ﷺ کی تمام

تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمائیے:۔

نویں خصوصیت کی وضاحت قرآنِ کریم کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور ﷺ کے اکثر اعضاء مبارک کا ذکر کیا ہے جس میں حق جل جلالہ کی کمال محبت وعنایت پائی جاتی ہے۔

قلب مبارک سے متعلق فرمایا: ﴿ما کَذَبَ الفؤٗ ادُمارای.﴾ (نجم۔ع۱)

ترجمہ:...... "جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو دیکھا۔"

اورمزید فرمایا: ﴿نزل بہِ الرُّوحُ الاَمینُ علٰی قلبِکَ.﴾ (شعراء۔ع۱۱)

ترجمہ:...... "لیکر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر۔"

اور بولنے سے متعلق فرمایا کہ: ﴿وَمَا یَنْطِقُ عنِ الْھویٰ.﴾ (نجم۔شروع)

ترجمہ:...... "اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے۔"

زبان مبارک سے متعلق فرمایا: ﴿فانما یسّرْنٰہُ بِلِسانکَ.﴾ (دخان۔ع۳)

ترجمہ:...... "پس یہ قرآن آسان کیا ہم نے اس کو تیری زبان میں۔"

چشم مبارک سے متعلق فرمایا: ﴿مازاغَ البَصرُ وما طَغیٰ.﴾ (نجم۔ع۱)

ترجمہ:...... "نہیں بہکی نگاہ اور نہ ہی حد سے بڑھی۔"

چہرہ مبارک سے متعلق فرمایا: ﴿قَدْ نریٰ تقلُّبَ وَجْھِکَ فِی السَّمآءِ﴾ (بقرہ۔ع۱۷)

ترجمہ:...... "بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف۔"

ہاتھ اور گردن مبارک سے متعلق فرمایا:

﴿ولا تجعلُ یَدَکَ مَغْلُولَۃً اِلٰی عُنُقِکَ.﴾ (بنی اسرائیل۔ع۳)

ترجمہ:...... "اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ۔"

سینہ اور پشت مبارک سے متعلق فرمایا:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ. وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ. الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ.﴾ (الم نشرح۔شروع)

ترجمہ:...... ''کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ اور اتار رکھا تجھ پر سے تیرا بوجھ جس نے جھکا دی تھی پیٹھ تیری۔''

علامہ عبدالرؤف مناویؒ نے بھی لکھا ہے کہ جہاں آپ ﷺ کی بے شمار خصوصیات ہیں ان میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ ﷺ کے اعضاء مبارک کا الگ الگ ذکر فرمایا۔

☆ چنانچہ چہرہ کے متعلق فرمایا۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ اور فَوَلِّ وَجْهَکَ ان دونوں آیتوں میں وجہ یعنی چہرہ کا ذکر ہے۔

☆ اور آنکھ کے متعلق فرمایا و لا تمدنّ عینک اور و لا تعد عینک ان دونوں آیتوں میں عین یعنی آنکھ کا ذکر فرمایا۔

☆ اور زبان مبارک کے متعلق فرمایا۔ لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ اور فَاِنَّمَا یَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِکَ ان دونوں آیتوں میں لسان یعنی زبان مبارک کا ذکر فرمایا۔

☆ اور ہاتھ اور گردن کے متعلق فرمایا۔ لَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِکَ اس آیت کریمہ میں ید ہاتھ اور عنق یعنی گردن مبارک کا ذکر فرمایا۔

☆ اور سینہ اور پشت مبارک کے متعلق فرمایا اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ. وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ اس آیت کریمہ میں صدر یعنی سینہ اور ظهر یعنی پشت کا ذکر فرمایا۔

☆ اور قلب کے متعلق فرمایا۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ اس آیت کریمہ میں قلب یعنی دل کا ذکر ہے۔ (مناوی علی ہامش جمع الوسائل ص ۴۵)

خصوصیت نمبر ۱۰

رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت تمام انبیاء اور تمام امتوں کے لئے بھی ہے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ دسویں خصوصیت پیش کی جارہی ہے، جس کا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت تمام انبیاء اور تمام امتوں کے لئے بھی ہے" الحمدللہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اسی کا فضل ہے۔لہٰذا اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں کہ جس ذات نے ریاض الجنۃ میں بٹھا کر اپنے محبوب ﷺ کی خصوصیت سے متعلق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے پیارے نبی ﷺ کی تمام خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے، کہ ہمارے نبی ﷺ کی رسالت تمام انبیاء اور تمام امتوں کے لئے بھی ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس کی وضاحت کی گئی ہے، کہ بے شک ہر نبی اپنی اپنی امت کے لئے مبعوث ہوا لیکن ہمارے نبی ﷺ تمام امتوں حتیٰ کہ خود انبیاء کرام کے لئے بھی مبعوث ہوئے، چنانچہ معلوم ہوا کہ اس خصوصیت میں آپ ﷺ کے ساتھ اور کوئی بھی شریک نہیں، صرف اور صرف یہ آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے، امید ہے انشاء اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کے مطالعے سے بھی آپ کے ایمان میں اضافہ ہوگا اور آپ ﷺ کی محبت کو جلا ملے گی انشاء اللہ، تو لیجئے اب تمہیدی بات کو ختم کیا جاتا ہے اور اصل خصوصیت کو شروع کیا جارہا ہے ملاحظہ فرمائیے:۔

دسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

ایک حدیث میں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ۔ "ہم دنیا والوں کے لحاظ سے آخری

(امت) ہیں مگر قیامت میں ہم سب سے پہلے لوگ ہوں گے کہ تمام مخلوق سے پہلے ہمارا حساب کتاب کیا جائے گا۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: ہم آخری امت ہیں لیکن ہمارا حساب کتاب سب سے پہلے ہوگا، دوسری تمام امتیں ہمارے لئے راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہو جائیں گی اور ہم پاکیزگی اور طہارت کے اثر سے بڑی آسانی سے وہاں سے گزریں گے۔

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ وضو کی برکت اور اثر سے ہم وہاں سے سہولت سے گزر جائیں گے تب دوسری امتیں کہیں گی۔ یہ ساری کی ساری امت تو ایسی ہے جیسے سب نبی ہوں۔"

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ۔ ہم سجدوں کے اثر سے روشن اور وضو کے اثر سے جگمگاتے ہوئے چہرے لئے وہاں سے بڑھتے جائیں گے۔"

ایک روایت میں ہے کہ مجھے دوسرے تمام نبیوں پر چھ فضیلتیں دی گئی ہیں۔ یہاں چھ فضیلتوں کا ذکر آیا ہے جب کہ ایک حدیث میں پانچ کا ذکر ہوا ہے۔ اس فرق کی وجہ سے کوئی شبہ نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے کہ جس وقت آپ ﷺ نے پانچ کا ذکر فرمایا اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ فضیلتوں کے متعلق ہی بتلایا ہو اور بعد میں باقی خصوصیتوں کی اطلاع دی ہو۔ غرض اس کے بعد آپ ﷺ نے ان چھ فضیلتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: "مجھے گفتار کی فصاحت دی گئی، دوسروں پر میرا رعب دیا گیا۔ میرے لئے یعنی میری امت کے لئے مال غنیمت کو حلال کیا گیا۔ میرے لئے تمام زمین کو پاک اور مسجد بنایا گیا، مجھے تمام کی تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ یہاں مخلوق میں جنات، فرشتے، حیوانات، نباتات اور جمادات سب شامل ہیں۔

(نوٹ)......ان تمام خصوصیات کی تفصیل اپنی اپنی جگہ پر آئے گی، انشاء اللہ۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کہتے ہیں کہ جہاں تک آپ کے فرشتوں کے لئے رسول ہونے کا تعلق ہے میں نے اپنی کتاب خصائص میں اس قول کو ترجیح دی ہے۔ مجھ سے پہلے

اس قول کو شیخ تقی الدین سبکیؒ بھی قبول کر چکے ہیں۔ نیز انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وقت سے لیکر قیامت تک تمام مخلوق آپ ﷺ کے نبی ہیں یہاں تک کہ پچھلے نبیوں اور امتوں کے لئے بھی آپ ﷺ رسول ہیں۔ اسی قول کو علامہ باذری نے بھی قبول کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ کی رسالت تمام حیوانات اور جمادات یعنی اینٹ پتھر تک کے لئے ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے کہا ہے کہ آپ خود اپنی ذات کے لئے بھی رسول تھے۔

بہرحال یہ بات تو ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت تمام گذشتہ نبیوں اور ان کی امتوں تک کے لئے ہے کیونکہ یہ بات تسلیم کی گئی کی آپ کا وجود ان نبیوں کے زمانوں میں بھی تھا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام نبیوں اور ان کی امتوں سے اس بات کا عہد لیا تھا کہ وہ اپنی اپنی نبوت اور اپنی امت کے پیغمبر رہنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ پر اور آپ کی حمایت ونصرت پر ایمان لائیں، لہٰذا آپ کی نبوت عام بھی تھی اور سب کو شامل بھی تھی۔ اسی طرح آپ کی شریعت ان امتوں کی نسبت سے اور ان کے نبی جو شریعت لے کر آئے تھے ان کی نسبت سے ان زمانوں میں بھی موجود تھی کیونکہ احکام اور شریعتیں اشخاص اور اوقات کے فرق سے بدلتی رہتی ہیں۔ یہ قول علامہ سبکیؒ کا ہے لہٰذا تمام نبی اور ان کی امتیں بھی آنحضرت ﷺ کی امت میں سے ہی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا تھا۔ "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔" اس حدیث کو احمد وغیرہ نے عبداللہ ابن ثابت سے نقل کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ "یارسول اللہ میں بنی قریظہ کے بھائی کے پاس سے گزرا (بنی قریظہ مدینے میں یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا) اس نے تورات کے کچھ حصے لکھ کر مجھے دیئے، کیا میں وہ حصے آپ کو پیش کروں؟" یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "ہم اللہ تعالیٰ کو پروردگار بنا کر اور اسلام کو اپنا دین بنا

کر اور محمد ﷺ کو اپنا رسول بنا کر راضی ہیں۔" اس پر آپ کے چہرے سے ناگواری کے آثار دور ہو گئے اور پھر آپ نے فرمایا۔ "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر آج تمہارے پاس موسیٰ آئیں اور تم ان کی پیروی کرنے لگو تو تم گمراہ ہو گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ تم میرا حق ہو اور میں تمام نبیوں میں تمہارا حق ہوں۔"

کتاب نہر میں ابو حیان سے حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق ایک روایت ہے (یہ عبداللہ بن سلام مدینے کے ایک بہت بڑے یہودی تھے جو ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔ ان کے متعلق روایت ہے کہ) ایک دفعہ ان عبداللہ بن سلام نے آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگی کہ یوم سبت میں (جو یہودیوں کا تہوار ہے) وہ رات کو عبادت کرنا چاہتے اور نماز میں تورات کی آیتیں تلاوت کرنا چاہتے ہیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔

گذشتہ تمام نبی اور ان کی امتیں آنحضرت ﷺ کی امت میں شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب باعتبار آنحضرت ﷺ کی دعوت اور پیغام کے آپ کے امتی ہیں، اس پیغام کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے اعتبار سے آپ کے امتی نہیں ہیں (کیونکہ ظاہر ہے وہ اس دنیا سے گزر چکے ہیں اور ان کے آپ کی دعوت کو قبول کرنے کا سوال ہی نہیں ہے۔ ہاں پیغام اور دعوت حق کو جاننے کے اعتبار سے وہ سب آپ کے امتی ہیں کیونکہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے سب مخلوق سے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا۔ اسی لحاظ سے وہ سب آپ کے امتی ہیں) جہاں تک پیغام کو قبول کر کے امتی بننے کا تعلق ہے تو وہ ایسا ہی شخص ہو گا جس نے آنحضرت ﷺ کے ظہور کے بعد آپ کی نبوت کو مانا اور آپ کے پیغام کو قبول کیا ہو۔ (بحوالہ سیرت حلبیہ جلدِ اول)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۱۱

رسولِ اکرم ﷺ کی دعا سے سورج غروب ہونے کے بعد دوبارہ طلوع ہوا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ گیارہویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کے لئے سورج غروب ہونے کے بعد دوبارہ طلوع ہوا'' بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں، اور دل سے بار بار یہی صدا آرہی ہے کہ یا اللہ آقا ﷺ کے مدینے میں بار بار آنے کی توفیق عطا فرما اور اخلاص سے آقا ﷺ کے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما، دل چاہتا ہے کہ روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کو دیکھتا رہوں اور پھر دیکھتا ہی چلا جاؤں کہ دل کا سرور اسی میں چھپا ہے۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کے لئے یہ بھی ایک اعزاز کی بات اور فضیلت کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کی بدولت اپنے قانون کے خلاف سورج کو غروب ہونے کے بعد دوبارہ طلوع کر دیا، بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں حضور ﷺ کے بلند مقام ہونے کی بیّن دلیل ہے جبکہ دیگر انبیاء اکرام کی سیرتوں میں ایسی بات نظر نہیں آتی، لیکن یاد رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دیگر انبیاء کرامؑ کا اللہ تعالیٰ کی نظر میں کوئی مقام ومرتبہ ہی نہیں تھا، بے شک تمام انبیاء اکرامؑ اونچے مقام اور مرتبے والے تھے، لیکن البتہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو سب سے زیادہ فضیلت اور بلند مقام ومرتبہ عطا فرمایا اور وہ عظیم خصوصیات عطا فرمائیں جو دیگر انبیاء اکرام کو عطا نہیں فرمائیں کیونکہ ''تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ'' بعض کو اللہ نے بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ سے اپنی محبت کی انتہاء کو واضح فرمایا کہ

آپ ﷺ کی خاطر اپنے ضابطے کو توڑ ڈالا۔ جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت پیش کی جارہی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضور ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

گیارہویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

امام طحاوی اور طبرانی نے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ موضع صہباء میں (کہ ایک جگہ کا نام ہے) متصل خیبر کے تشریف رکھتے تھے اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور سر مبارک حضرت علیؓ کے زانو پر تھا اور آپ ﷺ سو گئے تھے جبکہ حضرت علیؓ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا تب آپ ﷺ بیدار ہوئے اور آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تم نے نماز پڑھ لی انہوں نے عرض کیا کہ نہیں آپ ﷺ نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ الٰہی یہ علی تیری اطاعت میں اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھے آفتاب کو پھیر لا۔ سو حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا تھا کہ آفتاب غروب ہوگیا پھر میں نے دیکھا کہ آفتاب نکل آیا یہاں تک کہ دھوپ پہاڑوں اور زمین پر پڑی۔

فائدہ: ردالشمس کو اگرچہ ابن جوزیؒ نے موضوعات میں لکھا ہے مگر محققین محدثین نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابن جوزیؒ کا اعتراض اس پر غلط ہے۔ امام جلال الدینؒ سیوطی نے ایک رسالہ اس حدیث کے بیان میں تصنیف کیا ہے اس کا نام ہے کشف اللبس فی حدیث ردالشمس اور طرق اس حدیث کے باسانید کثیرہ بیان کئے ہیں اور اس حدیث کی صحت کو بدلائل قویہ ثابت کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے دلوں میں حضور کی سچی محبت اور اتباع نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۱۲

رسولِ اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے خود کثرت سے درود پڑھنے کا خصوصی حکم فرمایا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ بارہویں خصوصیت ہے جس کا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے خود خصوصی طور پر کثرت سے درود شریف پڑھنے کا حکم فرمایا'' اور الحمد للہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے روضہ رسول کے سامنے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے، یوں تو کسی جگہ بھی آقا پر درود پڑھا جائے تو اس کا ایک خاص لطف ہوتا ہے لیکن روضہ اقدس پر کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھا جائے تو لطف اخص الخاص ہو جاتا ہے یعنی ایک خاص نورانیت اور لذت وسکون محسوس ہوتا ہے، میری بھی اس وقت یہی کیفیت ہے کہ اللہ کی توفیق سے زبان پر درود جاری ہے اور قلم آپ ﷺ کی عظمت کو لکھ رہا ہے اور دلی طور پر ایک خاص قسم کا سکون مل رہا ہے جو اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا، خدا تعالیٰ مجھ سمیت تمام مسلمانوں کو بار بار آقا ﷺ کے روضے پر آنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی یہ عظیم خصوصیت ہے کہ پروردگارِ عالم نے خصوصی طور پر آپ ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم فرمایا اور سوچنے کی بات ہے کہ یہ کیسی عظیم عبادت ہے کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے فرمان میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے خود بھی نبی پر درود بھیجتے ہیں، اللہ اکبر ہمارے حضور ﷺ کی یہ کیسی عظیم خصوصیت ہے، بیشک یہ صرف ہمارے نبی ﷺ کا ہی خاصہ ہے، خوش نصیب ہے وہ شخص جو اپنے آقا ﷺ پر کثرت سے درود مبارک پڑھتا ہے اور دنیا کا بدنصیب ہے وہ شخص جو درود

شریف کے اہتمام سے خالی ہے، چنانچہ معلوم ہوا کہ اپنے آقا ﷺ پر درود بھیجنا ہمارے اپنے فائدے کے لئے ہے، جب اللہ کی ذات خود درود بھیجتی ہے تو ہمیں تو بدرجہ اولیٰ اپنے آقا ﷺ پر درود شریف بھیجنا چاہئے، کیونکہ ہم محتاج ہیں اور اللہ کسی بھی عبادت وغیرہ سے متعلق محتاج نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ بہر حال ذیل میں قرآن وحدیث کی روشنی میں درود شریف سے متعلق تفصیل وتشریح اور خاص خاص درود شریف پیش کئے جارہے ہیں، لیجئے ملاحظہ فرمایئے:۔

بارہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

درود شریف دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور میں کی جانے والی بہت اعلیٰ اور اشرف درجہ کی ایک دعا ہے جو رسول اکرم ﷺ کی ذات سے اپنی ایمانی وابستگی اور وفا کیشی کے اظہار کے لئے آپ ﷺ کے حق میں کی جاتی ہے اور اس کا حکم ہم بندوں کو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک میں دیا گیا ہے، اور بڑے پیارے اور موثر انداز میں دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ۔ "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا o" (الاحزاب۔ ع:۷)

اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کریں (اور یہی آیت کا اصل موضوع اور مدعا ہے) لیکن اس خطاب اور حکم میں خاص اہمیت اور وزن پیدا کرنے کے لئے بطور تمہید فرمایا گیا کہ ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی "یعنی نبی ﷺ پر صلوٰۃ (جس کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے) خداوند قدوس اور اس کے پاک فرشتوں کا معمول و دستور ہے، تم بھی اس کو اپنا معمول بنا کے اس محبوب و مبارک عمل میں شریک ہو جاؤ۔

حکم اور خطاب کا یہ انداز قرآن پاک میں صرف صلوٰۃ وسلام کے اس حکم ہی کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ دوسرے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ عمل کے لئے بھی نہیں کیا گیا کہ خدا اور اس

کے فرشتے یہ کام کرتے ہیں تم بھی کرو۔ بلاشبہ صلوٰۃ وسلام کا یہ بہت بڑا امتیاز ہے، اور رسول اکرم ﷺ کے مقامِ محبوبیت کے خصائص میں شامل ہے۔

چنانچہ اپنے عظیم محسن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر کثرت سے درود وسلام بھیجئے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کے بے پایاں احسانات اور بے نہایت رحمت وشفقت کا ہم کوئی بدلہ نہیں دے سکتے۔ اگر کچھ کر سکتے ہیں تو صرف یہ کہ عقیدت ومحبت اور فدا کاری وجاں نثاری کے گہرے جذبات کے ساتھ آپ ﷺ کے حضور میں درود وسلام کے تحفے پیش کریں۔ اور خدا سے دعا کریں کہ پروردگار تیرے نبی ﷺ نے ہماری خاطر شب وروز جولرزہ خیز تکلیفیں اٹھا کر ہم تک دین کی روشنی پہنچائی اور ہماری ہدایت کے لئے گھل گھل کر جس طرح اپنی جان ہلکان کی، پروردگار عالم! ہم اس بے مثال احسان کا کوئی بدلہ نہیں دے سکتے۔ تجھ سے ہی ہماری درخواست ہے کہ پروردگار! تو اُن پر اپنی بے حد وحساب رحمتیں انڈیل دے۔ اُن کے درجات کو بلند وبالا فرما دے۔ ان کے دین کو باطل کی یلغار سے سلامت رکھ اور فروغ عطا فرما اور آخرت میں انہیں تمام مقربین سے بڑھ کر اپنا تقرب عطا فرما۔

قرآنِ کریم میں درود سلام کا حکم

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. ترجمہ:...اللہ اور اسکے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر، اے ایمان والو! رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔

تفسیر...... قرآنِ کریم میں اس سے پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کی کچھ خصوصیات وامتیازات کا ذکر تھا، جن کے ضمن میں ازواجِ مطہرات کے پردہ کا حکم آیا تھا، اور آگے بھی کچھ احکام پردے کے آئیں گے، درمیان میں اس چیز کا حکم دیا گیا جس کیلئے یہ سب خصوصیات وامتیازات رکھے گئے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی عظمت وشان کا اظہار اور آپ کی عظمت ومحبت اور اطاعت کی ترغیب ہے۔ اصل مقصود آیت میں مسلمانوں کا یہ حکم

دینا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کریں، مگر اسکی تعبیر و بیان میں اس طرح فرمایا کہ پہلے حق تعالیٰ نے خود اپنا اور اپنے فرشتوں کا رسول اللہ ﷺ کیلئے عمل صلوٰۃ کا ذکر فرمایا، اس کے بعد عام مؤمنین کو اسکا حکم دیا، جس میں آپ کے شرف اور عظمت کو اتنا بلند فرمادیا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں جس کام کا حکم مسلمانوں کو دیا جاتا ہے وہ کام ایسا ہے کہ خود حق تعالیٰ اور اسکے فرشتے بھی وہ کام کرتے ہیں تو عام مؤمنین جن پر رسول اللہ ﷺ کے احسانات بے شمار ہیں ان کو تو اس عمل کا بڑا اہتمام کرنا چاہئے۔ اور ایک فائدہ اس تعبیر میں یہ بھی ہے کہ اس سے درود وسلام بھیجنے والے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام میں شریک فرمالیا جو کام حق تعالیٰ خود بھی کرتے ہیں اور اسکے فرشتے بھی۔

صلوٰۃ وسلام کے معنی

لفظ صلوٰۃ عربی زبان میں چند معنی کیلئے استعمال ہوتا ہے رحمت، دعا، مدح وثناء، آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو نسبت صلوٰۃ کی ہے اس سے مراد رحمت نازل کرنا ہے، اور فرشتوں کی طرف سے صلوٰۃ ان کا آپ ﷺ کیلئے دعا کرنا ہے، اور عام مؤمنین کی طرف سے صلوٰۃ کا مفہوم دعاء اور مدح ثناء کا مجموعہ ہے۔ عام مفسرین نے یہی معنی لکھے ہیں۔ اور امام بخاریؒ نے ابوالعالیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ سے مراد آپ ﷺ کی تعظیم اور فرشتوں کے سامنے مدح وثناء ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی تعظیم دنیا میں تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو بلند مرتبہ عطا فرمادیا کہ اکثر مواقع اذان واقامت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کیساتھ آپ ﷺ کا ذکر شامل کردیا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دین کو دنیا بھر میں پھیلا دیا، اور غالب کیا، اور آپ ﷺ کی شریعت کا عمل قیامت تک جاری رکھا، اس کیساتھ آپ ﷺ کی شریعت کو محفوظ رکھنے کا ذمہ حق تعالیٰ نے لے لیا، اور آخرت میں آپ ﷺ کی تعظیم یہ ہے کہ آپ ﷺ کا مقام تمام خلائق سے بلند وبالا کیا ، اور جس وقت کسی پیغمبر اور فرشتے کو شفاعت کی مجال نہ تھی اس حال میں آپ ﷺ کو مقام

شفاعت عطا فرمایا، جس کو مقام محمود کہا جاتا ہے۔

اس معنی پر جو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام میں تو روایات حدیث کے مطابق آپ ﷺ کیساتھ آپ ﷺ کے آل واصحاب کو بھی شامل کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مدح وثناء میں آپ ﷺ کے سوا کسی کو شریک کیا جا سکتا ہے؟ اسکا جواب روح المعانی وغیرہ میں یہ دیا گیا ہے کہ تعظیم اور مدح وثناء وغیرہ کے درجات بہت ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو اسکا اعلیٰ درجہ حاصل ہے، اور ایک درجہ میں آل واصحاب اور عام مؤمنین بھی شامل ہیں۔

اور ایک لفظ صلوٰۃ سے بیک وقت متعدد معنی رحمت، دعا، تعظیم وثنا، مراد لینا جو اصلاح میں عموم مشترک کہلاتا ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک وہ جائز نہیں، اسلئے اسکی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ لفظ صلوٰۃ کے اس جگہ ایک ہی معنی لئے جائیں، یعنی آپ ﷺ کی تعظیم اور مدح ثناء اور خیر خواہی پھر یہ معنی جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوں تو اسکا حاصل رحمت ہوگا، عام مؤمنین کی طرف منسوب کیا جائے تو دعاء، اور مدح وثناء، تعظیم کا مجموعہ ہوگا۔

اور لفظ سلام مصدر بمعنی السلامۃ ہے، جیسے ملام بمعنی ملامت مستعمل ہوتا ہے، اور مراد اس سے نقائص وعیوب اور آفتوں سے سالم رہنا ہے۔ اور السلام علیک کے معنی یہ ہیں کہ نقائص اور آفات سے سلامتی آپ کیساتھ رہے۔ اور عربی زبان کے قاعدہ سے یہاں حرف علیٰ کا موقع نہیں، مگر چونکہ لفظ سلام معنی ثناء کو متضمن ہے، اسلئے حرف علیٰ کیساتھ علیک یا علیکم کہا جاتا ہے۔ اور بعض حضرات نے یہاں لفظ سلام سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لی ہے، کیونکہ سلام اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے تو مراد السلام علیک کی یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی حفاظت ورعایت پر متولی اور کفیل ہے۔

صلوٰۃ وسلام کا طریقہ

صحیح بخاری ومسلم وغیرہ سب کتب حدیث میں یہ حدیث آئی ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (جب یہ آیت نازل ہوئی تو) ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے

سوال کیا کہ (آیت میں ہمیں دو چیزوں کا حکم ہے صلوٰۃ اور سلام) سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے (السلام علیک ایھاالنبی کہتے ہیں) صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتلا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ الفاظ کہا کرو: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

دوسری روایات میں اس میں کچھ کلمات اور بھی منقول ہیں۔

اور صحابہ کرامؓ کے سوال کرنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ انکو سلام کرنے کا طریقہ تو تشہد (یعنی التحیات) میں پہلے سکھایا جا چکا تھا کہ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ. کہا جائے، اسلئے لفظ صلوٰۃ میں انہوں نے اپنی طرف سے الفاظ مقرر کرنا پسند نہیں کیا، خود رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر کے الفاظ صلوٰۃ متعین کئے اسی لئے نماز میں عام طور پر انہی الفاظ کیساتھ صلوٰۃ کو اختیار کیا گیا ہے، مگر یہ کوئی ایسی تعیین نہیں جس میں تبدیلی ممنوع ہو، کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ سے صلوٰۃ یعنی درود شریف کے بہت سے مختلف صیغے منقول و ماثور ہیں صلوٰۃ و سلام کے حکم کی تعمیل ہر اس صیغہ سے ہو سکتی ہے جس میں صلوٰۃ و سلام کے الفاظ ہوں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ الفاظ آنحضرت محمد ﷺ سے منقول ہیں وہ زیادہ بابرکت اور زیادہ ثواب کے موجب ہیں، اسی لئے صحابہ کرامؓ نے الفاظ صلوٰۃ آپ سے متعین کرانے کا سوال فرمایا تھا۔

مسئلہ..... قعدہ نماز میں تو قیامت تک الفاظ صلوٰۃ و سلام اسی طرح کہنا مسنون ہے، جس طرح اوپر منقول ہوئے ہیں اور خارج نماز میں جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود مخاطب ہوں جیسا کہ آپؐ کے عہد مبارک میں وہاں تو وہی الفاظ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ کے اختیار کئے جائیں، آپ ﷺ کی وفات کے بعد روضۂ اقدسؐ کے سامنے جب سلام عرض کیا جائے تو اس میں بھی صیغہ السلام علیک کا اختیار کرنا مسنون ہے۔ اسکے علاوہ

جہاں غائبانہ صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو صحابہ وتابعین اور ائمہ امت سے صیغہ غائب کا استعمال کرنا منقول ہے، مثلاً صلی اللہ علیہ وسلم، جیسا کہ عام محدثین کی کتابیں اس سے لبریز ہیں۔

صلوٰۃ وسلام کے مذکورہ طریقہ کی حکمت

جو طریقہ صلوٰۃ وسلام کا رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک اور آپ ﷺ کے عمل سے ثابت ہوا اسکا حاصل یہ ہے کہ ہم سب مسلمان آپ ﷺ کیلئے اللہ تعالیٰ سے رحمت وسلامتی کی دعا کریں، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقصود آیت کا تو یہ تھا کہ ہم آپ ﷺ کی تعظیم وتکریم کا حق خود ادا کریں، مگر طریقہ یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حق تعظیم واطاعت پورا ادا کرنا ہمارے کسی کے بس میں نہیں، اس لئے ہم پر یہ لازم کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔

صلوٰۃ وسلام کے احکام

نماز کے قعدہ اخیرہ میں صلوٰۃ (درود شریف) سنت مؤکدہ تو سب کے نزدیک ہے، امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کے نزدیک واجب ہے، جس کے ترک سے نماز واجب اعادہ ہو جاتی ہے۔

مسئلہ... اس پر بھی جمہور فقہاء کا اتفاق ہے جب کوئی آنحضرت ﷺ کا ذکر کرے یا سنے تو اس پر درود شریف واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں آپ ﷺ کے ذکر مبارک کے وقت درود شریف نہ پڑھنے پر وعید آئی ہے، جامع ترمذی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ذلیل ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے،

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

مسئلہ...... اگر ایک مجلس میں آپ کا ذکر بار بار آئے تو صرف ایک مرتبہ درود پڑھنے

سے واجب ادا ہو جاتا ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ جتنی بار ذکر مبارک خود کرے یا کسی سے سنے ہر مرتبہ درود شریف پڑھے۔ حضرات محدثین سے زیادہ کون آپ گا ذکر کرسکتا ہے کہ ان کا ہر وقت کا مشغلہ ہی حدیث رسولؐ ہے، جس میں ہر وقت بار بار آپ گا ذکر آتا ہے تمام ائمہ حدیث کا دستور یہی رہا ہے کہ ہر مرتبہ درود سلام پڑھتے اور لکھتے ہیں۔ تمام کتب حدیث اس پر شاہد ہیں انہوں نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی کہ اس تکرار صلوٰۃ وسلام سے کتاب کی ضخامت کافی بڑھ جاتی ہے کیونکہ اکثر تو چھوٹی چھوٹی حدیثیں آتی ہیں جن میں ایک دو سطر کے بعد نام مبارک آتا ہے، اور بعض جگہ تو ایک سطر میں ایک سے زیادہ مرتبہ نام مبارک مذکور ہوتا ہے ،حضرات محدثین کہیں صلوٰۃ وسلام ترک نہیں کرتے۔

مسئلہ...ذکر مبارک کے وقت افضل واعلیٰ اور مستحب تو یہی ہے کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں پڑھیں اور لکھے جائیں، لیکن اگر کوئی شخص ان میں سے ایک یعنی صرف صلوٰۃ یا صرف سلام پر اکتفاء کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک کوئی گناہ نہیں شیخ الاسلام نوویؒ وغیرہ نے دونوں میں سے صرف ایک پر اکتفاء کرنا مکروہ فرمایا ہے۔ ابن حجر ہیثمیؒ نے فرمایا کہ ان کی مراد کراہت سے خلاف اولیٰ ہونا ہے، جس کو اصطلاح میں مکروہ تنزیہی کہا جاتا ہے۔ اور علماء امت کا مسلسل عمل اس پر شاہد ہے کہ وہ دونوں ہی کو جمع کرتے ہیں، اور بعض اوقات ایک پر بھی اکتفاء کر لیتے ہیں۔ (بحوالہ معارف القرآن از مفتی اعظمؒ)

صلوٰۃ علی النبی ﷺ کا مطلب اور ایک اشکال کا حل

سورۂ احزاب کی مذکورہ آیت مبارکہ میں بہت سے لوگوں کو یہ اشکال محسوس ہوتا ہے کہ اس میں اللہ اور فرشتوں کی نسبت سے بھی ''صلوٰۃ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور مومن بندوں کی نسبت سے بھی وہی لفظ استعمال فرمایا گیا ہے، حالانکہ حقیقت کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک عمل دوسرے سے یقیناً مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ پر صلوٰۃ کا جو عمل ہوتا ہے (جس کو اس آیت میں فرشتوں کے عمل کے ساتھ جوڑ کر ''یصلون''

کے لفظ سے ذکر کا گیا ہے) وہ ہرگز فرشتوں اور مومنین کا عمل نہیں ہوسکتا، اور اسی طرح ایمان والے بندوں سے جس عمل صلوٰۃ کا مطالبہ "صلوا" کے لفظ سے کیا گیا ہے وہ ہرگز خدا کا فعل نہیں ہوسکتا۔

اس کو حل کرنے کے لئے اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ نسبت بدلنے سے صلوٰۃ کے معنی بدل جاتے ہیں جیسا کہ پیچھے بھی یہ بات گزری کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کی نسبت ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے رحمت نازل کرنا، اور ملائکہ یا مومنین کی طرف نسبت ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے اللہ سے رحمت کی دعا کرنا۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ صلوٰۃ کے معنی میں بہت وسعت ہے۔ تکریم وتشریف، مدح وثنا، رفعِ مراتب، محبت وعطوفت، برکت ورحمت، پیار، ارادۂ خیر دعائے خیر ان سب کو صلوٰۃ کا مفہوم حاوی ہے۔ اس لئے اس کی نسبت اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف اور ایمان والے بندوں کی طرف یکساں طور پر کی جاسکتی ہے۔ البتہ یہ فرق ہوگا کہ رسول اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ اس کی شانِ عالی کے مطابق ہوگی اور فرشتوں کی طرف سے ان کے مرتبہ کے مطابق اور مومنین کی طرف سے اُن کی حیثیت کے مطابق۔ اس بناء پر آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی ﷺ پر خاص الخاص عنایت نوازش اور بڑا پیار ہے، اور ان کی مدح وستائش کرتا اور عظمت وشرف کے بلند ترین مقام تک ان کو پہنچانا چاہتا ہے، اور فرشتے بھی ان کی تکریم وتعظیم اور مدح وثنا کرتے ہیں، اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بیش از بیش الطاف وعنایات رفع درجات کی دعائیں کرتے ہیں اے ایمان والو تم بھی ایسا ہی کرو اور آپ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ سے خاص الخاص لطف عنایت، محبت وعطوفت، مراتب اور درجات کی رفعت، پورے عالم کی سیادت وامامت اور مقام محمود وقبولیت شفاعت کی دعا کیا کرو اور آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجا کرو۔

درود شریف کی عظمت واہمیت

اس آیت مبارکہ میں جیسی شاندار تمہید اور جس اہتمام کے ساتھ اہل ایمان کو درود

شریف کا حکم دیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت وعظمت ہے اور وہ کیسا محبوب عمل ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ اس میں اہل ایمان کے لئے کس قدر خیر، کتنی رحمت اور کیسی برکات ہیں۔

درود وسلام کے بارے میں فقہاء کے مسالک

امت کے فقہاء اس پر تقریباً متفق ہیں کہ سورۂ احزاب کی اس آیت مبارکہ کی رو سے رسول اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجنا ہر امت پر فرض ہے، پھر ائمہ امت میں سے امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ خاص کر نماز کے قعدۂ اخیر میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا واجبات نماز میں سے ہے، اگر نہ پڑھی تو ان ائمہ کے نزدیک نماز نہ ہوگی۔ لیکن امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور اکثر دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ قعدہ میں تشہد تو بے شک واجب ہے، جس کے ضمن میں رسول اکرم ﷺ پر سلام بھی آجاتا ہے لیکن اس کے بعد مستقلاً درود شریف پڑھنا واجب یا فرض نہیں بلکہ ایک اہم اور مبارک سنت ہے جس کے چھوٹ جانے سے نماز میں بڑا نقص رہ جاتا ہے۔ مگر اس اختلاف کے باوجود اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ اس آیت مبارکہ کے حکم کی تعمیل میں رسول اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا ہر مسلمان پر اُسی طرح فرض عین ہے جس طرح مثلاً آپ ﷺ کی رسالت کی شہادت دینا، جس کے لئے کسی وقت اور تعداد کا تعین نہیں کیا گیا ہے اور اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ پڑھ لے اور پھر قائم رہے۔

آگے بعض وہ حدیثیں آئیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جب جب رسول اکرم ﷺ کا ذکر مبارک آئے آپ ﷺ پر لازماً درود بھیجا جائے اور اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے سخت وعیدیں بھی آئیں گی۔ ان احادیث مبارکہ کی بناء پر بہت سے فقہاء اس کے بھی قائل ہیں کہ جب کوئی آپ ﷺ کا ذکر کرے یا کسی دوسرے سے سنے تو اس وقت آپ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے۔ پھر ایک رائے یہ ہے کہ اگر ایک ہی نشست اور ایک ہی سلسلۂ کلام میں

بار بار آپ ﷺ کا ذکر آئے تو ہر دفعہ درود پڑھنا واجب ہوگا اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس صورت میں ایک دفعہ درود پڑھنا تو واجب ہوگا اور ہر دفعہ پڑھنا مستحب ہوگا اور محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

درود شریف کی امتیازی خاصیت

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں پھلوں اور پھولوں کو الگ الگ رنگتیں دی ہیں اُن میں مختلف قسم کی خوشبوئیں رکھی ہیں (ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست) اسی طرح مختلف عبادات اور اذکار و دعوات کے الگ الگ خواص اور برکات ہیں۔ درود شریف کی امتیازی خاصیت یہ ہے کہ خلوص دل سے اس کی کثرت، اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت، رسول اللہ ﷺ کے روحانی قرب اور آپ ﷺ کی خصوصی شفقت و عنایت حاصل ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ آگے ہونے والی بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہر امتی کا درود و سلام اس کے نام کے ساتھ رسول اکرم ﷺ تک پہنچایا جاتا ہے اور اس کے لئے فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے۔

ذرا غور کریں! اگر آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کا فلاں بندہ آپ کے لئے اور آپ کے گھر والوں اور سب متعلقین کے لئے اچھی سے اچھی دعائیں برابر کرتا رہتا ہے، اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے اتنا نہیں مانگتا جتنا آپ کے لئے مانگتا ہے اور یہ اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے تو آپ کے دل میں اس کی کیسی قدر و قیمت و محبت اور خیر خواہی کا کیسا جذبہ پیدا ہوگا۔ پھر جب کبھی اللہ کا وہ بندہ آپ سے ملے گا اور آپ کے سامنے آئے گا تو آپ کس طرح اس سے ملیں گے۔ اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ کا جو بندہ ایمان و اخلاص کے ساتھ رسول اکرم ﷺ پر کثرت سے درود و سلام پڑھے اس پر آپ ﷺ کی کیسی نظر عنایت ہوگی اور قیامت و آخرت میں اس کے ساتھ آپ ﷺ کا معاملہ کیا ہوگا، اور رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا جو مقام حاصل ہے اس کو پیش نظر رکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس بندے سے

اللہ تعالیٰ کتنا خوش ہوگا اور اس پر اس کا کیسا کرم ہوگا۔

درود وسلام کا مقصد

یہاں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ درود وسلام اگرچہ بظاہر رسول اکرم ﷺ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ایک دعا ہے لیکن جس طرح کسی دوسرے کے لئے دعا کرنے کا اصل مقصد اس کو نفع پہنچانا ہوتا ہے، اسی طرح رسول اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کا مقصد آپ ﷺ کی ذات پاک کو نفع پہنچانا نہیں ہوتا، ہماری دعاؤں کی آپ ﷺ کو قطعاً کوئی احتیاج نہیں، بادشاہوں کو فقیروں، مسکینوں کے تحفوں اور ہدیوں کی کیا ضرورت۔ بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ہم بندوں پر حق ہے کہ اس کی عبادت اور حمد وتسبیح کے ذریعہ اپنی عبدیت اور عبودیت کا نذرانہ اس کے حضور پیش کریں اور اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں پہنچتا بلکہ اس کا نفع ہم ہی کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے محاسن وکمالات آپ ﷺ کی پیغمبرانہ خدمات اور امت پر آپ ﷺ کے عظیم احسانات کا یہ حق ہے کہ امتی آپ ﷺ کے حضور میں عقیدت و محبت اور وفاداری و نیازمندی کا ہدیہ اور ممنونیت وسپاس گزاری کا نذرانہ پیش کریں، اسی کے لئے درود وسلام کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا اس کا مقصد آپ ﷺ کو کوئی نفع پہنچانا نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے ہی نفع کے لئے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا وثواب آخرت اور اس کے رسول پاک ﷺ کا روحانی قرب اور ان کی خاص نظر عنایت حاصل کرنے کے لئے درود و سلام پڑھا جاتا ہے اور پڑھنے والے کا اصل مقصد بس یہی ہوتا ہے۔

پھر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ وہ ہمارا درود وسلام کا یہ ہدیہ اپنے رسول پاک ﷺ تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچواتا ہے اور بہت سوں کا آپ ﷺ کو قبر مبارک میں براہِ راست سنوا دیتا ہے (جیسا کہ آگے درج ہونے والی احادیث مبارکہ سے معلوم ہوگا) نیز ہمارے اس درود وسلام کے حساب میں بھی رسول اکرم ﷺ پر اپنے الطاف وعنایات اور تکریم و تشریف میں اضافہ فرماتا ہے۔

درود وسلام کی خاص حکمت

انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کی خدمت اقدس میں عقیدت ومحبت اور وفاداری ونیازمندی کا ہدیہ اور ممنونیت وسپاس کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے درود وسلام کا طریقہ مقرر کرنے کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام ہی کی ہیں اور اُن میں سب سے اکرم وافضل خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ جب اُن کے بارے میں بھی یہ حکم دیا گیا کہ ان پر درود وسلام بھیجا جائے (یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے خاص الخاص عنایت ورحمت اور سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت اور نظر کرم کے محتاج ہیں، اور اُن کا حق اور مقام عالی یہی ہے کہ اُن کے واسطے اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ سے اعلیٰ دعائیں کی جائیں، اس کے بعد شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ کتنا بڑا کرم ہے رب کریم کا کہ اس کے اس حکم نے ہم بندوں اور امتیوں کو نبیوں اور رسولوں کا خاص کر سید الانبیاء ﷺ کا دعا گو بنا دیا۔ جو بندہ ان مقدس ہستیوں کا دعا گو ہو وہ کسی کا پرستار کیسے ہوسکتا ہے۔

احادیث مبارکہ میں درود وسلام کی ترغیبات اور فضائل وبرکات

اس تمہید کے بعد وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام کی ترغیب دی گئی ہے، اور اس کی فضیلت اور برکات کا بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ مجھ پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ صلوٰۃ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ کی جو تکریم وتشریف اور آپ ﷺ پر جو خاص الخاص عنایت ونوازش ہوتی ہے اس کو بھی صلوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عام ایمان والے بندوں

کے ساتھ رحمت وکرم کا جو معاملہ ہوتا ہے اس کے لئے بھی صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اس حدیث میں اس رحمت وعنایت کے لئے بھی جو رسول اکرم ﷺ پر درود بھیجنے والے بندے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ ''صلی اللہ علیہ عشرا ''یعنی رسول اکرم ﷺ پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجنے والے بندے پر اللہ تعالیٰ دس دفعہ صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ میں اور دوسرے کسی ایمان والے بندے پر اس کی صلوٰۃ میں وہی فرق ہوگا جو رسول اکرم ﷺ کے مقام عالی اور اُس بندے کے درجہ میں ہوگا۔

آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ رسول اکرم ﷺ پر ہم بندوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا استدعا کریں۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس حدیث کا مقصد ومدعا صرف ایک حقیقت اور واقعہ کی اطلاع دینا نہیں ہے بلکہ اس مبارک عمل (الصَّلٰوۃ عَلَی النّبی) کی ترغیب دینا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ یعنی خصوصی رحمتوں اور عنایتوں کے حاصل کرنے اور خود رسول اکرم ﷺ کے قربِ روحانی کی برکات سے بہرہ ور ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ اسی طرح آگے درج ہونے والی حدیثوں کا مقصد ومدعا بھی یہی ہے۔

اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو بندہ مجھ پر ایک صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس صلواتیں بھیجتا ہے اور اس کی دس خطائیں معاف کردی جاتی ہیں اور اس کے دس درجے بلند کردیئے جاتے ہیں۔ (سنن نسائی)

اور حضرت ابو بردہ بن دینارؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جو میرا امتی خلوصِ دل سے مجھ پر صلوٰۃ بھیجے، اللہ تعالیٰ اس پر دس صلواتیں بھیجتا ہے اور اس کے صلہ میں اس کے دس درجے بلند کرتا ہے، اور اس کے حساب میں دس نیکیاں لکھا تاہے، اور اس کے دس گناہ محو فرمادیتا ہے۔ (سنن نسائی)

تشریح...... حضرت ابوہریرہؓ کی پہلی حدیث میں رسول اکرم ﷺ پر ایک دفعہ صلوٰۃ

بھیجنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف دس صلوٰتوں کے بھیجے جانے کا ذکر تھا اس کے بعد حضرت انس ؓ کی دوسری حدیث میں دس صلوٰتوں کے علاوہ دس درجوں کی بلندی اور دس گناہوں کی معافی کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے، اور حضرت ابو بردہ بن نیارؓ والی اس تیسری حدیث مبارکہ میں اس سب کے علاوہ اس بندے کے نامۂ اعمال میں مزید دس نیکیوں کے لکھے جانے کی بشارت بھی سنائی گئی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک یہ صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے، یعنی دوسری اور تیسری حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ پہلی حدیث کے اجمال کی تفصیل ہے۔ واللہ اعلم۔ تیسری حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ صلہ پانے کے لئے شرط ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر صلوٰۃ ''اخلاصِ قلب'' سے بھیجی جائے۔

رسولِ اکرم ﷺ پر درود پڑھنے کا انعام

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک دن تشریف لائے اور آپ ﷺ کے چہرہ انور پر خوشی اور بشاشت کے آثار نمایاں تھے اس کا سبب بیان کرتے ہوئے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج حضرت جبرائیلؑ امین آئے اور انہوں نے بتایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ! کیا یہ بات تمہیں راضی اور خوش نہیں کر دے گی کہ تمہارا جو امتی تم پر صلوٰۃ بھیجے میں اس پر دس صلوٰتیں بھیجوں، اور جو تم پر سلام بھیجے میں اس پر دس سلام بھیجوں۔ (سنن نسائی، مسند دارمی)

تشریح...... قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى'' (اے نبی ﷺ! تمہارا رب تم کو اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ اس وعدے کا پورا ظہور آخرت میں ہوگا، لیکن یہ بھی اس کی قسط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا اتنا اکرام فرمایا اور محبوبیت کبریٰ کا وہ مقام عالی آپ ﷺ کو عطا فرمایا کہ جو بندہ آپ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کے احترام میں خالصاً للہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے، اللہ

تعالیٰ نے اس پر دس صلوٰتیں اور دس سلام بھیجنے کا دستور اپنے لئے مقرر فرمایا اور حضرت جبرائیلؑ امین کے ذریعہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع فرمائی اور پیارے انداز میں فرمائی کہ "ان ربک یقول اما یرضیک یا محمد ﷺ" یعنی تمہارا رب فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ کیا تمہیں ہمارا یہ فیصلہ راضی اور خوش نہیں کردے گا۔

اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرمائے تو ان احادیث مبارکہ سے رسول اکرم ﷺ کے مقامِ محبوبیت کو کچھ سمجھا جاسکتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ آبادی سے نکل کر کھجوروں کے ایک باغ میں پہنچے اور سجدے میں گر گئے اور بہت دیر تک اسی طرح سجدے میں پڑے رہے، یہاں تک کہ مجھے خطرہ ہوا کہ آپ ﷺ وفات تو نہیں پا گئے۔ میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ آپ ﷺ نے سر مبارک سجدے سے اٹھایا اور مجھ سے فرمایا کیا بات ہے اور تمہیں کیا فکر ہے؟ میں نے عرض کیا کہ (آپ ﷺ کے دیر تک سجدے سے سر نہ اٹھانے کی وجہ سے) مجھے ایسا شبہ ہوا تھا، اس لئے میں آپ ﷺ کو دیکھ رہا تھا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے آکر مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہیں بشارت سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان پاک ہے کہ جو بندہ تم پر صلوٰۃ بھیجے میں اس پر صلوٰۃ بھیجوں گا اور جو تم پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجوں گا۔ (مسند احمد)

تشریح...... اس حدیث مبارکہ میں صلوٰۃ وسلام بھیجنے والے کے لئے اللہ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام بھیجے جانے کا ذکر ہے، لیکن دس کا عدد اس روایت میں مذکور نہیں ہے۔ مگر اس سے پہلی حضرت طلحہؓ والی روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس دفعہ صلوٰۃ وسلام بھیجے جانے کی بشارت دی تھی۔ پھر یا تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بتاتے وقت دس کا عدد کا ذکر ضروری نہیں سمجھا، یا بعد کے کسی راوی کے بیان سے رہ گیا۔

اسی حدیث کی مسند احمد کی ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہے کہ "فسجدت للہ

شکرا‘‘ یعنی میں نے اس بشارت کے شکر میں سجدہ کیا تھا۔ امام بیہقی نے اس حدیث مبارکہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سجدۂ شکر کے ثبوت میں میری نظر میں یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے۔ واللہ اعلم۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرؓ سے بھی روایت کی ہے، اس میں بھی رسول اکرم ﷺ کے ایک غیر معمولی قسم کے سجدے کا ذکر ہے، اس کے آخر میں ہے آپ ﷺ نے سجدے سے اٹھ کر مجھے بتایا کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ۔ ’’حضرت جبرائیلؑ میرے پاس آئے اور انہوں نے یہ پیغام پہنچایا کہ تمہارا جو امتی تم پر ایک صلوٰۃ بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوٰتیں بھیجے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا‘‘۔

ان سب حدیثوں کا مقصود و مدعا ہم امتیوں کو یہی بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام کا تمغہ اور اس کی بے انتہا عنایتیں اور رحمتیں حاصل کرنے کا ایک کامیاب اور بہترین ذریعہ خلوصِ قلب سے رسول اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ کے صلوٰۃ وسلام کے صلہ میں دس دفعہ صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے، دس درجے بلند فرماتا ہے، نامۂ اعمال میں سے دس گناہ محو کردیئے اور مٹادیئے جاتے ہیں اور دس نیکیاں لکھادی جاتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی بندہ رسول اکرم ﷺ پر روزانہ صرف سو دفعہ درود پاک پڑھتا ہے تو ان احادیث مبارکہ کی بشارت کے مطابق (جو ایک دو نہیں بلکہ بہت سے صحابہ کرامؓ سے صحاح اور سنن و مسانید کی قریباً سب ہی کتابوں میں قابل اعتماد سندوں کے ساتھ مروی ہیں) اس پر اللہ تعالیٰ ایک ہزار صلوٰتیں بھیجتا ہے، یعنی رحمتیں اور نوازشیں فرماتا ہے، اس کے مرتبہ میں ایک ہزار درجے کی ترقی دی جاتی ہے، اس کے نامۂ اعمال سے ایک ہزار گناہ محو کئے جاتے ہیں اور ایک ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اللہ اکبر! کتنا ارزاں اور نفع بخش سودا ہے، اور کتنے خاسر اور بے نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس سعادت اور کمائی سے خود کو محروم کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقین نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

آپ ﷺ کے ذِکر کے وقت درود پاک سے غفلت کرنیوالوں کی محرومی اور ہلاکت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ذلیل وخوار ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی مجھ پر صلوٰۃ یعنی درود نہ بھیجے، اور اسی طرح ذلیل وخوار ہو وہ آدمی جس کے لئے رمضان کا (رحمت ومغفرت والا) مہینہ آئے اور اس کے گزرنے سے پہلے اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو جائے یعنی رمضان کا مبارک مہینہ بھی وہ غفلت وخدا فراموشی میں گزار دے اور توبہ واستغفار کر کے اپنی مغفرت کا فیصلہ نہ کرالے اور ذلیل وخوار ہو وہ آدمی جس کے ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک اس کے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت کا استحقاق حاصل نہ کرلے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث مبارکہ کے ضمن میں تین قسم کے جن آدمیوں کے لئے ذلت وخواری کی بددعا ہے، ان کا مشترک سنگین جرم یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت اور رحمت ومغفرت حاصل کرنے کے بہترین مواقع فراہم کئے، لیکن انہوں نے خدا کی رحمت ومغفرت کو حاصل کرنا ہی نہیں چاہا اور اس سے محروم رہنا ہی اپنے لئے پسند کیا، بے شک وہ بدبخت ایسی ہی بددعا کے مستحق ہیں، اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ ایسے محروموں کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین فرشتے حضرت جبرائیلؑ امین نے بھی بڑی سخت بددعا کی ہے، اللہ کی پناہ!

حضرت کعب بن عجرہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ نے ہم لوگوں کو فرمایا کہ میرے پاس آجاؤ؟ ہم لوگ حاضر ہوگئے (آپ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمانا تھا اس کے لئے آپ ﷺ منبر پر جانے لگے) جب منبر کے پہلے درجے پر آپ ﷺ نے قدم رکھا تو فرمایا کہ آمین۔ پھر جب دوسرے درجے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا کہ آمین۔ اسی طرح تیسرے درجے پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا کہ آمین۔ پھر جو کچھ آپ ﷺ کو فرمانا تھا جب اس سے فارغ ہو کر آپ ﷺ منبر سے نیچے اُتر آئے تو ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آج ہم نے آپ سے ایک ایسی چیز سنی ہے جو ہم پہلے نہیں سنتے تھے (یعنی منبر کے ہر درجے

پر قدم رکھتے وقت آج آپ ﷺ آمین کہتے تھے، یہ نئی بات تھی) آپ ﷺ نے بتایا کہ جب میں منبر پر چڑھنے لگا تو حضرت جبرائیلؑ امین آگئے۔ انہوں نے کہا کہ "بعد من ادرک رمضان فلم یغفر له" (تباہ و برباد ہو وہ محروم جو رمضان مبارک پائے اور اس میں بھی اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو) تو میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں نے منبر کے دوسرے درجے پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا کہ "بعد من ذکرت عنده فلم یصل علیک" (تباہ و برباد ہو وہ بے توفیق اور بے نصیب جس کے سامنے تمہارا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی تم کو درود نہ بھیجے) تو میں نے کہا آمین۔ پھر جب منبر کے تیسرے درجے پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا "بعد من ادرک ابویه الکبر او احدهما فلم یدخل الجنة" (تباہ و برباد ہو وہ بدبخت آدمی جس کے ماں باپ یا اُن دونوں میں سے ایک اس کے سامنے بوڑھے ہو جائیں اور وہ (اُن کی خدمت کر کے اور ان کو راضی و خوش کر کے) جنت کا مستحق نہ ہو جائے) اس پر بھی میں نے کہا آمین۔ (مستدرک حاکم)

تشریح...... اس حدیث مبارکہ کا مضمون بھی قریب قریب ہی ہے جو اس سے پہلی والی حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث مبارکہ کا تھا، فرق اتنا ہے کہ اس میں اصل بددعا کرنے والے حضرت جبرائیل امینؑ ہیں اور رسول اکرم ﷺ نے ان کی ہر بددعا پر آمین کہا ہے۔

حضرت جبرائیلؑ کی بددعا اور رسول اکرم ﷺ کے آمین کہنے کا یہی واقعہ الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ حضرت کعب بن عجرہ انصاری کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت انسؓ، حضرت جابرؓ بن سمرہ، حضرت مالکؓ بن الحویرث اور حضرت عبداللہؓ بن الحارث سے بھی حدیث کی مختلف کتابوں میں روایت کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبرائیلؑ بددعا کرتے تھے اور رسول اکرم ﷺ سے مطالبہ کرتے تھے کہ آپ ﷺ امین کہیے تو آپ ﷺ آمین کہتے تھے۔ ان سب حدیثوں میں مذکورۂ بالا تین قسم کے محروموں کے لئے رسول اکرم ﷺ اور حضرت جبرائیلؑ کی طرف سے سخت ترین بددعا کے انداز میں جس طرح انتہائی ناراضی اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے، یہ دراصل ان

تینوں کوتاہیوں کے بارے میں سخت ترین انتباہ ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی وجہ سے فرشتوں کی دنیا اور ملاء اعلیٰ میں عظمت و محبوبیت کا وہ بلند ترین مقام حاصل ہے کہ جو شخص آپ کے حق میں ادائیگی کے معاملہ میں صرف کوتاہی اور غفلت کرے کہ آپ ﷺ کے ذکر کے وقت آپ ﷺ پر درود نہ بھیجے تو اس کے لئے سارے ملاء اعلیٰ کے امام اور نمائندے حضرت جبرائیلؑ کے دل سے اتنی سخت بددعا نکلتی ہے اور وہ اس پر رسول اکرم ﷺ سے آمین کہلواتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کی ہر تقصیر اور کوتاہی سے محفوظ رکھے اور رسول اکرم ﷺ کی حق شناسی اور حق کی ادائیگی کی توفیق دے۔ (آمین)

ان ہی احادیث مبارکہ کی بناء پر فقہاء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کا ذکر آئے تو آپ ﷺ پر درود بھیجنا ذکر کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی واجب ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اصل بخیل اور کنجوس وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ (ذرا سی زبان ہلا کے) مجھ پر درود بھی نہ بھیجے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ عام طور سے بخیل ایسے آدمی کو سمجھا جاتا ہے جو دولت کے خرچ کرنے میں بخل کرے، لیکن اس سے بھی بڑا بخیل اور بہت بڑا بخیل وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ زبان سے درود کے دو کلمے کہنے میں بھی بخل کرے۔ حالانکہ آپ ﷺ نے امت کے لئے وہ کیا ہے اور امت کو آپ ﷺ کے ہاتھوں وہ دولتِ عظمیٰ ملی ہے اگر ہر امتی اپنی جان بھی آپ ﷺ کے لئے قربان کردے تو حق ادا نہ ہو سکے گا۔

مسلمانوں کی کوئی نشست ذِکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبی ﷺ سے خالی نہ ہونی چاہیئے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ کہیں بیٹھے اور انہوں نے اس نشست میں نہ اللہ کو یاد کیا اور نہ اپنے نبی ﷺ پر درود بھیجا (یعنی ان کی وہ مجلس اور نشست ذِکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبی ﷺ سے بالکل خالی رہی) تو قیامت میں یہ اُن کے لئے حسرت و خسران کا باعث ہوگی۔ پھر چاہے اللہ ان کو عذاب دے اور چاہے معاف

فرمادے اور بخش دے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... معلوم ہوا کہ مسلمان کی کوئی نشست اور مجلس ایسی نہ ہونی چاہیئے جو اللہ کے ذکر سے اور رسول اکرم ﷺ پر درود و سلام سے خالی رہے۔ اگر زندگی میں ایک نشست بھی ایسی ہوئی تو قیامت میں اس پر باز پرس ہوگی، اور اس وقت سخت حسرت اور پشیمانی ہوگی پھر چاہے اللہ کی طرف سے معافی مل جائے یا سزا دی جائے۔

یہی مضمون قریب قریب ان ہی الفاظ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوامامہ باہلی اور حضرت واثلہ بن الاسقع رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی حدیث کی مختلف کتابوں میں مروی ہے۔

درود شریف کی کثرت قیامت میں رسول اکرم ﷺ کے خصوصی قرب کا وسیلہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے قریب ترین اور مجھ پر زیادہ حق رکھنے والا میرا وہ امتی ہوگا جو مجھ پر زیادہ صلوٰۃ بھیجنے والا ہوگا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ ایمان اور ایمان والی زندگی کی بنیادی شرط کے ساتھ میرا جو امتی مجھ پر زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ وسلام بھیجے گا، اُس کو قیامت میں میرا خصوصی قرب اور خاص تعلق حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ یہ دولت وسعادت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت رویفع بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرا جو امتی مجھ پر صلوٰۃ بھیجے اور ساتھ ہی یہ دعا کرے کہ **اللھم انزلہ المقعد المقرب عندک یوم القیٰمۃ** (اے اللہ! ان کو یعنی اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قیامت کے دن اپنے قریب کی نشست گاہ عطا فرما) اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔ (مسند احمد)

تشریح...... اس حدیث کو طبرانی نے بھی معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں "**من قال اللھم صلی علی محمد و انزلہ المقعد عندک یوم القیٰمۃ وجبت لہ شفاعتی**" اس میں صلوٰۃ اور دعا کے پورے الفاظ آ گئے ہیں اور بہت مختصر ہیں۔

یوں تو رسول اکرم ﷺ اپنے سب ہی امتیوں کی انشاء اللہ شفاعت فرمائیں گے، لیکن جو اہلِ ایمان آپ ﷺ پر ان الفاظ میں درود بھیجیں اور اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کے لئے یہ دعا کریں۔ ان کی شفاعت کا آپ ﷺ اپنے پر خصوصی حق سمجھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی طرف سے خاص شفاعت فرمائیں گے۔

اگر کوئی اپنے مقصد کے لئے دعاؤں کی جگہ بھی درود ہی پڑھے تو اُسکے سارے مسائل غیب سے حل ہونگے

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ پر درود زیادہ بھیجا کروں (یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ پر صلوٰۃ کی استدعا زیادہ کیا کروں) آپ ﷺ مجھے بتا دیجئے کہ اپنی دعا کا کتنا حصہ آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کردوں؟ (یعنی میں اپنے لئے دعا کرنے میں جو وقت صرف کیا کرتا ہوں اس میں سے کتنا آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کردوں) آپ ﷺ نے فرمایا جتنا چاہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس وقت کا چوتھائی حصہ آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کردوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا تم چاہو اور اگر اور زیادہ کردو گے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا تو پھر میں آدھا وقت اس کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنا تم چاہو کردو، اور اگر زیادہ کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ تو پھر میں اس میں سے دو تہائی وقت آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جتنا تم چاہو کردو، اور اگر زیادہ کرو گے تو تمہارے لئے خیر ہی کا باعث ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ پھر تو میں اپنی دعا کا سارا ہی وقت آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری ساری فکروں اور ضرورتوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفایت ہو جائے گی (یعنی تمہارے سارے دینی و دنیاوی مہمات غیب سے انجام پائیں گے) اور تمہارے گناہ و قصور معاف کر دیئے جائیں گے۔ (بحوالہ ترمذی شریف)

تشریح...... حدیث مبارکہ کا مطلب سمجھنے کے لئے جتنی تشریح کی ضرورت تھی وہ ترجمہ میں کر دی گئی ہے۔ عام طور سے شارحین نے لکھا ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں ''صلوٰۃ'' دعا کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو اس کے اصل معنی ہیں۔

حضرت ابی بن کعبؓ کثیر الدعوات تھے، اللہ تعالیٰ سے بہت دعائیں مانگا کرتے تھے، ان کے دل میں آیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو دعائیں مانگتا ہوں اور جتنا وقت اس میں صرف کرتا ہوں اس میں سے کچھ وقت رسول اکرم ﷺ پر صلوٰۃ کے لئے (یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کے واسطے مانگنے کیلئے) مخصوص کر دوں۔ اس بارے میں انہوں نے خود رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں کتنا وقت اس کے لئے مخصوص کر دوں۔ آپ ﷺ نے اپنی طرف سے وقت کی کوئی تحدید و تعین مناسب نہیں سمجھی، بلکہ ان ہی کی رائے پر چھوڑ دیا، اور یہ اشارہ فرما دیا کہ اس کے لئے جتنا بھی زیادہ وقت دو گے تمہارے لئے بہتر ہی گا۔ آخر میں انہوں نے طے کیا کہ میں سارا وقت جس میں اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا ہوں، رسول اکرم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے ہی میں یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کے لئے مانگنے میں صرف کر دوں۔ اُن کے اس فیصلہ پر رسول اکرم ﷺ نے بشارت سنائی کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے وہ سارے مسائل و مہمات جن کے لئے تم دعائیں کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے کرم سے آپ سے آپ حل ہو جائیں گے، اور تم سے جو گناہ و قصور ہوئے ہوں گے وہ بھی ختم کر دیئے جائیں گے، ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

ایک حدیث قدسی ہے کہ جس میں رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ ''**من شغله القرآن عن ذكرىٔ ومسئلتى اعطيته افضل ما اعطى السائلين**'' جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بندہ تلاوت قرآن میں اتنا مشغول رہے کہ اس کے علاوہ اللہ کے ذکر کے لئے اور اپنے مقاصد کے واسطے دعا کرنے کے لئے اسے وقت ہی نہ ملے، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف سے اس سے بھی زیادہ اور بہتر دے گا جتنا دعا کرنے والوں اور مانگنے والوں کو دیتا ہے۔

جس طرح اس حدیث مبارکہ میں اُن بندوں کے لئے جو تلاوت قرآن میں اپنا سارا وقت صرف کردیں، اور بس اسی کو اپنا وظیفہ بنالیں، اللہ تعالیٰ کی اس خاص عنایت و نوازش کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ ان کو دعائیں کرنے والوں اور مانگنے والوں سے بھی زیادہ بہتر عطا فرمائے گا۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعبؓ والی اس زیرِ تشریح حدیث میں رسول اکرم ﷺ کے لئے وقف کردیں اور اپنے ذاتی مسائل ومقاصد کے لئے دعاؤں کی جگہ بھی بس آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجیں، بتایا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص الخاص کرم ہوگا اُن کے مسائل ومہمات غیب سے حل کئے جائیں گے اور اُن کے گناہ دھوڈالے جائیں گے۔

اس کا راز یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی تلاوت سے خاص شغف اور بس اسی کو اپنا وظیفہ بنالینا اللہ کی مقدس کتاب پر ایمان اور اس سے محبت وتعلق کی خاص نشانی ہے اور اس لئے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص فضل کے مستحق ہیں۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام سے ایسا شغف کہ اپنے ذاتی مقاصد ومسائل کے لئے دعا کی جگہ بھی بس آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجی جائے اور اپنے لئے کچھ مانگنے کی جگہ بس آپ ﷺ ہی کے لئے خدا سے مانگا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول ﷺ پر صادق ایمان اور سچے ایمانی تعلق اور قلبی محبت کی علامت ہے اور ایسے مخلص بندے بھی اس کے مستحق ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے سارے مسائل اپنی رحمت سے بلا اُن کے مانگے حل فرمائے۔

علاوہ ازیں وہ احادیث ابھی گزر چکی ہیں جن میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جو بندہ رسول اکرم ﷺ پر ایک صلوٰۃ بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر دس صلوٰتیں بھیجی جاتی ہیں۔ اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں درج کی جاتی ہیں، دس گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور دس درجے بلند کردیئے جاتے ہیں، ذرا غور کیجئے! جس بندے کا حال یہ ہو کہ وہ اپنی ذاتی دعاؤں کی جگہ بس رسول اکرم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے، اللہ سے اپنے لئے کچھ بھی نہ مانگے، صرف رسول اکرم ﷺ کے لئے صلوٰۃ کی استدعا کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و برکات اور رحمتوں وعنایتوں کی کیسی موسلا دھار بارش ہوگی، جس کا لازمی اثر اور انجام یہی ہوگا

کہ اللہ کی رحمت بلا مانگے اس کی چاہتیں اور ضرورتیں پوری کرے گی، اور گناہوں کے اثرات سے وہ بالکل پاک صاف کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا یقین اور عمل نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔

درود شریف دُعا کی قبولیت کا وسیلہ

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ دعا آسمان اور زمین کے درمیان ہی رکی رہتی ہے اوپر نہیں جا سکتی جب تک کہ نبی پاک ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے۔

(جامع ترمذی)

تشریح...... ایک حدیث میں یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ دعا کرنے والے کو چاہیئے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے اور رسول اکرم ﷺ پر درود بھیجے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی حاجت عرض کرے۔ حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ دعا کے بعد بھی رسول اکرم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنی چاہیئے، وہ دعا کی قبولیت کا خاص وسیلہ ہے۔ ''حصن حصین'' میں شیخ ابوسلیمان دارانیؒ سے نقل کیا گیا ہے انہوں نے فرمایا کہ درود شریف (جو رسول اکرم ﷺ کے حق میں ایک اعلیٰ واشرف دعا ہے) وہ تو اللہ تعالیٰ ضرور ہی قبول فرماتا ہے، پھر جب بندہ اپنی دعا سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ سے حضور اکرم ﷺ کے حق میں دعا کرے اور اس کے بعد بھی دعا کرے تو اس کے کرم سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ اول وآخر کی دعائیں تو قبول کر لے اور درمیان کی اس بے چارے کی دعا رد کر دے، اس لئے پوری امید رکھنی چاہیئے کہ جس دعا کے اول وآخر رسول اکرم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجی جائے گی وہ انشاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔

مندرجۂ بالا روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ بات (جو انہوں نے دعا کی قبولیت کے بارے میں فرمائی) رسول اکرم ﷺ سے سنی تھی، لیکن چونکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی شخص اپنی رائے اور فہم سے ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا، بلکہ اللہ کے پیغمبر ﷺ سے سن

کے ہی ایسی بات کہی جاسکتی ہے، اس لئے محدثین کے مسلمہ اصول کے مطابق یہ روایت حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔

دنیا میں کہیں بھی درود بھیجا جائے، رسول اکرم ﷺ کو پہنچتا ہے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے خود سنا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو، اور میری قبر کو میلہ نہ بنالینا ہاں مجھ پر صلوٰۃ بھیجا کرنا، تم جہاں بھی ہو گے مجھے تمہاری صلوٰۃ پہنچے گی۔ (نسائی)

تشریح...... اس حدیث مبارکہ میں تین ہدایتیں فرمائی گئی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ "اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو"۔ اس کا مطلب عام طور سے شارحین نے یہ بیان کیا ہے، جس طرح قبروں میں مُردے ذکر وعبادت نہیں کرتے، اور قبریں ذکر وعبادت سے خالی رہتی ہیں، تم اپنے گھروں کو ایسا نہ بنالو کہ وہ ذکر وعبادت سے خالی رہیں، بلکہ ان کو ذکر وعبادت سے معمور رکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن گھروں میں اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت نہ ہو وہ زندوں کے گھر نہیں بلکہ مُردوں کا قبرستان ہیں۔

دوسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ "میری قبر کو میلہ نہ بنالینا" یعنی جس طرح کے کسی معین دن میں میلوں میں لوگ جمع ہوتے ہیں اس طرح میری قبر پر کوئی میلہ نہ لگایا جائے۔

بزرگانِ دین کی قبروں پر عرسوں کے نام سے جو میلے ہوتے ہیں اُن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر خدانخواستہ رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر کوئی میلہ اس طرح کا ہوتا تو اس سے روحِ پاک کو کتنی شدید اذیت پہنچتی۔

تیسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ تم مشرق یا مغرب میں خشکی یا تری میں جہاں بھی ہو "مجھ پر صلوٰۃ بھیجو وہ مجھے پہنچے گی"۔ یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں طبرانی نے اپنی سند سے حضرت حسنؓ بن علیؓ سے بھی روایت کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں "حیثما کنتم فصلوا علی فان صلوٰتکم تبلغنی" اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو رسول اکرم ﷺ کے

ساتھ قلبی تعلق کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہے اُن کے لئے یہ کتنی بڑی بشارت اور تسلی کی بات ہے کہ خواہ وہ ہزاروں میل دور ہوں، ان کا صلوٰۃ وسلام آپ کو پہنچتا ہے۔

اور سنن نسائی میں ایک روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو دنیا کے چکر لگاتے ہیں اور میرے امتیوں کا سلام وصلوٰۃ مجھے پہنچاتے ہیں۔ (سنن نسائی، مسند دارمی)

تشریح......ایک دوسری حدیث مبارکہ میں جس کو طبرانی وغیرہ نے حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت کیا ہے، یہ بھی تفصیل ہے کہ صلوٰۃ وسلام پہنچانے والا فرشتہ بھیجنے والے امتی کے نام کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پہنچاتا ہے، کہتا ہے کہ "**یا محمد** (ﷺ) **صلی علیک فلان کذا و کذا**" (اے محمد ﷺ تمہارے فلاں امتی نے تم پر اس طرح صلوٰۃ وسلام بھیجا ہے) اور حضرت عمار بن یاسرؓ کی اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ وہ فرشتہ صلوٰۃ وسلام بھیجنے والے امتی کا نام اس کی ولدیت کے ساتھ ذکر کرتا ہے، یعنی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کرتا ہے، "**یا محمد ﷺ صلی علیک فلان بن فلان**" کتنی خوش قسمتی ہے اور کتنا ارزاں سودا ہے کہ جو امتی اخلاص کے ساتھ صلوٰۃ وسلام عرض کرتا ہے وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں اس کے نام اور ولدیت کے ساتھ فرشتے کے ذریعہ پہنچتا ہے اور اس طرح آپ ﷺ کی بارگاہِ عالی میں اُس بے چارے مسکین امتی اور اس کے باپ کا ذکر بھی آجاتا ہے اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس فرمائے گا تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دے دوں۔ (سنن ابو داؤد)

تشریح......حدیث کے ظاہری الفاظ "**الا رد اللہ علی روحی**" سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی روحِ مبارک جسدِ اطہر سے الگ رہتی ہے، جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے جسد اطہر میں روح مبارک لوٹا دیتا ہے تاکہ آپ ﷺ سلام کا جواب دے سکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی، اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو

ماننا پڑے گا کہ ایک دن لاکھوں کروڑوں دفعہ آپ ﷺ کی روح مبارک جسم اقدس میں ڈالی اور نکالی جاتی ہے کیونکہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ کے لاکھوں کروڑوں امتی آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام نہ بھیجتے ہوں۔ روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر سلام عرض کرنے والوں کا بھی ہر وقت تانتا بندھا رہتا ہے، اور عام دنوں میں بھی اُن کا شمار ہزاروں سے کم نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے۔ اگرچہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماءِ امت کی رائیں مختلف ہیں، لیکن اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے، اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس بناء پر اکثر شارحین نے ''ردروح'' کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ ﷺ کی روحِ پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے (اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے) پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہِ راست آپ ﷺ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ ﷺ کی روحِ مبارک اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں، بس اس روحانی توجہ والتفات کو ''رد روح'' سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بات کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو عالم برزخ کے معاملات واحوال سے کچھ مناسبت رکھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کی معرفت نصیب فرمائے۔

اس حدیث کا خاص پیغام یہ ہے کہ جو امتی بھی اخلاصِ قلب سے آپ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے، آپ ﷺ عادی اور سرسری طور پر صرف زبان سے نہیں بلکہ روح اور قلب سے متوجہ ہوکر اس کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر عمر بھر صلوٰۃ وسلام کا کچھ بھی اجر وثواب نہ ملے صرف آپ ﷺ کا

جواب مل جائے تو سب کچھ مل گیا۔ السَّلامُ علیکَ ایُّھَا النَّبِیُّ ورَحمَۃُ اللہِ وبرَکاتُہٗ.

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجے گا (یا سلام عرض کریگا) وہ میں خود سنوں گا، اور جو کہیں دور سے بھیجے تو وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... اس حدیث مبارکہ سے یہ تفصیل معلوم ہوگئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ ﷺ کو صرف وہی درود وسلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے، لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبرِ مبارک کے پاس پہنچا دیتے ہیں اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کریں تو آپ ﷺ اس کو بنفسِ نفیس سنتے ہیں، اور جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ بندے جو روزانہ سینکڑوں یا ہزاروں بار صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا جواب پاتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر ساری عمر کے صلوٰۃ وسلام کا ایک ہی دفعہ جواب مل جائے تو جن کو محبت کا کوئی ذرہ نصیب ہے اُن کے لئے وہی دو جہاں کی دولت سے زیادہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی.

(بحوالہ ردوبدل کے ساتھ از معارف الحدیث جلد پنجم)

درود پاک سے متعلق چند آداب

(۱) درود شریف پڑھنے والے کو مناسب ہے کہ بدن اور کپڑا پاک صاف رکھے۔

(۲) بے وضو درود شریف پڑھنا جائز ہے اور باوضو نور علی نور ہے۔ (زادالسعید)

(۳) درود شریف پڑھتے وقت اعضاء کو حرکت دینا اور آواز بلند کرنا جہل ہے۔

چنانچہ فقہ کی فتاویٰ کی مشہور کتاب درمختار میں علامہ حصکفیؒ نے اسے رد اور اس کی مذمت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔ واز عاج الاعضاء برفع الصوت جھل .

(۴) آپ ﷺ کے نام نامی اسم گرامی سے قبل سیدنا کا لفظ بڑھا دینا افضل اور باعث ادب

ہے چنانچہ الدر المختار میں اسے مستحب قرار دیا گیا ہے اور اس کا اضافہ ترک کے مقابلہ میں افضل قرار دیا ہے علامہ رملی شافعیؒ نے شرح منہاج النووی میں اسے مستحب قرار دیا ہے اور علماء کرام کے ایک جم غفیر نے اسے ذکر کیا ہے۔ (شامی صفحہ ۵۱۳)

اور حدیث پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "**انا سید ولد آدم یوم القیامة واول من یشق عنه القبر واول شافع واول مشفع**" میں اولادِ آدم کا سردار ہوں قیامت کے دن سب سے پہلے میں قبر سے نکلوں گا اور میں ہی سب سے پہلا شافع ہوں اور میں ہی پہلا ہوں گا جس کی شفاعت قبول کی جائے گی"۔ (ابوداؤد، جامع الصغیر)

اسی طرح حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ **انا سید ولد آدم یوم القیامة ولا فخر** "میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں"۔ (مختصر الترمذی، جامع الصغیر)

یعنی اس طرح درود پڑھنا افضل ہے کہ "**اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ**" اسی طرح آپ ﷺ کے نام نامی سے قبل لفظ "مولانا" کا بڑھا دینا بھی اولیٰ ہے کہ آپ ﷺ کا مولیٰ ہونا حدیث پاک سے ثابت ہے۔ حضرت براء حضرت بریدہ اور زید بن ارقم رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** میں جس کا مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ آقا ہیں۔ (جامع صغیر)

علامہ قسطلانیؒ نے مواہب میں آپ ﷺ کے اسماء مبارک میں مولیٰ شمار کرایا ہے۔
یعنی اس طرح پڑھنا اولیٰ اور افضل و باعث ادب ہے **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ**۔

مکمل درود نہ لکھنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی ناراضگی

حضرت ابراہیم نسفیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا تو آپ

ﷺ مجھ سے ناراض معلوم نظر آئے میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور بوسہ لے کر پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم لوگ اصحاب سنت اور اہل سنت والجماعۃ میں نہیں ہیں اور میں پردیسی ہوں (شاید یہ اپنے وطن میں نہ ہوں گے) تو آپ ﷺ نے مسکرا دیا اور فرمایا جب تم درود لکھتے ہو تو سلام کیوں نہیں لکھتے۔ چنانچہ اس کے بعد سے میں پورا درود سلام کے ساتھ لکھنے لگا۔

فائدہ......اس سے معلوم ہوا کہ صرف درود مثلاً **صلی اللہ علیہ یا اللھم صل علیہ یا مصلیا** پڑھنا یا لکھنا اور سلام کو چھوڑ دینا آپ ﷺ کی ناراضگی کے باعث ممنوع ہے۔

درود پاک کے نہ لکھنے کی سزا

حضرت ابوزکریاؒ نے بیان کیا ہے کہ بصرہ کا ایک شخص جو مجھ سے متعارف تھا اس نے کہا کہ میرا ایک ساتھی تھا جو حدیث پاک تو لکھا کرتا مگر بخل کی وجہ سے کہ کاغذ زیادہ لگے گا درود پاک نہ لکھا کرتا تھا۔ میں نے اسے دیکھا تو اسے دائیں ہاتھ میں آکلے کی بیماری ہوگئی (القول البدیع)

فائدہ......دیکھا آپ نے کہ بخلِ درود کی سزا کیسی بری ملی۔ اندازہ کیجئے۔

آپ ﷺ نے رخ پھیر لیا

حضرت ابوطاہرؒ بیان کرتے ہیں کہ میں شروع عمر میں جب حدیث پاک لکھا کرتا تھا تو درود پاک نہیں لکھا کرتا تھا۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو متوجہ ہوا اور سلام کیا تو آپ ﷺ نے رخ پھیر لیا میں دوسرے رخ سے متوجہ ہوا پھر آپ ﷺ نے رخ پھیر لیا پھر میں تیسری مرتبہ متوجہ ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کیوں رخ پھیر لیتے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرا نام تمہاری کتاب میں (حدیث لکھنے کے وقت) آتا ہے تو تم درود کیوں نہیں لکھتے، چنانچہ اس کے بعد سے میں (حدیث پاک میں آپ ﷺ کے نام پر) **صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیراً کثیراً** لکھنے لگا (یعنی خوب مبالغہ سے لکھنے لگا)۔ (القول البدیع)

فائدہ......اس سے معلوم ہوا کہ اسم مبارک کسی بھی مقام پر لکھتے وقت درود پاک

کا چھوڑ دینا درست نہیں۔ اسی طرح بعض لوگ اسم مبارک پر "صلعم" لکھ دیتے ہیں اس سے درود کا حکم ادا نہیں ہوتا جیسے "۷۸۶" سے بسم اللہ اور اس کا ثواب نہیں ملتا یہ جہالت ہے افسوس کہ اکثر اہل علم بھی اس میں گرفتار ہیں۔

درود پاک کے ممنوع مقامات

یہ وہ مقامات اور احوال ہیں جن میں درود پاک کا پڑھنا منع ہے ان مقامات پر درود پاک کا پڑھنا کراہیت اور بے ادبی کا باعث ہے۔

(۱)...... تاجر کا سامان تجارت کھول کر دکھانے کے وقت

(۲)...... کسی بڑے آدمی کے آنے کی اطلاع کی غرض سے درود کا پڑھنا۔

(۳)...... مباشرت کے وقت۔

(۴)...... پاخانہ، پیشاب کے وقت۔

(۵)...... حیرت اور تعجب کے وقت۔

(۶)...... ذبح کے وقت (احناف کے یہاں ورنہ شوافع کے یہاں بہتر ہے)۔

(۷)...... خطیب کے خطبہ دینے کے وقت اگر نام آئے (ایسے وقت آہستہ دل سے پڑھے)۔

(۸)...... ٹھوکر کھانے کے وقت۔

(۹)...... فرض نماز کے اندر۔

(۱۰)...... قعدہ اخیرہ کے علاوہ میں۔ (شامی جلد۱)(ردمختار)

درود پاک کے متعلق چند مسائل

مسئلہ...... ہر مسلمان پر عمر میں کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے۔ (سعایہ)

مسئلہ...... نماز میں تشہد کے بعد قعدہ اخیرہ میں درود شریف کا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

مسئلہ...... مجلس میں یا کسی موقع پر بھی آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آجائے تو درود شریف کا

پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ...... مجلس میں آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی بار بار آئے تو پہلی مرتبہ یا ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے، اور باقی مرتبہ مستحب ہے اور امام طحاویؒ کے نزدیک ہر مرتبہ واجب ہے۔

(سعایہ، بحر الرائق جلد ۱)

مسئلہ...... صرف درود پاک پڑھنا بغیر سلام کے درست ہے۔ (القول البدیع)

مسئلہ...... الفاظ درود میں اگر صرف صلوٰۃ ہی کے صیغے ہوں تو سلام کا شامل کرنا مستحب ہے۔ اگر درود پاک کا بار بار تکرار کیا جا رہا ہے تو کبھی کبھی سلام کے صیغے کو شامل کر لینا مستحب ہے۔ (نزل الابرار)

مسئلہ...... جو صیغے صلاۃ وسلام کے احادیث میں مذکور ہیں ان میں کسی لفظ اور کلمے کا اضافہ ممنوع ہے۔ (نزل الابرار)

مسئلہ...... قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا اور رسول اکرم ﷺ کا نام نامی سن لیا کسی نے زور سے آپ ﷺ کا اسم گرامی لیا تو درود پاک پڑھنا واجب نہیں۔ (شامی)

البتہ تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد درود پڑھا تو بہتر ہے۔ (شامی)

مسئلہ...... قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے ایسی آیت آگئی جس میں آپ ﷺ کا نام ہے۔ تو درود تلاوت کے درمیان نہ پڑھے۔ (شامی)

مسئلہ...... خطبہ جمعہ اور عیدین وغیرہ میں آپ ﷺ کا اسم مبارک آئے تو درود نہ پڑھے بلکہ خطبہ سنتا رہے۔ ہاں! دل میں پڑھ لے۔ (شامی)

مسئلہ...... چھینک کے وقت درود نہ پڑھے (احنافؒ کے نزدیک ورنہ تو شوافعؒ کے یہاں بہتر ہے۔ (شامی)

مسئلہ...... نوافل نمازوں کے قعدہ اولیٰ میں درود پڑھنا درست ہے۔ (شامی)

مسئلہ...... درود وغیرہ پڑھتے وقت آواز کا بلند کرنا اور اعضاء کو حرکت دینا جہالت ونادانی ہے اور مکروہ ہے۔ (شامی)

ایک مجلس میں متعدد مرتبہ آپ ﷺ کا اسم مبارک آئے تو امام طحاویؒ کے نزدیک ہر مرتبہ درود واجب ہے۔ اسی کی طرف ابن نجیمؒ صاحبِ بحر کا بھی میلان ہے اور احوط بھی یہی ہے۔

مسئلہ...... درود کے پورے صیغے کا لکھنا لازم ہے۔ بعض لوگ آپ ﷺ کا نام مبارک پر ''ص'' یا ''صلعم'' لکھ دیتے ہیں یہ کافی نہیں۔ اس سے درود کا حکم ادا نہیں ہوتا اور نہ درود کا ثواب ملتا ہے اور نہ واجب ساقط ہوتا ہے۔ افسوس کہ اس میں اکثر اہل علم بھی تساہل برتتے ہیں۔

درود پاک کے مواقع

یہ وہ احوال اور مقامات ہیں جن میں درود پاک کا پڑھنا ثابت ہے اور درود پاک کا پڑھنا فضیلت وثواب اور دینی ودنیاوی برکات وفوائد کا باعث ہے۔

اِن مواقع کو شمس الدین ابن قیم جوزیہؒ نے جلاء الافہام میں، اور شمس الدین سخاویؒ نے القول البدیع فی الصلوٰۃ الحبیب الشفیع میں نہایت ہی تفصیل کے ساتھ احادیث وآثار سے ثابت کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

ان مقامات میں کسی بھی مقام پر درود پاک کا پڑھ لینا خواہ مختصر خواہ طویل ہو کافی ہے اور باعث فضیلت ہے۔

(۱) وضو سے فارغ ہونے کے بعد

(۲) تیمم کے بعد۔

(۳) غسل سے فراغت پر خواہ غسل جنابت ہو یا غسل حیض ونفاس ہو۔

(۴) نماز کے اندر (قعدہ اخیرہ میں)۔

(۵) وصیت نامہ لکھتے وقت۔

(۶) خطبہ نکاح کے وقت۔

(۷) دن کے اول یعنی صبح کے وقت۔

(۸) اور دن کے آخر وقت یعنی شام کے وقت۔

(۹) سونے کے وقت۔

(۱۰) سفر کرتے وقت۔

(۱۱) سواری پر سوار ہوتے وقت۔

(۱۲) بازار سے نکلتے وقت۔

(۱۳) دعوت طعام کے وقت (دسترخوان پر جب کھانے کے لئے بیٹھے)۔

(۱۴) گھر میں داخل ہوتے وقت۔

(۱۵) خط ورسائل شروع کرتے وقت۔

(۱۶) بسم اللہ کے بعد۔

(۱۷) رنج وغم اور پریشانی ومصیبت کے وقت۔

(۱۸) فقر وفاقہ اور تنگی معیشت کے موقعہ پر۔

(۱۹) کسی حاجت وضرورت کے موقع پر۔

(۲۰) ڈوبنے کے وقت۔

(۲۱) طاعون، ہیضہ وبائی امراض کے وقت اس کا ورد۔

(۲۲) دعا کے شروع میں، بیچ میں اور آخر میں۔

(۲۳) کان بجنے کے وقت۔

(۲۴) ہاتھ پیر سن ہونے کے وقت۔

(۲۵) چھینک آنے کے وقت۔

(۲۶) کسی چیز کو رکھ کر بھول جانے کے وقت۔

(۲۷) مولی کھانے کے وقت۔

(۲۸) گدھا بولنے کے وقت۔

(۲۹) گناہ سے توبہ کے وقت۔

(۳۰) نمازِ حاجت کے وقت دعا میں۔

(۳۱) تشہد کے بعد۔

(۳۲) نماز سے فارغ ہونے کے بعد۔

(۳۳) اقامت نماز کے وقت۔

(۳۴) صبح کی نماز کے بعد

(۳۵) مغرب کی نماز سے فارغ ہونے پر۔

(۳۶) قنوت کے بعد۔

(۳۷) تہجد کی نماز کے لئے اٹھنے کے وقت۔

(۳۸) نمازِ تہجد سے فارغ ہونے کے بعد۔

(۳۹) مسجد میں داخل ہونے کے بعد۔

(۴۰) مسجد سے نکلتے وقت۔

(۴۱) مسجد کے پاس سے گزرتے وقت۔

(۴۲) اذان سے فارغ ہونے کے وقت۔

(۴۳) شب جمعہ میں۔

(۴۴) مسجد کو دیکھتے وقت۔

(۴۵) جمعہ کے دن۔

(۴۶) جمعہ کے دن عصر کے بعد۔

(۴۷) پیر کے دن۔

(۴۸) خطبوں میں "جمعہ اور عیدین میں"۔

(۴۹) عید کی تکبیرات کے درمیان۔

(۵۰) جنازہ میں۔

(۵۱) دوسری تکبیر کے بعد۔

(۵۲) میت کو قبر میں داخل کرتے وقت

(۵۳) استسقاء کی نماز میں۔

(۵۴) کسوف اور خسوف کے خطبوں میں۔

(۵۵) کعبہ مبارک دیکھتے وقت۔

(۵۶) اور حج کے موقع میں۔

(۵۷) صفا اور مروہ پر۔

(۵۸) حجر اسود کے استلام کے وقت۔

(۵۹) ملتزم کے پاس۔

(۶۰) عرفہ کے دن ظہر کے بعد۔

(۶۱) مسجد خیف میں۔

(۶۲) تلبیہ سے فارغ ہونے کے بعد۔

(۶۳) مدینہ منورہ نظر آتے وقت۔

(۶۴) قبر اطہر کی زیارت کرتے وقت۔

(۶۵) اور مدینہ منورہ میں قبر اطہر کی زیارت سے رخصت ہوتے وقت۔

(۶۶) مدینہ منورہ کے آثار مبارک دیکھنے کے وقت۔

(۶۷) بدر میں۔

(۶۸) احد وغیرہ میں۔

(۶۹) تمام احوال میں ہر وقت۔

(۷۰) کسی اتہام سے بری ہونے کے لئے۔

(۷۱) احباب سے ملاقات اور ملنے کے وقت۔

(۷۲) مجمع میں جانے کے وقت۔

(۷۳) مجمع سے علیحدہ اور واپس ہونے کے وقت۔

(۷۴) ختم قرآن پاک کے وقت (دعا کے موقع پر)۔

(۷۵) حفظ قرآن کی دعا میں۔

(۷۶) مجلس سے اٹھنے کے وقت۔

(۷۷) ہر ذکر اللہ کے موقع پر۔

(۷۸) ہر کلام کے آغاز میں۔

(۷۹) آپ ﷺ کے ذکر کے تذکرہ مبارک کے وقت۔

(۸۰) علم کی نشر و اشاعت کے وقت۔

(۸۱) وعظ کے وقت۔

(۸۲) حدیث پاک کے پڑھنے کے وقت۔

(۸۳) فتویٰ لکھتے وقت۔

(۸۴) نام مبارک لکھتے وقت۔

خیال رہے کہ آپ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ درود پاک کا لکھنا یا ذکر کے وقت پڑھنا واجب ہے۔ اس کی احادیث پاک میں بڑی تاکید اور اس کے خلاف سخت وعید وارد ہے۔ مزید یہ ہے کہ اسم مبارک لکھنے کے بعد ﷺ یا علیہ الصلوٰۃ والسلام پورا لکھنا ضروری ہے۔ صرف ''صلعم'' یا ''ص'' لکھنے سے درود پاک کا نہ حکم پورا ہوتا ہے نہ ثواب ملتا ہے۔

درود کے خصوصی فضائل اور دینی دنیاوی برکات وثمرات

علامہ شمس الدین سخاویؒ نے القول البدیع میں اولاً اجمالاً خصوصی فضائل و دینی و دنیاوی برکات وثمرات کو بیان کیا ہے پھر ان کو تفصیلاً احادیث سے ثابت کیا ہے اسی طرح محدث بھوپالیؒ نے نزول الابرار میں درود کے خصوصی برکات وفوائد کو ذکر کیا ہے اور جس راوی کی روایت سے وہ ثابت ہیں۔ اس کی طرف اجمالاً اشارہ کیا ہے ذیل میں ہم درود پاک کے خصوصی فضائل برکات کو اجمالاً ذکر کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ درود پاک

کیسی عظیم واہم فضیلتوں اور برکات وفوائد کو شامل ہے جس سے اس بات کی ترغیب حاصل ہوتی ہے کہ ہر مومن درود پاک کا کثرت سے وِرد رکھے۔

(۱) خدائے پاک کی موافقت حاصل ہوتی ہے کہ خدائے پاک بھی درود بھیجتے ہیں۔

(۲) ملائکہ کی موافقت حاصل ہوتی ہے کہ وہ بھی درود بھیجتے ہیں۔

(۳) مومن کا ایک درود خدائے پاک کی دس رحمتوں کا باعث۔

(۴) حضرات ملائکہ کی رحمت ودعا کا باعث۔

(۵) رسول اکرم ﷺ کی رحمت ودعا کا باعث۔

(۶) ایک درود دس رحمتوں دس گناہوں کی معافی دس درجات کی بلندی کا باعث۔

(۷) سو درود جہنم اور نفاق سے برأت نامہ کا باعث۔

(۸) سو درود سو حاجتوں کے پورا ہونے کا باعث۔

(۹) سو درود شہداء کے ساتھ رہنے کا ذریعہ۔

(۱۰) سو مرتبہ درود سے فرشتوں کا ایک ہزار درود۔

(۱۱) ایک مرتبہ درود سے ایک قیراط برابر ثواب۔

(۱۲) درود پڑھنے والے کی استغفار۔

(۱۳) گناہوں کی معافی۔

(۱۴) اعمال کی زکوٰۃ اور اس کی پاکیزگی۔

(۱۵) غلام کی آزادی سے زیادہ ثواب۔

(۱۶) بڑے ترازو میں اس کے اعمال کا تولنا۔

(۱۷) رسول اکرم ﷺ کا شانہ میں شانہ ملا کر جنت کے دروازوں سے جانے کا سبب۔

(۱۸) ایک درود حضرات فرشتوں کی ستر (۷۰) رحمتوں کا سبب۔

(۱۹) رسول اکرم ﷺ کی شفاعت کا سبب۔

(۲۰) آپ ﷺ کی شہادت کا باعث۔

(۲۱) قیامت کے خوف سے نجات کا باعث۔

(۲۲) ترازو کے اعمال صالحہ کے بھاری ہونے کا باعث۔

(۲۳) عرش کے سایہ میں جگہ ملنے کا باعث۔

(۲۴) جنت میں کثرت ازواج کا سبب۔

(۲۵) قیامت میں سب سے زیادہ آپ ﷺ سے قریب ہونے کا سبب۔

(۲۶) خدا کی رضا اور خوشنودی کا باعث۔

(۲۷) حوض کوثر سے سیرابی کا باعث۔

(۲۸) حضرات ملائکہ کرام کی محبت اور اعانت کا باعث۔

(۲۹) میدان قیامت کی سخت ترین پیاس سے محفوظ رہنے کا ذریعہ۔

(۳۰) پل صراط پر ثابت قدمی کا باعث۔

(۳۱) غزوات کے برابر ثواب۔

(۳۲) صدقہ کا ثواب ملتا ہے اگر صدقہ کے لئے مال نہ ہو۔

(۳۳) احب الاعمال کا ہونا۔

(۳۴) مجالس کی زینت کا ہونا۔

(۳۵) فقر اور تنگی معیشت کے دور ہونے کا ذریعہ۔

(۳۶) درود کی برکت اس کی اور اس کی نسلوں میں چلتی ہے۔

(۳۷) قیامت میں آپ ﷺ سے مصافحہ کا باعث۔

(۳۸) دل کی زنگ کے صاف ہونے کا باعث۔

(۳۹) بھولی اشیاء کے یاد ہونے کا باعث۔

(۴۰) راہِ جنت کی خطا سے حفاظت کا باعث۔

(۴۱) قوت اور حیات قلب کا باعث۔

(۴۲) درود پڑھنے والے کے امور میں برکات کا باعث۔

(۴۳) حب رسول کی زیادتی کا سبب۔

(۴۴) لوگوں کی نگاہوں میں محبوب اور مکرم ہونے کا باعث۔

(۴۵) خواب میں آپ ﷺ کی زیارت کا باعث۔

(۴۶) ایسے نور کے حصول کا باعث جس سے دشمنوں پر غالب ہو جائے۔

(۴۷) رنج غم حوادث ومصائب کے دور ہونے کا ذریعہ۔

(۴۸) غرق سے امان کا باعث۔

(۴۹) مال کی برکت کا باعث۔

(۵۰) مرنے سے پہلے دنیا میں بشارت جنت یا ٹھکانہ جنت دیکھنے کا باعث۔

(۵۱) لوگوں کی غیبت سے محفوظ رہنے کا باعث۔

(۵۲) تہمت سے بری ہونے کا ذریعہ۔

(۵۳) دین ودنیا کی تمام برکتوں اور فوائد کا ذریعہ۔

(۵۴) دعاؤں کی قبولیت کا باعث کہ درود قبول ہو جاتی ہے تو اس کی برکت سے دعا بھی قبول ہو جاتی ہے۔ (ماخوذ القول البدیع، جلاء الافہام)

درود شریف کی حکمت

انسانوں پر، خاص کر ان بندوں پر جن کو کسی نبی کی ہدایت وتعلیم سے ایمان نصیب ہوا اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا احسان اس نبی ورسول کا ہوتا ہے جس کے ذریعہ ان کو ایمان ملا ہو اور ظاہر ہے کہ امتِ محمدیہ ﷺ کو ایمان کی دولت اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطہ سے ملی ہے، اس لئے یہ امت اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ممنونِ احسان رسول اکرم ﷺ کی ہے۔ پھر جس طرح؟ اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک اور پروردگار ہیں اس کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت اور حمد وتسبیح کی جائے، اسی طرح اس کے پیغمبروں کا حق ہے کہ ان پر درود وسلام بھیجا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے مزید رحمت، رافت اور رفع

درجات کی دعا کی جائے۔ درود وسلام کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہ دراصل ان محسنوں کا بارگاہ میں عقیدت ومحبت کا ہدیہ، وفاداری وانکساری کا نذرانہ اور ممنونیت وشکر گزاری کا اظہار ہوتا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ ان کو ہماری دعاؤں کی کیا احتیاج، بادشاہوں کو فقیروں اور مسکینوں کے ہدیوں اور تحفوں کی کیا ضرورت! تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ تحفہ بھی ان کی خدمت میں پہنچاتا ہے، اور ہماری اس دعا والتجاء کے حساب میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کے الطاف وعنایات میں اضافہ ہوتا ہے، اور سب سے بڑا فائدہ اس دعا گوئی اور اظہارِ وفاداری کا خود ہم کو پہنچتا ہے، ہمارا ایمانی رابطہ مستحکم ہوتا ہے، اور ایک دفعہ کے مخلصانہ درود کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی کم از کم دس رحمتوں کے ہم مستحق ہوجاتے ہیں یہ ہے درود وسلام کا راز اور اس کے فوائد ومنافع۔

درود وسلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے

اس کے علاوہ ایک خاص حکمت درود وسلام کا یہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہیں، جب ان کے لئے حکم یہ ہے کہ ان پر درود وسلام بھیجا جائے۔ یعنی ان کے واسطے اللہ تعالیٰ سے رحمت وسلامتی کی دعا کی جائے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سلامتی اور رحمت کے لئے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، اور ان کا حق اور مقامِ عالی بس یہی ہے کہ ان کے واسطے رحمت وسلامتی کی دعائیں کی جائیں۔ رحمت وسلامتی خود ان کے ہاتھ میں نہیں ہے، اور جب ان کے ہاتھ میں نہیں ہے تو پھر ظاہر ہوا کہ کسی مخلوق کے بھی ہاتھ میں نہیں ہے، کیونکہ ساری مخلوق میں انہیں کا مقام سب سے بالا وبرتر ہے، اور شرک کی جڑ اور بنیاد یہی ہے کہ خیر ورحمت اللہ کے سوا کسی اور کے قبضہ میں بھی سمجھی جائے۔ بہر حال درود وسلام نے ہم کو نبیوں کا دعا گو بنادیا، اور جو بندہ پیغمبروں کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہوسکتا ہے۔

درود وسلام کے فضائل

"رسول اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ جس کے سامنے میرا تذکرہ آئے اُس کو

چاہیئے کہ مجھ پر درود بھیجے اور جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اُس پر دس دفعہ درود بھیجے گا اور اُس کی دس خطائیں معاف کرے گا اور اُس کے دس درجے بلند کرے گا'' (ترغیب جلد۲)

فائدہ:۔ علامہ منذریؒ نے ترغیب میں حضرت براءؓ کی روایت سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ ہے کہ یہ اس کے لئے دس غلام آزاد کرنے کے بقدر ہوگا۔

(ترغیب جلد۲)

اور طبرانی کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے اور جو مجھ پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس پر سو مرتبہ درود بھیجتا ہے، اور جو مجھ پر سو دفعہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی پیشانی پر براءة من النفاق و براءة من النار لکھ دیتے ہیں، یعنی یہ شخص نفاق سے بھی بری ہے اور جہنم سے بھی بری ہے اور قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ اُس کا حشر فرمائیں گے۔

(ترغیب جلد۲)

علامہ سخاویؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو مجھ پر دس دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر سو دفعہ درود بھیجیں گے اور جو مجھ پر سو دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اُس پر ہزار دفعہ درود بھیجیں گے اور جو عشق و شوق میں اس پر زیادتی کرے گا میں اُس کے لئے قیامت کے دن سفارشی ہوں گا اور گواہ۔

حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ بہت ہی بشاش تشریف لائے۔ چہرۂ انور پر بشاشت کے اثرات تھے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اکرم ﷺ! آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر آج بہت ہی بشاشت ظاہر ہو رہی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صحیح ہے، میرے پاس میرے رب کا پیغام آیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کی امت میں سے جو شخص ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اُس کے لئے دس نیکیاں لکھیں گے اور دس سیئات اُس سے مٹائیں گے اور دس درجے اس کے بلند کریں گے۔

(ترغیب جلد۲)

ایک روایت میں اِسی قصہ میں ہے کہ تیری امت میں سے جو شخص ایک دفعہ درود بھیجے گا میں اس پر دس دفعہ درود بھیجوں گا، اور جو ایک دفعہ سلام بھیجے گا میں اس پر دس دفعہ سلام بھیجوں گا۔ (ترغیب جلد۲)

ایک اور روایت میں اسی قصہ میں ہے کہ ایک دن رسول اکرم کا چہرۂ انور خوشی سے بہت ہی چمک رہا تھا اور خوشی کے انوار چہرۂ انور پر بہت ہی محسوس ہو رہے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! جتنی خوشی آج چہرۂ انور پر محسوس ہو رہی ہے اتنی تو پہلے محسوس نہیں ہوتی تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے کیوں نہ خوشی ہو، ابھی حضرت جبرائیلؑ میرے پاس سے گئے ہیں اور وہ یوں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی امت میں سے جو شخص ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے دس نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھیں گے اور دس گناہ معاف فرمائیں گے اور دس درجے بلند کریں گے اور ایک فرشتہ اس سے وہی کہے گا جو اس نے کہا۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جبرائیلؑ سے پوچھا یہ فرشتہ کیسا؟ تو حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو قیامت تک کے مقرر کر دیا ہے کہ جو آپ ﷺ پر درود بھیجے وہ اس کے لئے وَاَنْتَ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْکَ کی دعا کرے اور طبرانی ہی سے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص صبح کو مجھ پر دس بار درود بھیجے گا اور شام کو دس بار، قیامت کے دن اُس کے لئے میری شفاعت ہوگی۔ (ترغیب جلد۲)

''حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو (زمین میں) پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں''۔ (ترغیب جلد۲)

فائدہ......اور بھی معتدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے۔ علامہ سخاویؒ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی روایت سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں جو میری امت کا درود مجھ تک پہنچاتے رہتے ہیں۔

''حضرت عمار بن یاسرؓ نے رسول اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت عطاء فرما رکھی ہے پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا رہے گا وہ فرشتہ مجھ کو اُس کا اور اُس کے باپ کا نام لے کر درود پہنچاتا ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے، اُس نے آپ ﷺ پر درود بھیجا ہے''۔ (الترغیب جلد۲)

درود شریف کا پڑھنے سے پہلے اور روزانہ پڑھنے کے بعد یہ دعا خوب رو رو کر مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں رسول اکرم ﷺ کی ایک ایسی سچی محبت نصیب فرما کہ ان کے احکامات اور طریقوں پر عمل کرنا آسان ہو جائے اور ہمیں ان کے دین کو ساری دنیا میں پھیلانے کے لئے قبول فرما، ہماری اولاد اور آنے والی نسلوں کو دین محمدی ﷺ کی خدمت کے لئے قبول فرما، ہم سے دین کا ایسا کام لے کہ قیامت کے دن رسول اکرم ﷺ ہم سے خوش ہو جائیں، اور ہماری موت بھی دین پھیلاتے ہوئے اپنے راستے میں اور رسول اکرم ﷺ کے شہر مدینہ منورہ میں عافیت کے ساتھ مقدر فرما۔ (آمین یارب العالمین)

درود پاک کے چند مخصوص صیغے اور ان کے فضائل

درودِ غنا

حضرت ابو عبداللہ القسطلانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی تو آپ ﷺ سے تنگی معاش کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَ هَبْ لَنَا اللّٰهُمَّ مِنْ رِزْقِكَ الْحَلَالِ الطَّيِّبِ الْمُبَارَكِ مَا تَصُوْنُ بِهٖ وَجُوْهَنَا عَنِ التَّعَرُّضِ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ وَاجْعَلْ لَّنَا اللّٰهُمَّ اِلَيْهِ طَرِيْقًا سَهْلًا مِّنْ غَيْرِ تَعَبٍ وَّلَا نَصَبٍ وَّلَا مِنَّةٍ وَّلَا تَبِعَةٍ وَجَنِّبْنَا اللّٰهُمَّ الْحَرَامَ حَيْثُ كَانَ وَاَيْنَ كَانَ وَ عِنْدَ مَنْ كَانَ وَحُلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ اَهْلِهٖ وَاقْبِضْ عَنَّا اَيْدِيَهُمْ وَاصْرِفْ عَنَّا قُلُوْبَهُمْ حَتّٰى لَا نَتَقَلَّبَ اِلَّا فِيْمَا

يُرْضِيْكَ وَلَا نَسْتَعِيْنَ اِلَّا فِيْمَا يُرْضِيْكَ وَلَا نَسْتَعِيْنَ اِلَّا عَلٰى مَا تُحِبُّ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ (القول البدیع)

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ذکر اور درود کی کثرت فقر و غربت دور کرتی ہے۔ (جلاء الافہام)

درود جام حوض کوثر

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ حوض مصطفیٰ (کوثر) سے لبالب جام پئے اسے چاہیئے کہ وہ یہ درود پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَوْلَادِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَصْهَارِهٖ وَاَنْصَارِهٖ وَاَشْيَاعِهٖ وَمُحِبِّيْهِ وَاُمَّتِهٖ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ اَجْمَعِيْنَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ○ (القول البدیع)

امام دارمیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن حامدؒ کو مرنے کے بعد کئی مرتبہ (خواب میں) دیکھا تو ان سے پوچھا۔ اللہ پاک نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا انہوں نے کہا رحم فرمایا اور مغفرت فرمادی۔ تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون سا عمل ہے جس سے جنت میں داخل ہو سکتا ہوں کہا ایک ہزار رکعت نماز پڑھو۔ اور ہر رکعت میں ایک ہزار مرتبہ قل ہو اللہ پڑھو۔ انہوں نے کہا اس کی طاقت نہیں رکھتا تو انہوں نے کہا ہر رات نبی پاک ﷺ پر ایک ہزار درود بھیجو۔ چنانچہ وہ ہر رات اسی طرح کرتے۔ (القول البدیع)

درود تلافی صدقہ و خیرات

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس مسلمان کے پاس صدقہ کی وسعت نہ ہو وہ یہ دعائیں پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ۔ (جلاء الافہام، الترغیب جلد ۲)

فائدہ...... جو مال کی کمی یا نہ ہونے کی وجہ سے جو مالی ثواب۔ صدقات وخیرات کا ثواب نہیں حاصل کر سکتے ہیں ان کے لئے اس درود کا معمول اس تلافی کا باعث ہے کس قدر خدا کا فضل وکرم ہے کہ بندہ کو کسی جانب محروم نہیں رہنے دینا چاہتے ہیں۔

بہترین درود

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب مجھ پر درود بھیجو، تو بہترین درود بھیجو۔ تمہیں شاید کہ یہ نہیں معلوم وہ ہم پر پیش کیا جاتا ہے یہ پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتَکَ وَرَحْمَتَکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیّنَ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَقَائِدِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ یَغْبِطُهٗ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ ○

(القول البدیع)

حضرت عبداللہ الموصلیؒ نے بیان کیا کہ جو چاہے کہ بہترین حمد خدائے پاک اور افضل ترین درود پڑھے اسے چاہیئے کہ یہ حمد صلوٰۃ پڑھے۔ (القول البدیع)

اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَآ اَنْتَ اَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَآ اَنْتَ اَهْلُهٗ وَافْعَلْ بِنَا مَآ اَنْتَ اَهْلُهٗ فَاِنَّکَ اَهْلُ التَّقْوٰی وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ○

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب تم خدا کے رسول ﷺ پر درود بھیجو تو بہترین درود بھیجو شاید تمہیں نہیں معلوم وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے تو صحابہؓ نے کہا ہمیں سکھا دیجئے آپ نے فرمایا یہ پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَکَ وَرَحْمَتَکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیّنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَقَائِدِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ یَغْبِطُهٗ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی

اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (ابن ماجہ)

درود برائے دفع جملہ مصائب و پریشانی وقضاء حاجات

علامہ فاکہانیؒ کی الفجر المنیر میں شیخ صالح الضریرؒ سے مروی ہے کہ وہ سمندری سفر میں تھے۔ سمندری طوفان آ گیا جس سے بہت کم ہی جہاز ہلاکت سے بچتا ہے۔ اسی حالت میں نیند آ گئی تو خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے تعلیم فرمائی کہ تمام اہل جہاز سوار ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ میں بیدار ہوا اور تمام جہاز پر سواروں کو بتایا سب نے یہ درود پڑھا۔ اس درود کی برکت سے ہم سب بچ گئے۔ ہوا خاموش ہو گئی۔ حسن بن علی الاسوانیؒ نے بیان کیا ہے کہ نازل شدہ مصائب و حوادث پر ایک ہزار پڑھنے سے نجات ملتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنَجِّیْنَا بِهَا مِنْ جَمِیْعِ الْأَهْوَالِ وَالْآفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِهَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَکَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَآ اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیَاۃِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ o (القول البدیع)

فائدہ...... کسی بھی رنج و غم، مصیبت و پریشانی اور فکر کے وقت اس کا پڑھنا بہت مفید اور مجرب ہے۔ اس کے ساتھ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا بھی اضافہ منقول ہے

درود دفع امراض مہلکہ

نزہۃ المجالس میں لکھا ہے کہ بعض صلحاء میں سے ایک صاحب کو حبس بول ہو گیا۔ انہوں نے خواب میں عارف باللہ شیخ شہاب الدین بن ارسلانؒ کو جو بڑے زاہد اور عالم تھے دیکھا اور ان سے اپنے مرض کی شکایت و تکلیف کہی۔ انہوں نے فرمایا تو تریاق مجرب سے کیا غافل ہے۔ یہ درود پڑھا کر۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی رُوْحِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی قَلْبِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْقُلُوْبِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ وَصَلِّ عَلٰی قَبْرِ مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ ٥

خواب سے اٹھنے کے بعد ان صاحب نے اس درود کو کثرت سے پڑھا اور ان کا مرض زائل ہو گیا۔ (نزہۃ المجالس، فضائل درود)

درودِ مکیال اوفی

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہمارے گھر والے پر درود بھیجے اور چاہے کہ اس کا درود کسی بڑے پیمانے میں وزن کیا جائے وہ یہ درود شریف پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. (ابوداؤد جلد ۱)

حضرت علیؓ کی روایت میں یہ ہے کہ جو چاہے کہ ہمارے اہل بیت پر درود بھیجے اور اس کا درود بڑے پیمانے میں تولا جائے تو یہ درود پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتَکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. (القول البدیع)

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

درود پاک کی برکت سے طاعون ہیضہ وغیرہ کی بلاؤں سے حفاظت

حضرت ابن خطیبؒ نے بیان کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ پر درود پاک کی کثرت طاعون سے محفوظ رکھتی ہے اور اسے دور کرتی ہے۔

طاعون و دیگر متعدی بلاؤں کے موقع پر عام درود کے علاوہ علامہ سخاویؒ نے اس درود پاک کو نقل کیا ہے۔ جو ابن ابی حجلہؒ سے منقول ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَاةً تَعْصِمُنَا بِهَا مِنَ الْاَحْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّئَاتِ. (القول البدیع)

وہ درود پاک جس کی وجہ سے نبی ﷺ اور صدیقؓ کے درمیان جگہ ملی

حضرت ابن سبقؒ نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ اور صدیق اکبر کے درمیان کوئی بیٹھتا نہ تھا۔ ایک دن ایک شخص آیا آپ ﷺ نے اسے اپنے اور صدیق اکبرؓ کے درمیان بٹھایا صحابہؓ کو اس پر تعجب ہوا اس کے جانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا یہ مجھ پر اس طرح درود پڑھا کرتا تھا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى لَهٗ. (القول البدیع)

وہ درود جس کا ثواب ایک ہزار دن تک

بروایت طبرانی حضرت جابرؓ کی حدیث سے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص صبح و شام یہ درود پڑھا کرے گا۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَاجْزِ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاهُوَ اَهْلُهٗ ○ تو اس ثواب لکھنے والوں کو ایک ہزار دن تک مشقت میں ڈالے رکھے گا۔ مشقت میں ڈالے گا کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک ہزار دن تک اس کا ثواب لکھتے لکھتے تھک جائیں گے۔ (طبرانی فضائل درود)

وہ درود جس کا ثواب ستر فرشتے لکھیں گے

حضرت ابن عباسؓ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص یہ دعا کرے۔ تو اس کا ثواب ستر فرشتوں کو ایک ہزار دن تک مشقت میں ڈالے گا۔ (یعنی ایک ہزار دن تک ثواب لکھتے لکھتے تھک جائیں گے) جَزَى اللّٰهُ عَنَّا مُحَمَّدًا (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) مَا هُوَ اَهْلُهٗ (الترغیب)

درودِ زیارت

(۱)۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ترغیب اہل السعادۃ میں لکھا ہے کہ دو رکعت نماز نفل

پڑھے۔ اور ہر رکعت میں گیارہ بار آیۃ الکرسی اور گیارہ بار قل ھو اللہ اور بعد سلام سو بار یہ درود شریف پڑھے۔ انشاء اللہ تین جمعے نہ گزرنے پائیں گے کہ زیارت نصیب ہوگی، وہ درود شریف یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ o

(جذب القلوب، فضائل درود شریف)

(۲)۔ اسی طرح شیخ نے لکھا ہے کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اور دو رکعت میں الحمد اللہ کے بعد ۲۵ مرتبہ قل ھو اللہ اور سلام کے بعد یہ درود شریف ہزار مرتبہ پڑھے زیارت نصیب ہو گی۔ صَلَّی اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ o (جذب القلوب، فضائل درود)

(۳)۔ علامہ سخاویؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کی خواب میں زیارت کا ارادہ رکھتا ہو وہ یہ درود شریف پڑھا کرے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَآ اَمَرْتَنَآ اَنْ نُصَلِّیَ عَلَیْهِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا ھُوَ اَھْلُهٗ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی لَهٗ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی قَبْرِ مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ o (القول البدیع)

ف...... بستر پر یہ دورد پاک پڑھتا رہے۔ بہتر ہے کہ طاق عدد میں پڑھے۔

(۴)۔ علامہ دمیریؒ نے حیوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز کے بعد باوضو ایک پرچہ پر ”محمد رسول اللہ (ﷺ)“ احمد رسول اللہ (ﷺ) پینتیس مرتبہ لکھے اور اس پرچے کو اپنے ساتھ رکھے تو اللہ جل شانہٗ اس کو اطاعت پر قوت عطا فرماتے ہیں برکت میں اعانت فرماتے ہیں شیاطین کے وساوس سے حفاظت فرماتے ہیں اور اگر اس پرچہ کو روزانہ طلوع آفتاب کے وقت درود شریف پڑھتے ہوئے غور سے دیکھتا رہے تو نبی پاک ﷺ کی خواب میں زیارت بکثرت ہوا کرے گی۔ (فضائل درود شریف)

(۵)۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ ستر مرتبہ سوتے وقت اس درود شریف کے پڑھنے سے خواب میں زیارت نصیب ہوتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بَحْرِ اَنْوَارِکَ وَمَعْدِنِ اَسْرَارِکَ وَلِسَانِ حُجَّتِکَ وَعُرُوْسِ مَمْلَکَتِکَ وَاِمَامِ حَضْرَتِکَ وَطِرَازِ مُلْکِکَ وَخَزَائِنِ رَحْمَتِکَ وَطَرِیْقِ شَرِیْعَتِکَ الْمُتَلَذِّذِ بِتَوْحِیْدِکَ اِنْسَانِ عَیْنِ الْوُجُوْدِ وَالسَّبَبِ فِیْ کُلِّ مَوْجُوْدٍ عَیْنِ اَعْیَانِ خَلْقِکَ الْمُتَقَدِّمِ مِنْ نُوْرِ ضِیَائِکَ صَلٰوۃً تَدُوْمُ بِدَوَامِکَ وَتَبْقٰی بِبَقَائِکَ لَامُنْتَھٰی لَھَا دُوْنَ عِلْمِکَ صَلٰوۃً تُرْضِیْکَ وَتُرْضِیْهِ وَتَرْضٰی بِھَا عَنَّا یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ (فضائل درود)

فائدہ......خیال رہے کہ خواب میں زیارت کے لئے اصل اور بنیادی چیز ایمانی اور روحانی قوت اور محبت رسول ﷺ ہے۔ پھر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خواب میں آپ ﷺ کی زیارت کا ہونا ایمان اور تقویٰ کا معیار ہو اور زیارت نہ ہونا ایمان وتقویٰ سے خالی ہونے کی علامت ہو ایسی بات ہرگز نہیں۔ اصل چیز شریعت وسنت کی اتباع ہے۔ شریعت وسنت پر پابندی سے عمل ذریعہ نجات ہے گو وہ زیارت سے محروم ہو اور اگر شریعت وسنت پر عامل نہیں اور نہ اس کی فکر واہتمام۔ مگر زیارت سے کسی وجہ سے مشرف۔ تو باعث نجات نہیں۔

درود شفاعت

(۱)......حضرت رویفع بن ثابت انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا جو یہ درود پڑھے گا اس پر (کے لئے) میری شفاعت قیامت کے دن لازم ہوگی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (مسند بزار، القول البدیع)

(۲)......حضرت ابن ابی عاصمؒ نے ایک صحابیؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جو شخص ۷ جمعہ تک ۷، ۷ مرتبہ یہ درود پڑھے گا اس کے لئے میری شفاعت لازم ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لَکَ رِضًا وَّ لِحَقِّهٖ اَدَاءً وَّ اَعْطِهِ الْوَسِیْلَةَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مِنْ اَفْضَلِ مَا جَزَیْتَ نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِهٖ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ

النَّبِیِّیْنَ وَالصَّالِحِیْنَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ○ (القول البدیع)

(۳)......حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ درود پڑھے گا قیامت کے دن میں اس کی گواہی اور اس کے لئے شفاعت کروں گا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ وَتَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ ○ (ادب مفرد و نزول الابرار)

(۴)......علامہ سخاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ سے مروی ہے کہ جو روحوں میں سے محمد ﷺ کی روح پر جسموں میں سے آپ ﷺ کے جسم مبارک پر قبروں میں سے آپ ﷺ کی قبر مبارک پر درود پڑھے گا۔ خواب میں میری زیارت کرے گا۔ اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا قیامت میں دیکھے گا اور جو مجھے قیامت میں دیکھے گا میں اس کی شفاعت کروں گا اور میں جس کی شفاعت کروں گا وہ میرے حوض سے سیراب ہوگا اور اللہ اس کے جسم پر جہنم حرام فرمادے گا۔ (القول البدیع)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَآ اَمَرْتَنَا اَنْ نُصَلِّیَ عَلَیْہِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا ھُوَ اَھْلُہٗ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی لَہٗ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ . اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی قَبْرِ مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ. (القول البدیع)

(۵)......حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح دس مرتبہ اور شام کو دس مرتبہ مجھ پر درود پڑھے گا وہ قیامت کے دن میری شفاعت پائے گا۔ (جلاء الافہام)

(۶)......حضرت امام ابو بکر مزنیؒ جو مشہور تابعی ہیں سے مرفوعاً منقول ہے کہ جو شخص دن کے شروع اور آخر حصہ شام میں دس دس مرتبہ درود پڑھے گا قیامت کے دن میری شفاعت پائے گا۔ (القول البدیع)

(۷)......حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کی اذان کے بعد پڑھے اس پر میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلاۃِ الْقَآئِمَۃِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَاَعْطِہِ الْوَسِیْلَۃَ وَالشَّفَاعَۃَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ o (ابن سنی، القول)

(۸)......حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اذان کے وقت یہ درود پڑھے اس پر (کے لئے) میری شفاعت واجب ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ بَلِّغْہُ دَرَجَۃَ الْوَسِیْلَۃِ عِنْدَکَ وَجَعَلْنَا فِیْ شَفَاعَتِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ o (طبرانی، القول البدیع)

(۹)......حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اذان کے بعد (وقت) یہ پڑھے گا میری شفاعت پائے گا۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ والصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ اَعْطِ مُحَمَّدًا سُؤْلَہٗ o

(۱۰)......حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو مسلمان بھی نماز کی اذان سنے (اور یہ پڑھے) تو مجھ پر قیامت کے دن اس کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ. اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ. اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُحَمَّدِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَاجْعَلْ فِی الْاَعْلَیْنَ دَرَجَتَہٗ. وَفِی الْمُصْطَفَیْنَ مَحَبَّتَہٗ وَفِی الْمُقَرَّبِیْنَ ذِکْرَہٗ، (طحاوی، طبرانی، القول البدیع)

ہر فرض نماز کے بعد درود شریف

حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد یہ درود پڑھے گا اس پر قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگی۔

اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُحَمَّدًا الْوَسِیْلَۃَ وَاجْعَلْ فِی الْمُصْطَفَیْنَ مَحَبَّتَہٗ وَفِی

الْعَالَمِيْنَ دَرَجَتَهٗ وَفِي الْمُقَرَّبِيْنَ دَارَهٗ. (طبرانی، القول البدیع)

فائدہ......ان احادیث مبارکہ مذکورہ میں خصوصی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت لازم ہوگی۔ لہٰذا ان میں سے کسی بھی درود کا معمول اختیار کرے تاکہ قیامت کے میدان میں یہ بیش بہا دولت نصیب ہو۔

درود امام شافعیؒ

حضرت ابن بنان الاصبہانیؒ نے ذکر کیا کہ میں نے خواب میں رسول پاک ﷺ کی زیارت کی تو میں نے آپ ﷺ نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! محمد بن ادریس الشافعیؒ جو آپ ﷺ کے چچا کے نسل سے ہیں آپ ﷺ نے ان کے ساتھ کوئی خاص اعزازی معاملہ فرمایا؟ فرمایا ہاں! میں نے اللہ پاک سے یہ سوال کیا کہ ان کا حساب نہ لیا جائے۔ آپ ﷺ سے میں نے عرض کیا یہ کس وجہ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ مجھ پر ایسا درود پڑھتے تھے جو کسی نے ان الفاظ سے نہیں پڑھا۔ میں نے پوچھا وہ کون سا درود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ یہ پڑھتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ. (القول البدیع)

حضرت امام بیہقیؒ نے بیان کیا کہ حضرت امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ اللہ پاک نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا انہوں نے جواب دیا مغفرت ہو گئی پوچھا گیا کس وجہ سے انہوں نے جواب دیا درود پاک کے ان پانچ کلمات کی وجہ سے جو میں پڑھا کرتا تھا۔ پوچھا گیا وہ کلمات کیا ہیں تو انہوں نے فرمایا وہ یہ ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَآ اَمَرْتَ اَنْ يُّصَلّٰى وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ اَنْ يُّصَلّٰى عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا يَنْبَغِي الصَّلٰوةُ عَلَيْهِ ○ (القول البدیع)

فائدہ......حضرت امام شافعیؒ کی جانب جو منسوب درود ہے وہ اول والا مشہور ہے

چنانچہ حضرت موصوف کے متعلق اس نوع کے کئی خواب منقول ہیں علامہ سخاویؒ قول البدیع میں نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا میں نے ان سے پوچھا اللہ پاک نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا انہوں نے کہا اللہ نے مجھ پر رحم فرمایا میری مغفرت فرمادی اور میرے لئے جنت ایسی مزین کی گئی جیسا کہ دلہن کو مزین کیا جاتا ہے۔ اور میرے اوپر ایسی بکھیری گئی جیسا دلہن پر بکھیری جاتی ہے) شادی میں دولہا اور دلہنوں پر روپے پیسے وغیرہ نچھاور کئے جاتے ہیں) میں نے پوچھا یہ مرتبہ کیسے پہنچا مجھ سے یوں کہا کہ کتاب الرسالہ میں جو درود لکھا ہے اس کی وجہ سے۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہے مجھے بتایا کہ وہ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَعَدَدَ مَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ حضرت نمیریؒ وغیرہ نے امام مزنیؒ کی روایت سے ان کے خواب کا قصہ اس طرح نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا میں نے دیکھا کہ آپ کے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا انہوں نے کہا میری مغفرت فرمادی ایک درود کی وجہ سے جو میں نے اپنی کتاب رسالہ لکھا تھا وہ یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ ○ حضرت امام بیہقیؒ نے ابوالحسن شافعیؒ سے ان کا خواب نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی میں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ! امام شافعیؒ نے جو اپنے رسالہ میں درود لکھا ہے صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ آپ ﷺ کی طرف سے ان کو کیا بدلہ دیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے یہ بدلہ دیا گیا ہے کہ وہ حساب کے لئے نہیں روکے جائیں گے۔ (فضائل درود)

بعض اوقات کے مخصوص فضائل

نماز پنجگانہ کے بعد درود پر آپ ﷺ کے اکرام کا ایک واقعہ

حضرت ابوموسیٰ مدینیؒ، ابن بشکوالؒ اور ابن سعدؒ نے اپنی سند سے بیان کیا کہ محمد بن

عمرؒ نے کہا کہ میں ابوبکر بن مجاہدؒ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ شبلیؒ ان کے پاس آئے۔ ابوبکر بن مجاہدؒ کھڑے ہوئے ان سے معانقہ کیا اور ان کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ میں نے کہا میرے آقا آپ نے شبلیؒ کے ساتھ (اس درجہ کا معاملہ کیا) ایسا برتاؤ کیا حالانکہ آپ اور تمام اہل بغداد اسے مجنون اور پاگل سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا میں نے ان کے ساتھ ایسا ہی (اکرام کا برتاؤ) کیا۔ جیسا کہ ان کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کو کرتے دیکھا چنانچہ میں نے رسول پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا اور شبلیؒ آئے تو آپ اس کے لئے کھڑے ہو گئے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! شبلیؒ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ہر نماز کے بعد لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ پڑھتا ہے پھر تین مرتبہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ يَا مُحَمَّدُ پڑھتا ہے۔ چنانچہ شبلیؒ سے میں نے یہ پوچھا تو انہوں نے ایسا ہی کہا۔ (جلاء الافہام۔القول البدیع)

درود بوقت نوم (نیند)

حضرت ابوقر صافہ کنانیؒ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص (سونے کے لئے) بستر پر آئے سو وہ سورۃ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ پڑھے پھر یہ درود شریف پڑھے چار مرتبہ۔ اللہ تعالیٰ فرشتے مقرر کر دیتے ہیں جو نبی پاک ﷺ کے پاس اسے لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں بن فلاں نے آپ ﷺ پر سلام بھیجا ہے تو آپ ﷺ فرماتے ہیں میری جانب سے بھی فلاں بن فلاں پر سلام رحمت و برکت ہو۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ الْحِلِّ وَالْحَرَامِ وَرَبَّ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَرَبَّ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بِحَقِّ كُلِّ آيَةٍ اَنْزَلْتَهَا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بَلِّغْ رُوْحَ مُحَمَّدٍ تَحِيَّةً وَّسَلَامًا ○ (جلاء الافہام)

دعا و درودِ رکوب (سواری)

حضرت ابودرداءؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا جو شخص جانور پر (یا کسی

سواری پر) سوار ہو۔ اور یہ پڑھ لے تو جانور (یا سواری) کہتا ہے کہ اللہ تجھے برکت دے۔ تم نے میری پیٹھ کو (دعا کے اثر سے) ہلکا کیا اور اپنے رب کی اطاعت کی اور اپنے نفس پر احسان کیا۔ اللہ تیرے سفر میں برکت دے۔ تیرے مقصد کو پورا کرے۔

بِسْمِ اللهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْئٌ سُبْحَانَهٗ لَیْسَ لَهٗ مُسَمًّی سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ صَلَّی اللهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ (الطبرانی، القول البدیع)

صبح وشام درود

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح کی نماز کے بعد گفتگو سے پہلے سو مرتبہ درود پڑھے گا اس کی سو حاجتیں پوری ہوں گی۔ جن میں سے ۳۰ تو جلد دنیا میں اور ۷۰ کو آخرت کے لئے ذخیرہ بنا کر رکھ دیا جائے گا۔ اسی طرح مغرب کے بعد گفتگو سے پہلے پڑھے۔ (جلاء الافہام، القول البدیع)

حضرت جابرؓ کی حدیث مبارکہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح شام یہ درود پڑھا کرے تو اس کا ثواب لکھنے والوں کو ایک ہزار دن تک مشقت میں ڈالے رکھے گا۔ یعنی ایک ہزار دن تک اس کا ثواب لکھتے لکھتے تھک جائیں گے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاجْزِ مُحَمَّدًا صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا هُوَ اَهْلُهٗ ○ (نزہۃ المجالس، طبرانی، فضائل درود)

صبح وشام دس مرتبہ درود کی فضیلت

حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو صبح وشام مجھ پر دس مرتبہ درود شریف پڑھے گا وہ قیامت کے دن میری شفاعت پائے گا۔ (طبرانی، مجمع الزوائد)

پچاس مرتبہ کی فضیلت

حضرت عبدالرحمٰن بن عیسیٰؒ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دن میں مجھ

پر پچاس مرتبہ درود پڑھا کرے گا قیامت کے دن میں اس سے مصافحہ کروں گا۔ (القول البدیع)

فائدہ...... کتنی بڑی فضیلت ہے کہ آپ ﷺ سے مصافحہ کا شرف حاصل ہوگا۔

سو (۱۰۰) مرتبہ درود پڑھنے کی فضیلت

مستدرک حاکم کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے خدائے پاک اس پر سو رحمتیں نازل فرماتے ہیں اور جو مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھتا ہے خدائے پاک اس کی پیشانی پر بَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النَّار. نفاق اور جہنم سے برأت لکھ دیتے ہیں اور قیامت کے دن اس کو شہداء کے ساتھ رکھیں گے۔ (القول البدیع)

حضرت علیؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جو سو مرتبہ درود پڑھے گا اس کی سو ضرورتیں پوری ہوں گی۔ (القول البدیع) حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو فجر کی نماز کے بعد گفتگو سے پہلے اسی طرح مغرب ک بعد گفتگو سے پہلے سو مرتبہ درود پڑھے گا تو اس کی سو حاجتیں پوری کر دی جائیں گی، ۳۰ کا تعلق دنیا سے ہوگا اور ۷۰ کو آخرت کے لئے ذخیرہ بنا کر رکھ دیا جائے گا۔ (جلاء الافہام)

ہر دن سو (۱۰۰) مرتبہ درود کی فضیلت

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جو شخص ہر دن مجھ پر ۱۰۰ مرتبہ درود پڑھے گا۔ اس کی سو حاجتیں پوری ہوں گی۔ ۷۰ آخرت سے متعلق ۳۰ دنیا سے متعلق۔ (جلاء الافہام)

ابو غسان مدنیؒ نے بیان کیا کہ جو شخص رسول پاک ﷺ پر ہر دن سو مرتبہ درود شریف پڑھے گا اس نے گویا کہ سارا دن ساری رات عبادت کی۔ (القول البدیع)

فائدہ...... بیشتر اکابرین و اسلاف کرام کا معمول رہا ہے کہ وہ اور ان کے متعلقین روزانہ ۱۰۰ مرتبہ درود پاک کے پڑھنے پر پابندی سے قائم رہے۔ اصحاب معرفت وسلوک کے یہاں بھی یومیہ اس تعداد کا معمول رہا ہے۔ مشائخ کرام کی خانقاہوں میں بھی اس کا خاص اہتمام رہا ہے۔ ہر مومن کو چاہیئے کہ وہ یومیہ اس کا معمول رکھے جو بے شمار برکات اور

فوائد کا باعث ہے۔

سو مرتبہ درود کے معمول کی وجہ سے آپ ﷺ کا سلام

حضرت ابوالفضل قومانیؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص خراسان سے میرے پاس آیا اور کہا کہ میں مدینہ پاک میں تھا خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ جب تم ہمدان جاؤ تو ابوالفضل بن زیرکؒ کو میری طرف سے سلام کہہ دینا، تو میں نے پوچھا کیا بات ہے (جس کی وجہ سے یہ اکرام) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ روزانہ سو مرتبہ یا اس سے زائد مجھ پر یہ درود پڑھتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ جَزَی اللّٰہُ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ ۝ (القول البدیع)

ایک ہزار مرتبہ درود پڑھنے کی فضیلت

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ہر دن ایک ہزار مرتبہ درود پڑھے گا، اس وقت تک نہ مرے گا جب تک کہ جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے گا۔

(الترغیب جلد۲، القول البدیع)

فائدہ..... کوئی سا بھی درود پاک پڑھنے کی فضیلت ہے، اگر مختصر پڑھنا چاہے تو صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ یا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پڑھے تب بھی ہو جائے گا۔

جمعہ کے دن درود کی فضیلت اور اس کا حکم

حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھ پر درود جمعہ کے دن خوب کثرت سے پڑھا کرو۔ ہماری امت کا درود ہر جمعہ کو مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ جس کا درود تم میں سے زائد ہوگا۔ میرے نزدیک اس کا مرتبہ سب سے زائد ہوگا۔ (جلد الافہام، الترغیب)

جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھنے کا حکم

حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ یہ یوم مشہور ہے۔ اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور تم میں سے جو مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔ حضرت ابو درداءؓ نے پوچھا موت کے بعد بھی آپ ﷺ نے فرمایا اللہ پاک نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔ (الترغیب جلد۲)

حضرت اوس بن اوسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے دنوں میں افضل ترین دن جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ اسی دن ان کا انتقال ہوا اسی دن صور پھونکا جائے گا اسی دن اٹھائے جائیں گے اس دن تم کثرت سے درود پڑھو تمہارا درود ہمارے اوپر پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت صحابہ کرامؓ نے کہا ہمارا درود آپ ﷺ پر کس طرح پیش کیا جائے گا کہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔ (جلاء الافہام) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کثرت سے درود پڑھا کرو۔ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا خدائے پاک اس پر دس رحمتیں نازل فرمائیں گے۔

جمعہ کے درود کا ثواب ستر (۷۰) گنا زائد

خیال رہے کہ جمعہ کے درود کی بڑی فضیلت وتاکید ہے جمعہ کے دن درود پاک کا ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ یعنی اور دنوں کے مقابلہ میں اس کا ثواب ستر گناہ ہو جاتا ہے۔ (فضائل درود)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

حضرت حسنؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ (جلاء الافہام)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا مجھ پر درود جمعہ کے دن کثرت سے پڑھا کرو کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے (یعنی خاص اہتمام سے پیش کیا جاتا ہے ورنہ تو ہر دن کا درود آپ ﷺ کے پاس پہنچتا ہے)۔ (جلاء الافہام)

حضرات صحابہ کرامؓ کا جمعہ کے دن کثرت درود کا معمول

حضرات صحابہ کرامؓ جمعہ کے دن کثرت درود کو مستحب سمجھتے تھے یعنی جمعہ کے دن درود پاک کا اہتمام فرماتے تھے۔ (جلاء الافہام)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

جمعہ کی فضیلت اور درود کی تاکید

حضرت اوس بن اوسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے دنوں میں افضل ترین دن جمعہ کا ہے۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ اسی دن وصال ہوا۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا۔ اسی دن اٹھائے جائیں گے پس اس دن خوب مجھ پر درود پڑھو۔ تمہارا درود ہم پر پیش کیا جائے گا۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارا درود آپ ﷺ پر موت کے بعد کس طرح پیش کیا جائے گا کہ آپ ﷺ کا (جسم مبارک) بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا عزّ وجلّ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔ (الترغیب جلد۲)

فائدہ...... علامہ سخاویؒ کہتے ہیں جمعہ کے دن درود شریف کی فضیلت حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ، حضرت اوس بن اوسؓ، حضرت ابو امامہؓ، حضرت ابو درداءؓ، حضرت ابو مسعودؓ، حضرت عمرؓ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ وغیرہ حضرات سے نقل کی گئی ہے۔

حافظ ابن قیمؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن درود شریف کی زیادہ فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور رسول اکرم ﷺ کی ذات اطہر سارے مخلوق کی سردار ہے۔ (فضائل درود) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن اپنے نبی پاک ﷺ پر

خوب کثرت سے درود پڑھا کرو۔ اس لئے کہ وہ ہر جمعہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے مرفوعاً منقول ہے کہ جمعہ کے دن خوب کثرت سے درود پڑھا کرو۔ کہ وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ (سنن سعید بن منصور، القول البدیع)

جمعہ کے درود کے لئے ایک خاص فرشتہ مقرر

حضرت یزید رقاشیؒ کہتے ہیں جمعہ کے دن کے لئے ایک خاص فرشتہ مقرر ہے جو شخص اس دن درود پڑھتا ہے وہ اسے رسول پاک ﷺ کے پاس لے جاتا ہے اور کہتا ہے آپ ﷺ کی امت کے فلاں شخص نے یہ درود پیش کیا ہے۔ (جلاء الافہام، القول البدیع)

حضرت ابن شہاب زہریؒ سے مرسلاً مرفوعاً منقول ہے کہ جمعہ کی روشن رات اور روشن دن میں کثرت سے مجھ پر درود پڑھو۔ وہ مجھے پیش کیا جاتا ہے اور زمین حضرات انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ مٹی تمام بنی آدم کو کھالیتی ہے صرف ریڑھ کی ہڈی چھوڑ دیتی ہے۔ حضرت ایوب سختیانیؒ نے کہا مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جمعہ کے دن درود پہنچانے کے لئے ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جو درود کو اہتمام سے آپ کو پہنچاتا ہے۔ (القول البدیع)

جمعہ کے دن درود قضائے حاجات کا باعث

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سب سے زیادہ مجھ پر قیامت کے دن وہ شخص قریب ہوگا جو مجھ پر ہر موقع پر کثرت سے درود پڑھنے والا ہوگا۔ جو شخص جمعہ کے دن جمعہ کی رات میں درود پڑھے گا اللہ پاک اس کی سو حاجتیں پوری کرے گا ۷۰ تو آخرت کی اور ۳۰ دنیا کی ہوں گی۔ پھر اللہ پاک ایک فرشتہ مقرر فرمادے گا۔ وہ میری قبر میں (اس کے درود کو) اس طرح (اہتمام سے) پیش کرے گا جس طرح تم تحائف پیش کرتے ہو۔ وہ فرشتہ اس کے نسب اور قبیلہ کے ساتھ تعارف کراتے ہوئے مجھے خبر دے گا۔ میں اسے اپنے روشن صحیفہ میں درج کرلوں گا۔ (بیہقی جلد ۳، القول البدیع)

جمعہ کے درود سے شفاعت اور شہادت

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر جمعہ کے دن درود پاک (بکثرت) پڑھے گا۔ قیامت کے دن اسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھو۔ حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ جمعہ کی شب میں اور جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھو۔ جو ایسا کرے گا میں اس کے لئے شہادت دوں گا اور قیامت کے دن شفاعت کروں گا۔ (بیہقی، القول البدیع)

جمعہ کے دن حضرات ملائکہ کا خاص اہتمام

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا۔ یہ زمین پر جمعہ کی رات اور دن کے علاوہ نہیں اترتے۔ ان کے ہاتھوں میں سونے کا قلم چاندی کی دوات نور کا کاغذ رہتا ہے۔ جس سے صرف وہ اس دن کو درود لکھتے ہیں۔ (القول البدیع)

شب جمعہ میں درود شریف کے فضائل

حضرت علیؓ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر سو دفعہ درود شریف پڑھتا ہے وہ قیامت کے دن ایسی مشعل نور کے ساتھ آئے گا کہ اگر وہ نور تمام خلائق کو تقسیم کر دیا جائے تو سب کو کافی ہو جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگو! مجھ پر جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن اکثر درود پڑھا کرو کیونکہ تمام دنوں میں تمہارے درود فرشتے مجھے پہنچاتے ہیں مگر جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن کی خصوصیت یہ ہے کہ ان وقتوں میں اپنے درود کو خود اپنے کانوں سے ان لوگوں سے سنتا ہوں جو مجھ پر درود پڑھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ سے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میرے اوپر روشن رات (یعنی جمعہ کی رات) اور روشن دن (یعنی جمعہ کے دن) میں کثرت

سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ جب تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے تو میں تمہارے لئے دعا واستغفار کرتا ہوں۔ (فضائل درود)

ف...... اکثر احادیث میں جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے پر سرکار کی خدمت میں فرشتوں کے ذریعہ پیش ہونا مذکور ہے۔ جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے کی فضیلت حضرت ابو ہریرہؓ حضرت انسؓ اوس بن اوسؓ ابو داؤد ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ سے نقل کی گئی ہے جن کی روایت علامہ سخاوی نے نقل کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ جل شانہ اس کی پیشانی پر "براءۃ من النفاق وبراءۃ من النار لکھ دیتے ہیں (یعنی یہ شخص نفاق سے بھی بری ہے اور جہنم سے بھی بری ہے) اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا حشر شہیدوں کے ساتھ فرمائیں گے۔ ایک اور حدیث میں ہے جو مجھ پر سو (۱۰۰) مرتبہ درود شریف بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر ہزار دفعہ درود بھیجیں گے اور جو عشق وشوق میں اس پر زیادتی کرے گا میں قیامت کے دن اس کے لئے سفارش اور گواہ ہوں گا۔ ایک جگہ حضرت انسؓ کی حدیث سے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں درود بھیجے گا اللہ جل شانہ، اس کی سو حاجتیں پوری کرتے ہیں اور اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں جو اس کو میری قبر میں مجھ تک اسی طرح پہنچاتا ہے جیسے تم لوگوں کے پاس ہدایا (تحفہ) بھیجے جاتے ہیں۔ (فضائل درود)

شب جمعہ میں درود کی فضیلت اور تاکید

حضرت عمرؓ بن الخطاب سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کی روشن رات میں اور روشن دن میں کثرت سے درود پڑھا کرو کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے میں تمہارے لئے دعا کروں گا استغفار چاہوں گا۔ (ابن بشکوالؒ، القول البدیع)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اپنے نبی پر شب جمعہ اور روز جمعہ میں کثرت سے درود پڑھا کرو۔ (بیہقی فی الشعب جلد ۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ شب جمعہ کو مجھ پر کثرت سے درود پڑھو۔ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی شب جمعہ کا درود خصوصی اہتمام کے ساتھ ملائکہ پیش کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مجھ پر خوب کثرت سے درود پڑھا کرو۔ جو ایسا کرے گا میں قیامت کے دن شہادت دوں گا اور شفاعت کروں گا۔

(القول البدیع)

جمعرات کی شام سے ہی درود کا اہتمام

حضرت جعفر صادقؒ سے نقل ہے کہ جب جمعرات کے دن عصر کا وقت ہوتا ہے تو اللہ پاک آسمان سے ملائکہ کو نازل فرماتے ہیں جن کے پاس چاندی کے صحیفے سونے کا قلم ہوتا ہے جو شخص جمعہ کی شب سے لے کر جمعہ کی غروب شمس تک درود پڑھتا ہے اسے وہ لکھ لیتے ہیں۔ (بیہقی فی الشعب، القول البدیع)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب جمعرات کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو نازل فرماتے ہیں جن کے پاس چاندی کے رجسٹر سونے کا قلم ہوتا ہے، جمعرات اور جمعہ کی شب کو جو بکثرت درود پڑھتا ہے اسے لکھ لیتے ہیں۔ (حوالہ بالا)

فائدہ...... جمعہ کے دن اور اس کی رات میں درود کی بڑی فضیلت ہے اس کا اہتمام جمعرات سے شروع ہو جاتا ہے شب جمعہ اور یوم جمعہ کا درود مخصوص ملائکہ لکھنے کے لئے نازل ہوتے ہیں اور جمعہ کے دن کا درود خاص اہتمام کے ساتھ آپ ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے۔

یوم جمعہ کے بعض اہم درود

اسّی (۸۰) سال کے گناہ معاف

دارقطنی کی ایک روایت میں نبی پاک ﷺ کا ارشاد پاک نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر ۸۰ مرتبہ درود شریف پڑھے گا اس کے ۸۰ سال کے گناہ معاف کئے

جائیں گے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! درود کس طرح پڑھی جائے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ نَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ

درود شب جمعہ

حضرت امام شافعیؒ کو انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور مغفرت کی وجہ پوچھی انہوں نے فرمایا کہ یہ پانچ درود شریف جمعہ کی رات کو میں پڑھا کرتا تھا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَآ اَمَرْتَ بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ اَنْ يُّصَلّٰى عَلَيْهِ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا يَنْبَغِيْ اَنْ تُصَلّٰى عَلَيْهِ ○ (فضائل درود)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

سات جمعہ کو سات دفعہ پڑھنے کی فضیلت

ایک حدیث مبارکہ میں نقل کیا گیا ہے جو شخص سات جمعوں تک ہر جمعہ کو سات مرتبہ اس درود پڑھے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضًى وَّ لِحَقِّهٖ اَدَاءً وَّ اَعْطِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مِنْ اَفْضَلِ مَا جَزَيْتَ نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ من النَّبِيِّيْنَ وَالصَّالِحِيْنَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ○ (القول البدیع، فضائل درود شریف)

جمعہ کے دن عصر کے بعد درود کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث مبارکہ میں نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے ۸۰ مرتبہ یہ درود شریف پڑھے تو اس کے ۸۰ سال کے گناہ معاف ہوں گے اور اسّی (۸۰) سال کی عبادت کا ثواب اس کے لئے لکھا

جائے گا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا ○

حضرت سہل بن عبداللہؓ کی روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کے بعد یہ درود شریف اسّی (۸۰) مرتبہ پڑھے گا اس کے اسّی (۸۰) سال کے گناہ معاف ہوں گے۔

(القول البدیع)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِهٖ وَسَلِّمْ ○

فائدہ...... اس دوسری حدیث مبارکہ میں اسی جگہ بیٹھ کر جس جگہ نماز پڑھی ہے قید نہیں۔ اس حدیث کے اطلاق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اگر کسی وجہ سے متصلاً اسی وقت اس جگہ نہ پڑھ سکے تو مغرب سے قبل جب بھی جہاں بھی موقع ملے ۸۰ مرتبہ یہ درود شریف پڑھ لے گا تو اس فضیلت کا حامل اور حاصل کرنے والا ہو جائے گا۔

جمعہ کے دن سو (۱۰۰) مرتبہ درود کی فضیلت

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جو جمعہ کے دن ۱۰۰ مرتبہ درود پڑھے گا۔ وہ قیامت کے دن اس نور کے ساتھ آئے گا کہ اس کا نور تمام مخلوق کو تقسیم کر دیا جائے تو کافی ہو جائے گا۔ (ابونعیم، القول البدیع)

فائدہ...... جمعہ کے دن کسی بھی وقت پڑھ لے۔ فجر کے بعد یا جمعہ کے بعد پڑھ لے تو بہتر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جو جمعہ کے دن مجھ پر ۱۰۰ مرتبہ درود پڑھے گا اللہ پاک اس کے ۸۰ سال کے گناہ معاف کر دیں گے۔ علامہ سخاویؒ نے اس کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس سند کے بعض راوی نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا تو اس حدیث مبارکہ کی صحت کے متعلق معلوم کیا تو آپ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ (القول البدیع)

آپ ﷺ کی جانب سے سلام مبارک کا تحفہ

حضرت ابن عبداللہ المکیؒ نے بیان کیا کہ میں نے ابوالفضل القومانیؒ سے سنا ہے کہ خراسان سے ایک شخص آیا۔ اس نے کہا کہ میں نے خواب میں رسول پاک ﷺ کی زیارت کی

اس وقت میں مسجد نبوی میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم ہمدان جاؤ تو ابوالفضل بن زیرک کو میرا اسلام پہنچا دینا۔ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ کس وجہ سے، آپ ﷺ نے فرمایا چونکہ وہ ہر جمعہ کو مجھ پر ۱۰۰ مرتبہ یا اس سے زائد یہ درود پڑھتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ جَزَى اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ ۝ (القول البدیع)

جمعہ کے دن ۸۰ مرتبہ درود کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر درود پل صراط پر نور کا باعث ہے۔ جو شخص جمعہ کے دن ۸۰ مرتبہ درود پڑھے گا اس کے ۸۰ سال کے گناہ معاف ہوں گے۔ (ابن شاہین۔ ابوالشیخ۔ القول)

دارقطنی کی ایک روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن ۸۰ مرتبہ مجھ پر درود پڑھے گا خدائے پاک اس کے ۸۰ سال کے گناہ معاف فرمائیں گے پوچھا گیا کس طرح پیش کیا جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح کہو۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ. (القول البدیع)

فائدہ..... خیال رہے کہ ایک روایت میں اسی (۸۰) سال کی فضیلت عصر کے بعد پڑھنے پر بھی ہے اسی روایت میں جمعہ کے دن پر فضیلت ہے عصر کے بعد کوئی قید نہیں دونوں روایتیں الگ الگ ہیں۔

جمعہ کے دن ایک ہزار درود کی فضیلت

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا جو جمعہ کے دن ایک ہزار درود پڑھا کرے گا وہ جب تک اپنا ٹھکانہ جنت میں نہ دیکھ لے گا اس وقت تک اسے موت نہ آئے گی۔ (الترغیب، ابن شاہین)

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے زید ابن وہبؒ سے کہا کہ دیکھو جمعہ

کے دن ایک ہزار مرتبہ درود پڑھنے کو نہ چھوڑنا یہ درود پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ ۝ (جلاء الافہام، القول البدیع)

دنیا میں آزادی جہنم کا پروانہ

خلاد بن کثیرؒ پر جب نزع کا وقت آیا تو ان کے سرہانے ایک پرچہ ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ یہ خلاد بن کثیرؒ کا جہنم سے آزادی کا پروانہ ہے لوگوں نے اس کے اہل خانہ سے پوچھا اس کا کیا عمل تھا اہل خانہ نے کہا ہر جمعہ کو وہ ایک ہزار بار یہ درود پڑھا کرتا تھا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ ۔ (القول البدیع) (بحوالہ جنت جنت از زاد الابرار)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے رسول ﷺ پر چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے درود شریف کثرت سے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۱۳

رسولِ اکرم ﷺ کو معراج کی عظیم سعادت حاصل ہوئی

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے تیرہویں خصوصیت پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو معراج کی عظیم سعادت حاصل ہوئی" اور اس وقت جبکہ میں اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، دیگر خصوصیات کی طرح عین روضۂ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوں، جی ہاں صاحبِ خصوصیت عین میرے سامنے اپنے مقدس روضۂ مبارک میں آرام فرما ہیں اور میں انکی اس عظیم خصوصیت سے متعلق لکھ رہا ہوں، اس وقت میرے دل کی کیفیت کیا ہے؟...... میرے قلم میں اتنی طاقت نہیں کہ یہ میری اس کیفیت کو صفحہ قرطاس پر سمو سکے۔

یقیناً ہمارے پیارے آقا ﷺ اور پیارے رسول ﷺ کائنات کے سب سے بڑے انسان ہیں، ان سے محبت کرنا ہمارے ایمان کا حصہ اور ہماری سربلندی کا ذریعہ ہے، بے شک اپنے نبی کی محبت ہی سے ہم جنت میں جاسکیں گے، اور اگر کسی کا دل رسولِ اکرم ﷺ کی محبت سے خالی ہوگا تو اس کے لئے جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیات میں سے معراج کی خصوصیت بڑی عظیم خصوصیت ہے، دیگر انبیاء کرام ؑ کو اللہ تعالیٰ نے مختلف سعادتوں سے نوازا لیکن معراج جیسی عظیم سعادت کسی نبی کو حاصل نہ ہوئی، بے شک رب تعالیٰ نے صرف اور صرف اپنے سب سے محبوب نبی ﷺ کو اپنے پاس بلایا اور وہ مشاہدات کرائے جو کسی اور نبی کو نہیں کرائے گئے، جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں گے، جیسا کہ

میں نے شروع میں بھی عرض کیا کہ الحمدللہ اس خصوصیت کی فائنل ترتیب میں نے روضہ اقدس کے سامنے بیٹھ کر کی ہے کہ شاید روزِ قیامت یہی میری ایک کاوش حضور ﷺ کی شفاعت ملنے کا ذریعہ اور سبب بن جائے، صرف اور صرف اسی جذبے کے تحت یہ قلم ہے کہ چلتا چلا جارہا ہے، اگرچہ لوگوں کے اژدھام کی وجہ سے، اور دربانوں کے بار بار منع کرنے کی وجہ سے کچھ مشکلات کا سامنا ہے، لیکن اپنے کریم اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ جہاں اس نے نصف سے زائد کام عین روضہ رسول کے سامنے بیٹھ کر کرنے کی توفیق عطا فرمائی، وہ اللہ مزید کام بھی میری خواہش کے مطابق روضہ رسول ﷺ کے سامنے کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا انشاء اللہ، اور دعا گو ہوں کہ یا خداوند قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما، آمین یارب العالمین۔

تیرہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

جب اسلام کی سخت اور پُر خطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا اور ہجرت کے بعد سے اطمینان وسکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا تو وہ شب مبارک آئی اور اس شب مبارک میں وہ ساعتِ ہمایوں آئی، جو دیوانِ قضا میں سرورِ عالم ﷺ کی سیر ملکوت کے لئے مقرر تھی اور جس میں پیشِ گاہ ربانی سے احکام خاص کا اجراء اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا۔ رضوانِ جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے کہ شاہدِ عالم آج یہاں مہمان بن کر آئے گا۔ روح الامین کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطۂ لاہوت کے مسافروں کے لئے مخصوص ہے حرم ابراہیم (کعبہ) میں لے کر حاضر ہو۔ کارکنانِ عناصر کو حکم ہوا کہ مملکت آب وخاک کے تمام مادی احکام وقوانین تھوڑی دیر کے لئے معطل کردیئے جائیں اور زمان ومکان، سفر واوقات، رویت وسماعت، تخاطب وکلام کی تمام طبعی پابندیاں اٹھادی جائیں۔ کہ اب کائنات کے امام اور پیغمبر کو معراج کی عظیم خصوصیت سے نوازا جارہا ہے۔

قارئین یاد رکھیں کہ معراج رسول اکرم ﷺ ان خصوصیات میں سے ہے۔ جس میں اور کوئی نبی ورسول حضور ﷺ کا سہیم نہیں۔

لفظ معراج کا مادہ "عروج" ہے۔ چونکہ احادیث میں الفاظ عُــرِجَ لِــیْ استعمال فرمائے گئے تھے۔ لہٰذا اس واقعہ مبارکہ کے لئے لفظ "معراج" خاص ہو گیا۔

لفظ معراج کے معنی زینہ بھی ہیں، چونکہ عروج وارتقاء منزل بہ منزل ہوا تھا۔ لہٰذا واقعہ باطنی کے لئے یہ تشبیہ ظاہری بھی خوب ہے۔ اب ذیل میں قرآن وحدیث مبارکہ کی روشنی میں تفصیل سے واقعہ معراج کو بیان کیا جاتا ہے ملاحظہ کیجئے۔

معراج کی وضاحت قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن مجید میں اجمالی طور پر معراج کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝

"پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کرایا جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تا کہ ہم اسے اپنی آیات دکھائیں، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا، اور جاننے والا ہے"۔

یہ سورت الاسراء کی پہلی آیت مبارکہ ہے، اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک رات رسول اکرم ﷺ کو مسجد حرام سے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی اور سورۃ النجم کی آیت عِنۡدَ سِدۡرَۃِ الۡمُنۡتَہٰی . عِنۡدَہَا جَنَّۃُ الۡمَاۡوٰی . اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَۃَ مَا یَغۡشٰی . مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ۝ لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِ الۡکُبۡرٰی ۝ میں اس کی تصریح ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے عالم بالا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی آیات نشانیاں ملاحظہ فرمائیں۔

معراج شریف کا واقعہ تقریباً پچیس صحابہ کرامؓ سے مروی ہے جن میں حضرت انس

بن مالک حضرت ابوذر غفاری، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت بریدہ اسلمی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوسعد خدری، حضرت شداد بن اوس، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوہریرہ، حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں۔ معراج شریف کا عظیم واقعہ جو رسول اکرم ﷺ کے عظیم معجزات میں سے ہے۔ کس سن میں پیش آیا اس بارے میں اصحابِ سیر کے متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ بعثت کے بعد سال گزر جانے کے معراج کا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ حضرت ابن شہاب زہریؒ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے سے ایک سال پہلے معراج ہوئی۔ اور یہ سب اقوال حافظ کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ ج ۳ میں لکھے ہیں۔ شارح بخاری علامہ کرمانیؒ نے اور شارح مسلم علامہ نوویؒ نے ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ بعثت کے پانچویں سال معراج ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سورۃ الاسراء میں مسجد اقصیٰ تک سفر کرانے کا ذکر ہے، اور احادیث شریفہ میں آسمانوں پر جانے بلکہ سدرۃ المنتہیٰ بلکہ اس سے بھی اوپر تشریف لے جانے کا ذکر ہے۔ اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان سے اوپر تک سیر کرائی پھر اسی رات میں واپس مکہ معظّمہ پہنچا دیا اور یہ آنا جانا سب حالتِ بیداری میں تھا اور جسم اور روح دونوں کے ساتھ تھا۔

حدیث شریف کی کتابوں میں واقعہ معراج تفصیل سے مذکور ہے، معراج کو اسراء بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں سُبحٰنَ الذِی اَسریٰ بِعبدِہٖ فرمایا ہے اور احادیث شریفہ میں آسمانوں پر تشریف لے جانے کے بارے میں ثم عرج بی فرمایا ہے، اس لئے مقدس واقعہ کو اسراء اور معراج دونوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، ہم پہلے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات نقل کرتے ہیں، ان میں سے پہلے صحیح مسلم کی روایت لی ہے کیونکہ اس میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا، اور پھر عالم بالا میں تشریف لے جانے کا ذکر ہے، صحیح بخاری کی کسی روایت میں ہمیں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا ذکر نہیں ملا، اس لئے

بخاری کی روایت کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

معراج کی رات بُراق پر سوار کر بیت المقدس کا سفر

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ایک براق لایا گیا جو لمبا سفید رنگ کا چوپایہ تھا' اس کا قد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نظر پڑتی تھی میں اس پر سوار ہوا یہاں تک کہ میں بیت المقدس تک پہنچ گیا' میں نے اس براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا' جس سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام باندھا کرتے تھے' پھر میں مسجد سے باہر آیا تو جبرئیل میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لے کر آئے' میں نے دودھ کو لے لیا' اس پر جبرئیلؑ نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کرلیا۔

پھر ہمیں آسمان کی طرف لے جایا گیا' پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام اور تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام اور چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام اور پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور سب نے مرحبا کہا اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ان کے بارے میں بتایا کہ وہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے، اور یہ بھی بتایا کہ البیت المعمور میں روزانہ ستّر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتے پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا، اچانک دیکھتا ہوں کہ اس کے پتے اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے ہاتھی کے کان ہوں اور اس کے پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مٹکے ہوں، جب سدرۃ المنتہیٰ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ڈھانکنے والی چیزوں نے ڈھانک لیا تو اس کا حال بدل گیا، اللہ کی کسی بھی مخلوق میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے حُسن کو بیان کر سکے۔۔ اس وقت مجھ پر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی وحی فرمائی جن کی وحی اس وقت فرمانی تھی، اور مجھ پر رات دن میں روزانہ پچاس نمازیں پڑھنا فرض کیا گیا۔ میں واپس اترا اور موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوتو انہوں نے

دریافت کیا، آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا پچاس نمازیں فرض فرمائی ہیں، انہوں نے کہا کہ واپس جایئے اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیجئے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی، میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں اپنے رب کی طرف واپس لوٹا، اور عرض کیا اے میرے رب! میری امت پر تخفیف فرما دیجئے، چنانچہ پانچ نمازیں کم فرما دیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور میں نے بتایا کہ پانچ نمازیں کم کر دی گئی ہیں، انہوں نے کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی، آپ اپنے رب سے رجوع کیجئے اور تخفیف کا سوال کیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بار بار واپس ہوتا رہا (کبھی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا، کبھی بارگاہِ الٰہی میں حاضری دیتا) یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ! یہ روزانہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں، ہر نماز کے بدلہ دس ۱۰ نمازوں کا ثواب ملے گا۔ لہٰذا یہ (ثواب میں) پچاس نمازیں ہی ہیں، جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے گا، پھر اسے نہ کرے گا تو اس کے لئے محض ارادہ کی وجہ سے ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور جس نے ارادہ کرنے کے بعد عمل بھی کر لیا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس شخص نے کسی برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اپنے ارادے کے مطابق عمل کر لیا تو ایک ہی لکھا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نیچے واپس آیا، اور موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا اور انہیں یہ بات بتائی تو انہوں نے کہا کہ واپس جاؤ، اپنے رب سے تخفیف کا سوال کرو، میں نے کہا کہ میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ میں مراجعت کرتا رہا ہوں یہاں تک کہ اب مجھے شرم آ گئی۔

صحیح مسلم ج ۱ میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ کے یہ بھی ہے کہ میں نے اپنے آپ کو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا، اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان کی امامت کی، جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا کہ اے محمد ﷺ! یہ دوزخ کا داروغہ ہے اس کو سلام کیجئے، میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے خود سلام کر لیا (یہ بیت المقدس میں امامت فرمانا، آسمانوں پر تشریف لے جانے سے پہلے کا واقعہ ہے)۔

معراج کی رات حضور ﷺ کا انبیاء کرام کی امامت کرنا

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر ج ۳ میں حضرت انس مالکؓ کی روایت جو بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کی ہے اس میں یوں ہے (ابھی بیت المقدس ہی میں تھے) کہ بہت سے لوگ جمع ہو گئے، ایک اذان دینے والے نے اذان دی، اس کے بعد ہم صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے انتظار میں تھے کہ کون امام بنے گا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا، اور میں نے حاضرین کو نماز پڑھا دی، جب میں نماز سے فارغ ہوا تو حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ اے محمد ﷺ! آپ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پیچھے کن حضرات نے نماز پڑھی ہے میں نے کہا نہیں (جن حضرات انبیاء علیہم السلام سے پہلے ملاقات ہو چکی تھی ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات نے آپ کے اقتداء میں نماز پڑھی تھی اور سب سے تعارف نہیں ہوا تھا اس لئے یوں فرما دیا کہ میں ان سب کو نہیں جانتا) حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ جتنے بھی نبی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں ان سب نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی ہے (اس کے بعد آسمانوں پر جانے کا تذکرہ ہے)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی آمد پر فرشتے بھی آسمان سے نازل ہوئے اور رسول اکرم ﷺ نے حضرات انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ سب کی امامت کرائی۔ جب نماز پوری ہو گئی تو ملائکہ نے جبرائیلؑ امین سے دریافت کیا کہ یہ تمہارے ہمراہ کون ہیں۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا یہ حضرت محمد ﷺ ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے کہا یہ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ ملائکہ نے پوچھا کہ کیا۔ ان کے پاس بلانے کا پیغام بھیجا گیا تھا۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا ہاں۔ فرشتوں نے کہا اللہ تعالیٰ ان کو زندہ سلامت رکھے بڑے اچھے بھائی اور بڑے اچھے خلیفہ ہیں یعنی ہمارے بھائی ہیں اور خدا کے خلیفہ ہیں بعد ازاں رسول اکرم ﷺ نے ارواحِ انبیاء علیہم السلام سے ملاقات فرمائی سب نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثناء کی۔

معراج کی رات انبیاء کی حمد وثناء

تحمید ابراہیمی علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ میں اللہ کی حمد وثناء کی ہے۔ الحمد للہ الذی اتخذنی خلیلا واعطانی ملکاً عظیماً و جعلنی امة قانتا یؤ تم بی انقذنی من النار وجعلها علیّ برداو سلاما.

ترجمہ:۔ حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا اور مجھ کو ملک عظیم عطا فرمایا اور امام اور پیشوا بنایا اور آگ کو میرے حق میں بردوسلام بنایا۔

تحمید موسوی علیہ السلام

الحمدللہ الذی کلمنی تکلیما و جعل ھلاک ال فرعون ونجاۃ بنی اسرائیل علے یدی وجعل من امتی قوما یھدون بالحق وبه یعدلون.

ترجمہ:۔ حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ سے بلا واسطہ کلام فرمایا اور قوم فرعون کی ہلاکت اور تباہی اور بنی اسرائیل کی رستگاری میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائی اور میری امت میں ایسی قوم بنائی کہ جو موجب حق، ہدایت اور انصاف کرتی ہے۔

تحمید داؤدی علیہ السلام

الحمدللہ الذی جعل لی ملکاً عظیماً وعلمنی الزبور ولے الحدید وسخر لی الجبال یُسبحن والطیر واعطانی الحکمة وفصل الخطاب.

ترجمہ:۔ حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ کو ملک عظیم عطا کیا اور زبور سکھائی اور لوہے کو میرے لئے نرم کیا اور پہاڑوں اور پرندوں کو میرے لئے مسخر کیا کہ میرے ساتھ تسبیح پڑھیں اور مجھ کو علم وحکمت اور تقریر دل پذیر عطا کی۔

تحمید سلیمانی علیہ السلام

الحمدلله الذی سخر لی الریاح و سخرلی الشیاطین یعملون ما شئت من محاریب و تماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات وعلمنی منطق الطیر و اٰتانی من کل شیئی فضلا وسخرلی جنود الشیاطین والانس والطیر و فضلنے علی کثیر من عباده المومنین واتانی ملکا عظیما لاینبغی لاحد من بعدی وجعل ملکی ملکا طیبالیس فیه حساب.

ترجمہ:۔ حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے ہوا اور شیاطین اور جنات کو میرے مسخر کیا میرے حکم پر چلیں اور پرندوں کی بولی مجھ کو سکھائی اور جن اور انس چرند اور پرند کا لشکر میرے لئے مسخر کیا اور ایسی سلطنت عطا کی کہ میرے بعد کسی کے لئے مناسب نہ ہوگی اور نہ مجھ سے اس پر کوئی حساب و کتاب ہوگا۔

تحمید عیسوی علیہ السلام

الحمدلله الذی جعلنی کلمة وجعل مثلی مثل اٰدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون وعلمنی الکتاب والحکمة والتورٰۃوالانجیل وجعلنی اخلق من الطین کهیئة الطیر فانفخ فیه فیکون طیرا باذن الله وجعلنی ابرئ الاکمه والابرص واحی الموتی باذن الله ورفعنی وظهرنی و اعاذنی وامی من الشیطان الرجیم فلم یکن للشیطان علینا سبیل.

ترجمہ:۔ حمد ہے اس ذات پاک کی کہ جس نے مجھ کو کلمہ بنایا اور حضرت آدمؑ کی طرح مجھ کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور پرندوں کے بنانے اور مُردوں کے زندہ کرنے اور کوڑھی اور مادرزاد اندھے کو اچھا کرنے کا معجزہ مجھ کو دیا اور توریت اور انجیل کا علم دیا اور مجھ کو اور میری ماں کو شیطان کے اثر سے محفوظ رکھا اور مجھ کو آسمان پر اٹھایا اور کافروں کی صحبت سے پاک کیا۔

تحمید محمدی ﷺ

الحمدلله الذی ارسلنی رحمة للعالمين و كافة للناس بشيرا و نذيرا وانزل علی الفرقان فيه بيان لكل شئ وجعل امتی خير امة اخرجت للناس وجعل امتی هم الاولين والأخرين وشرح لی صدری وضع عنی وزری ورفع لی ذكری وجعلنی فاتحا و خاتما.

ترجمہ:۔ حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھ کو رحمت العالمین بنا کر بھیجا اور تمام عالم کے لئے بشیر و نذیر اور مجھ پر قرآن کریم اتارا جس میں تمام امور دینیہ کا صراحۃً یا اشارۃً بیان کیا ہے اور میری امت کو بہترین امت بنایا اور میری امت کو اوّلین اور آخرین بنایا یعنی ظہور میں آخری امت اور مرتبہ میں اوّل بنایا اور میرے سینہ کو کھولا اور میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھ کو فاتح اور خاتم بنایا یعنی وجود نطقی اور روحانی میں سب سے اوّل اور بعثت اور ظہور جسمانی میں سب سے آخری نبی بنایا۔ رسول اکرم ﷺ جب خطبۂ تحمید سے فارغ ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام انبیاء علیہم السلام سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا بھـــــذا **افضلكم محمد صلى الله عليه وسلم** یعنی انہی فضائل اور کمالات کی وجہ سے محمد ﷺ تم سب سے بڑھ گئے۔ (خصائص کبریٰ ج ۱)

جب آپ ﷺ فارغ ہو کر مسجد سے باہر تشریف لائے تو تین پیالے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیے گئے ایک پانی کا اور ایک دودھ کا اور ایک شراب کا۔ آپ ﷺ نے دودھ کا پیالا اختیار فرمایا۔ حضرت جبرائیلؑ امین نے فرمایا کہ آپ نے دین فطرت کو اختیار کیا ہے اگر آپ شراب کو اختیار کرتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی اور اگر آپ پانی کو اختیار کرتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی۔ بعض روایات میں ہے کہ شہد کا پیالا بھی پیش کیا گیا اور آپ نے اس میں سے بھی کچھ پیا غرض یہ کہ تمام روایات کے جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چار پیالے پیش کئے گئے تفصیل کے لئے زرقانی کی مراجعت کی جائے۔

(بحوالہ سیرۃ المصطفیٰ ﷺ از حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)

معراج سے متعلق صحیح بخاری میں تفصیل

صحیح بخاری میں واقعۂ معراج بروایت حضرت انس بن مالکؓ متعدد جگہ مروی ہے کہیں حضرت انسؓ نے بواسطہ حضرت ابوذرؓ اور کہیں بواسطہ حضرت مالک بن صعصعہ انصاریؓ بیان کیا ہے۔

حضرت انسؓ نے حضرت مالک بن صعصعہؓ کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں کعبہ شریف کے قریب اس حالت میں تھا جیسے جاگ رہا ہوں، کچھ سو رہا ہوں، میرے پاس تین آدمی آئے میرے پاس سونے کا طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے پُر تھا، میرا سینہ چاک کیا گیا، پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا گیا، پھر اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا اور میرے پاس ایک سفید چوپایا لایا گیا وہ قد میں خچر سے کم تھا اور گدھے سے اونچا تھا یہ چوپایا براق تھا۔

میں حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ روانہ ہوا یہاں تک کہ قریب والے آسمان تک پہنچ گیا، حضرت جبرائیلؑ نے آسمان کے خازن سے کہا کہ کھولئے اس نے سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں، حضرت جبرائیلؑ نے جواب میں فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ، اس نے دریافت کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ حضرت جبرائیلؑ نے جواب دیا کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے! اس پر اس نے مرحبا کہا، اور دروازہ کھول دیا گیا اور کہا گیا کہ ان کا آنا بہت اچھا آنا ہے، ہم اوپر پہنچے تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے فرمایا کہ مرحبا من ابن و نبی (بیٹے اور نبی کے لئے مرحبا ہے) پھر ہم دوسرے آسمان تک پہنچے، وہاں بھی حضرت جبرائیلؑ سے اس طرح کا سوال جواب ہوا، جو پہلے آسمان میں داخل ہونے سے قبل کیا گیا تھا جب دروازہ کھول دیا گیا اوپر پہنچے تو وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پایا انہوں نے بھی مرحبا کہا۔ ان کے الفاظ یوں تھے مرحبا بک من أخ و نبی (مرحبا ہو بھائی کے لئے اور نبی کے لئے) پھر ہم تیسرے آسمان پر پہنچے وہاں حضرت جبرائیلؑ سے وہی سوال و جواب

ہوا جو پہلے آسمانوں میں داخل ہونے پر ہوا۔ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو پایا، میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے مرحبا بک من أخ و نبی کہا، پھر ہم چوتھے آسمان تک پہنچے، وہاں بھی حضرت جبرائیلؑ سے حسبِ سابق سوال جواب ہوا، دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ، وہاں حضرت ادریس علیہ السلام کو پایا، میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے بھی وہی کہا مرحبا بک من اخ و نبی پھر ہم پانچویں آسمان پر پہنچے تو وہاں بھی حضرت جبرائیلؑ سے حسبِ سابق سوال جواب ہوا دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچے وہاں حضرت ہارون علیہ السلام کو پایا میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی مرحبا بک من أخ و نبی کہا۔ پھر ہم چھٹے آسمان تک پہنچے وہاں بھی حسبِ سابق حضرت جبرائیلؑ سے سوال جواب ہوئے جب دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گیا وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پایا، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے بھی مرحبا بک من أخ و نبی کہا جب میں آگے بڑھا تو وہ رونے لگے ان سے سوال کیا گیا کہ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ایک لڑکا میرے بعد مبعوث ہوا، اس کی امت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، جو میری امت کے داخل ہونے والوں سے افضل ہوں گے دوسری روایت میں ہے کہ اس کی امت کے داخل ہونے والے میری امت سے زیادہ ہوں گے، پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے وہاں بھی حضرت جبرائیلؑ سے حسبِ سابق سوال جواب ہوا، جب دروازہ کھول گیا تو ہم اوپر پہنچے، وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے فرمایا مرحبا بک من ابن و نبی (مرحبا آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرحبا بک من ابن و نبی اس لئے فرمایا کیونکہ آپ ان کی نسل میں تھے باقی حضرات نے مرحبا بک من اخ و نبی فرمایا۔

معراج میں بیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا ملاحظہ فرمانا

اس کے بعد بیت المعمور میرے سامنے کر دیا گیا۔ میں نے حضرت جبرائیلؑ سے

سوال کیا یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ بیت المعمور ہے اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔ جو نکل کر چلے جاتے ہیں تو کبھی بھی واپس نہیں ہوتے پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کو لایا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بیر ہجر کے مٹکوں کے برابر ہیں اور اس پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں چار نہریں نظر آئیں، دو باطنی نہریں اور ظاہری نہریں۔ میں نے حضرت جبرائیلؑ سے دریافت کیا انہوں نے بتایا کہ باطنی دو نہریں جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری دو نہریں فرات اور نیل ہیں (فرات عراق میں اور نیل مصر میں ہے)۔

معراج کی رات پچاس نمازوں کا فرض ہونا

اس کے بعد مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، میں واپس آیا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا، انہوں نے دریافت فرمایا (کہ اپنی امت کے لئے) آپ نے کیا کیا؟ میں نے کہا کہ مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں لوگوں کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں، بنی اسرائیل کے ساتھ میں نے بڑی محنت کی ہے (وہ لوگ مفروضہ نمازیں کا اہتمام نہ کر سکے) بلاشبہ آپ کی امت کو اتنی نمازیں پڑھنے کی طاقت نہ ہوگی، جایئے اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیجئے۔ میں واپس لوٹا اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیا، تو اللہ تعالیٰ نے چالیس نمازیں باقی رکھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی بات کہی، میں نے پھر اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیا تو تیس (۳۰) نمازیں باقی رہ گئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر توجہ دلائی تو تخفیف کا سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیس نمازیں کر دی گئیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح کی بات کہی تو درخواست کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس نمازیں کر دی گئیں، میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی، میرے درخواست کرنے پر اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں باقی رہنے دیں، میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں پھر وہی بات

کہی، میں نے کہا میں نے تسلیم کر لیا (اب درخواست نہیں کرتا) اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا دی گئی کہ میں نے اپنے فریضہ کا حکم باقی رکھا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی اور میں ایک نیکی کے بدلہ دس نیکی دیتا ہوں لہٰذا ادا کرنے میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس ہی رہیں)۔

یہ روایت صحیح بخاری میں صفحہ ۴۵۵ پر ہے اور صحیح بخاری میں صفحہ ۴۷۱ پر حضرت انسؓ سے بواسطہ حضرت ابوذرؓ جو معراج کا واقعہ نقل کیا ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مرحبا کہنے کے تذکرہ کے بعد یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر مجھے حضرت جبرائیلؑ اور اوپر لے کر چڑھے یہاں تک کہ میں ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آ رہی تھیں (فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نافذ فرمودہ فیصلے لکھ رہے تھے یا جو کچھ لوحِ محفوظ سے نقل کر رہے تھے یہ ان کے لکھنے کی آوازیں تھیں)۔ اس کے بعد پچاس نمازیں فرض ہونے اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے اور بارگاہِ الٰہی میں بار بار سوال کرنے پر تاریخ باقی رہ جانے کا ذکر ہے اور اس کے اخیر میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لا یبدل القول لدی'' کہ میرے پاس بات نہیں بدلی جاتی (پچاس نمازیں فرض کر دیں تو پچاس ہی کا ثواب ملے گا) اور سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں فرمایا کہ اسے رنگوں نے ڈھانپ رکھا تھا جنہیں میں نہیں جانتا، پھر میں جنت میں داخل کر دیا گیا، وہاں دیکھتا ہوں کہ موتیوں کے گنبد ہیں اور اس کی مٹی مشک کی ہے۔

صفحہ ۵۴۸ پر بھی حضرت امام بخاریؒ نے حدیثِ معراج ذکر کی ہے، وہاں بھی حضرت انسؓ سے بواسطہ حضرت مالک بن صعصعہ انصاریؓ روایت کی ہے اس میں البیت المعمور کے ذکر کے بعد یوں ہے کہ پھر میرے پاس ایک برتن شراب اور اور ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد لایا گیا میں نے دودھ پی لیا جس پر حضرت جبرائیلؑ نے کہا یہی وہ فطرت ہے یعنی دینِ اسلام ہے جس پر آپ کی امت ہے، اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید تخفیف کرانے کے لئے کہا تو

آپ نے فرمایا کہ سالت ربی حتی استحییت ولکنی ارضی واسلم (میں نے اپنے رب سے یہاں تک سوال کیا کہ شرما گیا اب تو میں راضی ہوتا ہوں تسلیم کرتا ہوں)۔

(بخاری شریف)

معراج کی رات نمازوں کے علاوہ دیگر دو انعام کا ملنا

ان احکامات، بشارت اور نماز پنجگانہ کے علاوہ رسول اکرم ﷺ کو دو اور خاص عطیے عنایت ہوئے۔ ایک یہ بشارت کہ امتِ محمدیہ ﷺ میں جو شرک کا مرتکب نہ ہوگا، دامنِ مغفرت کے سایہ میں اُس کو پناہ مل سکے گی۔ دوسرے سورہ بقرہ کا اختتامی رکوع اسی بارگاہ میں فرمانِ خاص کے طور پر مرحمت ہوا۔ اس رکوع میں سب سے پہلی مرتبہ ایمان کی تکمیل کے اصول اور عفو و مغفرت کے سبق انسانوں کو سکھائے گئے ہیں۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ پہلے عطیہ کی بشارت بھی درحقیقت انہی آیات میں مذکور ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْن . کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ . لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ . وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْر . لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا . رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ .

"پیغمبر اُس پر ایمان لایا جو اُس پر اترا اور تمام مسلمان بھی اُس پر ایمان لائے، یہ سب کے سب خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور کہتے ہیں کہ ہم خدا کے پیغمبروں میں یہ تفریق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کے احکام کو سُنا اور ان کی اطاعت کی تو اے پروردگار! مجھ کو بخشش فرما اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے، خدا کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ

نہیں ڈالتا جس نے اچھے کام کئے اور اپنے ہی لئے کئے اور بُرے کام کئے تو اس کا نقصان بھی وہی اٹھائے گا، اے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں تو اس کی باز پرس ہم سے نہ کر، اے پروردگار! ہم پر اس طرح بوجھ نہ ڈال جس طرح ہم سے پہلوں پر تو نے ڈالا ہے، اے پروردگار! اور اتنا بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہم سے نہ اٹھوا، اور ہمارے قصوروں سے درگزر فرما، ہمارے قصوروں کو معاف کر اور ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا پروردگار ہے، تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جو تیرے منکر ہیں ہماری مدد فرما"۔

معراج میں دیدارِ الٰہی اور کلام اور عطائے احکام

اس میں اختلاف ہے کہ رسول اکرم ﷺ شبِ معراج میں دیدارِ خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں، اور اگر رویت ہوئی تو وہ رویت بصری تھی رویت قلبی تھی، یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیدار کیا۔ جمہور صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا اور محققین کے نزدیک یہی قول راجح اور حق ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ رؤیت کا انکار کرتی تھیں اور حضرت ابن عباسؓ رؤیت کو ثابت کرتے تھے اور مانتے تھے، جمہور علماء نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

سورۃ النجم میں جو ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی اور وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی . آیا ہے اس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ان میں حضرت جبرائیلؑ کا دیکھنا مراد ہے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرائیلؑ انسانی صورت میں آیا کرتے تھے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب آپ نے ان کو اصل میں اور اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے انہوں نے اُفق کو بھر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بھی یہی فرماتے تھے کہ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی اور رَاٰی مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی سے حضرت جبرائیلؑ کا قریب ہونا اور دیکھنا مراد ہے اور

حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ اپنی کتاب سیرۃ المصطفیٰ میں لکھتے ہیں کہ۔

بعدازاں پھر آپ کو عروج ہوا اور ایسے بلند مقام پر پہنچے کہ جہاں صریف الاقلام کو سنتے تھے۔ لکھنے کے وقت قلم کی جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کو صریف الاقلام کہتے ہیں اس مقام پر قضاء وقدر کے قلم مشغول کتابت تھے۔ ملائکۃ اللہ امور الٰہیہ کی کتابت اور احکام خداوندی کی لوح محفوظ سے نقل کر رہے تھے۔

تنبیہ......احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام صریف الاقلام سدرۃ المنتہیٰ کے بعد ہے اس لئے کہ احادیث میں مقام صریف الاقلام کا عروج سدرۃ المنتہیٰ کے لفظ ثم سے ذکر کیا گیا ہے۔ نیز سدرۃ المنتہیٰ کو اس لئے سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں کہ اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں ان کا منتہیٰ یہی مقام ہے معلوم ہوا کہ سدرۃ المنتہیٰ کے اوپر کوئی اور مقام ہے کہ جہاں سے تدابیر عالم کے متعلق احکام تکوینیہ کا نزول ہوتا ہے، وہ یہی مقام صریف الاقلام ہے گویا کہ مقام صریف الاقلام تدابیر الٰہی وتقادیر خداوندی کا بلا تشبیہ و تمثیل مرکزی دفتر اور صدر مقام ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ اور جنت اور جہنم کے بعد رسول اکرم ﷺ کو اس مقام کا معائنہ کرایا گیا۔ نیز روایات حدیث میں نمازوں کی فرضیت اور مکالمۂ خداوندی کا ذکر صریف الاقلام کے بعد آیا ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ مقام صریف الاقلام سدرۃ المنتہیٰ کے بعد ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آپ ﷺ مقام صریف الاقلام سے چل کر حجابات طے کرتے ہوئے بارگاہ قدس میں پہونچے کہا جاتا ہے کہ آپ کی سواری کے لئے ایک رفرف (یعنی ایک سبز مخملی مسند) آئی اس پر سوار ہوئے اور بارگاہ دنی فتدلیٰ فکان قاب قوسین اوادنیٰ میں پہنچے۔

قاضی عیاضؒ شفاء میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دنی فتدلیٰ میں تقدیم وتاخیر اصل میں اس طرح ہے فتدلیٰ فدنا اور معنی یہ ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی سواری کے لئے شب معراج میں ایک رفرف اتری آپ ﷺ اس پر بیٹھ گئے پھر آپ بلند کئے گئے یہاں تک اپنے پروردگار کے قریب پہنچ گئے۔

حضرت انس بن مالکؓ کی ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ۔ ”میرے لئے آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا اور میں نے نورِ اعظم کو دیکھا اور پردہ میں سے موتیوں کی ایک رفرف (مسند) کو دیکھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے جو کلام کرنا چاہا وہ مجھ سے کلام فرمایا“۔

رسول اکرم ﷺ جب مقام دنا فتدلیٰ اور حریم قرب میں پہونچے تو بارگاہ بے نیاز میں سجدۂ نیاز بجالائے اور نور السمٰوت والارض کے جمال بے مثال کو حجاب کبریائی کے پیچھے سے دیکھا اور بلاواسطہ کلام خداوندی اور وحی ایزدی سے مشرف اور سرفراز ہوئے فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی.

امام طبرانی اور حکیم ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے نورِ اعظم یعنی نورِ الٰہی کو دیکھا پھر اللہ نے میری طرف وحی بھیجی جو چاہی یعنی مجھ سے بلاواسطہ کلام فرمایا۔

حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے دنا فتدلیٰ اور فاوحی الی عبدہ ما اوحی کی تفسیر بھی ہوجاتی ہے کہ آیت میں دنو اور تدلی سے حق جل شانہٗ کا ایسا قرب خاص اور تام مراد ہے کہ جس کے ساتھ دیدار پرانوار اور مسرت التیام بھی ہو اور فَأَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاأَوْحٰی سے بلاواسطہ مکالمہ خداوندی اور بلاواسطہ کلام اور وحی مراد ہے اس لئے کہ دیدار کے بعد بالواسطہ کلام کے کیا معنی، دیدار بلاواسطہ کے بعد کلام بلاواسطہ ہی کا ذکر مناسب اور موزوں ہے۔

الغرض رسول اکرم ﷺ دیدار خدوندی اور بلاواسطہ کلام ایزدی سے مشرف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے کلام فرمایا اور پچاس نمازیں آپ ﷺ کو اس کی امت پر فرض فرمائیں۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس وقت تین عطیئے مرحمت فرمائے۔ (۱) پانچ نمازیں (۲) اور خواتیم سورۃ بقرہ یعنی سورۂ البقرہ کی آخری آیتوں کا مضمون عطا کیا گیا جن میں اس امت پر حق تعالیٰ کی کمال رحمت اور لطف وعنایت اور تخفیف اور سہولت اور عفو اور مغفرت کافرین کے مقابلہ میں فتح اور نصرت کا مضمون ہے جس کی برنگ

دُعا اس میں امت کو تعلیم و تلقین کی گئی ہے اشارہ اس طرف ہے کہ سورۂ البقرہ کے اخیر میں جو دعائیں تم کو تلقین کی گئی ہیں وہ ہم سے مانگو ہم تمہاری یہ تمام دعائیں اور درخواستیں قبول کریں گے۔

ولو لم ترد نیل ما نرجو و نطلبه   من فیض جودک ما علمتنا الطلبا

اگر تیرا ارادہ ہم کو اپنے دریائے کرم سے ہمارے مطلوب عطا نہ کرنے کا نہ ہوتا تو ہم کو طلب اور استدعاء کی تعلیم بھی نہ دیتا یعنی درخواست کا مضمون ہی نہ بتاتا۔ تیسرا عطیہ آپ کو یہ عطا کیا گیا کہ جو شخص آپ کی امت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانے اللہ تعالیٰ اس کے کبائر سے درگزر فرمائے گا۔ یعنی گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہ ڈالے گا۔ کسی کو انبیاء علیہم السلام کی شفاعت سے معاف کرے گا اور کسی کو ملائکہ مکرمین کی شفاعت سے اور کسی کو اپنی خاص رحمت اور عنایت سے جس کے قلب میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا بالآخر وہ بھی جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک طویل حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اثناء کلام میں رسول اکرم ﷺ سے یہ فرمایا کہ۔ آپ ﷺ سے آپ ﷺ کے پروردگار نے کہا کہ میں نے تجھ کو اپنا خلیل اور حبیب بنایا اور تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور تیرا سینا کھولا اور تیرا بوجھ اتارا اور تیری آواز کو بلند کیا میری توحید کے ساتھ تیری رسالت اور عبدیت کا بھی ذکر کیا جاتا ہے اور تیری امت کو خیر الامم اور امت متوسطہ اور عادلہ اور معتدلہ بنایا شرف اور فضیلت کے لحاظ سے اولین اور ظہور اور وجود کے حساب سے آخرین بنایا اور آپ کی امت میں سے کچھ لوگ ایسے بنائے کہ جن کے دل اور سینہ ہی انجیل ہونگے یعنی اللہ کا کلام ان کے سینوں اور دلوں پر لکھا ہوا ہوگا اور آپ ﷺ کو وجود نورانی اور روحانی کے اعتبار سے اول النبیین اور بعثت کے اعتبار سے آخر النبیین بنایا اور آپ کو سورۃ الفاتحہ اور خواتیم سورۃ البقرہ عطا کیے جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے اور آپ ﷺ کو حوضِ کوثر عطا کی اور آٹھ چیزیں خاص طور پر آپ کی امت کو دیں اسلام اور مسلمان کا لقب اور ہجرت اور جہاد اور نماز اور صدقہ اور

صوم رمضان اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور آپ کو فاتح اور خاتم بنایا یعنی اول الانبیاء اور آخر الانبیاء بنایا۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اس مقام قرب میں حضور کو گونا گوں الطاف وعنایات سے نوازا اور طرح طرح کے بشارات سے مسرور کیا اور خاص خاص احکام وہدایت دیئے سب سے اہم حکم یہ تھا کہ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کی امت کو پچاس نمازوں کا حکم ہوا۔ رسول اکرم ﷺ یہ تمام احکام وہدایت لے کر بصد ہزار مسرت واپس ہوئے۔ واپسی میں پہلے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ سے ملے حضرت ابراہیمؑ نے ان احکام وہدایت اور فریضۂ نماز وغیرہ کے متعلق کچھ نہیں فرمایا، بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا انہوں نے دریافت کیا کہ کیا حکم ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا دن رات میں پچاس نمازوں کا حکم ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کر چکا ہوں آپ کی امت ضعیف اور کمزور ہے وہ اس فریضہ کو انجام نہیں دے سکے گی۔ اس لئے تم اپنے پروردگار کے پاس واپس جاؤ اور اپنی امت کے لئے تخفیف کی درخواست کرو۔ رسول اکرم ﷺ واپس گئے اور اللہ رب العزت سے تخفیف کی درخواست کی حق تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کر دیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، انہوں نے پھر یہی بات کہی۔ آپ ﷺ پھر گئے اور تخفیف کی درخواست کی مکرر سہ تخفیف کے بعد جب پانچ نمازیں رہ گئیں اور پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہی مشورہ دیا کہ جایئے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کی جائے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے بار بار درخواست کی اب میں حق تعالیٰ سے شرما گیا۔ آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دے کر آگے روانہ ہوئے۔ غیب سے آواز آئی کہ یہ پانچ نمازیں ہیں مگر پچاس کے برابر ہیں یعنی ثواب میں پچاس ہیں اور میرے قول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ میرے علم میں اسی طرح متعین اور طے شدہ تھا کہ اصل فرض پانچ نمازیں ہیں اور پچاس سے پانچ تک یہ تدریج وترتیب کسی مصلحت اور حکمت کی بناء پر اختیار کی گئی جیسے طبیب کے معالجہ میں ترتیب وتدریج حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتی ہے اور مریض اپنی لاعلمی

کی وجہ سے اس کو تغیر و تبدل سمجھتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (بحوالہ سیرت المصطفیٰ ﷺ)

نوٹ ...... دیدارِ الٰہی سے متعلق کچھ صفحات بعد اکابرین اسلام کی مزید تحقیقات انشاءاللہ تعالیٰ ہم پیش کریں گے یہاں بر سبیل تذکرہ مختصر ذکر کیا گیا ہے۔

معراج سے واپسی پر قریش کی تکذیب اور ان پر حجت قائم ہونا

بیت المقدس تک پہنچنا پھر وہاں سے آسمانوں تک تشریف لے جانا اور مکہ معظمہ تک واپس آجانا ایک ہی رات میں ہوا، واپس ہوتے ہوئے قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے ملاقات ہوئی جو شام سے واپس آرہا تھا، صبح کو جب آپ ﷺ نے معراج کا واقعہ بیان کیا تو قریش تعجب کرنے لگے اور جھٹلانے لگے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے ان سے کہا کہ محمد (ﷺ) بیان کررہے ہیں کہ انہوں نے رات کو اس اس طرح سفر کیا، پھر صبح ہونے سے پہلے واپس آ گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اوّل تو یوں کہا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو (انہوں نے ایسا نہیں کہا) قسم کھا کر کہا کہ واقعی وہ اپنے بارے میں یہ بیان دے رہے ہیں، اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ان کان قالہ فقد صدق کہ اگر انہوں نے یہ بیان کیا ہے تو سچ فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق سے وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا تم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہو، انہوں نے فرمایا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آسمان سے آپ کے پاس خبر آتی ہے اسی وجہ ان کا لقب صدیق پڑ گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ)

قریش مکہ تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے بیت المقدس انہوں نے دیکھا ہوا تھا، کہنے لگے اچھا اگر آپ رات بیت المقدس گئے تھے، اس کو دیکھا ہے، اس میں نماز پڑھی ہے، تو بتائیے بیت المقدس میں فلاں فلاں چیزیں کیسی ہیں؟ (یعنی اس کے ستون دروازوں اور دوسری چیزوں کے بارے میں سوال کرنا شروع کردیا) اس وقت آپ ﷺ حطیم میں تشریف رکھتے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے سوال پر مجھے بڑی بے چینی ہوئی کہ اس جیسی بے چینی کبھی نہیں ہوئی تھی، میں نے بیت المقدس کو دیکھا تو تھا لیکن خوب

اچھی طرح اس کی ہر ہر چیز کو محفوظ نہیں کیا (اس کا کیا اندازہ تھا کہ ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا) لیکن اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میری طرف اس طرح اٹھا دیا کہ مجھ سے قریش مکہ جو بھی کچھ پوچھتے تھے میں ان سب کا جواب دیتا رہا۔ (صحیح مسلم)

بعض روایات میں یوں ہے فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت أخبرھم عن ایاتہ و أنا أنظر الیھا اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے لئے واضح طریقے پر روشن فرمادیا میں اسے دیکھتا رہا اور اس کی جو نشانیاں پوچھ رہے تھے وہ میں انہیں بتاتا رہا (صحیح بخاری)

تفسیر ابن کثیر ج ۳ میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے بیت المقدس کی علامات سب بتادیں تو وہ لوگ جو آپ ﷺ کی بات میں شک کرنے کی وجہ سے بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کررہے تھے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم بیت المقدس کے بارے میں صحیح بیان دیا۔

رسول اکرم ﷺ نے قریش مکہ کو یہ بھی بتایا کہ مجھے سفر میں فلاں وادی میں فلاں قبیلے کا قافلہ ملا۔ ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا، میں نے انہیں بتایا کہ تمہارا اونٹ فلاں جگہ پر ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب میں بیت المقدس کی طرف جارہا تھا، پھر جب میں واپس آرہا تھا تو مقامِ ضجنان میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ لوگ سو رہے ہیں، ایک برتن میں پانی تھا جسے انہوں نے کسی چیز سے ڈھانک رکھا تھا میں نے اس کا ڈھکن ہٹایا اور پانی پی کر اسی طرح ڈھانک دیا جس طرح سے ڈھکا ہوا تھا (اہل عرب دودھ اور دیگر معمولی چیزوں کے بارے میں عام طور سے بے اجازت خرچ پر اعتراض نہیں کرتے تھے ایسی بلا اجازت استعمال میں لانا ان کے ہاں رواج پذیر تھا۔ اجازت عامہ کی وجہ سے صریح اجازت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے) آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ وہ قافلہ ابھی تنعیم کی گھاٹی سے ظاہر ہونے والا ہے، ان کے آگے آگے ایک چتکبرے رنگ کا اونٹ ہے، اس کے اوپر سامان کے دو بورے ہیں، ایک سیاہ رنگ کا، اور دوسرا سفید رنگ کا ہے، یہ بات سن کر وہ لوگ جلدی جلدی تنعیم کی گھاٹی کی طرف چل دیئے، وہاں دیکھا کہ واقعی مذکورہ قافلہ آرہا ہے اور اس کے آگے وہی اونٹ ہے، جب اس قافلے پر گزرنے کی تصدیق ہوئی تو ان لوگوں نے قافلے

والوں سے پوچھا کہ تم نے کسی برتن میں پانی رکھا تھا انہوں نے کہا ہاں! ہم نے ایک برتن میں پانی ڈھانک دیا تھا، پھر دیکھا کہ وہ برتن اسی طرح ڈھانکا ہوا ہے لیکن اس میں پانی نہیں ہے پھر قافلہ والوں سے سوال کیا گیا کہ کیا تمہارا کوئی اونٹ بدک گیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! ہمارا اونٹ بدک کر چلا گیا تھا، ہم نے ایک آدمی کی آواز سُنی جو ہمیں بلا رہا تھا یہ تمہارا اونٹ ہے، یہ آواز سُن کر ہم نے اسے پکڑ لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے قافلہ والوں کو سلام بھی کیا تھا، اور ان میں بعض سننے والوں نے کہا یہ حضرت محمد ﷺ کی آواز ہے۔

اسی طرح ۷ھ میں رسول اکرم ﷺ نے بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے ہیں ان میں ایک ہرقل کے نام بھی تھا جو رومیوں کا بادشاہ تھا۔ شام اس وقت اس کے زیرنگیں تھا، وہ شام آیا ہوا تھا، ادھر حضرت دحیہ کلبیؓ آپ ﷺ کا والا نامہ لے کر شام پہنچے اور وہ بصرہ کے گورنر کو دے دیا۔ اس نے ہرقل کو پہنچا دیا، یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ قریش مکہ کا ایک قافلہ تجارت کے لئے ملک شام پہنچا ہوا تھا، ہرقل نے کہا کہ دیکھو کچھ عرب کے لوگ آئے ہوئے ہیں تو انہیں بلاؤ تا کہ میں ان سے ان صاحب کے بارے میں معلومات حاصل کروں، جنہوں نے میرے پاس خط لکھا ہے: چنانچہ یہ لوگ ہرقل کے دربار میں حاضر کئے گئے، ہرقل نے پوچھا تم میں ان صاحب سے قریب تر کون ہے جو اپنے کو اللہ کا نبی بتاتا ہے۔ ابوسفیان بھی تاجروں کے قافلہ میں تھے ابوسفیان نے کہا کہ میں قریب تر ہوں۔ ہرقل نے ابوسفیان سے کہا کہ دیکھو میں تم سے سوال کروں گا صحیح جواب دینا۔ ابوسفیان اس وقت مسلمان نہیں تھے، رسول اکرم ﷺ کے مخالف تھے، انہوں نے چاہا کہ کوئی ایسی بات کہہ دیں کہ جس سے آپ ﷺ کی حیثیت گر جائے (نعوذ باللہ) اور آپ ﷺ کے دعوائے نبوت میں وہ آپ کو سچا نہ سمجھے۔

بہت ہی سوچ بچار کے بعد ابوسفیان نے یہ بات نکالی کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں مکہ کی سرزمین سے ایک ہی رات میں آیا اور بیت المقدس پہنچا، اور پھر اسی رات میں صبح ہونے سے پہلے واپس مکہ پہنچ گیا (ابوسفیان کا خیال تھا کہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کی وجہ سے

قیصر آپ کے بارے میں ضرور ہی بدگمان ہو جائے گا، لیکن ہوا یہ کہ) وہاں قیصر کے پاس نصرانیوں کا ایک پادری کھڑا ہوا تھا، ابوسفیان کی بات سُن کر وہ پادری بولا کہ ہاں مجھے اس بات کا علم ہے (جس میں ایسا واقعہ ہوا ہے کہ وہاں بعض حضرات آئے اور انہوں نے نماز پڑھی) قیصر نے اس کی طرف دیکھا اور دریافت کیا کہ تجھے اس کا کیا پتہ ہے؟ اس پادری نے کہا کہ میں روزانہ رات کو مسجد کے دروازے بند کر کے سوتا تھا مذکورہ رات میں جب میں نے سارے دروازے بند کر دیئے لیکن ایک دروازہ بند نہ ہو سکا۔ اس وقت وہاں جو لوگ موجود تھے میں نے ان سے مدد لی اور ہم سب نے اسے حرکت دینے کی کوشش کی لیکن ہم اسے حرکت نہ دے سکے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہم کسی پہاڑ کو اس جگہ سے ہٹا رہے ہیں، اس پادری نے بتایا کہ میں دو باب کھلے چھوڑ آیا اور جب صبح کو واپس آیا تو دیکھا کہ مسجد کے گوشہ میں پتھر کے اندر ایک سوراخ ہے اور اس میں ایک جانور کے باندھنے کا نشان ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دروازہ آج اس لئے کھلا رکھا ہے کہ یہاں کسی نبی کی آمد ہوئی ہے اور اس نے ہماری مسجد میں نماز پڑھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

معراج کے سفر کے بعض مشاہدات

معراج کے سفر میں رسول اکرم ﷺ نے بہت سی چیزیں دیکھیں جو حدیث اور شروحِ حدیث میں جگہ جگہ منتشر ہیں۔ جن کو امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ جلد دوم میں اور حافظ نورالدین ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد جلد اول میں اور علامہ محمد سلیمان المغربی الردانی نے جمع الفوائد جلد سوم (طبع مدینہ منورہ) میں اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں، اور علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں جمع کیا ہے۔

عالم علوی میں جو چیزیں ملاحظہ فرمائیں، روایات سابقہ میں ان میں سے بہت سی ذکر کردی گئیں ہیں۔ اب عالم سفلی کے بعض مشاہدات ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایات ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

معراج میں ان لوگوں پر گزرنا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی اس رات میں، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے ہیں، میں نے حضرت جبرائیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں، جو وہ باتیں کہتے ہیں جن پر خود عامل نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔

معراج کی رات ایسے لوگوں پر گزرنا جو اپنے سینوں کو ناخن سے چھیل رہے تھے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایات ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ میں نے کہا کہ اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں (یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی بے آبروئی کرنے میں پڑے رہتے ہیں۔ (رواہ ابوداؤد کمافی المشکوٰۃ)

معراج کی رات سُود خوروں کی بدحالی دیکھنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے (جیسے انسانوں کے رہنے کے) گھر ہوتے ہیں ان میں سانپ تھے جو باہر سے ان کے

پیٹوں میں نظر آرہے تھے میں نے کہا کہ اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نہ کہا کہ یہ سود کھانے والے ہیں۔ (بحوالہ مشکوٰۃ)

معراج کی رات فرشتوں کا پچھنا لگانے کے لئے تاکید کرنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایات ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے معراج کے سفر میں پیش آنے والی جو باتیں بیان فرمائیں ان میں ایک یہ بات بھی تھی کہ آپ ﷺ فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گزرے، انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ اپنی امت کو حجامت یعنی پچھنے لگانے کا حکم دیجئے۔ عرب میں پچھنے لگانے کا بہت رواج تھا، اس سے زائد خون اور فاسد خون نکل جاتا ہے، بلڈ پریشر کا مرض جو عام ہو گیا ہے اس کا بہت اچھا علاج ہے، لوگوں نے اسے بالکل ہی چھوڑ دیا ہے، رسول اکرم ﷺ اپنے سر میں اور اپنے مونڈوں کے درمیان پچھنہ لگواتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح از ترمذی وابن ماجہ)

معراج کی رات مجاہدین کے اجر کو ملاحظہ کرنا

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ چلے تو آپ ﷺ کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا کہ جو ایک ہی دم میں تخم ریزی بھی کر لیتے ہیں اور ایک ہی دن میں کاٹ بھی لیتے ہیں، اور کاٹنے کے بعد پھر ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسے پہلے تھی، آپ ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ سے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں، ان کی ایک نیکی سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہے اور یہ لوگ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرماتا ہے۔

معراج کی رات ایسے لوگوں پر گزرنا جن کے سر پتھروں سے کچلے جارہے تھے

پھر آپ ﷺ کا ایک قوم پر گزر ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جارہے تھے، کچلے جانے کے بعد پھر ویسے ہی ہو جاتے ہیں جیسے پہلے تھے، اسی طرح سلسلہ جاری ہے ختم نہیں ہوتا، آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز

سے کاہلی کرنے والے ہیں، سوتے ہوئے رہ جاتے ہیں۔

معراج کی رات زکوٰۃ نہ دینے والوں کی بدحالی ملاحظہ کرنا

پھر ایک قوم پر گزر ہوا کہ جن کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں، اور اونٹ اور بیل کی طرح چرتے ہیں، اور ضریع اور زقوم یعنی کانٹے دار اور خبیث درخت اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔

معراج کی رات سڑا ہوا گوشت کھانے والے لوگوں پر گزرنا

پھر آپ ﷺ کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت ہے، اور ایک ہانڈی میں کچا اور سڑا گوشت رکھا ہے، یہ لوگ سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کا وہ شخص ہے کہ جس کے پاس حلال اور طیب عورت موجود ہے مگر وہ ایک زانیہ اور فاحشہ عورت کے ساتھ شب باشی کرتا ہے، اور صبح تک اسی کے پاس رہتا ہے اور آپ ﷺ کی امت کی وہ عورت ہے جو حلال اور طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی زانی اور بدکار شخص کے ساتھ رات گزارتی ہے۔

معراج کی رات لکڑیوں کا بڑا گٹھا اٹھانے والے کو ملاحظہ کرنا

پھر ایک شخص پر آپ ﷺ کا گزر ہوا جس کے پاس لکڑیوں کا بہت بڑا گٹھڑ ہے وہ اسے اٹھا نہیں سکتا (لیکن) اور زیادہ بڑھانا چاہتا ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون شخص ہے؟ حضرت جبرائیلؑ نے بتایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں، ان کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا، اور مزید امانتوں کو بوجھ اپنے سر لینے کو تیار ہے۔

معراج کی رات ایک بیل کا چھوٹے سوراخ میں داخل ہونے کی کوشش کرنا

اس کے بعد ایسے سُوراخ پر گزر ہوا جو چھوٹا سا تھا اس میں سے ایک بڑا بیل نکلا، بیل چاہتا ہے کہ جہاں سے نکلا ہے پھر اسی میں داخل ہو جائے، آپ ﷺ نے سوال فرمایا کہ یہ کون ہے؟ حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جو کوئی بڑا کلمہ کہہ دیتا ہے (جو گناہ کا کلمہ ہوتا ہے) اس پر وہ نادم ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو واپس کردے پھر اس کی طاقت نہیں رکھتا۔

معراج کی رات جنت کی خوشبو کا پانا

پھر آپ ﷺ ایک ایسی وادی پر پہنچے جہاں خوب اچھی خوشبو آرہی تھی اور مشک کی خوشبو تھی، اور آواز بھی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت جبرائیلؑ نے کہا یہ جنت کی آواز ہے، وہ کہہ رہی ہے کہ اے میرے رب! جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں وہ لائیے، اور اپنا وعدہ پورا فرمائیے۔

معراج کی رات دوزخ کی آواز سننا

اس کے بعد ایک اور وادی پر گزر ہوا، وہاں صوتِ منکر یعنی ایسی آوازیں سنی جو ناگوار تھی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت جبرائیلؑ نے جواب دیا کہ یہ جہنم ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کر رہی ہے کہ جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں ان کو لے آیئے اور اپنا وعدہ پورا فرمائیے۔

معراج کی رات ایک شیطان کا پیچھے لگنا

موطا امام مالک میں بروایت یحییٰ بن سعید مرسلاً نقل کیا ہے کہ جس رات رسول اکرم ﷺ کو سیر کرائی گئی تو آپ ﷺ نے جنات میں سے ایک عفریت کو دیکھا جو آگ کا شعلہ لئے ہوئے آپ ﷺ کا پیچھا کر رہا تھا، آپ ﷺ جب بھی (دائیں بائیں) التفات فرماتے وہ

نظر پڑ جاتا تھا، حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا کہ کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتادوں کہ ان کو آپ پڑھ لیں گے تو اس کا شعلہ بجھ جائے گا اور یہ اپنے منہ کے بل گر پڑے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بتادو اس پر حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ یہ کلمات پڑھیں۔

أعوذ بوجه الله الكريم وبكلمات الله التامات اللاتي لايجاوزهن بر ولا فاجر، من شر ما ينزل من السماء وشر مايعرج فيها، وشر ماذرأ في الارض، وشر ما يخرج منها، ومن فتن الليل والنهار، ومن طوارق الليل والنهار، الاطارقايطرق بخير يا رحمٰن.

معراج شریف سے متعلق فوائد واسرار

معراج کے بارے میں نازل ہونے والی بنی اسرائیل کی پہلی آیت کریمہ کو لفظ سبحان الذی سے شروع فرمایا ہے اس میں ان کم فہموں کے خیال وگمان کی تردید کی ہے جو اس واقعہ کو محال اور ممتنع سمجھتے تھے اور اب بھی بعض جاہل ایسا خیال کرتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ میں شک کرتے ہیں، ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے، وہ کسی بھی چیز سے عاجز نہیں، وہ جو چاہتا ہے کرسکتا ہے، وہ جو چاہتا ہے کرسکتا ہے، وہ نقص اور عیب سے پاک ہے، اس کی قدرت کاملہ ہے، کوئی چیز اس کے لئے بھاری نہیں۔ اور اسریٰ بعبدہٖ جو فرمایا اس میں رسول اکرم ﷺ کی شان عبدیت کو بیان فرمایا، عبدیت بہت بڑا مقام ہے اللہ کا بندہ ہونا بہت بڑی بات ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا بندہ بنالیا اور یہ اعلان فرمادیا کہ وہ ہمارا بندہ ہے اس سے بڑا کوئی شرف نہیں اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **أحب الاسماء الى الله عبد الله وعبد الرحمٰن**، کہ اللہ کو سب سے زیادہ پیارا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ایک مرتبہ ایک فرشتہ حاضر خدمت ہوا، اس نے عرض کیا کہ آپ کے رب نے سلام فرمایا ہے، اور فرمایا ہے کہ اگر تم چاہو عبدیت والے نبی بن جاؤ اور اگر چاہو بادشاہت

والے نبی بن جاؤ، آپ نے مشورہ لینے کے لئے حضرت جبرئیلؑ کی طرف دیکھا، انہوں نے تواضع اختیار کرنے کا مشورہ دیا، آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں عبدیت والا نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ (جو حدیث کی راویہ ہیں انہوں) نے بیان کیا کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ میں ایسے کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

واقعہ اسراء کو بیان کرتے ہوئے لفظ عبدہ لانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ واقعہ کی تفصیل سُن کر کسی کو وہم نہ ہو جائے کہ آپ کی حیثیت عبدیت سے آگے بڑھ گئی، اور آپ کی شان میں کوئی ایسا اعتقاد نہ کرلے کہ مقامِ عبدیت سے آگے بڑھا کر اللہ تعالیٰ کی شانِ الوہیت میں شریک قرار دے دے، اور جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کر کے گمراہ ہوئے، اس طرح کی کوئی گمراہی اُمّت محمدیہ ﷺ میں نہ آجائے۔

اور قرآن کریم کی اسی آیت میں اس کی تصریح ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو ایک رات مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی، مسجد اقصیٰ ''مسجد بیت المقدس'' کا نام ہے جو شام میں ہے، مسجد اقصیٰ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کے بارے میں کئی قول ہیں۔ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ چونکہ وہ حجاز میں رہنے والوں سے دور ہے اس لئے اس کی صفت اقصیٰ لائی گئی، اور ایک قول یہ ہے کہ جن مساجد کی زیارت کی جاتی ہے، ان میں وہ سب سے زیادہ دور ہے، (کوئی شخص مسجد حرام سے روانہ ہو تو پہلے مدینہ منورہ سے گزرے گا، پھر بہت دن کے بعد مسجد اقصیٰ پہنچے گا، جب اونٹوں پر سفر ہوتے تھے تو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک چالیس دن کا سفر تھا) اور ایک قول یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ اس لئے کہا گیا کہ وہ گندی اور خبیث چیزوں سے پاک ہے (روح المعانی)

مسجد اقصیٰ کے بارے میں اَلَّذِی بٰرَکنا حَولَهٗ فرمایا یعنی جس کے چاروں طرف ہم نے برکت دی ہے، یہ برکت دینی اعتبار سے بھی ہے اور دنیاوی اعتبار سے بھی، دینی اعتبار سے تو یوں ہے کہ بیت المقدس حضرات انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ ہے، اور ان

حضرات کا قبلہ ہے، اور وہ ان تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف سفر کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور چاروں طرف حضرات انبیاء علیہم السلام مدفون ہیں، اور دنیاوی اعتبار سے اس لئے بابرکت ہے کہ وہاں انہار اور اشجار بہت ہیں۔

لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا (تا کہ ہم اپنے بندہ کو اپنی آیات یعنی عجائب قدرت دکھائیں) ایک رات میں اتنا لمبا سفر ہو جانا، اور حضرات انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہونا ان کی امامت کرنا، اور راستہ میں بہت سی چیزیں دیکھنا، یہ عجائب قدرت میں سے تھا۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (بلاشبہ اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے)

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ السمیع فرما کر یہ بتایا کہ اللہ دعاؤں کا سننے والا ہے، اور البصیر فرما کر یہ ظاہر کیا کہ وہ سب کچھ دیکھنے والا ہے اور رات کی تاریکیوں میں حفاظت کرنے والا ہے۔

معراج کی رات براق کیا تھا اور کیسا تھا؟

لفظ براق، بریق سے مشتق ہے جو سفیدی کے معنی میں آتا ہے، اور ایک یہ قول ہے کہ یہ لفظ برق سے لیا گیا، برق بجلی کو کہتے ہیں اس کی تیز رفتاری تو معلوم ہی ہے، اسی تیز رفتاری کی وجہ سے براق کا نام براق رکھا گیا ہے۔ روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس براق پر رسول اکرم ﷺ سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام سوار ہوتے تھے، امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ ج ۲ میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وکانت الانبیاء ترکبه قبلی (اور حضرت انبیاء کرام علیہم السلام مجھ سے پہلے اس براق پر سوار ہوتے رہے ہیں)۔

معراج کی رات بُراق کی شوخی اور اس کی وجہ

سُنن ترمذی (تفسیر سورۃ الاسراء) میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میرے پاس براق لایا گیا جس کو لگام لگی ہوئی تھی، اور زین کسی ہوئی تھی، براق شوخی کرنے لگا۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا تو حضرت محمد ﷺ کے ساتھ

شوخی کرتا ہے تیرے اوپر کوئی بھی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ کے نزدیک حضرت محمد ﷺ سے زیادہ مکرم اور معزز ہو، یہ سنتے ہی براق پسینہ پسینہ ہو گیا (پھر اس نے اپنا نافرمانی کا انداز چھوڑ دیا)۔ قال الترمذی ھذا حدیث حسن غریب.

دلائل النبوۃ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب براق نے شوخی کی تو حضرت جبرائیلؑ نے اس کا کان پکڑ کر گھما دیا، پھر مجھے اس پر سوار کرا دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آپ ﷺ بیت المقدس پہنچے تو حضرت جبرائیلؑ نے اپنی انگلی سے پتھر میں سوراخ کر دیا پھر اس سوراخ سے آپ ﷺ نے براق کو باندھا۔ (ابن کثیر)

براق نے شوخی کیوں کی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چونکہ ایک عرصہ دراز گزر چکا تھا اور زمانہ فترت میں (یعنی اس عرصہ دراز میں جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت رسول اکرم ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا تھا) براق پر کوئی سوار نہیں ہوا تھا وہ نئی سی بات دیکھ کر چمکنے لگا۔

اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ براق کا چمکنا اور شوخی کرنا بطور خوشی اور فخر کے تھا کہ آج مجھ پر آخر الانبیاء ﷺ سوار ہو رہے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ثبیر پہاڑ پر تھے وہ پہاڑ حرکت کرنے لگا آپ ﷺ نے فرمایا ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ بغیر براق کے سفر کرا سکتا ہے لیکن آپ ﷺ کو تشریفاً و کراماً براق پر سوار کر کے لے جایا گیا، اگر سواری نہ ہوتی تو گویا پیدل سفر ہوتا تو کیونکہ سوار بہ نسبت پیدل چلنے کے زیادہ معزز ہوتا ہے اس لئے آپ ﷺ کو سواری پر سفر کرایا گیا۔

جب مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کے لئے روانگی ہوئی تو حضرت جبرائیلؑ بھی آپ ﷺ کے ساتھ براق پر سوار ہو گئے آپ ﷺ کو پیچھے بٹھایا اور خود بطور رہبر کے آگے سوار ہوئے۔ دونوں حضرات براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے، وہاں دونوں نے دو رکعت نماز

پڑھی، پھر رسول اکرم ﷺ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی، جب آسمانوں کی طرف تشریف لے جانے لگے تو ایک زینہ لایا گیا جو بہت ہی زیادہ خوبصورت تھا، اور بعض روایات میں ہے کہ ایک زینہ سونے کا اور ایک چاندی کا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ وہ موتیوں سے جڑا ہوا تھا، عالم بالا کا سفر کرتے وقت آپ ﷺ کے دائیں بائیں فرشتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ اور حضرت جبرائیلؑ دونوں زینہ کے ذریعے آسمان تک پہنچے اور آسمان کا دروازہ کھلوایا۔

پہلے آسمان کے دروازے کے بارے میں فرمایا کہ وہ باب الحفظہ ہے اور فرمایا کہ اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا نام اسماعیل ہے اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں اور ہر فرشتے کے ماتحت بارہ ہزار ہیں، جب رسول اکرم ﷺ نے یہ بات بیان فرمائی تو یہ آیت تلاوت کی وَمَا یَعلَمُ جُنُودَ رَبِّکَ اِلَّا ھُو . (مدثر۲۹)

معراج کی رات پہلے آسمان پر داروغۂ جہنم سے ملاقات ہونا اور جہنم کا ملاحظہ کرنا

جب آپ ﷺ سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں داخل ہوئے تو جو بھی فرشتہ ملتا تھا ہنستے ہوئے بشاشت اور خوشی کے ساتھ ملتا تھا اور خیر کی دعا دیتا تھا، انہیں میں ایک ایسے فرشتے سے ملاقات ہوئی جس نے ملاقات بھی کی اور دعا بھی دی لیکن وہ ہنسا نہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون سا فرشتہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مالک ہے جو دوزخ کا داروغہ ہے یہ اگر آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی کے لئے ہنستا تو آپ کی ملاقات کے وقت آپ کے سامنے اسے ہنسی آجاتی یہ فرشتہ ہنستا ہی نہیں ہے، آپ ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ سے فرمایا اس فرشتہ سے کہئے کہ مجھے دوزخ دکھائے، حضرت جبرائیلؑ نے اس سے کہا کہ یا مالک أر محمدا ﷺ نِ النار (اے مالک محمد ﷺ کو دوزخ دکھا دو) اس پر فرشتہ نے دوزخ کا ڈھکن اٹھایا جس کی وجہ سے دوزخ جوش مارتی ہوئی اوپر اُٹھ آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے جبرائیلؑ! اسکو کہئے کہ دوزخ کو اپنی جگہ واپس کردے، چنانچہ حضرت جبرائیلؑ نے اس فرشتہ سے کہا کہ اس کو واپس کردو، فرشتہ نے اسے واپس

ہونے کا حکم دیا جس پر وہ واپس چلی گئی جس پر اس نے ڈھکن ڈھک دیا۔

حضرت جبرائیلؑ نے جب دروازہ کھلوایا تو آسمانوں کے ذمہ داروں نے حضرت جبرائیلؑ سے یہ سوال کیا کہ آپؑ کے ساتھ کون ہیں انہوں نے جواب دیا کہ حضرت محمد ﷺ ہیں اس پر سوال ہوا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ حضرت جبرائیلؑ جواب دیتے رہے کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے اس طرح دروازے کھولے جاتے رہے اور آپ اوپر پہنچتے رہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملاءِ اعلیٰ کے حضرات نے یہ سوال کیوں کئے؟ کیا جبرائیلؑ کے بارے میں انہیں یہ گمان تھا کہ وہ ایسی شخصیت کو ساتھ لے آئے ہوں گے جسے اوپر بلایا نہ گیا ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ملاءِ اعلیٰ کے حضرات کو پہلے سے معلوم تھا کہ آج کسی کی آمد ہونے والی ہے، لیکن رسول اکرم ﷺ کا شرف بڑھانے کے لئے اور خوشی ظاہر کرنے کے لئے یہ سوال جواب ہوا، اور اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ رسول اکرم ﷺ کو پتہ چل جائے کہ آپ کا اسم گرامی ملاءِ اعلیٰ میں معروف ہے۔ جب یہ سوال کیا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ تو حضرت جبرائیلؑ نے جواب دیا کہ حضرت محمد ﷺ ہیں اگر وہ آپ کے اسم گرامی سے واقف نہ ہوتے اور آپ کی شخصیت سے متعارف نہ ہوتے تو یوں سوال کرتے کہ محمد ﷺ کون ہیں؟ اسی سے پہلے سے دروازہ نہ کھولنے کی حکمت بھی معلوم ہوگئی اور وہ یہ ہے کہ آپ کو یہ بتانا تھا کہ آپ سے پہلے زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا گیا کہ وفات سے پہلے دنیاوی زندگی میں ہوتے ہوئے قاصد بھیج کر بلایا گیا ہو۔ جہاں اکثر مہمان آتے ہوں اور بارہا آتے رہتے ہوں وہاں یہی بات ہے کہ پہلے سے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اس لئے اس میں کسی خصوصیت اور امتیاز کا اظہار نہیں ہوتا لیکن معراج کا مہمان بے مثال مہمان ہے نہ اس سے پہلے کسی کو یہ مہمانی نصیب ہوئی نہ اس کے بعد، اور مہمانی بھی ایسی نہیں کہ امریکہ والا ایشیا چلا آیا اور ایشیا والا افریقہ چلا گیا یعنی خاکی انسان خاک ہی پر گھومتا رہا بلکہ وہ ایسی مہمانی تھی کہ فرش خاک کا رہنے والا سبع سمٰوات سے گزرتا ہوا سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گیا جہاں اس چہیتے مہمان کے سوا کوئی نہیں پہنچا۔ صلی اللہ

تعالیٰ علیه و آله بقدر کماله و جماله . چونکہ انسانوں میں سے کوئی وہاں نہیں جاتا اور وہاں کی راہ متبذل نہیں ہے اس لئے حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ہر ہر آسمان کا دروازہ آمد پر کھولا جائے کہ وہاں کے شائقین اور مقیمین کو معزز مہمان کا مرتبہ معلوم ہوتا چلا جائے اور یہ جان لیں کہ یہ کوئی ایسی ہستی ہے جس کو بغیر درخواست کے بلایا گیا اور جس کے لئے آج وہ دروازے کھولے جا رہے ہیں جو کبھی کسی کے لئے نہیں کھولے گئے درحقیقت یہ اعزاز اس اعزاز سے زیادہ ہے کہ پہلے سے دروازے کھلے رہیں جو دوسروں کے لئے بھی کھلے رہے ہیں (قال ابن المنیر حکمته التحقیق ان السماء لم تفتح الا من أجله بخلاف مالو وجد مفتوحا)۔ (بحوالہ فتح الباری)

جوں ہی کوئی دروازہ کھٹکھٹایا گیا اس آسمان کے رہنے والے متوجہ ہوئے اور یہ سمجھ لیا کہ کسی اہم شخصیت کی آمد ہے اور پھر حضرت جبرائیلؑ سے سوال وجواب ہوا، اس سے حاضرین کو مہمان کا تعارف اور تشخص حاصل ہو گیا پہلے سب نے مہمان کا نام سُنا پھر زیارت کی۔ مہمان کی آمد کے بعد جو تعارف حاضرین سے کرایا جاتا ہے وہ دروازہ کھٹکھٹانے اور حضرت جبرائیلؑ کے نام دریافت کرنے سے حاصل ہو گیا، ظاہر ہے کہ آمد کی عمومی اطلاع سے یہ بات حاصل نہ ہوتی اور چونکہ بارگاہ رب العالمین کی حاضری کے لئے یہ سفر تھا اور فرشتوں کی زیارت یا فرشتوں کو زیارت کرانا مقصدِ اعلیٰ نہ تھا اس لئے ہر جگہ قیام کرنے کا موقع نہ تھا ملاءِ اعلیٰ کے ساکنین متوجہ ہوتے رہے اور آپ کی زیارت کرتے رہے اور آپ آگے بڑھتے رہے، دنیا میں استقبال کے لئے استقبالیہ کمیٹی کے افراد کو پہلے سے جمع کرنا پڑتا ہے کیونکہ دنیا کے وسائل کے پیشِ نظر اچانک سب کا حاضر ہونا مشکل ہوتا ہے ۔ لامحالہ پہلے سے آنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وقت نہ نکل جائے لیکن عالمِ بالا کے ساکنین کو وہ قوتیں حاصل ہیں کہ آنِ واحد میں ہزاروں میل سفر کر کے جمع ہو سکتے ہیں۔ دروازہ کھٹکھٹایا گیا ہے بھنک پڑی سب حاضر ہو گئے دروازہ کھولتے وقت سب موجود ہیں۔

معراج کی رات دُودھ، شہد اور شراب کا پیش کیا جانا اور آپ کا دُودھ کو لے لینا

صحیح مسلم میں جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں یوں ہے کہ بیت المقدس ہی میں ایک برتن میں دودھ پیش کیا گیا اس کے راوی حضرت انس بن مالکؓ ہیں، صحیح مسلم کی دوسری روایت جو جلد ۲ پر مذکور ہے، جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں اس میں یوں ہے کہ عالمِ بالا میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب پینے کی چیزیں پیش کی گئیں اس میں بھی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دودھ لے لیا، اور حضرت امام بخاریؒ کی روایت میں ہے کہ بیت المعمور سامنے کئے جانے کے بعد ایک برتن میں شراب، ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد پیش کیا گیا، بیت المقدس میں بھی پینے کے لئے چیزیں پیش کی گئی ہوں، اور پھر عالمِ بالا میں حاضر خدمت کی گئی ہوں اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔ دوبارہ پیش کئے جانے میں عقلاً نقلاً کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا انکار کیا جائے۔ صحیح بخاری میں ایک چیز یعنی شہد کا ذکر زیادہ ہے اس میں بھی کوئی اشکال کی بات نہیں، بعض مرتبہ بعض راویوں سے کوئی چیز رہ جاتی ہے جسے دوسرا ذکر کر دیتا ہے۔ ومع ذالک المثبت مقدم علیٰ من لم یحفظ. صحیح مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے دودھ لیا تو حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا کہ اگر شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی اس سے معلوم ہوا کہ قائد اور پیشوا کے اخلاق اور اعمال کا اثر اس کے ماننے والوں پر بھی پڑتا ہے۔

روایاتِ حدیث میں السدرۃ المنتہیٰ (صفت موصوف) اور سدرۃ المنتہیٰ (مضاف مضاف الیہ) دونوں وارد ہوا ہے۔ لفظ ''سدرہ'' عربی زبان میں بیر کو کہتے ہیں اور ''المنتہیٰ'' کا معنی ہے انتہا ہونے کی جگہ اس درخت کا یہ نام کیوں رکھا گیا؟ اس کے بارے میں صحیح مسلم میں ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اُوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ اسی پر منتہیٰ ہو جاتے ہیں اور جو بندوں کے اعمال نیچے سے اوپر جاتے ہیں وہ وہاں پر ٹھہر جاتے ہیں (آنے والے احکام پہلے وہاں آتے ہیں پھر وہاں سے نازل ہوتے ہیں اور نیچے سے جانے والے جو اعمال ہیں وہ وہاں ٹھہر جاتے ہیں پھر اوپر اُٹھائے جاتے ہیں) پہلے گزر چکا ہے کہ

رسول ﷺ نے فرمایا کہ اس پر جو چیزیں چھائی ہوئی تھیں ان کی وجہ سے جو اس کا حسن تھا اسے اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی شخص بیان نہیں کرسکتا، اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس پر سونے کے پروانے چھائے ہوئے تھے۔ اس درخت کے بارے میں یہ بھی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اس کی شاخوں کے سایہ میں ایک سوار سو سال تک چل سکتا ہے یا یوں فرمایا کہ اس کے سایہ میں سو سوار سایہ لے سکتے ہیں۔

معراج کی رات جنت میں داخل ہونا اور نہر کوثر کا ملاحظہ کرنا

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس درمیان میں جبکہ میں جنت میں چل رہا تھا، اچانک میں ایک ایسی نہر پر ہوں جسکے دونوں کناروں پر ایسے موتیوں کے قبےّ ہیں جو بیچ میں سے خالی ہیں (یعنی پورا قبہّ ایک موتی کا ہے) میں نے کہا اے جبرائیلؑ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہر کوثر ہے، جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے، میں نے جو دھیان کیا تو کیا دیکھتا ہوں اس میں جو مٹی ہے (جس کی سطح پر پانی ہے) وہ خوب تیز خوشبو والا مشک ہے۔

معراج کی رات حضرات انبیاءؑ کی ملاقات روحانی تھی یا اجسام کے ساتھ تھی

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ حضور پُرنور کا انبیاء کرام کا بیت المقدس اور آسمان میں دیکھنا اس سے یا تو ان کی ارواح مُبارکہ کو دیکھنا مراد ہے یا مع اجسام عنصریہ کے دیکھنا مراد ہے کہ حضور کے اعزاز و اکرام کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مع اجسام عنصریہ کے مسجدِ اقصیٰ اور آسمانوں میں مدعو کیا گیا چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں جسموں کے ساتھ زندہ ہیں جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان اللّٰہ حرمہ الارض اجسام الانبیاء (بلاشبہ اللہ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو حرام کردیا ہے۔ وہ ان کے جسموں کو کھا نہیں سکتیں) اور احوال برزخ کو احوالِ دنیا پر قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا اسی لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے

دیکھا تھا لہٰذا کوئی بعید نہیں ہے کہ مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کو آپ نے ان کے اجسام عنصریہ کے ساتھ موجود پایا اور انہیں نماز پڑھائی پھر آسمانوں میں تشریف لے گئے تو وہاں بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں سے جن سے بھی ملاقات کی وہ وہاں اپنے جسموں کے ساتھ موجود تھے۔

اور بعض علماء نے یہ فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام تو قبور ہی میں رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو اجسام مثالیہ دے کر متمثل فرما دیا، اور اسی حال میں آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، اور پھر اوپر آسمانوں میں ملاقاتیں ہوئیں، البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ زندہ ہی اُٹھا لئے گئے اور ابھی ان کا دنیا میں آنا اور وفات پانا باقی ہے، اس لئے ان سے جو ملاقات ہوئی وہ اسی جسم کے ساتھ ہوئی جو دنیا میں ان کا جسم تھا اور چونکہ یہ ملاقات ان کی وفات سے پہلے ہے اس لئے ان کو آنحضرت سرور عالم ﷺ کے صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔

معراج کی رات آسمانوں میں حضرات انبیاء کرامؑ سے جو ملاقاتیں ہوئیں ان کی ترتیب کے بارے میں کیا حکمت ہے؟

حضرت سرورِ عالم ﷺ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی، پھر ان حضرات سے جس جس سے اوپر ملاقات کرائی تھی وہ لوگ آپ ﷺ سے پہلے آسمانوں میں پہنچ چکے تھے۔ ان میں جن حضرات سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی ان میں پہلے آسمان پر حضرات آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، پھر اوپر تشریف لے جاتے رہے اور دوسرے آسمانوں میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ ان ملاقاتوں کی ترتیب کے بارے میں بعض حضرات نے حِکمت بتائی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات میں یہ بتانا تھا کہ جیسے وہ جنّت سے نکالے گئے جو اس وقت ان کا وطن مالوف تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کو بھی مکہ معظمہ سے مدینے کے لئے ہجرت کا موقع آئے گا (مشہور قول

کے مطابق چونکہ واقعہ معراج ہجرتِ مدینہ منورہ سے کچھ ہی عرصہ پہلے پیش آیا تھا اس لئے پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کرائی گئی)۔

حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہم السلام سے دوسرے آسمان میں ملاقات ہوئی اس میں یہ بتایا کہ ہجرت کے بعد شروع ہی میں یہودی دشمنی کریں گے اور ان کی سرکشی بڑھتی چلی جائیگی اور آپ کو تکلیف پہنچانے کے ارادے کرتے رہیں گے (جیسا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہم السلام سے کیا)۔

تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اس میں یہ حکمت ہے کہ جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کے ساتھ زیادتی کی، اس طرح آپ کے قریشی بھائی آپ سے دشمنی کریں گیا ور جنگ کرنے کے لئے دارالہجرت میں پہنچیں گے پھر جس طرح حسنِ انجام حضرت یوسف علیہ السلام کو حاصل ہوا آپ کو بھی یہ نعمت حاصل ہوگی چنانچہ مکہ معظمہ فتح ہوا اور آپ کی زبان مبارک سے قریش مکہ کے لئے وہی بات نکلی جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی لا تثریب علیکم الیوم، (یوسف)

چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اُن کے تذکرہ میں قرآن مجید میں فرمایا ہے وَرَفَعْنَاهُ مَكَاناً عَلِيًا. ان کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے۔

پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اس میں بتایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کی قوم نے اذیت دی پھر وہ اپنی قوم میں محبوب ہو گئے اسی طرح اپنی قوم کی ایذاؤں کے بعد آپ محبوب ہو جائیں گے۔

چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کی ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ جیسے ان کی قوم نے آپ کو ستایا اس طرح کے واقعات آپ کو بھی پیش آئیں گے اس کو رسول اکرم ﷺ نے ایک موقع پر یوں ارشاد فرمایا لقد اوذی موسیٰ باکثر من ھذا فصبر.

ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی وہ بیت المعمور میں ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، اس میں یہ بتایا کہ آپ کی آخری عمر میں آپ کو مناسک حج کا موقع دیا جائے گا اور آپ کے ذریعے بیت اللہ کی تعظیم قائم ہوگئی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سب آخر میں ملاقات ہوئی انہوں نے کعبہ شریف بنایا تھا اور عالم بالا میں بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے تھے جو کعبہ شریف کی محاذات میں ہے یہاں زمین پر بنی آدم کعبہ شریف کا طواف کرتے ہیں اور وہاں روزانہ فرشتے بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں یہ لطیف مناسبت ہے۔

شیخ ابن ابی جمرہ نے بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کی ملاقاتوں کی ترتیب کے بارے میں کچھ حکمتیں بتائیں، انہوں نے فرمایا کہ سب سے قریب والے آسمان میں آدم علیہ السلام سے اس لئے ملاقات ہوئی کہ وہ اوّل الانبیاء بھی ہیں اور اوّل الآباء بھی ہیں وہ نبی بھی ہیں اور آپ کے باپ بھی ہی اور دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ ان کا زمانہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے سے قریب تر تھا کیونکہ آپ کے اور ان کے درمیان نبی نہیں گزرا۔ تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ آپ کی امت حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت میں جنت میں داخل ہوگی۔

چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم)، اور چوتھا آسمان ساتویں آسمان کے درمیان ہے (علامہ سہیلیؒ نے الروض الانف میں بہت ہی اچھی بات لکھی ہے اور وہ یہ کہ حضرت ادریس علیہ السلام سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے لکھنا سکھایا تھا چوتھے آسمان میں ان سے ملاقات ہونے میں اس طرف اشارہ تھا کہ گذشتہ تین احوال (مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جانا اور مدینہ منورہ میں یہودیوں کا آپ سے دشمنی کرنا اور مکہ معظمہ فتح ہونا) کے بعد چوتھی حالت یہ پیش آئے گی کہ آپ بادشاہوں کو خط لکھیں گے جس میں اسلام کی دعوت ہوگی۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد ایسا ہی ہوا جس کے نتیجہ

میں بعض ملوک مسلمان ہوئے اور بعض نے صلح کر لی)۔

پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ وہ اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریب ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے بلند تھے یعنی چھٹے آسمان پر تھے کیونکہ انہیں کلیم اللہ ہونے کی فضیلت حاصل ہے اور آخری آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ حضرت ابراہیم نبیوں میں آپ کے آخری باپ ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں خلیل کا مرتبہ سب سے بلند ہونا چاہیئے اس لئے وہ ساتویں آسمان میں تھے اور چونکی حبیب کا مرتبہ خلیل سے بھی بلند ہونا چاہیئے اس لئے رسول اکرم ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی اوپر تشریف لے گئے۔ انتھی قول ابن ابی جمرة. (بحوالہ فتح الباری)

معراج کی رات نمازوں کی تخفیف کا جو سوال کیا تو پانچ نمازیں رہ جانے پر آگے سوال نہ کرنے کی حکمت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر جو رسول اکرم ﷺ نے بار بار نمازیں کم کرانے کے لئے درخواست کی اور پانچ نمازیں رہ جانے پر جو آگے سوال کی ہمت نہ کی، اور فرمایا کہ اب مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے ابن منیر سے نقل کیا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ پانچ پانچ نمازوں کی کمی ہو رہی تھی اور اب پانچ ہی رہ گئی تھیں، تو اب مزید تخفیف کا سوال کرنے کا مقصد یہ بنتا تھا کہ گویا نماز بھی فرض نہ رہے، لہٰذا آپ آگے درخواست کرنے پر شرما گئے، اور چونکہ تکوینی طور پر پانچ نمازوں کی فرضیت متعین ہی تھی اس لئے بھی آگے سوال کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ جو تخفیف کا سوال کرتے رہے ہیں وہ اس وجہ سے کہ آپ ﷺ کے ذہن مبارک میں یہ بات تھی کہ سب نمازیں فرض نہیں ہیں البتہ آخری مرتبہ کے سوال کے بعد جو پانچ نمازیں رہ گئیں تھیں ان

کے بارے میں یہ یقین کرلیا یہ تو فرض ہی ہیں اس لئے آپ ﷺ نے اس کے بعد سوال نہیں کیا۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ مَایُبَدَّلُ القَولُ لَدَیَّ سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے۔

معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا اور رشک کرنا

معراج کی روایات میں یہ بھی ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آگے بڑھے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میرے بعد ایک غلام یعنی نو عمر شخص کی بعثت ہوئی اس کی امت کے لوگ جو جنت میں داخل ہوں گے، میری امت سے زیادہ ہوں گے۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ رونا اور یہ کہنا کہ ان کی امت کے لوگ میری امت کے بہ نسبت زیادہ جنت میں داخل ہوں گے یہ بطور حسد کے نہیں تھا بلکہ بطور افسوس کے تھا، اور افسوس اس بات کا تھا کہ میری امت میں مخالفت اور نافرمانی زیادہ تھی جس کی وجہ سے ان کی امت کو ثواب کم ہوا، اور اس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ثواب بھی کم ہوا، کیونکہ امت جس قدر بھی عمل کرتی تھی اس کا ثواب اس کے نبی کو بھی ملتا تھا کیونکہ وہ ان کو دلالت علی الخیر کرنے والا تھا (اور اس سے امت کا ثواب کم نہیں ہوتا تھا) رسول اکرم ﷺ کا ثواب بہت زیادہ ہے کیونکہ آپ کی امت میں فرمانبرداری کی شان بہت زیادہ ہے عبادت، طاعت، ذکر، تلاوت، حج، تصنیف، تالیف، جہاد، تعلیم، تبلیغ میں یہ امت بہت آگے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ جو فرمایا کہ ایک لڑکا میرے بعد مبعوث ہوا، یہ بطور تنقیص کے نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ عظیمہ اور کرم عظیم ظاہر کرنے کے لئے تھا یعنی سب نبیوں کے بعد آخر میں آنے والے نبی کو جس کی عمر دوسرے نبیوں کے مقابلے میں زیادہ نہ تھی، بہت زیادہ برکات اور انعامات سے نوازا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی تو تھے، جنہوں نے بار بار توجہ دلائی اور ان کی فکرمندی سے بجائے پچاس نمازوں کے پانچ نمازیں

فرض رہ گئیں، انہوں نے تو مزید درخواست پیش کرنے کی کوشش کی، اور فرمایا کہ میں نے بنی اسرائیل کو بہت آزمایا ہے وہ لوگ اس سے کم نمازوں کی بھی پابندی نہیں کر سکے۔ اس لئے رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بس اب میں شرما گیا، حضرت موسیٰ بھلا کیا حسد کرتے اور آپ کی شان میں کیا تنقیص کا خیال کرتے، انہوں نے تو محبت اور شفقت کا مظاہرہ فرمایا۔

معراج کی رات حضرت ابراہیمؑ نے نماز کم کرانے کی ترغیب کیوں نہیں دی؟

ایک یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمازوں کی تخفیف کا سوال کرنے کی طرف کیوں توجہ نہیں دلائی؟ حضرات اکابر نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل ہیں، مقامِ خُلت کا تقاضا تسلیم ورضا ہے، جو حکم ہوا مان لیا، آگے سوچنا کچھ نہیں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم ہیں، مقام تکلم مقامِ ناز ہے، اور موجبِ انبساط ہے، جو کلیم جرأت کر سکتا ہے دوسرا نہیں کر سکتا، پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اہلِ شرک وکفر سے زیادہ واسطہ پڑا تھا، ان ہی لوگوں سے بحث و مناظرہ میں عمرِ مبارک صرف ہوئی، آپ کے اتباع اور امت اجابت کے افراد زیادہ نہیں ہوئے، اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے وہ سچے فرمانبردار تھے، نافرمانوں اور فاسقوں کے رنگ ڈھنگ بچشمِ خود نہ دیکھے تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذہن تخفیف کرانے کی طرف چلا گیا اور اپنے تجربہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ **فانی قد بلوت بنی اسرائیل و خبرتھم** (مسلم شریف) یعنی میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں، اور اسی تجربہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ اتنی نمازیں پڑھنا آپ ﷺ کی امت کے لئے دشوار ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی امتِ محمدیہ ﷺ کی خیر خواہی سے غافل نہ تھے، مگر انہوں نے تکثیر حسنات کو پیشِ نظر رکھا جس کی وجہ سے پچاس نمازوں کی فرضیت کی خبر سن کر دل باغ باغ ہو گیا اور خوشی کی انتہا نہ رہی، جب یہ خبر ملی کہ کعبہ شریف بناتے وقت میں نے **رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولًا مِّنۡهُمۡ** کے ذریعہ جس امت کے لئے دعا کی تھی، وہ آج نوازی جا رہی ہے، اور اسے رات دن میں پچاس مرتبہ بارگاہ خداوندی میں حاضری کا شرف دیا جا رہا

ہے، پھر بھلا وہ تخفیف صلاۃ کا مشورہ کیوں دیتے؟ کیونکہ وہ تکثیر حسنات کی طرف متوجہ تھے، اس لئے انہوں نے امت محمدیہ ﷺ کو ایک پیغام بھیجا حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ! میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہہ دینا، اور انہیں بتا دینا کہ بلاشبہ جنت کی اچھی مٹی ہے، میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے، اور اس کے پودے یہ ہیں، سُبحانَ اللہ و الحَمدُ للہِ و لا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَ اللہُ اَکبَر.

یہ جو فرمایا کہ جنت چٹیل میدان ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس میں سب کچھ ہے لیکن اسی کے لئے ہے جو دنیا میں ایسے کام کر کے جائے گا جن کے ذریعہ جنت میں داخلہ ہو سکے جنت اپنی محنت سے ملے گی، اور اس کو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے کوئی بہت اچھی زمین ہو مٹی بھی عمدہ ہو، پانی بھی میٹھا ہو، جب کوئی شخص اس میں درخت لگائے گا، اور اس عمدہ پانی سے سینچائی کرے گا تو اس کا پھل پالے گا لہٰذا دنیا میں نیک اعمال کرتے رہو، اللہ کا ذکر کرو، سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر پڑھا کرو، ان کو پڑھو گے تو جنت میں ان کے عوض درخت پالو گے، اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا کہ جس نے سبحان اللہ العظیم و بحمدہٖ کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائے گا۔

معراج کی رات سونے کے طشت میں زمزم سے قلبِ اطہر کا دھویا جانا

واقعۂ معراج جن احادیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے ان میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب مطہر کو نکال کر زمزم کے پانی سے دھو کر واپس اپنی جگہ رکھ دیا گیا، پھر اسی طرح طرح درست کر دیا گیا جیسا کہ پہلے تھا، آج کی دنیا میں جب کہ سرجری عام ہو چکی ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور زمزم کے پانی سے جو دھویا گیا اس سے زمزم کے پانی کی فضیلت واضح طور پر معلوم ہوئی، روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے قلبِ اطہر کو سونے کے طشت میں دھویا گیا اور یہ برتن جنت سے لایا گیا تھا، کیونکہ یہ

برتن جنت سے آیا تھا اور استعمال کرنے والا فرشتہ تھا اور اس وقت تک احکام نازل بھی نہیں ہوئے تھے، (سونے کی حرمت مدینہ منورہ میں ہوئی) اس لئے اس سے امت کے لئے سونے کے برتن استعمال کرنے کا جواز ثابت نہیں کیا جاسکتا، اور ایمان وحکمت سے بھرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس سے آپ کی قوتِ ایمانیہ میں اور قلب مبارک کے حکمت سے لبریز ہونے میں اور زیادہ ترقی ہوگئی اور عالمِ بالا میں جانے کی قوت پیدا ہوگئی۔

نماز اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے، دیگر عبادات اسی سرزمین پر رہتے ہوئے فرض کی گئیں، لیکن نماز عالمِ بالا میں فرض کی گئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب رسول اکرم ﷺ کو عالمِ بالا کی سیر کرائی، اور وہاں پچاس، پھر پانچ نمازیں عطا کی گئیں، اور ثواب پچاس ہی کا رکھا، رسول اکرم ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ دلانے پر بار بار بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوکر نمازوں کی تخفیف کے لئے درخواست کرتے رہے، اور درخواست قبول ہوتی رہی عالم بالا میں بار بار آپ ﷺ کی حاضری ہوتی رہی۔

وہاں رسول اکرم ﷺ کی مناجات ہوئی پھر دنیا میں آپ ﷺ کے صحابہؓ کی اور صحابہؓ کے بعد پوری امت کی مناجات ہوتی رہی اور تا قیامت یہ مناجات ہوتی رہے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے دربار کی حاضری ہے اس لئے اس کے وہ آداب ہیں جو دوسری عبادات کے لئے لازم نہیں کئے گئے، باوضو ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، نماز کی جگہ کا پاک ہونا، قبلہ رخ ہونا، ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا، اللہ کے کلام کو پڑھنا، رکوع کرنا، سجدے کرنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو مجموعی حیثیت سے کسی دوسری عبادات میں مشروط نہیں ہیں، (گو ان میں سے بعض دیگر عبادات سے بھی متعلق ہیں) پھر نمازی ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھتا ہے جو التحیات للہ سے شروع ہوتا ہے، بعض شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ تشہد میں انہی الفاظ کا اعادہ ہے جو شب معراج میں ادا کئے گئے تھے، حاضری کے وقت رسول اکرم ﷺ نے تحیہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا، اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جواب ملا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ

اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ یہ سن کر آپ ﷺ نے عرض کیا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِین۔ حضرت جبرائیلؑ نے فوراً توحید ورسالت کی گواہی دی اور اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کے کلمات ادا کئے۔

نماز چونکہ دربارِ الٰہی کی حاضری ہے، اس لئے پوری توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی تعلیم دی گئی، سُترہ سامنے رکھنے کی ہدایت فرمائی تا کہ دلجمعی رہے، ادھر اُدھر دیکھنے سے منع فرمایا ہے، نماز پڑھتے ہوئے تشبیک یعنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ کھانے کا تقاضا ہوتے ہوئے اور پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں توجہ ہٹانے والی ہیں ان کی وجہ سے خشوع وخضوع باقی نہیں رہتا جو دربار کی حاضری کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نماز میں ہوتو برابر اللہ تعالیٰ کی توجہ اس کی طرف رہتی ہے، جب تک کہ بندہ خود اپنی توجہ نہ ہٹالے، جب بندہ توجہ ہٹالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی توجہ نہیں رہتی۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہوتو کنکریوں کو نہ چھوئے کیونکہ اس کی طرف رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

روایاتِ حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بیداری میں روح اور جسم کے ساتھ معراج کرائی، اہل السنۃ والجماعت کا یہی مذہب ہے۔ ایک ہی رات میں آپ ﷺ مکہ معظّمہ سے روانہ ہوکر بیت المقدس میں پہنچے، وہاں حضرات انبیاء علیہم السلام کی امامت کی، پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے، وہاں حضرات انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئی، سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا، البیت المعمور کو ملاحظہ فرمایا، ایسی جگہ پر پہنچے جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں، عالمِ بالا میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار توجہ دلانے پر اور خالقِ کائنات رب العزت کی بارگاہ میں بار بار درخواست پیش کرنے پر پانچ نمازوں کی فرضیت رہ گئی، اور اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں

پڑھنے پر ہی پچاس نمازوں کے ثواب کا اعلان فرمادیا، پھر اسی رات میں آسمانوں سے نزول فرمایا، اور واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے، راستے میں قریش کا ایک قافلہ ملا، جب صبح کو قریش کے سامنے رات کا واقعہ بیان کیا تو وہ تکذیب کرنے لگے لیکن جب آپ نے بیت المقدس کے بارے میں ان کے سوالات کے شافی جوابات دے دیئے اور جس قافلہ سے ملاقات ہوئی تھی وہ بھی پہنچ گیا، اور آپ ﷺ نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ سب صحیح ثابت ہوگیا تو قریش کا منہ بند ہوگیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکے۔

اب دورِ حاضر کے ملحدین واقعۂ معراج کو ماننے میں تامل کرتے ہیں اور بعض جاہل بالکل ہی جھٹلا دیتے ہیں، اور کچھ یوں کہہ دیتے ہیں کہ خواب کا واقعہ ہے، یہ لوگ یہ نہیں سوچتے اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو مشرکین مکہ اس کا انکار کیوں کرتے؟ اور یوں کیوں کہتے کہ بیت المقدس تک ایک ماہ کی مسافت کیسے طے کرلی؟ اور پھر انہیں بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ سورۃ الاسراء کے شروع میں **سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ** فرمایا ہے، اس میں لفظ بعبدہٖ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ روح اور جسم دونوں کے ساتھ تشریف لے گئے، نیز اسریٰ یسریٰ (معتل اللام) سے بابِ افعال سے ماضی کا صیغہ ہے یہ بھی رات کے سفر کرنے پر دلالت کرتا ہے، خواب میں کوئی کہیں چلا جائے اس کو سریٰ اور اسریٰ سے تعبیر نہیں کیا جاتا، لیکن جنہیں ماننا نہیں ہے وہ آیتِ قرآنیہ اور حادیث صحیحہ کا انکار کرنے میں ذرا بھی نہیں سوچتے۔ **ھدا ھم اللہ تعالیٰ**.

منکرین کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ زمین کے اوپر جانے میں اتنی مسافت کے بعد ہوا موجود نہیں ہے اور فلاں فلاں کُرہ سے گزرنا لازم ہے اور انسان بغیر ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتا، اور فلاں کرّہ سے نہیں گزر سکتا، یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں، اوّل تو ان باتوں کا یقین کیا ہے جس کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں، اور اگر ان کی کوئی بات صحیح بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کو پوری پوری قدرت ہے کہ اپنے جس بندہ کو جس کُرہ سے چاہے باسلامت گزار دے، اور بغیر ہوا کے بھی زندہ رکھے، ہوا اور سانس لینے کو بھی تو اسی نے ذریعہ بنایا ہے، اگر وہ

انسان کی تخلیق کی ابتداء ہی سے بغیر ہوا اور سانس کے زندہ رکھتا تو اسے اس پر بھی قدرت تھی اور کیا سکتہ کا مریض بغیر سانس کے زندہ نہیں رہتا؟ کیا حبس دم کرنے والے سانس لئے بغیر گھنٹوں نہیں جیتے؟

بعض جاہل تو آسمانوں کے وجود کے ہی منکر ہیں، ان کے انکار کی بنیاد صرف عدم العلم ہے اِن هُم اِلَّا يَخرُصُون (یونس ۶۶) کسی چیز کا نہ جاننا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو، محض اٹکلوں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب جھٹلاتے ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤفَكُون. (توبہ ۳۰) فلسفہ قدیمہ ہو یا جدیدہ اس سے تعلق رکھنے والوں کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں خالقِ کائنات رب العالمین نے اپنی کتاب میں سات آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا، لیکن اصحابِ فلسفہ قدیمہ کہتے تھے کہ نو آسمان ہیں، اور اب جب نیا فلسفہ آیا تو ایک آسمان کا وجود بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اب بتاؤ ان اٹکل لگانے والوں کی بات ٹھیک ہے یا خالق کائنات جل مجدہ کا فرمان صحیح ہے؟ سورۃ الملک میں فرمایا ہے کہ الا يعلم من خلق وهو اللطيف الخبير (الملک ۱۴) (کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا فرمایا اور وہ لطیف وخبیر ہے)۔ فلسفہ قدیم والے آسمان کا وجود تو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی کہتے کہ آسمانوں میں خرق والتیام نہیں ہوسکتا، یعنی آسمان پھٹ نہیں سکتا، یہ بھی ان کی اٹکل پچو والی بات تھی کبھی نہ گئے، نہ جا کر دیکھا، زمین میں بیٹھے بیٹھے سب کچھ ہی طے کرلیا۔ جس ذات پاک نے آسمان زمین پیدا فرمائے اس نے تو آسمانوں کے دروازے بھی بنائے سورۂ اعراف میں فرمایا ہے کہ لَا تُفَتَّحُ لَهُم أبوابُ السَّمآء (اعراف ۴۰) اور سورۂ نبا میں فرمایا ہے کہ وفُتِحَتِ السَّمآءُ فَكَانَت ابوَاباً (نبا ۱۹) اور آسمان کے پھٹنے کا ذکر بھی فرمایا، جس کا قیامت کے دن ظہور ہوگا کہ اِذَا السَّمَآءُ انشَقَّتْ (انشقاق ۱) اور وَانشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَومَئِذٍ وَّاهِيَة (الحاقۃ ۱۶) میں تذکرہ فرمایا ہے، لہٰذا اُن لوگوں کی بات بالکل جھوٹ ہے جنہوں نے یوں کہا کہ آسمان میں خرق والتیام نہیں ہوسکتا۔

کچھ لوگوں کو یہ اشکال تھا اور بعض ملحدوں کو ممکن ہے اب بھی اشکال ہو کہ ایک رات

میں اتنا بڑا سفر کیسے ہوسکتا ہے؟ کبھی پہلے زمانہ میں کوئی شخص اس طرح کی بات کرتا تو اس کی کچھ وجہ بھی تھی کہ تیز رفتار سواریاں موجود نہ تھیں اور اب جو نئے آلات ایجاد ہو گئے ان کا وجود نہ تھا، اب تو جدہ سے ہوائی جہاز گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں دمشق پہنچ جاتا ہے، اور رات کے باقی گھنٹے آسمانوں پر پہنچنے اور وہاں مشاہدات فرمانے اور وہاں سے واپس آنے کے لئے تسلیم کر لئے جائیں تو اس میں کوئی بُعد نہیں ہے۔ اب تو ایک رات میں لمبی مسافت قطع کرنے کا اشکال ختم ہوگیا، اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ختم نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ چاہے تو جو تیز رفتار سواریاں ہیں انہیں مزید در مزید تیز رفتاری عطا فرمادے اور نئی سواریاں پیدا فرمادے، جو موجودہ سواریوں سے تیز تر ہوں، سورۂ نحل میں جو سواریوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد ویَخلُقُ مَالَا تعلَمُون فرمایا ہے اس میں موجودہ سواریوں اور ان سب سواریوں کی طرف اشارہ ہے جو قیامت تک وجود میں آئیں گی، اب تو ایسے طیارے تیار ہیں جو آواز کی رفتار سے بھی زیادہ جلد پہنچنے والے ہیں، اور ابھی مزید تیز رفتار سواریاں بنانے کی کوششیں جاری ہیں، یہی لوگ جو سفرِ معراج کے منکر ہیں یا اس کے وقوع میں متردد ہیں خود ہی بتائیں کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں (ان کے خیال میں) زمین جو اپنی محور پر گھومتی ہے چوبیس ۲۴ گھنٹے میں کتنی مسافت طے کر لیتی ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ آفتاب جو زمین کے کُرہ سے کروڑوں میل دور ہے کرن ظاہر ہوتے ہی کتنے سیکنڈ میں اس کی روشنی زمین پر پہنچ جاتی ہے اور یہ بتائیں کہ جب چاند پر گئے تھے تو کتنی مسافت کتنے وقت میں طے کی تھی؟ یہ سب کچھ نظروں کے سامنے ہے پھر واقعۂ معراج میں تردّد کیوں ہے؟

صاحبِ معراج رسولِ اکرم ﷺ جس براق پر تشریف لے گئے تھے اس کے بارے میں یوں فرمایا ہے کہ وہ حدِ نظر پر اپنا اگلا قدم رکھتا تھا لیکن یہ بات ابہام میں ہے کہ اس کی نظر کہاں تک پہنچتی تھی اگر سو میل پر نظر پڑتی ہو تو مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک صرف سات آٹھ منٹ کی مسافت بنتی ہے۔ اس طرح بیت المقدس تک آنے اور جانے میں کل پندرہ ہی منٹ خرچ ہونے کا حساب بنتا ہے اور باقی پوری رات عالمِ بالا کی سیر کے لئے بچ گئے۔

آج کل جدّہ سے دمشق تک ہوائی جہاز سے ایک ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہے، اگر اسی کے مطابق غور کیا جائے تو دو تین گھنٹے بیت المقدس آنے جانے کے لئے اور باقی پوری رات عالمِ بالا کی سیر کے لئے تسلیم کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ وما یتذکر الا من ینیب. (مومن ۱۳) مومن کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ، اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی بات سُننے اور تصدیق کرے۔ (بحوالہ سیرت سرورِ کونین ﷺ از حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ)

معراج سے متعلق ملاحدہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات

ملاحدہ کے بے جا معراج سے متعلق اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ بھی اپنی مایہ ناز کتاب سیرۃ المصطفیٰ میں لکھتے ہیں کہ ملاحدہ نے حضور کے معراج جسمانی پر جو اعتراضات کئے ہیں ان سب کا اجمال یہ ہے کہ فلسفہ قدیمہ تو اجرام فلکیہ میں خرق والتیام کو محال بتلاتا ہے اور فلسفۂ جدیدہ افلاک کے وجود ہی کو تسلیم نہیں کرتا۔ لہٰذا جب آسمان کا وجود ہی ثابت نہ ہوا تو معراج جسمانی کا ثبوت کس طرح ہوگا۔ نیز فلسفۂ جدیدہ قدیمہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ زمین سے کچھ اوپر کرۂ زمہریر ہے اور فلسفہ قدیمہ کے نزدیک کرہ ناری ہے اور ان دونوں مقاموں سے کسی جسم عنصری کا صحیح سالم اور زندہ عبور کرنا محال ہے لہٰذا عروج جسمانی بھی محال ہوگا، بعض کہتے ہیں کہ جسم ثقیل کی اس قدر بلند اور سریع عقلاً محال ہے۔

جواب...... یہ سب استبعادات اور توہمات ہیں عقلاً ان میں سے کوئی شئی بھی محال نہیں ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین. جو شخص ان چیزوں کے محال ہونے کا مدعی ہو وہ دلیل پیش کرے۔

(۱)۔ تمام انبیاء اور تمام کتب سماویہ اس پر متفق ہیں کہ قیامت قائم ہوگی اور آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اِذَا السَّمَآءُ انشَقَّتْ. اذا السَّمَآءُ انفَطَرَتْ اور حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا امر محال کے وقوع پر متفق ہونا قطعاً محال اور ناممکن ہے

اور فلسفۂ قدیمہ نے جو افلاک کے خرق اور التیام کے محال ہونے کے جو دلائل ذکر کیے ہیں حضرات متکلمین نے ان کا کافی اور شافی جواب دے دیا ہے۔

(۲)۔ رہا فلسفہ جدیدہ کا افلاک کے وجود کو نہ تسلیم کرنا سو یہ افلاک کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی شئی کا نظر نہ آنا یا اس کا ثابت نہ ہونا اس کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا ورنہ زمین اور آسمان کی اُن ہزار ہا چیزوں کا انکار لازم آئے گا۔ جو ہماری نظر اور عقل اور علم سے مخفی اور پوشیدہ ہیں نیز عقلاء اس پر بھی متفق ہیں کہ کسی کا جہل اور عدم علم دوسرے پر حجت نہیں۔

(۳)۔ آج کل نئی نئی قسم کے ایسے آلات ایجاد ہو رہے ہیں کہ جن کے ذریعہ سے جسم حرارت اور برودت کے خارجی اثرات سے بالکل محفوظ رہتا ہے اور خداوند ذوالجلال کی قدرت تو اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے۔ سرکاری باغوں میں ایسے درخت موجود ہیں کہ بجائے پانی کے ان کے نیچے آگ روشن کی جاتی ہے، وہ آگ کی گرمی سے سرسبز رہتے ہیں اگر آگ کی حرارت کم ہو جائے تو خشک ہو جاتے ہیں۔ سمندر میں ایک کیڑا ہے جو آگ میں پیدا ہوتا ہے وہ نہ آگ سے جلتا ہے نہ مرتا ہے بلکہ آگ اس کے حق میں حیات ہے اور آگ سے جدائی اس کے لئے موت ہے۔

(۴)۔ نیز ہزار ہا من وزن کے طیاروں کا آسمانی فضا میں اڑنا اور گھنٹوں میں ہزار ہا میل کی مسافت طے کرنا ساری دنیا کے سامنے ہے پھر فقط ایک انسان کے پرواز اور طیران کے بارے میں کیوں اس قدر سرگرداں اور حیران ہیں۔

(۵)۔ آج کل ایسے زینے بھی ایجاد ہو گئے ہیں کہ بجلی کا بٹن دبانے سے ایک منٹ میں سو منزل کے آخری بالا خانے پر پہنچا دیتے ہیں۔ کیا خداوند ذوالجلال ایسے معراج یعنی سیڑھی اور زینہ سے قاصر ہے کہ جو ایک منٹ میں اس کے کسی خاص بندہ کو زمین سے آسمان پر پہنچا دے۔

(۶)۔ ماہرین انکشافات کے برابر اعلانات آ رہے ہیں کہ فلسفہ اور سائنس کے

ذریعہ سے اب تک جو انکشافات ہوئے ہیں وہ نہایت ہی قلیل ہیں اور آئندہ جن انکشافات کی توقع ہے وہ اس سے ہزاراں ہزار درجہ زائد ہیں حتیٰ کہ یہاں تک اعلان آ چکے ہیں کہ ہم عنقریب کواکب اور سیارات تک پہنچ جائیں گے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے متمدن بھائی جو مغربی علوم کے سودائی و شیدائی ہیں وہ ان خبروں کو نہایت مسرت اور ابتہاج کے ساتھ سنتے اور سناتے ہیں مگر جب نبی امی فداہ نفسی وابی وامی ﷺ کے معراج کی خبر کو سنتے ہیں تو طرح طرح کے شبہے اور وسوسے ان کے سامنے آ جاتے ہیں۔ یورپ کی وحی کی بے چوں و چرا تصدیق کرتے ہیں اور اللہ کی وحی میں شبہے نکالتے ہیں اور ڈالتے ہیں۔

(۷)۔ یہود کے نزدیک حضرت ایلیاء علیہ السلام کا بجسدہ العنصری زندہ آسمان پر جانا اور عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا اور پھر اخیر زمانہ میں آسمان سے ان کا اترنا مسلم ہے اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا اسی جسم اطہر کے ساتھ آسمان پر جانا اور پھر واپس آنا قرآن و حدیث اور اجماع صحابہؓ و تابعینؒ سے ثابت ہے اگر آسمان پر جانا عقلاً محال ہوتا تو صحابہؓ و تابعینؒ کبھی اس پر متفق نہ ہوتے۔ (بحوالہ سیرت مصطفیٰ ﷺ)

معراج کا واقعہ اور جدید سائنسی حقائق

حیات نبوی ﷺ کے واقعۂ معراج نے فکر انسانی کو آج کے سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے دور میں نیا زاویہ عطا فرمایا ہے۔ آواز کی رفتار سے زیادہ تیز طیاروں اور راکٹوں کی ایجاد اور اس میں انسانوں کا خلاء میں طویل سفر رسول اکرم ﷺ کے واقعۂ معراج کو قابل فہم بنا کر اس کی تصدیق کرتا ہے۔

آج سے چودہ سو سال پہلے کا انسان وحی کے ذریعے لمحوں میں پیغام حق کی ترسیل کا ذکر سنتا، تو اس کا یقین تصدیق سے قاصر تھا۔ عہد حاضر کا انسان اس کے ماننے میں جھجک اور پس و پیش کا شکار نہیں۔ آج ہم گھر بیٹھے دور دراز کے براعظموں میں مقیم اپنے رشتہ داروں

سے ٹیلی فون کے ذریعے باتیں کرتے ہیں۔ مصنوعی فضائی سیاروں کے ذریعے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تمام براعظموں سے ہمارا رابطہ ہے۔ آسٹریلیا میں ہونے والے اولمپک گیمز دنیا کے ہر حصے میں کروڑوں انسانوں نے ایک ساتھ دیکھا۔ طناب وقت یوں کھنچی کہ صبح وشام مل گئے۔ ہمیں کوئی حیرت نہیں۔ علمِ غیب یہاں یقین کے درجہ پر ہے۔ پہلے برسوں، مہینوں، دنوں اور گھنٹوں میں جو خبریں ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچتی تھیں، اب برقی لہروں کے ذریعے لمحوں میں سفر طے کر لیتی ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی کامیابیاں مذہب کی بیان کردہ حقیقتوں کی تصدیق کر رہی ہیں۔ عقل عیار نہ ہو بلکہ سلیم ہو تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر شے میں عیاں ہے۔

قیامت، مذہب کا ایک بنیادی نقطہ ہے۔ سورۂ قارعہ میں فرمایا گیا ہے کہ ''تم کیا جانو کہ وہ عظیم حادثہ کیا ہے؟ وہ دن جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ رنگ برنگ کے دھنکے ہوئے اون کی طرح ہوں گے''۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تصدیق جاپان والوں سے پوچھو جنہوں نے دوسری جنگ عظیم میں ہیروشیما اور ناگاسا کی پر ایٹم بم کی قیامت خیز ہولناک تباہیاں دیکھیں اور یہ قیامت کا ایک چھوٹا نمونہ ہے۔

ایٹم کی طاقت کا اندازہ لگانا آج کے انسانوں کے لئے دشوار نہیں۔ اس کا اشارہ سورۂ فیل میں موجود ہے۔ تباہی کا نقشہ ایک جملہ میں بیان ہوگیا۔ وہ خالق کائنات کے ایٹم بم تھے جو ابرہہ کے ساٹھ ہزار کے لشکر پر گرائے گئے تھے۔ ابرہہ جو بیت اللہ کو ڈھانے کے ارادہ سے مکہ آیا تھا۔ ارشاد ربانی ہے کہ۔ ''اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے، جو ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے۔ پھر ان کا ایسا حال کر دیا جیسے جانوروں کا کھایا ہوا بھوسا''۔

کیا ان الفاظ پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے میں آپ کو کوئی تردد ہے؟ مرنے کے بعد جی اٹھنا ''وبعث بعد الموت'' (اور موت کے بعد زندہ اٹھائے جانے پر ایمان لانا) اس کے لئے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ اس کی ایک ہلکی سی کیفیت سے روزانہ ہر انسان

گزرتا ہے۔"اعمال نامہ" حیات دینوی کی تفصیل جو دو معزز فرشتے لکھتے ہیں۔سورۂ انفطار کی آیت ۹ تا ۱۱ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔"ہرگز نہیں بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) تم لوگ جزاوسزا کو جھٹلاتے ہو حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں، ایسے معزز کاتب جو تمہارے ہر فعل کو جانتے ہیں"۔

ٹیپ ریکارڈ کی ایجاد، آڈیو، وڈیو کیسٹوں کو سننے اور لکھنے والے بیسویں صدی کے انسان "اعمال نامہ" سے انکار کی جرأت کر سکتے ہیں؟ فرشتے نہ ظاہر ہوتے ہیں، نہ دکھائی دیتے ہیں، کتنی چیزیں ہمارے ارگرد ہیں، ہوا، خوشبو وغیرہ کیا ان کے وجود سے انکار ممکن ہے؟ چودہ صدیوں پہلے محیر العقول واقعہ معراج میں بھی چند ایسی باتیں ہیں، جو اس وقت ایمان کا امتحان بنیں، اس کے لئے فکر ونظر ایمان و آگہی کی وہ بلندی چاہیئے تھی، جس سے حضرت ابوبکر بن قحافہ ؓ کا خمیر اٹھا تھا۔

اس زمانے کے لئے ناقابل فہم انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے والی، چند چیزیں، آج روزمرہ کے مشاہدات ہیں، براق پر مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ کا سفر جو اسراء کہلاتا ہے، صخرہ سے گھونسلا نما لفٹ میں آسمانوں کا سفر، رف رف وغیرہ وغیرہ اور یہ سب سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت مبارکہ کے مصداق،"پاک ہیں وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے دور کی اس مسجدِ اقصیٰ تک جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ اسے ہم اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائیں، حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا"۔

یہ سارا سفر ایک رات میں اس زمانہ میں ناقابل فہم اور آج کے دور کے تیز رفتار راکٹوں، طیاروں سے بعید فہم نہیں۔اسراء سے مرادرات کے ایک حصہ میں رسول اکرم ﷺ کا مکہ سے بیت المقدس تک براق پر تشریف لے جانا ہے یہ زمینی سفر ہے۔معراج سے مراد آسمانی سفر ہے۔بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک عروج کرنا۔معراج عروج سے مشتق ہے، جس کے معنی چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں۔معراج زینے اور سیڑھی کو بھی کہتے ہیں۔

اس موقع پر اکثر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ معراج بحالت جسم تھی یا بحالت خواب

آیت کے لفظ ''سبحان الذی'' سے ابتداء خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غیر معمولی واقعہ تھا، جو فطرت کے عام قوانین سے ہٹ کر واقع ہوا۔ ایک زمانے تک یہ اعتراض بھی ہوتا رہا کہ جسم جو ہوا سے بھاری ہوتا ہے کس طرح اوپر اٹھ سکتا ہے۔ ہوائی جہاز کی ایجاد کے بعد ان دانشوروں کے منہ بند ہو گئے۔ خالقِ کائنات کو اپنی قدرت کا کرشمہ دکھانا مقصود تھا، لہٰذا رات کے ایک قلیل حصہ میں یہ عظیم الشان سفر پیش آیا۔ یہ وقت زمان اور مکان کی فطری قیود سے آزاد تھا۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا کہ جب رسول اکرم ﷺ سفرِ معراج سے واپس تشریف لائے تو زنجیر ہل رہی تھی، وضو کا پانی بہہ رہا تھا اور بستر کی گرمی اسی طرح برقرار تھی، بات لاکھ داستانی سہی، لیکن آج عقل میں آسکتی ہے۔

اس بات کا سمجھنا آج کے انسان کے لئے نسبتاً آسان ہے، ایک بہت معمولی سی مثال سے اسے سمجھا جاسکتا ہے۔ ہمارا دن رات کا مشاہدہ ہے کہ ایک گھر میں بیک وقت بلب روشن ہیں۔ پنکھا (سلیپنگ فین) چل رہا ہے۔ ریڈیو سنا جارہا ہے، ٹیلی ویژن دیکھا جارہا ہے، استری گرم ہے، فریج میں کھانے محفوظ ہیں، ایئر کنڈیشن سے کمرہ ٹھنڈا ہے، گرائنڈر میں مسالے پیسے جارہے ہیں، وی سی آر پر فلمیں دیکھی جارہی ہیں۔ بجلی چلی گئی یا کسی نے مین سوئچ آف کردیا تو پھر ہر چیز نے لمحوں میں کام کرنا بند کردیا۔ تانا بانا کرنٹ کے غائب ہوتے ہی رک جاتا ہے۔ کرنٹ آیا تو تانے بانے بننے والی کلیں اسی مقام سے کام شروع کردیتی ہیں۔ دھاگے سے دھاگا مل جاتا ہے۔ یہ سب کرنٹ کا کرشمہ ہے۔

حقیقت کا یوں ادارک کیا جاسکتا ہے کہ انسان سوئچ آف کر کے یہ قدرت رکھتا ہے اب سوچئے کہ جو خالقِ کائنات ہے، نظامِ زماں، آفاق وآفات کا پیدا کرنے والا ہے کیا اس کے لئے نظام زماں ومکاں کو معطل کردینا کچھ مشکل ہے؟ یہی ہوا کہ سرورِ کائنات ﷺ کے سفرِ معراج سے واپسی تک ہر چیز نے اپنا کام بند کردیا۔ واپس ہوئے تو ہر چیز روبہ عمل ہوگئی۔ زنجیر جس زاویے پر تھم گئی تھی وہاں سے حرکت میں آگئی، پانی جس مقام پر بہنا رک گیا تھا، وہاں سے جاری ہوگیا، بستر کی گرمی بند ہوئی تھی، وہاں سے پھر محسوس ہونے لگی، مگر اس

مرسلِ آخر ﷺ کی عظمت کا سفر دیکھو معراج کی شب سارے لمحات رواں ٹھہرے۔

فلکیات کے ماہرین نے یہ بات لکھی ہے کہ اس گردشِ لیل ونہار، نظامِ زماں ومکاں کے تسلسل میں ایک بریک کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہی رات ہے جب کہ خالق کائنات وآفاق وآفات نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنی نشانیاں دکھانے طلب فرمایا تھا۔''وھو علیٰ کل شیء قدیر'' (بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

براق۔برق (بجلی) سے مشتق ہے۔سائنس داں کہتے ہیں برق کی سرعت رفتار فی سینڈ ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل ہے۔مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک کا سفر اسی صبا رفتار سواری پر تھا، مسجدِ اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کے بعد امام الانبیاء صخرہ پر تشریف لے گئے۔ یہاں دو گھونسلا نما نشستیں ظاہر ہوئیں، جس میں سرورِ کائنات ﷺ اور رفیق سفر سید الملائک حضرت جبرائیلؑ بیٹھ گئے۔لفٹ کی ایجاد سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے، رف رف آج کے ہیلی کاپٹر کے مماثل ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ عالمِ خلق اور رب السمٰوت والارض کے درمیان حد فاصل ہے، اس مقام پر تمام خلائق کا علم ختم ہوجاتا ہے۔آگے جو کچھ ہے وہ عالمِ غیب ہے، جس کی خبر مقرب فرشتے کو بھی نہیں ہے اور نہ کسی پیغمبر کو۔ نیچے سے جو کچھ آتا ہے، یہاں وصول کیا جاتا ہے اور اسی مقام پر جنت الماویٰ ہے، جس کا سورۂ نجم میں ذکر ہے۔صاحب المعراج نے اس کا مشاہدہ فرمایا، اس میں وہ تمام نعمتیں ہیں، جسے کسی آنکھ نے نہ دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ مشاہدۂ جنت کے بعد حضرت جبرائیلؑ سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئے اور عرض کیا کہ اب آپ کا اور آپ کے رب کا معاملہ ہے۔

سفرِ معراج سے لوٹتے ہوئے صاحب التاج والمعراج نے رفیق سفر سے فرمایا میری قوم اس واقعہ کی تصدیق نہیں کرے گی۔محرم راز نے جواب دیا آپ ﷺ کی تصدیق ابو بکر بن ابی قحافہؓ کریں گے، جو آسمانوں پر بھی صدیق کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ ابو بکر کی فضیلت ہے کہ انسانوں میں معراج کا سفر ان کی تصدیق سے معتبر ہوا۔دارِ عقیل کے قریب

مسجدِ اقصیٰ کا رکھ دیا جانا جسے دیکھ کر رسولِ اکرم ﷺ کفار کے سوالات کے جواب دے رہے تھے۔ ٹیلی ویژن کی ایجاد آج کے زمانے میں اس کی تصدیق ہے۔ دور دراز کی خبریں بھی انسان ٹی وی پر دیکھ سکتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کا یہی وہ مقام صدیقیت ہے، جہاں انہوں نے بارگاہ رسالت میں عقل وخرد کی قربانی دی۔ یہ عشق کا وہ اعلیٰ مقام اور فیصلہ کن حیثیت تھی، جس نے دانش ورون کفر کو حیرت میں ڈال دیا۔ یہی موقع تھا کہ زبان وحی ترجمان سے ابوقحافہؓ کے بیٹے کو صدیق کا لقب عطا ہوا۔ مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کا سفر، وہاں سے معراج، مشاہدات آسمانی، جنت اور دوزخ سب حق ہیں، اس لئے کہ یہ اس ہستی کی زبان سے بیان ہوا جس سے بڑھ کر صادق کوئی ہوا نہ ہوگا۔ یہی ایمان کی کسوٹی اور یقین کا امتحان ہے۔

(بحوالہ جستہ جستہ از ماہنامہ مسیحائی کراچی ھادیٔ اعظمؐ نمبر)

معراج جسمانی تھی یا روحانی، خواب تھا یا بیداری

حضرت سید سلیمان ندویؒ سیرت النبیؐ میں رقم طراز ہیں کہ ہمارے متکلمین اور شراحِ حدیث نے اس باب میں بے سود مباحث کا انبار لگا دیا ہے۔ فیصلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ متکلمانہ اعتراضات فلسفیانہ خدشات اور عقلی محالات اور نیز عامیانہ ظواہر پرستی اور جمہور کے خیالات کی بے جا حمایت کے وسوسوں سے خالی الذہن ہو کر صحیح روایتوں کے اصل الفاظ پر غور کیا جائے۔ اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ سورۂ اسراء (معراج) کی اس آیت کی نسبت ہے کہ۔ ''وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِىْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل)'' ہم نے جو رویا (دکھاوا) تجھ کو دکھایا، اس کو ہم نے لوگوں کے لئے صرف آزمائش بنایا ہے''۔

بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ معراج کے متعلق ہے، رویاء عربی زبان میں ''دکھاوا'' کو کہتے ہیں، یعنی ''جو دیکھنے میں آئے''، اور عام طور سے اس کے معنی ''خواب'' کے ہیں۔ اس لئے جو فریق معراج کو خواب بتاتا ہے، وہ اس آیت کو اپنے

دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتا ہے، لیکن صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں یہ اُن کی تصریح ہے کہ اس آیت میں رویاء کے معنی مشاہدۂ چشم کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ واقعۂ معراج خواب نہ تھا بلکہ آنکھوں کا مشاہدہ تھا۔ روایت کا مفہوم یہ ہے کہ۔ ''حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں کہ ''ہم نے جو رویا تجھ کو دکھایا اس کو نہیں بتایا لیکن لوگوں کے لئے آزمائش'' کہتے ہیں کہ یہ آنکھ کا مشاہدہ تھا جو رسول اکرم ﷺ کو دکھایا گیا، جب آپ ﷺ کو رات کے وقت بیت المقدس لے جایا گیا''۔ (بخاری شریف)

اس پر یہ لغوی بحث چھڑ گئی کہ رویاء لغت میں ''آنکھ کے دیکھنے'' کو نہیں کہتے۔ مگر ذرا غور کیجئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے بڑھ کر لغتِ عرب کا واقف کار اور کون ہوسکتا ہے۔ جب وہ رویائے عین کہتے ہیں تو کس کو انکار ہوسکتا ہے۔ علاوہ ازیں راعی اور متنبی بعض عرب شعراء نے ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو بھی رویاء کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند ابن حنبل اور حدیث کی دیگر معتبر کتابوں میں جن میں معراج کے مسلسل اور تفصیلی واقعات درج ہیں ان سب کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ صحیحین کی دو روایتوں کے سوا باقی روایتوں میں خواب کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم اور مسند ابن حنبل میں حضرت ابوذرؓ کی جو صحیح ترین روایت ہے اور حضرت انسؓ کی وہ روایت جو ثابت البنانی کے ذریعہ سے ہے، خواب کے ذکر سے قطعاً خالی ہے۔ اس لئے حسبِ محاورہ عام اس کو بیداری کے معنی میں سمجھنا قطعی ہے۔ لیکن حضرت انسؓ کی اس روایت میں جو شریک کے واسطہ سے ہے، یہ مذکور ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش آیا۔ بخاری میں یہ حدیث کتاب التوحید اور باب الصفہ النبی ﷺ دو مقامات میں ہے۔ اس کے الفاظ کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ۔

''حضرت انس بن مالک ؓ کو میں نے اس شب کا واقعہ، جب آپ ﷺ کو کعبہ کی مسجد سے لے جایا گیا (معراج) بیان کرتے ہوئے سنا کہ اس سے پہلے کہ آپ ﷺ کی طرف وحی بھیجی جائے، آپ کے پاس تین شخص آئے اور اس وقت آپ مسجد حرام میں سوئے

ہوئے تھے، پہلے نے کہا وہ کون ہے؟ بیچ والے نے کہا (ان سونے والوں میں) جو سب سے بہتر ہے اس کو لے لو، یہ رات ہوگئی، پھر آپ ﷺ نے ان کو نہیں دیکھا، یہاں تک کہ ایک اور رات کو وہ آئے، اس حالت میں کہ آپ ﷺ کا دل دیکھتا تھا اور آنکھ سوتی تھی لیکن آپ ﷺ کا دل نہیں سوتا تھا اور اسی طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں مگر ان کے دل نہیں سوتے۔

(بحوالہ کتاب التوحید)

حضرت انس بن مالکؓ ہم لوگوں سے آپ ﷺ کی شب معراج کا قصہ بیان کرتے تھے کہ اس سے پہلے آپ ﷺ پروحی آئے آپ مسجد حرام میں سورہے تھے، آپ کے پاس تین آدمی آئے، پہلے نے کہا وہ کون ہے؟ بیچ والے نے کہا وہ ان میں سب سے بہتر ہے، پچھلے نے کہا جو ان میں سب سے بہتر ہو اس کو لے لو، یہ تو ہوگیا، پھر آپ ﷺ نے ان کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ ایک اور رات آئے۔ اس حالت میں آپ ﷺ کا دل دیکھتا تھا اور آپ ﷺ کی آنکھیں سوتی تھیں، لیکن آپ ﷺ کا دل نہیں سوتا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے پھر حضرت جبرائیلؑ نے آپ ﷺ کو اپنے اہتمام میں لیا، پھر وہ آپ ﷺ کو لے کر آسمان پر چڑھ گئے"۔ (بحوالہ بخاری شریف)

بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو یہیں تک لکھا ہے لیکن کتاب التوحید میں اس کے بعد معراج کے تمام واقعات بیان کر کے آخر میں حضرت انسؓ کا یہ فقرہ روایت کیا ہے۔ **فاستیقظ وھو فی مسجد الحرام** "پھر آپ ﷺ بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے"۔ صحیح مسلم میں یہ روایت نہایت مختصر ہے۔ سند کے بعد صرف اس قدر لکھ کر آپ ﷺ مسجد حرام میں سوتے تھے۔ اس کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ "شریک نے اس روایت میں واقعات کو گھٹا بڑھا اور آگے پیچھے کر دیا ہے۔ اس لئے ائمہ نے جیسا کہ قاضی عیاضؒ نے شفاء میں اور امام نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ شریک کی اس روایت میں بہت سے اوہام ہیں اور اسی لئے اس کو انہوں نے رد کر دیا ہے۔ دوسری روایت صحیحین میں وہ ہے جس میں حضرت مالک بن صعصعہ انصاریؓ خود رسول اکرم ﷺ کی زبانی بیان کرتے

ہیں کہ آپ ﷺ نے معراج کا واقعہ دہراتے ہوئے فرمایا ہے کہ۔" میں کعبہ کے پاس خواب بیداری کی درمیانی حالت میں تھا"۔ (صحیح بخاری)

صحیح بخاری باب المعراج اور مسند ابن حنبل میں مالک بن صعصعہؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ۔" اس اثنا میں کہ میں (خانہ کعبہ کے مقام) حطیم میں لیٹا ہوا تھا"۔

لیکن یہ شب معراج میں آغاز کی کیفیت کا بیان ہے کہ اس وقت رسول اکرم ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ دلائل بیہقی میں ایک روایت ہے جس میں حضرت ابو سعید خدریؓ کے واسطہ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ" میں عشاء کے وقت خانہ کعبہ میں سو رہا تھا۔ ایک آنے والا (جبرائیلؑ) آیا اور اس نے مجھے جگایا، میں جگا"۔ اس کے بعد واقعۂ معراج کی تفصیل ہے۔ اس میں سونے کے بعد جگائے جانے کی گو تصریح ہے، لیکن اس کا دوسرا راوی جھوٹا، دروغ گو اور نا قابل اعتبار ہے، اور اس میں جو منکرات اور غرائب امور بیان کئے گئے ہیں وہ سرتاپا لغو ہیں۔ ابن اسحٰق نے سیرت میں ابن جریر طبری نے تفسیر میں حضرت حسن بصریؒ سے بھی اسی قسم کی روایت نقل کی ہے کہ میں سو رہا تھا کہ حضرت جبرائیلؑ نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر مجھے اٹھایا"۔ لیکن اس کا سلسلہ حضرت حسن بصریؒ سے آگے نہیں بڑھتا۔ سیرت ابن ہشام اور تفسیر ابن جریر طبری میں محمد بن اسحاق کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ سے دو روایتیں مع سند کے حسب ذیل ہیں۔ جن کا ہم مفہوم درج کر رہے ہیں۔

" محمد بن اسحاق سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ نے بیان کیا ہے کہ معاویہ بن سفیان سے جب معراج کا واقعہ پوچھا جاتا تو وہ کہتے کہ یہ خدا کی طرف سے ایک سچا خواب تھا"۔ لیکن یہ روایت منقطع ہے، یعقوب نے حضرت معاویہؓ سے خود نہیں سنا ہے کیونکہ انہوں نے ان کا زمانہ نہیں پایا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ۔" ابن حمید نے ہم سے بیان کیا، ان سے اسلمہ نے اسلمہ سے محمد بن اسحاق نے، انہوں نے کہا کہ حضرت ابو بکرؓ کے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کہا

کرتی تھیں کہ رسول اکرم ﷺ کا جسم نہیں کھویا گیا بلکہ آپ ﷺ کی روح شب کو لے جائے گئی''۔اس روایت کے سلسلہ میں محمد بن اسحاق اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ایک راوی یعنی خاندانِ ابوبکرؓ کے ایک شخص کا نام ونشان مذکور نہیں ہے۔اس لئے یہ بھی پایۂ صحت سے فروتر ہے۔تاہم ان روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ معراج کو رؤیاء یا روحانی کہنا قرنِ اوّل میں بعض لوگوں کا قول تھا۔ابن اسحاق میں ہے کہ ''حضرت حسن بصریؒ کے سامنے یہ بیان کیا جاتا تھا کہ وہ رویا تھا تو وہ اس کی تردید نہیں کرتے تھے''۔لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ معراج جسمانی تھی اور بیداری کی حالت میں تھی قاضی عیاضؒ نے شفاء میں اور امام نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ۔

''رسول اکرم ﷺ کی معراج میں لوگوں کا اختلاف کہا گیا ہے کہ یہ سارا واقعہ خواب میں پیش آیا اور حق یہ ہے کہ جس پر اکثر لوگ اور سلف صالحین کا بڑا حصہ اور عامہ متاخرین میں سے فقہاء محدثین اور متکلمین سب متفق ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو جسم کے ساتھ معراج ہوئی اور جو شخص تمام آثار واحادیث کا غائر مطالعہ اور تحقیق کرے گا اس پر یہ حق واضح ہو جائے گا اور اس ظاہر سے بے دلیل انحراف نہیں کیا جائے گا اور نہ ظاہر پر ان کو محمول کرنے میں کوئی محال لازم آتا ہے جو تاویل کی حاجت ہو''۔ (مسلم شریف)

مفسرین میں سے ابن جریر طبری سے لے کر امام رازیؒ تک نے جمہور کے اس مسلک پر چار عقلی دلیلیں بھی قائم کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱)۔قرآن مجید میں ہے ''سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ '' پاک ہے وہ خدا جو (شب معراج میں) لے گیا، اپنے بندہ (عبد) کو اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنے ''بندہ'' کو لے گیا۔بندہ یا عبد کا اطلاق جسم پر یا جسم وروح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔تنہا روح کو عبد یا بندہ نہیں کہتے۔

(۲)۔واقعاتِ معراج میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ براق پر سوار ہوئے، دودھ کا پیالہ نوش فرمایا، سوار ہونا، پینا یہ سب جسم کے خواص ہیں اس لئے یہ معراج جسمانی تھی۔

(۳)۔اگر واقعۂ معراج رویا اور خواب ہوتا تو کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے؟ انسان تو خواب میں خدا جانے کیا کیا دیکھتا ہے۔محال سے محال چیز بھی اُس کو عالمِ خواب میں واقعہ بن کر نظر آتی ہے۔

(۴)۔خدا نے قرآن مجید میں کہا کہ **وما جعلنا الرویا التی ارینک الا فتنة للناس** کہ اس مشاہدۂ معراج کو ہم نے لوگوں کے لئے معیار آزمائش بنایا ہے۔اگر یہ عام خواب ہوتا تو یہ آزمائشِ ایمان کی کیا چیز تھی اور اس پر ایمان لانا مشکل کیا تھا۔

لیکن بیداری کے ثبوت کا صاف وصحیح طریقہ یہ ہے کہ کلام کا فطری قاعدہ یہ ہے کہ جب تک متکلم اپنے کلام میں یہ ظاہر نہ کردے کہ یہ خواب تھا تو طبعاً یہی سمجھا جائے گا کہ وہ واقعہ بحالتِ بیداری پیش آیا۔قرآن پاک کے ان الفاظ میں **سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً** (پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو ایک رات لے گیا) میں کسی خواب کی تصریح نہیں۔ اسی طرح حضرت ابوذرؓ کی صحیح ترین روایت میں بھی اس کی تصریح نہیں۔اس لئے بے شبہ یہ بیداری ہی کا واقعہ سمجھا جائے گا اور یہی جمہور امت کا عقیدہ ہے اور وہ بھی بجسم۔اسی طرح صحیح احادیث میں بھی خواب کی تصریح نہیں۔اس لئے زبان کے محاورۂ عام کی بنا پر اس کو بیداری کو واقعہ سمجھا جائے گا۔

جو لوگ اس کو رؤیا کہتے ہیں اس سے اُن کا مقصود بھی وہ عام خواب نہیں ہے جو ہر روز ہر شخص دیکھا کرتا ہے۔اُن کا کہنا ہے کہ لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے رویا کی حقیقت پر غور نہیں کیا ہے۔وہ غلطی سے انبیاء علیہم السلام کے رویا کو بھی عام انسانی خواب سمجھتے ہیں، حالانکہ دراصل صرف لفظ کا اشتراک ہے اور نہ اس کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے، یہ وہ رویا ہے جس میں گو آنکھیں بند ہوتی ہیں مگر دل بیدار ہوتا ہے۔کیا یہی عام رویا کی حقیقت ہے؟ یہ وہ حالت ہے جو بہ ظاہر خواب ہے مگر دراصل ہشیاری بلکہ مافوق ہشیاری ہے۔عام خواب اور اس رویاء میں مشابہت صرف اس قدر ہے کہ اس عالمِ مادّی اور کاروبار حواسِ ظاہری سے پہلے میں تغافل ہے تو دوسرے میں تعطل ہے۔لیکن پہلے میں عالمِ روح اور کائناتِ ملکوت کو

دخل نہیں اور دوسرے میں سراپا ہشیاری، بیداری، حقیقت بینی، اہم سفری ناموس، سیر سماوات، لقائے ارواح، رویتِ حق سب کچھ ہے۔ اسی لئے جن لوگوں نے اس کو "منام" یا "رویا" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، انہوں نے درحقیقت مجاز واستعارہ سے کام لیا ہے، ورنہ اصل مقصود یہی کیفیتِ روحانی اور یہی حالتِ ملکوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ہمارے ظاہری حواس کے مادّی قوانینِ طبعی کے رو سے جو چیزیں محال معلوم ہوتی ہیں وہ اس عالم میں محال نہیں ہیں۔

لیکن جو لوگ ان میں آشنائے راز ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ وہ ایک عام قسم کا خواب تھا، جو ہر انسان تقریباً ہر شب کو دیکھتا ہے۔ بلکہ وہ اس کیفیت پر رویا کا اطلاق محض مجازی اور انسانی طریقہ ادا کے قصور کے باعث کرتے ہیں۔ انسان روح اور جسم سے مرکب ہے یہ روح جو جسم سے وابستہ ہے اس کا یہ تعلق محض عارضی ہے اور یہی عارضی تعلق عالمِ نور سے اس کے حجاب کا باعث ہے، جس قدر اس تعلق کا رشتہ محض عارضی ہے اور یہی عارضی تعلق عالمِ نور سے اس کے حجاب کا باعث ہے، جس قدر اس تعلق کا رشتہ ڈھیلا ہوتا جائے گا، اسی نسبت سے وہ حجاب اٹھتا جائے گا۔ انسان جب بیداری میں ہوتا ہے تو حواسِ ظاہری کی مصروفیت روح کو مشاہدۂ باطن سے باز رکھتی ہے۔ نیند کی حالت میں کسی قدر اس کو ظاہری مشغولیت سے آزادی ملتی ہے تو اس کو رنگارنگ کی چیزیں سے نظر آتی ہیں۔ یہ حالت انسان کی باطنی اور روحانی قویٰ کی ترقی وتنزل پر موقوف ہے۔ ایک دن تو ہر انسان مرجاتا ہے یعنی اس کی روح کا تعلق اس کی جسم سے منقطع ہوجاتا ہے، لیکن انسانوں کی ایک صف ایسی بھی ہے جس کا طائرِ روح خدا کے فضل وموہبت کے بازوؤں سے پرزور ہو کر اپنے نفسِ عنصری کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ کر عالمِ ملکوت کی سیر کرتا پھرتا ہے اور پھر اسی نفسِ عنصری کی طرف رجعت کر جاتا ہے۔ یہی حالت ہے جس کو وہ اپنی محدود زبان میں مجازاً رویائے صادقہ یا رویائے نبوت کہتے ہیں اور اسی عالم کو عالمِ رویاء کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ممکن ہے کہ اُسی کو قرآن مجید کی آیت مبارکہ وما جعلنا الرویا التی اریناک میں رویاء کہا گیا ہے۔ یہی وہ

دنیا ہے جس میں آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار ہوتا ہے اور اسی کی طرف وحی کی حدیثوں میں اشارہ ہے اور ابن ہشام میں حضرت عائشہؓ کی طرف جو روایت منسوب ہے کہ۔ **ما فقد جسد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن اسرىٰ بروحه.** ”یعنی رسول اکرم ﷺ کو معراج روح کے ذریعہ ہوئی“۔ کا بھی یہی مطلب ہے۔ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ۔

”ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ اور معاویہؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ معراج میں آپ ﷺ کی روح لے جائی گئی اور آپ ﷺ کا جسم کھویا نہیں گیا (یعنی وہ اسی دنیا میں اپنی جگہ پر موجود تھا) اور حسن بصری سے بھی اسی قسم کی روایت ہے لیکن یہ جاننا چاہیے کہ یہ کہنا کہ معراج منام (خواب) تھا اور یہ کہنا کہ بذریعۂ روح کے تھی جسم کے ساتھ نہ تھی۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ نے یہ نہیں کہا کہ وہ منام (خواب) تھا انہوں نے یہی کہا ہے کہ معراج میں آپ ﷺ کی روح کو لے جایا گیا اور آپ ﷺ کا جسم کھویا نہیں گیا۔ ان دونوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے کبھی محسوس صورتوں میں، جو کچھ معلوم ہے اس کی تمثیلیں اس کے سامنے کی جاتی ہیں، پس وہ دیکھتا ہے کہ گویا وہ آسمان پر چڑھایا گیا یا مکہ اس کو لے جایا گیا اور زمین کے گوشوں میں اُس کو پھرایا گیا، حالانکہ اس کی روح نہ چڑھی نہ گئی نہ پھری۔ صرف یہ ہوا کہ خواب کے فرشتے نے اس کے لئے ایک تمثیل اس کے سامنے کردی، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو آسمان پر چڑھایا گیا ان میں دو فرقے ہیں ایک فرقہ کہتا ہے کہ معراج صرف روح و بدن دونوں کے ساتھ ہوئی اور دوسرا کہتا ہے کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی اور بدن کھویا نہیں گیا (یعنی اس عالم سے) ان لوگوں کا یہ مقصد نہیں کہ وہ خواب تھا بلکہ یہ مقصد ہے کہ خود بذاتہٖ روح کو معراج ہوئی اور وہی درحقیقت اوپر چڑھائی گئی اور اس نے اس طرح کیا جس طرح جسم سے مفارقت کے بعد کرتی ہے اور اس میں اس کی حالت وہی تھی جو مفارقت جسم کے بعد آسمانوں پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھنے میں ہوتی ہے، یہاں تک کہ ساتویں

آسمان پر جا کر ٹھہر جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کھڑی ہو جاتی ہے پھر وہ جو چاہتا ہے اس کی نسبت حکم دیتا ہے، پھر زمین پر واپس آجاتی ہے۔ پس رسول اکرم ﷺ کو شبِ معراج میں جو حاصل ہوا وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقت جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے۔ لیکن چونکہ رسول اکرم ﷺ خرقِ عادات کے مقام میں تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا اور آپ ﷺ زندہ تھے لیکن آپ ﷺ کو تکلیف نہیں ہوئی اسی طرح خود روحِ مبارک بذلتہٖ اوپر چڑھائی گئی، بغیر اس کے کہ آپ ﷺ پر موت طاری کی جائے آپ ﷺ کے اور کسی کو روح کو موت اور مفارقتِ تن کے بغیر یہ عروج نصیب نہ ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کی روحیں جو یہاں ٹھہری تھیں وہ مفارقت جسم کے بعد تھیں، لیکن رسول اکرم ﷺ کی روحِ پاک زندگی کی حالت میں وہاں آگئی اور واپس آئی اور مفارقت کے بعد انبیاء علیہم السلام کی روحوں کے ساتھ "رفیق اعلیٰ" میں جا کر ٹھہر گئی لیکن باوجود اس کے روح پاک کو اپنے جسم کے ساتھ ایک نوع کا تعلق اور رشتہ ہے کہ اگر آپ ﷺ پر کوئی سلام بھیجے تو آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں، اسی تعلق سے آپ ﷺ نے شبِ معراج میں دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر مبارک میں نماز پڑھ رہے ہیں، پھر آپ ﷺ نے ان کو چھٹے آسمان میں دیکھا، حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر سے اٹھا کر نہیں لے جایا گیا تھا اور نہ واپس کیا گیا تھا، اس کی گرہ یوں کھلتی ہے کہ وہاں آسمان پر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ ﷺ نے دیکھا تو اُن کی روح کا مقام و مستقر تھا اور قبر اُن کے جسم کا، جہاں وہ قیامت میں روحوں کے مٹانے کے وقت تک رہے گا۔ اس طرح آپ ﷺ نے اُن کو اُن کی قبر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا اور چھٹے آسمان پر بھی دیکھا جس طرح کہ (بعد وفات) رسول اکرم ﷺ اس سے بلند تر مقام یعنی رفیق اعلیٰ میں بھی قرار گیر ہیں اور جسم مبارک قبر شریف میں بھی موجود ہے، جب سلام کرنے والا آپ ﷺ پر سلام کرتا ہے، تو اللہ آپ ﷺ کی روح مبارک کو واپس کرتا ہے تا آنکہ آپ جواب دیتے ہیں، حالانکہ مقام رفیق اعلیٰ سے

آپ ﷺ علیحدہ نہیں ہوئے جو شبِ معراج میں جو حاصل ہوا وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقتِ جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے لیکن چونکہ رسول اکرم ﷺ خرقِ عادات کے مقام میں تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا اور آپ ﷺ زندہ تھے، لیکن آپ ﷺ کو تکلیف نہیں ہوئی، اسی طرح خود روح مبارک بذلتہٖ اوپر ہے اور اس کی گرمی دور کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے، روح اور بدن کا باہمی تعلق تو اس سے بھی زیادہ قوی اور کامل ہے، اس لئے کہ روح آگ سے زیادہ اعلیٰ اور لطیف ہے"۔

صوفیہ اور اربابِ حال نے معراج کے واقعات کی تشریح اپنے مذاق اور رنگ میں کی ہے، علماء اسلام میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہے جو صوفی اور صاحبِ حال ہے اور محدث اور متکلم بھی یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی شاہ صاحبؒ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ دیگر اہل باطن کی طرح عالمِ برزخ اور عالمِ مثال زمام اور عالمِ جسد اور عالمِ روح کے درمیان ایک تیسرے عالم کے قائل ہیں، جہاں جسم پر روح کے خواص طاری ہوتے ہیں اور روح اپنی خصوصیت اور مناسبت کے مطابق جسمانی شکل وصورت میں نمایاں ہوتی ہے، شاہ صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ معراجِ بیداری میں اور جسم کے ساتھ ہوئی۔ لیکن یہ عالمِ برزخ کی سیر تھی جہاں آپ ﷺ کے جسم پر روحانی خواص طاری کئے گئے اور معانی و واقعات مختلف اشکال و صورت میں مشاہدہ کرائے گئے۔ چونکہ ایک بیگانہ کے لئے اس نادیدہ شہرستان کی ہو بہو تشریح اپنی زبان میں مشکل ہے اس لئے ہم اس ملک کے ایک سیّاح کا بیان نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں معراج کی حقیقت ان الفاظ میں لکھتے ہیں کہ جس کا ہم مفہوم نقل کر رہے ہیں کہ۔" آپ ﷺ کو معراج میں مسجدِ اقصیٰ میں لے جایا گیا پھر سدرۃ المنتہیٰ اور جہاں خدا نے چاہا اور یہ تمام جسم مبارک کے لئے بیداری کی حالت میں ہوا لیکن اس مقام میں جو عالمِ مثال اور عالمِ ظاہر کے بیچ میں ہے اور جو دونوں عالموں کے احکام کا

جامع ہے اس لئے جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح پر معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے اور اسی لئے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی اور اسی طرح کے واقعات حضرت حزقیل اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے لئے ظاہر ہوئے تھے جیسے اولیاء امت کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں کہ خدا کے نزدیک ان کے درجہ کی بلندی مثل اس حالت کے ہوتی ہے جو رویا میں ان کو معلوم ہوتی ہے"۔ (واللہ اعلم)

اس کے بعد شاہ صاحب نے معراج کے مشاہدات میں سے ایک ایک کی تعبیر کی ہے، خود احادیثِ صحیحہ اور معتبر روایات میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے کہ "آپ ﷺ کے سامنے دودھ اور شراب کے دو پیالے پیش کئے گئے تو آپ ﷺ نے دودھ کا پیالا اٹھالیا۔ اس پر فرشتہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے فطرت کو اختیار کیا، اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ ﷺ کی تمام امت گمراہ ہو جاتی"۔ اس عالمِ تمثیل میں گویا فطرت کو دودھ اور ضلالت کو شراب کے رنگ میں مشاہدہ کرایا گیا۔

شاہ صاحب معراج کو عالمِ برزخ کا واقعہ بتا کر اسی طرح معراج کے تمام واقعات کی تشریح کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ "لیکن سینہ کا چیرنا اور اس کا ایمان سے بھرنا تو اُس کی حقیقتِ ملکیت کے انوار کا غلبہ اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھنا اور طبیعت کی فرمانبرداری اس فیضان کے قبول کرنے کے لئے جو خطیرۃ القدس سے خدا اس پر فائض کرتا ہے، لیکن آپ ﷺ کا براق پر سوار ہونا تو اس کی حقیقت آپ ﷺ کی نفسِ ناطقہ (بشری) کا اپنے اس روح حیوانی پر استیلاء حاصل کرنا ہے جو کمالِ حیوانی ہے تو آپ ﷺ براق پر اسی طرح سوار ہو گئے جس طرح آپ ﷺ کی روح بشری کے احکام آپ ﷺ کی روح حیوانی پر غالب آگئے اور اس پر مسلط ہو گئے، لیکن آپ ﷺ کا رات کو مسجد اقصیٰ لے جانا تو وہ اس لئے کہ یہ مقام شعائر الٰہی کے ظہور کا مکان ہے اور ملاءِ اعلیٰ کے ارادوں کا تعلق گاہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کی نگاہوں کا نظارہ گاہ ہے گویا وہ اعلیٰ کی طرف سے ایک روشندان ہے جہاں سے روشنی چھن چھن کر اس روشندان کے ذریعہ اس کرۂ انسانی پر فائض ہوتی ہے، لیکن آپ ﷺ کی انبیاء علیہم السلام

سے ملاقات اور مفاخرت (اور امامت) تو اس کی حقیقت کو ان کا اجتماع ہے بحیثیت اس کے کہ وہ ایک ہی رشتہ میں خطیرۂ القدس سے مربوط ہیں اور آپ ﷺ کی ان حیثیاتِ کمال کا ظہور ہے جو ان تمام پیغمبروں میں آپ ﷺ کی ذات سے مخصوص تھیں لیکن آپ ﷺ کا آسمانوں پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھنا (اور فرشتوں اور مختلف پیغمبروں سے ملاقات) تو اس کی حقیقت درجہ بہ درجہ (تحت منزلوں سے) کھینچ کر عرشِ الٰہی تک پہنچتا ہے اور آسمان پر جو فرشتے متعین ہیں اور کامل انسانوں میں سے جو جہاں جس جس درجہ تک پہنچ کر ان کے ساتھ مل کر گیا ہے اُن کے حالات سے اور اس تدبیر سے جو ہر آسمان میں خدا نے وحی کی اور اس مباحثہ سے جو اُس آسمان کے فرشتوں کی جماعت میں ہوتا ہے آگاہی ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا تو از راہِ حسد نہ تھا بلکہ وہ اس بات کی تمثیل تھی کہ ان کو دعوتِ عامہ نہیں ملی تھی اور اس کمال کی بقا اُن کو عنایت نہیں ہوئی تھی جو عموم دعوت سے حاصل ہوتی ہے لیکن سدرۃ المنتہیٰ تو وہ وجود کا درخت ہے، اس کا ایک دوسرے پر مرتب ہونا اور پھر ایک ہی تدبیر میں مجتمع ہونا ہے، جس طرح درخت اپنی شاخوں کے بے شمار افراد کے اختلاف کے باوجود) اپنی قوتِ غاذیہ اور اپنی قوتِ نامیہ کی تدبیر میں متحد و مجتمع ہوتا ہے، سدرۃ المنتہیٰ حیوان کی شکل میں نمایاں نہیں ہوا اس لئے کہ اجمالی اور مجموعی تدبیر اس طرح ہے جس طرح کلّی اپنے افراد کی سیاست (اجمالی) کرتی ہے اور اس تدبیر اجمالی کی بہترین شبیہ درخت ہے نہ کہ حیوان، کیونکہ حیوان میں تفصیلی قوتیں ہوتی ہیں اور خصوصاً اس میں ارادہ قوتیں طبعی سے زیادہ مصرح صورت میں ہوتا ہے، لیکن نہروں (کی جڑوں اور سوتوں کا وہاں نظر آنا) تو وہ رحمت وحیات و نشو نما کا منبع ہے جو عالمِ ملکوت میں اسی طرح جاری ہے جس طرح عالمِ ظاہر میں، اسی لئے وہاں بھی بعض وہ پُر فیض امور نظر آئے جو یہاں اس عالم میں ہیں، جیسے دریائے نیل اور نہر فرات، لیکن وہ انوار جو اس درخت کو ڈھانکتے تھے تو وہ تنزلاتِ الٰہیہ اور تدبیراتِ رحمانیہ میں جو اس عالمِ ظاہر میں وہاں چمکتی ہیں، جہاں جہاں اُن کے قبول کی استعداد ہوتی ہے۔ لیکن بیت المعمور تو اس کی حقیقت وتجلی ہے، جس کی طرف انسانوں کے تمام سجدے اور بندگیاں

متوجہ ہوتی ہیں وہ گھر کی صورت میں اس لئے نمایاں ہوا کہ وہ ان قبلوں کی طرح ہو جو انسانوں کے درمیان کعبہ اور بیت المقدس کی صورت میں ہیں، پھر آپ ﷺ کے سامنے ایک دودھ کا پیالہ اور ایک شراب کا پیالہ لایا گیا، آپ ﷺ نے دودھ پسند فرمایا تو حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ فطرت کی طرف آپ نے ہدایت پائی۔ اگر آپ شراب پسند فرماتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہو جاتی''۔ آپ ﷺ کے پسند و قبول کی اُمت کی پسند و قبول کہنا اس لئے تھا کہ آپ ﷺ اپنی امت کے جامع و مرکز اور اس کے ظہور کے منشاء مولد تھے اور دودھ کا پیالہ پسند کرنا فطرت کا پسند کرنا تھا اور شراب کو لینا دنیاوی لذتوں کو پسند کرنا تھا اور آپ ﷺ کو بزبان مجاز پانچ وقتوں کی نمازوں کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ درحقیقت ثواب کے اعتبار سے پچاس وقت ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقصد کو (کہ پچاس وقتوں سے پانچ وقت مقصود ہیں، بدفعات اور بتدریج اس لئے ظاہر کیا تا کہ یہ معلوم ہو کہ (۵۰ وقت کا پانچ کر دینے میں) تنگی دور کر دی گئی ہے اور نعمت پوری ہوئی ہے، اور یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مکالمہ کی طرف منسوب ہو کر اس لئے ظاہر ہوئی کہ تمام پیغمبروں میں امت کا تجربہ اور امت کی سیاست کی آگاہی ہی ان ہی کو سب سے زیادہ تھی''۔

ہم نے اربابِ حال اور محدثین کے یہ انکشافات و حقائق اور جسم و روح کے یہ گونا گوں احوال و مناظر خود انہی کی زبانوں سے بتائے اور دکھائے ہیں ورنہ ہم خود اس باب میں سلف صالحین کا عقیدہ رکھتے ہیں جو ابن اسحاق کی عبارت میں حسبِ ذیل ہے کہ۔

''آپ ﷺ کے اس سفر شبانہ اور جو کچھ اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے اس میں آزمائش اور کافر و مومن کی تمیز ہے اور خدا کی قدرت اور سلطنت میں سے کوئی الٰہی شان ہے اور اس میں اہل عقل کے لئے عبرت ہے اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور تصدیق کی اور خدا کے کاموں پر یقین رکھا، اُس کے لئے اس میں ہدایت رحمت اور ثابت قدمی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو رات کے وقت لے گیا جس طرح چاہا اور جیسے چاہا تا کہ وہ اس کو اُس کے پروردگار کی نشانیوں میں سے جو چاہے دکھائے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے خدا کی شان اور

اس کی عظیم الشان قوت کے مناظر دیکھے جو کچھ دیکھے اور اس قدرت کو دیکھا جس سے وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے"۔ (بحوالہ سیرت النبی ﷺ از علامہ شبلی نعمانی" وسید سلیمان ندوی")

معراج میں کیا آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا؟

معراج کے مشاہدات وصفات کی جلوہ انگیزی اور آیات اللہ کی نیرنگی تو آپ ﷺ نے دیکھی، لیکن کیا ذاتِ الٰہی بھی حجلۂ حجاب سے باہر آ کر منصۂ حقیقت پر رونما ہوئی؟ یعنی دیدارِ الٰہی سے بھی آپ ﷺ مشرف ہوئے۔ بعض روایتوں میں اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انس ؓ سے شریک بن عبداللہ نے جو معراج کی روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے کہ۔ **حتی جاء سدرة المنتهیٰ دنا الجبار رب العزة فتدلیٰ حتی کان منه قاب قوسین او ادنیٰ.** (بخاری کتاب التوحید)

"رسول اکرم ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو عزت والا جبار (اللہ) یہاں تک قریب ہوا اور جھک آیا کہ اس کے اور آپ ﷺ کے درمیان دو کمانوں یا اس بھی کم فاصلہ رہ گیا"۔

بعض روایتوں میں اس کا جواب نفی میں ملتا ہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت ہے کہ۔ "حضرت ابوذر ؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے شب معراج میں اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! پروردگار تو ایک نور ہے میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں"۔ (مسلم)

تشریح...... "پروردگار تو ایک نور ہے...... الخ" کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات جسم ومکاں کی قیود سے ماوراء ایسا نور عظیم ہے جس کی نورانیت کا کمال اور جس کے ظہور کی شدت نہ انسان کے ادارک میں آسکتی ہے اور نہ نگاہِ بصر کو اتنی تاب کہ اس کی خیرہ کر دینے والی تجلیات کے سامنے ٹھہر سکے واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو خود قرآن کریم میں "نور" سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا **الله نور السمٰوٰت والارض.** (اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) یعنی کائنات میں ہر طرف اسی کی تجلیات کا ظہور ہے اور جو چیز نظر آتی

ہے اسی کی روشنی کی بدولت نظر آتی ہے نیز جو چیزیں زمین و آسمان کو روشنی بہم پہنچاتی ہیں جیسے سورج، چاند اور ستارے وغیرہ وہ سب اسی کی روشن کی ہوئی ہیں یا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا نورِ ہدایت ہے اور زمین پر بسنے والوں اور آسمان میں رہنے والوں ہر ایک کو وہی ہدایت کرنے والا ہے اور اسی کا نور ہدایت بندوں کے دلوں و دماغ کو روشن کرنے والا ہے، نیز پروردگار کے ناموں میں سے ایک نام ''نور'' ہے یعنی وہ خود بھی ظاہر و روشن ہے اور دوسروں کو ظاہر روشن کرنے والا ہے۔

حدیث کے الفاظ میں سے ''نُوْر اَنّٰی اَرَاہُ '' میں لفظ انّٰی کتاب کے اکثر نسخوں میں الف کے زبر اور نون کی تشدید کے ساتھ ہی منقول ہے اور اسی کے اعتبار سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ ''اللہ تو ایک نور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں''۔ لیکن بعض نسخوں میں نُوْر اور انّٰی الگ الگ لفظ کے بجائے ایک ہی لفظ نُوْرَانِی منقول ہے (جس میں ی مشدد نسبت کے لئے ہے اور الف اور نون زائد مبالغہ کے لئے ہیں) اس صورت میں اَرَاہ کا لفظ اظنہ کا مفہوم ادا کرے گا اور رویۃ بمعنی رائے سے مشتق سمجھا جائے گا اور قال نور انی اراہ کا یہ ترجمہ ہوگا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''میں اس (پروردگا کو نورانی گمان کرتا ہوں)۔ پس لفظ اراہ کو اگر الف کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی کے اعتبار سے زیادہ مناسب و موزوں ہوگا۔

ابن ملکؒ نے اس حدیث مبارکہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا یا نہیں؟ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو شبِ معراج میں کھلی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوا ہے اور جو حضرات اُس کا انکار کرتے ہیں دونوں ہی فریق الفاظ روایت کے مذکورہ بالا اختلاف کے سبب اس حدیث کو اپنی اپنی دلیل قرار دیتے ہیں کیونکہ اگر ''نُوْر انی اراہ '' کی روایت کو سامنے رکھا جائے تو اس جملہ کے، استفہام بطریق انکار کے اسلوب کے پیش نظر اس عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ پروردگار کی ذات چونکہ نور محض ہے

اور کوئی انسانی آنکھ اس کی طرف نظر اٹھانے پر قادر ہی نہیں ہو سکتی اس لئے میں کہتا ہوں کہ میں نے معراج کی رات میں اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا ہے لیکن اگر "نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہ" کی روایت کو دیکھا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے البتہ یہ کہا جائے گا کہ رسول اکرم ﷺ نے یہ بات کہنے کے لئے حکایت ماضی (صیغہ حال) کا اسلوب اختیار فرمایا۔

معراج میں آپ ﷺ کے دیدارِ الٰہی سے متعلق ایک آیت مبارکہ کی تفسیر

حضرت ابن عباسؓ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک ماکذب الفؤ اد مارای ولقد راٰہُ نزلۃً اُخریٰ (ترجمہ:۔ اور حضرت محمد کے دل نے محمد ﷺ سے غلط نہیں کہا اس چیز کی بابت جو انہوں نے آنکھوں سے دیکھی یعنی ذات اقدس تعالیٰ کو! اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے پروردگار کو ایک مرتبہ اور دیکھا کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے پروردگار کو دل کی آنکھوں سے ہر مرتبہ دیکھا۔ (مسلمؒ)

اور ترمذیؒ کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے (مذکورہ آیت مبارکہ کی تفسیر میں) کہا کہ "حضرت محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا"۔ حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں کہ (میں نے یہ سن کر اپنا اشکال ظاہر کیا اور) حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ (قرآن کریم میں اپنی ذات کے بارے میں) اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ لَا تُدْرِکُہُ الْأَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْأَبْصَارَ (پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟) حضرت ابن عباسؓ نے عکرمہؓ کے اشکال کے جواب میں) کہا کہ! تم پر افسوس یہ ہے (کہ تم بات نہیں سمجھ سکے، حقیقت یہ ہے کہ) یہ (مفہوم جو تم نے اس آیت کے ذریعہ پیش کیا ہے) اس وقت کے لئے ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلی ظاہر فرمائے اور اپنے اس نور کے ساتھ ظاہر ہو جو اس کی ذات کا خاص نور ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ دیکھا"۔

تشریح...... اس روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے جن آیتوں کی تفسیر و وضاحت

منقول ہے وہ سورۂ نجم کی ابتدائی آیتوں میں سے ہیں اور مفسرین کے ہاں ان آیتوں کے بارے میں خاص اختلاف ہے کہ ان کا مدلول و محمول کیا ہے۔ صحابہؓ و تابعینؒ اور آئمہ مفسرین میں سے ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ سورۂ نجم کی ان آیتوں میں درحقیقت اس بات کا ذکر ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ کو ان کی اصل صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ نبوت کے بالکل ابتدائی زمانہ میں مکہ میں اور دوسری مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اس کے برخلاف صحابہؓ و تابعینؒ اور آئمہ مفسرین کی دوسری جماعت کا، جن میں حضرت ابن عباسؓ کا نام نامی سرفہرست ہے، یہ کہنا ہے کہ ان آیات میں واقعہ معراج کا بیان اور رسول اکرم ﷺ کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا ذکر ہے۔

''رسول اکرم ﷺ نے پروردگار کو دل کی آنکھوں سے دو مرتبہ دیکھا''۔ یعنی اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے قلب مبارک میں بینائی کی بھی وہ طاقت ودیعت فرمائی جو آنکھ میں ہوتی ہے اور آپ ﷺ کی آنکھوں کو ادراک کی بھی وہ طاقت عطا فرمائی جو قلب میں ہوتی ہے، پس یہ کہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے پروردگار کو بچشم قلب دیکھا یا یہ کہ بچشم سر دیکھا، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یہ مطلب اس لئے اختیار کیا گیا، تا کہ جو حضرات جیسے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے شب معراج میں پروردگار کو بچشم سر دیکھا ہے، اور حضرات یہ کہتے ہیں کہ بچشم قلب دیکھا ہے۔ ان دونوں کے اقوال کی رعایت ہو جائے جیسا کہ اوپر اجمالاً ذکر کیا گیا پہلا اختلاف تو یہی ہے کہ سورۂ نجم کی ابتدائی آیتوں میں رسول اکرم ﷺ کے کس کو دیکھنے کا ذکر ہے حق تعالیٰ کو یا حضرت جبرائیلؑ کو؟ حضرت ابن عباسؓ حق تعالیٰ کو دیکھنا مراد لیتے ہیں جمہور صحابہؓ ان کی تائید میں ہیں اور سلف میں جمہور مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں ان کے نزدیک دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کے الفاظ (جو ان آیات میں آئے ہیں) معراج کے موقع پر بارگاہِ ربوبیت میں رسول اکرم ﷺ کے قرب اور پروردگار کے مشاہدہ و زیارت کا بیان ہیں۔ پھر اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ شب معراج میں رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو بچشم سر دیکھا ہے یا بچشم قلب؟

بعضوں نے تو یہ کہا ہے کہ آپ ﷺ نے پروردگار کو دل کی آنکھ سے دیکھا تھا سر کی آنکھوں سے نہیں اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ نہیں آپ ﷺ نے سر ہی کی آنکھوں سے اپنے پروردگار کو دیکھا، امام نوویؒ کی تحقیق کے مطابق اکثر علماء کے نزدیک ترجیحی قول یہی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا، جو حضرات آیات مذکورہ میں رسول اکرم ﷺ کا حضرت جبرائیلؑ کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا مراد لیتے ہیں ان میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ بھی شامل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان آیات میں حضرت جبرائیلؑ کے اس قرب ومشاہدہ کا بیان وذکر ہے جو رسول اکرم ﷺ کو حضرت جبرائیلؑ امین کی اصل صورت کے ساتھ شب معراج میں اور اس سے پہلے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں حاصل ہوا تھا۔ علماء کا اختلاف اقوال اس بارے میں بھی ہے کہ شب معراج رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا تھا یا نہیں؟ چنانچہ اشعریین اور متکلمین میں سے ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس رات میں اللہ تعالیٰ سے براہِ راست کلام کیا اور بعض دوسرے حضرات نے اس کا انکار کیا۔

یہ اس وقت کے لئے ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلی ظاہر فرمائے الخ کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات حق تعالیٰ کی مشیت وقدرت پر منحصر ہے اگر اس کی ذات خاص کی تجلی ظاہر ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی کی بھی نگاہِ بصر کی توانائی برداشت کر سکتی ہو تو یقیناً نگاہ اس کی طرف اٹھ سکتی ہے اور آنکھیں دیدار وزیارت کی تاب لا سکتی ہیں! رہی اس آیت مبارکہ کی بات جس کا حوالہ حضرت عکرمہؓ نے دیا تو اس کے متعلق علماء لکھتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں ''ادراک'' کا ذکر ہے جس کے لغوی معنی کسی شے کا اس کے تمام اطراف وجوانب اور تمام سرحدوں کے ساتھ احاطہ کرنا ہیں اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے نہ کوئی حد ونہایت ہے اور نہ اس کے اطراف وجانب ہیں، اس کی ذات اقدس ان چیزوں سے ماوراء اور لا محدود ہے، اس معنی میں کوئی بھی نگاہِ بصر اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اس آیت میں ''احاطہ'' کی نفی مراد ہے مطلق دیدار کی نفی مراد نہیں ہے جس سے یہ اشکال واقع ہو کہ آپ ﷺ

کے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی بات اس آیت کے خلاف پڑتی ہے۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ "رسول اکرم ﷺ نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ دیکھا"۔ میں "دو مرتبہ" کی وضاحت بعض محدثین نے یہ کی ہے کہ ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب اور ایک مرتبہ عرش پر اور ملا علی قاریؒ نے اس جملہ کے تحت یہ لکھا ہے کہ "دو مرتبہ دیکھا" سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں مرتبہ دل کی آنکھوں سے دیکھا اور ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے یہ اختلاف مطالب اس لئے ہے کہ کسی بھی روایت میں وضاحت کے ساتھ منقول نہیں ہے جیسا کہ اس روایت میں بھی نہیں، کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دو بار دیکھا۔

معراج میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا یا نہیں؟ مزید وضاحت

"اور حضرت شعبیؒ کہتے ہیں کہ عرفہ کے دن میدان عرفات میں حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعب احبارؓ سے ملاقات کی اور ان سے ایک سوال دریافت کیا کہ کیا دنیا میں حق تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے؟ حضرت کعبؓ (نے اس سوال کو اتنا عجیب وغریب سمجھا کہ فرط حیرت سے انہوں) نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور ان کے اس زوردار نعرے کی بازگشت سے پہاڑ گونج اٹھے، حضرت عباسؓ نے کہا کہ ہم ہاشم کی اولاد ہیں! حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ "اچھا تمہارے سوال کا مقصد اب میری سمجھ میں آیا تو سنو! اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو محمد ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کیا (یعنی ایک کو اپنے کلام سے مشرف فرمایا اور ایک کو اپنے دیدار کی سعادت عطا فرمائی) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، ایک مرتبہ تو وادی یمن میں دوسری مرتبہ کوہ طور پر اور حضرت محمد ﷺ نے شب معراج میں دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا"۔ حضرت مسروقؒ (جو حدیث کے راوی ہیں اور جن سے حضرت شعبیؒ یہ روایت نقل کرتے ہیں) کہتے ہیں کہ میدان عرفات میں حضرت کعبؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے درمیان ہونے والی اس بات چیت کو سن کر میں حضرت عائشہؓ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا کہ (مسروق) تم نے ایسی بات پوچھی ہے جس سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں (یعنی میرا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ومنزہ ہے کہ وہ کسی کو نظر آئے اس لئے میرے نزدیک دنیا میں اس کے دیدار کا واقع ہونا محال ہے اب تم نے یہ سوال پوچھا تو اس کی اس پاک ذات کی عظمت وخوف کے مارے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے) میں نے عرض کیا کہ ذرا توقف سے کام لیجئے (یعنی میرے اس سوال سے اتنا پریشان نہ ہوئیے اور نہ اتنی جلدی دیدار الٰہی سے انکار کیجئے میں چاہتا ہوں کہ آپ ذرا میری بات پوری طرح سن لیں، پھر میں نے دیدار الٰہی کے ثبوت میں یہ آیت پڑھی لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی (گویا حضرت مسروقؒ نے اس آیت کے ذریعہ یہ ظاہر کیا کہ میرے نزدیک آیت میں ''بڑی نشانی'' سے مراد رسول اکرم ﷺ بچشم سر یا بچشم قلب وہ دیدار الٰہی حاصل ہونا ہے جو پروردگار کی عظمت شان یا رسول اکرم ﷺ کی تعظیم وتکریم پر دلالت کرتا ہے)۔ حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ ''(مسروق) یہ آیتیں تمہیں کہاں لے جا رہی ہیں؟ (یعنی تم درست نہیں سمجھ رہے ہو، ان آیتوں کا مطلب رسول اکرم ﷺ کو دیدار الٰہی حاصل ہونا نہیں ہے بلکہ) ''بڑی نشانی'' سے مراد، حضرت جبرائیلؑ ہیں (جن کو رسول اکرم ﷺ نے ان کی اصل صورت میں دیکھا) جو شخص تم سے یہ کہے محمد ﷺ نے شب معراج میں اپنے پروردگار کو دیکھا ہے، یا یہ کہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان چیزوں میں سے کچھ چھپا لیا ہے جن کے اظہار کا ان کو حکم دیا گیا تھا، اور یا یہ کہے کہ رسول اکرم ﷺ ان پانچ غیبی باتوں کا علم رکھتے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت مبارکہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث الخ میں ارشاد فرمایا ہے، تو بلاشبہ اس نے محمد ﷺ پر بہت بڑا بہتان باندھا جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے جو تم نے پڑھی تو اس کی مراد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ کو ان کی اصل صورت میں آپ ﷺ نے ایک مرتبہ تو سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک (جیسا کہ اس آیت لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی عِنْدَ

سِدرَ ۃِ المُنتَھٰی میں فرمایا گیا ہے) اور ایک مرتبہ (مکہ کے نواح) اجیاد میں اور (رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ کو ان کی اصل صورت میں اس طرح دیکھا کہ) ان کے چھ سو بازو تھے اور انہوں نے پورے افق کو گھیر رکھا تھا اس روایت کو ترمذیؒ نے (انہی الفاظ میں) اور بخاریؒ و مسلمؒ نے کچھ مزید اور مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے نیز بخاریؒ و مسلمؒ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ مسروقؒ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ "رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا" تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا محمول و مصداق کیا ہے۔ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوسَینِ اَو اَدنٰی حضرت عائشہؓ نے جواب دیا "ان سب کی ضمیروں کا مرجع حضرت جبرائیلؑ ہیں جو عام طور پر رسول اکرم ﷺ کے پاس کسی انسان کی شکل وصورت میں اور وہ بھی اکثر و بیشتر ایک صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں آتے تھے اور اس مرتبہ (مکہ کے نواح اجیاد میں) اپنی اس صورت میں آئے جو ان کی اصل صورت ہے اور انہوں نے پورے افق کو گھیر رکھا تھا"۔

تشریح...... "ہم ہاشم کی اولاد ہیں"۔ یعنی ہم نہ صرف اس قبیلہ و خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں جو ویسے بھی علم وفضیلت، عقل و فراست، اور سمجھ بوجھ کے اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس خاندان کے بارگاہ نبوت سے نسبت وقربت رکھنے کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں علوم و انوار سے اکتساب کرنے کا موقع ہمیں زیادہ بہتر طریقہ پر میسر ہوا ہے اور اس سب سے بڑی خاندانی نسبت و امتیاز کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم و معرفت سے سرفراز فرمایا ہے لہٰذا مجھ سے یہ توقع نہ رکھیئے کہ میں کوئی ایسا سوال کروں گا جو علم و عقل سے بعید ہو، میں نے جو کچھ پوچھا ہے اس کی گہرائی میں پہنچنے کی کوشش کیجئے اور میرے سوال پر حیرت وغصہ کرنے کی بجائے غور وفکر کر کے جواب دیجئے کہ کیا دنیا میں حق تعالیٰ کا دیدار فی الجملہ ممکن ہے دراصل جب حضرت ابن عباسؓ نے مذکورہ سوال کیا تو حضرت کعبؓ یہ سمجھے کہ ابن عباسؓ دنیا میں مطلق دیدار الٰہی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، اس پر انہیں حیرت ہوئی اور ان کے اس سوال کو انہوں نے بعید از عقل جانا لیکن جب حضرت

ابن عباسؓ نے اپنے بارے میں ذرا زوردار الفاظ کا اظہار کیا تو حضرت کعبؓ احبار کو ان کے سوال میں غور وفکر کرنا پڑا اور تب وہ ان کی مراد سمجھے کہ ان کے سوال میں مطلق دیدار الٰہی مراد نہیں ہے بلکہ فی الجملہ دیدار الٰہی مراد ہے اس کے بعد انہوں نے جواب دیا کہ صرف رسول اکرم ﷺ کے لئے دیدار الٰہی ممکن ہے جو آپ ﷺ کو شب معراج میں حاصل ہوا۔

یا یہ کہ رسول اکرم ﷺ نے ان چیزوں میں سے کچھ چھپالیا ہے...... الخ میں ''ان چیزوں'' سے مراد احکام وشرائع ہیں جن کا لوگوں تک پہنچانا رسول اکرم ﷺ کے لئے ضروری قرار دیا گیا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ۔ یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہ. ''اے پیغمبر ﷺ! جو کچھ احکام وشرائع اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں تک پہنچادیجئے اور اگر ایسا نہ کیا تو آپ ﷺ خدا کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے''۔

اور ''چھپانے'' کا مفہوم عام ہے کہ خواہ تمام احکام وشرائع کو چھپانے کے بارے میں کہا جائے یا ان احکام وشرائع میں سے کچھ کو۔ اس سے شیعہ لوگوں کی اس گمراہ کن بات کی تردید ہوجاتی ہے کہ کچھ احکام وشرائع ایسے ہیں جن کو رسول اکرم ﷺ نے اپنے اہل بیعت کے لئے مخصوص رکھا ہے، ان کا دائرہ پوری امت تک وسیع نہیں کیا۔

''تو پھر اللہ کے اس ارشاد کا محمول ومصداق کیا ہے'' کے ذریعہ حضرت مسروقؒ نے سورۂ نجم کی ان تمام آیات کی طرف اشارہ کیا جن کے بارے میں صحابہؓ وتابعینؒ اور ائمہ مفسرین کے اختلافی اقوال کا ذکر پیچھے بھی کیا جاچکا ہے وہ آیتیں یہ ہیں۔ ثم دنٰی فتدلی ० فکان قاب قوسین او ادنی ० فاوحٰی الی عبدہٖ ما اوحٰی ० ما کذب الفؤاد ما راٰی۔

''وہ آپ ﷺ کے نزدیک آیا پھر اور نزدیک آیا تو دونوں کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم پھر خدا نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ کہ نازل فرمائی تھی جو کچھ انہوں نے دیکھا ان کے دل نے اس کو جھوٹ نہ جانا''۔

پس بظاہر ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ دنی کی ضمیر اللہ تعالیٰ طرف پھرتی ہے اسی طرح تدلّٰی اور فکان قاب قوسین میں کان کی ضمیریں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف راجع ہیں جس کا ایک ظاہری قرینہ فاوحی کی ضمیر ہے کہ اس کا مرجع یقینی طور پر اللہ تعالیٰ ہے، اس بنیاد پر حضرت مسروقؒ نے اشکال ظاہر کیا کہ اگر شب معراج میں رسول اکرم ﷺ کو دیدارِ الٰہی حاصل نہیں ہوا تھا تو ان آیتوں کے کیا معنی ہوں گے؟ اس اشکال کا جواب حضرت عائشہؓ نے دیا کہ ان افعال کی ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے ہی نہیں بلکہ حضرت جبرائیلؑ ہیں، لہٰذا یہ سمجھنا کہ ان آیتوں سے رسول اکرم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ثابت ہوتا ہے غیر درست نتیجہ اخذ کرنا ہے پھر حضرت عائشہؓ نے کان یاتیه فی صورة الرّجل الخ کے ذریعہ ایک اور اشکال کا جواب دیا کہ اگر یہ سوال پیدا ہو کہ حضرت جبرائیلؑ کو تو رسول اکرم ﷺ برابر ہی دیکھا کرتے تھے پھر شب معراج میں ان کو دیکھنے کو اس اہتمام کے ساتھ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو حضرت عائشہؓ نے گویا اس اشکال کے دفیعہ کے لئے فرمایا کہ حضرت جبرائیلؑ عام طور پر رسول اکرم ﷺ کے پاس انسانی شکل وصورت میں آیا کرتے تھے وہ آپ ﷺ کے سامنے اپنی اصل صورت کے ساتھ دو مرتبہ آئے ہیں، ایک دفعہ تو نبوت کے بالکل ابتدائی زمانہ میں مکہ میں جب رسول اکرم ﷺ نے ان کو اس طرح دیکھا تھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے اور پورا افق ان سے ما مور تھا، اور پھر اسی اصل صورت و ہیبت کے ساتھ دوسری مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس آپ ﷺ کو نظر آئے تھے۔

حاصل یہ کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعبؓ احبار کے قول سے استدلال کرتے ہوئے اس کو اختیار کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا ہے بایں احتمال کہ دونوں مرتبہ (بصر) سر کی آنکھوں سے دیکھا ہو یا بصیرت (دل کی آنکھوں) سے، یا یہ کہ ایک مرتبہ تو بچشم سر دیکھا ہو اور ایک مرتبہ بچشم قلب، اگر چہ اس پر اتفاق ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو بچشم دو مرتبہ نہیں دیکھا ہے، اور حضرت عائشہؓ اس سے انکار کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا، تو ان کے اس

انکار کو مطلق انکار پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے اور مقید انکار پر بھی، مطلق انکار کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ سرے سے رسول اکرم ﷺ کے دیدار الٰہی کی منکر ہیں، خواہ بچشم قلب دیکھنا مراد لیا جائے یا بچشم سر اور مقید انکار کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچشم سر دیکھنے کی منکر ہیں، بچشم قلب دیکھنے کی نہیں لیکن حضرت عائشہؓ کے ارشاد کو دیکھتے ہوئے زیادہ درست یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے انکار کو مطلق انکار پر محمول کیا جائے، اور حافظ ابن حجر ؒ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے اثبات اور حضرت عائشہؓ کے انکار کے درمیان جو تضاد ہے اس کو دور کرنے کے لئے یہ تاویل کی جانی چاہیئے کہ حضرت عائشہؓ کا انکار بچشم سر دیکھنے پر اور حضرت ابن عباسؓ کا اثبات بچشم قلب دیکھنے پر محمول ہے، لیکن بچشم قلب دیکھنے کا مطلب مجرد علم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم وعرفان تو حضور ﷺ کو ہر وقت ہی حاصل رہتا تھا، اس کو شب معراج کے ساتھ مخصوص کر کے بیان کرنے کے کوئی معنی نہیں ہوں گے، لہٰذا بچشم قلب دیکھنے کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ اس خاص موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے قلب میں وہ بینائی پیدا فرمادی تھی جو آنکھوں میں ہوتی ہے اور اس طرح رسول اکرم ﷺ نے قلب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا وہ دیدار حاصل کیا جو کوئی شخص آنکھوں کے ذریعے دوسری چیزوں کا حاصل کرتا ہے۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی اور ارشاد مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ان سب آیتوں کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ کو (ان کی اصل صورت میں) دیکھا اور درآنحالیکہ ان کے چھ سو بازو تھے، اور ترمذیؒ کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ما کذب الفؤاد ما رای کی تفسیر میں کہا کہ "رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ کو دیکھا جو سبز کپڑوں کا جوڑا پہنے ہوئے تھے اور زمین کے درمیان فضا ان سے معمور تھی"۔ نیز ترمذیؒ اور بخاریؒ کی ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد لَقَد رَاٰی مِن اٰیاتِ

ربّہِ الکُبریٰ کی تفسیر میں کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے جامہ سبز پوش (یعنی حضرت جبرائیلؑ) کو دیکھا جنہوں نے پورے آسمانی افق کو گھیر رکھا تھا، اور حضرت امام مالکؒ بن انسؓ سے اللہ تعالیٰ کے ارشادِ الٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کے بارے میں پوچھا گیا اور ان سے بتایا گیا کہ کچھ لوگ یعنی معتزلہ اور ان کے ہمنوا دیگر اہل بدعت کہتے ہیں کہ اس آیت میں ''اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے'' سے (مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھنا نہیں ہے بلکہ) اس کے ثواب کو دیکھنا مراد ہے؟ تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں، آخر ان کی سمجھ کہاں چلی گئی ہے! وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ کو کیوں نہیں دیکھتے پھر حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ (اس میں کوئی شبہ نہیں کہ) مسلمان لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور فرمایا کہ اگر (یہی بات ہوتی کہ) اہل ایمان قیامت کے دن اپنے پروردگار کو نہیں دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کفار کو دیدارِ الٰہی سے محرومی کا عار نہ دلاتا اور یہ نہ فرماتا کہ كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ (اس روایت کو بغویؒ نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے)۔

تشریح...... ''رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ کو دیکھا'' کے ذریعہ حضرت ابن مسعودؓ نے واضح کیا کہ سورۂ نجم کی ان آیتوں کی ضمیریں حضرت جبرائیلؑ کی طرف راجع ہیں اور ان کا محمول و مصداق رسول اکرم ﷺ کو حضرت جبرائیلؑ کی رویت قرب ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی رویت و قرب مراد ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ پس حضرت ابن مسعودؓ کی یہ تاویل و تفسیر حضرت عائشہؓ کی اس تاویل و تفسیر کے مطابق ہے جو ان آیتوں سے متعلق پچھلی حدیث میں ذکر کی گئی۔ واضح رہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی جلالت شان اور ان کا کمال علم مسلمہ ہے اور علماء نے لکھا ہے کہ خلفاء اربعہ کے بعد ابن مسعودؓ ہی تمام صحابہؓ میں سب سے بڑے عالم تھے۔

بہرحال ان روایات واقوال سے معلوم ہوا کہ شب معراج میں رسول اکرم ﷺ کے اللہ تعالیٰ کو بچشم سر دیکھنے کے بارے میں صحابہؓ کے ہاں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہؓ کو اس

بات سے انکار ہے اور حضرت ابن عباسؓ اس کے قائل ہیں، ان میں سے ہر ایک کو صحابہؓ کی تائید حاصل ہے کہ کچھ صحابہؓ تو حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہیں اور کچھ صحابہؓ حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ، پھر صحابہؓ کے بعد تابعینؒ و علماء سلف بھی اسی نقش قدم پر گئے ہیں۔ کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ شب معراج میں رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کچھ حضرات اس کا انکار کرتے ہیں، لیکن ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے سکوت و توقف اختیار کیا ہے اور کسی بھی فریق کے ساتھ نہیں گئے ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ دونوں میں سے کسی جانب بھی واضح دلیل نہیں ہے اس لئے ہم یہی بہتر سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں خاموش رہا جائے اور حقیقت حال اللہ کے سپرد کر دی جائے کہ اصل بات اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تاہم جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ شب معراج میں رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا عینی دیدار حاصل ہوا، حضرت شیخ محی الدین نوویؒ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کبار کے نزدیک راجح اور مختار یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے معراج کی رات میں اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ نیز انہوں نے کہا کہ اس کا اثبات رسول اکرم ﷺ سے سماعت کے بعد ہی ہوا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے جو یہ کہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو شب معراج میں اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوا تو انہوں نے یہ بات رسول اکرم ﷺ سے سننے کے بعد ہی کہی تھی، جب کہ حضرت عائشہؓ نے اس کے انکار میں حدیث سے استدلال نہیں کیا ہے اور اس بارے میں رسول اکرم ﷺ سے کچھ سن کر روایت نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ **ما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من ورَاءِ حجاب** اور اس آیت مبارکہ **لا تدرکه الابصار وهو یدرک الابصار** سے ان کے اپنے استنباط اجتہاد کا نتیجہ ہے جب کہ ان آیتوں کے بارے میں ائمہؒ مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلی آیت **مَا کَانَ لِبَشَرٍ ان یُّکَلِّمَهُ الله** الخ میں جو نفی بیان کی گئی ہے وہ حالتِ رویت میں کلام کی نفی ہے جس سے رؤیت بے کلام کی نفی قطعاً لازم نہیں آتی اور دوسری آیت **لا تُدرِکُهُ الأبصار** الخ میں "ادراک" کا ذکر ہے جس کے معنی "احاطہ" کے ہیں اور احاطہ کی نفی سے مطلق رویت کی نفی

مفہوم نہیں ہوتی! بعض دوسرے علماء نے بھی لکھا ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں حضرت ابن عباسؓ ہی کے قول پر زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے اور یہ طے ہے کہ انہوں نے یہ بات رسول اکرم ﷺ سے سنے بغیر نہیں کہی تھی اور یہ ممکن بھی نہیں کہ وہ اتنی بڑی بات اپنے ظن واجتہاد سے کہیں، منقول ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے کافی بحث وتکرار کی اور پوچھا کہ کیا واقعتاً محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا تھا، حضرت ابن عباسؓ نے پورے وثوق کے ساتھ جواب دیا کہ ہاں دیکھا تھا چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے ان کی بات کو قطعی طور پر تسلیم کیا اور کسی تردد وانکار کا اظہار نہیں کیا۔ حضرت عمر ابن راشد ؒ کا قول ہے کہ ہمارے نزدیک حضرت عائشہ ؓ حضرت ابن عباسؓ سے زیادہ علم کی حامل نہیں ہیں، اس لئے ان کے مقابلہ پر حضرت ابن عباسؓ ہی کے قول کو راجح اور قابل اعتماد قرار دیا جائے گا، نیز مشائخ صوفیہ بھی رویت ہی کے قائل ہیں۔ (بحوالہ مظاہر حق جلد پنجم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ خصوصیتِ ہذا حضرت محمد عربی ﷺ کی سیرت پر عمل کرنے اور ان کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر۱۴

رسولِ اکرم ﷺ کی احادیث کی سندات مکمل محفوظ ہیں

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چودھویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی احادیث کی سندات مکمل محفوظ ہیں" الحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے عین روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی، بے شک یہ میرے لئے ایک بہت بڑی سعادت ہے جسکے لئے میں اپنے اللہ کا دل سے شکر گزار ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کو دیکھتا رہوں اور پھر دیکھتا ہی چلا جاؤں کہ دل کا سرور اسی میں چھپا ہے، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس تیرے محبوب پیغمبر ﷺ کے مبارک روضہ پر بیٹھ کر تیرے محبوب ﷺ کی خصوصیت پر کام کرنے کی اس گناہ گار کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور اور آخر میں نجات کا ذریعہ بنا، آمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تمام احادیث یعنی آپ ﷺ کے اقوال وافعال اور آپ ﷺ کی تمام اداؤں کو مکمل محفوظ فرمایا اور ایسا محفوظ فرمایا کہ جس میں کسی قسم کی کوئی کمی کی گنجائش نہیں، اور جب ہم دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرتوں کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ان کے اقوال وافعال کو ان کی امتوں کے خود علماء نے تبدیل کردیا، اور یوں کسی بھی نبی کی سیرت، احادیث، اقوال وافعال مکمل طور پر محفوظ نہ رہ سکے، تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی تمام احادیث کا اپنی سندوں کے ساتھ مکمل طور پر محفوظ رہنا صرف اور صرف رسولِ اکرم ﷺ کا خاصہ ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے، انشاء اللہ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے

نبی ﷺ کی تمام احادیث کو دل وجان سے قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

چودہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

قرآن کریم کے بعد آپ کا علمی معجزہ حدیث نبوی ہے، جس کو شریعت کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جس کی کاملیت اور جامعیت کو دیکھ کر ادنیٰ عقل والا اس یقین پر مجبور ہوجاتا ہے کہ ایسے مافوق العقل اور مافوق الفطرت دستور اور آئین کا منبع اور سرچشمہ سوائے خداوند علیم وحکیم کی ذات بابرکت کے کوئی ذات انسانی نہیں ہوسکتی، خاص کر کہ جو ذات انسانی محض امی ہو جس نے نہ لکھا ہو، نہ پڑھا ہو اس کی زبان سے ایسے محیر العقول علوم ومعارف کا چشمہ کیسے جاری ہوا۔ معلوم ہوا کہ اس امی نبی کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ نکل رہا ہے وہ درحقیقت پس پردہ لسان غیب بول رہی ہے، موسیٰ علیہ السلام نے درخت میں سے جو آواز سنی وہ درحقیقت درخت کی آواز نہیں تھی بلکہ وہ آواز خداوند قدوس کی تھی اور یہ درخت بمنزلہ ٹیلیفون کے تھا کہ جو عالم غیب کی آواز موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا رہا تھا۔

اسی طرح اس نبی امی فِدَاہُ نَفْسِی وَاَبِی وَاُمِّی کو سمجھو کہ اس کی زبان فیض ترجمان سے جو نکل رہا تھا وہ وحی ربانی اور آواز یزدانی تھی معاذ اللہ نطق نفسانی نہ تھا وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۔ (سورۃ نجم)

اس لئے کہ شریعت اسلامیہ جن عقائد اور اعتقاد کی تعلیم دیتی ہے وہ خرافات اور بے اصل باتوں سے پاک اور منزہ ہیں، نقلی اور فطری دلائل سے ثابت ہیں، جن کی نسبت یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ عقائد قطعاً صحیح اور واقعی ہیں۔

اور شریعت اسلامیہ نے جن مکارم اخلاق کا حکم دیا ہے اولین اور آخرین کے صحیفوں میں اس کی نظیر نہیں اور علیٰ ہذا شریعت اسلامیہ نے جن عبادات، معاملات اور افعال واعمال کا حکم دیا، وہ بیشمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی جو تفصیل

اور مبدأ اور معاد کے جو لانیحل عقدے شریعت اسلامیہ نے حل کئے ہیں وہ عقل انسانی سے کہیں بالا اور برتر ہیں۔

اور علمائے فرنگ کا اقرار ہے کہ توریت، انجیل اور عہد قدیم اور عہد جدید کے تمام صحیفے تعلیمات اسلامی کا مقابلہ نہیں کر سکتے نیز دنیا میں انبیاء، حکماء سلاطین اور علماء لاکھوں کی تعداد میں گزرے مگر جس حیرت انگیز احتیاط کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی حرکات اور سکنات اور آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ اور کلمات کو محفوظ کیا گیا، اولین اور آخرین میں اس کی نظیر نہیں ایک آپ کی زندگی کے محفوظ رکھنے کے لئے آپ کے افعال واقوال کے روایت کرنے والے ہزار ہا راویوں کی زندگیاں اس لئے زیر تحقیق لائی گئیں کہ آپ ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے شک وشبہ کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے، علم اسماء الرجال ، وعلم الاسناد، اور علم اصول الحدیث اسی کے خاطر ایجاد ہوئے جن کا منشاء صرف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال اور اعمال ایسے محفوظ ہو جائیں کہ سلسلہ سند اور طرق اور اسانید کو دیکھ کر پڑھنے والے کو ایسا علم یقین حاصل ہو جائے کہ جو عینی مشاہدہ کے مساوی اور ہم مرتبہ ہو، صحاح ستہ اور دوسری کتب واحادیث کو دیکھنے سے انسان حیران اور ششدر رہ جاتا ہے، کہ کس حیرت انگیز انتظام اور اہتمام سے حدیث نبوی کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے اور حضرات محدثین نور اللہ مرقدہم نے احادیث کی صحت اور جانچ پڑتال کے لئے کس قدر سخت ضوابط وقوائد مرتب کئے ہیں۔

موطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ وغیرہ وغیرہ دنیا کے سامنے موجود ہیں، مگر کسی ملحد اور زندیق کی یہ مجال نہیں ہوئی کہ ایک لفظ کی بھی کمی بیشی کر سکے۔ پھر ان کتابوں کی مندرجہ احادیث میں سے ایک ایک حدیث کو تحقیق اور تدقیق کی کسوٹی پر کس کر ہر ایک حدیث کے تمام راویوں کا حال بتلا دیا اور ہر حدیث کا درجہ قائم کر دیا کہ یہ صحیح ہے یا حسن یا غریب یا ضعیف ہے یا منکر ہے۔

پھر لطف یہ کے آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال کی روایت کرنے والا پہلا طبقہ

صحابہ کرام کا ہے جس میں سے بحمد اللہ تعالیٰ ایک شخص بھی قسم کھانے کو دروغ گو ثابت نہیں ہوا، صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی اتنی بڑی جماعت میں سے کسی فرد واحد کی نسبت آج تک یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ اس نے کبھی جھوٹ بولا یہ اس امی نبی فداہ نفسی وابی وامی کا اعجاز ہے کہ اس کے تربیت یافتہ افراد میں سے ایک فرد واحد بھی جھوٹا نہیں نکلا ان پہلے راویوں کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ کے راویوں کی زندگیاں بھی عام طور پر کذب اور دروغ سے محفوظ پائی جاتی ہیں ان سب کا عقیدہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف اپنی طرف سے کوئی بات نسبت کرنا گناہ کبیرہ اور جرم عظیم ہے۔

آج دنیا میں کوئی حضرت مسیح کا پیرو یہ نہیں بتا سکتا کہ ان کا سلسلہ اسناد کیا ہے اور کس ذریعہ اور کس سند سے ان کو یہ انجیلیں اور حواریین کے رسائل اور خطوط ملے اور اس سلسلہ سند کے راوی کون کون لوگ ہیں اور کون ان میں سے ثقہ اور معتبر ہیں اور کون غیر معتبر۔

علمائے نصاریٰ حضرت مسیح کا ایک کلمہ بھی سند متصل کے ساتھ نہیں پیش کر سکتے اور حضرات محدثین کا یہ حال ہے کہ بغیر سند کے کوئی لفظ ان کی بارگاہ میں قابل التفات بھی نہیں اور حدیث کی مشہور کتابیں اسی محفوظ زمانے اور محتاط لوگوں کے عہد میں مرتب اور مدون ہوئیں اور مدون ومرتب ہوجانے کے بعد ان کے مصنفین ہی کے زمانے سے لوگوں نے ان کا پڑھنا اور حفظ یاد کرنا شروع کر دیا اور آج تک ان کتابوں کی سندیں متواتر سلسلوں سے دنیا میں موجود ہیں اور مشرق ومغرب کے علماء کے زیر درس ہیں، غور تو کیجئے کہ ایک ذات بابرکت، قدسی صفات کے اقوال وافعال کے محفوظ رکھنے کے لئے یہ انتظام اور یہ اہتمام کیا انسانی تدبیر اور جدوجہد کا نتیجہ ہے حاشا وکلا یہ صرف تائید ربانی اور فضل یزدانی کا کرشمہ ہے کہ جو پردہ غیب سے نبی امی ﷺ کی حدیث کی حفاظت کے لئے نمودار ہوا ہے۔ علم حدیث اور اس کے متعلقہ علوم وفنون پر غور کرنے کے بعد دنیا کی تمام تاریخوں کا مرتبہ نگاہ سے گر جاتا ہے اور بلاشبہ جو ذات تمام اقوام اور تمام ممالک کے لئے قیامت تک کے لئے ہادی اور رہبر بن کر آئی، اس کی زندگی اور اس کے اقوال وافعال ایسے ہی معجزانہ طریقہ پر محفوظ ہوتے

چاہئیں کہ قیامت تک آنے والوں کے لئے کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے اور جو شخص اس نبی امی کی زندگی کو آنکھ سے دیکھنا چاہے تو حدیث نبوی کے پردہ سے اس کو دیکھ سکے۔

یہ جو کچھ کہا گیا یہ حدیث نبوی کے اس اعجاز کا بیان تھا کہ جس کا تعلق روایت حدیث سے ہے یعنی الفاظ حدیث کی بے مثال حفاظت سے متعلق ہے، اور اگر حدیث نبوی کے اعجاز کو درایت اور تفقہ کے اعتبار سے دیکھنا چاہتے ہو تو ائمہ مجتہدین اور فقہائے امت کی کتابیں دیکھو جس سے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ قوانین شریعت کس درجہ دقیق اور عمیق ہیں کہ جن کے استنباط اور استخراج میں علماء امت اور فقہاء ملت کس درجہ حیران اور پریشان رہے (یعنی ان دقائق کی وجہ سے انتہائی درجہ کی محنتیں کر گئے) اور باوجود غایت فہم وذکاء نصوص شریعت کی تحقیق اور تدقیق میں عمریں گزار دیں جس طرح حضرات محدثین کا وجود نبی امی ﷺ کا ایک معجزہ ہے اسی طرح حضرات فقہاء کا وجود بھی نبی امی ﷺ کا ایک معجزہ ہے فرق اتنا ہے کہ پہلا معجزہ روایت کا ہے دوسرا معجزہ درایت کا ہے۔ (بحوالہ معجزات رسول اکرم ﷺ)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کی تمام احادیث پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۱۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سب سے محبوب کتاب عطا فرمائی

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پندرہویں خصوصیت ہے جو کہ قرآن کریم سے متعلق ہے اور جسکا عنوان ترتیب دیا گیا ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سب سے محبوب کتاب عطا فرمائی" آگے چلنے سے پہلے یہاں بھی بتا دینا مناسب ہے کہ دیگر خصوصیات کی طرح الحمدللہ یہ خصوصیت بھی میں نے عین روضہ رسول کے سامنے بیٹھ کر ترتیب دی ہے یعنی وہ عظیم ہستی کہ جس پر یہ عظیم قرآن نازل فرمایا گیا وہ اپنے مقدس روضہ میں آرام فرما رہے ہیں اور میں ان کے روضہ کی جالیوں کے سائے میں بیٹھ کر ان کی اس عظیم خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس امید پر کہ انشاءاللہ روز قیامت اس کاوش کی بدولت حضور ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی، اور دعا گو بھی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! حضور ﷺ کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی بڑی عظیم اور اونچی خصوصیت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول کو وہ عظیم کتاب عطا فرمائی جو سب کتابوں کی سردار ہے، بے شک دیگر انبیاء کرام کو بھی کتابیں عطا ہوئیں لیکن ہمارے نبی کو سب سے افضل کتاب عطا ہوئی اور پھر ہمارے نبی ﷺ کی طرح خود اس کتاب کی بھی کئی خصوصیات ہیں جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں گے جسے عین قرآن وحدیث کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے، انشاءاللہ اس خصوصیت کو پڑھ کر آپ کے ایمان میں خوب اضافہ ہوگا اور آپ کے عشقِ رسول کو خوب جلا ملے گی، آیئے ہم سب ملکر دعا کریں کہ خدا تعالیٰ ہم سب کو اپنی محبوب کتاب سے محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور

اپنی اس عظیم کتاب کی تعلیمات پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل کا ملاحظہ فرمائیے:۔

پندرہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اپنے زمانے میں معجزات دکھائے۔ مگر ان معجزات کا وجود صرف ان کی حیات دنیوی تک رہا۔ علاوہ ازیں ان کے معجزات حسی تھے۔ جن کو فقط حاضرین وقت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مثلاً عصائے موسوی کو اگر دیکھا تو اس وقت کے حاضرین نے، ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کا مشاہدہ دیکھا تو اس وقت کے موجودین نے۔ اور مائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اگر ملاحظہ کیا تو حاضرین وقت نے۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔ اور ہر زمانے میں ہر صاحب عقل سلیم اس کو بصیرت کی آنکھ سے دیکھ سکے گا۔ چنانچہ جب کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبیوں کی طرح کے حسی معجزات طلب کیے تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۔ (عنکبوت:ع۵)

کیا ان کو بس نہیں کہ ہم نے اتاری تجھ پر کتاب جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر کفار واقعی حق ہیں تو ہم نے تجھے قرآن مجید ایک ایسا معجزہ عطا کیا ہے کہ جس کی موجودگی میں ان معجزوں کی ضرورت نہیں جو از روئے عناد تجھ سے طلب کرتے ہیں۔ یہ قرآن ہر مکان وہر زبان میں منکرین پر پڑھا جاتا ہے اور پڑھا جائے گا لہٰذا یہ زندہ معجزہ تا قیامت تک ان کے ساتھ رہے گا اور دوسرے معجزوں کی طرح نہیں کہ وجود میں آئے اور جاتے رہے۔ یا ایک مکان میں ہوئے اور دوسرے میں نہ ہوئے۔ اسی مطلب کو امام بوصیریؒ نے اپنے قصیدہ بردہ میں یوں ادا کیا ہے۔

دَامَتْ لَدَيْنَا فَفَاقَتْ كُلَّ مُعْجِزَةٍ ۔۔۔ مِنَ النَّبِيِّنَ اِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَدُم

ہیں ہمارے پاس باقی آج تک وہ آیتیں معجزے اور انبیاء کے ہو گئے سب کالعدم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نبیوں میں سے کوئی نبی نہیں۔ مگر یہ کہ معجزات میں سے اسے ایسا معجزہ عطا ہوا کہ جس کی صفت یہ ہے کہ اسے دیکھ کر لوگ ایمان لائے اور سوائے اس کے نہیں کہ مجھے جو معجزہ عطا ہوا وہ وحی ہے جو اللہ نے میری طرف بھیجی ہے اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میں امت کے لحاظ سے ان سے زیادہ ہوں گا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سب سے بڑی سب سے اشرف اور سب سے واضح دلیل یہی قرآن مجید ہے۔ وجہ یہ ہے کہ معجزات عموماً اس وحی کے مغائر ہوا کرتے تھے۔ جو کسی نبی پر نازل ہوتی تھی۔ اور وہ نبی اس وحی کی صداقت پر معجزے کو بطور شاہد پیش کرتا تھا۔ مگر قرآن کریم وحی ہے اور معجزہ بھی۔ اس لیے یہ اپنا شاہد خود آپ ہے اور کسی دوسری دلیل کا محتاج نہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے مقابلہ میں اپنی اسی وحی آسمانی کو سب سے بڑا معجزہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

''پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر معجزات عطا کیے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے لیکن جو معجزہ مجھے مرحمت ہوا وہ وحی (قرآن) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتارا، اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیروؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی''۔

اس حدیث سے متعدد نکتے حل ہوتے ہیں۔

ا۔ ہر پیغمبر کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا ہوا ہے۔

۲۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات وقتی اور عارضی تھے، ہوئے اور ہو کر مٹ گئے

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اعظم یعنی قرآن مجید قیامت تک دنیا میں قائم اور باقی رہے گا۔

۳۔ چونکہ وہ معجزے وقتی اور عارضی تھے اس لیے ان سے جو اثر پیدا ہوا وہ بھی وقتی اور عارضی تھا برخلاف اس کے قرآن مجید چونکہ ہمیشہ دنیا میں قائم رہنے والا ہے اس لیے اس کا اثر بھی دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور قیامت تک نئے نئے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ربانی نشانیاں خدا کی طرف سے عنایت ہوئیں ان میں صرف یہی ایک معجزہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تحدی کی ہے اور اعلان عام کیا ہے کہ کوئی اس کی مثال پیش کرے اور پھر اس کی پیشگوئی بھی کر دی ہے کہ دنیا ہمیشہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور درماندہ رہے گی۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَ لَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا ''کہہ دے اے پیغمبر اگر تمام جن وانس ملکر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنالائیں تو نہیں لاسکتے۔ اگر چہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر کیوں نہ ہوں۔ (بنی اسرائیل)

سورۂ ہود میں پورے قرآن کے بجائے صرف دس صورتوں کا جواب مانگا گیا اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ 'کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنے جی سے بنالیا ہے۔ تو کہدے کہ وہ ایسی بنائی ہوئی دس ہی سورتیں لے آئیں اور اپنی مدد کے لئے خدا کے سوا جس کو چاہیں بلالیں اگر وہ سچے ہیں۔'' (ھود۔۲)

اس کے بعد کی آیتوں میں دس سورتوں سے گھٹا کر ایک ہی سورت کا جواب لانے کی تحدید کی گئی ہے۔ ﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾

''اور تم کو اس میں بھی کوئی شک ہو تو جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو اس جیسی ایک ہی سورۃ لاؤ'' اور خدا کے سوا اپنے تمام گواہوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو''۔ (بقرہ۔۳)

﴿فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَةُ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِیۡنَ﴾ ''تو اگر تم ایسی سورت بنا کر لا سکو اور یقیناً نہ لا سکو گے تو اس آتش دوزخ سے بچو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر (جن کو تم پوجتے ہو) سب ہوں گے جو کافروں کے لیے تیار رکھی گئی ہے۔'' (بقرہ۔۳)

اس کے ہم معنی دوسری آیت سورۂ یونس میں ہے ﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ﴾
''کیا یہ کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس قرآن کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے، ان سے کہدے کہ اس جیسی ایک سورت تم بھی لاؤ، خدا کے سوا اور جس کو چاہو مدد کے لیے بلا لو اگر تم سچے ہو۔'' (یونس۔۴)

پھر سورۂ طور میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس جیسی ایک ہی بات پیش کرو۔ ﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ بَلۡ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ. فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ﴾ ''کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑ لیا ہے، بات یہ ہے کہ ان کو ایمان نہیں، اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات بھی پیش کریں۔'' (طور۔۲)

قرآن کی ضرورت

قرآن مجید کی ضرورت معلوم کرنی ہو تو سب صاحبان کو اس زمانہ کی تعلیم اور صفحۂ عالم کی حالت پر غور کرنا چاہیے۔ ایران کے مجوس کا سراپا شرک نجاست میں غرق ہونا اور احاطہ انسانیت سے نکل کر ان کی ماں، بیٹی، بہن، سے ازدواج کو جائز و مباح سمجھ لینا۔
روما چرچ کے عیسائیوں کا صریح بت پرستی میں مبتلا ہو کر اس مشرکانہ عقیدہ کی ترویج میں لاکھوں بندگانِ خدا کا خون پانی کی طرح بہانا۔

چین کا قبر پرستی اور بھوت پریت کی عبادت میں محو ہو جانا اور پھر خود کو آسمانی فرزند کہلانے کا مستحق قرار دینا۔

ہند کا فسق و فجور میں پڑ کر شراب کو بہترین افعال انسانی قرار دینا، مرد و عورت کی برہنگی کے اعضاء کی مثالوں کو سب شودوالوں میں قائم کرنا۔ دختر کشی اور قمار بازی کو شرافت کا نشان قرار دینا۔ عرب کا بعض صفاتِ بالا میں اکثر ممالک سے بڑھ جانا۔

الغرض تمام معمورۂ عالم پر سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی اور ان ضلالتوں کو دور کرنے میں وہ کتابیں جو دنیا میں پہلے سے نازل شدہ تھیں، نہ کافی ثابت ہو چکی تھیں۔

اُن کا تمام عالم کے بگڑے ہوئے آوے پر تو کیا اثر ہوتا کہ خود اسی کی قوم کے (کہ جس میں اس کتاب کا نزول ہوا) دائرہ اطاعت میں نہ رہی تھی، اس لیے ضرورت تھی ایک ایسی مہیمن کتاب کی جس میں تمام عالم کی اصلاح کی طاقت اور تمام کتابوں کو اپنے اندر جمع کر لینے کی قابلیت اور بلحاظ اپنی مجموعی شان کے دیگر اوراق پریشان سے دنیا بھر کو مستغنی کر دیتی۔

ہاں جس طرح سخت گرمی اور جس کے بعد بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے، جس طرح رات کی سخت تاریکی کے بعد خورشید عالم افروز طلوع فرماتا ہے۔

اسی طرح تمام دنیا پر پھیلی ہوئی ظلمت مظلمہ ہی نے قرآنِ مجید کے نور مبین کی ضرورت کو افراد و عالم کے دل و دماغ میں ثابت و محسوس کرا دیا تھا۔

لہٰذا اس رحمت ربانیہ نے جو انسان کو عدم سے وجود میں لانے اور نطفہ سے انسان کامل بنانے میں کارفرما ہے۔ ہماری روحانی ضرورت کے لیے اس نور و ہدایت کو نازل فرمایا۔ بدبختی سے دنیا میں ایسا فرقہ بھی پیدا ہو گیا جو رب کریم کو ارحم الراحمین تو مانتا ہے مگر پھر بھی اسے کلام خدا کے دنیا میں نازل ہونے کی ضرورت سے انکار ہے۔

یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نے اگر آنکھ کو بینائی دی ہے تو دیکھنے کے لیے ان گنت رنگتیں بھی بنائی ہیں۔

اگر کان کو شنوائی ملی ہے تو سننے کے لیے بھانت بھانت کی آوازیں بھی پیدا کی ہیں۔ پاؤں چل سکتا ہے تو اس کی جولانی کے لیے فرش زمین کی ہموار و ناہموار راہیں بھی نکال دی ہیں۔ منہ کھا سکتا ہے تو ذائقہ کے واسطے میٹھے، سلونے، کھٹے، پھیکے کھانے بھی مہیا کیے ہیں، یعنی جس قدر حواس ظاہری اور قوائے باطنی جسم انسان میں پائے جاتے ہیں۔ اسکے متعلق ایک ایک جداگانہ عالم بھی پیدا کیا گیا۔

مگر ان کو اب بھی سخت انکار ہے کہ روح انسانی کے لیے (جو فطرت انسانی کی خزینہ دار اور اس کی مملکت کی حکمراں ہے) کوئی جداگانہ عالم موجود ہو، اگر یہ لوگ روح کا انکار کر دیتے تو ان کی حالت پر اتنا افسوس نہ ہوتا لیکن روح کا اقرار اور رحمت الٰہی کی جانب سے اس کے لیے عالم خاص کا انکار قطعاً اسرار فطرت سے عدم آگاہی پر مبنی ہے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔

ضرورت قرآن حمید کے ثبوت میں ہم دنیا کے سامنے دنیا کی تاریخ رکھ دیتے ہیں

نیز ان تمام ترقیات کو جو دنیا کے ہر ایک مذہب نے نزول قرآن مجید اور اشاعت کتاب حمید کے بعد اپنے اپنے عقائد اور اصول میں کی ہیں اور ان تمام اصلاحات کو بھی اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں، جو غیر مسلم اقوام نے اس ۱۴۰۰ سال کی مدت رسالت محمدیہ میں تعلیم قرآن سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اپنے مذہب اور مسلک میں داخل کر لی ہیں۔

(بحوالہ سیرت رسول عربی)

ان ترقیات و اصلاحات کے ازمنہ ارتقاء کی تاریخ معلوم کرنے کے بعد امید قوی ہے کہ ہر ایک مصنف کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ فی الواقع معمورۂ عالم کو قرآن مجید کے نزول کی سخت ضرورت و احتیاج تھی۔

قرآن کے علوم

علوم کے لحاظ سے بھی قرآن کریم معجزہ ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ

معانی منظومہ قرآن پانچ علوم سے خارج نہیں۔ اول علمِ احکام یعنی واجب، مندوب ومباح ومکروہ وحرام خواہ از قسم عبادت ہوں یا معاملات یا تدبیر منزل یا سیاست مدن۔ دوسرے چار گمراہ فرقوں یعنی یہود، نصاری ومشرکین ومنافقین کے ساتھ مخاصمہ کا علم۔ تیسرے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں (آسمان وزمیں کی پیدائش کا ذکر اور بندوں کی ضروریات کا الہام اور اللہ کی صفاتِ کاملہ کا بیان) کے ساتھ نصیحت کرنے کا علم۔ چوتھے ایام اللہ یعنی امم ماضیہ میں دشمنان خدا کے ساتھ وقائع بیان کرنے کے ساتھ نصیحت کرنے کا علم۔ پانچویں موت اور ما بعد موت (حشر ونشر وحساب ومیزان وبہشت ودوزخ) کے ساتھ نصیحت کرنیکا علم۔ قرآن میں ان علوم پنجگانہ کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی ہدایت کے لیے نازل فرمائی ہے۔ جس طرح عالم طب جب قانون شیخ کا مطالعہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ یہ کتاب بیماریوں کے اسباب وعلامات اور ادویہ کے بیان میں غایت درجہ کو پہنچی ہوئی ہے تو اسے ذرا شک نہیں رہتا کہ اس کا مؤلف علم طب میں کامل ہے۔ اسی طرح شریعتوں کے اسرار کا علم جب جان لیتا ہے کہ تہذیب نفوس میں افراد انسان کے لیے کن کن چیزوں کے بتانے کی ضرورت ہے۔ اور بعد از فنون پنجگانہ میں تامل کرتا ہے تو بے شک اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ فنون اپنے معانی میں اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔ قرآن کریم چونکہ تزکیہ نفوس میں معجز کتاب ہے اسی واسطے اس کی تلاوت کے وقت دلوں میں خشیت وہیبت پیدا ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

﴿اللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (زمر ع ۳)

''اللہ نے اُتاری بہتر کتاب۔ کتاب ہے آپس میں دوہرائی ہوئی۔ بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھالوں پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے چمڑے اور دل ان کے اللہ کی یاد کی طرف۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا

مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾

(حشرع۳)

ترجمہ:...... ''اگر ہم اتارتے اس قرآن کو ایک پہاڑ پر البتہ دیکھتا اس کو دب جانے والا پھٹ جانے والا اللہ کے ڈر سے اور یہ مثالیں بیان کرتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے تا کہ وہ فکر کریں۔''

قرآن کریم کی اس خارق عادت تاثیر سے بچنے کے لئے کفار قریش ایک دوسرے سے کہہ دیا کرتے تھے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم شور مچا دیا کرو (حم سجدہ ع۴) اور اسی واسطے مکذبین پر اس کا سننا نہایت دشوار گزرتا تھا۔ اور بوجہ خبث طبع نفرت سے پیٹھ دے کر بھاگ جاتے تھے۔ (بنی اسرائیل۔ع۵)

ذیل میں تاثیر قرآن مجید کی توضیح کے لیے ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی کیفیت مجھے یہ معلوم ہوئی ہے کہ آپ کی بہن فاطمہ اور فاطمہ کے خاوند سعید بن زید بن عمرو بن نفیل مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر اپنے اسلام کو اپنی قوم کے ڈر سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ اسی طرح نعیم بن عبداللہ النحام بھی جو مکہ کے رہنے والے اور آپ ہی کی قوم بنی عدی بن کعب میں سے تھے اسلام لے آئے تھے اور اپنے اسلام کو اپنی قوم کے ڈر سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ حضرت خبابؓ حضرت فاطمہؓ کے پاس قرآن پڑھانے آیا کرتے تھے۔ ایک روز جو حضرت عمر کو خبر لگی کہ رسولؐ اور آپ کے اصحاب و مرد و زن قریباً چالیس کوہ صفا کے قریب ایک گھر میں جمع ہو رہے ہیں تو تلوار آڑے لٹکائے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے اصحاب کے قصد سے نکلے۔ ان اصحاب میں حضرت ابوبکر اور حضرت علیؓ حمزہؓ بھی تھے جو ان مسلمانوں میں سے تھے جنھوں نے ملک حبشہ کی طرف ہجرت نہ فرمائی تھی۔ راستے میں حضرت نعیم ملے۔ جن سے یوں گفتگو ہوئی۔

عمر......: میں اس صابی (دین سے برگشتہ) محمد کا فیصلہ کرنے چلا ہوں۔ جس نے قریش کی

جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ اور جو اِن کے داناؤں کو نادان اور ان کے دین کو معیوب بتاتا ہے اور ان کے معبودوں کو برا کہتا ہے۔

نعیم......: عمر! اللہ کی قسم۔ تجھے تیرے نفس نے دھوکا دیا ہے۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ اگر تو حضرت محمد کو قتل کر دے گا تو عبد مناف کی اولاد تجھے زمین پر زندہ چھوڑ دے گی؟ تو اپنے اہل بیت میں جا اور انہیں سیدھا کر۔

عمر......: کون سے اہل بیت؟

نعیم......: اللہ کی قسم! تیرا بہنوئی سعید بن زید اور تیری بہن فاطمہ دونوں مسلمان ہو گئے ہیں اور دین محمدی کے پیرو بن گئے ہیں۔ تو ان سے سلجھ لے۔

(یہ سن کر عمر اپنی بہن کے گھر پہنچتے ہیں۔ وہاں حضرت خباب آپؓ کی بہن اور بہنوئی کو قرآن کی سورہ طٰہٰ پڑھا رہے ہیں۔ جن کی آواز عمر کی کان میں پڑ جاتی ہے عمر کی آہٹ سے حضرت خباب تو کوٹھری میں جا چھپتے ہیں اور فاطمہ وہ صحیفہ قرآن لے کر اپنی ران کے نیچے چھپا لیتی ہیں)۔

عمر......: (اندر داخل ہو کر) یہ آواز جو میں نے سنی کیسی تھی؟

سعید و فاطمہ......: تو نے کچھ نہیں سنا۔

عمر: کیوں نہیں۔ اللہ کی قسم مجھے خبر لگی ہے کہ تم دونوں دین محمدی کے پیرو بن گئے ہو (یہ کہہ کر عمر سعید کو پکڑ لیتے ہیں۔ بہن جو چھڑانے اٹھتی ہے اسے بھی لہولہان کر دیتے ہیں)۔

سعید و فاطمہ......: ہاں ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور اللہ و رسول پر ایمان لے آئے ہیں تو کر جو کر سکتا ہے۔

عمر......: (بہن کو لہولہان دیکھ کر ندامت سے) بہن! وہ کتاب تو دکھاؤ جو ابھی تم پڑھ رہے تھے۔

فاطمہ......: مجھے ڈر ہے تو واپس نہ دے گا۔

عمر......: تو نہ ڈر (اپنے معبودوں کی قسم کھا کر) میں پڑھ کر واپس کردوں گا۔

فاطمہ......: (بھائی کے اسلام کے لالچ میں آ کر) بھائی! تو مشرک ہونے کے سبب سے ناپاک ہے۔ اسے تو وہی چھوتے ہیں جو پاک ہوں۔

عمر......: (غسل کے بعد سورۂ طٰہٰ کی شروع کی آیتیں تلاوت کر کے) یہ کلام کیسا اچھا اور پیارا ہے۔

خباب......: (کوٹھری سے نکل کر) عمر! مجھے امید ہے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مصداق ہوں گے۔ کیوں کہ میں نے کل سنا کہ آپ یوں دعا فرماتے تھے: "یا اللہ تو ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ساتھ اسلام کو تقویت دے"۔ اے عمر! تو اللہ سے ڈر۔

عمر......: مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو۔ تا کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

خباب......: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب کے کوہ صفا کے قریب تشریف رکھتے ہیں۔ (عمر تلوار آڑے لٹکائے درِ دولت پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ اہل خانہ میں سے ایک صحابی آپ کو اس ہیبت میں دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔

صحابی......: یارسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ عمر بن الخطاب ہے جو تلوار حمائل کیے ہوئے ہے۔

حمزہ......: اسے آنے کی اجازت دو۔ اگر وہ کارِ خیر کے لیے آیا تو ہمیں دریغ نہیں۔ اور اگر وہ شرارت کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم اسے اس کی تلوار سے قتل کر دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ......: اسے اندر آنے دو۔

صحابی......: اندر آیئے (عمر داخل ہوتے ہیں)۔

رسول اللہ ﷺ......: (عمر کی کمر یا چادر کا دامن کھینچ کر) خطاب کے بیٹے! کیوں کر آنا ہوا۔ اللہ کی قسم میں نہیں دیکھتا کہ تو باز آئے۔ یہاں تک کہ اللہ تجھ پر کھڑکا نازل کرے۔

عمر......: یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں تا کہ اللہ پر اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس پر جو وہ اللہ کے ہاں سے لائے ایمان لاؤں۔ (اس طرح عمر اسلام لاتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر پڑھتے ہیں۔ جس سے تمام حاضرینِ خانہ کو

معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے)۔ (بحوالہ سیرت ابن ہشام)

ایک روز حضرت عمرؓ ایک اونٹ پر سوار ایک کوچے میں سے گزر رہے تھے۔ایک قاری نے یہ آیت پڑھی،﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ﴾ (طورع۱)

"بے شک عذاب تیرے رب کا ہونے والا ہے۔اس کو کوئی نہیں ہٹانے والا اسے سن کر آپ بے ہوش ہو گئے اور بے ہوشی کی حالت میں زمین پر گر پڑے وہاں سے اٹھا کر آپ کو گھر لائے۔مدت تک اس درد سے بیمار رہے۔یہاں تک کے لوگ آپ کی بیمار پرسی کے لیے آتے تھے۔"

دشمنان اسلام بھی قرآن کریم کی فوق العادت تاثیر کے قائل تھے۔چنانچہ جب دورِ نبوت میں حضرت ابوبکر صدیق ہجرت کے ارادے سے حبشہ کی طرف نکلے تو ابن الدغنہ ان کو برک الغماد سے اپنی جوار میں مکہ واپس لے آیا۔قریش نے ابن الدغنہ کی جوار کو رد نہ کیا۔مگر اس سے کہا ابوبکر سے کہہ دو کہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرے اور نماز میں چپکے جو چاہے پڑھے۔مگر ہمیں اذیت نہ دے۔اور آواز سے قرآن نہ پڑھے۔کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ مبادا ہماری عورتوں اور بچوں پر قرآن کا اثر پڑ جائے۔ابن الدغنہ نے یہی آپ سے ذکر کر دیا۔کچھ مدت آپ نے اسی پر عمل کیا۔بعدازاں اپنے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی جس میں آپ نماز پڑھتے اور قرآن با آواز پڑھتے۔رقیق القلب تھے۔قرآن پڑھتے تو بے اختیار رو پڑتے۔آپ کی قرأت ورقت سے سردارانِ قریش ڈر گئے۔انھوں نے ابن الدغنہ کو بلا کر کہا کہ ابوبکر نے خلاف شرط اپنے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی ہے۔جس میں وہ با آواز نماز وقرآن پڑھتا ہے ہمیں ڈر ہے کہ مبادا ہماری عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر پڑے تم اس کو روک دو۔ہاں اگر وہ اپنے گھر کے اندر چپکے عبادت کرنا چاہے تو کیا کرے۔اور اگر با آواز بلند قرآن پڑھنے پر اصرار کرے تو تم اس کی حفاظت کی ذمہ داری واپس لے لو۔کیونکہ ہمیں یہ پسند نہیں کہ ہم تمہارے عہد کی حفاظت کو توڑ دیں،ہم ابوبکر کو قراءت کی اجازت نہیں دے سکتے۔یہ سن کر ابن الدغنہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو میری جوار کی شرط معلوم

ہے آپ اس کی پابندی کریں ورنہ میری ذمہ داری واپس کر دیں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ عرب یہ سنیں کہ ایک شخص کی حفاظت کا عہد جو میں نے کیا تھا وہ توڑ ڈالا گیا۔ آپ نے جواب دیا میں تمہاری جوار کو واپس کرتا ہوں اور خدا کی جوار پر راضی ہوں۔

حضرت جبیر بن مطعم جو اسلام لانے سے پہلے اسیران بدر کے بارے میں گفتگو کرنے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں سورہ طہ پڑھتے پایا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ . اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ. اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ (طور ع ۲)

”کیا وہ پیدا ہوئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں پیدا کرنے والے یا انھوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو بلکہ یقین نہیں کرتے۔ کیا ان کے پاس خزانے ہیں تیرے رب کے یا وہی داروغے ہیں۔“

تو قریب تھا کہ (خوف سے) میرا دل پھٹ جائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ پہلی دفعہ تھی کہ ایمان نے میرے دل میں قرار پکڑا۔

حضرت طفیل بن عمرو الدوسی جو ایک شریف و دانا شاعر تھے۔ اپنے اسلام لانے کا قصہ یوں بیان فرماتے ہیں۔ کہ میں مکہ میں آیا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تھے قبیلہ قریش کے لوگوں نے مجھ سے کہا۔ اے طفیل! تو ہمارے شہر میں آیا ہے یہ شخص (حضرت محمد) جو ہمارے درمیان ہے اس نے ہمیں تنگ کر دیا ہے اور ہماری جماعت کو پراگندہ کر دیا۔ اس کا قول جادوگروں سا ہے۔ جس سے وہ باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں اور میاں بیوی میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہماری طرح تجھ پر اور تیری قوم پر بھی جادو کر دے۔ اس لیے تو اس سے کلام نہ کرنا۔ اور نہ اس سے کچھ سننا۔ وہ مجھے یہی کہتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ میں اس سے کچھ نہ سنوں گا نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب میں مسجد کی طرف جاتا تو اس ڈر سے کہیں بے ارادہ آپ کی آواز میرے کان میں پڑ

جائے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔

ایک روز جو صبح کو میں مسجد کی طرف گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں آپ کے قریب کھڑا ہو گیا پس اللہ نے مجھے آپ کا بعض قول سنا ہی دیا۔ مگر میں نے ایک عمدہ کلام سنا اور اپنے جی میں کہا۔ وائے بے فرزندی مادرمن میں دانا شاعر ہوں۔ برے بھلے میں تمیز کر سکتا ہوں پھر اس کا قول سننے سے مجھے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے، جو کچھ وہ بیان کرے گا اگر اچھا ہوا تو میں قبول کرلوں گا۔ اگر برا ہوا تو رد کردوں گا اس لیے میں ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانے کی طرف واپس ہوئے، میں آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ جب آپ اپنے دولت خانے میں داخل ہونے لگے تو میں نے عرض کیا۔ اے محمد! آپ کی قوم نے مجھے ایسا ایسا کہا ہے اللہ کی قسم! وہ مجھے آپ کے قول سے ڈراتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ تاکہ آپ کا قول نہ سنوں مگر اللہ نے سنا ہی دیا۔ میں نے ایک اچھا قول سنا۔ پھر میں نے التجا کی کہ آپ اپنا دین مجھ پر پیش کریں۔ اس لیے آپ نے مجھ پر اسلام پیش کیا اور مجھے قرآن پڑھ کر سنایا اللہ کی قسم! میں نے کبھی اس کی بہ نسبت نہ کوئی اچھا قول اور نہ کوئی راست امر سنا پس میں مسلمان ہو گیا اور میں نے کلمہ شہادت پڑھا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میری قوم میرے کہنے میں ہے میں ان کی طرف جاتا ہوں۔ اور انہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں آپ میرے لئے دعا کیجیے کہ خدا مجھے ایک نشانی دے۔ جو مجھے دعوت اسلام میں ان کے مقابلہ میں میری مددگار ہو۔ یہ سن کر آپ نے یوں دعا فرمائی:۔ "اے اللہ! اسے ایک نشانی عطا کر۔"

پھر میں اپنی قوم کی طرف روانہ ہوا۔ چلتے چلتے جب میں گھاٹی میں پہنچا جہاں سے میرا قبیلہ مجھے دیکھ سکتا تھا تو میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند ایک نور پیدا ہوا میں نے کہا یا اللہ میری پیشانی کے سوا کسی اور جگہ نور پیدا کردے۔

کیوں کہ میں ڈرتا ہوں وہ یوں گمان کریں گے کہ یہ عبرتناک سزا ہے جو ان کا دین

چھوڑنے کے سبب میری پیشانی میں ظاہر ہوئی ہے۔ پس وہ نور بجائے پیشانی کے میرے کوڑے کے سرے پر نمودار ہوا جب میں گھاٹی سے اپنے قبیلے کی طرف اتر رہا تھا تو وہ نور ان کو میرے کوڑے میں معلق قندیل کی طرح نظر آتا تھا یہاں تک کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا پھر صبح ہوگئی جب میں مکان میں اُترا تو میرا باپ جو بہت بوڑھا تھا میرے پاس آیا میں نے کہا۔ ابا! مجھ سے دور رہو میں تیرا نہیں اور نہ تو میرا ہے۔ وہ بولا بیٹا! کیوں؟ میں نے کہا میں مسلمان ہوگیا ہوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو بن گیا ہوں۔ یہ سن کر میرے باپ نے کہا میرا دین تیرا دین ہے پس اس نے غسل کیا اور اپنے کپڑے پاک کیے۔ پھر میرے پاس آیا میں نے اسلام پیش کیا وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر میری بیوی میرے پاس آئی میں نے اس سے کہا مجھ سے دور رہو میں تیرا نہیں اور تو میری نہیں وہ بولی، میرے ماں باپ تجھ پر قربان کیوں؟ میں نے کہا اسلام میرے اور تیرے درمیان فرق ہے میں مسلمان ہو گیا ہوں وہ کہنے لگی میرا دین تیرا دین ہے اور وہ مسلمان ہوگی۔ پھر میں نے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی مگر اُنہوں نے اس میں تاخیر کی۔ پھر میں مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا یا نبی اللہ! دوس مجھ پر غالب آگئے آپ ان پر بددعا کیجیے۔ اس پر آپ نے یوں دعا کی ''یا اللہ! دوس کو ہدایت دے''۔ اور مجھ سے فرمایا کہ تو اپنی قوم میں لوٹ جا۔ اور انہیں نرمی سے دعوت اسلام دے۔ اس لیے میں لوٹ آیا۔ اور دوس کو نرمی سے اسلام کی طرف بلاتا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی اور غزوہ بدر و احد و خندق ہو چکے۔ پھر میں اپنی قوم کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ خیبر میں تھے یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں دوس کے ستر یا اسی گھرانے اُترے۔

پادری راڈیل صاحب لکھتے ہیں کہ عرب کے سیدھے سادھے بھیڑ بکریاں چرانے والے خانہ بدوش بدو لوگ ایسے بدل گئے جیسے کسی نے جادو کر دیا ہو۔ وہ لوگ مملکتوں کے بانی مبانی اور شہروں کے بنانے والے اور جتنے کتب خانے اُنہوں نے خراب کیے تھے ان سے

زیادہ کتب خانوں کے جمع کرنے والے ہو گئے اور فسطاط بغداد، قرطبہ اور دلی کے شہروں کو وہ قوت ہوئی کہ عیسائی یورپ کو کپکپا دیا۔ اور قرآن کی قدر ہمیشہ ان تبدیلیوں کے انداز ے سے ہونی چاہیے جو اس نے اپنے بطیب خاطر ماننے والوں کی عادات اور اعتقادات میں داخل کیں۔ بت پرستی کے مٹانے، جنات اور مادیات کے شرک کے عوض اللہ کی عبادت قائم کرنے اطفال کشی کی رسم کو نیست و نابود کرنے، توہمات کو دور کرنے اور ازدواج کی تعداد کو گھٹا کر اس کی ایک حد معین کرنے میں قرآن بے شک عربوں کے لیے برکت اور قدرت حق تھا۔ (از دیباچہ قرآن مطبوعہ ۱۸۶۱ء صفحہ ۲۴)

قرآن کی عام قبولیت

قبولیت میں تداول بین الناس اور کثرت اشاعت بھی شامل ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی ایسی کتاب نہیں، جسے دن میں پانچ مرتبہ چالیس کروڑ بنی آدم پڑھ لیتے اور سُن لیتے ہوں، یہ درست ہے کہ یورپ کے لوگوں نے مطبوعہ انجیلوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھا دی ہے لیکن صرف اس امر کو تداول و اشاعت نہیں کہا جا سکتا کیا پنساریوں اور عطاروں کی دوکان پران کتابوں کو نہیں دیکھا گیا۔

تداول کے معنی ہیں کہ جس مقصد کے لیے تیار کی گئی ہو اُسی میں کا استعمال بھی ہوا ہو اور یہ صفت قرآن مجید ہی پر صادق آتی ہے۔ قبولیت کے معنی میں وہ عظمت و احترام بھی شامل ہے جو کتاب کی نسبت دلوں میں مستحکم کر دیا ہو۔ اصحمہ نجاشی بھی عیسائی تھا کہ سیدنا جعفر طیارؓ نے اُسے سورۂ مریم سُنائی، اصحمہ اُس وقت دربار میں بالائے تخت جلوس فرما تھا، لیکن وہ بے اختیار رو رہا تھا اور آنسو بہا بہا کر اپنے گلزار جنت کی آبیاری کر رہا تھا۔

عمر فاروقؓ اپنی خلافت کے ایام میں ایک دفعہ مسجد کو آتے آتے بیمار ہو گئے اور ایسے نڈھال ہو گئے کہ راہ ہی میں دیوار کیساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور پھر گھر پہنچائے گئے لوگ عیادت کرنے آتے تھے دریافت سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا تھا آیت

عذاب سُن کر حالت اتنی متغیر ہوگئی۔لبید عامری وہ زبردست شاعر تھا جس کے اشعار کی نسبت یہ ضرب المثل جاری وساری تھی۔"اُکتبُوھَا علَی الحَناجِرِ وَلَوْ بِالْخَناجِرِ" ان شعروں کو اپنی اپنی گردنوں پر لکھ لو،خواہ خنجروں کی نوک ہی سے لکھنا پڑے۔عمر فاروقؓ سے وہ ایک بار ملنے کو آئے تو خلیفہ نے مہمان کی دل جوئی کے طور پر فرمایا کچھ اپنے اشعار سُناؤ اُنہوں نے کہا،امیر المؤمنین جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن عطا فرمایا ہے تب سے مجھے اشعار میں کچھ مزا نہیں آتا۔حضرت عمر فاروقؓ نے خوش ہو کر اُن کے وظیفے میں پانچ سو روپیہ سالانہ کا اضافہ کردیا۔

ابوطلحہ انصاریؓ نے قرآن کی یہ آیت سُنی "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ" نیکی کا اصل درجہ نہیں مل سکتا جب تک اللہ کی راہ میں وہ شے صرف نہ کردو جو تمہیں بہت پیاری ہے۔ان کے پاس ایک باغ تھا،پچاس ہزار سالانہ کی آمدنی کا،اُسی وقت بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کردیا کہ یہ باغ اللہ کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔بڑے بڑے بادشاہوں محمود وصلاح الدین یوسف اور عبدالرحمٰن الداخل اور منصور عباسی جیسے باجبروت تاج وروں کو اُن کی خشم گین حالت یا انتقامی صورت سے اگر کوئی چیز روکنے والی ہوتی تھی تو قرآن کی ایک آیت جسے اہل دربار میں سے کوئی ایک شخص کسی گوشہ سے پڑھ دیتا تھا اور بادشاہ کی حالت یہ ہوجاتی تھی گویا آگ کی چنگاری پر منوں پانی آپڑا ایسی واقعات ہیں جو قبولیت کا ثبوت دیتے ہیں۔یہی وہ واقعات ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ کتابِ مجید کی عظمت اور فرقانِ حمید کی عزت دلوں پر کتنی فرماں روا رہی ہے۔

قرآن کی تعلیم وتاثیر کا نمونہ

قرآن مجید کی تعلیم وتاثیر کا نمونہ جو شخص انسانی ہستیوں پر دیکھنا چاہے وہ صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کے حالات پر غور کرے۔

اُن کے صبر پر مصائب،تحمل بر نوائب اور ادائے شکر واحسان کے واقعات کو معلوم

کرے۔ کافۂ اہل اسلام کی تواضع، خشیت من اللہ، ہمدردی عامہ، اخوت، نفع رسانی خلائق پاکیزگی والا ہمتی، مہمان نوازی کو دیکھے، مسلمانوں کے اصول منزل واصول تمدّن واصول حکومت کا مطالعہ کرے۔ یہ سب نمونے قرآن مجید کے تیار کردہ ہیں۔

ایزک ٹیلر نے جو کپتان کا درجہ رکھتا تھا اپنی ۱۲۔ مئی ۱۸۸۷ء والی تقریر میں جو دولور ہمپٹن میں چرچ کانگریس کے سامنے دی تھی، صاف طور پر کہا تھا:

کہ افریقہ کے جن وحشی مقامات پر اسلام کا سایہ پڑا، وہاں سے زنا، قمار بازی، دختر کشی، عہد شکنی، قتل وغارت گری، وہم پرستی، شراب خوری وغیرہ وغیرہ ہمیشہ کے لیے جاتی رہیں، مگر جب اُس ملک کے دوسرے حصّہ پر کسی غیر اسلام مذہب نے قدم جمایا تو ان لوگوں کو رزائل بالا میں اور زیادہ راسخ کردیا۔

قرآن مجید اپنے نمونہ کی بابت خود فرماتا ہے: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ.﴾ ''اے ایمان والو! تم بہترین گروہ ہو، جو انسانوں کی نفع رسانی کے لیے بنائے گئے ہو''

صہیبؓ کا حال پڑھیئے جو آہن گر تھے۔ قریش نے انہیں ہجرت مدینہ سے روک دیا، وہ اپنا تمام اندوختہ ان ظالموں کو دے کر اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ بتلاؤ یہ ایثار ان کو کس نے سکھلایا۔ اُمّ سلمہؓ کی سیرت پر غور کرو، یہ شوہر سے جدا کی گئیں اور گود کا بچہ ان سے چھین لیا گیا، مگر وہ یکہ وتنہا خدا کی راہ میں تین سو میل کا لمبا سفر اختیار کرتے ہوئے ذرا نہ ہچکچائیں اور رسول اللہ کے شہر کی طرف اکیلی چل دیں یہ جراءت، یہ قربانی، یہ جذبہ ان میں کہاں سے پیدا ہوا۔

خطاب کا بیٹا عمر فاروقؓ جو باپ کے اونٹ چرایا کرتا اور پھر بھی باپ کی سخت و درشت خوئی سے سہار رہتا تھا اپنی خلافت کے ایام میں بائیس لاکھ مربّع میل پر حکومت کرتا تھا۔ اس کی معدلت گستری اور عدل پروری اور رعایا نوازی اور دین داری کا درجہ ہمیشہ ہر ایک کے لیے موجب غبطہ رہا۔

غور کرو کہ حکمرانی کی یہ قابلیت اور کشور کشائی کی یہ اہلیت کہ دنیا کے تین بڑے براعظم اس کے زیرِ نگین تھے۔ اسی قرآن پاک کی تعلیم پر عمل کا نتیجہ تھی۔

خالد بن ولید نے جنگِ موتہ میں اپنے سے پچاس گنا فوج کو جو سلطنت روما کی قواعد دان اور آئینی فوج تھی، اپنے رضا کاروں کی معیت و معاونت سے شکست دے دی تھی، سوچیئے کہ ان لوگوں میں یہ عزیمت یہ ہمت، یہ استقلال، یہ ثبات، یہ پامروی، یہ شجاعت یہ قربانی، یہ جہاں بازی کیوں کر پیدا ہو گئی تھی۔ اگر فکر صحیح، تلاش صادق سے تجسس کیا جائے تو ان سب ترقیات کا سببِ اولیٰ قرآن کریم ہی نکلے گا جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل ان شیدائیانِ ایمان کو حاصل ہوا تھا۔ (بحوالہ رحمۃ للعالمین جلد سوم)

قرآن کی فصاحت وبلاغت

وجوہِ اعجاز میں سب سے اعلیٰ اور مقدم قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت ہے جو خارق عادت عرب ہے۔ زمانہ جاہلیت میں فصاحت و بلاغت میں عرب کا وہ پایہ تھا کہ کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ ان کا نام ہی بتا رہا ہے کہ اس فن میں ان کو کس قدر عبور حاصل تھا۔ مہمات امور میں وہ اس فن کے عجائبات بداہتہً ظاہر کیا کرتے تھے۔ محافل ومجالس میں فی البدیہہ خطبے پڑھ دیا کرتے تھے اور مطالب عالیہ کے حصول میں بھی اپنی سحر بیانی سے کام لیتے تھے۔ اس فن سے وہ بزدل کو دلیر، بخیل کو سخی، ناقص کو کامل، گمنام کو نامور اور مشکل کو آسان کر دیتے تھے۔ جسے چاہتے مدح سے شریف اور ہجو سے وضیع بنا دیتے۔ اور اسی سے کینہ دیرینہ دلوں سے دور کر کے بیگانے کو اپنا بنا لیتے۔ انہیں یقین تھا کہ اقلیم سخن کے مالک اور میدان فصاحت و بلاغت کے شہسوار ہم ہی ہیں اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ کوئی کلام ہمارے کلام سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔

فصاحت و بلاغت کے اس کمال پر ان کی روحانی حالت نہایت ہی گری ہوی تھی وہ عموماً بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے حتیٰ کے خانہ خدا کو انہوں نے بت خانہ بنایا ہوا تھا۔ بعض

آگ کی پرستش کرتے تھے، کچھ لوگ ستاروں اور سورج اور چاند کو پوجتے تھے بعض تشبیہ کے قائل تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ اور بعض کو خدا کی ہستی ہی سے انکار تھا اوامر ونواہی کی انہیں مطلق خبر نہ تھی اور نہ ان کے پاس کوئی الہامی کتاب تھی، دین ابراہیمی بجز چند رسوم کے بالکل مفقود تھا، قساوت قلب کا یہ عالم تھا کہ بعض لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔ وہ شب و روز زنا کاری، شراب خوری، قمار بازی اور قتل و غارت گری میں مشغول رہتے تھے، ان کے درمیان جو اہل کتاب موجود تھے ان کی حالت بھی دگر گوں تھی، اور ان کی کتابیں بھی محرف ہو چکی تھیں، یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور نصاریٰ تین خدا مانتے تھے اور وہ کفارہ کی آڑ میں اعمال حسنہ کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے تھے۔ غرض ملک عرب میں ساری دنیا کے مذاہب باطلہ اور عقائد قبیحہ موجود تھے، مشرکین وہاں تھے، آتش پرست، ستارہ پرست، آفتاب پرست، ماہتاب پرست، اور درخت پرست وہاں تھے، نصاریٰ وہاں تھے، اور یہود وہاں تھے، مشبہہ و مجسمہ وہاں تھے دہریہ وہاں تھے۔

نظر بحالات مذکورہ بالا اس امر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ ایسے مرکز میں خدا کی طرف سے ایک کامل طبیب روحانی ساری دنیا کے لیے مبعوث ہو۔ چنانچہ حسب عادت الٰہی ان کے پاس اللہ کا ایک کامل بندہ آیا اور ایک کامل کتاب لایا جس میں قیامت تک ہر زمانے، ہر قوم کے تمام روحانی امراض کا خدائی نسخہ درج تھا اس طبیب روحانی سے وہ پہلے ہی آشنا تھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا خاتم سلسلہ انبیاء انہیں میں سے تھا۔ انہیں کے درمیان پیدا ہوا اور انہیں کے درمیان پرورش پائی۔ ابھی اپنی والدہ ماجدہ کے بطن مبارک میں ہی تھا کہ والد ماجد نے انتقال فرمایا، جب چھ سال کا ہوا تو والدہ ماجدہ نے بھی اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

بعد ازاں دادا اور چچا یکے بعد دیگرے اس کی پرورش کے متکفل ہوئے۔ اس طرح اس در یتیم کی تعلیم کا کوئی سامان نہ ہوا نہ ہو سکتا تھا کیوں کہ مکہ میں نہ کوئی مدرسہ تھا، نہ کتب

خانہ اور نہ وطن سے باہر کسی دوسری جگہ جا کر تعلیم پانے کا اتفاق ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو اہل مکہ سے کب پوشیدہ رہ سکتا تھا غرض چالیس سال کی عمر تک وہ بندہ کامل اُمیوں میں اُمی مگر صدق وامانت میں مشہور رہا پھر یکا یک اُستادازل کی تعلیم سے منصب نبوت پر سرفراز ہوا۔

اس اُمی لقب امین نے جو کتاب اپنی نبوت کے ثبوت میں اپنے ہم وطنوں کے سامنے پیش کی وہ انہی کی زبان میں تھی اور اس فن میں ان سے معارضہ طلب کیا جس میں وہ نقارۂ لمن الملک الیوم بجا رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں افصح الفصحاء ابلغ البلغاء مصاقع الخطباء اور اشعر الشعراء موجود تھے۔ مگر جب معارضہ کے لیے وہ کتاب پیش کی گئی تو ان کی عقلیں چکرا گئیں اس رحمت عالم ﷺ نے باوجود قلت اتباع کے کھلے الفاظ میں یوں فرمایا "کہ اگر تمام جن وانس مل کر اس کا معارضہ کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں گے۔ (بنی اسرائیل)

پھر بطور ارخاء عنان کہہ دیا کہ سارا نہیں تو ایسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ۔ (ہود۔ ع ۲)

پھر تمام حجت کے لیے فرما دیا کہ دس نہیں تو ایسی ایک ہی سورت پیش کرو۔ (یونس۔ ع ۴)

اس طرح وہ اللہ کا پیارا اور جہان میں ہم گنہگاروں کا سہارا مکہ مشرفہ میں لگا تار دس سال کفار سے معارضہ فرماتا رہا۔ پھر جب حکم الٰہی سے ہجرت فرما کر مدینے میں رونق افروز ہوا تو وہاں بھی دس سال فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ سے تحدی کرتا رہا۔ اور ساتھ ہی ولن تفعلوا سے انہیں چونکاتا رہا اور اُکساتا رہا۔

اس عرصہ دراز میں اس ختم المرسلین نے اسی تحدی پر اکتفا نہ کیا بلکہ عرب جیسی قوم کو جس کی حمیت جاہلیہ مشہور ہے مجالس میں علیٰ رؤس الاشہاد یوں پکار کر فرما دیا کہ تم گمراہ ہو تمہارے آباؤ اجداد گمراہ تھے تمہارے معبود دوزخ کا ایندھن ہیں تمہاری جانیں اور تمہارے مال مسلمانوں کے لئے مباح ہیں۔ بایں ہمہ انہوں نے معارضہ سے پہلوتہی کی ان کی آنکھوں کے سامنے اسلام کی شوکت روز بروز بڑھتی جارہی تھی ان کے شہر اسلام کے قبضے میں آرہے تھے، ان کی اولاد کو گرفتار کر کے غلام بنایا جارہا تھا، ان کے بُت توڑے جا رہے تھے، ان کے باپ دادا دوزخی بتائے جارہے تھے، اس حالت میں اگر وہ ذرا سا معارضہ

بھی کر سکتے تو ذلت کو ہرگز گوارا نہ کرتے۔ کیونکہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کے معارضہ سے یہ تمام خواری و رسوائی دور ہو سکتی تھی۔ اور اسلام کی جماعت و شوکت کا شیرازہ ہمیشہ کے لیے پراگندہ ہو سکتا تھا جماعت کے باوجود ان کا بیس سال اس ذلت کو برداشت کرنا اور جلاوطنی اور جزیہ کو گوارا کرنا صاف بتا رہا ہے کہ وہ معارضہ سے عاجز تھے۔ مگر اپنے عجز پر پردہ ڈالنے کے لیے قسم قسم کے عذر اور بہانے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسے منظوم دیکھ کر شاعر کا قول یا کاہن کا قول بتاتے۔ (حاقہ۔ع۲)

کبھی اپنی قدرت سے خارج دیکھ کر حیرت سے کہا کرتے کہ یہ تو صریح جادو ہے (سباع۵)

کبھی جہالت کے سبب سے کہتے کہ چاہیں تم ہم بھی ایسا کہہ لیں۔ یہ تو پہلوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ (انفال ع۴)

کبھی کہتے کہ یہ اضغاث احلام یعنی اڑتے خواب ہیں۔ (انبیاء۔ع۱)

کبھی اس کی تاثیر روکنے کے لیے کہتے کہ شور مچاؤ اور سننے نہ دو۔ (حم سجدہ۔ع)

کبھی کہتے کہ قرآن سے ہمارے دل غلاف میں ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے۔ (حم سجدہ۔ع۱)

کبھی کہتے کہ ہم اپنے باپ دادوں میں یہ نہیں سنا۔ یہ تو بنائی ہوئی بات ہے۔ (ص۔ع۱)

اور کبھی اس رحمۃ للعلمین کو ساحر کذاب یعنی بڑا جھوٹا جادوگر۔ (ص۔ع۲) کبھی مسحور یعنی جادو مارا (فرقان۔ع۱) کبھی معلم مجنون یعنی سکھایا ہوا باؤلا (دخان۔ع۱) (معاذ اللہ)۔

کبھی کاہن اور کبھی شاعر کہتے (طور۔ع۲)

مگر ایسے حیلوں اور عذروں سے کیا بن سکتا تھا۔ جب عرب کے کمال فصاحت و بلاغت کے زمانے میں فصحاء بلغاء چھوٹی چھوٹی سورت کے معارضے سے عاجز آ گئے۔ تو از منہ مابعد عرب و عجم کا عجز خود ثابت ہو گیا۔ سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی یہ کیسی دلیل ساطع اور برہان قاطع ہے کہ چودہ سو سال سے زائد عرصہ گذر چکا۔ کوئی شخص اس جیسی سورت کے معارضہ پر قادر نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہو گا۔

قرآن کریم پر غور کیجیے باوجودیکہ اس میں وجوہ خطاب مختلف ہیں کہیں قصص و مواعظ ہیں اور کہیں حلال وحرام کا ذکر ہے، کہیں اعذار وانذار کہیں وعدہ وعید، کہیں تخویف و تبشیر، اور کہیں تعلیم اخلاق حسنہ ہے مگر وہ ہر فن میں فصاحت وبلاغت کے خارق عادات اعلیٰ درجے میں ہیں، اور اس میں کہیں اس منزلت علیا سے انحطاط نہیں پایا جاتا اور اول سے آخر تک مقصد واحد کے لیے ہے۔ اور وہ خلقت کو اللہ کی طرف بلانا اور دنیا سے دین کی طرف پھیرنا ہے۔ چنانچہ آیتِ ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے:۔

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا﴾ (نساء۔ع ۱۱)

"کیا غور نہیں کرتے قرآن میں۔ اور اگر ایسا ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے۔ تو پاتے اس میں بہت تفاوت۔"

مثال کے طور پر دیکھیے ترغیب میں:۔﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ (سجدہ۔ع ۲)

ترجمہ......"سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی بدلہ اس کا جو کرتے تھے۔"

﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ . یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ فِیْهِ مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ وَ اَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (زخرف)

ترجمہ......"چلے جاؤ تم اور تمہاری عورتیں بہشت میں کہ بناؤ کر دیئے جاؤ گے، لیے پھریں گے ان پر رکابیاں سونے کی اور آبخورے، اور وہاں ہے جو دل چاہے اور جس سے آنکھیں آرام پائیں، اور تم کو اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔"

اور جیسے ترہیب میں﴿اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا . اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ

عَلَيْنَا بِهِ تَبِيْعًا ﴾ (بنی اسرائیل۔ ع ۷)

ترجمہ...... ''سو کیا تم نڈر ہو اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے یا بھیج دے تم پر آندھی پھر نہ پاؤ تم اپنا کوئی کارساز یا نڈر ہو اس سے کہ پھر لے جائے تم کو دریا میں دوسری بار پھر بھیجے تم پر پتھراؤ ہوا کا۔ پھر غرق کر دے تم کو بدلے اس ناشکری کے پھر نہ پاؤ تم اپنی طرف سے ہم پر اس کا دعویٰ کرنے والا''۔

ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ . اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ (ملک ع ۲)

ترجمہ...... ''کیا نڈر ہو تم اس سے جو آسمان میں ہے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں۔ پس ناگاہ وہ جنبش کرے۔ یا نڈر ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ بھیجے تم پر پتھراؤ ہوا کا سو اب جاؤ گے کیسا ہے ڈرانا میرا۔''

اور جیسا کہ زجر میں ﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ (عنکبوت۔ ع ۴)

''پھر ہر ایک کو پکڑا ہم نے اس کے گناہ پر سو ان میں سے کوئی تھا کہ اس پر بھیجا ہم نے پتھراؤ ہوا کا، اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑ نے، اور کوئی تھا کہ اس کو دھنسایا ہم نے زمین میں، اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبویا ہم نے اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرے، پر تھے وہ اپنا آپ برا کرتے''۔

اور جیسا کہ وعظ میں ﴿اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ . ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ . مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴾ (شعراء۔ ع ۱۱)

''بھلا بتلاؤ اگر ہم فائدہ دیں ان کو کئی برس پھر آئے ان پر (عذاب) جس کا ان سے وعدہ تھا کیا کام آئے گا ان کا تمتع ان کو''۔

اور جیسا کہ الٰہیات میں:۔ ﴿اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ

الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ . عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ . سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴾ (رعد۔ع ۲)

''اللہ جانتا ہے۔جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ۔اور سکڑ تے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں۔اور ہر چیز اس کے نزدیک اندازہ سے وہ جاننے والا چھپے اور کھلے کا۔عظیم الشان بلند۔برابر ہے تم میں جو چپکے بات کہے اور جو کہے پکار کر۔اور جو چھپنے والا ہے رات کو چلنے والا ہے دن کو''۔

اسی طرح قرآن کریم کے فواتح وخواتم، مواضع وصل اور مواقع تحویل و تنقل کو دیکھیے اس کے پڑھنے والوں کو خارق عادت بدیع تالیف کے سبب سے فصل بھی وصل معلوم دیتا ہے اور ایک قصے سے دوسرے قصے کی طرف اور ایک شے سے دوسرے شے کی طرف مثلاً وعدہ سے وعید اور ترغیب سے ترہیب کی طرف انتقال کرنے میں مختلف مؤتلف اور متبائن متناسب نظر آتا ہے۔

اس مقام پر بغرض توضیح قرآن کی فصاحت وبلاغت کے متعلق چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔سبع معلقات جو تمام عرب جاہلیت کا مایہ فخر وناز تھے اور خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں تھے۔قرآن شریف کے نازل ہونے پر اُتار لیے گئے۔یہ قصائد اب تک موجود ہیں سبع طوال کی جھلک سے اپنی آب وتاب سب کھو بیٹھتے ہیں۔

حضرت لبید بن ربیعہؓ جو سبع معلقات کے شعراء میں سے تھے اور اسلام لے آئے تھے اور ساٹھ سال اسلام میں زندہ رہے۔اسلام لانے کے بعد انہوں نے سوائے ایک بیت کے کوئی شعر نہیں کہا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت میں ان سے فرمایا کہ مجھے اپنے شعر سناؤ۔اس پر آپ نے سورہ بقرہ پڑھی اور عرض کیا۔میں شعر نہیں کہنے کا جب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سورہ بقرہ سکھادی ہے۔ابوعبید قاسم بن سلام بغدادی (متوفی ۲۲۳ھ) جو امام شافعیؒ کے شاگرد اور فقہ وحدیث ولغت میں امام ہیں حکایت کرتے ہیں کہ ایک بادیہ نشین

عرب نے کسی کو یہ آیت پڑھتے سنا:۔ ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ (حج ع۶) "سو سنادے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا"۔ اس نے سنتے ہی سجدہ کیا۔ اور کہا کہ میں نے اس کلام کی فصاحت کو سجدہ کیا ہے۔ ایک دفعہ کسی اعرابی نے یہ آیت سنی۔ فَلَمَّا اسْتَا يْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا. (یوسف)

"پھر جب ناامید ہوئے اس سے، اکیلے بیٹھے مصلحت کو۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ حضرت یوسف سے بہت مایوس ہو گئے تو الگ ہو کر باہم مشورہ کرنے لگے اور سوچنے لگے کہ باپ کے پاس جا کر کیا جھوٹ بنا کر کہیں گے۔ اور اس حادثہ کا کیا ذکر کریں گے۔ پس یہ تھوڑے سے کلمے اس طویل واقعہ کو شامل ہیں۔ کہنے لگے، میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مخلوق اس کلام کی مثل پر قادر نہیں۔

امام اصمعی یعنی عبدالملک بن اصمع بصری (متوفی ۲۱۰ھ) جو لغت ونحو اور ادب ونوادر میں امام ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک پانچ یا چھ سالہ لڑکی کو یہ کہتے سنا کہ میں اپنے تمام گناہ سے استغفار کرتی ہوں۔ میں نے سن کر کہا: تو کس چیز پر استغفار کرتی ہے۔ تو تو مکلف ہی نہیں۔ وہ بولی:۔

استغفر الله لذنبی کله قتلت انسانا بغیر حله

مثل غزال ناعم فی دلّه انتصف اللیل ولم اصل له

میں نے کہا، اللہ تجھے مارے۔ تو کیسی فصیح ہے! وہ کہنے لگی۔ قرآن میں یہ آیت ہے۔ ﴿وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْکِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ (قصص۔ع۱)

"اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلا۔ پھر جب تجھ کو ڈر ہو اس کا۔ تو ڈال دے اس کو دریا میں۔ اور ڈر مت اور غم مت کھا۔ بے شک ہم لوٹانے والے ہیں اس کو تیری طرف اور بنانے والے ہیں اس کو رسولوں سے"۔

کیا اس آیت کے مقابل میرا یہ قول فصیح کہا جا سکتا ہے؟ اس ایک آیت میں دو امر دو نہی دو خبریں اور دو بشارتیں ہیں۔

حکایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ ایک روز مسجد نبوی میں لیٹے ہوئے تھے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرہانے کھڑا ہوا ایک شخص کلمہ شہادت پڑھ رہا تھا۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے سبب دریافت کیااس نے کہا میں بطارقہ روم میں سے ہوں مجھے عربی زبانیں آتی ہیں میں نے ایک مسلمان قیدی سے سنا کہ وہ آپ مسلمانوں کی کتاب میں سے ایک آیت پڑھ رہا تھا۔میں نے اس آیت پر غور کیااس میں وہ احوال دنیا و آخرت جمع ہیں جواللہ تعالیٰ نے عیسٰی بن مریم پر نازل فرمائے۔وہ آیت یہ ہے:وَ مَن یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ و یَخْشَ اللّٰهَ و یَتَّقْهِ فأُولٰئِکَ هُمُ الفآ ئِزُون. (نور۔ع ۷)

''اور جوکوئی حکم پر چلے اللہ کے اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ڈرتا رہے اللہ سے اور بچ کر چلے اس سے۔سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے''۔

ابنِ مقنع نے جو فصاحت و بلاغت میں یگانہ روزگار تھا اور زمانہ تابعین میں تھا۔قرآن شریف کے معارضہ میں کچھ لکھنا شروع کیا۔ایک روز ایک مکتب پر سے اس کا گزر ہوا۔جس میں ایک لڑکا یہ آیت پڑھ رہا تھا﴿وقِیلَ یٰاَرضُ ابْلَعِی مآ ئکِ ویٰسمَآ ءُ اَقْلِعِی وغِیضَ الْمَآءُ وقُضِیَ الأ مرُو اسْتَوَتْ عَلَى الجودِیِّ وَقِیلَ بُعْداً لِّلْقومِ الظّٰلِمِینَ﴾ (ہود۔ع ۴)

ترجمہ...... ''اور حکم آیا،اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور خشک کیا گیا پانی اور تمام کیا گیا کام اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہوں قوم بے انصاف۔

وہ سن کر واپس آیا۔اور جو کچھ لکھا تھا سب مٹا ڈالا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کا معارضہ کبھی نہیں ہوسکتا۔یہ انسان کا کلام نہیں۔

یحییٰ بن الحکم الغزال نے جو بقول ذہبی دوسری اور بقول ابن حبان تیسری صدی ہجری میں اندلس میں فحول شعراء میں سے تھا،قرآن کے معارضے کا ارادہ کیا،ایک روز سورۂ اخلاص کا معارضہ کرنے لگا تو اس پر ہیبت طاری ہوگئی جو اس کی توبہ کا باعث ہوئی۔

امام ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) نے وفاء فی فضائل المصطفیٰ میں ذکر کیا ہے کہ امام بن عقیل نے کہا کہ ابو محمد بن مسلم نحوی نے مجھ سے حکایت کی ہے کہ ہم اعجاز القرآن پر گفتگو کر رہے تھے۔ وہاں ایک فاضل شیخ موجود تھا۔ اس نے کہا کہ قرآن میں ایسی کون سی چیز ہے جس سے فضلاء عاجز آ جائیں۔ پھر وہ کاغذ دوات لے کر بالا خانے پر چڑھ گیا، اور وعدہ کیا کہ تین دن کے بعد قرآن کے معارضے میں کچھ لکھ کر لاؤں گا، جب تین دن گزر گئے تو ایک شخص بالا خانے پر چڑھا، اوراس کو سہارا لیے ہوئے اس حال میں پایا کہ اس کا ہاتھ قلم پر سوکھ گیا تھا، مسلمہ کذاب نے قرآن کی بعض چھوٹی سورتوں کے معارضے میں کچھ لکھا۔ مگر ایسا کہ اطفال مکتب بھی اُسے دیکھ کر ہنسیں۔

اب ذیل میں قرآن کی فصاحت وبلاغت پر ہونے والے اعتراضات کے کافی وشافی جواب پیش کیے جاتے ہیں ملاحظہ فرمایئے:۔

اعتراض...... قرآن شریف میں انبیاء کرام کے واقعات بار بار لائے گئے ہیں۔ چنانچہ بقول بعض حضرت موسیٰ کا ذکر ایک سو بیس جگہ ہے۔ اور بقول ابن عربی حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ پچیس آیتوں میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ نوے آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے یہ خلاف فصاحت ہے۔

جواب...... وہ تکرار خلاف فصاحت ہوتی ہے جس میں کچھ فائدہ نہ ہو مگر قصص قرآنی کی تکرار فوائد سے خالی نہیں۔ علامہ بدر بن جماعہ نے اس مضمون پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام "القص فی فوائد تکرار القصص" ہے۔ اس میں تکریر قصص کے کئی فائدے ذکر کیے ہیں۔

۱۔ ہر جگہ کچھ نہ کچھ زیادتی ہوتی ہے جو دوسری جگہ نہیں، یا کسی نکتہ کے لیے ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ لایا گیا ہے اور یہ بلغاء کی عادت ہے۔

۲۔ ایک جماعت واقعہ سن کر اپنے گھر چلی جاتی ہے۔ اس کے بعد دوسری جماعت ہجرت کر کے آتی ہے اور جو کچھ پہلی جماعت کے چلے جانے کے بعد نازل ہوتا اسے روایت

کرتی۔ اگر تکرار قصص نہ ہوتی تو واقعہ موسیٰ کو ایک قوم سنتی اور واقعہ عیسیٰ کو دوسری قوم سنتی اس طرح باقی واقعوں کا حال ہوتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمام لوگ ان واقعوں کے سننے میں مشترک ہوں تا کہ ایک قوم کو افادہ اور دوسری قوم کو زیادہ تاکید حاصل ہو۔

۳۔ ایک ہی مضمون کو مختلف اسالیب میں بیان کرنے میں جو فصاحت ہے وہ پوشیدہ نہیں۔

۴۔ قصص کے نقل کرنے پر اس قدر دواعی نہیں جتنے کہ احکام کے کرنے پر ہیں اس لیے احکام کے برعکس قصص کو بار بار لایا گیا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا اور لوگ اس کی مثل لانے سے عاجز آ گئے پھر ان کے عجز کے معاملہ کو اس طرح واضح کر دیا کہ ایک واقعہ کو کئی جگہ ذکر کیا۔ تا کہ معلوم ہو جائے کے وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں خواہ کوئی سے الفاظ میں لائیں اور کسی عبارت سے تعبیر کریں۔

۶۔ جب اللہ تعالیٰ نے منکرین سے تحدی کی کہ اس کی مثل ایک سورت بنالاؤ تو اگر ایک واقعہ کو ایک ہی جگہ ذکر کیا جاتا اور اسی پر کفایت کی جاتی۔ اہلِ عرب کہتے ہیں کہ تم ہی اس کی مثل ایک سورت پیش کرو پس اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے ان کی حجت دور کرنے کے لیے ایک واقعہ کو کئی سورتوں میں نازل فرمایا۔

۷۔ جب ایک واقعہ کو بار بار ذکر کیا گیا اور ہر جگہ اس کے الفاظ میں کمی بیشی اور تقدیم وتاخیر کر دی گئی اور مختلف اسلوب عمل میں لایا گیا تو یہ عجیب بات پیدا ہو گئی کہ ایک ہی واقعہ کئی سورتوں میں جلوہ افروز ہوا۔ اور لوگوں کو اس کے سننے کی طرف کشش ہو گئی کیوں کہ ہر نئے امر میں لذت ہوتی ہے۔ اور اس سے قرآن مجید کا ایک خاصہ ظاہر ہو گیا کیوں کہ باوجود تکرار کے لفظ میں کوئی عیب اور سننے کے وقت کوئی ملال پیدا نہیں ہوتا پس کلامِ الٰہی بندوں کے کلام سے ممتاز رہا۔

اعتراض...... مانا کہ ایک معنی کو مختلف لباس اور مختلف اسلوب میں ظاہر کرنے

سے فصاحت میں کوئی خلل نہیں آتا بلکہ یہ ابلغ ہے۔ مگر بعض جگہ ایک ہی جملہ بار بار لایا گیا ہے چنانچہ سورہ شعراء میں آٹھ بار لایا گیا ہے اور سورہ قمر میں چار بار سورہ الرحمٰن میں اکتیس بار اور سورہ مرسلات میں دس بار مذکور ہے۔

جواب...... ان سورتوں میں بھی تکرار آیت فائدہ سے خالی نہیں کیوں کہ ہر جگہ متعلق بہ مختلف ہے تا کہ ہر خبر کے سننے کے بعد تجدید نصیحت وعبرت ہو چنانچہ سورہ شعراء میں ہر واقعہ کے بعد ان فے ذلک الآیۃ۔

الایۃ مذکور ہے اور ہر دفعہ ایک نبی اور اس کی امت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اس نبی پر ایمان لانے والے سلامت رہے اور منکرین تباہ ہوئے اور پھر بار بار بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے رحم والا اور منکروں کے لیے عزیز یعنی زبردست ہے۔ تا کہ اس امت کے لوگ نصیحت پکڑیں یہی حال سورہ قمر میں تکرار آیت کا ہے کیونکہ اس میں واقعہ نوح وعاد وثمود ولوط میں سے ہر ایک کے بعد ولقد یسر ناالقرآن مذکور ہے۔ تا کہ قرآن پڑھنے والے اس سے عبرت پکڑیں اسی طرح سورہ مرسلات میں ہر دفعہ ایک نشانی کے ذکر کے بعد آیا ہے کہ قیامت کے دن خرابی ہوگی ان لوگوں کے لیے جو اس نشان کو جھٹلانے والے ہیں علیٰ ہذا القیاس۔ سورہ رحمٰن میں ہر بار مختلف نعمتوں کے ذکر کے بعد فبای آلاء ربکما تکذبٰن آیا ہے تا کہ لوگ سن کر ہدایت پائیں جیسا کہ ایک ناشکر گزار محسن الیہ کو محسن کہے کیا تو فقیر نہیں تھا، میں نے تجھے امیر بنا دیا آیا تجھے اس سے انکار ہے؟ کیا تو ننگا نہ تھا میں نے تجھے لباس پہنا دیا، آیا تجھے اس سے انکار ہے، کیا تو گمنام نہ تھا میں نے تجھے نامور کر دیا آیا تجھے اس سے انکار ہے؟ امید ہے اشکال حل ہو گیا ہوگا۔ (بحوالہ سیرت رسول عربی ﷺ)

نظم قرآن کا اسلوب بدیع

اگر چہ قرآن مجید کے الفاظ وحروف کلام عرب کی جنس سے ہیں۔ اور ان کی نظم ونثر میں مستعمل ہیں مگر اس کا اسلوب تمام اسالیب سے جدا ہے۔ اور انواع کلام میں سے کسی

سے نہیں ملتا۔ بایں ہمہ سب انواع کے محاسن کا جامع ہے۔ اہلِ عرب انواع چہارگانہ کے سوا کوئی اسلوب وطرز نہ جانتے تھے۔ اور نہ کوئی نئے طرز میں کلام کرسکتے تھے۔ پس ایک عجیب نرالے اسلوب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (جوامی تھے) کی زبان مبارک پر جاری ہونا عین اعجاز ہے۔

اس کتاب میں پہلے مذکورہ ہو چکا ہے کہ ایک روز ولید بن مغیرہ نے قریش سے کہا کہ ایام حج قریب ہیں۔ عرب کے قبائل تم سے اس مدعی نبوت (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت دریافت کریں گے۔ تم اس کی نسبت ایک رائے قائم کرلو اس پر قریش نے مختلف رائے پیش کیں۔ کہ وہ کاہن ہے۔ دیوانہ ہے۔ شاعر ہے۔ جادوگر ہے۔ ولید نے یکے بعد دیگرے ان تمام کی تردید کر کے کہا:۔

"اللہ کی قسم! اس کے کلام میں بڑی حلاوت ہے۔ اس کلام کی اصل جڑ والا درخت خرما ہے۔ اور اس کی فرع پھل ہے۔ ان باتوں میں سے جو بات تم کہو گے وہ ضرور پہچان لی جائے گی۔ کہ جھوٹ ہے اس کے بارے میں صحت کے قریب تر قول یہ ہے کہ تم کہو۔ وہ جادو گر ہے اور ایسا کلام لایا ہے جو جادو ہے۔ اس کلام میں وہ باپ بیٹے میں اور بھائی بھائی میں میاں بیوی میں عزیز واقارب میں جدائی ڈال دیتا ہے۔

اسی طرح ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ قریش نے اپنے سردار عتبہ بن ربیعہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اور اس نے آپ پر کئی باتیں پیش کر کے کہا کہ ان میں سے ایک پسند کر لیجئے۔ آپ نے اس کے جواب میں سورہ حم سجدہ کی شروع کی آیتیں تلاوت فرمائیں۔ عتبہ نے قریش سے جا کر کہا: "اللہ کی قسم میں نے ایسا کلام سنا کہ اس کی مثل کبھی نہیں سنا۔ اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں۔ نہ جادو ہے نہ کہانت۔ اے گروہ قریش میرا کہا مانو۔ اس شخص کو کرنے دو جو کرتا ہے۔ اور اس سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں نے جو کلام اس سے سنا ہے اس کی بڑی عظمت وشان ہوگی۔ اگر عرب اس کو مغلوب کر لیں تو تم غیر کے ذریعے سے اس سے بچ گئے اگر وہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کا ملک تمہارا

ملک ہے اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے اور تم اس کے سبب سے خوش نصیب ہو جاؤ گے"۔ قریش یہ سن کر کہنے لگے کہ اس نے تو اپنی زبان سے تجھے بھی جادو کر دیا۔ عتبہ بولا کہ "اس کی نسبت میری یہی رائے ہے۔ تم کرو جو چاہو"۔

صحیح مسلم میں حدیث اسلام ابوذر غفاری میں خود ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی انیس نے مجھ سے کہا۔ کہ مجھ کو مکہ میں ایک کام ہے۔ تو بکریوں کی حفاظت رکھنا۔ یہ کہہ کر انیس چلا گیا اور مکہ پہنچ گیا۔ دیر کے بعد واپس آیا۔ تو میں نے پوچھا، تو نے کیا کیا؟ وہ بولا میں مکہ میں ایک شخص سے ملا۔ جو کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں نے پوچھا کہ لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ کہ لوگ کہتے ہیں وہ شاعر ہے۔ کاہن ہے۔ جادوگر ہے۔ پھر انیس ہی جو خود بڑا شاعر تھا۔ کہنے لگا:۔ "اللہ کی قسم! میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہوا ہے اس کا کلام کاہنوں کا کلام نہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے اس کے کلام کو شعر کی تمام قسموں کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ میرے بعد کسی سے یہ نہ بن پڑے گا کہ کہے وہ کلام شعر ہے۔ اللہ کی قسم! وہ سچے نبی ہیں۔ اور کافر بے شک جھوٹے ہیں"۔

اس حدیث میں اس کے بعد یہ مذکور ہے کہ یہ سن کر ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور اسلام لائے۔ جب اپنے بھائی انیس کے پاس واپس آئے تو ان کے اسلام کی خبر سن کر حضرت انیس اور ان کی والدہ بھی ایمان لے آئے۔ پھر تینوں اپنی قوم غفار میں آئے۔ آدھی قوم ایمان لے آئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو باقی بھی ایمان لے آئے۔ اس طرح قبیلہ اسلم بھی مسلمان ہو گیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿غفار غفر اللّٰه لها و اسلم سالمها اللّٰه﴾ "یعنی اللہ تعالیٰ قبیلہ غفار کو بخش دے اور اسلم کو سلامت رکھے۔"

ابن سعد نے طبقات میں بروایت یزید بن رومان اور محمد بن کعب اور شعبی اور زہیری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ بنی سلیم میں ایک شخص جس کا نام قیس بن نسیبہ تھا رسول

اللہ صلی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کا کلام سنا۔ اور آپ سے کئی باتیں دریافت کیں۔ آپ نے ان کا جواب دیا۔ اس نے وہ سب کچھ یاد کرلیا۔ پھر آپ نے اسے دعوت اسلام دی وہ ایمان لے آیا اور اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا۔ ''بے شک میں نے روم کا ترجمہ، فارس کا زمزمہ، عرب کے اشعار، کاہن کی کہانت اور ملوک حمیر کا کلام سنا ہے۔ مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام ان کے کلام میں سے کسی سے نہیں ملتا۔ اس لیے میرا کہا مانو۔ اور اس سے بہرہ ور ہو جاؤ''۔ اس طرح بنو سلیم فتح مکہ کے سال مقام قدید میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ وہ سات سو تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ ایک ہزار تھے۔ عباس بن مرداس اور انس بن عباس بن رعل اور راشد بن عبدربہ انہیں میں تھے۔ قرآن مجید کے اسلوب بدیع کی نسبت حضرت مولانا شاہ ولی اللہؒ نے یوں فرمایا ہے:۔

''قرآن کو متون کتب کی طرح بابوں اور فصلوں میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ تا کہ تو ہر مطلب اس میں سے معلوم کرلے یا ایک فصل میں مذکور ہو بلکہ قرآن کو مکتوبات کا مجموعہ فرض کر۔ جس طرح کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو بحسب اقتضائے حال ایک فرمان لکھے اور کچھ مدت کے بعد دوبارہ فرمان لکھے۔ اور اسی طرح لکھتا جائے۔ یہاں تک کہ بہت سے فرمان جمع ہو جائیں۔ پھر ایک شخص ان فرمانوں کو جمع کر کے ایک مجموعہ تیار کر دے۔ اسی طرح اس ملک علی الاطلاق نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مقتضائے حال کے موافق یکے بعد دیگرے سورتیں نازل فرمائیں اور آپ کے زمانہ مبارک میں ہر سورت الگ الگ محفوظ تھی۔ مگر سورتوں کو ایک جگہ جمع نہ کیا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں تمام سورتوں کو ایک جلد میں خاص ترتیب سے جمع کیا گیا۔ اور اس مجموعہ کا نام مصحف رکھا گیا۔ اصحاب کرام کے درمیان سورتوں کو چار قسموں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک سبع طوال دوسری مئین جن میں سے ہر ایک میں سو یا کچھ زیادہ آیتیں ہیں۔ تیسری مثانی جن میں سے ہر ایک میں سو آیتوں میں سے کم ہیں چوتھی مفصل اور مصحف کی ترتیب میں دو تین سورتیں جو مثانی میں سے ہیں مئین میں داخل کر دی گئیں کیوں کہ ان کے سیاق کو مئین

کے سیاق سے مناسبت ہے اسی طرح بعض دیگر اقسام میں بھی کچھ تصرف ہوا ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مصحف کی کئی نقلیں کرا کے اطراف میں بھیج دیں تا کہ ان سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔اور کسی دوسری ترتیب کی طرف مائل نہ ہوں۔ چونکہ سورتوں کا اسلوب بادشاہوں کے فرمانوں سے پوری پوری مناسبت رکھتا تھا۔اس لیے ابتداء وانتہا میں مکتوبات کے طریقہ کی رعایت کی گئی۔جس طرح بعض مکتوبات کو خدا تعالیٰ کی حمد سے شروع کرتے ہیں،اور بعض کو اس کے املاء کی غرض سے اور بعض کو مرسل اور مرسل الیہ کے نام سے شروع کرتے ہیں،اور بعض رقعے اور خطوط بے عنوان ہوتے ہیں،اور بعض مکتوبات طویل اور بعض مختصر ہوتے ہیں،اسی طرح خدا تعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد و تسبیح سے شروع کیا،اور بعض کو اس کے املاء کی غرض کے بیان سے شروع کیا۔ (بحوالہ جستہ جستہ از سیرت رسول عربی)

قرآن کریم کے معانی عالیہ ومضامینِ نادرہ

مضامین میں ہمیشہ دو اعتبار ملحوظ ہوتے ہیں۔

(۱) وسعت......وسعت کی بابت قرآن مجید کا خود دعویٰ ہے "لا رطب و لا یابس الا فی کتاب مبین" اسی دعویٰ کے اعتبار پر ایک ذی علم مسلمان کل دنیا کو مخاطب بنا کر یہ کہہ سکتا ہے کہ کوئی ایسا مسئلہ جس کا تعلق تہذیب نفس، تزکیہ روح، صفائی قلب اور حصول تجارت سے ہو۔خواہ اس کی بنیاد اعلیٰ فلسفہ پر ہو یا قدیم وجدید اکتشافات وتجربہ پر ہو،خواہ وہ اشراقیئن کی الٰہیات سے لیا گیا ہو۔یا الٰہیین کے شوارقات سے کوئی شخص ہمارے روبرو پیش کرے۔انشاء اللہ اسی مسئلہ کو وضوح تمام اور صحت کاملہ کے ساتھ قرآن مجید میں بیان شدہ دکھلا دیا جائے گا۔"وَلاَ یَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلاَّ جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا" یاد رکھو کہ کوئی علمی صداقت قرآن مجید پر مبادرت نہیں کر سکتی۔

(۲) عمدگی......دنیا میں ہستی باری تعالیٰ کا یقین رکھنے والی جس قدر اقوام ہیں وہ علمی طور پر مسئلہ توحید کے قائل ہیں۔ایک بت پرست وتثلیث پرست کو بھی اس امر میں مساعی دیکھا

جائے گا کہ کثرت میں وحدت کو ثابت کرے۔

اب دیکھو، کہ یہ مسئلہ (جس کی خوبی پر تمام عالم متفق ہے اور جس کو اپنی اپنی کتابوں کے اندر ثابت کرنے کی ہر مذہب سعی کر رہا ہے) قرآن مجید سے بڑھ کر اور کسی جگہ نہ ملے گا۔ دیگر بیانات کو بیان قرآن کے سامنے وہی نسبت ہوگی جو مٹی میں ملے ہوئے پانی کو آبِ زلال کے ساتھ ہوتی ہے۔

اگر کسی کے دل میں اس واقعہ صحیحہ کے متعلق کچھ شک ہو تو وہ اپنی کتاب کو پیش کرے جہاں سے ہم چاہیں، اس کی کتاب کو اور جہاں سے وہ چاہے قرآن مجید کو کھول لے لیکن مقدم سے آگے ایک ایک جزو کا ترجمہ کیا جائے اور وہ ترجمے تیسرے مذہب والے کے پاس بھیج دیئے جائیں۔ فیصلہ طلب امر یہ ہوگا کہ توحید کا کامل تر اور واضح تر بیان کس کتاب میں ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ "لَا یَاتُونَ بِمِثْلِهٖ" قرآن جیسا کلام نہیں بنا سکتے، کے مفہوم میں اگرچہ اس کی طرز بدیع اور الفاظ عالی اور بے مثل ترتیب اور لاثانی اسلوب اور فصاحت و بلاغت کی وہ معجز اور اجتماعی شان بھی شامل و داخل ہے جو اس کی عبارت میں نمایاں و درخشاں ہے، لیکن ان سے بھی بڑھ کر قرآن پاک کے وہ معانی پاک ہیں جو گراں الفاظ کی تہہ میں ایسے ہی موجود ہیں، جیسے حُلّہ زرّیں میں لولوئے شاہوار ہوتے ہیں۔

قرآن کریم جن مضامین عالیہ پر متضمن ہے اور جو اس کی خصوصیت خاصہ ہیں، یہ وہ بصائر ہیں، جو دیدۂ کوتاہ بیں کے حجاب اٹھا دیتی اور آنکھوں کو روشن بنا دیتی ہیں، قرآن کریم نے فرمایا ہے "اَفَلَا یَنْظُرُونَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ. وَاِلَی السَّمَاءِ کَیْفَ رُفِعَتْ. وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ. وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ."

قرآن کریم یہاں اونٹ، آسمان، پہاڑ، زمین کے نام لیتا ہے۔ کیا یہ وہی چیزیں تھیں جن کو ہر ایک بادیہ نشین بدوی ہر وقت دیکھا کرتا تھا، جو ہر ایک اعرابی کی آنکھوں کے سامنے موجود تھیں، لیکن ان سب کو دیکھتے ہوئے بھی دیکھنے والوں کی نظر خلقت و رفعت کی

کیفیت دریافت کرنے کی جانب کبھی نہیں اٹھتی تھی قرآن مجید نے آنکھیں کھول دیں تو اب ان معانی کی کیفیت بھی معلوم ہونے لگی اور ہر ایک چیز سے خلاق مطلق کی قدرت خالقیت اور رفیع الدرجات ذوالعرش کی فوقیت، سکون وحرکت کی آفرینش میں عزیز الحکیم کا غلبہ اور حکمت، وصلابتِ اجسام میں گوناں گوں فوائد کی فراوانی وکثرت بھی نظر آنے لگی۔

عرب کے وہ بھیانک صحراووادی جن کو آنکھ بھر کر دیکھنا ناگوار تھا۔ اب صحیفۂ فطرت کے طالبان علم کے لیے ورق دانش بن گئے۔ ہاں! قرآن پاک اپنے مضامین کے لحاظ سے علم ہے اَنزَلَهُ بعلمه، وہ شنوائی وبینائی اور دانش کے لیے گنجینۂ خرد ہے اور قوائے مدرکہ اور حواس جارحہ کا رہبر ہے، وہ حیاتِ قلب ہے اور نورِ رُوح، وہ راحت عاشقین ہے اور ہدایت طالبین، اقبال و دولت، مکنت فی الارض اور حکومت اس کی خُدّام ہیں، آرام دل اور اُنس جان قُرۃ العین اور ضیائے بصیرت اس کی توابع ہیں۔ علم وحقیقت اور ہدایت وصداقت اس کے علم بردار ہیں۔ قرب وانشراح، رفاہ وصلاح اس کے حاشیہ بوس ہیں۔ نجاتِ اُخروی، فوزوفلاح، رضائے الٰہی وہ خلعت ہائے شرف ہیں جو اسی بارگاہ علیا سے عطا ہوتی ہیں۔ کاش! آنکھوں والے آنکھیں کھولیں اور سننے والے اس کی آواز پر کان لگائیں۔ صاحبِ دل دلوں کے غلاف اُتار اُتار کر اور بصیرت سے قفل کھول کر کام لیں کہ حسن قرآن کی عالم افروزی وملکوت نوازی اُن پر روشن ومبرہن ہو جائے۔ (بحوالہ جستہ جستہ از رحمۃ اللعالمین)

قرآن کی عظیم تاثیر

عمرؓ جیسا شخص جسے آج بھی یورپ جنرل عمرؓ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات آپ نے ان کا تفصیل سے واقعہ ملاحظہ فرمایا کہ گھر سے مسلح ہو کر نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کردے، لیکن قرآن کی چند آیات سن کر شمشیر اس کے ہاتھ سے گر پڑتی ہے اور اپنی ہمشیرہ فاطمہؓ ہی کے گھر سے عاجز ہو کر سرورِ کائناتؐ کے حضور میں حاضر ہو جاتا ہے۔ اور فاروقؓ کے خطاب سے عزت پاتا ہے۔

اسعد بن آزارہ مدینہ کا مشہور سردار گھر سے مسلح ہو کر نکلتا ہے کہ اسلام کے مبلغ اول مصعب بن عمیرؓ کو آبادی شہر سے باہر نکال دے، وہ چند آیات سن پاتا ہے اور مصعبؓ کے ہاتھ پر بیتِ اسلام کر کے اُٹھتا ہے۔ ثمامہ بن اثمال کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص اور مدینہ النبی سے بڑھ کر کوئی جگہ قابلِ نفرت نہ تھی۔ اُسے صرف دو یوم تک قرآن پاک کے استماع کا موقع ملتا ہے، رشد وہدایت کی آواز کان سے ہو کر دل تک پہنچ جاتی ہے، جب اُسے بلاشرط آزادی مل جاتی ہے تو خود بخود حاضر ہوتا ہے، اسلام لاتا ہے اور دل و جان کو حقیر ہدیہ کی طرح حضورؐ میں پیش کر دیتا ہے۔ خالد بن عقبہ قرآن کریم سن پاتا ہے تو ششدر رہ جاتا ہے، تو بول اُٹھتا ہے:

”وَاللہ اِنّ لہ لحَلاوَة ، و اِنّ علیہ لطَرَاوة ،وَاِنّ اَسفلہ لمُغدِق ،وَاِنّ لاَعلاہٗ لمُثمِر ،وَماَ یقولُ ھٰذا بَشَر“

بخدا اس میں عجیب شیرینی ہے اس میں عجب تروتازگی ہے اس کی جڑیں سیراب ہیں اور اس کی شاخیں پھل سے بھری ہوئی ہیں بشر تو ایسا کہہ ہی نہیں سکتا۔

ذوالبجادینؓ چرواہا تھا۔ آتے جاتے مسلمان مسافروں سے آیات قرآنی یاد کر لیا کرتا، آخر گھر بار، خویش اقارب مال ومویشی، عم و مادر کو چھوڑ کر خدمت حضورؐ میں حاضر ہو گیا، رضی اللہ عنہ۔

قرآن مجید کا اثر معلوم کرنا ہو تو ان لوگوں کے واقعات پر زیادہ نگاہ ڈالیئے، جو قرآن پاک کو سمجھ سکتے تھے، جو لوگ ایک پیسہ پر قتل عمد کو ایک معمولی کھیل سمجھتے ہیں، وہی دینِ حقہ کی محبت میں گھر بار سے قطع تعلق کرنے لگے تھے۔ جو لوگ مدت العمر 360 بتوں کے پجاری رہے تھے، وہ خود توحید کے واعظ بن گے تھے۔ جن کا کام لاوارث بچوں کا مال اُڑانا ،رانڈوں کو جُل دینا تھا، وہی اعانت یتامیٰ اور ہمدردی ایامیٰ کا سبق پڑھایا کرتے تھے۔ وہ خود سر قبائلی جنہوں نے کبھی کسی قانون یا شخص کی اطاعت نہ کی تھی، وہ اب ایسے مطیع ومنقاد اور پابند شرع الٰہیہ ہو گئے تھے کہ مقدمات قتل کا قصاص ،مقدمات زنا میں رجم ،مقدمات سرقہ

میں قطع ید، مقدمات خمر میں اجرائے حد شرعیہ کے لیے خود اپنے آپ کو پیش کیا کرتے تھے، کیا ایسے نظائر کسی متمدن ملک میں موجود ہیں اور کسی جگہ کے مجرم قانون کا اتنا احترام کرنے والے دیکھے گئے ہیں۔

قرأت وتلاوت کلام اللہ کا یہ اثر ہوا تھا کہ زبان آوروں کی گرمی بازار ٹھنڈی ہوگئی تھی عکاظ کا بازار ٹھنڈا پڑ گیا تھا اور یہ عالم ہوگیا کہ اگر نشاط طبع منظور ہے تو اس نور مبین کا ورد ہے اور اگر حصول برکت مقصود ہے، تب بھی کتاب عزیز کا سماع ہے۔ الغرض قرآن مجید کا اثر انسان کے دل ودماغ اور جملہ حواس وقویٰ پر نہایت مستحکم ہے اور جو اثر اس کا ایک شخص پر ہے وہی تمام ملک پر بھی ہے۔

الغرض خلاصہ یہ کہ قرآن حکیم کی بے مثل فصاحت و بلاغت اور تحیر خیز قوتِ تاثیر بجائے خود ایک عظیم معجزہ ہے۔ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے سامنے عرب کے تمام شاعر اور خطیب مبہوت ہو گئے۔ اور سب کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔ دوست دشمن سب قرآن کریم کی لاجواب فصاحت و بلاغت کے معترف تھے۔ ایمانداروں کے نزدیک تو یہ خدا کا کلام تھا لیکن کفار اسے "سحر" کہہ کر اس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے اپنے عجز اور درماندگی کا اظہار کرتے تھے۔ قرآن کریم نے خود بھی اپنی فصاحت و بلاغت کی طرف اشارے کیے ہیں۔ سورۂ زمر میں ارشاد ہوا ہے۔ (قرآن عربی زبان میں جس میں کوئی کجی نہیں) سورۂ یٰسین اور سورۂ حجر میں فرمایا گیا ہے۔ قُرْآنٌ مُّبِین (اپنے مدعا کو خوبی سے ظاہر کرنے والا قرآن)

قرآن حکیم کی بے نظیر فصاحت و بلاغت کو دیکھ کر بعض اوقات کفار اس شبہ کا اظہار کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دوسرا شخص یہ قرآن سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے بنیاد شبہے یا اعتراض کو یوں رد کیا ہے۔ (اور ہم کو تحقیق کے ساتھ معلوم ہے کہ یہ کفار کہتے ہیں کہ محمدؐ کو کوئی آدمی سکھاتا ہے، اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ (قرآن) فصیح عربی زبان ہے۔ (سورہ نحل۔ ع ۱۴)

فصاحت و بلاغت کے ساتھ ہی آیاتِ قرآنی میں اللہ تعالیٰ نے ایسی بے نظیر قوتِ تاثیر دی کہ جو سنتا تھا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ کفار اسے جادو کہتے تھے اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر یا شور مچا کر کوشش کرتے تھے کہ آیاتِ قرآنی ان کے کانوں میں نہ پڑ پائیں۔ اس طرح گویا وہ قرآن حکیم کی بے مثل اثر انگیزی کا اعتراف کرتے تھے۔ سورۂ احقاف میں ارشاد ہوتا ہے (جب ان کافروں کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو سچائی کے آنے کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں کہتے ہیں یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ (احقاف۔ع ۱)

پھر سورۂ فصلت میں ارشاد ہوا ہے۔ (اور کفار نے کہا کہ قرآن کو نہ سنا کرو اور اس کے پڑھتے وقت شور و غل کرو، شاید تم جیت جاؤ) سورۂ حشر میں قرآن مجید نے اپنی عظمت و تاثیر کا اس طرح ذکر کیا ہے۔ (اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اُتار دیتے تو وہ اللہ کے ڈر سے جھکا ہوا اور پاش پاش نظر آتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں سے اس لیے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور و فکر کریں) (سورۂ حشر۔ آیت ۲۱)

یہاں ہم تاریخ و سیر اور حدیث کی کتابوں سے کچھ اور ایسے واقعات نقل کرتے ہیں جن سے قرآن کریم کی قوتِ تاثیر کا کسی قدر اندازہ ہو جائے گا۔ لبید ابن ربیعہ عرب کے سر برآوردہ شاعر تھے، ان کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جن سات شعراء کے قصائد (سبعہ معلقہ) خانہ کعبہ کی دیواروں پر آویزاں تھے، ان میں سے ایک لبید تھے۔ اموی دور کے نامور شاعر فرزدق کے متعلق مشہور ہے کہ جب اس نے لبید بن ربیعہ کا یہ شعر پڑھا۔

وجلا السیول عن الطلول کا نہا زبر تجد متو تھا افلا بھا

(سیلاب نے ٹیلوں کو لکھے جانے والے کاغذ کی طرح صاف شفاف بنادیا ہے)

تو اس پر اتنا اثر ہوا کہ بے اختیار سجدے میں گر گیا۔ انہی لبید بن ربیعہ نے جب قرآن کریم کی آیات سنیں تو ایسے مبہوت ہوئے کہ اس کے بعد انہوں نے شعر و شاعری کو

ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔ ان کے قبول اسلام کے بعد ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے چند اشعار کی فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا۔ جب خدا نے مجھ کو بقرہ اور آل عمران سکھادی ہے تو پھر شعر کہنا مجھے زیبا نہیں۔ (استیعاب ابن عبدالبرؒ)

حضرت عمر فاروقؓ کے قبول اسلام کا حال پہلے ایک دوسری جگہ درج ہوا ہے وہ اسلام کے سخت دشمن تھے اور مسلمانوں کے لیے تو ان کی سخت دلی کا یہ عالم تھا کہ قبولِ اسلام سے پہلے اپنی ایک لونڈی کو مسلمان ہونے کے جرم میں بے تحاشا پیٹا کرتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے اپنی بہن (فاطمہؓ بنت خطاب) کی زبان سے قرآن کریم کی آیات سنیں تو ان کا پتھر دل موم بن کر بہہ نکلا اور وہ بے اختیار پکار اُٹھے "مَا اَحسَنَ الکلام" یہ کتنا پیارا کلام ہے اس کے بعد بہت کم لوگ ایسے تھے جو ان سے بڑھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق اور اسلام کے جان نثار ہوں۔ (صحیح مسلم)

مسلمانوں نے کفار کے جور و ستم سے تنگ آ کر حبشہ کو ہجرت کی تو قریش نے نجاشی شاہِ حبش کے دربار میں اپنا ایک وفد اس مقصد کے لیے بھیجا کہ اس کو مسلمانوں کے خلاف برا فروختہ کرے اور وہ ان کو اپنے ملک سے نکال دے، نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا مسلمانوں کی نمائندگی حضرت جعفر طیارؓ نے کی، انہوں نے نجاشی کے سامنے ایک پر اثر تقریر کی جس سے وہ بے حد متاثر ہوا پھر اس نے حضرت جعفرؓ سے کہا کہ تمہارے نبی پر جو کلام نازل ہوتا ہے اس کا کوئی حصہ تمہیں یاد ہو تو ہم کو بھی سناؤ، حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی کچھ آیات کی تلاوت کی، ان کو سن کر نجاشی پر رقت طاری ہوگئی اور وہ اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی، پھر اس نے کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی کتاب کے پرتو ہیں اور کفار سے کہا کہ تم لوگ جاؤ میں مسلمانوں کو اپنے ملک سے نہیں نکالوں گا۔ (سیرت ابن ہشام)

عرب کے قبائل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا چرچا ہوا تو قبیلہ بنی سلیم کے ایک شخص قیس بن نسیبہ صحیح معلومات حاصل کرنے کے لیے مکہ آئے، انہوں نے رسول کریم ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن حکیم سنا تو کسی ہچکچاہٹ کے بغیر مشرف باسلام ہو

گئے جب وہ اپنی قوم میں واپس گئے تو تمام اہل قبیلہ کو جمع کر کے کہا کہ میں نے روم وفارس کی حلاوت آمیز باتیں، عربوں کے ولولہ انگیز اشعار اور کاہنوں کی تحیر خیز کہانتیں سنیں لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کلام میں نے سنا وہ کوئی اور ہی شے ہے، اے میری قوم تم میری بات مانو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ، چنانچہ فتح مکہ کے سال بنوسلیم کے سات سو یا ایک ہزار افراد نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ (بیہقی)

طائف کے سفر میں خالد عدوانیؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ طارق پڑھتے سنا تو گو انہوں نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا لیکن کلام الٰہی کی تاثیر دل میں گھر کر گئی اور پوری سورۂ ان کو زبانی یاد ہوگئی۔ (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ ازد کے ایک صاحب ضماد جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ وہ مکہ آئے یہاں انہوں نے قریش کو یہ کہتے سنا کہ محمدؐ دیوانہ ہے۔ انہوں نے سوچا کہ ان سے مل لوں اور جھاڑ پھونک کروں شاید وہ شفایاب ہو جائیں۔ چنانچہ وہ حضورؐ سے ملنے آئے اور کہا۔ ''محمدؐ میں جھاڑ پھونک کا کام کرتا ہوں اگر تم چاہو تو میں جھاڑ پھونک کر دوں شاید تمہیں شفا ہو جائے۔'' حضورؐ نے ان کے سامنے خدا کی حمد وثناء بیان کی اور پھر قرآن حکیم کی چند آیات پڑھیں۔ ضماد کلام الٰہی سن کر سکتے میں آگئے اور کہنے لگے میں نے کاہنوں، ساحروں اور شاعروں کی باتیں سنی ہیں لیکن ان کو اس کلام سے کوئی مشابہت نہیں جو میں نے تمہاری زبان سے سنا ہے۔ اس کا اثر تو سمندروں پر بھی ہو سکتا ہے۔ پھر انہوں نے اسلام لانے کی خواہش ظاہر کی اور مشرف با اسلام ہو گئے۔ (صحیح مسلم)

حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ جو قبیلہ دوس کے سردار اور نہایت اچھے شاعر تھے، اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد) میں ایک دفعہ مکہ گیا اور قریش کے کچھ لوگوں سے ملا، انہوں نے کہا طفیل تم شاعر بھی ہو اور سردار بھی، ہم تمہیں خیر خواہانہ مشورہ دیتے ہیں کہ محمد ﷺ سے بچنا کیوں کہ ہمیں ڈر ہے کہ اگر تم نے اس کی باتیں سن لیں تو تم اس سے مسحور ہو جاؤ گے، اس لیے خوب چوکنے رہو ورنہ

ہماری قوم کے بعض لوگ جس چیز میں مبتلا ہو گئے ہیں تم اور تمہاری قوم بھی اسی میں مبتلا ہو جائے گی، یہ شخص میاں بیوی اور باپ بیٹوں میں جدائی پیدا کر دیتا ہے، اس طرح ان لوگوں نے اپنی باتوں پر اتنا اصرار کیا کہ مجھے یقین آ گیا اور میں نے طے کر لیا کہ محمد کی باتیں اپنے کانوں میں نہ پڑنے دوں گا۔ چنانچہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی اور مسجد میں گیا وہاں رسول اللہ ﷺ کھڑے نظر آئے میں بھی آپ ﷺ کے قریب کھڑا ہو گیا، اللہ کو سنانا منظور تھا حضور نماز میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ آدمی تو بڑا شاندار معلوم ہوتا ہے اور بخدا مجھے اپنے آپ پر پورا اعتماد تھا کہ کسی چیز کی اچھائی یا برائی کو میں بخوبی اچھی طرح پرکھ سکتا ہوں اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ اس شخص کی باتیں ضرور سنوں گا اگر درست ہوئیں تو قبول کر لوں گا اگر وہ ٹھیک نہ ہوں گی تو انہیں رد کر دوں گا۔ اب میں نے اپنے کانوں سے روئی نکال ڈالی، اور رسول اللہ ﷺ کی باتیں توجہ سے سننے لگا، حقیقت یہ ہے کہ اس سے بہتر کلام، دلکش انداز اور خوب تر الفاظ اس سے پہلے میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہ سنے تھے، اس کے بعد میں آپ کا انتظار کرتا رہا، جب آپ نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا، رسول اللہ ﷺ جب گھر پہنچے تو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی قوم نے مجھے آپ کی باتیں سننے سے منع کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو سنانا منظور تھا، ان کو سننے کے بعد میری رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں اور پیش کرتے ہیں وہ بالکل سچ ہے، آپ اب میرے سامنے اپنا دین پیش کیجیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پیش کیا اور قرآن مجید کی تلاوت کی، خدا گواہ ہے کہ اس سے بہتر اور برتر کلام میں نے کبھی نہ سنا تھا اس لیے میں مسلمان ہو گیا، اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنے قبیلہ کا سردار ہوں، ان کو بھی اسلام کی دعوت دوں گا۔ (استیعاب ابن عبدالبرؒ)

ایک دفعہ حبش سے تقریباً بیس عیسائی رسول اکرم ﷺ کی بعثت کی خبر سن کر مکہ آئے حضور ﷺ کو انہوں نے مسجد میں پایا، وہیں آپ کے پاس بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے اور کچھ سوالات کیے، حضور ﷺ نے ان کے سوالوں کا جواب دیا اور پھر قرآن مجید کی کچھ آیات

پڑھیں، وہ لوگ کلام الٰہی سن کر زار زار رونے لگے اور پھر ایمان لے آئے (سیرت ابن ہشام)

ایک اعرابی نے ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے سنا۔ ''فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ'' تو وہ اس کی بلاغت سے اس قدر مرعوب متاثر ہوا کہ بے اختیار سجدہ میں گر پڑا۔ (اسد الغابہ)

ایک اور اعرابی نے فَلَمَّا اسْتَايْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا (سورۂ یوسف۔ ع ۱۰) سنی تو کہنے لگے کہ اس طرح کا کلام کسی مخلوق کا نہیں ہوسکتا۔ (اسد الغابہ)

بنو ذہل بن شیبان کے سردار مفروق سے ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی، حضورؐ نے اس کے سامنے قرآن پاک کی چند آیتیں پڑھیں وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس کے منہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ (روض الانف) قبول اسلام سے پہلے حضرت جبیر بن مطعمؓ اسیران بدر کو چھڑانے کے لیے مکہ سے مدینہ آئے۔ انہوں نے حضورؐ سے سورۂ طٰہٰ کی ایک دو آیتیں سنیں تو اس قدر متاثر ہوئے کہ دل دھک دھک کرنے لگا۔ (صحیح بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز کیا تو مشرکین قریش نے آپ ﷺ پر اور آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں پر ظلم وستم کے وہ پہاڑ توڑے کہ زمین وآسمان تھرّا اُٹھے۔ لیکن حضور ﷺ اور آپ کے رفقاءؓ بے مثال صبر واستقامت کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے، مشرکین حیران تھے کہ آخر یہ لوگ اتنی اذیتیں اور سختیاں کیوں اُٹھا رہے ہیں ایک دن انہوں نے جمع ہوکر مشورہ کیا کہ کسی ایسے آدمی کو محمد ﷺ کے پاس بھیجا جائے جو جادو، کہانت اور شعر کہنا جانتا ہوتا کہ معلوم ہو کہ ان کی دعوت کا مقصد کیا ہے۔ اور وہ کیا چاہتے ہیں چنانچہ انہوں نے اپنی نمائندگی کے لیے عتبہ بن ربیعہ کا انتخاب کیا، وہ قریش کا ایک بڑا رئیس تھا، اور جادو، شعر، کہانت سب کچھ جانتا تھا، عتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا محمد ﷺ کیا چاہتے ہو؟ ''اگر بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ ماننے کے لے تیار ہیں اگر مال ودولت مطلوب ہے تو ہم سونے چاندی کے انبار تمہارے قدموں میں ڈھیر کر سکتے ہیں، اگر کسی حسین عورت سے شادی کی خواہش ہے تو ہم تمہارے لیے وہ ماہ

خوبان تلاش کر کے لائیں گے جس کو دیکھ کر چاند اور سورج شرمائیں گے اور اگر تم یہ سب کچھ چاہتے ہو تو ہم یہ سب کچھ بھی تمہارے لیے مہیا کر سکتے ہیں" سرورِ کائنات ﷺ نے عتبہ کی ساری باتیں نہایت تحمل کے ساتھ سنیں اور جب وہ خاموش ہوا تو آپ ﷺ نے سورۂ فصلت پڑھنی شروع کر دی، ابھی آپ نے چند ہی آیات پڑھی تھیں کہ عتبہ لرز اُٹھا اور اس نے آپ کے دہن مبارک پر ہاتھ رکھ کر کہا "بس محمد ﷺ بس آگے نہ پڑھنا، قریش تمہارے ہی بھائی بند ہیں اور تم انہیں کے خون اور گوشت کا حصہ ہو۔" واپس گیا تو چند دن تک گھر سے باہر ہی نہ نکلا ابو جہل نے جا کر کہا کیوں عتبہ محمد ﷺ کے یہاں کا کھانا کھا کر گمراہ ہو گئے، عتبہ نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ میرے پاس دولت کی کمی نہیں اور مجھ کو دولت یا کھانے کی ہوس نہیں ہے لیکن محمد ﷺ نے میرے جواب میں جو کلام پڑھا وہ نہ جادو تھا نہ شعر اور نہ کہانت، میں نے ایسا کلام اس سے پہلے کبھی نہ سنا اس کلام میں عذابِ الٰہی کی دھمکی تھی اس لیے میں نے اس کو قرابت کا واسطہ دے کر چپ ہو جانے کو کہا کہ ایسا نہ ہو ہم سب عذاب کی لپیٹ میں آ جائیں، میری رائے یہ ہے کہ تم محمد ﷺ کو اپنے حال پر چھوڑ دو اگر وہ کامیاب ہو گیا تو یہ تمہاری عزت ہی کا سامان ہو گا ورنہ عرب خود اس کو فنا کر دے گا، ابو جہل اور دوسرے مشرکین نے عتبہ کی باتیں سنیں تو کہا کہ رتبہ پر بھی محمد ﷺ کا جادو چل گیا ہے　(سیرۃ ابن اسحاق)

ولید بن مغیرہ قریش کا بڑا صاحبِ اثر اور مالدار رئیس تھا ایک دفعہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے اس کو قرآن کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں، اس پر رقت طاری ہو گئی اور اس نے حضور ﷺ سے دوبارہ یہ آیتیں پڑھوا کر سنیں۔ ابو جہل کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو ولید کے پاس آیا اور کہا، اے چچا تمہاری قوم تمہیں مال و دولت کا ذخیرہ دینا چاہتی ہے تاکہ تم محمد ﷺ کے پاس جا کر اس کی باتیں نہ سنا کرو۔ ولید نے کہا تم کو اچھی طرح علم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ مالدار ہوں ابو جہل نے کہا تو پھر ایسی باتیں کہو جن سے قریش کو یقین ہو جائے کہ تم کو محمد ﷺ کی باتوں سے نفرت ہے ولید نے کہا کہ مجھ سے بڑھ کر شعر و سخن کو پرکھنے والا کون ہو سکتا ہے لیکن خدا کی قسم محمد ﷺ کے کلام کو شعر اور جادو سے

کوئی واسطہ نہیں ہے اس میں کچھ اور ہی شیرینی اور تازگی ہے اس نخل کی شاخوں میں پھل اور اس کا تنہ بھاری ہے یہ کسی انسان کا کلام معلوم نہیں ہوتا، ابوجہل نے کہا تمہاری قوم کبھی ان باتوں کو پسند نہیں کر سکتی اور نہ وہ تم سے خوش ہو سکتی ہے، ولید نے کہا اچھا مجھے غور وفکر کرنے دو غور وفکر کے بعد اس کی عقلِ سلیم پر مصلحت غالب آ گئی اور اس نے کہا "ھٰذا سحر یوثر" یہ ایسا جادو ہے جو پہلے لوگوں سے نقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ (مستدرک حاکم)

یہ تو دوسروں پر قرآن کریم کی اثر انگیزی کا حال تھا خود مہبطِ وحی اور حاملِ کلام الٰہی کی یہ کیفیت تھی کہ آپ قرآن کریم سن کر اتنے متاثر ہوتے تھے کہ چشمہائے مبارک سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی، ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ مجھ کو قرآن سناؤ، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان قرآن آپ پر نازل ہوتا ہے، آپ کے سامنے قرآن کیا پڑھوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا میں اسے دوسروں سے سننا پسند کرتا ہوں، چنانچہ جب انہوں نے سورۂ نساء کی یہ آیت پڑھی۔ (پس اس وقت کیا ہوگا جب ہم ہر امت کے اندر سے ایک شہید لائیں گے اور تم کو ان لوگوں پر شہید بنائیں گے) (سورہ نساء آیت ۴۱) تو سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا "رک جاؤ" اس وقت آپ کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا۔ (صحیح بخاری) سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بارے میں کہا، ان بتوں نے ان لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے پس جس نے میری متابعت کی وہ مجھ سے ہوگا۔ (سورۂ ابراہیم آیت ۳۶) اور سورۂ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بیان کیا گیا۔ (اگر تو ان کو عذاب دے گا تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر معاف فرما دے گا تو بے شک تو عزت وحکمت والا ہے)۔ (سورۂ مائدہ آیت ۱۱۸)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتیں تلاوت کیں تو آپ پر رقت طاری ہوگئی اور آپ دونوں ہاتھ اُٹھا کر "اللھم امتی اللھم امتی" کہنے لگے۔ (صحیح بخاری)

اسی طرح کے کئی اور واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب آپ صحابہ کرامؓ سے قرآن

سنتے تو لطف، لذت اور محویت کی عجیب کیفیت آپ پر طاری ہو جاتی۔ اسی طرح آپ خود قرآن پڑھتے تو تاثر کی شدت آپ کے چہرہ مبارک اور آواز میں نمایاں ہو جاتی۔

قرآن کریم کی خصوصیات

ایسی خصوصیات جو اس امام مبین کو صحفِ سابقہ سے متمیز و بالاتر ثابت کرتی ہیں بہت ہیں، اس جگہ ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے

خصوصیت نمبرا...... تعلیم قرآن کا کل عالم کے لیے وسیع اور عام ہونا

یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو قرآن مجید کو ہی بالخصوص حاصل ہے۔ جو کوئی شخص تورات میں سینکڑوں مقامات پر الفاظ ''بنی اسرائیل کا خدا'' پڑھے گا اور قرآن مجید میں الفاظ ''رب العلمین'' دیکھے گا، اسے تورات کے مقابلہ میں قرآن پاک کی فضیلت بخوبی آشکارا ہو جائے گی اپنی اس خصوصیت کو قرآن پاک خود ظاہر فرماتا ہے۔

اِن ھُوَ اِلَّا ذِکرٌ وَّ قُرآنٌ مُبین ...... یہ کتاب تو ذکر ہے اور قرآن مبین ہے تا کہ ہر ایک اس شخص لِیُنذِرَ مَنْ کَانَ حَیّاً. کو جو زندہ ہے اس کے برے انجام سے باخبر کر دے۔

عربی میں مَن ذوی العقول کے لیے آتا ہے، اس لیے مَن نے ہر ایک انسانی فرد کو اپنے اندر گھیر لیا ہے۔ اس لیے ساتھ کان حیا کی صفت لگی ہوئی ہے، آیت کی عمومیت اور وسعت کا خود ہی اندازہ کر لو، ہر ایک وہ شخص جو ذوی العقول کی فہرست میں آ سکتا ہے، ہر ایک وہ شخص جو زندہ کہلاتا ہے یا کہلا سکتا ہے، قرآن مجید اُسے یاد الٰہی دلانے، قرب سبحانی تک پہنچانے اس کے عواقب اُمور سے آگاہ کرنے کا کفیل ہے، کیا ان الفاظ میں کسی اور کتاب نے بھی دعویٰ کیا ہے، بقول متی مسیحؑ نے اپنی بشارت و انجیل کو روٹی اور بنی اسرائیل کو بیٹے اور دیگر اقوام کو کتے بتلایا اور یوں فرمایا ہے، مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیویں (متی ۱۵ باب ۲۱ تا ۳۴ درس)

خصوصیت نمبر۲......قرآن مبین کی تعلیم کا جامع ہونا

توراۃ وزبور وانجیل نیز دیگر انبیاء کی کتب جو کہ مجموعہ بائبل میں داخل ہیں پڑھا جائے اور وید کا کچھ ترجمہ (ترجمہ بحر وسام) دیکھا جائے، اس کی تاریخ ترتیب وتالیف کو معلوم کیا جائے کنفیوشس مقدائے چین اور بدھا بانی بُدھ مت کے اصول وتعلیم کو مختلف کتابوں سے اخذ کیا جائے، زرتشت وجاماسب کے احکام کو دیکھا جائے، یہ سب کے سب اپنے اپنے رنگ میں ایک فنّی ہیں، آسانی کے لیے صرف بائبل پر نظر ڈالو اور دیکھ لو توراۃ میں اخبار واحکام، زبور مجموعہ مناجات ہے انجیل میں امثال ومواعظ ہیں، اب قرآن مبین کو پڑھو۔

کہ مواعظ واحکام، اخبار وامثال، انذار وبشارت کا مجموعہ ہے، اس میں صفاتِ الٰہیہ کا بیان ذاتِ ربانی کا ثبوت، حصولِ تقرب کا طریق، توکل وتفویض کا مذکور، ایام اللہ کی تفصیل حیات وممات انسان اور عدم وجود عالم کا بیان، فطرتِ انسانی کی ساخت وشناخت افعال رحمانی کے اسرار قدرت ربانی کے نمونے، سطوت قہاری کے نتیجے، نصرت الٰہیہ کے کارنامے ایسے اسلوب سے بیان ہوئے ہیں کہ: نفس کو رزائل بشریہ سے پاک وصاف رکھنا مالک وخالق کے سامنے خاضع وخاشع بنانے، نور یقین کے حصول اور تجرید علائق دنیوی اور تشبہ صفات ملکی کے لیے اس سے بہتر وبالاتر کچھ متصور نہیں ہوسکتا۔

خصوصیت نمبر۳......علوم اخروی وعلوم عقل

آسمانی کتابوں میں سے یہ خصوصیت قرآن مجید ہی کی خاص ہے کہ علوم اخروی وعلوم عقل کے دو دریائے زخار پہلو بہ پہلو جوش مارتے ہوئے نظر آتے ہیں، مع ہذا یہ معانی عالیہ ایسے ایسے اسلوب بدیع کے ساتھ بیان کئے گئے کہ ہر ادنیٰ واعلیٰ اس سے برابر متمتع ہوتا ہے، وہی ایک آیت ہے جو اسحاق حنین جیسے یہودی فلسفی کو غرقاب حیرت بنا دیتی ہے اور وہی آیت افریقہ کے وحشی کی جیب دل کے گوہر کو مقصود سے بھر دیتی ہے جس ایک آیت کی تفسیر

کرتے کرتے رازی وغزالی نے اعتراف عجز وقصور فہم کیا ہے، اسی سے تہامہ کا بدوی اپنی مشکلات کی کشاکش کی راہ پا رہا ہے، بے شک قرآن حکیم سمندر کی طرح عمیق، گہر ریز ونفع رساں ہے اور خس و خاشاک شبہات کو اپنی مواج لہروں سے ساحل پر پھینک دینے والا ہے، اس کے باوقار الفاظ زبان کو اس کے پراسرار معانی ان کو اپنا کئے بغیر نہیں رہنے دیتے۔ کیا کبھی کسی اور نثر کتاب کی بھی یہ صفت سنی ہے، جو اول سے آخر تک پڑھنے والے کے وردِ زبان اور نقشِ دل ہو اور شبا روزی تلاوت پر بھی پڑھنے والے کی طبیعت سیر ہونے میں اور اسرار کتاب ختم ہونے میں نہ آئے۔

خصوصیت نمبر۴......سب کو اپنے فیض سے یکساں مستفیض بنانا

خصوصیات قرآن کریم میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جس طرح مشرق سے لے کر مغرب تک لیے ہدایت نامہ دین ودیانت ہے، اسی طرح وہ شمال سے جنوب تک کے لیے ملکی قانون بھی ہے اس کی تعلیم کسی قوم اور کسی ملک کی زبان کے لیے محدود نہیں، اس کے ارشادات انسانی فطرت صحیحہ کے مخالف نہیں، وہ یہودیت کی طرح جنت کو نسلِ واحد کی جاگیر نہیں بناتا، وہ تقرب الی اللہ کے لئے کل دنیا کو واحد خاندان کا دستِ نگر نہیں ٹھہراتا، وہ عیسائیت کی طرح انسان کو فوق از جبلت احکام کی تعلیم نہیں دیتا، وہ نا قابلِ تعمیل احکام کا خود کو مجموعہ نہیں بناتا، اگر کسی کتاب نے روئے زمین کے شاداب ترحصوں پر بہ طور آئین سلطنت کبھی حکومت کامیاب کی ہو، اگر کسی کتاب نے جمیع بنی آدم کو رنگت اور قومیت نسل اور ملک کے امتیازت بالاتر دیکھ کر سب کو اپنے فیض سے یکساں مستفیض بنایا ہو، جیسا کہ اس کتاب قیم نے کیا، تو اس کا نام لینا چاہیے۔

خصوصیت نمبر۵......قرآن کسی صداقت کی تکذیب کا ارادہ بھی نہیں رکھتا

قرآن ذی الذکر کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہر ایک پاک مذہب اور اس کے مقدس ہادیان وداعیان مذہب اور ان کی تعلیمات صحیحہ کی ستائش کرتا ہے، وہ کسی

صداقت کی تکذیب کا ارادہ بھی نہیں رکھتا، اس خصوصیت عجیبہ میں کیسی سلامت روی، امن پسندی، صداقت پروری آشکارہ ہے، قرآن تو اپنا نام مُصَدِّقاً لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ رکھتا ہے اور راست بازوں کی تصدیق کرنا ہی اپنا مقصد اولین بتلاتا ہے۔

خصوصیت نمبر ۶ ...... ایک ممتاز خصوصیت (قولٌ فصلٌ) ہے

خصائص قرآنیہ میں سے ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ قولٌ فصلٌ ہے اور اُن تمام پیچیدہ مسائل میں جن کو افکار انسانی حل نہ کر سکتے تھے یا جن کو کتب سماویہ نے ملتوی چھوڑ دیا تھا، اپنا فیصلہ سنایا ہے ایسے مسائل بہت ہیں مثلاً؛ مسئلہ عرفان صمدانی، مسئلہ صفات ربانی، مسئلہ بقائے روح وارتقائے رُوح، ماہیت نجات، کیفیت رضوان امتیاز خالق ومخلوق، فرق رازق ومرزوق، مسئلہ شفاعت واعمال، مسئلہ سزا وجزاء، مدارج صبر وشکر، ماہیت عبادت واستعانت روحانیت انس ومحبت، حقیقت نصرت الٰہیہ ومعیت ربانیہ، مسئلہ گناہ و حقیقت توبہ، مراتب دُعا وقبولیت، رہبانیت، طلاق ووراثت، حقوق اولاد، حقوق جار، حقوق والدین، حقوق زوجین حقوق جسم، حقوق انسانیت، حقوق عمران، فرائض، محار شفعہ، حقوق قوم، حکومت شخصی وجمہوری شوریٰ وامارت آئین واستبداد وغیرہ وغیرہ۔

قرآن پاک نے ان مسائل میں یا ان کے اشباہ وامائل میں جو فیصلے دیے ہیں، ان کا لطف اس وقت آتا ہے اور ان کی اعلیٰ شان اس وقت نظر آتی ہے، جب فیصلے سے متخاصمین کے بیانات کو بھی سن لیا جائے۔ اللہ اکبر! کیسی کیسی افراط میں نکلی ہوئی اور کیسی کیسی تفریط پر گری ہوئی حالتوں کو جادہ اعتدال پر لایا گیا ہے اور کیسی کیسی سنگاخ وادیوں اور کج و پر پیچ گھاٹیوں میں سے صراط مستقیم کی شاہراہ تیار کر دی ہے، بے شک یہ اسی قادر مطلق اور حکیم برحق کا کام ہے، جس کا علم ماضی وحال واستقبال پر حاوی ہے اور جس کو انسان کی فطرت کا علمِ کامل اور تربیت پر کلی اقتدار حاصل ہے۔

خصوصیت نمبر ۷ ...... اس کا پیش کرنے والا شخص واحد ﷺ ہے

اس کتاب لاریب فیہ کی ممتاز خصوصیت میں سے یہ بھی ہے کہ اس کا پیش کرنے

والا شخص واحد ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ وید کو دیکھو اُس کی ہر ایک شرُتی کے ساتھ تین نام ضرور لکھے ہوتے ہیں آریوں کی حالیہ تحقیقات یہ ہے کہ ان میں سے ایک مذکر نام اُس رشی کا ہوتا ہے جسے یہ شرتی را کاس سے ملی، اسلامی الفاظ میں یہ مطلب ہوا کہ یہ وہ شخص ہوتا ہے جس پر کلام اُترا، اگر ان ناموں کا شمار کیا جائے تو ان کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ جاتی ہے اور اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ وید کو پیش کرنے والے سینکڑوں رشی ہیں جن میں بلحاظ زمانہ بھی صدہا سال کا تفاوت ہے۔

بائبل کو دیکھو کہ یہ موسیٰ، یشوع، مصنف قاضیوں، سموایل، مصنف سلاطین، مصنف تواریخ، عزرا، نحمیا، مصنف کتاب روت، مصنف کتاب آستر، ایوب، داؤد صاحب، زبور، سلیمان صاحب امثال وغزل الغزلات، واعظ، یسعیاہ، یرمیاہ، حزقی ایل، دانی ایل، ہوسیع، یوایل، عاموس، عبدیاہ، یونا، میکہ، نحوم، حبقوق، صفنیاہ، حجی، زکریا، ملاکی کے الہامات یا تصنیفات کا مجموعہ ہے۔

علیٰ ہذا انجیلوں کو دیکھو کہ متی، مرقس، لوقا معہ اعمال، یوحنا، پولوس، یعقوب، پطرس یوحنا شاگردان مسیحؑ کے علمی کارنامے ہیں، مگر قرآن مجید کا اول اور معلّم صرف ایک ہے، صلی اللہ علیہ وسلم اس صحیفہ کا خود اسی کے ذریعہ آغاز اور اسی کے ذریعہ سے اختتام ہوتا ہے اور با ایں ہمہ یہ مصحف میں اپنے مضامین میں مکمل، اپنی تبلیغ میں کامل، دعوت الی اللہ میں یگانہ، رشد و ہدایت اور نور و رحمت میں وحید و یکتا ہے اور اپنے موضوع و مفہوم کے اتمام میں دوسری کتاب کا احتیاج مند نہیں، حالانکہ رگ وید، یجر وید سام دید کا اور اتھر دیدان تینوں کا محتاج ہے۔

نئے عہد نامہ کی تکمیل پرانے عہد نامہ کے بغیر نہیں ہوتی اور کتاب الاعمال کے بغیر اناجیل اربعہ کے مضامین ناقص رہ جاتے ہیں، حواریوں کے خطوط اتنے ہی ضروری ہیں جیسا کہ اناجیل اس سے قرآن پاک کی برتری وفوقیت اور جامعیت کا اندازہ فہم میں آ سکتا ہے اگرچہ صحیح اندازہ کے لیے ضروری ہے کہ مضامین پر عبور تام بھی ہو۔

خصوصیت نمبر ۸......اس کا اسلوب کلام نہایت شستہ ومہتاب ہے

خصوصیات قرآن مبارک میں یہ بھی ہے کہ اس کا اسلوب کلام نہایت شستہ و مہتاب ہے، وہ کبھی کوئی فحش لفظ یا حیا سوز فقرہ کا استعمال ہی نہیں کرتا، کتاب حزقی ایل کو پڑھو، جس میں خدا نے بندوں کو اپنی دو جوروؤں اہولا اور اہولیا کا قصہ سنایا ہے، اُمید ہے کہ عیسائی فاضل بھی اس قصہ کو ایک تمثیلی بیان ہی خیال کرتے ہوں گے، مگر غور کرو کہ یہ تمثیلی بیان کیا کسی مرد کو اس کی عورت کی طرف سے حسنِ ظن باقی رہنے دیتا ہے، کیا انسانی کنبہ اس نورانی جوڑے سے بڑھ کر کسی اور نمونے کی تمنا کر سکتا ہے، ہاں! ذرا لفظوں کو دیکھو کتنے گرے ہوئے ہیں۔

ا۔غزل الغزلات میں ایک نوجوان چھوکری اپنے محبوب پر اور کوئی نوجوان لڑکا اپنی محبوبہ پر اظہار محبت کرتا ہے۔

ب۔عیسائیوں نے اچھا کیا کہ محبوبہ بروعلم کو بتلا دیا اور محبوب مسیحؑ کو اگرچہ اس کے کسی لفظ میں اس تاویل کا اشارہ تک نہ تھا۔اس بیان میں مرد اپنی محبوبہ کو ''اے میری بہن، اے میری زوجہ'' کہہ کر مخاطب کرتا ہے (غزل الغزلات ۴ باب ۹،۱۰) کیا اس اسلوب کلام کو زمانہ پسند کرتا ہے یا زمانہ گزشتہ میں یہود میں باہمی خطاب کا یہ طریقہ جاری تھا۔

ج۔بائبل کی تمام کتابوں میں یہودیوں کی بدکاری کو یروشلم کی بدکاری بتلایا گیا ہے، پھر یروشلم کو عورت فرض کر کے اس کی برہنگی کے متعلق ایسے ایسے سخت و درشت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کی بابت مجھے امید ہے کہ وہ کسی گرجا کی محراب میں لیڈیز جینٹلمین کے سامنے بطور وعظ کبھی بھی نہیں پڑھے گئے ہوں گے، قرآن مجید تو الفاظ کا استعمال ایسی اعلیٰ لطافت سے فرماتا ہے کہ یہ اسی کا حصہ ہے حاجت ضروری سے فارغ ہونے کا ذکر کرنا تھا تو فرمایا ہے و جآء احد کم من الغائط غائط اس نشیبی زمین کو کہتے ہیں جہاں ایسی رفع حاجت کے لیے انسان اوجھل ہوا کرتا ہے، الغرض قرآن مجید کا اس بارہ میں درجہ بہت بلند

اور بہت روشن ہے۔ (بحوالہ رحمۃ العالمین جلد سوم)

خصوصیت نمبر ۹...... آپ ﷺ پر نازل ہونے والا قرآن مجید ہمیشہ محفوظ رہے گا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ "ہاں، ہم نے ہی اس قرآن کو اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت بھی ضرور ضرور رکھیں گے"۔

وعدہ کی وقعت اور حفاظتِ قرآن کی عظمت

یہ اس وقت سمجھ میں آتی ہے، جب صحفِ سابقہ کا تھوڑا سا حال معلوم ہو جائے۔

ا۔ تورات موسیٰ کا خمیر مایہ وہ دو الواح تھیں۔ جو موسیٰؑ کو کوہِ طور پر لکھی لکھائی دی گئی تھیں ہر دو الواح اُسی وقت ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں، جب موسیٰؑ نے میدان میں آ کر لشکر کو گوسالہ پرستی میں مصروف پایا تھا، کلیم اللہ غیرتِ ایمانیہ سے بے تاب ہو گئے، لوحیں پھینک دیں اور بھائی کو جا کر پکڑا، اس واقعہ کے بعد یہ احکام عشر اور دیگر احکام شریعت موسیٰ ہی کی حیات میں لکھے گئے اور عہد کے صندوق میں رکھے گئے (استثناء باب ۲۵) یہی ایک نسخہ تھا جس کی بابت توقع کی جا سکتی تھی کہ داؤد کے عہد تک خیمۂ عبادت میں بحفاظت موجود رہا ہو، لیکن سلاطین اول باب ۸ سے واضح ہے کہ جب عہد کا صندوق عبادت سے ہیکل سلیمانی میں لایا گیا تو پتھر کی دو شکستہ لوحوں کے سوا صندوق میں اور کچھ نہ تھا، اب ہم کو بلا کسی سند کے فرض کر لینا چاہیے کہ سلیمان نے کس طرح تورات کی شریعت کو جمع کر لیا ہو گا اور پھر عہد کے صندوق میں رکھوا دیا ہو گا، یہ مسلمہ ہے کہ ہیکل میں جو نسخہ بھی موجود تھا، اُسے بھی بخت نصر نے ہیکل کے ساتھ ہی جلا ڈالا تھا۔ یہ حادثہ ہائلہ ۵۸۶ ق م میں واقع ہوا۔

دارا شاہِ ایران کے عہد میں زرد بابل وغیرہ سرداران بنی اسرائیل نے ہیکل کو از سر نو تعمیر کیا تھا، کتاب کی بھی تلاش ہوئی، مگر نہ ملی (دیکھو کتاب عزیز) تب حضرت عزیز نے اپنی یادداشت اور حجی و زکریا کی امداد سے پھر کتاب کو تیار کیا جسے یہودی تورات کہتے ہیں (اسی کا ترجمہ یونانی زبان میں ابن توکس کے حکم سے ہوا) یہ واقعہ ۳۰۰ ق م کا ہے۔ پھر ابن

تو کس چہارم کے وقت میں جب یہ بادشاہ ملک مصر پر حملہ آور ہوا تھا، اس کے سپہ سالار نے اس نسخہ کو اور ہیکل کو جلا ڈالا، یہودیوں کی تمام کتابوں کی تلاش کی گئی اور سب کو سوخت کر دیا گیا اور یہودیوں کو بت پرستی کا حکم دیا گیا، یہ واقعہ ۱۶۶ سنہ ق م کا ہے، ایک بڑھا کاہن اپنے تین فرزندوں کے ساتھ زبان بچا کر اپنے شہر مودن کو بھاگ گیا تھا۔ اس کے فرزند مقابئس نے ایک کتاب دو جلدوں میں لکھی، جو اسی کے نام سے مشہور ہے اور یہودی کے چند فرقے اسی کو اسلامی کتاب تسلیم کرتے ہیں، واقعات بالا پر پورا پورا غور کرو اصلی کتاب کے الفاظ رہنے کی کوئی بھی اصلیّت نظر آتی ہے؟

۲۔ اب انجیل کی سرگزشت سنو، انجیل کے نام سے عیسائیوں میں چار کتابیں مشہور ہیں انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا۔

متی کی انجیل کی سرگزشت یہ ہے کہ سب سے پہلے عبرانی زبان اور شہر یہوذا (واقع شام) میں لکھی، لیکن اس عبرانی نسخہ کا وجود دنیا سے ناپید ہے اس کا ایک ترجمہ یونانی زبان سے ملتا ہے لیکن کوئی عیسائی پادری نہیں بتا سکتا کہ یہ ترجمہ کب کیا گیا اور کس شخص نے کیا، موجودہ کتاب کا یہ حال ہے کہ اس کے باب اول و دوم کو شارح انجیل نورٹن صاحب نے بمقابلہ لوقا صحیح تسلیم نہیں کیا، بلکہ اقرار کیا ہے کہ یہ دونوں باب اصل مصنف کے لکھے ہوئے ہیں۔ (کتاب الاسناد ص ۵۳ نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۷ء)

لوقا مصنف انجیل پولوس کا شاگرد ہے، اس نے مسیحؑ کو نہیں دیکھا اور اس کے استاد نے بھی مسیحؑ کی زندگی میں اس کی مخالفت ہی کی، لوقا نے اپنی انجیل انطاکیہ شہر میں بزبان یونانی لکھی تھی، لوقا نے اپنی انجیل کے شروع میں تحریر کیا ہے کہ وہ واقعات کو صحت کے بعد تحریر کرتا ہے، بزرگوار لوقا کے اس اعلان کے بعد یہ اُمید کرنا بالکل درست تھا کہ واقعات مندرجہ انجیل لوقا ضرور ہی صحیح ہوں گے لیکن انجیل کا وہی شارح فاضل نورٹن لکھتا ہے، جن اعجازی باتوں کو لوقا نے لکھا ہے ان میں جھوٹی روایتیں بھی شامل ہوگئی ہیں اور اس کے لکھنے والے نے شاعرانہ مبالغہ سے اندراج کیا ہے اور اس زمانہ میں سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا مشکل ہے۔ (کتاب الاسناد)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ جس کتاب میں سچ سے جھوٹ کا تمیز کرنا بھی مشکل ہو جائے، وہ کہاں تک محفوظ کہلانے کی مستحق ہے۔

مرقس شمعون پطرس کا شاگرد ہے، اس نے بھی اٹلی ہی میں اپنی کتاب کو یونانی زبان میں لکھا، مرقس اور لوقا کے مضامین میں بہت اختلاف ہے۔

یوحنا بن سندائی کی انجیل غالباً بلحاظ سنِ تصنیف سب سے آخری ہے، اس نے بھی اپنی کتاب کو یونانی زبان میں ہی لکھا، کہا جاتا ہے کہ یہ مسیحؑ کا شاگرد تھا، لیکن اس کی تصنیف میں یونانیوں کے قدیم عقیدہ کا بہت اثر شامل ہے۔

تمام عیسائیوں کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ اناجیل اربعہ میں سے کوئی انجیل بھی مسیحؑ پر منجانب اللہ نازل شدہ نہیں، بلکہ یہ کتابیں انہی مصنفین کی تصنیف ہیں، جن کے نام سے یہ منسوب ہیں، اب ان کتابوں کا تقدس اس طرح قائم کیا جاتا ہے کہ ان مصنفین نے ان کتابوں کو روح القدس کی مدد اور یاوری سے لکھا تھا اگر یہ امر صحیح ہے تو ان چاروں کے مضامین میں تناقض اور تضاد نہیں ہونا چاہیے لیکن ان میں اتنا تناقض موجود ہے کہ تطبیق دینا سخت دشوار ہے، آدم کلارک، نورٹن اور ہارون صاحب انجیل کے مشہور شارح ہیں، تینوں کا متفقہ قول ہے کہ تطبیق کی کوئی صورت موجود نہیں، پادری فرخ کو اقرار ہے کہ ان انجیلوں کی چار پانچ آیتوں میں تحریف بھی ہوئی ہے، نیز وہ یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ ان میں چھوٹی موٹی تیس ہزار غلطیاں موجود ہیں، چاروں انجیلوں کا مجموعہ ایک سو صفحے سے زیادہ نہیں، ایک سو صفحے کی تحریر میں جب تیس ہزار غلطیاں موجود ہوں تو کتابوں کے محفوظ رہنے کا خیال کرنا بھی عقل سے دور ہے اور اس سے زیادہ نتیجہ اخذ کرنا ہمارے اس مضمون کے موضوع سے زائد ہے۔

۳۔اب پارسیوں کی کتاب کا حال دیکھیے ایرانی قوم بڑی قدیم قوم ہے، اُن کی کتابیں بھی موجود ہوں گی، لیکن کتاب ژندتو رزرتشت کے عہد سے بھی پہلے نادرالوجود ہو چکی تھی، کہتے ہیں کہ ژند کے پچیس باب تھے اور اب صرف انیسواں ''دندیدار'' پایا جاتا

ہے، ژند کے بعد اس کا درجہ پا زند نے حاصل کر لیا، لیکن سکندر ماکدُونی کی فتح ایران کے بعد وہ بھی عنقا ہوگئی، سکندر کے بعد تین سو سال تک طوائف الملوکی رہی اور مذہبی حالت بھی بہت خراب تھی جب اردشیر بابکان ایران کا بادشاہ بنا، ژند و پاژند کی جگہ دساتیر لکھی گئی اور اسی کو آسمانی کتاب کا درجہ دیا گیا لیکن جب مانی نے اپنا مذہب چلایا تب دساتیر کو بھی ختم کر دیا گیا، مانی کے بعد مزدک نے اپنا مذہب ایجاد کیا اور اس نے پارسیوں کی مذہبی کتابوں کو اچھی طرح سے تباہ اور نابود کر دیا، یہ سب واقعات اسلام سے پہلے کے ہیں، دساتیر کے متعلق اہلِ تحقیق کا بیان ہے کہ وہ صرف دعاؤں کا مجموعہ ہے، صبح شام پڑھے جانے والی دعائیں اس میں درج ہیں، مندرجہ بالا حالات سے پتہ لگ جاتا ہے کہ سکندر کی غارت گری کے بعد اس قوم کے پاس کوئی ایسا صحیفہ موجود نہ تھا، جو آسمانی کہلانے کا مستحق ہو۔

۴۔ ہندوستان میں نہایت قدیم کتاب ''وید'' سمجھی جاتی ہے۔ وید کی عزت کو آریہ اور سناتن دھرمی دونوں تسلیم کرتے ہیں، اس اجمالی اقرار عظمت کے بعد آریہ اور سناتن دھرمیوں میں اختلاف ہو جاتا ہے، آریہ کہتے ہیں کہ وید صرف منتر بھاگ کا نام ہے، سناتن دھرمی کہتے ہیں کہ برہمن بھاگ بھی اصلی وید ہے، اور برہمن بھاگ اپنے علم کے اعتبار سے منتر بھاگ سے دو چار زیادہ ہیں، اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ وید کو ماننے والی قومیں یا تو ۲/۳ حصہ وید کو اصل سے خارج کر رہی ہیں یا ۲/۳ حجم کو وید اصلی میں داخل کر رہی ہیں اور ہر دو صورت کتاب مذکور کا غیر محفوظ ہونا ثابت ہے، زمانہ حاضرہ میں سب ہندو کہتے ہیں کہ وید چار ہیں، مگر منو جی مہاراج کی سمرتی میں صرف تین ویدوں رگ، یجر، سام کا نام آیا ہے چوتھے وید اتھرو کا نام نہیں آیا، سنسکرت کی اور بھی قدیم ترین کتابیں ایسی ہیں، جن میں یہی تین نام پائے جاتے ہیں بعض پرانی کتابیں ایسی بھی ہیں، جن میں تقریباً ۳۲ کتابوں پر اسم وید کا استعمال کیا گیا ہے، سب ہندو وید کو خدا ساز بتاتے ہیں، مگر نیائے روشن کا مصنف گوتم وید کو کلام انسان بتاتا ہے، گوتم اس درجہ کا شخص ہے کہ اس کا شاستر چھ شاستروں میں سے ایک ہے اور ان ہر شش کو شاستر بہ طور مسلمہ آریہ اور سناتنی سب تسلیم کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مذاہب میں سے جین مت بھی ہے، جینی لوگ وید کے ایک حرف کو بھی صحیح نہیں سمجھتے اور وید کا آکاس بانی ہونا بھی وہ قطعاً تسلیم نہیں کرتے، یہ لوگ بھی اپنی قدامت کو ویدوں کے زمانہ سے ماقبل کے بتاتے ہیں اور کتابوں کو وید سے قدیم تر ظاہر کرتے ہیں۔

ہمارے ان مختصر سے مختصر فقرات سے ناظرین باخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ حفاظت الٰہیہ نے مندرجہ بالا کتب میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا اور اس ہر ایک کتاب کے وجود یا اجزائے وجود پر خود اسی مذہب کے اشخاص نے شک وگمان اور ظنون واوہام کے غلاف چڑھا رکھے ہیں، قدرت الٰہی نے نہ صرف یہی کیا کہ کتابوں کی حفاظت نہیں کی بلکہ اس زبان کی لغت اور حفاظت بھی چھوڑ دی، جن میں یہ کتابیں لکھی گئیں یا نازل کی گئی تھیں، ذرا غور کیجئے، عبرانی جو تورات کی زبان تھی اور خالدی جو مسیحؑ کی زبان تھی اور درّی جو ژندو پاژند کی زبان تھی اور سنسکرت قدیم جو وید کی زبان تھی، اب دنیا کے کسی پردہ پر کسی براعظم یا کسی ملک یا کسی ضلع یا کسی شہر میں بہ طور زبان استعمال ہیں؟ قدرت نے ان السنہ کو ناپید کرنے سے اپنا فیصلہ قطعی صادر کر دیا ہے کہ اب انسان کو ان کتابوں کی بھی ضرورت نہیں رہی جو ان زبانوں میں مروّج کی گئی تھیں

دوم۔ اس حفاظت الٰہیہ کا اندازہ کیجئے، جو قرآن مجید کے متعلق ہے کہ اس کا زیروزبر اور حرف بہ حرف توالی وتواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہے، ملک چین میں ایک ایک حرف پورے یقین کے ساتھ اسی طرح پایا جاتا ہے جیسا کہ مراکو میں موجود ہے، اگر حفاظت الٰہی خود کارفرما نہ ہوتی ایک ایسی کتاب میں ہزاروں غلطیوں کا ہو جانا صرف ممکن بلکہ ضروری تھا جس کا پیش کرنے والا **ولا تخطه بيمينك** سے مخاطب ہو، آپ ﷺ تو اپنے داہنے ہاتھ سے خط کھینچنا بھی نہیں جانتے تھے، برہان بالا حفاظت الٰہی کے متعلق قطعی ہے۔

اس برہان خاتمہ پر تکمیل مدعا کی غرض سے یہ بھی لکھ دینا ضروری ہے، امیر المومنین عثمان ذوالنورینؓ نے بھی حفاظت قرأت وکتابت قرآنی میں بہت بڑی خدمت کو سرانجام دیا

ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی زید بن ثابتؓ کی نگرانی میں سات قرآن مجید لکھوائے اوران کو سات نائبان سلطنت کے پاس اپنے دستخط اور مہر رسالت سے مزین کر کے بھجوایا، اس سے بھی حفاظت قرآنِ پاک مدعا تھا تا کہ رسم الخط میں بھی آئندہ کوئی تفاوت پیدا نہ ہو سکے، کاتب وحی کے قلم اور خلیفہ راشد کے دستخط اور مہر رسالت سے مزین شدہ قرآن آئندہ زمانے کے کاتبین کے واسطے صحت ونقل ومقابلہ کے لیے بے بہا گوہر تھا۔

آج کل تو جادہ پر ہی نقول کا اعتبار چلتا ہے، یعنی کسی کتاب کی صحت کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ وہ اس نسخہ کے مطابق ہو، جس سے نقل کی گئی ہے، لیکن یہ امر کہ منقول عنہ کی صحت کا ثبوت کیا ہے، مفقود ہے، خلیفہ راشد نے نقل وصحت میں شک واختلاف مٹانے کے لیے اصل شئے قائم کردی تا کہ بحالت ضرورت اسی کی جانب رجوع کیا جائے۔

معترضین اسلام نے چاہا کہ اس واقعہ کی صورت بگاڑ کر کچھ فائدہ اٹھائیں جھٹ کہہ دیا کہ عثمانؓ نے قرآن میں تصرف کیا تھا، ان کوتاہ فہم لوگوں کو نہ اس عہد کے اسلامی ممالک کی حالت معلوم ہے اور نہ قرآنی ترویج کی خبر ہے، سیّدنا عثمانؓ اور اسلامی ممالک کے باہمی تعلقات کا بھی اُن کو علم نہیں، اگر ان سب باتوں کا علم ہوتا تو وہ یہ بات زبان پر نہ لاتے۔

سب جانتے ہیں کہ اسلام میں پانچ نمازیں فرض ہیں، جن میں سے تین میں قرآن مجید بآواز بلند پڑھا جاتا ہے اور چونکہ ہر شخص مجاز ہیکہ جہاں سے وہ چاہے جتنا چاہے قرأت کرے، اس لیے دنیا پر پھیلے ہوئے کروڑوں انسان صدہا مقامات پر مختلف اجزاء وسورتوں سے قرآن مجید کی قرأت روزانہ کیا کرتے ہیں، ایک پڑھتا ہے اور بیسیوں، سینکڑوں مقتدی سنا کرتے ہیں، اقتداء کرنے والوں میں بھی بہت تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے، جن کو خود بھی وہ آیات جو امام نماز میں پڑھ رہا ہے یاد ہوتی ہیں، یہ طریقہ عہد نبوی سے جاری تھا اور ہر شہر اور ہر قصبہ ہر قریہ میں برابر اسی پر عمل درآمد رہا۔

خلافت عثمانی سے پیشتر قرآن پڑھنے والوں کی تعداد کروڑوں پر پہنچ گی تھی اور اس کے نسخے الوف درالوف بستیوں میں موجود تھے اسلیئے عثمانؓ کے حیطہ اقتدار سے باہر تھا کہ وہ

سب کی زبانوں، سب کے دماغوں اور سب کی کتابوں پر قبضہ کر کے ایک بھی لفظ کی کمی و بیشی کر سکتے۔

ہاں ہم کو وہ مسائل فقیہہ بھی معلوم ہیں، جن میں صحابہ کا اختلاف حضرت عثمان غنیؓ سے تھا۔ مثلاً منیٰ میں پوری نماز پڑھنا اور قصر نہ کرنا، اور محرم کا کسی غیر محرم کے شکار کو استعمال کر سکنا، جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی بعض صحابہ نے اُن کے خلاف کیا اور ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد فقہی پر محکم رہا تو پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ عثمانؓ قرآن مجید کے متعلق کوئی خودساز تبدیلی کرے اور صحابہ اس پر خاموش رہ جاتے۔

اس سے بھی بڑھ کر ہم دیکھتے ہیں کہ اہل مصر نے حضرت عثمانؓ کے بعض افعال پر نکتہ چینی کی، ان کو بیت المال کا اسراف سے خرچ کرنے والا یا اپنی قوم کو بہت زیادہ عہدہ و مناصب دینے والا بتلایا اور انہی امور پر اہل مصر نے ایسی بغاوت کی کہ اس کا اختتام امیر المؤمنین عثمانؓ کی شہادت پر ہوا، لیکن ہم کسی مصری اور اُس عہد کے کسی اور شدید البغض انسان کو بھی قرآن مجید کے متعلق حضرت عثمانؓ کی شان میں ایک حرف کہتا ہوا بھی نہیں سنتے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ اُن کے بعد خلیفہ ہوتے ہیں اور اپنی تمام خلافت کے زمانے میں قرآن کی ترتیب عثمانی میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے اور نہ اس ترتیب کے بعد کوئی لفظ زبان سے نکالتے ہیں، بلکہ ہمیشہ نمازوں اور وعظوں میں اُسی قرآن کا ورد فرماتے ہیں۔

امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ میں جنگ صفین ہوتی ہے۔ اہل شام قرآن مجید کو بلند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے تمہارے درمیان یہ قرآن مجید حکم ہوگا۔ اُسی وقت حزب مرتضویؓ میں سے کوئی ایک بھی یہ نہیں کہتا کہ اہل شام کے قرآن پر کیا اعتماد ہے؟ حالانکہ فریق برسر جنگ کو اگر ذرہ بھی گنجائش ایسے لفظ کہنے کی مل جاتی تو وہ محارب کی اس تدبیر کو کالعدم کر سکتا تھا، لیکن شامیوں کے پیش کیے ہوئے قرآن ہی کو قرآن ماننا پڑا اور عارضی صلح منعقد ہوگئی، ان واقعات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ امیر المؤمنین عثمانؓ نے حفاظتِ

قرآن کے متعلق ایسی خدمت ادا کی، جس پر تمام عالم اسلام کا اتفاق تھا۔ جاہل و عالم، دانا و نادان دوست و دشمن اُن کے اس فعل حمیدہ میں ذرا بھی شک نہ رکھتے تھے اور یہ اتفاق کامل صرف قرآن مجید ہی کے متعلق حاصل ہے اور یہ بھی ایک زبردست خصوصیت حفاظت کتاب حمید کی ہے۔ (بحوالہ جستہ جستہ از رحمۃ للعٰلمین جلد سوم)

خصوصیت نمبر ۱۰۱...... آپ ﷺ پر نازل ہونے والے قرآن کی نظیر کوئی نہ بنا سکے گا

ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا﴾

اے رسولؐ سب سے کہہ دیجیے کہ اگر سب انسان اور تمام جن بھی مجتمع ہو جائیں اور ایک دوسرے کی مدد و اعانت بھی کریں اور پھر وہ اس قرآن جیسی کوئی کتاب بنانا چاہیں تو وہ ہرگز ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے۔ الفاظ دعویٰ کی شوکت اور قوت غور کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک کو کلام محمد کہنے والے ذرا غور کریں کہ زہیر و نابغہ، امراء القیس و عنترہ جیسے لوگوں کے لیے یہ دعویٰ کتنا ذلیل کُن ہے۔ وہ جو اپنے اپنے کلام کو ہرن کی جھلیوں پر آبِ زر سے لکھواتے بایام حج عام دیوار کعبہ پر آویزاں کیا کرتے تھے، کیوں اس دعویٰ کے بطلان پر آمادہ نہ ہوئے وہ ابولہب، ابوجہل کعب بن اشرف، سلام مشکم جیسے قریشی و یہودی جنہوں نے اسلام کو تباہ کرنے کی دھن میں زر و مال اور نفس و اولاد کو قربان کر دیا تھا، ایسی آسان تدبیر کی جانب متوجہ نہ ہوئے، کیسی عجیب بات ہے ایک شخص جوان ہی میں پلا اور بڑھا ہے اور جو وہی زبان بولتا ہے، جوان سب کی ہے اور پھر وہ ان سب کے پیارے مذہب اور مرغوب رسوم اور پسند کردہ عادات اور ان کے برگزیدہ معبودوں کے خلاف جوش دلانے والے الفاظ کا استعمال کر رہا ہے اور اپنی صداقت کی تائید میں ایک کلام کو جو اسی کے منہ سے نکلی ہے، بطور دلیل پیش کر رہا ہے، ان سب حالات کی موجودگی میں بھی کوئی شخص اس جیسی زبان نہیں بول سکتا اور کوئی شخص بالمثل کلام پیش کر کے اس کی تحدی کو باطل نہیں ٹھہرا سکتا۔

اچھا اس وقت کا ذکر چھوڑیئے زمان حاضرہ پر نگاہ ڈالیئے شام، بیروت، دمشق و مصر

اور فلسطین میں لاکھوں عیسائی اور یہودی موجود ہیں، جن کی مادری زبان عربی ہے جو عربی زبان میں نثر لکھنے پر قادر ہیں، جن کی ادارت میں اخبار، جرائد اور رسائل اشاعت پزیر ہیں، وہ آج کیوں اس دعویٰ قرآن کے مقابلہ میں کھڑے نہیں ہو جاتے؟ ان میں تو ایسے ایسے ادیب و ماہر زبان بھی موجود ہیں جنہوں نے لغات عربیہ پر قطر المحیط، المنجد، اقرب الموارد اور المحیط جیسی کتابیں لکھ ڈالی ہیں، وہ کیوں قرآن جیسی کتاب لکھنے کی سعی نہیں کرتے؟ وہ کیوں دس سورتوں کے برابر ہی نہیں لکھتے، وہ کیوں ایک ہی سورت کے برابر لکھنے کی جرأت نہیں کرتے؟ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ عربیت کا ماہر اور ادب میں ید طولیٰ رکھنے والا ہوگا اس پر اتنا ہی زیادہ رُعب کلام قرآنی کا غالب آجاتا ہے، آج عیسائیت کی اشاعت میں کروڑوں، اربوں روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے لیکن جس شخص کو قرآن حکیم نے تحدی بنایا، اس پر کوئی بھی قلم اُٹھانے کا حوصلہ نہیں کرتا، معترض عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شاید یہ کہہ سکتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وقت کے مشہور مشہور زبان آوروں کی قابلیت کا اندازہ کرنے کے بعد ایسا دعویٰ کر دیا ہوگا۔

خصوصیت نمبر ۱۱...... آپ ﷺ پر نازل ہونے والا قرآن حفظ یاد رکھا جائے گا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ یہ قرآن تو وہ روشن آیتیں ہیں جو علم والوں کے سینہ میں رہتی ہیں۔

ساری کتاب کو حفظ کر لینا ایک اچھوتا خیال تھا، کیوں کہ قرآن مجید سے پیشتر دنیا میں کوئی کتاب حفظ نہ کی گئی تھی، اس لیے اس خیال کا پیدا ہونا ہی اس کے لیے الہامی ہونے پر دلیل ہے اس پیش گوئی کے مطابق ہر ملک ہر صوبہ ہر ضلع ہر شہر میں حفاظ قرآن کی کافی تعداد پائی جاتی ہے، جو اس صحت اور اتقان اور یقین واثق کے ساتھ تلاوت قرآن پاک کرتے ہیں کہ ان کی قرأت سے مطبوعہ کتابت کی صحت کی جاتی ہے، مگر ان حفاظ کو مطبوعہ یا قلمی کتاب سے صحت کرنے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی، اگر کسی حافظ کو اپنے پڑھنے میں کہیں شبہ پڑے گا تو وہ اس کی صحت دوسرے حفاظ ہی سے جا کر کریگا، یہ ایسی زبردست پیش گوئی ہے کہ تمام دنیا

اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے، حفاظت کا ایسا انتظام بالکل لاثانی ہے اور محض منجانب اللہ تعالیٰ ہے۔

خصوصیت نمبر۱۲ ...... آپ ﷺ پر نازل ہونے والے قرآن کو حفظ کرنا آسان ہوگا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ ہم نے قرآن کو یاد کرنے کے لئے آسان بنادیا ہے۔

اس سے پہلی خصوصیت کے ذیل میں تحریر کیا گیا ہے کہ ساری کتاب کو حفظ کر لینے کا خیال ہی بالکل اچھوتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں دنیا کی تمام اقوام اور ممالک کے سامنے قرآن مجید کو از بر سنانا شروع کیا، تب دوسروں کو بھی اُمنگ اُنی چاہیے تھی کہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کا جوش پیدا ہونا چاہیے تھا کہ وہ بھی اپنے اپنے مذہب کی کتاب کو حفظ کر لیتے کیوں کہ ان کے سامنے یہ نظیر موجود تھی، مگر کوئی بھی ایسا نہ نکلا، نہ یہودی نہ عیسائی، نہ پارسی، نہ ہندو، اور نہ کوئی اور کہ جس نے اپنے پسندیدہ مذہب کی پسندیدہ کتاب کو حفظ کرلیا ہو، اس کی وجہ خود قرآن پاک نے بتلا دی ہے کہ یہ خصوصیت بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہی میں رکھ دی ہے کہ وہ یاد کرنے والوں کو جلد اور آسانی سے یاد ہو جاتا ہے، غور کیجئے ربّ العلمین نے اور کسی کلام کے اندر خواہ کسی زمانے میں وہ کلام آسمان ہی سے زمین پر اُتارا گیا تھا، یہ خصوصیت،، یہ خاصیت، یہ مابہ الامتیاز رکھا ہی نہیں، اس لیے کوئی دوسری کتاب کسی اور مذہب والے کو از بر یاد کیوں کر ہو سکتی تھی اور کیوں کر کوئی شخص حفاظ قرآن کی طرح ایسی صحت، ایسے تقیّن کے ساتھ اپنی کتاب کو حافظہ سے سنانے کی جرأت کر سکتا تھا یہ ہے قدرت کی زبردست طاقت اور یہ ہے فطرتِ انسانی کے اصل منشا کا راز جس کے مقابلہ سے دنیا عاجز ہے۔ (بحوالہ رحمۃ اللعالمین جلد سوم)

قرآن کریم کے کچھ عظیم فضائل

محترم قارئین گزشتہ صفحات میں آپ نے قرآن کریم سے متعلق مختلف مضامین اور

دلچسپ معلومات ملاحظہ فرمائیں اب آخر میں قرآن کریم کے کچھ چیدہ چیدہ فضائل بیان کیے جارہے ہیں، ملاحظہ فرمایئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم والی زندگی اپنانے کی توفیق توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز قرآن والا آئے گا قرآن کریم اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے درخواست کرے گا: ''اے پروردگار! اسے آراستہ فرمادیں۔'' چنانچہ قرآن والے کو عزت کا تاج پہنا دیا جائے گا۔ قرآن کہے گا: ''اے رب! اس سے راضی ہوجا۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوجائیں گے۔ حکم ہوگا: ''پڑھتا جا اور جنت کی منزلیں چڑھتا جا۔'' اور ہر ایک آیت کے بدلے ایک نیکی بڑھا دی جائے گی۔ (ترمذی شریف)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قرآن کی شفاعت قبول ہوگی اور شکایت کی شنوائی بھی ہوگی۔ جس نے اسے اپنا رہنما بنالیا وہ اسے جنت میں لے جائے گا اور جس نے اسے پس پشت ڈال دیا وہ اسے جہنم تک پہنچا دے گا۔''

آیت الکرسی کا اہتمام جنت میں لے کر جائے گا

حضرت ابوامامہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں کہ: جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من قرآ آیة الکرسی فی دبر کل صلاة مکتوبة لم یمنعه من دخول الجنة الا ان یموت. (جامع صغیر) ترجمہ: ''جو آدمی ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے اس کے داخلۂ جنت میں صرف موت کی رکاوٹ ہے۔''

سورۃ الملک جنت میں لے کر جائے گی

حضرت انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بیان کرتے ہیں کی جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قرآن کریم کی ایک سورت ہے، جس کی صرف تیس آیتیں ہیں، پڑھنے والے

کی طرف سے جھگڑا کرے گی، بالآخر اسے جنت میں داخل کر کے رہے گی، اور یہ سورت "تبارک" ہے۔

سورۃ اخلاص کی محبت جنت میں لے کر جائے گی

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صاحب مسجد قبا میں انصار کو نماز پڑھایا کرتے تھے، وہ ہر رکعت میں "قل هو الله احد" ضرور پڑھتے آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ تم یہ سورت کیوں پڑھتے ہو؟...... اس نے کہا: "یارسول اللہ ﷺ! مجھے اس سورت سے محبت ہے۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس سورت سے محبت تجھے جنت میں داخل کر دے گی۔"

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من قرأ قل هو الله احد حتّٰى يختمها عشر مراتٍ بنى الله له قصرًا فى الجنة. "جو آدمی "قل هو الله احد" پوری سورت دس مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے (اس عمل کے بدلے) جنت میں ایک محل بنا دیتے ہیں۔"

صاحب قرآن کا مقام ومرتبہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور جنت کی منزلیں چڑھتا جا اور جس طرح تم دنیا میں ترتیل و تجوید سے قرآن پڑھتے تھے اسی طرح پڑھو اور جس مقام پر تمہاری آخری آیت ہو وہی تمہاری منزل ہے۔" (مسند احمد)

تلاوت کرنے والوں سے وفات کے بعد فرشتوں سے ملاقات

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں تلاوت کی جاتی ہے، اس گھر کے اوپر نور کا ایک خیمہ سایہ فگن رہتا ہے، اور آسمان اور آسمان کے فرشتے اس نورانی خیمے سے گھر کو شناخت کرتے ہیں، جس طرح

چٹیل میدان اور دریاؤں کے بیچ میں جب انسان ہوتا ہے وہ چمکتے تاروں سے راہنمائی حاصل کرتا ہے، جب قرآن پڑھنے والا وفات پاتا ہے، تو اس کے گھر کے اوپر سے وہ نورانی خیمہ اٹھالیا جاتا ہے، آسمان کے فرشتے کو جب وہ خیمہ دکھائی نہیں دیتا تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ وہ وفات پاگیا ہے۔

چنانچہ اس کی ملاقات کے لئے وہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف جاتے ہیں، پھر اس کی روح پر رحمت و درود بھیجتے ہیں اور قیامت کے دن تک اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں، جس شخص نے تہجد کی نماز میں تلاوت قرآن کی وہ رات اس کے حق میں آنے والی رات کو وصیت کرتی ہے۔ اس کو اس وقت بیدار کردینا جس وقت یہ تلاوت کرتا ہے، پھر جب اس بندہ کی وفات ہوجاتی ہے اور لوگ اس کی تجہیز وتکفین میں لگے ہوتے ہیں اس وقت قرآن حسین وجمیل صورت میں آکر اس کے پاس کھڑا ہوجاتا ہے جب کفن میں لپیٹتے ہیں تو قرآن سینے سے چمٹ جاتا ہے، دفن کرنے کے بعد نکیرین اور میت کے درمیان حائل ہوجاتا ہے مگر پھر نکیرین کو سوال کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اس پر مامور ہیں، نکیرین کے سوال کا برحق جواب دینے پر قرآن اللہ کی اجازت سے لباس لاتا ہے، اور ہزار فرشتے یہ سامان لاکر قبر میں بچھادیتے ہیں پھر قرآن قیامت تک میت کے ساتھ قبر میں رہ کر اس کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہے، میت کے گھر والوں کی خبر روزانہ لاتا ہے، باپ کی طرح شفقت کرتا ہے، میت کی کوئی اولاد قرآن کی تعلیم کرتی ہے تو یہ قران میت کو خوشخبری سناتا ہے، اور اگر اولاد بری ہے تو اس کی اصلاح کے لئے دعا کرتا ہے۔ (مسند بزار)

قرآن پڑھنے سے فرشتوں کی معیت

حضرت عبیدہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم رات کو نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو تو قرآن بلند آواز سے پڑھا کرو، یہ آواز سن کر شیطان اور خبیث جنات بھاگتے ہیں اور فضا میں اڑنے والے فرشتے اس

کی آواز کو سنتے ہیں اور گھر میں رہنے والے بھی آواز سن کر نماز پڑھنے لگتے ہیں یہ رات اگلی راتوں کو وصیت کرتے ہوئے کہتی ہے: اے اس کی آخرت رات تو اس پر آسان ہو جائیو۔ پھر جب اس کی وفات ہو جاتی ہے تو قرآن آ کر سرہانے کھڑا ہو جاتا ہے اور غسل کی نگرانی کرتا ہے، جب کفن پہنایا جاتا ہے تو قرآن اس کے کفن اور سینے کے درمیان داخل ہو جاتا ہے جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور نکرین آتے ہیں تو قرآن نکل کر اس میت اور نکیرین کے درمیان کھڑا ہو جاتا ہے، نکیرین قرآن سے کہتے ہیں تو ہمارے درمیان سے ہٹ جا، تاکہ ہم اس سے سوال کریں قرآن کہتا ہے خدا کی قسم اس وقت تک اس سے الگ نہیں ہوسکتا جب تک اس کو جنت میں داخل نہ کروں اگر تم کو اس بندے سے کوئی معاملہ کرنے کو حکم ملا ہے تو تم اپنا کام کرو، اس کے بعد نکیرین اس سے سوال کرتے ہیں پھر قرآن اس بندے کی طرف دیکھ کر پوچھتا ہے: کیا تو مجھے پہچانتا ہے، بندہ کہتا ہے نہیں، اس پر قرآن اپنا تعارف کراتے ہوئے کہتا ہے، میں وہ قرآن ہوں جس نے دنیا میں راتوں کو تجھے بیدار کر رکھا تھا، اور دن کو بھوکا، پیاسا رکھا تھا، کان اور آنکھ کی برائیوں سے باز رکھا تھا۔ اب میں تیرے لئے سچا دوست اور سچا بھائی ہوں، تو خوش ہو جا کہ نکیرین کے سوال کے بعد تجھے کوئی غم نہیں۔ وہاں سے نکیرین رخصت ہو جاتے ہیں اور قرآن بھی اپنے اللہ کے پاس لوٹتا ہے، اور اس بندے کے واسطے بچھانے کے فرش مانگتا ہے۔

چنانچہ اس کو بچھونا اور نورانی قندیل دینے کا حکم ہوتا ہے، ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے ستر ہزار فرشتے اٹھا کر چلتے ہیں، قرآن ان سب سے پہلے ہی بندہ کے پاس پہنچ کر پوچھتا ہے: اے بندے! میرے جانے کے بعد تجھے کوئی گھبراہٹ تو نہیں ہوئی، میں صرف اتنی دیر کے لئے تجھ سے جدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے تیرے لئے بچھونے کا انتظام کروں، میں یہ چیزیں تیرے پاس لایا ہوں اسی دوران وہ فرشتے وہ چیزیں لا کر اس کے نیچے بچھا دیتے ہیں اور جب اس کو داہنی کروٹ پر لٹا کر آسمان پر چڑھتے ہیں تو بندہ دیکھتا ہے، پھر جانب قبلہ زمین کو

دھکا مارتا ہے وہ حد نگاہ کشادہ ہو جاتی ہے۔

سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

وعَن جُبیرِ بنِ نُفیرٍ رضیَ اللہُ تعالیٰ عنهُ انَّ رسولَ اللہِ صلَّی اللہُ علَیهِ وسلَّمَ قالَ اِنَّ اللہَ ختمَ سورۃَ البقرۃِ بِاٰیَتَینِ اُعطِیتُھُما مِن کَنزِہِ الذی تحتَ العرشِ فتعلَّمُوھُنَّ وعلِّموھُنَّ نِسائکُم فَاِنَّھا صلوۃٌ وقِربانٌ و دُعاءٌ ترجمہ حضرت زبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی دو آیتوں پر سورۂ بقرہ ختم فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خزانہ سے دی ہیں جو اس کے عرش کے نیچے ہے لہٰذا تم ان آیتوں کو سیکھو اور اپنی عورتوں کو سکھلاؤ (تاکہ وہ بھی تلاوت کریں اور ان کے سیکھنے سکھانے کی ضرورت اس لئے ہے) کہ یہ (ذریعہ) رحمت ہیں اور (اللہ کے) نزدیکی ہونے کا سبب ہیں اور سراپا دعا ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

تشریح...... اس حدیث میں سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت بیان فرمائی اور حکم دیا ہے کہ ان کو سیکھیں اور عورتوں کو بھی سکھائیں تاکہ سبھی ان کی برکتوں سے مالا مال ہوں، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں (آمن الرسول سے لے کر سورۃ کے ختم تک) اللہ نے مجھے اپنے اس خزانہ سے دی ہیں جو اس کے عرش کے نیچے ہے اور یہ بھی فرمایا کہ یہ دونوں آیتیں ذریعہ رحمت اور اللہ کی نزدیکی حاصل ہونے کا سبب ہیں اور سراپا دعا ہیں ان آیتوں کو یاد کریں بار بار پڑھیں اور خصوصیت کے ساتھ سوتے وقت ضرور پڑھا کریں، عورتوں کو ذکر و تلاوت میں مردوں سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے، آخرت کی دوڑ دھوپ میں سب یکساں ہیں جو جتنا کرلے گا اس کا اجر پالے گا مرد ہو یا عورت ہو آخرت بے انتہا ہے وہاں کی نعمتیں بھی بے انتہا ہیں عمریں بھی بے انتہا ہوں گی، نعمتوں کی نوازش ہوگی جو مرد و عورت جس قدر اعمال صالحہ کی پونجی ساتھ لے جائے گا وہاں ثواب پائے گا۔

سورۃ بقرہ اور آل عمران کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا

کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (یعنی گھروں میں ذکر وتلاوت کا چرچا رکھو اور ذکر وتلاوت سے خالی رکھ کر گھروں کو قبرستان نہ بنادو کہ جیسے وہاں ذکر وتلاوت کی فضا نہیں ایسے ہی تمہارے گھر بھی اس سے خالی ہو جائیں اور زندہ لوگ مردوں کے مشابہ بن جائیں) پھر فرمایا کہ بے شک شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پڑھو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے لوگوں کے لئے (جو اسے پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس کی تلاوت کا ذوق رکھتے ہیں) سفارشی بن کر آئے گا، پھر فرمایا کہ دو روشن سورتیں پڑھو (یعنی سورۂ بقرہ اور آلِ عمران کیونکہ یہ دونوں قیامت کے دن دو سائبانوں کی طرح آئیں گی اور (اپنے لوگوں کو بخشوانے اور درجے بلند کرانے کے لئے خدائے پاک کے حضور میں) خوب زوردار سفارش کریں گی، پھر فرمایا کہ سورۂ بقرہ کو پڑھو کیونکہ اس کا حاصل کر لینا باعث برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا باعث حسرت ہے اور یہ باطل والوں کے بس کی نہیں۔ (مسلم شریف)

آیۃ الکرسی کی فضیلت

آیۃ الکرسی بھی سورۂ بقرہ کی ایک آیت ہے جو تیسرے پارے کے پہلے صفحہ پر ہے اس کے پڑھنے کی بہت فضیلت آئی ہے ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابی بن کعب ﷺ سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ اللہ کی کتاب میں کون سی آیت سب سے زیادہ بڑی ہے حضرت ابی کعب نے عرض کیا اللہ ورسول ہی زیادہ جانتے ہیں آپ نے پھر یہی سوال کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ سب سے بڑی آیت یہ ہے اللہ لا الٰہ الّا ھو الحیُّ القیُّوم الخ یہ سن کر ان کی تصدیق فرماتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا تم کو علم مبارک ہو بعض احادیث میں آیۃ الکرسی کو تمام آیات قرآنیہ کی سردار فرمایا ہے (حصن حصین) ایک حدیث میں ہے کہ جب تم رات کو سونے کے لئے اپنے بستر پر جاؤ تو آیۃ الکرسی اللہ لا الٰہ الّا ھو الحیُّ القیُّوم آخر تک پڑھ لو۔ اگر ایسا کر لو گے تو اللہ کی طرف سے تمہارے اوپر

ایک نگراں مقرر ہو جائے گا اور تمہارے قریب شیطان نہ آئے گا۔ (بخاری شریف)

فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی کی فضیلت

فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی چاہئے حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص ہر (فرض) نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھ لے اس کو جنت میں جانے کے لئے موت ہی آڑ بنی ہوتی ہے اور جو شخص اس آیت کو اپنے بستر پر لیٹتے وقت پڑھ لے تو اللہ اس کے گھر میں اور پڑوسی کے گھر میں اور آس پاس کے گھروں میں امن رکھے گا، شیطان کے اثر، آسیب، بھوت پریت سے بچنے کے لئے سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت آیۃ الکرسی کا پڑھنا مجرب ہے۔ سورۂ بقرہ آخری دو آیتیں) آمن الرسول سے لے کر ختم سورۃ تک) ان کے پڑھنے کی بھی بہت فضیلت آئی ہے، آخری آیت میں دعائیں ہیں جو بہت ضرورت کی دعائیں ہیں اور ان دعاؤں کی قبولیت کا وعدہ بھی ہے حضور اقدس ﷺ نے ایک دن فرمایا کہ اس وقت آسمانوں کا ایک دروازہ کھولا گیا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا تھا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا، آپ نے فرمایا یہ ایک فرشتہ نازل ہوا ہے جو آج سے پہلے زمین کی طرف کبھی نازل نہیں ہوا، اس فرشتہ نے آپ کو سلام کیا اور کہا آپ خوشخبری قبول فرمائیں ایسی دو چیزوں کی جو سراپا نور ہیں آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ (۱) فاتحۃ الکتاب (یعنی سورۂ الحمد شریف) (۲) سورۃ بقرہ کی آخری آیات (ان دونوں میں دعائیں ہیں) اللہ کا یہ وعدہ ہے ان میں سے دعا کا جو بھی حصہ آپ پڑھیں گے۔ اس کے مطابق اللہ تعالیٰ تم کو ضرور عطا فرمائیں گے۔

سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات رات کو پڑھنے کی فضیلت

حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات رات پڑھ لیں تو یہ آیات اس کے لئے کافی ہوں گی یعنی رات بھر یہ شخص جن و بشر کی شرارتوں سے محفوظ رہے گا۔ ہر ناگوار چیز سے اس کی حفاظت ہو

گی۔ (بخاری ومسلم شریف)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے دو آیتیں نازل فرمائی ہیں جن پر سورۂ بقرہ ختم کی ہے جس کسی گھر میں تین رات پڑھی جائیں گی تو شیطان اس کے گھر کے قریب نہ آئے گا ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ کے ختم پر جو آیتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے خزانوں سے دی ہیں جو عرش کے نیچے ہیں ان میں جو دعائیں ہیں ایسی جامع ہیں کہ انہوں نے دنیا وآخرت کی کوئی بھلائی نہیں چھوڑی جس کا سوال ان میں نہ کیا ہو۔ (مشکوۃ شریف)

ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھنے سے کبھی فاقہ نہ ہوگا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص روزانہ رات کو سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرے اسے کبھی فاقہ نہ ہوگا (راوی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد کا بیان ہے کہ) حضرت عبداللہ بن مسعود اپنی لڑکیوں کو حکم دے کر روزانہ رات کو سورۂ واقعہ پڑھوایا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی عورتوں کو سورۂ واقعہ سکھاؤ کیونکہ وہ غنا یعنی مالداری (لانے والی) سورت ہے۔ پیچھے حدیث میں فرمایا کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرے اسے کبھی فاقہ نہ ہوگا اور اس کے بعد والی حدیث میں فرمایا کہ سورۂ واقعہ عورتوں کو سکھاؤ کیونکہ یہ مالداری لانے والی سورت ہے اسی لئے عبداللہ بن مسعود ﷛ روزانہ اپنی لڑکیوں کو اہتمام کے ساتھ سورۂ واقعہ پڑھوایا کرتے تھے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ابن عساکرؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کے مرض وفات میں حضرت عثمان بن عفان ﷛ ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ ما تشتکی؟ (آپ کو کیا تکلیف ہے) حضرت عبداللہ ﷛ نے جواب دیا۔ ذنوبی؟ (اپنے گناہوں کے وبال کی تکلیف ہے) حضرت عثمان ﷛ نے

فرمایا۔ فما تشتھی (آپ کی کیا خواہش ہے) حضرت عبداللہ ؓ نے فرمایا۔ رحمۃ ربی (اپنے پروردگار کی رحمت چاہتا ہوں) آپ کے لئے کوئی طبیب بھیج دوں؟ حضرت عثمان ؓ نے پوچھا۔ "طبیب ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے" حضرت عبداللہ ؓ نے جواب دیا "تو پھر اخراجات کے لئے کچھ رقم بھجوادوں؟ حضرت عثمان ؓ نے فرمایا "نہیں، مجھے اس کی ضرورت نہیں حضرت عبداللہ ؓ نے جواب دیا: "یہ رقم آپ کے بعد آپ کی صاحبزادیوں کے کام آجائے گی"۔ حضرت عثمان نے فرمایا کیا آپ کو میری بیٹیوں پر فقر وفاقہ کا اندیشہ ہے؟ میں نے تو انہیں ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کی تاکید کر رکھی ہے کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھے اسے کبھی فاقہ کی مصیبت نہیں آئے گی۔

لوگ آج کل پیسہ کمانے اور مالدار بننے کے لئے بہت کچھ کوششیں کرتے ہیں لیکن حضور ﷺ کے بتائے ہوئے نسخے پر عمل کرنے ارادہ ہی نہیں کرتے۔ آج کل ہم ایسے وقت سے گزر رہے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کو چھوٹوں کو اور بڑوں کو، بچوں کو بوڑھوں کو قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور اللہ کا ذکر کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی صبح ہوتی ہے تو سب سے پہلے ریڈیو اخبارات میں مشغول ہو جاتے ہیں، گھنٹے آدھ گھنٹے کے بعد ناشتہ کر کے بناؤ سنگھار کر کے بچے اسکول کی راہ لیتے ہیں اور بڑے ملازمتوں کے لئے چل دیتے ہیں عورتیں اور چھوٹے بچے ریڈیو گانے بجانا سنتے رہتے ہیں جب اسکول والے بچے آتے ہیں تو وہ بھی گانا سننے میں لگ جاتے ہیں کہاں کا ذکر کہاں کی تلاوت سب حب دنیا میں مست رہتے ہیں۔ بہت کم کسی کے گھر سے کلام اللہ پڑھنے کی آواز آتی ہے ذکر اللہ اور تلاوت کلام اللہ کے لئے لوگوں کی طبیعتیں آمادہ ہی نہیں، محلے کے محلے غفلت کدے بنے ہوئے ہیں۔ اکا دکا کسی گھر میں کوئی نمازی ہے اس افسوس ناک ماحول کی وجہ سے اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے محروم ہیں۔ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ قرآن مجید پڑھے اور اپنے ہر بچے کو لڑکا ہو یا لڑکی قرآن شریف پڑھائے اور روزانہ صبح اٹھ کر نماز سے فارغ ہو کر گھر کا ہر فرد کچھ نہ کچھ تلاوت

ضرور کرے تا کہ اس کی برکت سے ظاہر و باطن درست ہو اور دنیا وآخرت کی خیر نصیب ہو۔ اللہ کے ذکر اور تلاوت قرآن مجید کی برکتیں اور سعادتیں ایسی بے انتہا ہیں جن کا پتہ انہی نیک بندوں کو ہے۔ جو اپنی زندگی کا حصہ ان میں لگائے رہتے ہیں۔ سورۂ واقعہ اور سورۂ آل عمران اور سورۂ بقرہ کے فضائل ابھی ابھی گزر چکے ہیں ترغیب کے لئے انکے علاوہ دیگر سورتوں کے خاص خاص فضائل اور خواص ذکر کئے جاتے ہیں تا کہ نفس کو تلاوت کے لئے آمادہ کرنا آسان ہو۔

سورۃ الفاتحہ کی فضیلت

سورۃ الفاتحہ قرآن مجید کی پہلی سورت ہے جو بہت بڑی فضیلت والی سورت ہے، سورۂ فاتحہ کا ورد رکھنا، دنیا وآخرت کی بھلائیوں سے نوازے جانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ سورۂ فاتحہ میں ہر مرض سے شفا ہے، ایک حدیث میں اس کو قرآن کی سب سے بڑی سورت فرمایا ہے، لمبی سورتیں تو اور بھی ہیں مگر عظمت کے اعتبار سے یہ سب سے بڑی ہے اس کی بہت برکات ہیں، نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے ایک حدیث میں فرمایا کہ سورۃ فاتحہ جیسی سورت نہ تو توریت میں نازل ہوئی نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ قرآن میں۔ (ترمذی شریف)

سورۂ یٰسین کی فضیلت

حضرت عطا ابن ابی رباح (تابعی) فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دن کے اول حصہ میں سورۂ یٰسین شریف پڑھ لی اس کی حاجتیں پوری کردی جائیں گی (مشکوۃ شریف) ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سورۂ یٰسین شریف اللہ کی رضا کی نیت سے پڑھی، اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے لہٰذا جس کا موت کا وقت قریب ہو اس کے پاس بیٹھ کر پڑھو (مشکوۃ شریف) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا ایک دل ہوتا

ہے قرآن کا دل سورۂ یٰسین ہے جس نے یٰسین (ایک مرتبہ) پڑھی، اللہ اس کے پڑھنے کی وجہ سے اس کے لئے دس مرتبہ قرآن شریف پڑھنے کا ثواب لکھ دے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

سورۂ کہف کی فضیلت

سورۂ کہف پندرھویں پارے کے آدھے پر الحمد للہ الذی سے شروع ہوتی ہے، اس سورت کے پڑھنے کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھ لی اس کے لئے دونوں جمعوں کے درمیان نور روشن رہے گا) یعنی اس کا دل منور رہے گا یا یہ مطلب ہے کہ جمعہ کے دن ایک بار اس کے پڑھ لینے سے اس کی قبر میں بقدر ایک ہفتہ کے روشنی رہے گی، اگر کوئی ہر جمعہ کو پڑھ لیا کرے تو اسے موت کے بعد بھی نور ہی نور نصیب ہوگا (گو تمام اعمال صالحہ روشنی کا سبب ہیں) حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے سورۂ کہف کی اول کی تین آیات پڑھ لیں وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ (ترمذی)

دو سورتیں عذاب قبر سے بچانے والی

سورۂ الٓم تنزیل اکیسویں پارہ میں ہے جسے الٓم سجدہ بھی کہتے ہیں سورۂ لقمان اور سورۂ احزاب کے درمیان ہے سورۂ تبارک الذی اور الٓم سجدہ کو قبر کے عذاب سے بچانے میں خاص دخل ہے جیسا کہ چغلی اور پیشاب کی چھینٹوں سے احتیاط نہ کرنے کو قبر کا عذاب لانے میں زیادہ دخل ہے۔ حضرت خالد بن معدان (تابعی) نے فرمایا کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ایک شخص سورۂ الٓم سجدہ کو پڑھا کرتا تھا اس کے سوا (بطور ورد) کوئی دوسری سورت نہ پڑھتا تھا اور تھا بھی بہت گنہگار جب قبر میں عذاب ہونے لگا تو اس سورت نے اس شخص پر اپنے پر پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ اے رب اس کی مغفرت فرما دے کیونکہ یہ مجھے زیادہ پڑھا

کرتا تھا، چنانچہ خداوند قدوس نے اس کی سفارش قبول فرمائی اور فرمایا کہ اس کے لئے ہر گناہ کے بدلے ایک ایک نیکی لکھ دو اور ایک ایک درجہ بلند کردو، انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کی جانب سے قبر میں جھگڑا کرے گی اور اللہ پاک سے عرض کرے گی اے اللہ اگر میں تیری کتاب سے ہوں تو اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما اگر میں تیری کتاب سے نہیں ہوں تو مجھے اپنی کتاب سے مٹادے یہ بھی فرمایا کہ یہ سورت پرندے کی طرح اپنے پر پھیلا دے گی ،اور سفارش کرے گی اور عذاب قبر سے بچاوے گی جو جو کچھ فضیلت سورۂ الٓم سجدہ کی بتائی یہ فضیلت اور خصوصیت سورۂ تبارک الذی بیدہ الملک کی بھی بتائی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف) ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے ایک قبر پر خیمہ لگالیا، انہیں پتہ نہ تھا کہ یہاں قبر ہے وہاں سے ان کو سورۂ تبارک الذی بیدہ الملک پڑھنے کی آواز آئی۔ پڑھنے والے نے جو صاحب قبر تھا یہ سورۃ پڑھتے پڑھتے ختم کردی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ: ھِیَ المانِعَۃ ھِیَ المُنجِیَۃ تُنجِیہِ مِن عذابِ اللہِ یعنی یہ سورت عذاب کو روکنے والی ہے اللہ کے عذاب سے اسے نجات دلا دے گی۔ (ترمذی شریف)

سورۃ الحشر کی آخری تین آیتوں کی فضیلت

حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صبح کو تین مرتبہ اعوذ باللہِ السَّمیعِ العَلیمِ مِنَ الشَّیطا نِ الرَّجِیمِ پڑھ کر سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھ لیوے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستّر ہزار فرشتے مقرر فرمادیں گے جو اس دن شام تک اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہیں گے اور اگر اس دن میں مرجائے گا تو شہید ہونے کا درجہ پائے گا اور جس نے یہ عمل شام کو کرلیا تو اس کو بھی یہی نفع ہوگا یعنی صبح ہونے تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہیں گے اور اس رات میں مرجائے گا تو شہادت کا درجہ پائے گا، سورۂ حشر اٹھائیسویں پارہ میں ہے اس کی آخری تین آیتیں

هُوَ اللّٰهُ الَّذِی لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے ختم سورۃ تک۔

سورۂ اخلاص کی فضیلت

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے روزانہ دوسو مرتبہ سورۂ قل ھواللہ احد، پڑھ لی اس کے پچاس سال کے گناہ (صغیرہ) اعمال نامہ سے مٹادئے جائیں گے۔ہاں اگر اس کے اوپر کسی کا قرض ہو تو وہ معاف نہ ہوگا (ترمذی) نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص بستر پر سونے کا ارادہ کرے اور داہنی کروٹ پر لیٹ کر سو مرتبہ قل ھواللہ احد، پڑھ لے تو قیامت کے دن اللہ جل شانہ، کا ارشاد ہوگا اے میرے بندے تو اپنی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو جا (ترمذی) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو سورۃ قل ھواللہ احد پڑھتے سن لیا۔آپ نے فرمایا (اس کے لئے) واجب ہوگئی۔میں نے پوچھا کیا؟ فرمایا، جنت۔ (ترمذی شریف)

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! میں اس سورت یعنی قل ھواللہ احد سے محبت رکھتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا اس محبت نے تجھے جنت میں داخل کردیا۔حضرت سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دس مرتبہ قل ھواللہ احد پڑھ لی اس کے لئے جنت میں ایک محل بنادیا جائے گا اور جس نے بیس مرتبہ پڑھ لی اس کے لئے جنت میں دو محل بنادئے جائیں گے اور جس نے تین مرتبہ پڑھ لی اس کے لئے جنت میں تین محل بنادئے جائیں گے۔یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ، اللہ کی قسم اس صورت میں تو ہم بہت زیادہ محل بنالیں گے، آپ نے فرمایا اللہ بہت بڑا داتا ہے جتنا عمل کرلوگے اس کے پاس اس سے بہت زیادہ انعام ہے۔

سورۂ الھکم التکاثر کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ روزانہ ہزار آیات پڑھ لو، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کسے طاقت

ہے کہ روزانہ ہزار آیات (پابندی) سے بلاناغہ) پڑھے آپ نے فرمایا کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ سورۃ الھکاثر پڑھ لو۔

قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی فضیلت

یہ سورتیں قرآن مجید کی آخری دو سورتیں ہیں، ان کو معوذتین کہتے ہیں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے، تکلیف دینے والی چیزوں اور مخلوق کی شرارتوں سے محفوظ رہنے کے لئے ان کا پڑھنا بہت ہی زیادہ نافع اور مفید ہے حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں سرور دوعالم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھا کہ اچانک آندھی آگئی اور سخت اندھیرا ہوگیا، حضور ﷺ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کے ذریعہ اس مصیبت سے اللہ کی پناہ مانگنے لگے، یعنی ان کو پڑھنے لگے اور فرمایا کہ عقبہ ان سورتوں کے ذریعہ اللہ کی پناہ حاصل کرو کیونکہ ان جیسی اور کوئی چیز نہیں ہے جس کے ذریعہ کوئی پناہ لینے والا پناہ حاصل کرے۔ (ابوداود شریف)

حضرت عبداللہ بن خبیب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم ایسی رات میں جس میں بارش ہورہی تھی اور سخت اندھیری بھی تھی، حضور ﷺ کو تلاش کرنے کے لئے نکلے، چنانچہ ہم نے آپ کو پالیا آپ نے فرمایا کہو، میں نے عرض کیا، کیا کہوں فرمایا جب صبح ہو اور شام ہو سورۃ قل ھواللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تین تین بار پڑھ لو یہ عمل کرلوگے تو ہر ایسی چیز سے تمہاری حفاظت ہوجائے گی جس سے پناہ لی جاتی ہے (یعنی ہر موذی اور ہر شر اور ہر بلا سے محفوظ ہوجاؤ گے، بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص سورۃ قل اعوذ برب الفلق پڑھتا ہے تو ہر اس چیز کے شر سے اللہ کی پناہ لیتا ہے جو اللہ نے پیدا کی ہے اور رات کے شر سے بھی پناہ لیتا ہے جو جادو کرتی ہیں اور حسد کرنے والے کے شر سے بھی پناہ لیتا ہے اور قل اعوذ برب الناس پڑھنے والا سینوں میں وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے پناہ لیتا ہے، اتنی چیزوں کے شر سے بچنے کے لئے دعا کی جاتی ہے اسی لئے یہ دونوں سورتیں ہر طرح کے شر اور بلا اور مصیبت اور جادو ٹونہ ٹوٹکہ سے محفوظ رہنے کے لئے مفید ہیں اور مجرب ہیں

ان کو اور سورۃ اخلاص کو صبح شام تین تین بار پڑھے اور دیگر اوقات میں بھی ورد رکھے کسی بچی کو تکلیف ہو، نظر لگ جائے تو ان دونوں کو پڑھ کر دم کرے یا لکھ کر گلے میں ڈال دے، بچوں کو یاد کرادیں دکھ تکلیف میں ان سے بھی پڑھوائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ روزانہ رات کو جب حضور اقدس ﷺ بستر پر تشریف لاتے تو سورۃ قل ھواللہ احد قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر ہاتھ کی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر ان میں اس طرح پھونک مارتے تھے کہ کچھ تھوک بھی پھونک کے ساتھ نکل جاتا تھا پھر دونوں ہتھیلیوں کو پورے بدن پر جہاں تک ممکن ہوتا تھا پھیر لیتے تھے یہ ہاتھ پھیرنا سر اور چہرے سے اور سامنے کے حصہ سے شروع فرماتے تھے۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ بھی بیان فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو جب کوئی تکلیف ہوتی تھی تو اپنے جسم پر سورۃ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر دم کیا کرتے تھے (جس کا طریقہ ابھی اوپر گزرا ہے) پھر جس مرض میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس میں، میں یہ کرتی تھی کہ دونوں سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھ پر دم کر دیتی تھی پھر آپ کے ہاتھ کو آپ ﷺ کے جسم پر پھیر دیتی تھی، دم صرف پھونکنے کو نہیں کہتے دم یہ ہے کہ پھونک کے ساتھ تھوک کا بھی کچھ حصہ نکل جائے۔ (بخاری شریف)

جمعہ کے دن سورۂ کہف کے فضائل

جمعہ کے دن صبح سے شام تک جس وقت ممکن ہو سورۂ کہف ایک مرتبہ پڑھا کریں۔ یہ اختیار ہے صبح کو یا شام کو جس وقت چاہیں مکان میں یا مسجد میں جس جگہ سہولت ہو موقعہ مل جائے پڑھ لیا کریں، حفظ پڑھیں یا قرآن میں دیکھ کر پڑھیں۔

حضرت ابن عمرؓ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے گا اس کے لئے قیامت کے دن ایسی روشنی ہوگی جو اس کے قدم کے نیچے سے آسمان تک بلند ہوگی اور جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں

گے، دوسری حدیث میں اس کے پڑھنے کے مقام سے مکہ تک یا ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک روشنی حاصل ہونا مذکور ہے، امام غزالیؒ نے ''احیاء العلوم'' میں اس روایت میں مزید فضیلت ذکر کی ہے کہ اس پر ستر ہزار فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں، اور درد اور پیٹ کے پھوڑے اور ذات الجنب اور برص اور جذام اور دجال کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے، کئی حدیثوں میں سورۂ کہف کی شروع یا آخری کی دس آیات پڑھنے پر فتنہ دجال سے محفوظ ہونے کا ذکر ہے۔ (رواہ مسلم، ابوداود، الترمزی)

نماز جمعہ کے بعد سورۂ اخلاص اور معوذتین کے فضائل

جمعہ کی نماز اور سنتوں سے فراغت کے بعد یہ تین سورتیں ''قل هو الله احد، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس'' سات مرتبہ پڑھا کریں۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن امام کے سلام پھیرنے کے بعد اسی حالت میں بیٹھے ہوئے سورۂ فاتحہ، قل ہو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سات مرتبہ پڑھے گا، خدا تعالیٰ اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے گا، مؤمنین کی تعداد کے برابر ثواب عنایت کرے گا، ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے دین و دنیا کی حفاظت اور اہل و اولاد کی نگہداشت کرے گا۔ (نزہۃ المجالس)

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ سے منقول ہے کہ جمعہ کے روز امام کے سلام پھیرنے کے بعد جو شخص سورۂ فاتحہ اور مذکورہ بالا تین سورتیں سات سات بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے دین اور دنیا اور اہل و عیال اور اولاد کو آئندہ جمعہ تک محفوظ رکھیں گے۔ (اعمال قرآنی)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم کی اہمیت اور اس کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضور ﷺ کی تشریح کے مطابق اس قرآن کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۱۶

رسولِ اکرم ﷺ باعثِ تخلیق کائنات بن کر تشریف لائے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ سولہویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ باعث تخلیق کائنات بن کر تشریف لائے'' بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں، اور دل سے بار بار یہی صدا آرہی ہے کہ یا اللہ آقا ﷺ کے مدینے میں بار بار آنے کی توفیق عطا فرما اور اخلاص سے آقا ﷺ کے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما، دل چاہتا ہے کہ روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کو دیکھتا رہوں اور پھر دیکھتا ہی چلا جاؤں کہ دل کا سرور اسی میں چھپا ہے، دعا گو ہوں کہ یا رب قدوس تیرے محبوب پیغمبر ﷺ کے مبارک روضہ پر بیٹھ کر تیرے محبوب ﷺ کی خصوصیت پر کام کرنے کی اس گناہ گار کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما اور آخر میں نجات کا ذریعہ بنا، آمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ بھی ایک عجیب اور عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو باعث تخلیق کائنات بنایا، یعنی حضور ﷺ کی خاطر ساری دنیا کو سجایا، گویا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو نہ بنانا ہوتا تو دنیا کے کسی بھی انسان کو نہ بناتے بلکہ دنیا و آسمان میں سے کسی بھی چیز کی تخلیق نہ فرماتے، یہ سب کچھ حضور ﷺ کے قدم مبارک کی برکت سے ہوا، تو بے شک صاف ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت کسی اور نبی کے پاس نہیں، بلکہ خود ان کا وجود ہمارے نبی ﷺ کا مرہونِ منت ہے، بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی آپ ﷺ سے غایت درجہ کی محبت کی علامت ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ اس

خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں گے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت کرنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمائیے:۔

سولہویں خصوصیت کی وضاحت

سلام پہنچے آمنہ کے اس لعل ﷺ پر کہ جس نے ہمیں اپنی رحمۃ للعالمین والی چادر میں پناہ دی، ہمارے بازوؤں کو کشور کشائی کی طاقت بخشی، ہمارے دلوں کو اپنی محنتوں و کاوشوں سے آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکایا، ہمیں ایمان کی لافانی دولت سے مالا مال کیا، جس پر قرآن کریم جیسی لازوال کتاب نازل ہوئی۔

جو مسکرایا تو چمنستان کونین کے پھولوں نے ہنسنا سیکھا، جس کے خرام ناز سے صبا نے ٹہلنا سیکھا، جو اٹھا تو پہاڑوں نے سربلندی پائی، جس نے کائنات کو نورانی کیا، جو نور میں سب سے پہلے اور ظہور میں سب سے آخر میں تھا، جس کی توانائیوں نے ہمیں کائنات کی تسخیر پر قادر کیا، جس نے عرب کے بدوؤں اور حجاز کے ساربانوں کو شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنا سکھایا، اور جس نے عرب و عجم کی تمیز کو مٹا ڈالا، جس نے انسانوں پر انسانوں کی فوقیت کو ختم کیا اور تقویٰ، دیانت، فراست کو انسانی شرف کی دلیل ٹھہرایا۔

سلام پہنچے اس محسن کائنات کو، جو کائنات کی تخلیق کا باعث ہے، جس کا عشق ہمارا قبلہ اور کعبہ ذوق ہے، جو تمام نبیوں میں آخری نبی ہے، جس کی ختم المرسلینی پر ساڑھے چودہ سو سال میں کئی رہزنوں نے دست درازی کرنا چاہی لیکن وقت کی غیرت نے انہیں نقش آب کی طرح محو کر دیا، جو بظاہر گنبد خضریٰ میں سو رہا ہے، لیکن جس کی چشم بیکراں ارض و سما کی وسعتوں اور پہنائیوں سے باخبر ہے، ہم حقیروں میں اتنی ہمت کہاں کہ رسول اکرم ﷺ کی ثناء کر سکیں۔، یہاں قلم عاجز اور زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔

محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

کتاب شفاء الصدور کے مصنف نے اپنی کتاب میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: ''اے محمد! میری عزت اور میرے جلال کی قسم! اگر تم نہ ہوتے تو میں نہ زمین پیدا کرتا اور نہ آسمان، نہ میں سبز چھت آویزاں کرتا اور نہ یہ فرش خاک بچھاتا۔'' اسی بات کو شاعر نے نظم کیا ہے۔

لو لاہ ما کان لافلک ولا فلک کلا ولا بان تحریم وتحلیل

ترجمہ: اگر آنحضرت ﷺ نہ ہوتے تو زمین وآسمان کچھ بھی نہ ہوتے، بے شک کچھ بھی نہ ہوتا یہاں تک کہ نہ حرام کا پتہ ہوتا نہ حلال کا یقینی شریعتیں ہی نہ آتیں۔

بعض علماء نے اس شعر کے مضمون کی مخالفت کی ہے مگر اس گذشتہ روایت سے ان کے قول کی تردید ہوجاتی ہے اس مضمون کو غلط بتانے والوں کو دعوی ہے کہ اس قسم کی بات دلیل کی محتاج ہوتی ہے جبکہ قرآن وحدیث میں ایسی چیز نہیں ہے، جو اس بات کی دلیل بن سکتی ہو۔ مگر اس روایت کی روشنی میں ان کو جواب دیا جاسکتا ہے کہ حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے جو اس دعوی کو ثابت کرتی ہے۔ واللہ اعلم (بحوالہ سیرت حلبیہ)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

اور ایک شاعر حضور سرورِ کائنات کی اسی شان سے متعلق عرض کرتا ہے کہ

کونین کی تخلیق کا مولیٰ تو سبب ہے اسلام کا مفہوم تیرے در کا ادب ہے
طٰہٰ سے عیاں ہے تیری سیرت کا قصیدہ قرآن میں یٰسین تیرے چہرے کا لقب ہے
والنجم کا مطلب تیرے چہرے کی تلاوت واللیل تو مولیٰ تیری زلفوں کا لقب ہے

خصوصیت نمبر ۱۷

رسولِ اکرم ﷺ کے اسمِ مبارک پر نام رکھنا دنیا وآخرت میں برکت ونجات کا ذریعہ ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ سترہ نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے''رسولِ اکرم ﷺ کے اسمِ مبارک پر نام رکھنا دنیا وآخرت میں برکت ونجات کا ذریعہ ہے'' آج جمعرات کا دن ہے فجر کی نماز سے فراغت کے بعد روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوں اور رسولِ اکرم ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس میں میرا کوئی کمال نہیں بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ اس ذات باری تعالیٰ نے مجھ جیسے گنہ گار اور حقیر انسان کو یہ سعادت عطا فرمائی، اس پر میں اپنے اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے، اور امید ہے کہ انشاء اللہ جس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی توفیق عطا فرمائی وہی اللہ میری اس کاوش کو مقبول ومنظور بھی فرمائے گا، اور روزِ قیامت میری یہی کاوش میری نجات کا باعث ہوگی انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے اسم مبارک پر نام رکھنا دنیا وآخرت میں برکت ونجات کا ذریعہ ہے، اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ آپ ﷺ کے نام سے لے کر آپ ﷺ کی سیرت وصورت اور آپ ﷺ کے اقوال وافعال سب ہی ہماری نجات وفلاح کا ذریعہ اور سبب ہیں۔ اور اس کتاب میں آپ ﷺ کی چیدہ چیدہ خصوصیات واسی لئے جمع کیا گیا ہے تا کہ ہم اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت وعقیدت کرنے والے بن جائیں، اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے والے بن جائیں، بے شک اسی میں ہم سب کی کامیابی مضمر ہے، آنے

والے اوراق میں اس کتاب کی سترہ نمبر خصوصیت کی تفصیل پیش کی جارہی ہے جو انشاء اللہ ہمارے ایمان میں اضافے کا سبب اور ذریعہ ہوگی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین پر مکمل طور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

سترہویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

حضرت علامہ ملا علی قاریؒ نے ''شرح الشفاء'' میں ایک طویل حدیث نقل فرمائی ہے جس کے آخر میں سرکار دو عالم ﷺ یوں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿الحمدللّٰہ الذی فضلنی علی جمیع النبیین حتی فی اسمی و صفتی﴾ ''یعنی تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے جملہ انبیاء پر فضیلت بخشی حتی کہ میرے نام اور صفت میں۔'' (شرح الشفاء للقاری)

اس کے متعلق حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے اسم مبارک پر نام رکھنا مبارک و نافع اور دنیا و آخرت میں حفاظت و نجات کا باعث ہے۔

چنانچہ حافظ امام ابو نعیمؒ نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں حضرت نبیط بن شریطؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: ﴿قال اللّٰہُ تعالٰی وعزتی و جلالی لَاُعَذِّبُ اَحداً تسمی باسمک فی النار﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم! جس کا نام تمہارے نام پر ہوگا، اسے دوزخ کا عذاب نہ دوں گا۔'' (حلیۃ الاولیاء)

اس وعدۂ خداوندی کے جواب میں ایک حدیث رسول بھی آپ ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز دو آدمی دربار خداوندی میں پیش ہوں گے، حکم ہوگا کہ انہیں جنت میں لے جاؤ، یہ حکم سن کر انہیں تعجب ہوگا اور حق تعالیٰ سے وہ عرض کریں گے کہ یا الٰہ العالمین ہم نے تو کوئی نیک عمل نہیں کیا، پھر بھی جنت میں کیوں بھیجے جارہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا ''تم جنت میں جاؤ، میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جس شخص کا نام محمد یا احمد ہوگا اس کو جہنم میں داخل نہیں کروں

گا۔" اس حدیث کو امام قسطلانیؒ نے بھی "مواہب اللدنیہ" میں حضرت انس بن مالکؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد اول)

ایک حدیث میں ہے ﴿استحی ان عذب بالنار من اسمه اسم حبیبی﴾ یعنی اللہ شرم فرماتا ہے اس (بات) سے کہ اسے عذاب دے، جس کا نام میرے حبیب ﷺ کے نام پر ہو۔"

حضرت علامہ امام یوسف بن اسماعیل نبہانیؒ نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں خبر پہنچی ہے کہ جس شخص کا نام محمد ہے قیامت کے روز اسے لایا جائے گا، اللہ اس سے فرمائے گا کہ تجھے گناہ کرتے ہوئے شرم نہ آئی؟ حالانکہ تو نے میرے حبیب کا نام رکھا ہے لیکن مجھے شرم آتی ہے کہ میں تجھے عذاب دوں، جب کہ تو نے میرے حبیب کا نام اختیار کیا ہے، جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔" (افضل الصلوۃ علی سید السادات)

حضرت جعفر بن محمد اپنے والد محترم سے روایت فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز ایک منادی ندا کرے گا کہ اے لوگو! خبردار ہو جاؤ تم میں سے جس کا نام محمد یا احمد ہے وہ جنت میں داخل ہو جائے، اس حکم سے اللہ رب العزت اپنے محبوب ﷺ کے اسم مبارک کی عظمت دکھانا چاہے گا۔" (کتاب الشفاء القسم الاول باب سوم)

نیز ابن عساکر و حافظ حسین بن احمد بن عبداللہ بن بکیر حضرت امامہؓ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ﴿ومن ولدله مولود فسماه محمدا حبالی وتبركا باسمی كان هو ومولوده فی الجنة﴾ "جس کے (یہاں) لڑکا پیدا ہوا اور وہ میری محبت اور میرے نام پاک سے تبرک کے لیے اس کا نام محمد رکھے، وہ اور اس کا لڑکا دونوں جنت میں جائیں گے۔ (از احکام شریعت حصہ اول)

خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں ﴿هذا امثل حديث ورد فی هذا الباب واسناد حسن﴾ "یعنی جس قدر حدیثیں اس باب میں آئیں یہ سب میں بہتر ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ ﴿ونازعه قلميذه الشامی بما وده العلامه

الزرقانی فراجعه ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جس کا نام "محمد" ہوگا، حضور ﷺ بروز حشر اس کی شفاعت فرمائیں گے، اور جنت میں داخل کرائیں گے۔ (مدارج النبوۃ جلد اول)

حضرت علامہ قاضی ابوالفضل عیاض "کتاب الشفاء" میں فرماتے ہیں **ان الله تعالیٰ وملائکته یستغفرون لمن اسمه محمد واحمد** "یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بخشش ورحمت کرتے ہیں اس پر جس کا نام محمد یا احمد ہو۔" (طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ)

غرض کہ حضور ﷺ شافع یوم النشور ﷺ کے اسم مبارک کی برکت وعظمت اور رحمت کے یہ وہ جلوے اور مژدے ہیں جو بروز حشر اپنی جلوہ ریزیاں دکھائیں گے، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے نام سرکار کے اسم مبارک سے مزین ہیں، بشرطیکہ مومن ہو، اور مومن عرفِ قرآن وحدیث اور صحابہ میں اسی کو کہتے ہیں جو سنی صحیح العقیدہ ہو **کم نص علیه الائمة فی التوضیح** وغیرہ ورنہ بدمذہبوں کے لیے تو حدیثیں یہ ارشاد فرماتی ہیں کہ وہ جہنم کے کتے ہیں، ان کا کوئی عمل قبول نہیں بدمذہب (اگر حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان مظلوم قتل کیا جائے اور اپنے اس مارے جانے پر صابر وطالب ثواب رہے، جب بھی اللہ تعالیٰ اس کی کسی بات پر نظر نہ فرمائے اور اسے جہنم میں ڈالے، یہ حدیثیں دارقطنی وابن ماجہ وبیہقی وابن جوزی وغیرہ نے حضرت ابوامامہ وحذیفہ وانس سے روایت کی ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے بھی لوگ ہیں کہ جو کھلے عام ان احادیث طیبات کا خود ہی انکار کرتے ہیں اور انہیں ضعیف قرار دیتے ہیں، گویا کہ اس بشارت سے محرومی کا خود ہی اقرار کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ حضور ﷺ کے نام اقدس پر اگر کسی نے اپنا نام رکھا تو یہ اس کے لیے صرف یوم آخرت ہی نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی باعث خیر وبرکت ہوگا اور وہ شخص جس گھر میں بھی ہو یا کسی محفل میں ہو یا کسی اور جگہ ہو، ان تمام صورتوں میں رب کریم محض اپنے فضل وکرم سے اس جگہ بیش بہا نعمتوں وبرکتوں اور رحمتوں کی بارش نازل فرمائے گا۔

چنانچہ ابن ابی عاصم نے ابن ابی فدیک جہم بن عثمان سے انہوں نے ابن جشیب

سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ جس نے میرے نام پر اپنا نام رکھا اور مجھ سے برکت کی امید رکھی تو اس کو برکت حاصل ہوگی، اور وہ برکت قیامت تک جاری رہے گی۔ (خصائص الکبریٰ جلد دوم)

اسی طرح ایک اور جگہ ابن سعد نے عثمان عمریؒ کی حدیث سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ﴿ماضر احدکم لو کون فی بیته محمد و محمد ان و ثلثة﴾ ''یعنی اگر تم میں سے کسی کے گھر میں ایک یا دو یا تین ''محمد'' (نام والے) ہوں تو کیا حرج ہے، تمہارے گھر میں تو بہت برکت ہوگی۔'' (بحوالہ طبقات ابن سعد)

حضرت ابن قاسمؒ نے اپنی کتاب سماع میں اور ابن وہبؒ نے اپنی جامع میں امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ میں نے مکہ مکرمہ والوں سے سنا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس گھر میں ''محمد'' نامی کوئی آدمی رہتا ہو، وہ گھر برکت والا ہے، اور اس کے ہمسایوں کو بغیر کسی خاص مشقت کے رزق ملتا رہتا ہے۔ (کتاب الشفاء)

امام مالک فرماتے ہیں کہ ﴿ماکان فی اهل بیت اسم محمد الا کثر بر کته﴾ ''جس گھر والوں میں کوئی محمد نام کا ہوتا ہے اس گھر کی برکت زیادہ ہوتی ہے۔''

اور مدارج النبوۃ میں ہے کہ ﴿ذکره المناوی فی شرح التیسیر تحت الحدیث العاشر و الزرقانی فی شرح المواهب﴾ نیز یہ بھی مروی ہے کہ کوئی گھر نہیں ہے، جس میں ''محمد'' نام والے ہوں مگر یہ کہ حق تعالیٰ انہیں برکت دے۔ (مدارج النبوۃ جلد اول)

حضرت سریج بن یونسؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے مقرر کردہ بعض فرشتے ہیں جو زمین میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور جس گھر میں کوئی محمد یا احمد نام کا آدمی رہتا ہو اس میں ٹھہر جاتے ہیں۔ اسی لیے نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر گھر میں ایک بلکہ دو بلکہ تین شخص ایسے ہونے چاہئیں جن کا نام محمد ہو۔ (کتاب الشفاء القسم الاول باب سوم)

طبرانی کبیر و امام جلال الدین سیوطی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿و من ولد له ثلثة اولاده فلم یسم احد

منهم محمد فقد جهل ﴾ ''یعنی جس کے تین بیٹے پیدا ہوں، اور وہ ان میں سے کسی کا نام ''محمد'' نہ رکھے تو بلاشبہ وہ ضرور جاہل ہے۔'' (خصائص الکبریٰ جلد دوم)

امام ابو منصور دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں اور ابن عدی کامل و ابو سعید نقاش بسند صحیح اپنے معجم شیوخ میں اور علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے ''مدارج النبوۃ'' میں اور ان کے علاوہ حافظ ابن بکیرؒ نے امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ﴿**ماطعم طعام علی مائدة ولاجلس علیها وفیها اسمی الا وقد سوا کل یوم مرتین**﴾ ''کوئی دسترخوان نہیں ہے کہ بچھایا گیا ہو اور اس پر لوگ کھانے کے لیے آئیں اور ان میں احمد یا محمد کے نام والے ہوں مگر یہ حق تعالیٰ اس گھر کو جس میں یہ دسترخوان کھانے کا بچھایا گیا ہو اسے روزانہ دو مرتبہ پاک نہ فرمائے۔ (مدارج النبوۃ جلد اول)

حاصل یہ کہ جس گھر میں ان پاک ناموں کا کوئی شخص ہو تو دن میں دو بار اس مکان میں رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے، لہٰذا حدیث امیر المومنین کے الفاظ یہ ہیں: ﴿**مامن مائدة وضعت فحضر علیها من اسمه احمد اومحمد الاقدس الله ذالک المنزل کل یوم مرتین**﴾ نیز یہ بھی روایت ہے کہ جس گھر میں اسم رسول موجود ہو اس گھر میں تنگدستی نہیں آتی۔

چنانچہ صاحب نزہۃ المجالس حضرت علامہ عبدالرحمٰن صفوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ''کتاب البرکۃ'' میں نبی کریم ﷺ کی ایک روایت دیکھی کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جس گھر میں میرا نام ہو اس میں تنگدستی نہ آئے گی۔ (نزہۃ المجالس جلد دوم)

ان احادیث سے اس بات کا بھی ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کیوں نہ ہم اپنے مکانوں اور دکانوں میں نام ''محمد'' کے طغرے آویزاں کر کے اس نام پاک کی رحمت و برکت سے مالا مال ہوں جو کہ مکانوں و دکانوں میں باعث خیر و برکت کے علاوہ آفات و بلیات سے محفوظ و مامون رہنے کا موثر ذریعہ بھی ہوگا، اور یہ ظاہر بات ہے کہ جب خود خالق کائنات نے عرش و فرش پر اس نام پاک کو تحریر فرما کر کائنات کی ہر شے کو اس نام پاک سے زینت بخشی ہو نیز

جنت کی ہر چیز اور حور وغلماں کی مقدس آنکھوں حتیٰ کہ عرش عظیم اور شجر طوبیٰ کے پتوں کو اس نام محمد ﷺ سے سجایا ہو تو کیوں کر یہ امر ہمارے لیے باعث خیر و برکت نہ ہوگا کہ ہم اپنے گھروں اور دکانوں وغیرہ میں حضور پر نور ﷺ کے نام پاک کے طغرے لگائیں؟ یقیناً یہ ہمارے لیے باعث خیر و برکت اور ذریعہ صد ہا نعمت و رحمت ہی ہوگا۔

حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو قوم کسی مشورے کے لیے جمع ہوئی اور ان میں کوئی شخص ایسا موجود ہے جس کا نام ''محمد'' ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے نام کی برکت عطا فرمائے گا۔ (مدارج النبوۃ جلد اول)

اسی طرح طرانی وابن جوزیؒ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰؓ سے راوی ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ﴿ما اجتمع قوم قط فی مشورة وفیهم رجل اسمه محمد لم یدخلوه فی مشورتهم الا لم یبارک لهم فیه﴾ ''یعنی جب کوئی قوم کسی مشورے کے لیے جمع ہو اور ان میں کوئی شخص ''محمد'' نامی ہو اور اسے اپنے مشورے میں شریک نہ کریں تو ان کے لیے اس مشورہ میں برکت نہ رکھی جائے گی۔ (نزہۃ المجالس جلد دوم)

اسم محمد ﷺ کے احترام کے پیش نظر بزار نے ابورافع سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کہ جب تم بچہ کا نام محمد رکھو تو اسے نہ مارو اور نہ محروم رکھو۔ (خصائص الکبریٰ جلد دوم)

ایک اور جگہ حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم بچے کا نام ''محمد'' رکھو تو اس کی عزت کرو، اسے محفل میں جگہ دو اور اسے چہرے کی بدصورتی کی بددعا نہ دو۔ (جامع صغیر)

اسی طرح حضرت علامہ عبدالرحمن صفوریؒ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ جب تم کسی کا نام ''محمد'' رکھو تو اس کی تعظیم کیا کرو، اس کی نشست گاہ کشادہ رکھو اور اس سے منہ مت بگاڑو۔ (نزہۃ المجالس جلد دوم)

یوں ہی حاکم وخطیب نے تاریخ میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں امیر المومنین

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ﴿اذا سميتم الولد محمدا فاكرموه واسعوا له في المجلس ولا تقبحوا له وجها﴾ ''یعنی جب لڑکے کا نام ''محمد'' رکھو تو اس کی عزت کرو اور مجلس میں اس کے لیے جگہ کشادہ کرو اور اسے برائی کی طرف نسبت نہ کرو، یا اس پر برائی کی دعا نہ کرو۔ نیز بزار، ابن عدی، ابویعلیٰ اور حاکم نے حضرت انسؓ سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے، اپنے بچوں کا نام 'محمد' رکھتے ہو، اس کے بعد ان بچوں پر لعنت کرتے ہو۔ (خصائص الکبریٰ جلد دوم)

صاحب روح البیان حضرت علامہ اسماعیل حقیؒ فرماتے ہیں کہ جس بچے کا نام ''محمد'' ہو اس کا ادب واحترام کیا جائے، غرض کہ اس کے بہت سے آداب ہیں (تفسیر روح البیان)

یہی وجہ تھی کہ ہمارے اسلاف نے جب اپنی اولاد کا نام سرکار کے نام پر رکھا تو ہمیشہ اس نام کا ادب بھی برقرار رکھا۔ چنانچہ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ ذکر اللہ بالخیر نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے دو لڑکے تھے۔ ایک کا نام محمد اور دوسرے کا احمد تھا، شیخ نجیب الدین اگر ان پر خفا ہوتے تو فرماتے کہ اے خواجہ محمد تم نے ایسا کیا، اور اے خواجہ احمد یہ کام تمہارے لائق نہ تھا، گویا آپ کو کیسا ہی سخت غصہ ہوتا لیکن ہر حال میں آپ کے نام کا ادب ملحوظ رکھتے۔ (فوائد الفواد مجلس)

سچ فرمایا ہے شاعر قمر انجم صاحب نے۔

زباں کو پاک جب تک کر نہ لیں اشک محبت سے
نبی کا نام لب پر اہل دل لایا نہیں کرتے

اسم محمد ﷺ کی برکت کے پیش نظر حضرت ابن ابی ملیکہؒ نے بروایت ابن جریج حضرت نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ جس کے یہاں حمل ہو، اور وہ پختہ ارادہ کر لے کہ میں اس کا نام ''محمد'' رکھوں گا، تو خدا اسے لڑکا عطا فرمائے گا۔ (نزہۃ المجالس جلد دوم، سیر حلبیہ جلد اول)

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کی بیوی کے حمل سے لڑکا پیدا ہو تو وہ اپنا ہاتھ اپنی حاملہ بیوی کے پیٹ پر رکھ کر یہ کہے: اگر اس حمل سے میرے یہاں لڑکا پیدا

ہوا تو میں اس کا نام محمد رکھوں گا، تو اس (نیت کے اثر) سے اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوگا۔

(سیرت حلبیہ جلد اول)

آپ ﷺ کے اسم مبارک کی برکت واقعات کی روشنی میں

حضرت ابوالعباس البکری ناقل ہیں کہ محمد بن جریر طبری، محمد بن خزیمہ، محمد بن نصر اور محمد بن ہارون رویانیؒ، یہ چاروں ''محمد'' نامی محدثین اپنی طالب علمی کے زمانے میں مصر میں مجتمع ہوگئے، اور چاروں مفلسی و فاقہ کشی سے مجبور ولاچار ہوگئے، ایک دن ان چاروں نے یہ طے کیا کہ قرعہ نکالو، جس کے نام کا قرعہ نکلے وہ خدا تعالیٰ سے دعا مانگے۔ چنانچہ جب قرعہ ڈالا گیا تو محمد بن خزیمہؒ کا نام کا قرعہ نکلا، اس پر انہوں نے کہا: ٹھہرو! میں نماز پڑھ کر دعا مانگوں گا، چنانچہ جیسے ہی انہوں نے دعا مانگی، ایک غلام موم بتی لئے ہوئے دروازے پر کھڑا نظر آیا، اور اس نے کہا: محمد بن نصر کون ہیں؟ لوگوں نے ان کی طرف اشارہ کیا تو اس نے ان کو پچاس دینار کی تھیلی دی، پھر باقی تینوں کو بھی ان کا نام پوچھ پوچھ کر پچاس پچاس دینار کی تھیلی دی اور کہا کہ امیر مصر سو رہا تھا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ چار ''محمد'' نام کے طالب علم بھوکے ہیں، چنانچہ اس نے آپ لوگوں کے لئے خرچ کے واسطے یہ تھیلی بھیجی ہے، اور میں آپ لوگوں کو قسم دیتا ہوں کہ جب یہ رقم خرچ ہو جائے تو آپ لوگ ضرور مجھے مطلع فرمائیں۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد دوم)

صاحب ''مدارج النبوۃ'' حضرت علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلویؒ نے ایک مرتبہ خواب میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے سامنے کھڑے ہیں، حاضرین مجلس نے عرض کیا کہ محمد عبدالحق (محدث دہلوی) سلام عرض کر رہے ہیں، حضرت جیلانیؒ کھڑے ہوگئے اور شیخ عبدالحق سے معانقہ فرمایا اور فرمایا ''تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔'' بظاہر یہ بشارت ہی نام رکھنے کی برکت کے نتیجہ میں ہے، کیونکہ علماء کا اس پر اتفاق ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد اول)

چنانچہ امام محمد بن سعید بوصیریؒ فرماتے ہیں:﴿فان لی ذمة منه بتسميتي محمد او هو وفى الخلق بالذمم﴾ ''پس میرے لیے امان ہے حضور ﷺ کی ذات رحمت سے بہ سبب میرے نام کے کہ میرا نام ''محمد'' ہے اور وہ ذات مقدس ﷺ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ اپنا وعدہ وفا کرنے والی ذات ہے۔''

اس کی شرح میں شارح قصیدہ بردہ شریف فرماتے ہیں کہ اس شعر میں حضرت شیخ شرف الدین ابی عبداللہ بن سعید بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے میرا نام ''محمد'' رکھا اور حدیث شریف میں حضور ﷺ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جس کا نام ''محمد'' ہوگا وہ دوزخ میں نہ جائے گا اور حضور سے زیادہ وعدہ وفا کرنے والا دنیا میں کون ہوسکتا ہے؟ تو مجھے اس پر گھمنڈ اور ناز ہے کہ میرا نام ''محمد'' ہے۔

الغرض ان تمام احادیث سے اور ہمارے اسلاف کے ان ارشادات سے آپ یہ اندازہ کریں کہ سرورِ دو عالم ﷺ کے نام اقدس پر اپنا نام رکھنے میں کس قدر برکتیں ورحمتیں اور بیش بہا نعمتیں پوشیدہ ہیں، کاش! آج لوگ اپنی اولاد کے نام رکھنے میں جدت اور نت نئے ناموں کے پیچھے نہ دوڑ کر بے معنی اور بے مفہوم والے نام رکھنے کی بجائے اپنے رسول اور اللہ کے محبوب ﷺ کے نام نامی کو اپناتے ہوئے اپنے لڑکوں کا نام حضور ﷺ کے نام پر رکھتے، جس سے ایک طرف اتباع نام نامی ہوتی تو دوسری طرف عظیم ترین برکتوں وبیش بہا برکتوں اور احادیث طیبات کی روشنی میں مژدہ شفاعت، جہنم سے نجات اور بہشت کی بشارت بھی نصیب ہوتی، نیز اپنے معاشرے ماحول اور مکانوں میں دن رات رحمتوں و برکتوں کی بارش بھی ہوتی، اور خداوند قدوس کا خاص فضل وکرم بھی ہوتا، اور اس کے علاوہ چہروں کی زینت اور گھروں کی رونقوں میں اضافہ ہوتا اور ان بے شمار احادیث طیبات پر عمل بھی ہوتا۔

نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک پر نام رکھنے سے متعلق امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے:﴿قال ابو القاسم صلى الله عليه وسلم سموا باسمي

ولا تکنّوا بکنیتی﴾ (صحیح بخاری جلد دوم)

''یعنی فرمایا ابوالقاسم نے کہ میرا نام رکھ لیا کرو، لیکن میری کنیت نہ رکھا کرو۔'' حضور ﷺ کی کنیت ''ابوالقاسم'' ہے۔ اور نام ''محمد و احمد'' ہے

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بعض علما سرکار کے اسم مبارک اور آپ کی کنیت دونوں کو جمع کر کے نام رکھنے کو منع فرماتے ہیں، اور ایک ایک کر کے رکھنے کو جائز کہتے ہیں (یعنی یا تو ابوالقاسم نام رکھو یا ''محمد'' نام رکھو، دونوں کو ملا کر ''محمد ابوالقاسم'' ہرگز نہ رکھو) یہ قول زیادہ صحیح ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد اول)

یونہی نام محمد ﷺ کے ساتھ لفظ صاحب کا ملانا (یعنی محمد صاحب کہنا) آریوں اور پادریوں کا شعار ہے، جیسے شیخ صاحب، پنڈت صاحب، لہٰذا اس سے احتراز چاہیے، ہاں یوں کہا جائے کہ حضور ﷺ ہمارے صاحب ہیں، آقا ہیں، مالک و مولیٰ ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ صرف محمد یا احمد نام رکھے، اس کے ساتھ صاحب، جان وغیرہ اور کوئی لفظ نہ ملائے۔

اور قرآن حکیم میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ﴿اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب﴾ ''خبردار اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں۔''

یہ آیت کریمہ بھی حضور ﷺ کی کھلی نعت ہے، اس میں مسلمانوں کو دل کی بے قراری اور بے چینی کا علاج بتلایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ ذکر اللہ سے دل چین میں آتے ہیں، اور یہاں ذکر اللہ سے مراد یا تو اللہ کی ذات ہے یا ذکر اللہ حضور ﷺ کا اسم شریف ہے، کیونکہ ذکر اللہ حضور ﷺ کا نام پاک بھی ہے۔

قرآن حکیم میں رب غفور فرماتا ہے: ﴿وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ﴾ ''جو تم کو مصیبت پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے ہے، اور رب تو بہت کو معاف فرما دیتا ہے، اور اللہ کی یاد گناہوں کے لیے ایسی ہے جیسا کہ پلیدی کے لیے دریا کا پانی کہ جہاں گندی چیز کو دھویا، وہ پاک ہوگئی، اسی طرح گناہوں کا میل اور گندگی اللہ کی یاد سے دور ہوتی ہے، گناہ معاف ہوئے اور غم دور ہوئے۔

اور اگر دوسرے معنی کیے جائیں تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ذکر اللہ یعنی رسول اللہ ﷺ سے بے چین دل کو چین آتا ہے، حضور ﷺ کو ذکر اللہ اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کو دیکھ کر رب یاد آتا ہے قرآن فرماتا ہے: انما انت مذکر: اے محبوب آپ ہی اللہ کی یاد دلانے والے ہیں ذکر اللہ یعنی اللہ کو یاد دلانے والے، حضور ﷺ سے بے چین دل اس لیے چین میں آتے ہیں کہ قاعدہ ہے ﴿لقاء الخلیل شفاء العلیل﴾ یعنی دوست کی ملاقات بیمار کی شفاء ہے، اور حضور ﷺ ہر مسلمان کے محبوب ہیں، تو لازمی ہے کہ ان کا نام مسلمان کا چین ہو، مریض عشق کی دوا ذکر حبیب ﷺ ہے۔ (شان حبیب الرحمٰن)

ان کا مبارک نام بھی بے چین دل کا چین ہے جو مریض لا دوا ہو، اس کی دوا یہ ہی تو ہے اور یہ عمل مجرب ہے کہ کسی کو اختلاج قلب کا مرض ہو تو مریض کو چاہیے کہ اپنے دل کی جگہ پر یہ آیت ﴿الا بذکر اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ القُلُوب﴾ انگلی سے لکھ لے یا لکھوا لے اور ''محمد الرسول اللہ'' کی بار بار تلاوت کرے، انشاء اللہ آرام ہوگا۔

اس لفظ 'محمد' میں بہت سی تاثیرات ہیں، اگر کسی کے فقط لڑکیاں ہوتی ہوں تو وہ اپنی حاملہ بیوی کے شکم پر انگلی سے یہ لکھ دیا کرے: ﴿مَنْ کَانَ فِی ھٰذَا البَطْنِ فَاسْمُہٗ مُحمَّد﴾ چالیس روز تک یہ عمل کیا جائے مگر ابتدائے حمل ہو تو انشاء اللہ لڑکا پیدا ہوگا۔

فتاویٰ امام شمس الدین سخاوی میں ہے کہ ابو شعیب حرانی نے امام عطا (تابعی جلیل الشان استاذ امام اعظم ابوحنیفہؒ) سے روایت کی ہے ﴿من اراد ان یکون حمل زوجة ذکرا فلیضع یدہ علی بطنھا ویقل ان کان ذکرا فقد سمیتہ محمدا فانہ یکون ذکرا﴾ ''یعنی جو یہ چاہے کہ اس کی عورت کے حمل میں لڑکا ہو اسے چاہیے کہ اپنا ہاتھ عورت کے پیٹ پر رکھ کر کہے: ان کان ذکرا فقد سمیتہ محمدا (اگر لڑکا ہے تو میں نے اس کا نام محمد رکھا) انشاء اللہ لڑکا ہی ہوگا۔

حضرت سیدنا امام حسین بن علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس شخص کے بیوی حمل سے ہو اور وہ یہ نیت کرے کہ وہ اس (ہونے والے

بچے) کا نام ''محمد'' رکھے گا تو چاہے وہ بچہ لڑکی ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کو لڑکا بنا دیتا ہے۔

(سیرت حلبیہ جلد اول)

اس حدیث کے راویوں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے اپنے یہاں سات مرتبہ یہ نیت کی اور سب کا نام 'محمد' ہی رکھا (یعنی ہر مرتبہ اس حدیث کی سچائی کا تجربہ ہوا کہ لڑکا پیدا ہوا، اور میں نے نیت کے مطابق ہر ایک کا نام محمد رکھا۔ (سیرت حلبیہ جلد اول)

ایک مرتبہ حضرت جلیلہ بنت عبدالجلیل ؓ نے سرکار سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں ایسی عورت ہوں کہ میرے بچے زندہ نہیں رہتے۔ آپ نے فرمایا: خدا تعالیٰ سے نذر کر کہ جو لڑکا اللہ تعالیٰ تجھے عطا فرمائے اس کا نام محمد رکھو گی۔ چنانچہ اس عورت نے ایسا ہی کیا، اور اس کے نتیجہ میں بہ فضل خدا اس کا وہ بچہ زندہ رہا اور اس نے غنیمت حاصل کی۔

(نزہۃ المجالس جلد دوم و سیرت حلبیہ جلد اول، بحوالہ جستہ جستہ معرفت اسم محمدؐ)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کے مبارک نام کی حقیقی محبت نصیب فرمائے اور اپنی اولاد کے نام اپنے نبی ﷺ کے اسم مبارک پر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۱۸

رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت، زندگی، شہر اور آپؐ کے زمانے کی اللہ نے قسم کھائی ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اٹھارہویں خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت، زندگی، شہر اور آپؐ کے زمانے کی اللہ نے قسم کھائی ہے'' الحمد اللہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی میں ''ریاض الجنۃ'' میں بیٹھا ہوں، آقا ﷺ کا پیارا اور مقدس روضہ مبارک میرے سامنے ہے اور میں آقا ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں بلکہ یوں کہوں کہ صاحبِ خصوصیت ﷺ عین میرے سامنے آرام فرما ہیں اور میں مقدس روضہ مبارک کے سائے تلے اور جنت کے ٹکڑے میں بیٹھ کر انکی عظیم خصوصیت کو لکھ رہا ہوں، اور دل سے بار بار یہی صدا آرہی ہے کہ یا اللہ آقا ﷺ کے مدینے میں بار بار آنے کی توفیق عطا فرما اور اخلاص سے آقا ﷺ کے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی کتنی عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے محبوب اور پیارے رسول ﷺ کی رسالت، زندگی، شہر اور زمانے کی قسم کھا رہے ہیں، جیسا کہ آنے والے اوراق میں مختصراً قرآنی آیات کی صورت میں ان قسموں کو ذکر کیا گیا ہے، جبکہ دیگر انبیاء اکرام سے متعلق کہیں نہیں ملتا کہ کسی نبی کی رسالت، زندگی، شہر اور زمانے کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہو، تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا مظہر بھی صرف اور صرف آپ ﷺ ہی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی اکرم ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق

عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

اٹھارہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن کریم کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے حضور کی رسالت پر قسم کھائی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں وارد ہے:

یٰسٓ . والقُرآنِ الحَکیم .اِنَّکَ لَمِنَ المُرسَلِین۔ (یٰس شروع)

ترجمہ......یٰسین۔ قسم ہے قران محکم کی۔ تحقیق تو البتہ پیغمبروں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زندگی اور آپ کے شہر کی اور آپ کی زندگی کی قسم کھائی ہے: لَعَمرُکَ اِنَّھُم لَفِی سَکرَتِھِم یَعمَھُونَ. (حجرع۵)

ترجمہ......یعنی تیری زندگی کی قسم! وہ (قوم لوط) البتہ اپنی مستی میں سرگرداں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کسی اور پیغمبر کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے شہر کی قسم یوں کھائی: لآ اُقسِمُ بِھٰذَا البَلَدِ .وانتَ حِلٌّ بِھٰذا البَلَدِ. (سورۂ بلد)

ترجمہ......میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی حالانکہ تو اترنے والا ہے اس شہر میں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسولِ اکرم ﷺ کے شہر یعنی مکہ معظمہ کی قسم کھائی ہے جسے پہلے ہی سے شرف حاصل تھا مگر رسولِ اکرم ﷺ کے نزول سے اور شرف حاصل ہوگیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے زمانے کی یوں قسم کھائی ہے: والعَصرِ اِنَّ الاِنسانَ لَفِی خُسرٍ. (عصر)

ترجمہ......قسم ہے زمانہ کی! تحقیق انسان گھاٹے میں ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّم دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیبِکَ خَیرِ الخَلقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۱۹

رسولِ اکرم ﷺ کا نام ہی آپ ﷺ کی خصوصیت کا مظہر ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ انیسویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کا نام ہی آپ ﷺ کی خصوصیت کا مظہر ہے" الحمد للہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ بہر حال محترم قارئین! اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو ایسا عظیم نام عطا فرمایا جو کہ آپ ﷺ کی خصوصیت کا مظہر ہے، جب کہ دیگر انبیاء کرامؑ کے ناموں میں ایسی خصوصیت نظر نہیں آتی، آپ ﷺ کے نام مبارک میں کیا کیا خصوصیات ہیں، آنے والے اوراق میں انشاء اللہ انہیں تفصیل سے بیان کیا جارہا ہے، اور جس میں دیگر انبیاء اکرامؑ کے ناموں کی وضاحت کے ساتھ آپ ﷺ کے نام کی خصوصیت کو واضح کیا جائے گا، امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کے مطالعے کے بعد ہمارے دل میں آپ ﷺ کے نام کی مزید محبت پیدا ہوگی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

انیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ: کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اس آیت میں نبی ﷺ کا نام بھی ہے اور حضور ﷺ کا منصب بھی بتایا گیا ہے ہر دو اعتبار سے آیت بالا خصوصیات نبویہ کی مظہر ہے۔

ذیل میں اس کی وضاحت پیش کی جا رہی ہے ملاحظہ فرمائیے:۔

(الف) نبی ﷺ کی رفعت شان کے اظہار میں رسولِ اکرم ﷺ کا نام مبارک بھی اپنے اندر خصوصیت رکھتا ہے واضح ہو کہ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کا نام بھی ایسا نہیں پایا جاتا کہ وہ نام ہی اپنے مُسمّٰی کے کمالاتِ نبوت کا شاہد ہو، یہ بطور نمونہ چند اسماء کا ذکر کیا جاتا ہے۔

آدم: کے معنی گندم گوں ہیں، ابولبشر کا یہ نام اُنکے جسمانی رنگ کو ظاہر کرتا ہے۔

نوح: کے معنی آرام ہیں، باپ نے ان کو آرام وراحت کا موجب قرار دیا۔

اسحٰق: کے معنی ضاحک، یعنی ہنسنے والا ہیں، ہشاش بشاش چہرہ والے تھے۔

یعقوب: پیچھے آنے والا، یہ اپنے بھائی عیسو کے ساتھ توام پیدا ہوئے تھے۔

موسیٰ: پانی سے نکالا ہوا، جب ان کا صندوق پانی میں سے نکالا گیا، تب یہ نام رکھا گیا۔

یحییٰ: عمر دراز، بڈھے ماں باپ کی بہترین آرزوؤں کا ترجمان ہے۔

عیسیٰ: سرخ رنگ، چہرہ گلگوں کی وجہ سے یہ نام تجویز ہوا۔

اسماء بالا کو دیکھو اور ان کے معانی پر غور کرو کہ وہ کسی طرح مسمّٰی کی عظمت روحانی یا نبوت کی طرف ذرا سی بھی اشارت نہیں رکھتے۔ مگر اسمِ ''محمد'' کی شان خاص ہے۔ حضور ﷺ کا ذاتی نام محمد بھی ہے اور احمد بھی، ہر دو اسمائے ذاتی میں وحدتِ مادہ موجود ہے۔ یعنی دونوں حمد سے بنے ہیں۔ اب معنی حمد کا سمجھنا ضروری ہوا۔

جب صفات میں کمال اور لغوت میں جلال اور فطرت میں احسان بر غیر اور فیضانِ عالم کے فضائل جمع ہو جائیں تو اس مجموعی کیفیت کا نام ''حمد'' ہوگا۔

ثناو تکریم، رفعت شان و رفعتِ ذکر اور استلزام جود و عطا کا مجموعہ حمد کہلاتا ہے۔ حمد کی یہ جملہ صفات بدرجہ اکمل ذات پاک سبحانی میں پائی جاتی ہیں۔ الحمدُ للہ کا حرفِ لام یہی بتلا

رہا ہے اور اسم پاک حمید بھی اس راز کا انکشاف کرتا ہے۔

سیدنا حسّانؓ المؤید بروح القدسؓ نے اپنے مشہور قصیدہ کے مشہور بیت میں گویا اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وشقّ لهُ مِن اِسمِهٖ لِيُجلّهٗ..............فذو العرشِ مَحمُودٌ وّهٰذا مُحَمّدٌ

مُـحَـمّـدٌ، حَمّدَ (مضاعف) سے مبالغہ کے لئے ہے یہ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ اللہ کے ہاں بھی محمود ہیں ملائکہ مقربین میں بھی محمود ہیں۔ جملہ انبیاء و مرسلین میں بھی محمود ہیں اور اہل زمین کے نزدیک بھی محمود ہیں۔ جو لوگ حضور ﷺ کا کلمہ نہیں پڑھتے وہ بھی ان سجایا وشیم کے مداح ہیں، جن کا لزوم وثبوت حضور ﷺ کے نام کے معنی اور حضور ﷺ کی ذات گرامی سے بدرجہ اتم ہے۔

ہاں! حضور ﷺ ہی ''مقام محمود'' والے ہیں اور ''لواء الحمد'' حضور ﷺ ہی کے رایت شاہی کا نام ہے حضور ﷺ کی امت کا نام بھی انہی مناسبات سے ''حمادون'' ہے۔

محمد و احمد کے معانی میں الگ الگ فرق یہ ہے کہ محمد وہ ہے، جس کی حمد و نعت جملہ اہل الارض والسّماء نے سب سے بڑھ کر کی ہو، اور احمد وہ ہے جس نے رب السّمٰوٰت والارض کی حمد و ثنا جملہ اہل الارض والسّمٰوٰت سے بڑھ کر کی ہو۔ لہٰذا اسم پاک علم بھی ہے اور صفت بھی وہ اپنے معانی کے اعتبار سے کمالاتِ نبوت پر دال ہے اور مدلول بھی۔

یہ وہ خصوصیت ہے جس سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے اسماء ساکت وخاموش ہیں،

(ب) اسم پاک کے ساتھ رسول اللہ کا علم بھی سورۃ الفتح، ع ۴ آل عمران، ع ۱۵ میں موجود ہے۔

رسول بروزن فعول بمعنی مرسل ہے، اللہ کی طرف مضاعف ہونے سے اس کے معنی یہ ہو گئے ہیں کہ اُس کی رسالت صرف منجانب اللہ ہے وہ کسی دوسرے کا پیغام نہیں سناتا اور کسی دوسرے کی بات پہنچانا اس کی شان سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جہاں یہ لفظ بشکل مضاعف قرآن مجید میں مستعمل نہیں ہوا۔ وہاں معرف باللام مستعمل ہوا ہے اور اسی تخصیص

کا عرفان دیتا ہے۔ آیت مُحمدٌ رَسولُ الله اور آیت ومَا مُحمدٌ اِلَّا رسُولٌ کی تنزیل سے آشکارا ہو گیا کہ فرقانِ حمید میں جہاں کہیں بھی اَطِیعُوا اللهَ وَاَطِیعُوا الرَّسُول کی وحی موجود ہے اور جتنی آیات اس کی ہم معنی پائی جاتی ہیں، اُن سے حضور ہی کی ذات بابرکت مقصود ہے اور حضور ہی کو رب العٰلمین نے مطاعِ عالم اور سید الانبیاء والامم مقرر فرمایا ہے۔

یہ مسئلہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جملہ اہل اسلام کا ایمان رہا ہے، مگر ہمارے زمانہ میں یہ عقیدہ محدثہ ایجاد کیا گیا کہ رسول سے مراد آیات الٰہیہ میں خود قرآن ہے، لہٰذا اطاعت قرآن فرض ہے اور اطاعتِ محمد ﷺ فرض نہیں۔

آیت مُحمدٌ رَسولُ الله (جو زیب عنوان ہے) کی مناسبت سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خود قرآن مجید سے اس مسئلہ کا حل کیا جائے، اہل ایمان کو تدبر قرآن سے صاف طور پر واضح ہو جائے گا کہ لفظ رسول کا اطلاق صرف انبیائے کرام پر یا اُن ملائکہ پر جو رسالت کا کام سرانجام دیتے تھے۔ فرمایا گیا ہے، لیکن لفظ رسول کا اطلاق کسی کتاب پر کبھی نہیں ہوا آیاتِ ذیل پر غور کیجیے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے یٰقومِ لَیسَ بِی ضَلٰلَةٌ وَّلٰکِنِّی رَسُولٌ مِّنْ رَّبِّ العٰلمین. ترجمہ اے قوم! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں، میں تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

حضرت ہود علیہ السلام کی زبان سے یٰقومِ لَیسَ بِی سَفَاهَةٌ ولکنّی رَسُولٌ مِّنْ رَّبِّ العٰلمین. ترجمہ: اے قوم! مجھ میں نادانی کی کوئی بات نہیں، میں تو رب العٰلمین کا رسول ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے وقالَ مُوسٰی یٰفرعونُ اِنّی رسُولٌ مِّن رَّبِّ العٰلمین. ترجمہ: موسیٰ نے کہا اے فرعون میں پروردگار عالم کا رسول ہوں۔

واِذ قالَ موسٰی لِقومِهٖ یٰقومِ لِمَ تُؤذُونَنِی وقَدْ تَّعْلَمُونَ اَنّی رَسولُ الله اِلَیکُم. ترجمہ: جب موسیٰ نے کہا اے میری قوم! مجھے کیوں ایذا دیتے ہو، تم تو جان چکے ہو کہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے اِنَّمَا الْمَسِیحُ عِیسَی ابْنُ مریمَ رَسُولُ اللهِ.
ترجمہ سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کا رسول ہے۔
مَا الْمَسِیحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رسولٌ. ترجمہ: مسیح بن مریم تو صرف رسول ہیں۔
وَاِذْ قالَ عیسَی ابنُ مریمَ یٰبَنِی اِسْرائیلَ اِنِّی رَسُولُ اللهِ اِلَیکُم .
ترجمہ: عیسیٰ بن مریم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ میں تمہارے لئے اللہ کا رسول ہوں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے قَالَ اِنَّمَا اَنَا رسولُ رَبِّکَ .ترجمہ: مریم سے جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ میں تیرے رب کا رسول ہوں۔

آیاتِ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ سیّدنا نوح وہود وموسیٰ وعیسیٰ اور جبرئیل علیہم الصلوۃ والسلام کو قرآن مجید میں رسول بتایا گیا ہے۔ فیصلہ طلب امر یہ رہ جاتا ہے کہ سیّدنا ومولانا محمد النبی الامی ﷺ کو بھی رسول ہی فرمایا گیا ہے تو پھر کیوں دیگر انبیاء کے ناموں کے ساتھ رسول بہ معنی پیغمبر سمجھا جائے اور رسول اللہ ﷺ کے لئے یہی معنی کیوں نہ سمجھے جائیں۔

ذیل میں وہ آیات درج ہیں جن سے کلمہ رسول کا ہونا حضور ﷺ ہی کے لئے ثابت ہے، وہاں تاویلاً بھی کسی کتاب سے مراد نہیں ہوسکتی۔

(۱)......لَقَدْ صَدَقَ اللهُ رَسُولَهُ الرُّؤيَا بِالحَقِّ ۔ترجمہ: اللہ نے اپنے رسول کا خواب ٹھیک ٹھیک سچا کر دکھایا۔ یہ ظاہر ہے کہ خواب دیکھنا انسان کا کام ہے الکتاب کا نہیں خواب نبی علیہ السلام نے دیکھا تھا، قرآن مجید نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔ اِذا جآءَ کَ الْمُنافِقُونَ قالُوا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُولُ اللهِ واللهُ یعلَمُ اِنَّکَ لَرَسُولُهُ. ترجمہ: جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری شہادت یہ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تو جانتا ہی ہے کہ آپ اس کے رسول ضرور ہیں۔

منافقوں کا آنا جانا اور دربارِ نبوی میں تھا۔ وہ لوگ نبی ﷺ ہی کو مخاطب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خطاب بھی نبی ﷺ کی جانب ہے، تین جگہ حرف ''ک'' خطاب موجود ہے۔

بَل ظَنَنتم اَن لَّن یَّنقلِبَ الرَّسولُ والمُؤمِنونَ اِلیٰ اَھلِیھِم ۔ (۱۲:۴۸)

ترجمہ: ہاں تمہارے برے گمان تو یہ تھے کہ رسول اور ایمان والے لوٹ کر اپنے اپنے کنبوں میں نہیں آئیں گے۔

جانا، لوٹ کر آنا، بچ رہنا، کنبہ دار ہونا یہ صفات قرآن کے نہیں ہو سکتے۔ غور کیجیے کہ رسول کو یہاں کنبہ دار، صاحب اہل وعیال بھی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ دیگر مؤمنین کو بھی کنبہ دار کہا گیا، بہ شمول ذکر قرآن پاک ہے۔

(الف) یٰاَیُّھا الرَّسولُ بَلِّغ مَا اُنزِلَ اِلَیکَ. ترجمہ: اے رسول پہنچا دیجیے جو کچھ کہ آپ پر نازل کیا گیا ہے۔

یقیناً قرآن مجید ما اُنزِلَ اِلَیکَ ہے اور سیّدنا محمد النبی الامّی وہ رسول ہیں جو آیت بالا میں مخاطب ہیں۔

جسے بَلِّغ فرمایا وہ فرض تبلیغ اُن پر عائد کیا گیا ہے ہاں یہ بھی غور کرو اِلَیکَ کا مخاطب بھی رسول اللہ کے سوا اور کون ہے جس پر نزول قرآن ہوا۔

(ب) کَمَا اَرسَلنَا فِیکُم رَسولاً مِّنکُم یَتلُوا علیکُم. ترجمہ: ہم نے اپنا رسول تم میں بھیجا ہے جو تم میں سے ہے اور وہ ہماری آیات تم پر پڑھا کرتا ہے۔ ایاتِنا تو قرآن مجید ہی ہے۔ اب اَرسلنا رسولاً کا مصداق کون ٹھہرا۔ وہ منکم والا کون ہے جسے قریش میں حسب ونسب بھی حاصل ہے۔ کلام اللہ المنان تو کسی حسب ونسب کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا۔

(ج) لَقَد جَآءَ کُم رَسولٌ مِّن اَنفُسِکُم . (سورہ توبہ) ترجمہ: شاندار رسول تمہارے پاس آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔ قرآن مجید کی کونسی شخصیت ہے جو نوعِ بشر کے ساتھ مشارکت بھی رکھتی ہے۔

المختصر قرآن پاک نے نبی ﷺ کا اسم وعلم بیان فرمانے کے بعد حضور کا رسول ہونا اور پھر بحکمِ الٰہی مطاع اور مفترض الطاعت ہونا ظاہر کر دیا، مگر قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی

اَلقُرآنُ رسولُ اللہ موجودنہیں نتیجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے نہایت جزم وقطعیّت کے ساتھ بتلا دیا کہ سیدنا محمد ﷺ ہی وہ رسول پاک ہیں جن کا اتباع فرض ہے اور وہی کل عالم وعالمیاں کے مخدوم ومطاع ہیں وما اَرسَلنَا مِن رَّسولٍ اِلَّا لِیُطاعَ بِاِذنِ اللہ (سورۂ نساء) ترجمہ: ہم نے ایک رسول کو اس لئے بھیجا کہ اُس کی اطاعت ہمارے اذن سے کی جائے۔ کا طغرا حضور ہی کے لئے ہے اور وَمَن یُّطِعِ الرسولَ فقدْ اَطاعَ اللہ. (نساء) ترجمہ: (جس نے اس رسول کی اطاعت کی اسی نے اللہ کی اطاعت کی) کا فرمان واجب الاذعان حضور ہی کے احترام واحتشام میں نفاذ پذیر ہے اور یہ ایسی خصوصیت ہے جس نے حضور کی شان بلند کو نہایت ارفع واعلیٰ ثابت کر دیا ہے۔

جملہ آیاتِ بالا سے ثابت ہو گیا کہ ''وہی عبد اللہ کا فرزند، آمنہ کا جایا، المکی المدنی الامّی الہاشمی القرشی الکنانی العدنانی فخر اسماعیل ذبیح اللہ، دعائے ابراہیم خلیل اللہ اور بشارت عیسیٰ مسیح علیہ السلام ہیں، جن کی اطاعت عالم وعالمیان پر تا انقراض عالم وعالمیان فرض عین ہے اور یہ امر حضور ﷺ کی خصوصیت میں ہے۔

(بحوالہ جستہ جستہ از رحمۃ اللعالمین جلد سوم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۲۰

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کبھی نام لے کر مخاطب نہیں کیا جبکہ دیگر انبیاء کا نام لیکر خطاب کیا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ بیسویں خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کبھی نام لے کر مخاطب نہیں کیا جبکہ دیگر انبیاء کا نام لے کر خطاب کیا" اور بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں، اور اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اور دل سے بار بار یہی صدا آ رہی ہے کہ یا اللہ آقا ﷺ کے مدینے میں بار بار آنے کی توفیق عطا فرما اور اخلاص سے آقا ﷺ کے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما، دل چاہتا ہے کہ روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کو دیکھتا رہوں اور پھر دیکھتا ہی چلا جاؤں کہ دل کا سرور اسی میں چھپا ہے، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس اس گناہ گار کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما اور آخر میں نجات کا ذریعہ بنا، آمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی جملہ خصوصیات میں سے یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کبھی نام لے کر خطاب نہیں کیا جبکہ دیگر انبیاء کا نام لے کر خطاب کیا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں ان تمام مثالوں کو پیش کیا جا رہا ہے، کہ قرآن کریم میں کہاں کہاں اور کس طرح دیگر انبیاء کا نام لے کر خطاب کیا گیا اور آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ نے کبھی نام لے کر خطاب نہیں کیا، بے شک یہ آپ ﷺ کے بلند مقام اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں قابلِ احترام ہونے کی علامت ہے۔ چنانچہ اب ہمارے لئے بھی ضروری ہے کہ اپنے نبی ﷺ کے نام کا احترام کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے احترام کیا کہ اسی میں ہماری

کامیابی وکامرانی مضمر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت نصیب فرمائے اور آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کنایہ سے خطاب فرمایا، بخلاف دیگر انبیاء کے کہ انہیں ان کے نام سے خطاب کیا ہے دیکھئے آیات ذیل:۔

۱......وَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ وَکُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ. (پ۔ا۔ع۴)

ترجمہ......اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدمؑ رہا کرو تم اور تمہاری بیوی بہشت میں پھر کھاؤ دونوں اس میں سے بافراغت جس جگہ سے چاہو اور نزدیک نہ جائیو اس درخت کے ورنہ تم بھی ان ہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔

۲......وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی. (پ۔۱۶۔طٰہٰ۔ع۷)

ترجمہ......اور آدمؑ سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے۔

۳......قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَکٰتٍ عَلَیْکَ وَعَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَکَ. (پ۔۱۲۔ہود۔ع۴)

ترجمہ......کہا گیا اے نوحؑ اترو ہماری طرف سے سلام اور برکتیں لے کر جو تم پر نازل ہوں گی اور اُن جماعتوں پر جو کہ تمہارے ساتھ ہیں۔

۴......وَنَادٰی نُوْحُ ابْنَهٗ وَکَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا وَلَا تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ. (پ۔۱۲۔ہود۔ع۴)

ترجمہ......اور نوحؑ نے اپنے ایک بیٹے کو پکارا اور وہ علیحدہ مقام پر تھا اے میرے پیارے بیٹے ہمارے ساتھ ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت ہو۔

۵......یٰٓاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۔ (پ-۱۲-ہود-ع۷)

ترجمہ......اے ابراہیمؑ اس بات کو جانے دو۔

۶......وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ.رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ. (پ-۱-بقرہ-ع۱۵)

ترجمہ......اور جبکہ اٹھارہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) دیواریں خانۂ کعبہ کی اور اسمٰعیل بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار! (یہ خدمت ہم سے قبول فرمایئے، بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں۔

۷......قَالَ یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِکَلَامِیْ فَخُذْ مَآ اٰتَیْتُکَ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ ۔ (پ-۹-اعراف-ع۱۷)

ترجمہ......ارشاد ہوا کہ اے موسٰیؑ (یہی بہت ہے کہ) میں نے اپنی پیغمبری اور اپنی ہمکلامی سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے تو (اب) جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو، اور شکر کرو۔

۸......فَوَکَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ. (پ-۲۰-قصص-ع۲)

ترجمہ......تو موسٰیؑ نے اس کو ایک گھونسا مارا سو اس کا کام ہی تمام کر دیا موسٰیؑ کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہوگئی بے شک شیطان (بھی آدمی کا) کھلا دشمن ہے (غلطی میں ڈال دیتا ہے)

۹......وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ. (مائدہ-ع۱۵)

ترجمہ......جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے، کہ اے عیسیٰؑ ابن مریمؑ! میرا انعام یاد کرو، جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے۔

۱۰......قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ

تَکُونُ لَنَا عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنۡکَ وَارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ.

(پ۔۷۔مائدہ۔ع۱۵)

ترجمہ......عیسیٰ ابن مریمؑ نے دعا کی، کہ اے اللہ! اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمایئے، کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں، اور جو بعد میں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جائے، اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جائے اور آپ ہم کو عطا فرمایئے اور آپ ہم سب عطا کرنے والے سے اچھے ہیں۔

۱۱......یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰکَ خَلِیۡفَةً فِی الۡاَرۡضِ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الۡهَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ. (پ۔۲۳۔ص۔ع۲)

ترجمہ......اے داؤدؑ ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ (اگر ایسا کرو گے تو) وہ خدا کے رستہ سے تم کو جھٹکا دے گا۔

۱۲......وَوَهَبۡنَا لِدَاوٗدَ سُلَیۡمٰنَ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ. (پ۔۲۳۔ص۔ع۳)

ترجمہ......اور ہم نے داؤدؑ کو سلیمانؑ عطا کیا بہت اچھے بندے تھے کہ (خدا کی طرف) بہت رجوع ہونے والے تھے۔

۱۳......یٰزَکَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسۡمُهٗ یَحۡیٰی لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِیًّا. (پ۔۱۶۔مریم۔ع۱)

ترجمہ......اے زکریا ہم تم کو ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا کہ اس کے قبل ہم نے کسی کو اس کا ہم صفت نہیں بنایا ہوگا۔

۱۴......کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیۡهَا زَکَرِیَّا الۡمِحۡرَابَ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا. (آل عمران)

ترجمہ......(سو) جب کبھی زکریا (علیہ السلام) اُن کے پاس عمدہ مکان میں تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے۔

۱۵......یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّةٍ. (مریم۔ع۱)

ترجمہ......اے یحییٰ! کتاب کو مضبوط کرلو۔

۱۶..وَزَکَرِیَّا اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ انبیاء۔ع۶

ترجمہ......اور زکریا کا تذکرہ کیجیے جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب! مجھ کو لاوارث مت رکھیو (یعنی مجھ کو دیجئے کہ میرا وارث ہو) اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں۔

ان آیات میں آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح دیگر انبیاء کو ان کے نام کے ساتھ پکارا مگر ہمارے آقائے نامدار کو اللہ تعالیٰ یوں خطاب فرماتا ہے:۔

(۱)......یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ. (انفال ع۲)

ترجمہ......اے نبیؐ! آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے، اور جن مؤمنین نے آپ کا اتباع کیا ہے وہ کافی ہیں۔

(۲)......یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ. (مائدہ۔ع۱۰)

ترجمہ......اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے۔

(۳)......یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ. (مزمل شروع)

ترجمہ......اے کپڑوں میں لپٹنے والے۔

(۴)......یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ. (مدثر شروع)

ترجمہ......اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو۔

اور جہاں اللہ تعالیٰ نے حضور کے نام مبارک کی تصریح فرمائی ہے وہاں ساتھ ہی رسالت یا کوئی اور وصف بیان فرمایا ہے۔ دیکھیے آیات ذیل:۔

۱......وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ. (پ۔۴۔آل عمران۔ع۱۵)

ترجمہ......اور محمدؐ رسول ہی تو ہیں

۲......مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. (پ۔۲۶۔فتح۔ع۴)

ترجمہ...... محمد اللہ کے رسول ہیں۔

۳...... مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا. (پ۔۲۲۔احزاب ع۵)

ترجمہ...... محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسولؐ ہیں سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

۴...... وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ کَفَّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَاَصْلَحَ بَالَھُمْ. (پ۔۲۶۔محمد۔ع۱)

ترجمہ...... اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے اور وہ اپنے رب کے پاس سے امر واقعی ہے اللہ تعالیٰ ان کے گناہ ان پر سے اتار دے گا اور ان کی حالت درست رکھے گا۔

۵...... جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل وحبیب کا یکجا ذکر کیا ہے وہاں اپنے خلیل کا نام لیا ہے اور اپنے حبیب کو نبوت کے ساتھ یاد فرمایا ہے، چنانچہ یوں ارشاد ہوا ہے:۔

۵...... اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰھِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ وَھٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ. (پ۔۳۔آل عمران۔ع۷)

ترجمہ...... بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے (حضرت) ابراہیمؑ کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی (ﷺ) ہیں اور یہ ایمان والے اللہ تعالیٰ حامی ہیں ایمان والوں کے۔

امتیازی تخاطب جس میں کوئی شریک نہیں

قرآن کریم انسانوں کے لئے کتاب ہدایت ہے۔ کل کے انسانوں کے لئے، آج کے انسانوں کے لئے اور آنے والے زمانوں کے انسانوں کے لئے۔ ہدایت دینے کے لئے ہدایت دینے والے کا ہدایت پانے والوں اور ہدایت کے طالبوں سے تخاطب اور ہم کلامی

لازمی ہے۔ اس ہم کلامی کی جو صورت رب کائنات جل جلالہ نے پسند فرمائی وہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے انسانوں کو ہدایت دیں، اور اسی کے ساتھ ساتھ انسانوں کو خود بھی مخاطب فرمایا۔

قرآن حکیم میں تخاطب کی یہ صورتیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کو مخاطب فرمایا اور ان سے تخاطب کے پیرائے میں ان کی امتوں کو ہدایات دیں۔ قرآن مجید میں "یاایھاالذین آمنوا" اور "یاایھاالناس" کا تخاطب بہت عام ہے۔ جہاں اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے وہاں ایمان کی اساسی باتوں اور احکام دیئے گئے ہیں اور حقائق بیان کئے گئے ہیں، مثلاً سورۃ البقرہ کے ابتدائی حصے میں ہمیں یہ آیت ملتی ہے:۔ ﴿یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾ (سورۃ بقرہ) "اے انسانو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن سکو۔"

اہل ایمان سے اللہ تعالیٰ کی مخاطبت زیادہ وسیع ہے۔ اس میں اہل ایمان کو اسلام کے تقاضوں، ایمان کے بنیادی اور اساسی اصولوں، نبی ﷺ کے مرتبے اور ان کے بارے میں آداب، لباس اور کھانے کے اصولوں، مصیبت کے مقابلے کے نسخے، عبادت، باہمی معاملات اور لین دین کے طریقوں، صبر، حق، رحمت کے افادات، باہمی ربط اور اللہ کے راستے میں استقامت، معروف ونواہی، غرض کہ زندگی کے ہر پہلو اور گوشے کے بارے میں ہدایات سے نوازا گیا ہے۔

اہل ایمان کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے ان کو عمل کی راہ اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ ﴿یاایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصٰبرین﴾ (سورۃ بقرہ) "اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

ہر دور میں اہل ایمان کو اللہ کے راستے میں مصائب، مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا

کرنا پڑتا ہے اور ان کے لئے یہ آزمائشیں صبر اور نماز سے سہل ہوتی ہیں۔ ﴿یٰایھا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃً﴾ (سورۃ بقرہ) ''اے اہل ایمان! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔''

اسلام اللہ کا دین اور اللہ کا راستہ ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ ہم اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ یہاں کسی کی شرکت کی گنجائش نہیں۔

اسلام مومن کا ظاہر بھی ہوتا ہے اور باطن بھی۔ اسی یکسوئی کا نام اسلام ہے۔ آدمی اپنی ذات، اپنی عقل، اپنے رجحانات سے اللہ تعالیٰ کی خاطر دست بردار ہو جاتا ہے۔ یہ بات اپنی عقل پر مکمل تکیہ کرنے والوں اور اپنے معیار کو حق و باطل کی میزان قرار دینے والوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ مسلمان فرامین الٰہی کو تسلیم کرنے کے بعد جب کائنات پر نظر ڈالتا ہے، فلسفہ اور خیالات کی دنیا کا جائزہ لیتا ہے اور فرمانِ الٰہی کو قول فیصل قرار دے کر جب تفکر کرتا ہے تو وہ علم وفکر کی امامت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں رسولوں سے خطاب ملتا ہے، بلکہ انسانوں سے خطاب انبیائے کرامؑ ہی کے وسیلے سے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول اور نبی بھیجے ہم ان کی تعداد سے ناواقف ہیں۔ قرآن حکیم نے عظیم المرتبت انبیاء کا ذکر اور ان کے کارناموں کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

ان رسولوں میں حضرت آدم، حضرت نوح، ابوالانبیاء حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ممتاز تر ہیں۔ ہم رسول کی حیثیت سے ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ لیکن اہمیت اور مرتبے میں بعض زیادہ اہم ہیں، اس کا معیار انسانی تاریخ پر اس کا اثر اور ان کی نازل ہونے والی کتابوں کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ ﴿تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض﴾ (سورۃ بقرہ) ''ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔''

مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت یہ ہے کہ وہ ابوالانبیاء ہیں۔ کتنے جلیل القدر رسول ان کے خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف علیہم السلام وغیرہ اور سلسلۂ نبوت کا اختتام بھی ان کے جلیل

القدر بیٹے رحمۃ اللعالمین، فخر بنی آدم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ہوا۔

کئی جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات اور تعلیمات کا سب سے زیادہ معتبر ماخذ قرآن عظیم ہے۔ قرآن عظیم کی تعلیمات کے مطابق یہ سارے رسول ایک ہی دین لے کر آئے اور وہ دین اسلام ہے۔ ان رسولوں کی بنیادی تعلیمات اور ان کے دیئے ہوئے عقائد میں کوئی اختلاف نہیں، ہاں جزئیات کا فرق ان کے زمانوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ ان سب رسولوں کو مخاطب کر کے ان کے بھیجنے والے نے ایک بات کہی اور وہ یہ ہے کہ:

﴿یآیها الرسل کلوا من الطیبٰت و اعملوا صالحا انی بما تعملون علیم﴾

(سورۂ مومنون) ''اے رسولو! پاکیزہ اور صاف ستھری چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو، اور تم جو کرتے ہو میں جانتا ہوں۔''

ہر رسول نے حلال اور پاکیزہ طریقے سے حاصل کئے ہوئے پاکیزہ رزق پر زور دیا ہے۔ یہ ربانی تعلیمات کی عملی اساس ہے، اور بنیادی عقائد کے بعد سب سے زیادہ اسی کی اہمیت ہے۔ عبادت کے قبول اور عدم قبول کا انحصار بھی رزق حلال پر ہے اور اعمال صالحہ میں عبادت، معاشرتی زندگی کا ہر جزو اور اپنی ذات کی تعمیر ہر چیز سمٹ آئی ہے۔ کئی انبیاء کرامؑ کا ذکر قرآن عظیم میں بار بار آیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن حکیم میں ۴۳ بار اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام نامی ۶۹ بار آیا ہے۔

اس نقطے پر غور کیجئے تو کئی ایمان افراز پہلو سامنے آئیں گے، قرآن کریم میں پیغمبروں اور ان کی امتوں کے قصوں کے حوالے سے انسانیت کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ انسانی سعادتوں کی تاریخ، انسان کی بغاوت، سرکشی، طغیان اور گمراہیوں کی تاریخ، انسانی ترغیبات، خواہشوں، فلسفوں، خود کو دھوکہ دینے اور خود شناسی کی تاریخ۔ دوسرا نکتہ یہ ابھرا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نام اگرچہ صرف پانچ بار آئے ہیں، لیکن قرآن کریم نے انہیں کہیں نبی کہا ہے، کہیں رسول، کہیں مزمل اور کہیں مدثر، اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے ذاتی ناموں سے کہیں مخاطب نہیں کیا ہے، یہ اپنے بندے اور رسول کے احترام کی انتہائی مثال ہے۔

ہر رسول کو اللہ تعالیٰ نے اس کا نام لے کر مخاطب کیا ہے۔ ہم صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مخاطبت کی مثالیں پیش کرتے ہیں، یآبراھیم اعرض عن ھذا (سورۃ ہود) ''اے ابراہیم یہ خیال چھوڑ دو۔'' ﴿ونادینہ ان یٰابراھیم قد صدقت الرئیا انا کذٰلک نجزی المحسنین﴾ (سورۃ صٰفٰت) ''اور ہم نے اسے پکار کر کہا کہ اے ابراہیم تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ اور ہم محسنوں اور نیکوکاروں کو ان کی جزا اور ان کا اجر دیتے ہیں۔''

حضرت سرور دیں، خلاصۂ کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ نے بارہا مختلف سیاق وسباق میں مخاطب کیا ہے۔ کہیں شدائد کے عالم میں حرف تسلی سے نوازا، کہیں آپ ﷺ کو فرائض نبوت کی تکمیل میں بے چین اور سرگرداں پا کر اس پیار سے پکارا ہے کہ لفظ تبسم بن گئے ہیں، کہیں آپ کو راتوں میں کفار اور مشرکین کے لئے ہدایت طلبی کی دعاؤں میں اپنی جان کو ہلاکت میں مبتلا کرتے ہوئے دیکھ کر پیار سے اپنی طرف بلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ اپنا خیال رکھئے۔ ﴿یآیھا الرسول لایحزنک الذین یسارعون فی الکفر﴾ (سورۂ مائدہ)

''اے رسول (ﷺ)! وہ لوگ آپ کے لئے حزن اور دکھ کا سبب نہ بنیں جو کفر کی راہ میں بڑی تیزی دکھا رہے ہیں۔''

مکی سورتوں میں قریش کی ہدایت کے لئے نبی اکرم ﷺ کے اضطراب اور بے چینی کی تصویر ملتی ہیں۔ سورۂ مائدہ مدنی سورت ہے، یہ ۶ھ یا ۷ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب مدینہ اور نواح مدینہ کے یہودی سازشوں میں مصروف تھے اور ان کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اسلام کی بقا اور فروغ کے سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کے ذہن میں کسی شبہ کے پیدا ہونے کا کیا سوال، عام مسلمان بھی فتح مبین پر ایمان کامل رکھتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا تمام تر اضطراب، حزن ان کفار کی خیر خواہی کی خاطر تھا۔

اللہ کے رسول اعظم ﷺ کو یہ بھی یقین تھا کہ کفار کی یہ سرگرمیاں دین حق کا راستہ نہیں روک سکتیں۔ کفر کی قسمت میں ذلیل ہونا تھا۔ اللہ کا یہ فیصلہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہو چکا تھا کہ: ﴿انا فتحنا لک فتحاً مبین﴾ (سورۂ فتح) ''بیشک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی

ہے۔" سورۂ فتح وعدۂ نصرت اور اللہ کے فیصلوں کا مجموعہ ہے۔ اللہ تمہاری زبردست مدد کرے گا۔ آسمانوں اور زمینوں کے تمام لشکر اللہ کے ہیں۔ اور یہی بات آیت نمبر ے میں دہرائی گئی۔ منافق مردوں اور عورتوں، مشرک مردوں اور عورتوں کے لئے مصیبتوں کا دائرہ اور چکر مقدر ہو چکا تھا۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ سورۂ فتح کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کریں۔ سورۂ کے آخری رکوع میں تو صاف صاف اعلان کر دیا گیا کہ: "وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اللہ کا دین ہر باطل دین اور نظام پر غالب آ کر رہے گا اور اللہ ہی حق ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔" اسلام کی فتح ونصرت پر ایمان کے باوجود حضرت محمد ﷺ کا قلب مطہر گم کردہ اور بھٹکے ہوئے انسانوں کے لئے کیسا دکھ برداشت کرتا تھا۔

یہاں ضمناً ایک اور بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہوگا کہ بہت سے مقام پر سرور کائنات ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی نام اور صفت کے خطاب فرمایا ہے اور ضمیر حاضر استعمال کی ہے، مثلاً اسی سورۂ الفتح میں ارشاد ہوا: ﴿انا ارسلنٰک شاھداً ومبشراً ونذیراً﴾ "اے رسول (ﷺ)! ہم نے آپ کو شاہد (گواہ) اور حال بتانے والا، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔"

اور کہیں مختصر سے فعل کے ساتھ نبی اکرم ﷺ سے خطاب کیا گیا، سورۂ اخلاص اور معوذ تین اس کی مثالیں ہیں۔ اور سورۂ الاعراف کی آیت کا یہ ابتدائی حصہ ملاحظہ ہوا۔

﴿قل یآیھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً﴾ (سورۂ اعراف)

"اے رسول (ﷺ)! کہہ دیجئے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔" یہ رسول اللہ ﷺ کی عالم گیر نبوت کا اعلان ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ آپ کی نبوت پر ایمان لانا تمام رسولوں پر ایمان لانے کے مترادف ہے۔ اور آپ ﷺ کی یہ عظمت وشانِ محبوبیت تو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان آپ ﷺ کی زبان سے کرایا ہے۔ العظمۃ للہ، یہ اعلان اس کی زبان سے کرایا گیا جو صادق تھا، امین تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایمان، عبادات، اعمال صالحہ کے احکام راست دینے کے

لئے خیر وشر کے فرق سے آگاہ کرنے کے لئے انہیں راست مخاطب کیا ہے۔ ایسے ''خطابات'' کی تعداد ۱۵۰ سے کچھ کم ہے۔ لیکن بعض فرائض اور عبادات نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے عطا کئے گئے ہیں۔ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ان کی اہمیت کو اور ابھارنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے، کیونکہ رسول کا عمل اس کے اسوۂ حسنہ کا حصہ ہے۔ اور اس کا اتباع اہل ایمان کی شناخت ہے۔

جہاد اگرچہ رکن اسلام نہیں ہے، مگر جہاد ہر رکن کی روح اور جان ہے۔ صلوٰۃ اللہ سے ہم کلامی ہے اور نماز میں یہ بات بڑی جدوجہد کے بعد ہوتی ہے۔ تمام وسیلوں کو ٹھکرانا اور کسی آستانے پر سر نہ جھکانا، اس سے بڑا جہاد اور کیا ہوسکتا ہے؟...... قتال، جہاد کی انتہائی شکل ہے اور جان آدمی کو کتنی عزیز ہوتی ہے، اس کا شاہد ہم میں سے ہر شخص ہے۔ مسلمانوں کو قتال کی ترغیب دینے کا حکم رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا۔ ﴿یٰآیھا النبی حرض المؤمنین علی القتال﴾ (سورہ انفال) ''اے نبی (ﷺ)! مومنوں کو قتال کا شوق دلاؤ۔''

اور اس سلسلے میں یہ فرمایا کہ اگر تم ثابت قدم رہو گے تو بیس مومن دو سو کافروں پر غالب آئیں گے، اور اس کا سبب یہ بتایا کہ کافر سمجھ اور شعور نہیں رکھتے۔ ''لایفقھون.'' مشرک، اہل کتاب اور کافر زندگی اور موت کے مفہوم سے ناواقف ہیں، اسی لئے وہ زندگی کے حریص ہوتے ہیں اور موت سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ اہل کتاب بھی ربانی تعلیمات کو بھلا کر دنیا کے دام میں الجھ جاتے ہیں۔ سورۂ البقرہ کی آیت نمبر ۹۷ میں ان لوگوں کے حرص حیات کا ذکر ہے کہ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ ہزار سال کی عمر پائے۔ نبی اکرم ﷺ نے وحی الٰہی کی روشنی میں اہل ایمان کو یہ تعلیم دی کہ اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ یہ دنیا تو سرائے ہے اور موت کا وقت مقرر ہے۔ پھر زندگی کا مقصد تو اسے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے گزارنا اور قربان کرنا ہے اور جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ مجاہد اعظم ﷺ نے انسانی قلب سے موت کا کانٹا نکال دیا، اور موت وہ پُل بن گئی جو دوست سے ملاتا ہے۔

جہاد کا حکم ایک مقام پر نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ حکم اہل ایمان کے لئے بھی ہے۔ اس اسلوب بیان کا مقصد جہاد کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔ ﴿یآیھا

النبی جاھد الکفار و المنفقین و اغلظ علیھم﴾ (سورۃ توبہ) ''اے نبی (ﷺ)! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے، اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آیئے۔''

نبی اکرم ﷺ موجہ صبا سے زیادہ نرم فطرت کے مالک تھے۔ اپنے بدترین دشمن کے ساتھ نرمی سے پیش آتے، قصبات سے آنے والے غیر تربیت یافتہ نومسلموں کے ساتھ التفات کرتے اور ان کی ادب و آداب سے ناواقفیت کا خیال نہ کرتے، اسی لئے ان کے رب نے کافروں اور کھلے ہوئے منافقوں کے ساتھ انہیں سخت برتاؤ کا حکم دیا۔ ابتدائی مکی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو دو پیارے القاب یا صفاتی ناموں سے مخاطب کیا۔ یہ وہ دور تھا جب آپ ﷺ کے وحی الٰہی کی مشقت اور بوجھ برداشت کرنا زیادہ مشکل تھا۔ قرآن عظیم تو وہ کلام ہے کہ قلب محمدی ﷺ کے سوا اس کو کوئی اور برداشت نہ کرسکتا تھا۔ ﴿لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرایتہ خاشعاً متصدعا من خشیۃ اللہ﴾ (سورۃ حشر) ''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف اور خشیت سے دب جاتا، پھٹ جاتا (ریزہ ریزہ ہوجاتا)۔''

وحی کے نزول کے وقت نبی کریم ﷺ کی جو کیفیت ہوتی تھی اس کے بارے میں کئی حدیثیں موجود ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ وحی کے نزول کے بعد سخت سردی محسوس کی، اور حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ سے فرمایا کہ: ﴿زملونی زملونی﴾ ''مجھے ڈھانپو، کپڑا اوڑھا دو''

اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کی یہ ادا یہ کیفیت اتنی پسند آئی کہ بارگاہِ صمدیت سے مزمل کا اعزاز عطا ہوا۔ قرآن میں سورۂ مزمل سے متصل سورۂ مدثر ملتی ہے۔ ﴿یآیھا المدثر﴾ ''اے کپڑے میں لپٹنے والے۔'' یہ بات رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اسلوب تخاطب کے سلسلے میں عرض کی گئی۔ (بحوالہ مقام محمد ﷺ قرآن کے آئینے میں)

فائدہ...... چنانچہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کا کبھی نام لے کر خطاب نہیں کیا جبکہ دیگر انبیاء کا نام لے کر خطاب کیا تو یہ آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عظیم نبی کی صحیح صحیح قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

خصوصیت نمبر۲۱

رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لانے کا وعدہ تمام انبیاء سے عالم ارواح میں لیا گیا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اکیسویں خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لانے کا وعدہ تمام انبیاءؑ سے عالم ارواح میں لیا گیا" الحمدللہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی میں "ریاض الجنة" (یعنی اس حصے پر جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا یہ ٹکڑا جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اسی ریاض الجنة میں اللہ کی توفیق سے) میں بیٹھا ہوں، آقا ﷺ کا پیارا اور مقدس روضہ مبارک میرے سامنے ہے اور میں آقا ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور فرما آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی جملہ خصوصیات میں سے یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے، بیشک ہمارے نبی ﷺ کے لئے یہ اعزاز وافتخار کی بات ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لانے کا وعدہ تمام انبیاء اکرامؑ سے عالم ارواح میں ہی لے لیا گیا تھا، جبکہ دیگر کسی بھی نبی سے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس قدر اہتمام نہیں فرمایا، تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا مظہر بھی صرف اور صرف رسولِ اکرم ﷺ ہی ہیں، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اسے وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، چنانچہ اس خصوصیت سے ہمیں یہ بات سمجھ میں آئی کہ جب دیگر انبیاء کرام کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دیا جارہا ہے تو ہمیں تو بدرجہ اتم اور بدرجہ اولیٰ آپ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم ہے، بے شک اب اگر ہم اپنے نبی ﷺ پر صدق دل سے ایمان لائیں گے اور آپ ﷺ کی تمام سنتوں کو اختیار کریں گے تو اس میں ہماری کامیابی ہی کامیابی

ہے، ورنہ اپنے نبی ﷺ کے طریقے چھوڑ کر نہ دنیا میں ہم کامیاب ہو سکتے ہیں اور نہ آخرت میں ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

اکیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِذْ اَخَذَاللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ. فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ.

ترجمہ:...... اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتائے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں پھر جو کوئی پھر جاوے اس کے بعد تو وہی لوگ ہیں نافرمان۔ (معارف القرآن جلد ۲)

اس آیت میں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ پختہ عہد لیا کہ جب تم میں سے کسی نبی کے بعد دوسرا نبی آئے جو یقیناً پہلے انبیاء اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور پہلے نبی کے لئے ضروری ہے کہ پچھلے نبی کی سچائی اور نبوت پر ایمان خود بھی لائے، اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرے، قرآن کے اس قاعدہ کلیہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے بارے میں بھی اسی طرح کا عہد انبیاء سے لیا ہوگا جیسا کہ علامہ سبکیؒ اپنے رسالہ "التعظیم والمنة فی لتومنن به ولتنصرنه" میں فرماتے ہیں کہ "آیت میں رسول سے مراد محمد ﷺ ہیں اور کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات والا صفات کے بارے میں تائید ونصرت

اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کا عہد نہ لیا ہو، اور کوئی بھی ایسا نبی نہیں گزرا جس نے اپنی امت کو رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لانے اور تائید ونصرت کی وصیت نہ کی ہو، (اور اگر رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت انبیاء کے زمانے میں ہوتی تو ان سب کے نبی رسولِ اکرم ﷺ ہی ہوتے اور وہ تمام انبیاء رسولِ اکرم ﷺ کی امت میں شمار ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی شان محض نبی الامت ہی کی نہیں ہے بلکہ نبی الانبیاء کی بھی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آپ ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اور ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو وہ بھی قرآن حکیم اور تمہارے نبی ﷺ ہی کے احکام پر عمل کریں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت "عامہ اور شاملہ" ہے، اور آپ ﷺ کی شریعت میں سابقہ تمام شریعتیں مدغم ہیں، اس بیان سے رسولِ اکرم ﷺ کے ارشاد "بُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً" کا صحیح مفہوم بھی نکھر کر سامنے آجاتا ہے، کہ اس حدیث کا مطلب یہ سمجھنا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت آپ ﷺ کے زمانے سے قیامت تک کے لئے ہے صحیح نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ کی نبوت کا زمانہ اتنا وسیع ہے کہ آدم علیہ السلام کی نبوت سے پہلے شروع ہوتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آپ فرماتے ہیں "كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ." محشر میں شفاعتِ کبریٰ کے لئے پیش قدمی کرنا اور تمام بنی آدم کا رسولِ اکرم ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور شب معراج میں بیت المقدس کے اندر تمام انبیاء کی امامت کرانا رسولِ اکرم ﷺ کی اسی سیادتِ عامّہ اور امامتِ عظمیٰ کے آثار میں سے ہے۔

میثاق سے کیا مراد ہے اور یہ کہاں ہوا؟

میثاق کہاں ہوا؟ یا تو عالم ارواح میں یا دنیا میں بذریعہ وحی ہوا، دونوں احتمال ہیں، میثاق کیا ہے؟ اس کی تصریح تو قرآن نے کردی ہے، لیکن یہ میثاق کس چیز کے بارہ میں لیا گیا ہے؟ اس میں اقوال مختلف ہیں، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ عہد تمام انبیاء سے صرف محمد ﷺ کے بارے میں لیا تھا اگر وہ خود ان کا

زمانہ پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی تائید ونصرت کریں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی یہی ہدایت کر جائیں۔

بظاہر یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو علیم وخبیر ہیں ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ محمد ﷺ کسی نبی کی موجودگی میں تشریف نہیں لائیں گے تو پھر انبیاء کے ایمان لانے کا کیا فائدہ؟ ذرا غور کیا جائے تو فائدہ بالکل ظاہر معلوم ہوگا کہ جب وہ اللہ کے ارشاد پر محمد ﷺ کی ذات والا صفات پر ایمان قبول کرنے کا پختہ ارادہ کریں گے تو اسی وقت سے ثواب پائیں گے۔ (بحوالہ جلالین)(از معارف القرآن۔ج۔۲)

اور حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ اپنی تفسیر انوار البیان جلد ا میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ شیخ ابوالحسن تقی الدین السبکیؒ کا مستقل ایک رسالہ ہے جو آیت بالا کی تفسیر سے متعلق ہے اس رسالہ کا نام "التعظیم و المنة فی لتومنن به ولتنصرنه" ہے (جیسا کہ اس کا حوالہ پہلے بھی گزرا) جو فتاویٰ سبکی ج ا میں ص ۳۸ سے شروع ہے۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ رسول مصدق سے مراد اس آیت میں ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور کوئی نبی ایسا نہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے عہد نہ لیا ہو کہ میں محمد رسول اللہ کو مبعوث کروں گا اگر وہ تمہارے زمانہ میں آئیں تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور اپنی امت کو اس کی وصیت کرنا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اور اخذ میثاق میں رسول اکرم ﷺ کی جس عظمت شان کا بیان ہے وہ پوشیدہ نہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر انبیاء کرام کے زمانہ میں آپ کی بعثت ہوتی تو آپ ان کے لئے بھی مرسل ہوتے اور اس طرح سے آپ کی نبوت اور رسالت تمام مخلوق کو عام ہوگئی۔ آدم علیہ السلام سے لے کر اخیر زمانے تک اور اس طرح سے حضرت انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں سب آپ کی امت میں داخل ہیں۔ اور آپ کا ارشاد "بُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً" صرف انہی لوگوں سے متعلق نہیں ہے جو آپ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک ہوں گے بلکہ ان لوگوں سے بھی متعلق ہے جو آپ سے پہلے تھے۔ اور اس سے آپ کے ارشاد "كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ." کا معنی بھی واضح ہو جاتا ہے۔ (بحوالہ انوار البیان جلد ا)

اس کے بعد اب ذیل میں ہم مختصراً مورخِ اسلام مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ کی ایک تقریر کے چند اقتباس پیش کررہے ہیں، چونکہ موضوع کی مناسبت ہے چنانچہ اس لئے انکے منفرد انداز کو آپ حضرات بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت فاروقی شہید اپنی ایک تقریر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔مندرجہ بالا آیت کے مطابق اس کا معنی صحیح ہے کہ...... حضور ﷺ مقصودِ کائنات ہیں

رسولِ اکرم ﷺ نے آنا نہ ہوتا تو شمس وقمر نہ ہوتے، رسولِ اکرم ﷺ نے آنا نہ ہوتا آسمان وزمین نہ ہوتے، رسولِ اکرم ﷺ نے آنا نہ ہوتا شجر وحجر نہ ہوتے، کائنات میں کچھ بھی نہ ہوتا، رسولِ اکرم ﷺ کے لانے کے لئے محفل کو سجایا گیا، بزم کو آراستہ کیا گیا، کائنات کو بنایا گیا، دنیا کو لایا گیا، مرسلین بنائے گئے، پیغمبر لائے گئے، رسول بنائے گئے، عبادت خانے سجائے، عرش کو سجایا گیا، فرش کو سجایا گیا رسولِ اکرم ﷺ کے لئے، اللہ نے قرآن پاک میں اس کانفرنس کی جھلکیاں پیش کیں...... جو کانفرنس پروردگار نے کی ہے، واذ اخذ اللّٰہ میثاق النّبیینَ لما اٰتیتکُم من کتٰب وحکمة. واذ اخذ اللہ ...... اے میرے محمد ﷺ اس کانفرنس کی جھلکیوں کو یاد کر...... اس کانفرنس کو یاد کر...... کہ اللہ تعالیٰ نے جب وعدہ لیا تھا۔ میثاق النبیّین...... پیغمبروں سے وعدہ لیا...... کس چیز کا وعدہ؟ کہ لما اٰتیتکم مِّنْ کتٰبٍ کتاب بھی دوں گا۔ وحکمة اور نبوت بھی دوں گا...... لیکن شرط یہ ہے کہ ثم جآئکُم رسُولٌ...... کہ تمہارے بعد آخر الزماں نبی ایک آنے والا ہے۔ محمد رّسول اللہ وہ جو محمد ﷺ آخر الزماں آئے گا وہ تمہاری تصدیق کرے گا وہ کہے گا کہ مجھ سے پہلے سارے پیغمبر جو آئے وہ سچے تھے مُصدقا لّما معکُم لتؤمنن اے میرے محمد ﷺ میں نے تیری کانفرنس جب بلائی تھی تو سارے انبیاء سامعین میں تھے...... اور جو کانفرنس محمد ﷺ کی سیرت کی تھی اس میں سامعین سارے انبیاء کی جماعت تھی موضوع شانِ محمد ﷺ تھا...... صدارت بھی خدا کی تھی...... مقرر بھی خدا تھا اور یہ جھلکیاں دیکھو۔ لما اٰتیتکم اے پیغمبرو تمہیں میں نبوت دوں گا۔ لما اٰتیتکم من کتٰب وحِکمة ثم جآئکم رَسول تمہارے بعد ایک آخر الزماں نبی آنے والا ہے مُصدّقا لما معکم...... وہ تمہاری تصدیق کرے گا۔ لیکن آج تمہارے لئے کیا حکم ہے کہ

لتُؤمنُن بِہٖ ولتنصر نہ یہ ہے قرار داد محمد ﷺ کی اس پر دستخط کرو ایک ہے۔ امنو ایمان لاؤ ایک ہے۔ لتؤ منن...... کرو دستخط...... یہ قرار دادا ے محمد ﷺ تیری ختم نبوت کی تیری عظمت کی تیری بلندی کی ہے۔ لتُــؤ مـنُــن بِــہٖ ولتـنـصـرن محمد ﷺ کی ختم نبوت کی قرارداد پہ دستخط کرواور ولتنصر نہ کا مطلب ہے کہ تم اس محمد ﷺ کی مدد کرو مدد کا مطلب ہے اے نبیو! جب تم اپنے اپنے علاقوں میں جاؤ تو محمد ﷺ کا چرچا کرو۔ اور پیغمبروں نے جب ایمان کا اقرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قالَ ء أقررُتُم کیا تم نے اقرار کیا ہے؟ وَاخذتم علیٰ ذلکمُ اصری کیا تم میری بات پہ پکے ہو۔ تو تمام پیغمبروں نے جواب دیا۔ اقـررنـا ہم اقرار کرتے ہیں اللہ نے فرمایا۔ قال فا شهدوا وانا معکم من الشاهدین اے نبیو! تم گواہ ہو جاؤ میں بھی گواہ ہوں کہ محمد تمہارا بھی نبی ہے ساری کائنات کا نبی ہے۔ اس آیت نے اس سیرت کانفرنس نے جو خالق عالم نے کی ہے سبق کیا دیا؟ کہ اصل میں محمد ﷺ نے آنا تھا۔ اصل میں کملی والے نے آنا تھا۔

شمائل رسول ﷺ میں علامہ یوسف بن اسماعیل لمعانی نے لکھا...... کہ آدم علیہ السلام کا جب آخری وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے شیث سے کہا...... بیٹا! میں اس دنیا سے جارہا ہوں میرے جانے کے بعد اگر تجھے کسی چیز کی ضرورت پڑے تو خدا سے مانگا کر...... اگر دعا قبول نہ ہو تو محمد ﷺ پر درود پڑھ دیا کر۔ حضرت شیث علیہ السلام نے فرمایا ابا جان! میں نے تو محمد ﷺ کا نام آج سنا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ بیٹا تم نے محمد ﷺ کا نام آج سنا ہے میں جنت سے ہو کے آیا ہوں میں نے جنت کا کوئی درخت ایسا نہیں دیکھا جس کے پتے پر محمد ﷺ کا نام نہ لکھا ہو۔ تو خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی اس آیت نے ہمیں کیا سبق دیا؟ کہ محمد ﷺ مقصود کائنات ہیں محمد ﷺ کو لانے کے لئے پیغمبروں کو لایا گیا محمد ﷺ کے لانے کے لئے شمس وقمر بنایا گیا، بزم کونین کو آراستہ کیا گیا (بحوالہ صدائے فاروقی)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۲۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تاریخ انسانی کا سب سے افضل انسان بنایا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ بائیسویں خصوصیت پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تاریخ انسانی کا سب سے افضل انسان بنایا'' اور دیگر خصوصیات کی طرح بحمد اللہ اس خصوصیت کو بھی میں نے روضہ رسول کے سائے تلے بیٹھ کر ترتیب دیا اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے آمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو تاریخ انسانی کا سب سے افضل انسان بنایا، بے شک تاریخ میں بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء اکرامؑ تشریف لائے، ان کی فضیلت اور مقام ومرتبے میں کوئی شک نہیں لیکن جہاں تک ہمارے نبی ﷺ کا تعلق ہے تو ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اکرامؑ سے افضل واشرف اور اعلیٰ وبلند وبالا بنایا اور جملہ محاسن وکمالات دے کر مبعوث فرمایا جیسا کہ آپ ﷺ کی افضلیت اور آپ ﷺ کے مقام اور آپ ﷺ کے جملہ محاسن کو جستہ جستہ آنے والے اوراق میں پیش کیا جارہا ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ خصوصیت بھی صرف اور صرف آپ ﷺ ہی کا مظہر ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر جاننے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات کو دل وجان سے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین، بے شک اسی میں ہم سب کی کامیابی مضمر ہے۔

لہٰذا لیجئے اب تمہیدی بات کے بعد اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

بائیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

امریکہ سے ایک کتاب چھپی ہے جس کا نام ہے ''ایک سو''۔ اس کتاب میں ساری

انسانی تاریخ کے ایک سو ایسے آدمیوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے، مصنف کے نزدیک، تاریخ پر سب سے زیادہ اثرات ڈالے، کتاب کا مصنف نسلی طور پر عیسائی اور تعلیمی طور پر سائنسدان ہے۔ مگر اپنی فہرست میں اس نے نمبر ایک پر نہ حضرت مسیح کا نام رکھا ہے اور نہ نیوٹن کا۔ اس کے نزدیک وہ شخصیت جس کو اپنے غیر معمولی کارناموں کی وجہ سے نمبر ایک پر رکھا جائے وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ ہیں۔ مصنف کا کہنا ہے کہ آپ نے انسانی تاریخ پر جو اثرات ڈالے وہ کسی بھی دوسری شخصیت، خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی، نے نہیں ڈالے۔

مصنف نے آپ ﷺ کے کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ تاریخ کے تنہا شخص ہیں جو انتہائی حد تک کامیاب رہے، مذہبی سطح پر بھی اور دنیوی سطح پر بھی، انگریز مورخ ٹامس کارلائل نے پیغمبر اسلام کو نبیوں کا ہیرو قرار دیا تھا۔ مائیکل ہارٹ (امریکی) نے آپ ﷺ کو ساری انسانی تاریخ کا سب سے بڑا انسان قرار دیا ہے۔ پیغمبر اسلام کی عظمت اتنی واضح ہے کہ وہ صرف آپ کے پیروؤں کے ایک ''عقیدہ'' کی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ ایک مسلّمہ تاریخی واقعہ ہے اور ہر آدمی جو تاریخ کو جانتا ہے وہ مجبور ہے کہ اس کو بطور واقعہ تسلیم کرے۔ کوئی شخص اوپر نظر ڈالے تو اس کو ہر طرف آسمان چھایا ہوا نظر آئے گا۔ اسی طرح انسانی زندگی میں جس طرف بھی دیکھا جائے، پیغمبر اسلام کے اثرات نمایاں طور پر اپنا کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ ساری بہترین قدریں اور تمام اعلیٰ کامیابیاں جن کو آج اہمیت دی جاتی ہے وہ سب آپ ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب کے براہ راست یا بالواسطہ نتائج ہیں۔ (بحوالہ پیغمبر انقلاب)

رسولِ اکرم ﷺ کے افضل المخلوقات ہونے سے متعلق چند روایات

پہلی روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولین وآخرین میں سب سے مکرم ہوں۔

دوسری روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس شب معراج میں براق حاضر کیا گیا تو وہ سوار ہونے کے وقت شوخی کرنے لگا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تو محمد ﷺ کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔ تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو ان سے زیادہ اللہ کے نزدیک مکرم ہو وہ پسینہ پسینہ ہو گیا۔

تیسری روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ شب معراج میں بیت المقدس میں تشریف لائے اور نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ تو تمام انبیاء علیہم السلام اور فرشتے بھی آپ ﷺ کے مقتدی ہوئے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے ملاقات ہوئی اور سب نے حق تعالیٰ کی ثنا کے بعد اپنے اپنے فضائل بیان کئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے خطبے کی نوبت آئی جس میں آپ ﷺ نے اپنا رحمۃ اللعالمین ہونا اور اپنی امت کا خیر الامم ہونا اور اپنا خاتم النبیین ہونا بیان فرمایا۔ اس کو سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب انبیاء کو خطاب کر کے فرمایا کہ ان ہی فضائل سے محمد ﷺ سب سے آگے بڑھ گئے۔

چوتھی روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حضرات انبیاء پر بھی فضیلت دی۔ اور آسمان والوں یعنی فرشتوں پر بھی اور پھر اس پر قرآن مجید سے استدلال کیا۔

پانچویں روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک بار فرمایا کہ بنی اسرائیل کو مطلع کر دو کہ جو شخص مجھ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ احمد ﷺ کا منکر

ہوتو میں اس کو دوزخ میں داخل کروں گا، خواہ کوئی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ احمد کون ہیں، ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ! قسم ہے اپنی عزت وجلال کی میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی جو ان سے زیادہ میرے نزدیک مکرم ہو، میں نے ان کا نام عرش پر اپنے نام کے ساتھ آسمان وزمین اور شمس وقمر پیدا کرنے سے بیس لاکھ برس پہلے لکھا تھا۔ قسم ہے اپنی عزت وجلال کی جنت میری تمام مخلوق پر حرام ہے جب تک محمد ﷺ اوران کی امت اس میں داخل نہ ہوجاویں (پھر امت کے فضائل سن کر) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب مجھے اس امت کا نبی بنادیجئے ارشاد ہوا کہ اس امت کا نبی اسی میں سے پیدا ہوگا، عرض کیا تو مجھ کو ان محمد ﷺ کی امت میں سے بنادیجئے ارشاد ہوا تم پہلے ہوگے وہ پیچھے ہوں گے۔ البتہ تم کو اوران کو جنت میں جمع کردوں گا جملہ روایات سے آپ ﷺ کا افضل الخلق ہونا حق تعالیٰ کے ارشاد سے، خود آپ ﷺ کے ارشاد سے صحابہ کے ارشاد سے صریحاً بھی اور امامت انبیاء وملائکہ علیہم السلام وختم نبوت وخیرت امت وغیرہ سے استدلالاً بھی ثابت ہے، (بحوالہ از دینی دسترخوان جلد اول)

چھٹی روایت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ نبی ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا میں کون ہوں لوگوں نے عرض کیا آپ رسول اللہ ﷺ ہیں آپ نے فرمایا کہ میں (رسول تو ہوں ہی مگر دوسرے فضائل حسبی ونسبی بھی رکھتا ہوں چنانچہ میں) محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں اللہ تعالیٰ نے خلق کو (جو کہ جن وغیرہ کو بھی شامل ہے) پیدا کیا اور مجھ کو ان کے بہترین (یعنی انسان) میں سے کیا پھر ان (عرب) کو مختلف قبیلے بنائے اور مجھ کو بہترین خاندان (یعنی بنی ہاشم) میں بنایا پس میں اپنی ذات کے اعتبار سے بھی سب سے افضل ہوں اور خاندان کے اعتبار سے بھی سب سے افضل ہوں روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ (کذافی المشکوٰۃ)

فائدہ......اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ نے اپنے فضائل کا ذکر برسر منبر

فرمایا۔ اور ایک دوسرے موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اعلان کروا کر لوگوں کو جمع کرایا اور اپنے فضائل بیان فرمائے۔

ساتویں روایت

فقیہ ابواللیثؒ نے تنبیہ الغافلین میں اپنی سند متصل سے حضرت علی سے روایت کیا کہ جب سورہ اذا جآء نصر اللہ آپ کے مرض میں نازل ہوئی سو آپ نے توقف نہیں فرمایا جمعرات کے روز باہر تشریف لائے اور منبر پر بیٹھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ مدینہ میں اعلان کر دو کہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت سننے کو جمع ہو جاؤ چنانچہ بلال نے پکار دیا اور چھوٹے بڑے سب جمع ہو گئے آپ نے کھڑے ہو کر حمد وثناء وصلوٰۃ علی الانبیاء کے بعد فرمایا کہ میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہوں عربی حرمی مکی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (بحوالہ العطور المجموعہ)

رسولِ اکرم ﷺ کے افضل المخلوقات ہونے سے متعلق چند دلائل

پہلی دلیل

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے رسولِ اکرم ﷺ تمام مخلوقات حتی کہ انبیاء وملائکہ میں سب سے افضل ہیں، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ نور مبارک رسولِ اکرم ﷺ تمام موجودات سے پہلے پیدا ہوا اور عبادت آپ کی سب سے زیادہ اور جامع ہے چنانچہ ارشاد ہے كُنتُ نبيّاً و ادمُ بَيْنَ الْماءِ وَالطِّينِ. کہ میں اس وقت نبی تھا جس وقت آدمؑ پانی اور مٹی ہی میں تھے اور فرمایا کہ: أنا سيّدُ وُلَدِ ادمَ وَلا فَخرَ لِیْ. میں سردار ہوں تمام اولادِ آدم کا اور میں اس پر فخر نہیں کرتا اور فرمایا کہ: أنا سيّدُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ. میں تمام عرب وعجم کا سردار ہوں۔ اور سردار وہ ہوتا ہے جو اپنی قوم میں سب سے افضل ہو۔

دوسری دلیل

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا نور آسمانوں، زمینوں، عرش وکرسی لوح وقلم، بہشت دوزخ اور تمام مخلوق اور تمام انبیاء سے چار ہزار چار سو بیس برس پہلے پیدا ہو گیا تھا اور بارہ ہزار برس تک وہ نور مقدس: سُبحانَ رَبِّیَ الْاَعْلیٰ وَبِحَمْدِہٖ. کہتا رہا۔

تیسری دلیل

تواریخ وسیرِ عجم وعرب سے ثابت ہے کہ کوئی بھی مثل رسولِ اکرم ﷺ کے عبادت، ہیبت، شجاعت، رفعت وعظمت، منزلت وسعادت، ہدایت وکرامت، شفاعت ومناقبت فضائل وخصائل معجزات وکمالات، ذات وصفات، علم وحلم، خلق وکرم اور سخاوت میں نہ تھا اور نہ ہوا اور جو ایسا جامع کمالات اور صاحب فضل ہو وہ تمام سے ہر حیثیت سے بڑھ چڑھ کر ہوگا اور یہ کون نہیں جانتا کہ اس کو سب پر فضیلت اور افضلیت حاصل ہوگی بس آپ ﷺ ان تمام وجوہات کی بناء پر تمام ملائک اور تمام نبیوں سے افضل ہوئے۔

چوتھی دلیل

اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں فرمایا: لَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ یعنی اگر وجود مبارک رسالت مآب ﷺ مقصود ومطلوب حق تعالیٰ کو نہ ہوتا تو موجودات میں سے کوئی بھی وجود میں نہ آتا۔ نہ عرش نہ فرش، نہ جمادات ونباتات، نہ حیوانات اور نہ انسان حتیٰ کہ باقی انبیاء ورسل بھی وجود میں نہ آتے۔ جیسا کہ اہل علم اور اصحاب تاریخ وسیر سے پوشیدہ نہیں ہے، تو پس جس ہستی کو یہ اقدمیت وفوقیت حاصل ہو، حتیٰ کہ جمیع مخلوقات کے وجود کا موقوف علیہ بھی ہو تو پھر اس سے زیادہ کسی دوسرے کو کس طرح فوقیت حاصل ہو سکتی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ ہمارے پیغمبر احمد مجتبیٰ ﷺ کو سب پر حتیٰ کہ تمام انبیاء پر فضیلت حاصل ہے اور آپ افضل الخلائق والرسل ہیں۔

پانچویں دلیل

اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے فرمایا کہ "کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ" کہ تم بہترین امت ہو تو جب آپ ﷺ کی امت تمام امتوں پر بہتر ٹھہری تو اس سے خود بخود یہ لازم آگیا کہ آپ بھی سب نبیوں سے افضل ہیں، کیونکہ یہ فضیلت امت میں بمتابعت رسولِ اکرم ﷺ کے آئی، اور تابع کی فضیلت سے متبوع کی فضیلت ظاہر ہے لہٰذا جب آپ کی امت تمام نبیوں کی امت سے افضل ہوئی تو تمام نبیوں پر آپ کی فضیلت ثابت ہوئی، پس آپ سب سے افضل ہوئے۔

چھٹی دلیل

تمام انبیاء کی بعثت خاص خاص جگہوں اور خاص خاص مقاموں کی طرف ہوئی۔ اور آپ کا مبعوث ہونا تمام جہان والوں عرب وعجم کی طرف ہوا۔ "وَمَا اَرسَلنٰکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ" کہ آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر ہم نے بھیجا ہے آپ جمیع عرب وعجم کی ہدایت کے لئے مکلّف بنائے گئے جیسا کہ تواریخ وسیر سے بھی ثابت ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کی مشقت اور مجاہدہ سب سے بڑھ گیا۔ نہ کوئی ساتھی نہ کوئی مددگار تن تنہا اور تمام انسانوں حتیٰ کہ جنات کی طرف بھی بعثت ہوئی پھر دعوت بھی اللہ احد کی تھی جو سب کے خلاف تھی، لہٰذا سب دشمن ہوگئے، رنج واذیت دعوت حق میں آپ برداشت کرتے رہے۔ اور مشغول ہدایت رہے جو کہ زیارت وثواب کو لازم ہے، اور زیارت فضیلت کو پس ثابت ہوا کہ آپ کا فضل بھی اور نبیوں سے زیادہ ہے لہٰذا آپ سب سے زیادہ افضل ہوئے۔

ساتویں دلیل

جو شخص رسولِ اکرم ﷺ پر ایک بار درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود رحمت بھیجتے ہیں اور خود اللہ رسولِ اکرم ﷺ پر درود رحمت بھیجتا ہے۔ اور بندوں کو بھی حکم دیا اپنے اس ارشاد میں کہ اِنَّ اللہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَیہِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِيمًا. ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رسولِ اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ لہٰذا اے مؤمن! تم بھی رسولِ اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجو! پس اس سے خاص الخاص فضیلت تمام نبیوں پر ثابت ہوئی۔

آٹھویں دلیل

آپ خاتم الانبیاء ہیں، اور جو خاتم الانبیاء ہوگا، اس کا مذہب تمام مذاہب سابقہ کا ناسخ ہوگا، اور جو ناسخ ہوگا وہ منسوخ سے افضل ہوگا، اور جب رسولِ اکرم ﷺ کا مذہب سب سے افضل ہوا تو رسولِ اکرم ﷺ کا سب سے افضل ثابت ہونا بالضرور ثابت ہوگا کیونکہ رسولِ اکرم ﷺ اگر مفضول ہوں تو یہ خلاف عقل ہوگا، اس لئے کہ مفضول کے ذریعے افضل کا نسخ عقلاً قبیح ہے پس ثابت ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہیں۔ (بحوالہ دینی دسترخوان ج ۱)

رسولِ اکرم ﷺ کی فضیلت تمام انبیاء اور آسمان والوں پر

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے (ایک دن اپنی مجلس میں) فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام اور اہل آسمان (فرشتوں) پر فضیلت عطا فرمائی ہے، حاضرین مجلس نے (یہ سن کر) سوال کیا کہ اے ابو عباس! اہل آسمان پر آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کس طور پر فضیلت دی ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے اہل آسمان سے تو یوں خطاب فرمایا۔''

(گویا اس خطاب میں نہ صرف یہ کہ نہایت سخت انداز اور رعب و دبدبہ کا اظہار کیا بلکہ سخت عذاب کی دھمکی بھی دی گئی جب کہ آنحضرت ﷺ کو خطاب فرمایا گیا تو بڑی ملائمت، مہربانی اور کرم و عنایت کا انداز اختیار فرمایا گیا چنانچہ) محمد ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا. لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہارے لئے عظمتوں اور برکتوں کے دروازے پوری طرح کھول دیئے ہیں (جیسا کہ مکہ کا فتح ہونا) اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اگلے پچھلے گناہ

بخش دیئے ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ (اچھا یہ بتایئے) تمام انبیاء پر رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کس طور پر فضیلت دی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء کی نسبت یوں فرمایا وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاءُ الآية. ہم نے ہر نبی کو اس قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ قوم کے سامنے خدا کے احکام وقوانین بیان کرے اور اللہ جس کو چاہتا ہے۔ گمراہ کرتا ہے الخ۔'' جبکہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے بارے میں یہ فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ یعنی: اے محمد (ﷺ)! ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔''

تشریح...... اللہ نے تمہارے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں۔'' اس آیت کے متعلق سوال اٹھتا ہے کہ جب رسولِ اکرم ﷺ معصوم ہیں، آپ ﷺ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا، اور نہ کبھی کوئی گناہ آپ ﷺ سے سرزد ہوا تو پھر یہ کہنے کے کیا معنیٰ کہ آپ ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے؟ چنانچہ مفسرین اور شارحین اس آیت کی مختلف تاویلیں اور توجیہیں کرتے ہیں، ان میں سے سب سے بہتر تاویل یہ سمجھی جاتی ہے کہ آیت قرآنی کا یہ فقرہ اپنے اصل لفظی معنیٰ پر محمول نہیں ہے بلکہ اس سے محض رسولِ اکرم ﷺ سے متعلق کمال عنایت ومہربانی اور آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیت وعظمت کا اظہار مقصود ہے، اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جب کوئی آقا اپنے کسی غلام کی تابعداری سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اور اس کے متعلق کمال رضاوخوشنودی کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو اس سے یہ کہتا ہے کہ جا میں نے تجھے بالکل معافی دے دی، تیری ساری خطائیں معاف تجھ پر کوئی داروگیر نہیں۔ چاہے اس غلام سے کبھی بھی کوئی خطا سرزد نہ ہوئی ہو۔

''پس اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو جن وانسان دونوں کا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔'' کے ذریعہ حضرت ابن عباسؓ نے الفاظ قرآنی ''کافة للناس'' کی وضاحت فرمائی اگرچہ یہاں صرف ''انسان'' کا ذکر ہے اور وہ بھی اس بناء پر کہ اشرف المخلوقات انسان ہی ہے، لیکن مراد ''جن وانسان'' دونوں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو انسانوں کی طرف

بھی مبعوث فرمایا ہے اور جنات کی طرف بھی، اس کی دلیل متعدد آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ میں موجود ہے! اس آیت کا اصل مقصد اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت و نبوت کسی خاص علاقہ یا انسانوں کے کسی خاص طبقہ کے لئے نہیں، بلکہ آپ کی بعثت تمام نوع انسانی کی طرف ہوئی ہے اور اس حقیقت کی وضاحت بھی اس لئے کی گئی ہے تاکہ ان اہل کتاب کی تردید ہوجائے جو کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کی رسالت تو صرف عرب والوں کے لئے ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق ج ۵)

رسولِ اکرم ﷺ کی اونچی شان

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سید المرسلین خاتم النبیین، امام الرسل، مقصد آفرینش، اور باعث وجود کائنات ہیں۔ دو عالم کی رونقیں آپ کی ذات اقدس سے قائم اور کائنات کا ظہور آپ کے دم قدم سے ہوا۔

آپ اگر مقصود نہ ہوتے کون و مکان موجود نہ ہوتے
اور مسجود نہ ہوتے آدم صلی اللہ علیہ وسلم

آمد تری اے ابر کرم رونق عالم تیرے ہی لئے گلشن ہستی یہ بنا ہے
فردوس و جہنم تری تخلیق سے قائم یہ فرق بد و نیک ترے دم سے ہوا ہے
فرمان دو عالم تیری توقیع سے نافذ تیری ہی شفاعت پہ رحیمی کی بنا ہے

حسن و جمال، فضل و کمال، عطاء و نوال اور محبوبیت و خوبی کا جو ارفع و اعلیٰ درجہ اور اوج امتیاز کا جو نکتہ معراج تھا وہ سراپا جہاں آرائے حضور ﷺ میں نمایاں تھا

خلقت مبراء من کل عیب کانک قد خلقت کما تشاء

(حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

"اے محمد ﷺ آپ ہر عیب سے اس طرح پاک پیدا کئے گئے گویا جیسا آپ چاہتے ہیں ویسا آپ کو پیدا کیا گیا۔"

حسنِ تخلیق کا شاہکار حضرت محمد ﷺ کے پیکر پاک میں جلوہ فگن ہوا، جو ظاہراً و باطناً، سیرۃً وصورۃً، اپنی مثال آپ تھا، جس جیسا نہ کوئی پیدا ہوا نہ ہے، نہ ہوگا، اللہ جل جلالہ، عم نوالہ وعز اسمہ، کا جیسے اس کی الوہیت میں کوئی بھی شریک وسہیم، شبہ وشبیہ، مقابل وبرابر نہیں، آپ اپنی ذات وصفات اور محاسن وکمالات میں جامعیت کبریٰ کے اس بلندی فوز پر فائق ہیں جس سے آگے کوئی فوق وبلندی خوبی وکمال باقی نہیں رہتا۔

بلغ العلی بکماله　　　کشف الدجی بجماله

حسنت جمیع خصاله　　　صلوا علیه وآله

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی اور آپ کی شان کے لائق ہر خوبی ومحبوبی عز وشرف، قبولیت ورفعت سے نوازا، اور دلربائی ودلستانی میں پوری مخلوق میں لاثانی وبے مثال بنادیا۔ بقول صدیقۃ الکبریٰ سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا۔

فلو سمعوا فی مصر اوصاف خده　　　لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد

لواحی زلیخا لورأین جبینه　　　لآثرن نقبع القلوب علی الایدی

(الزرقانی علی المواہب ج ۳)

ترجمہ: اگر مصر میں آپ ﷺ کے رخسار مبارک کے اوصاف سنے گئے ہوتے تو وہ یوسف علیہ السلام کی خریداری میں اپنی نقدی کو صرف نہ کرتے، اور اگر زلیخا زندہ ہوتی اور مصر کی عورتوں نے آنحضرت ﷺ کی جبین اقدس دیکھی ہوتی تو وہ عورتیں ہاتھوں کے بجائے دلوں کے کاٹنے کو ترجیح دیتیں، سچ ہے ؎

تو ہے مجموعہ خوبی وسراپائے جمال　　　کونسی تیری ادا دل کی طلبگار نہیں

اللہ تعالیٰ نے ان جملہ محامد ومحاسن، کمالات وفضائل سے نواز کر حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین کے مقام رفیع پر سرفراز فرمایا، اور آپ کو پوری مخلوق کے لئے رسول ونبی، اسوہ ونمونہ، ہادی ومقتدا بنادیا، اور آپ کی نبوت ورسالت میں ہدایت ونجات وفلاح دارین کو منحصر ومقید فرمادیا، اب (یعنی آپ ﷺ کی بعثت سے لے کر ابد الآباد تک) آپ ﷺ ہی کی ذات

وصفات، عقائد ودین، اعمال وکردار، اقوال وافعال، اللہ تعالیٰ کا واحد پسندیدگی ورضامندی کا رستہ اور وسیلہ، اور نمونہ ہے، اب جسے بھی ملے گا، جہاں بھی ملے گا جب بھی ملے گا حضرت محمد ﷺ کے طریقہ عالیہ کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے ملے گا، کہ فیصلہ ربانی ہی یہ ہے کہ جو آپ ﷺ کے نمونے کو اپنالے گا آپ کے رنگ میں رنگ جائے گا، آپ کی ادائیں، آپ کی سنتیں، آپ کے احکام اس کی زندگی میں رچ بس جائیں گے اور جو آپ کی منع کردہ باتوں واعمال سے بچ جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کے مقام پر فائز ہو جائے گا۔

کیا شان ہے اللہ رے محبوب نبی کی　　　محبوب خدا ہے وہ جو محبوب نبی ہے

بندے کی محبت سے ہے آقا کی محبت　　　جو پیرو احمد ہے وہ محبوب خدا ہے

ارشاد ربانی ہے: ﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِی یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ﴾ (آل عمران آیت ۳۱) ''کہہ دیجئے (اے محمد ﷺ) اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری راہ چلو تا کہ تم سے اللہ تعالیٰ محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے۔''

غرض جو شخص بھی حضور انور ﷺ کے اسوہ عالیہ کو اپنائے گا اللہ تعالیٰ کے کمال انعام واکرام، محبت وکرم، بخشش وعطاء سے نواز دیا جائے گا، اور دارین کے فوز وفلاح وکامرانی سے ہم کنار ہو جائے گا۔ (بحوالہ العطور المجموعہ)

تو محترم قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی افضلیت سے متعلق روایت اور دلائل اور احادیث کے مطالعے کے بعد یقیناً ہمارے نبی ﷺ کی یہ امتیازی خصوصیت کہ ''رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تاریخ انسانی کا سب سے افضل انسان بنایا'' نکھر کر آپ کے سامنے آ گئی ہوگی، اس لئے بس ان ہی روایات پر اکتفا کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

خصوصیت نمبر ۲۳

رسولِ اکرم ﷺ کا دفاع اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا جبکہ دیگر انبیاءؑ اپنا دفاع خود فرماتے تھے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ تیئسویں خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کا دفاع اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا جبکہ دیگر انبیاءؑ اپنا دفاع خود فرماتے تھے" اور بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے عین روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی، اگرچہ لوگوں کا اژدھام لکھنے کی اجازت نہیں دے رہا، بار بار ہاتھ ہلنے کی وجہ سے کافی مشکلات کا سامنا ہے لیکن دل آقا ﷺ کی محبت سے لبریز ہے، اس لئے مجبور کر رہا ہے کہ کچھ بھی ہو لکھو کہ شاید جب قیامت کا دن ہوگا، نفسا نفسی کا عالم ہوگا ایسے کٹھن وقت میں آقا ﷺ فرمادیں: "یا اللہ اگرچہ یہ میرا امتی تھا تو بہت گناہ گار لیکن چونکہ اس نے میرے روضے کے سامنے اور جنت کے باغیچے میں بیٹھ کر میرے خصوصیات پر کام کیا تھا اس لئے میں تیرا محبوب (ﷺ) اس حقیر اور ناقص بندے کی سفارش کرتا ہوں قبول فرمالیجئے۔" اور یہ ہمارا ایمان ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی سفارش کو رد نہیں کرے گا، بس دل کو یہی تسلی ہے۔ دعا گو ہوں کہ یارب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا خود دفاع فرمایا جبکہ دیگر انبیاء اپنا دفاع خود فرماتے تھے، جیسا کہ اس کی کئی مثالیں قرآن کریم کی روشنی میں آپ آنے والے اوراق میں

ملاحظہ فرمائیں گے، چنانچہ اس خصوصیت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے، یہاں ہمارے نبی ﷺ کا کتنا بلند و بالا مقام ہے، بے شک اب ہمارے لئے بھی یہ فرض ہے کہ ہم بھی اپنے نبی ﷺ کی قدر جانیں اور حضور ﷺ سے سچی محبت کریں، آپ ﷺ کی تعلیمات پر دل و جان سے عمل پیرا ہوں، اور آپ ﷺ کے دین کی خدمت و اشاعت کے لئے کمر بستہ ہوں، بے شک اسی میں ہماری کامیابی و کامرانی مضمر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

تیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

رسول اکرم ﷺ کا دفاع خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بخلاف دیگر انبیائے کرام کے کہ وہ اپنے مکذبین کی تردید خود کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قوم نوح علیہ السلام نے جب ان سے کہا: اِنَّا لَنَرٰکَ فِی ضَلٰلٍ مُّبِینٍ ترجمہ: تحقیق ہم تجھے صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ ان کی نفی خود حضرت نوح علیہ السلام نے کی، جب ان سے کہا: یٰقَومِ لَیسَ بِی ضَلٰلَۃٌ وَّلٰکِنِّی رَسُولٌ مِّنْ رَّبِّ العٰلَمِین۔ (اعراف ع ۸) ترجمہ: اے میری قوم مجھ میں گمراہی نہیں اور لیکن میں رب العلمین کی طرف سے رسول ہوں۔

قوم ہود نے ان سے کہا اِنَّا لَنَرٰکَ فِی سَفَاھَۃٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّکَ مِنَ الْکٰذِبِینَ۔ ترجمہ:...... تحقیق ہم تجھ کو بیوقوفی میں دیکھتے ہیں اور تجھے جھوٹوں پر گمان کرتے ہیں اس پر ہود علیہ السلام نے فرمایا یٰقَومِ لَیسَ بِی سَفَاھَۃٌ وَّلٰکِنِّی رَسُولٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِین۔ (اعراف ع ۹) ترجمہ:...... اے میری قوم مجھ میں بیوقوفی نہیں اور لیکن میں رب العلمین کی طرف سے رسول ہوں۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: اِنِّی لَاَظُنُّکَ یٰمُوسٰی مَسْحُورًا ترجمہ: تحقیق میں تجھے اے موسیٰ جادو کیا ہوا گمان کرتا ہوں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

فرمایا:۔ وانّی لاظُنُّکَ یٰفِرعَونُ مثبُوراً ۔ (بنی اسرائیل۔ع۱۲) ترجمہ:...... اور تحقیق میں تجھے اے فرعون ہلاک کیا گیا گمان کرتا ہوں۔

قوم شعیب نے ان سے کہا اِنّا لنرٰک فینا ضعیفاً ولولا رھطُکَ لرجمنٰکَ وماأنتَ علینا بعزیزٍ (ہود ع۸) ترجمہ:...... تحقیق البتہ ہم تجھ کو اپنے درمیان کمزور دیکھتے ہیں۔ اگر تیری برادری نہ ہوتی تو البتہ ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے اور تو ہم پر قدرت والا نہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام اس کا جواب یوں دیتے ہیں یٰقومِ اَرھطی اَعزُّ علیکم مِنَ اللّٰہِ واتَّخذتُموہُ وراءَکم ظِھریاً. اِنَّ ربّی بما تعملُون محیط. (ہود۔ع۸)

ترجمہ:...... اے میری قوم! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ عزیز ہے اور تم نے اس کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈالا ہوا ہے، تحقیق میرا پروردگار گھیرنے والا ہے اس چیز کو جو تم کرتے ہو۔

کفار نے ہمارے آقائے نامدار کی نسبت جو طعن و تنقیص کی، حق سبحانہٗ تعالیٰ نے بذاتِ خود اس کی تردید فرمائی جس سے رسول اکرم ﷺ کی شان محبوبیت اور امتیازی خصوصیت عیاں ہے۔ چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

کفار نے اعتراض کیا کہ یٰاَیُّھا الّذی نُزِّلَ علیہِ الذِّکرُ اِنَّکَ لَمَجنُونٌ۔ ترجمہ:...... اے وہ شخص کہ اتارا گیا اس پر قرآن تو البتہ دیوانہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ماأنتَ بِنِعمتِ ربِّکَ بِمَجنُونٍ (قلم۔ع۱) ترجمہ:...... ''نہیں تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ۔''

کفار نے اعتراض کیا کہ: اَئنّا لَتارِکُوا آلِھَتِنا لِشاعِرٍ مَّجنُونٍ. (صافات۔ع۲)

ترجمہ:...... کیا ہم چھوڑ دینے والے ہیں اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کے واسطے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ بَل جآءَ بالحقِّ وصدَّقَ المُرسلین. (صافات۔ع۲)

ترجمہ:...... بلکہ وہ لایا ہے حق اور سچا کیا ہے پیغمبروں کو۔ وما علَّمنٰہُ الشِّعرَ وما یَنبغی لَہٗ. (یٰس ع۵) ترجمہ:...... اور ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا اور اس کے لائق نہیں۔

کفار نے اعتراض کیا کہ اِن تتّبعُون اِلّا رجلاً مَّسحُوراً۔ (بنی اسرائیل۔ع۵)

ترجمہ:...... نہیں پیروی کرتے تم مگر ایک مرد مسحور (جادو مارا) کی اور اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اُنظُرْ کَیفَ ضَرَبُوا لَکَ الْاَمثَالَ فضَلُّوا فَلا یَستَطِیْعُونَ سبِیلاً. (بنی اسرائیل ع۵)

ترجمہ:...... دیکھ کیونکر بیان کی انہوں نے تیرے واسطے مثالیں۔ پس وہ گمراہ ہو گئے۔ پس نہیں پا سکتے کوئی راہ (طعن کی)۔

کفار نے اعتراض کیا کہ لَوْنشَاءُ لَقُلْنَا مِثلَ هٰذا اِنْ هٰذَا اِلّا اَسَاطِیرُ الاوَّلِینَ. (انفال ع۴) ترجمہ:...... اگر ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسا، یہ کچھ نہیں مگر قصے کہانیاں پہلوں کی۔

اور اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنسُ والْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَأتُوا بِمِثْلِ هٰذا القُرآنِ لَا یَأتُون بِمِثلِهٖ ولَو کانَ بَعْضُهُم لِبَعْضٍ ظَهِیراً (بنی اسرائیل ع۱)

ترجمہ:...... کہہ دے اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن۔ تو نہ لائیں گے ایسا خواہ مدد کریں ایک کی ایک۔

کفار نے اعتراض کیا کہ اَمْ یَقُولُونَ افْتَرٰهُ. (یونس ع۴) یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو (اپنی طرف سے) گھڑ لیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ قُل فَأتُوا بِسُورَةٍ مِّثلِهٖ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُم صٰدِقِینَ۔ (یونس ع۴) ترجمہ: کہہ دے تم لے آؤ ایک سورت ایسی اور پکارو جس کو پکار سکو اللہ کے سوا۔ اگر ہو تم سچے۔

کفار نے اعتراض کیا کہ لَو لا نُزِّلَ علَیهِ القُرآنُ جُملَةً وَّاحِدةً. (فرقان ع۳)

ترجمہ:...... آپ پر قرآن ایک دفعہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ کَذٰلِکَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤادَکَ ورَتَّلْنٰهُ تَرْتِیلاً. (فرقان ع۳) ترجمہ:...... اسی طرح اتارا ہم نے تا کہ ثابت رکھیں ہم اس کے ساتھ تیرے دل کو۔ اور آہستہ آہستہ پڑھا ہم نے اس کو آہستہ پڑھنا۔ (یعنی ہر بات کے وقت اس کا جواب آتا رہے تو پیغمبروں کا دل ثابت رہے۔

کفار نے اعتراض کیا کہ لَسْتَ مُرسَلاً (رعد آخری آیت) ترجمہ: ...... تو رسول نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ قُل کفٰی باللّٰہ شھیداً بینی و بینکم ومن عندہٗ ☆علمٌ من الکتاب ۔(رعد آخری آیت) یٰسٓ. والقرآن الحکیم. انک لمن المرسلین ۔(یٰس شروع) ترجمہ:...... کہہ دے کافی ہے اللہ گواہی دینے والا درمیان میرے اور درمیان تمہارے اور وہ شخص کہ اس کے پاس ہے علم کتاب کا۔ ترجمہ: ......یٰس :۔قسم ہے قرآن محکم کی، تحقیق تو البتہ رسولوں میں سے ہے۔

کفار نے اعتراض کیا کہ ابعث اللّٰہ بشراً رّسولاً ۔ (بنی اسرائیل۔ع۱۱) ترجمہ: کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ قل لو کان فی الارض ملئکۃٌ یمشون مطمئنین لنزّلنا علیھم من السّماء ملکاً الرّسولاً ۔(بنی اسرائیل ع۱۱) ترجمہ:...... کہہ دے اگر ہوتے زمین میں فرشتے چلا کرتے آرام سے۔ تو البتہ ہم اتارتے ہیں ان پر آسمان سے فرشتے کو پیغمبر بنا کر۔ مطلب یہ کہ تجانس موجب تو انس اور تخالف موجب تباین ہے۔ اس لئے فرشتوں کے لئے مبعوث ہونا چاہئے۔ اور اہل ارض کے لئے بشر رسول چاہئے۔

کفار نے اعتراض کیا کہ مالِ ھٰذا الرّسولِ یاکلُ الطّعام ویمشیْ فی الاسواقِ (فرقان ع۱) ترجمہ:...... کیا ہوا ہے اس پیغمبر کو کہ کھاتا ہے کھانا اور چلتا ہے بازاروں میں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ وما ارسلنا قبلک من المرسلین الّا انّھم لیاکلون الطّعام ویمشون فی الاسواقِ ۔(فرقان: ع۲) ترجمہ:...... اور نہیں بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے پیغمبر مگر تحقیق وہ البتہ کھاتے تھے کھانا اور چلتے تھے بازاروں میں۔

کفار نے اعتراض کیا کہ لولا نزّل ھٰذا القرآنُ علی رجلٍ من القریتینِ عظیمٍ. (زخرف: ع۳) ترجمہ:...... کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ایک مرد پر ان دو بستیوں سے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اھم یقسمون رحمت ربک نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیٰوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعضٍ درجٰتٍ لیتّخذ بعضھم بعضاً سخریاً .ورحمتُ ربک خیرٌ مّما یجمعون. (زخرف: ع۳) ترجمہ: کیا وہ بانٹتے

ہیں تیرے پروردگار کی رحمت کو۔ہم نے بانٹی ہے ان کے درمیان ان کی روزی حیات دنیا میں اور ہم نے بلند کیا ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں۔تا کہ پکڑیں ان کے بعض کو محکوم۔اور تیرے پروردگار کی رحمت بہتر ہے اس چیز سے کہ وہ جمع کرتے ہیں۔

کفار نے اعتراض کیا کہ هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ. (سبا،ع ۱)ترجمہ:……کیا ہم راہ بتادیں تم کو اس شخص کی طرف جو خبر دیتا ہے تم کو جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے۔نہایت ریزہ ریزہ ہونا تحقیق البتہ نئی پیدائش میں ہو نگے۔اور اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ. (سبا،ع ۱)ترجمہ:……کیا باندھ لیا ہم نے اللہ پر جھوٹ یا اس کو جنون ہے۔بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے عذاب اور دور کی گمراہی میں ہیں۔

ایک روز حضور ﷺ مسجد حرام سے نکل رہے تھے کہ باب بنی سہم میں عاص بن وائل سہمی آپ سے ملا اور کلام کیا،جب وہ مسجد میں داخل ہوا تو شقیائے قریش نے پوچھا کہ تم کس سے باتیں کر رہے تھے۔عاص بولا اسی ابتر (بے نسل) سے۔حضور کا صاحبزادہ جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کے بطن مبارک سے تھا انتقال کر چکا تھا،اس لئے عاص نے رسولِ اکرم ﷺ کو یہ طعن دیا کہ زندگی تک انکا نام ہے پیچھے کون نام لے گا۔ (مدارج النبوۃ)

اور اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ. (الکوثر)ترجمہ:……تحقیق تیرا دشمن وہی ہے بے نسل۔چنانچہ عاص مذکور کا نام نابود ہو گیا۔مگر رسولِ اکرم ﷺ کا نام قیامت تک روشن ہے،اور رسولِ اکرم ﷺ کی ذریت قیامت تک رہے گی۔

کفار نے اعتراض کیا کہ:ترجمہ:حضرت کو کوئی دن وحی نہ آئی۔دل مکدر رہا۔تہجد کو نہ اٹھے کافروں نے کہا اس کو چھوڑ دیا اس کے رب نے۔(موضح القرآن)اور اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یوں دیا کہ:﴿وَالضُّحٰى. وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى. مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى.﴾ (الضحیٰ)
ترجمہ:……قسم ہے دن چڑھے کی اور رات کی جب ڈھانپ لے نہیں چھوڑ دیا تجھ کو تیرے

رب نے اور نہ ناخوش رکھا۔موضح قرآن میں ہے پہلے فرمائی دھوپ روشن کی اور رات اندھیری کی یعنی ظاہر میں بھی اللہ تعالیٰ کی دوقدرتیں ہیں، باطن میں بھی کبھی چاندنا ہے کبھی اندھیرا۔

کفار نے اعتراض کیا کہ ھو اذن .(توبہ ع ۸) ترجمہ:......وہ ہر کسی کی بات سن کر مان جانے والا ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ قُلْ اذُنُ خَیرٍ لَّکُم یُؤمِنُ بِاللّٰہِ ویُؤمِنُ لِلْمُؤمِنِینَ وَرَحْمَۃٌ لِّلَّذِینَ اٰمَنُوا مِنْکُم . ترجمہ:......کہہ دے وہ اچھا سننے والا ہے تمہارے واسطے ایمان لاتا ہے اور پھر باور کرنے والا ہے مومنوں کی بات ،اور رحمت ہے واسطے ان کے جنہوں نے اظہار ایمان کیا تم میں سے۔ (بحوالہ چیدہ چیدہ سیرت رسول عربیؐ)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

بہر حال محترم قارئین! ان چند مثالوں سے رسولِ اکرم ﷺ کی یہ خصوصیت اچھی طرح سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کا دفاع فرمایا جبکہ دیگر انبیاء اپنا دفاع خود فرماتے تھے،دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۲۴

رسولِ اکرم ﷺ قیامت کے دن تمام بنی آدمؑ کے سردار ہونگے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چوبیسویں خصوصیت پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ قیامت کے دن تمام بنی آدمؑ کے سردار ہونگے" بیشک ہمارے نبی اکرم ﷺ کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ قیامت کے دن ہمارے نبی ﷺ بنی آدم کے سردار ہونگے، اور یہ آپ ﷺ کی بلند شان اور بلند مرتبہ ہونے کی واضح نشانی ہے کہ دنیا میں بھی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ، افضل بنایا اور اخروی لحاظ سے بھی تمام بنی آدم کا سردار بنایا جیسا کہ آنے والے اوراق میں تفصیل پیش کی جارہی ہے، جس کے مطالعے کے بعد امید ہے کہ انشاءاللہ آپ ﷺ کی یہ خصوصیت بھی سمجھ میں آجائے گی، اور آپ ﷺ سے محبت میں بھی اضافہ ہوگا، اور بے شک حضور ﷺ کی محبت اور حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے میں ہی ہم سب کی کامیابی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے اور مقدس رسول ﷺ سے سچی محبت وعقیدت رکھنے اور حضور ﷺ کی جملہ تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین، یارب العالمین۔

لیجئے اس مختصر تمہید کے بعد اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

چوبیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میں تمام بنی آدم کا سردار بنوں گا، اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا (قیامت کے دن مقام محمود میں) حمد کا نیزہ میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا، اس دن کوئی بھی نبی خواہ وہ آدم ہوں، یا کوئی اور، ایسا نہیں ہوگا جو میرے نیزے

کے نیچے نہیں آئے گا، اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہتا۔ (ترمذی شریف)

تشریح...... "اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہتا" سے آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ میرا یہ کہنا شیخی مارنے، اترانے اور خوامخواہ کی بڑائی کے طور پر نہیں ہے بلکہ پروردگار نے اس فضل و برتری کی جو نعمت مجھے عطا فرمائی ہے اس کا اقرار و اظہار کرنے، اس نعمت پر شکر ادا کرنے اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی بجا آوری کے لئے ہے، علاوہ ازیں میں اس بات کا اظہار و اعلان کرتا ہوں تا کہ لوگ میری قدر و منزلت اور میری حیثیت و عظمت کو جانیں، اس پر اعتقاد رکھیں اور اس کے مطابق میری توقیر و تعظیم اور میری محبت کے ذریعہ ایمان کو مضبوط بنائیں۔

"لواء" کے معنی جھنڈے اور پرچم کے ہیں لیکن نیزے کو بھی کہتے ہیں، "حمد کا نیزہ میرے ہاتھ میں ہوگا" سے مراد قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں نام آور ہونا ہے، اگر ترجمہ یوں کیا جائے کہ "حمد کا پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا، تو اس کی مراد بھی یہی ہوگی۔" کیونکہ جس طرح اہل عرب کسی معاملے میں اپنی شہرت اور ناموری کے اظہار کے لئے نیزہ کھڑا کر دیا کرتے تھے اسی طرح پرچم بھی عظمت و بلندی اور ناموری کے اظہار کی علامت سمجھا جاتا ہے، مطلب یہ کہ اس دن جب یہ نیزہ یا جھنڈا آپ ﷺ کے ہاتھ میں آئے گا، تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا دل اس طرح کھول دے گا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وہ وہ تعریف کریں گے جو کوئی دوسرا نہ کر سکے گا۔ واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کو "حمد" کے ساتھ مخصوص نسبت حاصل ہے، آپ ﷺ کا اسم شریف محمد اور احمد ہے، آپ صاحبِ مقامِ محمود ہیں، آپ کی امت "حمادین" کہلاتی ہے، یعنی ایسے لوگ جو ہر حالت میں، خواہ خوشی کا موقع ہو یا غمی کا، اللہ تعالیٰ کے حمد کے ذریعہ ہی شفاعت کا دروازہ کھلوائیں گے۔

"اس دن کوئی بھی نبی۔۔۔۔ الخ" مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں آنحضرت ﷺ صرف عام لوگوں ہی کے ماویٰ و ملجا نہیں ہوں گے بلکہ ایک ایک کر کے تمام نبی اور رسول بھی آپ ﷺ کے نیزے یا پرچم تلے جمع ہوں گے، آپ ﷺ کی پناہ

کے طلبگار اور آپ ﷺ کے تابع ہوں گے حدیث کے اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ نیزہ یا پرچم کا ذکر محض علامتی طور پر نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں آپ ﷺ کا کوئی نیزہ یا پرچم ہوگا جس کا نام لواء الحمد ہوگا اور جو آپ ﷺ کی سرداری اور برتری کے اظہار کے لئے آپ کو عطا ہوگا جیسا کہ اس دنیا میں بادشاہوں اور سربراہان مملکت کی عظمت وشوکت کے اظہار اور ان کی حیثیت کو ممتاز کرنے کے لئے ان کا اپنا پرچم نصب ہوتا ہے۔

''اور ترمذی ہی میں ایک روایت اور ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کے کچھ صحابی (مسجد نبوی میں) بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ اپنے حجرے مبارک سے نکلے اور ان کے قریب پہنچے تو ان کی باتیں کان میں پڑی، آپ نے ایک صحابی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل قرار دیا ہے دوسرے صحابی نے کہا کہ نہیں حضرت موسیٰؑ کو شرف تکلم سے نوازا، ایک اور صحابی نے کہا کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں (یعنی وہ نظام قدرت کے مروجہ اسباب ذرائع کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے پیدا ہوئے۔ شیر خواری کے زمانے میں لوگوں سے باتیں کیں، اور اللہ تعالیٰ نے روح الامین کو ان کے پاس بھیجا، جس نے پھونک ماری اور اس کے نتیجے میں ان کی پیدائش ہوئی اس کے علاوہ ان کی روحانیت کے بہت سے آثار و کرشمے ظاہر ہوئے یہاں تک کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے)۔ ایک صحابی نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو برگزیدہ کیا (یعنی انسان اول ہونے کے لئے انہی کا انتخاب کیا، ان کو تمام چیزوں کے نام سکھائے اور ان کے سامنے فرشتوں کو سجدہ کروایا) بہر حال (صحابہؓ اپنی باتوں کے دوران نبیوں کے خصوصی اوصاف تعجب کے ساتھ بیان کر رہے تھے کہ) رسول کریم ان کی مجلس تک پہنچ گئے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری باتیں سن لی ہیں، تمہیں تعجب ہے کہ حضرت ابراہیمؑ خدا کے خلیل یعنی دوست ہیں تو بے شک ان کی یہی شان ہے (تمہیں تعجب ہے کہ) حضرت عیسیٰؑ خدا کا کلمہ اور اس کی روح ہیں، تو بے شک ان کی بھی یہی شان ہے، (حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا، تو بے شک ایسا ہی

ہے اوران کی یہی شان ہے۔ لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں خدا کا حبیب ہوں اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا، قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہونگا ،سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی ،اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا ،جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والوں میں سب سے پہلا شخص میں ہی ہوں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ (فرشتوں کے حکم کے ذریعے) جنت کا دروازہ میرے لئے کھول دے گا اور سب سے پہلے مجھے جنت میں داخل کیا جائیگا اس وقت میرے ہمراہ مومن اور فقراء ہونگے اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا اور بلاشبہ تمام اگلے پچھلوں (خواہ وہ انبیاء ہوں یا دوسرے لوگ) سب ہی سے افضل واکرم ہوں اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا۔"

تشریح...... "میں خدا کا حبیب ہوں" کے ضمن میں بعض شارحین نے تو یہ لکھا ہے کہ "خلیل" اور "حبیب" دونوں کے معنیٰ "دوست کے ہیں"، لیکن حبیب اس دوست کو کہتے ہیں جو محبوبیت کے مقام کو پہنچا ہوا ہو جب کہ "خلیل"، مطلق دوست کو کہتے ہیں۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ "خلیل" وہ دوست ہے کہ جس کی دوستی کسی حاجت یا غرض کے تحت ہو جبکہ "حبیب" وہ دوست ہے جو اپنے دوستی میں بالکل بے لوث اور بے غرض ہو۔ واضح رہے کہ یوں تو تمام ہی انبیاء ورسول بلکہ تمام ہی اہل ایمان بارگاہ رب العزت کے دوست اور محبوب ہیں، لیکن دوستی اور محبوبیت کے بھی چونکہ مختلف درجات ومراتب ہوتے ہیں اس لئے یہاں گفتگو دوستی ومحبوبیت کے اس درجہ کے بارے میں ہے جو سب سے اعلیٰ اور سب سے بہتر ہے، رہی یہ بات کہ بارگاہ رب العزت میں دوستی ومحبوبیت کا سب سے بلند و بالا درجہ آنحضرت کو حاصل ہے، تو اس کی سب سے بڑی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ ترجمہ:...... "(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے دوستی رکھے گا۔"

"اس وقت میرے ساتھ مؤمن اور فقراء ہونگے۔" کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں سب سے پہلے آنحضرت داخل ہونگے اور پھر اہل ایمان میں سے جو طبقہ سب سے پہلے

جنت میں داخل ہوگا وہ مہاجر وانصار صحابہ میں سے وہ حضرات ہونگے جو مفلس و بے مایہ تھے اور جو اپنے اپنے درجات و مراتب کے اعتبار سے آگے پیچھے جنت میں داخل ہونگے، جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”میری امت کے فقراء انبیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہونگے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صبر واستقامت کی راہ اختیار کرنے والا فقیر (بھکاری نہیں) شکر گزار غنی سے بہتر ہے! اور صوفیاء کے نزدیک فاقہ و احتیاج کا نام فقر نہیں بلکہ ان کے ہاں صرف اللہ تعالیٰ کا محتاج ہونے اور اللہ تعالیٰ سے بھی رضاو خوشنودی کے علاوہ اور کچھ نہ مانگنے کا نام ”فقر“ ہے! امام ثوریؒ نے کہا ہے کہ ”فقر“ یہ ہے کہ مال واسباب نہ ہونے پر تسکین خاطر حاصل ہو اور جب مال میسر ہو تو اس کو خرچ کیا جائے آنحضرت ﷺ نے نفس کی فقر سے پناہ مانگی ہے اور غنائے نفس کی تعریف فرمائی ہے حاصل چیز اللہ تعالیٰ کی رضاو خوشنودی ہے، جو بھی حالت، خواہ وہ فقر ہو یا غنا اس چیز کے حصول سے باز رکھے وہ بری ہے، تاہم عام طور پر غنا یعنی دولت مندی کی حالت انسان کو برائیوں میں مبتلا کر دیتی ہے جب کہ فقر کی حالت بہت سی برائیوں سے باز رکھتی ہے، اس لئے حق تعالیٰ نے زیادہ تر انبیاء اور اولیاء کو فقر کی حالت میں رکھا اور ان کا فقر، ان کے مراتب و درجات میں بلندی کا جواز بنا، ایک دلیل یہ ہے کہ جب فقیر کافر کو دوزخ میں غنی کافر سے ہلکا عذاب ہوگا تو پھر کیسے ممکن ہے کہ وہی فقر، مومن کو جنت میں فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ ”حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”(قیامت کے دن) میں تمام نبیوں اور رسولوں کا قائد ہوں گا (کہ تمام نبی و رسول میدان حشر میں آنے کے لئے میرے پیچھے آئیں گے، اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا، میں انبیاءؑ کے سلسلے کو ختم کرنے والا ہوں یعنی نبوت مجھ پر ختم ہوگئی ہے اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا، شفاعت کرنے والا سب سے پہلا شخص میں ہونگا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول ہوگی اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا۔“ (دارمیؒ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن جب

لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائیگا تو سب سے پہلے قبر میں سے میں نکلوں گا جب لوگ بارگاہ خداوندی میں پیش ہونگے تو ان کی قیادت میں کروں گا، جب تمام لوگ خاموش ہوں گے تو میری زبان سب کی ترجمانی کرے گی، اور جب لوگوں کو موقف میں روک دیا جائیگا تو ان کی (خلاصی کے لئے) شفاعت وسفارش میں کروں گا، جب لوگوں پر ناامیدی اور مایوسی چھائی ہوگی تو (اہل ایمان کو) مغفرت و رحمت کی بشارت دینے والا میں ہی ہونگا، اس (قیامت کے دن) شرف و کرامت اور جنت کی کنجیاں میرے ہاتھ میں (یعنی میرے تصرف) میں ہوں گی، اس دن حمد کا پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا، اس دن پروردگار کے نزدیک آدم کے بیٹوں میں سب سے بزرگ و اشرف میری ہی ذات ہوگی، میرے آگے پیچھے ہزاروں خادم پھرتے ہوں گے جیسے وہ چھپے ہوئے انڈے یا بکھرے ہوئے موتی ہوں۔''

اس روایت کو ترمذی و دارمی نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔''

تشریح...... ''جب تمام لوگ خاموش ہونگے ۔۔۔الخ'' میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب میدان حشر میں عام دہشت و ہولنا کی چھائی ہوگی، ہر شخص متحیر و سراسیمہ ہوگا، کسی میں اتنی ہمت نہ ہوگی کہ اپنی زبان سے دو لفظ ادا کر سکے کوئی عذر و درخواست پیش کرے تو اس وقت سردار دو عالم ﷺ ہی کی ذات آگے آئیگی، آپ ﷺ سب کی طرف سے عذر و معذرت بیان کریں گے شفاعت کی درخواست پیش فرمائیں گے اور اس وقت تو عام لوگ تو درکنار بڑے بڑے انبیاءؑ کو بولنے کی مجال نہیں ہوگی، آپ ﷺ بارگاہ رب العزت میں گویا ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف و ثناء بیان فرمائیں گے جو اس کی شان کے لائق ہوگی، اور اس طرح اس وقت آنحضرت ﷺ کے علاوہ اور کسی کو بولنے اور کچھ کہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ پس قرآن کریم میں جو فرمایا گیا ہے کہ: ''یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ لوگ نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو (عذر کی) اجازت ہوگی۔''

تو آنحضرت ﷺ کی ذات اس سے مستثنیٰ ہے، کہ آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی کو بولنے کی اجازت نہیں ہوگی، یا یہ کہ اس آیت میں ابتدائی مرحلے کا ذکر ہے کہ شروع میں کسی کو

بولنے کی اجازت نہیں ہوگی مگر بعد میں آنحضرت ﷺ کو اجازت عطا فرمائی جائیگی ، اور یا پھر یہ کہ اس آیت کا تعلق صرف اہل کفر کے لئے ہے۔

''جب لوگوں پر ناامیدی اور مایوسی چھائی ہوگی۔'' کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو لوگوں پر سخت خوف و دہشت طاری ہوگی اور دوسری طرف وہ ایک ایک کر کے تمام ہی بڑے انبیاء سے شفاعت وسفارش کی درخواست کریں گے اور کوئی نبی ان کی طرف سے بولنے اور شفاعت کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا ، تو ان پر رحمت و مغفرت کی طرف سے ناامیدی چھا جائیگی تب آنحضرت ﷺ بارگاہ رب العزت میں ان کی شفاعت کریں گے اور ان کی ناامیدی اور مایوسی کو ختم فرمائیں گے۔

''چھپے ہوئے انڈوں'' سے مراد شترمرغ کے انڈے ہیں ، آپ ﷺ نے غلاموں اور ، خادموں اور حوروں کو شترمرغ کے انڈوں سے تشبیہ دی کہ وہ (انڈے) گرد و غبار وغیرہ سے محفوظ ہونے کی وجہ سے صفائی ستھرائی کی علامت سمجھے جاتے ہیں ، ان کا رنگ بھی ایسا سفید ہونے کی وجہ سے کہ جس میں کچھ زردی کی آمیزش ہو بہت پیارا مانا جاتا ہے۔ اور مجمع البحار میں لکھا ہے کہ (چھپے ہوئے انڈوں سے مراد سیپ کے موتی ہیں ، جو لوگوں کے ہاتھوں اور نظروں سے بچے رہنے کی وجہ سے بڑی آب و تاب رکھتے ہیں۔ حاصل یہ کہ اس دن آنحضرت ﷺ کے آگے پیچھے دائیں بائیں جو خادم ہونگے وہ صفائی ستھرائی ، رنگ وروپ اور بالکل نئے نویلے ہونے کی وجہ سے نہایت بھلے معلوم ہونگے۔

''یا بکھرے ہوئے موتی ہوں''۔ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح آب و تاب رکھنے والے موتی ، کسی لڑی میں پروئے ہونے کی بہ نسبت یونہی بکھرے ہوئے زیادہ خوبصورت اور چمکدار لگتے ہیں اس طرح وہ خادم بھی آپ ﷺ کے چاروں طرف ادھر ادھر بکھرے ہوئے اور خدمت میں لگے ہوئے بہت خوبصورت اور دلکش معلوم ہوں گے۔

''اور حضرت ابی ابن کعبؓ ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:'' جب قیامت کا دن ہوگا تو میں (مقام محمود میں کھڑا ہونگا اور) تمام انبیاء کا امام اور

پیشوا بنوں گا (جب ان میں کوئی بھی بولنے پر قادر نہیں ہوگا تو میں ان کی ترجمانی کروں گا، اور سب کی سفارش وشفاعت کروں گا، اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا۔" (ترمذی)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! "قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا، اور سب سے پہلے قبر سے میں ہی اٹھوں گا نیز سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول ہوگی۔" (مسلمؒ)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن تمام انسانی کمالات وصفات اور تمام تر عظمتوں اور ان کا مظہر آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہوگی اس دن مخلوقات میں سے نہ کسی کا درجہ آپ ﷺ سے بڑا ہوگا نہ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی اور ذات سرداری وسربراہی کی حقدار قرار پائے گی۔ واضح رہے کہ محمد عربی ﷺ دنیا وآخرت دونوں جہاں میں تمام لوگوں کے سردار وآقا ہیں، لیکن یہاں "قیامت کے دن قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اس دن آنحضرت ﷺ کی سرداری اور برتری کا ظہور کسی بھی شخص کے اختلاف وعناد کے اظہار کے بغیر ہوگا، جب کہ اس دنیا میں کفر وشرک اور نفاق کی طاقتیں نہ صرف حیات مبارک میں آپ ﷺ کی سرداری و برتری کی مخالف ومعاندر ہیں، مگر بعد میں بھی ان کا اختلاف وعناد ظاہر رہا۔

(بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۲۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وہ بن مانگے عطا کیا جو دیگر انبیاءؑ کو مانگنے سے عطا کیا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پچیسویں خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وہ بن مانگے عطا کیا جو دیگر انبیاءؑ کو مانگنے سے عطا کیا'' الحمد اللہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی میں ''ریاض الجنة'' میں بیٹھا ہوں، آقا ﷺ کا پیارا اور مقدس روضہ مبارک میرے سامنے ہے اور میں آقا ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں بلکہ یوں کہوں کہ صاحبِ خصوصیت ﷺ عین میرے سامنے آرام فرما ہیں اور میں مقدس روضہ مبارک کے سائے تلے اور جنت کے ٹکڑے میں بیٹھ کر انکی عظیم خصوصیت کو لکھ رہا ہوں، اگر چہ لوگوں کا رش لکھنے کی اجازت نہیں دے رہا بار بار ہاتھ ہلنے کی وجہ سے کافی مشکلات کا سامنا ہے لیکن دل آقا ﷺ کی محبت سے لبریز ہے اس لئے مجبور کر رہا ہے کہ کچھ بھی ہو لکھو کہ شاید جب قیامت کا دن ہوگا، نفسا نفسی کا عالم ہوگا ایسے کٹھن وقت میں آقا ﷺ فرمادیں: ''یا اللہ اگر چہ یہ میرا امتی تھا تو بہت گناہ گار لیکن چونکہ اس نے میرے روضے کے سامنے اور جنت کے باغیچے میں بیٹھ کر میری خصوصیات پر کام کیا تھا اس لئے میں تیرا محبوب (ﷺ) اس حقیر اور ناقص بندے کی سفارش کرتا ہوں قبول فرما لیجئے۔'' اور یہ ہمارا ایمان ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی سفارش کو رد نہیں کرے گا بس دل کو یہی تسلی ہے اور اسی تسلی کی وجہ سے یہ آبلہ پا قلم لکھتا چلا جا رہا ہے، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی مقدس خصوصیات میں سے اس جلد کی یہ آخری خصوصیت ہے اور منجملہ خصوصیات میں سے یہ بھی ایک عظیم اور بلند خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی اکرم ﷺ کو وہ ساری چیزیں بن مانگے عطا کی جو دیگر انبیاء کو مانگنے سے عطا کی، یقیناً یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اپنے آخری نبی ﷺ کے ساتھ خاص عنایت اور فضل ربانی ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ ملاحظہ کریں گے جن میں مختصراً مختصراً کچھ مثالوں کے ذریعے سمجھایا گیا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں ہمارے نبی ﷺ کو بن مانگے عطا کی جو دیگر انبیاء کو مانگنے سے عطا کی، چنانچہ لیجئے اب اس خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمائیے:۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمارے حضور ﷺ کی سچی محبت وعقیدت نصیب فرمائے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

پچیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پہلے نبیوں کو ان کے مانگنے کے بعد عطا فرمایا وہ آپ کو بن مانگے عنایت فرمایا۔ دیکھیے امثلہ ذیل:۔

(ا)...... حضرت ابراہیم نے خدا سے سوال کیا: ولَا تُخْزِنِی یومَ یُبْعَثُون .

ترجمہ:...... اور رسوانہ کر مجھ کو جس دن جی کر اٹھیں۔ (شعراء)

حضور سرورِ انبیاء ﷺ اور آپ کی امت کے بارے میں خدا تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے: ﴿یومَ لا یُخزِی اللہُ النَّبیَّ وَالَّذِینَ اٰمنُوا مَعَہٗ.﴾

ترجمہ:...... جس دن اللہ رسوانہ کرے گا نبی کو اور ان کو جو ایمان لائے ہیں اس کے ساتھ۔ یہاں سوال سے پہلے بشارت ہے۔ (تحریم ع۲)

(ب)...... حضرت ابراہیم علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں: واجْنُبْنِی وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الاَصْنام ۔ ترجمہ: مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچا۔ (ابراہیم ع۶)

رسولِ اکرم ﷺ کے حق میں بن مانگے خدا فرماتا ہے: اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنکُمُ الرِّجْسَ اَھلَ البیتِ ویُطَهِّرَکُم تطْهِیراً ۔

ترجمہ: اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے گھر والو۔ اور ستھرا کرے تم کو ستھرا کرنا۔ (احزاب ع ۴)

یہ ابلغ ہے اس سے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے حق میں ہوا۔ کیونکہ دعائے خلیل تو فقط عبادت اصنام کی نفی کے لئے تھی اور یہ ہر گناہ و نقص کو عام ہے۔ وہ تو اپنے بیٹوں کے حق میں خاص تھی اور یہ عام ہے ہر ایک کو کہ شامل ہے اس کو بیت رسولِ اکرم ﷺ کا یعنی آپ کے ازواج مطہرات اور اولاد وغیرہ بھی۔

(ج)...... حضرت خلیل اللہ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں: واجعلنی مِنْ وَّرَثةِ جنَّةِ النَّعیم. (الشعراء) ترجمہ:...... مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں کر۔

رسولِ اکرم ﷺ کے حق میں بن مانگے خدا فرماتا ہے: اِنَّا اعطینک الکوثر.

ترجمہ:...... ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا۔ اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب۔ پھر تو راضی ہو جائے گا۔ (کوثر)

(د)...... حضرت خلیل اللہ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں: واجعلْ لِّی لِسانَ صِدقٍ فِی الاٰخرین. (الشعراء) ترجمہ:...... یعنی آئندہ امتوں میں قیامت تک میرا ذکر جمیل قائم رکھ۔

رسولِ اکرم ﷺ کو خدا تعالیٰ نے بن مانگے اس سے بڑھ کر عطا فرمایا چنانچہ سورۂ الم نشرح میں وارد ہے۔ ورفعنا لکَ ذِکْرَک . (الم نشراح) ترجمہ: اور ہم نے تیرا نام بلند کیا۔

لہٰذا رسولِ اکرم ﷺ از عرش تا فرش مشہور ہیں اور نماز و خطبہ و اذان میں اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ آپ کا نام مبارک مذکور ہے اور عرش پر، قصور بہشت پر، حوروں کے سینوں پر درختانِ بہشت کے پتوں اور فرشتوں کی چشم و ابرو پر آپ کا اسم شریف لکھا ہوا ہے۔ آپ سے پہلے جس قدر انبیاء گزرے ہیں، وہ سب آپ کے ثنا خواں رہے ہیں اور قیامت کو ثنا خواں ہوں گے۔

(ہ)...... حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں: رَبِّ اشْرَحْ لِی صَدْرِی (طٰہٰ ع۲)

ترجمہ: اے میرے پروردگار میرا سینہ میرے واسطے روشن کر دے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے لئے بن مانگے یوں ارشاد ہوتا ہے: اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ. (الم نشرح۔ شروع)

ترجمہ: کیا ہم نے تیرے واسطے تیرا سینہ روشن نہیں کیا۔

(و)...... حضرت موسیٰ نے خدا تعالیٰ سے کتاب کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا پھر دس راتیں اور زیادہ کی گئیں۔ بعد ازاں کتاب تورات عطا ہوئی۔

مگر رسولِ اکرم ﷺ پر بغیر کسی وعدہ سابق کے نزول قرآن شروع ہوا۔ چنانچہ باری تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوا اَنْ يُّلْقٰى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ. (قصص ع۹) ترجمہ: اور توقع نہ رکھتا تو کہ اتاری جائے تجھ پر کتاب مگر فضل ہو کر تیرے رب کی طرف سے۔ (بحوالہ سیرت رسول عربیؐ)

محترم قارئین ان چند مثالوں ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ ان ہی مثالوں سے ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت آشکارا ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مآخذ و مراجع

کی تفصیلی فہرست جلد نمبر ۴ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں

جزاک اللہ

300 سے زائد کتب سے استفادہ شدہ کتاب جسکی تکمیل
روضہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے میں بیٹھ کر کی گئی

خصوصیاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

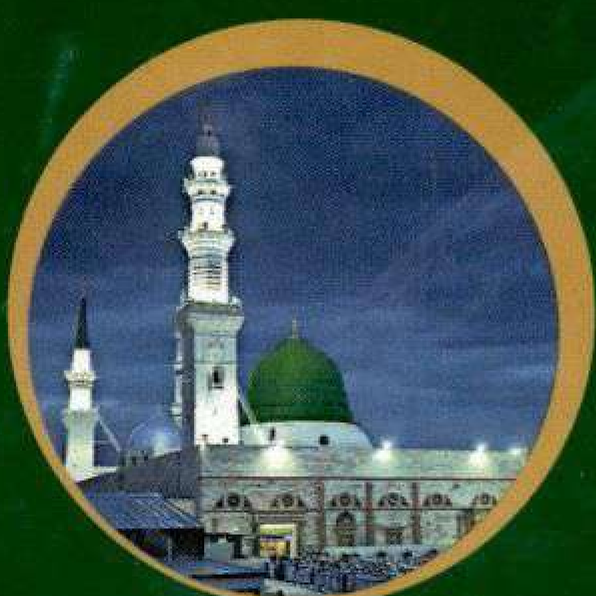
تالیف

مولانا محمد ہارون معاویہ

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی
خطیب جامع مسجد سرور کونینؐ









پسند فرمودہ

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ

استاذ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

تقاریظ

مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ

استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

مولانا مفتی عبد المجید دینپوری مدظلہ

نائب رئیس دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

دار الاشاعت

اُردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

خصوصیاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مجمع فضل وکمال، سید الانبیاء، مقصود الخلائق، سید الکونین، اشرف الرسل، شفیع الامم، رحمۃ للعالمین خاتم النبیین کی سیرت کے عظیم گوشے سے چیدہ چیدہ سو امتیازی خصوصیات وکمالات پر جدید اسلوب میں جامع، مفصل و قابل قدر ذخیرہ

جلد دوم

تالیف

مولانا محمد ھارون معاویہ

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

واستاد مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپور خاص

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ

کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : فروری ۲۰۰۷ء علمی گرافکس
ضخامت : 542 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

……… ملنے کے پتے ………

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

اجمالی فہرست

خصوصیت نمبر ۲۶.......................................۶۰

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا

خصوصیت نمبر ۲۷.......................................۱۰۰

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کا محسن اعظم بنایا

خصوصیت نمبر ۲۸.......................................۱۳۰

رسول اکرم ﷺ کے دونوں نام (محمدؐ، احمدؐ) آپ کی خصوصیت ہیں

خصوصیت نمبر ۲۹.......................................۱۴۶

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ماہر طبیب بنایا

خصوصیت نمبر ۳۰.......................................۱۶۳

رسول اکرم ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقام محمود کو خاص فرمایا ہے

خصوصیت نمبر ۳۱.......................................۱۶۸

رسول اکرم ﷺ کے تیر پھینکنے کو اللہ نے اپنا پھینکنا قرار دیا

خصوصیت نمبر ۳۲.......................................۱۷۲

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ماہر نفسیات بنایا

خصوصیت نمبر ۳۳.......................................۱۸۳

رسول اکرم ﷺ کی برکت سے بارہا حیرت انگیز طور پر پانی کا جاری ہونا

خصوصیت نمبر ۳۴ .... ۱۹۸
رسولِ اکرم ﷺ کی برکت سے بارہا کھانے میں حیرت انگیز طور پر برکت ہوئی
خصوصیت نمبر ۳۵ .... ۲۱۸
رسولِ اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل فرمادیا
خصوصیت نمبر ۳۶ .... ۲۲۶
رسولِ اکرم ﷺ کے حمل کے وقت بتوں کا گرنا
خصوصیت نمبر ۳۷ .... ۲۳۶
رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی تمام انبیاء سے زیادہ غیب کی خبریں عطا فرمائیں
خصوصیت نمبر ۳۸ .... ۲۵۲
رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر حیوانات پر
خصوصیت نمبر ۳۹ .... ۲۶۴
رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر نباتات پر
خصوصیت نمبر ۴۰ .... ۲۷۳
رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر جمادات پر
خصوصیت نمبر ۴۱ .... ۲۸۰
رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری امتوں سے اعلیٰ امت عطا فرمائی
خصوصیت نمبر ۴۲ .... ۲۹۷
رسولِ اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ خود ایک امتیازی خصوصیت ہے
خصوصیت نمبر ۴۳ .... ۳۲۵
رسولِ اکرم ﷺ کے شق صدر کی اہم خصوصیت
خصوصیت نمبر ۴۴ .... ۳۴۶
رسولِ اکرم ﷺ کے ذکر مبارک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بارہا اپنے ذکر کے ساتھ جوڑا

خصوصیت نمبر ۴۵.. ۳۵۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خلقِ عظیم سے نوازا

خصوصیت نمبر ۴۶.. ۴۰۹

رسولِ اکرم ﷺ کے ذریعے حضرت آدمؑ نے مغفرت طلب فرمائی

خصوصیت نمبر ۴۷.. ۴۱۴

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا سے زیادہ حسن عطا فرمایا

خصوصیت نمبر ۴۸.. ۴۸۲

رسولِ اکرم ﷺ کی چاہت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قبلے کو تبدیل فرمادیا

خصوصیت نمبر ۴۹.. ۴۰۱

رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی ہونے پر عاشقانِ رسول نے بارہا اپنی جانیں کٹوائی

خصوصیت نمبر ۵۰.. ۵۳۳

رسولِ اکرم ﷺ سے کبھی گناہ نہیں ہوا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت کا اعلان کردیا

تفصیلی فہرست

انتساب..۲۵

عرضِ مؤلف..۲۶

تقریظ.....از حضرت استاذ العلماء مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی..........۳۲

تقریظ..از استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی...۳۵

تقریظ.....از حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ العالی..........۳۶

تقریظ.....از محترم مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب مدظلہ العالی..........۴۱

انبیاء کرامؑ کے مراتب میں جزئی تفاوت اور ایک ضروری تطبیق..........۴۳

ایک ضروری وضاحت..۴۵

مقدمۃ الکتاب خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ (جلد دوم)..........................۴۶

تمام انبیاء کرام کا احترام کرنا اور انکی نبوت کو برحق ماننا ضروری ہے..........۴۷

رسولِ اکرم ﷺ کی تمام انبیاء کرامؑ کے بارے میں تعلیمات اور اس کا مثبت نتیجہ..........۴۷

رسولِ اکرم کی بعثت سے قبل کے حالات اور انبیاء سے متعلق لوگوں کے نظریات........۴۹

تمام انبیاء کرامؑ خدا کے نائب اور برحق ہیں..........................۵۱

رسولِ اکرم ﷺ نے آکر نبوت ورسالت کا تعارف کرایا..........................۵۳

نبوت ورسالت کی سب سے اہم خصوصیت..........................۵۴

تعلیماتِ محمدی کی انبیاء کرامؑ کے بارے میں وسعتِ نظری..........................۵۶

البتہ انبیاء میں سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے..................۵۸

خصوصیت نمبر ۲۶..................۶۰

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا

چھبیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..................۶۱
ختم نبوت سے متعلق ایک حدیث کی وضاحت..................۶۵
ختم نبوت کا معنی ومطلب اور ختم نبوت کی اہمیت..................۶۷
عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت..................۶۷
منصب ختم نبوت کا اعزاز..................۷۰
آیت خاتم النبیین کی تفسیر..................۷۲
آیت خاتم النبیین کا شان نزول..................۷۲
خاتم النبیین کی قرآنی تفسیر..................۷۵
خاتم النبیین کی نبوی تفسیر..................۷۶
خاتم النبیین کی تفسیر صحابہ کرامؓ سے..................۷۶
خاتم النبیین اور اصحاب لغت..................۷۷
ختم نبوت سے متعلق دیگر آیات..................۷۹
ختم نبوت سے متعلق احادیث مبارکہ..................۸۴
ختم نبوت پر اجماع امت..................۸۷
رسول اکرم ﷺ خاتم الانبیاء بن کر تشریف لائے..................۹۳

خصوصیت نمبر ۲۷..................۱۰۰

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کا محسن اعظم بنایا

ستائیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں........................١٠٠
محسن اعظم ﷺ کے انسانوں پر احسانِ عظیم........................١٠٤
محسن اعظم ﷺ کے مزید احسانات........................١١١
محسن اعظم ﷺ کے خواتین پر عظیم احسانات........................١١٨
عورت بحیثیت ماں........................١٢٠
اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم........................١٢٢
عورت بحیثیت بیوی........................١٢٣
عورت بحیثیت بیٹی........................١٢٥
اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم........................١٢٧
عورت بحیثیت بہن........................١٢٧
طبقہ نسواں پر رسولِ رحمت ﷺ کے مذید احسانات........................١٢٧
خصوصیت نمبر ٢٨........................**١٣٠**

رسولِ اکرم ﷺ کے دونوں نام (محمدؐ، احمدؐ) آپ ﷺ کی خصوصیت ہیں

اٹھائیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں........................١٣٠
محمد نام رکھنے کی فضیلت........................١٤١
محمد نام سے رزق میں........................١٤١
محمد واحمد نام کے لوگ جنتی........................١٤١
بیٹے کا نام محمد تو باپ جنت میں........................١٤٢
محمد نام تجویز تو لڑکا پیدا ہوگا........................١٤٢
مشورہ میں محمد نامی شخص سے برکت........................١٤٣
محمد نام پر گھر کی حفاظت........................١٤٣

آپ ﷺ کے نام کی خیر و برکت..۱۴۴
جنت میں آدمؑ کا لقب ابو محمد..۱۴۴
قیامت میں محمد نام کی پکار..۱۴۴
محمد نام کے احترام میں مغفرت..۱۴۵

خصوصیت نمبر ۲۹..۱۴۶

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ماہر طبیب بنایا

انتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..۱۴۶
حضرت علیؓ کی آنکھوں کا اچھا ہونا..۱۴۷
تلوار کے زخم کا اچھا ہونا..۱۴۶
اندھے کا اچھا ہونا..۱۴۷
بلا کا دور ہونا..۱۴۸
گونگے کا بولنا..۱۴۸
مرضِ نسیان کا دور ہونا..۱۴۹
بیمار کا تندرست ہونا..۱۴۹
ایک جلے ہوئے بچے کا اچھا ہو جانا..۱۵۰
جنون کا دور ہونا..۱۵۰
ٹوٹی ہوئی ہڈی کا ٹھیک ہونا..۱۵۰
طبِ نبوی ﷺ کے چند رہنما اصول..۱۵۱
طب سے متعلق حضور ﷺ کے چند ارشادات..۱۵۲
(۱) کوئی مرض لاعلاج نہیں ہے..۱۵۲
(۲) بیماری کا علاج کرنا ضروری ہے..۱۵۲

(۳) نیم حکیم خطرہ جان ۱۵۲
(۴) طبیب حاذق سے علاج کراؤ اور پرہیز کرو ۱۵۳
(۵) معدہ کی خرابی تمام امراض کی جڑ ہے ۱۵۳
(۶) حرام اور نجس چیزوں سے علاج نہ کرو ۱۵۳
(۷) بسیار خوری سے بچو اور ہمیشہ کچھ بھوک رکھ کر کھاؤ ۱۵۳
(۸) آشِ جو کا حریرہ مریضوں کے لئے عمدہ غذا ہے ۱۵۴
(۹) شہد میں شفا ہے ۱۵۴
(۱۰) مہندی کئی بیماریوں کا علاج ہے ۱۵۵
(۱۱) بچھو کے کاٹنے کا علاج نمک اور معوذتین سے کرو ۱۵۶
(۱۲) جَو اور چقندر بیماری کے بعد کی کمزوری کو دور کرتے ہیں ۱۵۶
(۱۳) آشوب چشم میں کھجور کا کھانا مضر ہے ۱۵۷
(۱۴) شدید بیماری میں حاذق طبیب کو بلاؤ ۱۵۷
(۱۵) آنکھوں میں سُرمہ لگایا کرو ۱۵۷
(۱۶) انجیر بواسیر اور نقرس کے لیے مفید ہے ۱۵۸
(۱۷) کھُمبی کا پانی آنکھوں کے لیے شفا ہے ۱۵۸
(۱۸) زیتون کے تیل سے علاج کرو ۱۵۸
(۱۹) تربوز کھجور کا اور کھجور تربوز کی مصلح ۱۵۹
(۲۰) بچوں کے حلق کی بیماری کا علاج قُسط سے کرو ۱۵۹
(۲۱) کلونجی موت کے سوا ہر بیماری کا علاج ہے ۱۵۹
(۲۲) بہی (سفر جل) امراض قلب میں مفید ہے ۱۶۰
(۲۳) سناء بیشمار بیماریوں کا علاج ہے ۱۶۰
(۲۴) رات کو کھانا مت چھوڑو ۱۶۱

(۲۵) ضروری ہو تو عمل جراحی اور دلغنے سے علاج کرو.......... ۱۶۱

خصوصیت نمبر ۳۰.......... ۱۶۳

رسولِ اکرم ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقام محمود کو خاص فرمایا

تیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں.......... ۱۶۴

خصوصیت نمبر ۳۱.......... ۱۶۸

رسولِ اکرم ﷺ کے تیر پھینکنے کو اللہ نے اپنا پھینکنا قرار دیا

اکتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں.......... ۱۶۸

خصوصیت نمبر ۳۲.......... ۱۷۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ماہر نفسیات بنایا

بتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں.......... ۱۷۲

خصوصیت نمبر ۳۳.......... ۱۸۳

رسولِ اکرم ﷺ کی برکت سے بارہا حیرت انگیز طور پر پانی کا جاری ہونا

تینتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں.......... ۱۸۴

آپ ﷺ کی برکت سے مشکیزہ سے پانی ابلنا.......... ۱۸۴

آپ ﷺ کی برکت سے پانی کا بڑھ جانا.......... ۱۸۵

آپ ﷺ کی انگلیوں کی برکت.......... ۱۸۵

آپ ﷺ کی کلی سے پانی بڑھ جانا.......... ۱۸۵

آپ ﷺ کے ہاتھ منہ دھونے کی برکت.......... ۱۸۶

آپ ﷺ کی انگلیوں کی برکت.......... ۱۸۶

آپ ﷺ کے ذریعے تھوڑے پانی میں کثیر برکت.......................۱۸۶
آپ ﷺ کی برکت کا ایک اور واقعہ.......................۱۸۷
آپ ﷺ کی برکت سے انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا.......................۱۸۷
آپ ﷺ کی برکت سے پانی جاری ہونے کا ایک اور معجزہ.......................۱۹۰
آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی جاری ہونے کا ایک اور واقعہ.......................۱۹۳
آپ ﷺ کے آب دہن کی برکت سے خشک کنواں لبریز ہوگیا.......................۱۹۴
آپ ﷺ کی برکت سے دودھ کے پیالہ میں برکت.......................۱۹۶
آپ ﷺ کی برکت سے بنوصداء کے کنویں کے پانی کا بڑھنا.......................۱۹۶
آپ ﷺ کی برکت سے کنوئیں کا پانی میٹھا ہوگیا.......................۱۹۷

خصوصیت نمبر ۳۴.......................۱۹۸

رسولِ اکرم ﷺ کی برکت سے بارہا کھانے میں حیرت انگیز طور پر برکت ہوئی

چونتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں.......................۱۹۸
آپ ﷺ کی برکت سے کھانے میں حیرت انگیز اضافہ.......................۱۹۹
آپ کی برکت سے کھانے میں برکت ہوگئی.......................۲۰۰
آپ ﷺ کی برکت سے کھجوروں میں برکت ہوگئی.......................۲۰۵
آپ ﷺ کی برکت سے تبوک کے کھانے میں برکت کا معجزہ.......................۲۰۶
آپ ﷺ کی برکت سے ام المؤمنین حضرت زینبؓ کے ولیمے میں برکت کا معجزہ.......................۲۰۸
آپ ﷺ کی برکت سے تھوڑی سی زادِ راہ میں عظیم برکت.......................۲۱۱
آپ ﷺ کی برکت سے کھانے میں حیرانگیز برکت.......................۲۱۱
آپ ﷺ کی برکت سے گھی کی مقدار میں برکت.......................۲۱۲

آپ ﷺ کی برکت سے جو کی مقدار میں برکت.......................۲۱۲
آپ ﷺ کی برکت سے آدھ سیر آٹے اور ایک بکری میں برکت.......................۲۱۲
آپ ﷺ کی برکت سے تھوڑے سے کھانے میں غیر معمولی برکت.......................۲۱۳
آپ ﷺ کی برکت سے دودھ کے پیالہ میں برکت.......................۲۱۳
آپ ﷺ کی برکت سے بکری کے دست میں برکت.......................۲۱۴
آپ ﷺ کی برکت سے بکری کے تھنوں میں برکت.......................۲۱۴
آپ ﷺ کی برکت سے ایک وسق جو کی برکت.......................۲۱۵
آپ ﷺ کی برکت سے توشہ دان ہمیشہ بھرا رہتا.......................۲۱۶
آپ ﷺ کی برکت سے تھوڑی کھجوروں میں برکت.......................۲۱۶

خصوصیت نمبر ۳۵.......................۲۱۸

رسولِ اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل فرما دیا

پینتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں.......................۲۱۷

خصوصیت نمبر ۳۶.......................۲۲۶

رسولِ اکرم ﷺ کے حمل کے وقت بتوں کا گرنا

چھتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں.......................۲۲۶

خصوصیت نمبر ۳۷.......................۲۳۶

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی تمام انبیاء سے زیادہ غیب کی خبریں عطا فرمائیں

سینتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں.......................۲۳۷

آپ ﷺ کا دوسروں کے سوال خود ہی بتا کر جواب دینا......۲۴۱
آپ ﷺ کا غائبانہ واقعہ کا حال بتانا......۲۴۲
آپ ﷺ کا گمشدہ اونٹنی کی خبر دینا......۲۴۲
آپ ﷺ کا پوشیدہ خط کا حال جان لینا......۲۴۳
آپ ﷺ کو بنو نضیر کی سازش کی اطلاع کا ہو جانا......۲۴۴
آپ ﷺ کا صحیفہ کے بارے میں بن دیکھے خبر دینا......۲۴۴
آپ ﷺ کا دل کا حال جان لینا......۲۴۵
آپ ﷺ کا زہر آلود گوشت کا حال جان لینا......۲۴۷
آپ ﷺ کا نجاشی کی وفات کا اطلاع دینا......۲۴۶
آپ ﷺ کا خفیہ منصوبہ کا راز بتا دینا......۲۴۷
آپ ﷺ کا جس رات کسریٰ قتل ہوا اس کی صبح کو اطلاع دینا......۲۴۷
آپ ﷺ کا لڑائی کے نتیجے کا حال بتانا......۲۴۸
آپ ﷺ کا سینکڑوں میل دور کے واقعات کا دیکھنا......۲۴۹
آپ ﷺ کا منافق کو پہچان لینا......۲۴۹
آپ ﷺ کا چوری کی اطلاع دے دینا......۲۵۰
آپ ﷺ کا ایک منافق کی موت کی خبر دے دینا......۲۵۰
آپ ﷺ کا پوشیدہ دفینے کا حال بتا دینا......۲۵۰
آپ ﷺ کا سوال پوچھنے سے پہلے ہی جواب دے دینا......۲۵۱
بغیر اجازت لی ہوئی بکری کا حال بتا دینا......۲۵۱

خصوصیت نمبر ۳۸......۲۵۲

رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر حیوانات پر

اڑتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں............................۲۵۲

آپ ﷺ کو اونٹ کی شکایت اور سجدہ............................۲۵۲

آپ ﷺ کو بکری کی اطاعت اور سجدہ............................۲۵۴

آپ ﷺ سے متعلق بھیڑیئے کی شہادت اور اطاعت............................۲۵۴

آپ ﷺ کے لئے شیر کی اطاعت............................۲۵۶

آپ ﷺ کے لئے گوہ کا کلام کرنا اور آپ ﷺ کی پیغمبری کی گواہی دینا............................۲۵۶

آپ ﷺ سے ہرنی نے انسانوں کی طرح کلام کیا............................۲۵۷

آپ ﷺ کی برکت سے بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا............................۲۵۷

آپ ﷺ کی برکت سے سست گھوڑے کا تیز رفتار ہو جانا............................۲۵۸

آپ ﷺ کی برکت اور امّ معبدؓ کی بکری کا واقعہ............................۲۵۸

آپ ﷺ کی حفاظت کے لئے غار ثور پر کبوتروں کا انڈے دینا اور درخت کا پیدا ہونا اور مکڑی کا جالا بُننا............................۲۶۱

آپ ﷺ کی خدمت میں اونٹ کا شکایت کرنا............................۲۶۱

سفر میں چھوٹی بکری کے دودھ سے لشکر کا سیراب ہونا............................۲۶۳

خصوصیت نمبر ۳۹............................۲۶۴

رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر نباتات پر

انتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں............................۲۶۴

آپ ﷺ کی محبت میں کھجور کے تنے کا رونا............................۲۶۸

آپ ﷺ کی گواہی کیکر کے درخت کی زبانی............................۲۶۹

آپ ﷺ کی برکت سے درخت کی شاخ کا قندیل بن جانا............................۲۷۲

خصوصیت نمبر ۴۰..۲۷۳

رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر جمادات پر

چالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں........................۲۷۳
آپ ﷺ کے ہاتھوں میں سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا........................۲۷۴
آپ ﷺ کی برکت سے کھانے سے سبحان اللہ کی آواز کا آنا........................۲۷۵
آپ ﷺ کی برکت سے گھر کی چوکھٹ سے آمین کا بلند ہونا........................۲۷۵
آپ ﷺ کی حرکت سے ہلتے ہوئے پہاڑ کا رک جانا........................۲۷۶
آپ ﷺ کی برکت سے سنگریزوں کا کارنامہ........................۲۷۷
آپ ﷺ کے ہاتھ سے چٹان کا پارہ پارہ ہوجانا........................۲۷۷
آپ ﷺ کے اشارہ سے بتوں کا گرجانا........................۲۷۷
آپ ﷺ کو پتھر کا سلام کرنا........................۲۷۹

خصوصیت نمبر ۴۱..۲۸۰

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری امتوں سے اعلیٰ امت عطا فرمائی

اکتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں........................۲۸۰
آپ ﷺ کی امت میں ایک جماعت کی فضیلت........................۲۸۷
آپ ﷺ کو دیکھے بغیر ایمان لانے والوں کی فضیلت........................۲۸۷
آپ کی امت کے اربابِ حدیث کی فضیلت........................۲۸۹
آپ ﷺ کی امت سے خطا ونسیان معاف ہے........................۲۹۰
آپ ﷺ کی امت کی ایک بہترین فضیلت........................۲۹۲
آپ ﷺ کی امت کی ایک اور عظیم فضیلت........................۱۹۴

خصوصیت نمبر۴۲ .... ۲۹۷

رسولِ اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ خود ایک امتیازی خصوصیت ہے

بیالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۲۹۸

کائنات میں نبوت اور انسانیت کا آغاز ۲۹۸

کائنات کے شاہکار حضرتِ انسان کا مقصد ۲۹۸

لفظ سیرت کا معنی اور مطلب ۳۰۰

انبیاء کی پاکیزہ سیرتوں کا مستند ریکارڈ قرآن کریم ہے ۳۰۱

رسول اکرم ﷺ کی سیرت لائقِ اتباع اور محفوظ سیرت ہے ۳۰۲

رسول اکرم ﷺ کی سیرت ہمارے لئے سرمایہ حیات ہے ۳۰۴

انسانیت کو ایک انسانِ کامل کی ضرورت ہے ۳۰۵

رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت کے امتیازات ۳۰۶

دنیا وآخرت کی بھلائی آپ ﷺ کی سیرت کو اپنانے میں ہے ۳۰۸

رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا ہر پہلو قرآن سے واضح ہے ۳۰۹

رسولِ اکرم کی سیرتِ مبارکہ سراپا امتیاز ہے ۳۱۵

امتیازاتِ سیرت کا انوکھا امتیاز ۳۱۷

رسول اکرم ﷺ ایک جامع انقلاب کی نوید لے کر آئے ۳۱۸

خصوصیت نمبر۴۳ .... ۳۲۵

رسولِ اکرم ﷺ کے شق صدر کی اہم خصوصیت

تینتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۳۲۶

شقِ صدر سے متعلق پہلی روایت ۳۲۷

شقِ صدر سے متعلق دوسری روایت.....۳۲۸
شقِ صدر سے متعلق تیسری روایت.....۳۲۸
شقِ صدر سے متعلق چوتھی روایت.....۳۲۹
شقِ صدر سے متعلق پانچویں روایت.....۳۳۰
شقِ صدر سے متعلق چھٹی روایت.....۳۳۰
شقِ صدر سے متعلق ساتویں روایت.....۳۳۱
شقِ صدر میں حکمت.....۳۳۳
شق صدر کی صحیح کیفیت.....۳۳۴
شق صدر کی حقیقت.....۳۳۴
شرح صدر کے لئے مناسب موقع اور مصلحت.....۳۳۸
شق صدر کی مزید وضاحت.....۳۳۹
شق صدر کے اسرار.....۳۴۰
شق صدر کے بعد مہر کیوں لگائی گئی.....۳۴۴
مہر نبوت کب لگائی گئی.....۳۴۵

خصوصیت نمبر ۴۴.....۳۴۶

رسولِ اکرم ﷺ کے نامِ مبارک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بارہا اپنے نام کے ساتھ جوڑا

چوالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں.....۳۴۷

خصوصیت نمبر ۴۵.....۳۵۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خلقِ عظیم سے نوازا

پینتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں.................۳۵۲

رسول اکرم ﷺ کے خلق عظیم کی چند مثالیں.................۳۶۳

رسول اکرم ﷺ سراپا اخلاق تھے.................۳۷۰

اسلام میں اخلاق حسنہ کی اہمیت اور فضیلت.................۳۷۴

حسنِ خلق کی اہمیت قرآن کی نظر میں.................۳۸۵

حسنِ خلق کی اہمیت احادیث کی نظر میں.................۳۸۷

حسنِ خلق کی مزید اہمیت وفضیلت.................۳۹۱

حسنِ خلق بہت بڑی طاقت ہے.................۳۹۲

انسان حسنِ خلق ہی سے بنتا ہے.................۳۹۴

حسنِ خلق کے بغیر ایمان بھی بے جان ہے.................۳۹۴

حسنِ خلق والوں کا مرتبہ ومقام.................۳۹۶

حسنِ خلق کا اظہار کیجئے.................۳۹۷

بداخلاق انسان کی علامات.................۳۹۸

اچھے اخلاق کے بغیر دین مکمل نہیں.................۴۰۱

اخلاق کا اثر دیرپا رہتا ہے.................۴۰۵

خصوصیت نمبر ۴۶.................۴۰۹

رسولِ اکرم ﷺ کے ذریعے حضرت آدمؑ نے مغفرت طلب فرمائی

چھیالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں.................۴۰۹

خصوصیت نمبر ۴۷.................۴۱۴

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا سے زیادہ حسن عطا فرمایا

سینتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..........۴۱۵

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے حسن جمال کی ایک جھلک..........۴۱۸

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے حسن کی ایک اور جھلک مبارک..........۴۲۱

رسولِ اکرم ﷺ کا پیارا چہرا مبارک..........۴۲۵

رسولِ اکرم ﷺ کا پیارا دہان (منہ) مبارک..........۴۲۸

رسولِ اکرم ﷺ کا لعاب دہن مبارک..........۴۲۹

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری اور پرکشش رنگت مبارک..........۴۳۱

ایک اشکال اور اس کا جواب..........۴۳۳

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری اور دلنشیں آنکھیں مبارک..........۴۳۵

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری اور خوبصورت ابرو مبارک..........۴۳۸

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے اور چمکدار دندان مبارک..........۴۳۹

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری اور خوبصورت ناک مبارک..........۴۴۰

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری اور خوبصورت ناک مبارک..........۴۴۱

رسولِ اکرم ﷺ کی پرنور اور پیاری پیشانی مبارک..........۴۴۱

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری گردن مبارک..........۴۴۲

رسولِ اکرم ﷺ کا پیارا سر مبارک..........۴۴۳

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے کندھے مبارک..........۴۴۳

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری متوازن ناف مبارک..........۴۴۳

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری اور پرنور داڑھی مبارک..........۴۴۴

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے اور خوبرو کان مبارک..........۴۴۵

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری موچھیں مبارک..........۴۴۶

رسولِ اکرم ﷺ کا پیارہ فراخ سینہ مبارک..........۴۴۷

رسول اکرم ﷺ کا پیارا بطن مبارک..........۴۴۷
رسول اکرم ﷺ کے کندھوں کا درمیانی حصہ مبارک..........۴۴۸
رسول اکرم ﷺ کا پیارا اور پُر جمال قد مبارک..........۴۴۹
رسول اکرم ﷺ کا پیارا اور خوبصورت جسمِ اطہر مبارک..........۴۵۰
آپ ﷺ کا پیارا اور معطر و معنبر پسینہ مبارک..........۴۵۱
رسول اکرم ﷺ کے پیارے گھنے سیاہ بال مبارک..........۴۵۴
رسول اکرم ﷺ کے پیارے سفید بال مبارک..........۴۵۶
رسول اکرم ﷺ کی پیاری اور خوبصورت ہتھیلیاں مبارک..........۴۵۸
رسول اکرم ﷺ کا پیارا اور دست مبارک..........۴۵۹
رسول اکرم ﷺ کے پیارے اور متوازن پاؤں مبارک..........۴۶۷
رسول اکرم ﷺ کی پیاری اور باوقار رفتار مبارک..........۳۶۹
رسول اکرم ﷺ کی پیاری مہر نبوت مبارک..........۴۷۰
حسنِ یوسفؑ و جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی تحقیق..........۴۸۰

خصوصیت نمبر ۴۸..........۴۸۲

رسولِ اکرم ﷺ کی چاہت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قبلے کو تبدیل فرمادیا

اڑتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں..........۴۸۲

خصوصیت نمبر ۴۹..........۴۹۱

رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی ہونے پر عاشقانِ رسول نے بارہا اپنی جانیں کٹوائیں

اونچاسویں خصوصیت کی وضاحت..........۴۹۱

عاشقِ رسول غازی علم الدین شہیدؒ کا واقعہ........................۴۹۴

عاشقِ رسول ﷺ غازی عبداللہ شہیدؒ کا واقعہ........................۴۹۹

عاشقِ رسول غازی عبدالقیوم شہیدؒ کا واقعہ........................۵۰۳

عاشقِ رسول غازی عبدالرحمٰن شہیدؒ کا واقعہ........................۵۰۷

عاشقِ رسول ﷺ غازی مرید حسین شہیدؒ کا واقعہ........................۵۰۹

عاشقِ رسول ﷺ غازی میاں محمد شہیدؒ کا واقعہ........................۵۱۳

عاشقِ رسول ﷺ دو دوستوں کی داستان عشق کا واقعہ........................۵۱۸

عاشقِ رسولؐ حاجی مانک کے عشقِ رسول ﷺ کا واقعہ........................۵۲۴

عاشقِ رسولؐ سلطان نورالدین زنگی کا واقعہ........................۵۲۹

خصوصیت نمبر ۵۰........................۵۳۳

رسولِ اکرم ﷺ سے کبھی گناہ نہیں ہوا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت کا اعلان کر دیا

پچاسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں........................۵۳۴

آیت کی تشریح........................۵۳۵

ماخذ ومراجع........................۵۴۳

مؤلف کی چند دیگر کتب........................۵۵۸

انتساب

حضور سرورِ کائنات، فخرِ مجسم، شافع محشر، ساقی کوثر حضرت محمد عربی مصطفیٰ ﷺ کے نام، جو باعثِ تخلیق کائنات بن کر دنیا میں تشریف لائے اور اپنی ضوفشانیوں سے دنیا کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اجالوں سے روشن کر گئے۔

رخِ مصطفیٰ کو دیکھا تو دیوں نے جلنا سیکھا
یہ کرم ہے مصطفیٰ کا کہ شبِ غم نے ڈھلنا سیکھا
یہ زمیں رکی ہوئی تھی یہ فلک تھما ہوا تھا
چلے جب مرے محمدؐ تو دنیا نے چلنا سیکھا

محمد ہارون معاویہ

عرضِ مؤلف

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب وخلیل حضرت محمد ﷺ کے بے شمار فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں اورانہیں زینت رحمت سے مزین فرمایا ہے گویا کہ آپ ﷺ سراسر رحمت ہیں، آپ ﷺ کی جملہ صفات وفضائل تمام مخلوقات کے لئے باعث رحمت ہیں، آپ ﷺ کی زندگی عین رحمت اور آپ ﷺ کا رفیق اعلیٰ سے ملنا عین رحمت ہے، الغرض آپ ﷺ جن وانس کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا شہرہ بلند فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ورفعنا لک ذکرک ''اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کردیا۔''

اللہ کی قسم! بالکل ایسا ہی ہوا، دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا خوب چرچا فرمایا، دنیا میں کوئی خطیب، واعظ اور نمازی ایسا نہیں ہے جو اللہ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام نہ لیتا ہو اور اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ کے ساتھ اشھد ان محمدا رسول اللہ نہ کہتا ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں سے دو مبارک نام رؤف اور رحیم اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رئوف رحیم ''دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایسا رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو ایسی دل ربا شکل وصورت سے نوازا جو رعنائی وزیبائی میں بے مثل اور انتہائی حسین وجمیل ہے اور اس سے پہلے یا بعد میں کوئی بھی اس حسن وجمال میں آپ ﷺ کا شریک وسہیم نہیں۔ چنانچہ خوبصورتی کی جملہ صفات میں سے وافر حصہ آپ ﷺ کو عطا کیا گیا اور دل ربائی کی جملہ اداؤں میں آپ ﷺ کو شریک کیا گیا حتیٰ کہ مختلف قسموں کا ذوق جمالیات رکھنے والے اگر آپ ﷺ کے رخ انور کو دیکھیں تو آپ ﷺ کی ہر ادا اور ہر پہلو میں اپنے لئے سامان طمانیت پائیں اور کوئی بھی زاویہ ان کے ذوق پر گرانی کا باعث نہ ہو۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک بے شمار انبیاءؑ بھیجے، ان میں اکثر انبیاءؑ وہ ہیں جن کے حالات تو کیا ہمیں ان کے نام بھی معلوم نہیں ہیں، قرآن کریم میں صرف پچیس انبیاء کرامؑ کے نام آئے ہیں۔

ان انبیاء کے نام اور حالات معلوم نہ ہونے کے باوجود ہم مسلمان ان تمام انبیاءؑ کا احترام کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے منتخب بندے تھے، وہ اپنے وقت کے سب سے بہتر، سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ انسان تھے۔ ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی، ان میں سے کسی کو کتاب اور کسی کو صحیفہ عطا کیا گیا، انہیں مختلف معجزات عطا کئے گئے۔ انہیں عزت و عظمت سے سرفراز کیا گیا۔ ہم ان سب باتوں کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ بعض ایسی چیزیں بھی تھیں جو صرف ہمارے آقا ﷺ کے ساتھ خاص تھیں۔

چنانچہ انبیاء و رسلؑ کی اس مقدس جماعت میں جناب محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کو سینکڑوں امتیازی خصوصیات حاصل ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے ''خصائص کبریٰ'' میں اڑھائی سو کے قریب حضور ﷺ کے خصائص جمع کئے ہیں ان سب کی تفصیل بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم دفتر درکار ہے۔ اسی طرح دیگر اور بھی کتابیں اس عظیم موضوع پر لکھی گئیں لیکن عربی زبان میں۔

حضور سرور کائنات ﷺ کی سیرت کے اس عظیم گوشے کے بارے میں چونکہ اب تک اردو زبان میں ہماری معلومات کے مطابق مستقل کوئی کتاب ترتیب نہیں دی گئی تھی، اس لئے عرصے سے اس ضرورت کو محسوس کیا جا رہا تھا، چنانچہ بندے کے ایک قریبی دوست مولانا محمد عمران سردار صاحب نے اس موضوع کی طرف توجہ دلائی کہ اس عظیم الشان موضوع پر کچھ کام ہو جائے تو ایک سعادت کی بات ہوگی، محترم موصوف کا مشورہ دل کو لگا، لہٰذا اسی وقت بندے نے اللہ رب العلمین کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اس عظیم سعادت کے حاصل کرنے کا عزمِ مصمم کرلیا اور اپنی طاقت کی بقدر سیرت کے عنوان پر لکھی جانے والی چھوٹی بڑی تقریباً ساری کتب کو خریدا، اور شب و روز کی محنت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قدر مواد جمع ہوگیا کہ جو چار جلدوں کی ضخامت تک پہنچ گیا، اور بحمد اللہ اس طرح سیرت النبی ﷺ کا یہ عظیم باب، چار ضخیم جلدوں میں آپ تک پہنچانے کی سعادت حاصل ہوئی، جس میں حضور ﷺ کی چیدہ چیدہ سو

خصوصیات کو مرتب کیا گیا یعنی ہر جلد میں پچیس خصوصیات شامل کی گئیں۔

یہ عظیم کتاب اب سے کئی مہینوں قبل آپ کے ہاتھوں تک پہنچ جاتی لیکن تاخیر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جذبہ پیدا ہوا کہ کیوں نہ ایسا ہو جائے کہ اس مقدس کتاب کا کچھ کام صاحبِ خصوصیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقدس شہر مدینۃ المنورہ میں روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر کیا جائے، چنانچہ اللہ رب العلمین نے فضل فرمایا اور رمضان المبارک میں عمرے کی سعادت حاصل ہوئی، تو چونکہ اس وقت تک یہ چاروں جلدوں کی کمپوزنگ ہو چکی تھی، لہٰذا بندے نے سفر میں چاروں جلدوں کا ایک پروف اپنے ساتھ رکھ لیا، اور مسلسل تقریباً ۱۲ دن تک شب و روز روضۂ رسول کے سائے میں بیٹھ کر کتاب کو آخری ترتیب دی، یعنی کچھ کانٹ چھانٹ ہوئی، کچھ مزید اضافے ہوئے، کہیں کہیں کچھ وضاحت یا تمہیدات کی ضرورت محسوس ہوئی تو اسے پورا کیا گیا، اور مزید اس مقدس جگہ کی روحانیت کے نتیجے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالا اسے بھی ترتیب دیا، الغرض اس کتاب کی آخری مکمل ترتیب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے روضۂ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر مرتب کی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ہوا، ورنہ ''من آنم کہ من دانم'' بہر حال اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کا کروڑوں بار شکر ادا کروں تو بھی کم ہے۔

اور اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کو مرتب کرنے میں بھی میرا کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ یہ نہ تو میری تصنیف ہے اور نہ ہی تحقیق، لاشک یہ سب کچھ اکابرین کی کتب سے استفادے کے بعد ترتیب دیا گیا مواد ہے، اور اس بات کا میں کھلے دل سے اقرار کرتا ہوں، تاکہ کسی محترم کے دل میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے بدگمانی پیدا نہ ہو، ہاں البتہ اس عاجز نے شب و روز محنت کر کے 300 سے زائد کتابوں کے ہزاروں صفحات کو بار بار کھنگالا اور مختلف کتابوں میں بکھری خصوصیات کو یکجا کیا، مشکل الفاظ کو جدید اسلوب میں ڈھالنے کی کوشش کی، جدید دور کے نئے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نئی ذہنیت کے حامل مسلمانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش کی، اس کام کے لئے مجھے کس قدر باریک بینی اور شب و روز کی

محنت سے کام لینا پڑا، میرا علیم وخبیر خدائے وحدہٗ لاشریک اس سے بخوبی آگاہ ہے، اور بے شک میری نظر بھی اسی ذات پر ہے، اور اسی ذات سے اچھے بدلے کی امید ہے، کوئی قابلِ احترام دوست مجھ گنہگار کے بارے میں کچھ بھی کہے مجھے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے، پرواہ یا فکر تو تب ہو کہ دنیا والوں سے بدلے کی امید وابستہ ہو، بس میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے اس کے بعد اور کچھ نہیں چاہیئے۔

اور اسی طرح اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جیسا کہ چاروں جلدوں میں بھی جابجا یہ وضاحت کی گئی ہے کہ خصوصیاتِ مصطفیٰ کو لکھنے کا مقصد نعوذ باللہ دیگر انبیاء کرامؑ کی تنقیص نہیں ہے اور نہ ان کے مقام ومرتبے کو کم کرنا مقصد ہے بلکہ نیت صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری نبی ﷺ کو جو مقام ملا ہے امت کے سامنے اسے اجاگر کیا جائے اور امت کو تعلیماتِ نبوی ﷺ کی طرف آنے کی دعوت دی جائے بے شک جب امت اپنے نبی ﷺ کے مقام ومرتبے کو سمجھے گی تو ان کے دل میں اپنے نبی ﷺ کی محبت پیدا ہوگی اور اپنے نبی ﷺ کی سنتوں پر چلنا آسان ہوگا کیونکہ امت کے ہر فرد کی فلاح وکامرانی اب صرف اور صرف محمد مصطفیٰ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہے، لہٰذا ذہن میں رہے کہ اگر خدانخواستہ کسی کے دل میں دیگر انبیاء کرامؑ سے متعلق ادنیٰ سا بھی منفی خیال آیا تو اس کا ایمان اس کے پاس باقی نہیں رہے گا، اور یہ بات کوئی اپنی طرف سے نہیں کہی جارہی بلکہ خود خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات میں اس کی تلقین کی گئی ہے، جیسا کہ مختلف مقامات پر تفصیل آپ ملاحظہ فرماتے رہیں گے ان شاء اللہ۔

بہرحال محترم قارئین! بندۂ عاجز کی یہ کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے، اگر کچھ اچھا لگے تو اس گنہگار کی آخرت کی کامیابی کے لئے دعائے خیر کے دو بول ادا کر دیجئے گا، اور اگر کچھ خامی یا کمزوری نظر آئے تو برائے مہربانی ایک کمزور اور ناقص سا مسلمان سمجھتے ہوئے معاف کر دیجئے گا اور اگر رہنمائی ہو جائے تو ایک بہت بڑا احسان ہوگا، آپ کے مشوروں کا دلی خیر مقدم ہے کیونکہ بندہ رہنمائی اور مشوروں کا طالب اور پیاسا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اور اب ضروری ہے کہ اپنے ان تمام مہربانوں کا شکریہ ادا کروں کہ جن حضرات نے مجھے مشورے دیئے، میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی، جن میں سردست میرے استاذِ محترم میری

مادرِ علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے قدیم استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ ہیں کہ استاذ محترم نے اس کتاب کے لئے گراں قدر تقریظ تحریر فرما کر مجھ عاجز کے سر پر دست شفقت رکھا۔

اسی طرح شکریہ ادا کرتا ہوں استاذ محترم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی کا کہ حضرت استاذ محترم نے باوجود شدید مصروفیات کے بندے پر شفقت فرماتے ہوئے تقریظ تحریر فرمائی۔

اور میرے مشفق استاذ کہ جن کی شفقت کے سائے تلے میں نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی میں آٹھ سال کے شب وروز گزارے، استاذ الحدیث اور ناظم تعلیمات جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی حضرت استاذ العلماء مولانا عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ کا بھی شکرگزار ہوں کہ حضرت استاذ صاحب نے بھی اس کتاب کے حوالے سے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور قیمتی مشورے دیئے۔

اور اسی طرح استاذ الحدیث دارالعلوم کورنگی کراچی حضرت استاذ العلماء مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، کہ حضرت مدظلہ نے میرے اس کام کو خوب پسند فرمایا، میری حوصلہ افزائی فرمائی اور بہت سے اچھے اچھے مشورے بھی دیئے، اور اسی طرح میں خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ کا کہ جنہوں نے میری گزارش پر ایک جامع اور مانع تقریظ تحریر فرمائی اور بہت سی باتوں کی بڑے اچھے انداز میں وضاحت فرمائی، اور بہت سے قیمتی مشورے بھی دیئے۔

اسی طرح شکریہ ادا کرنا ضروری ہے برادرِ کبیر جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے فاضل، مشہور خطیب اور ایک رسالے کے مدیر حضرت مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب کا کہ جنہوں نے میری کتاب کے لئے تقریظ بھی تحریر فرمائی اور کتاب شروع کرنے سے لے کر آخر تک وقتاً فوقتاً ان کے مشورے بھی میرے شامل حال رہے، علاوہ ازیں

مفتی صغیر احمد صاحب، مفتی عمر انور بدخشانی صاحب، مفتی وقاص احمد صاحب، مولانا محمد سفیان بلند صاحب مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا عبداللہ صاحب شیخ الحدیث "مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپور خاص مکتبہ یوسفیہ کے مالک برادر کبیر جناب حضرت مولانا محمد یوسف کھوکھر صاحب استاذ الحدیث مدرسہ عربیہ قاسم العلوم اور مولانا محمد عمران سردار صاحب، استاذ مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، بے شک ان حضرات کا مجھ پر احسان ہے کہ مختلف موقعوں پر ان سے بھی مجھے مفید مشورے ملتے رہے اور ان کا تعاون میرے شامل حال رہا میری دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اساتذہ اور تمام پرخلوص معاونین کو دونوں جہانوں کی خوشیاں نصیب فرمائے، آمین۔

ان کے علاوہ بھی میں دیگر ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب سے لے کر کمپوزنگ اور کتاب کی اشاعت تک میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا، خصوصاً دارالاشاعت کراچی کے مالک جناب خلیل اشرف عثمانی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جو میری تمام کتابوں کو اہتمام کے ساتھ شائع کر کے میری حوصلہ افزائی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو دونوں جہانوں کی شادمانیاں نصیب فرمائے۔ آمین!

اور میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ قدسی میں دست بدعا ہوں کہ وہ ذات پاک اس کتاب کو میری پہلی کتابوں کی طرح مفید اور کارآمد بنادے اور ہم سب کو خلوص نیت کے ساتھ دین کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اور تمام قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ مجھے، میرے والدین، اساتذہ کرام کو اپنی خصوصی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، اور اگر آپ کو اس کتاب میں کوئی خامی اور کمزوری نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں آپ کا بہت شکریہ ہوگا۔ آپ کے ہر مشورے کا دلی خیر مقدم ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام　　　آپ کا خیر اندیش　　　محمد ہارون معاویہ

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

ساکن میرپور خاص سندھ

تقریظ

از حضرت استاذ العلماء مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

سرکارِ دو عالم ﷺ کی سیرت پر پہلی صدی ہجری سے لے کر گزشتہ چودہ صدیوں میں ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین و مقالات لکھے جا چکے ہیں، جن کا احاطہ کرنے کے لیے مستقل کتابیات اور فہرستیں تیار کی گئی ہیں، اگر اس پورے ادبیات سیرت کا اندازہ لگایا جائے تو شاید تاریخ انسانی میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں جس پر اس قدر اور ہمہ پہلو مواد تیار ہوا ہو، بلکہ یوں کہا جائے کہ سیرت کا موضوع محققین اور محبین و عاشقین کے لیے ایک مستقل میدان تحقیق و تصنیف بن گیا، خود متعلقات سیرت اس قدر متنوع اور وسیع ہیں کہ ان کا حاطہ کرنے کے لیے الگ کتابی جائزے کی ضرورت ہے، سیرت طیبہ کے ان مراجع و مصادر پر توجہ کریں تو ایک جہانِ سیرت اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے، سیرت نبوی کے ماخذ پر غور کیا جائے تو درج ذیل سولہ علوم و فنون اس کا سرچشمہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مقام پر اہم ہے:

۱۔ قرآن مجید ۲۔ کتب تفاسیر ۳۔ کتب تاریخ ۴۔ کتب شمائل نبوی ۵۔ کتب دلائل النبوۃ ۶۔ کتب شروح احادیث ۷۔ کتب احادیث، خطبات، مکاتیب، معاہدات، دستاویزات، ۸۔ کتب آثار و اخبار ۹۔ اطلس و خرائط سیرت ۱۰۔ کتب نعت رسول ۱۱۔ کتب انساب ۱۲۔ کتب جغرافیہ عرب ۱۳۔ کتب تاریخ حرمین ۱۴۔ کتب اسماء رجال ۱۵۔ ادب عربی ۱۶۔ سفرنامہ حرمین

سیرت النبی کے مطالعے کا شوقین جب آگے بڑھ کر دیکھتا ہے تو اس موضوع پر

کتابوں کی کثرت اس کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ گذشتہ چودہ سو سال سے مسلسل لکھا جارہا ہے مگر ہنوز روزِ اول کا معاملہ محسوس ہوتا ہے اور یہ بذاتِ خود امتیازات سیرت کا ایک حسین اور حیران کن باب ہے، رحمت عالم کی ذات و سیرت سراپا امتیاز ہے، صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے از خود پانچ درج ذیل امتیازات گنوائے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ ایسے امتیازات دیئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملے: (۱) ابھی ایک ماہ کی مسافت باقی ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے (۲) ساری روئے زمین میرے لئے اور میرے امتی کے لیے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے سو جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے (۳) غنیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا (۴) مجھے شفاعت کا حق عطا کیا گیا ہے (۵) پہلے انبیاء اپنی اقوام کے لیے خاص ہوا کرتے تھے، مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔

رسول اللہ کے خصائص و امتیازات پر عربی زبان میں کافی کتابیں ہیں جن میں امام جلال الدین سیوطیؒ کی ''الخصائص الکبریٰ'' اور حافظ ابن قیمؒ کی ''زاد المعاد'' سرفہرست ہیں، اس کے علاوہ ابونعیم اصبہانیؒ کی ''دلائل النبوۃ'' بھی اس موضوع پر مشہور کتابوں میں سے ہے، فارسی زبان کے مشہور شاعر اور صوفی بزرگ عالم مولانا جامیؒ نے فارسی میں ''شواہد نبوت'' کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی جس میں انہوں نے حضور ﷺ کے وہ امتیازی اوصاف جو حضور کی ذات مبارکہ میں پائے جاتے ہیں سات الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کئے ہیں، اردو زبان میں حضور ﷺ کی امتیازی خصوصیات و کمالات پر ایک مستقل اور مفصل کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی، اس کمی کو ہمارے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ہونہار نوجوان فاضل مولوی محمد ہارون معاویہ نے بخوبی پورا کیا اور انتہائی محنت کے بعد مختلف کتابوں سے مواد منتخب کر کے چار ضخیم جلدوں میں پیش کر دیا ہے، میں اس کتاب کا تفصیلی مطالعہ تو نہ کر سکا لیکن موضوع کی اہمیت کے پیش نظر امید ہے کہ کوئی قابل اعتراض بات اس میں نہ ہوگی، فاضل موصوف زمانہ طالب علمی سے ہی

جامعہ میں تقریری وتحریری سرگرمیوں میں پیش پیش رہے اور اب میرپورخاص میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، نیز اس سے قبل بھی مختلف موضوعات پر ان کی تقریباً تیرہ کتابیں زیب طبع ہو کر دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس محنت کو حضور ﷺ کے طفیل قبول فرمائے اور ہم سب کو آنحضرت ﷺ کی سیرت اور سنت پر چلنے والا بنائے، آمین۔

(حضرت استاذ العلماء مولانا) محمد انور بدخشانی (صاحب مدظلہ العالی)

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

تقریظ

از استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی

نائب رئیس دارالافتاء واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

سیرت کا موضوع سدابہار گلشن کی طرح ہے جس کا ہر پھول اپنی جگہ اہم ہے۔ یہ گل چین کا ذوق ہے کہ وہ کس پھول کو چنتا ہے۔ لیکن جو پھول چننے سے رہ جائے وہ ہرگز چنے ہوئے پھول سے غیر اہم نہیں۔ سیرت کا موضوع انتہائی متنوع ہے۔ قدیم وجدید، اپنے پرائے بہت سے محدثین نے اسے موضوع بحث بنایا ہے اور ہر مصنف نے اسے ایک نیا اسلوب دیا ہے۔ ''خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ'' ایسا موضوع ہے جس پر عربی میں بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، اور اردو میں اگرچہ سیرتِ نبوی ﷺ کا ذخیرہ عربی سے کسی طور پر کم نہیں۔ اور متفرق طور پر یہ موضوع کسی حد تک اس میں پایا جاتا ہے لیکن اسی موضوع پر یکجا طور پر قابلِ قدر ذخیرہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ عزیز محترم مولانا ہارون معاویہ زید علمہٗ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے چار ضخیم جلدوں میں تصنیف کر کے اردو کے دامن کو اس موضوع سے مالا مال کر دیا۔ کتاب کی اجمالی فہرست پیش نظر ہے۔ فہرست کے عنوانات سے موضوع پر جامعیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ عزیز موصوف نے بندہ ناچیز سے کچھ لکھنے کی فرمائش کی، بندہ لکھنے لکھانے کے فن سے نابلد ہے۔ پھر بھی صاحب خصوصیات ﷺ کی محبت کے تقاضے اور اس پر شفاعتِ مصطفوی ﷺ کے حصول کی امید پر چند سطور حوالہ قرطاس کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ عزیز موصوف کی اس کاوش کو قبول فرما کر ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت بنا دیں، (آمین)

(حضرت استاذ العلماء مولانا مفتی) عبدالمجید دین پوری (صاحب مدظلہ العالی)

نائب رئیس دارالافتاء واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

تقریظ

از حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ العالی

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ بنوری ٹاؤن کراچی

﴿الحمد للّٰہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ مبارکا علیہ کما یحب ربنا ویرضی والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ المصطفی ورسولہ المجتبیٰ علی الہ وصحبہ وعترتہ واھل بیتہ الاطھار الاتقیاء وعلی کل من بھدیھم اھتدیٰ. اما بعد! فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین﴾ ترجمہ: اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔ (انوار البیان، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوق میں سب سے اعلیٰ وافضل شخصیتوں کے مالک ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں بھی فضل وکمال کے مختلف درجات رکھے ہیں بعضوں کو دوسرے بعض پر مختلف حیثیات میں فضیلت سے نوازا، بعض کو اولوالعزمی کا خاص اعزاز بھی عطا فرمایا پھر ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے فضائل وکمالات کو ایک ہستی میں یکجا فرما دیا، یہ ہستی مجمع فضل وکمال، سید الانبیاء، مقصود الخلائق، سید الکونین، اشرف الرسل، شفیع الامم، رحمۃ للعٰلمین، خاتم النبیین ﷺ کی ذات اطہر ہے، جو عالمگیر نبوت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔

عالمگیر نبوت آپ ﷺ کی منفرد خصوصیات میں سے اولین خصوصیت شمار ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ اپنی ذات اور صفات میں بے پناہ خصوصیات کے مالک ہیں جو منضبط

یا منتشر انداز میں تقریباً احادیث وسیرت کی ہر ہر کتاب میں موجود ہیں، تاہم باقاعدہ عنوان کے تحت میری ناقص معلومات کے مطابق اپنے موضوع کی جامع ومستند کتاب، نویں صدی ہجری کے مشہور مفسر ومحدث علامہ جلال الدین السیوطی (۸۴۹ھ۔۹۱۱ھ) نے ترتیب دی، جس میں آنحضرت ﷺ کی بڑی بڑی خصوصیات کو تقریباً ایک سو پچاس ابواب کے تحت ذکر فرمایا ہے، اس کتاب میں تتبع واستقراء کے طور پر چیدہ چیدہ وہ تمام خصوصیات ومعجزات تقریباً جمع فرمادیئے گئے ہیں جن میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی اور ہستی شریک نہیں، علامہ سیوطیؒ نے اس کتاب کا نام "كفاية الطالب اللبيب في خصائص الحبيب ﷺ" رکھا، جو بعد ازاں "الخصائص الکبریٰ للسیوطی" کے نام سے مشہور ومتداول ہوئی، عرب وعجم کے مختلف مطابع متعدد بار اس عظیم کتاب کی اشاعت کا شرف حاصل کر چکے ہیں، اور مختلف بلاد میں مقامی زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔

اس کتاب اور اس خاص موضوع کی وسیع پیمانے پر خدمت یہ بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیت وکرامت ہے، اسی کرامت وخصوصیت کا تسلسل کہیں یا مظہر، یہ زیرِ نظر مجموعہ بھی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس مجموعہ میں بھی علامہ سیوطیؒ کی پیروی واقتداء سے باوصف ہوتے ہوئے حضرت مصطفیٰ ﷺ کی ایک سو (۱۰۰) منفرد خصوصیات وامتیازات کو جمع فرمایا گیا ہے۔

یہاں پر روایت پسندی کے تناظر میں ممکن ہے یہ کہا جائے کہ علامہ سیوطیؒ کی خصائص کبریٰ جو اپنے اردو ترجمہ کے ساتھ بھی ہمارے ہاں دستیاب ہے تو اس عظیم کارنامہ پر مزید کسی اضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس حوالہ سے صرف اتنا کہہ دینا بھی کافی ہے کہ قرآن کریم اور سیرت طیبہ یہ دونوں ایسے موضوعات ہیں کہ ان موضوعات کی جس انداز سے جن پہلوؤں سے جتنی بھی خدمت کی جائے، وہ کافی وافی نہیں کہلاسکتی یہ بھی قرآن کریم اور حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت میں سے ہے۔

تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ حضور ﷺ کے خصائص پر عربی کتب کے اردو تراجم میں

سلاست وروانگی کی تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے، اس لئے اس موضوع پر سلیس ورواں انداز میں خدمت کی ضرورت زبان، لہجہ اور تعبیرات میں رونما ہونے والے تغیرات کی وجہ سے محسوس ہوتی رہے گی، موجودہ دور کی اسی ضرورت کے تحت ہمارے جامعہ کے ایک فاضل مولانا محمد ہارون معاویہ حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ تالیفی کوشش پیش فرمائی ہے۔

مولانا محمد ہارون صاحب بنوری ٹاؤن کے سابق طالب علم جواب فاضل کہلاتے ہیں، طالب علمی کے زمانہ میں جامعہ میں تقریر وبیان کے میدان کے شہسوار ہونے کی حیثیت سے شہرت وتعارف کے حامل رہے اور تقریری مقابلوں ومسابقوں میں سبقت سے ہمکنار ہوتے رہے ہیں، زمانہ طالب علمی ہی سے انہیں تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر سے بھی قلبی وعملی لگاؤ ہو چکا تھا فراغت کے بعد تحریری میدان میں بھی موصوف نے نہ صرف یہ کہ اپنی سابقہ نمایاں شناخت باقی رکھی بلکہ موجودہ دور کے کثیر التالیف مصنفین کی صف میں شامل ہو چکے ہیں، موصوف فراغت کے بعد چند ہی سالوں میں ایک درجن سے زائد کتابوں کی جمع وترتیب کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔

مولانا محمد ہارون معاویہ صاحب کی حالیہ تالیف ''خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

جس میں آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیات اور کمالات سے بحث فرمائی گئی ہے، کتاب کا مکمل مسودہ تو ہمارے سامنے نہیں ہے البتہ مؤلف موصوف نے مسودہ کی فہرست کے کچھ صفحات بطور تعارف کے پیش فرمائے تھے، فہرست کے مطالعہ سے اور خود مؤلف کی زبانی کتاب کا قدرے کفایت جو تعارف ہوا، اس سے کتاب کی افادیت، موضوع سے مناسبت اور امتیازی حیثیت واہمیت کا جو صحیح اندازہ ہوا وہی اس بات کا داعیہ بنا کہ آنحضرت ﷺ کے سیرت طیبہ کے امتیازی پہلو کی اس عظیم خدمت میں ہمارا بھی معمولی حصہ ہو جائے اور حضور ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے ﴿اللھم ابلغنا بغیتنا، بمنزلته صلی اللہ علیه وسلم لدیک﴾.

آنحضرت ﷺ کی امتیازی خصوصیات اور کمالات چونکہ اس کتاب کا موضوع ہے، اس لئے ایک اصولی بات کی یاددہانی بھی اس موقع پر نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ فضل وکمال میں سے کسی صاحبِ فضل وکمال کی خصوصیت اور امتیازی شان کو بیان کرنے میں اولاً تو ''تقابل'' کا انداز ہی اختیار نہیں کرنا چاہئے، اگر کسی ہستی کے درجہ ورتبہ کو تقابلی مثالوں ہی سے بیان فرمایا جارہا ہو تو پھر الفاظ وتعبیرات کا چناؤ ایسا ہونا ضروری ہے کہ کسی ہستی کی تفضیل وتکریم کسی دوسری ہستی کی تنقیص وتوہین کا مظہر نہ ہو، ورنہ یہ عملِ خیر اپنی اصلیت سے جدا ہو کر مواخذہ اخروی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذلک.

ہمارے مؤلف موصوف نے اس اصول پر کاربند ہونے کا بھرپور اطمینان دلایا ہے، اور ہمیں بھی موصوف کی گزشتہ کارکردگی کے تناظر میں احتیاط، ذمہ داری اور تیقظ کا حسنِ ظن ہے، اس حسنِ ظن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے قبل مؤلف موصوف نے اپنی ہر کتاب کے اصل مواد میں اپنی اختراعات اور تعبیرات سے زیادہ اپنی کتابوں کے مراجع وماخذ یعنی اسلاف کی کتابوں کے مواد پر انحصار کیا ہے جو یقیناً اعتماد اور استناد کی ضمانت کی حامل ہیں۔

اسلاف کی کتابوں پر انحصار میں مؤلف موصوف نے جس دیانت داری اور امانت داری کا ثبوت دیا ہے، اس سے مؤلف کی شخصیت اور ان کی تالیفی خدمات کو بھرپور اعتماد کا فائدہ حاصل ہوگا، انشاء اللہ، کیونکہ ہمارے اس دور میں اس نوعیت کے مرتبین ومؤلفین عام طور پر ''سرقہ علمیہ اور علمی خیانت'' جیسے القاب والزامات کے لئے بجا طور پر محل ومورد بنے ہوئے ہیں، جنہوں نے بزرگوں کی باتوں، واقعات اور حکایات بلکہ پورے کے پورے مضامین ومقالات کو اپنی تالیفات کے بھوکے پیٹ بھرنے کے لئے ''من وعن'' نقل کردینے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں فرمائی ہاں اتنا ضرور کیا کہ جہاں ان بزرگوں نے اپنایا اپنے بزرگوں کا نام ذکر کیا ہوا تھا وہاں ہمارے بعض جدید مؤلفین نے اپنا اور اپنے کسی بزرگ کا نام ڈال دیا یا پھر ضمائر اور متکلم کے صیغوں پر اکتفاء فرمالیا۔

چوری اور بددیانتی کی اس ناخوشگوار فضا میں اگر کوئی عالم دین، پوری امانت داری، دیانتداری، اور سچائی کے تقاضوں کے ساتھ کوئی تالیفی خدمت منظر عام پر لائے تو یقیناً وہ تحسین وتشجیع کا مستحق ہے، سیرت طیبہ کی خدمت سے ادنیٰ تعلق کے طمع کے بعد یہ دوسرا باعث ہے کہ یہ چند سطریں تحریر ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کے علم وعمل میں مزید برکت اور ترقی نصیب ہو، ان کی دینی خدمات کو ان کے لئے ان کے اساتذہ کرام اور والدین گرامی کے لئے ذخیرۂ آخرت اور وسیلہ نجات بنائے اور ہم سب کے لئے صراطِ مستقیم پر چلنا آسان فرمائے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں، بہت آسان ہے ہر عمل کی توفیق وقبولیت اسی کے پاس ہے۔﴿وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم وعلی الہ وصحبہ اجمعین﴾

(حضرت مولانا مفتی) رفیق احمد بالاکوٹی (صاحب مدظلہ العالی)

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

تقریظ

محترم مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب مدظلہ العالی

ناظم اعلیٰ: معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر کی مسجد) صدر کراچی

فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ پر زمانہ نبوت سے اہل دانش واہل قلم اور زعماءِ امت مسلسل لکھتے آرہے ہیں، اور صبح قیامت تک لکھتے ہی رہیں گے، چونکہ بعد از خدا آمنہ کے دریتیم ہی کا مقام ہے۔اسی بنا پر کہا گیا۔

بعد از خدا بزرگ تو ہی قصہ مختصر

حال ہی میں ایک دانشور کی تحریر مطالعہ سے گزری جس میں موصوف نے سیرت مصطفیٰ ﷺ پر لکھی جانے والی کتب کی تعداد تین ہزار سے زائد بتائی ہے، جس میں پچاس کتابیں فقط نعلین مبارک سے متعلق ہیں، چنانچہ کئی کئی جلدوں پر مشتمل ضخیم کتابیں تاجدار مدینہ راحت قلب وسینہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت واخلاق حسنہ کی عکاسی کررہی ہیں، آپ ﷺ کی سیرت پر تحریر شدہ کتب کی تعدادا اسقدر زیادہ ہونے پر حیرت کی بات نہیں چونکہ آپ ﷺ کی سیرت کا طویل باب ہے جس کا بین ثبوت صدیقہ بنت صدیق اماں عائشہ کا فرمان ہے کہ پورا قرآن آپ کا اخلاق ہے۔

خدائے بزرگ وبرتر کے بعد سب سے اونچی ہستی اور اس دنیا کی آخری نسل تک کے لئے ہادی ورہبر سردار انبیاء، خاتم النبیین ﷺ ہیں جس کے روشن چہرے اور بکھری زلفوں کی قسمیں خود خالق ارض وسماء نے مقدس کلام میں اٹھائی ہیں یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز فرمایا کہ اے پیغمبر میں تمہیں وہ کچھ دوں گا کہ تو راضی ہو جائے گا، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز قرآن میں ورفعنا لک ذکرک فرما کر آپ ﷺ کا نام ہمیشہ کے لئے بلند وبالا کر دیا اور پھر آپ ﷺ کے نام کا چناؤ بھی ایسا ہوا کہ منکر بھی آپ ﷺ کا نام (محمد) لے تو باعتبار معنی خود بخود آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف ہو جائے، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، ہاں یہ بھی آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ ساتوں آسمانوں پر حضرات انبیاء نے آپ کا استقبال کیا، پھر آپ ﷺ کے لئے

عرش کے دروازے کھلے پھر آپ کو حبیب کا لقب ملا اور خود اللہ تعالیٰ نے آپ سے گفتگو فرمائی۔

چنانچہ یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ فاضل نوجوان عزیزم مولانا محمد ہارون معاویہ نے عوامی، علمی اور دینی خدمت کے احساس کے تحت ہادی برحق ﷺ کی اہم اہم خصوصیات کو یکجا کرنے کا عزم مصمم کیا اور چار جلدوں میں آپ کی سو خصوصیات کو جمع کر دیا۔

مولانا محمد ہارون معاویہ سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ بندۂ عاجز کے ماموں زاد بھائی ہیں، ایشیاء کی معروف دینی درسگاہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے سند فراغت حاصل کی ہے، زمانہ طالب علمی سے ہی تحریر وتقریر اور کتب اسلاف کا مطالعہ موصوف کا محبوب مشغلہ رہا ہے، دورۂ حدیث والے سال سے باقاعدہ میدان تالیف میں قدم رکھا اور تادم تحریر (۱۳) کتب شائع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں، چنانچہ میدان تالیف وتصنیف کے نشیب وفراز سے بخوبی آگاہی حاصل کرنے کے بعد خصوصیات کے لئے قلم اٹھایا ہے، یہ چار جلدوں پر مشتمل آپ ﷺ کی ۱۰۰ خصوصیات کا گرانقدر، جاذب نظر اور قابل فخر مجموعہ ہے، اس کی عظیم خصوصیت یہ بھی ہے کہ موصوف مؤلف نے صاحب خصوصیات ﷺ کے روضۂ اطہر کے سامنے بیٹھ کر ان گنت صفحات تحریر فرمائے ہیں، جسے قارئین دورانِ مطالعہ محسوس بھی کریں گے اور بہرہ اندوز بھی ہوں گے، بلاشبہ آپ اس کتاب میں ایک ایسی عظیم ہستی (ﷺ) کی ۱۰۰ خصوصیات کو پڑھ سکتے ہیں جس کے عام وخاص حالات بھی بالتفصیل محفوظ ہیں، اور ان پر نازل شدہ الہامی کتاب بھی ہو بہو محفوظ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس نونہال نوجوان نے اتنی کم عمری میں بہت بڑا کام کر دکھایا ہے، یہ محض خالق کائنات ہی کی کرم نوازی ہے۔

راقم الحروف نے چاروں جلدوں پر اک طائرانہ نظر ڈالی ہے اور فہرست کو بغور پڑھا ہے، بحمد اللہ ایک جامع اور منفرد کام کیا ہے، بارگاہ صمدیت میں دست بدعا ہوں کہ رب ذوالجلال موصوف کی شب وروز کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے، اور علم وعمل، صحت وعمر میں برکت نصیب فرمائے، اور خود ان کے لئے اور ہمارے پورے خاندان کے لئے ذریعہ نجات بنائے، اور اہل علم وعامۃ الناس کو اس سے مستفیض فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔

(مولانا حافظ) محمد اصغر کرنالوی (صاحب مدظلہ العالی)

ناظم اعلیٰ: معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر کلی مسجد) صدر کراچی

انبیاءِ کرامؑ کے مراتب میں جزئی تفاوت اور ایک ضروری تطبیق

ہم جب قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک طرف تو ہمیں اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ کی صداقت پر یکساں ایمان لانا اور ان کو تمام پیغمبرانہ کمالات سے متصف جاننا ضروری ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ (بقرہ)

''ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔''

اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو یکساں صادق اور کمالاتِ نبوت سے متصف مانا جائے۔ دوسری طرف ارشاد ہے: تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ. مِنْھُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجَاتٍ. وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنَاہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ)

''یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے (مثلاً) بعضے ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس یعنی جبرئیل سے فرمائی۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب کمالیہ میں جزئی تفاوت بھی ہے، ان دونوں صداقتوں کے درمیان تطبیق کے لئے تھوڑی تشریح کی ضرورت ہے، ملاحظہ

فرمائیے:۔

حضرات انبیاء کرامؑ تمام کمالات نبوت وفضائل اخلاق سے یکساں سرفراز تھے زمانہ اور ماحول کی ضرورت اور مصالح الٰہی کی بنا پر ان تمام کمالات کا عملی ظہور تمام انبیاء میں یکساں نہیں ہوا بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات نمایاں ہوئے، یعنی جس زمانے کے حالات کے لحاظ سے کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی بہ مصلحت یہ کمال ظاہر نہیں ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ ہر کمال کے ظہور کے لئے مناسب موقع ومحل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہو تو اس سے نفس کمال کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے، اس لئے اگر بوجہ عدم ضرورت حال ان انبیاء کرامؑ کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) ان کمالات وفضائل سے متصف نہ تھے۔

غزوۂ بدر کے قیدیوں کے باب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب فدیہ لے کر ان کے چھوڑنے کا اور حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا، تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شدت ورحمت میں لوگوں کے قلوب مختلف بنائے ہیں۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیم وعیسیٰ کی، اور اے عمر! تمہاری مثال نوح اور موسیٰ کی ہے، یعنی ایک فریق سے رحم وکرم کا اور دوسرے سے شدت کا اظہار ہوا۔

(دیکھئے مستدرک حاکم غزوۂ بدر)

اس حدیث میں اسی نقطہ اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو انبیاءؑ کے مختلف احوال مبارکہ میں رونما رہا ہے، لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت چونکہ آخری اور عمومی تھی اس لئے بضرورت احوال آپ ﷺ کے تمام کمالات نبوت آپ ﷺ کی زندگی میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے اور آپ ﷺ کی نبوت کے آفتاب عالم تاب کی ہر کرن دنیا کے لئے مشعل ہدایت بنی اور ظلمت کدہ عالم کا ہر گوشہ آپ ﷺ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پرنور

ہوا۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا پہلو (نعوذ باللہ) پیدا نہ ہونے پائے جس سے دوسرے انبیاءؑ کی توہین یا کسر پیدا ہو، اس سے ایمان کے ضائع جانے کا خطرہ ہے۔ (بحوالہ سیرت النبی ﷺ جلد اول)

ایک ضروری وضاحت

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دوسرے انبیاءؑ کے مقابلے میں جو خصوصیات اور فضیلتیں دی گئیں اسکے نتیجے میں بقیہ تمام انبیاءؑ میں معاذ اللہ نقص اور خامی ثابت ہو جاتی ہے، ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ بغیر استثناء تمام دوسرے انبیاء کرامؑ سے افضل ہیں، مگر اس عقیدے کی وجہ سے کسی نبی کے حق میں کوئی نقص اور خامی ثابت نہیں ہوتی، اس اعتراض کا جواب بھی دینے کی ضرورت نہیں تھی مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر کوئی جاہل آدمی یہ اعتراض سنے گا تو وہ کہیں آنحضرت ﷺ کی ان تمام خصوصیات سے ہی انکار نہ کردے جن کی وجہ سے آپ ﷺ کو دوسرے تمام انبیاءؑ پر فضیلت حاصل ہے، جاہل آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ چونکہ ان خصوصیات کو ماننے کی وجہ سے دوسرے انبیاءؑ میں خامیاں ثابت ہوتی ہیں لہذا آپ ﷺ کی خصوصیات سے ہی انکار کر دیا جائے، اس کے نتیجہ میں پھر وہ شخص عیاذ باللہ کفر و گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا (اس بناء پر اس اعتراض کا جواب دینا ضروری سمجھا گیا) یہاں تک علامہ سیوطیؒ کا حوالہ ہے)

مقدمۃ الکتاب

خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ (جلددوم)

قابلِ احترام قارئین! خصوصیات مصطفیٰ ﷺ کی جلددوم شروع کرنے سے پہلے جلدِ اول کی طرح ایک مقدمہ پیش کیا جارہا ہے، جس میں تمام انبیاء کرام سے متعلق اسلام کی تعلیمات پیش کی جائیں گی، مثلاً اس مقدمے میں ایک عنوان قائم کیا گیا کہ ”تمام انبیاء کا احترام کرنا اوران کی نبوت کو برحق ماننا ضروری ہے۔“ اس کے ذیل میں وضاحت کی گئی کہ ہمارے رسول اکرم ﷺ نے دیگر انبیاء کا کس قدر احترام کرنے کی تاکید کی ہے، اسی طرح ایک عنوان قائم کیا گیا کہ ”رسولِ اکرم ﷺ کی تمام انبیاء کرام کے بارے میں تعلیمات اور اس کا مثبت نتیجہ“ اسی طرح اگلا عنوان ہے ”رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل کے حالات اور انبیاء سے متعلق لوگوں کے نظریات“ اور آگے چل کر ایک عنوان ہے کہ ”نبوت ورسالت کی سب سے اہم خصوصیت“ اور ایک عنوان ہے کہ ”تعلیماتِ محمدیؐ کی انبیاء کرام کے بارے میں وسعتِ نظری۔“

چنانچہ خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کچھ عنوانات کے تحت مفید اور ضروری مباحث کو پیش کیا گیا، تاکہ انبیاء کرامؑ کے بارے میں کسی اعتراض وغیرہ کی گنجائش ہی نہ رہے، اور یہ بات ویسے بھی ہم بار بار واضح کرتے آرہے ہیں کہ آپ ﷺ کی خصوصیات کو لکھنے کا مقصد دیگر انبیاء کرامؑ کی تنقیص نہیں ہے، بلکہ صرف اور صرف امت میں آپ ﷺ کی محبت وعقیدت پیدا کرنے کے لئے آپ کے مقام ومرتبے کو واضح کرنا مقصد ہے، بہر حال اب ہم اپنی ان

تمہیدی باتوں کو ختم کرتے ہیں اور مقدمے کو شروع کرتے ہیں لیجئے ملاحظہ فرمائیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

تمام انبیاء کرام کا احترام کرنا اور انکی نبوت کو برحق ماننا ضروری ہے

ہمارے رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو یہ عقیدہ دیا کہ تمام انبیاء کرام کا احترام کرنا اور ان کی نبوت کو برحق ماننا ضروری ہے، چنانچہ یہ عقیدہ اسلام کی ان خصوصیات میں سے ہے جن کی تکمیل صرف اسی کے ذریعے سے انجام کو پہنچی ہے، آنحضرت ﷺ کے وجود مبارک سے پہلے دنیا کی ہر قوم کو بجائے خود یہ خیال تھا کہ وہی اللہ تعالیٰ کی خاص محبوب اور پیاری ہے، تمام دنیا کی قوموں میں ہدایت ربانی کے لیے وہی منتخب کی گئی ہے، اس کے علاوہ دنیا کی تمام قومیں اس فیض سے قطعاً محروم ہیں اور رہیں گی اسی کی سرزمین دیوتاؤں کا مسکن اور اسی کی زبان خدا کی خاص مقدس زبان ہے، بابل ونینوا ہو یا مصر و یونان، ایران ہو یا آریہ ورت ہندوستان، ہر ملک کے لوگوں کو بجائے خود تنہا خدا کی مقدس اور برگزیدہ مخلوق ہونے کا دعویٰ تھا، اور وہ صرف اپنے کو خدا کے پیغام اور خطاب سے مشرف ہونے کا مستحق جانتے تھے، لیکن تعلیم محمدی نے تنگ خیالی کے اس محدود دائرہ کو دنیا کی عظیم الشان وسعت سے بدل دیا، آپ ﷺ نے یہ سکھایا کہ دنیا کی تمام قومیں خدا کی نظر میں یکساں ہیں، نہ عرب کو عجم پر اور نہ عجم کو عرب پر فضیلت ہے اور نہ کالے کو گوروں پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی تقدم حاصل ہے۔ (بحوالہ مسند احمد)

ساری زمین خدا کی ہے، اور تمام قومیں خدا کی مخلوق ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا لوگو: تم سب ایک ہی باپ وآدم کی اولاد ہو، اور وہ مٹی سے پیدا ہوا تھا)۔ (بحوالہ ترمذی)

اسی طرح یہ بھی تعلیم دی کہ انسانوں اور قوموں کا امتیاز رنگ وروپ ملک زبان سے نہیں، بلکہ صرف تقویٰ اور نیکوکاری ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی تمام انبیاء کرامؑ کے بارے میں تعلیمات اور اس کا مثبت نتیجہ

اس تعلیم کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ قوموں اور ملکوں کی فطری فضیلت کی پرانی داستان فراموش ہوگئی، دنیا کی تمام قومیں ایک سطح پر آگئیں اور مساوات انسانی کا راستہ صاف

ہو گیا، بنی اسرائیل جن کو خدا کا کنبہ ہونے پر ناز تھا، وحی محمدی ﷺ نے ان کی اس حیثیت کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: ﴿بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے بشر ہو۔"

بنی اسرائیل کو دعویٰ تھا کہ نبوت اور پیغمبری صرف انہی کے خاندان کا ورثہ ہے، جس طرح اس آریہ ورت کا دعویٰ ہے کہ خدا کی بولی صرف یہیں کے رشیوں اور نبیوں نے سنی جو وید کے اوراق میں محفوظ ہے، اسی طرح دوسری قوموں کو بھی اپنی اپنی جگہ پر یہی خیال تھا اسلام نے اس تخصیص کو خدا کے انصاف وعدل وکرم اور رحمت عام کے منافی قرار دیا، اور کہہ دیا: ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَآءُ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

"یہ (نبوت) اللہ کی مہربانی ہے جس کو چاہے دے اور اللہ بڑی مہربانی والا ہے۔"

﴿قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللهِ أَنْ يُّؤْتٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآاُوْتِيتُم اَوْ يُحَاجُّوْكُم عِندَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَآءُ ،وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ .يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

"کہہ دو کہ ہدایت اللہ کی ہدایت ہے، (اسرائیلی علماء اپنے ہم مذہبوں سے کہتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ جیسا دین تم کو دیا گیا کسی اور کو دیا جائے، یا یہ نئے دین والے تم سے خدا کے آگے جھگڑ سکیں کہہ دو کہ یہ نبوت کا فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کو دیتا ہے وہ اللہ کی رحمت سب پر عام ہے اور وہ اپنی مصلحتوں کو اچھی طرح جانتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کیساتھ مخصوص کرتا ہے وہ بڑا فضل والا ہے۔"

﴿مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُم وَاللهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

"اہل کتاب میں جو منکر ہیں وہ یہ نہیں پسند کرتے اور نہ مشرکین پسند کرتے ہیں کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو، اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے مخصوص کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"

☆ اس نے یہ تعلیم دی کہ روئے زمین کی ہر آبادی میں ہر قوم میں اور ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی راہ دکھانے والے، اس کی آواز پہچانے والے، اور انسانوں کو ان کی غفلت سے چونکانے والے پیغمبر یا نائب ہیں اور یہ سلسلہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک برابر جاری رہا۔

رسولِ اکرم کی بعثت سے قبل کے حالات اور انبیاءؑ سے متعلق لوگوں کے نظریات

بعثت محمدی ﷺ سے پہلے دنیا کی کل آبادی مختلف گھرانوں میں بٹی ہوئی اور ایک دوسرے سے نا آشنا تھی، ہندوستان کے رشیوں اور نبیوں نے آریہ ورت سے باہر کی دنیا کو خدا کی آواز سننے کا کبھی مستحق نہیں سمجھا تھا، ان کے نزدیک پرمیشور صرف آریہ ورت کی ہدایت اور رہنمائی کا خواہاں تھا، زردشت نے پاک نژادانِ ایران کے جلوہ نورانی سے محروم یقین کیا تھا، بنی اسرائیل اپنے خانوادہ کے سوا کہیں اور کسی نبی یا رسول کی بعثت کا تصور بھی نہیں کر سکتے، عیسائی صرف اپنے کو خدا کی فرزندی کا مستحق سمجھتے تھے، لیکن محمد رسول اللہ نے آ کر بتا دیا کہ خدا کی ہدایت اور رہنمائی کے ظہور کے لیے کسی ملک، قوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اس کی نگاہ میں عرب و عجم، شام و ہند سب برابر ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے آنکھوں نے پورب، پچھم، اتر دکھن ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا نور دیکھا، اور ہر زبان میں اس کی آواز سنی، ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ﴾ ''اور ہر امت کے لیے رسول ہے۔'' ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾ ''اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا۔'' ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ﴾ ''اور ہم نے تجھ سے پہلے کتنے رسول ان کی اپنی اپنی قوم میں بھیجے۔'' ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ ''اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما آیا'' ﴿وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ. وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ ''اور ہم نے پہلی قوموں میں کتنے پیغمبر بھیجے اور ہم نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی بولی میں بھیجا، تا کہ وہ ان کو بتا سکے۔''

اس آخری آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول یہ تعلیم الٰہی تشریح و بیان کے لئے مامور ہیں۔

ایک یہودی کے لیے حضرت موسیٰ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے، ایک ہندو تمام دنیا کو ملیچھ، شودر اور چنڈال کہہ کر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے، ایک زردشتی تمام عالم کو بحر ظلمات کہہ کر بھی نورانی ہو سکتا ہے، اور وہ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی ان کی پیروی کا دعویٰ کر کے ان سے پہلے کے کسی پیغمبر کا انکار کر سکے، آنحضرت تہجد میں جو دعا پڑھتے تھے، اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا، "والنَّبِيُّونَ حقٌّ ومُحَمَّدٌ حقٌّ" سب نبی حق تھے اور محمد بھی برحق ہیں۔

غرض کوئی شخص اس وقت تک محمدی نہیں ہو سکتا، جب تک وہ پہلے موسوی، عیسوی اور سلیمانی داؤدی نہ بن لے اور کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت، حقانیت، راستبازی، اور معصومیت کا اقرار نہ کرے اور یہ یقین نہ کرے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے عرب کی طرح ہر قوم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی سے سرفراز کیا ہے اور ان کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا خدا کا ماننا۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيدُونَ أَنْ يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذَالِكَ سَبِيلاً. أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَّأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا. وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾

"بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کو نہیں مانیں گے اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ بیچ کا کوئی راستہ نکالیں وہی تو حقیقت میں کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے، اور جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کیا تو وہی لوگ ہیں جن کی

مزدوری خدا ان کو دے گا اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔"

﴿والمَلٰئکةِ والکِتابِ وَالنَّبِیّین﴾ "اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر ایمان لانا نیکی ہے۔" ﴿ومَنْ یَّکفُر بِاللہِ وملٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ ورُسُلِہٖ وَالیومِ الاٰخِرِ فقد ضَلَّ ضَلالًا بَعِیْدًا﴾ "اور جس نے خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور قیامت کا انکار کیا وہ نہایت سخت گمراہ ہوا۔"

سورۂ بقرہ کے خاتمہ میں ہے: ﴿کُلٌّ اٰمَنَ بِاللہِ وملٰئِکَتِہٖ وکُتُبِہٖ ورُسُلِہٖ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ﴾ ہر ایک خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر ایمان لایا، ہم خدا کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔"

﴿لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُم﴾ ہم ان پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے

تمام انبیاء کرامؑ خدا کے نائب اور برحق ہیں

پیغمبروں میں تفریق کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں سے بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں اسلام نے اس کی ممانعت کی اور عام حکم دیا کہ دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں خدا کا رسول صادق اور راست باز تسلیم کیا جائے۔

یہودی حضرت عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ جھوٹا اور کاذب سمجھتے اور ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے، اور اب بھی ان کا یہی عقیدہ ہے یہودیت اور اسلام میں جو اشتراک ہے، وہ مسیحیت سے زیادہ ہے، اس لیے اگر اسلام کی راہ میں حضرت مسیح کا نام نہ آئے تو بہت سے یہود مسلمان ہونے کو تیار ہو جائیں، مگر اسلام نے کبھی یہ ننگ گوارا نہیں کیا، اور جب تک کسی یہودی سے حضرت عیسیٰ کی نبوت، معصومیت اور تقدس کا اقرار نہیں لے لیا، اس کو اپنے دائرہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی، چنانچہ خود آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بہت سے یہودی آپ ﷺ کی رسالت اور شریعت پر ایمان لانے کو تیار تھے، مگر حضرت عیسیٰ کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو دوستی کے عظیم الشان فائدوں سے محروم رہنا گوارا

کیا، مگر مسیحؑ کی سچائی سے ان کا محروم رہنا قبول نہ فرمایا۔ (بحوالہ تفسیر ابن جریر)

اوران سے صاف کہا:﴿یَا اَھلَ الکِتَابِ ھَلْ تَنقِمُوْنَ مِنَّا اِلَّا اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا اُنزِلَ اِلَینَا وَمَا اُنزِلَ مِنْ قَبلُ وَاَنَّ اَکثَرَکُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ ''اے یہود! کیا یہ ہے تم کو ہم سے، مگر یہی کہ ہم خدا پر اور جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو پہلے اتارا گیا، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور تم میں اکثر بے حکم ہیں۔''

خود قریش کا یہ حال تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے نام سے چڑتے تھے، تاہم ان کی خاطر سے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت اتقدس اور معصومیت کا انکار نہیں کیا گیا، قرآن نے کہا: وَلَمَّا ضُرِبَ ابنُ مَریَمَ مَثَلًا اِذَا قَومُکَ مِنهُ یَصِدُّونَ .وَقَالُوا ءَ اٰلِھَتُنَا خَیرٌ اَمْ ھُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ ھُمْ قَومٌ خَصِمُوْنَ. اِنْ ھُوَ اِلَّا عَبدٌ اَنعَمنَا عَلَیهِ (سورۂ زخرف)

''اور جب مریم کے بیٹے کی کہاوت بیان کی گئی تو تیری قوم ان سے چلانے لگتی ہے، اور بولی کہ ہمارے معبود اچھے ہیں، یا وہ یہ نام جو وہ تجھ پر دھرتے ہیں صرف جھگڑنے کو، بلکہ وہ جھگڑالو ہیں، وہ ایک بندہ ہے جس پر ہم نے فضل کیا۔''

قریش کو معلوم تھا کہ اسلام عیسیٰ بن مریم کو بندہ اور رسول مانتا ہے خدا نہیں مانتا، باوجود اس کے کہ عیسائیوں کی طرح مسلمانوں پر بھی حضرت عیسیٰ کے ماننے کی وجہ سے عیسیٰ پرستی کا الزام دھرتے تھے، قرآن نے ان کے اس بے معنی اعتراض کی تردید کی۔

اسلام میں پیغمبروں کی کوئی تعداد محدود نہیں ہے، طبرانی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث ہوئے، دوسری روایت میں اس کی کم تعداد بھی مروی ہے، قرآن پاک میں نام کے ساتھ صرف انہی انبیاء کا ذکر ہے، جن سے عرب واقف تھے، اور یہود و نصاریٰ بے خبر تھے، مثلاً حضرت ہودؑ اور حضرت شعیب بعض ایسے بھی ہیں جن کو یہود و نصاریٰ جانتے تو تھے، لیکن پیغمبر نہیں تسلیم کرتے تھے، مثلاً حضرت سلیمان، وحی محمدی ﷺ نے ان سب کو پیغمبر تسلیم کیا، اور ان کی صداقت و عظمت کا اقرار کیا۔

رسول اکرم ﷺ نے آ کر نبوت ورسالت کا تعارف کرایا

اسی سلسلہ میں ایک اور واقعیت کی طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب ہے، اسلام سے پہلے نبوت رسالت اور پیغمبری کی کوئی خاص واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے نہ تھی، یہودی کے ہاں نبوت کے معنی صرف پیشنگوئی کے تھے، اور نبی پیشین گو کو کہتے تھے، اور جس کے متعلق وہ یقین رکھتے تھے، کہ اس کی دعا یا بدعا فوراً قبول ہو جاتی ہے، اسی لئے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کی نبوت اور رسالت کا محض دھندلا سا خاکہ ان کے ہاں موجود ہے، بلکہ حضرت ابراہیم کے مقابلہ میں شام کے کاہن مالک کی پیغمبرانہ شان ان کے نزدیک زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے، حضرت داؤد اور سلیمانؑ کی حیثیت ان کے ہاں صرف بادشاہ کی ہے اور ان کے زمانہ میں پیشین گوئی کرنے والے پیغمبر اور ہیں، یہی سبب ہے کہ یہود کے قصوں اور کتابوں میں اسرائیلی پیغمبروں کی طرف نہایت نحیف باتیں بے تأمل منسوب کی گئی ہیں، عیسائیوں کے ہاں بھی رسالت اور نبوت کی کوئی واضح حقیقت نہیں بیان کی گئی ہے، ورنہ یہ نہ کہا جاتا کہ مجھ سے پہلے جو آئے وہ چور اور ڈاکو تھے، موجودہ انجیلوں میں نہ خدا کے رسولوں کی تعریف ہے نہ ان کے تذکرے ہیں۔ نہ ان کی سچائی اور صداقت کی گواہی ہے، حضرت زکریا اور حضرت یحیٰی جن کے تذکرے انجیل میں ہیں، وہ بھی پیغمبرانہ شان کے ساتھ ان کے ہاں مسلم نہیں لیکن محمد رسول ﷺ نے آ کر اس جلیل القدر منصب کی حقیقت ظاہر کی، اس کے فرائض بتائے، اس کی خصوصیات کا اظہار کیا، اور ان سب پر ایمان لانے کو نجات کا ضروری ذریعہ قرار دیا، آپ نے بتایا کہ نبوت ورسالت خاص خاص انسانوں کو خدا کا بخشا ہوا ایک منصب ہے جس کو دے کر وہ دنیا میں اس غرض سے بھیجے گئے، کہ وہ خدا کے احکام لوگوں کو بتائیں اور سچائی اور نیکی کا راستہ ان کو دکھائیں، وہ ہادی (رہنما) نذیر (ہوشیار کرنے والا) اور داعی (خدا کی طرف سے بلانے والا) مبشر (خوشخبری سنانے والے) معلم (سکھانے والے) مبلغ (خدا کے احکام پہنچانے

والے) اور نور (روشنی) تھے، خدا ان سے ہم کلام ہوتا تھا، اپنی باتوں سے ان کو مطلع کرتا تھا، اور وہ ان سے دوسرے انسانوں کو آگاہ کرتے تھے، وہ برائیوں سے محفوظ تھے وہ خدا کے نیک اور مقبول بندے تھے اور اپنے عہد کے سب سے بہتر انسان تھے ان کے سب کام خدا کے لئے تھے، اور خدا ان کے لیے تھا، یہ ہستیاں اپنے فرائض کو انجام دینے کے لیے ہر قوم میں پیدا ہوئیں جنھوں نے ان کو مانا نجات پائی اور جنھوں نے جھٹلایا ہلاک و برباد ہوئے، قرآن پاک نے ان کی زندگی کے سوانح، ان کی تبلیغ کی روداد ان کے اخلاق کی بلند مثالیں اور ان کی خدا پرستی کا اخلاص اس طرح بیان کیا ہے کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے ان کی پیروی کا جذبہ ان کی اتباع کا شوق اور ان کی صداقت کا یقین دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے، اور ساتھ ہی اس نے شان نبوت کے خلاف جو غلط باتیں دوسرے صحیفوں میں ان کی طرف منسوب تھیں، ان کو چھوڑ دیا ہے، اور یا ان کی تردید کر دی ہے۔

نبوت ورسالت کی سب سے اہم خصوصیت

الغرض نبوت اور رسالت کی سب سے اہم خصوصیت اسلام نے جو یہ قرار دی کہ نبی ورسول گناہوں سے پاک اور برائیوں سے محفوظ اور معصوم ہوئے ہیں، بنی اسرائیل کو نبوت اور رسالت کے اس بلند تخیل کی ہوا بھی نہیں لگتی تھی، اس لیے انہوں نے نہایت بیباکی سے اپنے پیغمبروں کی طرف ہر قسم کے گناہ منسوب کر دیئے، عیسائی ایک حضرت عیسیٰ کو تو معصوم کہتے ہیں، باقی سب کی گنہگاری کے قائل ہیں لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کی عظمت کی ایک ہی سطح قائم کی ہے، اس کے نزدیک گناہوں سے پاکی اور عصمت تمام انبیاء اور مرسلین کا مشترک وصف ہے، کیونکہ گنہگار، گنہگاروں کی رہنمائی کا مستحق نہیں۔ اور اندھا اندھے کو راہ نہیں دکھا سکتا، اس بنا پر محمد رسول اللہ ﷺ کی وحی وتعلیم نے خدا کے تمام معصوم رسولوں کی عظمت وجلالت دنیا میں قائم کی اور جن کور باطنوں نے ان کی عصمت و بے گناہی کے دامن پر اپنے وہم ونادانی سے داغ لگائے تھے، ان کو دھو کر پاک وصاف کیا، اور یہ رسالت محمدی ﷺ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

خود انجیل کے طرز سے ظاہر تھا کہ حضرت عیسیٰ احکام عشرہ کے برخلاف اپنی ماں کی عزت نہیں کرتے تھے، قرآن نے اس کی تردید کی، اور حضرت عیسیٰ کی زبان سے کہلوایا: ﴿وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا﴾

''اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرنے والا، اور مجھ کو خدا نے جبار اور بدبخت نہیں بنایا۔''

کیونکہ احکام عشرہ کے مطابق ماں باپ کا ادب نہ کرنا بدبختی تھی، اسی طرح موجودہ انجیل نے حضرت عیسیٰ پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ نماز وروزہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے، قرآن نے ان کی زبان سے کہلوایا: ﴿وَأَوْصَانِي بِالصَّلَوٰةِ وَالزَّكَوٰةِ مَادُمْتُ حَيًّا﴾ ''اور خدا نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں جیتا رہوں۔'' یہود حضرت مریمؑ پر تہمت رکھتے تھے، قرآن نے اس الزام کو دور کیا، اور کہا: ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ﴾ ''اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور اس نے اپنے پروردگار کی باتوں اور اس کی کتابوں کو سچ جانا، اور وہ بندگی کرنے والوں میں تھی۔''

وہم پرست یہود حضرت سلیمان کو گنڈہ تعویذ اور عملیات وغیرہ کا موجد سمجھتے تھے، حالانکہ سحر و جادو وغیرہ کو تورات میں شرک قرار دیا گیا تھا، قرآن نے علانیہ یہودیوں کے اس الزام کی تردید کی۔ ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾

''اور سلیمان نے کفر کا کام نہیں کیا، بلکہ شیطانوں نے کیا وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔'' اسی طرح حضرت لوطؑ پر بدکاری کا جو الزام یہود لگاتے ہیں اس کی تردید کی، اوپر گزر چکا ہے کہ قرآن نے یا آنحضرت ﷺ نے دنیا کے تمام پیغمبروں کے نام نہیں لیے ہیں کہ صرف ناموں کی فہرست یا نامعلوم اشخاص کے نام لے لینے سے دلوں میں جوش عقیدت نہیں پیدا ہوسکتا، تاہم معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی صدائے دعوت ایک دن دنیا کے کناروں تک پہنچے گی اور بہت سی غیر قومیں اور دوسرے انبیاء کی امتیں اس حلقہ میں داخل ہونگی، اور اپنے اپنے انبیاء کا نام ونشان صحیفہ محمدی ﷺ میں تلاش کریں گی، اس لیے ایک جامع آیت میں تمام انبیاء کا

تذکرہ کر دیا گیا اور ان کی صداقت کی پہچان بتا دی گئی فرمایا:

﴿اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ. وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا. وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْکَ ؕ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا. رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا﴾

''ہم نے (اے محمد) تمہارے پاس وحی بھیجی جس طرح نوح اور ان کے بعد کے پیغمبروں کے پاس بھیجی اور ہم نے ابراہیمؑ کو اور اسماعیلؑ کو اور اسحاقؑ کو اور یعقوبؑ کو اور ان کے خاندان کو اور عیسیٰؑ کو اور ایوبؑ کو اور یونسؑ کو اور ہارونؑ کو سلیمانؑ کو وحی بھیجی اور داؤدؑ کو زبور عطا کی اور دوسرے رسولوں کو بھیجا جن کا حال تم سے ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور ان رسولوں کو جن کا حال ہم نے تم سے بیان نہیں کیا، اور خدا نے موسیٰ سے بات کی، اور ان رسولوں کو خوشخبری سنانے والا ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا تاکہ لوگوں کو رسولوں کے آ جانے کے بعد خدا کے آگے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور خدا غالب ودانا ہے۔''

انبیاء کے متعلق یہی حقیقت سورۂ مؤمن میں دوبارہ بیان کی گئی ہے۔ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ﴾ ''اور ہم نے یقیناً تم سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے ان میں کچھ وہ ہیں جن کا حال تم سے بیان کیا ہے اور کچھ وہ ہیں جن کا حال تم سے بیان نہیں کیا۔''

تعلیماتِ محمدی کی انبیاء کرامؑ کے بارے میں وسعتِ نظری

تعلیم محمدی ﷺ کے اصول کے مطابق یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ دنیا کی بڑی قوموں اور ملکوں جیسے چین، ایران، ہندوستان میں بھی آنحضرت ﷺ سے پہلے خدا کے انبیاء مبعوث ہو چکے ہیں اور اس لیے یہ تمام قومیں اپنے جن بزرگوں کی عزت وعظمت کرتی ہیں اور اپنے دین ومذہب کی جن کی طرف منسوب کرتی ہیں ان کی صداقت اور راستبازی کا قطعی انکار کوئی

مسلمان نہیں کرسکتا، اسی بناء پر بعض علماء نے ہندوستان کے کرشن اور رام کو بلکہ ایران کے زردشت کو بھی اور بعض صاحبوں نے بودھ تک کو پیغمبر کہا ہے، بہرحال امکان میں تو شک ہی نہیں، لیکن یقین کے ساتھ ان ناموں کی تعیین بھی حد سے تجاوز ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن نے انبیاء کی دو قسمیں کی ہیں ایک وہ جن کے ناموں کی اس نے تصریح کی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام اس نے بیان نہیں کئے ہیں، اس لیے صحیح یہ ہے کہ جن انبیاء کے نام مذکور ہیں، تمام مسلمانوں کو ان پر نام بنام ایمان لانا چاہئیے، اور جن کے نام مذکور نہیں، معلوم ہیں وہ قومیں جن کا نام لیتی ہیں، اگر ان کی زندگی اور ان کی تعلیم نبوت اور رسالت کی شان کے مطابق ہیں، تو ان کی نبوت اور رسالت کی طرف رجحان اور میلان بلکہ قرینہ غالب ہوسکتا ہے، لیکن یقین اس لیے نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے پاس ان باتوں پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف وحی ہے، اور وہ اس تخصیص وتعیین سے خاموش ہے۔

اس قسم کے انبیاء کے نام گو قرآن میں مذکور نہیں، مگر وہ آنحضرت ﷺ کے پہلے گزر چکے ہیں، اور ان کے پیروان کو اپنے ہاں نبوت ورسالت کا درجہ دیتے ہیں، ان کی شناخت اور پہچان کا ایک اصول قرآن نے مقرر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی ہے۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾

''اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی پرستش کرو، اور جھوٹے معبود سے بچے رہو۔''

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ ''اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا لیکن اس کو یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں، مجھی کو پوجو۔''

اس لئے وہ تمام قدیم رہبران انسانی اور رہنما عالم جو دنیا میں کسی مذہب کو لائے، اور جن کی تبلیغ وتعلیم توحید کی دعوت اور بت پرستی سے اجتناب تھی، اور جن کی زندگی اس تعلیم کے شایانِ شان تھی، ان کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی قوم کے اور اپنے وقت کے رسول اور پیغمبر نہ تھے کہ اتنی بڑی بڑی قومیں خود قرآن کے اصول کے مطابق انبیاء اور رسولوں

کے وجود سے خالی نہیں رہ سکتی تھی، اسی بناء پر اسلام کی ان تلقینات میں سے جن کے تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا، ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمام ملکوں کے پیغمبروں اور تمام قوموں کے رسولوں کو جو حضرت خاتم النبیین ﷺ کے زمانہ سے پہلے پیدا ہوئے یکساں صداقت کے ساتھ تسلیم کرے، ان سب نے تمام دنیا کو ایک ہی تعلیم دی ہے اور وہ توحید ہے۔

البتہ انبیاءؑ میں سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے

البتہ ان انبیاء میں سے ایک کو دوسرے پر بعض بعض حیثیتوں سے ترجیح ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ. وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ. (سورۂ بقرہ)

"ان رسولوں میں سے ہم نے کسی کو کسی پر فضیلت دی، ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام کیا اور کسی کے بہت درجے بڑھائے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو نشانیاں دیں اور پاکی کی روح سے اس کی تائید کی۔"

آپ ﷺ نے دوسرے انبیاء کی جائز تعظیم وتکریم یہاں تک کی ہے کہ ان کے مقابلہ میں کبھی کبھی اپنی پستی بھی فراموش کردی ہے، ایک دفعہ ایک صحابی نے آپ کو یا خیر البدیہ، اے بہترین خلق کہہ کر خطاب کیا، فرمایا، وہ تو ابراہیم تھے۔ (بحوالہ مسندِ احمد)

ایک دفعہ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ سب سے عالی خاندان کون تھا؟ فرمایا: یوسف پیغمبر بن پیغمبر بن پیغمبر بن خلیل اللہ۔ (بخاری شریف)

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک یہودی مدینہ میں کہہ رہا تھا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو بشر پر فضیلت دی، ایک مسلمان یہ کھڑے سن رہے تھے، ان کو غصہ آ گیا کہ ہمارے پیغمبر کی موجودگی میں تم یہ کیا کہہ رہے ہو، اور اس کو ایک تھپڑ کھینچ مارا، اس نے دربار نبوی میں جا کر شکایت کی آپ ﷺ نے صحابی کو بلا بھیجا اور مقدمہ کی روداد سنی، پھر برہم ہو کر فرمایا کہ پیغمبروں میں باہم ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو یعنی ایسی فضیلت جس سے کسی دوسرے نبی کی تنقیص ہوتی ہو۔

یہی وہ تعلیمات محمدی ﷺ ہیں، جن کے ذریعہ سے دنیا میں وحدت مذاہب، روحانی مساوات، انسانی اخوت اور تمام انبیاء اور پیغمبروں کے ادب واحترام کے جذبات پیدا ہوئے، بنی اسرائیل کے وہ پیغمبر جن کو ماننے والے تمام دنیا میں چند لاکھ سے زیادہ نہ تھے، محمد رسول اللہ کے ذریعہ سے ان کی عظمت وجلالت اور ادب واحترام کرنے والے چالیس کروڑ سے زیادہ ہوگئے، وہ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ جو چھ سو برس تک یہودیوں کی جھوٹی تہمت سہتے رہے محمد رسول اللہ ﷺ نے آ کر دفعۃً اس کو مٹا دیا اور ان کی پاکی کی گواہی دی جس کی بدولت آج چالیس کروڑ زبانیں ان کی عصمت کی شہادت دے رہی ہیں، ہندوستان، ایران، چین جن کے سچے رہنماؤں کا ان کے ملک سے باہر کوئی ادب واحترام نہ تھا جہاں جہاں مسلمان گئے، ان کے جائز ادب واحترام کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔

وہ عرب جو پیغمبروں کے ناموں تک سے ناواقف تھے، جو نبوت ورسالت کے خصائص کے علم سے محروم تھے، جو انبیاء اور رسولوں کی سیرتوں سے ناآشنا تھے، جو ان کے ادب واحترام اور تصدیق واعتراف سے بیگانہ تھے، جن کو اپنے دیوتاؤں کے سامنے عیسیٰؑ بن مریم پر تحقیرانہ ہنسی آتی تھی، اور جو حضرت موسیٰ کی فضیلت کا ذکر سن کر اپنے غصہ کو ضبط نہیں کر سکتے تھے، محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے ان کا یہ حال ہوا کہ وہ ایک ایک پیغمبر کے نام ونشان اور تاریخ وسیرت سے واقف ہوگئے اور تبرکاً ان کے ناموں پر اپنی اولادوں کے نام رکھنے لگے، اور جو آج بھی تمام مسلمانوں میں شائع اور رائج ہیں، انہوں نے پیغمبروں کی صداقت اور سچائی کی گواہی دی، ان کے ادب واحترام کو اپنے سینوں میں جگہ دی، ان کی تعظیم وتکریم کو اپنے دین وایمان کا جزو بنالیا، دنیا کی کسی قوم میں یہ رواج نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے نام ادب سے لئے جائیں، مگر ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ جب کسی پیغمبر کا نام لے تو ادب سے لے اور ان پر درود وسلام پڑھے۔

(بحوالہ جستہ جستہ از سیرت النبی ﷺ جلد چہارم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۲۶

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھبیسویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا'' الحمد للہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے، اور اسی اللہ کی ذات سے امید بھی ہے کہ اس رحیم اللہ کے حکم سے میری اس کاوش کی بدولت میرے گناہوں کی بھی بخشش ہو جائے گی اور انشاء اللہ اللہ کی توفیق سے روز قیامت رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت بھی نصیب ہوگی، بس اسی امید پر باوجود لوگوں کے اژدھام ہونے کے آقا ﷺ کی محبت میں لکھ رہا ہوں زبان پر درود جاری ہے، اور جس قدر روضہ مبارک کے سائے میں درود پڑھتا ہوں ایمانی کیفیت میں اضافہ نظر آتا ہے اور قلم چلاتے ہوئے ایک روحانی سرور نصیب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی امتیازی، نمایاں اور عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف حضور ﷺ کو خاتم النبیین بنایا دیگر انبیاء کے بعد انبیاء اکرامؑ آتے رہے لیکن ہمارے نبی ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی آیا ہے اور نہ آئے گا اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں، جو بھی اس عقیدے میں لچک رکھے گا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، کیونکہ آپ ﷺ کی ختم نبوت کا عقیدہ ایمان کا جزو لاینفک ہے، جیسا کہ

آنے والے اوراق میں اس کی مکمل تفصیل پیش کی گئی ہے جس کے لئے ہم نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھا ہے، امید ہے کہ اگر دلجمعی اور توجہ کے ساتھ آنے والے مضامین کو پڑھ لیا گیا تو انشاء اللہ عقیدہ ختم نبوت اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا، اور دوسروں کو بھی سمجھانا آسان ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حضور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے عقیدے پر جمنے اور حضور ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضور ﷺ کی تعلیمات کو ساری دنیا میں عام کرنے کے لئے ہمیں اپنی جان، مال وقت لگانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

چھبیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

سرور دوعالم فخر بنی آدم آقائے دوجہاں نبی عالمین امام النبین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین حضرت سیدنا و مولانا وشفیعنا رسول اکرم آله واصحابه وازواجه وذریاته وسلم محض نبی ہی نہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں اور ختم کے معنی انتہا کر دینا اور کسی چیز کو انتہا تک پہنچا دینے کے ہیں اس لئے خاتم النبیین کے معنی نبوت کو انتہا تک پہنچا دینے کے ہوئے، اور کسی چیز کے انتہا تک پہنچ جانے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی آخری حد پر آجائے، کہ اس کے بعد کوئی اور درجہ باقی نہ رہے، جس تک وہ پہنچے اس لئے ختم نبوت کے معنی ہوئے کہ نبوت اپنے تمام درجات و مراتب کی آخری حد تک آگئی اور نبوت کا کوئی درجہ اور مرتبہ نہیں رہا، کہ جس تک وہ آئے اور اس کے لئے حرکت کر کے آگے بڑھے۔

اس سے ''خاتم النبیین'' کے حقیقی معنی یہ نکلے کہ خاتم پر نبوت اور کمالات نبوت تمام، مراتب پورے ہوگئے اور نبوت اپنے عملی اور اخلاقی کمالات مکمل کر کے ایسے انتہائی مقام پر آگئی کہ بشریت کے دائرے میں نہ علمی کمال کا کوئی حصہ باقی رہا نہ اخلاقی قدرروں کا کوئی مرتبہ کہ جس کے لئے نبوت خاتمیت لے کر آگے بڑھے، اور اس درجہ یا قدر

تک پہنچے۔

اس سے واضح ہوگیا کہ ختم نبوت کے معنی قطع نبوت وقطع رسالت کے نہیں کہ نبوت کی نعمت باقی نہ رہی، یا اس کی ضرورت کا وقت زائل ہوگیا، بلکہ تکمیل نبوت کے ہیں، جس کا حاصل یہ ہوا کہ خاتم النبیین رسولِ اکرم ﷺ کی ذات پر تمام کمالات نبوت اپنی انتہا تک پہنچ کر مکمل ہو گئے جو پچھلے انبیاءؑ تک نہ ہوئے تھے، اوراب جونبوت دنیا میں قائم ہے وہ خاتم کی انتہاء ہے، اس کامل نبوت ﷺ کے بعد کسی نئی نبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی نہ یہ کہ نبوت دنیا سے منقطع ہوگئی اور چھین لی گئی۔ معاذ اللہ

اس کا قدرتی ثمرہ یہ نکتہ ہے کہ نبوت جب سے شروع ہوئی اور جن کمالات کو لے کر شروع ہوئی اور آخر کار جس حد پر آکر رکی اور ختم ہوئی اس کے اول سے لیکر آخر تک جس قدر بھی کمالات دنیا میں وقتاً فوقتاً آئے اور طبقہ انبیاء میں سے کسی کو ملے وہ سب کے سب خاتم النبیین میں آکر جمع ہو گئے۔ جو خاتم سے پہلے اس کمال جامیت کے ساتھ کسی میں جمع نہیں ہوئے تھے، ورنہ جہاں یہ اجتماع ہوتا وہیں پر نبوت ختم ہو جاتی اور آگے بڑھ کر یہاں تک نہ پہنچتی، اس لئے خاتم النبیین کا جامع علوم نبوت جامع اخلاق نبوت، جامع احوال نبوت اور جامع جمیع شئون نبوت ہونا ضروری ٹھہرا جو غیر خاتم کے لئے نہیں ہوسکتا ورنہ وہی خاتم بن جاتا۔ اور ظاہر ہے کہ جب انہی کمالات علم وعمل پر شریعتوں کی بنیاد ہے جو اپنی انتہائی حدود کے ساتھ خاتم النبیین میں جمع ہوکر اپنے آخری کنارے پر پہنچ گئے جن کا کوئی درجہ باقی نہ رہا کہ اسے پہنچانے کے لئے خدا کا کوئی اور نبی آئے تو اس کا صاف مطلب یہ نکلا کہ شریعت ودین بھی آکر خاتم پر ختم یعنی مکمل ہوگیا، اور شریعت دین کا بھی کوئی تکمیل طلب حصہ باقی نہیں رہا کہ اسے پہنچانے اور مکمل کرنے کے لئے کسی اور نبی کو دنیا میں بھیجا جائے۔

اس لئے خاتم النبیین کے لئے خاتم الشرائع خاتم الادیان اور خاتم الکتب یا بالفاظ دیگر کامل الشریعت وکامل الدین اور کامل ہونا بھی ضروری اور قدرتی نکلا ورنہ ختم نبوت کے کوئی معنی ہی نہیں ہوسکتے تھے اور ظاہر ہے کہ کامل ہی ناقص کے لئے ناسخ بن سکتا ہے نہ کہ

برعکس، اس لئے شریعتِ محمدی ﷺ بوجہ اپنے انتہائی کمال اور نا قابل تغیر ہونے کے سابقہ شرح کو منسوخ کرنے کی حقدار ٹھہرتی ہے اور ظاہر ہے کہ ناسخ آخر میں آتا ہے اور منسوخ اس سے مقدم ہوتا ہے۔

اس لئے اس شریعت کا آخر میں آنا اور اس کے لانے والے کا سب کے آخر میں مبعوث ہونا بھی ضروری تھا، اس لئے خاتم النبیین ہونے کے ساتھ آخر النبیین بھی ثابت ہوئے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا زمانہ سارے انبیاءؑ کے زمانوں کے بعد میں ہو کیوں کہ آخری عدالت جو ابتدائی عدالت کے فیصلوں کو منسوخ کرتی ہے آخر ہی میں رکھی جاتی ہے۔

پھر ساتھ ہی جب خاتم النبیین کے معنی منتہائے کمالات نبوت کے ہوئے کہ رسولِ اکرم ﷺ ہی پر آ کر ہر کمال ختم جاتا ہے تو یہ ایک طبعی اصول ہے جو وصف کسی پر ختم ہو جاتا ہے تو اسی سے شروع بھی ہوتا ہے جو کسی چیز کا منتہا ہوتا ہے وہی اس کا مبدأ بھی ہوتا ہے اور جو شئے کسی کے حق میں خاتم یعنی مکمل ہوتا ہے وہی اس کے حق میں فاتح اور سرچشمہ بھی ہوتا ہے، ہم سورج کو کہیں کہ وہ خاتم الانوار ہے۔ جس پر نور کے تمام مراتب ختم ہو جاتے ہیں، تو قدرتاً اسی کو سرچشمہ انوار بھی ماننا پڑے گا۔

اس لئے روشنی کے حق میں سورج کو ختم کہہ کر فاتح بھی کہنا پڑے گا یا جیسے کسی بستی کے واٹر ورکس کو ہم خاتم المیاہ (پانیوں کی آخری حد) کہیں جس میں شہر کے سارے نلوں اور ٹینکوں کے پانیوں کی انتہا ہو جاتی ہے، تو اسی کو ان پانیوں کا سرچشمہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ پانی چلا بھی یہیں سے ہے۔ جو نلوں اور ٹینکیوں میں پانی آیا، اور جس کو بھی پانی ملا اس کے فیض سے ملا ہے۔

پس وجود کے حق میں ذات خداوندی ہی اول و آخر اور مبتداء منتہا ثابت ہوئی ہے، ٹھیک اسی طرح جبکہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا "خاتم النبیین" ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہوا اور اس کے معنی بھی واضح ہو گئے کہ نبوت اور کمالات نبوت رسولِ اکرم ﷺ ہی پر پہنچ کر ختم ہو گئے اور رسولِ اکرم ﷺ ہی کمالات علم کے منتہاء ہوئے تو اصولِ مذکورہ کی رو سے رسولِ

اکرم ﷺ ہی کو ان کمالات بشری کا مبداء اور سرچشمہ بھی ماننا پڑے گا کہ رسولِ اکرم ﷺ ہی سے ان کمالات کا افتتاح اور آغاز بھی ہوئے اور جسے بھی نبوت یا کمالات نبوت کا کوئی کرشمہ ملا وہ رسولِ اکرم ﷺ ہی کے واسطے اور فیض سے ملا۔

اصول مذکورہ کی رو سے دائرہ نبوت میں جب جنابِ رسولِ اکرم ﷺ خاتم نبوت ہوئے تو رسولِ اکرم ﷺ ہی فاتح نبوت ہوئے، اگر نبوت رسولِ اکرم ﷺ پر رکی اور منتہی ہوئی تو آپ ﷺ ہی سے یقیناً چلی بھی اور شروع بھی ہوئی اس لئے آپ ﷺ نبوت کے خاتم بھی ہیں، اور آپ ﷺ ہی نبوت کے فاتح بھی ہیں۔ آپ ﷺ اخیر میں بھی ہیں اور اول میں بھی ہیں۔ ﴿انی عبد اللّٰہ و خاتم النبین.﴾ (البیہقی والحاکم)

اور میں اللہ کا بندہ اور خاتم النبیّن ہوں۔ جہاں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے نبوت کو ایک قصر سے تشبیہ دے کر اپنے کو اس کی آخری اینٹ بتایا جس پر اس عظیم الشان قصر کی تکمیل ہوگئی۔ فانا سددت موضع اللبنة وختم بی اللبنات وختم بی الرسله (کنز العمال)

"پس میں نے ہی قصر نبوت کی آخری اینٹ کی جگہ کو پر کیا ہے۔ اور مجھ پر ہی یہ قصر مکمل کر دیا گیا۔ اور مجھ ہی پر رسول ختم کر دیئے گئے، کہ میرے بعد اب کوئی رسول آنے والا نہیں۔" وہیں رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے کو قصر نبوت کی اولین خشت اور سب سے پہلی اینٹ بھی بتلایا، فرمایا: ﴿کنت نبیا و الأدم بَینَ الرُّوحِ و الجَسَدِ﴾ "میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور بدن ہی کے درمیان تھے۔"

چنانچہ ایک روایت میں اس فاتحیت اور خاتمیت کو ایک جگہ جمع فرماتے ہوئے ارشاد ہوا (جو حدیث قتادہ کا ایک ٹکڑا ہے) کہ: ﴿جعلنی فاتحا و خاتما. (خصائص کبریٰ)

"اور مجھے اللہ تعالیٰ نے فاتح بھی بنایا اور خاتم بھی۔"

پھر چونکہ خاتم ہونے کے لئے اول و آخر ہونا بھی لازم تھا تو حدیث ذیل میں اسے بھی واضح فرما دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو رسولِ اکرم ﷺ کا نور دکھلاتے ہوئے بطور تعارف کہا گیا کہ ھذا ابنک احمد ھو الاول والآخر (کنز العمال)

"یہ تمہارا بیٹا احمد ہے جو (نبوت میں) اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔"

پھر حدیث ابو ہریرہؓ میں اس اولیت و آخریت جیسی اضداد کے جمع ہونے کی نوعیت پر روشنی ڈالی گئی کہ کنت اول النبیین فی الخلق واخر ھم فی البعث (ابونعیم فی الدلائل)

"میں نبیوں میں سب سے پہلا ہوں بلحاظ پیدائش کے اور سب سے پچھلا ہوں بلحاظ بعثت کے۔" اندریں صورت یہاں یہ ماننا پڑے گا جو کمال بھی کسی نبی میں تھا وہ بلاشبہ رسولِ اکرم ﷺ میں بھی تھا، وہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ رسولِ اکرم ﷺ میں وہ کمال سب سے پہلے تھا اور سب سے بڑھ چڑھ کر تھا، اور امتیاز فضیلت کی انتہائی شان لئے ہوئے تھا اور یہ کہ وہ کمال آپ ﷺ میں اصل تھا اور اوروں میں آپ ﷺ کے واسطہ سے تھا۔

پس رسولِ اکرم ﷺ جامع کمالات ہی نہیں بلکہ خاتم کمالات اور خاتم کمالات ہی نہیں بلکہ فاتح کمالات اور سر چشمہ کمالات اور فاتح کمالات ہی نہیں بلکہ منتہائے کمالات اور منتہائے کمالات ہی نہیں بلکہ اعلی الکمالات اور افضل الکمالات ثابت ہوئے کہ رسولِ اکرم ﷺ میں کمال ہی نہیں بلکہ کمال کا آخری اور انتہائی نقطہ ہے۔ جس کے فیض سے اگلے اور پچھلے با کمال بنے۔ پس اول مخلوق یعنی اول ماخلق اللہ نوری کا مصداق، نورِ الٰہی کا جو نقش کامل اپنی استعداد کامل سے قبول کر سکتا ہے اس کی توقع بالواسطہ اور ثانوی نقوش سے اثر لینے والوں سے نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ جناب رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے۔ جو کہ کمالات انبیاء سابقین کو الگ الگ دیئے گئے، وہ سب کے سب اکٹھے کر کے اور ساتھ ہی اپنے انتہائی اور فائق مقام کے ساتھ جناب رسولِ اکرم ﷺ کو عطا کئے گئے۔ اور جو جناب رسولِ اکرم ﷺ میں مخصوص کمالات ہیں وہ الگ ہیں۔ (جستہ جستہ از بحوالہ دینی دسترخوان جلد اول)

ختمِ نبوت سے متعلق ایک حدیث کی وضاحت

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "میری اور دوسرے تمام

انبیاءؑ کی مثال اس محل کی سی ہے جس کے درودیوار نہایت شاندار اور عمدہ ہوں، لیکن اس دیوار میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی ہو اور جب لوگ اس محل کے گرد پھر کر عمارت کو دیکھیں تو عمارت کی شان وشوکت اور درودیوار کی خوشنمائی انہیں حیرت میں ڈال دے مگر ایک اینٹ کے بقدر اس خالی جگہ کو دیکھ کر انہیں سخت تعجب ہو پس میں اس اینٹ کی جگہ کو بھرنے والا ہوں اس عمارت کی تکمیل میری ذات سے ہے اور انبیاء ورسل کے سلسلہ کا اختتام مجھ پر ہو گیا ہے۔'' اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: ''پس میں ہی وہ اینٹ ہوں (جس کی جگہ خالی رکھی گئی تھی) اور میں ہی نبیوں کے سلسلہ کو پایۂ اختتام تک پہنچانے والا ہوں۔''

تشریح...... یہ حدیث رسول اکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے دنیا میں اپنے رسول اور نبی بھیجنے کا جو سلسلہ انسان اول حضرت آدمؑ سے شروع کیا تھا وہ رسول اکرم ﷺ پر آ کر ختم ہو گیا، رسول اکرم ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی اور رسول اس دنیا میں آیا ہے اور نہ کبھی آئندہ آئے گا۔

اسی حقیقت کو جناب رسول اکرم ﷺ نے بڑے نفسیاتی طریقہ سے ایک مثال کے ذریعہ فرمایا کہ: ''مجھ سے پہلے دنیا میں جتنے اور رسول آئے، اور وہ خدا کی طرف سے جو شریعت، آئین ہدایت، علم ودین اور پیغام واحکام لائے ان کے مجموعہ کو ایک ایسا محل تصور کرو جو نہایت شاندار مضبوط اور پختہ اور دیدہ زیب ہو، لیکن اس کی دیوار میں ایک اینٹ کے برابر خالی جگہ چھوڑ دی گئی ہو اور خالی جگہ کسی ایسے شخص کی منتظر ہو جو آ کر اس کو پر کر دے اور اس خالی جگہ کے نقش کو پورا کر کے محل کی تعمیر کا سلسلہ ختم کر دے۔''

پس رسول اکرم ﷺ کے آنے سے پہلے آنے والے انبیاءؑ کی بعثت، ان کی لائی ہوئی شریعت وہدایت اور ان کے تبلیغ وارشاد کے ذریعہ دین کا محل گویا تیار ہو چکا تھا، لیکن کچھ کسر باقی رہ گئی تھی، اور وہ کسر ہمارے رسول اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ سے پوری ہو گئی ہے، اور اب نہ خدا کا دین ناقص ہے، اور نہ شریعت حقہ غیر مکمل ہے، اور نہ ہی کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی رہ گئی ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

ختم نبوت کا معنی ومطلب اور عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت

اب ذیل میں ہم قرآن وحدیث کی روشنی میں ختم نبوت کا معنی اور عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت کو پیش کر رہے ہیں، جس کے لئے ہم نے اپنے اکابرین کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے خصوصاً مناظر ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب کی کتاب ''آئینہ قادیانیت'' سے استفادہ کیا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے سلسلۂ نبوت کی ابتدا سیدنا آدمؑ سے فرمائی اور اس کی انتہا رسولِ اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر فرمائی، آپ ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی، آپ ﷺ آخر الانبیاء ہیں، آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا، اس عقیدہ کو شریعت کی اصطلاح میں عقیدہ ختم نبوت کہا جاتا ہے۔

عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت

ختم نبوت کا عقیدہ ان اجماعی عقائد میں سے ہے جو اسلام کے اصول اور ضروریات دین میں شمار کیے گئے ہیں، اور عہد نبوت سے لے کر اس وقت تک ہر مسلمان اس پر ایمان رکھتا آیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ بلا کسی تاویل اور تخصیص کے خاتم النبیین ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید کی ایک سو آیات کریمہ اور آپ ﷺ کی احادیث متواترہ (دو سو دس احادیث مبارکہ) سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر منعقد ہوا۔

چنانچہ امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اپنی آخری کتاب ''خاتم النبیین'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''واول اجماعے کہ دریں امت منعقد شدہ اجماع بر قتل مسیمہ کذاب بودہ کہ بسبب دعویٰ نبوت بود، شنائع دگروے صحابہؓ را بعد قتل وے معلوم شدہ، چنانکہ ابن خلدون آوردہ سپس اجماع بلا فصل قرناً بعد قرن بر کفر وارتداد وقتل مدعی نبوت ماندہ وہیچ تفصیلے از بحث

نبوت تشریعیہ وغیرہ تشریعیہ نبودہ۔''

ترجمہ:......''اور سب سے پہلا اجماع جو اس امت میں منعقد ہوا وہ مسیلمہ کذاب کے قتل پر اجماع تھا، جس کا سبب صرف اس کا دعویٰ نبوت تھا، اس کی دیگر گھناؤنی حرکات کا علم صحابہ کرامؓ کو اس کے قتل کے بعد ہوا تھا، جیسا کہ ابن خلدون نے نقل کیا ہے، اس کے بعد قرناً بعد قرنٍ مدعی نبوت کے کفر وارتداد اور قتل پر ہمیشہ اجماع بلافصل رہا ہے اور نبوت تشریعیہ یا غیر تشریعیہ کی کوئی تفصیل کبھی زیر بحث نہیں آئی۔'' (خاتم النبیین ص:۶۷ ترجمہ ص:۱۹۷)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے اپنی تصنیف ''مسک الختام فی ختم نبوۃ سید الانامؐ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ: امت محمدیہ (ﷺ) میں سب سے پہلے اجماع جو ہوا، وہ اسی مسلئہ پر ہوا کہ مدعی نبوت کو قتل کیا جائے۔'' (احتساب قادیانیت ج:۲)

رسولِ اکرم ﷺ کے زمانہ حیات میں اسلام کے تحافظ ودفاع کے لئے جنگیں لڑی گئیں، ان میں شہید ہونے والے صحابہ کرامؓ کی کل تعداد ۲۵۹ ہے (رحمۃ للعالمین ج:۲ قاضی منصور پوریؒ)

اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ ودفاع کے لئے اسلام کی تاریخ میں پہلی جنگ جو سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں لڑی گئی، اس ایک جنگ میں شہید ہونے والے صحابہؓ اور تابعین کی تعداد بارہ سو ہے۔ (جن میں سے سات سو قرآن مجید کے حافظ وعالم تھے۔) (ختم نبوت کامل)

رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی کی کل کمائی اور گراں قدر اثاثہ حضرات صحابہ کرامؓ ہیں، جن کی بڑی تعداد اس عقیدہ کے تحفظ کے لئے جام شہادت نوش کرگئی۔ اس سے ختم نبوت کے عقیدہ کی عظمت کا اندازہ ہوسکتا ہے، انہی حضرات صحابہ کرامؓ میں سے ایک صحابی حضرت حبیب بن زید انصاری خزرجیؓ کی شہادت کا واقعہ ملاحظہ ہو:

''حضرت حبیب بن زید انصاریؓ کو رسولِ اکرم ﷺ نے یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ کے مسیلمہ کذاب کی طرف بھیجا، مسیلمہ کذاب نے حضرت حبیبؓ سے کہا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ حضرت حبیب نے فرمایا: ''ہاں!......'' مسیلمہ نے کہا کہ کیا تم

اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں (مسیلمہ) بھی اللہ کا رسول ہوں؟ حضرت حبیب نے جواب میں فرمایا کہ: "میں بہرہ ہوں یہ تیری بات نہیں سن سکتا۔" مسیلمہ بار بار سوال کرتا رہا، وہ یہی جواب دیتے رہے اور مسیلمہ ان کا ایک ایک عضو کاٹتا رہا حتی کہ حبیبؓ بن زید کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو شہید کر دیا گیا۔"

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسئلہ ختم نبوت کی عظمت واہمیت سے کس طرح والہانہ تعلق رکھتے تھے۔ اب حضرات تابعینؒ میں سے ایک تابعیؒ کا واقعہ بھی ملاحظہ ہو:۔

حضرت ابو مسلم خولانیؒ جن کا نام عبداللہ بن ثوبؒ ہے اور یہ امت محمدیہؐ (علی صاحبہا السلام) کے وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کو اسی طرح بے اثر فرمادیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتش نمرود کو گلزر بنادیا تھا۔ یہ یمن میں پیدا ہوئے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری کا موقع نہیں ملا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری دور میں یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویدار اسود عنسی پیدا ہوا، جو لوگوں کو اپنی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے پر مجبور کرتا تھا، اسی دوران اس نے حضرت ابو مسلم خولانیؒ کو پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی، حضرت ابو مسلمؒ نے انکار کیا پھر اس نے پوچھا کہ کیا تم محمد (ﷺ) کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ حضرت ابو مسلمؒ نے فرمایا: "ہاں!......"

اس پر اسود نے ایک خوفناک آگ دہکائی اور حضرت ابو مسلمؒ کو اس آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آگ کو بے اثر فرمادیا، اور وہ اس سے صحیح سلامت نکل آئے۔ یہ واقعہ اتنا عجیب تھا کہ اسود عنسی اور اس کے رفقا پر ہیبت سی طاری ہوگئی اور اسود کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ ان کو جلاوطن کرو، ورنہ خطرہ ہے کہ ان کی وجہ سے تمہارے پیروؤں کے ایمان میں تزلزل آجائے۔

چنانچہ انہیں یمن سے جلاوطن کر دیا گیا، یمن سے نکل کر ایک ہی جائے پناہ تھی، یعنی

مدینہ منورہ، چنانچہ یہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلے، لیکن جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آفتاب رسالت (ﷺ) روپوش ہو چکا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ وصال پا چکے تھے، اور حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ بن چکے تھے، انہوں نے اپنی اونٹنی مسجد نبویؐ کے دروازے کے پاس بٹھائی اور اندر آکر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کردی، وہاں حضرت عمرؓ موجود تھے۔ انہوں نے ایک اجنبی مسافر کو نماز پڑھتے دیکھا تو ان کے پاس آئے اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو ان سے پوچھا: آپ کہاں سے آئے ہیں؟...... یمن سے، حضرت ابو مسلم نے جواب دیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: ''اللہ کے دشمن (اسود عنسی) نے ہمارے ایک دوست کو آگ میں ڈال دیا تھا۔ اور آگ نے ان پر کچھ اثر نہیں کیا تھا، بعد میں ان صاحب کے ساتھ اسود عنسی نے کیا معاملہ کیا تھا؟ حضرت ابو مسلمؒ نے فرمایا: ان کا نام عبداللہ بن ثوب ہے۔ اتنی دیر میں حضرت عمرؓ کی فراست اپنا کام کر چکی تھی، انہوں نے فوراً فرمایا: میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ ہی وہ صاحب ہیں؟ حضرت ابو مسلم خولانیؒ نے جواب دیا: ''جی ہاں! حضرت عمر فاروقؓ نے یہ سن کر فرط مسرت و محبت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور انہیں لے کر حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں پہنچے، انہیں صدیق اکبرؓ کے اور اپنے درمیان بٹھایا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، کہ اس نے مجھے موت سے پہلے امت محمدیہؐ کے اس شخص کی زیارت کرادی، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) جیسا معاملہ فرمایا تھا۔'' (تاریخ ابن عساکر و ترجمان السنہ ج:۴)

منصب ختم نبوت کا اعزاز

قرآن مجید میں ذات باری تعالیٰ کے متعلق ''رب العالمین'' رسولِ اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے لئے ''رحمۃ للعالمین'' قرآن مجید کے لئے ''ذکر للعالمین'' اور بیت اللہ شریف کے لئے ''ھدً للعالمین'' فرمایا گیا ہے۔'' اس سے جہاں رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کی آفاقیت و عالمگیریت ثابت ہوتی ہے، وہاں رسولِ اکرم ﷺ کے وصف ختم کا

اختصاص بھی آپ ﷺ کی ذات اقدس کے لئے ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے علاقہ، مخصوص قوم اور مخصوص وقت کے لئے تشریف لائے، جب رسولِ اکرم ﷺ تشریف لائے تو حق تعالیٰ نے کل کائنات کو رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کے لئے ایک اکائی (ون یونٹ) بنادیا۔

جس طرح کل کائنات کے لئے اللہ تعالیٰ "رب" ہیں، اسی طرح کل کائنات کے لئے جنابِ آپ ﷺ "نبی" ہیں۔ یہ صرف اور صرف جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا اعزاز واختصاص ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے لئے جن چھ خصوصیات کا ذکر فرمایا ان میں سے ایک یہ بھی ہے: ﴿ارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیون﴾ "میں تمام مخلوق کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کردیا گیا۔" (مشکوٰۃ)

رسولِ اکرم ﷺ آخری نبی ہیں، آپ ﷺ کی امت آخری امت ہے، آپ ﷺ کا قبلہ آخری قبلہ (بیت اللہ شریف) ہے، آپ ﷺ پر نازل شدہ آخری کتاب ہے، یہ سب آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ منصب ختم کے اختصاص کے تقاضے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے پورے کردیئے۔

چنانچہ قرآن مجید کو ذکر للعالمین اور بیت اللہ شریف کو ھدی للعالمین کا اعزاز بھی رسولِ اکرم ﷺ کی ختم نبوت کے صدقے میں ملا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی امت آخری امت قرار پائی جیسا کہ ارشادِ نبویؐ ہے: "انا آخر الا نبیاً وانتم آخر الامم." (ابن ماجہ)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب خصائص الکبریٰ میں رسولِ اکرم ﷺ کا خاتم النبیین ہونا، آپ ﷺ ہی کی خصوصیت قرار دیا ہے۔ (خصائص الکبریٰ ج:۲)

اسی طرح امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ﴿وخاتم بودن رسولِ اکرم ﷺ ان میان انبیاء از بعض خصائص وکمالات مخصوصہ کمال ذاتی خوداست۔﴾

(خاتم النبیین فارسی)

"اور انبیاءؑ میں رسولِ اکرم ﷺ کا خاتم ہونا، رسولِ اکرم ﷺ کے مخصوص فضائل میں

سے خود رسول اکرم ﷺ کا اپنا ذاتی کمال ہے۔" (خاتم النبیین اردو)

آیت خاتم النبیین کی تفسیر

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا.﴾ (سورۂ احزاب: ۴۰)

ترجمہ:...... "محمد ﷺ باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا۔"

آیت خاتم النبیین کا شان نزول

اس آیت شریفہ کا شان نزول یہ ہے کہ آفتاب نبوت (ﷺ) کے طلوع ہونے سے پہلے تمام عرب جن رسومات میں مبتلا تھے ان میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ متبنیٰ یعنی لے پالک بیٹے کو تمام احکام واحوال میں حقیقی اور نسبی بیٹا سمجھتے تھے، اس کو بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور مرنے کے بعد شریک وراثت ہونے میں اور رشتے ناطے اور حلت وحرمت کے تمام احکام میں حقیقی بیٹا قرار دیتے تھے۔ جس طرح نسبی بیٹے کے مرجانے یا طلاق دینے کے بعد باپ کے لئے بیٹے سے نکاح حرام ہے، اسی طرح وہ لے پالک کی بیوی سے بھی اس کے مرنے اور طلاق دینے کے بعد نکاح کو حرام سمجھتے تھے۔ یہ رسم بہت سے مفاسد پر مشتمل تھی: نسب، غیر وارث شرعی کو اپنی طرف سے وارث بنانا، ایک شرعی حلال کو اپنی طرف سے حرام قرار دینا وغیرہ وغیرہ۔

اسلام جو کہ دنیا میں اسی لئے آیا ہے کہ کفر وضلالت کی بے ہودہ رسوم سے عالم کو پاک کرے۔ اس کا فرض تھا کہ اس رسم کے استیصال (جڑ سے اکھاڑنے) کی فکر کرتا، چنانچہ اس نے اس کے لئے دو طریقے اختیار کئے، ایک طریقہ قولی اور دوسرا طریقہ عملی ہے۔ ایک تو یہ اعلان فرمادیا کہ: وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ. (سورۂ احزاب)

''اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے، یہ تمہاری بات ہے اپنے منہ کی اور اللہ کہتا ہے ٹھیک اور بات وہی سمجھاتا ہے راہ، پکارو لے پالکوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے، یہی پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں۔

اصل مدعا تو یہ تھا کہ شرکتِ نسب اور شرکتِ وراثت اور احکام وحرمت وغیرہ میں اس کو بیٹا نہ سمجھا جائے، لیکن اس خیال کو بالکل باطل کرنے کے لئے یہ حکم دیا کہ متبنیٰ یعنی لے پالک بنانے کی رسم ہی توڑ دی جائے۔

چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ لے پالک کو اس کے باپ کے نام سے پکارو، نزولِ وحی سے پہلے رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارث کو (جو کہ رسولِ اکرم ﷺ کے غلام تھے) آزاد فرما کر متبنیٰ (لے پالک بیٹا) بنایا تھا اور تمام لوگ یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ بھی عرب کی قدیم رسم کے مطابق ان کو ''زید بن محمدؐ'' کہہ کر پکارا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی اس وقت سے ہم نے اس طریقے کو چھوڑ کر ان کو ''زید بن حارث'' کہنا شروع کیا۔

صحابہ کرامؓ اس آیت کے نازل ہوتے ہی اس رسمِ قدیم کو خیر باد کہہ چکے تھے، لیکن چونکہ کسی رائج شدہ رسم کے خلاف کرنے میں اعزہ واقارب اور اپنی قوم وقبیلہ کے ہزاروں طعن وتشنیع کا نشانہ بننا پڑتا ہے، جس کا تحمل ہر شخص کو دشوار ہے، اس لئے خداوند عالم نے چاہا کہ اس عقیدہ کو اپنے رسول ﷺ ہی کے ہاتھوں توڑا جائے۔

چنانچہ حضرت زیدؓ نے اپنی بی بی زینبؓ کو باہمی ناچاقی کی وجہ سے طلاق دے دی تو خداوند عالم نے اپنے رسول ﷺ کا نکاح اس سے کر دیا۔ ''زوجنکھا''۔ تاکہ اس رسم وعقیدہ کا کلیۃً استیصال ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوا: ''فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ'' (احزاب)

''پس جبکہ زید (رضی اللہ عنہ) زینبؓ سے طلاق دے کر فارغ ہو گئے تو ہم نے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا، تاکہ مسلمانوں پر اپنے لے پالک کی بیبیوں کے بارے

میں کوئی تنگی واقع نہ ہو۔" ادھر رسولِ اکرم ﷺ کا نکاح حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) سے ہوا، ادھر جیسا کہ پہلے ہی خیال تھا، تمام کفارِ عرب میں شور مچا کہ لو اس نبی (ﷺ) کو دیکھو کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر بیٹھے۔ ان لوگوں کے طعنوں اور اعتراضات کے جواب میں آسمان سے یہ آیت نازل ہوئی، یعنی: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (سورۂ احزاب: ۴۰)

"محمد (ﷺ) باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔" اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ رسولِ اکرم ﷺ کسی مرد کے نسبی باپ نہیں تو حضرت زیدؓ کے نسبی باپ بھی نہ ہوئے، لہٰذا رسولِ اکرم ﷺ کا ان کی سابقہ بی بی سے نکاح کر لینا بلاشبہ جائز اور مستحسن ہے، اور اس بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کو مطعون کرنا سراسر نادانی اور حماقت ہے۔ ان کے دعوے کے رد کے لئے اتنا ہی کہہ دینا کافی تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ حضرت زیدؓ کے باپ نہیں، لیکن خداوند عالم نے ان کے مطاعن کو مبالغہ کے ساتھ رد کرنے اور بے اصل ثابت کرنے کے لئے اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا کہ یہی نہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ زیدؓ کے باپ نہیں بلکہ رسولِ اکرم ﷺ تو کسی مرد کے بھی باپ نہیں۔

پس ایک ایسی ذات پر جس کا کوئی بیٹا ہی موجود نہیں یہ الزام لگانا کہ اس نے اپنے بیٹے کی بی بی سے نکاح کر لیا کس قدر کجروی ہے، رسولِ اکرم ﷺ کے تمام فرزندان بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے، ان کو مرد کہے جانے کی نوبت ہی نہیں آئی آیت میں "رجالکم" کی قید اسی لئے بڑھائی گئی ہے۔ بالجملہ اس آیت کے نزول کی غرض رسولِ اکرم ﷺ سے کفار منافقین کے اعتراضات کا جواب دینا اور رسولِ اکرم ﷺ کی برأت اور عظمت شان بیان فرمانا ہے اور یہی آیت کا شانِ نزول ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ "لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔"

خاتم النبیین کی قرآنی تفسیر

اب سب سے پہلے قرآن مجید کی رو سے اس کا ترجمہ وتفسیر کیا جانا چاہئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ ''ختم'' کے مادہ کا قرآن مجید میں سات مقامات پر استعمال ہوا ہے۔

ا:......﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ﴾ (سورۂ بقرہ:۷)

''مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر۔''

۲:......﴿خَتَمَ عَلٰى قُلُوبِكُمْ﴾ (سورۂ انعام:۴۶)

''مہر کر دی تمہارے دلوں پر۔''

۳:......﴿خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وقَلْبِهٖ﴾ (سورۂ جاثیہ:۲۳)

''مہر کر دی ان کے کان پر اور دل پر۔''

۴:......﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى أَفْوَاهِهِمْ﴾ (سورۂ یٰسین:۶۵)

''آج ہم مہر لگائیں گے ان کے منہ پر۔''

۵:......﴿فَإِنْ يَّشَإِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ (سورۂ شوریٰ:۲۴)

''سو اگر اللہ چاہے مہر کرے تیرے دل پر۔''

۶:......﴿رَحِيقٍ مَّخْتُومٍ﴾ (سورۂ مطففین:۲۵)

''مہر لگی ہوئی خالص شراب۔''

۷:......﴿خِتٰمُهٗ مِسْكٌ﴾ (سورۂ مطففین:۲۶)

''جس کی مہر جمتی ہے مشک پر۔''

ان ساتوں مقام کے اول وآخر، سیاق وسباق کو دیکھ لیں ''ختم'' کے مادہ کا لفظ جہاں بھی استعمال ہوا ہے۔ ان تمام مقامات پر قدر مشترک یہ ہے کہ کسی چیز کو ایسے طور پر بند کرنا اور اس کی ایسی بندش کرنا کہ باہر سے کوئی چیز اس میں داخل نہ ہو سکے، اور اندر سے کوئی چیز اس سے باہر نہ نکالی جا سکے، وہاں پر ''ختم'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، مثلاً پہلی آیت کو دیکھیں

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے دلوں پر مہر لگادی، کیا معنی؟ کہ کفران کے دلوں سے باہر نہیں نکل سکتا اور باہر سے ایمان ان کے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوسکتا۔ فرمایا: "**ختم اللّٰہ علی قلوبھم**" اب زیرِ بحث آیت خاتم النبیین کا اس قرآنی تفسیر کے اعتبار سے ترجمہ کریں تو اس کا معنی ہوگا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی آمد پر حق تعالیٰ نے انبیاءؑ کے سلسلہ پر ایسے طور پر بندش کردی، بند کردیا، مہر لگادی کہ اب کسی کو نہ اس سلسلہ سے نکالا جاسکتا ہے اور نہ کسی نئے شخص کو سلسلۂ نبوت میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ "**فھو المقصود**" لیکن قادیانی اس ترجمہ کو نہیں مانتے۔

خاتم النبیین کی نبوی تفسیر

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے، ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں۔" اس حدیث شریف میں حضور ﷺ نے لفظ "خَاتَمُ النَّبِیِّیْن" کی تفسیر "لَانَبِیَّ بَعْدِی" کے ساتھ خود فرمادی۔

اسی لئے حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت چند احادیث نقل کرنے کے بعد آٹھ سطر پر مشتمل نہایت ایمان افروز ارشاد فرماتے ہیں کہ: "اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور آپ ﷺ نے حدیث متواتر کے ذریعہ خبر دی کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تاکہ لوگوں کو معلوم رہے کہ آپ ﷺ کے بعد جس نے بھی اس مقام (یعنی نبوت) کا دعویٰ کیا وہ بہت جھوٹا، بہت بڑا افترا پرداز، بڑا ہی مکار اور فریبی، خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہوگا، اگرچہ وہ خوارقِ عادات اور شعبدہ بازی دکھائے اور مختلف قسم کے جادو اور طلسماتی کرشموں کا مظاہرہ کرے۔"

خاتم النبیین کی تفسیر صحابہ کرامؓ سے

حضرات صحابہ کرامؓ وتابعین کا مسئلہ ختم نبوت سے متعلق کیا موقف تھا؟ خاتم النبیین

کا ان کے نزدیک کیا ترجمہ تھا؟ اس کے لئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ کی ''کتاب ختم نبوت کامل'' کے تیسرے حصہ کا مطالعہ فرمائیں۔ یہاں پر صرف دو تابعین کرامؒ کی آراٗ مبارک درج کی جاتی ہیں۔ امام ابو جعفر ابن طبرانی ؒ اپنی عظیم الشان تفسیر میں حضرت قتادہؒ سے خاتم النبیین کی تفسیر روایت فرماتے ہیں: ﴿عن قتادہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ای آخر ھم.﴾ (ابن جریر)

''حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آیت کی تفسیر میں فرمایا: اور لیکن آپ ﷺ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین یعنی آخر النبیین ہیں۔''

حضرت قتادہ کا یہ قول شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر درّ منثور میں عبدالرزاق اور عبد بن حمید ابن منذر اور ابن ابی حاتم سے بھی نقل کیا ہے۔ (درّ منثور)

اس قول نے بھی صاف وہی بتلا دیا جو ہم اوپر قرآن عزیز اور احادیث سے نقل کر چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین ہیں، کیا اس میں کہیں تشریعی غیر تشریعی اور بروزی وظلی وغیرہ کی کوئی تفصیل ہے؟ نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت ہی آیت مذکور میں ''ولکن نبیا خاتم النبیین'' ہے۔ جو خود اسی معنی کی طرف ہدایت کرتی ہے جو بیان کئے گئے، اور سیوطی نے درمنثور میں بحوالہ عبد بن حمید حضرت حسنؒ سے نقل کیا ہے: عن الحسن فی قولہ وخاتم النبیین قال ختم اللہ النبیین بمحمد ﷺ وکان آخر من بعث. (درمنثور)

''حضرت حسنؒ سے آیت خاتم النبیین کے بارے میں یہ تفسیر نقل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو رسول اکرم ﷺ پر ختم کر دیا اور رسول اکرم ﷺ ان رسولوں میں سے جو اللہ کی طرف سے مبعوث ہوئے آخری ٹھہرے۔'' کیا اس جیسی صراحتوں کے بعد بھی کسی شک یا تاویل کی گنجائش ہے؟ اور بروزی یا ظلی کی تاویل چل سکتی ہے؟

خاتم النبیین اور اصحاب لغت

خاتم النبیین ''ت'' کی زبر یا زیر سے ہو قرآن وحدیث کی تصریحات اور صحابہؓ و

تابعینؒ کی تفاسیر اور ائمہ سلف کی شہادتوں سے بھی قطع نظر کر لی جائے اور فیصلہ صرف لغت عرب پر رکھ دیا جائے تب بھی لغت عرب یہ فیصلہ دیتی ہے کہ آیت مذکور کی پہلی قرأت پر دو معنی ہو سکتے ہیں، آخر النبیین اور نبیوں کے ختم کرنے والے، اور دوسری قرأت پر ایک معنی ہو سکتے ہیں، آخر النبیین اور نبیوں کے ختم کرنے والے، اور دوسری قرأت پر ایک معنی ہو سکتے ہیں یعنی آخر النبیین۔

لیکن اگر حاصل معنی پر غور کیا جائے تو دونوں کا خلاصہ صرف ایک ہی نکلتا ہے اور بہ لحاظ مراد کہا جا سکتا ہے کہ دونوں قرأتوں پر آیت کے معنی لغتاً یہی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ سب انبیاءؑ کے آخر ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ تفسیر ''روح المعانی'' میں بتصریح موجود ہے: ﴿والخاتم اسم آلة لما يختم به كالطابع لما يطبع به فمعنى خاتم النبيين الذى ختم النبيون به وما له آخر النبيين﴾ (روح المعانی)

''اور خاتم بالفتح اس آلہ کا نام ہے جس سے مہر لگائی جائے، پس خاتم النبیین کے معنی یہ ہوں گے ''وہ شخص جس پر انبیاء علیہم السلام ختم کیے گئے'' اور اس معنی کا نتیجہ بھی یہی آخر النبیین ہے۔'' اور علامہ احمد معروف بہ ملا جیون صاحب نے اپنی تفسیر احمدی میں اسی لفظ کے معنی کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿والمال على كل توجيه هو الآخر ولذلك فسر صاحب المدارك قرأة عاصم بالآخر وصاحب البيضاوى كل القرأتين بالآخر﴾

''اور نتیجہ دونوں صورتوں (بالفتح وبالکسر) میں وہ صرف معنی آخر ہی ہیں اور اسی لئے صاحب تفسیر مدارک نے قرأت عاصم یعنی بالفتح آخر کے ساتھ کی ہے اور بیضاویؒ نے دونوں قرأتوں کی یہی تفسیر کی ہے۔''

روح المعانی اور تفسیر احمدی کی ان عبارتوں سے یہ بات بالکل روشن ہوگئی کہ لفظ خاتم کے دو معنی آیت میں بن سکتے ہیں، اور ان دونوں کا خلاصہ اور نتیجہ صرف ایک ہی ہے یعنی آخر النبیین اور اسی بنا پر بیضاویؒ نے دونوں قرأتوں کے ترجمہ میں کوئی فرق نہیں کیا، بلکہ دونوں

صورتوں میں آخرالنبیین تفسیر کی ہے۔

خداوند عالم ائمہ لغت کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے صرف اسی پر بس نہیں کی کہ لفظ خاتم کے معنی کو جمع کر دیا، بلکہ تصریحاً اس آیت شریفہ کے متعلق جس سے اس وقت ہماری بحث ہے صاف طور پر بتلا دیا کہ تمام معانی میں سے جو لفظ خاتم میں لغتاً محتمل ہیں، اس آیت میں صرف یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ سب انبیاءؑ کے ختم کرنے والے اور آخری نبی ہیں۔

ختم نبوت سے متعلق دیگر آیات

سورۂ احزاب کی آیت ۴۰ آیت خاتم النبیین کی تشریح و توضیح پہلے گزر چکی ہے، اب دوسری آیات ملاحظہ ہوں۔

آیت نمبر ۱...... ﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (توبہ: ۳۳، صف: ۹)

اور وہ ذات وہ ہے کہ جس نے اپنے رسول محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ تمام ادیان پر بلند اور غالب کرے۔"

نوٹ...... غلبہ اور بلند کرنے کی یہ صورت ہے کہ حضور ہی کی نبوت اور وحی پر مستقل طور پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کو فرض کیا جائے اور تمام انبیاءؑ کی نبوتوں اور وحیوں پر ایمان لانے کو اس کے تابع کر دیا جائے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سب انبیاء کرامؑ سے آخر ہو اور رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کو مشتمل ہو۔ بالفرض اگر حضور ﷺ کے بعد باعتبار نبوت مبعوث ہو تو اس کی نبوت پر اور اس کی وحی پر ایمان لانا فرض ہوگا جو دین کا اعلیٰ رکن ہوگا تو اس صورت میں تمام ادیان پر غلبہ مقصود نہیں ہو سکتا، بلکہ رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت پر ایمان لانا اور رسولِ اکرم ﷺ کی وحی پر ایمان لانا مغلوب ہوگا کیوں کہ آپ ﷺ پر اور رسولِ اکرم ﷺ کی وحی پر ایمان رکھتے ہوئے بھی اگر اس نبی اور اس کی وحی پر

ایمان نہ لایا تو نجات نہ ہوگی کافروں میں شمار ہوگا۔ کیوں کہ صاحب الزمان رسول یہی ہوگا، رسولِ اکرم ﷺ صاحب الزمان رسول نہ رہیں گے۔ (معاذ اللہ)

آیت نمبر۲...... ﴿واذ اخذ اللّٰہ میثاق النّبیّین لما اٰتیتکم من کتاب وّحکمۃ ثمّ جآء کم رسول مّصدّق لّما معکم لتؤمننّ بہ ولتنصرنّہ.﴾

(آل عمران:۸۱)

ترجمہ:...... ''جب اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے عہد لیا کہ جب کبھی تم کو کتاب اور نبوت دوں، پھر تمہارے پاس ایک ''وہ رسول'' آجائے جو تمہاری کتابوں اور وحیوں کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ (یعنی اگر تم اس کا زمانہ پاؤ) تو تم سب ضرور اس رسول (ﷺ) پر ایمان لانا ان کی مدد فرض سمجھنا۔''

اس سے بکمال وضاحت ظاہر ہے کہ اس رسول کی بعثت سب نبیوں کے آخر میں ہوگی اس سے مراد رسولِ اکرم ﷺ ہیں۔ اس آیت کریمہ میں دو لفظ غور طلب ہیں، ایک تو ''میثاق النبیین''، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے بارے میں یہ عہد دیگر انبیاءؑ سے لیا گیا تھا۔ دوسرا ''ثم جاء کم'' لفظ ''ثم'' تراخی کے لئے آتا ہے یعنی اس کے بعد جو بات مذکور ہے وہ بعد میں ہوگی اور درمیان میں زمانی فاصلہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی بعثت سب سے آخر میں اور کچھ عرصہ کے وقفہ سے ہوگی۔ اس لئے رسولِ اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے کا زمانہ، زمانہ فترت کہلاتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر ہے:

﴿قد جآء کم رسولنا یبیّن لکم علٰی فترۃ من الرّسل﴾ (مائدہ۔۱۹)

آیت نمبر۳﴿وما ارسلناک الّا کآفّۃ لّلنّاس بشیرا و نذیرا﴾(سبا)

''ہم نے تم کو تمام دنیا کے انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

آیت نمبر۴﴿قل یآیّھا النّاس انّی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا.﴾(سورۂ اعراف)

''فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔''

نوٹ...... یہ دونوں آیتیں صاف اعلان کر رہی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ بغیر استثنا

تمام انسانوں کی طرف رسول (ﷺ) ہوکر تشریف لائے ہیں جیسا کہ خود رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ﴿انا رسول من ادرکت حیا ومن یولد بعدی﴾

''میں اس کے لئے بھی اللہ کا رسول ہوں جس کو اس کی زندگی میں پالوں اور اس کے لئے بھی جو میرے بعد پیدا ہو۔'' (خصائص کبریٰ)

پس ان آیتوں سے واضح ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا، قیامت تک آپ ﷺ ہی صاحب الزماں رسول ہیں۔ بالفرض اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث ہوتو آپ ﷺ کافۃ الناس کی طرف اللہ تعالیٰ کے صاحب الزماں رسول نہیں ہوسکتے بلکہ براہ راست مستقل طور پر اسی نبی پر اور اس کی وحی پر ایمان لانا اور اس کو اپنی طرف اللہ کا بھیجا ہوا اور اعتقاد کرنا فرض ہوگا، ورنہ نجات ممکن نہیں اور رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت اور وحی پر ایمان لانا اس کے ضمن میں داخل ہوگا۔ (معاذ اللہ)

آیت نمبر ۵ ...... ﴿وَمَا أَرسَلنٰکَ اِلَّا رَحمَةً لِّلعٰلَمِینَ﴾ (سورۃ الانبیاء)

''میں نے تم کو تمام جہانوں والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

نوٹ...... یعنی جنابِ رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لانا تمام جہان والوں کو نجات کے لئے کافی ہے۔ پس بالفرض رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث ہوا تو آپ ﷺ کی امت کو اس پر اور اس کی وحی پر ایمان فرض ہوگا، اور اگر آپ ﷺ پر ایمان کامل رکھتے ہوئے بھی اس کی نبوت اور اس کی وحی پر ایمان نہ لاوے تو نجات نہ ہوگی اور یہ رحمۃ للعالمین (ﷺ) کے منافی ہے کہ اب جنابِ رسولِ اکرم ﷺ پر مستقلاً ایمان لانا کافی نہیں، آپ ﷺ صاحب الزمان رسول نہیں رہے؟ (معاذ اللہ)

آیت نمبر ۶ ...... ﴿أَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم وَاَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی وَرَضِیتُ لَکُمُ الاِسلَامَ دِیناً﴾ (سورۃ مائدہ: ۳)

''آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا، اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا، اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔''

نوٹ...... یوں تو ہر نبی اپنے اپنے زمانہ کے مطابق دینی احکام لاتے رہے مگر رسولِ اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل زمانہ کے حالات اور تقاضے تغیر پذیر تھے اس لئے تمام نبی اپنے بعد آنے والے نبی کی خوشخبری دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ مبعوث ہوئے رسولِ اکرم ﷺ پر نزولِ وحی کے اختتام سے دین پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت اور وحی پر ایمان لانا تمام نبیوں کی نبوت اور ان کی وحیوں پر ایمان لانے پر مشتمل ہے، اسی لئے اس کے بعد "وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي" فرمایا۔ "علیکم" یعنی نعمت نبوت کو میں نے تم پر تمام کر دیا، لہٰذا دین کے اکمل اور نعمت نبوت کے تمام کے بعد نہ تو کوئی نیا نبی آسکتا ہے اور نہ سلسلۂ وحی جاری رہ سکتا ہے۔

اسی وجہ سے ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ: "اے امیر المؤمنین! قرآن کی یہ آیت ہم پر نازل ہوتی ہم اس دن عید مناتے۔" اور رسولِ اکرم ﷺ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اکیاسی دن زندہ رہے۔ (معارف القرآن ص:۱۴۱ ج ۳)

اور اس کے نزول کے بعد کوئی حلال و حرام نازل نہیں ہوا۔ رسولِ اکرم ﷺ آخری نبی اور رسولِ اکرم ﷺ پر نازل شدہ کتاب کامل و مکمل، آخری کتاب ہے۔

آیت نمبر ۷...... ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ﴾ (النساء:۱۳۶)

"ترجمہ اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولِ محمد ﷺ پر اور اس کی کتاب پر جس کو اپنے رسول (محمد ﷺ) پر نازل کیا ہے اور ان کتابوں پر جو ان سے پہلے نازل کی گئیں۔"

نوٹ...... یہ آیت بڑی وضاحت سے ثابت کر رہی ہے کہ ہم کو صرف آپ ﷺ کی نبوت اور آپ ﷺ کی وحی اور آپ ﷺ سے پہلے انبیاءؑ اور ان کی وحیوں پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ اگر بالفرض رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی بعہدۂ نبوت مشرف کیا جاتا تو ضرور تھا کہ قرآن کریم اس کی نبوت اور وحی پر ایمان لانے کی بھی تاکید فرماتا، معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم

ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا۔

آیت نمبر ۸...... ﴿والَّذِینَ یُؤمِنُونَ بِمَا اُنزِلَ اِلَیکَ وَمَا اُنزِلَ مِنْ قَبلِکَ وبِالآخِرۃِ ھُم یُوقِنُون اُولٰئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰئِکَ ھُمُ المُفلِحُونَ﴾ (سورۂ بقرہ:۴،۵)

''جو ایمان لاتے ہیں، اس وحی پر جو رسولِ اکرم ﷺ پر نازل کی گئی اور اس وحی پر جو رسولِ اکرم ﷺ سے پہلے نازل کی گئی اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ خدا کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

آیت نمبر ۹...... ﴿لٰکِنِ الرّٰسِخُونَ فِی العِلمِ مِنھُمْ وَالمُؤمِنُونَ یُؤمِنُونَ بِمَا اُنزِلَ اِلَیکَ وَمَا اُنزِلَ مِنْ قَبلِکَ﴾ (سورۂ نساء:۱۶۲)

''لیکن ان میں سے راسخ فی العلم اور ایمان لانے والے لوگ ایمان لاتے ہیں، اس وحی پر جو رسولِ اکرم ﷺ پر نازل ہوئی اور جو رسولِ اکرم ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی۔''

نوٹ...... یہ دونوں آیتیں ختم نبوت پر صاف طور پر اعلان کر رہی ہیں بلکہ قرآن شریف میں سینکڑوں جگہ اس قسم کی آیتیں ہیں جن میں رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت اور رسولِ اکرم ﷺ پر نازل شدہ وحی کے ساتھ آپ ﷺ سے پہلے کے نبیوں کی نبوت اور ان کی وحی پر ایمان رکھنے کے لئے حکم فرمادیا گیا لیکن بعد کے نبیوں کا ذکر کہیں نہیں آتا۔ ان دو آیتوں میں صرف آپ ﷺ کی وحی اور آپ ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی وحی پر ایمان لانے کو کافی اور مدارِ نجات فرمایا گیا ہے۔

آیت نمبر ۱۰...... ﴿اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُونَ﴾ (سورۂ حجر:۹)

''تحقیق ہم نے قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔''

نوٹ...... خداوند عالم نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ ہم خود قرآن کریم کی حفاظت فرمائیں گے یعنی محرفین کی تحریر سے اس کو بچائے رکھیں گے قیامت تک کوئی شخص

اس میں ایک حرف اور ایک نقطہ کی بھی کمی زیادتی نہیں کر سکتا، اور نیز اس کے احکام کو بھی قائم اور برقرار رکھیں گے اس کے بعد کوئی شریعت نہیں جو اس کو منسوخ کر دے، غرض قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

تنبیہ...... یہ آیتیں بطور اختصار کے ختم نبوت کے ثبوت اور تائید میں پیش کر دی گئیں ورنہ قرآن کریم میں سو آیتیں ختم نبوت پر واضح طور پر دلالت کرنے والی موجود ہیں۔

(مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ''ختم نبوت کامل'' از حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ)

ختم نبوت سے متعلق احادیث مبارکہ

حدیث نمبر ا...... حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاءؑ کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے بہت ہی حسین محل بنایا مگر اس کے کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹ دی، لوگ اس کے گرد گھومنے اور عش عش کرنے لگے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہ لگائی گئی؟ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں وہی (کونے کی آخری) اینٹ ہوں اور میں نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں۔ (صحیح بخاری)

حدیث نمبر۲..... حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے چھ چیزوں میں انبیاءؑ پر فضیلت دی گئی: (۱) مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے۔ (۲) رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی۔ (۳) مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ (۴) روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی چیز بنایا گیا ہے۔ (۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ (۶) اور ''مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ (مسلم شریف)

اس مضمون کی حدیث صحیحین میں حضرت جابرؓ سے بھی مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ اس کے آخر میں ہے: وکان النبی یبعث الی قومه خاصة وبعثت الی الناس عامة. (مشکوٰۃ)

''پہلے انبیاءؑ کو خاص ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔''

حدیث نمبر۳...... سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ''تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ (علیہما السلام) سے تھی، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ: ''میرے بعد نبوت نہیں۔'' حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی تصنیف ''ازالۃ الخفاء'' میں مآثر علیؓ کے تحت لکھتے ہیں: فمن المتواتر: أنت مني بمنزلة هارون من موسىٰ (ازالۃ الخفاء مترجم)

''متواتر احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ (علیہما السلام) سے تھی۔''

حدیث نمبر۴...... حضرت ابو ہریرہؓ رسولِ اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی قیادت خود ان کے انبیاء کیا کرتے تھے، جب کسی نبی کی وفات ہوتی تھی تو اس کی جگہ دوسرا نبی آتا تھا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ (بخاری)

نوٹ:...... بنی اسرائیل میں غیر تشریعی انبیاء؟ علیہم السلام آتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تجدید کرتے تھے، مگر رسولِ اکرم ﷺ کے بعد ایسے انبیاء علیہم السلام کی آمد بند ہے۔

حدیث نمبر۵...... حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے، ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کسی قسم کا نبی نہیں۔ (ابوداؤد)

حدیث نمبر۶...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے، پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے

اور نہ ہی کوئی نبی ہے۔ (ترمذی)

حدیث نمبر ۷...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہم سب کے بعد آئے اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے، صرف اتنا ہوا کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی۔'' (ترمذی)

حدیث نمبر ۸...... حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطابؓ ہوتے۔ (حوالہ بالا)

حدیث نمبر ۹...... حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: ''میرے چند نام ہیں، میں محمد (ﷺ) ہوں، میں احمد (ﷺ) ہوں، میں ماحی (ﷺ) (مٹانے والا) ہوں کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائیں گے، اور میں حاشر (ﷺ) (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب (ﷺ) (سب کے بعد آنے والا) ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

اس حدیث میں (ﷺ) کے دو اسمائے گرامی (ﷺ) کے خاتم النبیین ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ اول ''الحاشر''...... حافظ ابن حجرؒ ''فتح الباری'' میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''یہ اس طرف اشارہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی اور کوئی شریعت نہیں...... سو چونکہ امت کے بعد کوئی امت نہیں اور چونکہ رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں، اس لئے حشر کو رسولِ اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا، کیوں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد حشر ہوگا۔''

دوسرا اسم گرامی: ''العاقب''، جس کی تفسیر خود حدیث میں موجود ہے یعنی کہ: ﴿الذی لیس بعدہٗ نبی﴾ ''رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔''

حدیث نمبر ۱۰...... متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ﴿بعثت أنا والساعة کھاتین﴾

(مسلم ص: ۴۰۶ ج: ۲)

''مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہے۔''

ان احادیث میں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کے درمیان اتصال کا ذکر کیا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی تشریف آوری قربِ قیامت کی علامت ہے اور اب قیامت تک رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ چنانچہ امام قرطبی ''تذکرہ'' میں لکھتے ہیں کہ: ''اور آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کے طرح بھیجا گیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ میں آخری نبی ہوں...... میرے بعد اور کوئی نبی نہیں ...... میرے بعد بس قیامت ہے ...... جیسا کہ انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے متصل واقع ہے...... دونوں کے درمیان اور کئی انگلی نہیں ...... اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں۔'' علامہ سندھیؒ ''حاشیہ نسائی'' میں لکھتے ہیں کہ: ''تشبیہ دونوں کے درمیان اتصال میں ہے یعنی دونوں کے باہم ملے جلے ہوئے ہونے میں ہے یعنی جس طرح ان دونوں کے درمیان کوئی انگلی نہیں، اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ کے درمیان اور قیامت کے درمیان اور کوئی نبی نہیں۔''

ختم نبوت پر اجماعِ امت

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ ''الاقتصاد'' میں فرماتے ہیں کہ: ''بے شک امت نے بالاجماع اس لفظ خاتم النبیین سے یہ سمجھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ رسول، اور اس پر اجماع ہے کہ اس لفظ میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں اور اس کا منکر اجماع کا منکر ہوگا۔''

حضرت ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں: **و دعوی النبوۃ بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع.** (شرح فقہ اکبر)

علامہ ابن نجیم مصریؒ (جن کو ابوحنیفہ ثانی کہا جاتا ہے) فرماتے ہیں: **اذا لم یعرف ان محمداً ﷺ اخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات.** (الاشباہ والنظائر)

حافظ ابن کثیرؒ آیت خاتم النبیین کے تحت لکھتے ہیں کہ: ''اور ختم نبوت پر رسولِ اکرم ﷺ سے احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں، جن کو صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت نے بیان فرمایا۔''

اور علامہ سید محمود آلوسی تفسیر روح المعانی میں زیر آیت خاتم النبیین لکھتے ہیں کہ: ''اور رسولِ اکرم ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ایسی حقیقت ہے جس پر قرآن ناطق ہے، احادیث نبویہ نے جس کو واشگاف طور پر بیان فرمایا ہے اور امت نے جس پر اجماع کیا ہے، پس جو شخص اس کے خلاف کا مدعی ہو اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور اگر وہ اس پر اصرار کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔''

پس عقیدہ ختم نبوت جس طرح قرآن کریم کے نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ کے احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے اور ہر دور میں امت کا اس پر اجماع واتفاق چلا آیا ہے۔ (چیدہ چیدہ از آئینۂ قادیانیت)

اب ذیل میں ہم مشہور اور شہرہ آفاق کتاب رحمۃ للعالمین کے مصنف علامہ سلیمان منصور پوریؒ کی کتاب سے کچھ اقتباس نقل کر رہے ہیں جو موضوع کی مناسبت سے فائدے سے خالی نہیں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

خاتم اور ختم دونوں کے ایک معنی ہیں، النبیین کا الف لام جنس جملہ انبیاء ورسل پر حاوی ہے کلام اللہ کی یہ آیت اعلان کر رہی ہے، کہ رسولِ اکرم ﷺ کے وجود پر نبوت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ یہ ایک عجیب پیشن گوئی ہے، اور اس کے اندر ایک عجیب طاقت منجانب اللہ موجود ہے۔

ایران کو دیکھو، وہاں ہزاروں سال تک متواتر سروش آسمانی کی آواز بیسیوں پاک سرشت بزرگوں کو سنائی دیتی رہی۔

ہندستان کا دعویٰ ہے کہ یہاں کروڑوں سال تک مبارشی ایسے ہوئے جن پر آکاش بانی کا پرکاش ہوتا رہا۔

بنی اسرائیل کے حالات پڑھو، جہاں ایک ایک وقت دو دو چار چار نبی موجود پائے

گئے مصریوں، چینیوں نے بھی سینکڑوں سال تک اپنے اندر نبوت ورسالت ہونے کے دعووں کو بلند کیا۔

لیکن جب سے کلام اللہ میں آیت خاتم النبیین کا اعلان ہوا ہے اور ختم نبوت کا فرمان سنا دیا گیا ہے، اس وقت سے ان سب مذاہب وادیان نے بھی اپنے اپنے دروازوں پر قفل ڈال دیئے ہیں مجوسی اب کیوں کسی شخص کو جائے اسپ وزرتشت کے اورنگ پر نہیں بٹھلاتے، آریہ دت اب کیوں آکاش بانی کا ایک حرف نہیں سنتا۔ بنی اسرائیل کیوں اپنی قوم اور اپنے ملک میں کسی کا نبی ہونا تسلیم نہیں کرتا۔

پیارے قارئین! یہ سب قدرت الٰہیہ کا روشن کارنامہ ہے، جس نے رسولِ اکرم ﷺ کو خاتم النبیین بتانے کے بعد تمام دنیا کے جملہ مذاہب کے دماغوں اور طبیعتوں سے یہ بات نکال دی ہے کہ خود ان کے مذاہب کے اندر بھی کسی کو پیغمبر، ہی رسول اوتار کیا جائے۔

دنیا بھر کا یہ عملی فیصلہ یا طبعی میلان، بلکہ فطری وجدان ظاہر کرتا ہے، کہ قدرت ربانی نے اس خصوصیت کو وجود اقدس نبویہ (ﷺ) سے خاص رکھنے میں کیسی زبردست حفاظت فرمائی ہے۔ کوئی غیر مسلم یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی ذاتی توصیف کے لئے ایسا فرمایا ہے۔

اول...... اس لئے کہ دعویٰ کرنا آسان ہے، مگر زمانِ مستقبل پر حکومت کرنا دشوار ہے، یہاں تو چودہ صدیوں کا زمانہ اور مختلف ومتعدد مذاہب کا متفقہ رویہ اس کی تائید میں موجود ہے۔

دوم...... اگر رسولِ اکرم ﷺ کو اپنا ذاتی فخر بھی قائم کرنا مقصود ہوتو رسولِ اکرم ﷺ ایسا کر سکتے تھے۔ کہ اپنے متبعین کو نبوت کے منصب سے ممتاز بناتے، اور موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر اپنے اتباع کرنے والے انبیاء کی شان اور تعداد کا اظہار کرتے۔

بعض مسلمان صوفیہ کی نسبت یہ بات زبان زد عوام ہے کہ انہوں نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا، اول تو ان روایات کی صحت بالکل مشکوک ہے۔ دوم...... اگر ثابت بھی ہو جائے

کہ کسی شخص نے "انا الحق" بھی کہا، یا "سبحانی ما اعظم شانی" بھی کہا، تب بھی یہ نتیجہ تو صاف نکلتا ہے کہ خدا بننا تو ان کو سہل نظر آیا، مگر نبی کہلانے کی جرأت وہ بھی نہ کر سکے، ایسے ہی لوگوں میں یہ مصرعہ بہت شہرت یافتہ ہے۔

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

اس کے بعد علامہ سلیمان منصوری پوریؒ رقم طراز ہیں کہ ذیل میں اب ان اسلامی روایات کا اندراج ضروری ہے، جو ختم نبوت کے حوالے سے رسولِ اکرم ﷺ سے باسناد صحیحہ ثابت ہیں۔

امام بخاری و امام مسلم نے بالاتفاق ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "میری مثال اور دیگر سب انبیاءؑ کی مثال ایک محل کی سی ہے، جسے خوب بنایا گیا تھا، مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی دیکھنے والے آتے تھے، مکان کی عمدگی اور اس خالی جگہ کے متعلق تعجب ظاہر کرتے تھے، اب میں ہوں جس نے اس خالی جگہ کو بھر دیا ہے۔ میرے ذریعے ہی سے عمارت ختم ہوئی، اور میری وجہ ہی سے رسول ختم کئے گئے، اور وہ اینٹ میں ہوں، اور میں سب انبیاء کا ختم کرنے والا ہوں۔"

اور صحیح مسلم میں متفقہ روایت جبیر بن مطعم سے ہے کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کی زبان سے سنا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ فرماتے تھے میرے کئی نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائیں گے اور میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب ہوں، عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی اور نہ ہو۔

ف...... اس حدیث میں رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے پانچ نام فرمائے محمد، احمد، ان کے معانی نہیں فرمائے، ماحی، حاشر، عاقب، ان کے معانی بتائے، اس سے واضح ہوا کہ محمد اور احمد، ذاتی نام ہیں اور ماحی، حاشر، عاقب، رسولِ اکرم ﷺ کے وصفی نام ہیں۔

اور صحیح مسلم میں بروایت ابو ہریرہؓ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے سب انبیاء

پر چھ باتوں میں فضیلت ہے۔ مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے۔ رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی۔ مالِ غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی چیز بنایا گیا ہے۔ مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ اور "مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔" (مسلم)

ابن جریر اور ابن عساکر نے ابو امامہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے خطبۃ الوداع میں فرمایا تھا: "لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔"

زرقانی شرح المواہب میں ہے کہ امام احمد اور امام ترمذی امام حاکم نے صحیح اسناد کے ساتھ انسؓ سے روایت کیا ہے، کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اب رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی، لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی ہوگا۔

صحیح مسلم میں ہے رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "میری امت میں تیس شخص ایسے ہوں گے جو کذاب ہوں گے ان میں سے ہر ایک کا گمان یہ ہوگا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔"

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو عمر بن خطابؓ ہوتے۔" سب جانتے ہیں کہ عمر فاروقؓ نبی نہ تھے، ثابت ہو گیا کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی بھی نبی نہیں ہو سکتا۔ جنگ تبوک کے موقع پر جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا۔ سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو پیچھے چھوڑ دیا تھا علیؓ نے عرض کیا کہ رسولِ اکرم ﷺ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں، اس وقت رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: "کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میرے لئے ویسے ہی ہو، جیسے ہارون موسیٰؑ کے لئے تھے، ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ (صحیحین)

حضرت موسیٰ علیہ السلام میقات ربی کے لئے طور پر چالیس یوم ٹھہرے تھے، اور اپنے بعد حضرت ہارونؑ کو خلیفہ بنا گئے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو بھی غزوۂ تبوک میں تقریباً

پچاس یوم مدینہ میں رہنے کا اتفاق ہوا، اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس واقعہ میں خلافت بعد وفاتِ رسول کا اشارہ تک نہیں، کیوں کہ ہارون علیہ السلام کی وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوئی تھی۔

سیدنا علیؓ جب رسولِ اکرم ﷺ کو آخری غسل دے رہے تھے تو اپنی زبان سے یوں فرمارہے تھے بابی انت و امی لقد انقطع بموتک ما ینقطع بموت غیرک من النبوۃ الا نباء و اخبار السمآء .　(نہج البلاغت)

''میرے ماں باپ رسولِ اکرم ﷺ پر قربان ہوں رسولِ اکرم ﷺ کی موت سے وہ چیز ختم ہوگئی، جو اور کسی شخص کی موت سے ختم نہ ہوئی تھی، یعنی نبوت اور اخبارِ غیب اور آسمان سے خبر آنا اب ختم ہوگیا۔''

ان صحیح ترین روایات اسلامیہ کی تصدیق قدرت قاہرہ نے جملہ مذاہب کی زبان بندی سے فرمائی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت وہ خصوصیت خاصہ ہے جو بالکل رسولِ اکرم ﷺ ہی کی ذات اقدس کو حاصل ہے۔

اس آیت کے ساتھ آیت "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" کی تفسیر بھی پڑھ لینا چاہئے، تا کہ معلوم ہو جائے کہ ختم نبوت کا منصب اس کو شایان ہے کہ اکمال دین اور تمام نعمت کی بشارت سے بھی مبشر ہو۔

الغرض آیت زیب عنوان نہایت مستحکم دلائل اور قطعی براہین کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کی خصوصیت ختم المرسلین کو واضح کر رہی ہے۔ "والحمد للہ علی ذٰلک."

اب اگر اہل اسلام کے اندر کوئی شخص ایسا ہے، جسے اپنی نبوت کا زعم ہو تو اسے مناسب ہے کہ صحیح مسلم کی روایت کو پیش نظر رکھ کر اگر چاہے تو ان تیس کے شمار میں داخل ہو جائے یا ارشاد نبوی (ﷺ) کے سامنے اپنے زعم باطل کو چھوڑ کر تائب و مومن بن جائے۔

(بحوالہ رحمۃ للعالمین جلد سوم)

رسولِ اکرم ﷺ خاتم الانبیاء بن کر تشریف لائے

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں علامہ شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کی مشہور کتاب سیرت النبی ﷺ سے ختم نبوت سے متعلق ان کی تحقیق پیش کردی جائے، بے شک ان حضرات کی تحریرات کا اپنا نور ہے، چنانچہ برکت کے لئے ذیل میں سیرت النبی ﷺ جلد سوم سے کچھ اقتباس نقل کئے جارہے ہیں، لیجئے ملاحظہ فرمایئے:۔

یہ رعب ونصرت، یہ پیرووں کی کثرت، یہ سجدہ گاہِ عام، یہ اعجاز دوام، یہ جوامع الکلم، یہ دعوت عمومی، یہ تکمیل دین، یہ آیاتِ مبین خود اس بات کے دلائل ہیں کہ آپ کے وجود اقدس پر تمام پیغمبرانہ نعمتوں کا خاتمہ ہوگیا اور نبوت اور رسالت کا سلسلہ منتہی ہوگیا اور اب دنیا کسی نئے آنے والے وجود سے مستغنی ہوگئی۔ اسی لئے قرآن پاک نے عہدِ نبوت کے سب سے بڑے مجمع میں یہ اعلان عام کیا کہ:۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (مائدہ)

"آج میں نے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمت تم پر کمال کردی اور تمہارے لئے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا"۔

یہ آیت ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو نازل ہوئی، یہ اس بات کی بشارت تھی کہ نبوت جس کا مقصد دین کی عمارت میں کسی نہ کسی اینٹ کا اضافہ تھا، وہ آج تکمیل کو پہنچ گئی، لیکن اس سے پہلے پانچ ہجری میں بھی یہ بشارت ان الفاظ میں گوش گزار ہوچکی تھی۔

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. (احزاب)

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن خدا کے پیغمبر اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں"۔

ختم کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اس کے اندر جاسکے"۔ اسی سے اس کے دوسرے معنی کسی

شے کو بند کر کے اس پر مہر کرنے کے ہیں"۔ جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر سے نہ کوئی چیز باہر نکلتی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اس کے اندر گئی ہے، اور چونکہ یہ عمل مہر سب سے آخر میں کیا جاتا ہے، اس کے معنی اور انتہا ختم کرنے کے بھی آتے ہیں، قرآن مجید میں یہ معنی مستعمل ہوئے ہیں مثلاً اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ.

"آج (قیامت کے دن) اُن کے منہ پر مہر لگا دیں'۔ (یعنی بند کر دیں گے) بول نہ سکیں گے"۔

یہاں ختم کے معنی "بند کر دینے" کے بالکل ظاہر ہیں۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ. (بقرہ)

"خدا نے ان (کافروں) کے دلوں پر مہر لگا دی ہے یعنی ان کے دلوں کے دروازے بند کر دیئے۔ کہ باہر سے جو نصیحت اور ہدایت کی باتیں وہ سنتے ہیں، وہ ان کے دلوں کے اندر نہیں گھستیں اور بے اثر رہتی ہیں۔

وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ. (جاثیہ)

اور خدا نے اس کے کان پر اور دل پر مہر لگا دی یعنی اس کے کان اور دل بند کر دیئے۔" کہ اُس کے کان کے اندر دعوتِ رسول کی آواز اور اس کے دل کے اندر اس آواز کا اثر نہیں جاتا۔ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ. (مطففین)

"اہل جنت پلائے جائیں گے وہ شراب جس پر مہر لگی ہوگی۔"

وہ سربمہر یعنی بند ہوگی جو اس بات کا ثبوت ہوگی کہ یہ خالص شراب ہے، یہ کھلی نہیں کہ اس کے اندر کی خوشبو باہر نکل گئی ہو اور نہ اس کے اندر باہر سے کوئی چیز کسی نے ملا دی ہے جس سے اُس کی تیزی کم ہوگئی ہے' اس کے بعد یہ آیت ہے:۔

خِتَامُهٗ مِسْكٌ. (مطففین)

"اس کی مہر مشک ہوگی (یا) اس شراب کا آخری مشک ہوگا۔"

یعنی اس کے ہر گھونٹ کے پینے کے بعد مشک کی بو اُس میں سے نکلے گی یا یہ معنی

کے بوتل یا صراحی کا منہ غایت صفائی اور نزاہت کی غرض سے دُنیا کی طرح مٹی، لاکھ یا مُوم کے بجائے مشکِ خالص سے بند ہوگا۔

بہرحال ان تمام استعمالات سے یہ بالیقین معلوم ہوگا کہ اس لفظ کے عمومی اور مشترک معنی کسی چیز کے بند کرنے کے ہیں، لفظ خاتم کی دو قراتیں ہیں مشہور قرات تو خاتِم (بکسرتا) کی ہے جس کے معنی ختم کرنے والے اور بند کرنے والے کے ہوئے، اور دوسری قرات خاتَم کی ہے جس کے معنی ہیں وہ شے جس کے ذریعہ سے کوئی شے بند کی جائے اور اس پر مہر لگائی جائے تاکہ وہ کھولی نہ جاسکے اور نہ اس کے اندر کوئی چیز باہر سے جاسکے"۔ الغرض دونوں حالتوں میں آیت پاک کا حاصل معنی ایک ہی ہوگا کہ آپ ﷺ کا وجود پیغمبروں کے سلسلہ کو بند کرنے والا اور اُن پر مہر لگا دینے والا ہے کہ پھر آئندہ کوئی نیا شخص اس جماعت میں داخل نہ ہوسکے۔

آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے وہ ظاہری باپ نہیں ہیں جس کے رشتہ کی بناپر وراثت اور حرمتِ نکاح وغیرہ کے احکام جاری ہوتے ہیں بلکہ وہ روحانی باپ (رسول اللہ) اور سب سے آخری روحانی باپ (خاتم النبیین) ہیں اس لئے باپ ہونے کے ظاہری احکام کے بغیر آپؐ سے وہی پدرانہ محبت رکھنی چاہئے اور اسی طرح آپ کی پدرانہ اطاعت کرنی چاہئے۔

احادیث صحیحہ میں لفظ خاتم النبیین کی تشریح بالکل صاف اور واضح ہے، مسند احمد میں حضرت ثوبانؓ اور حضرت حذیفہؓ اور ترمذی میں صرف حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میرے بعد تیس کے قریب جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔

﴿وانا خاتم النبیین لانبی بعدی﴾

"بہ تحقیق میں نبیوں کا خاتم ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا"۔ لانبی بعدی خاتم النبیین کی تفسیر وتشریح ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ آپؐ کے بعد پھر کوئی نبی نہ ہوگا، اس کے علاوہ آپ ﷺ نے تکمیلِ دین اور ختمِ نبوت کی

جو مشہور تمثیل بیان کی ہے، اس سے بھی لفظ خاتم النبیین کی پوری تفسیر ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا "میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی عمدہ محل بنوایا ہو، لوگ اس کو آ آ کر دیکھتے ہیں اور اس کی عمدگی اور خوبصورتی پر عش عش کرتے ہیں، لیکن اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اتنا نا تمام نہ رہ جاتا تو خوب ہوتا۔"

اس کے بعد مختلف روایتوں میں حسب ذیل الفاظ ہیں: جنکے مفہوم پیشِ خدمت ہیں۔ "تو میں وہی آخری اینٹ ہوں"۔ اور ایک مقام پر فرمایا: "تو میں وہی آخری اینٹ ہوں اور سب پیغمبروں کا خاتم ہوں"۔ اور ایک مقام پر فرمایا کہ: "تو اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں، میں آیا تو پیغمبروں کا سلسلہ ختم کر دیا"۔ اور ایک مقام پر فرمایا کہ: "میں پیغمبروں میں اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں"۔

آنحضرت ﷺ کے دیگر انبیاء کے مقابلے میں اپنے جو مخصوص فضائل گنائے ہیں، ان میں ایک ختم نبوت بھی ہے، چنانچہ صحیح مسلم کتاب المساجد ترمذی کتاب السیر باب الغنیمہ اور نسائی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

وختم بی النبیین. ترجمہ:۔ "اور انبیاء مجھ سے ختم کئے گئے"۔

سنن دارمی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "پیغمبروں کا خاتم ہوں اور اس پر فخر نہیں"۔

آپ ﷺ کا ختم نبوت ہونا کوئی کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا، بلکہ یہ آپ ﷺ کی وہ خصوصیت تھی جو آپ کے لئے روز اول سے مقرر ہو چکی تھی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔ انی عبداللّٰہ خاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینته. "میں خدا کا بندہ اور خاتم الانبیاء تھا اور آدم ہنوز اپنے عنصر خاکی میں پڑے تھے"۔

حضرت علیؓ کو جب آپؐ نے اہل بیت کی نگرانی کیلئے مدینہ چھوڑ کر تبوک جانا چاہا اور حضرت علیؓ نے ہمرکاب نہ ہونے پر ملال خاطر ظاہر کیا تو آپؐ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا الا ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لیس نبی بعدی. (صحیح بخاری)

''کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میں اور مجھ میں وہ نسبت ہو جو ہارون اور موسیٰ میں تھی، لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔

صحیح مسلم مناقب علی میں یہ الفاظ ہیں:۔ غیر انہ لانبی بعدی. ''لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔ الا انہ لانبوۃ بعدی. ''لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبوت نہیں''۔

صحیح بخاری کتاب الانبیاء اور صحیح مسلم کتاب الامارۃ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ بنواسرائیل کی نگرانی اور سیاست انبیاء کرتے تھے، ایک نبی جب مرتا تھا اور دوسرا نبی پیدا ہوتا تھا۔ و انہ لانبی بعدی. ''اور بہ تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا''۔

جامع ترمذی اور مستدرک حاکم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی مدح میں فرمایا۔ لو کان نبی بعدی لکان عمربن الخطاب. ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوسکتا تو وہ خطاب کے بیٹے عمر ہوتے۔'' عربی زبان جاننے والے کو معلوم ہے کہ ''لو امر محال کیلئے آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ کے بعد کسی دوسرے نبی کا آنا محال ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ خدا میرے ذریعہ سے کفر کو محو کرے گا، میں حاشر ہوں کہ خدا میرے پیچھے سب کو جمع کرے گا اور میں عاقب (آخری) ہوں الذی لیس بعدہ نبی جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، جامع ترمذی اور بعض دوسری کتابوں میں آخری فقرہ ان الفاظ میں ہے ''الذی لیس بعدی نبی یعنی میں وہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا''۔

صحیح بخاری میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ ''خوشخبریوں کے سوا نبوت کا کوئی حصہ باقی نہ رہا''۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! خوشخبریاں کیا ہیں؟ فرمایا ''رویائے صالحہ'' (یعنی سچے خواب)۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اپنے امور غیب سے مطلع کرنے کے متعدد ذرائع مقرر کئے ہیں، منجملہ ان کے ایک رویائے صالحہ بھی ہے، اسی لئے احادیث میں آیا

ہے کہ ''نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء مومن کا رویائے صالحہ ہے''۔ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ''تم سے پہلے قوموں میں محدثین ہوا کرتے تھے، اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو وہ عمرؓ ہیں''۔

غرض ختم نبوت کے بعداب جونعمت اہلِ ایمان کیلئے باقی رہ گئی ہے وہ صرف دو ہیں، رویائے صالحہ اور الہام، لیکن چونکہ نبی کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں اور نہ اس کی سچائی کی کوئی قطعی شہادت موجود ہے، اس لئے کسی مومن کے رویائے صالحہ اور الہامات کسی دوسرے شخص پر بلکہ خود اس پر حجت نہیں اور ان کے منجانب اللہ ہونے کا یقین کامل کرنا اور ان کی اطاعت و پیروی کرنا اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور ان کی صداقت پر تحدّی کرنا ضلالت و گمراہی ہے، ان رویائے صالحہ اور الہامات کے ذریعہ سے جو چیز مومن کو دی جاتی ہے وہ احکام نہیں ہوتے بلکہ صرف خوشخبریاں ہوتی ہیں، یعنی امرِ غیب اور مستقبل کے کچھ اطلاعات اور مناظر۔مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے مرض الموت میں حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا، حضرت ابوبکرؓ امام تھے اور صحابہ کرامؓ صف بستہ پیچھے، اُس وقت یہ آخری اعلان فرمایا:۔یاایھا الناس لم یبق من مبشرات النبوۃ الاالرویا الصالحۃ یراھا المسلم اوتری لہ ''اے لوگو! نبوت کی خوشخبریوں (غیبی ذرائع جو علم وخبر ہیں) میں سے اب کوئی چیز باقی نہیں رہی لیکن ایک رویائے صالحہ جو مسلمان اپنے متعلق آپ دیکھے یا کوئی دوسرا اس کے متعلق دیکھے۔''اس سے صاف ہوگیا کہ رویائے صالحہ شخصی احوال و مناظر سے متعلق ہے، اسی کتاب میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہمارے مقصد کے اثبات کیلئے اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلسِ نبویؐ میں خدام حاضر تھے، آپؐ نے فرمایا:۔ان الرسالۃ والنبوۃ قدانقطعت فلارسول بعدی ولانبی. ''رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا تو میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی''۔صحابہ پر یہ بات سخت گزری تو آپؐ نے فرمایا ولکن المبشرات، لیکن خوشخبریاں باقی ہیں، لوگوں نے عرض

کیا، یارسول اللہ! خوشخبریاں کیا ہیں؟ فرمایا "مردمومن کی رویائے صالحہ، وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے"۔ یہ تمام حدیثیں حقیقت میں جیسا کہ ترمذی وحاکم میں ہے، اس آیت کی تفسیر ہیں:۔اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ. لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ.

"ہاں اولیائے الٰہی کو کوئی خوف اور کوئی غم نہیں، جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے تھے، اُن کو دنیا اور آخرت میں بشارت ہے"۔ صحابہ نے پوچھا کہ دنیا میں ان کیلئے بشارت کیا ہے؟ فرمایا "رویائے صالحہ!" اس آیت پاک سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ ان مبشرات کے حصول کا ذریعہ ایمان اور تقویٰ کی تکمیل ہے، اور دوسری یہ کہ ایسے لوگوں کا نام جن کو یہ مرتبہ حاصل ہوا، اولیاء اللہ ہے، اور اس لئے ان کے اس رتبہ کا نام ولایت ہوگا۔ اسکو جزئی نبوت، لغوی نبوت، مجازی نبوت، نبوت ناقصہ، وغیرہ کے الفاظ سے ادا کرنا ایسی لفظی گمراہی ہے جو معنوی گمراہی کی طرف مفضی ہے اور اس سے شرک فی النبوۃ کی اُسی طرح بُرائیاں پیدا ہوں گی بلکہ ہوئیں اور ہو رہی ہیں، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مجازی معنوں میں ابن اللہ کہہ کر حقیقی معنوں میں عیسائی شرک فی التوحید میں مبتلا ہو گئے۔ کیونکہ ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ ہو چکا، دین کی تکمیل ہو چکی، دنیا میں خدا کا آخری پیغام دعوتِ محمدیؐ نے ذریعہ سامعہ نواز ہو چکا، معمارِ قدرت اپنی عمارت میں اس آخری پتھر کو اپنی جگہ پر رکھ کر اپنی تعمیر پوری کر چکا، درجہ بدرجہ ستاروں کے طلوع کے بعد وہ خورشید انور طالع ہوا جس کے لئے غروب نہیں، طرح طرح کی بہاروں کے آنے کے بعد باغِ کائنات میں وہ سدا بہار موسم آ گیا جس کے بعد خزاں نہیں۔ (بحوالہ کچھ ردوبدل کے ساتھ از سیرت النبی ﷺ جلد سوم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۲۷

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کا محسن اعظم بنایا

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ستائیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے جس کا عنوان ہے ''رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کا محسن اعظم بنایا'' بے شک آپ ﷺ کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے، کہ ہمارے نبی ﷺ کائنات کے سب سے بڑے محسن بن کر تشریف لائے، اگرچہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تمام انبیاء اکرامؑ بھی محسن بن کر آئے لیکن وہ صرف اپنی امت کے لئے اور محدود علاقے ومحدود زمانے تک کے لئے محسن بن کر آئے جبکہ ہمارے نبی پوری کائنات اور کائنات میں موجود ہر مخلوق کے لئے بلکہ قیامت تک آنے والی ہر قسم کی مخلوق کے لئے محسن اعظم بن کر تشریف لائے جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس کی وضاحت پیش کی جارہی ہے، جسکے مطالعے کے بعد یقیناً آپ بھی کہیں گے کہ حقیقتاً حضور ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا محسن اعظم بنایا گیا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے اور محسن نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر دانی کرنے اور آپ ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔ لیجئے محترم قارئین اس خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمایئے:۔

ستائیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

درحقیقت سرورِ کونین رحمۃ للعلمین ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو، آپ کی سیرت کا ہر جز انقلاب آفریں پیغام اور آب حیات کا درجہ رکھتا ہے اور قیامت تک کے لئے انسانوں کی فوز وفلاح کا معیار بھی ہے، اور اس میں کوئی زاویہ بربریت اور وحشت کا نظر نہیں آتا۔

آپ نے مٹی کے ذروں اور پانی کے قطروں، امنڈتے بادلوں، چڑھتی گھٹاؤں کوندتی بجلیوں، زمین کی پستیوں اور بلندیوں، خشکیوں اور تریوں میں خدا کے جلوے انسانوں کو دکھائے، دشمنوں کو اپنی دلفریب تعلیم و تربیت سے اپنا جانثار بنایا، انسانوں میں سے مال و دولت، نسل اور رنگ کے بھید بھاؤ کو یکسر مٹایا۔ حسب و نسب کے بت پاش پاش کیے، اونچ نیچ کے فرق کو نیست و نابود کر دیا۔

فخر الانبیاء ختم الرسل کی ذات مقدس کے جس شعبہ زندگی کا بھی مطالعہ کیا جائے شفقت ہی شفقت، رحمت ہی رحمت نظر آتی ہے۔

رسم دنیا ہے اطاعت کے جواب میں شفقت، عقیدت کے جواب میں الفت بے مروتی کے بدلے سلوک، یہ خصوصیت ہے محسن اعظم ﷺ کی عام طور پر جب انسان کے پاس دولت و طاقت کی فراوانی ہوتی ہے تو اس کا اخلاق گر جاتا ہے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کو معاشی و سیاسی طاقت حاصل ہوتی گئی آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ پر مزید رنگ چڑھتا گیا۔

تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملے گی جس کو گالیاں دی گئی ہوں اسے تحفہ پیش کیا گیا ہو، جس کو خاردار راستہ پر چلایا گیا ہو، اس کے عوض پھول نچھاور کیے گئے ہوں، جس نے پتھر برسائے ہوں اس کو گلدستہ پیش کیا گیا ہو۔

اگر وہ مثال اور نمونہ ملے گا تو وہ سرزمین حجاز کے باسی، وہ ارض بطحا میں گشت کرتے سالار قوم حضرت محمد ﷺ کی ذات میں ملے گا۔

کون نہیں جانتا کہ فتحِ مکہ کے بعد صحن حرم میں دشمنان اسلام، سرداران قریش جمع تھے، ان میں وہ بھی تھا جو راہ مبارک پر کانٹے بچھایا کرتا تھا، ان میں وہ شقی بھی تھا جس نے گردن مقدس پر اوجھڑ ڈالی تھی، ان میں وہ ننگ انسانیت بھی تھا جس نے حضرت سمیہؓ کو شرمناک طریقے پر شہید کیا تھا۔ اور فخرِ موجودات علیہ الصلوۃ والسلام کے قلب مبارک کو دکھی کیا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سب کو مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ اے قریش! کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟

قریش مزاج شناس تھے، تاڑ گئے، آواز میں رحمت کی بو آتی ہے، رحمت کا سہارا لے کر بولے آپ سے بھلائی ہی کی توقع رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں، شریفوں سے نیکی ہی کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ نبی رحمت نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں جاؤ! تمہیں یتیم نہیں بنایا جائیگا، مکہ کی بہنوں سے کہہ دو تمہارے دوپٹے نہیں اتارے جائیں گے۔

آج جس نے گلے پر تلوار چلائی تھی آج اس کو گلے سے لگایا جائیگا، جس نے سینے میں خنجر گھونپا تھا اس کو سینے سے چمٹایا جائیگا۔ جو پیغام موت بن کر حملہ آور تھا اسکو جام حیات دیا جائیگا۔ آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ! تم سب کے سب آزاد ہو۔ پھر اعلان فرمایا۔

آج جو ابوسفیان کے گھر چلا گیا اسکو امان ہے۔ جو مسجد حرام میں چلا گیا اسکو امان ہے جس نے گھر کا دروازہ بند کرلیا اس کو امان ہے۔ آج بدلہ نہیں، معافی کا دن ہے۔''

وحشی جو آنحضرت ﷺ کے محترم حضرت امیر حمزہؓ کا قاتل تھا ندہ جو رئیس کفار ابوسفیان کی بیوی تھی، وہ ہندہ جو معرکہ احد میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گا گا کر سپاہیوں کا دل بڑھاتی اور جوش دلاتی تھیں اس نے نذر مان رکھی تھی جب تک حمزہ کا کلیجہ چاک کر کے نہ چباؤں گی اس وقت تک چین نہ لوں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ شہید کر دیئے جاتے ہیں۔ ہندہ سینہ چاک کرتی ہے۔ کان، ناک کاٹ کر ہار بناتی ہے کلیجہ چباتی ہے اور اپنی ناپاک روح کی جھوٹی تسلی دیتی ہے۔

ان میں عکرمہ بھی تھا جو دشمن اسلام ابوجہل کا فرزند تھا۔ اس میں صفوان بن امیہ تھا جو مسلمانوں کا شدید ترین دشمن تھا۔ بہار بن اسود جو ایک حد تک حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا قاتل تھا۔ ابوسفیان جو سرغنۂ کفر و شرک تھا، یہ سب ایک بارگاہ رسالت عزت مآب میں باریاب ہوئے اور اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ دفعۃً باب رحمت وا ہوا۔ دوست و دشمن کی تمیز یکسر مفقود ہوگئی۔

آپ نے طائف کا نام سنا ہوگا۔ وہ طائف جس نے مکہ کے عہدِ ستم میں آپ کو پناہ

نہیں دی۔ بات تک نہ سننی چاہی۔ جہاں آپ کی تحقیر کی گئی۔ جہاں بازار والوں نے آپ کی ہنسی اڑائی۔ شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور پتھروں کی بارش برسائی۔ آپ لہولہان ہو گئے۔ حتیٰ کہ نعلین مبارکین خون سے بھر گئے۔ جب تھک کر بیٹھ جاتے تو شریر آپ کا بازو پکڑ کر اٹھاتے جب آپ چلنے لگتے تو پتھر برساتے پہاڑ کے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے جاؤ، میرے محبوب کو جس طرح ہو تسکین دو فرشتے دست بستہ عرضِ خدمت ہوئے، یا رسول اللہ، اجازت ہو تو بدبختوں اور گستاخوں کو پہاڑ کے بیچ پیس دیں کہ صفحۂ ہستی سے نام و نشان تک نہ باقی رہ جائے۔

موقع تھا کہ آج اوباشوں کے شر کا دنداں شکن جواب دیا جاتا۔ اینٹ کا جواب پتھر نہیں چٹانوں سے دیا جاتا۔ رحمت عالم کی صفتِ رحیمی ملاحظہ فرمایئے۔

جنابِ رحمت للعالمیں نے سن کے فرمایا
کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بنکر نہیں آیا
میں کیوں ان کیلئے قہرِ الٰہی کی دعا مانگوں
بشر ہیں بے خبر کیوں تباہی کی مدد مانگوں

رسول اکرم ﷺ کو اس دن اس قدر تکلیف پہنچی تھی کہ نو برس بعد جب حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا کہ تمام عمر میں سب سے زیادہ تکلیف کا دن آپ پر کون سا آیا تو آپ نے اسی طائف کا ذکر فرمایا کہ وہ شام میری زندگی کی سخت ترین شام تھی۔

عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین تھا۔ حضور ﷺ کی درپردہ دشمنی میں کبھی کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ ہر موقعہ پر خفیہ سازشوں کا جال پھیلاتا۔ حضور اور مسلمانوں کی اہانت کا اعلانیہ مرتکب ہوتا۔ اسی پر بس نہیں حضرت عائشہؓ پر افترا پردازی سے باز نہیں آیا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ درگزر کیا۔ یہاں تک کے اس کے انتقال پر کفن کے لئے اپنا کرتہ مرحمت فرمایا۔

یکتائے روزگار کی شانِ رحیمی دیکھئے۔ سخی وقت حاتم طائی کی بیٹی سفانہ ۹ھ میں جنگی قیدی بنکر رسول اللہ کی خدمت میں پیش ہوئیں۔ وہ ننگے سر تھی، آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا میرا رومال اس کے سر پر ڈال دو۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا، حضور ﷺ! رومال جس کے ایک ایک دھاگہ عفت و پاکیزگی پر فرشتے رشک کرتے ہیں وہ ایک کافرہ

کے سر پر؟ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا بیٹی بہر حال بیٹی ہوتی ہے دوست کی ہو یا دشمن کی۔ جس طرح بے پردگی اپنی بیٹیوں کے لئے پسند نہیں اسی طرح اوروں کی بیٹیوں کے لئے بھی گوارا نہیں۔ سرورِ عالم نے حاتم کی بیٹی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا جاؤ! بیٹی تیرے باپ کی نیک نامی اور انسان دوستی کے صلہ میں تم کو آزاد کرتا ہوں۔ بنت حاتم عرض خدمت ہوئی۔

مروت نہ بینم رہائی ز بند   بہ تنہا و یارانم اندر کمند

اس نے عرض کیا میں بنت حاتم ہوں میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ قبیلے کے لوگوں کو گرفتار چھوڑ جاؤں اور خود آزادی حاصل کرلوں۔ حضور ﷺ! میں اپنی رہائی کے ساتھ اپنے قبیلے کے قیدیوں کی بھی رہائی کی تمنا رکھتی ہوں۔ سرورِ کونین ﷺ مسکرائے اور ارشاد فرمایا۔ جاؤ تمہیں تمہارے باپ کی سخاوت اور انہیں تمہاری انسانی مروت کی وجہ سے پروانہ آزادی عطا کرتا ہوں۔ زادِ راہ دے کر اسکے پاس ملک شام بھجوانے کا حکم صادر فرمایا۔

رحمت عالم ﷺ کی بے پایاں شفقت اور کردار کی حلاوت نے دل موہ لیا، قبیلہ طے کے لوگ اشکبار ہو گئے، اور عرض خدمت ہوئے یا رسول اللہ! جب آپ ﷺ نے دنیا کی قید سے رہائی فرمادی تو ہمیں آخرت کی قید سے بھی خلاصی کروادیجئے، اور اگلے لمحہ ہی وہ جام وحدت سے سرشار ہو گئے۔

پیغمبر اعظم ﷺ کا یہی انقلابی کردار تھا۔ جس نے دنیا کو مسخر کردیا۔ کہنے والے نے سچ کہا ہے، تلوار سر کاٹتی ہے کردار دل جیتتا ہے، تلوار کی پہنچ گلے تک اور کردار کی پہنچ دل کی گہرائی ہوتی ہے۔ جہاں تلوار کا نام ہوتی ہے وہاں کردار فتح کا جھنڈا گاڑتا ہے۔ تیر و تلوار کی طاقت سے زمین تو چھینی جاسکتی ہے۔ مگر کسی کا دل نہیں جیتا جاسکتا۔ دلوں کو ہاتھ میں لینے کے لئے ضروری ہے محسن اعظم ﷺ کے اخلاق حسنہ کی"۔

محسن اعظم ﷺ کے انسانوں پر احسان عظیم

ذی الحجہ ۱۰ھ ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر محسن انسانیت رحمت عالم ﷺ

نے میدان عرفات میں کم وبیش ایک لاکھ اصحاب کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فوقیت حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے، ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ (مسند احمد)

سرور کائنات فخر موجودات رحمت عالم ﷺ نے فرمایا اس حدیث پاک میں عالمگیر اخوت اور مساوات انسانی کا جو بلند نظریہ ایک سرکش اور نسلی امتیازات میں ڈوبی ہوئی دنیا کے سامنے پیش کیا، زمانہ قدیم وجدید کے سارے دانا وحکماء اس سے بہتر اور جامع تصورات اتنے مختصر الفاظ میں پیش نہیں کر سکے۔ محمد رسول ﷺ نے یہ آواز اس وقت بلند کی جب انسانوں نے رنگ نسل، وطن، زبان، معیشت، اور سیاست کی غیر عقلی تفریقوں سے انسانیت کی بیسیوں حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ بادشاہوں نے خدائی کا رتبہ پایا تھا اور ان کو سجدے کئے جاتے تھے۔ مذہبی پیشواؤں نے رسولوں، ولیوں اور شہیدوں کو خدائی اور الوہیت تک پہنچا دیا تھا۔ قوموں نے بھی اپنے الگ الگ امتیازی رتبے قائم کر لئے تھے۔ بنی اسرائیل اپنے آپ کو خدا کا کنبہ کہتے تھے اور دوسرے سب ان کے نزدیک ہیچ تھے۔ ہندوؤں میں برہمن خدا کے منہ سے اور شودر اس کی ٹانگوں سے پیدا ہوئے تھے۔ روم میں رومی خاص بادشاہی کے لئے اور تمام غیر رومن صرف غلامی اور چاکری کے لئے تھے۔ عرب میں قبائل کی باہمی شرافت کی زیادتی اور کمی کا اس درجہ لحاظ تھا کہ لڑائی میں اپنے سے کم رتبہ آدمی پر تلوار چلانا بھی باعث ننگ سمجھا جاتا تھا۔ غزوہ بدر کے آغاز میں قریش کے عقبہ، شیبہ اور ولید نے اپنے مد مقابل ہونے والے انصار سے اس عذر کی بناء پر لڑنے سے انکار کر دیا کہ اہل مدینہ ان کے ہم رتبہ نہیں ہیں۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی آواز تھی جس نے پستی و بلندی اور عزت وذات کی خود ساختہ دیواروں کو ڈھا دیا، اور سب انسانوں کو انسانیت کی ایک سطح پر لا کھڑا کیا۔

اس سے پہلے فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جابرہ قریش کے مجمع میں کھڑے ہو کر اعلان فرمایا تھا: ”اللہ نے جاہلیت کا غرور اور باپوں پر فخر کا دعویٰ باطل کر دیا۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے“۔

یہی وہ تعلیم تھی جس نے تمام انسانوں کو خواہ عرب ہوں یا ہندی، فرنگی ہوں یا حبشی، ایرانی ہوں یا تورانی، کالے ہوں یا گورے سب کو ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑا کر دیا اور توحید و رسالت کے اقرار پر بلا امتیاز رنگ و نسل سب انسانوں کو بھائی بھائی قرار دیا اور تقویٰ کے سوا ہر پیدائشی اور فرضی امتیاز کو باطل قرار دیا۔ سورۃ الحجرات میں ارشاد ہوا ہے۔

''تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جس سب سے زیادہ متقی ہے۔ گویا اسلامی اخلاقیات اور انسانی فضیلت کا قرآنی معیار صرف تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے لفظی معنی ڈرنے کے ہیں اور مجازی معنی پرہیز گاری کے ہیں۔ شریعت میں تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی سختی سے پابندی کی جائے اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے ہر صورت میں بچا جائے گویا جو شخص جتنا زیادہ خدا سے ڈرے گا۔ اچھے کاموں کی طرف سبقت کرے گا اور برے کاموں سے اپنا دامن بچائے گا، اسی کے مطابق اسلامی معاشرے میں اس کا مرتبہ و مقام متعین کیا جاسکے گا۔ اس معیار کی رُو سے اعتقاد اور عمل کی بنیاد پر تو انسانوں میں فرق مراتب ہوسکتا ہے لیکن ان میں انسانیت کا رشتہ بہر حال قائم رہتا ہے۔ کیونکہ ہر انسان سے بلالحاظ مذہب ملت اور رنگ و نسل اچھا برتاؤ کرنا بھی تقویٰ ہی کی ایک شاخ ہے۔ حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (یعنی کنبہ) ہے۔ اس لئے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال یعنی اس کی مخلوق کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے''۔ (رواہ بیہقی)

سرور دو عالم ﷺ نے مساوات انسانی اور باہمی فضیلت کا جو اصول مقرر فرمایا اس کا صرف اعلان ہی نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے دنیا کو اس کا عملی مشاہدہ بھی کرادیا۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ ایک غریب الدیار غلام تھے۔ حضور ﷺ نے ان کو آزاد فرما کر اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا اور وہ زید بن محمد ﷺ کے نام سے مشہور ہوگئے۔ ان پر حضور ﷺ کی شفقت

کا یہ عالم تھا کہ لوگ انہیں حب الرسول (رسول اللہ ﷺ کے محبوب) کہا کرتے تھے حضور ﷺ نے ان سے اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی زینبؓ بنت جحش کا نکاح کردیا اور زینبؓ جس رتبہ کی خاتون تھیں اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت زیدؓ سے علیحدگی کے بعد ان کو ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت زیدؓ کے فرزند حضرت اسامہؓ کو حضور ﷺ اپنے ایک زانو پر اور اپنے نواسے حضرت حسنؓ کو دوسرے زانو پر بٹھا کر فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ۔ اس بے پایاں شفقت کا مَورِد ہونے کی بنا پر اسامہؓ بھی حب النبی مشہور ہوگئے تھے۔ یہی اسامہؓ تھے جن کو حضور ﷺ نے اپنے وصال سے پہلے ایک لشکر کا امیر مقرر فرما کر سرحد شام کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح اور دوسرے بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام تھے۔ بعض لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں کہ ایک انیس سالہ نوجوان غلام زادے کو بزرگ صحابہؓ پر امیر مقرر فرمایا گیا ہے تو حضور ﷺ سخت ناراض ہوئے اور خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ اس کا باپ بھی مجھے محبوب تھا اور یہ بھی مجھے تم سب سے بڑھ کر محبوب ہے وہ بھی امارت کے اہل تھا اور یہ بھی امارت کا اہل ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کو حضور ﷺ نے اپنے گھر کا فرد قرار دیا۔ حضرت بلال حبشیؓ کو حضور ﷺ نے اپنے گھر کا سارا انتظام سپرد کردیا اور مسجد نبوی کا مؤذن مقرر فرمایا۔ حضرت صہیب رومیؓ کو بہترین انسان قرار دیا۔ حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ کو مسلمان کا امام نماز مقرر فرمایا۔ حضرت مقدادؓ بن الاسود کندی سے اپنی بنت عم ضباعہؓ بنت زبیر کا نکاح کردیا۔

حضرت بلال حبشیؓ کی صحابہ کرام کے نزدیک یہ قدر و منزلت تھی کہ وہ انہیں "سیدنا" اے ہمارے سردار کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت بلالؓ نے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تو تمام مہاجرین اور انصار نے جو شرفائے عرب کا خلاصہ تھے ان کے سامنے دیدہ و دل فرش راہ کردیئے اور ہر ایک نے آگے بڑھ کر بصد خلوص کہا کہ آپ کو اپنا خویش بنانے سے بڑھ کر ہمارے لئے کون سی عزت ہوسکتی ہے۔ ایسا ہی مقام و مرتبہ

دوسرے غریب الدیار صحابہؓ میں اس قسم کی بیسویں مثالیں اور بھی ملتی ہیں۔

یہ تو تھی مساوات انسانی اور معیار فضیلت کی نبوت تعلیم۔ اب ہم احترام انسانیات کو لیتے ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ حقیقت ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ آنحضور ﷺ کی بعثت سے پہلے جو اس دنیا میں تشریف لائے اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک یا علاقے کے باشندے کی ہدایت واصلاح کے لئے مامور فرمایا تھا اور وہ بھی ایک محدود وقت کیلئے۔ یہ شرف اور اعزاز صرف رسولِ معظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا کہ آپ ﷺ کو صرف اپنے ملک یا اپنے زمانے کیلئے نہیں بلکہ قیامت تک پوری نوع بشری کیلئے مبعوث فرمایا گیا۔ یہ حقیقت قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے مثلاً سورۃ ''سباء'' میں فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا. (آیت ۲۸) یعنی ہم نے آپ کو روئے زمین کے تمام انسانوں کی طرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

سورۃ ''الاعراف'' میں ارشاد ہوا ہے: قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعاً. (آیت ۱۵۸) یعنی اے نبی کہہ دو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

سورۃ ''الانبیاء'' میں فرمایا گیا: وَمَآ اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (آیت ۱۰۷)

یعنی اے نبی ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔

مسند احمد میں بروایت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ عنہ خود آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے بُعِثْتُ اِلَی الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ یعنی میں گورے اور کالے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اپنے پیارے حضور ﷺ نے فرمایا اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً یعنی میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مسند احمد میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد نقل ہوا ہے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ یعنی میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچا دوں یا ان کی تکمیل کو پہنچا دوں یا ان کی تکمیل کردوں۔ گویا حضور ﷺ کی معلمانہ شان یہ تھی

کہ آپ انسانی زندگی کے تمام فضائل اخلاق کو کمال تک پہنچادیں اور یہ کام آپ نے اس طرح انجام دیا کہ یہ دنیائے رنگ وبو مومنین اور مومنات کے مکارم اخلاق کی خوشبو سے مہک اٹھی اور ان کی سیرت وکردار رضائے الٰہی کے طالبین کے لئے ابدالآباد تک نمونہ بن گئی ۔فضائل اور مکارم اخلاق کی تعریف اور مفہوم بہت وسیع ہے ۔اس میں رضا بالقضا، اخلاص وللہیت ، راستبازی، خوش خلقی ،حلم وتحمل ،صبر وشکر ،عفوو درگزر ، زہدوقناعت ،رحم وشفقت ، اطاعت والدین صلہ رحمی ،سخاوت وایثار ، باہمی انس ومحبت ،دیانت وامانت ۔اور خدمت خلق وغیرہ جیسے فضائل کے علاوہ احترام انسانیت کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔احترام انسانیت، رواداری اور کشادہ دلی کا دوسرا نام ہے اور اس سے امن وسلامتی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے احترام انسانیت نام کی کسی چیز کا وجود دنیا میں نہ تھا اور دنیا کے مختلف مذاہب کے پیروؤں میں بعض ایسے غلط تصورات اور عقائد رواج پا گئے تھے جو انسانی شخصیت کی نشوونما میں سنگ گراں بن کر حائل ہو گئے تھے مثلاً یہ کہ عبادت کا مقصد جسم کو زیادہ سے زیادہ تکلیف دینا ہے، نجات اخروی دنیا سے یکسر قطع تعلق کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے، انسان کی اپنی اس کی بیوی اپنی اولاد سب کی جانیں اس کی ملکیت میں لہٰذا اسے خودکشی کرنے ،اولاد کو کسی بت کی بھینٹ چڑھانے یا زندہ درگور کرنے کا پورا حق ہے اور شوہر کے مرنے پر بیوی کو بھی اس کے ساتھ مرنا پڑے گا، دین اور دنیا بالکل الگ الگ ہے۔خدا کا حق خدا کو دو اور بادشاہ کا حق بادشاہ کو وغیرہ وغیرہ۔آنحضور ﷺ نے ان تمام تصورات اور عقائد کو باطل قرار دیا اور دنیا کو بتایا کہ اپنی طاقت سے بڑھ کر عبادت کرنا روا نہیں ۔رہبانیت اسلام میں جائز نہیں ۔ان کی جان اللہ کی امانت ہے اسکو خود یا اپنی اولاد کو ہلاک کرنے کا کوئی حق نہیں اور نہ اس کی بیوی اس کے ساتھ مرنے کی پابند ہے۔دنیا دین کی تابع ہے ان کو الگ کرنے سے گمراہی پھیل سکتی ہے۔ساتھ ہی آپ ﷺ نے لوگوں کو بتایا کہ خالق کائنات نے انسانوں کو اپنا خلیفہ ٹھہرایا ہے اور وہ کائنات کا انتہائی قابل احترام وجود ہے۔

رحمت عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو اپنا دستور العمل قرار دیا:

"یعنی جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے (یا قصاص) یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانی کو قتل کیا اور جس نے کسی انسان کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانیت کی جان بچائی۔"

مطلب یہ کہ جو شخص کسی ناحق کی جان لیتا ہے وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے اور جو کسی کی جان بچاتا ہے وہ پوری انسانیت پر احسان کرتا ہے۔

حضور ﷺ کے اسلوب دعوت وارشاد کے دو پہلو تھے، ایک تو اس ارشاد خداوندی کی تعمیل تھا "یعنی آپ حکمت، شیریں زبانی اور نرمی سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے۔" دوسرا پہلو یہ تھا کہ جو تعلیم آپ نے زبانی دی اس پر عمل کر کے بھی امت کو دکھایا۔ اس طرح آپ ﷺ کی ذات گرامی نوع انسانی کے لئے بہترین نمونہ بن گئی۔ آپ ﷺ نے عصبیّت اور تعصب کو سخت گناہ قرار دیا ہے اور فرمایا کہ جو شخص عصبیّت سے کام لے وہ ہم میں سے نہیں ہے، پوچھا گیا! یارسول اللہ ﷺ! عصبیّت کیا ہے؟ فرمایا ظلم میں اپنی قوم کی حمایت کرنا (یا اپنی قوم کی بے جا حمایت کرنا یا اپنی قوم کی ناحق اور ناروا بات پر مدد کرنا)

مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی تاسیس کے وقت غیر مسلموں کو بھی مسلمانوں کے برابر بنیادی حقوق عطا فرمائے۔ مثلاً جان و مال اور عزت وآبرو کا تحفظ، عقیدہ کی آزادی کا تحفظ وغیرہ۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن جنازہ ہمارے پاس سے گزرا۔ رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے، ہم لوگ بھی آپ ﷺ کے اتباع میں کھڑے ہوگئے، پھر ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ یہ تو ایک یہودی کی میت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ انسان نہیں تھا؟ اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کے نزدیک ایک انسان کی بلالحاظ مذہب وعقیدہ کیا قدر و قیمت تھی۔

آنحضور ﷺ نے بنی نوع انسان کو احترام انسانیت کا جو درس دیا اس کو ایک پہلو یہ

بھی ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے قاصدوں کا چنداں احترام نہ کیا جاتا تھا۔ اور بعض اوقات انہیں قتل کیا جاتا تھا۔ اسی طرح عرب اور دنیا کی دوسری اقوام اسیرانِ جنگ سے نہایت برا سلوک کرتی تھیں۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ قاصدوں کو ہرگز قتل نہ کیا جائے اور اسیران جنگ سے نہایت اچھا سلوک کیا جائے۔ جنگ بدر میں جو لوگ قید کئے گئے ان کے بارے میں آپ ﷺ نے صحابہؓ کو تاکید فرمائی کہ ان کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ خود بھوکے رہتے تھے یا کھجوریں کھا کر گزارا کر لیتے تھے لیکن قیدیوں کو اچھے سے اچھا کھانا کھلاتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ عورتوں بچوں اور گوشہ نشین راہبوں پر بھی ہاتھ اٹھانے سے منع کر دیا۔

مختصر یہ کہ ہم پوری تحدی کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسانیت کے سلسلے میں محسن انسانیت ﷺ کی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو رنگ و نسل پر تفریق اور امتیاز سے پیدا ہونے والے یکسر ختم ہو سکتے ہیں۔ (بحوالہ حسنت جمیع فصالہ)

محسن اعظم ﷺ کے مزید احسانات

محسنِ عالم سرورِ کائنات موجودات جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے کسی بھی پہلو پر نظر ڈالیں وہ اتنا پاکیزہ، کامل اور ارفع و اعلیٰ نظر آتا ہے کہ زبان بے اختیار محوِ درود وسلام ہو جاتی ہے۔ محسنِ عالم کی کفالتِ عامّہ بھی آپ ﷺ کی حیاتِ اقدس کا ایک ایسا درخشاں پہلو ہے کہ جس کے فیوض و برکات کی وسعتوں کو دیکھ کر انسان ورطۂ حیرت میں گم ہو جاتا ہے۔ کفالت کے لغوی معنی ہیں ذمّہ داری یا ضمانت اور عامّہ سے مراد ہے عُمومی یا عوام النّاس۔ اصطلاحی طور پر عام لوگوں یا مخلوقِ خدا کی مادّی ضروریات پورا کرنے کو کفالتِ عامّہ کہا جا سکتا ہے۔ اسے اگر مُعاشی یا فلاحی نظام بھی کہہ لیا جائے تو ایک حد تک صحیح ہو گا۔ محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں تشریف لا کر جو انقلاب برپا کیا اس سے زیادہ بابرکت، جامع ہمہ گیر اور بھرپور انقلاب روئے زمین پر آج تک برپا نہیں ہوا۔

یہ انقلاب بیک وقت روحانی بھی تھا، اخلاقی بھی اور معاشی بھی۔ یہ تینوں پہلو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ اگر ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے تو اس پر محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلامی انقلاب کا اطلاق نہیں ہوگا بلکہ یہ چیزیں دگر ہوگی۔ یہاں اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ قرآنِ حکیم کی عملی تفسیر تھی۔ قرآن پاک کے احکام ومنشاء اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عمل میں سرِ مُو فرق نہ تھا۔ آپ ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا جو نظام قائم فرمایا وہ یکسر قرآنی انقلاب یا قرآنی نظام تھا۔ قرآنِ حکیم نے بنی نوعِ انسان کو جو معاشی تصور دیا وہ محض مادّی تصور نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم انسان کو بندۂ شکم بننے کی تلقین نہیں کرتا بلکہ قرآن کا معاشی تصور ایک اخلاقی اور روحانی دستور العمل ہے جو روح اور جسم دونوں کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اور دونوں کی نشوونما اور بالیدگی کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ دونوں میں ایسی ہم آہنگی پیدا کرتا ہے کہ دونوں ایک ہی راہ پر اور ایک ہی منزل کی جانب گامزن نظر آتے ہیں۔

محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے مطالعے سے آپ ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب کا جو نقشہ ذہن پر ابھرتا ہے اسکا بنیادی نکتہ رزقِ حلال اور اس کے حصول کے لئے جدوجہد ہے، لیکن بات کسبِ حلال ہی پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اسلام جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت پر بھی کلی تصرُّف اور اختیار کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اس پر کچھ ایسی پابندیاں اور شرائط عائد کرتا ہے جن پر عمل کرنے سے معاشرہ ایک ایسی جنت بن جاتا ہے جس میں شرفِ انسانی کا احترام بھی ہے اور انسان کی روحانی اور معاشی احتیاج کا علاج بھی۔ اس میں طاقتور، کمزور کا استحصال نہیں کرسکتا۔ اس میں بھوک اور ننگ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ غریب پر زندگی دوبھر نہیں ہوتی۔ امیر، امیر تر اور خزانے کا سانپ بننے کا موقع نہیں پاسکتا۔ اس میں بندہ اور آقا کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ گورے کا کالے سے اور عربی کا عجمی سے نفرت کا احساس ہی نہیں رہتا، اس میں کمزوروں، اپاہجوں، بوڑھوں، بے روزگاروں، یتیموں اور بیواؤں کے حق کو تسلیم کیا جاتا ہے اور ان کی کفالت کی ذمہ داری قبول کی جاتی

ہے۔اس میں دولت مند غریبوں کواپنی دولت میں حصہ دار بنانے پر مجبور ہیں۔اس میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ قوم کے غیر مسلم افراد بھی مسلمانوں کی مانند بیت المال سے اپنی احتیاج پوری کر سکتے ہیں۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محسنِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم جو انقلاب لائے وہ شروع میں صرف روحانی اوراخلاقی انقلاب تھا لیکن جب ہم قرآنِ حکیم کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ انقلاب ابتداء ہی سے بیک وقت روحانی اوراخلاقی بھی تھا اور معاشی بھی۔ہاں یہ درست ہے کہ ابتداء میں یہ انقلاب افراد کی ذاتی زندگیوں تک محدود تھا کیونکہ اس وقت تک کوئی اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا دور تھا۔ہجرتِ مدینہ کے بعد جب ایک اسلامی ریاست کی تاسیس ہوئی تو یہ انقلاب ریاستی سطح پر بھی عمل میں آگیا۔قرآنِ پاک کی ابتدائی مکی سورتوں میں جہاں نماز کی تلقین کی گئی ہے اوراللہ سے تعلق جوڑنے کی ترغیب دی گئی ہے وہاں مال کوسینت سینت کرر کھنے،یتیموں کو دھکّے دینے اور مساکین کو کھانا کھلانے سے گریز کی سخت مذمّت کی گئی ہے۔ابتدائی مکی سورۃ''الھمزہ''میں فرمایا گیا ہے:''ہلاکت ہے ہر عیب چینی اورغیبت کرنے والے کیلئے جو مال جمع کرتا اوراسکوگن گن کرر کھتا ہے اورخیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ کی زندگی بخش دے گا،ایسا ہر گز نہیں ہوگا،اسے ہڈیوں کو چٹخا دینے والی دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔''

سورۃ''الماعون''میں ارشاد ہوتا ہے:''کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو جزا کے دن کو جھوٹ سمجھتا ہے یہی ہے جو یتیم کو دھکے دے کر نکال دیتا ہے اور مسکین کو خود کھانا کھلانا تو در کنار اسکی ترغیب بھی نہیں دیتا۔تو ایسے شخص کیلئے ہلاکت ہے۔''

سورۃ''التکاثر''میں فرمایا گیا ہے:''تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اورایک دوسرے سے بڑھ کر مال حاصل کرنے کی دُھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے اور یہ ہَوَس تمہیں مرتے دم تک لگی رہتی ہے۔(اس ہوس کا نتیجہ تم بہت جلد دیکھ لوگے)''

کفالتِ عامہ کا جذبہ محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرتِ پاک ہی میں ودیعت کیا گیا تھا۔ بعثت سے پہلے بھی آپ ﷺ کی جو کیفیت تھی اسکا اندازہ اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃُ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اُن الفاظ سے کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے اُس وقت کہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے پہلی وحی کا ذکر فرمایا۔۔ یہ الفاظ بے اختیار ان کی زبان پر آگئے: ''آپ ﷺ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، امانتیں ادا کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں اور بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔'' (صحیح بخاری)

محسنِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا یہی پہلو ہے جس کو مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مسدّسِ حالی'' میں یوں بیان فرمایا:

وہ نبیوں میں رحمت کا لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ — یتیموں کا والی غلاموں کا مولےٰ

مکّی دورِ زندگی میں حضور ﷺ کی کفالت عامہ کی یہ شان تھی کہ رشتہ داروں کی مدد کرتے تھے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور بیکس غلاموں کی سرپرستی اور اعانت فرماتے تھے اور ساتھ ہی اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی احکامِ خداوندی کے مطابق اِنفاق فی سبیل اللہ کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے ایثار و سخاوت کو دیکھ کر متموّل صحابہؓ کے اندر غریب پروری کا جذبہ خود بخود ابھرنے لگا اور وہ کسی جبر و تشدّد کے بغیر بلکہ رضا و رغبت کے ساتھ اللہ کی راہ میں بے دریغ مال خرچ کرنے لگے۔ مَدَنی دَور کا آغاز ہوا اور آپ ﷺ نے حکومتِ الٰہیہ کی بنیاد رکھی تو کفالتِ عامہ کا نہایت وسیع اور ہمہ گیر نظام قائم فرمایا۔ اس نظام کے تحت خمس، فے، زکوٰۃ، جزیہ اور خراج وغیرہ کے مال سے مسکینوں اور محتاجوں کی ضرورتیں پوری کی جاتی تھیں، مفلس مسلمانوں کے قرض اور خون بہا ادا کئے جاتے تھے۔ نادر مسلمانوں کے نکاح کرائے جاتے تھے اور اگر کبھی آمدنی کی کسی

بھی مد میں کچھ نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر قرض لے کر اہلِ حاجت کی ضرورتیں پوری فرماتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے مستقلاً یہ قاعدہ وضع کر دیا کہ:

''جو شخص قرض چھوڑ جائے یا اہل وعیال اس حال میں چھوڑ جائے کہ ان کی کفالت کا کوئی سامان نہ ہو تو وہ میرے حصّے میں ہیں اور ان کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔'' (صحیح بخاری)

قرآنِ حکیم میں بار بار دولت مندوں سے کہا گیا ہے کہ تمہارے مال میں غریبوں کا حق ہے اور تم ان کی مدد کر کے ان پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احکامِ الٰہی لوگوں کو پہنچاتے وقت اغنیاء کو بار بار تاکید فرمائی کہ تمہارے پاس جو کچھ مال ومتاع ہے سب اللہ کا بخشا ہوا ہے۔ غریبوں، یتیموں، اور مسکینوں کا تمہارے مال میں حق ہے، ان کا حق انہیں لوٹا دو۔ آپ ﷺ نے ان پر یہ بھی واضح کر دیا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ نکال کر اپنے آپ کو فارغ نہ سمجھ لو بلکہ تمہارے مال میں یقیناً زکوٰۃ کے علاوہ بھی غرباء ومساکین کا حق ہے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو زکوٰۃ وخیرات کا حکم دیا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا، اپنے اور اپنے اہلِ خاندان کیلئے زکوٰۃ اور صدقہ کے مال کو حرام قرار دیا لیکن دوسروں کے لئے سب کچھ وقف کر دیا، جو کچھ آیا اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ غزوات اور فتُوحات کے نتیجے میں مال واسباب کی کمی نہ تھی مگر وہ سب عامّۃ الناس کیلئے تھا۔ اپنے لئے اگر کچھ تھا تو بالعموم فقر وفاقہ ہی تھا۔ کوئی سائل آپ ﷺ کے در سے کبھی خالی ہاتھ واپس نہ جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عُمر کسی سوال کے جواب میں ''نہیں'' کا لفظ نہیں فرمایا۔ کبھی کوئی چیز تنہا نہیں کھاتے تھے۔ کتنی ہی تھوڑی ہوتی مگر آپ ﷺ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے کوئی یتیم بے سہارا رہ جاتا تو اس کی سرپرستی فرماتے۔ کسی بیوہ عورت کا کوئی پُرسانِ حال نہ ہوتا تو اس کی کفالت فرماتے۔ جن لوگوں کو تن ڈھانکنے کیلئے کپڑے میسر نہ ہوتے ان کو کپڑے عنایت فرماتے۔ عرب کے کونے کونے سے وفود آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے آپ ﷺ انکو کئی کئی دن تک مہمان رکھتے اور خوب خاطر تواضع کرتے۔ جب وہ جانے لگتے تو سب کو کچھ دے دلا کر رخصت فرماتے۔ ایک دفعہ ایک

بدو نے آ کر کہا: اے محمد (ﷺ) یہ مال نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے، میرے اونٹ کولاد دے حضور ﷺ نے اسکی بدتمیزی کا بُرا نہ مانا اور اسکے اونٹ کو جو اور کھجوروں سے لدوا دیا۔ (ابوداؤد)

ایک بحرین سے خراج میں بہت بڑی رقم آئی اسے چھوٹا موٹا خزانہ کہا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے صحنِ مسجد میں ڈال دیا جائے۔ فجر کی نماز کیلئے آپ ﷺ تشریف لائے تو خزانہ کے انبار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا جب سب ختم ہو گیا تو دامن جھاڑ کر اسطرح کھڑے ہو گئے کہ یہ گویا گرد تھی جو دامن پر پڑ گئی تھی۔ (صحیح بخاری) ایک دفعہ ایک نومسلم قبیلہ ہجرت کر کے مدینہ آیا۔ اس قبیلے کے لوگ بہت خستہ حال تھے اور ڈھنگ کا لباس بھی انہیں میسّر نہیں تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو مسجدِ نبوی میں جمع کیا اور انکو ترغیب دی کہ اس قبیلے کی مدد کریں اور غلّہ، کپڑا، درہم، کھجوریں غرض جو کچھ بھی راہِ خدا میں دے سکتے ہیں لے آئیں۔ اگر کسی شخص کو چھوہارے کا ایک ٹکڑا دینے ہی کی استطاعت ہو تو وہ ضرور دے۔ آپ ﷺ کی ترغیب کا یہ اثر ہوا کہ ہر صحابہ کے پاس جو کچھ تھا اس نے لا کر آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا، بعض نے گھر میں رکھا ہوا سارا غلّہ لا کر دے دیا۔ بعض نے اپنے کپڑے اتار کر دے دیئے۔ ایک انصاری نے اشرفیوں کا توڑا پیش کر دیا۔ یہ توڑا اتنا بھاری تھا کہ بمشکل ان سے اٹھ سکتا تھا۔ تھوڑی دیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے غلّہ اور کپڑے کے دو بڑے بڑے ڈھیر لگ گئے۔ نقد روپیہ اور دوسری اشیاء ان کے علاوہ تھیں۔ اس وقت خوشی سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک کندن کی طرح دمک رہا تھا (کیونکہ نو وارد قبیلے کی ضرورتیں خود بخود پوری ہو گئی تھیں) (صحیح مسلم۔ باب الصدقات)

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں اور میرے دو ساتھی قبولِ اسلام کے بعد اس قدر تنگ دست ہو گئے کہ فاقوں کی وجہ سے ہماری نظریں کمزور ہو گئیں۔ ہم نے بہت سے لوگوں سے اپنے تکفّل کی درخواست کی لیکن کسی نے حامی نہ بھری۔ بالآخر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی حالت بیان کی۔ آپ

ﷺ ہمیں اپنے گھر لے گئے اور تین بکریوں کو دکھا کر فرمایا کہ ان کا دودھ پیا کرو۔ چنانچہ جب تک ہمارے حالات درست نہ ہوگئے ہم ان بکریوں پر گزارہ کرتے رہے۔ (صحیح بخاری)

ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اے ابوذر اگر اُحُد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا بن جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے ایک دینار کی مقدار کے برابر بھی میرے پاس رہ جائے۔ البتہ یہ کسی قرض لے ادا کرنے کیلئے رکھ چھوڑوں۔''

ایک دفعہ فدک سے چار اونٹوں پر غلّہ اور کپڑا وغیرہ آیا۔ آپ ﷺ کے حکم کے مطابق اس میں سے کچھ لوگوں کو دیا گیا اور کچھ سے قرض ادا کیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: ''کچھ بچ تو نہیں رہا انہوں نے عرض کیا، اب کوئی لینے والا نہیں اس لئے کچھ بچ گیا ہے۔ فرمایا جب تک دنیا کا مال باقی ہے میں گھر نہیں جاسکتا۔ چنانچہ رات مسجد میں بسر کی۔ صبح کو حضرت بلالؓ نے آکر بشارت دی کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے آپ ﷺ کو سبکدوش کردیا۔ (یعنی جو کچھ تھا وہ سب تقسیم ہوگیا) (ابوداؤد)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ عامۃ الناس کی کفالت اپنے ذمہ لے رکھی تھی لیکن ساتھ ہی آپ ﷺ لوگوں کو رزقِ حلال کے حصول کیلئے تگ ودو کرنے اور دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانے کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنیوالا اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔ خود آپ ﷺ کو معمولی سے معمولی کام کرنے میں کوئی عار نہ تھی۔ آپ ﷺ بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے، اپنے جوتے اور کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے تھے، گھر میں جھاڑو دے لیتے تھے۔ بازار سے سودا سلف خود اٹھا کر لے آتے تھے۔ مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر کے وقت صحابہؓ کی طرح آپ ﷺ بھی اینٹیں اور گارا ڈھوتے تھے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کی کھدائی میں آپ ﷺ بھی برابر حصہ لیتے تھے۔ غرض آپ ﷺ نے کسب حلال کو جو اہمیت دی اور محنت کش اور مزدور کو جو عزت بخشی اس کے پیشِ نظر ہر شخص اپنا اور اپنے اہل وعیال کا خود کفیل بننے کی کوشش کرتا تھا البتہ جو لوگ کسی وجہ سے اپنی کفالت

نہیں کر سکتے تھے اور گردشِ زمانہ کے سامنے بے بس تھے حضور ﷺ کا بابِ رحمت ان کیلئے ہر وقت کھلا رہتا تھا اور آپ ﷺ کا سحابِ کرم اُن پر ہر آن جھوم جھوم کر برستا رہتا تھا۔

(بحوالہ حسنت جمیع خصالہٖ)

محسنِ اعظم ﷺ کے خواتین پر عظیم احسانات

انسانی تمدّن کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عورت کو دنیا کی حقیر ترین مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ نہ اس کے کوئی حقوق تھے اور نہ معاشرے میں اسکی کوئی عزّت تھی۔ اسے کوئی آئینی اور عمرانی حیثیت مطلق حاصل نہ تھی۔ عیسائی گناہ اور عورت کو ایک ہی چیز قرار دیتے تھے۔ یہودیوں کا یہ طریقہ تھا کہ بعض خاص حالات میں عورتوں کو گھروں سے نکال دیا کرتے تھے۔ رومی تہذیب میں عورت کی حیثیت ایک غلام کی تھی اور اس پر ہر قسم کی سختی کرنا جائز تھا۔ ایران میں مزدک نے عورت کو مشترکہ ملکیت قرار دے دیا تھا۔ ہندوستان کے لوگ عورت کو اپنی روحانی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے اور اس سے نہایت ذلّت آمیز سلوک کرتے تھے۔ عورت مجبور تھی کہ اسکا خاوند مر جائے تو وہ اس کے ساتھ ستی ہو جائے یعنی زندہ جل جائے مگر عورت کے مر جانے پر مرد بلا روک ٹوک دوسری شادی کر سکتا تھا بلکہ جتنی چاہے شادیاں کرنے کا حق رکھتا تھا۔ عرب میں عورت کو جوتی کی نوک کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ مرد جتنی عورتوں سے چاہے شادی کر سکتا تھا۔ کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تو اسے سخت ذلّت اور ننگ و عار کا باعث سمجھا جاتا تھا یہاں تک کہ بعض سنگدل بیٹیوں کو زندہ زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے۔ قرآنِ حکیم کی ''سورۃ النّحل'' میں ان لوگوں کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے:

''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اسکے چہرے پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔'' کہ اس بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلّت کے ساتھ

بیٹی کو باقی رکھے یا اسے کہیں لے جا کر مٹی میں دبا دے"۔

دختر کشی کے اس ظالمانہ اور وحشیانہ رواج کا نقشہ مولانا حالیؒ نے "مسدّسِ حالی" میں یوں کھینچا ہے:

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دُختر — تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور — کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اسکو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی — جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

زمانہ جاہلیت میں عرب میں مردوں کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ وہ جتنی عورتوں سے چاہیں شادی کرلیں۔ چنانچہ بعض لوگوں کی بیویوں اور لونڈیوں کی تعداد بیسیوں تک پہنچ جاتی تھی۔ کسی عورت کو چھوڑنا جوتی بدلنے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ باپ کے فوت ہوجانے کے بعد سوتیلی مائیں سوتیلے بیٹوں میں تقسیم کردی جاتی تھیں۔ وہ انکو لونڈیوں کی طرح فروخت کردیتے تھے یا اپنے گھر میں ڈال لیتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ "خدا کی قسم ہم زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کسی شمار میں نہیں لاتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں نازل کیا جو کچھ کہ نازل کیا اور مقرر فرمایا جو کچھ کہ مقرر فرمایا۔"

مختصر یہ کہ عجم ہو یا عرب، عورت ہر جگہ اپنے جائز معاشرتی، اخلاقی، تمدّنی اور معاشی حقوق سے یکسر محروم تھی اور ماں، بہن، بیٹی یا بیوی کی حیثیت سے وہ جس حسنِ سلوک اور احترام کی مستحق تھی، دنیا کی کسی قوم میں اس کا تصور تک نہیں تھا۔۔۔عورت ذات کے یہی مظلومانہ لیل ونہار تھے کہ کوہِ فاران کی چوٹیوں سے خورشید رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا طلوع ہوا اور یہ عالم رنگ وبو اللہ رب العزت کے نور سے جگمگا اٹھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعٰلمین بنایا اسلئے بنی نوع انسان کا کوئی بھی طبقہ آپ ﷺ کی رحمت ورافت سے محروم نہ رہا۔ رسولِ رحیم وکریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طبقۂ نسواں کو ذلّت اور پستی کی گہرائیوں سے نکال کر عزت وشرف اور احترام ووقار کے اتنے بلند مرتبے پر فائز کیا کہ

اسکے ساتھ حُسنِ سلوک اور اسکا احترام، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور فلاح دارین کا باعث ٹھہرا۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ خیر البشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے احکامِ الٰہی کی روشنی میں طبقۂ نسواں کو جو حقوق عطا فرمائے اور ان کی ہر شخصی حیثیت میں انکو جو مقام دیا، دنیا کی کسی قوم میں اسکی مثال نہیں ملتی۔

انسانی معاشرے میں عورت کی چار اہم حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک ماں ہے۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک بیٹی ہے۔ تیسری حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک بیوی ہے۔ چوتھی حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک بہن ہے۔ آیئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے یا بالفاظِ دیگر اللہ اور رسول ﷺ نے عورت ذات کو کیا مقام دیا ہے۔

عورت بحیثیت ماں

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک، ان کی تعظیم وتکریم اور معروف میں ان کی اطاعت کے جو تاکیدی احکام دیئے ہیں، اسکی نظیر کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔ سورۃ البقرۃ، سورۃ النساء، سورۃ الانعام، سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ لقمان، سورۃ العنکبوت اور سورۃ الاحقاف میں یہ احکام مختلف اسالیب میں ملتے ہیں۔ سورۂ لقمان میں جو حکم ہے اسکے اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماں کا حق باپ کے حق پر فائق ہے یہی بات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی واضح ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں چند مستند احادیث نبوی ﷺ ملاحظہ ہوں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھ پر خدمت اور حُسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہاری ماں کا، میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں کا، میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں کا، اسکے بعد تمہارے باپ کا حق ہے۔

معاویہ بن جاہمہؓ سے روایت ہے کہ میرے والد جاہمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے اور میں آپ ﷺ کی خدمت میں مشورہ لینے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا، کیا تمہاری ماں ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر اسی کے پاس اور اسی کی خدمت میں رہو۔ اسکے قدموں میں تمہاری جنت ہے۔ (مسند احمد، سنن نسائی)

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ نے تم پر اپنی ماؤں کی نافرمانی اور حق تلفی حرام کردی ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں ہجرت اور جہاد پر آپ ﷺ کی بیعت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اسکا اجر و ثواب چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہے؟ اس نے کہا دونوں ہی زندہ ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا تم اللہ تعالیٰ سے اجر چاہتے ہو؟ اسنے عرض کیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اپنے والدین کے پاس جاؤ اور انکے ساتھ نیک سلوک کرو اور انکی خدمت کرو۔ (صحیح مسلم) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خاک آلودہ ہو ناک اسکی (یعنی وہ ذلیل اور رسوا ہو) یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائی۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ کو بڑھاپے کی حالت میں پایا ان میں سے کسی ایک ہی کو، پھر (ان کی خدمت اور اطاعت کر کے) بہشت میں داخل نہ ہوا۔ (صحیح مسلم)

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں کہ میری والدہ (جو مشرکہ تھی) صلح (حدیبیہ) کے بعد (مکہ سے مدینہ) آئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! میری والدہ میرے پاس آئی ہے اور وہ اسلام سے بیزار ہے کیا میں اس سے (اچھا) سلوک کروں؟

آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں اس سے اچھا سلوک کر۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا ہے۔ وہ کوئی وصیت نہ کر پائی۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ بات کہتی تو صدقہ کرنے کو کہتی، اب اگر میں اسکے لئے صدقہ کردوں تو کیا اسکا اجر اسکو ملے گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں اب تمہارے صدقہ کرنے سے ثواب اسکو ملے گا۔ (صحیح مسلم)

مشہور صحابی سید الخزرج حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت عمرہ بنت مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق انہوں نے والدہ کے ایصالِ ثواب کیلئے پانی کی ایک سبیل قائم کی بروایتِ دیگر ایک کنواں کھدوایا اس نے "سقایہ آلِ سعد" کے نام سے شہرت پائی ۔ (مسندِ احمد)

اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آپ ﷺ کے بچپن ہی میں وفات پا گئی تھیں۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے بعد چند دن بی بی ثوبیہؓ نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا۔ پھر بی بی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تقریباً پانچ سال تک آپ ﷺ کو دودھ پلانے اور پالنے کا شرف حاصل ہوا۔ والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد ننھے حضور ﷺ کی نگہداشت اور خدمت کی عزت حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حاصل ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تینوں بیبیوں کا ہمیشہ بہت اکرام اور لحاظ رہا۔ بی بی ثوبیہؓ نے اسلام تو قبول کر لیا تھا لیکن وہ کسی وجہ سے مدینہ میں اقامت اختیار نہ کر سکیں۔ ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے ان کیلئے خرچ اور کپڑا بھیجا کرتے تھے۔

بی بی حلیمہؓ کے بارے میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کی بے حد تعظیم و تکریم کی۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے شادی کے بعد ایک

دفعہ حضرت حلیمہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے علاقے میں قحط سال کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چالیس بکریاں اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ عطا فرمایا۔ طبقاتِ ابن سعد ہی کی ایک اور روایت میں محمدؒ بن منکدر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس نے بچپن میں آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ اسے دیکھ کر حضور ﷺ میری ماں کہتے ہوئے اٹھے اور اپنی چادر بچھا کر اسے بٹھایا۔ علامہ سہیلیؒ نے "روض الانف" میں بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت حلیمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے ان کو کچھ اونٹنیاں مرحمت کیں جن کو لے کر وہ دعائیں دیتی ہوئی رخصت ہوئیں۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بہت طویل زندگی پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری حیاتِ اطہران کے سامنے گزری۔ یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد بھی کافی عرصہ تک حیات رہیں۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کو ورثۃً بطور کنیز ملی تھیں لیکن آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گودوں میں کھلایا تھا اسلئے آپ ان کی بہت تعظیم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میری والدہ کے بعد ام ایمن میری ماں ہیں چنانچہ آپ ﷺ انہیں امی کہہ کر بلایا کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً ان کی مالی مدد بھی فرماتے رہتے تھے۔ اگر کبھی وہ اپنی کوئی حاجت لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو آپ ﷺ ان کی وہ حاجت فوراً پوری کر دیتے تھے (طبقات ابن سعد، صحیح مسلم)

عورت بحیثیت بیوی

میاں بیوی کا تعلق ایک باہمی معاہدہ یعنی نکاح سے قائم ہوتا ہے۔ نکاح کا مقصد اور مطلب یہ ہے کہ وہ گواہوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا عہد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شوہر اور بیوی دونوں کے کچھ فرائض اور حقوق مقرر فرمائے ہیں اور دونوں کو ان کے ادا کرنے

کا حکم دیا ہے۔(دیکھئے سورۂ بقرہ، سورۃ النساء، سورۃ الروم، سورۃ الاحزاب، سورۃ النور)۔
چونکہ عورت کی خوشگوار اور پرسکون زندگی کا دارومدار اکثر و بیشتر شوہر کے طرز عمل پر ہوتا ہے اس لئے مردوں کو خاص طور پر حکم دیا گیا ہے: وَ عَاشِرُوْ هُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء آیۃ ۱۹)
(یعنی ان (عورتوں) کے ساتھ حسن سلوک کی (بھلے طریقے کی) زندگی بسر کرو)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خانہ (بیوی یا بیویوں) کے ساتھ حسن سلوک کی بے حد تاکید فرمائی ہے۔اس سلسلے میں آپ ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمایئے:

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا۔اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ (صحیح مسلم)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں وہ شخص کامل الایمان ہے جس کا اخلاقی برتاؤ سب کے ساتھ بہت اچھا ہو اور (خاص کر) بیوی کے ساتھ جس کا سلوک لطف و محبت کا ہو۔ (جامع ترمذی)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں ان آدمیوں کا ایمان زیادہ کامل ہے جن کے اخلاق بہتر ہیں اور تم میں اچھے اور خیر کے زیادہ حامل وہ آدمی ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں۔ (جامع ترمذی)

☆ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہے۔(جامع ترمذی)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آدمی تم میں زیادہ اچھا اور بھلا ہے جو اپنے گھر والوں (بیوی یا بیویوں) کے حق میں اچھا ہو......اور میں اپنے گھر والوں (اپنی بیویوں) کے حق میں اچھا ہوں۔(جامع ترمذی)
مسند دارمی اور سنن ابن ماجہ میں یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی

ہے۔

☆حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو (یعنی ان کے ساتھ نرمی اور لطف ومحبت کا برتاؤ رکھو) ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی کے اوپر کے حصے میں زیادہ کجی ہوتی ہے اگر تم اس کجی کو (بزور) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اسے یونہی اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی رہے گی اس لئے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت کو قبول کرلو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بیوہ خواتین کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ بیوہ عورت اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا (یعنی ان کی خبر گیری کرنے والا) مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے اور اس کے برابر ہے جو دن بھر روزہ رکھے اور رات بھر نماز پڑھا کرے۔

عورت بحیثیت بیٹی

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ عرب میں بیٹی کی پیدائش کو ذلت اور ننگ وعار کا باعث سمجھا جاتا تھا اور اس سے نہایت سفاکانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ قرآن پاک کی کئی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس سفاکانہ روش کی سخت مذمت کی ہے، اسے بہت بڑی خطا قرار دیا ہے اور لوگوں کو سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے کہ وہ مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد (اناث) کو قتل کریں۔ (دیکھئے سورۃ الانعام، سورۃ النحل، سورۃ بنی اسرائیل سورۃ الزخرف سورۃ التکویر)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کو نہ صرف زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا بلکہ اولادِ نرینہ کو ان پر ترجیح دینے سے بھی روکا اور بیٹیوں کی عمدہ طریقے سے پرورش کو حصولِ جنت کا ذریعہ بتایا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس کے ہاں بیٹی پیدا ہو، پس وہ نہ اسے زندہ درگور کرے اور نہ ذلت کی حالت میں رکھے اور نہ اولادِ نرینہ کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اسکو جنت میں داخل کریگا۔ (ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دولڑکیوں کی ان کے بالغ ہونے تک پرورش کی وہ اور میں قیامت کے روز اسطرح آئیں گے (آپ ﷺ نے اپنی دوانگلیوں، انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر دکھایا)۔ (صحیح مسلم)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے تین لڑکیوں یا تین بہنوں کی سرپرستی کی اور انہیں تعلیم و تربیت دی اور ان کے ساتھ رحمت اور شفقت کا برتاؤ کیا یہاں تک کہ اللہ انہیں بے نیاز کردے (یعنی ان کی شادی ہو جائے اور وہ اپنے شوہر کے گھر پہنچ جائیں) تو ایسے شخص کیلئے اللہ نے جنت واجب کردی اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ اگر دو ہی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دولڑکیوں کی سرپرستی پر بھی اجر ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اگر لوگ ایک لڑکی کے بارے میں پوچھتے تو آپ ﷺ ایک کے بارے میں بھی یہی شہادت دیتے۔ (مشکوٰۃ شریف)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی۔ اسکے ساتھ اسکی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ مجھ سے اس نے سوال کیا۔ اس وقت میرے پاس صرف ایک کھجور تھی، وہی میں نے اسکو دے دی۔ اس نے اس کھجور کو دو ٹکڑے کرکے دونوں بچیوں میں تقسیم کردیا اور خود کچھ نہ کھایا، پھر وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص لڑکیوں کے ساتھ آزمائش میں مبتلا کیا جائے (یعنی اس کے ہاں لڑکیاں ہی پیدا ہوں) اور پھر وہ ان کے ساتھ احسان وسلوک کرے تو یہ بیٹیاں اسکے لئے دوزخ کی آگ سے ڈھال بن جائیں گی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹیاں عطا کی تھیں آپ کو ان سب سے بے حد پیار اور لگاؤ تھا۔ نہایت محبت اور شفقت سے ان کی پرورش کی اور چاروں کو اچھے گھروں میں بیاہ دیا۔

عورت بحیثیت بہن

اوپر عورت کی جو تین حیثیتیں بیان کی گئی ہیں، بہن ان میں سے کسی ایک زمرے میں ضرور آجاتی ہے۔ ویسے ایک بھائی کو خاص طور پر بھی اپنی بہن کے ساتھ حسنِ سلوک کی ہدایت کی گئی ہے۔ پیچھے ایک حدیث میں بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کا ذکر بھی آچکا ہے۔ دو حدیثیں اور ملاحظہ ہوں:

کلیب بن منفعہ سے روایت ہے کہ میرے دادا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میں کس کے ساتھ حسنِ سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اپنی ماں، بہن، بھائی اور اپنے غلام کے ساتھ جو تم سے قریب ہو یہ واجب حق ہے اور قرابت داروں کے حقوق کی حق شناسی کرو۔ (ادب المفرد، بخاریؒ)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، اللہ تعالیٰ تمہیں ماؤں کیساتھ (حسنِ سلوک کا) حکم دیتا ہے، پھر تمہارے باپوں کے بارے میں ہدایت فرماتا ہے، پھر تمہیں قریب سے قریب تر کے بارے میں ہدایت فرماتا ہے۔ (ادب المفرد، بخاری)

قریب سے قریب تر میں بہن بھائی لازماً آجاتے ہیں۔

طبقۂ نسواں پر رسولِ رحمت ﷺ کے مزید احسانات

اوپر ہم نے صرف چند مثالیں دی ہیں جن میں مردوں کو (باپ بیٹے شوہر اور بھائی) کی حیثیت سے خواتین (بیٹی، ماں، بیوی اور بہن) کیساتھ حسنِ سلوک کا پابند کیا گیا ہے۔

اب ہم چند ایسے حقوق کا ذکر کرتے ہیں جو خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف سے عورت ذات کو عطا کیے گئے۔

(۱)......عورت کو وراثت پانے کے وسیع حقوق دیئے گئے۔وہ باپ سے، شوہر سے، اولاد سے، (اور بعض صورتوں میں دوسرے قریبی رشتہ داروں سے) وراثت پانے کی حقدار ہے۔نیز وہ شوہر سے شرعاً، اخلاقاً اور قانوناً مہر پانے کی بھی حقدار ہے۔

(۲)......عورت (خواہ وہ کتنی ہی مالدار ہو) خاوند سے ہر حال میں نفقہ پانے کی حقدار ہے۔

(۳)......عورت کو شوہر کے انتخاب کا حق دیا گیا اور شادی کیلئے اسکی رضامندی ضروری قرار دی گئی۔اسکی مرضی کے خلاف یا اسکی رضامندی کے بغیر کوئی شخص اسکا نکاح نہیں کرسکتا۔

(۴)......ناکارہ، ظالم اور ناپسندیدہ خاوند سے نجات حاصل کرنے کیلئے عورت کو خلع کا حق دیا گیا۔

(۵)......فوجداری اور دیوانی مقدمات میں، اور جان و مال عزت اور آبرو کے تحفظ میں عورت کو مرد کے برابر رکھا گیا۔

(۶)......عورتوں کو دینی اور دنیوی علوم کی نعمت حاصل کرنے کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ ان کی تعلیم وتربیت کو اسی قدر ضروری قرار دیا گیا جس قدر مردوں کی تعلیم وتربیت ضروری ہے۔

(۷)......عورت کیلئے روحانیت اور روحانیت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج حاصل کرنے کے راستے کھول دیئے گئے۔اسکی عبادت کا اجروثواب مردوں کی عبادت کے اجروثواب کے برابر قرار دیا گیا۔

(۸)......بیوہ، مطلقہ یا فسخ نکاح والی عورتوں کو غیر مشروط طور پر نکاحِ ثانی کا حق دیا گیا۔

(۹)......وراثت اور مہر سے حاصل شدہ رقم کی عورت کو (بلاشرکتِ غیرے) مالک قرار دیا گیا۔ اگر وہ اپنا سرمایہ تجارت میں لگا کر یا محنت مزدوری کر کے کچھ حاصل کرتی ہے تو وہ بھی اسکی ملکیت قرار دیا گیا۔

(۱۰)......عورت کا عمومی دائرہ کار وہی مقرر کیا گیا جو اسکی جسمانی ساخت اور اسکی فطری صلاحیتوں سے ہم آہنگ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے خواتین کو جو حقوق دیئے ہیں اور عزت واحترام کا جو مقام دیا ہے، انصاف پسند غیر مسلم دانشور بھی اسکا اعتراف کرتے ہیں۔

مشہور غیر مسلم دانشور رائے آروادیا نے اپنی کتاب میں اسلام میں خواتین کے حقوق واحترام کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں: ''پیغمبر ﷺ نے عورتوں کو اس وقار وعظمت سے سرفراز کیا جسکی اہمیت کے بارے میں جو کچھ بھی کہا جائے، کم ہے۔ وہ ذاتی ملکیت کا حق رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ شادی کے موقع پر خاوند پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ بصورتِ مہر عورت کو حسبِ استطاعت روپیہ ادا کرے جو اسکی ملکیت ہوگا۔ اسکے بعد از دواجی زندگی میں وہ جو کچھ بھی کمائے، اسکی خد مالک ہے۔ باپ، خاوند، اور بچوں کی جائداد میں اسکا حصہ مقرر ہے جسکو وہ قانوناً لے سکتی ہے۔ اسکے علاوہ وہ ناقابلِ اصلاح حالت میں خاوند سے خلع لینے کا حق رکھتی ہے۔ غرضیکہ ایک مسلمان عورت عزت واحترام کا ایک بہت بلند مقام رکھتی ہے۔ بیوی اور ماں دونوں حیثیتوں سے افرادِ خاندان پر اسکا اثر غالب رہتا ہے''۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۲۸

رسولِ اکرم ﷺ کے دونوں نام (محمدؐ، احمدؐ) آپ کی خصوصیت ہیں

قابل احترام قارئین رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اٹھائیسویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کے دونوں نام (محمدؐ، احمدؐ) آپ ﷺ کی خصوصیت ہیں" آج جمعرات کا دن ہے فجر کی نماز سے فراغت کے بعد روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوں اور رسولِ اکرم ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس میں میرا کوئی کمال نہیں بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے۔

بہر حال محترم قارئین! منجملہ تمام خصوصیات میں سے یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو نام ہی ایسے عظیم عطا فرمائے جن کا مقابلہ دیگر انبیاء کرامؑ کے نام مبارک نہیں کر سکتے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، لیجئے اب آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمائیے:۔

اٹھائیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

کتاب شفا میں یہ لکھا ہے کہ ان دو ناموں یعنی محمد اور احمد میں آنحضرت ﷺ کی زبردست نشانیاں اور عظیم خصوصیات چھپی ہوئی ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دو ناموں کو اس سے محفوظ رکھا کہ یہ نام آنحضرت ﷺ سے پہلے کسی دوسرے کے رکھے جائیں، ان دونوں ناموں میں سے جہاں تک احمد نام کا تعلق ہے یہ پرانی کتابوں یعنی آسمانی کتابوں میں آیا ہے، اور انبیاء کو آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق اسی نام سے خوشخبری دی گئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت سے اس نام کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ گویا ضابطہ بنا

دیا کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے جب سے کہ دنیا پیدا کی گئی اور آنحضرت ﷺ کی زندگی میں یہ نام یعنی احمد کسی دوسرے شخص کا نہ رکھا جائے اور نہ کوئی شخص اس لفظ سے پکارا جائے، علامہ زین عراقی نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے، کہ آپ کے صحابہ کے زمانہ میں بھی کسی شخص کا یہ نام نہ رکھا جائے تا کہ کمزور اعتقاد لوگوں کے دلوں میں شک وشبہ نہ پیدا ہو یعنی تاریخی کتابوں میں اگر یہ نام آنحضرت ﷺ سے پہلے کسی کا ہوتا تو کمزور اعتقاد والے لوگ اس شک میں مبتلا ہو سکتے تھے کہ ان میں آنحضرت ﷺ کس زمانے کے ہیں۔

چنانچہ یہ نام رکھا جانا بھی ان تمام لوگوں پر آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں، مگر حافظ سیوطیؒ نے کتاب خصائص صغریٰ میں اس کے متعلق جو لکھا ہے کہ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نام یعنی احمد رکھے جانے کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت صرف انبیاء پر ہے یعنی انبیاء میں آپ کے سوا کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا البتہ عام لوگوں کا یہ نام رکھا گیا۔

اسی بناء پر بعض علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ناموں میں احمد نام کو محمد نام پر فضیلت اور برتری حاصل ہے، علامہ صلاح صفدی کہتے ہیں کہ معنی کے اعتبار سے احمد نام محمد سے زیادہ اونچا ہے (اس کی فضیلت عربی زبان کے اس قاعدے کے تحت ہے جس کے مطابق) لفظ احمر (بہت سرخ) اور لفظ اصفر (بہت زرد) محمد مُصَفَّرٌ کے مقابلے میں معنی کے لحاظ سے زیادہ پرزور ہیں، غالباً احمد نام کی فضیلت اس لئے ہے کہ یہ افعل التفضیل کا صیغہ ہے (افعل التفضیل عربی کا ایک وزن ہے یعنی فعل ہے، وہ وزن لفظ کے معنی میں شدت اور زیادتی پیدا کرنے کے لئے ہے جو لفظ بھی اس وزن پر لایا جائے گا اس کے معنی میں زیادتی ہو جائے گی۔ مثلاً لفظِ حامد ہے جس کے معنی ہیں تعریف کرنے والا اس کو جب افعل کے وزن پر لائیں گے تو یہ احمد ہو جائے گا، اور اب اس کے معنی میں زیادتی ہو جائے گی، یعنی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ اسی لئے علامہ صلاح صفدی کہتے ہیں کہ احمد نام محمد کے مقابلے میں معنی کے لحاظ سے زیادہ اونچا ہے) کیونکہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف

کرنے والوں میں سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں اور آپ کی ان ہی خوبیوں اور حمد وثنا کی وجہ سے آپ کے لئے مقامِ محمود میں وہ مقام عطا ہوا جو آپ سے پہلے کبھی کسی کے لئے نہیں کھولا گیا۔

مگر کتاب ھُدیٰ میں یہ لکھا ہے کہ اگر آپ کا نامِ نامی احمد اس لحاظ سے ہے کہ آپ اپنے رب کی بہت حمد وثنا اور تعریف کرنے والے ہیں تو زیادہ بہتر یہ ہوتا کہ آپ کا نام ''حماد'' ہوتا (کیونکہ اس کے معنی میں اور بھی زیادہ شدت ہے یعنی بہت ہی زیادہ تعریف کرنے والا) جیسا کہ آپ کی امت کو اس نام سے یاد کیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نام یعنی احمد کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس کی آسمان والے اور زمین والے اور دنیا والے اور آخرت والے سب تعریف کریں یہ تعریف آپ کی ان خوبیوں اور عمدہ صفات کی وجہ سے ہے جن کا شمار کرنا اور جن کا اندازہ کسی شخص کی طاقت میں نہیں ہے، یعنی آپ ﷺ اس کے تمام مخلوقات سے زیادہ حقدار اور مستحق ہیں کہ آپ کی تعریف کی جائے چنانچہ احمد نام محمد کے معنی میں ہے (محمد یعنی جس کی تعریف کی جائے) اب گویا لفظ احمد میں یہ فعل یعنی تعریف وحمد کرنا وہ فعل نہیں ہے جو فاعل یعنی آنحضرت ﷺ سے واقع ہورہا ہے بلکہ یہ احمد اور تعریف کرنے کا فعل ایک یا ایسا فعل ہے جو دوسروں سے سرزد ہورہا ہے اور آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات اس فعل کا وہ مفعول ہے جس پر یہ فعل واقع ہورہا ہے (دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ آپ کے نامِ نامی احمد کا مطلب یہی نہیں ہے کہ آپ سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں بلکہ یہ محمد کے معنی میں ہے کہ وہ ذات جس کی زمین وآسمان والے بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں، مگر اس طرح محمد اور احمد کے معنی ایک ہوجاتے ہیں، چنانچہ اس کا باریک اور لطیف فرق بتلاتے ہیں کہ) اب محمد اور احمد کے معنی میں یہ فرق ہوگا کہ محمد تو وہ جس کی لوگ بہت زیادہ تعریف کریں، اور احمد وہ کہ لوگ جن کی تعریف کرتے ہیں ان میں اس کی تعریف سب سے زیادہ فضیلت والی ہو۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ ''اَحمَدُ المَحمُودِین اور اَحمَدُ الحَامِدِین'' ہیں، یعنی

جن کی تعریف کی جاتی ہے ان میں سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی تعریف کی گئی اور جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے ہیں ان میں سب سے زیادہ تعریف کرنے والے بھی آنحضرت ﷺ ہیں اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ لفظ احمد میں تعریف وحمد کا فعل وہ فعل ہے جو آنحضرت ﷺ کے بجائے دوسروں سے آپ کی ذات کے لئے واقع ہورہا ہے (چنانچہ مطلب یہ ہوا کہ آپ ہی وہ ہیں جو اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ حمد وثنا فرمانے والے ہیں اور آپ ہی وہ ذات ہیں جن کی حمد وتعریف تمام مخلوق نے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ افضل اور اعلیٰ انداز میں کی)

مگر علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ آپ احمد پہلے ہیں اور محمد ﷺ بعد میں ہیں (یعنی آپ کی تعریف دوسروں نے بعد میں کی اس سے پہلے آپ کی شان یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد وثنا بیان کرنے والے ہیں، گویا کتاب شفا کے مصنف قاضی عیاضؒ کی رائے کے برخلاف علامہ سہیلیؒ احمد کے معنی یہی لیتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف کرے، اسی لئے علامہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی یہ شان پہلے ہے کہ آپ احمد یعنی اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف اور حمد وثنا بیان کرنے والے ہیں) اسی لئے آپ کا تذکرہ محمد نام کے مقابلے میں احمد نام کے ذریعہ پہلے کیا گیا کیونکہ دوسروں کے ذریعہ آپ کی تعریف ہونے کی شان آپ میں یہ بعد میں ہے اس سے پہلے آپ کی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے پروردگار کی بہت زیادہ تعریف بیان فرماتے ہیں علامہ سہیلیؒ نے اس پر بہت مفصل کلام کیا ہے۔

شافعی علماء میں سے کسی نے لکھا ہے کہ احمد نام میں وہ تعظیم اور احترام نہیں ہے جو محمد نام میں ہے اس لئے کہ یہی نام یعنی محمد ﷺ آپ کے ناموں میں سب سے زیادہ مشہور اور افضل ہے اسی لئے (نماز کے دوران) تشہد یعنی التحیات میں محمد کے بجائے احمد کہنا کافی نہیں ہے۔

(اسی سلسلے میں افضلیت کے لحاظ سے ان ناموں کی ترتیب بیان کرتے ہیں کہ جو

اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں) حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان دونوں میں عبدالرحمٰن کے مقابلے میں عبداللہ نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، کیونکہ اس میں عبدیت یعنی غلامی اور بندگی کی اضافت ونسبت لفظ اللہ کی طرف ہے جو تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر حق تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے جبکہ لفظ رحمٰن کے حق تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ خاص ہونے پر سب کا اتفاق نہیں ہے اگر چہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ یہ بھی حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے قرآن پاک میں آنحضرت ﷺ کو عبداللہ نام سے یاد کیا گیا ہے، وہ آیت یہ ہے: ﴿وانہ لَمّا قَامَ عَبْدُاللہِ یَدعُوہُ ......الخ﴾ (سورۂ جن) ترجمہ: "اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کے واسطے کھڑا ہوتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندے پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔"

پچھلی سطروں میں ذکر ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ذکر محمد نام کے مقابلے میں احمد کے ساتھ قرآن پاک میں پہلے کیا گیا۔ اب پسندیدہ ناموں کی جو ترتیب ہے اس کے مطابق محمد نام کے مقابلے میں احمد کے ساتھ آپ کا تذکرہ پہلے کئے جانے کا مطلب ہے کہ عبدالرحمٰن نام کے بعد احمد نام ذکر کیا گیا (اور اس کے بعد محمد نام ذکر ہوا)۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿وعِبادُ الرَّحمٰنِ الَّذِینَ یَمشُونَ ......الخ﴾ (سورۂ فرقان)

ترجمہ:......"اور (حضرت) رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین میں عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔"

(یہاں عبدالرحمٰن (عبادالرحمٰن اور عبدالرحمٰن کی جمع ہے یعنی رحمٰن کے بندے) کا ذکر ہوا تو گویا سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ، پھر عبدالرحمٰن پھر احمد اور پھر محمد ہے) اور اس کے بعد ابراہیم نام پسندیدہ ہے اگر چہ اس کے برخلاف بعض نے ابراہیم نام کو ترتیب میں عبدالرحمٰن کے بعد بتلایا ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے جس شخص کا نام احمد

رکھا گیا وہ حضرت جعفر ابن ابو طالب کے بیٹے ہیں (اس سے ایک قول گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نام کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ آپ کے صحابہ کے زمانے میں بھی کسی شخص کا یہ نام نہیں رکھا گیا) یہاں یہ قول ذکر کیا گیا ہے وہ زین عراقی کے قول کے خلاف ہوتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ (آنخضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے جس کا نام احمد رکھا گیا وہ) خلیل کے والد ہیں، غالباً یہاں خلیل سے مراد خلیل ابن احمد ہیں جو علم عروض یعنی شعروں کے وزن کے مشہور عالم ہیں۔اور زین العراقی کی کتاب میں انہوں نے (خلیل کی وضاحت کرتے ہوئے) کہا ہے کہ اسلام میں پہلا آدمی جس کا نام احمد رکھا گیا وہ علم عروض کے ماہر خلیل ابن احمد کے والد (احمد) ہیں۔

عراقی کے اس قول میں اور اس قول میں مخالفت ہے کہ صحابہ کے زمانے میں بھی کسی کا نام محمد نہیں رکھا گیا ادھر خود اس قول میں بھی اشکال ہے کہ آنخضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے احمد نام خلیل ابن احمد کے والد کا رکھا گیا، کیونکہ ایک قول یہ بھی گزر چکا ہے کہ آنخضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے حضرت جعفر ابن ابو طالب کے بیٹے کا نام احمد رکھا گیا، اس بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ عراقی کے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہوگا (کہ سب سے پہلے حضرت جعفر کے بیٹے کا نام احمد رکھا گیا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ سے مراد عراقی کے نزدیک وہ صحابہ ہیں جو آنخضرت ﷺ کی وفات کے بعد زندہ رہے اس طرح حضرت جعفر کے بیٹے کا نام احمد رکھا جانا قابل اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ حضرت جعفرؓ آنخضرت ﷺ کی زندگی ہی میں شہید ہو گئے تھے (اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے صحابہؓ کے زمانے میں بھی کسی کا نام احمد نہیں رکھا گیا جو آنخضرت ﷺ کی وفات کے بعد زندہ رہے ہوں)

یہ خلیل ابن احمد جو ہیں (جن کے والد کا نام سب سے پہلے احمد رکھا گیا) اپنے باپ کے پانچ بیٹوں میں سے ایک ہیں یا چھ بیٹوں میں سے ایک ہیں اور ان میں سے ہر ایک خلیل ابن احمد کہلاتا تھا۔

احمد نام کی طرح ہی محمد نام بھی وہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وجود اور پیدائش سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا سوائے اس کے کہ جب یہ بات مشہور ہوگئی (جو کسی عالم بادشاہ نے کہی تھی) کہ بہت جلد ایک نبی ظاہر ہونے والے ہیں جن کا نام محمد ہوگا اور وہ ملک حجاز میں ظاہر ہوں گے، چنانچہ اس اطلاع کے بعد چند لوگوں نے جو عرب تھے اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا، مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت وقدرت سے ان میں سے کسی نے بھی نہ تو نبوت کا دعویٰ کیا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو نبی کہا گیا، نہ ہی ان میں سے کسی پر ایسی کوئی علامت ظاہر ہوئی جس سے لوگ ان کو نبی سمجھ بیٹھتے، نتیجہ یہ ہے کہ (محمد نام کے لوگوں میں) صرف آنحضرت ﷺ کے لئے ہی نبوت ثابت ہوئی (اور ایسی کوئی بات پیش نہیں آئی کہ کمزور اعتقاد کے لوگوں کو شک وشبہ یا مغالطہ ہو سکے)۔

جہاں تک (بعض مورخین کے) اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ قدیم آسمانی کتابوں میں آپ کا نام احمد ذکر کیا گیا ہے، تو یہ دعویٰ اس روایت کے خلاف ہے جو پیچھے بیان ہو چکی ہے، (کہ ایک بادشاہ جو قدیم کتابوں کا عالم تھا اس نے تین عربوں سے کہا تھا کہ محمد نام کے ایک نبی جلد ہی ظاہر ہونے والے ہیں) اس کے علاوہ انجیل اور تورات کا حوالہ جو آگے آرہا ہے اس کے بھی یہ بات خلاف ہے (کہ قدیم کتابوں میں آپ کا نام محمد کے بجائے احمد ذکر کیا گیا ہے) البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ قدیم کتابوں سے مراد (تمام کتابیں نہیں بلکہ) اکثر کتابیں ہیں، البتہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی کتاب میں آپ کا نام محمد ذکر کیا گیا ہے کسی میں احمد ہے اور کسی میں احمد اور محمد دونوں نام ذکر ہیں۔

علماء میں سے کسی نے لکھا ہے کہ میں نے محمد ابن عدی سے سنا کہ اس سے کسی نے پوچھا، جاہلیت کے زمانے میں تیرے باپ نے تیرا نام محمد کیسے رکھا، محمد ابن عدی نے جواب دیا کہ میں نے بھی اپنے باپ سے اسی کے متعلق سوال کیا تھا تو اس نے جواب دیا

ایک دفعہ بنی تمیم کے چار آدمی جن میں سے ایک میں بھی تھا ملک شام جانے کے لئے روانہ ہوئے، ایک جگہ ہم نے ایک تالاب کے کنارے پڑاؤ ڈالا یہاں ایک خانقاہ بھی

تھی (جب ہم وہاں ٹھہرے تو) خانقاہ کا محافظ (ہماری گفتگو سن کر) ہمارے پاس آیا اور بولا کہ جو زبان تم لوگ بول رہے ہو یہ اس علاقے کے لوگوں کی زبان تو ہے نہیں یہ تو کسی دوسری قوم کی زبان ہے، ہم نے کہا کہ ہم مضر کی اولاد میں سے ہیں (یعنی قریش ہیں) اس نے پوچھا مضر کی اولاد میں کس شاخ سے ہو؟ ہم نے کہا خذف کی اولاد میں سے ہیں، تب اس نے کہا اللہ تعالیٰ بہت جلد تم میں ایک نبی ظاہر فرمائے گا اس لئے تم لوگ فوراً اس کی پیروی کرنا اور اس نبی کی ذات سے اپنا حصہ حاصل کر کے رہبری پالینا اس لئے کہ وہ خاتم النبیین یعنی آخری پیغمبر ہوں گے۔

یہ سن کر ہم نے اس سے پوچھا کہ اس نبی کا نام کیا ہوگا اس نے کہا، محمد ﷺ اتنا کہہ کر وہ اپنی خانقاہ میں واپس چلا گیا، خدا کی قسم اس کی یہ بات سننے کے بعد ہم میں سے ہر ایک نے خاموشی سے اپنے دل میں یہ فیصلہ کرلیا کہ اگر میرے یہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی لڑکا دیا تو اس کا نام محمد رکھوں گا، کیونکہ جو کچھ اس کا خانقاہ والے راہب نے بتلایا تھا ہمیں اس کا لالچ تھا، یعنی ہم میں سے ہر ایک نے منت مان لی۔ یہ بات پچھلی روایت کے مطابق ہی ہے غرض اس کے بعد جب ہم وطن واپس آئے تو ہم میں سے ہر ایک کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور ہم میں سے ہر ایک نے اس آرزو میں اپنے بچے کا نام محمد رکھا کہ ان میں سے کوئی وہ پیغمبر ہو جائے، مگر اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ رسالت اور پیغمبری سے کس کو نوازنے والا ہے۔

(اس سے پہلے اسی قسم کی ایک روایت تین آدمیوں کے متعلق گزر چکی ہے جن سے یہی بات ایک بادشاہ نے کہی تھی اس لئے)

مولف سیرت حلبیہ کہتے ہیں ممکن ہے ان چاروں آدمیوں میں سے ہی وہ تینوں بھی ہوں جو کسی بادشاہ کے پاس گئے تھے اور اس طرح ان (میں سے تین) کو یہی بات دو مرتبہ معلوم ہوئی ایک دفعہ بادشاہ سے اور دوسری مرتبہ خانقاہ کے راہب سے (پچھلی روایت میں گزرا ہے کہ بادشاہ سے یہ بات سننے کے بعد تینوں نے یہ منت مانی کہ اپنے ہونے والے لڑکے کا نام محمد رکھیں گے، لیکن اس روایت میں ہے کہ چاروں نے خاموشی سے

دل میں یہ فیصلہ کیا) لیکن خاموشی سے دل میں فیصلہ کرنا منت ماننے کے خلاف نہیں ہے (کیونکہ ممکن ہے منت بھی خاموشی سے دل میں آئی ہو) اور اس طرح دل میں فیصلہ کرنے کا مطلب جیسا کہ پیچھے ذکر کیا گیا منت ماننا ہی ہے۔

یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ چار آدمی جن کو راہب نے آنحضرت ﷺ کے متعلق بتلایا ان تین عربوں کے علاوہ ہوں جنہیں بادشاہ نے اس بات کی خبر دی تھی، اس طرح یہ کل ملا کر سات آدمی ہوں، ابن ظفر نے ذکر کیا ہے کہ سفیان ابن مجاشع کا قبیلہ بنی تمیم کی ایک بستی میں سے گزرا اس نے دیکھا کہ سب لوگ ایک کاہنہ عورت کے پاس جمع ہیں اور وہ کہہ رہی ہے ''عزت والا وہ ہے جو اس کا ساتھ ہو گیا اور ذلیل وہ ہے جو اس سے دور رہا'' سفیان نے یہ جملہ سن کر اس کاہنہ سے پوچھا کہ خدا کے لئے یہ تو بتاؤ کہ تم کس کا ذکر کر رہی ہو؟ کاہنہ نے جواب دیا: اسی کا جو ہدایت والا ہے، علم والا ہے، جو جنگ کا بھی ماہر ہے اور امن وسلامتی والا بھی ہے۔ سفیان نے پوچھا خدا تجھے خوش رکھے وہ کون ہے؟ کاہنہ نے کہا ''ایک نبی جو آنے والا ہے، جس کے ظاہر ہونے کا وقت آچکا ہے اور جس کی پیدائش قریب ہے، جو سیاہ اور سرخ سب انسانوں کے لئے آئے گا اور جس کا نام محمد ہوگا۔'' سفیان نے پھر پوچھا کہ کیا وہ نبی عربی ہوگا یا عجمی یعنی غیر عرب ہوگا، کاہنہ نے جواب دیا۔ ''آسمان کی بلندیوں کی قسم! اور پُر پیچ شاخوں والے درختوں کی قسم وہ نبی معد ابن عدنان کی نسل سے ہوگا، بس اتنا کافی ہے، تم نے بہت کچھ پوچھ لیا اے سفیان۔''

چنانچہ اس کے بعد سفیان نے اس کاہنہ سے پھر کچھ نہیں پوچھا اور اپنے گھر واپس آ گیا، اس کی بیوی کو اس زمانے میں حمل تھا جب (کچھ عرصہ بعد) اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو سفیان نے بچے کا نام اس تمنا میں محمد رکھا کہ وہ نبی ہو جائے جس کے اوصاف اس کاہنہ نے بیان کئے تھے۔ واللہ اعلم

محققین میں سے کسی نے ایسے لوگوں کی تعداد سولہ بتلائی ہے جن کا نام (آنحضرت ﷺ سے پہلے) محمد رکھا گیا اور ان سب کو ان شعروں میں ذکر کیا ہے۔

ان الذین سموا باسم محمد من قبل خیر الخلق ضعف ثمان

ترجمہ..... مخلوق میں سب سے بہترین انسان (یعنی آنحضرت ﷺ) سے پہلے جن لوگوں کا نام محمد رکھا گیا وہ آٹھ کے دو گنے یعنی سولہ ہیں۔

ابن البراء مجاشع بن ربیعة ثم ابن مسلم یحمدی حرمانی

لیثی السلیمی وابن اسامة سعدی وابن سواء همدانی

وابن الجلامع مع الاسیدی یافتی ثم الفقیمی هکذا الحمرانی

ایک مورخ نے کہا ہے کہ ان میں دو آدمی (جن کے نام محمد تھے) ذکر نہیں ہیں، وہ دو محمد ابن حرث اور محمد ابن عمر ابن مُغْفَلِ ہیں (مُغْفَلِ اسی طرح پڑھا جائے جس طرح لکھا گیا ہے) اس بارے میں مورخین کا زبردست اختلاف ہے کہ ان (سولہ یا اٹھارہ) لوگوں میں سب سے پہلا کون ہے جس کا نام آنحضرت ﷺ سے پہلے محمد رکھا گیا۔

مولف سیرت حلبیہ کہتے ہیں۔ ابن ہائم کی کتاب "شرح کفایہ" میں ہے کہ وہ چار یا سات آدمی (جن کا ذکر پیچھے گزرا ہے کہ انہوں نے ایک بادشاہ یا کاہنہ سے آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی سن کر اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے تھے) ان کے علاوہ جن دوسرے لوگوں نے اپنے بیٹوں کے یہ نام رکھے انہوں نے بھی (آنحضرت ﷺ کے متعلق وہ پیشین گوئی ان ہی چار یا سات آدمیوں سے سن کر) اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھ دیئے ہوں اور اسی آرزو میں رکھے ہوں کہ وہ نبی ان کا بیٹا ہو جائے (کیونکہ پچھلی روایتوں میں صرف چار یا سات آدمیوں کا تذکرہ ہے جب کہ ان شعروں میں سولہ یا اٹھارہ ایسے آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا نام محمد رکھا گیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ بنی اسرائیل کے ساتھ بھی پیش آیا تھا کہ حضرت یوسفؑ جو بنی اسرائیل کے پہلے نبی ہیں جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے بنی اسرائیل کو اس کی خبر دی انہوں نے یہ خبر سن کر حضرت یوسفؑ سے عرض کیا۔

"اے خدا کے پیغمبر! ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کے ہمارے سامنے سے ہٹ جانے کے بعد ہمارے دین کے معاملات کا کیا بنے گا"؟

حضرت یوسفؑ نے فرمایا: تمہارا دین اسی طرح باقی اور قائم رہے گا یہاں تک کہ تم میں ایک قبطی شخص (یعنی فرعون پیدا ہوگا جو بے حد ظالم اور سرکش ہوگا، یہ شخص خدائی کا دعویٰ کرے گا، تمہارے بچوں کو ذبح کرے گا، اور تمہاری عورتوں کی بے حرمتی اور بے عزتی کرے گا، آخر تم میں بنی اسرائیل میں سے ایک شخص ظاہر ہوگا جس کا نام موسیٰ ابن عمران ہوگا، اللہ اسی شخص کے ذریعہ تمہیں قبطیوں سے نجات دلائے گا۔"

یہ سننے کے بعد بنی اسرائیل میں سے جس شخص کے یہاں بھی لڑکا پیدا ہوتا وہ اس کا نام عمران (یعنی موسیٰ کے والد کا نام) رکھ دیتا اور اس آرزو میں رکھتا کہ کاش وہ نبی اس بیٹے کی اولاد میں ہو جائے (کیونکہ اپنے بیٹوں کا نام موسیٰ تو اس لئے نہیں رکھ سکتے تھے کہ حضرت یوسفؑ نے حضرت موسیٰ کے والد کا نام عمران بتلا دیا تھا جبکہ ان لوگوں میں کسی کا نام عمران نہیں تھا، اسی وجہ سے وہ لوگ اپنے بیٹوں کا نام عمران رکھتے تاکہ موسیٰ ان کے بیٹے عمران کے یہاں پیدا ہو جائیں اور یہ اعزاز اس کو مل جائے)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ حضرت موسیٰؑ کے والد عمران اور حضرت عیسیٰؑ کی والدہ مریم کے والد عمران (ایک نہیں بلکہ ان) کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے، اور حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں واللہ اعلم۔ (نیز یہ بھی واضح رہے کہ حضرت یوسفؑ کو بنی اسرائیل کا پہلا نبی اس لئے کہا گیا کہ "اسرائیل" کا لقب ان کے والد ماجد حضرت یعقوبؑ کا تھا)

جن لوگوں کا نام آنحضرت ﷺ سے پہلے محمد رکھا گیا ان میں سے ان لوگوں نے اسلام کا زمانہ پایا، محمد ابن ربیعہ، محمد ابن حرث، اور محمد ابن مسلمہ، اگرچہ ان میں سے محمد ابن مسلمہ کے بارے میں بعض لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ (یہ آنحضرت ﷺ سے پہلے نہیں ہیں بلکہ) یہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے پندرہ سال سے بھی زیادہ عرصے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں جس کا نام سب سے پہلے محمد رکھا

گیا، وہ محمد ابن حاطب ہیں۔ محمد نام کے سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ حدیث بیان کرتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) "قرآن پاک میں میرا نام یعنی تورات کی طرح محمد ﷺ کر ہے اور انجیل میں احمد ﷺ۔"

محمد نام رکھنے کی فضیلت

اس نام یعنی محمد نام رکھنے کی فضیلت کے متعلق بہت احادیث اور مشہور روایات ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میری عزت اور جلال کی قسم۔ میں کسی ایسے شخص کو جہنم کا عذاب نہیں دوں گا جس کا نام آپ کے نام پر ہو۔" یعنی آپ کے مشہور نام محمد ﷺ یا احمد ﷺ پر جس کا نام ہو۔

محمد نام سے رزق میں برکت

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ہر ایسا دستر خوان جس کو بچھانے کے بعد اس پر (کھانا کھانے کے لئے) کوئی ایسا شخص آئے، جس کا نام احمد یا محمد ہو۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ جس پر میرے نام کا کوئی شخص کھانا کھائے، اللہ تعالیٰ اس مکان کو (جس میں یہ دستر خوان بچھا ہے) ہر روز دو مرتبہ بابرکت اور پاک کرتا ہے۔"

محمد و احمد نام کے لوگ جنتی

ان ہی میں سے ایک حدیث ہے۔ (میدان حشر میں) دو بندے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جائیں گے، جن میں سے ایک کا نام احمد ہوگا اور دوسرے کا نام محمد ہوگا، ان کے متعلق حکم ہوگا کہ ان کو جنت میں پہنچا دیا جائے، وہ دونوں عرض کریں گے، اے ہمارے پروردگار! تو نے کس بناء پر ہمارے لئے جنت کو آسان فرمایا جبکہ ہم نے ایسا کوئی نیک عمل نہیں کیا جس کے بدلے میں تو ہمیں جنت عطا فرماتا؟ حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا تم دونوں جنت میں پہنچ جاؤ اس لئے کہ میں نے اپنی قسم کھائی ہے، کہ ایسے کسی شخص کو جہنم میں نہیں بھیجوں گا جس کا نام احمد یا محمد ہوگا۔"

بیٹے کا نام محمد تو باپ جنت میں

مگر بعض محدثین کہتے ہیں کہ محمد نام کی فضیلت میں جو احادیث ہیں وہ صحیح نہیں ہیں بلکہ اس سلسلے میں جتنی روایتیں بھی آتی ہیں وہ سب موضوع یعنی من گھڑت ہیں بعض محدثین نے کہا ہے کہ ان احادیث میں جو سب سے زیادہ صحیح ہونے کے قریب ہے وہ صرف یہ ہے کہ جس شخص کے یہاں لڑکا پیدا ہو اور وہ میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کے لئے اس بچے کا نام محمد رکھے تو وہ شخص اور اس کا بچہ دونوں جنتی ہوں گے۔

ابورافع اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں جنہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ "اگر تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو نہ اس کو مارو اور نہ اس سے پرہیز کرو۔"

ایک دوسری روایت میں ہے جس کے بعض راویوں کے متعلق یہ الزام ہے کہ وہ حدیث گھڑتے تھے، کہ (جس بچے کا نام محمد رکھ دو) نہ اس کو گالی دو نہ ذلیل کرو اور نہ اس سے نفرت کرو بلکہ اس کی عزت واحترام کا اور اعزاز کرو، اس کی قسم کا پاس کرو اور (جب وہ تمہاری مجلس میں آئے تو) اس کے لئے مجلس میں جگہ خالی کرو، اس کو کوسنا مت دو اللہ تعالیٰ نے محمد نام میں برکت رکھی ہے اور اس گھر میں برکت رکھی ہے جس میں محمد نام کا آدمی ہو اور اس مجلس میں بھی برکت رکھی ہے جس میں محمد نامی شخص ہو۔" ایک روایت میں ہے کہ "(یہ بات بہت بری ہے) کہ تم بچے کا نام محمد رکھو اور پھر اسے گالی دو۔" ایک روایت ہے جس کے بعض راویوں کو غیر معتبر کہا گیا ہے کہ: "کیا تمہیں اس بات سے حیا نہیں آتی کہ (اپنے محمد نام کے بچے کو) اے محمد کہہ کر اسے مارو۔" حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) "جس شخص کے یہاں تین لڑکے ہو گئے اور اس نے ان میں سے کسی کا نام محمد نہیں رکھا اس نے جہالت کا ثبوت دیا، ایک روایت میں ہے کہ اس نے برا کیا، ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے میرے ساتھ برائی کی۔"

محمد نام تجویز تو لڑکا پیدا ہوگا

ایک محدّث نے ایک اور حدیث نقل کی ہے اگرچہ وہ مرفوع احادیث میں سے نہیں

ہے وہ حدیث یہ ہے کہ: ''جو شخص یہ چاہے کہ اس کی بیوی کے حمل سے لڑکا پیدا ہو تو وہ اپنا ہاتھ حاملہ بیوی کے پیٹ پر رکھ کر یہ کہے کہ۔''اگر اس حمل سے میرے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں اس کا نام محمد رکھوں گا تو اس (نیت کے اثر) سے اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوگا۔''

ایک حدیث ہے۔جس کو عطاء نے نقل کیا ہے کہ: ''جس بچے کا نام (اس کی پیدائش سے پہلے) ماں کے پیٹ میں رہتے ہوئے محمد رکھ دیا جائے تو وہ لڑکا ہی پیدا ہوگا۔'' ابن الجوزی نے موضوعات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے راویوں کا سلسلہ بعض محدثین نے حضور ﷺ تک پہنچایا ہے۔

مشورہ میں محمد نامی شخص سے برکت

ایک روایت میں ہے کہ'' جو لوگ بھی کسی مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور ان میں محمد یا احمد نام کا بھی کوئی شخص ہو اور انہوں نے اس شخص کو بھی مشورہ میں شریک کیا تو ان کے لئے ضرور اس معاملہ میں خیر و بھلائی ظاہر ہوگی جس کے لئے انہوں نے مشورہ کیا ہے اور جس گھر میں بھی محمد نام (کا کوئی شخص ہوگا اس گھر میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرماتا ہے۔'' ایک روایت ہے کہ'' جو لوگ بھی کوئی حلال کھانا کھانے بیٹھیں اور ان لوگوں میں کوئی ایسا شخص بھی ہو جس کا نام میرے نام پر ہو تو اس میں ان کے لئے دوگنی برکت ظاہر ہوگئی۔'' یہاں نام سے آنحضرت ﷺ کے مشہور نام احمد یا محمد مراد ہیں۔

محمد نام پر گھر کی حفاظت

کتاب شفا میں ہے کہ'' اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائکہ (یعنی فرشتے) ایسے ہیں جن کا کام ایسے گھروں کی حفاظت کرنا ہے جس میں محمد نام ہو۔'' حافظ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ حضرت امام حسینؓ ابن علی ابن ابو طالب سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص کی بیوی کے حمل ہوا اور وہ یہ نیت کرے کہ وہ اس (ہونے والے بچے) کا نام محمد رکھے گا تو چاہے وہ بچہ لڑکی ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کو لڑکا بنا دیتا ہے۔''

اس حدیث کے راویوں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے اپنے یہاں سات

(پوچھنا) مرتبہ یہ نیت کی اور سب کا نام محمد ہی رکھا (یعنی ہر مرتبہ اس حدیث کی سچائی کا تجربہ ہوا کہ لڑکا پیدا ہوا اور میں نے نیت کے مطابق ہر ایک کا نام محمد رکھا) نیز آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ''جس شخص کی بیوی حاملہ ہو اور وہ شخص یہ فیصلہ کرے کہ اس بچے کا نام محمد رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو لڑکا عطا فرماتا ہے۔''

آپ ﷺ کے نام کی خیر و برکت

ایک مرتبہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اس کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا، آپ نے فرمایا حق تعالیٰ کے نام پر یہ فیصلہ کرلو کہ جو لڑکا اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائیں اس کا نام محمد رکھو گی۔ چنانچہ اس عورت نے ایسا ہی کیا اور اس کے نتیجہ میں اس کا وہ لڑکا زندہ رہا۔

جنت میں آدمؑ کا لقب ابو محمد

عربوں کا یہ دستور تھا کہ وہ جب کسی شخص کی عظمت اور احترام کرتے تھے، تو اس کی کنیت یعنی لقب رکھتے تھے اور اس کی اولاد میں جو سب سے زیادہ قابل اور لائق ہوتا تھا اس کے نام پر کنیت یعنی لقب رکھتے تھے، چنانچہ حضرت علیؓ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ: ''جنت میں ہر شخص کو اسی کے نام سے پکارا جائے گا مگر حضرت آدمؑ کو ابو محمد ﷺ (محمد ﷺ کے باپ) کہہ کر پکارا جائے گا، جس سے حضرت آدمؑ کی تعظیم اور آنحضرت ﷺ کی توقیر اور احترام مقصود ہوگا۔'' یہ حافظ دمیاطیؒ کا قول ہے، ایک روایت میں ہے کہ ''کوئی شخص یعنی جنت والوں میں سے کوئی شخص سوائے آدمؑ کے ایسا نہیں ہوگا جس کو کوئی لقب دیا جائے ان کو یعنی حضرت آدمؑ کو ابو محمد ﷺ کا لقب دیا جائے گا۔''

قیامت میں محمد نام کی پکار

جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا، اے محمد! اٹھو اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جاؤ'' اس آواز پر ہر وہ شخص اٹھ کر بڑھے گا جس کا نام محمد ہوگا اور پھر رسول اللہ ﷺ کے احترام کی وجہ سے ان میں سے کسی کو نہیں روکا جائے گا ''

محمد نام کے احترام میں مغفرت

کتاب حلیۃ الاولیاء میں ابو نعیم، وہب ابن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جس نے سو سال تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی (اور گناہ کرتا رہا) اس کے بعد جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی لاش کو اٹھا کر (اس سے نفرت کی وجہ سے) کوڑے کے ڈھیر پر ڈال دیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر وحی نازل فرمائی کہ اس شخص کو وہاں سے نکالو اور اس کی نماز پڑھو، حضرت موسیٰ نے عرض کیا۔ "اے پروردگار! بنی اسرائیل نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ اس نے سو برس تک تیری نافرنی کی۔" مگر اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ ہاں وہ ایسا ہی تھا مگر اس کی ایک عادت تھی کہ وہ جب بھی (اللہ تعالیٰ کی کتاب) تورات کو کھولتا تھا اور اس میں محمد ﷺ کے نام پر اس کی نظر پڑتی تھی تو وہ اس کو چومتا تھا اور آنکھوں سے لگایا کرتا تھا میں نے اس کی اس ادا کو قبول کر لیا اور اس کے گناہ معاف کر کے ستر حوروں کے ساتھ اس کو بیاہ دیا۔" لوگوں میں یہ عادت پھیل گئی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی ولادت مبارکہ کا حال سنتے ہیں تو آپ ﷺ کی تعظیم میں کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ قیام یعنی کھڑا ہونا بالکل ایک بدعت ہے جس کی (شریعت میں) کوئی اصل نہیں ہے۔ (بحوالہ سیرت حلبیہ جلد اول نصف اول)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ کے نام کی صحیح تعظیم کرنے اور آپ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۲۹

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ماہر طبیب بنایا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ انتیسویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ماہر طبیب بنایا" بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ اس ذاتِ باری تعالیٰ نے مجھ جیسے گناہ گار اور حقیر انسان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں صاحبِ خصوصیت ﷺ کے روضہ مبارک کے سائے تلے بیٹھ کر ان کی خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس پر میں اپنے اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔

بہر حال محترم قارئین! دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ماہر طبیب بنایا، اگر چہ دیگر انبیاء بھی ماہر طبیب تھے مگر طب کا جو حصہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمایا دیگر انبیاء کے مقابلے میں زیادہ عطا فرمایا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں واقعات کی روشنی میں اس خصوصیت کو واضح کیا گیا ہے، جسکے مطالعے کے بعد آپ ﷺ کی یہ خصوصیت مکمل طور پر واضح ہوجائے گی انشاء اللہ، علاوہ ازیں اس خصوصیت کے ذیل میں طب نبوی کے کچھ راہنما اصول بھی ذکر کئے گئے ہیں جو فائدے سے خالی نہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

انتیسویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

پیغمبر دنیا میں درحقیقت بیماریوں کے روحانی طبیب بن کر آتے ہیں مگر کبھی کبھی ارواح وقلوب کے معالجے میں ان کو جسمانی امراض وعوارض کا علاج بھی کرنا پڑتا ہے۔ تمام انبیاء میں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اس وصف میں ممتاز ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی

اس قسم کے معجزات کا وافر حصہ ملا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سب سے بڑا ماہر طبیب بنایا جیسا کہ آنے والے واقعات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت علیؓ کی آنکھوں کا اچھا ہونا

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سلمہ بن اکوعؓ اور حضرت سہیل بن سعدؓ تین چشم دیدہ گواہوں سے روایت ہے کہ غزوہ خیبر میں جب آپ ﷺ نے علم عطا فرمانے کے لئے حضرت علی بن ابی طالب کو طلب فرمایا تو معلوم ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آشوبِ چشم ہے اور یہ آشوب جیسا کہ مسند ابن حنبل میں ہے ایسا سخت تھا کہ ایک صاحب (سلمہ بنؓ اکوع) اُن کا ہاتھ پکڑ کر لائے تھے آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن مل دیا اور دم کر دیا، وہ اسی وقت اچھی ہوگئیں، ایسا معلوم ہوتا کہ اُن کی آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں۔ (بخاری شریف)

تلوار کے زخم کا اچھا ہونا

غزوہ خیبر میں حضرت سلمہ بنؓ اکوع کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا۔ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے اس پر تین مرتبہ دم کر دیا پھر انہیں کوئی شکایت محسوس نہیں ہوئی صرف نشان رہ گیا تھا غزوہ حنین میں حضرت خالد بن ولید کے پاؤں میں زخم لگا، جب لڑائی ختم ہوچکی تو آپ ﷺ کو معلوم ہوا، آپ ﷺ حضرت خالد بن ولید کی فرودگاہ پوچھتے ہوئے ان کے پاس آئے، دیکھا کہ کجاوہ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں، آپ ﷺ نے ان کے زخم پر ایک نگاہ ڈالی اور اس پر لعاب دہن ڈال دیا زخم اچھا ہوگیا۔ (بخاری شریف)

اندھے کا اچھا ہونا

آپ کی خدمت میں ایک اندھا حاضر ہوا اور اپنی تکلیفیں بیان کیں، آپ ﷺ نے فرمایا اگر چاہو تو دعا کر دوں اور اگر چاہو تو صبر کرو اور یہ تمہارے لئے اچھا ہے، عرض کیا دعا کیجئے فرمایا اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو کہ خداوندا! اپنی رحمت والے پیغمبر کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے ترمذی اور حاکم کی ایک روایت میں اسی قدر ہے مگر ابن حنبل اور

حاکم کی دوسری روایت میں اس کے بعد ہے کہ اس نے ایسا کیا تو فوراً اچھا ہو گیا۔ حاکم کی ایک اور روایت میں ہے جو علی شرط البخاری ہے یہ واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے۔ حضرت عثمانؓ بن حنیف صحابی کہتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ میری خدمت کے لئے کوئی آدمی نہیں مجھے سخت تکلیف ہے۔ فرمایا وضو خانہ میں جا کر وضو کرو، پھر دو رکعت نماز پڑھو، اس کے بعد یہ دعا مانگو عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ابھی ہم مجلس سے الگ بھی نہیں ہوئے تھے اور نہ کچھ زیادہ بات کرنے پائے تھے کہ وہ نابینا واپس آیا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس کو نابینائی کبھی تھی ہی نہیں۔

حبیبؓ بن فدیک ایک اور نابینا صحابی کے اچھے ہونے کا واقعہ ابن ابی شیبہ، طبرانی، بیہقی اور ابونعیم میں مذکور ہے۔ مگر چونکہ اس کے سلسلہ سند میں مجہول الاسم اشخاص ہیں اس لئے اس کو قلم انداز کر دیا ہے۔

بلا کا دور ہونا

آپ ﷺ ایک سفر میں جا رہے تھے، راستہ میں ایک عورت بچے کو لئے ہوئے سامنے آئی اور کہا یا رسول اللہ ﷺ اس کو دن میں کئی دفعہ کسی بلا کا دورہ ہوتا ہے، آپ نے بچے کو اٹھا کر کجاوہ کے سامنے رکھا اور تین بار کہا کہ اے خدا کے دشمن نکل میں خدا کا رسول ہوں پھر لڑکے کو اس عورت کے حوالے کر دیا۔ سفر سے پلٹے تو وہ عورت دو دنبے لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا ہدیہ قبول فرمایئے، خدا کی قسم پھر بچے کے پاس وہ بلا نہیں آئی۔ آپ ﷺ نے ایک دنبے کو قبول فرما لیا اور دوسرے کو واپس کر دیا۔ (بحوالہ مسندِ احمد بن حنبل)

گونگے کا بولنا

حجۃ الوداع میں آپ کی خدمت میں ایک عورت اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یہ بولتا نہیں۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا، ہاتھ دھویا اور کلی کی اور فرمایا یہ پانی اُس کو پلا دو اور کچھ اس کے اوپر چھڑک دو، دوسرے سال وہ عورت آئی تو بیان کیا کہ لڑکا بالکل

اچھا ہو گیا اور بولنے لگا۔ (بحوالہ سنن ابن ماجہ)

مرض نسیان کا دور ہونا

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے آکر شکایت کی کہ یارسول اللہ! قرآن یاد کرتا ہوں تو بھول جاتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ''اس طرح نماز پڑھ کر یہ دعا مانگو''۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے اسی طرح کیا اور فائدہ ہوا اور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ پہلے چار چار آیتیں یاد کیا کرتا تھا اور اب چالیس چالیس آیتیں یاد کر لیتا ہوں۔ پہلے بات بھول جاتا تھا اور اب حرف حرف یاد رہتا ہے۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو آپ ﷺ نے طائف کا عامل مقرر فرمایا، انہوں نے وہاں سے آکر بیان کیا کہ یارسول اللہ مجھے یہ مرض پیدا ہو گیا ہے کہ نماز میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا پڑھتا ہوں؟ آپ نے پاس بلا کر اُن کے سینہ پر ہاتھ مارا اور منہ میں دم کیا، پھر یہ حالت بالکل زائل ہو گئی۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ نے بھی ایک دفعہ حافظہ کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ دامن پھیلاؤ انہوں نے پھیلایا، آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا، پھر فرمایا اس کو سمیٹ لو، حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تب سے پھر میں کوئی بات نہیں بھولا۔ (حوالہ بالا)

بیمار کا تندرست ہونا

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کا واقعہ ہے کہ وہ ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے تو فرمایا کہ یہ دعا سات دفعہ پڑھو اور ہاتھ بدن پر پھیرو حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا تو خدا نے میری بیماری دور کر دی اور اب میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی یہ دعا بتایا کرتا ہوں۔ ایک بار حضرت علیؓ اس قدر بیمار ہوئے کہ موت کی دعا کرنے لگے، آپ ﷺ کا گزر ہوا تو ان کو اس پر تنبیہ کی اور دعا فرمائی، پھر اُن کو اس مرض کی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔

ایک جلے ہوئے بچے کا اچھا ہو جانا

محمد بن حاطبؓ ایک صحابی ہیں، وہ جب بچے تھے تو اپنی ماں کی گود سے گر کر آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے، ان کی ماں ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں، آپ نے اپنا لعاب دہن اس پر ملا اور دعا پڑھ کر دم کیا۔ طیالسی اور ابن حنبل میں اسی قدر ہے مگر امام بخاری نے تاریخ بہ سند بیان کیا ہے کہ محمد بن حاطب کی ماں کہتی تھیں کہ میں بچے کو لے کر اٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بچے کا زخم چنگا ہو گیا۔ (بحوالہ بخاری شریف)

جنون کا دور ہونا

ایک شخص نے آکر درخواست کی کہ یا رسول اللہ میرا بھائی بیمار ہے دعا کیجئے۔ پوچھا کیا بیماری ہے عرض کیا اس پر جنون کا اثر ہے، فرمایا اس کو لے آؤ، وہ آیا تو آپ نے قرآن مجید کی متعدد سورتیں پڑھ کر جھاڑ دیا وہ کھڑا ہوا تو اس پر جنون کا کوئی اثر نہ تھا (بحوالہ سیرت النبی جلد سوم)

ٹوٹی ہوئی ہڈی کا ٹھیک ہونا

ابو رافع یہودی اسلام اور رسول اکرم ﷺ کا سخت دشمن تھا۔ اور دشمنوں سے ملا ہوا تھا اس کی سرکوبی کے لئے حضرت عبداللہ بن عتیکؓ چند انصاری جوانوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ابو رافع کی رہائش ایک چھوٹے قلعہ (گڑھی) میں تھی، حضرت عبداللہؓ اس قلعہ میں داخل ہوئے تو رات کی سیاہی بہت گہری تھی۔ انہوں نے اندھیرے میں تلوار چلائی مگر وار کارگر نہ ہوا۔ اور ابو رافع بیدار ہو گیا، غضبناک ہو کر چلایا کہ کسی نے مجھ پر تلوار چلائی ہے حضرت عبداللہؓ نے اب آواز پر وار کیا اور ابو رافع کو قتل کر ڈالا۔ قلعہ سے نکلتے وقت ان کا پاؤں زینہ سے پھسل گیا اور پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ انہوں نے اپنی پنڈلی پگڑی سے کس کر باندھی اور لنگھڑاتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے فرمایا اپنا پاؤں پھیلاؤ۔ حضرت عبداللہ نے حکم کی تعمیل کی۔ حضور ﷺ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا اور پنڈلی آنا فانا صحیح وسالم ہو گئی۔ گویا کبھی اسے صدمہ پہنچا ہی نہ تھا۔ (بحوالہ بخاری شریف)

طبِ نبوی ﷺ کے چند رہنما اصول

بیماری، طب اور علاج معالجہ انسانی زندگی کا ایک ایسا پہلو ہے جس سے کسی صورت صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام دینِ فطرت ہونے کے اعتبار سے بنی نوعِ انسان کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے، اس لئے اس نے بیماری اور علاج معالجہ کے لئے راہِ عمل متعین کردی ہے۔ چونکہ قرآن حکیم کی رُو سے دانائے کونین رحمت دوعالم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہی ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے اس لئے لامحالہ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ حضور ﷺ کا طرزِ عمل بیماری اور علاج معالجہ کے بارے میں کیا تھا۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ

(ا) بیماری کو من جانب اللہ سمجھتے تھے۔

(ب) اس کو مسلمان کے گناہوں کا کفارہ تصور فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مؤمن کو اگر ایک کانٹا بھی چبھ جائے تو وہ اس کے کسی گناہ کا کفارہ بن جاتا ہے۔

(ج) اس کے علاج کے لئے دعا اور دوا دونوں کو ضروری سمجھتے تھے۔

(د) خود بھی لوگوں کو اپنے حکیمانہ مشوروں سے مستفیض فرماتے تھے اور ان کو طب میں ماہر اور پیشہ ورانہ صلاحیتیں رکھنے والے طبیبوں کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔ طبی علاج کی حضور ﷺ کے نزدیک اس قدر اہمیت تھی کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد آپ کے حکم سے اس میں ایک خیمہ نصب کیا گیا جس میں مریضوں، زخمیوں کو لٹانے کا انتظام کیا گیا اور اس کو شفاخانہ قرار دیکر ایک انصاری صحابیہ رُفیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کا انچارج بنایا گیا۔ یہ خاتون جراحی میں بہت مہارت رکھتی تھیں۔ کئی موقعوں پر حضور ﷺ نے علیل صحابہ کا علاج اس زمانے کے نامور طبیب حارث بن کلدہ سے کرایا۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ اگر کسی صحابی کے زخم یا پھوڑے (غیر طبعی ورم) کو داغنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے اسے داغا۔

(ر) علاج کے لئے حرام چیزوں سے منع فرماتے تھے۔

یہاں ہم حضور ﷺ کے چند ارشادات عالیہ اور عہد رسالت کے کچھ واقعات کا ذکر کرتے ہیں، جن کا تعلق بیماریوں اور ان کے علاج معالجہ سے ہے، لیجئے ملاحظہ فرمائیے:۔

طبّ سے متعلق حضور ﷺ کے چند ارشادات

(۱) کوئی مرض لاعلاج نہیں ہے

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہر مرض کے لئے دواء ہے'' جب دواء کا اثر بیماری کی ماہیت کے مطابق ہو تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفا ہو جاتی ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جس مرض کو اتارا اس کی شفا بھی اتاری ہے۔

(۲) بیماری کا علاج کرنا ضروری ہے۔

مسند احمد بن حنبل میں حضرت اسامہ بن شریک سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا کہ کچھ اعرابی آئے اور کہا، یارسول اللہ کیا ہم دواء استعمال کریں؟ آپ نے فرمایا اے اللہ کے بندو دوا استعمال کرو کوئی ایسی بیماری نہیں جس کی اللہ عزّ وجلّ نے دوا نہ رکھی ہو سوائے ایک بیماری کے۔ ان لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول وہ کونسی بیماری ہے فرمایا کھوسٹ بڑھاپا۔

(۳) نیم حکیم خطرہ جان

ابو داوٗدؒ، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عمر بن العاص سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص علم طب سے ناواقف ہو اور کسی کا علاج کرے تو وہ اس کا (نقصان پہنچ جانے کی صورت میں) ذمہ دار ہے۔

(۴) طبیب حاذق سے علاج کراؤ اور پرہیز کرو

رسول اکرم ﷺ بیماروں کو طبیب حاذق سے علاج کروانے کی ہدایت فرماتے اور اس کو پرہیز کرنے کا حکم دیتے۔ (زاد المعاد۔ ابن قیم)

(۵) معدہ کی خرابی تمام امراض کی جڑ ہے

شعب الایمان (بیہقی) میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، معدہ بدن کا حوض ہے سب رگیں اس میں ملتی ہیں۔ اگر معدہ درست ہے تو سب رگیں درست ہیں معدہ خراب ہے تو سب رگیں خراب۔

(۶) حرام اور نجس چیزوں سے علاج نہ کرو

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری بھی پیدا کی ہے اور بیماری کی دوا بھی اور ہر بیماری کی ایک دوا مقرر فرمائی ہے۔ تم دوا سے علاج کرو لیکن حرام چیزوں سے علاج نہ کرو۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خبیث (نجس) دوا سے علاج کرنے کو منع فرمایا ہے (ترمذی۔ ابن ماجہ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عثمانؓ سے روایت ہے کہ ایک طبیب نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ مینڈک کو دوا میں شامل کر لیا جائے تو کیا حکم ہے۔ حضور ﷺ نے مینڈک کو مارنے اور دوا میں شامل کرنے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

(۷) بسیار خوری سے بچو اور ہمیشہ کچھ بھوک رکھ کر کھاؤ

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن ایک انتڑی سے کھاتا ہے اور کافر سات انتڑیوں سے صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہے اور دو آدمیوں کا چار کے لئے اور چار آدمیوں کا آٹھ کے لئے کافی ہے۔

''زاد المعاد'' میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو کم کھانے کی ترغیب دلایا کرتے۔ اور فرمایا کرتے معدہ کا ایک حصہ کھانے کے لئے، اور ایک حصہ پانی کے لیے اور ایک حصہ خود معدہ کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔

(۸) آشِ جو کا حریرہ مریضوں کے لئے عمدہ غذا ہے

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ حریرہ (تلبینہ) بیمار کے دل کو راحت و سکون بخشتا ہے اور بعض غموں کو دور کرتا ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے کسی کو بخار آجاتا تو آپ حریرہ (تلبینہ) تیار کرنے کا حکم دیتے، چنانچہ حریرہ تیار کیا جاتا پھر آپ ﷺ اسے پینے کا حکم دیتے اور آپ ﷺ یہ فرماتے کہ حریرہ غمگین دل کو قوت دیتا ہے اور بیمار کے دل سے رنج اور بیماری کو دور کرتا ہے جس طرح تم میں سے (اے عورتو) کوئی میل کو پانی کے ساتھ چہرے سے دور کرتا ہے۔

(تلبینہ) یا حریرہ آشِ جو سے بنایا جاتا ہے اس کی ترکیب یہ ہے کہ جو کا بے چھنا آٹا لے کر اس کو دودھ میں پکایا جائے جب پکنے پر آئے تو اس میں تھوڑا سا شہد ملا دیا جائے پھر اس کو ٹھنڈا کر کے مریض کو پلایا جائے آشِ جو کی طبی افادیت تمام اطباء اور ڈاکٹر کے نزدیک مسلم ہے۔

(۹) شہد میں شفا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو شفا دینے والی چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ ایک تو شہد اور دوسرے قرآن۔ (ابن ماجہ۔ بیہقی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر مہینہ میں تین دن صبح کے وقت شہد چاٹ لیا کرے وہ پھر کسی بڑی مصیبت و بلا میں مبتلا

نہیں ہوتا۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

صحیحین میں حضرت سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرا بھائی استطلاق بطن (اسہال) میں مبتلا ہے حضور ﷺ نے فرمایا اسے شہد پلاؤ۔ چنانچہ وہ شہد پلا کر پھر حاضر ہوا اور کہنے لگا میں نے شہد پلایا مگر اس سے میرے بھائی کو اور زیادہ اسہال آنے لگے ہیں مگر حضور ﷺ نے پھر شہد پلانے کا ہی حکم دیا۔ حتیٰ کہ تین دفعہ ایسا ہوا۔ پھر جب اس نے چوتھی دفعہ اس نے آ کر یہی کہا کہ میں نے شہد پلایا مگر اس سے اسہال بڑھتے ہی جاتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ چنانچہ اس نے پھر شہد پلایا اور مریض کو شفا ہو گئی۔

(۱۰) مہندی کئی بیماریوں کا علاج ہے۔

حضرت ام رافعؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پھنسی یا پھوڑا ہوتا تھا یا کوئی کانٹا لگ جاتا تھا تو آپ ﷺ اس پر مہندی کا لیپ کیا کرتے تھے۔ (ترمذی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی نے پیٹ کے درد کی شکایت بیان کی تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ، پیٹ پر مہندی کا لیپ کر۔ رسول اللہ کے سر میں جب کبھی درد ہوتا تھا تو آپ ﷺ سر پر مہندی کا لیپ کیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ بیشک یہ فائدہ کرے گی، اللہ کے حکم سے۔ (ابن ماجہ)

مہندی یا حنا خون صاف کرتی ہے۔ یرقان، سنگِ گردہ اور عسر البول کے لئے مفید ہے۔ جلدی بیماریوں یعنی خدام، آتشک اور خارش وغیرہ میں مفید ہے۔ معدہ، جگر اور تلی وغیرہ کی بیماریوں میں نفع دیتی ہے۔ اس کا لیپ آبلے اور پھوڑے کی جلن کو مفید ہے۔ مہندی سدّوں اور رگوں کے منہ کھول دیتی ہے اس لیے پیٹ کے درد میں اس کا لیپ مفید ثابت ہوتا ہے، کیونکہ فاسد مادوں کو باہر نکلنے کا راستہ مل جاتا ہے۔ درد سر اور درد زانو میں بھی اس کا لیپ

مفید ہے۔ حضور ﷺ کا اپنے موئے مبارک مہندی سے رنگنا ثابت ہے اس لیے علماء نے مہندی کے خضاب کو جائز قرار دیا ہے۔

(۱۱) بچھو کے کاٹنے کا علاج نمک اور معوذتین سے کرو

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے میں بچھو نے کاٹ کھایا آپ ﷺ نے بچھو کو جوتی سے مار ڈالا اور فرمایا کہ یہ بچھو بھی کیسی ملعون چیز ہے کہ یہ نمازی اور غیر نمازی کو نہیں چھوڑتا (یا نبی یا غیر نبی کے الفاظ استعمال فرمائے یہ شک راوی کی جانب سے ہے) پھر آپ ﷺ نے نمک اور پانی منگوا کر ایک برتن میں ڈالا اور یہ پانی اپنی انگلی پر جہاں بچھو نے کاٹا تھا ڈالنے لگے، ساتھ ہی آپ ﷺ معوذتین (قرآن مجید کی آخری دو سورتیں) پڑھتے جاتے تھے۔ (شعب الایمان، بیہقی)

نمک طعام دوسرے درجہ میں گرم اور خشک ہے۔ رطوباتِ متعفنہ کو تحلیل اور خشک کرتا ہے۔ جس عضو پر اس کا لیپ کیا جائے، اس عضو کے اجزاء کو سکیڑ کر اس کے مسامات کو وسیع کرتا ہے۔ مسامات کے اندر رطوبات کو تحلیل کرتا ہے۔ گرم پانی میں نمک گھول کر بچھو کے کاٹے ہوئے عضو کو اس پانی میں رکھیں تو اس سے زہر تحلیل ہوتا ہے اور درد موقوف ہو جاتا ہے۔

(۱۲) جَو اور چقندر بیماری کے بعد کی کمزوری کو دور کرتے ہیں

حضرت امِ المنذر بنت قیس انصاریہ سے روایت ہے کہ میرے ہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت علی بھی تھے۔ حضرت علی ابھی ابھی بیماری سے اٹھے تھے۔ ہمارے ہاں کھجوروں کے خوشے لٹک رہے تھے، حضور ﷺ اٹھ کر ان میں سے کھجوریں تناول فرمانے لگے۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے بھی اٹھ کر کھجوریں کھانی شروع کیں مگر حضور ﷺ نے ان سے کہا تم ابھی بہت کمزور ہو۔ چنانچہ حضرت علی رک گئے۔ پھر میں نے جَو اور چقندر پکا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔ پس آپ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا: اس میں سے کھاؤ یہ تمہارے لیے مفید ہے۔ (مشکوۃ المصابیح)

(۱۳) آشوب چشم میں کھجور کا کھانا مضر ہے

حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ میں ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے سامنے روٹی اور کھجوریں تھیں۔ آپ ﷺ نے مجھے بھی کھانے کی دعوت دی، پس میں کھجوریں کھانے لگا، جس پر حضور ﷺ نے فرمایا، کیا تم اس حالت میں بھی کھجوریں کھاتے ہو جب کہ تمہیں آشوب چشم ہے۔ (زادالمعاد)

(۱۴) شدید بیماری میں حاذق طبیب کو بلاؤ

سنہ ۱۰ ہجری میں رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو حضرت سعد بن ابی وقاص بھی آپ ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ مکہ پہنچ کر وہ سخت بیمار ہو گئے۔ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شدید علالت کی خبر ہوئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا، طبیب حارث بن کلدہ کو بلاؤ۔ حارث بن کلدہ ثقفی بڑا نامور طبیب تھا۔ اور ''طبیب العرب'' کے لقب سے مشہور تھا حارث بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو دیکھتے ہی کہنے لگا، خطرہ کی کوئی بات نہیں، کھجور اور اسی کے آٹے کا حریرہ بنا کر مریض کو پلاؤ چنانچہ یہی کیا گیا اور حضرت سعدؓ صحت یاب ہو گئے۔ (سیرۃ سعد بن ابی وقاص)

ایک اور روایت میں ہے کہ حارث بن کلدہ نے فریقہ تیار کرنے کی ہدایت کی، یعنی کھجور اور جو کا دلیہ اور میتھی پانی میں اُبال کر اس میں شہد ملا کر (مریض کو نہار منہ) پلایا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نسخہ پسند فرمایا۔ اس کے استعمال سے مریض کو شفا ہو گئی۔

(بحوالہ طب نبوی اور جدید سائنس)

(۱۵) آنکھوں میں سُرمہ لگایا کرو

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، سرمہ آنکھ میں ڈالا کرو کہ وہ آنکھ کی روشنی کو تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، تم سوتے وقت سیاہ سرمہ ضرور لگایا کرو۔ بیشک یہ نگاہ کو روشنی بخشتا ہے اور پلکوں کے بال اگاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

(۱۶) انجیر بواسیر اور نقرس کے لیے مفید ہے

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی نے انجیر سے بھرا ہوا طباق (تھال) ہدیۃً پیش کیا، آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا، کھاؤ۔ ہم نے اس میں سے کھایا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اگر کوئی پھل جنت میں سے آ سکتا ہے تو میں کہوں گا کہ یہی وہ ہے کیونکہ بلاشبہ یہ جنت کا میوہ ہے اس میں سے کھاؤ کہ یہ بواسیر کو ختم کر دیتی ہے اور نقرس (جوڑوں کے درد) میں نفع بخش ہے۔

(۱۷) کھُنبی کا پانی آنکھوں کے لیے شفا ہے

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھُنبی مَن میں سے ہے۔ اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفا ہے (صحیح بخاری، نسائی)

یہی روایت امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت صہیب، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔

(۱۸) زیتون کے تیل سے علاج کرو

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیتون کے تیل سے علاج کرو۔ اسے کھاؤ اور لگاؤ کیونکہ یہ ایک مبارک درخت ہے۔ (بیہقی، ابن ماجہ)

حضرت علقمہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے زیتون کا تیل موجود ہے اسے کھاؤ اور بدن پر مالش کرو کیونکہ یہ بواسیر میں فائدہ دیتا ہے

ایک اور جگہ بواسیر کی جگہ باسور (مقعد کا زخم) ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور اسے لگاؤ (یعنی اس کی مالش کرو) کیونکہ اس میں ستر بیماریوں کی شفا ہے، جن میں سے ایک کوڑھ ہے۔ (ابو نعیم)

(۱۹) تربوز کھجور کا اور کھجور تربوز کی مصلح ہے

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تازہ پکی ہوئی کھجوروں کے ساتھ تربوز کھایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ کھجور کی گرمی کو تربوز کی ٹھنڈک مار دیتی ہے اور تربوز کی گرمی کو کھجور کی ٹھنڈک مار دیتی ہے۔ (ابن ماجہ، ابوداؤد)

(۲۰) بچوں کے حلق کی بیماری کا علاج قُسط سے کرو

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے بچوں کو حلق کی بیماری میں (گلے پڑنے پر) ان کا گلا دبا کر اذیت نہ دو بلکہ تم قُسط (گوٹھ یا میٹھی گوٹھ) استعمال کرو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عورتو! تمہارے لئے افسوس کا مقام ہے کہ تم اپنی اولاد کو خود قتل کرتی ہو۔ اگر کسی کے بچے کے گلے میں سوزش ہو جائے یا سر میں درد ہو تو وہ قُسط ہندی کو لے کے پانی میں رگڑے اور بچے کو چٹا دے۔ (مستدرک حاکم، الشاشی)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم ذات الجنب (پلوریسی یا نمونیہ) کا علاج قُسط بحری اور زیتون کے تیل سے کریں۔

(۲۱) کلونجی موت کے سوا ہر بیماری کا علاج ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کالے دانے میں ہر بیماری سے موت کے سوا شفا ہے اور کالے

دانے (سے مراد) شونیز (کلونجی) ہے۔ (صحیحین مسند احمد و ابن ماجہ)

(۲۲) بہی (سفرجل) امراض قلب میں مفید ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سفرجل (بہی) کھاؤ کیونکہ اس دل کے دورے کو ٹھیک کر کے سینہ سے بوجھ اتار دیتا ہے۔ (ابونعیم، ابن السنی) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سفرجل (بہی) کھانے سے دل سے بوجھ اتر جاتا ہے، اس کو نہار منہ کھانا چاہئیے۔ (کنز العمال) حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سفرجل (بہی) کھاؤ کہ یہ دل کے دورے کو ٹھیک کرتا اور دل کو مضبوط کرتا ہے۔ (مسند فردوس)

ایک اور حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ سفرجل دل کی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ (ذہبی)

(۲۳) سناء بیشمار بیماریوں کا علاج ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کسی چیز کے ذریعے موت سے شفا ہو سکتی ہے تو وہ چیز سناء ہوتی۔ پھر فرمایا، تم سناء کو لازم پکڑو کیونکہ وہ، موت کے سواء ہر مرض کو شفا دینے والی ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

سناء ایک مشہور بوٹی ہے جو ہر خلط کی مسہل ہے اور پیٹ کے کیڑوں کو ہلاک کرتی ہے۔ یہ صفراء بلغم اور سودا کو بدن سے خارج کرتی ہے۔ اس کا مسہل بیشمار فوائد کا حامل ہے اور بے ضرر ہے یہ دماغ کا تنقیہ کرتی ہے اور پرانے دردسر، دمہ، کولنج، عرق النساء، وجع المفاصل، جنون، مرگی، ذات الجنب (نمونیہ) نقرس اور درد شقیقہ کو نافع ہے، سناء میں ایک ایسا جوہر بھی پایا جاتا ہے جو خون کو صاف کرتا ہے۔

(۲۴) رات کو کھانا مت چھوڑو

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، رات کا کھانا مت چھوڑو اس سے بڑھاپا جلدی آتا ہے۔ (کتاب الطب ابونعیم)

حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ رات کے کھانے کا حکم دیتے خواہ مٹھی بھر کھجوریں ہی کیوں نہ ہوں اور فرماتے کہ رات کا کھانا چھوڑنا بڑھاپا جلد لاتا ہے۔ خالی پیٹ ہونے اور بھوک کی حالت میں سو رہنے سے بدن کی رطوبتیں تحلیل ہونے لگتی ہیں جن کا ذخیرہ بدن میں ہر وقت مناسب مقدار میں رہنا حفظِ صحت اور بقائے قوت کے لیے لازمی ہے۔

(۲۵) ضروری ہو تو عمل جراحی اور داغنے سے علاج کرو

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ساتھ ایک مریض کی عیادت کے لئے گیا۔ اس شخص کی کمر میں کہیں ورم تھا۔ لوگوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس میں پیپ پڑ چکی ہے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا، اس میں شگاف دے دو، چنانچہ اس شخص (کے ورم) کو شگاف دے دیا۔ (زاد المعاد جلد دوم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے استسقاء کے ایک مریض کے بارے میں اس کے معالج کو حکم دیا کہ وہ مریض کے پیٹ میں شگاف دے، اس پر حضور ﷺ سے پوچھا گیا، کیا اس کے لئے طب میں کوئی چیز مفید ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس ذات نے بیماریاں نازل کی ہیں اسی ذات نے جس جس چیز میں چاہا شفا بھی رکھی ہے۔

''زاد المعاد'' میں ہے کہ سید الاوس حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوۂ احزاب میں رگ اکحل میں تیر لگا اور ان کا زخم بگڑ گیا۔ حضور ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے اسے داغا، جب یہ زخم پھول گیا تو حضور ﷺ نے اسے دوبارہ داغ دیا لیکن حضرت سعدؓ کا آخری وقت آپہنچا تھا ایک بکری کا کھر لگنے سے یہ زخم پھٹ گیا اور حضرت

سعدؓ نے وفات پائی علاج کے لیے حضرت سعدؓ کو مسجد نبوی میں نصب حضرت رُفیدہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ کے خیمے میں رکھا گیا، وہ جراحی میں بہت مہارت رکھتی تھیں۔

ترمذی شریف میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضرت اسعد بن زُراہ حلق کے شدید درد میں مبتلا ہوئے، تو رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ان کے سر کو خود اپنے دست مبارک سے داغا۔

اوپر ہم نے صرف چند مثالیں دی ہیں جن سے حفظان صحت، بیماری اور علاج معالجے کے سلسلے میں دانائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(بحوالہ حسنت جمیع خصالہ)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

چنانچہ ثابت ہوا کہ ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے بڑا ماہر طبیب بنایا اور یہ آپ ﷺ کی بہترین خصوصیت ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۳۰

رسولِ اکرم ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقام محمود کو خاص فرمایا ہے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ تیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقام محمود کو خاص فرمایا ہے'' اور دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں، فجر کی نماز سے فراغت ہوئی ہے اور اب روضہ رسول ﷺ کے قریب لوگ ہی لوگ ہیں، کافی دیر تک تو روضہ رسول ﷺ کے قریب جگہ نہ مل سکی، تلاش تلاش میں کافی وقت لگ گیا، لیکن بالآخر اللہ کے فضل سے جگہ مل ہی گئی کیونکہ جب طلب صادق اور اخلاص پر مبنی ہو تو اللہ تعالیٰ راہیں نکال ہی دیتے ہیں، چنانچہ اب میں اپنے آقا ﷺ کے روضہ کے سائے تلے بیٹھا اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اور دل سے بار بار یہی صدا آ رہی ہے کہ یا اللہ آقا ﷺ کے مدینے میں بار بار آنے کی توفیق عطا فرما اور اخلاص سے آقا ﷺ کے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین۔

بہر حال محترم قارئین! ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کے لئے مقام محمود کو خاص فرمایا ہے جیسا کہ آنے والے اوراق میں حدیث کی روشنی میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے، اور انشاء اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کے ذریعے بھی ہمارے دل میں اپنے نبی ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

تیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

''حضرت ابن مسعودؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ مقام محمود اور اس کی اہمیت وخصوصیت کیا ہے؟ جس کا اس آیت میں آپ ﷺ سے وعدہ کیا گیا ہے. (عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا) تو آپ ﷺ نے فرمایا! اس دن (کہ جب مجھے یہ مقام محمود عطا ہوگا) اللہ تعالیٰ اپنی کرسی پر نزولِ جلال فرمائے گا اور وہ کرسی چرچرائے گی جیسا کہ نئے چمڑے کی تنگ زین چرچراتی ہے اور اس کرسی کی کشادگی و وسعت اتنی ہے جتنی کہ زمین وآسمان کی درمیانی فضا، پھر تم سب کو برہنہ پا، ننگے بدن اور بے ختنہ (میدان حشر) میں لایا جائے گا اور اس دن سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابرہیمؑ ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ (فرشتوں کو) حکم دے گا کہ میرے دوست کو لباس پہناؤ، اور جنت کی چادروں میں سے ملائم کتان کی دو سفید چادریں لاکر حضرت ابرہیمؑ کو پہنائی جائیں گی، ان کے بعد مجھ کو لباس پہنایا جائے گا اور پھر میں اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا اور (یہ اعزاز ملنے پر) اگلے پچھلے تمام لوگ مجھ پر رشک کریں گے۔'' (داریؒ)

تشریح ......اس حدیث میں ''پروردگار کی کرسی'' کی کشادگی و وسعت کو بیان کرنے کے لیے زمین وآسمان کی درمیانی فضا کی مثال دی گئی ہے جب کہ ایک حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ!'' (وسعت وکشادگی میں) اس کرسی کے مقابلہ پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کی مجموعی حیثیت بس اتنی ہے جتنی کہ کسی بہت بڑے جنگل و بیابان میں پڑے ہوئے ایک چھوٹے سے چھلے کی، اور اس کرسی کے مقابلہ پر عرش کی وہی حیثیت ہے جو اس چھلے کے مقابلہ پر پورے جنگل و بیابان کی!''

پس اس حدیث میں کرسی کی جو وسعت وکشادگی بیان کی گئی ہے وہ بطریق تعین و تحدید نہیں ہے، بلکہ عام لوگوں کے ذہن وفہم کے مطابق محض تمثیل کے طور پر ہے جیسا کہ

جنت کی وسعت وکشادگی کو محض تمثیل کے طور پر بیان کرنے کے لیے یہ فرمایا گیا ہے کہ عَـرْضُهَـا السَّمٰوٰتُ وَ الْأَرْض علاوہ ازیں اس وسعت وکشادگی کو بیان کرنے کا ایک خاص مقصد بھی تھا وہ یہ کہ آپ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزول اجلال فرمانے کی وجہ سے کرسی اس طرح چر چرائے گی جس طرح نئے چمڑے کی تنگ زین سوار کے نیچے چر چراتی ہے تو اس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ وہ کرسی تنگ اور چھوٹی ہونے کی وجہ سے چر چرائے گی، لہٰذا آپ ﷺ نے واضح کرنا ضروری جانا کہ کرسی کے چر چرانے کی بات اور نئے چمڑے کی تنگ زین کی مشابہت سے یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ کرسی بھی چھوٹی اور تنگ ہوگی بلکہ وہ کرسی اتنی عظیم اور کشادہ ہے کہ اس کا ہلکا سا اندازہ کرنے کے لیے تم زمین وآسمان کی درمیانی فضا کا تصور کرلو،

بہر حال یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ حدیث کے الفاظ ان متشابہات میں سے ہیں جن کے حقیقی معنیٰ ومراد تک انسانی علم وذہن کی رسائی تیقن کے ساتھ ممکن نہیں لہٰذا مفرداتِ عبادت جیسے کرسی پر حق تعالیٰ کے بیٹھنے، کرسی کے چر چرانے اور اس کرسی کے زمین آسمان کے درمیانی فاصلہ کے بقدر وسیع وکشادہ ہونے وغیرہ کی حقیقتِ معنیٰ تک پہنچنے کی کوشش کئے بغیر صرف مفہوم حدیث کے خلاصہ کو اختیار کرنا چاہیے جو یہ ہے کہ اس حدیث کے ذریعہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اس کے جاہ وجلال اور اس کی بادشاہت و حاکمیت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

''اس دن سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابرہیمؑ ہوں گے''، لیکن واضح رہے کہ اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت ابرہیمؑ آنحضرت ﷺ پر فضیلت رکھتے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس دن حضرت ابرہیمؑ کو سب سے پہلے لباس پہنائے جانے کا شرف واعزاز بھی اسی وجہ سے حاصل ہوگا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے روحانی باپ ہیں اور آپ ﷺ کے دین اور آپ ﷺ کی ملت کا سلسلہ انہی سے چلتا ہے! علاوہ ازیں حضرت ابرہیمؑ کو حاصل ہونے والے اس شرف واعزاز کو زیادہ سے زیادہ آنحضرت ﷺ پر جزوی فضیلت ملنا ہی کہا جاسکتا ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جزوی فضیلت، کلی فضیلت

کے منافی نہیں ہوتی جب کہ اس دن بھی آنحضرت ﷺ کا بالعموم اور علی الاطلاق پوری نوع انسانی بشمول تمام انبیاء سے افضل و برتر ہونا خود اسی حدیث کے آخری الفاظ ثُمَّ اقوم عن یمین اللّٰہ الخ سے ظاہر و ثابت ہے۔

''اس کے بعد مجھ کو لباس پہنایا جائے گا'' یہ ارشاد بظاہر اس روایت کے منافی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ قیامت کے دن اپنی قبر سے لباس میں اٹھیں گے! لیکن اگر یہ وضاحت پیش نظر رہے تو پھر دونوں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد معلوم نہیں ہوگا کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر سے لباس میں اٹھیں گے لیکن میدان حشر میں آپ ﷺ کو تمام انبیاء کے ساتھ دوبارہ لباس پہنایا جائے گا اور یہ آپ ﷺ کے کامل و شرف واحترام کے اظہار کے لئے ہوگا۔

حدیث کو آخر تک دیکھنے کے بعد ایک بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کئے جانے والے سوال اور آپ ﷺ کی طرف سے دیئے جانے والے جواب کے درمیان مطابقت و موزونیت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پوچھنے والوں نے مقام محمود کے بارے میں پوچھا تھا کہ اس کی نوعیت و صورت کیا ہوگی، آپ ﷺ نے اس کا جواب براہ راست نہیں دیا بلکہ پہلے اس دن کے پر ہیبت اور پُر ہول ماحول کا ذکر کیا تاکہ لوگوں کے ذہن میں اس چیز کی بڑائی اور اہمیت راسخ ہو جائے جس کے بارے میں انہوں نے سوال کیا ہے بعد میں آپ ﷺ نے ان الفاظ ثم أقوم عن یمینِ اللہ الخ (پھر میں اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا الخ) کے ذریعہ ان کے سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا گویا آنحضرت ﷺ نے بالواسطہ طور پر یہ جواب دیا کہ ''مقام محمود'' وہ جگہ ہے جہاں میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف کھڑا ہوں گا اور وہ سب سے بڑا شرف واعزاز ہوگا جو میرے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوگا، اور الاول تا آخر پوری کائنات مجھے عطا ہونے والے اس شرف واعزاز پر رشک کرے گی۔ پس یہ ارشاد گرامی اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ ہمارے حضرت محمد ﷺ پوری کائنات حتیٰ کہ انبیاء رسول اور تمام مقربین پر فضیلت رکھتے ہیں۔

''اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! ''قیامت کے دن پل صراط پر سے گزرتے وقت اہل ایمان کی علامت یہ الفاظ ہوں گے رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ (پروردگار بچائیو، پروردگار بچائیو)''اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔''

تشریح...... ''شعار'' جس کا ترجمہ علامت کیا گیا ہے، دراصل اسی مخصوص اصطلاحی لفظ یا جملہ کو کہتے ہیں جو فوج والے آپس میں ایک دوسرے کو پہچاننے کے لیے، یا سفر کرنے والے دوران سفر ایک دوسرے کو شناخت کرنے کے لیے استعمال کریں، چنانچہ قیامت کے دن پل صراط پر گزرتے وقت اہل ایمان کی شناخت و پہچان کے لئے رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ (پروردگار بچائیو) کے الفاظ ان کی زبان پر ہوں گے اور ہر اُمت کے لوگ جو اپنے پیغمبر اور رسول کے متبع اور تابعدار تھے، یہ الفاظ کہتے ہوئے آگے بڑھیں گے، تاہم زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کے شناختی الفاظ صرف مؤمنین کاملین کا ''شعار'' ہوں گے، یعنی باعمل علماء، شہداء، اور صالحین کہ جن کا انبیاء اور رسولوں کی اتباع کے صدقہ شفاعت کا مرتبہ حاصل ہوگا۔

ابن مردویہؒ نے حضرت عائشہؓ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ ''قیامت کے دن جب لوگوں کو قبروں سے اُٹھایا جائے گا تو اس وقت اہل ایمان کا شعار لا الٰہ الا اللّٰہ و عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْن ہوگا نیز شیرازیؒ نے حضرت عائشہؓ ہی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ! ''قیامت کے دن اس دن کے ہولناک اندھیروں میں اہل ایمان کا شعار لا الٰہ الا اَنتَ ہوگا۔ (بحوالہ مظاہر حق جلد پنجم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۳۱

رسولِ اکرم ﷺ کے تیر پھینکنے کو اللہ نے اپنا پھینکنا قرار دیا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اکتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کے تیر پھینکنے کو اللہ نے اپنا پھینکنا قرار دیا" بیشک ہمارے نبی ﷺ کی یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے تیر پھینکنے کو اپنا پھینکنا قرار دیا جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ اس خصوصیت کی تفصیل پڑھیں گے، امید ہے کہ انشاء اللہ دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی میرے اور آپ کے دل میں حضور ﷺ کی محبت بڑھانے کا سبب اور ذریعہ بنے گی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

اکتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَ ما رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی جب تو نے پھینکا تھا تب تو نے نہ پھینکا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا تھا۔

یہ آیت سورۃ انفال کی ہے، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ سورۃ انفال کا نزول بہ مقام بدر ہوا۔ (بحوالہ صحیحین)

لہٰذا ثابت ہوگیا کہ جس واقعہ کی طرف آیت بالا میں اشارہ ہے، وہ بھی غزوہ بدر ہی کے واقعات میں سے ہے۔ اہلِ تفسیر واہلِ مغازی کا اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لشکر کو دیکھا تو زبان سے کہا، الٰہی یہ قریش ہیں، فخر وغرور میں چور، تیرے نافرمان، تیرے رسول کے مکذب ہیں، میں تیری موعودہ نصرت کا طالب ہوں، جبرئیل علیہ السلام

آئے ،کہا حضور ﷺ ایک مشت خاک لیجئے اور قریش کی جانب پھینک دیجئے اور نمونہ قدرت باری ملاحظہ کیجئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں والی مٹی کی مٹھی بھری اور لشکر اعداء کی طرف پھینک ماری اس لشکر خودسر میں ایک ہزار کے قریب لوگ تھے، جن کے کبر وافتخار کی کوئی حد ہی نہ رہی یہ مٹھی بھر خاک ہر ایک کی آنکھ میں پہنچی اور ان بے بصرانِ حقیقت کو بتلا گئی کہ جو رسول پاک کی شان سے اندھے ہیں وہ اسی امر کے سزادار ہیں کہ ان کی آنکھیں پھوٹیں اور خاک راہ ان کے لیے سُرمہ بنے۔

واقعہ عجیب تھا کہ ایک مشت خاک اور ایک ہزار اعمیٰ القلوب کی آنکھوں کو تیرہ کر جائے ،اس لئے قرآن مجید نے یہ راز کھول دیا کہ اس میں دستِ قدرت شامل ہے اور قدرت کے کام ہمیشہ عقل انسانی کے لیے اعجوبہ رہے ہیں اور رہیں گے۔

بعض لوگوں نے دیکھا کہ مَا رَمَیۡتَ کی نفی اور اِذۡ رَمَیۡتَ کے اثبات میں اور ولٰکِنَّ اللّٰہَ رَمیٰ کے نتیجہ سے اتحادِ ذات اور حلول کا مسئلہ نکلتا ہے۔ لہٰذا وہ یہ سمجھ گئے کہ یہی وہ آیت ہے جو حقیقت محمد یہ کے چہرے سے بُرقع کشا ہے، مگر ایسی سمجھ میں خوش فہمی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ۔اس آیت کے حقائق میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق عظیم کو دیکھتے ہوئے حضور کی عفو اور درگزر اور قوم پروری پر نگاہ کرتے ہوئے یہ واقعہ اعداء کی نگاہ میں بھی اس لئے تعجب خیز تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی بدی کا بدلہ لینے والے نہ تھے ان کا ہاتھ کسی کی ضرر رسانی کے لیے کبھی اُٹھتا نہ تھا ہم لوگوں نے تیرا سال تک مکہ میں سن سن کر دیکھ لیا کہ وہ کبھی مقابلہ میں اُف تک نہ کرتے تھے، ہاتھ کو جنبش دینا تو کجا زبان کو بھی ہمارے خلاف نہیں ہلاتے تھے۔ آخر محمد کو کیا ہو گیا کہ اس کی عادت بدل گئی، کیا اس کی فطرت میں بھی تبدیلی آ گئی؟...... کیا اب بھی خُلق محمد یہ کو دنیا کے لئے نمونہ بنایا جائے گا۔

رب العلمین کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے حبیب پاک کے اخلاق کی نسبت ایسی باتیں رموزاً بھی کہی جائیں، جھٹ اس کی نفی فرمادی اور بتلا دیا کہ اخلاقِ محمد یہ تو وہی ہیں جو

دنیا بھر میں مسلمہ ہیں مگر اس واقعہ میں ہمارے نبی کا ذاتی فعل شامل نہیں، اس فعل میں ان کی نیت شامل نہیں، نبی نے ہمارے حکم کی تعمیل میں وہی کام کیا جو تیرانداز کے ساتھ ایک کمان کا ہے، لہٰذا ہمارے رسول کی ذات کے متعلق کوئی لفظ زبان سے مت نکالو اور اسے ہمارے ہی جلال کی ایک شان سمجھو۔ اِذْ رَمیتَ میں فعل کا اثبات اسی حیثیت سے ہے جو کمان کا تیر اندازی میں ہے اور مارمیتَ میں فعل نبوی کی نفی اسی حقیقت پر ہے جو تیرانداز کے سامنے کمان کی ہے۔ لہٰذا آیت کا محل اصلی ''رب رسول'' ہے۔

اور اہل اسلام کے لئے سبق ہے کہ ہم سب پر بھی اعداء کے ان اعتراضات کی جواب دہی لازم وواجب ہے جو حضور ﷺ کی ذات گرامی پر کوئی مخالف اپنی کم بصری وکوتہ بینی سے زبان پر لاتا ہو۔ کمان کو تیرانداز اور بندوق کو نشانہ باز کے ساتھ اتحاد وحلول کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ صحیح ہے۔ ہاں آیت ایک اور حقیقت کا بھی اظہار کرتی ہے، اسی سورۃ انفال کو پڑھو کہ کفار مکہ کی درخواست اللہ تعالیٰ سے یہ ہوا کرتی تھی۔ اَللّٰھُم اِن کَانَ ھٰذا ھُو الحَقُّ مِن عِندکَ فَامطِرْ عَلینا حِجارَۃً مِّنَ السَّماءِ (۳۲:۸)

''الٰہی محمد کی نبوت اور تیرا نام لے کر آیات قرآنی کی تلاوت اگر درحقیقت تیری ہی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھراؤ کیا جائے۔''

دیکھو، ان کی عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے، یہ دعا تو کرتے ہیں کہ ہم پر پتھر برسیں اور یہ دعا نہیں کرتے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچا ہے، اس کی دعوت سچی ہے تو ہمارے دلوں کو کھول دے اور قبول حق کا جوش ہمارے اندر پیدا کردے، ان پر پتھراؤ کا ہونا ضروری ہو گیا تھا، کیونکہ حقانیت اسلام کے لئے انہوں نے اسی امر کو شرط ٹھہرایا تھا، لہٰذا رسول کو حکم ہوتا ہے کہ ایک مشت خاک ان پر پھینک دو جب یہ مشت خاک سب کی آنکھوں میں پہنچے گی تو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ ہاں اس طرح پتھروں کا آسمان سے برسنا بھی بعید نہیں۔ لہٰذا یہ رمی معجزہ بھی ہے اور منکرین کے لئے ان کی خود منہ مانگی بات کے اصول پر حجت ودلیل بھی۔ اسی توجیہ کے ذیل میں یہ یاد رکھنا چاہیئے، کہ رمی حجارہ سے رامی کا مقصد ان لوگوں سے

برأت و بیزاری کا اظہار بھی ہے، جو مغوی اور شرارت پیشہ ہوں جو بہ وجہ خبث باطن حقانیت و صداقت سے اس قدر دور ہو چکے ہوں کہ ظاہر آثار رشد بھی ان سے معدوم ہو چکے ہوں۔

سیدنا ابرہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بہ مقام منیٰ مغوی شیطان پر تین بار رمی جمرات فرمانا اور پھر نفاذ حکم الٰہی پر بہ کمال طوع ورغبت مستعدر ہنا اسی اصول پر تھا۔

فرزندِ خلیل اور دعائے ابرہیمؑ نے بھی بدر میں اسی نمونہ کا اتباع فرمایا۔ سیدنا ابرہیمؑ ایک شریر النفس کو خائب وخاسر بنانے میں کامیاب ہوئے تھے۔

فخر الأنبیاء کی ایک ہی مشت خاک نے ایک ہزار طاغی و باغی فوج اور ان کے ناپاک ارادوں کو خاک نشین فرمادیا۔ الغرض یہ آیت حضور ﷺ کے خصائص خاص میں سے ایک خصوصیت کی مظہر ہے۔ (بحوالہ۔ رحمۃ العلمین جلد سوم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حضور ﷺ سے سچی محبت نصیب فرمائے، اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۳۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ماہر نفسیات بنایا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ بتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ماہر نفسیات بنایا'' بیشک ہمارے حضور ﷺ کی یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو سب سے بڑا ماہر نفسیات بنایا اگر چہ دیگر انبیاء کرام بھی اپنی اپنی امت کے معاملے میں نفسیات دان اور نباض شناس تھے لیکن ہمارے نبی کو اللہ نے اس کا وافر حصہ عطا فرمایا یعنی دیگر انبیاء کرامؑ سے زیادہ عطا فرمایا اور قیامت تک کے لئے عطا فرمایا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے۔ جہاں ہم نے احادیث کی روشنی میں آپ ﷺ کی اس خصوصیت کو وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

بتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے جس پہلو کو بھی لیں وہ اتنا جامع اور ارفع واعلیٰ نظر آتا ہے کہ انسان ورطہ حیرت میں غرق ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس کی مکمل اور صحیح تصویر کشی سے عاجز پاتا ہے۔ لَا یُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهُ

اگر چہ ارباب سیر نے اپنی اپنی بساط کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور مکارم اخلاق کا ذکر بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ تفصیل سے کیا ہے لیکن ان میں

سے بیشتر نے آپ ﷺ کی جامع کمالات وصفات ذاتِ گرامی کے ایک خاص پہلو پر قلم اُٹھانے کو شاید تحصیل حاصل سمجھا، یہ پہلو ہے نفسیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال مہارت۔ سیرت طیبہ کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے یہ حقیقت خود بخود آشکارہ ہوتی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو انسانی فطرت کا بہترین نباض بنایا تھا۔ جس کے طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح وتربیت کی، اس کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کے نورانی راستے پر لائے اور اس کے افراد کو سیرت وکردار کے پاکیزہ مثالی نمونے بنادیا۔ وہ آپ ﷺ کے حسنِ تبلیغ اور علم النفس یا نفسیات میں آپ ﷺ کی بے مثال مہارت پر دلیل ہے جو تحیّر خیز بھی تھی اور ایمان افروز بھی۔ فی الحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ومرتبہ ایک ''ماہر نفسیات'' کے مقام ومرتبہ سے کہیں بلند تھا، نفسیات میں مہارت تو آپ ﷺ کے کمالات وصفات کا ایک بہت ہی معمولی حصہ تھی، جن باتوں سے نفسیات میں آپ ﷺ کی مہارت کا نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے، دراصل وہ اس حکمت کا حصہ تھیں جس کی آپ ﷺ نے اپنے قول وعمل سے لوگوں کو تعلیم دی، قرآن حکیم میں حضور ﷺ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کتاب وحکمت ہونے کے ساتھ رحمۃ للعالمین اور صاحب خلق عظیم بھی تھے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ، محاسنِ اخلاق اور ارشادات وہدایات میں بیمار جسم وروح دونوں کی شفا بخشی کا سامان موجود تھا اور انہی سے آب حیات کی تاثیر رکھنے والی اس حکمت کے چشمے پھوٹتے تھے جو جسم کی صحت وتوانائی، دل کی آسودگی، ذہن کی کشادگی، روح کی بالیدگی اور سیرت وکردار کے نکھار کی ضامن تھی اور ہے۔ حضور ﷺ کی تعلیم حکمت، حُسن تبلیغ اور خلق عظیم کے متعدد پہلو نفسیات میں آپ ﷺ کی بے مثل مہارت کے عکاس ہیں۔ ان میں اکثر پہلوؤں کا ذکر اس کتاب کے مختلف عنوانات کے تحت آچکا ہے اور اگلی جلدوں میں آرہا ہے اور کچھ مزید پہلوؤں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کی تعلیم دی خود بھی ان پر عمل کر کے دکھایا۔ جن کاموں سے منع فرمایا، کبھی ان کے نزدیک تک نہ گئے اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا خود ان پر بطریق احسن عمل کر کے اپنی ذات کو لوگوں کے لیے بہترین نمونہ بنادیا۔ اگر لوگوں کو یتیموں، بیواؤں، غریبوں اور حاجت مندوں کی مدد کرنے کی تلقین فرمائی تو خود عمر بھر ان طبقوں کی سرپرستی فرماتے رہے۔ اگر لوگوں کو ہمیشہ سچ بولنے کی تاکید فرمائی تو خود عمر بھر حق کے سوا کوئی بات زبان مبارک پر نہ لائے یہاں تک کہ دشمنوں سے بھی ''صادق'' کا لقب پایا، اگر لوگوں کو دیانتداری اور امانتداری کا درس دیا تو خود دیانت و امانت کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ دشمن بھی اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھتے تھے اور آپ ﷺ کو امین امین کہتے ان کی زبانیں نہ تھکتی تھیں۔ اگر لوگوں کو توکل علی اللہ کی تلقین فرمائی تو خود نازک سے نازک موقعوں پر بھی اللہ پر توکل کیا اور جبینِ ہمت پر شکن نہ آنے دی۔ اگر لوگوں کو حلم و تحمل اور عفو و درگزر کا سبق دیا تو خود راہ حق میں معاندین کی سخت سے سخت باتیں برداشت کیں، برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا اور جانی دشمنوں پر بھی قابو پانے کے بعد انہیں معاف فرمادیا۔ غرض کس کس بات کا ذکر کیا جائے، ان سب باتوں کا نفسیاتی اثر ہی تھا کہ اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا چلا گیا۔

(۲) آپ ﷺ کی شیریں زبانی اور نرم مزاجی لوگوں کے دلوں کو موہ لیتی تھی اور وہ (گنوار صحرائی بھی) اس سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف راغب ہو جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے حبیب کی نرم خوئی کا ذکر اس طرح کیا ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران آیہ ۱۵۹)

(اے نبیؐ!) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔

(۳) نبوت کے چوتھے سال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت توحید عام

کرنے کا حکم دیا گیا اور قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ﷺ اپنے قریبی عزیزوں کو سب سے پہلے اللہ کے عذاب سے ڈرائیں تو آپ ﷺ نے ایک دن صبح سویرے کوہِ صفا پر چڑھ کر بلند آواز سے پکارا: ''یا صباحاہ'' (ہائے صبح کا خطرہ) پھر آپ ﷺ نے قریش کے ایک ایک قبیلے اور خاندان کا نام لے لے کر آواز دی، اس پر قریش کے تمام خاندانوں کے لوگ آپ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے۔ آپ ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''لوگوں اگر میں تمہیں بتاؤں کہ پہاڑ کے پیچھے ایک بھاری لشکر تم پر ٹوٹ پڑنے کے لئے تیار کھڑا ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے''؟ سب نے بیک آواز سے جواب دیا! ''ہاں، ہم نے کبھی تمہیں جھوٹ بولنے والا نہیں پایا''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو میں اللہ کا سخت عذاب آنے سے پہلے تم کو خبر دار کرتا ہوں اپنے آپ کو اس سے بچانے کی فکر کرو۔''

اُس وقت بظاہر تو قریش پر حضور ﷺ کے انتباہ اور پیغام توحید کا کوئی اثر نہ ہوا لیکن ان کو خبر دار کرنے سے پہلے آپ ﷺ نے جس طرح ان سے اپنے ''صادق'' ہونے کا اعتراف کرایا اس نے متعدد سعید روحوں کو آپ ﷺ کی دعوت پر سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کر دیا کیونکہ آپ ﷺ کو جھٹلانے یا دعوت توحید کو رد کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی معقول عذر نہ تھا۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اَفصَحُ العَرَب تھے اور عرب کے ہر قبیلے سے اس کے علاقائی لہجے اور مقامی محاورے کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ اس کی تفصیل '' افصحُ العرب'' کے ذیل میں اپنی جگہ پر آئے گی، انشاء اللہ۔ عربی زبان پر آپ ﷺ کے غیر معمولی عبور اور آپ کی فصاحت و بلاغت کا بھی عربوں پر نفسیاتی اثر ہوتا تھا۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی سخاوت اور مہمان نوازی بھی عوام الناس کے تحت الشعور میں اسلام کی طرف رغبت پیدا کرنے کا باعث بنتی تھی۔ لوگوں کا آئے دن کا مشاہدہ تھا کہ آپ ﷺ خود بھوکے رہ کر بھی سائلوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ اپنی ضرورت پر

دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے، عرب کے گوشے گوشے سے جو وفد آتے تھے آپ ﷺ ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے تھے اور جب وہ جانے لگتے تو سب کو کچھ نہ کچھ دے دلا کر رخصت فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرزِ عمل ایک طرف تو عوام الناس پر خوشگوار نفسیاتی اثر ڈالتا تھا تو دوسری طرف آپ ﷺ کی سخاوت و ایثار اور مہمان نوازی سے فیض یاب ہونے والوں کے دلوں میں آپ ﷺ کی عقیدت اور محبت کے جذبات پیدا کر دیتا تھا جو ان کو حلقۂ اسلام میں لے آتے تھے۔

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے دُکھ سکھ میں برابر شریک رہتے تھے۔ کوئی بیمار ہو جاتا تو اس کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے، بیمار کو تسلی وتشفی دیتے اس کی پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے اور فرماتے، اِنشاءَ اللہ صحت یاب ہو جاؤ گے۔ پھر اس کی صحت کے لئے دعا کرتے، یوں نفسیاتی طور پر مریض پر بہت اچھا اثر پڑتا تھا۔ اسی طرح کسی صحابی کا انتقال ہو جاتا تو آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھاتے اور فوت ہونے والوں کے رشتہ داروں کے پاس جا کر تعزیت کرتے۔

(۷) نماز پڑھاتے وقت اگر مقتدیوں میں بچوں والی عورتیں ہوتیں تو آپ ﷺ نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر جلد ہی سلام پھیر دیتے تاکہ عورتوں اور بچوں کو تکلیف نہ ہو۔

(۸) مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے محلے کی مسجد میں بنوسلمہ کے لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے عشاء کی نماز میں سورہ بقرہ پڑھی ایک صاحب نے جو دن بھر کام کرنے کی وجہ سے سخت تھکے ہوئے تھے (ان کی طویل قرأت کی وجہ سے) علیحدہ ہو کر ہلکی سی نماز پڑھ لی، حضرت معاذؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ یہ شخص منافق ہے۔ اُن صاحب کو حضرت معاذؓ کی یہ بات سخت ناگوار گزری اور انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ''! ہم محنت مشقت کرنے والے لوگ ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے مزدوری کرتے ہیں اور اُونٹوں کے ذریعے پانی بھرتے ہیں

(اس طرح سخت تھک جاتے ہیں) آج معاذ نے ہمیں نماز پڑھائی اور اس میں سورہ بقرہ شروع کردی اس لئے میں نے اپنی نماز علیحدہ ہو کر پڑھ لی، اس پر معاذ کہتے ہیں کہ میں منافق ہوں''۔

حضرت معاذؓ بھی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر تھے، حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر تین مرتبہ فرمایا، اے معاذ کیا فتنہ برپا کرو گے؟ اس کے بعد فرمایا صرف سورۃ الشمس اور سورۃ الضحیٰ جیسی (چھوٹی) سورتیں پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ مقتدیوں میں بوڑھے، ضعیف اور ارباب حاجت سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

(۹) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل یمن پر حاکم مقرر فرمایا۔ جب وہ مدینہ منورہ سے چلنے لگے تو حضور ﷺ نے ان کو یہ نصیحت فرمائی: ''اے معاذ! جب تم یمن پہنچو تو وہاں کے لوگوں سے نرم سلوک کرنا سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوش رکھنا، (دین یا اسلامی حکومت سے) متنفر نہ کر دینا، باہم مل کر کام کرنا، تم وہاں ایسے لوگ بھی پاؤ گے جو پہلے سے کسی مذہب کے پیرو ہیں، جب ان کے پاس پہنچو تو پہلے ان کو توحید ورسالت کی دعوت دینا، جب وہ اس کو قبول کرلیں تو کہنا کہ اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ ان کو تسلیم کرلیں تو انہیں بتانا کہ تم پر زکوۃ بھی واجب ہے یہ تمہارے امیروں سے لیکر تمہارے غریبوں کو دی جائے گی، جب وہ زکوۃ دینا بھی منظور کر لیں تو چن چن کر اچھی چیزیں نہ لے لینا، مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس (بددعا) اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے''۔

ان نصیحتوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانی نفسیات کا کس قدر خیال رکھتے تھے، دین کے معاملے میں نومسلموں پر سختی کرنا آپ کو پسند نہیں تھا اور آپ ﷺ ان کو نرمی اور محبت کے ساتھ شعائر اسلام کا پابند بنانا چاہتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ جونہی وہ اسلام قبول کریں، ان پر دین وشریعت کے تمام احکام کی پابندی لازم قرار دی جائے کیونکہ ایسی پابندی کو وہ اپنے اوپر بوجھ سمجھیں گے۔ آپ ﷺ کے

خیال میں مناسب یہ تھا کہ ان میں مختلف شرعی احکام بتدریج نافذ کیے جائیں۔ جب اسلام ان کے ذہنوں میں راسخ ہو جائے گا تو وہ خود بخود سب احکام کی خوش دلی سے پابندی کریں گے

(۱۰) ۹ھ ہجری میں بنو ثقیف کا ایک وفد طائف سے مدینہ منورہ آیا اور بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر چند شرطوں پر اسلام قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ شرطیں یہ تھیں: ہمیں زنا کاری، سود خوری اور شراب خوری کی اجازت دی جائے۔ حضور ﷺ نے یہ تینوں شرطیں یکسر مسترد کر دیں۔ پھر اہل وفد نے درخواست کی کہ ہمیں نماز سے معاف کر دیا جائے (یعنی ہم پر نماز کی فرضیت ساقط کر دی جائے) حضور ﷺ نے یہ درخواست بھی رد کر دی اور فرمایا کہ جس دین میں اللہ کی عبادت نہ کی جائے وہ دین فطرت نہیں۔

اس کے بعد اہل وفد نے زکوٰۃ اور جہاد سے استثناء کی درخواست کی۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا، اچھا اس کے لئے تمہیں مجبور نہیں کیا جائے گا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب یہ لوگ صدق دل سے اسلام قبول کر لیں گے (یعنی اسلام ان کے ذہنوں میں راسخ ہو جائے گا) تو یہ جہاد بھی کریں گے اور زکوٰۃ بھی دیں گے۔ اور پھر واقعی کچھ عرصہ بعد بنو ثقیف اسلام کے بازوئے شمشیر زن بن گئے اور انہوں نے میدان جہاد میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ اسی طرح وہ زکوٰۃ دینے میں بھی دوسرے مسلمانوں سے پیچھے نہ رہے۔

(۱۱) ایک دفعہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آیا۔ رُعبِ نبوت سے اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ آپ ﷺ نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو بڑی محبت اور نرمی کے ساتھ فرمایا گھبراؤ نہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں، ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔ (مستدرک حاکمؒ)

(۱۲) یومِ جمعہ کو ہفتے کے دوسرے تمام دنوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اگرچہ ہفتے کے ساتوں دنوں کی ہیئت یکساں ہے اور ان میں سرِ مو فرق نہیں مگر جو باتیں یوم جمعہ کو

دوسرے دنوں سے ممیز کرتی ہیں وہ یہ ہیں:

(ا) اس دن ظہر کے چار فرضوں کے بجائے جمعہ کے دو فرض پڑھے جاتے ہیں اور ان سے پہلے خطبہ بھی ہوتا ہے جس کو خاموشی سے سننا ضروری بھی ہے اور باعث اجر بھی۔

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ کی جس قدر تاکید فرمائی اور اس کے لئے جس اہتمام کا حکم دیا اس کا ایسا نفسیاتی اثر ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں میں جمعۃ المبارک کی اہمیت اور فضیلت نقش کالحجر ہوگئی اور یہ دن قیامت تک کے لئے شعارِ ملت بن گیا۔

اس سلسلے میں حضور ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

ا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میرا جی چاہتا ہے کہ نماز جمعہ پڑھانے کے لئے اپنی جگہ کسی اور شخص کو کھڑا کردوں اور جا کر ان لوگوں کے گھر جلادوں جو جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے نہیں آتے۔ (صحیح بخاری، مسند احمد)

۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس پر جمعہ فرض ہے الا یہ کہ عورت ہو یا مسافر ہو یا غلام ہو یا مریض ہو۔ (دار قطنی، بیہقی)

۳۔ حضرت ابوالجعد ضمریؓ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!" جو شخص کسی حقیقی ضرورت اور جائز عذر کے بغیر محض بے پروائی کی بناء پر مسلسل تین جمعے ترک کردے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (بروایت دیگر اللہ اس کا دل منافق کا دل بنادیتا ہے)۔ (مسند احمد)

۴۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!" آج سے قیامت تک جمعہ تم لوگوں پر فرض ہے جو شخص اسے ایک معمولی چیز سمجھ کر یا اس کا حق نہ مان کر اسے چھوڑے، اللہ اس کا حال درست نہ کرے، نہ اسے برکت دے، خوب سن رکھو، اس کی نماز نماز نہیں، اس کی زکوٰۃ زکوٰۃ نہیں، اس کا حج حج نہیں، اس کا

روزہ روزہ نہیں، اس کی کوئی نیکی نیکی نہیں جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے پھر جو توبہ کرے اللہ اسے معاف فرمانے والا ہے"۔ (ابن ماجہ، بزار)

۵۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "ہر مسلمان جمعہ کے دن غسل کرے اور جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو پاک صاف کرے، سر میں تیل لگائے یا جو خوشبو گھر میں موجود ہو وہ لگائے، پھر مسجد جائے اور دو آدمیوں کو ہٹا کر ان کے بیچ میں نہ گھسے، پھر جتنی کچھ اللہ توفیق دے اتنی نماز (نفل) پڑھے پھر جب امام بولے تو خاموش رہے، اس کے قصور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک معاف ہو جاتے ہیں۔" (بخاری، مسند احمد)

۶۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہر مسلمان کو جمعہ کے روز غسل کرنا چاہئے، دانت صاف کرنے چاہئیں، جو اچھے کپڑے اس کو میسر ہوں پہننے چاہئیں اور اگر خوشبو میسر ہو تو لگانی چاہیے۔ (بخاری، مسند احمد)

(۱۳) کتب احادیث میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے بیسیوں حکیمانہ ارشادات ملتے ہیں جن پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا انسانی فطرت اور نفسیات سے گہرا تعلق ہے۔ ان میں سے کچھ ارشادات یہاں درج کئے جاتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سخت دلی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا! یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ (اس طرح تمہارے دل کی سختی دور ہو جائے گی) (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، یا رسول اللہ! اسلام میں کیا چیز بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، (حاجت مندوں کو) کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا خواہ ان سے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔ (صحیحین)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قوی مسلمان اللہ کے نزدیک کمزور مسلمان سے زیادہ اچھا اور محبوب ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے، لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے کو ماں باپ کی گالی دے پھر وہ اس کے جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بہادر وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غُصّے کے وقت اپنے آپ پر قابو پالے۔ (صحیحین)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے کسی کی سفارش کی اور اس سفارش کے عوض اس کو کچھ ہدیہ یا تحفہ دیا گیا اور اس نے قبول کرلیا تو اس نے ربوٰ (سود) کا بڑا دروازہ کھول دیا۔ (خیر المواعظ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مبالغہ سے دوسرے کی تعریف کرتے ہوئے سنا تو (تعریف کرنے والے سے) فرمایا تم نے اس کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ (یا فرمایا کہ تو نے اس کی کمر توڑ دی)۔ (ادب المفرد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تندرستی کی حالت میں آدمی کا ایک درہم کا صدقہ کرنا موت کے وقت سو درہم صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اپنے آپ کو کسی چیز سے دنیا میں قتل کیا (یعنی خودکشی کی) اس کو قیامت کے دن اس چیز سے عذاب دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

حضرت عمرو بن میمونؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پانچ باتوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو:۔ (۱) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔ (۲) صحت کو

بیماری سے پہلے۔ (۳) مالداری کو مفلسی سے پہلے۔ (۴) بے فکری کو پریشانی سے پہلے۔ (۵) زندگی کو موت سے پہلے۔ (ترمذی)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

چنانچہ مندرجہ بالا کلام سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی تربیت عین ان کی نفسیات کے مطابق فرمائی، تو معلوم ہوا کہ ہمارے حضور ﷺ دنیا کے سب سے بڑے ماہر نفسیات ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۳۳

رسولِ اکرم ﷺ کی برکت سے بارہا حیرت انگیز طور پر پانی کا جاری ہونا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ تینتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی برکت سے بارہا حیرت انگیز طور پر پانی کا جاری ہونا" اور دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی اپنے آقا ﷺ کے روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبولیت نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! منجملہ خصوصیات میں سے یہ بھی ہمارے نبی ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کی برکت سے بارہا حیرت انگیز طور پر پانی جاری ہوا یعنی جہاں پانی کے کوئی امکانات نہیں تھے، وہاں آپ ﷺ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے پانی کو جاری فرمادیا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں کئی واقعات آپ ملاحظہ فرمائیں گے انشاءاللہ۔ اگرچہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دیگر انبیاء کی برکت کے بھی بہت سے مظاہر انبیاء کی سیرتوں میں ہمیں نظر آتے ہیں، لیکن جو برکات اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمائی ہیں، دیگر انبیاء کی برکات اس کے بعد ہیں، کیونکہ "ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ" لیکن یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ دیگر انبیاء کا احترام کرنا اور ان کے مرتبے کو قبول کرنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے، کسی بھی نبی کی تنقیص ہمارے لئے جائز نہیں بلکہ اس سے تو ہمارے ایمان کا جانے کا خطرہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب تمہیدی بات ختم کی جاتی ہے اور اصل خصوصیت کو شروع کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:۔

تینتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

عرب کے خشک وریگستانی ملک میں سب سے کمیاب جنس پانی کا ایک چشمہ ہے۔ دنیا کے فاتحوں اور کشور کشاؤں کے حملوں سے یہ ملک جن اسباب کی بنا پر ہمیشہ محفوظ رہا ان میں سے ایک قوی سبب اس میں پانی کے وجود کی کمیابی بھی ہے۔ چنانچہ یونانیوں، رومیوں اور ایرانیوں کی ہمتیں اسی لئے صحرائے لق ودق میں آباد قبائل کے فتح سے قاصر رہیں۔ غور کرو کہ اسلام کا فاتحانہ لشکر بھی اگر نبوت کے برکاتِ الٰہی کے یہ چشمے اس کے ساتھ ساتھ نہ ہوتے تو اس مشکل کو وہ کبھی حل نہ کرسکتا تھا؟

انبیائے عالم میں صرف ایک حضرت موسیٰ کی ذات ہے جن کے لئے ایک دفعہ چٹان کی رگیں پانی کی سوتیں بنیں لیکن رسول عرب کے لئے مشکیزہ کا چمڑا، گوشت وپوست کی انگلیاں خشک چشموں کے دہانے، سوکھے ہوئے کنوؤں کی سوتیں، دہان مبارک کی کلیاں متعدد دفعہ پانی کا خزانہ ثابت ہوئیں۔ چنانچہ ذیل میں اسی قسم کے کچھ واقعات پیش کئے جارہے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:۔

آپ ﷺ کی برکت سے مشکیزہ سے پانی ابلنا

ایک دفعہ آپ ﷺ سفر میں تھے، صبح کو آنکھ کھلی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھانی شروع کی تو ایک صحابی جماعت سے الگ ہوگئے۔ آپ ﷺ نے شریک جماعت نہ ہونے کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے جنابت کا عذر کیا چونکہ پانی نہ تھا اس لئے ان کو آپ ﷺ نے تیمم کا حکم دیا اس کے بعد آپ ﷺ نے چند صحابہ کو پانی کی جستجو میں روانہ کیا۔ وہ لوگ چلے تو ایک عورت ملی جو اونٹ پر دو مشکیزوں میں پانی لاد کر لے جارہی تھی۔ ان لوگوں نے اس چشمہ کا پتہ پوچھا تو اس نے کہا، اس جگہ پانی نہیں ہے۔ پھر ان لوگوں نے دریافت کیا کہ تمہارے قبیلہ اور چشمہ کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے؟ اس نے ایک دن اور رات کی مسافت بتائی۔ وہ لوگ اس کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے اور آنحضرت ﷺ نے ہاتھ سے مشکیزوں کو چھودیا۔ آپ

ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے اس پانی کی مقدار میں اس قدر اضافہ ہوگیا کہ چالیس آدمیوں نے اس سے خوب سیراب ہوکر پانی پیا اور اپنے اپنے تمام مشکیزے اور برتن بھر لئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کھجور اور روٹی کے ٹکڑے جمع کر کے اس عورت کو دیئے، وہ اپنے گھر آئی تو حیرت واستعجاب سے لبریز تھی۔ اس نے قبیلہ کے لوگوں سے کہا کہ میں نے سب سے بڑے ساحر کو یا اسکے معتقدین کے خیال میں ایک پیغمبر کو دیکھا، آخر اس خاتون کے اثر سے پورا قبیلہ مع اس عورت کے مسلمان ہوگیا۔ (بحوالہ بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے پانی کا بڑھ جانا

آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ کسی سفر میں تھے، نماز کا وقت آیا تو صحابہ نے پانی تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملا، ایک صحابی پیالہ میں تھوڑا سا پانی لائے۔ پہلے آنحضرت ﷺ نے اس سے وضو کیا۔ پھر پیالے پر آپ ﷺ نے انگلیاں پھیلا دیں۔ پانی کی مقدار میں اس قدر برکت ہوئی کہ تقریباً ستر آدمیوں کے وضو کے لئے کافی ہوا۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی انگلیوں کی برکت

ایک بار نماز کا وقت آیا تو جن لوگوں کا گھر مسجد کے قریب تھا وہ گھر کے اندر وضو کرنے کے لئے چلے گئے، لیکن بقیہ لوگ بے وضو رہ گئے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک برتن میں وضو کا پانی پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالنا چاہا تو اس کا دہانہ اس قدر تنگ نکلا کہ آپ ﷺ کی ہتھیلیاں اس کے اندر نہ پھیل سکیں، اس لئے آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں اس کے اندر ڈالیں اور وہ پانی تقریباً ۸۰ آدمیوں کے وضو کے لئے کافی ہوا۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی کلی سے پانی بڑھ جانا

ایک روایت میں ہے کہ صحابہ ایک دن اس کنوئیں پر ٹھہرے۔ جس کا نام حدیبیہ تھا اور اس کا تمام پانی اولچ لیا، یہاں تک کہ کنوئیں کے اندر ایک قطرہ پانی نہ رہا۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو کنوئیں کے کنارے بیٹھ گئے اور تھوڑا سا پانی لے کر اس میں کلی کردی، تھوڑی دیر

میں اس قدر ابلا کہ تمام صحابہ کے تمام اونٹ سیراب ہو گئے۔ (بحوالہ بخاری شریف)

آپ ﷺ کے ہاتھ منہ دھونے کی برکت

غزوہ تبوک کے سفر میں دو، دو، وقت کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے جا رہے تھے، ایک دن عشاء اور مغرب کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ پھر فرمایا کل تم لوگ دوپہر کے وقت تبوک کے پاس پہنچو گے لیکن جب تک میں نہ آؤں کوئی شخص اس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ لوگ پہنچے تو نہر تسمہ کی طرح تنگ اور باریک نظر آئی۔ آپ ﷺ کے حکم سے لوگوں نے پانی کو اولیچنا شروع کیا، پانی ایک گڑھے میں جمع ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس میں منہ ہاتھ دھوئے، پھر وہ پانی نہر میں ڈال دیا گیا تو وہ پانی سے ابل گئی۔

آپ ﷺ کی انگلیوں کی برکت

آپ ﷺ نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا، انہوں نے قافلہ میں بہت پانی ڈھونڈا پانی نہیں ملا، انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے لئے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے۔ حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپ ﷺ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا، لیکن اس کے پاس بھی اس قدر کم پانی ملا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ میں جذب ہو کر رہ جاتا۔ حضرت جابرؓ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو طشت کے اندر رکھ کر حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کر کے ہاتھ پر پانی گرائیں۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا تو پہلے آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی امنڈا۔ پھر طشت بھر گیا۔ یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرا رہ گیا۔ (مسلم شریف)

آپ ﷺ کے ذریعے تھوڑے پانی میں کثیر برکت

ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے، صبح کے وقت قافلہ سے الگ ہو کر سو گئے اور چند

اشخاص سے جو ساتھ تھے کہہ دیا کہ نماز کا خیال رکھنا لیکن سب کے سب سو گئے اور سب سے پہلے آنحضرت ﷺ بیدار ہوئے تو دن نکل چکا تھا۔ اب سب گھبرا کے اٹھے تو آپ ﷺ نے کوچ کا حکم دیا۔ دن چڑھا تو آپ ﷺ نے سواری سے اتر کر وضو کیا۔ تھوڑا سا پانی جو بچ رہا تھا اس کی نسبت ابوقتادہؓ سے فرمایا کہ اس کو محفوظ رکھنا اس سے ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہوگا۔ جب آفتاب خوب بلند ہو چکا تو آپ ﷺ قافلے سے جا ملے۔ لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! پیاس نے ہمیں مار ڈالا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ تباہ نہیں ہو سکتے، یہ کہہ کر اپنے وضو کا بچا ہوا پانی ابوقتادہ سے طلب کر کے لوگوں کو پلانا شروع کیا اور تمام لوگ سیراب ہو گئے۔ (ترمذی شریف)

آپ ﷺ کی برکت کا ایک اور واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم لوگ معجزات کو برکت سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، پانی کی کمی کی شکایت ہوئی تو آپ ﷺ نے بچے ہوئے پانی کو طلب فرمایا۔ وہ ایک برتن میں آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ ڈال کر فرمایا کہ ''وضو کے مبارک پانی کی طرف دوڑو، خدا کی طرف سے برکت ہوگئی۔'' میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان پانی ابل رہا تھا۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا

وعنه قال اتى النبى صلى الله عليه وسلم باناء وهو بالزوراء فوضع يده فى الاناء فجعل الماء ينبع من بين اصابعه فتوضأ القوم قال قتادة قلت لانس كم كنتم قال ثلث مائة اوزهاء ثلث مائة. (متفق عليه)

ترجمہ:...... ''اور حضرت انسؓ کہتے ہیں (ایک موقع پر) جب نبی کریم ﷺ (مدینے کے قریب) زوراء گاؤں میں تشریف فرما تھے آپ ﷺ کی خدمت میں (پانی کا) ایک برتن لایا گیا، آپ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ اس برتن میں رکھ دیا اور آپ ﷺ کی انگلیوں کے

درمیان سے پانی کا فوارہ ابلنے لگا، چنانچہ پوری جماعت نے اسی پانی سے وضو کیا۔ (حدیث کے ایک راوی) حضرت قتادہ تابعیؒ (جنہوں نے یہ روایت حضرت انسؓ سے نقل کی ہے؟ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے سوال کیا: اس موقع پر آپ لوگ کتنے آدمی تھے؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا: تین سو، یا تخمیناً تین سو (آدمی ہوں گے)۔ (بخاری ومسلم)

تشریح...... "انگلیوں کے درمیان سے پانی کا فوارہ ابلنے لگا۔" کی وضاحت میں دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ خود انگلیوں ہی سے پانی نکلنے لگا تھا۔ یہ قول مزنیؒ کا ہے اور اکثر علماء کا رجحان اسی طرف ہے: نیز اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ **فَرَاَیْتُ الْمَاءَ مِنْ اَصَابِعِهٖ** یعنی میں نے آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی ابلتے دیکھا۔" اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اصل معجزہ کی بڑائی بھی اسی بات سے ثابت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ کے اس معجزہ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ سے افضل ہونا ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے عصا کی ضرب سے پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑتے تھے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس برتن میں جو پانی پہلے موجود تھا اس کو دستِ مبارک کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اتنا زیادہ کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے فوارے کی طرح ابلنے لگا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ "حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: (ہم صحابہؓ) تو آیات کو برکت وخوشحالی کا سبب سمجھتے تھے۔ اور (اے لوگو) تم سمجھتے ہو کہ آیات بس (منکرین صداقت کو) ڈرانے کے لئے ہیں۔ (اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے ایک معجزہ بیان کیا، کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ (راستہ میں) پانی کی قلت کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ حکم دیا کہ (کسی کے پاس برتن میں تھوڑا سا بھی) بچا ہوا پانی ہو تو اس کو دیکھ کر (میرے پاس لاؤ چنانچہ صحابہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک ایسا برتن لے کر آئے جس میں بہت تھوڑا سا پانی تھا آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس برتن میں ڈال دیا اور فرمایا: آؤ جلدی سے یہ پاک اور بابرکت پانی حاصل کرو اور یہ وہ برکت ہے جو (کسی ظاہری سبب وذریعہ سے نہیں بلکہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی

ـ"اور (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا) اس وقت رسول کریم ﷺ کی مبارک انگلیوں سے فوارہ کی طرح پانی ابلتے میں نے خود دیکھا۔ نیز (حضرت ابن مسعودؓ نے ایک اور معجزہ یہ بیان کیا کہ) کھانا کھاتے وقت ہم کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

تشریح ...... "آیات" سے مراد تو قرآن کریم کی آیتیں ہیں جو آسمان سے نازل ہوئی تھی یا وہ معجزات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ذریعے ظاہر فرماتا ہے، زیادہ صحیح اور حدیث کے سیاق سے زیادہ مناسب یہی ہے کہ "آیات" سے مراد "معجزات" لئے جائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ آیات اگرچہ کافروں اور منکروں کو ڈرانے کے لئے ہیں لیکن اہل ایمان کے حق میں کہ جو ان آیات کے محب اور معتقد ہیں، بشارت و برکت اور زیادتی ایمان کا موجب ہیں، یہ وضاحت حضرت شیخ عبدالحقؒ نے طیبی کے حوالہ سے نقل کی ہے، اور ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ "آیات" سے مراد صرف معجزات اور کرامات ہیں، انہوں نے واضح کیا ہے یہاں "آیات" سے آیات قرآنی مراد لینا غیر موزوں ہے۔

اس حدیث کے الفاظ سے صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں ہی سے پانی نکلتا تھا، جیسا کہ جمہور علماء کا قول ہے اور اسی نسبت سے آپ ﷺ کے اس معجزے کو پتھر سے پانی نکالنے کے حضرت موسیٰ کے معجزہ پر ترجیح دی جاتی ہے لہٰذا یہ قول ناقابل اعتناء ٹھہر جاتا ہے کہ پانی انگلیوں سے نہیں نکلا تھا، بلکہ جو تھوڑا سا پانی برتن میں پہلے موجود تھا وہی بڑھ گیا اور اتنا زیادہ آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے فوارہ ابلنے لگا، یہ قول دراصل الفاظ حدیث کی تاویل ہے اور نہیں معلوم کہ حدیث کے واضح مفہوم کے باوجود اس تاویل کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پانی کے اس معجزہ کا اظہار تو خالی برتن کے ذریعہ بھی ہو سکتا تھا، پھر تھوڑا سا پانی تلاش کرا کے منگانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس میں یقیناً کوئی حکمت و مصلحت ہی ہو گی لیکن وہ حکمت و مصلحت کیا تھی محدثین و شارحین بہت غور و فکر کے بعد بھی اس کی جڑ تک نہیں پہنچ سکے ہیں، لہٰذا اس کا علم اللہ

کے سپرد کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر ہے۔

حضرت انسؓ نے دوسرے معجزہ میں کھانے کی تسبیح کا ذکر کیا ہے، انہی کی ایک روایت میں یہ ہے کہ (ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک مٹھی میں سنگریزے اٹھائے تو وہ سنگریزے آپ ﷺ کے دست مبارک میں تسبیح (یعنی اللہ کی پاکی بیان) کرنے لگے اور ہم نے خود ان کی تسبیح کی آواز سنی۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید)

آپ ﷺ کی برکت سے پانی جاری ہونے کا ایک اور معجزہ

وعن ابی قتادۃ خَطَبَنَا رسولُ اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقَال اِنکم تُسیرُونَ عَشیَّتَکُم ولَیلَتَکم وتاتُونَ الماءَ اِنشآءَ اللہ غداً فا نطَلقَ النَاسُ لایَلوِیُ احدٌ علی أحدٍ قال ابو قتا دۃَ فبَینَما رسولُ اللہ صلی اللہ علیه وسلم یَسیرُ حتَّی ابهارَاللَّیلُ فمَالَ عنِ الطَّریقِ فوَضَعَ راَسَهٗ قالَ احْفَظُوا عَلَینا صلوتَنا فکان اوَّلُ من استَیقَظَ رسولُ اللہ ......الخ

حضرت ابوقتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک سفر کے دوران) ہمارے سامنے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ تم اس رات کے اول حصہ میں اور آخر حصہ میں (یعنی پوری رات) سفر کرو گے اور انشاء اللہ کل تمہیں پانی مل جائے گا (یعنی آپ ﷺ نے گویا اس پانی کی طرف اشارہ فرمایا جو بطریق معجزہ حاصل ہونا تھا) چنانچہ تمام لوگ اس طرح (بے تحاشہ) چلنے لگے کہ کسی کو کسی کی پرواہ نہیں تھی (کیونکہ ہر شخص پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح جلد سے جلد پانی تک پہنچ جائے اور دھن میں نہ کسی کو کسی کا ہاتھ پکڑنے کا خیال تھا اور نہ کوئی کسی کو ساتھ لے کر چلنے کی طرف دھیان دے رہا تھا) بلکہ ہر شخص علیحدہ علیحدہ چلا جا رہا تھا۔ ابوقتادہ کہتے ہیں کہ (اسی رات میں) رسول کریم ﷺ بھی چلے جا رہے تھے کہ جب آدھی رات گزر گئی تو آپ ﷺ (سونے کے ارادے سے) راستہ سے ہٹ کر (ایک کنارے پر) اتر گئے اور سر رکھ کر لیٹ گئے، اور (سونے سے پہلے کسی خادم کو) ہدایت فرمائی کہ ہماری نماز کا خیال رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ سب لوگ بے خبر سو جائیں اور فجر کے وقت آنکھ نہ کھلنے

کے سبب نماز قضاء ہو جائے، لیکن ایسا ہی ہوا کہ سب لوگ بے خبر ہو گئے اور نیند کے غلبہ سے فجر کے وقت کسی کی آنکھ نہ کھلی) پھر سب سے پہلے رسول کریم ﷺ بیدار ہوئے جب کہ دھوپ آپ ﷺ کی پشت مبارک پر پڑنے لگی آپ ﷺ نے (سب کو جگا کر) فرمایا کہ فوراً تیار ہو جاؤ (اور یہاں سے چل دو) چنانچہ ہم لوگ (جلدی جلدی) اپنی سواریوں پر بیٹھے اور وہاں سے چل پڑے یہاں تک کہ جب سورج (ایک نیزہ کے بقدر یا اس سے زیادہ) بلند ہوا تو آنحضرت ﷺ (سواری سے اتر گئے) پھر آپ ﷺ نے وضو کا برتن منگایا جو میرے پاس تھا اور جس میں تھوڑا سا پانی باقی تھا اور اس سے آپ ﷺ نے مختصر سا وضو کیا (یعنی جن اعضاء کو تین تین بار دھویا جاتا ہے ان کو آپ ﷺ نے پانی کی قلت کے سبب ایک ایک بار یا دو دو بار ہی دھونے پر اکتفا کیا) اور ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ (وضو کے بعد) ذرا سا پانی اس برتن میں بچ گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس برتن (کے پانی) کو حفاظت سے رکھنا، اس لئے کہ عنقریب اس پانی سے (بطریق معجزہ) ایک (اہم اور عظیم الشان) بات ظہور پذیر ہوگی (جس کا بڑا فائدہ تم کو ہی پہنچے گا) اس کے بعد بلالؓ نے نماز کے لئے اذان کہی اور رسول کریم ﷺ نے (سنت کی) دو رکعتیں پڑھ کر (ہمراہی صحابہؓ کے ساتھ سفر شروع کیا) یہاں تک کہ ہم (قافلہ کے ان) لوگوں سے جا ملے (جو ہم سے آگے جا کر اترے تھے، اس وقت دن چڑھ چکا تھا اور سورج اوپر آ گیا تھا جس سے ہر چیز تپنے لگی تھی لوگوں نے کہنا شروع کیا یا رسول اللہ! ہم تو ہلاک ہو گئے (یعنی گرم ہوا کے تھپیڑوں اور دھوپ کی تمازت نے ہمارا برا حال کر دیا) اور چونکہ پانی نہیں ہے اس لئے) پیاس (کی شدت بڑھ رہی ہے)۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے ہلاکت نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے وضو کا وہی برتن طلب فرمایا اور اس برتن سے پانی ڈالنا شروع کر دیا اور ابوقتادہؓ نے لوگوں کو پلانا شروع کیا، اہل قافلہ نے جیسے ہی اس برتن سے پانی گرتے (اور کچھ لوگوں کو پیتے) دیکھا تو سب کے سب ایک دم ٹوٹ پڑے اور ایک دوسرے پر گرنے لگے، آنحضرت ﷺ نے (انکی بے صبری دیکھ کر) فرمایا خوش اسلوبی اختیار کرو اور اخلاق سے کام لو، تم سب لوگ اس پانی سے سیراب ہو جاؤ گے۔" چنانچہ فوراً ہی سب لوگوں نے تنظیم وخوش اسلوبی اختیار کی (اور الگ الگ ہو کر وقار و قطار کے ساتھ کھڑے ہو

گئے) پھر رسول کریم ﷺ نے پانی ڈالنا اور میں نے پلانا شروع کیا یہاں تک کہ جب (سب لوگ سیراب ہو گئے اور میرے اور رسول کریم ﷺ کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا، تو آپ ﷺ نے پانی ڈالا اور مجھ سے فرمایا کہ لو پیو، میں نے عرض کیا کہ میں اس وقت تک پی نہیں سکتا جب تک آپ ﷺ نہ پی لیں، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کا ساقی ان کا آخری آدمی ہوتا ہے۔" یعنی جو شخص لوگوں کو پلاتا ہے وہ خود سب کے بعد پیتا ہے کیونکہ یہ آداب میں سے ہے کہ ساقی جب سب کو سیراب کر لے تب خود پیئے، حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ (ارشاد گرامی کی اتباع میں) میں نے پی لیا اور اور پھر آنحضرت ﷺ نے پانی نوش فرمایا۔ ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اہل قافلہ پانی (کی جگہ) پر اس حال میں پہنچے کہ سیراب اور راحت پا چکے تھے۔ اس روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے اور صحیح مسلم میں اسی طرح منقول ہے، نیز کتاب حمیدی اور جامع الاصول میں بھی یہ روایت ان ہی الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔

تشریح...... آنحضرت ﷺ نے جو آنکھ کھلتے ہی قضاء نماز نہیں پڑھی بلکہ اس کو چھوڑ کر مؤخر کر کے اس جگہ سے روانہ ہو گئے تو اس کی وجہ یہ تھی کی آپ ﷺ کسی ایسی جگہ پہنچ کر نماز پڑھنا چاہتے تھے، جہاں پانی دستیاب ہو، یا یہ وجہ تھی کہ جس وقت آپ ﷺ کی آنکھ کھلی وہ نماز کیلئے وقت کراہت تھا اور اس لئے آپ ﷺ نے اس کراہت کو نکالنے کے لئے نماز کو کچھ مؤخر کیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے جیسا کہ پہلی روایت کے الفاظ فرکبنا فسرنا حتی اذا ارتفعت الشمس دلالت کرتے ہیں اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس جگہ سے فوراً منتقل ہو جانا چاہئے جہاں حکم خداوندی کی تکمیل میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہو یا کسی ممنوع بات کا ارتکاب ہو گیا ہو اگر چہ وہ ارتکاب قصداً نہ ہوا ہو۔ نیز آپ ﷺ نے فجر کی قضاء نماز ادا کرنے سے پہلے جو رکعتیں پڑھیں وہ سنتیں تھیں اور مسئلہ یہی ہے کہ اگر آنکھ نہ کھلنے یا کسی اور سبب سے فجر کی نماز وقت پر ادا نہ ہو سکے اور پھر اس کی قضاء زوال آفتاب سے پہلے ادا کی جائے تو اس کے ساتھ سنت کی دو رکعتیں بھی پڑھنی چاہئیں، ہاں اگر فرض نماز فوت نہ ہوئی ہو بلکہ صرف سنتیں فوت ہوئی ہوں تو اس کی قضا نہیں لیکن امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد زوال آفتاب سے پہلے فوت شدہ سنتوں کی قضاء نماز پڑھ لینی چاہئے، گویا کسی بھی امام کے

مسلک میں زوالِ آفتاب کے بعد اس کی قضاء نہیں ہے۔

"فجر کی قضاء نماز (باجماعت) ادا کی" سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ صحابہؓ کے پاس بھی اپنے اپنے برتن تھے جن میں وہ اتنا پانی رکھتے تھے کہ اس وقت وضو کر کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحابہؓ کے پاس اتنا بھی پانی نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ کی طرح مختصر وضو کر لیتے، لہٰذا انہوں نے تیمم کر کے نماز میں شرکت کی، بہرحال اس سلسلہ میں حدیث کے الفاظ بالکل خاموش ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے علاوہ باقی لوگوں نے وضو کیا یا تیمم کیا تھا۔

" تم پر ہلاکت نہیں ہے" اس ارشاد کے ذریعہ آپ ﷺ نے لوگوں کو گویا تسلی و بشارت دی کہ گھبراؤ نہیں، تمہیں کسی ہلاکت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے غیب سے پانی بھیجے گا، اس اعتبار سے یہ جملہ خبریہ ہوا، یا یہ ارشاد دراصل جملہ دعائیہ تھا، یعنی آپ ﷺ نے گویا یہ فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاکت سے دور رکھے اور غیب سے تمہاری سیرابی کا انتظام فرمائے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی جاری ہونے کا ایک اور واقعہ

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ مقام حدیبیہ میں (ایک دن ایسا ہوا کہ پانی کی شدِ قلت کے سبب) لوگوں کو سخت پیاس کا سامنا کرنا پڑا، اس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس لوٹا تھا جس سے آپ ﷺ نے وضو فرمایا تھا (اور اس میں بہت تھوڑا سا پانی بچا) لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے لشکر میں پینے اور وضو کرنے کے لئے بالکل پانی نہیں ہے، بس وہی تھوڑا سا پانی ہے جو آپ کے لوٹے میں بچ گیا ہے (اور ظاہر ہے) کہ اس سے سب لوگوں کا کام نہیں چل سکتا) آپ ﷺ نے (یہ سن کر) اپنا دستِ مبارک اس لوٹے (کے اندر یا اس کے منہ) میں ڈال دیا اور آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے اس طرح پانی ابلنے لگا جیسے چشمے جاری ہو گئے ہوں۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ سب لوگوں نے خوب پانی پیا

اور وضو کیا۔ حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ اس موقع پر تم سب کتنے آدمی تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایک لاکھ (آدمی) ہوتے تب بھی وہ پانی کافی ہوتا، ویسے اس وقت ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔"

(بخاری و مسلم)

تشریح...... "ہم سب لوگوں نے خوب پانی پیا" کتنے قابل رشک تھے وہ لوگ جن کو اس مقدس پانی کے پینے کی سعادت نصیب ہوئی اور اس کے طفیل میں ظاہر و باطن کی کیسی پاکیزگی ان کو حاصل ہوئی، کیونکہ زمین و آسمان میں اس پانی سے زیادہ افضل اور کوئی پانی نہیں تھا۔ "اگر ہم ایک لاکھ ہوتے" حضرت جابرؓ کا یہ جواب ایک لطیف طنز تھا، کہ بھلا معجزہ کے معاملے میں کمیت کے بارے میں پوچھنا بھی کوئی بات ہوئی! تاہم انہوں نے بعد میں واضح جواب دیا کہ اس وقت ہماری تعداد پندرہ سو تھی نیز انہوں نے "ایک ہزار پانچ سو" کہنے کے بجائے پندرہ سو، اس نکتہ کے پیش نظر کہا کہ کثرت کا جو شدید تأثر پندرہ سو کے الفاظ میں ظاہر ہوتا ہے وہ ایک ہزار پانچ سو کے الفاظ سے ظاہر نہیں ہوتا، علاوہ ازیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مقام حدیبیہ میں جو صحابہ کرام موجود تھے وہ الگ الگ جماعتوں کی صورت میں تقسیم تھے اور ہر جماعت ایک سو افراد پر مشتمل تھی، لہٰذا حضرت جابرؓ نے "پندرہ سو" کے ذریعہ پندرہ جماعتوں کی طرف اشارہ کیا۔

آپ ﷺ کے آب دہن کی برکت سے خشک کنواں لبریز ہو گیا

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ حدیبیہ میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ ہم چودہ سو افراد تھے، حدیبیہ میں کنواں تھا جس کا پانی ہم سب نے کھینچ کر استعمال کر لیا تھا اور اس میں ایک قطرہ بھی پانی نہیں رہا تھا، جب نبی کریم ﷺ کو یہ معلوم ہوا (کہ کنواں خشک ہو گیا ہے اور پانی ختم ہو جانے کی وجہ سے لشکر کے تمام لوگ پریشان ہیں) تو آپ ﷺ کنویں پر تشریف لائے اور اس کے کنارے بیٹھ گئے، پھر آپ ﷺ نے وضو کے پانی کا برتن منگا کر وضو کیا اور وضو کے بعد میں پانی لیا اور دعا مانگی، اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ آب دہن کنویں میں ڈال دیا اور

فرمایا کہ ساعت بھر کنویں کو چھوڑ دو، اور پھر (ایک ساعت کے بعد کنویں میں اتنا پانی ہو گیا کہ) تمام لشکر والے خود بھی اور ان کے مویشی بھی خوب سیراب ہوئے اور جب تک وہاں سے کوچ کیا اسی کنویں سے پانی لیتے رہے۔" (بخاری)

تشریح...... حضرت جابرؓ کی روایت میں پندرہ سو کی تعداد بیان کی گئی تھی جب کہ یہاں حضرت براءؓ کی روایت میں چودہ سو کی تعداد بیان کی گئی ہے، تو جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے، اصل تعداد چودہ سو سے زائد اور پندرہ سو سے کم تھی جس راوای نے کسر کو شمار کر کے بیان کیا اس نے پندرہ سو کی تعداد بیان کی اور جس راوی نے کسر کو چھوڑ دیا اس نے چودہ سو کی تعداد بیان کی۔ یا یہ کہ اہل حدیبیہ چونکہ جماعتوں میں تقسیم تھے اور ایسا ہوتا تھا کہ پانی کے لئے کچھ جماعتیں آتی تھیں تو کچھ جماعتیں پانی لے کر چلی جاتی تھیں اس صورت میں کسی وقت تو مجموعی تعداد چودہ سو ہو جاتی تھی اور کسی وقت پندرہ سو۔۔۔ لہٰذا جس راوی نے جو تعداد دیکھی اس کو بیان کر دیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے پہلے کل تعداد پندرہ سو تھی جس کو حضرت جابرؓ نے بیان کیا اور جب براءؓ نے بیان کیا تو اس وقت تعداد گھٹ کر چودہ سو ہو گئی تھی، ایک قول یہ بھی ہے کہ ان میں سے کسی بھی راوی نے ایک ایک آدمی شمار کر کے یقینی تعداد نہیں بیان کی ہے بلکہ جس نے جو بھی تعداد بیان کی اندازہ اور تخمینہ کے طور پر بیان کی ہے کسی نے چودہ سو کا اندازہ لگایا تو کسی نے پندرہ سو کا۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابرؓ نے واقعہ بیان کیا ہے وہ اس واقعہ سے کہ جس کو حضرت براءؓ نے بیان کیا ہے، پہلے کا ہے اور حدیبیہ میں اس طرح کے معجزے متعدد بار ظہور میں آئے لہٰذا تعداد واقعہ کو دیکھتے ہوئے ان دونوں روایتوں میں بیان تعداد کا کوئی تضاد نہیں رہ جاتا۔ "ساعت بھر کنویں کو چھوڑ دو" کا مطلب یہ تھا کہ تھوڑی سی دیر کے لئے اس کنویں کو اسی طرح رہنے دو، ابھی اس میں سے پانی نکالنے کا ارادہ نہ کرو، کچھ دیر بعد جب کنواں بھر جائے گا تو اس میں سے پانی کھینچنا۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہو کہ کنویں میں پانی بڑھ جانے کی جو دعا کی گئی ہے اس کی قبولیت کی ساعت بتدریج آئے گی۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

آپ ﷺ کی برکت سے دودھ کے پیالہ میں برکت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں بھوک سے بیتاب ہو کر سر راہ آ بیٹھا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔ میں نے ان سے قرآن کی ایک آیت کی بابت پوچھا۔ اس سے میرا مقصد ان کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا۔ لیکن وہ میرا مطلب نہ پا سکے اور چلے گئے۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ ادھر آ نکلے ان سے بھی ایک آیت پوچھی لیکن وہ بھی یونہی چلے گئے۔ ان کے بعد رسول کریم ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے میرے چہرے کو دیکھ کر اصل حقیقت پالی اور فرمایا ابو ہریرہؓ میرے ساتھ آؤ۔ میں حضور ﷺ کے پیچھے ہولیا۔ حضور ﷺ اپنے خانہ اقدس کے اندر تشریف لے گئے۔ وہاں دودھ کا ایک بھرا ہوا پیالہ پڑا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیۃً بھیجا ہے۔ حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔ میں نے دل میں کہا کہ اس ذرا سے دودھ کی اتنے آدمیوں میں کیا حقیقت ہوگی۔ کاش حضور ﷺ یہ دودھ مجھے ہی دے دیتے تاکہ میں اسے پی کر کچھ قوت حاصل کرتا۔ تاہم حضور ﷺ کے ارشاد کی تکمیل میں اصحاب صفہ کو بلا لایا۔ وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ انہیں باری باری دودھ پلاؤ۔ چنانچہ میں نے پلانا شروع کیا۔ ایک آدمی کو پیالہ دیتا تھا جب وہ سیر ہو کر پی لیتا تھا تو پھر اگلے آدمی کو دے دیتا تھا۔ جب سارے لوگ سیر ہو گئے تو حضور ﷺ نے پیالہ اپنے دست مبارک پر رکھ لیا اور متبسم ہو کر فرمایا۔ ابو ہریرہ اب تم رہ گئے یا میں۔ لو اب بیٹھ جاؤ اور اطمینان سے یہ دودھ پیو۔ میں نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا یہاں تک کہ پیٹ میں بالکل جگہ نہ رہی حضور ﷺ بار بار فرماتے تھے اور پیو، اور پیو۔ جب میں نے قسم کھائی کہ اس سے زیادہ ایک گھونٹ بھی نہیں پی سکتا تو آپ ﷺ نے وہ پیالہ خود لے لیا اور بسم اللہ پڑھ کر باقی دودھ پی لیا۔ (صحیح بخاری)

آپ ﷺ کی برکت سے بنو صداء کے کنویں کے پانی کا بڑھنا

۸ ہجری میں قبیلہ صداء کا وفد رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زیاد بن

حارث صدائیؓ اس وفد کے سردار تھے اور ان کے ساتھ اپنی قوم کے پندرہ سربرآوردہ آدمی تھے زیادؓ اس سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ اب ان کے ساتھیوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور اپنے قبیلہ میں واپس جا کر تبلیغ اسلام کی حامی بھر لی۔ اس موقع پر زیادؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں صرف ایک کنواں ہے۔ گرمیوں میں اس کا پانی خشک ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے قبیلہ کے لوگ مختلف مقامات پر منتشر ہو جاتے ہیں۔ دعا فرمایئے کہ کنوئیں کا پانی ختم نہ ہوا کرے۔ اس سے ہمارے جدید الاسلام قبلیہ پر اچھا اثر پڑے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم سات کنکریاں اٹھالاؤ۔ زیادؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ حضور ﷺ نے کچھ دیر انہیں اپنے دست مبارک میں رکھا اور پھر زیادؓ کو واپس دے کر فرمایا کہ ایک ایک کنکری اس کنوئیں میں گرا دینا۔ ہر کنکر پر اللہ اللہ پڑھتے جانا۔ زیادؓ نے ایسا ہی کیا۔ ان کا بیان ہے کہ پھر اس کنوئیں میں پانی اتنا بڑھ گیا کہ کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا تھا اور نہ اس کی گہرائی کا پتہ چلتا تھا۔ (بحوالہ رحمۃ للعالمین)

آپ ﷺ کی برکت سے کنوئیں کا پانی میٹھا ہو گیا

ابونعیم سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنا لعاب دہن حضرت انس بن مالکؓ کے گھر کے کنوئیں میں ڈالا۔ اس کنوئیں کا پانی ایسا میٹھا ہو گیا کہ سارے مدینے میں اس کے برابر میٹھا پانی نہ تھا۔ (بحوالہ دلائل النبوۃ)

یہ واقعات جو مختلف عنوانوں میں بیان کیے گئے ہیں، ممکن ہے کہ ان میں سے بعض ایک ہی واقعہ کی متعدد حکایتیں ہوں، لیکن چونکہ ہر ایک کے ساتھ خصوصیات میں کچھ فرق و امتیاز محسوس ہوا اس لئے ان کو مستقل واقعات کی صورت دیدی گئی ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ بے شک اسی میں ہم سب کی نجات و فلاح ہے۔

خصوصیت نمبر ۳۴

رسولِ اکرم ﷺ کی برکت سے بارہا کھانے میں حیرت انگیز طور پر برکت ہوئی

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چونتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی برکت سے بارہا کھانے میں حیرت انگیز طور پر برکت ہوئی'' منجملہ خصوصیات میں سے یہ بھی ہمارے نبی ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کی برکت سے بارہا حیرت انگیز طور پر کھانے میں برکت ہوئی۔ جیسا کہ آنے والے اوراق میں کئی واقعات آپ ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ۔ اور اگرچہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دیگر انبیاء کی برکت کے بھی بہت سے مظاہر انبیاء کی سیرتوں میں ہمیں نظر آتے ہیں لیکن جو برکات اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمائی ہیں، دیگر انبیاء کی برکات اس کے بعد ہیں، لیکن یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ دیگر انبیاء کا احترام کرنا اور ان کے مرتبے کو قبول کرنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے، کسی بھی نبی کی تنقیص ہمارے لئے جائز نہیں بلکہ اس سے تو ہمارے ایمان کا جانے کا خطرہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب تمہیدی بات ختم کی جاتی ہے اور اصل خصوصیت کو شروع کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:۔

چونتیسویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

مسلمانوں کی ابتدائی زندگی جس فقر و فاقہ میں گزری تھی اس کا حال ہم تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے رہتے ہیں کہ۔ کئی کئی دن گزر جاتے تھے کہ ان کو کھانے کی کوئی چیز نہیں

ملتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر برکت الٰہی ان کو اپنا خاص مہمان نہ بنالیتی تو ان کا کیا حشر ہوتا؟ انجیل میں ہے حضرت عیسیٰ نے تھوڑی سی روٹی اور مچھلی سے کئی سو آدمی کو شکم سیر کردیا اور یہ ان کا بڑا معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے دستِ مبارک اور فیض روحانی سے ایک دفعہ نہیں متعدد بار اس قسم کے برکات ظاہر ہوئے۔ ذیل میں اس قسم کے کچھ واقعات پیش کیئے جارہے ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

آپ ﷺ کی برکت سے کھانے میں حیرت انگیز اضافہ

غزوہ احزاب میں تمام مہاجرین اور انصار خندق کھود رہے تھے۔ حضرت جابرؓ نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ سخت بھوکے ہیں وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے ایک صاع جو نکالا اور گھر میں ایک بکری تھی، حضرت جابرؓ نے اسکو ذبح کیا اور بی بی نے آٹا گوندھا، گوشت دیگچی میں چڑھایا گیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت ﷺ کو لینے کے لئے چلے۔ بی بی نے کہا کہ دیکھو آپ ﷺ کے ساتھ لوگوں کو لا کر مجھے رسوا نہ کرنا۔ حضرت جابرؓ آئے اور چپکے سے آپ ﷺ کے کان میں کہا کہ ہم نے کھانے کا انتظام کیا ہے۔ آپ ﷺ چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلے لیکن آپ ﷺ نے تمام اہل خندق کو پکارا کہ آؤ جابرؓ نے دعوتِ عام کی ہے اور حضرت جابرؓ سے کہا کہ جب تک میں نہ آؤں چولھے سے دیگچی نہ اتاری جائے اور روٹی نہ پکے۔'' آنحضرت ﷺ تمام لوگوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت جابرؓ گھر آئے تو بی بی نے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا میں کیا کروں، تم نے جو کہا تھا میں نے اس کی تکمیل کردی۔ آپ ﷺ آئے تو بی بی نے آپ ﷺ کے سامنے آٹا پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب دہن ملا دیا اور برکت کی دعا دی۔ اسی طرح دیگچی میں لعابِ دہن ملا دیا اور برکت کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے روٹی پکانے اور سالن بنانے کا حکم دیا۔ کم وبیش ایک ہزار آدمی تھے سب کھا کر واپس گئے۔ لیکن گوشت اور آٹے میں کوئی کمی نہ آئی۔ (بحوالہ بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے کھانے میں برکت ہوگئی

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ابوطلحہ انصاریؓ (جو میرے سوتیلے باپ تھے) گھر میں آکر میری ماں ام سلیمؓ سے کہنے لگے کہ آج میں نے رسول اکرم ﷺ کی آواز میں بڑی کمزوری محسوس کی جس سے مجھے محسوس ہوا کہ آپ ﷺ بھوکے ہیں، کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ ام سلیم نے جواب دیا کہ ہاں کچھ ہے، اور پھر انہوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں، اور پھر اپنی اوڑھنی لی اور اس کے ایک حصہ میں تو روٹیوں کو لپیٹا اور ایک حصہ سے میرے سر کو لپیٹ دیا اور اوڑھنی میں لپٹی ہوئی ان روٹیوں کو میرے ہاتھ کے نیچے چھپایا اور مجھے رسول کریم ﷺ کے پاس بھیجا، میں روٹیاں لے کر پہنچا تو رسول کریم ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے اور بہت سارے لوگ (جن کی تعداد اسی تھی) آپ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، میں نے سب کو سلام کیا رسول کریم ﷺ نے (سلام کا جواب دینے کے بعد) مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! پھر آپ ﷺ نے پوچھا کیا کھانا دے کر بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! رسول کریم ﷺ نے میرا جواب (سن کر) ان لوگوں سے جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے فرمایا کہ اٹھو (ابوطلحہؓ کے گھر چلو) اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور تمام لوگ (ابوطلحہ کے گھر کی طرف) روانہ ہوئے اور میں بھی آپ ﷺ کے آگے چل پڑا (جیسا کہ خادم اور میزبان آگے چلتے ہیں، یا اس خیال سے آگے چلا کہ پہنچ کر ابوطلحہؓ کو آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے کی اطلاع کردوں) چنانچہ ابوطلحہؓ کے پاس پہنچ کر ان کو (آپ ﷺ کی تشریف آوری کی) خبر دی، ابوطلحہؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اتنے سارے آمیوں کے آنیکی خبر سنی تو) بولے ام سلیمؓ! رسول کریم ﷺ تشریف لا رہے ہیں، اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہؓ بھی ہیں جب کہ ہمارے پاس (چند روٹیوں کے علاوہ کہ جو ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجی تھیں) اتنے سارے آدمیوں کو کھلانے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے، ام سلیم نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ پھر ابوطلحہؓ

(آنحضرت ﷺ کے استقبال کے لئے) گھر سے باہر نکلے اور (راستہ میں پہنچ کر) رسول کریم ﷺ سے ملاقات کی اس کے بعد رسول کریم ﷺ ابوطلحہؓ کے گھر تشریف لائے اور (گھر میں پہنچ کر) فرمایا کہ: ام سلیم: (از قسم روٹی) جو کچھ تمہارے پاس ہے، لاؤ ام سلیم نے وہ روٹیاں جو ان کے پاس تھیں، لا کر (آنحضرت ﷺ کے سامنے) رکھ دیں، آنحضرت ﷺ نے (ابوطلحہ کو یا کسی اور کو حکم دیا کہ وہ روٹیوں کو توڑ توڑ کر چورا کر دیں، چنانچہ ان روٹیوں کو چورا کیا گیا اور ام سلیمؓ نے (گھی کی) کپی کو نچوڑ کر گھی نکالا اور اس کو سالن کے طور پر رکھا، اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے اس روٹی سالن کے بارے میں وہ فرمایا جو اللہ نے کہلانا چاہا۔ پھر آپ ﷺ نے (مجھے یا ابوطلحہ کو یا اور کسی دوسرے کو) حکم دیا کہ دس آدمیوں کو بلاؤ، چنانچہ دس آدمیوں کو بلایا گیا اور انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا، پھر جب وہ دس آدمی اٹھ کر چلے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اسی طرح) دس آدمیوں کو بلا کر کھلاتے رہو (اور دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلایا جاتا رہا) یہاں تک کہ تمام لوگوں نے (اس تھوڑے سے کھانے میں خوب سیر ہو کر کھایا اور یہ سب ستر یا اسی آدمی تھے۔ (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، دس آدمیوں کو کھانے پر بلاؤ، اور جب وہ (دس آدمی) آئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ، انہوں نے (اللہ کا نام لے کر) کھانا کھایا، اسی طرح (دس دس آدمی) اسّی آدمیوں کو کھلایا گیا، اور جب سب لوگ کھا چکے تو آخر میں نبی کریم ﷺ نے اور گھر کے آدمیوں نے کھانا کھایا اور پھر بھی پس خوردہ باقی رہا۔

اور بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا دس آدمیوں کو میرے پاس لاؤ۔ اسی طرح (دس دس آدمی کر کے) چالیس آدمیوں کو شمار کیا اور ان کے بعد خود نبی کریم ﷺ نے کھانا تناول فرمایا اور برابر میں دیکھے جا رہا تھا کہ کھانے میں سے کچھ کم ہوا ہے یا نہیں (لیکن مجھے قطعاً کوئی کمی نظر نہیں آ رہی تھی۔

اور مسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ (جب سب لوگ شکم سیر ہو چکے)

تو آنحضرت ﷺ نے پس خوردہ کو) اٹھا اٹھا کر جمع کیا اور اس میں برکت کی دعا فرمائی، چنانچہ وہ ایسا ہی ہو گیا، جیسا کہ پہلے تھا (یعنی جس مقدار میں پہلے وہ کھانا تھا اتنا ہی اب ہو گیا) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لو اس کو رکھ لو (اور پھر کھا لینا)۔''

تشریح...... آنحضرت ﷺ اور صحابہ کو کھانا کھلانے اور تھوڑے سے کھانے میں برکت ہونے کا یہ واقعہ اسی طرح کا ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ نے کے ساتھ پیش آیا اور حضرت جابرؓ کے واقعہ کی طرح یہ واقعہ بھی غزوۂ خندق کے موقع کا ہے لہٰذا حضرت انسؓ کے ان الفاظ ''(رسول کریم ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔'') میں مسجد میں سے مراد خندق کے قریب کی وہ جگہ جس کو آپ ﷺ نے دشمنوں کی طرف مدینہ کے محاصرے اور خندق کھودے جانے کے موقع پر نماز پڑھنے کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے اس سوال پر کہ کیا تمہیں ابوطلحہؓ نے بھیجا ہے؟ حضرت انس نے اس کا جواب ''ہاں'' کہنا اس بات کے منافی نہیں تھا کہ ان کی والدہ ام سلیمؓ نے بھیجا تھا کیونکہ اصل تو ابوطلحہؓ ہی تھے جن کے کہنے پر ام سلیمؓ نے حضرت انسؓ کو روٹیاں دے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

''کیا کھانا دے کر بھیجا ہے؟'' آنحضرت ﷺ کا اس بات کو پہلی بات (کیا تمہیں ابو طلحہؓ نے بھیجا ہے) سے الگ کر کے پوچھنا یا سمجھانے کے لئے تھا یا وحی اور علم کی تاخیر کے مطابق تھا، یعنی پہلے تو آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ اس بات کا علم ہوا تھا کہ انسؓ کو ابوطلحہؓ کے کہنے پر بھیجا گیا ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے بس یہی سوال کیا کہ کیا تمہیں ابوطلحہؓ نے بھیجا ہے؟ پھر بعد میں جب دوبارہ وحی کے ذریعہ آپ ﷺ کو یہ علم ہوا کہ انسؓ کے ساتھ کھانا بھی ہے تو آپ ﷺ نے پھر یہ سوال کیا کہ کیا کھانا دے کر بھیجا ہے؟

''اٹھو (ابوطلحہ کے گھر چلو)'' کے تحت شارحین نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو چونکہ (وحی کے ذریعہ) یہ معلوم ہو چکا تھا کہ انسؓ کے ساتھ چند ہی روٹیاں ہیں لہٰذا آپ ﷺ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ اتنے مجمع میں خود تنہا یا دو تین آدمی کے ساتھ کھا کر بیٹھ جائیں اور باقی لوگ بھوکے رہیں، اس کے ساتھ آپ ﷺ کا ارادہ اس معجزہ کے اظہار کا بھی ہوا جس کے نتیجے میں

چند روٹیوں سے ایک بڑی جماعت شکم سیر ہوئی اور اسی ضمن میں دوسرا معجزہ ابوطلحہ کے گھر میں کپی میں خیر و برکت کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے، تا کہ انہوں نے اور ان کے گھر والوں نے آنحضرت ﷺ کے تیئں جس اخلاص و محبت، نیک نیتی اور خدمت گزاری کے جذبے و عمل کا اظہار کیا اس کو پھر انکو حصول برکت کی صورت میں ملے، پس آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کو لے کر ابوطلحہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔

''اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں'' اس جواب کے ذریعہ ام سلیمؓ نے دراصل ابوطلحہؓ کو اطمینان دلایا کہ اگر آنحضرت ﷺ اتنے سارے صحابہؓ کو لے کر تشریف لا رہے ہیں تو اس کی وجہ سے ہمیں اس گھبراہٹ میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ ہم اتنا تھوڑا سا کھانا کھا کر اتنے زیادہ آدمیوں کو کس طرح کھلا پائیں گے۔ کیونکہ اس میں ضرور کوئی حکمت و مصلحت ہے، جس کو اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں اور اپنے صحابہ کے ساتھ ہمارے ہاں آپ ﷺ کی آمد یقیناً ہمارے لئے خیر و برکت کا باعث ہوگی۔ گویا ام سلیمؓ نے فوراً محسوس کر لیا کہ آنحضرت ﷺ کی آمد ضرور کسی معجزے کے اظہار کے لئے ہے، اس سے ام سلیمؓ کی دینداری دانشمندی اور قوت یقین کا اظہار ہوتا ہے کہ انہیں جماعت صحابہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کی آمد سے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوئی، بلکہ فوری طور پر ان کے دماغ میں یہی بات آئی کہ آنحضرت ﷺ کو کھانے کی نوعیت اور مقدار کا خوب علم ہے، اگر آپ ﷺ کوئی مصلحت نہ سمجھتے تو سب کو لے کر یہاں آنے کی ضرورت کیوں محسوس فرماتے، چونکہ آپ ﷺ کا کوئی فعل مصلحت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے جماعت کے ساتھ آپ ﷺ کی آمد میں یقیناً کوئی مصلحت پوشیدہ ہے۔ یہ بھی فیض رسالت کا اعجاز ہی تھا کہ اس زمانہ کی ایک عورت ہمارے زمانے کے بہت سے مردوں سے بھی زیادہ یقین و ایمان کی قوت رکھتی تھی۔ **رضی اللہ عنہا و عن اهل عصر ها وجعلنا فی زمرتهم آمین یارب العلمین۔**

''وہ فرمایا جو اللہ نے کہلانا چاہا'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خیر و برکت کی دعا فرمائی، یا اسماء الٰہی پڑھ کر اس کھانے پر دم کیا اور ایک اور روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ

نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ **بسم اللہ اللھم اعظم فیھا البرکۃ.**

''پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ دس آدمیوں کو بلاؤ۔ آپ ﷺ نے پوری جماعت کو ایک ہی مرتبہ کھانے پر بلانے کے بجائے دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلانے کا حکم اس لئے دیا کہ جس برتن میں وہ کھانا تھا وہ بس اتنا ہی بڑا تھا کہ اس کے گرد دس آدمی بیٹھ کر اطمینان سے کھا سکتے تھے، اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مکان میں گنجائش کی کمی کے سبب سب آدمیوں کو بیک وقت بلانے کے بجائے دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلانے کا حکم دیا گیا۔

''اور یہ سب ستر یا اسی آدمی تھے'' کی وضاحت میں ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہاں تو تعداد کا ذکر شک ہی کے ساتھ ہے لیکن دوسری روایت میں تعین اور یقین کے ساتھ اسی کا ذکر ہے، نیز اس روایت میں اسی سے کچھ اوپر کا ذکر ہے تاہم ان دونوں روایتوں میں منافات نہیں ہے۔ کیونکہ اسی (۸۰) والی روایت کے بارے میں احتمال ہے کہ راویؒ نے تعداد ذکر کرتے وقت کسر کو حذف کر دیا ہو، البتہ ایک اور روایت میں جس کو امام احمدؒ نے نقل کیا ہے جو یہ بیان کیا گیا ہے، کہ ''اس کھانے میں چالیس آدمیوں کے کھانے اور ان کے بعد آنحضرت ﷺ کے کھانے کا ذکر ہے تو اس سے ان روایتوں میں واقعہ کا تعدد معلوم ہوتا ہے یعنی ان روایتوں میں ایک ہی واقعہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ الگ الگ دو واقعوں کا ذکر ہے کہ ایک واقعہ میں تو اسی آدمیوں نے کھایا اور ایک واقعہ میں چالیس آدمیوں نے، لیکن ایک شارح نے کہا ہے کہ واقعہ متعدد نہیں بلکہ ایک ہی ہے جس کا ذکر ان روایتوں میں ہے اور ان روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ ان اسی (۸۰) آدمیوں نے دو مرحلوں میں کھانا کھایا تھا، پہلے دس دس کر کے چالیس آدمی کھانے سے فارغ ہوئے اور اس کے بعد ان چالیس آدمیوں نے کھانا کھایا جو آنے میں پہلے چالیس آدمیوں سے پیچھے رہ گئے تھے یا آنحضرت ﷺ نے ان کو بعد میں بلا بھیجا تھا۔ اس تطبیق کی روشنی میں بخاری کی دوسری روایت کے یہ الفاظ کہ '' چالیس آدمیوں نے کھانا کھایا اور ان کے بعد آنحضرت ﷺ نے کھانا تناول فرمایا'' کی وضاحت یہ ہوئی کہ جب چالیس آدمی کھانے سے فارغ ہو گئے تو چالیس آدمیوں کی دوسری جماعت

آنے سے پہلے آپ ﷺ نے کھانا تناول فرمالیا، اس طرح آپ ﷺ کی برکت پہلی جماعت کو بھی شامل ہوگئی اور دوسری جماعت کو بھی۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

آپ ﷺ کی برکت سے کھجوروں میں برکت ہوگئی

حضرت جابر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ جب میرے والد کی وفات ہوئی تو ان کے ذمہ بہت سا قرض تھا، چنانچہ میں نے ان کے قرض خواہوں کو پیشکش کی کہ ہمارے پاس جتنی کھجوریں ہیں وہ سب اس قرض کے بدلہ میں جو میرے والد پر تھا لے لیں، لیکن انہوں نے میری بات ماننے سے انکار کردیا (کیونکہ وہ قرض خواہ، جو یہودی تھے ان کھجوروں کو اپنے دیئے ہوئے قرض کے مقابلے میں بہت کم جانتے تھے) آخر کار میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ میرے والد احد کی جنگ میں شہید ہوگئے ہیں اور انہوں نے بہت سا قرض چھوڑا ہے، میں چاہتا ہوں کہ قرض خواہ آپ ﷺ کو (میرے پاس) دیکھیں (یعنی کوئی ایسی صورت ہو کہ جب قرض خواہ میرے پاس آئیں تو آپ ﷺ تشریف فرما ہوں تا کہ وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر میرے ساتھ کوئی رعایت کر دیں۔ آپ ﷺ نے یہ (سن کر) مجھ سے فرمایا کہ جاؤ اور ہر قسم کی کھجوروں کی الگ الگ ڈھیری بنالو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا (کہ میرے پاس جتنی کھجوریں تھیں سب کو الگ الگ ڈھیریوں میں کردیا) اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو بلالایا۔ قرض خواہوں نے آنحضرت ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا تو اس وقت انہوں نے فوراً ایسا رویہ اختیار کرلیا جیسے وہ مجھ پر حاوی ہوگئے ہوں (یعنی انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ آنحضرت ﷺ کلی یا جزوی طور پر قرض معاف کرنے کی تلقین کریں گے یا کچھ اور دنوں تک صبر کرنے کا مشورہ دیں گے، لہٰذا آنحضرت ﷺ کو دیکھتے ہی انہوں نے مجھ پر برسنا اور بڑے لب ولہجہ میں قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنا شروع کردیا اور اس طرح انہوں نے پہلے ہی اپنا رویہ ظاہر کیا جیسے وہ بتانا چارہے ہوں کہ پورے قرض کی فوری واپسی کے علاوہ اور کسی بات پر تیار نہیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ

نے جب قرض خواہوں کا یہ رویہ دیکھا (تو ان سے کچھ کہے بغیر) کھجوروں کی سب سے بڑی ڈھیری کے گرد تین بار چکر لگایا اور پھر ڈھیری پر بیٹھ کر (مجھ سے) فرمایا کہ اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ (جب وہ آگئے تو) آپ ﷺ کے حکم سے اس ڈھیری میں ناپ ناپ کر قرض خواہوں کو دینا شروع ہوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کا تمام قرضہ ادا کر دیا، اگر چہ میری خوشی کے لئے یہی کیا کم تھا کہ اللہ تعالیٰ میری کھجوروں سے میرے والد کا تمام قرض ادا کر ادیتا خواہ اپنی بہنوں کے پاس لے جانے کے لئے ایک کھجور بھی باقی نہ بچتی لیکن اللہ تعالیٰ نے تو (آنحضرت ﷺ کے معجزے سے) ساری ڈھیریوں کو محفوظ رکھا اور جس ڈھیری پر نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے میں نے اس کی طرف نظر اٹھائی تو ایسا لگا کہ اس میں سے بھی ایک کھجور کم نہیں ہوئی ہے اور جب اس ڈھیری ہی میں سے کچھ کم نہ ہوا جس میں سے ان قرض خواہوں کو ان کے مطالبے کے بقدر دیا گیا تھا تو باقی ڈھیریاں بدرجہ اولیٰ محفوظ و سالم رہیں۔ (بخاری شریف)

تشریح ...... حضرت جابرؓ کے والد نے اپنے پسماندگان میں کئی بیٹیاں چھوڑی تھیں جو حضرت جابرؓ کی بہن ہوئیں حضرت جابرؓ کا مطلب یہ تھا کہ کھجوروں میں اپنے لئے یا اپنی بہنوں کے لئے میری خواہش نہیں تھی، میں تو اس میں خوش تھا کہ کسی طرح میرے والد کا تمام قرضہ اتر جائے خواہ ہمارے لئے ان کھجوروں سے کچھ نہ بچے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی برکت اور آپ ﷺ کے معجزے کے طفیل ان کھجوروں کے ذریعہ نہ صرف میرے والد کا تمام قرضہ ادا کرا دیا بلکہ تمام کھجوریں جوں کی توں بچ گئیں۔

آپ ﷺ کی برکت سے تبوک کے کھانے میں برکت کا معجزہ

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے دن (توشہ کی کمی کے سبب) جب سخت بھوک نے لوگوں کو ستایا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جو تھوڑا بہت توشہ لوگوں کے پاس بچا ہوا ہے اس کو منگوا لیجئے اور پھر اس توشہ پر ان کے لئے اللہ سے دعا فرمایئے،

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اچھا اور پھر آپ ﷺ نے چمڑے کا ایک دستر خوان منگا کر بچھوایا اور لوگوں سے ان کا بچا ہوا توشہ لانے کے لئے کہا گیا" چنانچہ لوگوں نے چیزیں لانا شروع کیں ،کوئی مٹھی بھر کھجور لے کر آیا، کوئی روٹی کا ٹکڑا لایا، اس طرح اس دستر خوان پر کچھ تھوڑی بہت چیزیں جمع ہو گئیں تو رسول کریم ﷺ نے نزول برکت کی دعا فرمائی اور پھر (سب لوگوں سے) فرمایا لو (جس کا جی چاہے اس میں سے اپنا برتن بھر لے) چنانچہ لوگوں نے اپنے اپنے برتن میں لینا شروع کیا یہاں تک کہ لشکر میں کوئی ایسا برتن نہیں بچا جس کو بھر نہ لیا گیا ہو، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ پھر سارے لشکر نے (جو تقریباً ایک لاکھ مجاہدین پر مشتمل تھا) خوب پیٹ بھر کر کھایا اور پھر بھی بہت سارا کھانا بچ رہا۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے فرمایا" میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور یاد رکھو) ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص ان دو گواہیوں کے ساتھ جن میں اس کو کوئی شک وشبہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے جا کر ملے اور پھر اس کو جنت میں جانے سے روکا جائے۔" (مسلم)

تشریح...... "تبوک" ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً ۴۶۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے، ماہ رجب سن ۹ ھ میں آنحضرت ﷺ غزوہ کے لئے وہاں اسلامی لشکر لے کر گئے تھے کہا جاتا ہے کہ اس لشکر میں ایک لاکھ کے قریب مجاہدین اسلام شامل تھے اور آنحضرت ﷺ کا یہ سب سے آخری غزوہ تھا۔

"جو تھوڑا بہت توشہ لوگوں کے پاس بچا ہوا ہے۔۔۔ الخ" سے مراد حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ عام طور پر اہل لشکر غذائی سامان کی قلت کا شکار ہیں اور بہت سے لوگ بھوکے رہ رہے ہیں، تاہم کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے پاس ان کی حاجت وضرورت سے زائد کچھ سامان خوراک ہوگا، لہٰذا آپ ﷺ ان لوگوں کو ہدایت فرمایئے کہ وہ اس بچے ہوئے سامان خوراک کو لے کر آپ ﷺ کے پاس آجائیں۔ دراصل اس روایت میں یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے، پوری روایت یوں ہے کہ جب (اہل لشکر کو سامان خوراک کی قلت کا سامنا کرنا پڑا اور) لوگ بھوکے رہنے لگے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ

یارسول اللہ اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کر کے اپنی غذائی ضرورت پوری کرلیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، لیکن جب حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہوا تو وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ اگر آپ ﷺ نے لوگوں کو اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دے دی تو اس لشکر کو سواریوں کی قلت کا (زیادہ پریشان کن) مرحلہ پیش آجائے گا؟ لہٰذا آپ ﷺ ان لوگوں کو (اپنے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دینے کے بجائے) یہ حکم دیجئے کہ جس شخص کے پاس جو بچا ہوا توشہ ہو اس کو آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔۔الخ"۔

ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص۔۔۔الخ اس ارشاد گرامی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ جس شخص نے کامل یقین واعتقاد کے ساتھ توحید ورسالت کی گواہی دی (یعنی کلمہ گو ہوا) اور پھر ذرا بھی تشکیک وتردد رکھے بغیر اسی یقین واعتقاد کے ساتھ اس حالت میں اس کا انتقال ہوگیا تو اسکو جنت میں جانے سے کوئی نہیں روکے گا۔ (حوالہ بالا)

آپ ﷺ کی برکت سے ام المؤمنین حضرت زینبؓ کے ولیمے میں برکت کا معجزہ

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا ام المؤمنین حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح ہوا تو (شب عروسی کے بعد) میری والدہ ام سلیمؓ نے کھجور، گھی، اور قروت (پنیر) لے کر مالیدہ سا بنالیا اور اس مالیدہ کو ایک پیالہ میں رکھ کر مجھ سے کہا کہ انسؓ! اس کو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ اور کہنا کہ میری ماں نے یہ (حقیر ہدیہ) آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا ہے اور آپ ﷺ کو سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ (یارسول للہ) یہ ایک چھوٹا سا ہدیہ (جو) ہماری طرف سے آپ ﷺ کے لئے ہے (اگرچہ آپ ﷺ کی شان کے لائق نہیں لیکن آپ ﷺ کے الطاف کریمانہ سے امید ہے کہ اس کو قبول فرمائیں گے) چنانچہ میں اس کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ میری والدہ نے کہا تھا عرض کردیا۔ آپ ﷺ نے (بڑی خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے) فرمایا کہ اس کو رکھ دو اور پھر فرمایا کہ فلاں فلاں اور فلاں شخص کو جن کے نام آپ ﷺ نے بتائے تھے جا کر بلالاؤ اور (دیکھو)

راستہ میں جو شخص ملے اس کو بھی بلاتے لانا چنانچہ میں گیا اور ان لوگوں کو جن کا نام آپ ﷺ نے لیا تھا اور ان لوگوں کو جو راستہ میں ملے، بلا کر لے آیا اور جب گھر میں واپس آیا تو، دیکھا کہ پورا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ (اس وقت) تم سب کتنے لوگ ہونگے؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا کہ تین سو کے قریب۔ پھر میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے اس مالیدہ پر اپنا دست مبارک رکھ کر وہ کہا جو اللہ نے چاہا (یعنی خیر و برکت کی دعا فرمائی، اس کے بعد آپ ﷺ نے دس دس آدمیوں کو بلانا شروع کیا اور وہ (یکے بعد دیگرے دس دس) آدمی کھانے (کے لئے آنے) لگے اور (جو لوگ کھانے پر آتے ان سے) آپ ﷺ فرماتے! اللہ کا نام لے کر کھاؤ اور ہر شخص کو اپنے سامنے سے کھانا چاہئیے (کیونکہ کھانے کا یہ مسنون طریقہ ہے جس سے تہذیب و شائستگی کا اظہار بھی ہوتا ہے اور کھانے میں خیر و برکت بھی اترتی ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں: جب دس آدمیوں کی ایک جماعت کھانے سے فارغ ہو کر چلی جاتی تو (اتنے ہی آدمیوں) کی دوسری جماعت آجاتی، یہاں تک کہ سب لوگوں نے (خوب آسودہ ہو کر) کھالیا اور پھر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا: (سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے ہیں) اب اس پیالہ کو اٹھا لو۔ میں نے پیالہ کو اٹھا لیا اور میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ جس وقت میں نے پیالہ رکھا تھا اس وقت اس میں مالیدہ زیادہ تھا، یا اس وقت جب کہ تمام لوگوں کے اس کھانے سے فراغت کے بعد میں نے اس کو اٹھایا۔'' (بخاری و مسلم)

تشریح...... ''جن کے نام آپ ﷺ نے بتائے تھے''۔ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت انسؓ نے یہ بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے تو متعین و مشخص کر کے ان تین آدمیوں کے نام بتائے تھے لیکن اس وقت میرے ذہن میں وہ تینوں نام محفوظ نہیں ہیں لہذا میں یہاں ان تینوں کو فلاں فلاں اور فلاں لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ رجالاً سماھم کے الفاظ خود حضرت انسؓ کے ہیں جو نحوی طور پر فلاناً و فلاناً و فلاناً کا بدل واقع ہوئے ہیں یا یہ کہ ان الفاظ سے پہلے یعنی یا یعنی کا لفظ مقدر (محذوف) ہے۔

''اور میں نہیں کہہ سکتا کہ۔۔۔الخ''، یعنی ظاہری صورت کے اعتبار سے تو میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکا کہ وہ مالیدہ پہلے سے زیادہ تھا یا جب میں نے وہاں سے اٹھایا تو اس وقت زیادہ تھا تاہم جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کا بابرکت ہاتھ رکھے جانے سے اور ان کے مقدس صحابہؓ کا پس خوردہ ہونے کے سبب وہ مالیدہ اس وقت جب کہ میں نے اس کو وہاں سے اٹھایا زیادہ بابرکت تھا۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حدیث کے ظاہری مفہوم سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ام المؤمنین حضرت زینبؓ کا ولیمہ اسی مالیدہ سے ہوا جو حضرت انسؓ کی والدہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا، لیکن دوسری روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ولیمہ کا کھانا روٹی اور گوشت پر مشتمل تھا جیسا کہ خود حضرت انسؓ کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ کا ولیمہ میں بکری ذبح کی اور اس موقع پر ایک ہزار آدمیوں کو گوشت اور روٹی سے شکم سیر کیا۔ لہٰذا ان دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے اس کو دور کرنے کے لئے یہ کہا گیا کہ دراصل وہ مالیدہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس وقت پہنچا جب آپ ولیمہ کا کھانا (جو گوشت اور روٹی پر مشتمل تھا) لوگوں کو کھلانے جارہے تھے، اور اس طرح دعوتِ ولیمہ میں دونوں چیزیں کھلائی گئیں۔ یعنی مالیدہ بھی اور گوشت روٹی بھی۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ ایک دن مالیدہ والا واقعہ ہوا ہوگا اور دوسرے دن روٹی اور گوشت کھلانے کا واقعہ ہوگا! مگر ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ اس حدیث سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت انسؓ کی والدہ نے جو مالیدہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا اسی کا ولیمہ ہوا بلکہ انہوں نے وہ مالیدہ ہدیہ کے طور پر آپ ﷺ کو بھیجا تھا جس کو آپ ﷺ نے تین سو کے قریب لوگوں کو کھلایا تھا اور اسی دن شام کو یا اگلے دن آنحضرت ﷺ نے بکری ذبح کرکے ولیمہ کیا اور اس ایک بکری کے گوشت اور روٹی میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ ایک ہزار شکم سیر ہوئے پس نہ تو ان دونوں روایتوں میں کوئی منافات اور نہ ان دونوں معجزوں میں کوئی معارضہ۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید)

آپ ﷺ کی برکت سے تھوڑی سی زادراہ میں عظیم برکت

آنحضرت ﷺ ایک سفر میں تھے، صحابہ بھوک سے اس قدر بے تاب ہوئے کہ اونٹنیاں ذبح کرنی چاہیں۔ لیکن آپ ﷺ نے تمام لوگوں کے زادراہ کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ایک چادر بچھائی گئی اور اس پر تمام زادراہ ڈھیر کیا گیا۔ اس تمام سامان کی مجموعی مقدار نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی۔ اور اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی ۔لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھالیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے۔ کھانے کے بعد آپ ﷺ نے پانی طلب فرمایا۔ ایک صاحب ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے۔ آپ ﷺ نے اس کو پیالہ میں انڈیل دیا اور ۱۴ سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔ (مسلم شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے کھانے میں حیرانگیز برکت

بخاری شریف کی روایت ہے کہ چونکہ اصحاب صفہ بالکل محتاج تھے اور ان کی معاش کا کوئی سامان نہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے ایک بار حکم دیا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کے کھانے کا سامان موجود ہو وہ اصحاب صفہ میں سے ایک کو اور جن کے پاس چار آدمیوں کی غذا ہو وہ دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے ۔ چنانچہ اس اصول کے موافق آنحضرت ﷺ کے حصہ میں دس اور حضرت ابوبکرؓ کے حصے میں تین آدمی آئے ۔ یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں آئے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ ہی کے یہاں کھانا کھایا۔ اور آپ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی اس لئے کسی قدر رات گزر گئی، وہ گھر میں دیر سے آئے تو ان کی بیوی ام رومان نے کہا کہ مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں رہ گئے؟ انہوں نے کہا کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا؟ وہ بولیں بغیر تمہارے ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نہایت برہم ہوئے اور ان لوگوں کو کھانا کھلانا شروع کیا وہ لوگ جو لقمہ اٹھاتے تھے اس میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ جب وہ لوگ شکم سیر ہو کر کھا چکے تو بچا ہوا کھانا پہلے سے بھی زیادہ نکلا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس برکت کو دیکھ کر ام رومان کی طرف مسرت سے دیکھا اور غصہ میں اگرچہ کھانے کی قسم کھا چکے تھے لیکن قسم توڑنے کے لئے ایک لقمہ اس میں سے کھایا اور تمام کھانا آنحضرت ﷺ کے گھر بھیج دیا۔ وہ کھانا آپ ﷺ کے گھر صبح تک رہا۔ دوسرے روز آپ کی خدمت میں بارہ آدمی آئے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ کئی کئی آدمی خدا جانے کتنے تھے، آپ ﷺ نے وہ کھانا ان کے پاس بھیج دیا اور وہ لوگ سیر ہو گئے۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے گھی کی مقدار میں برکت

ام مالکؓ کا دستور تھا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ ایک برتن میں گھی ہدیۃً بھیجا کرتی تھیں۔ جب ان کے بچے سالن مانگتے اور گھر میں نہ ہوتا تو وہ اس برتن کو جس میں آپ ﷺ کی خدمت میں گھی بھیجتی تھیں، اٹھالاتیں اور اس میں سے بقدر ضرورت گھی نکل آتا۔ ایک دن انہوں نے اس برتن کو نچوڑ لیا۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر تم نے اس کو نچوڑ نہ لیا ہوتا تو ہمیشہ اس میں سے گھی نکلا کرتا۔“ (مسلم شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے جو کی مقدار میں برکت

مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک بار ایک شخص نے آپ ﷺ سے غلہ مانگا، آپ ﷺ نے تھوڑے سے جو دیدیئے۔ اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ وہ روز اپنے لئے، اپنی بی بی کے لئے۔ اپنے مہمانوں کے لئے اس میں سے صرف کرتا تھا، اور اس میں کمی نہ ہوتی تھی۔ ایک دن اس نے اس کو تولا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر تم اس کو نہ تولتے تو ہمیشہ ایک حالت میں قائم رہتا۔“ (مسلم شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے آدھ سیر آٹے اور ایک بکری میں برکت

بخاری شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک سفر میں تھے، ۱۳۰ آدمیوں کی جماعت ساتھ تھی، آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کچھ کھانے کا سامان ہے؟ ایک شخص ایک صاع آٹا لایا اور وہ گوندھا گیا۔ پھر ایک کافر بکریاں چراتا ہوا آیا، آپ

ﷺ نے اسے ایک بکری خرید فرمائی اور ذبح کرنے کے بعد کلیجی کے بھونے کا حکم دیا اور ہر شخص کو تقسیم کی۔ گوشت تیار ہوا تو دو پیالیوں میں بھرا گیا اور سب کے سب کھا کر آسودہ ہو گئے اور بچ بھی گیا۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے تھوڑے سے کھانے میں غیر معمولی برکت

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے ایک بار ایک قسم کا کھانا تیار کیا اور حضرت انسؓ کو بھیجا کہ آنحضرت ﷺ کو بلا لائیں۔ وہ گئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا میرے ساتھیوں کو بھی بلایا ہے؟...... حضرت انسؓ نے گھر میں آ کر پوچھا، تو حضرت انسؓ نے آپ ﷺ سے آ کر کہا کہ وہ تو ذرا سی چیز ہے جس کو ام سلیمؓ نے تیار کیا ہے۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور وہ کھانا سامنے رکھا گیا تو فرمایا کہ دس دس آدمیوں کو لاؤ، اس طرح چالیس آدمی دس دس کر کے آئے اور شکم سیر ہو کر کھایا لیکن کھانے میں کسی قسم کی کمی نہ ہوئی۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے دودھ کے پیالہ میں برکت

ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ بھوک کی شدت سے بے تاب ہو کر راستہ میں بیٹھ گئے حضرت ابو بکر کا گزر ہوا تو ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی، لیکن اس کا مقصد اپنی حالت زار کی طرف توجہ دلانا تھا، وہ گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی۔ پھر حضرت عمرؓ گزرے انہوں نے اسی غرض سے ان سے بھی ایک آیت پوچھی، لیکن انہوں نے بھی بے التفاتی کی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا گزر ہوا اور آپ ﷺ نے ان کے چہرے کو دیکھ کر اصل حقیقت معلوم کر لی اور ان کو پکارا۔ حضرت ابو ہریرہ نے لبیک کہا اور ساتھ ہو لئے۔ آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو دودھ کا پیالہ بھرا ہوا نظر آیا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ہدیۃً آیا ہے، آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ کو حکم دیا کہ اصحاب صفہ کو بلا لائیں۔ حضرت ابو ہریرہ کو یہ ناگوار گزرا کہ اس دودھ کا سب سے زیادہ مستحق تو میں تھا، لیکن آپ ﷺ کی تعمیل ارشاد سے چارہ نہ تھا، مجبوراً اصحاب صفہ کو بلا لے گئے اور سب کے سب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کے حکم

کے مطابق حضرت ابو ہریرہؓ نے سب کو پلانا شروع کیا۔ جب سب کے سب سیراب ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے پیالہ کو ہاتھ پر رکھا اور ابو ہریرہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور کہا کہ اب صرف ہم اور تم باقی ہیں، آؤ بیٹھو اور پینا شروع کرو۔ آپ ﷺ ان کو متصل پلاتے رہے، یہاں تک کہ وہ خود بول اٹھے کہ اب گنجائش نہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے خود پیالہ لیا اور جو کچھ بچ گیا تھا بسم اللہ کہہ کر پی گئے۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے بکری کے دست میں برکت

ایک صحابی نے آپ ﷺ کے لئے گوشت پکایا، چونکہ آپ ﷺ کو بکری کا ہاتھ کا گوشت نہایت مرغوب تھا، انہوں نے آپ ﷺ کو دونوں ہاتھ دیئے، جب آپ ﷺ ان کو تناول فرما چکے تو پھر دست مانگا، انہوں نے کہا یا رسول اللہ بکری کے کتنے دست ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''خدا کی قسم! اگر تم خاموش رہتے تو میں جس قدر مانگتا تم مجھے دیتے رہتے۔ (شمائل ترمذی)

آپ ﷺ کی برکت سے بکری کے تھنوں میں برکت

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت مقدادؓ سے روایت ہے کہ میں اپنے دو رفیقوں کے ساتھ عسرت اور فاقہ زدگی کی حالت میں آیا اور تمام صحابہ کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن کسی نے ہماری کفالت منظور نہیں کی، بالآخر ہم سب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ ہم سب کو گھر لے گئے، وہاں تین بکریاں بندھی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا دودھ دوہ کر پیا کرو، چنانچہ ہم سب دودھ دوہ کے اپنا حصہ پی لیتے اور آنحضرت ﷺ کا حصہ رکھ دیتے تھے۔ آپ ﷺ رات کو آتے تو پہلے نرم آواز میں سلام کرتے، پھر مسجد میں آکر نماز پڑھتے۔ اس کے بعد اپنے حصے کا دودھ پیتے ایک دن جب کہ میں اپنا حصہ کا دودھ پی چکا تھا، شیطان نے مجھے دھوکہ دیا کہ آنحضرت ﷺ انصار کے یہاں سے آتے ہیں، وہ آپ ﷺ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے ہیں اور آپ ﷺ ان کو تناول

فرماتے ہیں، آپ ﷺ کو اس دودھ کی ضرورت نہیں، میں اس کے دھوکے میں آ گیا اور تمام دودھ اٹھا کر پی گیا۔ جب میرے پیٹ میں گنجائش نہ رہی تو شیطان یہ کہہ کر چلتا ہوا کہ "کم بخت تو آنحضرت ﷺ کا حصہ پی گیا۔ جب آپ ﷺ تشریف لائیں گے اور اپنے حصہ کو نہ پائیں گے تو تجھ کو بد دعا دیں گے اور تیرا دین و دنیا سب برباد ہو جائے گا۔"

چنانچہ اس ڈر سے میری آنکھوں کی نیند اڑ گئی، آپ ﷺ تشریف لائے حسب معمول سلام کیا اور نماز پڑھی، اس کے بعد دودھ کو کھولا تو آپ ﷺ کا حصہ غائب تھا، آپ ﷺ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور میں سمجھا کی آپ ﷺ اب مجھ پر بد دعا فرمائیں گے، اور میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ لیکن آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: "خداوندا! جس شخص نے مجھ کو کھلایا، اس کو کھلا اور جس نے مجھے پلایا، اسے پلا۔" اب میں چادر لپیٹ کے اٹھا، ہاتھ میں چھری لی اور ان بکریوں میں سے جو سب زیادہ فربہ ہو اس کو ذبح کروں لیکن مجھے معلوم ہوا کہ ان سب کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا ہے۔ اب میں نے ایک برتن کی طرف ہاتھ بڑھایا، جس کے متعلق آنحضرت ﷺ کے اہل وعیال کو یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ کبھی اسقدر دودھ ہوگا کہ اس میں دوھا جائے گا۔ لیکن میں دودھ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اپنا حصہ پی چکے؟ میں نے کہا آپ ﷺ پی لیجئے۔ آپ ﷺ نے پی کر مجھے دودھ عنایت فرمایا۔ چنانچہ جب مجھ کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سیر ہو گئے اور آپ ﷺ کی دعا کی برکت میں، میں شامل ہو گیا تو میں ہنستے ہنستے زمین پر گر پڑا اور آپ ﷺ کی خدمت میں اول سے آخر تک تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ خداوند تعالیٰ کی رحمت ہے، تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں نہیں جگایا کہ وہ بھی پیتے۔" میں نے کہا کہ "جب میں نے آپ ﷺ کے ساتھ پی لیا تو مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کسی اور نے پیا یا نہیں" (صحیح مسلم)

آپ ﷺ کی برکت سے ایک وسق جو کی برکت

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وفات فرمائی تو کچھ وسق (ایک

پیمانہ) جو کے سوا کچھ گھر میں نہ تھا، تو میں نے اسی میں کھانا شروع کیا تو وہ ختم ہی ہونے پر نہیں آتا تھا تو ہم نے اس کو تولا تو پھر ختم ہو گیا یعنی اس کی وہ برکت جاتی رہی۔ (بحوالہ بخاری ومسلم)

آپ ﷺ کی برکت سے توشہ دان ہمیشہ بھرا رہتا

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر اسلام میں تین مصیبتیں سب سے سخت پڑیں پہلی آنحضرت ﷺ کی وفات، دوسری حضرت عثمانؓ کی شہادت، تیسری میرے توشہ دان کا جاتے رہنا۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ کیسا توشہ دان؟ انہوں نے کہا۔ آپ ﷺ ایک غزوہ میں تھے رسد ختم ہوگئی تھی، آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ ابو ہریرہؓ! کچھ تمہارے پاس ہے؟ میں نے عرض کی کہ کچھ کھجوریں ہیں۔ ارشاد ہوا وہ لے آؤ، میں لایا تو آپ ﷺ نے ان کو دسترخوان پر پھیلا دیا، اکیس کھجوریں تھیں، آپ ﷺ ایک ایک کھجور لے کر اس پر خدا کا نام پڑھ کر رکھتے جاتے تھے، پھر آپ ﷺ نے سب کو ملا دیا اور حکم دیا کہ دس دس آدمی آکر شریک ہوں۔ چنانچہ اس طرح لوگ آتے گئے اور پوری فوج سیر ہوگئی اور کچھ کھجوریں بچ گئیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان پر میرے لئے برکت کی دعا فرمایئے، آپ ﷺ نے دعا کی میں نے ان کو اپنے توشہ دان میں ڈال لیا۔ ان کی برکت یہ تھی کہ جب میں ہاتھ ڈالتا تھا اس میں سے کھجوریں نکل آتیں تھیں اور ۵۰ وسق تو میں نے اس میں سے راہ خدا میں خیرات کی۔ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانے تک میں اسی میں سے کھاتا رہا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ہنگامے میں جہاں اور چیزیں گئیں توشہ دان بھی جاتا رہا۔ (بحوالہ مسند احمد)

آپ ﷺ کی برکت سے تھوڑی کھجوروں میں برکت

مسند احمد کی ایک اور روایت ہے کہ حضرت دکینؓ اور نعمان بن مقرن صحابیؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ چار سو چودہ آدمی خدمت نبوی ﷺ میں ایک ساتھ حاضر ہوئے اور ہم سب نے کھانے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ان کو کھانا کھلاؤ۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس تو اسی قدر ہے جو بال بچوں کو کافی ہو، ارشاد ہوا "جاؤ

ان کو کھلا دو'' عرض کی جیسا حکم ہو تعمیل میں عذر نہیں۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ ہم کو لے چلے، اور ایک جگہ لا کر بٹھایا، اور جو کچھ کھجوریں تھیں، وہ سامنے لا کر رکھ دیں، اور ان میں یہ برکت نظر آئی کہ ہم سب سیر ہو گئے، لیکن کھجوروں میں کمی نہ آئی۔ (بحوالہ مسند احمد)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

محترم قارئین! آپ نے مندرجہ بالا واقعات پڑھ کر اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کے ہاتھ میں کس قدر برکت رکھی تھی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۳۵

رسولِ اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل فرمادیا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پینتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل فرمادیا" بیشک یہ خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس دین کو اپنے آخری نبی ﷺ پر مکمل فرمادیا، دیگر انبیاء کرامؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دین دیا لیکن کسی بھی نبی کو یوں نہیں فرمایا کہ ہم نے آپ کی نبوت میں اپنے دین کو مکمل کردیا، لیکن آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے "**الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی**" نازل فرما کر اپنے دین کو مکمل فرمایا، معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا مظہر بھی صرف اور صرف آپ ﷺ ہی ہیں، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس کی وضاحت آپ ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی ہمارے لئے آپ ﷺ سے محبت میں اضافے کا باعث ہوگی، اور دعا بھی کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

پینتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اسلام کا صحیفہ قرآن جب ایسا جامع ہے کہ جس کا مقابلہ دنیا کے سارے ادیان ملکر نہیں کرسکتے تو یقیناً وہ دین بھی جس کو لے کر وہ آیا کامل ہوگا۔ قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے قریب عین مسلمانوں کے اجتماع عظیم کے دن (حجۃ الوداع کے موقع پر) یہ اعلان عام کیا۔ **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ**

لکُمُ الاِسلَامَ دِینًا. (سورۂ مائدہ)

''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے میں نے تمہارے لئے پسند کیا''۔

''اسلام'' قرآن کے عقیدہ کے مطابق اس صحیح مذہب کا نام ہے جو اپنے وقت میں ہر پیغمبر کو عطا ہوا اور وہ عہد بعہد دنیا کی عمر کے ساتھ مختلف پیغمبروں کے ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچتا رہا۔ یہاں تک کہ محمد ﷺ کی دعوت و تبلیغ پر وہ اپنے معراج کمال کو پہنچ کر تمام ہوگیا اور یہ منصب خاص صرف آپ ﷺ کی ذات پاک کے لئے روز اول سے مقدر ہو چکا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا! انا خاتمُ النبین و آدم منجدل فی طینته (بخاری شریف) میں پیغمبر آخر تھا اور آدم ابھی آب و گل میں پڑے تھے، آنحضرت ﷺ نے ایک بلیغ تمثیل میں اسلام کی تکمیل دین کی تشریح فرمائی ہے۔ فرمایا ''میری اور دوسرے انبیاء کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی، لوگ اس کے اندر جاتے ہیں اور اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں، لیکن دیکھتے ہیں کہ اس کی ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو میں وہ آخری اینٹ ہوں، عمارت دین و نبوت ہے، اس کی ایک اینٹ، ایک ایک پیغمبر کا وجود اور اس کا دین و شریعت ہے اور اس کی تکمیل کا آخری پتھر نبی امی علیہ الصلوۃ والسلام کا وجود اقدس ہے۔

وہ دین جو مختلف انبیاء علیہ السلام کی وساطتوں سے دنیا میں آتا رہا، چونکہ وہ محدود زمانوں کے لئے آیا، اس لئے ان کے معجزے بھی محدود الوقت تھے، یعنی ایک خاص وقت میں پیدا ہوئے اور مٹ گئے، اب عصائے موسیٰ لحن داؤدؑ، تعبیر یوسفؑ، اور نفس عیسیٰ کا کہاں پتہ ہے، لیکن جو دین محمد ﷺ کے ذریعہ آیا کامل تھا اور قیامت تک کے لئے آیا تھا، بنا بریں اس کے لئے ایک دائمی مستقل معجزہ کی ضرورت تھی اور وہ خود صحیفہ اسلام ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''ہر نبی کو وہ معجزہ ملا جس پر اس کی امت ایمان لائی، لیکن جو مجھے ملا وہ وحی ہے جو خدا نے بھیجی، تو مجھے امید ہے کہ میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے۔'' یہ خیال مبارک اسی لئے تھا کہ آپ ﷺ کا معجزہ وحی قیامت تک کے لئے ہے،

اس لئے اس کو دیکھنے والے اور اس پر ایمان لانے والے سب سے زیادہ ہوں گے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کے صحیفے بجائے خود معجزہ نہ تھے، اسی لئے وہ تحریف وتغیر سے پاک نہیں رہے اور قرآن دین کا کامل صحیفہ خاتم الانبیاء کی وحی اور دائمی معجزہ بن کر آیا، اسی لئے وہ ہمیشہ کے لئے اپنی حفاظت کا سامان ساتھ لایا۔ "وانا لہ لحافظون" (حجر) اور ہم ہیں اس کے محافظ" (سیرت النبیؐ جلد سوم)

اور اسی موضوع سے متعلق علامہ شبلی نعمانیؒ اپنی اسی کتاب سیرت النبیؐ، جلد چہارم میں مزید رقم طراز ہیں کہ آنحضرت ﷺ جس عظیم الشان پیغام کو لیکر آئے تھے اور جس مہتم بالشان کام کو انجام دینے کے لئے بھیجے گئے تھے، نیک دل اور حقیقت شناس لوگ تو سننے اور دیکھنے کے ساتھ اس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن جن کے دل کے آئینے زنگ آلود تھے، پیغام کی سچائی، وحی کی تاثیر، پیغمبر کی پر اثر دعوت، اعجاز معصومیت اور اخلاق کے پرتو سے صاف وشفاف ہوتے گئے اور عوائق، موانع، شبہات اور شکوک کی تہ در تہ ظلمتیں اور تاریکیاں رفتہ رفتہ چھٹتی چلی گئیں اور اسلام کا نور روز بروز زیادہ صفائی اور چمک کے ساتھ عرب کے افق پر درخشاں اور تاباں ہوتا گیا، یہاں تک کہ ۲۳ برس کی مدت میں ایک متحدہ قومیت، ایک متحدہ سلطنت، ایک متحدہ اخلاقی نظام، ایک کامل قانون، ایک مکمل شریعت، ایک ابدی مذہب اور عملی جماعت، خدا پرستی، اخلاق وایثار، تقویٰ، ایمانداری، اخلاق اور سچائی کا ایک مجسم عہد یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہو گیا، اور گویا یہی حقیقت تھی، جس کی طرف آپ ﷺ نے اپنی امت کے سب سے بڑے مجمع (حجۃ الوداع) میں اپنی وفات سے تقریباً ۲ ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا، الاان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللہ السموات والارض۔ (بخاری)

ہاں اب زمانہ کا دور اپنی اسی حالت پر آ گیا جس حالت پر اس دن تھا، جس دن خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا۔

اور یہی حقیقت تھی جس کی نسبت آپ ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ایک

نہایت پردرد وداعی تقریر کے آخر میں یہ الفاظ فرمائے کہ قد تر کتکم علی البیضاء لیلها کنهارها، میں تم کو ایک روشن راستہ پر چھوڑ جاتا ہوں جس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ اس کی رات بھی دن کے مانند ہے۔

اور آخری حجۃ الوداع کے مجمع عام میں تکمیل کی بشارت آئی کہ اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُمْ دِینَکُمْ واتمَمْتُ عَلَیکُم نِعمَتِی (مائدہ) آج میں نے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمت تم پر ختم کردی۔

پروفیسر مارگولیتھ جن کی تائیدی شہادت بہت کم مل سکتی ہے، لکھتے ہیں: "محمد ﷺ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا، آپ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے، آپ ﷺ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنادیا تھا، آپ ﷺ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔ (لائف آف محمدؐ مارگولیتھ)

اسی طرح بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے ۱۹۱۱ میں لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کی دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم (داور مجاعص) نے لکھا کہ: دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے مختصر زمانے میں ایک نئے مذہب، ایک نئے فلسفے، ایک نئی شریعت اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا اور ایک نئی قوم پیدا کی اور ایک نئی طویل سلطنت قائم کردی، لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود وہ امی اور ناخواندہ تھا، وہ کون؟ محمد بن عبداللہ قریشی، عرب اور اسلام کا پیغمبر اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کردیا، اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لیے اور اس سلطنت کے لیے جس کو اس نے قائم کیا، ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود ہی مہیا کردیئے، اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہیں، جن کی ضرورت ایک مسلمان کو اس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آسکتی ہیں، حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا تاکہ اقوام اسلامی میں اہل استطاعت

ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے دینی وقومی معاملات میں باہم مشورہ کر سکیں، اپنی امت پر زکوٰۃ فرض کر کے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی، قرآن کی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالمگیر زبان بنادیا کہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بن جائے، قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اس طرح عنایت کیا کہ یہ کہہ دیا کہ ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بناء پر بزرگی حاصل ہے۔

اس بنا پر اسلام ایک حقیقی جمہوریت بن گیا، جس کا رئیس قوم کو پسند ہوتا ہے، مسلمانوں نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا، یہ کہہ کر کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت نہیں، اسلام میں داخل ہونا ہر شخص کے لیے آسان کر دیا، نامسلموں کے لیے اسلامی ملکوں میں عیش وآرام اور امن واطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہہ کر اپنے اوپر لے لی کہ ''تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے، تو خدا کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے'' خاندانی اور ازدواجی اصلاحات بھی اس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہیں اس نے نکاح و وراثت کے احکام مقرر کئے، عورت کا مرتبہ بلند کیا، نزاعات اور مقدمات کے فیصلے کے قوانین بنائے، بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو بیکار نہ ہونے دیا۔ علم کی اشاعت اور تعلیم اس کی کوشش کا بڑا حصہ رہی، اس نے حکمت کو ایک مؤمن کا گمشدہ مال قرار دیا، اسی سبب سے مسلمانوں نے اپنی ترقی کے زمانے میں ہر دروازہ سے علم حاصل کیا، کیا ان کارناموں کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پائے گا۔

انگلستان کے مشہور انشاپرداز کارلائل نے اپنے ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ'' میں لاکھوں پیغمبروں اور مذہب کے بانیوں میں صرف محمد (ﷺ) ہی کے وجود گرامی کو اس قابل سمجھا کہ وہ آپ کو نبوت کا ہیرو قرار دے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار ''محمد'' آپ کی نسبت کہتا ہے: قرآن پاک سے اس شخص کے روحانی ارتقاء کا پتہ چلتا ہے، جو تمام نبیوں اور مذہبی لوگوں میں سب سے زیادہ کامیاب رہا۔

الغرض دوست ودشمن سب کو اعتراف ہے کہ انبیاء میں یہی برگزیدہ ہستی ہے جس

نے کم سے کم مدت میں اپنی بعثت اور رسالت کے زیادہ سے زیادہ فرائض ادا کئے اور اصلاحات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا، جس کی تکمیل اس کی تعلیم اور عمل سے نہ ہوگئی ہو۔ اور یہ اس لیے تمام انبیاء میں خاتم نبوت، مکمل دین اور آخری معلم کی حیثیت آپ کو ہی عطا ہوئی تھی، اگر انسان کی عملی واخلاقی ودینی ضرورتوں کا کوئی گوشہ آپ کے فیض سے محروم رہ کر تکمیل کا محتاج ہوتا تو آپ کے بعد بھی کسی آنے والے کی حاجت باقی رہ جاتی۔

حالانکہ آپ نے فرمادیا: ''میرے بعد کوئی نبی نہیں میں نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہوں۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی تعلیمات کی یہی ہمہ گیری ہے جس پر کوتاہ بینوں کو آج نہیں بلکہ خود صحابہؓ کے عہد میں تعجب ہوتا تھا، بعض مشرکوں نے حضرت سلمان فارسیؓ سے مذاقاً کہا کہ تمہارے پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی بھی کہ تم کو قضائے حاجت کیونکر کرنی چاہئیے، حضرت سلیمان فارسیؓ نے کہا! ہاں یہ سچ ہے آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت میں قبلہ رخ نہ بیٹھیں نہ اپنے داہنے ہاتھ سے طہارت کریں، اور نہ تین ڈھیلوں سے کم استعمال کریں، جن میں کوئی ہڈی اور گوبر نہ ہو، بنوت محمدی کی تعلیمات کی ہمہ گیری ہی اس کی تکمیل کی دلیل ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ پست سے پست اور غیر متمدن اقوام سے لے کر بلند سے بلند متمدن سے متمدن قوموں تک کے لئے یکساں تعلیمات اور ہدایت رکھتی ہے، عرب کے بدوؤں اور قریش کے رئیسوں دونوں کے لئے آپ کی بعثت تھی، اس لئے آپ کی تعلیمات میں پست کو بلند اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر کی ہدایت ہیں، آج یہی چیز ہے کہ افریقہ کے وحشیوں میں اسلام اپنی تعلیمات کے ساتھ تنہا جاتا ہے، اور ان کو متمدن اور مذہب بنانے کے لیے مذہب سے باہر کسی تعلیم کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ لیکن عیسوی مذہب کو چند اخلاقیات کو چھوڑ کر جن کا ماخذ انجیل ہے، عقائد پادریوں کی نسلوں سے، دعائیں اور عبادات کلیساؤں کے حکمرانوں سے اور تہذیب وتمدن کی تعلیمات یورپ کے بے دینوں اور ملحدوں سے حاصل کرنی پڑتی ہیں لیکن اسلام میں محمد ﷺ

کے علاوہ کچھ نہیں، عقائد ہوں کہ عبادات اور دعائیں، اخلاق ہوں کہ آداب، تمدن، خانگی معاملات ہوں یا لین دین کے کاروبار، انسانوں کے ساتھ معاملہ ہو، یا خدا کے ساتھ سب کا ماخذ محمد ﷺ کی ہمہ گیر تعلیمات ہیں۔

آپ ﷺ کی ان ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے چار ابواب پر منقسم ہے اور ان ہی کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔

آپ ﷺ نے بتایا کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے، اور دوسرے اپنے خالق کی دوسری مخلوقات کے ساتھ اسی مفہوم کو دوسری عبارت میں یوں کہو کہ اس کا ایک تعلق اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے آقا اور مالک کے غلاموں کے ساتھ یا یوں کہو کہ اس کا ایک رخ تو آسمان کی طرف ہے اور دوسرا زمین کی سمت، اس کو ایک لگاؤ تو عالم غیب سے ہے اور دوسرا عالم شہود سے پہلے کے ساتھ اس کا تعلق ایک مہربان، آقا اور فرمانبردار غلام کا ہے، اور دوسروں کے ساتھ اس کا تعلق برادری اور بھائی چارے کا ہے، خالق اور مخلوق یا خدا اور بندہ کے درمیان جو علاقہ اور رابطہ ہے، اس کا تعلق اگر صرف ہمارے ذہنی قویٰ اور قلبی حالات سے ہے، تو اس کا نام عقیدہ ہے، اور اگر ان قلبی حالات کے ساتھ ہمارے جسم و جان اور مال و جائداد سے بھی ہے، تو اس کا نام عبادت ہے، باہم انسانوں اور انسانوں میں، یا مساوی اور دوسری مخلوقات میں جو علاقہ و رابطہ ہے، اس کی حیثیت سے جو احکام ہم پر عائد ہیں، اگر ان کی حیثیت محض قانون کی ہے تو اس کا نام معاملہ ہے۔ اور ان کی حیثیت قانون کی نہیں، بلکہ روحانی نصیحتوں اور برادرانہ ہدایتوں کی ہے تو اس کا نام اخلاق ہے۔

قرآن پاک کی اصطلاح میں پہلے تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کا نام ایمان ہے، اور دوسرے تیسرے اور چوتھے کی بجا آوری کا نام عمل صالح ہے، اور ان ہی دونوں کے مجموعے پر کامل نجات کا انحصار ہے، عمل صالح کی تین قسمیں ہیں، خدا کے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار اور اس کے احکام کی تعمیل، بندوں کے ساتھ کاروبار اور معاملہ میں قانون

الٰہی کی پابندی اوران کے ساتھ محبت، الفت اور نیکی اور بھلائی کا برتاؤ، اور گواس لحاظ سے کہ ان میں سے ہر ایک عمل کو جس میں خدا کی خوشنودی اور رضامندی مقصود ہو، اسلام عبادت کہتا ہے لیکن اصطلاح میں پہلے کا نام عبادات، دوسرے کا نام معاملات اور تیسرے کا نام اخلاق ہے، الغرض محمد ﷺ جو عالمگیر شریعت اور دائمی ہدایت لے کر آئے، وہ ان ہی چاروں عنوانوں کا مجموعہ ہے، یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق، ان ہی کی اصلاح، تعلیم اور تکمیل کے لیے آپ ﷺ کی بعثت ہوئی، اور یہی آپ کے پیغمبرانہ فرائض کے اصلی کارنامے ہیں۔ (بحوالہ سیرت النبیؐ جلد چہارم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۳۶

رسولِ اکرم ﷺ کے حمل کے وقت بتوں کا گرنا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں ... یہ چھتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کے حمل کے وقت بتوں کا گرنا'' بیشک دیگر خصوصیات کی طرح یہ بھی ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ کے حکم سے آپ ﷺ کے حمل میں ہوتے وقت بتوں کے گرنے کے بہت سے واقعات پیش آئے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس کی تفصیل آرہی ہے، جس کے مطالعے سے آپ ﷺ کی یہ خصوصیت پورے طور پر ہمیں سمجھ آجائے گی، انشاء اللہ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

چھتیسویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

حضور ﷺ کے لیے دو مرتبہ بت گرے۔ ایک مرتبہ آپ کے حمل کے وقت اور دوسری مرتبہ آپ کی ولادت کے وقت۔ اس کا مطلب ہے کہ اس بارے میں آنحضرت ﷺ کی خصوصیت بتوں کا آپ کے حمل کے وقت گرنا تھا کیونکہ ولادت کے وقت تو حضرت عیسیٰؑ کے لئے بھی دنیا کے بت گرے تھے۔ مگر علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''خصائص صغریٰ'' میں لکھا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ کی پیدائش کے وقت دنیا کے بت گر پڑے تھے، مگر جیسا کہ بیان کیا گیا دنیا کے بت حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت بھی گرے تھے اس لئے اس کی روشنی میں علامہ سیوطیؒ کے اس قول کو درست نہیں کہا جاسکتا۔

ہاں اگر آپ کے حمل کے وقت بتوں کے گرنے کی خصوصیت کہا جائے تو صحیح ہوگا کیونکہ حمل کے وقت صرف آپ ﷺ ہی کے لئے بت گرے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے حمل کے وقت ایسا نہیں ہوا تھا۔

چنانچہ عبدالمطلب سے روایت ہے کہ میں کعبے میں تھا اچانک میں نے دیکھا کہ کعبہ کے بت اپنی جگہوں سے گر پڑے اور سجدے کی سی حالت میں زمین پر اوندھے ہو گئے۔ ساتھ ہی میں نے کعبے کی دیوار میں سے آنے والی ایک آواز سنی جو کہہ رہی تھی کہ وہ محبوب خدا پیدا ہو گئے جن کے ہاتھوں کفار ہلاک ہوں گے اور جو مکہ کو بتوں کی پوجا سے پاک کردیں گے اور جو لوگوں کو اس خدا کی عبادت کا حکم دیں گے جو سب کچھ جاننے والا ہے۔

اور اسی طرح دو روایتیں کتابوں میں ملتی ہیں۔ ایک میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت ابلیس جب تحقیق کے لئے مکہ میں پہنچا تو وہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ گیا مگر اسی وقت اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ کو بھیجا جنہوں نے ٹھوکر مار کر اسے آپ کے پاس سے دور کردیا۔ دوسری روایت حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے کہ جب ابلیس تحقیق کے لئے وہاں پہنچا تو حضرت عیسیٰؑ کے چاروں طرف فرشتوں کے گھیرے کی وجہ سے وہ ان کے قریب نہیں جاسکا۔

اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق شیطان نے یہ کہا کہ میں ان کے قریب نہیں پہنچ سکا اور ہمارے رسول ﷺ کے متعلق اس نے یہ کہا کہ جب میں ان کے قریب پہنچا تو جبرائیلؑ نے ٹھوکر مار کر مجھے وہاں سے دور کردیا تو حضرت عیسیٰؑ کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کے قریب کیسے پہنچ سکا۔ کیونکہ اگرچہ ٹھوکر مار کر اسے وہاں سے ہٹا دیا گیا مگر قریب پہنچ تو گیا جبکہ حضرت عیسیٰؑ کے قریب پہنچ ہی نہیں سکا تھا۔

اس کا جواب یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ جانے سے مراد اس جگہ کے قریب پہنچ جانا ہو جہاں آپ تھے نہ کہ آپ کے جسم اطہر کے قریب پہنچ جانا۔ اور حضرت

عیسیٰ کے قریب پہنچ سکنے سے مراد یہ ہو کہ ان کے جسم کے قریب نہیں پہنچ سکا (اس طرح دونوں روایتوں سے مطلب ایک ہی نکلے گا کہ ابلیس نہ حضرت عیسیٰ کے جسم کے قریب پہنچ سکا اور نہ آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کے قریب پہنچ سکا)

اس سلسلے میں ایک اشکال اور پیدا ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سوائے مریم اور ان کے بیٹے (عیسیٰ) کے کوئی بچہ ایسا نہیں کہ اس کی پیدائش کے وقت شیطان اس کو چھوتا نہ ہو جس سے کہ وہ چیخیں مار کر رونا شروع کر دیتا ہے۔ اس روایت کو شیخین نے نقل کیا ہے (یعنی پیدائش کے فوراً بعد بچہ جو روتا ہے وہ شیطان کے چھونے کی وجہ سے روتا ہے اس سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰ کے علاوہ دوسرے تمام نبیوں کو بھی پیدائش کے وقت شیطان کا چھونا ثابت ہوتا ہے جن میں آنحضرت ﷺ بھی شامل ہو جاتے ہیں حالانکہ آپ کو سارے نبیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور حضرت مریمؑ کا شیطان کے چھونے سے محفوظ ہونا)۔۔۔ حضرت مریمؑ کی والدہ کے اس قول کی وجہ سے تھا (جو انہوں نے دعا کے طور پر حضرت مریم پر پڑھا تھا) کہ یا اللہ میں مریم اور اس کی اولاد کے لئے شیطان لعین سے (بچاؤ کے واسطے) تیری پناہ مانگتی ہوں۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ سوائے عیسیٰ ابن مریم کے ہر ابن آدمؑ (یعنی آدمی) کے پہلو میں اس کی پیدائش کے وقت شیطان اپنی انگلیوں سے کچوکے لگاتا ہے وہ جب (عیسیٰ کے) کچوکے مارنے کے لئے گیا تو وہ چوٹ اس پردے پر لگی جو اس سے حفاظت کے لئے ان کے اوپر ڈھک دیا گیا تھا۔ اس سے مراد وہ جھلی ہے جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ غالباً اس حدیث میں پہلو سے مراد بایاں پہلو ہے (جس طرف دل ہوتا ہے اور جس میں وہ سیاہ دانہ یعنی شیطان کا حصہ اور ٹھکانہ ہوتا ہے)

(اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسانوں میں شیطان کے قریب آنے اور کچوکے لگانے سے صرف حضرت عیسیٰ بچے ہیں یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ بھی نہیں بچے)

اسی طرح حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ سوائے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے ہر بچے کے پہلو میں شیطان اپنی انگلیوں سے کچو کے لگاتا ہے جس سے وہ بچہ چیخ چیخ کر رونے لگتا ہے۔ ان دونوں کے اوپر (یعنی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم پر) اللہ تعالیٰ نے ایک پردہ تان دیا تھا اس لئے شیطان کے کچوکے اس پردے پر لگے اور دونوں تک کوئی اثر نہیں پہنچا۔ (اس حدیث سے بھی یہ خصوصیت صرف عیسیٰؑ اور مریمؑ کی ہی معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی بھی نہیں تھی) یہاں بھی غالباً پردے سے مراد وہی جھلی ہے لیکن ہوسکتا ہے جھلی کے علاوہ کوئی اور پردہ مراد ہو (جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی)۔

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے مصنف سیرتِ حلبیہ کہتے ہیں کہ مجاہد نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ پیدائش کے وقت عیسیٰؑ جس طرح شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہے اسی طرح سارے انبیاء علیہم السلام محفوظ رہے (جس سے وہ اشکال ختم ہوگیا کہ یہ دوسرے تمام انبیاء کے مقابلے میں نہ صرف حضرت عیسیٰؑ کی خصوصیت تھی بلکہ معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بچایا۔ چنانچہ اب یہ اشکال ختم ہوجاتا ہے کہ اس خصوصیت اور حفاظت میں حضرت عیسیٰؑ آنحضرت ﷺ سے بڑھے ہوئے تھے جب کہ رسول کریم ﷺ تمام نبیوں میں افضل ہیں) مگر یہ بات ایسی ہے جس کا تعلق دیکھنے سے نہیں ہے (اب اعتراض ہوسکتا ہے کہ مجاہد کی اس حدیث کو مان لینے کے بعد ان حدیثوں کے متعلق کیا کہا جائے جن میں یہ خصوصیت صرف حضرت عیسیٰؑ کی بیان کی گئی ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجاہد کی اس روایت کو مان لینے کے بعد ان احادیث کے متعلق جن میں صرف حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کا ذکر ہے یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا جب آپ ﷺ کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی تھی کہ تمام انبیاء حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کی طرح ہیں (اور شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہیں) یعنی اس بات کی خبر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بعد میں دی)۔ (بحوالہ سیرتِ حلبیہ جلدِ اول)

گذشتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا کوئی بھی بچہ پیدائش کے وقت شیطان کے کچوکوں سے محفوظ نہیں رہتا۔ مگر ان روایتوں سے قاضی بیضاوی کے بیان کی تردید ہوتی ہے جس میں انہوں نے ایک حدیث ہی کہ بنیاد پر (شیطان سے محفوظ رہنے کے متعلق لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس ہم بستری کے لئے جائے اور یہ دعا پڑھے'' اللھم جَنِّبْنَا الشَّیطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیطَانَ مَارَزَقتنَا.
''یعنی اے اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھئے اور جو کچھ تو ہمیں عطا فرمائے اس سے شیطان کو دور رکھیے۔'' اگر اس ہم بستری کے نتیجے میں ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا تو شیطان کبھی اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

(اس حدیث سے ایک طرف تو معلوم ہوا کہ ہم بستری کے وقت یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اس طرح بچہ شیطان کے کچوکوں اور نقصان پہنچانے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ جب کہ پچھلی احادیث سے معلوم ہوا تھا کہ کوئی بچہ شیطان سے محفوظ نہیں رہتا۔ اس کا محدثین یہ جواب دیتے اس سے مراد ہے کہ صرف وہ بچہ (جس کے حمل کے وقت یہ دعا پڑھی گئی تھی) محفوظ رہے گا اس کے علاوہ دوسرے بچے محفوظ نہیں رہیں گے (گویا قدرت کا اصول تو یہی ہے کہ ہر بچے کو شیطان پریشان کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس سے بچاؤ کی تدبیر اور علاج بھی بتلا دیا ہے جو یہی دعا ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے)۔

پچھلے صفحات میں گزرنے والی حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ شیطان آنحضرت ﷺ کے قریب نہیں پہنچ سکتا تھا (کیونکہ حضرت جبرائیلؑ نے اس کو ٹھوکر مار کر دور کر دیا تھا) حالانکہ حافظ ابن حجرؒ کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو رات تک دودھ نہیں پیا تھا کیونکہ جنات میں سے ایک عفریت نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اس روایت کو صحیح مان لینے کی صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے خاص طور پر ابلیس کو ہی آنحضرت ﷺ کے قریب آنے سے روکا گیا ہو (جبکہ آپ ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھنے والا ابلیس نہیں بلکہ جنات میں سے ایک عفریت تھا)

کتاب کشاف کے مصنف نے (بچے کو شیطان کے) چھونے اور کچو کے مارنے کے متعلق کہا ہے کہ اس سے مراد اصل معنی مراد نہیں ہیں (کہ شیطان سچ مچ بچے پر ہاتھ پھیرتا اور کچو کے لگاتا ہے) بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان کو اس بات کا لالچ اور تمنا ہوتی ہے کہ وہ اس کو ورغلا لے۔ یہی رائے قاضی بیضاوی کی بھی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش کے فوراً بعد کا رونا اس لئے نہیں ہوتا کہ شیطان اس کو کچو کے لگاتا ہے۔

(بچہ کے اسی رونے کے سبب کے متعلق) شیخ محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ دراصل ہر انسان کو جنت میں پہنچنے تک کچھ نہ کچھ تکلیف اور سختی سے ضرور گزرنا پڑتا ہے۔ مثلاً مرنے کے بعد برزخ میں پہنچنے سے بھی اسے مشقت و تنگی پیش آتی ہے۔ اس مشقت اور تنگی کا کم سے کم درجہ (قبر میں) منکر نکیر کے سوالات ہوتے ہیں (جو ایک امتحان اور آزمائش ہوتی ہے اور ہر امتحان اور آزمائش میں انسان کو مشقت اور تنگی محسوس ہوتی ہے) پھر جب وہ حساب کتاب کے لئے دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس میں بھی اسے اپنے یا دوسرے کے خوف کی ہی تکلیف اور مشقت ہوگی۔ چنانچہ دنیا میں آنے کے بعد بچے کو جو سب سے پہلا صدمہ اور تکلیف ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ چیخ چیخ کر روتا ہے اس کو ماں کے رحم اور اس کی (آرام دہ) گرماہٹ سے جدائی کا صدمہ ہوتا ہے کیونکہ رحم سے باہر آنے کے بعد اس کو ہوا لگتی ہے جس سے اسے تکلیف دہ ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اور وہ رونے لگتا ہے۔ اب اگر وہ (اسی وقت اس ٹھنڈک کی تکلیف سے) مر گیا تو گویا (اتنے تھوڑے وقت کے لئے دنیا میں آنے کے باوجود) اس کو دنیا کی بلاؤں اور مصیبتوں میں سے اسے اس کا حصہ مل گیا۔ اس کے بعد علامہ ابن عربیؒ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں (جس میں حضرت عیسیٰؑ نے اپنے متعلق کہا ہے) "وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ" (پ سورہ مریم ع۲)

ترجمہ: اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

کہ اس کے معنی یہ ہیں کی اس شیطان سے حفاظت اور بچاؤ جو بچے کی پیدائش کے وقت اس کے کچوکے لگانے پر متعین ہے جبکہ باہر آجانے کے بعد اس کے کچوکوں سے چیختا ہے (چنانچہ اسی حفاظت اور سلامتی کی وجہ سے وہ شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہے اور) روئے نہیں کہ جب وہ ماں کے پیٹ سے باہر آئے تو زمین پر آکر اللہ کے حضور میں سجدہ کی حالت میں واقع ہوئے۔

اب علامہ ابن عربی کی یہ بات قابل غور ہوگئی کیونکہ اسی قول کے شروع میں وہ یہ کہہ چکے ہیں کہ پیدائش کے وقت بچے کے رونے کا سبب یہ ہے کہ اس کو ماں کے رحم اور اس کی آرام دہ گرمی سے جدائی کا صدمہ ہوتا ہے اور ادھر وہ ٹھنڈک کی تکلیف محسوس کرتا ہے (جب کہ آخر میں وہ حضرت عیسیٰؑ کے نہ رونے کا سبب بتلاتے ہیں کہ وہ شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہے تھے۔ اس طرح یہ دونوں باتیں ایک دوسرے خلاف ہوگئیں)۔

علامہ ابن عربیؒ نے اپنے اس قول میں کہا ہے کہ عیسیٰؑ ماں کے پیٹ سے نکل کر سجدے کی حالت میں زمین پر واقع ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا پیدائش کے بعد سجدے کی حالت میں زمین پر واقع ہونا صرف آپ کی خصوصیات میں سے نہیں تھا واللہ اعلم۔

بہر حال اصل بیان یہ چل رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت دنیا کے بت اوندھے ہوکر گر پڑے تھے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قریش کی ایک جماعت جس میں ورقہ بن نوفل۔ زید ابن عمر نفیل اور عبداللہ بن جحش بھی تھے ایک بت کے پاس آیا کرتے تھے، جس رات میں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے اس رات میں جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ بت اوندھے منہ پڑے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ بات بہت بری لگی اور انہوں نے جلدی سے اس کو اٹھا کر سیدھا کیا مگر پھر اسی طرح بالکل الٹا ہوکر گر گیا۔ انہوں نے پھر تیسری دفعہ اس کو سیدھا کیا مگر وہ بت تیسری دفعہ بھی اوندھا ہوکر گر گیا۔ (اب ان لوگوں کو یہ بات اہم معلوم ہوئی) انہوں نے کہا کہ یہ تو کوئی نئی بات معلوم ہوتی ہے۔ پھر ان

لوگوں میں سے ایک نے کچھ شعر پڑھے جس میں اس بت سے خطاب تھا اور اس کی حالت پر حیرانی ظاہر کی گئی تھی (ان شعروں میں پڑھنے والے نے) اس بت سے اس کے اوندھے ہونے کا سبب پوچھا تھا۔ اچانک اس نے سنا کہ اس کے پیٹ سے ایک آواز آرہی ہے اور کوئی کہنے والا بلند آواز سے یہ کہہ رہا ہے کہ۔

تروی لمولود اضاءت بنوره جمیع فجاج الارض بالشرق والغرب

ترجمہ: ایک ایسے بچے کی پیدائش کی خبر ہے جس کے نور سے مشرق اور مغرب میں زمین کے تمام گوشے منور ہو گئے ہیں۔

اس واقعے کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے:

وتوالت بشری الهواتف ان قد ولد المصطفیٰ وحق الهناء

یعنی پکارنے والوں کی (مراد ایسا شخص جسکی آواز سنائی دے مگر بولنے والا نظر نہ آئے) یہ خوشخبریاں مسلسل ہیں کہ بے شک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پیدا ہو گئے ہیں جو دنیا کی ساری مخلوق میں پسندیدہ اور منتخب ترین انسان ہیں اور اس خوشخبری یعنی آپ ﷺ کی ولادت کے نتیجے میں ساری مخلوق کے لئے خوشی اور مسرت ظاہر ہوئی۔

(اسی طرح آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت جو عجیب واقعات پیش آئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ) آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی رات میں کعبے میں زلزلہ آیا اور تین دن اور تین رات تک ہلتا رہا (جو اس بات کی علامت تھی کہ کعبے جیسی عظیم مقدس جگہ جس کو کفار نے بتوں کا اڈا بنا رکھا تھا اس کو بتوں سے پاک کرنے اور اس کا احترام کرنے کا وقت آگیا) آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی علامتوں میں یہ پہلی علامت تھی جس کو قریش نے دیکھا (اسی کے ساتھ ساتھ آپ کی پیدائش کے وقت) کسریٰ نوشیرواں (یعنی ایرانی سلطنت کے شہنشاہ) کا محل ہلنے لگا اور اس میں شگاف پڑ گئے۔

نوشیرواں کے معنی ہیں مجدّد ملک یعنی نئے سرے سے سلطنت بنانے والا۔ نوشیرواں کا یہ محل ایک نہایت مضبوط اور مستحکم عمارت تھی جو بڑے بڑے پتھروں اور چونے

سے بنائی گئی تھی اور اس میں کہیں بھی کوئی کمزور چیز استعمال نہیں کی گئی تھی (مگر اس کے باوجود آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت آگ کے پجاری کا یہ محل تنکے کی طرح لرز کر پھٹ گیا جس سے پوری سلطنت میں دہشت پھیل گئی) نوشیرواں اس محل میں تقریباً بیس سال تک رہا۔ اس محل کے پھٹنے کی بڑی زبردست اور خوفناک آواز ہوئی اور اس کے بعد اس کے چودہ کنگورے ٹوٹ کر گر گئے۔ یہ شگاف عمارت کی کسی کمزوری اور خامی کی وجہ سے نہیں پیدا ہوئے تھے (کیونکہ یہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ ایک نہایت مضبوط اور پتھر کی عمارت تھی) بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ یہ عمارت کی پھٹن اس کے نبی کی ایک نشانی بن کر دنیا میں (ایک طویل عرصہ تک) باقی رہے۔

(بعد میں جو اس محل کا انجام ہوا اس کے متعلق کہتے ہیں) کہا جاتا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے یحییٰ ابن خالد برمکی کو جو جعفر اور فضل برمکی کا باپ تھا حکم دیا کہ کسریٰ کے اس محل کو ڈھا دیا جائے۔ یحییٰ نے کہا کہ اس عمارت کو مت گرائیے جو اپنے بنانے والی (یعنی کسریٰ نوشیرواں) کی عظمت کا نشان ہے (یحییٰ ابن خالد برمکی خود اصل میں ایرانی تھا اس لئے اس نے اپنے ملک کے ایک پچھلے بادشاہ کی نشانی کو ڈھانے سے خلیفہ کو روکنا چاہا۔ ہارون رشید نے اس بات کو سمجھ لیا اس لئے اس نے طنزیہ انداز میں) کہا کہ کیوں نہیں اے مجوسی (یعنی آگ کو پوجنے والے) اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کے فرمان کی تعمیل کی جائے۔ آخر یحییٰ ابن خالد نے اس محل کو ڈھانے کا جو خرچہ آتا تھا وہ خلیفہ کو پیش کیا۔ خلیفہ ہارون رشید کو یہ خرچہ زیادہ معلوم ہوا (اور اس نے اس کا اظہار کیا تو یحییٰ نے خلیفہ پر طنز کرتے ہوئے) کہا کہ آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ آپ اس عمارت کو ڈھانے سے بھی عاجز ہوں جس کو آپ ہی جیسے ایک بادشاہ نے بنوایا تھا۔ (یہاں تک خلیفہ ہارون رشید سے متعلق واقعہ ہے)۔

مگر (اس واقعہ کے برخلاف) بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ خلیفہ منصور نے جب بغداد شہر کی تعمیر کی تو اس نے چاہا کہ کسریٰ کے اس محل کو ڈھا کر وہاں شہر بسائے کیونکہ بغداد

اور کسریٰ کے اس محل کے درمیان ایک دن کا فاصلہ تھا (یعنی مسافر ایک دن میں جتنا فاصلہ چلتا ہے) چنانچہ اس بارے میں اس نے خالد ابن برمک سے مشورہ کیا جو اس کا وزیر تھا۔ خالد نے خلیفہ کو اس ارادہ سے روکا اور کہا:

یہ اسلام کی ایک نشانی ہے (کیونکہ آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتھ ہی اس میں شگاف پڑ گیا تھا) ہر دیکھنے والا اسے دیکھ کر جان لے گا کہ جس کا یہ محل ہے اس کا معاملہ (عبرت کی چیز بن کر دنیا کے سامنے) موجود ہے۔ پھر یہ کہ یہاں حضرت علیؓ نے نماز پڑھی ہے۔ اور اس کے ڈھانے پر جو خرچہ آئے گا وہ اس کی تعمیر سے بھی زیادہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ خلیفہ منصور اور اس کے پوتے خلیفہ ہارون دونوں نے (اپنے اپنے زمانے میں) اس محل کو ڈھانے کا ارادہ کیا ہو۔ (جب خلیفہ ہارون رشید نے اس محل کو ڈھانے کا ارادہ کیا تھا اور اس کے وزیر یحییٰ ابن خالد برمکی نے اس کو اس سے روکا تو خلیفہ نے یحییٰ کو مجوسی یعنی آتش پرست کہہ کر پکارا تھا حالانکہ وہ مسلمان تھا۔ اس کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے مصنف سیرتِ حلبیہ کہتے ہیں) خلیفہ ہارون رشید نے یحییٰ کو مجوسی اس لئے کہا تھا کہ اس کا دادا یعنی خالد برمکی کا باپ برمک اصل میں خراسان کا رہنے والا تھا اور شروع میں وہ مجوسی یعنی آگ کو پوجنے والا تھا پھر بعد میں مسلمان ہوگیا۔ وہ ایک نہایت ہوشمند اور عقلمند، لکھنے والا (یعنی فرمان اور تحریر مرتب کرنے والا) تھا اور بہت سے علم جانتا تھا۔ یہ برمک بنی امیہ کی سلطنت کے زمانے میں ملک شام میں آگیا تھا اور عبدالملک ابن مروان کے خاص اور مقرب لوگوں میں شامل ہوگیا تھا۔ یہاں اس کو ترقی کے بہت اچھے مواقع ملے اور اس کی حیثیت دربارِ شاہی میں بہت بڑھ گئی۔ اس کے بعد جب بنی امیہ کی سلطنت ختم ہوگئی اور بنی عباس کی خلافت کا زمانہ آگیا تو یہ برمک (بنی عباس کے پہلے خلیفہ) سفاح کا وزیر بن گیا۔ پھر سفاح کے بعد اس کے بھائی یعنی بنی عباس کے دوسرے خلیفہ منصور کا وزیر بن گیا۔ (جستہ جستہ از سیرت حلبیہ ج اول)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۳۷

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی تمام انبیاءؑ سے زیادہ غیب کی خبریں عطا فرمائیں

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ سینتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی تمام انبیاءؑ سے زیادہ غیب کی خبریں عطا فرمائیں" اور بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس تیرے محبوب پیغمبر ﷺ کے مبارک روضہ پر بیٹھ کر تیرے محبوب ﷺ کی خصوصیت پر کام کرنے کی اس گناہ گار کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور اور آخر میں نجات کا ذریعہ بنا، آمین۔

بہر حال محترم قارئین! منجملہ خصوصیات میں یہ بھی ہمارے نبی ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کے مقابلے میں ہمارے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی سب سے زیادہ غیب کی خبریں عطا فرمائیں، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کے طور پر کچھ واقعات پیش کیے جارہے ہیں، البتہ یہ وضاحت آنے والے اوراق میں بھی کی جائے گی اور یہاں بھی کی جارہی ہے کہ اس پر ہمارا پختہ ایمان ہے کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں، حتیٰ کہ تمام نبی اور ہمارے نبی ﷺ کے پاس بھی غیب کا علم نہیں، عالم الغیب ذات صرف اور صرف خدا کی ذات ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے فضل سے کسی نبی کو غیب کی کچھ کچھ خبریں عطا فرمادیں تو الگ بات ہے، بالکل اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہت سی غیب کی خبریں عطا فرمائیں تھیں، تو چونکہ وہ غیب

کی خبریں دیگر انبیاءؑ کے مقابلے میں ہمارے نبی ﷺ کو کثیر تعداد میں ملی اس لئے اسے ہم نے آپ ﷺ خصوصیت قرار دیا، علاوہ ازیں مزید وضاحت آنے والے اوراق میں آ رہی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے آمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

سینتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

سب سے پہلے یہ ایک ضروری بات سمجھ لی جائے کہ قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار بے نقاب کیا ہے کہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی اور کو نہیں۔" چنانچہ قرآن مجید میں اس معنی کی بکثرت آیتیں ہیں اور ان کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کی صفت سے خدا کے سوا کسی اور کو متصف نہیں کیا جا سکتا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰہِ کہدے (اے پیغمبر) کہ غیب تو خدا ہی کے لئے ہے۔ اور فرمایا قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ (نمل) کہدے (اے پیغمبر) کہ خدا کے سوا آسمان وزمین میں کوئی غیب نہیں جانتا۔

یعنی خدا کے سوا کسی مخلوق کو غیب کا ذاتی علم نہیں اور نہ غیب کی باتیں خدا نے آسمان وزمین میں کسی مخلوق کو بتائی ہیں۔ چنانچہ قیامت کے دن تمام انبیاء کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا۔ یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (مائدہ ۱۵)

"جس دن خدا تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا اور کہے گا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا، وہ کہیں گے کہ ہم کو کچھ علم نہیں، غیب کی باتوں کا پورا جاننے والا تو ہی ہے۔"

آنحضرت ﷺ جو اعلم الانبیاء تھے، ان کو یہ اقرار کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ قُلْ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰہِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ (انعام ۵) "کہدے اے پیغمبر! کہ میں نہیں کہتا کہ خدا کے تمام خزانے میرے قبضے میں ہیں اور یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں نہیں

جانتا"

اور فرمایا کہ قُلْ لَا اَمْلِکُ لِنَفْسِی نَفْعاً وَّلَاضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَلَو کُنتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَا سْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیرٌ وَّبَشِیرٌ لِّقَومٍ یُّؤْمِنُوْن۔

"کہدے (اے پیغمبر) کہ میں اپنے آپ کے لئے کسی نفع وضر پر قادر نہیں ہوں لیکن یہ کہ جو خدا چاہے، اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو بہت سے فائدے اٹھالیتا اور مجھ کو کبھی مصیبت پیش آتی لیکن میں تو ایماندار قوم کو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔"

ان آیتوں نے صاف کھول دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نہ غیب کا ذاتی علم تھا اور نہ تمام غیب کی باتیں آپ ﷺ کو بتائی گئی تھیں۔ البتہ خدا تعالیٰ نے اپنے علم میں سے جو کچھ چاہا اور پسند کیا۔ آنحضرت ﷺ کو وقتاً فوقتاً اس سے مطلع فرماتا رہا۔ چنانچہ صاف ارشاد ہوا وَلَایُحِیطُونَ بِشَیٔ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَاشَآءَ (بقرہ۔۳۴) "وہ (یعنی مخلوقاتِ الٰہی) خدا کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے لیکن اتنے کا جتنے کا خدا چاہے۔

سورہ جن میں فرمایا فَلَایُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحدًا . اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ. (جن۔۲)

"اللہ تعالیٰ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا، لیکن اس پیغمبر پر جس کو پسند کرے" دوسرے جگہ سورہ آل عمران میں فرمایا وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُم عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِی مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآء . 'اور خدا غیب کی باتیں تم کو بتا نہیں سکتا لیکن وہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے (اس کے لئے) چن لیتا ہے۔"

امور غیب میں سے قیامت کے متعلق تصریح کر دی گئی ہے کہ اس کا علم کسی کو عطا نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسَاھا. قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّی لَا یُجَلِّیْھَا لِوَقْتِھَا اِلَّاھُوَ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاتَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَۃً یَسْئَلُوْنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْھَا ، قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَاللّٰہِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْن . (اعراف)

(اے پیغمبر) لوگ تجھ سے قیامت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کب لنگر انداز ہوگی؟ کہدے کہ اس کا علم تو صرف میرے پروردگار ہی کو ہے۔ وہی اپنے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا۔ وہ وقت آسمان وزمین پر بڑا بھاری ہوگا، وہ دفعتہً آجائے گا، تجھ سے وہ قیامت کا حال اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا تجھے معلوم ہے اور تو چھپاتا ہے کہدے کہ اس کا علم صرف خدا ہی کے پاس ہے لیکن اکثر آدمی نہیں سمجھتے۔"

صحاح میں جبرائیلؑ کے ایک مسافر کی صورت میں آنے کی جو روایت ہے اور جس میں انہوں نے ایمان، اسلام اور احسان کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوالات پوچھے ہیں اور آپ ﷺ نے ان کو جوابات دیئے ہیں۔ اس کے آخر میں وہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہو گی؟ اس کے جواب میں انحضرت ﷺ فرماتے ہیں: مَاالْمَسْئُو لُ عَنهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وساحدثک عن اشر اطها. (کتاب الایمان مسلم و بخاری)

جس سے پوچھتے ہو وہ پوچھنے والے سے اس باب میں زیادہ علم نہیں رکھتا، ہاں میں اس کی علامتیں بتاؤں گا۔"

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ جو تم سے یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ غیب کی باتیں جانتے تھے وہ جھوٹا ہے، قرآن نے صاف کہہ دیا ہے: وَمَاتَدرِی نَفسٌ مَّاذَا تَکسِبُ غَدًا "کسی نفس کو یہ علم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا۔"

ایک دفعہ چند لڑکیاں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھی کچھ گا رہی تھیں، گاتے گاتے ایک نے ان میں سے کہا: وَفِینَا نَبِیٌّ یَعلَمُ مَا فِی غَدٍ. "ہم میں سے ایک نبی ہے جو کل کی ہونے والی بات جانتے ہیں۔"

آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انحضرت ﷺ نے فرمایا غیب کی کنجی پانچ باتیں ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ اللّٰهَ عِندَهٗ عِلمُ السَّاعَة. وَیُنَزِّلُ الغَیثَ، وَیَعلَمُ مَافِی الأَرحَام. وَمَاتَدرِی نَفسٌ مَّاذَا تَکسِبُ غَدًا. وَ مَاتَدرِیْ نَفسٌ بِاَیِّ اَرضٍ تَمُوت. (لقمان۔۴)

خدا ہی کے پاس اس آنے والی گھڑی کا علم ہے، وہی پانی برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟ اور نہ یہ جانتا ہے کہ کس سرزمین میں وہ مرے گا۔"

یہی روایت بخاری کے دوسرے باب میں اس طرح ہے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ حاملہ عورت کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی اور نہ خدا کے سوا کوئی یہ جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا اور نہ خدا کے علاوہ کسی کو اس کا علم ہے کہ پانی کب برسے گا اور نہ بجز خدا کے کسی کو اس کی خبر ہے کہ وہ کہاں مرے گا؟

چنانچہ معلوم ہوا کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں البتہ ان مخصوص باتوں کے علاوہ جن کا علم صرف عالم الغیب کو ہے، اپنے غیب کی باتوں میں جن باتوں کو وہ مناسب سمجھتا تھا، آنحضرت ﷺ کو وقتاً فوقتاً ان کی اطلاع دیتا تھا۔ سورہ ہود میں بعض انبیاء کے تذکرے کے بعد خدا فرماتا ہے تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ (ہود ۔) "یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں، نہ تو ان کو جانتا تھا اور نہ تیری قوم جانتی تھی۔"

خود آنحضرت ﷺ کے متعلق ارشاد ہوا: وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ. (تکویر۔۱)

"یعنی آپ کو امور غیب میں سے جس کی تعلیم دی جاتی ہے آپ اپنی امت کو اس کے بتانے میں بخل نہیں فرماتے"

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں سورج کو گرہن لگا تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کے ساتھ نماز کسوف ادا فرمائی تھی اور نماز کے بعد ایک نہایت بلیغ و مؤثر خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا: یا امة محمد و الله لو تعلمون ما علمتُ لضحكتم قليلاً ولبكيتم كثيراً (صحیح بخاری) "اے گروہ محمد! خدا کی قسم! اگر تم جانتے ہوتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے بہت زیادہ" ایک دفعہ نماز کے بعد آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا "تم دیکھتے ہو کہ میرا رخ ادھر ہے، لیکن خدا کی قسم مجھ سے (نماز میں) تمہارا خشوع اور نہ

تمہارا رکوع پوشیدہ رہتا ہے میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں'' دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اِنّی لأرَاکُم مِن وَرَائِی کَمَا أرا کُم . (بخاری) ''میں جس طرح تم کو دیکھ رہا ہوں اسی طرح میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔''

احادیث میں متعدد صحابہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے بعض صاحبوں نے کچھ سوالات کئے جن کو آپ ﷺ نے پسند نہیں کیا، آپ ﷺ کو جوش آ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا سلُو نِی عَمَّاشِئتُم (جو چاہو مجھ سے دریافت کرلو) ایک شخص نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا ''حذافہ'' دوسرے نے اٹھ کر کہا اور میرے باپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا ''سالم غلام شیبہ'' اور بار بار آپ ﷺ فرماتے جاتے تھے، ''پوچھو مجھ سے پوچھو مجھ سے'' یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہم کو اللہ اپنا پروردگار محمد اپنا رسول اور اسلام اپنا دین پسند ہے۔

صحابہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھ کر تقریر شروع کی، یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا، ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر عصر تک پھر تقریر کی، اس کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔ اس سے فارغ ہو کر غروب آفتاب تک پھر تقریر کا سلسلہ جاری رہا۔ اس طویل خطبہ میں آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا یعنی آغاز آفرینش سے لے کر قیامت تک کے واقعات، پیدائش عالم، علامات قیامت، فتن، حشر ونشر سب کچھ سمجھایا، صحابہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ بہت کچھ بھول گئے، بعضوں کو بہت کچھ یاد ہے ان واقعات میں سے کوئی واقعہ پیش آ جاتا ہے تو ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی شخص کی صورت ذہن سے اتر جاتی ہے، پھر اس کو دیکھ کر یاد آ جاتی ہے۔ بہر حال اس طرح کے چند اور واقعات ہم ذیل میں بیان کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

آپ ﷺ کا دوسروں کے سوال خود ہی بتا کر جواب دینا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ

مسجد منیٰ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دو اشخاص ایک انصاری اور ایک ثقفی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ ہم کچھ پوچھنے آئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا "میں بتاؤں جو تم پوچھنے آئے ہو یا تم خود ہی کہو گے" انہوں نے عرض کی۔ "آپ ہی ارشاد فرمائیے" حضور ﷺ نے فرمایا "تم یہ پوچھنے آئے ہو کہ ہم جو اپنے گھر سے بقصد خانہ کعبہ آئے ہیں ہمیں کتنا ثواب ہے اور بعد طواف کے دو رکعتوں کا کیا ثواب ہے اور صفا و مروہ کے درمیان طواف کا کتنا ثواب ہے اور وقوف عرفات کا کیا ثواب ہے اور قربانی کرنے کا کتنا ثواب ہے اور رمی جمار کا کیا ثواب ہے" ان دونوں نے عرض کی۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہم یہی باتیں پوچھنے آئے تھے۔ (بحوالہ طبرانی)

آپ ﷺ کا غائبانہ واقعہ کا حال بتانا

حضرت صہیب ؓ بن سنان جو صہیب رومی کر کے مشہور ہیں، جس شب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی، انہوں نے بھی ہجرت کرنی چاہی لیکن کفار نے ان کو روک دیا، وہ رات بھر کھڑے رہے اور بیٹھنے کا نام نہیں لیا۔ کفار نے ان کی اس حالت کو دیکھ کر کہا کہ چلو اس کو تو پیٹ کے عارضہ نے خود ہی مجبور کر دیا ہے، یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ انہوں نے نگہبانوں سے اپنے کو آزاد پا کر مدینہ کا راستہ لیا۔ کافروں نے ان کو پکڑ لیا۔ آخر کچھ زر و نقد دے کر ان سے رہائی حاصل کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھتے کے ساتھ فرمایا "اے ابو یحییٰ! تمہاری خرید و فروخت بڑے نفع کی رہی۔ حضرت صہیب ؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھ سے پہلے کوئی یہاں آیا نہیں جو اس راز کی آپ کو خبر دیتا؟ یہ یقیناً آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا۔ مستدرک حاکم

آپ ﷺ کا گمشدہ اونٹنی کی خبر دینا

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی۔ آپ ﷺ نے اس کی بہت تلاش کرائی لیکن نہ ملی۔ اس پر منافقین چہ میگوئیاں کرنے لگے ایک منافق زید بن لیب کہنے لگا محمد ﷺ کہتے ہیں میں غیب کی خبریں جانتا ہوں لیکن وہ اپنی گمشدہ اونٹنی کا حال نہیں جانتے سرور

کائنات کو ان باتوں کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا میں دعوے نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں لیکن اللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ اونٹنی فلاں گھاٹی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے۔ لوگ دوڑتے ہوئے اس گھاٹی میں پہنچے تو اونٹنی کو اسی طرح پایا جیسا حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ (بیہقی)

آپ ﷺ کا پوشیدہ خط کا حال جان لینا

رسول اکرم ﷺ نے فتح مکّہ کا قصد فرمایا تو اس بات کا خاص التزام فرمایا کہ قریش مکّہ کو مسلمانوں کے عزائم کی خبر نہ ہونے پائے۔ تمام صحابہؓ کو حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ اپنے ارادوں کی اطلاع کسی کو نہ دیں۔ ایک بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے اہل وعیال مکّہ میں تھے۔ ان کی سلامتی کے خیال سے انہوں نے بتقاضائے بشری کفار مکّہ کو مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر دینی چاہی اور ایک خط قریش مکّہ کے نام لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ مخفی طور پر روانہ کیا۔ جس دن یہ عورت مدینہ سے روانہ ہوئی۔ حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو بلا کر حکم دیا کہ تم روضہ خاخ تک جاؤ وہاں ایک عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے۔ وہ خط اس سے لے آؤ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم تینوں گھوڑے دوڑاتے وہاں پہنچے اور عورت کو وہاں پایا۔ ہم نے کہا خط نکال دے۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا خط نکال دے ورنہ ہم تیری تلاشی لیں گے۔ چنانچہ اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے خط نکال کر دیا۔ یہ خط اگر قریش مکّہ کو پہنچ جاتا تو مسلمانوں کے لئے مہیب خطرے پیدا ہو سکتے تھے۔ حضور نے حضرت حاطبؓ کو بلا بھیجا اور اس حرکت کا سبب پوچھا انہوں نے کہا کہ میں قریش مکّہ کو یہ اطلاع بھیج کر احسان کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ میرے بیوی بچوں کو تکلیف نہ دیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اجازت دیں تو میں حاطب کی گردن اڑا دوں کہ اس نے یہ منافقانہ حرکت کیوں کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا "نہیں بدریوں پر اللہ تعالیٰ نے خاص

مہربانی کی ہے اور ان کی سب خطائیں معاف کر دیں ہیں۔ (صحیحین)

آپ ﷺ کو بنونضیر کی سازش کی اطلاع کا ہو جانا

یہود بنو نضیر کھل کر تو مسلمانوں کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے لیکن در پردہ وہ ہادی اکرم ﷺ کے سخت دشمن تھے۔ ایک دفعہ حضور ﷺ چند صحابہؓ کے ساتھ ایک ضروری کام کے لئے بنو نضیر کے قلعہ میں تشریف لے گئے۔ بدبخت یہودیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ حضور ﷺ کو شہید کرنے کا بہترین موقع ہے چنانچہ سازشیوں میں سے ایک شخص اس دیوار پر چڑھ گیا جس کے نیچے حضور ﷺ کھڑے تھے۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ ایک بھاری پتھر آپ ﷺ پر پھینک دے تاکہ آپ ﷺ اس کے نیچے دب کر شہید ہو جائیں حضور ﷺ کو عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے اس سازش کی اطلاع دے دی اور آپ ﷺ فوراً اس جگہ سے ہٹ گئے۔

سورۂ مائدہ کی اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ

(اے مسلمانو یاد کرو اللہ کے اس احسان کو جو اس نے تم پر کیا کہ جب ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا قصد کیا تو خدا نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں)۔ (سورہ مائدہ۔ ع ۲)

آپ ﷺ کا صحیفہ کے بارے میں بن دیکھے خبر دینا

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں زہری سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے قریش کو خبر دی کہ کیڑے نے سوائے اللہ کے نام کے بالکل عبارت اس صحیفے کی کھا کر ختم کر دی ہے جسمیں قریش نے عہد لکھا تھا کہ بنی ہاشم کی عداوت پر مضبوط رہیں اور ان سے برادری بالکل چھوڑ دیں سو قریش نے اس صحیفے کو دیکھا تو ویسا ہی پایا جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی۔

فائدہ بعد نبوت آنحضرت ﷺ کے جبکہ اسلام مکہ معظمہ میں شائع ہوا اور مذمت بتوں کی برملا ہوئی کافران قریش کو بہت رنج ہوا اور مسلمانوں پر انہیں بہت قہر آیا تب انہوں

نے آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا اس بات پر ابو طالب اور بنی ہاشم راضی نہ ہوئے تب انہوں نے کہا یا محمد ﷺ کو ہمارے حوالہ کر دو یا تم سب کے سب ہم سے علیحدہ ہو کر گھاٹی میں جا رہو اور ہماری تمہاری برادری کا بائیکاٹ نہ ساتھ کھانا اور نہ ساتھ پینا اور نہ ہم تم کسی مجلس میں اکھٹے ہوں ابو طالب اور بنی ہاشم نے اس بات کو قبول کر لیا اور سب کے سب شعب ابی طالب میں جا رہے اور کفار قریش نے ایک عہد نامہ مضمون قطع برادری کا اور استحکام عدوات کا بنی ہاشم کے ساتھ لکھ کے کعبہ میں لٹکا دیا اور یہاں تک عدوات پر مستعد ہوئے جو کوئی گاؤں کا آدمی غلہ یا کچھ چیز بیچنے کو لاتا اس کو منع کر دیتے کہ بنی ہاشم کے ہاتھ نہ بیچے تین برس اسی طرح پر آنحضرت ﷺ نے اس شعب میں بسر کئے اور بڑی تکلیف اٹھائی دریں اثنا اللہ جل جلالہ نے آنحضرت ﷺ کو اس بات سے مطلع کیا کہ اس عہد نامے کو دیمک کھا گئی ہے جہاں کہیں اس میں نام اللہ کا تھا اس کو دیمک نے چھوڑ دیا ہے اور باقی سب کھالیا ہے آپ ﷺ نے اس بات سے ابو طالب کو مطلع کیا اور ابو طالب قریش کے پاس گئے اور اس نے کہا کہ محمد ﷺ نے مجھے خبر دی ہے تم اس عہد نامے کو منگوا کر دیکھو اگر یہ بات جھوٹی نکلے تو ہم محمد ﷺ کو تمہارے حوالے کر دیں گے اور اگر سچی ہو تو تم ہماری تکلیف دہی سے باز آ جاؤ اور ہمیں شعب سے نکلنے دو انہوں نے وہ صحیفہ منگوا کر دیکھا تو واقعی جہاں کہیں اللہ کا نام تھا وہ باقی تھا اور باقی دیمک نے کھا لیا تھا تب وہ نادم ہوئے اور بنی ہاشم سے کہا کہ تم شعب سے نکل آ ؤ۔ (بحوالہ نسیم الریاض)

آپ ﷺ کا دل کا حال جان لینا

حضرت حذیفہؓ ایک دفعہ کئی دن تک رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ ان کی والدہ کو معلوم ہوا تو وہ ناراض ہوئیں کہ تم اتنے دن تک حضور ﷺ کی خدمت میں کیوں حاضر نہیں ہوئے انہوں نے ندامت کا اظہار کیا اور کہا کہ آج دربار نبوت میں حاضر ہو کر اپنی اور آپ کی بخشش کی دعا کراؤں گا۔ چنانچہ وہ مغرب کی نماز میں جا کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عشاء کی نماز کے بعد حضور ﷺ مسجد سے نکلے تو حضرت حذیفہ بھی

پیچھے پیچھے چلنے لگے حضور ﷺ نے آواز پہچان کر فرمایا ''کون حذیفہ، خدا تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت کرے۔'' اس طرح حضور ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کے درخواست کرنے سے پہلے ہی ان کی خواہش پوری کردی۔ (بحوالہ جامع ترمذی)

آپ ﷺ کا زہر آلود گوشت کا حال جان لینا

غزوہ خیبر میں ایک یہودیہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں دعوت کی اور گوشت میں زہر ملا دیا۔ حضور ﷺ چند صحابہؓ کے ہمراہ اس کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ نے پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ صحابہؓ سے فرمایا کہ ہاتھ روک لو۔ اس گوشت میں زہر ملایا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے خیبر کے تمام یہودیوں کو جمع کر کے پوچھا کیا تم نے اس عورت سے سازش کر کے اس گوشت میں زہر ملایا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں، لیکن آپ ﷺ کو کیسے معلوم ہوا آپ ﷺ نے فرمایا کہ بکری کے اس دست نے مجھ سے کہا۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے بعض یہودیوں سے ان کے باپ کا نام پوچھا انہوں نے غلط بتایا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم جھوٹے ہو تمہارے باپ کا اصل نام یہ ہے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ واقعی حضور ﷺ نے درست فرمایا (بحوالہ سنن ابی داؤد)

آپ ﷺ کا نجاشی کی وفات کا اطلاع دینا

بخاری و مسلم میں ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے نجاشی بادشاہ حبشہ کی وفات کی اسی دن خبر دی جس دن وہ مرا اور آپ ﷺ عیدگاہ کی طرف اصحاب کے ساتھ گئے اور صف باندھ کے نجاشیؒ کی نماز جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں فرمائیں۔

فائدہ...... نجاشی لقب تھا بادشاہ ملک حبشہ کا جو وہاں بادشاہ ہوتا اسے نجاشی کہتے اس نجاشی کا نام اصحمہ تھا نصرانی مذہب تھا آپ ﷺ کا نامہ اسے گیا تب وہ مسلمان ہوگیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ جس پیغمبر کی خبر پچھلی کتابوں میں ہے وہ یہی ہیں اور بہت اعتقاد اور نیازمندی سے پیش آیا اور جب اس نے وفات پائی جناب رسول اللہ ﷺ نے بطور اخبار الغیب کے اس دن اس کی موت کی خبر دی اور غائبانہ اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

فائدہ...... موافق اس حدیث کے شافعیہ نماز جنازے کی غائب پر درست کہتے ہیں اور حنفیہ کہتے ہیں کہ نجاشی کا آنحضرت ﷺ پر منکشف ہو گیا تھا اور غائب کو نجاشیؒ پر قیاس کرنا نہ چاہئے۔

آپ ﷺ کا خفیہ منصوبہ کا راز بتا دینا

عمیر بن وہب اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اور وہ صفوان بن امیہ دونوں خانہ کعبہ میں بیٹھ کر بدر کے مقتولین پر ماتم کر رہے تھے اور بالآخران دونوں میں پوشیدہ طور سے یہ سازش قرار پائی کہ عمیر مدینہ جا کر رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ سے قتل کر آئے اور اگر وہ مارا گیا تو صفوان اس کے تمام قرض اور گھر کے مصارف اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لے گا۔ عمیر یہاں سے اٹھ کر گھر آ گیا اور تلوار کو زہر میں بجھا کر مدینہ کو چل کھڑا ہوا۔ مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھ لیا وہ اس کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ عمیر یہاں کس ارادے سے آئے ہو؟ اس نے کہا اپنے بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔ فرمایا کیوں نہیں: کیا تم نے اور صفوان نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی؟ عمیر یہ راز کی بات سن کر سناٹے میں آ گیا اور اس کو سخت تعجب ہوا اور بے اختیار بول اٹھا کہ محمد ﷺ بے شک تم خدا کے پیغمبر ہو، خدا کی قسم: میرے اور صفوان کے سوا تیسرے کو اس معاملے کی خبر نہ تھی۔ (تاریخ طبری)

آپ ﷺ کا جس رات کسریٰ قتل ہوا اس کی صبح کو اطلاع دینا

بیہقیؒ نے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کے مقتول ہونے کی اس رات کی صبح خبر دی جس رات وہ مارا گیا اور قصہ اس کا یہ ہے کہ جناب رسول اللہ نے جب ۶ ہجری میں اکثر بادشاہوں اور امیروں، گورنروں کو نامے لکھے تو کسریٰ پرویز بادشاہ فارس کو بھی نامہ لکھا اور اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے آپ ﷺ کے خط کو پھاڑ ڈالا اور کہا کہ اپنے نام کو میرے نام سے پہلے کیوں لکھا اور باذان کی جانب سے ملک یمن میں عامل تھا

اس کو لکھا تو دو آدمی چالاک اور تیز اس شخص کے پاس بھیج جو دعویٰ پیغمبری کا کرتا ہے کہ وہ اس شخص کو تیرے پاس لے آئیں سو باذان نے دو آدمی آنحضرت ﷺ پاس مدینہ بھیجے انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے تقریر بے باکانہ کی اور کہا کہ تم کسریٰ کے پاس چلو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم کل آؤ اسی رات میں شیرویہ پرویز کے بیٹے نے پرویز کو مار ڈالا اور آنحضرت ﷺ کو بوحی الٰہی اس بات سے اطلاع ہوئی آپ ﷺ نے ان شخصوں سے بلا کر فرمایا تم چلے جاؤ رات کسریٰ کو شیرویہ نے مار ڈالا وہ پھر گئے اور باذان سے انہوں نے جا کر یہ حال بیان کیا تب باذان نے کہا کہ اگر تصدیق اس امر کی معلوم ہو تو بے شک وہ پیغمبر ہیں اور ان ہی ایام میں نامہ شیرویہ کا بنام باذان بایں مضمون پہنچا کہ پرویز ظالم تھا میں نے اس سبب سے اسکو مار ڈالا اور تم اس شخص سے جو دعویٰ پیغمبری ملک عرب میں کرتا ہے کچھ تعرض مت کرو باذان آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق دریافت کر کے مع دونوں بیٹوں کے مسلمان ہو گیا۔ بحوالہ نسیم الریاض

فائدہ..... کسریٰ نے جب آپ ﷺ کا نامہ مبارک پھاڑ ڈالا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے حق میں بددعا کی کہ الٰہی اسکے خاندان کو پاش پاش کر دے اللہ تعالیٰ نے اس کے خاندان کی سلطنت کو تھوڑے دنوں میں بالکل نیست و نابود کر دیا۔

آپ ﷺ کا لڑائی کے نتیجے کا حال بتانا

مسلمانوں نے ۸ھ میں طائف کا محاصرہ کیا۔ جب محاصرے کو کئی دن گزر گئے تو ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کل ہم انشاء اللہ محاصرہ اٹھا کر کوچ کریں گے۔ اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کی محاصرہ سے طائف کی فتح مقدر نہیں۔ صحابہؓ نے متعجب ہو کر پوچھا۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم فتح حاصل کئے بغیر محاصرہ اٹھالیں۔'' حضور ﷺ نے فرمایا'' اچھا کل پھر قسمت آزمائی کر لو۔ دوسرے دن مسلمان جان توڑ کر لڑے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ شام ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا'' کل انشاء اللہ محاصرہ اٹھا کر کوچ کریں گے۔'' مسلمان اب سمجھ گئے کہ جو بات حضور ﷺ کے علم میں ہے وہ ہم نہیں جانتے چنانچہ

دوسرے دن مسلمان محاصرہ چھوڑ کر عازم مدینہ ہو گئے۔ (صحیحین)

آپ ﷺ کا سینکڑوں میل دور کے واقعات کا دیکھنا

۸ھ میں جنگ موتہ پیش آئی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ موتہ کے حاکم نے اسلامی قاصد کو شہید کر دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حاکم موتہ کی سرکوبی کے لئے لشکر تیار کیا اور اس کا سردار حضرت زید بن حارثہؓ کو مقرر فرمایا۔ لشکر کی روانگی کے وقت حضور ﷺ نے فرمایا۔ "اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ لشکر اسلام کے سپہ سالار ہوں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ قائد لشکر ہوں گے۔ اور جب وہ بھی راہ حق میں کام آجائیں تو مسلمان باہمی مشورہ سے اپنا سردار کسی کو بنالیں۔" حضور ﷺ کے یہ ارشادات دراصل پیش آنے والے واقعات کا آئینہ تھے۔ چنانچہ میدان جنگ میں پہلے حضرت زید بن حارثہؓ شہید ہو گئے۔ پھر حضرت جعفرؓ نے جام شہادت پیا۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ پھر مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے حضرت خالدؓ بن ولید کو اپنا امیر بنالیا۔ عین اس وقت جب یہ واقعات پیش آرہے تھے۔ رسول کریم ﷺ وہاں سے سینکڑوں میل دور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا اور فرما رہے تھے "نشان لیا زیدؓ نے اور شہید ہوئے۔ نشان لیا اب جعفرؓ نے اور شہید ہوئے۔ نشان لیا اب عبداللہ بن رواحہؓ نے اور شہید ہوئے۔ اب نشان لیا خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اس کو فتح دی گئی۔" گویا میدان جنگ کا نقشہ رسول اکرم ﷺ کے بالکل سامنے تھا۔ اسی واقعہ کی بناء پر حضرت خالد بن ولید کو سیف اللہ کا خطاب عطا ہوا تھا۔ (صحیح بخاری)

آپ ﷺ کا منافق کو پہچان لینا

ایک غزوہ میں ایک شخص نہایت جانبازانہ حملے کر رہا تھا، صحابہ نے دیکھا تو اس کی بڑی تعریف کی لیکن آنحضرت نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ "یہ جہنمی ہے" صحابہ کو اس پر تعجب ہوا

اور ایک صحابیؓ اس کے پیچھے ہو لئے۔ ایک موقع پر اس کو سخت زخم لگا اور اس نے بے صبری کی حالت میں خودکشی کر لی۔ وہ صحابی خدمت مبارک میں دوڑے ہوئے آئے اور کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ خدا کے رسول ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کیا واقعہ ہوا" انہوں نے عرض کیا کہ ابھی حضور ﷺ نے ایک شخص کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ جہنمی ہے، لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تھا، میں اس کے پیچھے ہو لیا میں نے دیکھا کہ ایک زخم کے صدمے سے اس شخص نے خودکشی کر لی۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کا چوری کی اطلاع دے دینا

ایک غزوہ میں ایک شخص لڑتا ہوا مارا گیا کسی نے آ کر حضور ﷺ کو خبر دی کہ یا رسول اللہ فلاں شخص نے جام شہادت پیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا شہادت اس کی قسمت میں کہاں۔ میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے مال غنیمت سے ایک عبا چرائی تھی (جامع ترمذی)

آپ ﷺ کا ایک منافق کی موت کی خبر دے دینا

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول ﷺ ایک سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے، جب مدینہ کے قریب پہنچے تو ایک شدید ہوا چلی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ ہوا ایک منافق کی موت کے لئے چلی ہے چنانچہ جب آپ مدینے میں داخل ہوئے تو لوگوں نے خبر دی کہ آج رفاعہ بن یزید مر گیا ہے۔ یہ شخص فی الحقیقت بہت بڑا منافق تھا۔

آپ ﷺ کا پوشیدہ دفینے کا حال بتا دینا

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جنگ بدر میں کافروں کو شکست ہوئی تو حضور ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے بھی اسیر ہو کر آئے تھے۔ حضور ﷺ نے قیدیوں کے عوض فدیہ طلب کیا تو انہوں نے عرض کی کہ میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ زرِ فدیہ ادا کر سکوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ مال کیا ہوا؟ جو تم ام الفضل (حضرت عباس کی زوجہ) کے پاس دفن کیا ہے اور اس

سے کہہ آئے تھے کہ اگر میں مارا جاؤں تو یہ مال میری اولاد کے لئے ہے حضرت عباسؓ نے کہا یارسول اللہ! خدا کی قسم اس مال کی میرے اور ام الفضل کے سوا کسی کو خبر نہ تھی۔ (مسند احمد)

آپ ﷺ کا سوال پوچھنے سے پہلے ہی جواب دے دینا

حضرت وابصہ اسدی صحابیؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اس غرض سے حاضر خدمت ہوا کہ نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کروں؟ لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "وابصہ! میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو؟ عرض کی ارشاد ہو، فرمایا تم نیکی اور گناہ کی حقیقت پوچھنے آئے ہو؟ عرض کی قسم اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو بھیجا، آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ ارشاد ہوا "نیکی وہ ہے جس کے کرنے کے خیال سے تمہارے دل میں انشراح اور خوشی پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے، اگرچہ لوگوں نے اس کے کرنے کا فتویٰ ہی کیوں نہ دے دیا ہو۔ (مسند احمد)

بغیر اجازت لی ہوئی بکری کا حال بتا دینا

حضرت عاصم بن کلیبؓ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ ایک انصاری کے جنازے پر تشریف لے گئے۔ میت کی تدفین کے بعد مرحوم انصاری کی بیوہ نے رسول اکرم ﷺ کی دعوت کی۔ آپ ﷺ اس کے گھر تشریف لے گئے۔ جب کھانا آیا تو آپ ﷺ نے کھانا شروع کیا۔ ایک لقمہ منہ میں چبایا اور نگلا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایسی بکری کا گوشت ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر لی گئی ہو۔ میزبان خاتون نے عرض کی یارسول اللہ میں نے بازار میں بکری خریدنے کے لئے آدمی بھیجا تھا وہاں نہ ملی، پھر میں نے اپنے ہمسائے کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ اپنی بکری میرے پاس فروخت کر دے لیکن میرا ہمسایہ گھر میں موجود نہ تھا۔ اس کی بیوی نے بکری بھیج دی۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اس کھانے کو (غیر مسلم) قیدیوں کو کھلا دو۔ (ابوداؤد، بیہقی)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۳۸

رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر حیوانات پر

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اڑتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر حیوانات پر" بیشک ذیل کی خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کی شخصیت میں ایسا اثر رکھا تھا کہ جس شخصیت کا اثر انسانوں پر تو ہوتا ہی تھا، حیوانات پر بھی آپ ﷺ کی شخصیت کا اثر ہوتا تھا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس قسم کے کچھ واقعات آپ ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، جنہیں ہم نے احادیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ لیجئے اب آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

اڑتیسویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

جس طرح وہ انسان جس کے نام پر قرعہ سعادت پڑا ہوا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی شریعت کے مطیع ومسخر ہیں۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے حیوانات کو بطریق اعجاز وخرق عادت رسولِ اکرم ﷺ کا مطیع ومسخر بنایا۔ چنانچہ منجملہ اس طرح کے واقعات میں سے چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

آپ ﷺ کو اونٹ کی شکایت اور سجدہ

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک کے ہاں ایک اونٹ

تھا۔ جس سے آب کشی کیا کرتے تھے۔ وہ سرکش ہو گیا۔ اور اپنی پیٹھ پر پانی نہ اٹھاتا تھا۔ اونٹ کے مالک رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کرنے لگے کہ ہمارے ہاں ایک اونٹ ہے۔ جس سے ہم آب کشی کیا کرتے تھے۔ وہ سرکش ہو گیا ہے پانی پیٹھ پر پانی نہیں اٹھاتا۔ ہماری کھجوریں اور کھیتی سوکھ رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اٹھو! وہ اٹھے اور آپ ﷺ ان کے ساتھ ایک باغ میں داخل ہوئے۔ وہ اونٹ اس باغ کے ایک گوشہ میں تھا۔ آپ ﷺ اس کی طرف روانہ ہوئے۔ اصحاب نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! یہ اونٹ کاٹنے والے کتے کی مانند ہو گیا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہیں آپ ﷺ کو تکلیف پہنچے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مجھے اس سے کچھ ڈر نہیں۔ جب اونٹ نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ کی طرف آیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے آگے سجدہ میں گر پڑا۔ آپ ﷺ نے اس کی پیشانی کے بال پکڑ لئے اور وہ ایسا مطیع ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس کو کام پر لگا دیا۔ آپ ﷺ کے اصحاب نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ حیوان آپ ﷺ کو سجدہ کرتا ہے اور ہم عقل والے ہیں۔ اس لئے اس کی نسبت آپ ﷺ کو سجدہ کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کو سزاوار نہیں کہ دوسرے انسان کو سجدہ کرے۔ اگر ایک انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم دیتا کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیوں کہ خاوند کا عورت پر بڑا حق ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ سب سے پسندیدہ شے جس کو رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لئے اوٹ بنایا کرتے تھے۔ کوئی بلند چیز یا درختانِ خرما کا مجمع تھا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ انصار میں سے ایک شخص کے باغ میں داخل ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس باغ میں ایک اونٹ ہے۔ اس اونٹ نے جب نبی ﷺ کو دیکھا تو رو پڑا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ اس کے پاس آئے اور اس کے پس گوش پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا وہ چپ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ انصار میں سے ایک نوجوان نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو اس چوپایہ

کے بارے میں جس کا اللہ نے تجھے مالک بنایا ہے، اللہ سے نہیں ڈرتا۔ اس نے میرے پاس شکایت کی ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے اور کثرت استعمال سے اسے تکلیف دیتا ہے۔

آپ ﷺ کو بکری کی اطاعت اور سجدہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ انصار کے باغ میں داخل ہوئے اور آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ اور انصار کے چند اشخاص تھے۔ اس باغ میں ایک بکری تھی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے آگے سجدہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اس بکری کی نسبت ہم آپ ﷺ کو سجدہ کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کو جائز نہیں کہ ایک دوسرے کو سجدہ کرے۔ اگر ایک کا دوسرے کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم دیتا کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (مشکوٰۃ شریف)

آپ ﷺ سے متعلق بھیڑیئے کی شہادت اور اطاعت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ کی طرف آیا۔ اس نے بکریوں میں سے ایک بکری پکڑ لی۔ چرواہے نے بھیڑیئے کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ بکری اس سے چھڑالی۔ پس بھیڑیا ایک ریت کے ٹیلے پر چڑھ گیا اور کتے کی طرح اپنے چوتڑوں پر بیٹھ گیا اور اپنی دم کو اپنے پیروں کے درمیان کرلیا اور بولا میں نے رزق کا قصد کیا۔ جو اللہ نے مجھے دیا اور میں نے اسے لے لیا۔ پھر تو نے اسے مجھ سے چھین لیا۔ چرواہے نے کہا خدا کی قسم! میں نے آج کی طرح کسی دن بھیڑیئے کو کلام کرتے نہیں دیکھا۔ بھیڑیئے نے کہا اس سے عجیب تر ایک شخص (حضرت محمد ﷺ) کا حال ہے جو نخلستان میں ذوحرہ کے درمیان یعنی مدینہ میں ہے تمہیں خبر دیتا ہے اس کی جو گزر چکا اور تمہارے بعد ہونے والا ہے۔ (اور لوگ اس امی لقب نبی کا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ چرواہا یہودی تھا اس نے جناب پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی خبر دی اور مسلمان ہوگیا اور رسول اکرم ﷺ نے اس کی تصدیق کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا

کہ اس طرح کے امور قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں قریب ہے کہ ایک شخص اپنے گھر سے نکلے گا اور واپس نہ آئے گا یہاں تک کہ اس کے ہر دو نعل اور اس کا تازیانہ بتائے گا کہ اس کی غیر حاضری میں اس کے اہل خانہ نے کیا عمل کیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک چرواہا حرہ میں بکریاں چرا رہا تھا۔ ناگاہ ایک بھیڑیا اس کی بکریوں میں سے ایک بکری کو پکڑنے آیا۔ چرواہا بکری اور بھیڑیئے کے درمیان حائل ہوگیا۔ بھیڑیا اپنی دم پر کتے کی طرح بیٹھ گیا۔ پھر چرواہے سے بولا کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا کہ میرے رزق کے درمیان جو اللہ نے میرے قابو میں کر دیا ہے حائل ہوتا ہے۔ چرواہا نے کہا کہ تعجب ہے کہ بھیڑیا انسان کی طرح کلام کرتا ہے۔ بھیڑیئے نے کہا۔ دیکھ! میں تجھے اس سے بھی عجیب بات بتاتا ہوں۔ رسول اکرم ﷺ ذوحرہ (سنگلاخ زمینوں) کے درمیان (مدینہ میں) لوگوں سے گزشتہ امتوں کے حال بیان فرما رہے ہیں۔ (اور وہ اس امی لقب نبی کا یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے) پس چرواہے نے بکریاں ہانک لیں۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں آیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر بھیڑیئے کا قصہ بیان کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا سچ ہے۔ دیکھو! درندوں سے انسان کا کلام کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ درندے انسان سے کلام کریں گے اور انسان سے اس کے جوتے کا تسمہ اور اس کے کوڑے کا سرا کلام کرے گا اور انسان کو اس کی ران خبر دے گی۔ جو اس کی بیوی نے اس کی غیر حاضری میں کیا۔

حضرت حمزہ بن اسیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ایک شخص کے جنازے میں نکلے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک بھیڑیا راستے میں پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، یہ تم سے اپنا حصہ طلب کرتا ہے اس کے لئے کچھ مقرر کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی کیا رائے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر اونٹ پر ہر سال ایک بکری۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو بہت ہے۔ آپ ﷺ نے بھیڑیئے کی

طرف اشارہ فرمایا کہ یہاں سے جلدی چل دو۔ بھیڑیا یہ سن کر چلا گیا۔ (بحوالہ خصائص کبریٰ)

آپ ﷺ کے لئے شیر کی اطاعت

رسول اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہؓ کا بیان ہے کہ میں سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہوا۔ وہ کشتی ٹوٹ گئی پس میں اس کے ایک تختے پر چڑھ بیٹھا اور ایک بن میں جا نکلا جس میں شیر تھے۔ ناگہاہ ایک شیر آیا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو میں نے کہا۔ اے ابوالحارث! رسول ﷺ کا آزاد کردہ غلام سفینہؓ ہوں۔ یہ سن کر شیر دم ہلاتا ہوا آیا۔ یہاں تک کہ میرے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ پھر میرے ساتھ چلا۔ یہاں تک کہ مجھے راستے پر ڈال دیا۔ پھر اس نے کچھ دیر ہلکی آواز نکالی میں سمجھا کہ یہ مجھے الوداع کر رہا ہے۔

جب ہجرت کے وقت رسول اکرم ﷺ کوہ ثور کے غار میں تھے۔ اس غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تنا ہوا تھا اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ کفار تعاقب میں وہاں پہنچے۔ اس عجیب دربانی و پاسبانی کو دیکھ کر واپس ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر حضرت اس میں داخل ہوتے تو مکڑی جالا نہ بنتی اور کبوتری انڈے نہ دیتی۔ (بحوالہ سیرت رسول عربی ﷺ)

آپ ﷺ کے لئے گوہ کا کلام کرنا اور آپ ﷺ کی پیغمبری کی گواہی دینا

طبرانیؒ نے اور بیہقیؒ نے عمر بن الخطابؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ ایک بار اپنے اصحاب کے مجمع میں تشریف رکھتے تھے سو ایک اعرابی آیا اور اس نے ایک سوسمار (گوہ) کو شکار کیا تھا سو اس نے اصحاب پیغمبر خدا ﷺ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں اصحاب نے کہا یہ پیغمبر خدا ہیں اس نے کہا کہ قسم ہے لات وعزیٰ کی تم پر ایمان نہ لاؤں گا جب تک یہ سوسمار ایمان نہ لاوے اور اس سوسمار کو آپ ﷺ کے روبرو ڈال دیا آپ ﷺ نے سوسمار کو پکارا کہ اے سوسمار۔ اس نے زبان فصیح صاف سے کہ سب لوگوں نے سنا جواب دیا کہ میں حاضر ہوں اور تابعدار ہوں اے زینت ان لوگوں کی جو قیامت میں موجود ہوں گے آپ ﷺ نے پوچھا تو کس کی عبادت کرتا ہے اس نے کہا کہ اس خدا کی جس کا آسمان میں عرش ہے اور

زمین میں اس کا حکم ہے اور دریا میں اس کی بنائی ہوئی راہ ہے اور بہشت میں اس کی رحمت ہے اور دوزخ میں اس کا عذاب ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ میں کون ہوں اس نے کہا کہ تم رسول ہو، پروردگار عالم کے اور خاتم النبیین ہو جو کوئی تمہاری تصدیق کرے اس نے فلاح پائی اور جو کوئی تمہاری تکذیب کرے وہ ناامید رہا پس وہ اعرابی مسلمان ہو گیا اور رسول اکرم ﷺ نے اس کو نماز اور قرأت سکھائی اور سورۂ اخلاص یاد کرادی اس نے جا کر یہ حال اپنی قوم سے بیان کیا وہ رسول اکرم ﷺ کے حضور میں آئے اور سب مسلمان ہو گئے۔ (بحوالہ معجزاتِ رسول اکرمؐ)

آپ ﷺ سے ہرنی نے انسانوں کی طرح کلام کیا

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ ایک جنگل میں جا رہے تھے کہ ایک ہرنی نے آپ ﷺ کو انسانوں کی طرح پکارا۔ آپ ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو ایک ہرنی کو بندھا ہوا پایا جس کے پاس ایک اعرابی سو رہا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے ہرنی سے پوچھا کہ کیا کہتی ہے۔ اس نے کہا مجھے اس اعرابی نے پکڑ لیا ہے۔ سامنے پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں آپ ﷺ مجھے چھوڑ دیں میں ان کو دودھ پلا کر واپس آ جاؤں گی۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تو ضرور آ جائے گی نا۔ اس نے کہا بے شک یا رسول اللہ ﷺ رسول اکرم ﷺ نے اسے کھول دیا وہ گئی اور بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ گئی۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے باندھ دیا۔ اتنے میں وہ اعرابی جاگ پڑا اور رسول اکرم ﷺ کو وہاں دیکھ کر عرض کی کہ یا رسول اکرم ﷺ آپ ﷺ یہاں کیسے تشریف رکھتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تو اس ہرنی کو چھوڑ دے اس نے حکم کی تعمیل کی اور ہرنی کلمۂ شہادت پڑھتی ہوئی وہاں سے رخصت ہوئی۔ (طبرانی۔ بیہقی)

آپ ﷺ کی برکت سے بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نوخیز چھوکرا تھا۔ عقبہ بن معیط ایک قریشی کافر رئیس کی بکریاں مکہ میں چراتا تھا، رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے کہا لڑکے! تمہارے پاس دودھ

ہے؟ ہم کو پلاؤ گے؟ میں نے کہا میں امین ہوں تم کو نہیں پلاسکتا۔ آپ نے پوچھا کہ اچھا کوئی بکری کا بچہ ہے؟ میں نے کہا ہاں! فرمایا لے آؤ۔ حضرت ابوبکر نے بچہ پکڑا اور رسول اکرم ﷺ نے تھن میں ہاتھ لگایا اور دعا کی۔ حضرت ابوبکرؓ ایک گہرا پتھر لے آئے، اس میں دودھ دوہا گیا، پہلے آپ ﷺ نے خود پیا، پھر حضرت ابوبکرؓ نے پیا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر مجھے پلایا۔ دودھ پی کر آپ ﷺ نے فرمایا "اے تھن سمٹ جا"۔ وہ سمٹ کر خشک ہو گیا۔ اس کے بعد میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ اس عمدہ کلام یعنی قرآن مجید میں سے مجھے کچھ سکھایئے۔ فرمایا تم سیکھنے والے لڑکے ہو، تو میں نے خود رسول اکرم ﷺ کے منہ سے ستر سورتیں سیکھیں، جن میں کوئی دوسرا میرا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ابن سعد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہا کرتے تھے کہ میرے اسلام لانے میں اسی معجزہ کو دخل ہے۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے سست گھوڑے کا تیز رفتار ہو جانا

حضرت ابوطلحہؓ کا گھوڑا نہایت سست رفتار تھا۔ ایک دفعہ مدینہ میں شور وغل ہوا، آپ ﷺ نے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کا چکر لگایا، وہ آپ ﷺ کی سواری کی برکت سے اس قدر تیز رو ہو گیا کہ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ "یہ تو دریا ہے، اس کے بعد کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا"۔

آپ ﷺ کی برکت اور امّ معبدؓ کی بکری کا واقعہ

حضرت حزام ابن ہشام اپنے والد (حضرت ہشام) سے اور وہ حزام کے دادا (یعنی اپنے والد) حبیشؓ سے، جو امّ معبد کے بھائی ہیں، روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو جب مکہ چھوڑ دینے کا حکم ہوا اور آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ روانہ ہوئے تو آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام عامر ابن فہیرہ اور ان دونوں (یعنی رسول اکرم ﷺ اور ابوبکرؓ) کو راستہ بتانے والے عبداللہ لیثی (ان چاروں) کا گزر (مدینہ کے راستہ میں ایک

جگہ، امّ معبد کے دو خیموں پر ہوا (جو اس ویرانے میں قیام پزیر تھیں) ان حضرات نے اہل خیمہ سے کچھ گوشت اور کھجوریں خریدنی چاہیں لیکن ان دونوں کو امّ معبد کے پاس ان میں سے کوئی چیز دستیاب نہیں ہوئی کیونکہ اس زمانہ میں عام طور پر لوگ قحط زدگی اور بے سروسامانی کا شکار تھے۔ اتنے میں اچانک رسول اکرم ﷺ کی نظر ایک بکری کی طرف گئی، جو خیمہ کی ایک جانب (بندھی کھڑی) تھی، آپ ﷺ نے وہ بکری دیکھ کر) پوچھا کہ امّ معبد! اس بکری کو کیا ہوا؟ امّ معبد نے جواب دیا کہ اس کے دبلے پن نے اس کو ریوڑ سے الگ کر رکھا ہے (یعنی اتنی کمزور اور لاغر ہے کہ چرنے کے لئے دوسری بکریوں کے ساتھ چراگاہ تک جانے پر قادر نہیں ہے) آپ ﷺ نے پوچھا! کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ امّ معبد نے کہا! جس مصیبت میں یہ مبتلا ہے اس میں دودھ کہاں دے سکتی ہے (مطلب یہ کہ ذرا سا بھی دودھ دینے کی صلاحیت اس میں باقی نہیں ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں اس کا دودھ دوہوں؟ امّ معبد نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، اگر آپ ﷺ کو اس میں دودھ معلوم ہوتا ہو تو ضرور دوھ لیں (یعنی جب اس میں سرے سے دودھ ہے ہی نہیں تو آپ ﷺ کیسے دوہیں گے) رسول اکرم ﷺ نے یہ سن کر بکری کو منگوایا، پھر آپ ﷺ نے اس کے تھنوں پر اپنا دست مبارک پھیرا، بسم اللہ پڑھی اور امّ معبد کے لئے ان کی بکری کے تئیں برکت کی دعا فرمادی۔ چنانچہ بکری نے دودھ دینے کیلئے اپنے پاؤں رسول اکرم ﷺ کے سامنے کشادہ کر دیئے جیسا کہ دودھ والے جانور کی عادت ہوتی ہے کہ دوھے جانے کے وقت اپنے دونوں پاؤں کو پھیلا دیتا ہے۔ پھر وہ بکری دودھ دوھنے اور جگالی کرنے لگی، آپ ﷺ نے ایک اتنا بڑا برتن منگایا جو ایک جماعت کو شکم سیر کرے اور اس برتن میں خوب بہتا ہوا دودھ دوھا یہاں تک کہ دودھ کے جھاگ برتن کے اوپر تک آ گئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ دودھ (پہلے امّ معبد ؓ کو پلایا، جنہوں نے خوب سیر ہو کر پیا پھر اس کے ساتھیوں کو پلایا، وہ بھی اچھی طرح سیر ہو گئے اور پھر سب کے بعد خود آپ ﷺ نے پیا، کیونکہ خود آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ لوگوں کو پلانے والا خود سب کے بعد پیتا ہے۔ پھر پہلی مرتبہ دوھنے کے

بعد (کچھ دیر) بعد آپ ﷺ نے دوبارہ اسی برتن میں دوھا، یہاں تک کہ وہ برتن دودھ سے لبریز ہوگیا اور وہ دودھ آپ ﷺ نے امّ معبد کے پاس چھوڑ دیا (تا کہ وہ اپنے خاوند کو بھی یہ معجزہ دکھا دیں) پھر آپ ﷺ نے امّ معبد کو مسلمان کیا اور ان کے ہاں سے روانہ ہوگئے......

اس روایت کو بغویؒ نے شرح السنۃ میں، ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں اور ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں نقل کیا ہے نیز حدیث مبارکہ میں واقعہ کی اور بھی تفصیل ہے۔

تشریح:۔ امّ معبدؓ کا اصلی نام عاتکہ بنت خالد خزاعیہ ہے، رسول اکرم ﷺ اپنے سفر ہجرت کے دوران ان کے خیمہ میں تشریف لائے تھے اور ان کو حلقہ بگوش اسلام فرمایا تھا امّ معبدؓ بڑے مضبوط اعصاب اور قوی دل و دماغ کی خاتون تھیں اور اس ویرانہ میں قیام پذیر تھیں، وہ اپنے خیمہ کے باہر مسند لگا کر بیٹھ جایا کرتی تھی اور راہ چلتے ہر ضرورت مند و مسکین کے کھانے پینے کی ضرورت پوری کیا کرتی تھیں۔

''اس حدیث مبارکہ میں واقعہ کی اور تفصیل بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ امّ معبدؓ کے خیمہ سے آگے سفر پر روانہ ہوگئے اور امّ معبد نے اپنے خاوند ابو معبدؓ سے (پورا واقعہ بیان کیا اور) نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں رسول اکرم ﷺ کے اوصاف و فضائل بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک نہایت بابرکت ہستی ہمارے خیمہ میں آئی تھی اور یہ دودھ اسی کی مبارک آمد کی طفیل ہے ابو معبدؓ نے (یہ سب کچھ سن کر) کہا یقیناً وہ ہستی قریش میں سے وہی شخص ہے جس کے بہت سے اوصاف میں نے مکہ میں سنے ہیں۔ اگر میں جانے کی قدرت رکھوں تو بخدا میں اس ہستی کی خدمت میں باریاب ہونے اور اس کی صحبت سے سرفراز ہونے کا قصد رکھتا ہوں۔

ایک روایت میں منقول ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ ہجرت کی رات میں حضرت ابوبکرؓ کو لے کر مکہ سے روانہ ہوگئے اور اہل مکہ یہ معلوم کرنے میں ناکام رہے کہ رسول اکرم ﷺ کہاں اور کس طرف گئے ہیں تو ایک مسلمان جن جبلؒ ابو قبیس پر چڑھا اور وہاں زور زور سے کچھ اشعار پڑھنے لگا مکہ کے لوگ حیرت سے اس آواز کو سن رہے تھے، جو ان کے کانوں

میں صاف آرہی تھی لیکن وہ آواز جس طرف سے آرہی تھی وہاں ان کو کوئی نظر نہیں آرہا تھا، ان اشعار میں سے دو شعر یہ ہیں۔

جَزَی اللّٰہُ رَبُّ النَّاسِ خَیْرَ جَزَائِہٖ   رَفِیْقَیْنِ حلاَّ خَیْمَتِی اُمِّ مَعْبَدِ

هُمَا نَزَلاَ بِالْهُدٰی وَاهْتَدَیْتُ بِهٖ   فَقَد فَازَمَنْ اَمْسٰی رَفِیْقُ مُحَمَّدِ

آپ ﷺ کی حفاظت کے لئے غار ثور پر کبوتروں کا انڈے دینا اور درخت کا پیدا ہونا اور مکڑی کا جالا بُننا

طبرانیؒ اور بیہقیؒ اور ابو نعیمؒ اور بزارؒ اور ابن سعدؒ نے زید بن ارقمؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی ہے جس رات میں جناب رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ غار ثور میں جا چھپے تھے خدائے تعالیٰ نے ایک درخت کو حکم دیا تھا کہ وہ غار پر اس طرح آجما کہ رسول اکرم ﷺ کو اس نے ڈھک لیا اور خدائے تعالیٰ نے حکم کیا دو کبوتروں کو کہ وہ آکر غار کے منہ پر ٹھہرے اور وہاں گھونسلا بنا کر انڈے دیئے اور مکڑی نے آکر غار کے دروازے پر جالا بُن دیا جب قریش کے لوگ آپ ﷺ کو ڈھونڈنے کو آئے اور غار تک پہنچے غار پر کبوتروں کو اور مکڑی کے جالے کو دیکھ کر کہنے لگے کہ اگر وہ اس میں ہوتے تو کبوتر اس کے دروازے پر نہ ٹھہرتے اور مکڑی کا جالا اس طرح نہ ہوتا اور اتنا قریب پہنچ گئے تھے کہ جناب رسول اکرم ﷺ ان کی باتیں سنتے تھے اور اگر اچھی طرح نظر کرتے تو رسول اکرم ﷺ کو دیکھ لیتے پر وہ پھر گئے۔

فائدہ......اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو شر اعداء سے محفوظ رکھا اور کبوتر اور مکڑی اور درخت کو پردہ دار کیا۔

فائدہ......بعض علماء نے لکھا ہے کہ حرم میں جواب کبوتر ہیں سو وہ اسی کبوتر کے جوڑے کی اولاد میں ہیں۔ (بحوالہ معجزات رسول)

آپ ﷺ کی خدمت میں اونٹ کا شکایت کرنا

حضرت یعلی ابن مرہ ثقفیؓ کہتے ہیں کہ میں نے (ایک بار) سفر میں) رسول اکرم ﷺ

(کے معجزات میں) سے تین چیزیں دیکھیں، وہ اس طرح کے ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ جارہے تھے کہ ناگہاہ آب کش (پانی کھینچنے والے) اونٹ کے پاس سے گزرے اس اونٹ نے جب رسول اکرم ﷺ کو دیکھا تو بڑبڑ کرکے اپنی گردن (زمین پر رکھ دی) رسول اکرم ﷺ اس کے پاس ٹھہر گئے اور پوچھا کہ اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ مالک حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ دو! اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں اس اونٹ کو بیچ نہیں سکتا ہاں (آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کے احترام میں) اس کو آپ کی خدمت میں (بلا قیمت نذر کرتا ہوں، ویسے (یہ عرض کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں دیکھتا کہ) یہ اونٹ ایسے گھر والوں کا ہے یعنی میرا اور میرے اہل وعیال کا جن کا ذریعہ معاش اس اونٹ کے علاوہ کچھ نہیں آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا جب کہ تم نے اس اونٹ کے بارے میں حقیقت حال بیان کردی ہے تو (میں بھی تمہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اپنی ضرورت کے لئے اونٹ کو خریدنا نہیں چاہتا تھا، بلکہ اصل مقصد اس اونٹ کو تنگی اور مصیبت سے نجات دلانا تھا کیونکہ) اس اونٹ نے درحقیقت مجھ سے شکوہ کیا ہے کہ اس سے زیادہ کام لیا جاتا ہے اور کھانے کو کم دیا جاتا ہے، پس (اگر تم اس اونٹ کو بیچ کر اپنے سے جدا نہیں کرسکتے تو یہ تو کرسکتے ہو کہ) اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو یعنی اس کو گھاس دانہ خوب دو اور کام کم لو، اگر چہ زیادہ کھلا کر زیادہ کام لینا جائز ہے، یا اگر چارہ زیادہ دینے کی استطاعت نہیں تو کام بھی کم لینا چاہئے، لیکن یہ ظلم کی بات ہے کہ کھلاؤ کم اور کام زیادہ لو)۔ اس کے بعد حضرت یعلیٰؓ نے دوسرا معجزہ بیان کیا کہ پھر ہم آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ایک جگہ اتر کر آرام کرنے لگے اور رسول اکرم ﷺ سو گئے اس وقت (میں نے دیکھا کہ) ایک درخت زمین کو چیرتا ہوا آیا اور رسول اکرم ﷺ کو ڈھانک لیا یعنی آپ ﷺ پر جھک گیا اور پھر وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ جب رسول اکرم ﷺ بیدار ہوئے تو میں نے آپ ﷺ سے اس درخت کے آنے اور جانے کا ذکر کیا آپ ﷺ نے (پورا واقعہ سن کر) فرمایا کہ یہ وہ درخت ہے جس نے اپنے پروردگار سے اس بارے میں اجازت مانگی تھی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کو سلام کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو

اجازت دے دی (اور وہ مجھے سلام کرنے آیا تھا)۔ حضرت یعلیٰ ؓ تیسرا معجزہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم پھر آگے بڑھے اور ایک پانی کی جگہ (یعنی ایسی آبادی میں) پہنچے جہاں پانی دستیاب تھا وہاں ایک عورت اپنے لڑکے کو لے کر رسول اکرم ﷺ کے پاس آئی، اس لڑکے پر دیوانگی طاری تھی (یعنی کسی جن یا شیطان کے اثرات بد میں گرفتار تھا)، رسول اکرم ﷺ نے لڑکے کی ناک پکڑ کر (اس جن یا شیطان سے) کہا کہ نکل جاؤ، میں محمد ﷺ اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے بعد ہم نے آگے کا سفر کیا اور جب واپسی میں اس پانی والی آبادی سے گزرے تو رسول اکرم ﷺ نے اس عورت سے اس لڑکے کا حال دریافت کیا، عورت نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم نے آپ ﷺ (کے جانے) کے بعد (یا آپ ﷺ کی دعا کے بعد) اس لڑکے میں تشویش کی کوئی بات نہیں دیکھی یعنی وہ بالکل اچھا ہو گیا ہے اور سارے اثرات بد زائل ہو گئے ہیں اس روایت کو بغویؒ نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے"۔

سفر میں چھوٹی بکری کے دودھ سے لشکر کا سیراب ہونا

بیہقیؒ اور ابن عدیؒ نے سعد مولیٰ ابی بکرؓ اور اصحابؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک سفر میں، ہم ساتھ جناب رسول اکرم ﷺ کے چار سو آدمی تھے سو ایک جگہ اترے جہاں پانی نہ تھا سب لوگ گھبرائے اور اس بات کی رسول اکرم ﷺ کو خبر دی اتنے میں ایک چھوٹی سی بکری سینگوں والی رسول اکرم ﷺ کے سامنے دوہانے کے لئے کھڑی ہو گئی، آپ ﷺ نے اس کا دودھ دوہا اور پیا یہاں تک کہ خوب سیر ہو گئے اور ہم سبھوں کو آپ نے پلایا یہاں تک کہ سب خوب سیر ہو گئے بعد اس کے آپ ﷺ نے رافع ؓ سے کہا کہ اسے رات بھر تھام رکھو اور فرمایا مجھے نہیں نظر آتا کہ تمہارے پاس یہ بکری تھم رہے رافع ؓ نے اسے باندھ رکھا اور سو رہے پھر رات میں جوان کی آنکھ کھلی تو اس بکری کو نہ پایا انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو خبر دی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اسے لایا تھا وہی اسے لے گیا یعنی خدائے تعالیٰ۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۳۹

رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر نباتات پر

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ انتالیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر نباتات پر'' بیشک ذیل کی خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کی شخصیت میں ایسا اثر رکھا تھا کہ جس شخصیت کا اثر انسانوں پر تو ہوتا ہی تھا، نباتات پر بھی آپ ﷺ کی شخصیت کا اثر ہوتا تھا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس قسم کے کچھ واقعات آپ ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، جنہیں ہم نے احادیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ لیجئے اب آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

انتالیسویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

جس طرح حیوانات رسول اکرم کے امر کے مطیع تھے اسی طرح نباتات بھی آپ ﷺ کے فرمانبردار تھے۔ چنانچہ درختوں کا آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں آنا اور سلام کرنا، اور آپ ﷺ کی رسالت پر شہادت دینا احادیث کثیرہ سے ثابت ہے جن میں سے کچھ مثالیں درج کی جاتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب میری طرف وحی بھیجی گئی تو جس پتھر اور درخت پر میرا گزر ہوتا تھا وہ کہتا تھا ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یا رَسُوْلَ اللہ ﷺ!''

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ ایک جگہ پہنچ کر ایک وسیع وعریض میدان میں اترے اور رسول اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے وہاں آپ ﷺ کو (ٹیلہ وغیرہ کی طرح کی) کوئی چیز ایسی نظر نہیں آئی جس کی اوٹ میں آپ ﷺ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر قضائے حاجت کے لئے بیٹھ سکتے، اچانک آپ ﷺ کی نظر درختوں پر پڑی جو میدان کے کنارہ پر کھڑے تھے، چنانچہ رسول اکرم ﷺ ان میں ایک درخت کے پاس پہنچے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑ کر فرمایا کہ خدا کے حکم سے (اوٹ بننے کے لئے) میری اطاعت کر۔ یہ سنتے ہی وہ درخت آپ ﷺ کے سامنے زمین پر اس طرح جھک گیا جیسے نکیل پڑا ہوا اونٹ (اپنے ہانکنے والے کی اطاعت کرتا ہے) پھر آپ ﷺ دوسرے درخت کے پاس پہنچے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑ کر فرمایا کہ خدا کے حکم سے میری اطاعت کر، پہلے درخت کی طرح اس درخت نے بھی فوراً اطاعت کی (اور زمین پر جھک گیا) اس کے بعد آپ ﷺ نے ان درختوں کے درمیانی فاصلہ کے بیچوں بیچ پہنچ کر فرمایا کہ اب تم دونوں خدا کے حکم سے (ایک دوسرے کے قریب آکر) آپس میں اس طرح مل جاؤ کہ میں تمہارے نیچے چھپ جاؤں، چنانچہ وہ دونوں درخت مل گئے اور آپ ﷺ ان دونوں درختوں کی اوٹ میں بیٹھ کر قضائے حاجت سے فارغ ہوئے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں (اس واقعہ کو دیکھ کر حیران تھا اور اس عجیب وغریب کرشمہ سے متعلق غور وفکر کر کے سوچ رہا تھا کہ اللہ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کے ذریعہ یہ کیسا معجزہ ظاہر کیا ہے اور یہ کہ اس واقعہ سے متعلق میں اپنی کسی گہری سوچ میں پڑا ہوا تھا کہ اچانک میری نظر ایک طرف پڑی تو آپ ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا اور پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ دونوں درخت ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنی جگہ پر جا کھڑے ہوئے ہیں۔ (مسلم شریف)

اسی قسم کا واقعہ دوسرے سفروں میں بھی پیش آیا ہے، چنانچہ صحابہؓ نے اپنی عینی شہادت کی بنا پر اس کو بیان کیا ہے۔ حضرت اُسامہ بن زیدؓ حجۃ الوداع میں اور حضرت یعلی بن مرۃؓ نے کسی سفر میں اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔

چنانچہ حضرت اسامہ بن زید ؓ کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع میں میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ قضائے حاجت کے لئے کہیں جگہ ہے؟ میں نے عرض کی اس میدان میں آدمیوں کی کثرت سے کہیں جگہ نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو کہیں درخت یا پتھر ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ درخت ہی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان درختوں سے جا کر کہو کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ آپس میں مل جاؤ اور پتھروں سے بھی اسی طرح کہو۔ میں نے جا کر درختوں اور پتھروں سے اسی طرح کہا۔ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ وہ درخت باہم مل گئے اور پتھر مثل دیوار کے بن گئے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی آڑ میں قضائے حاجت کی۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو مجھ سے فرمایا کہ اب ان سے کہو کہ الگ ہو جائیں۔ میں نے ایسا ہی کہا۔ خدا کی قسم تمام درخت اور پتھر جدا ہو کر اپنی جگہ پر چلے گئے۔ (ابو یعلی، بیہقی)

اور حضرت یعلی بن مرۃ ؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک سفر میں میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھا۔ ایک جگہ رسول اکرم ﷺ کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی۔ آپ ﷺ نے چھوہارے کے دو درختوں کو حکم دیا وہ دونوں مل گئے اور آپ ﷺ نے ان کی آڑ میں بیٹھ کر قضائے حاجت کی۔ (مسند احمد۔ بیہقی۔ طبرانی)

اسی طرح حضرت بزار بن بریدہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے آپ ﷺ سے معجزہ طلب کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو اس درخت سے جا کر کہہ کہ رسول اکرم ﷺ تجھے بلاتے ہیں اس اعرابی نے جا کے کہا سو اس درخت نے اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے حرکت کی اور زمین کو پھاڑتا ہوا اور اپنی جڑوں کو گھسیٹتا ہوا جھپٹتا ہوا آپ ﷺ کے سامنے آ کے کھڑا ہوا اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ اعرابی نے کہا کہ آپ ﷺ اسے اجازت دیجئے کہ اپنی جگہ پر چلا جاوے آپ ﷺ نے پھر جانے کا حکم دیا وہ پھر گیا اور جڑیں اس کی پھر زمین میں گھس گئیں اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اعرابی مسلمان ہو گیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ ﷺ کو سجدہ کروں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ

اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، پھر اس نے کہا اگر اجازت دیجئے تو میں آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں چوموں، آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور اس نے ہاتھ اور پاؤں مبارک آپ ﷺ چومے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ چند جن رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے پوچھا کہ کون آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ درخت۔ پھر آپ ﷺ نے اس درخت کو بلایا وہ اپنی جڑوں کو گھسیٹتا ہوا چلا آیا اور آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی۔

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نہایت غمگین اور زخموں کے خون میں لتھڑے ہوئے بیٹھے تھے، جو اہل مکہ نے پہنچائے تھے کہ اتنے میں حضرت جبرائیلؑ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور بولے کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو آپ کا ایک معجزہ دکھاؤں (جو آپ کی نبوت و رسالت کی علامت ہوگی اور جس سے آپ کو تسلی ہو جائے گی کہ اللہ کی راہ میں یہ اذیت و پریشانی اٹھانا آپ کے مراتب و درجات کی بلندی میں اضافہ کا باعث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ضرور دکھاؤ۔ حضرت جبرائیل ﷺ نے اس درخت کی طرف دیکھا جو ان کے پیچھے تھا اور پھر رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ اس درخت کو بلایئے، رسول اکرم ﷺ نے درخت کو بلایا اور وہ آپ ﷺ کے سامنے (تابعداروں کی طرح) آکر کھڑا ہو گیا، حضرت جبرائیلؑ نے کہا اب اس کو واپس جانے کا حکم دیجئے، رسول اکرم ﷺ نے اس کو واپسی کا حکم دیا تو واپس چلا گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا، مجھ کو کافی ہے، مجھ کو کافی ہے"۔ (دارمی)

تشریح ...... "جو اہل مکہ نے پہنچائے تھے" سے کفار مکہ کی وہ بدسلوکی اور اذیت رسانی مراد ہے جو ان کی طرف سے رسول اکرم ﷺ کو جنگ احد میں پہنچی تھی جس کے نتیجہ میں آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا اور رخسار مبارک زخمی ہو گیا تھا۔

"مجھ کو کافی ہے، مجھ کو کافی ہے" سے رسول اکرم ﷺ کی مراد یہ تھی کہ بس یہ عنایت حق تعالیٰ کی میرے لئے کافی ہے، اس معجزہ کی صورت میں بارگاہ حق میں اپنا بلند مرتبہ و مقام اور اپنی عظمت دیکھ کر مجھے اپنے زخموں کی اذیت کا احساس رہ گیا ہے اور نہ کوئی رنج و غم رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خارق عادت (یعنی معجزہ یا کرامت) کا ظہور یقین و اعتقاد کی مضبوطی اور غم و حزن کے دفعیہ میں مؤثر کردار ادا کرتا ہے، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جن بندگان عالی کو بارگاہ رب العزت میں تقرب اور عظمت کا مقام حاصل ہوتا ہے اگر ان کو دشمنوں کی اور مخالفوں کی طرف سے جسمانی یا روحانی اذیت و تکلیف اور رنج و غم پہنچے تو اس پر صبر کرنا چاہیئے کیونکہ دین کی راہ میں جس قدر مشقت اور پریشانی آتی ہے اتنا ہی اجر بڑھتا ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید)

آپ ﷺ کی محبت میں کھجور کے تنے کا رونا

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب (مسجد نبوی ﷺ میں) خطبہ ارشاد فرماتے تو کھجور کے اس سوکھے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے جو ایک ستون کے طور پر مسجد میں کھڑا تھا، پھر جب منبر تیار ہوگیا اور رسول اکرم ﷺ خطبہ پڑھنے کے لئے اس (منبر) پر کھڑے ہوئے تو وہ تنا جس سے (ممبر بننے سے پہلے) ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے چلانے لگا (یعنی زور زور سے رونے لگا) اور قریب تھا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے فراق کی اذیت کی شدت سے پھٹ جائے کہ نبی کریم ﷺ (منبر سے) اترے اور اس کے پاس جا کر اس کو ہاتھوں سے پکڑا اور پھر (اس کی تسلی کے لئے) اس کو گلے لگایا اس کے بعد تو اس ستون نے اس بچہ کی طرح رونا شروع کر دیا جس کو (مختلف حیلوں تدبیروں سے) چپ کرایا جاتا ہے (اور وہ جلدی چپ نہیں ہوتا) آخر کار اس ستون کو قرار آگیا اور وہ چپ ہوگیا۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے (اس ستون کے رونے کا سبب یہ) بیان فرمایا کہ یہ ستون اس وجہ سے رویا کہ (اللہ کا) جو ذکر سنتا تھا اس سے محروم ہوگیا ہے"۔ (بخاری)

تشریح...... رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی ﷺ کے ستون کھجور کے سوکھے

تنوں کے تھے، چنانچہ ابتدائی زمانہ میں جب کہ منبر شریف بن کر تیار نہیں ہوا تھا، رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے وقت انہی ستونوں میں سے ایک ستون سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے، جب منبر تیار ہوگیا اور آپ ﷺ خطبہ دینے کے لئے اس ستون سے ٹیک لگا کر کھڑے ہونے کے بجائے منبر پر کھڑے ہوئے تو وہ ستون اپنی اس سعادت کی محرومی پر بلک بلک کر رونے لگا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ذکر یعنی خطبہ کے وقت اس کو میرا جو قرب حاصل تھا اور نہایت قریب سے میرا جو خطبہ سنتا تھا اس سے محرومی نے اس کو رونے پر مجبور کر دیا ہے اس واقعہ کے بعد سے اس ستون کو اسطوانہ حنانہ کہا جانے لگا۔

یہ حدیث مبارکہ جس میں اس ستون کے رونے کا ذکر ہے، جماعت صحابہؓ کے اتنے متعدد طرق سے منقول ہے کہ اس کے بارے میں کوئی شک شبہ ہی نہیں کیا جا سکتا اور بعض محدثین نے تو اس حدیث مبارکہ کو "متواتر" کہا ہے، یہ دراصل رسول اکرم ﷺ کا ایک بڑا معجزہ تھا کہ کھجور کے سوکھے تنے جیسی بے جان چیز رسول اکرم ﷺ کی قرب کی سعادت سے محرومی پر رونے لگی اور اس کے رونے کی آواز کو مسجد نبوی میں موجود صحابہؓ نے اپنے کانوں سے سنا۔ حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ اس حدیث مبارکہ کو بیان کرتے تو بے اختیار رونے لگتے اور کہا کرتے تھے کہ لوگو! کھجور کی سوکھی ہوئی لکڑی رسول اکرم ﷺ کی شوق و محبت میں روتی تھی تمہیں تو اس سے زیادہ رسول اکرم ﷺ کی محبت اور شوق ملاقات میں بے قرار رہنا چاہیئے۔

آپ ﷺ کی گواہی کیکر کے درخت کی زبانی

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ایک جہاد کے سفر میں تھے کہ (لشکر گاہ کے پاس) ایک دیہاتی آگیا اور جب رسول اکرم ﷺ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم اس امر کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا ہے اور جس کا کوئی شریک و ہمسر نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں"۔ دیہاتی نے

کہا کہ آپ ﷺ نے جو کہا ہے (یعنی نبوت و رسالت کا جو دعویٰ کیا ہے) اس کی گواہی و شہادت دینے والا (نوع انسانی کے علاوہ) اور کوئی بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیکر کا درخت (جو سامنے کھڑا ہے گواہی دے گا) اور پھر آپ ﷺ نے کیکر کو بلایا، اس وقت آپ ﷺ ایک وادی کے کنارہ پر ٹھہرے ہوئے تھے، کیکر کا درخت (آپ ﷺ کا حکم سن کر) زمین چیرتا ہوا آیا اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے اس سے تین بار گواہی دینے کو کہا اور اس درخت نے تین بار گواہی دی (کہ آپ ﷺ اپنے دعوے میں سچے ہیں اور یقیناً رسول رب العالمین ہیں اس کے بعد وہ درخت اپنے اگنے کی جگہ واپس چلا گیا یعنی جس جگہ سے آیا تھا وہیں واپس جا کر کھڑا ہو گیا"۔ (دارمی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور کہنے لگا کہ میرے لئے اس بات کو جانئے (اس پر یقین کرنے) کا ذریعہ کیا ہے کہ آپ ﷺ نبی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس ذریعہ سے کہ میں ابھی اس کھجور کے درخت پر لگے ہوئے خوشہ کو بلاتا ہوں وہ (یہاں آکر) گواہی دے گا کہ میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اس خوشہ کو بلایا اور وہ (خوشہ) کھجور کے درخت سے الگ ہو کر اترنے لگا اور رسول اکرم ﷺ کے قریب زمین پر آگرا اور رسول اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی دی پھر آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ واپس جاؤ اور وہ خوشہ واپس (اپنی جگہ) چلا گیا، (یہ دیکھ کر) اس دیہاتی نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے"۔

اسی طرح ایک اور واقعہ بیہقیؒ اور ابو نعیمؒ نے ابی امامہؓ سے روایت میں نقل کیا ہے کہ رکانہ پہلوان نے جب رسول اکرم ﷺ سے معجزہ طلب کیا، آپ ﷺ نے ایک درخت سمرہ کو کہ آپ ﷺ سے قریب تھا فرمایا کہ ادھر آ بحکم خدا وہ درخت آکر آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا بعد اس کے آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر جا، وہ درخت پھر گیا۔

اور قصہ مفصل اس کا اس طرح پر ہے کہ رکانہ ایک بڑا زبردست پہلوان تھا قریش

میں سے اور وہ ایک جنگل میں بکریاں چراتا تھا، ایک دن رسول اکرم ﷺ اپنے دولت خانے سے نکل کر اسی جنگل کی طرف تشریف لے گئے رکانہ ملا اور وہاں کوئی نہ تھا سو اس نے آپ ﷺ سے کہا کہ ہمارے معبودوں کو گالیاں دیا کرتے ہو اور اپنے معبود عزیز کی عبادت کرتے ہو اگر میرے اور تمہارے درمیان قرابت نہ ہوتی تو میں آج تمہیں مار ڈالتا (توبہ نعوذ باللہ) لیکن تم اپنے خدا سے کہو کہ خدا تم کو آج مجھ سے بچاوے اور میں تم سے ایک بات چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے کشتی لڑو اور تم اپنے خدا سے دعا مانگو اور میں اپنے لات وعزیٰ سے دعا مانگوں اگر تم مجھ پر غالب آجاؤ تو میری ان بکریوں میں سے دس بکریاں پسند کر کے لے لو، آپ ﷺ اس سے کشتی لڑے اور غالب آئے، اس نے کہا کہ تم نے تو مجھے نہیں پچھاڑ امگر تمہارا خدا غالب آگیا اور لات وعزیٰ نے میری مدد نہ کی اور میرا پہلو آج تک زمین پر کسی نے نہیں لگایا لیکن ایک بار اور کشتی لڑو، اب کی بار پچھاڑ دو گے تو دس بکریاں اور پھر دوں گا آپ ﷺ پھر اس سے کشتی لڑے اور پھر اسے پچھاڑا، پھر اس نے ویسی ہی تقریر کی اور پھر آپ واپس سے کشتی لڑے پھر اسے تیسری بار پچھاڑا۔ تب اس نے کہا کہ میری بکریوں میں سے تیس بکریاں آپ پسند کر لیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بکریاں نہ لوں گا لیکن میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں، تو مسلمان ہو جا تو دوزخ سے نجات پائے گا، اس نے کہا اگر کوئی معجزہ مجھے دکھاؤ تو البتہ میں مسلمان ہو جاؤں تب آپ ﷺ نے ایک سمرہ کے درخت کو کہ متصل آپ ﷺ کے تھا، فرمایا کہ ادھر آ بحکم خدا وہ چرکر دو ہو گیا اور ایک اس میں سے چل کر آپ ﷺ کے اور رکانہ کے درمیان میں آکھڑا ہوا اور رکانہ نے کہا کہ واقعی معجزہ تو آپ ﷺ نے بڑا دکھایا اسے حکم کیجئے کہ پھر جائے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ میرے کہنے سے پھر جائے تو تو مسلمان ہو جائے گا، اس نے کہا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا درخت سے کہ پھر جا وہ پھر گیا اور اس کے دونوں ٹکڑے مل کر ایک ہو گئے پھر آپ ﷺ نے رکانہ سے کہا کہ مسلمان ہو جا۔ اس نے کہا میں اگر مسلمان ہو جاؤں تو عورتیں کہیں گی کہ رکانہ رعب کھا کے مسلمان ہو گیا بعد اس کے رکانہ فتح مکہ کے سال میں مسلمان ہو گیا۔

آپ ﷺ کی برکت سے درخت کی شاخ کا قندیل بن جانا

ایک دفعہ حضرت قتادہ بن نعمانؓ نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ رات اندھیری تھی اور مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے اندھیرا اور بھی بڑھ گیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کو درخت کی ایک شاخ دی اور فرمایا کہ یہ ایسی روشن ہو جائے گی کہ دس آدمی تمہارے آگے اور دس آدمی تمہارے پیچھے اس کی روشنی میں چل سکیں گے اور جب تم گھر پہنچو گے تو ایک سیاہ چیز دیکھو گے اسے مار کر نکال دینا۔ حضرت قتادہؓ رسول اکرم ﷺ سے رخصت ہوئے تو درخت کی وہ شاخ روشن ہو گئی۔ وہ اس کی روشنی میں گھر پہنچے اور سیاہ چیز کو دیکھا۔ رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق انہوں نے اسے مار کر نکال دیا۔

(مسند احمد حنبل)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۴۰

رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر جمادات پر

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چالیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر جمادات پر" بیشک ذیل کی خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کی شخصیت میں ایسا اثر رکھا تھا کہ جس شخصیت کا اثر انسانوں پر تو ہوتا ہی تھا حیوانات ونباتات اور جمادات پر بھی آپ ﷺ کی شخصیت کا اثر ہوتا تھا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس قسم کے کچھ واقعات آپ ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ جنہیں ہم نے احادیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ لیجئے اب آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

چالیسویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

جس طرح نباتات رسول اکرم ﷺ کے زیرِ فرمان تھے اس طرح جمادات بھی آپ ﷺ کے مطیع تھے۔ چنانچہ شجر کا آپ ﷺ کو سلام کرنا اور آپ ﷺ کی رسالت پر شہادت دینا اس سے پہلی خصوصیت میں آچکا ہے۔ اور اسی طرح سخت پتھروں کا آپ ﷺ کے لئے نرم ہوجانا بھی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں ملاحظہ فرمایئے:۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ میں تھا ایک روز ہم اس کے بعض نواح میں نکلے۔ جو پہاڑ یا درخت آپ ﷺ کے سامنے آتا تھا وہ کہتا

تھا۔ السَّلامُ علیکُم یا رسول اللہ ﷺ!......

آپ ﷺ کے ہاتھوں میں سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا

حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ ایک روز میں دوپہر کے وقت رسول اکرم ﷺ کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ رسول اکرم ﷺ تشریف فرما نہ تھے۔ میں نے خادم سے دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں ہیں۔ میں وہاں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور کوئی آدمی آپ ﷺ کے پاس نہ تھا۔ مجھے اس وقت یہ گمان ہوتا تھا کہ آپ ﷺ وحی کی حالت میں ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا کہ تجھے کیا چیز یہاں لائی؟ میں نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹھ جا۔ میں آپ ﷺ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ نہ میں آپ ﷺ سے کچھ پوچھتا تھا، اور نہ آپ ﷺ مجھ سے کچھ فرماتے تھے۔ میں تھوڑی دیر ٹھہرا کہ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ جلدی جلدی چلتے ہوئے آئے۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا تجھے کیا چیز لائی؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جا۔ وہ ایک بلند جگہ پر رسول اکرم ﷺ کے مقابل بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عمرؓ آئے۔ انہوں نے بھی ویسا ہی کیا اور رسول اکرم ﷺ نے ویسا ہی فرمایا۔ حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ پھر اسی طرح حضرت عثمانؓ آئے اور حضرت عمرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے سات یا نو یا اس کے قریب سنگریزے لئے۔ ان سنگریزوں نے آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ان میں شہد کی مکھی کی مانند آواز سنی (پھر آپ ﷺ نے ان کو زمین پر رکھ دیا اور وہ چپ ہو گئے) پھر آپ ﷺ نے وہ سنگریزے مجھے چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ کو دیئے۔ ان سنگریزوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند ان کی آواز سنی) پھر آپ ﷺ نے

وہ کنکر حضرت ابوبکرؓ سے لے کر زمین پر رکھ دیئے۔ وہ چپ ہو گئے اور ویسے ہی سنگریزے بن گئے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو دیئے۔ ان کے ہاتھ میں بھی انہوں نے تسبیح پڑھی جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں پڑھی تھی (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند ان کی آواز سنی) پھر آپ ﷺ نے زمین پر رکھ دیئے۔ وہ چپ ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عثمان کو دیئے۔ ان کے ہاتھ میں بھی انہوں نے تسبیح پڑھی۔ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں پڑھی تھی (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند آواز سنی) پھر آپ ﷺ نے لے کر ان کو زمین پر رکھ دیا۔ وہ چپ ہو گئے۔ (پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ نبوت کی خلافت ہے)۔ (بحوالہ سیرت رسول عربی ﷺ)

آپ ﷺ کی برکت سے کھانے سے سبحان اللہ کی آواز کا آنا

حضرت امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ بیمار ہوئے۔ حضرت جبرائیلؑ ایک خوان لائے۔ جس میں (بہشت کے) انار اور انگور تھے۔ جب آپ ﷺ نے تناول فرمانے کے لئے ان میں سے کچھ اٹھایا تو اس میں سے سبحان اللہ کی آواز آئی۔

یہ خارق عادت (تسبیح الطعام) بہت دفعہ آپ ﷺ کے اصحاب اکرامؓ سے بھی ظہور میں آیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "ہم البتہ بے شک طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے جس حال میں کہ وہ کھایا جاتا تھا۔

آپ ﷺ کی برکت سے گھر کی چوکھٹ سے آمین کا بلند ہونا

حضرت ابو اسیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا۔ اے ابوفضل! کل تم اور تمہارے بیٹے اپنے مکان سے نہ جائیں۔ یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آؤں۔ کیونکہ مجھے تم سے ایک کام ہے انہوں نے آپ ﷺ کا انتظار کیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ چاشت کے بعد تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا السلام علیکم، انہوں نے جواب دیا۔ وعلیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ، آپ ﷺ نے فرمایا۔ تم نے کیوں کر صبح

کی۔ انہوں نے عرض کی بحمد اللہ ہم نے بخیریت صبح کی۔ پس آپ ﷺ نے ان سے فرمایا، نزدیک ہو جاؤ۔ وہ ایک دوسرے کے نزدیک ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب وہ آپ ﷺ کے متصل ہو گئے تو آپ ﷺ نے اپنی چادر مبارک سے ان کو ڈھانپ لیا اور یوں دعا فرمائی۔ ''اے میرے پروردگار یہ میرا چچا اور میرے باپ کا بھائی ہے، اور یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان کو دوزخ کی آگ سے یوں چھپا لینا جیسا کہ میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپا لیا ہے''۔ اس پر گھر کی چوکھٹ اور دیواروں نے تین بار آمین کہی۔

آپ ﷺ کی حرکت سے ہلتے ہوئے پہاڑ کا رک جانا

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کوہ احد پر چڑھے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ تھے وہ پہاڑ ہلا آپ ﷺ نے اسے اپنے پائے مبارک سے ٹھوکر لگا کر فرمایا تو ساکن رہ۔ کیوں کہ تجھ پر نبی اور صدیق اور شہید ہیں۔ (بحوالہ بخاری شریف)

اور حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کوہ ثبیر پر تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ تھے اور میں تھا۔ وہ پہاڑ ہلا۔ یہاں تک کہ اس کے پتھر کوہ دامن میں گر پڑے۔ آپ ﷺ نے پائے مبارک سے ٹھوکر لگا کر فرمایا۔ اے ثبیر ساکن رہ۔ کیوں کہ تجھ پر نبی اور صدیق اور شہید ہیں۔ (ابن ماجہ)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس وقت رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و طلحہؓ و زبیرؓ کوہِ حرا پر تھے۔ وہ پہاڑ ہلا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اے حرا! ساکن رہ کیوں کہ تجھ پر نہیں ہیں مگر نبی یا صدیق یا شہید۔ ایک روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ذکر ہے اور حضرت علیؓ کا ذکر نہیں اور ایک روایت میں سوائے ابو عبیدہ کے تمام عشرہ مبشرہ کا ذکر ہے اور ایک روایت میں کہ جب ہجرت کے وقت قریش نے جناب رسول اکرم ﷺ کی تلاش میں اپنے آدمی بھیجے تو کوہ ثبیر نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ! اتریئے۔ کیوں کہ مجھے خوف ہے کہ وہ آپ ﷺ کو میری پشت پر قتل کر دیں اور مجھے اللہ تعالیٰ عذاب

دے۔پس حرا نے کہا۔یارسول اللہ ﷺ میرے طرف آیئے۔ (بحوالہ مدارج النبوۃ)

آپ ﷺ کی برکت سے سنگریزوں کا کارنامہ

بدر کے دن جب لڑائی سخت ہوگئی تو رسول اکرم ﷺ نے سنگریزوں کی ایک مٹھی لی اور قریش کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ شاھتِ الوجوہ (ان کے چہرے بدشکل ہو گئے) پھر ان کی طرف پھینک دی۔ کفار کو شکست ہوئی۔ اس بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ومَا رَمَيتَ اِذ رَمَيتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰى. (الانفال۔ ع۲) ترجمہ:۔"اور نہیں پھینکا تو نے جس وقت کے پھینکا تو نے لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا"۔

اسی طرح حنین کے دن جب رسول اکرم ﷺ کے ساتھ صف چند صحابہؓ رہ گئے تو آپ ﷺ نے اپنے خچر سے اتر کر مشت خاک لی اور شاھت الوجوہ کہہ کر کفار کی طرف پھینک دی۔کوئی کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں وہ مٹی نہ پڑی ہو۔پس وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔

آپ ﷺ کے ہاتھ سے چٹان کا پارہ پارہ ہو جانا

غزوۂ خندق میں تمام صحابۂ کرامؓ مل کر مدینہ کے چاروں طرف دشمنوں سے بچنے کے لئے خندق کھودرہے تھے۔اتفاق سے ایک جگہ ایک بہت سخت چٹان نکل آئی۔لوگوں نے ہر چند اُس کو توڑنا چاہا،مگر وہ نہ ٹوٹی،کدالیاں اس پر پڑ پڑ کرا چٹ جاتی تھیں،آخر لوگوں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آکر صورتحال عرض کی۔آپ ﷺ اٹھ کر خود تشریف لائے اور کدالی ہاتھ میں لے کر ایک ضرب لگائی تو وہ چٹان ریگ ہو کر چور چور ہوگئی۔(بخاری شریف)

آپ ﷺ کے اشارہ سے بتوں کا گر جانا

فتح سے پہلے خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کا معبد تھا۔جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ کعبہ میں تشریف لے گئے،دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی اور زبان اقدس پر یہ آیت

کریمہ جاری تھی۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً . (بنی اسرائیل) ''حق آیا اور باطل مٹ گیا، باطل مٹنے ہی کے لئے آیا تھا''۔

آپ ﷺ چھڑی سے جس بت کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ بے چھوئے دھم سے گر پڑتا تھا۔ (ابن حبان وبیہقی وطبرانی وابونعیم)

فائدہ...... یہ واقعہ کہ کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے اور آپ ﷺ دست مبارک سے چھڑی لے کر اُن بتوں کی طرف اشارہ کرتے تھے اور آیت مبارکہ مذکور تلاوت کرتے جاتے تھے، صحیح بخاری ومسلم باب فتح مکہ میں موجود ہے، مگر اس اشارہ سے بے چھوئے بتوں کا گر جانا اور گرتے جانا صحیحین میں مذکور نہیں۔ البتہ بروایت عمر اور طبرانی، ابن اسحاق اور ابونعیم میں بروایت ابن عباسؓ موجود ہے۔ صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح میں جو روایت ہے اُس سے ضمناً اس کے خلاف یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اُن لوگوں سے اکھڑوا کر پھنکوا دیا۔ اس حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ ''حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ مکہ آئے تو اس حالت میں کہ خانہ کعبہ کے اندر بت تھے آپ ﷺ نے اس کے اندر جانے سے انکار کیا تو آپ ﷺ نے ان کے باہر نکال دینے کا حکم دیا تو وہ باہر نکال دیئے گئے''۔

اگر طبرانی، ابن اسحاق اور ابونعیم کی روایت بالا صحیح ہو تو اس میں اور بخاری کی اس روایت میں تطبیق ممکن ہے کہ پہلے جن بتوں کا ذکر ہے وہ حول البیت یعنی خانہ کعبہ کے باہر چاروں طرف تھے، آپ ﷺ ان کی طرف اشارہ کر کے آیت مذکور کو پڑھتے تھے اور وہ گر جاتے تھے اور خانہ کعبہ کے اندر جو بت تھے اپنے اندر جانے سے پہلے آپ ﷺ نے اُن کو نکلوا کر پھینکوا دینے کا حکم دیا تھا اسی طرح بخاری ومسلم کی فتح مکہ والی روایت میں جن بتوں کو چھڑی سے کو نچے دینے کا ذکر ہے وہ، وہ ہیں جو باہر تھے یعنی حول البیت اور جن کے نکلوانے کا ذکر بخاری کی دوسری روایت میں ہے، وہ خانہ کعبہ کے اندر تھے۔ (بحوالہ سیرت النبیؐ جلد سوم)

آپ ﷺ کو پتھر کا سلام کرنا

مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ’’میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مکہ میں ظہور نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، میں اب بھی اس کو (خوب) پہچانتا ہوں‘‘۔ (مسلم شریف)

تشریح...... ’’مجھے سلام کیا کرتا تھا‘‘۔ یعنی جب بھی میں اس پتھر کے سامنے سے گزرتا تو مجھے اس میں آتی ہوئی یہ آواز سنائی دیتی۔ السلام علیک یا نبی اللہ ﷺ! بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس پتھر سے مراد حجر اسود ہے اور بعض حضرت نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے، جو ’’زقاق الحجر‘‘ کے نام سے مشہور ہے اور وہ اب تک مکہ میں موجود ہے، یہ پتھر جس جگہ ہے وہ مسجد حرام اور حضرت خدیجہؓ کے گھر کے درمیان واقع ہے۔ ایک روایت حضرت عائشہؓ سے منقول ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ’’جب حضرت جبرائیلؑ میرے پاس رسالت لے کر آئے اور مجھے نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کر دیا گیا تو اس کے بعد جب بھی میں کسی درخت یا پتھر کے سامنے سے گزرتا تو وہ کہتا کہ السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

❁❁❁❁❁

خصوصیت نمبر ۴۱

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری امتوں سے اعلیٰ امت عطا فرمائی

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اکتالیسویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری امتوں سے اعلیٰ امت عطا فرمائی" بیشک یہ بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ساری امتوں سے اعلیٰ امت عطا فرمائی جیسا کہ آنے والے اوراق میں احادیث کی روشنی میں اس کی تفصیل پیش کی جارہی ہے کہ یہ آخری امت دوسری امتوں سے زیادہ افضل کس طرح ہے، البتہ اب ہم جو آخری امت میں شامل ہیں، ہمارے لئے ضروری ہے کہ اپنے نبی ﷺ کے صدقے جو ہمیں افضلیت ملی ہے اس کی لاج رکھیں، اور اپنے نبی ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل پیرا ہوں کہ بے شک اسی میں ہم سب کی کامیابی اور فلاح مضمر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی تمام احادیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے

اکتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کا حال بارش کے حال کی طرح ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر بہتر ہے۔ (ترمذی)

تشریح...... بارش کی مثال کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کا ذکر جس انداز میں کیا اس سے بظاہر تو شک وتردد اور عدم یقین اس میں سمجھا جاتا ہے کہ معلوم نہیں کہ اس امت کے پہلے لوگ بہتر تھے یا بعد کے لوگ بہتر ہیں۔ لیکن حقیقت میں حدیث سے یہ

مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ بارش کی مثال کے ذریعہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ پوری امت اچھی ہے جیسا کہ سوکھے اور خشک موسم میں جب بارانِ رحمت نازل ہوتی ہے تو پوری بارش ہی اچھی اور نافع مانی جاتی ہے، اس طرح امت محمدی ﷺ میں پہلے زمانے سے تعلق رکھنے والے اور بعد کے زمانوں کے سچے مسلمان بھی خیر یعنی اچھا ہونے اور فائدہ پہنچانے کے اعتبار سے برابر ہیں، پس لفظ ''خیر'' دین کے اعتبار سے افضلیت ظاہر کرنے والے اسم تفصیل کے طور پر استعمال نہیں ہوا۔ رہا یہ سوال کہ امت کے اول اور آخر دونوں سے تعلق رکھنے والے اچھا اور نافع ہونے میں برابر ہیں؟ تو وہ یوں کہ دور اول کے لوگوں نے رسول خدا ﷺ کی صحبت و رفاقت کا شرف پایا۔ آنحضرت ﷺ کی ہر حالت میں اتباع کی، آپ ﷺ کی دعوت اسلام دوسروں تک پہنچائی، آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ ﷺ کی ہر طرح کے پیش کئے ہوئے دین کے فوائد کی بنیاد رکھی، آپ ﷺ کے دین متین کو اعانت و تقویت پہنچائی اور آنحضرت ﷺ کی ہر طرح سے مدد و حمایت کی تو بعد کے امتیوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور رسالت اور آپ ﷺ کی شریعت کو جوں کا توں تسلیم کیا، رسالت و شریعت کے ہر جز پر مضبوط عقیدے کے ساتھ جمے رہے، آپ ﷺ کے دین کی حفاظت اور دین کو استحکام و رواج دیا دینی فوائد و ہدایات کی بنیاد کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، اور یا دین و شریعت کے ارکان کو مضبوط و مستحکم کیا، اسلام کے جھنڈے کو سربلند کیا، اسلام کی روشنی کو چار دانگ عالم میں پھیلایا اور اس کے برکات و اثرات تمام عالم پر ظاہر کئے اور اگر لفظ ''خیر'' کو اسم تفصیل کے معنی پر محمول کیا جائے تو بھی اس اعتبار سے درست ہو سکتا ہے کہ ''خیر'' (بہتر ہونے) کے وجود اور اسباب متعدد ہوتے ہیں جن اسباب و وجود کے اعتبار سے دور اول کے امتی بہتر تھے، ان کے علاوہ بعض اور اسباب و وجود سے بعد کے زمانے کے امتی بہتر ہیں گویا حاصل یہ نکلا کہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نافع اور اچھا ہونے کے اعتبار سے پوری امت یکساں اور برابر ہے اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے، کہ وجود اور سباب کے تعدد و اختلاف کے مدنظر دور اول کے امتی اپنے اعتبار سے بہتر ہیں اور بعد کے زمانے کے امتی

اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہتر ہیں، لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ جہاں تک کلی افضلیت کا تعلق ہے وہ صرف دورِ اول امتیوں یعنی صحابہؓ کیلئے مخصوص ہے۔ اگرچہ اس کے منافی نہیں ہے کہ کسی خاص درجہ ونوعیت کے تحت بعد کے امتیوں میں سے کسی کے لئے جزوی افضلیت ثابت کی جائے اور یہ بات ذہن میں رہے کہ کلی افضلیت سے مراد "اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ثواب پانا" ہے۔

اور علامہ تورپشتیؒ نے لکھا ہے: حدیث کے بعد کے امتیوں پر دورِ اول کے امتیوں کی فضیلت وبرتری میں شک وتردد پر ہرگز محمول نہیں ہے کیونکہ قرنِ اول (صحابہؓ کا زمانہ) تمام قرنوں سے بلاشک وشبہ افضل ہے پھر اس کے بعد کے قرآن کے امتی اپنے بعد والے تمام قرنوں سے افضل ہیں اور پھر اس کے بعد قرن کے امتی اپنے بعد والے تمام قرنوں سے افضل ہیں، پس حدیث کی مراد بس یہ بیان کرنا ہے کہ دین شریعت پھیلانے کے اعتبار سے پوری امت نافع ہے۔ اسی طرح کی بات قاضیؒ نے بھی ایک طویل عبارت میں لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح بارش کے بارہ میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسکا کون سا حصہ زیادہ مفید اور نفع بخش ہے اور کس وجوہ سے "خیر" کا وجود ہے اور کن افراد میں "خیر" کا وجود نہیں ہے، کیونکہ وجودِ خیر کی مختلف جہتیں اور مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں اور اس اعتبار سے امت کا ہر دور اپنی اپنی حیثیت اور جہت سے "وجودِ خیر" کا حامل ہوگا۔ تاہم الفضل للمتقدم کے تحت افضلیت انہی امتیوں کے لئے ہے جو دورِ اول میں تھے، یعنی صحابہؓ اور یہ حدیث بعد کے زمانے والے امتیوں کے لئے تسلی کا مصدر ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ رب العلمین کی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس کی بارگاہ سے حصولِ فیض کی توقع ہر حال میں باقی ہے۔

اس حدیث کی شرح میں طیبیؒ لکھتے ہیں امت کو بارش کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے وہ محض ہدایت اور علم کو سامنے رکھ کر دی گئی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں بارش کو ہدایت اور علم کے مشابہت دی ہے پس حدیث میں مذکورہ "امت" جس کو بارش کے

ساتھ مشابہت دی گئی ہے اس سے مراد علماء کاملین ہیں کہ جو خود بھی کامل ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی درجہ کمال تک پہنچاتے ہیں، یہ وضاحت بھی گویا اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ "خیر" سے "نفع" کے معنی مراد لئے جائیں جس سے "افضلیت" میں پوری امت کا یکساں ہونا لازم نہیں آتا، خلاصہ کلام یہ کہ امت محمدی ﷺ اپنے کسی دور میں "خیر" سے خالی نہیں رہے گی، جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے پوری امت کو "امت مرحومہ" فرمایا ہے اور یہ ثمرہ ہے اس بات کا کہ اس امت کا نبی "نبی رحمت" ہے، بخلاف دوسری امتوں کے کہ ان کے ہاں "خیر" کا وجود صرف ابتدائی دور میں رہا اور پھر بعد والوں میں "شر" آگیا اور اس طرح آیا کہ انہوں نے اپنی مقدس آسمانی کتابوں تک کو بدل ڈالا اور تحریفیں کر کر کے اپنے دین کا حلیہ بگاڑ دیا جس پر ان کے دور اول کے لوگ تھے۔

اور حضرت امام جعفر صادقؒ اپنے والد (حضرت امام محمد باقرؒ) سے وہ اور وہ امام جعفر کے دادا (یعنی حضرت امام زین العابدین علی بن حسین بن علیؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ اور خوش ہو جاؤ، بات یہ ہے کہ میری امت اجابت کے (افراد کا حال (حصول منفعت کے اعتبار سے) بارش کے حال کی مانند ہے جس کے بارہ میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اخیر بہتر ہے یا اس کا اول بہتر ہے، یا میری امت کی مثال ایک باغ کی مانند ہے جس (کے کچھ حصوں سے) ایک سال ایک جماعت نے کھایا یعنی نفع اٹھایا اور اس (کے کچھ حصوں سے) دوسرے سال ایک اور جماعت نے کھایا، ممکن ہے وہ جماعت جس نے آخر میں باغ سے کھایا ہے (پہلی جماعت کے مقابلے میں) چوڑائی اور گہرائی میں زیادہ ہو اور خوبیوں میں بھی اس سے بہتر ہو، بھلا وہ امت کیونکر ہلاک (یعنی نیست و نابود) ہو جس کا اول میں ہوں جس کے وسط میں مہدی ہوں گے اور جس کے آخر میں مسیح ہوں گے، ہاں ان زمانوں کے درمیان ایک کج رو (یعنی گمراہ) جماعت پیدا ہوگی، اس جماعت کے لوگ میرے راستے وطریقہ پر چلنے والے اور میرے متبعین میں سے نہیں ہوں گے اور نہ ہی میں ان میں سے ہوں یعنی میں ان سے راضی اور ان کا حامی و مددگار

نہیں بلکہ انکی سرکشی اور ان کے فسق کے سبب اس سے ناراضگی اور بیزاری کا اظہار کرتا ہوں"

تشریح...... "خوش ہو اور خوش ہو......" یہ الفاظ آپ ﷺ نے دوبار تاکید کے لئے فرمائے یا اس تکرار میں یہ نقطہ ملحوظ تھا کہ ایک بشارت تو دنیا کے اعتبار سے ہے اور ایک بشارت آخرت کے اعتبار سے۔

"میری امت کی مثال......" اس جملہ میں او (یا) کا لفظ تنویع کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور تخیر کے لئے بھی، بہر صورت "باغ" سے مراد وہ باغ ہے جس کے درخت ہرے بھرے ہوں اور اس میں انواع واقسام کے پھل میوے کثرت سے ہوں اور "امت" کو باغ کے ساتھ مشابہت دینا دراصل "دین" کو اس کے شرائع ارکان اور شعبوں کی جہت سے مشابہت دینا ہے۔

چوڑائی اور گہرائی میں...... یہاں چوڑائی اور گہرائی" سے جماعت کی کثرت اور لوگوں کی بڑی تعداد کے معنی مراد ہیں، اس جملہ میں طول، (لمبائی) کا ذکر اس لئے نہیں ہے کہ عرض اور عمق طول کے بعد ہوتا ہے، جب عرض اور عمق کا ذکر آ گیا تو طول کا بھی ذکر ہو گیا۔

"اور حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن صحابہؓ سے پوچھا) بتاؤ! ایمان کے اعتبار سے تم مخلوق میں سے کس کو زیادہ پسند کرتے ہو، یعنی خدا کی مخلوقات میں کس مخلوق کے ایمان کو تم بہت ہی قوی اور بہت اچھا سمجھتے ہو؟ صحابہؓ نے جواب دیا۔ ہم تو فرشتوں کے ایمان کو بہت اچھا اور قوی سمجھتے ہیں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا: فرشتوں کے ایمان میں کیا عجوبہ پن ہے؟ وہ تو اپنے پروردگار کے پاس ہی رہتے ہیں یعنی فرشتے مقرب بارگاہ خداوندی ہیں اور عالم جبروت کے عجائب وغرائب کا ہمہ وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اگر ان کا ایمان قوی ہے تو اس میں کیا عجیب وغریب بات ہے۔ انہی صحابہؓ یا دوسرے بعض صحابہؓ نے عرض کیا! تو پھر وہ پیغمبر ہیں کہ ہمارے نزدیک ان کا ایمان بہت اچھا اور قوی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بھلا وہ

شک وشبہ سے دور اور قوی ایمان کے حامل کیوں نہیں ہوں گے، آسمان سے وحی اترتی ہی ان کے اوپر ہے، اب صحابہؓ نے کہا! تو پھر ہم لوگ ہیں (جو آپ ﷺ کے صحابہؓ ہیں، لہٰذا کہنا چاہئے کہ ہمارا ایمان اچھا اور قوی ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہارے ہی ایمان میں کیا عجوبہ پن ہے جب کہ میں تمہارے درمیان میں موجود ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے فرمایا! حقیقت یہ ہے کہ میری اتباع کرنے والے کہ جو نسل در نسل قیامت تک اس دنیا میں آتے رہیں گے) وہ لوگ احکام دین کے مجموعہ مصحف یعنی قرآن پاک پائیں گے اور اس میں جو کچھ مذکور ہے سب پر ایمان لائیں گے۔

تشریح...... جواب دینے والے صحابہؓ نے بہت اچھے اور بہت قوی ایمان کے اعتبار سے جو پہلے فرشتے کا ذکر کیا اور پھر انبیاء کا تو اس سے انبیاء پر فرشتوں کی فضیلت لازم نہیں آتی۔ اللہ کے ہاں کثرت ثواب کے اعتبار سے جو فضیلت انبیاء کو حاصل ہے وہ اپنی جگہ مسلم ہے۔ اس میں شک وشبہ نہیں۔

آسمان سے وحی اترتی ہی ان کے اوپر ہے...... یعنی انبیاء کو تو ایمان کا اور سب سے اچھا اور سب سے قوی ایمان کا حامل ہونا ہی چاہئے۔ کیونکہ اس دنیا میں ایمان اور دین وشریعت کے اترنے کا اصل ذریعہ "وحی" ہے اور وحی انہی پر اترتی ہے فرشتہ روح الامین (جبرئیل) آسمان سے آتا ہے اور حق تعالیٰ کا پیغام براہ راست ان کو پہنچاتا ہے۔ وہ فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور ان کے انوار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ لغت میں "وحی" کے معنی ہیں۔ پیغام، دل میں پوشیدہ بات ڈالنا ہر وہ چیز دوسرے کو معلوم ہونے کے لئے تم پیش کرو اور آواز، اور اصطلاح شرع میں "وحی" اللہ کے اس پیغام کو کہتے ہیں جو جبرائیل امین پیغمبروں کے پاس لائیں۔

"جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں" اور تم وحی اور ایمان کے آثار وانوار کا مشاہدہ کرتے ہو، نبوت کی نشانیاں اور معجزے دیکھتے ہو میرے جمال باکمال سے انوار حق کا دیدار کرتے ہو، میری صحبت وہم نشینی کے ذریعہ تم میں اسرار حقیقت سرایت کرتے ہیں اور

میرے باطنی تصرف اور میرے ارشاد و اقوال سے تمہارے ظاہر و باطن میں کمالات و کرامات پیدا ہوتے ہیں۔۔ایسی صورت میں خدا پر ایمان لانے، خدا کے اتارے ہوئے دین، شریعت کے احکام میں یقین رکھنے اور خدا کے بتائے ہوئے اوامر و نواہی کو ماننے میں تمہارے لئے شک و تردد کا کوئی موقع ہی نہیں ہے۔

''سب ایمان لائیں گے۔۔۔'' یعنی ان کا ایمان بالغیب ہوگا، نہ انہوں نے اپنے نبی کو دیکھا ہوگا، نہ نبی کی صحبت کے ذریعہ انوار حق کا مشاہدہ کیا ہوگا، اور نہ نبوت کے آثار و معجزات کو اپنی نظروں کے سامنے پایا ہوگا۔ وہ اپنے بڑوں (صحابہؓ) سے اخبار آثار کی صورت میں جو کچھ سنیں گے اسی پر اعتماد و یقین کر کے خدا پر، خدا کے رسول پر، خدا کی کتاب پر اور خدا کے اتارے ہوئے دین پر ایمان لائیں گے اور اس ایمان پر مضبوطی سے قائم رہیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو فرمایا ہے کہ یؤمنونَ بِالغیب تو اس کی مراد بھی بعض تفسیر کا جہات سے یہی ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھیوں نے ان کے سامنے محمد ﷺ کے صحابہؓ اور ان کے ایمان کا ذکر کیا تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا: حق تو یہ ہے کہ محمد ﷺ کی حقیقت و حیثیت، ان کی دعوت اسلامی اور انکا سارا معاملہ ہر اس شخص پر پوری طرح روشن اور واضح تھا جس نے آپ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ کی صحبت و ہم نشینی کا شرف پایا، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کسی ایمان والے کا ایمان ایمان بالغیب سے افضل نہیں اور پھر حضرت مسعودؓ نے یہی آیت یعنی یومنو ن بالغیب پڑھی۔

بہر حال آنحضرت ﷺ کے زمانے مبارک سے متصل ہونے کے سبب اور آنحضرت ﷺ کے بابرکت صحابہؓ کی رفاقت و صحبت پانے کی وجہ سے اگرچہ تابعین پر آثار و انوار حقانیت واضح ہیں، اور آنحضرت ﷺ کا صدق واضح تھا لیکن اس کے باوجود یہی کہا جائے گا کہ، از دیدہ بسے فرق بود تا بشنیدہ۔ اور حاصل یہ ہے کہ اگرچہ صحابہؓ کا ایمان بالغیب تھا لیکن ان کا ایمان بالغیب انہی چیزوں میں تھا جن پر ایمان لازم فرض ہے، جیسے اللہ کی

ذات، ملائکہ اور امور آخرت وغیرہ جب کہ اور بہت سی چیزیں ان کی آنکھوں دیکھی ہوئی تھیں ان کے مشاہدہ میں آئیں۔ ان کے برخلاف تابعینؒ اور ان کے بعد اہل ایمان کا معاملہ یہ ہے کہ ان کا سارا ایمان بالغیب ہے کوئی چیز انکی آنکھوں دیکھی ہوئی نہیں ہے، کوئی چیز ان کے مشاہدہ میں نہیں آئی پس اس اعتبار سے ان کے ایمان کو افضل اور پسندیدہ تر فرمایا گیا۔

آپ ﷺ کی امت میں ایک جماعت کی فضیلت

"حضرت عبداللہ بن علاء حضری کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے یہ حدیث بیان کی جس نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ وہ (زمانہ آنے والا ہے جب اس امت کے آخری دور میں ایک جماعت ہوگی جس کا ثواب اس امت کے ابتدائی دور کے لوگوں (یعنی صحابہؓ) کے ثواب کی مانند ہوگا، اس جماعت کے لوگ مخلوق خدا کو (ان) شرعی امور کی تلقین و تبلیغ کریں گے (جن کا وجود دین میں پایا جاتا ہے) اور ان باتوں سے باز رکھنے کی کوشش کریں گے جو خلاف شرع ہیں (اور جن کا دین سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں) نیز وہ لوگ فتنہ پردازوں (یعنی اسلام اور مسلمانوں سے منحرف ہو جانے والوں، خارجیوں، رافضیوں اور تمام بدعتیوں) سے لڑیں گے (خواہ اسلحہ و طاقت کے ذریعہ لڑیں خواہ زبان و قلم کے ذریعہ) ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔"

آپ کو دیکھے بغیر ایمان لانے والوں کی فضیلت

"اور حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مبارک بادی ہے اس شخص کو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور سات بار مبارک بادی ہے اس شخص کو جس نے مجھ کو نہیں دیکھا اور پھر اس پر ایمان لایا، میری نبوت کی تصدیق کی" (احمد)

تشریح...... اور سات مبارک بادی ہے۔۔۔۔" اس سے ان امتیوں کی فضیلت ثابت ہوتی، جو آنحضرت ﷺ کی ذات پر اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر غائبانہ ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن یہاں سات کے عدد کا تعین کس معنیٰ میں ہے اس کا علم خدا اور خدا کے

رسول ہی کے سپرد کرنا پڑتا ہے ایسے کہا جاسکتا ہے کہ کسی بات کو زیادہ سے زیادہ بلیغ انداز بیان کرنے کے لئے اور اس کی تکثیر کی خاطر چونکہ یہی سات کا عدد بابرکت مشہور ومتعارف ہے اس لئے آپ ﷺ نے ذات رسالت پناہ پر ایمان بالغیب رکھنے والوں کو سات بار مبارک باد دی ہے، پس اس عدد سے تکثیر مراد لینی چاہئے نہ کہ تحدید۔

"اور حضرت ابن محیریزؒ (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو جمعہؓ سے جو صحابہؓ میں سے ایک شخص ہیں، درخواست کی کہ آپ ہمارے سامنے کوئی ایسی حدیث بیان کیجئے جو آپ نے خود رسول کریم ﷺ کی لسان مبارک سے سنی ہو، حضرت ابو جمعہؓ نے کہا: ہاں میں تمہارے سامنے ایک بڑی عمدہ حدیث بیان کروں گا (جو بہت فائدہ پہنچائے گی اور تمہیں خیر وفضیلت کی بشارت بھی عطا کرے گی، تو سنو) ایک دن ہم صبح کے کھانے پر رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھے ہمارے درمیان (مشہور صحابی) حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ بھی تھے (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) ابوعبیدہؓ نے (نعمت الٰہی کے شکر اور ذات رسالت پناہ کے انعام واحسان کے ذکر کے طور پر) کہا کہ یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص ہم سے بہتر ہوسکتا ہے ہم تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے (آپ ﷺ کے ہاتھ پر) ایمان واسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کے شانہ باشانہ دشمنان دین کے خلاف جہاد کیا، آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: ہاں تم سے بھی بہتر لوگ ہیں اور وہ لوگ وہ ہیں جو تمہارے بعد پیدا ہوں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے جب کہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہیں ہوگا اس روایت کو احمدؒ اور دارمیؒ نے نقل کیا، نیز رزینؒ نے اس روایت کو حضرت ابوعبیدہؓ سے ان کے الفاظ سے آخر تک نقل کیا ہے (یعنی رزینؒ کی نقل کردہ حدیث میں ابن محیریزؒ اور ابو جمعہ کے مکالمہ کا ذکر نہیں ہے۔"

تشریح...... ہاں تم سے بھی بہتر لوگ ہیں" یعنی وہ لوگ اس جہت سے تم سے بہتر ہیں کہ وہ مجھے بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے، اگرچہ اس حیثیت سے کہ تمہیں سبقت اسلام میری صحبت وزیارت اور میرے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کی سعادت عظمیٰ حاصل ہے ان لوگوں پر تمہاری فضیلت وبرتری مسلم ہے۔

آپ ﷺ کی امت کے اربابِ حدیث کی فضیلت

''حضرت معاویہ بن قرہؓ سے روایت ہے جو اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب اہل شام تباہ ہو جائیں تو پھر تم میں بھلائی نہ ہوگی اور میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت ایسی رہے گی جس کو (دشمنان دین کے مقابلے پر غالب رہنے کے لئے اللہ کی نصرت وتائید حاصل ہوگی، اس جماعت کو وہ شخص کچھ نقصان و ضرر نہ پہنچا سکے گا جو اس کی تائید واعانت ترک کر دے (کیونکہ اس جماعت پر اللہ تعالیٰ کی عنایت بے شمار ہوگی) تا آنکہ قیامت قائم ہو اور ابن مدینیؒ (جو اکابر محدثین میں سے ہیں) کہتے ہیں کہ اس جماعت سے مراد اربابِ حدیث ہیں اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے او رکہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''

تشریح...... حضرت معاویہ بن قرہؓ کے والد کا نام قرہ بن ایاسؓ ہے جو صحابی ہیں۔ خود حضرت معاویہ بن قرہ ایک تابعیؒ ہیں، ان کا شمار اہل علم و عمل میں ہوتا ہے۔ بلند پایہ فقیہہ کی حیثیت سے مشہور ہیں، جنگ جمل کے دن ان کی ولادت ہوئی تھی، اور ۱۱۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔

''تو پھر تم میں بھلائی نہ ہوگی......'' یعنی جب اہل شام میں بھی فساد و تباہی پھیل جائے گی تو اس وقت شام میں سکونت اختیار کرنا یا اپنے وطن سے ہجرت کر کے ملک شام میں جانے میں کوئی بھلائی نہیں رہے گی۔

اور حضرت شیخ عبدالحقؒ نے یوں وضاحت کی ہے کہ ان الفاظ کی بظاہر مراد یہ ہے کہ آخر زمانہ میں اہل شام خدا کے سچے دین پر قائم ہوں گے اور خیر امت ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیں گے اور پھر آخر کار ان میں بھی تباہی آجائے گی اور یہ اس وقت ہوگا جب قیامت آئے گی تو اس دنیا میں صرف بدکار لوگ موجود ہوں گے چنانچہ اہل شام کے تباہ ہونے کے ساتھ ہی اس روئے زمین میں سے خیر کا وجود اٹھ جائے گا جو اس بات کا نتیجہ ہوگا

کہ اس وقت اہل خیر میں سے کوئی بھی اس دنیا میں باقی نہیں ہوگا۔

تا آنکہ قیامت قائم ہو...... میں قیامت قائم ہونے سے مراد قائم ہونیکا وقت بالکل قریب آجانا ہے کیونکہ یہ تو ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو اس وقت روئے زمین پر کوئی کلمہ گو باقی نہیں ہوگا۔

''اس جماعت سے مراد ارباب حدیث ہیں۔۔''یعنی وہ محدثین اور اہل علم کہ جو حدیث کے حفاظ ہیں، حدیثوں کے راوی ہیں، سنت نبوی ﷺ پر کہ جو کتاب اللہ کی ترجمان اور شارح ہے عمل کرنے اور جو درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ احادیث نبوی ﷺ اور علوم نبوی کی خدمت اور اس کے سیکھنے میں لگے ہوئے ہیں اور گویا وہ گروہ جن کو ''اہل سنت والجماعت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

آپ ﷺ کی امت سے خطاونسیان معاف ہے

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطاء نسیان کو معاف کر دیا ہے اور اس گناہ سے بھی معافی عطا فرمادی جس میں زبردستی مبتلا ہو گیا ہو۔'' (ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح...... خطا جو مد کے بغیر بھی اور مد کے ساتھ بھی آتا ہے اپنے مفہوم میں صواب کی ضد ہے اس کے معنی ہیں ''چوک جانا'' چنانچہ صراح میں لکھا ہے! خطاء بمعنی ناراست جو''صواب'' (درست وراست) کا برعکس مفہوم ہے۔ اسی مصدر سے نکلا ہو لفظ ''خطیئہ'' ہے جس کے معنی ''گناہ'' کے ہیں، یا ایک قول کے مطابق وہ گناہ جو غیر ارادی طور پر سرزد ہو گیا ہو اور اگر خطا کا لفظ خ کے زیر اور ط کے جزم کے ساتھ خطا ہو تو اس کے معنی بھی گناہ کے ہوتے ہیں، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ خطاء کا لفظ اس گناہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو ارادی طور پر یعنی قصداً کیا گیا ہو اور جو گناہ غیر ارادی طور پر یعنی بلا قصد سرزد ہوا اس کے لئے اخطاط کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ''مخطی'' اس شخص کو کہتے ہیں جو ارادہ تو

صواب یعنی راست و درست عمل کا کرے مگر مبتلا غیر صواب یعنی ناراست و غیر درست عمل میں ہو جائے۔اس شخص نے خطا کی ، یا اس شخص سے خطا ہوگئی ۔ یہ بات ایسے آدمی کے بارہ میں کہی جاتی ہے جس نے قصد و ارادہ تو کسی درست عمل کا کیا تھا لیکن اچانک اس سے وہ عمل واقع ہو گیا جو غیر درست تھا، مثلاً اس نے شکار کو نشانہ بنا کر بندوق چلائی تھی مگر بندوق کی گولی اچانک کسی انسان کو لگ گئی اور اس طرح وہ اس انسان کے قتل خطا کا مرتکب ہو گیا، یا یہ کہ مثلاً وہ آدمی روزہ سے تھا، کلی کرنے کے قصد سے اس نے منہ میں پانی لیا اور وہ پانی حلق میں اتر گیا، پس اس حدیث میں ''خطاء'' کے یہی معنی مراد ہیں۔

''نسیان'' اپنے مفہوم میں ''حفظ'' کی ضد ہے اس کے معنی ہیں بھولنا ''سہو'' کا لفظ ''نسیان'' کے معنی میں آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے، اس شخص نے فلاں کام میں سہو کیا۔یعنی وہ اس کام کو بھول گیا اس سے غافل رہا اس کا دھیان کسی اور کام میں الجھ گیا تھا، ان لفظی وضاحتوں کے بعد اب سمجھئے کہ حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے خطاء ونسیان کو معاف کر دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خطاء ونسیان کے تحت کوئی غیر درست ناروا فعل سرزد ہو جائے تو اس پر گناہ نہیں ہوتا، اس فعل کا مرتکب گناہ گار نہیں ہوگا، یہ مطلب نہیں خطاء ونسیان کے تحت سرزد ہونے والا ہر فعل دیناوی طور پر کسی شرعی قائدے قانون کی گرفت میں نہیں آتا، چنانچہ خود قتل خطاء پر دیت اور کفارہ کا واجب ہونا ثابت ہے، اسی طرح کسی ایک چیز کا خطاء کا ارتکاب ہو جائے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس روزہ کی قضا واجب ہوتی ہے۔ ہاں نسیان کی صورت میں روزے کی قضاء واجب نہیں ہوتی کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اس میں رعایت دی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ روزہ میں اگر بھول سے کوئی چیز کھالی یا کوئی چیز پی لی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔تم اپنے اس روزہ کو پورا کرو کیونکہ تمہارا وہ کھانا پینا اللہ ہی کی طرف سے ہے، نیز نماز میں اگر نسیان اور سہو واقع ہو جائے تو اس پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔اسی طرح کوئی شخص اگر کسی کا مال سہواً تلف کر دے تو اس پر ضمان (معاوضہ) واجب ہوتا ہے۔

''اور اس گناہ سے بھی معافی عطا فرمادی۔۔۔'' اس جملہ میں وما استکرھو ا علیہ صیغہ مجہول کے ساتھ ہے، یعنی وہ گناہ جو زور وزبردستی سے کرائے گئے ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کو کسی ایسے فعل کے ارتکاب پر مجبور کیا گیا ہو جس کو وہ گناہ ہونے کی وجہ سے قطعی ناپسند کرتا ہو اور اس کے ارتکاب میں اس کے اپنے قصد وارادہ کو ذرا دخل نہ ہو تو وہ شخص گناہ گار نہیں ہوگا اگر چہ اس کو مجبور کرنے کے لئے قتل یا ضرب شدید جیسی کسی سخت دھمکی کا استعمال نہ کیا گیا ہو، تاہم اس (زور وزبردستی سے کرائے گئے گناہوں اور جرائم کے) سلسلے میں حق اللہ اور حق العباد کے تعلق سے شرعی احکام وقوانین کی الگ الگ نوعیتیں اور شقیں ہیں جن کی تفصیل اصول کی کتابوں میں مذکور ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید)

آپ ﷺ کی امت کی ایک بہترین فضیلت

''اور حضرت بہز بن حکیم معاویہ بن حیدہ قشیری بصریؒ اپنے والد (حضرت حکیم بن معاویہ) سے اور بہز کے دادا (اور اپنے والد حضرت معاویہ بن حیدہؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کنتم خیرَ اُمّۃٍ اُخرِجَتْ لِلناسِ کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: (اے اہل اسلام) تم ستر امتوں کو تمام کرتے ہوئے اور اللہ کے نزدیک تم ان امتوں میں سے سب سے بہتر اور گرامی قدر ہو۔ اس روایت کو ترمذیؒ، ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ''حسن'' ہے۔''

تشریح...... کُنتُم خیرَ اُمۃٍ اُخرِجَتْ لِلناسِ کا ترجمہ ہے: امتوں میں سے سب سے بہتر امت تم تھے جسے لوگوں (کی ہدایت وبھلائی) کے لئے پیدا کیا گیا۔ پس کنتم (تم تھے) سے مراد یہ ہے کہ اپنی اس خصوصیت اور وصف کے ساتھ تم روز اول سے اللہ کے علم وارادہ میں تھے جس کا ظہور اس دنیا میں اب میرے آنے کے بعد ہوا ہے۔ یا یہ کہ لوح محفوظ میں اس وصف وخصوصیت کے ساتھ تمہارا ذکر روز اول ہی آگیا۔ اور یا یہ کہ گزشتہ امتوں کے درمیان تمہارا ذکر اسی وصف وخصوصیت کے ساتھ یعنی ''خیر امت'' کی حیثیت

سے ہوتا تھا۔

بہر حال ''خیر امت'' میں اس امت سے مراد اس امت کے تمام ہی اہل ایمان مراد ہیں خواہ وہ عام امتیوں میں سے ہوں یا خواص میں سے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسن اعتقاد، ایمان کی راہ میں ثابت قدم رہنے، آنحضرت ﷺ کے تئیں بہت زیادہ محبت و تعلق رکھنے، ایمان سے نہ پھرنے، اسلام کی غلامی کے دائرے سے اپنے کو باہر نہ رکھنے اور ان جیسی دوسری خصوصیات وصفات رکھنے کے سبب ہر امتی اس فضیلت میں شامل ہے جو پچھلی تمام امتوں کے مقابلے میں اس امت مرحومہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہے، تاہم بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ ''خیر امت'' کا مصداق مخصوص طور پر اس امت کی وہ جماعت ہے جو ''خواص'' سے تعبیر کی جاتی ہے، یعنی علما، صادقین، شہدائے اسلام اور صالحین امت ان حضرات کے نزدیک ''خیر'' سے مراد خیر تامہ کاملہ مخصوصہ ہے اسی طرح بعض حضرات نے اس کا مصداق ''مہاجرین کی جماعت'' کو قرار دیا ہے، لیکن یہ حضرات ''خیر امت'' کے مفہوم کو ایک محدود دائرہ تک کیوں رکھتے ہیں اور اس مصداق کو کسی خاص طبقہ میں منحصر کیوں کرتے ہیں اسکی وجہ ظاہر نہیں ہے۔ لہٰذا حق یہ ہے کہ ''خیر امت'' کے مفہوم کو مخصوص کرنے کے بجائے عام رکھا جائے۔

''ستر امتوں'' میں ستر کا عدد تحدید کے لئے نہیں، بلکہ تکثیر کے لئے ہے، کیونکہ اس عدد کا اظہار تکثیر کے موقعوں پر زیادہ آتا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ''ستر امتوں'' سے مراد وہ گزشتہ امتیں جو بڑی بڑی اور جن کا عدد ستر تک پہنچتا ہے اور انہیں کے ضمن میں تمام چھوٹی چھوٹی امتیں بھی آجاتی ہیں۔

''تم ستر امتوں کو تمام کرتے ہو۔۔۔۔'' میں ''اتمام'' دراصل ''ختم'' کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ جس طرح تمہارے پیغمبر ﷺ خاتم النبین اور تمام رسولوں کے سرادر ہیں اسی طرح تم بھی تمام امتیوں کے خاتم، تمام امتوں سے زیادہ گرامی قدر اور اتم ہو، پچھلی امتوں پر امت محمدی کی فضیلت وبرتری کے اظہار کے لئے بغویؒ نے ایک روایت اپنی سند کے ساتھ

بطریق مرفوع نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں۔قال ان الجنة حرمت علی الانبیاء کلھم حتی اد خلھا و حرمت علی الامم حتی تد خلھا . "آنحضرت ﷺ نے فرمایا: حقیقت یہ کہ جنت تمام انبیاء پر حرام ہے جب تک کہ میں اس میں نہ پہنچ جاؤں اور جنت تمام امتوں پر حرام ہے جب تک کہ میری امت اس میں داخل نہ ہو جائے۔"

اور یہ چیز اس امت کے حسن خاتمہ کی طرف اشارہ کرتی ہے اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اِنَّ الَّذِینَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنیٰ بھی اشارہ کرتی ہے پس امت محمدی ﷺ اس دنیا میں آنے کے اعتبار سے اگرچہ سب کے بعد ہے لیکن فضل و شرف اور مقام و مرتبہ میں سب سے اعلیٰ۔ (جستہ جستہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

آپ ﷺ کی امت کی ایک اور عظیم فضیلت

"حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔" میری یہ اُمّت مرحومہ ہے (یعنی دوسری امتوں کی بہ نسبت میری امت کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت زیادہ ہے کیونکہ ان کے نبی کی شان بھی رحمۃ للعالمین ہے) اس امت پر آخرت میں عذاب نہیں ہوگا اور دنیا میں اس کا عذاب فتنے، زلزلے اور ناحق قتل ہے۔" (ابوداوُدؒ)

تشریح......" آخرت میں عذاب نہیں ہوگا" کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں دائمی عذاب یا سخت عذاب جو کفار و مشرکوں کے لئے ہے اس امت پر نہیں ہوگا بلکہ اس کا عذاب یہ ہے کہ جو لوگ برے اعمال کرتے ہیں اور دین و شریعت کے راستہ پر نہیں چلتے ان کو سزا کے طور پر اس دنیا میں مختلف فتنوں، آفتوں، امراض اور طرح طرح کے مصائب و آلام میں مبتلا کر دیا جاتا ہے! یہ بات اس آیت کریمہ مَن يَعْمَلْ مِنكُم سُوءً يُجْزَبِهِ کی مراد سے بھی واضح ہوتی ہے اور حدیث کے الفاظ عذابھا فی الدین الخ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے حدیث خاص طور سے ان مسلمانوں کے حق میں جو

کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث کا روئے سخن اس امت کی ایک مخصوص جماعت یعنی صحابہ کرام کی طرف ہو چنانچہ مظہرؒ نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث نہایت پیچیدہ مفہوم کی حامل ہے کیونکہ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت کے کسی بھی فرد کو آخرت میں عذاب نہیں دیا جائے گا خواہ وہ گناہ کبیرہ کرے یا جو چاہے کرتا پھرے! اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی و توفیق کے بغیر کچھ نہیں کہا جاسکتا سوائے اس سے کہ یہ تاویل کی جائے کہ یہاں امت سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے دوسرے احکام کی فرمابرداری کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی بھی کامل پیروی کرے اور ان چیزوں سے پوری طرح پرہیز کرے جن کو اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

''دنیا میں اس کا عذاب۔۔۔۔۔'' کا مطلب یہ ہے کہ میری امت کے لوگ زمانہ کے جن حادثات سے دو چار ہوتے ہیں جیسے زلزلہ آتے اور جان و مال کو نقصان میں مبتلا کرتے ہیں، سیلاب آتے ہیں اور سخت تباہی پھیلاتے ہیں، لوٹ مار مچتی ہے اور مسلمانوں کے جان و مال کو نقصان پہنچتا ہے، یا اسی طرح کی دیگر آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں، اور یہ سب چیزیں ان لوگوں کے گناہوں اور خطاؤں اور بدعملیوں کے کفارہ کا موجب بنتی ہیں اور آخرت میں ان کے درجات کی بلندی کا باعث ہوتی ہے اسی طرح جو کشت وخون اور قتل و قتال ان کے درمیان ہوتا ہے اگر اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ مسلمان کفار اور دین کے دوسرے دشمنوں جیسے مبتدعین وغیرہ کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کا قتل ہونا خود موجب شہادت ہوتا ہے یعنی ان مسلمانوں کو شہید کا درجہ ملتا ہے جو ایک بڑی سعادت ہے اور اس کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ مسلمان خود آپس میں لڑ پڑتے ہیں اور ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں تو دیکھا جائے گا کہ ان کا باہمی قتل و قتال اور کشت وخون کس بنا پر ہے، اگر ایسا ہے کہ دونوں فریق کسی ایسے معاملہ میں برسر جنگ ہو گئے ہیں جس کی حیثیت شرعی نقطہ نظر سے واضح نہیں ہے اور اشتباہ و تاویل کے سبب دونوں کا حق پر ہونا ثابت ہوسکتا

ہے تو اس صورت میں کہا جائے گا کہ دونوں فریق سلامتی پر ہیں، اور ان میں سے کسی کو بھی ظالم قرار نہیں دیا جائے گا، اور اگر ان کا باہم برسر جنگ ہونا اور ایک دوسرے کا کشت وخون کرنا کسی ایسے معاملہ کی وجہ سے ہے جس کی حیثیت وحقیقت بالکل واضح ہے اور ایک فریق صریحاً ظلم وزیادتی پر ہے تو جو فریق مظلوم ہوگا اس کو ماجور قرار دیا جائے گا۔

بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عذاب قبر اس امت مرحومہ ومغفورہ کے خصائص میں سے ہے، یعنی مسلمانوں کو قبر کے عذاب میں اس لئے مبتلا کیا جاتا ہے کہ ان کے نامہ اعمال میں گناہ ومصیبت کی جو گندگی ہے اس کو عالم برزخ میں دھویا جائے اور وہ مسلمان عذاب کی صورت میں اپنے گناہوں سے پاک صاف ہو کر آخرت میں پہنچیں اور وہاں کے عذاب کا منہ نہ دیکھنے پائیں۔ واللہ اعلم بالصواب (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد چہارم)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ساری امتوں سے اعلیٰ امت بنایا تو اس اعلیٰ ہونے کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور جس نبی کے صدقے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضیلت ملی، اس نبی کی محبت اور قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ ﷺ کی تمام سنتوں کو دل وجان سے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۴۲

رسولِ اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ خود ایک امتیازی خصوصیت ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے بیالیسویں خصوصیت شروع کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ خود ایک امتیازی خصوصیت ہے" حضورِ اقدس ﷺ کی اس خصوصیت کو بھی میں نے اپنے آقا ﷺ کے روضہ مبارک کے سایہ تلے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے اور یہ میری ایک دیرینہ آرزو تھی کہ رسولِ اکرم ﷺ کی خصوصیات کے حوالے سے چھپنے والی کتاب سے پہلے پہلے اللہ مجھے اپنے حبیب ﷺ کے شہر بلالے اور میں اپنی آرزو کے مطابق اپنے آقا ﷺ کے سائے تلے بیٹھ کر اس کتاب کو فائنل ترتیب دے سکوں اور بحمد اللہ اللہ تعالیٰ نے میری اس آرزو کو پورا کیا، اس پر میں اپنے اللہ کا شکر گزار ہوں۔

بہرحال محترم قارئین! اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم ہے یعنی آپ ﷺ کی سیرت طیبہ خود ایک خصوصیت ہے کیونکہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ میں ہمیں جو کمالات، برکات، انوارات، فضائل، قربانیاں نظر آتی ہیں دیگر انبیاء کی سیرتوں میں اس قدر کمالات نظر نہیں آتے، دیگر انبیاء بھی اگرچہ کمالات رکھتے تھے لیکن ہمارے حضور ﷺ کی مقدس سیرت طیبہ تمام انبیاءؑ کے مقابلے میں آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیت ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے، انشاء اللہ۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بیالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

کائنات میں نبوت اور انسانیت کا آغاز

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جس پہلے انسان کو احسن تقویم کی خصوصیت کے ساتھ پیدا کیا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ابلیس کی کارروائیوں اور کارفرمائیوں کے باعث آپ ﷺ کو عالم بالا سے زمین پر بھیج دیا گیا۔ یہاں آپ ﷺ کو نبوت کے منصب جلیلہ پر سرفراز کیا گیا۔ یوں اس کائنات میں نبوت اور انسانیت کا آغاز ایک ساتھ اور ایک ہی شخصیت کے حوالے سے ہوا۔ کاروان نبوت کا آغاز تو حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا، پھر یہ قافلہ مختلف منازل اور مراحل سے گزرتا ہوا اپنی حقیقی اور مطلوبہ منزل تک پہنچ گیا اور اس نقطۂ اختتام پر نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے۔

کائنات کے شاہکار حضرتِ انسان کا مقصد

آپ اس کائنات کے مختلف اجزاء اور مخلوقات پر ایک نظر دوڑائیں تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ ہر چیز اپنے اپنے مخصوص راستے پر اپنے فرائض ادا کر رہی ہے۔ چاند، سورج ہو یا ہوائیں، گلیشیر، ندیاں یا دریا، فصلیں، اجناس ہوں یا پھل، چرند و پرند ہوں یا حیوانات، معدنی دفینے ہوں یا قدرتی وسائل، زمین و فضا ہو یا سیارے، سبھی اپنے فرائض اور وظائف ازل سے ایک ہی طریق پر انجام دیتے چلے آرہے ہیں اور اس میں سر موانحراف نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اجزائے آفرینش اور مخلوقات کو جو جبلی یا فطری ہدایت ودیعت کی ہے، سب اسی کے موافق چلتے اور کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جب یہ تمام کائنات اور اس کی مخلوقات فطرت کے بخشے ہوئے قواعد اور ضوابط کے مطابق کام کر رہے ہیں تو کیا اس کائنات کے شاہکار یعنی خود حضرت انسان کے لئے کوئی مقصد متعین نہیں کیا گیا؟ اور آیا اس کے لئے ہدایت کا کوئی فطری نظام وضع نہیں کیا گیا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہر عہد کے فلاسفہ، حکماء، متکلمین اور دانشوروں نے دینے کی بھرپور کوشش کی

ہے، مگر کسی سے بات بن نہیں پائی۔ ان حضرات نے انسانی زندگی کی مقصدیت اور معنونیت کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی کہ جس سے ابن آدم کا اطمینان ہوتا اور اس کے وقار میں اضافہ بھی ہوتا۔

انسان کیا ہے؟ اس کائنات میں اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ حیات بعد الممات، امورغیب اور مابعد الطبیعات اور الٰہیات کے بارے اس کا سرچشمہ علم کیا ہے؟ اس کی ہدایت کے لئے وہ کون سا فطری طریق ہے، جو زمین اور زمانے کی ہر گردش میں پورا اترتا دکھائی دیتا ہے؟ یہ سب وہ سوالات ہیں، جن کے صحیح، درست اور اطمینان بخش جواب صرف اور صرف انبیاء علیہم السلام نے فراہم کئے۔ اور اس کی صاف اور سیدھی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کا جواب اپنی سمجھ اور فہم کی بجائے اس وحی والہام کے ذریعے سے دیا ہے جو انہیں مقدس اور معتبر فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے فراہم کیا ہے۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں انبیاء و رُسل اور فلسفیوں اور دانشوروں کی آراء میں امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔

فلسفی اور متکلم ان سوالوں کا جواب دیتے ہوئے مسئلے کو مزید الجھا دیتے ہیں، جس سے انسانی قلب و نظر کا اضطراب اور انتشار مزید بڑھ جاتا ہے، مگر انبیاء رُسل اس کا وحی الہام کے سرچشمے سے ایسا جواب فراہم کرتے ہیں۔ جس سے شکوک اور شبہات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ کامل طمانیت میسر آجاتی ہے۔ آسمانی ہدایت کے ذریعے قلب و نظر کی طمانیت کا یہ پیغام جن شخصیات کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ سلیم الفطرت اور پاکیزہ نفس انسان ہوتے ہیں، جنھیں ہم نبی، رسول اور پیغمبر علیہم السلام کی پاکیزہ اصطلاحات سے یاد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ، متقی اور مخصوص افراد و رجال کو نبی اور رسول کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ان انبیاء کے مقصد بعثت کو بہت نمایاں انداز میں پیش کیا گیا۔ اگر ایسی تمام آیات مبارکہ کو جن میں نبوت کے چارٹر کی تشریح کی گئی ہے، جمع کیا جائے تو ان کا خلاصہ تین نکات پر مشتمل دکھائی دیتا ہے۔

(۱)۔ تلاوت آیات (۲)۔ تزکیۂ نفس (۳)۔ تعلیم کتاب وحکمت

انبیائے کرام علیہم السلام کے اس مشن اور چارٹر کے ذریعے جو ذہنی تغیر اور قلبی انجذاب پیدا ہوتا ہے، اسے ہم کارنامۂ سیرت کہتے ہیں۔ افسوس کہ مغربی دانشور، سیرت اور سوانح کے درمیان فنی اور علمی نوعیت کا فرق محسوس نہ کر سکے۔ انہوں نے تو خود اپنے رسولوں کے تذکرے صرف داستانوی اسلوب میں لکھے ہیں، لہٰذا کسی یورپی اور مستشرق سے یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی بھی نبی یا رسول کے کارنامۂ سیرت کو اس کے حقیقی فنی تقاضوں کے ساتھ پیش کر سکے۔ مغرب میں سوانح نگاری کے فن نے بہت کمال پیدا کیا۔ ہیرو یا ہیرو ورشپ میں ان کے ہاں بہت جذباتی شدت پائی جاتی ہے۔

مگر جو مذاہب اپنے رسولوں کی سیرت کو فراموش کر چکے ہوں اور جن کی مذہبی کتابیں اپنے الہامی متن اور اس کی زبان تک سے محروم ہو چکی ہوں، وہاں کسی پیغمبر یا نبی کے کارنامۂ سیرت کا تقاضا ایک بے سود خواہش ہے۔ یہاں ایک اور نکتہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جن مستشرقین نے حضرت محمد ﷺ کی سیرت لکھنے کی کوشش کی ہے، وہ صرف اس لئے ناکام رہے کہ ان کے ذہن میں سوانح اور سیرت کا فرق ملحوظ نہیں تھا۔ حضور ﷺ محمد بن عبداللہ بھی ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ بھی۔ محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے انہوں نے آپ ﷺ کی سوانح کو مرتب کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوی حیثیت سے بے خبر ہونے کے باعث وہ کارنامۂ سیرت کی تحسین سے محروم رہے، جب تک کوئی قلم کار خود ایمانی اور اخلاقی اقدار کے سرمائے سے مالا مال نہ ہو، وہ کسی کے سرچشمۂ ایمان اور مرکز رُشد وہدایت شخصیت کی سیرت کا فہم کیسے پیدا کر سکتا ہے۔

لفظ سیرت کا معنی اور مطلب

''سیرت'' کا عربی مادہ و مصدر سار، یسیر، سیراً اور میسراً ہے۔ اس مادے سے بننے والا ہر لفظ کئی معنی رکھتا ہے۔ جو لغت نویسیوں کے ہاں چال، چال چلن، مسافت، ہیئت اور

گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات بیان کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں اسے سیرہ یا السیرہ بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ صاحب تاج العروس نے ''السیرہ'' کے معنی طریقہ کے بھی لکھے ہیں۔ یوں ''احسن السیرہ'' کے معنی ''اچھا طریقہ'' کے ہیں۔ ''ھذا فی سیرۃ الاوّلین'' یعنی یہ بات پہلے لوگوں کے طریقے میں موجود ہے۔ اس کے ایک معنی ہیئت اور حالت کے بھی بیان ہوئے ہیں۔ المعجم الاعظم میں لفظ سیرت کے معنی جانا، روانہ ہونا، چلنا، روش، طریقہ، شکل وصورت، ہیئت، حالت، کردار، سنّت، طرزِ زندگی کام کاج کرنے کا چلن، زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ، عادت، کہانی اور پرانے لوگوں کے قصے اور واقعات کو بیان کرنے کے بھی ہیں۔ سیرہ کا لفظ اپنے اصطلاحی مفہوم میں سوانح عمری اور علم و تاریخ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

انبیاء کی پاکیزہ سیرتوں کا مستند ریکارڈ قرآن کریم ہے

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آسمان سے نازل ہونے والے ۳۱۵ کتب اور صحائف میں سے آج انسانیت کے پاس صرف ایک صحیفہ کامل ''قرآن مجید'' کی شکل میں موجود ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا مقصد بعثت، فرائض نبوت اور ان کی پاکیزہ سیرتوں کا اگر کوئی مستند ریکارڈ کہیں موجود ہے تو وہ صرف اور صرف قرآن مجید میں دکھائی دیتا ہے۔ جہاں تک عہد نامۂ جدید اور قدیم اور زبور، انجیل وغیرہ کا تعلق ہے، ان کے بیانات میں اس قدر تناقص اور تضاد ملتا ہے کہ کوئی ذی فہم شخص راستباز یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ عبارتیں حقیقی الہام پر مبنی نہیں ہیں۔ ہم زیادہ سے زیادہ ان کو ملفوظاتی لٹریچر قرار دے سکتے ہیں۔ البتہ بعض مقامات پر قرآن مجید اور ان تحریف شدہ الہامی نوشتوں میں یکسانیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حقیقی ہدایت کا سرچشمہ اگر کوئی ہوسکتا ہے تو وہ کوئی سچی الہامی کتاب یا صحیفہ ہوسکتی ہے، سو قرآن مجید آج عالم انسانیت کے پاس وحی الٰہی کا واحد نمونہ ہے۔ جس پر استناد سے اعتماد اور اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ اس کی حفاظت کا یہ

نظام اور ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے سپرد رکھی ہوئی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد پاک ہے کہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون" (الحجر:۹)

رسول اکرم ﷺ کی سیرت لائقِ اتباع اور محفوظ سیرت ہے

جس طرح وحی کا کامل اور جامع نمونہ قرآن مجید آج ہدایت کے لئے موجود ہے۔ بعینہٖ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ بھی ہر اعتبار سے محفوظ ہے۔ اسے علمی آثار کے طور پر محفوظ کیا گیا۔ علوم الحدیث کا ایک ایسا ذخیرہ مرتب ہوا، جس کی مثال دنیا کی کسی تہذیب و مذہب میں دکھائی نہیں دیتی۔ علوم کی دنیا میں علم حدیث کو اگر تہذیب انسانی کا سے بڑا علمی سرمایہ قرار دیا جائے تو کسی لحاظ سے کمزور یا غلط بات نہیں ہوگی۔ یہ امر بھی تحدیث نعمت کے طور پر بیان کیا جائے تو کسی لحاظ سے بیان کیا جانا چاہئے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ کی سیرت عملی تواتر کے لحاظ سے محفوظ ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس محبت، عقیدت اور راستبازی کے ساتھ اسوۂ سیرت کو عملاً محفوظ رکھا، اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی دوسری شخصیت نہیں کر سکتی۔ آج دنیا میں چھ ارب انسان پائے جاتے ہیں، جن میں سے ایک چوتھائی کے علاوہ سب غیر مسلم ہیں اور مختلف مذاہب اور ادیان سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن یہ تمام مذاہب مل کر بھی کوئی ایک ایسا انسان پیش نہیں کر سکتے جو اپنے سچے نبی کی تعلیمات کا نمونہ ہو۔ اگرچہ امت مسلمہ بھی اپنے عقیدہ و عمل کے لحاظ سے چودہ صدیوں کے فاصلے پر کھڑی دکھائی دیتی ہے۔ مگر اس امت کے سینکڑوں، ہزاروں نہیں لاکھوں افراد ایسے ملیں گے، جن کی شکل و صورت اور اعمال و عبادات کا ایک بھاری حصہ اسوۂ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ کامل مماثلت اور مشابہت رکھتا ہے۔

ایک دوسرے مفہوم میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیرت طیبہ کا یہ ایک امتیاز ہے کہ یہ ایک سچی، لائق اتباع اور محفوظ سیرت ہے، جسے دنیا کی کل آبادی کا ایک چوتھائی حصہ کسی نہ کسی شکل میں محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ اسلام کی دوامی تہذیب اور سیرت کے لافانی نقشے

کے پس منظر میں یہ حقیقت مہر درخشاں بن کر چمک رہی ہے۔

قرآن مجید کے ایک مقام پر مقاصد نبوت اور فرائض رسالت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اس سیرت اور اسوہ کو انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (سورۃ آل عمران)

"درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہیں میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا، جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے"۔

نبوت کو انسانیت کے لئے ایک احسانِ عظیم قرار دیا گیا ہے۔ اس کا باعث وہ فرائض ہیں، جن کا تذکرہ آیت مذکور میں کیا گیا ہے۔ تلاوت آیات، تزکیۂ نفس اور تعلیم کتاب وحکمت منشورِ رسالت ہے۔ اسی منشور رسالت میں سیرت کی اہمیت، ضرورت اور حکمت سب کچھ واضح کردیا گیا ہے۔ آیات بینات ہوں اور احادیث مبارکہ، کتاب وسنت کی ان تعلیمات کا مقصود نفس انسانی کی اصلاح اور نفوسِ انسانیہ کا تزکیہ ہے۔ قرآن مجید میں نفس انسانی کی تین حالتوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نفس امارہ کی شرارتوں، خباثتوں اور جہالتوں کے سلسلے تمام منکرات وفواحش میں پھیلے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات خوف آخرت اور اسوۂ رسول میں تضرع وزاری اور خشوع وخضوع کے اسباق ایک ہی جیسا ماحول پیدا کرتے ہیں جس سے نفس انسانی میں لوامہ کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، جو ترقی کرتے کرتے بالآخر نفس مطمئنہ کے درجے پر فائز ہوجاتی ہے اور یہی مقصود حیات، غایات زندگی اور حکمتِ زیست ہے۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ اِرْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝

فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ ۝ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ۔ (الفجر:۲۷۔۳۰)

''اے نفس مطمئنہ، چل اپنے رب کی طرف، اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں''۔

یوں انبیاء علیہم السلام کی سیرتیں اپنے اپنے زمانے میں خلق خدا کے نفوس کی اخلاقی، روحانی اور ایمانی تربیت کے لئے ناگزیر رہی ہیں۔ ہر عہد میں اور ہر نبی کے زمانے میں ہمیشہ دو ہی قسم کے کردار پیدا ہوئے ہیں، ایک اشرار کا ابلیسی کردار، جبکہ دوسرا اخیار اور ابرار کا نبوی کردار۔ قرآن مجید نے ان دونوں طبقات کا عہد بہ عہد جائزہ لیا ہے اور یوں تاریخ دعوت وعزیمت کے باب زمانہ قبل نبوت اور بعد رسالت میں صاف واضح دکھائی دیتے ہیں۔

یوں سیرت نفوس انسانی کی اخلاقی تعلیم وتربیت کے لئے ایک ناگزیر دعوت عمل ہے۔ مختلف مذاہب، متنوع کردار پیدا کرتے ہیں مگر حقیقی اور مطلوبہ سیرت اب صرف خاتم الانبیاء اور خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ کی کامل اتباع سے میسر آسکتی ہے۔ انسان کی صالح تربیت کے لئے مختلف مذاہب نے جو طریق اور سلوک پیش کیا ہے، اس کا تقابل اگر اسلامی اور محمدی ﷺ سیرت سے کیا جائے تو ایک قاری کو اس میں بنیادی اور واضح فرق معلوم ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت ہمارے لئے سرمایہ حیات ہے

بے شک محاسن اسلام کا سرمایہ، محاسن مصطفوی ﷺ سیرت نبوی ﷺ میں جھلکتا دکھائی دے گا۔ فضائل اور اخلاق کا کوئی عملی نمونہ یا پیکر مجسم اگر تاریخ میں دکھائی دیتا ہے تو وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اعلیٰ وارفع سیرت کے علاوہ کوئی اور سرمایہ نہیں۔ اسوۂ حسنہ کا یہ وہ معدن ومنبع ہے، جس سے خوشہ چینی کرنے والوں سے حق تعالیٰ نے ان کی زندگیوں میں راضی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اگر ایک طرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی کوئی دوسری

مثال دکھائی نہیں دیتی تو دوسری طرف اصحاب رسول ﷺ سے کوئی جماعت بھی دکھائی نہیں دیتی۔

دنیا میں اخلاقی نشوونما اور روحانی بالیدگی کے لئے بہت سی شخصیات اور اداروں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ ادارے یا شخصیات مطلوبہ مثالی اخلاقی نظام کی تشکیل کے تقاضوں اور لوازمات کا یا تو ادارک نہیں رکھتے تھے یا پھر وہ خود کوئی بہتر نمونہ اخلاق پیش کرنے سے قاصر تھے۔ انسانیت ابھی تک ایک ایسی شخصیت کی تلاش میں تھی جس کی سیرت خود اس کے آئینۂ عمل میں منعکس ہو، اس کے پیغام کی شرح اس کی اپنی سیرت سے آشکار ہو۔ اس کی اخلاقی تعلیمات خود اس کی علمی زندگی کا حصہ ہوں۔ اس کا ہر اشارہ حرکت اعمال وافعال، حرکات وسکنا اور اقوال وفرامین ایک اعلیٰ اور بلند اخلاقی، ایمانی اور روحانی مقام کی نشان دہی کرتی ہوں۔ انسانیت کے دامن میں جزوی اعتبار سے بہت سے اخلاقی نمونے اور نقوش موجود ہیں مگر یہ سب مل کر بھی کسی مکمل اور مطلوبہ سیرت کا نقشہ پیش نہیں کرتے۔

انسانیت کو ایک انسانِ کامل کی ضرورت ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانیت کو بہت مدت سے ایک ایسے انسانِ کامل اور صاحبِ کمال کی ضرورت تھی، جو دن کی روشنی میں امور زندگی کی باگ دوڑ سنبھالتا دکھائی دے ،تو اس کی راتیں اپنے خالق و مالک کے ساتھ راز و نیاز میں بسر ہوتی ہوں۔ اس کی جلوت مخلوق کے دکھ درد میں شریک ہو تو اس کی خلوت ذکر وعبادات میں مصروف دکھائی دے۔ وہ بیک وقت دنیا وعقبیٰ کی حقیقتوں کا شناسا ہو۔ اس کی زبان صبر وشکر کے کلمات سے مزین اور اس کی آنکھ عفت وحیا کی تصویر دکھائی دے۔ اس کے پاس اموالِ دنیا کے ڈھیر لگ جائیں تو وہ استغنا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ اور اگر وسائل کی قلت پیدا ہو جائے تو وہ صبر و قناعت کا پیکر دکھائی دے۔ وہ اپنے اہل عیال اور ساتھیوں کے لئے خلیق اور شفیق اور اپنے

مخالفین کے لئے دامن عفو کو پھیلائے نظر آئے۔ اس کا جہاد امن کی نوید بن جائے اور اس کی سلطنت سراسر خدمتِ انسانی کا نمونہ دکھائی دے۔ وہ اپنے دامنِ فقر میں واردات شاہی کا منظر پیش کرے۔ خود بھوکا رہ کر دوسروں کی سیر شکمی کا سامان کرے۔ دوسروں کی تکالیف کا ازالہ اس کے لئے سامانِ راحت بن جائے۔ وہ حقوق و فرائض میں توازن کی مثال اور دنیا کی افراط و تفریط میں جادۂ اعتدال پر گامزن دکھائی دے۔ ان سب صفاتِ حسنہ سے متصف اور ان تمام کمالاتِ سیرت سے آراستہ صرف ایک ہی سیرت دکھائی دیتی ہے اور وہ حضرت محمد عربی مصطفیٰ ﷺ کی سیرت مبارکہ ہے۔ لَقَد کَانَ لَکُم فِی رَسُولِ اللهِ اُسوَۃٌ حَسَنَ. (الاحزاب)

رسول اکرم ﷺ کی سیرت کے امتیازات

سیرت کے اس مفہوم اور ضرورت اور اہمیت کو جان لینے کے بعد ہمیں یہ بات ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ بذات خود ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ سیرتوں کا تذکرہ کرتا ہے، مگر قرآن وَمَا اَرسَلنٰکَ اِلَّا رَحمَۃً لِلعَالَمِینَ ...... کی سیرت کو گزشتہ چودہ صدیوں سے اس کائنات کی صف کے لپٹنے اور قیامت کے قائم ہونے تک کے لئے ایک واجب الاتباع سیرت قرار دیتا ہے۔ انسانیت کو اپنے اخلاقی مقاصد کی تکمیل اور روحی نشوونما کی تعمیل، ایمانی جذبات کی تشکیل اور تبلیغ دعوت کے ترسیل کے لئے جس مثالی سیرت کی ضرورت تھی، وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت مبارکہ میں میسر آ گئی۔ قرآن مجید نے اس سیرت خاص کی ضرورت کو بہت سی آیات میں واضح کیا ہے جس میں سے چند کلیدی آیات درج کی جاتی ہیں۔

وما اٰتٰکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهٰکُم عَنهُ فَانتَهُوا. (الحشر:۷)

"جو کچھ رسول تمہیں دے، اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور جس چیز سے وہ تمہیں منع کرے، اس سے رک جاؤ"۔

لَقَد کَانَ لَکُم فِی رَسُولِ اللهِ اُسوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَن کَانَ یَرجُو اللهَ والیومَ

الْأٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا۔ (الاحزاب:۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

''اے نبی ﷺ، لوگوں سے کہہ دو کہ ''اگر درحقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے''۔ ان سے کہو کہ ''اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرو۔ پھر اگر وہ تمہاری دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے، جو اس کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں''۔

يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ اِنْ كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيلًا. (النساء:۵۹)

''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے، تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہی ایک صحیح طریقہ کار ہے اور انجام سے بہتر بھی ہے''۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِينًا. (الاحزاب:۳۶)

''کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے، تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے، تو صریح گمراہی میں پڑ گیا''۔

قرآن مجید کی ان آیات مبارکہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی آئینی، شرعی اور قانونی حیثیت کو متعین کیا گیا ہے۔ ذرا اس حدیث مبارکہ کا مطالعہ کیجئے جس میں آپ ﷺ نے خود

اپنی حیثیت کے بارے میں مطلع فرمایا ہے کہ لا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْن۔ (صحیح البخاری، کتاب الایمان)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میری محبت و عقیدت اس کو، اس کے والدین اور اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ نہ ہو''۔

دنیا وآخرت کی بھلائی آپ ﷺ کی سیرت کو اپنانے میں ہے

کتاب وسنت کی ان تعلیمات کی روشنی میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی اسی میں مضمر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی اتباع اس انداز میں کی جائے کہ آپ ﷺ کا اسوۂ کامل ہماری زندگیوں کی اساس اور مرکز ومحور بن جائے۔ جب تک ہمارے اعمال کی بنیاد یا اساس مسنون نہیں ہوگی، ہماری زندگی ایمانی تقاضوں کو فراموش کرنے کی خطا مرتکب ہوتی رہے گی۔ پیغمبرانہ زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دینے کے بعد اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ کوئی ذی روح یا تنفس اتباع رسول کے بغیر زندگی گزارنے کی جسارت کرے۔ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ انسانیت کی واحد پناہ گاہ ہے، جہاں ہمارے فکر وعمل کے سارے داعیات کو سلامتی اور صراطِ مستقیم میسر آسکتی ہے۔

انسان اگر اپنے مقصد تخلیق کے تقاضوں سے باخبر ہونا چاہتا ہے اور وہ ان مطالبات کی تعمیل بھی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے سیرت نبوی ﷺ کے آخری اور کامل نمونے کا مطالعہ ہوا، پانی اور روشنی کی طرح ناگزیر ہے، روئے زمین پر آج تک انسان دو طرح سے زندگی بسر کر رہے ہیں، ایک تو خود پسندی، خود پرستی اور نفس پرستی کا راستہ ہے جو ہر انسان کے اندر ایک چھوٹا یا بڑا نمرود، فرعون، ہامان یا شداد پیدا کر دیتا ہے، دوسرا خدا پرستی یا عبودیت الٰہیہ کا راستہ ہے، جسے حق پرست پیغمبروں نے انسانیت کے لئے واضح کیا اور جس کا آخری اور مکمل نمونہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہمیں میسر آیا ہے۔ ان دونوں راستوں پر چلنے والوں کے کردار کیا کیا رہے ہیں۔ اس کا واضح نقشہ ہمیں قرآن مجید میں رحمانی اور

شیطانی کرداروں کے ضمن میں نمایاں ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص انصاف پسندی اور غیر جانبداری سے اپنی زندگی کے مقصود کا جاننا چاہتا ہے اور اس مقصودِ حیات کے مطابق زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اسوۂ رسول اکرم ﷺ ہی ایک ایسا راستہ اور اتباع رسول ہی ایک ایسا رجحان اور رضائے الٰہی ہی ایک ایسی منزل ہے، جو اس اسلوب زندگی کو اختیار کرنے کے فطری نتائج ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا ہر پہلو قرآن سے واضح ہے

رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ پر پہلی صدی ہجری سے لے کر گزشتہ چودہ صدیوں میں ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین و مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ جن کا احاطہ کرنے کے لئے کتاب داروں نے بہت سے کتابیات تیار کی ہیں۔ اگر اس پورے ادبیات سیرت کا اندازہ لگایا جائے تو شاید تاریخِ انسانی میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں جس پر اس قدر اور ہمہ پہلو لٹریچر تیار ہوا ہو۔ سیرت تو ایک مستقل میدان تحقیق و تصنیف ہے۔ خود متعلقات سیرت اس قدر متنوع اور وسیع ہیں کہ ان کا احاطہ کرنے کے لئے ایک الگ سے کتابی جائزے کی ضرورت ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے اور یہ بات ہمیشہ حقیقت رہے گی کہ سیرتِ نبوی ﷺ کا سب سے کامل اور معتبر ذخیرہ، لوازمہ اور سرمایہ خود قرآن مجید ہے۔ مجھے ان تمام سیرت نگاروں کی اس رائے سے کامل اتفاق ہے کہ دنیا سے تمام ذخیرہ سیرت ختم ہو جائے اور صرف قرآن مجید کا متن موجود رہے تو آپ ﷺ کی سیرتِ مقدسہ و مطہرہ کا ہر پہلو محفوظ رہے گا۔ آپ ﷺ کی نبوی زندگی کا ہر پہلو اور اسلامی ہدایت کا جملہ سامان اس کتاب سے واضح ہے۔

قرآن مجید کے اسی لوازمہ سیرت کی کاملیت کے پیش نظر ہی تو قرآن نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيراً (الاحزاب:۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر

اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار اور اللہ کو کثرت سے یاد کرے"۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم:۵) "اور بے شک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں"۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ، وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ○ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا. سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ، كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ. وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا. (الفتح)

"وہ اللہ ہی ہے، جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے سارے ادیان و مذاہب پر غالب کردے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں، تم جب دیکھو گے، انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی رضا طلب میں مشغول پاؤ گے، سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں، جس سے وہ نمایاں پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت تورات میں اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے، جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو طاقت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے، تا کہ کافر ان کی نشونما پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے"۔

ماخذات سیرت میں قرآن پاک کی حیثیت اور حقیقت تو واضح ہے۔ احادیث بھی اس سیرت کا سب سے معتبر اور مستند ماخذ ہیں۔ صحاح ستہ اور اس کی شروحات میں، وہ تمام کا نامہ سیرت موجود ہے۔

اس کارنامۂ سیرت کا اساسی لوازمہ حضور کریم ﷺ کے اقوال و اعمال، فرامین و

ارشادات اور ہر نوع کی دستاویزات میں موجود ہے۔ صحابہؓ نے اس ذخیرہ کو جس عقیدت، محنت، مسئولیت اور ذمہ داری کے ساتھ آئندہ نسلوں کو منتقل کیا اور محدثین کی جماعت نے جس ترتیب و ترکیب کے ساتھ اس سے استفادے کی شکلیں پیدا کیں اور اس کے فہم کے لئے جس نوعیت کے علوم وفنون کا اختراع کیا، یہ بات خود تاریخ علم کا ایک معجزاتی کرشمہ ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید کے بعد احادیث کی مدد کے بغیر وقائع سیرت اور کارنامۂ سیرت کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

مگر قرآن مجید کے علاوہ تمام اصناف علم اور اقسام تحقیق کے لوازمے کو اصول سیرت کی روشنی میں پرکھنا چاہیئے۔ ہر چند اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ کی طرح اصولِ سیرت پر الگ سے مستند کتب نہیں لکھی گئی ہیں۔ دورِ حاضر میں کچھ حضرات نے فقہ السیر ہ کے عنوان سے اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر وقائع سیرت کے اخذ وترک میں قریب قریب وہی منہج اور اصول اختیار کرنا پڑے گا جو اہل علم حدیث کے اخذ وقبول میں اختیار کرتے ہیں۔ مقام مسرت ہے کہ عربی زبان میں اس اصول کے تحت سیرت نگاری کی نئی اور مفید کوششیں منصۂ شہود اور منظر عام پر آرہی ہیں۔

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کرتے ہوئے، مصنفین سیرت کی کثرت ایک قاری کو حیران کرتی ہے اور بلاشبہ اس عقیدہ میں اضافہ کرتی ہے کہ سیرت وسوانح پر گزشتہ چودہ صدیوں سے مسلسل لکھا جارہا ہے مگر ہنوز روزِ اوّل کا معاملہ محسوس ہوتا ہے۔ ابتدائی صدیوں میں سیرت مغازی، دلائل شمائل، مدارج، معارج، سیر اور میلاد کی صورت میں لکھی جاتی رہی، مگر گزشتہ ایک صدی سے موضوعات سیرت پر توجہ بڑھ گئی ہے۔ سیرت کے موضع پر ابھی تک جو کوائف کتابیاتی تفصیلات کے ذریعے سامنے آئے ہیں۔ ان کے مطابق دنیا کی پچاس سے زائد زبانوں میں دس ہزار سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں تحریر ہوچکی ہیں۔ ہر چند ان میں بعض زبانوں میں تخلیقی سطح پر سیرت نگاری کی بجائے تراجم سے کام لیا جارہا ہے۔ قرآن مجید احادیث اور کتب سیرت کے تراجم دعوت اسلامی کے بنیادی ہتھیار ہیں۔ اس

امر کی بھی صورت ہے کہ مختلف علمی اور دینی رسائل و جرائد میں جو لاکھوں مضامین سیرت کے موضوع پر شائع ہو چکے ہیں، ان کی بھی زبان وار فہارس تیار ہونا چاہیئے اور اس ذخیرے کو کسی ترتیب سے الیکٹرانک پیڈیا مرتب کر سکیں، جو دورِ حاضر کی انسانیت کی علمی، دعوتی اور دینی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

سیرت النبی ﷺ کے امتیازات کے لئے جو تفصیلی پس منظر ہم نے بیان کیا ہے، یہ بذات خود امتیازات سیرت کا ایک ناگزیر باب ہے۔ امتیازات سیرت میں یہ امر لائق توجہ ہے کہ انسانیت کو جس سیرت کی ضرورت ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن مجید میں محفوظ کردی گئی ہے۔ آپ ذرا قرآن مجید کا نسخہ ہاتھ میں تھامئے اور عربی متن کے ساتھ ان آیات کا ترجمہ پڑھتے چلے جایئے، تو آپ کو امتیازات سیرت کا واضح شعور اور ادراک حاصل ہو جائے گا، متن کی طوالت کے پیشِ نظر ہم صرف بعض قرآنی سورتوں کی متعلقہ آیات کے نمبر شمار کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ (۲۱، الانبیاء، ۱۰۷)، (۳۴، سبا، ۲۸)، ۳۳، الاحزاب، ۴۰)، (۵، المائدہ، ۳)، (۲، البقرہ، ۱۵۱)، (۳، آل عمران، ۳۱-۳۲)، (۱۷، بنی اسرائیل، ۱)، (۵۳، النجم، ۳-۴)، (۱۰۸، الکوثر، ۱)، (۹۴، الم نشرح، ۴)، (۸، الانفال، ۶۵)، (۳۳ الاحزاب، ۲۱، ۴۵-۴۶)، (۶۸، القلم، ۴)۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیات میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں، اس مختصر انتخاب سے کارنامۂ سیرت کے اس امتیاز کا اندازہ ہو جاتا ہے، جو حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں۔

ہم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہے۔ آدم علیہ السلام سے حضور ختمی مرتبت ﷺ تک دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے۔ قرآن مجید کی آخری وحی میں اس دین اسلام کی تکمیل کا اعلان یوں کیا گیا ہے۔

اَلْیَومَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِینَکُم واَتْمَمْتُ عَلَیکُم نِعمَتِی وَرَضِیتُ لَکُمُ الاِسلَامَ دِیناً. (المائدہ:۳) ''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی

نعمت تم پر تمام کردی اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے"۔

کاروانِ اسلام اور قافلۂ نبوت کے اس سفر کے دوران ہزاروں انبیاء ورسول مبعوث ہوئے، ان کی طرف مستقل کتابوں کے علاوہ سینکڑوں صحائف بھی نازل کئے گئے۔ ان الہامی صحائف اور کتابت اور کتابِ سماوی میں تحریف کے باوجود جگہ جگہ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں موجود ہیں، جن کا مصداق آپ ﷺ کی ذات اور شخصیت کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں۔ جیسا کہ کچھ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

آسمانی اور الہامی صحائف کی بشارات کے علاوہ غیر آسمانی کتابوں میں بھی آپ ﷺ کے لئے واضح پیشن گوئیاں موجود ہیں۔ ہمیں ان کتابوں کے بارے میں یقین ہے کہ یہ انسانی دماغ اور قلم کی پیداوار ہیں، مگر اس کا کیا کیجئے کہ ان میں بھی آپ ﷺ کے لئے واضح پیشن گوئیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں قید، پوران، دھمید اور اوستا جیسی کتب میں یہ لوازمہ موجود ہے۔

سیرت النبی ﷺ کا ایک یہ امتیازی پہلو پیشِ نظر رہے کہ مسلمانوں کے علاوہ دنیا کے ہر مذہب کے اسکالرز اور مصنفین نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، ان میں سے اکثر کتب تو معاندانہ ہیں، کچھ میں اصلاح طلب مواد اور لوازمہ ہے اور چند ایک واقعتاً ایسی ہیں کہ ان کے ہر صفحے پر وفورِ محبت کا احساس نمایاں ہوتا ہے۔ اس طرح غیر مسلم شعراء نے آپ ﷺ کی نعت میں گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔

اس ضمن میں ہم مشہور مغربی مفکر تھامس کارلائل کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے ایک زمانے میں اپنے خطبات کا سلسلہ شروع کیا۔ جب اس نے اس سلسلے کا دوسرا خطبہ پیش کیا تو خطبے کے دوران لوگوں نے اس لئے احتجاجاً واک آؤٹ کیا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ میں حضرت محمد عربی ﷺ کو انبیاء ورسل کا ہیرو قرار دے رہا ہے۔ تھامس کارلائل کے اس مضمون کے دو ترجمے اردو زبان میں ہو چکے ہیں۔ یہ خطبہ کوئی بہت مثبت جذبات کا حامل نہیں، مگر اس کے باوجود اس میں آپ ﷺ کی عظمت و شوکت کے کچھ پہلو آشکارا ہوتے

ہیں۔

ابھی ربع صدی قبل مائیکل ایچ ہارٹ کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ جس میں تاریخ انسانی کے ۱۰۰ ایسے نمایاں افراد کا تذکرہ ہے، جنہوں نے سب سے بڑھ کر تاریخی عمل کو متاثر کیا ہے۔ ساتھ ہی مصنف نے ان سب کی درجہ بندی بھی کردی ہے کہ سب سے نمایاں شخصیات کون سی ہیں۔ وہ اپنے تاریخ انسانی اور تجزیئے کے باوصف اس امر کا اعتراف کرنے مجبور ہے کہ حضرت محمد عربی ﷺ نے تاریخ انسانی اور تہذیب انسانی کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ مائیکل ایچ ہارٹ کی طرح مختلف مذاہب اور ممالک کے ماضی و حال کے بہت سے تذکرہ نگار ایسے ہیں، جنہوں نے آپ ﷺ کی تعریف وتحسین میں اچھے کلمات لکھے ہیں۔ غیر مسلموں کی ان آراء پر مبنی بہت چھوٹی بڑی کتابیں ذخیرۂ سیرت کا مستقل حصہ ہیں۔ ہم اس موقع پر مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر کی اس رائے سے قارئین کو آگاہ کرنا چاہیں گے۔ ڈاکٹر موصوف نے یہ بات کہی ہے کہ پانچ لاکھ راویانِ سیرت نے آپ ﷺ کے وقائع کو بیان کیا ہے، یہ ایک ایسا مقدس سلسلہ ہے کہ جو کبھی ختم ہونے کا نام نہ لے گا اور ہر شخص اس میں حصہ لینے کا آرزومند دکھائی دیتا ہے۔

امتیازاتِ سیرت پر توجہ کرتے ہوئے ہمیں ذخیرۂ حدیث میں صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت بہت اہم دکھائی دیتی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ۔ اعطیت خمسا لم یعطھن احد قبلی نصرت بالرعب مسیرۃ شھر وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلوٰۃ فلیصل واحلت لی المغانم ولم تحل لاحد من قبلی واعطیت الشفاعۃ وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ. ”مجھے پانچ ایسے (امتیازات) دیئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملے۔

(۱)۔ ابھی ایک ماہ کی مسافت باقی ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے۔

(۲)۔ ساری روئے زمین میرے لئے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے، جو

جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے۔

(۳)۔ غنیمت کا مال میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے، جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا۔

(۴)۔ مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔

(۵)۔ پہلے انبیاء علیہم السلام اپنی اقوام کے لئے خاص ہوا کرتے تھے، مگر میں ساری دنیا کے لئے نبی ہو کر آیا ہوں۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ سراپا امتیاز ہے

رحمت عالم ﷺ کی سیرت مبارکہ سراپا امتیاز ہے۔ آپ ﷺ کو جو کتاب قرآن مجید کی شکل میں عطا کی گئی، وہ اپنی جگہ ایک دائمی اور زندہ معجزہ ہے۔ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سیرتیں اس امر کی غماز ہیں کہ ان سے بہتر کوئی گروہ تاریخ میں نہ اس سے پہلے گزرا اور نہ آئندہ ممکن ہے۔ ان برگزیدہ اور پاک باز صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت نے آپ ﷺ کی سیرت کو علمی اور عملی ہر دو اعتبار سے محفوظ کر دیا۔ پہلی صدی ہجری میں امت کا ادلۂ شرعیہ پہ کامل اجماع تھا۔ جس کی برکات سے امت مسلمہ اور انسانیت قیامت تک فیض یاب ہوتی رہے گی۔ یہ کیسی بابرکت بات ہے کہ پہلی وحی ہی میں علم کو قلم کی حمایت حاصل ہو گئی اور پھر کتابت کے حوالے سے کاتبوں کا ایک عظیم گروہ پیدا ہو گیا۔ جنہوں نے قرآن مجید، احادیث اور سیر و مغازی کے دفتر لکھے، جن پر ائمہ محدثین نے ایسی جزرسی اور پختگی سے نگاہ رکھی کہ احوال و حقائق میں کسی نوعیت کی تحریف اور کمی و اضافہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ آج اگر کوئی وقائع سیرت میں کوئی تغیر یا تبدیلی کرنا چاہے تو سینکڑوں علماء اور محققین اس کی گرفت کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ ائمہ محدثین کی یہ انہی محنتوں کا صلہ ہے کہ اب روایت اور راوی کی تحقیق کے لئے دریافت اور جرح و تعدیل کا فن موجود ہے، جن کی مدد سے تخریج کی تحقیقی ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔

اس موقع پر سیرت کے امتیاز کو تحریری مسودات اور دستاویزات کے حوالے سے سمجھنے

کی ضرورت ہے۔ خود عہدِ رسالت ﷺ میں آپ ﷺ نے عرب اور اس کے اردگرد کے بادشاہوں اور قبائل کے اکابرین کو خطوط لکھوائے، آپ ﷺ کے خطبات حفظ کئے جاتے تھے اور لوگوں کی فرمائش پر اس کی نقول بھی فراہم کی جاتی تھیں۔ ایک ایسی ہی نقل خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر یمن کے بادشاہ ابوشاہ کو فراہم کی گئی۔ سفرِ ہجرت میں سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک کو حضرت ابوصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام حضرت غلام عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن فہیرہ ایک امان نامہ آپ ﷺ کے حکم پر لکھ کر دیتے ہیں۔ مکہ سے مدینہ میں تشریف آوری پر مدینہ کی شہری ریاست کے لئے آپ نے پہلا آئین تحریر کروایا۔ جو دنیا میں اس امر کی مثال تھی کہ کسی فرمارو انے پہلی مرتبہ اپنی ریاست کے باشندگان کے حقوق و فرائض کے لئے ایک تحریری دستور لکھوایا اور عطا کیا۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو ارضِ روم میں ان کے آباواجداد کے علاقے لوٹانے کے لئے تاریخ اسلامی کا پہلا ہبہ نامہ بھی آپ ﷺ ہی نے تحریر کروایا۔ صلح حدیبیہ اور مختلف وفود کے ساتھ معاہدات آپ ﷺ ہی نے تحریر کرائے۔ اسلامی ریاست کی مردم شماری بھی آپ ﷺ کے حکم سے ریکارڈ کی جاتی تھی۔ حجاز کی وسیع تر اسلامی ریاست میں دوسری ریاستوں کے عمال اور قاضیوں کو ریاستی احکامات لکھوا کر بھجوائے جاتے تھے۔ مسجد نبوی ﷺ میں قائم ہونے والے بیت المال کی آمد و خرچ کی تمام مدات موجود اور محفوظ ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ نے مختلف نوعیت کے عائلی، دیوانی، فوجداری اور تجارتی فیصلوں کا اعلان کیا، جن کو بالآخر محفوظ کر لیا گیا، آپ ﷺ کے گھر میں آخری سالوں میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کچھ لکھتے تھے، وہ آپ ﷺ کو دکھا لیتے تاکہ ان کی تحریروں کی توثیق ہو سکے۔

الغرض قرآن مجید اور احادیث کے علاوہ بیسیوں قسم کی تحریرات اور دستاویزات ہیں، جو امت کی تعلیم اور رہنمائی کے لئے آج تک موجود ہیں۔ کیا ایسی علمی، تحقیقی اور دستاویزی شہادت کسی دوسری نبوت کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ امتیازات سیرتِ نبوی ﷺ کا ایک غیر معمولی کارنامہ سیرت ہے۔

امتیازاتِ سیرت کا انوکھا امتیاز

امتیازاتِ سیرت کا ایک انوکھا امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی سوانح آپ ﷺ کے حالات کو کمال حزم واحتیاط سے محفوظ رکھا گیا ہے، اس امتیاز کو سمجھنے کے لئے، ذرا ایک مثال کو ذہن میں لائیے۔ فرض کیجئے کہ ہم موجودہ عہد کے دو بڑے سیاسی سربراہوں کے صرف ایک دن کے چوبیس گھنٹے کے احوال کا مکمل نقشہ جاننا چاہیں کہ روس کے صدر اور امریکہ کے صدر بش نے سالِ رواں کا ایک دن کیسے گزارا۔ تو شاید اس کی مکمل اور جامع تفصیلات ہمارے سامنے نہ آسکیں۔ دراں حالیکہ اس دور میں ایسی شخصیات کے ساتھ ان کے پرائیویٹ سیکریٹری، ان کا وسیع ترعملہ، ہمہ وقت اور ہمہ نوع خدمات کے لئے تیار ہوتا ہے۔ فوٹو گرافرز موجود ہوتے ہیں۔ آڈیو، ویڈیو سہولتیں موجود ہیں۔ ان کے پریس سیکریٹری موجود ہیں، ان کے ذاتی معالج، ان کے طعام خانے کے ماہر باورچی، ان کی تفریح کے لئے مخصوص افراد، دوست اور احباب اور اہل خانہ اور متعدد دوسرے افراد اور ایجنسیز مختلف خدمات کے لئے موجود ہیں۔ مگر ان کی موجودگی اور دستیابی بھی کسی ایک دن کے چوبیس گھنٹے کی لحہ بہ لحہ مصروفیات اور مشغولیات کا ریکارڈ پیش نہ کرسکیں گی۔ مگر قربان جایئے حضرت محمد عربی ﷺ کے کوائفِ حیات کے تمام ماہ وسال کے تمام وقائع اور مصرفیات کا جامع نقشہ اور تفصیلات آج ہمیں میسر ہیں۔ آپ ﷺ کے معمولات کیا تھے۔ آپ ﷺ کا حلیہ مبارک کیسا تھا۔ گھریلو رہائش میں موجود بستر اور برتن کیسے تھے۔ آپ کی نشست و برخاست، خوردونوش، لباس وطعام، انداز کلام، مختلف افراد سے باہمی میل جول، پیغمبرانہ ذمہ داریوں کی تفصیل، ملنے والوں کی روداد یں حتیٰ کہ اپنی ازواج مطہرات جو اُمت کی مقدس ومحترم مائیں ہیں، ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات، سب تفصیلات آپ ﷺ نے خود بیان فرمائی اور آپ ﷺ کے متعلقین نے ان کا باضابطہ ریکارڈ مرتب کیا، کیا دنیا کی کوئی شخصیت ایسا کہہ سکتی ہے کہ اس کی شبینہ مصروفیات کو دن کی روشنی میں بیان کیا جائے، کیونکہ پیغمبر کی زندگی کا ہر لحہ اور ہر عمل

اُمت کے لئے خیر وفلاح کا باعث ہے۔ سیرت النبی ﷺ کا یہ امتیاز ایسا ہے، جو آپ ﷺ کی شخصیت اور کارناموں کو ایک امتیازی رنگ عطا کرتا ہے۔ **اللھم صلّ علیٰ محمد ﷺ**

رسول اکرم ﷺ ایک جامع انقلاب کی نوید لے کر آئے

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک جامع ترین انقلاب کی نوید لے کر آئے۔ یہ ایک ایسا انقلاب اور ایک ایسا دعوتی نظام تھا، جو اعتقادی، علمی، معاشرتی، عدالتی، عسکری، ثقافتی، تجارتی، سفارتی، تہذیبی، آئینی سیاسی اور بین الاقوامی تعلقات کی سطح پر ایک کامل انقلاب تھا۔ اس انقلاب کی اس جہت پر توجہ کیجئے کہ یہ قلیل ترین مادی وسائل کے ذریعے مکمل ہوا۔ مادی سہولتوں اور مالی فراغتوں کے اعتبار سے مکی زندگی ہو یا مدنی دور، عمومی طور پر عسرت اور تنگ دستی کا عالم رہا۔ فقر و فاقہ کی زندگی کا چلن تھا۔ صرف چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے تھے، جنہیں ہر طرح کی مالی آسودگی اور معاشی فراغت میسر تھی اور ان کے پاس اموالِ تجارت، مالی مویشی یا کھیتی باڑی کا موزوں انتظام تھا۔ یہی باعث ہے کہ آپ ﷺ کو تمام اہم امور خصوصاً بعض غزوات کے لئے خصوصی تعاون کے لئے اعلان کرنا پڑتا تھا۔ سیرت النبی ﷺ کے اس دور میں شعب ابی طالب کی صعوبتوں کا منظر ہمارے سامنے ہے۔ بعض حالات میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کوئی دنیا سے رخصت ہوتا تو اس کے لئے موزوں تجہیز و تکفین کا سامان تک فراہم نہ ہوتا۔ اگر کسی مرنے والے کا سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے۔ پاؤں کو ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مکانات عموماً مختصر، کچے اور سادہ تھے۔ اسلامی ریاست کے اردگرد کی ریاستوں اور تہذیبوں کے نقشے کا کوئی رنگ یا شائبہ یہاں دکھائی نہ دیتا تھا۔ ان معاشی حالات میں اس انقلاب کی تکمیل ایک معجزہ نما اثر اور نتیجہ رکھتی ہے۔

اس انقلاب اسلامی کی تکمیل کے لئے، جہاں تک افرادی قوت کا تعلق ہے، ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ مکی زندگی میں تو مسلمانوں کی تعداد بمشکل دو سو سے کچھ زائد تھی۔ سیرت

نگاروں نے تو ان کے نام اور قبیلے بھی محفوظ کر دیئے ہیں۔ البتہ افرادی قوت کا پہلا مظاہرہ غزوۂ بدر کے موقع پر رمضان ۲ھ میں سامنے آتا ہے کہ مسلمان مَردوں میں سے لڑنے کے لائق افراد کی امکانی تعداد ۳۱۳ سے آگے نہیں بڑھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو کے قریب صحابہؓ کا تذکرہ ملتا ہے۔ ۹ھ میں آپ ﷺ نے جو پہلا اور آخری حج ادا کیا، اس میں عرفات کے میدان میں ریکارڈ حاضری ایک لاکھ چالیس ہزار کے قریب صحابہؓ کی بتائی جاتی ہے۔ یہ وہ افرادی قوت تھی، جس میں اتنے بڑے عالمی اور آفاقی، اخلاقی اور ایمانی انقلاب کی تکمیل کی۔

ذرا ایک نظر اس نظام الاوقات پر بھی ڈال لیں۔ اس انقلاب کو اپنی تکمیل کے لئے مکہ مکرمہ میں تو تیرہ سال کا عرصہ ملا، جس میں اسلامی تعلیمات اور دعوت و انقلاب کے لئے زمین اور زمانہ کی ناہمواریوں کے باعث ہجرت کے حکمِ الٰہی کے تحت اہلِ ایمان کا قافلہ اپنے امیر کارواں کے ساتھ مدینہ منورہ میں منتقل ہوگیا۔ یہاں کے دس سالوں میں آپ ﷺ نے اس پیغام اور دعوت کے مطابق ایک صالح معاشرہ بھی تشکیل دیا اور ایک مثالی فلاحی، اسلامی اور آئینی ریاست کو بھی استحکام دیا۔ یوں اسلامی انقلاب کی عملی تکمیل مدنی زندگی کے آخری آٹھ دس سال میں ہوئی، اب ذرا انقلاباتِ عالم کی تاریخ کو اپنی نگاہوں میں لایئے۔ اول تو کیا انہیں ایک انقلاب کہا جاسکتا ہے یا نہیں، کیونکہ اس ایک مدنی انقلاب کے علاوہ سب عالمی تغیرات ایک فساد اور انتشار سے ابھرے اور اس کے نتیجے میں ایک بڑا فساد اور انتشار انسانیت کے سامنے آیا۔ اس صورت حال کو سمجھنے کے لئے ہمیں چھٹی صدی عیسوی کا آخری زمانہ اور ساتویں صدی عیسوی کے ربع اول کے حالات وواقعات کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا۔

اس زمانے میں حجاز کے شمال میں رومی شہنشاہوں اور بازنطینی تہذیب کا رواج تھا۔ حجاز کے شمال مشرق کی جانب ایران کی وسیع سلطنت میں کسرائے ایران کی حکومت تھی۔ مصری بھی ایک قدیم دیو مالائی تصور کی حامل ثقافت کے خوگر تھے۔ ہندوستان کے علم الاصنام میں ویدانتی تعلیمات، گوتم بدھ کے ملفوظات اور بعض دوسرے ویدوں اور پرانوں کی

تعلیمات کی ایک کھچڑی تھی، جس میں ذات پات کے بندھن نمایاں تھے۔ انسان وحدت اور انسانیت اخوت سے محروم تھی۔ کنفیوشس کی تعلیمات کا چراغ سرد ہو چکا تھا۔ زرتشت کی ژند ہو یا پاژند دونوں معدوم ہو کر نئے دساتیر میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ اس کا یزداں اور اہرمن کا تصور دوئی اور تناقص کا شکار تھا۔ ان احوال عالم میں جب کہ رومی بادشاہ ایسے اکھاڑے سجاتے تھے، جہاں بھوکے درندوں کے سامنے مجبور و مقہور انسانوں کو پھینک کر ان کی فریاد و فغاں سے محظوظ ہونے کی روایت تھی۔ ٹھنڈی شکارگاہوں سے لوٹنے والے شہزادے فطری حرارت کے لئے دو تازہ دم غلاموں کے پیٹ چاک کر کے اپنے ٹھنڈے پاؤں ان میں ڈال دیتے تھے۔ ایرانی بادشاہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں تک سے ازدواجی تعلقات استوار کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ ہندی مذاہب میں عورت اور مرد کے آلات تناسل کی پوجا ہو رہی تھی۔ خود حجاز کی سرزمین بعض خصوصیات کے استثنا کے باوجود فتنہ و فساد کی آماجگاہ تھیں۔ قرآن مجید نے اس عالمی صورت حال پر کیا جامع تبصرہ کیا ہے۔ **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ .** (الروم:۴۱)

"خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے، لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے، تاکہ مزہ چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں"۔

عہدِ رسالت مآب ﷺ میں عالمی سطح پر یہ وہ حالات تھے، جن کے بارے میں انتہائی مختصر اشارات کئے گئے ہیں۔ اس صورت حال میں ایک نئے عالمی انقلاب کی صالح بنیادوں کی تعمیر کے لئے آپ ﷺ نے وحی الٰہی کی بنیاد پر جس معاشرے اور ریاست کی تعمیر کی وہ سیرتِ نبوی ﷺ کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ جب حکمِ الٰہی کے تحت مکہ مکرمہ کی سرزمین کو چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لائے، تو اس عظیم ہجرت کے نتیجے میں جس اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی، اس کا رقبہ بمشکل چار مربع میل تھا۔ لیکن دس سالوں کی دعوتی سرگرمیوں اور تنظیمی اصلاحات کے

باعث یہ ریاست آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں بارہ سے تیرہ لاکھ مربع میل تک پھیل چکی تھی۔ عہدِ فاروقیؓ میں اس کا رقبہ ۲۲ لاکھ مربع میل سے زائد اور پہلی صدی ہجری کے اختتام تک یہ اسلامی ریاست ۶۵ لاکھ مربع میل تک پھیل چکی تھی۔ یوں اسلامی ریاست اور اس کا حکمران اپنے زمانے اور عہد کی سب سے بڑی قوت بن کر ابھرا جو خالق کی کائنات میں مخلوق پر مخلوق کی حکمرانی کے سارے رشتے توڑ کر انسان کو خالقِ کائنات کی پہچان اور عبادت کے سارے مواقع فراہم کرتا ہے۔ انسانیت پر آپ ﷺ کا یہ وہ دوسرا احسانِ عظیم ہے جس کے ذریعے آسمانی ہدایت کے مطابق معاشرہ اور ریاست اپنے وجود اور وجوب کو قائم کرتی ہیں۔ یہ وہی کارنامۂ سیرت ہے جس کے احیاء کے لئے آج ملائشیا سے مراکش تک اسلامی تحریکیں اور اصلاحی تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔

سیرت نبوی ﷺ کے اس آفاقی پیغام کا مرکز مسجد کا ادارہ تھا۔ اسلامی تاریخ کا وسیع اور گہرا مطالعہ رکھنے والے دانشور اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ اسلامی ریاست کا سول سیکریٹریٹ مسجدِ نبوی ﷺ ہی میں قائم کیا گیا۔ اس کا پارلیمنٹ ہاؤس یا شوریٰ بھی اسی مسجد میں منعقد ہوتی تھی۔ اس کا جنرل ہیڈکوارٹر اور کنٹونمنٹ بھی اسی مسجد میں قائم کی گئی۔ ۲۸ غزوات اور ۵۴ سرایا کی کمان اسی مسجد میں مرتب کی گئی۔ ان جہادی سرگرمیوں کے نتیجے میں دنیا سے خوف کے خاتمے سے امن وسلامتی کا احساس پیدا ہوا۔ یہاں پر مناسب ہوگا کہ ہم اس عسکری جدوجہد کو مختصر اعداد وشمار کے حوالے سے پیش کردیں۔

تیرہ لاکھ مربع میل کی یہ اسلامی ریاست جن ۸۴ جہادی معرکوں کے نتیجے میں تشکیل پائی۔ اس میں کل ۱۰۱۸ لوگ کام آئے، جن میں مسلمان شہداء کی تعداد ۲۵۹ اور کفار کے ہلاک ہونے والے افراد کی تعداد ۷۵۹ ہے۔ ان تمام جنگوں میں مسلمانوں کا صرف ایک مجاہد قیدی بنا جب کہ دشمن کے ۶۵۶۴ سپاہی قیدی بنائے گئے، جن میں سے ۶۳۴۷ قیدیوں کو موقع پر رہا کردیا گیا۔ باقی ماندہ ۲۱۷ قیدیوں میں صرف دو کو ان کے سابقہ جرائم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ باقی ۲۱۵ کے بارے میں اگرچہ تحقیقی آرا ہمارے سامنے نہیں ہیں، مگر امید

واثق ہے کہ ان حضرات کو بھی رسولِ رحمت ﷺ کے دامن عاطفت میں پناہ مل گئی ہوگی۔ ان مذکورہ جنگوں کا پالیسی ساز ہیڈ کوارٹر بھی مسجد نبوی ﷺ میں قائم تھا۔

یہی مسجدِ نبوی ﷺ مسلمانوں کی عدالت عالیہ اور عدالت عظمیٰ بھی تھی۔ اس میں آپ ﷺ نے پانچ سو سے زائد مقدمات کے فیصلے دیئے اور یہیں پر آپ ﷺ دوسرے قضاۃ کے فیصلوں پر نظر ثانی کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اسی مسجد کا دامن مسلمانوں کا مالیاتی ادارہ بیت المال کی حیثیت میں کام کرر ہا تھا۔ جو شاید تاریخ انسانی میں اپنی مسئولیت اور احتساب کے لحاظ سے پہلا اسٹیٹ بنک تھا۔ اسی مسجدِ نبوی ﷺ میں ریاض الجنہ سے کچھ پیچھے جانب مشرق وہ چبوترہ ہے، جسے صفہ کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے، یہاں پر مسلمانوں کی سب سے بڑی درسگاہ، جامعہ یا یونیورسٹی تھی، مگر فرق صرف اس قدر تھا کہ یہاں علوم پڑھائے نہیں بلکہ بنائے جاتے تھے۔

اسلام کی حکیمانہ تعلیمات کی درس و تدریس کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں پر مختلف موضوعات کے متخصصین تھے، اور یہ سارا علمی کارنامہ نبی امّی ﷺ کے ہاتھوں انجام پارہا تھا۔ یہ مسجدِ نبوی ﷺ مسلمانوں کا اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس بھی تھی، جہاں پر دوسری اقوام اور ممالک کے مہمان ٹھہرائے جاتے تھے۔ ان کی خاطر تواضع کی جاتی تھی اور ان کے ساتھ معاہدات تحریر کئے جاتے تھے ذرا اور بھی جان لیجئے کہ یہ مسلمانوں کا سب بڑا ثقافتی مرکز بھی تھا، جہاں پر نکاح کی تقریبات منعقد ہوتی تھیں۔ یہیں پر صالح تفریح کے مواقع بھی میسر آتے تھے۔ کیا یہ سیرت نبوی ﷺ کا امتیاز نہیں کہ اس کامل دعوتی انقلاب کی تمام سرگرمیوں کا مرکز مسجد کا احاطہ اور چار دیواری تھی۔ کاش ہماری مساجد کو بھی ان کا بچھڑا ہوا مقام اور وقار واپس مل جائے۔

اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی اسلامی معاشرہ پارہا تھا۔ آپ ﷺ نے ایسے صالح اسلامی معاشرے کی تعمیر و تشکیل کے لئے جن ضوابط، جن حقوق اور جن فرائض کا تعین کیا اس کے سبب اس معاشرے کے سو فیصد شہری تزکیۂ نفس کی لیبارٹری سے گزر کر نفس

مطمئنہ کے حامل شہری بن جاتے تھے۔ یہ وہ مقدس اور پاک باز شہری ہیں، جنہیں قرآن مجید نے فَاَصبَحتُم بِنِعمَتِہٖ اِخوَانًا اور رُحَمآءُ بَینَھُم کی صفات کے ساتھ یاد کیا۔ یہ اس درجہ اللہ کے پسندیدہ بندے تھے کہ قرآن مجید نے ان کو پہچان کراتے ہوئے انہیں راشدون، صٰدقون، مُفلِحُون اور فائزُون جیسی صفات وکمالات سے آراستہ دکھایا ہے۔

امتیازات وکمالات سیرتِ النبی ﷺ کا تذکرہ مبارک تو بہت ناگزیر تفصیلات کا تقاضا کرتا ہے۔ اس مختصر مضمون میں اس کا صرف ایک مجمل نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، آپ ﷺ کے امتیازات میں غلامی کے خاتمے، عورتوں کے حقوق کا تعین، دشمنوں کے ساتھ عفو ودرگزر، نسلی امتیازات کے خاتمے، جاہلی عصبیتوں کا خاتمہ، ایک دستوری اور شورائی ریاست کا قیام، عدل اجتماعی کی اقدار کا فروغ، بچوں، عورتوں، والدین، اولاد، زوجین حتیٰ کہ جانوروں، پرندوں، فصلوں، اور راستوں تک کے حقوق کا تعین، قانون وراثت کی درستی، فلاحی ریاست کا کامل نقشہ، حدود وتعزیرات کا تعین، قانون بین الممالک کی روایت، سفارتی نظام کی تشکیل، احتساب اور مسئولیت کی روایت، حکومت برائے خدمت کی تعلیم، سادگی اور حیا کا کلچر، مختلف دوائر حیات میں اعتدال وتوازن کی روش، تزکیۂ نفس اور صالح تربیت کے آداب وضوابط کی عملی رہنمائی۔ یہ سب امور انسانیت کی مستقل خیر خواہی اور تہذیب وتمدن کے بقاو استحکام کا محکم راستہ اور روشن منزل ہے۔ اسی باعث اسی نبی رحمت عالم ﷺ کے تذکار کو قرآن مجید میں وَرَفَعنَا لَکَ ذِکرَکَ کے خطابِ عظیم سے یاد کیا گیا ہے۔

اس سیرت مطہرہ ﷺ کا آپ جس قدر مطالعہ کرتے چلے جائیں گے، اسی قدر یہ راز آپ پر منکشف ہوتا چلا جائے گا کہ یہ بیان کی نہیں عمل کی سیرت ہے۔ ہمیں اپنے انفرادی اور اجتماعی امور میں اسی سیرت سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرنا ہے۔ یہ بالاتفاق ایک غلبے کی سیرت ہے۔ مگر مطالبات سیرت سے بے اعتنائی کے باعث ہم مغلوبیت اور مرعوبیت کا شکار ہو گئے ہیں۔

آج مسلمان عالمی سطح پر اس سیاسی مرعوبیت اور عسکری مغلوبیت کا تدارک صرف

سیرت نبوی ﷺ پر عمل کے ذریعے کر سکتے ہیں۔ اس مقصدِ عظیم کے لئے ہمیں اپنے اعتقاد و عمل کو مسنون دائروں میں لانا ہوگا۔ ہمیں مسنون نبوی ﷺ زندگی کے سارے آداب و رسوم کو اختیار کرنا ہوگا۔ مسلمان ایک ایسے کلچر کا پیغام بر ہے، جس میں توحید کا رنگ اور ذائقہ موجود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں امتیازات سیرت النبی ﷺ کے اس مطالعے کے ذریعے وہ جادۂ حق نصیب کرے جس پر چل کر دین و دنیا کی سرفرازی عطا ہوتی ہے۔ (آمین یا رب العالمین) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی نبی ﷺ کی سیرت و صورت اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العٰلمین (بشکریہ ماہنامہ مسیحائی کراچی، ہادی اعظم ﷺ نمبر)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر۴۳

رسولِ اکرم ﷺ کے شق صدر کی اہم خصوصیت

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ تینتالیسویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کے شق صدر کی اہم خصوصیت'' الحمدللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے، اور اسی اللہ کی ذات سے امید بھی ہے کہ اس رحیم اللہ کے حکم سے میری اس کاوش کی بدولت میرے گناہوں کی بھی بخشش ہو جائے گی اور انشاء اللہ اللہ کی توفیق سے روز قیامت رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت بھی نصیب ہوگی، بس اسی امید پر باوجود لوگوں کے اژدھام ہونے کے آقا ﷺ کی محبت میں لکھ رہا ہوں زبان پر درود جاری ہے، اور جس قدر روضہ مبارک کے سائے میں درود پڑھتا ہوں ایمانی کیفیت میں اضافہ نظر آتا ہے اور قلم چلاتے ہوئے ایک روحانی سرور نصیب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کا شق صدر یعنی قلبی آپریشن فرمایا جیسا کہ اس شق صدر کی مکمل تفصیل آنے والے اوراق میں پیش کی جارہی ہے، چنانچہ دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرتوں میں ہمیں یہ خصوصیت نظر نہیں آتی لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس سے مراد ہماری یہ ہے کہ ہم خدانخواستہ دیگر انبیاء کی تنقیص کرنا چاہتے ہیں بلاشبہ یہ تو ہمارے نبی ﷺ کی تعلیمات کے مطابق کفر ہے، ہم

تو اپنے آقا ﷺ کی خصوصیات کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے دل میں ہمارے نبی ﷺ کی محبت زیادہ سے زیادہ بیٹھ جائے تاکہ تعلیمات نبوی ﷺ پر عمل کرنا آسان ہو۔ بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ آنے والے اوراق میں ہمارے نبی کی اس خصوصیت کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی سنتوں پر مکمل طور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے حضور ﷺ کی اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

تینتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

منجملہ نبوت کے اُن خصائص کے جو ایک پیغمبر کو عطا ہوتے ہیں، شق صدر یا شرح صدر بھی ہے، چنانچہ یہ رتبۂ خاص پیش گاہ الٰہی سے رسول اکرم ﷺ کو مرحمت ہوا۔ شق صدر سے مراد یہ ہے کہ سینہ مبارک کو چاک کر کے اس کو بشری آلودگیوں سے پاک اور ایمان وحکمت کے نور سے منور کیا گیا۔ بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی یہ کیفیت رسول اکرم ﷺ پر گزری تھی۔ ان روایتوں میں بعض جزئیات کی تفصیل اور وقت کی تعیین میں اختلافات ہیں۔ چنانچہ تمام روایتوں کے جمع کرنے سے پانچ مختلف اوقات میں رسول اکرم ﷺ پر اس کیفیت کا گزرنا ظاہر ہوتا ہے۔ ایک جب رسول اکرم ﷺ چار پانچ سال کے تھے اور حضرت حلیمہؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے۔ دوسرے جب عمر شریف دس برس کی تھی، تیسرے جب رسول اکرم ﷺ بیس برس کی عمر کو پہنچے، چوتھے جب حضرت جبریل علیہ السلام سب سے پہلی وحی لے کر آئے۔ پانچویں معراج کے موقع پر۔ البتہ سیرت کی کتابوں میں شق صدر کے وقوع سے متعلق کچھ مزید تفصیل ملتی ہے، جو نذر قارئین ہے۔

معجزۂ شق صدر نہایت مستند اور صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔ البتہ اس واقعہ کی بعض جزئیات اور وقتِ انعقاد کے بارے میں اختلاف ہے بعض روایات کے مطابق یہ واقعہ

رسولِ اکرم ﷺ کو صغر سنی میں پیش آیا۔اس وقت رسولِ اکرم ﷺ کی عمر چار پانچ برس کی تھی۔اور رسولِ اکرم ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے۔دوسری روایتوں کے مطابق یہ واقعہ رسولِ اکرم ﷺ کو معراج کے موقع پر پیش آیا۔ان کے علاوہ کچھ اور روایتوں میں اس واقعہ کا مختلف وقت بیان کیا گیا ہے۔لیکن ان روایتوں کو درجۂ استناد حاصل نہیں ہے اس لئے ہم پہلی دو قسم کی روایتوں پر انحصار کریں گے۔شقِ صدر سے مراد یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے سینہ مبارک کو چاک کر کے اس کو بشری آلودگیوں سے پاک کیا گیا اور اس میں ایمان و حکمت بھر دیئے گئے۔اس سلسلہ کی مشہور روایات یہ ہیں۔

شقِ صدر سے متعلق پہلی روایت

عتبہ بن عبد السلمیؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے گیا۔کھانا ہمارے ساتھ نہ تھا۔میں نے بھائی کو ماں (حلیمہ سعدیہ) کے پاس کھانا لانے کے لئے بھیجا۔اس کے جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ گدھ کی طرح دو پرندے آئے ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہی ہے دوسرے نے کہا ہاں پھر دونوں نے لپک کر مجھے پکڑ لیا اور زمین پر لٹا کر میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے دو سیاہ جمے ہوئے خون کے قطرے نکالے اور برف کے ٹھنڈے پانی سے دھویا۔اسکے بعد ایک نے کہا کہ تسکینِ قلبی لاؤ اور اس کو لا کر میرے سینہ پر چھڑک دیا اور پھر دونوں چلے گئے۔میں ڈرا اور اپنی ماں (حلیمہؓ) کے پاس گیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔وہ ڈر گئیں اور گمان کیا کہ بچے کے دماغ پر کچھ اثر کر گیا ہے۔انہوں نے کہا میں تم کو خدا کی پناہ میں دیتی ہوں۔پھر وہ مجھے بٹھا کر میری والدہ (حضرت آمنہؓ) کے پاس لائیں۔والدہ نے کہا تم نے میری امانت پوری طرح ادا کی۔حلیمہؓ نے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے مطلق کسی خوف یا تعجب کا اظہار نہیں کیا۔اور کہا کہ اس بچے کی ولادت کے وقت میں نے دیکھا تھا کہ ایک نور میرے بدن سے نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔(مستدرک حاکم، مسند احمد حنبل)

شقِ صدر سے متعلق دوسری روایت

حضرت ابو ہریرہ ؓ، رسولِ اکرم ﷺ سے نبوت کا ابتدائی نشان پوچھتے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''میں دس برس کا تھا کہ میدان میں دو آدمی میرے سر پر آئے۔ ایک نے کہا یہ وہی ہیں، دوسرے نے کہا، ہاں! پھر دونوں نے پیٹھ کے بل مجھے پچھاڑا اور میرے پیٹ کو پھاڑا، ایک سونے کی طشت میں پانی لاتا رہا اور دوسرا پیٹ کو دھوتا رہا۔ پھر ایک نے کہا سینہ کو چاک کرو، تو ناگاہ دیکھتا ہوں کہ سینہ چاک ہے اور کچھ تکلیف نہیں معلوم ہوتی پھر ایک نے کہا دل کو چاک کرو، تو اس نے دل کو چاک کیا۔ پھر اس نے کہا اس میں سے کینہ اور حسد نکال لو، تو اس میں سے جمے خون کی طرح کی کوئی چیز نکالی، پھر کہا اس میں مہربانی اور رحمت رکھ دو، تو اس نے چاندی کی طرح کی کوئی چیز رکھ دی۔ پھر اس نے چند گھنڈیاں جو اس کے پاس تھیں نکالیں اور وہ گھنڈیاں میرے سینہ پر لگا دیں۔ پھر میرے انگوٹھے کو کھونٹ کر مجھ سے کہا جاؤ۔ جب میں لوٹا تو اپنے میں وہ لے کر لوٹا جو لے کر نہیں آیا تھا۔ یعنی چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ساتھ نرمی۔''

شقِ صدر سے متعلق تیسری روایت

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ کہ حضرت جبریلؑ آئے اور آپ کو پکڑ کر زمین پر لٹا دیا پھر آپ کے سینہ مبارک کو چاک کر کے اس میں سے قلب مبارک نکالا۔ اس میں سے ذرا سا منجمد خون نکالا اور کہا کہ یہ شیطان کا حصہ تھا پھر قلب مبارک کو سونے کی طشت میں آبِ زمزم سے دھویا۔ پھر شگاف جوڑ دیا اور قلب مبارک کو اپنی جگہ پر رکھ کر سینے کو ٹانکے لگا دیئے۔ لڑکے دوڑتے ہوئے آپ کی ماں (حلیمہ سعدیہؓ) کے پاس گئے اور کہا کہ رسولِ اکرم ﷺ قتل کر ڈالے گئے لوگ آپ کے پاس پہنچے تو دیکھا رخِ اقدس کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے سینہ مبارک میں زخم کے ٹانکے ہم کو نظر آتے تھے۔ (صحیح مسلم، مسند احمد حنبل۔ دلائل ابو نعیم)

شقِ صدر سے متعلق چوتھی روایت

حضرت علی بن عبداللہ بن عباسؓ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل جایا کرتے تھے۔ایک دن دوپہر کے وقت آپ کا رضاعی بھائی گھبراہٹ کے عالم میں دوڑتا ہوا اپنے والدین کے پاس آیا اور کہنے لگا جلدی چلو ایک آدمی محمد ﷺ کو اٹھا کر پہاڑ پر لے گیا اور وہاں اس کا سینہ ناف تک چیر دیا۔اس کے بعد کیا ہوا۔مجھے معلوم نہیں یہ سن کر حلیمہؓ اور ان کے شوہر دوڑے ہوئے گئے دیکھا تو رسولِ اکرم ﷺ پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھے حیرت سے آسمان کی طرف تک رہے تھے۔حلیمہ نے رسولِ اکرم ﷺ کو سینہ سے لگایا اور حال دریافت کیا۔رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہم دونوں بھائی بکریوں کے پاس کھڑے تھے کہ یکا یک تین آدمی آئے ان میں سے ایک کے ہاتھ میں زمرد کا طشت تھا جس پر برف تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا یہ تینوں مجھے پکڑ کر پہاڑی کی چوٹی پر لے آئے اور احتیاط سے لٹا کر ایک شخص نے میرا سینہ ناف تک چیر دیا۔مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی پھر اس نے میرے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر آنتیں اور دوسری چیزیں باہر نکالیں ان کو برف سے خوب اچھی طرح دھویا اس کے بعد ان سب چیزوں کو پیٹ کے اندر رکھ دیا۔پھر دوسرا آدمی میرے قریب آیا اور اس نے میرے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر میرا دل نکالا۔اس کو چاک کیا تو اس میں سے خون کا ایک سیاہ قطرہ نکلا۔اس نے قطرے کو پھینک دیا اور مجھ سے کہا اے اللہ کے حبیب آپ کے قلب مبارک میں جو شیطان کا حصہ ہے اس کو نکال دیا ہے۔اس کے بعد اس شخص نے میرے سینے میں کوئی چیز بھر دی جو اس کے پاس موجود تھی۔پھر اُس پر نور کی مہر لگا دی۔اس وقت مجھے بھی اس مُہر کی ٹھنڈک اپنے بدن میں محسوس ہو رہی ہے۔اس کے بعد تیسرے شخص نے ان دونوں سے کہا کہ تمہارا کام ختم ہو چکا۔پھر وہ آگے بڑھا اپنا ہاتھ میرے سینے پر ناف تک پھیرا اور کہا ان کو ان کی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو۔ان دونوں نے دس آدمیوں کے

ساتھ میرا وزن کیا تو ان میں ان سے وزنی نکلا۔ پھر اس نے کہا انہیں چھوڑ دو اگر ان کا ساری امت کے ساتھ وزن کرو گے تو پھر بھی یہ ان سے بھاری ہونگے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے مجھے اٹھا کر بٹھادیا اور میرے سر اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دے کر کہا اے اللہ کے حبیب آپ ہرگز خوف نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہے۔ اس کے بعد وہ تینوں آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔ حلیمہ یہ سن کر آپ کو گود میں اٹھا کر لے آئیں (مسند بیہقی)

شقِ صدر سے متعلق پانچویں روایت

حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ ایک رات رسولِ اکرم ﷺ خانۂ کعبہ میں استراحت فرماتے۔ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل بیدار تھا۔ یکا یک حضرت جبریل علیہ السلام چند دوسرے فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور رسولِ اکرم ﷺ کو اٹھا کر چاہِ زمزم کے پاس لے گئے وہاں آپ کا سینہ مبارک چاک کر دیا اور اُسے آبِ زمزم سے دھویا پھر ایمان وحکمت سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت لایا گیا اور اس طشت سے ایمان اور حکمت کو لے کر آپ کے سینۂ مبارک میں بھر دیا گیا اور شگاف کو جوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد فرشتے آپ کو لے کر آسمان کی طرف پرواز کر گئے (جو اصحاب معراج کے موقع پر شقِ صدر کا واقعہ تسلیم کرتے ہیں وہ اسی روایت سے دلالت کرتے ہیں) (صحیحین، نسائی۔ مسند احمد حنبل)

شقِ صدر سے متعلق چھٹی روایت

• ایک روایت حضرت ابوذر ﷺ سے ہے کہ "انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! جب آپ کو نبی بنانا چاہا تو آپ کو اپنی پیغمبری کا حال کیونکر معلوم ہوا؟ اور آپ نے کیونکر یقین کیا کہ آپ پیغمبر ہیں؟" فرمایا "اے ابوذر! میں مکہ کی ترائی میں تھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے، ایک زمین پر آیا اور دوسرا آسمان پر تھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا یہی وہ ہیں، پھر کہا ان کو تولو، پہلے ایک سے، پھر دس سے، پھر سو ۱۰۰ سے، پھر ہزار سے مجھ کو تولا۔ لیکن میرا پلّہ بھاری رہا۔ تو کہا کہ یہ تمام امت سے بھاری ہیں۔ بعد ازیں میرا شکم

چاک کیا (اس کے بعد شقِ صدر کے مختلف واقعات کا ذکر ہے) کہ ان فرشتوں نے پھر میرے شانے پر مہر کی"۔

شقِ صدر سے متعلق ساتویں روایت

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ (اپنے بچپن میں جب دائی حلیمہ کے پاس تھے تو اس وقت کا واقعہ ہے کہ (ایک دن آپ ﷺ) بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبرئیلؑ آئے اور آپ ﷺ کو پکڑ کر چت لٹا دیا۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ کے (سینہ کو) دل کے قریب سے چاک کیا اور آپ ﷺ کے دل میں سے بستہ خون کا ایک سیاہ ٹکڑا نکال لیا اور کہا کہ یہ تمہارے جسم کے کچھ شیطان کا حصہ ہے (اگر یہ ٹکڑا تمہارے جسم میں یوں ہی رہنے دیا جاتا تو شیطان کو اس کے ذریعہ تم پر قابو پانے کا موقع ملتا رہتا) اس کے بعد انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے دل کو ایک سونے کی لگن میں زمزم کے پانی سے دھویا اور پھر دل کو اس کی جگہ رکھ کر سینۂ مبارک کو اوپر......؟ برابر کر دیا۔ (وہ) بچے (جو اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ تھے یہ پورا منظر دیکھ کر گھبرا گئے اور) بھاگے ہوئے رسولِ اکرم ﷺ کی ماں یعنی رسولِ اکرم ﷺ کی دایہ (حلیمہؓ) کے پاس آئے اور کہا کہ محمد ﷺ کو مار ڈالا گیا ہے (دایہ حلیمہؓ کے گھر اور پڑوس کے) لوگ (یہ سنتے ہی) اس جگہ پہنچے جہاں آپ ﷺ موجود تھے، انہوں نے آپ ﷺ کو صحیح سالم دیکھا لیکن آپ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ خوف دہشت سے آپ ﷺ (کے چہرہ) کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ حضرت انسؓ (یہ روایت بیان کر کے) کہتے تھے کہ میں......آپ ﷺ کے سینۂ مبارک پر سلائی کا نشان دیکھا کرتا تھا"۔ (مسلم)

تشریح......جامع الاصول میں عن قلبه کے بعد واستخرجه کا لفظ بھی منقول ہے اور پوری عبارت یوں ہے فشق عن واستخرجه فاستخرج منهُ علقه۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: پھر انہوں نے آپ کے (سینہ کو) دل کے قریب سے چاک کیا دل کو نکالا اور پھر دل میں سے بستہ خون کا ایک سیاہ ٹکڑا نکال لیا (جو برائیوں اور گناہوں کی جڑ ہوتا ہے) سونے کے لگن میں زمزم سے دھویا۔" سونے کی لگن کا استعمال

رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت وکرامت کے اظہار کے لئے تھا جہاں تک سونے کے استعمال کی ممانعت کا سوال ہے تو اس کا تعلق اس دنیا کی عام زندگی کے امتحان وآزمائش سے ہے جس کا مقصد انسان کو اس دنیاوی زندگی میں ایسی بہت سی چیزوں سے باز رکھ کر اس کی بندگی کو آزمانا ہے جس میں کامیاب ہونے کے بعد آخرت میں وہی چیزیں اس کو اجر وانعام کے طور پر حاصل ہوں گی، اسی لئے آخرت میں نہ صرف یہ کہ سونے کا استعمال جائز ہوگا بلکہ جنت کے ظروف وبرتن بھی سونے کے ہونگے۔ پس شق صدر کا یہ تمام واقعہ جو اس وقت یا شب معراج میں پیش آیا، اس دنیا سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہاں کے احوال سے تعلق رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ نقطہ بھی محفوظ خاطر رہنا چاہئے کہ سونے کی لگن کا استعمال خود رسولِ اکرم ﷺ کی طرف سے نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا استعمال فرشتے نے کیا تھا جو احکام ومسائل میں ہماری طرح مکلف نہیں تھا۔ ایک بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ سونے کی لگن کے استعمال کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب احکام ومسائل کا نفاذ ہی نہیں ہوا تھا اور شرعی طور پر کسی چیز کی حلت وحرمت نازل اور معلوم نہیں ہوئی تھی۔

حدیث کے اس ٹکڑے سے یہ ثابت ہوا کہ زمزم کا پانی سب پانیوں سے افضل وبرتر ہے یہاں تک کہ جنت کے پانی پر بھی فضیلت وبرتری رکھتا ہے کیونکہ اگر کوئی شبہ نہیں کہ وہ پانی جو بطور معجزہ رسولِ اکرم ﷺ کی انگلی سے ابل کر نکلا تھا، یہاں تک کہ آبِ زمزم پر بھی فضیلت وبرتری رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ پانی رسولِ اکرم ﷺ دستِ مبارک کے اثر سے نکلا تھا جبکہ زمزم کا پانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پیروں کے اثر سے برآمد ہوا ہے۔

یہ حدیث اور اسی طرح کی دوسری حدیثیں اس قبیل سے تعلق رکھتی ہیں جن کو جوں کا توں تسلیم کرنا واجب ہے اور بطریق مجاز تاویل وتوجیہہ کے ذریعہ ان کے ظاہری مفہوم ومعانی سے اعراض کرنا نہ تو جائز ہے اور نہ اس کی کچھ ضرورت ہے کیونکہ ان حدیثوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ انسانی عقل وفہم سے کتنا ہی ماوراء کیوں نہ ہو، اس کے برحق اور سچ ہونے کے لئے یہی ایک بات کافی ہے کہ اس کا تعلق قدرِ مطلق، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے

ظہور سے ہے اور یہ وہ باتیں ہیں جن کی خبر صادق و مصدوق (ﷺ) نے دی ہے، لہٰذا ان کی صداقت شبہ برابر بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

شقِ صدر میں حکمت

رسولِ اکرم ﷺ کے سینہ مبارک کو چاک کر کے قلب مبارک کو صاف کرنے میں قدرت کی یہ حکمت کارفرما تھی کہ آپ ﷺ کا باطن اس طرح مجلی و پاکیزہ اور قلب مبارک اس قدر لطیف وروشن ہو جائے کہ وحی الٰہی کا نور جذب کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بنے اور منصب رسالت کا بار اٹھانے کے لئے قلب ودماغ پہلے سے تیار رہے، نفسانی وسوسوں کا آپ ﷺ میں کہیں سے گزر نہ ہوا، اور شیطان رسولِ اکرم ﷺ کو حق کی طرف سے غافل کرنے میں نہ صرف یہ کہ کامیاب نہ ہوسکے بلکہ رسولِ اکرم ﷺ سے بالکل مایوس ہو جائے، جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے الفاظ **ھٰذا حظ الشیطان منک** اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اس بات کی وضاحت ایک بار پھر کردی جائے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ شق صدر سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ چار مرتبہ ظہور میں آیا ہے، ایک مرتبہ تو بچپن میں دائی حلیمہؓ کے پاس، جس کا ذکر اس حدیث میں ہے دوسری مرتبہ دس سال کی عمر میں، تیسری مرتبہ ظہور نبوت کے وقت اور چوتھی مرتبہ شب معراج میں اس وقت جب جبرئیلؑ آپ ﷺ کو لینے آئے

اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ سینۂ مبارک کا چاک کیا جانا اور قلب مبارک کا دھویا جانا صرف رسولِ اکرم ﷺ کے لئے مخصوص تھا یا دوسرے پیغمبروں کے ساتھ ایسا ہوا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت ''تابوت'' اور ''سکینہ'' کے بارے میں منقول ہے اس میں انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس (تابوت) میں (دوسرے تبرکات کے علاوہ) وہ طشت بھی تھا، جس میں انبیاء علیہم السلام کے دل دھوئے گئے تھے، اس روایت سے ان علماء کی تائید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بھی

سینے چاک کیے گئے اور ان کے دل دھوئے گئے تھے۔ لیکن ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ کئی مرتبہ شق، صدر ہوا جبکہ دیگر انبیاء کے بارے میں اول تو وضاحت نہیں ملتی اور ہے تو ایک مرتبہ تو معلوم ہوا کہ متعدد مرتبہ شق صدر ہونے سے متعلق یہ آپ کے لئے خصوصیت ہے۔

شق صدر کی صحیح کیفیت

شق صدر کی صحیح کیفیت حالت معراج کے سلسلہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور نسائی وغیرہ میں متعدد روایتوں اور طریقوں سے مذکور ہے کہ ایک شب رسول اکرم ﷺ خانہ کعبہ میں آرام فرمارہے تھے، آنکھیں سوتی تھیں، مگر دل بیدار تھا کہ ناگاہ حضرت جبرئیل علیہ السلام چند فرشتوں کے ساتھ نظر آئے۔ رسول اکرم ﷺ کو اٹھا کر وہ چاہِ زمزم کے پاس لے گئے، یا آبِ زمزم لے کر کوئی آپ کے پاس آیا۔ سینۂ مبارک کو چاک کیا، پھر آبِ زمزم سے دھویا اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا لایا گیا۔ پھر اس طشت کے سرمایہ کو سینۂ مبارک میں بھر کر شگاف کو برابر کر دیا گیا اس کے بعد فرشتے رسول اکرم ﷺ کو آسمان کی طرف لے چلے۔ (صحیح بخاری)

شق صدر کی حقیقت

علمائے ظاہرین اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادھے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینۂ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اقدس کو اسی آب زمزم سے دھو کر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا اس کو ہر مسلمان سمجھتا ہے، لیکن صوفیائے حقیقت بین اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں اور ان تمام غیر محتمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالت خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:۔ اما شق الصدر وملوهٔ ایمانًا نحققته غلبة الوار الملکیة وانطفاء لهب الطبیعة وخضوعها لما لفیض علیها من خطیرة القدس.

ترجمہ:''لیکن سینۂ مبارک کا چاک کرنا اور اسکو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غالب ہوجانا اور طبیعت میں بشری کے شعلہ کا بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہوتو اس کے قبول کے لئے طبیعت کا آمادہ ہوجانا ہے۔'' ان کے نزدیک معراج بھی اسی عالم کی چیز تھی، اس لئے شق صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہوگا۔ (بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ)

ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم باب الاسراء میں حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت میں مذکور ہے فشرح صدر الیٰ کذا وکذا (میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا) اور قرآن مجید کی اسی سورہ میں جیسا کہ ترمذی میں ہے ، اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے:۔ الم نشرح لک صدرک. ووضعنا عنک وزرک. الذی انقض ظهرک۔ ''کیا ہم نے تیرے لئے سینہ کو کھول نہیں دیا اور تجھ سے تیرے اس بوجھ کو ہٹا نہیں دیا جس سے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا۔''

''شرح'' کے لغوی معنی عربی میں ''چیرنے پھاڑنے'' کے ہیں۔ اسی سے طب کی اصطلاح ''علمِ تشریح'' اور ''تشریحِ اجسام'' نکلی ہے۔ چونکہ چیرنے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہوجاتی ہے، اس لئے اس سے ''تشریح امر'' اور ''تشریحِ کلام'' ''شرح بیان'' اور ''شرح کتاب'' وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوئے ہیں۔ اسی سے ایک اور محاورہ ''شرح صدر'' کا پیدا ہوا ہے جس کے معنی ''سینہ کھول دینے'' کے ہیں اور کلامِ عرب میں اس سے مقصود بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کردینا ہوتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ نے دعا مانگی۔ ربِّ اشْرَحْ لِی صَدْرِیْ ویَسِّرْلِی اَمْرِیْ، وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ. (پروردگار! میرے سینہ کو کھول دے اور

میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں۔")

انبیاء علیہم السلام کا علم اور فہم، انسانی تعلیم و تعلم اور مادی حکمت و دانائی سے پاک و مبرّا ہوتا ہے اور وہ اپنے اخذ نتائج اور اثبات دعوے کے لئے گزشتہ تجربات اور منطق کے استقراء و تمثیل اور ترتیب مقدمات کے ممنون نہیں ہوتے، بلکہ وہ جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں اس کا ماخذ تعلیم الٰہی القائے ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے، اسی کا نام علمی لدنی ہے۔ "لدن" کے معنی عربی زبان میں "پاس اور نزدیک" کے ہیں۔ چونکہ یہ علم ان کو کسب و تحصیل کے بغیر خدا کے پاس سے اور اس کے نزدیک سے عطا ہوتا ہے، اس لئے عرفِ عام میں علم لدنی کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:۔ وعلّمناہُ مِنْ لّدُنّا عِلْمًا۔ (کھف) ترجمہ: "ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا۔"

رسولِ اکرم ﷺ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔ کَذٰلِکَ نَقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَیْنٰکَ مِنْ لَّدُنَّا ذِکْرًا (طٰہٰ)

ترجمہ: "اسی طرح ہم تجھ سے گزشتہ زمانہ کی باتیں بیان کرتے ہیں اور ہم نے اپنی طرف سے تجھ کو علم و ذکر بخشا ہے:۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے آغاز میں رسولِ اکرم ﷺ کو خطاب ہوتا ہے:۔

نحنُ نقُصُّ علیکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحَیْنَا اِلَیکَ ھٰذاالْقُراٰنَ وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ. (یوسف۔۱)

ترجمہ: "ہم تجھ کو قرآن کی وحی بھیج کر ایک بہترین قصہ سناتے ہیں جس سے تو قطعاً اس سے پہلے بے خبر تھا۔" سورۂ شوریٰ میں ہے وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیکَ رُوحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا لْکِتَابُ وَلَاالْاِیمانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنَاہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا . (شوریٰ۔۵)

ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے اے محمد (تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کو وحی کیا تو پہلے یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان سے واقف تھا لیکن ہم نے اس کو

روشنی بنایا ہے جس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہم راستہ دکھا دیتے ہیں۔"

حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے کہتے ہیں۔ یآ بتِ اِنِّی قدجآء نی مِنَ الْعِلْمِ مَالَمْ یاْتِک. (مریم۔۳) ترجمہ...... اے میرے باپ میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام وسلیمان علیہ السلام کے متعلق ہے: ولقد اٰتینا داوٗد وسلیمان علماً. (نمل۔۲) ترجمہ...... "اور ہم نے داؤد وسلیمان کو علم عطا کیا۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے: ۔اٰتیناہُ حُکماً وَّعِلماً. (یوسف۔۳)

ترجمہ...... "ہم نے یوسف کو حکم اور علم عطا کیا۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کہتے ہیں: ۔ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِی رَبِّی. (یوسف۴)

ترجمہ: ...... "یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں۔"

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ہے: ۔ولُوطاً اٰتینٰہُ حُکماً وَّعِلماً. (انبیاء۔۵)

ترجمہ...... اور لوط کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام اور چند دیگر انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے بعد ہے ففھّمنٰھا سُلَیمٰنَ وکُلّاً اٰتینٰہُ حُکماً وَّعِلماً. (انبیاء)

ترجمہ...... ہم نے یہ بات سلیمان کو سمجھا دی اور ہم نے ان سب کو حکم اور علم عطا کیا۔

الغرض انبیاء علیہم السلام کا یہ علم محض تعلیم الٰہی اور القائے ربانی کا نتیجہ ہوتا ہے اور غور وفکر، تجربہ وامتحان تحصیل واکتساب اور جمع معلومات اور ترتیبِ مقدمات کے بغیر ان کے علم کی باتیں ان کے سامنے آئینہ ہو کر آجاتی ہیں۔ صرف فہم وتمثیل کے لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ کبھی کبھی شعراء مصنفین، موجدین اور دیگر عقلاء کے ذہن میں بے غور وتامل ایک بات اسی طرح خطور کر جاتی ہے کہ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینہ یا دماغ کا دروازہ یک بیک کھل گیا اور ایک چیز اندر داخل ہو گئی لیکن یہ شرح صدر کی نہایت معمولی سی مثال ہے۔ اس منصبِ خاص

کے سینکڑوں مدارج ہیں جو انبیاء کو اولیاء کو اور دیگر مومنین کو اپنے اپنے رتبہ کے مطابق عطا ہوتے ہیں۔فَمَنْ یُّرِدِ اللہُ اَنْ یَّھدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَام. (انعام۔۱۵)

ترجمہ......جس کی رہنمائی خدا چاہتا ہے، اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے

یعنی بلاحجت وبُرہان اسلام کی صداقت اس کے سامنے آئینہ ہو جاتی ہے۔بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان کی خلافت کے زمانہ میں مشورہ دیا اور بہ اصرار کہا کہ قرآن مجید کو اوراق ومصاحف میں لکھوا دیجئے ۔لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مخالفت کی کہ جو کام رسولِ اکرم ﷺ نے خود اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ ہم لوگ کیونکر کر سکتے ہیں۔حضرت عمرؓ کو اس پر اصرار اور حضرت ابوبکرؓ کو انکار رہا۔مگر چند ہی روز میں یک بیک ان کی سمجھ میں بات آ گئی۔اس موقع پر انہوں نے فرمایا:۔حتٰی شرح اللہ صدرہ لذٰلک. (بخاری تالیف القرآن)

ترجمہ......''یہاں تک کہ خدا نے اس کام کے لئے میرے سینہ کو کھول دیا۔''

مفسّر ابن جریر طبری نے متعدد صاحبوں سے روایت کی ہے کہ صحابہؓ نے رسولِ اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ''یارسول اللہ! شرح صدر کیونکر ہوتا ہے؟''فرمایا''قلب میں ایک نور داخل ہوتا ہے جس سے سینہ کھل جاتا ہے۔''پھر سوال کیا کہ''یارسول اللہ! اس کی نشانی کیا ہے؟''ارشاد ہوا''حیات جاوید کے گھر کا اشتیاق اور اس کی فریب کدۂ عالم سے دل برداشتگی اور موت سے پہلے موت کی تیاری۔''یہ تو حقیقت ہے اور اس حقیقت کی جسمانی تمثیل، سینۂ مبارک کا چاک کیا جانا اور اس میں نور وحکمت کا بھرا جانا ہے۔

شرح صدر کے لئے مناسب موقع اور مصلحت

جن آیتوں میں دیگر انبیاء علیہم السلام کو عطیۂ علم کے دیئے جانے کا ذکر ہے ان میں اکثر علم کے ساتھ حکم کا لفظ بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ خالص شرعی ضرورتوں کے

نظم وحکومت اور فیصلۂ احکام کے لئے بے غور وفکر کے بدیہی صحیح اور حاضر علم کی ضرورت ہے چونکہ معراج ہجرت کا اعلان اور اسلام کے مستقبل کا عنوان تھا، جس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کو حکم کی طاقت عطا کی جانے والی تھی، اس لئے شرح صدر کے عطیہ کے لئے یہی مناسب موقع تھا۔ علاوہ ازیں معراج کے حقائق ومناظر جونفوسِ نبویہ کے ادراکات کی آخری سرحد ہیں، ان کے احاطہ کے لئے بھی شرح صدر کی ضرورت تھی۔ (بحوالہ سیرت النبیؐ از علامہ شبلی نعمانیؒ)

شق صدر کی مزید وضاحت

علامہ قسطلانی مواہب میں اور علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں۔ ثم ان جميع ما ورد من شق الصدر استخراج القلب وغير ذالک من الامور الخارقة للعادة مما يجب التسليم له دون التعرض لصرفه عن حقيقته لصلاحية القدرة فلا يستحيل بشئ من ذالک هكذا قاله القرطبى فى المفهم والطيبى والتور بشتى والحافظ فى الفتح والسيوطى وغيرهم ويؤيده الحديث الصحيح انهم كانوا يرون اثر المخيط فى صدره قال السيوطى وما وقع من بعض جهلة العصر من انكار ذالک وحمله على الامر معنوى فهو جهل صريح وخطاء قبيح نشاء من خذلان الله تعالىٰ لهم وعكوفهم على العلوم الفلسفية وبُعدهم عن دقائق السنة عافانا الله من ذالک انتهىٰ۔

ترجمہ..... ''یہ جو کچھ مروی ہوا یعنی شق صدر اور قلب مبارک کا نکالنا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے خوارق کا اسی طرح تسلیم کرنا واجب اور لازم ہے جس طرح منقول ہوئے ان کو اپنی حقیقت سے نہ پھرنا چاہئے اللہ کی قدرت سے کوئی شے محال نہیں امام قرطبی اور علامہ طیبی اور حافظ تورپشتی اور حافظ عسقلانی اور علامہ سیوطی اور دیگر اکابر علماء بھی یہی فرماتے ہیں کہ شق صدر اپنی حقیقت پر محمول ہے اور حدیث صحیح اس کی مؤید ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے کہ صحابۂ

کرام سیون یعنی سلائی کا نشان حضور ﷺ کے سینہ مبارک پر اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض جہلاء عصر کا شق صدر سے منکر ہوتا اور بجائے حقیقت کے اس کو امر معنوی پر محمول کرنا (جیسا کی اس زمانہ کے بعض سیرت نگار کہتے ہیں کہ شق صدر سے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ شرح صدر کے معنی مراد ہیں یہ صریح جہالت اور سخت غلطی ہے جو حق تعالیٰ کی عدم توفیق اور علوم فلسفیہ میں انہماک اور علوم سنت سے بعد اور دوری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ (بحوالہ زرقانی شرح مواہب)

خلاصہ کلام یہ کہ شق صدر سے حقیقۃً سینہ کا چاک کرنا مراد ہے۔ شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد لینا جو ایک خاص قسم کا علم ہے۔ صریح غلطی ہے۔ شق صدر حضور ﷺ کے خاص الخاص معجزات میں سے ہے اور شرح صدر حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ابوبکر و عمر کے زمانے سے لے کر اب تک بھی علماء صالحین کو شرح صدر ہوتا رہا ہے۔ نیز اگر شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد ہوں جو کہ ایک امر معنوی ہے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا کہ سیون کا نشان جو آپ کے سینہ مبارک پر صحابہ کرام اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کیا شرح صدر سے سینہ پر سلائی کے نشان نمودار ہو جاتے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (بحوالہ سیرتِ مصطفیٰؐ)

شق صدر کے اسرار

پہلی مرتبہ جو حلیمہ سعدیہ کے یہاں زمانہ قیام میں قلب چاک کر کے جو ایک سیاہ نقطہ نکالا گیا۔ وہ حقیقت میں گناہ اور معصیت کا مادہ تھا جس سے آپ کا قلب مطہر پاک کر دیا گیا اور نکالنے کے بعد قلب مبارک غالباً اس لئے دھویا گیا کہ مادۂ معصیت کا کوئی نشان اور اثر باقی نہ رہے اور برف سے اس لئے دھویا کہ گناہوں کا مزاج گرم ہے جیسا کہ شیخ اکبر نے فتوحات میں لکھا ہے۔ اس لئے مادۂ معصیت کے بجھانے کے لئے برف کا استعمال کیا گیا کہ حرارت عصیان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے اور قرآن و حدیث سے بھی یہی معلوم

ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ انَّ الَّذِینَ یاکلون اموالَ الیتامیٰ ظُلمًا اِنما یاکلُونَ فِی بُطُونِھِمْ نارًا۔ تحقیق جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ حقیقت میں اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مال حرام اگرچہ دنیا میں کتنا ہی ٹھنڈا کیوں نہ ہو لیکن عالم آخرت کے لحاظ سے اس کا مزاج آگ سے کم گرم نہیں جیسے صبر کا مزاج اس عالم میں حنظل سے زیادہ تلخ ہے مگر عالم آخرت میں عسل (شہد) سے زیادہ شیریں ہے۔ وقس علی ہذا۔ اور ایک حدیث میں ہے الصدقة تطفیٔ الخطیئة کما یطفی الماء النار۔ یعنی صدقہ گناہ کو ایسا ہی بجھا دیتا ہے جیسا پانی آگ کو۔ (رواہ احمد والترمذی عن معاذ بن جبل)

ایک اور حدیث میں ہے ان الغضب من الشیطان و ان الشیطان خلق من النار و انما یطفا النار بالماء فاذا غضب اَحَدُکم فلیتوضا۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: غصہ شیطان کی جانب سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے (نتیجہ یہ نکلا کہ غصہ آگ سے پیدا ہوا ہے) اور جزانیست کہ آگ کو پانی ہی سے بجھایا جاتا ہے۔ اس لئے جب کسی کو غصہ آئے تو وضو کرلے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرے یا غسل کرے۔ آگ میں دو وصف خاص ہیں۔ ایک حرارت اور گرمی اور دوسرے علو یعنی اوپر کو چڑھنا۔ اس لئے رسول اکرم ﷺ نے پہلے وصف کے لحاظ سے غضب کا یہ علاج تجویز فرمایا کہ وضو کرو اور غصہ کی آگ کو پانی سے بجھاؤ اور دوسرے وصف یعنی بڑائی کے لحاظ سے یہ علاج تجویز فرمایا۔

اذا غضب احدکم وھوَ قائم فلیَجْلسُ فاِن ذھبَ عنه الغضب واِلّا فلیَضطَجِعْ .رواہ احمد والترمذی عن ابی ذرؓ .

ترجمہ: ''جس کو غصہ آئے وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر اس سے غصہ جاتا رہے تو فبہا ورنہ لیٹ جائے اس حدیث کو احمد بن حنبل اور ترمذی نے ابوذر سے روایت کیا ہے۔

غصہ کی وجہ سے انسان میں جو ایک قسم کا علو اور بڑائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج تواضع تذلل اور تمسکن سے فرمایا کہ غصہ آتے ہی فوراً زمین پر بیٹھ جاؤ یا لیٹ جاؤ اور سمجھ لو کہ

ہم اسی مشت خاک سے پیدا کئے گئے ہیں آگ بگولہ بننے کی کیا ضرورت ہے بخاری اور مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ ثناء کے بعد نماز میں یوں دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰھم اغسل خطایایَ بماءِ الثلجِ والبردِ۔ اے اللہ میری خطاؤں کو برف اور اولے کے پانی سے دھودے۔

اس دعا میں رسولِ اکرم ﷺ نے دو چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۱) گناہوں کی نجاست کی طرف کہ ان کے دھونے کی اللہ سے درخواست کی اس لئے کہ طریقہ یہ ہے کہ نجاست اور ناپاکی ہی کو دھوتے ہیں پاک چیز کو نہیں دھوتے۔

(۲) گناہوں کی حرارت اور گرمی کی طرف کہ برف اور اولے کے پانی سے ان کے بجھانے کی درخواست کی اس لئے کہ اگر گناہوں میں فقط نجاست ہی ہوئی اور حرارت نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ بجائے برف کے پانی کے گرم پانی سے ان کے دھونے کی درخواست فرماتے لیکن گناہوں میں نجاست کے ساتھ حرارت بھی ہے اس لئے تطہیر نجاست کے علاوہ تبرید اور تسکین کا مقصد علی وجہ الاتم برف اور اولے ہی کے پانی سے حاصل ہوسکتا ہے اس لئے رسولِ اکرم ﷺ نے بجائے گرم پانی کے ٹھنڈے پانی سے گناہوں کے دھونے کی دعا فرمائی۔ اسی وجہ سے امام نسائی نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا۔ نماز کے لئے بجائے گرم پانی کے ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا افضل اور بہتر ہے اس لئے کہ وضو اور نماز سے مقصد گناہوں کی آگ کو بجھانا ہے جیسا کہ ابوذر کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور معجم طبرانی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نماز کے وقت ایک منادی اللہ کی طرف سے ندا دیتا ہے۔ کہ بنی آدم اٹھو اور اُس آگ کو بجھاؤ جو تم نے اپنے اوپر روشن کی ہے۔ اہل ایمان اُٹھتے ہیں اور وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتے ہیں۔ جس طرح ان آیات اور احادیث سے گناہوں کے مزاج کا گرم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ایسا ہی حدیث سے حب الٰہی اور محبت خداوندی کے مزاج کا سرد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے رسولِ اکرم ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے۔ **اَللّٰھم اجعلْ حبک**

اَحَبَّ اِلَیَّ مِن نفسی واھلی ومن الماءِ البارد۔ اے اللہ! اپنی محبت میرے لئے سب سے زیادہ محبوب بنادے حتی کہ میرے نفس سے اور میرے اہل سے اور ٹھنڈے پانی سے۔

ماہ بارد (ٹھنڈے پانی) کا مزاج تو بارد ہوتا ہے۔ لیکن اہل کا مزاج بھی بارد معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن میں اپنے خاص بندوں کی یہ دعا ذکر فرمائی ہے۔ ربّنا ھب لنا مِن اَزواجِنا وَذُرِّیّٰتنا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما یعنی ان کو تیری اطاعت اور فرمانبرداری میں دیکھوں اور تیری معصیت میں نہ دیکھوں اس لئے کہ مؤمن کی آنکھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی سے ٹھنڈی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ آنکھیں ٹھنڈی ہی چیز سے ٹھنڈی ہوتی ہیں معلوم ہوا کہ اطاعت خداوند کا مزاج ٹھنڈا ہے اور معصیت کا مزاج گرم ہے کیونکہ معصیت کا تعلق جہنم سے ہے۔ اس لئے رسول اکرم ﷺ نے ایک ہی سلسلہ میں ماہ بارد اور اہل کو ملا کر دعا فرمائی کہ اے اللہ اپنی محبت گھر والوں اور ٹھنڈے پانی سے کہیں زائد ہمارے لئے محبوب بنادے آمین۔

ائمہ نحو کے نزدیک اگرچہ معطوف اور معطوف علیہ میں مناسبت ضروری نہیں کیونکہ یہ شئی ان کی موضوع بحث سے خارج ہے مگر بلغاء کے نزدیک مناسبت ضروری ہے۔ پس ناممکن ہے کہ نبی اکرم سرور عالم افصح العرب والعجم ﷺ کا کلام فصاحت التیام مناسبت سے خالی ہو۔ جس طرح آیات اور احادیث سے معاصی کے مزاج کا گرم ہونا اور طاعات کے مزاج کا بارد ہونا معلوم ہوتا ہے اسی طرح کچھ خیال آتا ہے کہ شاید مباحات کا مزاج معتدل ہو نہ حار اور نہ بارد واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اور دوسری بار دس سال کی عمر میں جو دس کی عمر میں سینہ چاک کیا گیا وہ اس لئے کیا گیا تا کہ قلب مُبارک مادۂ لہو ولعب سے پاک ہوجائے۔ اس لئے کہ لہو ولعب خدا سے غافل بنادیتا ہے اور تیسری بار بعثت کے وقت جو قلب مُبارک چاک کیا گیا وہ اس لئے کہ قلب مبارک اسرار وحی اور علوم الٰہیہ کا تحمل کر سکے۔

اور چوتھی بار معراج کے وقت اس لئے سینہ چاک کیا گیا تا کہ قلب مبارک عالم

ملکوت کی سیر اور تجلیات الٰہی اور آیات ربانیہ کے مشاہدہ اور خداوند ذوالجلال کی مناجات اور اس کی بے چون وچگون کلام کا تحمل کر سکے غرض یہ کہ بار بار شق صدر ہوا اور ہر مرتبہ کے شق صدر میں جداگانہ حکمت ہے۔ بار بار شق صدر سے مقصود یہ تھا کہ قلب مطہر ومنور کی طہارت ونورانیت انتہا کو پہنچ جائے۔ حضرات اہل علم فتح الباری باب المعراج کی مراجعت کرنا چاہیں تو تفصیل وہاں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

شق صدر کے بعد مہر کیوں لگائی گئی

جس کسی شے کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو مہر لگا دیتے ہیں تا کہ جو شے اس میں رکھ دی گئی ہے وہ اس میں سے نکلنے نہ پائے۔ جواہرات بھر کر تھیلی پر مہر لگا دیتے ہیں کہ کوئی موتی نکلنے نہ پائے اسی طرح آپ کے قلب مُبارک کو علم وحکمت سے بھر کر دو شانوں کے درمیان مہر لگا دی گئی تا کہ اس خزینہ سے کوئی شے ضائع نہ ہونے پائے۔

نیز جس طرح شق صدر سے قلب کا اندرونی حصہ حظِ شیطان سے پاک کر دیا گیا اسی طرح دو شانوں کے درمیان قلب مبارک کے مقابل بائیں جانب ایک مہر لگا دی گئی تا کہ قلب شیطان کے وسوسوں اور بیرونی حملوں سے محفوظ ہو جائے اس لئے کہ شیطان اسی جگہ سے وسوسہ ڈالتا ہے عمرؒ بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ کسی شخص نے حق جل شانہ سے درخواست کی اے رب العٰلمین مجھ کو شیطان کے وسوسے کا راستہ دکھلا دے کہ وہ کس راہ سے آ کر آدمی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے تو من جانب اللہ دو شانوں کے درمیانی جگہ جو قلب کے مقابل بائیں جانب ہے وہ دکھلائی گئی کہ شیطان اس راہ سے آتا ہے اور جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح قلب مُبارک کا اندرونی حصہ شق صدر کے ذریعہ وہ شیطانی سے پاک کر دیا گیا اسی طرح پشت کی جانب مہر لگا کر باہر سے بھی شیطان کی آمد کا راستہ بند کر دیا گیا۔

مہر نبوت کب لگائی گئی؟

بعض کہتے ہیں مہر نبوت ابتدائے ولادت سے تھی اور علمائے بنی اسرائیل آپ کو اسی علامت سے جانتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ شق صدر کے بعد مہر لگائی گئی، پہلا قول زیادہ صحیح اور راجح ہے جیسا کہ بعض روایات سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش ہی کے ساتھ ہوئی ہے اور عجب نہیں کہ جن روایات میں شق صدر کے بعد مہر نبوت کا لگانا مذکور ہے۔ وہ سابق مہر نبوت کی تجدید اور اعادہ ہو اس طرح سے تمام روایات میں تطبیق اور توفیق ہو جاتی ہے۔ شق صدر کے واقعہ سے حضرت حلیمہ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا آپ کو کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے اس لئے آپ کو حضرت آمنہ کے پاس مکہ لے کر حاضر ہوئیں اور تمام واقعہ بیان کر دیا حضرت آمنہ اس واقعہ کو سن کر بالکل ہراساں نہ ہوئیں اور ان انوار و تجلیات اور ان خیرات اور برکات کا جو زمانہ حمل اور ولادت باسعادت کے وقت ظاہر ہوتے تھے ذکر کر کے یہ فرمایا کہ میرے اس بیٹے کی شان بہت بڑی ہوگی۔ اس مولود مسعود تک شیطان کی رسائی ناممکن ہے۔ تم مطمئن رہو اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ حلیمہ اپنے گھر واپس ہو گئیں اور آپ اپنی والدہ ماجدہ کے پاس رہنے لگے۔ جب عمر شریف چھ سال کو پہنچی تو حضرت آمنہ نے مدینہ کا قصد فرمایا اور آپ کو بھی ساتھ لے گئیں۔ ام ایمن بھی آپ کے ہمراہ تھیں ایک ماہ اپنے میکہ میں قیام کیا۔ پھر آپ کو لے کر واپس ہوئیں۔ راستہ میں مقام ابواء میں حضرت آمنہ نے انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چنانچہ محترم قارئین! حضور ﷺ کے شق صدر سے متعلق خصوصیت کو تفصیل سے پیش کر دیا گیا، یقیناً اس کے مطالعہ کے بعد آپ کی بہت سی معلومات میں اضافہ ہوا ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی سے سچی محبت نصیب فرمائے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۴۴

رسولِ اکرم ﷺ کے نام مبارک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بارہا اپنے نام کے ساتھ جوڑا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چوالیسویں خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کے ذکر مبارک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بارہا اپنے ذکر کے ساتھ جوڑا" الحمدللہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی میں "ریاض الجنة" میں بیٹھا ہوں، آقا ﷺ کا پیارا اور مقدس روضہ مبارک میرے سامنے ہے اور میں آقا ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں بلکہ یوں کہوں کہ صاحبِ خصوصیت ﷺ عین میرے سامنے آرام فرما ہیں اور میں مقدس روضہ مبارک کے سائے تلے اور جنت کے ٹکڑے میں بیٹھ کر انکی عظیم خصوصیت کو لکھ رہا ہوں، دعا گو ہوں کہ یا رب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما آمین یا رب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی ہے ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں جابجا اپنے نام کے ساتھ اپنے پیارے اور آخری نبی ﷺ کے مبارک نام کو جوڑا، جیسا کہ بطور نمونہ کے آنے والے اوراق میں کچھ آیات پیش کی جارہی ہیں ہمیں امید ہے کہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کے مطالعے سے بھی انشاءاللہ ہمارے دل میں اپنے نبی ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوگا، آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کا شوق مزید آگے بڑھے گا انشاءاللہ، لیجئے اب آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمایئے۔

چوالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن کریم کی روشنی میں

رسولِ اکرم ﷺ کا نام مبارک اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں طاعت ومعصیت فرائض واحکام، وعدہ وعید اور انعام واکرام کا ذکر کرتے وقت اپنے پاک نام کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ دیکھئے آیاتِ ذیل:۔

۱......یآ ایُّھاالّذینَ امنُوا اَطیعُوااللہَ واَطیعُوا لرّسولَ و اُولی الْاَمرِ منکُم. (پ۵نساءع۸)

ترجمہ......اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول ﷺ کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔

۲......یآ ایُّھا الذین امنُوا اَطیعُوا اللہَ وَرَسُولَہٗ و لا تَوَلّوا عَنْہُ واَنْتُم تَسْمَعُونَ(انفال)

ترجمہ......اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور اس کے رسول ﷺ کا، اور اس کا کہنا ماننے سے رُوگردانی مت کرو اور تم (اعتقاد سے) سُن تو لیتے ہی ہو۔

۳......والْمؤمنُون والْمؤمناتُ بعْضُھم اَوْلیاءُ بعْضٍ. یَامُرُوْنَ بِالمَعروفِ وینْھَونَ عنِ الْمُنکرِ ویُقیمُونَ الصَّلٰوۃَ ویُؤتُونَ الزَّکٰوۃَ ویُطِیعُونَ اللہَ ورَسُولَہٗ اُولٰئِکَ سَیَرْحَمُھُمُ اللہ. اِنَّ اللہَ عزیزٌ حکیمٌ. (پ۱۰۔توبہ۔ع۹)

ترجمہ......اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں، اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں، اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا کہنا مانتے ہیں۔ اُن لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر (مطلق) ہے حکمت والا ہے۔

۴......انّما المؤمنون الذینَ امنُوا بِاللہِ وَرَسُولِہٖ وإذَا کَانُوا معَہٗ عَلٰی اَمرٍ جامعٍ لَّمْ یَذْھَبُوا حَتّٰی یَسْتاذِنُوہُ. (پ۱۸۔نور۔ع۹)

ترجمہ......پس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے

ہوں اور جب رسول ﷺ کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے (اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑتی ہے، تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے۔

۵......یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ. (انفال)

ترجمہ......اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول ﷺ کے کہنے کو بجالایا کرو، جبکہ رسول ﷺ تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں۔

۶......وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا . وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ. وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ یُدْخِلْہُ نَارًا خٰلِدًا فِیْھَا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ. (پ۔۴نساء۔ع۲)

ترجمہ......اور جو شخص اللہ رسول ﷺ کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا اس کو آگ میں داخل کریں گے۔اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے۔

۷......اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّلَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا. (پ۔۲۲۔احزاب۔ع۷)

ترجمہ......بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے۔اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

۸......وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلُہٗ. (پ۔۱۰۔توبہ۔ع۱)

ترجمہ......اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ دونوں دست بردار ہوتے ہیں، ان مشرکین (کو امن دینے) سے۔

۹......اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُوْنِ اللهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً .وَاللهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔(پ۱۰التوبہ۔ع۴)

ترجمہ......کیا تم یہ خیال کرتے ہو، کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے، حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے (ظاہر طور پر) ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں، جنہوں نے تم میں سے (ایسے موقع پر) جہاد کیا ہو۔ اور اللہ اور رسول ﷺ اور مؤمنین کے سوا کسی کو خصوصیت کا دوست نہ بنایا ہو اور اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے، تمہارے سب کاموں کی۔

۱۰......اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ. (پ۱۰التوبہ۔ع۸)

ترجمہ......کیا ان کو خبر نہیں؟ کہ جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا (جیسا یہ لوگ کر رہے ہیں)، تو یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کی آگ اس طور پر نصیب ہوگی کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے۔

۱۱......اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْا اَوْ يُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ.

ترجمہ......جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کئے جاویں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین پر سے نکال دیئے جاویں۔

۱۲......قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ. (پ۱۰۔توبہ۔ع۴)

ترجمہ......اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں۔ اور نہ قیامت کے دن پر، اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں، جن کو خدا تعالیٰ نے اور اسکے رسول ؐ نے حرام بتلایا ہے، اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں۔ ان سے یہاں تک لڑو، کہ وہ ماتحت ہو کر

اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔

۱۳......قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. (پ۔۹۔انفال۔شروع)

ترجمہ......آپ فرمادیجئے، کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں۔اور رسول ﷺ کی ہیں۔

۱۴......وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (پ۔۹۔انفال۔ع۲)

ترجمہ......اور جو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دیتے ہیں

۱۵......فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ. (نساء ع۸)

ترجمہ......پھر اگر کسی امر کو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف حوالہ کرلیا کرو۔اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔

۱۶......وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ اِنَّا اِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ . (پ۔۱۰۔توبہ۔ع۷)

ترجمہ......اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے ہیں جو کچھ ان کو اللہ نے اور اسکے رسول ﷺ نے دیا، اور یوں کہتے ہیں کہ ہم کو اللہ کافی ہے، آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو اور دے گا، اور اس کے رسول دینگے۔ہم (دل سے) اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

۱۷......وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ. (پ۔۱۰شروع)

ترجمہ......اور اس بات کو جان لو کہ جو شے (کفار سے) بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے، کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ کا، اور اسکے رسول ﷺ کا ہے۔

۱۸......وَمَا نَقَمُوْا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (پ۔۱۰۔توبہ ع۱۰)

ترجمہ......اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا، کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے رزق خداوندی سے مالدار کردیا۔

۱۹......وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ

وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ. (پ۱۰۔توبہ۔ع۱۲)

ترجمہ......اور کچھ بہانہ باز لوگ دیہاتیوں میں سے آئے ،تا کہ اُن کو (گھر رہنے کی) اجازت مل جائے ،اور (ان دیہاتیوں میں سے) جنہوں نے خدا سے اور اس کے رسول ﷺ سے (دعویٰ ایمان میں) بالکل ہی جھوٹ بولا تھا، وہ بالکل ہی بیٹھ رہے، ان میں جو (آخر تک) کافر رہیں گے اُن کو دردناک عذاب ہوگا۔

۲۰......وَاِذْ يَقُولُ لِلَّذِي اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ .وَاللهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ. (احزاب۔ع۵)

ترجمہ......اور جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور خدا سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ (بات بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ (آخر میں) ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں (کے طعن) سے اندیشہ کرتے تھے۔ اور ڈرنا تو آپ کو خدا ہی سے زیادہ سزاوار ہے۔

محترم قارئین! مندرجہ بالا تقریباً بیس آیات آپ کے سامنے پیش کیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے نام مبارک کو اپنے مقدس نام اور ذکر مبارک کے ساتھ جوڑا ،جیسا کہ بطور مثال کے کچھ آیات آپ نے ملاحظہ فرمائیں، تو معلوم ہوا کہ اس طرح آپ کے نام مبارک کو اپنے نام کے ساتھ جوڑنا آپ ﷺ کی فضیلت اور خصوصیت ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۴۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خلقِ عظیم سے نوازا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پینتالیسویں خصوصیت شروع کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خلقِ عظیم سے نوازا" بیشک ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو خلقِ عظیم سے نوازا، اگرچہ دیگر انبیاء کرام کو بھی اخلاقِ حسنہ ملے لیکن دیگر انبیاء کے اخلاق کی تعریف اللہ تعالیٰ نے خودنہیں فرمائی بیشک آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اخلاق بھی سب سے اعلیٰ عطا فرمائے اور پھر آپ ﷺ کے اخلاق کی اللہ تعالیٰ نے خود تعریف بھی فرمائی، جیسا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس خصوصیت کی مکمل تفصیل آنے والے اوراق میں آرہی ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس تفصیل کے مطالعے کے بعد آپ ﷺ کی یہ خصوصیت مکمل طور پر آشکارا ہو جائے گی۔ تو لیجئے محترم قارئین اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

پینتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن کریم میں آپ ﷺ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے انک لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم تم ایک اعلیٰ کردار پر ہو امام عطیہؒ نے خلق عظیم کی تفسیر ادب عظیم سے کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) یہ بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کیا ہے، اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کے بعض اقوال سے ہوتی ہے: ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگ امتعہ نہ بنو کہ یہ

کہنے لگو کہ لوگ اچھا سلوک کریں گے تو ہم بھی اچھا سلوک کریں گے۔ اور لوگ برا کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ ظلم کریں گے۔ بلکہ اپنے آپ کو اس کا خوگر بناؤ کہ لوگ اچھا سلوک کریں تب بھی تم اچھا سلوک کرو اور لوگ برا سلوک کریں تو تم ان کے ساتھ ظلم نہ کرو۔ (مشکوٰۃ)

اور فرمایا جو تم سے کٹے تم اس سے جڑو۔ جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کردو اور جو تمہارے ساتھ برا سلوک کرے تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

یہ اعلیٰ اخلاق جو اس حدیث میں بتایا گیا ہے اس اخلاق میں آپ ﷺ بلند مرتبے پر تھے۔ عام مسلمانوں سے یہ اخلاق عزیمت کے درجہ میں مطلوب ہے مگر رسول ﷺ کے لئے یہ لازم تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں، جو مجھ کو نہ دے میں اس کو دوں۔ جو مجھ پر ظلم کرے میں اس کو معاف کردوں

اخلاق کی دو سطحیں ہیں۔ ایک معمولی سطح اور دوسری برتر سطح۔ اخلاق کی معمولی سطح یہ ہے کہ آدمی کا اخلاق جوابی اخلاق ہو "جو مجھ سے جیسا کرے گا میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی کروں گا" یہ اس کا اصول ہو جو شخص اس سے کٹے وہ بھی اس سے کٹ جائے۔ جو شخص اس پر ظلم کرے وہ بھی اس پر ظلم کرنے لگے۔ جو شخص اس کے ساتھ برائی کرے وہ بھی اس کے لئے برا بن جائے۔

یہ عام اخلاق ہے۔ اس کے مقابلے میں برتر اخلاق یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے رویئے کی پرواہ کئے بغیر اپنا رویہ متعین کرے۔ اس کا اخلاق اصولی ہو نہ کہ جوابی۔ اعلیٰ اخلاقیات اس کا ایک عام اصول ہو جس کو وہ ہر جگہ برتے، خواہ معاملہ موافق کے ساتھ ہو یا مخالف کے ساتھ۔ وہ جڑنے والا ہو حتیٰ کہ اس سے بھی جو اس سے قطع تعلق کرے۔ وہ بہتر سلوک کرنے والا ہو حتیٰ کہ اس کے ساتھ بھی جو اس سے برا سلوک کرے۔ وہ نظر انداز کرنے والا ہو حتیٰ کہ اس سے بھی جو اس پر ظلم کرتا ہو۔

فرانس کے مشہور فلسفی والٹیر نے کہا تھا کہ کوئی شخص اپنے قریبی لوگوں میں ہیرو نہیں ہوتا: کیونکہ قریبی لوگوں کی نظر میں آدمی کی نجی زندگی ہوتی ہے اور نجی زندگی میں کوئی بھی کامل

نہیں ہوتا۔ دور والوں کو ایک شخص جتنا اچھا معلوم ہو، قریب کے لوگوں کو وہ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے قریبی لوگوں کے اندر اس کے بارے میں ہیرو کے جذبات پیدا نہیں ہوتے۔ مگر سورن اسمتھ نے لکھا ہے کہ یہ کلیہ پیغمبر اسلام ﷺ پر صادق نہیں آتا، کیونکہ تاریخ بتاتی ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ آپ سے قریب تھا، اتنا ہی زیادہ وہ آپ کی خوبیوں کا شیدائی تھا۔

زید بن حارثہؓ قبیلہ کلب کے ایک شخص حارثہ شراحیل کے لڑکے تھے۔ ان کی ماں سعدی بنت ثعلبہ تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ بنی معن سے تعلق رکھتی تھیں۔ زید جب آٹھ سال کے تھے، اس وقت ان کی ماں ان کو لیکر اپنے میکے گئیں۔ وہاں بنی قین بن جسر کے لوگوں نے ان کے پڑاؤ پر حملہ کیا۔ وہ جو کچھ لوٹ کر لے گئے اس میں زید بھی تھے۔ اس کے بعد انہوں نے عکاظ کے میلے میں لے جا کر ان کو بیچ دیا۔ ان کو حکیم بن حزام نے خریدا جو حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے۔ وہ اس بچے کو مکہ لائے اور غلام کی حیثیت سے اپنی پھوپھی کو دے دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا نکاح جب حضرت خدیجہؓ سے ہوا تو حضرت خدیجہؓ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دے دیا۔ اس وقت زید کی عمر ۱۰ سال تھی۔ کچھ عرصے بعد زیدؓ کے باپ اور چچا کو معلوم ہوا تو وہ مکہ آئے تا کہ اپنے بچے کو حاصل کر کے اپنے ساتھ لے جائیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے ملے اور کہا کہ آپ جو فدیہ لینا چاہیں ہم دینے کے لئے تیار ہیں۔ آپ ہمارا بچہ ہم کو دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے کوئی فدیہ نہیں چاہئے۔ اگر لڑکا تمہارے ساتھ جانا چاہے تو تم اس کو لے جا سکتے ہو۔ آپ ﷺ نے زید کو بلوایا اور کہا کہ ان کو پہچانتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں، یہ میرے باپ اور چچا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ لوگ تم کو لے جانا چاہتے ہیں۔ اگر تم چاہو تو ان کے ساتھ اپنے گھر جا سکتے ہو۔ زیدؓ نے جواب دیا: میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ یہ بات سن کر ان کے چچا اور باپ بگڑ گئے۔ انہوں نے کہا: تم آزادی کو چھوڑ کر غلامی کو پسند کرتے ہو اور اپنوں کو چھوڑ کر غیروں میں رہنا چاہتے ہو۔ زید نے کہا: میں نے محمد ﷺ میں جو خوبیاں دیکھی ہیں اس کے بعد اب میں کسی کو بھی ان کے اوپر ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد زیدؓ کے باپ اور چچا اپنے وطن کو واپس چلے گئے۔

یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اسی خصوصیت کی طرف قرآن میں ان لفظوں میں یہ اشارہ کیا گیا ہے۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (ال عمران)

ترجمہ...... یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان کے لئے نرم ہو۔ اگر تم درشت اور سخت دل ہوتے تو وہ تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

پیغمبر اسلام کا یہی اعلیٰ کردار تھا جس نے آپ ﷺ کے اندر تسخیری قوت پیدا کر دی۔ جو شخص بھی آپ سے قریب ہوا وہ آپ ﷺ کی عظمتوں کو دیکھ کر مفتوح ہو کر رہ گیا۔

طائف کی وہ شام بھی کس قدر بھیانک تھی جب شہر کے لڑکے پیغمبر اسلام ﷺ کو پتھر مار مار کر شہر سے باہر لے جا رہے تھے۔ آپ مکہ سے پچاس میل پیدل سفر طے کر کے حجاز کے رئیسوں کے گرمائی صدر مقام پہنچے تھے تا کہ انہیں دین اسلام کی دعوت دیں۔ مگر طائف کے رئیسوں نے آپ کے خیر خواہانہ پیغام کو سننے کے بجائے شہر کے لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ یہ شریر لڑکے اس وقت تک آپ کا پیچھا کرتے رہے جب تک سورج نے غروب ہو کر آپ کے اور ان لڑکوں کے درمیان تاریکی کا پردہ نہ ڈال دیا۔ آپ کا جسم زخموں سے چور تھا۔ سر سے پاؤں تک آپ خون میں نہائے ہوئے تھے۔ اس وقت آپ نے تھک کر انگور کے ایک باغ میں پناہ لی۔ غور کیجئے یہ کسی آدمی کے لئے کتنا نازک وقت ہوتا ہے۔ آپ نے خود ایک بار اپنی بیوی حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ طائف کی یہ شام میری زندگی کی سخت ترین شام تھی۔ مگر آپ کی زبان پر اس سنگین موقع پر اپنے دشمنوں کے خلاف کوئی برا کلمہ نہیں نکلا۔ بلکہ آپ نے فرمایا "خدایا ان کو صحیح راستہ دکھا، کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں" اللہ کے رسول ﷺ کا یہی اخلاق تھا جس نے آپ کے دشمنوں کو اس طرح زیر کیا کہ سارے عرب نے آپ کے پیغام کو قبول کر لیا۔ آپ ﷺ کے اعلیٰ کردار آگے کوئی تعصب، کوئی عداوت اور کوئی ہٹ دھرمی نہ ٹھہر سکی۔ آپ ﷺ کی بلند سیرت لوگوں کو جادو کی طرح مسخر کرتی چلی گئی۔

ایک بار آپ نے فرمایا: صلہ رحمی یہ نہیں کہ تم صلہ رحمی کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی

کرو۔ بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ جو قطع رحمی کرے اس کے ساتھ تم صلہ رحمی کرو۔ (بخاری کتاب الادب)

تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار اسلام کے کچھ دشمنوں نے حضرت عائشہؓ پر بدکاری کی تہمت لگائی جو رسول اللہ ﷺ کی زوجہ اور حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی تھیں۔

یہ تہمت سراسر جھوٹ اور بے بنیاد تھی۔ اس فرضی داستان کو گھڑنے اور اس کو پھیلانے میں ایک شخص مسطح نام کا بھی شریک تھا۔ یہ شخص حضرت ابو بکرؓ کا رشتہ دار بھی تھا اس کو ضرورت مند سمجھ کر حضرت ابو بکرؓ اس کو ماہانہ کچھ رقم دیا کرتے تھے۔ جب حضرت ابو بکر کو معلوم ہوا کہ ان کی معصوم صاحبزادی پر جھوٹی تہمت لگانے میں مسطح بھی شریک رہا ہے تو انہوں نے مسطح کی امدادی رقم بند کر دی۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس یہ وحی آئی کہ اگر کوئی شخص معاشی اعتبار سے ضرورت مند ہے تو اس کے اخلاقی جرم کی وجہ سے اس کی مالی امداد بند نہ کرو، بلکہ اس کے جرم سے درگزر کرتے ہوئے اس کی معاشی امداد کو جاری رکھو۔

قرآن میں کہا گیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور کشائش والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں محتاجوں اور اللہ کی راہ میں وطن چھوڑنے والوں کی مدد نہ کریں گے۔ ان کو معاف کرنا چاہئے اور درگزر کرنا چاہئے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کر دے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے (سورۂ نور) حضرت ابو بکرؓ ہی کا واقعہ ہے کہ وہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آکر آپ کو برا بھلا کہا۔ حضرت ابو بکرؓ پہلی بار سن کر چپ رہے۔ مگر جب اس نے تیسری بار بدزبانی کی تو آپ خاموش نہ رہ سکے اور جواب میں بول اٹھے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا: اے خدا کے رسول ﷺ آپ کیوں اٹھ گئے۔ آپ نے کہا: ابو بکر! جب تم چپ تھے، خدا کا فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا، جب تم خود بول پڑے تو فرشتہ وہاں سے چلا گیا اس طرح رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ برائی کے جواب میں جب آدمی اپنی طرف سے کوئی انتقامی کاروائی نہیں کرتا تو وہاں خدا اس کی طرف سے انتقام کے لئے وہاں موجود رہتا ہے۔ مگر جب آدمی خود انتقام لینے پر آئے تو خدا اس کے معاملے کو

اس کے حوالے کر دیتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ خدا سے بہتر انتقام لے سکے۔

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی عالم سے کچھ اشرفیاں قرض لیں۔ کچھ دن گزر گئے تو وہ یہودی تقاضے کے لئے پہنچا۔آپ نے فرمایا" اس وقت میرے پاس تمہارا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے" یہودی نے کہا" جب تک تم میرا قرض ادا نہ کرو گے میں تمہارے کو نہیں چھوڑوں گا۔" چنانچہ وہ ظہر کے وقت سے لیکر رات تک وہ آپ کو گھیرے میں لئے ہوئے بیٹھا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب کے مدینہ میں آپ کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔آپ اس کے خلاف کاروائی کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔چنانچہ آپ کے ساتھیوں نے اس کو ڈانٹ کر بھگانہ چاہا۔مگر آپ نے سب کو منع کر دیا۔کسی نے کہا:" اے خدا کے رسول۔ایک یہودی آپ کو قید کئے ہوئے ہے۔" آپ نے کہاہاں،مگر مجھ کو ظلم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔اسی حال میں صبح ہو گئی۔جب اگلا دن شروع ہو گیا تو یہودی کی آنکھ کھل گئی۔وہ یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا کہ آپ قدرت رکھتے ہوئے بھی برداشت کرتے ہیں۔اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔یہودی مدینے کا مالدار شخص تھا۔کل تک کچھ اشرفیوں کے لئے آپ کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔مگر آپ کے اعلیٰ کردار نے اس پر اتنا اثر کیا کہ اس نے اپنی ساری دولت آپ کی خدمت میں پیش کر دی اور کہا کہ آپ اس کو جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ (بیہقی)

عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار میں نے خرید وفروخت کا ایک معاملہ کیا۔ابھی معاملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ مجھے کچھ ضرورت پیش آ گئی۔میں نے کہا کہ آپ ٹھہریئے۔میں گھر سے واپس آتا ہوں تو بقیہ معاملہ کو مکمل کرونگا۔گھر پہنچنے کے بعد میں بعض کاموں میں ایسا مشغول ہوا کہ اپنا وعدہ بھول گیا۔تین دن کے بعد یاد آیا تو میں اس مقام پر پہنچا۔دیکھا کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔آپ نے مجھ کو دیکھنے کے بعد صرف اتنا کہا:تم نے مجھ کو بہت تکلیف دی۔میں تین دن سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (ابوداؤد)اس طرح کا عمل اپنے اندر اتنی کشش

رکھتا ہے کہ انتہائی کٹر آدمی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ یہودی عالموں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ جب وہ لوگ آپ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: السام علیکم (تباہی ہو تم پر) حضرت عائشہؓ نے سنا تو ان سے برداشت نہ ہوسکا، انہوں نے کہا "بلکہ تم لوگ غارت ہو جاؤ اور تم پر خدا کی لعنت ہو"۔ آپ نے حضرت عائشہؓ کو اس قسم کے جواب سے منع فرمایا اور کہا: "خدا مہربان ہے اور وہ ہر کام میں مہربانی کو پسند کرتا ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ مخالف کا دل جیتنے کیلئے اس سے بڑا کوئی حربہ نہیں ہوسکتا کہ اس کی بدزبانی کا جواب نرم باتوں سے دیا جائے۔ ہتھیار کے جملے کی تاب لانا تو ممکن ہے مگر کردار کے حملہ کے مقابلے میں کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ یہاں ہر شخص کو اپنی ہار ماننی پڑتی ہے۔

براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر تین شرطوں کے ساتھ قریش سے معاہدہ کیا تھا۔ ان میں سے ایک شرط تو یہ تھی کہ کوئی غیر مسلم اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے یہاں چلا جائے تو مسلمان اس کو واپس کر دیں گے۔ مگر جو مسلمان قریش کے پاس پہنچ جائے اس کو قریش واپس نہیں کریں گے۔ یہ معاہدہ ہو رہا تھا کہ ایک نومسلم نوجوان ابوجندل مکہ سے بھاگ کر حدیبیہ پہنچے۔ ان کو ان کے گھر والوں نے اسلام کے جرم میں قید کر رکھا تھا۔ وہ بیڑیاں پہنے ہوئے اس حال میں پہنچے کہ ان کا جسم بیڑیوں کی رگڑ سے زخمی ہو رہا تھا۔ وہ فریاد کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ مجھ کو دشمنوں کے چنگل سے بچاؤ۔ یہ بے حد نازک وقت تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے تلواریں نکال لیں۔ ابوجندل کے جذباتی واقعہ کو دیکھنے کے بعد لوگوں کا رجحان کہ معاہدہ توڑ کر ابوجندل کی زندگی کو بچایا جائے دوسری طرف مکہ والوں نے کہا: "محمد! ہمارے اور تمہارے بیچ جو معاہدہ ہوا ہے، یہ اس کی تکمیل کا پہلا موقع ہے۔" بالآخر اللہ کے رسول نے فیصلہ کیا کہ جو معاہدہ طے ہو چکا ہے اب اس سے ہم پھر نہیں سکتے۔ آپ کے ساتھیوں کے لئے یہ بات بے حد

تکلیف کی تھی۔ مگر آپ نے ابوجندل کو دوبارہ مکہ والوں کے حوالے کر دیا۔ (صحیحین)

بظاہر اس واقعے کے معنی یہ تھے کہ مظلوم کو دوبارہ ظالم کے چنگل میں دے دیا جائے۔ مگر اس واقعہ میں جو اصول پسندی کا شان دار عملی مظاہرہ ہوا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظالم اندر سے بالکل ڈھ گئے۔ اب ان کا ابوجندل کو لے جانا اور اپنے یہاں ان کو قید میں رکھنا محض ایک عام واقعہ نہ رہا بلکہ ان کی طرف سے اخلاقی گراوٹ اور اسلام کے لئے اخلاق کی بلندی کی ایک مثال بن گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ کے لوگ اسلام کی اخلاقی برتری سے مرعوب ہو گئے۔ وہاں کثرت سے لوگ مسلمان ہونے لگے۔ ابوجندل کا وجود مکہ میں اسلام کی زندہ تبلیغ بن گیا۔ حتیٰ کہ قید و بند کی حالت میں بھی ابوجندل ان کو اپنی قومی زندگی کے لئے خطرہ معلوم ہونے لگے۔ چنانچہ انہوں نے اس میں عافیت سمجھی کہ ان کو رہا کر کے مکہ کے باہر بھیج دیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ مدنی زندگی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کے لوگوں کی طرف چند سوار بھیجے جو آپ کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ وہ شہر یمامہ کے حاکم ثمامہ بن اثال کو راستہ میں پا گئے اور اس کو گرفتار کر لائے۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا...... رسول اللہ اس کے پاس آئے اور اس کا حال پوچھا۔ ثمامہ نے جواب دیا۔ ''اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو میری قوم تم سے میرے خون کا بدلہ لے گی۔ اور اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں عمر بھر تمہارا احسان مند رہوں گا اور اگر مال کی خواہش ہے تو جتنا مال چاہو میں دینے کے لئے تیار ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس کی رہائی کا حکم دے دیا۔ یہ واقعہ اس وقت کی دنیا کا عجیب واقعہ تھا۔ کیونکہ قبائلی زندگی میں کسی دشمن کے ہاتھ آجانے کے بعد اس کا ایک ہی انجام تھا اور وہ یہ کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ رسول اللہ نے اس کے جسم کو تو قتل نہیں کیا مگر اپنے اخلاقی سلوک سے اس کی روح کو قتل کر دیا۔ چنانچہ قید سے چھوٹنے کے بعد ثمامہ قریب کے ایک باغ میں گیا اور غسل کر کے دوبارہ مسجد میں آ گیا۔ لوگ حیران تھے کہ وہ دوبارہ مسجد میں کس لئے یہاں آیا ہے۔ مگر جب اس نے بلند آواز سے کلمہ شہادت

ادا کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو معلوم ہوا کے رسول اللہ ﷺ نے اس کو چھوڑ کر دراصل ہمیشہ کے لئے اس کو گرفتار کر لیا تھا۔ اس کے بعد ثمامہ عمرہ کرنے کے لئے مکہ گیا۔ جب وہ حرم میں پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو ثمامہ کے حال کا معلوم ہوا تو انہوں نے کہا: "تم بے دین ہو گئے۔" ثمامہ نے جواب دیا کہ میں بے دین نہیں بلکہ میں نے خدا کے رسول کے دین کو اختیار کر لیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ثمامہ اسلام کی قوت کا ذریعہ بن گیا۔ اس زمانہ میں مکہ کے لوگوں کو باہر کے جن مقامات سے گندم فراہم ہوتی تھی ان میں یمامہ کا ایک خاص مقام تھا۔ چنانچہ ثمامہ نے مکہ والوں سے کہا کہ سن لو محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر اب گندم کا ایک دانہ بھی تمہارے یہاں نہیں آئے گا (صحیح مسلم)

کردار بظاہر ایک بے قیمت چیز ہے مگر اس کو دے کر آدمی ہر چیز خرید لیتا ہے۔

اخلاق کی بلندی یہ ہے کہ کہنے والا جو کچھ کہے اس پر وہ خود عمل کرتا ہو۔ کمزوروں کے ساتھ بھی وہ رعایت وشرافت کا وہی طریقہ اختیار کرے جو کوئی شخص طاقتور کے ساتھ کرتا ہے اپنے لئے اس کے پاس جو معیار ہو وہی معیار دوسروں کے لئے بھی ہو۔ مشکل حالات میں بھی وہ اپنے اصولوں سے نہ ہٹے۔ حتیٰ کہ دوسروں کی طرف سے پست کردار کا مظاہرہ ہو تب بھی وہ اعلیٰ کردار پر قائم رہے۔ رسول اللہ نے اس اعتبار سے اخلاق کے کمال درجہ پر تھے۔ آپ نے کبھی اعلیٰ اخلاق کو نہیں چھوڑا۔ کوئی مصلحت یا کوئی اختلاف آپ کو اخلاق سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ آپ کے انتہائی قریبی ساتھیوں نے اس معاملے میں جو گواہی دی ہے اس سے بڑی اور کوئی گواہی نہیں ہو سکتی۔

سعید ابن ہشام تابعی نے آپ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کیسا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: آپ کا اخلاق تو قرآن تھا۔ گویا قرآن کی صورت میں مطلوب زندگی کا جو نقشہ آپ ﷺ نے دوسروں کے سامنے پیش کیا خود آپ ﷺ اسی نقشہ میں ڈھل گئے۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی مگر کبھی آپ نے اُف تک نہ

کیا اور نہ کبھی میرے کسی کام کی بابت آپ نے کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور جو کام میں نے نہیں کیا اس کی بابت بھی آپ نے کبھی یہ نہ کہا کہ تم نے اس کو کیوں نہیں کیا۔ وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔ (صحیحین)

امام احمد نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی خادم کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو مارا۔ البتہ آپ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے۔ جب بھی آپ کو دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو لینے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے آسان کو اختیار فرمایا، اِلّا یہ کہ وہ گناہ ہو۔ جو چیز گناہ ہوتی اس سے آپ تمام لوگوں سے دور رہنے والے تھے۔ آپ کو خواہ کوئی بھی تکلیف پہنچائی گئی ہو کبھی آپ نے اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا، الا یہ کہ اللہ کی حرمتوں کو توڑا گیا ہو اور آپ نے اللہ کی خاطر اس کا بدلہ لیا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا یہی کردار تھا جس نے آپ کو دشمنوں کی نظر میں بھی قابل عزت بنا دیا۔ جن لوگوں نے آپ کا ساتھ دیا وہ ہر طرح کے نقصان کے باوجود آپ کے ساتھ جڑے رہے۔ اپنی مظلومی کے دور میں بھی آپ لوگوں کی نظر میں اتنے ہی محبوب تھے جتنا فتح وغلبہ کے دور میں۔ آپ کو دور سے دیکھنے والوں نے جیسا پایا ویسا ان لوگوں نے بھی پایا جو آپ کو قریب سے دیکھ رہے تھے۔ آپ کا کردار ایسا نمونہ بن گیا جیسا تاریخ میں دوسرا نہیں پایا جاتا۔

آپ ﷺ کا اعلیٰ کردار آپ کی زندگی کا جزو بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان افراد کے ساتھ بھی بدستور باقی رہتا تھا جن سے آپ کو تکلیف یا شکایت پہنچی ہو۔

کعبہ کی دربانی (حجابہ) جاہلیت کے زمانے میں بھی نہایت عزت کی چیز سمجھی جاتی تھی۔ یہ دربانی قدیم ترین زمانے سے ایک خاص خاندان میں چلی آرہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسی خاندان کے ایک فرد عثمان بن طلحہ کعبہ کے دربان تھے۔ انہیں کے پاس کعبہ کی کنجیاں رہتی تھیں۔

بخاری نے روایت کیا ہے کہ ہجرت سے پہلے ایک بار رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ کعبہ کے اندر داخل ہو کر عبادت کریں۔ آپ نے عثمان بن طلحہ سے کنجی مانگی تا کہ اس کا دروازہ کھول سکیں۔ مگر عثمان بن طلحہ نے انکار کیا اور آپ ﷺ کو برا بھلا کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عثمان! کسی دن دیکھو گے کہ یہ کنجی میرے ہاتھوں میں ہوگی۔ مجھے اختیار ہوگا کہ جس کو چاہوں اسے دوں۔ یہ سن کر عثمان بن طلحہ نے کہا:

وہ دن قریش کی تباہی اور رسوائی کا دن ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اس دن وہ آباد اور باعزت ہونگے۔ اس کے بعد وہ وقت آیا کہ مکہ فتح ہوا اور تمام اختیار رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں آ گیا۔ آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے بیت اللہ گئے۔ آپ نے کعبہ کا سات بار طواف کیا۔ اس کے بعد آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا۔ ایک روایت کے مطابق وہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی زمانے میں مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ نے اس سے کنجی لی اور دروازہ کھول کے کعبہ میں داخل ہوئے۔ آپ کچھ دیر اس کے اندر رہے اور وہاں جو بت تھا اس کو اپنے ہاتھ سے توڑ دیا۔

رسول اللہ ﷺ کعبہ سے باہر نکلے تو آپ کے ہاتھ میں اس کی کنجی تھی اور آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا. (اللہ تم کو حکم دیتا کہ تم امانتوں کو اہل ایمان کے سپرد کر دو) اس وقت آپ کے چچا زاد بھائی اور داماد حضرت علی کھڑے ہو گئے اور کہا: یا رسول اللہ! (یعنی اللہ کی رحمت آپ پر ہو، ہم بنو ہاشم کو پہلے سے زائرین کعبہ کو پانی پلانے کی خدمت حاصل ہے۔ اب کعبہ کی کلید برادری بھی ہمیں کو دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عثمان بن طلحہ کہاں ہیں۔ ان کو بلایا گیا۔ آپ ﷺ نے کعبہ کی کنجی ان کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ: اے عثمان، اپنی کنجی لو۔ آج وفا اور سلوک کا دن ہے۔ اس کو لو۔ یہ تمہارے خاندان میں ہمیشہ موروثی کے طور پر رہے گی۔ ظالموں کے سوا کوئی بھی تم سے اس کو نہیں چھین سکتا (زاد المعاد)

رسول اللہ ﷺ کی اسی سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق کی ادائیگی اور امانتوں کی

واپسی کے معاملے میں مسلمانوں کو اتنا پابند ہونا چاہئے کہ صاحب حق کی طرف سے تلخی کا مظاہرہ ہوتب بھی جس کا جوحق ہے اس کو اس کا حق پورا پورا ادا کیا جائیگا۔ادائیگی حقوق سے کسی حال میں بھی تجاوز نہ کیا جائے خواہ وہ اپنی طبیعت کے کتنا ہی خلاف ہو۔

دنیا پرست لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب ان کو کسی قسم کا اقتدار ملتا ہے تو سب سے پہلے وہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے سابق مخالفین کو سزا دیں اور ان کو ان کے منصب سے ہٹا کر اپنے عقیدت مندوں کو تمام مناصب پر بٹھا دیں۔ ہر صاحب اقتدار موافق اور مخالف کی اصطلاحوں میں سوچتا ہے۔موافقین کو اٹھانا اور مخالفین کو کچلنا اس کی پالیسی کا اہم جزء ہوتا ہے۔مگر رسول اللہ ﷺ کو قتدار حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے بالکل برعکس معاملہ کیا۔آپ نے معاملات کو"موافق" اور مخالف" کے اعتبار سے نہیں دیکھا بلکہ خود پسندی اور امانت داری کے لحاظ سے دیکھا۔اور تمام شکایتی باتوں کو نظر انداز کر کے ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو رحمت اور عدل کا تقاضا تھا۔(بحوالہ چیدہ چیدہ از پیغمبر انقلاب)

رسول اکرم ﷺ کے خلق عظیم کی چند مثالیں

خلق کے لغوی معنی ہیں خو، عادت اور خصلت کے اور حسن خلق سے مراد ہے، خوش اخلاقی، ملنساری، مروت، اچھا برتاؤ، اچھا رویہ، اور اچھے اخلاق۔

یوں تو حسن خلق کی ترکیب اخلاق حسنہ کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے لیکن بطور خاص اس کو ملنساری، ہمدردی، شیریں زبانی اور خوش مزاجی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سرور کائنات ﷺ کی ذات گرامی اخلاقِ حسنہ کا پیکر بے مثال تھی اور آپ کا ابر کرم مخلوق خدا کے ہر طبقے پر ہر آن جھوم جھوم کر برستا رہتا تھا۔جس ذات اقدس کو خطاب کر کے خود ربِ ذُوالجلالِ والِاکرامِ نے فرمایا ہو: اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم یعنی آپ اخلاق کے نہایت اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔

اور جس کے اسوۂ حَسَنہ کو یہ کہہ کر تمام مسلمانوں کیلئے نمونہ قرار دیا ہو۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ

فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ. اس ذاتِ پاک کی شمیم اخلاق کی عطر بیزیوں کا احاطہ کرنا کسی انسان کے بس کی بات ہی نہیں۔۔لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّهٗ.

اہلِ سیر نے آپ ﷺ کے حُسنِ خُلق کے جو واقعات بیان کئے ہیں ان کو پڑھ کر زبان بے اختیار آپ ﷺ کی بارگاہِ عالی میں اس طرح زمزمہ پیرا ہو جاتی ہے:

تو روحِ زَمَن، رنگِ چمن، ابرِ بہاراں　　تو حُسنِ سخن، شانِ ادب جانِ قصیدہ

تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا جہان میں　　دیتا ہے گواہی یہی عالَم کا جریدہ

امام بخاریؒ نے ''ادب المفرد'' میں حضرت اُمّ الدَّرْدَاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبانی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ میزانِ عمل میں کوئی چیز حُسنِ خُلق سے بھاری نہ ہوگی۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت علی کرمُ اللہ وجہہٗ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہت سے دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو مدتوں حضور ﷺ کی خدمت میں رہے ان سب کا متفقہ بیان ہے کہ آپ ﷺ نہایت نرم مزاج، شیریں زبان، نیک سیرت اور خندہ رو تھے۔لب ہائے مبارک پر ہمیشہ تبسم رہتا تھا۔نرمی، وقار اور متانت سے گفتگو فرماتے تھے۔ایک بات کو دوسری بات سے ملنے نہ دیتے تا کہ سننے والے اچھی طرح سمجھ سکیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ خود سلام اور مصافحہ فرماتے۔جب تک دوسرا شخص ہاتھ نہ چھوڑ دے آپ ﷺ اسکا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ کوئی شخص جھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت اس کی طرف سے منہ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹالے۔مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو آپ ﷺ کے زانو کبھی شرکائے مجلس سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔مجلس نبوی میں جگہ کم ہوتی تھی، جو لوگ پہلے سے آکے بیٹھ جاتے تھے ان کے بعد جگہ نہیں رہتی تھی۔ایسے موقع پر اگر کوئی آجاتا تو آپ ﷺ خود اپنی جگہ سے سرک کر اس کو اپنے پاس بٹھالیتے تھے یا اس کے بیٹھنے کے لئے اپنی

ردائے مبارک بچھا دیتے تھے۔

حضور ﷺ کو کسی کی کوئی بات نہ پسند ہوتی تو مجلس میں نام لے کر اس کا ذکر نہیں کرتے تھے بلکہ صیغہ تعیم کے ساتھ فرماتے تھے لوگ ایسا کرتے ہیں لوگ ایسا کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ شخص مخصوص کی ذلت نہ ہو اور اس کے احساس غیرت کو چوٹ نہ لگے۔

ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ کو یہ دستور پسند نہ تھا لیکن ان سے نہایت خندہ پیشانی سے ملاقات فرمائی۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تھے لوگوں سے فرمایا کہ ان سے کہہ دینا کہ اس کو دھو ڈالیں۔

☆ایک مرتبہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا، یہ شخص اپنے قبیلے میں اچھی شہرت نہیں رکھتا خیر آنے دو۔ جب وہ آیا تو آپ نے نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی۔ جب وہ چلا گیا تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ آپ تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے پھر اس رفق و ملاطفت کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی: فرمایا! اللہ کے نزدیک سب سے بُرا وہ آدمی ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔ (صحیحین وسنن ابی داؤد)

☆حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ بیان کرتے ہیں میں ضرورت پڑنے پر مدینہ کے ایک یہودی سے قرض لیا کرتا تھا۔ ایک سال اتفاق سے کھجوروں کی فصل خراب ہوگئی اور میں قرض واپس نہ کرسکا۔ اس پر پورا سال گزر گیا۔ بہار آئی تو یہودی نے قرض کا تقاضا شروع کر دیا۔ (بدقسمتی سے) اس سال کی فصل سے بھی بہت کم کھجوریں حاصل ہوئیں۔ میں نے یہودی سے آئندہ سال کی مہلت مانگی مگر اس نے انکار کر دیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام واقعات عرض کیے۔ آپ ﷺ چند صحابہ کو لے کر یہودی کے گھر چلے گئے اور اس کو بہت سمجھایا کہ مہلت دے دو لیکن اس نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ ابوالقاسم میں ہرگز مہلت نہیں دونگا۔ اب حضور ﷺ نخلستان میں تشریف لے گئے اور ایک چکر لگا کر پھر یہودی کے پاس تشریف لائے اور مہلت کے لئے اس سے دوبارہ گفتگو فرمائی

لیکن وہ اسی بات پر اڑا رہا کہ میں کسی صورت بھی مہلت نہیں دونگا۔ اس کا جواب سن آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اپنے مسقف چبوترے پر فرش بچھاؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ آپ ﷺ نے فرش پر کچھ دیر آرام فرمایا۔ بیدار ہوئے تو پھر یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور تیسری بار اس سے مہلت کے لئے بات چیت کی لیکن وہ ظالم اب بھی اپنی بات پر اڑا رہا۔ اب آپ ﷺ سیدھے نخلستان پہنچے اور درختوں کے جھنڈ میں کھڑے ہو کر مجھ سے فرمایا: ''جابر! کھجوریں توڑنی شروع کرو''

میں نے کھجوریں اتارنی شروع کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کی برکت سے اتنی کھجوریں نکلی کہ یہودی کا قرضہ ادا کر کے بھی بچ گئیں۔ (صحیحین باب الرطب التمر)

۸ھ ہجری میں رحمت عالم ﷺ غزوۂ حنین سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ایک مقام پر نماز کا وقت آ گیا۔ آپ ﷺ کے مؤذن نے اذان دی۔ اتفاق سے وہاں مکہ کے چند شوخ نوجوان بھی موجود تھے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ اذان کے بعد وہ تمسخر کے طور پر اذان کی نقل اتارنے لگے۔ ان میں سے ایک سولہ سالہ نوجوان ابو محذورہ کی آواز بہت بلند اور دلکش تھی۔ حضور ﷺ نے ان نوجوانوں کو ڈانٹنے یا سزا کے بجائے ابو محذورہ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ میرے سامنے اذان کی نقل اتارو۔ چونکہ وہ اذان سے پوری طرح واقف نہ تھے اس لئے حضور ﷺ نے انہیں خود اذان کے کلمات بتائے۔ انہوں نے لسان رسالت سے جو بھی کلمات سنے وہی دہرا دیئے۔ حضور ﷺ نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا اور برکت کے لئے دعا کی، ساتھ ہی ابو محذورہؓ کے دل کی دنیا بدل گئی اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ حضور ﷺ نے انہیں ایک تھیلی مرحمت فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے (خود ہی یا) ابو محذورہؓ کی خواہش پر ان کو مکہ معظمہ میں مسجد حرام کا مؤذن بنا دیا۔ (دار قطنی۔ بذل القوۃ)

ایک دن حضور ﷺ رئیس خزرج حضرت سعد بن عبادہؓ سے ملنے کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ واپس آنے لگے تو حضرت سعد نے اپنا گدھا منگایا اور اس کی پشت پر

چادر بچھائی پھر اپنے بیٹے حضرت قیسؓ کو حکم دیا کہ تم رسول ﷺ کے ساتھ جاؤ اور کاشانہ نبوی تک آپ ﷺ کے ہم رکاب رہو۔

حضور ﷺ گدھے پر سوار ہوئے تو قیسؓ پاپیادہ ساتھ ہو لئے۔ حضور ﷺ کے خلق عظیم نے گوارا نہ فرمایا کہ قیسؓ پیدل چلیں۔ ان سے فرمایا، میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ ان کو پاس ادب مانع ہوا اور آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھنے سے عذر کیا، حضور ﷺ نے فرمایا، یا واپس ہو جاؤ۔ حضرت قیسؓ کو آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھنے کی جرأت نہ پڑی اور وہ واپس چلے گئے۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ بالعموم رسول ﷺ کی سواری کھینچنے یعنی اس کی لگام یا مہار پکڑ کر آگے چلنے کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ لیکن ایک دفعہ چشم فلک نے عجیب منظر دیکھا۔ وہ ایک طویل سفر میں ساتھ تھے۔ راستے میں پہاڑ کا ایک درہ آیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عقبہؓ سے فرمایا، عقبہ آؤ اب تم اونٹ پر سوار ہو جاؤ۔ انہوں نے اسے بے ادبی سمجھا کہ وہ اونٹ پر سوار ہوں اور حضور ﷺ پیدل چل رہے ہوں اس لئے انہوں نے اونٹ پر سوار ہونے میں تامل کیا لیکن جب حضور ﷺ نے دوبارہ زور دے کر انہیں اونٹ پر سوار ہونے کے لئے فرمایا، تو انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔ اب عقبہؓ اونٹ پر سوار تھے اور حضور ﷺ اونٹ کی مہار پکڑے پاپیادہ چل رہے تھے۔

حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ کے مکان اور مسجد کے درمیان ایک نشیبی جگہ (وادی) تھی۔ بارش ہوتی تو وہاں بہت پانی جمع ہو جاتا تھا۔ حضرت عتبانؓ کی بینائی میں فرق آ گیا تھا اس لئے ان کے لئے اس پانی سے گزر کر مسجد تک پہنچنا سخت مشکل تھا۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے محلے کی مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھاتا ہوں لیکن جب بارش ہوتی ہے تو مسجد اور میرے مکان کے درمیان گہرا پانی کھڑا ہو جاتا ہے۔ نظر کی خرابی کی وجہ سے میرے لئے اس پانی سے گزرنا بہت مشکل ہوتا ہے اس لئے مجبوراً گھر میں نماز ادا کر لیتا ہوں۔ اگر آپ گھر میں تشریف لا کر نماز پڑھ لیں تو میں اسی جگہ کو مخصوص کر لوں'' حضور ﷺ نے ان کی گزارش بخوشی منظور فرمالی

اور دوسرے ہی دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر حضرت عتبانؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اہل محلہ کو خبر ہوئی تو وہ بھی حضرت عتبانؓ کے گھر آ گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت عتبانؓ سے پوچھا کہاں نماز پڑھوں؟ انہوں نے جگہ بتائی تو آپ ﷺ نے تکبیر کہہ کر دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز کے بعد لوگوں نے کھانے کے لئے اصرار کیا۔ آپ ﷺ نے ان کی دعوت قبول کر لی اور کچھ دیر کے لئے ٹھہر گئے۔ خزیرہ ایک کھانا جو قیمے پر آٹا چھڑک کر تیار کیا جاتا ہے) دستر خوان پر رکھا گیا۔ محلے کے تمام لوگ آپ ﷺ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا، مالک بن دخشم نہیں آیا وہ منافق ہے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ لوگوں نے کہا، پڑھتا ہے لیکن اس کا میلان منافقوں کی طرف ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے مجھے بدگمانی سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان کے اعمال ان کے حسن اعتقاد کی شہادت دیتے ہیں۔ جو شخص اللہ کی مرضی کے لئے توحید پڑھتا ہے اللہ اس پر آگ حرام کر دیتا ہے۔ (صحیحین بخاری)

☆ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ کچھ یہودی لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے (از راہ شرارت السلام علیکم کے بجائے) السام علیکم (یعنی تم کو موت آئے) کہا۔

میں (حضرت عائشہؓ) نے (غضب ناک ہوکر) جواب دیا، تم ہی کو (موت) آئے اور تم پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے عائشہؓ! (ایسا سخت جواب کیوں دے رہی ہو) اپنی زبان کو روکو، نرمی کا رویہ اختیار کرو اور سختی اور درشت زبانی سے اپنے کو بچاؤ۔ (صحیح بخاری)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، سے مروی ہے کہ ایک اور حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مومن بندہ نہ زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا اور نہ بدگو اور نہ گالی بکنے والا۔ (جامع ترمذی)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ

ارشاد نقل ہوا ہے دوزخ کی آگ ہر ایسے شخص پر حرام ہے جو تیز مزاج نہ ہو، نرم ہو، لوگوں سے قریب ہونے والا (ملنسار) ہو اور نرم خو ہو۔ (جامع ترمذی، سنن ابوداؤد)

☆ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی نیکی کی صورت اور کسی چیز کو بھی حقیر نہ سمجھے اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو اور یہ بھی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے کہ تم اپنے ڈول میں سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔ (جامع ترمذی)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے (یعنی نیکی کی ایک قسم ہے جس پر ثواب ملتا ہے) (صحیح بخاری)

☆ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان اپنے حسن خلق کی وجہ سے قائم اللیل اور صائم النہار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا چیز ہے جس کی مداومت لوگوں کو جنت میں داخل کرے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ کا ڈر اور خوش خلقی۔ (ترمذی شریف)

☆ حضرت حارثہ بن وہابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو (معاملہ اور برتاؤ میں اکھڑ اور سخت نہ ہو بلکہ عاجزوں اور کمزوروں کا سا اس کا رویہ ہو اور اس لئے لوگ اس کو کمزور سمجھتے ہوں (اور اللہ کے ساتھ ایسا ہو کہ) اگر وہ اللہ پر قسم کھا لے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دکھائے اور میں کیا تم کو بتاؤں دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ، بدخو اور معزور شخص۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

☆ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھا کر باہر نکلتے تو مدینے والوں کے خدام اپنے اپنے برتن لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ برتنوں میں پانی ہوتا تھا۔ سخت سرد موسم میں بھی آپ ﷺ پانی میں اپنے دست مبارک ڈال کر برتن ان کو واپس کر دیتے۔ (اہل مدینہ اس پانی کو متبرک سمجھتے تھے)۔ (صحیح مسلم)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نرم مزاجی اور خوش خلقی اللہ تعالیٰ نے رسول رحمت ﷺ کی فطرت پاک ہی میں دویعت کی تھی ۔سورۃ آل عمران میں آپ ﷺ کو مخاطب کر کے یوں فرمایا گیا ہے: جسکا مفہوم ہے کہ

(اے پیغمبرؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد وپیش سے چھٹ جاتے۔)

اس ارشاد ربانی سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل عرب کو دین حق کی طرف راغب کرنے میں رحمت دو عالم ﷺ کی نرم مزاجی (خوش خلقی ،شیریں کلامی) نے بنیادی کردار ادا کیا۔حضور ﷺ نے عامۃ المسلمین کو بھی نہ صرف خوش خلقی کی تلقین اور تاکید فرمائی بلکہ ان کو ایسی تمام باتوں سے بھی منع فرمایا جو باہمی تعلقات پر برا اثر ڈالتی ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف نفرت پیدا کرتی ہیں۔صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" تم دوسروں کے بارے میں بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ جاسوسوں کی طرح کسی کے عیب ڈھونڈنے کی کوشش کیا کرو، نہ ایک دوسرے پر پڑھنے کی بے جا ہوس کرو۔نہ ایک دوسرے سے حسد کرو ،نہ ایک دوسرے سے بغض اور کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو بلکہ اے اللہ کہ بندو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔" (بحوالہ حسنت جمیع خصالہ از طالب ہاشمی)

رسول اکرم ﷺ سراپا اخلاق تھے

وہ کونسا خلق ،وہ کونسی صفت اور کونسا کمال ہے جو محبوب رب العالمین میں نہیں تھا۔

حیا کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔

تواضع کی یہ حالت تھی کہ غلاموں اور خادموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیتے غریبوں

کی عیادت فرماتے ،فقراء کے ہم نشین ہوتے ، امتیازی نشست اختیار نہ فرماتے ،گھر کے چھوٹے موٹے کام اپنے ہاتھ سے کرتے ،ضعیفوں کا بوجھ خود اٹھالیتے ۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں ایک شخص نے آپ کے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا،آپ نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور فرمایا: "یہ تو عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں،تم میں سے ایک ہوں" خوش اخلاقی کی یہ حالت تھی کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں دس برس تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہا،آپ ﷺ نے مجھے کبھی اف تک نہ کہا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔

عبداللہ بن حارثؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو حضور ﷺ سے زیادہ خوش خلق اور خوش مزاج نہیں دیکھا۔

شجاعت کا یہ عالم تھا کہ جنگ حنین میں جب مشرکوں کے سخت حملے کی تاب نہ لا کر مسلمان ادھر ادھر بکھر گئے تو آپ ﷺ خچر پر سوار ہو کر دشمن کو للکارتے ہوئے یہ رجز یہ شعر پڑھ رہے تھے:

انا النبی لا کذب............انا ابن عبد المطلب

میں سچا پیغمبر ہوں...............میں ابن عبدالمطلب ہوں

عفو درگزر کی انتہا یہ تھی کہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے خون کے پیاسوں کو،صحابہ پر مکہ کی زمین تنگ کرنے والے درندوں کو، بلالؓ وخبیبؓ پر ظلم ڈھانے والے ظالموں کو،سمیہؓ اور یاسرؓ کو شہید کرنے والے وحشیوں کو یہ کہہ کر معاف کردیا: آج تم پر کچھ الزام نہیں ،اللہ تم کو معاف کردے اور بے شک وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی اور کلیجہ چبانے والی ہندہ تک کو معاف کردیا۔صبر وشکر کی انتہا یہ تھی کہ سیدہ عائشہؓ کے بقول بعض دفعہ ایک ہفتہ تک گھر میں چولھا نہ جلتا تھا اور صرف اور صرف کھجوروں اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا،مگر آپ ﷺ پھر بھی انتہائی صبر کے ساتھ خدا کا شکر ادا کرتے تھے۔

محبت و شفقت کا یہ عالم تھا کہ انسانوں کے علاوہ حیوانوں پر بھی آپ ﷺ بے حد شفیق تھے اور آپ ﷺ کی شفقت کا نتیجہ تھا کہ حیوانوں پر ظلم ہوتا تو وہ بھی آپ ﷺ کے پاس شکایت لے کر آتے، سچائی کا یہ عالم تھا کہ دشمنوں تک نے آپ ﷺ کے سچا ہونے کا اقرار کیا، جنگ بدر میں اخنس بن شریک نے ابوجہل سے پوچھا، اے ابوالحکم! یہاں ہم دونوں کے سوا تیسرا نہیں سچ بتانا کہ محمد (ﷺ) سچا ہے یا جھوٹا؟ ابوجہل نے جواب دیا خدا کی قسم بے شک محمد (ﷺ) سچ بولتا ہے اور اس نے کبھی غلط بیانی نہیں کی۔

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ آپ ﷺ کا اخلاق کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ اخلاق کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اخلاق میں بھی سب سے اونچا مقام نبی کریم ﷺ کو عطا کیا گیا ہے، اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو مقام سب سے آخری اور اونچا ہوتا ہے تو نیچے کے سارے مقامات اس میں جمع ہوتے ہیں۔ مثلاً آپ یوں کہیں کہ فلاں آدمی "بخاری پڑھا ہوا ہے، تو بخاری آدمی کب پڑھے گا؟ پہلے میزان منشعب پڑھے، پھر قدوری پڑھے پھر شرح وقایہ پڑھے، پھر ھدایہ پڑھے، تب جا کے بخاری پڑھے گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جسے بخاری آگئی اسے میزان بھی آگئی، اسے منشعب بھی آگئی، اسے شرح وقایہ بھی آگئی، ھدایہ بھی آگئی، ساری نیچے کی کتابیں آگئیں۔ لیکن جو میزان پڑھ چکا ہے ضروری نہیں کہ اسے بخاری بھی آجائے۔ تو نیچے کی چیز جاننے سے اوپر کی چیز جاننا ضروری نہیں، مگر اوپر والی چیز کو جان جائے تو نیچے کی ساری چیز جان جائے گا۔

تو نبی کریم ﷺ کو جب اخلاق کا اعلیٰ مقام دے دیا گیا۔ تو اس کے نیچے جتنے مقام تھے وہ خود بخود آگئے۔ تو آپ ﷺ جامع اخلاق بھی ہیں۔ اور وہ کس طرح سے؟

وہ یہ کہ ہم نے جہاں تک غور کیا تو قرآن وحدیث سے اخلاق کی تین قسمیں معلوم ہوتی ہیں ایک اخلاق حسنہ، ایک اخلاق کریمانہ اور ایک اخلاق عظیم۔ خلق حسن یہ اخلاق کا ابتدائی درجہ ہے۔ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خطاب فرمایا کہ **یا خلیلی حسّن خلقک** اے میرے خلیل اپنے اخلاق کو حسن بناؤ اگرچہ کفار کے ساتھ معاملہ پڑے تب

بھی اخلاق حسنہ سے پیش آؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک خلق یہ ہے جس کی تعلیم حضرت ابراہیمؑ کو دی گئی۔

ایک خلق کریم ہے جسے حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْـــلَاقِ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ کریمانہ اخلاق مکمل کر کے تمہارے سامنے پیش کردوں۔

اور ایک خلق عظیم ہے جو خود حضور ﷺ کا ذاتی خلق ہے جس کو قرآن میں فرمایا گیا اے نبی آپ خلق عظیم کے اوپر ہیں، تو تین قسمیں نکلیں ان تینوں میں کیا فرق ہے؟ خلق حسن ابتدائی درجہ ہے، خلق کریم درمیانہ درجہ ہے۔

خلق حسن کسے کہتے ہیں؟ عدل کامل کو۔ یعنی معاملے میں کوشش کرو کہ اس میں حد اعتدال سے نہ گزرو۔ اگر آپ کو کوئی خدانخواستہ ایک تھپڑ مار دے تو آپ نے بھی اتنی زور سے ماردیا جتنی زور سے اس نے مارا تھا تو کہا جائیگا کہ آپ ﷺ نے خلق حسن کے اوپر ہیں۔ اگر آپ تھپڑ کے جواب میں مکا مارتے تو کہا جاتا کہ بڑے بداخلاق آدمی ہیں، اس نے تھپڑ مارا تھا آپ نے مکا ماردیا، تعدی کی اور زیادتی کی۔ تو تعدی اور ظلم سے بچ جانا یہ خلق حسن ہے۔ یعنی عدل کے اوپر قائم رہنا، بال برابر اس چیز کا پورا پورا بدلہ دے دینا یہ خلق حسن کا مفہوم ہے۔

اسی طرح اگر آپ نے کسی کو ایک روپیہ دیا ہے اور وہ خواہش کرے کہ وہ مجھے بدلے میں بھی ایک دے تو یہ خلق حسن کی بات ہے، اور اگر آپ یوں کہیں کہ میں تو دوں ایک اور بدلے میں اس سے دو یا پانچ...... تو کہا جائیگا کہ یہ بداخلاقی کی بات ہے۔ یہ زیادتی کی بات ہے تو خلق حسن کا حاصل اعتدال اور معاملات کا عدل ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس اگر کوئی شخص کسی کے اوپر حملہ کر کے اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اسے بھی حق حاصل ہے کہ حملہ کر کے آنکھ پھوڑ دے مگر ایک ہی پھوڑے گا۔ دو نہیں پھوڑیگا، دو پھوڑیگا تو کہا جائیگا کہ ظالم ہے۔ تو غرض خلق حسن کا حاصل یہ ہوا کہ ادل بدل ہو اور پورا پورا ہو، عدل

کے مطابق ہو، انصاف کے مطابق۔ اس سے گزرنا بداخلاقی ہے۔

دوسرا درجہ خلق کریم کا ہے۔ اس میں ادل بدل تو نہیں ہوتا۔ اس میں ایثار ہوتا ہے کہ دوسرا زیادتی کرے آپ اسے معاف کر دیں۔ ایک نے تھپڑ مارا، آپ نے کہا مجھے حق تو تھا مگر اس احمق اور بیوقوف سے کیا بدلہ لوں۔ جا میں معاف کرتا ہوں۔ یہ کریمانہ خلق ہے۔ دوسرے نے گالی دی، آپ کو بھی حق تھا کہ آپ بھی اس کے ساتھ اتنی ہی زیادتی آپ بھی کرتے لیکن آپ نے معاف کر دیا تو یہ ایثار کا درجہ ہے اس کو خلق کریم کہیں گے۔

اور تیسرا درجہ خلق عظیم کا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو نہ صرف یہ کہ آپ ہی معاف کر دیں بلکہ الٹا اس کے ساتھ احسان بھی کریں، یہ خلق عظیم کہلاتا ہے جس کو حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ...... "جو تمہارے ساتھ قطع تعلق کرے تم اس کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرو، جو تمہارے ساتھ برائی کرے تم اس کے ساتھ بھلائی کرنے کی کوشش کرو۔ یہ خلق عظیم کہلاتا ہے اور یہ خلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

(بحوالہ ندائے منبر ومحراب)

اسلام میں اخلاق حسنہ کی اہمیت اور فضیلت

اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی پیغمبر دنیا میں انسانی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے ان کی دعوت کا ہدف ہمیشہ دو مقاصد رہے:

ا۔ اللہ سے ان کے تعلق کو درست کرنا اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے لئے دل و دماغ کو ہموار کرنا۔ اسی کا نام حقوق اللہ ہے۔

۲۔ بندوں کے حقوق کے لئے آمادگی اور بندوں کا بندوں سے درست تعلق قائم کرنا۔ اس کا نام حقوق العباد ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقاصد قرآن نے جو بیان کئے ہیں ان میں تلاوت آیات اور تعلیم وکتاب کے بعد تزکیہ نفوس کا ذکر ہے۔ تزکیہ نفوس میں جہاں دلوں کو اس قابل

بنایا جاتا ہے کہ وہ اللہ سے اپنے تعلق کو درست کرلیں وہاں ان کے تزکیہ کی یہ بھی ایک صورت ہے کہ ایک آدمی کو جن جن چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے یا جن لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، وہ اپنے اندر ان کے حق کی ادائیگی اور ان سے درست تعلقات کی تڑپ پیدا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دونوں کام تکمیلی شان میں ادا فرمائے۔ اگر ایک طرف انہوں نے بندگی رب کے مقصد کو بہ کمال وتمام پورا فرمایا اور انسان کو صرف اس کے آستانے پر جھکنا ہی نہیں سکھایا، بلکہ اپنے مالک وخالق کی لگن اور محبت میں تڑپنا اور پھڑکنا بھی سکھایا، اسی طرح انسانوں میں ابنائے جنس اور دوسری تمام چیزوں کے تعلقات کے حوالے سے ذمہ داری اور حقوق کی ادائیگی کا جذبہ پیدا فرمایا اور انہیں حقوق اور فضائل کے حوالے سے انسانوں میں بے پناہ لگن پیدا کردی۔ اسی کا نام تکمیل اخلاق اور اتمام اخلاق ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں مکارِ اخلاق اور حسن اخلاق کی تکمیل کردوں۔ پھر اس مقصد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ابتدائی دعوت میں ہم دیکھتے ہیں کہ صرف اللہ سے بندوں کے راست تعلق پر زور دیا جاتا ہے اور انسانی قلوب میں اللہ کے تعلق کو اسی طرح پیوست کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جس میں کسی اور تعلق کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔ شاید اسی وجہ سے مکی زندگی میں بہت کم احکام نازل ہوئے ہیں۔ سارا زور اسی بنیادی ہدف پر صرف کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ احکام تو دیر سے نازل ہوئے حتیٰ کہ ارکان دین کی فرضیت بھی بہت دیر بعد اپنے اپنے مقام پر نازل ہوئی لیکن ابتدائی دعوت سے ہی حسن اخلاق کو پیدا کرنے اور اس کی تکمیل کے لئے آنحضرت ﷺ نے مسلسل کام کیا چنانچہ ابتدائی دنوں میں جو صحابہ اسلام لائے ہیں، ان میں سے بعض جلیل القدر صحابہ کے حوالے سے ہمیں آنحضرت ﷺ کی دعوت میں مکارِ اخلاق کی دعوت دکھائی دیتی ہے۔

حضرت عثمان بن مظعون آنحضرت ﷺ کی دعوت کے جس پہلو سے زیادہ متاثر

ہوئے، وہ آپ کے مکارِ اخلاق کی دعوت تھی۔ اسی طرح حضرت ابوذر غفاریؓ جو سابقون الاولون میں سے ہیں ان کے بارے میں ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ ان کو جب خبر پہنچی کہ مکہ میں کسی نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور وہ لوگوں کو اللہ کی توحید کی دعوت دیتا ہے تو انہوں نے اپنے بھائی کو صورت حال جاننے کے لئے بھیجا۔ ان کے بھائی مکہ معظمہ میں آئے، انہوں نے واپس جا کر آنحضرت ﷺ کے بارے میں جو کچھ اپنے بھائی کو بتایا، ان میں سے ایک اہم بات یہ تھی کہ ﴿رأيتُهُ يأمُرُ بِمَكارِمِ الأخلاقِ﴾ کہ میں نے اس دعویٰ نبوت کرنے والے کو دیکھا کہ وہ مکارِ اخلاق کا حکم دیتا ہے اسی طرح جو لوگ حبشہ میں جو لوگ ہجرت کر کے گئے، ان میں سے حضرت جعفر طیار بھی ہیں جو حضرت علیؓ کے بھائی ہیں۔ ان لوگوں کو جب نجاشی، حبشہ کے بادشاہ نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے بلایا تو انہوں نے نجاشی کے دربان میں تقریر کی اور بتایا کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت کیا ہے، اس میں صرف انہوں نے عقیدہ توحید کا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ اے بادشاہ ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھایا کرتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، زبردست زیردست کو کھا جاتا تھا۔ اسی اثناء میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا، اس نے ہم کو سکھایا کہ ہم پتھروں کی پوجا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں، عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔ اسی طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے جو ابھی تک کافر تھے۔ آنحضرت ﷺ کی دعوت کا جو مختصر خاکہ کھینچا اس میں یہ تسلیم کیا کہ وہ خدا کی توحید اور عبادت کے ساتھ لوگوں کو یہ بھی سکھاتے ہیں کہ وہ پاک دامنی اختیار کریں، سچ بولیں، اور قرابت کا حق ادا کریں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکی زندگی میں جب کہ صرف اللہ کی ہیبت اور بندگی رب ہی کی دعوت پر انحصار کیا جا رہا تھا۔ اس وقت بھی آنحضرت ﷺ مسلسل اخلاق حسنہ مکارم اخلاق کی تعلیم دے رہے تھے کیونکہ وہ زندگی یقیناً نامکمل ہے جس میں حقوق اللہ کا شعور تو ہو

لیکن حقوق العباد کی لاپرواہی ہو۔

اسلام میں عبادات کا جو مقام ہے وہ ظاہر ہے، کیونکہ عبادات ہی کو ارکان دین قرار دیا گیا ہے اور قرآن کریم میں ارکان دین کے حوالے سے بار بار ہمیں تاکید ملتی ہے لیکن قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اخلاق کی اہمیت عبادات سے کم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاں لوگوں کو رکوع وسجود اور بندگی رب کا حکم دیا ہے، وہاں اس نے اخلاق کی پابندی کا اور بھلائیاں کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ: "اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور بھلائی کا کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

یہ بھلائی کے کام ظاہر ہے وہی چیزیں ہیں جن کو ہم فضائل اخلاق کہتے ہیں اور انہی پر عمل کرنے سے ایک آدمی اخلاق حسنہ کا پیکر بنتا ہے۔ یعنی اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادت اگر خالق کا حق ہے تو اخلاق مخلوق کا حق ہے۔ تو خالق اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کی فکر پیدا کرنا یہی اسلام کی اصل دعوت ہے اور انہی دونوں چیزوں کا نام اسلام ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن وسنت کو مزید گہری نظر سے دیکھا جائے تو ایک حوالے سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں اخلاق کی اہمیت عبادات سے بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ ہمیں احادیث میں حقوق العباد کے حوالے سے جس اہمیت کا تاثر ملتا ہے اس سے یہی احساس پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر آدمی کے نامہ اعمال کے تین حصے ہونگے۔ ایک حصہ وہ ہوگا جس میں اس کے وہ اعمال ہونگے جس سے شرک یا کفر لازم آتا ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اعمال کا یہ حصہ تو میں ہرگز معاف نہیں کروں گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، اپنی صفات یا اپنے حقوق میں شرک ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ دوسرا حصہ نامہ اعمال کا وہ ہوگا جس میں عبادات کی کوتاہیوں کا ذکر ہوگا، یعنی نماز، زکوۃ، روزہ، اور حج میں کوتاہیوں کا ذکر، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں چاہوں گا تو اس پر گرفت کروں گا اور چاہوں گا تو اسے معاف کردوں گا۔ نامہ اعمال

کا تیسرا حصہ وہ ہے جس میں حقوق العباد کا ذکر ہے، یعنی آدمی نے کسی کی حق شکنی کی ہو، حق تلفی کی ہو، دل دکھایا ہو، بے عزتی کی ہے۔ کوئی مالی نقصان کیا ہے یا رشتوں کا احترام نہیں کیا۔ اس طرح کی تمام چیزیں حقوق العباد کہلاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ حقوق العباد میں ہرگز معاف نہیں کروں گا بلکہ اس حوالے سے اس شخص کو میں ان لوگوں کے حوالے کروں گا جن کو اس نے تکلیف پہنچائی یا جن کا حق اس نے ادا نہیں کیا۔ اب اگر وہ اس کو معاف کریں تو اس کی جان چھوٹے گی ورنہ کسی طرح اس کی جان نہیں چھوٹ سکے گی۔ اس سے اندازہ فرمایئے کہ حقوق اللہ کی معافی کا امکان تو ہے لیکن حقوق العباد کی معافی کا کوئی امکان نہیں۔ اس بارے سے ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جس شخص نے اپنے بھائی کی عزت کو نقصان پہنچایا، یا کوئی اور اس کا نقصان کیا تو اسے چاہئے کہ آج ہی اس سے معاملہ صاف کرلے، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے کہ جب نہ اس کے پاس کوئی دینار ہوگا اور نہ کوئی درہم کہ جو بدلے میں دے سکے۔ پھر اگر اس کے پاس نیک عمل ہوگا تو وہ اس سے اس کی زیادتی کے مطابق لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو پھر جس سے اس نے زیادتی کی ہے اس کی برائیاں لے کر اس پر لادی جائیں گی، یعنی اس کے نامہ اعمال میں شامل کردی جائیں گی۔

اندازہ کیجئے کہ حقوق العباد میں کوتاہی کی وجہ سے کتنے ہولناک انجام کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی ایک اور حدیث سے اس پر روشنی پڑتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں دو صحابی خواتین تھیں، ایک رات بھر نماز پڑھتی، دن بھر روزہ رکھتی اور صدقہ دیتی، مگر اپنی زبان درازی سے پڑوسیوں کا دم ناک میں کئے ہوئے رکھتی۔ دوسری خاتون صرف نماز پڑھتی اور خیرات میں چند کپڑے بانٹ دیتی مگر کسی کو تکلیف نہ دیتی۔ اس کے حسن اخلاق کا ہر کوئی معترف تھا۔ آنحضرت ﷺ سے ان دونوں کی نسبت پوچھا گیا تو آپ نے پہلی خاتون کے بارے میں فرمایا کہ اس میں کوئی نیکی نہیں۔ وہ اپنی بد خلقی کی سزا بھگتے گی اور دوسری خاتون کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے حسن سلوک کے باعث جنت

میں جائے گی۔اس سے آپ اندازہ کیجئے کہ کثرت عبادات کے باوجود بدخلقی جنت سے محروم کردے گی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عبادات کی اہمیت اور اسلام میں ان کا مقام ومرتبہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں مگر ان عبادات کی فرضیت کے جہاں اور مقاصد ہیں ان میں سے ایک بڑا مقصد خود انسان کے اندر اخلاق حسنہ کی تربیت اور تکمیل ہے،قرآن میں نماز کے بارے میں ارشادفرمایا:"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنھٰی عَنِ الفَحشآءِ وَالمُنکر.""بیشک نماز بے حیائیوں سے اور برے کاموں سے روکتی ہے۔"

اب بے حیائیوں کے کاموں سے رکنا اور برے کاموں سے باز رہنا یہی تو اخلاق کی روح ہے۔اور نماز اس روح کو پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔اور جو نماز اس روح کو پیدا نہیں کرتی بلکہ آدمی نماز پڑھنے کے باوجود برے کاموں سے نہیں رکتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نماز بے روح ہے۔جس کی کوئی حقیقت نہیں۔اسی طرح روزے کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:"جو آدمی جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا،اللہ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اس کے لئے کھانا اور پینا چھوڑ دے۔"

یعنی روزے سے مقصد کھانا پینا چھوڑنا نہیں بلکہ مقصد جھوٹ اور جھوٹی زندگی سے روکنا ہے۔اب ظاہر ہے جھوٹ اور جھوٹی زندگی سے بڑی بداخلاقی اور کیا ہو سکتی ہے اور اس کے مقابلے میں سچ اور سچ پر عمل کرنا ،یہ مکارم اخلاق میں سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ بھی اصل میں مکارم اخلاق کی تربیت کا ذریعہ ہے۔اور جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے وہ تو یقیناً انسان کے اندر ہمدردی، خیر خواہی، غمگساری پیدا کرنے کا بہت اہم ذریعہ ہے،اسی طرح جہاں حج بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے اور بندگی رب کا شعور حاصل کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے،اسی طرح اس میں اخلاقی اور اصلاح وترقی کے بھی بہت امکانات رکھے گئے ہیں۔یعنی اس میں قدم قدم پر دوسرے انسانوں

سے اس طرح واسطہ پڑتا ہے کہ آدمی کے اندر اگر برداشت، تحمل اور رواداری کی کمی ہو تو حج کے ایام بھی لڑتے جھگڑتے گذر جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر طبیعت میں انکساری، کفایت اور قناعت کا جذبہ نہ ہو تو آدمی کہیں یکسو ہو کر عبادت نہیں کر سکتا۔ پھر سعی اور منٰی میں مناسک ادا کئے جاتے ہیں اس میں جس طرح راہ حق میں استقامت، ایثار اور قربانی کا سبق ملتا ہے، وہ حج کا ایک امتیازی پہلو ہے، یہ ساری چیزیں ظاہر ہے کہ مکارم اخلاق ہیں اور حج ان کی تربیت اور تکمیل کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

قرآن کریم نے سورۃ المومنون میں ایک مومن کی دنیوی کامیابی اور اخروی فوز وفلاح کے لئے جن صفات کا ذکر فرمایا ہے، ان میں جہاں ہمیں نماز میں خشوع وخضوع اور زکوٰۃ کی ادائیگی اور نماز کی محافظت کا ذکر ملتا ہے، وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ نہایت اہم اخلاق یعنی لغویات سے پرہیز، شرم وحیاء کا لحاظ، پاکدامنی کا تحفظ، عہد اور امانت کی پاسداری، جیسی صفات بھی ملتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ صفات ہیں جو مکارم اخلاق کی جان ہیں ارشاد خداوندی ہے کہ: ”کامیاب ٹھہرے وہ مؤمن جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور وہ جو لغو سے اعراض کرنے والے اور جو زکوٰۃ کے دینے والے اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوائے اپنی بیویوں کے اور سوائے ان کے کہ دائیں ہاتھ ان کے مالک ہیں اس میں وہ ملامت نہیں کئے جائیں گے، پھر جس نے اس کے علاوہ کوئی راستہ نکالا وہ لوگ حد سے گزرنے والے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں کی، اپنے عہد کی پاسداری کرنے والے اور وہ لوگ جو اپنی نماز کی محافظت کرنے والے ہیں۔“

بلکہ سورۃ الحجرات میں تو پروردگار نے بداخلاقی کی وہ باتیں جن کو ہم اپنی نگاہ میں کسی اہمیت کے قابل نہیں سمجھتے اور ہم میں سے اکثر لوگ بے جھجک اس کا ارتکاب کر گزرتے ہیں انہیں بھی فسق اور گناہ قرار دیا اور یہ فرمایا گیا کہ ایسی فسق وفجور کی باتیں ایمان کے بعد مومنین کو ہرگز زیب نہیں دیتیں اور وہ باتیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا، وہ باتیں یہ

ہیں کہ کوئی مرد اور عورت دوسرے کا ہرگز مذاق نہ اڑائے کیونکہ جو بھی دوسرے کا مذاق اڑائے گا وہ یقیناً یہ سمجھ کر اڑائے گا کہ میں اس سے بہتر اور برتر ہوں اور یہ مجھ سے کم تر اور بدتر ہے۔اب ظاہر ہے ایسا احساس اسی آدمی میں پیدا ہو سکتا ہے جس کے اندر کبر اور نخوت ہو اور جو دوسروں کی تحقیر کرنا معمولی بات سمجھتا ہو۔اسی طرح فرمایا کہ تم اشارہ سے بھی کسی کی توہین مت کرو۔کسی کا الٹا سیدھا نام نہ رکھو جس سے وہ چڑنے لگے۔اب ظاہر ہے کہ یہ وہ عام سی باتیں ہیں جو ہمارے معاشرے کا عام چلن ہے۔ان کو بیان کرنے کے بعد فرمایا:"بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الایمان ""ایمان کے بعد اسی طرح کی برائیوں کا نام بھی تمہاری زبانوں پر نہیں آنا چاہیئے اور اگر آتا ہے تو یہ بہت بری حرکت ہے۔"

اندازہ کیجئے کہ ایمان کے بعد کس طرح اخلاقیات کو اہمیت دی جا رہی ہے اور معمولی خلاف اخلاق باتوں کو بھی ایمان کے منافی قرار دیا جا رہا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو جن صفات کا پیکر دیکھنا چاہتا ہے اور پھر ان کے لئے جو نام تجویز کرتا ہے عباد الرحمٰن کا نام ہے۔چنانچہ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں ان محبوب بندوں یعنی عباد الرحمٰن کو جن صفات کا حامل قرار دیا گیا،ان میں انکساری،خشیت الٰہی،عفو و درگزر،میانہ روی اور قتل و خونریزی اور بدکاری سے اجتناب،ہر بری جگہ اور ہر بری محفل میں شرکت سے پرہیز،جھوٹی گواہی دینے سے احتراز،اور ہر لغویات سے گریز جیسی اخلاقی خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔اور جن لوگوں میں یہ صفات پائی جائیں ان کو عباد الرحمٰن جیسا معزز اور محرم نام عطا کیا گیا ہے۔جس سے بڑھ کر اللہ کے قرب کے لئے شاید کوئی اور نام نہ ہو۔اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بدوی نے جب آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ حضور مجھے وہ کام سکھایئے جو جنت میں لے جائے تو آپ ﷺ نے تمام تر اخلاقی خوبیوں کا ذکر فرمایا،فرمایا کہ انسان کو غلامی سے آزاد کر،انسان کی گردن کو قرض کے بندھن سے چھڑا،ظالم رشتہ داروں کا ہاتھ پکڑ،اور اگر تو یہ نہ کر سکے تو بھوکے کو کھلا،اور پیاسے کو پلا،اور نیکی کا راستہ دکھا،اور برائی سے روک اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو بھلائی کے سوا اپنی زبان بند رکھ۔

اندازہ فرمائیے کہ یہ وہ خوبیاں ہیں جو انسان کو جنت میں لے کے جاتی ہیں اور یہی چیزیں ہیں جن کو ہم فضائل اخلاق یا مکارم اخلاق کہتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کو آپ نے سب سے کامل مؤمن قرار دیا۔ فرمایا: "خیارکم احسنکم اخلاقا" " کہ تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو تم میں اخلاق میں بہتر ہیں۔" مزید فرمایا: ﴿احب عباداللہ الی اللہ احسنھم اخلاقا﴾ " کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔"

ایمان کے بعد اسلام کی تمام تعلیمات کا نچوڑ اور اسلام کی روح تقویٰ ہے۔ تقویٰ پیدا کرنے کے لئے جہاں اللہ تعالیٰ سے بے پناہ وابستگی اور اللہ کی توحید پر ایمان، آخرت، فرشتوں، کتابوں، اور نبیوں پر ایمان ضروری اور عبادت کی پابندی لازمی ہے، اسی طرح اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں اور حادثات کا شکار ہونے والوں کی مالی اعانت، عہد و پیماں کا پورا کرنا، ہر طرح کے حالات میں صبر اور استقامت، جنگ میں پامردی بھی لازم ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری باتیں اخلاقی خوبیوں سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کے بغیر ایک مؤمن متقی نہیں ہو سکتا۔

اسلام میں اخلاق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جو دعا مانگتے تھے، اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا جسکا ترجمہ ہے کہ "اور مجھے بہترین اخلاق کی ہدایت فرما، بہترین اخلاق کی ہدایت نہیں کر سکتا مگر تو۔ مجھ سے برائیاں دور رکھ ان برائیوں کو نہیں ہٹا سکتا مگر تو۔" کبھی حضور ﷺ یہ دعا کرتے سنائی دیتے کہ یا اللہ جس طرح تو نے مجھے خوبصورت پیدا فرمایا ہے، اسی طرح مجھے خوبصورت اخلاق بھی عطا فرما۔

ایک متقی انسان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ کے یہاں قرب کا بہتر سے بہتر مقام حاصل کر لے۔ اس کے لئے اللہ کے وہ نیک بندے جن کو اس نے بندگی کی توفیق بخشی ہے وہ راتوں کو عبادت میں گزارتے ہیں، اور دن کو روزہ رکھتے ہیں اور اپنے اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ راتوں کی بیداری اور دن کو اسی کے لئے بھوک اور پیاس اس کے

قرب کا ذریعہ ثابت ہونگی لیکن اخلاق کی اہمیت کا کیا کہنا کہ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''ایک آدمی اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے رات کے عبادت گزار اور دن کے روزہ دار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

مزید فرمایا کہ: ''کوئی شے اللہ کے ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ بوجھل نہیں اس لئے اچھے اخلاق کا مالک اللہ کے یہاں اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے صوم وصلوٰۃ کی پابندی کرنے والے کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔''

حاصل کلام یہ ہے کہ اخلاق حسنہ اور مکار اخلاق اسلام میں اس قدر اہمیت رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ابتدائی دعوت میں جب کہ ابھی احکام کا نزول بھی نہیں ہوا تھا، اپنے ماننے والوں کو حسن اخلاق پیدا کرنے اور حامل بننے کی تعلیم دی اور پھر قرآن کریم نے کہیں اخلاق حسنہ کو عبادت کے برابر قرار دیا اور کہیں عبادات کی فرضیت کا مقصود ٹھہرایا کہ عبادات ان کے اندر جوہر اخلاق پیدا نہیں کرتیں تو وہ عبادات ایک طرح سے خالی ہیں قرآن کریم نے جابجا حقوق اللہ کا زور دیا لیکن حقوق العباد کو اس سے اہم تر ٹھہرایا اور آنحضرت ﷺ نے مختلف مواقع پر واضح فرمایا کہ حقوق اللہ میں کوتاہیاں شاید اللہ تعالیٰ معاف فرمادے لیکن حقوق العباد کی کوتاہیاں کسی صورت بھی معاف نہیں ہوں گی۔ قیامت کے دن ایسی کوتاہیاں کرنے والے لوگ اپنے اعمال صالحہ سے بھی محروم ہوجائیں گے۔ تقویٰ جو اسلام کی روح ہے، قرآن کریم نے جہاں ایمان اور عبادات کو اس کے حصول کا ذریعہ ٹھہرایا ہے وہاں اخلاق حسنہ کو بھی اس کو حاصل کرنے کا لازمی جز قرار دیا۔ اسی طرح مؤمنوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں، ان میں جابجا ہمیں اخلاق حسنہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ حتی کہ ایک آدمی عبادات میں فرائض کی حد تک کوشش کرتا ہے لیکن زیادہ وقت اخلاق حسنہ کی تکمیل میں اور خلق خدا کی خدمت میں صرف کرتا ہے تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ان اخلاق کے ذریعے وہ درجہ عطا فرمائے گا جو قائم اللیل اور صائم النہار کا درجہ ہوگا۔ انہیں تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ قرون اولی میں مسلمان جہاں عبادات میں

کوتاہی نہیں کرتے تھے اور اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر محنت کرتے تھے، اسی طرح ہمیں ان کے اخلاق میں بھی کوئی کمزوری دکھائی نہیں دیتی، بلکہ عرب کے جس معاشرے میں اسلام نازل ہوا اور آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی، ہم سب جانتے ہیں کہ اس معاشرے کا ایک ایک فرد اخلاق تو دور کی بات ہے، انسانیت کی معمولی باتوں سے تہی دامن تھا، دوسروں کا حق چھین لینا ان کے نزدیک نہایت معمولی بات تھی، بلکہ وہ تو زندگی کا چراغ گل کر دینے میں بھی کوئی تامل نہیں کرتے تھے لیکن اخلاق کی تعلیم سے بہرور ہونے کے بعد ان کے اندر ہم یہ حیرت انگیز تبدیلی دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک فرد دوسرے فرد کے لئے رحمت کا پیغام بن گیا۔ کوئی گھر اس وقت تک پیٹ بھر کر کھانا اپنے لئے حرام سمجھتا تھا جب تک وہ اپنے پڑوسی کی دیکھ بھال نہ کر لیتا تھا صبح اٹھ کر اہل محلہ ایک دوسرے کو یتیموں، بے کسوں اور، نادانوں کی خبر گیری کی تلقین کیا کرتے تھے، بستی میں آنے والا نہایت محترم مہمان سمجھا جاتا تھا جب تک وہ ٹھہرتا اسے کسی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ تنہا چلنے والے لوگ کبھی اس خوف کا شکار نہیں ہوتے تھے کہ ہمیں راستہ میں لوٹ لیا جائے گا، کسی سے معاملہ کرنے والا کبھی اس خدشہ کو محسوس نہیں کرتا تھا کہ میرے ساتھ دھوکہ ہوگا، دیانت وامانت، وعدہ کی پابندی یہ ان کا روزمرہ کا معمول تھا، ہر آدمی ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتا اور حتی الامکان دوسرے کے کام آنے کی کوشش کرتا۔ یہاں تک بھی دیکھنے میں آیا کہ اگر کوئی شخص اللہ کے حق کی کوشش میں مصروف ہے لیکن کوئی بندہ اپنا حق لے کر اس کے پاس پہنچ گیا تو اس نے اس کے حق کی ادائیگی کے لئے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مسنون اعتکاف میں تھے کہ ایک صاحب ان کے پاس پہنچے، اور عرض کیا کہ مجھے فلاں صاحب کا قرض ادا کرنا ہے وعدے کا وقت آ گیا ہے لیکن میں ادائیگی کی پوزیشن میں نہیں ہوں، میں اس وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ اگر آپ اس کے پاس میری سفارش کر دیں تو مجھے امید ہے کہ وہ

مجھے مزید مہلت دینے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ آپ اٹھ کر اس کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے تو اس کو فوراً خیال آیا اور اس نے یاد دلایا کہ حضرت آپ تو اعتکاف میں ہیں، آپ میرے ساتھ کیسے جا سکیں گے؟ آپ نے مسجد سے نکلتے ہوئے اس سے فرمایا کہ مسنون اعتکاف کی قضاء ہو سکتی ہے۔ اللہ نے زندگی دی تو انشاءاللہ میں اس کی قضاء کرلوں گا لیکن آپ کی پریشانی فوری مداویٰ کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لئے اسی وقت آپ کے ساتھ جانا ضروری ہے۔ ویسے بھی میں نے حضور ﷺ سے سنا تھا کہ کسی حاجت مند، مستحق کے کام آنا اور اس کی مدد کرنا کئی اعتکافوں سے بڑھ کر ثواب رکھتا ہے۔ اس لئے میں تمہاری مدد کرنے کو اولیت دینا چاہتا ہوں۔

ایسے بے شمار واقعات ہیں جو ہمیں قرون اولی کے مسلمانوں میں ملتے ہیں کہ وہ اپنی ضرورت روک کر دوسروں کی ضرورتیں پوری کرتے تھے اور خود تکلیف اٹھا کر دوسرے کو راحت پہنچاتے تھے۔ اگر مالی اعانت نہیں کر سکتے تھے تو کم از کم تسلی اور دلجوئی سے گریز نہیں کرتے تھے اس طرح اس معاشرے میں رہنے والا ہر فرد محسوس کرتا تھا کہ میں تنہا نہیں ہوں بلکہ میں ایک ایسے معاشرے میں رہ رہا ہوں جس کا ہر فرد افراد خاندان کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارا آج کا سب سے بڑا حادثہ یہ ہے کہ اولاً تو ہم اسلام کی مجموعی تعلیمات سے کوسوں دور ہیں لیکن جن لوگوں کو نماز، روزے کی توفیق بھی میسر ہے وہ بھی صرف عبادات کی حد تک اسلام سے تعلق رکھتے ہیں رہا اس کا وہ حصہ جس کو ہم حقوق العباد کہتے ہیں، اور جن کی ادائیگی اخلاق کہلاتی ہے، اس کا چلن ہمارے معاشرے میں روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے نتیجہ اس کا واضح ہے کہ ہر فرد دکھ، کرب اور اضطراب کا شکار ہے اور یوں ہمارے معاشرے میں نئے نئے بگاڑ جنم لے رہے ہیں، اللہ ہم سب کو اچھے اخلاق اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حسنِ خلق کی اہمیت قرآن کی نظر میں

اسلام صرف چند رسوم اور تقریبات کا نام نہیں اور نہ ہی چند عبادات تک محدود ہے

بلکہ یہ مکمل زندگی کے شب وروز گزارنے کا طریقہ اور کامل ومکمل اور اکمل ترین دین ہے۔ ایک مختصر سے جملے میں ہم یوں تعبیر کرسکتے ہیں کہ یہ ایک عظیم اور مستقبل تہذیب ہے۔اسلام نے عقائد وعبادات کے بعد تیسرا درجہ اخلاقیات کو دیا ہے۔یقیناً اعلیٰ اخلاق دین ہے اور یہ کہا جائے تو مناسب ہوگا کہ دین اور اخلاق کو کسی بھی طرح الگ نہیں کیا جاسکتا اس وقت تک دین کی تکمیل ممکن ہی نہیں جب تک کہ اعلیٰ اخلاق کی طاقت حاصل نہ ہو جیسا کہ آنے والی احادیث سے یہ مفہوم واضح ہورہا ہے۔

یاد رکھیئے !اعلیٰ اخلاق رسول اقدس ﷺ کی اعلیٰ ترین صفات میں سے ہے آپ ﷺ اعلیٰ اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز تھے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔وانک لعلیٰ خُلُقٍ عظیم ترجمہ:اور بے شک آپ حسن خلق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے رسول اقدس ﷺ اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے انتہائی جامع الفاظ میں جواب ارشاد فرمایا کہ۔ کان خلقه القرآن

(ترجمہ)......آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق قرآن کریم والے اخلاق تھے۔(مسلم)

یعنی رسول اقدس ﷺ ان تمام صفات اعلیٰ اور اخلاق حسنہ سے متصف تھے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں اور قرآن کریم سے بڑھ کر اخلاق کس کے ہوسکتے ہیں آپ ﷺ قرآن کریم کی ان تمام صفات کے بہترین نمونہ تھے بلکہ ایک عالمِ دین نے اپنے وعظ میں یہاں تک فرمایا اور ایک کتاب میں مطالعے کے دوران بھی یہ بات نظروں سے گزری کہ رسول اقدس ﷺ کی صداقت ونبوت کیلئے اگر آپ ﷺ کو کوئی معجزہ نہ دیا جاتا تو صرف آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق ہی آپ ﷺ کی صداقت ونبوت کیلئے کافی تھے۔

ایک موقع پر خود آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (ترجمہ:میں اچھے اخلاق کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں)

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اقدس ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔چنانچہ واضح ہوا کہ

آپ ﷺ سے زیادہ دنیا میں کوئی با اخلاق نہ تھا اور نہ قیامت تک کوئی آسکتا ہے البتہ جو آپ ﷺ جیسے اخلاق اپنانے کی کوشش کریگا یقیناً کامیاب ہوگا۔

حسنِ خلق کی اہمیت احادیث کی نظر میں

حدیث نمبر۱......ایک شخص رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں سامنے کی طرف سے آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ دین کیا ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا اعلیٰ اخلاق وہ چلا گیا اور دوبارہ دائیں طرف سے آیا اور وہی سوال کیا۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا اعلیٰ اخلاق پھر وہ تیسری مرتبہ بائیں طرف سے آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ دین کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اعلیٰ اخلاق پھر وہ چوتھی مرتبہ پیچھے کی طرف سے آیا اور یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا! کیا تو سمجھتا نہیں ہے دین یہ ہے کہ تو غصہ نہ کرے۔

حدیث نمبر۲......حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اقدس ﷺ سے پوچھا کہ انسان کے حق میں اللہ تعالیٰ کا بہترین ہدیہ کونسا ہے آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اعلیٰ اخلاق۔ (مسند امام احمد)

حدیث نمبر۳......قیامت کے روز جب نیکیاں تولی جائیں گی تو اعلیٰ اخلاق کا پلہ جھکا رہے گا رسول اقدس ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ اعمال کے ترازو میں اعلیٰ اخلاق کا وزن سب سے زیادہ ہوگا۔ (ابوداؤد)

حدیث نمبر۳......رسول اقدس ﷺ نے آخری ایام میں جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں متعدد نصیحتیں فرمائی تھیں وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے آخری نصیحت مجھے اس وقت فرمائی جبکہ میں نے اپنے پاؤں اپنی سواری کے رکاب میں رکھ لیا تھا وہ یہ تھی کہ! اے معاذ لوگوں کے ساتھ اعلیٰ اخلاق سے پیش آنا۔

(مؤطا امام مالکؒ)

حدیث نمبر۴......حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اقدس ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میزان میں سب سے پہلے اعلیٰ اخلاق اور سخاوت رکھی جائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ایمان کی تخلیق فرمائی تو اس نے عرض کیا اے اللہ! مجھے قوت عطا کر تو اللہ تعالیٰ نے اسے اعلیٰ اخلاق اور سخاوت سے تقویت بخشی اور جب کفر پیدا کیا تو اس نے عرض کیا اے اللہ! مجھے طاقت دے تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخل اور بدخلقی عطا کی۔ (بحوالہ احیاء العلوم)

حدیث نمبر۵......ایک شخص نے رسول اقدس ﷺ سے نصیحت کی درخواست کی آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ جہاں بھی رہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس نے عرض کیا کہ کچھ اور نصیحتیں فرمایئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ گناہ کے بعد نیک کام ضرور کیا کرو، نیکی گناہ کو مٹا دیتی ہے اس نے عرض کیا کہ مزید نصیحت فرمایئے آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا معاملہ کرو۔ (ترمذی شریف)

حدیث نمبر۶......رسول اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے اور تمہارے دین کے لئے سخاوت اور اعلیٰ اخلاق سے زیادہ کوئی چیز موزوں نہیں ہے خبردار اپنے دین کو ان دونوں صفتوں سے مزین کرو۔ (دارقطنی)

حدیث نمبر۷......حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت کچھ اعرابی آپ ﷺ سے یہ دریافت کر رہے تھے کہ بندے کو سب سے اچھی چیز کیا عطا ہوئی آپ ﷺ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اعلیٰ اخلاق۔ (ابن ماجہ)

حدیث نمبر۸......رسول اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے روز مجھے سب سے زیادہ محبوب اور باعتبار مجھ سے قریب تر وہ لوگ ہوں گے جو تم میں زیادہ اچھے اخلاق والے ہوں گے۔ (احیاء العلوم ج۳ ص۹۱)

حدیث نمبر۹......حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کی رسول اقدس

ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جس شخص میں یہ تین چیزیں یا ان میں سے ایک نہ ہو تو اس کے کسی عمل کا اعتبار مت کرو۔ تقویٰ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اسے روکے! بردباری جس سے بیوقوف کو باز رکھے اور اعلیٰ اخلاق جن کے سہارے لوگوں کے درمیان زندگی گزارے۔ (طبرانی)

حدیث نمبر ۱۰...... حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز کے آغاز میں رسول اقدس ﷺ یہ دعا فرماتے تھے اے اللہ! اچھے اخلاق کی طرف میری ہدایت کر تیرے سوا کوئی اچھے اخلاق کی ہدایت نہیں کرتا اور مجھے بُرے اخلاق سے دور رکھ تیرے سوا بُرے اخلاق سے کوئی دور نہیں رکھتا۔ (مسلم شریف)

حدیث نمبر ۱۱ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خوش اخلاقی گناہ کو اس طرح پگھلا دیتی ہے جس طرح سورج برف کو پگھلا دیتا ہے! خوش اخلاقی کے وصف کو ان الفاظ میں بھی بیان فرمایا جس کا ترجمہ ہے کہ خوش اخلاق ہونا یہ اچھا شگون ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۹۱)

حدیث نمبر ۱۲...... حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر دنیا میں کسی عورت کے دو شوہر ہوں (یعنی یکے بعد دیگرے، راقم) اور وہ دونوں مر جائیں تو وہ عورت جنت میں کس کو ملے گی تو آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ اس کو ملے گی جو دنیا میں اس کے ساتھ زیادہ خوش خلق رہا ہوگا! اے ام حبیبہ خوش خلق دنیا و آخرت کی خیر لے کر گئے۔ (طبرانی کبیر)

حدیث نمبر ۱۳...... رسول اقدس ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان کو خدا توفیق دیتا ہے وہ اپنی خوش اخلاقی اور طبیعت کے کرم سے روزہ دار شب زندہ دار اور عابد کا درجہ پالیتا ہے۔ (مسند امام احمد)

حدیث نمبر ۱۴...... حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ میں نے رات ایک عجیب خواب دیکھا کہ میری امت کا ایک شخص دوزانو بیٹھا ہوا ہے اس کے اور اللہ کے

درمیان حجاب ہے اتنے میں اس کا حسن خلق آیا اور اس کو خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیا۔

(احیاء العلوم ج ۳)

حدیث نمبر ۱۵...... حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بندہ اپنی خوش اخلاقی سے بڑے بڑے درجات اور منازل کا شرف حاصل کرے گا حالانکہ وہ عبادت میں کمزور ہوگا۔ (طبرانی کبیر)

حدیث نمبر ۱۶...... رسول اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ فحش اور فحش گوئی اسلام میں بالکل نہیں اور سب سے بہتر مسلمان وہ ہے جو اخلاق کے لحاظ سے بہتر ہو۔ (اسلامی آداب زندگی)

حدیث نمبر ۱۷...... عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اقدس ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا! کیا میں تمہیں بتا نہ دوں کہ مجھے تم میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے دو یا تین بار یہ کلمات فرمائے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمائیے تو آپ ﷺ نے فرمایا جو اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہوگا۔ (اسلامی آداب زندگی ص ۱۸ بحوالہ مسند امام احمد)

حدیث نمبر ۱۸...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اقدس ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن اپنے حسن خلق کی بدولت قائم الیل اور صائم النہار کے درجات تک پہنچ جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

حدیث نمبر ۱۹...... حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا فلاح پا گیا کہ جس نے اپنے قلب کو ایمان کے لئے خالص کر دیا، قلب کو سلیم، زبان کو صادق، نفس کو مطمئن اور اخلاق کو اعلیٰ بنایا۔ (اسلامی آداب زندگی ص ۲۰)

حدیث نمبر ۲۰...... رسول اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم لوگوں کے قلوب کو اپنے مال و دولت سے نہیں اپنا سکتے البتہ اپنی خوش خلقی اور حسن معاملہ سے ان کے دلوں کو اپنا سکتے ہیں۔ (فتح الباری)

حدیث نمبر ۲۱...... حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا

اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق پسند کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جنت میں صرف اچھے اخلاق والے داخل ہوں گے۔

(احیاء العلوم ج ۲)

حدیث نمبر ۲۲......ایک موقع پر صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ایمان کے اعتبار سے کونسا مؤمن افضل ہے آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر ہو۔ (ابوداؤد و ترمذی)

حدیث نمبر ۲۳......جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے خوبصورت بنایا ہے تو اپنے اخلاق کو بھی خوبصورت کر۔ (ایضاً)

حدیث نمبر ۲۴......حضرت انس رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اقدس ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا یا ابوذر! میں تجھے دو ایسی باتیں بتلاؤں جو نہایت ہلکی ہیں لیکن اعمال کے ترازو میں بہت بھاری ہیں ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں ضرور بتلایئے آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: طویل خاموشی اور خوش خلقی، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ان دو خصلتوں سے بہتر مخلوق کے لئے کوئی کام نہیں (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲)

حسنِ خلق کی مزید اہمیت وفضیلت

انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ اس کے اعمال واخلاق ہیں۔ اعمال واخلاق ہی پر اس کی بلندی وپستی، اس کی ترقی وتنزّل، اس کی مقبولیت اور نامقبولیت کا دارومدار ہے۔ اعمال واخلاق ہی انسان کو بامِ عروج پر لے جاتے ہیں اور اعمال واخلاق ہی اس کو ذلت وتباہی کے گڑھے میں پہنچادیتے ہیں۔ یہی حال اجتماعی زندگی کا ہے۔ اگر کسی قوم کے افراد کی اکثریت حسنِ عمل کی سرمایہ دار ہوگی تو وہ ترقی وعروج کی بلندیوں کو چھولے گی اور جس قوم کے افراد حسنِ عمل سے محروم ہوں گے وہ قوم ترقی کے بجائے تنزّل کی طرف

جائے گی۔ یہ وہ بات ہے جس کو علوم عمرانی کے ماہر بھی تسلیم کرتے ہیں اور جس کی گواہی میں تاریخ کے اوراق بھی صف باندھے کھڑے ہیں۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے جس سے زیادہ جامع اور مکمل کوئی دستورِ حیات، کوئی ضابطہ عمل اور نظامِ اخلاق آج تک پیش نہیں کیا جاسکا اور مسلمان کی حیثیت سے ہمارا ایمان ہے کہ آئندہ بھی پیش نہیں کیا جاسکے گا۔ اسلامی نظامِ عمل میں جہاں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق مکمل ومفصل ہدایات موجود ہیں اور ایک نمونہ کامل محفوظ ہے وہیں زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور معمولی معمولی گوشوں کو بھی ہدایات کی روشنی سے منور کردیا گیا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنانے کے لئے بڑی کارآمد اور کارگر ہیں۔ ہادی برحق ﷺ کا فرمان ہے کہ "مومن کے میزان میں اعلیٰ اخلاق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔"

حسنِ خلق بہت بڑی طاقت ہے

اِس دنیا میں انسان کی حیثیت کیا ہے؟ یہ سوال سب سے اہم ہے اور قطعی طور پر ایک بنیادی اور اساسی سوال ہے۔ اِس کا شافی وکافی جواب جب تک سامنے نہ ہو، علم وحکمت، دانش وبینش، فلسفہ ومنطق، اخلاق واقدار کی کوئی اساس قائم ہوگی اور نہ بنیاد۔ ہر چیز کا فیصلہ اس سوال کے جواب پر منحصر ہے اور اِس کے تابع ہے۔

اسلام سب سے پہلے اس سوال کی طرف توجہ کرتا ہے اور ہمیں بیّن طور پر اور واضح طور پر اور کسی شک وشبہ اور شائبہ اشتباہ کے بغیر بتاتا ہے کہ اس دنیا میں انسان کی حیثیت اللہ کے بندے کی ہے اور نائب کی ہے۔ اس کرۂ ارض کی ہر چیز جس سے انسان کو سابقہ پیش آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے۔ ہر شے کا مالک وخالق اللہ ہے۔ انسان اور انسان کی ہر قوت اللہ کی ملکیت ہے۔ اِنسان کو تو بس اِن قوتوں کے استعمال کا حق دیا گیا ہے۔ اللہ کے نائب کی حیثیت سے اِس زمین کا ہر انسان ایک امتحان میں ہے اور اس دنیا کے بعد آنے

والی دنیا میں اس اِمتحان کا نتیجہ برآمد ہوگا۔ فرد وقوم اور پوری نوع انسانی کو ایک دِن حساب دینا ہے۔

اس سوال اور اس جواب کے بعد یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ جہاں تک اخلاق کا تعلق ہے اِس کے معیار اور اصول کا فیصلہ انسان کا حق نہیں ہے بلکہ یہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہے، اس لئے معیارِ اخلاق متعین کرنے کے لئے ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روشنی سے استفادہ کرتے ہیں اور یہی راہِ حق اور صراطِ مُستقیم ہے۔ اِس اعتبار سے قرآن کریم ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول خاتم النبیین ﷺ ہمارے لئے ہادی برحق۔

اسلام کی نگاہ میں اخلاق کا مرتبہ یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ نے نہایت واضح الفاظ میں اپنے رسول بنائے جانے کی غرض وغایت اخلاقِ نیک کی تکمیل ظاہر فرمائی۔ چنانچہ ارشاد گرامی ہے۔ بُعِثتُ لِاُتَمِّمَ مکارمَ الاَخلاقِ "یعنی میں صرف نیک اخلاق کی تکمیل کے لئے بھجا گیا ہوں"

ایک موقع پر حضور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: کہ روزِ قیامت تم میں میرے سب سے پیارے اور نشست میں مجھ سے سب سے نزدیک وہ ہونگے کہ جو تم میں خوش اخلاق ہیں مزید آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والوں میں ایمانِ کامل اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔

خالق کی خوشنودی اور مخلوق میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے اخلاق سب سے بڑا سب سے بہتر، سب سے زیادہ آسان ذریعہ ہے۔ انسان ہزار عالم وفاضل اور عابد وزاہد ہو اگر وہ اوصافِ اخلاق سے محروم ہے تو اس کے علم وفضیلت اور عبادت وزہد سب ہیچ ہیں۔ اعتقادی طور پر انسان خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن ہر ایک انسان میں حقیقی جوہرِ انسانیت ہونا ضروری ہے۔

شارع اسلام حضرت نبی کریم ﷺ نے اخلاق کی تعلیم پر جس قدر زور دیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد یہ دعویٰ کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مذہب اسلام کی تمام تر تعلیم کا لُبّ

لُباب اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ صرف ''اخلاق'' ہے۔حضور نبی کریم ﷺ سے ایک شخص نے تین مرتبہ یہی ایک سوال کیا ''دین کیا ہے؟'' آنحضرت ﷺ نے تینوں مرتبہ یہی جواب فرمایا ''اخلاق''۔

انسان حسنِ خلق ہی سے بنتا ہے

جب کسی محفل میں جاؤ تو ان اشخاص کے طرزِ عمل اور اعلیٰ اخلاق کو جو بہتر ہوں۔ ملاحظہ کرو۔ مثلاً مشہور ہے کہ انسان اخلاق ہی سے بنتا ہے۔اور عمدہ سیرت سب سے بڑی سفارش ہوتی ہے۔خوش اخلاقی سب آدمیوں کے لئے ضروری ہے۔اور بعض ایسے ہیں جن کے لئے خوش اخلاقی ہی سب کچھ ہوتی ہے۔لیاقت اور علم سے دلوں پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا۔ہاں جب خوش اخلاقی سے دلوں پر قبضہ کرلیا جائے تو یہ دونوں اس قبضے کو ہمیشہ کے لئے بحال رکھتے ہیں۔اپنی اپنی رفتار و گفتار، نشست و برخاست، حرکات و سکنات اور ظاہری شکل و شباہت سے دُوسروں کی آنکھ کو اور اپنی آواز، طرزِ گفتگو اور لب و لہجہ سے دُوسروں کے کانوں کو گرویدہ کرو۔ پھر دل خود بخود گرویدہ ہو جائے گا۔

دنیا کے مکتب میں انسان کے لئے انسان ہی سہل الحصُول اور سب سے بڑھ کر مفید کتاب ہے۔جس کے مطالعے سے وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ سبق سیکھتا ہے۔پس جو لوگ اپنے ناپاک اخلاق کا بُرا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔وہ نہ صرف انسانی زندگی کو تباہ کررہے ہیں بلکہ نظامِ قدرت میں بدنظمی پھیلانے کے بھی مُجرم ہیں۔

حسنِ خلق کے بغیر ایمان بھی بے جان ہے

ایمان اور اخلاق ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔اسلام اعلیٰ اخلاق کے بغیر بے جان ہے۔ایک حدیث شریف میں اسلام کو عینِ اخلاق فرمایا گیا ہے، اور دین کی ستھرائی پر منحصر کردیا گیا ہے، حتیٰ کہ عبادت کی خوبی اور مقبولیت کو پاکیزگی اخلاق سے مشروط کردیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایمان کی رُوح کے بعد دعوتِ محمدی ﷺ کے دو بازو ہیں: ایک عبادت دوسرا اخلاق۔ ایک خالق کا حق ہے اور دوسرا مخلوق کا۔ انہی کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔ واضح طور پر مطلب یہ ہوا کہ اخلاقِ اسلامی تقاضا کرتا ہے کہ مخلوق کے ساتھ پسندیدہ سلوک کیا جائے، کیوں کہ اس کے بغیر پُرامن اور صالح معاشرہ قائم نہیں ہوسکتا۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اس دنیا میں تمام انسان اِس طرح زندگی بسر کریں کہ وہ ایک دوسرے کے ہمدرد، دوست اور مددگار اور بہی خواہ ہوں، کیوں کہ اس کے بغیر اُنہیں اس دنیا میں سکون نہیں مل سکتا۔ اسلام کا بنیادی مقصد فلاحِ دارین ہے اور یہ مقصد صرف اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان بلکہ تمام مخلوقات سے محبت کرنا سیکھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایمان کے باب میں ایک نہایت بلیغ اور بڑی جامع ہدایت عطا فرمائی ہے۔ ''بندہ حقیقتِ ایمان کے رتبے پر اُس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ سارے آدمیوں کے لئے وہی بھلائی نہ چاہے جو وہ اپنے نفس کے لئے چاہتا ہے''

اس سے بڑھ کر بنی نوعِ انسان کی خیر طلبی کا معیار نہیں ہوسکتا۔ کامیاب زندگی کا یہ ایک بڑا بنیادی نقطہ ہے اور تمام اخلاقی اعمال کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اِس سے ہمیں ایک سبق بھی ملتا ہے کہ نیکی کا فیض عام ہے، سب کے لئے ہے۔ ایک جگہ حضور ﷺ نے واضح بھی فرمادیا ہے کہ مسلمان جب نیکی کرے تو کافر، مسلمان، فاسق و فاجر، سب سے کرے۔ اخلاق کی بلندی یہی ہے اور ایسے اچھے اخلاق ہی وہ ستون ہیں جن پر قوموں اور جماعتوں کی زندگی کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اخلاق ہی سے قوت و طاقت اور عزّت و سلطنت اور عظمت و رفعت حاصل ہوتی ہے۔ اخلاق ہی وہ شان ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی نیابت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ داعیٔ انقلاب ﷺ نے فرمایا: تَخَلَّقُوا بِاَخلَاقِ اللّٰہِ یعنی ...... ''اللہ تعالیٰ والے اخلاق کو اپنا ؤ اخلاق بناؤ۔''

اقوام و ملل کی ترقی مادّی طاقتوں کی فروانی سے نہیں ہوتی اور نہ صرف عقل و دماغ کا ہر [illegible] سے بلکہ اس [illegible] کے لئے اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے۔

حسنِ خلق والوں کا مرتبہ ومقام

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ "کہ بلاشبہ مؤمن بندہ اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے راتوں رات نماز میں کھڑا رہنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے آدمی کا درجہ پالیتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

تشریح...... "اچھی خصلت وعادت جسے نصیب ہو جائے تو اسے دنیا وآخرت کی خیر مل گئی، اچھے اخلاق کا اللہ جل شانہٗ کے یہاں بہت وزن ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ "قیامت کے دن سب سے بھاری چیز جو مؤمن کے ترازو میں رکھی جائے گی وہ اچھے اخلاق ہوں گے۔"

لفظ "اچھے اخلاق" کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کی تشریح میں ہزاروں صفات کی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ اللہ کی ساری مخلوق کے حقوق واجبہ ادا کرنا چھوٹوں پر شفقت کرنا، سب کو اپنی زبان اور ہاتھ کی تکلیف سے محفوظ رکھنا، اور آگے پیچھے سب کی خیر خواہی کرنا، دھوکہ نہ دینا، خیانت نہ کرنا، سچ بولنا، نرمی اختیار کرنا، ہر ایک سے اس کے مرتبے کے مطابق برتاؤ کرنا، جو اپنے لئے پسند کرے وہی دوسروں کے لئے پسند کرنا، مشورہ صحیح دینا، بد زبانی سے بچنا، حیا اور شرم اختیار کرنا مخلوق کی حاجتیں پوری کرنا، سب کے ساتھ خوبی کا برتاؤ کرنا، بے جا غصہ نہ کرنا، حسد اور کینہ کو دل میں جگہ نہ دینا، یہ اور اسی طرح بیسوں باتیں ہیں جن کو حسن اخلاق کا مفہوم شامل ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سب سے بہتر کیا چیز ہے جو انسان کو عطا کی گئی، حضور اقدس ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ایسی چیز حسن اخلاق ہے۔

حسن اخلاق کا مظاہرہ صحیح معنوں میں اس وقت ہوتا ہے جب لوگوں سے تکلیف پہنچے اور صبر کرتے ہوئے خوبی کا رویہ اختیار کرے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈر اور گناہ

ہو جائے تو اس کے بعد ہی نیکی بھی کر، یہ نیکی اس گناہ کو مٹادے گی اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ میل جول رکھ۔ حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ مومن میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے زیادہ اچھا ہو۔

حضرت معاذ اور حضرت ابو موسیٰ ؓ کو جب رسول اللہ ﷺ نے یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو وصیت فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ آسانی کا برتاؤ کیجیو اور سختی سے پیش نہ آئیو، اور ان کو خوشخبریاں سنائیو اور نفرت نہ دلائیو اور آپس میں متفق رہیو اور اختلاف نہ رکھیو۔ (بخاری)

حضرت معاذ ﷜ فرماتے ہیں کہ جب میں نے (یمن جانے کے لئے) رکاب میں قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو آخری وصیت یہ فرمائی کہ اے معاذ! لوگوں سے خوش خلقی سے پیش آنا۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کی رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے۔ "اللھم حسَّنتَ خَلقِی فا حسن خُلُقِی" اے اللہ تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے تو میرے اخلاق بھی اچھے کر دے۔

حسنِ خلق کا اظہار کیجئے

اچھے اخلاق کے کچھ تقاضے ہیں کہ صاحب اخلاق شخص دوسروں سے خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ ترش روئی سے گریز کرے۔ مشکل اور پریشان کن حالات میں بردباری سے کام لے۔ ایسا شخص سب کو متاثر کرتا ہے اور دوسرے چاہتے ہیں کہ ایسے شخص سے راہ رسم بڑھائیں اور تعلقات قائم کریں۔ ایسا شخص نہ تو اعصابی امراض کا شکار ہوتا ہے اور نہ ہی نفسیاتی بیماریوں کا۔ وہ اپنی بردباری اور ہمت سے پیش آمدہ مشکلات پر آسانی کے ساتھ غلبہ پالیتا ہے۔ اس کے برعکس بد اخلاق شخص جب لوگوں سے ملتا ہے تو اس کے ماتھے پر شکن ہوتے ہیں اور ترش روئی سے پیش آتا ہے۔ اس کا لہجہ کاٹ کھانے والا ہوتا ہے۔ وہ بد مزاج اور بدزبان ہوتا ہے۔ اپنے اس رویے کے سبب خود پریشان رہتا ہے اور دوسروں کو بھی نہ

صرف پریشان رکھتا ہے بلکہ ان کی زندگی اجیرن بنا دیتا ہے۔ وہ لوگوں کے لئے۔ ناپسندیدہ شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ لوگوں کی اس بے رخی کے سبب وہ خود نفسیاتی اور اعصابی امراض کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کا حلقہ احباب نہ ہونے کے برابر ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔ ''بد اخلاق انسان اپنے آپ کو دائمی رنج و عذاب میں مبتلا کر لیتا ہے''۔

بد اخلاق انسان کی علامات

اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندے نے بد اخلاق انسان کی علامت یہ بتائی ہیں: ''وہ قلیل الحیاء ہوتا ہے، ہر کسی کو اذیت دیتا ہے، اس میں صلاح اور درستگی کی کمی ہوتی ہے، زبان کا جھوٹا اور فضولیات کا عادی ہوتا ہے، عمل کم اور باتیں زیادہ کرتا ہے، اس سے اکثر لغزشیں سرزد ہوتی ہیں، اس کے اندر نہ نیکی کا شوق اور نہ صلہ رحمی کا جذبہ، نہ صبر، نہ شکر، نہ حلم و بردباری، نہ شفقت و محبت اور نہ عفت و عصمت پائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور تقدیر پر راضی نہیں ہوتا، وہ گالی گلوچ، غیبت و چغلی، بغض و حسد، غیظ و غضب اور جلد بازی میں مبتلا ہوتا ہے، وہ اپنی شہوت و خواہشات میں مگن رہتا ہے اور انہی کی پرستش کی وجہ سے وہ دوسروں سے ناراض رہتا ہے۔''

ضروری نہیں کہ بد اخلاقی کا لیبل چسپاں کرنے کے لئے ان ساری علامات کے وجود کو ضروری قرار دیا جائے، جس بدنصیب کے اندر یہ ساری علامتیں پائی جائیں وہ گویا بہت بڑا بد اخلاق ہوگا اور جس کے اندر ان میں سے بعض پائی جائیں اس کے بد اخلاق ہونے کا درجہ اسی اعتبار سے متعین ہوگا۔

حضرت امام غزالیؒ نے خوش خلقی کو ایمان اور بد خلقی کو نفاق قرار دیا ہے، یہ بھی انہی کا قول ہے کہ: ''بُرے اخلاق ایسا زہر قاتل، ایسا سامان ہلاکت و ذلت اور ایسے واضح رذائل اور خباثتیں ہیں جو ان کو رب العالمین کے قریب سے دور کر دیتے ہیں اور اسے شیاطین کی لڑی میں پرو دیتے ہیں اور اخلاق بد، اللہ تعالیٰ کی جلائی ہوئی اس آگ کی طرف

کھلنے والے وہ دروازے ہیں جو دلوں پر چڑھ جائے گی۔"

حضرت فضیل بن عیاضؒ اپنے متعلقین کو بد اخلاق کی صحبت سے بچنے کے لئے تلقین فرماتے تھے کیوں کہ وہ صرف شر ہی کی دعوت دیتا ہے، یہ بھی فرماتے تھے کہ: "ایسا فاسق وفاجر شخص جس کے اخلاق اچھے ہوں وہ مجھے زیادہ پسند ہے اس عبادت گزار سے جس کے اخلاق بُرے ہوں۔" حضرت ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ: "بد اخلاق شخص کی بد خلقی سے سب سے زیادہ تکلیف خود اسے ہوتی ہے پھر اس کی اہلیہ اور اولاد کو پریشان کرتی ہے، وہ جب گھر میں داخل ہوتا ہے تو سب خوش وخرم ہوتے ہیں، لیکن جب اس کی آواز سنتے ہیں تو خوف کے مارے سب ادھر ادھر ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے جانور بھی اس سے بدکتے ہیں کہ کہیں یہ ہمیں پتھر اور لاٹھی نہ مار دے، اس کا کتا اور بلی بھی ڈر کی وجہ سے بھاگ کر دیوار پر چڑھ جاتے ہیں۔"

قرآن کریم کی کئی آیات میں بُرے اخلاق کی مذمت بیان کی گئی ہے، کہیں جھوٹوں اور ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کا ذکر ہے، کہیں تند خو، سخت مزاج اور جفا پیشہ انسانوں پر رب کا عذاب نازل ہونے کی صراحت ہے، کہیں بدگمانی، بغض وحسد، غیبت اور چغلی سے بچنے کی تلقین ہے۔ کہیں ایسی اقوام کا تذکرہ ہے جنہیں اخلاق بد میں ملوث ہونے کی وجہ سے تباہ کر دیا گیا۔ سرورِ دو عالم ﷺ کی احادیث میں بھی بُرے اخلاق کی بار بار مذمت کی گئی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ایک بندہ، عبادت میں کمزوری کے باوجود اپنے اخلاق کی بدولت آخرت کے بلند درجات حاصل کر لے گا اور دوسرا بندہ بُرے اخلاق کی وجہ سے دوزخ کے سب سے نچلے درجے کا حقدار ہو جائے گا۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! فلاں عورت کثرت سے نماز، صدقہ اور روزوں کا اہتمام کرتی ہے مگر وہ اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ عورت دوزخ میں جائے گی"۔ ابوداؤد میں حضرت حارث بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایسا شخص

جو شیخی باز متکبر اور سخت مزاج ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔"

بعض قارئین اور کو ممکن ہے تعجب ہو کہ خوش اخلاق کی اتنی فضیلت اور بد اخلاقی کی اس قدر مذمت کیوں ہے؟ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں اس کا تعلق براہِ راست ایمان کے ساتھ ہے تو ہمارا تعجب دور ہو جاتا ہے۔، جس شخص کے اندر کامل درجے کا ایمان پایا جاتا ہے اس کے اخلاق بھی اعلیٰ ہوں گے اور جو ایمانی اعتبار سے کمزور ہوگا اس اخلاق میں بھی ضعف اور کجی ہوگی، امام ابن تیمیہؒ نے بجا طور پر لکھا ہے کہ اچھے اخلاق کی بنیاد چند عناصر پر ہے۔

(۱)......اللہ تعالیٰ کے خالق، رازق اور مالک ہونے پر ایمان۔

(۲)......اللہ تعالیٰ کی معرفت جو دل میں یہ یقین پختہ کر دے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے۔

(۳)......اللہ تعالیٰ کی ایسی محبت جو بندے کے تمام احساسات و جذبات پر غالب آجائے اور اسے یقین آجائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی محبوب نہیں۔

(۴)......اس محبت کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ بندے کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد رضاءِ الٰہی کا حصول بن جائے گا اور زندگی کے ہر عمل اور شعبہ میں اس کی رضا کا متلاشی ہوگا۔

(۵)...... جب اس کے اندرونی جذبات ایسے بن جائیں گے تو اب اس کے اخلاق میں پاکیزگی اور بلندی پیدا ہو جائے گی اور وہ خواہشات کی پرستش سے اوپر اٹھ جائے گا۔

لیکن اگر یہ عناصر نہ پائے گئے تو اسے اخلاقی بلندی نصیب نہیں ہوگی، گویا بلند اخلاقی اس بات کی علامت ہے کہ بندے کے دل میں ابھی تک ایمان راسخ نہیں ہوا۔ ممکن ہے کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو کہ بعض غیر مسلموں کے اخلاق بھی بہت اچھے ہوتے ہیں، لیکن اگر غور کیا جائے تو بندہ مؤمن اور بندہ کافر کے اخلاق میں بہت فرق ہوتا ہے، کافر کے اخلاق، اس کا تبسم، اس کا رکھ رکھاؤ، اس کی محبت اور چاہت محض دکھاوے اور کاروباری انداز کی ہوتی ہے اسی لئے بسا اوقات وہی شخص جو ہمیں بڑا خوش اخلاق معلوم ہوتا ہے وہ

بعض دوسرے موقعوں پر ایسا درندہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے مقابلے میں درندوں کی درندگی ہیچ ثابت ہوتی ہے۔

دورِ حاضر کے سارے کفار خصوصاً امریکہ کو دیکھ لیجئے جن کی خوش اخلاقی کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے لیکن وہ عالمِ اسلام کے لئے کیسے سنگدل ثابت ہو رہے ہیں، کابل سے بغداد تک ان کی بداخلاقی اور خباثت و درندگی کے ان مٹ نقوش ثبت ہو چکے ہیں، جبکہ بندہ مؤمن کی خوش اخلاقی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوتی ہے۔ اسے دعا دی جائے یا گالی، صلہ ملنے کی امید ہو یا نہ ہو وہ ہر حال میں اخلاقی پستیوں کا شکار نہیں ہوتا اور اخلاقی برتری قائم رکھتا ہے۔

آخر میں امام ابن قیم ؒ کا انتہائی قیمتی ارشاد نقل کر کے بات کو ختم کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: "سارے گھٹیا اخلاق کی بنیاد چار چیزوں پر ہے جہالت، ظلم، شہوت اور غضب،" باری تعالیٰ ہمیں ان چاروں کے شر سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہماری تمام ماؤں بہنوں کو اچھے اخلاق کی دولت سے مالا مال فرمائے آمین۔ (بشکریہ خواتین کا اسلام)

اچھے اخلاق کے بغیر دین مکمل نہیں

دنیا کے تمام مذاہب میں اخلاق کو خاص اہمیت حاصل ہے، اور اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہوگا کہ دین اور اخلاق کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ دین کی تکمیل مکمل ہی نہیں ہے جب تک اخلاق کی بلندی حاصل نہ ہو۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں" ایک دوسری حدیث میں اس سے زیادہ اور واضح الفاظ میں فرمایا کہ: "میں تو اسی لئے بھیجا گیا کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں۔"

ان واضح اعلانات کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ دنیا میں اللہ کی کتاب لے کر مبعوث ہوئے اور آپ نے لوگوں کے اخلاق درست کئے تاکہ وہ دوسرے انسانوں کے

لئے محبت وراحت اور ہمدردی وغم گساری کا نمونہ بن کر رہیں اور کرۂ ارض انسانوں کے لئے امن وامان کا گہوارہ بن جائے۔

سیرت رسول ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تعلقات کو معیاری حد تک درست کرنے کا کام آپ ﷺ نے ابتدائی مکی دور ہی میں شروع کر دیا تھا۔ نبوت کا ابتدائی دور تھا کہ حضرت ابوذرؓ نے اپنے بھائی کو اس نئے پیغمبر کے حالات اور تعلیمات کی تحقیق کے لئے مکہ بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر اپنے بھائی کو بتایا کہ "میں نے محمد کو دیکھا کہ آپ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں" اس بات سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کی تبلیغ کے ساتھ ہی اخلاق حسنہ کی تعلیم شروع کر دی تھی۔

اسی دور میں جب مکہ کے قریش کے مظالم سے تنگ آ کر چند مسلمان آنحضرت ﷺ کی اجازت سے حبشہ کو ہجرت کر گئے تو یہ بات اہل مکہ پر شاق گزری اور انہوں نے حبشہ کے بادشاہ کے پاس ایک وفد بھیجا، جس نے تحفے تحائف بھی پیش کئے اور مہاجروں کے خلاف طرح طرح کی باتیں بھی اس کے کان میں ڈالیں۔ مقصد یہ تھا کہ حبشہ کا بادشاہ، جو عیسائی تھا، مسلمانوں کا مخالف بن جائے اور انہیں اہل مکہ کے حوالے کر دے، نجاشی نے تفتیش حال کے لئے مسلمانوں کو بلایا اور ان کی جانب سے حضرت جعفر طیارؓ نے نمائندہ کی حیثیت سے جو باتیں بتائیں ان میں سے یہ فقرے بھی شامل تھے:

"اے بادشاہ ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، زبردست زیردست کو کھا جاتے تھے۔ اس اثناء میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا، اس نے ہم کو سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خوں ریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں، اور پاک دامنوں پر تہمت نہ لگائیں۔" یہ تمام باتیں اخلاق حسنہ کے بنیادی اصولوں میں داخل تھیں، اور اسی لئے اسے سننے کے بعد نجاشی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

حضرت جعفر طیار تو مسلمان ہو چکے تھے، اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے

عقیدت ومحبت میں یہ کہا ہوگا، لیکن قیصر روم کے دربان میں بالکل اسی طرح کا واقعہ ابوسفیان کے ساتھ پیش آیا، جو اس وقت اسلام کی نعمت سے فیض یاب نہیں ہوئے تھے جب ان سے آنحضرت ﷺ کی اصلاحی دعوت کا حال پوچھا گیا تو انہوں جو الفاظ کہے ان کا خلاصہ یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ توحید اور عبادت کے ساتھ لوگوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ پاک دامنی اختیار کریں، اور سچ بولیں، اور قرابت کا حق ادا کریں۔

یہ شہادت اس وقت کی ہے جب ابوسفیان اسلام کے مخالف تھے، ان باتوں کے پیش نظر پورے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ دین کی تکمیل اخلاق حسنہ کے اپنانے پر منحصر ہے، دین نام ہے عقائدوعبادت اور اخلاق حسنہ کا، غور کیا جائے تو عقائدوعبادات کا حاصل یہی ہے کہ انسان بہترین اخلاقی اصولوں کا حامل ہوتا کہ معاملات میں وہ بہترین نمونہ اور عام انسانوں کے لئے امن وعافیت کا پیغام بر ہوسکے۔

اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا خالق ہے اور اسی نے انسان کو پیدا کیا ہے، اس لئے وہ چاہتا ہے کہ کرۂ ارض پر انسان آپس میں مل جل کر رہیں، فساد برپا نہ کریں، اللہ واحد کی پرستش کریں، اور ایک خاندان کے افراد کی طرح شیر وشکر ہوکر رہیں۔

اخلاق سے متعلق سب سے دشوار تعلیم جو اکثر افراد پر شاق گزرتی ہے وہ عفوودرگزر، ضبط نفس، تحمل وبرداشت کی ہے، لیکن اسلام نے ان دشوار باتوں کو بھی ایسے مؤثر انداز میں بتایا کہ وہ فوراً قلب وروح میں جاگزیں ہوجاتی ہیں۔ مثلاً سورۂ انعام میں فرمایا: (ترجمہ) ''جن کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہیں وہ اللہ کو بے ادبی سے دانستہ برا نہ کہہ بیٹھیں۔''

سورۂ اعراف میں فرمایا: (ترجمہ) ''معاف کرنے کی عادت ڈالو، نیک کام کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔''

سورۂ آل عمران میں نیکوکاروں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اور جو غصے کو دبانے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔''

دین واخلاق دونوں لازم ملزوم ہیں، مسلمانوں کے آپس کے معاملات میں حسن اخلاق کو جو اہمیت حاصل ہے وہ سب جانتے ہیں، انہیں تو ایک دوسرے کا بھائی کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اسے ایک نعمت سے تعبیر کیا، لیکن کافروں اور مشرکوں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی تاکید فرمائی۔

ترمذی میں یہ حدیث قدسی وارد ہے: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے خلیل! حسن سلوک کرو، خواہ کافروں کے ساتھ ہی کیوں معاملہ پیش آئے، تو تمہیں ابرار کے مقامات حاصل ہوں گے، اس لئے کہ میرا یہ فیصلہ ہے کہ جس کے اخلاق اچھے ہوں گے میں اسے اپنے عرش کے سایہ میں اور اپنے حظیرۂ قدس میں جگہ دوں گا اور اسے اپنی قرابت سے سرفراز کروں گا۔''

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو، کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً نیک کام کرو کیوں کہ نیکی گناہ کو مٹادے گی اور تمام انسانوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔''

حضرت جابرؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں مجھ کو سب سے زیادہ عزیز اور قیامت میں نشست میں سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہیں اور تم میں سب سے زیادہ معتوب اور قیامت میں مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو تصنع کے ساتھ باتیں کرتے ہیں اور اپنی چرب زبانی سے دوسروں پر غالب آنا چاہتے ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن مبارک نے حسن خلق کی تفسیر اس طرح بیان فرمائی ہے کہ خندہ پیشانی، سخاوت وفیاضی اور لوگوں کی تکلیف واذیت دور کرنے کا نام حسن خلق اور حسن سلوک ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حسن خلق کے بغیر، ایمان کی تکمیل نہیں ہوسکتی، یہ دین کا نصف حصہ ہے اور جس طرح دین میں عبادات کی اہمیت ہے، وہی اہمیت اخلاق ومعاملات کی

ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ " تم میں کامل مومن وہی ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔"

ان کلمات سے یہ نکتہ قطعی طور واضح ہوگیا ہے کہ دین اسلام اخلاق کو اس حد تک بلند مقام دیتا ہے کہ اسلام اور اخلاق ہم معنٰی اور ہم مفہوم ہو جاتے ہیں، اسلام کا انداز ہ فکر یہ ہے کہ اخلاق، یعنی حسن اخلاق حسن سلوک، کے بغیر معاملات زندگی کے استوار نہیں ہو سکتے اور انسانیت کی بہتری کی راہیں آسان نہیں ہو سکتیں اور نہ امن وسلامتی کو قیام ودوام حاصل ہوسکتا ہے۔ جب حقیقت حال یہ ہے اور جب قول فیصل یہ ہے تو ہمیں پاکستان میں اپنے حالات پر احتیاط کے ساتھ اور فہم وفراست کے ساتھ غور کرنا چاہئے، اگر ہمارا دل یہ گواہی دے کہ ہم احکام ربانی سے کنارہ کش ہیں، اور اگر ہمارا ضمیر پکار پکار کر کہے کہ ہم پیروی رسول مقبول سے دور اور بہت دور جا پڑے ہیں تو یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ موجودہ بداخلاقی اور بدحالی اور ابتلا ونکبت کی وجہ اور ہمارے افلاس اور اضطراب کا اصل قرآن سے ہمارا فرار ہے اسی صورت حال نے ہمیں غیر محترم اور غیر ممتاز بنا کر رکھ دیا، اور ہمیں اپنی منزل سے بہت دور کر دیا ہے۔ باور کرنا چاہئے، اور یقین کرنا چاہئے کہ اسلام کے بغیر ہم سربلند نہیں ہو سکتے اور اخلاق کے بغیر ہم سرفراز نہیں ہو سکتے، روشنی قرآن اور اتباع رسول کے ذریعے ہی ہم منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔

اخلاق کا اثر دیرپا رہتا ہے

کہتے ہیں " جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے" حسن کا جادو بھی خوب چلتا ہے مگر خود حسن ہی پائیدار نہیں ہوتا، اس لئے اس کا اثر بھی پائیدار نہیں ہوتا۔ صرف اخلاق کا جادو ایسا ہے جو دیرپا بلکہ مستقل ہے جس کا اثر دیر تک رہتا ہے۔

ہر پیغمبر نے دنیا کو اخلاق سکھایا مگر پیغمبر آخر الزماں ﷺ نے جو اخلاق انسانوں کو سکھایا اور جس کا عملی نمونہ خود آپ ﷺ نے دیا اس کی مثال روئے زمین پر نہیں مل سکتی، حضور

مقبول ﷺ کا اخلاق سب نبیوں سے اعلیٰ اور ارفع تھا۔ ان کا اخلاق اتنا بلند تھا کہ جس پر بھی نظر ڈالتے تھے وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا اور ساری عمر کے لئے آپ کا غلام ہو کر رہ جاتا تھا چاہے اس راہ میں اسے کتنی سخت سے سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے۔

ایک بوڑھی عورت کا قصہ مشہور ہے۔ وہ ہر روز آپ ﷺ پر کوڑا کرکٹ پھینکا کرتی تھی، ایک دن حضور ﷺ اس کے مکان کے نیچے حسب معمول گزرے تو آپ ﷺ پر کسی نے کوڑا نہ پھینکا تو آپ ﷺ نے محلّہ والوں سے دریافت کیا کہ فلاں مائی خیریت سے تو ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ تو بیمار ہے، آپ ﷺ یہ سنتے ہی اس کی تیمارداری کے لئے اس کے گھر چلے گئے۔ مائی نے دیکھا یہ وہی شخص ہے جس پر میں روزانہ کوڑا پھینکا کرتی تھی مگر برا ماننے اور کچھ کہنے کے بجائے خاموشی اور شرافت سے برداشت کر کے چلا جاتا تھا اور آج وہی میری تیمارداری کے لئے آ گیا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئی اور یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ یہ عام انسان نہیں واقعی خدا کا پیغمبر ہے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ اس نے حضور ﷺ سے معافی مانگی اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئی۔ گویا یہ آپ ﷺ کے اخلاق کا اثر تھا۔ اسی طرح کے بے شمار واقعات ایسے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اخلاق انسان کی وہ صلاحیت ہے جس میں انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے اور اگر انسانیت میں سے اخلاق کی صفت نکال لی جائے تو باقی صرف حیوانیت رہ جاتی ہے۔

لفظ اخلاق خلق کی جمع ہے۔ خلق اس فضیلت انسانی کا نام ہے جس کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کا احاطہ کرنا ناممکن ہے، البتہ حسن خلق اس نفسیاتی کیفیت کو کہتے ہیں جو امور باعنہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس فضیلت کا وجود کسی انسان میں اس کے آثار وثمرات ہی سے ظاہر ہوسکتا ہے۔ باطن کی اس روشنی کا عکس انسان کے ظاہری برتاؤ اور سلوک ہی سے معلوم ہوسکتا ہے۔ حسن اخلاق میں بہت سی صفات شامل ہیں۔ مثلاً صدق، صبر، حیاء، تواضع، حلم، ایفائے عہد، عیب پوشی، غیرت، نکوکاری، شجاعت، عفت، حکمت، عدل اخوت، رحم شفقت، وغیرہ وغیرہ۔

اخلاق کی فضیلتوں کا ذکر کرنے کے لئے نہ صرف ایک کتاب بھی ناکافی ہے بلکہ اس کا ذکر کرنے کے لئے حوالوں کی خاطر بھی ایک نہیں بے شمار کتابیں درکار ہوں گی۔ چند اقوال ملاحظہ ہوں۔ ''مخلوق خدا کو خوشی اور مصیبت دونوں حالتوں میں راضی اور پسندیدہ خاطر رکھنا حسن خلق ہے'' ''ہر حالت میں اللہ عزوجل کی رضا جوئی حسن خلق ہے''

حسن خلق کا ادنی درجہ یہ ہے کہ انسان میں قوت برداشت ہو اور وہ انتقام کے کبھی درپے نہ، دشمن پر بھی رحمت اور شفقت کی نظر ہو، اور اس کے ظلم پر خدا سے اس کی مغفرت کا طالب ہو۔''

چار چیزیں حسن خلق ہیں، سخاوت، الفت، خیر خواہی اور شفقت۔'' ''خلق عظیم جود و کرم، درگزر، عفو اور احسان کے مجموعہ کا نام ہے۔''

فرائض کی انجام دہی کا دوسرا نام اخلاق ہے۔'' حسن اخلاق کے متعلق جگہ جگہ پر قرآن عزیز میں اللہ تعالیٰ کے احکام موجود ہیں۔ اسی طرح سے مجسمہ اخلاق، سرور کائنات ﷺ نے بھی حسن اخلاق کی تلقین کی ہے اور خود اپنی مثال سے رہتی دنیا کے لئے حسن اخلاق کا بے مثال نمونہ چھوڑا۔ ہمیں چاہئے کہ آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کریں اور اپنے اخلاق کو سوارنے کی کوشش کریں۔

صدق کے متعلق آپ ﷺ فرماتے ہیں ''بلاشبہ سچائی بھلائی کی جانب رہنمائی کرتی ہے اور بھلائی جنت کی راہ دکھاتی ہے'' حضرت علیؓ کا قول ہے ''صبر ایسی سواری ہے جس سے گرنے کا کبھی اندیشہ نہیں ہوتا'' حدیث شریف میں آیا ہے کہ حیاء ایمان کی شاخ ہے۔ حیاء خیر کے علاوہ دوسری کوئی چیز نہیں دیتی۔

ایک جگہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ''جب تو اپنے دشمن پر انتقام کی قدرت رکھتا ہو تو اس قدرت کے شکریہ میں تو انتقام سے درگزر کر اور اس کو معاف کر دے''۔ یہ کیفیت انسان میں وسعت ظرف پیدا کرتی ہے۔ احنف بن قیس کہا کرتے تھے کہ جو شخص میرے ساتھ عداوت رکھتا ہے میں اس کے بارے میں تین باتوں میں ایک بات کو اختیار

کر لیتا ہوں۔ وہ اگر مجھ سے بلند رتبہ ہے تو میں اس کی برتری کا اعتراف کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے کمتر ہے تو میں اس کے مقابلے میں حلم اختیار کرتا ہوں اور اگر وہ میرے مقابلے میں ہے تو میں اس کے اس طرز عمل کے مقابلے میں خود کو بالاتر بنا لیتا ہوں اور برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتا۔ گویا برائی کا جواب برائی سے دینا بھی بد اخلاقی ہے۔ یاد رہے کہ علم الاخلاق میں حسد، تعصب، کبر، عیب جوئی، سود، وغیرہ امراضِ اخلاق ہیں۔ ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھے اخلاق اپنانے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والے اور پاک صاف رہنے والے بندوں سے۔ گویا طہارت و پاکیزگی ان اوصاف میں سے جن کی وجہ سے بندہ اللہ کی محبوبیت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اَللّٰھُم اجْعَلنَا مِنَ التَّوَّابِینَ و اجْعلنَا مِنَ المُتَطَھِّرِین

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی والے اخلاق اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے جملہ تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۴۶

رسولِ اکرم ﷺ کے ذریعے حضرت آدمؑ نے مغفرت طلب فرمائی

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھیالیسویں خصوصیت شروع کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کے ذریعے حضرت آدمؑ نے مغفرت طلب فرمائی" اس میں کوئی شک نہیں کہ دیگر خصوصیات کی طرح ذیل کی خصوصیت بھی ایک ایمان افروز خصوصیت ہے کہ جس سے آپ ﷺ کی عظمت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ انسانیت کے جدّ امجد بھی آپ ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب فرماتے ہیں جیسا کہ آنے والے اوراق میں احادیث کی روشنی میں اس خصوصیت کا اثبات کیا گیا ہے اور ہم نے کوشش کی ہے کہ اکابرین کی مستند کتابوں سے استفادہ کرکے ٹھوس بنیادوں پر وضاحت پیش کی جائے۔ اور امید ہے انشاء اللہ اس کے مطالعے کے بعد آپ ﷺ کی یہ عظیم خصوصیت مکمل طور پر آشکارا ہوکر سامنے آجائے گی۔

تو محترم قارئین اب آنے والے صفحات میں اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

چھیالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدمؑ نے رسولِ اکرم ﷺ کا نام مبارک عرش پر لکھا دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے فرمایا کہ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

فائدہ...... اس سے آپ کی فضیلت کا اظہار آدم کے سامنے ظاہر ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب ؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

جب آدم علیہ السلام سے خطا کا ارتکاب ہوگیا تو انہوں نے (جناب باری تعالیٰ میں) عرض کیا کہ اے پروردگار میں آپ سے بواسطہ محمد ﷺ کے درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت ہی کر دیجئے سو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم تم نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا حالانکہ ہنوز میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا عرض کیا کہ اے رب میں نے اس طرح سے پہچانا کہ جب آپ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی (شرف دی ہوئی) روح میرے اندر پھونکی تو میں نے سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ سو میں نے معلوم کر لیا کہ آپ نے اپنے پاک نام کے ساتھ ایسے ہی شخص کے نام کو ملایا ہوگا جو آپ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہوگا حق تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تم سچے ہو حقیقتاً وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں اور جب تم نے ان کے واسطہ سے مجھ سے درخواست کی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کی اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے اپنے دلائل میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی روایت سے اور کہا کہ اس کے ساتھ عبدالرحمٰن منفرد ہیں اور روایت کیا اس کو حاکم نے اور اس کی تصحیح کی اور طبرانی نے بھی اس کو ذکر کیا ہے اور اتنا اور زیادہ ہے کہ (حق تعالیٰ نے فرمایا کہ) وہ تمہاری اولاد میں سب سے آخری نبی ہیں۔

فائدہ...... یہاں بھی مثل فائدہ بالا کے سمجھنا چاہئے۔

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اس کی کہ جس پہ ایسا تری ذات خاص کا ہو پیار
جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

اور ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب سلوۃ الاحزان میں ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے جب حضرت حوا علیہا السلام سے قربت کرنا چاہا تو انہوں نے مہر طلب کیا آدم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے رب میں ان کو (مہر میں) کیا چیز دوں ارشاد ہوا اے آدم میرے حبیب محمد بن عبد اللہ (ﷺ) پر بیس دفعہ درود بھیجو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اور حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جب آدمؑ سے وہ

غلطی سرزد ہوگئی (جس کی سزا میں ان کو جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا) تو انہوں نے اس طرح دعا کی تھی۔ ''اے اللہ! میں تجھ سے محمد ﷺ کے طفیل اور صدقے میں درخواست کرتا ہوں کہ میرا گناہ معاف فرمادے۔''

حق تعالیٰ نے فرمایا: ''تم نے محمد کو کیسے پہچانا۔۔'' کتاب وفا کی روایت کے الفاظ کے مطابق حق تعالیٰ نے یہ فرمایا: ''محمد کیا ہیں اور محمد کون ہیں۔'' آدمؑ نے عرض کیا: ''جو آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنایا اور مجھ میں روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا۔ اس وقت میں نے عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔ **لاالٰہ الااللّٰہ محمد رسول اللّٰہ**۔ اس سے میں نے سمجھا کہ آپ اپنے نام کے ساتھ اسی ذات کے نام کا اضافہ فرمائیں گے جو آپ کو مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہو۔''

حق تعالیٰ نے فرمایا: ''تو نے سچ کہا آدم! اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔'' اس بارے میں شفاء میں جو روایت ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آدمؑ نے فرمایا۔ ''جب آپ نے مجھے تخلیق فرمایا تو میں نے آپ کے عرش کی طرف سر اٹھایا اور میں نے وہاں یہ لکھا ہوا دیکھا۔ **لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** اس سے میں نے یہ جان لیا کہ اس ذات سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ آپ کو اپنی مخلوق میں اور کوئی نہیں جس کے نام کو آپ نے اپنے نام کے ساتھ جگہ دی۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے پاس وحی بھیجی جس میں یہ فرمایا کہ ''میری عزت اور میرے جلال کی قسم کہ وہ تیری نسل میں آخری پیغمبر ہوں گے اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔''

کتاب وفا میں حضرت میسرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا ''یارسول اللہ! آپ ﷺ کس وقت نبی بنے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا ''جب کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان کو ہموار کر کے سات آسمان بنائے اور عرش کو بنا دیا تو اس کے ستون پر یہ لکھا کہ محمد اللہ کا رسول ہے اور آخری پیغمبر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو بنایا جس میں آدم وحواؑ کو بسایا تو اس کے

دروازوں، درختوں کے پتوں اور درودیوار اور خیموں پر میرا نام لکھا جس کے ساتھ آپ کی نبوت کی صفت ذکر کی گئی تھی۔ یا پھر وہ صفت ذکر کی گئی تھی جو اس سے زیادہ خاص صفت تھی یعنی رسالت جیسا کہ مشہور قول بھی یہی ہے (غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا بقیہ حصہ ہے کہ) حالانکہ آدمؑ اس وقت تک جسم اور روح کے رشتے کے درمیان درمیان میں ہی تھے) اس وقت تک ان کے جسم خاکی میں روح نہیں پھونکی گئی تھی، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو زندگی دی اور انہوں نے عرش کی طرف دیکھا تو انہوں نے وہاں میرا نام لکھا ہوا پایا تب اللہ تعالیٰ نے ان کو بتلایا کہ یہ یعنی محمد تمہاری اولاد کے سردار ہیں۔"

چنانچہ اس کے بعد جب شیطان نے آدم وحواء کو ورغلایا اور اس کے بعد ان دونوں نے توبہ کی تو انہوں نے میرے نام کے ذریعہ حق تعالیٰ کو توبہ کی سفارش پیش کی۔" تو گویا آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے وجود سے بھی پہلے نبوت سے آراستہ فرمایا تھا۔

اسی سلسلے میں حضرت سعید ابن جبیرؒ سے ایک روایت ہے کہ آدمؑ کی اولاد میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کو کون سب سے زیادہ عزیز ہے۔ بعض نے کہا" آدمؑ سب سے زیادہ عزیز ہیں اس لئے کہ ان کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنے فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا۔" کچھ دوسروں نے کہا "نہیں ملائکہ یعنی فرشتے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو عزیز ہیں اس لئے کہ وہ مخلوق کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتی۔" آخر فیصلے کے لئے انہوں نے یہ بات آدمؑ کے سامنے رکھی۔ آدمؑ نے فرمایا" جب مجھ میں روح پھونکی گئی تو ابھی میرے پیروں تک بھی نہیں پہنچی تھی کہ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسی وقت عرش الٰہی بجلی کی طرح میری آنکھوں میں چمکا۔ میں نے اس کو دیکھا کہ وہاں یہ لکھا ہوا تھا۔ محمد رسول اللہ تو وہی اللہ عزوجل کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ عزیز اور پیارے ہیں۔" ایک قول ہے کہ آدمؑ کے لقب تھے ایک "ابومحمد" اور ایک "ابوالبشر" (یعنی محمد ﷺ کے باپ یا تمام انسانوں کے باپ)

اس روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ کو اس لقب یعنی ابوالبشر کے لقب

سے دنیا میں پکارا جاتا تھا جبکہ یہ بات بھی روایات میں آتی ہے کہ "ابومحمد" کے لقب سے ان کو جنت میں یاد کیا جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر ابن خطابؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ حضرت کعب احبار سے فرمایا"" آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے پہلے آپ کے جو فضائل بیان ہوتے رہے) ہمیں ان کے متعلق کچھ بتلایئے۔"

حضرت کعبؓ نے فرمایا"ضرور اے امیر المومنین! میں نے (تورات میں) پڑھا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیلؑ کو ایک پتھر ملا جس پر چار سطریں لکھی ہوئی تھیں پہلی سطر یہ تھی۔" بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اس لئے میری عبادت و بندگی کرو' دوسری سطر میں یہ لکھا تھا۔ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ محمد ﷺ میرے رسول ہیں۔ اس کے لئے خوش خبری ہے جو ان پر ایمان لے آیا اور ان کی پیروی کرنے لگا۔" تیسری سطر میں یہ لکھا ہوا تھا" میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے حرم میرا ہے اور کعبہ میرا گھر ہے، جو میرے گھر میں داخل ہوگیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہوگیا۔" مگر تورات میں چوتھی سطر کی عبارت نکال دی گئی ہے۔ (بحوالہ سیرت حلبیہ جلد سوم)

بہر حال امید ہے کہ انشاء اللہ اس قدر کلام سے یہ بات ثابت ہوگئی ہوگی کہ آپ ﷺ کے ذریعے حضرت آدمؑ نے اللہ سے مغفرت طلب کی، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ. دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العٰلمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

خصوصیت نمبر ۴۷

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا سے زیادہ حسن عطا فرمایا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے سینتالیسویں خصوصیت پیش کی جارہی ہے جس کا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا سے زیادہ حسن عطا فرمایا'' الحمدللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے، اور اسی اللہ کی ذات سے امید بھی ہے کہ اس رحیم اللہ کے حکم سے میری اس کاوش کی بدولت میرے گناہوں کی بھی بخشش ہوجائے گی اور انشاء اللہ اللہ کی توفیق سے روزِ قیامت رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت بھی نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی یہ خصوصیت بڑی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو حسن کے اعتبار سے بھی سب انبیاءؑ سے افضل رکھا، یوسفؑ کا حسن مشہور ہے، لیکن روایات بتاتی ہیں ہمارے نبی ﷺ کا حسن یوسفؑ کے حسن سے بھی بڑھا ہوا تھا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں پوری تفصیل کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں آقا ﷺ کے حسن کو بیان کیا گیا ہے، بے شک ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے علوم عطا فرمائے تھے، بے شک خوش نصیب ہے وہ انسان جو اپنے آقا ﷺ کے ظاہری اور باطنی حسن کو دل وجان سے قبول کرے، اور اپنے نبی ﷺ کی تعلیمات پر

کما حقہ عمل کرنے کی کوشش کرے۔

آیئے ہم بھی سب ملکر اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کریں کہ یا اللہ ہم سب کو آپ ﷺ سے سچی محبت اور ان کی سنتوں کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرما آمین یارب العالمین۔

لیجئے اس خصوصیت تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

سینتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

ذات باری تعالیٰ جو منبع حسن و جمال ہے اور جس کو حسن پسند ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ:﴿ان اللہ جمیل ویحب الجمال﴾ ''یعنی اللہ تعالیٰ خود جمیل ہیں اور جمال کو پسند کرتے ہیں۔ اس نے جس ذات اقدس کو اپنا حبیب بنانا تھا تو ظاہر ہے کہ اس کو کس قدر حسن دیا ہوگا۔

یاصاحب الجمال ویا سید البشر   من وجھک المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبیؑ کو مبعوث نہیں فرمایا جو خوش آواز اور خوش رو نہ ہو۔ تمہارے رسولِ اکرم ﷺ ان سب نبیوں میں صورت میں سب سے زیادہ حسین اور آواز میں سب سے زیادہ احسن تھے۔ (شمائل)

علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ: ''ہر شخص یہ اعتقاد رکھنے کا مکلّف ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا جسم مبارک جن اوصاف جمیلہ کے ساتھ متصف ہے کوئی دوسرا ان اوصاف میں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ جیسا نہیں ہوسکتا۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے جس کا ترجمہ یوں ہے کہ: ''پس آپ ﷺ فضائل باطنی وظاہری میں کمال کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ پھر خداوند جل شانہ، نے جو خالق کائنات ہے۔ آپ ﷺ کو اپنا حبیب بنایا۔ آپ ﷺ اس سے پاک ہیں کہ آپ کی خوبیوں میں اور کوئی آپ کا شریک ہو۔ پس جو ہر حسن جو آپ ﷺ میں پایا جاتا ہے۔ وہ غیر منقسم اور غیر مشترک

ہے، بلکہ مخصوص آپ ﷺ ہی کے ساتھ ہے۔

یا رب صل وسلم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زلیخا کی سہیلیاں اگر رسولِ اکرم ﷺ کے چہرہ انور دیکھ لیتی تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ لیتیں۔" (شرح شمائل)

علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا پورا پورا جمال ظاہر نہیں کیا گیا ورنہ آدمی آپ ﷺ کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے۔

حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ "شیم الحبیب" میں فرماتے ہیں کہ باوجود ایسے حسن و جمال کے عام لوگوں کا آپ ﷺ پر اس طور پر عاشق نہ ہونا، جیسا کہ حضرت یوسفؑ پر عاشق ہوا کرتے تھے۔ بسبب غیرت الٰہی کے ہے کہ آپ ﷺ کا جمال جیسا تھا غیروں پر ظاہر نہیں کیا۔ جیسا کہ خود حضرت یوسفؑ کا جمال بھی جس درجہ کا تھا وہ بجز حضرت یعقوبؑ یا زلیخا کے اوروں پر ظاہر نہیں کیا۔ رسولِ اکرم ﷺ کے جمال مبارک کو کماحقہ تعبیر کرنا یہ ناممکن ہے۔ نور مجسم کی تصویر کشی قابو سے باہر ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرات صحابہ کرامؓ کا امت پر بڑا احسان ہے کہ حضور ﷺ کے کمالات معنوی علوم و معارف کے ساتھ ساتھ کمالات ظاہری حسن و جمال کی بھی امت تک تبلیغ فرمائی اور اپنی ہمت اور وسعت کے موافق ان کو ضبط فرمایا۔ جمال جہاں آراء کے متعلق حضرات صحابہ کرام سے بہت روایات ہیں۔ کسی نے وصف اور ادا کو بیان کیا اور کسی نے کسی دوسرے جزو کو۔ ان میں ایک طویل اور مفصل حدیث حضرت حسنؓ کی ہے، جس میں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک اور اخلاق و عادات جملہ انواع مذکور ہیں۔ امام ترمذی نے مضامین کی مناسبتوں سے اس کو کئی بابوں میں ذکر کیا ہے۔

حضرت حسنؓ نے حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کی جستجو فرماتے وقت اس کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:۔ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے آپ ﷺ کا

حلیہ مبارک دریافت کیا اور وہ آپ ﷺ کے حلیہ مبارکہ کو بہت ہی کثرت اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصاف جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں ان کے بیان کو اپنے لئے حجت اور سند بناؤں اور ان اوصاف جمیلہ کو ذہن نشین کرنے اور ممکن ہو سکے تو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں۔

(یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ حضرت حسنؓ کی عمر رسولِ اکرم ﷺ کے وصال کے وقت سات سال کی تھی۔ اس لئے حضور ﷺ کے اوصاف جمیلہ میں اپنی کم سنی کی وجہ سے تامل اور کمال اور کمال تحفظ کا موقع نہیں ملا۔)

فائدہ...... حسن کے ساتھ ایک مستانہ خوشبو اور رعب بھی ہوتا ہے، جیسا کہ حضور ﷺ کے رعب اور ان کی ذاتی خوشبو ان کا طیب و مطیب ہونا حدیثوں میں تفصیل سے آیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے پسینہ میں جو کہ چاندنی کے موتیوں کے مشابہ تھا مشک کی خوشبو مہکتی تھی۔ اور وہ جمع کر کے خوشبو کی جگہ استعمال کیا جاتا تھا اس لئے حلیہ مبارک کو دل و دماغ میں جماتے وقت محبت کے ساتھ ادب بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔

حضور ﷺ کے لاڈلے نواسہ اور محبوب صحابیؓ کا یہ شوق منافع کثیر پر مشتمل ہے۔ ایک تو یہ کہ صحابیؓ کا عمل خود حجت ہے دوسرے یہ کہ محبوب کے خدوخال کا تصور عشق و محبت کا تقاضا بھی ہے پھر آپ ﷺ کی محبت کہ جزِ ایمان بھی ہے اور اتباع سنت میں معین بھی ہے جس کی وجہ سے محبت کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے اور اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ قرآن کی آیت "قل اِن کنتم تُحبُّونَ اللّٰہَ" میں مذکور ہے۔

صلی اللّٰہ علیٰ محمد .... صلی اللّٰہ علیہ وسلم

سلام علیٰ أنوارِ طلَعَتِکَ التی .... أعیشُ بِھا شُکراً وَأفنیٰ بھا وَجْداً

ترجمہ:۔ "(یارسول اللہ ﷺ! آپ کے) روئے مبارک کے جلوؤں کی پاشانی کو سلام، جس کو دیکھ کر میں شکر کی کیفیت میں زندہ رہتا ہوں اور وجد کی کیفیت میں فنا ہو جاتا ہوں۔ (بحوالہ العطور المجموعہ)

محترم قارئین! اب ہم آنے والے اوراق میں حضرت انسؓ کی روایت کے ساتھ ساتھ دیگر صحابہ کرامؓ کی روایات کی روشنی میں حضور ﷺ کی حسن مبارک کی تفصیل پیش کررہے ہیں لیجئے ملاحظہ فرمایئے۔

رسول اکرم ﷺ کے پیارے حسن جمال کی ایک جھلک

چنانچہ ذیل میں ہم پہلے حضور ﷺ کے حسن و جمال کی ایک جھلک مبارک مختصراً ذکر کررہے ہیں اور اس کے بعد ہم انشاء اللہ الگ الگ عنوان قائم کرکے تفصیل کے ساتھ حسن و جمال اور حضور ﷺ کے پیارے حلیے مبارک کو بیان کریں گے۔ کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی شخص کو جاننے اور سمجھنے کے لئے اس کی شکل وصورت اور وجاہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ انسان کے بدن کی ساخت اور اس کے اعضاء کا تناسب اس کے ذہن میں اخلاقی اور معاشرتی مرتبے کا آئینہ دار اور ترجمان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے حضور ﷺ کے رخ انور کو دیکھتے ہی کہہ دیا تھا: ﴿اِنَّ وَجھَهٗ لَیسَ بِوَجهِ کَذَّاب﴾ ''بلاشبہ یہ چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔''

حضرت ابورمثہ تیمی بیان کرتے ہیں کہ:۔ میں اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوا تو۔ حضور ﷺ کی شگفتہ رو کو دیکھتے ہی سمجھ گیا اور اپنے بیٹے سے کہنے لگا: ﴿هٰذا واللہ رسُولُ اللہ ﷺ﴾ ''واللہ! یہ واقعی اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔'' (مسند امام احمد ص: ۲۲۸ ج: ۲)

آج ہمارے سامنے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی کوئی حقیقی تصویر موجود نہیں ہے خود رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی امت کو تصویر کے فتنے سے منع فرما دیا۔ کیونکہ اس سے شرک کا چور دروازہ کھلتا ہے۔

البتہ رسولِ اکرم ﷺ کے حسن و جمال کی جھلک دیکھنے والوں نے حضور ﷺ کے خنداں رخ انور، حسین وجمیل قدوقامت، بے مثال خدوخال، بے نظیر چال ڈھال، باوقار وپرکشش وجاہت اور شخصیت کا جو عکس الفاظ کے پیرایہ میں ہم تک پہنچایا ہے، وہ ایک ایسے

انسان کا تصور دلاتا ہے جو ذہانت وفطانت، صبر واستقامت، شجاعت وسخاوت، امانت ودیانت، فصاحت وبلاغت جمال ووقار، انکسار وتواضع اور عالی ظرفی وفرض شناسی جیسے اوصاف حمیدہ سے متصف تھا۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿اِنَّ الشَّیطَانَ لاَ یَستَطِیعُ اَن یَّتَشبَّہَ بِی فَمَن رَآنِی فَقَد رَآنِی.﴾ (مسند الامام احمد)

''چونکہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا اس لئے جو مجھے خواب میں دیکھتا ہے وہ حقیقت میں مجھ ہی کو دیکھتا ہے۔'' اس حدیث کے پیش نظر جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ لیکن زیارتِ رسولِ اکرم ﷺ کا دعویٰ کرنے والے بعض ایسے لوگ بھی سامنے آتے ہیں جنہیں آپ ﷺ کی سیرت وصورت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی لئے ضروری ہے کہ ہم جہاں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت سے کما حقہ اگاہی رکھیں، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ حضور ﷺ کی صورت اور حسن وجمال کو بھی اچھی طرح یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ والی سیرت وصورت اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بہرحال اب پہلے آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کو مختصراً پیش کیا جاتا ہے اور پھر انشاء اللہ تفصیل سے پیش کی جائے گی لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ بہت ہی شاندار تھے۔ آپ ﷺ کا قد مبارک میانہ تھا لیکن مجمع میں آپ ﷺ سب سے زیادہ بلند معلوم ہوتے تھے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ؎

حلیہ مبارک کیسے بیان ہو — اس کی کسی میں تاب کہاں ہو
گنگ یہاں پر کیوں نہ زبان ہو — ہیں وہ سراپا نور مجسم
صلی اللہ علی محمد — صلی اللہ علیہ وسلم

عظیم المرتبت محبوب خدا (ﷺ) کا چہرہ انور ماہ بدر کی طرح چمکتا تھا۔ یہ حسن اور خوبروئی اس طرح سے تھی کہ گورے رنگ کے اندر کچھ سرخی دمکتی تھی۔ جس سے کمال درجہ ملاحت پیدا ہوگئی تھی اور پیارے رخسار نہایت شفاف، ہموار اور سبک تھے۔

ماہ منور مہر درخشاں جس پہ صدقے یوسف کنعاں

جن پر قربان موسیٰ عمراں جن پر واری عیسیٰ مریم

صلی اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضور ﷺ کی پیشانی مبارک کشادہ تھی اور ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے، دونوں ابرو جدا جدا تھے۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہ تھے۔ دونوں ابرو کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی۔

واضح رہے کہ حضور ﷺ کو دنیا اور دنیاوی امور کی وجہ سے کبھی غصہ نہیں آتا تھا، البتہ اگر کوئی امر دین اور حق سے تجاوز کرتا تو اس وقت آپ ﷺ کے غصہ کی کوئی تاب نہ لاسکتا تھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کا انتقام نہ لے لیں۔ لیکن اپنی ذات کے لئے نہ کسی پر ناراض ہوتے نہ اس کا انتقال لیتے۔ اللّٰھم صَلِّ وسَلِّمْ وَبارِکْ عَلٰی عَبدِکَ ورَسُولِکَ وحَبِیبِکَ سیِّدِنَا ومولانا محمدٍصاحِبِ الوجهِ الأنوَرِ والجَبینِ الأَزهَرَ.

حضور ﷺ کے موئے مبارک کانوں کی لو تک تھے اور سر مبارک کے بیچ میں مانگ نکلی رہتی تھی اور بال ہلکی سی پیچیدگی لئے ہوئے یعنی بل دار تھے۔

مر کر کسی کی زلف پہ معلوم ہو تجھے فرقت کی رات کٹی ہے کس پیچ وتاب میں

یارب صل وسلم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

آپ ﷺ کی آنکھیں مبارک بڑی اور خوش رنگ تھیں جن کی پتلی نہایت سیاہ اور ان کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے اور پلکیں دراز تھیں۔ آپ ﷺ کے حسن سے نگاہ سیر ہوتی تھی۔

خمار آلودہ آنکھوں پر ہزاروں میکدے قربان وہ قاتل بے پئے ہی رات دن مخمور رہتا ہے

صلی اللہ علی محمد　　صلی اللہ علیہ وسلم

آپ ﷺ کی بینی مبارک پر ایک چمک اور نور تھا۔ جس کی وجہ سے بینی مبارک بلند معلوم ہوتی تھی۔

ہر جلوہ پر ضیارخ انور کا نور ہے　　شانوں میں کیا بلند یہ شان حضور ہے
صلی اللہ علی محمد　　صلی اللہ علیہ وسلم

حضور ﷺ کا دہن مبارک موزونیت کے ساتھ فراخ تھا اور دندان مبارک باریک آبدار تھے اور سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا سا فصل بھی تھا جن سے تکلم اور تبسم کے وقت ایک نور نکلتا تھا۔

حیا سے سر جھکا لینا ادا سے مسکرا دینا　　حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا
صلی اللہ علی محمد　　صلی اللہ علیہ وسلم

حضور ﷺ کے ریش مبارک بھرپور اور گنجان بالوں کی تھی۔ جس نے آپ ﷺ کو اور بھی زینت دے دی تھی۔ جو ہیبت اور عظمت کو بڑھاتی تھی اول تو جمال اور خوبصورتی میں بھی رعب ہوتا ہے۔

شوق افزوں مانع عرض تمنا رعب حسن　　بارہا دل نے اٹھائے ایسی لذت کے مزے
صلی اللہ علی محمد　　صلی اللہ علیہ وسلم

آپ ﷺ کی گردن مبارک ایسی پتلی اور خوبصورت تھی جیسی تصویر کی گردن تراشی ہوئی ہو صفائی اور چمک میں چاندنی جیسی تھی۔

حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اکرم ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ ﷺ نبیوں کے ختم کرنے والے تھے۔　(بحوالہ شمائل ترمذی)

رسول اکرم ﷺ کے پیارے حسن کی ایک اور جھلک مبارک

ذیل میں کچھ مختصر اوضاحت کی جارہی ہے ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ”جناب رسولِ اکرم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور خوب سیرت تھے، آپ ﷺ نہ دراز قد تھے، نہ پست قامت تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں: ”حضور ﷺ کا قد میانہ، کندھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ، بال کانوں کی لو تک لمبے، سرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے، رسولِ اکرم ﷺ سے زیادہ خوبرو میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔“ (مسلم شریف)

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ لمبے بالوں والے سرخ لباس میں ملبوس رسولِ اکرم ﷺ سے زیادہ خوبصورت شخص ہم نے نہیں دیکھا، موئے مبارک شانوں تک پہنچتے تھے۔ دونوں کندھوں کا درمیانی فاصلہ قدرے زیادہ تھا، رسولِ اکرم ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے نہ پست بلکہ میانہ قامت تھے۔ (بخاری شریف)

جابر بن سمرۃ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ”میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کو سرخ جوڑا پہنے چاندنی رات میں دیکھ رہا تھا، میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ ﷺ کے چہرہ انور پر نظر کرتا بالآخر اس فیصلے پر پہنچا کہ آپ ﷺ چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں“۔ (مستدرک حاکم)

حضرت براء بن عازبؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ کا چہرہ تلوار جیسا (چمکدار) تھا۔ فرمایا: ”نہیں، بلکہ چاند جیسا (خوبصورت اور پرنور) تھا۔“ (بخاری شریف)

حضرت کعب بن مالکؓ کا بیان ہے کہ: ”جب میری جنگ تبوک میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے توبہ قبول ہوئی تو میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سلام کیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک مارے خوشی کے چمک رہا ہے اور آپ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ ایسے دمک اٹھتا گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔“ (حوالہ بالا)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ایک دفعہ آپ ﷺ میرے پاس فرحاں وشاداں آئے۔ آپ ﷺ کے چہرے کی دھاریاں چمک رہی تھیں۔ (حوالہ بالا)

ہمدان شہر کی رہنے والی ایک صحابیہؓ کا بیان ہے کہ: ”میں نے رسولِ اکرم ﷺ کے

ہمراہ حج کیا میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ہاتھ میں چھڑی لئے اونٹ پر سوار بیت اللہ کا طواف کررہے ہیں۔" راوی ابواسحٰق ہمدانی کہتے ہیں کہ: "میں نے ان سے رسولِ اکرم ﷺ کے روئے زیبا کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح پرانور میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد آپ ﷺ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔"

حضرت جابرؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح (چمکدار اور لمبا) تھا۔ فرمایا: "نہیں بلکہ سورج اور چاند کی طرح روشن اور گول تھا۔" (مسندِ احمد)

جریری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالطفیلؓ سے پوچھا کہ آپؓ نے حضور ﷺ کو دیکھا تھا؟ فرمایا کہ: "ہاں! آپ ﷺ گورے رنگ، پرملاحت چہرے، موزوں ڈیل ڈول اور میانہ قدوقامت کے تھے۔ (مسلم شریف)

ابوعبیدہ بن محمد عمار کہتے ہیں میں نے حضرت ربیع بنت معوذؓ سے درخواست کی کہ حضور ﷺ کا حلیہ مبارک تو بتائیں؟ انہوں نے فرمایا: "بیٹے! اگر تم حضور ﷺ کو دیکھتے تو یوں لگتا کہ تم نے طلوع ہوتے سورج کو دیکھا ہے۔"

حضرت ام معبدؓ نے آپ ﷺ کے حسن سراپا کا یوں نقشہ کھینچا ہے: "میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا جو رنگ کی چمک دمک اور چہرے کی تابانی لئے ہوئے تھے، دور سے دیکھنے میں سب سے خوبصورت اور وجیہ اور قریب سے دیکھنے میں انتہائی جاذب نظر اور پر جمال۔"

(مستدرک حاکم)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ: "جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ اقدس پرنور اور انتہائی خوبصورت تھا جب کوئی حضور ﷺ کے چہرہ کی رعنائی بیان کرتا تو چودہویں کے چاند سے تشبیہ دیتا۔ یعنی لوگوں کو جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا روئے زیبا چمکتے ہوئے چاند کی طرح جگمگاتا ہوا نظر آتا۔" (دلائل النبوۃ)

آپ ﷺ کے دربار اقدس میں حضرت حسان بن ثابتؓ نے جو چہرۂ انور کی تعبیر فرمائی اس کا کچھ حصہ ہدیہ ناظرین ہے:۔

واحسن منک لم ترقط عینی............... واجمل منک لم تلد النساء

خُلقتُ مبراأ من کل عیب .... کانک قد خلقت کما تشاء

اغر علیه للنبوۃ خاتم .... من اللّٰه مشهود یلوح ویشهد

وضم الآله اسم النبی مع اسمه .... اذ قال فی الخمس الموذن اشهد

وشق له من اسمه لیجله .... فذوا العرش محمود هذا محمد

نبی أتا نا بعد یاس وفترۃٍ .... من الرسل والوثان فی الارض تعبد

فامسی سراجا مستنیراً .... یلوه کما لاح الصیقل المهند

وافٍ وماض شهاب یستضاء به .... بدر انار علی کل الا ماجید

مبارک کضیاء البدر صورته .... ماقال کان قضاء غیرُمردود

ترجمہ:۔اور حضور ﷺ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے نہیں دیکھا اور حضور ﷺ کے زیادہ جمیل آج تک کسی عورت نے نہیں جنا۔آپ ﷺ ہر عیب سے محفوظ پیدا کئے گئے ہیں۔ گویا کہ جیسا آپ ﷺ نے چاہا تھا۔اسی طرح آپ ﷺ کو پیدا فرمایا گیا ہے۔

آپ ﷺ کے بدن اطہر پر مہر نبوت چمک رہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی دلیل ہے، جسے ہر ایک دیکھ سکتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا نام نامی اپنے نام مبارک کے ساتھ اس طرح ملا دیا کہ جب بھی مؤذن اذان میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتا ہے۔ساتھ ہی آپ ﷺ کی رسالت کی بھی گواہی دینی ضروری ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے نام کا اشتقاق اپنے نام مبارک سے کیا تا کہ آپ ﷺ کی عزت و وقار قائم رہے۔جیسا کہ عرش کا مالک تو محمود ہے اور آپ ﷺ کا نام محمد ہے۔(یعنی دونوں کا مادہ اشتقاق حمد ہے)

آپ ﷺ ایسے نبی کریم ﷺ ہیں کہ کافی زمانہ وحی کے نہ آنے کے بعد آپ ﷺ اس وقت تشریف لائے جب کہ ساری دنیا بت پرستی میں مبتلا تھی۔

آپ ﷺ ایسا چراغ ہیں، جو ہمیشہ روشنی دیتا رہے گا اور آپ ﷺ یوں چمکتے ہیں جس طرح صیقل شدہ تلوار چمکتی ہے۔

آپ ﷺ وعدہ وفا کرنے والے اپنی بات کو پورا کرنے والے ایسے چمک دار ستارہ ہیں، جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، آپ ﷺ ایسے ماہ کامل ہیں کہ ہر شرف و مجد پر آپ ﷺ کا نور چمک رہا ہے۔ آپ ﷺ بڑی برکت والے ہیں۔ چودھویں رات کے چاند کی طرح آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ہے جو بات فرماتے ہیں وہ ہو جاتی ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہوتا۔ (از دیوان حسان بن ثابتؓ)

رخ مصطفیٰ کو دیکھا تو دیوں نے جلنا سیکھا
یہ کرم ہے مصطفیٰ کا کہ شب غم نے ڈھلنا سیکھا
یہ زمیں رکی ہوئی تھی یہ فلک تھما ہوا تھا
چلے جب میرے محمدؐ تو دنیا نے چلنا سیکھا

محترم قارئین! آپ ﷺ کے حلئے مبارک کے اس مختصر سے تذکرے کے بعد اب ہم ذیل میں آپ ﷺ کے حلئے مبارک کو تفصیل کے ساتھ ہر عضو کو الگ عنوان دے کر بیان کر رہے ہیں، تاکہ آپ ﷺ کے حسن کی مکمل تفصیل ہمارے سامنے آجائے تو لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا پیارا چہرا مبارک

حضور ﷺ کا روئے مبارک جو جمال الٰہی کا آئینہ اور انوار تجلی کا مظہر تھا۔ پر گوشت اور کسی قدر گول تھا۔ اسی روئے مبارک کو حضرت عبداللہ بن سلامؓ دیکھتے ہی پکار اٹھے تھے: ﴿وجھہ لیس بِوَجہِ الکَذّاب﴾ ”ان کا چہرہ دروغ گو کا چہرہ نہیں۔“ اور ایمان لائے تھے۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا کہ

حضور ﷺ سرخ دھاری دار حلہ پہنے ہوئے تھے میں کبھی چاند کی طرف دیکھتا اور کبھی آپ ﷺ کی طرف دیکھتا۔ بیشک میرے نزدیک حضور ﷺ چاند سے زیادہ خوبصورت تھے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا چہرہ انور دیکھنے والوں کی نظر میں عظیم المرتبت اور دبدبہ والا تھا اور آپ ﷺ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک قدرے گولائی لئے ہوئے تھا۔'' (شمائل ترمذی) مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کا چہرہ مبارک نہ بالکل لانبا تھا نہ بالکل گول بلکہ درمیانی حالت پر تھا۔

چنانچہ حضرت براءؓ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ کا چہرہ تلوار کی طرح شفاف تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ: ''نہیں! بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور گولائی لئے ہوئے تھا۔'' (بخاری ج ۱)

چونکہ تلوار کے ساتھ مشابہت بتلانے میں زیادہ لمبا ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تلوار کی چمک میں سفیدی غالب آتی ہے نورانیت نہیں۔ اس لئے حضرت براءؓ نے بدر سے تشبیہ دی کہ اس میں چمک اور نورانیت اور گولائی سب موجود ہوتی ہیں۔ باقی یہ سب تشبیہات سمجھنے کے لئے اور قریب الی الفہم کرنے کے لئے ہیں ورنہ ایک چاند تو درکنار رسولِ اکرم ﷺ جیسا نور ہزار چاندوں میں بھی نہیں ہوسکتا۔

ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ھ) نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ میں سحر کے وقت سی رہی تھی۔ مجھ سے سوئی گر پڑی میں نے ہر چند تلاش کی مگر نہ ملی۔ اتنے میں رسولِ اکرم ﷺ تشریف لائے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے روئے مبارک کے نور کی شعاع میں وہ سوئی نظر آ گئی۔ میں نے یہ ماجرا آپ ﷺ سے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے حمیرا! سختی وعذاب ہے (تین دفعہ فرمایا) اس شخص کے لئے جو میرے چہرے کی طرف دیکھنے سے محروم کیا گیا۔''

حافظ ابو نعیم (متوفی ۴۳۰ھ) نے بروایت عبادہ بن عبد الصمد نقل کیا ہے کہ اس نے

کہا۔ کہ ہم حضرت انسؓ بن مالک کے ہاں آئے۔ آپؓ نے کنیز سے کہا کہ دستر خوان لاتا کہ ہم چاشت کا کھانا کھائیں، وہ لے آئی۔ آپؓ نے فرمایا: "رومال لا۔" وہ ایک میلا رومال لائی۔ آپؓ نے فرمایا: "کہ تندور گرم کر۔" اس نے تندور گرم کیا۔ پھر آپ کے حکم سے رومال تندور میں ڈال دیا گیا وہ ایسا سفید نکلا کہ گویا دودھ ہے۔ ہم نے حضرت انسؓ سے پوچھا: "کہ یہ کیا ہے؟....." انہوں نے فرمایا: "یہ وہ رومال ہے جس سے رسولِ اکرم ﷺ اپنے روئے مبارک کو مسح فرمایا کرتے تھے۔ جب یہ میلا ہو جاتا ہے تو اسے ہم یوں صاف کر لیتے ہیں کیوں کہ آگ اس شے پر نظر نہیں کرتی جو انبیاءؑ کے روئے مبارک پر سے گزری ہو۔"

حضرت عائشہ جو رسولِ اکرم ﷺ کی سب سے چہیتی بیوی ہیں انکے دو اشعار ہیں، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ: "زلیخا کی سہیلیاں اگر رسولِ اکرم ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھ لیتیں تو ہاتھ کے بجائے دلوں کو کاٹ ڈالتیں۔" یعنی حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر انہوں نے ہاتھ ہی کاٹا تھا مگر رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھ لیتیں تو دل ہی کاٹ لیتیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ انور کتنا پر کشش تھا اس مضمون کی ترجمانی کرتے ہوئے مضطر صاحب فرماتے ہیں۔ ؎

وہ گول اور طول کو تھوڑا سا مائل چہرہ انور — مہ و خورشید جس کے سامنے شرمندہ و کمتر
اچانک دیکھ لیتا جب کوئی مرعوب ہو جاتا — مگر اللہ کا محبوب پھر محبوب ہو جاتا
وجاہت اور شوکت بھی جمال دلبرانہ بھی — جلال حسن بھی اور عظمت پیغمبرانہ بھی
وہ روئے پاک جیسے تیرتا ہو آفتاب اسمیں — جمال حق کا مظہر آئینہ ام الکتاب اس میں

نمایاں حسن یوسف میں سفیدی تھی صباحت تھی
یہاں سرخی تھی گل گوں رنگ تھا جسمیں ملاحت تھی
زنانِ مصر کی واں رہ گئی تھیں انگلیاں کٹ کر
یہاں قربان کر ڈالے ہیں مردان عرب نے سر

رسول اکرم ﷺ کا پیارا دہان (منہ) مبارک

منہ مبارک فراخ، رخسار مبارک ہموار، دندان ہائے پیشین کشادہ اور روشن وتاباں جب حضور ﷺ کلام فرماتے تو دندان ہائے پیشین سے نور نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ بزار (متوفی ۲۹۲ھ) و بیہقی نے بروایت ابو ہریرہ نقل کیا ہے کہ جب آپ ﷺ ضحک فرماتے (یعنی ہنستے) تو دیواریں روشن ہو جاتیں، اور آپ ﷺ کو کبھی جمائی نہیں آئی۔

حضرت عمیرہ بنت مسعود انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ روایت کرتی ہیں کہ میں اور میری پانچ بہنیں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ قدیر (خشک کیا ہوا گوشت) کھا رہے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے چبا کر ایک ٹکڑا ان کو دیا۔ انہوں نے بانٹ کر کھالیا۔ مرتے دم تک ان میں سے کسی کے منہ میں بوئے ناخوش پیدا نہ ہوئی اور نہ کوئی منہ کی بیماری ہوئی۔

غزوہ خیبر کے روز حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی میں ایسی ضرب شدید لگی، کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ شہید ہو گئے۔ رسول اکرم ﷺ نے تین بار اس پر دم کر دیا۔ پھر پنڈلی میں کبھی درد نہ ہوا۔

ایک روز ایک بدزبان عورت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئی۔ رسول اکرم ﷺ قدیر (خشک کیا ہوا گوشت) تناول فرما رہے تھے۔ اس نے سوال کیا کہ مجھے بھی دیجئے۔ رسول اکرم ﷺ نے جو قدیر سامنے پڑا ہوا تھا اس میں سے دیا۔ اس نے عرض کیا کہ اپنے منہ میں سے دیجئے۔ رسول اکرم ﷺ نے منہ سے نکال کر اسے دیا۔ وہ کھا گئی۔ اس روز سے فحش اور کلام قبیح اس کے منہ سے سننے میں نہ آیا۔ مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ بے شمار پیشن گوئیاں اور دعوات جو پوری اور قبول ہوئی وہ اسی منہ مبارک سے نکلی ہوئی تھی یوم حدیبیہ میں چاہ حدیبیہ کا تمام پانی لشکر اسلام نے (جو بقول حضرت براء بن عازب چودہ سو تھے) نکال لیا۔ اس میں ایک قطرہ بھی نہ رہا۔ رسول اکرم ﷺ نے پانی کا ایک برتن طلب فرمایا، اور وضو کر کے

پانی کی ایک کلی کوئیں میں ڈال دی۔ اور فرمایا کہ ذرا ٹھہرو۔ اس کوئیں میں اس قدر پانی جمع ہوگیا کہ حدیبیہ میں تقریباً بیس روز قیام رہا۔ تمام فوج اور ان کے اونٹ اسی سے سیراب ہوتے رہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا لعاب دہن مبارک

رسولِ اکرم ﷺ کے منہ مبارک کا لعاب زخمی اور بیماروں کے لئے شفاء تھا چنانچہ فتح خیبر کے موقع پر رسولِ اکرم ﷺ نے اپنا لعاب دہن حضرت علی المرتضیٰؓ کی آنکھوں میں ڈال دیا۔ تو فوراً تندرست ہوگئے گویا درد چشم کبھی ہوا ہی نہ تھا۔

غار ثور میں حضرت صدیق اکبرؓ کے پاؤں کو کسی چیز نے کاٹ کھایا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنا لعاب دہن زخم پر لگا دیا اسی وقت درد جاتا رہا۔

حضرت رفاعہ بن رافعؓ کا بیان ہے کہ بدر کے دن میری آنکھوں میں تیر لگا اور پھوٹ گئی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور دعا فرمائی۔ پس مجھے ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی اور آنکھ بالکل درست ہوگئی۔

حضرت محمد بن حاطبؓ کے ہاتھ پر ہنڈیا گر پڑی اور وہ جل گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنا لعاب مبارک اس پر ڈالا اور دعا کی۔ وہ ہاتھ اچھا ہوگیا۔

حضرت عمرو بن معاذ بن جموم انصاری کا پاؤں کٹ گیا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا۔ وہ اچھا ہوگیا۔

حضرت ابوقتادہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ غزوہ ذی قرد (محرم ۷ھ) میں رسولِ اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا'' کہ تمہارے چہرے میں کیا ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ تیر لگا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:۔ کہ نزدیک آؤ میں نزدیک ہوا تو رسولِ اکرم ﷺ نے اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ اس روز سے مجھے کبھی تیر و تلوار نہیں لگی۔ اور نہ خون نکلا۔

ایک دفعہ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس پانی کا ڈول لایا گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس

میں سے پیا۔ پس خوردہ کوئیں میں ڈال دیا گیا۔ پس اس میں سے کستوری کی سی خوشبو نکلی۔ آپ ﷺ کے خادم حضرت انسؓ کے گھر میں ایک کنواں تھا۔ آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن اس میں ڈال دیا۔ اس کا پانی ایسا شیریں ہو گیا کہ تمام مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر میٹھا کوئی کنواں نہیں تھا۔

عاشورہ کے روز رسولِ اکرم ﷺ بچوں کو بلا کر ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیتے اور ان کی ماؤں سے فرما دیتے کہ شام تک ان کو دودھ نہ دینا۔ پس وہی لعاب دہن ان کو کافی ہوتا۔

حضرت عامر بن کریز قریش عبشمیؓ اپنے صاحب زادے عبداللہؓ کو بچپن میں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے رسولِ اکرم ﷺ عبداللہ کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالنے لگے اور وہ اسے نگلنے لگے۔ اس پر رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: "یہ مسقی (سیراب) ہے۔" حضرت عبداللہ جب کسی زمین (یا پتھر) میں شگاف کرتے تو پانی نکل آیا کرتا۔

عتبہ بن فرقد جنہوں نے حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں موصل کو فتح کیا ان کی بیوہ ام عاصم بیان کرتی ہے۔ کہ عتبہ کے ہاں ہم چار عورتیں تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک خوشبو لگانے کی کوشش کرتی تھی تا کہ دوسری سے اطیب ہو۔ اور عتبہ کوئی خوشبو نہ لگاتا تھا۔ مگر اپنے ہاتھ سے تیل مل کر داڑھی کو مل لیتا تھا۔ اور ہم سب سے زیادہ خوشبودار تھا۔ جب وہ باہر نکلتا تو لوگ کہتے کہ ہم نے عتبہ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو نہیں سونگھی ایک دن میں نے اس سے پوچھا۔ کہ ہم استعمال خوشبو میں کوشش کرتی ہیں۔ اور تم ہم سے زیادہ خوشبودار ہو۔ اس کا سبب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: "رسولِ اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں میرے بدن پر آبلہ ریزے نمودار ہوئے میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ رسولِ اکرم ﷺ سے اس بیماری کی شکایت کی رسولِ اکرم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ کپڑے اتار دو۔ میں نے کپڑے اتار دیئے۔ اور رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنا لعاب مبارک اپنے دست مبارک میں ڈال کر میری پیٹھ اور پیٹ پر مل دیا۔ اس دن سے مجھ میں یہ خوشبو پیدا

ہوگئی۔ اس حدیث کو طبرانی (متوفی ۳۶۰ھ) نے اوسط میں روایت کیا ہے۔ (بحوالہ سیرت رسول عربی)

رسول اکرم ﷺ کی پیاری اور پر کشش رنگت مبارک

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ:۔ رسولِ اکرم ﷺ نہ دراز قد تھے نہ پست قامت بلکہ آپ ﷺ کا قد درمیانہ تھا، آپ ﷺ کا رنگ نہ تو چونے کی طرح خالص سفید اور نہ گندمی کہ سانولا نظر آئے بلکہ گورا چمکدار تھا۔

رسولِ اکرم ﷺ کے بال نہ زیادہ پیچدار اور نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے تھے بلکہ ہلکہ ساخم لئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ پر وحی کا آغاز چالیس برس کی عمر میں ہوا پھر اس کے بعد دس سال مکہ میں رہے اور دس سال مدینہ میں قیام فرمایا۔ وفات کے وقت آپ ﷺ کے سر اور داڑھی میں بمشکل بیس بال سفید تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ سفید چمکدار تھا، کثرت سفر اور دھوپ کی وجہ سے کبھی کبھی گوری رنگت میں ہلکی سی گندمی رنگ کی جھلک معلوم ہوتی تھی۔

حضرت سراقہ بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رسولِ اکرم ﷺ کے پاس آیا جبکہ رسولِ اکرم ﷺ اونٹنی پر سوار تھے اور اپنا پاؤں پائیدان میں رکھے ہوئے تھے کہ میں نے آپ ﷺ کے قریب ہو کر آپ کی پنڈلی کو دیکھا جو سفید رنگت اور لطافت میں خوشہ کھجور کے اندرونی گودے کی طرح تھی۔ (دلائل النبوۃ)

حضرت ابو طفیلؓ روایت کرتے ہیں کہ: "جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ سفید ملاحت دار تھا" حضرت ایک اور صحابیؓ کا بیان ہے کہ: "رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ سفید تھا، سر مبارک کے کچھ بال سفید تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ شکل وصورت میں آپ ﷺ سے ملتے جلتے تھے۔"

حضرت محمد بن حنفیہ اپنے باپ حضرت علیؓ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا رنگ

سفید سرخی مائل تھا۔ حضرت علیؓ ہی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا روئے زیبا سفید ہلکی سی سرخ لئے ہوئے تھا۔ (مسند احمد)

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ: ''جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے جسم مبارک کا وہ حصہ جو دھوپ اور ہوا میں کھلا رہتا تھا وہ سرخی مائل تھا، اور جو حصہ کپڑوں میں چھپا رہتا تھا وہ سفید اور چمک دار تھا۔ (مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ کی رنگت انتہائی سفید تھی۔ حضرت ابو ہریرہ ہی کا بیان ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کوئی شخص نہیں دیکھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سورج کی روشنی آپ ﷺ کے رخِ انور سے جھلک رہی تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ اس قدر تیز رفتاری سے چلتے گویا زمین رسولِ اکرم ﷺ کے لئے لپٹی جارہی ہے ہم تو چلتے چلتے مارے تھکن کے چور ہو جاتے لیکن رسولِ اکرم ﷺ (تھکاوٹ سے) بے نیاز ہو کر سفر جاری رکھتے۔ (صحیح ابن حبان)

حضرت محرش الکعبیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے عمرہ کے لئے ''مقام جعرانہ'' سے رات کے وقت احرام باندھا میں نے رسولِ اکرم ﷺ کی کمر دیکھی جو رنگت میں سفید گویا کہ چاندی سے ڈھلی ہوئی ہے۔ (دلائل النبوۃ)

ان احادیث سے معلم ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ انتہائی خوبصورت، سفید سرخی مائل تھا اور بدن کا وہ حصہ جو کپڑوں یا بالوں کی وجہ سے چھپا رہتا تھا وہ اور بھی حسین وجمیل، سفید اور چمکدار تھا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ سفید چمکدار تھا گویا کہ چاندی سے بدن ڈھلا ہوا ہے اور بال قدرے خمدار تھے۔'' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ کے جسم مبارک کے اس حصہ کی رنگت سفید اور چمکدار تھی جو کپڑوں سے ڈھکا رہتا تھا۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ کے بدن کے جن حصوں پر بال یا کپڑا نہ ہوتا وہ بھی شفاف اور انتہائی خوبصورت تھے۔'' حضرت علی رضی اللہ

عنہ کا بیان ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ گورا چٹا اور انتہائی شفاف تھا۔ (مسندِ احمد)

ایک اشکال اور اس کا جواب

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ سفید تھا۔ جبکہ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ گندمی تھا۔ اس کے متعلق مختلف علماء نے مختلف انداز میں اظہارِ خیال کیا ہے:۔

(الف) علامہ ابن جوزیؒ نے حضرت انس سے مروی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(ب) امام محب الطبریؒ نے اس حدیث کو مسترد کر دیا ہے۔

(ج) بعض علماء نے اس حدیث کو شاذ قرار دیا ہے کیوں کہ کم از کم پندرہ صحابہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ گندمی نہیں بلکہ سفید تھا۔

اگر بالفرض اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو گندمی پن سے مراد سرخی ہے جو سفید چمکدار رنگ میں ملی ہوتی تھی۔ عرب سرخی مائل سفید رنگ والے انسان پر بعض اوقات لفظ اسمر کا اطلاق کر دیتے ہیں۔

علامہ بیہقیؒ اس کا جواب ایک اور انداز میں دیتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے رنگ میں جو سرخی یا گندمی رنگ کی جھلک تھی وہ جسم کے اس حصہ پر تھی جو دھوپ اور ہوا میں کھلا رہتا تھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوالطفیلؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک سفید اور ملاحت دار یعنی سرخی مائل تھا۔ حضرت انس کا قول ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ پر جمال، سفید اور چمکدار تھا۔ حضرت براء بن عازبؓ کا ایک سائل کو جواب کہ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ بدرِ کامل کی طرح چمکدار اور گولائی لئے ہوئے تھا۔ حضرت جابر بن سمرہؓ نے بھی ایسے ہی ایک موقع پر فرمایا کہ آپ ﷺ کا چہرہ ماہ و خورشید کی طرح روشن و تابناک اور قدرے گول تھا۔ حضرت ربیع بنت معوذؓ کا فرمان ہے کہ آپ ﷺ کا چہرہ ایسا لگتا کہ سورج طلوع ہو رہا ہے۔ (شمائل ترمذی)

ایک ہمدانی صحابیہ ؓ کا کہنا ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکدار تھا۔ میں نے آپ ﷺ جیسا آپ ﷺ سے پہلے یا بعد کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی پیشانی اور چہرہ ایسا چمکدار اور شفاف تھا گویا آفتاب چمک رہا ہے، حضرت کعب بن مالک کا قول ہے کہ: "رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ بحالت مسرّت ایسا چمکتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے اس چمک کو دیکھ کر ہم رسولِ اکرم ﷺ کی خوشی کو پہچان جاتے تھے۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ گورا سرخی مائل اور قدرے گولائی لئے ہوئے تھا۔ حضرت یزید الفارسی (بحالت خواب دیکھے ہوئے حلیہ مبارک کو بیان کرتے ہیں) فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ انتہائی خوبصورت اور ہلکی سی گولائی میں تھا۔ (حضرت ابن عباس نے اس کی تائید فرمائی۔)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے رخسار مبارک ہموار اور نرم ولطیف تھے۔ حضرت ابو الطفیلؓ فرماتے ہیں کہ میں رسولِ اکرم ﷺ کے سفید براق چہرے اور سیاہ بالوں کو کبھی فراموش نہیں کرسکوں گا۔ رسولِ اکرم ﷺ کے حقیقی چچا ابو طالب رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے ایک شعر کہتے ہیں جس کا ترجمہ ہے کہ: "وہ گورے چہرے والا جس کے روئے زیبا کے ذریعہ ابر رحمت کی دعا مانگی جاتی ہیں وہ یتیموں کا سہارا، بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست ہے۔" (بخاری شریف)

حضرت ام معبدؓ بیان کرتی ہیں کہ ہمارے پاس سے ایک آدمی (رسولِ اکرم ﷺ) گزرا ہے جو چمکتے اور دمکتے چہرے والا تھا۔ حضرت ہند ابن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ: "رسولِ اکرم ﷺ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی عالیشان اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑے رتبہ والے تھے رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح جگمگاتا تھا۔"

(بحوالہ بخاری، شمائل ترمذی، مسلم)

بہر حال آپ ﷺ کا رنگ نہایت چمکدار سرخی مائل سفیدی والا تھا۔ آپ ﷺ کے

رنگ مبارک کو بیان کرتے ہوئے ام معبد فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا چمکتا رنگ دور سے دیکھنے میں سب سے زیادہ چمکدار و پر جمال قریب سے دیکھنے میں سب سے زیادہ خوب صورت تھا۔ شاعر نے کہا ہے کہ ؎

درخشاں جس طرح سیم مصفّٰی کوئی پیکر...... وہ اک نور مجسم بدر کامل سے بھی روشن تر

جمیل و دلکش ایسے دور سے چوں مہر تابندہ...... جو ہوں نزدیک تو خوش منظر و شیریں و زیبندہ

نہ رنگت سانولی تھی اور نہ تھے اجلے بھبھوکے سے

سفید اور سرخ گورے گندمی تھے اور چمکتے تھے

کبھی جب مسکراتے تو بجلی کوند جاتی تھی   در و دیوار پر اک روشنی سی جگمگاتی تھی

رسول اکرم ﷺ کی پیاری اور دلنشیں آنکھیں مبارک

رسولِ اکرم ﷺ کی مبارک آنکھیں بڑی اور قدرت الٰہی سے سرگیں اور پلکیں دراز تھیں۔ آنکھوں کی سفیدی میں باریک سرخ ڈورے تھے۔ کتب سابقہ میں یہ بھی آپ ﷺ کی علامت نبوت تھی۔

یہی وجہ تھی کہ جب رسولِ اکرم ﷺ نے ۲۵ سال کی عمر شریف میں خدیجہ الکبریٰ کی طرف سے ان کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارت کے لئے ملک شام سفر کیا۔ اور بصر میں نسطور راہب کے عبادت خانہ کے قریب ایک درخت کے نیچے اترے تو راہب مذکور نے میسرہ سے رسولِ اکرم ﷺ کی نسبت یہ سوال کیا: ''ان کی آنکھوں میں سرخی ہے؟'' میسرہ نے جواب دیا: ''ہاں! اور وہ سرخی آپ سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔'' اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بصر شریف کا وصف قرآن مجید میں یوں مذکور فرمایا: ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى﴾ (سورہ نجم)

یعنی شب معراج میں رسولِ اکرم ﷺ کی آنکھ مبارک نے ان آیات کو دیکھنے سے عدول و تجاوز نہ کیا۔ کہ جن کے دیکھنے کے لئے رسولِ اکرم ﷺ معمور تھے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو ایسی غایت درجہ کی قوت بصارت عطا ہوئی تھی۔ کہ آپ ﷺ جس

شے کو دیکھتے خواہ وہ غایت درجہ خفا میں ہوا سے یوں ادراک فرماتے تھے کہ جس طرح وہ واقعی اور نفس الامر میں ہوا کرتی۔

امام بیہقیؒ (متوفی ۴۵۸ھ) نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اندھیری رات میں روشن دن کی طرح دیکھتے تھے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ مجھ سے تمہارا رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں۔ میں تم کو پیٹھ کے پیچھے دیکھتا ہوں۔

امام مجاہد (متوفی ۱۰۴ھ) نے اَلَّذِی یَرَاکَ حِینَ تَقُوم . وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِین (شعراء ع۱۱) کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نماز میں پچھلی صفوں کو یوں دیکھتے تھے جیسا کہ اپنے سامنے والوں کو۔

احادیث مبارک بالا میں روایت سے مراد رویت عینی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسولِ اکرم ﷺ کو بطور خرق عادت عطا فرمائی تھی۔ جس طرح باری تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کے قلب شریف کو معقولات کے ادراک میں احاطہ اور وسعت بخشی تھی اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ کے حواس لطیف کو محسوسات کے احساس میں توسیع عنایت فرمائی تھی۔

رسولِ اکرم ﷺ کا فرشتوں اور شیاطین کو دیکھنا اور شب معراج کی صبح کو مکہ مشرفہ میں قریش کے آگے بیت المقدس کو دیکھا کر اس کا حال بیان فرمانا اور مسجد نبوی کے بننے کے وقت رسولِ اکرم ﷺ کا مدینہ سے کعبہ مشرفہ کو دیکھنا زمین کے مشارق ومغاب کو دیکھ لینا اور حضرت جعفر طیار کو شہادت کے بعد بہشت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے دیکھنا۔ یہ تمام امور رسولِ اکرم ﷺ کی قوت بینائی پر دلالت کرتے ہیں۔

غزوہ احزاب میں خندق کھودتے وقت ایک سخت پتھر حائل ہوگیا تھا جسے رسولِ اکرم ﷺ نے کدال کی تین ضربوں سے اڑا دیا۔ پہلی ضرب پر فرمایا: ”میں یہاں سے شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔“ دوسری ضرب پر فرمایا: ”میں یہاں سے کسریٰ کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔“ تیسری ضرب پر فرمایا کہ: ”اس وقت میں یہاں سے ابواب صنعاء کو دیکھ رہا

ہوں۔" اسی طرح جب غزوہ موتہ میں حضرت زید بن حارث، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یک بعد دیگرے بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ تو رسولِ اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں ان حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور بیان فرما رہے تھے۔ (بحوالہ سیرتِ رسولِ عربیؐ)

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی بڑی بڑی سرخی مائل آنکھیں، پلکیں دراز اور داڑھی گھنی تھی۔ (مسندِ احمد)

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ: "رسولِ اکرم ﷺ فراخ دہن اور کشادہ چشم تھے سفید حصے میں سرخ ڈورے اور ایڑیاں باریک جن پر بہت کم گوشت تھا۔"

حضرت علیؓ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ گورا، چہرے میں قدرے گولائی، آنکھیں کشادہ، سیاہ پلکیں طویل تھی۔"

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی آنکھیں سرگیں تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی آنکھیں قدرتی طور پر سیاہ تھیں۔

حضرت یزید فارسی (بحالت خواب دیکھا ہوا حلیہ) بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ پیدائشی طور پر سرگیں آنکھیں والے تھے۔ (مسندِ احمد)

حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی آنکھیں سرگیں تھیں تم دیکھتے تو کہتے کہ آپ ﷺ نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے حالانکہ سرمہ نہ لگا ہوتا۔ (حوالہ بالا)

حضرت ام معبد خزاعیہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی سفید و سیاہ سرگیں آنکھیں تھیں۔ یعنی پتلیاں سیاہ اس کے علاوہ کا حصہ سفیدی لئے ہوئے تھا لیکن اس سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی آنکھیں سرخی مائل تھیں۔

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ اشکل العین تھے جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی آنکھوں کی جو سفیدی تھی اس میں سرخ ڈورے پڑے

ہوئے تھے اگر چہ اس حدیث کے ایک راوی نے اشکل کے معنی لمبی لمبی آنکھوں کے کئے ہیں مگر اہل لغت کے نزدیک یہ معنیٰ غلط ہیں اگر یہ معنیٰ لے بھی لئے جائیں تو کوئی خرابی نہیں آنکھوں کا قدرے دراز ہونا اور پھر سفیدی میں سرخ رنگ کا ملا ہوا ہونا پھر پتلیوں کا نہایت سیاہ ہونا آنکھوں کی خوبصورتی کا نمونہ ہے اور اس پر پھر رسولِ اکرم ﷺ کا نگاہ کسی کے سامنے نہ جمانا اکثر گوشۂ چشم سے دیکھتے تھے۔

خمار آلودہ آنکھوں پر ہزاروں میکدے قربان
وہ قاتل بے پئے ہی رات دن مخمور رہتا ہے
چمکدار اور سیہ پتلی بڑی آنکھیں حسین آنکھیں
کہ بے سرمہ بھی رہتی تھیں ہمیشہ سرگیں آنکھیں
ذرا آنکھوں میں سرخی ارغوانی رنگ ہلکا سا
بہشتی ساغروں پر کوثر گل رنگ چھلکا سا
سفیدی میں تھے ڈورے سرخ جن پر ہوں فدا جانیں
گھنیری لمبی لمبی اور کالی کالی مژگانیں

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری اور خوبصورت ابرو مبارک

عدوی قبیلے کے ایک آدمی کا بیان ہے کہ وہ مدینہ منورہ گیا، اور رسولِ اکرم ﷺ سے شرف زیارت حاصل کیا پھر اس نے آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''آپ ﷺ کا جسم خوبصورت اور سڈول، کشادہ اور بڑی پیشانی، ناک ستواں اور ابرو باریک تھے۔'' حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی بھنویں اور پلکیں لمبی لمبی تھیں۔ حضرت ام معبدؓ سے مروی حدیث ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی پلکیں دراز ابرو باریک اور پیوستہ تھے۔ (لیکن ایک دوسرے سے الگ الگ تھے۔) (مستدرک حاکم)

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ رسولِ اکرم ﷺ کی ابرو کا حال بیان فرماتے ہیں کہ رسولِ

اکرم ﷺ کے ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے۔ اور دونوں ابرو جدا جدا تھے۔ درمیان میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے۔ اور ان دونوں ابرو کے بیچ ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی، یعنی موٹی ہو جاتی تھی۔ (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی)

ابرو کا تلوار کی طرح خمدار اور باریک ہونا حسن میں زیادتی پیدا کرتا ہے۔ البتہ یہ خداداد چیز ہے۔ اگر پیدائشی ایسی حالت ہے تو "الحمد للہ علی ذالک" ورنہ بازاروں میں یا خود تراش کر اس طرح کرنا یہ تخلیق خداوندی میں تغیر ہے۔ جو شیطان کا فریب ہے جسکا ذکر خود شیطان کی زبانی قرآن میں موجود ہے:۔ ﴿ولآ مُرَنَّھُم فلیُغَیِّرُن خَلق اللہ﴾ "شیطان کہتا ہے کہ اور میں ان کو سکھاؤں گا کہ بدلیں صورتیں بنائی ہوئی اللہ کی" خلاصۃ السیر ص ۲۰۱۹ پر ہے کہ حضور ﷺ کے ابرو پیوستہ اور ایک دوسرے سے جدا جدا تھے۔

گھنے باریک اور خم دار تھے مثل کمان ابرو
ذرا کچھ فصل سے دونوں ہلال ضوفشاں ابرو
رگ پاک اک دونوں ابروؤں کے درمیاں میں تھی
جو غصہ میں ابھر آتی تھی تیر اک دو کماں میں تھی

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی کشادہ اور روشن پیشانی، پلکیں دراز اور دونوں ابروں کے درمیان فاصلہ تھا۔ حضرت ابوامامہ کا بیان ہے کہ: "رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ گورا، خوبصورت جس میں ہلکی سرخی نمایاں، قدرے خمیدہ بال، قدرتی طور پر سرگیں آنکھیں اور پلکیں طویل تھیں۔" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے دونوں ابرو کا درمیانی فاصلہ ڈھلی ہوئی خالص چاندی کی طرح سفید اور چمکدار تھا۔ (شمائل ترمذی)

رسول اکرم ﷺ کے پیارے اور چمکدار دندان مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے دانت باریک خوبصورت اور آبدار تھے ان کے درمیان خوشنما ریخیں تھیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ: "آپ ﷺ

کے اگلے دونوں دانت الگ الگ تھے جب گفتگو فرماتے تھے توان دانتوں کے درمیان سے چمک نکلتی دکھائی دیتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ جب ہنستے تو دندان مبارک سے روشنی سی نمودار ہوتی ایسا لگتا کہ دیواریں جگمگا اٹھیں گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ پہلے پہلے جب مجھے رسولِ اکرم ﷺ کے متعلق علم ہوا تو میں چچاؤں کے پاس مکہ مکرمہ آیا اہل خانہ نے عباس بن عبدالمطلب کی طرف مجھے بھیجا میں ان کے پاس آیا، تو وہ بئر زم زم سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا اچانک دیکھتا ہوں کہ باب صفا سے ایک صاحب برآمد ہوئے جن کا رنگ گورا سرخی مائل قدرے خمیدہ بال، جو کانوں کی لوؤں تک بڑھے ہوئے (ناک بلند آگے سے ذرا جھکی ہوئی) اولوں کی طرح سفید اور آبدیدہ دانت گہم سیاہ آنکھیں، گھنی داڑھی تھی۔

حضرت ابو ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ (کی بیشتر ہنسی تبسم کی صورت میں تھی) مسکراتے تو دانت اولوں کی طرح چمکتے۔ خصائل نبوی میں علامہ مناویؒ کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی حسی چیز تھی جو بطور معجزہ کے سرکار کے دندان مبارک کے درمیان سے ظاہر ہوتی تھی۔ الغرض حلیہ مبارک میں ہر چیز کمال حسن کو پہنچی ہوئی تھی۔ (بحوالہ خصائل نبوی)

فراخی تھی دہن میں اور دردنداں کشادہ تھے
جلاء و حسن میں جو موتیوں سے بھی زیادہ تھے
وہ نوری کوئی سانچہ تھا کہ جس میں نور ڈھلتا تھا
بوقت گفتگو ریخوں سے چھن چھن کر نکلتا تھا

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری اور خوبصورت ناک مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی ناک مبارک بلندی مائل سامنے سے قدرے جھکی ہوئی تھی اس پر نورانی چمک جس کی وجہ سے سرسری نظر میں بڑی

اونچی معلوم ہوتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی بینی مبارک اعتدال کے ساتھ اونچی تھی۔ عدوی قبیلے کا ایک آدمی اپنے دادا سے بیان کرتا ہے (جس نے رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھا تھا) رسولِ اکرم ﷺ کا حسن سیمابی تھا، کندھوں تک بڑھے ہوئے خوبصورت بال اور ناک ستواں تھی۔

رسولِ اکرم ﷺ کے پیاری رخسار مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے رخسار مبارک ہموار اور ہلکے، البتہ نیچے کو ذرا سا گوشت ڈھلکا ہوا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے کسی شخص نے رسولِ اکرم ﷺ کے حلیہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا: ”رسولِ اکرم ﷺ انتہائی حسین وجمیل تھے، رسولِ اکرم ﷺ کا پیکر درمیانہ مائل بہ درازی تھا۔ مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ، ہموار اور ہلکے رخسار اور موئے مبارک انتہائی سیاہ تھے۔“

حضرت یزید فارسی (بحالت خواب دیکھا ہوا) رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ بیان ہوئے فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ ہلکی گولائی لئے ہوئے تھا، چہرے کے ہالے انتہائی خوبصورت تھے۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے: ”رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ گورا سرخی مائل، آنکھیں نہایت سیاہ، بال قدرے خمیدہ، گنجان داڑھی اور رسولِ اکرم ﷺ کے رخسار ہلکے اور ہموار تھے۔“ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے رخسار مبارک ہلکے اور ہموار تھے جن میں ابھار تھا نہ بلندی۔ (دلائل النبوۃ)

رسولِ اکرم ﷺ کی پرنور اور پیاری پیشانی مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کشادہ جبیں تھے۔ حضرت ابو

ہریرہؓ فرماتے ہیں رسولِ اکرم ﷺ کی پیشانی مبارک کھلی، چمکدار اور پلکیں دراز تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے: ''رسولِ اکرم ﷺ بے حد روشن جبیں تھے جب رات کی تاریکی یا پو پھٹنے کے وقت آتے (یا لوگوں کے مجمع میں رونما ہوتے) تو سیاہ بالوں کے درمیان بالخصوص رسولِ اکرم ﷺ کی تابناک اور کشادہ پیشانی روشن چراغ کی طرح جگمگا اٹھتی تھی۔''

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی پیشانی اتنی روشن اور تابناک تھی گویا اس سے سورج کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا ماتھا کھلا اور فراخ تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں: ''رسولِ اکرم ﷺ نہ دراز قد اور نہ ہی پست قامت تھے، بلکہ رسولِ اکرم ﷺ کا پیکر درمیانہ تھا، رنگ چونے کی طرح سفید اور نہ گندم گوں سانولا بلکہ (سرخ و سفید) خوبرو، بال نہ تو سیدھے تنے ہوئے اور نہ زیادہ پیچ دار بلکہ قدرے خمیدہ، داڑھی مبارک گنجان اور خوبصورت، پیشانی کشادہ، سفید چمکدار سرخی مائل تھی۔'' عدوی قبیلے کا ایک شخص اپنے دادا سے بیان کرتا ہے (جس نے رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھا تھا) کہ رسولِ اکرم ﷺ کی پیشانی اعتدال کے ساتھ بڑی تھی۔ (شمائل ترمذی)

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری گردن مبارک

حضرت علیؓ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی گردن لمبی اور چمکدار تھی گویا کہ چاندی کی صراحی ہو۔

حضرت ام معبدؓ سے مروی حدیث ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی گردن مبارک لمبی اور خوشنما تھی۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے: ''رسولِ اکرم ﷺ کی گردن چاندی کی طرح سفید، خوبصورت تھی گویا کسی مورتی کی گردن تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''رسولِ اکرم ﷺ کی گردن بہت ہی خوبصورت، حسین اور معتدل تھی، نہ زیادہ لمبی اور نہ چھوٹی تھی، اس کا وہ حصہ جو دھوپ اور ہوا میں کھلا رہتا وہ اس قدر چمکدار تھا گویا چاندی کی صراحی جس میں سونے کی آمیزش ہو۔'' حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی گردن سفید

خوبصورت تھی گویا چاندی سے ڈھلی ہو۔ (دلائل النبوۃ)

رسول اکرم ﷺ کا پیارا سر مبارک

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا سر مبارک بڑا تھا۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا سر مبارک بڑا مگر اعتدال و تناسب کے ساتھ تھا۔ (بخاری شریف)

رسول اکرم ﷺ کے پیارے کندھے مبارک

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے کندھے بڑے بڑے اور ان کی درمیانی جگہ پر بھی گوشت تھا۔ حضرت علیؓ ہی کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے کندھوں اور جوڑوں کی ہڈیاں بھاری بھر کم مضبوط تھیں۔ (مستدرک حاکم)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے اعضاء مبارک (اعتدال و توازن کے ساتھ) مضبوط، بھاری اور بڑے بڑے تھے۔

رسول اکرم ﷺ کی پیاری متوازن ناف مبارک

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے سینہ مبارک سے لے کر ناف تک ایک باریک لمبی دھاری تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بدن مبارک پر بال نہیں تھے صرف سینہ اور ناف تک بالوں کی لکیر تھی۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے: ''رسولِ اکرم ﷺ کے بدن کا وہ حصہ جو کھلا رہتا وہ بہت روشن اور چمکدار تھا ناف اور سینہ کے درمیان لکیر کی طرح بالوں کی ایک باریک دھاری تھی اس کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ مبارک بالوں سے خالی تھا، البتہ دونوں بازوؤں، کندھوں اور سینہ مبارک کے بالائی حصہ پر کچھ بال تھے۔''

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پیٹ اور سینہ مبارک پر باریک دھاری کے علاوہ کہیں بال نہ تھے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کا سینہ مبارک کشادہ، حلق کے نیچے کا حصہ ناف تک بالوں کی باریک دھاری سے ملا ہوا، سینے اور پیٹ پر اس کے علاوہ کہیں بال نہ تھے۔

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں: ''حضور ﷺ کے مونڈھے بھاری اور پر گوشت تھے، دونوں کلائیوں اور سینے پر کچھ بال تھے، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں اعتدال کے ساتھ موٹی اور گوشت سے بھری ہوئی، سینے سے ناف تک بالوں کی ایک ہلکی سی لمبی لکیر تھی۔''

عدوی قبیلے کا ایک آدمی اپنے دادا سے بیان کرتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے حلق مبارک سے سینے تک دھاگے کی طرح بالوں کی لمبی لکیر تھی۔ (شمائل ترمذی)

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری اور پرنور داڑھی مبارک

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا سر اعتدال کے ساتھ بڑا اور داڑھی مبارک گھنی تھی۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی داڑھی کے بال بھرپور تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک سیاہ گھنی اور دہن مبارک خوبصورت اور حسین تھا۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک بہت گنجان تھی۔ (مسندِ احمد)

حضرت ام معبدؓ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک گنجان اور گھنی تھی۔ حضرت یزید فارسی جو قرآن مجید کی کتابت کیا کرتے تھے فرماتے ہیں:۔ میں نے حضرت ابن عباسؓ کے زمانہ حیات میں رسولِ اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا، میں نے اپنا خواب ابن عباسؓ سے ذکر کیا تو انہوں نے پہلے رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی سنایا کہ ''جو مجھے خواب میں دیکھتا ہے وہ حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھتا ہے اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔'' یہ فرمان سنانے کے بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ خواب میں دیکھی ہوئی صورت کا حلیہ بیان کر سکتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ''جی ہاں! رسولِ اکرم ﷺ کا ڈیل ڈول، قد و قامت دونوں معتدل اور درمیانی تھی جسم مبارک نہ زیادہ

فربہ اور نہ دبلا پتلا، ایسے ہی قد مبارک نہ زیادہ لمبا اور نہ کوتاہ بلکہ معتدل رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ کھلتا گندمی سفیدی مائل، آنکھیں سرگیں، خندہ دہن، خوبصورت ماہ تابی چہرہ، داڑھی مبارک نہایت گنجان جو پورے چہرہ انور کا احاطہ کیے سینہ مبارک کے ابتدائی حصہ پر پھیلی ہوئی تھی۔

حضرت ابن عباسؓ گویا ہوئے کہ اگر تم رسولِ اکرم ﷺ کو حالت بیداری میں دیکھتے تو اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک نہ بیان کر سکتے۔ داڑھی مبارک کے گنجان ہونے کے متعلق حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور حضرت براء بن عازبؓ سے بھی روایات مروی ہیں۔ داڑھی مبارک کے خوبصورت ہونے کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے احادیث مروی ہیں۔

وضاحت...... ترمذی میں مروی وہ حدیث جس میں ذکر ہے۔ کہ حضور ﷺ اپنی داڑھی مبارک کو طول وعرض (قینچی کے ساتھ) ہموار کرتے تھے۔ امام ترمذیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب یعنی ضعیف ہے اس بنا پر اس روایت کو مذکورہ بالا تصریحات کے مقابلہ میں بطور دلیل نہیں پیش کیا جا سکتا لہٰذا ایک مسلمان جو کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کا مدعی ہے اسے چاہیئے کہ اپنی داڑھی کو بڑھائے، اس کی کانٹ چھانٹ میں نہ لگا رہے بلکہ اس کے بالوں کو سلیقے اور شائستگی سے رکھنے کا اہتمام کرے آپ ﷺ کی سنت کی پیروی کا یہی تقاضا ہے۔ (شمائل ترمذی)

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے اور خوبرو کان مبارک

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے کان مبارک خوبصورت اور ہر لحاظ سے متناسب تھے۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ مجھے رسولِ اکرم ﷺ نے یمن بھیجا، میں ایک دن لوگوں کو وعظ ونصیحت کر رہا تھا کہ ایک یہودی عالم ہاتھ میں کتاب لے آیا، مجھے دیکھ کر کہنے لگا۔ کہ ابو القاسم ﷺ کا حلیہ بیان کرو۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے اسے بتایا کہ: "رسولِ اکرم ﷺ نہ تو پست قامت

ہیں اور نہ ہی زیادہ دراز قد (بلکہ آپ ﷺ کا قد درمیانہ تھا) بال مبارک نہ زیادہ پیچ دار اور نہ بالکل کھڑے کھڑے بلکہ بال گھنے سیاہ قدرے خمیدہ ہیں، سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا، رنگ گورا سرخی مائل، جوڑوں کی ہڈیاں بڑی بڑی، ہاتھ اور قدم پر گوشت، سینہ پر ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر، پلکیں دراز، ابرو پیوستہ، پیشانی کشادہ اور ہموار دونوں کندھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ جب رسولِ اکرم ﷺ چلتے تو قدرے جھک کر گویا کسی ڈھلوان سے اتر رہے ہیں۔ میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور بعد میں کوئی آپ ﷺ سا نہیں دیکھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں خاموش ہو گیا، یہودی عالم کہنے لگا کیا ہوا؟ میں نے اسے جواب دیا مجھے تو رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک اسی قدر یاد ہے۔ یہودی عالم کہنے لگا کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ کی آنکھوں میں سرخی، خوبصورت داڑھی، خوب رو کان متناسب، آگے پیچھے دیکھتے تو پورے وجود کے ساتھ۔'' حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ: ''اللہ کی قسم! آپ ﷺ کا یہی حلیہ مبارک ہے۔'' (دلائل النبوۃ)

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری مونچھیں مبارک

حضرت ابن جریجؒ نے ایک دفعہ حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ آپؓ اپنی مونچھوں کو پست رکھتے ہیں اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: ''میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔'' یعنی رسولِ اکرم ﷺ بھی لبوں کے بال پست رکھتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زیاد اپنے بزرگوں (صحابہ کرامؓ) سے بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ اپنی مونچھیں اطراف سے کاٹ دیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ اپنی لبوں کے زائد بالوں کو کاٹ دیتے اور فرماتے: ''حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے لبوں کے بال کتر دیتے تھے۔'' حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ایک دفعہ اپنی مونچھوں کے نیچے مسواک رکھ کر انہیں پست کیا تھا۔ (مسندِ احمد)

رسولِ اکرم ﷺ کا پیارہ فراخ سینہ مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا سینہ مبارک چوڑا پیٹ اور سینہ ہموار تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ''آپ ﷺ کا سینہ مبارک کشادہ، مضبوط اور شفاف تھا، صاف اور ہموار شیشہ کی طرح سفید اور جلد چودھویں رات کے چاند کی مانند۔''

حضرت ابو ہریرہؓ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی ہتھیلیاں اور پاؤں پر گوشت، پنڈلیاں موٹی اور گداز، کلائیاں بڑی اور دراز، کندھے گھٹے ہوئے اور مضبوط، دونوں مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ ذرا زیادہ، سینہ کشادہ، سر کے بال قدرے خمدار پلکیں لمبی، خوبرو خوبصورت اور گھنی داڑھی، کان لمبے اور دلکش، درمیانہ قد زیادہ طویل نہ بالکل پست، رنگت میں گل لالہ، آگے چلتے یا پیچھے مڑتے تو مکمل طور پر، میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے زیادہ حسین وجمیل کسی کو نہ دیکھا نہ سنا۔ (دلائل النبوۃ)

رسولِ اکرم ﷺ کا پیارا بطن مبارک

حضرت ام معبدؓ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا پیٹ نہ تو ہموار اور سڈول تھا کہ اندر کو دھنسا ہو بلکہ حسن وجمال کے قالب میں ڈھلا ہوا، نہ ہی بھاری بھر کم ہونے کی بنا پر توندلے پن کا شکار تھا۔

حضرت ام ہانیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا پیٹ مبارک لپٹے ہوئے کاغذ کی طرح نازک اور لطیف تھا۔ (نزاکت ولطافت میں تہ بہ تہ کاغذوں کی طرح تھا)

دوسری روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے مبارک پیٹ کے شکن نرمی اور چمک میں سونے کے تاروں جیسے تھا۔

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا پیٹ اور سینہ ہموار تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا بدن مبارک گویا کہ چاندی سے ڈھلا ہوا تھا، رسولِ اکرم ﷺ کے موئے مبارک خمدار، اعتدال اور مناسبت کے ساتھ بڑا پیٹ،

کندھوں کے جوڑ اور ہڈیاں مضبوط اور بڑی بڑی، رسولِ اکرم ﷺ چلتے وقت جماؤ کے ساتھ زمین پر قدم رکھتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ہند بن ابی ہالہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ "سواء البطن والصدر" تھے یعنی بطن مبارک سینہ کے ہموار تھا۔ توند نکلی ہوئی نہ تھی۔ (شمائل ترمذی)

حضرت علی ؓ اور ہند بن ابی ہالہ ؓ دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے لبہ (حلق) سے لے کر ناف تک سینہ اور بطن کے درمیان بالوں کی ایک باریک لکیر تھی۔ جس طرح چھڑی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بطن مبارک بالوں سے بالکل صاف تھا۔ (شمائل ترمذی)

شاعر نے کہا کہ ۔

تھے چوڑے دونوں شانے فصل کچھ ان میں زیادہ تھا
ذرا ابھرا ہوا تھا سینہ پاک اور کشادہ تھا
شکم اور سینہ ہموار ایک نمائش تھی جمالونکی
تھی سینے سے لکیر ایک ناف تک باریک بالوں کی
تھے کچھ بال اوپری حصہ میں بازو اور سینے کے
بقیہ کل بدن بے بال تھا مثل آ بگینے کے

رسولِ اکرم ﷺ کے کندھوں کا درمیانی حصہ مبارک

حضرت براء بن عازب ؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا پیکر درمیانی تھا، دونوں کندھوں کے درمیان ذرا دوری تھی۔ (یعنی کمر کا بالائی حصہ چوڑا تھا)

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے کندھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ ہی کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بازو پر گوشت، دونوں کندھے مضبوط ان کے درمیان کا حصہ ذرا زیادہ چوڑا تھا۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ تھا۔ حضرت علی ؓ کا

بیان ہے کہ حضور ﷺ کے دونوں کندھے اعتدال کے ساتھ بڑے تھے حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے دونوں مونڈھے پر گوشت تھے۔ (طبقات ابن سعد)

رسول اکرم ﷺ کا پیارا اور پُر جمال قد مبارک

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ خوبرو اور خوش اندام نہ دراز قد نہ پست قامت بلکہ درمیانی قد کے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نہ زیادہ لمبے اور نہ بالکل چھوٹے بلکہ رسولِ اکرم ﷺ میانہ قامت تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ حسین، خوبصورت، سڈول ساخت، نہ زیادہ لمبے اور نہ بالکل چھوٹے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا سینہ مبارک آبدار موتیوں کی طرح، قامت مائل بہ درازی نہ زیادہ طویل اور نہ بالکل پست۔ حضرت علیؓ ہی کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا قد مبارک بہت لمبا نہیں تھا البتہ جب کسی مجمع میں ہوتے تو دوسروں سے قد نکلتا ہوا معلوم ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا قد مبارک درمیانہ مائل بہ درازی تھا۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بال قدرے خمیدہ اور قد مبارک متوسط تھا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نہ لمبے تھے نہ ٹھگنے بلکہ درمیانہ قد و قامت کے تھے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا قد مبارک لمبے تڑنگے آدمی سے چھوٹا اور قامت والے سے ذرا نکلا ہوا تھا۔

حضرت عائشہ حضور ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک تروتازہ، قد مبارک نہ زیادہ لمبا اور نہ بالکل پست۔ جب لوگوں سے الگ اکیلے چل رہے ہوتے تو درمیانہ قامت معلوم ہوتے۔

حضرت ابوامامہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی انگلیاں مبارک موٹی تھیں، نہ چھوٹی تھیں اور نہ سخت تھیں، سینے سے ناف تک بالوں ایک لمبی لکیر اور آپ ﷺ درمیانہ قد

رکھتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

رسول اکرم کا پیارا اور خوبصورت جسم اطہر مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے اعضاء کی ساخت معتدل، بدن مبارک نہ موٹا اور نہ ڈھیلا بلکہ گھٹا ہوا مضبوط توانا تھا۔

عدوی قبیلے کا ایک آدمی اپنے دادا سے بیان کرتا ہے (جس نے آپ ﷺ کو دیکھا تھا) کہ حضور ﷺ کا مرمریں (گلابی) بدن، کندھوں تک بڑھے ہوئے خوبصورت بال، ستواں ناک، باریک ابرو اور سینہ سے ناف تک بالوں کے لمبے دھاگے کی طرح باریک دھاری تھی۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا جسم مبارک انتہائی خوبصورت تھا۔

زاد المعاص ۵۴ میں ہے کہ ہجرت کے وقت حضور ﷺ ام معبد خزاعیہ کے خیمہ کے پاس سے گذر رہے تھے تو اس نے حضور ﷺ کے چلے جانے کے بعد اپنے شوہر کے سامنے جو آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کا نقشہ کھینچا اس میں آپ ﷺ کے قد مبارک کے بارے میں فرماتی ہیں کہ: "درمیانہ قد نہ ٹاٹا کہ نہ جچے، نہ لمبا کہ ناگوار لگے گویا دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ جو تینوں میں سب سے زیادہ خوش منظر اور پر رونق ہو۔" ہند بن ابی ہالہ جو حضرت خدیجہ الکبریٰ کے پہلے شوہر کے صاحبزادے ہیں اور وہ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ بیان کرنے میں تمام صحابہؓ میں ماہر تھے، فرماتے ہیں کہ: "حضور ﷺ کا قد میانہ پن کے ساتھ کسی قدر لمبائی کی طرف مائل تھا۔" (شمائل ترمذی ص ۲)

فائدہ...... آپ ﷺ جب کسی مجمع میں ہوتے تو سب سے زیادہ بلند نظر آتے یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا یعنی جیسے معنوی کمالات میں آپ ﷺ سے کوئی بلند مرتبہ نہیں اسی طرح صورت ظاہری میں بھی بلند محسوس نہ ہو۔ (خصائل نبوی)

نہ پستہ قد نہ لانبے ہی کوئی مفہوم ہوتے تھے
میانہ قد سے کچھ نکلے ہوئے معلوم ہوتے تھے

مگر مجمع میں ہوتے تھے جب بھی حضرت والا
نمایاں اور اونچا ہوتا تھا سر وقد بالا

آپ ﷺ کا پیارا اور معطر و معنبر پسینہ مبارک

حضرت انسؓ کا بیان ہے میں نے دبیز یا باریک ریشم یا کوئی اور چیز نہیں چھوئی جو رسولِ اکرم ﷺ کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم اور گداز ہو اور نہ ہی کوئی خوشبو سونگھی جو آپ ﷺ کی بدن کی خوشبو سے بڑھ کر ہو۔

حضرت انسؓ ہی کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ سفید چمکدار، پسینہ گویا موتی، چلتے تو قدرے جھکاؤ کے ساتھ آگے بڑھتے، میں نے کوئی حریر و دیباج ایسا نہیں چھوا جو رسولِ اکرم ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ ہی کوئی مشک وعنبر سونگھا جو رسولِ اکرم ﷺ کی خوشبو سے بڑھ کر ہو۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا مبارک پسینہ آبدار موتیوں جیسا مہکتی ہوئی مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ (بخاری شریف)

حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے: "میں نے مدینہ منورہ میں رسولِ اکرم ﷺ کے ہمراہ نماز ظہر ادا کی، پھر رسولِ اکرم ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے میں بھی رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ ہولیا راستہ میں بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا، آپ ﷺ کمال شفقت اور پیار سے ایک ایک کے رخسار پر ہاتھ پھیرتے چونکہ میں ابھی بچہ تھا آپ ﷺ نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا میں نے آپ ﷺ کے دست مبارک میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی کہ گویا آپ ﷺ نے ابھی ابھی اپنا ہاتھ خوشبو ساز کے عطر دان سے نکالا ہے۔ (مسلم شریف)

حضرت ثمامہؓ کہتے ہیں کہ حضرت ام سلیمؓ رسولِ اکرم ﷺ کے لئے گدا بچھا دیتیں اور رسولِ اکرم ﷺ دوپہر کے وقت اس پر آرام فرماتے، جب رسولِ اکرم ﷺ بیدار ہو کر تشریف لے جاتے تو ام سلیمؓ رسولِ اکرم ﷺ کے پسینہ کو ایک شیشی میں محفوظ کر لیتیں پھر جمع شدہ پسینہ اور پہلے سے موجود آپ کے موئے مبارک اپنے عطر دان کی مرکب خوشبو میں ملا دیتیں،

(اس طرح بہترین خوشبو تیار ہو جاتی۔)

راوی کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے مرتے وقت وصیت کی کہ میری حنوط میں اس خوشبو کو ضرور استعمال کیا جائے۔ چنانچہ آپؓ کے کفن وغیرہ کو لگانے کے لئے وہی خوشبو استعمال کی گئی جس میں رسولِ اکرم ﷺ کے پسینہ کی آمیزش تھی۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ ایک دفعہ ہمارے گھر تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا اس دوران رسولِ اکرم ﷺ کو پسینہ آیا میری والدہ ام سلیم ایک شیشی لائیں اور رسولِ اکرم ﷺ کا پسینہ (پونچھ کر) اس میں جمع کرنے لگیں، اتنے میں رسولِ اکرم ﷺ بیدار ہوئے تو پوچھا کہ: "ام سلیم! تم کیا کر رہی ہو؟......" انہوں نے کہا کہ: "ہم اس پسینہ کو اپنے خوشبو دان میں ملائیں گے۔ اس سے بہترین خوشبو تیار ہو جاتی ہے۔" (مسندِ احمد)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا پسینہ ہمارے لئے، بچوں کے لئے خیر و برکت کا باعث ہوگا تو رسولِ اکرم ﷺ نے ہمارے اس عمل کی تصویب فرمائی۔ حضرت انسؓ ہی کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ جب نیند فرماتے تو رسولِ اکرم ﷺ کو بہت پسینہ آتا میری والدہ (ام سلیمؓ) روئی کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کے پسینہ مبارک کو صاف کر کے ایک شیشی میں جمع کرتیں اور اسے عطر دان کی خوشبو میں ملا دیتیں اس سے بہترین خوشبو تیار ہو جاتی تھی۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تین چیزوں سے بڑی محبت ہے ایک صنفِ نازک سے بڑی ہمدردی ہے نیز مجھے خوشبو بہت پسند ہے، نماز میں تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ہے۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے چہرہ انور کا پسینہ آبدار موتیوں کی طرح اور اس کی مہک بہترین کستوری کی خوشبو سے بڑھ کر تھی۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کا ایک عطر دان تھا (جس میں بہترین خوشبو جمع رہتی اور آپ ﷺ کے استعمال میں آتی۔)

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کسی راستہ سے تشریف لے جاتے اور رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی دوسرا گزرتا تو رسولِ اکرم ﷺ کے عطر بیز جسم اور پسینہ کی خوشبو سے

معلوم کر لیتا کہ گزر گیا ہے ادھر سے وہ کاروانِ بہار۔ (طبقات ابن سعد)

اور سیرتِ رسولِ عربی ﷺ کے مصنف اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ جنابِ آپ ﷺ کی جلد مبارک نرم تھی۔ ایک وصف ذاتی آپ ﷺ میں یہ تھا کہ خوشبو لگائے بغیر آپ ﷺ کے جسم سے ایسی خوشبو آتی تھی کہ کوئی خوشبو اس کو نہ پہنچ سکتی تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب رسولِ اکرم ﷺ پیدا ہوئے، تو میں نے غور سے آپ ﷺ کی طرف نگاہ کی، کیا دیکھتی ہوں کہ رسولِ اکرم ﷺ چودھویں رات کے چاند کی مانند ہیں۔ اور آپ ﷺ کے جسم سے تیز بو کستور کی طرح آ رہی ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کستوری یا عبیر کو بوئے رسولِ اکرم ﷺ سے خوشتر نہ پایا۔ (بخاری شریف)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا، اور عرض کیا کہ اے رسولِ اکرم ﷺ! میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا ہے۔ میں اسے اس کے خاوند کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کوئی خوشبو نہیں آپ (ﷺ) کچھ عنایت فرمائیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس موجود نہیں، مگر کل صبح ایک چوڑے منہ والی شیشی اور کسی درخت کی لکڑی میری پاس لے آنا۔“ دوسرے روز وہ شخص شیشی اور لکڑی لے کر حاضر خدمت ہوا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس میں اپنا پسینہ ڈالنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ بھر گئی۔ پھر رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اسے لے جا، اپنی بیٹی سے کہہ دینا کہ اس لکڑی کو شیشی میں تر کر کے مل لیا کرے۔ پس جب وہ آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو لگاتی، تو تمام اہل مدینہ کو اس کی خوشبو پہنچتی۔ یہاں تک کہ ان کے گھر کا نام بیت المطیبین (خوشبو والوں کا گھر) ہو گیا۔

رسولِ اکرم ﷺ کے خادم حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔ حالت خواب میں رسولِ اکرم ﷺ کو پسینہ آ گیا۔ میری ماں (ام سلیمؓ) نے ایک شیشی لی اور رسولِ اکرم ﷺ کا پسینہ مبارک اس میں ڈالنے لگی، آپ ﷺ جاگ اٹھے اور فرمانے لگے: ام سلیمؓ! تو یہ کیا کرتی ہے؟ اس نے عرض کیا: یہ آپ کا پسینہ

ہے۔ ہم اس کو اپنی خوشبو میں ڈالتے ہیں اور وہ سب خوشبوؤں میں خوشبودار بن جاتی ہے۔“

دوسری روایت مسلم میں ہے کہ ام سلیم نے یوں عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم اپنے بچوں کے لئے آپ کے عرق مبارک کی برکت کے امیدوار ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تو نے سچ کہا۔“ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے عرق مبارک کو بچوں کے چہرے اور بدن پر مل دیا کرتے تھے اور وہ تمام بلاؤں سے محفوظ رہا کرتے تھے۔

امام ابن سبع نے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے کہ حضور ﷺ کے کپڑوں پر مکھی نہ بیٹھتی اور حضور ﷺ کو جوں ایذاء نہ دیتی یعنی آپ ﷺ کے کپڑوں میں جوں نہ ہوتی کہ آپ ﷺ کو ایذا دے۔ کیوں کہ جوں عفونت اور پسینے سے پیدا ہوا کرتی ہے اور آپ ﷺ تو اطیب الناس تھے۔ اور حضور ﷺ کا پسینہ خوشبودار ہوتا تھا۔ اسی طرح بوجہ لطافت آپ ﷺ کے بدن مبارک پر کپڑا میلا نہ ہوتا تھا۔

علامہ دمیری نے اپنے ”منظومہ فی الفقہ“ میں لکھا ہے کہ جن چوپایوں پر آپ ﷺ سوار ہوئے آپ ﷺ کی سواری کی حالت میں انہوں نے کبھی پیشاب نہ کیا اور جس چوپائے پر آپ ﷺ سوار ہوئے وہ آپ ﷺ کی حیات میں کبھی بیمار نہیں ہوا۔ (بحوالہ سیرت رسول عربیؐ)

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے گھنے سیاہ بال مبارک

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ ابتدا میں جن امور کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا، اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۔ اہل کتاب بغیر مانگ نکالے بالوں کو چھوڑ دیتے جبکہ مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے اس بنا پر حضور ﷺ پہلے تو سر کے بالوں کو (پیشانی پر) ویسے ہی چھوڑ دیتے پھر (اہل کتاب کی مخالفت کرتے ہوئے) مانگ نکالنے لگے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ اپنے بالوں میں کنگھی کر کے پیشانی پر چھوڑ دیتے تھے لیکن بعد میں مانگ نکالا کرتے تھے۔ حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے بال مبارک کندھوں تک لمبے تھے۔ حضرت براء بن عازبؓ کا بیان

ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بال بڑے بڑے تھے جو کان کی لو تک پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بال مبارک کان کی لو سے زیادہ اور کندھوں سے کم تھے۔ یعنی نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ بالکل چھوٹے تھے بلکہ متوسط درجے کے تھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے سر مبارک کے تمام بال منڈوائے تھے، اس کے بعد آپ ﷺ صرف اکیاسی دن زندہ رہے۔ (مسلم شریف)

حضرت ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ جب فتح کے موقع پر مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ ﷺ چار گیسو تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بال نصف کانوں تک تھے۔ حضرت انسؓ ہی کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے بال کانوں اور شانوں کے مابین تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بال نہ تو انتہائی پیچ دار تھے اور نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے۔ (بلکہ قدرے خمیدہ تھے۔)

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے بال ہلکا خم لئے ہوئے تھے نہ بالکل سیدھے کھڑے ہوئے اور نہ زیادہ گونگھریالے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے اور اگر کسی وجہ سے بسہولت نہ نکلتی تو اس وقت نہ نکالتے، جب بال زیادہ ہوتے تو کان کی لو سے متجاوز ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے بال انتہائی سیاہ تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ (سیمیں بدن تھے) جسم مبارک گویا چاندی سے ڈھالا گیا ہے اور آپ ﷺ کے بال مبارک قدرے خمدار تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے بال مبارک خوبصورت اور قدرے خمدار تھے، نہ بالکل سیدھے اور نہ ہی زیادہ پیچ دار، جب ان میں کنگھی کرتے تو ہلکی لہریں بن جاتیں جیسا کہ ریت کے ٹیلے یا پانی کے تالاب میں ہوا چلنے سے ابھر آتی ہیں جب کچھ وقت کنگھی نہ کرتے تو آپس میں مل کر انگوٹھی کی طرح حلقوں کی شکل اختیار کر لیتے، پہلے پہل اپنے

بالوں میں کنگھی کر کے انہیں پیشانی پر چھوڑ دیتے تھے۔(جیسا کہ گھوڑے کے بال پیشانی پر کھلے چھوڑے جاتے ہیں۔)

پھر جبرائیلؑ سر کے بالوں میں مانگ نکال کر تشریف لائے تو رسولِ اکرم ﷺ نے بھی وہی مانگ نکالنا شروع کر دی، حضور ﷺ کے بال کانوں کی لو تک ہوتے بعض اوقات کندھوں تک پہنچ جاتے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضور ﷺ بالوں کی مینڈھیاں بنا لیتے پھر دایاں کان دونوں گیسوؤں کے درمیان، اسی طرح بایاں کان بھی دونوں گیسوؤں کے درمیان بڑا حسین اور خوشنا منظر پیش کرتا ایسا معلوم ہوتا کہ گھنے سیاہ بالوں کے درمیان خوبصورت کان چمکدار ستاروں کی طرح جگمگاتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ)

سیہ گنجان گیسو جس پہ صدقے ہوں دل و دیدہ
ذرا مائل بہ خم بالکل نہ سیدھے ہی نہ پیچیدہ
درازی میں پہنچ جاتے تھے نیچے کان کی لو سے
درخشاں مانگ روشن کہکشاں ہے جسکے پرتو سے

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے سفید بال مبارک

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کے وقت رسولِ اکرم ﷺ کے سر اور داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔

محمد بن سیرین کہتے ہیں: میں نے حضرت انسؓ سے حضور ﷺ کے خضاب لگانے کے متعلق سوال کیا، تو آپؓ نے جواب دیا کہ: آپ ﷺ کے گنتی کے چند بال سفید آئے تھے۔ حضرت ثابتؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت انسؓ سے رسولِ اکرم ﷺ کے بڑھاپے کے متعلق سوال ہوا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بڑھاپے کے عیب سے محفوظ رکھا جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے سر مبارک میں صرف سترہ یا اٹھارہ سفید بال تھے۔" (مسلم شریف)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے بالوں کو خضاب نہیں لگایا صرف کنپٹی کے بالوں میں کچھ سفیدی تھی نیز حضور ﷺ کے عنفقہ (داڑھی بچہ) اور سر مبارک میں چند بال سفید تھے۔ حضرت حریز بن عثمان نے حضرت عبداللہ بن بسر سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کو بڑھاپا آیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ: "حضور ﷺ کے عنفقہ (داڑھی بچہ) میں چند بال سفید تھے۔" حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب قریشی کا بیان ہے کہ ہم حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئے انہوں نے حضور ﷺ کے چند موئے مبارک دکھائے جو مہندی اور وسمہ کے استعمال کی وجہ سے سرخ رنگ کے تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی مبارک میں چودہ سے زیادہ سفید بال نہیں شمار کیے۔ سماک بن حرب کہتے ہیں کہ حضرت جابر سمرہؓ سے سوال ہوا کہ حضور ﷺ کے سر مبارک میں سفید بال تھے؟ انہوں نے جواب دیا: "نہیں! البتہ حضور ﷺ کی مانگ میں چند بال سفید تھے وہ بھی جب حضور ﷺ تیل استعمال فرماتے تو محسوس نہیں ہوتے تھے یعنی تیل کی چمک میں بالوں کی سفیدی مستور ہو جاتی۔" حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے (سر اور داڑھی میں) تقریباً بیس بال سفید تھے۔

حمید الغویل کا بیان ہے کہ حضرت انسؓ سے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے خضاب لگانے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: "رسولِ اکرم ﷺ کی داڑھی کے اگلے حصہ میں زیادہ سے زیادہ بیس بال سفید تھے (ایسے حالات میں خضاب کی کیا ضرورت تھی؟)۔"

حضرت ابو رمثہ رفاعہؓ فرماتے ہیں کہ میں ح اپنے لڑکے کو ساتھ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ تیرا بیٹا ہے؟....." میں نے عرض کیا جی ہاں! یہ میرا بیٹا ہے آپ اس کے گواہ رہیں (اس پر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "اس کی جنایت (جرم) کا بدلہ تجھ پر نہیں۔" ابو رمثہ کہتے کہ اس وقت میں نے آپ ﷺ کے کچھ بال سرخ

دیکھے۔ایک روایت میں ہے کہ جب میں آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اپنی داڑھی مبارک کو مہندی لگا رکھی تھی۔ (مسند امام احمد)

رسول اکرم ﷺ کی پیاری اور خوبصورت ہتھیلیاں مبارک

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی ہتھیلیاں گداز اور ہاتھ اعتدال کے ساتھ بڑے تھے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں۔حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی ہتھیلیاں کشادہ تھیں۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ریشم کا کوئی دبیز یا باریک کپڑا ایسا نہیں چھوا جو حضور ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم اور گداز ہو۔حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے: میں نے مدینہ منورہ میں رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی پھر حضور ﷺ اپنے اہل خانہ کے ہاں تشریف لے گئے، میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ ہولیا، بچوں نے حضور ﷺ کا استقبال کیا، حضور ﷺ کمال شفقت اور پیار سے ایک ایک کے رخسار تھپتھپاتے، چونکہ میں بھی بچہ تھا حضور ﷺ نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا تو میں نے حضور ﷺ کے ہاتھ میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی کہ گویا آپ ﷺ نے ابھی ابھی عطار کے عطر دان سے ہاتھ نکالا ہے۔حضرت انسؓ یا حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک اور ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں۔حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ وادیٔ بطحا میں تھے کہ لوگ تبرک کے طور پر حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک پکڑتے اور انہیں اپنے چہروں سے لگاتے۔ میں نے بھی حضور ﷺ کا ہاتھ اپنے چہرہ پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی انگلیاں موزوں حد تک دراز تھیں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک پُر گوشت اسی تناسب سے رسولِ اکرم ﷺ کی انگلیاں آپ ﷺ کے بعد میں نے آپ ﷺ سا کوئی خوبصورت نہیں دیکھا۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی ہتھیلیاں کشادہ اور انگلیاں مخروطی اعتدال کے ساتھ لمبی تھیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت ہند بن ابی ہالہؓ دونوں کا بیان ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے جوڑوں کی ہڈیاں موٹی موٹی تھیں۔ تو اس میں انگلیوں کے جوڑ بھی داخل ہیں (شمائل ترمذی)

کف دست اور پہنچے پائے اطہر کے کشادہ تھے
گداز و نرم دیبا اور ریشم سے زیادہ تھے
کلاں تھیں ہڈیاں مربوط اور پُر گوشت تھے اعضاء
تھے لانبے ہاتھ لمبی انگلیاں متناسب وزیبا

رسول اکرم ﷺ کا پیارا اور مبارک دست مبارک

چنانچہ سیرت نگاروں نے مزید تفصیل سے لکھا ہے کہ کف دست بازو مبارک پر گوشت تھے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی ریشم یا دیبا کو آپ کے کف مبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ اور نہ کسی خوشبو کو آپ کی خوشبو سے بڑھ کر پایا۔

جس شخص سے آپ مصافحہ کرتے وہ دن بھر اپنے ہاتھ میں خوشبو پاتا، اور جس بچہ کے سر پر آپ اپنا دست مبارک رکھ دیتے وہ خوشبو میں دوسرے بچوں سے ممتاز ہوتا، چنانچہ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں، کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی، پھر آپ اپنے اہل خانہ کی طرف نکلے میں بھی آپ کے ساتھ نکلا، بچے آپ کے سامنے آئے تو آپ ان میں سے ہر ایک کے رخسار کو اپنے ہاتھ مبارک سے مسح فرمانے لگے، میرے رخسار کو بھی آپ نے مسح فرمایا۔ پس میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک یا خوشبو ایسی پائی۔ کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ عطار کے صندوقچہ سے نکالا تھا۔

حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں، کہ جب میں رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کرتا تھا یا میرا بدن آپ کے بدن سے مس کرتا تو میں اس کا اثر بعد ازاں اپنے ہاتھ میں پاتا، اور میرا ہاتھ کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا۔ حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ رسول

اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک میری طرف بڑھایا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ برف سے ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔

حضور ﷺ کا ہاتھ وہ مبارک ہاتھ تھا، کہ ایک مشت خاک کفار پر پھینک دی اوران کو شکست ہوئی، یہ وہی دست کرم تھا کہ کبھی کوئی سائل آپ کے دروازے سے محروم نہیں پھرا، یہ وہی دست شفا تھا، کہ جس کے محض چھونے سے وہ بیماریاں جاتی رہیں کہ جن کے علاج سے اطباء عاجز ہیں، اسی مبارک ہاتھ میں سنگ ریزوں نے کلمہ شہادت پڑھا، اسی مبارک ہاتھ کے اشارے سے فتح مکہ کے روز تین سوساٹھ بت یکے بعد دیگرے منہ کے بل گر پڑے، اسی مبارک ہاتھ کی انگلی کے اشارے سے متعدد دفعہ چشمہ کی طرح پانی جاری ہوا۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں اس کی تفصیل آپ پڑھ کر آئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے دست مبارک کی مزید برکات کی تشریح کے لیے ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔ امید ہے کہ ان واقعات کے مطالعے سے آپ کی معلومات میں اضافہ ہوگا، سیرت رسولِ عربی ﷺ سے استفادہ کر کے یہ ایمان افروز واقعات آپ کی خدمت میں پیش ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ حضرت ابیض بن جمالؓ کے چہرے پر داد تھا، جس سے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا ایک روز آنحضرت ﷺ نے ان کو بلایا، اوران کے چہرے پر اپنا دست شفا پھیرا شام نہ ہونے پائی، کہ داد کا کوئی نشان نہ رہا۔

۲۔ حضرت شرجیل جعفی کی ہتھیلی میں ایک گلٹی سی تھی جس کے سبب سے وہ تلوار کا قبضہ اور گھوڑے کی باگ نہیں پکڑ سکتے تھے، انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے شکایت کی، آپ نے اپنی ہتھیلی سے اس گلٹی کو رگڑا، پس اس کا نشان تک نہ رہا۔

۳۔ ایک عورت اپنے لڑکے کو خدمت اقدس میں لائی اورعرض کیا، کہ ان کو جنون ہے حضور ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا، لڑکے کو قے ہوئی، اوراس میں سے ایک کالے کتے کا پلا نکلا اورفوراً آرام ہوگیا۔

۴۔ جنگ احد میں حضرت قتادہؓ کی آنکھ کو صدمہ پہنچا اور ڈیلا رخسار پر آپڑا تجویز ہوئی، کہ کاٹ دیا جاتے، حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا، تو آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو اور انہیں بلا کر اپنے دست مبارک سے ڈیلے کو اس کی جگہ پر رکھ دیا، آنکھ فوراً ایسی درست ہوگئی، کہ کوئی یہ نہ بتا سکتا تھا کہ دونوں میں سے کس آنکھ کو صدمہ پہنچا تھا۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عتیک جب ابورافع یہودی کو قتل کر کے اس کے گھر سے نکلے تو زینے سے گر کر ان کی ساق ٹوٹ گئی، انہوں نے اپنے عمامہ سے باندھ لی، جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا، کہ پاؤں پھیلاؤ حضرت عبداللہ نے پاؤں پھیلایا، حضور ﷺ نے اس پر اپنا دست شفا پھیرا، اسی وقت ایسی تندرست ہوگئی، کہ گویا کبھی وہ ٹوٹی ہی نہ تھی۔

۶۔ حضرت عائذ بن سعید جسری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ میرے چہرے پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیجئے اور دعائے برکت فرمائیے، حضور انور ﷺ نے ایسا ہی کیا، اس وقت سے حضرت عائذ کا چہرہ تروتازہ اور نورانی روشنی کرتا تھا۔

۷۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن وعبداللہ پسران عبد کے لیے دعائے برکت فرمائی، اور دونوں کے سروں پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا، وہ دونوں جب سر منڈایا کرتے جس جگہ رسول ﷺ نے مبارک ہاتھ رکھا تھا اس پر باقی حصے سے پہلے بال اگ آتے۔

۸۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب قرشی عدوی پیدا ہوئے تو نہایت ہی کوتاہ قد تھے حضرت ابولبابہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں لے گئے حضور نے تحنیک کے بعد ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعائے برکت فرمائی، اس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن جب کسی قسم میں ہوتے تو قد میں سب سے بلند نظر آتے۔

۹۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت قتادہ بن ملحان قیسیؓ کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا، جب وہ عمر رسیدہ ہوگئے تو ان کی تمام اعضاء پر کہنگی کے آثار نمایاں تھے۔ مگر چہرہ

بدستور تر و تازہ تھا۔

۱۰۔آنحضرت ﷺ نے قیس بن زید بن حباب جزامی کے سر پا اپنا دست مبارک پھیرا اور دعائے برکت فرمائی حضرت قیس نے سو برس کی عمر میں وفات پائی، ان کے سر کے بال سفید ہو گئے تھے، مگر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک کی جگہ کے بال سیاہ ہی رہے۔

۱۱۔جب رسول اللہ ﷺ نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی تو راستے میں ایک غلام چرواہے سے آپ نے دودھ طلب کیا، اس نے جواب دیا کہ، میرے پاس کوئی دودھ دینے والی بکری نہیں، آپ نے ایک بکری پکڑی اور اس کے تھن پر اپنا دست مبارک پھیرا۔حضرت ابوبکر صدیق نے اس کا دودھ دوہا، اور دونوں نے پیا غلام نے حضور سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ حضور نے فرمایا میں خدا کا رسول ہوں، یہ سن کر وہ ایمان لایا، اسی طرح حضور ﷺ نے معبد کی بکری کے تھن پر اپنا دست مبارک پھیرا، اور اس نے دودھ دیا، جیسا کہ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔

۱۲۔حضرت مالک بن عمیر سلمی شاعر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے عرض کیا، کہ یارسول اللہ ﷺ میں شاعر ہوں، آپ شعر کے بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرے سر سینہ سے کندھے تک پیپ سے بھر جائے، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ شعر سے بھرا ہو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میری خطا بطریق مسح دور کر دیجئے، یہ سن کر حضور ﷺ نے میرے سر اور چہرے پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا، پھر میرے جگر پر پھر پیٹ پر پھیرا، یہاں تک کہ میں نے حضور ﷺ کے دست مبارک کے مبلغ سے شرمندہ ہوتا تھا، راوی کا بیان ہے کہ حضرت مالک بن عمیرؓ بوڑھے ہوئے، یہاں تک کہ ان کا سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے مگر سر اور داڑھی میں حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک کی جگہ کے بال سفید نہ ہوئے۔

۱۳۔حضرت مدلوک فزاری کا بیان ہے کہ میرا آقا مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا، میں اسلام لایا، تو حضور نے مجھے دعائے برکت دی، اور میرے سر پر اپنا دست

مبارک پھیرا۔ میرے سر کا وہ حصہ جسے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے مس کیا تھا، سیاہ ہی رہا، باقی تمام تر سفید ہو گیا۔

۱۴۔ حضرت معاویہ بن ثور بن عبادہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے صاحبزادے بشر بن معاویہ ساتھ تھے حضرت معاویہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بشر کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیر دیجئے، چنانچہ حضور انور ﷺ نے بشر کے چہرے کو مسح کیا، حضور کے مسح کرنے کا نشان حضرت بشر کی پیشانی میں غرہ کی مانند تھا، اور وہ جس بیمار پر اپنا ہاتھ پھیر دیتے اچھا ہو جاتا، حضرت بشر کے صاحبزادے محمد بن بشر اس بات پر فخر کرتے تھے کہ میرے باپ کے سر پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک پھیرا تھا، چنانچہ یوں کہا کرتے تھے

وابی الذی مسح النبی براسه ودعاله بالخیر والبرکات

میرا باپ وہ ہے کہ پیغمبر خدا نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا، اور ان کے لیے دعائے خیر و برکت فرمائی۔

۱۵۔ حضرت یزید بن قنافہ طائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اقرع (گنجے) تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے سر پا ہاتھ پھیرا اسی وقت بال اگ آئے، اسی واسطے ان کا لقب ہلب (بسیار مو) ہو گیا ابن درید کا قول ہے کہ وہ اقرع تھے، رسول اللہ ﷺ کی برکت سے افرع (مرد تمام مو) ہو گئے۔

۱۶۔ یسار بن ازیہر جہنی ذکر کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا، اور مجھے دو چادریں پہنا دیں، اور ایک تلوار عطا فرمائی حضرت یسار کی صاحب زادی عمرہ کا بیان ہے کہ میرے باپ کے سر میں سفید بال نہ آئے یہاں تک کہ انہوں نے وفات پائی۔

۱۷۔ حضرت ابو زید بن اخطب خزرجی کے سر اور چہرے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا، سو سال سے زائد ان کی عمر ہو گئی مگر سر اور داڑھی میں کوئی سفید بال نہ تھا۔

۱۸۔حضرت ابو سنان عبدی صباحی کے چہرے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا، ان کی عمر نوے برس ہوگئی، مگر چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا۔

۱۹۔حضرت ابوغزوان حالت کفر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ابوغزوان آپ نے ان کے لیے سات بکریوں کا دودھ دوہا، اور وہ سب پی گئے، آپ نے ان کو دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہوگئے، پھر آپ نے ان کے سینے پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیا دوسرے روز صبح کے وقت ایک بکری دوہی گئی، وہ اس کا بھی تمام دودھ نہ پی سکے۔

۲۰۔حضرت سہل بن رافعؓ دو صاع کھجوریں بطور زکوٰۃ اور اپنی لڑکی عمیرہ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ آپ میرے حق میں اور میری لڑکی کے حق میں دعائے خیر فرمائیں، اور اس لڑکی کے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیں، عمیرہ کا قول ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک مجھ پر رکھا، میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھ کی ٹھنڈک بعد میں میرے کلیجے پر رہی۔

۲۱۔حضرت سائب بن یزید کا آزاد کردہ غلام عطاء بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت سائب کو دیکھا، کہ ان کی داڑھی کے بال سفید تھے، مگر سر کے بال سیاہ تھے، میں نے پوچھا آقا آپ کے سر کے بال سفید کیوں نہیں ہوتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک روز میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضور ﷺ نے لڑکوں کو سلام کیا ان میں سے میں نے سلام کا جواب دیا، آپ نے مجھے بلایا اور اپنا مبارک ہاتھ میرے سر پر رکھ کر فرمایا ''اللہ تجھ میں برکت دے'' پس حضور ﷺ کے دست مبارک کی جگہ سفید بال کبھی نہ آئیں گے۔

۲۲۔حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا، ایک روز رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے آپ نے فرمایا لڑکے کیا تیرے پاس دودھ ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں لیکن میں امین ہوں، آپ نے فرمایا کیا تیرے پاس میں کوئی ایسی بکری ہے، جس پر نر نہ کودا ہو؟ میں نے

جواب دیا کہ ہاں، پس میں نے ایک بکری پیش کی جس کا تھن نہ تھا، آپ نے تھن کی جگہ پر اپنا دست مبارک پھیرا، ناگاہ ایک دودھ بھرا تھن نمودار ہوا، آپ نے دودھ دوہا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور مجھ کو پلایا، پھر تھن سے ارشاد فرمایا کہ سکڑ جا، پس وہ ایسا ہی ہوگیا جیسا کہ پہلے تھا، یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے تعلیم دیجئے، آپ نے میرے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت دے کر فرمایا کہ تو تعلیم یافتہ لڑکا ہے، پس میں اسلام لایا۔

۲۳۔حضرت محمد بن انس فضالہ انصاری اوسی ذکر کرتے ہیں، کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں تشریف لائے تو میں دو ہفتے کا تھا، مجھے حضور کی خدمت میں لے گئے، آپ نے میرے سر پر دست مبارک پھیرا، اور دعائے برکت فرمائی اور ارشاد فرمایا، کہ اس کا نام میرے نام پر رکھ مگر میری کنیت نہ رکھو ان کے صاحب زادے یونس کا قول ہے کہ میرے والد بوڑھے ہوگئے، اور ان کے تمام بال سفید ہوگئے مگر سر کے بال جن پر دست مبارک پھرا تھا سفید نہ ہوئے۔

۲۴۔حضرت عبادہ بن سعد عثمانی زرقی کے سر پر آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی، انہوں نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی اور کوئی بال سفید نہ ہوا۔

۲۵۔حضرت بشر (یا بشیر) بن عقبہ جہنی کا بیان ہے کہ میرے والد مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے، حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ میرا بیٹا بحیر ہے، حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ نزدیک آؤ، میں آپ کے دائیں ہاتھ بیٹھ گیا، آپ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا، اور مجھ سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرا نام بحیر ہے، حضور نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارا نام بشیر ہے میری زبان میں لکنت تھی، آپ نے میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا، لکنت جاتی رہی، میرے سر کے تمام بال سفید ہوئے مگر جن بالوں پر حضور ﷺ کا دست مبارک پھرا تھا وہ سیاہ ہی رہے۔

۲۶۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت خزیمہ بن عاصم عکلی کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا، ان کے چہرے پر پیری کے آثار نمودار نہ ہوئے، یہاں تک کہ وفات پائی،

۲۷۔ حضرت فراش بن عمرو کنانی لیثی اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور دردِ سر کی شکایت کی، حضور ﷺ نے فراش کو اپنے سامنے بٹھایا، اور ان کی آنکھوں کے درمیانی چمڑے کو پکڑ کر کھینچا، آپ کی مبارک انگلیوں کی جگہ بال اگ آئے اور انکا درد جاتا رہا، انہوں نے حروراء کے دن خوارج کے ساتھ نکلنا چاہا، ان کے والد نے ان کو کوٹھڑی میں بند کر دیا وہ بال گر گئے، جب توبہ کی تو پھر اگ آئے۔

۲۷۔ حضرت عمرو بن تغلب کے چہرے اور سر پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا، انہوں نے سو برس کی عمر میں وفات پائی، مگر چہرے اور سر کے وہ بال جن کو رسول اللہ کے ہاتھ مبارک نے چھوا تھا سفید نہ ہوئے۔

۲۹۔ حضرت اسید بن ابی ایاس کنانی دئلی کے سینے پر حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک رکھا، اور چہرے پر پھیرا، وہ تاریک گھر میں داخل ہوتے تو روشن ہو جاتا۔

۳۰۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش سے ہوا۔ تو میری ماں ام سلیمؓ نے خرام اور گھی اور پنیر سے حیس تیار کیا، اور اسے ایک پیالہ میں ڈال دیا، پھر کہا: انس اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لے جاو وہاں عرض کرنا۔ کہ یہ میری ماں نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ وہ سلام کہتی ہے اور عرض کرتی ہے، کہ یارسول اللہ یہ تھوڑا سا تناول فرمائیے ہماری طرف سے آپ کے لیے ہے، میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ماں نے جو کچھ کہا تھا عرض کر دیا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو رکھ دو اور فلاں فلاں فلاں (تین شخصوں) کو بلالاؤ اور جو اور ملیں ان کو بھی لے آؤ میں نے تعمیل ارشاد کی، واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر اہل خانہ سے بھرا ہوا ہے، حضور نے اپنا دست مبارک اس حیس پر رکھا اور دعائے برکت فرمائی، پھر آپ حاضرین میں سے دس دس کو بلاتے رہے اور فرماتے رہے، کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ، اور ہر ایک اپنے سامنے سے

کھائے، اس طرح ایک گروہ نکلتا اور دوسرا آجاتا، یہاں تک کہ سب سے سیر ہوکر کھایا، حضور ﷺ نے فرمایا، انس! اٹھاؤ میں نے اٹھالیا میں یہ نہیں بتا سکتا کہ جب پیالہ رکھا گیا تو اس وقت کھانا زیادہ تھا یا جب اٹھایا گیا بقول انس حاضرین کی تعداد تین سو تھی۔

۳۱۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو اس وقت حضرت سلمان فارسیؓ ایک یہودی کے ہاں بطور غلام کام کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے انہوں نے یہودی سے اس امر پر مکاتبت کر لی، کہ وہ اس یہودی کو چالیس اوقیہ سونا ادا کریں، اور اس کے لیے کھجوروں کے تین سو پودے لگا کر پرورش کریں، یہاں تک کہ وہ بارآور ہوں، جب حضرت سلمان فارسیؓ نے حضور ﷺ کو یہ خبر دی تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ سلمان کی مدد کرو، چنانچہ صحابہ کرام نے پودے دے دیئے، اور حضور ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے ان کو لگایا، وہ سب لگ گئے، اور اسی سال پھل لائے، ایک روایت میں ہے کہ تین سو پودوں میں سے ایک کسی اور نے لگایا، وہ پھل نہ لایا تو حضور ﷺ نے اسے اکھاڑ کر اپنے دست مبارک سے پھر لگا دیا، وہ بھی دوسروں کے ساتھ ہی پھل لایا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کسی کان سے مرغی کے انڈے کے برابر سونا آیا تھا، وہ آپ نے سلمان کو عطا فرمایا سلمان نے عرض کیا کہ اس کو چالس اوقیہ کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہی لے جاؤ، اللہ تعالیٰ اسی کے ساتھ تمہارا قرض ادا کر دے گا، چنانچہ وہ لے گئے، اور اسی میں سے چالیس اوقیہ تول کر یہودی کو دے دیئے، اس طرح حضرت سلمان فارسیؓ آزاد ہو گئے۔

۳۲۔ حضور اکرم ﷺ کی بغل شریف سفید تھی، اور اسے کسی قسم کی ناخوش بو نہ آتی تھی بلکہ کستوری کی مانند خوشبو آیا کرتی تھی۔ (بحوالہ جستہ جستہ از سیرتِ رسولِ عربیؐ)

رسول اکرم ﷺ کے پیارے اور متوازن پاؤں مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے تلوے قدرے

گہرے، قدم ہموار اور چکنے کہ ان پر پانی نہیں ٹھہرتا بلکہ فوراً ڈھل جاتا تھا۔ آپ ﷺ چلتے وقت پوری طرح قدم اٹھاتے، زمین پر آہستہ آہستہ رکھتے ہوئے آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی ہتھیلیاں اور پاؤں پُر گوشت تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا سر مبارک بڑا، مگر اعتدال اور مناسبت کے ساتھ، قدم موٹے پُر گوشت اور ہتھیلیاں فراخ تھیں۔ (بخاری شریف)

بہر حال آپ ﷺ کے ہر دو پائے مبارک اور خوبصورت ایسے کہ کسی انسان کے نہ تھے اور نرم وصاف ایسے کہ اس پر ذرا بھی پانی نہ ٹھہرتا بلکہ فوراً گر جاتا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ایڑیاں کم گوشت ہر دو ساق مبارک باریک وسفید ولطیف گویا شحم النخل یعنی کھجور کا گابھا ہیں۔ جب جناب آپ ﷺ چلتے تو قدم مبارک کو قوت وتثبت اور وقار وتواضع سے اٹھاتے، جیسا کہ اہل ہمت وشجاعت کا قاعدہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ چلنے میں میں نے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا، گویا رسولِ اکرم ﷺ کے لئے زمین لپٹتی جاتی تھی۔ ہم دوڑا کرتے اور تیز چلنے میں مشقت اٹھاتے اور جنابِ رسولِ اکرم ﷺ بآسانی وبے تکلف چلتے۔ مگر پھر بھی سب سے آگے رہتے۔

بعض دفعہ حضور ﷺ اپنے اصحابؓ کے ساتھ کا قصد فرماتے تو اس صورت میں اصحاب آپ ﷺ کے آگے رہتے اور رسولِ اکرم ﷺ عمداً ان کے پیچھے ہوتے اور فرماتے کہ میری پیٹھ فرشتوں کے لئے خالی چھوڑ دو۔

حضور ﷺ کے پاؤں مبارک وہ قدم مبارک ہیں کہ جب آپ ﷺ پتھر پر چلتے تو وہ نرم ہو جاتا، تاکہ حضور ﷺ بآسانی اس پر گزر جائیں اور جب ریت پر چلتے تو اس میں پائے مبارک کا نشان نہ ہوتا تھا۔

یہ وہی قدم مبارک ہیں جن کی محبت میں کوہ احد کوہ ثبیر حرکت میں آئے۔ یہ وہی قدم مبارک ہیں کہ قیام شب میں ورم کر آتے تھے۔ یہی وہ قدم مبارک ہیں کہ مکہ اور بیت

المقدس کو ان سے شرف زائد حاصل ہوا۔

خلاصہ السیر ص ۲۰۱۹ پر رسولِ اکرم ﷺ کے حلیہ مبارکہ کا بیان ہے۔اس میں یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ کے تلوے خالی تھے۔تلوؤں کا گوشت سے خالی اور گہرا ہونا سخاوت کی علامت ہے۔شاعر کہتا ہے کہ ؎

کف دست اور پنجے پائے اطہر کے کشادہ تھے...... گداز و نرم دیبا اور ریشم سے زیادہ تھے
قدم آئینہ سا قطرہ نہ پانی کا ذرا ٹھہرے...... تھیں کم گوشت اور ہلکی ایڑیاں تلوے ذرا گہرے

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری اور باوقار رفتار مبارک

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ چلتے وقت آگے کی طرف قدرے جھکاؤ رکھتے اور مضبوطی سے قدم اٹھاتے۔حضرت ابی عتبہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ چلتے وقت قوت اور جماؤ سے آگے کو قدم اٹھاتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ چلتے وقت آگے کی طرف جھکاؤ رکھتے ایسا معلوم ہوتا کہ رسولِ اکرم ﷺ کے ہاتھ میں کوئی چیز ہے جس پر ٹیک لگائے چل رہے ہیں۔حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ چلتے وقت دائیں بائیں نہ دیکھتے تھے۔

حضرت جابرؓ ہی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ جب چلتے تو آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ آگے آگے رہتے اور آپ ﷺ کی پشت کو فرشتوں کے لئے خالی چھوڑ دیتے تھے۔حضرت علیؓ کا بیان ہے کی آپ ﷺ چلتے تو آگے کی طرف قدرے جھکاؤ ہوتا۔ایسا معلوم ہوتا کہ اونچائی سے نیچے کی طرف اتر رہے ہیں۔میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور آپ ﷺ کے بعد کوئی رسولِ اکرم ﷺ سا نہیں دیکھا۔

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ جب چلتے تو قدرے جھٹکے سے پاؤں اٹھاتے گویا کسی ڈھلوان پر چل رہے ہیں جب کسی کی طرف دیکھتے تو پورے

وجود کے ساتھ ملتفت ہوتے۔ چلتے وقت نظریں نیچی رکھتے، آپ ﷺ کی نگاہ بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ سے زیادہ خوبصورت میں نے کسی ماہ رخ کو نہیں دیکھا۔ چہرہ مبارک اتنا روشن گویا سورج کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں۔ اس قدر تیز گویا زمین آپ ﷺ کے لئے لپٹی جارہی ہے، ہم تو چلتے چلتے مارے تھکن کے چور ہوجاتے اور بمشکل آپ ﷺ کا ساتھ دے پاتے، لیکن آپ ﷺ بلا تکلف بے نیاز ہوکر چلے جارہے ہوتے۔ (شمائل ترمذی)

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری مہرِ نبوت مبارک

حضرت سائب بن یزیدؓ کا بیان ہے کہ میری خالہ مجھے رسولِ اکرم ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! یہ میرا بھانجا بیمار ہے۔'' جناب رسولِ اکرم ﷺ نے میرے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر رسولِ اکرم ﷺ نے وضو کیا تو میں نے رسولِ اکرم ﷺ کے وضو سے بچا ہوا پانی نوش کیا۔ جب میں رسولِ اکرم ﷺ کے (پس پشت) کھڑا ہوا تو میری نظر رسولِ اکرم ﷺ کی مہرِ نبوت پر پڑی جو مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی۔ (جو کبوتر کے انڈے کے برابر بیضوی شکل میں اس پردہ پر لگائی جاتی ہیں۔ جو مسہری پر خوبصورتی ہی کے لئے لٹکایا جاتا ہے۔) (مسندِ احمد)

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی مہرِ نبوت کو آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان دیکھا، جو (مقدار میں) کبوتر کے انڈے جیسی اور (رنگت میں) سرخ غدود (رسولی) جیسی تھی۔

حضرت ابوزید عمرو بن اخطب کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے مجھے کمر ملنے کے لئے کہا، میں نے رسولِ اکرم ﷺ کی کمر مبارک پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا تو اچانک میری انگلیاں مہرِ نبوت سے جالگیں راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمروؓ سے پوچھا کہ مہرِ نبوت

کیا چیز تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ: "چند بالوں کا مجموعہ تھا۔" دوسری روایت میں ہے کہ "کندھے پر بالوں کا گچھا تھا۔" ابونفرہ عوفی کا بیان ہے میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے رسولِ اکرم ﷺ کی مہر نبوت کے متعلق دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا: "رسولِ اکرم ﷺ کی پشت پر گوشت کا ایک ابھرا ہوا ٹکڑا تھا۔" (مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن سرجسؓ کا بیان ہے: میں ایک دفعہ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب آپ ﷺ کے ہاں لوگوں کا جمگھٹا تھا۔ میں نے یونہی آپ ﷺ کے پس پشت چکر لگایا آپ ﷺ میرا مقصد سمجھ گئے اپنی پشت مبارک سے چادر اتار دی۔ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کے برابر مہر نبوت کو دیکھا جس کے چاروں طرف تل تھے جو گویا مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے۔ پھر میں آپ ﷺ کے سامنے آیا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔" تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ تجھے بھی بخش دے۔"

لوگوں نے مجھے کہا کہ (آپؓ خوش نصیب ہیں کیوں کہ) حضور ﷺ نے تمہارے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ میں نے کہا ہاں! تم سب کے لئے بھی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: "اے محمد (ﷺ) مغفرت کی دعا کرو اپنے لئے بھی اور اہل ایمان مرد و خواتین کے لئے بھی۔" (سورہ محمد:۱۹)

حضرت عبداللہ بن سرجسؓ ہی کا بیان ہے کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے اعزاز گفتگو حاصل کیا اور مجھے رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول کرنے کا شرف ملا۔ میں نے اس علامت یعنی مہر نبوت کو دیکھا جو حضور ﷺ کے بائیں کندھے کی کری (نرم ہڈی) کے پاس تھی جو مقدار میں بند مٹھی کے برابر تھی اس پر مسوں کی طرح کے تلوں کا جمگھٹ تھا۔ (مسند احمد)

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے اور باجمال حلیہ مقدس کا ایک جامع تزکرہ مبارک

حضرت ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک جن الفاظ میں بیان کیا ہے ان کا ترجمہ صاحب الرحیق المختوم کی زبانی قدرے تصرف کے ساتھ ہم

یہاں نقل کررہے ہیں: ملاحظہ فرمائیے۔

''چمکتا رنگ، تابناک چہرہ نہ اتنے نحیف ونزار کہ دیکھنے میں عیب دار اور نہ اس قدر بھاری بھرکم کہ توند نکلی ہوئی ہو، خوبصورت ساخت، جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھیلا ہوا پیکر، سرمگیں آنکھیں، دراز پلکیں، بھاری آواز، چمکدار اور لمبی گردن، گھنی داڑھی، باریک اور باہم پیوستہ ابرو، خاموش ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو گویا منہ سے پھول جھڑیں، دور سے دیکھنے میں سب سے زیادہ تابناک اور پر جمال اور قریب سے دیکھیں تو سب سے خوبصورت اور شیریں ادا، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں، درمیانہ قد، نہ پست قامت کہ نگاہ میں نہ جچے، نہ لمبا کہ ناگوار لگے۔ دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح ہیں جو انتہائی تروتازہ اور خوش منظر ہے، رفقاء آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے، آپ ﷺ کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر بجالاتے ہیں، مطاع ومکرم، نہ ترش اور نہ یاوہ گو۔''

ام معبد کے شوہر ابو معبد نے رسولِ اکرم ﷺ کے اوصاف سن کر کہا کہ: ''اللہ کی قسم! یہ تو وہی قریش کا نوجوان ہے جس کا شہرہ مکہ میں زبان زد ہے۔ اہل مکہ نے میرے پاس بھی اس کا تذکرہ کیا تھا میں نے چاہا تھا کہ اس کی رفاقت مجھے نصیب ہوجائے اگر مجھے اس کے پاس جانے کا کوئی راستہ ملے تو ضرور شرف ملاقات حاصل کروں گا۔''

ادھر مکہ میں ہاتف غیبی (یعنی آواز سنائی دیتی مگر کہنے والا دکھائی نہ دیتا) باآواز بلند یہ کہہ رہا تھا کہ: ''اللہ تعالیٰ پروردگار عالم ان دو ساتھیوں کو جزا خیر دے جو ام معبد کے خیموں میں فروکش ہوئے، وہ دونوں ہدایت لے کر آئے اور ام معبد نے ہدایت پائی یقیناً وہ شخص کامیاب ہے جو رسولِ اکرم ﷺ کا ساتھی بنا۔''

ابراہیم بن محمد جو حضرت علیؓ کی اولاد سے ہیں ان کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ جب رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ بیان کرتے تو فرماتے تھے کہ:۔

''آپ ﷺ نہ تو انتہائی دراز قد اور نہ بالکل پست قامت بلکہ لوگوں میں آپ ﷺ کا

پیکر درمیانہ تھا، بال مبارک نہ بالکل پیچ دار اور نہ سیدھے تنے ہوئے بلکہ قدرے خمیدہ تھے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا بدن نہ تو بہت فربہ اور نہ بالکل گول چہرہ بلکہ کس قدر گولائی لئے ہوتا تھا۔ رنگ سرخی مائل، آنکھیں نہایت سیاہ، پلکیں دراز، جوڑوں اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی تھیں۔

آپ ﷺ کے بدن مبارک پر بال نہیں تھے البتہ سینہ سے ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر تھی، ہاتھ اور پاؤں گویا کسی ڈھلوان سے اتر رہے ہیں، جب کسی کی طرف توجہ کرتے تو پورے وجود کے ساتھ ملتفت ہوتے۔

آپ ﷺ کے شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ ﷺ تمام انبیاء کے خاتم تھے، سب سے زیادہ سخی اور دریا دل، سب سے زیادہ راست باز، سب سے زیادہ نرم خو اور سب سے بڑھ کر شریف ساتھی تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو جو اچانک دیکھتا مرغوب ہو جاتا اور جو شخص جان پہچان کر میل جول کرتا وہ رسولِ اکرم ﷺ کا گرویدہ ہو جاتا۔

الغرض رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ بیان کرنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ: میں نے رسولِ اکرم ﷺ جیسا حسین وجمیل نہ پہلے دیکھا اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد کوئی آپ ﷺ سا دکھائی دیا۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ سے رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا کیوں کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بہت ہی کثرت اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے۔ مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصاف جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تا کہ میں ان کے بیان کو اپنے لئے حجت اور سند بناؤں۔ ماموں جان نے رسولِ اکرم ﷺ کے حلیہ مبارک کے متعلق یہ بتایا کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ اپنی ذات کے لحاظ سے بھی شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑا مقام رکھتے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک چندے آفتاب، چندے ماہتاب تھا۔ قد مبارک درمیانی قامت والے سے قدرے طویل اور زیادہ لمبے قد والے سے قد پست تھا۔ سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے اگر سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ

نکال آتی تو بہتر ورنہ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ کرتے یعنی کسی دوسرے وقت تک اسے اٹھا رکھتے، اگر رسولِ اکرم ﷺ بال بڑھاتے تو کان کی لو سے متجاوز ہو جاتے، رنگ نہایت چمکدار، کشادہ جبیں ابرو خمدار، باریک اور گنجان تھے نیز دونوں جدا جدا باہم پیوستہ نہیں تھے ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی، حضور ﷺ کی ناک مبارک بلندی مائل اور اس پر ایک چمکدار اور نور تھا جس کی وجہ سے ابتداءً دیکھنے والا حضور ﷺ کو بڑی ناک والا خیال کرتا تھا۔ داڑھی مبارک ہموار، ہلکے گوشت لٹکے ہوئے، دہن مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا، دندان مبارک باریک آبدار، سامنے کے دانتوں میں خوشنما ریخیں تھیں، سینے سے ناف تک بالوں کی باریک لمبی لکیر تھی، گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک جیسا کہ مورتی کی گردن خوبصورتی سے تراشی گئی ہو اور رنگت میں چاندی جیسی صاف اور چمکدار، تمام اعضاء نہایت معتدل اور پُر گوشت، بدن گٹھا ہوا، پیٹ سینہ ہموار، لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا، کندھوں کے درمیان عام پیمانے سے کچھ زیادہ فاصلہ جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط اور بڑی بڑی، جو اعضاء (دھوپ اور ہوا میں) کھلے رہتے وہ انتہائی روشن اور چمکدار (چہ جائے کہ وہ حصہ جو کپڑوں میں محفوظ ہو) ناف اور سینہ ایک لکیر کی طرح بالوں کی باریک دھاری سی لئے ہوئے۔ اس کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ بالوں سے خالی تھے البتہ دونوں بازوؤں، کندھوں اور سینہ مبارک کے بالائی حصہ پر کچھ بال تھے۔ کلائیاں دراز، ہتھیلیاں فراخ ہاتھ اور پاؤں گداز اور پُر گوشت تھے۔ ہاتھ کی انگلیاں اعتدال کے ساتھ لمبی تھیں۔ تلوے گہرے اور قدم مبارک اس قدر ملائم اور ہموار تھے کہ پانی ان پر نہ ٹھہرتا بلکہ فوراً ڈھل جاتا تھا۔ چلتے وقت پوری قوت سے قدم اٹھاتے۔ آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے، زمین پر قدم زور سے نہیں بلکہ آہستہ آہستہ ٹھہرتا تھا، تیز رفتار چھوٹے چھوٹے قدم رکھنے کے بجائے حضور ﷺ ذرا کشادہ قدم رکھتے۔ چلتے وقت ایسا محسوس ہوتا گویا ڈھلوان سے اتر رہے ہیں جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے وجود سے ملتفت ہوتے۔ نگاہیں نیچی، نظر آسمان کی نسبت زمین پر زیادہ رہتی، گوشہ چشم سے دیکھتے (یعنی نہایت شرم وحیا سے آنکھ بھر کر بھی نہیں دیکھتے تھے)

چلتے وقت اپنے صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو اپنے آگے کر دیتے اور خود پیچھے رہ جاتے تھے۔ حضور ﷺ جس سے ملتے سلام کہنے میں خود ابتداء فرماتے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور ﷺ کی گفتگو کی کیفیت بیان فرمایئے تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: ''حضور ﷺ غموں سے دوچار ہمیشہ (امت کی بہبود اور امور آخرت میں) غور وفکر فرماتے رہتے تھے اس بنا پر حضور ﷺ کو بے فکری اور راحت نہیں ہوتی تھی۔ تا دیر خاموش رہتے بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے۔ گفتگو کا آغاز اور اختتام اللہ کے نام سے کرتے، ابتدا سے انتہا تک تمام بات چیت منہ بھر کر ہوتی یعنی صرف منہ کے کنارے سے نہ بولتے تھے۔ جامع اور دوٹوک کلمات ارشاد فرماتے جن میں نہ فضول کوئی ہوتی نہ کوتاہی، نرم خو تھے نہ سخت مزاج، جفا جو نہ تھے، معمولی نعمت کی بھی تعظیم کرتے اس کی مذمت نہ کرتے، کھانے کی نہ برائی کرتے اور نہ زیادہ تعریف، دنیا اور دنیاوی امور کی وجہ سے حضور ﷺ کو کبھی غصہ نہ آتا تھا البتہ کسی دینی امر اور حق بات سے کوئی تجاوز کرتا تو اس کا انتقام نہ لیتے آپ ﷺ کے غضب کو روکا نہ جا سکتا تھا۔ آپ ﷺ اپنی ذات کے لئے نہ کسی پر ناراض ہوتے تھے اور نہ اس کا انتقام لیتے تھے۔ جب اشارہ فرماتے تو پوری ہتھیلی سے اشارہ فرماتے اور تعجب کے وقت ہتھیلی پلٹتے۔ جب گفتگو کرتے تو اسے ملا لیتے اور کبھی داہنی ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصہ پر مارتے، جب کسی سے ناراض ہوتے تو رخ پھیر لیتے اور جب خوش ہوتے تو حیا کی وجہ سے نگاہ پست کر لیتے آپ ﷺ کی بیشتر ہنسی تبسم کی صورت میں تھی، آپ ﷺ جب مسکراتے تو دانت اولوں کی طرح چمکتے تھے۔ (بحوالہ شمائل ترمذی)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (بعض وجوہات کی بنا پر) اس حدیث کا اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے عرصہ تک ذکر نہ کیا جب میں نے ان سے یہ حدیث بیان کی تو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے اسے سن چکے ہیں، صرف یہی نہیں کہ ماموں جان سے حدیث سن لی ہو بلکہ والد محترم حضرت علیؓ سے رسولِ اکرم ﷺ کے گھر آنے،

باہر تشریف لے جانے اور حضور ﷺ کا طرز عمل بھی معلوم کر چکے ہیں اور انہوں نے کسی چیز کی کسر نہیں چھوڑی۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ حضرت علیؓ سے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے گھر تشریف رکھنے کے حالات دریافت کئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: ''آپ ﷺ نے اپنے گھر میں تشریف فرما ہونے کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لئے، دوسرا حصہ اہل خانہ کے حقوق کے لئے اور تیسرا حصہ اپنی ذاتی ضروریات راحت و آرام کے لئے پھر اپنے ذاتی حصہ کو بھی اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیتے وہ اس طرح کہ اس وقت میں خصوصی حضرات صحابہ کرامؓ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس ہوتے تھے پھر ان سے کوئی چیز اٹھا نہ رکھتے تھے (یعنی نہ دینی امور میں اور نہ دنیاوی منافع میں) امت کے اس حصہ میں رسولِ اکرم ﷺ کا طرز عمل یہ تھا کہ ان آنے والوں میں اہل فضل یعنی اہل علم و عمل کو حاضری کی اجازت میں ترجیح دیتے تھے اس وقت کو ان کے فضل دینی کے لحاظ سے ان پر تقسیم فرماتے تھے بعض آنے والے ایک جماعت اور بعض دو، دو اور کچھ حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر آتے۔ رسولِ اکرم ﷺ ان تمام کی ضروریات حتی المقدور پوری فرماتے اور انہیں ایسے امور میں مصروف کرتے جو خود ان کی اور تمام امت کی اصلاح کے لئے مفید اور کارآمد ہوں مثلاً ان کا دینی امور کے متعلق آپ ﷺ سے سوالات کرنا اور حضور ﷺ کا انہیں مناسب امور سے مطلع کرنا اور آپ ﷺ یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں وہ ان مفید اور ضروری باتوں کو ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں، نیز جو لوگ کسی عذر کی بنا پر اپنی یہ ضروریات کا اظہار نہیں کر سکتے تم لوگ ان کی ضرورتوں کو مجھ تک پہنچا دیا کرو اس لئے کہ جو شخص بادشاہ تک کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچائے جو وہ خود نہیں پہنچا سکتا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ثابت قدم رکھیں گے، رسولِ اکرم ﷺ کی مجلس میں ایسی ہی ضروری اور مفید باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا اس کے علاوہ فضول اور لایعنی باتیں مجلس میں نہ ہوتی تھیں۔ صحابہ کرام دین کے طالب بن کر

حاضر ہوتے اور کچھ چکھے یا حاصل کئے بغیر وہاں سے نہ آتے آخر کار رسولِ اکرم ﷺ کی مجلس سے ہدایت وخیر کے رہنما بن کر نکلتے۔" (شمائل ترمذی)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جناب رسولِ اکرم ﷺ کی باہر تشریف آوری کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: "جنابِ رسولِ اکرم ﷺ گھر سے باہر تشریف لا کر ضروری امور کے علاوہ اپنی زبان محفوظ رکھتے تھے۔ فضول تذکروں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے، ساتھیوں کو جوڑتے تھے انہیں توڑتے نہیں تھے، ہر قوم کے معزز آدمی کی تکریم کرتے اور اس کو ان کا سردار بناتے تھے، لوگوں کو دوسروں سے احتیاط برتنے کی تاکید فرماتے اور خود اپنی بھی لوگوں کو تکلیف دینے اور نقصان پہنچانے سے حفاظت کرتے تھے۔ لیکن اس کے لئے کسی سے اپنی خوش خلقی ختم نہ فرماتے تھے۔ اپنے اصحاب کی خبر گیری کرتے اور لوگوں کے حالات دریافت کرتے۔ اچھی بات کی تحسین فرما کر اس کو تقویت پہنچاتے اور بری بات کی برائی بتا کر اس کو زائل کرتے اور بچنے کی تلقین فرماتے، ہر امر میں اعتدال بتا کر اس کو زائل کرتے اور بچنے کی تلقین فرماتے، ہر امر میں اعتدال اور توازن اختیار کرتے۔ تلون اور بے ہنگم پن نہیں تھا، لوگوں کی اصلاح سے غافل نہ ہوتے کہ مبادہ وہ دین سے غافل یا ملول خاطر ہو جائیں۔ ہر حالت کے لئے مستعد رہتے تھے۔ حق سے کوتاہی نہ کرتے اور نہ حق سے تجاوز کر کے ناحق کی طرف جاتے تھے۔ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے لوگوں میں سے بہترین افراد ہوتے تھے، اور ان میں سے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے نزدیک افضل وہ ہوتا تھا جو سب سے بڑھ کر دوسروں کا خیر خواہ ہو اور سب سے زیادہ قدر حضور ﷺ کے نزدیک اس شخص کی تھی جو سب سے اچھا غمگسار اور مددگار ہو۔" (بحوالہ شمائل ترمذی)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی مجلس کے حالات دریافت کئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: حضور ﷺ اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر ضرور فرماتے اور جب کسی قوم کے پاس پہنچتے

تو مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے اور اس کا حکم بھی فرماتے، سب اہل مجلس پر برابر توجہ دیتے اور ہر ایک کا حق ادا فرماتے حتیٰ کہ کوئی جلیس یہ نہ محسوس کرتا کہ کوئی شخص حضور ﷺ کے نزدیک اس سے زیادہ باعزت ہے۔ کوئی شخص کسی ضرورت سے رسولِ اکرم ﷺ کے پاس بیٹھ جاتا یا کسی امر میں آپ ﷺ کی طرف رجوع کرتا تو آپ ﷺ صبر کے ساتھ اس کے لئے رکے رہتے حتیٰ کہ وہ خود ہی واپس ہوتا کوئی کسی ضرورت کا سوال کر دیتا تو آپ ﷺ اسے عطا کئے بغیر واپس نہ فرماتے۔ آپ ﷺ کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لئے عام تھی کیوں کہ آپ ﷺ سب کے لئے باپ کا درجہ رکھتے تھے اور تمام لوگ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے نزدیک حقوق میں برابر تھے۔ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی مجلس علم دانش، حیا، وقار کی مجلس تھی اس میں نہ آوازیں بلند کی جاتیں تھیں اور نہ ہی کسی کی عزت و آبرو کو پامال کیا جاتا اور نہ ہی کسی کی غلطیوں اور لغزشوں کو اچھالا جاتا آپس میں سب برابر شمار کئے جاتے۔ ایک دوسرے پر اگر کوئی فضیلت ہوتی تو تقویٰ کی بنیاد پر ہوتی، ہر شخص دوسرے شخص کے ساتھ تواضع سے پیش آتا، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر رحم کرتا تھا۔ حاجت مند کو نوازتے اور اجنبی مسافر کی خبر گیری کرتے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کا اپنے اہل مجلس کے ساتھ کیسا طرز عمل تھا تو انہوں نے فرمایا کہ:۔ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے چہرے پر ہمیشہ بشاشت رہتی تھی، خوش خلق اور نرم خو تھے، جفا جو اور سخت مزاج نہ تھے، نہ چیختے چلاتے، نہ فحاش کہتے، نہ زیادہ عتاب فرماتے اور نہ بہت تعریف کرتے۔ حضور ﷺ کو جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اس سے اعتراض و تغافل برتتے کوئی رسولِ اکرم ﷺ سے حسن سلوک کی امید رکھتا تو حضور ﷺ اسے مایوس نہ فرماتے اور وہ حضور ﷺ کو اپنی توقعات سے بڑھ کر پاتا تھا۔ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے تین باتوں سے کوئی سروکار نہیں رکھا:۔(۱) جھگڑے سے (۲) کسی چیز کی کثرت سے (۳) لایعنی باتوں سے اور تین باتوں سے محفوظ رکھا تھا:۔ (۱) کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے (۲) کسی کو

عار نہیں دلاتے تھے (۳) کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے

حضور ﷺ وہی گفتگو فرماتے تھے جو باعث اجر وثواب ہوتی تھی، جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے ہم نشین یوں سر جھکائے ہوتے گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور جب آپ ﷺ خاموش ہوتے تو لوگ گفتگو کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے سامنے کسی بات میں نزاع نہ کرتے آپ ﷺ کے پاس جب کوئی بولتا تو سب اس کے لئے خاموش رہتے یہاں تک کہ وہ اپنی بات پوری کر لیتا۔ ہر شخص کی بات قابل توجہ ہونے میں ایسی ہوتی جیسے پہلے شخص کی گفتگو، جس بات سے سب لوگ ہنستے اس سے رسولِ اکرم ﷺ بھی ہنستے اور اگر بات سب تعجب کرتے اس پر آپ ﷺ بھی تعجب کرتے، اجنبی آدمی اگر سخت کلامی سے کام لیتا یا تیزی سے سوال کرتا تو اس پر آپ ﷺ تحمل اور صبر فرماتے اور اس وجہ سے بدوی لوگ ہر قسم کے سوالات کر دیتے تھے بعض صحابہ کرامؓ رسولِ اکرم ﷺ کی مجلس میں ایسے لوگوں کو لے آیا کرتے تھے۔ (تاکہ ان سے ہر قسم کے سوالات سے خود بھی فائدہ حاصل کریں اور ایسی باتیں جن کو ادب کی وجہ سے خود نہ پوچھ سکتے تھے وہ بھی معلوم ہو جائیں) رسولِ اکرم ﷺ یہ بھی تاکید فرماتے کہ جب تم لوگ کسی حاجت مند کو دیکھو کہ وہ اپنی حاجت کی طلب میں ہے تو اسے سامان ضرورت مہیا کرو۔ اگر آپ ﷺ کی کوئی تعریف کرتا تو آپ ﷺ اسے گوارہ نہ فرماتے البتہ بطور شکریہ اور احسان کا بدلہ دینے کے لئے کوئی آپ ﷺ کی تعریف کرتا تو جنابِ رسولِ اکرم ﷺ سکوت فرماتے، کسی کی گفتگو قطع نہ کرتے تھے۔ البتہ اگر کوئی حد سے تجاوز کرنے لگتا تو اسے روک دیتے تھے۔ یا پھر جنابِ رسولِ اکرم ﷺ خود مجلس سے تشریف لے جاتے تھے تاکہ وہ خود رک جائے۔

نوٹ...... جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے حلیہ مبارک کی تفصیل دیگر کتابوں کے علاوہ قدرے ردوبدل کے ساتھ ''آئنہ جمال نبوت'' نامی کتاب سے بھی لی گئی ہے۔ مزید تفصیل جاننے کے لئے اس کتاب سے مراجعت کی جاسکتی ہے۔

حسنِ یوسفؑ و جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی تحقیق

شاید کسی کو شبہ ہو کہ یوسف علیہ السلام کا حسن تو ایسا تھا کہ زنانِ مصر نے آپ علیہ السلام کی صورت دیکھ کر بدحواسی میں ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ حضور ﷺ میں یہ بات کہاں تھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حسن کی انواع ہیں۔ حسن کی ایک نوع یہ ہے کہ وہ دیکھنے والے کو دفعتاً متحیّر کردے اور پھر رفتہ رفتہ اس کی سہار ہوتی جائے۔ یوسفؑ کا حسن ایسا ہی تھا، چنانچہ زلیخا کو ان کے حسن کی سہار ہوگئی تھی۔ انہوں نے ایک دن بھی ہاتھ نہیں کاٹے۔ اور ایک نوع حسن کی یہ ہے کہ دفعتاً تو متحیر نہ کرے مگر جوں جوں اس کو دیکھا جائے تحمّل سے باہر ہوتا جائے، جس قدر غور کیا جائے اسی قدر دل میں گھستا جائے۔ اسی کو شاعر نے بیان کی ہے۔ ۔

یزیدک وجههٗ حسنا اذا ما زدتهٗ نظرا

رسولِ اکرم ﷺ کا حسن ایسا ہی تھا کہ اس میں دفعتاً متحیر کردینے کی شان ظاہر نہ تھی کیونکہ رسولِ اکرم ﷺ میں خداداد عظمت وجلال کی ایک شان ایسی تھی کہ دیکھنے والے پر سب سے پہلے اس کا اثر پڑتا تھا جس کی وجہ سے دیکھتے ہی نیا آدمی مرعوب ہوجاتا تھا۔

اس کو حسنِ صورت پر آنکھ بھر کر نگاہ ڈالنے کی مہلت ہی نہ ملتی تھی، تاکہ تحیر کی نوبت آئے۔ **"کما فی حدیث من رأٰہ بداهة هابة. اخر جه الترمذی فی الشمائل"** اس پر منکشف ہوتا تھا اور دن بدن دِل گھر کرتا چلا جاتا تھا۔ **"کما فی حدیث علی المذکورہ خابطه بشارة اُحَبَّهٗ."**

یوسفؑ کے حسن پر عورتوں کا عاشق ہوجانا منقول ہے مگر یہ زیادہ بعید نہیں بلکہ ایک فطری امر ہے جو عادت کے مطابق ہے گو کسی درجہ میں عادت بھی ہے، اور حضور ﷺ پر مرد عاشق تھے جن میں بچے تھے، بوڑھے بھی، مردوں کا عاشق ہونا اور وہ بھی بچوں اور بوڑھوں کا فی نفسہٖ بھی بہت عجیب ہے۔

ایک عاشق صحابی فرماتے ہیں: ﴿رأیته صلی اللّٰه علیه وسلم لیلة فی حلة

حمراء والقمر طالع، وکنت اری القمر مرة والیٰ وجهه صلی اللّٰه علیه وسلم فو اللّٰه کان وجههٔ احسن منه﴾ ''یعنی ایک رات میں نے حضور ﷺ کو سرخ دھاری دار جوڑے میں دیکھا، اس وقت چاند نکلا ہوا تھا تو میں کبھی حضور ﷺ کے چہرہ پر نظر کرتا، کبھی چاند کو دیکھتا۔ بخدا رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک چاند سے زیادہ خوبصورت تھا۔'' اسی کو شاعر نے عجیب لطیف عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ ؎

گہے بسوئے تو گاہے بسوئے مہ می نگرم ۔۔۔ کند مقابلہ چوں کس کتاب را تنہا

''یعنی کتاب کے مقابلے کے لئے تو دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے میں تنہا کیونکر مقابلہ کروں۔'' ایک مرتبہ حضرت طلحہ صحابیؓ نے لڑائی میں اپنے ہاتھوں کو حضور ﷺ کا سپر بنایا تھا۔ کفار کے جتنے تیر آتے تھے وہ سب کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے، تاکہ حضور ﷺ کو کوئی تیر نہ لگنے پائے۔ یہ عشق نہ تھا تو اور کیا تھا؟ اس کے علاوہ صحابہؓ کی محبت کے واقعات کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔ بہت سے صحابہؓ نے حضور ﷺ کی محبت میں گھر بار چھوڑا، بیوی بچے چھوڑے، اپنے عزیزوں کو جب کہ وہ حضور ﷺ کے مخالف ہوئے بے دریغ قتل کیا، حتیٰ کہ خود اپنی جانیں رسولِ اکرم ﷺ پر نثار کر دیں اور سر کٹوائے۔ اسی حسن کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ؎

نواحی زلیخا لور ئین جبینه ۔۔۔ لاثرن بالقطع القلون علی الید

''یعنی حضور ﷺ کا حسن دل میں گھستا تھا اگر حضور ﷺ کو زنانِ مصر دیکھ لیتیں تو بجائے اپنے ہاتھوں کے دلوں کو چیر پھاڑ دیتیں۔ (بحوالہ اشرف الجواب)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی سے سچی محبت اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ۔۔۔ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۴۸

رسولِ اکرم ﷺ کی چاہت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قبلے کو تبدیل فرمادیا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اڑتالیسویں خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی چاہت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قبلے کو تبدیل فرمادیا'' بیشک ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے قبلے کو تبدیل فرمادیا، اور وہ بھی اس طرح کہ آپ ﷺ نماز کی حالت میں دل میں یہ سوچ رہے تھے کہ کاش ہمارا قبلہ بیت اللہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس خواہش کو پورا کرنے میں اتنی بھی تاخیر کو گوارا نہیں کیا کہ نماز مکمل ہو جائے، بلکہ عین نماز میں ہی اللہ تعالیٰ نے قبلے کی تبدیلی کا حکم فرمادیا، جیسا کہ تفصیل آپ آنے والے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے، جبکہ دیگر انبیاءؑ میں سے کسی سے متعلق ایسی خصوصیت نہیں ملتی، اور یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ آپ ﷺ کی ایک خصوصیت تو یہ کہ آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق قبلے کو تبدیل کیا گیا، اور اسی طرح ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبی القبلتین بنایا، چنانچہ اس دوسری خصوصیت کی تفصیل دیگر دو جلدوں میں سے کسی ایک میں آئے گی۔ انشاء اللہ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ یارب العٰلمین۔

تو محترم قارئین لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

اڑتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیات میں یہ خصوصیت بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اللہ

رب العلمین نے آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے قبلے کو تبدیل کر دیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ اصل میں مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد نبی کریم ﷺ تقریباً سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن آپ کی دلی آرزو یہ تھی کہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا جائے جو کہ ملتِ ابراہیمی کا ایک حسّی اور ظاہری شعار تھا، آپ کی قدیمی آرزو کی تکمیل یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا حکم نازل فرمایا، تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہونے کے بعد یوں تو مشرکوں اور منافقوں نے بھی بے بنیاد اعتراضات اُٹھائے لیکن اس معاملے میں یہود پیش پیش تھے وہ بظاہر بڑے تعجب سے لیکن حقیقت میں عناد کی بناء پر کہتے تھے کہ ''انہیں کس چیز نے اس قبلہ سے پھیر دیا جس کی طرف رخ کر کے یہ پہلے عبادت کیا کرتے تھے'' چناچہ اللہ رب العلمین نے مشرکین کے ان اعتراضات کا جواب خود اپنے کلام میں ارشاد فرمایا جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں تفصیل سے پڑھیں گے انشاء اللہ۔

چنانچہ تحویلِ قبلہ سے متعلق تفصیل جاننے کے لیے ہم مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی مایہ ناز تفسیر معارف القرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں، امید ہے کہ انشاء اللہ یہ تفصیل پڑھ کر آپ ﷺ کی یہ عظیم خصوصیت مکمل وضاحت کے ساتھ سمجھ میں آجائے گی اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ عطا فرمائے آمین۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں تحویلِ قبلہ سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا. قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (سورۂ بقرہ)

ترجمہ: ''یعنی اب کہیں گے بیوقف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب، چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ''

آیت تفسیر...... اس آیت میں مخالفین کا اعتراض دربارہ تحویلِ قبلہ نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے، اس اعتراض اور جواب سے پہلے قبلہ کی حقیقت اور اس کی مختصر تاریخ سن لیجیے، جس سے سوال و جواب کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

قبلہ کے لفظی معنی ہیں سمتِ توجہ، یعنی جس طرف رُخ کیا جائے، یہ ظاہر ہے کے مؤمن کا رُخ ہر عبادت میں صرف ایک اللہ اور وحدہ لاشریک لہٗ کی طرف ہوتا ہے، اور اس کی ذات پاک مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی قیدوں اور سمتوں سے بالاتر ہے، وہ کسی خاص سمت میں نہیں، اس کا اثر طبعی خاص طور پر یہ ہونا تھا کہ کوئی عبادت کرنے والا کسی خاص رُخ کا پابند نہ ہوتا، جس کا جس طرف جی چاہتا نماز میں اپنا رُخ اس طرف کر لیتا، اور ایک ہی آدمی کسی وقت ایک طرف اور کسی وقت کئی طرف رُخ کرتا تو وہ بھی بے جا نہ ہوتا۔

لیکن ایک دوسری حکمتِ الٰہیہ اس کی مقتضی ہوئی کہ تمام عبادت گذاروں کا رُخ ایک ہی طرف ہونا چاہیے، اور وہ یہ ہے کہ عبادت کی مختلف قسمیں ہیں، بعض انفرادی ہیں، بعض اجتماعی، ذکر اللہ اور روزہ وغیرہ انفرادی عبادت ہیں جن کو جماعت و اجتماع و اعلان کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، ان میں عبادت کے ساتھ مسلمانوں کو اجتماعی زندگی کے آداب کا بتلانا اور سکھلانا بھی پیشِ نظر ہے، اور یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ اجتماعی نظام کا سب سے بڑا بنیادی اصول افرادِ کثیرہ کی وحدت اور یک جہتی ہے، یہ وحدت جتنی زیادہ قوی سے قوی ہوگی اتنا ہی اجتماعی نظام مستحکم اور مضبوط ہوگا، انفرادیت اور تشتت اجتماعی نظام کے لیے سمِ قاتل ہے، پھر نقطۂ وحدت متعین کرنے میں ہر قرن ہر زمانہ کے لوگوں کی مختلف راہیں رہی ہیں، کسی قوم نے نسل اور نسب کو نقطۂ وحدت قرار دیا، کسی نے وطن اور جغرافیائی خصوصیات کو کسی نے رنگ اور زبان کو۔

لیکن دینِ الٰہی اور شرائع انبیاء علیہم السلام نے ان غیر اختیاری چیزوں کو نقطۂ وحدت بنانے کے قابل نہیں سمجھا، اور نہ در حقیقت یہ چیزیں ایسی ہیں جو پورے افرادِ انسانی کو کسی ایک مرکز پر جمع کر سکیں، بلکہ جتنا غور کیا جائے یہ وحدتیں در حقیقت افرادِ انسانی کو بہت سی کثرتوں میں تقسیم کر ڈالنے اور آپس میں ٹکراؤ اور اختلافات کے اسباب ہیں۔

دینِ اسلام نے جو جس حقیقت جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے وحدت کا اصل نقطۂ فکر و خیال اور عقیدہ کی وحدت کو قرار دیا، اور کروڑوں خداؤں کی پرستش میں بٹی ہوئی دنیا کو

ایک ذاتِ حق وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت اور اطاعت کی دعوت دی جس پر مشرق ومغرب اور ماضی مستقبل کے تمام افرادِ انسانی جمع ہو سکتے ہیں، پھر اس حقیقی فکری اور نظری وحدت کو عملی صورت اور قوت دینے کے لیے کچھ ظاہری وحدتیں بھی ساتھ لگائی گئیں، مگر ان ظاہری وحدتوں میں بھی اصول یہ رکھا گیا کہ وہ عملی اور اختیاری ہوں، تاکہ تمام افرادِ انسانی ان کو اختیار کر کے ایک رشتۂ اخوت میں منسلک ہوسکیں، نسب، وطن، زبان، رنگ وغیرہ اختیاری چیزیں نہیں ہیں جو شخص ایک خاندان کے اندر پیدا ہو چکا ہے وہ کسی طرح دوسرے خاندان میں پیدا نہیں ہوسکتا، جو پاکستان میں پیدا ہو چکا وہ انگلستان یا افریقہ میں پیدا نہیں ہوسکتا، جو کالا ہے وہ اپنے اختیار سے گورا، اور جو گورا ہے وہ اپنے اختیار سے کالا نہیں ہوسکتا۔

اب اگر ان چیزوں کو مرکز وحدت بنایا جائے تو انسانیت کا سینکڑوں اور ہزاروں ٹکڑوں اور گروہوں میں تقسیم ہو جانا ناگزیر ہوگا، اس لیے دینِ اسلام نے ان چیزوں سے جن سے تمدنی مفاد وابستہ ہیں ان کا پورا احترام رکھتے ہوئے ان کو وحدت انسانی کا مرکز نہیں بننے دیا، کہ یہ وحدتیں افرادِ انسانی کو مختلف کثرتوں میں بانٹنے والی ہیں، ہاں اختیاری امور میں اس کی پوری رعایت رکھی کہ فکری وحدت کے ساتھ عملی اور صوری وحدت بھی قائم ہو جائے، مگر اس میں بھی اس کا پورا لحاظ رکھا گیا کہ مرکز وحدت ایسی چیزیں بنائی جائیں جن کا اختیار کرنا ہر مرد وعورت لکھے پڑھے اور ان پڑھ شہری اور دیہاتی امیر وغریب کو یکساں طور پر آسان ہو، یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلام نے تمام دنیا کے لوگوں کو لباس اور مسکن، کھانے اور پینے کے کسی ایک طریقہ کا پابند نہیں کیا، کہ ہر جگہ کے موسم اور طبائع مختلف اور ان کی ضروریات مختلفہ ہیں، سب کو ایک ہی طرح کے لباس یا شعار یعنی یونیفارم کا پابند کر دیا جائے تو بہت سی مشکلات پیش آئیں گی، پھر اگر یہ یونیفارم کم سے کم تجویز کر دیا جائے، تو یہ اعتدال انسانی پر ظلم ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے عمدہ لباس اور عمدہ کپڑوں کی بے حرمتی ہوگی، اور اگر اس سے زائد کسی لباس کا پابند کیا جائے تو غریب مفلس لوگوں کو مشکلات پیش آئیں گی۔

اس لیے شریعتِ اسلام نے مسلمانوں کا کوئی ایک شعار (یونیفارم) مقرر نہیں کیا، بلکہ مختلف قوموں میں جو طریقے اور قسمیں لباس کی رائج تھیں ان سب پر نظر کر کے ان میں سے جو صورتیں اسرافِ بیجا یا فخر وغیرہ یا کسی غیر مسلم قوم کی نقالی پر مبنی تھیں، صرف ان کو ممنوع قرار دے کر باقی چیزوں میں ہر فرد اور ہر قوم کو آزاد اور خود مختار رکھا، مرکز وحدت ایسی چیزوں کو بنایا گیا جو اختیاری بھی ہوں اور آسان اور سستی بھی، ان چیزوں میں جیسے جماعت نماز کی صف بندی، ایک امام کی نقل وحرکت کی مکمل پابندی، حج میں لباس اور مسکن کا اشتراک وغیرہ ہیں۔

اسی طرح ایک اہم چیز سمتِ قبلہ کی وحدت بھی ہے، کہ اگر چہ اللہ جل شانہٗ کی ذات پاک ہر سمت وجہت سے بالاتر ہے، اس کے لیے شش جہت یکساں ہیں، لیکن نماز میں اجتماعی صورت اور وحدت پیدا کرنے کے لیے تمام دنیا کے انسانوں کا رُخ کسی ایک ہی جہت وسمت کی طرف ہونا ایک بہترین اور آسان اور بے قیمت وحدت کا ذریعہ ہے، جس پر سارے مشرق ومغرب اور جنوب وشمال کے انسان آسانی سے جمع ہو سکتے ہیں، اب وہ ایک سمت وجہت کونسی ہو جس کی طرف ساری دنیا کا رُخ پھیرا جائے، اس کا فیصلہ اگر انسانوں پر چھوڑا جائے تو یہی ایک سب سے بڑی بناء اختلاف ونزاع بن جاتی ہے، اس لیے ضرور تھا کہ اس کا تعین خود حضرت حق جل وعلا شانہٗ کی طرف سے ہوتا، حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں اتارا گیا، تو فرشتوں کے ذریعہ بیت اللہ کعبہ کی بنیاد پہلے ہی رکھ دی گئی تھی، حضرت آدم اور اولادِ آدم علیہ السلام کا سب سے پہلا قبلہ یہی بیت اللہ اور خانہ کعبہ بنایا گیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

”سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے برکت والا، ہدایت والا جہان والوں کے لیے“

نوح علیہ السلام تک سب کا قبلہ یہی بیت اللہ تھا، طوفانِ نوح علیہ السلام کے وقت پوری دنیا غرق ہو کر تباہ ہوگئی، بیت اللہ کی عمارت بھی منہدم ہوگئی اور ان کے بعد حضرت خلیل

اللہ اور اسمٰعیل علیہما السلام نے دوبارہ بحکم خداوندی بیت اللہ کی تعمیر کی، اور یہی ان کا اور ان کی امت کا قبلہ رہا، اس کے بعد انبیاء بنی اسرائیل کے لیے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا گیا اور بقول ابو العالیہ انبیاء سابقین جو بیت المقدس میں نماز پڑھتے تھے وہ بھی عمل ایسا کرتے تھے صخرہ بیت المقدس بھی سامنے رہے اور بیت اللہ بھی۔ (بحوالہ تفسیر قرطبی)

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر جب نماز فرض کی گئی تو بقول بعض علماء ابتداً آپ ﷺ کا قبلہ آپ ﷺ کے جدّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ یعنی خانہ کعبہ ہی قرار دیا گیا، مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے اور مدینہ طیبہ میں قیام کرنے کے بعد اور بعض روایات کے اعتبار سے ہجرت مدینہ سے کچھ پہلے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا کہ آپؐ بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنایئے، صحیح بخاری کی روایات کے مطابق آنحضرت ﷺ نے سولہ سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز ادا فرمائی مسجد نبوی ﷺ میں آج تک اس کی علامات موجود ہیں، جہاں کھڑے ہوکر آپ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا فرمائی تھیں۔ (قرطبی)

حکمِ خداوندی کی تکمیل کے لیے تو سید الرسل ﷺ سر تاپا اطاعت تھے، اور حکمِ خداوندی کے مطابق نمازیں بیت المقدس کی طرف ادا فرما رہے تھے، لیکن آپ ﷺ کی طبعی رغبت اور دلی خواہش یہی تھی کہ آپ ﷺ کا قبلہ پھر وہی آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ قرار دے دیا جائے، اور چونکہ عادۃ اللہ یہی ہے کہ وہ اپنے مقبول بندوں کی مراد اور خواہش ورغبت کو پورا فرماتے ہیں اس لئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ امید تھی کہ آپ ﷺ کی یہ تمنا پوری کی جائیگی، اور اس لیے انتظارِ وحی میں آپ ﷺ بار بار آسمان کی طرف نظریں اُٹھا کر دیکھتے تھے، اسی کا بیان قرآن کی اس آیات میں ہے: قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰهَا فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ.

''ہم دیکھ رہے ہیں آپ ﷺ کا بار ہا آسمان کی طرف نظر اُٹھانا، سو ہم آپ کا قبلہ وہی بدل دینگے جو آپ ﷺ کو پسند ہے اس لیے آئندہ آپ ﷺ نماز میں اپنا رُخ مسجد حرام کی

طرف کیا کریں"

اس آیت میں رسول کریم ﷺ کی تمنا کا اظہار فرما کر اس کو پورا کرنے کا حکم دیدیا گیا، کہ آئندہ آپ ﷺ مسجد حرام کی طرف رُخ کیا کریں۔

نماز میں خاص بیت اللہ کا استقبال ضروری نہیں اسکی سمت کا استقبال بھی بیرونی دنیا کے لئے کافی ہے یہاں ایک فقہی نکتہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اس آیت میں کعبہ یا بیت اللہ کے بجائے لفظ مسجد حرام کا استعمال فرمایا گیا، جس میں اشارہ ہے کہ بلاد بعیدہ کے رہنے والوں کے لیے یہ ضروری نہیں کہ عین بیت اللہ کی محاذات پائی جائے، بلکہ سمتِ بیت اللہ کی طرف رُخ کر لینا کافی ہے، ہاں جو شخص مسجد حرام میں موجود ہے، یا کسی قریبی پہاڑ پر بیت اللہ کو سامنے دیکھ رہا ہے، اس کے لیے خاص بیت اللہ کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے، اگر بیت اللہ کی کوئی چیز بھی اس کے چہرے کے محاذات میں نہ آئی تو اس کی نماز نہیں ہوتی، بخلاف ان لوگوں کے جن کے سامنے بیت اللہ نہیں کہ ان کے واسطے سمت بیت اللہ یا سمتِ مسجد حرام کی طرف رُخ کر لینا کافی ہے۔

بہر حال ہجرت مدینہ سے سولہ سترہ مہینے بعد آپ ﷺ کا اور مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ بنایا گیا اس پر یہود اور بعض مشرکین و منافقین آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام پر اعتراض کرنے لگے ان کے دین کا بھی کوئی ٹھکانا نہیں، ان کا قبلہ بھی روز روز بدلتا رہتا ہے۔

قرآن کریم نے ان کا یہ اعتراض آیت مذکورہ میں نقل فرمایا، مگر ساتھ ہی عنوان یہ رہا کہ بے وقوف لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں، اور ان کی بے وقوفی اس جواب سے واضح ہوگئی جو اس کے بعد ذکر فرمایا گیا ہے، ارشاد ہے: قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ "یعنی آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کہ ہیں مشرق اور مغرب وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ چلاتا ہے"۔

اس میں استقبال قبلہ کی حقیقت کو واضح فرما دیا کہ کعبہ اور بیت المقدس کی کوئی خصوصیت بجز اس کے نہیں کہ حکم ربانی نے ان کو کوئی امتیاز دے کر قبلہ بنا دیا، وہ اگر چاہیں تو

ان دونوں کے علاوہ کسی تیسری چوتھی چیز کو بھی قبلہ بنا سکتے ہیں، پھر جس کو قبلہ بنادیا گیا اس کی طرف رُخ کرنے میں جو کچھ فضیلت اور ثواب ہے اس کی روح حکم حق جل شانہ، کی اطاعت کے سوا کچھ نہیں، جو بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اصول ہے، اور اسی لئے دوسری آیت میں اور زیادہ واضح فرمایا کہ: لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ . وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ. (بقرہ)

''اس میں ذاتی کوئی نیکی اور ثواب نہیں کہ تم مشرق کی طرف رُخ کرو یا مغرب کی طرف لیکن نیکی اللہ پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کرنے میں ہے۔''

اور ایک آیت میں فرمایا: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ''یعنی تم اللہ کے فرمان کے مطابق جس طرف بھی رُخ کرو اللہ تعالیٰ کی توجہ اسی طرف پاؤ گے۔''

ان آیات نے قبلہ اور استقبالِ قبلہ کی حقیقت کو بھی واضح فرمایا، کہ اس میں ان مقامات کی کوئی ذاتی خصوصیت نہیں، بلکہ ان میں خصوصیت پیدا ہونے کا سبب ہی یہ ہے کہ ان کو حق تعالیٰ نے قبلہ بنانے کے لیے اختیار فرمالیا، اور اس کی طرف رُخ کرنے میں ثواب کی وجہ بھی صرف یہی ہے، کہ حکم ربانی کی اطاعت ہے، اور شاید آنحضرت ﷺ کے لیے قبلہ میں تغیر وتبدل فرمانے کی یہ بھی حکمت ہو کہ عملی طور سے یہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ قبلہ کوئی بُت نہیں، جس کی پرستش کی جائے، بلکہ اصل چیز حکمِ خداوندی ہے وہ بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا آ گیا تو اس کی تکمیل کی، پھر جب کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم مل گیا تو اسی کی طرف رُخ کرنا عبادت ہو گیا، اس کے بعد والی آیت میں خود قرآن کریم نے بھی اس حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے، جس میں فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ.

''یعنی جس قبلہ پر آپ پہلے رہ چکے ہیں اسکو قبلہ بنانا تو محض اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ کون رسول کریم ﷺ کا اتباع کرتا ہے اور کون پیچھے ہٹ جاتا ہے''

اس حقیقتِ قبلہ کے بیان سے ان بے وقوف مخالفین کا بھی پورا جواب ہو گیا جو قبلہ

کے بارے میں تغیر وتحویل کو اصولِ اسلام کے منافی سمجھتے اور مسلمانوں کو طعنے دیتے تھے، آخر میں ارشاد فرمایا یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ . اس میں بتلادیا ہے کہ سیدھی راہ یہی ہے کہ انسان حکمِ حق جل شانہٗ کے لیے کمر بستہ منتظر رہے، جو حکم مل جائے اس پر بے چون و چرا عمل کرے اور یہ سیدھی راہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہلِ کتاب کو مسلمانوں کے ساتھ سب سے بڑا حسد تین چیزوں پر ہے، ایک یہ کہ ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لیے مخصوص کرنے کا حکم ساری امتوں کو ملا تھا، یہود نے شنبہ وسنیچر کا دن مقرر کرلیا، اور نصاریٰ نے اتوار کا، اور حقیقت میں عند اللہ وہ جمعہ کا روز تھا، جو مسلمانوں کے انتخاب میں آیا، دوسرے وہ قبلہ جو تحویل کے بعد مسلمانوں کے لئے مقرر کیا گیا، اور کسی امت کو اس کی توفیق نہیں ہوئی تیسرے امام کے پیچھے آمین کہنا کہ یہ تینوں خصلتیں صرف مسلمانوں کو میسر ہوئیں اہل کتاب ان سے محروم ہیں ۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد اول)

تو محترم قارئین! واضح ہوا کہ ہمارے نبی ﷺ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے عین نماز کی حالت میں قبلے کو تبدیل فرمادیا، بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی آپ ﷺ سے خاص محبت کی علامت ہے، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ . دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۴۹

رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی ہونے پر عاشقانِ رسول نے بارہا اپنی جانیں کٹوائیں

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ انچاسویں خصوصیت شروع کی جاتی ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی ہونے پر عاشقانِ رسول ﷺ نے بارہا اپنی جانیں کٹوائی'' بہر حال منجملہ خصوصیات میں سے یہ بھی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو امت بھی ایسی عظیم عطا فرمائی کہ جس میں ایسے ایسے عاشقانِ رسول پیدا ہوئے کہ جنہوں نے آپ ﷺ کی گستاخی پر اپنی جانیں کٹوادیں، دیگر انبیاء کی امتوں میں سے ایسے عاشقوں کے حالات اور واقعات ہمیں نظر نہیں آتے تو معلوم ہوا کہ صرف آپ ﷺ کی ہی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کی ذرا سی گستاخی بھی برداشت نہیں کی جاتی، اور ایسے گستاخوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جاتا ہے، چاہے اس کے نتیجے میں تختہ دار پر کیوں نہ چڑھنا پڑ جائے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ اسی طرح کے کچھ عاشقانِ رسول کا تذکرہ پڑھیں گے انشاء اللہ، جس سے آپ کا ایمان بھی تازہ ہوگا اور دل میں حضور ﷺ کی محبت میں بھی اضافہ ہوگا انشاء اللہ۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العلمین۔

اونچاسویں خصوصیت کی وضاحت

رب کائنات کی اس دھرتی پر محمد عربی ﷺ کی ذاتِ گرامی ایک ایسی ہستی ہے، جس

سے محبت، والہیت، عقیدت، وارفتگی اور عشق عین ایمان ہے۔ عشق رسول ﷺ نعمت بھی ہے اور قوت بھی،، دولت بھی اور حشمت بھی، شوکت بھی ہے اور صولت بھی، عشق محمد عربی ﷺ غیرت بھی ہے اور حمیت بھی، عصمت بھی ہے اور عفت بھی، ایثار بھی ہے اور وفا بھی، مولانا ظفر علی خان مرحوم فرماتے ہیں۔

نماز اچھی، روزہ اچھا، زکوٰۃ اچھی، حج اچھا
مگر میں باوجود اس کے مسلمان ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

جناب رسول ﷺ سے محبت ایمان کے تقاضوں میں سے ایک بنیادی تقاضہ ہے۔ کتاب و سنت کے اسرار سے زیادہ واقف اور دین کے تقاضوں سے سب سے زیادہ باخبر جماعت حضرات صحابہ کرامؓ کی تھی۔ وہ اچھی طرح اس حقیقت سے باخبر تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت، عقیدت، احترام اور وارفتگی کا کیا مقام ہے۔

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا آپ کو رسول اللہ ﷺ سے کتنی محبت ہے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا، آپ ﷺ ہم کو مال و دولت، ماں باپ اور اولاد سے زیادہ محبوب تھے۔ ایک صحابی رسولؐ کے متعلق روایات میں ہے کہ جب انہیں اطلاع ملی کہ سرور کائنات ﷺ دنیا سے رخصت ہو گئے تو اس صحابی رسول نے وہیں کھڑے کھڑے دعا کی! اے اللہ مجھ سے میری بینائی چھین لے کہ میں سرور کائنات کے جلوہ جہاں آرا کے بعد دنیا کی کوئی چیز دیکھنا نہیں چاہتا۔ زکی کیفی مرحوم نے کیا خوب ترجمانی کی ہے

چھین لے مجھ سے نظر اے جلوہ خوش روئے دوست
میں کوئی محفل نہ دیکھوں اب تیری محفل کے بعد

صحابہ کرامؓ نے حُبِّ نبوی ﷺ کو حرز جان بنالیا تو ان کی مقدس زندگیوں کا ایک ایک گوشہ اور ایک ایک لمحہ عشق رسالت کی خوشبو سے مہک اٹھا۔ جناب رسول ﷺ جب وضو

فرماتے تو صحابہ آپ کا استعمال شدہ پانی زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے۔آپ ﷺ تھوکتے تو آپ ﷺ کا لعاب مبارک حاصل کرنے کے لیے صحابہؓ لپکتے ،آپ ﷺ کا کوئی موئے مبارک جسم سے جدا ہوتا تو یہ مبارک ہستیاں اسے فوراً اٹھا لیتیں۔عشق رسول ﷺ کی یہ انمول دولت ہی تو تھی جو صحابہ کو میسر آئی تو وہ دنیا کے ہادی اور راہبر بن گئے ؎

در فشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا دل کو روشن کر دیا، آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے وہ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

ایک اور شاعر نے اسی مفہوم کو اپنے شاعرانہ انداز میں یوں بیان کیا ہے ؎

قدم بوسی کی دولت مل گئی تھی چند ذروں کو ابھی تک وہ چمکتے ہیں ستاروں کی جبیں ہو کر

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی فرماتے تھے، ہر انسان آکسیجن سے سانس لیتا ہے لیکن مسلمان کی سانس کا دوسرا نام عشق رسول ہے۔ہر انسان پانی پی کر جیتا ہے لیکن مسلمان حُب رسول کی آب و ہوا میں زندہ رہتا ہے، ہر انسان آنکھ سے دیکھتا ہے،لیکن مسلمان کی آنکھ کا سرمہ خاکِ مدینہ و نجف ہے، ہر انسان کے پہلو میں دل دھڑکتا ہے،لیکن ایک مسلمان کے دل کی دھڑکن یادِ رسول ہے، ہر انسان اپنی عزت و ناموس کی فکر میں رہتا ہے،لیکن مسلمان اپنی جان کو حرمت رسول پر لٹا دینے کو اپنے لیے سعادت سمجھتا ہے،تحفظ ناموس رسالت ہر صاحب ایمان کے دل کی آواز اس کی عقیدت کا اعزاز ہے۔رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے عشق، والہیت، محبت اور عقیدت ایک مسلمان کی متاع حیات ہے ؎

اک عشق مصطفیٰ ہے اگر ہو سکے نصیب ورنہ دھرا ہی کیا ہے جہان خراب میں

ہر مسلمان اپنے آقا و مولا ﷺ کی عزت و توقیر پر قربان ہونا ایمان کی بنیاد اور زندگی کی معراج سمجھتا ہے۔مسلمانوں نے محبتِ رسول ﷺ اور عشقِ رسول ﷺ کی ایسی روشن مثالیں رقم کیں، جن کی نظیر ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔یہ عشقِ رسول ہی کا اعجاز تھا کہ مسلمانوں نے دشمنان رسول سے ٹکر لی۔انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں سے ناموسِ رسالت کی خاطر مقابلہ کیا۔بھوک اور پیاس کو برداشت کیا۔جیلوں کو آباد کیا، پیروں

میں بوجھل زنجیریں پہنیں، ہاتھوں کو بیڑیوں سے سجایا، جسم پر کوڑوں کی ضربیں سہہ لیں، موت کا مسکرا کر استقبال کیا، پھانسی کے پھندے کو چوم کر گلے کا ہار بنایا، لیکن عشقِ رسول ﷺ سے باز نہ آئے۔ ذیل میں ہم کچھ ایسے ہی دیوانوں، عاشقوں میں سے بطورِ نمونہ کے کچھ سچے عاشقانِ رسول کا تذکرہ پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

عاشقِ رسول غازی علم الدین شہیدؒ کا واقعہ

رحمان مذنب صاحب راوی ہیں کہ: غازی علم الدین ۴ر دسمبر ۱۹۰۸ء کو متوسط طبقے کے ایک شخص طالع مند کے گھر (لاہور) میں پیدا ہوئے۔ یہ ان کے دوسرے بیٹے تھے۔ نجاری پیشہ تھا۔ عزت سے دن گزر رہے تھے۔ ایسے نامور نہ تھے، اپنے محلے تک ان کی شہرت محدود تھی یا پھر لاہور سے باہر جا کر کہیں کام کرتے تو محنت، شرافت اور دیانتداری کی بدولت مختصر سے حلقے میں اچھی نظر سے دیکھے جاتے۔ زندگی اس ڈھب کی تھی ؎

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے زندگی یونہی تمام ہوتی ہے

اس زمانے میں مسجد محلے کے بچوں کی ابتدائی درسگاہ تھی۔ طالع مند نے بھی اپنے بیٹے علم الدین کو مسجد میں بھیجا تاکہ قرآن مجید پڑھے۔ علم الدین نے کچھ دن وہاں گزارے تعلیم حاصل کی، لیکن وہ زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ قدرت کا کوئی راز تھا، ان سے ایسا کام لیا جانا تھا، جو عمل کی دنیا میں تعلیم سے بڑھ کر تھا، بلکہ تعلیم کا مقصود تھا۔ ان میں منجانب اللہ ایسا جوہر مخفی تھا، جسکے بچے کو خبر نہ تھی، لیکن اس جوہر نے آگے چل کر وہ کام کر دکھایا، جس سے انہیں ''تب وتاب جاودانہ'' میسر آئی۔ اس کام کا کوئی بدل نہ تھا۔ طالع مند کے دو بیٹے تھے محمد دین اور علم الدین۔ دونوں میں بڑا پیار تھا، علم الدین والد کے ساتھ کبھی باہر جاتا تو محمد دین کو قلق ہوتا۔

ایک دفعہ محمد دین نے علم الدین کے بارے میں ایک پریشان کن خواب دیکھا کہ علم الدین زخمی ہے۔ محمد دین بے چین ہوا اور چھوٹے بھائی کی خیریت معلوم کرنے سیالکوٹ

پہنچا۔ دونوں بھائیوں کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب محمد دین اپنے والد کے ٹھکانے پر پہنچا، تو علم الدین چارپائی پر بیٹھا تھا، بھائی کو دیکھتے ہی علم الدین اچھل پڑا۔ شدت جذبات سے دونوں بھائی بغل گیر ہو گئے۔ محمد دین نے دیکھا کہ علم الدین واقعی زخمی ہے۔ ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ ہاتھ پر شیشہ لگا تھا، لیکن زخم گہرا نہیں تھا۔ اگلے دن محمد دین واپس لاہور آ گئے۔

علم الدین نے بچپن میں بعض ایسے واقعات دیکھے، جن کے نقوش ان کے دماغ پر ثبت ہوئے اور ان کی کردار سازی میں کام آئے۔ علم الدین ایک سال تک والد کے ساتھ کوہاٹ میں رہے۔ یہ علاقہ غیور اور بہادر پٹھانوں کا ہے پٹھانوں کا یہ وصف ہے کہ جو ان سے نیکی کرے وہ اسے بھلاتے نہیں۔ یاد رکھتے ہیں بڑے مخیّر طبع اور متواضع لوگ ہیں۔ محسن کو قرار واقعی صلہ دیتے ہیں، جان تک نثار کر دیتے ہیں۔ علم الدین کے والد نے کوہاٹ جا کر رہنے کے لیے مکان کرائے پر لیا، جس کا مالک اکبر خان نامی پٹھان تھا۔ طالع مند ایک دن کام میں مصروف تھے کہ کسی نے آ کر بتایا کہ ان کے مالک مکان اکبر خان کا بھائی سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ اس کا بھائی شدید زخمی ہو گیا ہے اور اس کی رپورٹ پر پولیس نے اکبر خان کو گرفتار کر لیا ہے۔

اکبر خان کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی طالع مند نے کام چھوڑا اور اکبر خان کی مدد پر جانے کو تیار ہو گئے۔ طالع مند کے ایک ساتھی روشن خان نے حیرانی سے پوچھا، طالع مند! تمہاری اکبر خان کے ساتھ کوئی رشتہ داری ہے، جو یوں کام چھوڑ کر جا رہے ہو؟ طالع مند نے کہا میں اس کا کرایہ دار ہوں، وہ میرا محسن ہے، اگر خوشی کے وقت وہ مجھے نہیں بھول سکتا تو پھر میں مصیبت کی گھڑی میں اس کی خیر خبر نہیں لے سکتا۔

روشن خان اور طالع مند دونوں ساتھ چل پڑے اور دونوں کی کوشش سے اکبر خان پولیس کی گرفت سے چھوٹ گیا۔ اس واقعہ کا اکبر خان پر یہ اثر ہوا کہ طالع مند کی ضد اور اس کے اصرار کے باوجود اکبر خان نے ایک سال تک اس سے کرایہ وصول نہیں کیا۔ جب طالع مند واپس لاہور آئے تو اکبر خان نے پیار کی نشانی کے طور پر باپ بیٹے کو ایک ایک چادر بھی

دی۔

جب ہندو مصنف راج پال نے نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے رنگیلا رسول نامی کتاب لکھی تو اس کی اشاعت سے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ہر مسلمان کے دل میں ناموسِ رسالت ﷺ پر قربان ہونے کی امنگ بھر گئی۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے جذبات کے پیش نظر راج پال کے خلاف مقدمہ دائر کیا، لیکن عدالت نے اسے بری کر دیا۔ غازی علم الدین ان تمام حالات سے بے خبر تھے۔ ایک روز حسب معمول کام پر گئے ہوئے تھے۔ غروب آفتاب کے بعد گھر واپس جا رہے تھے، تو دلی دروازے میں لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ ایک جوان کو تقریر کرتے دیکھا تو رُکے۔ کچھ دیر کھڑے سنتے رہے، لیکن کوئی بات پلے نہ پڑی تو قریب کھڑے ایک صاحب سے انہوں نے دریافت کیا کہ کیا مسئلہ ہے؟ تو انہوں نے علم الدین کو بتایا کہ ایک ہندو راجپال نے ہمارے نبی کریم ﷺ کیخلاف کتاب چھاپی ہے۔ ان کے خلاف تقریر ہو رہی ہے۔ وہ دیر تک تقریر سنتے رہے، علم الدین کی زندگی کے تیور ہی بدل گئے، پھر ایک دفعہ غازی علم الدین نے خواب دیکھا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں، علم الدین جلدی کرو، راجپال تمہارے ہی ہاتھوں قتل ہوگا۔ قدرت نے یہ سعادت تمہارے ہی مقدر میں لکھی ہے۔

غازی علم الدین نے صبح ہوتے ہی تیز دھار چھری خرید لی اور سیدھا راجپال کی دکان پر پہنچے اور پوچھا کے راج پال کہاں ہے؟ اس نے کہا میں ہی راجپال ہوں۔ غازی علم الدین نے وہی چھری اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔ اس کے منہ سے ہائے کی آواز نکلی اور وہ فرش پر اوندھے منہ گر گیا۔ راج پال کو قتل کرنے کے بعد غازی بڑے اطمینان سے قریبی نل پر گئے اور چھری کو اس ملعون کے ناپاک خون سے صاف کیا۔

ابھی پانی پینے ہی والے تھے کہ ایک شور ان کے کانوں میں پڑا۔ راج پال قتل ہو گیا، قاتل کو پکڑو، جانے نہ پائے۔ شور مچانے والے سب ہندو تھے، ان کے ہاتھوں میں برچھیاں اور لاٹھیاں تھیں، لیکن وہ سب غازی کے قریب آکر خود بخود رُک گئے۔ یہ صورت

حال دیکھ کر غازی علم الدین مسکرا دیئے۔

غازی علم الدین کے والد گرامی طامع مند نے اپنے بیٹے کے اس کارنامے پر یوں اظہار مسرت فرمایا۔ اگر یہ کام میرا بیٹا نہ کرسکتا تو مجھے دُکھ ہوتا۔ والدہ محترمہ نے فرمایا، اگر میرے سات لڑکے ہوتے اور وہ اس طرح تحفظ ناموسِ رسالت کے لیے قربان ہو جاتے تو میں زیادہ خوش ہوتی۔

غازی نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ راج پال کی نعش میو ہسپتال بھجوا دی گئی۔ اس کے قتل کی خبر آناً فاناً پورے شہر میں پھیل گئی۔ رات گئے تک اخبارات کے ضمیمے فروخت ہوتے رہے۔ ہندو ہسپتال کے باہر جمع ہو گئے۔ مسلمان بھی پولیس اسٹیشن کے باہر غازی علم الدین کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ مسلمان اخبارات کا مطالبہ تھا کہ غازی علم الدین کو رہا کر دیا جائے، کیونکہ اس نے حرمتِ رسول کی پاسداری کی ہے۔

غازی علم الدین پر مقدمہ چلتا رہا، ہر عدالت نے انہیں سزائے موت کا حکم سنایا۔ علامہ اقبال اور محمد علی جناح نے انہیں بچانے کی سر توڑ کوشش کی۔ لیکن سزائے موت کا حکم برقرار رہا۔ ایک دفعہ کسی نے غازی سے کہا کہ تم اقبال فعل نہ کرو، تو آپ نے جواب دیا، تم لوگ مجھے جامِ شہادت سے محروم رکھنا چاہتے ہو، میں تو ہر جگہ یہ اعلان کروں گا کہ راج پال کو میں نے قتل کیا ہے۔ ایک جان کی کیا بات ہے، اگر مجھے دس جانیں مل جائیں تو میں وہ بھی ناموسِ رسالت کی پاسداری پر قربان کروں گا۔ یہ قتل میرے نامہ اعمال کا اعزاز ہے اور میں اس اعزاز سے محروم ہو کر حضور ﷺ کے دربار میں حاضر نہیں ہو سکتا۔

میانوالی شہر میں ایک مجذوب رہتا تھا، جو کسی سے بھی بات نہیں کرتا تھا، جب غازی علم الدین میانوالی جیل میں منتقل ہوئے۔ اس رات وہ مجذوب گلی کوچوں میں دوڑتا پھرتا تھا اور بلند آواز میں نعرے لگاتا لوگو! تمہیں مبارک ہو، تمہارے پاس ایک عاشقِ رسول ﷺ آ رہا ہے۔ وہ رات اس مجذوب نے یوں گزار دی، پھر غائب ہو گیا۔

جب جیل میں غازی علم الدین کو پھانسی کا حکم سنایا گیا تو ان کے جسم میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ چہرہ تمتما اٹھا اور وہ یہ شعر گنگنانے میں محو ہو گئے ۔

بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول ﷺ میں — اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام

پھانسی کی سزا سننے والا شخص جتنا بھی دلیر ہو پھانسی کی سزا کا اعلان ہو جانے کے بعد اس کا وزن ضرور گھٹتا ہے، بڑھتا نہیں لیکن عاشق رسول ﷺ غازی علم الدین کا وزن ۲۲ مئی ۱۹۲۹ء کو ۱۲۸ پونڈ تھا اور شہادت کے دن ان کا وزن ۱۴۰ پونڈ کے قریب تھا۔ یہ دنیا کی انوکھی مثال ہے۔

۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء بروز جمعرات میانوالی جیل ہی میں اس مردِ مجاہد کو تختہ دار پر چڑھانے کا اہتمام کر لیا گیا۔ آپ نے دو نوافل ادا کیے اور بڑے اطمینان اور وقار کے ساتھ تختہ دار کی طرف بڑھے اور پھندے کو چومتے ہوئے خوشی سے زیب گلو کر لیا اور درود و سلام پڑھتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر کے حیاتِ جاوداں پا گئے ۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

علامہ اقبال نے جب جنازے کی کیفیت دیکھی اور شہید کے چہرے کی زیارت سے فیضیاب ہوئے، تو فرمانے لگے: "اسیں گلاں ای کردے رہے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا" (یعنی ہم باتیں کرتے رہے ترکھان کا بیٹا ہم سے بازی لے گیا) غازی علم الدین کو لاہور میں چوبرجی کے بالکل نزدیک میانی صاحب کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا ۔

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا — جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی رقمطراز ہیں، غازی علم الدین کا مقسوم دیکھئے! نہ چلہ کیا نہ مجاہدہ، نہ حج کیا، نہ عمرہ کیا، نہ دیر میں نقشہ کھینچا نہ حرم کا مجاور بنا، نہ مکتب میں داخلہ لیا نہ خانقاہ کا راستہ دیکھا، نہ کنز و قدوری کھول کر دیکھی، نہ رازی و کشاف کا مطالعہ کیا، نہ حزب البحر کا ورد کیا، نہ اسم اعظم کا وظیفہ پڑھا، نہ علم و حکمت کے خم و پیچ میں الجھا، نہ کسی حلقہ تربیت

میں بیٹھا، نہ کلام ومعانی سے واسطہ رہا، نہ فلسفہ ومنطق سے آشنا ہوا، نہ مسجد کے لوٹے بھرے، نہ تبلیغی گشت کیا، نہ کبھی شیخی بگھاری، نہ کبھی شوخی دکھائی، اسے پاکبازی کا ضبط نہیں، محبوب حجازی سے ربط تھا، وہ تسبیح بدست نہیں، مست مئے الست تھا، وہ مسند آراء نہیں، فقیر سرراہ تھا۔

جس زمانے میں یہ رسوائے زمانہ کتاب لکھی اور چھاپی گئی، شہر لاہور میں ظاہر ہے حق ہو کے زلزلے ہوں گے، علم وفضل کے چرچے ہوں گے، تقریر وتحریر کے ہم ہمے ہوں گے، وعظ نصیحت کے غلغلے ہوں گے، ادیبوں اور خطیبوں کے طنطنے ہوں گے، لیکن شاتمِ رسول کو اسفل السافلین میں پہنچانے کی سعادت کسی صوفی باصفا، کسی امام ادب وانشا، کسی خطیب شعلہ نوا اور کسی سیاسی رہنما کے حصے میں نہیں آئی بلکہ ایسے مزدور کو ملی جو ممتاز دانشور نہیں معمولی کاریگر تھا، جس کی پیشانی پر علم وفضل کے آثار نہیں، ہاتھوں میں لوہے کے اوزار تھے، خدا معلوم وہ نمازی تھا یا نہیں، لیکن صحیح معنوں میں غازی نکلا، وہ کلاہ ودستار کا آدمی نہیں تھا، مگر بڑے کردار کا حامل بن گیا۔

غازی علم الدین نے فن تجوید وقرأت سیکھا، نہ عربی فارسی پڑھی، نہ رومی کی مثنوی دیکھی، نہ زمخشری کی کشاف پڑھی، نہ دین کے اسرار ورموز سمجھے، مگر ایک راز اس پر ایسا کھلا کہ مقدر کے بند کواڑ کھل گئے۔ قسمت کا دریچہ کیا کھلا کہ جنت کے دروازے کھل گئے، یہ عقل خود بین کا کرشمہ نہیں، عشقِ خدا بین کا معجزہ تھا کہ کل تک دکان پر ٹھک ٹھک کرنے والا علم الدین آج کروڑوں مسلمانوں کے سینے میں دل بن کر دھک دھک کر رہا ہے۔

عاشقِ رسول ﷺ غازی عبداللہ شہید کا واقعہ

سلطان نور الدین زنگی کے بعد صوفی عبداللہ شاید وہ دوسری خوش نصیب ہستی ہے، جسے خود رسول کریم ﷺ نے اپنے گستاخ کو واصل جہنم کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ قسمت کی بات ہے کہ زنگی صاحب شوکت وحشمت حکمران تھے اور صوفی عبداللہ ایک فقیر اور درویش جو کپڑا بن کر اپنی گزران کرتے تھے۔ صوفی عبداللہ پیشے کے لحاظ سے ایک معمولی جولاہے تھے،

مگر دنیائے صدق وصفا میں جس سکے کی مانگ ہے اس سے صوفی عبداللہ کا دامن بھی یقیناً اتنا ہی مالا مال تھا جتنا صدیوں پہلے بادشاہ وقت نورالدین زنگی کا چنانچہ حضور رسالت مآب ﷺ کی ایک ہی نظر التفات نے ایک فقیر بے نوا کو شاہِ وقت کے برابر لا کھڑا کیا، جس طرح خواب میں سلطان نورالدین زنگی کو ارشاد فرمایا گیا تھا۔

زنگی! دیکھو دو کتے سرنگ کھود کر میری قبر کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جلد مدینے پہنچو اور ان کتوں کی خبر لو۔ صدیوں بعد تقریباً ایسے ہی کام کے لیے پورے برصغیر کے مسلمانوں میں سے ایک فقیر بے نوا کو چنا گیا اور خواب میں اسے بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے فرمان عطا کیا گیا کہ عبداللہ جاؤ، فلاں گاؤں پہنچو اور میرے شاتم کی خبر لو۔

صوفی عبداللہ نے ایک رات خواب میں دیکھا، حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا عبداللہ یہ مرتد مجھے دُکھ پہنچا رہا ہے۔ اس کی زبان بند کر دو۔ اتنا فرما کر حضور تشریف لے گئے۔ صوفی عبداللہ کی آنکھ کھل گئی، جس وقت اسے باعث صد افتخار مہم کے لئے دربار رسالت سے حکم ملا تو عمر تیس بتیس سے تجاوز نہ تھی۔ اس واقعے کی تفصیل پروفیسر افضل حسن نے یوں نقل کی ہے:

غازی صوفی عبداللہ کا تعلق جولاہا قوم سے تھا۔ وہ موضع پٹی تحصیل وضلع قصور کا رہنے والا تھا۔ چک نمبر ۲۴ تھانہ خانکاہ ڈوگراں تحصیل وضلع شیخوپورہ میں اس کا پیر خانہ تھا مذکورہ چک کی ملحقہ آبادی چک نمبر ۲۴ چھوٹی میں ایک بدبخت نور محمد کاہلوں رہتا تھا، جو قریب کے ایک گاؤں موضع ہرنالہ کی ایک عورت کے دام فریب میں پھنس کر دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا تھا۔ مذکورہ عورت سے شادی کرنے کی خاطر مرتد ہو کر اس نے سکھ مذہب اختیار کر لیا اور چلچل سنگھ نام رکھ لیا۔ چلچل سنگھ نے حق کو کیا چھوڑا، اس کے اندر بھری ہوئی خباثتیں باہر اُمڈ آئیں۔ سکھوں کے اکسانے پر وہ جگہ جگہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی شان میں دریدہ دہنی اور یاوہ گوئی کرنے لگا۔ گاؤں کی تقریباً ساری آبادی سکھوں پر مشتمل تھی جو بے حد مالدار، ثروت مند، خوشحال اور حکومت میں اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ ادھر مسلمانوں کے صرف چند

گھر آباد تھے، وہ بھی ضعیف و نادار اور نہایت کمزوری وغریبی کی حالت میں تھے اور سکھوں کا مقابلہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔

جب صوفی عبداللہ کو خواب میں حضور ﷺ کا حکم ملا تو وہ اٹھا اور کسی کو بتائے بغیر مرتد و مردود سکھ کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ عبداللہ بادۂ عشقِ رسول ﷺ سے سرشار حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں چلا جا رہا تھا۔ اسے نہ سکھوں کی کثرت اور طاقت کی پرواہ تھی اور نہ اپنی بے چارگی و کم مائیگی کا احساس و خیال۔ بس ایک ہی دُھن اس کے سر پر سوار تھی کہ وہ کسی طریقے سے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمان بجالائے اور آخرت میں سرخرو ہو جائے۔

صوفی عبداللہ اسی دُھن میں کھویا ہوا سکھوں کے اس گاؤں میں جا پہنچا۔ صبح کا وقت تھا۔ چلچل سنگھ کے بارے میں دریافت کیا تو پتہ چلا کہ وہ گاؤں سے باہر کنویں پر ہے، صوفی عبداللہ نے کنویں کا رُخ کر لیا۔ چلچل سنگھ کنویں پر بیٹھا تھا، بہت سے سکھ قریبی کھیتوں میں ہل چلا رہے تھے۔ غازی عبداللہ نے انکے پاس جا کر پوچھا مجھے چلچل سنگھ سے ملنا ہے۔ ادھیڑ عمر کے ایک سکھ نے اشارہ سے بتایا، وہ سامنے بیٹھا ہے۔ پس عبداللہ چیتے کی سی تندی و تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اسے دبوچ لیا۔ اس سے پہلے کہ چلچل اس ناگہانی افتاد سے سنبھلتا، صوفی عبداللہ نے اسے لٹا کر چھری اس کی گردن پر پھیر دی۔

چلچل سنگھ خاصا ہٹا کٹا اور موٹا تازہ تھا، لیکن ادھر عشقِ نبی ﷺ کی قوت کارفرما تھی۔ لہٰذا اس کی مضبوط گردن دیکھتے ہی دیکھتے کٹ گئی۔ غازی عبداللہ نے چھری زمین پر رکھ دی۔ اور خود بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہو کر خدائے وحدہٗ لاشریک کا شکر بجالایا، جس نے اسے اپنے حبیب و محبوب ﷺ کا حکم ماننے کی توفیق بخشی، پھر اٹھ کر بھاگ نہیں نکلا، بلکہ بڑے اطمینان کے ساتھ وہیں بیٹھ گیا۔

جب کہ ایم اے حکیم ایڈوکیٹ نے اس واقعہ میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ جب عبداللہ نے چلچل سنگھ کو جہنم رسید کیا، تو اس کی چہیتی بیوی (جس کے عشق میں اس نے سکھ مذہب قبول کیا تھا) بھی کام کر رہی تھی، عبداللہ نے اسے بھی للکارا تو وہ بھاگ نکلی، مگر عبداللہ نے

اسے کچھ فاصلے پر جالیا اور سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے چلچل سنگھ کے قریب لا کر ذبح کر دیا۔

ایک عجیب عالم تھا۔ بدباطن چلچل سنگھ کی گردن کٹی پڑی تھی اور وہ تڑپ کر ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ قاتل چند قدم کے فاصلے پر بیٹھا تھا، مگر کسی سکھ کو اس کے قریب آنے کی ہمت نہ تھی۔ کچھ سکھوں نے بھاگم بھاگ اس سانحہ کی اطلاع پولیس کو دی۔ پولیس آئی تو اس وقت بھی غازی عبداللہ بے حد اطمینان سے چلچل سنگھ کی لاش کے قریب بیٹھا ہوا تھا، جیسے پولیس کے انتظار میں ہو۔ پولیس کے سپاہی یہ منظر دیکھ کر دم بخود ہو گئے۔ حیران ہو کر سکھوں سے پوچھا، یہ اکیلا آدمی تھا اور تم ڈھیر سارے۔ تعجب یہ ہے کہ چلچل سنگھ کو تم پھر بھی قتل ہونے سے نہ بچا سکے۔ بلکہ اس کے قریب آنے کی ہمت بھی نہ کر سکے۔ اس پر ان کا جواب اور بھی حیران کن تھا۔ وہ کہنے لگے یہ اکیلا کہاں تھا، اس کے ساتھ مسلح جم غفیر تھا، جس کی وجہ سے ہمیں نہ قتل سے پہلے اس کی طرف بڑھنے کی جرأت ہوئی، نہ قتل کے بعد اس کے قریب پھٹکنے کی ہمت پڑی۔ جب غازی عبداللہ سے پولیس افسر نے دریافت کیا "کیا واقعی تمہارے ساتھ کوئی مسلح گروہ تھا، تو اس نے نفی میں جواب دیا، پھر ایک معنی خیز مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی"۔

غازی عبداللہ کو قتل عمد کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا اور عدالتی کاروائی کی گئی۔ غازی و مجاہد کی طرف سے مقدمے کی پیروی شیخوپورہ کے معروف وکیل ملک انور مرحوم نے کی۔ غازی علم الدین اور غازی عبدالقیوم کی طرح عبداللہ سے بھی کہا گیا کہ اقبالِ جرم سے انکار کر دو، تو سزا سے بچ سکتے ہو، مگر عبداللہ کا جواب وہی تھا جو پہلے دو غازیوں اور شہیدوں کا تھا کہ اس طرح تم مجھے بارگاہِ رسالت و نبوت میں حاضری سے محروم کرنا چاہتے ہو، جو مجھے ہرگز منظور نہیں اور پھر یہ کہ اس جرم سے کیسے انکار کروں، جس پر مجھے فخر و ناز ہے اور جو میری مغفرت و بخشش کے لیے میری زندگی کا سب سے بڑا نیک عمل ہے۔ چنانچہ غازی عبداللہ کے نصیبوں میں چونکہ شہادت اور دربارِ رسالت میں فوری حاضری لکھی تھی، اس لیے فیصلہ

سنایا تو غازی کا چہرہ بشاشت سے چمک اٹھا اور جب اسے پھانسی کے تختے کی جانب لے کر گئے تو وہ زبان حال سے کہہ رہا تھا ؎

جان دی، دی ہوئی اس کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(شہیدانِ ناموسِ رسالت)

عاشقِ رسول غازی عبدالقیوم شہیدؒ کا واقعہ

سید آل احمد رضوی لکھتے ہیں کہ ''یہ اوائل ۱۹۳۳ء کا ذکر ہے کہ آریہ سماج حیدر آباد سندھ کے سیکرٹری نتھو رام نے ''تاریخِ اسلام کے نام سے ایک کتاب شائع کی، جس میں سرکارِ دو عالم کی شان اقدس میں سخت دریدہ دہنی مظاہرہ کیا۔ مسلمانوں میں سخت اضطراب پیدا ہوا، انہوں نے شدید احتجاج کیا، جلسے کئے، جلوس نکالے۔ مولانا عبدالحمید سندھی اور دوسرے مسلمان لیڈروں نے نتھو رام کے خلاف حیدر آباد میں استغاثہ دائر کیا۔ نتھو رام پر مقدمہ چلا۔ حکومت نے کتاب کو ضبط کر لیا اور ملزموں کو معمولی جرمانے کے ساتھ ایک سال کی قید کی سزا سنائی گئی۔ اس نے جوڈیشنل کمشنر کی عدالت میں سزا کے خلاف اپیل دائر کی۔ عدالت سے اس کی ضمانت بھی منظور ہو گئی۔ مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ اس وقت مسلمانوں کے جو جذبات مشتعل تھے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ غازی عبدالقیوم نے نتھو رام کی خرافات کا ذکر سنا تو اس کی غیرتِ ایمانی بھڑک اُٹھی''۔

رائیکمال اس کی صراحت یوں کرتے ہیں۔ ''یہ بات سننے پر غازی عبدالقیوم شہیدؒ نے پوچھا کہ ''سندھ میں اس قدر مسلمان ہیں، مگر اس بدزبان کو کسی نے نہیں پوچھا کہ سرورِ کائنات ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کی تجھے کس طرح جرأت ہوئی؟ کیا ہم اس قدر بے غیرت ہو چکے ہیں؟'' اس کے بعد آپ نے کہا، میرے پاس چھوٹا چاقو ہے، میں اسے توڑتا ہوں اور اس مردار کے لیے ایک بڑا چاقو خریدوں گا''۔ چاقو خریدنے پر شہباز محبت نے اپنی رفیقہ محترمہ سے کہا ''میں نے یہ تیز دھار آلہ خاص نتھو رام کے لیے حاصل کیا ہے دعا کرو

اللہ مجھے اس سے عدالت میں ہی ملوائے اور میں مردود مذکور اور اس کے کارندوں کو بتادوں کہ میرے رسول ﷺ کی عظمت اور تقدیس میں یاوہ گوئی کا فیصلہ انگریز کی عدالت سے نہیں کسی غیرت مند مسلمان کے خنجر کی نوک سے ممکن ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ عبدالقیوم نے جو بعض دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عدالت میں نتھو رام کے قریب بیٹھا ہوا تھا، چاقو نکالا اور نتھو رام کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ نتھو رام چلایا ایک اجنبی شخص آگے بڑھا اور حملہ آور کو پکڑ لیا، مگر عصمتِ نبی کا محافظ غصے میں تھا، اس نے خود کو چھڑا کر اپنا چاقو مردود مذکور کے شکم میں اتار دیا۔ نتھو رام بری طرح زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اس کے زخم سے خون بہہ رہا تھا، مضروب کی حالت نازک تھی۔ اس کو سول ہسپتال پہنچایا گیا، لیکن علاج معالجے سے قبل ہی وہ فنافی النار ہو چکا تھا۔ غازی عبدالقیوم شہیدؒ نے اس بد زبان گستاخ کو عین دوپہر کے وقت کمرۂ عدالت میں کیفر کردار تک پہنچایا اور پولیس کے سامنے برملا فرمایا کہ "نتھو رام کو میں نے نہایت سوچ سمجھ کر قتل کیا ہے اور پیغمبر خدا ﷺ کی توہین کرنے والوں کا یہی انجام ہونا چاہیے"۔

جب غازی عبدالقیوم نے نتھو رام کو کمرہ عدالت میں قتل کیا تو ایک جج جس کا نام اوسالون تھا۔ ڈائس سے اترا، غازی پر قہر آلود نگاہ ڈالی اور تحکمانہ انداز میں بولا، تم نے اس کو مار ڈالا؟ ہاں اور کیا کرتا، غازی نے جرأت سے جواب دیا اور پھر کمرے میں آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اگر یہ تمہارے بادشاہ کو گالیاں دیتا، تو تم کیا کرتے، تم میں غیرت ہوتی، تو تم اس کو قتل نہ کر ڈالتے، پھر انتہائی حقارت سے نتھو رام کی لاش کی طرف انگلی اٹھائی اور کہا اس خنزیر کے بچے نے میرے آقا اور شہنشاہوں کے شہنشاہ کی شان میں گستاخی کی ہے اور اس کی یہی سزا ہے۔

بعد ازاں مجسٹریٹ کے روبرو جرأت مندانہ بیان قلم بند کرواتے ہوئے فرمایا، اس شخص نتھو رام نے میرے آقا کو گالیاں دی تھیں، میرے ہوش و حواس بالکل بجا ہیں میں وثوق سے کہتا ہوں کہ مجھے اقبالِ قتل کے لیے بالکل مجبور نہیں کیا گیا اور نہ ہی مجھ پر کوئی دباؤ ہے اور

میں جانتا ہوں کہ میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں اسے میرے خلاف بطورِ شہادت استعمال کیا جائے گا میری زندگی کا سب سے خوش گوار دن وہی تھا، جس دن میں نے نتھو رام کو جہنم رسید کیا۔

اس سے آگے کا حال سید آل احمد رضوی لکھتے ہیں، ''غازی عبدالقیوم'' کے رشتہ داروں اور دوستوں نے اقبالِ جرم سے روکا، مگر اس نے انکار کر دیا۔ آخر عدالت نے غازی کو سزائے موت کا حکم سنایا۔ یہ حکم سنا تو غازی کے منہ سے بے ساختہ نکلا ''الحمد اللہ'' اور بڑے جوش سے جج کو مخاطب کرتے ہوئے بولا، ''میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے موت کی سزا ملی۔ یہ ایک جان کیا چیز ہے، میرے پاس لاکھوں جانیں ہوتیں تو میں وہ بھی ناموس رسالت پر نچھاور کر دیتا''۔ غازی عبدالقیوم فیصلہ سن کر جیل چلے گئے۔

مسلمانوں نے ان کی جان بچانے کی کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کا ایک وفد علامہ اقبال کی خدمت میں لاہور آیا اور ان سے درخواست کی کہ غازی کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرانے میں وائسرائے سے ملاقات کریں اور اپنے رسوخ کو کام میں لائیں، وفد کی بات سنکر علامہ نے چند ثانیے سوچا، پھر بولے کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟ ارکانِ وفد نے کہا کہ اس نے ہر موقع پر اپنے کئے پر خوشی کا اظہار کیا ہے اور کھلے بندوں کہتا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے، مجھے پھانسی سے بچانے کی کوشش مت کرو۔

''علامہ اقبال نے وفد کی بات سنی تو کہا کہ جب وہ کہہ رہا ہے کہ اس نے شہادت خریدی ہے، تو میں اس کے اجر و ثواب کی راہ میں کس طرح حائل ہو سکتا ہوں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے شخص کے لیے وائسرائے کی خوش آمد کروں جو زندہ رہا تو غازی اور مر گیا تو شہید''

'' کہتے ہیں علامہ اقبال نے علم الدین شہید'' اور غازی عبدالقیوم کے واقعات سے متاثر ہو کر یہ شعر کہے

نظر اللہ پر رکھتا ہے مسلمان غیور   موت کیا شے ہے فقط عالم معنی کا سفر

ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ

قدر و قیمت میں ہے خون جن کا حرم سے بڑھ کر

آہ! اے مردِ مسلمان تجھے کیا یاد نہیں   حرف لا تدع اللہ الٰها اخر

اشعر عطا عدالت کے روبرو غازی کے بیان کو یوں نقل کرتے ہیں، ''جب تک ایک بھی کلمہ گو مسلمان موجود ہے اور اس کے سینے میں ایمان افروز دل موجود ہے، وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی بد دہن اس کے آقا مولا ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اور اس کی نظروں کے سامنے زندہ رہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے نتھو رام کو قتل کیا ہے اور وہ جہنم کا ایندھن بن چکا ہے، اگر مجھے رہا کر دیا جائے تو میں رہا ہونے کے بعد ہر اس شخص کے خلاف جو میرے آقا کی شان میں گستاخی کرے گا، یہی کاروائی عمل میں لاؤں گا، جس کا مظاہرہ میں نے نتھو رام کو جہنم واصل کرنے میں کیا ہے۔

رائے کمال لکھتے ہیں، ''۱۳ اکتوبر کو حسبِ توقع غازی عبد القیوم کو کراچی کی عدالت سے سزائے موت کا مستحق قرار دیا گیا۔ آپ نے موت کی سزا نہایت صبر و تحمل اور خندہ پیشانی کے ساتھ سنی، جج اور جیوری کے ''منصفانہ'' فیصلے پر شکریہ ادا کیا اور بڑے سکون کے ساتھ کٹہرے سے ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' کے نعرے لگاتے ہوئے باہر نکل آئے۔ ۱۴ اکتوبر کی صبح دس بجے غازیؒ سے ان کے رشتہ داروں کی ایک ملاقات ہوئی تلاوت قرآن حکیم میں محو تھے اور بے حد ہشاش بشاش نظر آئے۔

والدہ محترمہ نے فرمایا ''بیٹا میں خوش ہوں کہ تم نے ناموس سرورِ کونین ﷺ پر اپنے آپ کو قربان کر دیا ہے، اگر کچھ خیال ہے تو صرف اتنا کہ اگر تمہارے دل میں یہ جوش قربانی تھا تو تمہاری شادی جس کو قلیل عرصہ ہوا، نہ کرتی۔ غازی صاحب فقط ایک لحظہ رہ کر فرمانے لگے: ''ماں! جو لوگ رات کو شادی کرتے ہیں اور صبح مر جاتے ہیں، وہ بھی تو ہیں ناں!'' والدہ صاحبہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دعا کے لیے کہا، حضرت قبلہ غازی صاحب نے نہایت خشوع و خضوع سے بہ تعمیل حکم سب کے لیے دعا فرمائی''۔

آپ نے جملہ لواحقین کو تلقین صبر کی اور فرمایا کہ یہ جان ناتواں شمع رسالت ﷺ پر جب نثار ہو جائے اور میں شہید کر دیا جاؤں، تو آپ نہایت صبر اور حوصلے سے کام لیں، اگر تم میں سے کسی نے ایک آنسو بھی بہایا تو سرورِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں اس سے دامن گیر ہوں گا۔

ازاں بعد طمانیت قلبی سے ''السلام علیکم'' کہہ کر آپ اپنے محبوب ترین مشغل دوامی تلاوتِ کلام اللہ العزیز میں مشغول ہو گئے''۔ (بحوالہ روزنامہ اوصاف، اسلام آباد ۳۱؍اکتوبر ۲۰۰۰ء)

عاشقِ رسول غازی عبدالرحمٰن شہیدؒ کا واقعہ

مانسہرہ میں قیامِ پاکستان سے پہلے ہندو کاروبار پر چھائے ہوئے تھے۔ ایک آدھ دُکان مسلمانوں کی تھی، اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ آئے دن کوئی نہ کوئی واقعہ برصغیر میں ظاہر ہوتا۔ ہندو رسالت مآب ﷺ کی گستاخی کرتے' گڑبڑ ہوتی، یہاں کشمیر روڈ پر بھی ایک سکھ تھا، جو انتہائی خودسر تھا۔ ۲۴ سال کا جوان تھا اکثر مسلمانوں کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتا تھا۔ غازی عبدالرحمٰن شہید نماز جمعہ پڑھنے کے لیے موضع صابر شاہ سے مانسہرہ آیا کرتا تھا۔ حسبِ معمول جب اپنے گھر سے نکلا تو اس کا بھانجا سنگار خان اپنی زمین میں مویشی چرا رہا تھا، اس کو اپنے پاس بلایا اور سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا بیٹا میرے لیے دعا کرنا، خدا مجھے اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔ سنگار خان کہنے لگا کہ میں چونکہ اس وقت چھوٹا سا تھا، میں نہ پوچھ سکا کہ آپ کا کیا مقصد ہے۔ جب غازی صاحب روانہ ہوئے تو میں نے کہا مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، وجہ یہی تھی غازی صاحب کا منصوبہ کچھ اور تھا۔ جب غازی عبدالرحمٰن سکھ کی دُکان پر گئے، ہاتھ میں چھوٹی سی کلہاڑی ہوا کرتی تھی' جو بہت خوبصورت تھی، اس کو خوب تیز کیا ہوا تھا، اس سکھ سے کوئی سودا طلب کیا اور باتوں باتوں میں اس سکھ سے کہا کہ تمہارے بندے آئے دن زبان درازیاں کرتے ہیں، غازی نے سنا ہوا تھا کہ یہ بھی کچھ ایسی باتیں کرتا رہتا ہے۔

چنانچہ اس سکھ نے کہا ہمارے لوگ جو کچھ کرتے ہیں، میں بھی کروں گا، غازی صاحب نے کہا اگر تم ایسی بات کرو گے تو میں تمہاری زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔ اسی تو تکار میں اس نے رسول کریم ﷺ کے بارے میں کوئی بات کہہ دی، پس پھر کیا تھا غازی عبدالرحمٰن صاحب نے کلہاڑی سے اس سکھ پر لگاتار وار کیے، آگے آگے وہ سکھ بھاگ رہا تھا، پیچھے

غازی عبد الرحمٰن دوڑ رہے تھے، وہ سکھ اپنی برادری کی دکانوں میں داخل ہوا جو سودا کی دکانیں کرتے تھے، جگت سکھ اسکا بھائی تھا، وہ مشینوں کے نیچے جا کر کہیں گھس گیا، چونکہ وہ شدید زخمی تھا۔ وہاں جا کر گر گیا اور آناً فاناً بھگدڑ مچ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سکھ تو مر گیا، غازی عبد الرحمٰن نے پورے بازار کا چکر لگایا۔ پولیس اس کے قریب بھی نہیں آئی اور نہ غازی صاحب کو پولیس نے گرفتار کیا۔ اس وقت مانسہرہ کا اسسٹنٹ کمشنر عبد الرحیم خان صاحب تھا۔ جو یہاں ہری پور کا رہنے والا تھا۔ دو مقامی مسلمان بھائیوں زید اور احمد علی نے غازی صاحب کو پکڑ کر پولیس کے حوالہ کیا۔ غازی عبد الرحمٰن نہ ہی قتل کرنے کے بعد بھاگے اور نہ ہی کوئی حرکت کی، بالکل سکون سے رہے۔ اے سی رحیم خان نے ان دونوں کو ڈانٹ پلائی اور لعن طعن کیا کہ تم نے ایسے مجاہد پر کیوں ہاتھ ڈالا۔

قتل کے بعد غازی صاحب بازار ہی میں کہتے تھے کہ میں نے اپنے آقا و مولیٰ کی گستاخی کا بدلہ لے لیا۔ اب مجھے کوئی افسوس نہیں ہے، میں تیاری کر کے آیا تھا کہ آج میں گھر واپس نہیں آؤں گا یا وہ سکھ گھر میں واپس نہیں جائے گا۔ پولیس نے غازی عبد الرحمٰن کا بیان تحریر کیا کہ میں نے بالکل ہوش و حواس میں یہ کام کیا ہے۔ کیونکہ اس نے میرے آقا کی توہین کی تھی عدالت میں کیس چلا تو تین چار وکیل غازی صاحب کے دفاع میں پیش ہوئے انہوں نے کہا غازی آپ کہہ دیں کہ مجھے اشتعال میں کچھ ہوش و حواس نہ تھا۔

ہم آپ کو بچا لیں گے۔ غازی صاحب نے کہا میں اپنا ثواب ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ جب ماتحت عدالت نے غازی کو پھانسی کی سزا دی تو وکلاء نے کہا ہم ہائی کورٹ میں اپیل کریں گے، غازی صاحب نے صاف کہہ دیا، میں اپیل نہیں کروں گا۔ چنانچہ غازی عبد الرحمٰن کو پھانسی دے دی گئی۔ جب پھانسی کے بعد اس پروانے کی میت صابر شاہ لائی گئی، بھیٹر کنڈ سے صابر شاہ تک راستہ کے دونوں کناروں تک عوام کا جم غفیر تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ برصغیر کے تمام مسلمان آج مانسہرہ کی سرزمین میں جمع ہو گئے۔ نہایت تزک و احتشام سے غازی صاحب کو صابر شاہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔ آج وہ صابر شاہ کے پرانے قبرستان

میں آسودۂ خاک ہیں بقولِ شاعر

ہم نے دیکھی تھی ادا کل تیرے دیوانوں کی　　دھجیاں کچھ لیے بیٹھے تھے گریبانوں کی

فواجگان سے اگر آپ بفہ آئیں تو ترنگڑی بالا ہائی سکول کے مقامی سڑک کے دائیں ہاتھ چھوٹی سی مسجد ہے، اور مسجد کے ساتھ ہی غازی عبدالرحمٰن کی قبر ہے، جو شکستہ حالت میں ہے۔ (بحوالہ ہفت روزہ ختم نبوت ۱۱ تا ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۶ء)

عاشقِ رسول ﷺ غازی مرید حسین شہیدؒ کا واقعہ

غازی مرید حسین موضع بھلہ کریالہ (چکوال) کے رہنے والے تھے۔ پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ ان کے دل میں سرور کونین ﷺ کی بے پناہ محبت موجزن تھی۔ اس کے نتیجے میں ایک رات خواب میں انہیں سرکار دوعالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور پاک ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس مرید کو ایک گستاخ زمانہ کافر کا حلیہ دکھایا، جسے انہوں نے اپنی ڈائری میں اچھی طرح نوٹ کرلیا۔ اس واقعہ کے بعد انکے دل میں زبردست انقلاب آ گیا اور وہ ماہی بے آب کی طرح بے تاب رہنے لگے۔

آخر کار قدرت نے اس عاشقِ صادق کو امتحان کا موقع فراہم کر دیا۔ ایک دن زمیندار اخبار میں ایک خبر "پلول کا گدھا" کے عنوان سے شائع ہوئی کہ ہندوستان کے ایک قصبہ پلول ضلع گوڑگانواں کے ایک ہندو رام گوپال نے جو شفا خانہ حیوانات میں ڈاکٹر ہے، ہسپتال میں ایک گدھے کا نام محسن انسانیت ﷺ کے اسم گرامی پر رکھا ہوا ہے۔ (نعوذ باللہ) اس بدذات کی اس شرمناک جسارت کی خبر پورے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی اور مسلمانوں نے آگ بگولہ ہو کر صدائے احتجاج بلند کی، جب فساد امن کا خطرہ بڑھا تو اس ڈاکٹر کا تبادلہ وہاں سے ضلع حصار کے قصبہ نارنوند میں کر دیا گیا۔

غازی مرید نے اصرار کر کے ماں سے اجازت لی کہ وہ ایک اہم کام پر جا رہے ہیں۔ بھیرپہنچ کر بھائی کو خط لکھا کہ میں ایک ضروری کام پر جا رہا ہوں، اس لیے سب کچھ اللہ

اور تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ بھیرہ ہی سے ایک دو دھارا خنجر خریدا اور چاچڑ شریف میں اپنے مرشد کے ہاں گئے۔ عرض مدعا کیا، راز و نیاز کی باتیں ہوئیں۔ رخصت کے وقت پیر نے مرید کو گلے لگایا اور اس کے دل بسمل کی دھڑکنوں کو سنا اور دعا کے طور پر کہا 'بسلامت روی و باز آئی۔

غازی مرید حسین واپس گھر پہنچے، وہ ایک فیصلہ کر چکے تھے۔ وہ اس مقام پر کھڑے تھے جہاں ایک طرف بیوہ ماں کی شفقت، وفا شعار بیوی کی محبت، برادری کے بندھن، دنیاوی مصلحتیں، سینکڑوں کنال زمین، لہلہاتے کھیت اور تیار فصلیں تھیں اور دوسری طرف عشقِ رسول ﷺ کا امتحان تھا۔ عقل سوچتی رہ گئی، مگر عشق نے امتحان کے حق میں فیصلہ دے دیا

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　　عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

غازی سیدھے چکوال گئے اور ڈاک خانہ سے اپنی جمع شدہ رقم میں سے سات سو روپے نکلوائے اور کسی کو بتائے بغیر اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔ چکوال سے آپ پہلے لاہور پہنچے، پھر سیدھے دہلی چلے گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر رام گوپال پشاور چلا گیا ہے۔ آپ پھرتے پھراتے واپس پشاور پہنچ گئے، لیکن ڈاکٹر پشاور سے نارنوند جا چکا تھا۔ آپ اس کے تعاقب میں ۶/اگست ۱۹۳۶ء کو دوبارہ حصار پہنچ گئے۔ پوچھتے پوچھتے آپ اس ہسپتال میں جا پہنچے جہاں وہ گستاخ زمانہ رام گوپال متعین تھا۔ اسے غور سے دیکھا اور مخبر صادق ﷺ کے بتائے ہوئے حلیے کو ڈائری میں دیکھا، اسے ہو بہو درست پا کر دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ ڈاکٹر کی رہائش گاہ دیکھی۔ حالات کا جائزہ لیا، پھر کسی مسلمان کا گھر تلاش کیا۔ ایک مسافر کی حیثیت سے نمازِ ظہر ادا کی اور دعا مانگی۔

اے میرے اللہ تیرے اس نحیف و نزار اور ناچیز بندے کو اپنے آبائی وطن سے سینکڑوں میل دور کافروں کی بستی نارنوند میں تیرے محبوب ﷺ کی محبت جس مقصد کے لیے کھینچ لائی ہے، اس میں کامیابی و کامرانی عطا فرما۔ اگست کا مہینہ تھا، شدید گرمی پڑ رہی

تھی۔ڈاکٹر کی رہائش گاہ ہسپتال سے ملحق تھی، صحن میں قدم رکھا، تو سامنے درختوں کے گھنے سائے میں وہ ملعون سو رہا تھا، جس نے کروڑوں مسلمانوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔قریب ہی دوسری چارپائی پر اس کی بیوی کشیدہ کاری میں مصروف تھی ۔ بچے کچھ جاگ رہے تھے، کچھ سوئے ہوئے تھے، ہسپتال کا عملہ سب کا سب ہندو تھا اور وہ بھی زیادہ دور نہ تھا۔

مرید حسین نے جان ہتھیلی پر رکھ کر بے خوف وخطر نعرہ لگایا، اللہ اکبر، پھر اس ملعون ڈاکٹر کو مخاطب کر کے پکارا او گستاخِ زمانہ کافر اُٹھ، آج محمد ﷺ کا پروانہ آ ہی گیا ہے۔ بیوی نے بھی شوہر سے کہا، رام گوپال، اُٹھ کوئی مسلہ آ گیا ہے۔رام گوپال آنکھیں ملتا اور دھوتی سنبھالتا اُٹھا، بیوی اور نوکر چاکر مرید حسین کو پکڑنے کے لیے لپکے، مگر انہوں نے آن کی آن میں خنجر موذی کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ وہ دھڑام سے ایسا گرا کہ پھر نہ اُٹھا۔غازی مرید حسین نے خنجر قریبی تالاب میں پھینک دیا اور خود بھی اس میں چھلانگ لگا کر تیرنے لگا۔

پولیس کی جمعیت نے تالاب کو گھیرے میں لے لیا۔غازی حسین نے پوچھا تم میں کوئی مسلمان ہے؟ اتفاق سے مقامی تھانیدار مسٹر احمد کیوٹ تھا۔اس نے کہا میں مسلمان ہوں۔مرید حسین تالاب سے باہر آئے اور خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرتے ہوئے کہا، میرا نام عاشقِ رسول ﷺ ہے میں نے ہی ڈاکٹر کو قتل کیا ہے، جس نے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں پر ڈاکہ ڈال کر ان کا امن وسکون لوٹ لیا تھا۔

مقدمے کی پیروی کے لیے غازی مرید حسین کے بھائی لاہور سے حصار کے ایک مشہور وکیل بیرسٹر جلال الدین قریشی کے نام زمیندار اخبار کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان کے فرزند اختر علی خان کا ایک خط لے کر گئے تھے۔اس کے ذکر پر غازی نے کہا۔ مجھے وکیل کی ضرورت نہیں میرا وکیل تو اللہ تعالیٰ ہے۔

قریشی صاحب سے وکالت کی گفتگو ہو رہی تھی، جو غالباً اپنی انتخابی مصروفیات کی وجہ سے مقدمہ کی پیروی کے لیے تیار نہ تھے۔اتنے میں ایک بزرگ صورت مولوی صاحب

تشریف لائے۔قریشی صاحب نے تعارف کراتے ہوئے کہا،مولانا یہ چکوال سے آئے ہیں اور "بدقسمت" ملزم کے لواحقین ہیں، جس نے ڈاکٹر رام گوپال کو نارنوند میں قتل کر دیا ہے۔یہ سن کر مولوی صاحب سخت جلال میں آگئے اور کہا جلال الدین صاحب بدقسمت آپ ہیں ،بدقسمت میں ہوں ،بدقسمت ہمارا سارا علاقہ ہے ،بدقسمت ہندوستان کے کروڑوں مسلمان ہیں،جن کی موجودگی میں گستاخ زمانہ رام گوپال دندناتا پھرتا رہا۔بدقسمت اور بے غیرت تو ہم ہیں ۔ان کی خوش قسمتی میں کیسے کلام ہوسکتا ہے ،جن کے نامور فرزند نے یہاں سے سینکڑوں میل دور علاقہ چکوال سے آکر ناموسِ رسالت کی حفاظت کا حق ادا کر دیا ہے۔کیا یہ ہر مسلمان کا فرض نہیں کہ وہ حبیبِ کبریا حضرت محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالے؟

مولوی صاحب کی اس سرزنش کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریشی صاحب نے بلا معاوضہ مقدمے کی پیروی کا ذمہ لے لیا۔حصار کی ضلع کچہری میں مقدمے کی سماعت ایک مجسٹریٹ پنڈت لکشمی دت کے ہاں شروع ہوئی،لیکن ابتدائی سماعت کے بعد اس نے جلد ہی مقدمہ سیشن کے سپرد کر دیا۔تین دن کی سماعت کے بعد چوتھے دن فیصلہ سناتے ہوئے جج نے کہا' میں تمہیں سزائے موت دیتا ہوں ۔لیکن ایک درخواست کے نتیجے میں دوبارہ سماعت کی گئی ،مگر سزائے موت برقرار رہی۔اس پر ہائی کورٹ میں اپیل کی سماعت کی گئی۔اس نے بھی اپیل خارج کر کے سزائے موت بحال رکھی۔

آخری ملاقات پر ماں نے بیٹے سے کہا کہ پھانسی کا پھندا وہ خود اپنے گلے میں ڈالے،کوئی بھنگی وغیرہ نہ ڈالے۔غازی صاحب نے کہا ماں جی ٹھیک ہے۔آخر خدا خدا کر کے ۲۴ر ستمبر بمطابق ۱۸ر رجب ۱۳۵۹ھ جمعۃ المبارک کی صبح آ پہنچی،جس کا غازی مرید حسین بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔جیل سے باہر عاشقِ رسول ﷺ کے عاشقوں کا ایک جم غفیر جمع تھا اور جیل کے اندر پروانہ رسالت شمع رسالت پر جل مرنے کو بے تاب۔

جب شہادت کا وقت آیا تو آپ درود شریف پڑھ رہے تھے۔ڈپٹی مجسٹریٹ نے

کہا آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں، انہوں نے کہا میں اپنا کام کر رہا ہوں، آپ اپنا کام کریں۔ چنانچہ غازی صاحب درود و سلام پڑھتے ہوئے دیکھتے ہی دیکھتے جامِ شہادت نوش کر کے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے ؎

جب طائرِ جان گلشنِ ہستی سے رواں ہو ۔۔۔ ہو نام محمد لبِ کیفی پہ الٰہی

آخر کار بعد نمازِ جمعہ آپ کو بھلا شریف کے نزدیک "غازی محل" میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ (از شہیدانِ ناموسِ رسالت)

شورش کاشمیری اپنی کتاب پس دیوارِ زنداں میں لکھتے ہیں: "قصبہ پلول میں ہندو ایک سرکاری سرجن تھا، جس نے اپنے گدھے کا نام (خاکم بدہن) حضور کے نام پر رکھا۔ ایک مسلمان نوجوان نے اسے قتل کر ڈالا۔ عدالت نے اسے سزائے موت کا حکم سنایا، جو آخر تک بحال رہا۔ اس کے پھانسی پانے سے ایک دن قبل میں اسے ملا۔ وہ چھریرے بدن کا ایک خوبصورت نوجوان تھا بڑا مطمئن، مطلقاً پشیمان یا ہراساں نہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو رہا ہے۔ چنانچہ بڑی جواں مردی کے ساتھ دار کے تختہ پر گیا اور بڑے اطمینان کے ساتھ جان دے دی۔ مسلمانوں کو رسول اللہ (فداہ ابی اُمی) سے جو عشق ہے، وہ شاید کسی پیرو مذہب کو اپنے ہادی یا مذہب سے ہو"۔ (پس دیوارِ زنداں)

عاشقِ رسول ﷺ غازی میاں محمد شہیدؒ کا واقعہ

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی لکھتے ہیں، ضلع چکوال کی سرزمین اس لحاظ سے بڑی خوش قسمت ہے کہ اس نے دو عظیم جان نثارانِ رسول ﷺ پیدا کئے۔ پہلا عاشقِ رسول ﷺ غازی مرید حسین شہیدؒ ہے اور دوسرا فدائی غازی میاں محمد شہیدؒ ہے۔ جس نے چرن داس نامی ایک مردود ڈوگرے سپاہی کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

غازی میاں محمد ۱۹۱۵ء کو تلہ گنگ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام نامی صوبیدار غلام محمد تھا۔ اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ میاں محمد پانچ سال کے تھے، جب انہیں

پرائمری سکول میں داخل کرادیا گیا، پرائمری کے بعد ہائی سکول میں داخل ہوئے ،لیکن ساتویں جماعت تک پڑھنے کے بعد ان کا جی تعلیم سے اچاٹ ہوگیا۔۱۵سال کے ہوئے تو ڈرائیوری سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں ملازم ہوگئے۔اور تلہ گنگ سے میانوالی جانے والی ایک بس چلانے لگے۔لیکن بعد میں جلد اس سے بھی دل بھر گیا۔۱۹۳۱ء میں کوئٹہ چلے گئے اور ایک ٹھیکیدار کے ساتھ بطور منشی کام کرنے لگے۔یہ کام بھی پسند نہ آیا تو ۱۹۳۲ء میں گاؤں واپس آ گئے اور ۱۹۳۳ء میں انڈین نیوی میں بھرتی ہو گئے۔بعد ازاں انڈین آرمی کو چھوڑ کر ۱۹۳۵ء میں بلوچ رجمنٹ میں بطور سپاہی بھرتی ہوئے اور ابتدائی ٹریننگ کراچی میں مکمل کرنے کے بعد اسی سال اکتوبر میں مدراس چھاؤنی بھیج دیے گئے۔یہی وہ جگہ تھی جہاں قدرت نے ان سے غیر معمولی کام لینا تھا۔

۱۶رمئی ۱۹۳۷ء کی شب کا ابھی آغاز ہوا تھا۔مدراس چھاؤنی میں ڈیوٹی سے فارغ فوجی سپاہی مختلف گروپوں میں بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔انہی میں ایک طرف چند مسلمان نعتِ رسول کریم ﷺ سننے میں محو تھے، جو شخص نعت سنا رہا تھا۔وہ اتفاق سے ہندو تھا۔ وہ ہندو بڑی خوش الحانی اور عقیدت مندی کے ساتھ نعت سنا رہا تھا۔ایک ہندو ڈوگرے سپاہی نے جب ایک ہندو کو اس طرح عقیدت مندی کے ساتھ نعت پڑھتے سُنا تو وہ مارے تعصب کے جل کر تباہ ہوگیا۔اس نے باآواز بلند آنحضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے نعت پڑھنے والے ہندو سے مخاطب ہوکر کہا محمدؐ.....کو....کر و کسی اور کا ذکر کرو، تو کیا ہندو ہے، تو تو ہندو دھرم کا مجرم ہے۔

غازی میاں محمد اپنے آقا کی شان میں یہ گستاخی سنکر تڑپ اُٹھے اور ڈوگرہ سپاہی سے کہا، تو یہاں سے چلا جا، خبر دار آئندہ ایسی بکواس نہ کرنا۔یہ سنکر ڈوگر سپاہی بولا، میں تو بار بار ایسا ہی کہوں گا تم سے جو ہوسکتا ہے، کرلو، یہ بے ہودہ جواب سنکر میاں محمد کا خون کھول اُٹھا، انہوں نے بمشکل اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا' آئندہ اپنی ناپاک زبان سے ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کا جملہ کہنے کی جرأت نہ کرنا، ورنہ یہ بدتمیزی تجھے بہت جلد

ذلت ناک موت سے دوچار کردے گی۔ بدقسمت ڈوگرے سپاہی نے پھر ویسا ہی تکلیف دہ جواب دیا اور کہا، مجھے ایسی گستاخی سے روکنے کا تمہیں کوئی حق نہیں، یہ سنکر میاں محمد سیدھے اپنے حوالدار کے پاس گئے یہ بھی ہندو تھا۔ آپ نے اس سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا اگر چرن داس (ہندو ڈوگرہ) نے برسرعام معافی نہ مانگی تو اپنی زندگی سے کھیلنا مجھ پر فرض ہو جاتا ہے۔ ہندو حوالدار نے اس نازک مسئلے پر کوئی خاص توجہ نہ دی، صرف یہی کہا کہ میں چرن داس کو سمجھا دوں گا۔

میاں محمد حوالدار کی یہ سرد مہری دیکھ کر سیدھے اپنی بیرک میں پہنچے۔ وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کر چکے تھے۔ انہوں نے نماز عشاء ادا کی اور پھر سجدے میں جا کر گڑ گڑاتے ہوئے دعا کی۔ میرے اللہ! میں نے تہیہ کرلیا کہ تیرے محبوب کی شان میں گستاخی کرنے والے کا کام تمام کر دوں۔ یا اللہ! مجھے حوصلہ عطا فرما، ثابت قدم رکھ، مجھے اپنے محبوب کے عاشقوں میں شامل کرلے۔ میری قربانی منظور فرمالے۔

نماز سے فارغ ہو کر میاں محمد گارڈ روم میں گئے۔ اپنی رائفل نکالی، میگزین لوڈ کیا اور باہر نکلتے ہی چرنداس کو للکار کر کہا، کم بخت اب بتا نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے پر میں باز پرس کا حق رکھتا ہوں یا نہیں، یہ سن کر شاتم رسول چرنداس نے بھی جو بندوق اٹھائے ڈیوٹی دے رہا تھا، پوزیشن سنبھالی اور رائفل کا رُخ میاں محمد کی طرف موڑا۔ لیکن اگلے ہی لمحے ناموس رسالت کے شیدائی کی گولی چرنداس کو ڈھیر کر چکی تھی۔ رائفل کی دس گولیاں اسکے جسم سے پار کرنے کے بعد غازی میاں محمد نے سنگین کی نوک سے اس کے منہ پر پے در پے وار کیئے۔ سنگین سے وار کرتے ہوئے وہ کہتے جاتے تھے۔ اس ناپاک منہ سے تونے پیارے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی۔

جب غازی کو مردود چرنداس کے جہنم واصل ہونے کا یقین ہوگیا، تو انہوں اپنے ہاتھ سے خطرے کی گھنٹی بجائی اور بگلر سے کہا وہ مسلسل بگل جائے۔ جب سب پلٹن جمع ہو گئی تو غازی نے کمانڈنگ افسر سے کہا کہ کسی مسلمان افسر کو بھیجو کہ میں رائفل پھینک کر خود کو

گرفتاری کے لیے پیش کروں۔آپ کی گرفتاری کے لیے آپ ہی کے علاقے کے ایک مسلمان جمعدار عباس خان کو بھیجا گیا۔گرفتاری کے بعد انگریز کے کمانڈنگ افسر نے غازی موصوف سے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟انہوں نے جواب دیا، چرنداس نے ہمارے رسول کریم ﷺ کی شان میں گستاخی اور بدکلامی کی تھی۔ میں نے اس کو روکا لیکن وہ باز نہ آیا۔میں نے اس کو ہلاک کر دیا۔اب آپ قانونی تقاضے پورے کریں۔

اگلے روز ۱۷ رمئی ۱۹۳۷ء کو غازی میاں محمد کو تفتیش کے لیے پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ابھی آپ دس دن پولیس کی حراست میں رہے تھے کہ کمانڈر انچیف (جی ایچ کیو دہلی) کا حکم آیا کہ میاں محمد پر فوجی قانون کے تحت مقدمہ چلا جائے۔فوجی حکام چاہتے تھے کہ غازی صاحب کو ذہنی مریض قرار دے کر سزا دی جائے تاکہ کیس کو مذہبی رنگ نہ ملے اور ہندو بھی خوش ہو جائیں۔اس مقصد کے تحت غازی صاحب کو گورنمنٹ مینٹل ہسپتال مدراس میں داخل کر دیا گیا۔

ایک ماہ بعد ڈاکٹر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ میں نے پورا مہینہ میاں محمد کو اپنی خصوصی نگرانی میں رکھا ہے۔نفسیاتی جائزہ بھی لیا ہے، کئی بار چھپ کر معائنہ بھی کیا ہے، لیکن اس عرصہ میں ایک بار بھی میں نے انہیں فکرمند یا کسی سوچ میں گم نہیں پایا۔ایک ماہ میں ان کا وزن بھی بڑھ گیا ہے، اگر ان کو یہ فکر ہوتی کہ قتل کے مقدمہ میں میرا کیا حشر ہوگا، تو اس کا وزن کم ہو جاتا، یہ کسی غم وفکر میں مبتلا نہیں۔میرا میڈیکل تجزیہ یہی بتاتا ہے کہ میاں محمد نے قتل کا ارتکاب مذہبی جذبات مشتعل ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔

۱۶ راگست کو غازی صاحب کا جنرل کورٹ مارشل شروع ہوا۔پانچ دن کارروائی ہوتی رہی۔کل اٹھارہ گواہوں کے بیانات ہوئے۔تین ڈاکٹروں کی شہادت بھی ریکارڈ پر آئی۔لیکن غازی صاحب اپنے ابتدائی بیان پر ڈٹے رہے، اور کہا میں نے جو کچھ کیا ہے خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے، یہی میرا فرض تھا۔چرنداس نے میرے آقا ومولیٰ کی شان اقدس میں گستاخی کی تھی۔کورٹ مارشل کے دوران غازی صاحب کے وکیل نے رائے دی کہ وہ یہ

بیان دے دیں کہ میں نے گولی اپنی جان بچانے کی غرض سے چلائی تھی، کیونکہ چرنداس مجھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا، لیکن غازی نے سختی سے اس بیان کو مسترد کر دیا، اور کہا میری ایک جان تو کیا! ایسی ہزاروں جانیں بھی ہوں تو سرکارِ دوعالم ﷺ کی حرمت پر نچھاور کر دوں۔

میرے ہزار دل ہوں تصدق حضورؐ پر　　　میری ہزار جان ہو قربانِ مصطفیٰ

۲۳ ستمبر ۱۹۳۷ء کو غازی میاں محمد کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا، جس کا جواب غازی نے مسکرا کر دیا۔

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے　　　اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

۵ اکتوبر کو وائسرائے ہند کے پاس اپیل کی گئی، جو مسترد ہو گئی، اپیلیں مسترد ہو جانے کے بعد فوجی حکام نے ۱۲ اپریل ۱۹۳۸ء کو سزا پر عملدرآمد کا فیصلہ کیا۔ پھانسی کے انتظامات کا جائزہ لینے کے لیے ۱۰/۳ بلوچ رجمنٹ کا ایک افسر کراچی سے مدراس پہنچا۔ اس نے غازی صاحب سے پوچھا، کوئی آخری خواہش ہو تو بتاؤ، فرمایا ساقی کوثر کے ہاتھوں سے جام پی کر سیراب ہونا چاہتا ہوں۔

جن لوگوں نے آخری وقت آپ کی زیارت کی، ان کا کہنا ہے کہ چہرے پر سرور اور تازگی پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔ والدہ اپنے تیئیس سالہ جوان بیٹے کا دیوانہ وار کبھی سر چومتیں کبھی منہ، والد نے بہ ہزار مشکل اپنے آپ کو سنبھالے رکھا، اسی رات ۱۱ اپریل کو انہیں مدراس جیل لے جایا گیا۔ رات بھر آپ عبادت میں مشغول رہے۔ تہجد کے بعد غسل فرمایا، سفید لباس زیب تن کیا۔ نمازِ فجر ادا کی، پھر آپ کو تختہ دار کی طرف لے جایا گیا۔ تختہ دار پر کھڑے ہوتے ہی آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر مدینہ منورہ کی طرف رُخ کر کے فرمایا۔

سرکار میں حاضر ہوں۔ پھانسی کا پھندا آپ کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ تختہ دار کھینچ دیا گیا۔ دیکھنے والوں نے کہا کہ آپ کے چہرہ پر برستا ہوا نور کچھ اور افزوں ہو گیا، فضا کی عطر بیزی کچھ اور بڑھ گئی۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کر کے کہا، بے قرار روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ہے۔ اگلے ہی لمحے ساقی کوثر کا دیوانہ حوضِ کوثر کے کنارے اپنی پیاس بجھا رہا تھا۔

پھانسی کی سزا ملنے سے قبل جب غازی جیل میں تھے۔عید کا موقع آیا تو غازی نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ عید کی نماز عید گاہ میں مسلمانوں کے ساتھ پڑھنا چاہتے ہیں ،بڑی مشکل سے اجازت ملی۔جب غازی عید گاہ پہنچے تو تمام مسلمان کھڑے ہوگئے۔غازی صاحب نے مسلمانوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، پیارے بھائیو! اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرو، میں پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کا ادنیٰ غلام ہوں۔مجھ میں اس کے سوا کوئی خوبی نہیں کہ میرے ہاتھوں سے شانِ رسول پر ناروا حملہ کرنے والے ایک مردود کو قرار واقعی سزا ملی ہے۔تاجدارِ مدینہ کی شان میں ذرا سی توہین بھی برداشت نہیں کی جا سکتی۔ آئندہ بھی کسی گستاخ نے یہ حرکت کی تو ناموسِ رسالت پر فدا ہونے کے لیے ہزاروں جانثار مقتل کی طرف بڑھیں گے۔تمام بھائی دعا کریں کہ اللہ کریم راضی ہو اور بارگاہِ رسالت میں مجھ ناچیز کی جان جیسی حقیر قربانی قبول ہوجائے۔

عاشقِ رسول ﷺ دو دوستوں کی داستان عشق کا واقعہ

ایک دفعہ کلکتہ سے ایک کتاب شائع ہوئی ،جس میں محبوبِ رب کائنات ﷺ کا کارٹون بنا کر چھاپ دیا گیا۔پشاور کے ایک نوجوان امیر احمد نے یہ کارٹون دیکھا تو غم سے نڈھال ہو گیا، ضیا جالوی نے اس واقعے کو بڑے دلنشین انداز میں یوں قلم بند کیا ہے۔موصوف رقم طراز ہیں:

''ایک عجیب تصویر اس کی آنکھ سے گزری۔ایک غیر متوقع منظر اس کی آنکھوں نے دیکھا۔اس نے دیکھا کے جس پیکر نور کو وہ مصور فطرت کا سب سے حسین شاہکار سمجھتا تھا ۔کاغذ کے ایک ٹکڑے پر مرتسم ہے۔گویا سمندر کوزے میں بند ہے اور بشریت کاغذ پر اتر آئی ہے۔اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ جس جسم لطیف کا سایہ تک نہ تھا،اس کی کاغذ پر تصویر کیسے اتر سکتی ہے۔پھر اس نے وہ سطریں پڑھیں ،جو بطور تعارف قلم بند ہوئی تھیں ،وہ الفاظ پڑھے جو بطورِ القاب استعمال کیے گئے تھے اور وہ دلخراش فقرہ پڑھا،جس کو زیب

عنوان بنایا گیا تھا اور جس سے صاحبِ تصویر کی جلالت اسی کا پتہ چلتا تھا اور اب اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ کسی گستاخ نے اس کے محبوب ﷺ کا کارٹون بنایا ہے۔

وہ محبوب جو کائنات کی عظیم و جلیل شخصیت ہے، جو دنیا کا نجات دہندہ بھی ہے اور فرماں روائے گیتی بھی، جس نے انسانیت کی سب سے زیادہ خدمت کی اور جو دنیا والوں کو جینے کا سب سے اچھا سلیقہ سکھا گیا، اس کی شان میں گستاخی کی گئی تھی، اس کا مذاق اُڑایا گیا تھا امیر احمد غم سے نڈھال ہو گیا، وہ مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا، آج اس کے دل پر ایک چوٹ لگی تھی۔ اس کے قلب کو ایک صدمہ پہنچا تھا۔ اس کے دل کا سکون چھن گیا، اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سلب ہو گئی۔ کتاب اس کے سامنے تھی۔ اس پر چھپی ہوئی تصویر اسے برابر دیکھے جا رہی تھی۔ وہ شدتِ درد سے چیخ اٹھا۔ گھاؤ گہرا تھا، اس لیے اس کی تکلیف بھی ناقابلِ برداشت تھی۔ اس کی روح زخم کی اس ناقابلِ برداشت اذیت سے بلبلا اُٹھی۔ اس کے ہاتھ سے پیمانہ صبر چھوٹ گیا۔ اس نے طے کر لیا کہ جلد سے جلد کلکتہ پہنچے گا، جہاں سے وہ رسوائے زمانہ کتاب شائع ہوئی تھی۔

تانگہ ہوا سے باتیں کرتا ہوا اسٹیشن کو جا رہا تھا۔ اس کا دوست عبداللہ اس کے ساتھ ہی تانگے پر سوار تھا۔ امیر احمد اس سے کہہ رہا تھا۔ میں نے زندگی کے آخری سانس تک تم سے دوستی نبھانے کی قسم کھائی تھی۔ میں نے تمام عمر رفاقت کا وعدہ کیا تھا اور میں نے زندگی کے ہر موڑ پر تمہارا ساتھ دیا بھی، میں نے تم سے بے پناہ محبت کی اور میرا پیار تمہارے لیے وقف رہا، لیکن آج پہلی بار میں تمہارا ساتھ چھوڑ رہا ہوں، میں نے طے کر لیا ہے کہ اپنے آقا ﷺ پر صدقے ہو جاؤں، ان کی عزت و حرمت پر کٹ مروں اور ان کی بارگاہ ناز میں نقد جان بھی نذر کروں۔ میں کلکتہ اسی مقصد سے جا رہا ہوں۔ شوقِ شہادت ہی مجھے وہاں لے جا رہا ہے۔ میرے بعد تم میری بوڑھی ماں کا خیال رکھنا۔ اگر تم سے ہو سکے تو میرے یتیم بھائیوں اور بے سہارا بہنوں کی خبر گیری کرنا۔ یہ میری آخری گذارش ہے۔

جب امیر احمد اپنی گفتگو تمام کر چکا تو عبداللہ نے کہا، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں

اسٹیشن تک چھوڑنے جا رہا ہوں تو یہ تمہاری بھول ہے، میں زندگی کی آخری منزل تک تمہارے ساتھ ہوں، کلکتہ تم تنہا نہیں جا رہے ہو، تمہارا عبداللہ بھی تمہارا رفیقِ سفر ہے، اپنے آقا ﷺ پر قربان ہو جانے کی تمنا اکیلے تمہارے ہی دل میں نہیں مچل رہی، اس میں میں بھی تمہارا شریک کار ہوں، شہادت کی تڑپ میرے دل میں بھی ہے۔ میں بھی اپنے آقا پر قربان ہونے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں، تمہارے آقا صرف تمہارے آقا نہیں ہیں، وہ ہم سب کے آقا ہیں، ان کے بارِ احسانات سے صرف تمہاری ہی گردن خم نہیں ہے ہم سب ان کے منت کش کرم ہیں، ان کا جمال دلفروز ہماری آنکھوں کو بھی فروغ بخش رہا ہے اور ان کی تجلیوں سے ہمارا خانہ دل بھی معمور ہے، میدانِ حشر کی تیز دھوپ میں ان کے سایہ رحمت کی تلاش تنہا تم ہی کو نہیں کرنی ہے، قبر کی منزل اور پل صراط کے سفر میں انکے سہارے کی ہمیں بھی ضرورت ہے، ان کے دامنِ رحمت میں ہمیں بھی پناہ لینی ہے اور انہی کی کرم فرمائیوں پر ہماری نجات بھی منحصر ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو سعادت تم تنہا حاصل کرنا چاہ رہے ہو، میں اس سے محروم ہو جاؤں، میں تمہارے ساتھ کلکتہ جا رہا ہوں ہم دونوں ایک ساتھ جامِ شہادت نوش کریں گے۔

زندگی میں بھی ہمارا تمہارا ساتھ رہا ہے، مرنے کے بعد ہم تمہارے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا تمہارا انجام بھی ایک ہو، قبر سے ہم دونوں ایک ساتھ اٹھیں، ساتھ ہی جنت کو چلیں اور ہم دونوں کے آقا ﷺ ہم دونوں کی قربانیوں کو قبول فرمالیں اور ایک ساتھ ہی ہم دونوں کو اپنے دامنِ رحمت میں پناہ دے دیں۔

ابھی عبداللہ کی بات پوری نہیں ہو پائی تھی کہ امیر احمد نے اسے ٹوک دیا۔ تم بھی چلے جاؤ گے، تو ہم دونوں کی بوڑھی ماؤں کا کیا ہوگا؟ کس کو ہماری بہنوں کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر ہوگی؟ کون ہمارے بھائیوں کی دستگیری کرے گا؟

عبداللہ ایک مرتبہ پھر گرجا، تمہاری عقل ماری گئی ہے تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ کارساز مطلق کوئی اور ہے، بھلا سوچو تو، جو خدا رحم مادر میں جنین کی پرورش کرتا ہے، وہ جوانوں کی

تربیت سے کیسے غافل ہو جائے گا! پھر جان دینے والوں کو یہ سوچنے کی کیا ضرورت ہے کہ ان کے بعد دنیا کا کیا حال ہوگا؟ جان دینے والے تو بس جان دینا ہی جانتے ہیں، ان کو اس سے کیا غرض کہ وہ اپنے پیچھے کتنے متعلقین چھوڑ رہے ہیں؟

کلکتہ دیکھنے کی آرزو دونوں کو ایک مدت سے تھی۔ آج ان کی ٹیکسی کلکتہ کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ یہ سٹیشن سے سیدھے لور چیت پور روڈ آئے اور موسیٰ سیٹھ کے مسافر خانہ میں قیام پذیر ہوئے۔ انہوں نے یہاں اپنا سامان اتار کر اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس محلہ کی طرف چلے، جہاں سکون ان کا انتظار کر رہا تھا اور اطمانیت قلب ان کے لیے چشم براہ تھی۔

کلکتہ میں انہوں نے کتاب کے مصنف سے ملاقات کی، جس نے ان کا سکون غارت کیا تھا اور رو فاکیشوں کے جذبہ محبت کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اس کتاب کا ناشر ہی اس کا مصنف بھی تھا اور اس کے زیر اہتمام اس کی طباعت عمل میں آئی تھی۔ انہوں نے کتاب کے مصنف سے کہا کہ اپنی کتاب سے فلاں حصہ نکال دو۔ اس سے ہم مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور ایک معذرت نامہ شائع کر دو، تاکہ جن لوگوں کی تم نے دل آزاری کی ہے، اس کی کچھ تسکین ہو جائے۔

کتاب کے ناشر نے کہا "کتاب میں ایک تصویر شائع ہوگئی تو کونسی قیامت آگئی، تمہارے رسول کے خلاف ایک آدھ جملہ لکھ دیا تو کیا ہوگیا، تم کہتے ہو میں نے غلطی کی ہے، لیکن میں غلطی ماننے کے لیے تیار ہی نہیں، میں نے جو کچھ لکھا ہے، ٹھیک لکھا ہے، اگر میری تحریر سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہے تو ہوا کرے، میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا کہ معافی نامہ شائع کروں۔ میں اپنی غلطی کا ڈھنڈورہ نہیں پیٹ سکتا۔ تم جا سکتے ہو، میری دُکان سے نکل جاؤ۔ میرا دماغ مت چاٹو۔

امیر احمد کی آنکھیں شعلے اُگلنے لگیں، اس کا چہرہ گل نار ہوگیا، اس کی رگیں تن گئیں اور وہ بے قابو ہوگیا۔ غلطی اور اس پر اصرار؟ گستاخی اور وہ بھی آقا ﷺ کی شان میں؟ اس نے ایک جست کی، عبداللہ بھی اپنی جگہ سے اُچھلا۔ دونوں اس نامراد پر ٹوٹ پڑے، پھر ایک بجلی

تھی، چمک گئی، ایک خنجر تھا، جو کلیجہ میں اتر گیا۔ اب یہ دونوں سڑک پر کھڑی ٹریفک پولیس سے کہہ رہے تھے، میں نے خون کیا ہے، میں قاتل ہوں، مجھے گرفتار کرلو۔ پولیس خوف کے مارے بھاگ کھڑی ہوئی، پھر انہوں نے قریبی تھانے کو اطلاع دی اور دونوں گرفتار ہوگئے۔

عدالت میں دونوں کی پیشی ہوئی، تو ماہر قانون وکیلوں نے انہیں قانون کی زد سے بچانے کے لیے اپنی خدمات مفت پیش کیں۔ روسائے شہر نے ان کے مقدمہ کی پیروی کرنے کا بیڑا اٹھالیا۔ بچوں نے کئی دنوں سے مٹھائی اور چاکلیٹ کے سارے پیسے، بچا بچا کر آج ہی کے لیے رکھ چھوڑے تھے۔ خواتین نے اپنے کانوں کی بالیاں آج ہی کے لیے اتار رکھی تھیں، سارا نگر یہ چاہتا تھا کہ یہ دونوں عدالت میں مجرم ثابت نہ ہوں، کسی طرح یہ قانون کی زد سے بچ جائیں۔ خود حاکم کو بھی ان دونوں کی معصومیت پر ترس آرہا تھا۔ وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ یہ خلاصی پاجائیں، لیکن دشواری یہ تھی یہ دونوں ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ شہادت کا شوق ان کے سروں میں سمایا ہوا تھا، وہ بزبانِ حال کہہ رہے تھے۔

تیرے دماغ تیرے دل تیری رگ رگ میں نبی کے عشق کا سودا نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ دونوں جلد از جلد پھانسی کے تختے کی طرف بڑھنا چاہتے تھے۔ آقا پر قربان ہو جانے کی تڑپ انہیں بے چین کیے جارہی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ کم از کم اپنی زبان سے اقبالِ جرم نہ کریں۔ صرف ایک بار کہہ دیں کہ انہوں نے خون نہیں کیا، لیکن دونوں یہی کہتے رہے میں نے خون کیا ہے، میں ہی قاتل ہوں، میں نے ہی اس گستاخ کو اس کی گستاخی کی سزا دی ہے۔

آخر فیصلے کا دن آہی گیا۔ قانون کی نظر میں دونوں مجرم ثابت ہوئے اور دونوں ہی کے لیے پھانسی کی سزا تجویز کی گئی۔ آج شہر کی ساری آبادی علی پور جیل کے گرد سمٹ آئی تھی۔ ہر کوئی اشکبار آنکھوں سے ان دونوں کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ چہرے جن پر تقدس برس رہا تھا، معصومیت قربان ہورہی تھی۔ تقدس برستا رہا، معصومیت ٹوٹتی رہی اور لوگ ان کا آخری دیدار کرتے رہے۔ سارے لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف تھیں، لیکن یہ

دونوں کسی اور طرف دیکھ رہے تھے، ان کی نگاہیں بار بار ایک طرف اٹھ جاتی تھیں، دفعتاً ان کے چہروں پر اضطراب کی ایک کیفیت نمودار ہوئی اور ان کا چہرہ اُتر گیا۔

ان دونوں کا آخری دیدار کرنے کے لیے ان دونوں کی مائیں بھی پشاور سے آگئی تھیں اور اس وقت یہ دونوں بھی دیکھنے والوں کی صف میں کھڑی تھیں، جب انہوں نے ان دونوں کی اس حالت کا اندازہ کیا تو برس پڑیں۔ دم آخر چہروں پہ حزن وملال کے آثار کیوں؟ زندگی جب اتنی ہی پیاری تھی تو موت کو دعوت کیوں دی تھی؟ کیا اللہ والوں کا یہ وطیرہ ہے؟ شیدائیانِ رسول ﷺ کا ایسا ہی کردار ہوتا ہے؟ سرفروش اس طرح جان دیتے ہیں؟ خبردار جو چہرے پر غم کی کیفیت پیدا ہونے دی۔ یاد رکھو اگر تم نے ہنستے ہوئے جان نہیں دی، اگر دار و رسن کا پرتپاک خیر مقدم نہ کیا، اگر مسکراتے ہوئے جامِ شہادت نہیں نوش کر سکے تو ہم تمہیں اپنا دودھ کبھی نہیں بخشیں گی، تم کو آج خوش ہونا چاہیے کہ آج تم اس سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہو، جو ہر کسی کا مقسوم نہیں! یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

امیر احمد اور عبد اللہ ایک ساتھ بول اُٹھے، چہروں پر جو اضطراب کی لکیر آپ کو نظر آ رہی ہے، وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہم لوگ جان سے جا رہے ہیں، ہمارے چہروں پر غم کی گھٹا اس لیے نہیں چھائی کہ ہم تختہ دار پر چڑھنے ہی والے ہیں۔ ہماری پریشانیوں کی اصل وجہ یہ ہے کہ جامِ شہادت پیش کرنے میں یہ لوگ دیر کیوں کر رہے ہیں؟ ہماری نگاہیں اس وقت جو کچھ دیکھ رہی ہیں، اگر آپ دیکھ لیجئے، تو آپ بھی ہماری جگہ آنے کی کوشش کریں گی۔ آپ کے اطمینان کے لیے ہم اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ ہماری منزل ہمیں مل گئی ہے ہمارے آقا کالی کملی اوڑھے ہمارے سامنے کھڑے اپنے ہاتھوں کے اشارے سے ہمیں اپنے پاس بلا رہے ہیں۔

پھانسی کا پھندا آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ ہنستے ہوئے جان دے رہے تھے، انہوں نے جان دے ڈالی، وہ دونوں شہید ہوگئے۔ رحمت کی گھٹائیں ان پر برس

پڑیں اور وہ ان میں سر سے پاؤں تک ڈوب گئے۔ جنت کے جانے والے! جنت کا سفر مبارک ہو، ان کی سرمدی راحتیں مبارک ہوں، ابدی نعمتیں مبارک ہوں، ان شہیدانِ محبت کی آخری آرام گاہ کلکتہ کے گورا قبرستان میں ساتھ ساتھ ہیں۔ (شہیدان ناموس رسالت)

عاشقِ رسولؐ حاجی مانک کے عشقِ رسول ﷺ کا واقعہ

حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ نے ایک دفعہ اپنے خطاب میں حاجی مانک کا ایمان افروز واقعہ بیان فرمایا۔ ذیل میں اس کی تلخیص پیش خدمت ہے۔

کرونڈی ضلع نواب شاہ تحصیل پڈعیدن سے پندرہ میل دور ایک بستی کا نام ہے ،وہاں مرزائیوں نے چیلنج کیا کہ ہم مسلمانوں سے مناظرہ کریں گے۔ مولانا لال حسین اختر وہاں پہنچے۔ سندھ کے تمام بڑے علماء چیئر مین وہاں پہنچے۔ ہزاروں کا مجمع ہو گیا۔ مولانا لال حسین اختر نے اپنی پہلی ٹرم میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں آج ثابت کروں گا کہ مرزا جھوٹا تھا، کذاب تھا، اس کا دعویٰ بھی جھوٹا تھا، الہام بھی جھوٹے تھے، وحی بھی جھوٹی تھی، پیش گوئیاں بھی جھوٹی تھیں، وہ بھی جھوٹا تھا، اس کی تمام کتابیں جھوٹی تھیں۔

جو مرزائی مقابلہ میں تھا اس کا نام عبدالحق تھا۔ اس بد بخت کو اس لعین کو پتہ نہیں کیا خیال آیا۔ وہاں پر چونکہ اس کی زمین تھی، بہت سارے اس کے مزارع تھے۔ مرزائیوں کی ایک بستی تھی، وہ بندوقوں کے ساتھ آیا تھا، اس نے کھڑے ہو کر کہا میں بھی ثابت کروں گا کہ محمد بھی ایسا تھا۔ (نعوذ باللہ)

اس نے کہا میں بھی ثابت کروں گا تمہارا نبی ایسا تھا، شور پڑ گیا۔ اس نے جو الفاظ کہے' مسلمان جذبات میں کھڑے ہو گئے۔ دوسری طرف بندوقیں تھیں، کچھ حالات ایسے تھے، پولیس بھی تھی، بات ٹل گئی لڑائی نہ ہوئی۔ مسلمان بڑے پریشان ہوئے۔ مرزائی چلے گئے۔ مناظرہ یہاں پر ختم ہوا کہ یہ جملہ ہم برداشت نہیں کریں گے۔ وہ معافی مانگے، یہ اس نے ہمارے سینے پر مونگ دلے ہیں۔ ہمیں اس نے چھری سے ذبح کر دیا ہے۔ مسلمان

بے غیرت نہیں ہیں، یہ جملے اتنے سنگین ہیں کہ ہمیں موت آ جاتی۔ یہ جملے ہمیں برداشت نہ کرنے پڑتے۔ مسلمان روتے ہوئے گئے، مانک کہتا ہے کہ میں اپنے گھر گیا۔ (یہ ہماری) قوم کا شہر تھا۔ بلوچوں کی پانچ سولڑیاں ہیں۔ میں بھی بلوچ ہوں۔ بلوچوں میں جو سردار ہیں میرے لڑی ان میں ہے۔ جھنگ سے حضرت دین پوریؒ حج پر گئے۔ واپس آ کر دین پور میں ڈیرہ لگایا۔ اصل میں ہم بھی جھنگ کے ہیں۔ ہم آپ کے رشتہ دار ہیں۔ حضرت دین پوریؒ یہاں کے تھے۔ یہاں بلوچ تھے، یہاں سے جا کر دین پور کو آباد کیا۔ (دین پوری)

حاجی مانک کہتا ہے کہ جب میں نے یہ بات سنی تو سر پکڑ لیا، میں روتا رہا۔ یہ بات ساری بستی میں پھیل گئی کہ عبدالحق نے اتنی گستاخی اور اتنی زبان درازی کی ہے اتنی بے ادبی کی ہے، اتنی بکواس کی ہے، ہر مرد کی زبان پر یہی بات تھی۔ حاجی مانک کہتا ہے کہ میں گھر آیا تو میرا گھر بدلہ ہوا تھا۔ میری بچیاں رو رہی تھیں، میری بیوی کا رُخ ایک طرف تھا، میں نے پانی مانگا، بیوی نے نہ دیا، میں نے بیوی سے کہا پانی دو، وہ بات ہی نہ کرے۔

اندر سے کنڈی مار کر کہنے لگی، مانک تیری سفید داڑھی اسی سال توج کر کے آیا ہے۔ گنبد خضراء پر تو روتا تھا، مجھے ساتھ لے گیا تھا۔ تو نے اپنے محبوب کریم کے متعلق یہ جملہ سنا، بے غیرت زندہ واپس آ گیا تو بھی محمد ﷺ کا اُمتی ہے؟ میں تیری بیوی نہیں ہوں، مجھے اجازت دے دے، میں میکے جا رہی ہوں۔ یہ بیٹیاں تیری بیٹیاں نہیں ہیں میں اس بے غیرت کو اپنا خاوند نہیں بناتی، میری بیٹیاں تجھے ابا نہیں کہیں گی۔ اتنی بڑی تو نے داڑھی رکھی ہے اور مصطفیٰ کے خلاف یہ سن کر تو زندہ لوٹ آیا۔ مر نہیں گیا۔ حاجی مانک کہتا ہے اس جملے نے میرے اندر محمد ﷺ کی محبت کی سپرٹ بھر دی۔ مجھے کرنٹ سا لگا۔

حضور ﷺ کی زندگی کا سارا نقشہ میرے سامنے آ گیا۔ آقا ﷺ کی محبت نے جوش مارا میں پھر بے خود ہو گیا، میں نے کلہاڑی اٹھائی اور اس مرزائی عبدالحق کی طرف چل پڑا۔ (یہ واقعہ سنا کر آپ کا ایمان تازہ کر رہا ہوں۔ اس کی عمر پچاس برس تھی، چہرہ حسین سرخ منہ پر نور ٹپکتا ہے میں کروڑی کی طرف جب تقریر کے لیے جاتا ہوں، تو وہ صدارت کرتا ہے۔

میں اس کا ماتھا چومتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ بیسیوں دفعہ حضور ﷺ کی زیارت ہو چکی ہے۔ (سبحان اللہ)۔ (حضرت دین پوری)

کلہاڑی ہاتھ میں لے لی اور تو اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ پستول، ریوالور وغیرہ اس کے پاس نہیں تھا۔ دل میں فیصلہ کر لیا کہ یا مصطفیٰ یا گستاخ' آج بھونکنے والا کتا زندہ رہے گا یا محمد ﷺ کا عاشق جان دے دیگا، سیدھا گیا، عبدالحق پھر رہا تھا، اس کو خیال بھی نہ آیا کہ یہ بوڑھا مجھے کچھ کہے گا۔ پچاس سال حاجی مانک کی عمر تھی۔ سفید داڑھی تھی۔ کہتا ہے کہ میں ویسے بوڑھا ہوں، مگر دل جوان تھا۔ خون میرا جوان تھا، رگوں میں جو خون تھا، وہ جوان تھا۔ میں نے عبدالحق کو قریب جا کر کہا او گستاخ او مرزائی کتے! او مرتد! آج تیرا آخری دن ہے تو بچ نہیں جائے گا، تگڑا ہو جا، محمد ﷺ کا عاشق تیرے پاس پہنچ چکا ہے۔ اس نے میرے ہاتھ میں کلہاڑی دیکھی تو دوڑنے لگا۔ پاؤں میں ڈھیلا اٹکا تو منہ کے بل گرا۔ ڈھیلا نہیں اٹکا تھا، قدرت نے دھکا دیا۔ میں پاس پہنچ گیا۔ میں نے کلہاڑی کے وار کرنے شروع کر دیئے میں نے اس کو جوتے سے سیدھا کیا۔ میں نے اس کے سینے پر کلہاڑیاں ماریں۔ میں زور سے وہاں کہتا رہا کہ اس سینے میں نبی کا کینہ ہے، پھر میں نے دماغ پر کلہاڑی ماری، میں نے کہا تیرا دماغ خراب تھا، پھر میں نے زبان کو پکڑ کر کلہاڑی سے کاٹا۔ میں نے کہا یہ بھونکتی تھی، پھر میں نے انگلی کو لکڑی پر رکھ کر کاٹا، میں نے کہا جب تو نے گستاخی کی تھی، تو انگلی مدینے کی طرف اٹھائی، میں اس انگلی کو کاٹ دوں گا جو محمد ﷺ کی گستاخی کرے گی۔

حاجی مانک کہتا ہے کہ جب میں حیدرآباد جیل گیا، تو حضور ﷺ کی زیارت ہوگئی آپ ﷺ نے کہا بیٹے گھبرا نہیں تو پھانسی کے تختے پر چڑھا تو تیری شہادت کی موت ہوگی۔

حاجی مانک کہتے ہیں کہ میں نے اس کو ختم کیا، میرے کپڑے اس کے خون سے خون آلود ہو گئے۔ پلید خون سے مرتد کے خون سے نفرت آرہی تھی، بدبو آرہی تھی، میں سیدھا تھانے چلا گیا، قریب تھانہ تھا۔ تھانیدار نے مجھے دیکھا کہ سر پر پگڑی نہیں، ہاتھ میں کلہاڑی ہے، کپڑے خون سے بھرے ہوئے ہیں، وہ تھانیدار مجھے جانتا تھا، میں شریف

آدمیوں میں شمار ہوتا تھا، میں کبھی کبھی مسجد میں اذان بھی دیتا تھا، تھانیدار نے کہا مانک خیر ہے؟ میں نے کہا کل جس کتے نے، جس مرتد نے، جس لعین نے، جس گستاخ نے گستاخی کی تھی، الحمد اللہ آج وہ زبان خاموش ہو چکی ہے۔ اس کے خون کو کتے چاٹ رہے ہیں۔ مجھے ہتھکڑی لگاؤ، مجھے گرفتار کرو۔ تھانیدار خود کانپنے لگا، رونے لگا، اپنی ٹوپی اتار کر میرے پاؤں میں ڈال دی، کہنے لگا میں تجھے گرفتار کر کے محمد ﷺ کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں؟

پولیس والے دوڑ دوڑ کر حاجی مانک کے لیے دودھ لا رہے ہیں، رو رہے ہیں، کہتے ہیں ہم سے وہ کارنامہ نہ ہو سکا، جو ایک بوڑھے نے کر دیا ہے۔ حاجی مانک! ہم تجھے مجرم کہیں یا محمد کا عاشق کہیں، ہم تجھے ہتھکڑی لگا کر کل محمد ﷺ کے سامنے شرمندہ ہو جائیں؟ میں حکومت کو پٹی اتار کر دے دوں گا، مگر تجھے گرفتار کر کے محمد ﷺ کے سامنے شرمندہ نہیں ہوں گا۔ میں اوپر اطلاع دیتا ہوں، مانک تو میرا مہمان ہے، تو قاتل نہیں تو محمد ﷺ کا عاشق ہے۔ (سبحان اللہ)

حاجی مانک کہتا ہے، انہوں نے میری بڑی خدمت کی۔ سکھر پولیس کو اطلاع دی، وہ بھی آئے، میرے قریب کوئی نہ آیا۔ مجھے کہا کار میں بیٹھ جاؤ، وہ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے، کہنے لگے ہم عورتوں کو پکڑتے ہیں، آج تک ہم نے ڈاکو پکڑے' آج تک ہم نے چور پکڑے ہیں، آج اس کو لے جا رہے ہیں، جس کے دل میں محمد ﷺ کی محبت ہے۔

مانک کہتا ہے کہ میں سکھر جیل میں گیا تو تمام ڈاکو اکٹھے ہو گئے۔ دیکھ کر رونے لگ پڑے۔ کوئی کہنے لگا میں نے ماں کو قتل کیا، دوسرے نے کہا میں نے بہن کو قتل کیا، ایک نے کہا میں نے باپ کو قتل کیا، مانک! تیری قسمت کا کیا کہنا، محمد ﷺ کے دشمن کو قتل کر کے آیا ہے رونے لگے، کہنے لگے جیل تو یہ ہے کہ جس سے خدا بھی راضی ہے، مصطفیٰ بھی راضی ہے (سبحان اللہ) کوئی دودھ لا رہا ہے، کوئی فروٹ لا رہا ہے۔

پتہ چلا تو محمد علی جالندھری ؒ وہاں پہنچے۔ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی ؒ وہاں پہنچے۔ قاضی صاحب روتے رہے۔ فرمایا، ہم تیری زیارت کے لیے آئے ہیں ... میں خود

وہاں پہنچا، مولانا وہاں پہنچے، مولانا امروٹی وہاں پہنچے، کراچی سے لاہور تک اس کو لوگ دیکھنے آئے، جس نے اپنے بڑھاپے میں جوانی دکھائی تھی۔

مانک کہتا ہے کہ رات کو میں کوٹھڑی میں سویا۔ مصطفیٰ ﷺ کی مسکراتے ہوئے زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیری قربانی کا پیغام پہنچ چکا ہے، مانک نہ گھبرا، وکیل نہ کرنا، وکالت میں محمد ﷺ خود کروں گا۔

حاجی مانک! تیری غیرت محمد ﷺ کو پسند آگئی۔ میں نبی تمہیں مبارک باد دیتا ہوں، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تیری پیشانی میں چوم لوں تو نے ساری زندگی میں جو کارنامہ کیا ہے، فرشتے بھی اس پر رشک کر رہے ہیں مقدمہ ہوا، لندن تک کے وکیل آئے، پورا ربوہ (چناب نگر) جھونک دیا گیا۔ پیسوں کے انبار لگ گئے۔ یہ سارے جمع ہوئے۔ ادھر وکالت محمد نے کی۔ بیانات ہوئے، وکیلوں نے کہا کہ آپ یہ بیان دے دیں کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ مانک نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں نے یہ کام کیا ہے، یہ کلہاڑی اب بھی موجود ہے، جو بھی میرے مصطفیٰ ﷺ کی گستاخی کرے گا، اس پر میں یہی کاروائی کروں گا۔

تین سال مقدمہ چلا۔ جج نے جو فیصلہ لکھا ہے، وہ سن لو، جج نے جب حالات سنے' اس نے فیصلہ لکھا کہ محمد ﷺ کا غلام نبی کا عاشق، پیغمبر کا امتی، محمد عربی کا دیوانہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے، اپنے نبی کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ جب عبد الحق نے نبی کی گستاخی کی، حاجی مانک دیوانہ بن گیا۔ حاجی مانک کی عقل ٹھکانے نہ رہی۔ حاجی آپے سے باہر ہو گیا، اس نے اس وقت قتل کیا جب اس کی عقل ٹھکانے نہیں تھی، جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو، اس پر قانون لاگو نہیں ہوتا۔ یہ نبی کا دیوانہ ہے۔ میں دیوانے پر کوئی قانون لاگو نہیں کرتا' اس نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا ہے اور مرتد کی سزا بھی قتل ہے (سبحان اللہ) خدا کی قسم مانک زندہ رہا، ان میں پھرتا رہا۔ محمد ﷺ نے اتنی نگاہ ڈال دی ہے کہ آج تک بندوقوں والے اس کا بال بیکا نہیں کر سکے۔ محمد ﷺ کی ختم نبوت کی غلامی آج بھی حفاظت کر رہی ہے۔ (سبحان اللہ)

حاجی مانک ستر اسی سال کا اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ ابھی حوضِ کوثر سے نہا کر آیا ہے۔ یہ سندھ کا واقعہ ہے۔ میں جب بھی اس علاقے میں جاتا ہوں، اس کو بلاتا ہوں، دیکھتا رہتا ہوں، روتا رہتا ہوں۔ مجھے کہتا ہے دین پوری میری طرف کیوں دیکھتے ہو؟ میں نے کہا میں ان آنکھوں کو دیکھتا ہوں، جنہوں نے محمد ﷺ کو دیکھا ہے۔ (سبحان اللہ)

کرونڈی سے جا کر تصدیق کریں۔ بات غلط ہو تو مجھے منبر سے اتار دینا۔ یہ کرونڈی پڈعیدن سے پندرہ کلومیٹر دور ہے۔ مانک وہاں رہتا ہے اس کو دور سے دیکھ کر آپ سمجھ جائیں گے۔ اس بستی میں کوئی اتنا حسین نہیں، جس پر محمد ﷺ کی نگاہ پڑ چکی ہے۔ خدا کی قسم یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے خون ٹپکتا ہے۔ ستر سال کی عمر ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی حوضِ کوثر سے پانی پی کر نکلا ہے۔ (سبحان اللہ) کہتا ہے کہ آٹھ دفعہ جیل میں مجھے حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ ہر آٹھویں دن آپ ﷺ کی زیارت ہو جاتی تھی۔ آپ ﷺ تسلی دیتے تھے کہ مانک نہ گھبرانا محمد ﷺ تیری وکالت کر رہا ہے۔ (سبحان اللہ) (بحوالہ خطبات ختم نبوت حصہ دوم)

عاشقِ رسول ﷺ سلطان نورالدین زنگی کا واقعہ

سلطان نورالدین ایک عابد شب بیدار تھا۔ وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا فرماں روا ہونے کے باوجود ایسا مردِ درویش تھا، جس کی راتیں مصلیٰ پر گزرتی تھیں اور دن میدانِ جہاد میں۔ وہ عظمت و کردار کا ایک عظیم پیکر تھا، جس نے اپنی نوکِ شمشیر سے تاریخ اسلام کا ایک روشن باب لکھا۔ سلطان نور الدین زنگی رات کا بیشتر حصہ عبادات و مناجات میں گزارتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ نماز عشاء کے بعد بکثرت نوافل پڑھتا اور پھر رسول اکرم ﷺ پر سینکڑوں مرتبہ درود بھیج کر تھوڑی دیر کے لیے بستر پر لیٹ جاتا۔ چند ساعتوں کے بعد پھر نماز تہجد کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا اور صبح تک نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتا۔

۵۵۷ھ، ۱۱۶۲ء کی ایک شب وہ اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر بستر پر لیٹا تو خواب

میں تین بار رسول کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سلطان نے متواتر تین رات حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ ہر مرتبہ دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا: نور الدین! یہ آدمی مجھے ستا رہے ہیں، ان کے شر کا استیصال کر، نور الدین یہ خواب دیکھ کر سخت مضطرب ہوا۔ بار بار استغفار پڑھتا اور رو رو کر کہتا میرے آقا ومولا کو میرے جیتے جی کوئی ستائے، یہ نہیں ہوسکتا۔ میری جان مال آل واولاد سب آقائے مدنی پر نثار ہے۔ خدا اس دن کے لیے نور الدین کو زندہ نہ رکھے کہ حضور ﷺ غلام کو یاد فرمائیں اور وہ دمشق میں آرام سے بیٹھا رہے۔ سلطان نور الدین بے چین ہوگیا اور اسے یقین ہوگیا کہ مدینہ منورہ میں ضرور کوئی ایسا ناشدنی واقعہ ہوا ہے، جس سے سرورِ کونین کی روح اقدس کو تکلیف پہنچی ہے۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی اس نے بیس اعیان دولت کو ساتھ لیا اور بہت سا خزانہ گھوڑوں پر لدوا کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اہل دمشق سلطان کے یکا یک عازم سفر ہونے سے بہت حیران ہوئے لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ اصل بات کیا ہے؟

دمشق سے مدینہ منورہ پہنچنے میں عام طور پر بیس پچیس دن لگتے تھے، لیکن سلطان نے یہ فاصلہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ طے کیا اور سولہویں دن مدینہ منورہ جا پہنچا۔ اہل مدینہ اس کی اچانک آمد پر حیران رہ گئے۔ سلطان نے آتے ہی شہر میں آنے جانے کے دروازے بند کرادیے، پھر منادی کرادی کہ آج تمام اہل مدینہ اس کے ساتھ کھانا کھائیں۔ تمام اہل مدینہ نے نہایت خوشی سے سلطان کی دعوت قبول کی۔ اس طرح مدینہ منورہ کے تمام لوگ سلطان کی نظر سے گزر گئے، لیکن ان میں وہ آدمی نہیں تھے، جن کی شکلیں اسے خواب میں دکھائی گئیں تھیں۔

سلطان نے اکابر شہر سے پوچھا کہ کوئی ایسا شخص تو باقی نہیں رہا، جو کسی وجہ سے دعوت میں شریک نہ ہوسکا ہو، انہوں نے عرض کی کہ اہل مدینہ میں سے تو کوئی شخص ایسا نہیں رہا، جو دعوت میں شریک نہ ہوا ہو۔ البتہ دو خدا رسیدہ مغربی جو مدت سے یہاں مقیم ہیں نہیں آئے۔ یہ دونوں بزرگ عبادت میں مشغول رہتے ہیں، اگر کچھ وقت بچتا ہے تو جنت البقیع

میں لوگوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اس کے سوا وہ کسی سے ملتے ملاتے نہیں۔ سلطان نے حکم دیا ان دونوں کو بھی ضرور یہاں لاؤ، جب وہ دونوں سلطان کے سامنے حاضر کئے گئے، تو اس نے ایک نظر میں پہچان لیا کہ یہ وہی دو آدمی ہیں، جو اسے خواب میں دکھائے گئے تھے۔ انہیں دیکھ کر سلطان کا خون کھول اُٹھا، لیکن تحقیقِ حال ضروری تھی، کیونکہ ان کا لباس زاہدانہ اور شکل وصورت مومنوں کی تھی۔ سلطان نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم دونوں یہاں کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ روضہ اقدس کے قریب ایک مکان کرایہ پر لے رکھا ہے اور اسی میں ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ سلطان نے ان دونوں کو وہیں اپنے آدمیوں کی نگرانی میں چھوڑا اور خود اکابر شہر کے ہمراہ اس مکان میں جا پہنچا، یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا، جس میں نہایت مختصر سامان مکینوں کی زاہدانہ زندگی کی شہادت دے رہا تھا۔ اہلِ شہر ان دونوں کی تعریف میں رطب اللسان تھے اور بظاہر کوئی چیز قابل اعتراض نظر نہیں آتی تھی، لیکن سلطان کا دل مطمئن نہیں تھا۔ اس نے مکان کا فرش ٹھونک بجا کر دیکھنا شروع کیا۔ یکا یک سلطان کو ایک چٹائی کے نیچے فرش ہلتا ہوا محسوس ہوا۔ چٹائی ہٹا کر دیکھا تو ایک چوڑی سِل تھی، اسے سرکایا گیا تو ایک خوف ناک انکشاف ہوا۔ یہ ایک سرنگ تھی، جو روضہ اقدس کی طرف جاتی تھی۔ سلطان سارا معاملہ آناً فاناً سمجھ گیا اور بے اختیار اس کے منہ سے صدق اللّٰہ و صدق رسوله النبی الکریم نکلا۔ سادہ مزاج اہلِ مدینہ بھی ان بھیڑ نما بھیڑیوں کی یہ حرکت دیکھ کر ششدر رہ گئے، سلطان اب قہر وجلال کی مجسم تصویر بن گیا اور اس نے دونوں ملعونوں کو پابہ زنجیر کر کے اپنے سامنے لانے کا حکم دیا، جب وہ سلطان کے سامنے پیش ہوئے، تو اس نے ان سے نہایت غضبناک لہجہ میں مخاطب ہو کر پوچھا سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ اور اس ناپاک حرکت سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ دونوں ملعونوں نے نہایت بے شرمی اور ڈھٹائی سے جواب دیا، اے بادشاہ ہم نصرانی ہیں (بعض روایتوں میں ہے کہ یہ دونوں یہودی تھے) اور اپنی قوم کی طرف سے تمہارے پیغمبر کی لاش چرانے پر مامور ہوئے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی کارِ ثواب نہیں ہے، لیکن افسوس کہ عین اس

وقت جب ہمارا کام بہت تھوڑا باقی رہ گیا تھا، تم نے ہمیں گرفتار کرلیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ سرنگ حضرت عمرؓ کے جسد مبارک تک پہنچ چکی تھی، یہاں تک کہ ان کا ایک پاؤں ننگا ہوگیا تھا۔ سلطان کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا۔ اس نے تلوار کھینچ کر ان دونوں بدبختوں کی گردنیں اڑادیں اور ان کی لاشیں بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں ڈلوادیں۔ یہ کام انجام دے کر سلطان پر رقت طاری ہوگئی اور شدت گریہ سے اس کی گھگی بندھ گئی، وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں روتا گھومتا اور کہتا تھا ”زہے نصیب کہ اس خدمت کے لیے حضور ﷺ نے اس غلام کا انتخاب فرمایا“ جب ذرا قرار آیا تو سلطان نے حکم دیا کہ روضہ نبویؐ کے گرد ایک گہری خندق کھودی جائے اور اسے پگھلے ہوئے سیسے سے پاٹ دیا جائے۔ سلطان کے حکم کی تعمیل میں روضہ اطہر کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھودی گئی کہ زمین سے پانی نکل آیا، اس کے بعد اس میں سیسہ بھر دیا گیا تاکہ زمانہ کی دستبرد سے ہر طرح محفوظ رہے۔ یہ سیسے کی دیوار روضہ اقدس کے گرد آج بھی موجود ہے اور انشاء اللہ ابد تک قائم رہے گی۔ آج بھی اہل مدینہ سلطان نور الدین کا نام نہایت محبت اور احترام سے لیتے ہیں اور ان کا شمار ان نفوس قدسی میں کرتے ہیں، جن پر سید البشر نے خود اعتماد کا اظہار فرمایا اور ان کے محب رسول ہونے کی تصدیق فرمائی۔ یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ (بحوالہ ”نور الدین محمود زنگی“ از طالب ہاشمی)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

❀❀❀

خصوصیت نمبر ۵۰

رسولِ اکرم ﷺ سے کبھی گناہ نہیں ہوا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت کا اعلان کر دیا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پچاسویں خصوصیت پیش خدمت ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ سے کبھی گناہ نہیں ہوا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت کا اعلان کر دیا" الحمدللہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی میں "ریاض الجنۃ" میں بیٹھا ہوں، آقا ﷺ کا پیارا اور مقدس روضہ مبارک میرے سامنے ہے اور میں آقا ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں بلکہ یوں کہوں کہ صاحب خصوصیت ﷺ عین میرے سامنے آرام فرما ہیں اور میں مقدس روضہ مبارک کے سائے تلے اور جنت کے ٹکڑے میں بیٹھ کر انکی عظیم خصوصیت کو لکھ رہا ہوں، اگرچہ لوگوں کا اژدھام لکھنے کی اجازت نہیں دے رہا، بار بار ہاتھ ہلنے کی وجہ سے کافی مشکلات کا سامنا ہے لیکن دل آقا ﷺ کی محبت سے لبریز ہے اس لئے مجبور کر رہا ہے کہ کچھ بھی ہو لکھو کہ شاید جب قیامت کا دن ہوگا، نفسا نفسی کا عالم ہوگا ایسے کٹھن وقت میں آقا ﷺ فرما دیں: "یا اللہ اگرچہ یہ میرا امتی تھا تو بہت گناہ گار لیکن چونکہ اس نے میرے روضے کے سامنے اور جنت کے باغیچے میں بیٹھ کر میرے خصوصیات پر کام کیا تھا اس لئے میں تیرا محبوب (ﷺ) اس حقیر اور ناقص بندے کی سفارش کرتا ہوں قبول فرما لیجئے۔" اور یہ ہمارا ایمان ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی سفارش کو رد نہیں کرے گا بس دل کو یہی تسلی ہے اور اسی تسلی کی وجہ سے یہ آبلہ پا قلم لکھتا چلا جا رہا ہے، دعا گو ہوں کہ یا رب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما آمین یا رب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ذیل کی خصوصیت بھی ایک عجیب اور عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے آخری نبی ﷺ سے اس قدر محبت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعے اپنے محبوب کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت کا اعلان فرمایا، باوجود اس کے کہ آپ ﷺ تو معصوم اور گناہوں سے پاک ہیں لیکن پھر بھی گناہ ہونے سے پہلے ہی مغفرت کا وعدہ، بے شک آپ ﷺ کی یہ امتیازی خصوصیت ہے، جیسا کہ آنے والے صفحات میں آپ اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی کی صحیح صحیح قدردانی کرنے اور آپ ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

لیجئے محترم قارئین اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

پچاسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

علامہ ابن عبدالسلام نے لکھا ہے کہ آنخضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دینے کی خبر دے دی تھی جبکہ آپ سے پہلے نبیوں میں سے کسی کے متعلق اس قسم کی کوئی روایت نہیں۔ کیونکہ اگر اس قسم کا واقعہ ہوا ہوتا تو بہت سے اسباب کی بناء پر وہ ضرور نقل کیا جاتا، بلکہ اس سے بھی زیادہ آپ ﷺ کا مقام اور خصوصیت تو یہ ہے کہ اگلے اور پچھلے خود گناہ کے وجود ہی کو معاف کر دیا گیا۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے اپنی خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے ایک خصوصیت کے بارے میں فرمایا کہ میرے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔

یہاں حق تعالیٰ کے اس قول سے اس قول کی ممانعت نہیں ہوتی جس میں حضرت داؤدؑ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ! ''ہم نے ان کا یہ گناہ معاف کر دیا'' کیونکہ یہاں صرف ایک گناہ کی مغفرت کی گئی ہے۔ علامہ ابن عبدالسلام کہتے ہیں بلکہ دوسرے نبیوں کے اگلے پچھلے گناہ معاف کیے جانے کے بارے میں ظاہر یہی ہے کہ ان کو اس کی کوئی خبر نہیں

دی گئی اس کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے دن میدان محشر میں وہ بھی نفسی نفسی کہتے ہوں گے۔ بہر حال مزید وضاحت کے لئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ہم رحمۃ للعلمین اور دیگر مستند کتب سے استفادے کے بعد آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

رسول اکرم ﷺ سے کبھی زندگی میں کوئی گناہ نہیں ہوا کیونکہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب نبی ﷺ کے لیے گناہوں سے مغفرت کا اعلان کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیناً. لِیغفرَ لکَ اللہُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِکَ و مَا تَاخَّرَ و یُتِمَّ نِعمتَہٗ علیکَ و یَھدِیَکَ صِراطاً مُّستقیماً. و ینصُرَکَ اللہُ نصراً عزیزاً.

ترجمہ: ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا کہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے ترے گناہ اور جو پیچھے ہوئے، اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے اللہ تیری زبردست مدد۔

آیت کی تشریح

رحمۃ للعلمین کے مصنف علامہ سلیمان منصور پوریؒ اپنی اس مایہ کتاب میں رقمطراز ہیں کہ علمائے کرام نے ذنب ماتقدم وماتاخر پر خوب بحث کی ہے اور اُن کا غفران بتلایا ہے۔

الف۔ کسی نے ماتقدم وماتاخر سے زمانہ قبل نبوت مراد لیا ہے اور معنی یہ بتلائے کہ امور جاہلی کے غفران کی خبر دی گی ہے۔ امام سبکی کا اس پر اعتراض یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی قبل از نبوت بھی امور جاہلیہ میں سے کسی امر میں آلودہ نہ ہوئے تھے بالہذا نا کردہ فعل کے غفران کے معنی ہو سکتے ہیں۔

ب۔ زمخشری اور بیضاوی نے ذنب سے مراد معمولی لغزشیں بتلائی ہیں اور بتایا ہے کہ رب العلمین نے ایسی حرکات کو بھی محل لطف وعنایت بنا دیا، امام سبکی کا اعتراض ہے کہ ایسی لغزشوں کا بھی ثبوت کچھ نہیں اور بالمقابل اس کے عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ مسلمہ

ہے۔ انبیاء سے نہ صدور کبائر ہوتا ہے نہ صدور صغائر۔ لہٰذا یہ توجیہہ بھی نادرست ہے۔

ج۔ سبکی نے خود یہ معنی لکھے ہیں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے انہی معنی کی تحسین وتعریف کی ہے کہ یہ آیت کسی لغزش یا گناہ کے وقوع کی اطلاع نہیں دیتی، بلکہ از راہِ تشریف وتکریم یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی لغزش کا امکان وہ کہتے ہیں کہ مقصود کلام اثبات ذنب اور پھر غفران بعد از اثبات نہیں بلکہ اس جگہ مطلقاً نفی ذنب مراد ہے۔

د۔ قاضی عیاضؒ نے بھی لفظ مغفرت کو تبریہ از عیوب کے معنی میں لیا ہے۔

ہ۔ تفسیر خازن میں عطاء خراسانی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ذنب ماتقدم سے مراد آدم و حوا علیہما السلام کا ذنب اور ذنب ماتاخر سے مراد اُمت کا ذنب ہے۔

ان اقوال میں سے ناظرین کو جو قول پسند ہو، اسے قبول کر سکتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ علماء کی اس قدر شرح وبیان کے بعد بھی کچھ باقی رہ جاتا ہے۔

آیت زیب عنوان کا لفظ ذنب غور طلب ہے جسکی کچھ تشریح آپ بھی ملاحظہ فرمایئے

الف۔ اس کے معنی گناہ بھی ہیں اور گناہ کا اطلاق خلاف ورزی احکام شرعیہ کے معنی میں ہے۔

ب۔ اس کے معنی الزام بھی ہیں اور الزام کا اطلاق ملکی یا قومی یا حکومت کے احکام کی خلاف ورزی میں کیا جاتا ہے۔ جب ہم ذَنب کو (ب کے فتح کے ساتھ) دیکھتے ہیں، جس کے معنی ''دُم'' ہیں تو اشتقاق اوسط کے اصول پر ذَنب بفتح وسکون ثانی کے معنی بھی متبادر ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہر ایک وہ الزام جو کسی شخص کے پیچھے لگا دیا گیا ہو۔ ذنوب بفتح اول، اُس ڈول کو کہتے ہیں جو رسّی کے سرے پر بندھا ہوا ہو، یہ بھی اسی وضع لغوی کی جانب رہبری کرتا ہے۔ لہٰذا کیا ضروری ہے کہ آیت بالا میں ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے اور پھر سمجھا جائے کہ کوئی گناہ خدا کا تھا۔

قرآن مجید کی زبان سے سنو۔ موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ولھم علیّ ذَنْبٌ فاخاف اَنْ یَّقْتُلُوْنِ۔

انہوں نے مجھ پر ایک الزام لگا رکھا ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

ظاہر ہے کہ فرعون یا قوم فرعون کے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام نے کسی گناہ شرعیہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا لہٰذا اس کا ترجمہ ''الزام'' بھی صحیح ہے۔ قانوناً لفظ ''الزام'' اور لفظ ''جرم'' کے معنی میں بہت تفاوت ہے ''الزام'' کا اطلاق اُس نسبت جرم پر کیا جاتا ہے کہ بادی النظر میں الزام لگا سکنے والی طاقت کے نزدیک کسی شخص پر کسی فعل ممنوعہ ملک یا قانون کے مرتکب ہونے کی بابت گمان کیا جا سکے اور ''جرم'' کا اطلاق اس فعل ممنوعہ ملک یا قانون کے ارتکاب ثابت ہو جانے کے بعد کیا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام پر فرعونیوں نے قتل عمد کا الزام لگا رکھا تھا اور اس فعل کے ثابت ہو جانے کے بعد اس کی سزا قتل و قصاص تھی۔ موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کی ذہنیت کو سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ یہ سطحی دماغ سے نہ تو ''نیت'' کی ضروری شرط کا خیال رکھیں گے اور نہ اس فرق کو سمجھیں گے کہ ایک تھپڑ کا لگ جانا کیا عادتاً ہلاکت کا سبب ہو سکتا ہے یا تھپڑ لگانے والے کے علم میں یا احتمال میں اس کا ہلاک ہونے کا ظن غالب ہو سکتا ہے۔

اگر ان ضروری مباحث قانونی کو الزام بر موسیٰ کے ساتھ شامل کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام پر جو الزام قتل لگایا گیا تو وہ ۳۲۳ تعزیرات ہند سے بھی گھٹ کر محض ایک تادیبی فعل رہ جاتا ہے، جس کا صدور نیک نیتی سے ہوا، اور قانوناً کوئی جرم نہیں بنتا۔

ج۔ حدیث میں ہے اذا تصافحا لم یبق بینهما ذنب، جب دو شخص آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان میں باہمی کوئی ذنب باقی نہیں رہتا۔ صاحب مجمع البحار نے ذنب کے معنی میں اس جگہ تحریر کیا ہے اَیْ غِلٌ وَّ شَحْناءُ یعنی ذنب کے معنی یہاں کینہ اور تنگ دلی ہیں۔

د۔ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت ہے وَ استغفر لِذَنْبِکَ وَ لِلْمُؤْمِنِین یہاں نبی اور مومنین کے واحد ذنب کا ذکر ہے۔ ان جملہ امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت زیب عنوان میں ذنب بمعنی الزام قوم ہے، اور ماتقدم سے مراد زمانہ قبل از

ہجرت اور ما تاخر سے مراد زمانہ بعد از ہجرت ہے، علماء سیرت آگاہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار نے جو جو الزامات واتہامات لگائے تھے وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے قبل از ہجرت الگ تھے اور بعد از ہجرت الگ۔ مثلاً اتہامات قبل از ہجرت مندرجہ ذیل ہیں۔

یہ کاہن ہے، یہ شاعر ہے، یہ مجنون ہے، یہ ساحر ہے، یہ اوروں سے سن سن کر فسانے بنالیتا ہے، اس کے پاس غیر قوم کا کوئی شخص ہے جو اسے ایسی پرھنت پڑھتا رہتا ہے وغیرہ، وغیرہ۔

اور الزامات بعد از ہجرت یہ ہیں۔ یہ قوم میں پھوٹک ڈالنے والا ہے، مکہ کو اُجاڑنے والا ہے، بھائی کو بھائی سے، بیٹے کو مائی سے، جُدا کرنے والا ہے، ہماری تجارت کو مخدوش کر دیا قومی انتظامات کو پراگندہ کر دیا۔ وغیرہ، وغیرہ۔

اور مؤمنین پر بھی ایسے الزامات لگائے جاتے تھے مثلاً، بے عقل ہیں، کوتاہ بین ہیں، کمینے ہیں، غلام ہیں، نا قابل التفات ہیں۔ آیت تزدری اَعْیُنُھُم میں انہی امور کی طرف اشارہ ہے۔ ابی یہ تو وہ ہیں کہ روٹی نہ ملے تو سب کے سب محمد کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو جائیں۔ آیت لا تُنْفِقُوا عَلٰی مَنْ عِنْد رسولِ اللهِ حَتّٰی ینفضُّوا میں یہی بات اُن کو بتائی گی ہے۔ عروہ بن مسعود نے بھی جب وہ قبل از اسلام نبی کے حضور میں سفیر قریش کی حیثیت سے آیا تھا۔ یہی الزام مسلمانوں کے روبرو مسلمانوں پر لگایا تھا کہ یہ سب تو تجھے چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے اس کا جواب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے عروہ کو نہایت ذلیل کن الفاظ میں دیا تھا۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حدیبیہ کی فتح مبین کا پہلا ثمر شیریں یہ ہوگا کہ کفار اور مسلمین کے مل بیٹھنے سے سب اگلے پچھلے الزامات اُٹھ جائیں گے، دب جائیں گے زیر خاک ہو جائیں گے۔ لفظ غفر کے لغوی معنی بھی یہی ہیں، صداقتِ رسول آشکارا ہوگی، بصارت کھل جائے گی، بصیرت بیدار ہوگی، اتہامات والزامات کی لغویت کا خود اُن لوگوں کو اقرار بہ ندامت وانفصال کرنا ہوگا۔

تاریخ گواہ ہے کہ فی الحقیقت یہ نتائج اس صلح سے بہت جلد مرتب ہو گئے تھے

بشارت دوم وَ یُتِمَّ نِعمَتَهٗ عَلَیکَ ہے۔ یعنی صلح حدیبیہ کا ثمر دوم اتمام نعمت ہوگا۔ آیت بالا میں جس کا سال نزول ۶ ہجری ہے۔ اتمام نعمت کا وعدہ ہے اور آیت اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم وَ اَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی میں اس وعدہ کے ایفا کی خبر ہے۔

اتمام نعمت کے معنی میں تمام اشاعت دین اور کمال تبلیغ دین متین اور اس تبلیغ کے مبارک ثمرات شامل ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے انعقاد کے بعد جو تبلیغ کہ قریش اور خلفاء کے اندر رکی ہوئی تھی، وہ روک اُٹھ گئی تھی، موانعات کے دُور ہو جانے سے لوگ اسلام کو سمجھنے لگے تھے، پھر پچاسوں اور سینکڑوں کی تعداد میں داخلِ اسلام ہونے لگے تھے۔

بشارت سوم وَ یَهدِیَکَ صِرَاطًا مُستَقِیمًا ہے، جو صلح کا تیسرا ثمر شیریں ہوا۔ یعنی جس صراط مستقیم پر مخالفین سنگ راہ بنے ہوئے تھے، جس شاہراہ ہدایت کو مشرکین نے روک رکھا تھا، وہ صاف ہو جائے گی۔ اور حضور کو اپنی تعلیم پر چلانے اور سالکان راہ کو منزل مقصود تک پہنچانے کا کھلا موقع مل جائے گا۔

بشارت چہارم وَ یَنصُرَکَ اللّٰهُ نَصرًا عَزِیزًا ہے۔ جو اس صلح کا چوتھا مبارک نتیجہ ہوگا، یعنی نصرت الٰہیہ پوری طاقت اور نمایاں غلبہ کے ساتھ آشکارا ہو گی۔ قلوب میں کشش ارواح میں ذوق پیدا ہو جائے گا۔ بیسیوں نہیں سینکڑوں، سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں لوگ صداقت کے جویا، حقیقت کے طالب بن جائیں گے، حتی کہ یَدخُلُونَ فِی دِینِ اللّٰهِ اَفوَاجًا، کا نظارہ چشم ظاہر بین کو بھی نظر آنے لگے گا۔ نصرت الٰہیہ کا اس آیت میں ذکر ہے۔ اِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَد نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذ اَخرَجَهُ الَّذِینَ کَفَرُوا ثَانِیَ اثنَینِ اِذ هُمَا فِی الغَارِ۔

ترجمہ: اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد اس وقت بھی کی جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا اور رسول اُس وقت دو میں سے تیسرا تھا اور وہ دونوں اس وقت غار میں

تھے۔

ہاں نصرت الٰہیہ ہی کا کرشمہ تھا کہ نبی اور صدیق دونوں غار کے اندر موجود ہیں اور کفار اشرار بر سر غار کھڑے ہیں اور اتنے قریب ہیں کہ اگر ذرا جھک کر دیکھ لیں تو غار کی اندرونی حالت دیکھ سکیں، مگر نصرت ربانی کام کر رہی ہے، یہ لوگ منہ پر آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے ہو گئے ہیں، غار سے برآمدگی کے بعد مدینہ تک پہنچ جانا بھی آسان نہ تھا۔ قریش کے انعامات اور بت پرستوں کے ذاتی انتقام نے تمام راستے کو نہایت مخدوش بنا دیا تھا، یہ تین سو میل کا راستہ سینکڑوں اعداءِ دین کا روکا ہوا تھا پھر بھی نصرت سبحانی سے یہ خوفناک سفر بخوش اسلوبی طے ہو جاتا ہے۔ بنو کنانہ کے سردار نے اگر تعاقب بھی کیا تو مُنہ کی کھائی اور بریدہ اسلمی نے بھی اگر تعاقب کیا تو زمرۂ خدام میں منسلک ہو گیا حضور ﷺ کے قدوم میمنت لزوم کی اطلاع و بشارت بھی ایک یہودی بچہ اہل ایمان تک لے جاتا ہے اور اہل مدینہ اس نعمت خداداد سے درجہ تکمیل پر فائز ہو جاتے ہیں۔ صراط مستقیم پر چلنے والوں کی تعداد روز افزوں ترقی کے ساتھ بڑھنے لگتی ہے، حتیٰ کہ یہود کی آنکھیں بھی اس نظارہ سے جس کی خبر جناب حق نبی نے دی تھی، پتھرا جاتی ہیں۔ اب چھ سال بعد مدینہ سے ٹھیک جنوب میں یعنی اُم القریٰ اور اس کے حوالی میں قدرتِ ربانیہ اور نصرت الٰہیہ کو نتائج صلح حدیبیہ کا دکھلانا منظور ہے۔

ان آیات پر غور کرنے سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ فتح مبین اور اتمام نعمت اور ہدایت راہِ مستقیم اور نصرت وعزت کے معنی سیرت رسول پاک میں ہمیشہ سے مشکلاتِ اشاعت کی دوری اور موانعات تبلیغ کا اندفاع رہے ہیں جس کا نتیجہ اعلائے کلمۃ الحق اور ظہور صداقت رہا ہے۔ بے شک یہ سب وعدے، یہ جملہ بشارات حضور ہی کی حیات طیبہ میں منجانب اللہ پُورے فرمائے گے لہٰذا آیت زیب عنوان حضور ﷺ کی رفعت شان اور منصب عظیم کی مظہر اتم ہیں اور حضور ﷺ کی خصوصیات کی مبرہن کرنے والی ہے۔

مندرجہ بالا تحریر کا مطلب یہ نا سمجھنا چاہیے کہ حضور ﷺ سراپا نور کے مغفور الذنب

ہونے کا کوئی منفی پہلو اس سے نکل سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

تحریر بالا تو حضور ﷺ کے مداح علیا کی اور زیادہ وضاحت کُن ہے، اگر وہ ذات قدسی جسے رب العالمین نے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فرما کر اہل عالم وعالمیان کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا ہے، مغفور الذنب نہ ہو تو پھر عصمتِ انبیاء کے کیا معنی رہ سکتے ہیں۔

میرا تو ایمان ہے کہ حضور ﷺ ہی صاحب مقام محمود ہیں، منزلت وسیلہ کے سریر آرا ہیں، شفیع المذنبین ہیں، شفاعت کبریٰ حضور ﷺ ہی کے لیے خاص ہے ادم ومن دُونه تَحتَ لِوائی ولَوَاءُ الحمدِ بِيَدِی حضور ﷺ ہی کا مرتبہ ہراَت کمال تک پہنچتا ہے۔

الغرض عصمت کاملہ اور شفاعت کبریٰ کے مناصب کے ساتھ ساتھ آیات زیب عنوان سے ان معانی کا استفاضہ بھی ہو گیا کہ اعدائے دین نے جو الزامات سرورِ کائنات پر لگائے تھے، اُن کا ازالہ بھی حضور کی پاک ترین حیات ہی میں ہو چکا تھا۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ معاہدہ کرتے وقت چالاک دشمن نے جن شرائط کو اپنی برتری اور اشاعت اسلام کی مسدودی کا ذریعہ سمجھا تھا، وہ سب بیت العنکبوت ثابت ہوئیں، قریش نے سمجھا تھا کہ جب نومسلم لوگ اکسراڈیشن کے مجرم بن جائیں گے تو قریش کے جبر وستم اور بند وقید کے خوف سے آئندہ کوئی شخص اسلام میں داخل نہ ہوگا۔

نیز جب مرتدین کو یہ سہارا مل جائے گا کہ وہ ترک اسلام کے بعد بھی قریش کی پناہ میں آ کر جملہ حقوق شہریت سے متمتع رہ سکیں گے اور مسلمان ان کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے تو بیسیوں مسلمان بھی مرتد ہو جائیں گے، مگر یہ دونوں خیال جھوٹے نکلے اور صرف اشاعت اسلام نے ان کی جملہ تدابیر کو خاک میں ملا دیا اور علیم حکیم نے اسی معاہدہ کو فتح مبین اور نصر عزیز بنا دیا۔

بے شک کوتاہ بین آنکھ تو یہ بھی نہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ دو شخص جورات کی تاریکی میں

گھروں سے نکلے، اور غار کی تہہ میں چھپ کر رہے، یہی کل دنیائے روحانیت کے آفتاب و ماہتاب ہیں، نبی کریم ﷺ کی روحانیت سے شرک کی ظلمت اور جہل کی تاریکیاں دور ہوئیں، توحید کا نور گھر گھر پہنچا اور خلیفۃ الرسول کی روحانیت سے اسود عنسی اور مسیلمہ، اور سجاح کی نبوت کاذبہ کے دعویدار ہلاکت میں ڈالے گئے اور ہر ایک گمراہ کن کی بنیادیں مستاصل کی گئیں۔

اسی طرح اور بالکل اسی طرح اس معاہدہ کے وقت کوتاہ اندیشانِ قریش کی عقل اور سمجھ سے یہ بات باہر تھی کہ جو مسلمان مسلمانوں سے بطور مجرم حاصل کیے جائیں گے وہی لوگ حبس و زندان میں بیٹھے ہوئے مبلغ اسلام کی شان دکھلائیں گے اور بیسیوں کو مسلمان کر سکیں گے، جو لوگ "اسلام بزور شمشیر" کا جھوٹا اتہام لگایا کرتے ہیں وہ بھی اس معاہدہ پر غور کر لیں کہ اسلام سے پھر جانے والوں کی حمایت اور پناہ کی ذمہ داری قریش کی زبردست قوم اپنے اوپر لیتی ہے۔ ان کی آبادی اور سکونت کے انتظام کی حامی بنتی ہے اور باایں ہمہ کوئی ایک شخص بھی نہیں نکلتا، جس سے اس حمایت و حفاظت و جنبہ داری کا فائدہ اٹھایا ہو۔

المختصر۔ آیات زیب عنوان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات بخوبی آشکارا ہیں اور فی الحال مضمون ہذا کی مناسبت سے اسی قدر لکھ دینا کافی ہے۔

وَ صَلی اللّٰہ تعالیٰ عَلیٰ نبیّہٖ و حبیبِہٖ وَ اٰلِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّاتِہٖ و بارِکْ وَسَلِّمْ۔ (بحوالہ جستہ جستہ از رحمۃ للعلمین ج۔۳)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلیٰ حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

مآخذ و مراجع

کی تفصیلی فہرست جلد نمبر ۴ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں

جزاک اللہ

300 سے زائد کتب سے استفادہ شدہ کتاب جسکی تکمیل
روضہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے میں بیٹھ کر کی گئی

خصوصیاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

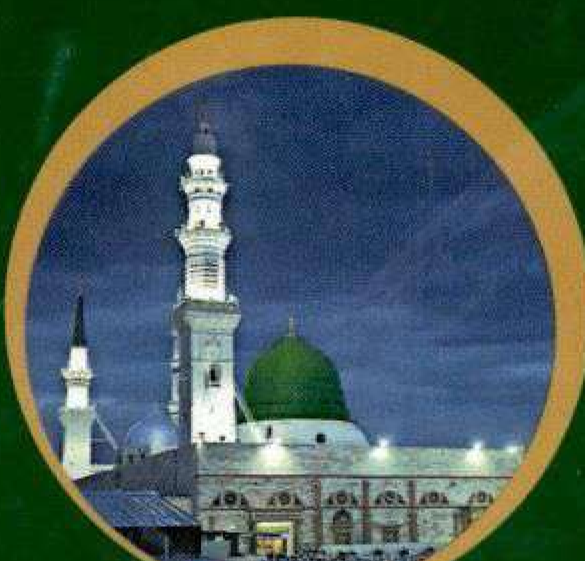


تالیف

مولانا محمد ہارون معاویہ

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
خطیب جامع مسجد سرور کونین







پسند فرمودہ

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ

استاذ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

تقاریظ

مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ

استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

مولانا مفتی عبد المجید دینپوری مدظلہ

نائب رئیس دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

دار الاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ

خصوصیاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مجمع فضل وکمال، سیدالانبیاء، مقصود الخلائق، سید الکونین، اشرف الرسل، شفیع الامم، رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین کی سیرت کے عظیم گوشے سے چیدہ چیدہ سو امتیازی خصوصیات وکمالات پر جدید اسلوب میں جامع، مفصل و قابل قدر ذخیرہ

جلد سوم

تالیف
مولانا محمد ھارون معاویہ
فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
واستاد مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپورخاص

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : فروری ۲۰۰۷ء علی گرافکس
ضخامت : 534 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

……… ملنے کے پتے ………

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

اجمالی فہرست

خصوصیت نمبر۵۱...۶۴

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاص رعب عطا فرمایا تھا

خصوصیت نمبر۵۲...۷۱

رسول اکرم ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو سجدہ گاہ بنایا

خصوصیت نمبر۵۳...۷۴

رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے

خصوصیت نمبر۵۴...۸۰

رسول اکرم ﷺ کی دعوت تمام دنیا والوں کے لئے تھی

خصوصیت نمبر۵۵...۸۲

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم عطا فرمائے

خصوصیت نمبر۵۶...۱۲۸

رسول اکرم ﷺ کی جان کی اللہ تعالیٰ نے خود قسم اٹھائی ہے

خصوصیت نمبر۵۷...۱۳۸

رسول اکرم ﷺ کے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا

خصوصیت نمبر۵۸...۱۴۲

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک بڑا احسان قرار دیا

خصوصیت نمبر۵۹...۱۶۸

رسولِ اکرم ﷺ کا نام آپ کے کمالات کا آئینہ دار ہے

خصوصیت نمبر ۶۰ .... ۱۸۰

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضیلتوں سے نوازا

خصوصیت نمبر ۶۱ .... ۱۹۰

رسولِ اکرم ﷺ قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھیں گے

خصوصیت نمبر ۶۲ .... ۱۹۶

رسولِ اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق بتوں کے پیٹ سے صدائیں بلند ہوئیں

خصوصیت نمبر ۶۳ .... ۲۰۴

رسولِ اکرم ﷺ کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کو اللہ نے اپنی بیعت قرار دیا

خصوصیت نمبر ۶۴ .... ۲۰۹

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کی ایک بڑی تعداد کا بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا

خصوصیت نمبر ۶۵ .... ۲۱۷

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے اعتدال کی دولت عطا فرمائی

خصوصیت نمبر ۶۶ .... ۲۴۴

رسولِ اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق فضاء میں بھی صدائیں بلند ہوئیں

خصوصیت نمبر ۶۷ .... ۲۶۰

رسولِ اکرم ﷺ کے ناموں کے نقوش مختلف چیزوں پر نظر آئے

خصوصیت نمبر ۶۸ .... ۲۸۹

رسولِ اکرم ﷺ کا نام عرش پر اللہ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے

خصوصیت نمبر ۶۹ .... ۲۹۲

رسولِ اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق وحشی جانوروں کے منہ سے بھی صدائیں بلند ہوئیں

خصوصیت نمبر ۷۰ .... ۲۹۶

رسولِ اکرم ﷺ کی امت میں اللہ تعالیٰ نے اونچے درجے کے علماء پیدا فرمائے

خصوصیت نمبر ۷۱ .... ۴۷۷

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے امی بنا کر مبعوث فرمایا

خصوصیت نمبر ۷۲ .... ۴۹۳

رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل ہے

خصوصیت نمبر ۷۳ .... ۵۱۱

رسولِ اکرم ﷺ کے لئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا

خصوصیت نمبر ۷۴ .... ۵۱۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے کچھ نام دیئے

خصوصیت نمبر ۷۵ .... ۵۲۷

رسولِ اکرم ﷺ کا لایا ہوا انقلاب عظیم خصوصیت کا حامل ہے

تفصیلی فہرست

انتساب...۲۰
عرضِ مؤلف...۲۱
تقریظ.....از حضرت استاذ العلماء مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی............۲۷
تقریظ.....از استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی....۳۰
تقریظ.....از حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ العالی.......................۳۱
تقریظ.....از محترم مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب مدظلہ العالی.........................۳۶
انبیاء کرامؑ کے مراتب میں جزئی تفاوت اور ایک ضروری تطبیق.............................۳۸
ایک ضروری وضاحت...۴۰
مقدمہ الکتاب (خصوصیات مصطفیٰ ﷺ جلد سوم).......................................۴۱
نبوت ورسالت کی وضاحت وتفصیل...۴۱
نبوت ورسالت اور قرآن...۴۴
نبوت ورسالت کا تجزیہ...۴۵
نبوت ورسالت اور بشریت...۴۶
نبوت ورسالت وھبی ہے...۴۹
نبوت، رسالت اور عصمت...۵۰
نبوت ورسالت کی ہمہ گیری...۵۲
منصب رسالت ونبوت...۵۴

نبوت ورسالت محمدی ﷺ..................................۵۷

ختم رسالت وختم نبوت..................................۶۰

نبوت ورسالت کی بحث کا خلاصہ..................................۶۲

خصوصیت نمبر ۵۱..................................۶۴

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاص رعب عطا فرمایا تھا

ایک ضروری تمہید..................................۶۵

اکاون نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں..................................۶۶

خصوصیت نمبر ۵۲..................................۷۱

رسولِ اکرم ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو سجدہ گاہ بنایا

باون نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..................................۷۱

خصوصیت نمبر ۵۳..................................۷۴

رسولِ اکرم ﷺ کی پیروی کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے

ترپن نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..................................۷۴

خصوصیت نمبر ۵۴..................................۸۰

رسولِ اکرم ﷺ کی دعوت تمام دنیا والوں کے لئے تھی

چون نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..................................۸۰

خصوصیت نمبر ۵۵..................................۸۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم عطا فرمائے

پچپن نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..................۸۲

خصوصیت نمبر ۵۶..................۱۲۸

رسولِ اکرم ﷺ کی جان کی اللہ تعالیٰ نے خود قسم اٹھائی ہے

چھپن نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..................۱۲۸

خصوصیت نمبر ۵۷..................۱۳۸

رسولِ اکرم ﷺ کے لئے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا

ستاون نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..................۱۳۹

خصوصیت نمبر ۵۸..................۱۴۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک بڑا احسان قرار دیا

اٹھاون نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..................۱۴۳

خصوصیت نمبر ۵۹..................۱۶۸

رسولِ اکرم ﷺ کا نام آپ ﷺ کے کمالات کا آئینہ دار ہے

انسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..................۱۶۹

خصوصیت نمبر ۶۰..................۱۸۰

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضیلتوں سے نوازا

ساٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں..................۱۸۱

خصوصیت نمبر ۶۱ .... ۱۹۰

رسولِ اکرم ﷺ قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھیں گے

اکسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۱۹۰

قیامت کے دن حضور ﷺ عرش الٰہی کے دائیں جانب کھڑے ہوں گے ۱۹۴

خصوصیت نمبر ۶۲ .... ۱۹۶

رسولِ اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق بتوں کے پیٹ سے صدائیں بلند ہوئیں

باسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۱۹۷

خصوصیت نمبر ۶۳ .... ۲۰۴

رسولِ اکرم ﷺ کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کو اللہ نے اپنی بیعت قرار دیا

تریسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۲۰۵

خصوصیت نمبر ۶۴ .... ۲۰۹

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کی ایک بڑی تعداد کا بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا

چونسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۲۱۰

جنت میں بغیر حساب جانے والوں کی صفات ۲۱۳

خصوصیت نمبر ۶۵ .... ۲۱۷

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے اعتدال کی دولت عطا فرمائی

پینسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۲۱۷

امت محمدیہ ﷺ کا اعتدال اور لفظ وسطاً کی تشریح ۲۱۸

اعتدال سے متعلق مزید تفسیر وتشریح ۲۱۹

اعتدالِ امت کی حقیقت واہمیت اور اس کی کچھ تفصیل ۲۲۰

امت محمدیہ ﷺ میں ہر قسم کا اعتدال ۲۲۳

اعتقادی اعتدال ۲۲۵

عمل اور عبادت میں اعتدال ۲۲۶

معاشرتی اور تمدنی اعتدال ۲۲۶

اقتصادی اور مالی اعتدال ۲۲۷

شہادت کے لئے عدل وثقہ ہونا شرط ہے ۲۲۸

وصف اعتدال سے متعلق مزید وضاحت ۲۲۹

اعتدال کا معنیٰ اور مطلب ۲۳۲

رسولِ اکرم ﷺ اور اعتدال کی اہمیت ۲۳۵

اسلام میں اعتدال پسندی کی اہمیت ۲۴۰

خصوصیت نمبر ۶۶ .... ۲۴۴

رسولِ اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق فضاء میں بھی صدائیں بلند ہوئیں

چھیاسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۲۴۴

خصوصیت نمبر ۶۹ .... ۲۹۲

رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق وحشی جانوروں کے منہ سے بھی صدائیں بلند ہوئیں

انترنمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۲۹۲

خصوصیت نمبر ۷۰ .... ۲۹۶

رسول اکرم ﷺ کی امت میں اللہ تعالیٰ نے اونچے درجے کے علماء پیدا فرمائے

سترنمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۲۹۷

داعی حق حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ۲۹۹

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۳۰۸

امام ابوحنیفہؒ کی جوانی اور تعلیم ۳۱۱

امام ابوحنیفہؒ حضرت حمادؒ کی خدمت میں ۳۱۳

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور علم حدیث ۳۱۴

امام ابوحنیفہؒ حرمین کی طرف ۳۱۰

امام ابوحنیفہؒ مدینہ کی طرف ۳۲۱

امام ابوحنیفہؒ امام باقر کی خدمت میں ۳۲۳

امام ابوحنیفہؒ کی احتیاط وتحقیق ۳۲۴

امام ابوحنیفہؒ اور تدوین فقہ ۳۲۵

امام ابوحنیفہؒ کی وفات حسرت آیات ۳۳۱

خصوصیت نمبر ۶۷ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۰

رسولِ اکرم ﷺ کے ناموں کے نقوش مختلف چیزوں پر نظر آئے

سرسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۰

خراسان کے ایک پہاڑ پر آنحضرت ﷺ کے نام کا نقش ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۰

آسمانوں اور جنتوں میں ہر جگہ آنحضرت ﷺ کے نام کے نقش ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۱

لوح محفوظ میں قلم کی سب سے پہلی تحریر اور آپ ﷺ کا ذکر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۲

درختوں کے پتوں پر آپ ﷺ کے نام کے نقش ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۳

گلاب کی پنکھڑی پر عجیب تحریر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۴

انگور کے دانے میں لفظ محمد ﷺ کا نقش ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۵

جانوروں کے جسموں پر آنحضرت ﷺ کے نام کے قدرتی نقوش ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۵

بادلوں کے ظاہر سے ہونے والی کلمے کی تحریر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۶

واقعہ خضرؑ وموسیٰؑ میں دیوار والے خزانے کی حقیقت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۶

سونے کی اس تختی پر عبرت آمیز کلمات اور آنحضرت ﷺ کا نام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۶۷

آدمیوں اور جانورں کے جسموں پر آنحضرت ﷺ کے نام اور کلمہ کے نقش ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۸۷

نومولود بچے کے مونڈھوں پر کلمہ کا نقش ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۸۷

ایک افتادہ پتھر پر تحریر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۸۸

خصوصیت نمبر ۶۸ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۸۹

رسولِ اکرم ﷺ کا نام عرش پر اللہ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے

اڑسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۹۰

امام ابوحنیفہؒ کے اخلاق وعادات ۳۳۲

امام ابوحنیفہؒ کا حلیہ اور گفتگو ۳۳۲

امام ابوحنیفہؒ کی اولاد ۳۳۳

امام ابوحنیفہؒ کی تصنیفات ۳۳۳

فقیہ المشرق والمغرب حضرت عبداللہ بن مبارک مروزیؒ ۳۳۵

۱۔ مہمان نوازی ۳۵۳

۲۔ علماء اور طلبہ کی اعانت ۳۵۳

۳۔ حجاج کی امداد ۳۵۴

۴۔ جود وسخا اور اہل حاجت کی امداد ۳۵۵

امیر المؤمنین فی الحدیث سیدنا محمد بن اسماعیل بخاریؒ ۳۶۱

حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۳۸۸

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ولادت نام ونسب ۳۸۹

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ولادت باسعادت ۳۹۰

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد ماجد ۳۹۰

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیم وتربیت ۳۹۲

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحصیل علوم کی تفصیل ۳۹۳

امام ابوحنیفہؒ کو اجازت تجوید وقرأت ۳۹۴

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی شادی ۳۹۴

حضرت شاہ ولی اللہؒ کو اجازت بیعت ووفات والد ماجد ۳۹۵

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور درس وتدریس ۳۹۵

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا علمی استغراق ۳۹۶

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا سفر حجاز ۳۹۶

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حجازی اساتذہ ۳۹۷
حجۃ الاسلام امام شاہ ولی اللہؒ کے تجدیدی واصلاحی کارناموں کا خلاصہ ۳۹۹
حضرت شاہ ولی اللہؒ اور اشاعتِ قرآن ۳۹۹
حضرت شاہ ولی اللہؒ اور درس قرآن ۴۰۲
حضرت شاہ ولی اللہؒ اور اشاعتِ حدیث ۴۰۲
حضرت شاہ ولی اللہؒ کا درسِ حدیث ۴۰۳
حضرت شاہ ولی اللہؒ کے سلسلۂ حدیث کی مقبولیت ۴۰۴
حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مقام عظمت ۴۰۵
حضرت شاہ ولی اللہؒ اور تحدیث نعمت وتحمید الٰہی ۴۰۶
حضرت شاہ ولی اللہؒ کی وفات حسرت آیات ۴۰۷
حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اخلاق وعادات ۴۰۷
حضرت شاہ ولی اللہؒ کا فقہی مسلک ۴۰۸
حضرت شاہ ولی اللہؒ کی بعض وصیتیں اور نصیحتیں ۴۰۹
حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصنیفات وتالیفات ۴۱۰
حضرت شاہ ولی اللہؒ بحیثیت ادیب وشاعر ۴۱۶
حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اولاد امجاد ۴۱۸
حضرت شاہ ولی اللہؒ کے چار صاحبزادوں کے مختصر حالات ۴۲۰
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ۴۲۰
شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ ۴۲۰
شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ ۴۲۱
شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ ۴۲۱
حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۴۲۲

طالب علمی میں خواب..........۴۲۳
ایک اور خواب..........۴۲۴
سادگی و کسر نفسی..........۴۲۴
سخاوت و مہمان نوازی..........۴۲۵
جہادِ آزادی کا آغاز..........۴۲۶
گرفتاری کے وارنٹ..........۴۲۸
اتباع سنت و روپوشی..........۴۲۹
دار العلوم دیوبند کا قیام..........۴۲۹
عشق محمدی ﷺ پر چند واقعات..........۴۳۱
زندگی کے آخری ایام..........۴۳۳
وفات و تدفین..........۴۳۵
قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ..........۴۳۶
چند واقعات و کرامات..........۴۴۰
نماز کا شوق اور غیبی حفاظت..........۴۴۰
طلبہ کے جوتے اٹھائے..........۴۴۱
پہلا حج اور کرامات کا ظہور..........۴۴۳
حوادثات اور صدمات پر صبر..........۴۴۶
حرمین اور اس کے متعلقات سے محبت..........۴۴۷
نماز میں خشوع و خضوع کا منظر..........۴۴۸
نماز بیٹھ کر کبھی نہیں پڑھی..........۴۴۸
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ..........۴۴۹
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ضبط اوقات و تنظیم کار..........۴۵۳

خارجی زندگی...۴۵۳
داخلی زندگی...۴۵۵
کچھ واقعات وکرامات...۴۵۶
جہاں تم جاؤ گے، وہاں تم ہی تم ہو گے...۴۵۶
تفسیر لکھنے میں آپ کو کتنا روپیہ ملا؟...۴۵۸
دین اور دنیا، دونوں میں عزتیں ہونگی...۴۵۸
تین چیزوں کی پابندی سے سلوک طے ہو جائے گا...۴۵۹
نومسلم کا جھوٹا پی کر کایا پلٹ دی...۴۶۰
حکیم الامتؒ کے ایک مستجاب الدعوات شاگرد کا واقعہ...۴۶۰
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نزدیک اہل علم کی شان...۴۶۲
بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ...۴۶۴
مولانا کا وطن اور خاندان...۴۶۴
مولانا کی اہم خصوصیات...۴۶۵
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ...۴۶۹
کچھ اوصاف اور واقعات وکرامات...۴۶۹
ذوقِ عبادت...۴۶۹
اتباع شریعت وسنت...۴۷۱
عزم واستقلال...۴۷۱
سادگی اور بے تکلفی...۴۷۲
تواضع اور انکساری...۴۷۳
قناعت واستغفار...۴۷۴
یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے باہر ہے...۴۷۵

قارئین سے ایک گزارش ۴۷۶

خصوصیت نمبر ۷۱ .... ۴۷۷

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے امی بنا کر مبعوث فرمایا

اکترہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۴۷۸

خصوصیت نمبر ۷۲ .... ۴۹۳

رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل ہے

بہترہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۴۹۴

خصوصیت نمبر ۷۳ .... ۵۱۱

رسولِ اکرم ﷺ کے لئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا

تہترہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۵۱۲

خصوصیت نمبر ۷۴ .... ۵۱۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے کچھ نام دیئے

چہترہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۵۱۶

آپ ﷺ کے اسمائے مبارک کی تعداد ۵۱۶

خصوصیت نمبر ۷۵ .... ۵۲۷

رسولِ اکرم ﷺ کا لایا ہوا انقلاب عظیم خصوصیات کا حامل ہے

پچترہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں ۵۲۸

آپ ﷺ کا لایا ہوا انقلاب اور اسکے نتائج وتعلیمات ۵۲۹

ماخذ ومراجع ۵۳۵

مؤلف کی چند دیگر کتب ۵۵۰

انتساب

حضور سرورِ کائنات، فخرِ مجسم، شافع محشر، ساقی کوثر حضرت محمد عربی مصطفیٰ ﷺ کے نام، جو باعثِ تخلیق کائنات بن کر دنیا میں تشریف لائے اور اپنی ضوفشانیوں سے دنیا کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اجالوں سے روشن کر گئے۔

رخِ مصطفیٰ کو دیکھا تو دیوں نے جلنا سیکھا
یہ کرم ہے مصطفیٰ کا کہ شبِ غم نے ڈھلنا سیکھا
یہ زمیں رکی ہوئی تھی یہ فلک تھما ہوا تھا
چلے جب مرے محمد تو دنیا نے چلنا سیکھا

محمد ہارون معاویہ

عرض مؤلف

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب وخلیل حضرت محمد ﷺ کے بے شمار فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں اورانہیں زینت رحمت سے مزین فرمایا ہے گویا کہ آپ ﷺ سراسر رحمت ہیں، آپ ﷺ کی جملہ صفات وفضائل تمام مخلوقات کے لئے باعث رحمت ہیں، آپ ﷺ کی زندگی عین رحمت اورآپ ﷺ کا رفیق اعلیٰ سے ملنا عین رحمت ہے، الغرض آپ ﷺ جن وانس کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا شہرہ بلند فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **ورفعنا لك ذكرك** ''اورہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کردیا۔''

اللہ کی قسم! بالکل ایسا ہی ہوا، دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا خوب چرچا فرمایا، دنیا میں کوئی خطیب، واعظ اورنمازی ایسا نہیں ہے جو اللہ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام نہ لیتا ہواور اشهد ان لااله الاالله کے ساتھ اشهد ان محمدا الرسول الله نہ کہتا ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں سے دو مبارک نام رؤف اوررحیم اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **لقد جاء كم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمومنين رئوف رحيم** ''دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایسا رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اوررحیم ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو ایسی دل ربا شکل وصورت سے نوازا جو رعنائی وزیبائی میں بے مثل اورانتہائی حسین وجمیل ہے اوراس سے پہلے یا بعد میں کوئی بھی اس حسن وجمال میں آپ ﷺ کا شریک وسہیم نہیں۔ چنانچہ خوبصورتی کی جملہ صنات میں سے وافر حصہ آپ ﷺ کو عطا کیا گیا اوردل ربائی کی جملہ اداؤں میں آپ ﷺ کو شریک کیا گیا حتیٰ کہ مختلف قسموں کا ذوق جمالیات رکھنے والے اگر آپ ﷺ کے رخ انور کو دیکھیں تو آپ ﷺ کی ہر ادا اور ہر پہلو میں اپنے لئے سامان طمانیت پائیں اورکوئی بھی زاویہ ان کے ذوق پر گرانی کا باعث نہ ہو۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک بے شمار انبیاءؑ بھیجے، ان میں اکثر انبیاءؑ وہ ہیں جن کے حالات تو کیا ہمیں ان کے نام بھی معلوم نہیں ہیں، قرآن کریم میں صرف پچیس انبیاء کرامؑ کے نام آئے ہیں۔

ان انبیاء کے نام اور حالات معلوم نہ ہونے کے باوجود ہم مسلمان ان تمام انبیاءؑ کا احترام کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے منتخب بندے تھے، وہ اپنے وقت کے سب سے بہتر، سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ انسان تھے۔ ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی، ان میں سے کسی کو کتاب اور کسی کو صحیفہ عطا کیا گیا، انہیں مختلف معجزات عطا کیے گئے۔ انہیں عزت وعظمت سے سرفراز کیا گیا۔ ہم ان سب باتوں کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بعض ایسی چیزیں بھی تھیں جو صرف ہمارے آقا ﷺ کے ساتھ خاص تھیں۔

چنانچہ انبیاء ورسلؑ کی اس مقدس جماعت میں جناب محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کو سینکڑوں امتیازی خصوصیات حاصل ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے ''خصائص کبریٰ'' میں اڑھائی سو کے قریب حضور ﷺ کے خصائص جمع کیے ہیں ان سب کی تفصیل بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم دفتر درکار ہے۔ اسی طرح دیگر اور بھی کتابیں اس عظیم موضوع پر لکھی گئیں لیکن عربی زبان میں۔

حضور سرورِ کائنات ﷺ کی سیرت کے اس عظیم گوشے کے بارے میں چونکہ اب تک اردو زبان میں ہماری معلومات کے مطابق مستقل کوئی کتاب ترتیب نہیں دی گئی تھی، اس لئے عرصے سے اس ضرورت کو محسوس کیا جا رہا تھا، چنانچہ بندے کے ایک قریبی دوست مولانا محمد عمران سردار صاحب نے اس موضوع کی طرف توجہ دلائی کہ اس عظیم الشان موضوع پر کچھ کام ہو جائے تو ایک سعادت کی بات ہوگی، محترم موصوف کا مشورہ دل کو لگا، لہٰذا اسی وقت بندے نے اللہ رب العٰلمین کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اس عظیم سعادت کے حاصل کرنے کا عزمِ مصمم کر لیا اور اپنی طاقت کی بقدر سیرت کے عنوان پر لکھی جانے والی چھوٹی بڑی تقریباً ساری کتب کو خریدا، اور شب وروز کی محنت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قدر مواد جمع ہو گیا کہ جو چار جلدوں کی ضخامت تک پہنچ گیا، اور بحمد اللہ اس طرح سیرت النبی ﷺ کا یہ عظیم باب چار ضخیم جلدوں میں آپ تک پہنچانے کی سعادت حاصل ہوئی، جس میں حضور ﷺ کی چیدہ چیدہ سو

خصوصیات کو مرتب کیا گیا یعنی ہر جلد میں پچیس خصوصیات شامل کی گئیں۔

یہ عظیم کتاب اب سے کئی مہینوں قبل آپ کے ہاتھوں تک پہنچ جاتی لیکن تاخیر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جذبہ پیدا ہوا کہ کیوں نہ ایسا ہو جائے کہ اس مقدس کتاب کا کچھ کام صاحبِ خصوصیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقدس شہر مدینۃ المنورہ میں روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر کیا جائے، چنانچہ اللہ رب العٰلمین نے فضل فرمایا اور رمضان المبارک میں عمرے کی سعادت حاصل ہوئی، تو چونکہ اس وقت تک یہ چاروں جلدوں کی کمپوزنگ ہو چکی تھی، لہٰذا بندے نے سفر میں چاروں جلدوں کا ایک پروف اپنے ساتھ رکھ لیا، اور مسلسل تقریباً ۱۲ دن تک شب وروز روضۂ رسول کے سائے میں بیٹھ کر کتاب کو آخری ترتیب دی، یعنی کچھ کانٹ چھانٹ ہوئی، کچھ مزید اضافے ہوئے، کہیں کہیں کچھ وضاحت یا تمہیدات کی ضرورت محسوس ہوئی تو اسے پورا کیا گیا، اور مزید اس مقدس جگہ کی روحانیت کے نتیجے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالا اسے بھی ترتیب دیا، الغرض اس کتاب کی آخری مکمل ترتیب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے روضۂ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر مرتب کی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم ہی سے ہوا، ورنہ "من آنم کہ من دانم"، بہر حال اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کا کروڑوں بار شکر ادا کروں تو بھی کم ہے۔

اور اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کو مرتب کرنے میں بھی میرا کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ یہ نہ تو میری تصنیف ہے اور نہ ہی تحقیق، لاشک یہ سب کچھ اکابرین کی کتب سے استفادے کے بعد ترتیب دیا گیا مواد ہے، اور اس بات کا میں کھلے دل سے اقرار کرتا ہوں، تاکہ کسی محترم کے دل میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے بدگمانی پیدا نہ ہو، ہاں البتہ اس عاجز نے شب وروز محنت کر کے 300 سے زائد کتابوں کے ہزاروں صفحات کو بار بار کھنگالا اور مختلف کتابوں میں بکھری خصوصیات کو یکجا کیا، مشکل الفاظ کو جدید اسلوب میں ڈھالنے کی کوشش کی، جدید دور کے نئے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نئی ذہنیت کے حامل مسلمانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش کی، اس کام کے لئے مجھے کس قدر باریک بینی اور شب وروز کی

محنت سے کام لینا پڑا، میرا علیم وخبیر خدائے وحدہٗ لاشریک اس سے بخوبی آگاہ ہے، اور بے شک میری نظر بھی اسی ذات پر ہے، اور اسی ذات سے اچھے بدلے کی امید ہے، کوئی قابلِ احترام دوست مجھ گنہگار کے بارے میں کچھ بھی کہے مجھے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے، پرواہ یا فکر تو تب ہو کہ دنیا والوں سے بدلے کی امید وابستہ ہو، بس میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے اس کے بعد اور کچھ نہیں چاہیئے۔

اور اسی طرح اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جیسا کہ چاروں جلدوں میں بھی جابجا یہ وضاحت کی گئی ہے کہ خصوصیاتِ مصطفیٰ کو لکھنے کا مقصد نعوذ باللہ دیگر انبیاء کرامؑ کی تنقیص نہیں ہے اور نہ ان کے مقام ومرتبے کو کم کرنا مقصد ہے بلکہ نیت صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری نبی ﷺ کو جو مقام ملا ہے امت کے سامنے اسے اجاگر کیا جائے اور امت کو تعلیمات نبوی ﷺ کی طرف آنے کی دعوت دی جائے بے شک جب امت اپنے نبی ﷺ کے مقام ومرتبے کو سمجھے گی تو ان کے دل میں اپنے نبی ﷺ کی محبت پیدا ہوگی اور اپنے نبی ﷺ کی سنتوں پر چلنا آسان ہوگا کیونکہ امت کے ہر فرد کی فلاح وکامرانی اب صرف اور صرف محمد مصطفیٰ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہے، لہٰذا ذہن میں رہے کہ اگر خدانخواستہ کسی کے دل میں دیگر انبیاء کرام سے متعلق ادنیٰ سا بھی منفی خیال آیا تو اس کا ایمان اس کے پاس باقی نہیں رہے گا، اور یہ بات کوئی اپنی طرف سے نہیں کہی جارہی بلکہ خود خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات میں اس کی تلقین کی گئی ہے، جیسا کہ مختلف مقامات پر تفصیل آپ ملاحظہ فرماتے رہیں گے انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! بندۂ عاجز کی یہ کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے، اگر کچھ اچھا لگے تو اس گنہگار کی آخرت کی کامیابی کے لئے دعائے خیر کے دو بول ادا کر دیجئے گا، اور اگر کچھ خامی یا کمزوری نظر آئے تو برائے مہربانی ایک کمزور اور ناقص سا مسلمان سمجھتے ہوئے معاف کر دیجئے گا اور اگر رہنمائی ہو جائے تو ایک بہت بڑا احسان ہوگا، آپ کے مشوروں کا دلی خیر مقدم ہے کیونکہ بندہ رہنمائی اور مشوروں کا طالب اور پیاسا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اور اب ضروری ہے کہ اپنے ان تمام مہربانوں کا شکریہ ادا کروں کہ جن حضرات نے مجھے مشورے دیئے، میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی، جن میں سر دست میرے استاذِ محترم میری

مادرِ علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے قدیم استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ ہیں کہ استاذ محترم نے اس کتاب کے لئے گراں قدر تقریظ تحریر فرما کر مجھ عاجز کے سر پر دست شفقت رکھا۔

اسی طرح شکریہ ادا کرتا ہوں استاذ محترم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی کا کہ حضرت استاذ محترم نے باوجود شدید مصروفیات کے بندے پر شفقت فرماتے ہوئے تقریظ تحریر فرمائی۔

اور میرے مشفق استاذ کہ جن کی شفقت کے سائے تلے میں نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی میں آٹھ سال کے شب وروز گزارے، استاذ الحدیث اور ناظم تعلیمات جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی حضرت استاذ العلماء مولانا عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ حضرت استاذ صاحب نے بھی اس کتاب کے حوالے سے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور قیمتی مشورے دیئے۔

اور اسی طرح استاذ الحدیث دارالعلوم کورنگی کراچی حضرت استاذ العلماء مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، کہ حضرت مدظلہ نے میرے اس کام کو خوب پسند فرمایا، میری حوصلہ افزائی فرمائی اور بہت سے اچھے اچھے مشورے بھی دیئے، اور اسی طرح میں خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ کا کہ جنہوں نے میری گزارش پر ایک جامع اور مانع تقریظ تحریر فرمائی اور بہت سی باتوں کی بڑے اچھے انداز میں وضاحت فرمائی، اور بہت سے قیمتی مشورے بھی دیئے۔

اسی طرح شکریہ ادا کرنا ضروری ہے برادرِ کبیر جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے فاضل، مشہور خطیب اور ایک رسالے کے مدیر حضرت مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب کا کہ جنہوں نے میری کتاب کے لئے تقریظ بھی تحریر فرمائی اور کتاب شروع کرنے سے لے کر آخر تک وقتاً فوقتاً ان کے مشورے بھی میرے شامل حال رہے، علاوہ ازیں

مفتی صغیر احمد صاحب، مفتی عمر انور بدخشانی صاحب، مفتی وقاص احمد صاحب، مولانا محمد سفیان بلند صاحب مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا عبداللہ صاحب شیخ الحدیث "مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپور خاص مکتبہ یوسفیہ کے مالک برادر کبیر جناب حضرت مولانا محمد یوسف کھوکھر صاحب استاذ الحدیث مدرسہ عربیہ قاسم العلوم اور مولانا محمد عمران سردار صاحب، استاذ مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، بے شک ان حضرات کا مجھ پر احسان ہے کہ مختلف موقعوں پر ان سے بھی مجھے مفید مشورے ملتے رہے اور ان کا تعاون میرے شامل حال رہا میری دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اساتذہ اور تمام پُرخلوص معاونین کو دونوں جہانوں کی خوشیاں نصیب فرمائے، آمین۔

ان کے علاوہ بھی میں دیگر ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب سے لے کر کمپوزنگ اور کتاب کی اشاعت تک میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا، خصوصاً دارالاشاعت کراچی کے مالک جناب خلیل اشرف عثمانی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جو میری تمام کتابوں کو اہتمام کے ساتھ شائع کر کے میری حوصلہ افزائی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو دونوں جہانوں کی شادمانیاں نصیب فرمائے۔ آمین!

اور میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ قدسی میں دست بدعا ہوں کہ وہ ذات پاک اس کتاب کو میری پہلی کتابوں کی طرح مفید اور کارآمد بنادے اور ہم سب کو خلوص نیت کے ساتھ دین کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اور تمام قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ مجھے، میرے والدین، اساتذہ کرام کو اپنی خصوصی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، اور اگر آپ کو اس کتاب میں کوئی خامی اور کمزوری نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں آپ کا بہت شکریہ ہوگا۔ آپ کے ہر مشورے کا دلی خیر مقدم ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام آپ کا خیراندیش محمد ہارون معاویہ

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

ساکن میرپور خاص سندھ

تقریظ

از حضرت استاذ العلماء مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت پر پہلی صدی ہجری سے لے کر گذشتہ چودہ صدیوں میں ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین و مقالات لکھے جا چکے ہیں، جن کا احاطہ کرنے کے لیے مستقل کتابیات اور فہرستیں تیار کی گئی ہیں، اگر اس پورے ادبیات سیرت کا اندازہ لگایا جائے تو شاید تاریخ انسانی میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں جس پر اس قدر اور ہمہ پہلو مواد تیار ہوا ہو، بلکہ یوں کہا جائے کہ سیرت کا موضوع محققین اور محبین و عاشقین کے لیے ایک مستقل میدان تحقیق و تصنیف بن گیا، خود متعلقات سیرت اس قدر متنوع اور وسیع ہیں کہ ان کا احاطہ کرنے کے لیے الگ کتابی جائزے کی ضرورت ہے، سیرت طیبہ کے ان مراجع و مصادر پر توجہ کریں تو ایک جہانِ سیرت اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے، سیرت نبوی کے ماخذ پر غور کیا جائے تو درج ذیل سولہ علوم و فنون اس کا سرچشمہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مقام پر اہم ہے:

۱۔ قرآن مجید ۲۔ کتب تفاسیر ۳۔ کتب تاریخ ۴۔ کتب شمائل نبوی ۵۔ کتب دلائل النبوۃ ۶۔ کتب شروح احادیث ۷۔ کتب احادیث، خطبات، مکاتیب، معاہدات، دستاویزات، ۸۔ کتب آثار و اخبار ۹۔ اطلس و خرائط سیرت ۱۰۔ کتب نعت رسول ۱۱۔ کتب انساب ۱۲۔ کتب جغرافیہ عرب ۱۳۔ کتب تاریخ حرمین ۱۴۔ کتب اسماء رجال ۱۵۔ ادب عربی ۱۶۔ سفرنامہ حرمین

سیرت النبی کے مطالعے کا شوقین جب آگے بڑھ کر دیکھتا ہے تو اس موضوع پر

کتابوں کی کثرت اس کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ گذشتہ چودہ سو سال سے مسلسل لکھا جارہا ہے مگر ہنوز روزِ اول کا معاملہ محسوس ہوتا ہے اور یہ بذاتِ خود امتیازات سیرت کا ایک حسین اور حیران کن باب ہے، رحمت عالم کی ذات وسیرت سراپا امتیاز ہے، صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے ازخود پانچ درج ذیل امتیازات گنوائے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ ایسے امتیازات دیئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملے: (۱) ابھی ایک ماہ کی مسافت باقی ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہوجاتا ہے (۲) ساری روئے زمین میرے لئے اور میرے امتی کے لیے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے سو جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے (۳) غنیمت کا مال میرے لیے حلال کردیا گیا ہے جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا (۴) مجھے شفاعت کا حق عطا کیا گیا ہے (۵) پہلے انبیاء اپنی اقوام کے لیے خاص ہوا کرتے تھے، مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہوکر آیا ہوں۔

رسول اللہ کے خصائص وامتیازات پر عربی زبان میں کافی کتابیں ہیں جن میں امام جلال الدین سیوطیؒ کی ''الخصاص الکبریٰ'' اور حافظ ابن قیمؒ کی ''زاد المعاد'' سرفہرست ہیں، اس کے علاوہ ابونعیم اصبہانیؒ کی ''دلائل النبوۃ'' بھی اس موضوع پر مشہور کتابوں میں سے ہے، فارسی زبان کے مشہور شاعر اور صوفی بزرگ عالم مولانا جامیؒ نے فارسی میں ''شواہد نبوت'' کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی جس میں انہوں نے حضور ﷺ کے وہ امتیازی اوصاف جو حضور کی ذات مبارکہ میں پائے جاتے ہیں سات الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کئے ہیں، اردو زبان میں حضور ﷺ کی امتیازی خصوصیات وکمالات پر ایک مستقل اور مفصل کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی، اس کمی کو ہمارے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ہونہار نوجوان فاضل مولوی محمد ہارون معاویہ نے بخوبی پورا کیا اور انتہائی محنت کے بعد مختلف کتابوں سے مواد منتخب کرکے چار ضخیم جلدوں میں پیش کردیا ہے، میں اس کتاب کا تفصیلی مطالعہ تو نہ کرسکا لیکن موضوع کی اہمیت کے پیش نظر امید ہے کہ کوئی قابل اعتراض بات اس میں نہ ہوگی، فاضل موصوف زمانہ طالب علمی سے ہی

جامعہ میں تقریری وتحریری سرگرمیوں میں پیش پیش رہے اور اب میر پور خاص میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، نیز اس سے قبل بھی مختلف موضوعات پر ان کی تقریباً تیرہ کتابیں زیب طبع ہوکر دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس محنت کو حضور ﷺ کے طفیل قبول فرمائے اور ہم سب کو آنحضرت ﷺ کی سیرت اور سنت پر چلنے والا بنائے، آمین۔

(حضرت استاذ العلماء مولانا) محمد انور بدخشانی (صاحب مدظلہ العالی)

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ

از استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی

نائب رئیس دار الافتاء واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

سیرت کا موضوع سدابہار گلشن کی طرح ہے جس کا ہر پھول اپنی جگہ اہم ہے۔ یہ گل چین کا ذوق ہے کہ وہ کس پھول کو چنتا ہے۔ لیکن جو پھول چننے سے رہ جائے وہ ہرگز چنے ہوئے پھول سے غیر اہم نہیں۔ سیرت کا موضوع انتہائی متنوع ہے۔ قدیم وجدید، اپنے پرائے بہت سے محدثین نے اسے موضوع بحث بنایا ہے اور ہر مصنف نے اسے ایک نیا اسلوب دیا ہے۔ ''خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ'' ایسا موضوع ہے جس پر عربی میں بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، اور اردو میں اگرچہ سیرتِ نبوی ﷺ کا ذخیرہ عربی سے کسی طور پر کم نہیں۔ اور متفرق طور پر یہ موضوع کسی حد تک اس میں پایا جاتا ہے لیکن اسی موضوع پر یکجا طور پر قابلِ قدر ذخیرہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ عزیز محترم مولانا ہارون معاویہ زید علمہ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے چار ضخیم جلدوں میں تصنیف کر کے اردو کے دامن کو اس موضوع سے مالا مال کر دیا۔ کتاب کی اجمالی فہرست پیش نظر ہے۔ فہرست کے عنوانات سے موضوع پر جامعیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ عزیز موصوف نے بندہ ناچیز سے کچھ لکھنے کی فرمائش کی، بندہ لکھنے لکھانے کے فن سے نابلد ہے۔ پھر بھی صاحبِ خصوصیات ﷺ کی محبت کے تقاضے اور اس پر شفاعتِ مصطفوی ﷺ کے حصول کی امید پر چند سطور حوالہ قرطاس کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ عزیز موصوف کی اس کاوش کو قبول فرما کر ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت بنا دیں، (آمین)

(حضرت استاذ العلماء مولانا مفتی) عبد المجید دین پوری (صاحب مدظلہ العالی)

نائب رئیس دار الافتاء واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

تقریظ

از حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ العالی

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

﴿الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه مباركا عليه كما يحب ربنا ويرضى والصلوٰة والسلام على حبيبه المصطفى ورسوله المجتبىٰ على اله وصحبه وعترته واهل بيته الاطهار الاتقياء وعلى كل من بهديهم اهتدىٰ. امابعد! فاعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم ،بسم الله الرحمٰن الرحيم ،ومآارسلنک الارحمة للعٰلمين﴾ ترجمہ: اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔ (انوار البیان، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوق میں سب سے اعلیٰ وافضل شخصیتوں کے مالک ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں بھی فضل وکمال کے مختلف درجات رکھے ہیں بعضوں کو دوسرے بعض پر مختلف حیثیات میں فضیلت سے نوازا بعض کو اُولوالعزمی کا خاص اعزاز بھی عطا فرمایا پھر ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے فضائل وکمالات کو ایک ہستی میں یکجا فرمادیا، یہ ہستی مجمع فضل وکمال ،سید الانبیاء، مقصود الخلائق ،سید الکونین ،اشرف الرسل ،شفیع الامم ،رحمۃ للعٰلمین ،خاتم النبیین ﷺ کی ذات اطہر ہے، جو عالمگیر نبوت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔

عالمگیر نبوت آپ ﷺ کی منفرد خصوصیات میں سے اولین خصوصیت شمار ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ اپنی ذات اور صفات میں بے پناہ خصوصیات کے مالک ہیں جو منضبط

یا منتشر انداز میں تقریباً احادیث وسیرت کی ہر ہر کتاب میں موجود ہیں، تاہم باقاعدہ عنوان کے تحت میری ناقص معلومات کے مطابق اپنے موضوع کی جامع ومستند کتاب، نویں صدی ہجری کے مشہور مفسر ومحدث علامہ جلال الدین السیوطی (۸۴۹ھ۔۹۱۱ھ) نے ترتیب دی، جس میں آنحضرت ﷺ کی بڑی بڑی خصوصیات کو تقریباً ایک سو پچاس ابواب کے تحت ذکر فرمایا ہے، اس کتاب میں تتبع واستقراء کے طور پر چیدہ چیدہ وہ تمام خصوصیات ومعجزات تقریباً جمع فرمادیئے گئے ہیں جن میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی اور ہستی شریک نہیں، علامہ سیوطیؒ نے اس کتاب کا نام ''کفایة الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب ﷺ'' رکھا، جو بعد ازاں ''الخصائص الکبری للسیوطی'' کے نام سے مشہور ومتداول ہوئی، عرب وعجم کے مختلف مطابع متعدد بار اس عظیم کتاب کی اشاعت کا شرف حاصل کر چکے ہیں، اور مختلف بلاد میں مقامی زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔

اس کتاب اور اس خاص موضوع کی وسیع پیمانے پر خدمت یہ بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیت وکرامت ہے، اسی کرامت وخصوصیت کا تسلسل کہیں یا مظہر، یہ زیر نظر مجموعہ بھی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس مجموعہ میں بھی علامہ سیوطیؒ کی پیروی واقتداء سے باوصف ہوتے ہوئے حضرت مصطفیٰ ﷺ کی ایک سو (۱۰۰) منفرد خصوصیات وامتیازات کو جمع فرمایا گیا ہے۔

یہاں پر روایت پسندی کے تناظر میں ممکن ہے یہ کہا جائے کہ علامہ سیوطیؒ کی خصائص کبری جو اپنے اردو ترجمہ کے ساتھ بھی ہمارے ہاں دستیاب ہے تو اس عظیم کارنامہ پر مزید کسی اضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس حوالہ سے صرف اتنا کہہ دینا بھی کافی ہے کہ قرآن کریم اور سیرت طیبہ یہ دونوں ایسے موضوعات ہیں کہ ان موضوعات کی جس انداز سے جن پہلوؤں سے جتنی بھی خدمت کی جائے، وہ کافی وافی نہیں کہلا سکتی یہ بھی قرآن کریم اور حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت میں سے ہے۔

تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ حضور ﷺ کے خصائص پر عربی کتب کے اردو تراجم میں

سلاست وروانگی کی تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے، اس لئے اس موضوع پر سلیس ورواں انداز میں خدمت کی ضرورت زبان، لہجہ اور تعبیرات میں رونما ہونے والے تغیرات کی وجہ سے محسوس ہوتی رہے گی، موجودہ دور کی اسی ضرورت کے تحت ہمارے جامعہ کے ایک فاضل مولانا محمد ہارون معاویہ حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ تالیفی کوشش پیش فرمائی ہے۔

مولانا محمد ہارون صاحب بنوری ٹاؤن کے سابق طالب علم جواب فاضل کہلاتے ہیں، طالب علمی کے زمانہ میں جامعہ میں تقریر وبیان کے میدان کے شہسوار ہونے کی حیثیت سے شہرت وتعارف کے حامل رہے اور تقریری مقابلوں ومسابقوں میں سبقت سے ہمکنار ہوتے رہے ہیں، زمانہ طالب علمی ہی سے انہیں تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر سے بھی قلبی وعملی لگاؤ ہو چکا تھا فراغت کے بعد تحریری میدان میں بھی موصوف نے نہ صرف یہ کہ اپنی سابقہ نمایاں شناخت باقی رکھی بلکہ موجودہ دور کے کثیر التالیف مصنفین کی صف میں شامل ہو چکے ہیں، موصوف فراغت کے بعد چند ہی سالوں میں ایک درجن سے زائد کتابوں کی جمع وترتیب کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔

مولانا محمد ہارون معاویہ صاحب کی حالیہ تالیف ''خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

جس میں آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیات اور کمالات سے بحث فرمائی گئی ہے، کتاب کا مکمل مسودہ تو ہمارے سامنے نہیں ہے البتہ مؤلف موصوف نے مسودہ کی فہرست کے کچھ صفحات بطور تعارف کے پیش فرمائے تھے: فہرست کے مطالعہ سے اور خود مؤلف کی زبانی کتاب کا قدرے کفایت جو تعارف ہوا، اس سے کتاب کی افادیت، موضوع سے مناسبت اور امتیازی حیثیت واہمیت کا جو صحیح اندازہ ہوا وہی اس بات کا داعیہ بنا کہ آنحضرت ﷺ کے سیرت طیبہ کے امتیازی پہلو کی اس عظیم خدمت میں ہمارا بھی معمولی حصہ ہو جائے اور حضور ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے ﴿اللھم ابلغنا بغيتنا ،بمنزلته صلى الله عليه وسلم لديك﴾.

آنحضرت ﷺ کی امتیازی خصوصیات اور کمالات چونکہ اس کتاب کا موضوع ہے، اس لئے ایک اصولی بات کی یاددہانی بھی اس موقع پر نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اہل فضل وکمال میں سے کسی صاحبِ فضل وکمال کی خصوصیت اور امتیازی شان کو بیان کرنے میں اولاً تو ''تقابل'' کا انداز ہی اختیار نہیں کرنا چاہیے، اگر کسی ہستی کے درجہ ورتبہ کو تقابلی مثالوں ہی سے بیان فرمایا جارہا ہو تو پھر الفاظ وتعبیرات کا چناؤ ایسا ہونا ضروری ہے کہ کسی ہستی کی تفضیل وتکریم کسی دوسری ہستی کی تنقیص وتوہین کا مظہر نہ ہو، ورنہ یہ عملِ خیر اپنی اصلیت سے جدا ہو کر مواخذہ اخروی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

ہمارے مؤلف موصوف نے اس اصول پر کاربند ہونے کا بھرپور اطمینان دلایا ہے، اور ہمیں بھی موصوف کی گزشتہ کارکردگی کے تناظر میں احتیاط، ذمہ داری اور تیقظ کا حسنِ ظن ہے، اس حسن ظن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے قبل مؤلف موصوف نے اپنی ہر کتاب کے اصل مواد میں اپنی اختراعات اور تعبیرات سے زیادہ اپنی کتابوں کے مراجع وماخذ یعنی اسلاف کی کتابوں کے مواد پر انحصار کیا ہے جو یقیناً اعتماد اور استناد کی ضمانت کی حامل ہیں۔

اسلاف کی کتابوں پر انحصار میں مؤلف موصوف نے جس دیانت داری اور امانت داری کا ثبوت دیا ہے، اس سے مؤلف کی شخصیت اور ان کی تالیفی خدمات کو بھرپور اعتماد کا فائدہ حاصل ہوگا، انشاء اللہ، کیونکہ ہمارے اس دور میں اس نوعیت کے مرتبین ومؤلفین عام طور پر ''سرقہ علمیہ اور علمی خیانت'' جیسے القاب والزامات کے لئے بجا طور پر محل ومورد بنے ہوئے ہیں، جنہوں نے بزرگوں کی باتوں، واقعات اور حکایات بلکہ پورے کے پورے مضامین ومقالات کو اپنی تالیفات کے بھوکے پیٹ بھرنے کے لئے ''من وعن'' نقل کردینے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں فرمائی ہاں اتنا ضرور کیا کہ جہاں ان بزرگوں نے اپنایا اپنے بزرگوں کا نام ذکر کیا ہوا تھا وہاں ہمارے بعض جدید مؤلفین نے اپنا اور اپنے کسی بزرگ کا نام ڈال دیا یا پھر ضمائر اور متکلم کے صیغوں پر اکتفاء فرمالیا۔

چوری اور بددیانتی کی اس ناخوشگوار فضا میں اگر کوئی عالم دین، پوری امانت داری، دیانتداری، اور سچائی کے تقاضوں کے ساتھ کوئی تالیفی خدمت منظر عام پر لائے تو یقیناً وہ تحسین وتشجیع کا مستحق ہے، سیرت طیبہ کی خدمت سے ادنیٰ تعلق کے طمع کے بعد یہ دوسرا باعث ہے کہ یہ چند سطریں تحریر ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کے علم وعمل میں مزید برکت اور ترقی نصیب ہو، ان کی دینی خدمات کو ان کے لئے ان کے اساتذہ کرام اور والدین گرامی کے لئے ذخیرۂ آخرت اور وسیلہ نجات بنائے اور ہم سب کے لئے صراطِ مستقیم پر چلنا آسان فرمائے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں، بہت آسان ہے ہر عمل کی توفیق وقبولیت اسی کے پاس ہے۔﴿وصلی اللہ علی النبی الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین﴾

(حضرت مولانا مفتی) رفیق احمد بالاکوٹی (صاحب مدظلہ العالی)

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسفؒ بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ

محترم مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب مدظلہ العالی

ناظم اعلیٰ: معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ پر زمانہ نبوت سے اہل دانش و اہل قلم اور زعماءِ امت مسلسل لکھتے آرہے ہیں، اور صبح قیامت تک لکھتے ہی رہیں گے، چونکہ بعد از خدا آمنہ کے دریتیم ہی کا مقام ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا۔ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حال ہی میں ایک دانشور کی تحریر مطالعہ سے گزری جس میں موصوف نے سیرت مصطفیٰ ﷺ پر لکھی جانے والی کتب کی تعداد تین ہزار سے زائد بتائی ہے، جس میں پچاس کتابیں فقط نعلین مبارک سے متعلق ہیں، چنانچہ کئی کئی جلدوں پر مشتمل ضخیم کتابیں تاجدار مدینہ راحت قلب وسینہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت و اخلاق حسنہ کی عکاسی کررہی ہیں، آپ ﷺ کی سیرت پر تحریر شدہ کتب کی تعداد اسقدر زیادہ ہونے پر حیرت کی بات نہیں چونکہ آپ ﷺ کی سیرت کا طویل باب ہے جس کا بین ثبوت صدیقہ بنت صدیق اماں عائشہ کا فرمان ہے کہ پورا قرآن آپ کا اخلاق ہے۔

خدائے بزرگ و برتر کے بعد سب سے اونچی ہستی اور اس دنیا کی آخری نسل تک کے لئے ہادی ورہبر سردار انبیاء، خاتم النبیین ﷺ ہیں جس کے روشن چہرے اور بکھری زلفوں کی قسمیں خود خالق ارض وسماء نے مقدس کلام میں اٹھائی ہیں یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز فرمایا کہ اے پیغمبر میں تمہیں وہ کچھ دوں گا کہ تو راضی ہوجائے گا، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز قرآن میں ورفعنا لک ذکرک فرما کر آپ ﷺ کا نام ہمیشہ کے لئے بلند وبالا کردیا اور پھر آپ ﷺ کے نام کا چناؤ بھی ایسا ہوا کہ منکر بھی آپ ﷺ کا نام (محمدؐ) لے تو باعتبار معنیٰ خود بخود آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف ہوجائے، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، ہاں یہ بھی آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ ساتوں آسمانوں پر حضرات انبیاءؑ نے آپ کا استقبال کیا، پھر آپ ﷺ کے لئے

عرش کے دروازے کھلے پھر آپ کو حبیب کا لقب ملا اور خود اللہ تعالیٰ نے آپ سے گفتگو فرمائی۔

چنانچہ یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ فاضل نوجوان عزیزم مولانا محمد ہارون معاویہ نے عوامی، علمی اور دینی خدمت کے احساس کے تحت ہادی برحق ﷺ کی اہم اہم خصوصیات کو یکجا کرنے کا عزم مصمم کیا اور چار جلدوں میں آپ کی سو خصوصیات کو جمع کر دیا۔

مولانا محمد ہارون معاویہ سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ بندۂ عاجز کے ماموں زاد بھائی ہیں، ایشیاء کی معروف دینی درسگاہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے سند فراغت حاصل کی ہے، زمانہ طالب علمی سے ہی تحریر وتقریر اور کتب اسلاف کا مطالعہ موصوف کا محبوب مشغلہ رہا ہے ، دورۂ حدیث والے سال سے باقاعدہ میدان تالیف میں قدم رکھا اور تادم تحریر (۱۳) کتب شائع ہوکر منظر عام پر آ چکی ہیں، چنانچہ میدان تالیف وتصنیف کے نشیب وفراز سے بخوبی آگاہی حاصل کرنے کے بعد خصوصیات کے لئے قلم اٹھایا ہے، یہ چار جلدوں پر مشتمل آپ ﷺ کی ۱۰۰ خصوصیات کا گرانقدر، جاذب نظر اور قابل فخر مجموعہ ہے، اس کی عظیم خصوصیت یہ بھی ہے کہ موصوف مؤلف نے صاحب خصوصیات ﷺ کے روضۂ اطہر کے سامنے بیٹھ کر ان گنت صفحات تحریر فرمائے ہیں ، جسے قارئین دورانِ مطالعہ محسوس بھی کریں گے اور بہرانداوز بھی ہوں گے، بلاشبہ آپ اس کتاب میں ایک ایسی عظیم ہستی (ﷺ) کی ۱۰۰ خصوصیات کو پڑھ سکتے ہیں جس کے عام وخاص حالات بھی بالتفصیل محفوظ ہیں، اور ان پر نازل شدہ الہامی کتاب بھی ہوبہو محفوظ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس نونہال نوجوان نے اتنی کم عمری میں بہت بڑا کام کر دکھایا ہے، یہ محض خالق کائنات ہی کی کرم نوازی ہے۔

راقم الحروف نے چاروں جلدوں پر اک طائرانہ نظر ڈالی ہے اور فہرست کو بغور پڑھا ہے ، بحمد اللہ ایک جامع اور منفرد کام کیا ہے، بارگارہ صمدیت میں دست بدعا ہوں کہ رب ذوالجلال موصوف کی شب وروز کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے ، اور علم وعمل ، صحت وعمر میں برکت نصیب فرمائے ، اور خود ان کے لئے اور ہمارے پورے خاندان کے لئے ذریعہ نجات بنائے ، اور اہل علم وعامۃ الناس کو اس سے مستفیض فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔

(مولانا حافظ) محمد اصغر کرنالوی (صاحب مدظلہ العالی)

ناظم اعلیٰ: معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

انبیاء کرامؑ کے مراتب میں جزئی تفاوت اور ایک ضروری تطبیق

ہم جب قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک طرف تو ہمیں اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ کی صداقت پر یکساں ایمان لانا اور ان کو تمام پیغمبرانہ کمالات سے متصف جاننا ضروری ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ)

''ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔''

اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو یکساں صادق اور کمالاتِ نبوت سے متصف مانا جائے۔ دوسری طرف ارشاد ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ . مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ . وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ)

''یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے (مثلاً) بعضے ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدوس (یعنی جبرئیل) سے فرمائی۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب کمالیہ میں جزئی تفاوت بھی

ہے، ان دونوں صداقتوں کے درمیان تطبیق کے لئے تھوڑی تشریح کی ضرورت ہے، ملاحظہ فرمائیے:۔

حضرات انبیاء کرامؑ تمام کمالات نبوت وفضائل اخلاق سے یکساں سرفراز تھے زمانہ اور ماحول کی ضرورت اور مصالح الٰہی کی بناپر ان تمام کمالات کا عملی ظہور تمام انبیاء میں یکساں نہیں ہوا بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات نمایاں ہوئے، یعنی جس زمانے کے حالات کے لحاظ سے کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی بہ مصلحت یہ کمال ظاہر نہیں ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ ہر کمال کے ظہور کے لئے مناسب موقع ومحل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہو تو اس سے نفس کمال کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے، اس لئے اگر بوجہ عدم ضرورت حال ان انبیاء کرامؑ کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) ان کمالات وفضائل سے متصف نہ تھے۔

غزوہ بدر کے قیدیوں کے باب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب فدیہ لے کر ان کے چھوڑنے کا اور حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا، تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شدت ورحمت میں لوگوں کے قلوب مختلف بنائے ہیں۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیم وعیسیٰؑ کی، اور اے عمر! تمہاری مثال نوح اور موسیٰؑ کی ہے، یعنی ایک فریق سے رحم وکرم کا اور دوسرے سے شدت کا اظہار ہوا۔

(دیکھئے مستدرک حاکم غزوۂ بدر)

اس حدیث میں اسی نقطہ اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو انبیاءؑ کے مختلف احوال مبارکہ میں رونما رہا ہے، لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت چونکہ آخری اور عمومی تھی اس لئے بضرورت احوال آپ ﷺ کے تمام کمالاتِ نبوت آپ ﷺ کی زندگی میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے اور آپ ﷺ کی نبوت کے آفتاب عالم تاب کی ہر کرن دنیا کے لئے مشعل

ہدایت ہی اور ظلمت کدہ عالم کا ہر گوشہ آپ ﷺ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پرنور ہوا۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا پہلو (نعوذ باللہ) پیدا نہ ہونے پائے جس سے دوسرے انبیاءؑ کی توہین یا کسر پیدا ہو، اس سے ایمان کے ضائع جانے کا خطرہ ہے۔ (بحوالہ سیرت النبی ﷺ جلد اول)

ایک ضروری وضاحت

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دوسرے انبیاءؑ کے مقابلے میں جو خصوصیات اور فضیلتیں دی گئیں اسکے نتیجے میں بقیہ تمام انبیاءؑ میں معاذ اللہ نقص اور خامی ثابت ہو جاتی ہے، ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ بغیر استثناء تمام دوسرے انبیاء کرام سے افضل ہیں، مگر اس عقیدے کی وجہ سے کسی نبی کے حق میں کوئی نقص اور خامی ثابت نہیں ہوتی، اس اعتراض کا جواب بھی دینے کی ضرورت نہیں تھی مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر کوئی جاہل آدمی یہ اعتراض سنے گا تو وہ کہیں آنحضرت ﷺ کی ان تمام خصوصیات سے ہی انکار نہ کر دے جن کی وجہ سے آپ ﷺ کو دوسرے تمام انبیاءؑ پر فضیلت حاصل ہے، جاہل آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ چونکہ ان خصوصیات کو ماننے کی وجہ سے دوسرے انبیاءؑ میں خامیاں ثابت ہوتی ہیں لہذا آپ ﷺ کی خصوصیات سے ہی انکار کر دیا جائے، اس کے نتیجہ میں پھر وہ شخص عیاذ باللہ کفر و گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا (اس بناء پر اس اعتراض کا جواب دینا ضروری سمجھا گیا) یہاں تک علامہ سیوطیؒ کا حوالہ ہے)

مقدمہ الکتاب

خصوصیات مصطفیٰ ﷺ جلد سوم

قابلِ احترام قارئین! خصائصِ مصطفیٰ ﷺ کی جلد سوم شروع ہونے سے پہلے جلدِ اول اور جلدِ دوم کی طرح یہاں بھی ایک مقدمہ پیش کیا جارہا ہے، جس میں نبوت اور رسالت کے بارے میں تفصیل پیش کی جارہی ہے مثلاً نبوت اور رسالت کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے اور نبوت ورسالت کا کیا مقام ہے اور خصوصاً دیگر انبیاءؑ کے بعد ہمارے نبی ﷺ کو جو نبوت ورسالت عطا ہوئی اس کا مقام ومرتبہ کیا ہے، چونکہ ہماری کتاب کا موضوع رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات کو واضح کرنا ہے تو موضوع کی مناسبت سے مطلقاً نبوت ورسالت کو جاننا ضروری ہے، چنانچہ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ذیل کا مقدمہ ترتیب دیا گیا ہے، جو خصائصِ مصطفیٰ ﷺ کی جلدِ سوم میں پیش کیا جارہا ہے، امید ہے کہ دیگر خصوصیات کی طرح اس مقدمے کا مطالعہ بھی فائدے سے خالی نہیں ہوگا انشاء اللہ، لہٰذا لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

نبوت ورسالت کی وضاحت وتفصیل

رسالت اور نبوت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، رسالت ونبوت کے معنیٰ ''سفارت'' اور پیامبری کے ہیں، رسالت اور نبوت ایسی سفارت کو کہا جاتا ہے، جو حق تعالیٰ شانہ نے انسانوں تک اپنے تشریعی احکام پہنچانے اور اپنی راہ پر انہیں گامزن کرنے کے لئے قائم کی بعض کے نزدیک رسالت اور نبوت میں معمولی سا فرق ہے، اسی بناء پر ان کے ہاں رسول اور نبی کی تعریف میں تفاوت پایا جاتا ہے۔

حق تعالیٰ نے رسالت ونبوت کا سلسلہ جاری فرما کر انسانوں پر بہت بڑا احسان کیا، رسالت ونبوت کے ذریعے انسان کو اصل اور نقل کا اندازہ ہوا، کھرے اور کھوٹے کی تمیز ہوئی، حق کی روشنی ملی اور جہالت کا اندازہ ہوا، حق کے فوائد سے شناسائی ہوئی اور باطل کے نقصانات سے آگاہی ہوئی، نفع نقصان کی الگ الگ پہچان ہوئی اسے کامیابی وناکامی کا علم ہوا، اسے ان حقائق کا علم ہوا جنہیں مان کر انسان ہمیشہ کے لیے کامیاب وکامران ہو جاتا ہے اور ایسے مضرات سے بچنے کی توفیق ملی جو ان کے لیے سراسر نقصان اور باعث خزلان تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقصد کئی مقامات پر بیان کیا، کہ انسان کا مقصد پیدائش حق تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت ہے، اس کی عبادت اور احکامات کی پیروی ہے، حق تعالیٰ کی بندگی سے دنیا وعقبیٰ کی کامیابیاں اور کامرانیاں نصیب ہوں گی، اس کی اطاعت وپیروی سے اطمینان قلب نصیب ہوگا، غرضیکہ اس کی فرمانبرداری میں اس کے لیے دونوں جہاں کی کامیابی ہے۔

اب یہ بات حاصل طلب ہے کہ اللہ کے احکامات کیا ہیں؟ اللہ نے کیا حکم دیا؟ اس نے کس چیز سے روکا؟ حلال کیا ہے اور حرام کیا؟ اور انسان کی زندگی، اس کے نشیب وفراز اور بہار زندگی کے مختلف موسموں میں اسے کیسے رہنا ہے؟ اس کا معاش اور طرز زندگی کیسا ہو؟ دنیا میں کیا کرے تو اس کی صفات میں حسن پیدا ہوگا؟ اور کون سے امور سرانجام دے تو اس کے اعمال میں پختگی پیدا ہو؟ الٰہی احکامات کی ابتداء کہاں سے ہوتی ہے؟ اور ان پر نتیجہ کب مرتب ہوگا؟ اس قسم کے بے شمار سوالات انسانی ذہن ودماغ سے نکلتے ہیں، ان سوالات کے جوابات کے لئے انسانی عقل ہے، لیکن وہ محدود ہے کتنے ہی کامل مکمل کتنے ہی ذہین فطین انسان کیوں نہ ہوں؟ وہ سوچتا چلا جائے دماغ کے روزن میں بے شمار باتیں آئیں گی، کبھی وہ اس نیلگوں آسمان کی طرف نظریں دوڑا دوڑا کر دیکھے گا، پھر اس پر سوچتا چلا جائے گا، کبھی پہاڑوں کے غیر متناہی سلسلہ پر نظریں دوڑائے گا، کبھی سرسبز

وشاداب درختوں اور لہلہاتے کھیتوں پر نظریں مرکوز کرے گا، غرضیکہ انسان اپنی ہمت وکوشش کے مطابق ہاتھ پاؤں کو حرکت دے گا مگر انسان انسان ہے، اس کی عقل بھی ایسی نہیں کہ ہر سوال کا جواب خود سے دے اور سوچے۔

بے شمار باتیں انسان کے دل پہ دستک دیتی ہیں، مگر دل بھی چونکہ انسانی دل ہے، اس میں بے شمار باتیں آتی ہیں، اور چلی جاتی ہیں، ازخود آنے والی باتوں کو چاہے انسان تسلیم کرے یا نہ کرے، تسلیم کرے اس کی مرضی تسلیم نہ کرے اس کی مرضی، مگر وہ مقام ان باتوں کا ٹھکانہ اور مستقر نہیں ہے، بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو گہری چھاپ کی طرح انسان کے دل پر لگ جاتی ہیں، اور کئی باتیں انسانوں کی جمعیت مل کر سوچتی ہے، اجلاسوں اور کانفرنسوں کے ذریعے نجی اور اجتماعی غور وفکر کے بعد کسی چیز کے بارے میں حتمی رائے قائم کی جاتی ہے مگر رفتہ رفتہ ان آراء اور تفکرات میں نئے نئے شوشے کسی نہ کسی گوشے سے اٹھنے شروع ہوجاتے ہیں، جس سے اجتماعی فکر کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، کسی چیز کے خیر یا شر، بھلا اور برا ہونے کے لئے انسان کے پاس سب سے بڑے یہی تین واسطے ہیں۔ سب سے پہلے عقل سے اس کے حسن وقبح کی جانچ پڑتال کرے گا، پھر قلب وجگر کی گہرائی سے اسے جانچنے کی کوشش کرے گا، بالآخر وہ تھک ہار کر کسی دوسرے کے سہارے سوچنے اور الجھن دور کرنے کی کوشش کرے گا، مگر دوسرے بھی اسی جیسے ہوں گے، وہ منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

اسی طرح جب حق تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، پھر اسکا سلسلہ جاری کیا، تو اس کے اردگرد، یمین ویسار کیا کیا نعمتیں نہ تھیں؟ اوپر دیکھے تو آسمان اس کا سائبان تھا، سورج اس کے لیے روشنی بکھیر رہا تھا، چاند اس کی اندھیری راتوں میں چاندنی بکھیر رہا تھا، ستارے اس کی نظریں اپنی طرف مرکوز کراتے رہتے تھے، سبزہ اور درخت اسے اپنی طرف مائل کر رہے تھے وہ صحراء جن میں دور دور تک کوئی انسان نظر نہ آتا تھا، ایسے پہاڑ جن کی چیز مفقود تھی، غرضیکہ انسان کے لیے پیدا کی جانے والی ہر چیز تھی، مگر انسان نہ تھا اگر تھا تو خال خال، پھر جب رفتہ رفتہ انسان پھلنے پھولنے لگا تو حق تعالیٰ کا سفیر اور نمائندہ ان کی راہنمائی کرنے لگا، سب سے

پہلے جس انسان کو سفارت و نمائندگی کا شرف ملا وہ انسانوں کے باپ حضرت آدمؑ تھے، جن سے ایک طرف نسل انسانی کا آغاز ہوا دوسری طرف پیغامات ربانی کا سلسلہ جاری وساری ہوگیا۔

رسالت ایک بہترین ذریعہ ہے، جس سے انسان کو اپنے خالق و مالک کی پہچان ہوئی، انسان کو معلوم ہوا کہ یہ آسمان کیوں بنایا گیا؟ زمین کی تخلیق کیوں ہوئی؟ طرح طرح کی نعمتیں پیدا کرنے کا مقصد کیا؟ یہ ساری باتیں نبوت اور رسالت کے واسطے سے انسان کو حاصل ہوئیں، اور یہ اتنا عمدہ طریقہ ہے حق تعالیٰ کی معرفت کا کہ اس کے بجز کوئی اور راہ انسان کے لیے مفید نظر نہیں آتی، اگر کسی ذریعہ اور واسطہ سے حق تعالیٰ کی سچی معرفت اور حقیقی پہچان ہوئی تو وہ صرف اور صرف رسالت ہے، جس سے انسان نے دنیا کی خیر و شر کی پہچان کی، برے اور بھلے کی پہچان کی، مضر اور مفید کی شناسائی ہوئی، دنیا اور آخرت کی پہچان ہوئی، حلال اور حرام کی تمیز ہوئی، سچ اور جھوٹ کی تمیز ہوئی، جس طرح دیکھنے کے لئے آنکھ میں پتلی ضروری ہے اسی طرح حق تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے رسالت اور نبوت ضروری ہے، اگر یہ سلسلہ نہ ہوتا تو انسان حق تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ اگر رسالت و نبوت کا تاج کسی غیر انسانی مخلوق کے سر پر سجادیا جاتا، تو انسان کے لئے مشکل پیدا ہوجاتی، انسان کی ضروریات کو سمجھنا اور اس کے مرض کی تشخیص کے لیے اس کی بیمار نبضوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی روحانی اصلاح کرنا یہ کسی منجھے ہوئے اور سنجیدہ انسان ہی کا کام ہوسکتا ہے، جو تمام انسانی خوبیوں سے سرشار ہونے کے باوجود عام انسانوں کے لیے ایک نمونہ اور آئیڈیل ثابت ہو اس لیے حق تعالیٰ نے تاج رسالت انسانوں کے سر پہ ہی سجایا۔

نبوت و رسالت اور قرآن

حضرات انبیاء کرامؑ کی رسالت اور نبوت کے ذکر سے قرآن بھرا ہوا ہے، مختلف پیغمبروں نے اپنی رسالت اور نبوت کا اقرار ان الفاظ میں کیا: ولکنی رسول من رب

العلمین (الاعراف:۸) لیکن میں پروردگارعالم کی طرف سے رسول ہوں حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے دربار میں اعلان کیا یفرعون انی رسول من رب العلمین (الاعراف) اے فرعون میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی رسالت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم نے بتایا: ﴿وما محمد الا رسول قدخلت من قبله الرسل﴾ ''حضرت محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں، آپ ﷺ سے قبل بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ حضرت رحمت للعالمین ﷺ نے اپنی رسالت ونبوت کا ذکران الفاظ میں کیا: ﴿انا رسول اللّٰه بعثنی الی العباد ادعوهم الی ان یعبداللّٰه ولا یشر کوابه وانزل علی کتاب﴾ (مسند احمد بن حنبل ج ۵)

''میں اللہ کا رسول ہوں، مجھے اس نے بندوں کی طرف مبعوث کیا میں اس بات کا داعی ہوں کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ شرک نہ کریں، اور میرے اوپر کتاب اتاری گئی ہے، صلح حدیبیہ کے مقام پر اپنی رسالت کو واشگاف الفاظ میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔'' ﴿واللّٰه انی رسول اللّٰه وان کذبتمونی﴾ (بخاری) ''واللہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں، اگرچہ تم مجھے جھٹلاؤ۔''

نبوت ورسالت کا تجزیہ

اللہ تعالیٰ نے رسالت کے ذریعے اپنا پیغام انسانوں تک پہنچایا، اور انسانوں کی رشد وہدایت اور فلاح ونجات کے لیے انسانوں کا ہی انتخاب فرمایا، انسانوں کے لیے کسی غیر انسان یا کسی دوسری مخلوق کو راہنما نہیں بنایا، حضرت آدمؑ سے اس سلسلہ کو جاری کیا، اور حضرت نبی اکرم ﷺ پر اس کو ختم کردیا، حضرت آدمؑ سے حضرت نبی اکرم ﷺ تک کئی ہزار سال کا عرصہ گزرا، کہیں نبوت ورسالت کس انداز میں کام کرتی ہے اور کبھی کس انداز میں، سینکڑوں سالوں کی محنت سے کہیں درجنوں افراد تیار ہوئے، اور کہیں اندھیر نگری چھائی رہی، مگر رسالت مایوس نہیں ہوئی، بلکہ امر خداوندی کے تحت رسول اپنا کام کرتا رہا، اگر کسی

مقام پر ایک آدمی بھی تھا تو اس پر بھی کماحقہ محنت کی، اب ذیل میں یہ آئینہ دکھایا جاتا ہے کہ یہ لوگ کن اوصاف کے مالک تھے، جو شبانہ روز محنت کرتے تھے اور اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے۔

نبوت ورسالت اور بشریت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے انسان کا انتخاب کیا، انسانوں کا قائد اور راہنما انسان ہی کو بنایا، جو انسانی ضروریات کو سمجھ کر ان کی راہنمائی کرے، کسی فرشتہ یا جن کو انسان کی عنان قیادت نہیں تھمائی، جو انسانی ضروریات اور مجبوریوں سے یکسر خالی ہوں، ورنہ جن لوگوں کو نبوت ورسالت سے سرفراز کیا ان کی قوموں نے بہ بانگ دہل مطالبہ کیا کہ آسمان سے کوئی فرشتہ اترے، کتاب اترے، آسمان کی طرف سیڑھی چڑھتی ہو، جس پر چڑھنے والا چڑھے اور ہم بچشم خود اس کی آمد ورفت دیکھیں، مگر انسانوں کے خالق نے ساری باتیں سننے کے باوجود اپنی منشاء مرضی کے مطابق انسانوں کے لئے انسان ہی کو چنا۔

رحمت دوعالم کو کہا گیا کہ یہ لوگ فرشتوں کو دولت نبوت سے سرشار کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں ان کو بتادیں کہ اگر زمین کی پشت پر فرشتے رواں دواں ہوتے تو ہم ان کے لیے فرشتوں ہی کا انتخاب کرتے، مگر چونکہ یہ نوع انسانی سے متعلق ہیں اس لیے ان کا راہنما انسان ہی کو بنایا گیا، ارشاد ہے: ﴿قل لو کان فی الارض ملٰئکة یمشون مطمئنین لنزلنا علیهم من السما ملکا رسولا﴾ (بنی اسرائیل:۹۵)

”فرمادیجئے: اگر زمین میں فرشتے رواں دواں ہوتے، اور آباد ہوتے تو ہم ضرور آسمان سے ان پر کسی فرشتے کو رسول بنا کر اتارتے۔“ قرآن حکیم نے واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے صفت رجولیت سے موصوف ہی کو نبی بنایا، حضرت محمد ﷺ کو بتایا گیا کہ ﴿وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیهم﴾ (یوسف)

”اور ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف آدمیوں کی طرف وحی کی، وحی نبوت صرف

مردوں کی طرف کی گئی۔

انبیاء کو جن اقوام کی طرف اور جن اشخاص کی طرف بھیجا جاتا تھا، وہ ان کی دعوت سن کر یہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ تو ہمارے جیسے انسان ہیں۔ ان انتم الا بشر مثلنا اور پھر انبیاء بھی جواباً کہتے تھے کہ اس میں باعث عار اور قابل اعتراض بات کون سی ہے ان نحن الا بشر مثلکم. ہم تو تمہارے جیسے ہی انسان ہیں۔"

پھر انبیاء کے مخاطبین کو عام اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ کیسے نبی ہیں، یہ کھانا کھاتے ہیں بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ انھم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق.

قرآن حکیم نے معترضین کے اعتراضات نقل کیے اس کے باوجود کہیں بھی قرآن نے الٰہی موقف کو کمزور پیش نہیں کیا کہ چند لوگ انسانوں کا رسول ہونا پسند نہیں کرتے، اس لئے نوع انسانی کے لئے انسانوں کی بجائے کسی اور کو رسالت ونبوت دی جائے، بلکہ قرآن نے یہاں تک واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو رسالت سے سرفراز کیا ان کے لیے بیویاں اور اولاد بھی بنائی، ﴿وجعلنا لھم ازواجا وذریۃ﴾ (رعد)

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے کئی مرتبہ اعلان کروایا گیا کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں، صرف اتنی بات ہے کہ مجھے نبوت ورسالت کی عظیم دولت سے سرشار کیا گیا جیسا تمہیں اس دور رکھا گیا۔ ﴿قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی﴾ (الکھف)

بخاری کی روایت کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿انما انا بشر وانہ یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انہ قدصدق واقضی لہ بذلک فمن قضیت لہ بحق مسلم فَاِنَّما ھی قطعۃ من النار فلیاخذھا اوفلیتر کھا﴾ (بخاری ج ۱)

"میں انسان ہوں، میرے پاس مقدمے کا فریق آتا ہے، ممکن ہے تم میں سے ایک دوسرے سے زیادہ چرب زبان ہو میں اس کو سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، جس کے لیے کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کیا گیا وہ یہ سمجھ لے کہ آگ کا ٹکڑا ہے پھر چاہے اس

کو لے لے جو چاہے اس کو چھوڑ دے۔''

ایک مرتبہ حضرات صحابہ کرامؓ نے یہ جملہ فرمایا تھا: ﴿اتکتب کل شیء تسمعه ورسول بشر یتکلم فی الغضب والرضا﴾ (ابوداؤد)

''کیا تم ہر چیز کو لکھتے ہو، جس کو سنتے ہو، حالانکہ رسول اکرم ﷺ انسان ہیں (کبھی) غصہ اور خوشی کی حالت میں کلام کرتے ہیں۔''

رسالت اور نبوت کا سنہری تاج انسان ہی کے سر پر رکھا گیا اور یہ حق تعالیٰ کی عظمتِ شان کی علامت اور انسانیت کا کمال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے ودیعت کیا، چونکہ نبی انسان ہوتا ہے، اور ایسا عام انسان نہیں جو ہم اور آپ دیکھتے ہیں بلکہ نبی انسان ہونے کے باوجود عمدہ صفات کا مالک ہوتا ہے، اس کی زندگی نہایت پاکیزہ اور ستھری ہوتی ہے، خواہ وہ زمانہ نبوت میں ہو یا اس سے قبل کی زندگی میں جس انسان کے سر پہ نبوت و رسالت جیسی بھاری ذمہ داری عائد کی گئی اس کا تمام سلسلہ صاف اور ستھرا رہا۔ اگر حق تعالیٰ رسالت کی ذمہ داری کسی انسان کو نہ سونپے کسی فرشتے اور جن کو سونپ دیتے تو وہ امر الٰہی کو من وعن پہنچا دیتے، مگر ان احکامات کو نافذ نہ کر سکتے، ان میں وہ اوصاف ہی نہیں جن کا انسان حامل ہے، انسان کو تو ضرورت ہے ایسے قائد اور راہنما کی جس میں اس جیسی صفات ہوں، اس جیسے تقاضے ہوں، اس جیسی ضروریات ہوں، مگر اس کے باوجود وہ ممتاز اور نکھر انکھرا نظر آئے، اس کی نشست و برخاست، گفتار و کردار، چال چلن اس کا کریکٹر و کردار آئینہ کی مثل سب کے سامنے واضح اور شفاف ہو، اس کا ماضی بے داغ ہو، اس کا حال تابناک اور مستقبل روشن ہو، تمام انسانی خواہشات کے باوجود اس کی نظر غلط نہیں دیکھتی، اس کے کان غلط آواز نہیں سنتے، اس کی زبان غلط نہیں بولتی، اس کا دماغ غلط نہیں سوچتا، اس کے ہاتھ کسی گردن پر نہیں پڑتے، اس کے پاؤں کسی غلط جانب نہیں چلتے، اس کی خواہشات مادیت اور دنیوی زندگی کے تابع نہیں بلکہ احکم الحاکمین کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کام کرتی ہیں گویا کہ نبوت و رسالت کا عظیم منصب انسان ہی کو دیا گیا، جو دوسرے انسانوں کے لیے

نمونہ اور آئیڈیل بنا، جو خود بھی احکامات الٰہیہ کی پاسداری و پاسبانی کرتا رہا، اور دوسروں کے لیے حق کی مشعلیں روشن کرتا رہا، دیے سے دیے چراغ سے چراغ روشن وتاباں کرتا رہا، اگر کسی دوسری مخلوق کو یہ ذمہ داری دی جاتی تو وہ رعب ودبدبہ سے کچھ نہ کچھ کام چلا لیتی مگر اصلاح انسانیت کا جو حقیقی لطف تھا وہ کبھی حاصل نہ ہوتا۔

نبوت ورسالت وہبی ہے

نبوت ورسالت وھبی چیز کا نام ہے، کسبی نہیں ہے ﴿اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس عظیم منصب کو کس شخص کے سپرد کرنا ہے، یہ منصبِ عظیم کسی مجاہدے، محنت اور ریاضت سے انسان کو حاصل نہیں ہوسکتا، چلہ کشی، عبادت وریاضت، محنت ومجاہدے، ذکرواذکار سے انسان کو ولایت مل سکتی ہے، مگر نبوت ورسالت نہیں مل سکتی چاہے وقت کا کتنا ہی بڑا ولی کیوں نہ ہو، وہ اس انتظار میں ہو کہ اب ولایت کی منزل طے ہوگئی، رسالت ملنی چاہیے یہ امر محال ہے، یہ منصب اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے وہ جسے پسند کرتا ہے اسے عطا فرمادیتا ہے، وھبیت کے ساتھ اس کا تعلق ہے، کسب ومحنت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

رسالت ملنے سے قبل حضرت موسیٰ چالیس روز تک روزے کی حالت میں طور پہاڑ پہ رہے، حضرت عیسیٰ چالیس روز تک بیابان وسنسان جنگل میں محوِ عبادت رہے، رحمت دوعالم ﷺ قبل از نبوت چالیس سال تک غارحرا میں تفکراتی عبادت میں مصروف رہے، یہ ریاضتیں اور عبادتیں انسان میں حق تعالیٰ کے احکامات قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد تو پیدا کردیتی ہیں مگر یہ محال ہے کہ اس قسم کی عبادات کو دیکھ کر حق تعالیٰ کسی کو نبوت ورسالت کا عظیم منصب دے دیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور فرشتوں میں سے جس کا چاہیں رسالت کے لیے انتخاب کریں، چنانچہ انسانوں میں کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا

انتخاب کیا،مگر کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس نے نبوت اور رسالت کا منصب طلب کیا ہو،یا ریاضت،مجاہدے سے اسے حاصل کیا ہو،کسب ومحنت کے بعد اس کا متمنی ہوا ہو ایسا کہیں نہیں ہوا۔

نبوت،رسالت اور عصمت

اللہ تعالیٰ جس انسان کو نبوت و رسالت کا منصب عنایت فرماتے ہیں اس کی عصمت پر دنیا انگشت نمائی نہیں کرسکتی،عصمت کا معنی ہے،بچانا،روک لینا،محفوظ رکھنا، عاصم اسم فاعل ہے،بچانے والا،معصوم اسم مفعول ہے بچایا ہوا،محفوظ کیا ہوا،شریعت کی اصطلاح میں عصمت کے معنی گناہوں سے بچانے کے ہیں،اور معصوم کا معنی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے بچایا ہوا ہے،اس سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوسکتا،مسلمانوں کے اجتماعی عقیدہ میں یہ بات ہے کہ اولادِ آدم میں معصوم صرف اور صرف انبیاء کی ذات مقدسہ ہیں،انبیاء چنے ہوتے ہیں،اس لیے ان سے گناہوں کا صدور نہیں ہوسکتا۔ارشاد ربانی ہے:﴿انھم عندنا لمن المصطفین الاخیار﴾ ”پیغمبر ہمارے ہاں منتخب اور پسندیدہ لوگ ہیں۔“

چونکہ انبیاء کو حق تعالیٰ نے نفوسِ قدسیہ سے مختص کیا ہے،اور انہیں روحانی وجسمانی ملکات وکمالات سے نوازا ہے وہ تمام مخلوق سے صوری اور معنوی کمالات سے ممتاز ہو گئے،وہ اسرار خداوندی کے خزانے بنادیئے گئے،انبیاء حق تعالیٰ کے اسمائے صفات کے مظہر ہیں،انسانوں میں وہ لوگ حق تعالیٰ کی تجلی خاص کا محل ہیں اور مہبط وحی ہیں۔﴿اللّٰہ اعلم من حیث یجعل رسالتہ﴾ ”اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کہاں اپنا پیغام بھیجے۔“

جب اللہ تعالیٰ علیٰ کل شیء قدیر ہے،علیم بذات الصدور ہے،تو وہ خوب جانتا ہے کہ اس امانت کا کون مستحق اور اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کا کون سب سے زیادہ لائق ہے،جب حق تعالیٰ انتخاب ہی ایسے شخص کا کریں،تو پھر ظاہر ہے اسے گناہوں سے بچانا اور

محفوظ رکھنا بھی اسی کا کمال ہے۔ رسالت ونبوت کی نعمت سے جسے مالا مال کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ خود اس کی راہنمائی کرتا ہے اور اسے محفوظ بھی رکھتا ہے، کہ کہیں اس کی زبان سے ایسا جملہ نہ نکل جائے جو شان رسالت کے خلاف ہے۔ ﴿لاتحرک به لسانک لتعجل به﴾ ''(وحی ہونے سے پہلے) اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے، یہ زبان کی عصمت ہے کہ نبی امر خداوندی کے بغیر زبان کو حرکت نہ دے۔'' خواہش نفس سے نبی کوئی بات نہ کرے۔ ﴿وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی﴾ ''اور نبی اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں بولتا، وہ وہی کہتا ہے جو اس کی طرف وحی ہوتی ہے۔'' نبی کا دل بھی آواز حق کے بغیر نہیں دھڑکتا۔ ﴿لولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا﴾ ''اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا، تو آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب ہو جاتے۔'' نبی کا ذہن بھی کوئی ایسی بات نہیں سوچتا جو عصمت کے خلاف ہو۔ ﴿سنقرئک فلاتنسی الا ماشاء اللّٰہ﴾ ''ہم آپ کو ایسا پڑھائیں گے کہ آپ بھولنے نہ پائیں گے، مگر جو چاہے اللہ بھول چوک ہوسکتی ہے، جو عصمت کے منافی نہیں ہے مگر اس کا اہتمام یہ کیا گیا کہ اپنے نبی ﷺ کو قرآن اس انداز میں پڑھانے کا کہا گیا، جو بھولنے نہ پائے بعض آیات منسوخ التلاوت ہیں، جو خود حضور ﷺ نہیں بھولے بلکہ اللہ کی حکمت کے تحت وہ بھلادی گئیں،

نبی کی رائے میں بھی عصمت کا اس انداز میں خیال رکھا گیا ہے، کہ کوئی بات نبی اپنی مرضی کے مطابق نہ کرے۔

﴿انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللّٰہ﴾ ''بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے، واقعہ کے موافق تا کہ آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں، جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا ہے۔ قرآن حکیم میں رحمت للعالمین ﷺ کی عصمت فعلی کا یوں ذکر ہے۔ ﴿ما ضل صاحبکم وما غوی﴾ ''تمہارے دوست نہ راہ حق سے بھٹکے اور نہ غلط رستہ پر چلے۔'' رسول رحمت ﷺ ضلالت اور غوایت دونوں سے معصوم ہیں۔

ان آیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ تاجِ رسالت جس کے سر پر رکھتے ہیں اس کی حفاظت بھی آپ ہی کرتے ہیں، اس سے کوئی ایسی بات سرزد نہیں ہونے دیتے جو تکمیلِ مشن اور مقصدِ آمد کے لیے سم قاتل ہو، نبی گناہ نہیں کرتا اور نہ ہی گناہ کی طرف چل کر جاتا ہے، اگر بفرضِ محال گناہ نبی کی طرف چل کر آئے تو حق تعالیٰ نبی اور گناہ کے درمیان اپنی قدرت کی چادر حائل کر دیتے ہیں جس سے نبی بچ نکلتا ہے، جیسا کہ حضرت یوسفؑ کا مشہور واقعہ ہے کہ عزیزِ مصر کی بیوی نے محل کے دروازے بند کر دیئے، اور یوسفؑ کو دعوت گناہ دینے لگی، مگر حضرت یوسفؑ کی زبان پر معاذ اللہ معاذ اللہ کا ورد جاری ہو گیا، اللہ نے اپنی قدرت کا اظہار کیا، یوسفؑ گناہ سے بچ گئے۔

نبوت ورسالت کی ہمہ گیری

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایت اور فلاح و نجات کے لیے ہر قوم میں انبیاء کا سلسلہ جاری رکھا حق تعالیٰ نے چونکہ جنت اور دوزخ دونوں چیزوں کو پیدا کیا ہے، دوزخ حق تعالیٰ کے غضب کا مقام ہے اور جنت اس کے انعامات کی جگہ ہے، جنت کی خوشخبری سنانے اور دوزخ کے ہولناک منظر سے ڈرانے کے لیے ہر دور میں نبی بھیجے **وان من امة الا خلا فیها نذیر** ﴾ ”کوئی بھی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔“

قرآن حکیم میں انبیاء کے ذکر میں آتا ہے۔﴿**فبعث اللّٰه النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معهم الکتاب بالحق**﴾ پھر اللہ نے نبی بھیجے، خوشخبری سنانے والے، اور ڈرانے والے، اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری۔“

حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت نوحؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰ و ہارونؑ، حضرت زکریا و یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت یسعؑ، حضرت یونسؑ، حضرت لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کے بعد یوں ارشاد ہوا۔﴿**اولئک الذین اٰتینهم الکتب و**

الحکم و النبوۃ﴾ ''یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب، حکم اور نبوت دی۔'' حضرت رحمتہ للعالمین ﷺ کا ارشاد ہوا۔ ﴿یاایھا النبی اتق اللّٰہ و لا تطع الکٰفرین المنٰفقین﴾ ''اے نبی اللہ سے ڈریئے اور کافروں اور منافقوں کی پیروی نہ کیجیے۔''

اور یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ انبیاءؑ مطاع مطلق ہیں، قرآن حکیم میں ہر پیغمبر کی مطلقاً اطاعت کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ﴾ ''اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر یہ کہ اس کی تابعداری کی جائے اللہ کے حکم سے۔'' دوسرے مقام پر رسول کی اطاعت کو اللہ کی طاعت کہا گیا ہے۔ ﴿ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ﴾ ''اور جس نے رسول کی اطاعت کی پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' دوسرے مقام، پر واضح طور پر اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا یوں حکم دیا گیا۔ ﴿قل اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول﴾ ''فرد یجیے اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو۔'' رسول کی اطاعت کرنے والے کو جنت کی بشارت دی گئی۔ ﴿ومن یطع اللّٰہ ورسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھر خالدین فیھا﴾ ''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، داخل کرے گا اسے باغات میں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہے گا۔'' اور اطاعت نہ کرنے والے کو ساتھ ہی جہنم کی آگ سے ڈرایا گیا۔

حضرت رحمت للعالمین ﷺ سے کہلوایا گیا۔ ﴿قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفرلکم ذنوبکم﴾ ''فرمادیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا۔''

حضرت رحمت للعالمین ﷺ کی اتباع کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی زندگی کو امت کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا گیا۔ ﴿لقد کان فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ﴾ ''البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔'' ان آیات میں مطلقاً نبی کی رسالت ونبوت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ نبی کی اطاعت کرنے والوں کو جنت

کی خوشخبری سنائی گئی، اور نافرمانوں کو دوزخ کے بھیانک حالات سے ڈرایا گیا، پھر نبی کی زندگی کو امت کے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا گیا، نبی کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا۔

منصبِ رسالت ونبوت

منصب رسالت جس قدر عظیم ہے اسی قدر اس میں گنجلک اور الجھن پیدا کی گئی، اس منصب کو اگر ایک طرف لوگوں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا تو دوسری طرف کئی ناعاقبت اندیش جہلاء نے اس منصب کا تمسخر اڑایا، کبھی یوں کہا گیا کہ اس منصب کے لائق یہی شخص تھا کوئی اور اس کے اہل نہیں تھا، کبھی یوں کہا گیا کہ ہماری آنکھوں کے سامنے فرشتہ وحی لے کر کیوں نہیں اترتا کبھی یہ ہرزہ سرائی کی گئی کہ یہ رات کو بیٹھ بیٹھ کر آیات بناتا ہے اور صبح کو وہ پڑھ کر سنا دیتا ہے، کبھی یوں کہا جاتا کہ اگر یہ نبی ہے تو چاند کے دوٹکڑے کردے، اگر یہ نبی ہے تو زمین سے چشمے اور نہریں جاری کردے، اگر یہ نبی ہے تو اس کے پاس اللہ کے خزانے کیوں نہیں؟ اگر یہ نبی ہے تو بازاروں میں کیوں چلتا پھرتا ہے، یہ کھاتا پیتا اور ہنستا مسکراتا کیوں نظر آتا ہے؟ غرضیکہ جہالت کی ماری ہوئی انسانیت نے اپنے ذہنوں کی بھڑاس نکال نکال کر انبیاء کو ستایا اور پریشان کیا، انسانوں کے ایک گروہ نے انبیاء پر الزامات عائد کیے، ان کی عصمت اور پاکیزگی پر حملے کیے ان کے حلیے اور وضع قطع کی نقلیں اتاریں، ان کو دشنام کیا کسی نے کہا کہ حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، کسی نے کہہ دیا کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں، کسی نے انبیاء کو طعنہ آمیز دھمکیاں دیں۔ حضرت موسیٰؑ پر تو نامردگی کا الزام لگا دیا تھا، غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں ہوتی رہیں، حالانکہ اللہ وحی کے ذریعے ان تمام الزامات واتہامات کی صفائی پیش کرتے رہے کہ جس منصب پر تم کیڑے نکالتے ہو، اور اپنے فرسودہ ذہنوں کے مطابق بات کرتے ہو اس منصب کا یہ تقاضا قطعاً نہیں ہے، حضرت رحمت دوعالم ﷺ سے کہلوایا گیا، کہ انہیں آپ اتنا کہہ دیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں نہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ہی غیب دان ہوں۔

﴿ولا اقول لکم عندی خزائن اللّٰہ ولا اعلم الغیب ولا اقول انی ملک﴾ حضرت مریم پر جب انگشت نمائی کا اندیشہ ہوا، اور لوگوں نے حضرت عیسیٰ کی ولادت سے متعلق دریافت کیا تو حضرت مریم نے اپنے نومولود بچے کی جانب اشارہ کردیا، حضرت عیسیٰ نے ماں کی گود سے ماں کی صفائی پیش کی۔ ﴿انی عبداللہ اتنی الکتٰب وجعلنی نبیا﴾ ''میں اللہ کا بندہ ہوں اللہ نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے۔''

پھر ایک وقت آیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں نے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی الوہیت اور خدائی کا دعویٰ کردیا قرآن حکیم نے اس نظریہ کا توڑ پیش کیا، اور واضح کیا کہ یہ دونوں ماں بیٹا ایک ذات کے بندے اور پیروکار ہیں، ان میں خدائی صفات نہیں ہیں، وہ تو اللہ کے در کے سوالی اور محتاج ہیں۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کے سامنے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم مختلف شہروں اور علاقوں میں جاتے ہیں، مختلف شاہوں اور حکمرانوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کی رعایا ان کے سامنے سجدہ ریز ہورہی ہے، اور ہمارے نزدیک آپ کا رتبہ اور مقام ان شاہوں سے کہیں زیادہ ہے اگر حکم فرمائیں تو ہم آپ کو سجدہ کیا کریں حضرت نبی اکرم ﷺ نے اپنے عظیم منصب کی لاج رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ میری امت میں یہ جائز نہیں کہ کوئی انسان کسی انسان کے سامنے سجدہ کرے اگر ایسا ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کے سامنے سجدہ کرتی۔

اللہ تعالیٰ نے جو عظیم منصب انبیاء کو دیا اس کا تقاضا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ربوبیت وبندگی کا ڈنکا بجایا جائے، اللہ کی مخلوق کو جہالت کی تاریکیوں سے علم کی روشنیوں کی طرف لایا جائے، شرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کی مشعل ان کے ہاتھ میں تھمادی جائے، رسومات ورواجات کا قلع قمع کردیا جائے، اور ان کی جگہ نبوت ورسالت کے نورانی طریقوں کو رواج دیا جائے مخلوق خدا کو بندوں کی بندگی سے نکالا جائے، دنیا کے آستانوں سے

انسانوں کو ہٹا کر ایک اللہ کے آستانہ رحمت کے سامنے انہیں جھکا دیا جائے، اللہ کے حکم کے مطابق مخلوق کی خدمت کی جائے، اور پھر رسول و نبی انسانوں کو زندگی کی صحیح لائن بتائے، جس پر چل کر دونوں جہانوں میں ان کی کامیابی ہوگی۔

رسول کی ذمہ داری ہے کہ وہ انسانوں کو اللہ کی کتاب کی تعلیم سے سرشار کرے، انکے قلوب سے کھوٹ، کینہ، اور حسد کی بیماریوں کو مانجھ دے، اور انہیں ایسی قابل فہم باتوں کی تلقین کرے، جن پر چل کر ان کی زندگی منشاء خداوندی کے مطابق گزرے، حضرت رحمت اللعالمین ﷺ کی بعثت کے ذکر میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ﴿**هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم اٰیته ویزکیهم ویعلمهم الکتٰب والحکمة**﴾

اللہ نے امیوں سے ایک باعزت رسول اٹھایا، جو ان پر آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کے دلوں کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، گویا کہ اس مقام پر نبوت کے ذمہ چار کام لگائے گئے۔ (۱) تعلیم کتاب (۲) تعلیم حکمت (۳) انسانوں کا مجموعی لحاظ سے تزکیہ (۴) انسانوں پر آیات کتاب کی تلاوت۔

جس شخص کو رسالت کا تاج پہنایا گیا ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرہ کی اصلاح کا بیڑہ اٹھائے، لوگوں کو اللہ کی منشا کے مطابق اوامر کی اتباع کا حکم دے اور نواہی سے بچنے کی تلقین کرے، جس طرح ارشاد ربانی ہے۔ ﴿**یامروهم بالمعروف وینهٰهم عن المنکر**﴾ ''وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، اور بدی سے انہیں روکتا ہے۔''

تو یہ ایک صاحب منصب شخص کی ذمہ داری ہے، کہ وہ کرہ ارض پر خالق کائنات کے احکامات نافذ کرے، اس کی مخلوق کے دلوں کی کجی اور زیغ کو دور کرے، ان سے زنگال اتار کر انہیں آئینہ کی طرح صاف کردے، ان کو ایسا بنادے کہ وہ صبح وشام یادالٰہی سے سرشار رہیں ان کے سر اللہ کی یاد سے جھکے ہوں اور دل اللہ کی یاد سے دھڑک رہے ہوں، ان کی آنکھیں اس کی یاد سے اشکبار ہوں جنت کی آس اور امید رکھیں، اور جہنم کے عذاب الیم سے ڈرتے رہیں۔

منصب رسالت کے مخاطبین کی ذمہ داری ہے، کہ وہ اس منصب کی تعظیم وتوقیر کریں وہ اس عظیم منصب کا لحاظ رکھیں، اس کی عظمت وقدر کا ہر وقت پاس رہے، رسول جس بات کا حکم دیں اس کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا جائے، اور جس سے روکیں اس سے فوراً رکا جائے، جو چیز تمہادیں اسے لے لیا جائے۔ ﴿وما اتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا﴾ ''اور جو چیز تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روکے اس سے رک جاؤ۔''

حضرت نبی اکرم ﷺ کے بارے میں قرآن حکیم نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ آپ ﷺ پر اس لیے کتاب اتاری تا کہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلے کریں۔ ﴿انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللّٰہ﴾ ''بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تا کہ لوگوں کے درمیان آپ فیصلے کریں، جو آپ کو اللہ دکھائے۔'' جب اہل ایمان رحمت دو عالم ﷺ کے فیصلے سنتے تو پکار اٹھتے تھے، سمعنا واطعنا ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی۔

نبوت ورسالت محمدی ﷺ

تمام انبیاء کے آخر میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو رسالت سے سرفراز کیا گیا تھا، جتنا یہ منصب آپ کو آخر میں ملا اس سے ہزار ہا گنا زیادہ مرتبہ اور مقام بھی بلند ملا، آپ کو صرف رسول نہیں امام المرسلین بنایا گیا، آپ کو صرف نبوت سے سرشار نہیں کیا گیا بلکہ نبی الانبیاء بنایا گیا، نبیوں کا نبی اور نبیوں کا امام'' آپ کی رسالت صرف مکہ والوں کے لیے نہیں، مدینہ والوں کے لیے نہیں، طائف اور حجاز والوں کے لیے نہیں بلکہ عرب وعجم کے لیے مشرق سے غرب تک کے لیے، شمال سے جنوب تک کے لیے دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک کے لیے بلکہ اولین وآخرین کے لیے، قیامت کے صبح طلوع ہونے تک کے لیے آپ کو نبی ورسول بنایا گیا، جس طرح آپ کی رسالت دائمی ہے اسی طرح آپ کا

پیام سرمدی ہے، آپ کی شریعت دائمی ہے آپ کے اصول محکم اور عالمگیر ہیں، آپ کی نبوت ورسالت ہمہ گیر اور عالمگیر ہے، آپ کے سر پہ صرف رسالت ونبوت کا تاج ہی نہیں رکھا گیا بلکہ آپ کو کائنات کے لیے رحمت بنایا گیا ہے۔

آپ ﷺ کو رسالت سے اس وقت نوازا گیا، جب چاروں سمت جہالت وسفاہت کا دور دورہ تھا، نشان نور گم تھا، اور ظلمت کا بسیرا تھا، حق وصداقت کی شعاعیں دور دور تک نظر نہیں آتی تھیں، قتل وبربریت عام تھی، لڑائی جھگڑے خواہ مخواہ مول لئے جاتے تھے، ایک معمولی سی بات پر جھگڑا چلتا تو نسلوں کی نسلیں فنائیت کے گھاٹ اتار دی جاتی تھیں، کہیں جانوروں کو پانی پلانے پہ جھگڑا اور کہیں گھڑ دوڑ میں جھگڑا اہل عرب کی ذہانت وفطانت کا یہ عالم تھا کہ اپنے شجرے تو ایک طرف رہے اپنے جانوروں کے شجرہائے نسب بھی از بر تھے، مگر دوسری طرف ان کی جہالت کا یہ عالم تھا کہ سچ اور جھوٹ کی کوئی تمیز نہ تھی، حق وباطل ان کے ہاں ایک ترازو میں تلتے تھے۔

حضرت ابراہیم واسماعیل کے نام لے کر جیتے تھے، دین کے علمبردار اور سپہ سالار کہلاتے اور فخر محسوس کرتے تھے، مگر اس دین حنیف کی پاسداری کا یہ عالم تھا کہ یہی دین کے علمبردار گھٹیا افعال میں مبتلا تھے، برائیوں اور بدیوں نے ان کے ارد گرد ڈیرے جمائے ہوئے تھے، دین کے علمبردار شرک کے خوگر بن چکے تھے، اسماعیل، وابراہیم کا تعمیر کردہ خانہ کعبہ جو محض عبادت خدا کے لیے بنایا گیا تھا، نت نئے دیوتاؤں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا تین سو ساٹھ بتوں کو سجدے اور رکوع کے قابل سمجھ رکھا تھا، اور انہیں خانہ کعبہ میں سجا رکھا تھا مختلف بیماریوں کے مختلف شفا دہندے تجویز کر رکھے تھے، انسانی اعضا میں تین سو ساٹھ جوڑوں کی نسبت سے تین سو ساٹھ بت بنائے ہوئے تھے۔

ظلم کی حد یہ تھی کہ جاہل باپ اپنی بچی کو زندہ درگور کر دیتا تھا، جب کسی طویل سفر پہ روانہ ہوتا تو اپنی اہلیہ کو کہہ جاتا تھا، کہ اگر بچہ پیدا ہو تو فبہا اگر بچی پیدا ہو تو اسے گڑھا کھود کر زمین میں ڈال دینا، کئی لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت رحمت دو عالم ﷺ کو اپنی

داستان سنائی تو آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

اس عالم میں جب دنیا بالکل تباہی کے دہانے پہ کھڑی حالت یاس میں انگلیاں پیس رہی تھی، آس وامید کی کرن بن کر نبی اکرم ﷺ جلوہ گر ہوئے، آپ نے جہالت کے اندھیروں میں علم کے چراغ روشن کیے، امیوں میں تعلیم کتاب وحکمت جاری کی شرک وکفر کے اندھیاروں میں توحید وسنت کے دیپ جلائے، آپ نے کئی سال مکہ میں ظلم وستم برداشت کئے طعنے سہے، گالیاں سنیں، اپنے ساتھیوں کی قربانیاں پیش کیں، آزمائشوں کے دریا عبور کئے پھر اپنے صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا، پھر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ خود مدینہ کی طرف ہجرت کی جہاں رہ کر آپ نے ایک ریاست قائم کی، جو سب سے پہلی اسلامی ریاست تھی، یہاں آپ نے امر خداوندی کے تحت کفر کے سرخیلوں اور سرغنوں کا مقابلہ کیا، کئی معرکوں میں انہیں شکست وہزیمت سے دوچار کیا، اور اسلام کی صداقت وحقانیت کا لوہا منوایا، اور اسلامی پرچم بلند کیا۔

آپ ﷺ نے رفتہ رفتہ اصلاح امت کی طرف بھی توجہ دی، عبادت وریاضت کی تعلیم دی، کتاب وسنت کے اصول وقوانین بیان کئے، اسلامی زندگی کیسے بنتی ہے؟ اس پر محنت کی، امت میں دین کی نہریں اور چشمے کیسے جاری ہوں؟ اس کی منصوبہ بندی کی، صحابہ کرامؓ کی جماعتوں کی جماعتیں اشاعت اسلام کے لیے مختلف علاقوں میں روانہ کردیں ،عدل وانصاف قائم کیا، غرضیکہ منصب رسالت کا جو جو تقاضا تھا اسے پورا کرتے تھے۔

آپ ﷺ چالیس سال تک تفکراتی عبادت کے لئے غار حرا کی طرف جایا کرتے تھے، چالیس سال کی تکمیل پر جبرائیل وحی لے کر حاضر ہوئے، پھر سلسلہ نبوت چل پڑا، کچھ عرصہ خاموش تبلیغ کی، پھر حکم خداوندی سے اعلانیہ کام شروع کردیا، فاران کی بلندیوں پہ پہلی اعلانیہ دعوت دی، مکہ اور مدینہ کل تئیس سال تک اللہ کے پیغامات پہنچاتے رہے، دشمنوں کو دوست بناتے رہے، اجنبیوں کو قریب لاتے رہے، مخالفوں کو حامی بناتے رہے، مارنے والوں کو معاف کرتے رہے اپنے رشتہ داروں کے قاتلوں کو عام معافی دیتے رہے مدینہ میں

رہائش پزیر ہونے کے بعد مکہ فتح کیا، ازیں دوران مخالفوں کو عام معافی دی، اپنے اخلاق اور عمدہ خصائل سے بڑے بڑے دشمنوں کو موم کرلیا کرتے تھے۔

ختمِ رسالت و ختمِ نبوت

پہلے پہلے اللہ قوموں کی اصلاح کے لیے نبی بھیجتے تھے، ان کے تقاضے کے مطابق نبی آتے رہے، یہ وہ وقت تھا جب امتیں یا تو صحیح معنوں میں امتیں نہ تھیں، اگر تھیں تو ان میں ابھی خامی تھی، وہ بہت بڑی ذمہ داریاں اٹھانے کی استعداد نہیں رکھتی تھیں، پہلے لوگ بس اتنا ہی کر سکتے تھے کہ ان کا کوئی مسئلہ الجھ گیا تو نبی نے آ کر سلجھا دیا، تاریخ انسانی کے یہ دو اہم موڑ ہیں، ایک ختم نبوت سے پہلے کا دور اور دوسرا ختم نبوت کے بعد کا دور چونکہ نبوت و رسالت کا مقصد تو یہی ہوتا ہے، کہ خالق اپنے خاص بندے کے ذریعے اپنا پیغام مخلوق تک پہنچاتے، اب پہلی امتوں میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ وہ اللہ کا پیغام دوسروں تک پہنچا دیں، وہ ابھی خام حالت میں تھیں جس طرح سونا کان سے نکل کر خام حالت میں ہوتا ہے پھر اس پر بتدریج پختگی اور توانائی آتی رہتی ہے، جب رفتہ رفتہ خامی دور ہوتی گئی، انسان میں اللہ تعالیٰ کے احکامات دوسروں تک پہنچانے اور نبوی طریقے کے مطابق محنت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی، تو اس نورانی سلسلہ کو ختم کر دیا گیا، ختم رسالت و نبوت سے پہلے جو انسانیت کی خامی تھی، رفتہ رفتہ دور کی جاتی رہی، اسی بناء پر ہر قوم اور امت میں نبی اور رسول تشریف لاتے رہے، مگر ان میں سے کسی کی تعلیم کو بقاء و دوام حاصل نہ ہوسکا، اور ایسا نہ ہونا ضروری تھا، اس لیے اگر ان کی تعلیم کو بقا حاصل ہو جاتا تو اس سلسلہ کو مہر کر دیا جاتا جس سے انسانوں میں وہ پختگی پیدا نہ ہوسکتی، جو بہت بڑی ذمہ داری اٹھانے کی صلاحیت رکھتی اگر یہ پختگی اور جماؤ پیدا نہ ہوتا تو پھر خلافت و نیابت کا تصور نہ ابھر سکتا جو ختم نبوت کے بعد ابھر کر سامنے آیا۔

ختم نبوت کے بعد جوہر انسانیت کی خامی دور کرنے کا مرحلہ ختم ہو چکا تھا، اب انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں میں پختگی و توانائی آ چکی تھی، اب اس سلسلہ کو بند کرنا ناگزیر

تھا، اب نبیوں اور رسولوں کا آنا، ان کی تعلیمات میں کمی بیشی اور ردو بدل کرنا سخت مضر تھا، اسی بناء پر ایک رسول کی تعلیم کو اصح، اور انفع قرار دیا گیا اس کی نبوت کو اکمل اور اعلیٰ قرار دیا گیا، اس کے دین کو عالمگیر اور دائمی بنا دیا گیا، اس کی نبوت کو قیامت تک کے لیے حتمی اور آخری قرار دیا گیا، اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، رسول نہیں آئے گا، کوئی کتاب نہیں آئے گی، ارشاد ربانی ہے۔ ﴿ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم البنیین﴾ ''حضرت محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔'' لغت عرب میں ختم کے معنی بند کرنے ''مہر لگانے'' ختم کردینے اور کام سے فارغ ہوجانے کے ہیں مثلاً ختم الاناء برتن کا منہ بند کردیا، ختم الکتاب خط پر مہر لگادی۔ ختم علی القلب دل پر مہر لگادی، ختم الشیی (بلغ آخرہ) شے کے آخر تک پہنچ گیا، ختم القوم (آخرھم) قوم کا آخری آدمی، ختم العمل (فرغ من العمل) کام سے فارغ ہوگیا۔ (جستہ جستہ از حدیث کا درایتی معیار)

حضرت رحمت دو عالم ﷺ پر نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم کردیا گیا، آپ تمام انسانوں کے رسول ہیں، ہر قوم کے ہر گروہ کے لیے رسول ہیں، علیحدہ رسول و نبی کی ضرورت ختم ہوگئی، ارشاد ربانی ہے: ﴿وما ارسلنٰک الا کافۃ لِلناس بشیرا ونذیرا﴾ ''اور ہم نے آپ کو عام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

حضرت محمد ﷺ سے ہی کہلوایا گیا۔ ﴿قل یاایھاا لناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا﴾ ''آپ فرمادیں اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

آپ ﷺ کو جو دین دیا گیا، اس دین کو کامل ومکمل قرار دیا گیا، کہ آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کردیا ہے۔

حضرت رحمت اللعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کرتے تھے، جب کسی نبی کا وصال ہوجاتا تھا، تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا تھا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، بلکہ خلفاء ہوں گے۔ (بخاری ج ا کتاب المناقب)

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے گزرے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، لوگ اس عمارت کے گرد چکر لگا کر دیکھتے، اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ (بخاری ج۱)

حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ﴿فجئت فختمت الانبیاء﴾ (پس میں آیا اور میں نے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا۔) حضرت رحمت دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی﴾ (مسند احمد بن حنبل) ''رسالت ونبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا، میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿کان کل نبی یبعث الی قومه خاصة ویبعث الی کل احمر واسود﴾ (مسلم ج) ''ہر خاص نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا اور میں ہر سرخ وسیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿ارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیون﴾ (مسلم) ''میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میرے اوپر نبیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔''

نبوت ورسالت کی بحث کا خلاصہ

(۱) رسالت ونبوت کے ذریعے حق تعالیٰ مخلوق تک اپنا پیغام پہنچاتے ہیں۔

(۲) رسول انسان ہوتے ہیں لیکن عام انسانوں جیسے نہیں، بلکہ ان میں اعلیٰ صفات ہوتی ہیں۔

(۳) انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

(۴) رسالت کسب ومحنت سے نہیں ملتی، بلکہ وھبی چیز ہے، جسے خدا چاہتا ہے دے دیتا ہے۔

(۵) ہمہ گیر اور عالمگیر رسالت صرف حضرت محمد ﷺ کی ہے۔

(۶) نبی مطاعِ مطلق ہوتا ہے، اس کی اتباع ضروری ہے۔

(۷) منصب رسالت عظیم ہوتا ہے اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۸) رسالت محمدی تمام رسولوں کی رسالت سے افضل واعلیٰ ہے۔

(۹) آپ ﷺ رسالت ونبوت کے آخری تاجدار ہیں، آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ بند کر دیا گیا، آپ ﷺ والا کام آپ کی امت کے ذمہ لگا دیا گیا ہے، نبوت ختم ہوگئی مگر کار نبوت ابھی باقی ہے، امت کے ہر شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نبوی دین کو خود بھی سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ (چیدہ چیدہ از اسلامی عقائد)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۵۱

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاص رعب عطا فرمایا تھا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اکاون نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاص رعب عطا فرمایا تھا'' جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جارہی ہے، لیکن اس وضاحت سے پہلے گزشتہ خصوصیات کی طرح یہاں بھی بتا تا چلوں، کیونکہ میری زندگی کا بھی سب سے بڑا سرمایا ہے کہ بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر روضہ رسول ﷺ کے سائے میں ترتیب دیا ہے، کیونکہ میرا ایمان ہے کہ روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر روضہ اقدس میں آرام فرمانے والے عظیم پیغمبر ہم سب کے پیارے آقا ﷺ کی خصوصیت کو لکھنا اور ترتیب دینا بہت بڑی سعادت ہے، میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار مجھے مدینہ بلائے اور پھر اپنے محبوب ﷺ کی محبوب مسجد اور پھر پیارے روضہ کے سامنے بٹھا کر آقا ﷺ کی سیرت کے ہر ہر گوشے کو لکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

بہر حال محترم قارئین! خصوصیات مصطفیٰ ﷺ جلدِ سوم کی پہلی اور مجموعی طور پر اکاون نمبر خصوصیت شروع کی جارہی ہے، بے شک دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کو دیگر انبیاءؑ کی بنسبت ایک خاص رعب عطا فرمایا تھا جیسا کہ آپ ﷺ نے خود بھی فرمایا کہ مجھے خاص رعب عطا کیا گیا جو دیگر انبیاء کو عطا نہیں کیا گیا، آنے والے اوراق میں احادیث کی روشنی میں اسی کی تفصیل کو پیش کیا گیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کا مطالعہ بھی ہمارے

دلوں میں آپ ﷺ کی محبت میں اضافے کا ذریعہ ہوگا انشاء اللہ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت اور آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب آنے والے اوراق میں ایک ضروری تمہید کے بعد اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

ایک ضروری تمہید

دیگر انبیاء کے مقابلے میں جس قدر خصائص آپ ﷺ کو عطا ہوئے ہیں ان میں سے بہت سے خصائل متعدد ومعتبر احادیث میں مختلف تعدادوں میں نام بنام خود زبان اقدس ﷺ سے ادا ہوئے ہیں، صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا! مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں، مجھے رعب اور دھاک کے ذریعے سے فتح ونصرت دی گئی، میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی، غنیمت کا مال میرے لئے حلال کیا گیا جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہیں تھا، مجھے شفاعت کا مرتبہ عنایت ہوا، مجھ سے پہلے انبیاء خاص اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ کی زبانی چھ باتیں گنائی ہیں، مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے، رعب وداب سے نصرت دی گئی، مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا، تمام روئے زمین میرے لئے مسجد بنی، میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی، انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ میری ذات پر ختم ہوا۔

احادیث کی دیگر روایتوں میں بعض اور خصائص بھی زبان اقدس ﷺ سے بیان ہوئے ہیں مثلاً یہ کہ میرا معجزہ وحی قیامت تک کے لئے ہے، میرے پیروکار تمام انبیاءؑ سے زیادہ ہیں، میری نبوت اولین ہے، مجھ کو فلاں فلاں سورتیں دی گئیں جو کسی اور کو نہیں ملیں، فلاں فلاں وقت کی نمازیں خاص میری امت کے لئے فرض ہوئیں، مگر حقیقت میں ان میں بعض جزئیات ایسی ہیں جو ان ہی چھ عنوانات کے تحت کسی نہ کسی حیثیت سے درج

ہیں۔سورتوں کی خصوصیات جوامع الکلم میں داخل ہیں، بعض نمازوں کے اوقات کا اضافہ ختم نبوت کے مدارج کے اندر ہے۔قرآن کریم میں آپ ﷺ کی دو خصوصیتیں مذکور ہوئیں ہیں وہ ان سب کو جامع ہیں، یعنی تکمیلِ دین اور ختمِ نبوت ان دونوں سے متعلق پچھلی جلدوں میں تفصیلی کلام پیش کردیا گیا ہے، ان ہر دو خصوصیات کی اہمیت کے پیش نظر ایک بار پھر انکا مطالعہ کرلیا جائے تو بہتر ہے، انشاء اللہ۔بہر حال اجمال کو چھوڑ کر ذیل میں ہم کو نمایاں خصوصیات پر قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ایک تفصیلی نظر ڈالنا ہے۔

چنانچہ خصوصیات مصطفیٰ ﷺ کی اس تیسری جلد میں پہلے مندرجہ بالا احادیث میں آنے والی خصوصیات کی تفصیل کو پیش کیا جارہا ہے اور اس کے بعد دیگر خصوصیات پیش کی جائیں گی انشاء اللہ، لیجئے ملاحظہ فرمایئے:۔

اکاون نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاءؑ دنیا میں آئے وہ دو قسم کے تھے، یا بظاہر کمزور اور بے یار و مددگار تھے اور ان کو دنیاوی طاقت کا کوئی حصہ عطا نہیں ہوا تھا، پیغمبروں کی بڑی تعداد ایسی ہی تھی، دوسرے وہ انبیاء ہیں جن کو دنیا کی ظاہری طاقت بھی ملی تھی اور وہ صرف چند ہیں، حضرت موسیٰؑ حضرت داوٗدؑ اور حضرت سلیمانؑ، مگر ان میں سے کسی کو بھی نام نامی کے رعب اور ہیبت کا انعام عطا نہیں ہوا اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آغاز گو ایوبی، بے چارگی اور مسیحی غربت سے ہوا، مگر انجام موسوی طاقت راواری سلطنت اور سلیمانی شان وشکوہ پر ہوا اور ان سب سے مافوق یہ تھا کہ آپ ﷺ کی تمام تر قوت، طاقت، رعب و ہیبت سب اللہ کی راہ میں صرف ہوئی، اس سے گم گشتوں نے راستہ پایا، بھولوں نے یاد کیا، سننے والوں نے آواز دی اور یہ اثر پیدا ہوا کہ آپ ﷺ جس راستے سے نکل جاتے، گناہ گار اور مجرم سر اطاعت خم کردیتے اور اپنی سیہ کاریوں پر ندامت کا اظہار کرتے تھے۔

متعدد احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے فتح ونصرت، رعب وہیبت کے ذریعہ بخشی گئی، یہاں تک کہ میری دھاک ایک مہینہ کی مسافت تک پر کام کرتی ہے۔ علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں فنون جنگ پر بحث کرتے ہوئے نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ لڑائیوں میں کسی ایک فریق کو جو فتح ہوتی ہے، وہ اسی وقت ہوتی ہے جب دوسرے فریق پر پہلے کی خداداد مرعوبیت چھا جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو یہ شرف اسلئے عطا ہوا تا کہ مزید خونریزی کے بغیر ملک میں امن وامان اور سکون واطمینان پیدا ہو جائے اور صدائے حق کیلئے راستہ صاف ہو، قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس وصف کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا "سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ. (انفال) "عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالوں گا۔"

چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا اور قرآن نے شہادت دی کہ فَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ. (احزاب وحشر) "اور خدا نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا"۔

چنانچہ بڑے بڑے دل گردہ رکھنے والے بہادر زہر میں تلواریں بجھا بجھا کر آئے مگر جب روئے روشن پر نظر پڑی تو کانپ کر رہ گئے، بڑے بڑے سرکش قبائل آپ کا نام سن کر دم بخود ہو جاتے تھے، مدینہ کے آس پاس کے یہود جو بڑے بڑے قلعوں میں بیٹھ کر فرمانروائی کرتے تھے اور جن کو اپنی فوجی قوت اور جنگی سامانوں پر ناز تھا جب انہوں نے سرتابی کی، بے لڑے بھڑے آپؐ کے سامنے اطاعت کی گردن ڈال دی، خیبر کے قلعہ نشین یہود جو سب سے زیادہ مضبوط تھے، جب ایک صبح کو ان کے قلعوں کے سامنے دفعتاً لشکرِ اسلام طلوع ہوا تو ان کے منہ سے چیخ نکل گئی کہ "محمد کا لشکر" ابوسفیان جو بارہا ایک فریق مقابل کی حیثیت سے میدانِ جنگ میں فوجوں کے پرے لگاتا رہا، فتح مکہ کے دن جب حضرت عباسؓ اسکو لے کر اسلام کے موجزن دریائے الٰہی کا نظارہ دکھا رہے تھے اور رنگ برنگ کے علم نگاہوں کے سامنے سے گزر رہے تھے تو ہر نئے دستہ اور نئے علم کو دیکھ کر کانپ

کانپ جاتا تھا۔ بااین ہمہ اس مجسمہ ہیبت کا حال کیا تھا، نا آشنا ڈرتے تھے اور وہ ان کو تسکین دیتا تھا، بے خبر اس سے رعب کھاتے تھے، اور باخبر پرواہ نہ کرتے تھے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ. ''محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی کافروں پر بھاری اور آپس میں رحم دل ہیں''۔

ایک بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جیسے ہی چہرہ مبارک پر نظر پڑی، کانپ گیا، فرمایا ڈرو نہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں، ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔ حضرت مخرمہ صحابیؓ نے اپنے بیٹے اسود سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زنان خانہ میں ہیں، آپ کو آواز دو، وہ ہچکچانے لگے، باپ نے کہا جانِ پدر! محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبار نہیں، یہ ہیبت، یہ وقار، یہ دبدبہ، یہ رعب، تیغ وسنان کی چمک، فوج وعسکری کے تلاطم، جلادوں کی صف بندی اور تیغ وبکف سپاہیوں کی نمائش سے نہیں پیدا ہوا بلکہ۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیس ہیبت ایں مردِ صاحب دلق نیست (رومی)

(بحوالہ سیرت النبی ﷺ جلدِ سوم)

اور رسول اکرم ﷺ کی اس عظیم خصوصیت سے متعلق قاضی سلیمان منصور پوریؒ اپنی مایہ ناز کتاب رحمۃ اللعالمین میں رقمطراز ہیں، استفادہ عام کے لئے اُسے بھی پیش کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمایئے:۔

نبی ﷺ کے ۲۳ سالہ عہد نبوت پر نظر ڈالو، سرور عالم تبلیغ ودعوت کے لیے شہر مکہ کے اندر اور آبادیِ مکہ سے باہر، یکہ وتنہا رات ہو یا دن تن تنہا تشریف لے جایا کرتے تھے، مگر کسی شخص کو حضورؐ پر جاں ستاں حملہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔

منڈیوں اور میلوں میں جہاں ہزارہا اشخاص اور پچاسوں مختلف قبائل کا اجتماع ہوا کرتا تھا، حضور ﷺ جاتے اور کلمہ توحید کا اعلان فرماتے، دیوتا دیوی کے ماننے والوں میں سے کوئی بھی حضور ﷺ پر حملہ آور نہ ہوسکتا تھا۔

مکہ سے دور دراز قبائل میں جو خشونت اخلاق اور خوں ریزی دبے باکی میں بہت زیادہ مشہور تھے، حضور نے تبلیغ کے لئے متعدد چکر لگائے، اس سفر میں ابوبکر صدیقؓ کے سوا اور کوئی بھی حضور کے ہمرکاب نہ ہوتا تھا، ابوبکرؓ سے بھی ان قبائل کو کچھ تعارف نہ تھا، حضور ﷺ ہر جگہ دعوت فرماتے، ہر ایک کے سامنے بتوں کی نفی فرماتے لیکن کوئی بھی حضور ﷺ کے سامنے برسرِ پیکار نہ آتا۔

آغاز سفر ہجرت سے تین روز پہلے ایک ایک قبیلہ کا بہادر دشمنوں نے جمع کرلیا تھا، انہوں نے حضورؐ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تھا، لیکن ہر ایک کے دل پر کتنا رعب تھا کہ تختے توڑ کر اندر داخل ہونے کی کسی میں جرأت نہ تھی، ساری رات اس انتظار میں پوری کردی کہ حضورؐ خود ہی باہر تشریف لائیں تو یہ حملہ کریں جب حضورؐ تن تنہا باہر بھی نکلے تو **شاھت الوجوہ لاینصرون** کے کلام سے ان کو غصہ بھی دلایا اور مٹھی بھر خاک اٹھا کر ان کے سروں پر بھی پھینک دی، بایں ہمہ کسی نے سر نہ اٹھایا اور حضور کے چہرہ تاباں کی طرف کوئی نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکا۔

طائف کا حکمران اور تمام باشندے حضورؐ کے خلاف ہیں، مگر ان کی سنگ باری اور شرارت صرف اسی حد تک محدود ہے کہ حضورؐ کی تقریر نہ ہو سکے، آخر وہی اہل طائف ہیں اور وہی ان کا حکمران ابن عبد یالیل، کہ خود مدینہ میں حاضر ہوتے اور داخل اسلام ہو جاتے ہیں

نصرت بالرعب کی مثالیں اس زمانہ کی بڑی بڑی سلطنتوں کے حالات سے بھی ہویدا ہیں، یمن سلطنت ایران کے قبضہ سے نکل جاتا ہے، اور کسی جنگ کے بغیر مطیع اسلام ہو جاتا ہے، مگر سلطنت ایران یمن کی طرف منہ بھی نہیں کرتی، اس لیے کہ حضورؐ کا رعب ان کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔

شمالی عرب سلطنت روما کے اقتدار سے نکل جاتا ہے اور روما کا شہنشاہ فراہمی افواج اور حملہ آوری کا حکم بھی جاری کر دیتا ہے اور اسی کی مدافعت کے لیے حضورؐ عرب کی سرحد تبوک تک تشریف بھی لے جاتے ہیں مگر ایک مہینہ کی راہ پر (یروشلم میں) بیٹھے ہوئے ایمپرر کا دل

خوف سے بھر جاتا ہے اور سابقہ احکام جنگ کو منسوخ کر کے دم بخود ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

عرب کی قدیم ترین سلطنتیں حیرہ وغسان قائم ہیں، انہی کے دربار کے شعرائے خاص حسان بن ثابت اور کعب انصاری تاج پوش بادشاہوں کو چھوڑ کر بوریا نشین رسولؐ کے آستان پر حاضر ہو گئے ہیں، مگر ان سلطنتوں میں سے کسی کو یہ حوصلہ نہیں پڑتا کہ اپنے شعرائے خاص کو واپس لینے کے لیے ہی اظہار طاقت کریں اور دربار عالی کے خدام تک کوئی دھمکی سے ملا ہوا فقرہ بھی پہنچا سکیں۔

ذی ظلیم، ذی ایران کی حکومتیں یمن کی جانب اور مکہ سے متصل قائم ہیں ان میں سے ہر ایک حکومت کے پاس باقاعدہ فوج بھی موجود ہے اور خزانے بھی معمور ہیں، وہ گھر بیٹھے حضور کا کلمہ پڑھنے لگے ہیں، عدوان وسرکشی کا خیال تک بھی ان کے دماغ میں نہیں آتا۔

ذوالکلاح حمیری اپنے گھر میں بیٹھا پندرہ ہزار علاموں سے سجدہ کراتا اور خدا کہلاتا ہے لیکن ایسے رسولؐ سے وہ بھی دل ہی دل میں ڈر رہا ہے جس نے کئی ایسے دعاوی فرعونیت کو غرقاب کر دیا، اس عبدہ ورسولہ کہلانے کا رعب مسجود ومعبود بننے والے کو مغلوب کیے ہوئے ہیں۔

نبی ﷺ کی یہ صفت خاص نزدیک ودور ہر جگہ جلوہ گستر تھی، امیر المومنین علی المرتضیٰ کا فقرہ ہے، من راہ بدیھۃ ھابَّہَ جو کوئی حضور کے سامنے یکا یک آجاتا وہ دہشت زدہ ہو جاتا یہ وہ نصرت الٰہیہ تھی جو رعب بن کر حضور کی حشمت وعظمت کو دوبالا کر رہی تھی، "وصلی اللّٰہ علی حبیبہ محمد والہ وبارک وسلم"

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

(بحوالہ رحمۃ اللعالمین جلد سوم)

خصوصیت نمبر ۵۲

رسولِ اکرم ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کوسجدہ گاہ بنایا

قابلِ احترم قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ باون نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کوسجدہ گاہ بنایا'' جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جارہی ہے، لیکن اس وضاحت سے پہلے گزشتہ خصوصیات کی طرح یہاں بھی بتادیا جائے تو بہتر ہے، کیونکہ میری زندگی کا یہی سب سے بڑا سرمایا ہے کہ بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر روضہ رسول ﷺ کے سائے میں ترتیب دیا ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! منجملہ خصوصیات میں سے ذیل کی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کے صدقے آپ ﷺ کی ساری امت کے لئے ساری زمین کوسجدہ گاہ بنادیا، بے شک یہ صرف آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے اس سے پہلے کسی بھی نبی اور کسی بھی امت کے لئے ساری زمین کوسجدہ گاہ نہیں بنایا گیا، مزید تفصیل آپ آنے والے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

باون نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

اسلام کے علاوہ جس قدر مذاہب ہیں وہ اپنے مراسمِ عبادت کے ادا کرنے کیلئے چند گھری ہوئی چاردیواروں کے محتاج ہیں، گویا ان کا خدا ان ہی کے اندر بستا ہے، یہود اپنے

صومعوں اور قربان گاہوں سے باہر نہ خدا کو پکار سکتے ہیں اور نہ قربانی کے نذرانے پیش کر سکتے ہیں، عیسائی اپنے کنیسوں کے بغیر خدا کے آگے نہیں جھک سکتے، یہاں تک کہ بت پرست قومیں بھی اپنے بت خانوں ہی کی چہار دیواری کے اندر اپنے دیوتاؤں کو خوش کر سکتی ہیں لیکن اسلام کے عالمگیر مذہب کا خدا اس آب وگل اور سنگ وخشت کی چہار دیواریوں میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ ہے اور ہر جگہ سے پکارا جاسکتا ہے، کوہ وصحرا، خشکی وتری، مسجد وغیر مسجد، ہر جگہ اس کے سامنے سجدہ کیا جاسکتا ہے، وہ جس طرح مسجدوں کے اندر ہے، مسجدوں کے باہر بھی ہے، اس کی قربانی مشرق ومغرب ہر جگہ گزرانی جاسکتی ہے۔

اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ. ''جدھر منہ پھیرو، ادھر ہی خدا کا منہ ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی۔'' یہ مسئلہ ہر چند ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے، مگر اسکے اندر وہ صداقت پنہاں ہے جو اسلام کی عالمگیری اور اسکے آخری مذہب ہونے کا اعلان عام کرتا ہے۔ (بحوالہ سیرت النبی ﷺ جلدِ اول)

اور آپ ﷺ کی اس خصوصیت سے متعلق صاحب رحمۃ اللعالمین لکھتے ہیں کہ یہود اپنے کنیسہ اور عیسائی اپنے کلیساء کے بغیر نماز نہ پڑھا کرتے تھے، مجوسی بھی پاک آگ کے آتش کدہ کے بغیر سرگرم عبادت نہ ہوا کرتے تھے، ہنود کا یہی حال مندروں کے متعلق تھا۔

مسلمانوں کی نماز نہ محراب عبادت کی محتاج اور نہ کسی نبی ہادی کی قبول توبہ کی ان کو حاجت ہے، ان کا گرمایا ہوا دل اور روشن آنکھیں آگ کی حرارت اور ضیا سے بے نیاز ہیں، اسی لیے روئے زمین کا ہر ایک بقعہ اور ہر ایک قطعہ ان کی سجدہ ریزی کے لیے موزوں ہے:

﴿یذکرون اللّٰہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم﴾ بیٹھے اور لیٹے لیٹے ذکر کی حالت طاری ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کو حضور کی مسجد بنا دیا۔

یہ شرف اسی حقائق شناس کو ملا جس کی نگاہ میں کائنات کا پتہ پتہ توحید کے ترنم میں ہے، جس کے سامنے ریگستان کا ذرہ ذرہ انوار قدسی کا آئینہ دار ہے، جسے ہر شے مظہر جمال لم یزلی اور مرآۃ جلالی قدسی نظر آتی ہے جس کے کانوں میں پتھروں کی تسبیح اور سبزہ کی تحمید ہر

وقت گونج رہی ہے، جسے آسمان وزمین کی فضاء تکبیر وزمزمہ تہلیل سے بھری ہوئی نظر آتی ہے، اسی کے لیے تمام روئے زمین مسجد بھی بنادی گئی۔

اور آپ ﷺ نے اپنے اس خصوصیت سے متعلق حدیث شریف میں ﴿جُعِلَتْ لِیَ الارضُ مَسْجِدً اوْ طُھُوْرًا﴾ فرمایا کہ روئے زمین کو میرے لئے مسجد وطہور بنادیا گیا چنانچہ سمجھ لیا جائے کہ یہاں طہور سے مراد وضو ہے اطراف بدن کا ہدایت شرعی کے مطابق پانی سے دھونا وضو کہلاتا ہے، وضو نماز کے لیے شرط ہے۔ مگر نماز کا ترک کسی حالت میں روا نہیں، عام طور پر یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ شرط کے نہ ہونے سے مشروط بھی مفقود ہو جانا چاہیے اور جہاں وضو کے لیے پانی میسر نہ ہو، وہاں نماز بھی معاف ہو جانی چاہیے۔ لیکن کیا نماز ان لوگوں پر معاف ہو جاتی ہے جو گھاس کے پتے پتے سے وحدہ لاشریک کے سننے والے اور درخت کے پتے پتے کو دفتر معرفت جاننے والے ہیں۔ ضرور تھا کہ انسان حصول طہارت کے لیے کوئی دوسری تدبیر اختیار کرتا انسان مٹی ہی سے بنا ہے مٹی ہی اس کی اصل ہے اور مٹی ہی اس کو بن جانا ہے، مٹی ہی مخلوقات کا گہوارہ ہے اور مٹی ہی سے کائنات ارضی اپنی خوراک حاصل کرتی ہے، اس لیے اس مٹی ہی کو طہور بھی بنادیا گیا، ہندوؤں میں سندھیا کے لیے ہون ضروری ہے اور ہون کے لئے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے اس میں سے ایک گھی بھی ہے گھی کے سولہ چمچے آگ میں ڈالنا ضروری ہیں ہر ایک چمچہ چھ ماشہ کا ضروری ہے (ستیارتھ پرکاش)

سندھیا کے لیے، ہون کی شرط نے اور ہون کے لیے ۳۶ چیزوں کی موجودگی کی شرط نے ہندو قوم کے افراد کو سندھیا سے محروم کر دیا ہے۔ مٹی کہاں نہیں مل سکتی؟ جہاں پانی نہ ہوگا، وہاں پر مٹی تو ضرور مل جائے گی، خاک آلود ہاتھوں کا چہرے پر پھرا لینا اس عجز وتقرر کو ہی ظاہر کرتا ہے، جس نے طہور تراب پر ایماندار کو مجبور کیا۔ الغرض یہ خصوصیت نبی ﷺ ہی کی ہے کہ حضور ﷺ نے تُرابِ روئے زمین کو ہمارے لیے طہور بنادیا اور حضوری بارگاہ ربانی سے کسی حالت میں بھی دور و مجبور نہ ہونے دیا۔ (بحوالہ رحمۃ اللعالمین جلد اول)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

خصوصیت نمبر ۵۳

رسولِ اکرم ﷺ کی پیروی کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ترپین نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی پیروی کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے'' جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جارہی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ تمام انبیاءؑ کے مقابلے میں آپ ﷺ کی پیروی کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، جیسا کہ آپ آنے والے صفحات میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے، انشاءاللہ، جسے ہم نے احادیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے، امید ہے کہ انشاءاللہ اس کے مطالعے سے ہمارے قلوب میں آپ ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

ترپین نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

دنیا میں لاکھوں پیغمبر آئے، مگر آج دنیا میں ان کی تعلیم وہدایت کی ایک یادگار باقی نہیں، یہاں تک کہ تاریخ کے اوراق میں بھی ان کا نام ونشان نہیں، وہ انبیاء جن کے صرف حالات معلوم ہیں، ان کی نسبت وہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کی آواز پر لبیک کہنے والے چند سے آگے نہ بڑھ سکے۔ حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک ایک پیغمبر کا کارنامہ دیکھتے جایئے، حضرت موسیٰ کے سوا ایک بھی ایسا نہ ملے گا جن کے ماننے والے سو(۱۰۰) بھی ہوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوششوں کے جولانگاہ صرف بنی اسرائیل کے چند ہزار نفوس تھے جو قدم قدم پر راہِ حق سے ہٹ ہٹ جاتے ہیں، کہیں

گوسالے کو پوجتے ہیں، کہیں خدا کو ان آنکھوں سے دیکھنے پر اصرار کرتے ہیں، کہیں سرفروشی اور جانبازی سے گھبرا کر میدانِ جنگ میں جانے سے انکار کر بیٹھتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزانہ کارنامے صرف اسی قدر اثر دکھاتے ہیں کہ چند دہائی انسان ان کی شیریں گفتاری کا دم بھرتے ہیں، مگر اس سے پہلے کہ مرغ بانگ دے، ابن آدم کو دشمنوں کے پنجہ میں اسیر کراتے ہیں اور تین دفعہ اس کے پہچاننے سے منکر ہوتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ مکہ کی گلیوں میں آپ ﷺ نے تن تنہا بے یار و مددگار متلاشیانِ حق کو صدائے توحید دی، جواب میں ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی، لیکن ۲۳ سال نہ گزرنے پائے تھے کہ ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ سے پرشور ہو گیا اور جب آپ ؐ نے اسی مکہ کی سرزمین کے لئے حجۃ الوداع کا اعلان کیا تو کم و بیش ایک لاکھ جانثار و فدا کار دائیں بائیں کھڑے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس قدر میری نبوت کی سچائی کا اعتراف کیا گیا ہے، کسی اور پیغمبر کی سچائی کا نہیں کیا گیا کہ بعض انبیاء ایسے بھی ہیں جن کو سچا کہنے والا ان کی امت میں صرف ایک ہی نکلا۔

صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا ''ایک دفعہ مجھ پر (عالم مثال میں) قومیں پیش کی گئیں، بعض پیغمبر ایسے تھے کہ ان کے پیچھے صرف ایک ہی دو آدمی تھے، بعض تنہا ہی تھے، ان کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا، اتنے میں ایک بڑی بھیڑ نظر آئی۔ خیال ہوا کہ یہ میری امت ہوگی، تو بتایا گیا کہ یہ موسیٰؑ اور ان کی قوم ہے، پھر کہا گیا کہ دوسرے کنارے کی طرف دیکھو تو اتنا سوادِ اعظم نظر آیا کہ اس سے افق چھپ گیا، پھر کہا گیا ہے کہ اب ادھر بھی دیکھو، بڑی تعداد کثیر دکھائی دی، کہا گیا ہے کہ یہ سب تیری امت ہے۔'' (مسلم شریف)(بحوالہ از سیرت النبی ﷺ جلد سوم)

اور رسول اکرم ﷺ کی اس عظیم خصوصیت سے متعلق سیرت حلبیہ کے مصنف اپنے انداز میں یوں رقم طراز ہیں کہ خود آپ ﷺ کے زمانے کے لوگوں کے علاوہ آپ سے پہلے کے زمانے والوں کے لئے بھی اور آپ کے بعد کے زمانے والوں کے لئے بھی، یہاں تک

کہ درختوں اور پتھروں کے لئے بھی آپ کو نبی بنایا گیا، ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا ہے، یعنی اپنے زمانے کے تمام انسانوں کی طرف یا کسی خاص جماعت اور امت کی طرف۔"

چنانچہ ان میں سب سے پہلے حضرت نوح ہیں کیونکہ ان کو ان تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا، تھا جو ان کے دور میں اس زمین پر بستے تھے۔ جب ان کو یعنی حضرت نوح کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ سوائے کشتی والوں کے ان پر کوئی ایمان نہیں لائے گا تو انہوں نے ان باقی تمام آدمیوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بدعا کی کہ ان پر عذاب نازل فرمائے، کشتی کے یہ لوگ کل ملا کر اسی آدمی تھے جن میں چالیس مرد تھے اور چالیس عورتیں تھیں۔ مگر کتاب عوارف المعارف میں یہ ہے کہ کشتی والوں کی تعداد چار سو تھی۔

(ان دونوں میں لوگوں کی تعداد کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کو دور کرنے کے لئے) یہ کہا جاتا ہے کہ چار سو کی تعداد انسانوں اور غیر انسانوں سب کی ملا کر تھی کیونکہ اس میں جانور بھی تھے اس طرح یہ اختلاف دور ہو جاتا ہے۔

غرض حضرت نوح کی بدعا کے بعد طوفان آیا اور تمام زمین پر بسنے والے اس سے ہلاک ہو گئے، صرف وہ لوگ زندہ بچے جو ان پر ایمان لے آئے تھے، تو اگر نوح تمام انسانوں کے پیغمبر نہ ہوتے تو ان کی مخالفت کرنے اور بت پرستی کرنے کی وجہ سے نوح سے ان کے حق میں بددعا نہ کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا﴾ "اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک کہ کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔"

یہ بات ثابت ہے کہ نوح ہی وہ پہلے نبی ہیں جو بتوں کی پوجا کرنے والوں کے خلاف نبی بنا کر بھیجے گئے، کیونکہ بت پرستی سب سے پہلے ان ہی کی قوم نے شروع کی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنا کر ظاہر فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو بت پرستی سے روکیں۔

آدمؑ کے متعلق روایت ہے کہ وہ سب سے پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اس کے پسندیدہ

طریقوں پر چلیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آدم کو وہ سب باتیں بتلائیں جو حق تعالیٰ کو پسند ہیں نیز وہ جو ناپسند ہیں تو اس کے ذیل میں ان کو یہ بھی حکم فرمایا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرنے کے لئے حضرت حوا کو حکم دیں اور ناپسند باتوں سے بچنے کی ہدایت کریں۔

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**وقلنا یا اٰدم اسکن انت وزوجک الجنة وکلا منها رغدا حیث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة**﴾ ''اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بیوی بہشت میں پھر کھاؤ دونوں ان میں سے بافراغت جس جگہ سے چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے۔''

چنانچہ بعض علماء کا قول ہے کہ نبوت و پیغمبری کی حقیقی اور عین منشاء یہی ہے۔ بہرحال اس کے باوجود بھی یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت نوحؑ کی نبوت اگرچہ ساری دنیا کے لوگوں کے لئے عام تھی مگر وہ عمومیت اس عمومیت کے برابر نہ تھی جو آنحضرت ﷺ کو عطا فرمائی گئی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ان لوگوں تک کے لئے بھی عام ہے، جو آپ کے زمانے کے بعد دنیا میں آنے والے ہیں۔ لہذا اب یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے کہ طوفان کے بعد زمین پر سوائے مومنوں کے کوئی باقی نہیں رہا تھا اور جس سے حضرت نوحؑ کی نبوت کا سب کے لئے عام ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور جب حضرت نوحؑ کی نبوت بھی ساری دنیا کے لئے عام تھی تو آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کبھی کسی کو نہیں دی گئیں، اور ان میں سے ایک میری نبوت کا ساری دنیا کے لئے عام ہونا ہے تو گویا پچھلی سطروں میں نوحؑ اور آنحضرت ﷺ دونوں کی نبوتوں کے عام ہونے کے باوجود ان میں جو فرق ظاہر کیا گیا ہے اور اس کے ذریعے آپ ﷺ کی نبوت کی فوقیت ظاہر کی گئی ہے اس کے بعد یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔

اس اشکال کا ایک جواب علامہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی دیا ہے مگر اس پچھلے جواب کے بعد وہ بھی اہم نہیں رہتا) علامہ ابن حجر نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ نوحؑ کی نبوت کو جو

عمومیت حاصل ہوئی وہ طوفان کے بعد حاصل ہوئی، کیونکہ اس وقت سوائے ان کے ماننے والوں کے زمین پر کوئی دوسرا باقی نہیں رہا تھا) ورنہ اصل کے لحاظ سے ان کی نبوت کو یہ عمومیت حاصل نہیں تھی، جب کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت اصل کے لحاظ سے ہی ساری دنیا کے لئے عام تھی۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت نوحؑ کے تبلیغ شروع کرنے اور طوفان کے آنے کے درمیان ایک سو سال کا فاصلہ تھا، یہ بات ثابت شدہ ہے کہ آدمؑ سے لے کر نوحؑ سے پہلے پہلے جتنے نبی گزرے ہیں ان سب کی نبوت کا اصل منشاء اور مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر ایمان لانے کی ہدایت کریں اور خدا کے ساتھ شرک نہ کرنے کی ہدایت کریں، اگرچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ شرک اور بت پرستی حضرت نوحؑ کے زمانے میں شروع ہوئی اور اس کے بعد سے ہی باقی ہے۔

اس بارے میں یہودیوں اور ان کے ساتھ یہودیوں کے ایک خاص فرقے عیسویہ جو عیسیٰ اصفہانی کے پیرو ہیں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ خاص طور پر صرف عربوں کے لئے ظاہر ہوئے تھے، بنی اسرائیل کے لئے نہیں اور یہ کہ آنحضرت ﷺ سچے نبی تھے (مگر صرف عربوں کے لئے ہی آپ کی پیروی کرنی ضروری تھی دوسری قوموں کے لئے نہیں) تو یہودیوں کا یہ قول فاسد اور لغو ہے، کیونکہ جب انہوں نے یہ بات تسلیم کر لی کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ آپ سچ بولتے ہیں جھوٹ کچھ نہیں کہتے تو پھر انہوں نے آپ کی اس بات پر کیوں یقین نہیں کیا کہ آپ ساری دنیا کے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں کیونکہ یہ حدیث تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ تمام انسانوں کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔

مولف سیرتِ حلبیہ کہتے ہیں: حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه﴾ ”اور ہم نے تمام پہلے پیغمبروں کو بھی ان ہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا۔“ (جس کا مطلب بظاہر یہ ہوتا ہے کہ ہر نبی صرف اس قوم کے لئے ہوتا ہے جن کی زبان وہ بولتا ہے، لہذا کسی نبی کو ساری دنیا کا نبی کیسے کہا جا سکتا ہے کیونکہ وہ ساری دنیا کی

زبانیں تو ظاہر ہے بول نہیں سکتا) اس اشکال کا جواب بعض علماء نے دیا ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نبی کی نبوت صرف اسی قوم تک محدود ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس قوم میں وہ تبلیغ کر رہا ہے اسی کی زبان وہ بولتا ہوتا کہ وہ خود پہلے ان کی ہدایت کرے اور پھر اس سے ہدایت حاصل کرنے والے دوسروں تک وہ پیغام پہنچادیں۔اور اس طرح اس نبی کی زبان نہ جاننے والوں یعنی دوسری قوموں تک ترجمانوں کے ذریعہ اس نبی کا پیغام پہنچ جائے۔

لہٰذا یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ ساری دنیا کے انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اگرچہ آپ اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب یعنی قرآن پاک عربی ہیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور موسیٰ کو عبرانی زبان میں کتاب یعنی تورات دی گئی اور عیسیٰ کو سریانی زبان میں انجیل دی گئی حالانکہ بنی اسرائیل میں بہت سے لوگ وہ بھی تھے جو عبرانی زبان یا سریانی زبان نہیں سمجھتے تھے جیسے اروام تھے کہ وہ بنی اسرائیلی تو تھے مگر ان کی زبان یونانی تھی واللہ اعلم۔

(بحوالہ سیرت حلبیہ)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۵۴

رسولِ اکرم ﷺ کی دعوت تمام دنیا والوں کے لئے تھی

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چون نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی دعوت تمام دنیا والوں کے لئے تھی" جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جارہی ہے، بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی اللہ تعالیٰ روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر ترتیب دینے کی توفیق عطا ہوئی، اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی امتیازی اور عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعوت کو تمام دنیا والوں کے لئے بنایا جبکہ دیگر انبیاء اکرام کی دعوت محدود علاقے اور محدود زمانے تک کے لئے ہوتی تھی جیسا کہ اس خصوصیت کے ذیل میں وضاحت کی گئی ہے، لیجئے اب اس خصوصیت کا مطالعہ شروع فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

چون نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

رسولِ اکرم ﷺ کے پیروؤں اور حلقہ بگوشوں کی کثرت تعداد کا ایک اور سبب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء آئے وہ خاص خاص قوموں اور قبیلوں کی طرف بھیجے گئے، ان کی دعوت عام نہ تھی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنے کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی گلہ بانی تک محدود رکھا، لیکن آنحضرت ﷺ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور جنس کی طرف ہوئی، کالے گورے، رومی، حبشی، عرب، عجم، ترک، تاتار، چینی، ہندی، سب آپ ﷺ میں برابر کے حقدار ہیں۔

قرآن نے کہا: ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ﴾ ترجمہ: ''اے محمد! ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لئے بھیجا ہے۔''

اور فرمایا: ﴿تبٰرک الذی نزل الفرقان علٰی عبادہ لیکون لِلْعٰالمِیْنَ نَذِیْرًا﴾ ''بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا تاکہ وہ تمام دنیا کو ہوشیار کرے''

صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے نبی خاص اپنی قوم میں بھیجا جاتا تھا اور میں تمام دنیا کے لئے بھیجا گیا ہوں۔'' اس معنی کی بکثرت روایتیں حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی آئی ہیں'' اس کی عملی دلیل یہ ہے کہ تمام پیغمبروں کے حالات پڑھتے جایئے، سب کے پیروؤں کو اس کی زندگی میں خود اسی قوم و ملک کے اندر محدود پاؤ گے لیکن آپ ﷺ کے حلقہ بگوشوں میں خود آپ ﷺ کی زندگی میں عرب کے علاوہ سلمان عجمیؓ، صہیبؓ رومی، بلال حبشیؓ سب کو پاؤ گے، سلاطین عالم کے نام آپ ﷺ کا دعوت نامہ بھی اسی تعمیم دعوت کی مستحکم عملی دلیل ہے۔ (بحوالہ سیرت النبی ﷺ جلد سوم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۵۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم عطا فرمائے

قابلِ احترم قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پچپن نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم عطا فرمائے"

بہر حال منجملہ خصوصیات میں سے خصوصیتِ ھٰذا بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ خود زبان اقدس سے ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ جوامع الکلم عطا فرمائے جو دیگر انبیاء کو نہیں ملے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ رب العٰلمین کو اپنے آخری نبی ﷺ سے سب سے زیادہ پیارتھا کہ اپنے آخری نبی ﷺ کو وہ کچھ عطا کیا جو کسی بھی نبی کو عطا نہیں کیا، بے شک "ذٰلِکَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ"۔

امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کے مطالعے سے بھی ہمارے دل میں حضور ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین

پچپن نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

دنیا میں آسمانی صحیفے اب بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں، مگر ان میں ایک کے سوا وصف جامعیت سے سب محروم ہیں، توراۃ اقوام کی تاریخ اور احکام وقوانین کا مجموعہ ہے عقیدہ توحید رسالت کے سوا تمام دیگر ضروری عقائد سے اور رسم قربانی کے علاوہ تمام دیگر مسائل عبادات سے اور چند معمولی باتوں کو چھوڑ کر تمام دقائق اخلاق سے یکسر خالی ہیں۔ زبور صرف دعاؤں اور مناجاتوں کا ذخیرہ ہے۔ سفر ایوب میں صرف عقیدہ تقدیر رضا کی تعلیم ہے۔ امثال سلیمان صرف مواعظ وحکم ہیں۔ دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفے صرف توبہ

ندامت، پشیمن گوئی اور ماتم ہیں۔ انجیل کا صحیفہ حضرت مسیح علیہ السلام کی سرگزشت اور تعلیماتِ اخلاق کا مجموعہ ہے، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کو جو صحیفہ ملا وہ جوامع الکلم ہے یعنی وہ تمام باتوں کی جامع ہے، وہ تورات بھی ہے زبور بھی ہے اور انجیل بھی اور کچھ ان سے زیادہ بھی، اس لئے آپؐ نے اپنے خصائص میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے، بیہقی میں حضرت واثلہؓ بن اسقع سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''مجھے تورات کی جگہ سبع طوال (سات بڑی سورتیں) اور زبور کی جگہ مئین (تقریباً سو آیتوں والی سورتیں) انجیل کے قائم مقام مثانی دی گئیں۔ اور سور مفصلات زیادہ ملیں''۔ ابونعیم میں یہی روایت ان الفاظ میں ہے کہ مجھے مثانی تورات کی جگہ، مئین انجیل کی جگہ، حوامیم زبور کی جگہ اور مفصلات علاوہ بریں ملیں''۔

اس لئے قرآن مجید، تورات، زبور، انجیل کو جامع ہے اور ان کے سوا کچھ اور بھی ہے، وہ تاریخ اقوام بھی ہے، اخلاق و مواعظ بھی ہے، دعا و مناجات بھی ہے، اس میں دین کامل کے تمام عقائد ہیں، تمام مراسمِ عبادات ہیں، تمام معاملات کے احکام و قوانین ہیں، اس میں ایک مسلمان کی زندگی کے ہر دور اور شعبہ کیلئے کامل ہدایات اور صحیح تعلیمات موجود ہیں، صرف تورات کے اسفار خمسہ یہود کی مذہبی زندگی کا کامل مجموعہ نہیں، صرف انجیل عیسائیوں کی مذہبی حیات کا سرمایہ نہیں، یہاں تک کہ ان کے عقائد اور عبادات بھی اُن کے صحیفوں کے رہین منت نہیں اور وہ اُن کی صحیح تعلیم سے یکسر خاموش ہیں، لیکن اسلام قرآن سے باہر کچھ نہیں، باہر جو کچھ ہے تو احادیث اُس کی عملی توضیح و تفسیر ہے، وہی تنہا مسلمانوں کی ہر ضرورت کا کفیل اور ہر سوال کا مجیب ہے اور اسی لئے اس کے پیرو کامل حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰه (ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے) کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

قرآن جوامع الکلم ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے اندر سینکڑوں لطائف ہیں، اس کے ایک ایک لفظ سے متکلمین اور فقہاء نے چند در چند مسائل نکالے ہیں اور صوفیا اور ارباب حال نے متعدد نکتے پیدا کئے ہیں، تاہم اس کی لطافتوں اور نزاکتوں کا خاتمہ نہیں ہوا

اور اسکی جوامع الکلمی کا حصر نہ ہوسکا۔

تو معلوم ہوا کہ ''جوامع الکلم'' سے مراد قرآن مجید بھی ہے، کون ہے جو قرآن کے جامع ہونے سے انکار کر سکے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ وہ کلام مقدس بھی مراد ہے جسے ''حدیث نبوی'' علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہا جاتا ہے۔

جب کوئی شخص ان الفاظ پاک پر غور کرے گا، جو حضور پرنور کے دل وزبان سے گوش عالمیاں تک پہنچے، اسے یقین ہو جائے گا کہ بے شک یہ کلام ''کلام نبوت'' ہے، مختصر، سادہ، صاف، پرصدق معانی کا خزینہ، ہدایت کا گنجینہ۔

اسی کتاب ''خصائص مصطفیٰ ﷺ'' کی چاروں جلدوں کے متعدد مقامات پر احادیث پاک کو جابجا پیش کیا گیا ہے، قارئین کو تدبر اور تفکر کے بعد کلام نبوی کی جامعیت کا حال کھل جائے گا، اور بخوبی سمجھ میں آجائے گا کہ یہ کلام صدق صرف مطلع نبوی ہی سے جلوہ گر ہوسکتا ہے، اب ذیل میں برکت کے لئے اور بطور نمونہ دو احادیث پیش کی جارہی ہیں ان میں سے دوسری حدیث کی مکمل تشریح پیش کی جائے گی، جس کے مطالعے سے انشاء اللہ آپ ﷺ کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے جوامع الکلم کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا، لیجئے ملاحظہ فرمایئے:۔

پہلی حدیث پاک یہ ہے: ﴿**ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولاتجسسوا ولا تحسسوا ولا تنافشوا ولاتحاسدوا ولاتباغضوا ولاتدابروا وکونوا عباداللّٰہ اخوانا کما امرکم اللّٰہ تعالیٰ، المسلم اخوالمسلم لایظلمه ولایخذله ولا یحقره بحسب امرء من اشراک یحقرا خا المسلم کل المسلم علی المسلم حرام ماله ودمه و عرضه ان اللّٰه لاینظرالی صورکم واجسادکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم التقوی ههنا التقوی ههنا ویشیر الی صدره الا لایبیع اخوانا ولایحل لمسلم ان یهجر اخاه فوق ثلاث واخرجه الستة الا النسائی وهذا لفظ مسلم عن ابی هریره رضی اللّٰه**

تعالیٰ عنہ ﴾

ترجمہ..... ''خبردار بدگمانی کو عادت نہ بنانا، بدگمانی تو بالکل جھوٹی بات ہے، (۲) لوگوں کی عیب جوئی نہ کرنا (۳) اور نہ ایسی باتوں کو اپنے کان تک پہنچنے دینا (۴) بڑھنے کے لیے مت جھگڑنا (۵) باہمی حسد نہ کرنا (۶) باہمی بغض نہ رکھنا (۷) کسی کی پس پشت برائی نہ کرنا (۸) اے اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہنا جیسا کہ تم کو اللہ کا حکم ہے (۹) مسلم مسلم کا بھائی ہے بھائی پر نہ کوئی ظلم کرے (۱۰) نہ اسے رسوا کرے نہ حقیر جانے (۱۱) انسان کے لیے یہی برائی بہت زیادہ ہے کہ اپنے مسلم بھائی کو وہ حقیر سمجھا کرے (۱۲) مسلم کا خون عزت دوسرے مسلم پر بالکل حرام ہے (۱۳) اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور جسموں کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے (۱۴) دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تقوی یہاں ہے تقوی یہاں ہے۔ (۱۵) خبردار ایک کی خرید پر دوسرا شخص خریدار نہ بنے۔ (۱۶) اللہ کے بندو! بھائی بھائی بنو۔ (۱۷) مسلم پر حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے۔ (بحوالہ بخاری، ترمذی و مسلم)

اس کے بعد دوسری حدیث بمع مکمل تشریح کے پیش کی جا رہی ہے، جس کے ایک ایک کلمہ مبارک کی وضاحت ہمارے ایمان میں اضافے کا ذریعہ بنے گی انشاء اللہ۔ واضح رہے کہ اس حدیث کی تشریح ہم نے قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کی شاہکار تصنیف ''رحمۃ اللعالمین'' جلد سوم سے لی ہے مزید تفصیل جاننے کے لئے وہاں مراجعت کی جا سکتی ہے، استفادہ عام کے لئے اسے یہاں بھی نقل کر دیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:۔

دوسری حدیث پاک یہ ہے ﴿عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال سالت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم عن سنتہ فقال المعرفۃ راس مالی والعقل اصل دینی والحب اساسی والشوق مرکبی وذکر اللّٰہ انیسی والثقۃ کنزی والحزن رفیقی والعلم سلامی والصبر ردائی والرضاغنیمتی العجز فخری والزھد حرفتی والیقین قوتی والصدق شفیعی والطاعۃ حسبی والجھاد

خلقی وقرة عینی فی الصلوٰة ﷺ

ترجمہ:...... ''حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ حضور ﷺ کا طریقہ (سنت) کیا ہے فرمایا معرفت میرا راس المال ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے محبت میری بنیاد ہے، شوق میری سواری ہے ذکر الٰہی میرا انیس ہے اعتماد میرا خزانہ ہے حزن میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، رضا میری غنیمت ہے، عجز میرا فخر ہے، زہد میرا حرفہ ہے، یقین میری خوراک ہے، صدق میرا ساتھی ہے، طاعت میرا بچاؤ جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

تشریح...... اب ذیل میں حدیث میں بیان کردہ ہر ہر خصلت کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمایئے:

(۱)...... المعرفة راس مالی (معرفت میرا رأس المال یعنی میری اصل پونجی ہے)۔ راس المال اس رقم کو کہتے ہیں، جس کے بغیر تجارت کا آغاز ہی نہیں ہوسکتا، جس سے تاجر اپنی تجارت کو شروع کیا کرتا ہے، حدیث بالا میں معرفت کو راس المال فرمایا گیا ہے۔

معرفت لغت میں شناخت کو کہتے ہیں، اصطلاح عرفاء میں اس کا استعمال ابتداء پر بھی ہوتا ہے اور نہایت پر بھی۔ واضح ہو کہ معرفت کی ابتداء خود نفس انسانی کی شناخت سے ہوتی ہے، سعید وہ ہے جس کے شعور کا آغاز خود اپنے عیوب کی شناخت سے ہو۔

بائیبل اور قرآن مجید میں سیدنا آدمؑ کی بابت ہے کہ تمیز کے بعد سب سے پہلے انہوں نے یہ شناخت کیا کہ وہ برہنہ ہیں، پھر اسی وقت انہوں نے درختوں کے پتے جمع کیے اور ان کو ٹانک ٹانک کر اپنی برہنگی کا پردہ بنایا۔ پدر اعظم کا اپنی اولاد کو یہ پہلا سبق ہے، کہ جب انسان کو اپنا کوئی نقص یا عیب نظر آئے تو فوراً اس کے ازالہ کی تدبیر کرنا چاہیئے،

لغت اور شرح میں معرفت اور علم کے دو الفاظ ہیں جو شناخت کے لیے آتے ہیں، اہل علم کے نزدیک لفظ علم کا درجہ لفظ معرفت سے برتر ہے، گو متصوفین کی اصطلاح میں اب

لفظ معرفت کا درجہ لفظ علم سے برتر سمجھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق . "جب انہوں نے وہ کلام سنا جو رسول پر اتارا گیا تب ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے حق کی شناخت کر لی۔"

ویوم نحشرھم کان لم یلبثوا الاساعۃ من النھار یتعارفون بینھم "جس دن ہم ان کو اٹھائیں گے (اور وہ سمجھیں گے) گویا دن کی ایک گھڑی کے برابر ہی وہ قبروں میں رہے ہیں تب وہ آپس میں ایک دوسرے کی شناخت کر لیں گے۔" وجاء اخوۃ یوسف فدخلوا علیہ فعرفھم "جب یوسف کے بھائی مصر آئے اور یوسف کے سامنے گئے تو یوسف نے ان کو شناخت کر لیا۔" الذین اٰتینٰھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم "جس کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کی شناخت رکھتے ہیں جیسی شناخت ان کو اپنے فرزندوں کی ہے۔"

ہر چہار آیات بالا میں معرفت کا لفظ مستعمل ہوا ہے اور اس فعل کے فاعل انسان ہیں، اب لفظ علم کو مندرجہ ذیل آیات میں دیکھیئے: فاعلموا انما انزل بعلم اللّٰہ "جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل کیا گیا ہے۔" انزلہ بعلمہ "اللہ نے قرآن کو اپنے علم سے نازل فرمایا ہے۔" قل رب زدنی علما "اے نبی یہ دعا کیجیئے کہ اے رب مجھے علم میں بڑھائیو۔"

ان آیات میں علم کو ذات رب العالمین سے نسبت ہے۔ بلحاظ معنی معرفت و علم میں فرق یہ ہے کہ معرفت کسی شے کی ذاتی شناخت کو کہتے ہیں اور علم کا اطلاق اس شے کے اندرونی احوال پر آتا ہے۔ لہٰذا معرفت کو تصور اور علم کو تصدیق کہا جا سکتا ہے۔

حدیث بالا میں معرفت کو راس المال فرمانے سے اسی ابتدائی سلوک کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ جب کہ انسان کو اپنے بندہ ہونے کی اور رب العالمین کے مالک ہونے کی شناخت کا آغاز ہوتا ہے، یہی شناخت یہی احساس بندہ کے لیے ہادی راہ بن جاتا ہے۔

واضح ہو کہ اہل تصوف نے امارت اور شواہد معرفت پر تفصیلی گفتگو کی ہے شبلیؒ فرماتے ہیں، جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا عارف کسے کہتے ہیں؟ فرمایا پانی کا رنگ ظرف کے رنگ کا سا نظر آیا کرتا ہے، اس قول کے معنی یہ ہیں کہ بندہ پر الوان عبودیت کا ظہور ہوتا ہے، وہ کبھی ابتلائے ربانی کے سامنے صابر ہوتا ہے، اور کبھی نعمائے ربانی کے سامنے شاکر، کبھی وعدہ ہائے صدق کی بشارت سے اس کا قلب خلد بہار ہوتا ہے، اور کبھی مواعید الٰہی سے وہ سراپا عجز وانکسار! ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ عارف کی تین نشانیاں ہیں:۔ا......نور معرفت پر نورِ ورع غالب ہو، ۲......اعتقاد باطن حالت ظاہر سے متناقض نہ ہو، ۳......نعم الٰہیہ کی فراوانی سے محارم الٰہیہ میں نہ گر پڑے۔

حقیقت یہ ہے کہ معرفت سے ہیبت پیدا ہوتی ہے، اور اس ہیبت ہی کے اندر انس وانشراح ہوتا ہے، حدیث صحیح میں ہے: ﴿انا اعرفکم باللّٰہ و اشدکم له خشیة﴾ ''میں تم سب سے بڑھ کر اللہ کا عرفان رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ اس کے سامنے خشیت والا ہوں۔'' گویا معنی بالا کو الفاظ بالا میں ظاہر فرما دیا گیا ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ معرفت وہ نور ہے، جو مومن کے سینہ میں رکھ دیا جاتا ہے کہ وہ صفات ربانی کو سمجھ سکے اور شواہد وبراہین کا استعمال کر سکے۔ عارف، صفات پر ایمان رکھتا ہے، اور ان کو تشبیہ سے بالاتر سمجھتا ہے، وہ تشبیہ کی نفی کرتا ہے اور تعطیل سے پرہیز کرتا ہے، آگے بڑھ کر وہ صفات وذات کی تفریق سے اجتناب کرتا ہے اور آگے بڑھکر وہ جملہ وسائل وسائط، براہین، اور شواہد سے منہ موڑ کر اپنے قلب وروح کو اپنے ملک کے انعام پر چھوڑ دیتا ہے، تب اسے معرفت کا حصہ بقدر ظرف حاصل ہو جاتا ہے۔ ﴿صراط الذین انعمت علیهم﴾ کا اشارہ اسی راز کی طرف ہے۔

(۴)......العقل اصل دینی (میرے دین کی جڑ عقل ہے) عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں، وہ عقیدہ تثلیث کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ اس کی بنیاد فہم انسانی سے بالاتر ہے۔ وہ شاگرد کو تثلیث کی تعلیم دیتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ اس لقمہ کو حلق

سے نیچے نگل جاؤ خواہ تمہارا دل چاہے یا نہ چاہے۔ مگر اسلام ایسے احکام نہیں دیتا، عقل اور عاقلین کی فضیلت آیات قرانیہ سے بخوبی واضح ہے۔

۱ ...... کذالک نفصل الأیٰت لقوم یعقلون ''ہم اسی طرح آیات کو کھول کھول کر عقل والوں کے لیے بیان کیا کرتے ہیں۔''

۲ ...... ولقد ترکنا ایة بینة لقوم یعقلون ''ہم نے اس کے روشن نشان چھوڑے ہیں عقل والوں کے لیے۔'' قرآن پاک میں خارج از عقل لوگوں کی مذمت فرمائی گئی ہے۔

۳ ...... ویجعل الرجس علی الذین لایعقلون ''رجس انہی پر ہے جو عقل نہیں رکھتے۔'' بتلایا گیا کہ علم و عقل لازم وملزوم ہیں اور انہی دونوں کی آمیزش سے نتائج صحیحہ پیدا ہوتے ہیں۔

۴ ...... وما یعقلها الا العالمون ''ان باتوں کی عقل اہل علم ہی کو ہے۔''

بیشک جو شخص احکام شریعت کو پڑھے گا اور ان حکمتوں پر بھی غور کرے گا جن کی وجہ سے ان احکام کا نفاذ ہوا تو اسے بالیقین معلوم ہو جائے گا کہ عقل کے ساتھ احکام شرعیہ کا تعلق بہ طریق مستحکم ہے۔

نماز کے لیے یہ حکم پڑھئے! ان الصلوٰة تنهی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللّٰہ اکبر. (سورۂ عنکبوت) ''نماز تو بدکاریوں اور برے کاموں سے روکنے والی ہے اور تحقیق اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔''

روزے کے لیے یہ حکم پڑھئے: کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ''تم پر روزے لکھ دیے گئے جیسا کہ تم سے پہلوں پر لکھے گئے تھے تا کہ تم تقویٰ حاصل کرو۔''

ادائے زکوٰۃ کے متعلق یہ حکمت معلوم کیجئے: لئن شکرتم لأزیدنکم. اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو بڑھاؤں گا۔''

حج کی بابت جوحکم ہے اس کے فوائد پر غور کیجئے: لیشھدوا منافع لھم ."تا کہ تم اپنے اپنے نفع کو دیکھ لو۔"

قصاص کا اثر مجرم کے لیے: لیذوق وبال امرہ ."تاکہ اپنے برے کام کا وبال دیکھے۔" قصاص کا اثر فائدہ مالک کے لیے: ولکم فی القصاص حیٰوۃ ."تمہاری زندگی قصاص ہی کے جاری کرنے میں ہے۔

ہاں عقل ہی کو دوسرے مقام پر فطرت انسانی بتلایا گیا ہے، عقل ہی برہان کی برتری کو تسلیم کرتی ہے اور اسی لیے مخالفین کو فرمایا گیا: قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین ."کہہ دیجئے کہ تم اپنی برہان پیش کرو، اگر تم سچے ہو عقل، جبر واکراہ کے مخالف ہے اور اسی لیے کتاب حمید میں ہے: لا اکراہ فی الدین ."دین کے معاملہ میں کچھ جبر نہیں۔"

ان جملہ شواہد سے ثابت ہے کہ اسلام کا شجرہ پاک سرزمین عقل میں لگایا گیا ہے اور علم کے پانی سے اسے پالا گیا ہے۔ نبی الامی ﷺ کا یہ فرمانا کہ العقل اصل دینی اس دین کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل حتمی ہے وما یذکر الا اولوا الالباب.

مسلمان نوجوانوں میں دیکھا جاتا ہے کہ وہ عقل سے مراد خود اپنی عقل اپنا فہم سمجھا کرتے تھے یہ دانستگی کی پہلی دلیل ہے۔ جو لوگ قانون سلطنت کے فہم سے بھی عاری ہیں، جو لوگ خود انسانوں کی بنائی ہوئی، ایجادات کے قفل اتارنے سے عاجز ہیں، ان کا کیا حق ہے، اپنی عقل سے برتر عقل کا کوئی درجہ ہی تسلیم نہ کریں اور اپنے فہم کو صاحب شریعت کے فہم سے بالاتر سمجھنے لگیں۔

۳......وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ (محبت میری بنیاد ہے) واضح ہو کہ تغزل وابیات میں لفظ عشق کا استعمال زیادہ تر ہوتا ہے۔ مگر فرقان حمید اور حدیث پاک میں لفظ عشق اور اس کے مشتقات کا استعمال نہیں ہوا، اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایک ذلیل لفظ ہے اور اصل لغت کے لحاظ سے معنی حب سے عاری ہے، قاموس میں ہے "الجنون فنون والعشق من فنہٖ جنون" کی بہت سی اقسام ہیں، عشق بھی یکے از انجملہ ہے۔ لہذا لفظ حب کی تحقیق پر زیادہ

توجہ کرنا چاہیئے ،زبان عرب میں اس لفظ سے پانچ محاورات پائے جاتے ہیں:

ا..... حَبَّبَ الْاَسْنَان دانت روشن اور صاف ہیں۔

۲..... حَبَّ الماء پانی نتھرا ہوا پاکیزہ ہے، انہی معنی کے لحاظ سے بلبلے کو حباب کہتے ہیں،

۳..... حَبَّ الْبَعِیْرُ اونٹ نے گھٹنے ٹیک دیے، اس محاورہ میں حب کو لزوم وثبات کے معنی میں لیا گیا۔

۴..... حَبّ دانہ وتخم یا اصل شے، اسی لیے سویدائے دل کو حَبَّةَ الْقَلْبِ کہتے ہیں ،اسی لیے دانہ کو حب (جس کی جمع حبوب ہے) بولتے ہیں۔

۵..... حَبَّ الْمَاءُ وہ جوہڑ جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے، یہاں حفاظت ونگہداشت کے مفہوم کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اصل مادہ کے ان معانی کو دیکھو، اور پھر یہ بھی خیال کرو کہ لفظ حُبّ کو جب کہ وہ بطور اسم مستعمل ہوتا ہے۔ حرکت ضمہ دی گئی ہے، جو جملہ حرکات میں قوی تر ہے اور اس سے مقصد یہ ہے کہ حُبّ میں اوصاف صفا دبہا اور علو وارتقاء اور لزوم وثبات کا ہونا پایا جائے ،حُبّ ہی کو جملہ فضائل کا اصل الاصول قرار دیا جائے اور حُبّ ہی کے حفظ وتمسک کو مایہ حیات انسانی ثابت کیا جائے۔

بیشک محبت ان جملہ اوصاف پر حاوی ومشتمل ہے، اللہ تعالیٰ نے اثبات محبت کے متعلق کلام پاک میں فرمایا ہے: ﴿یحبونھم کحب اللّٰہ والذین امنوا اشد حبا للّٰہ﴾ ”یہ لوگ غیروں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے مگر جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت زیادہ محکم ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا بندوں کو ہونا اور بندوں کی محبت کا اللہ عزوجل کو ہونا ہر دو امور کا ثبوت فرمایا ہے فسوف یاتی اللّٰہ بِقَوْمٍ یحبھم ویحبونہ. ”اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو اسلام میں لائے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہوگا، اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوں گے

احادیث پاک میں بھی اس امر کا وضوح کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے:۔

۱......ان احب الاعمال الی اللّٰہ الایمان با للّٰہ ثم الجھاد ''اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ایمان ہے ہو پھر جہاد ہے۔''

۲......احب العمل الی اللّٰہ مَادَاوَمَ علیہ صاحبہ. ''سب سے پیارا عمل اللہ کے ہاں وہ ہے، جس پر عمل والا مداومت کرے۔''

۳......ان اللہ یحب ان یوخذ برخُصَتِہ. ''اللہ کو پسند ہے کہ اس کی رخصت پر عمل کیا جائے۔''

۴......احب الاعمال الی اللّٰہ الصلوٰۃ علی اول وقتھا. ''سب اعمال سے زیادہ پسند اللہ تعالیٰ کو وہ نماز ہے، جو اول وقت پر پڑھی جائے۔''

احادیث بالا میں تو اللہ تعالیٰ کی اس محبت کا ذکر تھا جو اسے اپنے بندوں کے اعمال سے ہے اب بندوں کی محبت کا ذات پاک کے ساتھ ہونا، آیت ذیل میں بصراحت ہے۔قل ان کان ابائکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللّٰہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللّٰہ بامرہ. ''کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے ماں باپ، بیٹے، بیٹیاں، بہن، بھائی، بیویاں اور خویش قبیلہ اور مال جسے تم سمیٹتے ہو اور تجارت جس کے گھٹنے سے ڈرتے ہو اور مکانات، جن کو پسند کرتے ہو، تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تب انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم جاری فرمائے۔''

اس آیت میں انسان کی اس محبت کا جو اسے مادر، پدر، دختر، پسر، برادر وخواہر، خویش وقبیلہ، تجارت وصنعت، قصر وباغ اور مال وزر سے ہوتی ہے، اثبات فرمایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان سب اشیاء کی محبت کا انسان کے لئے ہونا ایک فطری امر ہے۔

اس کے بعد اجنبیت کا مسئلہ شروع فرمایا کہ اگر مذکورہ بالا محبت مغلوب ہے اور اللہ

تعالیٰ ورسول اللہ ﷺ کی محبت ان جملہ انواع محبت پر غالب تر ہے، تب تو سب کچھ ٹھیک ہے لیکن اگر خدانخواستہ اللہ ورسول ﷺ کی محبت سے ان اشیاء کی یا ان اشخاص کی محبت بڑھ گئی تب معاملہ سخت مشکل ہے اور اس بارہ میں جو کچھ حکم اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی جاری فرمائے گا۔

حکم بالا میں قرآن کریم نے تمدن اور تبتّل کا راز منکشف کر دیا ہے اور توحش وترہب کو چھوڑ کر افراط وتفریط کے وسط میں شاہراہ عدل قائم فرمادی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی حقیقت اگر معلوم کرنی ہو تو اس کے لیے ایک ہی لفظ بیان کر دینا کافی ہے، وہ عبودیت ہے، یہی محبت یا عبودیت جملہ محاسن اعمال کی سرچشمہ ہے محبت ہی سے اثابت الی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے اور محبت ہی خوف ورجا کا معدن ہے محبت ہی ہے جو انسان کو کبھی مقام رضا پر اور کبھی مقام شکر پر متمکن کر دیتی ہے۔ صبر بھی وہی صبر ہے جس کی بنا محبت پر ہو، ورنہ اس کا نام بیچارگی ہوگا۔ زہد بھی وہی زہد ہے جس کا منشا محبت ہو، ورنہ اس کا نام عدم دسترس ہوگا، حیا بھی وہی حیا ہے جس کی ولادت محبت سے ہو، جو ادب وتعظیم کی ہوا میں پلی ہو ورنہ اس کا نام انفعال طبع ہوگا۔ فقر بھی وہی فقر ہے، جو محبت کو بجانب محبوب ہوا اور دل اپنی تمام تر قوت کے ساتھ محبوب کی جانب منجذب ہو جائے، ورنہ اس کا نام تنگ دستی ہوگا۔

الغرض محبت ہی قوت القلوب ہے، اور محبت ہی غذاء الارواح ہے، محبت ہی قرۃ العیون ہے، محبت ہی حیوۃ الابدان ہے، محبت ہی دل کی زندگی ہے۔ محبت ہی کامیابی کو دوام وبقا کا تاج پہناتی ہے۔ محبت ہی بقا کو بلندیٔ ارتقاء پر بٹھلاتی ہے۔

اب ہم مدارج محبت کا ذکر کرتے ہیں۔

۱...... محبت کی ابتداء علاقہ سے ہوتی ہے، یعنی دل کا تعلق جو کسی جانب پیدا ہو جائے

۲...... اس تعلق کو ارادہ قوی بناتا ہے۔

۳...... اب کشش پیدا ہوتی ہے، اور جس طرح پانی نشیب میں خود بخود جاتا ہے اسی طرح محبّ کو محبوب کی طرف وہ کشش لیے جاتی ہے۔

۴......اب سوزش پیدا ہوتی ہے اور دل میں ہر وقت ایک جلن رہنے لگتی ہے۔

۵......اب پیار نمودار ہوتا ہے اور صفت محبت سے دل آشنا ہو جاتا ہے۔

۶......اس پر ترقی وافزونی ہوئی ہوئی تو شغف کا تسلط ہو جاتا ہے اور محبت کا اثر قعر قلب (دل کے گہراؤ) تک پہنچ جاتا ہے، مصائب کے برداشت اور موانعات کی سکی نظر آنے لگتی ہے، تدابیر قرب اور مواصلات وصل کی درستی میں شب وروز گزرنے لگتے ہیں۔ محبوب کے سوا باقی دیگر تفکرات منقطع ہو جاتے ہیں، محبوب ہی کی کا تصور جسم پر اور محبوب ہی محبت دل پر حکمران بن جاتی ہے۔

۷......اس سے اگلی حالت کا نام عشق ہے، یہ لفظ اسم عشقہ سے بنایا گیا ہے، یہ ایک بیل زرد پھولوں والی ہوتی ہے، جس درخت پر چڑھ جاتی ہے، اسے خشک کر دیتی ہے اور یہی حال اس مرض کے مریض کا بھی ہوتا ہے۔

۸......اس سے آگے درجہ یتیم کا ہے، یتیم کے معنی ''غلامی'' ہیں۔ اس وقت انسان خود اپنے ہی خیالات کا غلام بن جاتا ہے اور ان سے رہائی پانا اس کے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔

۹......اعلیٰ ترین درجہ کا نام عبودیت ہے، جب کہ محبّ ہر ایک دعویٰ سے دست بردار ہو جاتا ہے جب کہ دنیا میں کوئی شے اس کی نہیں رہ جاتی ہے جب کہ اس کا جسم، اس کا دل، اس کی روح، اس کی تمنا اس کی مراد خود اپنے لیے نہیں رہ جاتی ہے، اور وہ ان سب کو خوشی خوشی چھوڑ کر معبود کے معبود ہونے پر بس کر جاتا ہے اور اس امر پر قانع بلکہ شاکر ہوتا ہے کہ وہ اپنے معبود کا عبد کہلایا کرے۔

۱۰......اس سے بھی بالاتر درجہ خُلّت کا ہے، اب تو جسم کا ایک ایک بال اور نبض کی ایک ایک حرکت اور سینہ کا ایک ایک سانس متفق المراد بن جاتے ہیں جذبات اور متمنیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے دل ودماغ، طبع وروح میں پوری طاقت اور کامل وحدت کے ساتھ ایک ہی محبوب کا خالص رضوان مقصود ومطلوب بن جاتا ہے، وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ محبّ کا

مقصود نہیں بلکہ محبوب کا مقصود م محب کا مطلوب نہیں بلکہ محبوب کا مطلوب۔

عام طور پر فہم انسانی اس کیفیت کے تعلق سے نارسا ہے اور اس درجہ کی تکمیل صرف سیدنا ابراہیمؑ نے اور سیدنا مصطفیٰ ﷺ نے کی ہے الفاظ درود پاک میں یہی دو نام ایک دوسرے کے مشبہ و مشبہ بہ کی طرح واقع ہوئے ہیں، ایک کو تقدیم کی اولیت حاصل ہے اور دوسرے کو اتمام کی افضلیت۔

اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلٰی ال ابراھیم انک حمید مجید .اللھم بارک علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید.

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختتام سے پیشتر ان اسباب کا ذکر کر دیا جائے جو جالب محبت اور جاذب محبت ہیں تاکہ کوئی سعادت مندان سے تمتع حاصل کر سکے، اسباب بقا وارتقائے محبت الہیہ درج ذیل ہیں:

۱......قرأت فرقان حمید: قرأت کے تحت میں تادیر معانی اور فہم مراد ربانی (ہر دو) شامل ہیں۔

۲......نماز فرائض کے علاوہ نوافل کی مواظبت و کثرت۔

۳......دوام ذکر: اس لفظ کے اندر ذکر لسانی، اور قلبی دونوں شامل ہیں، ذکر بالحال اور ذکر بالعمل بھی اسی مفہوم کے اندر ہیں۔

۴......اسماء وصفات الہیٰ کا مطالعہ و مشاہدہ بذریعہ قلب۔

۵......اللہ عزوجل کی نعمت ہائے ظاہری و باطنی اور احسانات مادی و روحانی کا تذکار۔

۶......مقامات عبادت میں کمال ادب اور حضور تام کے ساتھ وقوف قلبی۔

۷......ذوق حضور میں قلب کا انکسار کلی۔

۸......اپنی خواہشات کا احکام ربانی پر ایثار۔

۹.....محبین وصادقین کی مجالست۔

ان اسباب سے منافرت جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور بندہ ناچیز کے درمیان بعد ودوری کا موجب ہیں، ان امور کی مواظبت سے امید ہے کہ وہ سرچشمہ محبت جو انسان کی سرزمین قلب میں ودیعت ہے، اور جسے خس وخاشاک علائق نے بند کر رکھا ہے، پھر فوارہ سال جوش زن ہو اور پوری رفتار سے چلتا ہوا کشت زارِ تمنا کی سیرابی کا ذریعہ بنے۔ اللھم ارزق حبک وحب من یقربنی الی حبک .

قارئینِ کتاب کو حضور ﷺ کے الفاظ والحب اساسی پر ایک بار اور تدبر کر لینا چاہئے کہ جس ایوان عظمت نشان کی بنیاد ''محبت'' ہو، وہ عمارت کیا ہوگی اور اس مکان کا مکین کس نشان کا ہوگا۔ یہی سبق ہے جو سیرت محمدیہ کے پڑھنے والے کو یاد رکھنا چاہئے۔

۴.....والشَّوْقُ مَرْکَبِی (شوق میری سواری ہے) واضح ہو کہ قرآن مجید میں لفظ ''شوق'' وارد نہیں ہوا اور بجائے اس کے لفظ ''لقاء'' کا استعمال ہوا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ علمائے فن کے نزدیک فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ حصول دیدار کے بعد بھی شوق باقی رہتا ہے یا نہیں؟ بعض کی رائے یہ ہے کہ ''شوق'' تو اس سفر کا نام ہے، جو محب کو بجانب محبوب لے جاتا ہے، لہٰذا جب منزل مقصود پر پہنچ گئے تو سفر کا خود بخود خاتمہ ہو گیا۔

مگر حدیث پاک میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے، حدیث زیر شرح میں بھی اور ایک دوسری صحیح حدیث میں بھی، جس کے الفاظ یہ ہیں۔ اسالک لذۃ النظر الی وجھک والشوق الی لقائک. ''تیرے چہرہ پر نگاہ ڈالنے کی لذت اور تیرے لقا کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔''

حدیث زیر شرح میں شوق کو مرکب بنایا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ شوق آثار محبت میں سے ایک اثر کا نام ہے اور اس کا درجہ اصل محبت سے کمتر ہے، کیونکہ شوق محبت ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ ہاں شوق!

وہ چنگاری ہے جو دل کو گرمائے رکھتی ہے   وہ لپٹ ہے جو شمع قلب سے اٹھتی ہے

شوق ہی اعضاء جوارح کو منقاد اعمال بناتا ہے اور شوق ہی اعمال میں مداومت پیدا کرتا ہے شوق ہی ہے جو آلائے اخروی کو نعم دینوی سے بھی قریب تر دکھاتا ہے اور شوق ہی ہے جو ہر ایک شکستہ پر کو مائل پرواز رکھتا ہے، شوق ہی ہے جو غاروں کی گہرائی کو ناپتا اور پہاڑوں کی چوٹیوں کو لکدکوب بناتا ہے، یہ شوق ہی ہے جو محبت صادق کی راہ میں مشعل افروزی کرتا ہے اور یہ شوق ہی ہے جو کسی درمیانی منزل پر محب آبلہ پا کو آرام نہیں لینے دیتا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مقدار شوق مقدار محبت پر مبنی ہے، یہ محال ہے کہ فراوانی محبت میں شوق قاصر پایا جائے یا کمی محبت کی صورت میں شوق کثیر الوجدان ہو۔ سچ ہے کہ سالک کے لیے شوق سے بڑھ کر کوئی سواری نہیں، یہ وہی مرکب ہے جو کھائیوں کو پھاندتا ہے اور امتحان کے خطرناک پُل پر سے صاف گزرتا ہوا جنت اللقاء تک پہنچا دیتا ہے۔ "فطوبی للمشتاقین وطوبی للمحبین"۔

۵..... ذِکْرُ اللّٰہِ اَنِیْسِیْ (اللہ کا ذکر میرا مونس ہے)

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: ذکر ہی اہل ایمان کا زادِ راہ ہے جسے لے کر وہ سفر کیا کرتے ہیں، ذکر ہی وہ منشور (پاسپورٹ) ہے جسے دکھا کر وہ آگے بڑھ سکتے ہیں، ذکر ہی دلوں کی زندگی ہے، جس کے بغیر اجساد بمنزلہ گور رَہ جاتے ہیں، ذکر ہی وہ ہتھیار ہے جس سے رہزنوں اور دشمنوں کو ہٹایا جاتا ہے، ذکر ہی وہ پانی ہے، جس سے دل کی آگ بجھائی جاتی ہے، ذکر ہی وہ دوا ہے جس سے باطن کا روگ دور کیا جاتا ہے، قرآن مجید میں ذکر کو دس طریقے سے بیان کیا گیا ہے:۔

ا..... ذکر کا حکم دیا گیا: حکم مطلق بھی: یایھا الذین امنو اذکروا اللّٰہ ذکرا کثیرا "اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کیا کرو، بہت ذکر کرنا۔" اور حکمِ مقیّد بھی واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخفیۃ "اپنے رب کو یاد کرو، اپنے دل میں عاجزی اور خوف سے۔" وسبحوہ بکرۃ واصیلا "اللہ کی تسبیح کیا کرو صبح وشام۔"

۲..... غفلت ونسیانِ ذکر سے نہی فرمائی گئی ولا تکونوا کالذین نسوا اللّٰہ

فانساھم انفسھم ''مت ہو تم ویسے جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور اللہ نے ان کو نسیان میں چھوڑا۔''

۳.....فلاح و نجات کو کثرت ذکر پر معلق فرمایا ہے و اذکروا اللّٰہ کثیرا لعلکم تفلحون﴾ ''اللہ کا ذکر بہت بہت کیا کرو کہ تم فلاح پاؤ۔''

۴.....اہل ذکر کی مدح و ثنا فرمائی ہے والذاکرین اللّٰہ کثیرا والذاکرات اعداللّٰہ لھم مغفرۃ و اجرا عظیما ''مرد اور عورتیں اللہ کا بہت بہت ذکر کرنے والے ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم مقرر کر رکھا ہے۔''

۵.....غافلین ذکر کے خسران کا اعلان فرمایا گیا ہے: یا الذین اٰمنو الاتلھکم اموالکم ولااولادکم عن ذکر اللّٰہ ومن یفعل ذٰلک فاولئک ھم الخسرون اے ایمان والو! تمہارا زر و مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں جس نے ایسا کیا وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

۶.....ذکر کو جملہ اعمال سے افضل و اعلیٰ بتلایا ہے ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر ''نماز بدکاریوں اور برے کاموں سے ہٹا دیتی ہے اور اللہ کا ذکر تو بہت بڑھ کر ہے۔

۷.....قرآن مجید پر تدبر سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ اعمال صالحہ کا اختتام بیان ذکر پر ہوتا ہے، چنانچہ حکم نماز پر غور کیجئے فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللّٰہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم. ''جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو، کھڑے بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے۔ اور اختتام حکم نماز جمعہ کو پڑھیئے فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ واذکروا اللّٰہ کثیرا لعلکم تفلحون ''جب نماز ہو چکے تب اپنی اپنی جگہ پھیل جاؤ، اللہ کے فضل کی تلاش کرو اور اللہ کا بہت بہت ذکر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔'' اور اسی طرح اختتام حکم صیام پر تدبر کیجیے ولتکبروا اللّٰہ علی ماھدٰکم. تا کہ تم اللہ کی بزرگی کرو، اس لیے کہ اس نے تم کو ہدایت کی ہے۔ اور اسی طرح اختتام حکم حج کو

دیکھیے فاذاقضیتم مناسککم فاذکروااللّٰہ جب مناسک پورے کر چکو تب اللہ کا ذکر کرو۔ اور اختتام حیات بھی اگر ذکر پر ہو تو اس کے لیے حدیث پاک میں داخلہ جنت کا وعدہ ہے ادخله الله الجنة.

۸......ذاکرین کو ہی صاحبان عقل وہوش فرمایا گیا ہے: ﴿ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف الیل والنھار لاٰیٰت لاولی الالباب الذین یذکرون اللّٰہ قیاما وقعوداوعلی جنوبھم﴾ ''آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور شب وروز کے الٹ پلٹ کرانے میں بیشک نشانیاں ہیں عقل ومغز والوں کے لیے جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں پر یاد کیا کرتے ہیں۔''

۹......ذکرِ الٰہی جملہ اعمال کے ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر ہی روح الاعمال ہے نماز کے متعلق ہے ﴿واقم الصلوٰۃ لذکری﴾ ''نماز کو قائم کرو میرے ذکر کے لیے۔'' حدیث شریف میں چند اعمال کا ذکر کر کے ان کا ذکر الٰہی کے لیے ہونا ظاہر فرمایا گیا ہے: ﴿وانما جعل الطواف بالبیت والسعی بین الصفاء والمروۃ ورمی الجمار لاقامۃ ذکر اللّٰہ﴾ ''خانہ کعبہ کا طواف، صفا ومروہ کے درمیان سعی اور کنکریوں کا چلانا ذکر الٰہی کی اقامت کے لیے مقرر ہوا ہے۔''

صحیح مسلم کی حدیث عن ابی ہریرۃؓ میں اہل ذکر کو مفردون فرمایا گیا ہے یعنی اہل تفرید وتوحید۔ ابودرداءؓ سے مسند احمد میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم وخیرلکم من انفاق الذھب والفضۃ وان تلقواعدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربون اعناقکم قالوا وماذلک یارسول اللہ قال ذکر اللہ عزوجل﴾ ''کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں کہ تمہارے اعمال میں بہتر کیا ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے ستھرا کیا ہے اور تمہارے د بات میں سب سے بلند تر کیا ہے اور جو زر وسیم کے خرچ سے بھی بہتر ہے جو اس سے بھی بہتر ہے کہ دشمنوں کو ملو ان کی گردنیں کاٹو یا وہ تمہاری گردنیں کاٹیں، صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ

کے رسول وہ کیا ہے فرمایا اللہ کا ذکر۔''

صحیح مسلم میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿لایقعد قوم یذکرن اللہ الا حفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ فی من عندہ﴾ جولوگ اللہ کا ذکر کرنے کو بیٹھتے ہیں، فرشتے ان کے گرداگرد آجاتے ہیں، رحمت ان پر چھاجاتی ہے سکینہ ان پر نازل ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کے حلقہ میں تشریف لائے اور پوچھا کہ کیوں بیٹھے ہو، عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کررہے ہیں، اس امر پر کہ ہمیں اسلام کی راہ دکھلائی، اور ہم پر احسان فرمایا فرمایا، کیا قسمیہ کہتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں قسمیہ عرض کرتے ہیں: فرمایا! ﴿اما انی لم استحلفکم تھمۃ لکم ولکن اتانی جبریل علیہ والسلام فاخبرنی ان اللّٰہ یباھی بکم الملائکۃ﴾ سنو! میں نے تم سے حلف نہیں لیا بسبب جھوٹ کے تہمت کے، لیکن میرے پاس تو جبریلؑ ابھی آئے تھے، انہوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے ملائکہ پر فخر کرتا ہے۔

ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا عمل افضل ہے، فرمایا: ﴿ان تفارق الدنیا ولسانک رطب من ذکر اللّٰہ﴾ ''جب تو دنیا چھوڑے تو تیری زبان اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہے۔ ایک اور شخص نے عرض کیا کہ مجھے احکام اسلام تو بہت زیادہ معلوم ہوتے ہیں مجھے صرف ایک چیز بتلا دیجئے فرمایا: ﴿لایزال لسانک رطبا من ذکر اللّٰہ﴾ ''تیری زبان برابر ذکر الٰہی میں جاری رہنی چاہئے۔ مسند وغیرہ میں جابر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ﴿یا یھا الناس ارتعوا فی ریاض الجنۃ﴾ اے لوگو! چمن ہائے بہشت کی سیر کرو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ چمن ہائے بہشت کسے کہتے ہیں فرمایا: ﴿مجالس الذکر﴾ ''ذکر کی مجلسیں'' اور فرمایا ''صبح وشام ذکر الٰہی برابر کیا کرو، تم

میں سے جوکوئی یہ چاہتا ہو کہ اس امر پر غور کرے کہ اللہ کا درجہ خود اس کے دل میں کیا ہے ، کیوں کہ اللہ تعالیٰ بندے کو ویسا ہی درجہ عطا فرماتا ہے جو اس کے نزدیک اللہ کا درجہ ہوتا ہے۔

صحیح ترمذی و مسند وغیرہ میں ہے، نبی ﷺ نے اپنے پدر بزرگوار ابراہیمؑ سے روایت کیا ہے: ﴿اقرا امتک منی السلام واخبرهم ان تربة الجنة طيبة التوبة عذبة الماء وانها قيعان وان عراسها سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر﴾ ''اپنی امت سے میرا اسلام کہہ دیجئے اور بتا دیجئے کہ جنت پاکیزہ زمین، میٹھے پانی والی ہے، وہ سفید جگہ ہے اور وہاں کے گل، بوٹے سبحان اللہ والحمد اللہ الخ ہیں۔''

صحیحین میں ابوموسیٰؓ سے روایت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿مثل الذی يذكر ربه والذی لا يذكره مثل الحی والميت﴾ ''جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ جیسی ہے اور جو شخص ذکر نہیں کرتا، اس کی مثال مردہ جیسی ہے۔''

روایت صحیح میں ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿من ذكرنی فی نفسه ذكرته فی نفسی ومن ذكرنی فی ملاء ذكرته فی ملاء خير منهم﴾ ''جو کوئی شخص میرا ذکر چپکے چپکے کرتا ہے میں بھی اس کا ذکر اپنی ذات سے کرتا ہوں، جو کوئی میرا ذکر کسی گروہ کے اندر کرتا ہے میں بھی اس کا ذکر ایسے گروہ میں کرتا ہوں جو ان کے گروہ سے بہتر ہے۔''

یاد رکھئے، کہ ذکر کے تین طریقے ہیں: صرف زبان ذکر کر رہی ہو، یہ ادنی درجہ ہے۔ صرف دل ذکر کر رہا ہو، یہ متوسط درجہ ہے۔ دل اور زبان دونوں ذکر کر رہے ہوں، یہ درجہ اعلیٰ ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے، اقسامِ ذکر بھی تین ہیں:۔

۱......اسماء وصفات اور ان کے معانی کا ذکر، ثنائے ربانی اور توحید الٰہی۔

۲......امر ونہی، حلال وحرام کا ذکر اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام احسان اور عطیات کا بیان

یاد رکھئے کہ مراتب ذکر بھی تین ہیں:۔

۱......وہ ذکر جو غفلت ونسیان کو اڑا دیتا ہے۔

۲......وہ ذکر، جو قیود سے چھڑا کر بقائے شہود تک پہنچا دیتا ہے۔

۳......وہ ذکر، جو انسان کو اپنی یاد سے فراموش کر کے ذکر حقانی ہی کے ساتھ وابستہ وزندہ کر دیتا ہے۔ مبارک ہے وہ انسان، جسے ذکر ربانی نے اپنا فریفتہ بنالیا ہے۔ مبارک ہے وہ صاحب ایمان جس نے فنائے عالم کا سبق بقائے رب العالم سے سیکھ لیا ہے۔

۶......اَلثِّقَةُ کَنْزِی (اعتمادِ الٰہی میرا خزانہ ہے) اصل اس بارہ میں سیدنا موسیٰ کی ماں کا واقعہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولاتخافی ولاتحزنی﴾ جب تجھے موسیٰ کی جان کا ڈر ہو، تب اسے دریا میں ڈال دینا اور ایسا کرتی ہوئی نہ خوف کھانا نہ غم کرنا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس خاتون بلند پایہ کو اگر اللہ عزوجل کے فرمودہ پر اعتماد قوی نہ ہوتا تو وہ کبھی اپنے ہاتھوں سے اپنے بچہ کو دریا میں نہ ڈال دیتی۔

لہٰذا یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اعتماد ہی چشم توکل کی پتلی ہے، اور اعتماد ہی دائرۂ تفویض کا مرکز ہے، اور اعتماد ہی قلب سلیم کا سویدا ہے، یہ اعتماد بوقت یاس بھی ہوتا ہے اور انسان مصائب کی حالت میں اپنے رب پر اعتماد کرتا ہے اور اس کے خلاف نہ زبان پر کوئی حرف لاتا ہے اور نہ دل میں کوئی وسوسہ، یہ اعتماد بوقت امید بھی ہوتا ہے، اور انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی سابقہ ربوبیت اور اپنے عدم استحقاق کی حقیقت بخوبی منکشف ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ ایسا اعتماد تمام نظام عام پر چشم بصیرت کے کھولنے سے حاصل ہوتا ہے جب کہ انسان کو نظر آ جاتا ہے کہ جمادات کا ذرہ ذرہ، نباتات کا پتہ پتہ، ارضیات وسماویات کا ریزہ ریزہ ہر ایک عرض کا جوہر اور ہر ایک جوہر کا وجود اسی کے انعام سے فیض یاب اور اسی کے احسان کی دولت سے مالا مال ہے، یہ نظارہ بندہ کے اعتماد کو قوی بناتا ہے، اور یقین کلی بندھ جاتا ہے کہ یہ ناچیز بندہ بھی اس کے لطفِ عام سے کبھی محروم نہیں رہ سکتا۔

۷......وَالْحُزْنُ رَفِیْقِی (اندوہِ دل میرا رفیق ہے) خوف وخشت بھی ایسے دو لفظ ہیں جو اردو میں حزن کے مترادف سمجھے جاتے ہیں، لیکن زبان عرب میں ہر ایک لفظ کا مفہوم

الگ الگ ہے، خوف کا اطلاق زیادہ تر حسی اشیاء پر ہوتا ہے، خشیت کا اطلاق غیر حسی اشیاء پر بہ کثرت ہوتا ہے، حزن اس اندوہ قلب کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کی بہتری و بہبودی کے متعلق دل ہی دل میں جوش زن ہوتا ہے، گولب خاموش ہوتے ہیں، کتاب اللہ میں لفظ حزن کا استعمال انبیاء واصفیاء کے لیے بہ کثرت ہوا ہے، اللہ نے نبی ﷺ کی بابت فرمایا ہے: ﴿لایحزنک قولھم﴾ ''ان کی باتوں سے اے نبی آپ کو حزن نہ ہونا چاہئے۔''

چونکہ نبی ﷺ کی شفقت ورافت نوع انسانی کے ساتھ بہت بڑھی ہوئی تھی اور حضور ﷺ ان نافرمانوں کے عواقب امور کا خیال کرتے ہوئے اکثر اندوہ گین رہتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حزن نہ کرنے کا حضور کو ارشاد فرمایا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس حدیث نبوی کی بھی روایت کی ہے جو نبی کریم ﷺ نے غار ثور میں رفیق صادق ابوبکرؓ سے فرمائی تھی یعنی لاتحزن صدیق کا فدائی دل نبی ﷺ کے رنج وآزار کو دیکھ کر پاش پاش ہورہا تھا، تب نبی ﷺ نے ''لاتحزن ان اللہ معنا'' فرما کر باب حزن سے قصر انس تک پہنچایا۔

اس ارشاد میں نقطہ لطیف یہ تھا کہ اس معیت ربانی کا درجہ جس میں نبی، صدیق داخل وشامل تھے، اس حزن سے برتر واعلیٰ ثابت کیا جائے جسے عشق نے سلامتی یار کے متعلق بھیانک بنادیا تھا۔

یہ یادرکھنے کی بات ہے کہ اسم اعظم ''اللہ'' کے ظلال میں جو معیت شامل ہے وہ جملہ اسماء حسنیٰ کے ظلال سے بدرجہ علیا ہے اور کمالات عارف کی تکمیل اسی اسم ذات ''اللہ'' کی سیر میں ہوتی ہے اور جب معیت الٰہی کا ظہور ان اللہ معنا، کے نور میں ہوتا ہے تو جملہ اسماء کی ظلمت ورفعت بھی اسی کے تحت میں داخل ہوتی ہے اور کائنات کے جملہ اسباب وعلل ساقط ومضمحل ہوجاتے ہیں۔ مادر موسیٰ کو جو وحی ربانی ہوئی، وہ یہ تھی: ﴿لاتخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین﴾ ''آپ خوف نہ کیجئے اور نہ حزن کیجئے، ہم اسے تیرے پاس واپس کریں گے، ہم اسے مرسلین میں سے بنائیں گے۔'' ذرا غور کرو، کہ خوف حسی کے مقابلہ میں بھی ایک بشارت موجود ہے اور حزن غیر حسی کے ساتھ

بھی ایک بشارت شامل ہے۔ خوف کے مقابلہ میں یہ کہ بچہ جسے تو دریا میں ڈال دے گی، اللہ تعالیٰ اسے تیرے ہی پاس واپس کردے گا۔ حزن غیر حسی کے مقابلہ میں یہ کہ اسے نبوت کی وہ نعمت ملے گی، جس کا ادراک حواس نہیں کرسکتے، ان آیات پر تدبر اور تتبع کے بعد حدیث زیر عنوان کا مطلب واضح ہوجاتا ہے، کہ وہ حزن جو ہر وقت پیراہن دل پاک رکھتا تھا، وہ یا تو امت آثمہ کی بخشش کا تھا یا امت عاصیہ کی ہدایت کا۔

دل قدسی میں خلق خدا کی محبت بھری تھی، اور عامۃ الناس کی ہمدردی وغم گساری حضورؐ کے رگ و پے میں ساری تھی، ایک ایک جان کی نجات کا خیال حضورؐ کو اس طرح رہتا جیسے گڈریا کو اپنی ایک ایک بکری کا، اس کی سو بکریوں میں سے اگر ایک بھی علیحدہ ہوجاتی اور جھاڑیوں میں رہ جاتی ہے تو گڈریا سمجھتا ہے کہ اگر اسے ساتھ نہ لیا گیا تو وہ بھیڑیے کا شکار ہونے والی ہے، وہ اس ایک کے پیچھے جاتا ہے اور اسے ہلاکت کے منہ سے نکال لاتا ہے۔ نبی ﷺ کا یہ حزن کبھی قلب پاک سے الگ نہ ہوا، بسا اوقات تہجد میں سارا سارا وقت امت کے لیے دعا کرنے میں وقف فرما دیتے، ایک رات کا واقعہ ہے کہ صرف اسی ایک آیت کے دہرانے میں پوری رات بسر فرمادی: ﴿**ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم**﴾ ''اگر تو ان کو عذاب دے گا تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے گا تب تو غالب حکمت والا ہے۔''

۸.....وَالْعِلْمُ سَلَاحِي (میرا ہتھیار علم ہے) واضح ہو کہ متصوفین متاخرین نے علم کا درجہ حال سے کم قرار دیا ہے، حالانکہ معاملہ بالعکس ہے۔ علم حاکم ہے، حال محکوم ہے۔ علم ہادی ہے، حال تابع ہے۔ علم امام ہے، حال ماموم ہے۔ دائرہ علم دنیا و آخرت پر وسیع ہے، دائرہ حال صرف صاحب حال تک ہے۔ حال ایک تیغ براں ہے، اگر علم کی حفاظت نہیں تو یہ تلوار اسی کی کاٹ کرتی ہے جس کے ہاتھ میں ہو۔ حال ایک ایک آگ ہے جس پر کسی کی نگرانی نہ ہو، حال ایک منہ زور گھوڑا ہے، اگر اس کے منہ میں علم کا لگام نہیں تو وہ اپنے سوار کی اور پھر خود اپنی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔

لیکن علم ہی ہے، جو حیات القلوب ہے، نور البصائر ہے، شفاء الصدور ہے، ریاض العقول ہے، علم ہی لذت الارواح ہے، اور علم ہی مونس متوحشین ہے، علم ہی وہ میزان ہے، جس میں اقوال واحوال واعمال وزن کیے جاتے ہیں، علم ہی وہ حاکم ہے جو شک ویقین اور ضلالت وارشاد میں فیصلہ دیتا ہے، علم ہی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ملتی ہے، اور علم ہی سے رب العالمین کی تحمید وتمجید وتوحید نصیب ہوتی ہے، علم ہی حلال وحرام میں فرق بتلاتا ہے، علم ہی مواریث وارحام کے مدارج ظاہر کرتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ علم کی ضرورت اکل وشرب سے بھی قوی تر ہے، آب وخورش کی ضرورت تو شب وروز میں دوبار پڑتی ہے، مگر علم کی ضرورت ہر ایک سانس پر ہے۔ علم ہی ہے جس کی تلاش میں کلیم اللہ موسیٰ نے سفر طویل اختیار کیا تھا، اور اس سفر میں تین مسائل کو ثمر سفر قرار دیا تھا۔ علم ہی ہے جس کی طلب و درخواست کرنے کا حکم اللہ عز وجل نے نبی ﷺ کو دیا تھا "وقل رب زدنی علما" پڑھا کر، کہ اے اللہ مجھے علم میں بڑھایا کر۔ ذرا یہ تو خیال کرو کہ وہ کتا یا باز جسے شکار پر سدھایا گیا، اور شکار پر لگایا گیا ہو، جسے عربی میں معلم کہتے ہیں، وہ تھوڑا سا علم سیکھنے سے کس درجہ کو پہنچ جاتا ہے، کہ اس کا پکڑا ہوا شکار حلال ہوتا ہے اور اس کی جنس کے دوسرے حیوان غیر مسلم کا پکڑا ہوا شکار حرام۔

یہ معلم جارحہ انسانی کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے، جب کہ اس کے ابنائے جنس نجس العین ہیں۔ یہ درجہ اس کو کیوں ملا اس کا سبب صرف علم ہے، صرف علم۔ اب یہ بھی یاد رکھیے کہ علم وہ ہے جس کی ابتدائی علامت اقامت دلیل ہے اور جس کی آخری شناخت رفع جہل ہے۔ ہاں علم کے تین مدارج ہیں:۔

درجہ اول...... (یا ابتدائی) وہ علم ہے جو قوت باصرہ کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے، وہ جو استفادہ صحیحہ سے قوت سامعہ کو حاصل ہوتا ہے، وہ جو ایک بڑی تعداد انسانی کے تجربہ متواتر کا نتیجہ ہوتا ہے۔

درجہ دوم...... وہ علم ہے جو اجسام زکیہ وباطن طاہرہ میں پیدا ہوتا ہے، وہ جو اہل ہمت عالیہ

کے انفاس صادقہ کو عطا ہوتا ہے، ایسی حالت میں جب کہ ہر طرف خاموشی چھائی ہوتی ہے۔

درجہ سوم...... وہ علم ہے جسے عام طور پر علم لدنی سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ علم عبودیت کا ثمرہ اور متابعت احکام حقہ کا پھل ہوتا ہے، جب کمال انقیاد کا مادہ راسخ ہو جاتا ہے اور جب مشکوٰۃ نبوت سے اخذ نور کی رغبت ترقی پذیر ہو جاتی ہے، تب جواد مطلق کی جانب سے وہ معارف ایمانیہ اور حقائق اصلیہ کھول دیے جاتے ہیں، جس تک کسی فلسفی یا منطقی کا تخیل بھی نہیں پہنچ سکا ہوتا، ایسا علم خود اپنے لیے دلیل بھی ہے اور دوسرے کے لیے مدلول بھی۔

اس مقام پر ان مخالفین و معترضین کو بھی توجہ دلانا ضروری ہے جو کہا کرتے ہیں کہ ''اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے،'' غور کیجئے کہ نبی ﷺ تو علم کو اپنی تلوار بتلا رہے ہیں اور ان فتوحات عظیمہ کو جو حاصل ہوئیں ثمرات علم قرار دیتے ہیں۔ درحقیقت اللہ کے نبی ﷺ کا فخر اینٹ چونہ، پتھر کی دیواروں، خندقوں پر قابض ہو جانے میں نہیں سکندر، تیمور، ہلاکو خان، بونا پارٹ نے ایسے تماشے دنیا میں بہت کھیلے ہیں اللہ کے نبی ﷺ کا امتیاز تو دلوں کے قلعوں اور قلوب کے حصوں کو فتح کر لینے میں ہے۔

یہ نظارہ خیبر میں نظر آیا کہ جن دنوں اسلامی لشکر نے ان یہودیوں کے جو ہمیشہ اہل ایمان کے خلاف ملک بھر میں آتش جنگ و جدال کو بھڑکائے رکھتے تھے، چند قلعے فتح کر لیے، تو انہی ایام میں نبی ﷺ کے حضور میں حبشہ کے نو مسلم سرداران دربار بھی حاضر ہوئے اور اسی اثنا میں ملک یمن سے بھی کئی سو مسلمانوں کا قافلہ باریاب سعادت ہوا، لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ یہودیوں کو کھلی آنکھ سے دکھلایا جائے، کہ وہ اللہ کے اور اس کے رسول کے مقابلہ میں اینٹ پتھر کی دیواروں کے بھروسہ پر اڑے بیٹھے ہیں، جس کا علم سمندر پار حبشہ کو فتح کر رہا ہے، جس کا علم یمن کے بلند ترین پہاروں کی چوٹیوں پر اپنا علم صداقت نصب کر رہا ہے یہ وہ ملک ہیں جو کبھی حجاز کے زیر نگین نہ ہوئے تھے۔

یہ حبش وہی ملک ہے جس کے جنرل اوٹرم نے یمن کو فتح کر کے ۶۰ ہزار فوج کا لشکر جرار مکہ مکرمہ کے فتح کرنے اور کعبۃ اللہ کے گرانے کے لیے مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر

لا ڈالا تھا، یہ واقعہ (جسے قرآن پاک نے واقعہ اصحاب الفیل کے نام سے بیان فرمایا ہے) نبی ﷺ کی ولادت اقدس سے صرف پچاس دن پہلے کا ہے۔ ان حملہ آوروں کو کیا معلوم تھا کہ خود ان کا بادشاہ رسول حجازی کی کفش برداری کی تمنا کرے گا اور سارا ملک اسی کعبہ کی سمت اللہ تعالیٰ کے سامنے سر عبودیت کو جھکائے گا۔

یاد رکھئے کسی ملک وقوم کو بزور شمشیر فتح یا مغلوب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حملہ آور کے پاس شمشیر زن بھی موجود ہوں، جن کی دھاک ایسی بندھی ہوئی ہو کہ لوگ ان کی تلوار سے ڈر ڈر کر اپنا پہلا پیارا مذہب چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ ایسے بہادر، ایسے تلوار یے، ضرار بن الازور، شرجیل بن حسنہ عدی بن حاتم، عکرمہ بن ابی جہل، مقداد بن الاسود الکندی، مقدام بن معدی کرب، خالد بن ولید، زبیر بن العوام، اور علی مرتضیٰؓ جیسے کیوں کر اس شخص کے مطیع وفرمابردار ہو گئے تھے۔ ان کی تلواروں پر نہتے، غریب ومسکین، بکریاں چرانے والے یتیم نے کیوں کر قبضہ کر لیا تھا، یہ ظاہر ہے کہ ایسے جری، ایسے بطل تو خوف شمشیر سے مطیع نہ ہوئے ہوں گے اور انہوں نے تو صرف خوف جان سے اپنے اپنے قدیم پیارے مذہب کو نہ چھوڑ دیا ہوگا۔ جب یہ امر مسلم ہو جائے تو قابل غور یہ رہ جائے گا کہ جب نبی ﷺ کے پاس کوئی ایسی شئے کوئی ایسی قوت کوئی ایسی کشش موجود ہے، جو شیروں کا شکار کرتی ہے، تو پھر ان کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ بھیڑوں اور لومڑیوں کے لیے تلوار کا استعمال کریں۔ غور وفکر جتنا گہرا ہوتا جائے گا اسی قدر جلد یہ واضح ہو جائے گا، کہ حضورؐ کا یہ فرمان **العلم سلاحی** حقیقت کا مظہر ہے، جس کا کوئی بطلان نہیں ہوسکتا۔ جو کامیابی نبی ﷺ کو حاصل ہوئی، اس کا ذریعہ وہی علم صحیح تھا جو اللہ عزوجل نے حضورؐ کو ارزانی فرمایا تھا۔ وہ علم، جو ظلمات کو دور کر دیتا اور چلنے والوں کو نور میں لے آتا ہے۔ وہ علم جو آنکھوں کو روشن، دل کو بینا بنا دیتا ہے۔ وہ علم ہے کہ "**ھذا بصائر للناس**" کی صفت اسی پر صادق آتی ہے۔

۹...... **وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ** (صبر میرا شاندار لباس ہے) قرآن مجید میں (۹۰) مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا گیا ہے کتاب حمید نے ۱۶ طریقوں سے صبر کی توصیف فرمائی

ہے، ہم اختصار کے ساتھ انشاء اللہ ان طریقوں کا ذکر کریں گے۔

اول...... اللہ تعالیٰ نے صبر کا امر فرمایا: ﴿قال موسی لقومہ استعینوا باللہ واصبروا﴾ ''موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو۔'' ﴿واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ﴾ ''صبر اور نماز سے مدد حاصل کیا کرو۔'' ﴿اصبروا وصابروا﴾ ''صبر رکھو اور آپس میں صبر کی تعلیم دیا کرو۔'' ﴿واصبر وما صبرک الا باللہ﴾ صبر کرو، تیرا صبر تو اللہ کے لیے ہے۔''

دوم...... عدم صبر سے نہی فرمائی فرمایا: ﴿فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولاتستعجل لھم﴾ ''صبر کیجئے، جیسا کہ باہمت رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلدی نہ کیجئے۔'' ﴿ولاتولوھم الادبار﴾ ''دشمنوں کو پیٹھ مت دکھاؤ۔'' ﴿ولا تھنوا ولاتحزنوا﴾ ''اپنا دل تھوڑا نہ کرو غمگین نہ ہو۔''

سوم...... اہل صبر کی ثناء فرمائی: ﴿والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون﴾ ''جو تکلیف میں اور تنگی میں اور لڑائی میں صبر کرتے ہیں، وہی ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اور یہی لوگ متقی بھی ہیں۔''

چہارم...... اہل صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ذکر فرمایا: ﴿واللہ یحب الصابرین﴾ ''اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

پنجم...... اہل صبر سے اپنی معیت کا اعلان فرمایا ﴿ان اللہ مع الصابرین﴾ ''بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک معیت عامہ ہے جو بذریعہ علم واحاطہ ہوتی ہے اور ایک معیت خاصہ جس کا نتیجہ حفاظت ونصرت وتائید الٰہی ہوتا ہے آیت بالا میں معیت خاصہ ہی کا ذکر ہے۔

ششم...... صبر کو اہل صبر کے لیے بہتر بتلایا: ﴿ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین﴾ ''اگر تم صبر کرو، تو ایسا کرنا صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔'' ﴿وان تصبروا خیر لکم﴾ ''اور صبر کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔''

ہفتم......اعلان فرمایا کہ اہل صبر کو جزا بطریق احسن عطا ہوگا۔ ﴿ ولنجزین الذین صبروا اجرهم باحسن ما كانوا يعملون﴾ ''ہم صبر کرنے والوں کو ان کے عمل کی جزا بہترین طریق سے دیں گے۔''

ہشتم......خبر دی کہ اہل صبر کو عطیہ بلا حساب ملے گا۔ ﴿انما يوفى الصابرون اجرهم بغير حساب﴾ ''صبر والوں کو ان کا اجر پورا پورا بلا حساب دیا جائے گا۔''

نہم......اہل صبر کو بشارت دی گئی۔ ﴿وبشر الصابرين﴾ ''صبر کرنے والوں کو بشارت پہنچا دیجئے۔''

دہم......اہل صبر کی نصرت و امداد کی ضمانت فرمائی۔ ﴿بلى ان تصبروا وتتقوا ويأتوكم من فورهم هٰذا يمددكم ربكم بخمسة آلاف من الملائكة مسومين﴾ ''ہاں! اگر تم صبر و تقویٰ رکھو اور دشمن تم پر فوراً آ جائے تو تمہارا رب تمہاری مدد پانچ ہزار ملائکہ سے جو نشان والے ہوں گے فرمائے گا۔'' حدیث شریف میں ہے. واعلم ان النصر مع الصبر.

یازدہم......اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اہل صبر ہی اہل عزم ہوتے ہیں: ﴿ولمن صبر وغفر ان ذٰلك لمن عزم الامور﴾ ''جس نے صبر کیا اور معافی دی، تو یہ کام بڑی ہمت کے ہیں۔''

دوازدہم......فرمایا کہ اعمال صالحہ اور حظوظ عظیمہ والے اہل صبر ہی ہوتے ہیں: ﴿ويلكم ثواب اللّٰه خير لمن اٰمن وعمل صالحا ولا يلقها الا الصٰبرون﴾ ''تمہیں خرابی ہو، اللہ کا عطیہ ایمان اور نیک عمل والے کے لیے بہتر ہے اور اس کو صرف صبر والے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔'' ﴿وما يلقها الا الذين صبروا وما يلقها الا ذو حظ عظيم﴾ ''اس کو صبر والے ہی حاصل کر سکتے ہیں اور اسے وہی پا سکتے ہیں جو بڑی قسمت والے ہیں۔''

سیزدہم......بتلایا کہ آیات الٰہی سے انتفاع و عبرت صرف اہل صبر ہی حاصل کر سکتے

ہیں:﴿ان اخرج قومک من الظلمت الی النور وذکر ھم بایام اللّٰہ ان فی ذٰلک لاٰیٰت لکل صبار شکور﴾ ''ہم نے موسیٰ کو کہا اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر نور میں لا، اور ان کو تاریخ الٰہیہ کا سبق دے کیونکہ اسی میں ہر صابر وشاکر کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔'' اور فرمایا﴿ومن اٰیاتہ الجوار فی البحر کالاعلام ،ان یشایسکن الریح فَیَظْلَلْنَ رواکد علی ظھرہ،ان فی ذالک لایٰت لکل صبار شکور﴾ ''اللہ کی نشانیوں میں سے وہ جہاز ہیں جو سمندر میں چلتے ہیں اور علم کی طرح بلند ہیں، اگر اللہ چاہے تو ہوا رک جائے اور یہ سب جہاز سمندر کے اوپر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں، اس میں نشانات ہیں، ہر ایک صبر کرنے اور شکر کرنے والے کے لیے۔''

چہاردھم......بتلایا ہے کہ مطلوب ومحبوب تک فائز ہونا مرعوب سے نجات پانا، جنت العلیٰ کا داخلہ ان ہی لوگ کے لیے ہے جنہوں نے صبر کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿والملائکۃ یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار﴾ ''فرشتے ہر طرف ان کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے کہ اپنے صبر کے بدلے آج تم سلامتی میں ہو، اور آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے۔''

پانزدھم......اہل صبر درجہ امامت پر فائز ہو جاتے ہیں:﴿وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا﴾ ''ہم نے انہی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، جب کہ انہوں نے صبر کیا۔''

شانزدھم......اللہ تعالیٰ نے صبر کا ذکر فرقان حمید میں اسلام وایمان اور یقین وتقویٰ اور توکل وشکر کے ساتھ ساتھ فرمایا ہے، اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ عزوجل کے ہاں صبر کا کیا درجہ ہے۔ یہاں تک سولہ اقسام کا ذکر ختم ہو گیا، اب یہ یاد رکھیے کہ صبر ایمان کے لیے ایسا ہی ہے جیسا کہ سر بدن کے لیے ہے بدن پر سر نہ ہو تو زندگی کہاں، ایمان کے ساتھ صبر نہیں تو ایمان کہاں؟ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:﴿ خیر عیش ادرکناہ بالصبر﴾ صحیح حدیث میں ہے:﴿عجبا لامر المومن ان امرہ کلہ لہ

خیر ولیس ذلک لاحد الا لمومن ان اصابته سراء شکرو کان خیرله وان اصابته ضراء صبرفکان خیر له﴾ ''مومن کی حالت بھی عجیب سی ہے یعنی اس کی حالت سراپا خیر ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں، اگر اسے کوئی شے خوش کرنے والی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے، اور اگر اسے کوئی شے ضرر رساں پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے، اور ایسا کرنا ہی اس کے لیے بہتر ہے۔''

واضح ہو کہ صبر کے لغوی معنی حبس (روک کے) ہیں۔ محاورہ ہے (قُتِلَ فلانٌ صبرا) فلاں شخص باندھ کر مارا گیا؛ آیت ذیل میں بھی یہی معنی ہیں: ﴿واصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم بالغداة والعشی یریدون وجهه﴾ ''اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھیے جو اپنے رب کو صبح وشام پکارا کرتے ہیں اور صرف اسی کی ذات کے خواست گار ہوتے ہیں۔'' اصطلاح میں صبر کو اس لیے صبر کہتے ہیں، کہ اس میں بھی دل کو گریہ وزاری سے اور زبان کو شکوہ سے اور جوارح کو بے قراری سے روک لینا ہوتا ہے، معنی بالا کو ذہن میں رکھتے ہوئے یاد رکھو کہ صبر کی تین اصناف ہیں: صنف اول: طاعتِ الٰہی پر صبر۔ صنف دوم: معصیت الٰہی سے صبر۔ صنف سوم: امتحان الٰہی پر صبر۔

صنف اول ودوم میں انسان کے کسب کا بھی دخل ہے، مگر صنف سوم میں کسب انسانی کو کوئی دخل نہیں، سیدنا یوسف علیہ السلام کے حالات پر غور کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ باپ کی جدائی پر صبر اور چاہ میں گرادیے جانے پر صبر بھی مقامات صبر میں سے ہیں، مگر امراۃ العزیز کی بات پر انکار کرنا صبر کی اعلیٰ قسم تھا، خصوصاً جب امور ذیل کو بھی زیر نظر رکھا جائے۔ ا۔ جوانی (۲) خالی مکان (۳) مجردی (۴) نفس کے مطابق خواہش کا ہونا (۵) بے وطنی جہاں خویش اقارب کا نہ دباؤ ہوتا ہے، نہ ان کی طرف سے حیا ہوتی ہے (۶) محکومی (۷) حسین عورت کی ذاتی درخواست (۸) اس درخواست کے ساتھ ساتھ ہر قسم کا مکر وفریب (۹) لالچ اور خوشامد (۱۰) دھمکی، یہ سب ایسی چیزیں ہیں، جن کی موجودگی صدیق کے منصب صبر کو نہایت بلند کردینے والی ہیں۔ ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ صبر پر طاعات

کا درجہ صبر از پرہیز محارم سے اکمل وافضل ہے، کیونکہ نبی ﷺ کے نزدیک فعل طاعت ترک معصیت سے زیادہ محبوب ہے اور عدم طاعت کا نقصان وجود معصیت کے نقصان سے زیادہ سنگین ہے۔اب یہ بھی یاد رکھئے کہ صبر کی تین حالتیں ہیں۔(۱) صبر باللہ (۲) صبر للہ (۳) صبر مع اللہ۔

۱......صبر باللہ کے معنی یہ ہیں کہ صبر اپنے نفس کے لیے نہ ہو، بلکہ اللہ کے لیے ہو، جیسے فرمایا گیا ہے: ﴿واصبر وما صبرک الا باللّٰہ﴾ ”صبر کیجئے اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کے لیے۔“

۲......صبر للہ کے معنی یہ ہیں کہ صبر کا باعث محبت الٰہی اور ارادہ تقرب الٰہی ہو، نہ قوت نفس کا اظہار ہو اور نہ خلق خدا میں تعریف کرنے کا شوق ہو۔

۳......صبر مع اللہ کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنے نفس کو اوامرِ الٰہی اور محارم الٰہی کا مطیع بنادے جہاں چلنے کا حکم ہو چل پڑے، جہاں رک جانے کا حکم ہو، رک جائے۔ یہ صبر صدیقین کا ہے اور یہی سخت ترقسم صبر کی ہے۔

خواجہ جنید بغدادیؒ سے صبر کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا صبر تو کڑوی سے کڑوی دوا کو گھونٹ گھونٹ پینا ہے، وہ بھی اس طرح کہ پیشانی پر بل نہ آنے پائے۔ یحیٰ بن معاذؒ کہتے ہیں کہ زاہدین کے صبر سے محبین کا صبر زیادہ سخت ہوتا ہے، یعنی یار سے صبر ہونا بہت زیادہ تعجب کا موجب ہے۔

امام المحدثین امام بخاریؒ نے کتاب الادب میں نبی ﷺ سے یہ روایت بیان کی کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا: ﴿الصبر والسماحة﴾ ”صبر اور سیر چشمی۔“ اب یہ مسئلہ خوب یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حالت کا عرض کرنا بے صبری میں داخل نہیں! حضرت یعقوبؑ فرماتے ہیں: ﴿انما اشکوا بثی وحزنی الی اللّٰہ﴾ ”میں اپنی پریشانی اور اندوہ قلبی کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں۔“ ایوبؑ کی جناب احادیث میں دعا ہے: ﴿رب انی مسنی الضروانت ارحم الرحمین﴾ ”اے رب مجھے نقصان

اور ضرر آ لگا ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

نبی ﷺ کی سیرت پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حضورؐ نے احکام الٰہی کی تبلیغ اہل ایمان کی تعلیم اہل خسران کے انذار، اہل عالم کی تدبیر اور اعلائے کلمۃ الحق کی تدبیر میں کس قدر مصائب و نوائب، ہموم و غموم کی برداشت فرمائی تھی۔

کبھی حضور ﷺ کے آستان فیض پر غلاظت گرائی جاتی جس سے تشتت طبع اور پریشانی دماغ پیدا ہو، کبھی حضور ﷺ کی راہ پر گڑھا کھود کر اسے باریک باریک لکڑیوں سے پاٹ دیا جاتا، گڑھے میں کانٹے بھر دیے جاتے کہ حضورؐ جب نماز تہجد کے لیے نکلیں تو زمین سمجھ کر اس پر پاؤں رکھیں اور گڑھے میں جا گریں، کبھی حضور ﷺ کی پشت مبارک پر (بحالت سجود) اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی جاتی اور اسے کفار کی تفریح طبع کا سامان سمجھا جاتا، کبھی حضور ﷺ پر پتھر برسائے جاتے اور قرات قرآن پاک سے آپ کو روکا جاتا، کئی سال کا ایسا زمانہ بھی حضور ﷺ پر گزرا ہے، جب حضورؐ کو ایک گھاٹی میں محصور رکھا گیا ہے، اور دانہ و خورش کا داخلہ بند کیا گیا۔ یہ حضور ﷺ ہی کا حوصلہ تھا، حضورؐ ہی کا دل تھا کہ صبر کیا کہ مالک نے بھی ﴿وما صبرک الابا للّٰہ﴾ کے تمغہ سے حضورؐ کو مشرف فرمایا۔ سچ ہے ایسے ہی مقدس رسول ﷺ کے لب مبارک سے یہ زیبا تھا کہ ﴿الصبر ردائی﴾ فرماتے اور صبر کو تجمل و شان اور شوکت و وقار کا خلعت قرار دیتے۔ **صلی اللّٰہ تعالیٰ علی حبیبہ بقدر صبرہ علی بلائہ وشکرہ علی اٰلائِہٖ وبارک وسلم**

۱۰ ...... وَالرِّضَاءُ غَنِيمَتِي (رضاالٰہی میری غنیمت ہے) واضح ہو کہ رضا کہ متعلق ائمہ تصوف کے تین اقوال ہیں۔

۱...... اہل خراسان کہتے ہیں کہ رضا بھی مقامات میں سے ایک مقام کا نام ہے اور انتہائے توکل یہی ہے، اور اس مقام کو بندہ اکتساب سے حاصل کر سکتا ہے۔

۲...... اہل عراق کہتے ہیں کہ رضاء منجملہ احوال ہے، یہ مکاسب میں سے نہیں، بلکہ مواہب میں سے ہے۔

۳.....تیسرے گروہ نے ہر دو اقوال کو جمع کر دینا چاہا، وہ کہتے ہیں کہ رضا ابتدائی درجہ میں اکتسابی ہے، اور منجملہ مقامات ہے اور انتہائی درجہ میں محض عطیہ ربانی ہے، لہذا منجملہ احوال ہے، گروہ اول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل رضا کی مدح و ثنا فرمائی ہے، اور اس صفت کے لیے شوق دلایا ہے، اگر یہ مقام اکتسابی نہ ہوتا اور مقدور بشری سے باہر ہوتا، تو ایسا نہ کیا جاتا، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ﴿ذاق طعم الایمان من رضی باللّٰہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا﴾ ''ایمان کا ذائقہ اس شخص نے چکھا جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہوگیا۔'' نیز فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ الفاظ پڑھتا ہے ﴿رضیت باللّٰہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا﴾ اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں احادیث اس شان کی ہیں کہ مقامات دین کا انہی پر مدار ہے، غور کریں تو ان سے چار امور کا ثبوت ملتا ہے۔

ا.....اللہ تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت پر رضامندی۔

ب.....نبی ﷺ کی رسالت اور حضور کی اطاعت پر رضامندی۔

ج.....دین الٰہی پر رضامندی۔

د.....دین الٰہی کے سامنے تسلیم وانقیاد کا اقرار۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص میں یہ ہر چہار امور جمع ہو جائیں تو وہ صدیق ہے۔ ہاں! دعویٰ زبان سے آسان ہے مگر کامیابی امتحان دشوار ہے، خصوصاً جب کہ معاملہ یہ ہو کہ نفس کی مراد خواہش اس کے خلاف ہو۔

یاد رکھئے کہ الوہیت پر رضامندی کے معنی یہ ہیں کہ محبت وانابت اور تبتل الی اللہ میں توحید حاصل ہو خوف ہو تو اسی کا ہو۔ امید ہو تو اسی سے ہو، جملہ قوی کا انجذاب اسی کی جانب ہو، اور عبادت کا مقصود توحید فی الاخلاص ہو۔ ربوبیت پر رضامندی کے معنی یہ ہیں کہ تدبیر الٰہی کی توحید حاصل ہو، توکل واعتماد اور استعانت میں توحید ہو، اللہ تعالیٰ کے ہر ایک فعل کا خیر مقدم خوشنودی کیساتھ کرے۔

رسالت محمدیہ پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ احکام نبویہ کے مقابلہ میں اطاعت کلی اور تسلیم کلی شیوہ بن جائے اور حضور کی محبت بھری تعظیم اپنی جان سے بڑھ کر ہو۔ ہدایت اور حکم اور فیصلہ نبی ﷺ کی آستان پاک ہی سے حاصل کرے اور کسی دوسرے کی حکومت کا روادار نہ ہو، خصوصاً علوم الٰہیات کے متعلق، جہاں کسی دوسرے کا قول چل ہی نہیں سکتا۔

اسلام پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ جب اسلام کا کوئی حکم از قسم امر یا نہی ملے، اسے پورے انشراح خاطر سے قبول کرے اور اس کے خلاف اگرچہ وہ کتنے ہی معروف عالم کی طرف منسوب ہو، ہرگز قبول نہ کریں۔ اس مقام پر پہنچ کر بہت سے نام کے عالم یا صوفی و درویش یا شیخ تم کو مخالفت کرتے ہوئے نظر آئیں گے، مگر رضا باسلام تو یہی ہے کہ جو حکم اسلام کا نہیں، اس پر ہرگز اہل ایمان کو یقین یا اطمینان نہیں کرنا چاہیے۔

اب یہ یاد رکھئے کہ رضا کا مقام توکل وتفویض اور تسلیم کے بعد آتا ہے اور چونکہ اس کے حصول میں صعوبت تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی فرضیت کا حکم نازل نہیں فرمایا، البتہ اس کا شوق ضرور دلایا ہے، یحییٰ بن معاذؒ سے سوال ہوا کہ مسلم مقام رضا کیوں کر حاصل کرسکتا ہے۔ کہا جب وہ چار باتوں میں پختہ ہو جائے۔ (۱) عطا کو قبول کرے (۲) عدم عطیہ میں راضی رہے (۳) انقباض میں عبادت کرے (۴) انشراح میں حاضر درگاہ رہے۔

سیدنا امام حسین بن علیؓ سے کسی نے ذکر کیا کہ ابوذرؓ یوں کہتے ہیں کہ ان کو فقر غنی سے اور مرض صحت سے زیادہ محبوب ہے۔ امام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوذرؓ پر رحم فرمائے، میرا قول تو یہ ہے کہ جس شخص کا اعتماد اللہ تعالیٰ کے بہترین انتخاب پر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی پسند کے سوا اور کسی شے کی تمنا ہی نہ کرے گا۔

فضیل بن عیاضؒ نے بشر حافیؒ سے فرمایا تھا۔ ''رضا کا درجہ زہد سے برتر ہے، کیوں کہ جو راضی ہے وہ اس حالت سے دوسری حالت کا آرزومند ہی نہیں۔'' امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھ کر بھیجا تھا: ﴿الخیر کلہ فی الرضا فان استطعت ان ترضی والا فاصبر﴾ ''رضا میں تو سراپا خیر ہے اگر تم میں استطاعت ہے تو

اس درجہ میں رہو، ورنہ "صبر" کیا کرو۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: ﴿یایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی﴾ "اے اطمینان والے نفس، اپنے رب کی طرف رجوع کر، دراں حالیکہ تو رضا والا ہے اور رضا حاصل کردہ ہے، اب میرے بندوں میں شامل ہوجا، میری جنت میں داخل ہوجا۔"

یہ وہ قول ہے جو دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی بندہ سے کہا جائے گا، اور میدانِ قیامت میں بھی اسی کلمہ سے مومن کو مسرور الوقت کیا جائے گا، اللہ پاک کے پسندیدہ عباد کی جماعت میں داخلہ اور جنت میں پہنچنا، ہر دو انعام راضی و مرضی ہونے کی صفت پر ہیں۔

۱۱. وَالْعَجْزُ فَخْرِی (عاجزی میرا فخر ہے) عام طور پر مشہور تو یہ الفاظ ہیں الفقر فخری لیکن ماہرین علم الحدیث نے ظاہر کردیا ہے کہ الفقر فخری کے الفاظ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔

صاحب مجمع البحار نے بھی والعجز فخری کے الفاظ کو بیان کیا ہے جیسا کہ حدیث زیر شرح میں موجود ہیں۔ عجز کے معنی درماندگی ہیں اور کسی مفوضہ کام کو نہ کرسکنا، اس کے مفہوم میں داخل ہے، مفوضہ کام نہ کرسکنے کو کوئی مناسبت نبی ﷺ کی ذات اقدس سے نہیں ہوسکتی، کیوں کہ حضور کی حیات طیبہ تو سراپا سعی، مکمل جہد اور کامل عمل کا نمونہ رہی ہے۔

لہٰذا عجز سے مراد عجز بہ درگاہِ احدیت ہے اور یہی معنی رب العالمین کے جاہ وجلال اور خاتم النبیین کے مقام واحوال پر صادق آتے ہیں۔ اہل ثروت کے حال پر نگاہ ڈالئے کہ دنیا میں تھوڑی سی کامیابی کے بعد ان کے غرور وپندار کی کیا حالت ہوتی ہے اور رسول اعظم ﷺ کی سیرت کو بھی غور سے دیکھئے۔ وہ رسول ﷺ جس کی نصرت وتائید زمین کے ہر ذرہ اور آسمان کے ہر ستارہ سے ہوتی ہو، جس کا حکم نفوس پر فرماں روا ہو، جس کی عظمت سے مابین السماء والارض پر آوازہ ہو وہ لحہ بہ لحہ لحظہ بہ لحظہ عجز وافتقار اور تضرع وانکساری ہی کے تحیات وطیبات درگاہ احدیت اور آستان صمدیت پر پیش کررہا ہے، اور افتقار کو افتخار سمجھ رہا ہے۔

نبی ﷺ کی سکھلائی ہوئی دعاؤں کے کلمات زاکیات کو دیکھئے جن سے غفلت قلب کا نور اور حجاب روح دور ہو جاتا ہے، کہ غافل سے غافل شخص کا دل بھی جاگ اٹھتا ہے اور بے اختیار سطوت الٰہی اور احتشام لم یزلی کے سامنے جھک پڑتا ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک دعا کا اندراج کیا جاتا ہے، ناظرین اس کے اسلوب بیان پر غور کریں علومکانی کا اندازہ کریں اور دیکھیں کہ جس دل کی زبان سے یہ الفاظ نکلے وہ خود بھی اظہار عجز اور نیاز کو اپنے لیے کس قدر مایہ ناز وفخر وامتیاز سمجھتا ہے اور متبعین کو بھی کس نمونہ پر تیار کرنا چاہتا ہے۔

﴿اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَرٰی مَکَانِیْ وَتَسْمَعُ کَلَامِیْ وتَعْلَمُ سِرِّیْ وعَلَانِیَتِیْ ولایَخْفٰی علَیْکَ شیءٌ مِن اَمْرِی واَنَا الرَّجل الْمُشْفِقُ وَمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِیْ واَنَا الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتجِیْرُ اَسْاَلُکَ مَسْئَلَةَ الْمِسْکِیْنِ وَابْتَھِلُ اِلَیْکَ اِبْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَاَدْعُوْکَ دُعَاءَ الخَائِفِ الضَّرِیْرِ وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُهٗ وَفَاضَتْ لَکَ عَبْرَتُهٗ وذَلَّ لَکَ جِسْمُهٗ وَرَغِمَ لَکَ اَنْفُهٗ اَنْ لَّاتَجْعَلْنِیْ بِدُعَائِکَ شَقِیًّا وَکُنْ لِیْ رَئُوْفًا رَحِیْمًا یَا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَیَاخَیْرَ الْمُعْطِیْنَ﴾

”یا اللہ تو مجھے میری جگہ پر دیکھ رہا ہے اور میرا کلام سن رہا ہے، میری پیدا و پنہاں کو خوب جانتا ہے میری کوئی بات بھی تجھ سے پوشیدہ نہیں، میں تو کانپنے والا، ڈرنے والا ہوں، میں اپنی کمزوری کا اقرار واعتراف کرتا ہوں میں تو فریادی اور پناہ کا خواہاں ہوں، تجھ سے مسکین بن کر سوال کرتا ہوں گنہگار ذلیل کی طرح تیرے سامنے چلاّ رہا ہوں، نابینا خوفزدہ کی طرح مدد کی پکار کرتا ہوں میری پکار اس شخص کی سی ہے، جس کی گردن نیچی ہو جس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوں، جسم جھک گیا ہو اور ناک زمین پر رگڑ رہا ہو، اے معبود مجھے محروم نہ رکھنا، میرے ساتھ رافت اور رحم کا برتاؤ کرنا، اے مالک تو سب سے بڑھ کر فریادرس ہے تو سب سے بڑھ کر جود وعطا کرنیوالا ہے۔“

اللہ اکبر! یہ معرفت کا وہ سبق ہے کہ اگر کوئی اہل ایمان دل اور زبان کے اس عجز وبیان کے ساتھ بارگاہ منان میں حاضر ہو تو ضروری ہے کہ رحمت اس کی دستگیری فرمائے

،محبت اس کی شمع راہ بنے ،اخلاص وصداقت اسے خاک سے اٹھا کر کرسی قبول وعزت پر بٹھلائے۔

۱۲. وَالزُّهْدُ حِرْفَتِيْ (زہد میرا پیشہ ہے) حرفت، اس صنعت یا وجہ کسب کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے گزارہ کا ذریعہ بنائے ،زہد اصل لغت میں عدم رغبت کو کہتے ہیں سورہ یوسفؑ میں ہے:﴿و کانوا فیه من الزاھدین﴾ ''قافلہ والوں کو یوسفؑ کے پاس رکھنے کی رغبت نہ تھی۔'' اصطلاح شرعیہ میں دنیا اور مال ومتاع دنیا سے رغبت نہ رکھنے کو زہد کہتے ہیں۔بعض نے کہا ہے، زہد یہ ہے کہ نہ موجود پر اعتماد ہو اور نہ مفقود پر تاسف ہو۔

امام المحدثین احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں، زہد کی تین اقسام ہیں۔

۱......ترک حرام، یہ عوام کا زہد ہے۔

۲......حلال میں سے زائد شے کو چھوڑ دینا، یہ خواص کا زہد ہے۔

۳......ہر ایک ایسی شے کا ترک کر دینا جو توجہ اِلی اللہ سے روکنے والی ہو، یہ عارفین کا زہد ہے۔ چنانچہ حدیث کے ہر دو الفاظ پر غور کیجئے۔حرفہ تو اس طریقہ کو کہتے ہیں جسے انسان اپنی معاش کے لیے لازم ٹھہرائے اور یہاں نبی ﷺ نے ''زہد'' ہی کو اپنا حرفہ بتلایا، تو اس کے معنی یہ ہو گئے کہ اپنی توجہ کو ان سب اشیاء جملہ اسباب اور وسائل سے جو ماسوی اللہ کی طرف لے جانے والے ہیں، ہٹا کر پورے اہتمام اور پوری ہمت سے اللہ ہی کی طرف توجہ کر لی جائے وسائل اور وسائط کو ہیچ پوچ سمجھ لیا جائے وہ اعتماد جو پروردگار پر ہے، سامان حاضرہ کو موجب طمانیت نہیں بنا سکتا اور اسی سامان کا فقدان قلب میں کوئی تشویش نہیں پیدا کر سکتا۔ یہ زہد کی بلند ترین صورت ہے اور اس زہد پر یہ اعتراض بھی عائد نہیں ہو سکتا کہ زہد تو اکتسابی ذرائع کا مانع ہے یا زہد تو اصول تمدن کی مخالفت کا نام ہے۔

۱۳. وَالْيَقِيْنُ قُوْتِيْ (یقین میری روزی ہے) واضح ہو کہ کتاب حمید میں یقین اور اہل یقین کا بیان آیات متعددہ میں ہوا ہے﴿والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاٰخرہ ھم یوقنون ،اولٰئک علیٰ ھدی من ربھم

واولئک هم المفلحون﴾ ''جولوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو تجھ پر اتارا گیا، نیز اس پر جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت ربانی پر ہیں اور یہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

آیات بالا پر غور کیجئے کہ ہدایت اور فلاح کو یقین ہی کا ثمرہ بتلایا گیا ہے **﴿وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا و كانوا باياتنا يوقنون﴾** ''ہم نے انہی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔''

آیت بالا میں امامت فی الدین کے منصب کو صبر اور یقین کے اتحاد کا نتیجہ فرمایا گیا ہے: **﴿وفي الارض أيات للموقنين وفي انفسكم﴾** ''یقین والوں کے لیے زمین میں اور خود ان کے نفس کے اندر نشانیاں موجود ہیں۔''

آیت بالا میں بتایا گیا ہے کہ آیات ربانی کا مشاہدہ اور اعلامات سبحانی کا معائنہ اور پھر اس مشاہدہ و معائنہ سے نفع کا حاصل کرنا اہل یقین ہی کے لیے حاصل ہے۔

الغرض جو درجہ روح کا جسم انسانی میں ہے وہی درجہ یقین کا پیکر ایمانی میں ہے، یقین ہی اعمال قلب کی روح ہے، یقین ہی حقیقت صدیقیت ہے، علماء میں اختلاف ہے کہ یقین کسبی ہے یا وہبی ہے، ہمارے نزدیک بلحاظ اسباب تو کسبی ہے اور بہ لحاظ اصلیت وہبی ہے۔ سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ مکاشفہ سے ابتدا ہوتی ہے، اور پھر انسان معائنہ و مشاہدہ کے مدارج کو طے کرتا ہوا یقین تک پہنچ جاتا ہے۔ ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ یقین کی علامات تین ہیں۔

۱.....لوگوں سے میل جول کم ہو۔

۲.....کسی کے عطیہ پر مدح نہ کرے۔

۳.....کسی کے نہ دینے پر اس کی مذمت نہ کرے۔

انہی کا ارشاد یہ بھی ہے، یقین کی حقیقت یہ ہے کہ ہر شے میں نظر الی اللہ ہو، ہر

معاملہ میں رجوع الی اللہ ہو، ہر حالت میں استعانت باللہ ہو۔

واضح ہو کہ اگر مراتب یقین کی تفصیل کی جائے تو وہ تین ہیں: مرتبہ اولی میں اوامر ونواہی، علم معاد، علم الاسماء والصفات داخل ہیں اور جب بندہ کو ان علوم کی حقانیت وصدق پر وثوق کلی ہو جاتا ہے تو اس مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے، مرتبہ ثانیہ میں استدلال کی ضرورت نہیں رہتی، دلیل فضول سمجھی جاتی ہے اور سماعت کا مقام رویت حاصل کر لیتی ہے، اس کو عین الیقین کہتے ہیں۔ مرتبہ ثالثہ میں خود آفتاب حقیقت نور بیز ہوتا ہے، کلفت یقین جاتی رہتی ہے، حقانیت اپنے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے، اسے حق الیقین کہتے ہیں اور یہ درجہ صرف انبیاءؑ کا ہے انہی کی چشمِ ظاہر بین کے سامنے جملہ اسرار وخفایا منکشف ہوتے ہیں اور انہی پر علوم معاد کا ظہور ایسا ہوتا ہے، جیسے دوسروں کے لیے مادی اشیاء کا شہود۔ اب یہ غور کیجئے، کہ حدیث زیر شرح میں نبی ﷺ نے یقین کو اپنی غذا فرمایا ہے، یہ ظاہر ہے کہ غذا ہی پر جسم کا نشو ونما ہے اور غذا ہی سے جسم کی پرورش ہوتی ہے۔ یقین کو غذا بتلانا ظاہر کر رہا ہے کہ حضورؐ اسبابِ مادیات سے کس قدر دور تھے، حضورؐ کی قوت یقین کا اندازہ کرنے کے لیے صحابہ کی قوت یقینیہ کا اندازہ کیجئے۔

ایک صحابی جنگ احد میں خوشہ انگور ہاتھ میں لیے ہوئے انگور کھا رہے تھے عزم یہ تھا کہ انگور کھا کر اور طاقت جسمانی بڑھا کہ شریک معرکہ ہوں گے، انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا کہ شہادت کا ثمر جنت علیا ہے یہ سن کر انہوں نے انگوروں کی طرف دیکھا، پھر کہا کہ ان کے ختم کرنے میں تو دیر لگے گی، میں جنت کے لیے اتنی دیر کیوں کروں، یہ کہہ کر انگور پھینک دیے اور رزمگاہ میں پہنچے اور جوہر شجاعت دکھلاتے ہوئے بزم گاہ رضوان کو جا سدھارے۔

نقیب محمدیؐ عبداللہ بن رواحہ انصاری کا حال بھی انہی سے ملتا ہوا ہے دشمن پر حملہ پر حملہ کر رہے تھے کہ ان کا چچرا بھائی یخنی لے آیا، کہا یہ تھوڑی سی پی لو، طاقت پا کر زیادہ لڑ سکو گے پیالہ ہاتھ میں لیا دو تین گھونٹ لے کر برتن پھینک دیا کہ مجھے اپنے احباب سے جلد تر ملاقات کرنا ہے۔ سچ ہے کہ یقین شکوک واوہام کے حجاب کو چاک کر دیتا ہے، اس وقت

چہرہ حقیقت بے نقاب ہو جاتا ہے، روایت ایمانی کا درجہ بصارت عینی سے بالا تر پہنچ جاتا ہے، اور ایسا دیدہ ور شخص مغیبات کو مشاہدات سمجھتا ہوا حقائق اصلیہ اور معارف روحانیہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

۱۴. وَالصِّدْقُ شَفِيْعِي (صدق میرا ساتھی ہے)

جب ایک شخص کے ساتھ اس کو اغراض و مقاصد میں متفق و متحد ہو کر دوسرا شخص شامل ہو جاتا ہے تو وہ پہلے شخص کا شفیع کہلاتا ہے، لغت میں شفیع بمعنی جفت آتا ہے، کتاب حمید میں ہے ﴿والشفع والوتر﴾ صدق، ہر شے کی اصلیت اور کمال کو کہتے ہیں، الفاظ ذیل پر غور کیجئے:۔

۱...... عزم صادق، اسی ارادہ کو کہیں گے جو تام وقوی ہو۔

۲...... محبت صادق، اسی محبت کو کہیں گے جو کامل واصلی ہو۔

۳...... خبر صادق، وہی اطلاع ہے جس میں اصلیت کے سب اجزا کامل وقوی ہوں، قرآن مجید میں صدق کے کئی مقامات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ نبی ﷺ کو یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے ﴿رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا﴾ ''اے رب! مجھے خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائیو اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیو جس کے ساتھ نصرت ہو۔''

اس دعا میں مدخل صدق اور مخرج صدق کا سوال سکھلایا گیا ہے۔ مدخل صدق سے مراد بندہ کی وہ توجہ ہے، جو اللہ کے لیے اللہ کی جانب اور احکام الٰہی کی جانب بندہ کیا کرتا ہے، اس توجہ میں شائبہ ریب وشک نہیں ہوتا، اس کی ترقیات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی، نبی ﷺ کا داخلہ مدینۃ المنورہ بھی اسی مدخل صدق میں داخل ہے، جس کی برکات وانوار لا انتہاء ہیں۔ مخرج صدق سے مراد بندہ کی وہ عزیمت ہے جو ہوا وہوس اور اقتضائے طبع ونفس سے منہ موڑ کر اور امور خاکی سے دامان دل کو جھاڑ پچھوڑ کر سب سے الگ ہو جاتا ہے۔ کوئی حجاب، کوئی رسم، کوئی امید منفعت، کوئی خوف وضرر بندہ کو اس خروج صدق

سے روک نہیں سکتا۔ نبی ﷺ کا مکہ چھوڑ دینا، وطن سے دوری، تعلقات سے بے تعلقی، راہ ہجرت کی بادیہ پیمائی اسی مخرج صدق میں داخل ہے۔ اور ارشادِ پاک ہے: ﴿وبشر الذین اٰمنوا ان لھم قدم صدق عند ربھم﴾ ''اور جو ایمان لے آئے ان کو بشارت سنایئے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔''

آیت بالا میں قدم صدق کے وجود کی اطلاع اور بشارت دی گئی ہے۔ قدم صدق سے مراد وہ اعمال صالحہ اور افعال حسنہ ہیں، جو فرمان پذیر بندہ نے اپنی حیات فانی میں ادا کیے اور قبر میں جانے سے پیشتر بارگاہ رب العزت میں بھیج دیے گئے۔ تقدیم اعمال تو مومن وکافر مطیع وفاسق سب ہی کی طرف سے ہوتی ہے مگر قدم صدق کا اطلاق سب مومن ہی کے اعمال پر ہوتا ہے۔

سیدنا حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں ہے: ﴿واجعل لی لسان صدق فی الاٰخرین﴾ ''اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ۔'' یہاں لسان صدق کی دعا فرمائی ہے لسان صدق سے مراد ثناء حسن ہے، یہ اس بندہ کے لیے بہ طور جزائے حسن عطا ہوتی ہے جس کے افعال واعمال اور اقوال اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں معیار صدق پر پورے اترتے ہیں۔

١٥. وَالطَّاعَةُ حَسَبِیْ (طاعت کرنا میری عزت ہے) طوع (جس سے طاعت بنا ہے) کے معنی انقیاد امر اور اتباع حکم ہیں، جب کہ مطیع اس حکم کی تعمیل پورے پورے انشراح صدر اور نشاط قلب سے کر رہا ہو۔ حسب، وہ بزرگی جو مال یا دین یا صفات حسنہ اور اخلاق فاضلہ یا سخاوجود کی وجہ سے حاصل ہو۔

حدیث بالا میں صنعت تضاد موجود ہے، یعنی عام طور پر لوگ ان اشیاء کو باعث بزرگی وبرتری سمجھا کرتے ہیں جس میں اوروں پر تفوق پایا جاتا ہو۔ لیکن نبی ﷺ نے بندگی وفرماں برداری کو اپنے لیے باعث برتری وتفوق قرار دیا ہے۔ بیشک یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ انبیاءؑ کے گوہر گرامی میں عموماً اور امام الانبیاء سرور عالم کے عنصر پاک میں خصوصاً اس کا

ظہور اور نور نظر آتا ہے۔

صلح حدیبیہ میں کفار نے ایک شرط یہ بھی کی تھی کہ جو شخص قریش میں سے مسلمان ہو کر مسلمانوں سے جا ملے گا، اسے قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا، مگر جو شخص مسلمانوں میں سے نکل کر کفار میں جا ملے گا وہ مسلمانوں کو واپس نہ دیا جائے گا۔

شرط مذکور اپنے ظاہری الفاظ میں ذلت آمیز نظر آتی ہے، لہٰذا عمر فاروقؓ، اسید بن حضیرؓ، سعد بن عبادہ اور سہیلؓ بن حنیف جیسے غیرت مندان اسلام نے جو شبانہ روز "اعز الاسلام و المسلمین" کا ورد رکھتے تھے۔ اس شرط کی حمیت مسلمین اور عزت اسلام کے منافی سمجھا۔ جب انہوں نے اس بارے میں حضورؐ سے اپنی رائے کا اظہار کیا تو حضورؐ نے نہ ان کے دلائل کی تردید کی اور نہ ان کے اقوال کی تضعیف، بلکہ زبان عالی سے یہ فرمایا: ﴿انی رسول الله ولست اعصیه وهو ناصری﴾ "میں اللہ کا رسول ہوں میں اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا، وہی میرا مددگار بھی ہے۔"

اس سے صاف روشن ہو گیا کہ نبی ﷺ کس قدر زیادہ طاعت و انقیاد الٰہی کے پابند تھے کہ حمیت و حمایت ظاہری اور وقار عزت عینی، نو مسلموں کی جنبہ داری یا مرتدین کی تعزیر کے مسلمہ اصول بھی حضور ﷺ کو ذوق اطاعت اور کمال انقیاد سے الگ نہ کر سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اس حسنِ عمل کا بدل اسی جنس عمل کی صورت میں حضور ﷺ کو ارزانی فرمایا، اور حضور ﷺ کی اطاعت کو جملہ عالم و عالمیان پر فرض عین ٹھہرایا، فرمایا: ﴿من يطع الرسول فقد اطاع الله﴾ "جس نے محمد رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی بھی اطاعت کی۔" اور فرمایا ﴿ان تطیعوه تهتدوا﴾ "اے لوگو! اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پالو گے۔"

۱۶. وَالْجِهَادُ خُلُقِیْ (جہاد میری خصلت ہے) جہاد، پوری کوشش سے کوئی کام کرنا، محنت، طاقت اور توجہ کو کسی کام میں لگا دینا خلق، طبیعت، جبلت، پیدائشی خصلت۔

جہاد شرعیہ کی دو اقسام ہیں: جہاد بالمال جہاد بالنفس، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وتجاهدون

فی سبیل اللّٰہ باموالکم وانفسکم﴾ ”اللہ کی راہ میں مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔“ مال کی قربانی بھی سخت دشوار ہے، اور ایثار جانی بھی سخت مشکل، بہت لوگ جان کے بچاؤ میں مال کی پروانہیں کرتے اور اکثر ایسے ہیں جو مال کے لیے جان کو بھی ہلاکت میں ڈال دینا آسان سمجھتے ہیں، جہاں مال اور جان دونوں کے نثار کرنے کا سوال ہو، وہاں پورا اترنا اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں ہی کا کام ہے، بساوقات یہی مال وجان انسان کو اس کے فرائض ذاتی وقومی اور واجبات اخلاقی ودینی کے ادا کرنے میں سخت حائل ہوجایا کرتے ہیں لیکن راہ خدا کے فدائی ہر شے کو اپنے مولیٰ کی رضا پر قربان کردیتے ہیں، قرآن مجید کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے: ﴿وجاھدوا فی اللّٰہ حق جھادہ﴾ ”اللہ کے بارے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔“

اس جہاد سے مراد علم الٰہی کی تحصیل، رضائے ربانی کا حصول، تقرب سبحانی کا شوق، مدارج وحی کا ارتقاء مراد ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس جہاد میں صرف طاقت اور اخلاص توجہ بمعنی لغوی اور ایمان وعمل صالحہ بمعنے شرعی بہمہ وجوہ درکار ہیں۔ جہاد کے معنی اعدائے دین کو تحت میں لانا، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے وسائل مالی وجانی کو مجتمع کردینا بھی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت پاک پر نگاہ ڈالیے کہ جہاد کی ان جملہ اقسام میں حضور ﷺ جملہ افراد امت سے کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کا عزم وارادہ اور نیت وتمنا، حضورؐ کا آرام وقیام اسی جہاد فی اللہ کے لیے تھا، وہ آسودگی وآرمیدگی جو خاصہ اہل حکومت ہے۔ وہ ذہن وضعف جو لاحق احوال امراء ہے۔ وہ کسل وجمود جو محبوب مترفہین ہے، ان میں سے کسی کا بھی کوئی اثر ذات گرامی پر نہ تھا، جدوجہد، سعی وطلب، ارتقاء اور ارتفاع، سوز وگداز، حزن وشوق حضور کے خدام دربار تھے، اور اسی اسوۂ عالیہ کا فیضان تھا کہ صحابہ کرام خویش وتبار سے، زن واولاد سے جدا، ضیاع وزرع سے دور، آرام وآسائش سے نفور ہوکر ہمہ تن، ہمہ دل جہاد فی اللہ میں مشغول تھے، اسی صفت عالیہ کے تحت میں انہوں نے وطن کو خیرباد کہا اور زیست دنیوی کو حیات دنیا قرار دیا، وطن سے نکلے اور تمام دنیا کو ہمت

بلند، عزم راسخ، طلب صادق، سعی موفور کی ایسی تعلیم دے گئے کہ مشرق سے مغرب تک ﴿کلمة الله هی العلیا﴾ کا آوازہ بلند ہو گیا۔

اسی نمونہ کا نتیجہ تھا کہ لوگوں نے دنیا کا دار العمل ہونا سمجھ لیا۔ انفاس کا پاس ہونے لگا، حیات ارضی کے بعد حیات روحی کا نظارہ آنکھ کے سامنے ہو گیا۔ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ مدت قلیل میں فوائد کثیرہ، فتوحات عظیمہ، غنائم وافرہ، نتائج عالیہ حاصل ہو گئے۔ کاش! مسلمان اسی علم و عمل کو مال زندگی سمجھیں اور سعی وطلب کو اپنی جبلت وفطرت بنالیں اور وہ بھی دنیا کی زندہ اقوام میں زندہ کہلانے کا لقب حاصل کر سکیں۔

نہیں نہیں، دنیا میں آج زندہ اقوام کہلانے والی قوموں کا مطمع نظر بہت پست ہے، اہل ایمان کو اپنی نیت وفعل اور عزم و عمل کے لحاظ سے اپنی ہمت کو بہت بلند رکھنا ضروری ہے تاکہ انہیں انبیاء وصدیقین اور شہداء کی معیت حاصل ہو جائے اور سعادت دارین کا تاج جسے تاج خلافت بھی کہا جاتا ہے ان کے سر پر رکھا جائے۔

۱۷. وَقُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) حج عمر میں ایک دفعہ ہے ادائے زکوٰۃ کے لیے سال میں ایک دن کا مقرر کر لینا کافی ہے صومِ رمضان گیارہ ماہ کے بعد آتے ہیں۔ مگر نماز ایک دن میں پانچ دفعہ پڑھنا فرض ہے، سات برس کے بچے کو نماز پر لگانے اور دس برس کے بچے کو ترک نماز پر تادیب کرنے کا حکم ہے، سفر ہو یا مرض، مفلسی ہو یا امیری، اسیری ہو یا آزادی، نوکری پر ہو یا گھر پر فرض نماز کسی وقت اور کسی جگہ ساقط نہیں ہوتی، جب تک ہوش وحواس درست ہیں، نماز کی فرضیت قائم رہتی ہے، اعمال میں نماز سب سے پہلے فرض ہوتی اور سب سے اخیر تک فرض رہتی ہے، نماز ہی کی بابت سب سے پہلے سوال بروز محشر ہوگا۔

عمادِ دین نماز ہے، شوکت اسلام نماز ہے، اسلام کا خیمہ اسی چوب پر استادہ ہوتا ہے، مسجدوں کی تعمیر، اذانوں کا اعلان، خطیب اور پیش اماموں کا تقرر، سب کچھ نماز کے لیے ہے، حفاظ قرآن کی عزت، محراب مسجد سے آشکار ہوتی ہے، اور علمائے دین کی فضیلت منبر

مسجد سے نمودار ہے۔ نماز ہی اجتماع و تنظیم کی سبق آموز ہے، اور نماز ہی پابندی اوقات کا خوگر بنانے والی ہے، نماز ہی مختلف المزاج افراد کو واحد مرکز پر لاتی ہے، اور نماز ہی قوم کے پسند کردہ امیر کی اطاعت کا عملی سبق پڑھاتی ہے۔

نماز بندہ کو بدن، لباس اور مقام کو پاک و پاکیزہ اور صاف و مجلیٰ رکھنے کا ذریعہ ہے، نماز ہی سحر خیزی سکھلاتی ہے، اور نماز ہی بیہودہ تھیٹروں، تماشاؤں میں انسان کی صحت اور روپیہ اور وقت کی حفاظت کرتی ہے، نماز ہی دل میں ایک ایسی کشش پیدا کر دیتی ہے، جس سے دل کا تعلق رب العالمین کی حضوری سے ہو جاتا ہے۔ نماز ہی ہر انسان کو دربار الٰہی میں حاضر ہو سکنے کا اعزاز عطا کرتی ہے اور نماز ہی انسان اور رب میں سرگوشی و ہم کلامی کا رز کھول دیتی ہے، نماز ہی کمال عبودیت ہے اور نماز ہی تکمیل انسانیت، نماز ہی اخلاق حسنہ کی ہادی ہے اور نماز ہی عادات سیہ کی سپر ہے، نماز ہی مغفرت و رحمت ہے اور نماز ہی برہان ہے، نماز ہی سے رب العالمین کے عالم گیر علم و قدرت کا یقین مستحکم ہوتا ہے اور نماز ہی سے فرزندان اسلام کی عالمگیر اخوت کا سلسلہ پائدار رہتا ہے، نماز ہی سے احسانیات کے مراتب طے ہوتے ہیں، اور نماز ہی سے تجلیات حضور کی اشاعت نور ہوتی ہے، جس دین میں نماز نہیں وہ دین، دین ہی نہیں، مومنین کے لیے نماز کو معراج فرمایا گیا ہے، اور حالت سجدہ کو بندہ کا بارگاہ سبحانی سے قریب تر ہونا بتلایا گیا ہے۔ بزرگان دین سمجھتے تھے کہ چنچل من صرف نماز ہی میں سکینہ یاب ہوتا ہے اور ہر وقت سوچنے والا دماغ صرف نماز ہی میں انابت الی اللہ کا مزہ پاتا ہے، نماز ہی ہے جس کا اثر انسان کے جسم اور دل اور دماغ اور نفس روح اور سر اور اخفیٰ پر یکساں پڑتا ہے اور نماز ہی ہے جو بہ حالت ارتعاب انسان کو ملکوتی صفات بنا دیتی ہے۔

جملہ ادیان پر جو فضیلت اسلام کو ہے ازاں جملہ یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ اسلام ہی بندہ کو پانچ وقت اللہ کے حضور میں لے جاتا اور بے واسطہ دیگر براہ راست عرض معروض کا موقع عطا کرتا ہے، جب نماز کی یہ برکات عامۃ المسلمین کے لیے ہیں۔ تو کچھ شک نہیں رہ

جاتا کہ نبی ﷺ کی نماز اپنی نورانیت میں سارے جہان کی نمازوں سے اعلیٰ و برتر تھی۔ایک مذنب ذلیل، خائب وخاسر کی عبادت کو ایک مصطفیٰ ومجتبیٰ سید الوریٰ، حبیب رب العلیٰ کی نماز کے ساتھ کیا مناسبت ومشابہت ہوسکتی ہے۔البتہ حدیث پاک سے اس قدر مستنبط ہوا کہ نبی ﷺ کے کلمہ خوانوں کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہی کو بنانا چاہیے، جیسا کہ حضورؐ رسالت مآب نے نماز کو قرۃ العین فرمایا ہے، صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم

(بحوالہ معمولی ردّ وبدل کے ساتھ رحمۃ للعٰلمین جلد سوم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

خصوصیت نمبر ۵۶

رسولِ اکرم ﷺ کی جان مبارک کی اللہ تعالیٰ نے خود قسم اٹھائی ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھپن نمبر خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی جان مبارک کی اللہ تعالیٰ نے خود قسم اٹھائی ہے" بے شک دیگر خصوصیات کی طرح یہ بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے، جبکہ دیگر انبیاء کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایسی قسم نہیں اٹھائی، تو معلوم ہوا کہ یہ بھی صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کا خاصہ ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں قرآن و حدیث کی روشنی میں ہم نے آپ ﷺ کی اس خصوصیت کو تفصیل سے بیان کیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی سنتوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

چھپن نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے، آپ ﷺ سے زیادہ اکرام واحترام کسی کو بارگاہِ رب العزت میں حاصل نہیں، ایک تو یہ کہ صرف اور صرف آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کیا گیا اور دوسری طرف حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی جان کی قسم کھائی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون﴾ (سورۂ حجر) "اے نبی ﷺ! آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔"

یہ قسم اس تاریخی لمحے اور منظر کی توثیق کے لئے کھائی ہے، جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والے ان کے مہمانوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتے تھے، اور حضرت لوط علیہ السلام ان سے کہہ رہے تھے کہ: "لوگو! مجھے رسوانہ کرو۔" یہ عذاب سے پہلے کی ساعت تھی اور

پھر سورج نکلتے نکلتے سخت آواز کے دھماکے نے ان کو آلیا اور اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ اس واقعے کی صحت اور شدت کے اظہار کے لئے رب العزت نے اپنے رسول ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابو نعیم اور ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات و کائنات میں کسی کو محمد مصطفیٰ ﷺ سے زیادہ عزت و مرتبہ عطا نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر یا فرشتے کی حیات پر کوئی قسم نہیں کھائی اور اس آیت میں رسول کریم ﷺ کی عمر و حیات کی قسم کھائی ہے جو آنحضرت ﷺ کا انتہائی اعزاز و اکرام ہے۔ (بحوالہ معارف القرآن)

مناسب ہوگا کہ اس موقع پر قرآن حکیم کی قسموں پر مختصر گفتگو کی جائے۔ قرآن حکیم کی قسمیں قرآنی مطالعے کا ایک مستقل عنوان اور باب ہیں۔ اس موضوع پر حافظ ابن قیمؒ کی تالیف التبیان فی اقسام القرآن نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اپنی تالیف الاتقان فی علوم القرآن کی نوع ۶۷ میں قرآن کریم کی قسموں پر کلام کیا ہے۔

قسم سے خبر کی تحقیق اور تو کید مقصود ہوتی ہے، ''وٗ'' حرف قسمیہ ہے، لیکن خبر سے بھی قسم کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ مثلاً ﴿واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون﴾ (سورۃ یوسف)

''اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ بیشک منافقین جھوٹے ہیں۔'' اللہ رب العزت نے یوں اس پیرائے میں اپنے قسم کھائی ہے۔

تحقیق و توکید کے علاوہ قسم، محاورۂ اہل عرب کا اہم حصہ تھی، اور قرآن حکیم محاورہ عرب کی بے مثال مثال ہے۔

ہمارے لئے اللہ کے سوا کسی مخلوق کی قسم کھانا منع ہے۔ ہمارا شاہد اور گواہ وہی ہے جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور کائنات کی ہر چیز خواہ ابھی وقوع پذیر بھی نہ ہوئی ہو اس کے دائرہ عمل میں شامل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو زیب دیتا ہے کہ وہ اپنی ذات عالیہ کے علاوہ اپنی مخلوق کو بھی اپنے قول کی شہادت کے طور پر پیش کرے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے سات

مقامات پر اپنی ذات کی قسم کھائی ہے۔

قرآن عظیم میں ارض وسماوات، فرشتوں، مقاماتِ مقدسہ، ستاروں، سورج کی چڑھتی ہوئی روشنی، رات (اور اس کی نشانیوں) کی قسم کھائی گئی ہے اور ان چیزوں کی قسم جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور اقتدار کی مظہر ہیں۔ مخلوقات کی قسموں میں ایسے مقامات بھی ہیں جہاں مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ''تین'' اور ''زیتون'' کی قسموں میں رب محذوف ہے۔ ''ورب التین'' اور ''رب الزیتون'' یہ بات بدیہی اور بہت واضح ہے۔ فاعل کے بغیر مفعول کا وجود ممکن نہیں۔

قرآن حکیم کی قسموں کا ان مضامین وموضوعات سے گہرا رشتہ ہے جو قسم کے بعد پیش کئے گئے ہیں۔ جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے وہ اس مضمون کی صداقت پر شہادت دیتی ہے۔ کہیں کہیں کئی قسمیں ایک ساتھ آ گئی ہیں، مثلاً سورۃ الشمس کی پہلی سات آیتوں میں سات قسمیں ہیں:۔ ا......سورج کی اور دھوپ چڑھنے کی۔ ۲......چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے آئے۔ ۳......دن کی قسم۔ ۴......رات کی تاریکی کی قسم ۵......آسمان کی اور اس کی تخلیق کی قسم۔ ۶......زمین کی اور اس کے بچھائے جانے کی قسم۔ ۷......انسانی نفس اور اس کی درستگی کی قسم۔

جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ان کے تضاد اور پھیلاؤ سے انسان کے بامراد اور کامگار اور نامراد ہونے کی حقیقت اور مسائل ابھر کر سامنے آ گئے۔ اپنے نفس کو سنوارنے والا منزل تک پہنچ گیا، اور نفس کو خاک میں ملانے والا خسران میں مبتلا ہوا۔ تقویٰ اور فجور کی راہیں کھلی ہوئی ہیں اور انسان کو ان میں سے کسی ایک کو چننے کا اختیار عطا کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی قسمیں اللہ تعالیٰ کے دین اور راہ ہدایت، انسانی تقدیر اور مسائل کائنات پر حاوی ہیں اور ہمارے دل اور ذہن کو نیکی کی حقیقت اور ہماری حقیقت پر مطلع کرتی ہیں۔

قرآن حکیم کی قسموں کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ ہمارا موضوع نہیں، اور ویسے بھی

اس کتاب عظیم کی تمام حکمتوں کو کون سمیٹ سکتا ہے۔ یہ حکمتیں تو آہستہ آہستہ گردشِ ماہ و سال کے ساتھ ابھر کر ہمارے سامنے آرہی ہیں، لیکن ایک پہلو پر گفتگو کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کی بہت سے قسمیں رسول رب العالمین کے رتبے اور ان کی رسالت کی صداقت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت کا درجہ رکھتی ہیں۔

سورۂ النجم مکی سورۃ ہے جس میں ذکر معراج بھی ہے۔ مکی دور کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور اپنے حبیب ﷺ کی خاص طور پر دل دہی کی ہے اور حرف تسلی سے نوازا ہے، عام الحزن کے بعد آپ ﷺ کو معراج جیسی عظمت اور تحفہ عطا ہوا، سورۂ النجم کی ابتدائی چار آیتوں میں صاحبِ معراج ﷺ کے علوئے مرتبہ کا ذکر ہے، اور ستارے کو اس پر گواہ بنایا گیا ہے۔ ﴿والنجم اذا ھویٰ o ما ضل صاحبکم وما غویٰ o وما ینطق عن الھویٰ o ان ھو الا وحی یوحیٰ o﴾ (سورۃ نجم)

”قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب ہوا، تمہارا رفیق نہ بھٹکا نہ بہکا ہے، وہ نفس کی خواہش سے نہیں بولتا، یہ تو وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔“

ستاروں کو انسانی تاریخ میں رہنمائی کے لئے استعمال کیا گیا اور مخصوص حالات میں ستارے آج بھی قافلوں کی رہنمائی کرتے ہیں، بالخصوص ریگستانی علاقوں میں جہاں رات کو سفر کیا جاتا ہے، اور جدید آلاتِ رہنمائی موجود نہ ہوں۔

یہاں ستارے کے غروب ہونے یا غروب شدہ ستارے کی قسم کھائی جارہی ہے، یعنی اندھیرا غائب ہو چکا ہے اور کائنات کی ہر چیز روشن طور پر سامنے ہے یہ روشنی اس بات کی شاہد ہے کہ تمہارے رفیق (محمد ﷺ) ہر اختیاری اور غیر اختیاری بہکاوے اور بھٹکنے سے محفوظ ہیں۔ ستارے کے سفر اور آفتابِ نبوت ﷺ کی زندگی اور سفرِ نبوت میں یہ بات بھی مشترک ہے کہ: ”جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے لے کر غروب تک ایک مقرر رفتار سے متعین راستے پر چلے جاتے ہیں، کبھی ادھر ادھر ہٹنے کا نام نہیں لیتے، آفتاب نبوت ﷺ بھی اللہ کے مقرر کئے ہوئے راستے پر برابر چلے جاتے ہیں۔ ممکن نہیں کہ ایک قدم ادھر

یا ادھر پڑ جائے۔ ایسا ہو تو ان کی بعثت سے جو غرض متعلق ہے وہ حاصل نہ ہو، انبیاء علیہم السلام آسمانِ نبوت کے ستارے ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کو رہنمائی ملتی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتابِ درخشاں طلوع ہوتا ہے۔ ایسے ہی تمام انبیاء کرامؑ کی تشریف آوری کے بعد آفتابِ محمدی ﷺ مطلع عرب سے طلوع ہوا، پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا انتظام کس قدر مضبوط و محکم ہونا چاہئے، جن سے ایک عالم کی ہدایت وسعادت وابستہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ البلد کا آغاز مکہ معظمہ کی قسم سے ہوتا ہے اور دوسری آیت میں نبی اکرم ﷺ سے تخاطب ہے اور اس طرح بلد الامین اور رسول الامین کا رشتہ ابھر کر سامنے آ جاتا ہے۔

﴿لااقسم بھذا البلد o وانت حل بھٰذا البلد o﴾ ''قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی، اور تجھ پر قید نہیں رہے گی اس شہر میں۔''

اللہ تعالیٰ نے اس شہر یعنی مکہ کی قسم کھائی ہے۔ مکہ مکرمہ جس کے آغوش میں کعبۃ اللہ ہے، دنیا میں اللہ کا پہلا گھر، اگلی آیت میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے، ان دونوں آیات کے معنوی ربط سے یہ مفہوم بھی ابھرتا ہے کہ مکہ معظمہ کا ایک شرف یہ بھی ہے کہ اس میں رسولِ امین ﷺ کا قیام ہے۔ انت حل بھٰذا البلد میں یہ مفہوم موجود ہے۔ ان الفاظ کا دوسرا مفہوم یہ سامنے آیا ہے کہ جس حرم میں جانور کا شکار نہیں کیا جاتا اور جس کی حرمت کا مشرکینِ قریش اتنا خیال کرتے ہیں وہاں ہر ظلم و ستم آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقا کے لئے حلال کر لیا گیا ہے اور تیسرا مفہوم ایک عظیم پیشن گوئی ہے، فتح مکہ کی خبر اور بشارت، اس اعتبار سے دوسری آیت کا مفہوم ہوگا کہ عنقریب یہ شہر کفر کی بیخ کنی کے لئے آپ ﷺ کے لئے حلال کر دیا جائے گا۔ فتح مکہ کے موقع پر ایک دن کے لئے احکام حرم رسول اللہ ﷺ کے لئے معطل کر دیئے گئے تھے۔ اگر چہ فتح مکہ اس اعتبار سے ایک تاریخ معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے تمام دشمنوں کے لئے یہ اعلان فرما دیا تھا کہ: ''لاتثریب علیکم الیوم'' لیکن دو ایک

افراد جن کے جرائم ناقابل معافی تھے فتح مکہ کے موقع پر قتل کئے گئے۔

سورۂ یٰسین میں قرآن حکیم کی قسم رسالت محمدیہ ﷺ کی توکید واثبات کے لئے کھائی گئی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿یٰسٓ o والقرآن الحکیم o انک لمن المرسلین o علیٰ صراط مستقیم o﴾ (سورۂ یٰسین)

''یٰسین۔ قسم ہے قرآن حکیم کی کہ تم یقیناً رسولوں میں سے ہو (اور) سیدھے راستے پر ہو۔'' سورۂ یٰسین مکی ہے۔ یہ مکی عہد کے اس دور اور مرحلے کی سورۃ ہے، جب نبی اکرم ﷺ قوت اور پامردی سے قریش اور اہل مکہ کو ان کی روش حیات کے نتائج سے ڈرا رہے تھے۔ یٰسین کو اس کی حیات بخش تعلیم اور انداز کی وجہ سے سید المرسلین ﷺ نے قرآن کا دل قرار دیا، اور اس کی حیات بخشی کے پہلو پر غور فرمائیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''سورۂ یٰسین اپنے مرنے والوں پر پڑھا کرو۔'' اس کی مصلحت یہ ہے کہ موت کے تجربے سے مومن اس یقین کے ساتھ گزر سکے کہ موت جنت اور حیات ابدی کا دروازہ ہے۔

''سورۂ یٰسین'' کی یہ چار ابتدائی آیات اور ان میں قرآن حکیم کی قسم، سرورِ دو عالم ﷺ کے مرتبہ بلند کی ایک اور شہادت ہے۔ قرآن حکیم کے حروفِ مقطعات کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ ان کا مفہوم اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، لیکن ''یٰسین'' کے بارے میں صحابہ کرامؓ تابعین اور بعض ممتاز مفسرینِ قرآن حکیم کا قول ہے کہ ''یٰسین'' کے معانی ہیں ''یا انسان''، بعض کے نزدیک یہ ''یا سیّد'' کا مخفف ہے۔ اور ان دونوں مفاہیم میں سے آپ کسی کو قبول کریں، دونوں صورتوں میں یہ خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے، کیونکہ آپ ﷺ ہی انسانوں کے عظیم ترین نمائندہ ہیں، اور آپ ﷺ ہی اولادِ آدم کے سید ہیں۔ ''یٰسین'' کے یہ معانی حضرت ابن عباس، عکرمہ، ضحاک، حسن بصری، ابن جبیر وغیرہ سے منقول ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

اس خطاب کے بعد قرآن حکیم کی قسم رب العزت نے کھائی اور حضور ﷺ سے خطاب کے پردے میں اہل عرب اور قیامت تک کے انسانوں کو یہ بات بتائی گئی کہ محمد ﷺ رسولوں میں سے ہیں اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔ وہ جس راستے کی دعوت دے رہے ہیں وہی

انسانوں کے لئے سیدھا راستہ ہے۔

قرآن کریم کے لئے یہاں حکیم کی صفت کا استعمال بھی رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے اظہار کے لئے ہے، قریش اور اہل مکہ کو (ان کے بعد سارے انسانوں کو) ان کا رب یہ بتا رہا ہے کہ قرآن حکیم کی حکیمانہ تعلیمات اور اس کی حیات بخش وحیات ساز تصورات محمد ﷺ کے نبی برحق ہونے کا ثبوت ہیں۔ یہ وہ کلام ہے جس کے بارے میں منکرین حق کو دعوت دی گئی کہ اس کی مثل ایک ہی سورۃ لے آؤ۔ اور ایک سورت تو بڑی بات ہے ایک آیت ہی لے آؤ۔ اور سب نے اپنے آپ کو عاجز پایا۔

فخر زمین وزمن ﷺ کے ذکرِ گرامی اور مرتبہ عالی کو سورۂ الم نشرح کی آیت **ورفعنالک ذکرک** میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ مفسرین اور قرآن حکیم کے معنوی ربط پر ذکر رکھنے والے سورۂ الضحیٰ اور سورۂ الم نشرح کو توام سورتیں قرار دیتے ہیں۔ قرآنی قسموں میں حضور ﷺ کے مرتبہ، نبوت اور صداقت کے اس مختصر بیان کو ہم سورۃ الضحیٰ پر ختم کریں گے، انشاء اللہ۔

سورۂ الضحیٰ نبوت محمدی ﷺ کی ابتدائی عہد کی سورہ ہے۔ اس عہد کی سورتوں میں توحید، آخرت اور ایمانیات کا ذکر ہے یا آپ ﷺ سے محبت الٰہی کا وہ اظہار ہے جو کار نبوت کی گراں باری کو آسان اور سہل بنانے کے لئے ضروری تھا۔ ابتدائے نبوت میں مختصر وقفوں کے لئے سلسلۂ وحی ایک بار سے زیادہ مرتبہ منقطع ہوا۔ سلسلۂ وحی کے آغاز کے کچھ عرصے بعد ہی وحی کا سلسلہ بند ہوا جسے زمانہ فترتِ وحی کہتے ہیں۔ وحی کا تجربہ ایک عظیم تجربہ تھا۔ وحی الٰہی کے بوجھ کو صرف رسول کے اعصاب اور ان کا قلب ہی سہار سکتا ہے، ورنہ اس بوجھ سے تو پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ بعد کے دور میں جب نبی کریم ﷺ کے لئے نزول وحی، معمول کا تجربہ بن گیا تھا، وحی کے نازل ہوتے وقت اگر آپ ﷺ کسی اونٹنی پر سوار ہوتے تو وحی کے بوجھ سے اونٹنی اپنے پیٹ کو زمین سے لگا دیتی اور بیٹھ جاتی۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ مختصر عرصوں کے لئے وحی کے سلسلہ کو روک دیتے۔ یہ وقفہ اتنا

ہی ناگزیر اور فطری تھا۔ جیسے دن کی روشنی اور ہنگاموں کے بعد رات کی تاریکی اور سکون جو انسان کو نیند کی دولت عطا کر سکے، اسی لئے اس سورۃ کا آغاز دن کی روشنی اور رات کے سکون کی قسموں سے ہوا ہے۔ ﴿والضُّحیٰ o وَالَّیْلِ اِذَا سَجیٰ﴾ (سورۃ والضحیٰ)

قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی (روزِ روشن کی) اور رات کی جب چھا جائے۔ اور ان دونوں قسموں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور حبیب محمد ﷺ کو تسلی سے نواز، آپ ﷺ کو اپنے لطف وکرم سے یقین دلایا کہ وہ آپ ﷺ سے ناراض نہیں اور نہ اس نے آپ کو چھوڑا ہے۔ یہ تو محض تمہید ہے، اس کے بعد رب ذوالجلال نے بشارت دی کہ آنے والا دور بہتر ہوگا اور وہ اپنے رسول ﷺ کو اتنا کچھ عطا کرے گا کہ آپ ﷺ کا دل خوش ہو جائے گا۔ ﴿ماودعک ربک وما قلیٰ o وللاٰخرۃ خیرلک من الاولیٰ﴾ ''تمہارے رب نے تم کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ اور آنے والا دور (آخرۃ) پچھلے دور (اولیٰ) سے بہتر ہے۔''

رسول کا تکیہ اور سہارا اس کا رب ہوتا ہے۔ وہ اس کے پیغام ہدایت کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے ساری دنیا کی مخالفت اور دشمنی مول لیتا ہے۔ وہ غیر اللہ کی خوشنودی اور ناراضگی کے خیال سے بالاتر ہوتا ہے۔ رب راضی تو جہاں راضی۔ رضائے رب انعام رسول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کے اظہار کے ساتھ ساتھ یہ نوید دی کہ آخرت، اولیٰ سے بہتر ہے۔ اس آیت کا بنیادی اور پہلا مفہوم وہ حقیقت ہے جو ہر رسول کے پیغام کا بنیادی حصہ رہی ہے۔ آخرت اور آنے والی دائمی زندگی یقیناً اس دنیا اور اس کی عارضی زندگی سے بہتر ہے۔ یہ دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے۔ لیکن اس سورۃ کے سیاق وسباق، پس منظر اور موضوع کے پیش نظر یہ بات ایک بدیہی حقیقت کی طرح ابھرتی ہے کہ یہاں آخرت اور اولیٰ کے معانی میں پچھلا اور موجودہ دور اور آنے والا دور شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مژدہ سنایا کہ ان آزمائشوں اور قریش کی ایذا رسانی اور ان کے طنز واستہزا سے غمگین نہ ہوں۔ یہ کون ہیں یہ کہنے والے کہ تمہارے رب نے تمہیں چھوڑ دیا۔ ہم تمہیں یہ

بشارت دیتے ہیں کہ ہر آنے والا مرحلہ اور دور، پچھلے مرحلے اور دور سے بہتر ہوگا۔ غم کے بادل چھٹ جائیں گے اور حقیقی مسرتیں تمہاری اور اہل ایمان کی زندگی کے مطالع پر چھائیں گی اور اللہ کا ابر رحمت، مسلمانوں کی زندگی کو سرسبز و شاداب کردے گا، مخالفتیں دم توڑ جائیں گی، دنیا تمہارے پیغام کو قبول کرلے گی، اور بات اس دنیا تک محدود نہ رہے گی بلکہ آنے والی دنیا اور زندگی تو تمہارے اور اہل ایمان کے لئے اللہ کی خوشنودی قائم رہنے والا اظہار اور اعلان ہوگی۔

ہر بشارت، ہر خوش خبری اور ہر سعادت اس سعادت میں سمٹ آئی ہے کہ تمہارے لئے آنے والا زمانہ پچھلے زمانے سے بہتر ہوگا۔ اور اللہ سے زیادہ صادق القول کون ہوسکتا ہے۔ اور مستقبل کی ان بشارتوں کی بنیاد حضور ﷺ کی زندگی کی ان تبدیلیوں کو بنایا گیا ہے جو قریش مکہ کے سامنے تھیں۔ قریش جانتے تھے کہ پیدائش سے پہلے ہی آپ ﷺ کے والد کا انتقال ہوگیا تھا، لیکن آپ ﷺ کو اس طرح پرورش اور شفقت کے سائبانوں کے نیچے رکھا گیا کہ جس کی مثال کسی یتیم کی زندگی میں نہیں ملے گی۔ چھ سال کی عمر تک ام النبی حضرت آمنہ کی آغوش مہر وعطا میں آپ ﷺ نے سانس لی۔ ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب آپ کی زندگی پر سایہ گستر رہے، وہی عبدالمطلب جو رب کعبہ پر اٹوٹ یقین رکھتے تھے۔ وہ ابرہہ کے لشکر والوں سے اپنے اونٹ واپس مانگنے گئے تھے، اور کعبے کے بارے میں پورے یقین کے ساتھ کہا تھا کہ اس کی حفاظت اس کا رب کرے گا۔ حضور ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہی وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ بطن آمنہ میں پرورش پانے والا بچہ جب اس دنیا میں آئے گا تو زندگی کے ورق پر اپنا نشان ثبت کردے گا۔ ان کی وفات کے بعد وہ اللہ کی ان طاقتوں میں شامل ہوگئے جن کا کام نبی آخر الزماں ﷺ کی حفاظت کرنا تھا۔

اور پھر اہل مکہ نے یہ بھی تو دیکھا تھا کہ بت پرستی، فسق و فجور، عیش و عشرت اور ظلم کی چھائی ہوئی فضا میں پلنے والا یہ نونہال (ﷺ) اگرچہ معاشرے کی ہر گمراہی سے محفوظ رہا، لیکن اسے اپنی منزل کی خبر نہ تھی۔ اسے اپنی منزل تو عہد شباب کے نقطہ عروج پر ملی جب حیرانی اور

تلاش کو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعے ایمان، رب شناسی، کائنات فہمی اور انسان سازی کی اس دولت میں بدل دیا جسے نبوت کہتے ہیں۔

اہل مکہ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اپنی عالی نسبی کے باوجود آپ ﷺ کے دامن میں دولت دنیا نہ تھی۔ پھر رب جلیل نے آپ کو رزق کریم سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو آپ ﷺ کو مکہ کی سب سے باثروت خاتون کا تجارتی نمائندہ اور شریک تجارت بنایا اور پھر اس خاتون کی عائلی زندگی وجود محمدی ﷺ کے نور سے روشن ہوگئی اور وہ آپ ﷺ کی شریک حیات بن گئیں۔ ایسی شریک حیات جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، جس کا گھر پہلا دارالاسلام بنا، جس گھر کی فضاؤں میں علی المرتضیٰ کی پرورش ہوئی، اور جہاں زید بن حارثہ تکریم آدم و آدمیت کا نشان بنے، اور محبت نبی کے عظیم نشانوں اور علامتوں میں سے ایک قرار پائے۔ یہ سارا پس منظر اور بشارت عظمیٰ چار آیتوں میں سمٹ آئی ہے۔

﴿ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ o الم یجدک یتیماً فاٰویٰ o ووجدک ضآلا فهدیٰ o ووجدک عآئلاً فاغنیٰ o﴾

"اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہوجائیں گے، کیا ہم نے تمہیں یتیم نہیں پایا اور پھر (عزت کا) ٹھکانا دیا اور ہم نے تمہیں متلاشی (اور حق کے لئے سرگرداں) نہیں پایا اور پھر راہ دکھائی، اور ہم نے آپ کو نادار پایا آپ کو غنی کر دیا۔"

سورۂ ضحیٰ، سورۂ الم نشرح، سورۂ کوثر، سورۂ محمد، سورۂ فتح، قرآن حکیم کی کئی سورتوں اور بہت سے مقامات کی طرح رفع ذکر محمد ہے۔

(بحوالہ جستہ جستہ از مقام محمد قرآن کے آئینے میں)

خصوصیت نمبر ۵۷

رسولِ اکرم ﷺ کے لئے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ستاون نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کے لئے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا" جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جارہی ہے، لیکن اس وضاحت سے پہلے گزشتہ خصوصیات کی طرح یہاں بھی بتاتا چلوں، کیونکہ میری زندگی کا یہی سب سے بڑا سرمایا ہے کہ بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر روضہ رسول ﷺ کے سائے میں ترتیب دیا ہے کیونکہ میرا ایمان ہے کہ روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر روضہ اقدس میں آرام فرمانے والے عظیم پیغمبر اور ہم سب کے پیارے آقا ﷺ کی خصوصیت کو لکھنا اور ترتیب دینا بہت بڑی سعادت ہے، میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار مجھے مدینہ بلائے اور پھر اپنے محبوب ﷺ کی محبوب مسجد اور پھر پیارے روضہ کے سامنے بٹھا کر آقا ﷺ کی سیرت کے ہر ہر گوشے کو لکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

بہر حال محترم قارئین! جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا، جبکہ دیگر انبیاء کرامؑ اوران کی امتوں کے لئے مالِ غنیمت حلال نہیں ہوتا تھا، چنانچہ جیسا کہ خود زبانِ اقدس سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے لئے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا اور دیگر انبیاء کو یہ خصوصیت نہیں ملی، مزید تفصیل کے لئے آنے والے صفحات کا مطالعہ فرمایئے، جسے قرآن وحدیث کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کا مطالعہ بھی فائدے سے خالی نہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے

اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

ستاون نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

رسولِ اقدس ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ میرے لئے یعنی میری امت کے لئے تمام مال غنیمت حلال کیا گیا ہے، جبکہ مجھ سے پہلے جو نبی گزرے ہیں ان میں جن کو جہاد کا حکم دیا گیا وہ تمام مال غنیمت دوسروں کو دے دیتے تھے، اور اپنے اوپر اس کو حرام رکھتے وہ سب مال کو جمع کر لیتے تھے، یہاں غنیمت میں حیوانات کے علاوہ سب چیزیں مراد ہیں جیسے کھانے پینے کی چیزیں اور دوسرا مال ومتاع، کیونکہ جہاں تک حیوانات کا تعلق ہے جو مال غنیمت میں آئے ہوں وہ لڑنے والوں کی ہی ملکیت ہوتے ہیں، انبیاء کے لئے ان میں کوئی بھی چیز مال غنیمت کی حیثیت سے لینی جائز نہیں ہے، کتاب وفا میں اسی طرح ہے، بعض روایتوں میں یہ ہے کہ آپ ﷺ کی امت پر مال غنیمت حلال کیا گیا ہے جبکہ اس سے پہلے کسی امت پر غنیمت کا مال حلال نہیں تھا۔

چنانچہ ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پچھلے نبی جب مال غنیمت سے پانچواں حصہ نکالتے تو آسمان سے ایک سفید رنگ کی آگ آیا کرتی تھی، اور اس مال کو کھالیا کرتی تھی اگر اس میں کوئی خیانت نہ ہوئی ہو، لیکن مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس مال کو اپنی امت کے غریب لوگوں میں تقسیم کروں (یعنی پانچویں حصے کو)۔

پچھلی امتوں پر مال غنیمت حلال نہیں تھا بلکہ یہ آنحضرت ﷺ کی امت پر حلال کیا گیا ہے۔ مشکوٰۃ کی حدیث ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ نے نقل کیا ہے کہ "ہم سے پہلے کسی پر بھی مال غنیمت حلال نہیں تھا۔ کہ ہم پر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمارے ضعف اور کمزوری کو دیکھ کر غنیمت کے مال کو ہمارے لئے جائز فرمادیا ہے۔"

پچھلی امتوں میں یہ دستور تھا کہ غنیمت کا مال اکٹھا کرتے اور اس کو جنگل میں لیجا کر رکھ دیتے، اگر اس مال غنیمت میں سے کسی نے کوئی خیانت اور بددیانتی نہیں کی ہے تو آسمان

سے آگ اترتی اور اس مال کو کھالیتی جس سے وہ سمجھ لیتے کہ ان کا جہاد قبول ہوگیا ہے۔ چنانچہ حضرت یوشع ابن نونؑ کا واقعہ حدیث میں آیا ہے جسے ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے یہ حدیث مشکوٰۃ میں ہے جس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جارہا ہے:

"حضرت یوشع ابن نون نے ایک بستی جنگ کے ذریعہ فتح کی، اس کے بعد انہوں نے غنیمت کا مال جمع کر کے ایک جگہ رکھ دیا آگ آئی مگر اس نے اس مال کو نہیں کھایا، حضرت یوشع نے یہ ماجرا دیکھ کر ساتھیوں سے فرمایا۔ تم لوگوں میں سے کسی نے یقیناً خیانت اور بددیانتی کی ہے (یعنی اس مال سے کچھ چھپالیا ہے) لہٰذا اب یہ ضروری ہے کہ ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی میرے ہاتھ پر بیعت کرے، چنانچہ بیعت شروع ہوئی تو ایک شخص کا ہاتھ حضرت یوشع کے ہاتھ پر رکھتے ہی چپک کر رہ گیا، حضرت یوشع نے فرمایا: "تمہارے قبیلے میں سے کسی نے بددیانتی کی ہے" آخر اس قبیلے کے لوگ ایک گائے کا سر لائے جو سونے کا بنا ہوا تھا اور جسے انہوں نے چھپالیا تھا اس کو انہوں نے جیسے ہی باقی مال کے ساتھ رکھا فوراً آگ آئی اور اس سارے مال کو کھا گئی۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ مال غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو غیر مسلموں سے جنگ کے نتیجہ میں فتح کے بعد جنگ کے دشمن کے کیمپ سے حاصل ہوتا ہے۔ (بحوالہ سیرتِ حلبیہ جلد اول)

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ حضرت موسیٰ وحضرت یوشع بن نون کو فتوحات میں جس قدر مغانم حاصل ہوتے تھے ان کو نذر آتش کر دیا جاتا تھا، تورات میں جانوروں تک کو جلا دینے اور بستیوں میں آگ لگا دینے کا ذکر ملتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے غزوات میں سب سے پہلے غزوہ بدر میں غنیمت حاصل ہوئی، مال غنیمت جمع بھی ہوا، اور تقسیم بھی کیا گیا، لیکن پھر بھی لشکر میں ایسے لوگ موجود تھے جو شریعت موسوی کی نظیر پر مال غنیمت کا لینا خطرناک امر سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل فرمائی ﴿لو لا کتاب من اللہ سبق لمسکم فی ما اخذ تم عذاب عظیم ،فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا﴾

"اگر اللہ کی طرف سے پہلے کتاب میں ایسا نہ ہوتا تب جو کچھ تم نے وصول کیا ہے اس کے لیے تم پر بڑا عذاب ہوتا اب تو غنیمت کو حلال طیب سمجھو اور کھاؤ۔"

دوسری جگہ ہے: ﴿وعدکم اللّٰہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا فعجل لکم ھذہ وکف ایدی الناس عنکم ولتکون ایۃ للمؤمنین ویھدیکم صراطا مستقیما واخری لم تقدروا علیھا قداحاط اللّٰہ بھا وکان اللّٰہ علی کل شیء قدیرا﴾ "اللہ نے تم سے مغانم کثیرہ کا وعدہ کیا جن کو تم حاصل کرو گے، لہٰذا یہ تو تم کو جلد ہی دے دی (خیبر) اور دشمنوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا ہے تاکہ مومنین کے لیے یہ ایک نشان ہو اور تم کو اللہ صراط مستقیم پر چلائے گا اور بھی مغانم بہت ہیں تم کو ان پر قدرت نہیں مگر اللہ نے ان پر احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہر شے پر قدرت والا ہے۔"

یہ مغانم کثیرہ ہی ہیں جو سلطنت ہائے ایران اور روما پر فتوحات حاصل کرنے میں مسلمانوں کو حاصل ہوئیں چونکہ یہ وعدہ مومنین کو مخاطب فرما کر کیا گیا تھا، اس لیے اس وعدہ کا ایفاء بھی خلافت راشدہ کے وقت میں ہوا، جب کہ سرور کائنات ﷺ عالم بقا کو سدھار گئے تھے۔ واضح ہو کہ یہ ایک وعدہ نہ تھا، بلکہ مومنین سے تین وعدے کیے گئے تھے، دوسرا وعدہ یہ تھا کہ دشمن کے ہاتھ تم سے کوتاہ رہیں گے، اس وعدہ کے مطابق خلافت راشدہ کے وقت میں کوئی دشمن اسلامی فوجوں پر غالب نہیں آسکا تھا۔

تیسرا وعدہ برایت صراط مستقیم کا تھا اور وہ بھی اپنی ظاہری و باطنی برکات کے ساتھ اسی طرح پورا ہوا جس طرح پہلے دو وعدے۔ اس آیت سے مجاہدین عہد خلافت راشدہ کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ (بحوالہ رحمۃ اللعالمین جلد سوم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۵۸

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک بڑا احسان قرار دیا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اٹھاون نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک بڑا احسان قرار دیا" جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جارہی ہے، لیکن اس وضاحت سے پہلے گزشتہ خصوصیات کی طرح یہاں بھی بتادیا جائے تو بہتر ہے کہ بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر روضہ رسول ﷺ کے سائے میں ترتیب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرمائے آمین۔

بہر حال محترم قارئین! ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو اپنا ایک بڑا احسان قرار دیا جیسا کہ قرآن میں ارشاد فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ "بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر احسان فرمایا جو انہیں میں سے ان میں رسول مبعوث فرمایا۔" (سورۃ آل عمران) جبکہ پہلے انبیاء کرامؑ میں سے کسی بھی نبی یا رسول سے متعلق اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ اس نبی یا رسول کو بھیج کر ہم نے تم پر احسان کر دیا، صرف اور صرف آپ ﷺ ہی سے متعلق فرمایا، بے شک یہ صرف اور صرف آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے، آنے والے صفحات کے ذیل میں آپ ﷺ کی اسی خصوصیت کی وضاحت کی جارہی ہے، جسے ہم نے "مقام محمدؐ قرآن کے آئینے میں" نامی کتاب سے چیدہ چیدہ نقل کیا ہے، امید ہے کہ موضوع کی مناسبت سے انشاء اللہ اس کا مطالعہ بھی فائدے سے خالی نہیں ہوگا، جسکے مطالعے سے انشاء اللہ معلومات میں بھی اضافہ ہوگا، لیجئے ملاحظہ فرمایئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اٹھاون نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

انسان بلکہ تمام مخلوقات کا وجود اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ ہمارے رب کی ربوبیت اور رحمت کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا۔ یہی اللہ جو رحمت اور رحیم ہے۔ دنیا سے عقبیٰ تک ہر ایک کے لئے اس کی رحمتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ اس کی ربوبیت بھی اس کی رحمت کا اظہار تمام ہے۔ وہ ہر مرحلے پر ہماری ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے اور یوں ہماری صلاحتیں اپنی تکمیل کو پہنچتی ہیں۔ ہماری کمیوں کو دور کر کے وہ ہماری بشریت کی تکمیل کرتا ہے۔ یہ اس کی رحمت ہے۔ اور اللہ کی نعمتوں نے ہماری اور کائنات کی زندگی کو متنوع مالا مال اور ہمہ جہت بنا دیا ہے۔ سر بلندی، خوش حالی، سکونِ قلب، کائنات کا حسن، اعتدال اور توازن یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں جو ہمیں بلا طلب ملی ہیں اور دینے والے نے ان کی نشان دہی تو کی ہے مگر احسان نہیں جتایا ہے۔ نشان دہی بھی اس لئے فرمائی ہے کہ ہماری فکر میں اتنی سکت نہیں ہے کہ ہم ان نعمتوں کا احاطہ کرسکیں۔ احاطہ تو بڑی بات ہے، ہمیں ان کے بارے میں سوچنے کی توفیق نہیں ہوتی، کیونکہ یہ نعمتیں بہت عام ہیں اور ان کے حصول کے لئے ہمیں کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔ سورج کی روشنی، زمین کی قوتِ نمو، ہوا، پانی۔ ہم میں سے کون ان نعمتوں کا پوری طرح ادراک کرسکتا ہے؟...... ہماری معاشرتی زندگی کا ہر خوشگوار پہلو اس کی نعمت ہے۔ ایمان کی دولت اس کی نعمت ہے، خوشی، خوف الٰہی، جہاد اور اس سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت، اللہ کی ہدایت، اقوامِ عالم میں ہمارے امت وسط ہونا، معرفت الٰہی، رسول اللہ ﷺ کے رتبے کا کسی حد تک ادراک۔ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔ اس پھیلی ہوئی کائنات کی بہت مختلف اور بظاہر کوئی باہمی تعلق نہ رکھنے والی چیزوں کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ان سب کے درمیان تعلق اور ربط پیدا کرتا ہے۔

اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ کثرت کی وجہ سے ہمیں یاد نہیں آتیں۔ سورۂ رحمٰن کے آئینے میں ربِ جلیل کی نعمتوں کا عکس ہمارے پردۂ ذہن پر منعکس ہوتا ہے۔ قرآن کا عطیہ، آسمان

کی بلندیاں، میزان عدل اور توازنِ تخلیق۔ زمین کا ہمارے لئے بچھایا جانا۔ اس کے میوے، انسان، پھول اور ان کی خوشبوئیں۔ تم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یہ سورۂ رحمٰن کی ابتدائی ۱۳ آیتوں کا خلاصہ ہے۔ اللہ کی نعمتوں کو قرآن کے صفحات اور اپنی زندگی میں دیکھنا شروع کیجئے تو زندگی تمام ہو جائے گی۔ اور نعمتوں کا احاطہ نہ ہو سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کی رحمت کا اظہار ہیں۔ اس کے کئی اسمائے حسنیٰ یعنی صفاتی نام، رحمت، رحم اور انعام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ باسط، رزاق، لطیف۔

اللہ نے یہ سب کچھ دیا اور کہیں اپنا احسان نہیں جتایا کیونکہ احسان جتانا اس کی شان کریمی کے شایان نہیں۔ اور احسان جتانا تو عباد الرحمٰن کی شان کے مطابق نہیں قرآن میں کتنی جگہ اس کی مذمت کی گئی ہے۔

سورۃ المدثر میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ ''اور زیادہ حاصل کرنے کے لئے احسان نہ کرو۔''

یہ بات کارِ نبوت کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے کہی جارہی ہے۔ یہ ہدایات ربانی میں سے ایک ہدایت ہے جو نبی ﷺ کو دی گئیں۔ اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو، پاکیزگی کا بلند ترین معیار پیش کرو۔ یہ دراصل قریش مکہ اور انسانوں کو نبوت کے فرائض سے آگاہ کرنے کے لئے ہے۔ ورنہ ہر نبی اپنے فرائض کسی اجر کی خواہش اور تمنا کے بغیر انجام دیتا ہے اور ہادیٔ اعظم ﷺ کا سینہ تو دردِ انسانیت کا خزینہ تھا۔

''مَن'' کا مادہ م ن ن ہے۔ اس کے مادے کے کئی الفاظ اردو میں مستعمل ہیں۔۔ ممنون، ممنونیت، منت وغیرہ۔

مَنَّ اللہ کا وہ احسان ہے۔ جو کسی منصوبہ بندی، کسی محنت اور مشقت کے بغیر انسان کو حاصل ہو جائے۔ اللہ کے ایسے کتنے ہی احسانات انسان پر ہیں۔ اس کی وحی ''مَن'' ہے جو ہم کو غلط فیصلوں، غلط طرز حیات، انسان کش نظریات سے بچاتی ہے۔ آزادی اللہ کا احسان ہے۔

اللہ کے احسان کا احاطہ ناممکن ہے اور اس کے یہ سارے احسانات ہماری زندگی کے لئے ضروری ہیں، اور ہمیں زندگی دینے والے نے کہیں احسان نہیں جتایا۔ ہاں صرف ایک احسان کا تذکرہ فرمایا۔ اس رسول کو بھیجنے کا احسان، جو مومنوں پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، اور ان کی حکمت سکھاتا ہے۔ آیات الٰہی، تزکیہ، کتاب اور حکمت کے بغیر زندگی سراسر خسارہ تھی۔

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ.﴾ (سورۃ آل عمران)

"بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جو انہیں میں سے ان میں رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے (انہیں پاک کرتا ہے) انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے قبل صریح گمراہی میں تھے۔"

اس آیت سے نبوت کے فرائض کے ساتھ ساتھ سرور کائنات، صاحب کوثر ﷺ کی ذات اور ان کے کمالات کے کتنے پہلو منور ہو جاتے ہیں۔ ﴿رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ "انہیں میں سے ایک رسول۔"

رسول اللہ ﷺ جن لوگوں کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آئے تھے وہ انہیں کے ساتھی، شناسا، ہم قوم، ہم شہر تھے، ان کے سامنے آپ کی ساری زندگی تھی، وہ ان ﷺ کی امانت اور صداقت کے شاہد تھے۔ ان سے بہتر اس حقیقت کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہ اہل مکہ پر اللہ کا احسان تھا کہ اس نے انہیں مرتبہ آدم سے آشنا کرنے کے لئے انہیں میں سے صادق اور امین کا انتخاب کیا۔ وہ جو ان کے درمیان رہتا تھا، وہ جس سے ہر بات آسانی سے کی جاسکتی تھی۔ جس کی جاں سوزی گداز قلب، شفقت، ہمدردی، اور بے غرضی کا وہ ہر آن مشاہدہ کرتے تھے، جو ان کے درمیان بیٹھتا اور گفتگو کرتا تو بلا کسی امتیاز کے۔

رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان بیٹھتے، اور بڑے فطری انداز میں ان کو اللہ کی باتیں

سناتے، آپ ﷺ کی گفتگو سے، آپ ﷺ کی خاموشی سے، آپ ﷺ کے اندازِ تبسم اور اسلوب تکلم سے، آپ کی قربت سے اہل مکہ اور قریش کی زندگی اور قلب بدلنے لگتے۔ جو ایمان لائے ان کے دلوں کی صیقل ہوگئی۔ ان کا ایک ایک لحہ رضائے الٰہی کے مطابق بسر ہونے لگا۔ ان کا ذہن ایسا بنتا گیا کہ عقیدے کے تمام عقدے اور عمل کے تمام پہلو ان پر واضح ہوتے گئے اور اگر کبھی کوئی ذہنی الجھن پیدا ہوتی تو آپ ﷺ کی پر حکمت تشریحات اور حکیمانہ طرز عمل اس کو دور کر دیتا۔

اور اہل مکہ و قریش کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کو یاد دلایا ہے جو محمد عربی ﷺ کی صورت میں انہیں عطا کیا گیا تھا۔

آپ نے خدا کی توفیق واعانت سے عمل وعلم کے ان اعلیٰ مراتب پر اس درمندہ قوم کو فائز کیا جو صدیوں سے انتہائی جہل وحیرت اور صریح گمراہی میں غرق تھی۔ آپ کی چند روزہ تعلیم وصحبت سے وہ ساری دنیا کے لئے ہادی ومعلم بن گئی۔ (تفسیر عثمانی)

اور یہ قرآنی خطاب قیام قیامت تک ہر مسلمان سے ہے۔ صفحات قرآن سے آج تک اس صادق وامین کی آواز ابھر رہی ہے۔ فداہ امی وابی۔ ان کا اخلاق اور اسوۂ حسنہ آج بھی ہمارے لئے تزکیہ نفس کا راستہ ہے۔ کتب احادیث میں ان کے الفاظ آج بھی ہمیں کتاب اللہ کے حقیقی مفاہیم کی تعلیم دے رہے ہیں، اور ہمارے لئے دبستانِ حکمت ہیں۔

کتاب، احادیث اور اسوۂ رسول ﷺ نشاناتِ راہ ہیں اور ہماری فلاح وفوز کا نسخہ۔

(بحوالہ جستہ جستہ از مقام محمد قرآن کے آئینے میں)

ذیل میں اب حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ کے خطبات سے حضرت کی ایک تقریر پیش کی جارہی ہے، جس میں حضرت نے اپنے انداز میں آپ ﷺ کی ذات کے سب سے بڑے احسان ہونے کا بتلایا ہے، کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہمارے لئے احسان عظیم بنایا، یاد رہے کہ یہ تحریر نہیں بلکہ تقریر ہے، اس لئے پڑھتے وقت تقریر کے اسلوب ہی کو ملحوظ رکھا جائے، کیوں کہ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ ایک بزرگ

شخصیت ہیں ان کی زبان سے نکلنے والے الفاظ کا اپنا ایک نور ہے اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اسے من وعن نقل کردیا جائے، البتہ آخر میں کچھ وضاحت کے طور پر کچھ تفصیل بھی پیش کردی گئی ہے، لیجئے اب ہمارے موضوع کی مناسبت سے حضرتؒ کی تقریر ملاحظہ فرمائیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:"لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ......الخ"

اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہ نے اس آیت شریفہ میں اپنے ایک بڑے احسان کا ذکر کیا ہے۔فرمایا کہ اللہ نے بہت بڑا احسان کیا مومنین پر ایمان لانے والوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے، انہی کی قسم میں سے ہے۔انہی کی نوع میں سے، یہ بہت بڑا احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں، ہمیں پیدا کیا کتنا بڑا احسان ہے، نہ پیدا کرتا تو ہمارا کیا زور تھا؟ پیدا کیا تو انسان بنایا، اگر انسان نہ بناتے جانور بنا دیتے تو ہمارا کیا کچھ زور تھا؟......گدھے بھی تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں کتے بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ سانپ بچھو بھی اسی نے پیدا کئے ہیں۔اگر خدا ہمیں انسان نہ بناتا، سانپ بچھو بناتا تو ہمارا کوئی زور تھا اس پر؟......تو کیا ہوتا؟......جو دیکھتا وہی مارنے کو دوڑتا، گدھا بناتا، بیل ہاتھی بناتا تو کیا ہوتا؟......یہ سب بھی تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔اس نے ہمیں انسان بنایا، کتنا بڑا احسان کیا، پھر انسانوں میں بھی کتنے انسان ایسے ہیں جو بُرے بے شمار عوارض میں مبتلا ہیں، پریشانیوں میں مبتلا ہیں، کسی کی آنکھ نہیں، کسی کا کان نہیں، کسی کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے، کسی کے معدے میں درد ہے، کسی کی کمر میں درد ہے، قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا، اللہ تعالیٰ نے ان ساری بیماریوں سے محفوظ فرمایا، کتنا بڑا احسان کیا، اور کتنے ہی انسان ایسے ہیں جو اپنے ہاتھ سے بت بناتے ہیں، اس کی پوجا پاٹ کرتے ہیں اس کو خدا، معبود اور حاجت روا سمجھتے ہیں، مالک الملک سے بہت دور جا پڑے ہیں، جانتے ہی نہیں اپنے پیدا کرنے والے

کو، اپنے خالق کو اور اپنے رازق کو پہچانتے نہیں، کتنے لوگ ایسے ہیں کہ نام تو ان کا مسلمان ہے لیکن کبھی مسجد میں نہیں آتے، کبھی قرآن نہیں پڑھتے، کبھی سر نہیں جھکاتے خدا کے سامنے، کبھی کلمہ نہیں پڑھتے، جانتے نہیں، تو اللہ نے کتنا بڑا احسان فرمایا، کہ اپنے گھر میں آنے کی اجازت دی، مسجد میں آنے کی، اگر مہر لگا دیں دلوں پر تو کوئی آسکتا ہے؟...... ہرگز نہیں آسکتا۔

ایک صاحب بابو، ان کے ساتھ ملازم، ملازم نماز کا بہت پابند، کہیں ساتھ لئے جا رہے ہیں، چلتے چلتے بازار سے کچھ سامان سودا خریدا، ادھر اذان ہوگئی، ملازم نے کہا حضور میں تو جا رہا ہوں میرے آقا نے میرے مولا نے مجھے بلایا ہے، اس نے کہا تیرا آقا تو میں ہوں تجھے کس نے بلایا؟...... اس نے کہا نہیں ایک دوسرا آقا ہے جو ہم سب کا آقا ہے، اس نے بلایا ہے، اذان ہوگئی، مسجد میں جانے کے لئے حکم ہے، چنانچہ وہ باہر بیٹھ گئے اور ملازم مسجد کے اندر آگیا، ملازم نے نماز پڑھی، کچھ تسبیح وظیفہ پڑھنے لگا، دیر ہوگئی نہیں گیا، وہ صاحب آئے، آواز دی ارے آتا نہیں کیا ہوگیا؟...... ملازم نے کہا جانے نہیں دیتا، اس نے کہا ارے کون نہیں جانے دیتا وہاں کون ہے؟...... دیکھا ادھر ادھر کوئی وہاں بیٹھا نہیں ہے، پھر کون جانے نہیں دیتا؟...... ملازم نے کہا وہی جو آپ کو اندر آنے نہیں دیتا۔ جو آپ کو اندر مسجد میں آنے نہیں دیتے وہ مجھ کو مسجد سے باہر جانے نہیں دیتے۔

اللہ میاں کی طرف سے کتنا بڑا احسان ہے کہ اپنے دربار میں اس نے آنے کی اجازت دے دی، دنیا میں کسی کلکٹر سے کسی ڈپٹی سے کسی بڑے آدمی سے ملنا چاہو تو کتنی دیر لگتی ہے، اس کے یہاں درخواست بھیجو، ملازمین سے بات کرو، ٹیلی فون پر بات کرو، وقت بتاؤ اپنا مقصد بتاؤ، کیوں آئے ہو یہ بتانا پڑے گا، پھر بھی الجھن ہے اجازت ملے یا نہ ملے۔ اللہ میاں کے یہاں کچھ نہیں، کوئی درخواست نہیں دیتا، کسی کی سفارش نہیں، آؤ وہ اعزاز واکرام سے بلاتے ہیں، اجازت ہے، آؤ آؤ، اس لئے اللہ تعالیٰ کے احسان تو بہت ہیں بے شمار ہیں، قرآن پاک اللہ نے نازل فرمایا، کتنا بڑا احسان ہے، ایک ایک حرف پر دس دس

نیکیوں کا ثواب ملتا ہے، ایک ایک سورۃ عالی، ایسا کہ ثواب بہت بڑا، قل ہو اللہ شریف ایک مرتبہ پڑھنے پر ایک تہائی قرآن شریف کا ثواب ملتا ہے، یٰسین شریف ایک مرتبہ پڑھنے پر دس مرتبہ قرآن شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، ایسی ایسی نعمتیں اس نے دے رکھی ہیں، نماز کی دولت عطا ہوئی حضور ﷺ کی بدولت عطا ہوئی، پانچ وقت حاضری کی توفیق ملی، اور اللہ تعالیٰ قدردانی سے بلاتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدمی گھر سے وضو کر کے مسجد کے لئے نکلتا ہے تو ایک ایک قدم پر ایک ایک نیکی ملتی ہے، ایک ایک گناہ معاف ہوتا ہے، ایک قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے، کتنا بڑا احسان ہے کتنا بڑا اکرام ہے، کتنا بڑا اعزاز ہے، وہیں سے اعزاز شروع ہوتا ہے، اپنے گھر آنے والے کے لئے، یہ احسانات ہیں اللہ تعالیٰ کے، ان پر شکر ادا کرنا چاہئے۔ جیسی بڑی نعمت ہوتی ہے ویسا اس کا بڑا شکر ہوتا ہے، حق تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا، بہت بڑا انعام ہے، قرآن پاک حضور ﷺ کی بدولت ملا، روزہ حضور ﷺ کی بدولت ملا، زکوٰۃ کا حکم حضور ﷺ کی بدولت ملا، حج حضور ﷺ کی بدولت ملا، کتنے بڑے احسانات ہے، پانچ وقت سارے محلے والے جمع ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، اس کی خیریت پوچھتے ہیں، اگر کوئی شخص نہیں آیا تو تحقیق کرتے ہیں کہ کیا بات ہے، خیریت پوچھتے ہیں طبیعت تو اچھی ہے، کہیں باہر تو نہیں گیا، کوئی عارضہ تو پیش نہیں آیا، ایک ہمدردی یہی ہے، جو نماز کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے، ہفتے میں ایک روز جمعہ کے دن ساری بستی کے لوگ جمع ہوتے ہیں، تو ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو دیکھ کر اپنا محسن سمجھتے ہیں، اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھتے ہیں، کتنی بڑی ہمت اور قوت دلوں کے اندر پیدا ہوتی ہے نماز کی بدولت۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لقد مَنَّ الله علىَ المُؤمِنِينَ﴾

جو لوگ عربی سے واقفیت رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ''ل'' تاکید کے لئے آتا ہے، ''قد'' تحقیق کے لئے آتا ہے، بالتحقیق بالیقین اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان فرمایا، احسان تو سب کے لئے ہے جناب رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ عالیہ، ذاتِ مبارکہ اور ذاتِ مقدسہ سب

سان ہے، آسمانوں کے لئے بھی، زمینوں کے لئے بھی، فرشتوں کے لئے بھی، جنات کے لئے بھی، حیوانات کے لئے بھی بشر کے لئے بھی، سب کے لئے رحمت ونعمت ہے، جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ۔ لیکن فائدہ اٹھانے کے لئے مؤمن ہونا شرط ہے، جو لوگ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لاتے ہیں، وہ فائدہ اٹھاتے ہیں، یہ احسان خاص طور پر مؤمنوں کے لئے ہے، ایمان لانے والوں کے لئے ہے۔ جیسا بڑا احسان ہوتا ہے، ویسا ہی بڑا اس کا حق بھی ہوتا ہے۔

جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے حقوق بے شمار ہیں ان کو اگر سمویا جائے تو تین قسم میں سمویا جا سکتا ہے:۔

(۱) پہلا حق ہے محبت کا، جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ سے محبت ہونی چاہئے، خود حدیث پاک میں آتا ہے: ﴿لا یُؤمِنُ احدُ کُم حتیٰ اَکُونَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِن والِدِہٖ و وَلَدِہٖ والنَّاسِ اَجمَعِین﴾

”تم میں سے کوئی شخص مؤمن کہلانے کا حق نہیں رکھتا، مومن کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے جب تک کہ میری محبت اس کے دل میں اس کے ماں باپ سے اس کی اولاد سے، سب انسانوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔“

لہٰذا پہلا حق محبت کا ہے، جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ سے محبت ہونی چاہئے، ہر مسلمان کے قلب میں محبت ہونی چاہئے، محبت جو ہوتی ہے آدمی کو اپنے گھر سے بھی محبت ہوتی ہے، اپنی دکان سے، اپنے عہدے سے، اپنی اولاد سے، اپنے مال سے، لیکن جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی جو محبت ہے، وہ سب محبتوں سے بالاتر اور اعلیٰ ہونی چاہئے، اس کا اندازہ ہوتا ہے مقابلے کے وقت، ایک کی محبت کا تقاضا کچھ اور، جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی محبت کا تقاضا اور، تو آدمی کس کی محبت کو اختیار کرتا ہے، جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی محبت کو یا کسی اور کی محبت کو، اس کو دیکھنے کی ضرورت ہے، اس کے لئے تلاش کرنے کی ضرورت ہے، صحابہ کرامؓ کا حال۔ صحابہ کرامؓ نے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ سے کس طرح محبت کی ہے، اور کیسے

کیسے مقابلے کے وقت کیا کیا نوبت آئی؟......

اسلام کا سب سے پہلا جہاد غزوہ بدر کہلاتا ہے، قصہ طویل ہے، اس میں تھوڑا سا ٹکڑا یہاں نقل کرتا ہوں، قرآن پاک میں بھی غزوہ بدر کا تذکرہ آیا ہے، احادیث میں تشریح سے آیا ہے، جب غزوہ بدر ہوا ادھر سے چلے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ، کثرت سے مسلمان پیادہ تھے، ایک ایک اونٹ پر تین تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے، ایک دو گھوڑے تھے، ایک دو تلواریں تھیں، باقی کسی کے پاس تلوار نہیں، گھوڑا بھی نہیں تھا، وہاں پہنچ کر پہلا کام کیا جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے کہ اللہ کے سامنے نماز پڑھ کر دعا کی، کہ یا اللہ اتنے برسوں کے بعد یہ مسلمان تیار ہوئے ہیں، ایمان لائے ہیں، ۳۱۳ تھے مسلمان، کل صحابہ کرامؓ ۳۱۳ آدمی ایمان لائے ہیں مدتوں کی محنت کے بعد، بڑی مشقتوں سے بڑی مصیبتوں سے، اگر آج یہ قتل ہوئے تو کل تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا، اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا بس بس حضور ﷺ دعا قبول ہوگئی، ایک چھپر ڈال دیا تھا کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ اس چھپر میں رہیں، اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آئے، کوئی بات کہنی ہو اس چھپر تک آجائے، پہچاننے کے لئے چھپر ڈال دیا گیا، تلاش نہ کرنا پڑے، ادھر ادھر کہاں ہیں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ، بلکہ چھپر کو دیکھ کر یہاں آجائے، اور پہرے کے لئے حفاظت کے طور پر، حضرت ابوبکر صدیقؓ تجویز تھے، کہ حضور کے پاس رہیں گے، اگر پچاس قدم کے فاصلے پر بھی کوئی شخص جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا تو حضرت ابوبکرؓ تلوار لئے ہوئے شیر کی طرح اس پر جھپٹتے تھے، جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی حفاظت کے لئے۔ قدرت کی بات اس جہاد میں حضرت ابوبکرؓ تو ادھر تھے، اور ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر مشرکین کے ساتھ کافروں کے ساتھ تھے، وہ اس وقت ایمان نہیں لائے تھے، اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی، ستر مشرکین قتل ہوئے اور ستر گرفتار ہو کر قیدی بنا لئے گئے، اللہ نے وہ دن دکھایا کہ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ بھی ایمان لائے، ایک دن اپنے والد سے کہنے لگے کہ بدر کی لڑائی میں آپ ایک موقع پر آئے تھے، نشانے پر آئے تھے، میں چاہتا تو آپ کو قتل کر دیتا، لیکن باپ ہونے کا

خیال کیا کہ آپ میرے باپ بھی ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے کیا جواب دیا، جانتے ہو؟...... انہوں نے جواب دیا کہ تم نے باپ ہونے کا خیال کیا، لیکن اگر تو میرے نشانے پر آجاتا تو میں تجھے زندہ نہ چھوڑتا، میں خیال نہ کرتا کہ تو میرا بیٹا ہے، میں تجھے فوراً قتل کر دیتا، تیری مجال حضور ﷺ کے مقابلے میں تلوار لے آئے، یہاں سے اندازہ لگانے کی ضرورت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے دل میں حضور ﷺ کی محبت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی، ایسے مقابلے کے وقت پتہ چلتا ہے کہ کس کی بات صحیح ہے کسی کی نہیں۔

حضرت ابوسفیانؓ کی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ حضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ ان کے پاس ان کے باپ ابوسفیانؓ آئے، ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے دیکھا کہ جب باپ آئے ہوئے ہیں تو جو بستر بچھا ہوا تھا جلدی سے لپیٹ کر الگ رکھ دیا، باپ نے پوچھا یہ کیا، دنیا کا دستور یہ ہے کہ جب باپ جاتا ہے بیٹی کے پاس تو بیٹی اس کے لئے بستر بچھا دیتی ہے، تو نے بچھا بچھایا بستر اٹھا کے رکھ دیا، انہوں نے بتایا، یہ بستر نبی کریم ﷺ کا ہے، تم نجس ہو، کافر ہو، مشرک ہو، ایمان نہیں لائے ہو، اس قابل نہیں کہ حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھ سکو، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی محبت زیادہ تھی باپ کی محبت سے۔

صحابہ کرام کے بہت سے واقعات ہیں، ساری زندگی بھری ہے، اسی طریقے پر کہ ان حضرات کے یہاں محبت حضور ﷺ کی زیادہ تھی، اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کا ایک حق ہے محبت کرنا، لیکن اتنا یاد رہے کہ خالی محبت بغیر عقیدت کے بغیر اطاعت کے خالی محبت کا دم بھرنا نجات کے لئے کافی نہیں۔

دوسرا حق ہے عقیدت کا، عقیدت کے کیا معنیٰ؟...... یہ یقین کرلیں اور یہ فیصلہ کرلیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ جو دین لے کر آئے جو کتاب لے کر آئے، جو احکام لے کر آئے وہ سب حق ہیں، وہ سب سچے ہیں، ایسے سچے کہ ان کو اختیار کئے بغیر نجات نہیں، نجات حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں ہے، یہ یقین رکھنا، یہ عقیدت رکھنا یہ دوسرا حق ہے حضور ﷺ کا، چنانچہ چالیس سال کی زندگی حضور اکرم ﷺ کی ایسی تھی مکہ مکرمہ کی کہ سب لوگ

آپ سے محبت کرتے تھے، مرد بھی اور عورت بھی، آپ کو امین کہتے تھے سچے بہت سچے امانت دار، لوگ آپ ﷺ کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے، آپ ﷺ کو سچا مانتے تھے سبھی محبت کرتے تھے، لیکن ہوا کیا؟...... جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ ''کہ آپ ﷺ اپنے خاندان کے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے، اللہ کے احکام کی دعوت دیجئے۔''

یعنی نبوت کا آپ نے اظہار فرمایا، آپ ﷺ کے ساتھ یہ عقیدت رکھنا کہ آپ کی ہر بات میں نجات ہے، آپ بالکل سچے ہیں، آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر آواز دی سب کے سب گھبرا گئے، یہ کیسی آواز ہے، اس سے پہلے تو کسی نے اس طرح تو پکارا نہیں تھا اور آواز سارے مکہ میں پھیل گئی، ایک تو وہاں آبادی اور بڑے بڑے محلات اور مکانات تو اس زمانے میں تھے نہیں، اس لئے جو آواز اللہ کے حکم سے دی گئی تھی، اس کو کون روک سکتا تھا، کون رکاوٹ بن سکتا تھا؟...... کوئی رکاوٹ نہیں تھی، چنانچہ سب لوگ دوڑ کر آئے، یہ کیا قصہ پیش آیا ہے، کیوں ایسے پکارا جارہا ہے، اور جو خود نہیں آسکا کسی مشغولی کی وجہ سے دوسرے آدمی کو بھیجا کہ دیکھو کیا معاملہ ہے، تحقیق کرو، جب وہ سارے جمع ہو گئے تو حضور ﷺ نے پہلے تو امتحان لیا، فرمایا اگر میں یہ کہوں تم کو کہ پہاڑ کے پاس دشمن کا لشکر ٹھہرا ہوا ہے جو صبح ہوتے ہی تم پر حملہ کر دے گا، تم رات سے ہی اپنے بچاؤ کا انتظام کر لو، کیا تم مجھے سچا مانو گے؟...... یہ پوچھا، سب نے کہا: "ماجربنا علیک الکذب" آپ (ﷺ) کے متعلق غلط بیانی کا کبھی کوئی تجربہ نہ ہوا، آپ نے آج تک جو بات فرمائی، سچ فرمائی، ہم ضرور مانیں گے، تسلیم کریں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، کوئی دشمن کا لشکر تو موجود نہیں، لیکن جب آپ (ﷺ) فرماتے ہیں تو ہم اپنی آنکھوں کو جھٹلا دیں گے، اور آپ (ﷺ) کی باتوں کو مانیں گے، تب آپ ﷺ نے فرمایا: میں خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں، آپ لوگوں کی طرف آیا ہوں، خدا کے عذاب سے ڈرو، مرنے کے بعد دوبارہ پھر زندہ ہونا ہے، اور ذرّے ذرّے کا حساب ہوگا وہاں پر، اس مجمع میں اس مجلس میں جو شخص سب سے زیادہ

دعویٰ محبت کرنے کا دم بھرنے والا تھا، جو حضور ﷺ کا چچا تھا اس کا نام تھا ابولہب، اس نے سب سے پہلے حضور ﷺ کی مخالفت کی، محبت تو وہ کرتا تھا لیکن اس عقیدت کے لئے تیار نہیں ہوا، کہ آپ کو رسول جانے، جو بات آپ ﷺ اللہ کی طرف سے پہنچائے ہیں اس کو تسلیم کریں، وہاں سے الگ ہوا، اس نے سخت لفظ کہے حضور ﷺ کی شان میں، حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں سورۂ تبت یدا نازل کی، اس کو جہنمی دوزخی فرمایا، ابولہب کو اس ساری محبت کے باوجود محبت کیسی تھی کہ حضور ﷺ کے والد تھے عبداللہ، ان کے گھر میں جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی، حضور ﷺ پیدا ہوئے، ابولہب کی ایک باندی تھی ثوبیہ اس نے آ کر ابولہب کو خوشی خوشی اطلاع کی کہ تمہارے گھر بھتیجہ پیدا ہوا ہے، ابولہب نے خوشی میں آ کر اسی وقت اس کو آزاد کر دیا تھا، بعد میں کتنی محبت تھی، کیسی خوشی کی بات سنا دی، خدا جانے کتنی دفعہ کندھے پہ اٹھایا ہوگا، گود میں بٹھایا ہوگا بھتیجے کو محبت کی وجہ سے، یہ ساری محبت بیکار گئی، اس واسطے کہ عقیدت نہیں تھی، عقیدت کیا تھی؟...... حضور ﷺ کو سچا مانیں۔

محبت تو یہ ہے لیکن بنیادی چیز حضور ﷺ کو سچا رسول ماننا اور یہ فیصلہ کر لینا جو کچھ حضور ﷺ فرمائیں گے ہم اس کے ماتحت رہیں گے، یہ عقیدت ہے سچا تو سبھی مانتے تھے۔

حضرت سعدؓ مدینہ طیبہ میں انصار کے سردار تھے اپنے قبیلے کے، ان کا معمول تھا جب مکہ آتے تو امیہ بن خلف کے یہاں ٹھہرتے اور اس کے ساتھ تعلقات تھے، امیہ بن خلف جب مدینہ طیبہ آتا حضرت سعدؓ کے یہاں ٹھہرتا، جب یہاں سے ہجرت کا قصہ پیش آیا صحابہ کرامؓ مدینہ طیبہ میں ٹھہرے، ایک مرتبہ حضرت سعد آئے اور آ کر اپنے معمول اور طرز کے مطابق امیہ بن خلف کے پاس ٹھہرے، امیہ سے کہا میرا جی چاہتا ہے طواف کرنے کو، کونسا وقت مناسب ہے، اس نے کہا دن چڑھے مناسب ہے، دن چڑھے گئے طواف کرنے کو وہاں ابوجہل بھی تھا، ابوجہل نے کہا امیہ سے، یہ تیرے ساتھ کون ہے، اس نے کہا یہ سعد ہے، ابوجہل نے کہا جو لوگ ہمارے باغی تھے مخالف تھے ان کو تم نے اپنے یہاں پناہ دی، اپنے یہاں ٹھہرایا اور مزے سے طواف کرتے ہو، یعنی حضور ﷺ اور صحابہؓ کو تم لوگوں نے

ٹھکانا دیا، اپنے یہاں ٹھہرایا یہ ہمارے دشمن ہیں، ہم نے ان کو نکالا ہے، اور آج تم ہمارے علاقے میں طواف کرتے ہو خوشی خوشی، اس پر حضرت سعدؓ نے کہا: دیکھ اگر تو نے مجھے طواف کرنے سے روکا تو میں تیرا شام کا راستہ روکوں گا۔

دستور یہ تھا کہ قریش مکہ کے رہنے والے ملک شام جایا کرتے تھے، ایک سفر تو وہ کرتے تھے یمن کا اور ایک سفر کرتے تھے شام کا، قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے: ﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ﴾ ''چونکہ قریش خوگر ہوئے ہیں (یعنی) جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں۔''

ایک جگہ جاتے تھے سردی کے زمانے میں اور ایک جگہ جاتے تھے گرمی کے زمانے میں اور سارے سال کی ضروریات وہاں سے خرید لاتے تھے مکے والوں کے لئے اور جتنے ڈاکو تھے وہ قریش کے قافلے کو کچھ نہیں کہتے تھے، شام جانے کا راستہ مدینہ طیبہ کے قریب تھا، حضرت سعد نے کہا، اگر تو نے مجھے طواف کرنے سے روکا تو میں تمہارا ملک شام جانے کا جو راستہ ہے مدینہ طیبہ میں تمہارا وہ راستہ روکوں گا۔ شام نہیں جا سکے گا، امیہ نے کہا سعدؓ سے زور سے نہ بول ابو جہل کے سامنے یہ قوم کا بڑا آدمی ہے، یہاں کا سردار ہے، انہوں نے اسے بھی ڈانٹا میں نے سنا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھے قتل کریں گے، اب امیہ نے کہا مجھے؟......سعدؓ نے کہا ہاں، کہاں مکے میں کہ کہیں اور؟......کہا یہ نہیں بتایا کہاں، بس حضور ﷺ کی فرمائی ہوئی بات اس کے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ بالکل غمگین ہو گیا۔ پھر جا کر اپنی بیوی سے گھر میں کہا کہ سعد نے ایسا کہا، چنانچہ میں مکہ سے نکلوں گا ہی نہیں، مکے میں ہی بیٹھوں گا، اس واسطے کہ مکہ پر ان لوگوں کا اتنا تسلط تھا قبضہ تھا کہ سمجھتے تھے کہ حضور ﷺ یہاں آ ہی نہیں سکتے، قتل کی نوبت آئے گی تو باہر ہی آئے گی، میں باہر جاؤں گا ہی نہیں، یہ بیوی سے بھی کہہ دیا پھر جب بدر کا قصہ پیش آیا، ابو جہل لوگوں سے کہتا ہے، چلو بدر، چلو بدر، تو امیہ سے بھی کہا، امیہ نے کہا میں نہیں جاؤں گا، سعدؓ نے کہا حضور ﷺ تمہیں قتل کریں گے، ابو جہل نے پٹی پڑھائی، اگر تو نے انکار کیا تو اور لوگ بھی بیٹھ جائیں گے، چل تھوڑی دور پھر چپکے

سے واپس آجانا، اس نے کہا اچھی بات ہے، بیوی سے کہا ذرا سامان تیار کرنا میں جا رہا ہوں، اس نے کہا یاد نہیں رہا تمہارے دوست سعدؓ نے کیا کہا تھا، کہا مجھے یاد ہے، لیکن میں زیادہ دور نہیں جاؤں گا، جلدی واپس آؤں گا۔ گیا، چلتا رہا چلتا رہا یہاں تک کہ بدر پہنچا اور اللہ نے وہاں قتل کرایا اس کے جی کے اندر غیر اختیاری طور پر ایسی بات بیٹھ گئی کہ حضور ﷺ نے جو بات فرمائی وہ ہو کے رہے گی، لیکن ایمان اس کا نام نہیں، ایمان اس کا نام ہے اپنے اختیار سے اپنے آپ کو پیش کر دینا اور طے کر دینا کہ میری زندگی حضور ﷺ کے حکم کے ماتحت گزرے گی، اس فیصلے کا نام ایمان ہے جو اپنے اختیار سے ہوتا ہے۔

دوسرا حق کیا ہے؟...... عقیدت کا۔ عقیدت کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کو سچا رسول مانے اور یقین کے ساتھ جانے کہ نجات اسی میں ہے، حضور ﷺ کی اتباع میں نجات ہے، اور یہ طے کر کے فیصلہ کرے کہ میری زندگی حضور ﷺ کے حکم کے ماتحت گزرے گی، جو کچھ ارشاد فرمائیں گے وہ کروں گا۔ یہ عقیدت ہونا ضروری ہے یہ تو دوسرا حق ہوا۔

اور تیسرا حق ہے اطاعت کا، محبت بھی ہو عقیدت بھی ہو اور اطاعت نہ ہو، اس کی مذمت آئی ہے، حضور ﷺ نے اپنی سب سے زیادہ چہیتی اور لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو فرمایا اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ میں پیغمبر کی بیٹی ہوں بخشی جاؤں گی، وہاں اپنا عمل کام آئے گا۔ دنیا میں پیسے روپے کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لے لیکن عمل کرو، اپنا عمل کام آئے گا، ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو حضور ﷺ سے محبت تھی، ایسی محبت تھی جس کو بیان نہیں کر سکتے اتنی محبت تھی، ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ حاضر ہوئیں خدمت اقدس میں، حضور ﷺ نے فرمایا کیسے آنا ہوا، فاطمہؓ نے عرض کیا کہ حضرت (ﷺ) آج میں نے روٹی پکائی تھی، میرا جی نہ مانا کہ آپ (ﷺ) کے بغیر خود کھاؤں، اس لئے آپ (ﷺ) کے واسطے لے آئی، جب حضور ﷺ حضرت فاطمہؓ کو دیکھتے تھے، تو ان کو گلے لگا لیتے، لپٹا لیتے، سینے سے لگا لیتے، پیار کرتے ان کو، بڑی محبت فرماتے، فرمایا اہل جنت بیویوں کی فاطمہؓ سردار ہے، فاطمہ سیدہ ہے، جنت میں جنتی عورتیں جائیں گی، سب کی سردار حضرت فاطمہؓ ہیں، تو حضرت فاطمہؓ کو حضور ﷺ سے محبت

بھی زیادہ تھی، عقیدت بھی، جانتی تھیں کہ سچے رسول ہیں، ایمان لائیں سبھی کچھ تھا، ان کو بھی فرمایا کہ بغیر اطاعت سے کام نہیں چلے گا۔

حضور ﷺ کی پھوپھی کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم دیکھو اس خیال میں نہ رہنا کہ پیغمبر (ﷺ) کی پھوپھی ہوں، بخشی جاؤں گی، اپنے اعمال کام آئیں گے، اس رشتہ داری کی بنا پر کوئی نہیں بخشا جائے گا۔ اگر رشتہ داری کی بنا پر کوئی بخشا جاتا تو حضرت نوحؑ کے بیٹے بخشے جاتے، حضرت ابراہیمؑ کے والد کی بخشش ہوتی کہ وہ پیغمبر کے باپ تھے، اگر بخشش ہوتی تو حضرت لوطؑ کی بیوی کی بخشش ہوتی کہ وہ پیغمبر کی بیوی تھیں لیکن نہیں ایسا نہیں۔ ﴿لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَاسَعیٰ﴾ (النجم) ”انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔“ (بیان القرآن)

جو آدمی خود ایمان لایا اس کا ایمان اس کے لئے ذریعہ نجات ہے، اور اگر اسکے خاندان کے دوسرے لوگ ایمان لائیں وہ ذریعہ نجات نہیں، کوئی شخص یوں سوچے کہ میں بڑے گھرانے کا آدمی ہوں، بخشا جاؤں گا، اس کو سوچنا چاہئے کہ جب حضور ﷺ نے اپنی بیٹی کو فرمایا، تو پھر اوروں کے لئے کیا گنجائش ہے؟...... سوچنا چاہئے کہ کوئی شخص کہے کہ میں بادشاہ کا لڑکا ہوں، ہاں بادشاہ کا بیٹا ہے لیکن خود اپنا عمل بھی ہونا چاہئے، اگر اپنے پاس کچھ نہیں تو بادشاہ کون سی گدی پر بٹھادے گا اس لئے اطاعت کی ضرورت ہے۔

حدیث میں میں آتا ہے کہ حضور ﷺ تشریف لائے منبر پر، آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿یا ایُّهَا النَّاسُ اِجلِسُوا﴾ ”اے لوگو! بیٹھ جاؤ۔“ جو جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے، یہ نہیں سوچا کہ میں پہلی صف میں بیٹھوں، دوسری صف میں بیٹھوں، جس کے کانوں میں یہ آواز آئی وہ وہاں پر ہی بیٹھ گیا، یہ تھی اطاعت، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اس وقت مسجد سے باہر تھے مسجد کے اندر نہیں آسکے ان تک یہ آواز پہنچ گئی، باہر ہی بیٹھ گئے، جب حضور ﷺ نے ان کو دیکھا تو فرمایا ابن مسعود اندر آجاؤ، تو وہ آگئے، انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ حضور ﷺ نے فرمایا بیٹھ جاؤ، مسجد کے اندر بیٹھنے کو کہا، یا میں مسجد کے اندر جا کے بیٹھوں گا، یہ نہیں سوچا۔ سوچتے کیسے ان

حضرات کو ہر وقت موت کا تصور غالب رہتا تھا، اگر یہ سوچتے کہ اندر چل کر بیٹھوں گا، کیا خبر تھی کہ اندر پہنچنے سے پہلے پہلے موت آجائے، گردن پکڑ لے، کل قیامت میں سوال ہوگا ہمارے رسول ﷺ کی آواز تمہارے کانوں میں پڑی بیٹھ جاؤ، تم بیٹھے کیوں نہیں؟...... کیا انہوں نے کہا تھا کہ اندر آ کے بیٹھ جاؤ، اسلئے فوراً حکم کی تعمیل کرنا ان حضرات کا کام تھا، اور موت کا تصور ان حضرات کو ایسا تھا۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ کا گذر ہوا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی دیوار کو لیپ رہے تھے، ان کی والدہ بھی لیپ رہی تھیں، حضور ﷺ نے پوچھا کیا کر رہے ہو، عرض کیا حضرت دیوار لیپ رہے ہیں پرانی ہوگئی ہے، گر جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے لیپ رہے ہیں تا کہ کچھ روز کھڑی رہے دیوار، فرمایا کہ موت اس سے قریب ہے، دیوار کے متعلق تو تم اندازہ لگا رہے ہو اتنی دیر تک کھڑی رہے گی، لیکن موت اس سے قریب ہے، موت نہیں دیکھتی، جلدی سے جلدی بھی آجاتی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان سنا اور فوراً بنائی دیوار گرادی۔ اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ:

ایک مرتبہ اونٹ پر سوار تھی صحابہ کرام کی جماعت، حضور ﷺ بھی موجود، تشریف لے جا رہے ہیں، سرخ چادریں یمنی اونٹوں پر پڑی ہوئی ہیں اور ایک عجیب منظر تھا خوشنما، حضور ﷺ نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کی طبیعتیں سرخی کی طرف مائل ہوتی جا رہی ہیں، بس فوراً سے کود ے، اونٹوں سے چادروں کو پھاڑ پھاڑ کر ختم کیا، جو چیز آقائے نامدار ﷺ کو ناپسند ہو اس کو رکھنے کے لئے تیار نہیں، یہ تھا اطاعت کا مادہ۔

حضرت عمر فاروقؓ ایک جبہ پہن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، ریشمی جبہ تھا، حضرت نے فرمایا ریشم تو مرد کے لئے ناجائز ہے، اٹھے جبے کو اتارا، سامنے تندور تھا روٹی پکانے کا، جا کے تندور میں ڈالا جبے کو آگ میں، دوسرے وقت حاضر ہوئے، حضور ﷺ نے فرمایا اس جبے کا کیا ہوا؟...... عرض کیا حضرت (ﷺ) میں نے اس کو جلا دیا، حضور ﷺ نے فرمایا کیوں تمہارے لئے ہی تو ناجائز تھا، بچیوں کے لئے کپڑے بنوا دیتے، ان کے لئے

درست تھا، لیکن بھائی جس شخص کے دل میں حضور ﷺ کی محبت جمی ہوئی ہے ہر چیز کی محبت پر غالب ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ لباس ناپسند ہے، وہ تو یہ سوچتا ہی نہیں کہ کسی اور کام آسکتا ہے کہ نہیں، وہ تو یہ سمجھے گا کہ وہ چیز آگ میں جلانے کے قابل ہے جو حضور ﷺ کو ناپسند ہے۔ حضور ﷺ کی اطاعت کا داعیہ یہاں تک تھا کہ حضرت علیؓ اونٹ پر سوار ہوئے سفر میں جانے کے لئے، آپؓ نے چند کلمات پڑھے "سبحان الله الحمدلله لااله الا الله الله اکبر" اونٹ کو تھچی ماری اور ہنسے، کسی نے پوچھا یہ کیوں کیا؟...... فرمایا کہ حضور ﷺ کو میں نے دیکھا اسی طرح اونٹ پر سوار تھے، اسی طرح یہ کلمات پڑھے، اسی طرح اونٹ کو تھچی ماری اور ہنسے، اتنی اتنی باتوں پر حضور ﷺ کا اتباع کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے راستے میں سفر کرتے ہوئے ایک جگہ اونٹ سے اترے اور ایک درخت کے نیچے ذرا دیر لیٹے، آرام کیا اور اس کے بعد سوار ہوئے چل دیئے کسی نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟...... فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اسی جگہ اتنی دیر آرام فرمایا ہے، ایک جگہ اترے اپنے اونٹ سے، اونٹ کو بٹھایا، خود بھی بیٹھ گئے جیسے آدمی پیشاب کرنے کے لئے بیٹھتا ہے، پیشاب تو نہیں کیا بس بیٹھ گئے پیشاب کرنے کی ہیئت بنائی، کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟...... کہا کہ اس جگہ پر حضور ﷺ نے پیشاب کیا تھا، یعنی جو چیزیں حضور ﷺ نے عبادت کے طور پر نہیں کی تھی، اپنی ضرورت کے لئے نہیں کیں، ان میں بھی یہ لوگ اتباع کرتے تھے۔ حضرت حذیفہؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ دن رات میں کیا کرتے تھے؟...... تو انہوں نے کہا کہ صبح اٹھو اور آجاؤ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس، اور دیکھتے رہو جس طرح یہ وضو کرتے ہیں سمجھ لو اسی طرح حضور اقدس ﷺ وضو فرماتے تھے، جس طرح یہ نماز پڑھتے ہیں، نماز میں قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ کرتے ہیں، سمجھ لو حضور اقدس اسی طرح سے کرتے تھے، جس طرح چلتے ہیں سمجھ لو کہ حضور ﷺ اسی طرح چلتے تھے، جس طرح کسی کے سلام کا جواب دے کر مصافحہ کرتے ہیں، جس طرح یہ بیٹھتے ہیں، کسی کے سوال کا جواب دیتے ہیں اسی طرح غرضیکہ ہر چیز میں انہوں نے

اپنے آپ کو حضور ﷺ کے رنگ میں رنگ لیا تھا، ڈھال لیا تھا۔

یہ ہے حضور ﷺ کا حق، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے اس دنیا میں، اور کہا کہ ہم کو ایسی زندگی چاہئے جیسے ہمارے رسول ﷺ کی، آج ہم اپنے گھروں میں بیٹھ کر، مجلس میں بیٹھ کر چاہے محبت کے دعوے کریں کہ ہم کو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بہت محبت ہے، لیکن دیکھنا چاہئے کہ اس محبت کا اثر ہمارے دلوں پر کتنا ہے؟..... تو ہم اپنے گھر میں اپنی مجلس میں بیٹھ کر حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بہت محبت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن کیا ہماری صورت حضور اکرم ﷺ کی صورت کے مطابق ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص آیا جس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی، حضور ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا، وہ ادھر آیا حضور ﷺ نے ادھر منہ پھیر لیا، معلوم کیا کہ کیا بات ہے کہ تمہاری داڑھی منڈی ہوئی ہے، تو حضور ﷺ نے جس شخص کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں فرمایا اور ناخوش ہو کر چہرہ مبارک پھیر لیا، آج ہمارا جو حال ہے ہمارے دل میں کبھی خیال بھی آتا ہے اس کا کہ حضور ﷺ کو ناپسند تھا داڑھی منڈانا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿اِعفُوا اللُّحیٰ (اور) اَرخُوا اللُّحیٰ﴾ ''داڑھی بڑھاؤ، داڑھی لٹکاؤ۔''

حضور اکرم ﷺ کا تو یہ حکم ہے اور ہم کٹا کٹا کے منڈا منڈا کے اسے ختم کر دیں، یہ محبت کا تقاضا نہیں، یہ عقیدت کا تقاضا نہیں، یہ اطاعت کا تقاضا نہیں، لہٰذا بغیر عقیدت اور اطاعت کے جو شخص محبت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا دعویٰ کب قابل قبول ہے؟..... قابل قبول نہیں اس کا دعویٰ، نبی اکرم ﷺ کی احادیث بے شمار بھری ہیں، ہر چیز کے متعلق ہدایات موجود ہیں حتیٰ کہ جو لوگ زیادہ عبادت کریں ایسی جو حضور اکرم ﷺ نے نہیں کی، حضور اکرم ﷺ سے ثابت نہیں، اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

تین شخص آئے حضور اکرم ﷺ کے مکان پر، اور پوچھا کہ حضور ﷺ رات بھر کیا عمل کرتے ہیں، دن بھر کیا کرتے ہیں؟..... بتلایا کہ رات میں یہ عمل کرتے ہیں، دن میں یہ عمل کرتے ہیں، ان تینوں نے آپس میں یہ معاملہ طے کر لیا، ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ

رکھوں گا، کبھی بے روزہ نہیں رہوں گا، ایک نے کہا میں ساری رات نماز پڑھوں گا بالکل نہیں لیٹوں گا، بالکل نہیں سوؤں گا، ایک نے کہا میں شادی نہیں کروں گا، عورتوں کے پاس نہیں جاؤں گا، حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ملی، حضور اکرم ﷺ نے سب کو بلا کر فرمایا: میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، تم سے زیادہ تقویٰ مجھ کو حاصل ہے، لیکن میں رات میں سوتا بھی ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں، ایسا نہیں کہ ساری رات جاگوں بلکہ رات میں کچھ حصہ سوتا ہوں، کچھ نماز پڑھتا ہوں، میں روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، ایسا نہیں کہ ہمیشہ روزہ رکھوں، عام طور پر معمول تھا پیر کو اور جمعرات کو حضور ﷺ روزہ رکھتے تھے اور فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے روز بندے کے اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کئے جاتے ہیں، اور گناہ گار لوگوں کو معاف فرماتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میرے نامۂ اعمال ایسے حالات میں پیش ہوں کہ میں روزہ دار ہوں، اور فرمایا کہ میں شادی بھی کرتا ہوں۔

﴿فَمَن رَغِبَ عَن سُنَّتِي فَلَيسَ مِنِّي﴾ ''جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں۔''

یعنی اگر ساری رات جاگنا، ساری رات عبادت کرنا اور پھر نکاح نہ کرنا، اگر ان چیزوں کو کوئی اختیار کرتا تو وہ قابل قبول نہیں، تو جو چیزیں گناہ کی ہیں تو وہ گناہ ہیں ہی، جو چیزیں طاعت اور عبادت ہوں مگر حضور ﷺ کی منشا کے مطابق نہ ہوں وہ بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں، مقبول وہ چیزیں ہیں جو حضور ﷺ کے طریقے پر ہوں، حضور ﷺ جس طرح نماز میں قیام کرتے ہیں وہ مقبول، جس طرح رکوع کرتے تھے وہ مقبول، جس طرح سجدہ کرتے تھے وہ مقبول، جس طرح قرآن پاک پڑھتے، لباس پہنتے وہ مقبول، جیسی صورت مبارکہ وہ مقبول، اور جو چیزیں حضور اکرم ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہوں وہ اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔

اس لئے حضور ﷺ جیسا بڑا نبی، بڑا انعام ہم کو ملا، اس کے مطابق شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے اور شکر ادا کرنے کے لئے یہ تین چیزیں ضروری ہیں جو ہم نے بیان کی، کہ محبت

اعلیٰ درجہ کی ہو، عقیدت اعلیٰ درجہ کی ہو کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کسی بات پر یقین نہیں، اپنے اعمال پر یقین نہیں، حضور ﷺ کے ارشاد پر یقین ہے، تیسری چیز اطاعت، حضور ﷺ کی بجا آوری، حضور ﷺ کے طریقہ پر زندگی گزارنا، یہ تین حق ہیں، اگر ان تین حقوق کو ادا کیا تو اللہ کے یہاں مقبول، اگر ادا نہیں کیا تو اللہ کے یہاں مقبول نہیں، دنیا میں بھی بڑی عزت، آخرت میں بھی بڑی عزت اطاعت سے ہی ہے، صحابہ کرامؓ میں کیا بات تھی؟...... یہی بات تھی کہ ہر ایک ان میں سے اطاعت کرتے تھے، کہ ہر کام حضور ﷺ کے طریقے پر ہو، حضور ﷺ کی اطاعت میں ہو، حضور ﷺ کے اتباع میں ہو، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلیٰ اور اشرف بنایا، باکمال بنایا، انبیاءؑ کے بعد صحابہ کرامؓ کا درجہ ہے، صحابہ کرامؓ میں سے چھوٹے سے چھوٹے صحابی ہوں یا بڑے سے بڑے۔ صحابہ کرامؓ میں بھی فرق ہے کوئی باپ تھے، کوئی بیٹے، کوئی دادا کوئی استاذ تھے، کوئی شاگرد، کچھ خدمت اقدس میں زیادہ حاضر ہوئے کچھ کم ہوئے۔ یہ صحیح ہے، لیکن ہمارے لئے سب کے سب سارے صحابہؓ واجب التعظیم ہیں، اور کسی کی شان میں کسی گستاخی، کسی بے ادبی کا کوئی حق نہیں پہنچتا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کچھ ان کے دلوں میں ڈالا، جو کچھ طریقہ انہوں نے اختیار کیا ہم کو وہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، لکھنے والوں کو بھی اور پڑھنے والوں کو بھی، آمین یارب العالمین۔ (بحوالہ خطباتِ محمود جلدِ سوم از افادات مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ)

بہر حال خلاصہ یہ ہوا کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات واحسانات ہیں، ان تمام انعامات میں ایک انعام اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایسا فرمایا جو سب سے بڑا انعام تھا، اور جس کی وجہ سے تمام انعامات کی تکمیل ہوگئی، تمام انعامات مکمل ہوگئے، تمام انعامات ٹھکانے لگ گئے، وہ انعام اگر نہ ہوتا تو باقی سارے انعامات ادھورے رہ جاتے، اس ایک انعام کی وجہ سے تمام انعامات مکمل ہوگئے۔

میرے پیارے اور انتہائی قابل احترام قارئین! وہ ایک انعام ہے سرکار دو عالم ﷺ کو بھیج کر ہمیں ہدایت کی دولت سے مالا مال کرنا، یہ ایک انعام ہے جس نے سارے

انعامات کو مکمل کر دیا، اگر سرکار دو عالم تشریف نہ لاتے، اور ہمیں ہدایت نہ ملتی تو باقی سارے انعامات ادھورے رہ جاتے، ہم ان سے صرف دنیا کی چند روزہ زندگی میں تو فائدہ اٹھا سکتے، مگر مرنے کے بعد وہ ہمارے کام کے نہیں تھے، بلکہ وہی انعامات ہماری بربادی اور تباہی کا سبب بن جاتے، اس بات پر آپ جتنا بھی غور کرتے جائیں گے، انشاء اللہ آپ پر حقیقت کھلتی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کے جتنے انعامات تھے، ان کے استعمال کا طریقہ سرکار دو عالم ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو اس طرح استعمال کرو گے، جس طرح میں بتا رہا ہوں، تو یہ نعمتیں دنیا میں جس طرح تمہارے کام آ رہی ہیں اسی طرح آخرت میں بھی مرنے کے بعد بھی تمہارے کام آئیں گی اور تم ان سے فائدہ اٹھا سکو گے، اور اگر تم نے ان کو غلط طریقے سے استعمال کیا، اپنی مرضی اور اپنی چاہت سے استعمال کیا، میرے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال نہ کیا، تو ان نعمتوں سے صرف دنیا کی چند روز زندگی میں فائدہ اٹھا سکو گے، مرنے کے بعد یہی نعمتیں تمہاری تباہی اور بربادی کا سبب بن جائیں گی۔

آپ سوچیں اور غور کریں، یہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں، ان کے استعمال کا طریقہ سرکار دو عالم ﷺ نے آ کر بتایا ان آنکھوں کو اللہ تعالیٰ کا قرآن دیکھنے کے لئے استعمال کرو، تو ایک ایک حرف پر ثواب کے انبار جمع کرتے رہو گے جو تمہارے لئے ذخیرہ آخرت بنے گا، انہی آنکھوں سے والدین کے چہرے پر رحمت اور شفقت کی نگاہ ڈالنے کے لئے استعمال کرو گے، تو ایک ایک نگاہ پر حج مقبول کا ثواب پاؤ گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اگر ایک دن میں کوئی سو مرتبہ بھی نگاہ ڈالے تب بھی حج مقبول کا ثواب ملے گا؟...... آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی وسیع ہے۔

اگر یہی آنکھیں تم نامحرم عورتوں کو دیکھنے میں استعمال کرو گے، یا ٹی، وی اور وی، سی، آر کے نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے لئے استعمال کرتے رہو گے، تو مرنے کے بعد تمہاری یہی آنکھیں تمہاری بربادی اور تباہی کا سبب بن جائیں گی۔

اسی طرح کان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں، ان کے استعمال کا طریقہ آپ ﷺ نے بتایا ان کانوں کو اللہ تعالیٰ کا قرآن سننے میں دین کی باتیں سننے میں استعمال کرو گے تو آخرت کے لئے ثواب کے انبار لگا لو گے، اور اگر ان کانوں کو گانا سننے کے لئے استعمال کرو گے، غیر محرم کی باتیں سننے کے لئے استعمال کرو گے، یہی کان مرنے کے بعد تمہاری تباہی اور بربادی کا سبب بن جائیں گے اور ان میں پگلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔

اسی طرح زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اس کے استعمال کا طریقہ بھی سرکار دو عالم ﷺ نے آکر بتایا کہ اگر اس زبان کو صحیح استعمال کرو گے قرآن پاک کی تلاوت میں درود شریف پڑھنے میں استعمال کرو گے تو آخرت کا اتنا بڑا ذخیرہ ثواب کا جمع کر لو گے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے اسی زبان کو "سبحان اللہ الحمد للہ" کہنے میں استعمال کرو گے، تو جنت میں تمہارے نام کے اتنے بڑے بڑے درخت لگ جائیں گے، جن کے سائے کو تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر سو سال میں بھی طے نہیں کیا جاسکتا۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: جنت میں جانے کے بعد جنتیوں کو کسی بات پر اور کسی کام پر افسوس نہیں ہوگا، مگر دنیا میں جو وقت ان کا اللہ تعالیٰ کی یاد اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت میں گزرا ہوگا، اس وقت پر افسوس ہوگا، جب دیکھیں گے کہ ایک مرتبہ الحمد للہ اور ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے پر اتنا بڑا ثواب مل رہا ہے، تو افسوس کریں گے کہ دنیا میں ہم نے اپنے فلاں وقت کو کیوں ضائع کیا کاش اس وقت میں بھی اگر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تو آج اجر وثواب اور زیادہ مل جاتا۔ بعض بزرگ ایسے گذرے ہیں جو روٹی کھانے کے بجائے ستو پھانک کر گذارہ کیا کرتے تھے، پوچھنے پر وجہ ارشاد فرمائی کہ روٹی کھانے اور لقمہ چبانے میں بہت زیادہ وقت ضائع ہو جاتا ہے، اتنی دیر میں تو بہت زیادہ تعداد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاسکتا ہے، اس لئے ہم ستو پھانک کر گذارہ کر لیتے ہیں، تاکہ ہمارا وقت ضائع ہونے سے بچ جائے۔

افسوس اور صد افسوس، ایک ہم ہیں جن کے پاس دنیا کی سب سے زیادہ فضول اور

بے قیمت چیز ہے تو وقت ہے، جس کو پانی کی طرح بہا رہے ہیں اور ضائع کر رہے ہیں دوستوں کے ساتھ گپ شپ لگانے میں، ٹی وی دیکھنے میں، کرکٹ میچ دیکھنے میں سننے میں، غیبت کرنے میں ہر طرح وقت کو برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

بہر حال بات دوسری طرف نکل گئی، خلاصہ یہ ہے کہ زبان اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال کی، تو جس طرح تم دنیا میں اس سے فائدہ اٹھا رہے ہو پھر بھی اس سے فائدہ اٹھاتے رہو گے، اور اگر خدانخواستہ صورت دوسری ہے، تم نے یہ زبان گانا گانے میں جھوٹ بولنے میں غیبت کرنے میں، بہتان لگانے میں، دھوکہ اور فریب دینے میں، طعنہ دینے میں، گالی دینے میں، فحش باتیں کرنے میں استعمال کی تو یہی زبان تمہاری بربادی کا سبب بن جائے گی۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا جہنم میں جانے والے اکثر لوگ اپنے زبانوں کی کاٹ کی وجہ سے جائیں گے، اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اپنی دو چیزوں کی حفاظت کی ضمانت دے میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں، ایک وہ چیز جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے، یعنی زبان۔ اور دوسری وہ چیز جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے یعنی شرم گاہ اسی طرح سوچتے جائیں بات کھلتی جائے گی، مال اور اولاد کی نعمتیں ہیں، ان کو اگر سرکار دو عالم ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق استعمال کیا جائے تو یہ مال دنیا میں بھی کام آئے گا اور مرنے کے بعد بھی کام آئے گا صدقہ جاریہ بنا کر قیامت تک اس کا ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے، اور اگر ان کو غلط طریقے سے استعمال کیا گیا، تو پھر مرنے کے بعد یہی مال اور اولاد انسان کی تباہی کا سبب بن جائیں گے۔ ''علی ھذا القیاس'' سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام تھا، جس کی وجہ سے تمام انعامات کی تکمیل ہوگئی اور تمام انعامات مکمل ہوگئے، ٹھکانے لگ گئے۔

اس لئے اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾

پھر آپ ﷺ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا جتنا بڑا احسان وانعام تھا اس انعام کا شکر بھی اتنا ہی زیادہ ہونا چاہیے شکر ادا کرنے کی علماء نے تین صورتیں بتائی ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کا قلبی شکر ادا کرنا چاہیے، دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا لسانی یعنی زبانی شکر ادا کیا جائے، "الحمدللہ الحمدللہ" کہا جائے، تیسری صورت یہ ہے کہ اس نعمت کا عملی شکر ادا کیا جائے، اور اس نعمت سے اس مقصد کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔

مثلاً آنکھیں اللہ پاک نے دی ہیں، ان کا شکر دل سے بھی ادا کیا جائے اور زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے، اور عمل سے بھی شکر ادا کیا جائے، یہ آنکھیں جس مقصد کے لئے عطا کی گئیں ہیں اس مقصد میں ان کو استعمال کیا جائے، قرآن پاک کی تلاوت میں، رزق حلال کمانے میں والدین کی زیارت کے لئے، بہن بھائیوں اور بچوں کے اوپر شفقت کی نگاہ ڈالنے کے لئے، اسی طرح اور جتنے کام جائز اور درست ہیں، ان کو پورا کرنے کے لئے آنکھوں کو استعمال کیا جائے، تو یہ عملی شکر ہوگا لیکن ایک آدمی زبان سے تو "الحمد للہ الحمدللہ" کہتا رہتا ہے مگر سارا دن غیر محرم عورتوں کو دیکھتا ہے، ٹی وی، وی سی آر کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے، تو وہ ٹی وی دیکھنے کے دوران بے شک تسبیح ہاتھ میں لے کر "الحمدللہ" کا ورد کیوں نہ کرتا رہے، اس کا یہ "الحمدللہ" کہنا شکر ادا نہیں سمجھا جائے گا، آنکھیں جس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے دی تھیں اس مقصد میں ان کو استعمال نہیں کیا تو یہ اس کی ناشکری ہے۔

اسی طرح کان، دل، دماغ، زبان، اور پورا بدن، اور مال اور اولاد اور دنیا کی ہر نعمتوں کا کامل شکر تب ہی ہوگا، جب دل میں بھی شکر ادا کیا جائے اور زبان سے بھی شکر ادا کیا جائے، اور عملی شکر بھی ادا کیا جائے، کہ جس مقصد کے لئے یہ ساری نعمتیں اللہ پاک نے دی ہیں اس مقصد کے لئے ان کو استعمال کر کے اسی مقصد کو پورا کیا جائے۔

تو سرکار دوعالم ﷺ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام تھا، تو اس انعام کا قلبی شکر بھی ادا بھی کیا جائے اور لسانی شکر بھی ادا کیا جائے اور عملی شکر بھی ادا کیا جائے کہ جس

مقصد کے لئے اللہ پاک نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا، اس مقصد کو پورا کیا جائے، اور جس کام کے لئے اللہ پاک نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا، اس کام کو پورا کیا جائے، اور جس کام کے لئے آپ ﷺ کو بھیجا گیا تھا، وہ کام کیا جائے اور وہ مقصد یہ ہے کہ اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی کو، اپنی رفتار کو، اپنے گفتگو کو، اپنے کردار کو، اپنی شکل وصورت کو، اپنی وضع قطع اور اپنے لباس، اپنے اٹھنے بیٹھنے کو، اپنے چلنے پھرنے کو، اپنی شادی اور غمی کو، اپنی ساری چیزوں کو آپ ﷺ کی سنت کے مطابق بنایا جائے، اور اس کی کوشش کی جائے۔ اسی میں ہم سب کی کامیابی اور فلاح ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۵۹

رسولِ اکرم ﷺ کا نام آپ ﷺ کے کمالات کا آئینہ دار ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ انسٹھ نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کا نام آپؐ کے کمالات کا آئینہ دار ہے'' آج جمعرات کا دن ہے فجر کی نماز سے فراغت کے بعد روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوں اور رسولِ اکرم ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، لیکن کھلے دل کے ساتھ اقرار ہے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ اس ذاتِ باری تعالیٰ نے مجھ جیسے گناہ گار اور حقیر انسان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں صاحبِ خصوصیت ﷺ کے روضہ مبارک کے سائے تلے بیٹھ کر ان کی خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس پر میں اپنے اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے، اور امید بھی یہی ہے کہ جس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی توفیق عطا فرمائی، وہی اللہ انشاء اللہ میری اس کاوش کو مقبول ومنظور بھی فرمائے گا، اور روز قیامت میری یہی کاوش میری نجات کا باعث ہوگی، انشاء اللہ۔

بہرحال محترم قارئین! دیگر خصوصیات کی طرح یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے جو کہ آپ ﷺ کے نام سے متعلق ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو نام ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا عظیم عطا ہوا ہے کہ جو ہمارے پیارے نبی ﷺ کے کمالات کا آئینہ دار ہے، جبکہ دیگر انبیاء کے ناموں میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی جیسا کہ مزید تفصیل آپ آنے والے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے، جہاں ہم نے مکمل وضاحت کے ساتھ آپ ﷺ کے نام کی خصوصیت کو بیان کیا ہے، اگرچہ پچھلی جلدوں میں بھی اس موضوع پر کچھ تفصیل آگئی ہے لیکن چونکہ آپ کا نام ایسا عظیم نام ہے کہ جو خود اپنے اندر بہت سی خصوصیات رکھتا ہے بلکہ آپ ﷺ کے صرف

نام کی ہی خصوصیت پر ایک مکمل کتاب بن سکتی ہے انشاء اللہ، چنانچہ اسی لئے ہماری اس مکمل کتاب میں مختلف مواقع پر آپ ﷺ کے ناموں کی خصوصیات کو واضح کیا گیا ہے، انشاء اللہ آپ کے ناموں سے متعلق خصوصیات پڑھ کر ہمارے ایمان میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی اور کامل محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین، لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

انسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی کا ایسا نام نہیں پایا جاتا جو اپنے مسمی (نام والے) کے کمالات نبوت کا آئینہ دار ہو۔ مثلاً

آدم علیہ السلام کے معنی گندم گوں ہیں۔ ابوالبشر کا یہ نام ان کی جسمانی رنگت کو ظاہر کرتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کے معنی ہیں بڑے گروہ کا باپ۔ یہودی، عیسائی اور مسلمان، تینوں قومیں آپ کے ماننے والوں میں سے ہیں۔

اسماعیل علیہ السلام کے معنی ہیں اے اللہ میری فریاد سن۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ جل شانہ سے اولاد صالح کے لیے دعا کی تھی۔ آپ علیہ السلام کی دعا کے جواب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اسحاق علیہ السلام کے معنی ہیں ہنسنے والا۔ آپ علیہ السلام ہشاش بشاش چہرے والے تھے۔

یعقوب علیہ السلام کے معنی ہیں پیچھے آنے والا۔ یہ اپنے بھائی عیسو کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئے۔

موسیٰ علیہ السلام کے معنی ہیں پانی سے نکلا ہوا۔ جب ان کا صندوق پانی میں سے نکالا گیا تب یہ نام رکھا گیا۔

یحییٰ علیہ السلام کے معنی ہیں عمر دراز۔ بوڑھے ماں باپ کی بہترین آرزوؤں کا ترجمان۔

یوسف علیہ السلام کے معنی ہیں زیادہ کیا گیا۔ آپ علیہ السلام حسن و جمال میں لاثانی تھے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے معنی ہیں سرخ رنگ۔ چہرہ گلگوں کی وجہ سے یہ نام تجویز ہوا۔

جیسا کہ ہم نے اوپر وضاحت کی عام طور سے اشخاص کے نام اور اوصاف باہم کوئی نسبت نہیں رکھتے، شاذونادر اتفاقی حیثیت سے تناسب بھی مل جاتا ہے، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی انسان کا وہ نام رکھا گیا ہو جو اس کی تمام زندگی کا آئینہ اور اس کی حیات کی تفصیل ہو۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے اوپر دیئے گئے ان تمام ناموں اور ان کے معنوں پر غور کریں۔ ان میں سے ایک بھی اپنے مسمی (نام والے) کی عظمت روحانی یا نبوت کی طرف ذرا سا بھی اشارہ نہیں کرتا۔ مگر ہمارے حضور ﷺ نے دونوں اسماء ذاتی کی شان ہی نرالی ہے۔

احمد ﷺ اور محمد ﷺ کے الفاظ اتنے پیارے اور اتنے حسین ہیں کہ ان کے سنتے ہی ہر نگاہ فرط تعظیم اور فرط ادب سے جھک جاتی ہے، ہر سر خم ہو جاتا ہے، اور زبان پر درود و سلام کے زمزمے جاری ہو جاتے ہیں۔ لیکن کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ ان الفاظ کے معنی و مفہوم بھی ان کے ظاہری حسن و جمال کی طرح حسین اور دل آویز ہیں۔ صرف نام کے لغوی معنوں سے نام والے (مسمّٰی) کی عظمت و برتری کا اظہار ہو رہا ہے۔ محمد ﷺ حمد سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جس کا عام اور سادہ ترجمہ ہے "وہ ذات جس کی تعریف کی گئی" یعنی محمد ﷺ ہی وہ مقدس ہستی ہیں جن کی تعریف و توصیف زمین و آسمان کی تمام مخلوق نے کی ہے۔ اور احمد ﷺ کے معنی ہیں: "سب سے زیادہ تعریف کرنے والا" یعنی احمد ﷺ ہی وہ مقدس ہستی ہے جنہوں نے مخلوق میں سب سے بڑھ کر اللہ جل شانہ کی حمد و ستائش کی۔

رسول اللہ ﷺ کے ان دونوں ناموں کا اصل مادہ ایک ہی ہے۔ ح، م، د، یعنی حمد (اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف اور عظمت کا ذکر) اور یہ عجیب بات ہے کہ یہی آپ ﷺ کی

ساری زندگی کا مقصد اور مشن قرار پایا یعنی حمد۔ کسی شخص کے نام سے اس کی زندگی کے مشن کا اظہار ایک بہت ہی نادر الوقوع بات ہے۔ ظاہر ہے جن لوگوں نے آپ ﷺ کی ولادت پر آپ ﷺ کے یہ دونوں نام رکھے ان کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ چالیس سال بعد یہ نومولود کیا دعویٰ کرنے والا ہے۔ سورۃ الحمد بھی جسے قرآن مجید کا دیباچہ کہنا چاہیے، درحقیقت پورے قرآن کا اور اس پیغام کا خلاصہ ہے جو آپ ﷺ نے دنیا کو پہنچایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کے یہ دونوں نام قدرت الٰہیہ کی طرف سے خود آیت عظیم ہیں، ایک معجزہ ہیں کہ ان کا مسمیٰ (نام والا) ضرور امام الانبیاء اور تمام کائنات ومافیہا کا سرتاج ہے۔

(رحمۃ اللعالمین جلد سوم)

یہ وہ خصوصیت ہے جس سے باقی انبیاء کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی ساکت وخاموش ہیں۔ ایک حدیث شریف ہے کہ: زمین پر میرا نام محمد ﷺ اور آسمان پر احمد ﷺ ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ کو احمد ﷺ کے نام سے جانتے ہیں جب کہ زمین والوں کے لیے آپ کا نام محمد ﷺ ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ درحقیقت عالم ارواح میں آپ کا نام احمد ﷺ تھا۔ صوفیہ کرام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ احمد ﷺ اور محمد ﷺ ایک ہی ہستی کی دو جدا جدا حقیقتیں ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: ''احمد ﷺ رسول اللہ کا پہلا نام ہے، آپ ﷺ آسمان والوں میں اسی نام سے معروف ہیں۔ آپ ﷺ کے اس نام مبارک کو اللہ جل مجدہ کا خاص تقرب حاصل ہے اور یہ آپ ﷺ کے دوسرے نام (محمد ﷺ) سے ایک منزل زیادہ اللہ جل مجدہ کے نزدیک اور قریب ہے۔'' (مکتوبات ربانی)

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا احمد ﷺ اور محمد ﷺ کا اصل مادہ حمد (ح، م، د) ہے۔ حمد سے محمد ﷺ اسی طرح بنایا گیا ہے۔ جیسے علم سے معلم (امام بن ابن قیم، جلاء الافہام)

(ارباب تصوف کا کہنا ہے کہ محمد اللہ جل مجدہ کے نام احد سے مشتق ہے) حمد کے معنی تعریف کرنے اور ثناء بیان کرنے کے ہیں، خواہ یہ تعریف کسی ظاہری خوبی مثلاً ظاہری حسن وجمال کی وجہ سے کی جائے یا کسی باطنی وصف مثلاً کسی ہنرمندی یا کسی فن میں مہارت

کی بناپر۔حمد اصل میں کسی کے اخلاق حمیدہ اوراوصاف پسندیدہ اور کمالات اصلیہ اور فضائل حقیقیہ اور محاسن واقعیہ کو محبت اور عظمت کے ساتھ بیان کرنے کو کہتے ہیں۔

لفظ محمد تحمید سے مشتق ہے جو باب تفعیل کا مصدر ہے۔جس کو وضع ہی مبالغہ اور تکرار کے لیے کیا گیا ہے۔ (مولانا ادریس کاندھلوی "سیرۃ المصطفیٰ۔جلد اول)

لہٰذا لفظ محمد کے جو تحمید کا اسم مفعول ہے معنی ہوں گے وہ قابل تعریف ہستی جس کے واقعی اور اصلی کمالات اور محاسن کو محبت اور عظمت کے ساتھ کثرت سے بار بار بیان کیا جائے۔دوسرے الفاظ میں تحمید حمد سے زیادہ بلیغ ہے۔یعنی محمد وہ ہے جس کی اچھی خصلتیں بہت ہوں۔قاموس میں ہے کہ تحمید کے معنی ہیں اللہ جل شانہ کی بار بار تعریف وتوصیف (حمد) کرنا۔اور محمد کو اسی سے مشتق کیا (نکالا) گیا ہے۔گویا کہ وہ بار بار حمد (تعریف) کیے گئے۔لہٰذا محمد کے (جو تحمید کا اسم مفعول ہے) یہ معنی ہوں گے کہ وہ قابل تعریف ذات جس کے واقعی اور اصلی کمالات اور محاسن کو محبت اور عظمت کے ساتھ کثرت سے بار بار بیان کیا جائے۔جس کی بار بار تعریف کی جائے،چونکہ سرور کائنات ﷺ کی تعریف بار بار اور ہر بار نئے مدائح ومناقب سے ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی،اس لئے آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی محمد (ﷺ) رکھا گیا۔

ہمارے حضور احمد ﷺ بھی ہیں،احمد کے معنی ہیں حمد (تعریف) کرنے والا۔قواعد کی رو سے یہ لفظ محمود یا حمید کا اسم تفضیل ہے،بمعنی زیادہ یا سب سے زیادہ قابلِ تعریف اور یا حامد کا،جس کا احتمال کم ہے،بمعنی اللہ جل مجدہ کی زیادہ یا سب سے زیادہ تعریف کرنے والے۔

(کتاب الشفاء،حقوق المصطفیٰ)

بعض کے نزدیک احمد اسم مفعول کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک اسم فاعل کے معنی میں۔اگر اسم مفعول کے معنی لئے جائیں تو احمد کے معنی ہوں گے"سب سے زیادہ تعریف"تو بیشک مخلوق میں سے کوئی بھی آپ ﷺ سے زیادہ قابل تعریف نہیں ہے اور نہ ہی آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی سراہا گیا ہے۔اور اگر اسم فاعل کے معنی میں لیا جائے تو احمد کے معنی

ہوں گے کہ مخلوق میں اللہ جل شانہ کی سب سے زیادہ حمد وستائش کرنے والا۔ یہ بھی نہایت درست اور صحیح ہے، دنیا میں آپ ﷺ اور آپ کی امت نے اللہ جل شانہ کی وہ حمد وثنا کی جو کسی نے آج تک نہیں کی۔ اسی وجہ سے انبیاء سابقین نے آپ ﷺ کے وجود باوجود کی بشارت لفظ احمد ﷺ کے ساتھ اور آپ ﷺ کی امت کی شہادت حمادین کے لقب سے دی۔

احمد ﷺ وہ ہیں جنہوں نے اپنے خالق، اپنے مالک کی حمد وثناء سب سے بڑھ کر اور سب سے زیادہ عرصہ کی ہے۔ آپ ﷺ باعث تخلیق کائنات ہیں اور اپنے تخلیق نور اور روح محمدی ﷺ کی پیدائش کے وقت ہی سے اس کی حمد وثناء کرنے والے ہیں، اور اپنے رازق، اپنے ہادی اپنے معطی کی تعریف وتکریم اور حمد ونعت کا ایک معیار قائم کرنے والے ہیں۔

آپ کے یہ دونوں اسم مبارک بہا نگ دہل اعلان کررہے ہیں کہ تاجدار مدینہ، سرور سینہ ﷺ کے اوصاف، محاسن، مناقب ومحامد، فضائل وخصائل وشمائل اتنے کثیر ہیں جن کی نہ کوئی حد ہے نہ نہایت، یہ احصار وشمار کے پیمانوں سے بہت ہی وراء ہیں۔ دفتروں کے دفتر ختم ہوگئے، عمریں انتہا کو پہنچ گئیں۔ لیکن تاجدار کائنات ﷺ کے ایک وصف کی بھی توضیح کامل، تشریح اکمل نہ ہو سکی۔

شمار کرنے چلیں اس کی خوبیوں کا اگر
تو ساتھ چھوڑ دیں تھک کے نیل، سنکھ، پدم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت میں لکھتے ہیں کہ: آپ ﷺ کے دونوں اسمائے مبارک یعنی محمد ﷺ اور احمد ﷺ حقیقت میں ایک اسم ہے جو حمد سے مشتق اور مبالغہ کے معنی میں مقید ہے۔ پہلا نام باعتبار کیفیت ہے جب کہ دوسرا نام باعتبار کمیت ہے، آپ ﷺ حق تعالیٰ کی حمد، افضل محامد سے کرتے ہیں اور دنیا وآخرت میں کثرت محامد سے آپ ﷺ کی حمد وستائش کی گئی۔ آپ ﷺ احمد الحامدین (حمد کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد کرنے والے) اور احمد المحمودین (حمد کرنے والوں میں سب سے زیادہ تعریف کیے

گئے) وافضل من حمد (جو بھی حمد کرے ان سب سے برتر حمد کرنے والے) ہیں۔

آپ ﷺ نے اللہ کی اتنی حمد اور تعریف کی کہ آپ احمد ﷺ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتنی حمد اور تعریف کی کہ آپ محمد ﷺ ہو گئے۔

محمد ﷺ کے معنی ہیں جس کی حمد (تعریف) خود اللہ تعالیٰ کرے۔ قرآن کریم نے جا بجا نبی کریم ﷺ کی تعریف آئی ہے۔ احمد ﷺ کے معنی ہیں۔ اللہ جل شانہ کی حمد (تعریف) کرنے والا۔

احادیث شریفہ میں ہزاروں جگہ اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف آئی ہے۔ محمد اور احمد کے معنی میں الگ الگ فرق یہ ہے کہ محمد وہ ہے جس کی حمد ونعت (تعریف) سب زمین اور آسمان والوں نے سب سے بڑھ کر کی ہو۔ اور احمد وہ ہے جس نے رب السموات والارض کی حمد وثناء (تعریف) سارے اہل الارض والسمٰوات سے بڑھ کر کی ہو محمد ﷺ وہ جو رب العزت کے اسم ذات اور اسمائے صفات کا ذکر کثرت سے کرے اور احمد ﷺ وہ جو ہر نام کے معنی اور مطلب پر غور کرے۔ یعنی حمد (تعریف) کی مقدار کا تعلق "محمد" ﷺ سے ہے اور معیار کا تعلق "احمد" ﷺ سے۔ اس بناء پر محمد ﷺ واحمد ﷺ میں فرق یہ رہے گا کہ محمد ﷺ وہ ہے جس کی تعریف اپنے اوصاف جمیلہ کی وجہ سے سب سے زیادہ کی جائے اور احمد ﷺ وہ ہے جس کی تعریف سب سے بہتر اور عمدہ ہو۔

دونوں ناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے خلق وخصائل کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ آپ ﷺ کی سب سے زیادہ سب سے کامل تعریف کی جائے۔ اس تحقیق کے بعد ان دونوں کے مفہوموں کے لحاظ سے سطح عالم پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ اسماء جتنی حقیت اور جتنی صداقت کے ساتھ آپ ﷺ کی ذات مبارک پر چسپاں ہیں اتنے کسی اور پر نہیں، خالق سے مخلوق تک، انبیاء سے لے کر جن اور فرشتوں تک، حیوانات سے لے کر جمادات تک، غرض ہر ذی روح اور غیر ذی روح سب ہی نے آپ ﷺ کی تعریفیں کی ہیں۔ اور آج بھی اربوں انسانوں کی زبانیں دن میں نہ معلوم کتنی بار آپ ﷺ کی تعریف کے

لیے متحرک رہتی ہیں۔ اس لیے محمد ﷺ اور احمد ﷺ نام کی مستحق جتنی کہ آپ ﷺ کی ذات ہے اتنی کسی اور کی نہیں ہوسکتی، اگر احمد ﷺ کو اسم فاعل کے معنی میں لیجیئے تو بھی اس اسم مبارک کی سب سے زیادہ مستحق آپ ﷺ ہی کی ذات پاک ہے، کیوں کہ جس قدر اللہ کی تعریف آپ ﷺ نے کی ہے، اتنی کسی بشر نے نہیں کی اور اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی امت کو بھی موقع بہ موقع اللہ جل مجدہ کی اتنی حمد سکھلائی کہ کتب مقدسہ میں اس امت کا لقب ہی حمادون پڑ گیا یعنی کہ اللہ عز اسمہ کی بہت زیادہ تعریف کرنے والی امت۔

قاضی عیاض اور حافظ سہیلیؒ لکھتے ہیں کہ محمد ﷺ اس کو کہا جائے گا جس کی بار بار تعریف کی جائے اور احمد ﷺ وہ ہے جو سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے یہ دونوں اسماء واقع کے مطابق ہیں۔ یعنی آپ احمد ﷺ بھی ہیں اور محمد ﷺ بھی، یعنی وجود کے حساب سے بھی پہلے آپ احمد ﷺ ہیں اور بعد میں محمد ﷺ بلکہ احمد ﷺ ہونے کی وجہ سے ہی آپ محمد ﷺ ہوئے، آپ ﷺ نے پہلے اللہ عز اسمہ کی تعریف کی اس لیے آپ پہلے احمد ﷺ ہوئے۔ نبوت سے سرفرازی کے بعد پھر مخلوق نے آپ ﷺ کی تعریف کی اس لئے بعد میں آپ محمد ﷺ ہو گئے۔ محشر میں بھی پہلے آپ ﷺ اللہ جل شانہ کی تعریف کریں گے اس لیے احمد ﷺ پہلے ہوں گے۔ پھر شفاعت کے بعد مخلوق آپ ﷺ کی تعریف کرے گی اس لیے بعد میں محمد ﷺ ہوں گے۔ غرض ازل سے ابد تک کی تاریخ بتاتی ہے کہ شان احمدی ﷺ شان محمدی ﷺ پر مقدم ہے، اسی وجہ سے کتب سابقہ میں آپ ﷺ کی بشارت اسم احمد ﷺ سے مذکور ہے اور جب آپ ﷺ عالم وجود میں تشریف لے آئے تو محمد ﷺ کے نام سے پکارے گئے۔ (بحوالہ اسماء النبی شیخ حضرت مولانا بدرعالم صاحب مہاجر مدنی)

شیخ اکبرؒ یہاں ایک اور عجیب نکتہ لکھ گئے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حمد ہمیشہ آخر میں ہوتی ہے۔ مثلاً جب ہم کھا پی کر فارغ ہو لیتے ہیں تو اللہ جل شانہ کی حمد کرتے ہیں۔ جب کام ختم ہو جاتا ہے تو حمد کرتے ہیں، جب سفر ختم کر کے واپس آتے ہیں تو حمد کرتے ہیں، اسی طرح جب دنیا کا طویل وعریض سفر ختم کر کے جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ جل شانہ کی حمد

کریں گے، اسی دستور کے مطابق مناسب تھا کہ جب سلسلہ رسالت ختم ہو تو یہاں بھی آخر میں اللہ جل شانہ کی حمد ہو۔ اس لیے جو نبی سب سے آخر میں آئے ان کا نام محمد ﷺ رکھا گیا۔

تخلیق کے عمل سے پہلے سوائے اللہ جل شانہ کی ذات کے اور کچھ موجود نہ تھا، نہ مکان تھا نہ مکین، نہ روح تھی نہ مادہ، نہ وقت تھا نہ زمانہ، نہ عالم تھا نہ جہاں، نہ حالت تھی نہ کیفیت، نہ سمت تھی نہ جہت، بس اللہ تھا اور کچھ بھی نہ تھا، پھر کیا ہوا؟ پھر اس نے چاہا کہ اپنی خالقیت کا مظاہرہ کرے، اس کے ارادہ فرماتے ہی تخلیق عمل میں آگئی اور عدم کو ظہور مل گیا، اس نے کن فرمایا اور نیست کو ہست کی صورت مل گئی۔ بیشک بشریت کی ابتداء سرکار سیدنا آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی مگر سرور کائنات، فخر موجودات، خلاصہ کائنات، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ کی تخلیق سیدنا آدمؑ سے بہت پہلے کی ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کی پہلی جلد میں آپ تفصیل پڑھ چکے ہیں۔

ہمارے آقا و سردار کا نام محمد ﷺ کب رکھا گیا؟ اس سلسلے میں بہت سی روایتیں ملتی ہیں، گو تمام راوی اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ نام حضرت آدمؑ کی پیدائش سے بہت پہلے رکھا گیا، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کتنا پہلے، ان روایات کے مطابق آپ ﷺ کا یہ نام تخلیق آدمؑ سے کم سے کم دو ہزار سال پہلے اور زیادہ سے زیادہ نو لاکھ سال پہلے رکھا گیا، لیکن محدثین نے ایک ایسی حدیث شریف کا ذکر بھی کیا ہے جس سے آپ ﷺ کی ذات بابرکت کا نو لاکھ سال سے بھی پہلے موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مشہور و معروف صحابی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے ایک بار حضرت جبرئیل امینؑ سے پوچھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ میں بہت زیادہ تفصیل سے اپنی عمر کا اندازہ نہیں لگا سکتا البتہ اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ تھا۔ وہ ستارہ ہر ستر ہزار برس بعد ایک مرتبہ طلوع ہوتا تھا، میں نے اس ستارے کو بہتر ہزار بار طلوع ہوتا دیکھا ہے، یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ "اے جبرئیل مجھے اپنے رب کریم جل جلالہ کی عزت کی قسم، وہ ستارہ میں ہی تھا"۔ (سیرت حلبیہ جلد اول، تفسیر روح البیان جلد اول)

حساب کے عام قاعدہ کی رو سے اگر ہم ستر ہزار کو بہتر ہزار سے ضرب دیں تو حاصل جواب آئے گا۔ پانچ ارب چالیس کروڑ سال۔ اللہ نے قرآن شریف میں اپنے ایک دن کو ہمارے ایک ہزار سال کے برابر قرار دیا ہے۔ (سورۃ الحج) اگر اس حدیث مبارکہ میں حضرت جبرئیلؑ کے بتائے ہوئے سالوں کو اس تناسب سے حساب لگائیں تو نور محمدی (ﷺ) کی تخلیق اس وقت ہوئی جہاں تک ہمارا کوئی حساب، کوئی گنتی، کوئی عدد نہیں پہنچ سکتا۔

اس حدیث شریف سے پتہ چلتا ہے کہ سید الابرار، نبی آخر الزماں ﷺ کا نام محمد اس وقت رکھا گیا جب کچھ نہ تھا، نہ آسمان تھا نہ زمین تھی، نہ عرش تھا نہ کرسی تھی، نہ جہنم تھی نہ جنت تھی، نہ قلم تھا نہ لوح تھی، نہ سورج تھا نہ روشنی تھی، نہ چاند تھا نہ چاندنی تھی، نہ ستارے تھے نہ ان کی چمک تھی، نہ دن تھا نہ رات تھی، نہ صبح تھی نہ شام تھی، نہ فضا تھی نہ ہوا تھی، نہ ابر تھا نہ گھٹا تھی، نہ زمانہ تھا نہ مکان تھا، نہ حسن تھا نہ جمال تھا، نہ گل تھے نہ بوٹے تھے، نہ شجر تھے نہ حجر تھے، نہ گرمی تھی نہ سردی تھی، نہ نسیم تھی نہ شمیم تھی، نہ بہار تھی نہ خزاں تھی، نہ بلبل تھی نہ چہک تھی، نہ سبزہ تھا نہ مہک تھا، نہ ڈالی تھی نہ لچک تھی نہ ہیرے تھے، نہ جواہر نہ زر تھے نہ خزینے، نہ دولت تھی نہ دفینے نہ بحر تھے نہ سفینے، نہ دریا تھا نہ کنارہ نہ موج تھی نہ حباب، نہ صحرا تھا نہ گلشن، نہ ہوا تھی نہ خاک، نہ پانی تھا نہ آگ، نہ طفلی تھی نہ شباب، نہ نشیب تھا نہ فراز، نہ ثریٰ تھا نہ ثریا، نہ جبرئیلؑ تھے نہ میکائیل، نہ اسرافیل تھے نہ عزرائیل، نہ ملائکہ تھے نہ کروبیں، نہ عقل تھی نہ حواس، نہ آدم تھے نہ آدمیت، نہ انسان تھے نہ انسانیت، نہ حیوان تھے نہ حیوانیت نہ یہ چہل پہل تھی نہ یہ ریل پیل، نہ دیوانگی تھی نہ شعور، نہ ہجر تھا نہ وصال، نہ اقرار تھا نہ انکار، نہ آہ تھی نہ فریاد، نہ رونا تھا نہ ہنسنا، نہ جاگنا تھا نہ سونا، نہ جذبہ تھا نہ احساس نہ جوانی تھی، نہ بڑھاپا، نہ ہوش تھا نہ خرد، غرض یہ کچھ بھی نہ تھا سب سے پہلے اللہ جل جلالہ نے آپ ﷺ کے نور کو پیدا فرما کر آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ رکھا یہ تابندہ ستارہ کیا چمکا گویا زندگی میں بہار آگئی، سلسلہ چل نکلا، چراغ سے چراغ جلنے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے کائنات وجود میں آگئی اور سارا جہاں جگمگانے لگا۔

صاحب قاموس مجدالدین فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ ''منجملہ دیگر کمالات نبوت اور معجزات رسالت کے ایک معجزہ گرامی رسول کریم ﷺ کا نام نامی اسم گرامی محمد ﷺ بھی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ محمد ﷺ وہ ہیں جن کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو، تعریف کے بعد تعریف اور توصیف پر توصیف ہوتی رہے، زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی اور کوشش کے مطابق جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے۔ محض اعتقاداً نہیں بلکہ واقعتاً رسول عربی ﷺ کے کمالات پر سے پردہ اٹھتا جاتا ہے، یورپ کے علما اور فضلاء کی اکثریت جیسے جیسے تاریخ اسلام کے ماتحت اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے انہیں اسی راہ کی طرف آنا پڑتا ہے اور زبان اعتراف کھولنی پڑتی ہے کہ بلاشبہ رسول عربی ﷺ کے قانون، دنیا کی ضرورتوں کے کفیل اور آپ ﷺ کی زندگی عالم انسانی کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔

اہل ایشیاء کا رجحان طبعی جتنا روحانیت اور سادگی کی طرف بڑھ رہا ہے، اسی قدر وہ سرکار دوعالم ﷺ کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ دنیا کا واحد معجزہ ہے کہ چودہ سو برس سے بھی پہلے سے نام مبارک ان آنے والے حالات کا پتہ دے رہا ہے، کہ مستقبل میں دنیا کی عمر جتنی دراز ہوگی، اسے کمالات نبوت محمدی ﷺ کے اعتراف کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ (تفسیر روح البیان، جلد ہفتم)

صاحب المفردات ابوالقاسم حسین بن الفضل راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ: ''مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ لفظ محمد کے معنی مجموعہ خوبی کے ہیں۔ قدرت نے ہر چیز کو پیدا کرنے کے لیے ایک معیار مقرر کیا ہے، مخلوقات کی ہر نوع و ہر قسم کا ایک درجہ کمال ہے کہ جس کے آگے اس کے قدم نہیں بڑھتے حیوانات، نباتات اور جمادات تک میں اس کے ثبوت مل سکتے ہیں، صورتیں ایک ہیں، شکلیں متحد ہیں، اوصاف مختلف ہیں، لیکن ان مختلف اوصاف کی ایک انتہا ہے جسے جنس اعلیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جس کے آگے کوئی درجہ نہیں۔ ہر نوع میں جنس اعلیٰ کو جس پر اوصاف، جامعیت کے ساتھ جا کر ختم ہوتے ہیں ہم مقصود فطرت اور نقطہ تخلیق کہہ سکتے ہیں۔

آج انسان کی شکل وشباہت اس کے اعضاء وجوارح، اس کا ڈھانچہ، جسمانی ساخت غرضیکہ سب چیزیں ٹھیک وہی ہیں جو دنیا کے پہلے انسان کی تھیں، لیکن دماغی کیفیتوں کا حال ان سے جداگانہ ہے، ان میں برابر ارتقاء اور اختلاف جاری ہے، اب اگر غور کیا جائے تو ارتقائے دماغی کی آخری سرحد اگر کوئی ہے تو وہ ذات قدسی صفات آقائے نامدار رسول عربی ﷺ کی ہے۔ (مفردات، السیرۃ الحلبیہ، جلد اول)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۶۰

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضیلتوں سے نوازا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ساٹھویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضیلتوں سے نوازا" بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ اس ذات باری تعالیٰ نے مجھ جیسے گناہ گار اور حقیر انسان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں صاحب خصوصیت ﷺ کے روضہ مبارک کے سائے تلے بیٹھ کر ان کی خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس پر میں اپنے اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے، اور امید بھی یہی ہے کہ جس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی توفیق عطا فرمائی وہی اللہ انشاء اللہ میری اس کاوش کو مقبول ومنظور بھی فرمائے گا، اور روز قیامت میری یہی کاوش میری نجات کا باعث ہوگی، انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! آپ ﷺ کی یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو وہ عظیم امت عطا کی کہ جس امت کو خصوصی فضیلتوں سے نوازا گیا تو بے شک دیگر تمام انبیاء کو ملنی والی امتوں میں سے یہ آخری امت سب سے افضل امت ہے۔ جیسا کہ اس امت کی خصوصی فضیلتوں کی تفصیل آپ آنے والے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے جسے ہم نے احادیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کے مطالعے سے ہمارے دل میں حضور ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

لیجئے اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

ساٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

رسول اکرم ﷺ کی امت سے مراد وہ امت محمدیہ ﷺ ہے، یعنی وہ جماعت یا وہ گروہ جو اجابت اور متابعت دونوں کا جامع ہے۔ جس نے حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول بھی مانا اور آپ ﷺ کی اتباع و پیروی بھی کی چنانچہ اس جماعت کو "فرقہ ناجیہ" (نجات یافتہ گروہ سے تعبیر کیا جاتا ہے) پس "تنقیح" میں لکھا ہے کہ مبتداع (یعنی وہ شخص کہ جو بدعت نکالے اور بدعت اختیار کرے) علی الاطلاق امت میں سے نہیں ہے اور جیسا کہ "توضیح" میں ہے، علی الاطلاق امت میں سے اہل سنت والجماعت ہیں اور وہ لوگ ہیں جن کے دین پر چلنے کا راستہ رسول اللہ ﷺ اور رسول خدا کے صحابہؓ کا راستہ کے مطابق ہے اور صاحب تلویح نے لکھا ہے کہ مبتداع کو علی الاطلاق امت میں سے خارج اس لئے کہا جاتا ہے کہ اگرچہ وہ اہل قبلہ میں ہوں مگر وہ "امت دعوت" ہی کے حکم میں ہوں گے جیسا کہ کفار "امت دعوت" ہیں ان کا شمار "امت اجابت" میں نہیں ہوگا۔

دوسری تمام امتوں اور ملتوں کے مقابلے میں اس امت کے فضائل و مناقب اور اس کے اجر و ثواب کی کثرت حد حصر سے خارج اور حیطہ بیان سے باہر ہے۔ بلاشبہ یہ امت رسول ﷺ تمام دوسری امتوں سے افضل اور برتر ہے، اس امت کی افضلیت و برتری کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم میں خالقِ کائنات عزوجل کا یہ ارشاد کافی ہے۔ کُنتُم خَیرَ اُمۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ "(اے امت محمد) تم لوگ سب سے اچھی امت ہو جس کو لوگوں کی بھلائی کی (ہدایت اور رہنمائی) کے لئے ظاہر کیا گیا ہے۔"

وَکَذٰلِکَ جَعَلنٰکُم اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُونُوا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ۔

"اور اسی لئے ہم نے تم کو (امت محمدیہ) ایسی امت بنایا ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) مقابلے میں گواہ ہو۔"

اور اس امت کی تعریف میں خود یہی ایک بات سب سے بھاری ہے کہ وہ محمد ﷺ کی

امت ہے جو خاتم النبیین، سید المرسلین اور افضل الخلائق ہیں اور یہ کہ تمام انبیاء اور رسولوں نے آرزو کی کہ کاش وہ محمد ﷺ کا زمانہ پاتے اور آپ ﷺ کی امت کا ایک فرد ہونے کا شرف حاصل کرتے، اس کے علاوہ اس کے خصائص وکمالات اور کرامات وفضائل میں ایسی چیزیں ثابت ہو چکی ہیں جو پچھلی امتوں میں سے کسی بھی امت کے لئے ثابت نہیں ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (ہم مسلمانوں کو مخاطب کر کے) فرمایا: دوسری امتوں کے لوگوں کے مقابلے میں تمہارا عرصہ حیات اتنا ہے جتنا کہ (سارے دن کے مقابلے میں) نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کا درمیانی وقت، علاوہ ازیں (اللہ رب العزت کے ساتھ) تمہارا معاملہ اور یہود ونصاریٰ کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص اجرت پر کام کرنے کے لئے کچھ مزدوروں کو طلب کرے اور ان سے کہے کہ کوئی ہے جو دوپہر تک میرا کام کرے اور میں (اتنے عرصے کام کرنے کی اجرت کے طور پر) ہر شخص کو ایک ایک قیراط دوں گا۔ چنانچہ اس اجرت کو منظور کر کے) یہود نے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا، پھر اس شخص نے کہا کوئی ہے جو دوپہر سے عصر تک میرا کام کرے اور میں ہر شخص کو ایک ایک قیراط دوں گا۔ چنانچہ یہود کے بعد حضرت عیسیٰ کے ماننے والے لوگوں نے یعنی) نصاریٰ نے دوپہر سے عصر کے وقت ایک ایک قیراط پر کام کیا، اور پھر اس شخص نے کہا کوئی ہے جو عصر سے غروب آفتاب تک میرا کام کرے اور میں ہر شخص کو دو دو قیراط دوں گا (اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ہم مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا) جان لو (اس مثال میں) تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کام کرنے والے ہیں، یاد رکھو تمہارا اجر دوگنا ہے اور اسی وجہ سے (کہ تمہارے کام کی مدت تو کم ہے لیکن مستحق دوگنے اجر کے قرار پائے ہو) یہود ونصاریٰ بھڑک اٹھے اور بولے کہ عمل کے اعتبار سے تو ہم بہت بڑھے ہوئے ہیں لیکن اجر وثواب میں ہمارا حصہ بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا! کیا میں نے تمہارے ساتھ کچھ ظلم کیا ہے یعنی میں نے تمہاری اجرت مقرر کی تھی اور تمہیں جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا کہ اس میں کچھ کمی کی

ہے، یہود و نصاریٰ نے کہا! نہیں (ہمارے حق میں تو کچھ کم نہیں کیا لیکن تیری طرف سے یہ تفاوت اور تفریق کیسی ہے؟) پروردگار نے فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ زیادہ اجر دینا میرا فضل و احسان ہے میں جس کو چاہوں زیادہ دوں (میں فاعل مختار ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں)''

(بخاری)

تشریح......اس حدیث میں ایک اجل کا لفظ آیا ہے چنانچہ اجل کسی چیز کی مدت متعینہ کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لِتَبلُغُو اَجَلاً مُسمًّی اور کبھی اس لفظ (اجل کا اطلاق انسان کی موت پر کیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے دنا اَجله اس شخص کی موت قریب آ گئی۔ یہ ملا علی قاریؒ نے طیبیؒ کے حوالے سے لکھا ہے اور اس کے بعد کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ''اجل'' کے لفظ سے کبھی تو اس پوری مدت کو تعبیر کیا جاتا ہے جو عمر کے لئے متعین ہوتی ہے خواہ وہ معلق ہو یا نہ ہو) جیسا کہ اللہ کے اس ارشاد ثُمَّ قَضٰی أجلٌ مُسمًّی عِندَہٗ میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، اور کبھی اس لفظ کا اطلاق مدت عمر کے خاتمے اور زندگی کے آخری لمحہ پر ہوتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کے ارشاد اِذَاجآ ءَ اَجَلُھُم لایَستأخِرُونَ ساعةً وَّلا یَستَقدِمُون میں اس لفظ کے یہی معنیٰ مراد ہیں پس یہاں حدیث کے الفاظ انما اجلکم فی اجل من خلامن الا مم الخ میں لفظ ''اجل'' کے پہلے معنی مراد ہیں یعنی پورا عرصہ حیات پوری مدت عمر اس روشنی میں حدیث گرامی کے ان الفاظ کی وضاحت یہ ہوگی کہ! اے مسلمانو پچھلی امتوں کے لوگوں کی لمبی عمروں کے مقابلے میں تمہاری کم عمروں کا تناسب وہی ہے جو دن کے آغاز سے نماز عصر تک کے وقت کے مقابلے میں عصر کے بعد مغرب تک کے وقت کا ہے، لیکن اس کے باوجود تمہارے اجر و ثواب کی مقدار زیادہ متعین ہے جب کہ ان لمبی لمبی عمروں والوں کے لئے اجر و ثواب کی مقدار کم رکھی گئی ہے، یہ تمہارا شرف و اعزاز ہے کہ تمہارے عمل کا عرصہ کم ہے مگر اجر و ثواب کہیں زیادہ۔

''قیراط'' ایک وزن کو کہتے ہیں جو درہم کے بارہویں حصہ یا دینار کے بیسویں حصہ کے برابر ہوتا ہے۔ ''یہود نے دوپہر تک ایک ایک قراط پر کام کیا'' یعنی موسیٰؑ کو ماننے والے

اوران کی اتباع کرنے والوں نے اپنی اپنی لمبی عمروں میں کم ثواب پر زیادہ عمل کیا، اور اسی طرح وہ ان مزدوروں کے مشابہ ہوئے جنہوں نے صبح سے دو پہر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا ہو۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والوں اوران کی اتباع کرنے والوں کا زمانہ آیا توانہوں نے بھی اپنے عرصہ حیات میں کم ثواب پر زیادہ عمل کیا، اور اسی طرح وہ ان مزدوروں کے مشابہ ہوئے جنہوں نے دو پہر کے بعد سے عصر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا ہو۔

''یادرکھوتمہارااجر دوگنا ہے'' یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ تو یہ معاملہ تھا کہ وہ جتنا کرتے تھے اسی کے برابر اجروثواب کے مستحق ہوتے تھے۔ لیکن تمہارااعزاز یہ ہے کہ ان کی نسبت تم کو دوگنا اجروثواب ملتا ہے گویا حدیث کا یہ مضمون اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے کہ: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ. ''اے (عیسیٰ پر) ایمان رکھنے والو! تم اللہ سے ڈرواوراس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ۔ اللہ اپنی رحمت سے تمہیں دگنا ثواب دے گا۔''

پس اس امت کے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے نبی کو مانا اوراس کی تصدیق کی بلکہ پچھلے نبیوں اور رسولوں پر بھی ایمان لائے اوران کی تصدیق کی لہٰذا دوگنے اجراور دوہرے ثواب کے مستحق ہوئے۔

''لیکن اجروثواب میں ہمارا حصہ بہت کم ہے'' یہود و نصاریٰ کی اس بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں ادا کیا جا سکتا ہے کہ: یہ کیا ہے کہ محمد ﷺ کی امت کا کام کم، اس کے اعمال قلیل، لیکن اس کا اجر بہت اس کا ثواب زیادہ، اس امت کے مقابلے میں ہمارا کام کہیں زیادہ ہمارے اعمال بہت کثیر، مگر ہمارا اجر کہیں کم اور ہمارا ثواب بہت قلیل؟ یہاں دونوں احتمال ہیں، یہ یہود و نصاریٰ یا تو قیامت کے دن کہیں گے جب وہ امت محمدیہ ؐ کو اجروثواب کے اعتبار سے اپنے مقابلے میں کہیں زیادہ آگے پائیں گے، یا اس طرح کی بات انہوں نے اس وقت کہی ہوگی جب ان کو اپنے اپنے زمانہ میں اپنی آسمانی کتابوں کے

ذریعہ اور اپنے رسولوں کی زبانی اس امت محمدیہ کے ایسے فضائل و خصائص معلوم ہوئے ہوں گے۔ بہر صورت اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی ثواب ملتا ہے وہ نہ عبادات و اعمال میں رنج و تعب اٹھانے کے اعتبار سے ملتا ہے اور نہ استحقاق کی جہت سے، کیونکہ بندہ اپنے مولیٰ کے نزدیک اس وجہ سے ثواب کا مستحق نہیں ہوتا کہ اس نے کوئی عبادت کی ہے، کوئی کارگزاری دکھائی ہے، بلکہ وہ اپنے محض فضل و احسان کی جہت سے بندہ کو ثواب سے نوازتا ہے اور مولیٰ کو اس کا پورا اختیار ہے کہ بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ سے زیادہ ثواب عطا فرمائے فَاِنَّهٗ يَفعَلُ مَا يَشآءُ و يَحكُمُ مَايُرِيدُ.

واضح ہو کہ حدیث میں مذکور "یہودی و نصاریٰ" سے مراد وہ یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں (رسول کو مانا) اس پر ایمان لائے، اس کی لائی ہوئی کتاب اور شریعت کی پیروی کی اور آخر دم تک اپنے اپنے دین حق پر قائم رہے۔ رہی ان یہود و نصاریٰ کی بات جنہوں نے اپنے دین حق سے انحراف کیا، اپنے رسول اور اپنی کتاب کا انکار کیا، ان کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے کیونکہ وہ تو سرے سے ثواب ہی سے محروم رہے علاوہ ازیں یہ نکتہ ذہن میں رہنا چاہیئے کہ نصاریٰ جو حضرت عیسیٰؑ اور انجیل مقدس پر ایمان رکھتے ہیں، باوجود یہ کہ حضرت موسیٰؑ اور توریت پر ایمان لائے تھے لیکن انکو یہود کی بہ نسبت زیادہ ثواب نہیں ملا، جو صرف اپنے ہی رسول اور اپنی ہی کتاب یعنی حضرت موسیٰؑ اور توریت پر ایمان لائے تھے۔

ایک اور بات اس حدیث سے حنفی علماء نے عصر کے وقت کے بارہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اور مضبوط بنانے کے لئے استدلال کیا ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ عصر کا وقت جب شروع ہوتا ہے کہ ہر شے کا سایہ اس کے دو مثل یعنی دوگنا ہو جائے۔ چنانچہ ان حنفی علماء کا کہنا ہے کہ نصاریٰ کے عرصۂ عمل کا اس امت کے عرصۂ عمل سے زیادہ ہونا اسی صورت میں سمجھا جا سکتا ہے جب کہ حدیث میں مذکورہ مثال کے مطابق انکے کام (عمل) کی مدت دوپہر کے بعد سے ہر شے کا سایہ دو مثل یعنی دوگنا ہو جانے تک رہے۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حقیقت تو یہ ہے کہ میری

امت میں مجھ سے نہایت شدید اور نہایت اچھی محبت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو میری وفات کے بعد پیدا ہوں گے ان میں سے کوئی تو یہ آرزو کرے گا کہ کاش وہ مجھے دیکھ لے، اپنے اہل عیال اور اپنا مال واثاثہ سب کچھ مجھ پر قربان کر دے" (مسلم)

تشریح...... یعنی میرے تئیں محبت اس کو اس آرزو میں مبتلا رکھے گی کہ اگر میری زیارت اور میرے دیدار کا موقع اس کو نصیب ہو جائے تو وہ مجھ تک پہنچے اور اپنے اہل وعیال، اپنا گھر بار اپنا مال واثاثہ سب کچھ مجھ پر فدا کر دے، واضح ہو کہ اس حدیث سے اور اس جیسی دوسری حدیثوں سے بظاہر یہ مفہوم نکلتا ہے کہ صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد ہوسکتا ہے کہ بعض لوگ ایسے اس امت میں پیدا ہوں جو فضیلت میں صحابہ کرام کے برابر ہوں یا ان سے افضل ہوں چنانچہ محدثین میں سے ایک مشہور شخصیت علامہ ابن عبدالبرؒ کا رجحان اسی طرف ہے اور انہوں نے اسی طرح کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اس کا ذکر ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ میں موجود ہے، لیکن جمہور علماء کا اجماع واتفاق اسی پر ہے کہ امت کے افضل ترین افراد صحابہ کرام ہی ہیں کوئی بھی غیر صحابی خواہ دین وشریعت و معرفت، ولادیت و بزرگی اور تقویٰ وتقدس میں کتنا ہی اونچا مقام کیوں نہ رکھتا ہو، صحابی کی منزل اور اس کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا، ان جمہور علماء نے ان احادیث کے بارے میں کہ جن سے ابن عبدالبرؒ نے استدلال کیا ہے کہا ہے کہ ان حدیث کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت کی جاسکتی ہے وہ کسی غیر صحابہ کی کسی ایک گوشے سے جزوی فضیلت ہے لیکن جہاں تک کلی فضیلت کا تعلق ہے، کہ جو کثرت ثواب سے عبارت ہے تو وہ صرف صحابہ کے لئے ہے۔ ان علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس گفتگو میں صحابہؓ سے مراد وہ خاص الخاص صحابہ ہیں جن کو آنحضرت ﷺ کی صحبت ومعیت میں طویل عرصے تک رہنے کا شرف حاصل ہوا ہو، جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے بہت زیادہ اکتساب علم وفیض کیا ہو، اور جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے ہوں، رہے وہ عام العوام صحابہؓ جن کو ایک آدھ ہی مرتبہ زیارت نبوی ﷺ کا موقع ملا ہو اور بعض تو ایسے بھی ہیں جن کو پوری عمر میں بس ایک ہی مرتبہ

چہرہ اقدس کا دیدار نصیب ہوا تو ان کا مسئلہ محل توقف وتردد اور محل نظر ہے، لیکن حق یہ کہ آنحضرت ﷺ کی صحابیت کا وہ شرف وفضل جو کسی بھی صحابی کو کسی بھی غیر صحابی سے افضل وبرتر مقام عطا کرتا ہے، ہر صحابی کو حاصل ہے۔ اگر چہ کسی صحابی کو صرف ایک ہی بار آنحضرت ﷺ کے چہرے اقدس کے دیدار کا موقع ملا ہو اس فضل وشرف میں تو کوئی بھی کسی صحابی کا ہمسر شریک نہیں ہوسکتا، ہاں علمی وعملی فضیلت میں گفتگو کا دائرہ وسیع ہوسکتا ہے لیکن اس جہت سے بھی زیادہ بحث کی بجائے یہی کہنا اولیٰ ہے کہ صحابہ پوری امت میں علی الاطلاق افضل واشرف ہیں۔

''اور حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا رہے گا جو اللہ کے حکم پر قائم ہوگا۔ اس گروہ (کے دینی وجماعتی نظم اور معاملات کو) نہ وہ شخص نقصان پہنچا سکے گا جو اس کی تائید واعانت کر چکا ہو، اور نہ وہ شخص ضرر پہنچائے گا جو (موافقت کی بجائے) اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگیا ہو، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آن پہنچے گا اور وہ اپنے اسی راستے پر یعنی احکام خداوندی اطاعت اور دین کی خدمت واعانت پر قائم ہوں گے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح...... ''اللہ کے حکم پر قائم ہوگا''، یعنی اس گروہ کی اعتقادی اور عملی زندگی پوری عمارت ودینی فرائض اور شرعی احکام پر استوار ہوگی جو کتاب اللہ کو یاد کرنے حدیث کا علم حاصل کرنے کتاب وسنت سے استنباط کرنے، فی سبیل اللہ جہاد کرنے مخلوق خدا کی خیر خواہی میں لگے رہنے اور جتنے فرض کفایہ ہیں سب کے تئیں اپنی ذمہ داری نبھانے سے عبارت ہے اور جس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اشارہ کرتا ہے: وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ''اور تم میں (ہمیشہ) ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے جو (دوسروں کو بھی) خیر کی طرف بلایا کرے، اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کریں۔

بہر حال اس حدیث سے واضح ہوا کہ روئے زمین ایسے صلحاء اور پاکیزہ نفس لوگوں

سے کبھی خالی نہیں رہے گی جو احکام خداوندی کی پیروی میں ثابت قدم رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے دور رہتے ہیں، دین و شریعت پر ہر حالت میں عمل کرتے اور بہر صورت اسلام کی بقاء و سربلندی کے لئے سرگرم رہتے ہیں، خواہ مدد و اعانت کرنے والے ان کی مدد و اعانت کریں یا مخالفت پر لوگ ان کی مخالف و برائی کریں۔

حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللہ (یہاں تک کہ اللہ کا حکم آن پہنچے گا) میں (امر اللہ) (اللہ کے حکم) سے موت اور انقضائے عہد مراد ہے تاہم ایک شارح نے اس سے "قیامت" مراد لی ہے لیکن اس قول پر اس حدیث کی روشنی میں یہ اشکال واقع ہوتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے لا تَقُومُ السَّاعَةُ حتّٰی لَایَکُونَ فِی الأرضِ مَنْ یَقُولُ اللہ (روئے زمین پر جب تک ایک بھی اللہ کا نام لیوا موجود رہے گا قیامت نہیں آئے گی) اسی طرح قائم بامر اللہ (اللہ کے حکم پر قائم ہوگا) کے معنی ایک شارح نے اللہ کے دین پر سختی سے عمل کرنا لکھے ہیں، نیز بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حدیث میں مذکورہ "گروہ" سے مراد اہل علم کی وہ جماعت ہے جو ہر زمانہ میں حدیث کی تعلیم اور دینی علوم کی تدریس و اشاعت کے ذریعہ سنت کی ترویج اور دین کی تجدید و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتی رہے گی اور ایک شارح کہتے ہیں، "گروہ" سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ اور ہر حالت میں اسلام پر قائم رہے گے۔ ایک اور شارح لکھتے ہیں، ہوسکتا ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہو کہ روئے زمین سے اہل اسلام کی شوکت و عظمت کبھی فناہ نہیں ہوگی۔ اگر روئے زمین کے کسی علاقے اور کسی خطہ میں اسلام اور مسلمانوں کو ضعف واضمحلال لاحق ہوگا تو کسی دوسرے علاقہ اور خطہ میں اسلام کا بول بالا اور مسلمانوں کو شوکت وعظمت حاصل رہے گی جو علاء کلمۃ اللہ اور اسلام کا پرچم سربلند کرنے میں مستعدی سے لگے ہوں گے اور اکثر اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ گروہ سے مراد غازیان اسلام کی جماعت ہے جس کا کام دشمنان دین اسلام سے جہاد کر کے دین کو مضبوط و سربلند کرنا ہے اور پھر یہی جماعت آخر زمانہ میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت و نگہبانی کرے گی۔ بعض روایتوں میں وھم بالشام کے الفاظ بھی آئے ہیں یعنی اس گروہ کا مستقر ملک شام ہوگا اور بعض روایتوں میں یہ

الفاظ بھی ہیں حتی یقاتل اخرھم مسیخ الدّجال (یہاں تک کہ وہ اس گروہ کے آخری افراد دجال کو قتل کریں گے) گویا یہ روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ''گروہ'' سے مراد غازیان اسلام ہی کی جماعت ہے لیکن حدیث کے ظاہری مفہوم سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ عمومی طور پر ہر وہ جماعت اور ہر وہ طبقہ مراد ہے جو اللہ کے سچے دین پر قائم ہو اور اللہ کے دین کی خدمت و اشاعت میں اور اسلام کی سر بلندی کیلئے کسی بھی صورت سے مصروفِ عمل ہو۔ (بحوالہ مظاہر حق جلد پنجم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۶۱

رسولِ اکرم ﷺ قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھیں گے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اکسٹھویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھیں گے" جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جارہی ہے، بیشک ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھیں گے جبکہ دیگر انبیاءؑ اوران کی امتیں بعد میں اٹھیں گی، تو معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو دنیا میں خصوصیات سے نوازا آخرت میں بھی اسی طرح عظیم خصوصیات سے نوازے جائیں گے، بے شک یہ اللہ رب العٰلمین کی اپنے آخری نبی ﷺ سے خاص محبت وقرب کی عمدہ علامت ہے، آنے والے اوراق میں احادیث کی روشنی میں ہم نے اس خصوصیت کو ترتیب دیا ہے، انشاء اللہ اس کے مطالعے سے معلومات میں بھی اضافہ ہوگا اور ایمان کو بھی جلا ملے گی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:۔

اکسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

صحیح بخاری میں ہے کہ کچھ عرصہ بعد ایک بڑی آگ جنوب کی طرف سے نمودار ہوگی اور لوگوں کی طرف بڑھنے لگے گی، جس سے لوگ بے تحاشہ بھاگیں گے آگ ان کا پیچھا کرے گی جب لوگ دوپہر کو تھک جائیں گے اور اپنی عاجزی کا اظہار کریں گے تو آگ بھی ٹھہر جائے گی اور آدمی بھی آرام کرلیں گے۔

صبح ہوتے ہی آگ پھر پیچھا کرے گی۔ انسان اس سے بھاگیں گے اس طرح

کرتے کرتے وہ ملک شام تک پہنچ جائیں گے اس کے بعد آگ واپس لوٹ کر غائب ہوجائے گی۔

اس کے بعد قیامت قائم ہونے کی پہلی نشانی یہ ہوگی کہ لوگ تین چار سال تک غفلت میں پڑے رہیں گے، اور دنیاوی نعمتیں، دولت اور شہوت رانی بکثرت ہوجائے گی کہ جمعہ کے دن جو محرم کی دسویں تاریخ بھی ہوگی صبح ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے کہ اچانک ایک باریک لمبی آواز سنائی دے گی۔ یہی صور کا پھونکنا ہوگا۔ ہر طرف کے لوگوں کو یکساں سنائی دے گی اور لوگ حیران ہوں گے کہ یہ کیسی آواز ہے؟...... آہستہ آہستہ یہ آواز بجلی کی کڑک کی طرح سخت اور اونچی ہوجائے گی۔ انسان بے قرار ہوجائیں گے۔ جب آواز میں پوری سختی ہوجائے گی تو لوگ ہیبت کی وجہ سے مرنے شروع ہوجائیں گے۔ زمین میں زلزلہ آئے گا۔

قرآن کریم میں ہے:۔﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا. ﴾ (پارہ عمّ) "اس زلزلے کے ڈر سے لوگ گھروں کو چھوڑ کر میدانوں میں بھاگ کھڑے ہوں گے۔"

اور وحشی جانور خائف ہوکر لوگوں کی طرف بڑھیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ﴾ (پارہ عمّ) "جس وقت وحشی جانور جانوروں کے ساتھ اکٹھے کئے جائیں گے۔" (ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ)

زمین جا بجا شق ہوگی، ارشاد ہے:﴿وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ. ﴾ (القرآن) "سمندر ابل کر قرب وجوار کی بستیوں میں جا گریں گے۔" ارشاد گرامی ہے:﴿وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ. ﴾ "اور جب دریا بہ چلیں۔" (ترجمہ شاہ عبدالقادر) آگ بجھ جائے گی بلند و بالا پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر تیز ہوا کے چلنے سے ریت کی طرح اڑ جائیں گے۔﴿وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ﴾ (پارہ عمّ) "اور جب پہاڑ اڑا دیئے جائیں۔"

گرد و غبار کے اڑنے اور آندھیوں کے آنے کی وجہ سے پوری دنیا تاریک لگ رہی ہوگی اور وہ آواز صور سخت ہوجائے گی حتی کہ اس کے ہولناک ہونے پر آسمان پھٹ جائیں

گے۔ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

پھر ایک وقت تک ذات واحد ہی رہے گی۔ پھر ایک مدت کے بعد از سر نو پیدائش کا سلسلہ جاری کرے گا لیکن یہ کتنی مدت کے بعد ہوگا اسے اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا ہے۔آسمان زمین اور فرشتوں کو پیدا کرے گا۔جب سب آدمی مر جائیں گے تو ملک الموت شیاطین کی روح قبض کرنے کی طرف متوجہ ہوں گے، یہ ملعون چاروں طرف دوڑتا پھرے گا مگر فرشتے اسے آگ کے گرزوں سے لوٹا دیں گے اور اس کی روح قبض کر لیں گے۔سکرات موت کی جتنی تکلیفیں پوری انسانیت کو پہنچی ہیں ان سب تکلیفوں کی مقدار اس اکیلے کو ملے گی۔مسلسل چھ ماہ تک صور پھونکا جاتا رہے گا اس صور کے پھونکنے کے بعد نہ آسمان رہے گا نہ ستارے رہیں گے، نہ پہاڑ رہیں گے نہ سمندر نہ کوئی چیز (الغرض) ہر چیز نیست و نابود ہو جائے گی۔فرشتے بھی مر جائیں گے، مگر آٹھ چیزیں فنا نہ ہوں گی۔

اول عرش، دوم کرسی، سوم لوح، چہارم قلم، پنجم جنت، ششم صور، ہفتم دوزخ، ہشتم روحیں، لیکن روح کو بھی بے خودی ضرور ہوگی، بعضوں کا قول ہے کہ یہ آٹھ چیزیں بھی تھوڑی دیر کے لیے معدوم ہو جائیں گی، حاصل کلام یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی نہ رہے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوم؟ ''کہاں ہیں حکومتوں کے دعویدار اور بادشاہ''؟ کس کے لئے ہے آج کی سلطنت؟...... پھر خود ہی ارشاد فرمائیں گے۔ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّار۔خدائے یکتا و قہار کے لیے ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ قیامت کے دن زمین ایسی ہو گی کہ اس میں عمارتوں درختوں اور پہاڑوں اور سمندروں وغیرہ کا نشان تک نہ ہوگا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس جس مقام پر سے لوگوں کو چاہے گا وہیں سے زندہ کرے گا۔(زندہ کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ) پہلے ان کی ریڑھ کی ہڈی کو پیدا کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

اور ان کے دیگر اجزاء جسمانی کو اس ہڈی کے متصل رکھ دے گا، ریڑھ کی ہڈی اس ہڈی کو کہتے ہیں جس سے تمام جسم کی پیدائش شروع ہوتی ہے۔تمام اجزاء جسمانی کو (اس

ہڈی کے ساتھ) ترتیب دے کر گوشت پوست چڑھا کر جو صورت مناسب ہو گی عطا فرمائیں گے۔ جسمانی قالب کی تیاری کے بعد تمام روحیں صور میں داخل کر کے حضرت اسرفیل علیہ السلام کو حکم فرمائیں گے کہ ان کو پوری طاقت سے پھونک دیں اور خداوند تعالیٰ فرمائیں گے! ''قسم ہے میری عزت وجلال کی! کوئی روح بھی اپنے ڈھانچے کے علاوہ کہیں نہ جائے (حکم الٰہی سن کر تمام) روحیں اس طرح اپنے اپنے جسموں میں آجائیں گی جس طرح پرندے اپنے اپنے گھونسلوں میں چلے جاتے ہیں''۔

صور اسرافیل میں روحوں کی تعداد کے مطابق سوراخ ہیں۔ جن میں سے روحیں پھونکنے پر پرندوں کی طرح نکل کر اپنے اپنے ڈھانچوں میں داخل ہو جائیں گی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کا تعلق جسموں کے ساتھ قائم ہو جائے گا اور سب کے سب زندہ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد پھر صور پھونکا جائے گا۔ جس کی وجہ سے زمین پھٹ کر لوگوں کو باہر نکال دے گی، لوگ گرتے پڑتے صور (کی آواز) کی طرف دوڑیں گے۔ یہ صور بیت المقدس کے اس مقام پر پھونکا جائے گا جہاں صخرہ معلق ہے بدنوں میں روحوں کی آمد اور دوسرے صور کے پھونکنے میں چالیس سال کا عرصہ لگ جائے گا۔ (بخاری)

قبروں سے لوگ اسی شکل میں پیدا ہوں گے جس طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے یعنی ننگے بدن بے ختنہ اور بغیر داڑھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَمَا بَدَأْنَـا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهٗ. ''جیسا کہ ہم نے اس خلقت کو اول مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح دوبارہ بھی پیدا کریں گے۔ (القرآن)

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ لوگ ننگے بدن ہوں گے ان کا ختنہ نہ ہوا ہو گا۔ داڑھیاں نہ ہوں گی صرف سر کے بال اور منہ میں دانت ہوں گے۔ سب چھوٹے بڑے، گونگے بہرے لنگڑے اور کمزور سب کے سب درست اعضاء والے ہوں گے۔

سب سے پہلے زمین میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اٹھیں گے آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر جگہ جگہ سے انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء و صالحین اٹھیں

گے۔ان کے بعد مؤمنین، پھر فاسقین، پھر کفار، تھوڑی تھوڑی دیر بعد یکے بعد دیگرے بر آمد ہوں گے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابوبکر وعمر آنحضرت ﷺ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت آپ کے پاس اور دوسرے نبیوں کی اُمتیں اپنے اپنے نبیوں کے پاس جمع ہو جائیں گی خوف اور دہشت کی وجہ سے سب کی آنکھیں آسمان پر لگی ہوں گی۔ کوئی شخص کسی کی شرم گاہ کو نہیں دیکھے گا، اگر دیکھے گا تو بچوں کی طرح دل میں شہوت سے خالی ہو گا۔ (صحیح بخاری ومسلم وترمذی)

صحیح مسلم میں ہے کہ جب لوگ اپنے اپنے مقام پر کھڑے ہوں گے تو سورج اس قدر قریب کر دیا جائے گا کہ گویا بس ایک میل پر ہے، آسمان کی طرف چمکنے والی بجلیاں اور خوفناک آوازیں سنائی دیں گی۔ سورج کی گرمی کی وجہ سے تمام کے بدنوں سے پسینہ جاری ہو جائے گا، پیغمبروں اور نیک بخت مومنوں کے تو صرف تلوے تر ہوں گے عام مومنین کے ٹخنے پنڈلی، گھٹنے، زانو، کمر، سینہ اور گردن تک اعمال کے مطابق پسینہ چڑھ جائے گا۔ کفار منہ اور کانوں سے پسینہ میں غرق ہو جائیں گے اور اس سے ان کو سخت تکلیف ہوگی، بھوک پیاس کی وجہ سے لوگ لاچار مٹی کھانے لگیں گے اور پیاس بجھانے کی غرض سے حوض کوثر کی طرف جائیں گے، دوسرے نبیوں کو بھی حوض دیئے جائیں گے لیکن وہ اپنی لذت اور وسعت میں (آپ ﷺ کے حوض کوثر سے) کم ہوں گے۔ سورج کی گرمی کے علاوہ بھی کئی ہولناک مناظر ہوں گے ایک ہزار سال تک لوگ انہی مصائب ومشکلات میں مبتلا ہوں گے اور سات گروہ وہ ہوں گے جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے سائے میں جگہ نصیب فرمائیں گے، تمام روایات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ حاصل کرنے والے لوگ چالیس فرقوں پر مشتمل ہوں گے۔ (بحوالہ چیدہ چیدہ از آثارِ قیامت اور فتنہ دجال)

قیامت کے دن حضور ﷺ عرش الٰہی کے دائیں جانب کھڑے ہوں گے

وعن ابی هُرَیرةَ عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال فاکسیٰ حُلَّةً مِن حُلَلِ الجَنَّةِ ثُمَّ اَقومُ عَن یَمِینِ العَرشِ لَیسَ اَحَدٌ مِنَ الخَلائِقِ یقُومُ ذٰلِکَ المَقامَ غَیرِی رواهُ التِرمذی وفی رِوَایَةِ جامعِ الاُصولِ عنهُ اَنَا اوَّلُ مَن تَنشَقُّ عَنهُ الأرضُ فاکسیٰ.

ترجمہ:...... ''حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) مجھے جنت کے جوڑوں میں سے ایک جوڑا پہنایا جائے گا اور پھر میں عرش کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا، جہاں میرے سوا مخلوق میں سے کوئی اور کھڑا نہیں ہوگا'' اور جامع الاصول کی روایت میں، جو حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے منقول ہے، یوں ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور میں باہر آؤں گا، پھر مجھے ایک جنتی جوڑا پہنایا جائے گا۔ (بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیبِکَ خَیرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۶۲

رسولِ اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق بتوں کے پیٹ سے صدائیں بلند ہوئیں

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ باسٹھویں خصوصیت پیش کی جارہی ہے جس کا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق بتوں کے پیٹ سے صدائیں بلند ہوئیں'' الحمدللہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی بے شک یہ اسی کا فضل ہے ورنہ لوگوں کے اژدھام کی وجہ سے دو نفل کے لئے جگہ ملنا مشکل ہوتی ہے چہ جائیکہ ایسی جگہ کا مل جانا کہ جہاں بیٹھ کر کئی گھنٹوں تک لکھا جاسکے، بہر حال اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں کہ جس ذات نے ریاض الجنۃ میں بٹھا کر اپنے محبوب ﷺ کی خصوصیت سے متعلق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اور مزید اسی اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو مقبول ومنظور بھی فرمائے گا انشاء اللہ، اور جب قیامت کا دن ہوگا، لوگوں میں نفسا نفسی ہوگی، تو انشاء اللہ آج ریاض الجنۃ میں روضہ رسول ﷺ کے سائے تلے بیٹھ کر آقا ﷺ کی خصوصیت کو ترتیب دینے کی وجہ سے آقا ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی اور انشاء اللہ اللہ کے فضل سے ضرور ہوگی، دعا ہے کہ یارب اپنی بارگاہ میں اسے قبول فرما، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! آنے والے اوراق میں آپ رسول اکرم ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کو ملاحظہ فرمائیں گے جس کے ذیل میں ہم نے کچھ واقعات ترتیب دیئے ہیں کہ جن سے یہ ثابت ہوگا کہ واقعتاً آپ ﷺ کے ظہور سے متعلق بتوں کے پیٹ سے بھی

صدائیں بلند ہوئیں، یعنی بتوں نے آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دی، امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کے مطالعے سے ہمارے دل میں حضور ﷺ کی عقیدت میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی صحیح صحیح قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

باسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

آپ ﷺ کے ظہور کے متعلق بتوں کے اندر سے آوازیں سنائی دینے کے جو واقعات پیش آئے وہ بھی بے شمار ہیں ان میں ہی سے ایک عباس بن مرداس کا واقعہ ہے۔ عباس کہتے ہیں کہ مرداس سلمی کا ایک مخصوص بت تھا جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا۔ اس بت کا نام ضمار تھا۔ جب مرادس کا وقت آخر ہوا تو اس نے عباس یعنی اپنے بیٹے سے کہا۔ ”بیٹے! ضمار کی عبادت کرتے رہنا اس لئے کہ یہی تمہیں فائدہ پہنچاتا ہے اور یہی نقصان پہنچاتا ہے۔

(چنانچہ عباس اپنے باپ کے مرنے کے بعد ضمار کی پوجا کرنے لگے) ایک روز جبکہ ضمار کے پاس عبادت کرنے گئے تو اچانک انہیں اس بت کے پیٹ سے کسی پکارنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا۔

من للقبائل من سلیم کلها اودی ضمار وعاش اهل المسجد

ترجمہ...... بنی سلیم کے قبیلوں کا محافظ اب کون ہوگا کہ ضمار کے پوجنے والے ہلاک ہوگئے اور مسجد کو آباد کرنے والوں نے زندگی پالی۔

ان الذی ورث النبوة والهدی بعد ابن مریم من قریش مهتد

ترجمہ...... حضرت عیسیٰ بن مریم کے بعد قریش میں سے ایک شخص ہدایت کا سرچشمہ اور وارث بن کر آیا ہے۔

اودی ضمار و کان یعبد مدة قبل الکتاب الی النبی محمد

ترجمہ...... اب وہ ضمار ہلاک اور ختم ہو چکا ہے جس کو محمد ﷺ کے اوپر کتاب یعنی

قرآن نازل ہونے سے پہلے ایک زمانے تک پوجا جاتا رہا۔

چنانچہ اس کے بعد ہی عباس نے ضمار بت کو جلا کر تباہ کر دیا اور خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر آپ سے آ ملے۔

عباس ابن مرداس کے متعلق ایک روایت اس طرح ہے کہ ایک روز دوپہر کے وقت وہ اپنے اونٹوں کے گلّے کے ساتھ تھے کہ اچانک انہیں ایک سوار نظر آیا جو ایک سفید رنگ کی اونٹنی پر سوار تھا اور سفید ہی لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس سوار نے عباس سے کہا۔ "اے عباس! کیا تم نہیں دیکھتے کہ آسمان اپنی حفاظت سے رک گیا، خوں ریزی نے خود اپنے آپ کو ہی پھونک ڈالا اور گھوڑوں نے اپنے کھر توڑ ڈالے وہ ہستی جس پر نیکی اور پرہیز گاری اتری ہے قصواء اونٹنی کی مالک ہے"

(مراد ہیں آنحضرت ﷺ کیونکہ آپ کی اونٹنی کا نام قصواء تھا) غرض عباس کہتے ہیں کہ میں یہ بات سن کر کچھ ڈر سا گیا اور فوراً اپنے بت کے پاس آیا جس کا نام ضمار تھا۔ ہم اس بت کی عبادت کیا کرتے تھے میں اس بت کے گرد گھوما اور پھر میں نے برکت کے لئے اس پر ہاتھ پھیرا ہی تھا کہ اچانک اس کے پیٹ میں سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا۔

قل للقبائل من قریش کلھا　　ھلک الضمار وفاز اھل المسجد

ترجمہ:۔۔۔۔قریش کے تمام قبیلوں سے بتلا دو کہ ضمار بت ہلاک ہو گیا اور مسجدوں کو آباد کرنے والے کامیاب ہو گئے۔

ھلک الضمار وکان یعبد مدۃ　　قبل الصلاۃ علی النبی محمد

ضمار ہلاک ہو گیا جو آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے جانے سے پہلے ایک مدت تک پوجا جاتا رہا تھا۔

ان الذی ورث النبوۃ والھدیٰ　　بعد ابن مریم من قریش مھتد

وہ محمد ﷺ ہیں جو عیسیٰ ابن مریم کے بعد قریش میں سے نبوت اور ہدایت کے وارث

بن کر ظاہر ہوئے ہیں۔

عباس ابن مرداس کہتے ہیں (یہ آواز سننے کے بعد) میں اپنی قوم بنی حارثہ کے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچنے کے لئے مدینہ کو روانہ ہو گیا۔ جب میں مسجد نبوی میں داخل ہوا اور آنحضرت ﷺ نے مجھے دیکھا تو آپ مسکرائے اور فرمایا۔" اے عباس! تم اسلام کی طرف کیسے جھکے"؟ میں نے آپ ﷺ کو پوار واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا کہ تو نے سچ کہا۔ اس کے بعد میں اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

اسی طرح مازن ابن غضوبہ کا واقعہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں عمان کے قریب ایک گاؤں میں ایک بت کا پجاری اور خادم تھا۔ اس گاؤں کو سمائل یا سمال کہا جاتا تھا اور بت کا نام باور تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام باحر تھا۔ غرض ایک روز ہم نے اس بت کے سامنے ایک جانور کی قربانی پیش کی۔ یہ قربانی یا تو عام قربانی تھی (جو مشرکین اپنے بتوں کو پیش کرتے تھے) اور یا جیسا کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ قربانی ایک خصوصی قربانی تھی جو صرف رجب کے مہینے میں کسی خاص مقصد کے لئے پیش کی جایا کرتی تھی۔ غرض جیسے ہی ہم نے وہ قربانی پیش کی اسی وقت ہمیں اس بت کے پیٹ میں سے ایک آواز آئی جس کے الفاظ یہ تھے۔" اے مازن! سن اور خوش ہو جا، بھلائی ظاہر ہو گئی اور برائی مٹ گئی۔ مضر کی اولاد میں سے ایک نبی کا ظہور ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کا دین لے کر آئے ہیں۔ اس لئے پتھر کے ان تراشوں کو چھوڑ دے اور جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جا۔"

مازن کہتے ہیں کہ میں اس آواز کو سن کر گھبرا گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ تو بڑا عجیب معاملہ ہے۔ کچھ دن کے بعد ایک مرتبہ پھر میں نے اس بت کے لئے ایک جانور کی قربانی پیش کی۔ اسی وقت مجھ پر بت کے اندر سے آواز آتی ہوئی یہ آواز سنائی دی۔ **اقبل الی اقبل تسمع مالا تجھل ھذا نبی مرسل** میری طرف دیکھو میری طرف۔ اور وہ بات سنو جس سے غفلت نہیں برتنی چاہئے۔ کہ یہ خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہیں ۔**جاء بحق منزل امن به کی تعدل عن حر نا تشعل** اور آسمان سے ایک سچائی لے

کرآئے ہیں۔ان پر ایمان لاؤ تا کہ تم۔بھڑکتی ہوئی آگ سے بچ جاؤ۔**وقودھا بالجندل** جس جلتی ہوئی آگ کا ایندھن جندل ہے۔

یہ آواز سن کر میں نے دل میں کہا کہ یہ تو بڑا عجیب معاملہ ہے لیکن بے شک یہ کوئی نیکی اور خیر ہے جو میرے نصیب میں آنے والی ہے۔

اس کے بعد مازن کہتے ہیں کہ اسی طرح کچھ وقت گزرا تھا کہ ایک دن حجاز کا رہنے والا ایک شخص ہمارے پاس یہاں آیا۔ہم نے اس سے پوچھا "تمہارے یہاں کے کیا حالات اور خبریں ہیں"؟اس نے کہا "وہاں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جس کا نام احمد ہے جو شخص بھی اس سے ملتا ہے وہ اس سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی آواز پر لبیک کہو"۔میں نے یہ سن کر کہا "یہی وہ وہ خبر ہے جو میں نے (بت کے اندر سے آنے والی آواز سے) سنی ہے"

چنانچہ اس کے بعد میں اس بت کے پاس آیا میں نے اس کو توڑ کر ریزہ ریزہ کرڈالا۔پھر میں اپنی سواری پر سوار ہو کر چلا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔میرے دل میں اسلام کے لئے گنجائش اور اشتیاق پیدا ہو گیا تھا چنانچہ میں مسلمان ہوا اور میں نے یہ شعر کہے۔

کسرت بادر اجذا و کان لنا　　　ربا نطیف به ضلا بضلال

ترجمہ......میں نے بادر نامی بت کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا جو کبھی ہمارا معبود تھا اور ہم اپنی گمراہی کی وجہ سے اس کے گرد گھوما کرتے تھے۔

بالھا شمی ھذا نا من ضلالتنا　　　ولم یکن دینه شیئاً علی بالی

ایک ہاشمی شخص کے ذریعہ ہم نے اپنی گمراہیوں سے ہدایت پالی ہے حالانکہ اس سے پہلے اس کے دین کی میرے دل میں کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔

یا راکبا بلغن عمرا و اخوتھا　　　انی لما قال ربی بادر قالی

اے سوار تو یہ بات عمر اور اس کے بھائیوں کو پہنچا دینا کہ میں اپنے رب کے حکم پر

بادر سے شدید نفرت رکھتا ہوں۔

یہاں عمرو اور اس کے بھائیوں سے مراد بنی خطامہ ہیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی مگر کتاب اسد الغابہ میں (جہاں مازن کی اس روایت کا ذکر ہے وہاں) یہ شعر ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔

غرض مازن کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ "یارسول اللہ ﷺ میں عیش ونشاط، شراب وکباب اور بدکار عورتوں کے ساتھ شب بسری کا رسیا اور ان حرکتوں میں ڈوبا ہوا ہوں۔ یہاں بدکار عورتوں کے لئے حلوک کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب فاجرہ عورتیں ہیں جو خود سے مردوں کی طرف جھکتی ہیں اور ہم بستری کے وقت بے حیائی کے ساتھ عشوہ طرازیاں کرتی ہیں۔ حلوک کے ایک معنی ساقطہ کے بھی کئے جاتے ہیں یعنی ایسی عورتیں جو شہوت پرست اور جنس زدہ ہوتی ہیں۔

(غرض مازن نے آپ سے مزید عرض کیا کہ۔ ساتھ ہی میری دوسری عرض یہ ہے کہ) ہم پر عرصہ سے خشک سالی اور قحط مسلط ہے جس کے نتیجے میں مال ودولت بھی ختم ہو گیا اور ڈھور ڈنگر اور اولاد بھی تباہ ہو رہی ہے (میری تیسری عرض یہ ہے کہ) میرے کوئی لڑکا نہیں ہے اس لئے آپ میرے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ میری یہ کمزوریاں اور برائیاں دور ہو جائیں ہمیں بارش وسیرابی حاصل ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک بچہ عنایت فرمادے"

میری یہ درخواست سن کر آنحضرت ﷺ نے میرے لئے دعا کرتے ہوئے یہ فرمایا۔

"اے اللہ! اس کا عیش وعشرت قرآن پاک کی تلاوت میں پیدا فرمادے۔ اس کی حرام کاری میں دلچسپی کو حلال کاموں میں پیدا فرمادے۔ شراب سے رغبت کو میٹھے پانی میں پیدا فرمادے جسمیں کوئی گناہ اور برائی نہیں ہے۔ اور زنا سے دلچسپی کو پاکدامنی میں بدل دے اس کو بارش اور سیرابی سے نواز دے اور اس کو بچہ عطا فرما۔"

مازن کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کی اس دعا کی برکت سے) اللہ تعالیٰ نے میری کمزوریاں اور بدکرداریاں دور فرمادیں۔ جلد ہی مجھے قرآن پاک کا کچھ حصہ یاد ہو گیا۔ کئی حج

کر لئے۔ عمان یعنی ان کا گاؤں اور اس کے آس پاس کے دوسرے علاقے سرسبز وشاداب ہوگئے۔ (پاکدامنی میسر آئی کہ) میں نے چار آزاد شریف عورتوں سے نکاح کئے اور حق تعالیٰ نے مجھے اولاد کی دولت سے مالا مال کیا۔ یہاں تک کہ پھر میں یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

اِلیکَ رسولَ اللہ جنت مطیَّتی   تجوب القیافی من عمان الی المرج

ترجمہ...... یارسول اللہ میری سواری آپ کی طرف عمان سے مرج تک صحراؤں کو طے کرتی ہوئی ذوق وشوق کے ساتھ آئی ہے۔

تشفع لی یاخیر من وطئ الحصا   فیغولی ذنبی وارجع با لفلج

تاکہ آپ اے کنکریوں کو روندنے والوں میں بہترین شخص میری سفارش کریں اور پھر میں مغفرت اور کامیابی کے ساتھ لوٹوں۔

الیٰ معشر خالفت فی اللہ دینھم   ولا رایھم رای ولا شر جھم شرجی

ایک ایسے قبیلے کی طرف جن کے دین کی میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے مخالفت کی ہے اور اب ان کی اور میری نہ رائے ایک ہے اور نہ طریقہ ایک ہے۔

و کنت امرء بالعھر والخمر مولعا   شبابی حتی ازن الجسم بالنھج

میں جوانی میں بے انتہا شرابی اور عیاش آدمی تھا یہاں تک کہ جوانی اسی میں گزری اور اب بوڑھا ہوگیا۔

فبد لنی بالخمر خوفا و خشیة   وبا نعھرا احصا نا محصن لی فرجی

اب اللہ تعالیٰ نے شراب کے بدلے میں تو مجھے اپنا خوف عطا فرمایا اور زناکاری کے بدلے میں پاک دامنی عطا فرمائی۔ جس سے میری شرم گاہ محفوظ ہوگئی۔

فا صبحت ھمی فی الجھاد و نیتی   فی، اللّٰہماصولی وللّٰہما حجی

اب میری نیت اور خواہشات صرف اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے ہیں اسی طرح میرے روزے اور میرا حج اللہ کے لئے ہے۔

مازن کہتے ہیں کہ (مسلمان ہوجانے کے بعد) جب میں اپنی قوم کے پاس واپس

آیا تو ان لوگوں نے مجھے بہت لعنت ملامت کی اور مجھ سے نفرت کرنے لگے، انہوں نے اپنے شاعروں سے کہہ کر میری ہجو اور برائی میں شعر لکھوائے۔ میں نے خود سے کہا اگر میں بھی جواب میں ان کی ہجو اور برائیاں کرنے لگوں تو ایسا ہی ہے جیسے میں خود اپنے آپ کو ہی برا بھلا کہنے لگوں۔

آخر میں ان لوگوں سے الگ تھلک ہو کر ایک مسجد (عبادت گاہ) میں رہنے لگا جہاں ہر وقت عبادت کیا کرتا تھا۔ یہ مسجد ایسی تھی جو مظلوم شخص بھی اس میں آکر تین دن عبادت کر کے اپنے دشمن اور ظالم کے خلاف دعا مانگ لیتا تھا تو اس کی دعا قبول ہو جاتی تھی۔ اسی طرح کوئی بیمار یا کوڑھی اگر یہاں آکر دعا مانگ لیتا تھا تو فوراً اس کو شفا اور صحت حاصل ہو جاتی تھی۔

غرض کچھ ہی عرصے کے بعد (میری خاموشی اور یکسوئی دیکھ کر) میری قوم کے لوگ اپنے کیے پر شرمندہ ہوئے اور میرے پاس آکر انہوں نے درخواست کی کہ میں واپس بستی میں چل کر سب کے ساتھ رہوں۔ ساتھ ہی وہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔

(بحوالہ سیرت حلبیہ ج ۱)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۶۳

رسولِ اکرم ﷺ کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کو اللہ نے اپنی بیعت قرار دیا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ تریسٹھویں خصوصیت پیش کی جارہی ہے، جس کا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کو اللہ نے اپنی بیعت قرار دیا'' الحمدللہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اسی کا فضل ہے، بیشک اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں کہ جس ذات نے ریاض الجنۃ میں بٹھا کر اپنے محبوب ﷺ کی خصوصیت سے متعلق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اور مزید اسی اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو مقبول و منظور بھی فرمائے گا انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! یہ خصوصیت بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بیعت قرار دیا، جبکہ دیگر انبیاءؑ سے متعلق اس طرح کی خصوصیت روایات میں نہیں ملتی، کہ آپ کی طرح کسی اور نبی کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بیعت قرار دیا ہو، جیسا کہ آنے والے صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں (حقیقتاً) وہ تو اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا مظہر صرف اور صرف آپ ﷺ ہی کی ذات ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب

العٰلمین۔ لیجئے محترم قارئین اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

تریسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اِنَّ الَّذِینَ یُبَایِعُونَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُونَ اللہَ یَدُاللہِ فَوقَ اَیدِیھِم ۔ ترجمہ: جولوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ مبایعت بیع سے ہے، لغت میں بیع مطلقہ بمعنی مبادلہ ہے شرعاً اخذ ثمن اور اعطائے مثمن کو جب کہ بہ تراضی جانبین ہو، بیع کہتے ہیں۔ بیع بمعنی شراء اور شراء بمعنی بیع بھی مستعمل ہے۔ یہ جانبین کی حالت کے لحاظ سے ہے۔ الغرض مبایعت میں جانبین کو کچھ دینا اور کچھ لینا ضروری ہے۔ بیعت، اصطلاح میں اس عہد و پیمان کو کہتے ہیں جو اطاعت امام کے متعلق انسان اپنے نفس پر عائد کر لیتا ہے۔ وفائے عہد کا التزام بھی اسی لفظ کے اندر شامل ہے۔

جس بیعت کا آیت بالا میں ذکر ہے وہ بہ مقام حدیبیہ درخت سمراء کے تحت میں ہوئی تھی۔

قرآن پاک میں ہے: لَقَد رَضِیَ اللہُ عَنِ المُؤمِنِینَ اِذ یُبَایِعُونَکَ تَحتَ الشَّجَرَۃِ اللہ ان سب مومنوں سے راضی ہو گیا جو شجرہ کے نیچے رسول اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔

اس بیعت کی ضرورت وحقیقت یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عثمان غنیؓ کو مکہ کے لئے اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا۔ ان کی معیت میں دس صحابہ بھی بھیجے گئے۔ ان کے پہنچ جانے کے ایک دو روز بعد حضور ﷺ تک ایک اُڑتی سی خبر پہنچی کہ قریش نے حضور ﷺ کے سفیر عثمان غنیؓ کو قید اور ان کے ہمرائیوں کو قتل کر دیا ہے۔ یہ ایسا واقعہ تھا کہ اگر اس کی صداقت ہو جاتی تو حرمت سفارت اور احترام سفر کے لئے جنگ کرنا اخلاقاً و شرعاً ضروری تھا۔ اس وقت جو لوگ حضور ﷺ کے ساتھ آئے ہوئے تھے وہ صرف ادائے عمرہ و طواف کی نیت سے آئے تھے۔

ان کے علم میں اس امر کا احتمال بھی نہ تھا کہ کسی جنگ سے سابقہ پڑے جائے گا اور مہاجرین کو خود اپنے خویش وتبار اور قرابت داروں کے منہ پر تلوار چلانی ہوگی۔ لہٰذا یہ بیعت لینی پڑی۔

جابرؓ کی روایت (متفق علیہ) سے ثابت ہے کہ اس وقت ان بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو تھی۔ نبی کریم ﷺ درخت کے سائے میں نور افروز تھے۔ بیعت لینے کے لئے دست مبارک پھیلا ہوا تھا۔ عمر فاروقؓ نے اپنے ہاتھ کو حضور ﷺ کے ہاتھ کا سہارا بنایا ہوا تھا کہ بدن مبارک کو تھکان نہ ہو۔ لوگ آتے تھے اور یکے بعد دیگرے بیعت کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ سلمہ بن اکوع سلمیؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے بیعت علی الموت کی تھی۔ اور جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ انہوں نے عدم فرار کی بیعت کی تھی۔ ہر دو روایت کی تطبیق سے مستنبط ہوا کہ الفاظ بیعت کو خود بیعت کنندہ کے پسند اور اختیار پر رکھا گیا تھا۔ بے شک حریت اسلام ایسی ہی حریت نفس کی معلم ہے۔ جس میں اجبار واکراہ کا شائبہ بھی نہ ہو۔

اس جم غفیر کے اندر صرف ایک شخص جد بن قیس اسلمی ایسا تھا جو اونٹ کی اوٹ میں جا چھپا تھا اور بیعت میں شامل نہ ہوا تھا۔ حریت اسلام کی یہ دوسری دلیل ہے کہ اس پر بھی کچھ سختی نہیں کی گئی۔ البتہ حضور ﷺ نے مبائعین کا شرف وجاہ ظاہر کرنے کے لیے یہ ضرور فرمایا :انتم خیر الارض آج تم روئے زمین کے جملہ موجود اشخاص سے بہتر و نیک تر ہو۔ اس بیعت کا ذکر کلام اللہ کی متعدد آیات میں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے رضواں الٰہیہ تعلق مستحکم اور رابطہ قویم ہے۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ اللہ نے مومنین کی جانوں کو خرید لیا ہے اس تبادلہ میں کہ جنت ان کی ہے۔ فرمایا: فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِہٖ ۔ اپنی ایسی بیع پر تم کو پوری پوری خوشیاں منانی چاہئیں۔

ہم نے اس آیت کا ذکر خصوصیاتِ مصطفیٰ میں اس لیے کیا ہے کہ اس سے ایک نہایت ہی خاص فضل وشرف محمدیہ کو ثبوت حاصل ہوتا ہے۔ غور کیجئے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر

بیعت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مبایعین ذات قرار دیا ہے۔ اور یہ وہ شرف ہے جو کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

آیت زیب عنوان يَدُ اللّٰهِ فَوقَ اَيدِيهِم کے الفاظ ہیں۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں لفظ ید پر دو جگہ میں یا تو بمعنی واحد مستعمل ہوا ہے یا الگ الگ معانی میں۔

الف: اگر یَدُ کے معنی ہر دو جگہ ایک ہی ہیں، تب معنی آیت یہ ہیں کہ احسان الٰہی تمہارے احسان سے برتر واعلیٰ ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيكُم اَن هَدٰكُم لِلاِيمَانِ (حجرات) بلکہ اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت فرمائی۔

نیز یہ کہ رسول ﷺ کو جو نصرت وتائید منجانب اللہ حاصل ہے وہ اس تائید ونصرت سے بہت برتر واعلیٰ ہے جو حضور ﷺ کو منجانب صحابہؓ حاصل ہے۔ لفظ یـد بہ معنی غلبہ ونصرت وقوت زبان عرب میں بخوبی مستعمل ہے۔ محاورہ ہے کہ الید لفلان اب فلاں شخص کا غلبہ ہے۔

ب: یَـدُ کا استعمال الگ الگ معانی میں ہے تب ید اللہ کے معنی حفظ الٰہی ہیں اور اَیدِیهِم سے مراد مبایعین کے ساتھ ہوگی۔

اس کی تائید اسی سورہ مبارکہ میں تھوڑی دور آگے چل کر ان الفاظ پاک میں پائی جاتی ہے۔ فَعَلِمَ مَافِى قُلُوبِهِم فَاَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيهِم وَاَثَابَهُم فَتحاً قَرِيبًا . وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَّاخُذُونَهَا . اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والوں کے دلوں کی اندرونی حالت کو جان لیا اور ان پر سکینہ اتارا ان کو فتح قریب عطا فرمائی اور وہ بڑی فتوحات بھی ان کے لئے خاص کر دیں جن کو وہ حاصل کریں گے۔

خلفائے راشدین اور اُن کے ماتحت عمال وگورنر وجرنیل وقائدینِ لشکر اور فاتحین کشور انہی بیعت لینے والوں میں تھے۔ حضر موت، عمان، عراق وفلسطین، شام، مصر، افریقہ، سوڈان، تیونس والجزائر، مالٹا اور کریٹ، ایران وخراسان کی فتوحات ومغانم انہی خلفائے

راشدین اور ان کے حکم برداروں کو حاصل ہوئی تھیں۔

ہاں، یہی وہ بزرگ ہیں جو مفہوم آیت اور اس بشارت عظمیٰ کے مظہر ہیں۔ انہی کے دلوں کا امتحان لیا گیا اور انہی پر نزول سکینہ ہوا۔ وہ سکینہ جس کے نزول کا ذکر احوال موسیٰ میں بھی ہے۔

انہی کے ہاتھوں میں وہ طاقت تھی کہ کل دنیا کے ہاتھ ان کے سامنے پست تھے۔ کبھی کسی سلطنت کی قواعد دان اور باقاعدہ مسلح افواج ان پر غالب نہ آسکیں کَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْکُم کا ایک نظارہ یہ بھی تھا۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فضل وشرف۔ جاہ احتشام۔ دولت واقبال مادی اور رحمت وبرکات روحی کا سبب۔ ذریعہ کیا تھا۔ یہی بیعت نبوی۔ یہی اتباع محمدی یہی صدق واخلاق جو انہیں پیارے رسول ﷺ کی ذات اور تعلیم کے ساتھ تھا۔ لہٰذا وہ سب طفیلی تھے۔ ان خصوصیات کا اصل تعلق نبی کریم ﷺ ہی کی ذات مبارکہ سے ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا یہ شرف حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ (بحوالہ رحمۃ للعلمین جلد سوم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۶۴

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کی ایک بڑی تعداد کا بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چونسٹھویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی امت کی ایک بڑی تعداد کا بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا'' بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں، اور اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اور دل سے بار بار یہی صدا آرہی ہے کہ یا اللہ آقا ﷺ کے مدینے میں بار بار آنے کی توفیق عطا فرما اور اخلاص سے آقا ﷺ کے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما، دل چاہتا ہے کہ روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کو دیکھتا رہوں اور پھر دیکھتا ہی چلا جاؤں کہ دل کا سرور اسی میں چھپا ہے، دعا گو ہوں کہ یا رب قدوس تیرے محبوب پیغمبر ﷺ کے مبارک روضہ پر بیٹھ کر تیرے محبوب ﷺ کی خصوصیت پر کام کرنے کی اس گناہ گار کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور اور آخر میں نجات کا ذریعہ بنا، آمین۔

بہر حال محترم قارئین! آپ ﷺ کی منجملہ خصوصیات میں سے یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کی برکت سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپ ﷺ کی امت کی ایک بڑی تعداد کا بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخلہ فرمائیں گے، جبکہ دیگر انبیاءؑ کی امتوں کو یہ اعزاز نہیں دیا جائے گا تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا مظہر صرف اور صرف آپ ﷺ کی ذات ہے، جیسا کہ آنے والے صفحات میں احادیث کی روشنی میں آپ اس

خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔ لیجئے اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

چونسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: میری امت میں سے ایک جماعت جنت میں داخل ہوگی یہ (تعداد میں) ستر ہزار ہونگے، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ حضرت عکاشہ بن محصنؓ جنہوں نے اپنے اوپر دھاریدار چادر لے رکھی تھی عرض کیا یارسول اللہ! اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے ان حضرات میں شامل کردیں۔ تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو ان حضرات میں شامل کردے۔ پھر انصار صحابہ میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اس نے بھی عرض کیا یارسول اللہ! اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کردے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا عکاشہ تم سے سبقت کرگیا۔ (بخاری شریف)

اسی طرح حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار حضرات کا یا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یا سات لاکھ کا یہ جنت میں اس حالت میں داخل ہوں گے کہ ان کے ہر ایک نے ایک دوسرے کو پکڑ رکھا ہوگا یہاں تک ان کا پہلا شخص آخری شخص کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔ ان کے چہرے چودہویں چاند کی طرح ہونگے۔

(یہ پہلا گروپ ہوگا جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوگا) (بخاری شریف)

ابو امامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرمارہے تھے کہ میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو جنت میں داخل فرمائیں گے نہ تو ان کا حساب ہوگا نہ ان کو عذاب ہوگا (اور) ہر ہزار کے ساتھ

ستر ہزار اور اللہ تعالیٰ کی لپوں میں سے تین لپیں (مسلمانوں میں سے بغیر حساب کے اور بغیر سزا کے جنت میں جائیں گے)

فائدہ...... اللہ تعالیٰ کی لپوں کا کوئی مخلوق اندازہ نہیں کر سکتی لہٰذا اس حدیث سے کثرت سے امت محمدیہ کی بخشش کی خوشخبری ملتی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار (مسلمان مرد وعورتیں بغیر حساب وعذاب کے) جنت میں جائیں گے اور ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار (490000000) لوگ اور بھی (بلا حساب وبلا عذاب جنت میں جائیں گے)۔ (مجمع الزوائد)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا" میرے اللہ عزوجل نے میری امت میں سے ستر ہزار حضرات ایسے عطاء فرمائے ہیں جو بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا (یارسول اللہ) آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس زائد کا مطالبہ نہیں کیا؟ آپ نے ارشاد فرمایا میں نے زائد کا مطالبہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے (ستر ہزار میں سے) ہر آدمی کے ساتھ ستر ہزار عطا فرمائے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس سے بھی زائد کا مطالبہ نہیں فرمایا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے اتنا عطا فرمایا ہے پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے۔ پھر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا (ہشام کہتے ہیں) ہم نہیں جانتے کہ اس کی تعداد کتنی ہوگی۔ (مجمع الزوائد)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے سامنے تمام امتوں کو پیش کیا گیا۔ پس میں نے ایک نبی کو دیکھا جس کے ساتھ ایک معمولی سی جماعت تھی، اور ایک نبی کو دیکھا جس کے ساتھ صرف ایک یا دو آدمی تھے، اور ایک نبی کو دیکھا جس کے ساتھ کوئی شخص (بھی ان کو ماننے والا) نہیں تھا۔ پھر اچانک میرے سامنے ایک بہت بڑی امت کو پیش کیا گیا میں نے گمان کیا کہ یہ میری امت ہے لیکن مجھے

کہا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے۔آپ افق (آسمان وزمین کے ملنے والے طویل وعریض کنارے) کی طرف دیکھیں جب میں نے دیکھا تو وہ بہت ہی بڑی امت تھی پھر مجھے کہا گیا آپ دوسرے افق کی طرف بھی دیکھیں تو ادھر بھی بہت بڑی امت تھی مجھے فرمایا گیا کہ آپ کی امت یہ ہے۔ان میں سے ستر ہزار وہ حضرات ہیں جو جنت میں بغیر حساب کئے اور عذاب دیئے داخل ہوں گے۔پھر آپ ﷺ اٹھ کر گھر میں تشریف لے گئے۔تو صحابہ کرام نے ان حضرات کے بارہ میں جو جنت میں بغیر حساب کئے اور عذاب دیئے داخل ہوں گے غور وفکر شروع کر دیا۔ان میں سے کسی نے کہا شاید کہ یہ وہ حضرات ہوں جو رسول کریم ﷺ کی صحبت میں رہے اور کسی نے کہا کہ شاید یہ وہ حضرات ہوں گے جو اسلام کی حالت میں پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا اس طرح سے صحابہ نے کئی چیزوں کو ذکر کیا۔تو حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا تم کس گفتگو میں مشغول ہو؟ تو انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) نہ تو دم کرتے تھے اور نہ دم کرنے کو خود طلب کرتے تھے۔اور نہ شگون پکڑتے تھے بلکہ اپنے پروردگار پر بھروسہ اور توکل کرتے تھے۔(مسلم شریف)

فائدہ......علامہ ابن قیم اور علامہ قرطبی نے دم کرنے پر بحث کی ہے اور حدیث سے ثابت کیا ہے کہ جائز دم اور جھاڑ پھونک کرنا کرانا درست ہے۔ (تذکرۃ القرطبی)

حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگوں کی ایک جماعت کھڑی ہوگی جو آسمان وزمین کے کنارے کو (اپنی کثرت کی وجہ سے) بھر رہی ہوگی ان کی چمک دمک سورج کی طرح ہوگی۔ندا ہوگی، نبی امی کہاں ہیں تو اس پر ہر نبی اٹھنے کے لئے متحرک ہوگا پھر کہا جائے گا یہ محمد اور ان کی امت ہے۔پھر ایک اور جماعت اٹھے گی جو (آسمان وزمین کے) افق کو بھر رہی ہوگی ان کا نور آسمان کے ہر ستارے کی طرح ہوگا۔کہا جائیگا نبی امی کہاں ہیں تو اس کے لئے ہر نبی اٹھنا چاہے گا۔(مگر یہ بھی امت محمد یہ ہی ہوگی) پھر (اللہ تعالیٰ) دو لپیں بھریں گے اور کہا

جائے گا اے محمد! یہ ایک لپ تیرے لئے ہے اور اے محمد! یہ میری طرف سے تیرے لئے ہے (یعنی ان دو لپوں کو جن میں آنے والے افراد کی تعداد اللہ تعالیٰ جانتے ہیں بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا) پھر ترازوئے اعمال نصب کی جائے گی اور حساب شروع کیا جائے گا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے (اطمینان اور خوشخبری کے) لئے اور اضافہ فرمائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اور اتنا مزید۔ تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے ابوبکرؓ! اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو حضور ﷺ کی امت کو ایک ہی لپ میں جنت میں داخل کر دیں گے۔ (تو حضور ﷺ نے فرمایا عمر نے سچ کہا)۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب لوگ حساب کے لئے پیش ہوں گے اس وقت ایک جماعت اپنی تلواروں کو اپنی گردنوں پر رکھے ہوئے آئے گی جن سے خون کے قطرات گر رہے ہوں گے۔ یہ جنت کے دروازے پر رش کر دیں گے۔ کہا جائے گا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا جائے گا یہ شہید ہیں جو (شہادت کے بعد) زندہ تھے رزق دیئے جاتے تھے۔ پھر پکارا جائے وہ شخص کھڑا ہو جس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ پھر تیسری مرتبہ پکارا جائے گا وہ شخص کھڑا ہو جس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے (حضور ﷺ) ارشاد فرماتے ہیں (کہ اس اعلان سے) وہ لوگ جن کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوں گے اور اتنے ہزار کھڑے ہوں گے اور جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔

جنت میں بغیر حساب جانے والوں کی صفات

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تین قسم کے لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ (۱) وہ شخص جس نے اپنا کپڑا دھویا

لیکن اس کو لگانے کے لئے اس کو خوشبو میسر نہ رہی۔ (۲) وہ شخص جس کے چولہا پر دو ہانڈیاں (ایک وقت میں) کبھی نہ چڑھی ہوں (۳) وہ شخص جس کو پانی کی دعوت دی گئی مگر اس سے یہ پوچھا نہ گیا کہ تم کونسا پانی (شربت، پانی) پسند کرتے ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں جس آدمی نے ویرانے میں (مسافروں وغیرہ کے لئے) کوئی کنواں کھودا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے وہ بھی بغیر حساب کے جنت میں جائے گا۔

حضرت علی بن حسینؓ فرماتے ہیں ''جب قیامت کا دن ہوگا ایک منادی ندا کرے گا تم میں سے فضیلت والے کون ہیں؟ تو انسانوں میں سے کچھ لوگ کھڑے ہوں گے ان سے کہا جائے گا جنت کی طرف چلو پھر ان کی ملاقات فرشتوں سے ہوگی تو وہ کہیں گے تم کہاں جا رہے ہو تو وہ حضرات کہیں گے جنت کی طرف، فرشتے پوچھیں گے حساب سے پہلے؟ وہ کہیں گے ہاں۔ وہ پوچھیں گے تم کون ہو؟ وہ کہیں گے ہم فضیلت والے ہیں۔ فرشتے کہیں گے تمہاری کون سی فضیلت ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ جب ہمارے ساتھ جہالت کا برتاؤ کیا جاتا تھا ہم بردباری اختیار کرتے تھے، جب ہم پر ظلم کیا جاتا تھا ہم صبر کرتے تھے، جب ہمارے ساتھ کوئی برائی کی جاتی تو ہم معاف کر دیتے تھے۔ فرشتے کہیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ نیک عمل کرنے والوں کے لئے بہترین اجر ہے۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا اہل صبر کھڑے ہو جائیں تو انسانوں میں سے کچھ لوگ کھڑے ہوں گے یہ بہت کم ہوں گے ان کو حکم ہوگا جنت کی طرف چلے جاؤ تو ان کو بھی فرشتے ملیں گے اور ان سے ایسا ہی کہا جائے گا تو وہ کہیں گے ہم اہل صبر ہیں وہ پوچھیں گے تمہارا صبر کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہم نے اللہ کی فرمانبرداری میں اپنے نفسوں کو (ان کی خواہشات سے) روکا اور ہم نے اللہ کی نافرمانیوں سے اس کو باز رکھا۔ وہ فرشتے کہیں گے تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ نیک عمل کرنے والوں کے لئے بہترین اجر ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر ایک منادی ندا کرے گا اب اللہ کے پڑوسی کھڑے ہو جائیں تو انسانوں میں سے کچھ لوگ کھڑے ہوں گے یہ بھی بہت کم ہوں گے ان کو بھی حکم ہوگا جنت کی طرف چلے جاؤ۔ تو ان کو بھی فرشتے ملیں گے اور ان کو بھی ویسا ہی

کہا جائے گا یہ کہیں گے کہ تم کس عمل سے اللہ تعالیٰ کے اس گھر میں پڑوسی بن گئے؟ وہ کہیں گے کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی محبت میں ایک دوسرے (مسلمانوں) کی زیارت کرتے تھے اور اللہ ہی کی خاطر آپس میں مل کر بیٹھتے تھے اور اللہ ہی کے لئے ہم ایک دوسرے پر خرچ کرتے تھے۔ فرشتے کہیں گے تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ نیک عمل کرنے والوں کے لئے بہترین اجر ہے۔ (بحوالہ تذکرۃ القرطبی)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جب اللہ تعالیٰ پہلے اور پچھلے (انسانوں اور جنات) کو ایک میدان میں جمع کریں گے تو ایک منادی عرش کے نیچے سے ندا دے گا اللہ کی معرفت رکھنے والے کہاں ہیں۔ محسن کہاں ہیں؟ (جو عبادت کرتے وقت گویا کہ خدا کو دیکھتے تھے یا یہ یقین کرتے تھے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے) فرمایا کہ لوگوں میں سے ایک جماعت اٹھے گی اور اللہ کے سامنے کھڑی ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے حالانکہ وہ اس کو خوب جانتے ہوں گے تم کون ہو؟ عرض کریں گے ہم اہل معرفت ہیں آپ کے ساتھ ہم نے آپ کو پہچانا تھا اور آپ نے ہمیں اس لائق بنایا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم نے سچ کہا پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم پر کوئی سزا اور تکلیف نہیں تم میری رحمت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ پھر جناب رسول اللہ ﷺ مسکرا پڑے اور فرمایا اللہ تعالیٰ ان حضرات کو روز قیامت کی ہولناکیوں سے نجات عطا فرما دیں گے۔ (حوالہ بالا)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا ایک منادی ندا کرے گا تم ابھی جان لو گے اصحاب الکرم (بزرگی اور شان والے) کون ہیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے والے کھڑے ہو جائیں تو وہ کھڑے ہو جائیں گے اور ان کو جنت کی طرف روانہ کر دیا جائیگا۔ پھر دوسری مرتبہ ندا کی جائے گی تم آج عنقریب جان لو گے اصحاب الکرم کون ہیں کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جن کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے (عبادت کے لئے) الگ رہتے تھے جو اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارا کرتے تھے اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا تھا اس سے خرچ کرتے تھے (زکوٰۃ اور صدقات کی شکل میں

)چنانچہ یہ حضرات کھڑے ہوں گے اور ان کو بھی جنت کی طرف روانہ کر دیا جائیگا۔ پھر تیسری مرتبہ بھی ندا کی جائے گی تم آج عنقریب جان لو گے اصحاب الکرم کون ہیں کہ وہ لوگ اب کھڑے ہو جائیں جن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کوئی خرید و فروخت غافل نہیں کرتی تھی چنانچہ ان کو بھی جنت کی طرف روانہ کر دیا جائے گا۔ (حوالا بالا)

فائدہ...... یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا منادی ندا کرے گا میرے وہ بندے کہاں ہیں جنہوں نے میری فرمانبرداری کی تھی اور غائبانہ طور پر میرے عہد کی حفاظت کرتے تھے تو وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح یا خوب چمکدار ستارے کی طرح (روشن) ہوں گے یہ نور کی سواریوں پر سوار ہوں گے جن کی لگامیں سرخ یاقوت کی ہوں گی جو ان کو لیکر تمام مخلوقات کے سامنے اڑتے پھریں گے حتی کے عرش الٰہی کے سامنے جا کر ٹھہر جائیں گے۔ تو ان کو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے سلام ہو میرے ان بندوں پر جنہوں نے میری اطاعت کی اور غائبانہ طور پر میرے عہد کی حفاظت کی میں نے تم کو برگزیدہ کیا، میں نے تم سے محبت کی اور میں نے تم کو پسند کیا چلے جاؤ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جاؤ تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمزدہ ہو گے تو وہ پل صراط سے اچک لینے والی (تیز) بجلی کی طرح گذر جائیں گے پھر ان کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد باقی مخلوقات میدان حشر میں پڑی ہوئی ہوگی ان میں کا بعض بعض سے کہے گا اے قوم! فلاں بن فلاں کہاں ہے'' جس وقت وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے تو ایک منادی ندا کرے گا اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فٰكِهُو ن ۔ الآیۃ (بے شک جنت والے آج اپنے مشغلوں میں خوش دل ہیں)۔

(بحوالہ جنتہ جنتہ از جنت کے حسین مناظر)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۶۵

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے اعتدال کی دولت عطا فرمائی

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پینسٹھویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے اعتدال کی دولت عطا فرمائی'' بیشک آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے صدقے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت کو اعتدال کی امت عطا فرمائی، جبکہ دیگر انبیاء کی امتیں اس عظیم صفت یعنی اعتدال کی صفت سے محروم ہیں، جیسا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں آنے والے صفحات میں آپ اس خصوصیت کی تفصیل کو ملاحظہ فرمائیں انشاء اللہ، امید ہے کہ انشاء اللہ اس کے مطالعے سے معلومات میں بھی اضافہ ہوگا اور ایمان میں بھی اضافہ ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صفتِ اعتدال کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

پینسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

ارشادِ خداوندی ہے: وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ ترجمہ ''اور (اے متبعانِ محمد ﷺ) اسی طرح ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنادی ہے، جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے، تاکہ (دنیا میں شرف وامتیاز حاصل ہونے کے علاوہ آخرت میں بھی تمہارا بڑا شرف ظاہر ہو کہ) تم ایک بڑے مقدمہ میں جس میں ایک فریق حضرات انبیاء علیہم السلام ہوں گے، اور فریق ثانی ان کی مخالف قومیں ہوں گی، ان مخالف لوگوں کے مقابلہ میں گواہ (تجویز) ہو اور (شرف بالائے شرف یہ ہوا کہ) تمہارے (قابلِ شہادت اور معتبر ہونے کے) لئے رسول اللہ

ﷺ گواہ ہوں (اور اس شہادت سے تمہاری شہادت معتبر ہونے کی تصدیق ہو، پھر تمہاری شہادت سے اس مقدمہ کا حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں فیصلہ ہو اور مخالفین مجرم قرار پا کر سزایاب ہوں، اور اس امر کا اعلیٰ درجہ کی عزت ہونا ظاہر ہے۔

امت محمدیہ ﷺ کا اعتدال اور لفظ وسطاً کی تشریح

امت محمدیہ کی تعریف میں امَّةً وَّسَطًا فرمایا لفظ وسط کا معنی بہترین بھی کیا گیا ہے، اور عدول بھی کیا گیا ہے عدول، عدل کی جمع ہے عدل اس کو کہتے ہیں جو ثقہ ہو، منصف ہو اور اس کی گواہی معتبر ہو، اوصاف عالیہ سے متصف ہو خیر کی صفات کو جامع ہو برائیوں سے دور ہو، اور بعض حضرات نے اس کا معنی معتدل کا بھی لیا ہے، یعنی یہ امت ہر اعتبار سے اعتدال پر ہے اس کے اخلاق اور اعمال سب میں اعتدال ہے افراط اور تفریط سے بری ہے، نہ عبادات سے غفلت ہے نہ راہبوں کی طرح دنیا کو چھوڑ کر پہاڑوں میں رہنا ہے، ساری رات نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی، نفس اور بیوی اور مہمان کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دی گئی، روزانہ روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا، نہ فضول خرچی ہے نہ بخل بلکہ درمیانی راہ ہے جس کا نام جود ہے، اسی طرح نہ بزدلی نہ ضرورت سے زیادہ بہادری جس سے لوگوں پر ظلم ہو جائے بلکہ ان کے درمیان شجاعت ہے ظالم بھی نہیں اور مظلوم رہنے کو بھی تیار نہیں نہ عورتوں کو سردار بنایا گیا نہ ان کی مظلومیت روا رکھی گئی، نہ ہر فعل حلال قرار دیا گیا، نہ ہر چیز کا کھانا جائز کیا گیا، بلکہ حلال حرام کی تفصیلات بتائی گئیں، ضرر دینے والی اور خبیث چیزوں کے کھانے سے منع کر دیا گیا، جن سے اخلاق و اجسام پر برا اثر پڑے، طیب اور حلال چیزوں کے کھانے کی اجازت دی گئی، انسانیت کو اونچا کیا گیا، بہیمیت سے بچایا گیا بربریت سے دور رکھا گیا، حد یہ ہے کہ دشمنوں کے ساتھ عین میدان جنگ کے موقع پر عمل کرنے کے لئے بھی ایسے احکام صادر فرمائے جن میں اعتدال ہی اعتدال ہے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا گیا، مثلہ کرنے یعنی دشمن کے ہاتھ پاؤں، ناک، کان کاٹنے سے منع

فرمایا، معاشی نظام میں زکوٰۃ فرض کی گئی، نفلی صدقات کا بھی حکم دیا گیا، میراث کے احکام جاری کئے گئے تاکہ دولت ایک جگہ سمٹ کر نہ رہ جائے، جان کا بدلہ قصاص مقرر کیا گیا لیکن خطائیں دیت رکھی گئی ہے، اور قصاص واجب ہونے کی صورت میں اولیاء مقتول کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ چاہیں تو قصاص لے لیں، چاہیں دیت لے لیں، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں عام ابواب پر نظر کی جائے تو احکام میں سراسر اعتدال ہی نظر آتا ہے۔

اعتدال سے متعلق مزید تفسیر وتشریح

ترمذی میں بروایت ابوسعید خدریؓ آنحضرت ﷺ سے لفظ وسط کی تفسیر عدل سے کی گئی ہے، جو بہترین کے معنی میں آیا ہے (قرطبی) اس آیت میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ایک امتیازی فضیلت وخصوصیت کا ذکر ہے، کہ وہ ایک معتدل امت بنائی گئی اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح ہم نے مسلمانوں کو وہ قبلہ عطا کیا، جو سب سے اشرف وافضل ہے اسی طرح ہم نے امت اسلامیہ کو ایک خاص امتیازی فضیلت یہ عطا کی ہے کہ اس کو ایک معتدل امت بنایا ہے جس کے نتیجہ میں ان کو میدان حشر میں یہ امتیاز حاصل ہوگا کہ سارے انبیاء علیہم السلام کی امتیں جب اپنے انبیاءؑ کی ہدایت وتبلیغ سے مکر جائیں گی، اوران کو جھٹلا کر یہ کہیں گی کہ ہمارے پاس نہ کوئی کتاب آئی، نہ کسی نبی نے ہمیں کوئی ہدایت کی، اس وقت امت محمدیہ انبیاءؑ کی طرف سے گواہی میں پیش ہوگی اور یہ شہادت دے گی کہ انبیاءؑ نے ہرزمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائی ہوئی ہدایت ان کو پہنچائیں، اوران کو صحیح راستہ پر لانے کی مقدور بھرپوری کوشش کی، مدعیٰ علیہم امتیں امت محمدیہ کی گواہی پر یہ جرح کریں گی کہ اس امت محمدیہ کا تو ہمارے زمانے میں وجود بھی نہ تھا، اس کو ہمارے معاملات کی کیا خبر، اس کی گواہی ہمارے مقابلہ میں کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔

امت محمدیہ ﷺ اس جرح کا یہ جواب دے گی کہ بے شک ہم اس وقت موجود نہ تھے، مگر ان کے واقعات وحالات کی خبر ہمیں ایک صادق مصدوق رسول ﷺ نے اور اللہ کی

کتاب نے دی ہے، جس پر ہم ایمان لائے اوران کی خبر کواپنے معائنہ سے زیادہ وقیع اور سچا جانتے ہیں، اس لئے ہم اپنی شہادت میں حق بجانب اور سچے ہیں، اس وقت رسول کریم ﷺ پیش ہوں گے، اوران گواہوں کا تزکیہ وتوثیق کریں گے کہ بیشک انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے، اللہ کی کتاب اور میری تعلیم کے ذریعہ ان کوصحیح حالات معلوم ہوئے۔

محشر کے اس واقعہ کی تفصیل صحیح بخاری، ترمذی، نسائی، اور مسند احمد کی متعدد احادیث میں مجملاً ومفصلاً مذکور ہے۔ الغرض آیت مذکورہ میں امت محمدیہ ﷺ کی یہ اعلیٰ فضیلت وشرف کا راز یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ امت معتدل امت بنائی گئی ہے، اس لئے یہاں چند باتیں قابل غور ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

اعتدالِ امت کی حقیقت واہمیت اور اس کی کچھ تفصیل

اعتدال سے متعلق عموی اعتبار سے تین سوال ذہن میں آتے ہیں کہ (۱) اعتدال کے معنی اور حقیقت کیا ہیں (۲) وصف اعتدال کی یہ اہمیت کیوں ہے کہ اس پر مدار فضیلت رکھا گیا (۳) اس امت محمدیہ ﷺ کے معتدل ہونے کا واقعات کی رو سے کیا ثبوت ہے، ترتیب وار ان تینوں سوالوں کا جواب یہ ہے۔

(۱) اعتدال کے لفظی معنی ہیں برابر ہونا، یہ لفظ عدل سے مشتق ہے، اس کے معنی بھی برابر کرنے کے ہیں۔

(۲) وصف اعتدال کی یہ اہمیت کہ اس کو انسانی شرف وفضیلت کا معیار قرار دیا گیا، ذرا تفصیل طلب ہے، اس کو پہلے ایک محسوس مثال سے دیکھئے، دنیا کے جتنے نئے اور پرانے طریقے جسمانی صحت وعلاج کے لئے جاری ہیں، طب یونانی، ویدک، ایلو پیتھک، ہومیو پیتھک وغیرہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ بدن انسانی کی صحت اعتدالِ مزاج سے ہے، اور جہاں یہ اعتدال کسی جانب سے خلل پذیر ہووہی بدن انسانی کا مرض ہے، خصوصاً طب یونانی کا تو بنیادی اصول ہی مزاج کی پہچان پر موقوف ہے، انسان کا بدن چار خلط

خون، بلغم، صفراء سے مرکب اور انہی چاروں اخلاط سے پیدا شدہ چار کیفیات انسان کے بدن میں ضروری ہیں، گرمی، ٹھنڈک، خشکی، اور تری، جس وقت تک یہ چاروں کیفیات مزاج انسانی کے مناسب حدود کے اندر معتدل رہتی ہیں، وہ بدن انسانی کی صحت وتندرستی کہلاتی ہے اور جہاں ان میں سے کوئی کیفیت مزاج انسانی کی حد سے زیادہ ہو جائے یا گھٹ جائے وہی مرض ہے، اور اگر اس کی اصلاح وعلاج نہ کیا جائے، تو ایک حد میں پہنچ کر وہی موت کا پیام ہو جاتا ہے۔

اس محسوس مثال کے بعد اب روحانیت اور اخلاقیات کی طرف آیئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں بھی اعتدال اور بے اعتدال کا یہی طریقہ جاری ہے، اس کے اعتدال کا نام روحانی صحت اور بے اعتدالی کا نام روحانی اور اخلاقی مرض ہے، اور اس مرض کا اگر علاج کر کے اعتدال پر نہ لایا جائے تو اس کا نتیجہ روحانی موت ہے، اور یہ بھی کسی صاحب بصیرت انسان پر مخفی نہیں کہ جوہر انسانیت جس کی وجہ سے انسان ساری مخلوقات کا حاکم اور مخدوم قرار دیا گیا ہے، وہ اس کا بدن یا بدن کے اجزاء واخلاط یا ان کی کیفیات حرارت وبرودت نہیں، کیونکہ ان اجزاء وکیفیات میں تو دنیا کے سارے جانور بھی انسانیت کے ساتھ شریک بلکہ انسانیت سے زیادہ حصہ رکھنے والے ہیں۔

جوہر انسانیت جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات اور آقائے کائنات مانا گیا ہے، وہ اس کے گوشت پوست اور حرارت وبرودت وغیرہ سے بالاتر کوئی چیز ہے، جو انسان میں کامل اور اکمل طور پر موجود ہے، دوسری مخلوقات کو اس کا وہ درجہ حاصل نہیں، اور اس کا معین کر لینا بھی کوئی باریک اور مشکل کام نہیں، کہ وہ انسان کا روحانی اور اخلاقی کمال ہے جس نے اس کو مخدوم کائنات بنایا ہے۔

اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ انسان کا جوہر شرافت اور مدار فضیلت اس کے روحانی اور اخلاقی کمالات ہیں، اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ بدن انسانی کی طرح روح انسانی بھی اعتدال وبے اعتدال ہے، اسی طرح روح کی صحت روح اور اس کے اخلاق کا اعتدال

ہے، اس لئے انسان کامل کہلانے کا مستحق صرف وہی شخص ہوسکتا ہے جو جسمانی اعتدال کے ساتھ روحانی اور اخلاقی اعتدال بھی رکھتا ہو، یہ کمال تمام انبیاء علیہم السلام میں خصوصیت کے ساتھ عطا ہوتا ہے اور ہمارے نبی ﷺ کو انبیاء اکرام میں بھی سب سے زیادہ کمال حاصل تھا، اس لئے انسان کامل کے اولین مصداق آپ ﷺ ہی ہیں، اور جس طرح جسمانی علاج معالجہ کے لئے ہر زمانہ اور ہر جگہ ہر بستی میں طبیب اور ڈاکٹر اور دواؤں اور آلات کا ایک محکم نظام حق تعالیٰ نے قائم فرمایا ہے، اسی طرح روحانی علاج اور قوموں میں اخلاقی اعتدال پیدا کرنے کے لئے انبیاءؑ بھیجے گئے، ان کے ساتھ آسمانی ہدایات بھیجی گئیں، اور بقدر ضرورت مادی طاقتیں بھی عطا کی گئیں، جن کے ذریعہ وہ یہ قانون اعتدال دنیا میں نافذ کرسکیں، اسی مضمون کو قرآن کریم نے سورہ حدید میں اس طرح بیان فرمایا ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ. ”ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ عدل وانصاف پر قائم ہو جائیں اور ہم نے اتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں۔“

اس میں انبیاءؑ کے بھیجنے اور ان پر کتابیں نازل کرنے کی حکمت یہی بتلائی ہے کہ وہ ان کے ذریعہ لوگوں میں اخلاقی اور علمی اعتدال پیدا کریں، کتاب، اخلاق، اور روحانی اعتدال پیدا کرنے کے لئے نازل کی گئی، اور ترازو معاملات لین دین میں علمی اعتدال پیدا کرنے کے لئے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ترازو سے مراد ہر پیغمبر کی شریعت ہو، جس کے ذریعہ اعتدال حقیقی معلوم ہوتا ہے، اور عدل وانصاف قائم کیا جاسکتا ہے۔

اس تفصیل سے آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ تمام انبیاءؑ کے بھیجنے اور ان پر کتابیں نازل کرنے کی اصلی غرض وحکمت یہی ہے کہ قوموں کو اخلاقی اور علمی اعتدال پر قائم کیا جائے، اور یہی قوموں کی صحت مندی اور تندرستی ہے۔

امت محمدیہ ﷺ میں ہر قسم کا اعتدال

اس بیان سے آپ نے یہ بھی معلوم کرلیا ہوگا کہ امت محمدیہ کی جو فضیلت آیت مذکورہ میں بتلائی گئی، وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا یعنی ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا ہے، یہ بولنے اور لکھنے میں تو ایک لفظ ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے کسی قوم یا شخص میں جتنے کمالات اس دنیا میں ہوسکتے ہیں ان سب کے لئے حاوی اور جامع ہے۔

اس میں امت محمدیہ کو امت وسط یعنی معتدل امت فرما کر یہ بتلا دیا کہ انسان کا جوھر شرافت وفضیلت ان میں بدرجہ کمال موجود ہے، اور جس غرض کے لئے آسمان وزمین کا سارا نظام ہے اور جس کے لئے انبیاؑ اور آسمانی کتابیں بھیجی گئی ہیں، یہ امت اس میں ساری امتوں سے ممتاز اور افضل ہے۔ قرآن کریم نے اس امت کے متعلق اس خاص وصف فضیلت کا بیان مختلف آیات میں مختلف عنوانات سے کیا ہے، سورہ اعراف کے آخر میں امت محمدیہ کے لئے ارشاد ہوا کہ: ''ان لوگوں میں جن کو ہم نے پیدا کیا ہے، ایک ایسی امت ہے جو سچی راہ بتلاتے ہیں اور اس کے موافق انصاف کرتے ہیں۔''

اس میں امت محمدیہ کے اعتدال روحانی واخلاقی کو واضح فرمایا ہے، کہ وہ اپنے ذاتی مفادات اور خواہشات کو چھوڑ کر آسمانی ہدایت کے مطابق خود بھی چلتے ہیں، اور دوسروں کو بھی چلانے کی کوشش کرتے ہیں، اور کسی معاملہ میں نزاع واختلاف ہوجائے تو اس کا فیصلہ بھی اسی لیے لاگو آسمانی قانون کے ذریعہ کرتے ہیں، جس میں کسی قوم یا شخص کے ناجائز مفاد کا کوئی خطرہ نہیں۔

اور سورہ آل عمران میں امت محمدیہ کے اسی اعتدال مزاج اور اعتدال روحانی کے آثار کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا مفہوم ہے کہ: ''تم سب امتوں میں بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئی۔ ۔ ۔ کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔''

یعنی جس طرح ان کو رسول ﷺ سب رسولوں میں افضل نصیب ہوئے، کتاب سب کتابوں میں جامع اور اکمل نصیب ہوئی، اسی طرح ان کو قوموں کا صحتمندانہ مزاج اور اعتدال بھی اس اعلیٰ پیمانے پر نصیب ہوا، کہ وہ سب امتوں میں بہتر امت قرار پائی، اس پر علوم ومعارف کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، ایمان وعمل وتقویٰ کی تمام شاخیں ان کی قربانیوں سے سرسبز وشاداب ہوں گی، وہ کسی مخصوص ملک واقلیم میں محصور نہ ہوگی، بلکہ اس کا دائرہ عمل سارے عالم اور انسانی زندگی کے سارے شعبوں کو محیط ہوگا، گویا اس کا وجود ہی اس لئے ہوگا کہ دوسروں کی خیرا خواہی کرے، اور جس طرح ممکن ہو انہیں جنت کے دروازوں پر لاکھڑا کردے، اخرجت للناس میں اس کی طرف اشارہ ہے، کہ یہ امت دوسروں کی خیر خواہی اور فائدہ کے لئے بنائی گئی ہے، اس کا فرض منصبی اور قومی نشان یہ ہے کہ لوگوں کو نیک کاموں کی ہدایت کرے، برے کاموں سے روکے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد الدین النصیحۃ کا یہی مطلب ہے کہ دین اس کا نام ہے، کہ سب مسلمانوں کی خیر خواہی کرے، پھر برے کاموں میں کفر، شرک بدعات، رسوم قبیحہ، فسق وفجور اور ہر قسم کی بداخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں، ان سے روکنا بھی کئی طرح ہوگا، کبھی زبان سے کبھی ہاتھ سے، کبھی قلم سے کبھی تلوار سے، غرض ہر قسم کا جہاد اس میں داخل ہوگیا، یہ صفت جس قدر عموم واہتمام سے امت محمدیہ میں پائی گئی پہلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

۳۔ اب تیسری بات غور طلب یہ رہ گئی کہ اس امت کے توسط واعتدال کا واقعات سے ثبوت کیا ہے، اس کی تفصیل طویل اور تمام امتوں کے اعتقادات، اعمال واخلاق اور کارناموں کا موازنہ کرکے بتلانے پر موقوف ہے۔ اس میں سے چند چیزیں بطور مثال ذکر کی جاتی ہیں۔

اعتقادی اعتدال

سب سے پہلے اعتقادی اور نظری اعتدال کو لے لیجئے ،تو پچھلی امتوں میں ایک طرف تو یہ نظر آئے گا کہ اللہ کے رسولوں کو بیٹا بنالیا ،اور ان کی عبادت اور پرستش کرنے لگے،وَقَالَتِ الیَهُودُ عُزَیرُ ن ابنُ اللهِ وَقَالَتِ النَّصارَی المَسِیحُ ابنُ الله،اور دوسری طرف انہی قوموں کے دوسرے افراد کا یہ عالم بھی مشاہدہ میں آئے گا کہ رسول کے مسلسل معجزات دیکھنے اور برتنے کے باوجود جب ان کا رسول ان کو کسی جنگ یا جہاد کی دعوت دیتا ہے تو وہ کہد یتے ہیں ﴿فَاذهَبْ اَنتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلاَ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُونَ﴾ ’’یعنی جایئے آپ اور آپ کا پروردگار وہی مخالفین سے قتال کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔‘‘

کہیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ اپنے انبیاء کو خود ان کے ماننے والے طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے ہیں۔

بخلاف امت محمدیہ کے کہ وہ ہر قرن ہر زمانے میں ایک طرف تو اپنے رسول اللہ ﷺ سے وہ عشق ومحبت رکھتے ہیں کہ اس کے آگے اپنی جان ومال اور اولاد آبرو سب کو قربان کردیتے ہیں۔

سلام ان پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

اور دوسری طرف یہ اعتدال کہ رسول کو رسول اور خدا کو خدا سمجھتے ہیں ،رسول اللہ ﷺ کو باایں ہمہ کمالات وفضائل عبداللہ ورسولہ مانتے اور کہتے ہیں ،وہ آپ کے مدائح ومناقب میں بھی یہ پیمانہ رکھتے ہیں ،جو قصیدہ بردہ میں فرمایا۔

دع ما ادعته النصاری فی نبیهم واحکم بما شئت مدحا فیه واحتکم

’’یعنی اس کلمہ کفر کو تو چھوڑ دو جو نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں کہہ دیا (کہ وہ معاذ اللہ خود خدا یا خدا کے بیٹے ہیں) اس کے سوا آپ کی مدح وثناء میں جو کچھ کہو وہ سب حق

صحیح ہے۔" جس کا خلاصہ کسی نے ایک مصرع میں اس طرح بیان کردیا ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

عمل اور عبادت میں اعتدال

اعتقاد کے بعد عمل اور عبادت کا نمبر ہے، اس میں ملاحظہ فرمایئے پچھلی امتوں میں ایک طرف تو یہ نظر آئے گا کہ اپنے شریعت کے احکام کو چند ٹکوں کے بدلے فروخت کیا جاتا ہے، رشوتیں لے کر آسمانی کتاب میں ترمیم کی جاتی ہے، یا غلط فتوے دیئے جاتے ہیں، اور طرح طرح کے حیلے بہانے کر کے شرعی احکام کو بدلا جاتا ہے، عبادت سے پیچھا چھڑایا جاتا ہے، اور دوسری طرف عبادت خانوں میں آپ کو ایسے لوگ بھی نظر آئیں گے جنہوں نے ترکِ دنیا کر کے رہبانیت اختیار کرلی، وہ خدا کی دی ہوئی حلال نعمتوں سے بھی اپنے آپ کو محروم رکھتے اور سختیاں جھیلنے ہی کو عبادت وثواب سمجھتے ہیں۔

امتِ محمدیہ ﷺ نے اس کے خلاف ایک طرف رہبانیت کو انسانیت پر ظلم قرار دیا، اور دوسری طرف احکامِ خدا اور رسول پر مر مٹنے کا جذبہ پیدا کیا، اور قیصر و کسریٰ کے تخت وتاج کے مالک بن کر دنیا کو دکھلا دیا کہ دیانت وسیاست میں یا دین ودنیا میں بیر نہیں، مذہب صرف مسجدوں یا خانقاہوں کے گوشوں کے لئے نہیں آیا بلکہ اس کی حکمرانی بازاروں اور دفتروں پر بھی ہے، اور وزارتوں اور امارتوں پر بھی، اس نے بادشاہی میں فقیری اور فقیری میں بادشاہی سکھلائی۔

معاشرتی اور تمدنی اعتدال

اس کے بعد معاشرت اور تمدن کو دیکھئے، تو پچھلی امتوں میں آپ ایک طرف یہ بے اعتدالی دیکھیں گے کہ انسانی حقوق کی کوئی پرواہ نہیں، حق ناحق کی کوئی بحث نہیں، اپنی اغراض کے خلاف جس کو دیکھا اس کو کچل ڈالنا، قتل کردینا، لوٹ لینا سب سے بڑا کمال ہے، ایک رئیس کی چراگاہ میں کسی دوسرے کا اونٹ گھس گیا، اور وہاں کچھ نقصان کردیا، تو عرب کی

مشہور جنگ حرب بسوس مسلسل ۱۰۰ برس جاری رہی، ہزاروں انسانوں کا خون ہوا، عورتوں کو انسانی حقوق دینا تو کجا زندہ رہنے کی اجازت نہیں دی جاتی، کہیں بچپن ہی میں ان کو زندہ درگور کردینے کی رسم تھی، کہیں مُردہ شوہروں کے ساتھ ستی کر کے جلا ڈالنے کا رواج تھا، اس کے بالمقابل دوسری طرف یہ سیہانہ رحم دلی کہ کیڑے مکوڑے کی ہتھیا کو حرام سمجھیں، جانوروں کے ذبیحہ کو حرام قرار دیں، خدا کے حلال کئے ہوئے جانوروں کا گوشت و پوست سے نفع اٹھانے کو ظلم سمجھیں، امتِ محمدیہ ﷺ اور اس کی شریعت نے ان سب بے اعتدالیوں کا خاتمہ کیا، ایک طرف انسان کو انسان کے حقوق بتلائے، اور نہ صرف صلح و دوستی کے وقت بلکہ عین میدانِ جنگ میں مخالفین کے حقوق کی حفاظت سکھلائی، عورتوں کو مردوں کی طرح حقوق عطا فرمائے، اور دوسری طرف ہر چیز کی حد مقرر فرمائی، جس سے آگے بڑھنے اور پیچھے رہنے کو جرم قرار دیا، اور اپنے حقوق کے معاملہ میں درگزر اور عفو و چشم پوشی کا سبق سکھلایا، دوسروں کے حقوق کا پورا اہتمام کرنے کے آداب سکھلائے۔

اقتصادی اور مالی اعتدال

اس کے بعد دنیا کی ہر قوم و ملت میں سب سے اہم مسئلہ معاشیات اور اقتصادیات کا ہے، اس میں بھی دوسری قوموں اور امتوں میں طرح طرح کی بے اعتدالیاں نظر آئیں گی، ایک طرف نظام سرمایہ داری ہے، جس میں حلال و حرام کی قیود سے اور دوسرے لوگوں کی خوشحالی یا بدحالی سے آنکھیں بند کر کے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر لینا سب سے بڑی انسانی فضیلت سمجھی جاتی ہے، تو دوسری طرف شخصی اور انفرادی ملکیت ہی کو سرے سے جرم قرار دیا جاتا ہے، اور غور کرنے سے دونوں اقتصادی نظاموں کا حاصل مال و دولت کی پرستش اور اس کو مقصد زندگی سمجھنا اور اس کے لئے دوڑ دھوپ ہے۔

امت محمدیہ اور اس کی شریعت نے اس میں اعتدال کی عجیب و غریب صورت پیدا کی، کہ ایک طرف تو دولت کو مقصد زندگی بنانے سے منع فرمایا، اور انسانی عزت و شرافت یا

کسی منصب وعہدہ کا مدار اس پر نہیں رکھا، اور دوسری طرف تقسیم دولت کے ایسے پاکیزہ اصول مقرر کیے جن سے کوئی انسان ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے، اور کوئی فرد ساری دولت کو نہ سمیٹ لے، قابل اشتراک چیزوں کو مشترک اور وقف عام رکھا مخصوص چیزوں میں انفرادی ملکیت کا مکمل احترام کیا، حلال مال کی فضیلت اس کے رکھنے اور استعمال کرنے کے صحیح طریقے بتلائے، اس کی تفصیل اس قدر طویل ہے کہ ایک مستقل بیان کو چاہتی ہے، اس وقت بطور مثال چند نمونے اعتدال اور بے اعتدالی کے پیش کرنے تھے، اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جس سے آیت مذکورہ کا مضمون واضح ہوگیا، کہ امت محمدیہ کو ایک معتدل اور بہترین امت بنایا گیا ہے،

شہادت کے لئے عدل وثقہ ہونا شرط ہے

لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ، یعنی امت محمدیہ کو وسط اور عدل وثقہ اس لئے بنایا گیا کہ یہ شہادت دینے کے قابل ہو جائیں، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص عدل نہیں، وہ قابل شہادت نہیں، عدل کا ترجمہ ثقہ یعنی قابل اعتماد کیا جاتا ہے، اس کی پوری شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

قرطبیؒ نے فرمایا کہ یہ آیت اجماع امت کے حجت ہونے پر ایک دلیل ہے کیونکہ جب اس امت کو اللہ تعالیٰ نے شہداء قرار دے کر دوسری امتوں کے بالمقابل ان کی بات کو حجت بنا دیا، تو ثابت ہوا کہ اس امت کا اجماع حجت ہے، اور عمل اس پر واجب ہے، اس طرح کہ صحابہ کا اجماع تابعین پر اور تابعین کا اجماع تبع تابعین پر حجت ہے۔

اور تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اس امت کے جو افعال واعمال متفق علیہ ہیں وہ سب محمود ومقبول ہیں، کیونکہ اگر سب کا اتفاق کسی خطا پر تسلیم کیا جائے تو پھر یہ کہنے کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ یہ امت وسط اور عدل ہے۔

امام جصاصؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں اس کی دلیل ہے کہ ہر زمانے کے

مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے، اجماع کا حجت ہونا صرف قرن اول یا کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں، کیونکہ آیت میں پوری امت کو خطاب ہے، اور امت رسول اللہ ﷺ کی صرف وہ نہ تھے جو اس زمانے میں موجود تھے، بلکہ قیامت تک آنے والی نسلیں جو مسلمان ہیں وہ سب آپ کی امت ہیں تو ہر زمانے کے مسلمان شہداء اللہ ہو گئے جن کا قول حجت ہے وہ سب کسی خطا اور غلط پر متفق نہیں ہو سکتے۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد اول وانوار البیان)

وصف اعتدال سے متعلق مزید وضاحت

قرآن مجید وفرقان حمید کتاب اللہ ہونے کی حیثیت سے ساکنان ارض کے لئے سب سے بڑی کتاب ہے، اور ایک دستور حیات ہونے کی حیثیت سے ایک ایسی کتاب دستور ہے کہ اس کے بعد سچے انسان کو تلاش حقائق کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت ہے نہ سرگرداں ہونے کی حاجت حق کے متلاشیوں کو قرآن حکیم میں ہر چیز مل جاتی ہے، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے کہ قرآن نے اس کے لئے رہنمائی نہ عطا کی ہو، کرہ زمین پر جن انسانوں نے قرآن کریم کی کرامت کو کتاب عظیم کی عظمت کو صحیفہ آسمانی کی رفعت کو سمجھا ہے اور قرآن مجید اور رضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم ورضا خم کیا ہے، سرفرازی اور سربلندی ان کی قسمت ہوئی ہے، اور آج بھی متعدد اقوام وملل نئے عنوانات کے ساتھ اس کتاب حیات سے روشنی اور نور حاصل کر کے درخشاں وتابندہ ہیں، اور جنہوں نے اس نور مسلسل کی تابندگی سے صرف نظر کیا ہے ان کی قسمت میں اقوام تابندہ کی بندگی لکھ دی گئی ہے، اور ضلالت اور غلامی ان کا مقدر بن گئی ہے، یہ قانون قدرت ہے اور اٹل قانون ہے جس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، اور نہ اب ہو سکتی ہے اور نہ آئندہ تا قیام قیامت اس میں کوئی تبدیلی ہوگی۔

اس دنیا میں ایک پر مقصد زندگی گزارنے کے لئے قرآن مجید نے ہر شعبہ زندگی میں انسان کو رہنمائی عطا کی ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ ایک نمونہ کامل واکمل کی حیثیت

سے کل کائنات بشری کے لیے بھیجے گئے،قرآن اور رسول انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیتے ہیں اورانسان کے جسم وصحت کی حفاظت پر بڑی واضح ہدایات اورنہایت صریح احکامات عطا فرماتے ہیں۔اس وقت ہم قرآن حکیم کی ایک آیت پر غورکرتے ہیں:﴿ولاتسرفوا انّہٗ لایحبّ المسرفین﴾ ’’یعنی بےاعتدالی نہ کرو،خدا بے اعتدالیاں کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

ضروریات وخواہشات کی تکمیل کے بارے میں قرآن مجید کی یہ ہدایت حفظ صحت کے سلسلے میں انتہائی ہمہ گیراور جامع مفہوم کی حامل ہے،اس آیت کریمہ میں اعتدال پر انسان کومتوجہ کیا گیا ہے،اگرہم غورکریں اوراپنی روزمرہ کی زندگی پرایک امتحانی نظرڈالیں ،اوراپنے اعمال وافعال کاایک تنقیدی جائزہ لیں تو اس آیت قرآنی کا مفہوم سمجھنا ہمارے لئے ذرابھی مشکل نہیں ہے۔

آپ کھانے پینے پرغور کیجئے ،اگرلذیذ اورعمدہ کھانا سامنے آگیا ہےتو کتنے انسان ہیں کہ دامن احتیاط پکڑکرراہ اعتدال پر چلتے ہیں؟اور کتنے انسان ہیں کہ جواپنے معدے کی گنجائش کااوراپنی قوت ہضم کاجائزہ لےکرکھانے سے اس وقت ہاتھ کھینچ لیتے ہیں کہ جب ابھی معدے میں کھانے کی گنجائش موجودہو!

ہم سب خوب جانتے ہیں کہ انسان پرلذت غالب آجاتی ہے،اوراعتدال کا مفہوم اوجھل ہوجاتا ہے اور وہ اس حقیقت اور اس حدیث رسول ﷺ کوفراموش کردیتا ہے کہ ’’المعدۃ بیت الداء‘‘یعنی معدہ بیماریوں کا گھر ہے‘‘اور پھرانسان نہ صرف بدہضمی کا شکاربن جاتا ہے، بلکہ اپنی صحت کے لئے خطرات مول لے لیتا ہے،اوراپنی عافیت تک سے صرف نظرکرلیتا ہے۔

پینے کا حال بھی کھانے سے مختلف نہیں ہے،انسان زوق وشوق میں نہ جانے کیا کیا پی رہاہےاوراسے اعتدال کا ذرابھی پاس ہے نہ لحاظ،ایک طرف اسا کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کےاس حکم کوبھول جاتا ہے کہ:﴿وکُلُوا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللہُ حَلٰلاً طَیِّباً﴾ ’’یعنی حلال

اور پاک چیزیں کھاؤ۔"

اور دوسری طرف اس کی کیفیت فہم کا یہ عالم ہے کہ وہ ذرا بھی اس پر غور نہیں کرتا کہ وہ جو پی رہا ہے اور پینے کھانے پر خرچ کر رہا ہے، خود وہ اور اس کا ملک اس کا متحمل بھی ہے یا نہیں، ماکولات ومشروبات کی جو انواع واقسام کثیر زرِ مبادلہ خرچ کر کے ہم نے اپنے لیے فراہم کر لی ہیں، غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ کیا وہ ہماری حقیقی ضرورتیں ہیں یا تکلفات محض؟ سمجھنے کی چیز یہ بھی ہے کہ ان کا فائدہ ہمارے جسم کو پہنچ رہا ہے یا وہ لوگ ان حقیقی فوائد سے متمتع ہو رہے ہیں جو ان کے موجد ہیں، اور ہمیں بھجوانے والے ہیں، اس صورت حال پر ذرا گہرائی کے ساتھ غور کیجئے اور دوبارہ اس پوری آیت پر غور کیجئے کہ ﴿کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ "کھاؤ پیو مگر بے اعتدالی نہ کرو۔" کیوں کہ ﴿اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ﴾ "خدا بے اعتدالیاں کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

کھانے پینے کے بارے میں ان کلماتِ چند سے صحیح بات سامنے آجاتی ہے کہ ہمیں اعتدال کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے، ہمیں زندہ رہنے کے لئے کھانا پینا چاہئے، نہ کہ کھانے پینے کے لئے زندہ رہنا، یہ نہ صرف ہماری صحت کے لئے ضروری ہے، بلکہ ہماری ملی اور ملکی عافیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم حدودِ اعتدال سے باہر قدم نہ رکھیں اور اس حقیقت کو پوری طرح ذہن میں رکھ لیں کہ بھوک سے زیادہ کھانے والے کو اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا مشہور قول ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ الْاٰکِلَ فَوْقَ شَبْعِهٖ﴾

ہادی برحق جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے صحت کو عظیم نعمت قرار دیا ہے اور حفظِ صحت کی ہدایت فرمائی ہے، اپنی صحت کی حفاظت انسان کا حق بھی ہے اور فرض بھی، صحت کی حفاظت انسان کی ذاتی ضرورت بھی ہے اور قومی اور ملی حاجت بھی ہے، ذاتی اس لئے ہے کہ اگر وہ بیمار ہے تو اپنے فرائض ادا نہیں کر سکتا اور اپنی صحت کو پر مسرت نہیں بنا سکتا ہے، کیوں کہ صحت ہی سب سے بڑی مسرت ہے، جو انسان نعمت صحت سے محروم ہو گیا سمجھ لینا چاہئے اور یقین کر لینا چاہئے کہ وہ ہر مسرت سے محروم ہو گیا۔

صحت، ملکی اور قومی ضرورت اس بنا پر ہے کہ قوم کے بیمار اور صحت سے محروم افراد ایک صحت مند قوم اور تندرست ملت نہیں بنا سکتے اور ایک ایسی قوم جو مجموعی طور پر بیمار اور نحیف ونزار ہو نہ صرف یہ کہ کرۂ ارض پر اپنی حقیقت کو تسلیم نہیں کرا سکتی، بلکہ اپنے وجود کو بھی باقی نہیں رکھ سکتی، زمانے کے تھپیڑے اسے خس وخاشاک کی طرح اڑا دیں گے۔

اگر مسلمان صحت مند نہیں ہے اور ملت اسلامیہ بیمار ہے تو باور کرنا چاہیئے کہ یہ سب سے بڑا عذاب ہے، اس کا صریحی مطلب یہ ہوگا کہ صحت مند اور طاقت ور اقوام اپنی جسمانی طاقت اور اپنی صحت مند صلاحیت کی بنا پر اس پر غلبہ پالیں گی اور اعلاء کلمۃ الحق والی امت اپنے حقیقی فرائض کی ادائیگی سے محروم ہو جائے گی اور اس کی بیماری اسے افکار غیر تک قبول کرنے پر مجبور کردے گی، اب ضرورت ہے کہ ہم اپنی صحت کو حقائق کے اس آئینے میں بھی دیکھیں اور من حیث القوم حفظ صحت پر توجہ کریں۔ ہم نے ابھی کہا کہ حفظ صحت آپ کا ذاتی معاملہ بھی ہے اور ایک فریضہ قومی بھی، آپ کی صحت اور صحت ملی لازم وملزوم ہیں، میں آپ کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری ملت میں بے شمار افراد ایسے ہیں کہ جو اصول حفظ صحت کا مفہوم نہیں سمجھتے، ان کی اس لاعلمی نے ان کو اور ان کے گھر کو بیماریوں کی آماج گاہ بنا رکھا ہے۔ ضرورت ہے کہ آپ ان افراد ملت پر توجہ کریں اور صحت کی باتیں ان تک پہنچا دیں یہ ایک مقدس فریضہ ہے اور افراد ملت کو یہ مقدس فریضہ ضرور ادا کرنا چاہیے۔ مجھے اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک بڑا اچھا قول صحت یاد آیا ہے میں اسی پر اپنے اس خطاب کو ختم کرتا ہوں: ﴿اَلصِّحَّةُ تَاجٌ عَلٰى رُءُوسِ الْأَصِحَّاءِ لَا يَرَاهُ إِلَّا الْمَرْضٰى﴾ ''اس قول داؤد کا مطلب یہ ہے کہ صحت ایک ایسا تاج ہے جو صحت مندوں کے سر پر ہوتا ہے، مگر یہ صرف مریضوں کو نظر آتا ہے۔'' (بحوالہ نورستان از حکیم محمد سعید شہیدؒ)

اعتدال کا معنیٰ اور مطلب

اعتدال کا مطلب ہے نہ حد سے زیادہ اور نہ حد سے کم۔ اسی کو میانہ روی بھی کہا جاتا

ہے۔ داناؤں کا قول ہے کہ ہر کام میں بے اعتدالی کرنے سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ محسنِ انسانیت رسول اکرم ﷺ نے بھی اعتدال پر بے حد زور دیا اور فرمایا ہے کہ۔

"اے لوگو! اعتدال اختیار کرو۔ اللہ کسی کو تکلیف میں نہیں ڈالتا جب تک تم خود مشقت میں نہ پڑو۔ (یادرکھو) تمام کاموں میں اعتدال سب سے بہتر ہے"۔

درحقیقت اعتدال قدرت کا سچ اور پکا اصول ہے۔ دنیا کا تمام کارخانہ اسی پر قائم ہے کوئی کام خواہ دینی ہو یا دنیوی ایسا نہیں جس میں اعتدال کی ضرورت نہ ہو۔ انسان کو اطمینان کی زندگی اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب وہ اعتدال پر کاربند ہو اور کبھی اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ آج ہمارے معاشرے میں جتنی بھی خرابیاں دکھائی دیتی ہیں ان میں سے بیشتر کا سبب یہ ہے کہ لوگ اپنے کاموں میں بے اعتدالی سے کام لیتے ہیں حالانکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم ایک اسلامی معاشرے کے افراد ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہ محض زبانی دعویٰ ہے۔ عملی زندگی میں ہم اس بات کو بالکل نظرانداز کردیتے ہیں کہ اسلامی طرزِ معاشرت میں اعتدال بنیادی اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ عبادت میں بھی اعتدال کی تلقین کی گئی ہے۔ متواتر روزے رکھنا یا ساری ساری رات عبادت میں مصروف رہنا اور نہ صرف اپنے گھر والوں سے بلکہ دنیا کے دوسرے کاموں سے بھی غافل ہو جانا اعتدال کا طریقہ نہیں ہے۔ اسی لئے اس کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے اسلام کا حکم تو یہ ہے کہ دین کو مشکل مت بناؤ۔ عبادت اسی حد تک درست ہے جب تک تمہارا دل اس میں لگا رہے۔ اتنی زیادہ عبادت نہ کرو کہ طبیعت اکتا جائے اور روحانی سکون ملنے کی بجائے وحشت ہونے لگے۔ دوسری طرف دنیا کے دھندوں میں اس قدر مشغول نہ ہو جاؤ کہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاؤ۔

سوچنے کی بات ہے کہ جب اللہ اپنی عبادت میں بے اعتدالی پسند نہیں کرتا تو اسے دنیاوی کاموں میں یہ کیسے پسند آسکتی ہے، لیکن آج ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو شادی بیاہ، بچوں کی پیدائش اور دوسرے رسوم ورواج پر اعتدال کے دائرے کے اندر رہتے ہیں۔ ہم تو ایسے موقعوں پر زیادہ خرچ کر کے لوگوں کی واہ واہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر حکومت

ہمارے بھلے کی خاطر مہمانوں کی تعداد اور کھانوں پر پابندی لگاتی ہے تو ہم بے اعتدالی کرنے کے لئے چوری چھپے ایسے طریقے اختیار کر لیتے ہیں کہ اس پابندی کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ ایسی بے اعتدالیوں نے کئی گھرانوں کا سکھ وچین چھین لیا ہے اور وہ قرض اور افلاس کے چکر میں ایسے پھنستے ہیں کہ اس سے چھٹکارا پانا مشکل ہے۔ اگر اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائے جائیں تو اس میں اپنا بھی فائدہ ہے اور قوم اور ملک کا بھی۔

مثلاً ورزش انسانی صحت کے لئے بہت مفید ہے لیکن جب حد سے بڑھ کر ورزش کی جائے یہاں تک کہ آدمی تھک کر چور ہو جائے تو یہی ورزش سخت نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

اچھی اور متوازن غذا صحت بخش ہوتی ہے، لیکن خواہ کیسی عمدہ خوراک ہو، اگر اس کے استعمال میں اعتدال سے کام نہ لیں اور بار بار تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد منہ چلاتے رہیں تو وہ فائدہ دینے کی بجائے زہر بن جاتی ہے۔ معدہ خراب ہو جاتا ہے اور آدمی طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

مطالعہ بہت اچھی عادت ہے لیکن اس میں بھی بے اعتدالی سخت نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ وقت بے وقت مطالعہ میں مصروف رہنے سے نہ صرف آنکھوں پر بوجھ پڑتا ہے بلکہ عام جسمانی صحت بھی خراب ہو جاتی ہے۔

بچوں سے پیار محبت بہت ضروری لیکن اس میں بھی آپ حد سے بڑھ گئے تو بچے بگڑ جائیں گے۔ گفتگو اور بول چال سے کسی انسان کی خوبیاں اور خامیاں ظاہر ہوتی ہے۔ منہ سے بات نکالنے میں احتیاط اور اعتدال سے کام نہ لیا جائے تو انسان دوسروں کی نظر سے گر جاتا ہے۔ اگر ایک شخص میں چھچھورپن ہے، وہ ڈینگیں مارتا ہے، دوسروں کی غیبت کرتا ہے، بے محل ہنستا ہے، بار بار بگڑتا ہے اور روٹھتا ہے تو وہ لوگوں میں ذلیل ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حد سے زیادہ خاموش رہتا ہے یا حد سے زیادہ کم گو ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ مغرور اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ آپس میں ہنسی مذاق کرنا برا نہیں، لیکن جب یہ حد سے بڑھ جائے اور تہذیب کے دائرے سے باہر ہو جائے تو لڑائی اور دشمنی کا سبب بن جاتا ہے۔

کنجوسی اور بخیلی ایک بری عادت ہے لیکن اپنی آمدنی سے بڑھ کر خرچ کرنا اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ بعض لوگ خوراک اور پوشاک پر اپنی آمدنی سے بڑھ کر خرچ کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ تنگ دستی کا شکار رہتے ہیں۔ اگر کوشش کر کے سادہ خوراک کی عادت ڈالی جائے اور چٹخارے بازی سے پرہیز کیا جائے تو اس سے خرچ کافی کم ہوسکتا ہے اسی طرح پوشاک زیادہ قیمتی ہونے کے بجائے سادہ اور صاف ستھری ہو تو اس پر خرچ بھی کم آئے گا اور عزت میں بھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔

مختصر یہ کہ اعتدال اور میانہ روی میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور نقصان کا کوئی پہلو نہیں۔ اگر آج ہم اعتدال کو اپنی زندگی کا اصول بنالیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے معاشرے کی بہت سی خرابیاں تھوڑی ہی مدت میں نیست ونابود نہ ہوجائیں۔ آیئے سچے دل سے عہد کریں کہ ہم کھانے پینے، خرچ کرنے، پڑھنے لکھنے، پہننے اوڑھنے، دوڑنے بھاگنے، ہنسنے بولنے، غرض ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی سے کام لیں گے۔ اگر آپ نے یہ عہد پورا کیا تو آپ دیکھیں گے کہ اس سے صرف آپ ہی کا بھلا نہیں ہوگا بلکہ قوم اور ملک کو بھی بے انتہا فائدہ پہنچے گا۔

رسولِ اکرم ﷺ اور اعتدال کی اہمیت

میانہ روی یا اعتدال کا مطلب ہے کسی امر میں افراط وتفریط سے بچ کر درمیانی راستہ اختیار کرنا مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے محبوب یا پسندیدہ بندوں کے جو اوصاف بیان کئے ہیں ان میں ایک وصف یہ ہے کہ وہ نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل، ارشاد ہوا ہے۔ والذین اذآ انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا و کان بین ذٰلک قواماً (الفرقان)

"یعنی جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے"۔

سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے کہ۔ ولا تجعل یدک مغلولة الیٰ

عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوماً محسورًا o (آیت۔۲۹)

''یعنی نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ''۔ مطلب یہ کہ بخیل بن کر نہ تو دولت کی گردش کو روکو اور نہ فضول خرچی میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو جاؤ۔

سورۂ لقمان میں ارشاد ہوا ہے کہ۔ **واقصد فی مشیک** ''یعنی اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو''۔ مطلب یہ کہ سیدھے سادھے معقول اور شریف آدمی کی سی چال چلو جس میں نہ کوئی اینٹھ اور اکڑ ہو اور نہ مریل پن اور نہ دکھاوے کا انکسار۔

عبادت میں اعتدال کا حکم اس طرح دیا گیا ہے۔

ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذلک سبیلاً o

''یعنی اور اپنی نماز نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت ہلکی آواز سے'' ان دونوں کے درمیان اوسط درجے کا لہجہ اختیار کرو۔

فی الحقیقت اسلام میں میانہ روی یا اعتدال کو تمام امور میں بہترین روش قرار دیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کو میانہ روی اختیار کرنے کی بہت تاکید فرمایا کرتے تھے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱)..... حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! اعتدال اختیار کرو، اعتدال اختیار کرو، اعتدال اختیار کرو۔ اللہ کسی کو تکلیف میں نہیں ڈالتا جب تک تم خود مشقت میں نہ پڑو۔ (کنز العمال)

(۲)..... حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کو دین میں بصیرت زیادہ نہیں ہوتی۔ جب تک اس کے اعمال میں میانہ روی نہ آجائے۔ (مشکوٰۃ)

(۳)..... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا اچھا ہے اعتدال تمول میں، کیا اچھا ہے اعتدال فقر میں، کیا اچھا ہے اعتدال عبادت میں۔

(۴)......ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ لوگو! اسی قدر اعمال اختیار کرو، جس کی تم طاقت رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ تم کو تکلیف میں نہیں ڈالتا جب تک تم خود تکلیف میں نہ پڑو۔ (کنز العمال)

خود رسول اکرم ﷺ اپنے معمولات روز و شب میں جہاں تک ممکن تھا میانہ روی، اعتدال سے کام لیتے تھے۔ رات کو آپ ﷺ نے تین حصوں میں بانٹ رکھا تھا۔ ایک حصہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ یا دوسرے لوگوں سے مختلف امور کے سلسلے میں گفتگو اور ملاقاتوں کے لئے مختص کر رکھا تھا، ایک حصہ اہل و عیال کے حقوق کی ادائیگی کے لئے تھا اور ایک حصہ عبادت کے لئے وقف تھا۔ دن کے اوقات، تبلیغ حق اور دوسرے دینی و دنیوی معاملات کے نمٹانے میں صرف ہوتے تھے۔ مدنی زندگی میں رسول اکرم ﷺ کو ایک وسیع و عریض مملکت کے سربراہ کی حیثیت بھی حاصل ہوگئی تھی۔ یوں آپ ﷺ کی ذمہ داریوں میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ کارِ نبوت بھی تھا اور امورِ مملکت بھی تھے لیکن آپ ﷺ نے دین اور دنیا کے تمام معاملات کو ایسے توازن اور خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ چشمِ فلک نے اس سے پہلے کبھی کسی اور کو ایسا ہمہ گیر اور متوازن کردار ادا کرتے نہیں دیکھا تھا۔ ذرا چشم تصور وا کیجئے اور دیکھئے۔

ختم الانبیاء والمرسلین و فرمانروائے مملکت اسلامیہ عرب، مختلف ملکوں کے بادشاہوں قبائل کے سرداروں اور حاکموں کے نام فرمان لکھوا رہے ہیں، دوسرے ملکوں کے سفیروں اور مختلف قبیلوں اور قوموں کے وفود کو شرفِ باریابی بخش رہے ہیں۔ نظم مملکت کے لئے عمال کا تقرر فرما رہے ہیں، جنگ کے میدانوں میں فوج کی قیادت فرما رہے ہیں، بیماروں کے گھروں پر بہ نفس نفیس تشریف لے جا کر ان کی عیادت فرما رہے ہیں، اسی طرح وفات پا جانے والوں کے پسماندگان کے پاس جا کر تعزیت کر رہے ہیں، اہل ایمان کے جنازوں کے ساتھ جا رہے ہیں، غرباء، مساکین، بیواؤں، یتیموں اور حاجت مندوں کی اعانت فرما رہے ہیں۔ نمازوں میں صحابہ کی امامت فرما رہے ہیں، بازاروں میں یہ دیکھنے کے لئے گشت لگا رہے ہیں کہ کوئی دکاندار گاہکوں کو دھوکا تو نہیں دے رہا۔ غرض دین اور دنیا کے

معاملات یا حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں جو توازن اور اعتدال ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

افراد امت کو میانہ روی اختیار کرنے اور شدت یا انتہا پسندی سے بچنے کی تلقین و ہدایت کا انداز کیا تھا، چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

جلیل القدر صحابی حضرت عثمان بن مظعون ؓ کو عبادت الٰہی سے بے حد شغف تھا، رات بھر نمازیں پڑھتے رہتے تھے اور مسلسل روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ اہل وعیال کے حقوق وفرائض کی طرف سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کو ان کے اس طرز عمل کا علم ہوا تو ان کو بلا کر ان الفاظ میں نصیحت فرمائی۔ اے عثمانؓ! کیا میری ذات تمہارے لئے اسوۂ حسنہ نہیں؟ میں نماز بھی پڑھتا ہوں، روزے رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں سوتا بھی ہوں، اپنی بیویوں سے بھی ملتا ہوں، عثمانؓ اللہ سے ڈرو، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے مہمان اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ اس لئے تم روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھو اور سویا بھی کرو۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون نے وعدہ کیا کہ رسول اکرم ﷺ کی ہدایت پر عمل کریں گے۔ (سیرۃ الصحابہ جلد۲)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ کو خطبہ پڑھتے ہوئے ایک آدمی دھوپ میں کھڑا نظر آیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے اس کا نام اور دھوپ میں کھڑا ہونے کا سبب پوچھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس شخص کو ابواسرائیلؓ کہتے ہیں۔ اس نے نذر مانی ہے کہ ہمیشہ دھوپ میں کھڑا رہا کرے گا، سایہ میں بھی نہیں جائے گا، اور نہ کسی سے کلام کرے اور روزہ رکھا کرے گا۔ رسول اکرم ﷺ نے (ابواسرائیلؓ کی انتہا پسندی کو ناپسند فرماتے ہوئے) فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ سایہ میں بیٹھے اور کلام بھی کرے البتہ اپنا روزہ پورا کرے۔ (صحیح بخاری)

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے ایک مرتبہ ارادہ کیا اور لوگوں کے سامنے اس کا برملا اظہار کیا کہ وہ جب تک زندہ ہیں ہمیشہ روزہ رکھا کریں گے اور رات بھر

نماز پڑھتے رہا کریں گے۔ رسول اکرم ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ کو بھیجا اور ان سے فرمایا کہ اے عبداللہؓ! کیا تو نے ایسا اور ایسا کہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، بے شک میں نے ایسا کہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ، تجھے اس کی طاقت نہیں، تو روزہ بھی رکھا کر اور افطار بھی کیا کر، سویا بھی کر اور نماز بھی پڑھا کر اور ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیا کر (ان کا اجر تجھے دس گناہ ملے گا) اور ایسا کرنا ہمیشہ روزہ رکھنے کی مثل ہے۔

حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن روزہ رکھ اور دو دن افطار کیا کر۔

حضرت عبداللہؓ بولے یارسول اللہ ﷺ! مجھے اس سے بھی زیادہ طاقت ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ (اچھا تو پھر) ایک دن روزہ رکھا کر اور ایک دن افطار کیا کر کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں اور سب نفلی روزوں سے بہتر ہیں۔ اب بھی حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا کہ میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان سے افضل کوئی (نفلی روزے) نہیں (بروایتِ دیگر حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے اللہ تعالیٰ کو سب روزوں سے زیادہ محبوب ہیں)۔

حضرت عبداللہؓ جب بوڑھے ہو گئے تو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں رسول اللہ ﷺ کی (تین دن والی) رخصت قبول کر لیتا۔ (صحیحین)

رسول اکرم ﷺ کبھی کبھی رات کے پچھلے پہر خانۂ اقدس سے باہر نکلا کرتے تھے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ آپ کے صحابہؓ سوئے ہوئے ہیں یا عبادت میں مشغول ہیں۔ ایک دفعہ جب آپ نکلے تو دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تہجد کی نماز پڑھ رہے ہیں اور نہایت دھیمی آواز میں قرآن حکیم کی تلاوت کر رہے ہیں۔ پھر آپ ﷺ آگے بڑھے تو حضرت عمر فاروقؓ کو بہت اونچی آواز میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے دیکھا۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے بعد رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا کہ۔

''اے ابوبکرؓ! آپ تہجد کی نماز میں اتنی دھیمی آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کیوں کر رہے تھے؟'' حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں جس پاک ذات کا کلام پڑھ کر اس سے دعا مانگ رہا تھا، وہ میری دعا سن رہا تھا۔ (کہ وہ سمیع ہے) اس لئے میں نے اپنی آواز کو زیادہ اونچی کرنا مناسب نہ سمجھا۔

اب رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق ؓ سے پوچھا کہ۔ ''اے عمرؓ! آپ اتنی بلند آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کیوں کر رہے تھے؟'' انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں اس لئے اونچی آواز میں قرآن پڑھ رہا تھا کہ سوتوں کو جگاؤں اور شیطان کو بھگاؤں۔

پھر آپ ﷺ نے حضرت عمر فاروق ؓ سے فرمایا کہ۔ ''اے عمرؓ! آپ اپنی آواز کو تھوڑا سا پست (کم) کر کے قرآن پڑھا کریں''۔ اس طرح رسول اکرم ﷺ نے یہ سبق دیا کہ ہر معاملے میں اعتدال (میانہ روی) بہترین روش ہے، جہاں تک ہو سکے میانہ روی (نہ بہت زیادہ نہ بہت کم) اختیار کرنی چاہیئے (سنن ابی داؤد عن ابو قتادہؓ) (بحوالہ خلق خیر الخلائق)

اسلام میں اعتدال پسندی کی اہمیت

اسلام دین فطرت ہے، اس کے اصول، قوائد اور ضوابط انسانی فطرت اور انسان کے طبعی تقاضوں کے عین مطابق ہیں، یہ بنیادی طور پر اہم بات ہے کہ اسلام میں قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، وہی تمام ہدایات اور احکام کا سرچشمہ ہے، انسانی فطرت کا صحیح علم صرف اسی کو حاصل ہے، کیوں کہ اس نے انسان کو اور اس کے فطری تقاضوں کو پیدا کیا ہے۔

ہزار سال کی تحقیق و تفتیش کے بعد بھی انسان نے اپنی فطرت کے بارے میں جو علم حاصل کیا، اس علم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی، بالفاظ دیگر انسان اپنی فطرت، اپنی ضرورت اور اپنے بارے میں خوب اور ناخوب کو صحیح طور پر نہیں سمجھتا، انسان کی

فطرت، اس کے طبعی تقاضوں اور اس کی اچھائی و برائی کو اگر کوئی ہستی صحیح طور پر سمجھتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے، دوسرے درجے پر انسان کی فطرت کا علم انبیاء کو حاصل ہے جو دراصل اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم ہے۔

انسان نے اپنے بارے میں جو کچھ سوچا، اپنے بارے میں جہاں جہاں نظام ہائے زندگی مرتب کیے، ان کی بنیادی خامی یہ تھی کہ وہ انسانی فطرت کے ناقص علم پر مبنی ہیں، انسانی فکر انسانی فطرت کے تقاضوں کو ٹھیک طور پر سمجھے بغیر پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور نتیجۃً بار بار ٹھوکریں کھاتا ہے۔

انسانی فکر کی دوسری بنیادی خامی یہ ہے کہ وہ صرف اپنے دور کے بارے میں سوچ سکتا ہے، انسانی فکر، وقتی اور ہنگامی تقاضوں پر مبنی ہوتا ہے۔

انسانی فکر کی تیسری بنیادی خامی یہ ہے کہ وہ بغاوت اور ردعمل پر مبنی ہوتا ہے...... انسانی تحریکوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے، معلوم ہوگا کہ انسان ٹھنڈے دماغ سے سوچنے کے بجائے جذباتی انداز میں سوچنے کا عادی ہے، اس کی سوچ کا نوے فیصد حصہ غصے اور نفرت پر مبنی ہوتا ہے۔ انسانی فکر نے کبھی تحریک کی شکل اختیار نہیں کی، جب تک اس نے انسانوں کے ایک گروہ کو جذباتی انداز میں اپنے ساتھ نہ ملالیا ہو۔

انسانی فکر کی ان تین بنیادی خامیوں کو مدنظر رکھیں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ انسان کے بنائے ہوئے نظامہائے زندگی، انسان کے بنائے ہوئے قاعدے وقوانین ہمیشہ اس کی صحیح فطرت سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ انسانی قوانین کبھی اس انتہا کی طرف اور کبھی اس انتہا کی طرف مائل ہوتے ہیں، کبھی افراط اور کبھی تفریط، پنڈولیم کیم سوئی کی طرح ایک انتہا سے دوسری انتہا کی جانب حرکت ہی حرکت، اور کبھی بھی درمیان میں روکنے کا نام نہیں، انسانی فکر کو کبھی درمیان کا راستہ اور اعتدال کی منزل نصیب نہیں ہوئی۔

اسلام چونکہ عین فطرت کے مطابق ہے، اس لئے انسانی فکر کی انتہا پسندیوں کے عین درمیان چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے، زندگی کا کوئی پہلو ہو، سیاسی، سماجی یا معاشی اور زندگی کا

کوئی مرحلہ ہو، ہر قدم پر اسلام آپ کو بیشمار انتہا پسندوں کے عین درمیان میں اعتدال کی راہ اختیار کیے ہوئے نظر آئے گا۔

چند مثالوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی:۔ معاشی زندگی میں انسان نے سرمایہ دارذہنیت سے سوچا اور لامحدود ملکیت کا نظریہ پیش کیا اور کئی سال تک ''لامحدود ملکیت'' کے دیوانے غریب انسان کا خون چوسا اور معاشی استحصال کا سلسلہ جاری رہا جب انسانیت سرمایہ دار کی لامحدود ملکیت سے پیدا کردہ معاشی استحصال سے بلبلا اٹھی تو اس نے لامحدود ملکیت کو انتہا پسندانہ کہکر مخالفت کرتے ہوئے نظریۂ ملکیت تک کو ٹھکرا دیا۔ یعنی ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف، اور نتائج وہی کے وہی! اب دیکھیے ان دونوں انتہا پسندانہ نظریوں کے بین درمیان میں اسلام کا نظریہ ملکیت نظر آئے گا جس میں نہ تو لامحدود ملکیت ہے اور نہ ہی سرے سے نظریہ ملکیت کی نفی ہے بلکہ محدود ملکیت کا تصور ہے جس میں دونوں انتہاؤں کی خامیاں محدود نہیں ہیں۔

ایسے ہی سیاسی زندگی میں بھی انسان ہزار ہا سال تک شخصی حکومت پھونکتا رہا، حد یہ ہے کہ ارسطو جیسا مفکر بھی جمہوریت کو بدترین حکومت قرار دیتا رہا، بعد میں انسانی فکر نے باغیانہ انگڑائی لی تو جمہوریت اور ایسی جمہوریت کے گن گائے جانے لگے، جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے، اور ایسی جمہوریت جس میں کثرت رائے سے انسانیت کا قبیح ترین جرم بھی جائز قرار دیا جاتا ہے، ان دونوں انتہاؤں کے عین درمیان آپ کو اسلام کا سیاسی نظام نیم جمہوری اور نیم شخصی طرز کا نظر آتا ہے جس میں قانون سازی اور اقتدار اعلیٰ نہ کسی ایک انسان کو حاصل ہے اور نہ انسانوں کی کسی ان پڑھ جماعت کو، بلکہ یہ قانون سازی اور اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اور خلافت کی نمائندگی کا حق انسانوں کی ایک تعلیم یافتہ اور متقی جماعت کو جسے شوریٰ کہتے ہیں، حاصل ہوتا ہے۔ تو اصل بات یہ ہے کہ اسلام کا راستہ ہی اعتدال کا راستہ ہے، یہی مطلب ہے حضور کے اس ارشاد کا کہ: ﴿خیر الامور اوسطھا﴾ ''بہترین کام وہی ہیں جو اعتدال پر ہوں۔'' انسان نے روح اور جسم کے

تقاضوں کے بارے میں جب بھی کوئی لائحہ عمل اختیار کیا اس میں عجیب انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا، سالہا سال تک لوگ رہبانیت اختیار کر کے جنگلوں، پہاڑوں اور غاروں میں کوشش کرتے، تب بھی انہیں گیان دھیان نصیب نہیں ہوتا لیکن جن لوگوں کو گیان دھیان نصیب ہوتا، وہ خاندانی زندگی، اولاد، ہمسائیگی اور انسان کی دیگر اہم ضرورتوں سے یکسر محروم رہتے۔ دوسری انتہا یہ کہ جو لوگ دنیا دار ہوتے وہ خالص دنیا دار ہوتے اور اپنے آپ کو کسی روحانی ترقی کے قابل نہ سمجھتے۔ ان کا کام فقط یہ ہوسکتا تھا کہ وہ روحانی پیشواؤں کے آگے ہاتھ پھیلا دیں اور ان کی خدمت کر کے نجات حاصل کریں، بالفاظ دیگر انسانی نظاموں میں جو شخص دنیا داری کے لائق ہے وہ روحانیت کے لائق نہیں اور جو روحانی پیشوا بن سکتا ہے وہ بھری اور آباد دنیا کے اندر رہنے کے لائق نہیں۔ آپ دیکھیے کہ اسلام کا راستہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان بالکل اعتدال کا راستہ ہے، اسلام نے روزہ فرض قرار دے دیا، لیجیے روحانیت کا بہت بڑا حصہ حاصل کرنا ہر شخص کے لئے ضروری قرار پایا، ایک ماہ تک ایسی مشق کرائی جاتی ہے کہ عیش و آرام کی بہترین صورتیں یعنی کھانا پینا، سونا اور جنسی لذت حاصل کرنا، تینوں میں شدید کمی پیدا کر دی مگر اس کے ساتھ ساتھ ہر شخص کے لئے ضروری قرار دیا کہ وہ والدین، اہل و عیال، ہمسایوں اور دیگر تمام لوگوں کے حقوق اس بھری دینا کے اندر ادا کرے، یعنی دنیا داری اور روحانیت دونوں میں انتہائی حسین اعتدال کی صورت پیدا فرمادی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ﴿لا رهبانية في الاسلام﴾ ''کہ اسلام میں ترک دنیا جائز نہیں ہے۔'' اگر کوئی شخص مخلوقات سے کچھ دیر کے لئے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہتا ہے تو وہ مسجد میں چلا آئے، اعتکاف اس کی بہترین صورت ہے۔ مزید برآں مسجد میں پانچ وقت کی نماز اور رات کا قیام بھی اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ تو اصل بات یہ ہے کہ اسلام کا راستہ ہی اعتدال کا راستہ ہے، یہی مطلب ہے حضور ﷺ کے اس ارشاد کا کہ: ﴿خير الامور اوسطها﴾ ''یعنی بہترین کام وہی ہیں جو اعتدال پر ہوں (بحوالہ خطبات حرم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ٦٦

رسولِ اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق فضاء میں بھی صدائیں بلند ہوئیں

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھیاسٹھویں خصوصیت پیش کی جارہی ہے، جس کا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق فضاء میں بھی صدائیں بلند ہوئیں'' الحمدللہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے۔ اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں کہ جس ذات نے ریاض الجنۃ میں بٹھا کر اپنے محبوب ﷺ کی خصوصیت سے متعلق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

بہر حال محترم قارئین! ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اتنا عظیم بنایا کہ آپ ﷺ کے ظہور سے متعلق فضاء میں بھی صدائیں بلند ہوئیں، جیسا کہ آنے والے صفحات میں آپ اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے، جیسے ہم نے احادیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت مطالعے سے بھی آپ کے ایمان میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر دانی کرنے کی اور آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

چھیاسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کے ظہور کے وقت ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ اچانک فضا میں آوازیں سنائی دیں یعنی نہ تو کاہن نے کہیں اور نہ بتوں اور ذبح کئے

ہوئے جانوروں کے پیٹ سے ابھریں۔ چنانچہ ایسی روایتیں بھی بہت سی درست ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ ”یارسول اللہ! میں نے قس کی ایک بڑی عجیب بات دیکھی ہے۔ ایک دفعہ رات کے وقت میں اپنے ایک اونٹ کی تلاش میں جا رہا تھا یہاں تک کہ رات ڈوبنے لگی اور صبح کا وقت قریب آ گیا، اچانک مجھے ایک پکارنے والے کی آواز سنائی دی جو یہ کہہ رہا تھا۔

یا اَیھا الواقد فی اللیل الاحم قد بعث اللہ نبیا بالحرم

ترجمہ...... اے تاریک رات میں سونے والے اللہ تعالیٰ نے حرم میں ایک نبی ظاہر فرمایا ہے۔

من ھاشم اھل الوفاء والکرم یجلود جنات اللیالی والبھم

ترجمہ...... جس کا تعلق اس قبیلہ بنی ہاشم سے ہے جو وفا اور کرم میں مشہور ہیں جو تاریکیوں کو دور کر دے گا، یہ آواز سن کر میں نے اپنے چاروں طرف دیکھا مگر مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔ تو میں نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

یا ایھا الھا قف فی راجی الظلم اھلاً وسھلاً بک من طیف الم

ترجمہ......: اے رات کے اندھیروں میں آواز دینے والے اس خبر پر تجھے خوش آمدید جو لیکر آیا ہے۔

بین ھداک اللہ فی لحن الکلم من ذا الذی تدعو الیہ یغتم

ترجمہ...... اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے تو یہ بات بتا کہ وہ کیا چیز ہے جس کی طرف تو دعوت دیتا ہے۔ اسی وقت مجھے کھنکارنے اور گلا صاف کرنے کی آواز آئی اور کسی کہنے والے نے کہا۔ ”نور ظاہر ہو گیا اور سینہ زوری کا دور ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو خوشی و سرور دے کر ظاہر فرما دیا جو شریف و معزز خاندان سے ہیں، جو تاج یعنی عظمت و اعزاز اور خود یعنی قوت و طاقت والے ہیں، سرخ و سفید چہرے والے ہیں، روشن پیشانی والے ہیں، گہری سیاہ آنکھوں والے ہیں۔ جن کا کلمہ اشھد ان لا الہ الا اللہ ہے۔ یہ وہی محمد ﷺ ہیں جو

کالے اور گورے تمام انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں اور عرب وعجم کی رہنمائی کے لیے ظاہر ہوئے ہیں۔" اس کے بعد اس غیبی آواز نے یہ شعر پڑھے۔

الحمد لله الذی. لم یخلق عبث. ارسل فینا احمدا خیر نبی قد بعث

ترجمہ......: تمام تعریفیں اس ذات باری کے لیے ہیں، جس نے مخلوق کو بیکار پیدا نہیں کیا، جس نے ہمارے درمیان احمد کو بھیجا، جو سب سے افضل و بہترین نبی بن کر ظاہر ہوئے ہیں۔

صلی علیه الله ما حج له رکب و حث

ترجمہ.....اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت بھیجیں جب تک کہ سوار اور پیدل حج کرتے رہیں۔ اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے۔

و تفنت بمدحه الجن حتّٰی اطرب الانس منه ذاک الفناء

ترجمہ: یعنی جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے بہترین اوصاف اور خوبیوں کو ایک دل موہ لینے والے اور دلکش ترانے کی صورت میں ظاہر فرمایا وہ ترانہ اتنا دلکش تھا کہ اس نے اپنا نغمہ جنوں کے علاوہ دوسروں تک بھی پہنچایا یہاں تک کہ اس نغمے کا رس جنات کے ذریعہ جب انسان کے کان تک پہنچا تو اس نے اس کو بھی بے خود اور سرشار کر لیا۔ غرض اس کے بعد صبح ہوگئی، اچانک میں نے ایک بہترین اونٹ دیکھا جو مستی میں منہ سے جھاگ نکال رہا تھا میں نے جلدی سے بڑھ کر اس کی لگام پکڑ لی اور اس کے کوہان پر سوار ہو کر اسے ہنکا دیا۔ آخر چلتے چلتے جب وہ تھک گیا تو ایک سرسبز باغ میں جا کر بیٹھ گیا، اچانک میں نے دیکھا کہ ایک درخت کے سائے میں قس ابن ساعدہ ایادی بیٹھے ہوئے ہیں ان کے ہاتھ میں مسواک کی ایک لکڑی ہے جس سے وہ زمین کرید رہے ہیں اور یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

یانا عی الموت و الملحود فی حدث علیهم من بقایا بزهم خرق

ترجمہ: اے موت کی خبر دینے والے اور وہ لوگ جو قبروں میں محو آرام ہیں جن کے کفن بھی اب ریزہ ریزہ ہو چکے ہیں۔

وعهم فان لهميو ما يصاح به　　　　فهم اذا انتبهوا من نومهم فرقوا

ترجمہ......ان لوگوں کو یعنی ان مردوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو اس لئے کہ ایک دن تو ان کو اٹھایا ہی جائے گا، اب اگر انہیں ان کی نیند سے جگایا گیا تو وہ ڈر جائیں گے کہ شاید حساب کا دن آپہنچا۔

حتّٰی یعود و ابحال غیر حالهم　　　　خلفاً جدیداً کما من قبله خلقوا

ترجمہ......ان کو ایک ایسی حالت پر پہنچا دیا گیا ہے جو ان کی پچھلی حالت کے خلاف ہے اور وہ ایک نئی زندگی میں پہنچ گئے جیسا کہ اس سے پہلے عدم سے وجود میں آئے تھے۔

منهم عراة و منهم فی ثيابهم　　　　منها الجديد و منها المنهج الخلق

ترجمہ......اُن مُردوں میں سے بعض تو اپنے کفن کے گل جانے کے بعد برہنہ ہو گئے ہیں اور بعض ابھی کفن میں لپٹے ہوئے ہیں، بعض کے کفن ابھی نئے ہیں اور بعض کے بوسیدہ ہو چکے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ یہ شعر سن کر میں قس کے قریب پہنچا اور ان کو سلام کیا، انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ اسی وقت میری نظر اٹھی تو میں نے دیکھا کہ وہاں ایک پانی کا چشمہ ہے، جس میں پانی کے بہنے کی دھیمی آواز آرہی تھی، وہیں دو قبروں کے درمیان ایک مسجد تھی اور دو بہت بڑے اور خوفناک شیر کھڑے ہوئے تھے جو اس کو اپنی پناہ میں لئے ہوئے تھے اسی وقت ان دونوں شیروں میں سے ایک پانی پینے کے لئے چشمے کی طرف بڑھا تو دوسرے شیر نے بھی پانی پینے کے لئے اس کے پیچھے جانا چاہا، اسی وقت قس نے اس کے وہ چھڑی ماری جو ان کے ہاتھ میں تھی اور ڈانٹ کر اس سے کہا۔ ''واپس آجا، تیرا برا ہو، پہلے آگے جانے والے کو سیراب ہونے دے۔'' دوسرا شیر فوراً لوٹ گیا اور پہلے جانے والے کے واپس آنے کے بعد گیا۔ آخر میں نے قس سے پوچھا! ''یہ دو قبریں کس کی ہیں''؟ قس نے کہا! ''یہ میرے دو بھائیوں کی قبریں ہیں جو اسی جگہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے

تھے، انہوں نے کبھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کیا۔ ان میں سے ایک کا نام سمعون تھا اور دوسرے کا نام سمعان تھا، جن کے متعلق ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھے، آخر ایک دن ان دونوں کو موت نے آلیا۔ میں نے ان دونوں کی یہاں قبریں بنائیں اور اب میں خود ان دونوں قبروں کے درمیان رہتا ہوں تا کہ ایک دن میں بھی ان دونوں سے جاملوں۔"

"اس کے بعد پھر قس نے ان دونوں قبروں کی طرف دیکھا اور کچھ شعر پڑھے۔"

یہ سارا واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس راوی سے فرمایا! "اللہ تعالیٰ قس پر رحمت فرمائے، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو (اس کی نیکی اور عبادت گزاری کی وجہ سے) قیامت میں ایک پوری امت کے برابر درجے میں اٹھائے گا۔" اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں قس کے واقعے کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔

و عنه اخبر قس قومه فلقد حلي مسامعهم من ذكره شنفا

ترجمہ...... قس نے اپنی قوم کے سامنے آنحضرت ﷺ کا تذکرہ کیا ہے جو اتنا دلچسپ تذکرہ تھا کہ سننے والے اس سے بہت لطف اندوز ہوئے۔

جب قس کی وفات ہوئی تو ان کو ان ہی دونوں کی قبروں کے پاس دفن کیا گیا، یہ تینوں قبریں اب ایک گاؤں میں ہیں جس کا نام روحین ہے، یہ گاؤں حلب کے دیہات میں سے ہے ان قبروں پر مقبرہ بنا دیا گیا ہے اور لوگ ان کی زیارت کے لئے وہاں جاتے ہیں، اس زیارت گاہ کی آمدنی کے لئے بہت سے اوقاف ہیں اور درگاہ پر بہت سے مجاور اور خادم رہتے ہیں۔ (بحوالہ سیرتِ حلبیہ)

اسی طرح ایک واقعہ علامہ واقدی نے اپنی ایک سند سے ذکر کیا ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنی خثعم کے لوگ ایک بت کے پاس بیٹھے ہوئے اس بت سے اپنے کسی جھگڑے کا فیصلہ مانگ رہے تھے، ابھی یہ لوگ وہاں بیٹھے ہوئے ہی تھے کہ اچانک انہیں فضا میں کسی پکارنے والے کی آواز آئی جو کہہ رہی تھی۔

یا ایھا الناس ذوالا جسام ومسندو الحکم الی الاصنام

ترجمہ......اے جسم اور عقل وشعور رکھنے والے لوگو! تم نے اپنے معاملات ان پتھر کے بے جان اور بے حس بتوں کے حوالے کر دیئے۔

اماترون ما اریٰ امامی من ساطع و جلود جی الظلام

کیا تم ایسی روشنی کو نہیں دیکھ رہے ہو جسے میں اپنے سامنے پا رہا ہوں اور جو اندھیروں کو مٹاتی جارہی ہے۔

ذاک نبیّ سید الانام من ھاشم فی ذروۃ السنام

وہ بنی آدم کے سردار اور عظیم نبی ہیں، جو بنی ہاشم کی معزز نسل سے تعلق رکھتے ہیں

مستعلن بالبلد الحرام جاء یھدا لکفر بالا سلام

وہ نبی اس محترم شہر میں اپنی نبوت کا اعلان کر رہے ہیں اور گمراہوں کو اسلام کے ساتھ ہدایت دینے کے لیے آئے ہیں۔ اکر م الرحمن من امام: اور جن کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے بڑے اعزاز عطا فرمائے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر تک وہ لوگ ان شعروں کو دہراتے رہے اور جب ان کو یاد ہو گئے تو وہ لوگ وہاں سے اٹھ گئے۔ ابھی اس واقعہ کو تین دن بھی نہ گزرے تھے کہ اچانک انہیں خبر ملی کہ مکے میں رسول اللہ ﷺ ظاہر ہوئے ہیں۔ یعنی اس سے پہلے وہاں کوئی آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا بلکہ اس واقعہ کے ایک دو دن بعد بالکل اچانک انہیں آپ ﷺ کے ظہور کا حال معلوم ہوا، پھر بھی خثعمی قوم کے یہ لوگ فوراً ہی مسلمان نہیں ہوئے بلکہ کافی عرصے کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ زمل ابن عمرو غدری کا ہے وہ کہتے ہیں کہ بنی غدرہ کا جو یمن کا ایک قبیلہ تھا، ایک بت تھا جس کا نام خمام تھا، یہ قبیلہ اس بت کی بہت عزت وعظمت کرتا تھا مگر یہ بُت بنی ہند ابن حرام کا تھا اور اس بت کے خادم کا نام طارق تھا۔ اس طارق (کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ اس) کے بارے میں کتاب نور میں یہ بھی لکھا ہے کہ نہ تو اس

کے متعلق تفصیلات معلوم ہوسکیں اور نہ یہ پتہ چل سکا کہ آیا یہ مسلمان ہوا تھا یا نہیں، غرض یہ لوگ اس بت کے سامنے اکثر جانوروں کی قربانیاں پیش کرتے تھے۔ اسی زمانے میں جب رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہو چکا تھا ہم نے ایک دن ایک آواز سنی جو یہ کہہ رہی تھی۔

"اے بنی ہند ابن حرام حق اور سچائی ظاہر ہوگئی۔ خمام بت تباہ ہو گیا اور اسلام نے شرک کو ختم کر دیا"۔ زمل کہتے ہیں کہ اس غیبی آواز سے ہم لوگ بہت گھبرائے اور خوف زدہ ہوئے پھر کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک روز پھر ہم نے اسی طرح کی ایک آواز سنی جو یہ کہہ رہی تھی۔

"اے طارق۔ اے طارق۔ وہ سچے نبی ظاہر ہو گئے، جو صاف صاف وحی کا سلسلہ ساتھ لائے ہیں۔ تہامہ میں ایک اچانک اور زبردست ہلچل پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اس نبی کے مددگاروں کے حق میں سلامتی اور امن ہے اور ان کے جھٹلانے والوں کے نصیب میں ندامت اور رسوائی ہے۔ بس اب میں قیامت تک کے لئے رخصت ہوتا ہوں"۔ اس کے ساتھ ہی خمام نامی وہ بت منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔

اب اگر یہ آواز اس بت کے اندر سے آئی تھی۔ جیسا کہ آخری جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب میں قیامت تک کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ اس قسم میں شمار نہیں کیا جانا چاہئے جن کا بیان چل رہا ہے (کیونکہ یہ بیان اس قسم کے واقعات کا چل رہا ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے متعلق اچانک فضاؤں میں آوازیں گونجیں۔ کسی درخت، پتھر یا بت اور ذبح شدہ جانور کے اندر سے نہیں ابھریں) لیکن اگر اس واقعہ میں بھی مراد یہی ہے کہ یہ آواز حمام بت کے اندر سے نہیں آئی تھی بلکہ فضا میں سے سنائی دی تھی تو پھر اس جگہ اس واقعہ کا ذکر ٹھیک ہو جاتا ہے۔

غرض زمل کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں نے فوراً ایک اونٹنی خریدی اور اس پر سوار ہو کر اپنی قوم کے کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں پہنچ کر میں نے یہ شعر پڑھے۔

الیک رسول اللّٰہ اعلمتھا انصھا النص ھو الغایۃ فی السیر

ترجمہ......یارسول اللہ! میں نے اپنی اونٹنی کو روانہ کیا جس کی منزل آپ ہی تھے۔

اکفلھا حزنا وقوزاً من الرمل لا نصر خیر الناس قصوراً موزرا

میں اس اونٹنی پر اونچے اونچے اور ریتیلے ٹیلے عبور کر کے آیا ہوں تاکہ میں سب سے بہترین انسان یعنی آپ کی زیادہ سے زیادہ مدد کروں۔

واعقد حبلا من حبالک فی حبلیٰ واشھد ان اللّٰہ لا غیرہ

اور تاکہ آپ سے ایک مضبوط اور پختہ عہد کروں اور گواہی دوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ما اقلت قلمی نعلی. میرے جوتوں نے مجھے آپ تک پہنچنے میں بالکل نہیں تھکایا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ تمیم داری کا ہے ان کا لقب ابورقیہ تھا رقیہ ان کی بیٹی کا نام تھا اور اس بیٹی کے سوا ان کے کوئی اولاد نہیں تھی رسول اللہ ﷺ نے دجال کے متعلق دجال کے ساتھ جساسہ کا واقعہ منبر پر کھڑے ہو کر ان ہی کے حوالے سے بیان کیا اور فرمایا کہ مجھے تمیم داری نے بتلایا۔ اس کے بعد آپ نے وہ قصہ بیان فرمایا۔ اسی کی بنیاد پر بعض علماء نے لکھا ہے کہ بڑوں کا اپنے چھوٹوں سے، روایت بیان کرنے کا جو اصول محدثین ثابت کرتے ہیں یہ اس کی سب سے بہترین مثال ہے، اسی اصول کی بنیاد کے طور پر ایک یہ واقعہ بھی پیش کیا جاتا ہے جو اس طرح ہے کہ ایک دن ابوبکر صدیقؓ اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا! ''کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی دعا سنی ہے''؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا! ''میں نے آنحضرت ﷺ سے ایک دعا سنی ہے جو آپ ہمیں بتلایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ دعا اپنے اصحاب کو سکھلایا کرتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ! ''اگر تم میں سے کسی پر ایک سونے کے پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو (اور وہ اس دعا کو پڑھتا رہے) تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس شخص کے اتنے زبردست قرض کو بھی ادا کرا دے گا۔'' پھر آپ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کی وہ دعا یہ تھی۔

"اَللّٰهُمَّ فَارِجَ الْهَمِّ كَاشِفَ الْغَمِّ، مُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ، رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ رَحِيْمَهَا اَنْتَ تَرْحَمُنِيْ فَارْحَمْنِيْ بِرَحْمَةٍ تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ" (حدیث)

ترجمہ: "اے اللہ! غموں کے کھولنے والے، پریشانیوں کے دور کرنے والے، بے چین لوگوں کی دعاؤں کے قبول کرنے والے، دنیا اور آخرت دونوں عالموں میں مہربانی اور رحم کرنے والے، تو ہی مجھ پر رحم فرماتا ہے، پس مجھ پر رحم اور رحمت فرما، جو ایسی زبردست اور بے پایاں رحمت ہو کہ جو تیرے سوا دوسروں کی مہربانیوں اور منت پذیری سے مستغنی اور بے پروا کردے"

(اسی دعا کی تاثیر کے سلسلے میں) حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مجھ پر کچھ قرض تھا۔ اس قرض کی ادائیگی میرے لئے دشوار ہو رہی تھی میں نے اسی دوران میں یہ دعا پڑھی جس کی برکت سے وہ قرض ادا کرنا میرے لئے آسان ہو گیا۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہوا اس زمانے میں میں ملک شام میں تھا اسی دوران میں ایک دن اپنے کچھ کاموں کے سلسلے میں وہاں سے روانہ ہوا۔ سفر میں مجھے رات ہو گئی (چونکہ بہت لوگ تنہا بھی سفر میں جایا کرتے تھے اور رات ہونے پر وہ اکیلے ہی صحراؤں اور جنگلوں میں رات گزارا کرتے تھے جہاں ان کو جنات سے خطرہ رہتا تھا اس لئے وہ لوگ ایسے موقع پر جہاں بھی ٹھہرتے تو اس طرح کی دعا پڑھ کر ٹھہرتے تھے کہ میں اس جگہ کے جن یا یہاں کی طاقتور ترین ہستی یا یہاں کے مالک کی پناہ لے کر ٹھہرتا ہوں۔ اس طرح ان کو اطمینان ہو جاتا تھا کہ اب ہم یہاں کے جن کی پناہ میں آگئے ہیں اور وہ ہمیں پریشان نہیں کرے گا، چنانچہ تمیم داری کہتے ہیں کہ رات گزارنے کے لئے میں ایک وادی میں ٹھہرا اور میں نے یہ دعا پڑھی!" میں اس وادی کے مالک یعنی بڑے جن کی پناہ اور امان میں یہاں ٹھہرتا ہوں"۔

اس کے بعد جب میں وہیں ایک جگہ سونے کے لئے لیٹا تو اچانک مجھے کسی

پکارنے والے کی آواز آئی جبکہ بولنے والا کہیں نظر نہیں آیا۔ وہ آواز یہ کہہ رہی تھی! ''تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں جنات کو کسی کو پناہ دینے کی مجال نہیں ہے۔'' یہ آواز سن کر میں نے کہا! اس بات سے تیری کیا مراد ہے۔ اس پر یہ جواب سنائی دیا، یہ کہ رسول امی ظاہر ہو چکے ہیں اور ہم یعنی جنات حجون کے مقام پر ان کے پیچھے نماز پڑھ چکے ہیں یہ حجون مکے کا قبرستان ہے جس کو معلاۃ بھی کہا جاتا تھا۔ ہم جنات ان پیغمبروں پر ایمان لا چکے ہیں اور ان کے پیرو بن چکے ہیں اب جنات کا فریب ختم ہو گیا ہے (یعنی اب وہ لوگ آسمانوں کے قریب جا کر چھپ چھپ کر وہاں کی ٹوٹی پھوٹی خبریں نہیں سن سکتے جو وہ کاہنوں کو بتلا دیا کرتے تھے اور اس طرح لوگ کاہنوں اور جنوں کو غیب داں سمجھتے تھے) کیونکہ جنات کو رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے وقت سے آسمانوں تک پہنچنے کی ممانعت ہو گئی اور ان کو اب ستارے اور شہاب مار مار کر وہاں سے بھگا دیا جاتا ہے۔ اسی لئے محمد ﷺ کے پاس جا اور مسلمان ہو جا۔''

تمیم داری کہتے ہیں کہ (یہ آواز سن کر میں رات بھر اسی کے متعلق سوچتا رہا آخر) صبح ہوئی تو دیر ایوب میں جو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ تھی وہاں گیا اور میں نے راہب سے سارا واقعہ سنایا۔ یہ سن کر اس نے کہا! ''انہوں نے یعنی جنات نے تم سے ٹھیک کہا ہے، ہم اپنی کتابوں میں یہ ذکر پاتے ہیں کہ وہ نبی حرم یعنی مکے میں ظاہر ہوں گے اور ان کی ہجرت گاہ حرم یعنی مدینہ ہو گی اور یہ کہ وہ سب سے بہترین نبی ہوں گے۔ اس لئے پہلی فرصت میں ان کے پاس پہنچو۔

تمیم داری کہتے ہیں کہ راہب کی بات سن کر میں نے فوراً ہی سفر کا انتظام کیا یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔''

اس روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تمیم داری آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے مکے میں مسلمان ہوئے ہیں لیکن اس بارے میں اختلاف ہے اگرچہ ایک جگہ تو ایسی روایت کے آخر میں یہ لفظ تک صاف صاف موجود ہیں کہ۔ پھر میں

مکے گیا اور آنحضرت ﷺ سے ملا، اس وقت آپ چھپے ہوئے تھے میں فوراً آپ پر ایمان لے آیا، مگر بعض محدثوں نے لکھا ہے کہ یہ روایت غلط ہے کیونکہ تمیم داری حقیقت میں ۹ھ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح فضاؤں میں آنحضرت ﷺ کے متعلق آوازیں بلند ہونے کا ایک واقعہ اور ہے جس کو حضرت سعید بن جبیرؓ نے بیان کیا ہے کہ بنی تمیم کے ایک شخص نے اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا! ''میں ایک رات ریگستان میں سفر کر رہا تھا کہ اچانک مجھ کو نیند آنے لگی میں نے اپنی سواری سے اتر کر اس کو ایک طرف بٹھا دیا اور خود پڑ کر سو گیا سونے سے پہلے میں نے حفاظت کے لئے دعا پڑھی!'' میں جنات سے اس وادی کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں''

اس کے بعد میں سو گیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ایک ہتھیار لئے ہوئے ہے اور اس کو میری اونٹنی کی گردن پر مارنا چاہتا ہے۔ اسی وقت گھبرا کر میری آنکھ کھل گی، میں نے جلدی سے چاروں طرف دیکھا مگر مجھے کوئی نظر نہیں آیا، میں نے سوچا کہ یہ پریشان خیالی کے خواب ہیں اس لئے میں نے پھر وہی دعا پڑھی، اور دوبارہ پڑ کر سو گیا، مگر اس دفعہ پھر میں نے ویسا ہی خواب دیکھا اور یہ کہ میری اونٹنی کانپ رہی ہے غرض میں تیسری بار پھر سو گیا تو پھر میں نے وہی سب کچھ دیکھا میں فوراً جاگ اٹھا اور دیکھا کہ میری اونٹنی بے چین اور گھبرائی ہوئی ہے میں جوں ہی اونٹنی کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے ایک نوجوان آدمی کو وہاں کھڑے ہوئے دیکھا جو ہو بہو ویسا ہی تھا جیسا آدمی مجھے خواب میں نظر آیا تھا اس نوجوان کے ہاتھ میں ایک ہتھیار بھی تھا ساتھ ہی مجھے ایک بوڑھا شخص بھی نظر آیا جو اس نوجوان کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور اس کو میری اونٹنی کے پاس جانے سے روک رہا تھا ، اسی بات پر ان دونوں میں کشمکش اور کھینچ تان ہو رہی تھی، ابھی یہ دونوں جھگڑ ہی رہے تھے کہ اچانک تین وحشی سانڈ ظاہر ہوئے ان کو دیکھتے ہی اس بوڑھے شیخ نے اس نوجوان سے کہا۔'' آؤ میری پناہ میں آئے ہوئے اس انسان کی اونٹنی کے بدلے میں تم ان تینوں

سانڈوں میں سے کوئی بھی لے لو۔" یہ سن کر وہ نوجوان بڑھا اور اس نے ان میں سے ایک سانڈ پکڑ لیا اور اسے لیکر وہاں سے چلا گیا اب اس نوجوان کے جانے کے بعد وہ بوڑھا شخص میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔"نوجوان! آئندہ تم جب بھی کسی وادی میں رات کے وقت پہنچو اور وہاں تمہیں ڈر محسوس ہو تم یہ دعا پڑھا کرو!"اس وادی کے خطرات سے میں محمد ﷺ کے پروردگار اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

تم اب جنات میں سے کسی کی حفاظت مت مانگا کرو اس لئے کہ جنوں کا زور اب ٹوٹ چکا ہے۔ میں نے یہ سن کر پوچھا کہ محمد کون ہیں، اس نے کہا!"وہ نبی عربی ہیں جو نہ صرف مشرق والوں کے لئے ہیں اور نہ صرف مغرب والوں کے لئے ہیں۔" میں نے پوچھا !"ان کا ٹھکانا کہاں ہے" اس نے کہا!"نخلستانوں والا یثرب" میں اسی وقت اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا۔ آخر مدینے پہنچ کر میں نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی، ابھی میں نے آپ سے کچھ بتلایا بھی نہیں تھا کہ آپ نے مجھے میرا خواب سنایا اور پھر اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، چنانچہ میں اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

اس آخری حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد کا ہے ظہور کے وقت کا نہیں ہے جبکہ یہاں ان واقعات کا ذکر چل رہا ہے جو آپ کے ظہور کے وقت پیش آئے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ یہ ہے جس کو ایک صحابی نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ میں اپنے اونٹوں کو چرانے کے لئے گیا، اس وقت ہمارا عقیدہ یہ تھا کہ جب ہم کسی وادی میں پہنچ کر رات گزارتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے کہ! ہم اس وادی کے بڑے کی پناہ مانگتے ہیں۔ غرض میں نے اپنی اونٹنی کو وہیں باندھا اور یہی دعا پڑھی اسی وقت مجھے ایک پکارنے والے کی آواز سنائی دی جو یہ کہہ رہا تھا۔

ویحک عذ باللہ ذی الجلال منزل الحرام والحلال

ترجمہ...... تجھے برائی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی پناہ مانگ جو جلال والا ہے اور

حرام اور حلال کو اتارنے والا ہے۔

ووحد اللّٰہ و لا تبال ماکید ذی الجن من الاھوال

ترجمہ..... اللہ تعالیٰ کو ایک جان اور کوئی فکر نہ کر کیونکہ پھر جنات کے مکر اور فریب سے کوئی پریشانی پیدا نہیں ہوگی۔

اذیذ کر اللّٰہ علی الاحوال وفی سھول الارض والجبال

تجھے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے چاہے تو میدانوں میں ہو اور چاہے بھیانک پہاڑوں میں۔

وصار کید الجن فی سفال الا النبی و صالح الاعمال

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جنات کا مکروفریب پاش پاش ہو جائے گا اور اس کے نبی اور نیک عمل کے اثرات باقی رہیں گے۔ یہ سن کر میں نے اس پکارنے والے سے کہا!

یا ایھا القائل ماتقول ارشد عندک ام تضلیل

ترجمہ..... اے صدا دینے والے تو کیا کہہ رہا ہے جو کچھ کہہ رہا ہے وہ درست ہے یا غلط۔ جواب میں آواز آئی!

ھذا رسول اللّٰہ ذوالخیرات جاء یٰسین و حا میمات

یہ رسول اللہ ہیں نیکیوں والے، جو سورۃ یٰسین اور وہ سورتیں لے کر آئیں ہیں جن کے شروع میں حٰم ہے۔

و سور بعد مفصلات یا مربا صلاۃ و الذکات

نیز کچھ ایسی سورتیں جو مفصل سورتوں کے بعد ہیں جن کے ذریعے نماز اور زکواۃ کا حکم دیا گیا ہے۔

ویذ جر الا قوام عن ھنات قد کن فی الاسلام منکرات

وہ پیغمبر اپنی قوم کو برائیوں سے روکتے ہیں ان چیزوں سے جو اسلام کے آنے کے بعد برائیاں بن گئی ہیں۔ میں نے یہ آواز سن کر کہا! ”اگر کوئی شخص اس وقت میرے یہ اونٹ

لے جا کر میرے گھر پہنچانے کا ذمہ لے تو ان پیغمبر کے پاس حاضر ہو کر میں ابھی مسلمان ہو جاؤں۔'' جواب میں وہی آواز سنائی دی کہ اونٹوں کو پہنچانے کا میں ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ میں اسی وقت ایک اونٹ پر سوار ہو کر آپ کے پاس حاضر ہوا، اس وقت آنحضرت ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے ایک روایت میں اس طرح ہے کہ میں جمعہ کے دن وہاں پہنچا جبکہ لوگ نماز جمعہ میں مصروف تھے۔ میں ابھی اپنے اونٹ کو باندھ ہی رہا تھا کہ حضرت ابوذر غفاری ؓ مسجد سے نکل کر میرے پاس آئے اور بولے! ''رسول اللہ ﷺ تم کو فرما رہے ہیں کہ اندر آ جاؤ'' میں فوراً ہی مسجد کے اندر گیا آپ نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

اس شخص نے کیا کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس بوڑھے شیخ نے کیا کیا جس نے تمہارے اونٹوں کو تمہارے گھر پہنچانے کی ذمہ داری لی تھی۔ کیا اس نے وہ اونٹ صحیح سالم ہی نہیں پہنچا دیئے۔

جاہلیت کے زمانے میں عربوں کا جو یہ دستور تھا کہ جب وہ کسی تاریک اور بھیانک وادی میں بسیرا لیتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے میں اس وادی کے شریروں سے یہاں کے سردار اور بڑے کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس طرح ذکر فرمایا اور اپنے نبی کو اس کی خبر دی۔ ''وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا'' (پ۲۹ سورۃ جن ع۱) ترجمہ: اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے کہ وہ جنات میں سے بعض لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے سو ان آدمیوں نے ان جنات کی بد دماغی بڑھا دی۔

یعنی جاہلیت کے زمانے میں لوگ جب سفر پر جاتے اور کسی بھیانک اور وحشت ناک جگہ پر انہیں پڑاؤ کرنا پڑتا تو وہ جنات سے پناہ اور امان طلب کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ اس وقت یہ کہا کرتے تھے کہ میں اس جگہ کے شریروں سے یہاں کے سردار اور بڑے جن کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنات کے سردار بہت ہی زیادہ سرکش اور مغرور ہو گئے، کیونکہ جب انسان ان کی پناہ طلب کرتے تو وہ کہتے کہ اب ہم انسانوں اور جنوں دونوں کے

سردار بن گئے ہیں۔

اسی طرح ایک اور واقعہ جس کو وائل ابن حجر حضرمی نے بیان کیا ہے، ان کا لقب ابو ہُنیدہ تھا یہ حضرموت کے رئیسوں میں سے ایک تھا اور ان کا باپ وہاں کے بادشاہوں میں سے تھا غرض وائل کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے میرے آنے سے پہلے ہی اپنے صحابہ کو میری آمد کی خبر دیدی تھی اور فرمایا تھا۔

''تمہارے پاس وائل ابن حجر حضرموت کی دور دراز سرزمین سے آرہا ہے۔ اسے اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی محبت لے کر آرہی ہے اور وہ وہاں کے بادشاہوں کی نشانی ہے'' وائل کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے جو بھی مجھ سے ملا اس نے مجھ سے کہا! ''تمہاری آمد سے بھی تین دن پہلے رسول اللہ ﷺ ہمیں تمہارے آنے کی خبر دے چکے تھے۔'' غرض جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مرحبا کہہ کر میرا استقبال کیا اور مجھے اپنے قریب بلایا، آپ نے مجھے اپنے برابر بٹھایا اور میرے لئے اپنی چادر بچھا کر مجھے اس پر بٹھایا پھر آپ نے مجھے یہ دعا دی۔ ''اے اللہ! وائل ابن حجر اور اس کی اولاد کی اولاد میں برکت عطا فرما۔'' اس کے بعد آپ منبر پر چڑھے اور مجھے اپنے ساتھ کھڑا کر لیا پھر آپ نے فرمایا۔

''لوگو یہ وائل ابن حجر ہیں جو حضرموت جیسی دور دراز سرزمین سے اسلام کی محبت کی خاطر آئے ہیں۔'' میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے آپ کے ظہور کی خبر ملی تو اس وقت میں ایک بڑی حکومت کا مالک تھا مگر پھر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور رحمت تھی کہ میں نے سب عیش و آرام کو ٹھکرا دیا اور اللہ تعالیٰ کے دین کو پسند کر لیا۔ آپ نے فرمایا! ''تو نے ٹھیک کہا۔ اے اللہ! وائل ابن حجر، اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں برکت عطا فرما۔''

غرض یہ وائل ابن حجرؓ کہتے ہیں کہ میرے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا سبب یہ ہوا کہ میرے پاس ایک بت تھا جو یاقوت کا بنا ہوا تھا ایک روز جبکہ میں سو رہا تھا مجھے اچانک ایک آواز آئی جو اس کمرے سے آرہی تھی جہاں وہ بت رکھا ہوا تھا میں فوراً گھبرا کر بت کے پاس آیا اور اس کو سجدہ کیا۔ اسی وقت کسی کہنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا۔

وَاَعْجَباً لوائل ابن حجر   نحال یدری وھو لیس یدری

تعجب ہے وائل ابن حجر پر جو اپنے بارے میں یہ سمجھتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے حالانکہ وہ بے خبر ہے۔

ماذا یرجی من نحیت صحر   لیس بذی نفع ولا ضر

یہ کیا توقع رکھتا ہے ان پتھر کے تراشے ہوئے بتوں سے جن سے نہ کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ نقصان۔ لو کان ذا حجر اطاع امری کاش یہ بت پرست میری بات مانتا۔ یہ سن کر میں نے کہا "نصیحت کرنے والے میں نے تمہاری آواز سن لی اب تم مجھے کیا حکم دیتے ہو۔" اس نے کہا۔

ارجل الی یثرب ذات النخل   تدین دین الصائم المصلی

ترجمہ..... تو یثرب کے نخلستانوں کی طرف جا اور اس نئے نبی کا دین اختیار کر جو روزے رکھنے والا اور نمازیں پڑھنے والا ہے۔ محمد النبی خیر الرسل یعنی نبی کریم محمد ﷺ جو سب پیغمبروں میں بہترین اور افضل ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ بت منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گی پھر خود میں نے آگے بڑھ کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اس کے بعد میں بڑی تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچا اور مسجد نبوی میں داخل ہوا (جبکہ یہاں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو پہلے ہی ان کے متعلق خبر دیدی تھی)۔

(بحوالہ سیرت حلبیہ جلد اول نصف اول)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۶۷

رسول اکرم ﷺ کے ناموں کے نقوش مختلف چیزوں پر نظر آئے

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ سرسٹھویں خصوصیت پیش کی جارہی ہے، جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کے ناموں کے نقوش مختلف چیزوں پر نظر آئے" الحمدللہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے

بہر حال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے ناموں کے نقوش مختلف چیزوں پر نظر آئے، بے شک یہ آپ ﷺ ہی کہ خصوصیت کا مظہر ہے جبکہ دیگر انبیاء کرامؑ کے بارے میں کہیں نہیں ملتا کہ ہمارے نبی ﷺ کی طرح ان کے ناموں کے نقوش بھی مختلف چیزوں پر نظر آئے ہوں ہمارے نبی ﷺ کے ناموں کے نقوش کہاں کہاں نظر آئے۔ آنے والے اوراق میں اس کی تفصیل کو مستند حوالوں کے ساتھ لکھا گیا ہے، جیسا کہ آپ ابھی ملاحظہ فرمائیں گے، اس تفصیل کو پڑھنے کے بعد انشاء اللہ ایمان میں بھی اضافہ ہوگا اور پیغمبر ﷺ سے محبت کو بھی جلا ملے گی دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین

سرسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

خراسان کے ایک پہاڑ پر انحضرت ﷺ کے نام کا نقش

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ۴۵ھ میں خراسان میں ایک زبردست اور خوفناک آندھی آئی کہ جس سے قوم عاد پر عذاب کی شکل میں آنے والے آندھی کا تصور ہوتا تھا یہاں تک کہ آندھی کے نتیجے میں پہاڑ تک پلٹ گئے (یعنی بڑی بڑی چٹانیں الٹ گئیں) اور وحشی جانور

بدحواس ہوکر بھاگنے لگے۔ لوگوں کو یقین ہوگیا کہ قیامت کا وقت آ گیا ہے چنانچہ بہت زور سے کلمہ واستغفار پڑھنے لگے۔ اسی دوران میں اچانک ان کی نظر اٹھی تو انہوں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک زبردست نور اتر رہا ہے اور ان پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر آ رہا ہے۔ اسی وقت لوگوں نے وحشی جانوروں کی طرف دیکھا کہ اب وہ (بدحواس ہوکر بھاگنے کے بجائے) اچانک مڑ کر اسی پہاڑ کی طرف جانے لگے جس پر وہ نور اتر رہا تھا۔ اب لوگ بھی جانوروں کے ساتھ ساتھ اسی پہاڑ کی طرف چلے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے ایک پتھر دیکھا جو ایک ہاتھ لمبا تھا اور تین انگل چوڑا تھا۔ اس پتھر پر تین سطور قدرتی طور پر لکھی ہوئی تھیں۔ پہلی سطر یہ تھی۔ ''میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس لئے میری عبادت کرو۔'' دوسری سطر یہ تھی'' محمد ﷺ جو قریشی ہیں اللہ کے رسول ہیں'' تیسری سطر یہ تھی''مغرب میں پیش آنے والے واقعہ سے بچو اس لئے کہ وہ ان سات یا تین میں ہوگا (جو اخیر زمانے کی نشانیوں میں سے ہوں گے۔ مغرب سے مراد یہاں سمت مغرب بھی ہوسکتی ہے اور ملک مراکش بھی ہوسکتا ہے جس کو عام طور پر مغرب کہا جاتا ہے۔ اور قیامت قریب آ چکی ہے۔''

آسمانوں اور جنتوں میں ہر جگہ آنحضرت ﷺ کے نام کے نقش

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آدمؑ نے فرمایا۔ میں تمام آسمانوں میں گھوما، آسمانوں میں میں نے ایسا کوئی مقام نہیں دیکھا جہاں محمد ﷺ کا نام لکھا ہوا نہ ہو، نہ ہی مجھے جنت میں کوئی ایسا محل اور کھڑکی نظر آئی جس پر آپ کا نام نامی لکھا ہوا نہ ہو اسی طرح میں نے آنحضرت ﷺ کا نام حورعین کی گردنوں پر اور جنت میں بانس کے درختوں تک پر لکھا ہوا پایا اسی طرح جنت میں شجرہ طوبیٰ، سدرۃ المنتہیٰ بیری کے درخت اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان اور ہر پردے میں آپ کا نام لکھا ہوا پایا مگر بعض محدثین نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ (بحوالہ سیرت حلبیہ)

لوح محفوظ میں قلم کی سب سے پہلی تحریر اور آپ ﷺ کا ذکر

ایک قول ہے کہ لوح محفوظ میں (یعنی اس تختی پر جس پر کہ اس عالم کے بنانے سے پہلے یہاں پیش آنے والا چھوٹا اور بڑا ایک ایک واقعہ لکھ دیا گیا ہے اس پر) قلم نے سب سے پہلے جو قلمات لکھے وہ یہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم انی انا اللہ لا الہ الا انا محمد رسولی .الخ

ترجمہ: آغاز ہے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ محمد ﷺ میرے رسول ہیں۔ جو شخص میری تقدیر پر راضی رہا اور جس نے میری بھیجی سختیوں پر صبر کیا اور جس نے میری بھیجی ہوئی نعمتوں پر شکر ادا کیا اور جو میرے فیصلوں پر سر جھکا تا رہا میں اس کا نام صدیقین (بلند مقام میں لکھوں گا اور قیامت کے دن اس کو صدیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا)

ایک روایت میں یہ ہے کہ لوح محفوظ کے شروع میں یہ کلمات لکھے ہوئے ہیں "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کا دین اسلام ہے محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جو اس بات پر ایمان لائے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔"

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو حکم دیا کہ اگلی اور پچھلی تمام باتیں لکھ دے تو اس نے عرش کے پردوں پر یہ کلمہ لکھا **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ.**

اس بارے میں روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے (کیونکہ یہاں روایتوں کے اختلاف کے علاوہ لوح محفوظ اور عرش کے پردوں دونوں کا دو روایتوں میں ذکر ہوا ہے کہ قلم کو جب اللہ تعالیٰ نے اگلے اور پچھلے واقعات لکھنے کا حکم دیا تو ایک روایت کے مطابق قلم نے لوح محفوظ پر لکھا اور دوسری روایت کے مطابق اس نے عرش کے پردوں پر لکھا) اب یہاں روایت کے ظاہر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب قلم کو اگلی پچھلی تمام باتیں لکھنے کا حکم دیا گیا تو سب سے پہلے اس نے عرش کے پردوں پر وہ کلمہ لکھا جو بیان ہوا اور اس کے بعد اس کو

جس چیز کے لکھنے کا حکم دیا گیا اس نے اسکو تحریر کیا۔ جیسا کہ جب اس کو حکم دیا گیا تھا تو اس نے لوح محفوظ میں وہ کلمات لکھے تھے جو بیان ہوئے۔ یہ مراد روایتوں کے ظاہر سے معلوم ہوتی ہے اور اگر حقیقت میں یہی مراد ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قلم نے اگلی اور پچھلی تمام باتیں لوح محفوظ اور عرش کے پردوں دونوں پر لکھیں۔

اسی طرح ایک روایت ہے جسے حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آدمؑ نے فرمایا: ”میں نے شجر طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ اور جنت کے بانسوں کے درختوں کے پتوں پر آنحضرت ﷺ کا نام نامی لکھا ہوا دیکھا۔“ (حوالہ بالا)

درختوں کے پتوں پر آپ ﷺ کے نام کے نقش

اسی طرح ایک بزرگ نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ ہم جہاد میں تھے اسی دوران میں اتفاق سے ایک جھاڑی میں پہنچ گیا وہاں میں نے ایک درخت دیکھا جس پر سرخ رنگ کے پتے پر سفید رنگ میں لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ.

اسی طرح ایک بزرگ سے روایت ہے کہ میں نے ایک جزیرے میں ایک بہت بڑا درخت دیکھا جس کے پتے بھی بہت بڑے بڑے تھے اور بہت خوشبودار تھے۔ ان سب سبز رنگ کے پتوں پر سرخ اور سفید رنگ سے بڑے بڑے صاف اور واضح انداز میں قدرتی طور پر پتے کے اندر تین سطریں لکھی ہوئی تھی۔ پہلی سطر میں یہ لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ دوسری سطر میں یہ لکھا تھا محمد رسول اللہ اور تیسری سطر میں یہ تحریر تھا کہ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔ ایسے ہی ایک اور بزرگ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں ہندوستان کے علاقے میں گیا۔ وہاں کے ایک گاؤں میں میں نے ایک سیاہ رنگ کا گلاب کا پودا دیکھا جو ایک بڑے سیاہ گلاب میں سے پھوٹ رہا تھا۔ اس میں بڑی عمدہ خوشبو آرہی تھی اور پر سفید رنگ میں یہ لکھا ہوا تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر ن الصدیق عمر الفاروق

مجھے اس کو دیکھ کر شک ہوا کہ شاید ایسا ہاتھ سے لکھا گیا ہو۔ اس لئے میں ایک دوسرے گلاب کی طرف گیا جو ابھی کھلا نہیں تھا مگر اس میں بھی وہی عبارت نظر آئی جو دوسری تمام پتیوں پر تھی۔ اس بستی میں اس قسم کے پودے بہت سارے ہیں حالانکہ اس علاقے کے لوگ بتوں اور پتھروں کو پوجنے والے ہیں۔ (بحوالہ سیرت حلبیہ)

گلاب کی پنکھڑی پر عجیب تحریر

ابن مرزوق نے شرح بردہ میں کسی بزرگ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ ہم بحر ہند کے گہرے پانیوں میں سفر کر رہے تھے اچانک ایک زبردست آندھی چلی۔ ہماری کشتی ہوا کے زور میں ایک جزیرے پر پہنچ گئی وہاں ہم نے ایک سرخ گلاب کا پودا دیکھا۔ یہ گلاب بڑا خوشبودار تھا اور اس پر زرد رنگ میں یہ لکھا ہوا تھا۔ ”رحمٰن و رحیم کی جانب سے نعمتوں سے بھرپور جنتوں تک پہنچنے کے لئے یہ فرمان اور پروانہ مقرر کیا گیا ہے۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**۔

اسی طرح ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے علاقوں میں ایک درخت دیکھا جس پر بادام کے جیسا پھل لگتا ہے اور اس پر دو چھلکے ہوتے ہیں اسے توڑا جائے تو اس میں سے سبز رنگ کا ایک لپٹا ہوا پتہ سا نکلتا ہے اور اس پر یہ لکھا ہوا ہوتا ہے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** یہ کلمہ اس پر بڑے صاف الفاظ میں لکھا ہوتا ہے وہاں کے لوگ اس درخت سے برکت حاصل کرتے ہیں اور اگر خشک سالی کا زمانہ ہوتا ہے تو اس سے بارش کی دعا مانگتے ہیں۔

کتاب مزیل الخفاء میں بھی یہ واقعہ ذکر ہے مگر اس میں صرف **لا الہ الا اللہ** لکھا ہوا ہونے کا ذکر ہے۔ اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا یہ روایت ہمارے اس موضوع کی دلیل نہیں بنے گی (جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا نام نامی پتھروں اور درختوں وغیرہ پر لکھا ہوا پایا گیا)۔

اسی طرح ایک روایت ہے جس کو علامہ حافظ سلفی نے کسی سے نقل کیا ہے کہ ہندوستان کے ایک علاقے میں ایک درخت ہے جس کے پتے ہلکے سبز ہوتے ہیں اور ہر پتے پر گہرے سبز رنگ میں لکھا ہوا ہوتا ہے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اس علاقے کے لوگ بت پرست تھے وہ اس درخت کو کاٹ ڈالتے تھے اور کچھ جڑیں باقی رہنے دیتے تھے یہ درخت بہت تھوڑے سے وقت میں پھر دوبارہ بڑھ کر اپنی اصلی حالت پر آجاتا تھا۔ آخر ایک دفعہ انہوں نے سیسہ پگھلا کر اس کی جڑ میں بھر دیا مگر اس سیسے کے چاروں طرف سے درخت کی چار شاخیں پھوٹیں اور ہر شاخ پر **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا ہوا تھا۔ اس (حیرت ناک کرامت) کو دیکھ کر وہ لوگ اس درخت سے برکت حاصل کرنے لگے اور بیماریوں میں اس کو شفاء حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنے لگے۔ وہ اس کو زعفران اور دیگر بہترین خوشبوؤں کے ساتھ استعمال کرنے لگے۔ (حوالا بالا)

انگور کے دانے میں لفظ محمد ﷺ کا نقش

اسی طرح ایک روایت ہے کہ ۸۰۷ھ ۸۰۹ھ میں انگور کا ایسا دانہ پایا گیا تھا جس میں سیاہ رنگ سے بہت صاف صاف محمد لکھا ہوا تھا۔

جانوروں کے جسموں پر آنحضرت ﷺ کے نام کے قدرتی نقوش

ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک مچھلی شکار کی تھی جس کے دائیں جانب **لا الہ الا اللہ** لکھا ہوا تھا اور بائیں جانب **محمد رسول اللہ** ﷺ تحریر تھا راوی کہتا ہے کہ جب میں نے دیکھا تو میں نے احترام کے طور پر اس کو واپس نہر میں ڈال دیا۔

ایک اور شخص سے حکایت ہے کہ ایک مرتبہ میں مغربی علاقے کے سمندر میں سفر کر رہا تھا ہمارے ساتھ ایک غلام تھا جس کے پاس مچھلی پکڑنے کا جال تھا۔ اس نے اس کو دریا میں ڈالا اور ایک مچھلی پکڑی۔ یہ مچھلی ایک بالشت لمبی تھی۔ ہم نے اس کو دیکھا تو اس کے کان کے پاس "**لا الہ الا اللہ**" لکھا ہوا تھا اور اس کی گردن کی پشت سے لیکر دوسرے کان

کی جگہ "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔ ہم نے یہ دیکھ کر اس مچھلی کو واپس سمندر میں ڈال دیا۔

ایک شخص سے حکایت ہے کہ اس نے ایک مچھلی دیکھی جو سفید رنگ کی تھی اس کی گردن کی پشت پر سیاہ رنگ میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک پرندہ آیا جس کی چونچ میں سبز رنگ کا ایک بادام تھا اس نے اس کو وہیں گرا دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو اٹھا لیا۔ اس کے اندر ایک سبز رنگ کا کیڑا تھا جس پر زرد رنگ سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تحریر تھا۔ (بحوالہ سیرت حلبیہ)

بادلوں کے ظاہر سے ہونے والی کلمے کی تحریر

اسی طرح ایک بزرگ سے روایت ہے کہ طبرستان کے علاقے میں ایک فرقہ تھا جو لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ کو نہیں مانتا تھا یعنی یہ تو مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو تنہا ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے مگر وہ لوگ آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کو نہیں مانتے تھے ان لوگوں کی وجہ سے کافی فتنہ پھیل رہا تھا۔ ایک روز جبکہ سخت گرمی پڑ رہی تھی اچانک ایک سفید بادل ظاہر ہوا اور پھیلنا شروع ہوا یہاں تک کہ مشرق سے مغرب تک وہ بادل چھا گیا اور آسمان اس کے پیچھے چھپ گیا۔ اسی حالت میں جب زوال کا وقت ہوا تو اچانک بادلوں کے اندر بالکل صاف اور واضح انداز میں یہ کلمہ لکھا ہوا ظاہر ہوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ کلمہ زوال سے لے کر عصر کے وقت تک اسی طرح باقی رہا۔ اس حیرت ناک واقعہ کو دیکھ کر اس فرقے کے لوگوں نے فوراً توبہ قبول کر لی۔ ادھر ساتھ ہی وہاں جو یہودی اور عیسائی رہتے تھے ان میں سے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے۔

واقعہ خضرؑ و موسیٰؑ میں دیوار والے خزانے کی حقیقت

اسی طرح حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا

جو یہ ارشاد ہے: **و کان تحتہ کنز لھما** (پ ۱۶ سورہ کہف ع ۹) اتر جمہ: اور اس دیوار کے نیچے ان کا مال مدفون تھا (جو ان کے باپ سے میراث میں پہنچا ہے)۔

سونے کی اس تختی پر عبرت آمیز کلمات اور آنحضرت ﷺ کا نام

یہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کے واقعات کا ایک حصہ ہے جس کو مترجم سیرت حلبیہ اس روایت کے بعد تفصیلی علم کے لئے پیش کرر ہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے خزانے اور مال کے متعلق روایت پہنچی ہے کہ یہ ایک سونے کی تختی تھی اور ایک قول کے مطابق سنگ مرمر کی ایک تختی تھی جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

''اس شخص پر حیرت ہے جو موت پر ایمان رکھتا ہے یعنی مانتا ہے کہ ایک دن اسے اس دنیا کو خیر باد کہنا ہے۔ اور پھر بھی وہ ہنستا اور خوش رہتا ہے۔ اس شخص پر حیرت ہے جو حساب و کتاب پر یقین رکھتا ہے یعنی ایمان رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد (قیامت کے دن) اس کے عمل کا حساب و کتاب ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود بھی غافل رہتا ہے۔ اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے یعنی یہ جانتا ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے تحت ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ (ناگوار حادثوں پر) غمگین ہوتا ہے۔ اس انسان پر حیرت ہے جو دنیا کو اور اس میں رہنے والوں کے ساتھ اس کے الٹ پلٹ اور انقلاب کو دیکھتا ہے اور پھر بھی اس دنیا سے مطمئن اور خوش رہتا ہے۔ **لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ**''

(اسی خزانے کے متعلق) علامہ بیہقی وغیرہ نے حضرت علیؓ سے روایت بیان کی ہے کہ (ان دونوں لڑکوں کا) وہ خزانہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تذکرہ فرمایا ہے سونے کی ایک تختی تھی جس پر یہ لکھا ہوا تھا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ مجھے اس پر حیرانی ہے جو تقدیر الٰہی پر یقین رکھنے کے باوجود (مشکل حالات میں) گھبراتا اور پریشان ہوتا ہے۔ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جس

کے سامنے ذکر آتا ہے جہنم کا لیکن اس کے باوجود بھی اس کے ہونٹوں پر ہنسی باقی رہتی ہے۔ مجھے اس شخص پر حیرت ہے جس کے سامنے موت کا ذکر ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی غافل رہتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ایک اور روایت کے الفاظ کے مطابق لا الہ الا اللہ محمد عبدی ورسولی میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ میرے بندے اور رسول ہیں۔

تفسیر بیضاوی میں یہ ہے (کہ اس تختی پر یہ لکھا ہوا تھا)۔ مجھے حیرت ہے کہ جو شخص تقدیر پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو رزق دینے والا ہے (مشکل حالات اور تنگی سے) کیوں تھکتا اور پریشان ہوتا ہے! مجھے حیرت ہے کہ جو آدمی موت پر ایمان رکھتا ہے وہ کیسے خوش رہتا ہے! مجھے حیرت ہے کہ جو شخص (قیامت کے دن) حساب و کتاب پر ایمان رکھتا ہے وہ کیسے غفلت کرتا ہے! مجھے حیرانی ہے کہ جو شخص دنیا اور یہاں رہنے والوں کے ساتھ اس کی بے وفائی اور انقلابات کو دیکھتا ہے وہ کیسے اس سے مطمئن اور خوش رہتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

مولف سیرت حلبیہ کہتے ہیں (چونکہ اس تختی پر عبارت کے متعلق کئی روایتیں اور الفاظ آئے ہیں جس سے آپس میں روایتوں کا اختلاف اور کمزوری ظاہر ہوتی ہے اس لئے مولف کہتے ہیں) اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے روایت میں جو عبارت ذکر کی گئی ہے وہ تختی کے ایک طرف ہو اور دوسری روایت میں جو الفاظ بیان ہوئے ہیں وہ اس تختی کے دوسری طرف ہوں۔ یا پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے بعض راویوں نے عبارت کے الفاظ میں کچھ زیادتی کردی ہے اور بعض نے کمی کردی ہے اور بعض نے روایت بالمعنی بیان کی ہے (روایت بالمعنی کا مطلب ہے کہ روایت سن کر اس کو ان ہی الفاظ میں نقل نہ کیا جائے جن میں اسے سنا بلکہ روایت کے مطلب اور مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کردیا جائے۔ اس کے مقابلے میں ایک روایت باللفظ ہوتی ہے جو وہ ہے کہ روایت کو ان ہی الفاظ میں نقل اور بیان کیا جائے جن میں اسے سنا گیا ہے۔)

ان دونوں بھائیوں کی خاطر اللہ تعالیٰ نے یہ خزانہ اتنی لمبی مدت تک اس لئے محفوظ رکھا کی ان کا وہ باپ بہت نیک اور صالح آدمی تھی، جس نے وہ خزانہ محفوظ کیا تھا۔ یہ شخص ان لڑکوں کا نویں پشت میں دادا ہوتا تھا۔

علامہ محمد ابن مکندرؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نیک آدمی کی خاطر اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد تک کی حفاظت فرماتا ہے اور اس جگہ تک کی حفاظت فرماتا ہے جس میں وہ ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے قرب وجوار اور آس پاس کی چیزوں تک کی حفاظت فرماتا ہے۔ چنانچہ یہ سب کے سب ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگہبانی میں رہتے ہیں۔

اسی سلسلے میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک علوی شخص کو ہارون رشید بادشاہ نے قتل کرنے کا ارادہ کیا (اور اسی نیت سے اس کو بلوایا) مگر جب وہ بادشاہ کے پاس آیا تو ہارون رشید نے اس کا بہت احترام کیا اور پھر اس کو چھوڑ دیا۔ بعد میں اس شخص سے کسی نے پوچھا۔ ''تم نے وہ کونسی دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قتل سے نجات دے دی۔'' اس نے کہا میں نے یہ دعا مانگی تھی کہ اے وہ ذات جس نے ان دونوں بچوں کے خزانے کی ان کے باپ کی نیکی کی وجہ سے حفاظت فرمائی، میرے باپ دادا کی نیکیوں کی وجہ سے میرے بھی بادشاہ سے حفاظت فرما۔'' کتاب عرائس میں یہ واقعہ اسی طرح ذکر ہے۔ واللہ اعلم

تشریح: اب اس واقعہ کی تفصیلات البدایہ والنہایہ، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر خازن سے لے کر پیش کی جارہی ہیں تا کہ پیچھے گزرنے والی حضرت عمرؓ کی روایت میں اس واقعے کے جس قصے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بھی تفصیل سے سامنے آجائے اور پورے واقعہ کے متعلق بھی پڑھنے والوں کو ضروری معلومات حاصل ہوجائیں۔

اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورہ کہف میں ذکر فرمایا ہے۔ جسکا ترجمہ ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب کہ موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں اس سفر میں برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ اس موقعہ پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں یا یوں ہے کہ زمانہ دراز چلتا رہوں گا۔ پس جب چلتے چلتے دونوں دریاؤں کے جمع ہونے کے موقع پر

پہنچے اس میں اپنی مچھلی کو دونوں بھول گئے اور مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی اور چل دی۔ پھر جب دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ۔ ہم کو اس سفر میں (یعنی آج کی منزل میں) بڑی تکلیف ہوئی۔ خادم نے کہا لیجئے دیکھئے (عجیب بات ہوئی) جب ہم اس پتھر کے قریب ٹھہرے تھے سو میں اس مچھلی کے تذکرے کو بھول گیا اور مجھ کو شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کو ذکر کرتا اور (وہ قصہ یہ ہوا کہ) اس مچھلی نے (زندہ ہونے کے بعد) دریا میں عجیب طور پر پناہ لی۔ موسیٰ نے (یہ حکایت سن کر) فرمایا یہی وہ موقع ہے جس کی ہم کو تلاش تھی۔ سو دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے الٹ لوٹے۔ سو وہاں پہنچ کر انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جن کو ہم نے اپنی خاص رحمت (یعنی مقبولیت) دی تھی اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک خاص علم سکھلایا تھا۔ (ترجمہ تھانوی)

اس واقعہ کے متعلق علامہ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں بعض اہل کتاب کہتے ہیں کہ موسیٰ جو حضرت خضرؑ کے پاس گئے تھے (پیغمبر حضرت موسیٰ ابن عمران نہیں تھے بلکہ) یہ موسیٰ ابن میشا ابن یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم تھے۔ اس بات کو بعض ایسے لوگوں نے بھی مانا ہے جو اسرائیلی صحیفوں کے عالم ہیں اور ان کے واقعات نقل کرتے ہیں جیسے نوف ابن فضالہ لیکن صحیح یہ ہے جس پر قرآن وحدیث سے بھی تائید ملتی ہے اور جس پر علماء میں اتفاق ہے کہ حضرت موسیٰ ابن عمرانؑ تھے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے۔

بخاری میں سعید ابن جبیرؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے کہا۔ نوفی البکالی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت خضرؑ کے ساتھ جانے والے موسیٰ بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت موسیٰ ابن عمرانؑ نہیں تھے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ ”وہ خدا کا دشمن جھوٹ بولتا ہے ہمیں ابی بن کعب نے بتلایا کہ اس نے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ایک مرتبہ موسیٰ اپنی قوم کے درمیان خطبہ دے رہے تھے۔ اسی دوران میں کسی نے ان سے پوچھا ”کون شخص سب سے زیادہ عالم ہے؟“ موسیٰ نے کہا میں ہوں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو نہ پسند

ہوئی کیونکہ انہوں نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کو خبر ہے (کہ کون آدمی سب سے زیادہ عالم ہے) چنانچہ اسی وقت وحی نازل ہوئی کہ "مجمع البحرین یعنی جہاں دو دریاؤں کے پانی ملتے ہیں وہاں ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے بڑا عالم ہے۔"

(موسیٰ کو وہاں جانے کا حکم ملا تو وہ وہاں پہنچے اور ان سے ملنے کے لئے بیتاب ہوئے) چنانچہ انہوں حق تعالیٰ سے عرض کیا۔" اے پروردگار! میں وہاں کیسے پہنچوں گا؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔" اپنے ساتھ ایک مچھلی ناشتہ دان میں رکھ لو وہ مچھلی جہاں کھو جائے اسی جگہ وہ بندہ ملے گا۔" چنانچہ موسیٰ نے ایک مچھلی (پکا کر) توشہ دان میں رکھ لی اور وہاں روانہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھ ایک نوجوان یوشع ابن نون کو خادم کے طور پر ہمراہ لے لیا۔ یہاں تک کہ وہ ایک خاص پتھر تک پہنچے تو دونوں (تھکن کی وجہ سے) اس پتھر پر سر رکھ کر لیٹے اور سو گئے۔ اسی وقت توشہ دان میں مچھلی تڑپی اور اس میں سے نکل کر دریا میں جا کودی اور اس طرح سمندر کی تہہ میں اتر گئی جیسے کسی سرنگ میں اتر جاتے ہیں۔ جس جگہ وہ مچھلی سمندر میں کودی وہاں اللہ کی قدرت سے چاروں طرف پانی رک کر ایک سوراخ سا پیدا ہو گیا اور اسی طرح باقی رہا۔

اس کے بعد جب موسیٰؑ اور ان کے ساتھی جاگے تو وہ خادم آپ سے یہ بتلانا بھول گئے کہ مچھلی یہاں تو توشہ دان سے نکل کر پانی میں کود گئی ہے۔ چنانچہ وہ دونوں وہاں سے رادانہ ہو گئے اور بقیہ پورا دن اور ایک رات چلتے رہے صبح ہوئی تو موسیٰؑ نے اپنے ساتھی سے فرمایا۔" ہمارا ناشتہ (یعنی وہ مچھلی) لاؤ آج کے سفر نے تو ہم کو تھکا دیا۔"

یہ تھکان بھی موسیٰؑ کو اس جگہ سے آگے نکلنے کے بعد ہی معلوم ہوئی جہاں جانے کا ان کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا اس سے پہلے انہیں تھکان محسوس نہیں ہوئی تھی۔ غرض ناشتہ مانگنے پر اب ان کے خادم نے ان سے کہا۔" دیکھئے جب ہم نے اس پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو اس وقت اس مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا۔ یہ بات یقیناً شیطان نے ہی مجھے بھلائی ہے اور اس مچھلی نے تو عجیب طریقے سے سمندر میں اپنا راستہ بنا لیا اور پانی میں کود گئی تھی۔"

اس طرح مچھلی کے لئے پانی میں سرنگ بن گئی اور موسیٰؑ اور ان کے خادم کے لئے یہ ایک حیرت ناک واقعہ بن گیا۔ موسیٰؑ نے فرمایا۔"اسی جگہ تو (جہاں وہ مچھلی گم ہوئی ہے) ہم جانا چاہتے تھے!"

چنانچہ اب دونوں اپنے پیروں کے نشانات دیکھتے ہوئے وہاں سے لوٹے یہاں تک کہ اسی پتھر کے پاس پہنچے اور دیکھا کہ وہاں کپڑا اوڑھے ایک شخص بیٹھا ہے (یہ بزرگ حضرت خضر تھے) موسیٰؑ نے ان کو سلام کیا۔ حضرت خضر نے (یہ سلام سن کر حیرت سے) کہا۔"آپ کے اس علاقے میں سلام کا یہ طریقہ کہاں سے آیا؟ حضرت موسیٰؑ (سمجھ گئے یہ ان کو پہنچانے نہیں ہیں اس لئے انہوں) نے کہا""میں موسیٰؑ ہوں۔"حضرت خضر نے پوچھا کیا بنی اسرائیل کے (پیغمبر) موسیٰؑ؟ موسیٰؑ نے کہا"ہاں اور آپ کے پاس میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے بھلائی اور نیکی کی وہ باتیں بتلائیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے سکھلائی ہیں۔"حضرت خضر نے کہا"مگر آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے موسیٰ۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے وہ علم دیا ہے جو تم نہیں جانتے اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے جو باتیں بتلائی ہیں وہ میں نہیں جانتا۔""موسیٰؑ نے فرمایا کہ آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والا ہی پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔"آخر حضرت خضر نے فرمایا"اچھا اگر میرے ساتھ چلنا ہی چاہتے ہو تو مجھ سے کسی بات کے بارے میں خود سے مت پوچھنا یہاں تک کہ میں خود ہی اس کے متعلق آپ کو بتلا دوں۔"اس کے بعد دونوں وہاں سے روانہ ہوئے اور سمندر کے کنارے پہنچے وہاں ایک کشتی کھڑی ہوئی پائی۔ حضرت خضر نے ان کشتی والوں سے بات کی کہ وہ ان کو دوسرے کنارے پر پہنچا دیں۔ وہ لوگ حضرت خضر کو پہچان گئے اور بغیر اجرت لئے ان کو کشتی میں بٹھالیا تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ موسیٰؑ نے دیکھا حضرت خضر کلہاڑی سے کشتی کا ایک تختہ توڑنے لگے۔ موسیٰؑ نے (حیران ہو کر) کہا"جن لوگوں نے ہمیں بغیر کرایہ لئے سوار کر لیا آپ ان کی کشتی کو تباہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں تاکہ کشتی والے بچارے غرق ہو جائیں۔ یہ تو آپ بڑی نہ مناسب بات کر رہے

ہیں۔" حضرت خضر نے فرمایا" کیا میں نے آپ سے کہا نہ تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔" موسیٰؑ نے فرمایا" مجھ سے بھول ہو گئی آپ اس غلطی کو معاف کریں اور سختی نہ کریں۔" آنحضرت ﷺ نے (موسیٰؑ کی اس پہلی بھول کے متعلق) فرمایا کہ" پہلی بار موسیٰؑ سے واقعی بھول ہو گئی تھی۔" (اس سفر کے دوران ہی) کشتی کے ایک تختے پر ایک چڑیا آکر بیٹھی۔ اس نے سمندر میں چونچ ڈال کر پانی پیا اور اڑ گئی۔ حضرت خضر نے یہ دیکھ کر حضرت موسیٰؑ سے یہ فرمایا۔" مجھے اور تمہیں اللہ نے جو علم دیا ہے اس سے اللہ کے علم میں اگر کوئی کمی ہوئی ہے تو اس اتنی ہی جتنی اس چڑیا کے ایک قطرہ پانی پینے سے اس سمندر میں ہوئی ہے۔

غرض دوسرے کنارے پہنچنے کے بعد دونوں کشتی میں سے اترے اور ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگے اسی وقت حضرت خضر نے ایک لڑکے کو دیکھا جو چند دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر نے فوراً بڑھ کر اس لڑکے کا سر اپنے ہاتھ میں پکڑا اور ایک دم اس کی گردن مروڑ دی جس سے وہ بچہ ہلاک ہو گیا۔ موسیٰؑ نے یہ منظر دیکھا۔ تو (ان سے صبر نہ ہو سکا اور) فوراً بولے۔" آپ نے اس معصوم بچے کو بغیر کسی وجہ سے مار ڈالا! یہ تو آپ نے بہت ہی نامناسب کام کیا ہے؟" حضرت خضر نے فرمایا" میں نے پہلے آپ سے کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے!"

حضرت خضر نے اس دفعہ پہلے سے بھی زیادہ سختی سے یہ بات کہی تھی۔ حضرت موسیٰؑ (کو فوراً ہی اپنی بھول کا خیال ہوا اور انہوں) نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔" اچھا اگر اس کے بعد میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ میرا ساتھ چھوڑ دیں۔ اب آپ بے شک معذور ہوں گے۔" اس کے بعد یہ دونوں پھر آگے روانہ ہو گئے۔ آخر یہ ایک گاؤں میں پہنچے حضرت خضر نے ان سے کھانے کی درخواست کی مگر بستی والوں نے ان مسافروں کو کھانا کھلانے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آگے بڑھے تو اسی بستی میں ایک دیوار نظر آئی جو (بوسیدہ ہو کر) ایک طرف کو جھک گئی تھی اور کسی بھی وقت گر سکتی تھی۔ حضرت خضر نے اس کو دیکھا تو فوراً بڑھ کر اپنے ہاتھ سے اس کو سیدھا کر دیا۔ یہ صورت دیکھ کر حضرت موسیٰؑ (سے

پھر صبر نہ ہو سکا اور انہوں) نے کہا۔ "یہ ایسے لوگ ہیں کہ ہم ان کے یہاں آئے تو انہوں نے ہمیں کھانا بھی نہیں دیا اور ہماری میزبانی سے صاف انکار کر دیا۔ آپ نے ان لوگوں کا یہ کام کیا ہے آپ کو اس پر اجرت لینی چاہئے تھی (تاکہ اس کے ذریعہ پیٹ بھر سکتے) حضرت خضر موسیٰ کو دو مرتبہ سوال کرنے پر ٹوک چکے تھے آخر اب انہوں نے موسیٰ سے صاف کہہ دیا۔" بس یہیں سے تمہارا اور میرا ساتھ چھوٹتا ہے۔ لیکن (جدا ہونے سے پہلے) میں تمہیں ان سب باتوں کا سبب ضرور بتلائے دیتا ہوں جن کے متعلق آپ سے صبر نہ ہو سکا۔"

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کاش موسیٰ کچھ اور صبر کر لیتے تاکہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کے متعلق ہمیں مزید تفصیلات بتلاتا!" سعید ابن جبیرؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ اس آیت میں کان ورائھم کے بجائے کان اَما مَھُم بھی پڑھتے تھے اسی طرح کُلُّ سَفِینَۃ صالحۃ پڑھا کرتے تھے اسی طرح اما الغلام کے بعد فکان کافرا بھی پڑھا کرتے تھے۔ امام بخاری نے بھی اس قرات کو سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ موسیٰؑ اپنے خادم یوشع ابن نون کے ساتھ ایک مچھلی لیکر روانہ ہوئے اور ایک پتھر کے پاس پہنچے اور وہاں (آرام کرنے کے لئے) رکے۔ پھر کہتے ہیں۔ موسیٰ اس پتھر پر سر رکھ کر لیٹے اور سو گئے۔ پھر کہتے ہیں۔ اس پتھر کی جڑ میں سے ایک چشمہ نکلتا تھا جس کا نام نہر حیات تھا۔ جس چیز کو بھی اس نہر کا پانی چھو جاتا وہ زندہ ہو جاتی ہے (اسی کو اردو میں آب حیات کہتے ہیں) چنانچہ اس چشمہ کا پانی کسی طرح اس مردہ مچھلی کو چھو گیا (جو موسیٰ کے ساتھ تھی) وہ فوراً زندہ ہو کر حرکت کرنے لگی اور کود کر پانی میں پہنچ گئی۔ پھر جب موسیٰ کی آنکھ کھلی تو انہوں نے اپنے خادم سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر اسی روایت میں ہے کہ اسی دوران ایک چڑیا آ کر کشتی کے ایک تختے پر بیٹھ گئی اور اس نے پانی کے لئے اپنی چونچ سمندر میں ڈالی۔ اس وقت حضرت خضر نے موسیٰ سے کہا۔ "تمہارا اور میرا علم اور ساری مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنا ہی ہے جتنا پانی اس چڑیا نے سمندر میں سے اپنی چونچ میں لیا۔" الخ

حضرت سعید ابن جبیر کی ایک حدیث ہے کہ ایک دفعہ ہم حضرت ابن عباسؓ کے پاس ان کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ہم سے کہا کہ مجھ سے کچھ سوال کرو۔ میں نے کہا۔ ''اے ابن عباس۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے۔ کوفے میں ایک واعظ ہے جس کا نام نوف ہے وہ یہ کہتا ہے کہ (موسیٰ اور خضر کے واقعہ میں) یہ موسیٰ وہ نہیں ہیں جو بنی اسرئیل کے پیغمبر تھے۔'' اس روایت کو ابن جریج نے دو آدمیوں سے نقل کیا ہے ایک یعلی ابن مسلم اور دوسرے عمرو ابن دینار اور یہ دونوں اس کو حضرت سعید ابن جبیرؒ سے روایت کرتے ہیں۔ غرض ابن جریج اتنی روایت بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ جہاں تک عمرو ابن دینار کا تعلق ہے انہوں نے کہا کہ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے یہ فرمایا کہ اس خدا کے دشمن نے جھوٹ کہا۔ اور جہاں تک یعلی ابن مسلم کا تعلق ہے انہوں نے یہاں تک بیان کرنے کے بعد کہا کہ اس حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابی بن کعب سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کے رسول موسیٰ نے ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر وعظ کہا جس کو سن کر سننے والوں کے دل بہت متاثر ہوئے اور وہ رونے لگے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ وعظ ختم کر کے واپس روانہ ہوئے۔ ایک شخص ان کے پیچھے گیا (جو ان کا وعظ سنکر اور ان کا علم دیکھ کر حیران اور متاثر ہو رہا تھا) اور ان سے پوچھنے لگا۔ ''کیا اس دنیا میں آپ سے بڑا بھی کوئی عالم ہے!'' اس پر موسیٰؑ نے فرمایا۔ ''نہیں'' یہ بات اللہ تعالیٰ کو نہ پسند ہوئی کہ موسیٰ نے جواب میں یہ کیوں نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے چنانچہ حق تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ سے فرمایا گیا بے شک (تم سے بڑا عالم موجود) ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا ''پروردگار۔ وہ کہاں ہے؟'' فرمایا گیا، ''جہاں دو دریا ملتے ہیں۔'' موسیٰ نے عرض کیا۔ ''اے پروردگار! مجھے ایسا علم عطا فرما جس کے ذریعہ میں اس جگہ کا پتا لگا سکوں جواب ملا۔ ''جہاں مچھلی تمہارا ساتھ چھوڑ جائے (وہی وہ جگہ ہوگی)۔'' اس روایت کو یعلی نے جس طرح بیان کیا اس کے مطابق حق تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔ تم ایک مری ہوئی مچھلی اپنے ساتھ لیکر چلو۔ جہاں بھی وہ

زندہ ہو جائے (وہیں وہ جگہ ہوگی جہاں وہ عالم موجود ہیں جو تم سے زیادہ جانتے ہیں) چنانچہ موسیٰ نے ایک مچھلی اپنے ساتھ لی اور اس کو توشہ دان میں رکھ لیا۔ پھر انہوں نے اپنے خادم سے کہا۔ "تمہیں صرف اتنا کام کرنا ہے کہ جہاں یہ مچھلی تمہارا ساتھ چھوڑ دے وہیں مجھے فوراً خبر کر دو۔" خادم نے کہا "یہ تو آپ نے بڑا آسان کام بتایا ہے۔"

آیت پاک میں خادم سے مراد یہی یوشع ابن نون ہیں۔ غرض اب یہی دونوں ایک ٹھنڈی اور سائے دار جگہ پہنچ کر ٹھہرے جو سمندر کے کنارے تھی۔ موسیٰ کی اس وقت آنکھ لگ گئی تھی۔ اسی وقت وہ مچھلی اچانک زندہ ہو کر تڑپی اور پانی میں کود گئی۔ خادم نے دل میں سوچا کہ فوراً جگا کر خبر کرنا ٹھیک نہیں۔ اس لئے انہوں نے موسیٰ کے خود جاگنے کا انتظار کیا مگر جب وہ جاگے تو خادم ان کو اس وقعہ کی اطلاع دینا بھول گیا۔ ادھر مچھلی سمندر میں کودی اور پانی کے اندر اتر گئی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پانی اس جگہ سے رک گیا اور پتھر کی طرح سے سخت ہو گیا۔ وہ مچھلی جس جگہ سے پانی میں اتری وہاں اس طرح سوراخ سا بن گیا جیسے پتھر میں سوراخ ہو جایا کرتا ہے۔ حدیث کے راوی ابن جریج کہتے ہیں کہ عمرو ابن دینار نے مجھے اپنے انگوٹھوں اور ان کے برابر کی انگلیوں سے سوراخ سا بنا کر اس کے متعلق بتلایا۔ موسیٰ نے اپنے خادم سے ناشتہ مانگتے ہوئے کہا تھا "ہم اپنے اس سفر سے آج بہت تھک گئے۔"

حالانکہ اس سے پہلے جتنا وہ سفر کر چکے تھے اس میں بالکل تھکن محسوس نہیں ہوئی (گویا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوا کہ حضرت موسیٰ نے تھک کر آرام کیا اور ناشتہ مانگا جس پر خادم کو مچھلی کے گم ہونے کی بات یاد آئی) غرض اس کے بعد (جب حضرت موسیٰ کو مچھلی کے غائب ہونے کا حال معلوم ہوا تو) وہ فوراً اپنے خادم کے ساتھ وہاں سے واپس ہوئے اور اس جگہ پہنچ کر انہوں نے وہاں حضرت خضر کو دیکھا جو ایک سبز رنگ کا گدا بچھائے ہوئے اس پر لیٹے تھے انہوں نے ایک کپڑا اپنے اوپر اس طرح اوڑھ رکھا تھا کہ اس کا ایک سرا تو پاؤں کے نیچے دبا رکھا تھا اور دوسرا سر کے نیچے دبائے ہوئے تھے موسیٰ نے قریب پہنچ کر انکو سلام کیا۔ حضرت خضر نے اپنا منہ چادر میں سے نکال کر موسیٰ کو دیکھا اور کہا۔

''کیا اس سرزمین میں بھی کوئی ایسا شخص ہے جو (حق تعالیٰ کا یہ پسندیدہ) سلام کرتا ہو! آپ کون ہے۔'' انہوں نے کہا۔ ''میں موسیٰ ہوں۔'' حضرت خضر نے پوچھا۔ ''کیا اسرائیلیوں کے پیغمبر موسیٰ۔'' انہوں نے کہا ''ہاں'' تب حضرت خضر نے پوچھا ''کیا مقصد ہے۔'' موسیٰؑ نے فرمایا ''میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں مجھے آپ وہ بھلائیاں اور علم سکھلائیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہیں۔ حضرت خضر نے فرمایا ''اے موسیٰ! کیا آپ کو یہ بات یعنی یہ علم کافی نہیں کہ آپ کے ہاتھ میں تورات ہے اور یہ کہ آپ کے پاس وحی آتی ہے! جہاں تک اس علم کا تعلق ہے جو میرے پاس ہے اس کا جاننا آپ کے لئے اچھا نہیں ہے اسی طرح آپ کے پاس جو علم ہے اس کا جاننا میرے لئے مناسب نہیں ہے۔''

اسی وقت (جب کہ یہ باتیں کررہے تھے) ایک پرندہ آیا اور سمندر میں اپنی چونچ ڈال کر پانی پینے لگا حضرت خضر نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا۔ ''خدا کی قسم میرا علم اور تمہارا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنا ہی ہے جتنا پانی اس پرندے نے سمندر میں سے اپنی چونچ میں بھرا ہے۔''

پھر اس کے بعد جب (حضرت موسیٰؑ کو اپنے ساتھ لے کر چلنے پر تیار ہو گئے اور وہ دونوں وہاں سے چل پڑے تو) ایک کشتی میں جا کر سوار ہو گئے۔ یہ کشتی والے لوگوں سے اجرت لے کر ان کو اس کنارے سے اس کنارے پہنچا دیا کرتے تھے۔ انہوں نے حضرت خضرؑ کو پہچان لیا اور کہا کہ ہم ان سے اجرت نہیں لیں گے۔ حضرت خضرؑ کشتی میں سوار ہوئے تو انہوں نے اس میں ایک سوراخ کر دیا۔ موسیٰؑ یہ دیکھ کر پھر ایک دم بول اٹھے کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس کشتی کے لوگ غرق ہو جائیں۔ حضرت خضرؑ نے ان کو یاد دلایا کہ میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکتے۔ موسیٰؑ نے اس پر فوراً معذرت کی اور پھر حضرت خضرؑ کے ساتھ چل پڑے۔ کچھ دور چل کر انہیں ایک لڑکا ملا جسے حضرت خضر نے قتل کر دیا۔ یہاں کچھ لڑکے کھیل رہے تھے۔ حضرت خضر نے ان میں کافر لڑکے کو پکڑا جو بہت ذہین اور سمجھ دار تھا۔ پھر انہوں نے اس کو زمین پر ڈال کر چھری

سے ذبح کر دیا۔ موسیٰ یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئے اور فوراً بول اٹھے کہ آپ نے بلاسبب ایک جان لے لی۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک قرأت کے مطابق یہ لڑکا مؤمن تھا۔ (حضرت خضر نے پھر حضرت موسیٰ کو ٹوکا اور انہوں نے پھر معذرت کر کے آئندہ کچھ نہ پوچھنے کا وعدہ کیا۔ پھر وہاں سے آگے چلے تو ایک جگہ انہیں ایک دیوار نظر آئی جو جھک رہی تھی اور گرنے کے قریب تھی۔ حضرت خضر نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰؑ پھر بول اٹھے کہ آپ چاہتے تو اس بستی کے لوگوں سے اس کام کی اجرت بھی لے سکتے تھے۔ (کیونکہ یہاں کے لوگوں نے ان دونوں مہمانوں کو کھانا کھلانے سے انکار کر دیا تھا) حوالہ البدایہ والنہایۃ۔ اس کے بعد کی تفصیل تفسیر خازن سے لی گئی ہے۔)

یعنی دیوار کی مرمت کرنے کی اجرت آپ بستی والوں سے لے سکتے تھے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم لوگ بھوکے ہیں اور بستی کے لوگوں نے کھانا کھلانے سے انکار کر دیا ہے اس لئے بہتر تھا کہ آپ اپنے اس کام کی اجرت لیتے۔ آخر حضرت خضرؑ نے اس دفعہ حضرت موسیٰؑ کے سوال کرنے پر صاف صاف کہہ دیا کہ بس اب میرے اور آپ کے درمیان یہاں سے جدائی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ انکار اجرت نہ لینے کے سلسلے میں تھا (لیکن ساتھ ہی حضرت خضرؑ نے کہا) 'میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔'' اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ (حضرت خضرؑ نے خود اسے ان باتوں کی حقیقت بتلانے کے متعلق نہیں کہا تھا بلکہ) یہ ہوا کہ پہلے موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ کا دامن پکڑ لیا اور کہا۔ ''اس سے پہلے کہ آپ میرا ساتھ چھوڑ دیں مجھے ان سب کاموں کی حقیقت بتلائیے جو آپ نے کئے ہیں۔'' حضرت خضرؑ نے فرمایا'' جہاں تک اس کشتی کا تعلق ہے (جس میں میں نے سوراخ کر دیا تھا) وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو (اس کے ذریعہ) سے دریا میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے۔''

ایک قول یہ ہے کہ یہ دس بھائی تھے جن میں سے پانچ دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے اور اس کے ذریعہ روزی کماتے تھے۔ یہاں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ یہ کشتی چند

مسکینوں کی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ مسکین شخص اگر کسی چیز کا مالک بھی ہو تب بھی اسکو مسکین ہی کہا جائے گا یعنی اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ اطمینان سے اپنی ضرورتیں پوری کر سکے تو اس کو مسکین ہی کہا جائے گا (چاہے وہ کسی ایک آدھ معمولی چیز کا مالک ہی کیوں نہ ہو) اس کے مقابلے میں فقر وہ ہوتا ہے جو بالکل خالی ہاتھ اور مفلس ہو۔ وہ مسکین سے زیادہ تنگ حال ہوتا ہے۔ مسکین کی تعریف یہ اس لئے بتلائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مسکین فرمایا ہے حالانکہ وہ لوگ اس کشتی کے مالک تھے۔ غرض اس کے بعد حضرت خضر فرماتے ہیں۔

"میں نے اس کشتی میں عیب ڈالنے کا اس لئے ارادہ کیا کہ ان لوگوں کے پیچھے ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیا کرتا تھا۔ یعنی جو بھی اچھی کشتی ہوتی اس کو وہ ظالم بادشاہ چھین لیا کرتا تھا۔ اس لئے میں نے اس میں سوراخ کر کے اسے عیب دار کر دیا تھا کہ وہ جابر بادشاہ اس کشتی کو نہ چھینے۔

اس بادشاہ کا نام جلندی ازدی تھا۔ یہ ایک کافر بادشاہ تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا نام ہددابن ہدد تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ کشتی میں سوراخ کرنے کے بعد حضرت خضر نے کشتی والوں سے معذرت کی تھی اور ان کو اس ظالم بادشاہ کے متعلق بتلایا جو ہر اچھی کشتی چھین لیا کرتا تھا۔ یہ لوگ اس بات سے واقف نہیں تھے کہ آگے وہ بادشاہ موجود ہے جو اس طرح کشتیاں چھین لیتا ہے۔ چنانچہ حضرت خضرؑ نے ان سے فرمایا۔ "میں چاہتا ہوں کہ جب بادشاہ کے پاس سے کشتی گزرے تو وہ اسکو عیب دار اور خراب سمجھ کر چھوڑ دے۔" جب یہ کشتی وہاں سے صحیح سلامت گزر گئی تو ان لوگوں نے اس کو ٹھیک کر لیا اور اس سے برابر فائدہ اٹھاتے رہے۔

پھر حضرت خضر نے اس لڑکے کو قتل کرنے کا راز بتلاتے ہوئے کہا جہاں تک اس لڑکے کا تعلق ہے تو اس کے ماں باپ مؤمن تھے۔ اس لئے ہمیں خوف ہوا کہ اس لڑکے کی محبت ان کو کفر اور سرکشی میں ڈال دے۔ اس لئے ہم کو یہ منظور ہوا کہ اس کے بجائے ان کا

پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی یعنی دین میں اس سے بہتر ہو۔" یعنی اس کے بدلے میں ماں باپ کو ایسی اولاد میسر آئے جو نیک اور باصلاحیت اور پارسا اور محبت کی مستحق ہو۔ چنانچہ ایک قول ہے کہ اس لڑکے کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بیٹی عطا فرمائی جس سے ایک پیغمبر نے نکاح کیا اور پھر خود اس کے پیٹ سے بھی ایک نبی پیدا ہوئے جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے ایک پوری امت کو ہدایت عطا فرمائی۔ ایک کمزور قول یہ بھی ہے کہ اس لڑکی کے پیٹ سے ستر نبی پیدا ہوئے۔ اسی طرح ایک قول یہ ہے کہ اس لڑکے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اور لڑکا عطا فرمایا جو مسلمان تھا۔ ایک روایت ہے کہ یہ لڑکا جس کو قتل کیا گیا (اپنے ماں باپ کا بہت چہیتا تھا) جب پیدا ہوا تھا تو اس وقت ماں باپ نے بہت خوشیاں منائی تھیں اور جب قتل ہوا تو انہوں نے اس کا ماتم کیا۔ اگر وہ لڑکا زندہ رہ جاتا تو اس کے ذریعہ ان دونوں کی بربادی لازم تھی۔ لہٰذا بندے کو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر ہمیشہ راضی رہنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے مومن کے لئے اگر بظاہر ناپسندیدہ بھی نظر آئیں تو حقیقت میں ہمیشہ خیر اور بھلائی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ (پھر حضرت خضر نے اس بستی کی دیوار کو سیدھا کرنے کا راز بتلاتے ہوئے کہا)

"اور جہاں تک اس دیوار کا تعلق ہے تو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں رہتے ہیں۔ اس کے نیچے ان کا کچھ مال دفن تھا (جو انہیں اپنے باپ سے میراث میں پہنچا ہے) ان کا باپ (جو مر چکا ہے) ایک نیک آدمی تھا اس لئے آپ کے پروردگار نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائیں اور اپنا مال نکال لیں۔ یہ سارے کام میں نے الہامِ الٰہی سے کئے ہیں۔ ان میں سے کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ بس یہ ہے ان سب باتوں کی حقیقت جن پر آپ کو صبر نہ ہو سکا۔"

کہا جاتا ہے کہ ان دونوں لڑکوں کے نام اصرم اور صریم تھے۔ جہاں تک اس خزانے کا تعلق ہے تو حضرت ابودرداء آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ سونا چاندی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اصل میں علمی خزانہ تھا کچھ تحریریں تھیں جن میں علم تھا۔ (اس بارے میں

یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر ایک عبارت تحریر تھی جو بیان ہو چکی ہے) اور اس کے دوسری طرف یہ عبارت تحریر تھی۔" میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، میں اکیلا ہوں، میرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں نے ہی بھلائی اور برائی کو پیدا کیا ہے پس اس کے لئے خوش خبری ہے جس کو میں نے خیر کے لئے پیدا کیا ہے اور اس خیر اور بھلائی کو اس کے ہاتھوں پر ظاہر کر دیا ہے۔ اور اس کے لئے افسوس ہے۔ سخت افسوس جس کو میں نے برائی کے لئے پیدا کیا اور اس برائی اور شر کو اس کے ہاتھوں ظاہر کر دیا۔"

ایک قول یہ ہے کہ خزانے کا لفظ جب مطلق یعنی بلا قید استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد مال ہی ہوتا اور اگر اس کے ساتھ کوئی قید بھی ہو جیسے کہا جائے کہ فلاں کے پاس علم کا خزانہ ہے تو پھر دولت کے سوا دوسری چیز مراد ہو سکتی ہے مگر اس تختی کو دونوں ہی طرح کا خزانہ کہا جا سکتا ہے (کیونکہ دولت کا خزانہ تو اس لئے تھی کہ یہ ایک روایت کے مطابق سونے کی تھی اور علم کا خزانہ اس لئے تھی کہ اس پر حکمت کی باتیں لکھی ہوئی تھیں)۔

جہاں تک ان دونوں لڑکوں کے باپ کا تعلق ہے کہا جاتا ہے کہ اس کا نام شح تھا اور وہ بڑے نیک اور پرہیز گار لوگوں میں سے تھا۔ حضرت عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ خزانہ ان لڑکوں کے لئے ان کے باپ کی نیکی کی وجہ سے محفوظ رکھا گیا تھا۔ ایک قول ہے کہ ان لڑکوں اور ان کے باپ کے درمیان سات پشتوں کا فاصلہ تھا (یعنی وہ نیک شخص ان لڑکوں کا حقیقی باپ نہیں تھا بلکہ ساتویں پشت میں دادا تھا جس کو باپ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ غرض باپ کی نیکی اور پرہیز گاری اس کی اولاد کے کام آتی ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں ایک روایت گزر چکی ہے۔ اسی طرح حضرت سعید ابن مسیب کہتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے جب مجھے اپنے بیٹے کا خیال آجاتا ہے تو اپنی نماز اور زیادہ لمبی کر دیتا ہوں (تا کہ میری یہ عبادت میری اولاد کے بھی کام آئے)۔

غرض اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ جب لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں تو ان کا خزانہ محفوظ ہو یعنی وہ بڑے ہو جائیں اور اپنے مال اور رزق کو سمجھنے لگیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بالغ ہو

جائیں۔ایک قول کے مطابق جوانی کی عمر اٹھارہ سال کی ہوتی ہے۔

یہاں ایک چیز قابل غور ہے قران پاک کی آیت میں ہے کہ وہ کشتی کچھ مسکین لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے اس لئے میں نے چاہا کہ اسمیں عیب ڈال دوں۔ یہاں یہ کہا گیا ہے کہ ''میں نے چاہا'' پھر اسی آیت میں آگے فرمایا گیا ہے کہ اس لڑکے کے ماں باپ مومن تھے اور ڈر تھا کہ اس لڑکے کی محبت انہیں گمراہی اور سرکشی میں نہ ڈال دے اس لئے ''ہم نے چاہا کہ'' اس کے بجائے ان کو نیک اولاد میسر ہو۔تو یہاں ''ہم نے چاہا'' کہا گیا ہے۔اس کے بعد آگے جہاں اس دیوار کو سیدھا کرنے کی مصلحت بتلائی گئی ہے جس کے نیچے ایک خزانہ تھا وہاں کہا گیا ہے کہ ''پس آپ کے رب نے چاہا'' تینوں جگہ اس فرق کے متعلق سوال کیا جا سکتا ہے کہ ایسا کس لئے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بار جہاں ''میں نے چاہا'' کہا گیا ہے، وہاں کشتی میں عیب ڈالنے کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے اس فعل کی نسبت حضرت خضر نے حق تعالیٰ کی طرف کرنے کے بجائے ادب کی وجہ سے اپنی ذات کی طرف کی ہے دوسری جگہ لڑکے کو قتل کرنے کے فعل کو بھی اپنی ذات کی طرف نسبت دی لیکن ''میں'' کے بجائے ''ہم'' کہا جس سے اپنی اونچی شان کا خاص طور پر اظہار کرنا مقصود ہے کہ وہ باطن اور حکمت کے علم میں ایک اونچے درجے کے عالم ہیں اور یہ کہ وہ اس قتل جیسے فعل کو کسی بڑی اور اہم حکمت کے بغیر ہرگز نہیں کر سکتے۔ پھر تیسری جگہ یتیم کے مال کا ذکر ہے کہ ان دونوں یتیموں کے باپ کی نیکی کی وجہ سے ان کے اس حق کی حفاظت کی گئی تو اس فعل کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف نسبت دی گئی کیونکہ باپ دادا کے نیک اعمال کی وجہ سے اولاد کی حفاظت اور ان کے حالات کو صحیح رکھنا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے بس میں نہیں ہے۔

آیت پاک میں ہے کہ حضرت خضرؑ نے موسیٰؑ کو تینوں کاموں کو حکمت بتلانے کے بعد کہا کہ میں نے یہ کام اپنی مرضی اور رائے سے نہیں کئے بلکہ ان کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم اور الہام ملا تھا۔ کیونکہ ظاہر ہے لوگوں کا مال خراب کر دینا یا خون بہا دینا یا

بلا اجازت کسی چیز کی حالت بدل دینا ایسے کام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور صاف نص کے بغیر نہیں کئے جا سکتے۔ چنانچہ آیت پاک کے اس حصے کی بنیاد پر بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت خضرؑ نبی تھے کیونکہ اس طرح حکم آنے کا مطلب وحی ہے اور وحی صرف نبیوں کے پاس ہی آتی ہے۔ مگر اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ حضرت خضر صرف ایک ولی اللہ تھے نبی نہیں تھے۔ جہاں تک اس آیت سے حضرت خضر کی نبوت ثابت کرنے کا تعلق ہے اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ حکم وحی نہیں بلکہ الہام تھا جو ولی اللہ کے درجہ کے مطابق ہوتا ہے۔

ایک قول کے مطابق اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں نے یہ کام اس غرض سے کئے ہیں کہ ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ظاہر ہو۔ اس تفسیر سے بھی ایک ہی معنی پیدا ہوتے ہیں یعنی کسی بڑے نقصان سے بچانے کے لئے کسی چھوٹے نقصان میں ڈالنا اور اسے برداشت کرنا۔ غرض اپنے کاموں کی یہ حکمت بتلانے کے بعد حضرت خضر نے موسیٰ سے کہا کہ یہ ہے ان کاموں کی حقیقت اور اصلیت جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

روایت ہے کہ جب موسیٰ حضرت خضر سے جدا ہونے لگے تو حضرت خضر سے کہنے لگے۔ "مجھے کوئی نصیحت وصیت کیجئے" حضرت خضر نے فرمایا "علم اس لئے حاصل نہ کیجئے کہ اس کو لوگوں کو سنائیں بلکہ اس لئے حاصل کیجئے کہ اس پر عمل کریں۔" اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے ہے آیا حضرت خضر آج تک زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔ ایک قول ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ اکثر علماء کا قول یہی ہے اور صوفیاء کے یہاں اسی قول پر سب کا اتفاق ہے۔ (یہ قول علامہ علاؤالدین خازن نے نقل کیا ہے۔ اس کے خلاف جو دوسرے قول ہیں وہ مترجم دوسری کتابوں سے آگے پیش کر رہے ہیں) غرض حضرات مشائخ اور صوفیاء کے یہاں ان کو دیکھنے، ان سے ملنے اور نیک اور خیر کی جگہوں پر ان کے موجود ہونے کے متعلق بھی اتفاق ہے۔

شیخ عمرو ابن اصلاح نے لکھا ہے کہ حضرت خضرؑ، جمہور علماء اور صالحین کے نزدیک زندہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ دونوں زندہ ہیں اور ہر سال حج

کے موسم میں مکے میں ایک دوسرے سے ملنے آتے ہیں۔ حضرت خضرؑ کے زندہ رہنے کا جو سبب بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے چشمہ حیات کا پانی پی لیا تھا (چشمہ حیات کو اردو میں اکثر آبِ حیات کہا جاتا ہے)

یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ سکندر ذوالقرنین دنیا کو فتح کرنے کے بعد چشمہ حیات کی تلاش میں روانہ ہوئے اور وادئ ظلمت میں داخل ہوئے اس وقت حضرت خضر و ذوالقرنین کے ہراول میں موجود تھے اتفاق سے حضرت خضر چشمہ حیات تک پہنچ گئے انہوں نے اس میں غسل کیا اور اس کا پانی (جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس چشمہ کا پانی پی لینے والا قیامت تک زندہ رہتا ہے) اس کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے نماز پڑھی۔ ادھر ذوالقرنین جو چشمہ حیات کی تلاش میں نکلے تھے اور حضرت خضر کے پیچھے پیچھے آرہے تھے راستہ بھول گئے (اور چشمہ حیات تک پہنچنے کی حسرت دل میں لئے واپس لوٹ گئے۔ ان علماء کے برخلاف کچھ حضرات کی رائے یہ ہے کہ حضرت خضر کی وفات ہو چکی ہے۔ ان علماء کی رائے اس آیت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ **وجعلنا لبشر من قبلک الخلد** (سورہ انبیاء ع ۳) ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد صحابہ سے فرمایا۔ "تم آج کی یہ رات دیکھ رہے ہو۔ آج سے چودہ سو سال کے بعد اس زمین کی پشت پر ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا جو آج موجود ہیں۔" تو حضرت خضر اس وقت زندہ تھے تو اس سو سال کے اندر وہ بھی گزر چکے ہیں (جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے) (تفسیر خازن ۲۴۵/۴۸ جلد سوم)

حضرت خضرؑ سے متعلق تاریخ البدایہ والنہایہ میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے جس کا کچھ حصہ احقر یہاں پیش کر رہا ہے۔

ان ہی آیات میں حق تعالیٰ نے حضرت خضر کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ **رحمۃ من**

ربک وما فعلتہ عن امری (پ۱۶سورہ کہف ع۹) ترجمہ: اور سارے کام میں نے الہام الٰہی سے کئے ہیں ان میں سے کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔

(یہاں الہام کے بجائے بعض علماء نے وحی مراد لی ہے) لہٰذا یہ بات اس کی دلیل بنتی ہے کہ وہ نبی تھے اور یہ کہ انہوں نے کوئی کام اپنی رائے اور مرضی سے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم یعنی وحی سے کیا ہے لہٰذا وہ نبی تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ رسول تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ولی تھے۔ اس سے بھی زیادہ ایک عجیب قول یہ ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ اور میرے خیال میں اس سے بھی کہیں زیادہ عجیب قول یہ ہے کہ حضرت خضر فرعون کے بیٹے تھے۔ ایسے ہی ایک قول یہ ہے کہ وہ ضحاک بادشاہ کے بیٹے تھے جس نے ایک ہزار سال تک دنیا پر حکومت کی (اب گویا نبی، رسول، ولی اور فرشتہ ہونے کے علاوہ ایسے قول بھی موجود ہیں جن کے مطابق حضرت خضر شہزادے تھے)۔

علامہ ابن جریر کہتے ہیں عام طور پر اہل کتاب کی رائے یہ ہے کہ حضرت خضر فارس کے بادشاہ افریدوں کے زمانے میں تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اس ذوالقرنین کے ہراول میں موجود تھے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ہی افریدوں اور ذوالقرس تھا جو حضرت ابراہیم خلیلؑ کے زمانے میں تھے۔ کچھ علماء کا قول ہے کہ حضرت خضر نے چشمہ حیات کا پانی پی لیا تھا اس لئے وہ ہمیشہ زندہ ہیں اور اب تک موجود ہیں۔ ایک قول ہے کہ ان لوگوں میں سے کسی کی اولاد ہیں جو حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے تھے اور بابل کے علاقے سے ابراہیمؑ کے ساتھ ہجرت کر کے آئے تھے۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام مالکان تھا۔ ایک قول کے مطابق ارمیا ابن خلقیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ سباسب ابن ہراہب کے زمانے میں نبی تھے۔

(البدایہ والنہایہ جلد اول)

امام بن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ ان کا نام ملیا ابن ملکا تھا اور نوح کی اولاد میں سے تھے۔ ان کی کنیت ابوالعباس اور لقب خضر تھا۔ ابن صلاح نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہ آج تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ اگرچہ کچھ حدیثیں ایسی ہیں جن

سے حضرت خضرؑ کے زندہ ہونے کے متعلق معلوم ہوتا ہے مگر وہ سب حدیثیں کمزور ہیں ان میں سے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ بہرحال اکثر محدثین حیات خضر کے قائل نہیں ہیں۔ اس کی ایک دلیل تو وہی قرآن پاک کی آیت ہے جو پچھلے صفحوں میں گزری ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے کسی کو ہمیشگی کی زندگی نہیں دی۔ اس کے علاوہ ایک دلیل اور بھی ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر میں فتح کی دعا مانگتے ہوئے حق تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ ''اے اللہ! اگر میری جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین پر کوئی شخص تیری عبادت کرنے والا نہ رہے گا۔

(چنانچہ اگر حضرت خضر جو ایک ولی تھے زندہ ہوتے تو آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کیسے صحیح ہوتا) اس کے علاوہ حضرت خضر کے زندہ نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یقیناً اسلام قبول کرتے اور آپ کے صحابہ میں سے کہلاتے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سارے عالم اور تمام انسانوں اور جنات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اگر آج موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے پاس بھی میری اطاعت اور مجھ پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

(تفسیر ابن کثیر پ۱۶ سورہ کہف)

چنانچہ اس کی دلیل میں قرآن پاک کی یہ آیت ہے وہ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ . (پ۳ ۱۸ سورہ آل عمران ع۹)

ترجمہ: ''اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ عہد لیا تھا کہ ان کے بعد جو نبی آئے (اگر وہ اس وقت تک زندہ رہے) تو اس کے بعد والے پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے۔ لہٰذا اس کی روشنی میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر حضرت خضر رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زندہ ہوتے تو ان کے پاس بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کا اتباع کرتے، آپ کے ساتھ شریک ہوتے اور آپ کے مددگار بنتے، اسی طرح غزوہ بدر کے

وقت وہ بھی آنحضرت ﷺ کے جھنڈے تلے موجود ہوتے جیسا کہ حضرت جبرئیل اور دوسرے بڑے بڑے فرشتے تک موجود تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد اول)

لفظ خضر اصل میں خضر سے بنا ہے جس کے معنی ہیں سبزی یا سبز رنگ کے، حضرت خضر کو خضر اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ ایک دفعہ سوکھی اور سفید گھاس پر یا خشک زمین پر بیٹھ گئے تھے اور ان کی برکت سے وہ گھاس فوراً ہری بھری ہوگئی وہ وہ جگہ سبزہ زار ہو کر لہلہانے لگی۔

(تفسیر ابن کثیر پ سورہ کہف)

یہاں تک حضرت خضرؑ سے متعلق تشریح مکمل ہوئی، اب اس کے بعد اصل موضوع شروع کیا جاتا ہے۔

آدمیوں اور جانوروں کے جسموں پر آنحضرت ﷺ کے نام اور کلمہ کے نقش

اصل بیان آنحضرت ﷺ کے نام نامی کے پتھروں اور درختوں اور مختلف چیزوں وغیرہ پر لکھا ہوا پایا جانے کا چل رہا ہے چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدمؑ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان یہ کلمہ لکھا ہوا تھا۔ **محمد رسول اللہ خاتم النبیین** محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری پیغمبر ہیں۔

نومولود بچے کے مونڈھوں پر کلمہ کا نقش

اسی طرح ایک بزرگ نے اپنا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے خراسان کے علاقے میں ایک نومولود بچے کو دیکھا جس کے مونڈھے پر **لاالٰہ الا اللہ** اور دوسرے پر **محمد رسول اللہ** لکھا ہوا تھا۔ ایک بزرگ روایت کرتے ہیں کہ ۶۷۴ھ میں میرے بکری کا ایک بچہ پیدا ہوا جس کی پیشانی پر ایک بالکل گول سفید دائرہ تھا اور اس میں بہت خوبصورت اور صاف خط میں محمد ﷺ لکھا ہوا تھا۔ ایسے ہی ایک روایت میں ہے کہ میں نے افریقہ کے ملک مغرب یعنی مراکش میں ایک بچہ دیکھا جس کی دائیں آنکھ کے سفید ڈھیلے میں نیچے کی طرف سرخ پانی سے بہت باریک خط میں محمد رسول اللہ ﷺ لکھا ہوا تھا۔

علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جس روز میں اس کتاب کا یہ حصہ لکھ رہا تھا اس روز میں نے نبوت کی ایک نشانی دیکھی وہ یہ کہ ایک شخص میرے پاس ایک بکرے کے بچے کا سر لایا یہ بکری اس نے ذبح کی تھی اور اس کو پکا کر کھا بھی چکا تھا اس نے مجھے دکھایا کہ اس سر میں قدرتی تحریر سے پیشانی پر بہت صاف صاف یہ لکھا ہوا تھا۔ ''لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے جس کے ذریعہ وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔'' پھر علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نام بار بار لکھنے میں حکمتیں چھپی ہیں ورنہ ظاہر کے کے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ بھولتا نہیں۔ یہاں تک علامہ کا کلام ہے۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ شاید اس ہدایت کے بلند اور اونچے مقام کی وجہ سے یہ تاکید کی گئی ہے۔

ایک افتادہ پتھر پر تحریر

علامہ زہری سے روایت ہے کہ ایک روز میں ہشام بن عبدالملک کے پاس جا رہا تھا۔ جب میں بلقار کے مقام پر پہنچا تو مجھے وہاں ایک پتھر ملا جس پر عبرانی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ میں اس پتھر کو لے کر ایک شیخ کے پاس پہنچا جو عبرانی زبان جانتے تھے اور وہ اسے پڑھ کر ہنسے اور بولے کہ یہ عجب معاملہ ہے اس پر یہ لکھا ہے کہ اے اللہ تیرے نام سے شروع کرتا ہوں صاف عربی زبان میں تیرے رب کی طرف سے حق اور سچائی کا پیغام آ گیا۔ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ. اس کو حضرت موسیٰ بن عمران نے لکھا ہے۔

(بحوالہ تغیر وتبدل کے ساتھ جستہ جستہ از سیرت حلبیہ، جلد اول نصف آخر)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

❀❀❀

خصوصیت نمبر ۶۸

رسولِ اکرم ﷺ کا نام عرش پر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اڑسٹھ نمبر خصوصیت پیش کی جارہی ہے، جس کا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کا نام عرش پر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے" الحمد للہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں کہ جس ذات نے ریاض الجنۃ میں بٹھا کر اپنے محبوب ﷺ کی خصوصیت سے متعلق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور مزید اسی اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو مقبول و منظور بھی فرمائے گا انشاء اللہ۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی منجملہ خصوصیات میں سے یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ عرش پر لکھا ہوا ہے، جبکہ دیگر انبیاء کرام سے متعلق کہیں ایسی خصوصیت نظر نہیں آتی یقیناً یہ آپ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی خاص محبت کی علامت ہے جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ کس طرح عرش پر آپ ﷺ کا نام لکھا ہے اور کہاں سے یہ بات ثابت ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کا مطالعہ بھی ہمارے ایمان میں اضافے کا باعث اور رسول اللہ سے سچی محبت کا سبب بنے گا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم سب کی کامیابی و کامرانی صرف اور صرف اپنے نبی ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کے اندر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر جاننے اور آپ ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

لیجئے اب آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

اڑسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں لکھا ہے کہ۔ "یہ بات آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ عرش پر اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ آپ ﷺ کا نام نامی بھی لکھا ہوا ہے۔" اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: میں نے عرش کو پانی کے اوپر پیدا کیا تو اس کی ہیبت سے پانی لرزنے لگا تب میں نے عرش پر لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ لکھ دیا جس کی برکت سے عرش ساکن ہوگیا۔

اسی طرح اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ تمام ملکوت یعنی آسمانوں اور جنتوں اور ان میں جو کچھ ہے ان سب پر آنحضرت ﷺ کا نام نامی لکھا ہوا ہے۔ علامہ سیوطیؒ کی ہی دوسری کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ عرش پر، ہر آسمان پر، تمام جنتوں پر، اور ان میں موجود چیزوں پر اور تمام ملکوت میں جو کچھ بھی ہے ان سب پر آنحضرت ﷺ کا نام نامی لکھا ہوا ہے۔

مولف سیرت حلبیہ کہتے ہیں: یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک روایت پچھلے صفحوں میں گزری ہے کہ جب آدمؑ زمین پر اترے تو تنہائی کی وجہ سے بہت پریشان اور وحشت زدہ ہوئے۔ آخر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے زور سے اذان دی جس میں دو مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہا، دو مرتبہ اشھد ان لا الہ الا اللہ کہا اور دو مرتبہ اشھد ان محمد الرسول اللہ۔ آنحضرت ﷺ کا نام سن کر آدمؑ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا۔ "محمد کون ہیں؟" جبرئیل نے کہا "وہ آپ کی اولاد میں سے سب سے آخری نبی ہوں گے۔"

اب اس روایت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر عرش اور جنتوں اور آسمانوں میں ہر جگہ اور ہر ہر چیز پر آنحضرت ﷺ کا نام لکھا ہوا موجود ہے تو آدمؑ نے جنت میں رہتے ہوئے اس نام کو ضرور دیکھا ہوگا اور آپ ﷺ کو جانتے ہوں گے۔ یا ایسے ہی ایک روایت میں آتا ہے کہ

آدمؑ نے فرمایا کہ جب مجھ میں روح ڈالی جارہی تھی تو روح کے ٹانگوں تک پہنچنے سے پہلے ہی میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور عرش پر میری نظر پڑی تو وہاں آنحضرت ﷺ کا نام لکھا ہوا دیکھا۔ تو ان سب روایتوں میں معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ آنحضرت ﷺ کو جانتے تھے لہٰذا اس روایت میں انکا آنحضرت ﷺ کے متعلق پوچھنا شبہ کا باعث بنتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کو درست ماننے کی صورت میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے اس سوال کے ذریعہ آدمؑ یہ اطمینان کرنا چاہتے ہوں کہ آیا یہ محمد ﷺ کوئی اور ہیں یا وہی جن کا نام انہوں نے آسمانوں میں لکھا ہوا دیکھا تھا اور جن کے بارے میں ان کو بتلایا گیا تھا کہ ان کی اولاد میں وہ آخری نبی ہوں گے اور یہ کہ اگر وہ یعنی آنحضرت ﷺ نہ ہوتے تو خود آدمؑ کو بھی پیدا نہ کیا جاتا اور جن کے نام سے آدمؑ نے اپنی دعا میں سفارش کی تھی، بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے۔ (بحوالہ چیدہ چیدہ از سیرت حلبیہ جلدِ اوّل)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۶۹

رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق وحشی جانوروں کے منہ سے بھی صدائیں بلند ہوئیں

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ انہتر ویں خصوصیت پیش کی جارہی ہے، جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق وحشی جانوروں کے منہ سے بھی صدائیں بلند ہوئیں" الحمدللہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی، اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکرادا کرتا ہوں۔

بہرحال محترم قارئین! آپ ﷺ کی یہ عظمت اور بلند شان ہے کہ آپ ﷺ کے ظہور کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس طرح متعارف کروایا کہ دنیا کے ہر ہر کونے سے آپ ﷺ کے ظہور سے متعلق خوشخبریاں سنائیں۔ جیسا کہ ذیل کی خصوصیت میں بھی آرہا ہے کہ آپ ﷺ کے ظہور سے متعلق وحشی جانوروں کے منہ سے بھی صدائیں بلند ہوئیں، جیسا کہ آنے والے اوراق میں احادیث کی روشنی میں آپ اس کی تفصیل کو ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمایئے۔

انہترنمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

آپ کے ظہور کے متعلق بعض وحشی جانوروں نے بھی کلام کیا ہے۔ ایسے واقعات میں سے ایک یہ ہے جس کو حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ جزیرہ عرب

میں ایک چرواہا اپنی بکریاں چرا رہا تھا کہ اچانک وہاں ایک بھیڑیا (بجائے چرواہے پر حملہ کرنے یا بھاگ جانے کے) اسی وقت اپنی پچھلی ٹانگوں پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا جو تو میرے اور اس رزق کے درمیان حائل ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا تھا؟" یہ سن کر وہ چرواہا (سخت حیران ہوا اور) کہنے لگا۔" مجھے تو یہ حیرت ہے کہ ایک بھیڑیا مجھ سے انسانوں کی طرح بات کر رہا ہے۔" اس پر اس بھیڑیے نے کہا۔ کیا میں تجھے اس سے بھی زیادہ حیرت ناک اور عمدہ بات بتلاؤں۔ کہ رسول اللہ ﷺ جو حرہ کے دونوں مقامات کے درمیان میں ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو یثرب میں ہیں لوگوں کو گزشتہ واقعات کی خبریں دے رہے ہیں۔ ایک روایت کے لفظ یوں ہیں کہ پچھلی باتیں بتلاتے ہیں اور اسی طرح وہ باتیں بھی جو تمہارے بعد یعنی آئندہ زمانے میں پیش آنے والی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ باتیں چرواہے کے دل میں گھر کر گئیں اور وہ تحقیق اور تصدیق کے لئے بکریاں گھر پہنچا کر مدینہ منورہ پہنچا اگلے دن جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے بھیڑیے کی بات آپ سے بیان کی۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔

"چرواہا سچ کہتا ہے۔ بیشک قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وحشی درندے انسانوں سے کلام کریں گے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ قیامت اس وقت تک ہرگز قائم نہیں ہوگی جب تک انسان سے اس کے جوتے کے تسمہ تک بھی بات نہیں کرے گا۔ (تسمہ سے مراد وہ فیتہ ہے جو جوتے کے اوپر ہوتا ہے اور اسی طرح اس کے چابک کی گانٹھ اور ایک قول کے مطابق تسمہ کے ایک حصہ کو کہتے ہیں) اور اس کو بتلا نہیں دے گا کہ اس کے گھر والے کیا کر رہے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس چرواہے کی بات سننے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ سب لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کی ہدایت کی جائے (جب سب لوگ آگئے تو) آپ

حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے اور چرواہے کو حکم دیا کہ لوگوں کو اپنا واقعہ سناؤ۔ چنانچہ اس نے یہ واقعہ کہہ سنایا۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ یہ چرواہا ایک یہودی تھا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ بھیڑیئے نے چرواہے سے یہ کہا تھا۔ "مگر تو تو مجھ سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ یہاں اپنی بکریاں لئے کھڑا ہوا ہے اور اس عظیم نبی کی طرف توجہ نہیں دی جس سے بڑی شان کا نبی آج تک ظاہر نہیں ہوا تھا۔ جن کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور جنت کے لوگ ان کے صحابہ کو جنگیں کرتے ہوئے شوق سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ تیرے اور اس نبی کے درمیان صرف اس گھاٹی کا فاصلہ ہے۔ اس لئے جا اور اللہ تعالیٰ کے لشکر میں شامل ہو جا۔" یہ سن کر چرواہے نے کہا۔ "پھر میری بکریوں کی رکھوالی کون کرے گا؟" بھیڑیئے نے کہا۔ "جب تک تو واپس آئے میں ان کی رکھوالی کروں گا۔" چرواہے نے اسی وقت بکریاں بھیڑیئے کے سپرد کیں اور خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا۔ "اپنی بکریوں کے پاس جاؤ تم ان کو اتنی ہی پاؤ گے جتنی چھوڑ کر آئے تھے یعنی بھیڑیئے نے ان میں سے ایک کو بھی نہیں کھایا ہوگا۔"

چنانچہ چرواہا وہاں واپس پہنچا تو اس نے بکریوں کو جوں کا توں پایا (بھیڑیا بھی وہاں پر موجود تھا) پھر اس نے ایک بکری بھیڑیئے کے لئے کاٹی۔

آپ کے ظہور سے متعلق ذبح شدہ جانوروں کے پیٹ سے بھی صدائیں بلند ہوئیں

رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے وقت ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ ذبح کئے ہوئے جانوروں کے پیٹ سے آپ ﷺ کے متعلق آوازیں بلند ہوئیں اور لوگوں نے انہیں سنا (یہ بات واضح رہے کہ جب کسی نبی کے ظہور کا وقت آتا ہے تو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ دنیا میں عجیب اور غیر معمولی واقعات فرماتا ہے جو اس بات کی علامت ہوتے ہیں کہ دنیا میں کوئی نیا اور غیر معمولی واقعہ ہونے والا ہے۔ ایسے عجیب اور غیر معمولی واقعات کو شریعت کی اصطلاح میں ارہاصات کہا جاتا ہے۔

ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے جسے حضرت عمر فاروقؓ نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم قبیلہ قریش کے ایک محلے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں رہنے والے خاندان کو آل ذریح کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے ایک بچھڑا ذبح کیا ہوا تھا اور قصائی اس کا گوشت بنا رہا تھا کہ اچانک اس بچھڑے کے پیٹ میں سے ہمیں ایک آواز سنائی دی۔ حالانکہ بولنے والے کا کہیں پتا نہ تھا وہ آواز یہ کہہ رہی تھی۔

"اے آل ذریح! ایک زبرست واقعہ پیش آ رہا ہے۔ پکارنے والا پکار رہا ہے اور بہت فصیح انداز میں گواہی دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود اور عبادت کے لائق نہیں ہے۔"

خود ذریح کے معنی سرخ کے ہیں لہذا ذریح سے مراد ذبح کیا ہوا بچھڑا ہے کیونکہ وہ خون میں لتھڑا ہوا ہوتا ہے چنانچہ عربی میں گہرے سرخ رنگ کو احمر ذریحی کہا جاتا ہے۔

بخاری شریف میں اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

اے جلیح! ایک بڑا واقعہ پیش آ رہا ہے۔ پکارنے والا پکار رہا ہے اور ایک فصیح و شائستہ آدمی گواہی دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔"

یہاں جلیح سے مراد بھی ذبح کیا ہوا بچھڑا ہے کیونکہ جلیح کھلی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور ذبح کئے ہوئے بچھڑے کی کھال اتار کر اس کا گوشت پوست بھی کھول دیا جاتا۔

(بحوالہ سیرت حلبیہ ج ۱)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

خصوصیت نمبر ۷۰

رسولِ اکرم ﷺ کی امت میں اللہ تعالیٰ نے اونچے درجے کے علماء پیدا فرمائے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ستر نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی امت میں اللہ تعالیٰ نے اونچے درجے کے علماء پیدا فرمائے'' بیشک ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی امت میں اللہ تعالیٰ نے عظیم اور اونچے درجے کے علماء پیدا فرمائے، جیسا کہ انشاء اللہ آنے والے اوراق میں آپ اس خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں گے، آنے والے اوراق میں بطور نمونہ کے ہم نے آپ ﷺ کی امت میں سے دس علماء کرام کی سیرت کو مرتب کیا ہے، ان حضرات کی سیرت کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہو جائے گا کہ اللہ نے آپ ﷺ کی امت میں کیسے کیسے عظیم علماء پیدا فرمائے، واضح رہے کہ آپ ﷺ کو صحابہ کی جو عظیم جماعت ملی وہ بھی آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے، اسکی تفصیل انشاء اللہ اگلی جلد میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ دیگر جس قدر امتیں گزری ہیں کسی نبی کی امت میں ایسے ایسے عظیم علماء نہیں ملتے تو معلوم ہوا کہ یہ خاصہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے، چنانچہ ہمیں بھی چاہیے کہ رسول اکرم ﷺ کی امت میں پیدا ہونے پر اپنے اللہ کا خوب خوب شکر ادا کریں، اور اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کے ساتھ ان کی مکمل اتباع کریں۔ بے شک اسی میں ہماری کامیابی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچا امتی بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

سترنمبر خصوصیت کی وضاحت

منجملہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے اس امت کے علماء وصلحاء آپ کی نبوت و رسالت کی عظیم خصوصیت ہیں، کہ حق جل شانہ نے آپ کی امت کو خیر الامم بنایا اور انبیاء کرام ؑ کا وارث بنایا، اور ایسا بے مثال حافظہ اور بے نظیر علم وفہم عطا کیا کہ اولین وآخرین میں اس کی نظیر نہیں حضرات محدثین کو قوت حافظہ میں کراما کاتبین کا نمونہ بنایا اور حضرات فقہاء کو قوت اجتہاد واستنباط عطا کی اور فہم وادارک ونکتہ سنجی ودقیقہ رسی میں ملائکہ مقربین کا نمونہ بنایا اور اولیاء عارفین کو اپنے عشق اور محبت کی دولت سے نوازا اور عرش عظیم اور بیت المعمور کا لیل و نہار طواف کرنے والے فرشتوں کا نمونہ بنایا کسی امت میں علماء اسلام جیسا علم اور تحقیق و تدقیق کا نام ونشان نہ ملے گا اور نہ ان کی بے مثال اور بلند پایہ تصانیف کی کوئی نظیر نظر آئے گی۔

مغربی اقوام نے صنعت اور کاریگری میں حیرت انگیز کرشمے دکھائے، مگر ان قوموں میں توریت اور انجیل کا نہ کوئی بخاری اور مسلم نظر آتا ہے کہ جس کو توریت وانجیل ازبر یاد ہو اور نہ یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن معین جیسا اسماء الرجال کا حافظ وعالم پیدا ہوا تو جن قوموں نے اپنے پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں میں دیدہ دانستہ تحریف کر ڈالی، ایسی قوموں میں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسا حافظ حدیث ناممکن اور محال ہے۔ اور نہ یہود اور نصاریٰ کے اولین وآخرین میں ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ جیسا فقیہ اور مجتہد نظر آتا ہے کہ جو دین ودنیا اعتقادت عبادات معاملات، معاشرت، سیاست مکہ ومدینہ کے تمام مسائل کو توریت وانجیل کی نصوص کی روشنی میں حل کر سکے، اور نہ ابوالحسن اشعری، ابومنصور ماتریدی، غزالی اور رازی جیسا کوئی متکلم کسی امت میں نظر آتا ہے کہ جب میدان مباحثہ ومناظرہ میں نکلے تو عقائد اسلامیہ کی تحقیق کے لئے عقلی ونقلی دلائل کا لشکر اس کے ساتھ ہو اور باطل کی گردن پر اس کی تیغ بے دریغ چل رہی ہو اور دنیا اسلام کی سرفرازی اور سربلندی، کفر وباطل کی ذلت وخواری

اور سرنگونی کا تماشہ دیکھ رہی ہو اور نہ جنید و شبلی، بایزید اور معروف کرخی جیسا عابد و زاہد اور خداوند ذوالجلال کا عاشق اور مجنون کسی امت میں پیدا ہوا اور نہ خلیل بن احمد اور سیبویہ جیسا علم اعراب کا موجد و امام کسی ملت میں ہوا اور نہ عبدالقاہر جرجانی اور سعد الدین تفتازانی جیسا اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز کا امام کسی امت میں پیدا ہوا۔

علمائے یہود اور علمائے نصاریٰ عبرانی، سریانی یا انگریزی زبان کی لغت میں کوئی لسان العرب، قاموس اور تاج العروس جیسی کتاب تو دکھلائیں جمال الدین ابن حاجب اور جامی کا ذکر کیا کروں میزان و منشعب اور صرف میر و نحو میر، جو علم صرف و نحو کی بالکل ابتدائی کتابوں میں ہیں، روئے زمین کے علمائے یہود و نصاریٰ عبرانی و سریانی یا انگریزی زبان کے متعلق کوئی میزان یا منشعب تو دکھلائیں بطور نمونہ ان چند علوم کا ذکر کر دیا گیا ہے علاوہ ازیں دیگر علوم کو انہی پر آگے قیاس کر لیا جائے۔

یہود و نصاریٰ سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ علمائے اسلام کا شریعت موسویہ اور شریعت عیسویہ کے علماء اور فضلاء سے موازنہ کر کے دیکھو صنعتی اور حرفتی ترقی پر نظر نہ کرو یہ علمی اور اخلاقی ترقی نہیں بلکہ یہ کاری گری ہے، اس میں دن بدن ترقی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اسلام میں یہ علمی، اخلاقی ترقی سب آنحضرت ﷺ کی شریعت کی اتباع کی برکت سے ہوئی، کیا یہ اسلام کا معجزہ نہیں کہ شریعت اسلامیہ کی برکت سے علم و حکمت کے دروازے کھل گئے اور امت محمدیہ میں ایسے بے مثل علماء و فضلاء اور اولیاء و اتقیاء پیدا ہوئے کہ کسی امت میں ان کی نظیر نہیں۔

بطور نمونہ کے ہم صرف دس علماء کے سیرت پیش کررہے ہیں۔ تاکہ اندازہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی امت میں کیسے کیسے عظیم علماء اور زعماء پیدا فرمائے، چنانچہ امت محمدیہ ﷺ کے دس علماء کو بطور نمونہ کے پیش کیا جارہا ہے۔ صحابہ کرام کا مرتبہ و مقام اپنی جگہ پر ہے، بے شک تمام صحابہ ہی ایسے عظیم ہیں کہ جنکا مقابلہ پچھلی امتوں کے لوگ نہیں کرسکتے۔ علاوہ ازیں صحابہ کے بعد بھی اس امت میں ایسے ایسے عظیم رجال کار افراد ہوئے

کہ پہلی امتیں ان کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں، لیجئے چند کا ذکر ملاحظہ فرمایئے۔

داعی حق حضرت سعید بن جبیر شہید رحمہ اللہ

حضرت ابوعبداللہ سعید بن جبیرؒ کا شمار ان جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے جو علم وعمل کا مجمع البحرین تھے۔ کوفہ کے رہنے والے تھے اور بنی والبہ بن الحارث بن ثعلبہ بن دودان کے غلام تھے۔ والبہ بن اسد کی ایک شاخ تھا۔ اس نسبت سے انہیں والبی والاسدی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ جیسی بلند مرتبہ شخصیتوں کے فیضانِ علم سے پورا پورا استفادہ کیا تھا اور علم وفضل کا بحرِ زخار بن گئے تھے۔ تفسیر حدیث اور فقہ میں وحید العصر تھے۔ ان کے علم وفضل سے ایک دنیا فیض اٹھاتی تھی۔ حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب نہ ہوتے تھے اور بے دھڑک حق بات اس کے منہ پر کہہ دیتے تھے۔ بے حد عابد وزاہد تھے۔ خشیت الٰہی اور سوز گداز کا اتنا غلبہ تھا کہ ہر وقت آنکھیں اشکبار رہتی تھی۔ قرآن کریم کے حافظ تھے اور عام طور پر دو رات میں پورا قرآن ختم کر لیتے تھے۔ حج بیت اللہ کے لئے اکثر جاتے تھے اور فرط ذوق وشوق میں کوفہ ہی سے احرام باندھ لیا کرتے تھے۔ لوگوں کی عیب جوئی اور غیبت سے سخت پرہیز کرتے۔ ان کی زبان پر ہر وقت یہ دعا جاری رہتی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ صِدْقَ التَّوَکُّلِ عَلَیْکَ وَ حُسْنَ الظَّنِّ بِکَ (الٰہی میں تو اس چیز کا طالب ہوں کہ تجھ پر سچا توکل اور حسنِ ظن حاصل ہو)

اپنے نفس کو بے حد حقیر سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ کسی شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھتا ہوں مگر جب اپنے آپ پر نظر ڈالتا ہوں تو اس کو ٹوکتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ کسی نے پوچھا سب سے بڑا عابد کون ہے؟ فرمایا: جس نے گناہوں میں مبتلا ہو کر توبہ کر لی اور پھر یہ خیال کیا کہ میری سب نیکیاں گناہوں کے مقابلہ میں بے حقیقت ہیں۔

اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات سمجھتے تھے اور محض نماز و روزہ اور ذکر و شغل کو اسلام نہیں سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے "ذکر یہ ہے کہ آدمی زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی اطاعت کرے، جس نے اپنے ہر قول و فعل میں اللہ کے احکام کی اطاعت نہ کی، وہ خواہ کتنی ہی عبادت کرے اسے اللہ کی یاد رکھنے والا نہیں کہا جا سکتا۔ اللہ کی یاد تو یہ ہے کہ اس کا خوف گناہ کرنے کی طاقت ہی نہ چھوڑے۔" نماز پڑھتے وقت سورۂ بقرۃ کی آیت کو بار بار دہرایا کرتے تھے اور خوف خدا سے کانپا کرتے تھے۔ واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله اس دن سے ڈرو جس دن خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سعیدؒ بن جبیر کے فتووں پر اتنا اعتماد تھا کہ اگر کوفہ سے کوئی شخص ان سے فتویٰ لینے یا کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو معاً اس سے یہ سوال کرتے: "کیا تمہارے شہر میں سعیدؒ بن جبیر نہیں ہیں؟"

ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت سعید سے کہا، حدیث سناؤ۔ انہوں نے عرض کیا، میں آپ کی موجوگی میں حدیث کس طرح سنا سکتا ہوں۔ ابن عباس نے فرمایا: "کیا یہ خدا کی نعمت نہیں کہ تم میرے سامنے حدیثیں بیان کرو، اگر صحیح بیان کرو گے تو بہتر ورنہ میں تصحیح کر دوں گا۔"

ایک دفعہ حضرت سعیدؒ بن جبیر کے علم و فضل کے اعتراف میں حجاج بن یوسف ثقفی نے انہیں جامع کوفہ کا امام اور کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ جب کوفہ کے لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارا قاضی کوئی عربی النسل شخص ہونا چاہیے تو حجاج نے انہیں منصب قضا سے ہٹا دیا۔ سعیدؒ بن جبیر نے خلق خدا کو فیض پہنچانے کی غرض سے عہدہ امامت و قضا قبول کر لیا تھا ورنہ حجاج بن یوسف کے مظالم کی وجہ سے اس سے سخت نفرت کرتے تھے۔ حجاج نے ہزار ہا بندگان خدا کا خون ناحق بہایا تھا۔ بیت اللہ پر سنگباری کر کے اس کی بے حرمتی کی تھی۔ حواری رسول ﷺ حضرت زبیرؓ بن العوام کے جلیل القدر فرزند اور صدیق اکبرؓ کے نواسے عبداللہ (ابن زبیرؓ) کو شہید کیا تھا اور ذات النطاقین اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ کی توہین کی تھی۔ وہ رسول کریم ﷺ

کی اس پیشنگوئی کا مصداق تھا کہ قبیلہ ثقیف میں کذاب اور ظالم پیدا ہوگا۔ حضرت اسماؓ کے قول کے مطابق کذاب مختار ثقفی تھا اور ظالم حجاج ثقفی۔ سعیدؒ بن جبیر حجاج کے مظالم اور سفاکیوں سے سخت نالاں تھے۔ چنانچہ جب اس کے ایک جرنیل ابن اشعث نے حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تو ابن جبیرؒ نے کھلم کھلا ابن اشعث کا ساتھ دیا۔ انہوں نے فتویٰ دے دیا کہ حکومت وقت کے خدا کے بندوں پر مظالم نمازوں میں تاخیر اور مسلمانوں کی تذلیل وتحقیر پر اس کا مقابلہ کرے۔ اس فتویٰ کی بناء پر حجاج ان کا جانی دشمن بن گیا۔

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد بنی امیہ کی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔ انکی بے پناہ عسکری طاقت نے ابنِ اشعث کو شکست دی اور وہ سیستان کی طرف نکل گیا۔ سعیدؒ بن جبیر مکہ چلے گئے اور وہاں بنی امیہ کی طرف سے خالد بن عبداللہ قسری حاکم تھا۔ اس نے سعیدؒ بن جبیر کو پکڑ کر حجاج کے پاس بھجوادیا۔

حجاج انہیں دیکھتے ہی شعلہ جوالہ بن گیا۔ اسکی جفا جو اور خون آشام طبیعت کو ایک ضیافت ہاتھ آگئی۔ سعیدؒ بن جبیر اور اس کے درمیان اس موقع پر جو گفتگو ہوئی تاریخ نے اسے اپنے صفحات میں محفوظ کرلیا جس سے حضرت سعید بن جبیر کی ہمت واستقامت اور جرأت ومردانگی کا پتہ چلتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل یہ ہے:

حجاج: (طنزاً) تمہارا نام کیا ہے؟

سعیدؒ: سعیدؒ بن جبیر (سعید کے معنی نیک بخت کے ہیں اور جبیر کے معنی اصلاح یافتہ چیز کے ہیں)

حجاج: (چیں بجبیں ہوکر) انت لشقی بن کسیر (تم شقی بن کسیر ہو)
(شقی کے معنی بد بخت اور کسیر کے معنی ٹوٹی پھوٹی چیز کے ہیں۔)

سعیدؒ: میری ماں میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔

حجاج: شَقِیتْ اُمُّکَ وَشَقِیَ أنت تم بھی بد بخت ہو اور تمہاری والدہ بھی بد بخت

سعیدؒ: غیب کا علم تیرے پاس نہیں، یہ کسی دوسری ذات کے پاس ہے۔

حجاج: میں تم کو دنیا کے بدلے بھڑکتی ہوئی آگ کے سپرد کردوں گا۔

سعیدؒ: اگر میں یہ جانتا کہ ایسا کرنا تیرے اختیار میں ہے تو تجھے عبادت کے لائق سمجھتا۔

حجاج: رسول کریم ﷺ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

سعید: آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے، ہمارے ہادی ورہبر تھے۔۔۔ اور رحمۃ للعلمین تھے۔

حجاج: علیؓ اور عثمانؓ کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے۔

سعیدؒ: علیؓ تو جوانوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ رسول کریم ﷺ کے چچازاد بھائی، سیدۃ النساء کے سرتاج اور حسنینؓ کے باپ تھے۔ عثمانؓ دامادِ رسول ﷺ تھے، ذوالنورین تھے۔ انہوں نے اپنا گھر بار راہ خدا میں لٹایا۔ ان کو ناحق قتل کیا گیا۔

حجاج: خلفاء کی نسبت تمہارا کیا قول ہے؟

سعیدؒ: لَستَ عَلَیھِم بِوَکیل (میں ان کا وکیل نہیں ہوں)

حجاج: ان میں سے کون سب سے بہتر تھا؟

سعیدؒ: ارضا ھُم لِخَالِقِی، جو میرے خالق کی رضا کا سب سے زیادہ پابند تھا۔

حجاج: خالق کی رضا کا کون سب سے زیادہ پابند تھا؟

سعیدؒ: عِلمُ ذالک عندَ الذِی یَعلَمُ سِرَّھُم ونجوٰاھُم ۔اس کا علم اس ذات کو ہے جو بھیدوں اور پوشیدہ باتوں سے واقف ہے۔

حجاج: امیر المومنین عبدالملک کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

سعیدؒ: اس کے عظیم گناہوں میں سے ایک گناہ تمہارا وجود ہے۔

حجاج: میرے متعلق کیا کہتے ہو؟

سعیدؒ: تمہارا قول و فعل کتاب الٰہی کے خلاف ہے۔ تم اپنا رعب اور دبدبہ قائم کرنے

کے لئے سفاکیاں کرتے ہو۔ یہ کام تمہیں برباد کر رہے ہیں۔ کل داورِ محشر کے سامنے حاضر ہو گے تو قدرِ عافیت معلوم ہو جائے گی۔

حجاج: تم پر ہلاکت ہو۔

سعیدؒ: ہلاکت اس شخص پر ہے جس کو جنت سے الگ کر کے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

حجاج: تم ہنستے کیوں نہیں؟

سعیدؒ: وہ کس طرح ہنس سکتا ہے جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور مٹی کو آگ کھا جاتی ہے۔

حجاج: پھر ہم لوگ تفریحی مشاغل سے کیوں ہنستے ہیں؟

سعیدؒ: سب کے دل یکساں نہیں ہوتے۔

حجاج: تم نے تفریح کا سامان کبھی دیکھا ہے؟

اب حجاج نے عود اور بانسری بجانے کا حکم دیا۔ سعیدؒ ان کی آواز کو سن کر رونے لگے۔

حجاج نے کہا، یہ رونے کا کیا موقع ہے؟ عود اور بانسری کے نغمے تو تفریح بخش ہیں۔

سعیدؒ نے جواب دیا۔ نہیں بانسری کی آواز نے مجھے وہ دن یاد دلایا جب صور پھونکا جائے گا اور عود ایک کاٹے ہوئے درخت کی لکڑی ہے جو ممکن ہے ناحق کاٹی گئی ہو اور اس کے تار بکریوں کے پٹھوں کے ہیں جو انکے ساتھ قیامت کے دن اٹھائی جائیں گی۔

اس گفتگو کے بعد حجاج بولا، سعید تمہاری حالت قابلِ افسوس ہے۔

حضرت سعیدؒ نے فرمایا: وہ شخص افسوس کے قابل نہیں ہے جو آگ سے نجات پا گیا ہو اور جنت میں داخل کر دیا گیا ہو۔

بعض روایتوں میں ہے کہ اس موقع پر حجاج نے بہت موتی زبرجد اور یاقوت منگوا کر اپنے سامنے رکھے۔ حضرت سعیدؒ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

"اگر تم نے انہیں اس لئے جمع کیا ہے کہ ان کے ذریعے یوم قیامت کے خوف سے

بچ جاؤ تو ٹھیک ہے ورنہ یاد رکھو کہ قیامت کا ایک جھٹکا دودھ پلانے والی عورتوں کو ان کے شیر خوار بچوں سے غافل کر دے گا اور جو چیزیں دنیا کے لئے جمع کی جائیں گی ان میں صرف پاکیزہ اور طیب ہی عمدہ اور پسندیدہ ہیں۔''

حجاج: کیا میں نے تمہیں کوفہ کا امام اور قاضی نہیں بنایا تھا؟

سعیدؒ: بیشک بنایا تھا۔

حجاج: کیا میں نے تمہیں ایک لاکھ کی رقم خیرات کرنے کے لئے نہیں دی تھی؟

سعیدؒ: بیشک دی تھی۔

حجاج: تو پھر تم میری مخالفت پر کیوں کمربستہ ہوئے۔

سعیدؒ: تمہارے مظالم اور بد اعمالیوں نے مجھے اس پر مجبور کیا اور پھر مجھے ابن اشعث کی بیعت کا بھی پاس تھا۔

حجاج: خدا کی قسم میں تجھے قتل کئے بغیر یہاں سے نہ ہٹوں گا۔

سعیدؒ: کوئی بات نہیں تم میری دنیا خراب کرو گے میں تمہاری آخرت برباد کر دوں گا۔

حجاج: بتاؤ تم کس طریقے سے قتل ہونا پسند کرو گے؟

سعیدؒ: تو خود ہی پسند کر۔ رب اکبر کی قسم جس طرح تو مجھ کو قتل کرے گا اسی طرح خدا تجھ کو آخرت میں قتل کرے گا۔

حجاج: کیا تمہارا جی چاہتا ہے کہ تمہیں معافی مل جائے؟

سعیدؒ: معافی دینا اللہ کے اختیار میں ہے، رہا تو ۔۔۔۔ تو یہ تیری قدرت سے باہر ہے کہ کسی کو بری کرے یا کسی کا عذر قبول کرے۔

حجاج: تو میں تم کو ضرور قتل کروں گا۔

سعیدؒ: ہر شخص کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اگر میرا آخری وقت آ گیا ہے تو اسے کوئی ٹال نہیں سکتا، اگر ابھی وقت نہیں آیا تو تو کوئی مجھے مار نہیں سکتا۔

اب حجاج فرطِ غضب سے بیتاب ہوگیا۔ جلاد کو حکم دیا کہ اسے لے جاؤ اور قتل کردو۔۔۔ اس وقت حاضرین میں سے ایک شخص بے قابو ہوکر اس معدن علم وفضل کی مصیبت پر رونے لگا۔ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا: "بھائی روتے کیوں ہو، ہر بات اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، پھر یہ آیت پڑھی:

﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ (الحدید آیۃ ۲۲)

"زمین میں جو مصیبتیں بھی پہنچتی ہیں، یا تمہارے نفسوں پر وارد ہوتی ہیں ان کے پیدا ہونے سے قبل کتاب میں لکھی ہیں۔"

اس کے بعد لڑکے کو آخری بار دیکھنے کے لئے بلا بھیجا۔ وہ آئے تو بے اختیار رونے لگے۔ سعیدؒ نے انہیں صبر کی تلقین کی اور کہا: "بیٹے اس سے زیادہ تیرے باپ کی زندگی تھی ہی نہیں، رونے سے کیا ہوگا۔" اب جلاد نے انہیں قتل کی طرف کھینچا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ حجاج نے کہا اسے واپس لاؤ۔ جب پھر حجاج کے سامنے آئے تو اس نے پوچھا: "تم کس بات پر ہنسے؟"

سعیدؒ نے جواب دیا: "**عجبت من جراتک علی اللہ وحلم اللہ علیک**"
(خدا کے مقابلے میں تیری جرأت اور تیری نسبت خدا کا عفو وحلم دیکھ کر مجھے تعجب ہوا)

حجاج اس فقرے کو سن کر اور بھڑک اٹھا اور جلاد کو حکم دیا اسے میرے سامنے قتل کرو۔

جلاد نے چمڑا بچھا دیا۔ حضرت سعیدؒ بھی سر کٹانے کے لئے مستعد ہوگئے اور قبلہ رو ہوکر یہ آیت پڑھی:

﴿اِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (الانعام آیۃ ۸۰)

"میں نے سب سے یکسو ہوکر اپنے تئیں اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے

آسمان وزمین بنائے، ایک طرف کا ہوکر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔"

حجاج نے حکم دیا اس کا منہ قبلے کی طرف سے پھیر دو۔

حضرت سعیدؒ کی زبان پر قرآن حکیم کے یہ الفاظ جاری ہوگئے:

﴿فَاَینَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجهُ اللہِ﴾ (سورہ بقرہ)

(جدھر رخ کرو ادھر اللہ کی ذات ہے)

اب حجاج نے حکم دیا اسے منہ کے بل لٹادو۔ سعیدؒ خود ہی اوندھے لیٹ گئے اور اس آیت کی تلاوت کی:

﴿مِنهَا خَلَقنٰکُم وَ فِیهَا نُعِیدُکُم وَمِنهَا نُخرِجُکُم تَارَۃً اُخرٰی﴾

(طٰہٰ آیت ۵۵)

"ہم نے اسی (زمین) سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے ایک دفعہ پھر نکالیں گے"

حجاج اب سخت مشتعل ہوگیا۔ اس نے چلا کر جلاد کو حکم دیا۔"اس کا سر فوراً قلم کردو۔"

سعیدؒ نے اس وقت بارگاہ رب العزت میں دعا مانگی، بارالٰہی میرے قتل کے بعد اس ظالم کو کسی اور کے قتل پر قادر نہ کرنا۔۔۔۔۔۔" پھر کلمہ شہادت پڑھا: **اشهدان لااله الا الله وحدهٗ لاشریک لهٗ وا شهدان محمد اعبدهٗ ورسوله ....**

ابھی کلمہ شہادت زبان پر جاری تھا کی جلاد کی تلوار گردن پر پڑی اور سر تن مبارک سے جدا ہوگیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخون وخاک غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شہادت کے بعد جسم مبارک سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ حجاج کو اتنا خون نکلنے سے بہت تعجب ہوا، اپنے طبیب خاص سے اس کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا:

دوسرے لوگوں کا خون قتل کا حکم سنتے ہی خشک ہوجاتا ہے لیکن سعیدؒ کی طبیعت بالکل مطمئن تھی اور قتل کا خوف مطلقاً ان کے دل میں نہ تھا۔ اسی لئے ان کے جسم سے خلاف

معمول زیادہ خون نکلا۔"

یہ المناک واقعہ شعبان ۹۴ھ میں پیش آیا، اس وقت حضرت سعیدؒ کی عمر باختلاف روایت ۴۹ یا ۵۷ سال کی تھی، ان کی شہادت سے لوگوں میں کہرام مچ گیا۔

خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا: خدایا ثقیف ظالم سے سعیدؒ کے قتل کا انتقام لے۔ خدا کی قسم دنیا کے تمام باشندے بھی سعیدؒ کے قتل میں شریک ہوتے تو خدا ان سب کو منہ کے بل نار جہنم میں جھونک دیتا۔"

اس واقعہ کے بعد حجاج تھوڑا ہی عرصہ زندہ رہا۔ اس کے معدے میں کیڑے پڑ گئے جسم میں سردی سما گئی اور عجیب وغریب دماغی عارضہ ہوگیا، اکثر بے ہوشی کے دورے پڑتے تھے، بے ہوشی کی حالت میں یارات کو خواب میں سعیدؒ بن جبیر اسے نظر آتے جو پوچھتے "فاسق تو نے مجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا؟" چونک کر کہتا "میرا سعید سے کیا تعلق۔"

غرض اسی طرح نہایت کرب والم کے عالم میں ۹۵ھ میں راہی ملک عدم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مرد صالح سعیدؒ بن جبیر کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور انکی شہادت کے بعد حجاج کسی شخص کے قتل پر قادر نہ ہوسکا۔

علامہ دمیریؒ نے حیوۃ الحیوان میں لکھا: "حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حجاج کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا کہ وہ بدبودار مردار کی صورت میں ہے۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ہر مقتول کے عوض میں جس کو میں نے قتل کیا تھا، ایک ایک دفعہ قتل کیا، لیکن سعید بن جبیرؒ کے بدلے میں مجھ کو ستر مرتبہ قتل کیا گیا۔"

اس کے بعد علامہ دمیریؒ لکھتے ہیں: "اگر کہا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حجاج کو ہر اس شخص کے بدلے میں، جس کو اس نے ایک مرتبہ قتل کیا اور سعید بن جبیرؒ کے بدلے میں ستر مرتبہ قتل کیا، حالانکہ حجاج نے عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی قتل کیا ہے تو عالم میں ان کے مثل بہت سے صحابہ موجود تھے جیسے عبداللہ بن عمرؓ اور انسؓ بن مالک وغیرہ ہم،

لیکن جب سعید بن جبیرؒ کو قتل کیا ہے تو کوئی نظیر ان کا موجود نہ تھا اور اکثر مصنفین نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت حسن بصریؒ کو سعید بن جبیر کی خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم سعید بن جبیر دنیا سے ایسے وقت میں اٹھے کہ جب تمام دنیا مشرق سے لیکر مغرب تک ان کے علم کی محتاج تھی۔ یہ وجہ تھی کی ان کے قتل کی وجہ سے حجاج پر زیادہ عذاب ہوا۔" (حیوٰۃ الحیوان)

حضرت سعیدؒ کو شہر واسط میں سپرد خاک کیا گیا، انہوں نے اپنے پیچھے تین لڑکے چھوڑے، عبداللہ، محمد اور عبدالملک۔

ابن سعدؒ نے حضرت سعیدؒ کا حلیہ اس طرح لکھا ہے: رنگ سیاہ، سر اور داڑھی کے بال سفید، خضاب لگانا پسند نہ کرتے تھے۔ کسی نے ویمہ کے خضاب کے بارے میں پوچھا، فرمایا: اللہ تو بندہ کے چہرے کو نور سے روشن کرتا ہے اور بندہ اس کو سیاہی سے بجھا دیتا ہے۔

حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں بیان کیا ہے کہ سعید بن جبیر عمامہ باندھا کرتے تھے، اور پیچھے کی طرف ایک بالشت شملہ چھوڑ دیا کرتے تھے۔

ان کے ارشد تلامذہ میں دو صاحبزادوں عبداللہ اور عبدالملک کے علاوہ ابواسحٰق سبیعی، عطاء بن سائب، اشعثؒ بن الشعشا طلحہؒ بن مصرف، عبدالملک بن سلیمان ابوالزبیر مکیؒ اور آدم بن سلیمان جیسے اکابر امت شامل ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب...... نعمان نام، ابوحنیفہ کنیت، امام اعظم لقب، شجرہ نسب یہ ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ، شجرہ نسب سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے۔ تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی نے امام کے پوتے اسماعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان، ہم لوگ نسل فارس سے ہیں۔ اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

انہوں نے ان کے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی، ہم کو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی۔ (بحوالہ تاریخ بغداد)

امام صاحب کے پوتے اسماعیل نے اپنے پردادا کا نام نعمان بتایا اور سگڑ دادا کا نام مرزبان۔ عام طور پر زوطی اور ماہ مشہور ہیں۔ غالباً جب زوطی ایمان لائے تو ان کا نام زوطی سے نعمان میں بدل دیا گیا۔ اور اسماعیل نے سلسلۂ نسب کے بیان میں زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلامی کا مقتضا بھی یہی تھا۔ زوطی کے والد کا نام غالباً کچھ اور ہوگا۔ اور ماہ اور مرزبانی لقب ہوں گے۔ کیونکہ اسماعیل کی روایت سے اس قدر اور بھی ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا۔ فارسی میں رئیس شہر کو مرزبان کہتے ہیں اس لئے نہایت قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں نہ کہ نام، حافظ ابوالمحاس نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہوں گے انہوں نے قیاساً کہا کیونکہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے لیکن یہ یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان ہم معنی لفظ ہیں۔ ماہ دراصل وہی مہ ہے جس کے معنی بزرگ اور سردار کے ہیں۔

عام طور پر دشمنوں نے امام صاحب کے متعلق یہ مشہور کر رکھا ہے کہ وہ غلام تھے۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ امام صاحب نے وہ شہرت دوام حاصل کی۔ جس سے جریدہ عالم پر ان کی زندگی نقش ہوگئی جیسا کہ مشہور ہے۔ ثبت است بر جریدہ عالم دوام۔

بعض مورخ امام صاحب کے دادا زوطی جن کا اسلامی نام نعمان تھا کہ بارے میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خرید لیا۔ کچھ دنوں غلامی میں رہے پھر اس نے آزاد کر دیا اسی لئے امام کا خاندان مولیٰ بنی تیم اللہ کہلاتا ہے۔ اول تو یہ ایک تاریخی غلطی ہے۔ جس کو بعض مورخوں نے امام صاحب کے حسد میں خوب اچھالا لیکن اگر درست بھی ہو تو یہ کوئی عیب نہیں اگر ہم صحابہ اکرام میں سے چوٹی کے فقہاء اور مفسرین کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ان میں سے اکثر غلام تھے ان مقتدر حضرات میں ذرا ناموں کی فہرست ملاحظہ فرمائیں کہ یہ سب غلام تھے لیکن انکا نام ان کا

تذکرہ باعث ثواب وعزت ہے۔ ان کے وسیلے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے۔ ان بزرگوں میں چند یہ ہیں۔ امام حسن بصری، ابن سیرین، طاؤس، عطاء بن یسار نافع، عکرمہ مکحول، یہ چند علماء اور فقہا تھے۔ جو غلام تھے تو اگر امام صاحب غلام ہوئے بھی تو کیا عیب ہے۔

پھر انہی پر کیا بس ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے کئی سال مصر میں غلامی کی زندگی گزاری ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ تو ثابت ہوا کہ غلام ہونا کوئی عیب نہیں۔ رہا یہ سوال کہ امام صاحب دادا مولیٰ سے کیسے مشہور ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عرب میں دستور ہے کہ جب کسی سے تعلق جوڑتے ہیں۔ یا کسی کو امن دیتے ہیں تو مولیٰ مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اس جگہ ہذا مولای کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ قوی امکان ہے کہ امام صاحب کے دادا نے بھی عرب کے کسی قبیلے سے اپنا تعلق استوار کرلیا ہو اور اس تعلق کی وجہ سے مولیٰ مشہور ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ خیال عام ہو گیا اور مؤرخوں نے جن کی عادت ہوتی ہے کہ بات کی تحقیق کئے بغیر قبول نہیں کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل کو اپنے بیان میں خاص طور پر یہ کہنا پڑا کہ ہم غلام نہیں ہیں۔ اور نہ کبھی غلام ہوئے۔ اسماعیل کی روایت کئی وجوہ سے قابل قبول ہے۔ کیونکہ یہ نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے۔ قاضی صمیری نے اس کی تصریح کی ہے کہ زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف تھے۔ زوطی کی نسبت یہ معلوم نہ ہوسکا۔ کہ ان کا خاص شہر کونسا تھا۔ مختلف مورخوں نے کئی ایک شہروں کے نام لئے ہیں۔ جن میں سے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ یقینی طور پر صرف اس قدر قبول کیا جاسکتا ہے کہ اقلیم فارس کے کسی شہر کے باشندے تھے۔ یہ اقلیم اس زمانے میں اسلامی اثر قبول کر چکے تھے۔ اسلام کی اثر پزیری کی وجہ سے بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کر چکے تھے۔ غالباً زوطی اسی زمانے میں اسلام لائے ہوں گے۔ اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے تمام خاندان کی ناراضگی مول لی۔ جس کی وجہ سے اقلیم فارس سے ہجرت کر کے عرب کا رخ کیا۔

اس زمانے میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت تھی۔ جب زوطی

نے ہجرت کی اور کوفہ کو اسلامی دارالحکومت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ زوطی نے بھی کوفہ ہی میں سکونت اختیار کی کبھی کبھار زوطی امیر المؤمنین کے خدمت میں حاضر ہوتے اور خلوص عقیدت سے قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے، ایک بار پارسیوں کے عید کے دن امیر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ازراہ محبت وعقیدت فالودہ بھیجا۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارے ہاں روز عید ہے۔ ثابت امام ابوحنیفہؒ کے والد بزرگوار کوفہ ہی میں پیدا ہوئے زوطی نے نیک بخت لڑکے کو حضرت علی کی خدمت میں حاضر کیا آپؓ نے بزرگانہ شفقت سے دعائے خیر فرمائی۔ جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اللہ نے اس خاندان کی عظمت قیامت تک کے لئے باقی رکھی۔

امام صاحب کے والد بزرگوار ثابت ایسی کوئی مشہور شخصیت نہ تھے کہ جس سے ان کے حالات ضبط تحریر میں لائے جاتے لہٰذا مؤرخوں نے ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشغلہ حیات تجارت تھا۔ جب عمر عزیز چالیس کے قریب ہوئی تو اللہ نے وہ عظیم فرزند عطا کیا جس کے نام کو اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک زندہ و پائندہ رکھا۔ امام صاحب کی پیدائش کے وقت عبدالملک بن مروان کی حکومت تھی جو دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار تھا۔ اس مبارک دور میں کچھ ایسے خوش قسمت لوگ موجود تھے۔ جن کی آنکھوں نے آقائے دو جہاں سرکار دو عالم ﷺ کے رخ انور کا دیدار کیا تھا اور ان خوش قسمت انسانوں میں سے کچھ امام ابوحنیفہؒ کے عہد شباب تک زندہ تھے۔ انس بن مالکؓ کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔ سہل بن سعدؓ کا انتقال ۹۱ھ میں ہوا اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ ایک صدی ہجری تک حیات تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان لوگوں میں سے کسی سے بھی روایت نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امام ابوحنیفہ اس وقت امام ابوحنیفہؒ نہیں تھے بلکہ ایک عام تاجر زادے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کی جوانی اور تعلیم

امام صاحب چونکہ ایک تاجر گھرانے میں پیدا ہوئے لہٰذا ان کی ساری توجہ اپنے اس

آبائی پیشہ کی طرف تھی البتہ خاندانی وجاہت وعزت ایسی تھی کہ بے علم نہ رہے۔اس دور کے لوگوں کی طرح کچھ نہ کچھ سیکھتے رہے۔لیکن اتنا نہیں کہ ہم اسے خاص طور پر تعلیم سے متعلق سمجھیں۔البتہ اتنا ضرور ہے کہ اللہ نے جس کام کے لئے ان کو پیدا فرمایا تھا اس کے آثار امام صاحب کی روشن پیشانی میں صاف دیکھے جاسکتے تھے۔چنانچہ شبلی نعمانی نے امام ابوحنیفہؒ کے علم دین کی طرف تحریک کے بارے میں ایک عمدہ بات لکھی ہے فرماتے ہیں۔

ایک دن بازار میں جارہے تھے،امام شعبی جو کہ کوفہ کے مشہور امام تھے۔ان کا مکان راہ میں تھا۔سامنے سے نکلے تو انہوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے،پاس بلایا اور پوچھا کہاں جارہے ہو؟انہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا امام شعبی نے کہا میرا مطلب یہ تھا کہ تم پڑھتے کس سے ہو؟انہوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ کسی سے بھی نہیں،شعبی نے کہا کہ مجھ کو تم میں قابلیت کے جواہر نظر آتے ہیں،تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو اس نصیحت نے ان کے دل میں گھر کرلیا اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے۔(بحوالہ سیرت النعمان)

اس وقت کے مروجہ علوم ادب،انساب،ایام العرب،فقہ،حدیث اور علم الکلام تھے۔امام صاحب کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں ایک اور روایت ہے۔جس کا سلسلہ سند خطیب بغدادی نے امام صاحب تک پہنچایا ہے،لکھتے ہیں کہ امام صاحب کہتے ہیں کہ جب تحصیل علم کی طرف توجہ ہوئی تو بہت سے علوم میرے سامنے تھے اور کشمکش میں تھا۔کہ ان علوم مروجہ میں سے کس کو اختیار کروں،سب سے پہلے علم کلام کا خیال آیا،ساتھ ہی دل میں یہ خطرہ گزرا کہ کوہ کندن وکاہ برآوردن ہے۔ایک مدت کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اس کا اظہار نہیں کرسکتے کہ لوگ الحاد کی تہمت نہ لگادیں۔ادب اور قرأت کا اس کے سوا کوئی فائدہ نظر نہ آیا کہ مکتب میں بیٹھ کر پڑھائیں شعروشاعری میں سوائے جھوٹی مدح سرائی اور ہجوگوئی کے کیا دھرا ہے؟حدیث کے لئے اولاً ایک عمر چاہیے،اور اس کے بعد کم سنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہی فکر سوار رہتی کہ لوگ جرح وتعدیل کا نشانہ نہ بنائیں۔آخر فقہ پر نظر پڑی اور دنیا ودین کی ضرورتیں اس سے وابستہ نظر آئیں۔ (تاریخ بغداد)

اس روایت پر علامہ شبلی نعمانی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ روایت محض غلط ہے تمام معتمد روایتیں اس کے خلاف ہیں جو ریمارک امام صاحب کی طرف سے منسوب کئے ہیں ایسے جاہلانہ ریمارک ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرح منسوب نہیں کئے جا سکتے۔" اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑے گا کہ حدیث وکلام کی طرف امام صاحب نے توجہ ہی نہیں کی حالانکہ ان فنون میں امام ابو حنیفہؒ کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کس فن کو اپنا خاص فن بنائیں۔ اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتوں فقہ سے وابستہ دیکھیں۔ اسی کو ترجیح دی یہی بات طرز بیان کی رنگ آمیز یوں سے اس حد تک پہنچ گئی۔ (بحوالہ سیرت النعمان)

امام ابو حنیفہؒ حضرت حمادؒ کی خدمت میں

حماد کوفہ کے مشہور امام اور استاذ وقت تھے۔ حضرت انسؓ جو رسول مقبول ﷺ کے کفش برادر اور خادم خاص تھے اس سے حدیث کی سماعت کی تھی اور بڑے بڑے تابعین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے، اس وقت کوفہ میں انہیں کا مدرسہ مرجع عام تھا۔ معرو شعبہ نے جو ائمہ فن خیال کئے گئے ہیں انہی کے حلقہ درس میں تعلیم پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو فقہ کا سلسلہ چلا آتا تھا اس کا مدار انہیں پر رہ گیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ زمانے نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا۔ یعنی دولت مند و فارغ البال تھے۔ اللہ نے انہیں فکر معاش سے آزاد کر رکھا تھا۔ اس وجہ سے نہایت اطمینان و دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے، ان وجوہ سے امام ابو حنیفہؒ نے علم فقہ پڑھنا چاہا، تو استادی کے لئے انہی کو منتخب کیا، اس وقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ استاد کسی خاص مسئلے پر زبانی گفتگو کرتا تھا۔ جس کو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی لکھ لیا کرتے تھے امام ابو حنیفہؒ پہلے دن بائیں صف میں بیٹھے۔ کیونکہ مبتدیوں کے لئے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا۔ لیکن چند روز کے بعد جب حمادؒ کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں ان کا ہمسر نہیں ہے۔ تو حکم دیا کہ

ابوحنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

خود امام صاحب کا بیان ہے کہ میں حمادؒ کے درس میں دو برس تک رہا۔ پھر خیال ہوا کہ خود درس قائم کروں لیکن استاد کا ادب مانع آیا۔ اتفاق سے انہیں دنوں حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا انتقال کر گیا حماد کے سوا اور کوئی اس کا وارث نہ تھا اور ضرورت سے ان کو بصرہ جانا پڑا چونکہ مجھے اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے۔ تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ حماد کی غیر موجودگی میں بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں ان سے میں نے کوئی، روایت نہیں سنی تھی۔ اس لئے اپنے اجتہاد سے جواب دیئے اور احتیاطاً ایک یادداشت لکھتا چلا گیا، دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے۔ میں نے وہ یادداشت خدمت میں پیش کی کل ساٹھ مسئلے تھے ان میں بیس میں غلطیاں نکالیں باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں، میں نے دل میں عہد کر لیا کہ حضرت حمادؒ جب تک زندہ ہیں ان کی شاگردی کا تعلق نہ چھوڑوں گا۔

امام حمادؒ کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا۔ امام ابوحنیفہؒ نے اگرچہ اور فقہائے کرام سے بھی تحصیل فقہ کی تھی لیکن فی الحقیقت فقہ میں ان کے اول و آخر استاد حضرت حمادؒ ہی تھے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور علم حدیث

حماد کی زندگی ہی میں امام نے علمِ حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ تفقہ فی الدین علم حدیث سے مکمل آگہی کے بغیر ناممکن تھی۔ اس وقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور وشور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ مسند اور روایت کے درس کھلے ہوئے تھے صحابہ جن کی تعداد کم از کم دس ہزار تھی۔ تمام ممالک میں پہنچ گئے تھے۔ اور اس کی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا لوگ جہاں کسی صحابی کا نام سن پاتے تھے۔ ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چل کر رسول اللہ کے حالات سنیں یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کریں اس طرح تابعین کا جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے۔ بے شمار گروہ پیدا ہو گیا تھا جس کے سلسلے

تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے۔ جن شہروں میں صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا وہ دارالعلم کے لقب سے ممتاز تھے۔ ان میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، بصرہ اور کوفہ کو خاص امتیاز تھا کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مذکورہ مقامات کا ہم سر نہ تھا۔

کوفہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہی شہر امام ابوحنیفہؒ کا مسکن تھا اسلام کی تمدنی زندگی کا سب سے اہم گہوارہ یہی شہر تھا۔ اس شہر کی بنیاد کی وجہ مورخین نے یہ لکھی ہے کہ "حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو جو اس وقت حکومت کسریٰ کا خاتمہ کر کے مدائن میں سکونت پذیر تھے۔ خط لکھا کہ مسلمانوں کیلئے ایک ایسا شہر بساؤ جوان کا دارالہجرت اور قرارگاہ ہو۔" حضرت سعدؓ نے کوفہ کی زمین پسند کی ۱۷ھ میں اس شہر کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا۔ اول اول معمولی قسم کی عمارتیں تعمیر ہوئیں اسی وقت سے اطراف واکناف سے لوگ آ کر آباد ہونے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ شہر علم وفن کی درسگاہ اور تہذیب وتمدن اسلامی کا گہوارہ بن گیا۔ کچھ مدت کے بعد یہ حالت ہوئی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس شہر کو رمح اللہ، کنز ایمان جیسے القاب سے نوازا۔ بعد میں اس کی وسعت اور کشادگی دیکھ کر چند ملکی مصلحتوں کی بناء پر امیر المومنین حضرت علیؓ نے اس شہر کو دارالخلافہ مقرر کیا۔ نیک اور پاکیزہ صحابہ کی اقامت سے یہاں ہر طرف قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں آنے لگیں۔ یہاں تک کہ کوفہ کا ہر گھر حدیث اور روات کی درس گاہ بن گیا۔

بصرہ بھی حضرت عمرؓ کے حکم سے آباد ہوا ہے۔ یہ شہر بھی وسعت علم اور اشاعت حدیث کے لحاظ سے کوفہ کا ہمسر تھا۔ کوفہ وبصرہ مکہ اور مدینہ کی طرح علوم اسلامی کے دارالعلم خیال کیے جاتے ہیں۔

تذکرۃ الحفاظ میں علامہ ذہبی نے مسروق بن الاجدع، عبیدہ بن عمر، اسود بن یزید، ابوعمر النخعی ذر بن حبیش، ربیع بن خثیم، عبدالرحمٰن بن ابی لیلی، ابوعبدالرحمٰن سلمی، شریح بن الحرث، شریح بن ہانی ابووائل شفیق ابن سلمہ، قیس بن حازم، محمد بن سیرین حسن بصری، شعبہ بن حجاج، قتادہ بن دعامہ کا تذکرہ لکھا ہے اور ان سب کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ یہ سب

انہیں دونوں شہروں کے باشندے تھے۔ سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں سے ہیں کوفہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ مناسک کے لئے مکہ، قرأت کے لئے مدینہ اور حلال اور حرام یعنی نفقہ کے لئے کوفہ ہے۔

نفقہ میں امام صاحب نے زیادہ تر حماد کا حلقہ درس کافی سمجھا تھا۔ لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی، یہاں صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ درایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی حدیثیں اس وقت نہایت پریشان اور غیر مرتب حالت میں تھیں۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے اساتذہ دو چار احادیث سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے یہ تعداد ضروری کے لئے بھی ناکافی تھی اس کے علاوہ طریق روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریق سے نہ معلوم ہو اس کے مفہوم و تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا۔ امام ابوحنیفہ کو حماد کی صحبت اور پختگی عمر نے ان ضرورتوں سے اچھی طرح واقف کرا دیا تھا۔ اس لئے نہایت سعی و اہتمام سے حدیثوں کے بہم پہنچانے پر توجہ کی کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ رہا تھا۔ جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئے شاگردی تہہ نہ کیا ہو اور حدیثیں نہ سیکھی ہوں۔ اکثر مورخین نے ان کے اساتذہ کی تعداد ترانوے بتلائی ہے۔ ان اساتذہ میں سے اکثر تابعی تھے۔

ہم یہاں مختصراً ان محدثین کرام کے حالات زندگی درج کرتے ہیں کہ جس سے بہ آسانی یہ اندازہ ہو جائے گا کہ امام صاحب فن حدیث میں کس پایہ کے عالم تھے۔

امام شعبیؒ ...... یہی بزرگ ہیں جنہوں نے امام کو علم دین کی تحصیل کی ترغیب دی تھی ان کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے پانچ سو صحابہ کو دیکھا تھا۔ عراق، عرب اور شام میں چار اشخاص استاد کامل تسلیم کئے جاتے تھے ان میں سے ایک یہ تھے امام زہری کہا کرتے تھے کہ عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں ابن المسیب، بصرہ میں حسن شام میں مکحول کوفہ میں شعبیؒ۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے ان کو ایک بار معازی کا درس دیتے دیکھا تو فرمایا "واللہ یہ

شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے" ایک مدت تک منصب قضا پر مامور رہے۔ خلفا اور اعیان سلطنت ان کا نہایت احترام کرتے ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ میں علم حدیث کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ (بحوالہ سیرت تابعین)

سلمہ بن کہیلؒ...... مشہور محدث اور تابعی تھے۔ جندب بن عبداللہ، ابن ابی ادفی ابوالطفیل اور ان کے علاوہ اور بہت سے صحابہؓ سے حدیثیں روایت کیں۔ ابن سعد نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے۔ سفیان بن عیینہ فرماتے تھے کہ سلمہ بن کہیل ارکان میں سے ایک رکن ہیں ابن مہدی کا قول ہے کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایۃ تھے۔ منصور، اور سلمہ، عمرو بن مرہ ابوحصین۔

ابواسحاق سبیعیؒ...... کبار تابعین میں سے تھے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابن زبیر، نعمان بن بشیر، زین بن ارقم اور بہت سے صحابہ سے جن کے نام علامہ نوویؒ نے تہذیب الاسماء میں تفصیل سے لکھے ہیں احادیث کی سماعت کی ہے۔ عجلی نے کہا ہے کہ ۳۸ صحابہ سے ان کو بالمشافہ روایت ہے، علی بن المدینی جو حدیث میں امام بخاری کے استاد تھے کا قول ہے کہ ابواسحاق کے شیوخ حدیث میں نے شمار کیے تو کم وبیش تین سو ٹھہرے حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

حضرت سماک بن حربؒ...... سماک بن حرب بہت بڑے محدث تھے۔ اور حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کے استاد تھے۔ امام سفیان ثوری نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی خود سماک کا بیان ہے کہ میں اسی ۸۰ صحابہ سے ملا ہوں۔

حضرت محارث بن وثارؒ...... محارث بن وثار نے عبداللہ بن عمرؓ اور جابرؓ وغیرہ سے رو ایت کی، امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جس کو محارث پر ترجیح دوں علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجۃ ہیں یحییٰ ابن معین، ابوزرعہ، دار قطنی، ابو حاتم، یعقوب ابن سفیان اور نسائی نے ان کو ثقہ تسلیم کیا ہے، کوفہ میں منصب قضا پر مامور

تھے، ۱۱۶ھ میں وفات فرمائی۔ عون بن عبداللہ بن عیینہ بن مسعود، حضرت ابوہریرہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے حدیثیں روایت کیں، نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

حضرت ہشام بن عروہؒ...... ہشام بن عروہ، معزز ومشہور تابعی تھے بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں، بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری، امام مالک، سفیان بن عیینہ کے شاگرد تھے۔ ابوجعفر منصور کے زمانے میں ان سے حدیثیں روایت کیں۔ خلیفہ منصور ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ ایک بار ایک لاکھ درہم ان کو عطا کئے ان کی جنازہ کی نماز بھی منصور ہی نے پڑھائی تھی۔ صاحب طبقات ابن سعد نے لکھا ہے کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ابوحاتم نے ان کو امام الحدیث کہا ہے۔

حضرت سلیمان بن مہرانؒ...... سلیمان بن مہران المعروف بہ اعمش کوفہ کے مشہور امام تھے صحابہ میں سے انس بن مالکؓ سے ملتے تھے اور عبداللہ بن ابی وقاص سے حدیث سنی تھی، سفیان ثوری اور شعبہ ان کے شاگرد ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی تحصیل حدیث کا دوسرا مدرسہ بصرہ تھا۔ جو امام حسن بصری، شعبہ وقتادہ کے فیض تعلیم سے مالا مال تھا، تعجب ہے کہ حسن بصری باوجودیکہ ۱۱۱ھ تک زندہ رہے لیکن امام کا ان کے درس سے مستفید ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ قتادہ کی شاگردی کا ذکر عام محدثین نے کیا ہے اور تاریخ وسیر کی مختلف کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے شعبہ سے روایت حدیث کی اجازت بھی لی تھی۔

حضرت قتادہؒ...... حضرت قتادہؒ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے۔ حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن سرخس اور ابوطفیلؓ اور دیگر صحابہؓ سے حدیثیں روایت کیں۔ حضرت انسؓ کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہیں، ان میں سے ایک حضرت قتادہؒ ہیں۔ اس خصوصیت میں ان کو اللہ نے نہایت شہرت دی تھی۔ حدیث کو بعینہ ادا کرتے تھے یعنی الفاظ ومعانی میں بالکل فرق نہیں ہوتا تھا۔ ان کی قوت حافظہ کی ایک عجیب حکایت لکھی ہے۔ عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے، کہ یہ مدینہ میں سعید بن المسیب سے فقہ وحدیث پڑھتے تھے۔ ایک دن

انہوں نے فرمایا کہ تم ہر روز بہت سی باتیں پوچھتے ہو کیا تمہیں ان میں سے کچھ یاد بھی ہے۔ انہوں نے کہا ایک ایک حرف محفوظ ہے، چنانچہ جس قدر ان سے سنا تھا بقید تاریخ اور دن بیان کرنا شروع کر دیا وہ نہایت متعجب ہوئے اور کہا خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کئے ہیں۔ اسی بنا پر لوگ انہیں احفظ الناس کہا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان کے تفقہ وواقفیت اختلاف وتفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہے کہ کوئی شخص ان باتوں میں ان کے برابر ہوتو ہو مگر ان سے بڑھ نہیں سکتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں ان کا حال تفصیل سے لکھا ہے جس سے ان کی عظمت وشان کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

حضرت شعبہؒ...... حضرت شعبہ بھی بڑے مرتبے کے محدث تھے دو ہزار حدیثیں ان کو از بر یاد تھیں۔ سفیان ثوریؒ نے فن حدیث میں ان کو امیر المؤمنین مانا ہے۔ عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جس نے جرح وتعدیل کے مراتب مقرر کئے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رادج نہ ہوتا۔ ۱۶۰ھ میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے شعبہ اور امام ابوحنیفہ کا آپس میں بہت گہرا تعلق تھا ان کی غیر موجودگی میں ان کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دوران تذکرہ فرمانے لگے کہ جس طرح میں یہ جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اتنی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ساتھ ساتھ ہیں۔ یحییٰ بن معینؒ سے جو امام بخاریؒ کے استاد تھے۔ کسی نے پوچھا کی آپ ابوحنیفہ کی نسبت کا کیا خیال رکھتے ہیں؟۔ فرمایا اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے ان کو حدیث وروایات کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہے۔ بصرہ کے اور شیوخ جن سے امام نے حدیثیں روایت کیں ان میں عبدالکریم بن امیہ اور عاصم بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ حرمین کی طرف

امام ابوحنیفہ گو اگر چہ ان درسگاہوں سے حدیث کا بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تھا۔ تاہم تحصیل کی سند حاصل کرنے کے لئے حرمین جانا ضروری تھا جو علوم مذہبی کے اصل مرکز تھے۔ تاریخو

ں سے یہ پتا نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سن میں واقع ہوا تاہم ظن غالب ہے کہ جب انہوں نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وکیع نے خود امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ حج میں ایک حجام نے جس سے میں نے بال منڈوائے تھے کئی باتوں سے مجھ پر گرفت کی میں نے اجرت پوچھی تو بولا مناسک چکائے نہیں جاتے میں چپ ہو کر اصلاح بنوانے لگا اس نے پھر ٹوکا کہ حج میں چپکا نہیں رہنا چاہیے تکبیر کہے جاؤ۔ حجامت سے فارغ ہو کر گھر چلا تو اس نے کہا پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہیں جانا، میں نے متعجب ہو کر پوچھا یہ مسائل تو نے کہاں سے سیکھے بولا عطاء ابن ابی رباح کا فیض ہے۔

اس واقعہ سے زیادہ قریبی قیاس کیا ہو سکتا ہے کہ ابتدائی زمانہ تھا۔ جس زمانے میں امام ابو حنیفہ مکہ معظمہ پہنچے درس و تدریس کا نہایت زور تھا۔ متعدد اساتذہ کی جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے الگ الگ درسگاہ قائم تھی ان میں عطاء ابن ابی رباح کا حلقہ درس سب سے زیادہ، وسیع اور مستند تھا۔ عطا مشہور تابعی تھے اکثر صحابہ کی خدمت میں رہتے تھے اور ان کے فیض صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن سائب، عقیلؓ، ابن عمر ابن زبیر، اسامہ بن زبیر، جابر ابن عبداللہ زبیر ابن ارقم رافعؓ ابودرداء، ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ اور بہت سے صحابہؓ سے حدیثیں سنی تھیں، خود ان کا بیان ہے کہ میں دو بزرگوں سے ملا ہوں جن کو رسول کریم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ مجتہدین صحابہ ان کے علم و فضل کے بہت معترف تھے۔ عبداللہ بن عمر جو حضرت فاروق اعظمؓ کے فرزند اور صاحب افتا تھے اکثر فرماتے تھے کہ عطا ابن ابی رباح کے ہوتے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں۔ حج کے موقع کے زمانے میں ہمیشہ سلطنت کی طرف سے ایک منادی مقرر ہوتا تھا کہ عطا کے سوا کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہیں ہے، بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی، زہری، عمرو بن دینار انہی کے حلقہ درس سے نکل کر استاد کہلائے۔

امام ابوحنیفہؒ استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے

احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا تو امام نے کہا میں اسلاف کو برا نہیں کہتا گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا قضا وقدر کا قائل ہوں عطا نے اجازت دی کہ حلقہ درس میں شریک ہوا کریں۔ روز بروز وہ ان کی ذہانت کے جوہر کھلنے لگے اور اس کے ساتھ استاد کی نظر میں ان کا وقار بھی بڑھتا گیا یہاں تک کہ جب حلقۂ درس میں جاتے اور عطا اوروں کو ہٹا کر ان کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔

عطا ۱۱۵ھ تک زندہ رہے۔ اس مدت میں امام ابو حنیفہؒ کو جب مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوا تو ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور مستفید ہوتے۔

عطا کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین جن سے امام نے حدیث کی سند لی ان میں عکرمہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے انہوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے ان کی تربیت کی تھی یہاں تک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد وفتویٰ کا مجاز قرار دیا تھا عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ حضرت علیؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عقبہ بن عمر صفوان، جابرؓ، ابو قتادہ سے حدیثیں سنی تھیں۔ اور فقہی مسائل تحقیق کئے تھے کم وبیش ستر ۷۰ مشہور تابعین حدیث وتفسیر میں ان کے شاگرد ہیں اما شعبی کہا کرتے تھے کہ قرآن جاننے والا عکرمہ سے بڑھ کر نہیں رہا سعید بن جبیر جو کہ تابعین کے سردار تھے ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سے بڑھ کر کوئی عالم ہے فرمایا ہاں عکرمہ۔

امام ابو حنیفہؒ مدینہ کی طرف

اسی عہد میں یعنی ۱۰۲ھ سے پہلے امام ابو حنیفہؒ نے مدینہ کا رخ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس جگہ سے حدیث کا علم حاصل کیا جائے جو حدیث کا منبع اور مخزن تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ وحدیث کے مرجع بن گئے تھے اور مسائل شرعیہ میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے بڑے بڑے صحابہ کے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی۔ اور یہ مرتبہ حاصل کیا تھا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں واسطہ در واسطہ ان کے درس کا

سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ ہمعصر تھے اور ایک مشترکہ مجلس افتا کے ذریعے سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے۔ مدینہ کی فقہ جس کے تدوین امام مالک نے کی اس کی بنیاد زیادہ تر انہی کے فتوؤں پر ہے امام ابوحنیفہؒ مدینہ پہنچے تو ان بزرگوں میں دو شخص زندہ تھے۔ سلیمان و سالم بن عبداللہ، سلیمان حضرت میمونہ کے جو رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں تھیں کے غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل وکمال کے لحاظ سے ان کا دوسرا نمبر تھا۔ سالم حضرت عمر فاروق ؓ کے پوتے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابوحنیفہؒ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی طالب العلمی کی ساخت اگرچہ مدینہ تک محدود ہے تاہم تعلیم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا۔ اکثر حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے حج کی تقریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ آ کر جمع ہو جاتے تھے۔ جن کا مقصد حج کے ساتھ افادہ اور استفادہ بھی ہوتا تھا امام صاحب اکثر ان لوگوں سے ملتے اور مستفید ہوتے امام اوزاعی اور مکحول شامی کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابوحنیفہؒ نے مکے ہی میں ان لوگوں سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت و اجتہاد کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی تھی۔ یہاں تک کہ ظاہر بینوں نے ان کو قیاس مشہور کردیا تھا انہیں دنوں میں عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد ہیں۔ بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزاعی سے فن حدیث کی تکمیل کریں پہلی ہی ملاقات میں اوزاعی نے ان سے پوچھا کہ کوفہ میں امام ابوحنیفہؒ کون شخص پیدا ہوا ہے۔ جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے آئے۔ دو تین دن کے بعد پھر گئے تو اجزا ساتھ لیتے گئے۔ اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے اجزا لے لئے سرنامہ پر لکھا تھا۔ قال نعمان بن ثابت۔ دیر تک غور سے دیکھا پھر عبداللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہیں۔ انہوں نے کہا عراق کے ایک شخص ہیں، جن کی صحبت میں میں رہا ہوں۔ فرمایا بڑے پایہ کا شخص ہے۔ عبداللہ نے عرض کی یہ وہی امام ابوحنیفہؒ ہیں جن کو آپ مبتداع بتاتے ہیں۔ (بحوالہ تارخ بغداد)

امام اوزاعیؒ کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا حج کی تقریب پر امام اوزاعیؒ مکہ گئے تو امام ابوحنیفہ سے ملاقات ہوئی اتفاق سے عبداللہ بن المبارکؒ بھی موجود تھے، ان کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ امام اوزاعیؒ حیران رہ گئے امام ابوحنیفہؒ کے جانے کے بعد مجھ سے کہا کہ اس شخص کے کمال نے اس کو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے۔ بے شبہ میری بدگمانی غلط تھی، جسکا مجھے بہت افسوس ہے، تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے فن حدیث میں امام اوزاعیؒ کی شاگردی کی ہے۔ غالباً یہی وہ زمانہ ہوگا۔

حضرت ابوحنیفہؒ امام باقرؒ کی خدمت میں

حضرت امام باقرؒ سے جو اپنے زمانے کے محدث، فقیہ اور بڑے متقی صحابی تھے امام ابوحنیفہؒ کی ملاقات کا تذکرہ مؤرخوں نے کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک بار امام ابوحنیفہؒ مدینہ گئے تو امام باقرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ امام ابو حنیفہؒ ہیں۔ انہوں نے امام سے مخاطب ہو کر فرمایا ہاں تم ہی قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو'' انہوں نے نہایت ادب سے کہا ''العیاذ باللہ'' حدیث کی کون مخالفت کرسکتا ہے آپ تشریف رکھیں تو میں کچھ عرض کروں پھر مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

ابوحنیفہ:۔ مرد ضعیف ہے یا عورت؟

امام باقر:۔ عورت۔

ابوحنیفہ:۔ وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟

امام باقر:۔ مرد کا۔

ابوحنیفہ:۔ اگر میں قیاس لگاتا ہوں کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے، کیوں کہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہئے تو پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ؟

امام باقر:۔ نماز۔

ابوحنیفہ:۔ اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضاء واجب ہونی چاہئے نہ روزہ

کی۔ حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں امام باقر اس قدر خوش ہوئے کہ اٹھ کر پیشانی چوم لی۔ ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں شیعہ و سنی دونوں نے تسلیم کیا کہ ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کی فیض صحبت کا نتیجہ تھا۔

امام مالک نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادقؒ کے فیض صحبت سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ فن حدیث کی تحصیل میں امام کو ایک بہت اونچا مقام حاصل تھا کیونکہ ان کے شیوخ حدیث لاتعداد تھے۔ ابو حفص عمر نے دعویٰ کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں جہاں انکے شیوخ کے نام شمار کئے ہیں وہیں آخر میں لکھ دیا ہے ''خلق کثیر''

امام ابو حنیفہؒ کی احتیاط و تحقیق

امام صاحب روایت میں بے حد محتاط تھے اور اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت میں جس قدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر تغیر و تبدیل کا احتمال بڑھ جاتا ہے۔ یہی بات ہے کہ ان کے اساتذہ اکثر تابعین ہیں جن کا رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے اور علم و فضل، دیانت و پرہیز گاری کے نمونہ خیال کیے جاتے تھے۔ ان دو قسموں کے سوا اگر ہیں شاذ ہیں۔ ان کی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالب علم سے الگ تھا۔ بحث و اجتہاد کی شروع سے عادت تھی اور اس باب میں وہ استادوں کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔

ایک بار حماد کے ساتھ اعمش کی مشایعت کو نکلے، چلتے چلتے مغرب کا وقت آ گیا وضو کے لئے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہیں پانی نہ مل سکا، حماد نے تیمم کا فتویٰ دیا امام نے مخالفت کی کہ اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہئے۔ اتفاق یہ کہ کچھ دور چل کر پانی مل گیا اور سب نے وضو سے نماز ادا کی، کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ استاد کی مخالفت کی۔ امام شعبیؒ، ان کے

استاد قائل تھے۔ کہ معصیت میں کفارہ نہیں ایک دفعہ استاد شاگرد کشتی میں سوار جارہے تھے اس مسئلہ کا ذکر آیا، انہوں نے کہا "ضرور معصیت میں کفارہ ہے۔" کیونکہ خدا نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہے اور اس آیت وانّھم لیقولون منکراً من القول و زوراً میں تصریح کردی ہے کہ ظہار معصیت ہے" امام شعبیؒ کچھ جواب نہ دے سکے۔ عطا بن ابی رباح سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے وا تینا ہ اھلہٗ و مثلھم معھم عطا نے کہا خدا نے حضرت ایوب کی آل اولاد جو مر گئی تھی زندہ کردی اور ان کے ساتھ اور نئی پیدا کردی، امام ابوحنیفہ نے کہا جو شخص کسی کی صلب سے نہ پیدا ہو وہ اس کی اولاد کیوں کر ہو سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور تدوین فقہ

امام صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے، بلاشبہ امام ابوحنیفہؒ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے فقہ اسلامی باقاعدہ منظّم طریقے سے مدون کیا۔ فقہ کے لغوی معنی سمجھ کے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی یہ لفظ انہی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اصلاح شریعت میں اعمال شرعیہ کے مسائل فقہ کہلاتے ہیں۔ اس سے زیادہ جامع تعریف یہ ہے کہ فقہ شریعت کے ان فروعی احکام کے علم کو کہتے ہیں جو احکام کے مفصل دلائل سے حاصل ہوئے ہوں۔

علماء نے فقہ کے چار ماخذ بیان کئے ہیں۔ ا...... کتاب اللہ ۲...... سنت رسول ﷺ ۳...... اجماع۔ صحابہ و ائمہ مجتہدین ۴...... قیاس

اسلامی شریعت میں قرآن کریم کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ملکی قوانین میں دستور کی ہوتی ہے۔ قرآن دور نبوی ﷺ اور آپ کے بعد قیامت تک ساری امت کیلئے رہنما اور پیشوا ہے۔ قرآن کی وہی حیثیت اور صفت ہے جو ایک دستور کی ہوتی ہے۔ یعنی اس میں منصوص احکام کا مجمل بیان ہے اور یہی بیان الٰہی شریعت کا ماخذ اول ہے۔ اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ سنت رسول ہے لفظ سنت کا اطلاق ہر اس قول، فعل یا تقریر پر ہوتا ہے۔

جو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہو اور آپ سے منقول ہو کر ہم تک پہنچا ہو اس معنی کی رو سے سنت لفظ حدیث کے مترادف ہے۔

تیسرا ماخذ جو اجماع کہلاتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور ﷺ جب اس عالم سے تشریف لے گئے تو بعد میں ایسے شرعی مسائل میں صحابہ کو باہمی مشاورت کی ضرورت پڑی جو یا تو مجمل تھے یا پھر حضور ﷺ کے ایک ہی عمل کے بارے میں مختلف روایتیں جمع ہو گئیں۔ تو ان مختلف فیہ روایتوں میں صحابہ کا جو متفقہ فیصلہ ہوتا اسی کو اجماع کہا جاتا ہے۔

فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے کسی امر کا جو شرعی حکم ہے وہی حکم علت مشترکہ کی وجہ سے کسی دوسرے امر کا اقرار دینا قیاس کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یعنی کوئی چیز شریعت میں کسی علت کی وجہ سے حرام ہے تو اگر وہی علت کسی دوسری چیز میں پائی جاتی ہے تو ازروئے قیاس اس کو بھی حرام قرار دیا جائے گا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ **وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً** یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ کہ بے شک وہ بے حیائی ہے۔ اب زنا اس لئے حرام ہے کہ یہ بے حیائی ہے اس کی حرمت کی علت بے حیائی ہے پس وہ کام جس میں بے حیائی ہو گی حرام قرار دیا جائے گا۔ لیکن بے حیائی اور فحش کی اپنی تعریف ہے، جو کام بھی فحش پر اطلاق کیا جائے گا۔ حرام ہو گا۔

تدوین فقہ کی ابتداء دوسری صدی ہجری کے ربع دوم میں ہوئی اس وقت سے لیکر موجودہ دور تک فقہ اسلامی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

دوسری صدی کا ربع اول ختم ہو چکا تھا اسلامی مملکت کے حدود بہت زیادہ پھیل چکے تھے۔ جب اسلام کی سادہ تعلیمات کو دنیا کی مختلف اور رنگا رنگ تہذیبوں سے سابقہ پڑا تو نت نئے مسائل سامنے آئے۔ اسی دور میں اللہ نے امام ابوحنیفہؒ کو وہ استطاعت وقوت عطا فرمائی کہ وہ اپنی مجتہدانہ فطرت وذہانت سے ان مسائل کا حل دریافت کریں چنانچہ امام ابوحنیفہؒ ۱۲۱ھ میں تدوین فقہ کی طرف پورے طور سے متوجہ ہوئے۔

فقہ کی تدوین کا بنیادی مقصد تو یہ تھا کہ عملی زندگی میں رسول کریم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے متفرق مسائل کو منظم اور مرتب کر دیا جائے اور اس کی ایسی آخری اور فیصلہ کن صورت معین کر دی جائے جس پر مسلمان سہولت کے ساتھ کما حقہ عمل کر سکیں۔ مگر شریعت اسلامی کیونکہ کسی خاص دور اور معین قوم اور علاقہ کیلئے نہ تھی بلکہ اسے قیامت کے لئے جاری اور نافذ رہنا تھا اس لئے ضروری تھا کی اس کی تدوین کی جائے اور بوقت تدوین دو باتوں کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے۔ اول یہ کہ وہ شخصی رائے اور اجتہاد پر منحصر نہ ہو۔ اس کی ترتیب و تدوین میں مختلف علوم وفنون کے، ماہرین اور اساتذہ فن شامل ہوں جن کا علم و فضل مسلم اور ان کا زہد و تقویٰ اللہ کو مقبول ہو۔ دوسرے اس اہم کام کی انجام دہی کے لئے کسی ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے جو نہ صرف مختلف علوم وفنون کا گہوارہ ہو بلکہ قدیم و جدید، عربی و عجمی تہذیب کا سنگھم بھی ہو۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان دونوں باتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا اور اس کے لئے کوفہ کا انتخاب کیا۔ یہی وہ خاص شہر تھا جہاں عرب و عجم کی تہذیبیں مل رہی تھیں۔

امام ابوحنیفہؒ نے مسائل کی ترتیب اور اصول وضوابط کی تدوین اپنی ذات تک محدود نہیں رکھی۔ بلکہ چالیس علماء اور ائمہ کی ایک مجلس قائم کی۔ اس مجلس میں تمام علوم کے ماہر اور ائمہ جمع کئے گئے۔ جن کی تدوین فقہ میں ضرورت پیش آسکتی تھی۔ ان ائمہ فن کی تعداد چالیس تھی جیسا کہ امام طحاوی نے امام مالک کے شاگرد اسد بن فرات کا قول نقل کیا ہے کہ۔

''امام ابوحنیفہؒ کی مجلس تدوین فقہ کے اراکین چالیس تھے'' یہ سب کے سب فقہ میں درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے ان میں دس ممتاز ترین اہل علم پر مشتمل ایک مجلس خاص تھی جس کے ارکان ابو یوسف، داؤد طائی، اسد بن عمر، یوسف بن خالد اور یحییٰ بن ابی زائدہ تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کی مجلس تدوین فقہ کے متعلق مشہور محدث وکیع بن الجراح کی رائے ہے۔

''امام ابوحنیفہؒ کے کام میں غلطی کیسے رہ سکتی تھی۔ جب کہ واقعہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر اور محمد جیسے قیاس و اجتہاد کے ماہر موجود تھے اور حدیث کے باب میں یحییٰ بن ذکریا ابن زائدہ منص بن غیاث، صبان جیسے ماہرین حدیث قاسم بن معن جیسے لغت عرب

کے ماہر، داؤد بن نصیر طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد وتقویٰ کے مجسمے ان کے شریک کار تھے۔ظاہر ہے کہ ایسے جامع کمالات وفضائل رفقاء اور مشیروں کی موجودگی میں غلطی کیسے رہ سکتی ہے۔ (ملخص از جامع الاسانید)

امام ابوحنیفہؒ کا طریقہ استنباط یہ تھا کہ پہلے ہر مسئلہ کو کتاب اللہ سے مستنبط کیا جاتا اگر کامیابی ہوجاتی تو اس کو معین فرمادیتے اگر کسی طور کتاب اللہ سے براہ راست کوئی سراغ نہ ملتا تو سنت اللہ رسول اللہ ﷺ میں اس مسئلے کی تلاش وجستجو کی جاتی، سنت رسول اللہ ﷺ میں یہ خاص بات پیش نظر رہتی کہ رسول اللہ کا آخری عمل اور آخری رائے کیا تھی آپ ہمیشہ اسکو اختیار فرماتے اگر حجازی اور عراقی صحابہ کی مرفوع حدیثوں میں اختلاف ہوتا تو بنا برفقہ راوی فقہ کی روایت کو ترجیح دیتے۔

اگر حدیث طیبہ سے بھی کوئی فیصلہ نہ ہوتا تو پھر اہل فتویٰ صحابہ اور فقہاء تابعین کے فیصلے اور اقوال تلاش کرتے اور جس امر پر فقہاء صحابہ کا اجماع ہوتا اس کو اختیار کر لیتے اگر یہاں بھی کوئی جواب نہ پاتے تو پھر چوتھے مرحلے پر قیاس اور استحسان کی طرف آتے اور انکی روشنی میں مسائل کو حل کرتے۔مسئلہ پر غور کرتے وقت یہ بھی دیکھتے کہ مسئلہ سے متعلق نصوص کی حیثیت تشریعی ہے یا غیر تشریعی اس ضمن میں مسائل کے طے کرنے کی بھی ضرورت پڑتی تھی نصوص میں ضابطہ کلیہ اور واقعات جزئیہ میں اگر تعارض ہوتا تو ضابطہ نص کو ترجیح دیتے اور واقعہ جزئیہ کی توجیہ کر لیتے۔

امام ابوحنیفہؒ کی ترتیب وتدوین فقہ کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے فقہاء اور محدثین کسی مسئلے کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے اس مسئلے پر حکم لگانے کے بارے میں غور وخوض کو معیوب سمجھتے تھے مگر امام ابوحنیفہؒ سب سے پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے اس رجحان کے خلاف عمل کیا، چنانچہ فرماتے ہیں۔

’’اہل علم کو چاہیئے کہ جن باتوں سے لوگوں میں مبتلا ہونے کا امکان ہے ان پر غور وفکر کریں تاکہ اگر وہ کسی وقت وقوع پذیر ہوں تو لوگوں کے لئے نئی اور انوکھی بات نہ ہو بلکہ یہ

بات پیش نظر ہی رہنی چاہیئے کہ ان امور میں کسی نہ کسی وقت مبتلا ہونا ہی پڑے گا تو ابتلاء کے وقت شریعت نے کیا راہ معین کی ہے۔ بہتر ہے کہ ابھی سے سوچ کر رکھ لیں۔

مشہور محدث قیس بن ربیع نے بڑے مختصر الفاظ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اس معاملے میں امام ابوحنیفہؒ کی فوقیت واولیت کا واضح طور پر اعتراف کیا ہے، کہتے ہیں ،امام ابوحنیفہؒ ان مسائل کو جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے سب لوگوں سے زیادہ جانتے تھے ،اس بنا پر امام ابوحنیفہؒ نے ان تمام فقہی مسائل پر بالتفصیل غور وفکر شروع کیا جو اگر چہ ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے تھے۔ مگر ایک نہ ایک دن ان کا وقوع متوقع اور ممکن تھا۔ مجلس تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ امام صاحب کے گرد تمام اراکین مجلس بیٹھ جاتے۔ امام صاحب ایک ایک مسئلہ کو بصورت سوال پیش کرتے لوگوں کے خیالات معلوم کرتے جو کچھ اراکین مجلس کے آرا ہوتے ان کو بغور سنتے اگر تمام اراکین جواب مسئلہ میں متفق ہو جاتے تو وہ فیصلہ اسی وقت قلم بند کر لیا جاتا۔ اختلاف کی صورت میں نہایت آزادی کے ساتھ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر بحث و تمحیص ہوتی بسا اوقات یہ بحث ہفتوں جاری رہتی سب کی بحثیں سننے کے بعد امام صاحب اپنی رائے اور فیصلہ کا اظہار کرتے آپ کی رائے اتنی نپی تلی ہوتی کہ سب لوگ اسے بلا تامل قبول کر لیتے اور مسئلہ کا ایک رخ معین ہو جاتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ بعض اراکین مجلس امام صاحب کی رائے سے اختلاف کرتے تو ان کی اختلافی رائے بھی فوراً لکھ لی جاتی جب کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ طویل بحث ونظر کے بعد اتفاق رائے سے طے پاتا تو اراکین شوریٰ بے اختیار اللہ اکبر پکار اٹھتے۔

تقریباً بائیس سال کی اس شبانہ روز سخت کاوش کے بعد امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کا مجموعہ فقہی تیار ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں آیا یہ مجموعہ تراسی ہزار دفعات پر مشتمل تھا۔ جس میں اڑتیس ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے اور باقی پنتالیس ہزار کا تعلق معاملات اور عقوبات سے تھا۔ اسمیں انسان کے دنیوی کاروبار کے متعلق آئین وضوابط اور معاشیات و سیاسیات کے بارہ میں تمام بنیادی اجتماعی امور موجود تھے۔ یہ مجموعہ ۱۴۴ھ سے پہلے مکمل

ہو چکا تھا مگر بعد میں اس میں اضافے ہوتے رہے امام صاحب کے ایام اسیری میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کا قول ہے۔ "میں نے امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کو متعدد بار لکھا ان میں اضافے بھی ہوتے رہے ان اضافوں کو بھی لکھ لیا کرو۔"

اس مجموعے نے امام صاحب کے زمانے میں قبول عام حاصل کیا اس مجموعہ کے تکمیل کے بعد امام ابوحنیفہؒ نے اپنے تلامذہ کو جمع ہونے کا حکم دیا چنانچہ کوفہ کی جامع مسجد میں ایک ہزار اہل علم شاگرد جمع ہوئے جن میں وہ چالیس علماء بھی موجود تھے جو امام ابوحنیفہؒ کی مجلس تدوین کے رکن تھے امام صاحب نے ان تمام اہل علم سے مخاطب ہو کر کہا۔

میری دلی مسرتوں کا سرمایہ صرف تم لوگ ہو تمہارے وجود میں میرے غم واندوہ کا مداوا ہے۔ میں نے فقہ اسلامی کی زین تمہارے لئے تیار کر دی ہے۔ اب تمہارا جب اور جس وقت دل چاہے تم اس پر سوار ہو سکتے ہو میں نے ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے، کہ لوگ تمہارے نقش تل تلاش کریں گے۔ اور اسی چیز پر چلنے کی کوشش کریں گے میں نے گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم سب علم کی حفاظت میں میری مدد کرو۔ تم میں چالیس آدمی ایسے ہیں جو قاضیوں کی تربیت وتادیب کا کام بخوبی سرانجام دے سکتے ہیں۔ میں تم سب کو اللہ کی قسم اور اس علم کا واسطہ دیتا ہوں جو تم کو ملا ہے کہ اس علم کو کبھی ذلیل نہ کرو۔ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچانا اگر تم لوگوں میں سے کسی کو عہدہ قضا کی ذمہ داری سونپی جائے تو ایسی کمزوریوں کو اپنے فیصلوں میں ہرگز لحاظ نہ کرنا جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوں، قضا کا عہدہ اس وقت تک درست ہے جب تک قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ تم میں سے جو اس عہدہ کو قبول کرے وہ اپنے اور عوام کے درمیان رکاوٹیں قائم نہ کرے۔ ہر حاجت مند کی تم تک رسائی ہونی چاہیئے۔ پانچ وقت کی نمازیں مسجد میں پڑھے مسلمانوں کا امیر اگر مخلوق خدا کے ساتھ غلط رویہ اختیار کرے تو وہ اس سے باز پرس کریں۔

امام ابوحنیفہؒ کی اس تقریر کے بعد مجموعہ فقہی کی حیثیت واضح ہو گئی۔ غالباً اس کی تشہیر کے بعد خلیفہ منصور نے امام صاحب کو بغداد طلب کیا اور عہدہ قضا کی پیش کش کی مگر

امام صاحب نے قبول کرنے سے انکار کردیا۔امام ابوحنیفہؒ کے اس مرتب مدون کردہ فقہ کا نام فقہ حنفی ہوا، جو عالم اسلام کے مشرق و مغرب میں پھیل گیا۔

امام ابوحنیفہؒ کی وفات حسرت آیات

۱۴۶ھ میں منصور نے امام صاحب کو قید کردیا۔لیکن قید کرنے کے باوجود اسے امام صاحب کی طرف سے خطرہ لاحق تھا۔بغداد دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم وفنون کا مرکز بن گیا تھا۔طالبان کمال اسلامی ملکوں کے گوشے گوشے سے اٹھ کر بغداد کا رخ کرتے تھے، امام صاحب کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔قید کی حالت نے ان کے اثر اور قبول کو عام کو بجائے کم کرنے کے اور زیادہ کردیا تھا۔بعد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا۔ان کے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے ان کو گو نظر بند کر رکھا تھا لیکن کوئی امیر ان کے ادب و تعظیم کے خلاف نہ کرسکتا تھا۔قید خانہ میں انکا سلسلہ تعلیم و تدریس بھی برابر قائم رہا۔امام محمد نے جو کہ فقہ حنفی کے دست وبازو ہیں۔قید خانہ ہی میں تعلیم پائی ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید خانہ کی حالت میں باقی رہا جس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری میں ان کو زہر دلوادیا۔جب ان کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں قضا کی۔

ان کے مرنے کی خبر بہت جلد شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد اُمڈ آیا۔حسن بن عمارہ نے جو شہر کے قاضی تھے غسل دیا، نہلاتے جاتے اور کہتے جاتے "واللہ تم سب سے بڑے فقیہ، بڑے عابد، بڑے زاہد تھے تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں، تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کردیا، کہ وہ تمہارے مرتبہ تک پہنچ سکیں۔" غسل سے فارغ ہوتے ہی لوگوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم وبیش پچاس ہزار کا مجمع تھا اس پر آنے والوں کا سلسلہ قائم تھا، یہاں تک کہ چھ ۶ بار نماز جنازہ پڑھی گئی اور عصر کے قریب جا کر لاش دفن ہوسکی۔امام صاحب نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے قبرستان میں دفن کئے جائیں کیونکہ یہ جگہ ان کے

خیال میں غصب شدہ نہیں تھی، اس وصیت کے موافق خیزران کے مشرق جانب ان کا مقبرہ تیار ہوا مؤرخ خطیب نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ ان کی نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ جو قبول عام امام کو اس وقت حاصل تھا وہ کسی کو کب حاصل ہو سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے اخلاق و عادات

امام صاحب کا حلیہ اور اخلاق بیان کرنے میں مؤرخین نے بہت کچھ مبالغہ سے کام لیا ہے، لیکن صحت کے سب سے زیادہ قریب امام ابویوسف کا قول ہے۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ شاگرد اپنے پیارے اور محترم استاد کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یہ وہ تقریر ہے، جو انہوں نے خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے کی تھی درا صل ہوا یہ کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار امام ابویوسفؒ سے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔

انہوں نے کہا کہ جہاں تک میں جانتا ہوں، امام ابوحنیفہؒ کے اخلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت پرہیزگار تھے، منہیات سے بچتے تھے اکثر چپ رہ کر سوچا کرتے تھے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ چپ رہتے نہایت سخی اور فیاض تھے کسی کے آگے حاجت نہ لے جاتے، اہل دنیا سے احتراز تھا۔ دنیاوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے، غیبت سے بہت بچتے تھے جب کسی کا ذکر ہوتا تو بھلائی کے ساتھ کرتے بہت بڑے عالم تھے۔ مال کی طرح علم صرف کرنے میں بھی بڑے فیاض تھے، ہارون الرشید نے یہ سن کر کہا صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا حلیہ اور گفتگو

امام صاحب کو خدا نے حسن سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا۔ میانہ قد خوش رو اور موزوں اندام تھے، گفتگو نہایت شیریں اور بلند آواز اور صاف تھی، کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہوتا نہایت فصاحت اور صفائی سے ادا کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کی اولاد

کسی مؤرخ نے بھی تفصیل سے امام صاحب کی اولاد کے بارے میں نہیں بتلایا البتہ عام طور پر مورخوں کے ہاں یہ بات لکھی گئی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا کوئی ان کی اولاد موجود نہ تھی۔ حماد بڑے رتبے کے عالم فاضل آدمی تھے۔ بچپن میں ان کی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی۔ چنانچہ جب الحمد ختم کی تو ان کے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچ سو درہم نذر کئے بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی علم وفضل کے ساتھ بے نیازی و پرہیزگاری میں بھی باپ کے خلف الرشید تھے، امام صاحب نے جب انتقال کیا تو ان کے گھر میں لوگوں کا بہت سامان و اسباب امانت رکھا تھا۔ انہوں نے قاضی شہر کے پاس جا کر حاضر کیا کہ جن کی امانتیں ہیں ان کو پہنچا دی جائیں، قاضی صاحب نے کہا ابھی اپنے پاس ہی رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہیگا انہوں نے کہا کہ آپ جانچ کرلیں کہ میرے باپ کا ذمہ بری ہو جائے غرض تمام مال و اسباب قاضی کے سپرد کر کے خود روپوش ہو گئے، اور اس وقت ظاہر ہوئے جبکہ وہ چیزیں کسی اور کے اہتمام میں دے دی گئیں، تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا ذی قعدہ ۱۷۶ھ میں اس دنیائے فانی سے آخرت کی طرف کوچ کیا چار بیٹے چھوڑے جن کے نام عمر، اسماعیل ابوحیان اور عثمان ہیں، اسماعیل نے نہایت شہرت حاصل کی، چنانچہ مامون الرشید نے ان کو عہدہ قضا پر مامور کیا، جس کو انہوں نے اس دیانتداری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر انکی مشائعت کو نکلا، سب لوگ انکی جان و مال کو دعائیں دیتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کی تصنیفات

امام اعظمؒ کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔۔۔۔۔فقہ اکبر: یہ عقائد کے بارے میں ایک مختصر رسالہ ہے، مسائل اور ترتیب وہی

ہے جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے۔ یہ رسالہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے اور عام طور پر آسانی سے دستیاب ہے جس طرح عقائد نسفی کی شرحیں لکھی گئی ہیں اس طرح اس مختصر رسالہ کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن جس طرح کی شہرت عقائد نسفی کو حاصل ہے اس طرح کی فقہ اکبر کو حاصل نہیں پھر یہ ایک عمدہ رسالہ ہے۔ اس کتاب کے شارحین کے نام درج ذیل ہیں

ا۔......محی الدین محمد بن بہاء الدین متوفی ۹۳۵ھ۔

ب۔......مولیٰ الیاس بن ابراہیم السینوبی۔

ج۔......مولیٰ احمد بن محمد المعتساری۔

د۔......حکیم اسحاق اس شرح کا ایک منظوم نسخہ ابوالبقا احمدی کا نظم کیا ہوا موجود ہے۔

ل۔......شیخ اکمل الدین

و۔......ملا علی قاری، ملا علی قاری کی یہ شرح بہت اعلیٰ پایہ کی اور متداول ہے۔

۲۔......العالم والمتعلم: سوال وجواب کے طرز پر ایک مختصر رسالہ ہے۔

۳۔......مسند: اس وقت تک دنیا میں مسند اعظم کے متعدد نسخے ہیں۔ ان نسخوں کے جامع المؤید محمد بن محمود الخوارزمی متوفی ۶۶۵ھ ہیں، ابوالمؤید اس مرتبہ نسخے کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "بلاد شام میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ امام ابوحنیفہؒ کو فن حدیث میں چنداں دخل نہ تھا اور اسی وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی کتاب نہیں ہے، اس پر مجھ کو حمیت مذہبی کا جوش ہوا اور میں نے چاہا کہ ان تمام مسندوں کو یکجا کردوں جو علماء کرام نے امام ابوحنیفہؒ کی حدیثوں سے مرتب کئے ہیں اور جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔ مسند حافظ ابومحمد عبداللہ بن محمد یعقوب الحارثی المعروف بہ عبداللہ الدنیا۔

۲۔ مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد۔

۳۔ حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ

۴۔ مسند حافظ ابونعیم اصفہانی صاحب حلیہ

۵۔ مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی محمد الانصاری

۶۔ مسند امام ابوبکر احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی

۷۔ مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی۔

۸۔ مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی

۹۔ مسند امام محمد

۱۰۔ مسند حماد بن امام ابوحنیفہؒ

۱۱۔ مسند ابویوسف قاضی

۱۲۔ مسند امام ابوالقاسم عبداللہ بن ابی العوام العدی

۱۳۔ مسند حافظ حسنین بن خسرو بلخی

۱۴۔ مسند علامہ حصکفی اس مسند کی شرح علامہ ملا علی قاری نے کی ہے۔ اور یہی مسند بہ روایت حصکفی علامہ شیخ محمد عابد سندھی نے جمع کی جس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

۱۵۔ مسند ماوردی

۱۶۔ مسند ابن عبدالبز ازی

ان مسندوں میں بعض کی نہایت عمدہ شرحیں بھی لکھی گئیں ہیں۔ جن کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں نہایت صراحت سے کیا ہے۔ (بحوالہ مسند امام اعظمؒ)

فقیہ المشرق والمغرب حضرت عبداللہ بن مبارک مروزیؒ

خلیفہ ہارون الرشید عباسی (۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ) کے عہد میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان سرحدوں پر وقتاً فوقتاً معرکہ آرائی ہو رہی تھی۔ ایک دفعہ ایسے ہی ایک معرکے میں رومی اور اسلامی لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو رومی لشکر سے ایک زرہ پوش جنگجو نے اپنی صف سے نکل کر مسلمانوں کو مقابلے کے لئے للکارا۔ اسلامی لشکر سے ایک مجاہد جس نے

اپنے چہرے پر ڈھاٹا باندھ رکھا تھا، جھپٹ کر اس کی طرف بڑھا اور ایک ہی وار میں رومی جنگجو کا کام تمام کر دیا۔ پھر ایک رومی سپاہی پھنکارتا ہوا میدان میں آیا۔ نقاب پوش مجاہد نے اس کو بھی ڈھیر کر دیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی رومی جنگجو مقابلے کے لئے آئے۔ نقاب پوش مجاہد نے اپنی تلوار یا نیزے کے وار سے سب کو جہنم رسید کر دیا۔ مسلمانوں نے فرط مسرت میں نعرہ تکبیر بلند کیا اور دوڑ کر اس مجاہد کو یہ دیکھنے کے لئے گھیر لیا کہ آخر یہ شیر اور شجاعت کا پیکر کون ہے جس کو اپنی شناخت کرانا بھی پسند نہیں۔ انہوں نے بڑے زور اور اصرار سے اس کے چہرے سے ڈھاٹا ہٹایا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ وہ کوئی عام لشکری نہیں تھا بلکہ علم و فضل کے مجمع البحرین، فقیہ المشرق والمغرب حضرت عبداللہ بن مبارک تھے۔۔۔ وہی حضرت عبداللہ بن مبارک ؒ جن کے فضل و کمال کے تمام دنیائے اسلام میں ڈنکے بج رہے تھے اور جن کے مرجوعۂ خلائق ہونے کی کیفیت تھی کہ ایک دفعہ رقہ تشریف لے گئے تو ہزاروں لوگ استقبال کے لئے دیوانہ وار اٹھ دوڑے۔ اس قدر ہنگامہ ہوا کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں اور ساری فضا غبار آلود ہوگئی۔ اتفاق سے خلیفہ ہارون رشید بھی ان دنوں رقہ آیا ہوا تھا۔ اس کے حرم کی ایک خاتون نے شاہی محل (قصر الخشب) کے برج سے یہ نظارہ دیکھا تو ملازموں سے پوچھا، یہ اژدحام کیسا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ "خراسان کے ایک عالم آرہے ہیں جن کا نام عبداللہ بن مبارک ہے۔ یہ سب لوگ ان کے استقبال میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے کشمکش کر رہے ہیں۔" بے ساختہ بولی۔۔۔

"واللہ بادشاہ تو حقیقت میں یہ ہیں، بھلا ہارون رشید کیا بادشاہ ہیں جو لوگوں کو سپاہیوں، چوبداروں، کوڑوں اور ڈنڈوں سے اپنے گرد جمع کرتا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن مبارک ؒ تبع تابعین کی اس مقدس جماعت کے گل سرسبد ہیں جس کا ہر فرد اپنی ذات میں دین کا ستون اور زمانہ کا امام تھا۔ ان کے والد مبارک بن واضح ترک، بنو حنظلہ کے ایک رئیس کے غلام تھے وہ نہایت ہی نیک اور دیندار آدمی تھے اور زہد وتقویٰ، دیانت و امانت اور خوف خدا کے اعتبار سے فی الواقع اسم با مسمی تھے۔ حنظلی رئیس

نے اپنے باغ کی نگرانی ان کے سپرد کررکھی تھی۔ایک مرتبہ اس نے مبارکؒ کوحکم دیا کہ باغ سے ایک شیریں انار توڑ کر لاؤ۔ وہ گئے اور ایک انار لاکر پیش کر دیا۔ مالک نے اسے چیر کر دیکھا تو ترش نکلا۔اس نے خفاء ہوکر کہا، میں نے میٹھا انار مانگا،تم نے کھٹالا کر دے دیا جاؤ کوئی اچھا سا شیریں انار لاؤ۔ وہ گئے اور دوسرے درخت کا انار لا کر پیش کیا۔ بدقسمتی سے وہ بھی کھٹا نکلا۔آقا کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور اس نے انہیں ڈانٹتے ہوئے تیسری مرتبہ پھر انار لانے کے لئے بھیجا۔اب کے بار بھی انار ترش نکلا تو اس نے برافروختہ ہوکر کہا" کیا تمہاری قوت ذائقہ ترش وشیریں کی تمیز نہیں کرسکتی؟ مبارک نے کہا"نہیں"

آقا نے سبب پوچھا تو انہوں نے کہا" آپ نے مجھے انار کھانے کی اجازت نہیں دی اس لئے میں نے آج تک باغ کے کسی انار کو چکھا تک نہیں۔میرا کام تو باغ کی دیکھ بھال کرنا ہے اس سے کوئی غرض نہیں کہ کس درخت کے انار میٹھے ہیں اور کس کے کھٹے۔"

آقا نے اپنے طور پر حالات کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ مبارک نے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔اسے ان کی غیر معمولی دیانتداری اور خوف خدا پر بڑی حیرت ہوئی اور وہ ان کی بہت عزت وتکریم کرنے لگا۔

اس رئیس کی ایک لڑکی تھی جس کے لئے اونچے اونچے گھرانوں کی طرف سے پیغام آرہے تھے۔دنیاوی ثروت کے لحاظ سے پیغام دینے والوں میں ایک سے ایک بڑھ کر تھا اس لئے رئیس فیصلہ نہیں کرپارہا تھا کہ کون سا پیغام قبول کرے اور کونسا رد کرے۔اسی شش و پنج میں ایک دن اس نے مبارک سے بھی اس بارے میں مشورہ کیا۔انہوں نے بڑے اخلاص کے ساتھ کہا کہ:" زمانہ جاہلیت میں لوگ اعلیٰ حسب ونسب والا داماد تلاش کرتے تھے۔یہودیوں کے نزدیک داماد کے لئے مالدار ہونا ضروری تھا اور عیسائی حسن و جمال کو اہمیت دیتے تھے لیکن امت محمدیہ ﷺ کے نزدیک دیندار ہونا وجہ ترجیح ہے۔آپ جو طریقہ مناسب سمجھیں، اختیار کرلیں۔"

آقا کو مبارک کا یہ مخلصانہ مشورہ بے حد پسند آیا۔اس مشورے پر غور وفکر کے بعد

ایک دن اس نے اپنی بیوی سے کہا: ”مجھے اپنی لخت جگر کا شوہر بنانے کے لئے مبارک سے بہتر کوئی شخص نظر نہیں آتا۔“

بیوی نے پہلے تو مبارک کے افلاس اور کم حیثیتی کا عذر پیش کیا لیکن بالآخر وہ بھی شوہر سے متفق ہوگئی اور اپنی بیٹی کی شادی مبارک سے کردی، ساتھ ہی انہوں نے مبارک کو آزاد کردیا۔

حضرت عبداللہ اسی رئیس زادی کے بطن اور مبارک جیسے صاحب تقویٰ باپ کی صلب سے ۱۱۸ھ میں مرو میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے مشہور ہوئے۔

حضرت عبداللہؒ کے والد مبارکؒ بن واضح نہ صرف ایک متقی آدمی تھے بلکہ علم کی قدر و قیمت سے بھی بخوبی آشنا تھے۔ انہوں نے اپنے فرزند دلبند کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا اور پوری کوشش کی کہ ان کا بیٹا علم کے آسمان پر سورج بن کر چمکے۔

اس وقت صحابہ کرامؓ کا دور گزر چکا تھا البتہ ہزاروں تابعین و تبع تابعین اور دوسرے ارباب علم و فضل دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ کوئی معروف نہر اور قصبہ ایسا نہیں تھا جو اہل فضل و کمال سے خالی ہو۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی ابتدائی تعلیم و تربیت مرو میں ہوئی اس کے بعد وہ حصول علم کے لیے مرو سے نکل کھڑے ہوئے اور سالہا سال تک شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں گھوم پھر کر جواہر علم اپنے دامن میں سمیٹتے رہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے فاصلہ دیکھا نہ اس زمانے کے سفر کی صعوبتیں، جہاں بھی کسی صاحب علم کا پتہ چلا، اسکی خدمت میں پہنچے اور مقدور بھر اکتساب فیض کیا۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں

”ابن المبارکؒ کے زمانہ میں ان سے زیادہ علم کا حریص اور علم کی جستجو کرنے والا کوئی نہ تھا، طلب علم کے لیے انہوں نے دور دراز ملکوں اور شہروں کا سفر کیا تھا مثلاً شام، عراق، یمن، مصر، کوفہ و بصرہ وغیرہ۔“

حضرت ابواسامہؒ گواہی دیتے ہیں کہ: ”میں نے عبداللہ بن مبارکؒ سے بڑھ کر کسی کو ملک در ملک گھوم کر طلب علم کرنے والا نہیں دیکھا۔“ (تذکرۃ الحفاظ حافظ ذہبیؒ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: "ابن مبارکؒ کے دور میں ان سے زیادہ علم تلاش کرنے والا کوئی دوسرا نہیں تھا۔" (تہذیب التہذیب)

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: "تحقیق علم کے شوق میں عبداللہ بن مبارکؒ کو اپنی حیثیت کی پروا بھی نہیں ہوتی تھی وہ اپنے سے چھوٹے اور فروتر لوگوں سے بھی معلومات حاصل کرتے تھے۔" (تہذیب الاسماء)

خود حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا بیان ہے کہ میں نے مختلف علاقوں کے چار ہزار جن شیوخ واساتذہ سے جملہ دینی علوم حاصل کئے، ان میں سر فرست حضرت امام اعظم، حضرت ابو حنیفہ، حضرت امام سفیان ثوریؒ اور حضرت امام اوزاعیؒ ہیں۔ دوسرے شیوخ واساتذہ سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

"امام مالک بن انسؒ مدنی امام اعمشؒ، ہشام بن عروہؒ حمید بن ابی حمید الطویل، موسیٰ بن عقبہ صاحب المغازیؒ یحییٰ بن سعید الانصاریؒ سلیمان التیمیؒ عبداللہ بن یزیدؒ اسماعیل بن ابی خالدؒ احمسی، سفیان بن عیینہ لیث بن سعدؒ مسعر بن کدام کوفیؒ۔ ابن جریجؒ، سعید بن ابی عروبہؒ، مہران بصریؒ، حماد بن سلمہؒ ابن ابی ذیبؒ صالح بن صالحؒ عمرو بن میمون جزری معمر بن راشدؒ بصری، عبداللہ بن عونؒ بصری ابن قدامہ کوفیؒ بریدؒ بن عبداللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ اشعری عاصم بن سلمان الاحولؒ داود بن قیس فرا قرشی مدنیؒ، ابوسعید ابراہیم بن طہمان خراسانیؒ زکریا بن ابی زائدہ کوفیؒ وغیرہ ہم۔"

امام ابو حنیفہ اور امام سفیان ثوریؒ سے ابن مبارک کو بے حد عقیدت ومحبت تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے "تہذیب التہذیب" میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"اگر اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے ذریعہ میری مدد نہ کرتا تو میں عام آدمیوں کی طرح ہوتا"

حافظ ذہبیؒ نے بھی "مناقب" میں حضرت عبداللہ بن مبارک کا اسی سے ملتا جلتا قول نقل کیا ہے۔ البتہ اس میں "تو عام آدمیوں کی طرح ہوتا (کنت کسائر الناس)"

کے بجائے ''تو میں ایک بدعتی شخص ہوتا (کنت بدعا)'' کے الفاظ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ امام ابوحنیفہ کا ذکر ہمیشہ بڑے احترام اور عقیدت سے کرتے، انہوں نے ان کی شان میں بہت سے اشعار بھی کہے۔ (تاریخ بغداد خطیب بغدادی)

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ابن مبارک نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے چشمہ علم سے پوری طرح سیراب ہونے کے بعد امام سفیان ثوریؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے خود حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ''میں سفیان ثوریؒ کے ساتھ اس وقت تک وابستہ نہیں ہوا جب تک میں نے امام ابوحنیفہؒ کے علوم پر پوری دسترس حاصل نہ کرلی۔'' (دسترس کی وضاحت انہوں نے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے کی)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ تحصیل علم کے سلسلے میں امام اوزاعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عجیب واقعہ پیش آیا۔ علامہ خطیب بغدادیؒ نے اسے تاریخ بغداد میں ''ابن مبارک'' کی زبانی یوں نقل کیا ہے: ''میں طلب علم کے لیے شام گیا اور بیروت (جو اس زمانے میں شام کا ایک حصہ تھا) جا کر امام ازاعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا، اے خراسانی، کوفہ میں یہ کون بدعتی ابوحنیفہ پیدا ہوا ہے؟ یہ سن کر میں گھر واپس آیا، امام ابوحنیفہؒ کی کتابیں نکالیں اور ان میں سے چیدہ چیدہ مسائل چھانٹ کر نکالے (اور انہیں کتاب کی صورت میں مرتب کیا) اس میں تین دن لگ گئے۔ تیسرے روز یہ کتاب ہاتھ میں لیے ان کے پاس گیا۔۔۔ وہ مسجد کے مؤذن بھی تھے اور امام بھی۔ میرے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر کہا، یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، یہ ملاحظہ فرمائیے۔ انہوں نے ایک مسئلہ پر نظر ڈالی جس پر لکھا تھا 'قال النعمان' اذان کہہ کر کتاب کا پہلا حصہ پڑھ لیا۔ پڑھ کر کتاب آستین میں رکھ لی۔ پھر تکبیر کہہ کر نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر کتاب نکالی اور سب پڑھ لی۔ اس کے بعد مجھ سے دریافت فرمایا، اے خراسانی! یہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ میں نے کہا' ایک شیخ ہیں، عراق میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ امام اوزاعیؒ نے فرمایا، بڑی شان کے شیخ ہیں، جاؤ اور ان سے بہت سا فیض حاصل کرو۔ میں نے کہا یہ وہی ابوحنیفہؒ ہیں جن

سے آپ نے مجھ کو روکا تھا۔" اس طرح ابن مبارکؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں امام اوزاعیؒ کی غائبانہ غلط فہمی کو نہایت خوبصورت انداز میں دور کر دیا اور پھر امام اوزاعیؒ کے فیضان علمی سے بھی خوب بہرہ یاب ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو غیر معمولی قوت حافظہ عطا کی تھی اور وہ نہایت ذہین اور ذکی تھے۔ اپنے بے پناہ شوق علم، محنت، جستجو، قوت حافظہ، ذہانت، ذکاوت اور بڑے بڑے ائمہ عصر کے فیض صحبت کی بدولت چند سال کے اندر اندر وہ مسند علم وفن کے صدر نشین بن گئے۔ یہاں تک کہ ان کے شیوخ اور اساتذہ نے بھی انکے کمالات علمی کا برملا اعتراف کیا۔ امام سفیان ثوریؒ سے ایک مرتبہ کسی خراسانی نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے فرمایا "تمہارے پاس مشرق ومغرب کے سب سے بڑے عالم عبداللہ بن مبارک موجود ہیں ان سے کیوں دریافت نہیں کرتے؟" ایک اور روایت میں ہے کہ کسی شخص نے امام سفیان ثوریؒ کے سامنے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو یا 'عالم المشرق" کہہ کر خطاب کیا۔ امام سفیان ثوریؒ نے فرمایا، کیا کہہ رہے ہو وہ تو "عالم المشرق والمغرب" ہیں۔

(بحوالہ خطیب بغدادی)

عبداللہ بن سنانؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تو حضرت سفیان بن عیینہؒ اور حضرت فضیل بن عیاضؒ ان کو رخصت کرنے دور تک ساتھ گئے۔ اثنائے راہ میں ان میں سے ایک نے کہا 'یہ فقیہ اہل مشرق ہیں تو دوسرے نے ٹوکتے ہوئے کہا' اہل مشرق ہی کے نہیں اہل مغرب کے فقیہ ہیں۔ (تذکرہ الحفاظ ذہبیؒ)

ابن حبانؒ کا قول ہے کہ ابن مبارک میں اہل علم کے اتنے خصائل جمع ہو گئے تھے کہ ان کے عہد میں تمام کرہ ارض پر کسی میں مجتمع نہیں ہوئے تھے۔ (تہذیب التہذیب ابن حجرؒ)

علی بن المدینیؒ عثمان بن طالوتؒ سے روایت کرتے ہیں کہ کمال علم دو آدمیوں پر ختم ہو گیا، عبداللہ بن مبارکؒ اور یحییٰ بن معینؒ پر۔ (تاریخ خطیب بغدادی)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ "عبداللہ بن مبارکؒ کی امامت وجلالت پر سب کا اتفاق

ہے۔ وہ تمام چیزوں میں امام تھے۔ ان کے ذکر سے نزول رحمت ہوتا تھا، اوران کی محبت کی وجہ سے بخشش کی امید کی جاتی تھی۔ (تہذیب الاسماء)

امام ذہبیؒ ان کا تعارف یوں کراتے ہیں: ''ابن المبارک، امام حافظ، علامہ شیخ الاسلام، فخر المجاہدین اور قدوۃ الزاہدین۔'' (تذکرہ الحفاظ)

اسماعیل بن عیاشؒ فرماتے ہیں ''روئے زمین پر ابن المبارکؒ کی مثال موجود نہیں۔''

امام نسائیؒ کا قول ہے کہ میں ابن المبارکؒ کے زمانے میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو مرتبے میں ان سے زیادہ ہو اور جس کے اندر تمام خصائل حمیدہ اس جامعیت کے ساتھ پائے جاتے ہوں۔

امام مالک بن انسؒ فرماتے تھے ''ابن المبارک خراسان کے فقیہ ہیں ابو اسحاق الفزاریؒ کا قول ہے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ تمام مسلمانوں کے امام ہیں (خطیب تاریخ بغدادی)

حافظ بن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں ''ابن المبارکؒ ماہر حدیث اور حافظ الحدیث ہیں۔'' (تہذیب التہذیب)

یحییٰ بن معینؒ کے سامنے کسی نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا ''وہ مسلمانوں کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے۔'' (سید المسلمین)

علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں: ''ابن المبارک نے علم کی تحصیل کا حق ادا کرنے کے لیے کثیر روایات بیان کیں، علم کے مختلف ابواب واقسام پر متعدد کتابیں لکھیں تصنیف کیں، زہد اور ترغیب جہاد میں شعر کہے، وہ معتبر تھے، حجت تھے، کثیر الحدیث تھے اور اس قابل تھے کہ ان کے قول کو سند تعلیم کیا جائے۔ (تہذیب الاسماء)

حسن بن عیسیٰؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ علماء کے ایک اجتماع میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے اوصاف وخصائل کا ذکر چھڑ گیا تو سب نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ وہ ایک جامع الصفات ہستی ہیں علم دین، فقہ ادب، نحو، لغت، شعر، فصاحت، زہد، تقویٰ، کم گوئی، قیام اللیل

،عبادت، حج، جہاد، شہسواری، شجاعت، صحت مندی، شہزوری، کم آمیزی، مہمل گوئی سے اجتناب وغیرہ صفات انکی ذات میں جمع ہوگئیں تھیں۔ (تذکرہ الحفاظ)

غرض حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے ہمعصر اور بعد کے علماء سلف سبھی نے ان کے کمالات علمی اور سیرت وکرداری کی بڑے موثر الفاظ میں تعریف وتوصیف کی ہے ابن مبارکؒ کے ہمعصر علماء جن میں بعض امام وقت تھے، نہ صرف ان کی تعریف زبان سے کرتے تھے بلکہ عملی طور پر بھی ان کی بے حد تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

یحییٰ بن یحییٰ اندلسیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم امام مالک بن انسؒ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ابن المبارکؒ تشریف لائے۔ امام مالکؒ خود جو کبھی کسی کے لیے نہیں اٹھے تھے اور نہ اپنی نشست تبدیل کرتے تھے، اٹھ بیٹھے اور اپنی نشست بدل کر ابن لمبارکؒ کو اپنے پاس بیٹھا لیا۔ (تہذیب التہذیب ابن حجرؒ)

حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام مالک ابن انسؒ حدیث کا درس دے رہے تھے۔ اتفاق سے عبداللہ بن مبارکؒ بھی پہنچ گئے۔ ایک شاگرد نے ابن المبارکؒ سے مخاطب ہوکر کہا، اس مسئلہ کے بارے میں آپ لوگوں یعنی اہل خراسان کے پاس کوئی حدیث یا اثر ہو تو پیش کیجئے۔ ابن المبارک غایت احترام میں اور ازراہ حسن ادب بہت آہستہ آہستہ جواب دیتے رہے۔ امام مالکؒ کو ان کا حسن ادب اور انداز بہت پسند آیا۔ جب وہ چلے گئے تو انہوں نے اہل مجلس سے مخاطب ہوکر فرمایا، یہ عبداللہ بن مبارکؒ، خراسان کے فقیہ ہیں۔ (تذکرہ الحفاظ)

احمد بن سنانؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ پہلی مرتبہ حماد بن زیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دریافت کیا، آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ جواب دیا، خراسان سے پوچھا، خراسان کے کس شہر سے، عرض کیا مرو سے۔ اب حمادؒ نے پوچھا، وہاں کے ایک صاحب عبداللہ بن مبارکؒ کو بھی جانتے ہیں؟ عرض کیا، جانتا ہوں، پوچھا وہ کیسے؟ بولے عبداللہ بن مبارکؒ ہی تو آپ کے سامنے حاضر ہے۔ حماد یہ سن کر بے قرار ہو گئے سلام

کیا اور مرحبا کہتے ہوئے گلے لگا لیا۔ (تاریخ خطیب بغدادی)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ قرآن حدیث، فقہ، سیرت و مغازی اور دوسرے دینی علوم کے علاوہ زبان وادب، لغت وشاعری وغیرہ کے بھی بحرِ زخار تھے گویا ان کی ذات دینی و دنیوی علوم کی جامع تھی یہاں تک کہ علم طب بھی ان کی دسترس سے باہر نہیں تھا۔ حافظ ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں حسنؒ سے روایت کی ہے کہ ابن المبارکؒ ایک دن امام سفیان ثوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہ شدت کرب میں کراہ رہے ہیں۔ دریافت کیا، آپ کو کیا تکلیف ہے؟ انہوں نے مرض کی کیفیت بیان کی۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اسی وقت پیاز کی ایک گٹھی منگوائی اور اسے کاٹ کر حضرت سفیان ثوریؒ سے کہا، اسے سونگھئے انہوں نے تھوڑی دیر اس کو سونگھا تو ایک چھینک آئی اور طبیعت بالکل بحال ہوگئی۔ اس وقت حضرت امام ثوریؒ کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آگئے:

''سبحان اللہ آپ فقیہ بھی ہیں طبیب بھی۔''

شعروشاعری کا ذوق نہایت پاکیزہ تھا، خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں ان کے جو اشعار نقل کئے ہیں ان پر اخلاقی تعلیمات کی گہری چھاپ ہے۔

فقہ میں اتنا بلند مقام حاصل تھا کہ ان کی موجودگی میں بڑے بڑے علماء فقیہ مسئلہ بتانے سے احتراز کرتے تھے۔ اگرچہ فقہ واجتہاد میں وہ اپنے جلیل القدر استاد حضرت امام ابوحنیفہؒ کو مرتبے کو نہیں پہنچے تاہم امام مالکؒ، امام نوویؒ، امام ذہبیؒ ابن حماد حنبلیؒ ابن شماسؒ اور حافظ حجرؒ بھی نے انکے تفقہ کا اعتراف کیا ہے۔

علم حدیث سے حضرت عبداللہ کو خاص شغف حاصل تھا اسی لیے وہ ایک یگانہ روزگار محدث اور امام العصر تسلیم کیے گئے۔ علم حدیث میں ان کے مرتبہ کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کے ہمعصر محدثین میں اگر حدیث کے بارے میں اختلاف ہوتا تو وہ فیصلہ کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے کیونکہ تمام کے نزدیک ابن مبارکؒ حفظِ حدیث کے اعتبار سے حکم فی الحدیث کی حیثیت رکھتے تھے۔ علم حدیث کے لیے جس قوت حافظہ کی

ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابن مبارکؒ کو اس سے وافر حصہ عطا کیا تھا۔ خطیب بغدادی نے ان کے ایک دوسرے معاصر صخر کی زبانی اپنی تاریخ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ میں اور ابن مبارکؒ نے خطیب کا طویل خطبہ سنا۔ خطبہ ختم ہوا تو ابن مبارکؒ نے فرمایا، مجھ کو یہ تمام خطبہ یاد ہو گیا پھر انہوں نے ایک شخص کی فرمائش پر اسی وقت وہ خطبہ شروع سے اخیر تک سنا دیا۔ حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ ایک دن عشاء کی نماز کے بعد علی بن الحسن بن شفیق سے ایک حدیث کے بارے میں گفتگو چھڑ گئی۔ ساری رات اسی گفتگو میں مسجد کے دروازے پر کھڑے گزر گئی لیکن ابن المبارکؒ کو احساس بھی نہ ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

امام احمد حنبلؒ کا قول ہے کہ ابن المبارکؒ صاحب الحدیث اور حافظ الحدیث تھے۔

(تہذیب التہذیب)

حدیث سے اپنے والہانہ شغف کی بنا پر گھر سے بہت کم باہر نکلتے تھے۔ نعیم بن حمادؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا' آپ کو مکان میں ہر وقت تنہا بیٹھے رہنے سے وحشت نہیں ہوتی؟ فرمایا ''وحشت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اس تنہائی میں رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے فیض سے شرف یاب ہوتا ہوں۔'' (تاریخ بغداد، خطیب بغدادی)

کتب حدیث میں حضرت ابن المبارکؒ سے مروی روایات کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اپنی روایات کے بارے میں اسناد کا خاص تعلق رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ روایت کو ہر مرحلہ میں ثقة عن ثقة ہونا چاہئے۔ (یعنی معتبر شخص، معتبر شخص سے روایت کرے) (تذکرہ الحفاظ ذہبیؒ)

اپنے تبحر علمی اور زبردست قوت حافظہ کے باوجود اس قدر محتاط تھے کہ محض حافظہ سے روایت نہیں کرتے تھے بلکہ کتاب دیکھ کر بیان کرتے تھے۔ امام احمد حنبلؒ کا قول ہے ''ابن المبارک صاحب حدیث اور حافظ الحدیث تھے اور کتاب سے حدیث بیان کرتے تھے۔'' (تہذیب التہذیب)

حدیث نبوی ﷺ کا ان کے دل میں حد سے زیادہ احترام تھا۔ روایت وسماع کے

خاص اوقات مقرر کر رکھے تھے۔ صرف سماع حدیث کے اہل حضرات کے سامنے ہی حدیث بیان کرتے تھے۔ وہ ایسی بات برداشت نہیں کرتے تھے جس سے حدیث کی شان اور وقار میں ذرا بھی تخفیف کا پہلو نکلتا ہو۔

ایک مرتبہ ایک شخص طویل مسافت طے کر کے سماع حدیث کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور آتے ہی روایت حدیث کی درخواست کی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اس نے اپنے ملازم سے کہا، ''چلو'' اور سواری پر بیٹھ کر چلنے لگا۔ حضرت عبداللہ نے فوراً اٹھ کر رکاب تھام لی۔ اس شخص سے کہا' آپ نے حدیث تو سنائی نہیں لیکن میری سواری کی رکاب تھام رہے ہیں۔ فرمایا' ہاں میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ تمہارے لیے اپنی ذات کو ذلیل کر دوں لیکن حدیث نبوی ﷺ کی توہین مجھے گوارا نہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ)

ایک اور موقع پر کسی شخص نے راستہ میں ان میں سے روایت حدیث کی درخواست کی۔ فرمایا ''یہ موقع حدیث کی روایت و سماع کا نہیں ہے'' (تبع تابعین)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اگرچہ علم و فضل کے بحرِ بے کراں بن گئے تھے لیکن انکے سینے میں تحصیل علم کے شوق کی شمع عمر بھر فروزاں رہی۔ حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن المبارکؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کب تک علم حاصل کرتے رہیں گے تو انہوں نے جواب دیا' موت تک ان شاء اللہ۔

ایک اور موقع پر اسی قسم کے سوال کے جواب میں فرمایا: ''شاید وہ کلمہ اب تک میں نے نہ سنا ہو جو میرے کام آئے۔'' (العلم والعلماء)

چنانچہ جہاں ایک دنیا ان کے خوان علم کی زیرہ چین تھی وہ خود بھی زندگی کے کسی دور میں بھی دوسروں کے فیوض علمی سے بہرہ یاب ہونے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی زندگی کا بیشتر حصہ سفروں میں گزرا۔ لڑکپن سے جوانی تک کے زمانے میں تحصیل علم کے سلسلے میں سفر کرتے رہے۔ اس کے بعد اکثر تجارت

،حج، جہاد فی سبیل اللہ، دعوت و تبلیغ اور ارشاد و اصلاح کے لیے پابرکاب رہتے۔ یہی سبب تھا کہ وہ کسی خاص مقام پر مجلس درس قائم نہیں کر سکے لیکن ان کے کمالات علمی نے ایک دنیا کو مسخر کرلیا تھا جہاں بھی جاتے لوگ جوق در جوق انکے گرد جمع ہو جاتے اور مقدور بھر اکتساب فیض کرتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ ممالک اسلامیہ کے اس قدر لوگوں نے ان سے استفادہ کیا کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہیں۔

طبعاً شہرت سے متنفر تھے اور گمنام رہنا پسند کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں معلوم ہوجاتا کسی شاگرد نے ان کا قول نقل کرتے ہوئے قال عبداللہ بن المبارک لکھا ہے تو اس کے پاس چاقو بھیجتے تھے کہ اس سے میرا نام تصنیف میں سے چھیل دو' میری کیا حقیقت ہے کہ کسی قول کو میری طرف سے منسوب کیا جائے لیکن خدا کی قدرت' جس قدر بھی انہوں نے گمنام رہنے کی کوشش کی اسی قدر شہرت بڑھتی چلی گئی اور وہ مرجع خلائق بن گئے۔

آج کل سفر کے لئے جس قدر آسانیاں اور سہولتیں میسر ہیں ابن المبارکؒ کے زمانے میں ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ آج جو سفر چند ساعتوں میں طے ہو جاتا ہے اس زمانے میں ہفتوں اور مہینوں میں طے ہوتا تھا اور پھر راستے میں جو دشواریاں اور مصیبتیں پیش آتی تھیں ان کی تفصیل جان کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے لاتعداد سفروں پر نظر ڈالیں تو لامحالہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کی زندگی بالکل مجاہدانہ تھی۔ کبھی مرو میں تو کبھی بغداد میں' کبھی بصرہ میں ہے تو کبھی رقہ میں' کبھی شام میں ہیں تو کبھی مصر میں' کبھی حجاز میں ہیں تو کبھی یمن میں۔ انہوں نے تجارت میں لاکھوں روپے پیدا کئے اور لاکھوں ہی راہ حق میں صرف کئے۔ فی الحقیقت ان کے سفر کا عنوان ''تجارت'' ہوتا تھا لیکن اس کی روح علمی افادہ واستفادہ اور مخلوق خدا کی خدمت ہوتی تھی۔

حضرت ابن المبارکؒ کے چند تلامیذ اور رواۃ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ (ان میں عظیم المرتبت ہستیاں بھی ہیں جن کی روایات کو صحاح ستہ کے محدثین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور ایسی بھی جن کو درجہ امام حاصل ہوا اور خلق کثیر نے ان سے کسب فیض کیا۔)

امام احمد حنبلؒ ، یحییٰ بن معینؒ ، فضیل بن عیاضؒ ، اسحاق بن راہویہؒ ، ابوداؤد الطیالسیؒ ، یحییٰ بن سعید القطان نعیم بن حماد الخزاعی مروزیؒ ، محمد بن العلاء کوفیؒ ، ابوبکر بن عیاشؒ ، علی بن الحسن بن شقیق مروزیؒ ، سلیمان المروزیؒ وغیرہ۔

ابن مبارکؒ کے رُواۃ میں امام سفیان ثوریؒ ، معمر بن راشدؒ ، سفیان بن عیینہؒ ، عبدالرحمٰن بن مہدی بصریؒ ، اور ابواسحاق الفزاریؒ بھی شامل ہیں۔ یہ اصحاب ابن مبارکؒ کے استاذ بھی تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے گلشن اخلاق میں خشیت الٰہی، شجاعت، شوق جہاد، تواضع و انکساری، جود وسخا، خدمت خلق، اکرام ضیف، رقّتِ قلب، زہد وتقویٰ، عبادت و ریاضت، خودداری اور ارباب حکومت سے گریز، سب سے خوشرنگ پھول ہیں۔ ان کی سیرت وکردار میں صحابہ کرام کی پُرعظمت اور پاکیزہ زندگی کی جھلک نظر آتی تھی۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں:

''میں نے صحابہ اکرام کے حالات پر غور کیا اور عبداللہ بن المبارکؒ کے حالات بھی دیکھے تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ صحابہ کرامؓ کو اس بنا پر ابن المبارک پر فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے جمال جہاں آراء سے اپنی آنکھیں روشن کیں اور آپ ﷺ کی صحبت اور غزوات میں ہمرِکابی کا شرف حاصل کیا۔'' (تاریخ خطیب بغدادی)

گویا مخصوص فضائل کے سوا عادات واخلاق میں ابن المبارکؒ صحابۂ کرامؓ کا نمونہ تھے۔ فی الحقیقت ان کو صحابہ کرامؓ سے اس قدر عقیدت اور محبت تھی کہ اپنے طور طریقوں کو انہی کے سانچہ میں ڈھال لیا تھا۔ اصحاب رسولؐ کا ان کے نزدیک جو بلند مقام تھا اس کا اندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے جو ابن خلکان نے ابوعلی غسانی سے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی نے ابن المبارکؒ سے پوچھا، حضرت امیر معاویہؓ بن ابوسفیانؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (تابعی) میں سے کون افضل ہے۔ ابن المبارکؒ نے جواب دیا، واللہ وہ غبار راہ جو رسول اللہ ﷺ کی ہمرِکابی میں حضرت معاویہؓ کی ناک میں داخل ہوا ہے وہ بھی

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پر ہزار درجہ فضیلت رکھتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ گو رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے اور جب حضور ﷺ نے **سمع اللہ لمن حمدہ** فرمایا تو جواب میں حضرت معاویہؓ نے **ربنا لک الحمد** کہا۔ کیا اس کے بعد بھی سوال کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ (وفیات الاعیان)

خشیت الٰہی کی یہ کیفیت تھی کہ ہر وقت اللہ کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ نعیم بن حماد سے روایت ہے کہ جب وہ (اپنی تالیف) "کتاب الزہد والرقائق" طلبہ کے سامنے پڑھتے تو ان پر سخت رقت طاری ہو جاتی تھی اور (جوش گریہ میں) ان کے منہ سے اس طرح آواز نکلتی تھی جیسے ذبح کی ہوئی گائے کے منہ سے۔ اس وقت وہ بات کرنے کے قابل نہیں رہتے تھے۔ (تاریخ خطیب بغدادی)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ عبداللہ بن مبارکؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو اونچا مرتبہ دیا وہ اس بنا پر تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتے تھے۔ (صفوۃ الصفوۃ، ابن جوزی)

ابن المبارکؒ کے ایک ہمعصر عالم قاسم بن محمدؒ سے روایت ہے کہ اکثر سفر میں عبداللہ بن مبارکؒ کے ساتھ رہتا تھا۔ کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا تھا کہ آخر ان میں وہ کونسی خوبی ہے جس کی بنا پر ان کی اتنی قدر ہے اور مخلوق خدا ان کی راہ میں آنکھیں بچھاتی ہے، نماز وہ بھی پڑھتے ہیں ہم بھی پڑھتے ہیں، روزے وہ رکھتے ہیں تو ہم رکھتے ہیں، وہ حج کو جاتے ہیں تو ہم بھی جاتے ہیں، وہ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں تو ہم بھی جہاد میں شریک ہوتے ہیں لیکن جہاں دیکھیں ہر ایک کی زبان پر عبداللہ بن مبارکؒ کا ہی نام ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم لوگ شام کی طرف سفر کر رہے تھے۔ راستے میں رات آ گئی۔ ایک جگہ قیام کیا۔ کھانے کے لیے جب دستر خوان پر بیٹھے تو اتفاقاً چراغ بجھ گیا اور اندھیرا ہو گیا۔ ایک آدمی نے اٹھ کر چراغ جلایا جب روشنی ہوئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ عبداللہ بن مبارک کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہے۔ میں سمجھ گیا کہ اندھیرے میں ان کو قبر کا اندھیرا یاد آ گیا اور ان پر رقت طاری ہو گئی۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہی خوف خدا ان کے فضل و شرف کا باعث ہے۔

(صفوۃ الصفوۃ، ابن جوزی)

ابن المبارکؒ اگر خالق اور مخلوق کے معاملے میں انتہائی رقیق القلب تھے تو باطل کے مقابلے میں شیر ژیاں تھے جب موقع ملتا جہاد میں شریک ہوتے اور میدان جنگ میں شجاعت و بسالت کا حق ادا کر دیتے۔ ایک دفعہ کچھ لوگوں کو شبہ پیدا ہوا کہ وہ عزلت پسند ہیں اور جہاد سے کوئی رغبت نہیں رکھتے لیکن جب رومیوں کے خلاف ایک لڑائی میں نقاب پوش مجاہد نے کئی رومیوں کو یکے بعد دیگرے ڈھیر کر دیا تو اس مجاہد کے چہرے سے کپڑا ہٹانے کے بعد وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ مجاہد عبداللہ بن مبارکؒ تھے۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ اکثر مصیصہ اور طرطوس وغیرہ کا سفر کرتے تھے اور یہ سفر محض شرکت جہاد کے لیے ہوا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ کسی مجوس سے مقابلہ پیش آگیا۔ لڑائی کے دوران میں مجوسی کی عبادت کا وقت آگیا۔ اس نے ان سے مہلت چاہی کہ میں عبادت سے فارغ ہولوں اس کے بعد تم سے نبرد آزما ہوں گا۔ وہ مان گئے۔ مجوسی نے سورج کے سامنے سجدہ کیا تو ان کو سخت غصہ آیا اور اس کو قتل کرنا چاہا لیکن پھر حکم الٰہی کا خیال آیا کہ عہد کی باز پرس ہوگی تو ضبط سے کام لیا۔ مجوسی عبادت سے فارغ ہوا تو ان کی پاسداری عہد سے اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

دینی و دنیوی وجاہت اور جلالت قدر کے باوجود حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی طبیعت میں عجز و انکساری اور فروتنی کا مادہ حد سے زیادہ تھا۔ اپنی تعریف سننا گوارا نہیں کرتے تھے اور اپنی تعظیم و تکریم کے مظاہرے بھی پسند نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ابو وہب مروزی نے پوچھا کہ تکبر کی تعریف کیا ہے؟ فرمایا ''تکبر یہ ہے کہ دوسروں کو حقیر اور خود کو باعزت سمجھا جائے۔'' پھر فرمایا ''تکبر میں یہ بھی داخل ہے کہ تم اپنی کسی چیز کی نسبت یہ خیال کرو کہ یہ کسی اور کے پاس نہیں ہے۔''

فرمایا کرتے تھے ''جس شخص نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس کی علامت یہ ہوگی کی وہ

اپنے آپ کو کتے سے بھی ذلیل سمجھنے لگا۔"

ایک مرتبہ کسی سبیل پر پانی پینے کے لیے گئے۔ وہاں بھیڑ تھی لوگوں کا ریلا جو آیا تو دھکا لگنے سے دور جا گرے۔ جب وہاں سے واپس چلنے لگے تو حسنؒ سے جوان کے ساتھ تھے کہنے لگے "زندگی ایسی ہی ہو کہ نہ لوگ ہمیں پہچانیں اور نہ ہماری توقیر کریں۔"

مرو میں ان کے پاس ایک وسیع مکان تھا جس میں ہر وقت عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا۔ ان کو یہ عقیدت مندی ناپسند تھی کچھ عرصہ تو اسے برداشت کیا لیکن جب دیکھا کہ اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے تو مرو سے کوفہ چلے گئے اور وہاں ایک تنگ و تاریک مکان میں قیام پزیر ہو گئے۔ لوگوں نے پوچھا' حضرت اتنا کشادہ مکان چھوڑ کر اس تنگ و تاریک مکان میں رہنے سے آپ کی طبیعت نہیں گھبراتی؟ فرمایا' لوگ عقیدت مندوں کے ہجوم میں رہنا پسند کرتے ہیں لیکن میں اس کو نہ پسند کرتا ہوں اسی لیے تو مرو سے کوفہ بھاگ آیا ہوں۔

عام لوگوں کے ساتھ تو ان کے عجز و انکسار کی یہی کیفیت تھی لیکن حاکموں اور امیروں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور ان کے پاس جانا وقار علم کے منافی سمجھتے تھے۔ ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ خلیفہ ہارون رشید "عین ذربہ" آیا تو اس نے دو تین مرتبہ عبداللہ مبارکؒ سے ملنے کی خواہش کی لیکن میں نے کسی نہ کسی حیلے سے ٹال دیا۔۔۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا ان کے سامنے دین و شریعت کے خلاف کوئی بات ہوگی تو وہ خلیفہ کو سختی سے روکیں گے اور یہ بات اسے ناگوار گزرے گی۔ اتفاقاً ایک دن عبداللہ بن مبارکؒ خود ہی خلیفہ سے ملنے تشریف لے آئے۔ ملاقات کے بعد کسی نے ان پوچھا' آپ تو ہارون الرشید کی ملاقات سے گریز کرتے تھے اب کیسے آ گئے؟ فرمایا' میں اپنے دل کو موت پر راضی کرنا چاہتا تھا مگر وہ نہیں ہوتا تھا اب جب کہ وہ راضی ہو گیا ہے تو میں ہارون سے ملنے آ گیا۔ گویا وہ ہارون الرشید کے سامنے حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تھے اور اس کا نتیجہ ان کے قتل کی صورت میں بھی نکل سکتا تھا، جب ان کا نفس اپنی موت پر راضی ہو گیا تو وہ بے دھڑک خلیفہ کے پاس آ گئے۔ کسی دنیوی غرض کے لیے تو حکمرانوں سے انکے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان کو نہ صرف

خود امراء وسلاطین سے ملنا ناپسند تھا بلکہ وہ اپنے احباب واقرباء کو بھی اس سے منع کیا کرتے تھے۔ ان کے ایک عزیز دوست اور شاگرد اسماعیل بن علیہؒ تھے، وہ بھی بہت بڑے عالم اور محدّث تھے اور کاروبار میں انکے شریک تھے۔ انہوں نے بعض حاکموں اور امیروں کے پاس آنا جانا شروع کر دیا۔ بعض روایتوں میں ہے کے امراء حکام کے ساتھ ان کا یہ اٹھنا بیٹھنا اس سبب سے تھا کہ انہوں نے زکوٰۃ وصدقات کی تحصیلداری کا عہدہ قبول کرلیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے سخت ناگواری کا اظہار کیا۔ ایک دن اسماعیل انکی مجلس میں آئے تو ان سے مخاطب نہیں ہوئے، اسماعیل کو بہت رنج ہوا گھر جا کر ابن المبارک کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں انکی بے توجہی اور ناراضگی کا سبب دریافت کیا۔ اس خط کے جواب میں حضرت عبداللہؒ نے چند اشعار لکھ بھیجے جن کا مطلب یہ تھا "تم نے علم دین کو ایسا باز بنا دیا ہے جو غریبوں کا مال سمیٹ کر کھا جاتا ہے۔ تم نے دنیا اور اس کی لذتوں کے لیے ایسی تدبیر اختیار کی ہے جو تمہارے دین کو پھونک کر رکھ دے گی۔ تمہاری وہ روایتیں کیا ہوئیں جو تم خود بیان کیا کرتے تھے اور جن میں دنیا دار حاکموں سے میل جول رکھنے کی وعید آئی ہے، دیکھو دنیا پرست پادریوں کی طرح دین سے دنیا نہ کماؤ۔

اسماعیل یہ اشعار پڑھ کر رونے لگے اور اسی وقت اپنے عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے نزدیک علم دین کو دولت کمانے کا ذریعہ بنانا جائز نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے تجارت کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا تھا۔ وہ عموماً خراسان سے قیمتی سامان لاتے اور حجاز میں فروخت کرتے تھے۔ اللہ نے تجارت میں خوب برکت دی تھی لاکھوں ہی کماتے تھے اور لاکھوں ہی رضائے الٰہی کی خاطر کارہائے خیر میں صرف کرتے تھے۔ ان کی تجارت کا مقصد سرمایادار بن کر اپنی ذات کے لیے سامان عیش وراحت جمع کرنا نہیں تھا بلکہ اس کے ذریعے سے ایک تو وہ اپنی معیشت میں دوسروں کی دست نگری سے بے نیاز ہونا چاہتے تھے اور دوسرے خلق خدا کی خدمت میں کرنا چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے شاگرد حضرت فضیل بن عیاض نے پوچھا، حضرت آپ ہمیں نصیحت کرتے ہیں کہ دنیا میں

دل نہ لگاؤ اور آخرت کی فکر کرو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ خود خراسان سے بیش قیمت سامان تجارت لاتے ہیں اور اسے بلد الحرام میں فروخت کرتے ہیں؟ فرمایا: "اے ابو علی! یہ میں اس لیے کرتا ہوں کہ مصائب سے بچ سکوں اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کر سکوں اور اس کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت زیادہ سے زیادہ کروں اور اللہ کی طرف سے اپنوں پرایوں کے جو حقوق مجھ پر عائد ہوتے ہیں ان کی طرف سبقت کر کے اچھی طرح ادا کر سکوں۔ ایک اور موقع پر حضرت فضیلؒ سے فرمایا: اگر تم اور تمہارے ساتھی نہ ہوتے تو میں تجارت کی کھکھیڑ نہ اٹھاتا۔ حضرت ابن المبارکؒ کی آمدنی کے مصارف کی بڑی بڑی مدیں یہ تھیں۔

۱۔ مہمان نوازی

دستر خوان بہت وسیع تھا' سفر میں ہوں یا حضر میں مہمان نوازی کا خاص التزام تھا' دوست احباب ہوں یا اعزہ و اقارب' فقراء ہوں یا امراء' پڑوسی ہوں یا اجنبی' مسافر ہوں یا مقامی' ان کے دستر خوان پر سب کو دعوت عام تھی۔ کم از کم دو بچھڑوں کا گوشت روزانہ مہمان نوازی میں خرچ ہوتا تھا۔ مرغیوں اور بکریوں کا گوشت بھی پکتا تھا۔ ابو اسحٰق طالقانی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفر کر رہے تھے تو ان کے ساتھ دو اونٹنیوں پر بھنی ہوئی مرغیاں لدی ہوئی تھیں۔ یہ ان مسافروں کے لیے تھی جو ان کے ہم سفر تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ سفر میں ان کے دستر خوان کا سامان ایک یا دو گاڑیوں پر لادا جاتا تھا۔ اگر کوئی چیز کھانے کو دل کرتا تو کبھی تنہا نہ کھاتے۔ کسی نہ کسی مہمان یا مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر تناول کرتے اور فرماتے کہ مہمانوں کے ساتھ جو کھانا کھایا جاتا ہے آخرت میں اس کا محاسبہ نہیں ہوگا۔ خود روزے کثرت سے رکھتے تھے لیکن اپنے ساتھیوں کو فالودہ اور حلوہ بنوا بنوا کر کھلایا کرتے تھے۔

۲۔ علماء اور طلبہ کی اعانت

علماء اور طلبہ کی اعانت کے لیے ابن المبارکؒ اپنا مال بے دریغ لٹاتے رہتے تھے۔ اس معاملے میں ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کی علماء اور طلبہ کو فکر معاش سے آزاد کر دیا جائے تا کہ

یکسوئی سے اشاعت علم اور تحصیل علم کر سکیں۔ وہ ایسے علماء اور طلبہ کی ڈھونڈ ڈھونڈ کر مدد کرتے تھے جو معاشی لحاظ سے پریشان حال ہوتے۔ اس مقصد کے لیے وہ جتنا روپیہ اپنے شہر کے علماء وطلبہ پر خرچ کرتے تھے اس کے کہیں زیادہ مال دوسرے شہروں کے علماء وطلبہ میں تقسیم کرتے تھے۔ خطیب بغدادیؒ نے حبان بن موسیٰؒ سے روایت کی ہے کہ بعض لوگوں نے ان سے شکایت کی کہ آپ اپنے شہر پر اتنا مال تقسیم نہیں کرتے جتنا دوسروں شہروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا:

''جن علماء وطلبہ پر اپنا مال خرچ کرتا ہوں' میں ان کے علم وفضل اور صدق و دیانت سے بخوبی واقف ہوں۔ یہ لوگ علم دین کی اشاعت وطلب میں لگے ہوئے ہیں۔ آخران کی ذاتی (خانگی) ضرورتیں بھی تو وہی ہیں جو دوسروں لوگوں کی ہیں۔ اگر یہ لوگ بھی اپنی ضروریات زندگی میں پوری کرنے لگ جائیں تو علم ضائع ہو جائیگا۔ اگر ہم نے انہیں فکر معاش سے بے نیاز کر دیا تو یہ یکسوئی کے ساتھ علم کی اشاعت کریں گے اور میرے نزدیک نبوت کے ختم ہونے کے بعد علم کی اشاعت سے افضل دوسرا کوئی کام نہیں ہے۔''

ایک مرتبہ ان سے کہا گیا کہ اہل علم (یعنی طالبین علم) کی ایک جماعت لوگوں سے اموال زکواۃ لیتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ پھر ہم کیا کریں' اگر ہم ان کو اس سے منع کر دیں تو وہ طلب علم سے رک جائیں گے جب کہ معاش کا کوئی ذریعہ انکے پاس نہیں ہے اور اگر ہم ان کو اس کے لئے اجازت دے دیں تو وہ یکسوئی کے ساتھ حصول علم میں لگے رہیں گے اور یہ کام دوسرے سب کاموں سے افضل ہے۔

۳۔ حجاج کی امداد

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا معمول تھا کہ جب حج کے لیے روانہ ہونے لگتے تو اپنے تمام رفقائے سفر سے فرماتے کہ تم لوگ اپنا اپنا سفر خرچ میرے پاس جمع کرا دو۔ جب وہ اپنی رقمیں ان کے حوالے کر دیتے تو وہ ہر ایک کی رقم کو الگ الگ تھیلیوں میں بند کر کے ہر

تھیلی پر اس کے مالک کا نام لکھ دیتے پھر ان سب تھیلیوں کو ایک صندوق میں رکھ کر مقفل کر دیتے۔ پورے سفر میں جو خرچ ہوتا اس کو خود برداشت کرتے۔ ان لوگوں کو عمدہ عمدہ کھانے کھلاتے اور ہر طرح کی آسائشیں مہیا کرتے۔ فریضۂ حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ منورہ پہنچتے تو ان سے پوچھ پوچھ کر سب کے اہل وعیال کے لیے حسب منشا تحفے خرید کر دیتے۔ سفر حج ختم کر کے گھر واپس آتے تو اس زمانے کے حجاج کے دستور کے مطابق ان کے مکانات پر سفیدی وغیرہ کراتے۔ تین دن کے بعد تمام رفقائے سفر اور ان کے اعزہ واقارب کی پر تکلف دعوت کرتے، اس سے فارغ ہو کر صندوق کھول کر ہر ایک تھیلی جس پر ان کا نام لکھا ہوتا تھا، اس کے حوالے کر دیتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ زندگی بھر ان کا یہی شعار رہا۔

۴۔ جود وسخا اور اہل حاجت کی امداد

خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں علی بن حسن بن شفیقؒ سے روایت کی ہے کہ ابن المبارکؒ ہر سال فقراء پر ایک لاکھ درہم خرچ کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی کتاب سیرت میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے حد فیاض اور سیر چشم تھے اور اہل حاجت کی امداد کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے۔

ایک مرتبہ (غالباً) جہاد میں شریک ہونے کے لیے بغداد سے مصیصہ کی جانب روانہ ہوئے تو کچھ صوفیہ بھی شریک ہو گئے۔ انہوں نے ان حضرات سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ حضرات کے نفوس قانع اس بات پر انقباض تو محسوس کریں گے کہ آپ کی خدمت میں کوئی سفر خرچ پیش کیا جائے پھر بھی زادراہ کی ضرورت سے بے نیاز رہنا ممکن نہیں۔ یہ کہہ کر ایک ملازم کو حکم دیا کہ ایک طشت لائے۔ وہ طشت لایا تو انہوں نے اس میں ایک معقول رقم رکھ دی اور اس کو ایک رومال سے ڈھانپ ۔ پھر ان حضرات سے فرمایا کہ ہر

صاحب باری باری اس رومال کے نیچے ہاتھ ڈال کر جو کچھ مٹھی میں آئے لے لیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، کسی کو دس درہم مل گئے کسی کو بیس درہم یا اس سے کم بیش۔ مصیصہ پہنچ کر فرمایا کہ یہ پردیس ہے اور ضروریات باقی ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے بھی تقسیم کر لیا جائے یہ کہہ کر ہر ایک کو بیس بیس دینار عطا کیے۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت ابن المبارکؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ سات سو درہم کا مقروض ہوں، مجھے اس قرض سے نجات دلائیے۔ انہوں نے اسی وقت اپنے منشی کو لکھا کہ اس شخص کو سات ہزار درہم دے دیے جائیں۔ وہ آدمی خط لے کر منشی کے پاس پہنچا، اس نے پوچھا، تم پر کتنا قرض ہے اور تم نے کتنی رقم ابن المبارکؒ سے طلب کی تھی۔ اس نے کہا "سات سو درہم"، منشی نے سمجھا کہ ابن المبارکؒ سے سہو قلم ہو گیا ہے اور وہ سات سو کے بجائے سات ہزار لکھ گئے ہیں چنانچہ اس نے ابن المبارکؒ کو لکھ بھیجا کہ یہ شخص صرف سات سو درہم کا مقروض ہے اور آپ نے سات ہزار دینے کا حکم دیا ہے کہیں سہو قلم تو نہیں ہو گیا؟ ابن المبارکؒ نے جواب میں لکھا کہ جس وقت میرا خط تم کو ملے اسی وقت اس شخص کو چودہ ہزار درہم دے دو۔ منشی اور بھی حیران ہوا اور اس نے ازراہِ ہمدردی ان کو دوبارہ لکھا کہ آپ اس طرح اپنا سرمایا بے دریغ لٹاتے رہے تو یہ بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ منشی کا خط پڑھ کر ابن المبارکؒ سخت برہم ہوئے اور کو سخت الفاظ میں لکھا کہ میں نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو ورنہ میری جگہ پر آبیٹھو تم جو حکم دو گے میں اس پر عمل کروں گا۔ میرے نزدیک دولت دنیوی سے قیمتی سرمایہ ثواب آخرت اور رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو غیر متوقع طور پر خوش کر دے گا اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا۔ میں نے دانستہ سات سو کے بجائے سات ہزار درہم لکھے تھے تا کہ یہ شخص اتنی خطیر رقم اچانک پا کر خوش ہو جائے۔ دوسری مرتبہ میں نے اپنے خط میں چودہ ہزار درہم بھی سوچ سمجھ کر لکھے وہ اس لئے کہ سات ہزار کی بھنک اس شخص کے کان میں پڑ چکی تھی چودہ ہزار اس کے لیے یقیناً غیر متوقع ہوں گے اور یوں میں حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق اجرِ آخرت کا حقدار ٹھہروں گا۔

حضرت ابن المبارکؒ اکثر طرطوس جاتے رہتے تھے۔ راستہ میں رقہ پڑتا تھا وہاں کی ایک سرائے میں قیام کیا کرتے تھے۔ سرائے میں مقیم ایک نوجوان نہایت اخلاص سے ان کی خدمت کیا کرتا تھا اور ان سے حدیث کا درس بھی لیتا تھا۔ ایک مرتبہ حسب معمول رقہ کی اس سرائے میں ٹھہرے تو اس نوجوان کو نہ دیکھا۔ لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس پر فلاں شخص کا دس ہزار کا قرضہ تھا اسے ادا نہ کر سکا تو قرض خواہ نے دعویٰ کر دیا اور اس نوجوان کو قرض کی عدم ادائیگی کی پاداش میں قید خانے بھیج دیا گیا۔ حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ نے قرض خواہ کو رات کی تنہائی میں بلایا اور اسے دس ہزار درہم دے کر کہا کہ بھائی اس نوجوان کو رہا کرا دو۔ ساتھ ہی اس سے قسم لے لی کہ وہ اس بات کا تذکرہ کسی سے نہ کرے گا۔ نوجوان کی رہائی کا انتظام کر کے ابن المبارکؒ اسی رات سرائے سے روانہ ہو گئے۔ نوجوان رہا ہو کر سرائے میں آیا تو اسے ابن المبارکؒ کی آمد اور روانگی کی اطلاع ملی۔ اس کو حضرت سے شرفِ نیاز حاصل نہ کرنے کا اتنا قلق ہوا کہ اسی وقت طرطوس کی طرف روانہ ہو گیا۔ تین چار منزل کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حال احوال پوچھا۔ اس نے عرض کیا ’’جناب میں قید تھا۔ ایک نامعلوم شخص نے میرا قرض اپنی طرف سے ادا کر کے مجھے رہا کرا دیا معلوم نہیں وہ فرشتہ رحمت کون تھا۔‘‘ حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ نے فرمایا ’’بھائی اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اس نامعلوم شخص کو تمہیں اس مصیبت سے نجات دلانے کی توفیق بخشی۔‘‘

راوی (محمد بن عیسیٰ) کا بیان ہے کہ ابن المبارکؒ کی وفات کے بعد قرض خواہ نے یہ واقعہ لوگوں کو بتایا۔ حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ عبات و ریاضت، زہد و ورع، امانت و دیانت اور حسن معاشرت کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھے۔ حافظ ذہبیؒ نے ’’تذکرۃ الحفاظ‘‘ میں اسماعیل بن عیاشؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ روئے زمین پر عبداللہ بن مبارکؒ جیسی کوئی شخصیت نہیں ہے اور میری دانست میں کوئی اچھی خصلت ایسی نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں ودیعت نہ کر دیا ہو۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرمایا کرتے تھے "رب کعبہ کی قسم میری آنکھوں نے عبد اللہ ابن المبارکؒ جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔" عبادت وریاضت سے بہت شغف تھا، پنجگانہ نماز باجماعت فرض نمازوں کے علاوہ سنن ونوافل کا بھی خاص اہتمام تھا، بعض اوقات ساری ساری رات عبادت میں گزر جاتی۔ کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ حج بیت اللہ کے لیے بھی اکثر تشریف لے جاتے تھے۔ دیانت وامانت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ قیام شام کے دوران میں کس شخص سے قلم عاریتاً لیا۔ واپسی پر اسے قلم لوٹانا بھول گئے اور اسے اپنے ساتھ مرو لے آئے۔ گھر آکر دیکھا تو یاد آیا۔ افسوس کیا اور مرو سے شام تک طویل سفر دوبارہ صرف اس لیے کیا کہ وہ قلم اس کے مالک کے حوالے کرسکیں۔

حسن ادب کی یہ کیفیت تھی کہ ان کے سامنے کوئی شاگرد قراتِ حدیث کرتا تو وہ اس سے کسی عبارت کو دوبارہ نہیں پڑھواتے تھے بلکہ توجہ اور خاموشی کے ساتھ سنتے رہتے تھے۔ ایک بار مجلس میں ایک شخص کو چھینک آگئی۔ اس نے الحمدللہ نہیں کہا۔ حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ نے کچھ دیر انتظار کیا۔ پھر اس سے پوچھا' جب چھینک آئے تو اس کو کیا کہنا چاہیے۔ اس نے کہا الحمدللہ اس پر انہوں نے کہا فوراً کہا "یرحمک اللہ" زندگی نہایت محتاط اور زاہدانہ تھی ابواسامہ اور شعب ابن حربؒ کہا کرتے تھے کہ ہم سال میں تین دن بھی ابن المبارک کی طرح نہیں گزار سکتے۔

ان کے زہدورع کی بناپر اہل سیر نے انہیں زہادتبع تابعین میں شمار کیا ہے۔

اسی طرح بعض ارباب سیر نے انہیں اولیا اللہ میں شامل کیا ہے اور انکی بہت سی کرامات بیان کی ہیں۔ علامہ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں ابووہبؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ابن المبارکؒ کا گزر ایک نابینا پر ہوا تو اس نے بڑی لجاجت سے عرض کیا کہ میرے لیے بینائی کی دعا کیجئے۔ چنانچہ انہوں نے نہایت خشوع وخضوع سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی بحال کردی۔

وعظ ونصیحت اور ارشاد واصلاح کا طریقہ نہایت بلیغ اور حکیمانہ ہوتا تھا۔ تذکروں

میں ان کے سینکڑوں پرمُعارف اقوال ملتے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

☆ بہت سے چھوٹے عمل ایسے ہوتے ہیں جن کو نیت بڑا بنا دیتی ہے اور بہت سے بڑے عمل ایسے ہوتے ہیں جن کو نیت چھوٹا بنا دیتی ہے۔

☆ سب سے سِفلہ اور کمینہ وہ شخص ہے جو دین کو عیاشی کا ذریعہ بنائے۔

☆ عالم ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ دنیا کی محبت سے اس کا دل ہمیشہ خالی رہے۔

☆ دنیا کے مال پر کبھی غرور نہ کرو۔

☆ حق پر جمے رہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔

☆ ہر کام میں ادب اور تہذیب کا خیال رکھو۔ دین کے دو حصے ادب اور تہذیب ہیں۔

☆ ایسا دوست ملنا بہت مشکل ہے جو صرف اللہ کے لے محبت کرے لیکن دوست فی الحقیقت یہی ہے۔

☆ آدمی اس وقت تک عالم رہتا ہے جب تک یہ سمجھتا رہے کہ شہر میں اس سے زیادہ علم رکھنے والے موجود ہیں مگر جب وہ یہ سمجھنے لگ جائے کہ میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں تو یوں سمجھ لو کہ اب وہ جاہلوں کی صف میں جا کھڑا ہوا۔

☆ گمنامی کو پسند کرو اور شہرت سے دور رہو مگر یہ ظاہر نہ کرو کہ تم گمنامی کو پسند کرتے ہو اس لیے کہ اس سے بھی غرور پیدا ہوگا۔

☆ سب سے گرے ہوئے لوگ وہ ہیں جو قرض پر زندگی بسر کرتے ہیں اور ہاتھ پیر نہیں ہلاتے۔

☆ تواضع یہ ہے کہ اغنیا کے مقابلے میں خودداری کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

☆ حسن خلق یہ ہے کہ غصہ نہ کیا جائے۔

☆ شریف وہ ہے جسے اطاعت الٰہی کی توفیق ہوئی اور رذیل وہ ہے جس نے بے مقصد زندگی گزار دی۔

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ ۱۸۱ھ میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے شام گئے۔ اثنائے سفر میں ہیت کے مقام پر طبیعت خراب ہوگئی یہاں تک کہ جانبری کی کوئی امید نہ رہی۔ انتقال سے پہلے غلام سے فرمایا' میرا سر زمین پر رکھ دو۔ غلام یہ سن کر رونے لگا۔ پوچھا' روتے کیوں ہو؟ اس نے عرض کیا' مجھے آپ کے مقام بلند کا خیال آ گیا کہ اللہ اللہ اپنے وقت کی عظیم ترین ہستی اس طرح جان دی رہی ہے۔ فرمایا' بھائی اس میں رنج کی کوئی بات نہیں' میں نے خود بارگاہ الٰہی میں دعا کی تھی کہ میں بے کسی اور فروتنی کی حالت میں جان دوں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ مرض الموت میں آواز بیٹھ گئی تھی اس لیے اندیشہ ہوا کہ مرتے وقت کلمہ شہادت پڑھنے سے محروم نہ رہ جاؤں' اپنے شاگرد حسن بن ربیعؒ سے جو ساتھ تھے' فرمایا کہ دم نزع تم میرے سامنے کلمہ شہادت بلند آواز سے پڑھنا جب تم ایسا کرو گے تو میری زبان پر بھی کلمہ شہادت خود بخود جاری ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اسی حالت میں ۱۳ رمضان المبارک ۱۸۱ھ (۸ نومبر ۷۹۷ء) کو بروز چہار شنبہ وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۲ برس کی تھی۔ مقام وفات ہیت اگرچہ ان کے وطن سے سینکڑوں میل دور تھا لیکن مخلوق خدا کے دلوں پر انکی حکمرانی کا یہ عالم تھا کہ وفات کی خبر پھیلتے ہی لوگ جوق در جوق اس دور افتادہ قصبے کی طرف دوڑ پڑے۔ جنازے پر اس قدر ہجوم تھا کہ ہیت کے حاکم کو اس واقعہ کی اطلاع بغداد بھیجنی پڑی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے یہ خبر سنی تو اس کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آ گئے ''افسوس علماء کے سردار کا انتقال ہو گیا'' حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا' ابن المبارکؒ فوت ہو گئے لیکن افسوس اس کا ہے کہ جو باقی رہ گئے' ان میں کوئی بھی ان کا مثل نہیں ہے۔

سفیان بن عیینہؒ بولے اللہ عبداللہ بن مبارکؒ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے' انہوں نے خراسان میں اپنا کوئی ثانی نہیں چھوڑا۔ اسی طرح دوسرے تمام علماء عصر نے بھی شاندار الفاظ میں انہیں خراج تحسین پیش کیا اور انکی وفات پر اپنے دلی کرب کا اظہار کیا۔ مختلف تذکروں میں حضرت ابن لمبارکؒ کو بہت سی کتابوں کا مصنف بتایا گیا ہے لیکن ان

میں بیشتر کتابیں نایاب ہو چکی ہیں۔ خوش قسمتی سے چند سال پہلے انکی ایک معرکہ آرا تصنیف ''کتاب الزہد والرقائق'' بھارت میں چھپ کر منظر عام پر آ گئی ہے۔ اس کتاب کے گیارہ حصے ہیں اور اس میں ۲۰۲۳ روایات ہیں۔ اسے مجلس احیاء المعارف مالیگاؤں (ناسک بھارت) نے شائع کیا۔ ہماری دلی دعا ہے کہ خداوندِ قدوس ان کی مرقد پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے آمین یارب العالمین۔

امیر المؤمنین فی الحدیث سیدنا محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ

اسماعیلؒ پایہ کے عالم اور محدث تھے، ان کے دادا مغیرہ، والی بخارا ''یمان جعفی'' کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے تھے، اسی نسبت سے ان کو بھی جعفی کہا جانے لگا۔ اسماعیل کے والد کا نام ابراہیم تھا، تاریخ ابراہیم کے تذکرہ سے خاموش ہے۔ (مقدمہ فتح الباری)

اسماعیل کو حماد بن زید اور امام مالک سے حدیث کا شرف سماع حاصل ہے، اور ان سے احادیث کے راوی بھی ہیں، ابن حبان نے اسماعیل کا تذکرہ کتاب الثقات میں محدث کے طبقہ رابعہ کے تحت کیا ہے، تاج الدین سبکی ان کے متعلق طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں۔

''اسماعیل بن ابراہیم متقی علماء میں سے تھے، امام مالک سے سماع حدیث کا شرف حاصل کیا، حماد بن زید کی زیارت کی اور عبداللہ بن مبارک کی صحبت پائی۔۔۔۔ احمد بن حفص کہتے ہیں کہ میں اسماعیل کی وفات کے وقت حاضر خدمت ہوا تو فرمانے لگے ''مجھے اپنے تمام سامان میں سے کسی ایک درہم کے مشتبہ ہونے کا علم نہیں'' احمد بن حفص کہتے ہیں یہ بات سن کر مجھے اپنی کمزوری و کم ہمتی کا احساس ہوا'' (تہذیب الکمال جلد ۴)

۱۳ شوال ۹۴ھ بعد نماز جمعہ بخارا میں اسماعیل کے گھر بچہ پیدا ہوا بچہ کا نام ''محمد'' رکھا گیا، کسے اندازہ تھا کہ یہ بچہ اسلامی تاریخ کے گلشن کا وہ گل سرسبد بنے گا جس کی مہک صدیوں رہے گی اور جس کا آوازہ زمانہ کے دبیز پردے نہیں روک سکیں گے اور کسے معلوم تھا کہ صدیوں میں پیدا ہونے والا یہ ''دیدہ ور'' کائنات کی بہترین ہستی کے بکھرے اور نکھرے

ہوئے ریحان ونسترن کی چمن بندی کی وہ لافانی خدمت انجام دے گا جوان کو ''لسان صدق فی العالمین'' اور حیات جاوداں بخشے گی۔

سالہا باشد کہ تا یک سنگ اصلی زآفتاب — لعل باشد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

شخصیات کی عبقریت اپنے خاندان اور وطن کے تذکروں کو بھی زندہ رکھتی ہے، بخارا کے تذکرہ میں اگر آج دلچسپی ہے تو اسی حوالہ سے کہ وہ امام بخاری کا وطن ہے۔

بخارا دریائے جیحون کی زیریں گذرگاہ پر ایک بڑے نخلستان میں واقع ان مردم خیز علاقوں کا ایک شہر ہے، جن سے علم وفن کی تاریخی شخصیات کی عظمتیں وابستہ ہیں، جو علم و دانش کے بڑے بڑے سورماؤں کا وطن رہا اور جہاں صحاح ستہ کے مصنفین پیدا ہوئے۔

امام بخاری کا بخارا ہو یا امام مسلم کا نیشاپور، امام ابوداود کا سجستان ہو یا امام ترمذی کا ترمذ، امام نسائی کا نسا ہو یا ابن ماجہ کا وطن قزوین، یہ سب اسی ماوراء النہر اور اس کے اردگرد علاقوں کے لالہ زار ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ آخری صدیوں میں پھران علاقوں کی وہ مردم خیزی باقی نہ رہی جو اسکی تاریخی خصوصیت تھی۔

نہیں اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے — وہی آب وگل ایران وہی تبریز ہے ساقی

سطح سمندر سے بخارا کی بلندی ۷۲۲ فٹ (۲۲۲٫۴ میٹر) ہے اور یہ طول البلد مشرقی ۶۴ درجہ ۳۸ دقیقہ (گرین وچ) اور عرض البلد شمالی (۳۹ درجہ ۴۳ دقیقہ پر واقع ہے، اس کی مساحت (۲۰۵۰۰۰) کیلومیٹر ہے۔ (دائرہ معارف اسلامیات)

معجم البلدان میں علامہ یاقوت حموی بخارا کے متعلق لکھتے ہیں: ''بخارا (باء کے ضمہ کے ساتھ) ماوراء النہر کے بڑے اور عظیم شہروں میں سے ہے، بخارا کا طول ستاسی درجہ اور عرض اکتالیس درجہ ہے اور اقلیم خامس میں واقع ہے، بخارا کی وجہ تسمیہ باوجود تلاش کرنے کے مجھے معلوم نہ ہوسکی، بخارا ایک قدیم اور باغ و بہار والا شہر ہے وارء النہر کے تمام شہروں میں جو شادابی اور حسن بخارا کو حاصل ہے کسی دوسرے شہر کو نہیں، جب آپ باہر سے اس کے قلعے پر چڑھ کر اس کا نظارا کریں تو ہر سو آپ کو مزار اور سبزہ ہی سبزہ نظر آئے گا درمیان میں

بنے ہوئے محلات کا منظر حسین پھولوں کی مانند نظر نواز ہے۔ (حوالہ بالا)

اسکندر اکبر مقدونی کے فتوحات سے قبل بخارا فارسی حکومت کے تابع تھا، اس وقت اس کو "صغدیان" کہتے تھے، اسکندر اکبر نے جب فارس کے شہر فتح کئے تو بخارا بھی اس کے زیر نگیں آ گیا، بعد میں یونانیوں کو ملا، پھر جب لشکر اسلام دنیا کے چپہ چپہ پر دین اسلام کا جھنڈا لہرانے کے لئے اٹھا تو بخارا کو بھی فتح کر ڈالا، ہوا یوں کہ جب حضرت معاویہؓ کے دور میں زیاد بن ابی سفیان کا ۵۳ھ میں انتقال ہوا تو ان کی جگہ ان کے بیٹے عبید اللہ کو خراسان کا عامل بنایا گیا، ۵۴ھ میں اس نے بخارا کی جانب پیش قدمی کی اور نسف و بیکند کو فتح کیا، بخارا کی حکومت اس وقت "خاتون" نامی عورت کے پاس تھی، عورت نے ترک کو مدد کے لئے کہا، ان کی ایک بڑی جماعت آئی، جنگ ہوئی اور انکو شکست ہوئی، خاتون نے پیغام صلح بھیجا اور ایک لاکھ سالانہ پر صلح ہوئی، پھر حضرت معاویہؓ نے ۵۵ھ میں سعید بن عثمان کو خراسان کا امیر مقرر کیا ۸۷ھ تک پھر اس کا تاریخی حال معلوم نہ ہو سکا، ۸۷ میں اسلامی فتوحات کے عظیم جرنیل قتیبہ بن مسلم کی قیادت میں اسلامی لشکر کے نہ تھمنے والے سیل رواں نے جب ان علاقوں کا رخ کیا تو بخارا کو بھی فتح کر ڈالا۔

پھر جب چنگیز خان کی تاریخی بربریت کا نام مبارک آغاز ہوا تو عالم اسلام کے بیسیوں شہروں کی طرح بخارا بھی اس کی بربادیوں کا لقمہ بنا اور یہاں اس نے سفاکی کی وہ تاریخ مرتب کی جس کی مثال تباہی اور قتل و درندگی کی تاریخ میں کم سے کم ملے گی، چند محلات چھوڑ کر پورے شہر کو نذر آتش کر کے تاراج کیا گیا، یہ ۴ ذوالحجہ ۶۱۶ ۱۰ فروری ۱۲۲۰ کا واقعہ ہے۔ (دائرہ المعارف)

پھر تاتاری قوم اسلام کو جڑ سے اکھاڑنے اور دنیا کے نقشہ سے اس کا وجود ختم کرنے پر تلی ہوئی تھی جب پوری کی پوری مسلمان ہوگئی کہ: اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اور کعبے کو صنم خانے سے پاسبان مل گئے تو چنگیزی خاندان کے مشہور اسلامی فاتح تیمور لنگ کے ہاتھ بخارا (۷۷۰ھ) میں آیا اور بخارا ایک بار پھر اسلامی تہذیب و تمدن کا

مرکز بن گیا، بخارا تیمور لنگ کی اولاد کے پاس رہا حتی کہ ۱۴۹۸ء میں ازبکوں نے اس پر قبضہ کیا اور تیموری خاندان کی حکومت یہاں سے ختم کر ڈالی۔

چونکہ روس کے لئے ہندوستان کی ایک رہ گذر بخارا بھی ہے، اس اہمیت کے پیش نظر مغربی وسائل کی مدد سے روس نے اس پر ۱۸۷۳ء میں قبضہ جمایا۔

پھر جب ۱۹۹۱ میں کئی ریاستوں کے عناصر سے بنے ہوئے روس کے وفاق کا عقدہ کشا ہوا تو اور چھ مسلم ریاستیں آزاد ہوئیں، ان آزاد ہونے والی چھ ریاستوں میں بخارا ریاست ازبکستان کا شہر ہے جس کا دارالحکومت تاشقند ہے۔

برسوں روس کی جارحیت کی زیر نگین رہنے والی اس ریاست سے کمیونزم کی گرد اگرچہ اب تک مکمل نہیں جھڑی تاہم ایام گردش پیہم کے ان مراحل کے بعد اب بخارا ایک اسلامی ریاست کے تحت ہے اور ان علاقوں کے ''عروق مردہ'' میں اب خون اسلام دوڑا ہے، اگر اسلامی تہذیب اور دینی تعلیم کا یہاں پھر چرچا ہونا شروع ہو تو۔۔۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

کیونکہ یہیں علم وفن کی نابغہ روزگار شخصیات میں سے محدث ابوزکریا عبدالرحیم بن احمد متوفی (۴۶۱ھ) پیدا ہوئے اور بخارا ہی کو فلسفہ وحکمت کی بلندیوں پر پہنچنے والے مشہور حکیم ابن سینا متوفی (۴۲۸ھ) کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

امام نے جب آنکھ کھولی تو ہر طرف اسلامی علوم کا چرچا تھا، دنیوی ترقیاں اسلامی علوم میں مہارت پر موقوف تھیں، علم حدیث کا شاداب درخت بہاروں پر تھا، نبی کریم ﷺ کا عہد ساز دور ابھی ابھی گزرا تھا، صحابہؓ کی یادیں اور ان کے تربیت یافتہ زندہ تھے، عالم اسلام کے بڑے شہر محدثین کے مرکز میں چپہ چپہ سے آنے والے تشنگان علم حدیث کی آجگاہ تھے، خیر القرون کی مبارک فضا میں امام نے پرورش پائی، پھر قدرت کی فیاضیوں نے بلا کا حافظہ دیا، نہ ختم ہونے والے شوق سے نوازا، جہد مسلسل کی توفیق ملی، بلند ہمتی کا جوہر پایا اور سب سے بڑھ کر وہ عظیم اخلاص میسر ہوا جس کے بغیر سب کچھ بیکار، ہر عمل نامکمل اور سراب کی نمود ہے۔

امام نے سفر کی لاٹھی ہاتھ میں لی اور عالم اسلام کے بڑے شہروں کا رخ کیا، علوم کی بہتی سوتوں اور حدیث کے فرحت بخش ٹھنڈے چشموں سے تشنگی بجھا کر طلب علم کی حرارت کی تسکین کی، خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔ ''امام بخاری نے طلب علم میں تمام محدثین کے شہروں کا سفر کیا، خراسان اور اس کے پہاڑوں، عراق کے تمام بلاد، نیز حجاز، شام اور مصر میں جا جا کر حدیثیں حاصل کیں۔ (تاریخ بغداد)

امام بخاری کی تعلیم وتربیت کے متعلق تاج الدین سبکی ''طبقات'' میں لکھتے ہیں:۔

امام بخاری کی نشو ونما یتیم ہونے کی حالت میں ہوئی سماع حدیث کا آغاز ۲۰۵ھ میں کیا، ابن مبارک کی تصانیف حفظ کیں، بچپن ہی سے علم کی محبت نصیب ہوئی، قوی حافظہ اس کا معاون بنا، اپنے وطن بخارا میں محمد بن سلام بیکنڈی، محمد بن یوسف اور ابراہیم بن اشعث سے سماع حدیث کے بعد ۲۲۰ھ میں دوسرے شہروں کا رخ کیا، بلخ میں مکی بن ابراہیم اور یحییٰ بن بشر سے احادیث سنیں، مرو میں علی بن الحسن اور عبدان وغیرہ سے سماع کیا، نیشا پور میں یحییٰ بن یحییٰ اور بشر بن الحکم۔ سے شرف تلمیذ حاصل کیا، رمی میں ابراہیم بن موسیٰ سے پڑھا، بغداد میں شریح بن نعمان۔۔۔ کے تلمیذ رہے، بصرہ میں ابو عاصم نبیل، اور محمد بن عبداللہ سے سنا، کوفہ میں ابو نعیم، طلق بن غنام اور حسن بن عطیہ۔ وغیرہ کے شاگرد بنے، مکہ میں حمیدی، مدینہ میں عبدالعزیز اویسی اور مطرف بن عبداللہ سے سماعت کی، الغرض واسط، مصر دمشق، قیساریہ، عسقلان اور حمص میں مخلوق خدا کا ایک جم غفیر سے آپ نے احادیث سنیں جن سب کا ذکر طول ذکر ہے۔ (طبقات شافعیہ کبریٰ)

تاج الدین سبکی نے امام بخاری کے سفر ''الجزیرہ'' کا انکار کیا ہے اور حاکم کی ''تاریخ نیسابور'' میں الجزیرہ کی طرف امام کے تذکرہ سفر کو وہم قرار دیا چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

وفی تاریخ نیسابور للحاکم انه سمع بالجیریرة وهذا وهم فانه لم یدخل الجزیرة۔۔ (حوالہ بالا)

''حاکم کی ''تاریخ نیسابور'' میں ہے کہ امام بخاری نے الجزیرہ میں حدیث کا سماع

کیا، لیکن یہ ان کا وہم ہے کیونکہ امام الجزیرہ میں سرے سے داخل ہی نہیں ہوئے۔"

جب کہ حافظ ابن حجر نے امام بخاری کے سفر الجزیرہ کا ذکر کیا ہے اور خود امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے دخلتُ اِلی الشَّامِ و مصر ولجزیرة مرّتین. "میں شام، مصر اور الجزیرہ دو دو بار گیا ہوں۔" علامہ نوویؒ نے بھی تہذیب الاسماء واللغات میں امام بخاری کے الجزیرہ میں سماع کا تذکرہ کیا ہے۔ بہر حال بخاری نے علم حدیث کے لئے عالم اسلام کے تمام شہروں کی خاک چھانی، وہ خود فرماتے ہیں: علم الحدیث یحتاج الی بعد الاسفار ووطی الدیار ورکوب البحار. (تہذیب الکمال)

"علم حدیث حاصل کرنے کے لئے دور دور کے سفر، مختلف دیار کے گشت اور دریاؤں کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ امام نے اپنی زندگی کے طویل علمی رحلات میں ایک ہزار سے زائد محدثین سے احادیث کا سماع کیا، فرماتے ہیں: کتبت عن الف شیخ و اکثر ماعندی حدیث الا اذکر اسناده "میں نے ایک ہزار سے زائد شیوخ سے حدیثیں لکھیں، مجھے اپنی ہر حدیث کی سند یاد ہے۔

اللہ جل شانہ نے اس میدان میں ان سے کام لینا تھا اور جو کام لینا تھا اس کے تمام فطری اسباب ان میں پیدا فرما دیئے، احادیث میں علل کی معرفت کا میدان ہو یا صحیح و سقیم میں امتیاز کا مسئلہ، ہزاروں راویوں کے احوال پر اطلاع کا کٹھن مرحلہ ہو یا اسماء رجال اور ان کی کنیتوں کے حفظ کا معاملہ، امام بخاری کی عبقریت نے ان تمام میدانوں میں جولانیاں کیں، جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کی ابتدائی سرگزشت کا آغاز کس طرح ہوا؟ تو فرمانے لگے "میں ابھی طفل مکتب تھا کہ حفظ کا مجھے الہام ہوا۔۔۔ اس وقت میری عمر دس سال یا اس سے بھی کم تھی، مکتب سے نکل کر محدث داخلی کے ہاں جانا شروع کیا ایک دن وہ سند حدیث بیان کرتے ہوئے کہنے لگے، "سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم" میں نے ان سے کہا، حضرت ابو الزبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی ہے، انہوں نے مجھے جھڑکا، میں نے اصل کی جانب رخ کرنے کے لئے کہا، گھر جا کر جب اصل دیکھ آئے تو کہنے لگے،

لڑکے! پھر ابراہیم سے کون روایت کر رہا ہے؟ میں نے کہا "زبیر بن عدی" تو مجھ سے قلم لے کر اپنی کتاب کی تصحیح کی اور فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا، بخاری سے جب پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ فرمانے لگے، گیارہ سال۔ (تاریخ بغداد)

گیارہ سال کے اس بچے کو دیکھئے اور داخلی جیسے محدث کی سند میں غلطی پر بھری مجلس میں تنبیہ کو دیکھئے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قدرت آنے والے وقت میں اس بچہ سے حدیث رسول کریم ﷺ کی کتنی عظیم خدمت لینا چاہتی تھی۔

امام بخاری کے ہمدرس حاشد بن اسماعیل کا بیان ہے کہ بخاری ہمارے ساتھ مشائخ بصرہ کے ہاں حدیث پڑھنے جاتے تھے، ہم احادیث لکھتے، بخاری نہ لکھتے، ان سے ہم کہتے کہ آپ لکھتے کیوں نہیں؟ سولہ دن گزرنے کے بعد بخاری ہم سے کہنے لگے لاؤ جو تم نے جو کچھ لکھا ہے، ہم نے پندرہ ہزار احادیث لکھی تھیں، وہ لے آئے تو بخاری وہ تمام احادیث زبانی سنا کر کہنے لگے، بتائیں میں نے وقت ضائع کیا؟...... (حوالہ بالا)

ابھی عمر کا اٹھارواں سال تھا کہ صحابہؓ اور تابعین کے اقوال پر مشتمل ایک کتاب "قضایا الصحابة والتابعین" کے نام سے لکھی اور اسی عمر میں اپنی شہرہ آفاق کتاب "تاریخ کبیر" لکھی، روضہ اطہر کے پاس، مدینہ کی منور فضاء اور حسین چاندنی راتوں میں لکھی گئی اس مبارک کتاب کے بارے میں خطیب بغدادی نے سعید بن العاص کا یہ تبصرہ نقل کیا ہے کہ

"اگر کوئی شخص چاہے تیس ہزار حدیثیں ہی کیوں نہ لکھ دے تاہم وہ بخاری کی "تاریخ" سے مستغنی نہیں ہوسکتا" سلیم بن مجاہد ایک دن مشہور محدث محمد بن سلام بیکندی کی خدمت میں حاضر ہوئے، بیکندی فرمانے لگے، اگر کچھ دیر قبل آتے تو ستر ہزار حدیثیں حفظ کرنے والا بچہ دیکھ لیتے، سلیم یہ سن کر بچہ کی طلب میں نکلے، ملاقات کر کے پوچھا، ستر ہزار احادیث کے حفظ کا آپ کو دعویٰ ہے؟ بخاری کہنے لگے، جی ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ مزید یہ کہ جس صحابی اور تابعی کی حدیث آپ کو سناؤں گا ان تمام کی ولادت، وفات، اور مساکن کا بھی علم رکھتا ہوں۔ (تہذیب الکمال)

بیکندی کہتے تھے کہ، جب یہ بچہ میرے درس حدیث میں آجاتا ہے میں پریشان ہوجاتا ہوں اور مجھے گھبراہٹ کی بناپر حدیث میں التباس ہونے لگتا ہے۔

یہ آسمان علم حدیث کے بدر کامل کی اس وقت کی چند جھلکیاں ہیں جس کے ظہور کی ابھی ابتدا تھی جس قمر کے مرحلہ ''ہلال'' میں ضیاپاشیوں کا یہ عالم ہو، ماہ تاباں میں اس کے جلوؤں کا عالم کیا ہوگا۔

امام نے حافظہ بلا کا پایا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ جس راہ کے آپ مسافر تھے اس میں غیر معمولی حافظہ کا قدرتی توشہ اگر پاس ومعاون نہ ہوتا تو منزل کی ان بلندیوں پر جہاں آج آپ ہیں پہنچنا مشکل ہوتا، رجال کا فن امام کے زمانے میں مدون نہ تھا، آج کی طرح کسی راوی کے ضعف وصحت کے حتمی فیصلوں پر کتابیں ابھی وجود میں نہیں آئی تھیں، سینکڑوں ثقہ و غیرہ ثقہ ہم نام راویوں میں فرق کرنے کا واحد ذریعہ حافظہ تھا اور ہزاروں کی تعداد میں رجال حدیث کے ضعف وصحت کا مدار بھی اسی پر تھا، محدثین امتحان لیتے، آپ کی قوت حفظ کے کرشمے دیکھتے اور ششدرو حیران ہوتے۔

ایک مرتبہ بغداد آئے، محدثین جمع ہوئے، امتحان لیا اس طرح کی دس آدمیوں نے دس دس حدیثیں لے کر ان کے سامنے پیش کیں، ان احادیث کے متون اور سندوں کو بدلا گیا تھا، متن ایک حدیث کا اور سند دوسری حدیث کی لگا دی تھی، امام حدیث سنتے او رکہتے ''لا اعرفہ (مجھے یہ حدیث معلوم نہیں) خواص امام کی مہارت جان گئے، کہنے لگے، امام واقعی امام ہیں، عوام کو خیال ہوا کہ یہ کیسے امام ہیں ان کی جانب سے تو ہر حدیث کے بارے میں '''لا اعرفہ'' کا اعلان ہے، جب اپنی دس دس حدیثیں سنا کر سب فارغ ہوگئے تو امام پہلے شخص کی جانب یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئے۔

تم نے پہلی حدیث یوں سنائی تھی اور صحیح یوں ہے، سب کے ساتھ ایسا کیا، پہلے انہیں ان کی مقلوب حدیث سناتے پھر تصحیح کرتے جب ایک ہی مجلس میں ان سب کی سو مقلوب حدیثیں سنائیں پھر ان کی تصحیح کی تو مجمع حیران تھا، مجلس تعجب کا نشان تھی، حافظ ابن

حجرؒ نے یہ واقعہ لکھا تو یہ تبصرہ بھی کر دیا۔

هنا يخضع للبخاري ،فما العجب من رده الخطا الى الصواب ، فانه كان حافظا،بل العجب من حفظه للخطا على ترتيب ماألقوه عليه من مرة واحدة. (تاریخ بغداد)

''یہاں بخاری کی امامت تسلیم کرنی پڑتی ہے، تعجب اس پر نہیں کہ بخاری نے غلط احادیث کی تصحیح ،اس لئے کہ وہ تو تھے ہی حافظ، تعجب تو اس کرشمہ پر ہے کہ امام نے ایک ہی دفعہ میں ان کی بیان کردہ ترتیب کے مطابق وہ تمام مقلوب احادیث یاد کر لیں۔''

واقعی اس واقعہ میں دوسری بات زیادہ باعث تعجب ہے، پر امام کے حافظہ نے اس سے بھی زیادہ عجائبات دکھائے ہیں، ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ امام نے مشائخ بصرہ کی سولہ روزہ مجالس کی پندرہ ہزار احادیث زبانی سنائی تھیں جن میں ایک دن کی مجلس کی احادیث ۹۳۷ سے کچھ اوپر بنتی ہیں، امتحان کی اس مجلس میں تو صرف سو حدیثیں یکبار سننے سے یاد ہوئیں۔

ابو بکر کلواذانی کہتے ہیں کہ میں نے بخاری جیسا شخص نہیں دیکھا وہ کسی عالم سے کتاب لے لیتے ،ایک نظر اس پر ڈالتے ہیں اور کتاب کی احادیث کے اکثر اطراف یاد کر لیتے ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری)

سمرقند میں چار سو محدثین جمع ہوئے ،احادیث کی اسانید میں تبدیلیاں کر کے سات دن تک امام بخاری کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

فرماتے ہیں: ''مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں'

امام بخاری گلستان علم حدیث کی بہار تھے، جہاں جاتے تشنگان علم حدیث کی مجلسیں آباد ہو جاتیں،ایک مرتبہ بلخ گئے ،اصحاب حدیث جمع ہوئے ،املاء حدیث کی درخواست کی، ہزار راویوں کی ہزار حدیثیں سب کو لکھوا دیں۔

یوسف بن مروزی کہتے ہیں، میں بصرہ کی جامع مسجد میں تھا، کسی نے اعلان کیا بخاری آئے ہیں ان کی طلب میں نکلو،لوگ نکلے، میں بھی ساتھ ہو لیا، کیا دیکھتا ہوں، عقب

ستون میں مصروف نماز ایک نوجوان شخص ہے جس کی داڑھی نے ابھی سفیدی کو اجازت نہیں دی، یہ تھے بخاری، جوں ہی نماز سے فارغ ہوئے لوگوں نے مجلس حدیث منعقد کرنے کا مطالبہ کیا، امام انکار کیسے کرتے، حدیث کی مجلسوں ہی سے تو انکی زندگی کا چمن آباد تھا، محدثین، فقہاء اور حفاظ کا ایک جم غفیر جمع ہوگیا، ابھی املاء شروع نہیں کیا کہ مجمع کو مخاطب کر کے فرمانے لگے "میں ایک نوعمر انسان ہوں، آپ لوگوں نے مجھ سے املاء حدیث کا مطالبہ کیا تو اب مناسب یہ ہے کہ میں آپ کو ایسی احادیث سناؤں جو تمہارے پاس پہلے سے نہ ہوں تاکہ آپ سب مستفید ہوسکیں۔" پھر املا یوں شروع کرائی: حدثنا عبد اللہ بن عثمان بلدیکم قال : ثنا ابی عن شعبة عن منصور عن سالم بن ابی الجعد عن انس أن أعرابیا جاء الی النبی ﷺ فقال : یا رسول اللہ الرجل یحب القوم ... الخ... سند اور احادیث سنانے کے بعد فرمانے لگے، تمہارے پاس یہ حدیث ہے تو سہی لیکن منصور کے طریق سے نہیں، اس طرح املاء کراتے رہے اور ہر حدیث کے بعد یہ فرماتے رہے کہ یہ حدیث تمہارے پاس فلاں راوی کے طریق سے ہے، میرے بیان کردہ راوی کے طریق سے نہیں، مجلس برخاست ہوئی، تو اہل مجلس حیران تھے۔ (تاریخ بغداد)

فرماتے تھے، ایک دن حضرت انسؓ کے شاگردوں پر نظر دوڑائی تو ایک ہی لمحہ میں تین سو حافظہ کے پردہ پر آگئے۔

امام بخاری علم کی محبت قدرت کے عطیہ کے طور پر پائے تھے، اس کے لئے پوری زندگی گشت کرتے رہے، علم آپکا اوڑھنا تھا، بچھونا تھا، علم آپ کے لئے سامان راحت تھا اس کے لئے زندگی کی ہر راحت کو قربان کیا، آپ کی زندگی کی رونق تھا اس رونق پر دنیا کی تمام رونقیں لٹائیں، پوری عمر حدیث پڑھی، حدیث پڑھائی، حدیث لکھی اور دوسروں کو لکھوائی، غضب کے حافظہ کے باوجود طلب اور جدوجہد میں کمی نہ آئی، طلب اور محنت کے پتھر پر گھسنے کے بعد زندگی کی "حنا" رنگ لائی اور خوب لائی۔

محمد بن یوسف بخاری کہتے ہیں، میں امام بخاری کے ساتھ ایک رات اس کے گھر

رہا، امام رات کو اٹھتے، چراغ جلاتے، کچھ لکھ کر پھر لیٹ جاتے، میں نے گنتی کی تو اٹھارہ بار آپ اٹھے۔ (تہذیب الکمال)

محمد بن حاتم کہتے ہیں، میں ایک سفر میں بخاری کے ساتھ تھا، میں نے دیکھا کہ امام بخاری رات کو پندرہ پندرہ اور بیس بیس مرتبہ اٹھتے، چراغ جلاتے، اور احادیث پر کچھ نشان لگا کر لیٹ جاتے۔ جامع بخاری کی صحت پر آج جو پوری دنیا متفق ہے کسے اندازہ ہے کہ محنت کے کن شدید مراحل سے گزرنے کے بعد اس درجہ تک پہنچی۔

ہانی بن نضر کہتے ہیں، ہم شام میں محمد بن یوسف فریابی کے پاس تھے، جوان تھے، جوانوں کی طرح مزاح و مذاق رہتا لیکن بخاری صرف علم ہی پر چھائے رہتے، ہمارے ساتھ شریک نہ ہوتے۔ محمد بن ابی حاتم نے کسی سے سنا کہ امام بخاری نے بلاذر (خاص قسم کی دوا) کھائی ہے اس لئے ان کا حافظہ قوی ہے انہوں نے امام بخاری سے دریافت کیا کہ حافظہ کی کوئی دوا ہے؟ امام فرمانے لگے مجھے نہیں معلوم، پھر فرمانے لگے: لا اعلم شیئا انفع للحفظ من نهمة الرجل ومداومة النظر. "حافظہ کے لئے آدمی کے انہماک، دائمی نظر و مطالعہ سے بہتر کوئی چیز میرے علم میں نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی تمام کتابیں تین بار لکھی ہیں، محمد بن ابی حاتم نے پوچھا، آپ کو اپنی کتابوں کے تمام مندرجات یاد ہیں؟ فرمانے لگے، "لا یخفی علی جمیع ما فیها" ان میں سے کوئی چیز مجھ سے مخفی نہیں۔

ری کے قاضی ابو العباس عہدہ قضا سے معزول ہو کر بخارا آئے، اسحاق بن ابراہیم اپنے شاگرد ابو المظفر کو ان کی خدمت میں لے گئے، قاضی سے فرمائش کی کہ اس بچہ کو کچھ احادیث پڑھا دیجئے ابو العباس نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے مشائخ سے سماع حدیث کا شرف نہیں حاصل، اسحاق کہنے لگے، یہ کیونکر ممکن ہے؟ آپ تو فقیہ ہیں، قاضی ابو العباس نے کہا، درحقیقت میں جب لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا تو حدیث کا شوق مجھے امام بخاری کے پاس لے آیا، ان کے سامنے میں نے اپنے ارادہ شوق کا اظہار کیا تو امام بخاری فرمانے لگے، بیٹے! کسی چیز میں داخل ہونے سے پہلے اس کے حدود و شرائط جان لیا کرو،

میں نے کہا، میں جس چیز کا شوق لیکر آیا ہوں اس کے حدود و شرائط آپ ہی مجھے بتادیں تو بخاری فرمانے لگے،

اعلم ان الرجل لایصیر محدثاً کاملاً فی حدیثہ الا بعد ان یکتب أربعا مع أربع کاربع مثل أربع فی أربعٍ عند اربع بأربعٍ علٰی أربع عن أربع لأربع وکل هذه الرباعیات لاتتم الا باربع مع أربع، فاذا تمت له کلها هانت علیه أربع، وابتلی بأربع ، فا ذا صبر علٰی ذٰلک أکرمه اللّٰه تعالٰی فی الدنیا بأربع وأثابه فی الآخرة بأربع.

'اس میں کوئی شک نہیں کہ آدمی اسی وقت کامل محدث بن سکتا ہے کہ اولاً چار چیزوں کو چار چیزوں کے ساتھ چار چیزوں کی طرح لکھیں، جیسے چار چیزیں، چار (مقاصد) وجہ سے، چار (قسم کے لوگوں) سے، چار چیزوں پر، چار (مقامات) میں، چار (حالات) کے وقت (اورزندگی کے مختلف) چار (زمانوں) میں لکھی جاتی ہیں اور تمام رباعیات اسی وقت مکمل ہوسکتی ہیں جب انسان کو چار (کمالات) چار نعمتوں سمیت حاصل ہوں اور جب یہ سب آدمی کو حاصل ہوجائیں تو پھر اس کے لئے چار چیزیں۔۔۔۔آسان ہوجاتیں ہیں اور چار (آزمائشوں) میں وہ مبتلا ہوجاتا ہے اور جب ان (آزمائشوں) پر صبر کرلے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کو چار (نعمتوں) سے نوازتے ہیں اور آخرت میں چار نعمتیں نصیب فرماتے ہیں۔"

ابوالعباس بے چارے "رباعیات" کے اس طویل سلسلہ کا فلسفہ کیا جانتے، کہنے لگے اب مہربانی فرما کر ان کی تشریح بھی فرمادیجئے، امام بخاری نے تشریح فرماتے ہوئے کہا، جو چار چیزیں اولاً لکھنا ضروری ہیں، وہ ہیں۔ ا۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث اور دیگر احکام شریعت ۲۔ اور انکے احوال، ۳۔ تابعین اور انکے حالات، ۴۔ دیگر علماء امت کی تاریخ۔

ان چار کو جن کے ساتھ لکھنا ہے، وہ ہیں، ا۔ راویوں کے نام، ۲۔ رجال حدیث کی کنیتیں، ۳۔ رجال حدیث کے علاقے اور، ۴۔ انکا زمانہ اور دور۔

یہ ایسی لازمی ہیں جیسے خطبے کے ساتھ حمد وثناء انبیاء کے ناموں کے ساتھ درود وسلام ،قرآن کی سورتوں کے ساتھ بسم اللہ اور نماز کے ساتھ تکبیر۔

جیسے احادیث مسندہ، احادیث مرسلہ۔ احادیث موقوفہ اور احادیث مقطوعہ چار قسم کی احادیث بچپن میں لکھی جاتی ہیں اور لڑکپن میں بھی، جوانی میں لکھتے ہیں اور کہولت میں بھی ،مشغولیت میں بھی اور فراغت میں بھی ،فقر میں بھی ،اور غنا میں بھی، پہاڑوں پر چڑھ کر بھی اور دریاؤں کو عبور کر کے بھی ،شہروں میں جا کر بھی اور صحراؤں کی خاک چھان کر بھی، پتھروں پر بھی اور اصواف (اون) پر بھی، چمڑوں پر بھی اور ہڈیوں پر بھی۔

پھر یہ احادیث بڑے سے بھی لکھی جا سکتی ہیں اور ہم عمر سے بھی، چھوٹے سے براہ راست بھی لکھی جاسکتی ہیں اور اس کے والد کی کتاب سے بھی۔

اور ان سب کا مقصد یہ ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو، رضاء خداوندی کے طالبین میں ان احادیث کی اشاعت ہو، کتاب اللہ کے موافق عمل ہو اور آنے والی نسلوں کے لئے تالیف کی صورت میں ذخیرہ ہو۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان لکھنا بھی جانتا ہو اور زبان سے بھی واقف ہو، صرف کا علم رکھتا ہو اور نحو کا بھی۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی جانب سے صحت عطا ہو، کام کرنے کی قدرت حاصل ہو ،شوق وطلب کا جذبہ ہو اور حافظہ کی قوت پاس ہو، جب ان تمام کی تکمیل ہو جائے تو پھر اہل و عیال اور مال و وطن کی محبت انسان کے لئے ہلکی ہو جاتی ہے اور دشمنوں کی شماتت، دوستوں کی ملامت، جاہلوں کے طعن اور علماء کے حسد کی آزمائش میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور جب ان تمام پر آدمی صبر کر لے تو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے پھر چار نعمتیں ملتی ہیں۔

۱۔قناعت کی عزت ۲۔نفس کی ہیبت ۳۔علم کی لذت ۴۔ اور ابدی حیات،

اور چار نعمتیں آخرت میں ملتی ہیں۔

۱۔حق شفاعت کہ جس کے لئے چاہے اللہ سے سفارش کر دے۔ ۲۔عرش خداوندی کے سایہ میں جگہ۔ ۳۔اپنے نبی محمد ﷺ کے حوض سے پانی پلانے کا اختیار۔ ۴۔اور اعلیٰ علیین

میں انبیاء کے جوار میں سکونت۔

امام بخاریؒ یہ تفصیل سنا کر قاضی ابوالعباس سے فرمانے لگے، ”بیٹے! اب تجھے علم حدیث کا مشغلہ اختیار کرنے میں اختیار ہے۔“ قاضی ابوالعباس نے حدیث میں مہارت کی ان تمام شرطوں کی تاب اپنے اندر نہ پا کر فقہ کی طرف توجہ دی کہ اس کے لئے بہرحال اتنے پاپڑ نہیں بیلنے پڑتے اور فقہ بن کر قاضی ہوئے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس کلام کی امام بخاری کی طرف نسبت مشکوک قرار دی ہے اور اس پر وضع کا شبہ ظاہر کیا ہے لیکن اس کے موضوع پر ہونے والی کوئی دلیل پیش نہ کر سکے، چنانچہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے مقدمہ اوجز المسالک میں مذکورہ کلام میں حافظ کے اس شبہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (تہذیب الکمال)

آپ کے دن علم حدیث کے سدا بہار گلشن کی سیر میں گزرتے اور آپ کی راتیں عبادت اور ”آہ سحر گاہی“ سے معمور تھیں، بندگی کو وہ درجہ آپ کو بھی نصیب تھا جہاں بیداری شب کی لذت اور آہ سحر گاہی کے سامنے دنیا کی تمام لذتیں انسان کو ہیچ محسوس ہوتی ہیں اور جس کی تعبیر اقبال کے الفاظ نے یوں کی ہے۔

واقف ہو اگر لذت بیداریٔ شب سے — اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاک پراسرار

اور

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

امام بخاریؒ کا معمول تھا آخری شب سحر کے وقت اٹھتے اور تہجد کی نماز ادا کرتے۔

نماز میں خشوع وخضوع کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دن نماز سے فارغ ہو کر پاس والوں سے کہنے لگے ”میری قمیص میں دیکھو کوئی چیز تو نہیں؟ دیکھا تو زنبور تھا، سولہ سترہ جگہ پشت پر کاٹا تھا۔ پوری پیٹھ سوجھ گئی تھی، جب امام صاحب سے کہا گیا کہ آپ نے اتنی بار کاٹنے کا موقع ہی کیوں دیا پہلی ہی بار میں نماز چھوڑ دیتے؟ فرمانے لگے ایک سورت شروع کی تھی، میں چاہ رہا تھا کہ وہ پوری کر دوں۔ (تاریخ بغداد)

زنبور (بھڑ) جیسے موذی جانور کا سولہ سترہ جگہ پر کاٹنا لیکن اس کے باوجود قرآن میں محو رہنا درحقیقت ہمارے اسلاف کو حاصل وہ ''لطف قرآن'' تھا جو ان کو ہر چیز سے بے نیاز اور ہر تکلیف سے بے پرواہ کردیتا تھا اور جس پر اس دور میں جب کہ ''در سینہ سوز جگر نماند لطف قرآن سحر نماند'' یقین میں دشواری پیش آتی ہے۔

امام بخاریؒ کا رمضان المبارک میں ہر روز ایک مرتبہ قرآن اور تراویح کے بعد ہر تین راتوں میں ختم معمول تھا۔ ایک مرتبہ تیر اندازی کرتے ہوئے تیر کسی پل کے میخ پر لگا، کچھ شگاف پڑا، بخاری تیر اندازی چھوڑ کر ساتھیوں سے کہنے لگے، پل کا مالک تلاش کرو، پل کے مالک حمید بن اخضر کو نقصان کا تاوان دینا چاہا، اس نے انکار کیا، کہا کہ آپ پر تو میرا تمام مال فدا ہے، امام اتنا خوش ہوئے کہ تین سو دراہم غرباء میں تقسیم کیے، پانچ سو احادیث اس دن طلبہ کو پڑھائیں۔ پوری زندگی کسی کی غیبت نہیں کی، فرماتے تھے، ''جب سے غیبت کے حرام ہونے کا علم ہوا ہے کسی کی غیبت نہیں کی'' ایک بار ابو معشر ضریر سے فرمانے لگے، قصور معاف فرمایئے، ابو معشر نے کہا، آپ سے کونسا قصور سرزد ہوا؟ فرمانے لگے ایک دن حدیث سنانے کے دوران جب آپ پر نظر پڑی تو حدیث سنتے ہوئے آپ کے عجیب جھومنے کی کیفیت پر ہنسی آئی، ابو مشر نے کہا آپ پر اللہ کی رحمت نازل ہو آپ میری طرف سے بری ہیں۔

دور سے آنے والے چند ساعات کے مہمان کے ساتھ بد کیا بدترین اخلاق کا حامل انسان بھی خوش خلقی سے پیش آتا ہے لیکن اچھے اخلاق جانچنے کی کسوٹی یہ نہیں، سفر و حضر میں ساتھ رہنے والوں کے ساتھ اخلاقی برتاؤ کا نمونہ بہتری اخلاق کے فیصلہ کا معیار ہے۔

امام بخاری کے سفر و حضر کے ساتھی محمد بن ابی حاتم نے نو سو بیس درہم کا ایک گھر خریدا، بخاری نے ایک ہزار درہم دیتے ہوئے کہا ''ان کو گھر کی قیمت میں خرچ کرلو'' محمد نے اس وقت لے لئے، کچھ دیر بعد بخاری سے کہا، ''میری ایک حاجت ہے لیکن کہنے کی جرأت نہیں پاتا'' امام سمجھے کہ شاید مزید درہم کی ضرورت ہے، کہنے لگے، ''آپ کو میرے سامنے

اپنی ضرورت بیان کرتے ہوئے جھجک محسوس نہیں ہونی چاہیئے'' محمد بن ابی حاتم نے کہا، ''آپ پوری کرنے کا وعدہ کرتے ہیں تو بیان کروں'' امام نے وعدہ کیا، محمد نے کہا یہ درہم آپ واپس لے لیں، یہی میری حاجت تھی، امام نے چونکہ وعدہ کیا تھا اس لئے واپس لے لئے۔

ایک مرتبہ امام بخاریؒ نے ان کو کچھ رقم دی اور فرمایا کہ اس سے اپنے لئے کچھ خرید لو، محمد بن ابی حاتم نے امام کی طبیعت کی مناسب اشیاء خرید کر ان کے گھر بھیج دیں، امام بخاری نے ان سے کہا، رقم آپ کو دے کر اشیاء اپنے لئے منگوانا میرا مقصد نہ تھا، محمد بن ابی حاتم نے کہا، آپ نے دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی جمع کر دی ہے، جتنا اچھا سلوک آپ مجھ سے برتتے ہیں کون اپنے خادم کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کرتا ہے۔ امام گھر میں تھے، باندی آئی، امام کے سامنے دوات میں بھری سیاہی گرادی، امام نے تنبیہ کی، کیسے چلتی ہو؟ باندی نے کہا، راستہ نہ ہو تو کیسے چلوں؟ امام نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا تم آزاد ہو، فرماتے تھے جب دنیا کا ذکر کلام میں آتا ہے اللہ کی حمد سے ابتدء کرتا ہوں۔ (مقدمہ فتح الباری)

سلیم بن مجاہد کہتے ہیں میں نے بخاری سے زیادہ دنیا میں بے رغبتی کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا، امام کو اپنے والد سے ترکہ میں کافی مال ملا تھا، علم میں مشغولیت کی وجہ سے وہ مال مضاربت کے سپرد کر دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک مضارب نے پچیس ہزار درہم غبن کئے، امام سے کہا گیا کہ مقامی حاکم سے کہہ دیں وہ دلوا دیں گے، امام فرمانے لگے اگر حاکم سے اس سلسلہ میں مدد لوں گا تو کل وہ میرے دین میں دخل اندازی کرے گا اور میں اپنا دین دنیا کے عوض نہیں ضائع کرنا چاہتا۔

ایک مرتبہ امام کے پاس کچھ سامان آ گیا، تاجر جمع ہوئے، پانچ ہزار درہم پر بیع کرنا چاہ رہے تھے، امام نے کہا، رات گزرنے دو صبح دیکھیں گے، صبح دوسرے تاجر آئے اور دس ہزار دینے لگے لیکن امام نے کہا میں نے رات پہلے تاجروں کو دینے کی نیت کی ہے اب نیت نہیں بدلنا چاہتا۔

فرماتے تھے ایک دفعہ آدم بن ابی ایاس کے ہاں پڑھنے گیا، خرچ ختم ہوا، گھاس تک کھانی پڑی کسی کو اطلاع مناسب نہ سمجھی، تین دن بعد ایک اجنبی نے اشرفیوں کی تھیلی دی اور چلا گیا۔

ایک مرتبہ بصرہ میں طالب علمی کے دوران کئی دن درس میں نہ آئے۔ تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ کپڑے اور خرچ دونوں ندارد، ساتھیوں نے پھر اس کا انتظام کیا۔ (تاریخ بغداد)

لافانی علم کے حامل امام کی فانی دنیا سے بے رغبتی کی یہ چند مثالیں ہیں اسی کا نتیجہ دریادلی وسخاوت کے عظیم جذبہ کی صورت میں امام کی شخصیت کا وصف تاباں بنا۔

ضرورت مندوں پر بڑا خرچ کرتے تھے، اس بات کی احتیاط کرتے کہ کسی کو اس کا علم نہ ہونے پائے، ایک بار حدیث کے ایک طالب علم کو تین سو درہم عطا کئے، اس نے چاہا کہ دعائیں دے، امام نے جلد موضوع بدل کر بات شروع کی کی کسی کو خبر نہ ہو۔

آپ کی جائداد کی ماہانہ پانچ سو درہم آمدنی آتی وہ سب فقراء طلبہ میں تقسیم کرتے۔

الغرض امام بخاری کی شخصیت کے ترکیبی عناصر میں ذہن کی بیداری بھی تھی اور علم کی پختگی بھی، حافظہ کی غیر معمولی قوت بھی تھی اور سخت جانی و جانفشانی بھی، طلب جستجو بھی تھی اور ہمت کی بلندی بھی، ذوق وشوق بھی تھا اور فقر ودرویشی بھی، معلومات کی وسعت بھی تھی اور نظر کی گہرائی بھی، ملکہ کا رسوخ بھی تھا اور تجربہ کی گیرائی بھی، اخلاص وتقویٰ بھی تھا اور بیداری شب وآہ سحر گاہی بھی، علمی جلال بھی تھا اور اخلاص کی نرمی وخوش خرامی بھی، دنیا سے بے رغبتی بھی تھی اور وصف سخاودریادلی بھی،

یہ چیزیں ملیں تو علم کا چشمہ پھوٹا اور ایسا پھوٹا کہ جس نے بحث وتحقیق ۔۔۔ فقہ و حدیث اور درروایت کے تمام گوشوں کو سیراب کیا۔

حدیث میں ہے ابنیاء پر بڑی سخت آزمائشیں آتی تھیں پھر جس کی انبیاء سے جتنی مماثلت ہوگی اتنی ہی سخت آزمائشوں میں وہ مبتلا ہوگا۔ (مشکوۃ شریف)

ا...... امام بخاریؒ کو بھی زندگی میں بڑے طوفانوں سے گزرنا پڑا، ابھی بچے ہی تھے

کہ بینائی جاتی رہی، ماتا کی ماںتانے نہ جانے کتنی دعائیں کی ہوں گی کہ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا فرمارہے ہیں۔

''اللہ نے آپ کی دعاؤں کی کثرت کی وجہ سے آپ کے بیٹے کی بینائی لوٹادی'' صبح ہوئی تو دیکھا تو امام کی بینائی لوٹ آئی تھی۔

۲......جب خراسان گئے تو دوبارہ بینائی جاتی رہی کسی نے گل خطمی کو سر پر ملنے کے لئے کہا، اس سے بینائی پھر لوٹ آئی۔

۳......نیشاپور امام آئے تو لوگوں نے بادشاہوں کی طرح استقبال کیا، امام مسلم کہتے ہیں ''بخاری نیشاپور آنے لگے تو لوگ دو تین منزل شہر سے نکل کر باہر آگئے، ایسا فقید المثال استقبال کیا کہ میں نے کسی عالم اور حکمران کو نہیں دیکھا کہ اہل شہر نے ان کا اس طرح استقبال کیا ہو، نیشاپور کے شیخ اور محدث محمد بن یحییٰ ذہلی اور شہر کے دوسرے علماء سب استقبال کے لئے گئے۔'' (مقدمہ فتح الباری)

محمد بن یحییٰ ذہلی نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ درس حدیث میں خلق قرآن کے متعلق بخاری سے سوال نہ کرنا خدانخواستہ اگر وہ اس مسئلے میں ہماری رائے کے برعکس جواب دے دیں تو ہمارے درمیان اختلافات پڑے گا اور خارجی، رافضی اور جہمی سب ہنسیں گے۔

نیشاپور میں امام بخاریؒ کی مجلس حدیث کی ابتدا ہوئی تو تل دھرنے کو جگہ نہ تھی، کھوے سے کھوا اچھل رہا تھا، مسجد اور اس کا صحن لوگوں سے کچھا کھچ بھرا ہوا تھا، دوسرے تیسرے دن مجلس کا آغاز ہوا تو ایک آدمی نے ''لفظی بالقرآن'' کے متعلق پوچھا، امام نے توجہ نہ دی، اس نے دوبارہ سوال کیا، امام خاموش تھے، تیسری مرتبہ سوال پر امام نے کہا

''القرآن کلام اللہ غیر مخلوق وافعال العباد مخلوقة، ولامتحان بدعة''

''قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، بندوں کے افعال مخلوق ہیں اور اس کے متعلق سوال کرنا اور امتحان لینا بدعت ہے۔''

امام بخاری سے یہ سوال چونکہ ایک خاص سازش کے تحت کیا گیا تھا، اس لئے مخالفین نے دھاچوکڑی مچادی، کچھ لوگ کہہ رہے تھے، "لفظی بالقرآن" کو مخلوق کہہ دیا، بعض کہہ رہے تھے، نہیں کہا، چونکہ یہ مسئلہ زبردست معرکۃ الاراء بنا ہوا تھا اور امام احمد بن حنبلؒ کا اس سلسلہ میں پوری حکومت سے ٹکر لینا ابھی ابھی کا واقعہ تھا اس لئے لوگ اس میں بڑے تشدد کا شکار تھے کسی کی طرف سے ذرا سا اجمال اس مسئلہ میں اہلسنت کے بڑے بڑے علماء کے جذبات پر انگیختہ کرنے کا سبب بن جاتا، پھر شدید اختلافی نوعیت کے اس جیسے مسئلہ میں کسی بڑی شخصیت کے کلام میں تھوڑے سے ابہام کے متعلق بھانت بھانت کی بولیاں بولنا تو بہر حال عوام کا فطری خاصہ ہے۔ کچھ لوگوں نے جا کر نیشاپور کے شیخ محمد بن یحییٰ ذہلی کے سامنے یہ بے پر کی اڑادی کہ بخاری نے کلام اللہ کو مخلوق کہہ دیا ہے، اس خبر نے ذہلی کو بخاری کی شدید مخالفت پر آمادہ کر دیا اور انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ "الا من یختلف الی مجلسہ فلا یختلف الی مجلسنا" "جو کوئی بخاری کی مجلس میں جائے گا وہ ہماری مجلس میں شرکت نہ کرے" (تاریخ بغداد)

محمد بن یحییٰ ذہلی بخاری کے استاذ ہیں، امام بخاریؒ نے ان سے ۳۴ روایتیں لی ہیں، حنفی جلیل القدر عالم، نیشاپور کے شیخ اور بلند پایہ محدث ہیں، علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ان کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ شروع کیا، محمد بن یحی الامام، العلامة الحافظ، البارع، شیخ الاسلام، وعالم أهل المشرق وإمام اهل الحديث بخراسان۔ (تہذیب التہذیب)

امام بخاریؒ اور علامہ ذہلی کے اختلاف کی عام طور پر کتابوں میں دو وجہ لکھیں ہیں۔

۱...... چونکہ اس وقت مسئلہ "خلق قرآن" کا اختلاف زوروں پر تھا اس مسئلہ میں معتزلہ کے باطل عقیدہ کو ختم کرنے کی غرض سے اہلسنت کے بعض علماء ذرہ برابر نرمی یا ابہام برداشت نہیں کرتے تھے اور جیسے کہ ماقبل میں لکھ چکے ہیں کہ علامہ ذہلی نے اپنے شاگردوں سے کہا تھا کہ اس مسئلہ کے متعلق امام بخاریؒ سے سوال نہ کرنا کیونکہ اگر وہ ایسا

جواب دیں گے جس سے ہمارے عقیدہ پر زد پڑتی ہو تو ہم میں اختلاف پیدا ہوگا۔ جب لوگوں نے امام بخاری کی طرف سے علامہ ذہلی کے سامنے ''لفظی بالقرآن'' مخلوق ہونے کی بے بنیاد خبر اڑائی تو خدشہ اختلاف اختلاف بن گیا۔

۲...... دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ ابتداء میں تو علامہ ذہلی امام بخاریؒ کی آمد سے بڑے خوش تھے لیکن امام بخاریؒ کی مجلس کی طرف لوگوں کی توجہ بڑھتی اور ذہلی کی مجلس کی رونق دھیمی پڑتی گئی تو اس سے حسد کی آفت نے جنم لیا جس کا نتیجہ امام بخاریؒ کو شہر بدر کرنے کی صورت میں ظاہر ہوا۔

خطیب نے تاریخ التہذیب اور مقدمہ بغداد میں، علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب اور مقدمہ الفتح میں دونوں بزرگوں کے اختلاف میں حسد کی یہ وجہ بھی لکھی ہے۔ تاج الدین سبکی نے تو طبقات کبریٰ میں صاف لکھ دیا۔

ولا یرتاب المنصف فی أن محمد بن یحی الذھلی الحقته آفة الحسد التی لم یسلم منھا الا اھل العصمة۔ (طبقات کبریٰ)

''انصاف کی نظر سے دیکھنے والے کو اس بات میں شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ ذہلی کو حسد کی وہ آفت لاحق ہوگئی تھی جس سے صرف عصمت (انبیاء) محفوظ رہے ہیں۔''

لیکن جس طرح یہ دوسری توجیہ سمجھ میں نہیں آتی کہ بہرحال امام بخاری علامہ ذہلی کے شاگرد تھے، امام کی آمد کے وقت استقبال کے لئے خود گئے، اپنی مجلس میں ان کے استقبال کے بارے میں یہ اعلان کیا کہ جو بخاری کے استقبال کے لئے جانا چاہے جائے ہم تو بہرصورت جائیں گے جس شاگرد کی اتنی محبت وعزت دل میں ہو اس کے ساتھ یکلخت حسد کیونکر؟ ٹھیک اسی طرح اول الذکر بات کی سمجھ میں دشواری یوں پیش آتی ہے کہ امام بخاری کے بارے میں جب لوگوں نے ''لفظی بالقرآن مخلوق'' کہنے کی بے بنیاد خبر اڑائی تو علامہ ذہلی نے اس کی تحقیق کیوں نہ فرمائی؟ بن تحقیق اختلاف پر کیونکہ آمادہ ہوئے جب کہ امام بخاریؒ صاف اعلان کر کے کہتے تھے کہ ''انسانوں کی حرکات، اصوات، ان کا کام کرنا

بلکھنا سب مخلوق ہیں البتہ قرآن جو مصاحف میں مکتوب اور دلوں میں محفوظ ہے وہ اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔" (تاریخ بغداد)

ابو عمرو خفاف نے جب امام بخاریؒ سے اس مسئلہ کی صراحت چاہی تو امام نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔"نیشاپور، قومس، ری، ہمدان، حلوان، بغداد، کوفہ، بصرہ، مکہ اور مدینہ میں جو بھی یہ کہے کہ میں نے "لفظی بالقرآن مخلوق" کہا ہے وہ کذاب ہے، میں نے قطعاً یہ نہیں کہا میں نے تو "افعال العباد مخلوقۃ" کہا ہے، امام بخاری کا مسلک اس مسئلہ میں عام علمائے اہلسنت کے مطابق تھا۔ (تاریخ بغداد)

غرض ایک طرف علامہ ذہلی کا امام بخاریؒ کے استقبال کے لئے خود جانا اور دوسری طرف محض لوگوں کے کہنے سننے ہی سے ان کو شہر بدر کرانا حیرت کن ہے۔

درحقیقت یہاں کئی چیزیں جمع ہوگئی ہیں اول تو امام بخاری بہر حال علامہ ذہلی کے شاگرد تھے ، ذہلی نے اس مسئلہ میں ان کو کلام کرنے سے منع کیا اس کے ساتھ ساتھ اہل بغداد نے علامہ ذہلی کو امام بخاری کے متعلق لکھا کہ بخاری "لفظی بالقرآن" کے خلق میں کلام کرتے ہیں۔لوگوں نے نیشاپور میں بھی یہی خبر مشہور کی، پھر امام بخاری کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے امام مسلم اور احمد بن سلمہ جیسی شخصیتیں علامہ ذہلی کے درس حدیث سے برسر مجلس اٹھیں ، یہ تمام عوامل جمع ہوئے تو علاہ ذہلی کے اس اختلافی رویہ کی بنیاد پڑی جس کے بعد انہوں نے یہ تک کہہ دیا۔"لایسا کننی ھذا الرجل فی البلد"

احمد بن سلمہ امام بخاری کے پاس آ کر کہنے لگے اس شخص (علامہ ذہلی) کی شہر میں بڑی مقبولیت ہے ہم سے کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑ رہا، اب آپ کا کیا خیال ہے؟ نیشاپور امام بخاریؒ کا اپنا شہر تو تھا نہیں، یہاں امام مہمان اور غریب الدیار تھے، علامہ ذہلی کا یہ اختلافی رویہ انکو نکلنے پر مجبور کر رہا تھا، بڑے غمگین اور شکستہ خاطر ہو کر کہنے لگے۔

"اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نیشاپور تکبر وفساد کی نیت سے نہیں آیا اور نہ ہی بڑائی وسیاست کی چاہت لے کر آیا ہوں، میں تو اپنے وطن بخارا اس لئے نہیں گیا کہ وہاں

پہلے سے میرے مخالفین موجود ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری)

احمد بن سلمہ سے کہنے لگے میں کل نیشاپور چھوڑ دوں گا تا کہ تم اس شخص سے میرے سلسلہ میں خلاصی پاؤ، امام کی حالت گویا کہہ رہی تھی۔

نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشۂ فراغت   یہ جہاں عجب ہے جہاں ہے نہ قفس نہ آشیانہ

تیری بندہ پروری سے میرے دن گزر رہے ہیں

نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ

احمد بن سلمہ کہتے ہیں امام بخاریؒ جب نیشاپور سے جا رہے تھے تو میرے سوا امام بخاریؒ کو الوداع کہنے والا کوئی نہ تھا۔ لوگوں کی عقیدت کی بے ثباتی دیکھئے، انقلاب زمانہ اور قدرت کی نیرنگیاں دیکھئے، کہاں وہ وقت کہ پورا شہر استقبال کے لئے امنڈ آیا اور کہاں اب کہ رخصت ہو رہے ہیں اور الوداع کیلئے ایک آدمی کے سوا کوئی نہیں۔

زمین چمن اگاتی ہے گل کیا کیا   بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

علامہ ذہبی نے دونوں بزرگوں کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھا "وما زال کلام الکبار المتعاصرین بعضھم لا یلوی علیه بمفردہ رحم اللہ الجمیع وغفر لھم ولنا آمین" "ہمعصر اکابرین کے ایک دوسرے کے بارے میں کلام کو بنیاد بنا کر کسی ایک جانب جھکاؤ مناسب نہیں اللہ سب پر رحم فرمائیں، ان کی اور ہماری مغفرت فرمائیں آمین۔" نیشاپور سے امام بخاریؒ نے اپنے وطن بخارا کا رخ کیا، اہل بخارا کو جب امام کی آمد کی اطلاع ملی تو شہر کے راستے مزین کئے گئے، قبے لگائے گئے لوگ شہر سے باہر آئے، امام بخاری جب پہنچے تو ان پر درہم و دنانیر نچھاور کئے گئے اور فاتحین کی طرح اہل بخارا نے امام کا استقبال کیا۔

امام بخاری گلشن علم حدیث کے چہچہاتے بلبل تھے، جہاں جاتے اس چمن کی طرف اپنی نغمہ سرائی سے ایک دنیا کو متوجہ کر لیتے، بخارا میں امام کی مجلس حدیث کی رونق سے رونق ہوئی، جس علم کے حامل تھے اس کی قدر و منزلت کا احساس بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا تھا،

علم کو فانی دنیا کے حصول کا ذریعہ کبھی نہیں بنایا، جہاں تذلیل علم کا شائبہ ہوتا، وہاں محتاط رہتے، امراء اور دنیا والوں کے ہاں جانے سے گریزاں رہتے۔ اکثر دنیا دار اس استغناء کے سبب ان سے نالاں رہتے۔

امیر بخارا خالد بن احمد ذہلی نے امام کو کہلا بھیجا کہ آپ میرے ہاں آ کر صحیح بخاری اور ''تاریخ کبیر'' کا درس دیا کریں تا کہ میں اور میرے بچے سنیں، امام بخاریؒ نے کہا ''میں بادشاہوں کے دروازوں پر جا کر علم کی تذلیل نہیں کر سکتا امیر کو اتنا ہی شوق ہے تو میرے ہاں مسجد یا گھر پر تشریف لایا کریں اور اگر یہ بات انہیں پسند نہیں تو میری مجلس حدیث کی پابندی لگا دیں تا کہ میرے لئے عذر معقول بن سکے اور اللہ کے ہاں کتمان علم کا میں مجرم نہ قرار پاؤں''

امیر بخارا نے کہا چلو میرے ہاں آمد نہ سہی، میرے بچے آپ کے ہاں آیا کریں گے، آپ ان کے لئے الگ مخصوص مجلس منعقد کر کے انہیں پڑھائیں جسمیں کوئی اور شریک نہ ہو، امام بخاریؒ نے یہ منظور نہ کیا اور کہا کہ ''میرے لئے یہ مناسب نہیں کہ علم کی مجلس کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص کر دوں'' امام بخاریؒ کے اس پھیکے رویہ سے امیر بخارا کی ناراضگی ایک فطری بات تھی، امام بخاریؒ کا اب بخارا میں رہنا امیر کی امیرانہ طبیعت پر بوجھ ہو رہا تھا، اس نے اپنے ساتھ حریث بن ابی الورقاء اور دوسرے چند علماء کو ملایا، اور امام کے مذہب و عقیدہ کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے ان کی جلاوطنی کا پروانہ جاری کیا۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ امام بخاریؒ اس سے قبل بھی بخارا سے جلاوطن کیے گئے، اس آخری مرتبہ سے پہلے ایک دفعہ بخارا سے آپ کا اخراج تو یقینی ہے، بعض حضرات نے اس سے قبل تین بار امام کے جلاوطن ہونیکا ذکر کیا۔

پہلی بار اس وقت جلاوطن کیے گئے جب تاریخ کبیر وغیرہ کی تصنیف سے فارغ ہو کر امام حجاز کے سفر سے لوٹ آئے تھے، بخارا آنے کے بعد امام کے شیخ ابو حفص کبیر نے انکو فتویٰ دینے سے منع کیا اور امام بخاریؒ سے کہا کہ فقہ میں تمہاری مہارت ابھی تشنہ ہے تم فتویٰ

نہ دیا کرو، لیکن امام بخاریؒ فتویٰ دیتے رہے اور بکری کے دودھ سے حرمت رضاعت کے ثبوت کا فتویٰ دیا جس کی وجہ سے آپ جلاوطن کئے گئے۔

یہ واقعہ اگرچہ کئی کتابوں میں ہے، چنانچہ صاحب فوائد بہیۃ نے احمد بن حفص الکبیر کے ترجمہ میں، شارح ہدایہ صاحب عنایہ نے کتاب الرضاعۃ میں جواہر مضیۃ کے مصنف نے ابوحفص کے تذکرہ میں، محمد بن الحسن مالکی نے "الخمیس" میں، علامہ ابن حجر مکی نے "خیرات الحسان" میں، علامہ سرخسی نے "مبسوط" میں ان کے حوالہ سے مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہم نے "دراسات اللبیب" کے حاشیہ میں اور حضرت مفتی مولانا محمد تقی عثانی مدظلہم نے تکملۂ فتح الملہم، کتاب الرضاعۃ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی طرف اس فتویٰ کی نسبت مشکوک اور اس کی صداقت غیر یقینی ہے، ایک معمولی دین کی سمجھ رکھنے والا انسان بھی ایسی حماقت نہیں کرسکتا چہ جائیکہ وہ امام بخاری جن کے بارے میں نعیم بن حماد کہتے ہیں "محمد بن اسماعیل فقیہ ھذہ الامۃ" جن کے بارے میں ابومصعب زہری فرماتے ہیں: "البخاری افقہ عندنا .... الامام مالک و البخاری کلاھما واحد فی الفقہ والحدیث۔ جن کے بارے میں اسحٰق بن راہویہ کا قول ہے "لو کان البخاری فی زمن الحسن لاحتاج الناس الیہ لمعرفتہ بالحدیث والفقہ، جن کے بارے میں علامہ داری نے کہا، محمد عندی ابصرھم و اعلمھم وافقھم جن کے بارے میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن سمرقندی نے فرمایا "محمد بن اسماعیل اعلمنا، و افقھنا" اور جن کے بارے میں محمد بن بشار نے اس وقت جب وہ بصرہ میں داخل ہونے لگے کہا، "الیوم دخل سید الفقھاء" اور جنہوں نے اس وقت عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی کتابیں حفظ کرلی تھیں جبکہ انکی عمر کی کشتی ابھی سیل شباب میں داخل نہیں ہوئی تھی اور جن کی اجتہادی صلاحیت، تفقہ اور قرآن وحدیث سے براہ راست استنباط پر قدرت کے تمام علماء قائل ہیں۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ بڑے سے بڑی غلطی ہوسکتی ہے لیکن اس کے ثبوت

کے لئے ٹھوس اور نا قابل تردید دلیل کی ضرورت ہوتی ہے احقر کو باوجود تلاش کے اس کی کوئی مضبوط سند نہ مل سکی چنانچہ صاحب فوائد بہیتہ علامہ لکھنوی اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں ھی حکایة مشھورة فی کتب اصحابنا لکنی استبعد وقوعها بالنسبة الی جلالة قدر البخاری و دقة فهمه ،وسعة نظره و غور فکره. ''ہمارے اصحاب کی کتابوں میں یہ واقعہ کافی مشہور ہے لیکن امام بخاری کی جلالت شان، دقت رسافہم، وسیع نظر اور عمیق فکر کے پیش نظر مجھے اس واقعہ کا وقوع بعید معلوم ہوتا ہے۔

دوسری بار اس وقت جلاوطن کئے گئے جب ایمان کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی بحث چھڑی اس مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے کئی علماء جلاوطن ﷺ گئے ان میں بخاری بھی تھے۔ بعض علماء نے نیشاپور سے آنے کے بعد جس آخری جلاوطنی میں بخاری کے وفات کا حادثہ پیش آیا اس سے قبل بخارا سے ایک مرتبہ اور امام بخاریؒ کے اخراج کا ذکر کیا ہے کہ علامہ ذہلی سے اختلاف کے بعد جب امام اپنے وطن آئے تو علامہ ذہلی نے شیوخ بخارا کو ان کے عقیدہ کے سلسلہ میں ایک خط لکھا جس کی وجہ سے امام بخاری جلاوطن کئے گئے۔ لیکن یہ درست نہیں نیشاپور سے واپس آنے کے بعد امام بخاری دو مرتبہ نہیں ایک ہی بار جلاوطن کئے گئے اور اسی میں آپ کی وفات کا حادثہ پیش آیا۔

علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں محمد بن احمد بن حفص کے تذکرہ میں علامہ ذہلی کے شیوخ بخارا کے نام خط لکھنے اور اس کی وجہ سے امام بخاری کے اخراج کا ذکر کیا ہے اسی روایت کو بنیاد بنا کر بعض حضرات نے امام بخاری کی یہ تیسری اور مستقل جلاوطنی شمار کی ہے لیکن علامہ ذہلی کے خط کی وجہ سے امام بخاریؒ کی جلاوطنی کی اس روایت کو اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس سے وہی آخری جلاوطنی اور اخراج مراد ہے جس میں آپ کی وفات کا واقعہ پیش آیا چنانچہ اس روایت کے آخر میں ہے۔'' فبقی الی ان کتب الی اهل سمرقند یستأذنهم فی القدوم علیهم فامتنعوا علیه ومات فی قریة''

ممکن ہے امیر بخارا نے آپ کے خلاف پروپیگنڈا موثر بنانے کے لئے علامہ ذہلی

کا خط بھی حاصل کیا ہوتا ہم اس میں تمام روایات متفق ہیں کہ امام بخاری کی نیشاپور سے واپسی کے بعد ایک مرتبہ اخراج ہوا اور اسی میں آپ انتقال کر گئے ہیں۔

اس لحاظ سے امام بخاریؒ "اس آخری جلاوطنی سے قبل صرف ایک بار مسئلہ خلق ایمان کی وجہ سے جلاوطن کئے گئے ہیں۔" جب امام بخاریؒ کو نیشاپور کی طرح بخارا میں بھی رہنے نہیں دیا گیا اور امیر بخارا نے شہر سے نکلنے کا حکم دیا تو امام نے امیر اور دوسرے مخالفین کے حق میں بدعا کی، ابھی ایک زمانہ بھی نہ گزرا تھا کہ بخارا کا وہ امیر معزول کر دیا گیا، قید میں ڈال کر اس کی جائداد ضبط کی گئی اور اپنے انجام سے غافل اس عظیم محدث کو اپنے وطن سے بلا وجہ نکالنے والے دوسرے لوگوں نے اپنے گھر اور اولاد کے سلسلہ میں وہ رسوائی و ذلت دیکھی جو ناقابل بیان ہے۔

پژمردگیٔ گل پہ جب ہنسنے لگی کلی   آواز دی خزاں نے تو بھی نظر میں ہے

امام بخاریؒ کے اخراج کا علم اہل سمرقند کو ہوا تو انہوں نے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی امام دعوت قبول کر کے سمرقند کے لئے روانہ ہو گئے، ابھی سمرقند کے قریب "خرتنک" نامی بستی پہنچے تھے کہ اطلاع ملی کہ سمرقند میں امام بخاریؒ کی آمد پر لوگوں میں اختلاف ہو گیا ہے کچھ لوگ ان کی آمد پر خوش ہیں اور بعض کو ان سے اختلاف ہے، خرتنک میں امام کا اپنے ایک عزیز غالب بن جبریل کے ہاں قیام تھا، رات کو اٹھے نماز پڑھی اور دعا کی **اللهم قدضاقت علی الارض بما رحُبَت ، فا قبضی الیک** (تاریخ بغداد) "اے اللہ! یہ زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی ہے اب مجھے اپنی طرف اٹھا لیجئے"

دشت وفا میں جب نہ ملا کوئی آشنا   پھیروں کرتے رہے دعا ہم افتادگی کے ساتھ

ادھر سمرقند سے امام کی آمد پر اتفاقی فیصلہ کی اطلاع آئی لیکن تقدیر کا پیغام اب کہہ رہا تھا "**يَا اَيَّتُهَا النَّفسُ المُطمَئِنَّة ، اِرجِعِي اِلىٰ رَبِّكِ رَا ضِيَةً مَّر ضِيَّة**" اب سمرقند نہیں اپنے رب کے پاس جانے کا پروانہ آ گیا تھا جس کی دعا کی تھی اور جو قبول ہو گئی تھی۔ جب یکم شوال ۲۵۶ھ کو خوشیوں کا تحفہ لے کر ماہتاب عید نمودار ہوا اسی رات زمانہ اور اہل

زمانہ کی بے قدری کا داغ لئے حدیث نبوی کی لافانی خدمت کرنے والے اس عظیم انسان کی زندگی کا آفتاب تاباں وہاں غروب ہوا جہاں زندگی کے ہر آفتاب کا مدفن ہے۔

(تہذیب الاسماء واللغات)

کہیں سامان مسرت کہیں ساز غم ہے　　　کہیں گوہر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

عبدالواحد بن آدم کہتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو صحابہ کی ایک جماعت سمیت خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ کھڑے ہیں، میں نے کھڑے ہونے کی وجہ دریافت کی، فرمایا میں بخاری کا انتظار کر رہا ہوں بعد میں معلوم ہوا کہ جس وقت خواب دیکھا تھا اسی ساعت امام بخاریؒ کا انتقال ہوا تھا۔ دفن کرنے کے بعد قبر سے خوشبو پھوٹی، قبر کی سیدھ میں آسمان کی جانب ایک روشن خط نظر آنے لگا، لوگ قبر کی مٹی پر ٹوٹ پڑے، بڑے سخت حفاظتی انتظامات کے بعد قبر سے لوگوں کو روکا گیا، امام بخاریؒ کے پہچاننے میں جن مخالفین نے غلطی کی تھی ان میں سے بعض قبر پر آئے اور توبہ کی۔

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے　　　مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

بوئے گل کا باغ سے اور گلچین کا دنیا سے سفر اس عالمگیر قانون کا اثر ہے جس سے نہ کوئی بچا ہے، نہ بچے گا، امام بخاری کو زندگی میں محبتوں کے جھونکے بھی نصیب ہوئے اور نفرتوں کے طوفان سے بھی سابقہ پڑا، عقیدت کے پھول بھی ملے اور حسد کے کانٹے بھی ہاتھ لگے، امام گئے، امام کے حاسد گئے، وہاں، جہاں سب گئے، سب کو جانا ہے، پر امام کا علم باقی رہا، باقی رہے گا کہ یہ کائنات کی اس بہترین ہستی کے کلام کا علم تھا جس کے فیض عام نے صحرائے عرب کے بدویوں کو اور حبشہ کے گمنام حبشیوں کو حیات جاوداں بخشی۔ امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' گلشن کے جن پھولوں سے آباد کیا، تر و تازگی ان پھولوں کے لئے فطرت کا انعام ہے کہ۔

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے　　　رفعت شان ورفعنا لک ذکرک دیکھے

اسی گلشن بندی کا صلہ ہے کی صدیاں گزر گئیں، امام بخاری کی یادیں زندہ رہیں،

زندہ رہیں گی!۔

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

(جستہ جستہ وعنوانات کی تبدیلی کے ساتھ از متاع وقت اور کاروان علم)

حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا شماران بزرگوں میں ہوتا ہے جن کے علم وفضل، جلالت قدر اور دینی خدمات پر جمہور مسلمانان برصغیر کے قریب قریب سبھی مکاتب فکر کا کامل اتفاق ہے بلکہ بعض کے نزدیک تو وہ بارہویں صدی ہجری کے مجدد ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے ۱۱۱۸ ہجری (مطابق سترہ سو سات عیسوی) میں وفات پانے کی دیر تھی کہ برِ کوچک ہند کو ہولناک سیاسی انتشار نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس نے دلی کی مرکزی مسلم حکومت کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ اسی زمانے میں نام نہاد صوفیوں اور جھگڑالو فقیہوں نے اسلام کو بدنام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ہر طرف بدعات، فسق وفجور اور غیر اسلامی معتقدات کا دور دورہ ہو گیا۔ غیر مسلم اقوام بالخصوص مرہٹے اس صورت حال کا پورا فائدہ اٹھا رہے تھے اور وہ مسلمانوں کو اختیار و اقتدار سے یکسر محروم کرنے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ یکایک رحمت خداوندی جوش میں آئی اور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں شاہ ولی اللہ جیسے مرد کامل کا ظہور ہوا جن کی مسیحا نفسی نے ہندوستان میں مسلمانوں کے اکھڑتے قدم ایک مرتبہ پھر جما دیے۔ شاہ صاحبؒ نے جو مہتم بالشان کارنامے سرانجام دیے، ان کا خلاصہ یہ ہے:

پہلا: مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کرنا بدعات کا رد کرنا اور مسلمانوں کو قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دینا۔

دوسرا: حدیث وسنت کی اشاعت وترویج

تیسرا: فقہ اور حدیث میں تطبیق کی مساعی

چوتھا: شریعت اسلامی کی مدلل ومربوط ترجمانی

پانچواں: فقہی اور اجتہادی اختلافات میں اعتدال کی تلقین

چھٹا: حقیقی اسلامی تصوّف کا تعارف

ساتواں: اسلام کا بطور ایک مکمل نظام حیات کے عقلی اور استدلالی تعارف

آٹھواں: اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح اور خلافت راشدہ کے خصائص اور اس کا اثبات

نواں: سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دورِ زوال میں مجاہدانہ وقائدانہ کردار

دسواں: امت کے مختلف طبقوں کا احتساب اوران کو دعوت اصلاح وانقلاب

گیارھواں: علماء حق اور مردان کار کی تعلیم وتربیت جوان کے بعد اصلاح امت اور اشاعت دین کا کام جاری رکھیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے کارناموں کی اس فہرست سے ان کی جدوجہد سے بھرپور ولولہ انگیز زندگی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اب ہم ان کے سوانح حیات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ بیشک آپ اپنے دور کے محدث اعظم مفسر اعلیٰ اور امام علم وفن، عظیم مفکر ومصلح اور بارہویں صدی ہجری کے مجدد تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ولادت، نام ونسب

نام ولی اللہ، کنیت ابومحمد، بشارتی نام قطب الدین احمد اور تاریخی نام عظیم الدین ہے، ولادت سے پہلے ہی آپ کے والد محترم شاہ عبدالرحیم نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خواب میں زیارت کی، انہوں نے فرزند کی بشارت دی، اور فرمایا کہ اس کا نام میرے نام پر قطب الدین احمد رکھنا، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میری ولادت ہوئی تو والد صاحب کے ذہن میں یہ بات نہ رہی، اور انہوں نے ولی اللہ نام رکھا، کچھ مدت کے بعد یاد آیا تو میرا نام قطب الدین احمد تجویز کیا گیا اور شاہ صاحب کے بعض احباب نے ان کی تاریخ پیدائش عظیم الدین سے نکالی ہے، آپ کا سلسلہ نسب والد ماجد کے طرف سے حضرت عمر فاروقؓ تک، اور

والدۂ محترمہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے، آپ نسلاً عربی ونسباً فاروقی ہیں سلسلہ نسب یہ ہے۔

شاہ ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی خازن بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم بن عادل مالک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن خطابؓ۔

اس نسب نامہ میں متعدد جگہ لفظ ''ملک'' ناموں کے ساتھ آیا ہے، جس کے متعلق شاہ صاحب خود تحریر فرماتے ہیں، یہ زمانہ قدیم میں تعظیمی لقب جانا جاتا تھا، جیسے ہمارے زمانے میں ''خان''، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے آباواجداد قدیم ہی سے دینی و دنیوی وجاہت کے مالک رہے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ولادت باسعادت

آپ کی ولادت حضرت مجدد الف ثانیؒ کی وفات کے اسی ۸۰ سال اور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے چار سال قبل ۴ شوال المکرم ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۷۰۲ بروز چہار شنبہ بوقت طلوع آفتاب آپ کے ننہال قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں ہوئی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد ماجد

عارف باللہ شیخ کامل حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ آپ کے والد ماجد ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب سے حالات ،کمالات وکرامات میں خود ایک مفصل کتاب تحریر فرمائی ہے جس کا نام انفاس العارفین ہے، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے خرقہ خلافت یافتہ ایک عظیم شیخ طریقت تھے، آپ کو شیخ ابوالقاسم اکبر آبادیؒ سے خلافت اور اجازت بیعت حاصل تھی۔

دوسری طرف شاہ عبدالرحیم صاحبؒ جید عالم اور محدث وفقیہ بھی تھے آپ فقہ حنفی کے جید علماء میں شمار کیے جاتے تھے اور فقہی جزئیات پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ کے ایک دوست شیخ حامد وہ جن کو اورنگزیب نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کا نگران مقرر کیا تھا، وہ آپ کی تنگدستی سے واقف تھے، از راہ دوستی فتاوے کی تدوین میں اپنا شریک کار بنانا چاہا اور تنخواہ کی امید دلائی، آپ نے قبول نہ کیا، صاف انکار کردیا، لیکن جب اس کی خبر آپ کی بیوہ ماں کو ہوئی تو وہ برہم ہوئیں اور نوکری کرلینے کا حکم دیا آپ نے محض بیوہ ماں کی دل جوئی اور خاطر داری کے لئے شیخ حامد کا شریک بننا منظور کرلیا، اس ملازمت کی خبر آپ کے مرشد کو ہوئی تو انہوں نے نہ صرف اظہار ناراضگی کیا بلکہ اس کے ترک کردینے پر اصرار کیا، آپ نے والدہ کا عذر کیا، مگر انہوں نے اس کا بالکل خیال نہ کیا اور برابر اصرار کرتے رہے، حتی کہ ملازمت چھوڑ دینے کا حکم دیدیا، آپ نے اس موقعہ پر بڑی عقلمندی کا ثبوت دیا، چنانچہ آپ نے مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت آپ ہی دعا فرمادیں نوکری خود بخود چھوٹ جائے، کیونکہ میرے چھوڑنے سے والدہ کی آزردگی کا اندیشہ ہے، چنانچہ انہوں نے دعا فرمائی اور وہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ ایک روز عالمگیر نے خلاف معمول اچانک تدوین فتاویٰ کے ملازمین کی فہرست طلب کی، اور بلا وجہ شاہ عبدالرحیم کا نام قلمزد کردیا، اور پھر حکم دیا کہ ''اگر خواستہ باشد ایں قدر زمین بدہید'' یعنی اگر شاہ عبدالرحیم چاہیں تو ان کو اتنی زمین دیدی جائے، گویا نوکری چھوڑ کر اب جاگیردار بنائے جانے کی تجویز ہوئی مگر آپ اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔ فرمان شاہی کے بموجب جب آپ سے رائے پوچھی گئی تو باوجود تنگی معاش کے جو جواب دیا وہ آپ کی شان توکل کی آئینہ دار ہے، فرماتے ہیں، ''قبول نہ کردم و شکرانہ بجا آوردم حمد خدا تعالیٰ گفتم'' نوکری چھوڑی جاگیر کو نظر انداز کیا اور صبر وشکر کے ساتھ اپنے اسی فقر وفاقہ پر خدمت خلق کرتے ہوئے زندگی گزاردی۔ حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ اگرچہ اپنے نامور اور فخر روزگار صاحبزادے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرح شہرہ آفاق نہ بن سکے اور وہ خود شاہ ولی اللہ کے والد کی حیثیت سے زیادہ پہچانے

گئے مگر یہ بھی ایک واقعی نا قابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے تمام فضل و کمال اور علم و معرفت کی بنیاد اور اساس ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیمؒ کی تعلیم و تربیت ہے جیسا کہ مفکر اسلام مولانا عبید اللہ سندھی تحریر فرماتے ہیں کہ۔ ''شاہ ولی اللہؒ کی فکری تربیت اور انکی علمی اساس میں ہم ان کے والد شاہ عبدالرحیم کو اصل مانتے ہیں شاہ عبدالرحیمؒ نے خود اپنے نامور صاحبزادے کو تعلیم دی تھی، چنانچہ انہوں نے شاہ ولی اللہ کو قرآن کا ترجمہ تفسیروں سے الگ کر کے پڑھایا، اور اس طرح قرآن کا اصل متن ان کے لئے قابل توجہ بنایا، پھر آپ نے وحدۃ الوجود کے مسئلہ کو صحیح طریقہ پر حل کیا، اور اسے اپنے صاحبزادے کے ذہن نشین کیا، نیز شاہ عبدالرحیم صاحبؒ ہی نے حکمت عملی کو اسلامی علوم میں ایک باوقار اور اہم مقام دیا اور اپنے صاحبزادے شاہ ولی اللہ کو خاص طور پر تلقین کی، الغرض یہ تین چیزیں قرآن کے متن کو اصل جاننا، وحدۃ الوجود کا صحیح حل اور اسلامی علوم میں حکمت عملی کی غیر معمولی اہمیت شاہ ولی اللہ کے علوم میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اور یہ تینوں کی تینوں شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی تربیت کا نتیجہ ہیں۔'' (شاہ ولی اللہ اور انکا فلسفہ) (مصنفہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ)

شاہ عبدالرحیم نے اپنے صاحبزادے کو اخلاق و تہذیب کی اعلیٰ تعلیم و تربیت سے بھی آراستہ کیا، آپ اپنے صاحبزادے کو اکثر شیخ سعدی کا یہ شعر سنایا کرتے تھے،

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است   با دوستاں تلطف با دشمنان مدارا

زندگی کی راحت دو باتوں میں پوشیدہ ہے، ایک یہ کہ دوستوں کے ساتھ لطف و کرم کا برتاؤ کیا جائے اور دشمنوں کے ساتھ خاطر و مدارات کا سلوک کیا جائے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی والدہ ماجدہ شیخ محمد پھلتی کی صاحبزادی فخر النساء جو شرعی علوم اور آداب طریقت اور اسرار حقیقت سے آراستہ و پیراستہ تھیں، اسم بامسمی عورتوں کے طبقہ میں قابل فخر مقام رکھتی تھیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیم و تربیت

جب آپ نے اپنی عمر کے پانچویں سال میں قدم رکھا تو والد ماجد نے تعلیم کا سلسلہ

شروع کردیا اور آپ نے سات سال کی عمر میں حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ بقدر ضرورت ارکان وفرائض بھی معلوم کر لئے۔ اسی سال والد بزرگوار نے نماز روزہ شروع کرایا تاکہ پابندی فرائض کی عادت پڑے، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ رسم سنت بھی اسی سال عمل میں آئی ساتویں سال کے آخر میں آپ نے فارسی اور عربی کے ابتدائی رسائل پڑھنا شروع کردیئے اور ایک سال کے اندران کو مکمل فرمالیا۔ اس کے بعد آپ نے صرف ونحو کی طرف توجہ فرمائی اور دس برس کی عمر میں علم نحو کی معرکتہ الارا کتاب شرح جامی تک پہنچ گئے، اور نہ صرف فارسی کی نوشت وخواند میں مہارت حاصل کرلی بلکہ عربی صرف ونحو پر عبور حاصل کرلیا، شاہ صاحب نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ "دس سال کی عمر میں ایک حد تک مطالعہ کی راہ کھل گئی تھی صرف ونحو سے فراغت کے بعد آپ نے معقولات کی طرف توجہ فرمائی، اور تھوڑے ہی عرصے میں اس سے فراغت حاصل کرلی، پندرہ سال کی عمر میں تمام متداولہ درسی علوم کی تکمیل کرکے ارباب فضل وکمال کے زمرہ میں شامل ہوکر ایک مقام خاص کے مالک ہوگئے

حضرت شاہ ولی اللہ کی تحصیل علوم کی تفصیل

امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تعلیم اکثر اپنے والد بزرگوار کے پاس ہوئی، جس کی تفصیل آپ نے اس طرح بیان کی ہے علم حدیث میں مشکوۃ شریف تمام وکمال پڑھی، لیکن چند روز علالت کی وجہ سے کتاب البیع سے کتاب الادب تک کا حصہ چھوٹ گیا، صحیح بخاری شروع سے کتاب الطہارۃ تک شمائل ترمذی اول سے آخر تک پڑھی، علم تفسیر میں بیضاوی اور تفسیر مدارک کے کچھ حصے باقاعدہ پڑھے اور باقی حصہ کا خود مطالعہ کیا، اس کے علاوہ کامل غور وفکر اور مختلف تفاسیر کے مطالعے کے ساتھ والد ماجد کے درس قرآن، اور اس طرح کئی بار میں نے حضرت سے متن قرآن پڑھا، اور یہی میرے حق میں "فتح عظیم" کا باعث ہوا، فالحمد للہ علی ذلک۔

علم فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ کی دو جلدیں تھوڑے حصہ کے علاوہ پوری پڑھیں،

اصول فقہ میں حسامی اور توضیح وتلویح کا درس لیا، منطق میں شرح شمسیہ کامل اور شرح مطالع کا کچھ حصہ پڑھا، علم کلام میں شرح عقائد کامل اور خیالی اور شرح مواقف کا کچھ حصہ پڑھا، علم طب میں موجز فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ، علم نجوم میں کافیہ، شرح ملا جامی، علم معانی میں مطول کا اکثر حصہ اور مختصر المعانی کا وہ حصہ پڑھا، جس پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے، ہیئت وحساب میں بعض رسائل پڑھے، تصوف وسلوک میں عوارف المعارف اور رسائل نقشبندیہ پڑھے، علم الحقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، مقدمہ شرح لعمات، مقدمہ نقد الفصوص، خواص اسماء وآیات میں والد صاحب کا ایک مجموعہ پڑھا، جس کی انہوں نے چندمرتبہ اجازت بھی دی، اثناء تحصیل میں اپنے زمانے کے امام حدیث شیخ محمد افضل سیالکوٹی کی خدمت میں بھی آتے جاتے اور علوم حدیث میں ان سے استفادہ کرتے رہے۔

امام ابوحنیفہؒ کو اجازت تجوید وقرأت

شاہ صاحب نے فن قرأت وتجوید کی تکمیل مشہور قاری مولانا محمد فاضل صاحب سندھی سے کی تھی جو دہلی کے شیخ القراء اور اپنے زمانے کے ماہر فن شمار کئے جاتے تھے، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "میں نے قرآن کو اول سے آخر تک بروایت حفص عن عاصم (صالح ثقہ) حاجی محمد فاضل سندھی سے ۱۱۸۴ھ میں پڑھا اور انھوں نے دار السلطنت دہلی میں شیخ القراء شیخ عبدالخالق سے پڑھا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی شادی

شاہ صاحبؒ کی دوشادیاں ہوئیں۔ پہلی شادی چودہ سال کی عمر میں آپ کے ماموں شیخ عبیداللہ پھلتی کی صاحبزادی سے ۱۱۲۸ھ میں ہوئی، ان سے ایک صاحبزادے شیخ محمد پیدا ہوئے، جنہوں نے آپ ہی سے تعلیم پائی، شاہ صاحب نے ان کے لئے ایک ابتدائی رسالہ بھی تصنیف فرمایا تھا، شمائل ترمذی کے درس میں شاہ عبدالعزیزؒ کے شریک تھے، شاہ صاحب کی وفات کے بعد قصبہ بڑھانہ منتقل ہوگئے اور مدت العمر وہیں رہ کر وفات پائی

اور قصبہ بڑھانہ کی جامع مسجد کے صحن میں مدفون ہوئے، اسی بناپر شاہ صاحب ابو محمد کنیت کرتے تھے، شیخ محمدؒ کے دو صاجبزادوں کا تذکرہ جو ان کے ساتھ ہی مدفون ہیں مقالات طریقت میں آتا ہے، لیکن کتابوں میں ان کو منقطع العقب لکھا ہے۔ شاہ صاحب کی دوسری شادی پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد سید ثناء اللہ سونی پتی کی صاجبزادی بی بی ارادت سے ہوئی جو سونی پتی کے رہنے والے تھے، اور سید ناصر الدین شہیدؒ کی اولاد میں سے تھے، ان زوجہ محترمہ سے آپ کے چاروں نامور صاجبزادے (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی) تولد ہوئے جو ہندوستان میں دین کی نشاۃ ثانیہ کے "ارکان اربعہ" ہیں، اور ایک صاجبزادی امۃ العزیز بھی پیدا ہوئیں، ان کا عقد مولوی محمد فائق ابن مولانا محمد عاشق پھلتی سے ہوا، وہ صاحب اولاد تھیں ان کا سلسلہ جاری رہا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کو اجازت بیعت و وفات والد ماجد

آپ کی عمر کے سترہویں سال والد ماجد سخت بیمار ہوئے اور اسی حالت مرض میں آپ کو بیعت وارشاد کی اجازت مرحمت فرمائی، مدرسہ رحیمیہ اور خانقاہ رحیمیہ کی جو بساط بچھائی تھی اس کا انتظام شاہ صاحب کے سپرد فرمایا اور صفر المظفر ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء بروز بدھ اس مرتاض صوفی اور فقیہ المثال عالم نے درس وارشاد کی مسند اپنے بلند اقبال بیٹے (شاہ ولی اللہ) کے لئے خالی کر دی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور درس وتدریس

والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ نے مستقل طور پر مسند درس وارشاد کو رونق بخشی اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، آپ کے علم وفضل اور کمالات ظاہری وباطنی کا شہرہ دور دور تک پہنچ چکا تھا، ہر طرف سے تشنگان علوم ومعارف جوق در جوق آتے اور زانوئے تلمذ بچھاتے، تقریباً بارہ سال تک آپ کتب دینیہ اور معقولات کا درس دینے میں مشغول رہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا علمی استغراق

دوران درس وتدریس میں آپ کو علم وفن میں غور کرنے کا موقعہ ملا، اسی زمانے میں آپ نے مذاہب اربعہ کی فقہ اوران کے اصول فقہ کی کتابوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا، اوران احادیث کو بھی بامعان نظر دیکھا جس سے حضرات ائمہ اپنے اقوال ومذاہب کی سند لاتے ہیں اوراسی وقت سے فقہاء محدثین کا طریقہ بھی آپ کے دل نشین ہوا، آپ کا یہ زمانہ نہایت استغراق اور محویت کا گزرا، آپ نے نہایت تحقیق کاوش سے کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، اور رات دن انتہائی انہماک کے ساتھ کتب بینی میں مشغول رہے، آپ ان دنوں کھانا کم کھاتے اور آرام بھی کم کرتے اور درس وتدریس کے بعد جو وقت ملتا اسے صحبت کتب میں صرف کرتے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا سفر حجاز

جب شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے یہ محسوس کیا تھا کہ اسلام کو ہندوستان آئے صدیاں بیت چکیں مگر علم حدیث آج بھی ضرورت سے کم ہے تو موصوف نے اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے مسلسل تین سال حجاز مقدس میں رہ کر علم حدیث حاصل کیا تھا اور پھر ہندوستان واپس آکر انھوں نے اوران کے بعد ان کی اولاد نے اس کی اشاعت میں بڑی کوشش فرمائی تھی مگر نامساعد حالات کی وجہ سے اپنے مقصد میں ناکام ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ نے دیکھا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی استوار کردہ بنیادوں کے کچھ مٹے ہوئے نشانات ابھی باقی ہیں اگر جدوجہد کر کے ان بنیادوں پر مضبوط عمارت نہ تعمیر کی گئی تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ قائم بھی رہ سکیں گی، غور وفکر کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ علم حدیث اس کے معدن حجاز مقدس سے حاصل کرنا چاہئے، چنانچہ زیارت حرمین شریفین کا شوق دامنگیر ہوا ۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۱ء کے اواخر میں حجاز روانہ ہوگئے۔

خانہ کعبہ اور روضہ اطہر ﷺ پر روحانی مشاہدات و مکاشفات کی صورت میں شاہ صاحب پر جو فیضان ہوا اس کو آپ نے فیوض حرمین میں قلمبند کیا ہے، فرماتے ہیں کہ" اللہ پاک کی سب سے بڑی نعمت جس سے اس نے سرفراز فرمایا وہ یہ ہے کہ ۱۱۴۳ھ اور اس کے بعد کے سال میں بھی مجھے مقدس گھر کے حج کی اور اپنے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی توفیق فرمائی، لیکن اس سلسلہ میں اس نعمت سے بھی کہیں زیادہ بڑی نعمت جو مجھے میسر آئی وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس حج کو میرے لئے مشاہدات باطنی اور معرفت حق کا ذریعہ بنایا، اور اسی طرح اس نے نبی علیہ السلام کی اس زیارت کو میرے لئے بصیرت افروز بنایا۔ شاہ صاحب نے حرمین شریفین میں کل چودہ ماہ قیام فرمایا، اور اس زمانہ کے قیام میں آپ نے اپنی اشراقی قوت سے روضہ انور ﷺ سے کسبِ فیض کیا اور بڑے بڑے علماء و مشائخ سے استفادہ بھی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حجازی اساتذہ

یوں تو شاہ صاحب نے حجاز مقدس میں متعدد علماء و مشائخ سے علم حدیث اور باطنی فیض حاصل کیا مثلاً شیخ سنادی شیخ احمد قشاشی سید عبدالرحمٰن ادریسی، شمس الدین محمد بن علا بابلی، شیخ عیسیٰ جعفری، شیخ حسن عجمی، شیخ احمد علی اور شیخ عبداللہ بن سالم بصری، لیکن اس سلسلہ میں جن مشائخ سے آپ بہت قریب ہوئے وہ یہ ہیں۔

۱۔ شیخ ابو طاہر محمد ابراہیم کردی مدنی، انہوں نے آپ کو سند حدیث بھی عطا فرمائی اور سارے سلاسل کو جامع خرقۂ خلافت و اجازت بھی اپنے دست مبارک سے پہنایا، موصوف حضرت شاہ صاحبؒ کی فطری ذہانت اور خداداد بصیرت کے بڑے مداح تھے، اکثر فرمایا کرتے تھے، "ویسندعنی اللفظ و کنت اصحح منه المعنی" یہ الفاظ کی سند تو مجھ سے لیتے ہیں مگر ان سے حدیث کے معانی میں حاصل کرتا ہوں۔ جب شاہ صاحب نے حجاز سے واپسی کا ارادہ کیا اور آخری بار خدمت میں حاضر ہوئے تو والہانہ انداز میں یہ شعر پڑھا

نسیت کل طریق کنت اعرفه　　الا طریقا یودینی الی ربعکم

جن راستوں سے واقف تھا سب بھول گیا، سوائے ایک راستہ کے جو آپ کے دیار تک پہنچتا ہے تو شیخ پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور بہت متاثر ہوئے اور نہایت خلوص سے شاہ صاحبؒ کے حق میں دعا کی۔ سراج الہند امام شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے لکھا ہے۔ ''میرے والد صاحب جب مدینہ طیبہ سے رخصت ہونے لگے تو اِستاذ محترم سے عرض کیا ''ہر چہ خواندہ بودم فراموش کردہ ام الاعلم دین'' میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا بجز علم حدیث، تو یہ سنکر شیخ بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

۲۔ شیخ وفداللہ بن شیخ سلیمانی مغربی، شاہ صاحب نے ان کی مجلس درس میں موطا امام مالک بروایت یحیٰی بن یحیٰی اول سے آخر تک پڑھ کر تمام مرویات کی سند نہایت قلیل عرصہ میں حاصل فرمائی۔

۳۔ مفتی محمد مکہ شیخ تاج الدین بن قاضی عبدالمحسن قلعی حنفی، ان کی مجلس درس میں شاہ صاحب نے صحیح بخاری، کتب صحاح کے بعض مشکل مقامات، موطا امام مالک، موطا امام محمد، کتاب الآثار اور مسند دارمی کی سماعت کی شیخ نے خصوصیت کے ساتھ شاہ صاحب کو تحریری اجازت نامہ عنایت فرمایا۔

حجاز مقدس کے چودہ ماہ قیام میں علمی صحبتوں اور عمیق مطالعہ کتب اور امداد غیبی سے آپ نے حدیث وفقہ میں مجتہدانہ کمال پیدا کیا اور اواخر ۱۱۴۴ھ مطابق ۱۷۳۲ء میں آپ نے دوبارہ ارکان حج ادا فرمائے، اور ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں وطن مالوف دہلی کا رخ کیا، پورے چھ ماہ آتے آتے لگ گئے، اور بتاریخ ۱۴ رجب المرجب ۱۱۴۵ھ ٹھیک جمعہ کے دن بصحت وعافیت دہلی رونق افروز ہوئے، واپسی کی خبر سن کر تمام اہل شہر علماء وفضلاء اور صوفیا کرام نے آپ کا خیر مقدم کیا، یہاں کچھ آرام کرنے کے بعد آپ نے سلسلہ درس شروع فرمادیا، مدرسہ رحیمیہ کو آپ نے جدوجہد کا مرکز بنا دیا طلباء جوق در جوق اطراف ہند سے

آ آ کر مستفید ہونے لگے، اور اپنے تجدیدی اور اصلاحی کاموں کا آغاز فرمایا۔ اس سلسلہ میں آپ نے سب سے پہلے فتح القران کے نام سے قرآن کریم کا فارسی زبان میں ترجمہ فرمایا اور مختصر تفسیری حواشی لکھے، سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء کا ترجمہ سفر حجاز سے پہلے ہو چکا تھا اور اس اہم تجدیدی کام کی تکمیل واپس آکر فرمائی۔

حجۃ الاسلام امام شاہ ولی اللہؒ کے تجدیدی واصلاحی کارناموں کا خلاصہ

۱......اشاعت قران

۲......اشاعت حدیث

۳......اصلاح عقائد ومعاشرت

۴......حقیقی اسلامی تصوف کا تعارف

۵......اخلاقی تربیت کا مسنون طریقہ

۶......فقہی اور اجتہادی اختلافات میں اعتدال کی تلقین

۷......اس وقت کی مسلم حکومت کو اخلاقی زوال اور سیاسی انتشار سے بچانے کی منظم جدوجہد

۸......تحریک اصلاحی وتجدید کو چلانے اور عملی طور پر اسے نافذ کرنے والی جماعت کی تربیت۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور اشاعتِ قرآن

قرآن کریم امت کے عقائد اور اعمال کی اصلاح کا واحد مؤثر ترین نسخہ ہے، اس کتاب ہدایت سے دور رہ کر امت میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، شاہ صاحب سے پہلے امت کے اندر عام طور پر یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ قرآن کریم خدا کا کلام ہے اسے کون سمجھ سکتا ہے، اور کون اس کی حقیقت کو پا سکتا ہے، شاہ صاحب نے اس خیال کی تردید میں سب سے پہلا کام یہی کیا کی عام امت کو کلام الٰہی سے قریب کر دیا کہ وہ غور وفکر کر کے اسلام اور صراط مستقیم

کو پا سکے، چنانچہ خود شاہ صاحب رسالہ "تحفۃ الموحدین" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"بعض لوگ کہہ بیٹھے ہیں کہ قرآن کریم اور حدیث کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو بہت علوم اور بے شمار کتابیں پڑھا ہو، اور اپنے زمانہ کا علامہ ہو، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الاُمِّیِّینَ رَسُولاً مِّنهُم یَتلُوا عَلَیهِم اٰیاتِهِ وَیُزَکِّیهِم وَیُعَلِّمُهُمُ الکِتَابَ وَالحِکمَةَ وَاِن کَانُوا مِن قَبلُ لَفِی ضَلَالٍ مُّبِین۔ (سورۃ جمعہ)

خدا تعالیٰ وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بھیجا، پڑھتا ہے وہ پیغمبر ان ان پڑھوں پر خدا کی آیتیں اور ان کو گناہ کے میل سے پاک کرتا ہے اور کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اگرچہ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

یعنی رسول خدا ﷺ بھی ان پڑھ اور آپ کے صحابہ بھی ان پڑھ تھے مگر جب رسول خدا ﷺ نے اپنے اصحاب کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھیں تو وہ ان کو سن کر ہر قسم کی برائی اور بگاڑ سے پاک ہو گئے۔ پس اگر ناخواندہ آدمی قرآن وحدیث نہیں سمجھ سکتا اور اس کی سمجھ کی استعداد نہیں رکھتا تو صحابہ برائی اور عیبوں سے کیونکر پاک صاف ہو گئے؟ اس قوم پر سخت افسوس ہے جو صدرہ سمجھے اور قاموس جاننے کا تو دعویٰ کرتے ہیں مگر قرآن وحدیث کو سمجھنے میں اپنے آپ کو محض نادان ظاہر کرتے ہیں، اور بعض یوں کہتے ہیں کہ ہم پچھلے لوگ ہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کی برکت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دل کی سلامت کہاں سے لائیں جو قرآن وحدیث کے معنی بخوبی سمجھ سکیں، ان کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتا ہے وَآخَرِینَ مِنهُم لَمَّا یَلحَقُوا بِهِم وَهُوَ العَزِیزُ الحَکِیم (سورۃ جمعہ) یعنی پچھلے لوگ خواہ پڑھے ہوئے ہوں یا ان پڑھ مگر جب کہ وہ مسلمان ہوں اور اصحاب کے طریقہ کی پیروی کا ارادہ کریں اور قرآن وحدیث کو سنیں تو انھیں بھی پاک کرنے کے لئے یہی قرآن و حدیث کافی ہو سکتی ہے۔ اور قرآن رفرماتا ہے" وَلَقَد یَسَّرنَا القُرآنَ لِلذِّکرِ فَهَل مِن مُّدَّکِر" (القمر ۲۲) اور البتہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے؟ یہ کیونکر ہو سکتی ہے کہ "کافیہ" پڑھنے والے اور "شافیہ" جاننے والے تو اس کے معنی

سمجھنے سے عجز ظاہر کریں، اور عرب کے جنگلی لوگ اس کی حقیقت سے بہرہ ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ایک جگہ قرآن یوں فرماتا ہے کہ ''اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ .'' (محمد ۲۴) قرآن میں کیوں نہیں فکر کرتے پس اگر قرآن آسان نہ ہوتو اس میں فکر کیوں کر کیا جائے۔ ''اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا .'' (محمد ۲۴) (یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہوں گے، باوجود یہ کہ دلوں پر قفل نہیں لگے ہوئے ہیں، پھر بھی کیسی گمراہی ہے، قرآن کے فکر میں زور نہیں لگاتے۔

چنانچہ اس زعم باطل کو مٹانے اور ختم کرنے کے لئے شاہ صاحب نے ترجمہ اور تفسیر فتح الرحمٰن کے علاوہ اصول ترجمہ پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جو مختصر ہونے کے علاوہ بڑا بصیرت افروز اور عالمانہ ہے، ابتداء میں لکھتے ہیں (یقول الفقیر الی رحمته اللہ الکریم ولی اللہ بن عبدالرحیم) ایں رسالت در قواعد ترجمہ مساة بالمقدمہ فی قوانین الترجمہ کہ در وقت تسوید ترجمہ قرآن قلم بہ ضبط آں جاری شد ترجمہ: اور اصول تفسیر میں ''الفوز الکبیر'' کی تصنیف بھی دعوت الی القران اور اشاعت علم قرآن کی ایک مضبوط کڑی ہے، اگرچہ مختصر ہے لیکن حقائق ودقائق اور اسرار وحکم پر مشتمل ہے، درحقیقت ایک جلیل القدر عالم کی جس کو فہم قرآن کے مشکلات کا علمی تجربہ ہے ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے اس کی قدر وہی لوگ جان سکتے ہیں جن کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا ہو بعض بعض اصول جو شاہ صاحب نے اپنے ذوق ووجدان اور فہم قرآن کی بنیاد پر لکھ دیئے ہیں دوسری کتابوں کے سینکڑوں صفحات کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

شاہ صاحبؒ کے فارسی ترجمہ کے بعد بہت جلد اردو میں ترجمہ قرآن کی ضرورت محسوس ہوئی کہ بارہویں صدی کے آخری ہی حصہ میں اردو نے فارسی کی جگہ لینی شروع کر دی تھی، اور اردو میں تحریر و تصنیف کا کام شروع ہو گیا تھا، اس ضرورت اور انقلاب حال کو سب سے پہلے خود شاہ صاحب کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ نے محسوس کیا، اور شاہ صاحب کے فارسی ترجمہ کے پچاس برس بعد انھوں نے بامحاورہ اردو میں

اس کا ایسا ترجمہ کیا جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا کسی غیر عربی زبان میں ایسا کامیاب اور شگفتہ ترجمہ جس میں زیادہ سے زیادہ قرآنی الفاظ کی روح آئی ہو ابھی تک علم میں نہیں۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے بعد انھیں کے برادر بزرگ شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے قرآن مجید کا تحت اللفظ ترجمہ کیا جو اپنی احتیاطوں اور مصنف کے علمی تجربہ واخلاص کی وجہ سے بہت مقبول ہوا اور بعض حلقوں میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا بامحاورہ ترجمہ بعض حلقوں میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا تحت اللفظ ترجمہ رائج اور قابل ترجیح قرار پایا۔ اور اس کے بعد اردو ترجموں کا ایک سیلاب رواں ہو گیا۔ جس کی تعداد کا استقصاء ایک دشوار کام اور مستقل تحقیقی بحثوں کا طالب ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور درس قرآن

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ترجمہ قرآن کے علاوہ درس قرآن کا بھی سلسلہ جاری فرمایا اور شاہ صاحب کے درس قرآن کا آخری دور آیت اَعدِلُوا هُوَ اَقرَبُ لِلتَّقوىٰ تک ہوا، ان کے بڑے فرزند شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے یہیں سے درس قرآن شروع فرمایا اور تقریباً ۶۲، ۶۳ سال تک دہلی جیسے مرکزی شہر اور تیرہویں صدی ہجری جیسے اہم زمانہ میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا اس کو خواص وعوام میں جو مقبولیت حاصل ہوئی اور اس سے اصلاح عقائد کا جو عظیم الشان کام انجام پایا اس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں ملتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے درس قرآن کا آخری دور اِنَّ اَکرَمَکُم عِندَ اللہِ اَتقٰکُم تک ہوا، پھر یہاں سے شاہ محمد اسحاق صاحب نے شروع کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور اشاعتِ حدیث

شاہ صاحبؒ سے پہلے ہندوستان میں صحاح ستہ کی تدریس کا رواج نہ تھا بلکہ حدیث کا جو سرمایہ ہندوستان میں انہوں نے پڑھا تھا وہ کل یہ تھا، پوری مشکوۃ بجز چند ابواب اور بخاری شریف کا ایک حصہ یعنی کتاب الطہارۃ تک، سب سے پہلے صحاح ستہ کو ہندوستان

میں رواج دینے والے شاہ صاحبؒ ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں "علم حدیث پدر من از مدینہ منورہ آوردہ چاردہ ماہ حرمین بسر بودہ سند کردہ۔ (ملفوظات ۹۳)

میرے والد ہی مدینہ منورہ سے علم حدیث لائے تھے، چودہ ماہ حرمین شریفین میں رہ کر آپ نے سند حاصل فرمائی تھی۔ شاہ صاحب حرمین شریفین سے ارادوں کی تکمیل کے لئے ہندوستان واپس ہوئے تھے، ان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کو سب سے زیادہ اہم رکھا، مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے استاذ سے آپ نے ارشاد فرمایا" ہرچہ خواندہ بودم فراموش کردہ ام الا علم حدیث" میں نے جو کچھ پڑھا ہے سب بھلادیا بجز علم حدیث کے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا درسِ حدیث

شاہ صاحبؒ جب حجاز مقدس سے ہندوستان واپس تشریف لائے تو یہاں آکر صرف تین مشغلے اختیار فرمائے۔ (۱) قرآن کریم کے معارف بیان کرتے (۲) تصنیف و تالیف کا کام کرتے (۳) حدیث پاک کا درس دیتے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ حرمین شریفین میں درس حدیث کے تین طریقے ہیں (۱) سرد (۲) بحث و تحقیق (۳) امعان و تعمق، یعنی ہر ہر لفظ اور اس کے متعلقات پر مالہ و ما علیہ پر بحث کی جائے، اس طریقہ کو شاہ صاحبؒ نے واعظوں اور قصہ خوانوں کا طریقہ قرار دیا ہے اور دوسرے طریقہ کو مبتدیوں کے لئے مفید بتلایا ہے، اور پہلا طریقہ دورہ حدیث کے لئے قرار دیا ہے، اس لئے شاہ صاحب کے یہاں مشکوٰۃ شریف بحث و تحقیق سے اور صحاح ستہ سرداً ہی پڑھائی جاتی تھی، البتہ صحاح ستہ میں ہر کتاب کی کچھ خصوصیات ہیں ان پر طلباء کو متنبہ کیا جاتا تھا، آج ہمارے مدارس میں صحاح ستہ کی تدریس جس کو دورۂ حدیث کہتے ہیں، اس کے بانی اول فی الواقع حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ہی کی ذات گرامی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے سلسلۂ حدیث کی مقبولیت

آج ہندوستان میں علم حدیث کا جو زور وشور ہے بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کی کڑی حضرت حجۃ السلام امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مخلصانہ جدوجہد پر ختم ہوتی ہے۔

حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیو بند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی سے امیر خاں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ سفر حج میں حضرت کا جہاز یمن کے ساحل کے کسی بندرگاہ پر ٹھہر گیا، معلوم ہوا کہ چند دن ابھی رکا رہے گا۔ حضرت نانوتویؒ کو کسی نے خبر دی کہ اس بندرگاہ کے شہر میں ایک کہنہ سال معمر بزرگ محدث رہتے ہیں، ان کی ملاقات کو حضرت تشریف لے گئے، ان سے مل کر مولانا نانوتویؒ ان کے علم سے بہت متاثر ہوئے اور درخواست کی کہ حدیث کی سند اجازت عطا ہو، اس پر محدث صاحب نے پوچھا کہ تم کس کے شاگرد ہو؟ انھوں نے اپنے استاذ مولانا عبدالغنی مجددی کا نام لیا، محدث صاحب ناواقف تھے، پوچھا مولانا عبدالغنی کس کے شاگرد ہیں، کہا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے، شاہ عبدالعزیز کا نام سنکر رکے، اور بولے میں ان کو جانتا ہوں، اس کے بعد فرمایا شاہ ولی اللہ طوبیٰ کا درخت ہے، جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں اس کی شاخیں نہیں وہاں جنت نہیں ہے، یونہی جہاں شاہ ولی اللہؒ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں ہے وہاں جنت نہیں ہے۔

مصر کے مشہور ومعروف عالم علامہ رشید رضا مرحوم ''مفتاح کنوز السنۃ'' کے مقدمہ میں ہندوستانی علماء کا حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد حدیث سے جو اشتغال رہا ہے اور اس میدان میں جو ان کی خدمات ہیں جس کا سلسلہ الحمدللہ اب بھی جاری ہے، اس کا اعتراف علامہ موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے، **ولو عناية اخوانا علماء الهند بعلوم الحديث في هذا العصر يقضى عليها بالزوال من امصار الشرف فقد ضعفت في مصر والشام والحجاز منذ القرون الخ** اور ہمارے ہندوستانی بھائیوں

میں جو علماء ہیں اگر حدیث کے علوم کے ساتھ اس زمانہ میں ان کی توجہ نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا کیونکہ مصر، شام، عراق، حجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا۔ علامہ موصوف درحقیقت حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے سلسلوں کا اعتراف کر رہے ہیں، شاہ صاحب کے بعد ہندوستانی علماء نے علم حدیث کی کیا خدمات انجام دی ہیں، اس پر مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مقام عظمت

بقول مولانا نسیم احمد فریدی بلاشک وشبہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے وقت کے مجدد حکیم الامۃ، امام علم وفن، مصلح امت اور ہمدرد انسانیت ہیں، وہ بیک وقت ایک عظیم الشان عالم دین بھی ہیں اور درویش باصفا بھی، مفسر ومحدث بھی ہیں اور مفکر ومتکلم بھی، مدرس ومعلم بھی ہیں اور مؤلف ومصنف بھی، ماہر سیاسیات بھی ہیں اور رموز آشنائے معاشیات بھی، دریائے حکمت ومعرفت کے غواص بھی ہیں اور اسرار شریعت کے محرم خاص بھی۔

ولیس علی اللہ بمستنکر　　　ان یجمع العالم فی واحد

آپ کے معاصر علماء نے جو علوم ومعارف میں اپنی مثال آپ تھے آپ کے مقام عظمت کا اعتراف کیا ہے اور بڑی قدر ومنزلت سے آپ کا ذکر کیا ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ فرماتے ہیں۔ مثل ایشاں در محققان صوفیاء کہ جامع اندر علم ظاہر و باطن وعلم نو بیان کردہ اند چند کس گذشتہ باشند　　　(کلمات طیبات ۸۴)

ترجمہ: ان اہل تحقیق صوفیاء میں جو ظاہری اور باطنی علوم کے جامع ہیں اور نیا علم بیان کیا ہے حضرت شاہ صاحب جیسے بس چند ہی لوگ گذرے ہوں گے۔

مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی اپنے رسالہ ''فخر الحسن'' میں آپ کو اس طرح یاد فرماتے ہیں۔ ''شیخ صاحب المقامات العالیة والکرامات الجلیلة الشیخ ولی اللہ سلم اللہ تعالیٰ وابقاہ.

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں آیۃ مـن آیـات اللّٰہ و معجزۃ لنبیہ الکریم ﷺ یعنی شاہ صاحب اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت اور اس کے نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں ''اتحاف'' میں تحریر فرماتے ہیں ''اگر وجود او در صدر اول در زمانہ ماضی می بود امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ می شود، اگر شاہ صاحب کا وجود گذشتہ زمانہ میں صدر اول میں ہوتا تو تمام مجتہدوں کے پیشوا اور مقتداء مانے جاتے۔

علامہ شبلی رقمطراز ہیں کہ ''ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انھیں کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ تھی کہ کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشہ دکھانا تھا کہ اخیر زمانہ میں شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی رازی اور ابن رشد کے کارنامے ماند پڑ گئے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور تحدیث نعمت وتحمید الٰہی

جس مقام و منصب اور عظمت و رفعت سے آپ کو سرفراز کیا گیا تھا اس سے آپ بخوبی واقف تھے، جس کا اظہار بطور تحدیث نعمت آپ نے متعدد جگہ فرمایا ہے، چند اقتباسات بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔

۱......جب میرا دورہ حکمت یعنی علم اسرار دین پورا ہوگیا تو اللہ نے مجھے خلعت مجددیت پہنائی پس میں نے مسائل اختلافی میں جمع (وتطبیق) کو معلوم کرلیا۔

۲......ایک جگہ اور تحریر فرماتے ہیں، مجھے خدا نے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اس زمانے کا مجدد وصی اور قطب ہوں، اگر خدا نے چاہا تو میری کوششوں سے مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہوجائے گی۔

۳......مجھ پر اللہ تعالیٰ کے خاص احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے مجھے اس آخری دور کا خالق، حکیم، قائد، اور زعیم بنایا۔

۴......میرے ذہن میں ڈالا گیا کہ میں لوگوں تک یہ حقیقت پہنچادوں کہ یہ زمانہ تیرا زمانہ ہے، یہ تیرا وقت ہے، افسوس اس پر جو تیرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو۔

۵......میں نے خواب میں دیکھا کہ میں قائم الزمان ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ جب خیر کے کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اپنے اس ارادہ کی تکمیل کے لئے مجھے آلۂ کار بناتے ہیں۔

اس قسم کے بیسوں اقوال آپ کی تصانیف میں ملتے ہیں جو نہ بطور تعلّی وخودستائی ہیں نہ بطریق فخر وغرور بلکہ یہ بطور تحدیث نعمت وتحمید الٰہی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔ ''وَ اَمَّا بِنِعمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّث''

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی وفات حسرت آیات

آپ بڈھانہ ضلع مظفر نگر میں قیام پذیر تھے کہ مرض الموت میں گرفتار ہو گئے، قلت غذا کی وجہ سے ضعف ونقاہت پہلے ہی لاحق تھی اب اس میں اور اضافہ ہو گیا، ۹ ذی الحجہ ۱۱۸۵ھ کو بغرض علاج دہلی تشریف لائے، لیکن تقدیر تدبیر پر غالب ہوئی اور ۲۹ محرم ۱۱۸۶ھ مطابق ۱۷۶۳ء کو بوقت ظہر یہ علم ومعرفت کا آفتاب جہاں تاب افق دہلی میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا اور اپنے پیچھے بے شمار کواکب ونجوم کو چمکتا دمکتا چھوڑ گیا جو اس کی مستعار روشنی سے اب تک منور ہیں، حضرت شاہ عبدالرحیم کے مزار سے متصل ''مہندیان'' کے قبرستان میں آپ کے جسد خاکی کو سپرد خاک کیا گیا۔

ارباب چمن مجھ کو بہت یاد کریں گے ہر شاخ پہ اپنا ہی نشاں چھوڑ دیا ہے

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اخلاق وعادات

شاہ صاحبؒ نہایت سادہ طبیعت، منکسر المزاج، نفیس الطبع، بلند ہمت، فراخ حوصلہ، جفاکش، بہادر وشجاع، مستقل المزاج، ہمدرد غرباء، ریاونمود سے خالی، ظاہری نمائش وشان وشوکت سے گریزاں اور بڑے مہمان نواز وفیاض تھے، متمول ہونے کے باوجود نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، اکثر اوقات آپ کے دسترخوان پر سادہ روٹی اور بعض اوقات

معمولی سبزی ہوتی تھی، شان بے نیازی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی شاہان وقت کی طرف چشم ارادت سے نہ دیکھا،

نظر ہے ابر کرم پہ درخت صحرا ہوں کیا خدا نے نہ محتاج باغباں مجھ کو

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا فقہی مسلک

شاہ صاحبؒ کا مسلک فقہاء محدثین کے طرز پر توسط و اعتدال تھا آپ روایت ودرایت کی روشنی میں طریقہ کار متعین فرماتے، اور جمہور علماء کے متفقہ طریقوں سے وابستہ رہتے علوم دینیہ اور امور شرعیہ میں آپ درجہ اجتہاد پر فائز تھے، اس لئے مذہب حنفی وشافعی میں رہتے ہوئے دونوں مذاہب کا خیال رکھتے تھے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا سواد اعظم مسلک حنفی سے وابستہ تھا، شاہ صاحبؒ نے ان کی مخالفت نہیں کی بلکہ ہندوستان کے مزاج اور یہاں کے فکر وتمدن دیکھتے ہوئے ائمہ فقہ کی تقلید کا درس دیا، چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

”ساری امت یا امت کا معتد بہ حصہ ان چاروں مذاہب حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، پر متفق ہو چکا ہے کہ آج ہمارے زمانہ میں ان کی تقلید جائز ہے، اور اس میں کئی مصلحتیں ہیں جو مخفی نہیں ہیں خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ ہمتیں پست ہو چکی ہیں اور لوگوں کے دلوں میں خواہشات نے گھر کرلیا اور ہر آدمی اپنی رائے پر فخر کر رہا ہے۔“ (حجۃ اللہ البالغہ)

خدا بخش لائبریری پٹنہ بہار میں بخاری شریف کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جو شاہ صاحب کے درس میں رہا ہے، اس میں آپ کے تلمیذ محمد بن پیر محمد بن شیخ ابو الفتح نے پڑھا ہے، تلمیذ مذکور نے درس بخاری کے ختم کی تاریخ ۶ شوال المکرم ۱۱۵۹ھ لکھی ہے اور جمنا کے قریب جامع فیروزی میں ختم ہونا لکھا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے دست مبارک سے اپنی سند امام بخاری تک تحریر فرما کر تلمیذ کے لئے سند اجازت تحدیث لکھی اور آخر میں اپنے نام کے سات یہ کلمات تحریر فرمائے۔ ”العمری نسبًا الدهلوی وطنًا الأشعری

عقیدۃً ، الصوفی طریقۃ ،الحنفی عملاً والشافعی تدریساً خادم التفسیر والحدیثِ والفقہِ والعربیۃِ والکلام ۲۳شوال ۱۱۵۹ھ اس تحریر کے نیچے شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے یہ عبارت لکھی ہے "بیشک یہ تحریر بالا میرے والدمحترم کی لکھی ہوئی ہے، نیز شاہ عالم کی مہر بھی بطور تصدیق ثبت ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ مجتہدانہ شان رکھنے کے باوجود تقلید حنفی فرماتے تھے، اور عبارت مذکورہ شاہ صاحبؒ کے حنفی ہونے کا واضح اور بین ثبوت ہے۔ اوراسی طرح باب طریقت میں آپ چاروں سلسلوں سے مساوی نسبت رکھتے تھے اور طرق اربعہ نقشبندیہ قادریہ چشتیہ اور سہروردیہ میں اجازت دیتے تھے۔ (بحوالہ جستہ جستہ از ملت اسلامیہ کی محسن شخصیات)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی بعض وصیتیں اور نصیحتیں

حضرت شاہ ولی اللہؒ بہت سے دینی مسائل ومعاملات میں عامۃ المسلین کے لیے جووصیتیں اور نصیحتیں معرض تحریر میں لائے ان میں کچھ یہ ہیں۔

۱.....عقائد میں قدماء اہل سنت کی راہ اختیار کی جائے۔

۲.....کتاب وسنت پر پختہ اعتقاد رکھا جائے اوراس کے مطابق عمل کیا جائے۔

۳۔.....سلف نے جس بات کی کرید نہیں کی اس کے پیچھے نہ پڑا جائے (اس کے بارے میں خواہ مخواہ قیاس آرائی نہ کی جائے)

۴.....فروع میں ان علماء محدثین کی پیروی کی جائے جوفقہ وحدیث کے جامع ہوں۔

۵.....خام معقولی جوشبہات پیدا کرتے ہیں، ان سے صرف نظر کیا جائے۔

۶.....اجتہادات فقہاء کو کتاب وسنت کی روشنی میں جانچا جائے۔

۷.....اسلامی معاشرے کی بنیادیں اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب پر قائم ہیں۔اس سے بے اعتنائی برتنا ملت دشمنی کے مترادف ہے۔

۸.....قوم کے انحطاط اور زوال کے زمانے میں ہر شخص (اہل اور نہ اہل) اجتہاد کرنے کے لیے آمادہ نظر آتا ہے۔ کسی ایک مسئلہ میں مختلف اجتہادات، ملت میں انتشار کا سبب بن جاتے ہیں۔ ان حالات میں تقلید ہی ملت میں اتحاد اور نظم و ربط قائم کرسکتی ہے۔ بالخصوص یہ دیکھتے ہوئے کہ لوگ کم ہمت بھی ہیں اور خواہش پرست بھی اور ہر شخص اپنی اپنی رائے پر مغرور ہو رہا ہے۔ (مطلب یہ کہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے کے بجائے دینی معاملات میں سلف صالحین کی تحقیق اور طریقے پر اعتماد اور عمل کیا جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصنیفات و تالیفات

ایک مصنف کی حیثیت سے بھی شاہ صاحب کا درجہ بہت بلند ہے، آپ نے مروجہ طرز نگارش کو جو محض نامانوس اور پرشکوہ الفاظ کے طلسم اور فضول قافیہ پیمائی کے افسوں میں گھرا ہوا تھا وسعت بخشی اور اس قابل کردیا کہ وہ ان لفظی گورکھ دھندوں اور بیجا ثقالت کی پابندیوں سے آزاد ہوکر حکیمانہ خیالات اور علمی مضامین کو بطریق احسن پیش کرسکے۔ زمانہ ماضی میں سب سے پہلے ابن خلدون نے یہ خدمت انجام دی تھی، انکے بعد آپ ہی ایک ایسے مصنف ہیں جنھوں نے اس اسلوب کو زندہ کیا۔

باوجود عجمی اور ہندوستانی ہونے کے آپ نے عربی فصاحت و بلاغت کا بے نظیر نمونہ پیش کیا جس کی عظمت کا اعتراف اہل قلم نے بھی کیا ہے، مولانا مناظر احسن گیلانی اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "عربی زبان میں انہوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں ان میں ایک خاص قسم کی انشاء کی جوان کا مخصوص اسلوب ہے پوری پابندی کی گئی ہے، شاہ صاحبؒ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر "جوامع الکلم" النبی الخاتم ﷺ کے طرز گفتگو کی پیروی کی ہے، حتی الوسع وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدعا کا اظہار انہی لغات اور انہی محاورات سے کریں جو لسان نبوت اور زبان رسالت سے خاص تعلق رکھتے ہیں، انکی بے شمار تصانیف ہیں، بعض مؤرخین دوسو سے زائد بتاتے ہیں مصنف "حیات ولی" نے ان

کی تعداد ۵۱ بیان کی ہیں، مولانا علی میاں صاحب نے ۵۳ کی تعداد تحریر کی ہے، لیکن یہ اختلاف محض اس سبب سے ہے کہ شاہ صاحبؒ کے مختلف رسائل الگ الگ بھی شائع ہوئے ہیں اور کئی کئی رسالے ساتھ بھی چھپے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کی تصنیفات کے سلسلے میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ آپ نے یہ تمام کام جیسا کہ حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کل ستائیس اٹھائیس یا تیس برس سے کم مدت میں انجام دیا ہے، اور وہ بھی نہایت پرآشوب اور پر فتن زمانے میں جو آپ کی منزلت علمی اور نمایاں فن کا ایک واضح ثبوت ہے، آپ کی چند مشہور اور متداول تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

۱......فتح الرحمن فی ترجمة القران :

قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے جو سب سے پہلے ہندوستان میں طبع ہوا، یہ نہایت جامع، مانع اور مطلب خیز ترجمہ ہے، ترجمہ کے ساتھ جابجا فوائد بھی ہیں جو نہایت مختصر مگر جامعیت اور اشکال کی گرہ کشائی میں بے مثل ہیں، اتنی مدت گزر جانے کے باوجود اب تک اسکے مقابل کا کوئی ترجمہ نہیں ہوسکا۔

۲......فتح الخبیر بمالا بد من حفظه فی علم التفیسر :

یہ عربی زبان میں قرآن پاک کی تفسیر کا نہایت مختصر اور بے نظیر رسالہ ہے جس میں شرح غریب القرآن اور اسباب نزول پر جابجا روشنی ڈالی گئی ہے۔

۳......الفوز الکبیر فی اصول التفسیر :

فارسی زبان میں اصول کا ایک مختصر مگر نہایت جامع رسالہ ہے جس میں قرآن مجید کے علوم خمسہ تاویل حروف مقطعات، رموز قصص انبیاء اور اصول ناسخ و منسوخ پر نہایت مفید اور بصیرت افروز مقالات جس خوش اسلوبی سے بیان کئے ہیں وہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی کا حق ہے، علماء نے اس رسالے کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر دینی مدارس کے نصاب میں داخل کیا ہے یہ فارسی رسالہ اردو اور عربی میں منتقل ہوگیا ہے۔

۴......حجة الله البالغه:

حضرت شاہ صاحب کو یقین تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد دور ''عقلیت'' شروع ہونے والا ہے جس میں احکام شریعت کے متعلق اوہام وشکوک کی گرم بازاری ہوگی، اسی خطرہ کے سد باب کرنے کے لیے شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کے اصرار پر آپ نے بالہام ربانی یہ بے نظیر کتاب ایسے عالم میں تحریر فرمائی جو محو استغراق کا عالم تھا، اکثر درمیان کتاب میں 'علّمنی ربی' ''الھمنی ربی'' فرماتے ہیں، یہ کتاب جس محدثانہ، متکلمانہ، فقیہانہ اور فلسفیانہ انداز میں تصنیف ہوئی وہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی کا حق ہے، جس میں آپ نے تعلیمات اسلام کو مطابق فطرت اور دینی احکام کو مبنی برعدل ہونا ثابت کیا ہے، ہر حکم الٰہی اور امر شریعت کے اسرار و مصالح نہایت بلیغ اور مدلل انداز میں بیان کیے ہیں جس سے ایک طرف تو متشکک و متردد حضرات کے شکوک وشبہات کا ازالہ ہوتا ہے، اور دوسری طرف معترضین کے احکام اسلام پر معاندانہ اعتراضات کا منہ توڑ جواب مل جاتا ہے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کی یہ مایہ ناز تصنیف آنحضرت ﷺ کے ان معجزات میں سے ہے جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے امتیوں کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے، اور جن سے اپنے وقت میں رسول کریم ﷺ کا اعجاز نمایاں اور اللہ کی حجت تمام ہوئی

افسوس یہ ہے کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور حضرت اقدس حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بعد یہ کتاب یتیم ہوگئی ہے، اور اسکے درس کا سلسلہ دارالعلوم دیوبند جیسے ادارے میں بھی موقوف ہوگیا ہے حالانکہ اس کتاب کی زبان بہت ہی آسان ہے اور معمولی غور وخوض کے بعد مطلب سمجھ میں آجاتا ہے۔

۵......تاویل الاحادیث فی امور قصص الانبیاء:

مکذبین انبیاء پر جو عذاب الٰہی آئے اور رسولوں اور نبیوں کے ذریعہ جن معجزات کا ظہور ہوا اس کتاب میں ان کو مطابق فطرت ثابت کیا گیا ہے۔

۶......المسوىٰ من الموطا

موطا امام مالک کی مبسوط عربی شرح ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ اس شرح میں شاہ

صاحب کا مجتہدانہ رنگ نمایاں ہوتا ہے، ہندو پاک اور مکہ مکرمہ سے شائع ہو چکی ہے۔

۷......المصفیٰ شرح المؤطا

یہ امام مؤطا مالک کی فارسی کی شرح ہے، اس میں آپ نے احادیث اور آثار کو الگ کردیا ہے اور احادیث پر مجتہدانہ انداز سے بحث کی ہے۔

۸......شرح تراجم ابواب صحیح بخاری

شاہ صاحبؒ نے امام بخاری کے تراجم ابواب کی اس طرح شرح کی ہے کہ تراجم ابواب اور احادیث میں مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، یہ رسالہ عربی میں ہے ہمارے یہاں کے صحیح بخاری کے شروع میں ملحق ہے۔

۹......ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء:

یہ شاہ صاحب کی دوسری شہرۂ آفاق تصنیف ہے، اس میں آپ نے خلفائے راشدین کی خلافت کا حق ہونا آیات واحادیث اور تاریخ سے دلائل و براہین دے کر ثابت فرمایا ہے، اور شیعہ و سنی کے باہمی نزاعات واختلافات کو نہایت عدل وانصاف کے ساتھ حل کیا ہے، یہ کتاب فارسی میں ہے۔

۱۰......التفہیمات الالٰہیۃ

آپ نے اس کتاب میں معاشرے کے ہر طبقہ کو مخاطب کر کے اصلاح پر ابھارا ہے، اس میں تصوف وسلوک کی باتیں بھی ہیں، بعض مقالات فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں، پوری کتاب دو جلدوں میں ہے، مجلس علمی ڈابھیل گجرات کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔

۱۱......الخیر الکثیر:

یہ تصوف اور علم اسرار وحکم میں ایک معیاری کتاب ہے، یہ بھی مجلس علمی ڈابھیل گجرات سے شائع ہوئی ہے، اصل کتاب عربی زبان میں ہے اور ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔

۱۲......فیوض الحرمین:

قیام حرمین شریفین کے دوران جو فیوض و برکات بصورت خواب والقاء شاہ صاحب کو حاصل ہوئے یہ بھی ان ہی کا مجموعہ ہے، اصل عربی زبان میں ہے اور ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

۱۳......الانصاف فی بیان سبب الاختلاف:

اس کتاب میں فقہی اختلافات کے اسباب پر محققانہ بحث کی گئی ہے اور ہر طبقہ کے افراط وتفریط پر تنقید کی گئی۔ نہایت مفید کتاب ہے اور ترجمہ کے ساتھ کئی بار چھپ چکی ہے۔

۱۴......عقد الجیدفی بیان احکام الا جتہا د و التقلید .

اس عربی رسالہ میں شاہ صاحب نے اجتہاد اور تقلید کے مسائل پر نہایت محققانہ اور منصفانہ بحث کی ہے۔

۱۵......البلاغ المبین:

یہ رسالہ رد بدعت وشرک اور دعوت توحید پر مشتمل ہے۔

۱۶......رة العینین فی تفضیل الشیخین:

تفضیل شیخین کے متعلق فارسی زبان میں اہم رسالہ ہے۔

۱۷......انسان العین فی مشائخ الحرمین :

یہ رسالہ شاہ صاحب کے عربی شیوخ واساتذہ پر مشتمل ہے۔

۱۸......الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین :

شاہ صاحب کے اس رسالہ میں ان بشارتوں کو ذکر فرمایا ہے جو آپ کو اور آپ کے نسبی یا روحانی بزرگوں کو نبی کریم ﷺ سے ہوئیں۔ یہ رسالہ عربی میں ہے۔

۱۹......انفاس العارفین :

شاہ صاحب نے اس کتاب میں اپنے والد بزرگوار اور دوسرے خاندانی بزرگوں کے حالات واقعات بیان کئے ہیں۔

۲۰......القول الجمیل :

یہ رسالہ وظائف واذکار اور طریقت کے چاروں سلسلوں کے بیان پر مشتمل ہے۔

۲۱......الطاف القدس

۲۲......همعات

۲۳......لمعات

۲۴......سطعات :

یہ چاروں رسالے تصوف میں ہیں، بقیہ کتابوں کے نام بغیر تعارف کے لکھے جاتے ہیں۔

۲۵......مکتوبات مع مناقب امام بخاری و ابن شیبه.

۲۶......مکتوبات المعارف مع مکاتیب ثلثه

۲۷......المقالة الوصية فی النصیحه و الوصية

۲۸......چهل حدیث ۲۹. اطیب النعم

۳۰......الزهرادين ۳۱. شفاء القلوب

۳۲......الوامع شرح حزب البحر

۳۳...... سرور المحزون في ترجمه نور العين

۳۴......رسائل تفهيمات ۳۵ المسلسلات

۳۶......الذكر الميمون ۳۷ النثر المكتوم

۳۸......اعراب القرآن

۳۹......الفضل المبين في المسلسل من حديث النبي الامين

۴۰......العقيدة الحسنه

۴۱......المقدمة السنيه في انتصار الفرقة السنية

۴۲......شرح رباعيتين ۴۳ العطية الصمدية

۴۴......فتح الودود فی معرفة الجنود

۴۵......الارشاد الیٰ مهمات الاسنا د

۴۶......رسائل اوائل

۴۷......مایجب حفظ للناظر

۴۸......تأثر الاجداد

۴۹......الاشباه فی سلاسل اولیاء الله

۵۰......رسائل تفهیمات

۵۱......رسائل دانشمندی

۵۲......النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر.

حضرت شاہ ولی اللہؒ بحیثیت ادیب وشاعر

حضرت شاہ ولی اللہؒ فضل وکمال کے اعتبار سے یکتائے روزگار تھے اور علم وعمل کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس میں ان کی بے پناہ (خداداد) صلاحیتوں نے اپنے جھنڈے نہ گاڑے ہوں۔ ارباب فکر ونظر کے نزدیک ان پر اس شعر کا اطلاق ہوتا ہے۔

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتو آں کجامی نگری، انجمنے ساختہ اند

اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحبؒ کو کمال درجے کے فضل وکمال کے ساتھ ادب اور شعر وسخن کے میدان کا شہسوار بنایا تھا۔ وہ عربی اور فارسی کے نہ صرف بلند پایہ نثر نگار تھے بلکہ ان زبانوں کے نغز گو شاعر بھی تھے۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ (بھارت) کے ایک فاضل رفیق جناب محمد نعیم ندوی صدیقی نے شاہ صاحبؒ کی عربی اور فارسی تحریروں کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''شاہ صاحبؒ نے اپنے عہد کی مروجہ زبانوں (عربی اور فارسی) میں بکثرت کتابیں تصنیف کیں لیکن ان پر ظہوری اور بیدل کے طرز تحریر کی چھاؤں بھی نہیں پڑ سکی بلکہ اس (شاہ صاحبؒ کے طرز تحریر) میں ایجاز کے ساتھ وسعت نظر، سلامتی فہم، سلامت زبان، قوت انشاء، رفعت خیال اور دقت نظر کی کارفرمائی پورے عروج پر ملتی ہیں جو ایک اعلیٰ نثر کی

خصوصیات ہیں۔ (ماہنامہ فاران کراچی نومبر ۶۸ء) بلاشبہ عربی اور فارسی میں شاہ صاحبؒ کی تحریر ادیبانہ رفعت شان کی مظہر ہیں۔ شاہ صاحبؒ اگرچہ فطری شاعر نہ تھے لیکن قدرت کی طرف سے ان کو ذوق شعر و سخن کا بہرہ وافر عطا ہوا تھا۔ انہوں نے عربی اور فارسی میں خاصہ کلام اپنی یادگار چھوڑا عربی میں ان کا زیادہ تر کلام نعتیہ قصیدوں پر مشتمل ہے ان کے مجموعے کا نام اطیب النغم ہے فارسی میں شاہ صاحبؒ امین تخلص کرتے تھے ان کا فارسی کلام بہت سی غزلوں رباعیوں اور قطعات پر مشتمل ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

رباعی

در صحبت اہل دل رسیدم بسے — بس دریوزہ کناں زما کسے یک نفسے
از چشمہ آب زندگانی قدحے — آتش وادی مقدس قبسے

رباعی

دائم دل پیش تو حاضر باشد — چشم برخ خوب تو ناظر باشد
در مذہب ما شرک جلی ہست وصرے — گر روئے دگر خطرۂ خاطر باشد

ایک غزل کے تین اشعار

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام — عاشق شوریدام یا عشق باجانانہ ام
مبتلائے حیرتم جاں گویمت یا جان جاں — اصطلاح شوق بسیار ست و من دیوانہ ام
باجمال ذاتش حسن دگر درکار شد — چشم اور اسرمہ ام یا زلف اوراشانہ ام

کچھ اور اشعار

توئی اول توئی آخر توئی ظاہر توئی باطن — توئی مقصود اہل دل توئی مشتاق و ہمدم ہم
تا بکے محنت و مہجوری و دوری بکشم — نازنیں وطنم سوئے عدن باز روم
تا بکے ہمدمئے سنگ بود شیوۂ من — گوہرے از عدنم سوئے عدن باز روم
تا بکے بستہ زنجیر تعلق باشم — آہوئے از ختنم سوئے ختن باز روم
گر بگلشن بگزری گل بر رخت مفتوں شود — ور نمائی قامت خود سرو را موزوں شود

کار با معنی ست دانا را نہ با نام و نشاں — جذبۂ لیلیٰ ندادر بیدا اگر مجنوں شود

مرد مفلس را جہاں یکسر محل آفت ست — شیشہ خالی ست گر بارش رسد واژن شود

شعراء کے بعض تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اردو میں بھی اشتیاق تخلص کے ساتھ طبع آزمائی کیا کرتے تھے۔ ان تذکروں میں شاہ صاحبؒ کی کچھ اردو غزلیں بھی ملتیں ہیں۔ ان میں سے ایک غزل بطور نمونہ کلام یہاں درج کی جاتی ہے۔

خیال دل کو ہے اس گل سے آشنائی کا — نہیں صبا کو ہے دعویٰ جہاں رسائی کا

کہیں وہ کثرت عشاق سے گھمنڈ میں آ — ڈروں ہوں کہ نہ دعویٰ کرے خدائی کا

مجھے تو ڈھو کے تھا زاہد پر اک نگاہ سے آج — غرور کیا ہوا وہ تیری پارسائی کا

جہاں میں نہ دل لگانے کا لیوے پھر کوئی نام — بیان کروں میں اگر تیری بے وفائی کا

نہ چھوڑا مار بھی کھا کر گزر گلی کا تری — رقیب کو مرے دعویٰ ہے بے حیائی کا

نہیں خیال میں لاتے وہ سلطنت جم کی — غرور ہے جنہیں در کی تری گدائی کا

جفائے یار سے مت اشتیاق پھیر کے منہ — خیال کی جیو کہیں اور جبہ سائی کا

(ماہنامہ فاران کراچی جنوری ۵۲ء بحوالہ تذکرہ گلزار ابراہیم مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین زور)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اولاد امجاد

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادوں کی تعداد عموماً چار بتائی جاتی ہے جبکہ یہ تعداد فی الحقیقت پانچ ہے۔ ان صاحبزادوں کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱......شاہ محمد محدث دہلویؒ

۲......شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ

۳......شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ

۴......شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ

۵......شاہ عبد الغنی محدث دہلویؒ

یہ پانچوں صاحبزادے آسمان علم وفضل پر آفتاب بن کر چمکے (بالخصوص بڑے چار صاحبزادے)۔ ان کے حالات زندگی بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب درکار ہے ۔ یہاں ہم ان بزرگوں کا تذکرہ نہایت اختصار کے ساتھ ہی کر سکتے ہیں۔

ا......شاہ محمد محدث دہلویؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ کی پہلی شادی ۱۱۲۸ھ میں پھلت (پہلت) میں اپنے ماموں کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ انہی کے بطن سے شیخ محمد پیدا ہوئے۔ شاہ ولی اللہؒ کی کنیت اپنے ان (سب سے بڑے) صاحبزادے کے نام پر ابو محمد تھی۔ شیخ محمد کی تعلیم وتربیت شاہ صاحبؒ ہی کی نگرانی میں ہوئی اور وہ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد مسند درس وتدریس پر رونق افروز ہوئے۔ صاحب ''نزہتہ الخواطر'' مولانا عبدالحیؒ کا بیان ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے شمائل ترمذی اپنے ان بڑے بھائی (شیخ محمد) کی قراءت ہی سے پڑھی تھی۔ ایک روایت کے مطابق شیخ محمد نے شاہ ولی اللہؒ کی دوسری شادی کے بعد پہلت (پھلت) میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ (بحوالہ دہلی اور اس کے اطراف از سید ظہیر الدین احمد)

لیکن مولانا عبدالحیؒ کا بیان ہے کہ: ''شیخ محمد اپنے والد کی وفات کے بعد بڈھانہ منتقل ہو گئے تھے اور بڈھانہ کی جامع مسجد کے متصل دفن کیے گئے''۔ (بڈھانہ اور پہلت ضلع مظفر نگر (یوپی، بھارت) کے دوگاؤں ہیں) (ماہنامہ فاران کراچی جون ۱۹۶۵ء مقالہ سید محمود احمد برکاتی)

تذکرہ نگاروں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ شیخ محمد گمنام کیوں ہے، وہ کیا اسباب تھے جن کی بناء پر شیخ محمدؒ نے والد گرامی سے علیحدگی اختیار کی اور دلی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔

شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے وقت دوسری اہلیہ سے انکے چاروں صاحبزادے دلی میں موجود تھے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے وفات سے پہلے ان چاروں میں سے بڑے شاہ عبدالعزیزؒ کو اپنا جانشین (خلیفہ) بنایا لیکن خود شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے وفات سے تھوڑی دیر پہلے چاروں فرزندوں کے سروں پر دستار مبارک رکھ دی تھی یا باندھ دی تھی۔'' گویا انہوں نے چاروں فرزندوں کو اپنا خلیفہ یا جانشین

قرار دیا تھا۔ ان چاروں بھائیوں کے باہمی تعلقات ہمیشہ نہایت خوشگوار رہے۔

(تذکرہ شاہ ولی اللہؒ از سید مناظر احسن گیلانی)

ان چاروں بھائیوں کے مختصر حالات یہ ہیں:۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے چار صاحبزادوں کے مختصر حالات

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

یہ ۱۱۵۹ ہجری مطابق ۱۷۵۶ عیسوی میں پیدا ہوئے، تاریخی نام غلام حلیم تھا۔ والد گرامی نے ان کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے کی اور انہوں نے پندرہ سال کی عمر میں تمام علوم دینی تفسیر حدیث فقہ ہیت ریاضی، اصول، عقائد، منطق، تاریخ وغیرہ میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ سترہ سال کی عمر میں والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور انہوں نے والد گرامی کے شروع کیے ہوئے کام کو آگے بڑھایا۔ تاحیات درس و تدریس اور وعظ و خطابات کا سلسلہ جاری رکھا۔ علم حدیث کو فروغ دیا، قرآن مجید کی تفسیر فارسی زبان میں ''فتح العزیز'' کے نام سے لکھی۔ علاوہ ازیں مختلف دینی موضوعات پر متعدد بلند پایہ کتابیں تصنیف کیں ۱۲۳۹ ہجری مطابق ۱۸۲۴ عیسوی میں وفات پائی۔

شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ

ان کی ولادت ۱۱۶۳ھ مطابق ۱۷۵۰ء میں ہوئی۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا پھر تمام علوم متداولہ اپنے والد گرامی اور بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز سے حاصل کیے۔ پھر درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کے ولی اللہی چشمہ فیض کو جاری رکھنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن پاک کا ترجمہ ملکی زبان اردو میں کیا۔ بقول سید سلیمان ندوی اس شہرہ آفاق ترجمے نے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو دین و ایمان کی راہ بتائی۔ ترجمہ قرآن کے علاوہ انہوں نے کئی اور کتابیں (قیامت نامہ، دفع باطل، العروض والقافیہ، اسرار المحبہ وغیرہ) بھی تصنیف کیں ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء

میں انتقال کیا۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ

۱۱۶۷ھ مطابق ۱۷۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی سے اور پھر شاہ عبد العزیزؒ سے تمام دینی علوم حاصل کیے۔ روحانی فیض بھی کئی بزرگوں سے حاصل کیا، نہایت عابد وزاہد، متواضع اور منکسر المزاج تھے، زندگی کا بیشتر حصہ دلی کی اکبرآبادی مسجد میں گزارا۔ انہوں نے قرآن حکیم کا بامحاورہ اور سلیس اردو میں ترجمہ کیا۔ ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۵ میں سفر آخرت اختیار کیا۔

شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ

۱۱۷۱ھ مطابق ۵۸۔۱۷۵۷ء میں پیدا ہوئے، یہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ خردسالی میں کچھ تعلیم والد گرامی سے حاصل کی پھر دوسرے تمام علوم متداولہ شاہ عبدالعزیزؒ اور دوسرے بھائیوں سے حاصل کئے کیونکہ پانچ سال کی عمر ہی میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے تھے۔ نہایت ذہین فطین، صابر، قانع، عابد وزاہد اور متبع سنت تھے۔

چہرے مہرے اور وضع قطع میں اپنے والد گرامی شاہ ولی اللہؒ سے کمال درجے کی مشابہت رکھتے تھے۔ وقت کا بیشتر حصہ درس و تدریس دعوت وارشاد اور طلبہ کی تربیت میں صرف کرتے تھے۔ محدث، مفسر، فقیہ اور معلم ہونے کے ساتھ روحانی شیخ بھی تھے۔ افسوس کہ انہوں نے بہت تھوڑی عمر پائی اور ۱۶ رجب ۱۲۰۳ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۷۸۹ کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ اولاد میں دو صاحبزادیاں اور ایک فرزند شاہ محمد اسماعیل اپنی یادگار چھوڑے۔ اللہ کی قدرت کہ شاہ ولی اللہؒ کے مذکورہ بالا چاروں بھائیوں کی وفات عجیب ترتیب سے ہوئی۔ پہلے سب سے چھوٹے پھر ان سے بڑے، پھر ان سے بڑے اور آخر میں سب سے بڑے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ شاہ رفیع الدینؒ کی وفات کے بعد شاہ

عبدالعزیز نے فرمایا: ترتیب معکوس دررحلت برادران واقع شد یعنی اول مولوی عبدالغنی کہ خورد ترین ہمہ بودند، بعدازاں مولوی عبدالقادر از اوشاں بعد مولوی رفیع الدین کلاں سال از واشاں اکنوں بار یاست یعنی الٹی ترتیب بھائیوں کی رحلت میں ہوئی۔ اول مولوی عبدالغنی کہ سب سے چھوٹے تھے، اس کے بعد مولوی عبدالقادر اور ان کے بعد مولوی رفیع الدین سب سے بڑا میں ہوں اب میری باری ہے۔ (بحوالہ تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہؒ)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا تاریخی نام خورشید حسن ہے۔ آپ ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے مولاناؒ کے والد ماجد شیخ اسد علی صاحب تھے۔ جو بات مروت اور صاحب اخلاق، کنبہ پرور، مہمان نواز، نمازی و پرہیز گار تھے۔ مولانا مملوک علی صاحب کے ساتھ دہلی جا کر شاہنامہ وغیرہ بھی پڑھی تھیں۔ ان کی عمر کا زیادہ حصہ کھیتی باڑی ہی میں گزرا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے دادا شیخ غلام شاہ تھے۔ ان کی بھی تعلیم زیادہ نہ تھی۔ مگر بڑے ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ درویشوں کی خدمت کرتے تھے۔ خواب کی تعبیر دیکھنے میں مشہور تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ مختصر نسب نامہ یہ ہے۔ محمد قاسم بن اسد علی بن غالم شاہ بن محمد بخش بن علاؤالدین بن فتح محمد بن مفتی بن عبدالسمیع بن مولوی ہاشم نانوتوی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بچپن ہی سے ذہین، طباع، بلند ہمت، تیز وسیع حوصلہ، جفاکش، جری اور چست تھے۔ مکتب میں اپنے ساتھیوں میں ہمیشہ اول رہتے تھے۔ قرآن مجید بہت جلد ختم کر دیا تھا۔ خط بھی سب ساتھیوں میں اچھا تھا۔ شاعری کا بچپن ہی سے شوق تھا۔ اپنے کھیل اور بعض قصے نظم کر لیا کرتے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ کا ننھیالی رشتہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خاندان سے ملتا تھا اور حضرت کی بہن نانوتہ میں بیاہی ہوئی تھی۔ آپ اسی وجہ سے اکثر اپنی بہن سے ملنے نانوتہ تشریف لے جایا کرتے

تھے اسی زمانے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے جلد سازی سیکھی تھی اپنی اپنی کتابوں کی جلد خود باندھ لیا کرتے تھے۔ نانوتہ میں آپ کے خاندان میں ایک ایسا قضیہ پیدا ہوگیا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو نانوتہ سے دیوبند بھیجا گیا۔ شیخ کرامت حسین کے گھر پر شیخ نہال احمد صاحب پڑھتے تھے۔ مولوی صاحب کو انہوں نے عربی پڑھائی۔ پھر سہارنپور اپنے نانا کے پاس آگئے۔ وہاں مولوی محمد نواز صاحب سہارنپوری سے کچھ پڑھا۔

طالب علمی میں خواب

ایام طالب علمی میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے خواب دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ اپنے استاد حضرت مولانا مملوک علیؒ سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔ اور اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ دارالعلوم دیوبند نے برصغیر پاک وہند میں خصوصاً پورے علم اسلام میں عموماً جو کتاب وسنت وفقہ کی اشاعت کی ہے اس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ توحید ورسالت، خدا خوفی اور فکر آخرت پیدا کر کے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کو باخدا بنادیا۔ معاشرتی اور تمدنی زندگی حقوق العباد کا صحیح جذبہ پیدا کیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ کسی بھی حال میں اسلام کے تیرہ سو سالہ تسلسل اور اسلاف کی وابستگی میں سرمو فرق نہیں آنے دیا۔ دارالعلوم دیوبند اور اس کی شاخوں سے کسب فیض کرنے والے علماء وفضلاء کی اگر فہرست تیار کی جائے تو اس کے لئے ایک ضخیم جلد درکار ہوگی۔ علم ظاہر اور باطن دونوں میں یکساں ماہر افراد تیار کئے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی علمی قابلیت اور تقویٰ بے مثال و بے نظیر تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ایسے لوگ کبھی پہلے زمانے میں ہوا کرتے تھے۔ اب مدتوں سے نہیں ہوتے۔ ایک دفعہ حضرت

حاجی صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو ایک لسان عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضرت شمس تبریز کے واسطے مولانا روم کو لسان بنایا تھا۔ اور مجھ کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ لسان عطا ہوئے ہیں اور جو میرے قلب میں آتا ہے بیان کر دیتے ہیں۔

ایک اور خواب

ارواح ثلاثہ میں ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے خواب میں دیکھا کہ ''میں خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی جگہ پر بیٹھا ہوں اور کوفہ کی طرف میرا منہ ہے اور ادھر سے ایک نہر ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر جاتی ہے''۔ اس خواب کو انہوں نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ (المتوفی ۱۲۸۲ھ برادر شاہ محمد اسحاق صاحب المتوفی ۱۲۶۲ھ) سے اس عنوان سے بیان فرمایا کہ حضرت ایک شخص نے اس قسم کا خواب دیکھا ہے تو انہوں نے یہ تعبیر دی کہ اس شخص سے مذہب حنفی کو بہت تقویت ہوگی اور وہ بہت پکا حنفی ہوگا اور اس کو خوب شہرت ہوگی۔ لیکن شہرت کے بعد اس کا جلد انتقال ہو جائے گا۔ اور اس خواب کی تعبیر پر دلیل لانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت نانوتویؒ، ان کے تلامذہ اور دارالعلوم دیوبند نے فقہ حنفی کی جو خدمت کی ہے اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ خود حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بعض کتابیں فاتحہ خلف الامام پر توثیق الکلام اور الدلیل المحکم اور بیس رکعات تراویح پر مصباح التراویح وغیرہ اور اسی طرح دیگر مسائل مختلف فیہا جو مضامین اور دلائل لکھے ہیں۔ وہ علمی دنیا میں ہمیشہ یاد رہیں گے۔

سادگی و کسر نفسی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بہت خوش مزاج اور عمدہ اخلاق تھے۔ مزاج تنہائی پسند تھا اور اول عمر سے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بات عنایت فرمائی تھی کہ اکثر ساکت رہتے۔ اس لئے ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ ان کے حال سے بھلا ہو یا برا۔ کسی کو اطلاع ہوتی نہ آپ کہتے یہاں تک کہ بیمار بھی ہوتے۔ تب بھی شدت کے وقت کسی نے جان لیا تو جان لیا

۔ورنہ خبر بھی نہ ہوتی۔اور دوا کرنا تو کہاں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کے چھاپہ خانہ میں جب کام کیا کرتے تھے۔مدتوں یہ لطیفہ رہا کہ لوگ مولوی صاحب کہہ کر پکارتے ہیں اور آپ بولتے نہیں کوئی نام لے کر پکارتا تو خوش ہوتے۔تعظیم سے نہایت گھبراتے بے تکلف ہر کسی سے رہتے جو شاگرد یا مرید ہوتے ان سے دوستوں کی طرح رہتے علماء کا وضع عمامہ یا کرتہ کچھ نہ رکھتے۔ایک دن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمایا کہ اس علم نے خراب کیا۔ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا۔میں کہتا ہوں۔اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا۔جو کمالات تھے وہ کس قدر تھے۔کیا ان میں سے ظاہر ہوئے اور آخر سب کو خاک میں ملا دیا۔اپنا کہنا کر دکھایا مسئلہ کبھی نہ بتلاتے۔کسی کے حوالے فرماتے۔فتویٰ پر نام لکھنا اور مہر لگانا تو درکنار۔اول امامت سے بھی گھبراتے آخر کو اتنا ہوا وطن میں نماز پڑھا دیتے وعظ بھی نہ کہتے۔جناب مولوی مظفر حسین صاحب مرحوم کاندھلوی (جو اس آخری زمانہ میں قدماء کے نمونہ تھے) نے اول وعظ کہلوایا اور خود بھی بیٹھ کر سنا۔اور بہت خوش ہوئے۔

سخاوت و مہمان نوازی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے والد ماجد کو بڑی فکر تھی کہ کچھ ذریعہ معاش اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی نکاح کرتے ہیں۔بالآخر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب سے ذکر کیا۔حاجی صاحب نے حکم دیا تو ناچار نکاح پر راضی ہو گئے۔مگر شرط یہ لگائی کہ میرے ساتھ جیسی حالت میں ہونگا بیوی رہے گی۔غربت ہو یا تنگدستی۔سسرال نے یہ شرط قبول کی ایک چھاپہ خانہ میں پانچ روپے ماہوار تصحیح کا کام کرنے لگے مزاج میں مہمان نوازی اور سخاوت، بچے کیا؟ جب گھر آتے تو مہمان بہت آتے۔بالآخر بیوی کی اجازت سے اس کا زیور فروخت کر دیا۔وہ بھی نہایت تابعدار تھیں۔پہلے والدین کی بے حد خدمت کی بعد میں شوہر کی آخر میں اللہ جل شانہ، نے کشادگی عنایت فرمائی تو جو کچھ ہوتا بیوی

کولا کر دیتے۔ اور بیوی بھی ایسی کشادہ دست کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا کوئی مہمان آیا۔ اسی وقت کھانا پکا کر کھلایا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مہمان آیا اور فوراً کھانا نہ ملا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ خود فرمایا کرتے کہ ہماری سخاوت احمد کی والدہ کی بدولت ہے۔ جو میں قصد کرتا ہوں۔ وہ مہمان نوازی میں بڑھ جاتی ہے۔ آپ نے لڑکپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ میں مر گیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کر آئے تب قبر میں حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے اور کچھ سامنے رکھا اور کہا یہ تمہارے اعمال ہیں۔ ان میں ایک نگین بہت خوشنما اور رکلاں ہے۔ اس کو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کا ہے۔ اس خواب کی تعبیر یہی سخاوت تھی۔

جہادِ آزادی کا آغاز

انگریزوں کے ہندستان میں قدم رکھنے کے بعد علماء کے طبقے یعنی حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہ دیکھ کر کہ یہ دوسروں کے مذہبوں کو پامال کرنے اور عیسائی مذہب کو پھیلانے کے لئے شرمناک ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ ان کے انسداد کی تدبیریں شروع کر دیں اور ایک انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈالدی۔ چنانچہ اس جماعت کے تیسرے امام حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے **1846**ء میں انتقال کے بعد حاجی امداد اللہ مکیؒ چوتھے امام مقرر ہوئے۔ جنگ آزادی **1857**ء کی ابتدا ہوئی یہ حضرات بھی تیار تھے۔ حضرت حاجی صاحب کے شریک کار مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا عبدالغنیؒ، اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا شیخ محمد تھانوی سے جہاد حریت کے سلسلے میں تبادلہ خیال ہوا مولانا شیخ محمد تھانوی نے بے سروسامانی کا ذکر فرما کر جہاد حریت کی مخالفت کی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمایا کہ ہم اصحاب بدر سے بھی بے سروسامان زیادہ ہیں۔ حضرت امیر امداد اللہؒ نے طرفین کی گفتگو سنی۔ فرمایا کہ الحمدللہ انشراح ہو گیا اور جہاد کی تیاری شروع کر دی امیر امداد اللہؒ نے امامت قبول کی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سپہ سالار مقرر ہوئے اور

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قاضی مقرر ہوئے اسی طرح قصبہ تھانہ بھون دارالاسلام قرار پایا۔

میرٹھ کے بعد دہلی اور ہندستان کے مختلف مقامات پر جنگ آزادی چھڑ گئی تھی۔ ان حضرات نے بھی مورچہ لگالیا۔ قاضی عنایت اللہ خان اور ان کے بھائی عبدالرحیم ان کے ساتھ سہارنپور پہنچے اور سہرائے میں ٹھہرے۔ ایک بنیئے نے بتکھی صاحب سے جو انتظام سہارنپور پر مامور تھا۔ مخبری کی کہ تھانہ کا رئیس بھی کمپنی سے باغی ہوگیا ہے، اس کا بھائی دہلی میں کمک بھیجنے کے لئے ہاتھی خریدنے آیا ہے اور کئی دن سے سہرائے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ چنانچہ ایک کارو بسمت سرائے روانہ کیا گیا اور عبدالرحیم اور اس کے ساتھیوں کو قید کر کے جیل خانہ بھیج دیا اور ان لوگوں کو پھانسی پر لٹکا دیا اگلے دن قاضی عنایت اللہ خان کو اپنے بھائی کی پھانسی کی اطلاع ہوئی۔ یہ اپنے رفقاء اور رعایا کو چند فوجی سوعار کہاروں کے کندھوں پر کارتوسوں کی کئی بہنگیاں لدوائے سہارنپور سے کرانہ کی طرف جا رہے تھے کہ قاضی صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی وہ اپنے رفقاء اور رعایا کو ساتھ لے کر شیر علی باغ کی سمت سڑک پر جا پڑے اور جس وقت وہ سوار سامنے سے گزرے ان پر حملہ کر کے میگزین چھین لیا۔ ایک سوار اس میں زخمی ہو کر بسمت جنگل بھاگا۔ مگر تھوڑے ہی فاصلے پر گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اس واقعہ کی خبر مظفر نگر پہنچی تو حاکم ضلع کی طرف سے تھانہ پر فوج کشی کا حکم ہوگیا جس پر عنایت علی خان اور اس کے ساتھیوں نے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ ایک معرکہ میں حاجی امداد اللہؒ مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حافظ ضامن ہمراہ تھے۔ بندوقچیوں سے مقابلہ ہوا یہ نبرد آزما جتھہ بھاگ جانے والا یا ہٹ جانے والا نہ تھا۔ اس لئے پہاڑ کی طرح مقابلے پر ڈٹ گئے۔ اور دوسرا گروہ ہاتھوں میں تلواریں لیے بندوقچیوں کے سامنے ایسے جار ہا تھا گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے۔ چنانچہ ان حضرات پر فائر ہوئے اور حضرت ضامنؒ نے زیرِ ناف گولی کھائی اور شہید ہوئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ یکا یک سر پکڑ کر بیٹھ گئے جس نے دیکھا جانا کہ کنپٹی پر گولی لگی ہے اور دماغ پار کر کے نکل گئی۔ حضرت حاجی صاحب نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ کیا ہوا میاں۔ عمامہ اتار کر سر جو دیکھا

۔کہیں گولی کا نشان تک نہیں تعجب یہ تھا کہ خون سے تمام کپڑے تر تھے معرکہ جنگ جاری ہے ۔اسی گھمسان کے میدان میں حضرت حافظ ضامن شہیدؒ نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو پاس بلایا اور فرمایا کہ میاں رشید! میرا دم نکلے تو میرے پاس ضرور ہونا۔تھوڑی دیر گزری تھی کہ حافظ ضامن صاحب دھم سے زمین پر گر پڑے۔معلوم ہوا کہ گولی گہری لگی اور خون کا فوارہ بہنا شروع ہو گیا۔حافظ صاحب زخمی ہو کر گرے کہ حضرت مولانا گنگوہی نے لپک کر نعش کو کندھے پر اٹھالیا اور قریب کی مسجد میں لائے اور حضرت کا سر اپنے زانوں پر رکھ کر تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو گئے۔آنکھوں میں آنسو تھے۔یہاں تک کہ حافظ ضامن صاحبؒ کا آپ کے زانو پر وصال ہو گیا اہل کارانِ تحصیل اس جنگ میں کام آئے اور خزانہ پر مجاہدین نے قبضہ کر لیا جب کچھ سکون ہوا تو تھانہ بھون کو انگریزی فوج نے گھر لیا اور مشرقی ا نب سے گولا باری شروع کر دی۔دن نکلنے پر فوج قصبہ میں داخل ہوئی اور قتل وغارت گیری کا بازار گرم ہو گیا رات کی تاریکی چھانے سے پہلے شہر پناہ کے چاروں دروازے کھول دیئے گئے اور مکانات پر مٹی کا تیل ڈال کے آگ لگا دی گئی اس کس برسی کے عالم میں لوٹ مار خوب ہوئی غرض یہ کہ رات کی تاریکی ختم ہونے سے پہلے تھانہ بھون مٹی کا ڈھیر بن گیا تھا۔

گرفتاری کے وارنٹ

ان تینوں حضرات ۔حضرت حاجی صاحبؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے تھے کہ تھانہ بھون کے فساد میں شاملی کی تحصیل پر حملہ کرنے والے یہی لوگ تھے تھانہ کی بستی کی دکانوں کے چھپراتیوں نے تحصیل کے دروازے پر چھپر جمع کئے اور ان پر آگ لگا دی یہاں تک کہ جس وقت آدھے کواڑ جل گئے ابھی آگ بجھنے نہ پائی تھی ان نڈر مولویوں نے جلتی آگ میں گھس کر خزانہ لوٹ لیا۔

حضرت حاجی امداد اللہؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا گنگوہیؒ کو الوداع کہا اور حجاز جانے کے لئے روانہ ہو گئے ان ایام میں مولانا قاسم مرحوم احباب کے اصرار پر

تین دن تک روپوش رہے۔

اتباع سنت وروپوشی

تین دن پورے ہوتے ہی ایک دم باہر نکل آئے اور کھلے بندوں چلنے پھرنے لگے لوگوں نے پھر نسبت روپوشی کے لئے عرض کیا تو فرمایا تین دن سے زائد روپوش رہنا سنت کے خلاف ہے کیونکہ جناب نبی کریم ﷺ ہجرت کے وقت غار ثور میں تین ہی دن تک رو پوش رہے۔

داد دیجئے اس جزبہ اتباع سنت کی کہ ظالم انگریز ان دنوں اہل ہند عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً سفاکانہ اور قاتلانہ حربے استعمال کر رہا تھا اور نہایت بے دردی کے ساتھ مظلوموں کے ناحق خون سے ہولی کھیلتا تھا اور وہ کونسی حیا سوز اور دل آزار حرکت تھی جو اس ظالم نے مجاہدوں کے خلاف روانہ رکھی تھی اور وہ کونسی غیر انسانی کاروائی تھی جو اس نے چھوڑی تھی؟ اس وقت انگریز کا ظلم وجور اور تعدی وستم اپنے نقطہ عروج پر تھا۔ لیکن حجۃ السلامؒ اپنی حیات سے بے نیاز ہوکر اس موقع پر بھی آنحضرت ﷺ کی سنتِ اضطراری کو ترک کرنے پر باوجود شدید اصرار کے آمادہ نہ ہوئے اور تین دن کے بعد فوراً باہر نکل آئے اور کھلے بندوں پھرنے لگے اور اس روپوشی کی حالت میں بھی آقائے نامدار ﷺ سے اپنے عشق کا تعلق اور رابطہ مستحکم ہی رکھا اور اس نازک حالت میں بھی سنت پر نگاہ جمی رہی۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام

1857ء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہؒ کی قیادت میں ہندستان سے غیر ملکیوں کا قبضہ اٹھانے کے لئے جنگ لڑی۔ لیکن جنگ میں شکست ہوگئی اور ملک پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔ اس سے تمام ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے اور ان میں احساسِ کمتری کے ساتھ ایک عام مایوسی پھیل گئی۔ ادھر مشنریوں نے عیسائی اقتدار کے زیر سایہ صاف صاف یہ اعلان کرنا شروع کر

دیا کہ انگریزوں کے لئے یہ ملک (ہندوستان) عیسیٰ مسیح کا عطیہ اور امانت ہے۔اسی لئے اس میں مسیح مذہب ہی کی اشاعت اور ترویج ہمارا نصب العین ہے اور ساتھ ہی کھلے بندوں ہندوستان کے تمام مذاہب اور خصوصیت سے اسلام پر اعتراضات اور تواہمات کی بوچھاڑ بھی شروع کر دی۔نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے باشندے مایوسی میں مبتلا ہوکر اور بالخصوص مسلمان اس ابھرتی ہوئی مغربی تہذیب وتعلیم سے الحاد دہریت کی ضد میں بہنے لگے اور صاف نظر آنے لگا کہ اگر یہی لیل ونہار رہے تو وہ دن دور نہیں کہ آئندہ نسلیں خواہ وہ کسی بھی دور کی ہوں خود اپنے اخلاقی نظام اور تہذیب وکلچر سے بیگانہ محض ہوکر رہ جائیں گی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے نور معرفت سے وقت کی رفتار اور اس کے خطرناک نتائج کا اندازہ لگایا اور بارشادات غیب ہندوستان کے تمام باشندوں کو بجائے آپس میں الجھنے کے ایک عالمی نقطہ نظر میں ڈال دینے اور قوم میں ایک ذہنی انقلاب لانے کی ضرورت محسوس فرمائی۔تاکہ یہ احساسِ کمتری دور ہو۔اس لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے تعلیم وتربیت کا راستہ اختیار فرمایا۔جو بے ضرر اور رسمی سیاست سے دور تھا۔ چنانچہ 1857ء کے انقلاب کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی ایمانی فراست سے چھپے ہوئے اقتدار کا نعم البدل تعلیمی راہ سے حریت فکر کے بقاء وارتقاء کو قرار دیا اور اپنا یہ عظیم مقصد ۱۲۸۳ھ (1866ء) میں دارالعلوم دیوبند کا قیام فرما کر بآسانی حاصل کرلیا۔اس الہامی نقطہ فکر کے تحت دارالعلوم دیوبند محض ایک مدرسہ نہیں بلکہ حریت فکر اور استقلال وطن کے جزبات کو زندہ رکھنے کی ایک ہمہ گیر مکتب فکر اور عظیم تحریک ہے۔دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے مقصد کی اہمیت کے تحت ملک گیر پیمانہ پر مدارس قائم فرمانا شروع کئے اور بنفس نفیس خود جاکر،مرادآباد،گلاؤٹھی،امروہہ،مظفرنگر وغیرہ میں مدارس قائم فرمائے اور جابجا اپنے متوسلین کو زبانی اور خطوط کے ذریعہ قیام مدارس کی ہدایت فرمائی چنانچہ بہت سے مدارس،ہندوستان میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی زندگی میں قائم ہوئے اور پھر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حریت فکر کے امین فضلاء نے

پورے ملک میں حتیٰ کہ انہیں فضلاء نے ایشیاء افریقہ اور یورپ کے ممالک میں بھی اسی قاسمی طرز فکر پر تعلیم گاہیں قائم کی اور میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ آج انگلستان میں یہ قاسمی فکر فروغ پا رہا ہے۔ عالمی پیمانہ پر ہندوستان میں مفت تعلیم کا سب سے پہلا عوامی مرکز مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہے جس کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو صاحب دل علماء اور صداقت شعار رفقاء کار حضرت مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا ذوالفقار علی، صاحب حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ وغیرہ کا مخلصانہ تعاون حاصل رہا۔ یہ ہی دارالعلوم دیوبند آج ایشیاء کی سب سے بڑی اسلامی مرکزی اور اقامتی یونیورسٹی بن کر ایک خاص مکتب فکر کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت وعظمت کا حامل ہے۔

عشق محمدی ﷺ پر چند واقعات

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور آپ کے رفقاء کار اور عقیدت مندوں کی جس درجہ اور جس قدر والہانہ عشق ومحبت اور اخلاق وعقیدت جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے اس کا انکار بغیر کسی متعصب اور سوائے کسی معتصت کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ رومانی افسانوں میں مجنوں بنی عامر کے عشق ومحبت کے بڑے بڑے افسانے زبان زدِ خلائق ہیں۔ لیکن اگر مجنوں سگ کوچہ لیلیٰ پر فدا تھا تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور اس کے رفقاء کار مدنیہ طیبہ کی مبارک گلیوں کے ذرات پر قربان ونثار تھے۔ اگر مجنوں لیلیٰ کے عشق میں مجبور ومقہور تھا تو یہ حضرات عشق محمد ﷺ میں بے چین وبے قرار تھے۔ اگر مجنوں لیلیٰ کی اداؤں پر مفتون تھا تو یہ حضرات اپنے آخر الزماں نبی ﷺ کی پیاری سنتوں کے شیدائی تھے اگر مجنوں لیلیٰ کے انس والفت میں گرفتار تھا تو یہ حضرت آنحضرت ﷺ کے تعلق وعلاقہ پر نثار تھے اور آپ کے لگاؤ اور آپ کی پسند کو جان عزیز سے بھی زیادہ قیمتی سمجھتے تھے کیونکہ وہ یہ جانتے تھے اور دل سے مانتے تھے دینی اور دنیوی تمام لذتوں کا سرچشمہ ہی اس برگزیدہ ہستی ۔ کے ساتھ موّدت اور عقیدت ہے جن کے ارشاد وفرمودہ ایک جملے کے مقابلے میں دنیا بھر کے لعل وگوہر اور ہفت

اقلیم کی دولت اور خزانے قطعاً کوئی رقعت اور حیثیت نہیں رکھتے اور جن کے پیارے اقوال وافعال اور اسوۂ حسنہ کے مقابلے میں کوئی لذیذ سے لذیذ اور خوش آئند سے خوش آئند چیز بھی ایک رتی بھر کا وزن نہیں رکھتی جن کے اسم گرامی دنیا کی تمام شیرینیوں اور شربتوں سے میٹھا اور جن کی ایک ادنیٰ سنت بھی جوہرات سے مرصع تاج شاہی سے بھی زیادہ مرغوب وپسندیدہ ہے کیا ہی خوش قسمت ہے وہ قوم جس کو جناب رسول اللہ ﷺ جیسا افضل المخلوقات نبی اور آپ کی شریعت جیسی پیش بہا شریعت مل گئی جس کے بعد کسی اور خوبی کی سرے سے کوئی حاجت باقی ہی نہیں رہتی۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے عشق نبویؐ کے واقعات قولی اور فعلی تو بہت کچھ ہیں جن کے بیان کرنے کے لئے دفتر درکار ہیں۔ ہم صرف چند واقعات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ہندوستان میں بعض حضرات سبز رنگ کا جوتا بڑے شوق سے پہنتے تھے۔ اور اب بھی پہنتے ہیں لیکن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایسا جوتا مدت العمر کبھی نہیں پہنا اور اگر کوئی تحفۃً لا دیتا تو اس کے پہننے سے اجتناب وگریز کرتے اور آگے کسی کو ہدیہ دے دیتے اور سبز رنگ کا جوتا پہننے سے محض اس لئے گریز کرتے کہ سرور کائنات آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے گنبد خضرا کا رنگ سبز ہے۔ پھر بھلا ایسے رنگ کے جوتے پاؤں پر کیسے اور کیوں استعمال کئے جا سکتے ہیں؟ چنانچہ شیخ العرب والعجم حضرت استاذنا المکرم مولانا حسین احمد مدنیؒ (المتوفی ۱۳۷۷ھ 1958ء) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں کہ:۔ ''تمام عمر سبز رنگ کا جوتا اس وجہ سے کہ قبہ مبارک سبز رنگ کا ہے نہ پہنا اگر کوئی ہدیہ لے آیا تو کسی اور کو دے دیا'' اندازہ کیجئے اس نظر بصیرت کا گنبد خضراء کے ظاہری رنگ کے ساتھ کس قدر عقیدت والفت ہے جس کے اندر عظیم المرتبت مکین آرام فرما ہیں۔ جن کی نظر جن کی مثال اور جن کا ثانی خدا کی ساری مخلوق میں نہ آج تک وجود میں آیا اور نہ قیامت تک آسکتا ہے علامہ اقبال مرحوم نے شاید اسی کی ترجمانی کی ہے۔

رُخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ

نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

(۲) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ سے کئی میل دور ہی سے پابرہنہ چلتے رہے۔ آپ کے دل اور ضمیر نے یہ اجازت نہ دی کہ دیار حبیب ﷺ میں جوتا پہن کر چلیں حالانکہ وہاں سخت نوکیلے سنگر اور چبھنے والے پتھروں کی بھر مار ہے چنانچہ حضرت مولانا سید مناظر حسین گیلانیؒ جناب مولانا حکیم منصور علی خان صاحب حیدر آبادیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں جو اس سفر حج میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے رفیق سفر تھے:۔ ”مولانا مرحوم مدینہ منورہ تک کئی میل آخری شب تاریخ میں اسی طرح چل کر پابرہنہ پہنچ گئے۔

اور نیز حکیم صوفؒ کے حوالہ ہی سے رقم فرماتے ہیں کہ:۔ ”جب منزل بہ منزل مدینہ شریف کے قریب ہمارا قافلہ پہنچا، جہاں روضہ پاک صاحب لولاک نظر آتا تھا۔ فوراً جناب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے نعلین اتار کر بغل میں دبا لئے اور پابرہنہ چلنا شروع کر دیا“۔

ملاحظہ فرمایئے: کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مدینہ طیبہ اور گنبد خضراء کے ساتھ کس قدر عقیدت اور کیسی فریفتگی تھی دیکھئے کہ تادّب حسن کا کیا ہی بہترین طریقہ اختیار فرما کر اپنی فرط محبت کا اظہار فرمایا اور یہ ساری عقیدت و محبت جناب امام الانبیاء خاتم الرسل حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اس سنگلاخ رقبہ اور پتھریلی زمین کی فی نفسہ کیا قدر ہے؟ جو کچھ بھی ہے اور جتنی کچھ بھی ہے وہ حبیب کبریا ﷺ ہی کی بدولت ہے ۔اور آپ ہی کے واسطہ سے ہے۔

زندگی کے آخری ایام

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جب ۱۲۹۵ھ (1878ء) میں حج کے لئے

تشریف لے گئے تھے جس سفر حج میں جلیل القدر اور اس دور کے مشاہدہ علماء کی ایک جماعت شریک تھی، اس حج سے واپسی میں جہاز کے اندر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سخت بیمار ہو گئے، جہاز میں علاج کی سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے مرض بڑھتا چلا گیا، جہاز میں وبائی بیماری انتہائی تشویش ناک تھی، ہمارے ملک کی آب وہوا اور مزاج کے لحاظ سے جو علاج ہونا چاہیئے تھا وہ میسر نہ آسکا، اس لئے کمزوری اور نکاہت اس درجہ بڑھ گئی کہ اٹھنے بیٹھنے سے معزوری ہو گئی، جہاز کے ڈاکٹر نے بعض دوائیں دیں اور مرغ کا جوس پلانے کے لئے کہا اور خود ہی مرغ بھی فراہم کر دیا جس کی وجہ سے قدرے افاقہ رہا۔ عدن کے مقام پر جہاز روک دیا گیا مگر جہاز والوں کو جہاز سے اترنے اور شہر جانے سے منع کر دیا گیا، اسی لئے یہاں بھی ضرورت کی دوائیں میسر نہیں ہوئیں البتہ کچھ لیموں اور کچھ سنترے مل گئے جب اس کا استعمال ہوا تو طبیعت قدرے سنبھلی۔ آپ کی بیماری کی حالت میں جہاز بمبئی پہنچا۔ اس سفر میں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا محمد منیر نانوتویؒ اور حکیم منصور آبادیؒ خصوصی تیمار دار تھے، ہمہ وقت ایک شخص آپ کے پاس ضرور رہتا تھا بمبئی پہنچ کر قدرے افاقہ ہوا اور بدن میں اتنی طاقت آگئی کہ اٹھنے بیٹھنے لگے تھے۔ لیکن ضعف ونقاہت کہ وجہ سے جہاز سے اترنے کے فوراً بعد ہی ٹرین کا سفر نہیں کیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہاں کچھ دن ٹھہر کر بہتر علاج معالجہ کے بعد جب جسم میں کچھ طاقت آجائے جب ٹرین میں سفر کیا جائے۔ تقریباً تین چار دن آپ حضرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا علاج بمبئی میں کراتے رہے۔ طبیعت صحت کی طرف لوٹ رہی تھی جسم میں طاقت بھی کچھ آنے لگی تھی تب ٹرین کا سفر شروع ہوا، اور اپنے وطن کے لئے بمبئی سے روانہ ہوئے۔ وطن آنے کے بعد اصل مرض تو ختم ہو گیا لیکن ضیق النفس اور کھانسی جم گئی، اور دورے پڑنے لگے، جب بھی گفتگو فرماتے کھانسی بڑھ جاتی مگر اسی علالت میں آپ نے اسباق شروع کر دیئے اور ترمذی شریف طلباء کی ایک جماعت کو پڑھانے لگے، مولانا عبدالرحمٰن محدث امروہویؒ نے اس دور میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور آپ کے اس درسِ ترمذی میں وہ

شریک تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ایک مخلص عقیدت مند ڈاکٹر عبدالرحمٰن تھے جو مظفر نگر جیل کے سرکاری ڈاکٹر تھے۔ ان کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی بیماری کی تفصیل معلوم ہوئی تو انہوں نے ازخود اپنی خدمات پیش کیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے جب منظور فرمالیا تو ڈاکٹر صاحب آپ کو مظفر نگر لے گئے، اب معالج بھی وہی تھے اور تیمار دار بھی وہی، بلکہ ساری خدمت وہی انجام دیتے تھے مظفر نگر جانے کے بعد علاج کے ابتدائی مرحلہ میں افاقہ ہوا اور آرام کی صورت نظر آئی مگر اصل مرض باقی رہا اور ہر وقت خفیف سے حرارت رہا کرتی تھی، یونانی ایلوپیتھی، اور آیورویدک طریقہ علاج اختیار کیا جاتا رہا، مہنگی سے مہنگی اور بیش قیمت سے بیش قیمت دوائیں فراہم کی گئیں لیکن کوئی فائدہ نظر نہیں آرہا تھا۔ سانس کا دورہ بڑھتا ہی جارہا تھا جس کی وجہ سے لاغری اور ضعف اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ اب اٹھنا بیٹھنا بھی دشوار ہوتا جارہا تھا لیکن قوت ارادی اب بھی پہلے جیسی ہی تھی، تحمل اور جو آپ کا امتیازی وصف تھا وہ بیماری میں بھی اپنی جگہ قائم رہا۔

وفات...... ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ (اپریل 1879ء) کی تاریخ اور جمعرات کا دن تھا کہ بعد نماز ظہر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے اس دار فانی سے رخ مبارک موڑ لیا ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' ہر طرف صف ماتم بچھ گئی، جانثاروں اور عقیدت مندوں میں کہرام مچ گیا، ہر چہرہ آنسوؤں سے تر ہوگیا، انتقال کے وقت آپ کی عمر ۴۹ سال تھی۔

تدفین...... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے گورِ غریباں میں دفن کیا جائے، حکیم مشتاق احمد دیوبندیؒ نے ایک زمین خرید کر اس کو قبرستان کے لئے وقف کر دیا تھا، اسی زمین میں قبر کی جگہ تجویز کی گئی۔ عصر کے وقت جنازہ تیار ہوگیا اور مدرسہ کے صحن میں لاکر رکھ دیا گیا، نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے یہاں نماز جنازہ کی گنجائش نہیں تھی اس لئے قصبہ کے باہر میدان میں نماز جنازہ ادا کی

گئی اور مغرب کے بعد تدفین عمل میں آئی۔ (سوانح قاسمیؒ)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم دیوبند کی داغ بیل اور ان علمائے ربانین نے ڈالی تھی جو سراپہ خلوص وللہیت تھے۔ ان کا دل ودماغ ملت اسلامیہ کے شاندار مستقبل کے لئے بے چین تھا۔ انہوں نے اپنے کو اشاعت دین اور ترویج علوم دینیہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ رب العالمین نے دارالعلوم اور اس کی خدمت کو مقبولیت عطا فرمائی اور اس نے ملک اور بیرون ملک کی دینی علمی، اخلاقی اور اصلاحی جو خدمات عظیمہ انجام دی ہیں وہ کبھی بھلائی نہیں جا سکتی ہیں۔ یہاں سے ہزاروں علماء اور صوفیاء پیدا ہوئے جن میں بہترین محدثین، فقہاء، مصنفین اور مبلغین کا جم غفیر بھی ہے۔ اور رشد وہدایت اور تزکیۂ باطن کرنے والوں کی ایک لمبی جماعت بھی ہے بلکہ ان میں وہ لوگ بھی بڑی تعداد میں ہیں جنہوں نے ملک کی آزادی اور یہاں کے باشندوں کی اصلاح کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اسلامی روح کی حفاظت کی۔ اور اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے کی کامیاب کوشش فرمائی۔ حضرت نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اعتقادی اور معاشرتی اصلاح کی زبردست جدوجہد کی۔ انہوں نے اسلامی مسائل کو عقلی دلائل سے مستحکم کیا۔ تباہ کن رسم ورواج کی مخالفت کی۔ ان اکابرین نے اسلامی عقائد، سماجی رسوم، دینی تعلیم وتربیت اور سیاسی جدوجہد کے گوناگوں مقاصد بروئے کار لانے کے لئے دینی مدارس کے قیام کو ضروری قرار دیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کی تحریک کو شرف قبول عطا فرمایا۔ ملک کے طول وعرض میں ہر طرف لوگوں نے اس کی آواز پر لبیک کہا۔ اوہام ورسوم اور شرک وبدعت کے جو گھرے بادل

ہندوستان کی فضاؤں میں چھائے ہوئے تھے، رفتہ رفتہ چھٹنے شروع ہو گئے اور ان کی جگہ کتاب وسنت کے احکام پر عمل کیا جانے لگا۔ دارالعلوم کا قیام جن مقاصد کے لئے عمل میں لایا گیا ان میں قرآن مجید، تفسیر، حدیث، عقائد وکلام اور ان کے علوم کے متعلقہ ضروری اور مفید فنون عالیہ کی تعلیم دینا اور مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پہنچانا، رشد وہدایت اور تبلیغ کے ذریعے اسلام کی خدمت انجام دینا اور اعمال واخلاق کی اصلاح وترتیب کرنا شامل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے وصال کے بعد دارالعلوم کے سرپرست ثانی قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے قاسمی طرز فکر کے ساتھ دارالعلوم کی تعلیمات میں فقہی رنگ بھرا جس سے اصول پسندی کے ساتھ فروغ فقیہہ اور جزئیاتی تربیت کا قوام بھی پیدا ہوا اور اس طرح فقہ اور فقہاء کے سرمایا کا بھی اس میراث میں اضافہ ہو گیا۔ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو علم حدیث، فقہ اور تصوف سے بہت زیادہ شغف رہا۔ ہزار ہا انسانوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے استفادہ کیا ۔حضرت گنگوہیؒ نے علماء وفقہاء کی تربیت فرمائی اور انہیں دین کے بارے میں اتنا راسخ اور مستحکم بنادیا کہ ان افراد پر کوئی بھی فتنہ اثر انداز نہ ہوسکا۔ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اپنے وقت کے امام ملت، قطب عالم، نمونہ علم وعمل، رشد وہدایت کا مرکز، عظیم مصلح ،مربی اخلاق اور قومی وملکی امور میں مسلمہ قائد تسلیم کئے گئے۔ 1875ء کے انقلاب میں قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے دوش بدوش قائدانہ حصہ لیا تھا۔ اور نو ماہ تک اسیر فرنگ رہے تھے۔ جن لوگوں نے ان سیاسی اور جہادی خدمات پر پردہ ڈالنا چاہا ہے خواہ اپنی لاعلمی اور معاملات کی بے خبری کی بناء پر یا اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے ان کی مصلحت اندیشی باخبر لوگوں کے نزدیک لغو ہے۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں کہ

"1857ء میں خانقاہ قدوسی سے مردانہ وار نکل کر انگریزوں کے خلاف صف آراء

ہو گئے اور اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور دوسرے رفقاء کے ساتھ شاملی کے مارکہ جہاد میں شامل ہو کر خوب داد شجاعت دی۔ جب میدان جنگ میں حضرت حافظ ضامن شہید ہو کر گرے تو قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ان کی لاش اٹھا کر قریب کی مسجد میں لے گئے اور پاس بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی۔ معرکہ شاملی کے بعد گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا۔ اور قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو گرفتار کر کے سہارنپور کی جیل بھیج دیا گیا پھر وہاں سے مظفر نگر منتقل کر دیا گیا۔ چھ ماہ جیل میں گزرے۔ وہاں بہت سے قیدی قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے معتقد ہو گئے اور جیل خانے میں جماعت کے ساتھ نماز ہونے لگی۔ رہائی کے بعد گنگوہ میں آپؒ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایا ۱۲۹۹ھ میں تیسرے حج کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے یہ التزام کیا کہ ایک سال کے اندر اندر پوری صحاح ستہ ختم کرا دیتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ صبح سے بارہ بجے تک طلباء کو پڑھاتے تھے۔ آپ کی درس کی شہرت سن سن کر طلباء حدیث دور دور سے آتے تھے۔ کبھی ان کی تعداد ستر اسی تک پہنچ جاتی تھی۔ جن میں ہند و بیرون ہند کے طلباء شامل ہوتے تھے۔ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ طلباء کے ساتھ نہایت محبت وشفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ درس کی تقریر ایسی ہوتی تھی کہ ایک عامی بھی سمجھ لیتا تھا۔ آپ کے درس حدیث میں ایک خاص خوبی یہ بھی تھی کہ حدیث کے معمول کو سن کر اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا تھا۔ جامع ترمذی کی درسی تقریر، الکوکب الدری، شائع ہو چکی ہے۔ جو مختصر ہونے کے باوجود ترمذی کی نہایت جامع شرح ہے۔

۱۳۱۳ھ تک قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا درس جاری رہا۔ سو سے زائد حضرات نے آپ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ درس حدیث میں آپ حضرت گنگوہیؒ کے آخری شاگرد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب کاندھلویؒ تھے۔ آخر میں نزول الماء کی وجہ سے درس بند ہو گیا تھا مگر ارشاد وتلقین اور فتویٰ کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ذکر اللہ کی تحریص وترغیب پر بڑی توجہ تھی جو

لوگ خدمت میں حاضر ہوتے رغبت آخرت کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لے کر جاتے تھے۔اتباع سنت کا نہایت احترام فرماتے تھے۔ ۱۲۹۷ھ میں حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند کے سرپرست ہوئے۔مشکل حالات میں دارالعلوم کی گھتیوں کو سلجھا دینا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی بڑی خصوصیت تھی۔ ۱۳۱۴ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی سرپرستی بھی قبول فرمائی تھی۔فقہ اور تصوف میں تقریباً چودہ (۱۴) کتابیں تصنیف فرمائیں۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔اس سلسلے میں حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ نے ''سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتویؒ'' میں لکھا ہے کہ:۔

''جناب مولوی رشید احمد گنگوہیؒ اور مولوی محمد قاسم صاحب سے اسی زمانے میں ہم سبق اور دوستی رہی ہے۔آخر میں حدیث جناب شاہ عبدالغنی صاحبؒ کی خدمت میں پڑھی اور اسی زمانے میں دونوں صاحبوں نے جناب قبلہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب دام ظلہ سے بیعت کی اور سلوک شروع کیا۔'' چنانچہ انہوں نے بڑی تیزی سے سلوک کی منزلیں طے کرلیں اور صرف چالیس دن کی قلیل مدت میں خلافت سے سرفراز ہوگئے اور گنگوہ واپس آکر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے حجرے میں اپنا قیام گاہ بنایا۔اس دوران میں مطب ذریعہ معاش رہا، ہزاروں افراد کی اصلاح فرمائی۔اور بڑے بڑے نامور علماء ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اسی طرح سے ان کی تلامذہ اور خلفاء ایک وسیع حلقہ بن گیا جن میں سے کئی حضرات تو رشد و ہدایت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور پھر ساری عمر اصلاح و تربیت مخلوق خدا میں مصروف رہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قدس سرہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ علم و فضل میں یگانہ روزگار ہونے کے ساتھ زہد و تقویٰ اور سادگی و تواضع و فنائیت میں

بھی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آ گئی۔ سب طلباء کتابیں لے کر اندر کو بھاگے مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے۔ کہ اٹھا کر لے چلیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صحبت میں یہ اثر تھا کہ کیسی ہی پریشانی یا وساوس کی کثرت کیوں نہ ہو۔ جوں ہی آپ کی صحبت میں بیٹھے قلب میں ایک خاص قسم کا سکون اور جمعیت حاصل ہوئی۔ جس سے سب کدورتیں رفع ہوگئیں اور قریب آپ کے کل مریدوں میں عقائد کی اصلاح، دین کی پختگی، خصوصاً حب فی اللہ و بغض فی اللہ بدرجہ کمال مشاہدہ کیا جاتا۔ یہ سب برکت قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صحبت کی ہے''۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ قدس سرہ نے قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے تفقہ کے مقام بلند کی بناء پر ''ابوحنیفہ عصر'' کا لقب تھا اور وہ اپنے عہد میں اس لقب سے معروف تھے۔ اسی طرح استاد المکرّم امام والعصر علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ جیسے بلند پایہ عالم و محقق جو علامہ شامیؒ کو ''فقیہ النفس'' کا مرتبہ دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو فقیہ النفس فرمایا کرتے تھے۔ بہر حال حضرتؒ کے مقام و مرتبہ اور علم و فضل کا کیا ٹھکانہ؟ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ۸،۹ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ بروز جمعہ ازان کے بعد ۷۸ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند میں یہ سب سے بڑا حادثہ تھا۔ حق تعالیٰ شانہ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے درجات بلند فرمائیں۔

چند واقعات و کرامات

نماز کا شوق اور غیبی حفاظت

ساڑھے چھ سال کی عمر تھی کہ آپ سے ایک ایسی کرامت حسّیہ اور استقلال و توکل کا

ظہور ہوا کہ جس سے آپ کے مقبول بارگاہ احدیت ہونے کا پتا چلتا ہے۔ آپ بچپن ہی میں نماز کے پابند تھے۔ جمعہ کا قصہ تو گزر ہی چکا۔ عام نمازوں کے اوقات کا بھی خیال رکھتے۔ ایک دن شام کو ٹہلتے ٹہلتے قصبہ سے باہر نکل گئے وہاں غروب آفتاب کا وقت ہو گیا تو احساس ہوا کہ مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ عباس کے پھولوں کی دو جھڑیاں ہاتھ میں لے کر بسرعت پلٹے پہلے گھر آئے اور والدہ کو جھڑیاں پکڑائیں کہ یہ رکھو میں نماز پڑھنے جاتا ہوں۔ جھپٹتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے تو جماعت کھڑی تھی۔ وضو کے لئے لوٹوں کی طرف بڑھے تو خالی تھے۔ دیر میں اور دیر ہوئی گھبرا کر پانی کھینچنے کے لئے کنویں میں ڈول ڈالا ڈول وزنی تھا گھبراہٹ میں رسی پاؤں میں الجھ گئی تھی ہاتھ پاؤں جماعت کے فوت ہونے کے خدشہ سے پھولے ہوئے ذرا سا جھٹکا لگا اور دھڑام سے کنویں میں گر گئے نمازیوں کو نماز میں احساس ہوا کہ کوئی کنویں میں گر گیا امام صاحب نے جلدی نماز پوری کرائی۔ اور تمام نمازی جلد کنویں کی طرف لپکے اب ہر ایک کنویں میں جھانکنے لگا اندر سے آواز آتی ہے...... "گھبراؤ نہیں میں بہت آرام سے بیٹھا ہوں"...... قدرت حق تعالیٰ یہ ہوئی کہ ڈول الٹا پانی میں گرا آپ جب گرے تو حواس مجتمع کر کے فوراً اس پر بیٹھ گئے جب آپ کو باہر نکالا گیا تو معلوم ہوا کہ پاؤں کی چھوٹی انگلی میں خفیف سے خراش آئی ہے اور بس ......اب اس قصہ سے استقامت و استقلال اور مصیبت میں نہ گھبرانا۔ اطمنان سے نماز ختم ہونے تک بیٹھے رہنا کشائش و فرج من اللہ کا انتظار دوسروں کو اطمینان دلانا خدا پر توکل و اعتماد اور مقدمات نماز میں تکالیف کا ایسا تحمل کہ کلمہ شکایت زبان پر نہ آئے یہ سب باتیں ظاہر کرتیں ہیں کہ ابتداء ہی سے آپ اللہ کی حفاظت و رہنمائی میں فطرت کی راہوں پر چلتے ہوئے عمدہ خصائل و عادات کے حامل تھے۔ (تذکرۃ الرشید)

طلبہ کے جوتے اٹھائے

ایک دفعہ درس حدیث میں بارش شروع ہوگئی طلبہ نے جلدی جلدی کتابیں اور

تپائیاں، کتابیں رکھنے والے چھوٹے میز اٹھائے اور چل دیئے۔ اس کے بعد طلبہ نے دیکھا حضرت مولاناؒ نے اپنے کندھے کی چادر میں طلبہ کی جوتیاں ڈالی ہوئی ہیں اور اٹھائے چلے آرہے ہیں۔ طلبہ بہت نادم اور حیرت زدہ ہوئے فرمایا کہ: اس میں کون سی بری بات ہے۔ تمہاری خدمت کرنا تو میری نجات کا باعث ہے طلبائے دین کے لئے تو حدیث شریف کے الفاظ میں مچھلیاں سمندر میں چونٹیاں بلوں میں دعا کرتی ہیں اور فرشتے تمہارے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں اور تم تو مہمان رسول اللہ ﷺ ہو۔ کہ حدیث پڑھنے آئے ہو

حضرت طلبہ کی مدارات اور عزت وتکریم میں ہر وقت کوشاں رہتے اگر کسی کو کوئی غم یا فکر لاحق ہوتا تو صبر وتسلی کے کلمات سے تسکین بخشتے جس طرح ان کے اپنے دل میں طلبہ دین کی عزت تھی چاہتے تھے کہ دوسرے بھی ان کی اسی طرح عزت کریں۔ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو یہ ہرگز گوارہ نہ تھا کہ کوئی ان کو بانظر حقارت دیکھے۔ ایک طالب علم کا کھانا کسی جگہ لگایا ہوا تھا اس کو دیکھا کہ کھانا کھلا ہوا بغیر کسی کپڑے وغیرہ کے لارہا ہے پوچھا کھانا کہاں مقرر ہے، اس نے آپ کے کسی رشتے دار کا نام لیا فرمایا کہ اچھا وہاں سے کھانا نہ لانا ہمارے گھر سے آیا کرے گا۔ ادھر اپنے رشتہ دار سے ناراضگی کے کلمات کہلا بھیجے کہ اس وجہ سے اس کو اس طرح کھانا دیتے ہو کہ یہ پردیسی ہیں ان کو دروازے کا فقیر سمجھا گیا سو کیا مضائقہ ہے "ملک خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست" تم اپنی روٹی اپنے پاس رکھو خدا ان کا اور جگہ انتظام کر دے گا۔ وہ عفت مآب عورت جن کے گھر سے کھانا آتا تھا حاضر ہو کر معذرت خواہ ہوئیں اور خطا معاف کروائی اور کہا آئندہ دسترخوان میں کھانا ڈھک کر تعظیم کے ساتھ پیش کیا کروں گی۔ آپ نے منظور فرمالیا۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بیک وقت طلبہ کے استاد بھی تھے اور شیخ بھی۔ اگرچہ طلبہ آپ سے رسمی بیعت نہ کرتے ہوں تاہم آپ دونوں چیزوں کو ملحوظ رکھ کر طلبہ کی ہر طرح اصلاح وتربیت فرماتے تھے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی زندگی کا مشن

ہی یہ تھا کہ لوگوں کے عقائد واعمال درست کئے جائیں۔شرک وبدعت کی رد کی جائے تاہم سبق پڑھتے وقت اس کا بہت زیادہ اہتمام تھا شرک وبدعت کا جگہ جگہ قلع قمع فرماتے۔توحید واتباع سنت کی ترغیب دیتے صرف زبانی نصیحت پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ ضرورت پڑنے پر تیزی اور سختی بھی فرماتے اور اس کے توجہ قلبی اور روحانی فیضان سے تاریک دلوں کو منور کرتے اور زنگ دور فرماتے۔بعض اوقات طلبہ کا پورے کا پورا حلقہ محو حیرت ہوتا کہ جلسہ کا جلسہ آسمانی سکینت کے نزول کا احساس کر رہا ہے سلوک ومعرفت کے حقائق دوران درس بیان فرماتے کہ طلبہ کو وجد آجاتا غرض یہ کہ طلبہ کی ہر طرح دیکھ بھال کرتے ان کی نشست برخاست چال ڈھال گفتار وکردار وضع قطع ہر چیز کا خیال رکھتے۔اگر کسی طالب علم کو دیکھتے کہ وہ اپنے پڑھے ہوئے عمل پر پیرا نہیں ہے تو جب تک اس میں خوشگوار تبدیلی پیدا نہ ہوجاتی حضرت گنگوہیؒ بے چین رہتے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ طلبہ کی ہر وقت کڑی نگرانی رکھتے تھے۔اگر کوئی طالب علم ایسا نظر آتا کہ اس کے متعلق یہ محسوس فرماتے کہ اس میں کچھ کجی ہے جو درست نہیں ہوسکتی اور یہ پڑھ لکھ کر لوگوں کو گمراہ کرے گا یا پھر سلسلہ کی بدنامی کا باعث بنے گا تو اس کا سبق شروع نہ کرتے لطائف الحیل سے ٹال دیتے یا روکھا پن دکھاتے کہ وہ خود ہی چلا جائے۔ہاں جس طالب علم کو سعید پاتے تو اس کی دلداری فرماتے۔بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے۔

پہلا حج اور کرامات کا ظہور

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دن بڑی غربت اور تنگ دستی میں گزرے تھے۔لیکن حرمین شریفین کی حاضری کے لئے آب ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہے لیکن صورت حال یہ تھی کہ آپ کی اقتصادی حالت اس قدر کمزور تھی کہ بمشکل اہل وعیال کی گزران ہوتی تھی بلکہ یہاں تک کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خواہش یہ ہوتی کہ جس

حال میں پڑا ہوں اسی گمنامی و گوشہ نشینی کی حالت میں پڑا رہوں کسی آنکھ یا کان کو اس کی خبر نہ ہو۔ان حالات میں حرمین شریفین تک آنا جانا کیسے ہو؟ لیکن جب طلب سچی ہو تو اللہ تعالیٰ اسباب پیدا فرما دیتے ہیں، ڈپٹی عبدالحق رامپوری کا قصد حج ہوا اور انہوں نے اپنے اہل وعیال اور متعلقین و وابستگان کا ایک جم غفیر ساتھ لے جانا چاہا حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری جو حضرت حافظ شہید سے خلیفہ مجاز تھے۔ ڈپٹی صاحب کے احباب میں سے تھے۔ڈپٹی صاحب نے حکیم صاحب کو بھی ساتھ لیا حکیم صاحب قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے عشاق میں سے تھے۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ میرے پیر ومرشد نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے زانوں پر جام شہادت نوش فرمایا تھا حکیم صاحب نے قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ذکر کیا تو ڈپٹی صاحب بلا ادنیٰ تامل مان گئے بلکہ اس پر خوشی کا اظہار کیا کہ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسا محب رسول متبع سنت ہمارے قافلے میں شریک ہو۔ مولوی ابوالنصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ماموزاد بھائی جو حضرت کے بچپن کے ساتھ اور جان نثار رفیق تھے ان کو جب علم ہوا کہ مولانا سفر حج پر جا رہے ہیں تو انہوں نے اپنا اثاثہ اونے پونے بیچ کر معہ اہلیہ معیت اختیار کی۔ان دنوں سفر حج انتہائی دشوار تھا۔اور فرائض حج کی ادائیگی سب فرائض سے مشکل تھی۔ایسا بھی ہوتا کہ دخانی کشتیاں تین تین چار چار ماہ سمندر میں ہچکولے کھاتی رہتیں۔قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے سفر میں سخت طوفان آیا تمام مسافر گھبرا گئے۔مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نہایت پرسکون تھے لوگوں کی گھبراہٹ پر انہیں یہ کہہ کر تسلی دی کہ ”بھئی کوئی مرے گا تو ہے نہیں ہم تو کسی کے بلائے ہوئے جا رہے ہیں خود نہیں جا رہے“ اور جہاز جب اصلی حالت پر آیا تو کپتان نے گھڑی دیکھ کر بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس طوفان کی وجہ سے ہمیں آٹھ دن کی مسافت تین دن میں طے کرا دی ہے۔

دوسرا حج ......قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے دوسرا حج ۱۲۹۴ھ بھی کیا۔اور اس سفر حج میں اللہ کے ایسے ایسے نیک بندوں نے شرکت کی کہ شاید

ہندوستان میں اس سے پہلے اور اس کے بعد کی نظیر نہ مل سکے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد رفیع الدین صاحب مہتمم دور العلوم دیوبند، شیخ الہند مولانا محمد حسنؒ حکیم ضیاء الدین صاحب، مولانا محمد مظہر صاحبؒ، بانی مظاہر العلوم سہارنپور کے علاوہ تقریباً سو بڑے بڑے عالم وفاضل اس قافلے میں شریک تھے۔ اس سفر کی پورے ملک میں شہرت ہوگئی۔ لہٰذا گھر سے لے کر ساحل تک ہر جگہ فقید المثال استقبال ہوا۔ ایسے صلحاء علماء کے سفر حج پر اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات کی جو بارش ہوئی ہوگی اس کی کون اندازہ لگا سکتا ہے حضرت حاجی صاحب کو اطلاع مل چکی تھی۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت باوجود ضعف ونقاہت اور پیرانہ سالی کے مکہ معظمہ سے باہر استقبال کے لئے نجانے کتنی دیر سے انتظار کر رہے تھے۔ قافلے کے آنے پر ہر ایک سے مصافحہ کیا۔ اور سب کو تقریباً اپنے پاس ٹھہرایا ۱۲۹۵ھ میں واپسی ہوئی۔

تیسرا حج ...... ۱۲۹۹ھ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے تیسرے حج کا دفعۃً ارادہ کیا اور ایسے وقت میں کیا کہ بظاہر حج کے دنوں میں پہنچنا مشکل تھا ۴ ذی قعدہ کو گنگوہ سے روانہ ہوئے بمبئی سے جب جہاز چلا ہے تو چودہ روز حج میں باقی تھے خدا کا فضل شامل حال تھا۔ نویں دن جدہ پہنچ گئے حالانکہ آج کے تیز رفتار وقت میں بھی چھ روز میں کراچی سے جدہ پہنچا جاتا ہے اور بمبئی سے کراچی کی نسبت جدہ زیادہ دور ہے۔ کامران میں قرنطینہ کے لئے جہاز کا ٹھہرنا اشد ضروری تھا لیکن غیبی کشش کی بناء پر جہاز کشاں کشاں چلتا رہا اور باوجود کامران میں رکنے کی ہدایت کے نہ رکا جس کی وجہ سے جہاز کو تین ہزار روپے جرمانہ ادا کرنا پڑا۔ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جب مکہ پہنچتے ہیں تو اگلے دن ارکانِ حج شروع ہوگئے۔

ایک گنگوہ کے شخص اس سال کے حج کے لئے روانہ ہوئے مگر قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو خواہش کے باوجود پہلے چل دیئے اور واپس میں بھی جلد نکلے نتیجہ یہ نکلا ایک ماہ قرنطینہ کے لئے راستے میں ٹھہرنا پڑا خرچ بھی زیادہ ہوا اور وقت بھی زیادہ لگا

قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا جہاز نہ آتے ہوئے رکا اور نہ جاتے ہوئے، حضرت گنگوہیؒ کا تیسرا حج آخری حج تھا۔ اس کے بعد سفر حج کا اتفاق نہیں ہوا بالاستقلال تعلیم وتعلم میں مشغول ہو گئے۔

حوادثات اور صدمات پر صبر

دنیاوی حوادثات وصدمات قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ صبر کرنے میں کوہ استقلال تھے۔ ایک دفعہ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے پانچ عزیز آپ کا نواسہ، بیٹا، مرحوم بیٹے کی بیوی شیر خوار بچہ چھوڑ کر اور نواسی کے بعد دیگرے فوت ہو گئے لیکن قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ایسا کمال صبر کا مظاہرہ کیا کہ لوگ انگشت بدنداں تھے۔ ان کا کبھی تذکرہ نہ کرتے۔ زندگی میں تین واقعات ایسے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جانے والوں کا ذکر کیا ہے ایک مرتبہ مولانا یحییٰ کاندھلوی (قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ان کے نہایت درجہ مشفق ومہربان تھے) سے ایک موقع کی مناسبت سے فرمایا ''مولوی یحییٰ تمہاری عقل کو ہیضہ تو نہیں ہو گیا'' ان کے جانے کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ دوسرے ساتھیوں سے فرمانے لگے کہ میں نے مولوی یحییٰ کو ویسے ہی کہہ دیا ورنہ ہمارے گروہ میں سبھی ان کو عقل مند مانتے ہیں۔ انہوں نے اسباتا جواب دیا تو فرمایا..... مزاج دانی تو مسعود احمد کی ماں ہی کو تھی...... اس سے قارئین یہ خیال نہ فرمائیں کہ شاید حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو ان حوادث کا صدمہ ہی نہیں ہوا۔ صدمہ تو ہر انسان کو ہوتا ہے مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اظہار نہیں فرماتے تھے۔ بس اتنا ہی اظہار ہوتا جتنا سنت سے ثابت ہوتا ہے..... ورنہ صدمہ تو بہت ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ..... محمود احمد (بیٹے کی وفات) نے میری کمر توڑ دی..... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ایک خادم مولوی رحمت اللہ پانی پتیؒ اپنے خطوں میں ہمیشہ محمود احمد کو سلام لکھتے۔ آخر دو سال کے بعد امام ربانی نے ان کے خطوط کے جواب میں یوں تحریر فرمایا'' آپ خط میں حافظ مسعود احمد کو

سلام لکھا کریں۔ حافظ محمود احمد مرحوم دو(۲) سال ہوئے کہ اس عالم سے رحلت فرما کر مجھ ناکارہ کو پریشان وحیران کر گئے ہیں۔ جب تم اس کو سلام لکھتے ہو مجھ کو بے قراری ہو جاتی ہے ۔آئندہ اس کا نام مت لکھنا۔"

حرمین اور اس کے متعلقات سے محبت

انسان کو جس کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے اس کے تمام متعلقات سے محبت ہو جاتی ہے۔ حضرت امام ربانیؒ کے دل میں حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت از حد راسخ تھی۔ اس لئے حرمین شریفین کے خس وخاشاک تک کو آپ محبوب سمجھتے اور سر آنکھوں پر رکھتے تھے۔ مدینے کی کھجوروں کی گٹھلیاں پسوا کر رکھتے اور ان کو کبھی کبھی پھانکا کرتے تھے ۔ایک مرتبہ فرمایا کہ "لوگ زمزم کے ٹینوں اور گٹھلیوں کو یونہی پھینک دیتے ہیں یہ نہیں خیال کرتے کہ ان چیزوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی ہوا لگی ہے"۔ ایک مرتبہ مدنی کھجور کی گٹھلی پسی ہوئی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے مولانا عاشق الٰہی کو دی اور فرمایا کہ اس کو پھانک لو۔ اور ایک دفعہ مدینۃ الرسول کی مٹی عطا فرمائی کہ اسے کھالو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت مٹی کھانا تو حرام ہے آپ نے فرمایا "میاں وہ مٹی اور ہوگی۔" اگر کوئی مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ سے آپ کے لئے کوئی تبرک یا تحفہ لاتا تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس کو اس قدر خوشی سے قبول کرتے کہ ہدیہ دینے والے کا جی خوش ہو جاتا اور آپ فوراً ہی تمام حاضرین میں اس کو تقسیم فرما دیتے اور اگر کوئی شخص کوئی چیز مانگ لیتا تو فوراً ہی اسے عطا فرما دیتے اور خوش ہوتے ۔ایک دفعہ ایک شخص نے تسبیح مانگی ۔حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پاس بیش قیمت تسبیح تھی ۔ان کے حوالے کی اور فرمایا "پڑھتے رہنا ایسا نہ ہو کہ ویسے ہی رکھی ہوئی سجے"۔ حضرت امام ربانی کا جی چاہتا تھا ہر شخص حرمین شریفین سے اور وہاں سے آئی ہوئی چیزوں سے اسی طرح محبت و پیار رکھے جس طرح خود ان کو تھا۔ ایک مرتبہ مولانا محمد اسماعیل کو موم بتی کا ذرا سا ٹکڑا عنایت فرما کر کہا کہ اسے نگل جاؤ اور ایک بار غلاف کعبہ کے ریشم کا

ایک تار ایثار کیا اور کہا اس کو کھالو۔

نماز میں خشوع وخضوع کا منظر

حق تعالیٰ کی عظمت اور جلالۃ شان چونکہ آپ کی رگ رگ میں پیوست تھی اس لئے قرآن مجید کی تلاوت کے وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پر اکثر حالت کا غلبہ ہوتا، اور اگر اغیار سے مجلس خالی ہوتی تو اس کا اظہار بھی ہو جاتا تھا، آخری شب میں خالی مکان کے اندر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ آقا کے حضور میں دست بستہ کھڑے ہوتے اور نوافل میں قرآن مجید شروع فرماتے تو عموماً آپ پر گریہ طاری ہو جاتا اور پڑھتے پڑھتے رک جاتے تھے سسکیاں آپ کا حلق تھام لیتیں اور بکاء پر مجبور کرنے والی حالت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ساکت وصامت بنا دیا کرتی تھی، آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور رخسار ولحیہ پر گزرتے ہوئے موتیوں کی طرح مصلے پر گرا کرتے تھے، مولوی عبدالرحمٰن صاحب خورجوی کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں گنگوہ میں حاضر ہوا۔ رمضان کا مہینہ تھا اور تراویح میں کلام اللہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہی سنایا کرتے تھے، ایک شب آپ نے تراویح شروع کی، میں بھی جماعت میں شریک تھا، قرآن مجید پڑھتے پڑھتے آپ اس رکوع پر پہنچے جس میں خوف وخشیت دلایا گیا تھا، جماعت میں حالانکہ نصف سے کم عربی زبان سمجھنے والے تھے، اور باقی سب ناواقف، مگر آپ کے اس رکوع کی قرأت پر خوف کا اثر سب پر پڑ رہا تھا، کوئی روتا تھا اور کسی کے بدن پر لرزہ، اس رکوع کے بعد جب آپ نے دوسرا رکوع شروع کیا تو اس میں رحمت خداوندی کا بیان تھا، اس وقت دفعۃً تمام جماعت پر سرور طاری ہو گیا اور پہلی حالت یکلخت منقلب ہو گئی فرحت وانبساط کے ساتھ یہاں تک کہ بعض مقتدی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔ (تذکرہ الرشید)

نماز بیٹھ کر کبھی نہیں پڑھی

اپنے معاملہ میں آپ کا تقویٰ واحتیاط اس قدر تھا کہ مسئلہ مختلف فیہا میں قول راجح

اور اقرب الی الاحتیاط کو اختیار فرمایا کرتے تھے باوجود ضرورت کے احتیاط کو ہرگز نہیں چھوڑتے تھے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی احتیاط کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے امراض میں کیسا ہی شدید مرض کیوں نہ ہو کبھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ مرض الموت میں جب تک اس قدر حالت رہی کہ دو آدمیوں کے سہارے سے کھڑے ہو کر پڑھ سکیں اس وقت اس طرح پڑھی کہ دو تین آدمیوں کو بمشکل اٹھایا اور دونوں جانبوں سے کمر میں ہاتھ ڈال کر لیکر کھڑے ہو گئے اور قیام، رکوع اور سجود ان ہی کے سہارے نماز ادا کی، ہر چند خدام نے عرض کیا کہ حضرت بیٹھ کر نماز ادا کر لیجئے، مگر نہ کچھ جواب دیا نہ قبول فرمایا، ایک روز مولوی محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! اگر اس وقت بھی جائز نہیں تو پھر وہ کون سا وقت اور کون سی حالت ہو گی جس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے؟ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا کہ امام صاحب کے نزدیک قادر بقدرۃ الغیر قادر ہوتا ہے، اور جب میرے دوست ایسے ہیں کہ مجھ کو اٹھا کر نماز پڑھاتے ہیں تو میں کیونکر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہوں، آخر نوبت ضعف اس قدر پہنچ گئی کہ دوسروں کے سہارے بھی کھڑے ہونے کی قدرت نہ رہی تو اس وقت چند وقت کی نمازیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بیٹھ کر پڑھیں۔ (تذکرہ الرشید)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حکیم الامت مجدد ملت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس اللہ سرہ کی شخصیت اور ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ذات والاصفات یگانہ روزگار اور ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' مصداق ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ شریعت وطریقت کے مجمع البحرین، جامع علم وعرفان اور دینی بصیرت وفقاہت، تقویٰ وطہارت کے درجہ کمال پر فائز تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کو دیکھ کر اسلاف کرام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بجا طور پر سلف صالحین کے

علوم وفیوض کے امین اور وارث تھے۔ حضرتؒ کی کیمیا اثر صحبت اور بابرکت تعلیمات سے ہزارہا بندگان خدا کو یقین و معروف کی لازوال دولت میسر آئی اور بہت سے تشنگان معروف کو اس چشمہ عرفان سے سیرابی وشادابی ہوئی۔

معاملات ومعاشرات، سیاست عقائد وعبادات غرض کہ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ کی گراں قدر تجدیدی خدمات موجود نہ ہوں اور دین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تجدید واصلاح نہ کی ہوں۔ ہر شعبہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصانیف موجود ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف وسلوک، قرآت ومجموعہ، منطق وفلسفہ وغیرہ تمام علوم وفنون میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حکیم الامت قدس سرہ کی مجددانہ اور حکیمانہ تحقیقات عصر حاضر کا بے مثال منفردانہ، مصلحانہ عظیم الشان کارنامہ ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ کی ذکاوت وذہانت کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی تھی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ زیادہ مستفید ہوئے ہیں۔ پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۳۰۱ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور پھر مدرسہ جامع العلوم کی مسند صدارت کی زینت بخشی۔ کانپور میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے درس حدیث کی شہرت سن کر دور دراز سے طلبہ کھنچے چلے آتے تھے۔ ۱۳۱۵ھ میں اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ کی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں توکلا علی اللہ قیام فرمایا۔ جہاں تادم واپسیں ۴۷ سال تک تبلیغ دین، تزکیہ نفس اور تصنیف وتالیف ایسی شاندار اور گراں قدر خدمات انجام دیں جس کی مثال اس دور کے کسی دوسری شخصیت سے نہیں ملتی۔ علم نہایت وسیع اور گہرا تھا جس کا ثبوت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصانیف کا ہر ہر صفحہ دے سکتا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصانیف مواعظ سے لاکھوں افراد کی علمی وروحانی فیض پہنچا۔ اس کے ساتھ ساتھ

بیعت وارشاد کی راہ سے عوام وخواص کا جتنا بڑا حلقہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے مستفیض ہوا اس کی مثال بھی کم ہی ملے گی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی رفعت وبلندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوپاک کے بڑے بڑے صاحب علم وفضل اور اہل کمال وتقویٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حلقہ بیعت میں شامل تھے۔ حضرت والاؒ کی ذات اقدس علم وحکمت اور معرف وطریقت کا ایک ایسا سرچشمہ تھی جس سے نصف صدی تک برصغیر کے مسلمان سے سیراب وشاداب ہوتے رہے۔ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی عظیم خدمات تقریری وتحریری صورت میں نمایاں نہ ہوں۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں اصلاح امت کی کوشش میں علمی و عملی زندگی کے ہر گوشے پر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نظر تھی۔ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، جاہلوں سے لے کر عالموں تک، عامیوں سے لے کر صوفیوں تک، درویشوں اور زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر امیروں تک، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نظر مصروف اصلاح وتربیت رہی۔ پیدائش، شادی بیاہ، غمی اور خوشی، اور دوسری تقریبوں پر اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نظر پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کھرا کھوٹا الگ کیا۔ رسوم وبدعات اور مفاسد کے ہر روڑے اور پتھر کو ہٹا کر صراط مستقیم کی راہ دکھائی۔ تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، اخلاق وعبادات اور عقائد میں دین خالص کے معیار سے جہاں کوتاہی نظر آئی، اس کی اصلاح کی، فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق اپنے نزدیک پورا سامان مہیا کر دیا اور خصوصیت کے ساتھ احسان وسلوک کی جس کا مشہور نام تصوف ہے تجدید فرمائی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سامنے دین کی صحیح تمثال تھی۔ اسی کے مطابق مسلمانوں کی موجودہ زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں نقائص تھے ان کے درست کرنے میں عمر بھر مشغول رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی اس میں صرف کر دی کہ مسلمانوں کی تصویر حیات کو اس شعبہ

کے مطابق بنادیں جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔

میری زندگی کی ساخت و پرواخت میں بھی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ احقر کی عمر کا بڑا حصہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے ہاں آتے جاتے گزرا۔ مسائل دینیہ میں ان کی بیدار مغزی، حکیمانہ تنقیحات، معاشرتی معاملات میں غیر معمولی ضبط و نظم ان کا وسیع عمیق علم، ان کی سینکڑوں تصانیف، ان کی محبت و برکت اور حکیمانہ انداز تربیت نے زندگی کے بہت بڑے بڑے سبق سکھائے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو اللہ رب العزت نے مرجع خلائق بنایا تھا آج بھی ان کی تصانیف اور ان کے خلفائے کرام، شریعت و طریقت کے میدان میں ایسی ایسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس دور میں حرام و حلال کا اور جائز و ناجائز کا اہتمام، کم ہی ملتا ہے۔ جتنا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے یہاں تھا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے والد مرحوم کے انتقال کے بعد جائیداد ملی اس کے متعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے سرکاری کاغزات و دستاویزات ترکہ سے اپنے از سر نو تحقیقات فرمائی اور اپنے شہر اور دوسرے شہر کے رہنے والے جس شخص کے متعلق ذرا سا بھی معلوم ہوا کہ اس کا ذرا سا بھی کوئی حق اس جائیداد میں ہے پورے اہتمام کے ساتھ اس کا حق پہنچا دیا۔ غرضیکہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی تحریر، تعلیم و تبلیغ سے لاکھوں مسلمانوں کو علمی و عملی فیض پہنچایا اور ہزاروں مسلمانوں کی باطنی اصلاح فرمائی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے تلامذہ خلفاء ملک کے ہر ہر خطے میں پھیلے اور ہدوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا کہ سفر کر کے وعظ و تبلیغ نہ فرمایا ہو، تصنیف و تالیف کے ذریعے ہر علم و فن میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ہزار سے زائد تصانیف ورثہ میں چھوڑی اور اصلاح و تربیت کا کام اپنے خلفاء و متوسلین کے حوالے کر کے ۱۶ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ کی شب میں تھانی بھون میں اس جہاں فانی کو خیر باد کہا اور حافظ ضامن تھانوی شہید کے مزار کے قریب انہیں کے باغ میں جسے انہوں نے خانقاہ امدادیہ کے نام سے وقف کر دیا تھا محو آرام ہوئے۔ حق تعالیٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے

درجات بلند فرمائے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ضبطِ اوقات وتنظیم کار

ایک سچے مومن ہی کی زندگی نظم وضبط کا بہترین نمونہ ہو سکتی ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مجدّدانہ شان کا یہ وصف بھی بہت ممتاز ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے خارجی زندگی اور داخلی زندگی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اہل حق ایسے بھی ہوتے ہیں اور اہل فہم نے سمجھ لیا کہ مصلحانِ دین ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بعض کم عقلوں نے اعتراض کیا کہ یہ تو بالکل انگریزیت ہے کہ ملنے کے اوقات مقرر گفتگو کے طریق متعین۔ لیکن ان کے متعلق اس کے سوا کیا کہا جائے۔

ع بریں عقل ودانش بباید گریست

کیونکہ بغیر اس اصولی زندگی کے نہ خود کو راحت میسر آسکتی ہے نہ غیر کو۔ نہ اپنی صلاحیتوں سے استفادہ ممکن ہے نہ غیر کی تربیت واصلاح نہ اپنی صحت وتوانائی برقرار رہ سکتی ہے نہ اس کی افادیت۔ اسی لئے خانقاہ امدادی میں ان زریں اصولوں کو جن کے ماخذ بہر حال اسوہ وارشادات رسول کریم ﷺ ہی تھے پائمال نہیں کیا جاسکتا تھا۔

خارجی زندگی

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اوقات اس طرح بٹے ہوئے تھے۔ صبح سے بارہ بجے تک اور نماز عصر سے عشاء تک کے اوقات اپنی انفرادی امور مثلاً تصنیف وتالیف وغیرہ کے لئے مختص تھے۔ البتہ اس میں یہ استثنیٰ تھی کہ نووارد جو پہلی بار ملاقات کرنا چاہے، جو رخصتی ملاقات کا طالب ہو۔ وہ جس کو کوئی فوری ضرورت لاحق ہو۔ ۱۲ بجے سے نماز ظہر تک بالکل تنہائی اور قیلولہ کا وقت تھا اور اس میں کوئی استثنا نہ تھا۔ نماز ظہر وقیلولہ سے فراغت کے بعد نماز عصر تک عام مجلس ہوتی تھی جس میں ہر شخص شریک ہوسکتا تھا اور بات چیت کر سکتا تھا۔ پھر بعد نماز عشاء کسی سے نہ ملتے لیکن یہ تو ان کے لئے ہوا جو برملا اپنا مدعا ظاہر کر سکتے

تھے۔راز اورتنہائی کے طالبوں کے لئے اصول یہ تھا کہ سہ دری میں آویزاں لیٹر بوکس کے اندر یا تو اپنامدعا لکھ کر ڈال دیں یا اس کے عرض کرنے کے لئے تعیّن وقت چاہیں۔اور ہر دوصورتوں میں اپنا پتہ ضرور لکھ دیں (یعنی خانقاہ کے کس کمرے میں مقیم ہیں) تاکہ جواب بآسانی وہاں پہنچ جائے۔نہ سائل کو تکلیف ہو نہ مسئول کو۔خانقاہ امدادیہ کا یہ بھی اصول تھا کہ کوئی شخص بلا اجازت صاحبِ خانقاہ کی خدمت نہ کرے کوئی اس کے ہمراہ اور نہ راستے میں ان سے مصافحہ کرے۔خود اپنے کام میں مشغول رہے اور حضرت شیخ کو اپنے امور مشاغل میں آزاد رکھے۔

چونکہ پڑھے لکھے اور غیر تعلیم یافتہ،آداب سے واقف اور بے ادب سب ہی طرح کے لوگ آتے تھے اور ہر ایک کو بار بار تنبیہ میں کافی وقت ضائع ہونے کا امکان تھا۔اس لئے صحیح تعارف حاصل کرنے کے لئے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک جدول بنا رکھا تھا تاکہ اس کے مطابق خانہ پُری کر کے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو دے دیں۔اس کے عنوان یہ تھے:۔(۱) نام،(۲) وطن اصلی،(۳) اس وقت کس مقام سے آنا ہوا،اور وہاں کی مدت قیام،(۴) شغل وذریعہ معاش،کوئی موروثی زمین کے مالک تو نہیں،(۵) علمی استفادہ اردو عربی.انگریزی کس قدر ہے،(۶) آنے کا اصلی مقصد کیا ہے محض ملاقات یا کچھ کہنا بھی،لکھ کر دینا یا زبانی،مجمع میں یا تنہائی میں،(۷) کسی سے بیعت ہیں یا نہیں،اگر ہیں تو کس سے؟(۸) اگر مجھ سے بیعت ہیں تو کتنا عرصہ ہوا؟تعلیم کس سے متعلق ہے۔(۹) میرے مواعظ ورسائل کیا کیا دیکھتے ہیں؟اگر (۱۰) مجھ سے کچھ خط وکتابت ہوئی ہے وہ پاس ہیں یا نہیں؟اگر ہے تو دکھائیں،(۱۱) کتنا قیام ہوگا (۱۲) کہاں قیام ہوگا۔(۱۳) خانقاہ میں پہلی مرتبہ آنا ہوا یا پہلے بھی آئے ہیں (۱۴) یہاں کے انتظام طعام کی خبر ہے یا نہیں (۱۵) باہر والا بڑا قلمی اعلان دیکھ لیا یا نہیں؟(یہ وہی اعلان ہے جس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اوقات فراغت ومصروفیت کی تفصیل ہے)اس کے علاوہ ہر ہر طبقہ کے افراد کے لئے اصول وضوابط متعین تھے اور سب میں یہی روح کار فرما تھی کہ مرشد ومرید

دونوں کو راحت حاصل رہے۔ تضیع اوقات نہ ہو اور بے جا اختلاط نہ رہے۔ اب کوئی بتائے کیا بغیر اس نظم وضبط کے مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وہ کچھ کر سکتے تھے جو انہوں نے کر دکھایا۔ سینکڑوں کتابوں اور رسالوں میں حقائق ومعارف کے ذخائر جمع فرماتے ہزاروں خطوط کے گراں بہا جواب لکھے سینکڑوں مواعظ کے ذریعے رشد وہدایت کے دریا بہائے ان گنت ملفوظات کے ذریعہ طریقت کے عقدے کھولے۔ ہزاروں تشنگان حبِ الٰہی کو سیراب کر گئے یہ سب اسی اصول زندگی کا نتیجہ تھا۔

داخلی زندگی

وعظ وپند، اصول وضوابط صرف اغنیاء کے لئے نہ تھے۔ گھر کی نجی زندگی میں بھی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پر نگاہ رکھی جاتی تھی۔ البتہ ہر موقع ومقام کے لحاظ سے اصول بھی جدا تھے اور ہونے بھی چاہئیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی دو (۲) ازدواج مطہرات تھیں۔ اس لئے جو بھی نقد یا جنس کی صورت میں آتا مساوی مساوی کر کے اپنے ہاتھ سے تقسیم فرماتے غیرت کا یہ عالم تھا کہ دونوں کے مہر ادا کر دئے تھے اور باوجود فریق ثانی کی طرف سے واپس لینا گوارہ نہ فرمایا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سخت گیر نہ تھے۔ کبھی گھر والوں سے تکلف وتحکم کا برتاؤ نہ کرتے بلکہ ہمیشہ لطف وکرم سے پیش آتے اور بہت ہشاش بشاش رہتے تھے۔ اپنی ازواج کے مہمانوں کی پوری مدارت کرتے اور ان کے بچوں سے خوب مزاح فرماتے تھے۔ اہل خانہ پر حتی الامکان کوئی بوجھ نہ ڈالتے تھے حتیٰ کہ کسی خاص کھانے کی فرمائش نہ کرتے البتہ جب خود ادھر سے فرمائش کرنے کا اصرار ہوتا تو اس میں بھی ایسا اسلوب اختیار کرتے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو، نہ ان پر بار پڑے۔ فرماتے ''تم ہی چند کھانوں کے نام لو جو بآسانی پک سکیں ان میں سے جو مرغوب ہوگا بتا دوں گا''۔ باوجود کثرت مشاغل کے گھر پابندی سے تشریف لے جاتے تھے تاکہ ان کی دل آزاری نہ ہو۔ ان کی بیماریوں پر پوری فراغ دلی سے روپیہ خرچ فرماتے اور ضرورت ہوتی تو دور دراز

مقامات پر خود لے جا کر علاج کرواتے تھے۔ اس طرح تعلق مع اللہ کے بہانے حقوق تلفی کبھی نہ ہونے دیتے تھے یہ توان لوگوں کا شعار ہے جو سنت رسول ﷺ سے نا آشنا ہوتے تھے جن کے نزدیک عبادت و تعلق مع اللہ کا رشتہ اتنا نازک ہے کہ مسجد خانقاہ کے باہر قدم رکھتے ہی تار تار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اتباع سنت کے تحت ہر فعل جو مسجد و خانقاہ میں ہو یا گھر اور بازار میں ہو عین عبادت اور ترقی قرب کا موجب ہے اور یہی صفت ''بے ہمہ وباہمہ'' کمال کی دلیل ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تو دو عقد کر کے عدل و انصاف کی وہ نظیر قائم کی کہ اب لوگوں کے لئے عقد ثانی کی جرأت مشکل ہو گئی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ خود فرماتے تھے۔ ''میں تو ایک کی باری میں دوسری کا خیال لانا بھی خلاف عدل سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس سے اس طرف توجہ میں کمی ہو گی۔ اور وہ اس کی حق تلفی ہے۔ اب میں اپنے کپڑے خانقاہ ہی میں رکھتا ہوں۔ کیونکہ اگر میں ایک گھر میں کپڑے رکھتا تو دوسرے گھر والوں کو شکایت ہوتی کہ ہمارے ساتھ اتنی خصوصیت نہیں جتنی دوسری کے ساتھ ہے''۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اس شعار کو غور سے دیکھو اور جان لو کہ دین داری میں معاشرت، معاملات و اخلاق اتنے ہی مہتم بالشان ہیں جتنے عقائد و عبادات، تکمیل دین کے لئے ان پانچوں پہلوؤں پر یکساں عمل ضروری ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو رنج ہوتا جب شوہروں کے ظلم و ستم کی روایتیں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تک پہنچتیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہر ایک کو اپنی بیویوں پر مہر و کرم، عضو و درگزر اور پاس مروت کی تلقین فرماتے تھے۔

کچھ واقعات و کرامات

جہاں تم جاؤ گے، وہاں تم ہی تم ہو گے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں چودہ

طلبہ دورۂ حدیث میں تھے۔ دستار بندی کی تجویز ہوئی یہ دارالعلوم دیوبند کا دوسرا جلسہ تھا ہمیں بھی پگڑی باندھنے کا ارادہ کیا۔ تو ان چودہ طالب علموں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جلسہ کو رکوانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ ہم انہیں کو پگڑی بندھوائی جائے گی اور ہم اہل نہیں ہیں جس سے مدرسہ کی بدنامی ہوگی غرض ان چودہ طالب علموں نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ جا کر مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے جلسہ رکوانے کی درخواست پیش کریں حضرت مولانا موصوف دارالعلوم دیوبند کے اول مدرس تھے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جب ان کی خدمت میں پہنچے آپ کتابوں کے مطالعہ میں مصروف تھے اور انتہائی انہماک کا عالم تھا۔ رعب کا یہ عالم تھا کہ ہر آدمی بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اچانک نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کھڑے ہیں۔ آپ نے پوچھا خیر تو ہے کیسے آنا ہوا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ:

''میں نے درخواست پیش کی کہ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے جلسہ دستار بندی ہو رہا ہے۔ حکم کی تکمیل سے تو انکار نہیں لیکن اگر عرض کرنے کا موقع دیں تو ہماری درخواست ہے کہ ہم اس کے اہل نہیں! نالائق ہیں۔ پورا مدرسہ ہمارے اکابر اساتذہ بدنام ہو جائیں گے جلسہ روک دیا جائے اور ہماری نالائقیوں سے پردہ نہ اٹھایا جائے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عیب پر پردہ پڑا رہے''۔...... یہ سن کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو جوش آ گیا اور فرمایا:۔ ''یہ تمہاری نالائقی کا احساس تمہاری سعادت مندی ہے اور جب آدمی میں اپنی نالائقی کا احساس آ جائے تو یہ اس کے کمال اور اس کی فضیلت و سعادت مندی کی دلیل ہوتی ہے اور ہم جو یہ جلسہ کر رہے ہیں تو وہاں ہم اعلان کر دیں گے کہ ''فیما بیننا و بین اللہ'' ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ لوگ ہمارے نزدیک اہل ہیں اور قابل ہیں جس کی مرضی ہو ان کا کسی بھی فن میں امتحان لے لے:۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ ہم لوگ اور بھی ڈر گئے کہ آئے تھے جلسہ رکوانے کو اور یہاں امتحان دینے کا الگ کہہ دیا گیا۔ بہر حال ہم وہاں سے چلے آئے چلتے وقت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک جملہ فرمایا تھا کہ

:۔ ”دنیا گدھوں سے بھری پڑی ہے جہاں تم جاؤ گے وہاں تم ہی تم ہو گے اور تمہارا ہی غلبہ ہو گا“۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ:۔ ہم نے یہ تجربہ کیا کہ، جہاں گئے ہم ہی نظر آئے جہاں گئے غالب ہی رہے کہ حق ہی کو غلبہ ہے۔ ”الحق یعلوا ولا یعلی“ غالبیت کے لئے حق ہے اور مغلوبیت باطل کے لئے ہے“۔

تفسیر لکھنے میں آپ کو کتنا روپیہ ملا؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک مرتبہ دہلی تشریف لے گئے وہاں ایک انگریز نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ملاقات کی اور اول سوال اس نے یہ کیا کہ:۔ میں نے سنا ہے کہ آپ نے کوئی تفسیر لکھی ہے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا ہاں لکھی ہے اُس نے دریافت کیا: ”آپ کو اس میں کتنا روپیہ ملا؟“ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جواب دیا ایک بھی نہیں۔ وہ سن کر بہت حیران ہوا اور دریافت کیا کہ پھر آپ نے اتنی محنت کیوں کی؟ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ:۔ ”آخرت کے ثواب کے لئے۔“ وہ انگریز کہنے لگا کیا ابھی مسلمانوں میں ایسے خیال کے لوگ موجود ہیں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جواب دیا۔ ”بہت کثرت سے“۔

دین اور دنیا، دونوں میں عزتیں ہونگی

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ میں بچپن میں خواب بہت دیکھا کرتا تھا۔ اب تو بالکل نظر نہیں آتے۔ اور تعبیر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے لیا کرتا تھا مولانا نے بعض اوقات استخارہ تک مجھ سے کرایا ہے کہ تجھے خواب سے مناسبت ہے۔ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ مولانا دیوبندی کے مردانہ مکان میں دروازے کے سامنے جو چبوترہ ہے اس کے کنارے پر ایک چارپائی بچھی ہوئی ہے اور اس پر ایک بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں جو بہت نازک پتلے دبلے، قد بھی اچھا، کپڑے نہایت نفیس بڑے قیمتی تھے۔ انہوں نے مجھے ایک کاغذ دیا جس پر لکھا ہوا تھا کہ (ہم نے تم کو عزت دی) اور اس کاغذ پر بہت سی مہریں ہیں

جونہایت صاف تھیں اور مہر میں صاف لکھا ہوا تھا (محمد ﷺ آپ کو حلیہ شریف میں دیکھنا کچھ ضروری نہیں) اسی خواب میں پھر یوں دیکھا کہ تھانہ بھون میں شادی لال تحصیل دار کے مکان میں پھاٹک کے متصل جو مکتب تھا اس کے اندر کے درجہ میں ایک انگریز اجلاس کر رہا ہے لباس اس کا بالکل سیاہ ہے (یہ معلوم نہیں مکان میں کیونکر پہنچا) اس میں بھی مہریں بہت مگر صاف نہ تھیں۔ میں نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا تو فرمایا کہ تم کو دین اور دنیا کی دونوں عزتیں نصیب ہوں گی (جامع کہتا ہے کیسی برجستہ تعبیر ہے کہ آج جس کو ایک عالم اپنی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اللھم زدفزد)

تین چیزوں کی پابندی سے سلوک طے ہو جائے گا

حضرت محمد شفیع صاحبؒ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ سے عرض کیا کہ:۔ ”حضرت میری تمنا ہے کہ تصوف وسلوک کے مراحل طے کروں مگر سنتا ہوں کہ بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں اور محنت اور فرصت کا کام ہے میں خلقۃً ضعیف بھی ہوں زیادہ محنت برداشت کرنے کے قابل نہیں اور فرصت بھی کم ہے اور وقت تمام درس وتدریس اور مطالعہ کے کاموں میں گزرتا ہے، کیا ان حالات میں بھی مجھے کوئی حصہ نصیب ہوسکتا ہے؟“ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بڑی شفقت سے فرمایا:۔ ”یہ تم نے کیا کہا؟ کیا اللہ کا راستہ صرف اقویاء کے لئے ہے ضعفاء کے لئے نہیں؟ فارغ البال لوگوں کے لئے ہے کم فرصت لوگوں کے لئے نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ راستہ سب کے لئے کھلا ہوا ہے۔ ہاں ہر ایک کے لئے عمل کا طریقہ مختلف ہے، بزرگوں نے فرمایا ہے۔ ”طرق الوصل الی اللہ بعد النفس لاخلائق “یعنی اللہ تک پہنچنے کے راستے اتنے ہی ان گنت ہیں جتنے انسان“ یہاں کوئی عطائی کی دکان نہیں کہ سب کو ایک ہی گولی دے دی جائے ہم آپ کو ایسا طریقہ بتائیں گے جس میں نہ قوت کی ضرورت ہوگی نہ فرصت کی“۔ اس کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ:۔ فرائض وواجبات اور سنن وغیرہ جو سب

مسلمان ادا کرتے ہیں وہ تو اپنی جگہ ہیں آپ صرف تین چیزوں کی پابندی کرلیں انشاء اللہ سارا سلوک اسی سے طے ہوجائے گا۔ ''تقویٰ اختیار کریں اس کا مفہوم آپ کو بتلانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ تقویٰ صرف نماز روزہ اور ظاہری معاملات کا نہیں باطنی اعمال میں بھی اتنا ہی ضروری ہے۔'' جتنا ظاہر میں ہے۔ ''دوسرے ہر لایعنی (بے فائدہ) کام، کلام، مجلس اور ملاقات سے پرہیز کریں اور فرمایا لایعنی سے مراد وہ کام ہے جس میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہو نہ دنیا کا، غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے اعمال، اقوال مجالس میں بہت سا وقت ایسا گزرتا ہے کہ کام کی بات تھوڑی سی اور بے فائدہ زیادہ، بس ان سے پرہیز کرنا''۔ ''تیسرا بقدر ہمت وفرصت کچھ تلاوت قرآن روزانہ کیا کریں''۔

''اب بتلاؤ اس نسخہ میں کون سی چیز محنت یا فرصت کے بغیر نہیں ہوسکتی اگر غور کرو گے تو اس میں قوت اور زیادہ محفوظ رہے گی کیونکہ تقویٰ ایسی چیز ہے کہ بہت سے ایسے کاموں سے روکتا ہے جو انسان کی قوت ضائع کرتے ہیں اور جب لایعنی کاموں، ملاقاتوں، مجلسوں سے پرہیز کرو گے تو تمہاری فرصت علمی مشاغل کے لئے اور بڑھ جائے گی۔'' حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے آخر میں فرمایا کہ:۔ ''نسخہ تو آپ کے لئے اتنا ہی ہے کہ اگر دل چاہے اور فرصت بھی ہو تو صبح وشام سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، سوسو مرتبہ اور استغفار درود شریف سوسو مرتبہ پڑھ لیا کرو اور نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ کا التزام کرلو''۔

نومسلم کا جھوٹا پی کر کایا پلٹ دی

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک مرتبہ کالپی تشریف لے گئے، وہاں ایک شخص نہایت صاف ستھرے اجلے کپڑے پہنے ہوئے جامع مسجد میں نماز کو آیا، اس کے گاؤں والوں سے معلوم ہوا کہ یہ پہلے بھنگی تھا اب مسلمان ہوگیا ہے لیکن وہاں کے چودھری ساتھ کھلانا پلانا تو درکنار اس کے ہاتھ کا برتن بھی نہیں لیتے تھے، وہاں جلسہ تھا اس میں وہ بھی موجود تھا اور وہاں کے رئیس بھی جمع تھے، بعض لوگوں نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

سے خواہش کی کہ آپ اس موقع پر ان لوگوں کو سمجھا دیں کہ ایسا پرہیز نہ کیا کریں، اس کی سخت دل شکنی ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دل میں سوچا کہ نرے سمجھانے سے کچھ کام نہیں نکلے گا سمجھانے سے تو اس وقت ہاں ہاں کہہ دیں گے پھر بعد کو کون پرواہ کرتا ہے؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک بدھنے میں پانی منگوایا، جب پانی آ گیا تو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس نومسلم سے فرمایا کہ ٹونٹی ہی سے منہ لگا کر پانی پیئے، چناچہ اس نے پیا، پھر آپؒ نے اس کے بچے ہوئے پانی سے پیا پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سب سے فرمایا کہ سب لوگ پانی پئیں، اس وقت سوامان لینے کے کسی سے کوئی عذر بن نہ پڑا۔ سب نے جیسے تیسے پانی پیا، پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ دیکھو بھائی اب اس سے پرہیز نہ کرنا، کہنے لگے اجی بس اب منہ کی کیا رہا پرہیز کرنے کا، آپ کی تربیت ہی ایسی ہے کہ ہمارا سارا دھرم ہی لے لیا۔ اب آپ اطمینان رکھیں۔ اب ہم اسے اپنے ساتھ کھائیں پلائیں گے، اس سے پرہیز ہی کیا رہ گیا۔ جب اس کا جھوٹا پانی ہی آپ نے پلا دیا۔

حکیم الامتؒ کے ایک مستجاب الدعوات شاگرد کا واقعہ

حضرت مولانا حاجی محمد شفیع بجنوریؒ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے مرید اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے شاگرد رشید تھے صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے، مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تعطیل تھی باہر سے ایک رفیق درس کا خط حاجی محمد شفیع صاحب کے نام آیا پتہ پر انتہائی تعظیمی القاب "قطب وقت" وغیرہ درج تھے، مدرسہ کی ڈاک صدر مدرس کی حیثیت سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پاس آتی تھی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حاجی صاحب کو بلا کر طنز سے ارشاد فرمایا کہ:۔ "لیجئے اب تو آپ "قطب وقت" ہو گئے"۔ اور وہ خط ہاتھ میں دیا حاجی صاحب جھنجلا کر بولے:۔ "ایسے لوگوں کا دماغ بھی خراب ہو جاتا ہے خواہ مخواہ مجھ کو رسوا کرتے ہیں۔" دو ہی

چار دن گزرے تھے کہ اس طالب علم کے بھائی کا خط آیا کہ:۔ ”فلاں تاریخ، فلاں وقت وہ طالب علم دفعتہً مجنون ہوگیا، خدا کے لئے دعائے صحت فرمائیں۔“ اب حاجی صاحب بڑے ہی قلق واضطراب میں مبتلا ہوگئے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر آنسوؤں کے ساتھ بڑے الحاح واضطرار کے عالم میں بولے کہ:۔ ”حضرت! آخر کیا کروں وہ فقرے میں نے کچھ دشمنی میں اور جان کے تھوڑے ہی کہے تھے بس جھنجھلاہٹ میں زبان سے نکل گئے تھے، میں تو اس نعمت سے عاجز آ گیا ہوں“۔ دشواریاں عوام ہی کو نہیں، خواص اکابر کو بھی پیش آتی رہتی ہیں اور ایسے ورطہ سے نکلنے کا کام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہی جیسے دقیقہ سنج مصلحین کا ہوسکتا ہے کسی محض بزرگ کا نہیں ،حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا:۔ ”اس کا علاج بھی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے ،اسی حربہ سے کام لیجئے جو آپ کے پاس موجود ہے دعا کیجئے کہ اے اللہ اس نعمت عظیم کے بار کا تحمل اب مجھ ناتواں سے نہیں ہوتا، اسے بدل کر کسی دوسری نعمت سے سرفراز فرمایا جائے، دعا آپ اپنی زبان سے کیجئے ،جس کی مقبولیت کے یہ سب کرشمے ہیں، آمین میں بھی کہتا جاؤں گا۔“ حاجی صاحب اس تشخیص اور معالجہ کوسن کر باغ باغ ہوگئے، عمل اسی وقت کیا اور یہ دعا بھی اسی وقت قبول ہوگئی، یعنی اسی وقت سے وہ خاص کیفیت سلب ہوگئی، مرض بھی ٹھیک ہوگیا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نزدیک اہل علم کی شان

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ اپنے ایک اہل علم دوست کی فرمائش پر تشریف لے گئے، سات ہی روز گزرے تھے کہ ایک نواب فلاں نواز جنگ کا پرچہ آیا، جو نواب صاحب حیدرآباد (دکن) مرحوم کی ناک کا بال اور ارکان سلطنت میں سے لکھا تھا کہ:۔ ”عرصہ سے مجھے زیارت کا اشتیاق تھا، مگر بدقسمتی سے ’تھانہ بھون‘ کی حاضری نصیب نہیں ہوئی، برائے زیارت حاضر ہونا چاہتا ہوں مگر فلاں فلاں وقت اپنے فرائض منصبی سے

فرصت ملتی ہے"۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جواب لکھا کہ:۔ "بے حد مسرت ہوئی کہ آپ کے دل میں دین اور اہل دین کی محبت اور عظمت ہے مگر نیچے کی سطر پڑھ کر افسوس کی بھی کوئی حد نہ رہی کہ اس میں فہم سے کام نہ لیا گیا جس کے ملنے کو زیارت سے تعبیر کیا گیا اس کو تو اپنے اوقات فرصت بتلا کر پابند کیا گیا اور خود آزاد رہے، یہ کون سی فہم و تہذیب کی بات ہے"؟ اس پر نواب صاحب نے اپنی کج فہمی کی معافی چاہی اور لکھا کہ:۔ حضرت والا ہی اپنی ملاقات تحریر فرمائیں۔ اس پر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ان کو ایک اور سبق دیا کہ:۔ "اب بھی پورے فہم سے نہیں لیا گیا مردہ بدست زندہ کی طرح مہمان میزبان کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس لئے سفر میں اوقات کا ضبط غیر اختیاری ہوتا ہے، آپ ساتھ رہیں جس وقت مجھ کو فارغ دیکھیں ملاقات کرلیں"۔ اس پر انہوں نے لکھا:۔ بدفہمی پر بدفہمی ہوتی چلی جارہی ہے میں نہ اب اپنے اوقات کو ظاہر کرتا ہوں نہ حضرت سے معلوم کرتا ہوں جس وقت فرصت ہوگی حاضر خدمت ہوکر زیارت سے مشرف ہوجاؤں گا اگر فرصت نہ ہوئی تو لوٹ آؤں گا"۔ جب حضرت مولانا تھانویؒ نے دیکھا کہ اصلاح پزیر ہوگئے ہیں تو دل جوئی کے طور پر لکھا:۔ "اب پورے فہم سے کام لیا گیا ہے جس سے اس قدر مسرت ہوئی کہ آپ کا میری زیارت کو جی چاہ رہا تھا اب میرا آپ کی زیارت کو جی چاہنے لگا، اگر فرصت ہو تو آپ تشریف لے آیئے، ورنہ مجھے اجازت فرمایئے کہ میں خود حاضر ہوجاؤں"۔

غرض یہ کہ خود آئے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ میرا یہ طرز عمل اس لئے تھا، کہ دنیا کے جس قدر بڑے لوگ ہیں اہل دین کو بیوقوف سمجھتے ہیں ان کو یہ دکھانا تھا کہ اہل علم کی یہ شان ہے کہ پہلے تو تذلل سے بچنا مقصود تھا، مگر جب وہ اپنی کوتاہی تسلیم کرچکے تو اب کھنچنا تکبر ہے، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے محفوظ رکھا، ملاقات کے دوران میں وہ نواب صاحب حیدرآباد دکن کی بیدار مغزی اور انتظام سلطنت کے واقعات بیان کرتے رہے، اس کے بعد کہا کہ نواب صاحب سے ملاقات ہوجائے تو بہت مناسب ہے۔ آپؒ نے پوچھا، "یہ آپ کی خواہش ہے یا نواب صاحب کی"۔ "کچھ سکوت کے بعد کہا کہ میری خواہش ہے

"۔حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سوال کیا کہ "جس وقت آپ نے مناسب اور غیر مناسب ہونے پر غور فرمایا ہوگا۔اس پر بھی غور فرمایا ہوگا کہ ملاقات سے نفع کس کا ہے؟" کہا: "نواب صاحب کا"۔حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا، "نفع نواب صاحب کا، اور ملاقات کی ترغیب مجھ کو دی جارہی ہے۔مطلوب کو طالب اور طالب کو مطلوب بنایا جارہا ہے"۔اس پر کوئی جواب نہ دیا۔حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ، "اب میں خود عرض کررہا ہوں کہ اس صورت میں کہ میں خود ملاقات کو جاؤں، مضرت ہی مضرت ہے نفع کچھ بھی نہیں، اگر میں ملاقات کو گیا تو وہ مطلوب اور میں طالب ہوں گا اس صورت میں ان کو مجھ سے کچھ نفع ہوگا ہاں اس سے مجھ کو نفع ہوسکتا ہے اس لئے کہ اس کے پاس جو چیز ہے وہ مجھے ملے گی یعنی دنیا وہ بقدر ضرورت بھی ان کے پاس نہیں یعنی دین۔اگر میں گیا بھی جو ان کے پاس ہے یعنی دنیا، منصب، وظیفہ (وغیرہ) وہ مل بھی گیا تو اس صورت میں ایک خاص ضرر بھی ہے اگر قبول کرتا ہوتو اپنے مسلک کے خلاف، اگر قبول نہیں کرتا تو آدابِ شاہی کے خلاف، کیونکہ قبول نہ کرنے میں ان کی سبکی اور اہانت ہوگی، اور چونکہ اس وقت میں اس کی حدود میں ہوں اس کی پاداش میں اخراج وغیرہ جو چاہیں میرے لئے تجویز کرسکتے ہیں تو نواب صاحب کو کوئی نفع نہ ہوگا اور میرا نقصان ہوگا، یہ امر بھی شانِ سلاطین کے خلاف ہے وہ اپنی رعایا کے مدعو کئے ہوئے شخص سے ملاقات کریں"۔یہ سن کر.....نواز جنگ صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور کہا کہ:۔"ان چیزوں پر تو ہم لوگوں کی نظر بھی نہیں پہنچ سکتی"۔غرض کہ استغناء اور توکل کی وجہ سے حضرت تھانویؒ ہر جگہ غالب ہی رہتے تھے" (تلخیص از بیس بڑے مسلمان)

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا کا وطن اور خاندان

حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کا دادھیالی اور نانھیالی شجرہ نسب حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے جا ملتا ہے حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے والد ماجد مولانا محمد اسماعیل

صاحب ؒ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ آخر میں جھنجھانہ کی سکونت ترک کر کے دہلی میں آ کر قیام پزیر ہو گئے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی والدہ مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کی نواسی تھیں، مولانا مظفر حسین صاحب ؒ مفتی الٰہی بخش کے حقیقی بھتیجے، حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ کے عزیز شاگرد اور حضرت شاہ محمد یعقوب کے مجاز تھے، ان کے تقویٰ کا یہ حال تھا کہ آپ کے معدہ نے عمر بھر کوئی مشتبہ چیز قبول نہیں کی۔ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ممتاز شاگرد صاحب فتویٰ۔ صاحب تصنیف حکیم حاذق۔ بے مثل ادیب اور عربی، فارسی اور اردو کے بلند پایا شاعر تھے۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب کا شجرہ نسب چھٹی پشت پر مفتی صاحب کے شجرہ نسب سے مل جاتا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی ولادت ۱۳۰۳ھ میں ہوئی۔ آپ کا تاریخی نام اختر الیاس ہے۔

مولانا کی اہم خصوصیات

افسوس ہے کہ اس مختصر مقالہ میں حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔ چونکہ اس کی گنجائش نہیں اس لئے مختصر طور پر یہاں حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے چند خصوصی صفات کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی سب سے بڑی خصوصیت مولانا کا آخرت پر کامل یقین اور ہر وقت اس کا استحضار ہے، جن لوگوں نے حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کو قریب سے دیکھا ان کا زبانی اور تحریری بیان یہی ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی تمام حرکات وسکنات سے واضح ہوتا تھا کہ جنت اور دوزخ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ جسمانی لحاظ سے اگر چہ نہایت نحیف وناتواں تھے مگر اس مقدس مقصد کے لئے ایسی ان تھک اور اس قدر بے پناہ جدوجہد کر کے دکھا گئے کہ میرا اندازہ ہے کہ اگر بالفرض کسی شخص کے سامنے جنت اپنی ساری نعمتوں اور دل فریبیوں

کے ساتھ اور جہنم اپنی ساری ہولناکیوں سمیت منکشف کردی جائے اور اس سے کہا جائے کہ اگر یہ کام کرو گے تو یہ جنت ملے گی اور نہیں کرو گے تو اس جہنم میں ڈالے جاؤ گے تو شاید اس کی سعی وجہد اس سے زیادہ نہ ہو سکے گی جو حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی بالخصوص آخری زمانہ میں تھی۔"

یہ تو حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کا حال تھا اب قال کی بات سنئے۔ مولانا نعمانی حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے ملفوظات میں لکھتے ہیں:

"فرمایا ہائے! اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں رہا۔ اللہ کے وعدوں پر یقین اور اعتماد پیدا کرو اور پھر اس یقین اور اعتماد ہی کی بناء پر کام کرنے کی مشق کرو۔ اور اللہ کے وعدوں کے معنی بھی خود نہ گھڑو۔ تمہارا علم اور تجربہ بہت محدود ہے اس کے وعدوں کا مطلب اس کی شان کے مطابق سمجھو اور اس سے یوں ہی مانگو کہ اپنی شان اور قدرت کے شایان اور وعدوں کو پورا فرمائے۔

حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی دوسری اہم صفت مولانا دہلوی کا سوز دروں اور بلند ہمتی ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کا دل اس زمانے کی دینی ویرانی کو دیکھ دیکھ کر جلتا تھا اور اور مخلوق خدا کی عام گمراہی اور جہالت و بدعملی کی ہمہ گیری کا تصور کر کے آپ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے۔ گویا اس شعر کی مجسم تفسیر تھے۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر ۔۔۔ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ: "کبھی کبھی دین کے اس درد اور اس فکر میں بستر پر کروٹیں بدلتے اور بے چینی بڑھتی تو اُٹھ اُٹھ کر نہانے لگتے۔ ایک رات والدہ مولانا محمد یوسف صاحب نے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے کہ نیند نہیں آتی فرمایا..... کیا بتاؤں اگر تم کو وہ بات معلوم ہو جائے تو جاگنے والا ایک نہ رہے دو ہو جائیں"۔

اسی سوزِ دروں کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ نے ساری زندگی کا اوڑھنا بچھونا دین اور اشاعت دین ہی کو بنالیا تھا اور حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی ساری زندگی

کی دلچسپیاں اسی تبلیغی کام میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ حتیٰ کہ اپنی جان کو اس راہ میں قربان کر دینا اپنے لئے بڑی سعادت سمجھتے تھے اور اس راہ کی تمام تکلیفوں اور مشقتوں کو نہایت عالی حوصلگی اور بلند ہمتی سے برداشت کرتے تھے۔ مئی 1936ء کے ایک سفر میوات کے موقع پر مولانا محمد ذکریا صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب کو تحریر فرمایا: ''اس قدر ضعف ہے کہ خلاف طبع الجھی ہوئی بات سے اختلاج اور خفقان ہوتا ہے اور آرام کے ساتھ موٹر کی دہلی تک کی سواری سے بخار آتا ہے اس پر! الحمد للہ ایک مہینہ کی مسافت کیلئے میوات کی سخت ترین بادسموم اور جہال کی باتوں کے الجھاؤ کا نشانہ بن کے موت کے لئے اپنی جان کو پیش کرنے کی نیت سے اس سفر کو کارزار کا میدان تصور کرتے ہوئے مصمم ارادۂ سفر ہے۔ گویا یہ سفر جہاد ہے۔ مگر اپنے ضعف سے اور اپنی مجربہ کم ہمتی سے نہایت خوف ہے کسی جگہ یہ نفس شریر کرب وشدائد کے مقابلہ سے فرار کر کے نامردی سے واپس ہوگا دعا کرو جان کے جانے تک تحمل حق تعالیٰ شانہ شدائد وکرب کا نصیب کریں

'' وما ذالک علی اللہ العزیز '' اور یا کام کو پورا کر کے سلامتی کے ساتھ بغنیمت عود نصیب فرمادیں۔ اپنے اس سفر کو اہم فریضہ اور صحت کی رعایت کو سنگین ترین مصیبت سمجھ کر اپنی زندگی سے مایوس ہو کر سفر کر رہا ہوں۔''

حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی تیسری خصوصیت حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی وسیع القلبی ہے۔ جس کی وجہ سے ملت اسلامیہ کے ہر مکتب خیال اور ہر دائرۂ فکر کے لوگ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے قریب ہو گئے اور اس تحریک کے ساتھ جڑ گئے۔ تمام اہل حق کی طرح حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کو بھی حق تعالیٰ نے ایسی وسیع نظری اور عالی ظرفی عطا فرمائی تھی کہ جس مسلمان کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان تھا اس کی بھی حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ عزت کرتے تھے اس کا نتیجہ تھا کہ ہند وپاکستان کے تقریباً تمام مشہور دینی مدارس ومکاتب کے لوگوں کے دوش بدوش انگریزی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لوگوں کو اس جماعت میں کام کرتے ہوئے پایا گیا۔

اسی طرح مختلف اذواق اور مختلف طرق کے مشائخ کے منتسبین نے اس جماعت میں برابر کا حصّہ لیا۔ کیونکہ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے دل میں ہر ایک کی قدر اور عزت تھی۔ مدارس، یونیورسٹیوں، اداروں اور خانقاہوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے علاوہ ہر قسم کے کاروباری اور ملازمت پیشہ لوگ بھی حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی تحریک میں منسلک ہوگئے اور ہر ایک نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس سے نفع اٹھایا۔ اکرام مسلم حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی دعوت کا اہم اصول تھا اور تمام تبلیغی کارکنوں کو بھی اس کی تاکید کی جاتی تھی۔

اس زمانہ کی تمام دینی جماتوں اور مذہبی اداروں کے ایک دوسرے سے بعد ونفرت اور عام مسلمانوں کی افتراق وتشتت کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہر جماعت اور ہر شخص اپنے کو سب سے افضل اور تمام خوبیوں کا مجموعہ سمجھتا ہے اور دوسرے شخص اور دوسری جماعت کو تمام خوبیوں سے محروم اور تمام خرابیوں کا سرچشمہ خیال کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ نے فتنوں کی اس بنیاد پر اس طرح تیشہ چلایا کہ جماعت کے بنیادی اصولوں میں اکرام مسلم کو داخل کر دیا اور ہر اُس شخص پر اس کی پابندی لازمی قرار دے دی گئی جو جماعت میں شامل ہو کر تبلیغی کام کرنا چاہتا ہو۔

زمانہ کے اس دستور کے برعکس کہ لوگ اپنی ذات کو مجموعہ محاسن اور دوسروں کو مجموعہ معائب سمجھتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ نے اس بات پر زور دیا کہ اپنے عیب کا تو محاسبہ کیا جائے اور دوسروں کی خوبیوں پر نظر رکھی جائے۔ ایک کارکن کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا: ''کوئی شخص اور کوئی مسلم ہرگز ایسا نہیں کہ کچھ خوبیوں اور کچھ خرابیوں سے خالی ہو۔ ہر شخص میں یقیناً کچھ خوبیاں اور کچھ خرابیاں ہوتی ہیں۔ اگر خرابیوں کے ساتھ نظر اندازی اور ستر (پردہ پوشی) کا اور خوبیوں کی پسندیدگی اور ان کے اکرام کا ہم مسلمانوں میں رواج ہو جائے تو بہت سے فتنے اور بہت سی خوبیاں اپنے آپ دنیا سے اُٹھ جائیں اور ہزاروں خوبیوں کی اپنے آپ بنیاد پڑ جائے۔'' حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی یہی وہ اہم

خصوصیات اور ذریں اصول ہیں جنہوں نے حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کو چشتی سلسلہ کے جلیل القدر مشائخ کی صف میں لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ پروفیسر خلیل احمد نظامی نے بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ: ''حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرید تھے جو دینی بصیرت اور جذبہ اللہ نے انہیں عنایت فرمایا تھا اس کی مثال اس عہد میں مشکل ملے گی۔ گزشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جزب نہیں کیا جس طرح حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ نے کیا تھا۔ (تلخیص از بیس بڑے مسلمان)

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ بمطابق 16 اکتوبر 1879ء کو دوشنبہ اور سہ شنبہ کی درمیانی شب میں بوقت ۱۱ بجے بانگر مؤ ضلع اناؤ میں ہوئی۔ جہاں حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد مولانا حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس تھے۔ تاریخی نام چراغ محمد رکھا گیا۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نسبتاً حسینی سید ہیں۔ آپؒ کے والد ماجد بڑے پایا کے بزرگ تھے۔ ذاکر شاغل، بڑے پاک باز و باخدا انسان تھے۔

کچھ اوصاف اور واقعات و کرامات

ذوقِ عبادت

رسول اللہ ﷺ کی امتیازی شان بندگی اور عبادت تھی۔ اسی لئے عبدہٗ و رسولہٗ کے ممتاز خطاب سے آپ ﷺ کو نوازا گیا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت اپنی شان ربوبیت اور معبودیت میں یکتا اور بے مثال ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ اپنی شان عبدیت اور بندگی میں کامل اور بے مثال تھے۔ اسی کمال عبدیت نے کمال رسالت اور رسولوں کی سیادت کے اعلیٰ مقام پر پہنچایا۔ باوجود یہ کہ آپ ﷺ اللہ کے محبوب ترین بندے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ساری ساری رات قیام و سجود میں گزار دیتے۔ پاؤں پر ورم آجاتا۔ سوال کرنے پر ارشاد ہوتا۔ ''افلا

اکون عبدًا شکورا" ترجمہ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

اس بیسویں صدی میں محب رسول اور متبع سنت نبویہ ﷺ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ کے ذوق عبادت کا وہ لوگ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ کی نماز کو دیکھا ہے۔ ان کی نماز حقیقی نماز ہوتی تھی۔ جس کو حدیث پاک میں معراج المومنین کے نام سے فرمایا گیا ہے۔ اور جس کو احسان کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے کہ: "اللہ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ خیال کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔" (بخاری شریف)

جب حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ نماز میں مشغول ہوتے تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ بندہ سارے عالم سے دستبردار ہو کر اپنے معبود کے ساتھ سرگوشی میں مشغول ہے اور بارگاہ خداوندی میں باریاب ہے۔ جو آیت بھی نماز میں تلاوت ہوتی تھی سننے والوں کو یوں محسوس ہوتا تھا۔ گویا وحی نازل ہو رہی ہے اور وہ کیفیت و رقت طاری ہوتی کہ جس کا بیان دشوار ہے بارہا دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ سفر میں ہیں۔ یا سفر کی مشقت برداشت کر کے آئے ہیں اور پھر سفر کرنا ہے۔ مگر جب نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تو ایسی شان کے ساتھ پڑھتے کہ گویا نہ پہلے تعب تھا۔ نہ آئندہ کوئی سفر کرنا ہے۔

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے اس کا اندازہ اس وقت ہوتا تھا۔ جب انتہائی سوز و گداز کے ساتھ "یا حی یا قیوم برحمتک استغیث" بار بار پڑھتے تھے۔ وصال سے ایک روز قبل کوئی صاحب دم کروا رہے تھے کہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ نے انتہائی بے قراری سے بار بار یہی پڑھا۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا کوئی تکلیف یا درد ہے؟ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہی کیا تکلیف کم ہے کہ آپ حضرات مشغول ہیں اور میں بے کار پڑا ہوں عرض کیا گیا حضرت آپ نے تو بہت کام کیا ہے۔ اتنا کام تو ایک جماعت بھی نہیں کر سکتی۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ نے ارشاد فرمایا۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

رمضان کے مہینے میں ۱۲ بجے تک حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ خود تراویح پڑھاتے۔ اس کے بعد آدھا گھنٹا آرام فرماتے اور پھر تہجد میں مشغول ہو جاتے اور سارا دن تلاوت قرآن کریم میں بسر ہوتا تھا۔

اتباع شریعت وسنت

ایک مکتوب میں حضرت مدنی ؒ فرماتے ہیں۔ ''آپ ذکر اور اتباع شریعت وسنت پر مداومت کرتے رہیئے انشاء اللہ تعالیٰ اصلاح رفتہ رفتہ ہو جائے گی۔''

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ کی زندگی اس دور میں شریعت محمدی اور سنت نبوی کا بہترین نمونہ تھی۔ اس لئے ان کی ہر ادا سے انسانیت نمایاں تھی۔ کیونکہ اصل انسانیت دنیا کے سب سے بڑے انسان کے نقش قدم پر چلنے میں ہے۔ جو آدمی دنیا کے سب سے بڑے انسان کی جتنی اتباع کرے گا۔ وہ اتنا انسانیت سے قریب ہوگا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ چونکہ متبع سنت تھے۔ لہٰذا دیکھنے والا پہلی نگاہ میں بھانپ لیتا تھا کہ واقعی انسان ایسے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم بھی آپؒ سے ملتا تھا۔ تو وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

عزم واستقلال

کوئی شخص سوائے انبیاء علیہم السلام ماں کے پیٹ سے بڑا بن کر نہیں آتا۔ البتہ بڑا بننے کی صلاحیت وقابلیت ہر ایک میں موجود ہوتی ہے۔ پھر جوان صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے اور عزم واستقلال اور ہمت وحوصلہ سے کارنمایاں انجام دیتا ہے۔ وہی بڑا انسان شمار ہوتا ہے۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ کی زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو عزم واستقلال اور ہمت وحوصلہ کے کوہ ہمالیہ نظر آتے ہیں۔ جو کام بھی انجام دیا پورے عزم واستقلال اور انتہائی ہمت وحوصلے کے ساتھ انجام دیا۔ جس کی نظیر دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ وہ بوڑھے اور ضعیف ہو جانے کے باوجود ہمت وحوصلے میں جوان مرد تھے۔ جو تمام جوان مردوں سے سبقت لے گئے تھے۔ برطانیہ کا جس شان سے مقابلہ کیا۔ وہ اپنی نظیر آپ

ہے۔ حصول آزادی کے لئے جوجد وجہد کی اس کا کوئی نمونہ پیش نہیں کرسکتا۔

پھر ہندستان میں مسلمانوں کی حیثیت ووقعت برقرار رکھنے کے لئے جو کارنامے انجام دیئے وہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ ہی کا حصہ تھا اور ابھی کچھ اور زندہ رہتے تو بہت کچھ کرتے۔ جو برطانیہ کی سنگینوں سے ڈرنے والا نہیں تھا۔ وہ ہندوستانی حکومت سے کسی طرح مرغوب نہیں ہوسکتا تھا۔ حصول آزادی کے بعد ایک ساتھی نے عرض کیا کہ اب تو حکومت اپنی بن گئی! تو حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ نے ہنس کر فرمایا:۔

''ہمارے لئے تو پہلے بھی جیل خانہ تھا اب بھی جیل خانہ ہے۔''

ہندوستان میں مسلمانوں کی موجودہ حیثیت بھی حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کے عزم واستقلال کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ ورنہ مظلوم مسلمانوں کی تباہی، مسجدوں، خانقاہوں اور مدرسوں کی بربادی کس حد تک پہنچتی اور نقشہ کیا سے کیا ہوجاتا۔

سادگی اور بے تکلفی

سادگی اور بے تکلفی بھی اعلیٰ انسانی جوہر ہے۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ سادگی اور بے تکلفی میں یکتائے روزگار تھے۔ شیخ طریقت عالم ربانی ہونے کے علاوہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کی ظاہری شخصیت ایک بڑے سیاسی رہنما کی تھی۔ اور ہر سیاسی لیڈر مسلم ہو یا غیر مسلم ملکی ہو یا غیر ملکی حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کے آستانہ پر حاضری کو ضروری اور باعث فخر سمجھتا تھا۔ اس ظاہری عزت ووقار کے باوجود اپنی درویشانہ شان اور بوریہ نشینی اور سنت نبوی کے موافق سادگی کے ساتھ زندگی گزارنا! صرف حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کا ہی حوصلہ تھا۔ یہاں بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور اپنی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ لباس وضع قطع، رہائش، بودوباش سب لطیف اور سادہ تھا اور سنت نبوی کا بہترین نمونہ، حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ سنت کے موافق

چمڑے کا تکیہ استعمال کرتے تھے اور چمڑے کا گول دستر خوان استعمال ہوتا تھا۔ جس پر ہمیشہ ایک سالن ہوتا تھا اور دائرے کی شکل میں کم از کم دس بارہ آدمی دستر خوان کے گرد بیٹھ کر ایک ہی برتن میں کھاتے تھے ان میں سے ایک حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ بھی ہوتے تھے۔ اور ساتھ کھاتے تھے۔ صبح کو ناشتے کے ساتھ باسی روٹی اور مرچ کا اچار ہوتا تھا۔ یہی حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ کا ناشتہ تھا اور یہی تمام مہمانوں کا، ایک دفعہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ نے کھانے والوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''ہم آپ حضرات کے یہاں جاتے ہیں تو آپ مرغ اور حلوے لاتے ہیں اور یہاں باسی روٹی اور مرچ کھانا پڑتی ہے۔'' اس پر حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلوی ؒ (جو ان تمام باتوں کے راوی اور محرر ہیں) نے فرمایا کہ: ''حضرت باسی روٹی اور اچار مرغ سے زیادہ مزیدار ہے۔''

تواضع اور انکساری

انسان کی انسانیت اور برتری و سربلندی کا اصلی راز تواضع اور انکساری میں مضمر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ضرور رفعت اور سربلندی عطا فرماتے ہیں''۔ یہی تواضع و انکساری اصل شان عبدیت ہے۔ جو شخص بھی اپنی حقیقت کا شناسا ہوگا۔ وہ مجسمہ تواضع ہوگا اور کبر و غرور سے بالکل مبّرا ہوگا۔ جو عبدیت کے بالکل منافی اور متضاد ہے۔

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ تواضع اور انکساری کا ایک مجسمہ تھے کبھی صدر مقام پر نہ بیٹھتے تھے اور ہمیشہ نشست کے لئے مجلس کا گوشہ اختیار فرماتے تھے۔ ہر ایک چھوٹے بڑے کو ''آپ'' کے لفظ سے خطاب فرماتے تھے اور ہمیشہ اس انداز سے گفتگو فرماتے کہ گویا چھوٹا اپنے بڑے سے گفتگو کر رہا ہے۔ اور ہر ایک کے ساتھ گفتگو کا یہی انداز تھا۔ گویا حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ کی نظروں میں سب بزرگ تھے اور یہ خورد۔ ہر کام کے لئے خود سبقت کرتے اور ہر محنت و مشقت کے لیے حضرت مولانا حسین سید احمد

مدنی ؒ اپنے آپ کو پیش کرتے۔

عنایتِ تواضع اور انکساری کی وجہ سے اپنے مخالفین و معاندین کا بھی ہمیشہ اچھے الفاظ میں ذکر کرتے اور کسی کو برے لفظ سے یاد نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ گورنمنٹ برطانیہ جس کی عداوت و نفرت حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ کی فطرت بن چکی تھی۔ اس کو بھی ہمیشہ ہماری مہربان گورنمنٹ فرماتے تھے۔ اگرچہ اس لفظ ''مہربان گورنمنٹ'' میں پورا طعنہ ہوتا تھا اور بعض تقاریر میں گورنمنٹ برطانیہ کی تمام مہربانیوں کا راز فاش ہوتا تھا۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ کی یہی خاکساری اور انکساری تھی جس نے مخلوق خدا کو اپنا گرویدہ اور شیدائی بنا رکھا تھا حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ ہر ایک کے سردار اور سرتاج بنے ہوئے تھے۔

قناعت و استغفار

حضرت مولانا کو برٹش حکومت ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کے لئے کثیر مشاہدہ پر (اس وقت کے پانچ سو روپے) ماہوار بلاتی ہے مگر حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ اسے قبول نہیں کرتے۔ حکومت مصر جامع ازہر میں شیخ الحدیث کی جگہ دے کر ایک ہزار روپے ماہوار مشاہرہ، مکان، موٹر اور سال میں ایک دفعہ ہندوستان آنے کا کرایہ دینے کی پیش کش کرتی ہے۔ مگر حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ وہاں تشریف لے جانے سے صاف انکار فرما دیتے ہیں۔ اور دارالعلوم دیوبند کی معمولی سی تنخواہ پر قناعت کرتے ہیں۔

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ کے پاس مال آتا تو مستحقین کے پاس پہنچ جاتا۔ کہا جاتا ہے حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کی زندگی میں کبھی اتنا مال جمع نہیں ہوا کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہو۔

قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی فرماتے ہیں کہ میں نہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ کا شاگرد ہوں، نہ مرید، نہ پیر، بھائی ان کے مجاہدانہ کارناموں سے مجھے ان سے محبت

وعقیدت ہوگئی تھی۔ میں ایک مرتبہ لکھنؤ سے میری طبیعت خراب تھی۔ چادر اوڑھ کر سیٹ پر لیٹ گیا۔ بخار تھا، اعضا شکنی تھی، اس لئے میں کراہتا بھی تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ کون سا اسٹیشن آیا اور کون سا مسافر سوار ہوا۔ بریلی کے اسٹیشن کے بعد ایک شخص نے مرے پاؤں اور کمر دبانا شروع کی۔ مجھے بہت راحت ہوئی۔ چپکا لیٹا رہا اور وہ دباتا رہا۔ مجھے پیاس لگی پانی مانگا تو اس نے اپنی صراحی سے گلاس پانی دیا اور کہا لیجئے میں نے اٹھ کر دیکھا تو حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ تھے۔ مجھے ندامت ہوئی اور معذرت کی، لیکن انہوں نے اس درجہ مجبور کیا کہ میں لیٹ گیا اور حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ رام پور تک برابر مجھ کو دباتے رہے۔ پھر میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ (قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی)

یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے باہر ہے

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ سٹیشن پر شرف زیارت کے لئے گئے۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کے متوسلین میں سے ایک صاحبزادہ محمد عارف ضلع جھنگ دیو بند تک ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھے جس کو ضرورت فراغت لاحق ہوئی۔ وہ رفع حاجت کے لئے گئے اور الٹے پاؤں بادل نہ خواستہ واپس ہوئے۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ سمجھ گئے فوراً چند سگریٹ کی ڈبیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کیں اور لوٹا لے کر پخانہ میں گئے اور اچھی طرح صاف کر دیا اور ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ جایئے پاخانہ تو بالکل صاف ہے۔ نوجوان نے کہا مولانا میں نے دیکھا ہے پاخانہ بالکل بھرا ہوا ہے۔ قصہ مختصر وہ اٹھا اور جا کر دیکھا تو پاخانہ بالکل صاف تھا۔ بہت متاثر ہوا۔ اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا۔ "یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے باہر ہے"۔

راقم الحروف کو یہ بات بھی پہنچی ہے اسی واقعہ کو دیکھنے پر یا اسی طرح کے کسی دوسرے

موقعہ پر اسی ڈبے میں خواجہ نظام الدین تونسوی مرحوم نے اس ڈبے میں ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ کھدر پوش کون ہے جواب ملا یہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ ہیں تو خواجہ صاحب مرحوم بے اختیار ہو کر حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ کے پاؤں سے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ حضرت مدنی نے جلد پاؤں چھڑائے اور پوچھا کیا بات ہے تو خواجہ صاحب نے کہا: ''سیاسی اختلافات کی وجہ سے میں نے آپ کے خلاف فتوے دیئے اور برا بھلا کہا۔ اگر آج آپ کے اس اعلیٰ کردار کو دیکھ کر تائب نہ ہوتا تو شاید سیدھا جہنم میں جاتا۔'' حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی ؒ نے فرمایا: میرے بھائی میں نے تو حضور ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے۔ اور وہ سنت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ایک یہودی مہمان نے بستر پر پاخانہ کر دیا تھا۔ صبح جلدی اٹھ کر چلا گیا جب اپنی بھولی ہوئی تلوار لینے واپس آیا تو دیکھا کہ حضور ﷺ بہ نفسِ نفیس اپنے دست مبارک سے بستر دھو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔ (تلخیص بیس بڑے مسلمان)

قارئین سے ایک گزارش

محترم قارئین! گزشتہ صفحات میں آپ نے امت محمدیہ ﷺ کے صرف اور صرف دس علماء کرام کی حیات کے کچھ درخشاں پہلو ملاحظہ فرمائے، جو کہ بطورِ نمونہ کے آپ کے سامنے پیش کئے گئے۔ خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت میں اللہ نے بلند پایہ اور عظیم علماء پیدا فرمائے، بے شک جب ہم پچھلی امتوں کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسے اہل علم تاریخ میں نہیں ملتے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی امت میں ایسے عظیم علماء کا پیدا ہونا بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس امت کو اس طرح کی تمام خصوصیات حضور ﷺ کے صدقے ہی ملی ہیں، دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ ﷺ کا سچا امتی بن کر آپ ﷺ کے دین کو ساری دنیا میں پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۷۱

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے امی بنا کر مبعوث فرمایا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے اکترہویں خصوصیت شروع کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے امی بنا کر مبعوث فرمایا'' اور بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے اپنے آقا ﷺ کے روضے کے سامنے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے، حالانکہ اس سے قبل بھی میں نے کئی کتابیں لکھی ہیں لیکن جو سرور اور لطف مسجد نبوی میں رسولِ اکرم ﷺ کے روضے مبارک کے سامنے بیٹھ کر آرہا ہے، اس سے قبل کبھی بھی ایسا سرور محسوس نہیں ہوا اس لئے کہ میرے آقا ﷺ کے مدینے کی بات ہی کچھ اور ہے، اور پھر میرے آقا ﷺ کی مسجد کی بات ہی نرالی ہے، پھر اس سے بھی بڑھ کر میرے آقا ﷺ کے روضہ کی بات سب سے نرالی اور انوکھی اور ایمان میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہے، خداوند قدوس میری اس کاوش کو اپنے بارگاہ میں مقبول ومنظور فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ بھی ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو امی بنایا لیکن ہمارے نبی ﷺ نے اپنی زندگی میں جو کارنامے سرانجام دیئے، وہ بڑے سے بڑے علم والوں سے ممکن نہیں ہیں، چنانچہ دیگر انبیاء کرامؑ کو اللہ نے علم دیکر مبعوث فرمایا لیکن ہمارے نبی ﷺ کو امی بنا کر کائنات کا سب سے بڑا معلم بنایا تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا امی بنکر مبعوث ہونا اور پھر دنیا والوں کو علوم الٰہی سے روشناس کرانا آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے، جیسا کہ تفصیل آپ آنے والے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے جسے ہم نے عین قرآن وحدیث کی روشنی میں مرتب کیا ہے، بے شک اب ہماری نجات اسی میں

ہے کہ ہم اپنے نبی امی ﷺ کی تعلیمات کو اپنے سینے سے لگائیں اور زندگی کے ہر موڑ پر تعلیمات نبوی ﷺ ہی پر عمل پیرا ہوں، دعا گو ہوں کہ خداوند قدوس ہم سب کو اپنے محبوب نبی ﷺ کی سیرت وصورت اور تعلیمات وسنت کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ چنانچہ اب لیجئے آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ کیجئے:۔

اکترہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

قرآن مجید میں رسولِ اکرم ﷺ کو ''النبی الامی'' کہہ کر پکارا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرسولَ النَّبِیَّ الاُمِّیَّ ''یہ وہ لوگ ہیں یعنی مسلمان جو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ناخواندہ پیغمبر کی متابعت کرتے ہیں۔''

بعض لوگوں نے ''امی'' کے معنی ''ناخواندہ'' کرنے کی بجائے اس کی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ''امی'' کے معنی محاورۂ عرب کے مطابق ''ان پڑھ'' ہی ہیں یعنی وہ شخص جو لکھا پڑھا نہ ہو۔ اور اس نے ظاہری تعلیم حاصل نہ کی ہو۔

رسولِ اکرم ﷺ کا ''امی'' ہونا فی الحقیقت ایک بہت بڑا معجزہ تھا اور اللہ کے نشانوں میں ایک عظیم نشان تھا۔ آپ ﷺ کا ''امی'' ہونا مصلحت الٰہی کے عین مطابق تھا اور مصلحت الٰہی یہ تھی کہ قرآن حکیم ایک ''امی'' کی زبان سے ادا ہوا۔ وہ قرآن جو اپنی فصاحت وبلاغت میں لاجواب ہے۔ جو اسرار ونکات، حقائق ومعارف اور احکام ومواعظ کا خزینہ ہے۔ اور جو ماضی اور مستقبل کے حالات وواقعات کا آئینہ ہے۔

اگر کسی ایسے شخص کی زبان سے ادا ہوتا جس نے اپنے وقت کے علماء وفضلاء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہوتا اور دنیوی تعلیم حاصل کی ہوتی تو کفار کہہ سکتے تھے کہ یہ سب کمال اس کی تعلیم اور استادوں کا ہے۔ لیکن جب وہ دیکھتے تھے کہ یہ بات اس شخص کی زبان سے ادا ہو رہی ہے جو انہی کی قوم میں پیدا ہوا جو انہی کے درمیان پلا بڑھا اور ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند کے داغ سے بالکل پاک ہے تو ان کی زبانیں گنگ ہو جاتی تھیں۔ تاہم بعض

بعض باطل پرست اپنی خفت مٹانے کے لئے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ قرآن اور حامل قرآن پر کوئی نہ کوئی اعتراض جڑتے رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اعراضات کا جواب اس طرح دیا ہے:۔اے نبی نزول قرآن سے پہلے نہ تو آپ نے کوئی کتاب پڑھی تھی، اور نہ آپ کو اپنے ہاتھوں سے لکھنا ہی آتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست شبہ کرتے۔ بلکہ یہ کھلی آیتیں ہیں، جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں، جن کو علم عطا کیا گیا ہے، اور ہماری آیت سے صرف گناہ گار ہی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر ﷺ) پر خدا کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں ہیں؟ کہہ دیجئے کہ نشانیاں اللہ کے قبضہ میں ہیں، میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں، کیا ان کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ اس میں ایمان داروں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔ (سورۂ عنکبوت، ع ۵)

ان آیات کا مفہوم بالکل واضح ہے، یعنی اگر آپ (ﷺ) پڑھے لکھے ہوتے تو مشرکین ضرور شک کرتے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے پہلی کتابوں سے مضامین کا اقتباس کر کے قرآن بنالیا ہے۔ لیکن رسولِ اکرم ﷺ کے ناخواندہ ہونے کی وجہ سے ان کا شک کرنا یا اعتراض کرنا نری ہٹ دھرمی تھی۔

یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ انسانوں کے لئے تکبر وانانیت جائز نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے تکبر وانانیت صفت مدح ہے۔ اسی طرح ناخواندہ ہونا عام انسانوں کے لئے تو عیب کا باعث ہے لیکن رسولِ اکرم ﷺ کے لئے صفت مدح اور باعث ستائش ہے کہ باوجود ناخواندہ ہونے کے رسولِ اکرم ﷺ کی ذات اقدس میں ایسے علمی اور عملی کمالات ودیعت کئے گئے تھے کہ ان کی مثال کائنات کی کسی بڑی سے بڑی ہستی میں بھی نہیں مل سکتی۔

"یہ رسولِ اکرم ﷺ کے برگزیدہ رسول اور برحق ہونے کی ایک زندہ اور دائمی شہادت تھی۔" ایک دفعہ ایک عیسائی نے (جو مشرکین سے ملا ہوا تھا) بظاہر اسلام قبول کرلیا اور رسولِ اکرم ﷺ سے سورۂ بقرہ اور آلِ عمران پڑھی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس کو کتابت وحی

کی خدمت تفویض کی۔

کچھ عرصہ بعد وہ مرتد ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے محمد (رسولِ اکرم ﷺ) کو جو کچھ لکھ کر دیا ہے اس کے سوا (نعوذ باللہ) وہ کچھ نہیں جانتے۔ اس کی افترا پردازی پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور فرشتۂ اجل نے اس کو مزید شرانگیزی کی مہلت نہ دی۔ مرنے کے بعد اس کی لاش کو زمین بھی قبول نہ کرتی تھی۔ دوسری طرف مشرکین نے دیکھ لیا کہ اس بدبخت کے مرنے کے بعد بھی فیضانِ نبوت کا بحرِ زخار اسی طرح موجزن ہے۔

ایک دفعہ کفار نے اس شبہ کا اظہار کیا کہ مکہ کا ایک نصرانی غلام رسولِ اکرم ﷺ کو سکھاتا پڑھاتا ہے۔ حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ یہ نصرانی غلام کبھی کبھی اپنی زبان میں کتب مقدسہ پڑھتا تھا اور رسولِ اکرم ﷺ راستہ چلتے چلتے کبھی اس کے پاس کھڑے ہو جاتے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ نہ تو ان کتابوں کی زبان سمجھتے تھے اور نہ وہ غلام عربی جانتا تھا۔ کفار کے اس بے جا شبہ کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس طرح دیا: ”اور ہم کو بالتحقیق یہ علم ہے کہ یہ مشرکین کہتے ہیں کہ محمد (رسولِ اکرم ﷺ) کو کوئی آدمی تعلیم دیتا ہے، جس شخص کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے۔ (سورہ نحل۔ ع۱۴)

غرض یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ کا ”امی“ ہونا ایک عظیم الشان معجزہ تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ ”امی“ تھے لیکن اتنا بلند معیارِ اخلاق (اسوۂ حسنہ) پیش کیا کہ قیامت تک اس کی مثال نہیں مل سکتی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فلسفۂ اخلاق کے وہ مسائل حل کئے کہ ارسطو اور افلاطون کا طائرِ خیال بھی وہاں تک نہ پہنچا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی روحانی اور اخلاقی تعلیمات نے ظلمت کدہ جہاں میں ایسی شمع روشن کی جو ابدالآباد تک نور افشاں رہے گی۔ اسے معجزہ کے سوا کچھ اور کہنا ناممکن ہے۔ (بحوالہ حسنت جمیع خصالہ)

اور رسولِ اکرم ﷺ کے معجزہ ”امیت“ سے متعلق علامہ شبلی نعمانیؒ اپنی کتاب سیرت النبیؐ میں لکھتے ہیں کہ:۔ یہ واقعہ محتاجِ بیان نہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند کے داغ سے پاک تھے۔ قرآن مجید نے متعدد موقعوں پر اس واقعہ کا اظہار کیا

ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں ہے کہ: ﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾ ''یہ مسلمان وہ ہیں جو ان پڑھ پیغمبر اور فرستادہ الٰہی کی پیروی کرتے ہیں۔''

اسی سورت میں پھر اس کے بعد ہی ہے: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ﴾ ''تو لوگو! خدا پر اور اس کے ان پڑھ پیغمبر اور فرستادہ پر ایمان لاؤ۔''

سورۂ جمعہ میں نہ صرف رسولِ اکرم ﷺ کے ''امی'' بلکہ اغلب آبادی کی حالت کے لحاظ سے تمام قریش اور عرب کے ''امی'' ہونے کا اظہار ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ.﴾ (جمعہ) ''اسی خدا نے امیوں کے درمیان ان ہی میں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا۔''

دوسری جگہ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے کہ: ''اور قرآن کے نزول سے پہلے اپنے پیغمبر نہ تو تم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھ سکتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو یہ باطل پرست شک کر سکتے تھے۔'' (عنکبوت)

اس سے معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ کا انسانی تعلیم سے پاک ہونا بھی مصلحتِ الٰہی کا ایک خاص منشاء تھا، اسی لئے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ: ''اور معترضین کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانیاں کیوں نہیں اتریں، کہہ دے کہ نشانیاں خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور میں تو صرف خدا سے ڈرانے والا ہوں، کیا ان معترضین کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر (جو ''امی'' ہے) کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔'' (عنکبوت)

قرآن مجید کی مختلف صورتوں میں اس کا اظہار ہے کہ: ''اے محمد! تمہاری زبان سے آج گزشتہ پیغمبروں، اگلی، امتوں اور عہد ماضی کے واقعات ادا ہوتے ہیں ان واقعات اور حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے تین ہی ذریعے انسان کے ہاتھ میں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس واقعہ کے وقت موجود ہو۔ دوسرا یہ کہ ان حالات کو کتابوں میں پڑھے۔ تیسرا یہ کہ اوروں سے سنے۔

رسولِ اکرم ﷺ اطلاع کے ان ذرائع سے نا آشنا تھے۔ اول ذریعہ تو ظاہر ہے کہ مفقود تھا۔ قرآن مجید سے آدم سے مولدِ محمدی تک تمام واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کی پیدائش سے پہلے وقوع پزیر ہوئے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ کے پاس ان کے علم کا کوئی ظاہری ذریعہ نہ تھا اسی لئے قرآن مجید نے متعدد مواقع مثلاً حضرت مریمؑ اور حضرت زکریاؑ کے قصہ میں کہا ہے کہ: "یہ گزشتہ زمانہ کی خبروں میں سے ہے جس کو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں۔ تو ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھا جب وہ اپنا اپنا پانسہ ڈال رہے تھے کہ کون مریم (علیہ السلام) کی کفالت کرے گا اور نہ تو ان کے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے۔" (سورۂ آلِ عمران)

حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ: "جب ہم نے موسیٰ کو اپنا فیصلہ دیا تو تو اس وقت مغربی گوشہ میں موجود نہ تھا بلکہ ہم نے صدیاں اس پر گزار دیں، قومیں پیدا کی گئیں جن کی بڑی بڑی عمریں ہوئیں اور نہ تو اہل مدین میں قیام پزیر ہو کر آیات الٰہی ان کو پڑھ پڑھ کر سناتا تھا بلکہ ہم آئندہ تم کو بھیجنے والے تھے اور نہ تو اس وقت گوشۂ طور میں تھا جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی بلکہ (اس قصہ کا علم جو تجھ کو حاصل ہو رہا ہے یہ) محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے۔" (سورۂ قصص)

حضرت یوسفؑ کے قصہ میں فرمایا کہ: "یہ اس گزشتہ زمانہ کا قصہ کا علم ہم تم کو اپنی وحی سے عطا کر رہے ہیں، تو اس وقت ان میں موجود نہ تھا، جب وہ باہم مشورہ سے بات کر رہے تھے۔" (سورۂ یوسف)

علم کا دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ کتابوں کو پڑھ کر اطلاع حاصل ہو۔ قرآن مجید نے اس کی بھی نفی کی: ﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ﴾ (سورۂ عنکبوت)

"نہ تو تو اس سے پہلے کوئی کتاب پڑھ کر سناتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے تو اس کو لکھ سکتا تھا۔" ﴿مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ (سورۂ شوریٰ۔ ۵)

"تجھ کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کس کو کہتے ہیں۔"

تیسری صورت یہ تھی کہ دوسروں سے سن کے یہ علم حاصل کیا جائے۔ سب کو معلوم ہے کہ نبوت سے پہلے رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی تمام تر مکہ معظمہ میں گزری۔ بجز اس کے کہ چند مہینے بصریٰ وغیرہ کے سفر تجارت میں گزرے ہوں اور خود مکہ معظمہ میں نہ ان واقعات کا کوئی واقف کار تھا اور نہ قریش کو ان سے آگاہی تھی۔ اس لئے یہ ذریعۂ علم بھی ثابت نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے علی الاعلان کہا کہ: ''یہ گزشتہ زمانہ کی باتیں ہیں جن کی بذریعہ وحی ہم تجھ کو تعلیم کرتے ہیں، تو خود اور تیری قوم اس سے پہلے آگاہ نہ تھی۔'' (سورۂ ھود)

رسولِ اکرم ﷺ کی جو زندگی مکہ معظمہ میں گزری اور سفر تجارت میں قریش کے شامی قافلوں کے ساتھ جو زمانہ بسر ہوا، اس کا ایک ایک واقعہ قریش کے سامنے تھا، جب رسولِ اکرم ﷺ مکہ میں تھے تب بھی رسولِ اکرم ﷺ قریش کے مجمع میں تھے اور جب کبھی مکہ سے باہر گئے تو بھی قریش ہی کے جھرمٹ میں رہے۔ اس لئے رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی کا کوئی لمحہ ان سے مخفی نہ تھا۔ اگر رسولِ اکرم ﷺ نے کوئی ظاہری تعلیم پائی ہوتی تو شاعر و مجنون و ساحر کی طرح وہ اس الزام کا اظہار بھی کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے نہیں کہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اس بات کا یقین تھا کہ محمد کا سینہ ظاہری تعلیم کے عیب سے داغدار نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے بآواز بلند کہا کہ: ''اگر خدا کو منظور ہوتا تو میں تم کو نہ یہ قرآن پڑھ کر سناتا اور نہ خدا تم کو اس قرآن سے آگاہ کرتا۔ اس سے پہلے میں مدتوں تم میں رہ چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے۔'' (سورۂ یونس)

قرآن مجید نے ان تمام شکوک اور الزامات کو دہرایا ہے۔ ان کو یہ شک تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ کسی دوسروں سے سن کر یہ قرآن پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کے اس اعتراض کو نقل کیا، اور اس کا جواب دیا کہ: ''اور ہم کو بہ تحقیق معلوم ہے کہ کفار کہتے ہیں کہ محمد کو کوئی آدمی سکھاتا ہے، اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ فصیح عربی ہے۔'' (سورۂ نحل)

سورۂ فرقان میں چند آدمیوں کی شرکت کا شبہ مذکور ہے۔ فرمایا کہ: ''اور کافر کہتے

ہیں کہ یہ قرآن من گھڑت چیز ہے جس کو محمدؐ نے گھڑ لیا ہے اور اس افتراء پردازی میں چند اور آدمی بھی شریک ہیں۔ وہ یقیناً غلط اور جھوٹ کہتے ہیں۔" (سورۂ فرقان)

یہ سب شبہات کئے گئے مگر کفار نے کبھی یہ شبہ نہیں ظاہر کیا کہ محمد نے چپکے سے پڑھنا سیکھ لیا ہے اور دوسری آسمانی کتابیں پڑھ کر یہ قرآن بنا لیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کی امیت پر ان کو یقین تھا۔ مدینہ آکر یہودیوں سے معاملہ پڑا۔ روایات میں بکثرت اس قسم کے واقعات مذکور ہیں کہ یہود رسول اکرم ﷺ سے وہ سوالات کرتے تھے جو ان کی کتابوں میں مذکور تھے اور کہتے تھے کہ ان کے جواب پیغمبر ہی دے سکتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ ان کے صحیح جواب دیتے تھے۔ اور وہ متحیر رہ جاتے تھے۔

اس واقعہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ یہود کو بھی یہ یقین تھا کہ محمد رسول اللہؐ امی محض ہیں، اور ہماری کتابوں کو انہوں نے نہیں پڑھا ہے اور نہ پڑھ سکتے ہیں۔ اور نہ اس جرأت کے ساتھ وہ اپنی کتابوں کے سوالات اس شخص کے سامنے جس کی نسبت ان کو معلوم ہوتا کہ وہ ان کو پڑھ چکا ہے یا پڑھ سکتا ہے نہ پیش کرتے اور نہ اس کو حق و باطل کا معیار قرار دیتے۔ قریش کو جس شخص کی نسبت شبہ تھا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کو سکھاتا ہے، اس کے متعلق امام طبری نے تفسیر میں مختلف روایتیں نقل کی ہیں جن سے اس شخصیت اور نام کے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا، تاہم مجموعی حیثیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں کوئی نصرانی غلام تھا جو اپنی زبان میں کتب مقدسہ پڑھتا تھا اور رسول اکرم ﷺ راستہ چلتے اس کے پاس کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ اسی پر کفار نے کہا کہ محمد کو یہی قرآن کی آیتیں سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ: "اس غلام کی، اور جو کتابیں وہ پڑھتا ہے ان کی زبان عربی نہیں اور نہ وہ عربی جانتا ہے اور رسول اکرم ﷺ عربی کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتے اور قرآن کی زبان فصیح عربی ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ رسول اکرم ﷺ غیر عربی کو سمجھ لیں اور وہ عجمی غلام قرآن جیسی فصیح زبان میں کلام کرے۔"

رسول اکرم ﷺ کے بچپن کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ

رسول اکرم ﷺ کو آپ ﷺ کے چچا ابو طالب اپنے ساتھ شام لے جا رہے تھے۔ راستہ میں بحیرا نام کے ایک راہب نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھ لیا اور آثار سے پہچان لیا کہ آپ ﷺ ہی پیغمبر آخر الزمان ہیں۔ چنانچہ اس نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ "ان کو مکہ واپس بھیج دو ورنہ اگر یہود دیکھ لیں گے تو قتل کر ڈالیں گے۔"

اگر چہ یہ واقعہ جیسا کہ سیرت نبویؐ جلد اول (شام کا سفر) میں بہ تفصیل لکھا جا چکا ہے تفصیل کے لئے وہاں مراجعت کی جاسکتی ہے کہ صحیح نہیں ہے۔ تاہم ہمارے عیسائی احباب اس ضعیف روایت پر اپنے شکوک وشبہات کی عظیم الشان عمارت قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؑ نے اسی راہب کی صحبت سے فیض حاصل کیا ہے۔

اگر یہ صحیح ہے تو دنیا کے لئے اس سے بڑا معجزہ رسول اکرم ﷺ کا اور کیا چاہئے کہ ایک ابجد ناشناس طفل دوازدہ سالہ نے چند گھنٹوں میں حقائق واسرار دین، اصول عقائد، نکات اخلاق، مہمات قانون اور ایک "شریعت عظمیٰ" کی تکمیل وتاسیس کے طریقے سب کچھ سیکھ لئے۔ کیا ہمارے عیسائی دوست اس معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں؟ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی پورے ۲۳ برس تک قائم رہی، اگر رسول اکرم ﷺ کسی انسانی معلم سے فیض پاتے تو ضرور تھا کہ وہ اس پورے زمانہ تک یا بڑی حد تک خلوت وجلوت میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ رہتے کہ وقت ضرورت (نعوذ باللہ) رسول اکرم ﷺ اس سے قرآن بنواتے۔ احکام ومواعظ سیکھتے۔ اسرار نکات معلوم کرتے اور یہ شخص یقیناً مسلمان نہ ہوتا۔ کیونکہ جو شخص خود مدعی نبوت کو تعلیم دے رہا ہو وہ کیوں کر اس کی نبوت کو تسلیم کرسکتا تھا اور پھر اس شہرتِ عام، ذکر جمیل، رفعت مقام کو دیکھ کر جو مدعی نبوت کو حاصل ہو رہی تھی وہ خود پردہ کے پیچھے گمنامی پسند کرتا اور صحابہ کرامؓ کی نگاہوں سے اس کا وجود ہمیشہ مستور رہتا۔ جس کی نسبت قریش کو شبہ تھا۔

اگر حقیقت میں رسول اکرم ﷺ اس سے تعلیم حاصل کرتے تو قریش جو رسول اکرم ﷺ کی تکذیب، تذلیل اور رسول اکرم ﷺ کو خاموش کرنے کی ہر تدبیر پر عمل پیرا ہو رہے تھے

کہ اس غلام عجمی کو الگ کر دیتے، کہ رسولِ اکرم ﷺ کی وحی اور قرآن کا تمام کاروبار دفعتاً درہم برہم ہو جاتا۔

علاوہ ازیں زیادہ سے زیادہ اس کا وجود مکہ میں تھا، پھر مدینہ میں فیضان الٰہی کا سرچشمہ کیوں ابلتا رہا۔ قرآن مجید، شریعت اسلام اور احکام کا بڑا حصہ یہیں وحی ہوا ہے مکہ میں تو نسبتاً بہت کم صورتیں نازل ہوئی ہیں۔ جب مدینہ منورہ میں اسلام کا چرچہ پھیلا تو یہود ونصاریٰ نے اسلام کو بدنام اور بے اثر کرنے کی ایک تدبیر یہ سوچی کہ لوگ جھوٹ موٹ آ کر پہلے مسلمان اور پھر چند روز کے بعد مرتد ہو جائیں، تاکہ رسولِ اکرم ﷺ کی بدنامی ہو اور لوگوں کا خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کر کے کوئی کیوں چھوڑ دیتا؟

سورہ اٰل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ، شاید وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائیں۔'' چنانچہ اسی سازش کے مطابق ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا اور سورۂ بقرہ اور سورۂ اٰل عمران پڑھی، رسولِ اکرم ﷺ نے کتابت وحی کی خدمت اس کی سپرد کی، چند روز کے بعد وہ مرتد ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے محمد (رسولِ اکرم ﷺ) کو جو کچھ لکھ دیا ہے وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ خدا نے اپنی نشانی ظاہر کی اور موت نے بہت جلد اس کی افترا پردازی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا، اور دنیا نے دیکھ لیا کہ رسولِ اکرم ﷺ کے فیضان نبوت کا چشمہ اب بھی اسی طرح جوش زن ہے۔

صلح حدیبیہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان عہد نامہ مرتب ہو رہا تھا، حضرت علیؓ عہد نامہ لکھ رہے تھے، عہد نامہ کی عبارت یہ تھی کہ ''یہ شرائط جن کو خدا کے رسولِ محمد ﷺ نے منظور کیا۔'' قریش نے کہا: اگر آپ کو خدا کا رسول مانتے تو اس لڑائی کی نوبت ہی کیوں آتی؟ اس لفظ کو مٹا کر اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو فرمایا: ''حسب خواہش ترمیم کرو۔'' حضرت علیؓ نے کہا: ''مجھ سے یہ گستاخی نہیں ہوسکتی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے پوچھا وہ الفاظ کہاں ہیں؟

حضرت علیؓ نے انگلی رکھ کر بتایا، تو رسولِ اکرم ﷺ نے خود اپنے دستِ مبارک سے رسولِ اللہ ﷺ کا لفظ مٹادیا اور محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔

یہ واقعہ بخاری، مسلم نسائی، مسند ابن حنبل اور تمام کتب سیر میں مذکور ہے، اسی کے ساتھ بخاری میں یہ تصریح ہے کہ "ولیس یحسن یکتب" اور مسند احمد میں بروایت اسرائیل یہ الفاظ ہیں "ولیس یحسن ان یکتب" یعنی رسولِ اکرم ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے، لیکن باوجود اس کے تمام احادیث وسیر میں یہ ہے کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ نے محمد بن عبداللہ کے الفاظ لکھ دیئے۔''

روایت کے ظاہری معنی سے بعضوں کو یہ شبہ ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے خود اپنے دستِ مبارک سے یہ الفاظ لکھے اور رسولِ اکرم ﷺ نے شائد اخیر زمانہ میں لکھنا سیکھ لیا تھا۔ ابن ابی شیبہ نے مجاہد کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ: رسولِ اکرم ﷺ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک رسولِ اکرم ﷺ کو پڑھنا لکھنا نہ آ گیا۔''

اور ایک اور روایت (بواسطہ یونس بن میسرہ عن ابی کبشۃ السلول عن سہل بن الحنظلیہ) نقل کی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت امیر معاویہؓ سے ایک فرمان لکھوا کر اقرع اور عیینہ کو عنایت فرمایا۔ انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے آکر کہا کہ معلوم نہیں اس میں کیا لکھا ہے؟ رسولِ اکرم ﷺ نے اس پر ایک نظر ڈال کر فرمایا: ''وہی لکھا ہے جو میں نے حکم دیا ہے۔''

اگر یہ روایتیں صحیح ہیں تو رسولِ اکرم ﷺ کا ایک اور معجزہ ہوگا کہ انسانی تعلیم کے بغیر اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو یہ فن بھی اپنی بارگاہ سے عنایت کیا، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایتیں تمام تر موضوع یا نہایت ضعیف ہیں۔ اس لئے رسولِ اکرم ﷺ کی اُمیّت کے متعلق جو متواتر روایتیں ہیں ان سے ان کی تنسیخ نہیں ہوسکتی۔

یہ ممکن ہے کہ اُمی سے اُمی آدمی کے ہاں جب شب و روز لکھنے پڑھنے کا کام لگا رہے تو وہ کسی قدر حرف شناس ہو جائے۔ خصوصاً اپنے نام اور دستخط کو پہچان لینا اور ان کو لکیر کھینچ کر لکھ دینا تو معمولی بات ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ فاعل مجازی و حقیقی فرامین اور مراسلات

لکھاتے ہیں، محاورۂ علم میں ان کو لکھنا ہی کہتے ہیں۔

آپ کہتے ہیں کہ ”عالمگیر نے یہ فرمان لکھ دیا، شاہجہان نے جامع مسجد بنوائی، فلاں بادشاہ نے یہ قلعہ تعمیر کیا۔“ حالانکہ لکھنے والے، بنانے والے اور تعمیر کرنے والے کاتب اور معمار تھے، مگر چونکہ ان سلاطین کے حکم اور ان ہی کی طرف سے وہ لکھا یا بنایا گیا، اس لئے بولنے والے خود سلاطین اور امراء کی طرف فعل کی نسبت کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی محاورہ کے مطابق اس موقع پر جب رسولِ اکرم ﷺ نے سلاطین عالم کے نام دعوت نامے بھیجے ہیں، تو وہاں عام طور پر یہ الفاظ ہیں کہ ﴿و کتب الیٰ قیصر و کتب الیٰ کسریٰ.﴾

”رسولِ اکرم ﷺ نے قیصر کو یہ خط لکھا۔ کسریٰ کو یہ خط لکھا۔“ مگر سب کو معلوم ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے دست خاص سے یہ خطوط لکھ کر نہیں بھیجے۔ مگر چونکہ رسولِ اکرم ﷺ ہی نے لکھوائے تھے، اس لئے ان کی نسبت رسولِ اکرم ﷺ ہی کی طرف کی گئی ہے۔

قرآن پاک نے رسولِ اکرم ﷺ کو بار بار برملا ”اُمی“ کہا ہے، اس سے زیادہ ثبوت اس کا اور کیا چاہئے، لیکن رسولِ اکرم ﷺ امی ہو کر، امیوں میں پل کر کتب سابقہ کی ظاہری تعلیم سے نا آشنا ہو کر بھی سب کچھ جانتے تھے۔ اور یہ رسولِ اکرم ﷺ کا معجزہ تھا۔ اور آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔

کفار کو خطاب کر کے قرآن کہتا ہے کہ محمد (ﷺ) کی صداقت کی یہ دلیل کافی نہیں کہ وہ نا آشنائے تعلیم ہو کر بھی وہ سب کچھ جانتا ہے جس کی علمائے بنی اسرائیل کے سوا اور کسی کو خبر نہیں ہے۔ **انہ لفی زبر الا ولین اولم یکن لھم ایة ان یعلمۂ علماء بنی اسرائیل .** (سورۃ الشعراء۔۱۱) ”یہ باتیں گزشتہ پیغمبروں کی کتابوں میں ہیں، کیا ان کافروں کے لئے یہ نشانی نہیں کہ ان باتوں کو (جو ایک اُمی کی زبان سے ادا ہو رہی ہیں) بنی اسرائیل کے عالم جانتے ہیں۔“ (بحوالہ سیرت النبیؐ از علامہ شبلی نعمانیؒ و سید سلیمان ندویؒ)

اور آپ ﷺ کی اس خصوصیت کے حوالے سے مولانا قاضی سلیمان منصور پوریؒ اپنی کتاب رحمۃ اللعالمین (ﷺ) میں لکھتے ہیں کہ:۔ ”اُمی“ یہ محقق ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے سوا

"الرسول النبی الامی" اور کسی نبی کا لقب نہ تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کا یہی لقب انبیائے کرام کو اور سابقہ امم کو بتایا گیا ہے۔ علماء نے اسم اُمی کے متعلق جو پاکیزہ خیالات ظاہر فرمائے ہیں۔ ناظرین کے لئے ان پر عبور موجب فرح وسرور ہوگا۔

(الف) اُمی...... امّ القریٰ کی نسبت سے ہے، اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کا نام ام القریٰ فرمایا ہے:۔ ﴿ولتنذِرَ اُمَّ القُریٰ ومَن حَولَهَا.﴾ "کہ تو ام القریٰ کو اور اس کے ارد گرد کی بستی کو ڈرائے۔" مشہور قدیم جرمن مورخ سپر بنجر اور سکر بدر کا قول ہے کہ ان محققین کی رائے بالکل درست ہے جو اولاد سام کا اصلی وطن ملک عرب کو قرار دیتے ہیں۔

اسلامی روایات صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں سب سے پہلی آبادی "بلدہ مکہ معظمہ ہے" جہاں خانہ بدوشوں نے قیام کیا اور بربریت وتوحش کو چھوڑ کر عمران وتمدن کی زندگی میں داخل ہوئے۔ الغرض تاریخ اور روایات کے مجموعی اتفاق سے ثابت ہے کہ مکہ ام القریٰ ہے۔ اب سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ السلام کی دعا کی طرف توجہ کرنا چاہئے، انہوں نے بنائے مکہ کے وقت یہ دعا کی تھی:۔ ﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ﴾ (بقرہ) "اے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنائیو، اور یہاں والوں کو میوہ جات کھلایا کیجیو۔" دعا کے یہ الفاظ بھی ہیں: ﴿وَابعَثْ فِيهِم رَسُولاً مِّنهُم﴾ (بقرہ) "ان میں ایک شاندار رسول بھی جوانہی میں سے ہو مبعوث کی جیو۔"

دعائے خلیل میں دو باتیں عجیب ہیں: (۱) اس بستی کے رہنے والوں کے لئے جہاں کی زمین نا قابل زراعت ہے، میوہ جات وثمرات بکثرت ملنے کی استدعا۔ چنانچہ ان الفاظ کی برکت آج تک نظر آ رہی ہے کہ مکہ کے بازار سبزیوں اور گوناگوں میوہ جات سے بھرے نظر آتے ہیں۔ یہ علامت ظاہری اس امر پر دال ہے کہ رب العالمین نے فی الواقع اپنے خلیل کی دعا کو من وعن شرفِ قبولیت بخشا۔

(۲)...... اور یہی دعا بوضوح بتلا رہی ہے کہ صرف خوراک جسمانی یا لذائذِ کام ودین تک ہی اس کا اثر محدود نہ تھا۔ بلکہ روحانیت کے لئے دعا کے الفاظ زیادہ پرزور تھے۔

وعدہ کا رسول اور دعائے خلیل کا رسول مبعوث ہوا اور بڑی شان کے ساتھ مبعوث ہوا اس کے جنسی ونسبی تعلقات انہی لوگوں کے ساتھ تھے جو اس بستی کے سردار تھے۔ لہٰذا ام القریٰ کی نسبت سے اسے امی کہنا درست ٹھہرا۔

اسم امی، ام کی طرف منسوب ہے، اس اعتبار سے کہ رسولِ اکرم ﷺ بوجہ پاکی فطرت وعصمت منجانب رب العزت جملہ عیوب نقائص سے ایسے ہی پاک وصاف ہیں جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا شدہ بچہ ہوتا ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ طیبہؓ نے انہیں معانی پر نظر رکھتے ہوئے اشعار ذیل رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں پڑھے تھے اور ان اشعار کو سنکر رسولِ اکرم ﷺ نہایت مسرور ہوئے تھے۔

ومبرء من كل غير حيضة .... وفساد مرضعة وداء مخيل

واذا نظرت الىٰ اسرة وجهه .... برقت بروق العارض المتهلل

اور امی ام کی طرف منسوب ہے، اس اعتبار سے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ولادت کے بعد اکتساب علوم وفنون کی جانب کوئی رغبت نہ کی تھی اور رسولِ اکرم ﷺ کی لوح قلب پر تقریراً یا تحریراً کسی ایک حرف کا نقش بھی ثبت نہ ہوا تھا۔

ملک عرب کی حالت بھی یہی تھی کہ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری ہوتے تھے، وہ اپنی تمام عمر اسی حالت میں پوری کر دیا کرتے، جو ایک ایسے بچہ کی ہوتی ہے جو نہ مکتب گیا، نہ درس، نہ قلم ہاتھ میں پکڑا نہ سبق زبان پر جاری ہوا۔ یہودیوں نے اسی لئے اہل عرب کا نام ''امیون'' رکھ دیا تھا۔ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُم قَالُوا لَيسَ عَلَينَا فِي الاُمِّيّينَ سَبِيل﴾

''یہودی کہتے ہیں کہ ہم ان امی لوگوں کے ساتھ خواہ کچھ ہی برتاؤ کریں، ہم پر کچھ مواخذہ نہ ہوگا۔'' یہی نام اہل عرب کے لئے معرفہ بن گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِى بَعَثَ فِى الاُمِّيّينَ رَسُولاً﴾ (سورۂ جمعہ)

''اللہ وہ ہے جس نے امیوں کے اندر شاندار رسول کو مبعوث فرمایا۔''

یہ ہی لفظ اہل کتاب کے ناخواندہ اشخاص کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمایا

ہے:﴿ومِنهُم اُمِّيُّونَ لَا يَعلَمُونَ الكِتٰبَ﴾ ''یہودیوں میں ایسے ناخواندہ بھی ہیں، جن کو کتاب کا کچھ علم نہیں۔ الغرض لفظ امی سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ طرز وطریق خواندگی میں اہل دنیا سے بالاتر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو دوسری جگہ اس طرح ظاہر فرمایا ہے: وما کنت تتلوا من قبلہٖ من کتاب ولا تخطهٗ بيمينك اذاً لارتاب المبطلون. اے رسول قرآن سے پہلے تو تم نہ کسی کتاب کو پڑھا کرتے تھے اور نہ تمہارے دست راست نے کبھی کوئی خط کھینچا تھا، تب تو یہ بطلان والے شک بھی کر سکتے۔

معنی بالا کے لحاظ سے اسم نبی الامی رسولِ اکرم ﷺ کا ایک بڑا معجزہ ہے۔ واضح ہو کہ نبی، نباء سے ہے اور نباء واقعہ عظیم اور اعلام ذوالاہتمام کو کہتے ہیں۔ یعنی نبی وہ ہے جو علوم عالیہ اور وقائع کی اطلاع اہل عالم کو دیتا ہو اور جب یہ لفظ اللہ کی طرف سے مضاف ہوتا ہے تب اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ نبی وہ جو علوم عالیہ اور شرائع عالیہ اور نوامیس ربانیہ کی اطلاع براہ راست اللہ تعالیٰ سے کرتا ہو۔

نبی کو نباوۃ سے بھی مشتق بتایا گیا ہے، نباوت کے معنی مقام مرتفع ہیں اور نبی وہ ہے جو اس مقام علیا پر فائز ہو۔ جہاں کوئی انسان اکتساب ومحنت وریاضت سے نہیں پہنچ سکتا اور اس مقام پر اس کے فائز ہونے کا سبب محض اصطفائے ربانی ہوتا ہے۔ نبی الامی کے وصف نے بتلا دیا کہ حضور حرف شناسی وخط کشی سے تو دور رہیں اور با ایں ہمہ علوم عظیمہ وآیات کاملہ کا صدور رسولِ اکرم ﷺ سے برابر ہوتا رہا۔

اہل سیرت جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کو نبی الامی کے لقب سے یاد کیا جاتا، اور بلایا جاتا اور آپ ﷺ اسی طرز خطاب سے خرسند ومسرور ہوا کرتے تھے۔ اب اہل زمانہ کا حال دیکھو کہ جونہی کسی شخص کو ذرا شدبد کہنے کی لیاقت پیدا ہوئی تو وہ اپنے لئے فاضل اکمل، لوذعی اور المعی، علامہ وغیرہ الفاظ سننا اور کہلانا پسند کرتے ہیں۔ اور یہ ہر ایک صاحب قلم وزبان آور کا فطری خاصہ سا ہو گیا ہے، کہ وہ چاہتا ہے کہ اصلیت سے بڑھ کر اس کے علم وفضل کا اندازہ لگایا جائے، لیکن ایک سیدنا رسولِ اکرم ﷺ ہیں، جن کو ہر وقت ناخواندگی کا اعتراف اور امی

ہونے کا اقرار ہے۔

اس اعتراف واقرار پر بھی ہزاروں علماء سینکڑوں فلاسفر حاضر ہوتے، زانوئے ادب تہہ کرتے اور اقرار کرتے کہ ان لوگوں کا علم وفہم اور حضور کا عرفان قطرہ وقلزم کی مثال رکھتے ہیں۔ غور کیجئے کہ جو شخص دنیا میں کسی کا شاگرد نہیں بنا وہ تمام دنیا کا استاد بنا ہوا ہے، محاسن اخلاق، محامد اعمال، تدبیر منزل، سیاستِ مدن، اقتصادیات، سیاسیات، عمرانیات کے درس اور دماغ کو روشن، قلب کو مجلی، روح کو منور بنانے والی تعلیم دے رہا ہے، اس کی درس گاہ قدس کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے وہاں داخلہ کی کوئی فیس نہیں ہے وہاں ایک صحرئی نشین اور ایک شہری، ایک فلاسفر اور ایک بدوی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں اور بہ آن واحد اپنی اپنی استعداد وقابلیت کے موافق مستفیض ومستفید ہو رہے ہیں۔ اندریں صورت امی لقب سے ''علّمنی ربی فاحسن تادیبی کا نور ظہور بخش ہے اور وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ کا دعویٰ محقق ہو رہا ہے۔

لقب امی کی وجہ یہ بھی ہے کہ اول انبیاء ابو البشر حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے کر آخر الانبیاء بنی اسرائیل عبداللہ عیسیٰ بن مریمؑ تک جملہ انبیاء ومرسلین نے رسولِ اکرم ﷺ کے نعوت عالیہ اور اوصاف جلیہ بیان کئے۔ الف سے آدمؑ میم سے مسیحؑ مراد ہے اور یائے نسبت اس راز کی کاشف ہے۔ (بحوالہ رحمۃ للعالمین ج ۳)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۲۷

رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل ہے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ بہترویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل ہے" الحمدللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ تعالیٰ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے، اور اسی اللہ کی ذات سے امید بھی ہے کہ اس رحیم اللہ کے حکم سے میری اس کاوش کی بدولت میرے گناہوں کی بخشش بھی ہوگی اور انشاء اللہ اللہ کی توفیق سے روز قیامت رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت بھی نصیب ہوگی، بس اسی امید پر باوجود لوگوں کے اژدھام ہونے کے آقا ﷺ کی محبت میں لکھ رہا ہوں زبان پر درود جاری ہے، اور جس قدر روضہ مبارک کے سائے میں درود پڑھتا ہوں ایمانی کیفیت میں اضافہ نظر آتا ہے اور قلم چلاتے ہوئے ایک روحانی سرور نصیب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی یہ خصوصیت جو آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کی سیرت عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل ہے، جبکہ ہم دیگر انبیاء کرام کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو انکی سیرت عالمگیر بھی نہیں کہ وہ محدود علاقے اور محدود لوگوں کی طرف اور محدود زمانے کے لئے آتے رہے لیکن ہمارے نبی ﷺ عالمگیر نبوت کا تاج پہن کر آئے اس لئے کہا کہ ہمارے نبی ﷺ کی سیرت عالمگیر ہے، اور اسی

طرح ہمارے نبی ﷺ کی سیرت دائمی بھی ہے دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرت دائمی نہیں کہ آج ان کی سیرت پر عمل کرنے والا کوئی نہیں، کیونکہ جیسا کہ عرض کیا کہ وہ محدود علاقہ و زمانہ تک کے لئے آتے تھے، اس لئے ان کی سیرت ان ہی کے زمانے تک رہی اور بعد میں لوگوں نے ان کی کتابوں تک کو بدل ڈالا، اور ہمارے نبی ﷺ دائمی سیرت لیکر آئے کہ بے شک آج اربوں کھربوں لوگ ان کی سیرت پر عمل کرنے والے لوگ موجود ہیں تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا مظہر بھی صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ ہیں، لیکن جیسا کہ ہم پہلے بھی وضاحت کرتے آئیں ہیں کہ ہمارا مقصد دیگر انبیاء کرامؑ کی تنقیص نہیں ہے ۔ (اعاذنا الله منه) بیشک تمام انبیاء کرامؑ کی تعظیم ہمارے ایمان کا لازمی حصہ ہے بلکہ ہمارا اصل مقصد اپنے نبی ﷺ کے مقام کو واضح کر کے امت کے دل میں نبی کی محبت کو اجاگر کرنا اور عمل کے شوق کو ابھارنا ہے۔ بہرحال آپ آنے والے اوراق میں انشاء اللہ اس خصوصیت سے متعلق تفصیل ملاحظہ کریں گے، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی سیرت وصورت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ تو لیجئے قارئین تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

بہترہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

انسان کے حال و مستقبل کی تاریکی کو چاک کرنے کے لئے ماضی کی روشنی سے فیض حاصل کرنا ضروری ہے، جن مختلف انسانی طبقوں نے ہم پر احسان کئے ہیں، وہ سب شکریہ کے مستحق ہیں، لیکن سب سے زیادہ ہم پر جن بزرگوں کا احسان ہے وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں، ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے سامنے اس زمانہ کے مناسب حال اخلاق عالیہ اور صفات کاملہ کا ایک نہ ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا، کسی نے صبر، کسی نے ایثار، کسی نے جوش توحید، کسی نے ولولۂ حق، کسی نے تسلیم، کسی نے عفت، کسی نے زہد، غرض ہر ایک نے دنیا میں انسان کی پُر پیچ زندگی کے راستہ میں ایک ایک منار قائم کردیا ہے، جس سے صراط مستقیم کا پتہ لگ سکے۔ مگر ضرورت تھی ایک ایسے رہنما اور

رہبر کی جو اس سرے سے لے کر اس سرے تک پوری راہ کو اپنی ہدایات اور عملی مثالوں سے روشن کردے۔ گویا ہمارے ہاتھ میں اپنی عملی زندگی کا پورا گائڈ بک دے دے، جس کو لے کر اسی کی تعلیم وہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر منزل مقصود کا پتہ پالے۔ یہ راہنما سلسلۂ انبیاء کے آخری فرد محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں، قرآن نے کہا۔ یآ ایُّھا النبیُّ اِنَّآ اَرْسلنٰکَ شاھداً وَّمُبَشِّراً وَّنذیراً .وداعِیاً اِلَی اللہ بِاِذْنِہٖ وسِراجاً مُّنیراً. (احزاب۔ع۶)

اے پیغمبر ہم نے تجھ کو گواہی دینے والا اور (نیکوں کو) خوشخبری سنانے والا اور (غافلوں کو) ہوشیار کرنے والا، اور خدا کی طرف اس کے حکم سے پکارنے والا، اور ایک روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

آپ ﷺ عالم میں خدا کی تعلیم وہدایت کے شاہد ہیں، نیکوکاروں کو فلاح وسعادت کی بشارت سنانے والے مبشر ہیں، ان کو جو ابھی تک بے خبر ہیں، ہوشیار اور بیدار کرنے والے نذیر ہیں، بھٹکنے والے مسافروں کو خدا کی طرف پکارنے والے داعی ہیں، اور خود ہمہ تن نور اور چراغ ہیں، یعنی آپ کی ذات اور آپ کی زندگی راستہ کی روشنی ہے، جو راہ کی تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے، یوں تو ہر پیغمبر خدا کا شاہد، داعی، مبشر اور نذیر وغیرہ بن کر اس دنیا میں آیا ہے، مگر یہ کل صفتیں سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں، بہت سے انبیاء تھے جو خصوصیت کے ساتھ شاہد ہوئے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام وغیرہ، بہت سے تھے جو نمایاں طور پر مبشر بنے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، بہت سے تھے جن کا خاص وصف نذیر تھا جیسے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، وحضرت شعیب علیہ السلام، بہت سے تھے جو امتیازی حیثیت سے داعی حق تھے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، لیکن جو شاہد مبشر، نذیر، داعی، سراج منیر، سب کچھ بیک وقت تھا، اور جس کے مرقع حیات میں یہ سارے نقش ونگار عملاً نمایاں تھے، وہ صرف محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والتحیات تھے اور یہ اس لئے ہوا کہ آپ دنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے، جس کے بعد کوئی دوسرا آنے والا نہ

تھا۔ آپ ایسی شریعت لے کر بھیجے گئے جو کامل تھی، جس کی تکمیل کے لئے پھر کسی دوسرے کو آنا نہ تھا۔

آپ کی تعلیم دائمی وجود رکھنے والی تھی، یعنی قیامت تک اس کو زندہ رہنا تھا، اس لئے آپ کی ذات پاک کو مجموعۂ کمال اور دولتِ بے زوال بنا کر بھیجا گیا۔

محترم قارئین! یہ جو کچھ ہم نے کہا، یہ ہمارے مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر محض کوئی دعویٰ نہیں ہے، بلکہ یہ وہ واقعہ ہے جس کی بنیاد دلائل اور شہادتوں پر قائم ہے۔

وہ سیرت یا نمونۂ حیات جو انسانوں کے لئے ایک آئیڈیل سیرت کا کام دے اُس کے لئے متعدد شرطوں کی ضرورت ہے جن میں سب سے پہلی اور اہم شرط تاریخیت ہے۔

تاریخیت سے مقصود یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو سوانح اور حالات، پیش کئے جائیں، وہ تاریخ اور روایت کے لحاظ سے مستند ہوں، ان کی حیثیت قصوں اور کہانیوں کی نہ ہو، روزمرہ کا تجربہ ہے کہ انسان کی ایک سائیکالوجی یہ ہے کہ کسی سلسلۂ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ فرضی اور خیالی ہے، یا مشتبہ ہے تو خواہ وہ کسی قدر موثر انداز میں "کیوں نہ پیش کیا جائے طبیعتیں اس سے دیرپا اور گہرا اثر نہیں لیتیں اس لئے ایک کامل سیرت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے تمام اہم اجزا کی تاریخیت پر یقین ہو، یہی سبب ہے کہ تاریخی افسانوں سے جو اثر طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے، وہ خیالی افسانوں سے نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب تاریخی سیرت کے ضروری ہونے کا یہ ہے کہ آپ اس سیرت کاملہ کا نقشہ محض دلچسپی یا فرصت کے گھنٹوں کی مشغولی کے لئے نہیں پیش کرتے، بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ اپنی زندگی اس نمونہ پر ڈھالیں، اور اس کی پیروی وتقلید کریں، لیکن وہ زندگی اگر تاریخی اور واقعی طور سے ثابت نہیں، تو آپ کیونکر اس کے قابل عمل اور پیروی تقلید کے لائق ہونے پر زور دے سکتے ہیں، کہا جاسکتا ہے کہ یہ فرضی اور میتھالوجیکل قصے ہیں جن پر کوئی انسان اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں ڈال سکتا اس لئے کیا پُر اثر ہونے کے لئے سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ اس کامل انسان کی سیرت تاریخی اسناد کے معیار پر پوری اترے۔

ہم تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا ادب اور احترام کرتے ہیں، اور ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین رکھتے ہیں، لیکن قرآن کے مطابق ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ''کہ یہ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے'' دوام بقاء، ختم نبوت اور آخری کامل انسانی سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسول اللہ ﷺ کو جو خاص شرف عطا ہوا ہے، وہ دیگر انبیاء کو اس لئے نہیں مرحمت ہوا، کہ ان کو دائمی، آخری اور خاتمِ نبوت نہیں بنایا گیا تھا، ان کی سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا، اس لئے اس زمانہ کے بعد بتدریج وہ دنیا سے مفقود ہو گئیں۔

غور کرو کہ ہر ملک میں، ہر زمانہ میں، ہر زبان میں کتنے لاکھ انسان خدا کا پیغام لے کر آئے ہوں گے، ایک اسلامی روایت کے مطابق ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبر آئے، مگر آج ان میں سے کتنوں کے نام ہم جانتے ہیں، اور جتنوں کے نام جانتے بھی نہیں ہیں، اُن کا حال کیا جانتے ہیں؟ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ قدیم، اور پرانے ہونے کا دعویٰ ہندوؤں کو ہے، گو وہ مسلم نہیں، لیکن بغور دیکھو کہ اُن کے مذہب میں سینکڑوں کیرکٹروں کے نام ہیں، مگر اُن میں سے کسی کو ''تاریخی'' ہونے کی عزت حاصل نہیں ہے، ان میں سے بہت سے کے تو نام کے سوا کسی اور چیز کا ذکر تک نہیں اور میتھالوجی سے آگے بڑھ کر تاریخ کے میدان میں اُن کا گزر نہیں، ان میں بہتر سے بہتر معلوم کیرکیٹر وہ ہیں جو مہا بھارت اور رامائن کے ہیرو ہیں، مگر اُن کی زندگی کے واقعات میں سے تاریخ کس کو کہہ سکتے ہیں، یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ زمانہ کے کس دور، اور دور کی کس صدی، اور صدی کے کس سال کے واقعے ہیں، اب یورپ کے بعض علماء بیسیوں قیاسات سے کچھ کچھ تقریبی تخمینی زمانوں کی تعیین کرتے ہیں، اور انہی کو ہمارے ہندو تعلیم یافتہ اصحاب اپنے علم کی سند جانتے ہیں، لیکن یورپ کے محققین میں سے زیادہ تر تو ان کو تاریخ کا درجہ ہی نہیں دیتے اور یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ فرضی داستانیں کبھی عالمِ وجود میں بھی آئی تھیں۔

ایران کے پرانے مجوسی مذہب کا بانی زرتشت اب بھی لاکھوں آدمیوں کی عقیدت کا

مرکز ہے مگر اس کی تاریخی شخصیت بھی قدامت کے پردہ میں گم ہے، یہاں تک کہ اس کے تاریخی وجود کے متعلق بھی بعض شکّی مزاج امریکی اور یوروپین علماء کو شبہ ہے، مستشرقین میں سے جو لوگ اس کے تاریخی وجود کو تسلیم کرتے ہیں، سینکڑوں قیاسات سے اس کے حالات زندگی کی کچھ کچھ تعیین کرتے ہیں، تاہم وہ بھی مختلف محققین کی باہمی متضاد رایوں سے اس قدر مشکوک ہیں کہ کوئی انسان اُن کے بھروسہ پر عملی زندگی کی بنیاد نہیں قائم کرسکتا، زرتشت کی جائے پیدائش، سال پیدائش قومیت، خاندان، مذہب، تبلیغ مذہب، مذہبی صحیفہ کی اصلیت، زبان، سال وفات، جائے وفات ان میں سے ہر ایک مسئلہ سینکڑوں اختلافات کا مرجع ہے، اور صحیح روایتوں کا اس قدر فقدان ہے کہ بجز تخمینی قیاسات کے اور کوئی روشنی ہمان سوالات کی تاریکیوں کو دور نہیں کرسکتی، بااین ہمہ پارسی اصحاب ان مشکوک قیاسی باتوں کا علم براہ راست اپنی روایتوں سے نہیں رکھتے بلکہ یورپین اور امریکن اس اسکالرس کی تلقینات سے وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور جو ان کے ذاتی ذرائع علم ہیں وہ فردوسی کے "شاہنامہ" سے آگے نہیں بڑھے، یہ عذر بیکار ہے، کہ یونانی دشمنوں نے ان کو مٹا دیا، یہاں بہرحال ہم کو صرف اتنا بتانا ہے کہ وہ مٹ گئے، خواہ وہ کسی طرح سے مٹے ہوں، اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ اُن کو دوام اور بقاء کی زندگی نہ ملی، اور کرن اور ڈرامٹیٹر جیسے محققین کو زرتشت کی شخصیت تاریخی سے انکار کرنا پڑا۔

قدیم ایشیا کا سب سے زیادہ وسیع مذہب بودھ ہے جو کبھی، ہندوستان، چین، اور تمام ایشائے وسطی، افغانستان، ترکستان تک پھیلا ہوا تھا۔اور اب بھی برما سیام، چین، جاپان، اور تبت میں موجود ہے، ہندوستان میں تو یہ کہنا آسان ہے کہ برہموں نے اس کو مٹا دیا۔اور ایشیائے وسطی میں اسلام نے اس کا خاتمہ کردیا، مگر تمام ایشیائے اقصیٰ میں تو اس کی حکومت، اس کی تہذیب، اس کا مذہب تلوار کی قوت کے ساتھ ساتھ قائم ہے اور اس وقت سے اب تک غیر مفتوح ہے، لیکن کیا یہ چیزیں بودھ کی زندگی اور سیرت کو تاریخی روشنی میں برقرار رکھ سکیں اور ایک مورخ اور سوانح نگار کے تمام سوالات کا وہ تشفی بخش جواب دے سکتی

ہیں؟ خود بدھ کے زمانۂ وجود کی تعیین مگدھ دیس کے راجاؤں کے واقعات سے کی جاتی ہے ورنہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے اور ان راجاؤں کا زمانہ بھی اس طرح متعین ہو سکا ہے کہ اُن کے سفارتی تعلقات اتفاقاً یونانیوں سے قائم ہو گئے تھے، جینی مذہب کے بانی کا حال اس سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے اور چین کے بانی مذہب کنفیوشش کی نسبت ہم کو بودھ سے بھی کم واقفیت ہے، حالانکہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ ہے۔

سامی قوم میں سینکڑوں پیغمبر آئے، لیکن نام کے سوا تاریخ نے اُن کا اور کچھ حال نہ جانا، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حالات اور سیرتوں کے ایک ایک حصہ کے علاوہ کیا ہم کو کوئی کچھ بتا سکتا ہے؟ ان کی سیرتوں کے ضروری اجزاء تاریخ کی کڑیوں سے بہر حال گم ہیں، اب اُن کی مقدس زندگیوں کے ادھورے اور نامربوط حصّے کیا ایک کامل انسانی زندگی کی تقلید اور پیروی کا سامان کر سکتے ہیں؟ قرآن مجید کو چھوڑ کر یہودیوں کے جن اسفار میں ان کے حالات درج ہیں، ان میں سے ہر ایک کی نسبت محققین کو مختلف شکوک ہیں، اور اگر ان شکوک سے ہم قطع نظر بھی کر لیں تو ان کے اندر بزرگوں کی تصویریں کس درجہ ادھوری ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال ہمیں تورات سے معلوم ہوتا ہے، مگر خود وہ تورات جو آج موجود ہے، اہل تحقیق کے بیان کے مطابق جیسا کہ خود مصنفینِ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا تسلیم کرتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدہا سال کے بعد عالمِ وجود میں آئی ہے اس پر بھی اب جرمن اسکالرس نے پتہ لگایا ہے، کہ موجودہ تورات میں پہلو بہ پہلو ہر واقعہ کے متعلق دو مختلف صورتوں یا روایتوں کا سلسلہ ہے، جو باہم کہیں کہیں متضاد ہیں، اور یہی سبب ہے کہ تورات کے سوانح واقعات میں ہر قدم پر ہم کو تضاد بیان سے سابقہ پڑتا ہے اس تھیوری کی تفصیل انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے اخیر اڈیشن کے آرٹکل ''بائبل'' میں موجود ہے، اب ایسی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کے واقعات

کی تاریخی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات انجیلوں میں درج ہیں، مگر ان بہت سی انجیلوں میں سے آج عیسائی دنیا کا بڑا حصہ صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے، باقی انجیل طفولیت انجیل برناباس وغیرہ نامستند ہیں، ان چار انجیلوں میں سے ایک انجیل کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود نہیں دیکھا تھا، انہوں نے کسی سے سن کر یہ حالات کا مجموعہ لکھا، یہ بھی معلوم نہیں، بلکہ اب تو یہ بھی مشکوک سمجھا جاتا ہے کہ ان چار آدمیوں کی طرف اُن کی نسبت کی جاتی ہے، وہ نسبت صحیح بھی ہے، یہ بھی واضح طور سے ثابت نہیں کہ وہ کن زبانوں میں اور کن زمانوں میں لکھی گئیں ۶۰ء سے لے کر بعد کے متعدد مختلف سالوں تک مختلف مفسرین، اناجیل، اُن کی تصنیف کا زمانہ بتاتے ہیں، حضرت عیسیٰ کی پیدائش وفات اور تثلیث کی تعلیم ان سب کو سامنے رکھ کر اب بعض امریکن نقاد اور رشینلسٹ یہ کہنے لگے ہیں، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود محض فرضی ہے اور اُن کی پیدائش، اور تثلیث کا بیان یونانی ورومی متھالوجی کی محض نقالی ہے، کیونکہ اس قسم کے خیالات ان قوموں میں مختلف دیوتاؤں اور ہیروؤں کے متعلق پہلے سے موجود تھے چنانچہ چکاگو کے مشہور رسالہ روپن کورٹ میں مہینوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرضی وجود ہونے پر بحث رہی ہے، اس بیان سے عیسائی روایتوں کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی تاریخی حیثیت کتنی کمزور معلوم ہوتی ہے۔

اور اسی طرح کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونۂ عمل بننے کے لئے تاریخیت کے ساتھ کاملیت کا ہونا بھی ضروری ہے یعنی یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے صحیفۂ حیات کے تمام حصے ہماری نگاہوں کے سامنے ہو کوئی واقعہ پردۂ راز، اور ناواقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو، بلکہ اس کے تمام سوانح اور حالات روزِ روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہوں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کی سیرت کہاں تک انسانی سوسائٹی کے لئے ایک آئیڈیل زندگی کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس معیار پر اگر شارعین ادیان اور بانیانِ مذاہب کے سوانح اور سیرتوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کوئی ہستی اس معیار پر پوری نہیں اترتی، اسی سے

معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہو کر دنیا میں تشریف لائے تھے ہم کہہ چکے ہیں کہ ہزاروں ،لاکھوں انبیاء علیہم السلام اور مصلحین دین کے زمرہ میں سے صرف تین چار ہی ہستیاں ایسی ہیں جو تاریخی کہی جاسکتی ہیں۔لیکن کاملیت کی حیثیت سے وہ بھی پوری نہیں ہیں ،غور کرو کہ مردم شماری کے لحاظ سے آج بودھ کے پیرو دنیا کی آبادی کے چوتھائی حصہ پر قابض ہیں ،مگر باایں ہمہ تاریخی حیثیت سے بدھ کی زندگی صرف چند قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے،لیکن اگر ہم انہی قصوں اور کہانیوں کو تاریخ کا درجہ دے کر بودھ کی زندگی کے ضروری سے ضروری اور اہم سے اہم اجزاء تلاش کریں تو ہم کو ناکامی ہوگی ،ان کہانیوں اور قصوں سے ہم کو زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں نیپال کی ترائی کے کسی ملک میں ایک راجہ کا لڑکا تھا ،جس نے فطرۃً سوچنے والی طبیعت پائی تھی ،جوان ہونے اور ایک بچہ کا باپ بننے کے بعد اتفاقاً اس کی نظر چند مصیبت زدہ انسانوں پر پڑی ،اس کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی اور وہ گھر بار چھوڑ کر دیس سے نکل گیا ،اور بنارس ،گیا پاٹلی پتر (پٹنہ) اور راجگیر (بہار) کے کبھی شہروں میں اور کبھی جنگلوں میں اور پہاڑوں میں پھرتا رہا اور خدا جانے عمر کی کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اُس نے گیا کے ایک درخت کے نیچے انکشاف حقیقت کا دعویٰ کیا۔اور بنارس میں سے بہار تک اپنے نئے مذہب کا وعظ کہتا رہا ،پھر اس دنیا سے رخصت ہو گیا ،یہ خلاصہ ہے بودھ کے متعلق ہماری معلومات کا۔

زرتشت بھی ایک مذہب کا بانی ہے ،مگر ہم بتا چکے ہیں کہ قیاسات کے سوا اس کی زندگی اور سیرت کا بھی سراغ نہیں ملتا ،ان قیاسات سے بھی جو کچھ معلوم ہوا ہے اُس کو ہم بجائے اپنی زبان سے کہنے کے بیسویں صدی کے مستند خلاصۂ معلومات انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے آرٹیکل زراسٹر سے نقل کرتے ہیں۔

”زرتشت کی جس شخصیت سے (گاتھا کے) ان اشعار میں ہماری ملاقات ہوئی ہے ،وہ نئے اوستا کے زرتشت سے بالکل مختلف ہے ،وہ ٹھیک متضاد ہے ،اس دوسرے افسانہ کی معجزانہ شخصیت سے (اس کے بعد گاتھا کے کچھ واقعی حالات نقل کر کے مضمون نگار لکھتا

ہے) تاہم ہم یہ توقع نہ کریں، کہ ہم گاتھا سے زرتشت کے فیصلہ کن حالات جان سکتے ہیں ،وہ ہم کو زرتشت کی لائف کا کوئی تاریخی بیان نہیں دیتی اور جو کچھ ملتا بھی ہے،اس کے معنی یا تو صاف نہیں ہیں یا غیر مفہوم ہیں۔" زرتشت کے متعلق موجودہ زمانہ کی تصنیفات کا باب شروع کرتے ہوئے یہ مضمون نگار لکھتا ہے۔

"اس کی جائے پیدائش کی تعیین کے متعلق شہادتیں متضاد ہیں۔" اس کے زمانہ کے تعین کے متعلق بھی یونانی مورخین کے بیانات، نیز موجودہ، محققین کے قیاسات مختلف ہیں ،مضمون نگار لکھتا ہے۔" زرتشت کے زمانہ سے ہم قطعاً ناواقف ہیں۔"

بہر حال جو کچھ ہم کو معلوم ہے وہ یہ ہے کہ آذر بائیجان کے کسی مقام میں پیدا ہوا، بلخ وغیرہ کی طرف تبلیغ کی ہشتاسپ بادشاہ نے اس کے مذہب کو اختیار کیا، کچھ اُس نے غیر معمولی معجزے دکھائے ،اس نے شادی بیاہ کیا ،اولادیں ہوئیں ،اور پھر کہیں مرگیا ،ایسی نامعلوم ہستی کے متعلق کوئی کاملیت کا گمان بھی کرسکتا ہے،اوراس کی زندگی انسانی سوسائٹی کے لئے چراغ راہ بن سکتی ہے،یابنائی جاسکتی ہے؟

انبیائے سابقین میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے ،موجودہ تورات کے مستند یا غیر مستند ہونے کی بحث سے قطع نظر کر کے ہم اس کے بیانات کو بالکل صحیح تسلیم کیے لیتے ہیں، تاہم تورات کی پانچوں کتابوں سے ہم کو حضرت موسیٰ کی زندگی کے کس قدر اجزاء ہاتھ آتے ہیں؟ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ پیدا ہو کر فرعون کے گھر پرورش پاتے ہیں، جوان ہو کر فرعونیوں کے مظالم کے خلاف بنی اسرائیل کی ایک دو موقعوں پر مدد کرتے ہیں، پھر مصر سے بھاگ کر مدین آتے ہیں، یہاں شادی ہوتی ہے، اور معتد بہ زمانہ تک یہاں زندگی بسر کر کے مصر واپس جاتے ہیں، راہ میں نبوت سے سرفراز ہوتے ہیں ،فرعون کے پاس پہنچتے ہیں معجزات دکھاتے ہیں ،اور بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کی رخصت چاہتے ہیں، رخصت نہیں ملتی بالآخر غفلت میں مع اپنی قوم کے نکل جاتے ہیں، خدا کے حکم سے سمندر میں اُن کو راہ مل جاتی ہے ،فرعون غرق ہو جاتا ہے اور وہ اپنی قوم کو لے کر

عرب اور شام میں داخل ہوتے ہیں، کافر باشندوں سے لڑائیاں پیش آتی ہیں۔اسی حالت میں جب وہ بہت بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ایک پہاڑی پر ان کی وفات ہو جاتی ہے، تورات استثناء کے اختتامی فقرے میں ہے، سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق مواب کی ایک وادی میں مر گیا اور اس نے اس مواب کی ایک وادی میں بیتِ فغور کے مقابل گاڑا، پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا، اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس کا تھا ، اور اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی نبی نہیں ہوا۔

۱:۔ یہ تورات کی پانچویں کتاب کے فقرے ہیں جس کی تصنیف بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، ان فقروں میں سب سے پہلے آپ کی نظر اس پر پڑنی چاہئے کہ پوری کتاب یا اس کے آخری اجزاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں، لیکن باایں ہمہ دنیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس سوانح نگار سے واقف نہیں ہے۔

۲:۔ ان درسوں کے الفاظ ''کہ آج تک اس کی قبر کو کوئی نہیں جانتا، اور اب تک ویسا کوئی نبی بنی اسرائیل میں نہیں ہوا۔'' ظاہر کرتے ہیں کہ سوانح موسوی کے تکمیل اجزاء اتنی مدت دراز کے بعد لکھے گئے ہیں، جس میں ایک مشہور یادگار کو لوگ بھول جاسکتے ہیں، اور ایک نئے پیغمبر کے ظہور کی توقع کی جاسکتی ہے۔

۳:۔...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی، مگر غور سے دیکھو کہ اس (۱۲۰) برس کی عمر کے طویل زمانہ کی وسعت کو بھرنے کے لئے ہم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کیا واقعات معلوم ہوئے ہیں اور اُن کے سوانح کے ضروری اجزاء ہمارے ہاتھ میں کیا ہیں، پیدائش، جوانی میں ہجرت، شادی اور نبوت کے واقعات معلوم ہیں، پھر چند لڑائیوں کے بعد بڑھاپے میں ۱۲۰ برس کی عمر میں اُن سے ملاقات ہوتی ہے، ان واقعات کو جانے دیجئے یہ تو شخصی حالات ہیں جو ہر شخص کی زندگی میں الگ الگ پیش آتے ہیں، انسان کو اپنی سوسائٹی کی عملی نمونہ کے لئے جن اجزاء کی ضرورت ہے وہ اخلاق وعادات اور زندگانی کے طور وطریق ہیں، اور یہی اجزاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ سوانح عمری سے گم ہیں

،ورنہ عام جزئی حالات یعنی اشخاص کے نام ونسب،مقامات کے پتے،مردم شماریاں اور قانونی قال واقوال بہت کچھ تورات میں مذکور ہیں،مگر یہ معلومات خواہ جغرافیہ،کرانولوجی،نسب ناموں اور قانون دانی کے لئے کسی قدر ضروری کیوں نہ ہوں،مگر عملی حیثیت سے بالکل بیکار اور اجزائے سوانح کی کاملیّت سے معرّا ہیں:۔

اسلام سے سب سے قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کے پیرو آج یورپین مردم شماری کے مطابق تمام دوسرے مذاہب کے پیرووں سے زیادہ ہیں،مگر یہ سُن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ اسی مذہب کے پیغمبر کی زندگی کے اجزاء تمام دوسرے مشہور مذاہب کے بانیوں اور پیغمبروں کے سوانح سے سب سے زیادہ کم معلوم ہیں،آج عیسائی یورپ کے تاریخی ذوق کا یہ حال ہے،کہ وہ بابل واسیریا،عرب وشام،مصر وافریقہ،ہندوستان وترکستان کے ہزار ہا برس کے واقعات کتابوں اور کتبوں کو پڑھ کر اور کھنڈروں،پہاڑوں،اور زمین کے طبقوں کو کھود کر منظرِ عام پر لا رہا ہے،اور دنیا کی تاریخ کے گمشدہ اوراق ازسرِنو ترتیب دے رہا ہے،مگر اس کا مسیحائی معجزہ جس چیز کو زندہ نہیں کرسکتا وہ خود عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی مدفون واقعات ہیں،پروفیسر رینان نے کیا کیا نہ کیا،مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعاتِ زندگی نہ ملنا تھے،نہ مل سکے،انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ کی زندگی ۳۳ برس کی تھی،موجودہ انجیلوں کی روایتیں اولاً نامعتبر ہیں،اور جو کچھ ہیں بھی وہ صرف اُن کے آخری تین سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں،ہم کو اُن کی تاریخی زندگی کے صرف یہ حصّے معلوم ہیں،وہ پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد مصر لائے گئے،لڑکپن میں ایک دو معجزے دکھائے،اس کے بعد وہ غائب ہوجاتے ہیں،اور پھر یک بیک تیس ۳۰ برس کی عمر میں پہاڑیوں اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ کہتے نظر آتے ہیں،چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں،یہودیوں سے چند مناظرے ہوتے ہیں یہودی اُن کو پکڑوا دیتے ہیں،رومی گورنر کی عدالت میں مقدّمہ پیش ہوتا ہے اور سولی دے دی جاتی ہے،تیسرے دن اُن کی قبر اُن کی لاش سے خالی نظر آتی ہے تیس برس اور کم از کم پچیس برس کا زمانہ کہاں گزرا اور کیونکر گزرا؟ دنیا اس سے ناواقف ہے

اور رہے گی ان تین آخری برسوں کے واقعات میں بھی کیا ہے؟ چند معجزے اور مواعظ اور آخر سولی!

اور اسی طرح کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لئے تاریخیت اور کاملیت کے ساتھ ساتھ تیسری ضروری شرط، جامعیت، ہے جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقاتِ انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات وروابط اور فرائض وواجبات کو ادا کرنے کے لئے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے۔ وہ سب اس "آئیڈیل زندگی" کے آئینہ میں موجود ہوں، اس نقطہ نگاہ سے بھی دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی، مذہب کیا چیز ہے، خداداد بندوں اور باہم بندوں، کے متعلق جو فرائض اور واجبات ہیں اُن کو تسلیم کرنا اور ادا کرنا، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بجالانے کا نام ہے لیے ہر مذہب کے پیروؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی سیرتوں میں ان حقوق، فرائض اور واجبات کی تفصیلات تلاش کریں۔ اور اُن کے مطابق اپنی زندگی کو اس قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں، حقوق اللہ اور حقوق عباد دونوں حیثیتوں سے جب آپ تفصیلات ڈھونڈیں گے تو وہ پیغمبر اسلام کے سوا آپ کو کہیں نہیں ملیں گی۔

مذاہب دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن میں یا تو خدا تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ بودھ اور جین مذہب کے متعلق کہا جاتا ہے، اس لئے ان مذہبوں کے پیغمبروں اور بانیوں کی زندگیوں میں بھی خدا طلبی کے واقعات مفقود ہیں، خدا کے متعلق ہم کو کیا اعتقادات رکھنے چاہئیں اور اُن کے کیا کیا اعتقادات تھے، اور ان اعتقادات پر اُن کو کس حد تک عملاً یقین تھا، اس کی تفصیل سے اُن کی سیرتیں خالی ہیں، پوری تورات پڑھ جاؤ، خدا کی توحید اور اس کے احکام اور قربانی کے شرائط کے علاوہ تورات کی پانچ کتابوں میں کوئی ایسا فقرہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلقاتِ قلبی، اور اطاعت وعبادت، اور خدا پر توکل

ویقین ،خدا کے صفات کاملہ والٰہیہ کی جلوہ گری اُن کے قلبِ اقدس میں کہاں تک تھی ،حالانکہ اگر موسوی مذہب ہمیشہ کے لئے اور آخری مذہب کے طور پر آیا ہوتا تو اس سے پیروؤں کا فرض تھا کہ وہ اُن واقعات کو قیدِ تحریر میں لاتے ،مگر خُدا کی مصلحت یہ نہ تھی ،اس لئے اُن کو اس کی توفیق نہ ملی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا آئینہ انجیل ہے،انجیل میں اس ایک مسئلہ کے علاوہ کہ خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا،ہم کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس دنیاوی زندگی میں اس مقدس باپ اور بیٹے میں کیا تعلقات اور روابط تھے،بیٹے کے اقرار سے یہ تو معلوم ہوتا ہے ،کہ باپ کو بیٹے سے بڑی محبت تھی ،مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بیٹے کو باپ سے کس درجہ محبت تھی ،وہ کہاں تک اپنے باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مصروف تھا،وہ اُس کے آگے شب وروز میں کبھی جھکتا بھی تھا،اور'' آج کی روٹی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اس نے کبھی اس سے مانگی،گرفتاری کی رات سے پہلے کوئی ایک رات بھی اس پر ایسی گزری جب وہ باپ کے حضور میں دعا مانگ رہا ہو پھر ایسی سیرت سے ہم روحانی حیثیت سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں ،اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت میں خدا اور بندہ کے تعلقات واضح ہوتے تو ساڑھے تین سو برس کے بعد پہ عیسائی بادشاہ کو تین سو عیسائی علماء کی مجلس اس کے فیصلے کے لئے فراہم کرنی نہ پڑتی اور وُہ اب تک ایک نا قابل فہم راز نہ بنے رہتے۔

اب حقوق عباد کی حیثیت کو لیجئے تو اس سے بھی حضرت خاتم النبیین ﷺ کے سوا تمام دیگر انبیاء علیہم السلام اور بانیان مذاہب کی سیرتیں خالی ہیں،بودھ نے اپنے تمام اہل وعیال اور خاندان کو چھوڑ کر جنگل کا راستہ لیا اور پھر کبھی اپنی پیاری بیوی سے،جس سے اس کو محبت تھی، اور اپنے اکلوتے بیٹے سے کوئی تعلق نہ رکھا،دوستوں کے جھرمٹ سے علیحدہ ہوگیا،حکومت اور سلطنت کے بارِ گراں سے سبکدوشی حاصل کی اور نروان یا موت کے حصوں کو انسانی زندگی کا آخری مقصد قرار دیا،ان حالات میں کیا کوئی انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کے بسنے والوں کے لئے جن میں حکومت ورعیت ،شاہ وگدا ،آقا ونوکر ،باپ بیٹے ،بھائی بہن ،اور

دوست احباب کے تعلقات ہیں، بودھ کی سیرت کچھ کارآمد ہوسکتی ہے؟ کیا بودھ کی زندگی میں کوئی ایسی جامعیت ہے جو تاریک الدنیا بھکشوؤں اور کاروباری انسانوں دونوں کے لئے قابل تقلید ہو؟ اسی لئے اس کی زندگی کبھی بھی اس کے ماننے والے کاروباریوں کے لئے قابل تقلید نہ بنی اور نہ چین وجاپان، سیام وانام، تبت و برما کی تمام سلطنتیں، تجارتیں صناعیاں اور دیگر کاروباری مشاغل فوراً بند ہو جاتے، اور بجائے آباد شہروں کے صرف سنسان جنگلوں کا وجود رہ جاتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا ایک ہی پہلو نہایت واضح ہے، اور وہ جنگ اور سپہ سالاری کا پہلو ہے، ورنہ اس کے علاوہ ان کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کے لئے دنیاوی حقوق، واجبات فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے، میاں بیوی، باپ بیٹے، بھائی بھائی دوست واحباب کے متعلق ان کا کیا طرز عمل تھا، صلح کے فرائض میں اُن کا کیا دستور تھا، اپنے مال ودولت کو کن مفید کاموں میں انہوں نے لگایا، بیماروں، یتیموں، مسافروں اور غریبوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا، اور اُن کے ماننے والے ان اُمور میں ان کی زندگی کی مثالوں سے کیونکر فائدہ اُٹھائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیوی رکھتے تھے، بچے رکھتے تھے، بھائی رکھتے تھے، دوسرے اعزہ اور متعلقین رکھتے تھے، اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ان کا پیغمبرانہ طرزِ عمل یقیناً ہر حرف گیری سے پاک ہوگا، مگر ان کی موجودہ سیرت کی کتابوں میں ہم کو یہ ابواب نہیں ملتے، جو ہمارے لئے قابل تقلید اور نمونہ ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں، اور انجیل کے بیان کے مطابق اُن کے بھائی بہن بھی تھے، بلکہ مادی باپ تک بھی موجود تھے، مگر ان کی زندگی کے واقعات ان عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ اُن کا تعلق، طرز عمل، سلوک اور برتاؤ نہیں ظاہر کرتے، حالانکہ دنیا ہمیشہ ان ہی تعلقات سے آباد رہی ہے اور رہے گی، مذہب کا بڑا حصہ انہی کی متعلقہ ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا نام ہے، علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محکومی کی زندگی بسر کی اس لئے اُن کی سیرت تمام حاکمانہ فرائض کی مثالوں سے خالی ہے وہ متاہل نہ تھے، اس لئے

ان دو جوڑوں کے لئے جن کے درمیان تورات کے پہلے ہی باب نے ماں باپ سے زیادہ مضبوط رشتہ قائم کیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی تقلید کا کوئی سامان نہیں رکھتی اور چونکہ دنیا کی بیشتر آبادی متاہلانہ زندگی رکھتی ہے۔ اس لئے اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے بیشتر حصہ آبادی کے لئے اُن کی سیرت نمونہ نہیں بن سکتی، جس نے گھربار، اہل وعیال، مال دولت، صلح جنگ، دوست ودشمن کے تعلقات سے کبھی واسطہ ہی نہ رکھا ہو، وہ اس دنیا کے لئے جو انہی تعلقات سے معمور ہے، کیونکر مثال ہو سکتا ہے، اگر آج دنیا یہ زندگی اختیار کرلے تو کل وہ سنسان قبرستان بن جائے، تمام ترقیاں دفعۃً رک جائیں، اور عیسائی یورپ تو شاید ایک منٹ کے لئے بھی زندہ نہ رہے۔

اور اسی طرح ''آئیڈیل لائف'' کا دیگر معیاروں کے ساتھ سب سے آخری معیار عملیت ہے عملیت سے یہ مقصود ہے کہ شارع دین اور بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کررہا ہو، خود اس کا ذاتی عمل اُس کی مثال اور نمونہ ہو، اور خود اُس کے عمل نے اس کی تعلیم کو عملی یعنی قابل عمل ثابت کیا ہو۔

خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ سے دلچسپ نظریہ، اور خوش آئند سے خوش آئند اقوال، ہر شخص ہر وقت پیش کرسکتا ہے، لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت نہیں پیش کرسکتا وہ عمل ہے، انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل، اُس کے نیک اور معصوم اقوال، خیالات اور اخلاقی فلسفیانہ نظریئے نہیں، بلکہ اُس کے اعمال اور کارنامے ہیں، اگر یہ معیار قائم نہ کیا جائے تو اچھے اور بُرے کی تمیز اُٹھ جائے، اور دنیا صرف بات بنانے والوں کی مسکن رہ جائے، اب ہمیں یہ پوچھنے کا حق ہے کہ لاکھوں شارعین اور ہزاروں بانیانِ مذاہب میں سے کون اپنی عملی سیرت کو اس ترازو پر تلوانے کے لئے آگے بڑھ سکتا ہے؟

''تو اپنے خداوند خدا کو اپنی ساری جان اور دل سے پیار کر، تو دشمن کو پیار کر، جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو اُس کے سامنے اپنا بایاں گال بھی پھیر دے، جو تجھ کو ایک میل بیگار لے جائے تو اس کے ساتھ دو میل جا، جو تیرا کوٹ مانگے تو اُس کو کرتا بھی دے

دے، تو اپنے مال واسباب کو خدا کی راہ میں دے دے، تو اپنے بھائی کو ستر دفعہ معاف کر، آسمان کی بادشاہت میں دولت مند کا داخل ہونا مشکل ہے" یہ اور اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں نہایت دل خوش کن ہیں، مگر عمل سے اُن کی تصدیق نہ ہو تو وہ سیرت کا ٹکڑا نہیں، بلکہ وہ صرف معصومانہ شیریں زبانیوں کا ایک مجموعہ ہیں جس نے اپنے دشمن پر قابو نہ پایا ہو، وہ عفو کی عملی مثال کیسے پیش کرسکتا ہے، جس کے خود کچھ نہ ہو، وہ غریبوں اور مسکینوں اور یتیموں کی مدد کیونکر کرسکتا ہے، جو عزیز و اقارب، بیوی بچے، نہ رکھتا ہو، وہ انہی تعلقات سے آباد دنیا کے لئے مثال کیونکر بن سکتا ہے، جس نے بیماروں کی تیمارداری اور عیادت نہ کی ہو، وہ اس کا وعظ کیونکر کہہ سکتا ہے، جس کو خود دوسروں کے معاف کرنے کا موقع نہ ملا ہو، اس کی زندگی ہم میں سے غضب ناک اور غصہ ور لوگوں کے لئے نمونہ کیسے بنے گی۔

غور فرمائیے! نیکیاں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک سلبی اور ایک ایجابی، مثلاً آپ پہاڑ کے ایک کھوہ میں جا کر عمر بھر کے لئے بیٹھ گئے، تو صرف یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بدیوں اور برائیوں سے آپ نے پرہیز کیا، یعنی آپ نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جو آپ کے لئے قابل اعتراض ہو مگر یہ تو سلبی تعریف ہوئی، ایجابی پہلو آپ کا کیا ہے؟ کیا آپ نے غریبوں کی مدد کی محتاجوں کو کھانا کھلایا، کمزوروں کی حمایت کی، ظالموں کے مقابلہ میں حق گوئی سے کام لیا، گرتوں کو سنبھالا، گمراہوں کو راستہ دکھایا، عفو، کرم، سخا، مہمان نوازی، حق گوئی، رحم، حق، کی نصرت کے لئے جوش، جدوجہد مجاہدہ، ادائے فرض، ذمہ داریوں کی بجا آوری، غرض تمام وہ اخلاق جس کا تعلق عمل سے ہے، وہ صرف سلب فعل اور عدمِ عمل سے نیکیاں نہیں بن جائیں گی، نیکیاں صرف سلبی پہلو نہیں رکھتیں، زیادہ تر ایجابی اور عملی پہلو پر اُن کا مدار ہوتا ہے، اس تقریر سے ظاہر ہوگا کہ جس سیرت کا عملی حصہ سامنے نہ ہو اس کو "آئیڈیل لائف" اور قابل تقلید زندگی کا خطاب نہیں دیا جاسکتا کہ انسان اس کی کس چیز کی نقل کرے گا؟ اور کس عمل سے سبق حاصل کرے گا؟ ہم کو وہ صلح و جنگ فقر و دولت ازدواج و تجرد، تعلقات خداوندی و تعلقاتِ عباد، حاکمیت و محکومیت! سکون و غضب، جلوت و خلوت، غرض زندگی کے

ہر پہلو کے متعلق عملی مثال چاہئے، دنیا کا بیشتر بلکہ تمام تر حصہ انہی مشکلات اور تعلقات میں الجھا ہوا ہے، اس لئے لوگوں کو انہی مشکلات کے حل کرنے اور انہی تعلقات کو بوجہ احسن انجام دینے کے لئے عملی مثالوں کی ضرورت ہے، قولی نہیں بلکہ عملی، لیکن یہ کہنا شاعری اور خطابت نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے کہ اس معیار پر بھی سیرتِ محمدیؐ کے سوا کوئی دوسری سیرت پوری نہیں اُتر سکتی۔

ہم نے جو کچھ کہا ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے، ہم یہ کہنا اور دکھانا چاہتے ہیں، کہ ''آئیڈیل لائف'' اور نمونہ تقلید بننے کے لئے جو حیاتِ انسانی منتخب کی جائے، ضرور ہے کہ اس کی سیرت کے موجودہ نقشہ میں یہ چار باتیں پائی جائیں، یعنی تاریخیت، جامعیت، کاملیّت اور عملیّت ہمارا یہ مقصد نہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں اُن کے عہد اور زمانہ میں ان خصوصیات سے خالی تھیں، بلکہ یہ مقصد ہے کہ اُن کی سیرتیں جو اُن کے بعد عام انسانوں تک پہنچیں، یا جو آج موجود ہیں، وہ ان خصوصیات سے خالی ہیں، اور ایسا ہونا مصلحت الٰہی کے مطابق تھا، تا کہ یہ ثابت ہو سکے کہ وہ انبیاء محدود زمانہ اور متعین قوموں کے لئے تھے، اس لئے اُن کی سیرتوں دوسری قوموں اور آئندہ زمانہ تک محفوظ رہنے کی ضرورت نہ تھی، صرف محمد رسول ﷺ تمام دنیا کی قوموں کے لئے اور قیامت تک کے لئے نمونہ عمل اور قابل تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے، اس لئے آپ ﷺ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل، دائمی اور ہمیشہ کے لئے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی، اور یہی ختم نبوت کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے

(بحوالہ معمولی ردّ و بدل کے ساتھ خطبات مدراس از علامہ سید سلیمان ندویؒ)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۷۳

رسولِ اکرم ﷺ کے لئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا

قابل احترم قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ تہترہویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کے لئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا'' جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جارہی ہے، لیکن اس وضاحت سے پہلے گزشتہ خصوصیات کی طرح یہاں بھی بتاتا چلوں، کیونکہ میری زندگی کا یہی سب سے بڑا سرمایا ہے کہ بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر روضہ رسول ﷺ کے سائے میں ترتیب دیا ہے کیونکہ میرا ایمان ہے کہ روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر روضہ اقدس میں آرام فرمانے والے عظیم پیغمبر اور ہم سب کے پیارے آقا ﷺ کی خصوصیت کو لکھنا اور ترتیب دینا بہت بڑی سعادت ہے، میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار مجھے مدینہ بلائے اور پھر اپنے محبوب ﷺ کی محبوب مسجد اور پھر پیارے روصہ کے سامنے بٹھا کر آقا ﷺ کی سیرت کے ہر ہر گوشے کو لکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

بہر حال محترم قارئین! دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم واعلیٰ خصوصیت ہے کہ قیامت کے دن جب نفسا نفسی کا عالم ہوگا، اور لوگ حتی کہ انبیاء کرامؑ بھی جنت میں جانے کے منتظر ہونگے، لیکن جنت اس وقت تک نہیں کھلے گی جب تک اللہ کے حکم سے کائنات کے سب سے بڑے پیغمبر حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ جنت میں داخل نہیں ہو جائیں گے، چنانچہ آنے والے صفحات میں اسی بات کی وضاحت کی جارہی ہے کہ بے شک آپ ﷺ کے لئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا، یقیناً اس

خصوصیت سے خاص طور پر آپ ﷺ کا امتیاز دیگر انبیاء کرامؑ پر واضح ہوتا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام انبیاء کرامؑ کا احترام وعزت کرنے اور حضور ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

تہترہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو میرے پاس لواء الحمد ہوگا اور میں تمام رسولوں کا امام اور ان کی شفاعت کرنے والا ہونگا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ! فرق یہ ہوگا کہ میں اللہ کا حبیب ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی سے نہیں کہتا، میں ہی قیامت کے دن لواء حمد کو اٹھائے ہوئے ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی کے لیے نہیں کہتا، اور میں ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگلوں اور پچھلوں سب میں سب سے زیادہ معزز ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی کے طور پر نہیں کہتا، اور قیامت کے دن میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی کے طور پر نہیں کہتا، اور میں ہی وہ پہلا آدمی ہوں گا جو جنت کا دروازہ ہلاؤں گا، اللہ تعالیٰ اس کو میرے لیے کھول دے گا اور میں اپنے ساتھ غریب ومسکین مومنوں کو لے کر اس میں داخل ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی کی خاطر نہیں کہتا۔

ایک روایت ہے کہ میں قیامت کے دن جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور اس پر دستک دے کر کھولنے کی درخواست کروں گا یعنی پکار کر نہیں کھلواؤں گا۔ اس وقت جنت کا خازن یعنی رضوان پوچھے گا کہ آپ کون ہیں، میں کہوں گا۔ ''محمدؐ'' اور ایک روایت کے مطابق میں محمد ہوں، تب وہ کہے گا '' مجھے آپ ہی کے لیے حکم دیا گیا ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے جنت کا دروازہ نہ کھولوں۔'' ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کے بعد کسی کے لیے دروازہ کھولنے کے لیے کھڑا نہ ہوں۔

چنانچہ یہ بات آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ جنت کا رضوان صرف

آپ کے لیے خود دروازہ کھولے گا اور آپ کے علاوہ دوسرے نبیوں وغیرہ کے لیے دروازہ نہیں کھولے گا بلکہ اس کے بعد یہ ذمہ داری کسی دوسرے خازن کو مل جائے گی۔ آنحضرت ﷺ کی اس خصوصیت کو علامہ قطب خضری نے بہت عظیم قرار دیا ہے۔

فائدہ......اس سے پہلے یہ بیان ہوا ہے کہ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جنت کا دروازہ کھول دے گا، جبکہ اس روایت میں رضوان جنت کا ذکر ہے، اس سے کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دروازہ کھولنے کا مطلب یہی ہے کہ رضوان جنت سے حق تعالیٰ دروازہ کھلوادیں گے کیونکہ رضوان بھی حق تعالیٰ کے حکم پر ہی دروازہ کھولے گا لہٰذا حقیقت میں دروازہ کھولنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔

ایک روایت میں ہے کہ میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جس کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔ یہ بات میں بڑائی کی خاطر نہیں کہتا چنانچہ میں جنت کے دروازہ کی زنجیر ہلاؤں گا تو پوچھا جائے گا کون ہے، میں کہوں گا محمد ﷺ، اسی وقت دروازہ کھول دیا جائے گا تب اللہ جبار جل جلالہ، میرے سامنے ہوں گے، میں فوراً ہی سجدے میں گر جاؤں گا۔ یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ادریسؑ تو پہلے ہی جنت میں پہنچ چکے ہیں لہٰذا آنحضرت ﷺ کا سب سے پہلے جنت میں داخل ہونا کیسے ہوگا، اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہاں گفتگو قیامت کے دن کے متعلق ہو رہی ہے جبکہ ادریسؑ قیامت سے بہت پہلے جنت میں داخل ہوئے ہیں لہٰذا اس حدیث سے اس واقعہ کے متعلق کوئی اشکال نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا جنت میں داخل ہونا دروازہ کھلنے پر ہی ہوا ہو مگر وہ قیامت سے پہلے ہو چکا ہے، جبکہ قیامت کے دن وہ جنت سے باہر نکل کر میدان حشر میں آئیں گے اور اپنی امت کے ساتھ حساب کتاب کے لیے پیش ہوں گے۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ سب سے پہلے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے وہ بلال حمامہ ہوں گے تو اس روایت کو درست ماننے کی صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ جنت کا دروازہ وہی کھٹکھٹائیں گے جبکہ آنحضرت ﷺ دروازے کی

زنجیر ہلانے والے پہلے آدمی ہوں گے، یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بلال ابن حمامہ اس امت میں سب سے پہلے آدمی ہوں گے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ واللہ اعلم

طبرانی کی کتاب اوسط میں سند حسن کے ساتھ حدیث بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جب تک میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں اس وقت تک وہ تمام نبیوں کے لیے حرام رہے گی اور اسی طرح جب تک کہ میری امت جنت میں داخل نہ ہو جائے اس وقت تک جنت تمام دوسری امتوں کے لیے حرام رہے گی۔ (بحوالہ سیرت حلبیہ)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۷۴

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے کچھ نام دیئے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چوہتر نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے کچھ نام دیئے" الحمدللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے۔

بیشک ہمارے نبی ﷺ کی یہ بھی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو اپنے ناموں میں سے کچھ نام دیئے، جیسا کہ تفصیل آنے والے اوراق میں آرہی ہے، اور جبکہ دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرتوں میں ایسی خصوصیت نہیں ملتی، اگر کسی کے نام میں یہ خصوصیت نظر آتی ہے، تو فقط اسی نام میں یا ایک دو ناموں میں لیکن ہمارے نبی ﷺ کے کئی نام اللہ تعالیٰ کے نام کی طرح ہیں، بے شک یہ ہمارے نبی ﷺ کی خصوصی فضیلت ہے، اور جو مقام اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمایا ہے ان ناموں میں ان ہی مقام و مرتبے کی طرف اشارہ ہے۔ آنے والے اوراق میں حضور ﷺ کے اس طرح کے تمام ناموں کی تفصیل واضح کی گئی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ اور حضور ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل کرنے اور تمام سنتوں کو ساری دنیا میں عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین بے شک اسی میں ہمارے نجات اور فلاح ہے، اور اسی میں ہماری تمام پریشانیوں کا حل ہے، بہر حال تمہیدی بات ختم کی جاتی ہے، لیجئے اب اس

خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

چھتر ہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

مثلاً رؤف اور رحیم اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنٰی میں ہیں اور قرآن پاک میں یہ دونوں نام آپ ﷺ کے لئے استعمال فرمائے گئے ہیں۔ علماء نے تیس سے اوپر اس طرح کے مشترکہ اسماء مبارکہ ذکر کئے ہیں۔ لیکن جو نام اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں وہ اللہ کی شان الوہیت کے مطابق ہیں اور یہی اسماء اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے لئے ہیں وہ آپ کی شانِ عبدیت کے مطابق ہیں۔ چنانچہ پہلے ہم کچھ رؤف اور رحیم پر کلام کریں گے اور اسکے بعد انشاء اللہ دیگر ناموں سے متعلق کلام کیا جائے گا۔

آپ ﷺ کے اسمائے مبارک کی تعداد

آنحضرت ﷺ کے اسماء مبارک بہت ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر قرآن مجید میں ہے کچھ سابقہ آسمانی کتابوں میں پائے جاتے ہیں، کچھ کا ذکر انبیاء علیہم السلام کی زبان سے ہوا ہے اور کچھ احادیث میں مذکور ہیں۔ تاہم ان کی کل تعداد کے بارے میں کوئی ایک قول نہیں ہے۔ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے: رسولِ اکرم ﷺ کے نام اور القاب قرآن مجید میں بہت آئے ہیں۔ چنانچہ بعض علماء نے ننانوے نام جمع کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء پاک کی بھی تعداد ہے، قاضی عیاضؒ کا قول منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے تیس نام اپنے حبیب کے لئے مخصوص کئے ہیں۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اگر سابقہ آسمانی کتابوں اور قرآن وحدیث میں آپ ﷺ کے نام تلاش کئے جائیں تو ان کی تعداد تین سو تک اور ایک قول کے مطابق چار سو پہنچتی، اور قاضی ابوبکر ابن العربی نے، جو مالکی مسلک کے بڑے عالموں میں سے ہیں لکھا ہے! بعض صوفیا کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور اس کے حبیب کے بھی ہزار نام ہیں اور یہ کہ ”ناموں“ سے مراد وہ اوصاف وصفات ہیں جن سے رسولِ اکرم ﷺ کی ذات متصف ہے اور ہر وصف وصفت سے ایک نام نکلتا ہے۔ امام

سیوطیؒ نے بھی مستقل طور پر ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے اسماء مبارک جمع کئے ہیں اور طیبیؒ نے بائیس نام ذکر کئے ہیں اوران سب کی وضاحت کی ہے۔

اصل اسم مبارک......رسولِ اکرم ﷺ کا اصل نام جو سب سے زیادہ مشہور ورائج ہے ''محمد'' ہے اور رسولِ اکرم ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کا رکھا ہوا نام ہے۔ منقول ہے کہ جب عبدالمطلب سے کسی نے کہا کہ تم نے اپنے پوتے کا نام اپنے آباؤاجداد کے نام پر کیوں نہیں رکھا اور ایک ایسے نام کو ترجیح دی جو تمہاری قوم اور تمہارے خاندان میں پہلے کسی کا نہیں رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا! میں نے اپنے پوتے کا یہ نام اس امید پر رکھا ہے کہ تمام دنیا والے اس کی توصیف میں رطب اللسان ہوں۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں! تا کہ آسمانوں پر اللہ تعالیٰ اس کی تعریف وتوصیف کرے اور زمین پر دنیا والے رطب اللسان ہوں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی پیدائش سے بہت پہلے حضرت عبد المطلب نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ ان کی پشت سے چاندی کی ایک زنجیر نکلی جس کا ایک سلسلہ آسمان تک چلا گیا، ایک سلسلہ مشرق کی آخری حدوں تک اور ایک سلسلہ مغرب کی آخری حدوں تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد وہ زنجیر ایک تناور درخت میں تبدیل ہوگئی اور اس درخت کے پتہ پتہ پر نور پھیل گیا۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ ان نورانی پتوں کے نیچے مشرق سے لے کر مغرب تک کے لوگ جمع ہیں۔ عبدالمطلب نے بیدار ہونے کے بعد اس عجیب وغریب خواب کا ذکر لوگوں سے کیا، تعبیر دینے والوں نے اس خواب کو سن کر کہا کہ مبارک ہو تمہاری نسل میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جس کی تابعداری کرنے والوں کا سلسلہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوگا، اور زمین وآسمان میں اس کی تعریف ہی تعریف ہوگی۔ چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ پیدا ہوئے تو حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام ''محمد'' رکھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہؓ نے بھی حاملہ ہونے کے بعد خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ تمہارے بطن میں اس امت کا سردار اور پیغمبر ہے، جب تمہارے ہاں ولادت

ہوتو بچہ کا نام ''محمد'' رکھنا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی پیدائش سے پہلے کبھی کسی کا نام ''محمد'' نہیں رکھا گیا تھا، ہاں اہل کتاب نے جب اپنی آسمانی کتابوں میں مذکور پیش گوئیوں کے مطابق لوگوں کو بتایا کہ وہ زمانہ آیا ہی چاہتا ہے جب خدا کے آخری پیغمبر پیدا ہونگے اور ان کا نام ''محمد'' ہوگا تو یہ سن کر چار لوگوں نے اس آرزو میں اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا کہ شرف نبوت سے مشرف ہوں۔ تاہم یہ چار نام بھی رسولِ اکرم ﷺ کے نام سے پہلے نہیں کہے جا سکتے کیونکہ ان چاروں نے بھی رسولِ اکرم ﷺ کا نام ''محمد'' سن کر ہی اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے تھے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید)

اور جیسا کہ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے ناموں میں سے کچھ نام دیئے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ کہ وہ مؤمنوں سے بہت پیار کرنے والا اور اُن پر ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ آیت بالا میں نبی ﷺ کو رؤُفٌ اور رحیمٌ کے اسماء سے یاد فرمایا گیا ہے۔ رؤُفٌ: رافت سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ رحیم: رحم سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ جو صیغے مبالغہ کے اوزان پر آتے ہیں، وہ معنی کثرت وفراوانی کا اظہار کیا کرتے ہیں اور جو صیغے صفت مشبہ کے اوزان پر آتے ہیں، وہ صفت لازم اور معنی ثابت کے مظہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا رؤُفٌ کے معنی کامل العطوف ہیں اور رَحِیمٌ کے معنی دائم الرحمت ہیں۔ سورۂ حج اور سورۂ بقرہ میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. اللہ تعالیٰ انسانوں پر رؤف ورحیم ہے۔

نبی ﷺ کے حق میں یہ امر نہایت شرف وعزت اور غایت تکریم وحرمت کا موجب ہے کہ حضور ﷺ کی صفت میں وہ دو نام بہ حالتِ ترکیبی تجویز فرمائے گئے جو اسی ترکیب کے ساتھ خود ذاتِ پاک سبحانی کے لئے مستعمل ہوئے ہیں۔

ہاں اِلٰہ المحمود کی رافت ورحمت کو عوام الناس پر عام فرمایا گیا ہے اور رسولِ اکرم ﷺ کی

رافت ورحمت کو بالخصوص مؤمنین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔فہم معانی میں اس عموم وخصوص کا امتیاز زیادہ رکھتے ہوئے مؤمنین کے لئے شکر کا مقام ہے کہ اُن کو رحمت وعطوفت کا مورد ومصداق بنایا گیا ہے۔مناسب مقام سے یہ بحث بھی ایک لطیف بحث ہے کہ کیا دیگر اسمائے مبارکہ میں بھی نبی ﷺ کے لئے ایسا شرف وامتیاز موجود ہے؟

حسّان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

وشقَّ لهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ.............فذُو العرشِ محمُودٌ وَّهٰذا مُحمَّدٌ

عزت افزائی کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا نام اپنے نام سے نکالا ہے۔ اللہ تعالیٰ ''محمود'' ہے اور حضور ''محمد'' ہیں۔

اگر حسّان بن ثابت کی نیت کی اتباع کی جائے ،تب تو آپ ﷺ کے اسی ۸۰ سے زیادہ ایسے اسماء گرامی نکلیں گے جنکا توافق وتطابق اسماء اللہ الحسنیٰ سے ہوجاتا ہے۔

بہرحال حضور کے وصف رافت ورحمت کے متعلق مختصراً کچھ لکھا جارہا ہے۔صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:رسولِ اکرم ﷺ ہم کو گاہ بہ گاہ وعظ سنایا کرتے اس اندیشہ سے کہ روزانہ وعظ کا سننا ہم پر گراں نہ گزرے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا یہ اصول ازراہ شفقت ورافت تھا کہ سامعین جس قدر بھی سنیں نشاط طبع اور حضورِ قلب سے سنیں اور آئندہ کے لئے شوق تمام باقی رہے۔

عادتِ مبارکہ تھی کہ جب بہ حالت نماز کسی بچہ کے رونے کی آواز سُن پاتے تو نماز ہلکی فرمادیتے کہ ماں بچہ کو جلد سنبھال سکے۔عادت مبارکہ تھی کہ سوار ہوکر کسی کو پاپیادہ ہمرکاب چلنے کی اجازت نہ فرماتے تھے۔اگرچہ بہت سے فدائی اس خدمت کے تمنائی رہتے ،یاتو اسے سوار کرالیتے تھے یا واپس لوٹادیتے تھے۔

عادت مبارکہ تھی جب کوئی مسلمان مقروض مرجاتا تو اُس کا قرض بیت المال سے قبل از تدفین ادا فرمادیتے تھے،مگر خود کسی مردہ کا مال قبول نہ فرمایا کرتے تھے۔فرمایا کرتے تھے،کسی کی غیبت میرے سامنے مت کرو میں نہیں چاہتا کہ کسی کی طرف سے میری صاف

دلی میں فرق آئے۔ بارہا ایسا ہوا کہ ساری رات امت کے حق میں دعا کرتے ہوئے گزر جاتی، چھوٹے بچوں کو پیار کرتے، ان کو خود سلام کیا کرتے، ان کے سر پر دستِ شفقت رکھتے، گلی میں کھیلتے ہوئے بچوں کو اپنی سواری پر آگے پیچھے سوار کر لیتے، غلاموں کے ساتھ سفید زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں شامل ہو جاتے۔ ان سب امور کا ظہور از راہِ شفقت ورافت ہوا کرتا تھا اور اوراس بلند ترین رافت ورحمت کا ظہور حضور ﷺ کے خصائص میں سے تھا۔ (بحوالہ رحمۃ للعلمین ج ۳)

اب مناسب ہے کہ آپ ﷺ کے دیگر ناموں کی بھی کچھ وضاحت ہو جائے لہٰذا آپ ﷺ کے ناموں میں سے کچھ کی وضاحت ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

(۱) سیدنا محمد ﷺ...... کا معنی بہت تعریف کیا گیا۔ تعریف میں مبالغہ ہے اور اس میں شک نہیں جتنی بھی تعریف رسولِ اکرم ﷺ کی گئی ہے وہ مخلوق میں سے کسی کی نہیں ہوئی، اللہ نے اپنے نام کے ساتھ کلمہ شہادت میں کلمہ توحید میں اذان اور اقامت میں اپنے نام مبارک کے بعد ان کا نام محمد رسول اللہ ﷺ مقرر فرمایا۔ محمد کے نام پر غور کرو کہ اس کے لغوی معنی کے تحت میں ایک پیشگوئی بھی شامل ہے اور عالم الغیب والشہادۃ کی جانب سے جملہ عوام واہل عالم پر یہ راز آشکار کیا گیا ہے کہ اس اسم کے مسمیٰ کی مدح وثنا دنیا میں سب سے بڑھ کر، سب سے زیادہ توالی وتواتر کے ساتھ کی جائے گی۔

وہ کون ہے، جس کا مقدس نام آج کروڑوں اشخاص کی زبان پر جاری اور قلوب میں ساری ہے وہ کون ہے، جس کے مقدس نام کی نوبتِ شاہانہ مساجد کے بلند ترین میناروں سے سامعہ نواز ہے۔ وہ کون ہے، جس کی سیرتِ پاک انسانی زندگی کے ہر لمحہ وہر ساعت میں اور ہر درجہ اور ہر مقام پر رہنما ہے۔ وہ کون ہے، جو اپنے افعال میں محمود ہے اور اپنی تعلیم سے محمود ہے۔ وہ کون ہے، جس کی رفعت فرش سے عرش تک ملی ہوئی ہے۔ وہ کون ہے، جس کی تعلیم کی وسعت بر و بحر پر چھائی ہوئی ہے۔ بیشک وہ محمد ہے، اسم بھی محمد ہے اور مسمیٰ بھی محمد ہے اور حمد کو اس کی ذات سے نسبت خاص ہے۔ اُسی کے مقام شفاعت کا نام "مقام

محمودؔ" ہے اور اُسی کی امت "حمّادُون" کے لقب سے روشناس ہے۔اس کی لائی ہوئی کتاب کا الحمدُ للهِ رَبِّ العلمينَ سے افتتاح ہوتا ہے۔

(۲) سیدنا احمد ﷺ...... یہ بھی حمد میں مبالغہ کا صیغہ ہے جن کی حمد کی گئی ہے ان میں سب سے برتر اور سب سے افضل ہیں۔ہاں اسی کا نام احمد ہے ۔یہ بھی اُسی سرچشمہ "حمد" سے نکلا ہے ۔دونوں نام اپنے منبع وماخذ کے اعتبار سے اتحادِ تام رکھتے ہیں اور اشتراک کلیہ کے ساتھ ساتھ انوار وبرکاتِ خاص سے مختص بھی ہیں ۔وہ "احمد" ہے اور اسی لئے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا ثنا گستر و مدح خواں ہے۔

وہ "احمد" ہے اور اسی لئے اس نے بارش کے قطرات سے اور ریگ کے ذرات سے بڑھ کر اپنے مالک ،اپنے خالق ،اپنے رازق ،اپنے ہادی ،اپنے معطی کی حمد وثنا پھیلائی ہے۔ہاں وہ "محمد" ہے اور کُل دنیا اس کی مداح ہے۔وہ "احمد" ہے اور کُل دنیا سے بڑھ کر اپنے رب کا حامد ہے۔ہاں وہ پیارا ہے ،اُسی نے دشمن ودوست سب سے پیار کیا ہے۔وہ حبیب ہے اور اسی نے محبت کا تاج اکمال سے مزیّن فرمایا ہے۔وہ محبوب ہے ،مگر محبیّن سے بے نیاز ہے۔وہ مطلوب ہے مگر طالبین سے کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔وہ متبوع ہے اور اس کی تبعیّت دوسرے کو مطاع بنادیتی ہے۔

(۳) سیدنا عفو ﷺ...... معنی ظاہر ہے قرآن میں اور تورات میں رسولِ اکرم ﷺ کا وصف عفو سے بیان کیا گیا ہے۔آپ ﷺ کی فطرت میں اذیت کی برداشت اور غیر کے ساتھ حسن سلوک تھا کبھی اپنے نفس کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا۔انسان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی کسی مسلم کو لعنت سے یاد نہیں کیا افسوس آج کل مسلمان مسلمان کو بغیر ثبوت شرعی کے کفر میں دھکیلتے ہیں اور اپنی عاقبت کو برباد کرتے ہیں ۔جنگ احد میں دندان مبارک شہید ہوگئے لب مبارک زخمی ہوگیا ،خون چہرہ انور سے بہتا تھا اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو بہت ناگوار گزرا ،عرض کیا آپ ان کے حق میں بددعا کریں تو اس حالت میں یہ جواب فرمایا۔انی لم ابعث لعانا بل بعثت داعيا ورحمة.

وہ عفو ہے، عفو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور نبی ﷺ صفاتِ عالیہ میں سے بھی جملہ صفاتِ نبوی ﷺ کی صفاتِ الٰہی کے ظلال ہیں اور رسولِ اکرم ﷺ کے جملہ محاسن عطیاتِ ربانی ہی کے مظاہر ہیں۔ کوہِ تنعیم کے اسی اعدائے دین کو جنہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مصروف نماز دیکھ کر قاتلانہ حملہ کر دیا تھا، معاف کر دینے والا وہی ہے۔ زینب بنت الحارث بن سلام خیری کو جو مسموم گوشت کا ہدیہ لے کر آئی اقبالِ جرم کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔ سردارانِ قریش کو جنہوں نے ۱۳ سال تک اشاعتِ اسلام کو روکا اور اسلام میں داخل ہونے والوں کو مشق ستم اور ہدف تیر و نیزہ بنایا، مغلوب کر لئے جانے کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔ ابن سلول رئیس المنافقین اور اس کی جماعت اہل یثرب کو بار بار معاف کرنے والا اور ان کی پاجیانہ حرکات سے درگزر کرنے والا وہی ہے۔ جنگ حنین کے چھ ہزار قیدیوں کو ایک زبانی درخواست پر آزاد کرنے والا وہی ہے۔ حسّانؓ فرماتے ہیں:

عفوٌ عنِ الزّلاتِ یَقبلُ عُذرھُم...... فاِن اَحسَنُوا فَاللّٰہُ بالُخیرِ اَجوَدُ

دنیا کی تاریخ ایسے عفو و درگزر کے نظائر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(۴) سیدنا ہادی ﷺ...... ہدایت کے معنی و مفہوم دو ہیں۔ کسی کے دل میں ایمان ڈال دینا آیت ذیل میں اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔ اِنَّکَ لَا تَھدِی مَنْ اَحْبَبْتَ ولٰکِنَّ اللّٰہَ یَھدِی مَنْ یَّشَآءُ. (قصص) تو ہدایت نہیں دے سکتا جسے تُو پسند کرتا ہے لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو بھی چاہے۔

کسی کو ایمان و یقین کی طرف بلانا اور اپنی دعوت کی حقانیت کو دلائل و براہین روحانی یا عقلی سے اور اپنے افعال حمیدہ و اقوال حکیم سے مستحکم کرنا بلا شائبہ غرض اور بلا آمیزش طمع خالصۃً خیر خواہی و نیک سگالی کے فرائض ادا کرنا۔ اس مفہوم کی تکمیل رسولِ اکرم ﷺ کی ذات پر ہوتی ہے اور آیت ذیل میں اس معنی کو بیان کیا گیا ہے۔ وَاِنَّکَ لَتَھدِی اِلٰی صِراطٍ مُّستَقِیمٍ۔ تو بالضرور سیدھی راہ کی ہدایت کرنے والا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے ہدایت اور دعوت الی الحق کے جملہ بہترین طریقوں کو جمع فرمادیا تھا۔ کشادہ رُوئی، نرم خوئی، خلقِ عظیم ایسی صفات تھیں کہ دُشمن بھی رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھ کر اپنی دشمنی بھول جاتا تھا۔ شیریں کلامی، واضح بیانی، ایسی کہ جو لفظ زبان مبارک سے نکلتا، سامع کے قلب میں اُتر جاتا تھا۔

دلائل و براہین کے وار کرنے میں رسولِ اکرم ﷺ نے منطقیوں اور فلسفیوں کی ژدلیدہ تقریروں اور مغلق الفاظ وغیرہ کے جملہ مسلک ترک کردیئے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے دلائل انفسی اور آفاقی ہوتے تھے۔ انسان کے سامنے خود اسی کی فطرت کو پیش کردینا یا انسان کے ماحول کو انسان کے لئے دلیلِ راہ بنادینا رسولِ اکرم ﷺ کا مبارک شیوہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ پر اُن قوانینِ فطرت کو کھول دیا تھا۔ جن پر مخلوق کی آفرینش ہوئی ہے۔ لہٰذا رسولِ اکرم ﷺ کے دلائل بھی براہ راست سرشت انسانی اور خلقت بشری کو متوجہ و بیدار اور مخاطب کرنے والے ہوتے تھے۔

اور بے شک رسولِ اکرم ﷺ نوع انسانی کے لئے ایسا مکمل نمونہ تھے کہ حضور ﷺ کے افعال، آپ ﷺ کے اقوال کے مصداق ہوتے تھے اور آپ ﷺ کے اقوال آپ ﷺ کے افعال کا معیار تھے۔ اس ظاہر و باطن کے توافق اور افعال و اقوال کے تطابق نے رسولِ اکرم ﷺ کو نوعِ بشر کا سچا ہادی بنادیا تھا۔ ضرار بن الخطاب رضی اللہ عنہ الفہری نے فتح مکہ کے دن رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا تھا، جس کا ایک شعر یہ ہے:

یا نبیَّ الْھُدیٰ اِلیکَ لِجاجِیُ..............قُریشٌ ولدت حسین بحاء

نابغہ جعدی کا شعر ہے۔

اَتیتُ رسولَ اللہ اذا جآء بِالھُدیٰ...............وَیتلُوا کتاباً کَا لمُجرّۃِ نیّراً

(۵) سیدنا مطاع ﷺ...... آپ ﷺ کا ایک نام مطاع بھی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی ذات سبحانی ہے جس کی اطاعت مقصود بالذات ہے اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت کرنے والوں کی شناخت کے لئے یہ معیار مقرر کردیتا ہے کہ انبیاء الٰہی کی اطاعت کرنے والے ہی

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے سمجھے جائیں گے۔اور اطاعت انبیاءؑ سے گریز کرنے والے ہی اطاعتِ ربانی سے گریز کرنے والے قرار دیئے جائیں گے۔اس رسول کو اللہ تعالیٰ نے بہ طورِ قانون محکم ظاہر فرمادیا ہے وما اَرْسلنا مِنْ رَّسولٍ اِلَّا لِيُطاعَ بِاِذْنِ الله۔

اصولی حکم کے بعد ذات مبارک نبوی ﷺ کی نسبت خصوصیت سے فرمادیا وَمَنْ يُّطِعِ الرسولَ فَقَدْ اَطاعَ الله اس رسول کی جس نے اطاعت کی تو اُس نے بالضرور اللہ ہی کی اطاعت کی ہے۔بعدازاں فرمادیا اِنْ تُطِيعُوهُ تهتَدُوا ،اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یاب بن جاؤ گے۔

قرآن مجید میں مُطاعٍ ثَمَّ اَمين ؕ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صفت میں فرمایا گیا ہے اور سورہ تحریم میں وجبْرِيلُ وصالِحُ المؤمنينَ وَالْمَلائِكَةُ بعدَ ذٰلِكَ ظَهِير ،نازل کیا گیا۔مطلب یہ ہوا کہ وہ مطاع آسمانی اور امین وحی ربانی بھی رسولِ اکرم ﷺ کے مددگاروں میں اسی طرح داخل ہیں جیسے دیگر ملائکہ اور جملہ مومنین ہر دو آیات نے رسول اکرم ﷺ کا سب سے بڑھ کر مطاع ہونا واضح فرمادیا۔

لہٰذا اب کوئی نبی یا مُرسل،کوئی ملک یا حامل وحی،کوئی پیرومرشد،کوئی امام،کوئی شہید ،یعنی مخلوق الٰہی میں سے کوئی بھی ایسا باقی نہیں رہ جاتا جو سیدنا و مولانا محمد ﷺ کے سامنے مطاع کہلانے کی جرأت کرسکتا ہو،یا جس کی اطاعت محمد ﷺ کی اطاعت کو چھوڑ کر باعثِ ہدایت وقُربِ ربانی بن سکتی ہو حدیثِ پاک ولو كانَ مُوسىٰ حيًّا لَما وَسِعَهُ اِلَّا اتِّباعِىْ اسی راز کی کاشف ہے۔ہاں ہر ایک کلمہ خواں اسلام کا دین وایمان یہی ہے کہ قُربِ الٰہی اور رضوان سُبحانی اور مغفرت ونجات کا ذریعہ خالق اور مخلوق کے درمیان صرف ایک ہے اور وہ اِطاعتِ محمدی ﷺ ہے۔ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر آج کوئی شخص سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کا مدعی بن کر رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت سے اظہار استغفار کرے تو وہ مغفرت ونجات سے دور ہے اور قُربِ درضوان کے منازل عالیہ سے مہجور۔نبی ﷺ ہی مطاع ہیں اور رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت ،اللہ کی اطاعت ہے۔ائمہ دین اور اصحاب کرام کے مدارج

ومناسب اس لئے دیگر مخلوق سے برتر وعالی ہیں کہ یہ بزرگوار رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت میں مستحکم اور کامل ترین ہیں۔

محمد عربی کا بروئے ہر دو سرا ست کسے کہ خاکِ درش نیست خاک برسر اوست

(۶) سیدنا شاہد ﷺ...... آپ ﷺ کا ایک نام شاہد ہے، چنانچہ اچھا شاہد اور سچا گواہ وہ ہے جس کی شہادت واقعاتِ صحیحہ کو کتمان سے ظاہر میں لے آئے، جس کی شہادت بے خبروں کو باخبر دار بے علموں کو باعلم اور غائبین کو مثلِ حاضر بنادے۔ رسولِ اکرم ﷺ شاہد ہیں۔ اور اَشھدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ کی شہادت جملہ عالم کے سامنے رسولِ اکرم ﷺ ہی نے ادا فرمائی ہے اور اپنی شہادت سے رب العلمین کے لئے استحقاق الوہیت ومعبودیت ثابت کیا ہے۔ عبادات واستعانت بغیر اللہ کے مسئلہ میں سینکڑوں مذاہب سرگرداں وحیران وپریشان تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ ہی کی شہادت نے ان حقائق خفیہ کو آشکار کیا۔ رسولِ اکرم ﷺ ہی نے اَشْھدُ اَنَّ مُحمَّداً رَّسولُ اللہِ کی شہادت ادا کی رسالت ونبوّت کے خصائص وحی ربانی کی حقیقت واعمال کا روح سے تعلق، جزاوسزا کا اعمال پر ترتب، شریعت کی ضرورت اور شرائع الٰہیہ ونوامیس حکمیہ کا استحکام۔ یہ سب رسولِ اکرم ﷺ ہی کی شہادت سے ہوا۔ اللہ اکبر! شاہد کیسی زبردست شہادت اور اعلیٰ صداقت کے ساتھ کھڑا ہوا ہے کہ جہانِ عالم میں شہادت کے لئے اکیلا آیا اور اپنی واپسی سے پیشتر ہزار در ہزار بندگانِ الٰہیہ کو اس شہادت پر قائم بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے سامنے اُن کو بھی شاہد بنا کر گیا اور تکونوا شُھدآءَ علَی النّاسِ کی سند عطا فرمایا گیا۔

(۷) سیدنا فاتح...... بمعنیٰ کھولنے والے۔ حدیث معراج میں ہے اللہ پاک نے فرمایا وجعلنک فاتحا وخاتما اور حدیث نبوی ﷺ میں ہے کہ وجعلنی فاتحا وخاتما تو آپ ﷺ فاتح ہیں ہر چیز کے لئے آپ ﷺ فاتح ہیں اور کھولنے والے ہیں امت پر رحمت کے دورازوں کو اور جنت کے دروازوں کو اور خشت اخیر ہیں قصر نبوت کے لئے۔

(۸) سیدنا مفتاح...... اس میں مبالغہ ہے یعنی آپ ﷺ سخت سے سخت امور کے

کھولنے والے ہیں۔

(۹)سیدنا مفتاح الرحمة...... رحمت کو کھولنے والا۔ دنیا میں اگر کوئی کسی پر رحم کرتا ہے تو آپ ﷺ کی متابعت کی وجہ سے ہے اور آخرت میں اگر کسی پر رحم کیا جائے گا تو آپ ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے ہوگا تو آپ ﷺ مفتاح رحمت ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

(۱۰)سیدنا عزیز...... بمعنیٰ غالب جلیل القدر۔ لانظیر له بڑی عزت والے ہیں ان کی کوئی نظیر نہیں۔

(۱۱)سیدنا مهین...... اس کے معنی رسول اللہ ﷺ کے حق میں یہ معنی شاہد اور امین کے آتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اللہ جل شانہ کے احکام کے امین ہیں۔

(۱۲)سیدنا جبار...... شکستہ حال کو جوڑنے والا۔ اس نام سے زبور داؤد علیہ السلام میں مشہور تھے۔ ۴۴ ویں باب میں ہے کہ تقلد ایها الجبار سیفک اپنی تلوار کو گلے میں ڈال دوائے جابر اور باہمت نبی (اور جہاد کرو کفار سے، اسلام کا بول بالا اور کفر کا منہ کالا کرنے کے لئے) یا یہ معنی کہ شکستہ دل اور پریشان حال بندوں کے دلوں پر جبیرہ یعنی پٹی لگاؤ۔ ان کے دکھ درد میں ان کو سہارا دو۔ یہ نام قرآن مجید کی آیتِ ذیل سے مستنبط ہے: واخفض جناحک للمؤمنین. طیور کو دیکھو، وہ اپنے انڈوں یا اپنے بچوں کی تربیت کیسی محبت، کیسے پیار، ہوشیاری اور کیسی نگہداشت سے اپنے شہپروں کے نیچے رکھ کر کرتے ہیں۔ اہل ایمان کے ساتھ نبی ﷺ کی محبت و پیار اور نگہداشت وحفاظت کا سلوک، اس مثال سے بھی بڑھ کر تھا۔ محترم قارئین! بطور نمونہ کے آپ ﷺ کے چند نام خصوصاً وہ نام جو اللہ کے نام سے ملتے ہیں مختصراً آپ کے سامنے پیش کر دیئے، امید ہے کہ اس قدر کلام سے ہماری ترتیب دی ہوئی اس خصوصیت کی وضاحت ہوگئی ہوگی انشاء اللہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۷۵

رسولِ اکرم ﷺ کا لایا ہوا انقلاب عظیم خصوصیات کا حامل ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پچتر نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے رسولِ اکرم ﷺ کا لایا ہوا انقلاب عظیم خصوصیت کا حامل ہے الحمدللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسولؐ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا، اللہ تعالیٰ اس کام کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا لایا ہوا انقلاب بڑی عظمت وخصوصیات کا حامل ہے، اگر چہ دیگر انبیاء اکرامؑ بھی جو انقلاب لائے وہ بھی خصوصیات رکھتے تھے لیکن ان کی خصوصیات محدود، اور پھر ان کا لایا ہوا انقلاب محدود زمانے تک کے لئے ہوتا تھا، جبکہ ہمارے نبی ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب کی خصوصیات بھی بے شمار ہیں اور یہ انقلاب محدود زمانے کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں تفصیل سے آپ ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب کی خصوصیات کو واضح کیا گیا ہے، انشاء اللہ اس کو پڑھکر آپ کے ایمان میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب پر عمل کرنے اور اس انقلاب کی دعوت کو ساری دنیا میں عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اب اس خصوصیت کی تفصیل کو ملاحظہ فرمایئے، اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

پچھترہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

دنیا میں اب تک کئی انقلابات رونما ہو چکے ہیں۔ایک انقلاب حضور نبی کریم ﷺ نے بھی برپا کیا تھا۔اس محمدی انقلاب کی چند اہم خصوصیات ذہن میں نقش کر لیجئے۔یہ وہ پکی باتیں ہیں جن کا کفر کی دنیا کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔جب آپ ان سے پوچھیں گے تو وہ اپنی بغلیں جھانکنی شروع کر دیں گے۔

سب سے پہلی خصوصیت تو یہ تھی اللہ کے محبوب ﷺ نے دنیا کے اندر اتنا انقلاب اتنے کم وسائل کے ساتھ پیدا کیا کہ پوری دنیا میں اتنے کم وسائل کے ساتھ اتنا بڑا انقلاب برپا نہیں کیا گیا۔یہ معمولی بات نہیں بلکہ یہ خدائی مدد کی دلیل ہے۔

انقلاب پیدا کرنے کے لئے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔محمدی انقلاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ فقط دس سال کے عرصہ میں برپا ہو گیا۔جب آپ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے اصل میں اس وقت کام کے کھل کر کرنے کی ابتداء ہوئی۔فقط دس سال کے عرصہ میں قرآن بھی مکمل نازل ہو چکا تھا۔اور پھر اسلام کا پیغام لے کر بھی چل پڑے تھے۔اس قلیل عرصہ میں اللہ کے محبوب ﷺ نے اس دنیا کو علم واخلاق کا انقلاب برپا کر کے دکھایا اتنے کم وقت میں کوئی بھی اتنا بڑا انقلاب پیدا نہیں کر سکتا۔دس سال کے قلیل عرصہ میں قوموں کا رخ بدل دینا کوئی آسان بات نہیں ہے۔

محمدیؐ انقلاب کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ اس انقلاب کے دوران سب سے کم جانی نقصان ہوا۔تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی میں جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں ان میں مسلمان شہداء اور کفار کی کل تعداد 1062 افراد تھی۔اس اعتبار سے آپ اس انقلاب کو ''غیر خونی انقلاب'' کہہ سکتے ہیں۔

محترم قارئین! ہمارا یہ اسلامی ملک ہے۔اس میں امن بھی ہے مگر یہاں پر بھی آپ دیکھیں تو مختلف شہروں میں جھگڑوں کے دوران ایک دو ماہ میں ایک ہزار سے زائد انسان قتل

ہو چکے ہونگے۔ لیکن ہمارے محبوب ﷺ نے پوری دنیا میں دس سال میں جو انقلاب پیدا کیا اس میں فقط 1062 انسان کام آئے۔

غور کیجئے کہ بغداد کے اندر ہلاکو خان نے بھی ایک انقلاب برپا کیا تھا۔ مگر ایک دن کے اندر بغداد میں دو لاکھ مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ یہ تو ایک دن کی بات ہے اور پورے انقلاب میں نہ معلوم کتنے لاکھ مسلمان کام آئے تھے۔ فرانس کے انقلاب میں 25 لاکھ انسانوں کو قتل کیا گیا۔ قیامِ پاکستان کے وقت بھی ایک کروڑ انسانوں کو جانیں دینا پڑیں۔ مگر میرے محبوب ﷺ نے اتنے کم جانی نقصان کے ساتھ دنیا کو ہدایت کا راستہ دکھا دیا۔ پوری دنیا میں اس انقلاب کی مثال نہیں ملتی۔ (بحوالہ خطباتِ فقیر)

آپ ﷺ کا لایا ہوا انقلاب اور اسکے نتائج وتعلیمات

رسولِ اکرم ﷺ جس عظیم الشان پیغام کو لے کر آئے تھے اور جس مہتم بالشان کام کو انجام دینے کے لئے بھیجے گئے تھے، نیک دل اور حقیقت شناس لوگ تو سننے اور دیکھنے کے ساتھ اس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے لیکن جن کے دل کے آئینے زنگ آلود تھے، پیغام کی سچائی، وحی کی تاثیر، پیغمبر کی پُر اثر دعوت، اعجازِ معصومیت اور اخلاق کے پرتو سے صاف وشفاف ہوتے گئے اور عوائق، موانع، شبہات اور شکوک کی تو بر تو ظلمتیں اور تاریکیاں رفتہ رفتہ چھٹتی چلی گئیں اور اسلام کا نور روز بروز زیادہ صفائی اور چمک کے ساتھ عرب کے افق پر درخشاں اور تاباں ہوتا گیا، یہاں تک کہ ۲۳ برس کی مدت میں ایک متحدہ قومیت، ایک متحدہ سلطنت، ایک متحدہ اخلاقی نظام، ایک کامل قانون، ایک مکمل شریعت، ایک ابدی مذہب اور عملی جماعت، خدا پرستی، اخلاق ایثار، تدین، تقویٰ ایمانداری، اخلاق اور سچائی کا ایک مجسم عہد یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہو گیا، اور گویا یہی حقیقت تھی، جس کی طرف آپ نے اپنی امت کے سب سے بڑے مجمع (حجۃ الوداع) میں اپنی وفات سے تقریباً دو ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ: ہاں اس زمانہ کا دور اپنی اسی حالت پر آ گیا جس

حالت پر اس دن تھا، جس دن خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔

اور یہی حقیقت تھی جس کی نسبت رسول اکرم ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ایک نہایت، پُر درد وداعی تقریر کے آخر میں یہ الفاظ فرمائے: فقد ترکتم علی البیضاء لیلها کنهارها، میں تم کو ایک روشن راستہ پر چھوڑ جاتا ہوں جس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ اس کی رات بھی دن کے مانند ہے، اور آخری حجۃ الوداع کے مجمع عام میں تکمیل کی بشارت آئی کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (مائدہ) آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر ختم کر دی۔

پروفیسر مارگولیتھ جن کی تائیدی شہادت بہت کم مل سکتی ہے، لکھتے ہیں: ''محمد ﷺ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا، آپ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی ومذہبی دار السلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے، رسول اکرم ﷺ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا، رسول اکرم ﷺ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا، اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا، (بحوالہ لائف آف محمدؐ)

ایک دور (یورپ) کے بیگانہ مستشرق کی بہ نسبت جس علم، عرب اور اسلام کے متعلق صرف چند کتابوں سے مستعار ہے، خود ایک عرب عیسائی اہل قلم کو فیصلہ کا زیادہ حق حاصل ہے، بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم (داور مجاعص) نے لکھا ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے مختصر زمانہ میں ایک نئے مذہب، ایک نئے فلسفے، ایک نئی شریعت، اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا اور ایک نئی قوم پیدا اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی، لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود امی اور ناخواندہ تھا، وہ کون؟ محمد بن عبد اللہ قریشی، عرب اور اسلام کا پیغمبرؐ، اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کر دیا، اور اپنی اور اپنے پیروؤں

کے لئے اور اس سلطنت کے لئے جس کو اس نے قائم کیا، ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود مہیا کردیئے اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہیں، جن کی ضرورت ایک مسلمان کو اس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آسکتی ہیں، حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا، تاکہ اقوام اسلام میں اہل استطاعت ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے دینی وقومی معاملات میں باہم مشورے کرسکیں، اپنی امت پر زکوٰۃ فرض کر کے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی قرآن کی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالمگیر زبان بنادیا تاکہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بن جائے، قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اس طرح عنایت کیا کہ یہ کہہ دیا کہ ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بناء پر بزرگی حاصل ہے، اس بناء پر اسلام ایک حقیقی جمہوریت بن گیا، جس کا رئیس قوم کی پسند سے منتخب ہوتا ہے، مسلمانوں نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا، یہ کہہ کر کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت نہیں، اسلام میں داخل ہونا ہر شخص کے لئے آسان کردیا، نومسلموں کے لئے اسلامی ملکوں میں عیش وآرام اور امن واطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہہ کر اپنے اوپر لے لی، کہ تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے، تو خدا کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے، خاندانی اور ازدواجی اصطلاحات بھی اس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہیں اس نے نکاح ووراثت کے احکام مقرر کئے، عورت کا مرتبہ بلند کیا، نزاعات اور مقدمات کے فیصلے کے قوانین بنائے، بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو بیکار نہ ہونے دیا، علم کی اشاعت اور تعلیم اس کی کوششوں کا بڑا حصہ رہی، اس نے حکمت کو ایک مومن کا گمشدہ مال قرار دیا، اسی سبب سے مسلمانوں نے اپنی ترقی کے زمانہ میں ہر دروازہ سے علم حاصل کیا، کیا ان کارناموں کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پائے گا۔

انگلستان کے مشہور انشاپرداز کارلائل نے اپنے ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" میں لاکھوں پیغمبروں اور مذہب کے بانیوں میں صرف محمد (ﷺ) ہی کے وجود گرامی کو اس قابل سمجھا کہ وہ آپ کو نبوت کا ہیرو قرار دے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار "محمد" آپ کی نسبت کہتا

ہے:۔قرآن سے اس شخص کے روحانی ارتقاء کا پتہ چلتا ہے، جو تمام نبیوں اور مذہبی لوگوں میں سب سے زیادہ کامیاب رہا۔ الغرض دوست و دشمن سب کو اس کا اعتراف ہے کہ انبیاء میں یہی برگزیدہ ہستی ہے جس نے کم سے کم مدت میں اپنی بعثت اور رسالت کے زیادہ سے زیادہ فرائض ادا کئے، اور اصلاحات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا، جس کی تکمیل اس کی تعلیم اور عمل سے نہ ہوگئی ہو، اور یہ اس لئے کہ تمام انبیاء میں خاتمِ نبوت، مکمل دین، اور آخری معلم کی حیثیت آپ ہی کو عطا ہوئی تھی، اگر انسان کی عملی واخلاقی ودینی ضرورتوں کا کوئی گوشہ آپ کے فیض سے محروم رہ کر تکمیل کا محتاج ہوتا تو آپ کے بعد بھی کسی آنے والے کی حاجت باقی رہ جاتی، حالانکہ آپ نے فرمادیا کہ ''میرے بعد کوئی نبی نہیں میں نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہوں'' (ﷺ)

آپ ﷺ کی تعلیمات کی یہی ہمہ گیری ہے جس پر کوتاہ بینوں کو آج نہیں بلکہ خود صحابہؓ کے عہد میں بھی تعجب ہوتا تھا، بعض مشرکوں نے حضرت سلمان فارسیؓ سے مذاقاً کہا کہ تمہارے پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی بھی کہ تم کو قضائے حاجت کیونکر کرنی چاہئے، حضرت سلمانؓ نے کہا ہاں یہ سچ ہے کہ آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت میں قبلہ رخ نہ بیٹھیں نہ اپنے داہنے ہاتھ سے طہارت کریں، اور نہ تین ڈھیلوں سے کم استعمال کریں، جن میں کوئی ہڈی اور گوبر نہ ہو، نبوتِ محمدی کی تعلیمات کی یہ ہمہ گیری ہی اس کی تکمیل کی دلیل ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ کہ وہ پست سے پست اور غیر متمدن اقوام سے لے کر بلند سے بلند اور متمدن سے متمدن قوموں تک کے لئے یکساں تعلیمات اور ہدایات رکھتی ہے، عرب کے بدویوں اور قریش کے رئیسوں دونوں کے لئے رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت تھی، اس لئے آپ کی تعلیمات میں پست کو بلند اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر کی ہدایات ہیں، آج یہی چیز ہے کہ افریقہ کے وحشیوں میں اسلام اپنی تعلیمات کے ساتھ تنہا جاتا ہے، اور ان کو متمدن اور مہذب بنانے کے لئے مذہب سے باہر کسی تعلیم کی اس کو ضرورت پیش نہیں آتی ہے، لیکن عیسوی مذہب کو چند اخلاقیات کو چھوڑ کر جن کا ماخذ انجیل

ہے، عقائد پادریوں کی کونسلوں سے، دعائیں اور عبادات کلیساؤں کے حکمرانوں سے اور تہذیب وتمدن کی تعلیمات یورپ کے بے دینوں اور ملحدوں سے حاصل کرنی پڑتی ہیں لیکن اسلام میں محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کچھ نہیں، عقائد ہوں کہ عبادات اور دعائیں، اخلاق ہوں کی آدابِ تمدن، خانگی معاملات ہوں یا لین دین کے کاروبار، انسانوں کے ساتھ معاملہ ہو، یا خدا کے ساتھ سب کا ماخذ محمد رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر تعلیمات ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کی ان ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے، چار ابواب پر منقسم ہے اور ان ہی کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔

آپ نے بتایا ہے کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے، اور دوسرا اپنے خالق کی دوسری مخلوقات کے ساتھ اسی مفہوم کو دوسری عبارت میں یوں کہو کہ اس کا ایک تعلق اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے آقا اور مالک کے غلاموں کے ساتھ یا یوں کہو کہ اس کا ایک رخ تو آسمان کی طرف ہے اور دوسرا زمین کی سمت، اس کو ایک لگاؤ تو عالمِ غیب سے ہے اور دوسرا عالمِ شہود سے، پہلے کے ساتھ اس کا تعلق ایک مہربان آقا اور فرمانبردار غلام کا ہے، اور دوسروں کے ساتھ اس کا تعلق برادری اور بھائی چارے کا ہے، خالق اور مخلوق یا خدا اور بندہ کے درمیان جو علاقہ اور رابطہ ہے، اس کا تعلق اگر صرف ہمارے ذہنی قویٰ اور قلبی حالات سے ہے، تو اس کا نام عقیدہ ہے، اور اگر ان قلبی حالات کے ساتھ ہمارے جسم وجان اور مال وجائداد سے بھی ہے، تو اس کا نام عبادت ہے، باہم انسانوں اور انسانوں میں، یا انسانوں اور دوسری مخلوقات میں جو علاقہ ورابطہ ہے، اس کی حیثیت سے جو احکام ہم پر عائد ہیں، اگر ان کی حیثیت محض قانون کی ہے تو اس کا نام معاملہ ہے، اور ان کی حیثیت، قانون کی نہیں، بلکہ روحانی نصیحتوں اور برادرانہ ہدایتوں کی ہے، تو اس کا نام اخلاق ہے۔

قرآن پاک کی اصطلاح میں پہلے تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کا نام ایمان ہے، اور دوسرے تیسرے اور چوتھے کی بجا آوری کا نام عملِ صالح ہے، اور ان ہی دونوں کے مجموعہ

پر کامل نجات کا انحصار ہے، عمل صالح کی تین قسمیں ہیں، خدا کے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار اور اس کے احکام کی تعمیل، بندوں کے ساتھ کاروبار اور معاملہ میں قانونِ الٰہی کی پابندی، اور ان کے ساتھ محبت، الفت، اور نیکی اور بھلائی کا برتاؤ، اور اگر اس لحاظ سے کہ ان میں سے ہر ایک عمل کو جس میں خدائی کی خوشنودی اور رضامندی مقصود ہو، اسلام عبادت کہتا ہے لیکن اصطلاح میں پہلے کا نام عبادات، اور دوسرے کا نام معاملات اور تیسرے کا نام اخلاق ہے، الغرض محمد رسول اللہ ﷺ جو عالمگیر شریعت اور دائمی ہدایت لے کر آئے، وہ ان ہی چاروں عنوانوں کا مجموعہ ہے، یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق، ان ہی کی اصلاح تعلیم اور تکمیل کے لئے رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی، اور یہی آپ کے پیغمبرانہ فرائض کے اصلی کارنامے ہیں۔ (بحوالہ جستہ جستہ سیرت النبی ج ۴)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مآخذ و مراجع

کی تفصیلی فہرست جلد نمبر ۴ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں

جزاک اللہ

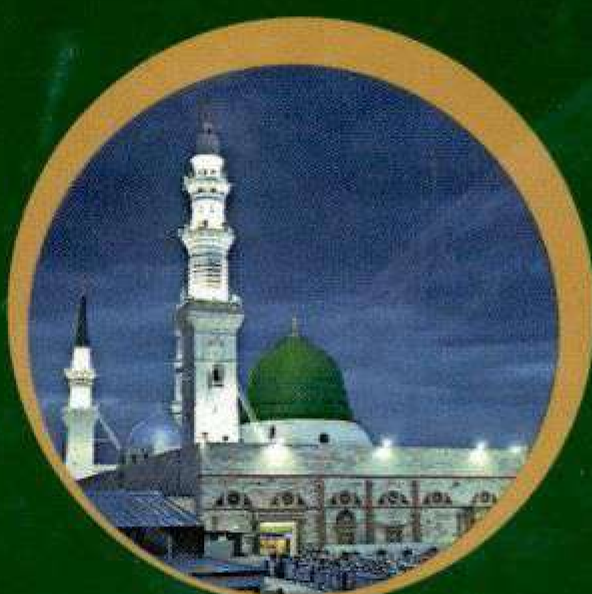
300 سے زائد کتب سے استفادہ شدہ کتاب جسکی تکمیل
روضہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے میں بیٹھ کر کی گئی

خصوصیاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف
مولانا محمد ہارون معاویہ
فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
خطیب جامع مسجد سرور کونین









پسند فرمودہ
مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

تقاریظ
مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
مولانا مفتی عبد المجید دینپوری مدظلہ
نائب رئیس دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

دار الاشاعت
اُردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ

-

خصوصیاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مجمع فضل وکمال، سید الانبیاء، مقصود الخلائق، سید الکونین، اشرف الرسل، شفیع الامم، رحمۃ للعالمین خاتم النبیین کی سیرت کے عظیم گوشے سے چیدہ چیدہ سو امتیازی خصوصیات وکمالات پر جدید اسلوب میں جامع، مفصل و قابل قدر ذخیرہ

جلد چہارم

تالیف

مولانا محمد ھارون معاویہ

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
واستاذ مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپور خاص

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : فروری ۲۰۰۷ء علمی گرافکس

ضخامت : 552 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿......... ملنے کے پتے ....﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

اجمالی فہرست

خصوصیت نمبر ۷۶ .... ۴۱

رسول اکرم ﷺ کے ذکر کو اللہ نے اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کر دیا

خصوصیت نمبر ۷۷ .... ۵۱

رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مکمل محفوظ ہے

خصوصیت نمبر ۷۸ .... ۶۱

رسول اکرم ﷺ کا خاندانی ونسبی فضل وشرف سب سے عظیم ہے

خصوصیت نمبر ۷۹ .... ۶۶

آپ ﷺ کا تعارف خود اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتے ہیں

خصوصیت نمبر ۸۰ .... ۷۸

رسول اکرم ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے

خصوصیت نمبر ۸۱ .... ۱۳۵

رسول اکرم ﷺ اور شق القمر کی عظیم خصوصیت

خصوصیت نمبر ۸۲ .... ۱۵۴

رسول اکرم ﷺ کو قیامت کے دن شفاعت کا حق دیا جائے گا

خصوصیت نمبر ۸۳ .... ۲۱۱

رسول اکرم ﷺ کی نبوت کا کارنامہ سب سے عظیم کارنامہ ہے

خصوصیت نمبر ۸۴ .... ۲۵۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صحابہ جیسی عظیم جماعت عطا فرمائی

خصوصیت نمبر ۸۵ .... ۳۱۵

رسولِ اکرم ﷺ کو قیامت کے دن حوضِ کوثر عطا کیا جائے گا

خصوصیت نمبر ۸۶ .... ۳۳۶

رسولِ اکرم ﷺ تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے

خصوصیت نمبر ۸۷ .... ۳۴۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی القبلتین بنایا

خصوصیت نمبر ۸۸ .... ۳۵۳

رسولِ اکرم ﷺ کا امتیاز تمام اخلاقی معلموں میں

خصوصیت نمبر ۸۹ .... ۳۶۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ نے اپنے زمانے میں ساری دنیا کا استاذ بنایا

خصوصیت نمبر ۹۰ .... ۳۶۷

رسولِ اکرم ﷺ کی امت دوسری امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی

خصوصیت نمبر ۹۱ .... ۳۷۹

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو قیامت کے دن گواہی کا شرف حاصل ہوگا

خصوصیت نمبر ۹۲ .... ۳۸۴

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے بہترین فصیح وبلیغ انسان بنایا

خصوصیت نمبر ۹۳ .... ۳۹۸

رسولِ اکرم ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا

خصوصیت نمبر ۹۴ .... ۴۳۵

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کا مقام اخروی لحاظ سے بھی سب سے اونچا ہوگا

خصوصیت نمبر۹۵ .... ۴۴۳

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا

خصوصیت نمبر۹۶ .... ۴۴۵

رسول اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے نبیوں والا کام (تبلیغی کام) عطا فرمایا

خصوصیت نمبر۹۷ .... ۵۱۰

رسول اکرم ﷺ کا نام لیکر خطاب کرنے سے امت کو منع فرمایا گیا جبکہ دیگر امتیں اپنے نبیوں کا نام لیا کرتی تھیں

خصوصیت نمبر۹۸ .... ۵۱۲

رسول اکرم ﷺ جس راستے سے چلتے وہاں خوشبو آیا کرتی تھی

خصوصیت نمبر۹۹ .... ۵۱۴

رسول اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر گزشتہ انبیاءؑ کی مسلمہ کتب میں بھی آیا

خصوصیت نمبر۱۰۰ .... ۵۳۳

رسول اکرم ﷺ کی امت کی تعداد قیامت کے دن سب سے زیادہ ہوگی

تفصیلی فہرست

انتساب..۲۰

عرضِ مؤلف..۲۱

تقریظ.....ازحضرت استاذ العلماء مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی..........۲۷

تقریظ.....ازاستاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی...۳۰

تقریظ.....ازحضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ العالی.................۳۱

تقریظ.....ازمحترم مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب مدظلہ العالی..................۳۶

انبیاء کرامؑ کے مراتب میں جزئی تفاوت اور ایک ضروری تطبیق.........................۳۸

ایک ضروری وضاحت..۴۰

خصوصیت نمبر ۷۶..۴۱

رسولِ اکرم ﷺ کے ذکر کو اللہ نے اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کر دیا

چھہترویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..........................۴۲

خصوصیت نمبر ۷۷..۵۱

رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مکمل محفوظ ہے

ستترویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..........................۵۲

آپ ﷺ کی پوری زندگی محفوظ ہے..۵۲

رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں مائیکل ہارٹ کا خراج تحسین..........................۵۷

انگلش رائٹر ''گبن'' کا اعتراف ۵۹

خصوصیت نمبر ۷۸ ....۶۱

رسولِ اکرم ﷺ کا خاندانی و نسبی فضل و شرف سب سے عظیم ہے

اٹھترویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں ۶۱

خصوصیت نمبر ۷۹ ....۶۶

رسولِ اکرم ﷺ کا تعارف خود اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتے ہیں

اناسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۶۶

خصوصیت نمبر ۸۰ ....۷۸

رسولِ اکرم ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے

اسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۷۹

رحمۃ العالمین ﷺ کی شانِ رحمت پر ایک نظر ۷۹

حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا تفصیلی تعارف ۸۶

آپ ﷺ کی شان رحمۃ اللعالمین کی چند جھلکیاں ۱۰۱

حضور ﷺ بحیثیت رحمۃ اللعلمین ۱۱۲

آیا نہ کوئی آپ ﷺ جیسا رحمت عالم ۱۲۳

رسول اکرم ﷺ رحمۃ اللعالمین بن کر مبعوث ہوئے ۱۳۰

خصوصیت نمبر ۸۱ ....۱۳۵

رسولِ اکرم ﷺ اور شق القمر کی عظیم خصوصیت

اکاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں......۱۳۶
معجزہ شق القمر کے متعلق بے دینوں کے اعتراضات کا جواب......۱۴۹
شق قمر سے متعلق ایک سوال اور اسکا جواب......۱۵۱

خصوصیت نمبر۸۲......۱۵۴

رسولِ اکرم ﷺ کو قیامت کے دن شفاعت کا حق دیا جائے گا

بیاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں......۱۵۵
شفاعت کے متعلق احادیث میں تشریح......۱۵۸
شفاعت کے معنی......۱۶۰
شفاعت کی قسمیں......۱۶۱
شفاعت کی پہلی قسم......۱۶۱
شفاعت کی دوسری قسم......۱۶۱
شفاعت کی تیسری قسم......۱۶۲
شفاعت کی چوتھی قسم......۱۶۲
شفاعت کی پانچویں قسم......۱۶۲
شفاعت کی چھٹی قسم......۱۶۲
شفاعت کی ساتویں قسم......۱۶۲
شفاعت کی آٹھویں قسم......۱۶۳
شفاعت کی نویں قسم......۱۶۳
شفاعت کے مواقع ومحل......۱۶۳
قیامت کے دن انبیاءؑ کا شفاعت سے انکار اور آپ ﷺ کی شفاعت کا قبول ہونا......۱۶۴
حدیث کی تشریح......۱۷۲

حدیث بالا کی مزید تشریح.......................۱۸۲

آپ ﷺ کی ''شفاعت'' سے متعلق ایک اور حدیث.......................۱۸۵

رسولِ اکرم ﷺ کی ''شفاعت'' قبول کرنے کا وعدہ خداوندی.......................۱۸۹

آپ ﷺ کی ''شفاعت سے متعلق ایک اور حدیث.......................۱۹۲

قیامت کے دن شفاعت وغیرہ سے متعلق کچھ اور باتیں.......................۱۹۵

آپ ﷺ کی شفاعت کی مزید وضاحت.......................۱۰۶

خصوصیت نمبر ۸۳.......................۲۱۱

رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت کا کارنامہ سب سے عظیم کارنامہ ہے

تراسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں.......................۲۱۲

آپ ﷺ نے انسانیت کا سر اونچا کر دیا.......................۲۲۳

فرائض رسالت میں آنحضرت ﷺ کی کامیابی تمام انبیاء علیہم السلام پر فائق ہے.......................۲۳۷

آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت کی حیرت انگیز خصوصیات.......................۲۴۰

آپ ﷺ کا پہلا کارنامہ.......................۲۴۵

آپ ﷺ کا دوسرا کارنامہ ماحول یا سوسائٹی کی اصلاح.......................۲۵۲

خصوصیت نمبر ۸۴.......................۲۵۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ جیسی عظیم جماعت عطا فرمائی

چراسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں.......................۲۵۶

قرآن میں آپ ﷺ کے صحابہؓ کا ذکر خیر.......................۲۵۶

قرآن سے پہلی کتابوں میں آپ ﷺ اور صحابہؓ کا ذکر خیر.......................۲۵۹

صحابہ کرامؓ حقیقی مومن تھے.......................۲۶۱

صحابہ کرامؓ کی مظالم و مصائب میں استقامت.......... ۲۶۳

صحابہ کرامؓ میں قربانی کا بے پناہ جذبہ.......... ۲۶۹

رسولِ اکرم ﷺ کی محبت واطاعت اور صحابہ کرامؓ.......... ۲۷۱

عہد صحابہؓ کی دلکش تصویر.......... ۲۸۱

صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے لئے سب کچھ لٹا دیا.......... ۲۸۵

صحابہ کرامؓ کی خصوصیات کے چند درخشاں پہلو.......... ۲۹۰

(۱) صحابہؓ کے لئے دین کا محبوب چیز بن جانا.......... ۲۹۰

(۲) صحابہؓ نے پیغمبر ﷺ کو آغاز تاریخ میں پہچانا.......... ۲۹۲

(۳) صحابہؓ کا قرآن کو دورِ نزاع میں اپنانا.......... ۲۹۴

(۴) صحابہؓ کا خوب مال لٹانا.......... ۲۹۵

(۵) صحابہؓ کا اپنا تاج دوسرے کے سر پر رکھنا.......... ۲۹۶

(۶) صحابہؓ کا اپنی محدودیت کو جاننا.......... ۲۹۷

(۷) صحابہؓ کا ذمہ داری کو اپنے اوپر لے لینا.......... ۲۹۹

(۸) صحابہؓ کا شکایات سے اوپر اٹھ کر سوچنا.......... ۳۰۰

(۹) صحابہؓ کا قانونی حد سے آگے بڑھ کر ساتھ دینا.......... ۳۰۱

(۱۰) صحابہؓ کا اختلاف سے بچ کر اصل نشانہ پر لگے رہنا.......... ۳۰۲

(۱۱) صحابہؓ کا پچھلی نشست پر بیٹھنے کے لئے راضی ہونا.......... ۳۰۳

(۱۲) صحابہؓ کا غیر جذباتی فیصلہ کرنے کی طاقت رکھنا.......... ۳۰۵

(۱۳) صحابہؓ کا درخت کی طرح آگے بڑھنا.......... ۳۰۶

(۱۴) آپ ﷺ سے صحابہ کرامؓ کا عشق.......... ۳۰۷

روایت نمبر۱.......... ۳۰۸

روایت نمبر۲.......... ۳۰۸

روایت نمبر۳......۳۰۸
روایت نمبر۴......۳۰۹
روایت نمبر۵......۳۰۹
روایت نمبر۶......۳۰۹
روایت نمبر۷......۳۱۰
روایت نمبر۸......۳۱۰
روایت نمبر۹......۳۱۰
روایت نمبر۱۰......۳۱۱
روایت نمبر۱۱......۳۱۱
روایت نمبر۱۲......۳۱۱
روایت نمبر۱۳......۳۱۱
روایت نمبر۱۴......۳۱۱
آپ ؐ سے صحابہ کے جذبات محبت......۳۱۲

خصوصیت نمبر ۸۵......۳۱۵

رسولِ اکرم ﷺ کو قیامت کے دن حوضِ کوثر عطا کیا جائے گا

پچاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں......۳۱۶
حوضِ کوثر کی تفصیل احادیث کی روشنی میں......۳۱۹
حوضِ کوثر کی فضلیت......۳۲۱
حوضِ کوثر کی درازی اور اس کی خصوصیت......۳۲۲
حوضِ کوثر کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے موتیوں کے قبے ہونگے......۳۲۵
حوضِ کوثر کی وسعت......۳۲۷

حوض کوثر پر سب سے پہلے آنے والے فقراء مہاجرین ہوں گے..........۳۲۸
حوض کوثر پر آنے والے لوگوں کا کوئی شمار نہیں ہوگا..........۳۳۰
ہر نبی ﷺ کو ایک حوض عطا ہوگا..........۳۳۱
قیامت کے دن رسولِ اکرم ﷺ کہاں کہاں ملیں گے..........۳۳۱
مرتدین کو حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا..........۳۳۳

خصوصیت نمبر ۸۶..........۳۳۶

رسولِ اکرم ﷺ تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے

چھیاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..........۳۳۶

خصوصیت نمبر ۸۷..........۳۴۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی القبلتین بنایا

ستاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..........۳۴۶

خصوصیت نمبر ۸۸..........۳۵۳

رسولِ اکرم ﷺ کا امتیاز تمام اخلاقی معلّموں میں

اٹھاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..........۳۵۳

خصوصیت نمبر ۸۹..........۳۶۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ نے اپنے زمانے میں ساری دنیا کا استاذ بنایا

نواسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں..........۳۶۳

خصوصیت نمبر ۹۰ .... ۳۶۷

رسولِ اکرم ﷺ کی امت دوسری امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی

نوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۳۶۷

سب سے پہلے جنت میں جانے والے ۳۶۷

انبیاءؑ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے جنت میں جائیں گے ۳۶۸

سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والے ۳۷۰

امت محمدیہ میں سے سب سے پہلے جنت میں جانے والے ۳۷۱

خصوصیت نمبر ۹۱ .... ۳۷۹

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو قیامت کے دن گواہی کا شرف حاصل ہوگا

اکانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۳۸۰

امت محمدیہ ﷺ کی آپس میں گواہی پر بخشش کے فیصلے ۳۸۲

خصوصیت نمبر ۹۲ .... ۳۸۴

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے بہترین فصیح وبلیغ انسان بنایا

بانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۳۸۴

خصوصیت نمبر ۹۳ .... ۳۹۸

رسولِ اکرم ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا

ترانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۳۹۹

قرآن آپ ﷺ کا عظیم معجزہ ہے ۴۰۰

قرآن ایک زندہ اور قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے............................ ۴۰۶
اعجازِ قرآنی کی تشریح............................ ۴۰۸
وجوہِ اعجازِ قرآنی............................ ۴۰۸
اعجازِ قرآن کی دوسری وجہ............................ ۴۱۱
اعجازِ قرآن کی تیسری وجہ............................ ۴۱۹
اعجازِ قرآن کی چوتھی وجہ............................ ۴۲۰
اعجازِ قرآن کی پانچویں وجہ............................ ۴۲۰
اعجازِ قرآن کی چھٹی وجہ............................ ۴۲۰
اعجازِ قرآن کی ساتویں وجہ............................ ۴۲۱
اعجازِ قرآن کی آٹھویں وجہ............................ ۴۲۲
اعجازِ قرآن کی نویں وجہ............................ ۴۲۲
اعجازِ قرآن کی دسویں وجہ............................ ۴۲۳
قرآن کریم سے متعلق چند شبہات اور ان کے جوابات............................ ۴۲۸

خصوصیت نمبر ۹۴............................ ۴۳۵

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کا مقام اخروی لحاظ سے بھی سب سے اونچا ہوگا

چرانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں............................ ۴۳۶

خصوصیت نمبر ۹۵............................ ۴۴۳

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا

پچانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں............................ ۴۴۳

خصوصیت نمبر ۹۶ .... ۴۴۵

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے نبیوں والا کام (تبلیغی کام) عطا فرمایا

چھیانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۴۴۶

دعوت وتبلیغ کی ترغیب قرآن کریم کی روشنی میں ۴۴۶

دعوت وتبلیغ کی ترغیب احادیث کی روشنی میں ۴۴۷

ایمان کا آخری درجہ ۴۴۷

تبلیغ نہ کرنے کا انجام ۴۴۸

امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے رہیں ۴۴۸

کلمہ توحید کے حقوق ۴۴۹

دنیا میں ہی عذاب ۴۴۹

تبلیغ والوں کے لئے انعام ۴۴۹

اسلام کی دعوت کو پھیلانا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے ۴۵۰

دین کی تبلیغ ودعوت کو لیکر اٹھیئے ۴۵۱

تبلیغ ودعوتِ حق اور مشکلات ۴۵۳

دعوت وتبلیغ کا عظیم شرف حاصل کیجئے ۴۵۵

ہر فرد کے تبلیغی فرائض وذمہ داریاں ۴۶۳

دعوت وتبلیغ والوں کے لئے حضور ﷺ کی دعا ۴۶۷

دعوت وتبلیغ کی سعادت ملنے پر شکر ادا کیجئے ۴۷۰

بے شک دعوت وتبلیغ کرنے والوں کے لئے بھلائی ہے ۴۷۹

سب سے زیادہ محبوب عمل ۴۸۰

ترکِ تبلیغ کا نتیجہ ۴۸۲

دعوت و تبلیغ سے دین کی برتری اور اللہ کی رضا مقصود ہو...............۴۸۴
دعوت و تبلیغ کیلئے پانچ چیزوں کی ضرورت ہے...............۴۸۵
دعوت و تبلیغ اور اس کے آداب...............۴۸۸
دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے کچھ راہنما اصول...............۴۹۷
۱.....اپنے منصب کا حقیقی شعور پیدا کیجئے...............۴۹۷
۲.....اپنے نصب العین کا حقیقی علم حاصل کیجئے...............۴۹۸
۳.....دعوت و تبلیغ کے لئے ہمہ وقت تیار رہیے...............۴۹۹
۴.....اپنے اندر مثالی تڑپ پیدا کیجئے...............۵۰۰
۵.....اپنے مقصد کی عظمت کو سامنے رکھیئے...............۵۰۲
۶.....خود اپنے گھر کی اصلاح کو بھی سامنے رکھیئے...............۵۰۳
۷.....اپنے پڑوسیوں کی بھی فکر کرتے رہئے...............۵۰۴
۸.....اپنے قول و فعل میں یکسانی پیدا کیجئے...............۵۰۶
۹.....حق کے سچے سپاہی بنئے...............۵۰۷
۱۰.....اپنے اندر قربانی دینے کا جذبہ پیدا کیجئے...............۵۰۸

خصوصیت نمبر ۹۷...............۵۱۰

رسولِ اکرم ﷺ کا نام لیکر خطاب کرنے سے امت کو منع فرمایا گیا جبکہ دیگر امتیں اپنے نبیوں کا نام لیا کرتی تھیں

ستانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن کریم کی روشنی میں...............۵۱۰

خصوصیت نمبر ۹۸...............۵۱۲

رسولِ اکرم ﷺ جس راستے سے چلتے وہاں خوشبو آیا کرتی تھی

اٹھانویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں ۵۱۲

خصوصیت نمبر ۹۹ .... ۵۱۴

رسول اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر گزشتہ انبیاءؑ کی مسلمہ کتب میں بھی آیا

ننانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۵۱۵

تورات میں رسول اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر ۵۱۵

تورات میں رسول اکرم ﷺ اور امت محمدی ﷺ کے اوصاف کا ذکر ۵۱۷

خصوصیت نمبر ۱۰۰ .... ۵۳۳

رسول اکرم ﷺ کی امت کی تعداد قیامت کے دن سب سے زیادہ ہوگی

آخری خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۵۳۳

ماخذ ومراجع ۵۳۶

مؤلف کی چند دیگر کتب ۵۵۲

انتساب

حضور سرورِ کائنات، فخرِ مجسم، شافع محشر، ساقی کوثر حضرت محمد عربی مصطفیٰ ﷺ کے نام، جو باعثِ تخلیق کائنات بن کر دنیا میں تشریف لائے اور اپنی ضوفشانیوں سے دنیا کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اجالوں سے روشن کر گئے۔

رخِ مصطفیٰ کو دیکھا تو دیوں نے جلنا سیکھا
یہ کرم ہے مصطفیٰ کا کہ شبِ غم نے ڈھلنا سیکھا
یہ زمیں رکی ہوئی تھی یہ فلک تھما ہوا تھا
چلے جب مرے محمد تو دنیا نے چلنا سیکھا

محمد ہارون معاویہ

عرضِ مؤلف

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب وخلیل حضرت محمد ﷺ کے بے شمار فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں اورانہیں زینت رحمت سے مزین فرمایا ہے گویا کہ آپ ﷺ سراسر رحمت ہیں، آپ ﷺ کی جملہ صفات وفضائل تمام مخلوقات کے لئے باعث رحمت ہیں، آپ ﷺ کی زندگی عین رحمت اورآپ ﷺ کا رفیق اعلیٰ سے ملنا عین رحمت ہے، الغرض آپ ﷺ جن وانس کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا شہرہ بلند فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ورفعنا لک ذکرک ''اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کردیا۔''

اللہ کی قسم! بالکل ایسا ہی ہوا، دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا خوب چرچا فرمایا، دنیا میں کوئی خطیب، واعظ اور نمازی ایسا نہیں ہے جو اللہ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام نہ لیتا ہو اور اشهد ان لااله الاالله کے ساتھ اشهد ان محمدا الرسول الله نہ کہتا ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں سے دو مبارک نام رؤف اور رحیم اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لقد جاء كم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمومنين رئوف رحيم ''دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایسا رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو ایسی دل ربا شکل وصورت سے نوازا جو رعنائی وزیبائی میں بے مثل اور انتہائی حسین وجمیل ہے اور اس سے پہلے یا بعد میں کوئی بھی اس حسن وجمال میں آپ ﷺ کا شریک وسہیم نہیں۔ چنانچہ خوبصورتی کی جملہ صفات میں سے وافر حصہ آپ ﷺ کو عطا کیا گیا اور دل ربائی کی جملہ اداؤں میں آپ ﷺ کو شریک کیا گیا حتیٰ کہ مختلف قسموں کا ذوق جمالیات رکھنے والے اگر آپ ﷺ کے رخ انور کو دیکھیں تو آپ ﷺ کی ہر ادا اور ہر پہلو میں اپنے لئے سامان طمانیت پائیں اور کوئی بھی زاویہ ان کے ذوق پر گرانی کا باعث نہ ہو۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک بے شمار انبیاءؑ بھیجے، ان میں اکثر انبیاءؑ وہ ہیں جن کے حالات تو کیا ہمیں ان کے نام بھی معلوم نہیں ہیں، قرآن کریم میں صرف پچیس انبیاء کرامؑ کے نام آئے ہیں۔

ان انبیاء کے نام اور حالات معلوم نہ ہونے کے باوجود ہم مسلمان ان تمام انبیاءؑ کا احترام کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے منتخب بندے تھے، وہ اپنے وقت کے سب سے بہتر، سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ انسان تھے۔ ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی، ان میں سے کسی کو کتاب اور کسی کو صحیفہ عطا کیا گیا، انہیں مختلف معجزات عطا کئے گئے۔ انہیں عزت وعظمت سے سرفراز کیا گیا۔ ہم ان سب باتوں کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بعض ایسی چیزیں بھی تھیں جو صرف ہمارے آقا ﷺ کے ساتھ خاص تھیں۔

چنانچہ انبیاء ورسلؑ کی اس مقدس جماعت میں جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو سینکڑوں امتیازی خصوصیات حاصل ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے ''خصائص کبریٰ'' میں اڑھائی سو کے قریب حضور ﷺ کے خصائص جمع کئے ہیں ان سب کی تفصیل بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم دفتر درکار ہے۔ اسی طرح دیگر اور بھی کتابیں اس عظیم موضوع پر لکھی گئیں لیکن عربی زبان میں۔

حضور سرور کائنات ﷺ کی سیرت کے اس عظیم گوشے کے بارے میں چونکہ اب تک اردو زبان میں ہماری معلومات کے مطابق مستقل کوئی کتاب ترتیب نہیں دی گئی تھی، اس لئے عرصے سے اس ضرورت کو محسوس کیا جارہا تھا، چنانچہ بندے کے ایک قریبی دوست مولانا محمد عمران سردار صاحب نے اس موضوع کی طرف توجہ دلائی کہ اس عظیم الشان موضوع پر کچھ کام ہوجائے تو ایک سعادت کی بات ہوگی، محترم موصوف کا مشورہ دل کو لگا، لہٰذا اسی وقت بندے نے اللہ رب العٰلمین کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اس عظیم سعادت کے حاصل کرنے کا عزمِ مصمم کرلیا اور اپنی طاقت کی بقدر سیرت کے عنوان پر لکھی جانے والی چھوٹی بڑی تقریباً ساری کتب کو خریدا، اور شب وروز کی محنت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قدر مواد جمع ہوگیا کہ جو چار جلدوں کی ضخامت تک پہنچ گیا، اور بحمد اللہ اس طرح سیرت النبی ﷺ کا یہ عظیم باب چار ضخیم جلدوں میں آپ تک پہنچانے کی سعادت حاصل ہوئی، جس میں حضور ﷺ کی چیدہ چیدہ سو

خصوصیات کو مرتب کیا گیا یعنی ہر جلد میں پچیس خصوصیات شامل کی گئیں۔

یہ عظیم کتاب اب سے کئی مہینوں قبل آپ کے ہاتھوں تک پہنچ جاتی لیکن تاخیر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جذبہ پیدا ہوا کہ کیوں نہ ایسا ہو جائے کہ اس مقدس کتاب کا کچھ کام صاحب خصوصیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقدس شہر مدینۃ المنورہ میں روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر کیا جائے، چنانچہ اللہ رب العٰلمین نے فضل فرمایا اور رمضان المبارک میں عمرے کی سعادت حاصل ہوئی، تو چونکہ اس وقت تک یہ چاروں جلدوں کی کمپوزنگ ہو چکی تھی، لہٰذا بندے نے سفر میں چاروں جلدوں کا ایک پروف اپنے ساتھ رکھ لیا، اور مسلسل تقریباً ۱۲ دن تک شب و روز روضۂ رسول کے سائے میں بیٹھ کر کتاب کو آخری ترتیب دی، یعنی کچھ کانٹ چھانٹ ہوئی، کچھ مزید اضافے ہوئے، کہیں کہیں کچھ وضاحت یا تمہیدات کی ضرورت محسوس ہوئی تو اسے پورا کیا گیا، اور مزید اس مقدس جگہ کی روحانیت کے نتیجے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالا اسے بھی ترتیب دیا، الغرض اس کتاب کی آخری مکمل ترتیب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے روضۂ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر مرتب کی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ہوا، ورنہ ''من آنم کہ من دانم'' بہر حال اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کا کروڑوں بار شکر ادا کروں تو بھی کم ہے۔

اور اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کو مرتب کرنے میں بھی میرا کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ یہ نہ تو میری تصنیف ہے اور نہ ہی تحقیق، لاشک یہ سب کچھ اکابرین کی کتب سے استفادے کے بعد ترتیب دیا گیا مواد ہے، اور اس بات کا میں کھلے دل سے اقرار کرتا ہوں، تاکہ کسی محترم کے دل میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے بدگمانی پیدا نہ ہو، ہاں البتہ اس عاجز نے شب و روز محنت کر کے 300 سے زائد کتابوں کے ہزاروں صفحات کو بار بار کھنگالا اور مختلف کتابوں میں بکھری خصوصیات کو یکجا کیا، مشکل الفاظ کو جدید اسلوب میں ڈھالنے کی کوشش کی، جدید دور کے نئے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نئی ذہنیت کے حامل مسلمانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش کی، اس کام کے لئے مجھے کس قدر باریک بینی اور شب و روز کی

محنت سے کام لینا پڑا، میرا علیم وخبیر خدائے وحدہٗ لاشریک اس سے بخوبی آگاہ ہے، اور بے شک میری نظر بھی اسی ذات پر ہے، اور اسی ذات سے اچھے بدلے کی امید ہے، کوئی قابل احترام دوست مجھ گنہگار کے بارے میں کچھ بھی کہے مجھے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے، پرواہ یا فکر تو تب ہو کہ دنیا والوں سے بدلے کی امید وابستہ ہو، بس میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے اس کے بعد اور کچھ نہیں چاہیئے۔

اور اسی طرح اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جیسا کہ چاروں جلدوں میں بھی جا بجا یہ وضاحت کی گئی ہے کہ خصوصیاتِ مصطفیٰ کو لکھنے کا مقصد نعوذ باللہ دیگر انبیاء کرامؑ کی تنقیص نہیں ہے اور نہ ان کے مقام ومرتبے کو کم کرنا مقصد ہے بلکہ نیت صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری نبی ﷺ کو جو مقام ملا ہے امت کے سامنے اسے اجاگر کیا جائے اور امت کو تعلیمات نبوی ﷺ کی طرف آنے کی دعوت دی جائے بے شک جب امت اپنے نبی ﷺ کے مقام ومرتبے کو سمجھے گی تو ان کے دل میں اپنے نبی ﷺ کی محبت پیدا ہوگی اور اپنے نبی ﷺ کی سنتوں پر چلنا آسان ہوگا کیونکہ امت کے ہر فرد کی فلاح وکامرانی اب صرف اور صرف محمد مصطفیٰ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہے، لہٰذا ذہن میں رہے کہ اگر خدانخواستہ کسی کے دل میں دیگر انبیاء کرامؑ سے متعلق ادنیٰ سا بھی منفی خیال آیا تو اس کا ایمان اس کے پاس باقی نہیں رہے گا، اور یہ بات کوئی اپنی طرف سے نہیں کہی جا رہی بلکہ خود خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات میں اس کی تلقین کی گئی ہے، جیسا کہ مختلف مقامات پر تفصیل آپ ملاحظہ فرماتے رہیں گے انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! بندۂ عاجز کی یہ کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے، اگر کچھ اچھا لگے تو اس گنہگار کی آخرت کی کامیابی کے لئے دعائے خیر کے دو بول ادا کر دیجئے گا، اور اگر کچھ خامی یا کمزوری نظر آئے تو برائے مہربانی ایک کمزور اور ناقص سا مسلمان سمجھتے ہوئے معاف کر دیجئے گا اور اگر رہنمائی ہو جائے تو ایک بہت بڑا احسان ہوگا، آپ کے مشوروں کا دلی خیر مقدم ہے کیونکہ بندہ رہنمائی اور مشوروں کا طالب اور پیاسا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اور اب ضروری ہے کہ اپنے ان تمام مہربانوں کا شکریہ ادا کروں کہ جن حضرات نے مجھے مشورے دیئے، میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی، جن میں سر دست میرے استاذِ محترم میری

مادرِ علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے قدیم استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ ہیں کہ استاذ محترم نے اس کتاب کے لئے گراں قدر تقریظ تحریر فرما کر مجھ عاجز کے سر پر دست شفقت رکھا۔

اسی طرح شکریہ ادا کرتا ہوں استاذ محترم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی کا کہ حضرت استاذ محترم نے باوجود شدید مصروفیات کے بندے پر شفقت فرماتے ہوئے تقریظ تحریر فرمائی۔

اور میرے مشفق استاذ کہ جن کی شفقت کے سائے تلے میں نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی میں آٹھ سال کے شب و روز گزارے، استاذ الحدیث اور ناظم تعلیمات جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی حضرت استاذ العلماء مولانا عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ حضرت استاذ صاحب نے بھی اس کتاب کے حوالے سے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور قیمتی مشورے دیئے۔

اور اسی طرح استاذ الحدیث دارالعلوم کورنگی کراچی حضرت استاذ العلماء مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، کہ حضرت مدظلہ نے میرے اس کام کو خوب پسند فرمایا، میری حوصلہ افزائی فرمائی اور بہت سے اچھے اچھے مشورے بھی دیئے، اور اسی طرح میں خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ کا کہ جنہوں نے میری گزارش پر ایک جامع اور مانع تقریظ تحریر فرمائی اور بہت سی باتوں کی بڑے اچھے انداز میں وضاحت فرمائی، اور بہت سے قیمتی مشورے بھی دیئے۔

اسی طرح شکریہ ادا کرنا ضروری ہے برادرِ کبیر جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے فاضل، مشہور خطیب اور ایک رسالے کے مدیر حضرت مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب کا کہ جنہوں نے میری کتاب کے لئے تقریظ بھی تحریر فرمائی اور کتاب شروع کرنے سے لے کر آخر تک وقتاً فوقتاً ان کے مشورے بھی میرے شامل حال رہے، علاوہ ازیں

مفتی صغیر احمد صاحب، مفتی عمر انور بدخشانی صاحب، مفتی وقاص احمد صاحب، مولانا محمد سفیان بلند صاحب مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا عبداللہ صاحب شیخ الحدیث "مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپور خاص مکتبہ یوسفیہ کے مالک برادر کبیر جناب حضرت مولانا محمد یوسف کھوکھر صاحب استاذ الحدیث مدرسہ عربیہ قاسم العلوم اور مولانا محمد عمران سردار صاحب، استاذ مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، بے شک ان حضرات کا مجھ پر احسان ہے کہ مختلف موقعوں پر ان سے بھی مجھے مفید مشورے ملتے رہے اور ان کا تعاون میرے شامل حال رہا میری دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اساتذہ اور تمام پرخلوص معاونین کو دونوں جہانوں کی خوشیاں نصیب فرمائے، آمین۔

ان کے علاوہ بھی میں دیگر ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب سے لے کر کمپوزنگ اور کتاب کی اشاعت تک میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا، خصوصاً دارالاشاعت کراچی کے مالک جناب خلیل اشرف عثمانی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جو میری تمام کتابوں کو اہتمام کے ساتھ شائع کر کے میری حوصلہ افزائی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو دونوں جہانوں کی شادمانیاں نصیب فرمائے۔ آمین!

اور میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ قدسی میں دست بدعا ہوں کہ وہ ذات پاک اس کتاب کو میری پہلی کتابوں کی طرح مفید اور کارآمد بنادے اور ہم سب کو خلوص نیت کے ساتھ دین کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اور تمام قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ مجھے، میرے والدین، اساتذہ کرام کو اپنی خصوصی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، اور اگر آپ کو اس کتاب میں کوئی خامی اور کمزوری نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں آپ کا بہت شکریہ ہوگا۔ آپ کے ہر مشورے کا دلی خیر مقدم ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام آپ کا خیر اندیش محمد ہارون معاویہ

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسفؒ بنوری ٹاؤن کراچی

ساکن میرپور خاص سندھ

تقریظ

از حضرت استاذ العلماء مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت پر پہلی صدی ہجری سے لے کر گزشتہ چودہ صدیوں میں ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین ومقالات لکھے جا چکے ہیں، جن کا احاطہ کرنے کے لیے مستقل کتابیات اور فہرستیں تیار کی گئی ہیں، اگر اس پورے ادبیات سیرت کا اندازہ لگایا جائے تو شاید تاریخ انسانی میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں جس پر اس قدر اور ہمہ پہلو مواد تیار ہوا ہو، بلکہ یوں کہا جائے کہ سیرت کا موضوع محققین اور محبین وعاشقین کے لیے ایک مستقل میدان تحقیق وتصنیف بن گیا، خود متعلقات سیرت اس قدر متنوع اور وسیع ہیں کہ ان کا احاطہ کرنے کے لیے الگ کتابی جائزے کی ضرورت ہے، سیرت طیبہ کے ان مراجع ومصادر پر توجہ کریں تو ایک جہانِ سیرت اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے، سیرت نبوی کے ماخذ پر غور کیا جائے تو درج ذیل سولہ علوم وفنون اس کا سرچشمہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مقام پر اہم ہے:

ا۔قرآن مجید ۲۔کتب تفاسیر ۳۔کتب تاریخ ۴۔کتب شمائل نبوی ۵۔کتب دلائل النبوۃ ۶۔کتب شروح احادیث ۷۔کتب احادیث، خطبات، مکاتیب، معاہدات، دستاویزات، ۸۔کتب آثار واخبار ۹۔اطلس وخرائط سیرت ۱۰۔کتب نعت رسول ۱۱۔کتب انساب ۱۲۔کتب جغرافیہ عرب ۱۳۔کتب تاریخ حرمین ۱۴۔کتب اسماء رجال ۱۵۔ادب عربی ۱۶۔سفرنامہ حرمین

سیرت النبی کے مطالعے کا شوقین جب آگے بڑھ کر دیکھتا ہے تو اس موضوع پر کتابوں کی کثرت اس کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ گذشتہ چودہ سو سال سے مسلسل لکھا جارہا ہے مگر ہنوز روز اول کا معاملہ محسوس ہوتا ہے اور یہ بذات خود امتیازات سیرت کا ایک حسین اور حیران کن باب ہے، رحمت عالم کی ذات و سیرت سراپا امتیاز ہے، صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے از خود پانچ درج ذیل امتیازات گنوائے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ ایسے امتیازات دیئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملے: (۱) ابھی ایک ماہ کی مسافت باقی ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے (۲) ساری روئے زمین میرے لئے اور میرے امتی کے لیے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے سو جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے (۳) غنیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا (۴) مجھے شفاعت کا حق عطا کیا گیا ہے (۵) پہلے انبیاء اپنی اقوام کے لیے خاص ہوا کرتے تھے، مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔

رسول اللہ کے خصائص و امتیازات پر عربی زبان میں کافی کتابیں ہیں جن میں امام جلال الدین سیوطیؒ کی ''الخصائص الکبریٰ'' اور حافظ ابن قیمؒ کی ''زاد المعاد'' سرفہرست ہیں، اس کے علاوہ ابونعیم اصبہانی کی ''دلائل النبوۃ'' بھی اس موضوع پر مشہور کتابوں میں سے ہے، فارسی زبان کے مشہور شاعر اور صوفی بزرگ عالم مولانا جامیؒ نے فارسی میں ''شواہد نبوت'' کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی جس میں انہوں نے حضور ﷺ کے وہ امتیازی اوصاف جو حضور کی ذات مبارکہ میں پائے جاتے ہیں سات الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کئے ہیں، اردو زبان میں حضور ﷺ کی امتیازی خصوصیات و کمالات پر ایک مستقل اور مفصل کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی، اس کمی کو ہمارے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ہونہار نوجوان فاضل مولوی محمد ہارون معاویہ نے بخوبی پورا کیا اور انتہائی محنت کے بعد مختلف کتابوں سے مواد منتخب کر کے چار ضخیم جلدوں میں پیش کر دیا ہے، میں اس کتاب کا تفصیلی مطالعہ تو نہ کر سکا لیکن موضوع کی اہمیت کے پیش نظر امید

ہے کہ کوئی قابل اعتراض بات اس میں نہ ہوگی، فاضل موصوف زمانہ طالب علمی سے ہی جامعہ میں تقریری وتحریری سرگرمیوں میں پیش پیش رہے اور اب میر پور خاص میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، نیز اس سے قبل بھی مختلف موضوعات پر ان کی تقریباً تیرہ کتابیں زیب طبع ہوکر داد تحسین حاصل کرچکی ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس محنت کو حضور ﷺ کے طفیل قبول فرمائے اور ہم سب کو آنحضرت ﷺ کی سیرت اور سنت پر چلنے والا بنائے، آمین۔

(حضرت استاذ العلماء مولانا) محمد انور بدخشانی (صاحب مدظلہ العالی)

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ

از استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی

نائب رئیس دارالافتاء واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

سیرت کا موضوع سدا بہار گلشن کی طرح ہے جس کا ہر پھول اپنی جگہ اہم ہے۔ یہ گل چین کا ذوق ہے کہ وہ کس پھول کو چنتا ہے۔ لیکن جو پھول چننے سے رہ جائے وہ ہرگز چنے ہوئے پھول سے غیر اہم نہیں۔ سیرت کا موضوع انتہائی متنوع ہے۔ قدیم وجدید، اپنے پرائے بہت سے محدثین نے اسے موضوع بحث بنایا ہے اور ہر مصنف نے اسے ایک نیا اسلوب دیا ہے۔ ''خصوصیاتِ مصطفٰی ﷺ'' ایسا موضوع ہے جس پر عربی میں بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، اور اردو میں اگرچہ سیرتِ نبوی ﷺ کا ذخیرہ عربی سے کسی طور پر کم نہیں۔ اور متفرق طور پر یہ موضوع کسی حد تک اس میں پایا جاتا ہے لیکن اسی موضوع پر یکجا طور پر قابلِ قدر ذخیرہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ عزیز محترم مولانا ہارون معاویہ زید علمہٗ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے چار ضخیم جلدوں میں تصنیف کر کے اردو کے دامن کو اس موضوع سے مالا مال کر دیا۔ کتاب کی اجمالی فہرست پیش نظر ہے۔ فہرست کے عنوانات سے موضوع پر جامعیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ عزیز موصوف ﷾ نے بندہ ناچیز سے کچھ لکھنے کی فرمائش کی، بندہ لکھنے لکھانے کے فن سے نابلد ہے۔ پھر بھی صاحبِ خصوصیات ﷺ کی محبت کے تقاضے اور اس پر شفاعتِ مصطفوی ﷺ کے حصول کی امید پر چند سطور حوالہ قرطاس کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ عزیز موصوف کی اس کاوش کو قبول فرما کر ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت بنا دیں، (آمین)

(حضرت استاذ العلماء مولانا مفتی) عبدالمجید دین پوری (صاحب مدظلہ العالی)

نائب رئیس دارالافتاء واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

تقریظ

از حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ العالی

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

﴿الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه مباركا عليه كما يحب ربنا ويرضى والصلوة والسلام على حبيبه المصطفى ورسوله المجتبىٰ على اله وصحبه وعترته واهل بيته الاطهار الاتقياء وعلى كل من بهديهم اهتدىٰ. امابعد! فاعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم ،بسم الله الرحمٰن الرحيم ،وماارسلنك الارحمة للعلمين ﴾ ترجمہ: اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔ (انوار البیان، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوق میں سب سے اعلیٰ وافضل شخصیتوں کے مالک ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں بھی فضل وکمال کے مختلف درجات رکھے ہیں بعضوں کو دوسرے بعض پر مختلف حیثیات میں فضیلت سے نوازا، بعض کو اولوالعزمی کا خاص اعزاز بھی عطا فرمایا پھر ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے فضائل وکمالات کو ایک ہستی میں یکجا فرما دیا، یہ ہستی مجمع فضل وکمال، سید الانبیاء، مقصود الخلائق، سید الکونین، اشرف الرسل، شفیع الامم، رحمۃ للعلمین، خاتم النبیین ﷺ کی ذات اطہر ہے، جو عالمگیر نبوت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔

عالمگیر نبوت آپ ﷺ کی منفرد خصوصیات میں سے اولین خصوصیت شمار ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ اپنی ذات اور صفات میں بے پناہ خصوصیات کے مالک ہیں جو منضبط

یا منتشر انداز میں تقریباً احادیث وسیرت کی ہر ہر کتاب میں موجود ہیں، تاہم باقاعدہ عنوان کے تحت میری ناقص معلومات کے مطابق اپنے موضوع کی جامع ومستند کتاب، نویں صدی ہجری کے مشہور مفسر ومحدث علامہ جلال الدین السیوطی (۸۴۹ھ۔۹۱۱ھ) نے ترتیب دی، جس میں آنحضرت ﷺ کی بڑی بڑی خصوصیات کو تقریباً ایک سو پچاس ابواب کے تحت ذکر فرمایا ہے، اس کتاب میں تتبع واستقراء کے طور پر چیدہ چیدہ وہ تمام خصوصیات ومعجزات تقریباً جمع فرمادیئے گئے ہیں جن میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی اور ہستی شریک نہیں، علامہ سیوطیؒ نے اس کتاب کا نام ''کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب ﷺ'' رکھا، جو بعد ازاں ''الخصائص الکبریٰ للسیوطی'' کے نام سے مشہور ومتداول ہوئی، عرب وعجم کے مختلف مطابع متعدد بار اس عظیم کتاب کی اشاعت کا شرف حاصل کرچکے ہیں، اور مختلف بلاد میں مقامی زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے بھی ہوچکے ہیں۔

اس کتاب اور اس خاص موضوع کی وسیع پیمانے پر خدمت یہ بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیت وکرامت ہے، اسی کرامت وخصوصیت کا تسلسل کہیں یا مظہر، یہ زیرِنظر مجموعہ بھی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس مجموعہ میں بھی علامہ سیوطیؒ کی پیروی واقتداء سے باوصف ہوتے ہوئے حضرت مصطفیٰ ﷺ کی ایک سو (۱۰۰) منفرد خصوصیات وامتیازات کو جمع فرمایا گیا ہے۔

یہاں پر روایت پسندی کے تناظر میں ممکن ہے یہ کہا جائے کہ علامہ سیوطیؒ کی خصائص کبریٰ جو اپنے اردو ترجمہ کے ساتھ بھی ہمارے ہاں دستیاب ہے تو اس عظیم کارنامہ پر مزید کسی اضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس حوالہ سے صرف اتنا کہہ دینا بھی کافی ہے کہ قرآن کریم اور سیرت طیبہ یہ دونوں ایسے موضوعات ہیں کہ ان موضوعات کی جس انداز سے جن پہلوؤں سے جتنی بھی خدمت کی جائے، وہ کافی وافی نہیں کہلاسکتی یہ بھی قرآن کریم اور حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت میں سے ہے۔

تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ حضور ﷺ کے خصائص پر عربی کتب کے اردو تراجم میں

سلاست وروانگی کی تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے، اس لئے اس موضوع پر سلیس ورواں انداز میں خدمت کی ضرورت زبان، لہجہ اور تعبیرات میں رونما ہونے والے تغیرات کی وجہ سے محسوس ہوتی رہے گی، موجودہ دور کی اسی ضرورت کے تحت ہمارے جامعہ کے ایک فاضل مولانا محمد ہارون معاویہ حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ تالیفی کوشش پیش فرمائی ہے۔

مولانا محمد ہارون صاحب بنوری ٹاؤن کے سابق طالب علم جواب فاضل کہلاتے ہیں، طالب علمی کے زمانہ میں جامعہ میں تقریر وبیان کے میدان کے شہسوار ہونے کی حیثیت سے شہرت وتعارف کے حامل رہے اور تقریری مقابلوں ومسابقوں میں سبقت سے ہمکنار ہوتے رہے ہیں، زمانہ طالب علمی ہی سے انہیں تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر سے بھی قلبی وعملی لگاؤ ہو چکا تھا فراغت کے بعد تحریری میدان میں بھی موصوف نے نہ صرف یہ کہ اپنی سابقہ نمایاں شناخت باقی رکھی بلکہ موجودہ دور کے کثیر التالیف مصنفین کی صف میں شامل ہو چکے ہیں، موصوف فراغت کے بعد چند ہی سالوں میں ایک درجن سے زائد کتابوں کی جمع وترتیب کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔

مولانا محمد ہارون معاویہ صاحب کی حالیہ تالیف ''خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

جس میں آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیات اور کمالات سے بحث فرمائی گئی ہے، کتاب کا مکمل مسودہ تو ہمارے سامنے نہیں ہے البتہ مؤلف موصوف نے مسودہ کی فہرست کے کچھ صفحات بطور تعارف کے پیش فرمائے تھے، فہرست کے مطالعہ سے اور خود مؤلف کی زبانی کتاب کا قدرے کفایت جو تعارف ہوا، اس سے کتاب کی افادیت، موضوع سے مناسبت اور امتیازی حیثیت واہمیت کا جو صحیح اندازہ ہوا وہی اس بات کا داعیہ بنا کہ آنحضرت ﷺ کے سیرت طیبہ کے امتیازی پہلو کی اس عظیم خدمت میں ہمارا بھی معمولی حصہ ہو جائے اور حضور ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے ﴿اللھم ابلغنا بغیتنا، بمنزلته صلی اللہ علیه وسلم لدیک﴾.

آنحضرت ﷺ کی امتیازی خصوصیات اور کمالات چونکہ اس کتاب کا موضوع ہے، اس لئے ایک اصولی بات کی یاددہانی بھی اس موقع پر نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ فضل وکمال میں سے کسی صاحبِ فضل وکمال کی خصوصیت اور امتیازی شان کو بیان کرنے میں اولاً تو ''تقابل'' کا انداز ہی اختیار نہیں کرنا چاہیئے، اگر کسی ہستی کے درجہ ورتبہ کو تقابلی مثالوں ہی سے بیان فرمایا جارہا ہو تو پھر الفاظ وتعبیرات کا چناؤ ایسا ہونا ضروری ہے کہ کسی ہستی کی تفضیل وتکریم کسی دوسری ہستی کی تنقیص وتوہین کا مظہر نہ ہو، ورنہ عملِ خیر اپنی اصلیت سے جدا ہوکر مواخذہ اخروی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذلک.

ہمارے مؤلف موصوف نے اس اصول پر کاربند ہونے کا بھرپور اطمینان دلایا ہے، اور ہمیں بھی موصوف کی گزشتہ کارکردگی کے تناظر میں احتیاط، ذمہ داری اور تیقظ کا حسنِ ظن ہے، اس حسنِ ظن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے قبل مؤلف موصوف نے اپنی ہر کتاب کے اصل مواد میں اپنی اختراعات اور تعبیرات سے زیادہ اپنی کتابوں کے مراجع وماخذ یعنی اسلاف کی کتابوں کے مواد پر انحصار کیا ہے جو یقیناً اعتماد اور استناد کی ضمانت کی حامل ہیں۔

اسلاف کی کتابوں پر انحصار میں مؤلف موصوف نے جس دیانت داری اور امانت داری کا ثبوت دیا ہے، اس سے مؤلف کی شخصیت اور ان کی تالیفی خدمات کو بھرپور اعتماد کا فائدہ حاصل ہوگا، انشاء اللہ، کیونکہ ہمارے اس دور میں اس نوعیت کے مرتبین ومؤلفین عام طور پر ''سرقہ علمیہ اور علمی خیانت'' جیسے القاب والزامات کے لئے بجا طور پر محل ومورد بنے ہوئے ہیں، جنہوں نے بزرگوں کی باتوں، واقعات اور حکایات بلکہ پورے کے پورے مضامین ومقالات کو اپنی تالیفات کے بھوکے پیٹ بھرنے کے لئے ''من وعن'' نقل کردینے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں فرمائی ہاں اتنا ضرور کیا کہ جہاں ان بزرگوں نے اپنایا اپنے بزرگوں کا نام ذکر کیا ہوا تھا وہاں ہمارے بعض جدید مؤلفین نے اپنا اور اپنے کسی بزرگ کا نام ڈال دیا یا پھر ضمائر اور متکلم کے صیغوں پر اکتفاء فرمالیا۔

چوری اور بددیانتی کی اس ناخوشگوار فضا میں اگر کوئی عالم دین، پوری امانت داری، دیانتداری، اور سچائی کے تقاضوں کے ساتھ کوئی تالیفی خدمت منظر عام پر لائے تو یقیناً وہ تحسین وتشجیع کا مستحق ہے، سیرت طیبہ کی خدمت سے ادنی تعلق کے طمع کے بعد یہ دوسرا باعث ہے کہ یہ چند سطریں تحریر ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کے علم وعمل میں مزید برکت اور ترقی نصیب ہو، ان کی دینی خدمات کو ان کے لئے ان کے اساتذہ کرام اور والدین گرامی کے لئے ذخیرۂ آخرت اور وسیلہ نجات بنائے اور ہم سب کے لئے صراطِ مستقیم پر چلنا آسان فرمائے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں، بہت آسان ہے ہر عمل کی توفیق وقبولیت اسی کے پاس ہے۔﴿وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم وعلی الہ وصحبہ اجمعین﴾

(حضرت مولانا مفتی) رفیق احمد بالاکوٹی (صاحب مدظلہ العالی)

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ

محترم مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب مدظلہ العالی

ناظم اعلیٰ: معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ پر زمانہ نبوت سے اہل دانش واہل قلم اور زعماءِ امت مسلسل لکھتے آرہے ہیں، اور صبح قیامت تک لکھتے ہی رہیں گے، چونکہ بعد از خدا آمنہ کے در یتیم ہی کا مقام ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حال ہی میں ایک دانشور کی تحریر مطالعہ سے گزری جس میں موصوف نے سیرت مصطفیٰ ﷺ پر لکھی جانے والی کتب کی تعداد تین ہزار سے زائد بتائی ہے، جس میں پچاس کتابیں فقط نعلین مبارک سے متعلق ہیں، چنانچہ کئی کئی جلدوں پر مشتمل ضخیم کتابیں تاجدار مدینہ راحت قلب وسینہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت واخلاق حسنہ کی عکاسی کررہی ہیں، آپ ﷺ کی سیرت پر تحریر شدہ کتب کی تعداد اسقدر زیادہ ہونے پر حیرت کی بات نہیں چونکہ آپ ﷺ کی سیرت کا طویل باب ہے جس کا بین ثبوت صدیقہ بنت صدیق ؓ اماں عائشہ ؓ کا فرمان ہے کہ پورا قرآن آپ کا اخلاق ہے۔

خدائے بزرگ وبرتر کے بعد سب سے اونچی ہستی اور اس دنیا کی آخری نسل تک کے لئے ہادی ورہبر سردار انبیاء، خاتم النبیین ﷺ ہیں جس کے روشن چہرے اور بکھری زلفوں کی قسمیں خود خالق ارض وسماء نے مقدس کلام میں اٹھائی ہیں یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز فرمایا کہ اے پیغمبر میں تمہیں وہ کچھ دوں گا کہ تو راضی ہوجائے گا، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز قرآن میں ورفعنا لک ذکرک فرما کر آپ ﷺ کا نام ہمیشہ کے لئے بلند وبالا کردیا اور پھر آپ ﷺ کے نام کا چناؤ بھی ایسا ہوا کہ منکر بھی آپ ﷺ کا نام (محمدؐ) لے تو باعتبار معنی خود بخود آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف ہوجائے، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، ہاں یہ بھی آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ ساتوں آسمانوں پر حضرات انبیاء ؑ نے آپ کا استقبال کیا، پھر آپ ﷺ کے لئے

عرش کے دروازے کھلے پھر آپ کو حبیب کا لقب ملا اور خود اللہ تعالیٰ نے آپ سے گفتگو فرمائی۔

چنانچہ یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ فاضل نوجوان عزیزم مولانا محمد ہارون معاویہ نے عوامی، علمی اور دینی خدمت کے احساس کے تحت ہادی برحق ﷺ کی اہم اہم خصوصیات کو یکجا کرنے کا عزم مصمم کیا اور چار جلدوں میں آپ کی سو خصوصیات کو جمع کر دیا۔

مولانا محمد ہارون معاویہ سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ بندۂ عاجز کے ماموں زاد بھائی ہیں، ایشیاء کی معروف دینی درسگاہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے سند فراغت حاصل کی ہے، زمانہ طالب علمی سے ہی تحریر و تقریر اور کتب اسلاف کا مطالعہ موصوف کا محبوب مشغلہ رہا ہے، دورۂ حدیث والے سال سے باقاعدہ میدان تالیف میں قدم رکھا اور تادم تحریر (۱۳) کتب شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں، چنانچہ میدان تالیف و تصنیف کے نشیب و فراز سے بخوبی آگاہی حاصل کرنے کے بعد خصوصیات کے لئے قلم اٹھایا ہے، یہ چار جلدوں پر مشتمل آپ ﷺ کی ۱۰۰ خصوصیات کا گرانقدر، جاذب نظر اور قابل فخر مجموعہ ہے، اس کی عظیم خصوصیت یہ بھی ہے کہ موصوف مؤلف نے صاحب خصوصیات ﷺ کے روضۂ اطہر کے سامنے بیٹھ کر ان گنت صفحات تحریر فرمائے ہیں، جسے قارئین دورانِ مطالعہ محسوس بھی کریں گے اور بہرہ اندوز بھی ہوں گے، بلاشبہ آپ اس کتاب میں ایک ایسی عظیم ہستی (ﷺ) کی ۱۰۰ خصوصیات کو پڑھ سکتے ہیں جس کے عام و خاص حالات بھی بالتفصیل محفوظ ہیں، اور ان پر نازل شدہ الہامی کتاب بھی ہو بہو محفوظ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس نونہال نوجوان نے اتنی کم عمری میں بہت بڑا کام کر دکھایا ہے، یہ محض خالق کائنات ہی کی کرم نوازی ہے۔

راقم الحروف نے چاروں جلدوں پر اک طائرانہ نظر ڈالی ہے اور فہرست کو بغور پڑھا ہے، بحمد اللہ ایک جامع اور منفرد کام کیا ہے، بارگاہ صمدیت میں دست بدعا ہوں کہ رب ذوالجلال موصوف کی شب و روز کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے، اور علم و عمل، صحت و عمر میں برکت نصیب فرمائے، اور خود ان کے لئے اور ہمارے پورے خاندان کے لئے ذریعہ نجات بنائے، اور اہل علم وعامۃ الناس کو اس سے مستفیض فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔

(مولانا حافظ) محمد اصغر کرنالوی (صاحب مدظلہ العالی)

ناظم اعلیٰ: معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

انبیاء کرامؑ کے مراتب میں جزئی تفاوت اور ایک ضروری تطبیق

ہم جب قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک طرف تو ہمیں اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ کی صداقت پر یکساں ایمان لانا اور ان کو تمام پیغمبرانہ کمالات سے متصف جاننا ضروری ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ)

''ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔''

اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو یکساں صادق اور کمالاتِ نبوت سے متصف مانا جائے۔ دوسری طرف ارشاد ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۔وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ)

''یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے (مثلاً) بعضے ان میں وہ ہیں جو للہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ علیہما السلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدوس (یعنی جبرئیل) سے فرمائی۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب کمالیہ میں جزئی تفاوت بھی

ہے، ان دونوں صداقتوں کے درمیان تطبیق کے لئے تھوڑی تشریح کی ضرورت ہے، ملاحظہ فرمائیے:۔

حضرات انبیاء کرامؑ تمام کمالات نبوت وفضائل اخلاق سے یکساں سرفراز تھے زمانہ اور ماحول کی ضرورت اور مصالح الٰہی کی بناپر ان تمام کمالات کا عملی ظہور تمام انبیاء میں یکساں نہیں ہوا بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات نمایاں ہوئے، یعنی جس زمانے کے حالات کے لحاظ سے کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی بہ مصلحت یہ کمال ظاہر نہیں ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ ہر کمال کے ظہور کے لئے مناسب موقع ومحل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہوتو اس سے نفس کمال کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے، اس لئے اگر بوجہ عدم ضرورت حال ان انبیاء کرامؑ کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) ان کمالات وفضائل سے متصف نہ تھے۔

غزوہ بدر کے قیدیوں کے باب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب فدیہ لے کر ان کے چھوڑنے کا اور حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا، تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شدت ورحمت میں لوگوں کے قلوب مختلف بنائے ہیں۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیم وعیسیٰؑ کی، اور اے عمر! تمہاری مثال نوح اور موسیٰؑ کی ہے، یعنی ایک فریق سے رحم وکرم کا اور دوسرے سے شدت کا اظہار ہوا۔

(دیکھئے مستدرکِ حاکم غزوہ بدر)

اس حدیث میں اسی نقطہ اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو انبیاءؑ کے مختلف احوال مبارکہ میں رونما رہا ہے، لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت چونکہ آخری اور عمومی تھی اس لئے بضرورت احوال آپ ﷺ کے تمام کمالاتِ نبوت آپ ﷺ کی زندگی میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے اور آپ ﷺ کی نبوت کے آفتاب عالم تاب کی ہر کرن دنیا کے لئے مشعل

ہدایت بنی اور ظلمت کدہ عالم کا ہر گوشہ آپ ﷺ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پُر نور ہوا۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا پہلو (نعوذ باللہ) پیدا نہ ہونے پائے جس سے دوسرے انبیاءؑ کی توہین یا کسر پیدا ہو، اس سے ایمان کے ضائع جانے کا خطرہ ہے۔ (بحوالہ سیرت النبی ﷺ جلد اول)

ایک ضروری وضاحت

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دوسرے انبیاءؑ کے مقابلے میں جو خصوصیات اور فضیلتیں دی گئیں اسکے نتیجے میں بقیہ تمام انبیاءؑ میں معاذ اللہ نقص اور خامی ثابت ہو جاتی ہے، ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ بغیر استثناء تمام دوسرے انبیاء کرامؑ سے افضل ہیں، مگر اس عقیدے کی وجہ سے کسی نبی کے حق میں کوئی نقص اور خامی ثابت نہیں ہوتی، اس اعتراض کا جواب بھی دینے کی ضرورت نہیں تھی مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر کوئی جاہل آدمی یہ اعتراض سنے گا تو وہ کہیں آنحضرت ﷺ کی ان تمام خصوصیات سے ہی انکار نہ کردے جن کی وجہ سے آپ ﷺ کو دوسرے تمام انبیاءؑ پر فضیلت حاصل ہے، جاہل آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ چونکہ ان خصوصیات کو ماننے کی وجہ سے دوسرے انبیاءؑ میں خامیاں ثابت ہوتی ہیں لہذا آپ ﷺ کی خصوصیات سے ہی انکار کر دیا جائے، اس کے نتیجہ میں پھر وہ شخص عیاذ باللہ کفر و گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا (اس بناء پر اس اعتراض کا جواب دینا ضروری سمجھا گیا) یہاں تک علامہ سیوطیؒ کا حوالہ ہے)

خصوصیت نمبر ۷۶

رسولِ اکرم ﷺ کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کر دیا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے چھہتر نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے"رسولِ اکرم ﷺ کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کر دیا" بحمد اللہ یہ سطریں لکھتے وقت میں عین روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھا ہوں اور حضور ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، زبان پر درود جاری ہے پیغمبر ﷺ کی محبت میں دل چاہتا ہے کہ لکھتا جاؤں لیکن لوگوں کے رش کی وجہ سے کم ہی لکھا گیا لیکن امید واثق ہے کہ روزِ قیامت انشاء اللہ یہ لکھنا ہی میری نجات کا ذریعہ ہوگا، اپنے اللہ سے بھی دعا کرتا ہوں کہ یارب قدوس میری اس ادنیٰ اور ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہِ اقدس میں مقبول ومنظور فرما، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی یہ خصوصیت بھی نرالی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کیا جبکہ دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرتوں میں یہ بات نظر نہیں آتی، ہاں اگر کسی اور نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس خصوصیت سے نوازا لیکن محدود انداز اور محدود وقت تک کے لئے لیکن ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ اونچا کیا تو وسیع پیمانے پر اور قیامت تک کے لئے، بے شک اب قیامت تک جہاں جہاں اللہ کا ذکر اونچا ہوگا وہاں ہمارے نبی ﷺ کا ذکر اونچا ہوگا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:"ورفعنا لک ذکرک" یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کے ذکر کو اونچا کر دیا تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا بھی حقیقی مظہر ہمارے رسول ﷺ

ہی ہیں، جیسا کہ تفصیل آپ کو آنے والے اوراق میں معلوم ہوگی، جس تفصیل کو ہم نے عین قرآن وحدیث کی روشنی میں مرتب کیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عظیم نبی ﷺ کی قدر کرنے اور انکی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

چھہترویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن عظیم محمد ﷺ کے ذکرِ گرامی کی بلندی کی جاوداں دستاویز ہے۔ ان کو نبی بنا کر ہماری طرف بھیجنے والے نے فرمایا: **ورفعنا لک ذکرک** (سورہ الم نشرح) "اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کو بلند کیا۔"

اور یہ بات اس وقت کہی گئی، اور اس وقت یہ بشارت اطمینانِ قلب کے لئے دی گئی جب مکہ مکرمہ آپ کی شدید ترین مخالفت کا مرکز تھا، جب آپ کی بات تالیوں کی گونج، بے ہنگم قہقہوں اور طنز واستہزا کے شور میں دبانے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی تھی۔ جب مکہ کا ہر ذرہ اسلام دشمنی کی مہم میں شریک معلوم ہوتا تھا، جب طاغوت سوز آواز اور پیغام کو سحر، شاعری اور کہانت کہہ کر رد کیا جارہا تھا۔ جب سرورکائنات فخر موجودات ﷺ اس مخالفت کے طوفان اور بشری طور پر تنگی محسوس کرتے اور ایک بڑے بوجھ کا احساس فرماتے۔ اس فضا اور ماحول میں قرآن حکیم کی یہ سورۃ الم نشرح نازل ہوئی: ﴿**الم نشرح لک صدرک**﴾ "اے نبی (ﷺ)! کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لئے کھول نہیں دیا۔" اور: **ووضعنا عنک وزرک** (سورہ الم نشرح) "اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا، جو کمر توڑے رہا تھا۔"

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہر اعتبار سے کشادگی کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ کفر کی طغیانیوں میں آپ کے سینے کو اسلام اور اپنی نصرت کے یقین سے آباد کردیا۔ ہر انتشارِ ذہنی کی دھند چھٹ گئی اور اپنے پیغام کے حق ہونے پر وہ اعتماد نازل فرمایا، جس سے ٹکرا کر ہر طاقت پاش پاش ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ شرح صدر بخشا جس نے کارِنبوت کی عظیم

ذمہ داریوں کے بوجھ کو سہل اور گوارا بنا دیا۔

آپ کے قلب طاہر پر کفر اور شرک کے ان مناظروں نے بڑا بوجھ ڈال رکھا تھا جو مکہ کے معاشرے میں عام تھے۔ آپ ﷺ کے جد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں ۳۶۰ بت پوجے جا رہے تھے، لات و ہبل و عزیٰ کے جے کے نعرے فضا میں گونج رہے تھے، خشکی اور تری پر فساد پھیل چکا تھا۔ رقص و سرور اور شراب نوشی کی مجلسوں میں اہل عرب انسانیت کے ہر تقاضے کو غرقِ مئے ناب کر رہے تھے۔ ربا نے تجارت کو نجس اور ناپاک کر دیا تھا اور رزق حلال کے تصور سے ذہن نا آشنا ہو گئے تھے، جنسی جنون کی شدت کا یہ عالم تھا کہ تمام رشتوں کی حرمت اور تقدس نے دم توڑ دیا تھا۔ انسانی جان کی حرمت کا تصور بھی ذہنوں میں مٹ گیا تھا۔ جہالت کے ایک نعرے سے وہ جنگیں چھڑتیں جو ایک نسل سے دوسری نسل تک، بلکہ تیسری نسل تک جاری رہتیں۔ ان میں سے ہر بات اس ذات کے لئے ایک بوجھ تھی جو مشرکین کی ہمدردی اور بہی خواہی کی وجہ سے راتوں کو جاگتی رہتی اور ان کے ایمان اور سلامتی کے لئے دعا کرتی رہتی، جس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو رات کی تاریکی میں شمع کی طرح روشن ہوتے۔

ان تینوں آیات میں ''لک'' اور ''عنک'' کی معنویت پر غور فرمایئے۔ یہ لفظ محمد عربی علیہ الصلوٰۃ السلام سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کے امین ہیں اور یہ لفظ دل کی طرح دھڑک رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی خاطر اللہ نے آپ ﷺ کا سینہ کھولا، اور آپ ﷺ ہی کے لئے آپ ﷺ کا بوجھ کم کیا گیا، اور آپ ﷺ ہی کی خاطر آپ ﷺ کے ذکر کے آوازے کو بلند کیا گیا۔

آپ ﷺ کی خاطر آپ کے ذکر کو یوں بلند کیا گیا کہ ابتدائے آفرینش سے اب تک سورج کی آنکھوں نے رفع ذکر کی کوئی ایسی مثال نہیں دیکھی۔ آسمانوں کے دریچوں سے جھانکنے والے سارے جو ہر واقعے کے تماشائی اور شاہد رہے ہیں، اس رفع ذکر پر حیران ہو گئے اور ان کی یہ حیرانی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

آپ کے رفع ذکر کے پہلے کارندے تو قریش مکہ بنے جو ایام حج میں اطراف

واکناف سے آنے والوں کے پاس جاکر انہیں خبردار کرتے کہ اپنی ''متاع ایمان'' کو ہمارے کاہن اور ساحر سے بچائے رکھنا، اس کے الفاظ کے جادو سے اپنی سماعتوں کی حفاظت کرنا، اپنی بینائی کو اس کے چہرے کے طلسم سے بچائے رکھنا۔ وہ چہرہ جو دلوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ قریش کے ایسے کلام سے حج کے لئے آنے والی متلاشی روحوں اور متجسس ذہنوں میں اس ''کاہن'' اس ''شاعر'' اس ''ساحر'' کو دیکھنے سننے اور سمجھنے کا شوق پیدا ہوتا اور پھر وہ حیرت سے سوچتے کہ یہ ''آدمی'' نہ تو کہانت کے نمونے پیش کرتا ہے، نہ اس کا کلام شعر کی طرح فرضی اور خیالی ہے۔ وہ یہ بھی سوچتے کہ اللہ کی طرف بلانے والے اس شخص کے بارے میں قریش کسی ایک بات پر متفق کیوں نہیں ہوتے۔ کاہن، ساحر، شاعر، مجنون۔ آخر بات کیا ہے؟...... سچ تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہو، اور نبوت کے تصور سے وہ بالکل نابلد نہ تھے۔ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے بنائے ہوئے کعبہ شریف کو ان کی زندگی میں اس عالم گمراہی میں بھی بنیادی حیثیت حاصل تھی۔

حج کے لئے آنے والوں کے دل اسلام کے لئے کھلتے گئے اور یثرب کے لوگوں کی سماعتوں نے اس پیغام کو قبول کیا، ان کی بصارتوں نے مکہ کے محمد بن عبداللہ کے چہرے پر تحریر نبوت کو پڑھ لیا۔ پھر اسلام کے ''آزاد سفر'' کا دور مدینہ منورہ میں شروع ہوا۔ مدینہ کی اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ اسلام کے پہلے مشہور، بنیادی ادارے کے طور پر مساجد تعمیر کی گئیں۔ اس کے بعد اذان کو اسلام کی اساسی رکن نماز کے ساتھ وابستہ کر کے اسلام کے منشور اور اعلان کا درجہ دیا گیا۔ اسلام ریاست کی حدود میں اضافہ ہوتا گیا اور مسجد اسلامی بستیوں کا نشان ٹھہری۔ صدیاں سفر کرتی رہیں اور مشرق کے انتہائی بعید کنارے سے مغرب کے انتہائی بعید کنارے تک، شمال کے انتہائی بعید کنارے سے جنوب کے انتہائی بعید کنارے تک، مساجد کے مینار ابھرتے گئے اور چودہ صدیوں سے زیادہ عرصے سے یہ مینار اور مساجد کی محرابیں ''اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ'' کے ساتھ ساتھ ''اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ'' کی آوازوں سے گونج رہی ہیں۔ یہ آواز گردش مہر و ماہ پر غالب آچکی ہے۔

زمین کا کون سا چپہ ایسا ہے جہاں کسی نہ کسی وقت یہ آواز بلند ہو کر فضا کو مرتعش نہ کرتی ہو اور محمد عربی کا اسم گرامی سن کر اہل ایمان اور مناظر حیات و کائنات تحفۂ درود و سلام نہ بھیجتے ہوں۔ اللہ اور محمد (ﷺ) کے اسمائے مبارک سے دل کائنات نہ دھڑکتا ہو۔ اور ان ناموں کی گونج کا سلسلہ وقت کو اپنے احاطے اور دائرے میں لئے ہوئے ہے۔ اور بات اذان تک محدود نہیں۔ خطبے میں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی شامل ہے، اقامت میں یہ اسم گرامی شامل ہے، تشہد میں یہ اسم گرامی شامل ہے۔

رفع ذکر خاتم الانبیاء ﷺ کی شکلیں کتنی متنوع اور گوناگوں ہیں۔ نالۂ نیم شبی اور نغمۂ سحرگاہی میں اسم محمد کی دھڑکن اور ہونٹوں کا ترانہ بن جاتا ہے۔

پاکستان، ہندستان، بنگلہ دیش ہو یا افغانستان اور دنیائے عرب ہو، اقصائے مغرب ہو، یا ولایاتِ فرنگ، اشتراکی چین ہو یا سرمایہ پرست امریکہ، جاپان ہو یا مشرق بعید کے ممالک انڈونیشیا اور ملائشیا، دنیا کے ہر ملک میں ہر رات بچوں کو سلاتے وقت ماؤں کے ہونٹوں پر یہ سرمدی نغمہ ابھرتا ہے۔

حسبی ربی جل اللہ مافی قلبی غیر اللہ

لا الہ الا اللہ نورِ محمد صلی اللہ

اور اس نغمے سے فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔ عالم اسلام کی سرحدوں کا تعین یہی نغمہ کرتا ہے۔ صوفیوں کے حلقۂ ذکر میں افضل الذکر لا الہ الا اللہ کی ضرب محمد رسول اللہ کے کلمات ہی بنتے ہیں۔

"ورفعنالک ذکرک" وہ حرف تسلی تھا جس نے مکہ کے اس صبر آزما دور میں حضرت ختمی مرتبت ﷺ کو حوصلہ عطا کیا، قربت الٰہی کا عظیم تجربہ ان الفاظ میں سمٹ آیا۔ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کلام الٰہی کو کون سمجھ سکتا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب آپ ﷺ پر نازل فرمائی اور اس کے مفاہیم و مطالب آپ ﷺ پر روشن کئے۔ حضور ﷺ نے اپنے یقین کو اور مستحکم کرنے اور اس حرف تسلی کو اور گہرائی دینے کے لئے حضرت جبریل امین سے "ورفعنا

لک ذکرک" کی حقیقت دریافت فرمائی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتلایا، "اذا ذکرت معی"۔ چنانچہ سید السادات فخر انبیاء ﷺ نے اس رفعت ذکر کی یوں تشریح فرمائی۔ اتانی جبریلُ فقالَ: یقولُ لکَ ربُّکَ اَتدرِیْ کیفَ رَفعتُ ذِکْرَکَ ؟ قالَ: اللہُ اَعْلَمُ، قالَ: اِذَا ذُکِرْتُ مَعِیْ. (فتح الباری)

ترجمہ: میرے پاس جبریل امین آئے اور یہ کہا کہ آپ کا رب فرماتا ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کا ذکر کس طرح بلند کیا ہے؟ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، تو جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنایا کہ جب میرا ذکر ہوگا تو میرے ساتھ تیرا بھی ذکر ہوگا۔

اس سے خود حق تعالیٰ کا اس ذکر شریف کو بلند کرنا ثابت ہوا۔ اسلامی عقائد و شریعت میں یہ عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ (۱) توحید باری تعالیٰ پر ایمان بھی اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک سید دو عالم ﷺ کی رسالت کی شہادت نہ دے۔

(۲) اسی طرح جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا وہاں سید دو عالم ﷺ کا ذکر بھی ہوگا کلمہ طیبہ، اذان، اقامت، نماز سب جگہ آپ کا ذکر عالی ساتھ ساتھ مذکور ہے۔ کوئی تقریر یا تحریر، کوئی مجلس یا وعظ ایسی نہیں جس میں حمد کے ساتھ صلوٰۃ نہ ہو۔

(۳) کائنات ارضی و سماوی میں رفعت شان محمد ﷺ کا مظہر درود شریف ہے۔ جس کو خود اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے سے شروع فرمایا، ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللہَ وملائکتَہٗ یُصَلُّوْنَ علَی النبیِّ یَا اَیُّھا الذینَ اٰمَنُوا صلُّوا علیہِ وسَلِّمُوا تسْلِیماً﴾.

یَاربِّ، صلِّ وسلِّمْ دائماً ابداً .... علَی حبِیبِکَ خیرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

اللہ تعالیٰ کی رفعت اور شہرت تو ظاہر ہے۔ اور جو اس کے ساتھ مقرون (لگا ہوا) ہوگا وہ رفعت و شرف میں بھی آپ کے ساتھ ہوگا۔

اَلَا یَا مُجیبَ المصطفَی زِدْ صبابَۃً .... وضَمِّخْ لسانَ الذِّکْرِ منکَ بطیبِہٖ

وَلَا تعْبَئَنَّ بِالمُبْطلِینَ فاِنَّمَا .... علامۃُ حُبِّ اللہِ حُبُّ حَبِیبِہٖ

ترجمہ: سن رکھ اے عاشق مصطفیٰ ﷺ تو عشق میں خوب ترقی کر اور اپنی زبان کو خوشبوئے ذکر نبوی سے معطر کر، اور اہل بطالت کی کچھ پروامت کر کیونکہ علامت حب الٰہی کی اس کے حبیب کی محبت ہے۔ (بحوالہ العطور المجموعہ)

اور رسولِ اکرم ﷺ کی اس خصوصیت سے متعلق علامہ سلیمان منصور پوریؒ اپنی شاہکار کتاب ''رحمۃ العلمین'' کی جلد سوم میں یوں رقم طراز ہیں کہ بحرالکاہل کے مغربی کنارہ سے لے کر دریائے ہوانگ ہو کے مشرقی کنارہ تک کے رہنے والوں میں سے کون ہے، جس نے صبح کے روح افزاء جھونکوں کے ساتھ اذان کی آواز نہ سنی ہو، جس نے رات کی خاموشی میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُولُ اللهِ کی سریلی آواز کو جان بخش نہ پایا ہو۔

بغوی نے باسناد ثعلبی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے ورفعنا لک ذکرک کی حقیقت دریافت کی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتلایا اِذَا ذُكِرْتَ معِی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ اس ارشادِ الٰہی میں اذان واقامت تشہد وخطبہ مراد ہیں۔

چنانچہ یہی وہ الفاظ ہیں جو جاگنے والوں اور سونے والوں کو اُن کی ہستی کے بہترین آغاز وانجام کے اعلام کے سامعہ نواز ہیں۔ کیا رفعت ذکر کی کوئی مثال اس سے بالاتر پائی جاتی ہے، آج کسی بادشاہ کو اپنی مملکت میں کسی ہادی کو اپنے حلقہ اثر میں یہ بات کیوں حاصل نہیں کہ اُس کے مبارک نام کا اعلان ہر روز وشب اس طرح پر کیا جاتا ہو کہ خواہ کوئی سننا پسند کرے یا نہ کرے، لیکن وہ اعلان یہ ہے کہ پردہائے گوش کو چیرتا ہوا قعر قلب تک ضرور پہنچ جاتا ہے، ہاں وہ اعلان صرف اُس کے نام ہی کا اعلان نہیں، بلکہ اس کے کام کا بھی اور صرف کام کا ہی نہیں، بلکہ اُس کے پیغام کا بھی اعلان ہے۔

بے شک یہ اعلیٰ خصوصیت صرف اسی برگزیدہ انام کے نام نامی کو حاصل ہے، جس کی رفعتِ ذکر کا ذمہ دار خود رب العلمین بنا ہے اور جس کی بابت یسوع نبی کی کتاب میں پیش گوئی فرمائی گئی تھی، کہ اُس کے نام کو برکت دی جائے گی۔

طامس کارلائل کو دیکھو، یہ ایک پکا عیسائی ہے اور سارے انگلستان میں تاریخ وزبان دانی کی فضیلت سے اشہر المشاہیر میں داخل ہے وہ ''ہیروز آف ہیروز'' لکھنے بیٹھتا ہے تو گروہ انبیاء میں سے صرف رسولِ اکرم ﷺ ہی کے نام مبارک کا انتخاب کرتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو بھولا ہوا ہے اور ان کے کارناموں سے جو آج تک بحیرۂ قلزم کی امواج اور فلسطین کے ذرات کو بھی یاد ہیں ناواقف ہے؟

کیا وہ داؤد علیہ السلام کو نہیں جانتا؟ جنہوں نے بنی اسرائیل کی متفرق شدہ اسباط میں جمعیت پیدا کی، جنہوں نے ایسی سلطنت کو بنایا اور پائیدار کیا کہ اُن سے پہلے ایسی سلطنت کا خواب بھی فرزندانِ یعقوب علیہ السلام نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

کیا کارلائل کو معلوم نہ تھا کہ داؤد نے عبادت وموسیقی کو جمع کر کے ہوا کو ترنم سے اور فضا کو مناجات سے بھر دیا تھا۔ موسیقی کی اس قدر افزائی پر تو کارلائل کے رقاص دل کو ضرور اچھل پڑنا چاہئے تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو یسوع کی وہ نبوتیں اور پیش گوئیاں یاد نہ تھیں، جو اناجیل متی یوحنا کی تصانیف کا مایۂ خمیر ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ دانی ایل نبی کی ان برکات سے بے خبر تھا، جس نے بابل کے کافر و جابر بادشاہ کو یہود کی حفاظت واکرام پر آمادہ کر دیا تھا، جس نے لاکھوں ایمانداروں کو قتل وصلب سے بچا لیا تھا، جس نے سینکڑوں سال کے آئندہ واقعات کے طلسم کو کلید تعبیر خواب سے کھول دیا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو شالتی ایل کی خدمات کا علم نہ تھا، جس نے اسیری سے رہائی پا کر اتنا بڑا ایوان یروشلم تعبیر کر دیا تھا، جو ہیکل سلیمانی سے کم نہ سمجھا جاتا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ کارلائل حضرت زکریا علیہ السلام کی پیش گوئی اور حضرت یوحنا بپتسمہ وہندہ کے زہد وعبادت اور وعظ وتذکیر کے حالات سے ناآشنا تھا۔ ان سب کا جواب منفی ہے۔

پیارے قارئین! پروفیسر طامس کارلائل ان سب باتوں کو جانتا پہچانتا ہوا، بلکہ مانتا اور ایمان رکھتا ہوا بھی مجبور ہے کہ گروہ انبیاء علیہم السلام میں سے صرف حضور سرور کائنات ﷺ ہی کا مبارک نام انتخاب کرے۔ اس جگہ یہ خیال بھی نہیں ہوسکتا کہ کارلائل کو انبیاء میں سے

صرف ایک ہی مبارک نام پر اکتفا کرنا تھا، اسی لئے حضور ہی کے نام پر اُسے بس کرنا پڑی ۔دیکھو حکماء وشعراء اور فلاسفروں کی صنف میں یہ مصنف صرف ایک ایک نام کے انتخاب کرنے کا پابند نہیں ہوا۔لہذا اگر وہ چاہتا تو بحث نبوّت میں بھی ایک سے زیادہ نام لکھ سکتا تھا۔لہٰذا ہماری دلیل اور بھی متین وو قیع ہو جاتی ہے اور پتہ لگ جاتا ہے کہ جب کارلائل نے اپنی مورخانہ تحقیقات کی نگاہ سے آفتاب نبوت رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھا تب اُسے ہزاروں سال کے عہد وسیع کے آسمان پر اور کوئی بھی کوکب نبوّت نظر نہ آیا، جسے اس آفتاب کے دوش بدوش وہ اپنے اوراق پر جلوہ گر کرسکتا۔

یہ نمونہ ہے رفعت ذکر کا کہ صحیح الاعتقاد عیسائی ،کیمرج یونیورسٹی جیسے دارلعلوم کا مسلمہ استاد جس کے نام پر انگلستان کو فخر وناز ہے، ہزاروں انبیاء کی صداقت پر ایمان رکھتا ہوا اور سینکڑوں انبیاء کے اسمائے پاک کا علم رکھتا ہوا بھی دنیا کے سامنے جب نبوت کا نمونہ پیش کرسکا تو سیّدنا ومولانا محمد النبی الامّی ہی کے وجود کا ذکر کرسکا، اس جگہ وہ نوشتہ پورا ہوا، جو قرآن حکیم میں ہے۔لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ .تم کو بہترین نمونہ محمد رسول اللہ ہی ملیں گے۔

رفعتِ ذکر کا بیان جس طرح اہل ایمان کرتے ہیں۔اُسے بھی یاد رکھنا چاہئے ،ہم نے موجودہ بائیبل سے ثابت کردیا ہے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام سے لے کر یعقوبؑ وموسیٰ ،داود وسلیمان یسعیاہ، یرمیا، دانی ایل، حزقی ایل، حبقوق، ملاکی، یحییٰ وعیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے محامد محمدی اور نعوت مصطفوی کو اسالیب بدیعہ اور علامات متنوعہ کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اور یہ وہ امر عظیم الشان ہے جو کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔انجیل اول کے مصنف سینٹ متی نے ان چند پیش گوئیوں کی تلمیحات پر اشارہ کیا ہے جو سیدنا عیسیٰ مسیحؑ کی بابت صحف سابقہ میں پائی جاتی ہیں۔اگر کوئی منصف ہے تو ان مجمل اشارات کو دیکھے اور جناب متی نے جو طریق استدلال نکالا ہے اس کا موازنہ کرے اور پھر اُن آیاتِ بینات کو دیکھے جو بائیبل ہی کے اندر ہیں اور رسولِ اکرم ﷺ کی ذات مبارک پر ثابت ومتحقق ہیں۔

سینٹ متی کو جو محبتِ صادقہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ تھی، نیز جو دسترس کامل اُن کو مضامین بائیبل پر حاصل تھی، ہم ان ہر دو امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت وثوق سے یقین کر سکتے ہیں کہ سینٹ مذکور نے کوئی ایسی پیش گوئی اپنی انجیل میں درج کرنے سے باہر نہیں چھوڑی، جس کا تعلق جناب مسیح کی ذات گرامی سے تھا۔ ہم بھی متی کی بتلائی ہوئی پیش گوئیوں کا مصداق جناب مسیح ہی کو تسلیم کر لیتے ہیں اور بعد ازاں ان پیشگوئیوں کو لیتے ہیں، جو جناب متی کے زمانہ تک بہ طور پیش گوئی (خبر مستقبل) موجود تھیں اور جن کا مصدق رسولِ اکرم ﷺ کی ذات بابرکات کے سوا اور کسی کو بھی نہیں ٹھہرایا جاسکتا اور نہیں ٹھرایا گیا تھا۔

یہودی، عیسائی، مسلمان سُن رکھیں کہ اسی موجودہ بائیبل کے اندر رسولِ اکرم ﷺ کا نام مبارک نام مقام ولادت اور دار ہجرت اور رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لانے والے قبائل کے نام رسولِ اکرم ﷺ سے برسرِ پیکار آنے والی قوموں کے نام اور اُن کے انجام ایسی وضاحت سے پائے جاتے ہیں کہ ورفعنا لکَ ذِکْرَکَ کی صحیح تفسیر ہیں اور اُن سے یہ امر بہ وضوح تام ظاہر ہوجاتا ہے کہ ربّ العلمین نے حضور کی رفعت ذکر کا اہتمام صدیوں پیشتر کیسے زبردست اعلانات سے فرمایا تھا۔ بے شک اس فضیلتِ علیا میں اور کوئی بھی بزرگوار حضور کا سہیم ثابت نہیں ہوا۔ وللہ الحجۃ البالغۃ۔ (بحوالہ رحمۃ للعلمین ج۳)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۷۷

رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مکمل محفوظ ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ستترویں خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مکمل محفوظ ہے" الحمد اللہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی میں "رياض الجنة" (اس حصے پر جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا یہ ٹکڑا جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے) میں بیٹھا ہوں، آقا ﷺ کا پیارا اور مقدس روضہ مبارک میرے سامنے ہے اور میں آقا ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں بلکہ یوں کہوں کہ صاحبِ خصوصیت ﷺ عین میرے سامنے آرام فرما ہیں اور میں مقدس روضہ مبارک کے سائے تلے اور جنت کے ٹکڑے میں بیٹھ کر انکی عظیم خصوصیت کو لکھ رہا ہوں، دعا گو ہوں کہ یا رب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے رسول ﷺ کی یہ امتیازی خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ کے کرم و فضل سے ہمارے آقا ﷺ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مکمل محفوظ ہے، جبکہ دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرت کا ہر ہر گوشہ ہمیں محفوظ نظر نہیں آتا، اگر چہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام انبیاء کرامؑ نے اپنی اپنی زندگیوں کو عین مرضی خداوندی کے مطابق بڑی کامیابی سے گزارا، اس پر ہمارا مکمل ایمان ہے اس کے بغیر ہم صاحبِ ایمان نہیں رہ سکتے کیونکہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے، چنانچہ ہمارا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دیگر انبیاءؑ نے زندگیاں کس طرح گزاری؟ ان کی زندگیوں میں کیسے کیسے نشیب و فراز آئے؟ اس طرح ان کی زندگی کے مکمل گوشے آج ہمیں محفوظ نظر نہیں آتے، یہاں تک کہ پچھلے انبیاءؑ کی

کتابیں تک محفوظ نظر نہیں آتی اور جہاں تک ہمارے نبی ﷺ کی زندگی کا تعلق ہے، الحمدللہ ہمارے نبی ﷺ کے بچپن سے لیکر لڑکپن تک، لڑکپن سے لیکر جوانی تک، جوانی سے بڑھاپے تک اوراسی طرح نبوت ملنے سے پہلے کی زندگی اور نبوت ملنے سے بعد کی زندگی اور زندگی کا ہر ہر گوشہ محفوظ ہے اور ہمیں معلوم ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ خصوصیت بھی صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کی ہے جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت سے متعلق کچھ چیدہ چیدہ یعنی ضروری ضروری تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے، انشاءاللہ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی زندگی پر اپنی زندگی کو ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

ستترویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

آپ ﷺ کی پوری زندگی محفوظ ہے

سارے انبیاء کی سیرتوں کا مطالعہ کرلیجئے آپ کو ان کے بچپن اور جوانی کے تفصیلی حالات نہیں ملیں گے لیکن یہ ہمارے آقا کی خصوصیت ہے کہ آپ کی ولادت ورضاعت سے لے کر وفات تک کے تفصیلی حالات معلوم ہیں۔

ہمارے آقا ﷺ ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا، چھ سال کی عمر ہوئی تو والدہ بھی فوت ہوگئیں، آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو دادا بھی چل بسے، نکتہ وروں نے اس سے یہ نکتہ نکالا کہ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ اولاد میں کوئی کمال نظر آئے تو لوگ اسے والدین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ شاگرد میں کوئی کمال نظر آئے تو استاد کی طرف منسوب کرتے ہیں مرید میں کوئی کمال نظر آئے تو پیر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو تعلیم وتربیت کے ظاہری سہاروں سے محروم فرما کر براہ راست اپنا سہارا عطا کردیا تاکہ رسولِ اکرم ﷺ کے عملی اور اخلاقی کمالات دیکھ کر کوئی یہ نہ کہے کہ یہ والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے، یہ دادا کی تربیت کا ثمرہ ہے، یہ فلاں استاد اور شیخ کی صحبت کا اثر ہے، اور یہ صرف

رسولِ اکرم ﷺ کی تخصیص نہ تھی بلکہ سارے انبیاء کا یہی حال تھا۔ بے شک حضرت نوح علیہ السلام کو شجاعت کا سبق اللہ نے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت کے مقام تک کس نے پہنچایا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تسلیم ورضا کا درس کہاں سے لیا، حضرت صالح علیہ السلام نے فصاحت کہاں سے سیکھی، حضرت لوط علیہ السلام کو حکمت کس نے عطا کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جاہ وجلال کس کی تربیت کا ثمرہ تھا، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر کس کی محنت کا نتیجہ تھا، حضرت یونس علیہ السلام کو توبہ وانابت کا راستہ کس نے بتایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زہد وقناعت کا سبق کہاں سے پڑھا۔

اگر آپ کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں کہ ان سارے انبیاء کو علمی وعملی اور اخلاقی کمالات مربی حقیقی رب تعالیٰ نے عطا کیے تھے تو میں بھی سچ کہتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حضرت نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت، حضرت اسماعیل علیہ السلام، کا جذبہ تسلیم ورضا، حضرت صالح علیہ السلام کی فصاحت، حضرت لوط علیہ السلام کی حکمت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جاہ وجلال، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یونس علیہ السلام کی توبہ وانابت اور عیسیٰ کا زہد وقناعت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ نے عطا کیا، رسولِ اکرم ﷺ کے کمالات نہ والدین کی تربیت کا ثمرہ تھے نہ کسی استاد کی محنت کا نتیجہ تھے۔

اسی لئے تو یہ ممکن ہوا کہ ایک زندگی میں کئی زندگیاں اور ایک سیرت میں کئی سیرتیں سمٹ کر سما گئیں۔ تو عرض یہ کیا جا رہا ہے کہ ہمارے آقا ﷺ ولادت سے پہلے ہی یتیم ہو چکے تھے، ولادت کے بعد آپ کی رضاعت کا مسئلہ پیش آیا، عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہ رضاعت اور ابتدائی پرورش کے لئے شہروں سے زیادہ دیہاتوں کو پسند کرتے تھے، جب آپ پیدا ہوئے تو کئی خواتین رضاعت کے لئے بچوں کی تلاش میں شہر مکہ آئیں لیکن سب نے مالدار گھرانوں کو ترجیح دی، محمد ﷺ کو کسی نے لینا قبول نہ کیا وہ یہی سوچتی رہیں کہ اس یتیم بچے کی ماں ہمیں کیا دے سکے گی۔

انہیں کیا معلوم تھا کہ جس بچے کو وہ یتیم سمجھ کر چھوڑ رہی ہیں وہ تو درِ یتیم ہے وہ تو نویدِ

مسیح ہے وہ تو دعائے خلیل ہے، وہ تو فخر انسانیت ہے وہ سرمایۂ کونین ہے، وہ تو محبوب الٰہی ہے۔

انسان بھی کتنا جاہل اور احمق ہے کتنی آسانی سے دھوکہ کھا جاتا ہے کبھی سنگریزوں کو موتی اور کبھی موتیوں کو سنگریزے سمجھ لیتا ہے۔ زہر کو تریاق اور تریاق کو زہر جان لیتا ہے ،دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست یقین کر لیتا ہے۔ جس بچے کو وہ خواتین اس لئے چھوڑ گئی تھیں کہ اس کی والدہ سے سرمایہ حاصل ہونے کی امید نہ تھی انہیں کیا خبر تھی کہ وہ بچہ خود بہت بڑا سرمایہ ہے۔ مگر وہ خواتین بھی کیا کر سکتی تھیں ،اللہ تعالیٰ نے ازل سے یہ سعادت حلیمہ سعدیہ کے مقدر میں لکھ دی تھی ،محترمہ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں بچے کو گھر لائی تو گھر میں خوشگوار تبدیلیاں محسوس ہونے لگیں۔

کہاں تو یہ حال تھا کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ بھی نہ تھا کہ میرا بیٹا عبداللہ ابن حارث سیر ہو کر پی سکتا اور کہاں یہ حال ہو گیا کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ اتر آیا کہ محمد ﷺ نے بھی سیر ہو کر پیا اور عبداللہ نے بھی ، یہی نہیں بلکہ اس رات ہماری اونٹنی نے بھی اتنا دودھ دیا کہ ہم دونوں میاں بیوی نے خوب شکم سیر ہو کر پیا، مکہ سے واپس چلے تو ہماری لاغر سی اونٹنی سارے قافلے سے آگے نکل گئی ،ہم سفر عورتوں کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ تو وہ اونٹنی تھی جو سب سے پیچھے رہتی تھی آج آگے کیسے نکل گئی ،انہیں کیا معلوم تھا کہ سواری اگرچہ وہی ہے مگر سوار بدل گیا ہے اور جب سوار بدل جایا کرتے ہیں تو سواریوں کے انداز بھی بدل جایا کرتے ہیں۔ جب امام بدل جائیں تو مقتدیوں کا حال بدل جاتا ہے۔ جب قائد بدل جائے تو پیروکاروں کا مزاج بدل جاتا ہے۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں محمد ﷺ کی وجہ سے مجھے ہر چیز میں برکت محسوس ہونے لگی سواری میں بھی برکت ،بکریوں میں بھی برکت ، چراگاہ میں بھی برکت ہر طرف برکت ہی برکت۔ بے شک ہمارے آقا ﷺ کی ولادت بھی برکت تھی۔ آقا ﷺ کی تعلیمات بھی برکت ہیں۔ آقا ﷺ کی غلامی بھی برکت ہے آج آپ ہمارے درمیان بذات خود تو موجود نہیں لیکن اگر ہم آقا کے سچے غلام بن جائیں تو ہماری بنجر زمینیں

سونا اگلیں گی۔ہمارے جانوروں کے خشک تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔ہمارا آسمان رحمت کی بارش برسائے گا اور ہمارے کھیت ہریالی سے لہلہا اٹھیں گے۔

ہمارے آقا ﷺ کا بچپن مثالی تھا وہ ماحول جس میں شراب نوشی اور بدکاری عام تھی ،لوٹ مار اور قتل وغارت گری کا دور دورہ تھا۔اس ماحول میں بھی رسولِ اکرم ﷺ نے ایسا بچپن گزارا اور صداقت وامانت میں ایسا نام پیدا کیا کہ رسولِ اکرم ﷺ کا لقب ہی صدیق اور امین مشہور ہو گیا۔جناب ابوطالب کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو بچپن میں بھی غلط بیانی یا کسی کی غیبت کرتے ہوئے اور لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے آقا ﷺ کے بچپن آقا ﷺ کی جوانی اور آقا کی ساری زندگی کو نمونہ بنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔

اور حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی مدظلہ نے اپنے خطبات میں حضور ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کے بارے میں فرمایا،جس کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں،رسولِ اکرم ﷺ اس دنیا میں ایک ایسے وقت میں تشریف لائے جو تاریخی اعتبار سے پوری روشنی کا وقت تھا۔یہ ایک بڑا اہم نکتہ ہے۔جب بھی کسی سے بات کر رہے ہوں اس کو یہ بات کھول کر بیان کریں کہ ہمارے آقا اور ہمارے قائد حضرت محمد ﷺ وہ ہستی ہیں کہ جنہوں نے تاریخ کی پوری روشنی کے اندر زندگی گزاری۔آپ عیسائیوں کے پاس جایئے اور ان سے کہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی بتائیں۔وہ آپ کو چند واقعات کے سوا کچھ نہیں بتا سکیں گے۔یہودیوں سے حضرت موسیٰ کے بارے میں پوچھئے کہ وہ کب پیدا ہوئے،انہوں نے بچپن کیسے گزارا،لڑکپن کیسے گزارا،جوانی کیسے گزاری انکی ازدواجی زندگی کیسی تھی،ان کے پیغامات کیا تھے،ان کی وفات کب ہوئی تو آپ کو ان کی زندگی کے شب وروز کی تفصیل کہیں نہیں ملے گی۔آج یہود ونصاریٰ کا دامن اس نعمت سے خالی ہے۔

آپ ان کے سامنے بیٹھ کر ان سے پوچھئے کہ اگر آج آپ کے معاشرے میں پیدا ہونے والا بچہ یہ چاہے کہ میں زندگی کا ہر کام اپنے پیغمبر کے طریقے کے مطابق کرنا چاہتا

ہوں تو کیا اس کی رہنمائی کے لئے تعلیمات موجود ہیں؟ تو وہ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ ہمارے پاس ان کی کوئی تفصیلات موجود نہیں ہیں۔

جب ان کے پاس کچھ نہیں ہے تو آیئے ہم آپ کو ایک ایسی ہستی کے بارے میں بتائیں کہ جن کی پیدائش مبارکہ سے لے کر دنیا سے پردہ فرمانے تک زندگی کی ایک ایک بات کو کتابوں کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ محدثینؒ نے وہ کمال کر دکھایا کہ جہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شمائل بیان کرنے کا وقت آیا انہوں نے بیان کیا، رسولِ اکرم ﷺ کے ابرو مبارک کیسے تھے، رسولِ اکرم ﷺ کی مبارک پلکیں کیسی تھیں، آنکھیں کیسی تھیں، بینی مبارک کیسی تھی، رسولِ اکرم ﷺ کی ریش مبارک کیسی تھی، رسولِ اکرم ﷺ کا سینہ مبارک کیسا تھا، رسولِ اکرم ﷺ کے ہاتھ مبارک کیسے تھے، رسولِ اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک کیسے تھے، رسولِ اکرم ﷺ جوتا مبارک کس طرح پہنتے تھے، لباس کس طرح پہنتے تھے، رسولِ اکرم ﷺ کا عمامہ مبارک کیسا تھا، آپ کی سواری کیسی تھی، ان سواریوں کے نام کیا تھے، جس بستر پر لیٹتے تھے اس کا تکیہ کیسا تھا، رسولِ اکرم ﷺ کا کمبل کیسا تھا، رسولِ اکرم ﷺ کی چادر مبارک کیسی تھی، رسولِ اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی کیسی تھی، رسولِ اکرم ﷺ کی مسجد کی زندگی کیسی تھی، رسولِ اکرم ﷺ میدان جہاد میں کھڑے ہیں تو وہاں کی تفصیلات کیا ہیں، رسولِ اکرم ﷺ کی انفرادی زندگی کیسی تھی، رسولِ اکرم ﷺ کی اجتماعی زندگی کیسی تھی، غرض نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے جس پہلو کو بھی معلوم کرنا چاہیں وہ تمام معلومات ہمارے پاس موجود ہیں۔ چنانچہ آج کا بچہ اگر چاہے کہ بچوں کے بارے میں اللہ کے محبوب ﷺ نے کیا تعلیمات دیں تو وہ بھی آپ کو ملیں گی، آج کا نوجوان اگر چاہے کہ جوانوں کے بارے میں اللہ کے محبوب ﷺ نے کیا تعلیمات دیں تو بھی آپ کو ملیں گی، مزدور اگر چاہے تو اس کو بھی تعلیمات ملیں گی، اور اگر کارخانہ دار چاہے تو اسے بھی تعلیمات ملیں گی، غرض معاشرے کا کوئی فرد ایسا نہیں کہ جس کو نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں تعلیمات نہ ملتی ہوں۔ جس ہستی سے قدم قدم پر رہنمائی مل رہی ہو ہم اس ہستی کی پیروی کیوں نہ کریں؟

جب ہم نے یہ بات بعض نصاریٰ سے پوچھی تو وہ کہنے لگے کہ جی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہمارے پاس یقیناً بائبل (انجیل) کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور ہم اپنے نبی کے بارے میں تفصیلات نہیں بتا سکتے۔ پھر ہم نے کہا کہ اگر آپ یہ پوچھنا چاہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندان مبارک کیسے تھے تو ہم وہ بھی بتا سکتے ہیں، اگر یہ پوچھنا چاہیں کہ ریش مبارک کے کتنے بال سفید تھے تو کتابوں میں ان کو بھی لکھ دیا گیا ہے، اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ مہر نبوت کیسی تھی تو یہ بھی لکھا جا چکا ہے، اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی اونٹنی کے کیا کیا نام تھے، تو محدثین نے ان کو بھی کتابوں میں محفوظ فرما دیا ہے۔ ایسی تاریخی زندگی آج تک کائنات میں کسی نے نہیں گزاری۔ بڑے بڑے جرنیل گزرے، بادشاہ گزرے، فلاسفر گزرے، لائیے کسی کو کہ جس کی زندگی کی اتنی معلومات کتب کے اندر موجود ہوں۔ فقط ہمارے پیغمبر رسولِ اکرم ﷺ کی وہ مبارک ذات ہے جن کی زندگی کی اتنی تفصیلات کتب میں محفوظ ہیں۔ لاکھوں احادیث رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی کے کسی نہ کسی گوشے پر روشنی ڈالتی نظر آتی ہیں۔ لہٰذا یہ اصولی بات یاد رکھئے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں ایسے پیارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام عطا فرمائے ہیں۔ کہ جن کی زندگی کی تمام تعلیمات آج بھی محفوظ ہیں اور قیامت تک محفوظ رہیں گی۔

ہیٹی نامی ایک شخص فرانسیسی مصنف ہے، وہ نبی ﷺ کے بارے میں اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے: کہ رسولِ اکرم ﷺ تاریخ کی پوری روشنی کے اندر دنیا میں تشریف لائے۔ جب کفر نے خود تسلیم کر لیا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ذات کو ایک ایسی فضیلت حاصل ہے کہ اب یہ کسی دوسری ہستی کو حاصل نہیں ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں مائیکل ہارٹ کا خراج تحسین

مائیکل ہارٹ ایک انگریز مصنف آپ ﷺ کی شان میں لکھتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ ایسے لوگوں میں تشریف لائے جن کے پاس تعلیم نہیں تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے هُوَ الَّذِي

بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّنَ رَسُولاً وہ ذات جس نے ان پڑھوں میں اپنے رسول کو بھیجا۔ اور رسول بھی وہ تشریف لائے جو زندگی میں کسی انسان کے سامنے شاگرد بن کر بھی نہیں بیٹھے۔ آپ نے پندرہ بیس سال پہلے ایک کتاب کا تذکرہ سنا ہوگا۔ وہ کتاب مائیکل ہارٹ نے لکھی۔ وہ عیسائی ہے۔ اس نے اپنے زعم میں تاریخ میں سے ۱۰۰ ایسی شخصیتوں کو گنا جنہوں نے تاریخ میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑے۔ اس میں اس نے سائنس دانوں کے حالات زندگی لکھے، بعض انبیاء کا بھی تذکرہ کیا، کئی جرنیلوں کے بارے میں بھی لکھا۔ لیکن ان ۱۰۰ ہستیوں میں اس نے سب سے پہلے نبی آخرالزمان ﷺ مبارک کا تذکرہ کیا۔ اور اس پر تذکرہ کرتے ہوئے اس نے ایک فقرہ لکھا:

کہ میں نے ان سو آدمیوں کا تذکرہ کیا جنہوں نے تاریخ کو سب سے زیادہ متاثر کیا، ان میں سب سے پہلے رسول اکرم ﷺ کا تذکرہ کیا ہے تو اس سے بعض لوگ حیران ہوں گے۔ لیکن اس کی میرے پاس ایک ٹھوس دلیل موجود ہے کہ کائنات میں جتنی بھی ہستیاں آئیں اگر ان کے حالات زندگی پڑھتے ہیں تو وہ ہمیں اپنے بچپن اور لڑکپن میں کسی نہ کسی استاد کے سامنے بیٹھے تعلیم پاتے نظر آتے ہیں، اپنے وقت کے بہترین تعلیمی اداروں کے اندر ہمیں ایک طالب علم بن کر جاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان تمام ہستیوں نے پہلے مروجہ تعلیم حاصل کی اور پھر اس کو بنیاد بنا کر انہوں نے اپنی زندگیوں میں کچھ اچھے کام کر دکھائے۔ لیکن دنیا میں فقط ایک ہستی ایسی نظر آتی ہے جس کی زندگی کی تفصیلات کو دیکھا جائے تو وہ پوری زندگی کس کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھی نظر نہیں آتی۔ وہ ہستی رسول اکرم ﷺ ہیں۔ یہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے دنیا سے علم نہیں پایا بلکہ دنیا کو ایسا علم دیا کہ اس جیسا علم نہ پہلے کسی نے دیا اور نہ بعد میں کوئی دے گا۔ لہٰذا اس بات پر میرے دل نے یہ چاہا کہ جس شخصیت نے ایسی علمی خدمات سرانجام دی ہوں، میں غیر مذہب کا آدمی ہونے کے باوجود ان کو تاریخ کی سب سے اعلیٰ شخصیات میں پہلا درجہ عطا کرتا ہوں۔

چنانچہ جب کافر اپنی زبان سے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ

نے یقیناً انسانیت کے اوپر بڑا احسان فرمایا ہے۔

انگلش رائٹر ''گبن'' کا اعتراف

گبن نامی ایک رائٹر لکھتا ہے کہ جب رسولِ اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے اس وقت عرب کے لوگ ہذیب وتمدن کے لحاظ سے بہت ہی گری ہوئی حالت میں تھے۔ گبن ایک انگلش مصنف ہے۔ وہ ان حالات کے بارے میں لکھتا ہے کہ اس وقت عرب کے لوگ دنیا کی ایک ذلیل ترین قوم تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ایسے اَن پڑھوں میں اپنی مبارک زندگی گزاری۔ وہ ابوبکرؓ وعمرؓ، وہ عثمانؓ وعلیؓ، وہ طلحہ وزبیرؓ، وہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، وہ سعد اور سعیدؓ وہی حضرات ہیں جو رسولِ اکرم ﷺ کے گرد دائرہ بنا کر بیٹھتے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ سے تعلیمات حاصل کرتے تھے۔ دینی تعلیمات حاصل کر کے ان لوگوں میں اتنی بلندی پیدا ہوئی، اتنا علم آیا، اتنی معرفت آئی، جہانگیری اور جہانبانی کے انہوں نے اتنے راز دیکھے کہ جب رسولِ اکرم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اسی رائٹر کو لکھنا پڑا کہ: آپ ﷺ پردہ فرمانے کے بعد عرب کی سرزمین تو ہیروں کی نرسری بن گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محسن انسانیت رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو ایسی تعلیمات دی تھیں جن پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنی عظمت نصیب فرمادی تھی۔

رسولِ اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو علاقے کے اندر کسمپرسی کا حال تھا ظلم کا ہر طرف دور دورہ تھا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں رسولِ اکرم ﷺ کو مقبولیت حاصل کرنے کے لئے بڑے آسان طریقے حاصل تھے۔ مثال کے طور پر اگر اللہ کے محبوب ﷺ کھڑے ہو کر یہ نعرہ لگاتے کہ لوگو! ہم اقتصادی طور پر بہت پیچھے ہیں، نہ ہمیں کھانے کو ملتا ہے اور نہ ہمیں پہننے کو ملتا ہے، لہٰذا ہمارے معاشی حالات اچھے ہونے چاہئیں، آیئے میں آپ کو روٹی، کپڑے اور مکان کے حصول کا طریقہ بتاتا ہوں۔ یہ ایسا نعرہ تھا کہ ایک نعرے کے اوپر پورے کے پورے عرب کے لوگ اکٹھے ہو جاتے۔ مگر رسولِ اکرم ﷺ نے یہ راستہ اختیار نہ

کیا۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ اس دھرتی کے اندر چاروں طرف ظلم نظر آتا ہے، لوگو! پرسکون زندگی حاصل کرنے کے لئے آؤ، میں تمہیں اس معاشرے کے اندر عدل وانصاف قائم کر کے دکھاتا ہوں، تو جو لوگ ظلم سے تنگ آچکے تھے وہ حضرت خالد بن ولید کی زندگی کو کیوں نہیں دیکھتے۔ اتنے بڑے سپہ سالار آ کر مؤدبانہ بیٹھ جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اتنے بڑے جنگجو، جرأت مند اور دلیر انسان کو اگر رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھنے کا شرف ملا ہے، تو فقط رسولِ اکرم ﷺ کے اخلاق کی وجہ سے ملا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسے بہادر انسان تھے جو تلواروں سے ماننے والے نہیں تھے، وہ تو تلواروں کے دھنی تھے اور ٹکرایا جایا کرتے تھے، مگر محبوب ﷺ کا کردار جب سامنے آیا تو ان کی تلواریں بے کار ہو گئیں، انہوں نے تلواریں پیچھے رکھ دیں اور آ کر محبوب ﷺ کے دامن کو پکڑ لیا۔ سہیل بن عمرو دوسی اور ثمامہ بن عصال کو بھی میرے محبوب ﷺ کے اخلاق کی تلوار نے مسلمان کیا۔

دنیا میں کچھ ایسے علاقے بھی تھے جن میں کوئی مسلمان فوجی نہیں گیا مگر وہاں بھی اسلام کی شمع روشن ہو گئی۔ حیرہ کے اندر کوئی مسلمان فوجی نہ گیا، حبشہ، بحرین اور حیفہ کے اندر کوئی فوجی نہ گیا مگر وہاں کے لوگوں نے بھی اسلام کو قبول کر لیا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ جنگجو ابھی نہیں پہنچے تھے کہ اسلام پہلے پہنچ گیا۔ اسلام میں ایسی جاذبیت، ایسی کشش، اور ایسی مقناطیسیت تھی کہ اس نے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ سبحان اللہ، یہ کردار کی عظمت تھی کہ جس نے پوری دنیا کو مسخر کر لیا۔ (بحوالہ خطباتِ فقیر)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۷۸

رسولِ اکرم ﷺ کا خاندانی و نسبی فضل و شرف سب سے عظیم ہے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اٹھتر نمبر خصوصیت پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کا خاندانی و نسبی فضل و شرف سب سے عظیم ہے" الحمد اللہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے "ریاض الجنة" میں بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی، یارب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور فرما آمین، بیشک ہمارے نبی ﷺ کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی عظیم ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا خاندانی و نسبی فضل و شرف سب سے عظیم ہے، جبکہ دیگر انبیاء ؑ کا خاندانی و نسبی فضل و شرف اول تو محفوظ نہیں اور اگر کسی کا محفوظ ہے تو ہمارے حضور ﷺ کی طرح ان کا خاندانی و نسبی فضل و شرف عظیم تر نہیں، گویا کہ ان کا فضل و شرف عظیم ہے لیکن ہمارے نبی ﷺ کا عظیم تر ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ اس کی تفصیل کو ملاحظہ فرمائیں گے، جس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل وضاحت کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح نبی اکرم ﷺ کے فضل و شرف کو ہم سب سے عظیم کہہ رہے ہیں، امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کو پڑھ کر آپ کے دل میں حضور ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوگا، دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی سچی محبت عطا فرمائے اور حضور کی تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

اٹھترویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

حضرت **ابوھریرہ** ؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "مجھ کو یکے بعد دیگرے ہر قرن کے نبی آدم کے بہترین طبقوں میں منتقل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ میں اس موجودہ

قرن میں پیدا کیا گیا۔" (بخاریؒ)

تشریح......"بہترین طبقوں" سے مختلف زمانوں کا ہر وہ طبقہ مراد ہے جس میں رسولِ اکرم ﷺ کے آباؤ اجداد تھے، اور جو اپنے اپنے عہد میں اپنی خاندانی نجابت وشرافت اور انسانی فضل وکمال کے اعتبار سے ممتاز ونمایاں اور قابل تکریم واحترام رہا ہے! جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد، ان کے بعد کے عہد میں کنانہ اور ان کی اولاد، ان کے بعد کے عہد میں ہاشم اور ان کی اولاد، پس اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہوا کہ میرا سلسلہ نسب شروع سے لے کر اب تک نسل انسانی کے نہایت مفتخر ومعزز افراد پر مشتمل ہے، میرے آباؤ اجداد کہ جن کی پشت در پشت منتقل ہوتا ہوا میں اس زمانہ میں پیدا ہوا ہوں، اپنے اپنے عہد وزمانہ کے وہ ممتاز ونمایاں افراد تھے جن کی ذات خاندانی نجابت وشرافت، سماجی عزت وشوکت، مجلسی تہذیب ومتانت، قومی ووطنی مقبولیت ومرجعیت، ذاتی برگزیدگی وافضلیت اور انسانی خصائل وفضائل کا منبع رہی ہے۔

اور حضرت واثلہ ابن اسقعؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے کنانہ کو چنا اور اولاد کنانہ سے قریش کو چنا اور اولاد قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو چنا۔ (مسلمؒ) اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام میں اسمٰعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا اور اولاد اسمٰعیل علیہ السلام میں، بنی کنانہ کو برگزیدہ کیا۔"

تشریح......رسولِ اکرم ﷺ کا نسلی ونسبی تعلق حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی اولاد میں ایک شخص عدنان تھے، انہی عدنان کی اولاد بنی اسمٰعیل کے تمام مشہور قبائل پر مشتمل ہے، اسی لئے عرب مستعربہ بنی اسمٰعیل کو عدنانی یا آل عدنان کہا جاتا ہے، عدنان کے بیٹے معد اور معد کے بیٹے نزار تھے، نزار کے جو چار مشہور بیٹے بتائے جاتے ہیں، ان میں سے دو بیٹے ربیعہ اور مضر سب سے زیادہ نامور اور جزیرہ نما عرب کے بڑے قبائل کے مورث ہیں، مضر کی اولاد میں آگے چل کر ایک شخص کنانہ ہوئے اور ان

کی اولاد مضر کے قبائل میں سب سے زیادہ مشہور و معروف قبیلہ پر مشتمل ہوئی، کنانہ کے بیٹے نضر اور نضر کے بیٹے مالک اور مالک کے بیٹے فہر تھے، یہی وہ فہر ہیں جن کا لقب قریش تھا، فہر کی اولاد میں بہت سے قبائل ہوئے اور سب ''قریش'' کہلاتے ہیں یہ تمام قبائل مختلف علاقوں اور گرہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان نہ باہمی ربط و اتفاق تھا اور نہ کوئی اجتماعی نظام تھا۔ پھر ایک شخص قصی بن کلاب پیدا ہوئے، انہوں نے بڑی محنت اور جد و جہد کر کے تمام قریش کو منظم کیا، ان میں اجتماعیت اور بیداری کی روح پھونکی جس کی بدولت قریش نے نہ صرف مکہ معظمہ بلکہ تمام حجاز پر غلبہ و اقتدار حاصل کر لیا۔ اسی وجہ سے بعض حضرات یہ کہتے ہیں ''قریش'' اصل میں قصی بن کلاب کا لقب ہے، کیونکہ یہ لفظ (قریش) قرش سے نکلا ہے جس کے معنی جمع کرنے اور منظم کرنے کے ہیں۔ ویسے زیادہ مشہور یہ ہے کہ ''قریش'' ایک سمندری جانور کا نام ہے جو نہایت قوت اور زور رکھتا ہے، اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ قریش کا نام اس مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ قریش (قرش) ایک بڑی خطرناک مچھلی کا نام ہے جو سب مچھلیوں کو نگل لیتی ہے لیکن خود اس کو نہ کوئی مچھلی گزند پہنچاتی ہے نہ اس پر قابو پاتی ہے۔ یہی وجہ تسمیہ قاموس میں بھی مذکور ہے۔ ظہور اسلام کے وقت قریش کی شاخوں میں سے جو شاخ سب سے زیادہ مشہور باعزت اور غالب تھی وہ بنو ہاشم ہے رسولِ اکرم ﷺ بنو ہاشم میں پیدا ہوئے۔ رسولِ اکرم ﷺ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرک بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ عدنان سے پہلے کا نسب نامہ زیادہ وثوق کے ساتھ نہیں بتایا جا سکتا۔ (البتہ مکمل معلومات کے لئے ہم نے آپ ﷺ کے مکمل نسب نامے کو ایک الگ خصوصیت کے ذیل میں پوری تفصیل سے پیش کر دیا ہے، اہل ذوق وہاں رجوع کر سکتے ہیں۔ (م،ھ،م)

اس تفصیل کی روشنی میں حدیث کا مفہوم واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل

علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو سب سے زیادہ مفتخر کیا، پھر بنو کنانہ میں سب سے زیادہ قوت وغلبہ قریش کو حاصل ہوا، قریش میں سب سے زیادہ برگزیدگی بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سب سے زیادہ برگزیدگی وعظمت رسولِ اکرم ﷺ کو حاصل ہوئی، پس رسولِ اکرم ﷺ کی ذات گرامی اپنے سلسلہ نسب کی تمام تر برگزیدگیوں اور عظمتوں کا نچوڑ ہے۔

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (ایک دن) کفار کو رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں ہرزہ سرائی کرتے سنا تو افسوس اور غصہ میں بھرے ہوئے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت آئے (اور بتایا کہ کفار یہ بکواس کرر ہے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو مکہ ہی کے کسی شخص کو اپنا نبی اور رسول بنانا تھا تو اس شہر کے بڑے بڑے صاحب دولت وثروت اور اونچے درجے کے سرداروں کو چھوڑ کر محمد ﷺ کا انتخاب کیوں کرتا) رسولِ اکرم ﷺ (نے یہ سنا تو واضح کرنے کے لئے) کہ نسلی ونسبی اور خاندانی عظمت وعزت کے اعتبار سے آپ ﷺ کی شان کیا ہے، اور مرتبہ نبوت پر فائز ہونے کے لئے دوسروں کے مقابلہ میں رسولِ اکرم ﷺ کی حیثیت واہمیت کیا ہے) منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو، میں کون ہوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا (ہاں میں اللہ کا رسول ہوں، لیکن میری نسلی ونسبی اور خاندانی عظمت کیا ہے، اس کو جاننے کے لئے سنو) میں عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا محمد (ﷺ) ہوں (اور عبدالمطلب وہ ہستی ہیں جو عرب میں نہایت بزرگ ومعزز، بڑے شریف وپاکباز اور انتہائی مشہور ومعروف تھے) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق (جنات وانسان) کو پیدا کیا تو مجھے اس مخلوق میں سے بہترین مخلوق (نوعِ انسانی) میں پیدا کیا، پھر اس بہترین مخلوق (نوع انسانی) کے اللہ تعالیٰ نے دو طبقے کئے (ایک عرب دوسرا عجم) اور مجھے ان دونوں طبقوں میں سے بہترین طبقہ (عرب) میں پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس بہترین طبقہ (عرب) کو قبائل در قبائل کیا (یعنی اس طبقہ کو مختلف قبیلوں اور قوموں میں تقسیم کیا) اور مجھے ان قبائل میں سے بہترین قبیلہ (قریش) میں پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس بہترین قبیلہ (قریش) کے مختلف گھرانے بنائے اور مجھے ان

گھرانوں میں سے بہترین گھرانے (بنو ہاشم) میں پیدا کیا، پس میں ان (تمام نوع انسانی اور تمام اہلِ عرب) میں ذات وحسب کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر واعلیٰ ہوں اور خاندانی وگھرانے کے اعتبار سے بھی سب سے اونچا ہوں۔"

تشریح...... رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی نسلی ،نسبی اور خاندانی عظمت وفضیلت کا اظہار کرکے گویا یہ واضح کیا کہ خدا کا آخری نبی بننے اور خدا کی آخری کتاب پانے کا سب سے زیادہ مستحق میں ہی تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکمت الٰہی اس کا لحاظ رکھتی تھی کہ مرتبہ نبوت ورسالت پر فائز ہونے والی ہستی حسب اور خاندان کے اعتبار سے بلند درجہ اور عالی حیثیت ہو، لیکن انبیاء کی ذات کے لئے حسب ونسب کی عظمت وبرتری کا لازم ہونا کوئی بنیادی چیز نہیں ہے، اس کا تعلق محض ان لوگوں کے خلاف اتمام حجت سے ہے جو حسب ونسب کی بڑائی اور خاندانی وجاہت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، جیسا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت جاہل اور بیوقوف کفار کہا کرتے تھے کہ اگر خدا کی آخری کتاب قرآن کو نازل کیا جانا تھا اور نبوت ورسالت قائم کی جانی تھی تو اس کے لئے عرب کے بڑے سرداروں میں سے کسی کا انتخاب کیوں نہیں کیا گیا! ورنہ جہاں تک نفس نبوت کا تعلق ہے وہ خود اتنا بڑا شرف ہے جس کے سامنے کسی بھی طرح کی بڑی سے بڑی وجاہت اور عظمت بے حیثیت چیز ہے، اس کا حصول نہ حسب ونسب کی عظمت وبلندی پر موقوف ہے اور نہ کسی اور سبب وذریعہ پر، بلکہ محض خدا کا فضل ہے کہ اس نے جس کو چاہا اس شرف ومرتبہ کے لئے منتخب فرمایا، قرآن کریم میں ارشاد ہے: اللّٰہ اعلم حیث یجعلُ رسالته اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کے لئے کس کو منتخب کرے ایک اور موقع پر فرمایا و اللّٰہ یختص برحمته منْ یّشاء و اللّٰہ ذو الفضل العظیم. اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے، مخصوص فرمالیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کرنے والے ہے، وکان فضل اللّٰہ عظیماً. "اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم کو اپنی کتاب اور علم ونبوت عطا کرکے بڑے فضل سے نوازا۔

(بحوالہ مظاہر حق جلد پنجم)

خصوصیت نمبر ۷۹

رسولِ اکرم ﷺ کا تعارف خود اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتے ہیں

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اناسی نمبر خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کا تعارف خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں فرمایا'' بیشک ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کا تعارف خود اپنے کلام میں فرمایا، جبکہ دیگر انبیاءؑ کو بھی کتابیں ملی لیکن دیگر انبیاء کرامؑ کا تعارف اس قدر تفصیل سے آسمانی کتابوں میں نہیں ملتا، جتنا کہ ہمارے نبی ﷺ کے تعارف کی تفصیل اللہ کی آسمانی کتاب قرآن کریم میں ملتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ خصوصیت صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کا خاصہ ہے، جیسا کہ تفصیل آپ آنے والے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے، جسکا مطالعہ انشاء اللہ آپ کے لئے ایمان میں اضافے کا سبب اور ذریعہ بنے گا کیونکہ یہ ہمارا ایمان ہے کہ ہماری نجات اور فلاح صرف اور صرف اپنے نبی ﷺ کے دامن سے وابستہ ہے، بے شک جس کے دل میں نبی ﷺ کی محبت ہوگی وہ کامیاب ہوگا اور جس کا دل نبی ﷺ کی محبت سے خالی ہوگا تو وہ دل سب سے ویران اور بنجر ہوگا، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور انکی تمام سنتوں پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

اناسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت کو سب سے زیادہ مستند انداز میں جس کتاب میں بیان کیا گیا ہے وہ قرآن حکیم ہے، ''قرآن کریم کی یہ ہزاروں آیتیں

درحقیقت سیرتِ مقدسہ کے عملی اور تعارفی ابواب ہیں اور سیرت کے یہ ہزاروں گوشے آپ ﷺ کے علمی پہلو ہیں۔ پس قرآن مجید میں جو چیز قال ہے وہی ذاتِ نبوی میں حال ہے اور جو قرآن کریم میں نقوش ودوال ہیں وہی ذاتِ اقدس میں سیرت واعمال ہیں۔ اس لئے سیرت سے تو قرآن کی عملی صورتیں متشخّص ہوتی ہیں، اور قرآن سے سیرت کی علمی جہتیں کھلتی ہیں۔ اس قرآن حکیم کے مختلف مضامین سے اپنی اپنی نوعیت اور مناسبت کے مطابق سیرت کے مختلف الانواع پہلو ثابت ہوتے ہیں۔ قرآن میں ذات وصفات کی آیتیں رسولِ اکرم ﷺ کے اعمال، تکوین کی آیتیں آپ کا استدلال اور تشریع کی آیتیں آپ ﷺ کا حال ہیں، قصص وامثال کی آیتیں آپ ﷺ کی عبرت، تذکیر کی آیتیں آپ ﷺ کی موعظت، خدمتِ خلق کی آیتیں آپ ﷺ کی عبرت، حق کی کبریائی کی آیتیں آپ ﷺ کی ہیبت اور اخلاق کی آیتیں آپ ﷺ کا حسن معیشت ہیں، معاملات کی آیتیں آپ ﷺ کا حسن معاشرت، توجہ الی اللہ کی آیتیں آپ ﷺ کی خلوت اور تربیتِ خلق اللہ کی آیتیں آپ ﷺ کی معلومات ہیں، قہر وغلبہ کی آیتیں آپ ﷺ کا جلال ہیں اور مہر رحمت کی آیتیں آپ ﷺ کا جمال ہیں، تجلّیاتِ حق کی آیتیں آپ ﷺ کا مشاہدہ ہیں، ابتغاء وجہ اللہ کی آیتیں آپ ﷺ کا مراقبہ، ترکِ دنیا کی آیتیں آپ ﷺ کا مجاہدہ اور احوالِ محشر کی آیتیں آپ ﷺ کا محاسبہ ہیں، منفی غیر کی آیتیں آپ ﷺ کی فنائیت ہیں اور اثباتِ حق کی آیتیں آپ ﷺ کی بقائیت ہیں، اَنا اور اَنتَ کی آیتیں آپ ﷺ کا شہود ہیں، اور ھُوَ کی آیتیں آپ ﷺ کی غیبت ہیں، نعیم جنت کی آیتیں آپ ﷺ کا شوق ہیں اور جہنم کی آیتیں آپ ﷺ کا ہم وغم ہیں، رحمت کی آیتیں آپ ﷺ کا رجاء ہیں، عذاب کی آیتیں آپ ﷺ کا خوف، انعام کی آیتیں آپ ﷺ کا سکون وانس ہیں اور انتقام کی آیتیں آپ ﷺ کا حزن، حدود وجہاد کی آیتیں آپ ﷺ کا بغض فی اللہ ہیں اور امن وترحم کی آیتیں آپ ﷺ کا حُب فی اللہ ہیں، نزولِ وحی کی آیتیں آپ ﷺ کا عروج ہیں اور تعلیم وتربیت کی آیتیں آپ ﷺ کا نزول، تنفیذِ اوامر کی آیتیں آپ ﷺ کی خلافت ہیں اور خطابت کی آیتیں آپ ﷺ کی عبادت وغیرہ وغیرہ۔

غرض کسی بھی نوع کی آیت ہو وہ آپ کی کسی نہ کسی پیغمبرانہ سیرت اور کسی نہ کسی مقام کی تعبیر ہے اور آپ ﷺ کی سیرت اس کی تفسیر، جس سے سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کے اس زرّیں قول کی معنویت اور صداقت سمجھ میں آتی ہے "وکانَ خُلُقُهُ القرآن۔"

ہم میں جب قرآن سے آپ ﷺ کے نام مبارک کے بارے میں پوچھتے ہیں تو ہمیں تو ہمیں قرآن آپ کا نام محمد بتاتا ہے "محمدٌ رّسُول الله" ہمیں قرآن آپ کا نام احمد بتاتا ہے "اسمُهٗ أحمد" ہمیں قرآن آپ کے صفاتی نام شاهدٌ، مُبشّر، نذیر، داعی اِلی الله اور سراج منیر بتاتا ہے "یآاَیها النبی انّا أرسلنٰکَ شاهداً وّمُبَشِراً وّنَذِیراً وداعِیاً اِلَی الله بِاِذْنِهٖ وسِراجاً مُّنیراً." ہمیں قرآن آپ کا نام مُدّثّرُ اور مُزّمّلُ بتاتا ہے "یآاَیُّهَا المُزَّمِّل .یآاَیُّهاَ المُدَّثِّر". ہمیں قرآن آپ کا نام رحمةٌ العٰلَمِین بتاتا ہے، ہمیں قرآن آپ کا نام خاتم النبیین بتاتا ہے، ہمیں قرآن آپ کا نام نُورٌ اور بُرهان بتاتا ہے۔

یوں تو قرآن مجید نے ہمارے حضور ﷺ کو مصطفیٰ بھی کہا ہے رسول بھی کہا، النبی والرسول بھی کہا لیکن عجیب بات ہے کہ جہاں جہاں رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت وفضیلت کو ظاہر کرنا مقصود تھا، اور جہاں رسولِ اکرم ﷺ کے مقام اور مرتبہ کی بلندی بتانا مقصود تھی وہاں رسولِ اکرم ﷺ کے "عبد" ہونے کو نمایاں کیا گیا مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے منکرین کو چیلنج دیا تو وہاں رسول یا نبی کے بجائے رسولِ اکرم ﷺ کی عبدیت ہی کو ذکر کیا گیا۔ وَاِنْ کُنْتُمْ فِی رَیبٍ مّمَّا نَزَّلْنَا علٰی عبدِنَا فأتُوا بِسُورَةٍ مّنْ مّثْلِهٖ.

اسی طرح جب واقعہ معراج کا تذکرہ کیا گیا جو کہ انسانی تاریخ کا انتہائی بے مثال اور عظیم الشان واقعہ ہے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے نہ رسولِ اکرم ﷺ کے رحمۃ العلمین ہونے کا ذکر کیا، نہ شفیع المذنبین ہونے کا ذکر کیا، نہ ہی سید الاولین والآخرین ہونے کا ذکر کیا، نہ ہی بشیر ونذیر اور سراج منیر ہونے کی صفت کا ذکر کیا بلکہ رسولِ اکرم ﷺ کے عبد ہونے ہی کا ذکر فرمایا سُبحٰنَ الذی أسریٰ بِعَبْدِهٖ لیلاً مِّنَ المسجِدِ الْحَرامِ اِلی الْمَسْجِدِ

الأقصٰی. (بنی اسرائیل ع ۱)

پھر جب سفرِ معراج میں رسولِ اکرم ﷺ کے خصوصی تقرب کو بیان فرمایا تو اس میں بھی عبد ہی سے موسوم کیا فاوحٰی الٰی عبدہٖ ما اوحٰی (النجم ع ۱)

رسولِ اکرم ﷺ پر کتاب مقدس کے نزول کا ذکر فرمایا تو وصف عبدیت ہی کو ترجیح دی گئی۔ فرمایا الحمدُ للہِ الّذی انزلَ علٰی عبدِہِ الکتابَ. (الکہف ع ۱)

نماز میں تشہد پڑھنے کا حکم دیا گیا تو اس میں بھی عَبْدُہٗ کا ذکر فرمایا اَشھدُ اَنَّ مُحمّداً عبدُہٗ ورسُولہٗ. اس کی وجہ یہ ہے کہ یوں تو آپ مصطفیٰ بھی تھے، مجتبیٰ بھی تھے، طاہر بھی تھے، مطہر بھی تھے، مزکی بھی تھے، مزمّل بھی تھے، بشیر بھی تھے، نذیر بھی تھے طٰہٰ بھی تھے، یٰسین بھی تھے۔ سراجِ منیر بھی تھے، لیکن رسولِ اکرم ﷺ کا سب سے بڑا کمال اور رسولِ اکرم ﷺ کی سب سے بڑی فضیلت یہ تھی کہ رسولِ اکرم ﷺ "عبدہ" تھے، مالک حقیقی کا بندہ ہونا اور اس کی بندگی میں فنا ہونا انسان کی عظمت کا نمایاں سبب ہے اور پھر جسے خود اللہ کہہ دے کہ یہ میرا بندہ ہے اس کی عظمت وفضیلت کی کوئی انتہا نہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کے نام کے سلسلے میں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ رب کریم نے یوں تو آپ کے نام محمد کو قرآن حکیم میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے لیکن پورے قرآن میں ایک مرتبہ بھی آپ کو "یا محمد" کہہ کر مخاطب نہیں فرمایا حالانکہ دیگر انبیاء کو یاآدمُ کہہ کر، یانُوحُ کہہ کر، یاابراھیمُ کہہ کر، یامُوسیٰ کہہ کر، یاعیسیٰ کہہ کر یٰزکریّا کہہ کر یایَحییٰ کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ مگر ہمارے حضور ﷺ کو یا محمد ﷺ کہہ کر خطاب نہیں کیا گیا حالانکہ مالکِ حقیقی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے کسی بھی بندے کو کسی بھی انداز میں خطاب فرمائے، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا مگر کتنے تعجب کی بات ہے کہ آپ کے امتی اور آپ ﷺ کے عشق کے دعویدار چیخ چیخ کر رسولِ اکرم ﷺ کو یا محمد ﷺ کہہ کر پکارتے ہیں۔

اور ہم جب قرآن سے رسولِ اکرم ﷺ کے نسب کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو قرآن میں سب سے پہلی بات تو یہ بتاتا ہے کہ آپ ﷺ یتیم تھے "الم یجدک یتیماً

فـاوٰی" جو یتیم ہو جاتا ہے وہ عام طور پر تربیت سے محروم ہونے کے سبب بگڑ جاتا ہے لیکن فاوٰی کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اگر چہ رسولِ اکرم ﷺ یتیم تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کی تربیت و پرورش کے دوسرے انتظامات کر دیئے تھے، بلکہ حقیقت تو کچھ یوں نظر آتی ہے کہ ظاہری سہاروں سے آپ ﷺ کو عمداً محروم رکھا گیا، والد کے سہارے سے محروم کر دیا گیا، والدہ کا سایہ اٹھالیا گیا، دادا کی شفقت بھی کچھ زیادہ عرصہ رسولِ اکرم ﷺ کو حاصل نہ رہی علماء کہتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ عام طور پر لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ اولاد کے کمالات کو والدین اور بزرگوں کی طرف منسوب کرتے ہیں، تلامذہ کے کمالات کو اساتذہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر رب کریم کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ کے علمی، اخلاقی کمالات کو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف منسوب کیا جائے، بلکہ دنیا والے تسلیم کر لیں کہ یتیمِ مکہ کی تربیت نہ تو والد نے کی نہ والدہ کی، نہ دادا نے کی بلکہ رسولِ اکرم ﷺ کی ذہنی اور فکری تربیت براہِ راست ربُّ العٰلمین نے کی آپ ﷺ نے کسی استاذ سے علوم نہیں سیکھے، بلکہ بلکہ آپ ﷺ کے سینے کو خود علّام الغیوب نے علوم سے منوّر کیا، حضور ﷺ کے نسب کے سلسلے میں قرآن دوسری بات ہمیں یہ بتاتا ہے کہ آپ کا نسبی تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تھا اور رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کی دعائیں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت کی تھیں۔

وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَـآ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّکَ. رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِکَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَيُزَکِّيۡهِمۡ. (البقرہ۔ع ۱۵)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہماری اولاد میں سے ایک ایسی امت پیدا کر دے جو تیری فرمانبردار ہو اور ہماری امت کے اندر انہی میں سے ایک پیغمبر بھی پیدا کر دے جو ان لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا رہے اور ان کو پاک کر دے۔

آپ کی بعثت کی دعائیں تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کی

تھیں اور آپ ﷺ کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چھ سو سال پہلے سنا دی تھی۔

اِذْقَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُم مُصَدِّقاً لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرَاۃِ وَمُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِاسْمُہٗ اَحْمَدُ. (الصف، ع ۱)

ترجمہ..... یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں، تصدیق کرنے والا توراۃ کی جو مجھ سے پیشتر ہے اور بشارت سنانے والا ہوں اس کی جو میرے بعد آنے والا ہے، اس کا نام احمد ہوگا۔

بلکہ حضرت موسیٰ کی تورات میں بھی رسول اکرم ﷺ کا تذکرہ تھا

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْباً عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ. (الاعراف، ع ۹)

ترجمہ..... جو لوگ اس امی نبی و رسول کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تورات اور انجیل میں۔

اور اسی طرح جب ہم قرآن سے رسول اکرم ﷺ کے وطن کے بارے میں پوچھتے ہیں تو قرآن بتاتا ہے کہ آپ ﷺ کا وطن وہ ہے جہاں آپ ﷺ کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جگر گوشہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بسایا تھا وہ جگہ اس وقت بے آباد تھی، پھر وہ پوری دنیا کی آبادی کا ذریعہ بن گئی، وہ جگہ اس وقت بے نور تھی لیکن پوری دنیا میں نور پھیلانے کا سبب بن گئی۔ وہاں اس وقت زندگی کا کوئی سامان نہیں تھا، لیکن پھر سارے عالم کو زندگی کا سامان وہیں سے ملا، ہدایت ملی تو وہیں سے ملی، نور ملا تو وہیں سے ملا، محبت ملی تو وہیں سے ملی، انسانیت ملی تو وہیں سے ملی، کلام اللہ ملا تو وہیں سے ملا، بیت اللہ ملا تو وہیں سے ملا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بے آب و گیاہ جنگل میں بیوی بچے کو چھوڑتے ہوئے بڑے الحاح اور آہ وزاری کے ساتھ دعا کی تھی۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ

الثَّمَراتِ لَعَلَّهُم يَشْكُرُونَ.

ترجمہ......اے ہمارے پروردگار میں نے بسایا ہے اپنی اولاد کو ایک بے فصل وادی میں تیرے محترم گھر کے قریب اے ہمارے پروردگار یہ اس لئے کہ وہ نماز قائم کریں تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف پھیر دے اور ان کو پھلوں کا رزق دے تا کہ وہ لوگ شکر گزار ہوں۔

غرض یہ کہ قرآن ہمیں ہمارے حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مختلف ابواب سُنا تا ہے، حضور ﷺ کے فضائل و خصائص بتاتا ہے، حضور ﷺ کے جان نثاروں کا پتہ دیتا ہے حضور ﷺ کے دشمنوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ حضور ﷺ کے معجزات بیان کرتا ہے، حضور ﷺ کی خانگی اور ازدواجی زندگی کے مدّ و جزر سے پردہ اٹھاتا ہے۔ سیدہ عائشہؓ نے یونہی نہیں کہہ دیا تھا کان خُلقه القرآن بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ قرآن نے ہمارے آقا ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ہر گوشے کو بیان کیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اکرم ﷺ کو تنبیہ ہوئی تو قرآن نے اسے بھی ذکر کر دیا ہے، اور یہ قرآن کی حقانیت اور ہمارے آقا کی صداقت کی دلیل ہے اگر معاذ اللہ قرآن خود ساختہ کلام ہوتا تو اس میں وہ آیتیں نہ ہوتیں جن میں رسولِ اکرم ﷺ کو تنبیہ کی گئی ہے۔ چنانچہ اب ذیل میں ایسی ہی تنبیہات ذکر کی جارہی ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تو تنبیہ ہوئی مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُونَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الأرض .تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنيا ،واللهُ يُرِيدُ الأخرةَ واللهُ عزيزٌ حكيمٌ. (الانفال ع ۵)

ترجمہ: نبی کے شان کے لائق نہیں کہ اس کے قیدی (باقی) رہیں جب تک وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی نہ کر لے تم لوگ دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے) لئے آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست قوت وحکمت والا ہے۔

حضور ﷺ نے عبداللہ بن اُبی بن سلول کی نماز جنازہ پڑھ لی تو فرمایا گیا: اِستَغفِرلَهُم

أَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُم .اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُم سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَهُم . (التوبہ ع ١٦)

ترجمہ: آپ ﷺ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں جب بھی اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔

رسولِ اکرم ﷺ نے عبداللہ بن ام مکتوم ؓ سے مصلحت کی خاطر تھوڑا سا اعراض کیا تو یہ آیات نازل ہوگئیں: عبسَ و تولّٰی .اَنْ جآءَهُ الاَعْمٰی .وَما يُدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی .أَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی .فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی .وَما عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكّٰی .وَاَمَّا مَنْ جآءَكَ يَسْعٰی .وهُوَ يَخْشٰی .فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی . (عبس۔ع ١)

ترجمہ: چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیرلیا، اس بات پر کہ ان کے پاس نابینا آیا، آپ کو کیا خبر شاید کہ وہ سنور ہی جاتا یا نصیحت قبول کر لیتا اور نصیحت کرنا اس کو فائدہ پہنچاتا، جو شخص (دین سے) بے پروائی کرتا ہے آپ ﷺ ان کی تو فکر میں پڑ جاتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ نہ سنورے۔ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے، اور وہ ڈر رہا ہوتا ہے، تو آپ ﷺ اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔

اور اسی طرح قرآن رسولِ اکرم ﷺ کے غزوات اور محاربات کا حال بھی بیان کرتا ہے رسولِ اکرم ﷺ بدر میں جاتے ہیں تو قرآن واضح کرتا ہے: فَلَمْ تَقْتُلُوهُم وَلٰكِنَّ اللهَ قَتَلَهُم وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰی (الانفال ع ٢) ترجمہ: (ان دشمنوں کو) آپ لوگوں نے نہیں مارا بلکہ اللہ نے مارا، آپ ﷺ نے پتھر نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔ رسولِ اکرم ﷺ اُحد تشریف لے جاتے ہیں تو قرآن یوں منظر کشی کرتا ہے: وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. (آل عمران: ع ١٣)

ترجمہ: وہ وقت یاد کیجئے جب ایک صبح آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے پاس سے نکلے مسلمانوں کو قتال کے لئے مناسب مقام پر لے جاتے ہوئے اور اللہ بہت سننے والا اور جاننے والا ہے۔ غزوہ احد پیش ہوا تو قرآن نے اللہ کی غیبی مدد کا یوں ذکر کیا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُم اِذْ جَآءَتْكُم جُنُودٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِم رِيحًا وَّجُنُودًا

لَمْ تَرَوْهَا وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْراً. (التوبۃ: ع ۴)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب کئی کئی لشکر تمہارے اوپر آئے تھے پھر ہم نے ان پر آندھی اور ایسے لشکر بھیجدیئے جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور اللہ تمہارے عمل کو دیکھ رہا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے بیعتِ رضوان کی تو قرآن نے اس کا حال اپنے مقدس اوراق میں محفوظ کرلیا۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيْباً. ترجمہ: اللہ راضی ہوگیا مومنوں سے جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے، جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اور انہیں قریب ہی وقت میں فتح عنایت کی۔

آپ ﷺ حدیبیہ سے واپس پلٹتے ہیں تو آپ ﷺ کو فتح مکہ کی بشارت سنائی جاتی ہے: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيْناً. قرآن نے غزوہ حنین کے متعلق فرمایا: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ. ترجمہ: اور اللہ نے یقیناً بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن بھی

اور اسی طرح آپ ﷺ قرآن نے صرف آپ ﷺ اور آپ کے نسب، خاندان، وطن اور محاربات ہی کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ قرآن ہمیں آپ کے خصائل وشمائل اور عادت ومزاج کے بارے میں بھی بتاتا ہے، فرمایا: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران ع ۱۷) ترجمہ: اللہ ہی کی رحمت ہے، کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے حق میں نرم ہیں اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم ع ۱)

ترجمہ...... اے پیغمبر آپ اخلاق کے عظیم پیمانے پر ہیں۔

قرآن بتلاتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو انسانیت کی تباہ حالی اور ضلالت وگمراہی پر اس قدر غم تھا ان کے ایمان نہ لانے پر شدتِ غم کی وجہ سے آپ ﷺ جان ہی دے دیں گے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ. (الشعراء ع ۱) ترجمہ: شاید کہ آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے پر جان دے دیں گے۔ اسی طرح قرآن رسولِ اکرم ﷺ کے

آداب بھی بتاتا ہے یٰٓاَ یُّھا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ (حجرات ع۱) ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو نہ اس طرح کھل کر جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہیں کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

فرمایا میرے نبی ﷺ کو پکارنا ہو تو ادب سے پکارو، بے ادبی کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ اِنَّ الَّذِینَ یُنَادُونَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (الحجرات ع۱) ترجمہ: بے شک جو لوگ آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔

یہ بھی بتادیا کہ ایسا کوئی لفظ استعمال نہ کرو جس سے میرے نبی کی بے ادبی کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ یٰٓاَ یُّھا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تَقُوْلُوا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا. (البقرہ ع۱۳)

اگرچہ راعِنا کا ایک مفہوم اچھا بھی ہے مگر چونکہ اس میں بے ادبی کا بھی ایک پہلو تھا اس لئے اس لفظ کے بولنے سے ہی منع فرمادیا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایسی متعدد آیات ہیں جن میں آپ ﷺ کے دشمنوں کو جوابات دیئے گئے ہیں اور ان کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے۔ عبداللہ بن ابی نے جب غزوۂ مریسیع سے واپسی پر اپنے غیظ وغضب کے اظہار کے لئے حضور ﷺ کی پیٹھ پیچھے بعض صحابہؓ کے سامنے یہ کہا کہ مدینہ واپسی پر عزت والا (ابن ابی) ذلیل (معاذ اللہ رسولِ اکرم ﷺ مراد تھے) کو نکال دے گا، تو ربّ کریم نے فرمایا: وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِینَ وَلٰکِنَّ الْمُنَافِقِینَ لَا یَعْلَمُوْنَ. (المنافقون ع۱)

ترجمہ: عزت تو بس اللہ اور اس کے رسول اور اس کے مؤمنین کی ہے البتہ منافقین اس کو نہیں جانتے۔

آپ سے یہ بات مخفی نہیں ہوگی کہ رسولِ اکرم ﷺ کے صاحبزادے بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے اور اس پر عاص بن وائل اور عقبہ بن ابی معیط جیسے ازلی بدبختوں نے خوب بغلیں بجائی تھیں اور آپ ﷺ کو ابتر یعنی بے نسل ہونے کا طعنہ دیا تھا یعنی نہ آپ ﷺ کی

نسل آگے چلے گی نہ آپ ﷺ کا دین باقی رہے گا رب محمد ﷺ نے جواب میں فرمایا: اِنَّـــا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرْ. ترجمہ: ہم نے تجھ کو دی کوثر۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر۔ بے شک جو بیری تیرا وہی رہا پیچھا کٹا۔

اس سورۃ میں بتا دیا گیا کہ آپ کے نام کو کوئی نہیں مٹا سکے گا آپ ﷺ کی روحانی اولاد دنیا کے ہر گوشے میں آباد ہوگی، آپ ﷺ کا نام ہر شہر اور ہر بستی میں بسایا جائے گا مگر آپ کے دشمنوں کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ کسی کو جرأت نہ ہوگی کہ وہ ان کی طرف اپنی نسلی اور نسبی تعلق کا اظہار بھی کر سکے۔

اسی طرح جب بدبخت ابولہب نے کوہِ صفا کے دامن میں کھڑے ہو کر نفرت وحقارت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: (تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے ہمیں اس لئے بلایا تھا) تو اس موقعے پر آپ ﷺ خاموش رہے مگر ربِّ محمد نے انتہائی جلالی انداز میں ابولہب کو ڈانٹ پلائی۔ فرمایا: تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ. مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ. سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَأَتُهُ. حَمَّالَةَ الْحَطَبِ. فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ. ترجمہ: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہوا، اس کے مال نے اور جو کچھ اس نے کمایا اس کو نفع نہ دیا عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑے گا اور اس کی بیوی بھی لکڑیاں لاد کر لانے والی اس کی گردن میں ایک رسّی ہوگی خوب بٹی ہوئی۔

حقیقت میں رب محمدؐ اپنے برگزیدہ نبی کے دفاع میں بڑا حساس ہے بعض اوقات تو دشمنان رسول کے ساتھ ایسا جلالی انداز اختیار فرمایا ہے کہ تعجب ہوتا ہے کہ وہ رحمٰن ورحیم آقا جو اپنے غضب پر اپنی رحمت کو غالب رکھتا ہے اس کا کلام حضور ﷺ کے دشمنوں اور گستاخوں کے بارے میں آتشیں ہو جاتا ہے۔

ولید بن مغیرہ نے جب حضور ﷺ کے ساتھ گستاخانہ رویہ اختیار کیا تو جبار وقہار رب

نے نوسنگین دفعات اس پر قائم فرمائے ارشاد فرمایا: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ. هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ. مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ. عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ. أَنْ كَانَ ذَامَالٍ وَّبَنِينَ. إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ. سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ. (القلم)

ترجمہ: آپ ایسے شخص کا کہانہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہے، ذلیل ہے، طعنہ باز ہے، چلتا پھرتا چغل خور ہے، نیک کام سے روکنے والا ہے حد سے گزرنے والا ہے، سخت گنہگار ہے، سخت خُو۔ اس کے علاوہ بدنسب بھی ہے باوجود اس کے کہ وہ مال والا اولاد والا ہے جب ہمارے آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ پہلوں کی خرافات ہیں ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگادیں گے۔

اور تو اور جب حضور ﷺ کی حرم کے کردار پر انگشت نمائی کی گئی تو ان کی برأت اور کردار کی تطہیر کے لئے سترہ آیات نازل فرمادیں۔ اسی طرح اور ایسی آیات سے تو کلام اللہ بھرا پڑا ہے جن میں حضور ﷺ کی شان اور نعت بیان کی گئی ہے جن آیات میں آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے وہ نعت ہیں۔ جن آیات میں آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے وہ آپ ﷺ کی نعت ہیں۔ جن آیات میں آپ ﷺ کی رسالتِ عام کا ذکر ہے ان میں آپ ﷺ کی نعت ہے۔ جن آیات میں آپ ﷺ کو نور اور بُرہان قرار دیا ہے وہ آپ ﷺ کی نعت ہیں۔ جن آیات میں آپ ﷺ کی بیعت کو اللہ کی بیعت قرار دیا گیا ہے وہ آپ ﷺ کی نعت ہیں جن آیات میں رسولِ اکرم ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم ہے وہ آپ ﷺ کی نعت ہیں۔ سورۂ یٰسین میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ نون میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ مزمل میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ ضحیٰ میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ الانشراح میں آپ ﷺ کی نعت ہے، سورۂ کوثر میں آپ ﷺ کی نعت ہے۔ بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ قرآن، صاحب قرآن کے ذکر خیر سے بھرا پڑا ہے اگر قرآن کو سمجھنا ہے تو صاحب قرآن کو سمجھئے اور اگر صاحب قرآن کو سمجھنا ہے تو قرآن سمجھئے، اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں کو سمجھنے کی اور اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین

خصوصیت نمبر ۸۰

رسولِ اکرم ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے اسّی نمبر خصوصیت بعنوان ''رسولِ اکرم ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے'' شروع کی جارہی ہے، اور دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں صاحب خصوصیت حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے مقدس اور قابلِ احترام روضہ مبارک کے سامنے بیٹھا ہوں اور روضہ رسول ﷺ کی مقدس جالیاں میرے سامنے ہیں، دل کانپ رہا ہے کہ کہیں کوئی گستاخی نہ ہو جائے لیکن حضور ﷺ کی محبت میں شوق و ذوق کا تقاضا ہے کہ یہ کام کرنا ہی روضہ رسول ﷺ کے سامنے ہے، سو ڈرتے ڈرتے، اللہ کی ذات سے معافی کی امید کرتے ہوئے حضور ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں اور اللہ کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے اپنے فضل و کرم سے اس نیک کام کرنے کی مزید توفیق دے گا انشاء اللہ۔

'بہرحال محترم قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت کی وسعت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ جن کی رحمت اپنے پرائے سب کے لئے ہے اور تمام جہانوں کے لئے ہے جیسا کہ خود اللہ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ''وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین'' کہ آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، اس میں کوئی شک نہیں کہ دیگر تمام انبیاءؑ بھی رحمت والے نبی تھے، مگر ان انبیاء کرامؑ کی نبوت محدود تھی صرف اپنی امت تک یا صرف اپنے علاقے تک بلکہ صرف انسانوں تک جبکہ ہمارے نبی ﷺ کو اللہ نے جو رحمت عطا فرمائی وہ عام ہے تمام جہانوں کے لئے، تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا مظہر بھی صرف ہمارے رسولِ اکرم ﷺ ہیں، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں گے،

جس تفصیل کو ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں عام فہم انداز میں مکمل وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ کہ شاید اسی کاوش کے صدقے روزِ قیامت ہماری نجات ہو جائے، (آمین)

اسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

رحمۃ العالمین ﷺ کی شانِ رحمت پر ایک نظر

سورۂ توبہ میں ارشاد ہے **لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيكُم بِالمُؤمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيم.** "بلاشبہ تمہارے پاس رسول آیا ہے جو تم میں سے ہے تمہیں جو تکلیف پہنچے وہ اس کے لئے نہایت گراں ہے وہ تمہارے نفع کے لئے حریص ہے، مؤمنین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والا ہے۔"

اور سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے: **وَمَا اَرسَلنَاكَ اِلَّا رَحمَةً لِّلعٰلَمِين** "اور ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا مگر رحمت بنا کر۔"

پہلی آیت میں اللہ جل شانہٗ نے رسولِ اکرم کا رؤف رحیم کے بلند لقب کے ساتھ ذکر فرمایا اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ فرمایا: **انما انا رحمةٌ مُهدَاةٌ** یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف بطور ہدیہ بھیجا گیا ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: **ان اللّٰه تعالیٰ بعثنی رَحمةً للعالمينَ وهُدًى للعالمينَ وأمَرَنى ربى بِمَحقِ المعازِفِ والمَزامِيرِ والأوثانِ والصَّلبِ وأمرِ الجَاهِلِيَّةِ.** "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کی چیزوں کو مٹادوں اور بتوں کو اور صلیب کو جس کی نصرانی پرستش کرتے ہیں اور جاہلوں کے کاموں کو مٹادوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح،

رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت عام ہے آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالَم کفر

شرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا آپ تشریف لائے سوتوں کو جگایا حق کی طرف بلایا۔ اس وقت سے لے کر آج تک کروڑوں انسان اور جنات جنت کے مستحق ہو چکے ہیں ساری دنیا کفر و شرک کی وجہ سے ہلاک اور بربادی کے دہانہ پر کھڑی تھی۔

حضور ﷺ کے تشریف لانے سے دنیا کی زندگی آگے بڑھی اور جب تک دنیا میں اہل ایمان رہیں گے قیامت نہیں آئے گی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک کہ دنیا میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (رواہ مسلم)

یہ اللہ کی یاد حضور ﷺ ہی کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ یہ جو ایک حدیث میں آیا ہے کہ طالب علم کے لئے آسمانوں کے زمین کے رہنے والے حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں اس کی وجہ بھی وہی ہے۔ کہ جب تک علوم نبوت اور اس کے مطابق اعمال دنیا میں موجود ہیں اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی، (مشکوٰۃ المصابیح)

لہٰذا آسمان کے درمیان کی چیزیں سمجھتی ہیں، کہ چونکہ ہماری بقا ان علوم و اعمال کے وجود سے ہے اگر یہ نہ ہو تو قیامت آجائے اس لئے ہمیں دینی علوم کے طلباء کے لئے دعا کرنی چاہیے ایک حدیث میں ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پوچھتا ہے کہ کیا آج تیرے اوپر کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو، اگر وہ پہاڑ جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ایک ایسا شخص گذرا تھا یہ جواب سن کر سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے (ابن الجزری فی الحصن الحصین)

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایک شخص ایک پہاڑ پر گذرا اور دوسرے پہاڑ کو یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ عموماً مومن بندے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے عالم کی بقا ہے۔

مجموعہ عالم میں آسمان زمین، چرند پرند، چھوٹے بڑے حیوانات اور جمادات سب ہی ہیں قیامت آئے گی تو کچھ بھی نہیں رہے گا سب کی بقا اہل ایمان کی وجہ سے ہے اور ایمان کی دولت حضور ﷺ سے ملی ہے۔ اسی اعتبار سے حضور ﷺ کا رحمۃ اللعالمین ہونا ظاہر ہے۔

اور اس اعتبار سے بھی حضور ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں کہ حضور

ﷺ نے ایمان اور اعمال کی دعوت دی جن کی وجہ سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ اور آخرت میں بھی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے رحمت ہے جو لوگ رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان نہیں لائے انہوں نے رحمت سے فائدہ نہیں اٹھایا جیسا کہ نابینا آدمی کو آفتاب کے طلوع ہونے سے روشنی کا فائدہ نہیں ہوتا۔ روشنی سے نابینا کا محروم ہونا سورج کے تاریک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

آپ ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں وہ اس طرح کہ آپ ﷺ سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں جب اسلام قبول نہیں کرتیں تھی تو ان پر عذاب آجاتا تھا اور نبی ہی کی موجودگی میں ہلاک کر دی جاتی تھیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کا اس بات سے بھی مظاہرہ ہے کہ عمومی طور پر سب ہی منکرین اور کافرین ہلاک ہوجائیں ایسا نہیں ہے۔ آخرت میں کافروں کو کفر کی وجہ سے جو عذاب ہوگا۔ وہ آخرت سے متعلق ہے۔ دنیا میں سارے ہی کفار ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہلاک ہوجائے ایسا نہیں ہوگا۔

دنیا میں آپ ﷺ کو کیسی کیسی تکلیفیں دی گئیں اور کس کس طرح ستایا گیا۔ حضور ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ، آپ ﷺ نے ہمیشہ رحمت ہی کا برتاؤ کیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ مشرکین کے لئے بددعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اِنی لَم اُبعَثُ لَعَّانًا اِنَّمَا بُعِثتُ رَحمۃً. ”میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“

حضور ﷺ طائف تشریف لے گئے وہاں دین حق کی دعوت دی، وہ لوگ ایمان نہ لائے اور آپ کے ساتھ بدخلقی کا بہت بُرا برتاؤ کیا، پہاڑوں پر مقرر فرشتہ نے خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ ﷺ فرمائیں تو ان لوگوں کو پہاڑوں کے بیچ میں کچل دوں، حضور ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں کرنا میں امید کرتا ہوں کہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کریں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

سورۂ توبہ کی جو آیت اوپر ذکر کی گئی ہے، اس میں رسولِ اکرم ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ "یعنی امت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ ﷺ کو شاق گزرتی ہے، اور آپ ﷺ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔" حَرِيصٌ عَلَيْكُم "حضور ﷺ امت کے نفع کے لئے حریص ہیں۔"

اہل ایمان کو اعمال صالحہ سے بھی متصف دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور یہ بھی حریص ہے کہ ان کے دنیاوی حالات درست ہو جائیں۔ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔

حضور ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ رافت اور رحمت کا تعلق ہے۔ حضور ﷺ کا تعلق صرف اتنا نہیں تھا کہ بات کر کے بے تعلق ہو جاتے، آپ ﷺ کا اپنی امت سے قلبی تعلق تھا۔ ظاہراً بھی آپ ﷺ ان کے ہمدرد تھے اور باطناً بھی، امت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ ﷺ بھی شریک ہوتے تھے، اور جس کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی آپ ﷺ کو بھی اس سے کڑھن ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے باہر سے کوئی آواز آئی اہل مدینہ کو اس سے خوف محسوس ہوا، چند آدمی اس طرف روانہ ہوئے، دیکھا کہ حضور ﷺ پہلے ہی سے اس طرف روانہ ہو چکے تھے۔ یہ لوگ جا رہے تھے تو حضور ﷺ واپس آ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لم تراعو "ڈرو نہیں کوئی فکر کی بات نہیں۔" (صحیح بخاری)

حضرات صحابہؓ میں سے کسی کو کوئی تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لئے فکر مند ہوتے تھے، عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے، دوا بتاتے تھے مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے۔ تکلیفوں سے بچنے کے لئے ان امور سے بچنے کی تعلیم دیتے تھے جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا، اور جن سے انسان کو خود ہی بچنا چاہئے۔ لیکن رسولِ اکرم ﷺ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے۔ اسی لئے رسولِ اکرم ﷺ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

اور حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: "جو شخص ہاتھ دھوئے بغیر اس حالت میں سو گیا کہ

اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اسے کوئی تکلیف پہنچ گئی مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا تو وہ اپنی جان ہی کی ملامت کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہوتو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالے کیوں کہ اسے نہیں معلوم کہ رات کو اس ہاتھ کہاں جاتا ہے؟ ممکن ہے اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس پر زہریلا جانور گذر گیا ہو۔ (بخاری ومسلم)

جوتے پہننے کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیوں کہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہو، جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑے مکوڑوں اور گندی چیزوں، کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے، ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی (رواہ مسلم)

نیز حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: جب چلتے چلتے کسی کے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے یہاں تک کہ دوسرے چپل کو درست کرلے پھر دونوں کو پہن کر چلے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ: ”ایک موزہ پہن کر نہ چلے۔“ (رواہ مسلم)

کیوں کہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ امت کو اسی طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ: جب تک قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو، نہ پشت کرو۔ اور آپ ﷺ نے تین پتھروں سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ”لید اور ہڈی سے استنجا نہ کرو، اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ) اور رسولِ اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے، (مثلاً پکی جگہ نہ ہو جہاں سے چھینٹیں اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ)۔“ (مشکوٰۃ)

''نیز آپ ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا، کیوں کہ اس میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں۔''

اگر کتبِ حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آجائیں گی، جو سراسر شفقت پر مبنی ہیں۔ اسی شفقت کا تقاضا تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ کو یہ گوارہ نہ تھا کہ کوئی بھی مومن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب چاروں طرف روشنی ہوگئی، تو پروانے اس آگ میں آکر گرنے لگے، وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں۔

لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور آگ میں گرتے رہتے ہیں، اسی طرح میں بھی تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو، یعنی جو لوگ گناہ نہیں چھوڑتے وہ اپنے اعمال کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب بنتے ہیں، اور حضور ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی جو خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔'' (رواہ البخاری)

سورۂ آلِ عمران میں حضور ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: **فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ.** ''سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے نرم ہو گئے، اور اگر آپ سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے سو آپ ان کو معاف فرما دیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجئے پھر جب آپ پختہ عزم کر لیں تو اللہ تو کل کیجئے بے شک اللہ توکل کرنے والا شخص اللہ کو محبوب ہیں۔

اللہ جل شانہ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنی رحمت سے ایسا نبی بھیجا جو رحم دل، نرم مزاج اور اخلاق عالیہ سے متصف ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جو شخص نرمی سے محروم

ہوگیا وہ خیر سے محروم ہوگیا۔" (رواہ مسلم)

آیات بالا میں جہاں حضور ﷺ کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رحمت وشفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو صحابہؓ جو حضور ﷺ کے پاس جمع ہیں، جو حضور ﷺ سے محبت کرتے ہیں، وہ حضور ﷺ کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہوجاتے۔ حضور پاک ﷺ کے اخلاق عالیہ میں شفقت اور رحمت کا ہمیشہ مظاہرہ ہوتا رہتا تھا جب کوئی شخص رسولِ اکرم ﷺ سے مصافحہ کرتا تو آپ ﷺ اس کے ہاتھ میں سے اپنے ہاتھ نہیں نکالتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکالنے کی ابتدا کرتا تھا اور جس سے ملاقات ہوتی تھی اس کی طرف سے خود چہرہ نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا رخ پھیر کر جانا چاہتا تو چلا جاتا تھا۔ (مشکوۃ المصابیح)

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ "میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل وعیال سے شفقت کرنے میں آپ ﷺ سے بڑھ کر ہو۔" (رواہ مسلم)

حضرت انسؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ: "میں نے دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی، مجھ سے کبھی نقصان ہوگیا تو مجھے کبھی ملامت نہیں فرمائی، اور اگر حضور ﷺ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت کی، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ رہنے دو اگر کوئی چیز اللہ کے قضا وقدر میں ہے تو وہ ہوکر ہی رہے گی۔" (مشکوۃ المصابیح)

حضور ﷺ رحمۃ للعالمین تھے دوسروں کو بھی رحم کرنے کا حکم فرمایا، ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔ (رواہ البخاری)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "مؤمنین کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور آپس میں محبت اور شفقت کرنے میں ایسا ہونا چاہئے جیسے ایک ہی جسم ہو، جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے، تو سارا ہی جسم جاگتا رہتا ہے، اور سارے ہی جسم کو بخار چڑھ جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

پھر صبر کرنے والوں کی تعریف فرمائی اور فرمایا: وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِينَ الْبَأْسِ. اس میں سختی اور تکلیف کے زمانے میں صبر کرنے والوں کو نیکی اور

تقویٰ والا کام بتایا ہے اور جنگ کے وقت جب کافروں سے مقابلہ ہوا اس وقت جم کر ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنے کو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں شمار فرمایا ہے۔

سورۂ انفال میں فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ''بے شک اللہ تعالیٰ ان کو پسند فرماتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہیں جس میں سیسہ پلایا گیا ہو۔ آخر میں فرمایا: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ. ''کہ یہ حضرات (جن کی صفات اوپر مذکور ہیں) وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان میں سچے ہیں۔ کیوں کہ ایمان قلبی کے ساتھ تقاضوں کو پورا بھی کرتے ہیں اور یہ لوگ تقویٰ والے ہیں کیوں کہ حرام سے بچتے ہیں ، اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں (بحوالہ ''سیرت سرور کونین'' از حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ)

حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کا تفصیلی تعارف

حضرت قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ اپنی مایہ ناز کتاب ''رحمۃ اللعالمین'' میں رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت کو یوں متعارف کراتے ہیں جسے استفادہ عام کے لئے یہاں نقل کیا جاتا ہے، وہ رقم طراز ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ''ہم نے جو تجھے بھیجا ہے عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

دنیا میں ہزاروں نامور اشخاص گزرے ہیں۔ جو آسمانِ شہرت پر روشن انجم ہو کر چمکے ان کے خطبات سے ان کی شخصیتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ کسی کا لقب مہاراجہ ادھیراج ہے۔ کوئی شہنشاہ کہلاتا ہے۔ تو کوئی مہادیو، کوئی تہمتن ، کوئی رومین تلن، کوئی گوپال، کوئی فرزند نور، کوئی یودھاز بمعنی بیدار، کوئی سولہ کلاں سپورن، کوئی چندر بنسی اور کوئی سورج بنسی وغیرہ وغیرہ۔

یہ اور اس جیسے دیگر خطبات اس شخص کی اپنی ذات واوصاف کے متعلق ایک نمایاں

خصوصیت کے مظہر ہیں، لیکن ایسے خطبات سے واضح نہیں ہوتا کہ دنیا بھر کی مخلوقات اس ہستی کو کیا نسب ہے۔

لیکن رحمۃ للعالمین ایسا خطاب ہے جو صرف اسی نسبت اور تعلق کا مظہر ہے جو ممدوح الوصف کو مخلوق کے ساتھ ہے۔

رحمت کے معنی پیار، ترس، ہمدردی، غمگساری، محبت اور خبر گیری ہیں۔ان الفاظ کے معنی اس لفظ کے اندر پائے جاتے ہیں۔کون شخص ہے؟ جو یہ کہ سکتا ہے کہ اسے مندرجہ بالا اخلاق کی کچھ ضرورت نہیں اور وہ ان اوصاف کے فیوض سے مستغنی رہ سکتا ہے، غالباً کوئی بھی ایسا شخص نہیں نکلے گا۔

عالم علمیت کی صفت سے بنا ہے، یعنی وہ ہر ایک شے جس میں نمودار ہونے، ظہور پکڑنے، اپنی ہستی کو نمایاں کرنے اور اپنے وجود کی نمود رکھنے کی قابلیت ہے، وہ لفظ عالم سے موسوم ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔اس لفظ کا استعمال انواع واصناف واجناس کے ممیز کرنے میں اکثر کیا جاتا ہے۔عالم جمادات، عالم نباتات، عالمِ حیوانات، عالمِ علوی، عالمِ سلفی اور جذبات وذہانیات وکوائف کے لئے بھی استعارۃً اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔عالمِ شوق عالم اور شباب وغیرہ۔

الغرض لفظ عالم کا استعمال مخلوق مادی وذہنی تک وسیع ہے۔عالمین صیغہ جمع ہے، اور جملہ علوم پر اس کا احاطہ ہے، اب اندازہ کرو......اس مقصد ہستی کا، جس کا سب سے پیار ہے، جو سب پر ترس کھاتا ہے، جو ہر ایک کا ہمدرد وغمگسار ہے، جس کی محبت عام ہے، جو ہر ایک کی مقتضیات کو اپنی تعلیم سے پورا کر سکتا ہے، جو ہر ایک کو اپنے حقائق سے ہمدرد دوست بنا سکتا ہے اور جس کے فیوض سے مادیات وذہنیات تصورات وتصدیقات کو شادابی ودرستی صحت اور صداقت حاصل ہوتی ہے۔

رب العالمین نے حضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین ﷺ بنا کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ جس طرح پروردگار عالم کی الوہیت عام ہے اور اس کی ربوبیت سے کوئی ایک چیز بھی لاپروا نہیں رہ سکتی ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ کی تعلیمات اور تفہیمات سب کے لئے اور سب کے فائدے کے لئے ہیں اور کوئی شے بھی حضور ﷺ کی رحمت سے خود کو مستغنی ثابت نہیں کر سکتی۔

شاید کسی بے فکرے کو یہ کہہ دینا آسان ہو کہ اسے سورج کی روشنی اور گرمی کی احتیاج نہیں، ایک عالم اور صاحب دماغ کے لئے یہ کہنا دشوار ہے کہ اسے تعلیمات محمدیہ کی مطلقاً حاجت نہیں۔

دنیا اور دنیا کی قومیں غور کریں کہ نبوت محمدیہؐ کے بعد کیوں کر انہوں نے حضور ﷺ کی تعلیمات کا اقتباس بالواسطہ یا بے واسطہ طریق سے کیا ہے اور کیا کیا بھیس بدل بدل کر اس تزین حیات سے خوشہ چینی کی ہے۔

حضور ﷺ کی سیرت پر غور کیجئے، اور حضور ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کا مفہوم اس سیرت سے سمجھنے کی سعی کیجئے۔

۱......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے ۱۴، ۱۵ سال کی عمر میں حرب الفجار کو دیکھا اور اسی وقت سے ایک قوم کا دوسری قوم پر حملہ آور ہونا، اور انسان کا انسان کو شکار غضب و وحشت بنانا، ناپسند فرمایا۔

۲......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کی فطرت سلیمہ اور طینت طیبہ نے حلف الفضول یعنی قبل از نبوت محمدیہؐ مکہ معظمہ میں ایک انجمن قائم کی گئی تھی، جس کے ممبر قسم کھایا کرتے تھے کہ وہ مظلوموں کی امداد کریں گی، عورتوں اور یتامیٰ پر ظلم نہ ہونے دیں گے قتل و غارت گری کے روکنے کی سعی کیا کریں گے۔ اس انجمن میں فضل نام کے کئی ممبر شامل تھے اس لئے اس انجمن کا نام ''حلف الفضول'' ہو گیا تھا۔ اس خلف الفضول کے عہد و پیمان کو مستحکم واستوار بنایا اور ایک شریف النفس کے لئے دادخواہی مظلوموں اور دستگیری مظلوماں، حفاظتِ مسافراں اور اعانت بے چارگاں کے اوصاف کا حاصل کرنا لازم ٹھہرایا۔

۳......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے دشمن کو بھی دوست بنا لینے کی تدبیر سکھائی۔

اِدفَعْ بِالَّتِی هِیَ اَحسَنُ فَاِذَ الَّذِی بَینَکَ وَبَینَهُ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیمٌ.

''برائی کی مدافعت خوبی ونیکی سے کرو، پھر تو تمہاری عداوت والا بھی تمہارا گرم جوش دوست بن جائے گا۔

۴......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے عداوت کرنے والے دشمنوں، حقوق جائز سے محروم کرنے والے دشمنوں اور عبادت سے روکنے والے دشمنوں کیساتھ بھی ہر ایک انتقامی کاروائی کرنے سے اہل ایمان کو روکا، اس وقت جب کہ اہل ایمان میں انتقام لینے کی طاقت وقوت بھی موجود تھی۔ وَلا یَجرِ مَنَّکُم شَنَاٰنُ قومٍ اَنْ صَدُّ و کُم عَنِ المَسجِدِ الحَرَامِ اَنْ تَعتَدُوا . ''اس قوم کا بغض جس نے تمہیں حرمت والی مسجد سے روک دیا تھا۔ اس امت کی طرف کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان سے خلاف انصاف کرنے لگو۔

۵......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے کاہنوں کے ترہب کو، ہندوؤں کے جوگ اور سنیاس کو یہودیوں کے فرقہ لاماساس کو، یونانیوں کے گروہ کلبیہ کو، عیسائیوں کے نن اور منک کو اوران سب کے افسوس ناک اور عبرت خیز نتائج کو دیکھا، اور وَرَھبَا نِیَّۃ ن اِبتَدَ عُوھَا مَاکتَبنٰھَا عَلَیھِم یعنی رہبانیت تو لوگوں کی خودساختہ گھڑت ہے۔ اللہ نے تو اسے انسان کے لئے کبھی مفید نہیں فرمایا: کا فرمان سنایا، اور لارھبانیۃ فی الاسلام ''اسلام میں رہبانیت نہیں'' کے ارشاد سے تمدن اور انسانیت کو تاج امتیاز فرمایا۔

۶......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو یہودیوں کی ایک خاص نسل ہی کے افراد کو اللہ کی برگزیدہ قوم کے لقب سے مخصوص نہیں کرتا۔ جو کاتھولیکوں کی طرح آسمانوں کی کنجیاں شخص واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کر دیتا، جو گنہگار اور بے ہویا کے برہمنوں ہی کو نرگ اور سرگ میں آدم انسانی کے دھکیل دینے کی طاقت کا ٹھیکے دار نہیں بنتا۔ جو چین والوں کی طرح کسی خاص رقبہ میں پیدائش کی بنیاد پر ان کو فرزندان آسمانی کا خطاب عطا نہیں کرتا۔ جو زرتشتیوں اور لاماؤں کی طرح پیروان خاص کے سوا باقی سب پر رحمت وافضال سے بھر پور خزانے بند نہیں کرتا۔

۷......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کی نگاہ میں رومی، یونانی، مصری وسوڈانی سب

مساوی ہیں۔ جس کے دربار میں مدغم سوڈانی بلال حبشی، فیروز خراسانی، سلمان فارسی، صہیب رومی اثامہ نجدی اور عدی طائی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں۔

۸...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو یہود جیسی مخذول و مغضوب قوم کو جسے نہ صرف عیسائیوں نے بلکہ بت پرستوں نے بھی ذلیل و خوار ٹھہرایا تھا، مستقل قوم ہونے کا درجہ عطا فرماتا ہے، اور معاہدات میں ان کو مساویانہ حقوق کے عطیہ سے شادکام فرماتا ہے۔

۹...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو جملہ عیسائی اقوام کی اس وقت حفاظت فرماتا ہے جب کہ دوسری مذہبی کونسل پہلی مذہبی کونسل کو، اور تیسری مذہبی کونسل دوسری مذہبی کونسل کو کفر ولعنت کا تحفہ پیش کرنے کے بعد اپنی مذہبی کاروائی کیا کرتی تھی۔ وہ عیسائیوں کے جان و مال کو اس وقت محفوظ فرماتا ہے، جب کہ مسیح کے جسم ایک روح یا دو روحوں کے ہونے کے مسئلے نے یروشلم اور روما اور مصر میں خون ریزی کو عام کر رکھا تھا۔

۱۰...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کی تعلیم لوتھر کی رہنمائی کرتی ہے، اس کے مخالف اسے خفیہ مسلمان ہونے کا الزام بھی لگاتے ہیں، مگر رحمۃ للعالمین کے فیوض سے استفاضہ کرنے میں نہیں جھجکتا، اور بالآخر یورپ کو الوہیت سے انسانیت پر لے آتا ہے اور ظاہریت پرستی کو گرجاؤں سے دُور کر دیتا ہے۔

۱۱...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو جملہ اقوام وممالک عالم کو دین صحیح کی تعریف سے روشناس فرماتا ہے۔ فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ''اللہ کی پیدا کردہ فطرت جس پر انسانی سرشت بنائی گئی ہے۔ اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں، اسی کو دین قیم کہتے ہیں۔ اہل روما نے اپنی اپنی مقدس کتابوں سے اور فلسفی اپنے بہتر رہنماؤں کی تعلیمات میں سے نکال کر دکھائیں کہ دین صحیح کی یہ تعریف کبھی کسی اور جگہ بھی بتائی گئی ہے۔

دین صحیح کے متعلق ایک دوسرا اصول سکھایا گیا ہے:۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ. ''دین کے متعلق ارادہ الٰہی یہ نہیں کہ وہ انسان کو تکلیف اور دشواری میں

رکھے۔"

تیسرا اصول، جس پر شریعت مصطفویہؐ کے احکام کا نفاذ ہوا ہے۔ وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ "ہاں! شریعت سے ارادہ الٰہی کا مقصود یہ ہے کہ انسان کو پاک وصاف ٹھہرائے، اور ان پر اتمام نعمت بھی فرمائے۔"

تعریف بالا اور اصول بالا کو مسلم رکھتے ہوئے بھی یہ ارشاد ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ "دین کے بارے میں کسی پر زور اور زبردستی نہیں، ہدایت اور ضلالت کو کھلے طور پر واضح کر دیا ہے۔

۱۲...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کی تعلیم اختلاف الوان اور تبلیل زبان اور تباین ملکی سے بہت بلند ہے۔ جس کی تعلیم میں حسب اور نسب کا خالی دعویٰ صداقت سے عاری ہے۔

۱۳...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے سب سے پہلے "ھو اللہ احد" کے دین واحد کی دعوت یکساں طور پر خویش و بیگانہ کو دی۔

جس نے سب سے پہلے احمر اسود، غربی و شرقی، مبتدین کو قوم واحد بنایا، ایک ہی کلمہ زبان پر ایک ہی ولولہ دماغ میں، ایک ہی ارادہ دلوں میں قائم کر دیا۔

۱۴...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے ترہب اور تبدل میں تفریق کی، جس نے ایک گرہستی گرہست میں رہ کر سنیاسی بنایا اور جس نے مصائب دنیوی کے خوف سے قطع تعلق کرنے والے کو ناخوشنودی رحمٰن کا مورد بتلایا۔

۱۵...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے امراض قلوب کو بیان کیا۔ امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتائے۔ جس نے قلب سلیم کی تعریف فرمائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

۱۶...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے دیکھا کہ کہیں تو عورت کو اناج، غلہ، روپیہ، پیسہ کی طرح دان میں دیا جاتا ہے۔ (ہندومت) اور کہیں عورت کو بے روح بتایا جاتا ہے۔ یا

کبھی عورت کو مجسم شیطان تعبیر کیا جاتا ہے۔ (سترہویں سے پہلے پہلے کی عیسویت) کہیں اسے صرف اغراض شہوانی کا آلہ قرار دیا گیا ہے۔ (یہودیت) اور کہیں بے جان زمین کی طرح اسے سب مردوں کا لکدکوب ہونا تجویز کیا ہے۔ (ایران کے مزدکیہ د مانویہ) اور ان جملہ حالات میں اس کی شخصیت وذہنیت اور حقوق کا ذرہ بھی پاس ولحاظ نہیں رکھا گیا۔ ان جملہ مصائب کو دور کرنے کے لئے یہ حکم سناتا ہے۔ ولھنَّ مِثلُ الذِی عَلَیھِنَّ "جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں۔" علم نحو میں لام استحقاق وتخصیص وتملیک کے لئے آتا ہے، لہٰذا "لھن" کا لا کام عورتوں کو بہت کچھ حقوق عطا کرتا ہے۔

ارشاد فرمایا: النسآءُ شقائق الرجال "عورتیں مردوں ہی کا ایک جز اور حصہ ہیں۔ یا عورتیں مردوں کے لئے گل وریحان ہیں۔" اور ارشاد فرمایا: فاتقوا اللہ فی النسآء "عورتوں کے معاملات میں تقویٰ الٰہی سے کام لینا۔"

۱۷...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے رسوم کی زنجیروں اور اندھی تقلید کی بیڑیوں اور آبائی مراسم کی ہتھکڑیوں سے انسان کو آزاد کیا، اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کے ان کارناموں کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے:۔ ویضَعُ عَنھُم اِصرَھُم وَالأغلالَ الَّتِی کَانَتْ عَلَیھِم "بوجھ اتار دیئے اور زنجیروں اور طوق کو ان سے اتار کر دور پھینک دیا۔"

۱۸...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو قوموں کو قوموں کے ساتھ موالات کے اصول سکھاتا ہے۔ اور عدم موالات کی حدود کو بھی قائم کر دیتا ہے۔ تاکہ موالات کی تعریف جامع ہو جائے۔ اور مانع بھی رسولِ اکرم ﷺ نے یہ فرمایا: وتَعَاوَنُوا عَلَی البِرِّ وَالتَّقوٰی ولا تَعَاوَنُوا عَلَی الاِثمِ وَالعُدوَانِ جملہ اقسام نکوئی میں اور جملہ انواع خداترسی میں تم سب کے ساتھ تعاون کیا کرو۔ اور جملہ اصناف گناہ میں نیز جملہ اشکال عدوان میں کسی کی مدد نہ کیا کرو۔

۱۹...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس کا کام خصائل رذیلہ اور اخلاق نکوہیدہ سے انسان کو پاک وصاف کر دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ویزکّیھِم. وہ ان کے میل کچیل کو دور

کر کے ان کو پاک وصاف بناتا ہے۔

۲۰......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو انسانیت کی درجہ رفیع کو نہ تو زر و دولت کے لباس میں دیکھتا ہے، اور نہ فقر و تہی دستی کے وقت اس کی نفی فرماتا ہے۔ بلکہ انسانیت کا مدار اور ابن آدم کہلانے کا استحقاق وہ صرف ایمان اور علم پر مبنی کرتا ہے۔ لفظ ایمان فرائض الٰہیہ پر اور لفظ علم واجبات وجود پر پوری طرح سے حاوی ہے۔

فرمان ذیل پر غور کیجئے:۔ یرفع اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم والذین اُوتوا العلم درجات ''اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا ہے۔ ان کے جو تم میں سے ایمان لاچکے ہیں اور ان کے جن کو علم دیا گیا۔

فضیلت علمی کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرنے کے لئے فرمایا: فصل العالِم علی العابدِ کفضلِی علی اَدنٰکم ''عالم کو عابد پر فضیلت اتنی ہے، جتنی نبی کو ادنیٰ امتی پر ہوتی ہے۔''

۲۱......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے ''ابغض الحلال الی اللّٰہ الطلاق'' کے راز سے دنیا کو واقف بنایا اور سمجھایا کہ طلاق کا وجود خاص خاص دشواریوں کے حل کرنے کے لئے ضروری ہے اور اس وقت طلاق کی ضرورت ایسی ہی ہوجاتی ہے، جس طرح ایک عضو میں سقم آجانے کی وجہ سے اس کا جسم انسانی سے بذریعہ قطع و برید جدا کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ اگرچہ قطع عضو بہر حال ناپسندیدہ سمجھا جائے۔ ہاں یہ حکم طلاق دینے والے کو سمجھایا جاتا ہے، کہ اب وہ ایسے خطرناک فعل کا اقدام کرنے لگا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو صرف ناپسند ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بغض بھی ہے۔ لہٰذا جب تک کہ یہ مسلّم نہ ہوجائے، کہ یہی ایک صورت مرد کی بقاو صحت و حفاظت اور ایمان و عزت کے لئے رہ گئی ہے، اس وقت تک اس پر عمل نہیں کرنا چاہئے۔

۲۲......رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے طلاق کے روکنے کے لئے ایسی تدبیر کو ضروری ٹھہرایا جس پر عمل کرنے سے ہر ایک جلد باز اور ہر ایک انجام سے بے پرواہ اور ہر

ایک مغلوب الغیظ کو طلاق کی برائی سے مغلوب فرمالیا ہے۔

الف......زوجین کے اختلاف وشقاق کے مٹانے کے لئے پہلی تدبیر یہ بتائی کہ دو ثالث مقرر کئے جائیں ایک مرد کے گھرانے کا، ایک عورت کے گھرانے کا، وہ دونوں ان زوجین کے حالات وشکایات کو سنیں اور فیصلہ کر دیں۔

ب......اب بھی اگر اصلاح نہ ہو اور قصور کا بوجھ صرف عورت پر ہو تو مرد کو لازم ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے ہم بستری ترک کر دے، یہ تدبیر مؤثر ہے۔

ج......اب بھی کوئی درستگی نہ ہو تو تادیب کے طور پر ہلکی سی مار مارے، ہلکی سی مارے یہ کہ چہرے پر نہ مارے، ایسی ضرب نہ مارے جس سے جلد پر نشان نمایاں ہو جائیں، یہ تدبیر بھی پست درجہ کی سمجھ والیوں میں مؤثر ہوتی ہے۔

د......یہ تدبیر بھی ناکافی ثابت ہو، تب ایک طلاق دے سکتا ہے۔ اس ایک طلاق دینے کے لئے شوہر کو اس وقت کا انتظار کرنا چاہئے، جب وہ ماہواری ایام سے پاک صاف ہو جائے، ان ایام کا یہ انتظار بھی پہلی طلاق کی روک کے لئے ہے۔

اس طلاق کے بعد ضروری ہے کہ خاوند بیوی ایک ہی گھر میں رہیں۔ ایک ہی جگہ خواب کریں۔ اس سکونت یک جائی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کو پھر اپنی خصلت وعادت اور فعل پر جس کی طفیل نوبت بحدے رسید ہوگئی ہے، غور کرنے اور اصلاح کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اسی طرح پر اگر وہ رل مل بیٹھے، ایک نے دوسرے کی ہم بستری کا موقع حاصل کر لیا تو وہ ایک طلاق ان کو خاوند بیوی کی معاشرت سے ذرا روک نہیں۔

ہ......ایک مہینہ گزر گیا، عورت کو دوسرے مہینے کے ایام بھی دیکھنے پڑے، ان کے بعد پھر مرد کو دوسری طلاق دینے کا اختیار ہے۔ لیکن اس دوسری طلاق کے بعد بھی زوجین کو ایک ہی جگہ رہنا، سہنا، سونا، بیٹھنا ہوگا۔

اب پھر ایک مہینہ کی لمبی میعاد ان کے درمیان ہے، جذبات انسانی، جھوٹے غصے، بیجا بدگمانیوں اور فضول شکایتوں کو جلد مغلوب ومعدوم کر دیا کرتے ہیں۔ اگر ہو گیا تو پھر یہ

جوڑا میاں اور بیوی کا ہے اور دونوں طلاقوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں۔

و......اب تیسری طلاق کا موقع آ جائے گا۔اس وقت جب عورت ماہواری مرض سے فارغ ہو،اب شریعت اسے بتاتی ہے کہ دیکھ، یہ ہما تیرے ہاتھ سے نکلنے والی ہے، پرند اُڑ جاتا ہے تو کف افسوس ہی ملنا پڑتا ہے۔سمجھ لے اور تیسری طلاق سے رک جا۔

ان ہدایات پر بھی اگر نفرت وشقاق کی بنیاد ایسی مضبوط ہے۔کہ مرد اب تک طلاق پر ہی تُلا ہوا ہے۔تب شریعت اسے مجبور نہیں کرتی ہے،اور معاہدہ شادی کو لعنت زندگی کا طوق نہیں بنا دیتی۔

رحمۃ للعالمین کی تعلیم نہ تو یہ گوارا کر سکتی ہے کہ کسی وفادار بیوی کو محض کسی بیرونی جاہل کے طعن پر یکبارگی گھر سے نکال دے۔جیسا کہ سیتا جی کا معاملہ ہے، یا یہودیوں کی طرح جن کے نزدیک بیوی کا درجہ ایک ملازم کے برابر بھی نہیں۔بلا وجہ اور بے سبب شریک زندگی سے قطع تعلق کر لیا جائے۔

علیٰ ہذا یہ بھی گوارہ نہیں، کہ عورت پر تہمت زنا لگانے کے بغیر اس کی بدمزاجیوں، گستاخیوں یا امراض مخصوصہ کے بعد بھی اس سے گلوخلاصی نہ ہو سکے، جیسا کہ انجیل کی تعلیم کو سمجھ لیا گیا ہے۔ہاں حقوقِ زوجین کا از حد خیال رکھتے ہوئے رحمۃ للعالمین ﷺ نے ایک ایسی سڑک تیار کر دی ہے، جس میں نہ تو تفریط کی گھاٹیاں آتی ہیں، اور نہ ہی افراط کے پہاڑ راستے میں حائل ہوتے ہیں۔

۲۳......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔جس نے عرب کے اس رواج کو توڑا کہ میت کا ورثہ خاندان کے صرف ان لوگوں کو ملے گا جو تلوار و نیزہ اٹھا سکتے ہوں۔عورت اور معصوم بچے، بیٹی، بہن، کا کوئی حق نہیں۔بلکہ وہ ایک عورت کو باپ کی جائداد سے بوجہ بیٹی ہونے کے، بھائی کی جائداد سے بوجہ بہن ہونے کے، شوہر کی جائداد سے بوجہ زوجہ ہونے کے اور اولاد کی جائداد سے بوجہ والدہ ہونے کے متعدد حصے دلاتا ہے، اور حضور ﷺ کے تعلیم کردہ قانون توریث کو اصولاً بہت سے غیر مسلم قوموں نے بھی لے لیا ہے۔

۲۴...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے وقف علی الاولاد کے آئین سے اولاد کو فقر، تنگدستی سے اور جائداد کو تباہی سے، اور خاندان کو ہلاکت سے محفوظ بنایا۔ اس مسئلہ سے دنیا کلیۃً ناواقف تھی۔

۲۵...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے جوازِ جنگ کے لئے مظلوم ہونے، حقوق ملی وقومی سے بلاوجہ محرم کردیئے جانے، دین حقہ کی حفاظت کرنے والوں کی جان ومال کے غیر محفوظ ہوجانے یا امن عامہ کا قیام مفقود ہوجائے اور مذاہب عالم اوران کے اماکن عبادت کے معرض تلف میں آجانے کو بہ طور شروط اولین قرار دیا۔

یہ حقیقت آیاتِ ذیل سے آشکارا ہے: اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ . اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللهُ. وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللهِ كَثِيْراً. "جنگ کرنے والوں کو اذن دیا گیا کیوں کہ وہ مظلوم تھے اور بے شک اللہ ان کی مدد کی ضرور قدر رکھتا ہے۔ یہ وہ ہیں جو اپنے وطن سے بلا سبب نکالے گئے۔ صرف اس بات پر کہ انہوں نے اللہ اپنا پروردگار مان لیا تھا۔ ہاں اللہ تعالیٰ اگر کچھ لوگوں کی دوسرے اشخاص کے ذریعہ مدافعت نہ کرتا تب یہودیوں کے معبد، عیسائیوں کے گرجا، صابئین کی عبادت گاہیں نیز مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے۔ ضرور گرادی جاتیں۔

۲۶...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے شراب کو قطعی حرام ٹھہرایا، اور اسے ام الخبائث بتایا اور اس تھوڑی سی رعایت کا بھی (جو بالآخر انتہائی اجازت تک پہنچ جاتی ہے) جو پولوس نے مرعی رکھی تھی کہ تبدیل مزہ کے لئے پانی میں تھوڑی سی شراب ملا کر) سد باب کردیا۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ "شراب اور قمار کو شرک منہیہ کے برابر برابر بیان فرما کر اسے

شیطانی فعل بتایا اور پھر اس سے بچنے کا حکم محکم الفاظ میں صادر کیا۔ تا کہ تم خلاصی پاؤ۔

اس حکم کے ساتھ یہ تفسیر بھی شامل کر دی: كُلُّ مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ "جس کی بڑی مقدار میں نشہ ہو، اس کی ادنیٰ مقدار بھی حرام ہے۔"

۲۷......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے زنا کے جملہ اقسام کو جس کے عرب اور ہندوستان اور دیگر ممالک میں عجیب عجیب نام اس کی قباحتوں کو چھپانے کے لئے رکھ لئے گئے تھے۔ حرام ٹھہرایا اور اس کے حکم کو منبر ومحراب میں خوب شائع کیا۔

وَالَّذِينَ هُم لِفُرُوجِهِم حَافِظُونَ . اِلَّا عَلٰٓى اَزْ وَاجِهِم اَو مَا مَلَكَتْ أَيمَانُهُم فَاِنَّهُم غَيرُ مَلُومِينَ . فَمَنِ ابتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ العَادُونَ. "فلاح والے وہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ بیویاں اور وہ جن کے مالک ان کے داہنے ہاتھ ہوئے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور ان کی بابت ان پر کوئی ملامت نہیں۔ مگر جو کوئی ان کے سوا اور عورت کی تلاش کرتا ہے۔ تو وہ لوگ اللہ کی حدود سے بڑھ جانے والے ہیں۔

۲۸......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے اسیرانِ جنگ کی جان بخشی ورحم فرمائی کے اصول واضح فرمائے تورات میں دشمنوں کی جان تو کیا، ان کے حیوانوں اور عورتوں کی جانوں کا بچانا بھی حرام اور موجب غضب الٰہی بتایا گیا تھا۔

فَاِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوهُم فَشُدُّوا الوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعدُ وَاِمَّا فِدَآءً. "جب کافروں سے مٹھ بھیڑ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو، اور جب ان کو چور چور کرو، تب مضبوط طریقہ سے ان کو باندھ لو۔ اور پھر بعد ازاں ان پر احسان کیا کرو، یا ان سے فدیہ لے لو۔"

حملہ آور دشمن پر مغلوب اور اسیر ہونے کے بعد احسان مائی یا فدیہ گیری کا اصول ایسا ہے، کہ دنیا بھر کی تمام اقوام اس سے نابلند رہی ہیں، اور عملاً کسی نے ایسے کارنامہ کی نظیر پیش نہیں کی ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے بدر واحد اور حنین کی فتوحات اور فتح مکہ سے، اور ہر موقع

پر اسیران جنگ اور دشمنانِ دین اور قاتلانِ مومنین اور محاربین رسول کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا تھا۔

۲۹......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے بے پڑھی لکھی قوموں کے سامنے جو اپنے ان پڑھ ہونے پر فخر کرتے اور ان پڑھ ہونے کو نوزائیدہ امی بچہ کی معصومی کا چربہ سمجھا کرتے تھے۔ علم سے روشناس کیا، علم کا درجہ ان کے دلوں میں قائم کیا، علم کا شائق بنایا۔ پھر ان کو معلم اور مقری کے منصب پر بلند فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الاُمِّیِّینَ رَسُولاً مِنهُم یَتلُوا عَلیهِم اٰیَاتِهٖ وَیُزَکِّیهِم وَیُعَلِّمُهُمُ الکِتَابَ وَالحِکمَةَ وَاِن کَانُوا مِن قَبلُ لَفِی ضَلَالٍ مُّبِینٍ. وَیُعَلِّمُکُم مَالَم تَکُونُوا تَعلَمُون. ”اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا عظیم الشان رسول ﷺ بھیجا جو انہی میں سے ہے وہ ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا اور پاک بناتا اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ لوگ تو اس رسولؐ سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ تم کو وہ وہ کچھ سکھایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔

۳۰......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے امراض قلوب کو بیان کیا ہے۔ امراض کی علامت اور علاج کے طریقے بتائے۔ جس نے قلب سلیم کی تعریف بتائی، اور قیامِ سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

۳۱......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے گناہگار انسان کو اسرار توبہ کی تعلیم دی۔ توبہ کے اجزاء بتائے ہر ایک جزو کی جداگانہ خاصیت اور ترکیبی ماہیت کو تفصیل سے سمجھایا۔

۳۲......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے تزکیہ نفس۔ تصفیہ باطن کو جداگانہ ابواب میں مرتب فرمایا جس نے اخلاق فاضلہ اور ابواب احسان کو الگ الگ کر کے بتایا۔

۳۳......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے تقویٰ اور خشیت من اللہ، انقطاع تمام اور انس کامل مدارجِ رجوع مراتبِ احسان، حقیقتِ ورع وتوکل اور روح اخلاص وصدق اور مقامات قرب ورضا کا عرفان عطا کیا۔

۳۴......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے عبد اور معبود کے درمیان ایک "حَبلُ اللہ المُتین" کا نشان دیا۔ اور چاہِ ضلالت میں گرے ہوؤں کو آسمانی ہدایت پر پہنچ جانے کی تدبیر بتائی۔

۳۵......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ کہ جس نے رہزنوں کو چوپانی اور بادشاہوں کو اخوانی سکھائی، اور جس نے غلاموں کو سلطانی دی، اور جس نے بساط کیانی پر اونٹ چرانے والوں کو بٹھلا دیا۔

۳۶......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے علوم مابعد الطبیعیہ کو آثار نفسی و آفاقی سے مبرہن کیا۔ اور جس نے اعمال، اور اعمال کا روح سے تعلق بتایا، اور جس نے میزان اور حق و باطن کا توازن بتلایا ہے۔

۳۷......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے شمالی عرب کو روما کی غلامی سے اور جنوبی عرب کو ایران کی غلامی سے آزاد کیا۔ جس نے طوائف الملو کی کا خاتمہ کر دیا۔ جس نے قتل و غارت گری کو قتل و غارت کر دیا۔ جس نے خون انسانی کی قدر و قیمت کو سارے جہان کی قیمتی اشیاء سے بڑھ کر قیمتی بتایا، جس نے ایران کو فواحش سے، اور روما کو حیوانی تعیش سے نجات دی، جس نے تمام دنیا کی طرف امن کا ہاتھ بتلایا۔ جس نے ایوان صلح کو مرتفع کیا جس نے: حتّٰی تَضَعَ الحَربُ أوزَارَھَا "یعنی یہاں تک کہ جنگ اپنے سلاحات کو رکھ دے۔" کے لئے جملہ مساعی کو ختم کر دیا۔

۳۸......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے غلامی کے نقائص دور کرنے کی تدابیر کیں، غلاموں کو برابر کا کھانا، برابر کا پہننا، ان کی استطاعت سے بڑھ کر کام نہ لینا فرض ٹھہرایا۔ اور اس طرح غلاموں کو خاندان کا ایک جزو یا ممبر بنا دیا۔

۳۹......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے غلام کو حق مکاتبت بخشا، جس کا مطالبہ وہ عدالت میں کر سکتا ہے، اور آقا مجبور ہے کہ اسے مقرر قیمت پر آزاد کر دے۔

۴۰......رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے مکاتب غلام کو چندہ دینے کا حکم سب کو دیا،

حتیٰ کہ وہ آقا بھی چندہ دے جس کی غلامی سے اسے آزاد ہونا ہے۔

۴۱...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے اسلامی سلطنت کی آمدنی صدقات میں سے ایک حصہ خزانہ غلامی کے مٹانے کے لئے خرچ فرمایا۔ ﴿وَ فِي الرِّقَابِ﴾ (سورۂ توبہ)

۴۲...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے قانون شریعت میں آزادی غلاماں کے لئے مواقع نکالے۔

۴۳...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے آقاؤں کو "عتاق مِّنَ النَّارِ" کا ذریعہ آزادی غلام بتایا۔

۴۴...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے آزاد کو آقا کے برابر حقوق عطا فرما کر آقا کو غلام کا مولیٰ اور غلام کو آقا کا مولیٰ ٹھہرایا۔

۴۵...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے آزادی غلام کے بعد بھی آقا و غلام میں ایک ایسی نسبت ایک ایسا علاقہ پیدا کر دیا، جو صرف خون کے رشتہ میں ہوتا ہے۔ یعنی آقا کے لاوارث ہونے پر غلام کو اور غلام کے لاوارث ہونے پر آقا کو اس کا وارث ٹھہرایا۔

۴۶...... رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے غلاموں پر حصولِ قرابت وصہریت اور اخذ امارت وحکومت اور نصب امامت وولایت اور اعداء کو عطائے صلح وامان کے حقوق سے مالا مال فرمایا ہے۔ اسلام سے پیشتر غلامی تو جملہ ممالک میں اور جملہ اقوام میں اور جملہ ادیان میں موجود تھی۔ کیا رحمۃ اللعٰلمین سے پیشتر کسی نے غلامی کے مٹانے کے لئے بعد ازاں کرنے اور غلاموں کو ایسے بلند مناصب تک پہنچانے میں کوئی کاروائی کی۔

یہ ہندوستان ہے جہاں اچھوت اقوام کی تعداد آج تک برہمنوں، کھتریوں اور ویش قوموں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے اور اچھوت ہونے کی بیڑی اور طوق اس طرح ان کا لازمۂ جسم وروح ہو گیا ہے کہ سینکڑوں نسلوں اور ہزاروں لاکھوں سالوں کی امتداد ملت بھی ان کو رہائی نہیں دلا سکی۔ اچھوت قومیں ہندو لاء کے حکم سے معاشرت تمدن علم اور مذہب کے جملہ حقوق سے قطعاً محروم رکھی گئی ہیں، برہمنوں کو شودروں کے مال کا مالک بنایا گیا ہے

اور کوئی برہمن کسی شودر مقتول کے قتل میں مستوجب قصاص نہیں سمجھا گیا۔

اسلام میں کوئی انسان بھی اچھوت نہیں، سب کی جان و مال کو یکساں حرمت واحترام کے حقوق حاصل ہیں معاشرت اور تمدن میں سب برابر ہیں۔ ہر ادنیٰ شخص سلطنت دنیوی یا امت دینی تک فائز ہو سکتا ہے۔

ہمارا یہ مضمون طویل ہو رہا ہے اور کتاب ہذا کا موضوع یہ نہیں کہ ایک ہی مسئلہ کو پورے بسط سے تحریر کیا جائے۔ لہٰذا اس دلچسپ و دل ربا مضمون کو ہم اس جگہ ختم کرتے ہیں اور آپ سے یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین صرف حضور ﷺ کی خصوصیت ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ بطور اسم اور علم بھی مستعمل ہے۔

اور یہ نام کسی غیر کا تجویز کردہ نہیں۔ ماں باپ کا رکھا ہوا نہیں، کسی شاعر کے تخیل کا نتیجہ نہیں، کسی فدائی کا جوش محبت میں کہا ہوا نہیں، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کا انکشاف حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ ایک صداقت کا گنجینہ ہے۔ اور اس گنجینہ کا نشان خود ہادی مطلق نے دیا ہے۔ یہ ایک بشارت ہے۔ جسے قدرت ربانی ہر ایک مخلوق کے کان تک پہنچانا چاہتی ہے۔ یہ ایک نوید ہے جو عالم عالمیاں کو شیفتہ احسانات الٰہیہ بناتی ہے۔

(بحوالہ چیدہ چیدہ رحمۃ اللعالمین جلد ۳، از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ)

آپ ﷺ کی شان رحمۃ اللعالمین کی چند جھلکیاں

بھول چوک اور غلطی کرنے والے کو خطا کار کہتے ہیں، اور درگزر کا مطلب ہے "کسی کی خطا کو معاف کر دینا۔ اس سے کوئی تعرض نہ کرنا اور انتقام کو عفو میں تبدیل کر دینا۔" یہ مقدس صفت حضور ﷺ کا جزو ایمان تھی۔ حضور ﷺ حسن سیرت میں اعلیٰ اور پاکیزگی جسم اور لباس میں اطہر تھے۔ ہر ایک بات میں علم، فضل، عقل، سخاوت، فصاحت، احسان، ایمان، اخلاق، عبادت، ریاضت، شفقت، اعانت، محبت، شرم اور تمام اخلاق حسنہ میں رسول اکرم ﷺ لاثانی تھے۔

بدی کا بدلہ بدی سے ہرگز نہ دیتے تھے، بلکہ حتی الوسع نیکی کرتے۔ جو کوئی آپ کو برا بھلا کہتا، رسولِ اکرم ﷺ اس کے حق میں دعائے خیر مانگتے۔ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے، گنہگار کی خطا پر پردہ ڈالتے اور بھول، چوک اور غلطی کرنے والے کے قصور کو معاف کردیتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کئی ناموں سے یاد کیا ہے، اور آپ ﷺ کی کئی صفات بیان کی ہیں۔ لیکن ان میں سے آپ ﷺ کی مقصد صفت رحمت سب سے ممتاز ہے، کیوں کہ اس کا ذکر رسالت کے ساتھ بلکہ اس کے مقصد وحید کے طور پر ہوا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا اَرسَلنَاکَ اِلَّا رَحمَۃً للعَالَمِین. (سورۃ الانبیاء)

''اے نبی ہم نے تم کو صرف اس لئے رسول بنا کر بھیجا کہ تم سے تمام دنیا کے لئے رحمت کا ظہور ہو۔

جب حضور ﷺ تولد ہوئے، اور حضور ﷺ کے آنے کی خوشخبری میں قرآن حکیم کے متذکرہ الفاظ ملائک قدسی نے تمام کائنات میں پکارے۔ تو لعین ازل ابلیس نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا: کہ اے خدا! کیا تیرے اس محبوب کی رحمت میں میرا حصہ نہیں ہے؟

اسی وقت خداوند تعالیٰ نے ان فرشتوں کو جو ابلیس کو روزانہ عذاب دیتے تھے، روز جزا تک عذاب دینے سے منع کردیا۔

کیونکہ جس دن ابلیس لعین نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا تھا، اللہ تعالیٰ نے روزانہ دو فرشتوں کو عذاب دینے پر مامور کردیا تھا۔ مگر سبحان اللہ کہ ایسے مردود کو بھی رسولِ اکرم ﷺ کی آمد آمد کی خوشی میں عذاب سے رہا کردیا۔ یہ آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمین ہونے کی درخشاں اور سعد مثال تھی۔

عفو اور منصفانہ انتقام کے بارے میں قرآن کریم سے پہلے کی دو آسمانی کتابوں میں بھی ذکر آیا ہے۔ توریت کا اصول منصفانہ انتقام پر مبنی ہے اور اس میں مذکور ہے کہ جو انسان کو مار ڈالے گا، وہ مار ڈالا جائے گا۔ انجیل کی تعلیم بھی سراسر عفو ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا، بلکہ اگر کوئی تمارے دائیں رخسار پر تھپڑ مارے تو دوسرا رخسار بھی اس کی طرف

پھیر دینا اور پھر آخر میں قرآن کریم نے اس کو اور بھی اجاگر کر دیا۔ ارشاد ربانی ہے: ''اے ایمان والو! تم پر مقتولوں میں برابری کے بدلے کا حکم ہوا ہے، آقا کے بدلے آقا، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔''

یہ منصفانہ قانون کی نقاب کشائی ہے۔ اور اخلاقی قانون کو یوں پیش کیا گیا ہے:
''اگر اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا، تو دستور کے مطابق اس کی پیروی کرنا اور نیکی کے ساتھ اس کو ادا کرنا، یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہو گی۔ اور جو کوئی اگر اس معافی یا خون بہا کے بعد پھر بھی زیادتی کرے گا، تو یاد رکھو۔ اس کے لئے بہت دکھ کی سزا ہو گی۔

اس آیت مقدسہ کی تشریح سے یہ حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے عفو اور انتقام میں صرف ایک کو اختیار کرنے سے اس دنیا کا نظام کامل نہیں کہلا سکتا اور محض ایک کی پیروی کرنے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دنیوی نظام کے اجزاء منتشر ہو جائیں گے اور امن وسلامتی جو نظام دنیا کے بقا کی مقدم ترجمان ہے، درہم برہم ہو جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ جرم وسزا، اور بدلہ وانتقام کی باگ ڈور ارباب حکومت کے ہاتھ سونپی گئی، اور اس کے عملی پہلو کو جلا بخشنے کے لئے غریب امیر چھوٹے بڑے، اپنے پرائے اور کالے گورے کے طرہ امتیاز کو بالکل ہی معدوم کر دیا گیا۔ تا کہ ملت اسلامیہ کی سالمیت کا شیرازہ منتشر نہ ہونے پائے، اور اس تصویر کے دوسرے پہلو کو درگزر اور عفو کی صورت میں پیش کر کے شخصیت کے بلند وبالا مقام کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

سورۂ انبیاء کی ایک سو ساتویں آیت اپنے مطالب میں اتنی جامع ہے کہ اس میں نبوت ورسالت اور تشریح عقائد کے بہت سے نکات سما گئے ہیں، اس میں رسالت اور رحمت کے بنیادی رشتے کا ذکر بھی ہے اور رحمت کی عالمگیریت کا بیان بھی۔

ڈاکٹر محمد خالد مسعود اپنے ایک مضمون میں رحمت کے دو پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:۔ لغت میں رحمت کے بنیادی معنیٰ نرم دلی اور محبت کے بیان ہوئے ہیں۔

البتہ اس کے اضافی معنی بے شمار ہیں۔ بعض علمائے لغت نے اس کا لغوی رشتہ رحم (مادر) کے لفظ سے قائم کیا ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ رحمت کا ایک معنیٰ صلہ رحمی یعنی رشتہ داری سے تعلق اور نیکی کے بھی بیان ہوئے ہیں۔ اس طرح رحمت دراصل اس جذبہ اور احساس کا اظہار ہے، جو ماں کو اپنے بچے سے ہوتا ہے۔ اس میں محبت کا جذبہ بے پایاں ہوتا ہے دوسرے کی تکلیف پر تڑپنے کا احساس ہوتا ہے۔ اس رعایت سے لغت عربی میں رحمت کا لفظ مجازی طور پر ایسے کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں یہ مفہوم پایا جاتا ہو۔

قرآن کریم میں رحمت مغفرت کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ اور لطف اور احسان کے معنوں میں بھی۔ اس کے علاوہ قرآن نے رزق، نبوت، ہدایت اور علم وغیرہ کو بھی رحمت کے نام سے ذکر کیا ہے، بادلوں کو رحمت من اللہ اور قرآن مجید کو شفا اور رحمت کہا ہے۔

عربوں کے ہاں اسی رعایت سے مکہ مکرمہ کو ام الرحم اور مدینہ منورہ کو المرحومہ کہا جاتا ہے۔ رحمت کے مختلف معانی میں فرق واضح کرنے کے لئے ابن منظور نے یہ قاعدہ بیان کیا کہ اگر رحمت کا ذکر انسان کے تعلق سے ہو، تو اس کے معنی رقت قلب فرم دلی اور محبت کے ہوں گے اور اگر اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ہو، تو اس کے معنی لطف و احسان اور رزق و مغفرت کے ہوں گے۔

امام راغب اصفہانی نے رحمت کی تعریف یوں کی ہے کہ رحمت سے مراد رقت قلب کا وہ جذبہ ہے، جو رحم کئے جانے والے شخص پر احسان کا تقاضا کرے۔ ان تشریحات کو سامنے رکھتے ہوئے اب زیر بحث قرآنی آیات پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں رحمت اپنے معانی کے دونوں پہلوؤں کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ حضور ﷺ اللہ کی طرف سے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان کی صفات اپنے مکمل معانی کے ساتھ حضور ﷺ کی ذات میں جلوہ گر ہیں۔

اس کے ساتھ ہی چونکہ رحمت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی گئی ہے، اس لئے نرم دلی، محبت اور شفقت کی وہ تمام صفات بھی حضور ﷺ کی سیرت میں موجود ہیں۔ جو آپ ﷺ کے انسان کامل اور خلق عظیم کے حامل ہونے کا پتا دیتی ہیں۔

رحمت کو صلہ رحمی کے معنوں میں لیا جائے تو اس میں اخوت انسانی کا پیغام اور حضور ﷺ کی انسان دوستی کی صفت کا بھی اشارہ موجود ہے۔ اس آیت میں دوسرا کا خاص نقطہ یہ ہے کہ یہاں حضور ﷺ کی رسالت کا مقصد وحید آپ ﷺ کا تمام جہانوں کے لئے رحمت ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رحمت کے مذکورہ بالا دونوں پہلو حضور ﷺ کی ذات میں جمع ہوئے، تو حضور ﷺ کی رحمت کی حدیں وسیع تر ہوگئیں۔ حضور ﷺ کی یہ رحمت تمام جہانوں کے لئے ہے۔ ''عربی لغت میں عالم کا لفظ جہانوں اور جہان میں بسنے والے دونوں کے لئے آتا ہے۔''

چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی رحمت ان تمام کے لئے ہے۔ جو ان جہانوں میں بستے ہیں۔ وہ مومن ہوں یا کافر اس میں علاقوں، مذہبوں نسلوں اور رنگوں میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ علمائے تفسیر کے ہاں البتہ اس پر اختلاف رہا ہے۔ کہ مؤمنین اور کافروں کے لئے رحمت ہونے کا مفہوم کیا ہے؟

حضرت ابن عباسؓ کی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہیں، اس کے لئے دنیا میں اور آخرت میں رحمت لکھ دی گئی ہے، البتہ جو اللہ پر اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لائے اس کو بھی وہ ذلت اور تحقیر کی سزا اور عذاب معاف کر دی گئی۔ جو گزشتہ قوموں پر مسلط کی جاتیں رہی تھی۔''

حضور ﷺ کی ذات رحمت ربانی کی وسعتوں اور پہنائیوں کی مظہر ہے، خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ایک ایسا نبیؐ بنا کر بھیجا، جس کا دل رحمت اور شفقت کا بحر بیکراں تھا رحمت و شفقت کا یہ سمندر اپنوں کے علاوہ بیگانوں کو بھی سیراب کرنے کے لئے بے چین رہا حضور ﷺ کی ذات اپنے بیگانے میں تفاوت کی قائل نہ تھی۔ مومن ہو کہ کافر، رسول اکرم ﷺ کسی کا دکھ

برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت کے اس پہلو کو قرآن حکیم کی سورۂ توبہ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ ''تمہارے پاس اللہ کا رسول ﷺ آ گیا ہے، جو تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا رنج و تکلیف میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہش مند ہے۔ وہ مومنوں کے لئے شفقت رکھنے والا اور رحمت والا ہے۔''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے کبھی کسی سے اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا۔ سوائے اس کے کہ اس نے خدا کے کسی حکم کو توڑا تو اس کو قانونی اعتبار سے سزا ملی ہو۔ ایک دن ایک صحابیؓ نے رسولِ اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کامل اسلام کس فرزند توحید کے قلب میں ہے؟ رسولِ اکرم ﷺ نے عفو درگزر کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا: ''اس مسلمان کے قلب میں جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔ ایک اور موقع پر صحابہؓ کو خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک مؤمن نہ بنو گے، جنت میں داخل نہ ہو سکو گے اور اس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتے، جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو گے، اور ایک دوسرے کی غلطی اور بھول چوک معاف نہ کرو گے۔ مقصد کہنے کا یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی ساری حیات مقدسہ میں جو تعلیم و تلقین فرمائی، وہ عفو اور منصفانہ انتقام پر مبنی ہے اور اخلاق اور قانون دونوں کا مجموعہ ہے عدل قانون ہے اور احسان اخلاق ہے۔

ذیل کی چند مثالیں حضور ﷺ کی زندگی کے ان ہر دو پہلوؤں کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کو اپنے پیارے اور مقدس دین حنیف کی خاطر طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا ہونا پڑا۔ ایک دن آپ ﷺ تبلیغ حق میں مشغول تھے کہ ابولہب کی طرف سے گزر ہوا۔

آپ ﷺ نے ابولہب کو مخاطب کر کے ایمان لانے کی نسبت کہا تو وہ بگڑ کر بولا

تبا لک (یعنی ہلاکت ہو تجھ پر) یہ سن کر رسولِ اکرم ﷺ دیدہ گریاں وسینہ بریاں گھر تشریف لے آئے۔لیکن اس کے باوجود رسولِ اکرم ﷺ نے اسے بددعا نہ دی۔ابولہب اور اس کی بیوی رسولِ اکرم ﷺ کے راستے میں روز کانٹے بچھاتے تھے۔مگر آپ ﷺ انہیں کبھی برا بھلا نہیں کہتے تھے۔

ابولہب بن عبدالمطلب کے علاوہ وہ ابوجہل بن ہشام،عقبہ بن ابی معیط،حکم بن ابی العاص،اسود بن المطلب،ولید بن مغیر،عاص بن وائل،ابوقیس ونصیر بن الحارث صائب وعاص بن سعید،اسود بن عبدیغوث،عاص بن ہشام،اقیتہ بن حلف اور عدی بن حمرا وغیرہ نے بھی آپ ﷺ کی مخالفت کی۔

یہ لوگ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتے،جس سے آپ ﷺ کے پاؤں مجروح ہو جاتے۔مکانوں کی چھتوں پر سے کوڑا کرکٹ آپ ﷺ کے لباس اطہر پر ڈالتے تھے۔مگر ان تمام تکالیف کے باوجود آپ ﷺ صبر وہمت سے کام لیتے اور یہ دعا فرماتے کہ:"یاالٰہی یہ جاہل ہیں،ان کو سیدھا راستہ دکھا۔"

جب آپ ﷺ وعظ فرماتے،تو یہی لوگ آپ ﷺ پر پتھر کا مینہ برساتے،حضور ﷺ کا بدن اکثر لہولہان ہو جاتا۔قریش مکہ نے یہاں تک ہی اکتفا نہ کیا،بلکہ جب آپ ﷺ نماز پڑھتے تو آپ ﷺ پر نجاست وغیرہ پھینک دیتے،مگر آپ ﷺ کے منہ سے سوائے نیک دعا کے اور کچھ نہ نکلتا۔

ایک دن رسولِ اکرم ﷺ بازار میں وعظ کر رہے تھے اور ابولہب جھولی میں پتھر وسنگریزے ڈالے ہوئے پیچھے سے مارتا جاتا تھا۔حضور ﷺ کے بدن سے خون کے فوارے بہہ رہے تھے۔اور اہل مکہ حضور ﷺ پر ہنس رہے تھے،اسی وقت ایک فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی:"یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اگر آپ کہیں تو ابھی اہل مکہ کو نیست ونابود کر دوں۔" مگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ:"نہیں میں اس واسطے نہیں آیا ہوں کہ ان کو ہلاک کرادوں۔"

ایک دن آپ ﷺ کا گزر خانہ کعبہ سے ہوا۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ کفار کا ایک گروہ آپ ﷺ ہی کے متعلق گفتگو کر رہا ہے آپ ﷺ اس گروہ کے پاس آئے اور فرمانے لگے: ''اے سرداران قریش خدا کے لئے باز آ جاؤ اور بد بخت بتوں کی پرستش سے منہ موڑ کر اس خداوند قادر و توانا کی عبادت کرو، جس سے تمہیں فائدہ پہنچے۔''

پھر رسول اکرم ﷺ نے بتوں کی تضحیک اور اللہ تعالیٰ کی تعریف شروع کر دی۔ عقبہ بن ابی معیط کو غصہ آ گیا۔ اس نے جرأت کر کے حضور ﷺ کی گردن مبارک میں ہاتھ ڈالے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا سانس بھی رک گیا۔

اتنے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لے آئے اور عقبہ بن ابی معیط کو اس جارحانہ اقدام سے روکا۔ یہ دیکھ کر سب کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کو پکڑ لیا اور اس قدر زدوکوب کیا کہ جسم سے خون بہہ نکلا۔

اتنے میں قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی اور انہوں نے بات ختم کرا دی۔ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اکرم ﷺ سے التجا کی کہ ان کو بد دعا دیں۔ حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر آسمان کی جانب نگاہ دوڑائی اور خدا سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: ''اے خدا! ان کے تاریک دلوں میں ایمان کی قندیل فروزاں کر دے کہ یہ تیرے دین اور تیرے رسول کو پہچان جائیں۔''

قریش مکہ کے ناروا سلوک سے تنگ آ کر حضور ﷺ نے جب ہجرت کی تو آپ ﷺ سب سے پہلے تین دن حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہمراہ غار ثور میں مقیم رہے اور چوتھے دن پھر سفر کا آغاز کیا۔

ادھر ابو جہل نے جب آپ ﷺ کو بستر پر نہ پایا تو انعام مشتہر کیا کہ جو کوئی بھی محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو زندہ یا مردہ میرے پاس لائے گا، اسے سو اونٹ کے علاوہ بہت سا نقد و زر بھی انعام میں دیا جائے گا۔

چنانچہ کئی لوگ رسول اکرم ﷺ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، اتفاق سے ایک شخص سراقہ اس طرف آ نکلا جس طرف حضور ﷺ جا رہے تھے۔ اس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا

اور حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ابھی تیر کمان سے نکلنے بھی نہ پایا تھا، کہ خود گھوڑے سمیت زانوں تک زمین میں دھنس گیا۔ اس حالت میں سراقہ نے عجز وانکساری سے رحم کی درخواست کی۔ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین تھے، اس کا قصور معاف کر دیا اور خدا سے دعا کی تو سراقہ کو زمین سے نجات دلائی، سراقہ جنگ حنین کے بعد مشرف بہ اسلام ہوا۔

ایک دن آپ ﷺ تبلیغ حق کا درس دینے کے لئے مکہ معظمہ سے طائف کی جانب روانہ ہوئے، حضرت زیدؓ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، طائف میں ایک معبد تھا، جہاں لات اور منات کے مجسموں کی پرستش ہوتی تھی۔

حضور ﷺ نے سردارانِ طائف کو دعوت اسلام دی، طائف کے سب سے ذی اثر قبیلے کے سردار تین بھائی تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی پیغام حق دیا، مگر وہ تینوں امارت کے نشے میں چور تھے۔

ایک نے کہا کہ اگر آپ اللہ کے پیغمبر ہیں تو پیدل کیوں چلتے ہیں؟

دوسرے نے کہا کیا خدا کو کوئی اور پیغمبر بنانے کے لئے نہیں ملا؟

تیسرا بولا کہ اگر آپ ﷺ خدا کے سچے نبی ہیں تو آپ ﷺ سے بات کرنا خطرے کو دعوت دینا ہے۔ اور اگر سچے نہیں تو بات کرنا ہی مناسب نہیں ہے۔

یہ باتیں سن کر حضور ﷺ خاموش رہے اور اپنی منزل کی جانب دوبارہ گامزن ہو گئے۔ ان تینوں بھائیوں نے حضور ﷺ کا مزید تمسخر اڑانے کے لئے شرارتی بچوں اور اوباشوں کو حضور ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسانے شروع کر دیئے، جن سے آپ ﷺ زخمی ہو گئے، اور آپ ﷺ کے جسد اقدس سے خون بہنے لگا۔

اس کے باوجود رسولِ اکرم ﷺ انہیں دعائیں دیتے جاتے، جب زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو اوباش لوگ آپ ﷺ کو بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کر دیتے، جب آپ ﷺ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے اور ساتھ ساتھ برا بھلا بھی کہتے، اور تالیاں بجا بجا کر حضور ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے۔

تاریخ اسلام میں مرقوم ہے کہ تین میل تک یہ فتنہ پرواز لوگ آپ ﷺ کے پیچھے لگے رہے، اورانہوں نے اس قدر پتھر برسائے کہ آپ ﷺ کے جوتے خون سے لبریز ہو گئے تھے۔

ان کٹھن حالات اور روح فرسا واقعات کے باوجود حضور ﷺ نے عفو اور درگزر کو اپنا مسلک بنائے رکھا اور اسی شعار پر گامزن رہتے ہوئے طائف والوں کو بد دعا نہ دی، بلکہ ان کی آئندہ نسلوں کی بہتری کی دعائیں بھی کرتے رہے۔

مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد کئی بار حق اور باطل کے درمیان معرکہ آرائیاں ہوئیں اور ان میں فرزندانِ توحید دھوم دھام اور شان وشوکت سے غالب آتے رہے، لیکن رسولِ اکرم ﷺ نے ہر فتح کے بعد عفو اور درگزر کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ جنگ بدر کے بعد جب اسیران کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے سپرد کیا، تو رسولِ اکرم ﷺ نے انہیں تاکید فرمائی کہ خبردار انہیں کوئی تکلیف نہ دینا۔

چنانچہ خود صحابہ اکرامؓ کھجور کھا کر گزارہ کر لیتے تھے اور اسیران بدر کو سیر ہو کر کھانا کھلاتے تھے۔ غزوہ حنین میں سات ہزار قیدی بنائے گئے، رسولِ اکرم ﷺ نے انہیں نہ صرف معاف کر دیا، بلکہ انہیں کھانے پینے کو بھی بہت سا سامان دیا۔

جب عہد نامہ حدیبیہ منسوخ ہو گیا، تو فرزندانِ توحید دس ہزار کی تعداد میں فتح مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔

اہل مکہ کو جب اس لشکر کی آمد کی خبر ہوئی تو انہوں نے تحقیق کے لئے تین آدمیوں کو بھیجا۔ جن میں ابوسفیان بھی تھا۔ خمیہ نبوی کی دربانی پر جو دستہ مقرر تھا اس نے ابوسفیان کو پکڑ لیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔

ابوسفیان کو دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ کے انتقامی جذبے نے جوش مارا۔ انہوں نے شمشیر بے نیام کر کے رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کی کہ یارسولِ اللہ ﷺ کفر کی بیخ کنی کا وقت آ گیا ہے۔ یہ بات سن کر ابوسفیان کے گزشتہ تمام کارنامے حضور ﷺ کی نگاہوں کے سامنے

پھرنے لگے۔

اسلام کی دشمنی، مدینے پر بار بار چڑھائی، عرب قبائل کو کئی بار لڑائی پر اکسانا، رسولِ اکرم ﷺ کے قتل کی خفیہ سازش، اور حضور ﷺ کو ناحق ایذائیں پہنچانا، الغرض ہر بات اس کے خون کی پیاسی ثابت ہوئی۔ لیکن ہادی برحق کا عفو و درگزر انتقام کے اس جذبہ سے کہیں زیادہ وزنی تھا، حضور ﷺ نے ابوسفیان کے سیاہ اعمالنامے کو نور اسلام کی کرنوں سے حصہ گیر، ہونے کی دعا فرمائی اور حضرت عمرؓ کو انتقامی جذبہ سے منع فرمادیا۔

پھر فتح مکہ کے بعد وہ مبارک گھڑی بھی آئی، جب جابر و قاہر قریش رسولِ اکرم ﷺ کے روبرو چشم ندامت جھکائے کھڑے تھے۔ جنہوں نے اسلام کا نام و نشان مٹانے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا تھا، جن کی نگاہیں شرارتیں، زبانیں گالیاں اور ہاتھ پتھر برساتے تھے، جن کی تیغوں نے رحمت عالم کے ساتھ گستاخیاں کی تھی، جنہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی راہوں میں خار بچھائے تھے، جنہوں نے آپ ﷺ کا تمسخر اڑایا تھا، جنہوں نے شمع رسالت کے پروانوں کو چلچلاتی دھوپ میں تپتی ریت پر ننگا گھسیٹا تھا۔

حضور ﷺ نے ان کی جانب نگاہ دوڑائی اور جلال و دبدبہ کے لہجے میں پوچھا کہ اے کفار مکہ کیا معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟

یہ لوگ ظالم تھے، جابر تھے، شقی تھے، لیکن رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے گردنیں جھکائے خاموش کھڑے تھے۔ ان کے دلوں میں یہ خیال تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ انہیں کڑی سے کڑی سزادیں گے۔ مگر حضور ﷺ کی رحمت جوش میں آئی او حضور ﷺ تبسم ریز ہوئے، اور ارشاد فرمایا: ''تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آج سے آزاد ہو۔''

کفار مکہ تمام مہاجرین کے مکانوں پر قبضہ کر چکے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ رسولِ اکرم ﷺ اب وقت ہے کہ ہم ان سے اپنے مکانات حاصل کریں، لیکن حضور ﷺ نے اس معاملہ میں بھی عفو و درگزر کا طرزِ عمل اختیار کیا۔

یہ تھیں آپ ﷺ کی خطا کاروں کے ساتھ عفو و درگزر کی چند جھلکیاں، جو آپ ﷺ کا

مثالی کردار، روحانی پاکیزگی، اور اخلاقی بلندی کا نقطہ عروج افشا کرتی ہیں اور جو ہر دور اور ہر زمانے میں جابر و قاہر مخالفین کو بھی بندہ بے دام بنا دیتی ہیں۔

یہ حضور ﷺ کی اسی مثالی عفو کیشی کا نتیجہ ہے کہ دور حاضر کے مسلمانوں کے اتنے انحطاط اور عیسائیوں کے ظاہری عروج کے باوجود جب کوئی افریقہ کا حبشی اپنے فرسودہ خیالات کے گھنے سایوں سے تنگ آ کر تہذیب کے سورج کی روشنی میں آنا چاہتا ہے تو وہ بجائے عیسائیت کے مشرف بہ اسلام ہو جاتا ہے۔

ایسی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں اور ان میں حضور ﷺ کا مثالی کردار جھلکتا نظر آتا ہے اور ہر ایک کی زبان پر بے اختیار یہ لفظ آ جاتے ہیں کہ: "حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔

حضور ﷺ بحیثیت رحمۃ للعلمین

اب ذیل میں ہم حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ کی تقریر سے کچھ اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ تقریر رسول اکرم ﷺ کی شان رحمت پر ایک اچھوتے انداز میں پیش کی گئی تھی، جو ہمیں خوب پسند آئی، لہٰذا موضوع کی مناسبت سے آپ بھی اس کے چند اقتباسات پڑھیئے:۔ حضرت فاروقی شہیدؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ: "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْن" اے پیغمبر! ہم نے تجھے جہانوں کے لئے رحمت بنایا، ہم نے تجھے ایک علاقے کے لئے نہیں، ایک شہر کے لئے نہیں ایک ملک کے لئے نہیں، ایک قوم کے لئے نہیں، ایک دور کے لئے نہیں، بلکہ فرمایا۔ "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْن"

دنیا میں جتنے جہان ہیں، ہر جہان کے لئے تو نبی ہے، ہر جہان کے لئے تو رہبر و رہنما ہے، ہر جہان کا تو پیغمبر ہے، ہر جہان کے لئے تو ہدایت ہے، ہر جہان کی عظمت تیرے پاس ہے، ہر جہاں کا تقدس تیرے قدموں سے وابستہ ہے، ہر جہان کی کامیابی تیرے ساتھ وابستہ ہے، میرے پیغمبر کو اللہ نے فرمایا: "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً

لِلعَالَمِین"

اے پیغمبر! تو ایک جہان کا نہیں، عالم عقبیٰ کے لئے تو رحمت ہے، عالم دنیا کے لئے تو رحمت ہے، عالم حیوانات کے لئے تو رحمت ہے، عالم جمادات کے لئے تو رحمت ہے، عالم انسانیت کے لئے تو رحمت ہے، تحت الثریٰ کے لئے تو رحمت ہے، عرش معلیٰ کے لئے تو رحمت ہے، فرشتوں کے لئے تو رحمت ہے، جوانوں کے لئے تو رحمت ہے، عورتوں کے لئے تو رحمت ہے، لڑکیوں کے لئے تو رحمت ہے، جانوروں کے لئے تو رحمت ہے، مزدوروں کے لئے تو رحمت ہے، کسانوں کے لئے تو رحمت ہے، محنت کشوں کے لئے تو رحمت ہے، ساری کائنات کے ایک ایک ذرے کے لئے، ایک ایک علاقے کے لئے، ایک ایک بستی کے لئے اے پیغمبر! تو رحمت ہے، تو جہانوں کے لئے، کیوں؟ اس لئے کہ جو کتاب تجھے دی گئی، وہ بھی جہانوں کے لئے، جو نبی بنا کر تو بھیجا گیا، تو بھی جہانوں کے لئے، اور میں رب العالمین میں بھی جہانوں کے لئے، اے پیغمبر! میں رب العالمین ہوں، قرآن ھدیً للعالمین ہے، اور تو رحمۃ للعالمین ہے، نہ کوئی تیری مثال ہے، نہ قرآن کی کوئی مثال ہے، نہ پروردگار کی کوئی مثال ہے۔

میرے بھائیو! قرآن نے پیغمبر کو فرمایا: "وَمَا أَرسَلنَاکَ اِلَّا رَحمَةً لِّلعَالَمِین" اے پیغمبر! ہم نے تجھے جہانوں کے لئے رحمت بنایا، دنیا میں جتنے بھی جہان ہیں، ہر جہان کے لئے تو رحمت ہے، سوال یہ کہ رحمت کا معنیٰ کیا ہے؟ رحمت کہتے کس کو ہیں؟ رحمت کی تھیوری کیا ہے؟ رحمت کی فلاسفی کیا ہے؟ رحمت کی حقیقت کیا ہے؟ رحمت کی اصلیت کیا ہے؟ یہ بات قابل غور ہے، عربی لغت میں جتنی بھی کتابیں آج تک چھپی ہیں، رحمت کا معنیٰ ایک ہے، رحمت کا معنیٰ راحت ہے، رحمت کا معنیٰ چین ہے، رحمت کا معنیٰ سکون ہے، رحمت کا معنیٰ دکھوں میں کسی کا علاج ہے، رحمت کا معنیٰ جہالت میں روشنی ہے، رحمت کا معنیٰ عظمت ہے، رحمت کا معنیٰ رفعت ہے، رحمت کا معنیٰ بلندی ہے، رحمت کا معنیٰ دکھوں میں اچھائی ہے، ساری کائنات شرک سے اٹ گئی تھی، کائنات میں شرک کا

اندھیرا تھا، اس میں جو روشنی پھیلی اسے رحمت کہا گیا، اور جس وقت گناہ ساری دنیا میں پھیل گیا، اور گناہ کے مقابلے میں نیکی کا پھیلنا رحمت ہے، ظلم ساری دنیا میں پھیل گیا، وہاں عدل کا آنا رحمت ہے، ساری کائنات میں برائی ہو، وہاں عدل کا آنا رحمت ہے، ساری کائنات اندھیروں میں ڈوب جائے، وہاں روشنی کا آنا رحمت ہے، اور مزدوروں کو حق نہ ملے، وہاں حق مل جائے یہ رحمت ہے، محنت کش بھوکا مر رہا ہو، اس کو روٹی مل جائے یہ رحمت ہے، ایک آدمی ننگا ہو، اس کو کپڑا مل جائے یہ رحمت ہے، ایک شخص مریض ہو، اس کا علاج ہو جائے یہ رحمت ہے، ایک شخص جاہل ہو، اسے تعلیم مل جائے یہ رحمت ہے، میرے بھائیو! یہ ساری چیزیں رحمت کیوں ہیں؟ اس لئے کہ ہر چیز کا علاج رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں سے وابستہ ہے، تعلیم رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں، علاج رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں، مزدوروں کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری کا ادا کرنا رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں، شرک کو ختم کر کے توحید کا چراغ جلانا رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں، رسالت کا عام کرنا رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں، قرآن کو دنیا میں پھیلانا رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں، دنیا میں ہر دکھ کا علاج میرے رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں ہے، ہر پریشانی کا علاج میرے رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں ہے، ہر بے چینی کا علاج رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں ہے، ہر کفر کا علاج میرے رسولِ اکرم ﷺ کے قدموں میں ہے، شرک ہے تو مقابلے میں میرے رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، کفر ہے تو مقابلے میں میرے رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، دکھ ہے تو مقابلے میں میرے رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، پریشانی ہے تو مقابلے میں میرے رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، پوری کائنات میں جتنی برائیاں ہیں، ان کے مقابلے میں جو جو نیکی ہے، وہ سب کچھ میرے رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، اندھیرا پھیل گیا ہو روشنی کی ضرورت ہو تو میں کہوں گا کہ یہ میرے رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، تجھے یقین نہیں آتا، تو آ ایک ہندو شاعر جگرناتھ کے دروازے سے پوچھ لے، کہ رحمت کی کیفیت کیا ہے؟ جگرناتھ آزاد کہتا ہے ؎

وہی یونان کہلاتا تھا جو تہذیب کی دنیا ۔۔۔ وہی روئے زمین پر آج تھا تخریب کی دنیا

یہ تحقیق و تجسس کا جہاں تھا آج ویرانہ افلاطون کی خرد سقراط کی دانش تھی افسانہ
غرض دنیا میں چاروں سمت اندھیرا ہی اندھیرا تھا نشان نور گم تھا ظلمت کا بسیرا تھا
کہ دنیا کے افق پر دفعتاً سیلاب نور آیا جہانِ کفر و باطل میں صداقت کا ظہور آیا
حقیقت کی خبر دینے بشیر آیا نذیر آیا شہنشاہی نے جس کے قدم چومے وہ فقیر آیا
مبارک ہو اس زمانے کو کہ ختم المرسلین آیا صاحب رحم بن کر رحمت اللعالمین آیا

میرے بھائیو! میرا رسول ﷺ، میرا پیغمبر ﷺ، میرا مرشد ﷺ، کائنات کا محور حقیقی ﷺ، مرکز حقیقی ﷺ، مقصود کائنات ﷺ، رسولِ اکرم ﷺ جب دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے، عورت کی کیا کیفیت تھی؟ مزدوروں کی کیا حالت تھی؟ کسان کی کیا حالت تھی؟......عورت کو وراثت کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا......عورت کے مخصوص ایام میں وہ گھر میں نہیں رہ سکتی تھی، عورت کو لوگ جنگل میں باندھ دیتے تھے، عرب کے اندر رواج تھا کہ بچی پیدا ہوتی، اس کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، اور قیصر و کسریٰ کے اندر رواج تھا کہ لڑکی جوان ہوتی تو اسے دکانوں پر شوکیسوں میں کھڑا کر کے بری خواہشات کا نشانا بنایا جاتا، ایسے وقت میں کہ عورت بازار کی جنس رہ گئی تھی، ایسے وقت میں جب بچی پیدا ہوتی ہو، اسے دفن کر دیا جاتا ہو، ایسے وقت میں جب عورت کو وراثت کا کوئی قانون نہ ملتا ہو، عورت کی کوئی حیثیت متعین نہیں تھی، عورت ایک استعمال شدہ کپڑے کی چیز تھی، عورت جنسی خواہشات کی علامت تھی، عورت خواہشات نفسانی کا ایک مرقد بن کر رہ گئی تھی، اور عورت سوائے دنیاوی ہوس کے اور اس کا کوئی کام نہیں تھا، آج پوری دنیا، آج یورپ، مستشرقین یورپ اور پوری کائنات کہتی ہے کہ اسلام نے عورت کو اندر بند کر کے رکھ دیا ہے۔

میرے بھائیو! آؤ میں تمہیں چودہ صدیوں پہلے بلکہ چودہ صدیوں سے بھی پہلے قیصر و کسریٰ کی کیفیت بتانا چاہتا ہوں، کہ عورت کو بازار میں کھڑا کر کے اس کی بولیاں لگتی تھیں، اس کے حسن کو لوگ دیکھ کے بری خواہشات کا نشانہ بنانا چاہتے تھے، اور بچی پیدا ہوتی تو عرب میں اس کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، اندھیرا تھا عورت کے لئے کوئی زندگی نہیں تھی،

عورت کے لئے کوئی آسرا نہ تھا، عورت کے لئے کوئی دنیا میں سہارا نہ تھا، عورت کے لئے کوئی امید کی کرن نہ تھی، عورت کے سامنے کوئی روشنی نہ تھی، عورت کے لئے کوئی چیز بھی دنیا میں نہ تھی، میرے بھائیو! ایسے وقت میں دنیا کے سب سے بڑے سردار رسولِ اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے، اور میرے نبی ﷺ نے فرمایا: او دنیا کے لوگو! عورت کو عام سمجھنے والو! عورت کی چار حیثیتیں ہیں، عورت اگر تیری ''بیٹی'' ہے تو تیری عزت ہے، عورت اگر تیری بہن ہے تو تب بھی تیری آبرو ہے، عورت اگر تیری بیوی ہے تو اس کا خرچہ تیرے ذمہ واجب ہے، اور عورت اگر ماں ہے تو اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے، وہ جنت...... جس جنت کی تلاش میں ساری کائنات ماری ماری پھر رہی ہے، اسی سال کی عبادت بزرگ کرتا ہے کہ مجھے جنت مل جائے، قطب عبادت کرتا ہے کہ مجھے جنت مل جائے، ابدال عبادت کرتا ہے کہ مجھے جنت مل جائے لیکن چودہ سو سال پہلے اسی جنت کو ماں کے قدموں کے نیچے میرا نبی ﷺ قرار دے چکا ہے، کہ جو عورت خواہشات نفسانی کی چیز تھی، اسی عورت کے قدموں کے نیچے جنت بتانے والا وہ میرا نبی ﷺ ہے، جو عورت کے لئے بھی رحمت کا پیغامبر بن کر آیا۔

میرے بھائیو! عربوں میں رواج تھا کہ بچیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا مکے میں بھی رواج تھا رسولِ اکرم ﷺ کی محفل میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! کیا مجھے معافی مل سکتی ہے؟ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تو نے کیا کیا ہے؟......'' اس نے کہا میرا بہت بڑا گناہ ہے آسمانوں سے بھی بڑا گناہ، زمین سے بھی بڑا گناہ، اتنا بڑا گناہ میں نے کیا، کیا مجھے معافی مل سکتی ہے؟...... رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تو نے زنا کیا ہے؟......'' اس نے کہا زنا سے بھی بڑا گناہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تو نے شراب پی ہے؟......'' اس نے کہا شراب سے بھی بڑا گناہ، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے جوا کھیلا؟......'' اس نے کہا جوئے سے بھی بڑا گناہ، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون سا ایسا گناہ ہے؟...... جو آسمانوں سے بھی بڑا، ہے زمین سے بھی بڑا، کائنات سے بھی بڑا ہے'' تو اس نے کہا: اے رسولِ اکرم ﷺ! میں ابوجہل کا پیروکار تھا، میں ابوجہل کا ماننے والا تھا، میرے علاقے میں بھی ابوجہل کا یہ دستور تھا، کہ بچی

پیدا ہو جاتی تو اسے زندہ دفن کر دیا جاتا، میرے گھر میں کوئی اولاد نہ تھی، چودہ سال بیت گئے ،چودہ سال کے بعد، ایک بچی پیدا ہوئی، تو میری بیوی نے کہا، یہ اولاد پہلی ہے، ہم اس کو زندہ دفن نہیں کریں گے، حالانکہ حکومت کا اعلان تھا، ابو جہل کا اعلان تھا کہ بچی کو دفن کر دیا جائے کہیں بڑی ہو کر اس کو کوئی لینے نہ آ جائے، کوئی ہمارا داماد نہ بن جائے، کوئی ہماری ناک کاٹنے والا نہ آ جائے تو میں نے فیصلہ کیا کہ بچی کو زندہ دفن نہیں کریں گے دو سال بیت گئے تین سال، چار سال بچی بھاگنے لگی بچی ہمیں بہت پیاری لگتی تھی، جب میں گھر جاتا تو بچی میرے سینے سے چمٹ جاتی تھی میری ساری تھکاوٹ دور ہو جاتی تھی۔ میرے مسلمان بھائیو! جن کے گھروں میں بچیاں ہوتی ہیں ان کو پتہ ہے کہ باپ کو بیٹیوں سے کتنی محبت ہوتی ہے اور بیٹیوں کو باپ سے کتنا پیار ہوتا ہے لیکن یہ چار پانچ سال کی بچی روزانہ باپ کے سینے سے چمٹ جاتی ہے لیکن ایک دن وہ کہتا ہے مکہ کے چوک پر ابو جہل نے میرا گریبان پکڑ لیا اس نے کہا تیرے گھر میں بچی ہے اور تو اس کو دفن نہیں کرتا آج ہی میری پولیس آئے گی اور اس کو دفن کر دے گی، میں نے وعدہ کر لیا کہ میری کل کو کہیں ناک نہ کٹ جائے، میں گھر آیا میں نے نیت کر لی ارادہ کر لیا، کہ آج ہی بچی کو زندہ دفن کر ڈالوں گا آج ہی اس کو تہہ تیغ کر دوں گا آج میں اسے اپنی آنکھوں سے جدا کر دوں گا، میں نے فیصلہ کر لیا میں نے اس کی ماں کو نہیں بتایا صرف یہ کہا اس کو تیار کر دے اس کو اس کے ماموں کے پاس لے جاؤں گا، اس کو وہاں چھوڑ آؤں گا، کہیں ابو جہل کے جلاد آ کر اس کو ذبح نہ کر ڈالیں اس کی ماں نے تیار کر دیا، اس کو دوپٹہ پہنایا اس کے کپڑے بدلے، اس کو غسل کرایا، اس کی آنکھوں میں سرمہ لگایا، میں جب چلنے لگا تو اس بچی کو میں نے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور سینے پر رکھا، اٹھا کر لے جانے لگا، ایک کدال جو دروازے کے پاس تھی وہ بھی میں نے اٹھائی اس کی ماں کو پتا نہ چلا وہ سمجھتی رہی کہ میرے بھائی کے پاس یعنی اس کے ماموں کے پاس لے جا رہا ہے، لیکن کہتا ہے میرے دل میں برائی تھی میں بچی کو اٹھا کر جنگل میں لے گیا، پہاڑوں پر لے گیا، وہ بچی کہتی ہے ابا جان اس علاقے میں تو میرے ماموں کا گھر نہیں ہے وہ پریشان

ہوگئی میں نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا وہ خاموش ہوگئی، پہاڑ کے دامن میں میں نے اس کی قبر کھودنا شروع کر دی، میں قبر کھودتا تھا وہ بچی کہتی تھی ابا جان! کیا کرتے ہو؟ میں نے کہا خاموش ہو جا وہ خاموش ہوگئی، جب میں قبر کھودر ہا تھا، اس کو نہیں پتہ تھا یہ گھڑا میرے لئے کھودا جارہا ہے، اس بچی نے دوپٹہ میں مٹی ڈالی اور میرے ساتھ گھڑا کھودنے میں مددگار ہوگئی تھوڑی دیر بعد اس کو اٹھا کر جب میں نے اس گڑھے میں رکھا تو وہ بچی رو پڑی اور رو کر کہنے لگی ابا جان! اگر اسی طرح مجھے زندہ دفن کرنا تھا مجھے گھر میں بتا دیتے میں اپنی ماں کو آخری سلام تو کر کے آجاتی، جب یہاں تک وہ پہنچا رسولِ اکرم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے سارے صحابہؓ رو پڑے کیوں روئے؟ میرے پیغمبر ﷺ کیوں روئے؟ اس لئے کہ: "**وما ارسلناک الا رحمة للعالمین**" میرے پیغمبر ﷺ تو رحمت کا پیغامبر تھے ان کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو بہہ رہے تھے، وہ آدمی کہتا جارہا تھا: اے رسولِ اکرم ﷺ! اس بچی کو اٹھا کر جب میں گڑھے میں رکھنے لگا بچی رو پڑی میں نے اس کی پکار کو نہیں دیکھا میں اس کو رکھنے لگا تو بالآخر وہ بچی کہتی ہے ابا جان! مجھے چھوڑ دے میں ساری زندگی تیرے گھر نہیں آتی میں ساری زندگی اس علاقے میں نہیں آتی میں جنگلوں میں وقت گزار کر اپنا گزارہ کرلوں گی میرا جرم تو کوئی نہیں، میرا قصور تو کوئی نہیں، میں نے تیرے حکم کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی وہ چیختی رہی، لیکن میرے دل میں ابوجہل کا ڈر تھا، میں نے بچی کو قبر میں ڈال دیا اور اس کے سینے پر ایک ریت کا تودہ رکھا اور اس کی آواز ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی، اے دنیا کے سردار ﷺ! اے رحمت دوعالم ﷺ! اے رسولِ اکرم ﷺ! آج میں تیرے دروازے پر آیا ہوں، کیا میرا یہ گناہ معاف ہوسکتا ہے؟ جس دن سے اس بچی کو میں نے گڑھے میں رکھا، اس دن کے بعد روزانہ خواب میں وہ بچی مجھے ملتی ہے اور میرے سامنے کہتی ہے، ابا جان! قیامت کا دن ہوگا رسولِ اکرم ﷺ کی عدالت ہوگی، میرا ہاتھ ہوگا تیرا گریبان ہوگا، اے اللہ کے نبی!...... آج چالیس دن ہوگئے، مجھے نیند نہیں آئی میں تیرے دروازے پر آیا ہوں، اس لئے کہ تم رحمت دوعالم ہو رحمۃ للعالمین ہوا تنے بڑے گناہ کی مجھے

معافی مل سکتی ہے؟

میرے بھائیو! میرے رسولِ اکرم ﷺ اس کی باتیں سن کر رو رہے ہیں، صحابہؓ رو رہے ہیں، رسولِ اکرم ﷺ کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو جھڑ رہے ہیں میرے رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔ او نوجوان! تو نے بڑا ظلم کیا، تو نے عرش ہلا دیا، تو نے زمین ہلا دی، تو نے پہاڑ ہلا دیئے، تجھے ترس نہیں آیا، جب وہ بچی روتی تھی، تو نے ہاتھ کیوں نہیں روکا؟...... جب تو نے اسے قبر میں اتارا وہ رو رہی تھی، تو نے ہاتھ کیوں نہیں روکا؟...... جب تو نے اس کے سینے پر پتھر رکھا، تجھے ترس نہیں آیا؟...... وہ معصوم جان تڑپتی رہی تو ظلم کرتا رہا، لیکن یاد رکھ میں رحمۃ اللعالمین ہوں، اگر آج تو سچے دل سے توبہ کر کے میرا کلمہ پڑھے گا، میں اتنی بڑی رحمت لے کر آیا ہوں کہ وہ رحمت اس گناہ سے بہت بڑی ہے، اس زیادتی سے بہت بڑی ہے، اتنی بڑی رحمت لایا ہوں، سچے دل سے کلمہ پڑھے گا، تو میں اس گناہ پر معافی کی چادر پھیر دوں گا، اور یاد رکھ! آئندہ قیامت تک کے لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ میری امت میں جو شخص دو بچیوں کی تربیت کر کے جوان کر کے ان کی اچھی طرح شادیاں کرے گا، میں محمد ﷺ اس کی جنت کا اعلان کرتا ہوں، اس لئے کہ میں عورت کے لئے، بچیوں کے لئے، دکھی بچیوں کے لئے، جو بے گور کفن قبروں میں اتار دی گئیں میں محمد ﷺ ان کے لئے بھی رحمت کا پیغامبر بن کر آیا ہوں۔ "وما ارسلناک الا رحمة للعالمین" کہ اے نبی ﷺ! ہم نے تجھے جہانوں کے لئے رحمت بنایا، ایک جہاں کے لئے نہیں، سارے جہانوں کے لئے، کہ حضور ﷺ کے دروازے پر ایک اونٹ نے آ کر سر رکھا، صحابہؓ نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! یہ اونٹ کیا کہتا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ اونٹ اپنے مالک کی شکایت کر رہا ہے، یہ کہتا ہے، مجھے چارہ تھوڑا ڈالا جاتا ہے، کام زیادہ لیا جاتا ہے، تو حضور ﷺ نے مالک کو بلا کر کہا آئندہ تجھے چارہ تھوڑا ڈالنے کی اجازت نہیں ہے جتنا کام لو گے چارہ اتنا ہی ڈالو گے، اب تم بتاؤ کہ اس جانور کے لئے بھی حضور ﷺ رحمت بن کر آئے یا نہیں آئے؟ آپ ﷺ کی بعثت کے وقت مزدوروں کے لئے کوئی قانون نہ تھا، لیکن آپ ﷺ جب دنیا میں آئے، آپ

ﷺ نے دنیا میں اپنا پیغام پہنچانا شروع کیا، تو آپ ﷺ نے مزدوروں کے بارے میں جو اعلان کیا، وہ بھی قابل غور ہے کہ آپ ﷺ کی عدالت میں لوگ مصافحہ کر رہے ہیں رسولِ اکرم ﷺ نے ایک شخص سے مصافحہ فرمایا، اور آپ ﷺ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھوں میں نشانات ہیں، اس کے ہاتھ میں گٹھے پڑے ہوئے ہیں، رسولِ اکرم ﷺ نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ اور ہاتھ پکڑ کر حضور ﷺ نے فرمایا: ''اے نوجوان! تیرا نام کیا ہے؟'' اس شخص نے کہا میرا نام سعد انصاری ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تیرے ہاتھوں پہ نشانات کیسے ہیں؟'' تو اس نے کہا میں پتھروں پہ ہتھوڑا چلاتا ہوں، یعنی پتھر توڑ کر مزدوری کماتا ہوں اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا کے لوگو! سب سے بہتر کمائی اس مزدور کی ہے'' اور یہ کہہ کر میرے پیغمبر ﷺ نے اس مزدور کا ہاتھ چوم لیا، مزدور کا ہاتھ چوما، میں نے چیلنج کیا، کہ آؤ لینن سے پوچھو، مارک سے پوچھو، انجلس سے پوچھو، برطانیہ کے چرچل سے پوچھو، شیکسپئر سے پوچھو، روسو اور ویدرک سے پوچھو، کتنے بڑے بڑے فرمانروا، اور کتنے بڑے بڑے، مصلح و مربی ریفارمر دنیا میں آئے لیکن ایسا بھی کوئی شخص آیا کہ جس نے اپنی امت کے ایک مزدور کا ہاتھ چوما ہو؟ وہ رسولِ اکرم ﷺ جو معراج کی رات عرش پر پہنچا، وہ رسولِ اکرم ﷺ جس کے دروازے پر ایک لڑکی قید کر کے لائے گئی، قیدی عورتیں آئیں، قیدی مرد آئے، اس کے دروازے پر، ایک لڑکی قید کر کے لائی گئی، تو حضور ﷺ نے فرمایا ''بلالؓ! یہ میری رحمت والی چادر اس لڑکی کے چہرے پر ڈال دو'' تو بلالؓ نے فرمایا یارسول اللہ ﷺ! یہ تو کافر کی بیٹی ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: بلال! بیٹی بیٹی ہوتی ہے چاہے کافر کی ہو چاہے مسلمان کی ہو آج تو کافر کی بیٹی کے سر پہ کپڑا ڈالے گا...... قیامت کے دن خدا تیرے گناہوں پر پردہ ڈالے گا۔ آپ ﷺ کی رحمت کو دیکھو ایک مزدور کے ہاتھ کو آپ ﷺ نے چوما ہے اور یہ فرمایا مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدور کی مزدوری ادا کر دو یہ اعلان سب سے پہلے دنیا میں کرنے والا رحمۃ اللعالمین ہے، ہمارا نبی ﷺ عورتوں کے لئے بھی رحمت ہے، مزدوروں کے لئے بھی رحمت ہے، محنت کشوں کے لئے بھی رحمت ہے،

یتیموں کے لئے بھی رحمت ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ عید سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے جا رہے ہیں راستے میں دیکھا کہ کچھ بچے کھیل رہے تھے لیکن ایک بچہ کھیلتا نہیں تھا آپ ﷺ کھیلنے والوں کو چھوڑ کر اس بچے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس بچے سے سوال کیا بیٹا تو کیوں نہیں کھیلتا وہ رو پڑا اس نے رسول اکرم ﷺ کا چہرا دیکھا کہ پہلی مرتبہ کوئی آدمی مجھ سے پوچھتا ہے کہ تو کیوں نہیں کھیلتا اس نے کہا میں کیسے کھیلوں؟...... میرے تن پہ کپڑے نہیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''ان سارے بچوں نے کپڑے پہنے ہیں تو نے کپڑا نہیں پہنا'' وہ رو پڑا اور رو کر کہنے گا میں تمہیں کیا بتاؤں میں یتیم ہوں میری ماں فوت ہو چکی ہے میرا باپ فوت ہو چکا ہے آپ ﷺ نے اس کی بات سنی کھیلنے والوں کو نہیں دیکھا آپ ﷺ نے اس بچے کو اپنے ہاتھوں سے اٹھایا سینے سے لگایا اور گھر لے گئے فرمایا عائشہ! یہ یتیم بچہ تیرے دروازے پہ لایا ہوں آج کے بعد محمد ﷺ اس کا باپ ہوں عائشہ تو اس کی ماں ہے، تو اس بچے کے لئے حضور ﷺ رحمت کا پیغامبر بن کر آئے۔ اسی لئے حفیظ تائب نے کہا۔

حضور آئے تو سر آفرینش پا گئی دنیا اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آ گئی دنیا
بجھے چہروں کا رنگ اترا ہنستے چہروں پہ نور آیا حضور آئے تو انسانوں کو جینے کا شعور آیا
یتیموں اور ضعیفوں کو پناہیں مل گئیں آخر حضور آئے تو ذروں کو نگاہیں مل گئیں آخر
حفیظ اس در سے گر نسبت نہ رکھے لوح پیشانی تو کشکول گدائی ہے چہ درویشی و چہ سلطانی

حضور ﷺ جہانوں کے لئے رحمت ہیں، مزدوروں کے لئے رحمت ہیں محنت کش کے لئے رحمت ہیں، اور ان جبینوں کے لئے رحمت ہیں، جو جبینیں ہاتھ کی بنائی ہوئی مورتوں کے سامنے جھکتی تھیں ان کو اٹھا کر حضور ﷺ نے ایک خدا کے دروازے پر جھکا دیا، رسول اکرم ﷺ ان کے لئے بھی رحمت ہیں آپ ﷺ بچوں کے لئے رحمت ہیں، یتیم بچیوں کے لئے رحمت ہیں، بیوہ عورتوں کے لئے رحمت ہیں، مزدوروں کے لئے رحمت ہیں، محنت کشوں کے لئے رحمت ہیں، بے سہارا لوگوں کے لئے رحمت ہیں، اور کائنات کے ایک ایک

انسان کے لئے رحمت ہیں، ایک ایک حیوان کے لئے رحمت ہیں، ایک ایک جمادات کے لئے رسولِ اکرم ﷺ رحمت ہیں، جب کائنات کی ہر چیز کے لئے آپ ﷺ رحمت ہیں، اور یہ ساری روشنی آپ ﷺ کے قدموں کے صدقے ہے آج میرے پاس ایمان ہے تو یہ آپ ﷺ کی رحمت ہے، میں مسلمان ہوں تو یہ رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، آج تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیسے گزر رہی ہے؟، تو کہتا ہے سب کچھ رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، اگر چودہ سو سال کے بعد تیرا ایمان حضور ﷺ کی رحمت ہے، تیرا اسلام حضور ﷺ کی رحمت ہے، تیری خوشحالی حضور ﷺ کی رحمت ہے، تیرے ملک پر رحمت رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، سعودی عرب میں تیل نکل آیا، تو کہتا ہے، رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، اور تجھے گھر میں روٹی مل گئی تو کہتا ہے، رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، تو پھر مجھے کہنے دو صدیقؓ کی صداقت بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، عمرؓ کی عدالت بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، عثمانؓ کی شرافت بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، علیؓ کی عدالت بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، سلیمان فارسیؓ کا تقویٰ بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، ابوذر غفاریؓ کا زہد بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، ابن عباسؓ کی تفسیر بھی حضور ﷺ کی رحمت ہے، ابن مسعودؓ کی حدیث بھی رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، سارے صحابہؓ کی عظمت رسولِ اکرم ﷺ کی رحمت ہے، بلالؓ تپتی ریت پہ لٹایا جا رہا ہے اس کا استقلال حضور ﷺ کی رحمت ہے، خبابؓ کو آگ کے انگاروں پر لٹایا جا رہا ہے، اس کا استقلال حضور ﷺ کی رحمت ہے، طارق ابن زید کو پھانسی کے تختے پہ چڑھایا جا رہا ہے اس کا استقلال حضور ﷺ کی رحمت ہے، حذیفہ سہمیؓ کو آگ کے انگاروں پہ ابلتی ہوئی دیگ میں ڈالا گیا اس کا استقلال حضور ﷺ کی رحمت ہے اور تخت وتاج قیصر وکسریٰ سے صحابہؓ ٹکرائے حضور ﷺ کی رحمت ہے، اندھیروں میں چراغ جلائے، حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ نے چمکتی ہوئے تلواروں کے نیچے نبی کو نہیں چھوڑا، یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، بدوؤں نے قیصر وکسریٰ کے پرخچے اڑائے، یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، ساری کائنات کے بت پاش پاش کر کے پوری دنیا میں اسلام کا پرچم بلند کیا صحابہؓ نے، یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ کی عظمت حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ کا

علم حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ کا تقویٰ حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ کی شان حضور ﷺ کی رحمت ہے، صحابہؓ کا تدبیر حضور ﷺ کی رحمت ہے، اور قرآن میں ساڑھے سات سو جگہ پہ، اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو جنتی کہا، یہ ان کی وجہ سے نہیں، بلکہ یہ سب کچھ حضور ﷺ کی رحمت ہے۔ میرے بھائیو! آج کائنات کی ہر اچھائی حضور ﷺ کی رحمت ہے، جب حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے تھے، ایک شخص بھی مسلمان نہیں تھا اور پھر دنیا نے کیا دیکھا؟ کہ کعبہ جس میں تین سو ساٹھ بت تھے وہ بت گرا دئے گئے یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے اور فاران کی چوٹی پر اسلام کا سورج طلوع ہوا یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، ایک آدمی بھی ساتھ نہ تھا لیکن جب جنازہ اٹھا حضور ﷺ کا تو ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہؓ حضور ﷺ کے قدموں میں تھے یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے، قیصر وکسریٰ کے سارے بت پاش پاش ہوگئے یہ حضور ﷺ کی رحمت ہے مجھے کہنے دو، کائنات کا ہر حسن حضور ﷺ کی رحمت ہے، ہر خوبصورتی حضور ﷺ کی رحمت ہے، کائنات کی ساری رعنائی حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ جمال حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ حسن وملاحت حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ گلوں کی خوشبو حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ سمندر کا خروش حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ بلبل کی چہک حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ کائنات کی ساری روشنی حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ آسمان کی وسعت حضور ﷺ کی رحمت ہے، یہ زمین کا فرش حضور ﷺ کی رحمت ہے۔ (بحوالہ صدائے فاروقؒ)

آیا نہ کوئی آپ ﷺ جیسا رحمت عالم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کو دونوں جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے مٹی کے ذروں، پانی کے قطروں، امنڈتے بادلوں، چڑھتی گھٹاؤں، کوندتی بجلیوں، زمین کی پستیوں، پہاڑ کی بلندیوں، خشکیوں اور تریوں میں خدا کے جلوے انسان کو دکھا ئے حضور ﷺ نے دشمنوں پر اخلاق کے اسلحہ سے فتح پائی کردار کی حلاوت سے دل موہ لیا ہے۔

دوستوں کو اپنی دلفریب، تعلیم وتربیت سے اپنا جان نثار بنایا، انسانوں میں سے

مال، نسل اور رنگ کے بھید بھاؤ کو یکسر مٹا دیا، حسب ونسب کے بت کو پاش پاش کیا، اونچ نیچ کے فرق کو ہمیشہ کے لئے نیست ونابود کیا۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سارے انسان آدم اور حوا کی اولاد ہیں۔ جو آپس میں سب بھائی بھائی کی طرح ہیں۔ کسی کو کسی دوسرے پر عہدہ، مال اور وطنیت کی بناء پر کوئی بڑائی حاصل نہیں ہے۔ بڑائی کا معیار تو آدمی کا اپنا کردار ہوتا ہے۔ اس کی ظاہری دل فریبی کا نہیں ہوتا ہے۔

بڑا درحقیقت وہ ہے جو خدا کا فرمانبردار ہے، اور چھوٹا وہ شخص ہے جو خدا کا نافرمان ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے عملی زندگی میں یہ سب کچھ دکھایا ہے۔ وقت پر رسول اکرم ﷺ ساتھیوں کے ساتھ خندق کھودتے تھے، ٹوکری اٹھاتے تھے، لکڑیاں جمع کرتے تھے، اپنے جوتے کو خود مرمت کرتے تھے، خود دودھ دوھتے، بازار سے سودا سلف خود لے آتے اور پڑوسیوں کا کام اکثر کر دیا کرتے تھے۔

ایک سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھیوں نے اپنے درمیان سب کام تقسیم کر لئے، رسول اکرم ﷺ نے لکڑیاں لانا اپنے ذمے لیا۔ صحابۂ اکرامؓ نے عرض کیا: ''اے رسول اکرم ﷺ ہماری موجودگی میں آپ زحمت فرماویں۔ یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے۔'' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پسند نہیں کہ میں ممتاز بن کر رہوں، خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا ہے، جو اپنے ساتھیوں میں ممتاز بن کر رہے۔

حضور ﷺ شفقت و مہربانی کا نمونہ تھے، حضرت انس بن مالکؓ آپ ﷺ کے خادم اس بیان کرتے ہیں کہ: ''میں دس سال تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہا، لیکن حضور ﷺ نے میری نقصان کی بات میں اف تک نہیں فرمایا، نہ کبھی کسی کام کی بابت فرمایا کہ کیوں کیا، اور نہ کسی کام کے نہ کرنے کی وجہ دریافت فرمائی کہ یہ کام کیوں نہیں کیا۔ حضور ﷺ اخلاق اعلیٰ کے مقام پر تھے۔''

ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ: ''حضور ﷺ نے ایک بار خادمہ کو بلایا، اس نے آنے میں

دیر کر دی، چہرۂ مبارک پر غصہ نمودار ہو گیا، ام سلمہؓ نے پردہ سے جا کر دیکھا تو خادمہ کھیل رہی تھی، اس وقت حضور ﷺ کے دست مبارک میں ایک مسواک تھی۔ مخاطب ہو کر فرمایا: ''اگر قیامت کے دن مجھے بدلے کا ڈر نہ ہوتا تو اس مسواک سے تیری خبر لیتا۔''

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن اس کے درجات بلند ہوں، اس کو چاہیے کہ اس آدمی کو معاف کر دے جس نے اس پر ظلم کیا ہو، اور اس کو دے جس نے اس کو نہ دیا ہو، اس کے ساتھ رشتہ جوڑے جس نے اس سے رشتہ توڑا ہو، اور اس کی بات برداشت کرے جس نے اس کو برا کہا ہو۔''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''وہ لوگ اللہ کی رحمت سے محروم رہیں گے، جن کے دلوں میں دوسرے آدمی کے لئے رحم نہیں ہے، اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے ہیں۔'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔'' ؎

کرو مہربانی تم اہل زمین پر خدا تم سے خوش ہو گا عرش بریں پر

جنگ بدر کے موقع پر گرفتار قیدیوں میں حضور ﷺ کا ایک بدترین دشمن سہیل بن عمرو تھا جو شعلہ بیان مقرر تھا جو اپنی جادو بیانی سے مجمع کو مسحور کر لیتا اور تمام مجمعوں میں حضور ﷺ کے خلاف بیہودہ تقریریں کرتا تھا۔

اس کے متعلق حضرت عمر فاروقؓ نے یہ رائے دی کہ اس کے نیچے کے دو دانت اکھڑوا دیئے جائیں تاکہ پھر آئندہ جوش تقریر ماند پڑ جائے، اور ہرزہ گوئی سے باز آ جائے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر میں نے ایسا کیا تو خدا قیامت کے دن میرا چہرہ بگاڑ دے گا اگرچہ میں خدا کا رسول ہوں''۔

آپ ﷺ کے جانی دشمن دعثور بن حارث نے ایک بار آپ ﷺ کو تنہا پا کر تلوار سونت لی، اس کا ناپاک خیال تھا کہ آج آپ ﷺ کا خاتمہ کر دیا جائے، وار کرنا ہی تھا کہ تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔ آپ ﷺ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا: ''دعثور چلے جاؤ میں نے تمہیں

معاف کردیا۔"

مشہور واقعہ ہے کہ گرمی کے زمانہ میں حضور ﷺ سفر میں تھے، تپتی گرمی سے بچنے کے لئے ایک درخت کے سایہ میں آرام فرمانے لگے، صحابہ کرامؓ کچھ فاصلے پر لیٹے ہوئے تھے، دشمن تاک میں تھا، آکر حضور ﷺ کو گستاخی کے ساتھ بیدار کیا اور کہا محمد بتاؤ! آج تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ حضور ﷺ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: "اللہ......" تسلی بھرے اس جواب سے دشمن گھبرا گیا چکرا کر گر پڑا، تلوار ہاتھ سے گر گئی، ظالم کا پنجہ کمزور ہو گیا۔ پھر حضور ﷺ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا: "اب بتا تجھے کون بچائے گا؟......" وہ کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "چلے جاؤ میں بدلہ نہیں لیتا، میں معاف کرتا ہوں۔

ہبار بن اسود ایک طرح سے حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا قاتل تھا، ہوا یہ کہ صاحبزادی محترمہ ہجرت کر کے مدینہ جا رہی تھیں، ہبار نے اونٹ پر نیزہ مارا اس پر آپؓ سوار تھیں۔ اونٹ بدک کر دوڑا، حضرت زینبؓ اونٹ سے زمین پر گر پڑیں، آپؓ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہو گیا، جس کے اثر سے آخر عمر تک بیمار رہیں۔ یہ پرسوز واقعہ رسولِ اکرم ﷺ کے لئے اذیت ناک تھا۔

فتح مکہ کے بعد اس نے چاہا کہ میں ایران بھاگ جاؤں، کچھ سوچ کر وہ دربار رسالت پناہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا، اے رسولِ اکرم ﷺ میں بھاگ کر ایران جانا چاہتا تھا، لیکن آپ ﷺ کا رحم و کرم یاد آیا، اب میں حاضر ہوں، میرے متعلق جس جرم کی خبر آپ ﷺ تک پہنچی ہے وہ سچ ہے۔ آپ ﷺ میری جہالت کو معاف کر دیجئے، اور میرا اسلام لانا قبول کر لیجئے۔ حضور ﷺ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔ یہی وہ فراخدلی اور وسعت ظرفی تھی کہ جو کل تک حضور ﷺ کے جان لیوہ تھے، وہ آپ ﷺ کے جان نثار اور آپ ﷺ کی تحریک کے پاسبان اور متوالے ہو گئے۔

آئے بہت پاک و مکرّم بن کر آیا نہ کوئی آپؐ جیسا رحمت بن کر

بے شک رسولِ اکرم ﷺ نے انسانی زندگی کے ہر مسئلہ میں غریبی، امیری، جوانی،

بڑھاپا، رنج وراحت اور مسرت وغم کے موقع پر خدا کے بندوں کی رہبری فرمائی، اور اپنی تعلیمات سے دلوں کو پاک اور صاف اور روحوں کو روشن اور پرنور، طبیعتوں کو معاملہ فہم اور جسموں کو صاف وشفاف بنادیا۔

حضور ﷺ نے انسانوں کو ان کی بصیرت کی آنکھوں سے ان کے خدا کا جلوہ دکھادیا، بندوں اور خدا کے درمیان شعوری رشتہ اوران کا ان کے پالنہار (یعنی پالنے والا) سے رابطہ قائم کرایا۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضری دی، اس نے دنیا اور آخرت کے بارے میں چند ضروری سوالات کئے، اس نے دریافت کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! میری خواہش ہے کہ میں سب سے بڑا عالم بن جاؤں، میری رہنمائی فرمایئے۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''خدا سے ڈرتے رہو سب سے بڑے عالم بن جاؤ گے، خدا کا ڈر اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے انسان پر علم وحکمت کے دروازے کھلتے ہیں۔'' عرض کیا: ''چاہتا ہوں سب سے بڑا انسان بن جاؤں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے بڑا انسان وہ ہے، جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ تمہارے لئے بہتر ہے کہ سب کے لئے برابر نفع پہنچانیوالے بنو۔ مزید فرمایا کہ وہی دوسروں کے لئے پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔'' اس نے کہا: ''میں خدا کا نزدیکی بننا چاہتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے زیادہ خدا کو یاد کرو، خدا کے نزدیکی بن جاؤ گے۔'' اس نے معلوم کیا: ''میری خواہش ہے کہ میں نیک اور احسان کرنے والا بنوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''عبادت اس طرح کرو گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس طرح تو کرو کہ حق تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' اس نے سوال کیا: ''کوئی طریقہ بتادیں کہ خدا کا فرمانبردار بن جاؤں؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے فرائض ادا کرتے رہو گے تو تمہارا شمار فرمانبرداروں میں ہوتا رہے گا۔'' اظہارِ تمنا کیا کہ: ''میدان حشر میں نور کے ساتھ اٹھایا جاؤں۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کسی پر ظلم نہیں کرو گے تو قیامت میں نور کے ساتھ اٹھائے جاؤ گے۔'' پوچھا: ''چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم

وکرم کا معاملہ فرمائے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے آپ پر اور اللہ کے بندوں پر ترس کھاؤ، خدا تم پر رحم کرے گا۔'' سوال کیا: ''دلی آرزو ہے کہ سب لوگوں سے زیادہ بزرگ ہو جاؤں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''مصیبت کے اوقات میں خدا کی شکایت زبان پر نہ لاؤ سب سے زیادہ بزرگ بن جاؤ گے۔'' اس نے عرض کیا: ''میں اپنی روزی میں بڑھوتری چاہتا ہوں۔'' تو آپ ﷺ نے بتایا: ''ہمیشہ پاک وصاف رہو روزی میں برکت اور بڑھوتری حاصل ہو گی۔'' معلوم کیا: ''میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا دوست بننا چاہتا ہوں۔'' آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہوا: ''جن چیزوں کو خدا اور اس کے رسول ﷺ پسند کرتے ہوں، انہیں اپنے لئے اختیار کرو، اور جن چیزوں کو خدا اور اس کے رسول ﷺ ناپسند کرتے ہوں ان سے تم بھی نفرت کرو، تو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے دوست بن جاؤ گے۔'' اظہارِ تمنا کیا کہ: ''خدا کے دربار میں جو دعائیں کروں ساری قبول ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''حرام چیزوں اور حرام باتوں سے پرہیز کیا کرو، تو تمہاری ہر دعا قبول ہو جایا کرے گی عرض کیا: ''خدا قیامت کے دن سب کے سامنے ذلیل ورسوا نہ کرے۔'' آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہوا: ''تم اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرو گے تو خدا تمہیں قیامت میں ذلیل اور رسوائی سے بچائے گا۔'' سوال کیا: ''میں خدا کے غضب اور غصہ سے بچنا چاہتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کسی پر بے جا غصہ نہ کرو گے تو خدا کی ناراضگی سے بچے رہو گے۔''

ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔'' صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا: ''اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کی جا سکتی ہے، لیکن ظالم کی مدد کیونکر کی جائے؟...... آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی مدد یہ ہے کہ تم اس کو ظلم سے روک دو۔'' دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ: میرے بندو! میں نے اپنے لئے اور تمہارے لئے آپس میں ظلم کو حرام کیا ہے، تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ مزید ارشاد ہوا کہ: ظلم سے بچو، ظلم قیامت کے دن ظلمات بن جائے گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے بھائی کی آبرو یا کسی چیز پر ظلم کیا تو اسے چاہئے کہ آج ہی اس سے

پاک ہولے، اس دن سے پہلے کہ اس کے پاس دینے کو نہ دینار ہونہ درہم، ظلم کا بدلا ظلم کے برابر دینا ہوگا۔ مظلوم کو نیکیاں دلوائی جائیں گی اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں ظالم پر لادی جائیں گی۔'' پھر ارشاد ہوا: ''ظالم کو خدا مہلت دیتا ہے، اور جب اس کو گرفت میں لے لیتا ہے تو پھر کبھی نہیں چھوڑتا۔''

آپ ﷺ ایک باغ کے پاس سے گزر رہے تھے، کہ ایک اونٹ زور سے بلبلا اٹھا، آپ ﷺ نے اس کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرا، اور پھر اس کے مالک کو بلا کر اس سے فرمایا: ''اس جانور کے بارے میں خدا سے ڈرو۔'' ایک بار ایک صحابیؓ ابو مسعود انصاری اپنے غلام کو پیٹ رہے تھے کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے اور رنجیدہ ہو کر فرمایا: ''ابو مسعود! اس غلام پر تمہیں جس قدر اختیار ہے اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ اختیار ہے۔'' ابو مسعودؓ یہ بات سن کر خوفزدہ ہو گئے اور غلام کو آزاد کر دیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص نرمی کی صفت سے محروم ہو گیا وہ سارے خیر سے محروم ہو گیا۔'' ارشاد ہے: ''قیامت کے دن ان لوگوں کو پکار کر ان کا اجر دیا جائے گا جو دنیا میں لوگوں کی خطائیں معاف کر دیا کرتے تھے۔ مزید ارشاد فرمایا: ''مومن اپنے اخلاق سے زاہد شب زندہ دار و دائم الصوم کا درجہ حاصل کر لیا کرتا ہے''

حضور ﷺ نے فرمایا میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے:

(۱)...... کھلے اور چھپے ہر حال میں خدا سے ڈرتا رہوں۔

(۲)...... غصے میں ہوں یا خوشی میں ہر حال میں انصاف کی بات کروں

(۳)...... محتاجی اور امیری دونوں حالتوں میں اعتدال پر قائم رہوں۔

(۴)...... جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں۔

(۵)...... جو مجھے محروم کرے میں اسے دوں۔

(۶)...... جو مجھ پر ظلم کرے میں اسے معاف کروں۔

(۷)...... میری خاموشی غور و فکر کی خاموشی ہو۔

(۸)......میرا بولنا یادِ الٰہی کا بولنا ہو۔

(۹)......میرا دیکھنا عبرت کا دیکھنا ہو۔

دین و دنیا کی بھلائی گر تجھے منظور ہے اس کا دامن تھام لے جس کا نام محمد ہے

رسولِ اکرم ﷺ رحمۃ اللعالمین بن کر مبعوث ہوئے

جن دنوں معاشرہ انسانی برائیوں کی آماجگاہ تھا، انسانیت خوف و ... کی آتشِ خاموش میں جل رہی تھی، انسان مضطرب و بے قرار تھا، زندگی جمود و تعطل کا ... چکی تھی، عدل و احسان کا فقدان تھا، ظلم و جہل کی گرم بازاری تھی، معاشرہ امن و سلامتی کو اور انسانیت طمانیت و سکون کو ترس رہی تھی۔

ایسے نازک اور سلگتے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو رحمت بنا کر مبعوث فرمایا، اور خطاب عظیم سے نوازا کہ: ''اے محمد ﷺ! ہم نے آپ ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کو تمام افرادِ نسلِ انسانی کے لئے مژدہ دینے اور متنبہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

حضور ﷺ کی جلوہ فرمائی سے لے کر حضور ﷺ کے وصال تک۔ جتنے بھی حالات اور جس قدر بھی واقعات ہیں۔ وہ بنی نوعِ انسان کے لئے نمونۂ عبرت اور مجسمۂ رحمت ہیں۔ اگر آپ دولت مند ہیں تو مکہ کے تاجروں اور بحرین کے خزینہ داروں کی پیروی کریں۔ اگر آپ غریب ہیں تو ابی طالب کی قیدی اور مدینہ کے مہمان ﷺ کی کیفیت سنیں۔ اگر آپ بادشاہ ہیں تو سلطان عرب ﷺ کا حال پڑھیں۔ اگر آپ رعایا ہیں تو قریش کے محکوم ﷺ کو ایک نظر دیکھیں، اگر آپ فاتح ہیں تو بدر و حنین کے سپہ سالار ﷺ پر نظر کریں۔ اگر آپ نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ احد سے عبرت حاصل کریں۔ اگر آپ استاد اور معلم ہیں تو درسگاہِ صفہ کے معلم قدس ﷺ کو دیکھیں۔ اگر شاگرد ہیں تو روح امین کے سامنے بیٹھنے والے کو دیکھیں۔ اگر آپ واعظ اور ناصح ہیں تو مسجد مدینہ کے ممبر پر کھڑے ہونے والے کی

باتیں سنیں۔ اگر آپ تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہیں تو مکہ کے بے یارو مددگار نبی ﷺ کا اسوہ آپ کے لئے ہے۔ اگر آپ حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور اپنے مخالفوں کو اپنا بنانا چاہتے ہیں تو فاتح مکہ ﷺ کا نظارہ کریں۔ اگر آپ اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم ونسق درست کرنا چاہتے ہیں تو بنی نضیر اور فدک کی زمینوں کے مالک ﷺ کے کاروبار کو دیکھیں۔ اگر آپ یتیم ہیں تو عبداللہ اور آمنہ کے جگر گوشہ ﷺ کو نہ بھولیں۔ اگر آپ بچے ہیں تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے ﷺ کو دیکھیں۔ اگر آپ جوان ہیں تو مکہ کے چرواہے ﷺ کی سیرت پڑھیں۔ اگر آپ سفری کاروبار میں ہیں تو بصرہ کے سالارِ کارواں ﷺ کی مثالیں ڈھونڈیں۔ اگر آپ عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہیں تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث ﷺ کو دیکھیں۔ جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک کونہ میں کھڑا کر رہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھیں جس کی نظر انصاف میں شاہ وگدا امیر وغریب برابر تھے۔ اگر آپ بیویوں کے شوہر ہیں تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر ﷺ کی حیات پاک کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر آپ اولاد والے ہیں تو فاطمہ کے باپ اور حسن وحسین کے نانا ﷺ کا حال پوچھیں۔

غرض اگر آپ کوئی بھی ہوں اور کسی حال میں بھی ہوں آپ کی زندگی کے لئے نمونہ، آپ کی سیرت کی درستی کے لئے سامان۔ آپ کے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور رسولِ اکرم ﷺ کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے، اور طبقۂ انسانی کے ہر طالب علم اور نور ایمانی کے متلاشی کے لئے صرف رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرت پاک کا یہ تاریخی وتحقیقی تجزیہ کیا ہے:۔ حضور ﷺ کی سیرت پاک اور زندگی کی داستان عشق الٰہی اور محبت انسانی کی حسین ترین داستانِ رحمت ہے۔ حضور ﷺ کے دن محنت انسانی میں گزرتے تھے تو راتیں عشق الٰہی میں کٹتی تھیں۔

کبھی حضور ﷺ فلاحِ انسانی میں شہر کی گلیوں اور بازاروں میں تو کبھی شہر سے باہر مضافاتی بستیوں، کارخانوں، خانہ بدوش لوگوں سے ملتے جلتے اور انہیں راہ حق کی دعوت دیتے تھے، حضور ﷺ کبھی انہیں قرآن سناتے تو کبھی دینوی واخروی کامیابیوں کا مژدہ دیتے اور عقوبات وسزاؤں سے باخبر کرتے تھے، حضور ﷺ کی زندگی کا اہم پہلو یہ تھا کہ دوسروں کو زندگی عطا کرنے سے زندگی مل جاتی ہے، اور دوسروں کی زندگی چھیننے سے اپنی زندگی بھی چھن جاتی ہے۔

لہٰذا جسے اپنا دامنِ زندگی کی مسرتوں سے بھرنا ہو اسے دوسروں کو مسرتیں دیتے رہنا چاہئے، کیوں کہ حضور ﷺ کی حیات مقدس صرف ایک طبقہ، ایک عہد کے لئے نہیں بلکہ ہر زمان ومکان کے انسان کے لئے رحمت ہے۔

اس لئے آپ ﷺ ایمان واعمال صالحہ، عدل واحسان، محنت ومشقت، ایثار وقربانی، عزم وہمت اور صبر واستقامت کے پیکر تھے۔ آپ ﷺ نے بنی نوع انسان سے محبت کرنا، ان کے لئے رحمت بن جانا، ان کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی بھی دینے سے دریغ نہ کرنا، بے کسی وبے چارگی کے عالم میں بھی اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا، شدائد وآلام میں صبر کرنا، تلواروں کے سائے میں ثابت قدم رہنا، حق وصداقت کی خاطر بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا جانا، اعلیٰ نصب العین کی خاطر امارت وحکومت، دولت وقوت سب کو ٹھکرا دینا اور حق وصداقت کی راہ پر گامزن رہ کر حقیقی منزل مقصود کی پر پہنچ جانا سکھایا ہے۔ حضور ﷺ ازبس رحم دل، نرم خو، اور کریم تھے۔ حضور ﷺ نے کبھی کسی کے لئے زجر وتوبیخ روا نہ رکھا۔

حضور ﷺ کا ارشادگرامی ہے: ''جس شخص کو نرمی وسعادت سے محروم کر دیا جاتا ہے، اسے نیکی اور بھلائی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ایک بار کسی شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا: ''مجھے نصیحت فرمائیے۔'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''لَا تَغْضَب یعنی غصہ نہ کر۔'' اس نے کئی مرتبہ یہ بات کہی اور ہر دفعہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا ''غصہ نہ کرو''۔

ایک دیہاتی حاضر خدمت ہوا۔ اس نے آپ ﷺ کی چادر مبارک زور سے کھینچی

جس کی وجہ سے حضور ﷺ کی گردن پر نشان پڑ گیا، پھر بولا محمد ﷺ! میرے یہ دو اونٹ ہیں، ان کی لاد کا سامان مجھے دے دو۔ کیوں کہ جو سامان تیرے پاس ہے، وہ نہ تو تیرا ہے اور نہ ہی تیرے باپ کا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مال تو اللہ کا ہے اور میں اس کا بندہ ہوں۔'' پھر دیہاتی سے دریافت فرمایا: ''جو برتاؤ تم نے مجھ سے کیا اس پر تم ڈرتے نہیں؟'' وہ بولا نہیں، رسولِ اکرم ﷺ نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے، یہ سن کر رسولِ اکرم ﷺ ہنس پڑے اور اس کی طلب پوری فرمانے کی ہدایت فرمائی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہودی علماء کی ایک جماعت آپ ﷺ کے پاس آئی اور السام علیکم (یعنی تباہی ہو تم پر) کہا۔

حضرت عائشہؓ یہ سن کر برداشت نہ کر سکیں، انہوں نے کہا بلکہ تم لوگ غارت ہو جاؤ، اور تم پر خدا کی لعنت ہو۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ کو اس قسم کے جواب سے منع فرمایا۔ اور ارشاد ہوا: ''خدا مہربان ہے اور ہر کام میں مہربانی پسند کرتا ہے۔'' آپ ﷺ کی حیات طیبہ اسی محور پر گردش کرتی رہی اور آپ ﷺ رحمت کے ابرِ نیساں بن کر دنیائے عالم پر نچھاور ہوتے رہے۔

حضور ﷺ کی شانِ رحیمی ملاحظہ کیجئے کہ نبوت کے تیئیس (۲۳) سال کے عرصے میں اپنے مخالفوں سے سینتیس (۳۷) بار جنگ کی، پینتیس (۳۵) مہموں میں انہیں کامیابی نصیب ہوئی، لیکن تاریخ کسی بڑے سے بڑے جرنیل کا ایسا عسکری ریکارڈ پیش کرنے سے قاصر ہے کہ وہ تیرہ سال تک مسلسل صف بندی کی حالت میں رہا۔ لیکن اس کے ہاتھ سے کوئی انسان بھی نہیں مارا گیا۔ نہ آپ ﷺ کی فوج نے کبھی کسی بوڑھے یا بچے یا عورت پر ہاتھ اٹھایا اور نہ کسی کھیت کو اجاڑا، نہ ہی کسی سبز درخت کو کاٹا۔

آپ نے دشمنوں سے پیار کی باتیں سنی ہونگی، اس کی عملی مثال نہیں دیکھی ہوگی تو آیئے مدینہ کی سرکار میں:۔

ہجرت کے وقت قریش کے رئیس یہ اختیار دیتے ہیں کہ جو محمدؐ کا سر قلم کر کے لائے گا، اس کو سو (۱۰۰) اونٹ دیئے جائیں گے۔ سراقہ بن جعشم اس انعام کے لالچ میں مسلح ہو کر رسولِ اکرم ﷺ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتا ہے اور۔ قریب پہنچ جاتا ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ گھبرا جاتے ہیں۔ اور آپ ﷺ دعا کرتے ہیں۔ تین دفعہ سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں دھنس جاتے ہیں، سراقہ تیر کے پانسے نکال کر فال دیکھتا ہے، ہر دفعہ جواب آتا ہے کہ اس کا پیچھا نہ کرو۔ وہ مرعوب ہو جاتا ہے، واپسی کا عزم کر لیتا ہے۔ حضور ﷺ کو آواز دیتا ہے اور حفظ و امان کی درخواست کرتا ہے کہ جب حضور ﷺ کو اللہ قریش پر غالب کرے تو مجھ سے باز پرس نہ ہو، رسولِ اکرم ﷺ یہ خط لکھ کر ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد وہ ایمان لاتا ہے۔ تاہم رسولِ اکرم ﷺ اپنے قاتل سے یہ نہیں پوچھتے ''کہ سراقہ تمہارے جرم کی اب کیا سزا ہے؟......''

غزوۂ احد میں دشمن حملہ کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نرغۂ اعداء میں ہوتے ہیں، حضور ﷺ پر پتھر، تیر اور تلوار کے وار ہوتے ہیں، دندانِ مبارک شہید ہوتا ہے، خود کی کڑیاں سر مبارک پر گڑ جاتی ہیں چہرۂ مبارک خون سے رنگین ہوتا ہے۔ اس حالت میں بھی رسولِ اکرم ﷺ رحمت کا نمونہ پیش کرتے ہیں: ''خدایا! میری قوم کو ہدایت عطا فرما کہ وہ نہیں جانتی۔''

حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں، حضور ﷺ کی سنت حسنہ پر عمل کرنے کا مطلب ہے دوسروں کے لئے سراپہ رحمت بن جانا۔ یہی اسلام کی غایت بھی ہے۔ اور آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کا خلاصہ بھی۔ اور آپ کے تئیں امتی کا فرض منصبی بھی ہے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

خصوصیت نمبر ۸۱

رسولِ اکرم ﷺ اور شق القمر کی عظیم خصوصیت

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے اکاسی نمبر خصوصیت کی ابتدا کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ اور شق القمر کی عظیم خصوصیت'' اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا سایہ نصیب فرمایا اور میں اپنے آقا ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کے بارے میں اپنے گناہ گار ہاتھوں اور آبلہ پا قلم سے لکھ رہا ہوں اور جو لکھا گیا تھا اسے ترتیب دے رہا ہوں، صرف اور صرف اس امید پر کہ شاید یہ کاوش ہی میری نجات کا ذریعہ بن جائے، شاید اپنے حضور ﷺ کی شان میں میرا چلنے والا قلم ہی روزِ قیامت حضور ﷺ کی شفاعت کا سایہ نصیب فرمادے، بس دل کو یہی تسلی ہے اور اسی امید پر لکھتا چلا جارہا ہوں، زبان پر صلوٰۃ وسلام جاری ہے، لوگوں کا اژدھام ہے جس کی وجہ سے لکھتے وقت کافی نشیب وفراز کا سامنا ہے، لیکن دل میں مچلتی حضور ﷺ کی محبت مجبور کررہی ہے کہ کچھ بھی ہو موقع ہے آقا ﷺ کے روضے کے سامنے میں لکھتا چلا جاؤں کہ یہی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

بہرحال محترم قارئین! اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی سب سے منفرد اور بلند وبالا ہے کہ اللہ رب العالمین نے اپنے پیارے اور محبوب نبی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے فرمادیئے جبکہ تمام انبیاء کی سیرتوں میں کہیں ایسی بات نظر نہیں آتی تو معلوم ہوا کہ لاشک یہ خصوصیت بھی ہمارے رسولِ اکرم ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت سے متعلق ملاحظہ فرمائیں گے جسے ہم نے عین قرآن وحدیث کی روشنی میں روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر

مرتب کیا ہے امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کا مطالعہ بھی آپ کے ایمان میں اضافہ کرے گا اور دعا گو ہوں کہ یا خداوند قدوس میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما، آمین یارب العالمین۔

اکاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

شق القمر یعنی چاند کے پھٹ جانے کا تحیّر خیز واقعہ جمہور علماء اسلام کے نزدیک رسولِ اکرم ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے لیکن بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ قرآن مجید اس واقعہ کو قرب قیامت کی نشانی کے طور پر پیش کیا ہے اور یہ اس اعتبار سے آپ ﷺ کی صداقت کا نمایاں ثبوت تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے قیامت کی آمد اور اس کی کیفیت کے بارے میں جو خبریں لوگوں کو دی تھیں۔

اس واقعہ نے ان کی تصدیق کر دی تھی، بہرصورت اس کے وقوع پر سب کا اتفاق ہے، کیوں کہ یہ واقعہ قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ . وَاِن يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ. (القمر) ”قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا ان لوگوں کا یہ حال ہے۔ کہ خواہ کوئی (بھی) نشانی دیکھ لیں، منہ موڑ جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تو سب چلتا ہوا جادو ہے۔“

اس واقعہ کا ذکر بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ، احمدؒ، ابوعوانہؒ، ابوداؤد طیالسیؒ، ابن جریرؒ، طبرانیؒ، بیہقیؒ، عبدالرزاقؒ، ابنِ مردویہ اور ابونعیمؒ سبھی نے معتبر سندوں کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے راویوں میں حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت جبیر بن مطعمؓ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت صحابہ شامل ہیں۔

یہ واقعہ ہجرت نبوی سے تقریباً پانچ سال پہلے ۸ ھ بعد کے اواخر یا ۹ ھ بعد

بعثت کے آغاز میں پیش آیا اس وقت کفار کی طرف سے شعب ابی طالب کے محاصرے کو دو برس گزر چکے تھے۔ قمری مہینے کی چودھویں رات تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ شعب ابی طالب سے نکل کر منیٰ میں تشریف فرما تھے۔

اس وقت کفار کا ایک مجمع رسولِ اکرم ﷺ کے پاس موجود تھا۔ کچھ صحابہ بھی رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ (ان میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ بن یمان ؓ کے اسماء گرامی یقینی طور پر معلوم ہیں)۔ چاند ابھی طلوع ہوا تھا، یکا یک وہ پھٹا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا سامنے کی پہاڑی کے ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف نظر آیا۔ یہ کیفیت لمحہ بھر کے لئے رہی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: ''دیکھو اور گواہ رہو۔''

اس کے ساتھ ہی دونوں ٹکڑے باہم جڑ گئے۔ مشرکین نے یہ تحیر خیز واقعہ دیکھ کر کہا، محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا تھا اس لئے ہماری آنکھوں نے دھوکا کھایا۔ ان میں سے کچھ آدمیوں نے کہا کہ وہ ہم پر تو جادو کر سکتے تھے۔ جو لوگ یہاں موجود نہیں ہیں ان پر تو نہیں کر سکتے تھے۔ ہمیں چل کر باہر کے لوگوں سے پوچھنا چاہئیے کہ انہوں نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یا نہیں دیکھا؟

چنانچہ جب باہر سے وہ سب لوگ آئے اور ان سے اس واقعہ کے بارے میں پوچھا گیا، تو ان میں سے بعض نے شہادت دی کہ وہ بھی چودھویں کے چاند کو دو ٹکڑے ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ یہ تصدیق سن کر بھی مشرکین قریش دولت ایمان سے محروم ہی رہے اور ایمان نہ لائے۔

حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ اہل مکہ کفار نے رسولِ اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ ﷺ سچے ہیں تو ہمیں کوئی بڑا نشان دکھائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے کہ کفار نے مطالبہ کیا کہ ہمیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں، ایک ٹکڑا جبل بوقبیس پر رہے اور دوسرا جبل قُعَیقِعَان پر۔ رسولِ اکرم ﷺ

نے اس معجزہ کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کی، فوراً ہی چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے نصف حصہ جبل بوقبیس پر اور نصف حصہ جبل قعیقعان پر چلا گیا۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے چاند کو دو حصوں میں پھٹنا دکھایا۔ ایک حرا کے ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف۔ (صحیحین۔ دلائل النبوۃ ابونعیمؒ)

دوسرے تمام صحابہ سے جو روایات اس واقعہ کے بارے میں ملتی ہیں ان میں کسی میں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ معجزہ کفار کے مطالبے پر دکھایا گیا تھا۔ اس بات کے ایک راوی حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اس واقعہ کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ دوسرے راوی پونے تین سو میل دور یثرب کے رہنے والے تھے اور اس واقعہ کے وقت ان کی عمر تقریباً پانچ برس کی تھی گویا یہ حدیث دوسروں سے سن کر بیان کی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ واقعہ خواہ کفار کے مطالبہ پر وقوع پزیر ہوا ہو یا اللہ تعالیٰ نے اسے قرب قیامت کی نشانی اور رسول اکرم ﷺ کی صداقت کے طور پر دکھایا ہو، بہرصورت یہ حضور ﷺ ہی کے ذریعے وقوع میں آیا ہے۔ بالفاظ دیگر اس واقعہ کا جناب رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے گہرا تعلق ہے۔ اس لئے اسے جناب رسول اکرم ﷺ کا معجزہ ہی کہا جائے گا۔

اب رہے اس واقعہ پر بعض لوگوں کے اعتراضات، تو مفسرین اور ارباب سیران اعتراضات کا جواب بڑی تفصیل سے دے چکے ہیں۔ ویسے بھی دوسرا کونسا معجزہ یا مافوق الفطرت واقعہ ہے جس پر مستشرقین، غیر مسلم لوگ اور تجدّد زدہ ''مسلمان'' اعتراض نہیں کرتے۔ یہ ایمان اور عقیدے کی بات ہے۔ جو بات قرآن پاک اور مستند احادیث کی رو سے ثابت ہو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اس سے انکار کرے۔ ہم اپنے موقف کے حق میں لاکھ ناقابل تردید دلائل پیش کر دیں، نہ ماننے والے انہیں کبھی بھی نہیں مانیں گے۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ شق قمر کا واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، مسند احمد بن حنبل مستدرک حاکم مسند طیالسی، دلائل بیہقی اور دلائل ابونعیم میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ اس کے راویوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت

عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت علیؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ، جیسے صحابہ کرام شامل ہیں۔ اس سلسلہ کی چند روایات درج ذیل ہیں۔

(۱) ''حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مکہ کے کافروں نے جمع ہو کر رسولِ اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اگر تم نبوت کے دعوے میں سچے ہو تو کوئی نشانی معجزہ دکھاؤ، چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیئے، یہاں تک کہ ان کافروں نے حراء پہاڑ کو چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں دیکھا'' (بخاری و مسلم)

(۲) ''اور حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے زمانہ میں چاند درمیان سے شق ہو کر اس طرح دو ٹکڑے ہو گیا کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر کی جانب تھا اور دوسرا ٹکڑا نیچے کی جانب، رسولِ اکرم ﷺ نے کافروں کی طلب پر یہ معجزہ دکھا کر ان سے فرمایا میری نبوت یا میرے معجزے کی شہادت دو۔'' (بخاری و مسلم)

تشریح...... ''شہادت دو۔'' کے ایک معنی بعض حضرات نے یہ لکھے ہیں کہ ''آؤ اور اس معجزہ کو دیکھو۔'' اس معنے کی صورت میں "اشھدوا" کو شہادت سے مشتق کہا جائے گا، پہلے معنیٰ کی صورت میں (جو ترجمہ میں بیان ہوئے ہیں) "اشھدو" کو "شھود" سے مشتق مانا جائے گا۔

بے شک شق القمر کا معجزہ، یعنی حضور ﷺ کے دست مبارک کے اشارے پر چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا، ایک حقیقی واقعہ ہے جس کی صداقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اس واقعہ سے متعلق روایت کو صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک بہت بڑی جماعت، نے بیان کیا ہے، اور ان کے واسطہ سے بے شمار محدثین نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

علامہ ابن سبکیؒ نے شرح مختصر ابن حاجب میں لکھا کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ شق قمر کی روایت متواتر اور اس کو بخاری و مسلم نیز دوسرے بہت سے ائمہ حدیث نے اتنے زیادہ طرق سے نقل کی ہے کہ اس میں کہیں سے بھی شک کا گزر نہیں ہے، علاوہ ازیں اس معجزہ کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت خود قرآن کریم ہے۔ چنانچہ تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق

واجماع ہے کہ آیت کریمہ:۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرِ وَاِن يَّرَوا اٰيَةً يُّعرِضُوا وَيَقُولُوا سِحرٌ مُّستَمِرٌّ. ''قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا اور اگر یہ لوگ (کافر) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو روگردانی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔''

میں وہی شق القمر مراد ہے جو رسولِ اکرم ﷺ کے معجزہ کے طور پر واقع ہوا، نہ کہ وہ انشقاق قمر مراد ہے جو قیامت کے دن واقع ہوگا، اس کی واضح دلیل خود آیت کے الفاظ ''ان يَّرَوا اٰيَةً يُّعرِضُوا الخ'' ہیں۔

بہت سے بے دینوں اور فلسفیوں نے اس کا انکار کیا ہے، ان کے انکار کی بنیاد اس اعتقاد پر ہے کہ فلکیات میں خرق والتیام ممکن نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی فلکیات کا خالق اور قادر مطلق ہے، تمام فلک اس کی قدرت کے مسخر اور اس کے تابع ہیں اس کائنات میں جو کچھ ہے، خواہ زمین ہو یا آسمان، چاند ہوں یا سورج ان سب میں سے جس کو چاہے وہ توڑ پھوڑ کر ایک کرسکتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قیامت کے دن وہ آسمان کو اس طرح سے لپیٹ دے گا، جس طرح کہ کاغذ کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ فلکیات میں خرق والتیام کے محال کا نظریہ جو اس وقت بھی بہت سے فلاسفہ کے نزدیک محل نظر تھا، وہ تحقیق وتجربہ کے بعد اب بالکل باطل ہو چکا ہے۔ اس دور کے انسان نے چاند پر پہنچ کر شق القمر کے معجزہ کو زبردست قسم کی تائید پہنچائی ہے۔ لہٰذا خرق والتیام کی بحث اٹھا کر اس معجزہ کے خلاف دلیل قائم کرنا بالکل ہی بے معنیٰ بات ہوگئی ہے۔

منکرین صداقت ایک اور اعتراض کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ چاند میں اتنا زبردست تغیر ہو جانا کہ وہ ٹکڑوں میں بٹ گیا کوئی معمولی بات نہیں تھی اگر حقیقت میں ایسا تھا تو اس کا مشاہدہ صرف اہل مکہ تک محدود نہ رہتا بلکہ اس کرشمہ کو تمام اہل زمین دیکھتے اور بلا تفریق مذہب وملت تمام مورخین تواتر کے ساتھ اس کا تذکرہ کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس معجزہ کا وقوع کچھ خاص لوگوں کے مطالبہ پر تھا اور

انہیں کو یہ کرشمہ دکھانا اور ان کو لاجواب کرنا مقصود تھا۔ علاوہ ازیں یہ رات کے وقت کا واقعہ ہے، جو ایک لمحہ کے لئے تھا، ظاہر ہے کہ ایسے میں جب کہ اکثر لوگ محوِ خواب ہوں گے اس لمحاتی کرشمہ کا عام مشاہدہ کیسے ممکن تھا۔

دوسرے یہ کہ اختلاف مطالع کی بنا پر یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ چاند ایک ہی وقت میں ایک ہی مطلع پر دنیا کے تمام خطوں میں نظر آئے اس لئے معجزہ کے وقوع کے وقت کا چاند دنیا کے تمام خطوں میں سے کچھ کو نظر آیا اور کچھ کو نہیں، جیسا کہ جب چاند گرہن ہوتا ہے تو اس وقت کچھ خطوں میں نظر آتا ہے اور کچھ خطوں میں نظر نہیں آتا ہے۔

علاوہ ازیں بعض روایتوں میں آتا ہے اس دن عرب کے باہر کے جو لوگ مکہ مکرمہ یا اس کے قریبی علاقوں میں آئے ہوئے تھے انہوں نے اپنے شہروں اور علاقے میں پہنچ کر اس واقعہ کی اطلاع دی۔

جہاں تک تاریخ میں اس عجیب وغریب واقعہ (شق قمر) کے ذکر کا تعلق ہے، تو اسلامی تاریخ وسیر کی کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر تواتر کے ساتھ موجود ہی ہے، گو اسلام مخالف اور دین بیزار لوگ اسے انکار کریں۔ لیکن اسلامی تاریخ کے علاوہ بعض قوموں کے تذکرہ اور احوال میں بھی اس واقعہ کا ذکر ملتا ہے، جیسے ہندوستان کے علاقہ ملیبار یا مولوہ کے شہر وہار کے راجہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ تو صرف اس واقعہ کے مشاہدہ یا تصدیق کی وجہ ہی سے مشرف با اسلام ہو گئے تھے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید)

(۳) ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے الفاظ ہیں ہم رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "گواہ رہو۔" (جامع ترمذی)

(۴) ایک دوسری جگہ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: اہلِ مکہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو چاند مکہ میں دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس پر یہ آیت اتری: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ. قیامت آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔

(۵) شق القمر کی جو روایت حضرت جبیر بن مطعمؓ سے مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ معجزہ شق القمر کو دیکھ کر کفار نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے، تو تمام آدمیوں پر تو وہ جادو نہیں کر سکتے ہیں۔ (مسند احمد حنبل)

واقعہ شق القمر کے بارے میں تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ قبل از ہجرت (۹ھ نبوت میں) حضور ﷺ ایک رات کی مکہ میں منیٰ کے مقام پر تھے کہ رؤسائے قریش ابو جہل ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ اگر تم سچے ہو تو چاند کے دو ٹکڑے کر دو۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "اگر میں ایسا کر دوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا ہاں ایمان لے آئیں گے۔ حضور ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ یہ بات ہو جائے، چنانچہ فوراً چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ نے وہاں پر موجود صحابہ کرام کو فرمایا کہ گواہ رہو۔ پھر حضور ﷺ نے باآواز بلند ایک مشرک کا نام لے کر فرمایا اے فلاں، اے فلاں، گواہ رہو۔

ان لوگوں نے بھی اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے، اور کوہِ حرا ان دونوں کے درمیان تھا کفار میں سے کچھ نے کہا کہ یہ محمد (ﷺ) کا جادو ہے۔ دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا گیا ہے تو دنیا میں اور لوگ بھی ہیں ان پر تو جادو نہیں کیا گیا۔ مسافروں کو دوسرے مقامات سے آنے دو ان سے پوچھو کہ انہیں بھی چاند کے دو ٹکڑے نظر آئے ہیں۔ جب باہر کے مقامات سے مسافر مکہ میں وارد ہوئے تو انہوں نے بھی شق قمر کی تصدیق کی، رؤسائے قریش کے دلوں پر تالے پڑ چکے تھے، وہ اس پر بھی دولت ایمان سے محروم رہے۔ اور ایمان نہ لائے۔

مخالفین اسلام معجزۂ شق القمر پر اعتراض کرتے ہیں کہ دنیا کے دوسرے ممالک کی تواریخ میں اس قدر اہم واقعہ کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ علمائے اسلام نے اس اعتراض کا مسکت جواب دیا ہے کہ ایک ملک کے واقعہ کا دوسرے ممالک کی تواریخ میں درج نہ ہونا، اس واقعہ کے سرے سے انکار کر دینے کے لئے محکم دلیل نہیں ہے۔ ہندوؤں کی رامائن اور

مہا بھارت کے قصوں کا ایک لفظ بھی کسی دوسرے ملک کی تاریخ میں نہیں پایا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے محیرالعقول معجزات کا ذکر ان کے معاصر رومی مورخین نے مطلق نہیں کیا تو کیا ان سب کا سرے سے ہی انکار کر دیا جائے؟......

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ یہ معجزہ کافی رات گئے واقع ہوا تھا۔ اور تھوڑی دیر رہا۔ دنیا کے تمام مقامات پر وقت یکساں نہیں ہوتا اور نہ ہی موسم ایک جیسا ہوتا ہے، کسی جگہ دن ہوتا ہے تو کسی جگہ رات ہوتی ہے، کہیں شام ہوتی ہے تو کہیں صبح، کسی جگہ چاندنی ہوتی ہے تو کسی جگہ گھپ اندھیرا، کہیں ابر ہوتا ہے تو کہیں آندھی ہوتی ہے، اور پھر ہر شخص کی نگاہ آسمانی پر نہیں ہوتی۔ اس لئے دوسرے ممالک کی تاریخوں میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے تو اس سے اس کا عدم وقوع کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔

شاہ رفیع محدّث دہلویؒ نے ایک رسالہ ''دفع اعتراضات معجزہ شق القمر'' لکھا ہے، اس میں نہایت محکم دلائل کے ساتھ منکرینِ شق القمر کے اعتراضات کا رد کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے سیرت نگاروں نے بھی نہایت ہی شرح وبسط کے ساتھ مخالفین کے شبہات کے جواب دیئے ہیں۔

اور علاوہ ازیں معجزۂ شق القمر سے متعلق علامہ شبلی نعمانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ ''سیرت النبیؐ'' میں اپنے انداز میں اس واقعہ کو کچھ اس طرح سے تحریر کرتے ہیں۔ لیجئے آپ بھی پڑھئے:۔

پیغمبر کی صداقت کی گواہی کائنات کا ذرہ ذرہ دیتا ہے، آسمان اور زمین، چاند اور سورج ہر چیز اس کی صداقت کا ثبوت بن جاتی ہے، انجیل (متی ۲۔۲) میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت ایک نیا ستارہ طلوع ہوا اور جب انہوں نے وفات پائی تو تین گھنٹے کے لئے تمام دنیا میں اندھیرا چھا گیا، (متی ۲۷۔۴۵) قرب قیامت کی ایک نشانی یہ بھی تھی کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔

یہ نشانی جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے دست مبارک پر پوری اتری اور قرآن مجید نے

فرمایا ہے کہ: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَر . وَاِن يَّرَوا ايَةً يُّعرِضُوا وَيَقُولُوا سِحرٌ مُّستَمِرٌّ. قیامت نزدیک آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا ہے، اور اگر کافر کوئی سا بھی نشان دیکھیں تو اس سے اعراض ہی کریں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے۔ جو سدا سے ہوتا ہوا آیا ہے۔

بعض عقل پرست مسلمانوں نے قربِ قیامت کی مناسبت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے رسولِ اکرم ﷺ کے عہد میں شقِ قمر کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ یہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے، لیکن اس حالت میں اول تو بے قرینہ ماضی (چاند پھٹ گیا) کو مستقبل (چاند پھٹ جائے گا) کے معنیٰ میں لینا پڑے گا۔

دوسرے یہ کہ اگر قیامت کا واقعہ ہوتا تو اس کے بعد یہ کیوں ہوتا کہ "یہ کافر اگر کوئی سی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور یہ کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو آیا ہے۔" قیامت سامنے آ جانے کے بعد اس کے انکار کے کیا معنی اور اس کو مستمر جادو کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ مستند اور صحیح روایات کی کیونکر تردید کی جا سکتی ہے۔

اس شق القمر کا واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند ابن حنبل، مسند طیالسی، مستدرک حاکم، دلائل بیہقی اور دلائل ابونعیم میں بہ تصریح تمام مذکور ہے کہ صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالکؓ، جبیرؓ بن مطعم علیؓ بن ابی طالب اور حذیفہؓ بن یمان وغیرہ نے اس واقعہ کی روایت کی ہے۔ ان میں سب سے صحیح اور مستندتر حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے جو صحیح بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مروی ہے، وہ اس واقعہ کے وقت موقع پر موجود تھے اور اس معجزہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں کہ انشق القمر ونحن مع النبی ﷺ بمنیٰ فقال اشهدوا وذهبت فرقة نحو الجبلی. (بخاری و مسلم صحیح مسلم) ہم رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو

صحیحین میں اس کی دوسری روایت یہ ہے۔ انشق القمر علیٰ عهدِ رسولِ الله ﷺ فرقتين فرقة فرق الجبل وفرقة دونه فقال رسول الله ﷺ اشهدو (صحیح بخاری و مسلم)

"رسولِ اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند کے دوٹکڑے ہوگئے ایک ٹکڑا تو پہاڑ کے اوپر رہااور دوسرا اس کے نیچے، رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا گواہ رہو۔"

حضرت انس بن مالک کی یہ روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔ اهل مكة سالوا رسول الله ﷺ يريهم آية فارا هم القمر شقتين حتى راؤا حرا بينهما. "اہل مکہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ رسولِ اکرم ﷺ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں، رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو چاند کے (دو) ٹکڑے دکھائے، ایک ٹکڑا حرا کے اس طرف تھا دوسرا اس طرف۔"

صحیح مسلم میں ہے۔ ان اهل مكة سا لوا النبي ﷺ ان يريهم اية فاراهم انشق القمر فرقتين "اہل مکہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو رسولِ اکرم ﷺ نے چاند کے دوٹکڑے ہونے کو دکھایا۔"

جامع ترمذی میں ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ سا ل اهل مكه البنى ﷺ آية فا نشق القمر بمكة فرقتين فنزلت: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ القَمَر. اہل مکہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو چاند مکہ میں دوٹکڑے ہوگیا اس پر یہ آیت اتری:۔ قیامت آگئی اور چاند پھٹ گیا۔

جامع ترمذی اور مسند ابن حنبل میں جبیر بن مطعم کی جو روایت ہے، اس میں ہے کہ اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کردیا ہے، دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کردیا ہے تو تمام آدمیوں پر تو جادو نہیں کرسکتے۔ مسند ابوداؤد طیالسی اور بیہقی میں ہے کہ انہوں (کافروں) نے کہا کہ محمد (ﷺ) تمام دنیا پر تو جادو نہیں کرسکتے۔ مسافروں کو اور مقامات سے آنے دو، دیکھو وہ کیا کہتے ہیں؟ چنانچہ جب ادھر ادھر کے مقامات سے مسافر آئے اور ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی اپنا یہی مشاہدہ بیان کیا۔ بہرحال یہ معجزہ شق القمر رات کے وقت مکہ میں بمقام منیٰ میں واقع ہوا۔

عقلی حیثیت سے یہ معجزہ زمانۂ قدیم سے معرکۃ الآراء رہا ہے، علمائے متکلمین نے

فلسفہ قدیم کے اصول پر اس میں خوب خوب موشگافیاں کی ہیں، مثلاً فلاسفہ کا یہ اعتقاد تھا کہ اجرام فلکی میں خرق والتیام اور شکست وریخت محال ہے، اس لئے شق قمر ناممکن ہے۔ متکلمین نے ثابت کیا کہ اجرام فلکی میں خرق والتیام اور شکست وریخت ممکن ہے۔ مگر اب جدید طبیعات وہیئت نے ہماری معلومات کے آسمان وزمین کو بدل دیا ہے، یہ مباحث بے سود وبیکار ہیں۔ اب تو ہر روز نئے نئے ستاروں کے شکست وریخت اور تصادم کے حادثے سنے جارہے ہیں اور ہیئت جدید اور علم تکوین میں تو زمین، سورج اور ستاروں کے آغاز آفرینش کی داستان ہی اس باب سے شروع ہوتی ہے۔

اس سے دوسرے درجہ پر ایک اور قدیم اعتراض وجواب کتابوں میں لکھا چلا آتا ہے۔ اور ہمارے مسیحی ناظرین نے اس کو نئے آب ورنگ سے شہرت دی ہے اور وہ یہ کہ اگر معجزہ شق القمر درحقیقت واقع ہوتا تو یہ صرف اہل مکہ ہی کو نظر نہ آتا بلکہ اس کو تمام دنیا دیکھتی، اور اس کی روییتیں مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتیں، لیکن بجز مکہ کے اور ملکوں میں اس واقعہ (معجزہ شق القمر) کا چرچا نہیں ہوا اور تمام قدیم اہل نجوم اور ہیئت وتاریخ اس کی روایت سے خاموش ہیں۔

لوگوں نے اس شبہ کے یہ جوابات دیئے ہیں کہ اولاً ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ واقعہ (معجزہ شق القمر) دوسرے ملک کے لوگوں کو نظر نہیں آیا، تم اس کے ثبوت میں کہو گے کہ اگر نظر آتا تو اس ملک کے اہل تاریخ اس واقعہ (شق القمر) کا ذکر کرتے، حالانکہ کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ملک کا مشہور واقعہ جو دوسرے ملک کی معاصر تاریخوں میں مذکور نہ ہو، صرف اس کا یہ عدم ذکر کیا اس کے انکار کی سند ہوسکتا ہے اور اگر ایسا ہے تو ہندوؤں کے مہابھارت کا تم انکار کرسکتے ہو۔ حضرت مسیحؑ کے تمام معجزات بلکہ واقعات زندگی تک کا انکار کرسکتے ہو کہ شام ومصر کے معاصر رومی مورخوں نے ایسے عجیب وغریب واقعات کا ایک حرف بھی قلم بند نہیں کیا۔ اس کے برخلاف اوپر کی روایتوں میں بیان کیا جاچکا ہے کہ

عرب وشام سے آنے والے مسافروں نے یہ بیان کیا کہ انہوں چاند کے دوٹکڑے ہوتے دیکھا تھا۔

فلکی حیثیت سے جواعتراض کیا جاتا ہے اہل ہیئت جواجرام فلکی کے ایک ایک واقعہ کوقلم بند کرتے آئے ہیں، انہوں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ رات کے وقت ظاہر ہوا تھا اور اس وقت دنیا کا بڑا حصہ خواب راحت میں مصروف تھا۔ جولوگ بیدار بھی ہوں گے، وہ اپنے دوسرے مشاغل میں مصروف ہوں گے۔

جنہوں نے دیکھا بھی ہوگا، ان میں کتنا بڑا حصہ ان کا ہوگا جو اپنے مشاہدات کو تحریری صورت میں لانے پر قادر نہ تھے اور اگر ان میں چند لکھے پڑھے ارباب ہیئت اور اصحابِ تاریخ تھے تو ضروری نہیں کہ انہوں نے اپنے مشاہدہ کا تذکرہ بھی کیا ہو یا تذکرہ کیا تو ان کی یاداشت مثل دوسری سینکڑوں علمی یاداشتوں کے ضائع ہوگئی ہو، آغاز آفرینش سے اب تک اجرام فلکی میں لاکھوں انقلابات پیش آئے ہوں گے۔

لیکن کیا وہ سب کے سب دنیا کے اوراق ہیئت میں درج ہیں؟ اور ان کا درج نہ ہونا ان کے عدم وقوع کی دلیل ہے؟ مختلف مذاہب کی کتابوں میں اس قسم کے حوادث فلکی کا ذکر ہے۔ لیکن علم ہیئت وفلک اس کے ذکر سے خاموش ہے، لیکن یہ خاموشی اس کے عدم وقوع پر شہادت ہے؟

خود تمہاری انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت ایک ستارہ نبوت طلوع ہوا جو کہ یورپ کے لوگوں نے دیکھا اور پھر انجیل میں بھی یہ مزکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰ کوسولی دی گئی تو تمام دنیا دفعتہً تاریک ہوگئی، لیکن کیا ہیئت وافلاک کی کتابوں میں ان انقلاب سماوی کا تذکرہ موجود ہے۔

حوادث فلکی کے حدوث اور وقوع میں بڑی چیز یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مطالع اور مغارب پر موقوف ہے اور ہر جگہ کے مطالع ومغارب دوسری جگہ سے نہایت مختلف ہیں، بالخصوص قمر کے مطالع میں تو اور بھی سخت اختلاف ہے ایک جگہ چاند ڈوبتا ہے دوسری جگہ نکلتا

ہے ایک جگہ چاندنی ہے، دوسری جگہ اندھیرا ہوتا ہے، ایک جگہ چاند کو گرہن لگتا ہے اور دوسرے مقام کے لوگوں کو وہ نظر تک نہیں آتا، اس لئے اگر تمام دنیا نے اس معجزہ شق القمر کو نہیں دیکھا تو یہ شق قمر کی نفی دلیل نہیں ہے۔

چنانچہ دنیا کی مختلف باخبر قوموں نے اپنی اپنی کتابوں میں مختلف حوادث فلکی کا ذکر کیا ہے، لیکن جس واقعہ کو ایک نے بڑے شدّ ومد سے بیان کیا ہے اس کی معاصر قوموں کی کتابیں اس کی شہادت سے قطعاً خالی ہیں۔ لیکن کیا یہ خاموشی اس کے عدم وقوع کی سند ہوسکتی ہے؟ علاوہ اور وجوہ کے اس خاموشی اور اختلاف کی ایک وجہ یہی ہوتی ہے کہ تمام دنیا کا ایک مطلع نہیں ہے اس لئے ایک جگہ نظر آتی ہے، دوسری جگہ نہیں آتی، بعض متکلمین نے جن میں ایک شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہیں، لکھا ہے اور امام غزالیؒ کا بھی ادھر ہی رجحان معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا۔

چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ ان اھل مکة سألوا النبی ﷺ ان یریھم اٰیة فاراھم انشق القمر فرقتین. (صحیح مسلم) ”اہل مکہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے نشانی طلب کی تو رسولِ اکرم ﷺ نے چاند دوٹکڑے دکھایا۔“ ہم ان تمام پر پیچ راستوں سے گزر کر صرف ایک سی بات کہہ دینا چاہتے ہیں کہ شق القمر اہل مکہ کی طلب پر آیت الٰہی تھی، یعنی ان منکروں کو ان کی خواہش کے مطابق ثبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی تھی۔

احادیث میں ہے کہ چاند کے دوٹکڑے ہوگئے ہوں گے یا خدا نے ان کی آنکھوں میں ایسا تصرف کردیا ہو کہ ان کو چاند دوٹکڑے ہوکر نظر آیا جو خدا انسانوں کی آنکھوں میں خلافِ عادت تصرف سکتا ہے وہ خود چاند میں بھی خلاف عادت تصرف کرسکتا ہے۔ پھر چونکہ اللہ نے یہ نشانی اہل مکہ کے لئے ظاہر کی تھی اور ان ہی کے لئے یہ آئینہ ثبوت تھی، اس لئے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور روایت کی حاجت نہ تھی۔

اس بنا پر بالفرض اگر دنیا کے دوسرے حصوں میں شق القمر مشاہدہ نہ ہوا تو حیرت اور تعجب کی بات نہیں، بلکہ اہل مکہ کے علاوہ اور لوگوں کو دوسرے شہروں اور ملکوں میں اس کا نظر

نہ آنا ہی مصلحت الٰہی ہے کہ اگر یہ عام طور سے دوسرے اقطاع عالم کے لوگوں کو بھی نظر آتا تو یہ سمجھا جاسکتا کہ یہ آسمان کے طبعی انقلاب میں سے کوئی تھا، جیسا کہ سینکڑوں قسم کے تغیرات اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔

جیسا کہ فلکیات اور علم بدءِ خلق (کسموگریفی نیچر ہسٹری) میں مزکور ہیں۔لیکن جب اہل مکہ کے علاوہ جو شہر مکہ میں تھے، یا باہر قافلے میں تھے، صرف ان ہی کو نظر آیا تو اس بات کی صاف اور صریح دلیل ہے کہ یہ صرف جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا تھا۔"وللہ الحمد"۔ (بحوالہ سیرت النبی ﷺ)

معجزہ شق القمر کے متعلق بے دینوں کے اعتراضات کا جواب

بے دینوں نے اس معجزے پر دو اعتراض کئے ہیں ایک یہ کہ آسمان اور ستاروں میں خرق والتیام محال ہے پھر چاند کیسے پھٹ گیا اور دوسرا یہ کہ اگر یہ امر واقع ہوتا تو اور اقالیم کے لوگ بھی دیکھتے اور اپنی تواریخ میں نقل کرتے سو یہ دونوں اعتراض بے ہودہ ہیں اعتراض اول کا یہ جواب ہے کہ:۔موافق ہل اسلام کے آسمان اور ستاروں میں خرق اور التیام ہرگز محال نہیں قیامت میں آسمان اور ستارے سب پاش پاش ہو جاویں گے چنانچہ نصوص قطعیہ آیات قرآنی واحادیث نبویؐ اس باب میں بے شمار وارد ہیں اور موافق قواعدہ حکومت کے بھی یہ بات باطل ہے حکمائے انگلستان نے جو فیثا غوث کی ہیئت کی کمال تشریح اور ترویج کی ہے صاف ثابت کیا ہے کہ سب ستارے کثیف مثل زمین کے ہیں اور سب قابل خون وفساد اور خرق والتیام کے ہیں اور حکمائے مشائین نے جن کا مذہب امتناع خرق والتیام فلکیات ہے۔

کوئی دلیل اس بات پر قائم نہیں کی کہ سب افلاک اور کواکب میں خرق والتیام نہیں ہوسکتا بلکہ صرف فلک الفلاک کی امتناع خرق والتیام پر دلیل کہ ان کے اصول بے سروپا پر مبتنی ہے قائم کی ہے چنانچہ صدر شیرازی نے شرح ہدایت الحکمۃ میں دوجگہ یہ بات ذکر کی ہے، پس چاند کا امتناع خرق موافق مذہب مشائین کے بھی ثابت نہیں۔

اور دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غلط ہے کہ اور اقالیم والوں نے نہیں دیکھا اور نقل نہیں کیا زمانہ وقوع میں کافران قریش نے اہل اقالیم سے جو حال شق القمر کا دریافت کیا تو سبھی نے مشاہدہ اس کا بیان کیا۔ چنانچہ کتب معتبرہ احادیث میں مذکور اور تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ملیبار کے ایک راجہ نے مسلمانوں کی زبانی قصہ شق القمر کو سنا اور اپنے برہمنوں سے ان سالوں کے حالات میں کہ جو زمانہ رسولِ اکرم ﷺ کا تھا اس قصے کو تلاش کرایا سو برہمنوں نے کتابوں میں دیکھ کر اس کی تصدیق کی اور راجہ مسلمان ہو گیا اور سوانح الحرمین میں لکھا ہے کہ شہر دھار کے متصل دریائے چنبل صوبہ مالوہ میں واقع ہے، وہاں کا راجہ اپنے محل کی چھت پر بیٹھا تھا یکبارگی اس نے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور پھر مل گیا۔

اس نے اپنے ہاں کے پنڈتوں سے استفسار کیا انہوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک پیغمبر پیدا ہوں گے ان کے ہاتھ پر معجزۂ شق القمر ظاہر ہوگا۔ چنانچہ راجہ نے ایک ایلچی رسولِ اکرم ﷺ کے حضور میں بھیجا اور ایمان لایا اور رسولِ اکرم ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا اور قبر اس راجہ کی اس شہر کے باہر اب تک زیارت گاہ ہے، اور مولانا رفیع الدینؒ صاحب نے اپنے رسالہ ''شق القمر'' میں بھی اس قصے کو تاریخ فضلی سے نقل کیا ہے اور اس راجہ کا نام راجہ بھون لکھا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ بوقت شب بہت رات گئے واقع ہوا تھا اور تھوڑی دیر تک ٹھہرا تھا یہاں تک کہ حاضرین نے اسے بخوب وجہ مشاہدہ کر لیا کچھ پھر نہیں ٹھہرا تھا اور عادت لوگوں کی رات میں یہ کہ مسقف مکان میں بیٹھتے ہیں اور ہر شخص کی نگاہ آسمان پر نہیں ہوتی اور مانند خسوف اور کسوف کے پہلے سے اس امر کا انتظار بھی نہیں تھا کہ لوگ خیال رکھتے، اور دیکھا کرتے، اور بہت سی جگہ پر چاند اس وقت تک موافق قاعدہ ہیئت کے نکلا بھی نہیں ہوگا، یعنی اس وقت تک وہاں پر دن ہوگا، اور بہت سے شہروں میں اس وقت چاند ابر میں اور برف میں چھپا ہوگا۔ پس اگر اہل اقالیم کا اس معجزے کو نہ دیکھنا اور اپنی کتابوں میں نقل نہ کرنا موجب تکذیب اس معجزے کا نہیں ہو سکتا۔ تورات میں لکھا ہے کہ حضرت یوشعؑ

کے لئے آفتاب ٹھہرایا گیا اس قصے کو بھی کسی اہل تواریخ نے نقل نہیں کیا حالانکہ وہ معاملہ دن کا تھا پس جس طرح اس کی نقل نہ کرنے سے اس کی تکذیب لازم نہیں آتی اسی طرح معجزہ شق القمر کو اگر اہل تواریخ نے نقل نہیں کیا تو اس سے تکذیب اس معجزے کی لازم نہیں آتی۔

شق قمر سے متعلق ایک سوال اور اسکا جواب

سوال...... ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب جو مسجد کے امام بھی ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ شق قمر والا جو معجزہ نبی پاک ﷺ سے ظاہر ہوا تھا وہ صحیح نہیں ہے اور نہ ہی اس کا ثبوت ہے براہ کرم اس کے متعلق صحیح احادیث لکھ دیں تا کہ ان کی تسلی ہو۔

جواب...... شق قمر کا معجزہ صحیح احادیث میں حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت حذیفہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہم سے مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ انشق القمر علی رسول اللہ ﷺ فرقین فرقة فوق الجبل دونه فقال رسول اللہ ﷺ اشهدوا. (صحیح بخاری ج۲، صحیح مسلم ج۲، ترمذی ج۲) ترجمہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا، ایک ٹکڑا پہاڑ سے اوپر تھا اور ایک پہاڑ سے نیچے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: گواہ رہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: انشق القمر فی زمان النبی ﷺ. (صحیح بخاری ج۲، صحیح مسلم ج۲، ترمذی ج۲) ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ان اهل مكة سالوا رسول الله ﷺ ان يرهم اية فاراهم انشقاق القمر مرتين. (صحیح بخاری ج۲، صحیح مسلم ج۲، ترمذی ج۲)

ترجمہ:......"اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ کوئی معجزہ دکھائیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ دکھایا۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: انفق القمر علی عهد رسول

اللہ ﷺ فقال رسول الله ﷺ اشهدوا. (صحیح مسلم ج:۲، ترمذی ج:۲) ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند دوٹکڑے ہوا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو۔''

انشق القمر على عهد رسول الله ﷺ حتى صار فرقتين على هذا الجبل وعلىٰ هذا الجبل، فقالوا سحرنا محمد، فقال بعضهم سحرنا فما يستطيع ان يسحر الناس كلهم. (ترمذی ج:۲) ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند دوٹکڑے ہوا، یہاں تک کہ ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر تھا، اور ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر، مشرکین نے کہا کہ محمد (ﷺ)! نے ہم پر جادو کر دیا، اس پر ان میں سے بعض نے کہا کہ اگر اس نے ہم پر جادو کر دیا ہے تو سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتا (اس لئے باہر کے لوگوں سے معلوم کیا جائے چنانچہ انہوں نے باہر سے آنے والوں سے تحقیق کی تو انہوں نے بھی تصدیق کی)۔''

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایۃ (ج:۳ص:۱۱۹) میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی نقل کی ہے، اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (ج:۶ص:۶۳۲) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں: ''قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ چاند کا دوٹکڑے ہو جانا ہمارے نبی ﷺ کے اہم ترین معجزات میں سے ہے، اور اس کو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، علاوہ ازیں آیت کریمہ: ﴿اقتربت الساعة وانشق القمر﴾ کا ظاہر و سیاق بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔'' ''زجاج کہتے ہیں کہ بعض اہل بدعت نے، جو مخالفین ملت کے مشابہ ہیں ان کا انکار کیا ہے، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو اندھا کر دیا ہے، ورنہ عقل کو اس میں مجال انکار نہیں۔'' (نووی شرح مسلم ج:۲)

(بحوالہ آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد دہم)

فائدہ...... مولانا رفیع الدینؒ صاحب کا ایک رسالہ ہے دفع اعتراضات معجزۂ شق القمر اس میں بہت شرح و بسط سے شبہات منکرین کو دفع کیا ہے اور ہم نے جس قدر بیان کیا ہے یہ بھی کافی ہے۔

فائدہ...... یہ جو مشہور ہے کہ چاند کا ایک ٹکڑا زمین پر آیا اور رسولِ اکرم ﷺ کے گریبان میں گھس کر آستین میں ہو کر گیا یہ محض بے اصل ہے اکابرین محدثین نے تصریح کی ہے کہ یہ بات کسی سند سے ثابت نہیں، صحیح اس قدر ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور دونوں ٹکڑے علیحدہ علیحدہ بہت فرق سے ہو گئے کہ ان کے درمیان میں جبل حرا نظر آتا تھا۔

(بحوالہ معجزاتِ رسول اکرم ﷺ)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۸۲

رسولِ اکرم ﷺ کو قیامت کے دن شفاعت کا حق دیا جائے گا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے بیاسی نمبر خصوصیت آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو قیامت کے دن شفاعت کا حق دیا جائے گا" بحمد للہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس خصوصیت کو بھی میں نے عین آقا ﷺ کے روضہ اقدس کے تلے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے، بے شک یہ میرے لئے بہت بڑی سعادت کی بات ہے کہ صاحب خصوصیت ﷺ میری نظروں کے سامنے موجود مقدس روضہ مبارک میں آرام فرما ہیں اور میں انکے قدموں کے کچھ ہی فاصلے پر بیٹھ کر لکھ رہا ہوں، اور اللہ کی وسیع رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ اگر روز قیامت میری کشتی میری خطاؤں کی بدولت ڈولنے لگی، تو میرے اللہ کے حکم سے میرے آقا ﷺ کی شفاعت ہی میری ڈولتی کشتی کو سہارا دینے کا سبب بنے گی انشاءاللہ۔

بہرحال محترم قارئین! ذیل میں رسولِ اکرم ﷺ کی جو عظیم خصوصیت پیش کی جارہی ہے اسے ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہمارے آقا ﷺ کی عظیم اور اعلیٰ خصوصیت ہے کہ قیامت کے دن جب نفسانفسی کا عالم ہوگا اور ہر انسان پریشان ہوگا، کوئی کسی کے کچھ کام نہ آسکے گا، حدیث شریف کے مطابق حتیٰ کہ انبیاء کرامؑ بھی کسی کے کچھ کام نہیں آسکیں گے یعنی لوگ مختلف انبیاء کرامؑ کے پاس جائیں گے لیکن ہر نبی یہی کہے گا کہ آج کے دن میں کچھ نہیں کرسکتا یہاں تک سب لوگ ملکر ہمارے حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے کہ کم از کم فی الحال حساب وکتاب ہی شروع ہوجائے، چنانچہ پھر اللہ رب العالمین کی جانب سے صرف اور

صرف ہمارے نبی ﷺ کو ہی شفاعت کا حق دیا جائے گا، تو معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی اس عظیم خصوصیت میں بھی کوئی شریک نہیں جس کی تفصیل آپ آنے والے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، دعا گو ہوں کہ یا خداوند قدوس اپنے فضل سے میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما آمین یارب العالمین۔

بیاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

شفاعت شفع سے ہے۔ شفع کے معنی ہیں ایک شے کو دوسرے شے کے ساتھ جو اسی کی جنس سے ہو، شامل کر دینا، اکثر اوقات کسی اعلیٰ مرتبت شخص کا کسی ادنیٰ کے ساتھ مل کر کوئی کام سرانجام دینے کے معنی میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔

مسئلہ شفاعت کفار عرب میں بھی مسلّم تھا اور یہود و عیسائیوں میں بھی تسلیم کیا جاتا تھا، کفار اور عیسائی یہ سمجھتے تھے کہ شفیع اپنی عزت و وقار اور ذاتی اقتدار و اختیار سے جسے چاہے اسے اللہ کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے، شفیع ان سب کو جو اسی کے ہو کر رہیں، نجاتِ اخروی و دنیوی عطا فرما سکتا ہے، ان عقیدہ والوں کو اللہ کی ہستی اور اس کی قدرت کا انکار نہ تھا، لیکن وہ یہ سمجھتے تھے، کہ الٰہی اقتدار ان اشخاص کو بھی حاصل ہے جو ان کے شفیع ہیں، لہٰذا شفیع کی عبادت کرنا اللہ کی عبادت سے مستغنی کر دیتا ہے، شفیع کی رضا مندی اللہ کی رضا مندی سے مقدم تر ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر غضب ناک بھی ہو اور اس کا شفیع زبردست ہو تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچالے گا، لیکن اگر شفیع غضب ناک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس شفیع کو بندہ پر مہربان نہ کر سکے گا، اسی عقیدہ کو کسی پنجابی شاعر نے اپنے شعر میں یوں کہا ہے ؎

ہر روٹھے تب ٹھوڑ ہے، گورو روٹھے ٹھوڑ   ہر روٹھے گورو میل سی، گورو روٹھے ہر ناہ

خدا روٹھ جائے تب پناہ کی جگہ باقی رہتی ہے، مگر مرشد کے روٹھ جانے سے کوئی جائے پناہ نہیں ملتی، خدا اگر روٹھ جائیگا تب مرشد ملا دے گا، لیکن اگر مرشد روٹھ جائے تب خدا نہیں ملا سکتا۔ اللہ نے انہی لوگوں کے متعلق فرمایا ہے: وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ

مَالَا یَضُرُّھُم وَلَا یَنفَعُھُم وَیَقُولُونَ ھٰؤُلَاءِ شُفَعَاءُ نَا عِندَاللہ ۔ یہ لوگ اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں، نہ فائدہ کر سکتے ہیں یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ تو ہماری شفاعت کرنے والے ہیں اللہ کے پاس۔ انہی لوگوں کے حق میں دوسرے مقام پر فرمایا: وَالَّذِینَ اتَّخَذُوامِن دُونِہٖ اَولِیآءَ مَانَعبُدُھُم اِلَّا لِیُقَرِّبُونَااِلَی اللہ زُلفٰی. جن لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اولیاء بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قرب میں لے جائیں گے۔

عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اپنا شفیع بناتے ہیں اور پھر اسی کو خداوند (مثل خدا) کہتے اسی کو دعا اور مناجاتوں میں پکارتے، اسی سے مرادیں مانگتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تخت پر اس کے دہنے ہاتھ جا بیٹھا ہے جو کوئی اسے پکارتا، اس سے مدد مانگتا، اسے اپنا کارساز جانتا ہے، اس کو مسیح خود ہی اپنے باپ خدا سے بچالیتا اور بخشوالیتا ہے۔

قرآن مجید نے اول تو کافروں اور عیسائیوں وغیرہ کے اس عقیدہ کا بطلان فرمایا اور اس کے رد و بطلان کے لیے مختلف اسلوب کے ساتھ کلام الٰہی نازل ہوا اور پھر شفاعت کبریٰ کا اثبات فرمایا اور اس اثبات کو دو اصول پر منحصر کر رکھا ہے مَن ذَاالَّذِی یَشفَعُ عِندَہٗ اِلَّابِـــاِذنِـــہٖ ''کون ہے وہ ایسا جو اللہ کے پاس اس کے اذن کے بغیر شفاعت کر سکے۔'' فرمایا: یَومَ یَقُومُ الرُّوحُ وَالمَلائِکَۃُ صَفًّالَّایَتَکَلَّمُونَ اِلَّامَن اَذِنَ لَہُ الرَّحمٰنُ ''اس دن سب فرشتے اور جبرئیل صف باندھے کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بولے گا، مگر وہی ایک جس کو اذن ملے گا۔'' اصول اولین سے ثابت ہوا کہ اذن الٰہی کا قبل از شفاعت حاصل ہونا ضروری ہے وقـــال صـــوابا ''اور وہ شفیع ٹھیک ٹھیک بات کہے گا۔'' یہ اصول دوم ہے کہ شفیع نہایت صادق، راست باز، پوری پوری بات کہنے والا ہوگا۔ آیت من اذن لہ سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ شفیع صرف ایک ہوگا۔

ہمارا ایمان ہے اور یہ ایمان قرآن وحدیث کے اخبار پر مبنی ہے کہ وہ شفیع سیدنا ومولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں عسٰی اَن یَّبعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحمُوداً ''تیرا رب تجھے

مقامِ محمود پر ضرور کھڑا کرے گا۔" واضح رہے کہ مقامِ محمود ہی مقامِ شفاعت ہے کہ جب نبی ﷺ اس مقام پر ایستادہ ہوں گے، تو جملہ اولین وآخرین حضور کی حمد کریں گے۔ (تفسیر خازن)

اس آیت کی تفسیر میں وہ حدیث صحیح موجود ہے جسے امام بخاری، وامام مسلمؒ نے اپنی اپنی تفسیر میں بروایت انسؓ درج فرمایا کہ کہ: "جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا، تب ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی کہ ہم اگر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی کو شفاعت کے لیے پیش کریں (تو خوب ہے) تا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس جگہ سے نجات دے، تب لوگ آدمؑ کے پاس آئیں گے، اور کہیں گے کہ آدمؑ ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا، پھر جنت میں ٹھہرایا پھر فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے جملہ اسماء کی تعلیم آپ کو دی، لہذا آپ ہماری شفاعت کریں، کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہاں سے نجات (راحت) دے۔ وہ کہیں گے کہ نہیں میں نہیں کرسکتا پھر وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کر کے کہیں گے کہ تم نوحؑ کے پاس جاؤ وہ پہلے رسول ہیں، تب لوگ نوحؑ کے پاس جائیں گے، نوحؑ کہیں گے نہیں میں نہیں، وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کریں گے اور فرمائیں گے، تم ابراہیم کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے وہ کہیں گے نہیں، میں نہیں وہ بھی اپنی خطا کو یاد کریں گے، اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کریں گے، کہیں گے موسیٰ کے پاس جاؤ، جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی کیا اور انہیں تورات بھی دی وہ کہیں گے نہیں نہیں میں نہیں، وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے، اور حیاء کا، پھر کہیں گے، کہ عیسیٰؑ کے پاس جاؤ لوگ عیسیٰؑ کے پاس آئیں گے، وہ کہیں گے میں نہیں، تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اگلا پچھلا سب کچھ معاف کر دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تب لوگ میرے پاس آئیں گے، تب میں اپنے رب سے اذن حاصل کروں گا، مجھے اذن دیا جائیگا، پھر جب میں اپنے رب کو دیکھونگا تو سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر اللہ تعالیٰ مجھے دعا سکھائے گا وہ جو کچھ چاہے گا، میری زبان سے کہلائے گا،

تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا یَامُحَمَّد اِرفَعْ رَاسک قل تسمع سِلْ تُعطَ اِشفَع تُشَفَّع ''اے محمد سر اٹھاؤ بولو تمہاری سنی جائے گی، تم کو دیا جائے گا، شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔''

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں سر اٹھاؤں گا، اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا، وہ تحمید مجھے اللہ تعالیٰ ہی سکھلا دے گا، پھر میں شفاعت کروں گا، پھر میرے لیے ایک حد مقرر کردی جائے گی، میں اتنے لوگوں کو آگ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کردوں گا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ تیسری دفعہ یا چوتھی دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں کہہ دوں گا کہ اے رب اب تو آگ میں وہی رہ گیا ہے جس کو قرآن نے روک رکھا ہے یعنی وہی جس پر خلود واجب ہے، بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے پھر یہ آیت عَسٰی اَنْ یَّبعثکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحمُوداً'' پڑھی اور فرمایا کہ مقام محمود جس کا وعدہ اللہ نے تمہارے نبی سے کیا ہے وہ یہی مقام ہے۔

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ منصب شفاعت بالتخصیص نبی ﷺ ہی کو عطا ہوا ہے، آدمؑ ونوحؑ وموسیٰؑ وعیسیٰؑ بھی شفاعت کی جرأت نہ کریں گے اور بالآخر سب کے نزدیک حضورؐ ہی اس منصب علیا اور شفاعت کبریٰ کے اہل ثابت ہوں گے۔ لوگوں کا حضور ﷺ سے پہلے دیگر انبیائے اولوالعزم کی خدمت میں جانے سے یہ نکتہ حاصل ہوتا ہے کہ کسی شخص کو یہ شبہ باقی نہ رہے کہ اگر ہم محمد ﷺ کے سوا کسی دوسرے کے پاس جاتے تو ممکن تھا کہ وہ بھی شفاعت کر ہی دیتے، اب جب ہر جگہ سے صاف جواب مل جائے گا، تو سب کو یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ منصب شفاعت میں کوئی نبی، کوئی مرسل کوئی اولوالعزم بھی حضور کا سہیم و سہیم و شریک نہیں اور یہی امر حضور ﷺ کی خصوصیت خاصہ کا مظہر ہے۔

شفاعت کے متعلق احادیث میں تشریح

محشر میں پیش آنے والے جن واقعات کی اطلاع احادیث میں صراحت کے ساتھ

دی گئی ہے اور جن پر ایک مؤمن کو یقین دلانا ضروری ہے، ان میں ایک رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت بھی ہے، شفاعت کے متعلق حدیثیں اتنی کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ سب ملا کر تواتر کی حد کو پہنچ جاتی ہیں۔

پھر شفاعت کی ان حدیثوں کے مجموعہ سے سمجھ کر شارحین نے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت کئی قسم کی ہوگی، اور بار بار ہوگی، سب سے پہلے جب کہ سارے اہلِ محشر اللہ کے جلال سے سراسیمہ اور خوف زدہ ہوں گے اور کسی کو لب ہلانے کی جرأت نہیں ہوگی، اور آدم سے لے کر عیسیٰ تک تمام اولوالعزم پیغمبر بھی "نفسی نفسی" کے عالم میں ہونگے اور کسی کے لئے شفاعت کی جرأت نہ کرسکیں گے۔

تو اس وقت اہلِ محشر کی درخواست پر، اور ان کی تکلیف سے متاثر ہو کر رسولِ اکرم ﷺ نیاز مندی اور حسنِ ادب کے ساتھ (جو رسولِ اکرم ﷺ کے شایانِ شان ہے) بارگاہِ رب العزت میں اہلِ محشر کے لئے سفارش کریں گے، کہ ان کو انکی فکر اور بے چینی کی حالت سے نجات دی جائے، اور ان کا حساب کتاب اور فیصلہ فرمادیا جائے۔

بارگاہ جلالت میں اس دن یہ سب سے پہلی شفاعت ہوگی، اور یہ شفاعت صرف جنابِ رسولِ اکرم ﷺ ہی فرمائیں گے۔ اس کے بعد ہی حساب اور فیصلہ کا کام شروع ہوجائے گا، یہ شفاعت جیسا کہ عرض کیا گیا عام اہلِ محشر کے لئے ہوگی، اسی لئے اس کو "شفاعتِ عظمیٰ" بھی کہتے ہیں۔

اس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ اپنی امت کے مختلف درجہ کے گناہ گاروں کے میں بارے میں جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے سزاوار ہوں گے، یا جو جہنم میں ڈالے جاچکے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ ان کو معاف کردیا جائے، اور ان کو جہنم سے نکالنے کی اجازت دے دی جائے۔

جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی یہ شفاعت بھی قبول ہوگی، اور اس کی وجہ سے خطاکار امتیوں کی بہت تعداد جہنم سے نکالی جائے گی، اس کے علاوہ کچھ صالحین امت۔ کے لئے

رسولِ اکرم ﷺ اس کی بھی شفاعت کریں گے کہ ان کے لئے بغیر حساب کے داخلۂ جنت کا حکم دے دیا جائے۔ اسی طرح اپنے بہت سے امتیوں کے حق میں رسولِ اکرم ﷺ ترقی درجات کی بھی اللہ تعالیٰ سے استدعا کریں گے۔ حدیثوں میں شفاعت کے ان تمام اقسام اور واقعات کی تفصیل وارد ہوئی ہے۔

پھر احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے ذریعہ شفاعت کا دروازہ کھل جانے کے بعد انبیاء علیہم السلام، ملائکہ عظام، اور اللہ کے دوسرے صالح اور مقرب بندے بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل ایمان کے حق میں سفارشیں کریں گے، یہاں تک کہ کم عمر میں فوت ہونے والے اہل ایمان کے کے معصوم بچے بھی اپنے ماں باپ کے لئے سفارش کریں گے، اور یہ سفارشیں بھی قبول فرمائی جائیں گی، اور بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی جن کی نجات اور بخشش ان ہی سفارشوں کے بہانے ہوگی۔

شفاعت کے معنی

''شفاعت'' کا مطلب ہے...... ''گناہوں کی معافی کی سفارش کرنا۔''

چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں گناہ گار اور مجرم بندوں کے گناہوں اور جرموں کے معاف کئے جانے کے درخواست پیش کریں کے اس لئے عام طور پر ''شفاعت'' کا لفظ اسی مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ویسے ''شفاعت'' کا لفظ شفع سے نکلا ہے، جس کے اصل معنی جوڑا (جفت) کرنے کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ ملانے کے ہیں، وتر (بمعنی طاق) کے مقابلے پر شفع (بمعنی جفت) کا جو لفظ آتا ہے وہ اس معنی کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح زمین یا مکان میں ہمسائیگی کی وجہ سے جو حق خرید حاصل ہوتا ہے اس کو بھی ''شفعہ'' اسی معنی کی مناسبت سے کہا جاتا ہے پس ''شفاعت'' میں بھی یہ معنی اسی اعتبار سے موجود ہیں کہ ''شفاعت'' کرنے والا جرم وگناہ کرنے والے کی معافی کی درخواست

پیش کرتا گویا خود کو اس مجرم و گناہ گار کے ساتھ ملاتا ہے۔

شفاعت کی قسمیں

جن لوگوں نے اس دنیا میں کبیرہ اور صغیرہ گناہ کئے ہوں گے ان کے حق میں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت کا قبول ہونا، اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ واضح رہے کہ ''شفاعت'' کی مختلف نوعیتیں ہوں گی۔ اور وہ تمام نوعیتیں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی ذات کے لئے ثابت ہیں۔

چنانچہ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جو صرف رسولِ اکرم ﷺ کی ذات سے مخصوص ہوں، گی اور بعض ایسی ہیں جن میں دوسروں کے ساتھ مشارکت ہوگی لیکن شفاعت کا دروازہ چونکہ سب سے پہلے حضور ﷺ ہی کھولیں کے اس لئے حقیقت میں تمام شفاعتیں لوٹ کر حضور ﷺ ہی کی طرف منسوب ہوں گی اور علی الاطلاق تمام شفاعتوں کے والی حضور ﷺ ہی ہیں۔

شفاعت کی پہلی قسم

''شفاعت'' کی سب سے پہلی قسم ''شفاعت عظمیٰ'' ہے اور یہ وہ شفاعت ہے جو تمام مخلوق میں ہوگی، اور یہ ''شفاعت'' کرنے کا شرف صرف ہمارے رسولِ اکرم ﷺ کو حاصل ہوگا۔ انبیاء کرام صلواۃ اللہ علیہم اجمعین سے کسی کو اس ''شفاعت'' کی مجال و جرأت نہیں ہوگی۔ اور اس ''شفاعت عظمیٰ'' سے مراد ہے تمام میدان حشر کے لوگوں کو راحت دینے، وقوف کی طوالت و شدت کو ختم کرنے، حساب کتاب اور پروردگار کے آخری فیصلے کو ظاہر کرنے اور تمام لوگوں کو محشر کی ہولناکیوں، شدتوں اور سختیوں سے چھٹکارا دینے کی سفارش کرنا اس کی تفصیل احادیث سے معلوم ہوگی۔

شفاعت کی دوسری قسم

''شفاعت'' کی دوسری قسم وہ ہے جس کے ذریعہ ایک طبقہ کو حساب کتاب کے بغیر

جنت میں پہچانا مقصود ہوگا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ذات کے لئے اس شفاعت کا ثواب بھی منقول ہے، بلکہ بعض حضرات کے نزدیک یہ شفاعت بھی جنابِ رسولِ اکرم ﷺ ہی کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔

شفاعت کی تیسری قسم

''شفاعت'' کی تیسری قسم وہ ہے جس کی مدد سے ان لوگوں کو جنت میں پہنچانا مقصود ہوگا جن کے نامہ اعمال میں ثواب اور گناہ مساوی طور پر ہوں گے۔

شفاعت کی چوتھی قسم

''شفاعت'' کی چوتھی قسم وہ ہے جس کے ذریعہ ان لوگوں کو جنت میں پہنچانا مقصود ہوگا، جو اپنے گناہ اور جرائم کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ کے مستوجب قرار پائیں گے۔ چنانچہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ ان لوگوں کے حق میں ''شفاعت'' کریں گے، اور ان کو جنت میں داخل کرائیں گے۔

شفاعت کی پانچویں قسم

''شفاعت'' کی پانچویں قسم وہ ہے جس کے ذریعہ کچھ لوگوں کے درجات، ومراتب اور ان کے اعزاز واکرام میں ترقی اور اضافہ کرنا مقصود ہوگا۔

شفاعت کی چھٹی قسم

''شفاعت'' کی چھٹی قسم وہ ہے جو ان گناہ گاروں کے حق میں ہوگی، جنہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا، اور وہ اس ''شفاعت'' کے بعد وہاں سے نکال کر جنت میں پہنچائے جائیں گے۔ اس شفاعت کا حق مشترکہ ہوگا یعنی رسولِ اکرم ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء، ملائکہ، علماء اور شہدا بھی اپنے اپنے طور پر اور اپنے اپنے لوگوں کے لئے یہ شفاعت کریں گے۔

شفاعت کی ساتویں قسم

''شفاعت'' کی ساتویں قسم وہ ہے جس کے ذریعے ان لوگوں کے عذاب میں

تخفیف کرنا مقصود ہوگا، جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب دوزخ کے مستوجب قرار دیئے جاچکے ہوں گے۔

شفاعت کی آٹھویں قسم

''شفاعت'' کی آٹھویں قسم وہ ہے جو صرف اہل مدینہ کے حق میں ہوگی۔

شفاعت کی نویں قسم

''شفاعت'' کی نویں قسم وہ ہے جو امتیاز واختصاص کے طور پر صرف ان لوگوں کے حق میں کی جائے گی۔ جنہوں نے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہوگا۔

شفاعت کے مواقع ومحل

علماء نے کہا ہے کہ شفاعت کے متعدد مواقع ہوں گے، شفاعت کا سب سے پہلا موقع تو وہ ہوگا جب لوگوں کو درگاہ رب العزت میں پیش کرنے کے لئے میدان محشر میں لاکر کھڑا کردیا جائے گا۔ اس وقت لوگ خوف وخجالت کے پسینے میں غرق ہوں گے، ہر ایک پر ہیبت ودہشت چھائی ہوئی ہوگی ہر شخص مواخذہ عذاب کے خوف سے کانپ رہا ہوگا اس وقت رسولِ اکرم ﷺ شفاعت کریں گے۔

تا کہ لوگوں کو کچھ اطمینان وراحت مل جائے اور وہ بیٹھ کر دم لیں سکیں پھر جب درگاہ رب العزت سے حکم ہوگا کہ ان سب کو لے جایا جائے اور حساب لیا جائے تو اس موقع پر بھی رسولِ اکرم ﷺ درخواست کریں گے کہ ان کو حساب سے مستثنیٰ قرار دیا جائے اور یوں ہی معاف فرمادیا جائے، اور اگر سب کا حساب ضروری لیا جانا ہو تو سرسری حساب پر اکتفا کرلیا جائے، حساب میں سختی وشدت اور باز پرس نہ کی جائے۔ کیونکہ جو بھی سخت حساب سے دوچار ہوگا، اس کا عذاب سے بچنا ممکن ہی نہیں ہوگا۔ پھر حساب کے بعد جو لوگ مستوجب عذاب قرار پائیں گے، ان کو دوزخ میں بھیجا جائے گا تو یہ موقع بھی شفاعت کا ہوگا تا آنکہ ان کو

دوزخ میں بھیج دیا جائے گا تو رسولِ اکرم ﷺ شفاعت کریں گے، اور ان کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں پہنچوائیں گے۔ غرضیکہ ان ہولناک مواقع پر شروع سے لے کر آخر تک رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت اور غفار و کریم پروردگار کی رحمت و عنایت سے عفو و کرم کی کچھ امید رکھنی چاہئے۔ ویسے کچھ بھی فیصلہ صادر ہو۔

مگر لحاظ رہے کہ یہ سب شفاعتیں اللہ کے اذن سے اور اس کی مرضی سے اور اجازت سے ہوں گی، ورنہ کسی نبی اور کسی فرشتہ کی بھی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی ایک آدمی کو بھی دوزخ سے نکال سکے، یا اس کا اذن اور ایما پائے بغیر کسی کے حق میں سفارش کے لئے زبان کھول سکے۔ قرآن پاک میں ہے: مَن ذَا الَّذِی یَشفَعُ عِندَہٗ اِلَّا بِاِذنِہٖ (بقرہ) ''کون ہے جو اس کی بارگاہ میں بغیر اس کی اجازت کے کسی کی سفارش کر سکے۔'' دوسرے موقع پر فرمایا: وَلَا یَشفَعُونَ اِلَّا لِمَنِ ارتَضٰی (انبیاء) ''اور وہ نہیں سفارش کر سکیں مگر صرف اس کے جس کے لئے اس کی رضا ہو۔''

بلکہ علماء اکرام نے جیسا کہ فرمایا ہے، شفاعت دراصل شفاعت کرنے والوں کی عظمت و مقبولیت کے اظہار کے لئے اور ان کے اکرام و اعزاز کے واسطے ہوگی، ورنہ حق تعالیٰ کے کاموں اور اسکے فیصلوں میں دخل دینے کی کسے مجال ہے؟۔ ''یَفعَلُ مَایَشآءُ وَیَحکُم مَایُرِید'' اس کی شان ہے۔

اس تمہید کے بعد ذیل میں باب ''شفاعت'' کی کچھ احادیث پیش کی جارہی ہیں ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

قیامت کے دن انبیاءؑ کا شفاعت سے انکار اور آپ ﷺ کی شفاعت کا قبول ہونا

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میدان حشر میں مؤمنین کو روک دیا جائے گا۔ یعنی سب کو کسی ایک جگہ اس طرح محصور کر دیا جائے گا کہ کوئی شخص بھی کسی طرح کی نقل و حرکت نہیں کر سکے گا اور ہر شخص سکتے کی سی کیفیت میں ٹھہرا رہے گا۔ یہاں تک کہ سارے لوگ اس محصور ہونے کی وجہ سے سخت فکر و تردد میں پڑ جائیں

گے، پھر وہ آپس میں تذکرہ کریں گے، کہ کاش ہمیں کوئی ایسا شخص مل جاتا جو ہمارے پروردگار سے شفاعت کرتا اور ہمیں اس سختی و پریشانی سے چھٹکارا دلاتا اور پھر کچھ لوگ سب کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت آدمؑ کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے کہ: ''اے ابو البشر! آپ ہی وہ شخص ہیں، جنہیں خدا تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہے، فرشتوں سے سجدہ کروایا ہے، جنت میں سکونت عطا فرمائی ہے، اور آپ ہی وہ شخص ہی جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو شانیں دی ہیں تو ہماری سفارش کر دیجئے۔ تاکہ باری تعالیٰ ہمیں ان مصائب سے نجات نصیب فرمائے۔''

آدمؑ فرمائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اس قدر غضب میں ہیں کہ ایسا کبھی بھی نہ تھا اور نہ آئندہ ایسے غضب ناک ہوں گے۔ چونکہ مجھ سے ایک زبردست غلطی ہوئی ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْن. فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا ''باوجود روکنے کے میں نے گندم کا دانا کھا لیا تھا۔ تو میں بھی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرتا ہوں۔'' سچی بات تو یہ ہے کہ مجھ میں ''شفاعت'' کی طاقت نہیں ہے۔ تو میرا مشورہ یہ ہے کہ تم حضرت نوحؑ کے پاس جاؤ، اس لئے کہ وہ پہلے پیغمبر ہیں جنہیں سارے انسانوں کے طوفان نوح میں غرق ہونے کے بعد سب سے پہلے انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔

لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور نوح علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ: ''اے نوحؑ! آپؑ ہی وہ پیغمبر ہیں، جنہیں سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا اور آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ''انه كان عبدًا شكورًا'' فرما کر اپنا شکر گزار بندہ ہونے کا لقب عطا فرمایا ہے۔ آپؑ ہماری حالت زار کو دیکھ کر ہماری ''شفاعت'' فرما دیجئے۔'' حضرت نوحؑ فرمائیں گے کہ: ''آج اللہ تعالیٰ اتنے غصے میں ہیں کہ ایسا کبھی نہ تھا اور مجھ سے تو ایک غلطی ہوگئی ہے کہ میں نے ادب کا لحاظ نہ رکھا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے نافرمان بیٹے کی سفارش کر دی کہ وہ غرق نہ ہو۔ میرا منہ نہیں ہے کہ میں شفارش کر سکوں۔

سیدنا نوحؑ نے اپنے بیٹے کی کی سفارش کی تھی، قرآن کریم نے اسے اس انداز میں بیان کیا ہے: **وَنَادٰی نُوحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِی مِنْ اَهْلِی وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ** (سورۃ ھود) اس مشکل گھڑی میں نوحؑ نے اپنے خدا کو پکارا کہ میرا بیٹا بھی تو میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ جو میرے اہل کو طوفان سے بچانے کی نسبت ہے سچا ہے اور اس کا فیصلہ تو بہتر کر سکتا ہے۔" خدا نے نوحؑ کو جواب دیا کہ "وہ تیرے اہل میں سے ہرگز نہیں ہے وہ برے افعال کر چکا ہے۔ تو مجھ سے ایسی بات کا سوال نہ کرنا جس کا تجھے علم نہیں ہے، میں تجھے اس لئے سمجھاتا ہوں کہ جاہل لوگوں کی طرح سے رشتہ کی محبت میں آ کر کہیں تو خدا سے دور نہ جا پڑے۔" یعنی خدا کو تیری نیکی کے سوا اور کسی رشتے کی پرواہ نہیں ہے۔ یہ عذر کر کے حضرت نوحؑ سب لوگوں کو حضرات ابراہیمؑ کے پاس جانے کا مشورہ دیں گے۔ چنانچہ وہ فرمائیں گے کہ تم سیدنا حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل بنایا ہے۔ سورۂ نساء میں ہے: **واتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلاً**

پس لوگ آپؑ کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے:۔ اے ابراہیم خدا تعالیٰ نے آپؑ کو خلیل کا خطاب عطا فرمایا ہے اور آگ کو آپؑ کے واسطے ٹھنڈی اور سلامتی والا کر دیا۔ فرمایا: ﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِی بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ﴾ (سورۃ انبیاء)

اور پیغمبروں کا امام بنایا آپؑ ہمارے لئے سفارش کر دیجئے، تاکہ ان تکلیفوں سے رہائی مل جائے۔ حضرت ابراہیمؑ فرمائیں گے: پہلی بات یہ ہے کہ آج اللہ تعالیٰ نہایت غصے میں ہیں اور اتنا پر جلال کبھی نہیں دیکھا گیا اور نہ کبھی ایسا ہوگا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ میں تین مرتبہ ایسی باتیں کر چکا ہوں کہ جس میں جھوٹ کا وہم ہو سکتا ہے۔ تو میں اس کی پکڑ سے ڈر رہا ہوں۔ اس لئے مجھ میں "شفاعت" کی ہمت نہیں ہے۔

وہ باتیں جن کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ ان کے بارے میں مجھے ڈر لگتا ہے کہیں میری پکڑ نہ ہو جائے۔ وہ آگے آ رہی ہیں اس حدیث کو منکرین حدیث نے اپنا نشانہ بنا کر حدیث مبارکہ کے تمام ذخائر کو غیر معتبر قرار دیا ہے حالانکہ ان

واقعات میں سے دو کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور منکرین حدیث قرآن کو ماننے کا اقرار کرتے ہیں تو جو تاویل ان دونوں آیتوں میں کرتے ہیں وہی اس واقعے میں ہوگی جس کا ذکر حدیث میں ہے اس کے علاوہ عرب لفظ کذب سے سے جھوٹ مراد نہیں لیتے بلکہ بظاہر خلاف واقعہ بات پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ معلومات کے لئے ان واقعات کی ہم وضاحت کرتے ہیں، لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔

پہلا واقعہ...... ایک مرتبہ ابراہیمؑ کی قوم نے عید والے دن عمدہ عمدہ کھانے پکائے اور اپنے بتوں کے سامنے رکھ دیئے۔ پھر بت خانے کے دروازوں کو بند کر کے بڑی شان وشوکت سے عید منانے کے لئے میدان میں چلے گئے۔ جاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی کہہ دیا کہ ہمارے ساتھ چلیے۔ آپؑ نے ستاروں کو دیکھ کر فرمایا: ”میری طبیعت ناساز معلوم ہوتی ہے۔“ یہ اول کلام ہے جس سے انہیں جھوٹ کا وہم ہوگا۔ قرآن کریم میں اس واقعہ کو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے: **فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ اِنِّي سَقِيمٌ**. ”تو انہوں نے ستاروں کی طرف دیکھا اور فرمایا میں بیمار ہوں۔“

شبہ کا جواب...... حضرت ابراہیمؑ نے اپنی شان نبوت کے پیش نظر اسے خلاف واقعہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ جھوٹ یہ بھی نہیں ہے کیونکہ ابراہیمؑ ان کی نظر میں بیمار ہی تھے کہ بت پرستی نہ کرنے والے کو وہ روحانی بیمار سمجھتے تھے۔

دوسرا واقعہ...... دوم یہ کہ جب قوم میدان مذکور میں چلی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑا ہاتھ میں لے کر بت خانے کا تالا کھولا، اور اندر داخل ہو کر بتوں سے کہنے لگا کہ یہ لذیز نعمتیں کیوں نہیں کھاتے، جب انہوں نے کوئی جواب نہ دیا تو فرمانے لگے: ”مجھ سے کیوں نہیں بولتے؟ **فَقَالَ اَلَا تَأْكُلُونَ مَالَكُمْ لَاتَنطِقُونَ**. جب اس پر بھی وہ خاموش رہے، تو آپؑ نے تمام بتوں کو توڑ ڈالا مگر بڑے بت کو صرف ناک کان سے محروم کیا اور کلہاڑا اس کے کاندھے پر رکھ دیا اور دروازے کو بدستور تالا لگا کر گھر تشریف لے آئے۔ کفار جب میدان سے واپس آئے تو اس ماجرے کو دیکھ کر آگ بگولا ہو گئے اور اپنے

معبودوں کے ساتھ اس سلوک کو روا رکھنے والے شخص کے اس کام کو سرانجام دینے والے کی تلاش شروع کردی۔ قَالُوا مَن فَعَلَ هٰذا بِاٰلِهَتِنَا اِنَّهُ لَمِنَ الظّٰالِمِين. (سورہ انبیاء)

ان میں سے بعض نے کہ۔ سمعنا فتی یذکرهم یقال له ابراهیم. (سورہ انبیاء)

''ہم نے ایک نوجوان کو اس کا ذکر کرتے سنا ہے، اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔

ان کے سردار کہنے لگے فَاْتُوا بِهٖ عَلٰی اَعيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُم يَشهَدُون (سورہ انبیاء)

''تو اسے سارے لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ لوگ اس کو دیکھ لیں۔

جب سیدنا ابراہیمؑ سب لوگوں کے سامنے تشریف لے آئے تو انہوں نے کہا: ءَ أَنتَ فَعَلتَ هٰذا بِاٰلِهَتِنا يَا اِبراهيم اے ابراہیمؑ! کیا بتوں کو توڑنے کا کام تو نے کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيرُهُم هٰذا فَاسئَلُوهُم اِن كَانُوا يَنطِقُون (سورہ انبیاء) ''نہیں بلکہ ان کے بڑے نے ہی ایسا کیا ہے۔ اگر یہ بات کرسکتے ہیں، تو ان ہی سے پوچھ لیجئے؟'' ''ذرا دیکھو تو سہی! اسی کے کاندھے پر تو کلہاڑا ہے، اس کو غصہ آیا اور اس نے چھوٹے بتوں کو توڑ ڈالا۔ (اس واقعہ پر جھوٹ کا شبہ پایا جاتا ہے)

شبہ کا جواب...... شان نبوت کے لائق یہی تھا لیکن درحقیقت یہ جھوٹ نہ تھا الزامی جواب تھا کہ دوسرے سے ایسی بات کرنا کہ وہ لاجواب ہوجائے، چنانچہ کافروں نے لاجواب ہوکر کہہ دیا کہ ہمارے یہ بت بول نہیں سکتے اور پھر حضرت ابراہیمؑ نے سچ ہی تو کہا تھا ''بل فعله کبیرهم'' کہ ان سے بڑے نے کیا ہے۔ تو آپؑ بھی تو ان سے بڑے تھے۔

تیسرا واقعہ...... سیدنا ابراہیمؑ اپنے چچا کے پاس ''حران'' تشریف لے گئے۔ چچا کی بیٹی سیدہ سارہ سے نکاح ہوا۔ حسب معمول دین ابراہیمی کی دعوت دی۔ بتوں کی مخالفت سسرال کو برداشت نہ ہوئی تو ابراہیمؑ کے مخالف ہوگئے۔ ادھر آپؑ نے اللہ کے حکم سے مصر کا ارادہ فرمالیا۔ مصر کے پاس سے گزرے معلوم ہوا کہ یہاں ایک ظالم بادشاہ ہے، جو ہر خوبصورت عورت کو چھین لیتا ہے اس کے شوہر کو قتل کردیتا ہے، کوئی اور وارث ہو تو اسے دولت وغیرہ دے کر عورت کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ

بادشاہ کے کارندے وہاں آپہنچے اور سیدنا ابراہیمؑ سے سوالات کرنے لگے۔ سپاہیوں نے کہا: "یہ عورت تیری کیا لگتی ہے؟" سیدنا ابراہیمؑ نے جرأت سے جواب دیا: "یہ میری بہن ہے۔" کیوں کہ سارہؓ آپؑ کے چچا کی طرف سے آپؑ کی بہن تھیں۔ ادھر حفظ ماتقدم کے طور پر انہیں بھی سمجھا دیا کہ کوئی پوچھے تو میرے متعلق یہی کہنا ہے کہ "یہ میرا بھائی ہے۔"

(یہاں پر جھوٹ کا شبہ بنالیا جاتا ہے)

شبہ کا جواب...... قرآنی اصول کے مطابق سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جھوٹ نہیں بولا تھا۔ کیوں کہ قرآن حکیم میں ہے: **انما المؤمنون اخوۃٌ** "سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

بہر حال سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اس قول پر بھی خلاف واقعہ ہونے کا شبہ تھا۔ مکمل واقعہ اس طرح ہے کہ ظالم بادشاہ کے سپاہی حضرت سارہؓ کو لے کر محل سراء کی طرف چلے اور بادشاہ کے محل میں جا بٹھایا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیلؑ کی تسلی کا سامان یہ کیا کہ ان کے اور سارہؓ کے درمیان جتنے پردے تھے وہ ہٹتے جا رہے تھے، ان کی آنکھوں سے ایک لحہ بھی سارہؓ اوجھل نہ ہوئی۔ چنانچہ بادشاہ محل میں آیا، تین مرتبہ ہاتھ بڑھایا، ہر مرتبہ ہاتھ ناکارہ گیا، آخر سیدہ سارہؓ سے معافی اور دعا کی درخواست کی اور اللہ کے قہر سے نجات پائی، اپنی خفت مٹانے کے لئے سپاہوں سے کہا "اسے بحفاظت اسی مرد کے پاس چھوڑ آ ؤ، یہ عورت جادوگر معلوم ہوتی ہے۔" خلیل اللہؑ اس واقعہ کی وجہ سے اس شہر سے دل برداشت ہو چکے تھے، سارہؓ کو لے کے شام روانہ ہوگئے اور وہیں رہنے لگے۔ (یہ تین واقعات جن کی طرف ابراہیمؑ نسبت کریں گے، اور سفارش سے معذرت کریں گے۔)

حضرت ابراہیمؑ کے کہنے پر سب لوگ سیدنا موسیٰؑ کی خدمت میں حاضری دیں گے اور عرض کریں گے: "اے موسیٰؑ! آپؑ ہی وہ عظیم شخصیت ہیں جن سے اللہ نے بغیر واسطہ کے کلام فرمایا ہے اور آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے توراۃ لکھ کر دی ہے، ہو سکے تو آج ہماری سفارش کر دیجئے۔ حضرت موسیٰؑ سب کو مخاطب ہو کر فرمائیں گے: "آج

اللہ تعالیٰ بڑے غصہ میں ہیں کہ شاید کبھی اتنے غضبناک نہ ہوئے ہوں۔ میرے ہاتھ سے ایک قبطی شخص قتل ہو چکا ہے مجھے ڈر ہے، کہ کہیں میرا اللہ مجھے اس کی پاداش میں نہ پکڑ لے۔ یہ واقعہ بیسویں پارے میں آیت "وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ" سے "فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى" تک ہے۔ اور وہ مشورہ دیں گے کہ تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے جو خدا کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ سراسر روحانی ہیں۔ کہ جسمانی مادہ کے بغیر محض خدا کی قدرت سے پیدا ہوئے تھے اور دوسروں کی جسمانی حیات کا سبب بنے تھے بایں طور کہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ اور وہ اللہ کا کلمہ ہیں کہ ایک کلمہ کن سے پیدا ہوئے تھے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "وہ لوگ یہ سن کر حضرت عیسیٰ کے پاس آئیں گے اور ان سے شفاعت کے لئے کہیں گے۔ حضرت عیسیٰ جواب دیں گے: میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں، البتہ تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خدا کے ایسے بندے ہیں جن کے اگلے پچھلے سارے گناہ خدا نے بخش دیئے ہیں یقیناً وہی تم لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تب لوگ شفاعت کی درخواست لے کر میرے پاس آئیں گے اور میں ان کی "شفاعت" کے لئے تیار ہو جاؤنگا، اور اس مقصد کی خاطر درِ رب العزت پہنچ کر اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے اپنی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے۔ میں جب اس کے حضور میں پہنچ کر دیکھوں گا تو اس کی ہیبت وخوف کے مارے اور اس کی تعظیم کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جتنا عرصہ مناسب سمجھیں گے اتنے عرصے کے لئے مجھے سجدہ میں پڑے رہنے دیں گے۔" پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: "محمد! سر اٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، تم جس کے حق میں چاہو، شفاعت کرو، تمہاری "شفاعت" قبول کی جائے گی، اور جو چاہتے ہو مانگو، میں تمہیں دوں گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ سن کر میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد وتعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائیں گے اس کی حمد وثنا بیان کروں گا، پھر میں "شفاعت" کروں گا اور

میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کردی جائے گی، اس کے بعد میں درگاہ رب العزت سے باہر آجاؤں گا اور اس (متعینہ) جماعت کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کراؤں گا پھر دوسری جماعت کے حق میں ''شفاعت'' کرنے کے لئے میں دربار رب العزت پر حاضر ہوکر اس کی خدمت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا مجھے اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور جب میں اسکے حضور میں پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہیں گے مجھے سجدہ میں پڑے رہنے دیں گے۔'' پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''محمدؐ! اپنا سر اٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، ''شفاعت'' کرو میں قبول کروں گا، اور مانگو، میں دوں گا۔''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''(یہ سن کر) میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد وتعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا اس کی حمد وتعریف بیان کروں گا، پھر میں ''شفاعت'' کروں گا اور میرے لئے ''شفاعت'' کی ایک حد مقرر کردی جائے گی، اس کے بعد میں (درگاہ رب العزت سے (باہر آؤں گا اور اس (متعینہ) جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کرواؤں گا، اور پھر تیسری مرتبہ بارگاہ رب العزت پر حاضر ہوکر اس کی خدمت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا، مجھے اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور جب میں پروردگار کے حضور پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا، اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہیں گے مجھے سجدہ میں پڑا رہنے دیں گے۔'' پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''محمدؐ! اپنا سر اٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، ''شفاعت'' کرو میں قبول کروں گا، اور مانگو، میں دوں گا۔''

حضور ﷺ نے فرمایا: ''یہ سن کر میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد وتعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائیں گے اس کی حمد وتعریف بیان کروں گا، پھر میں ''شفاعت'' کروں گا اور میرے لئے ''شفاعت'' کی ایک حد مقرر کردی جائے، اس کے بعد میں درگاہ رب العزت سے باہر آؤں گا اور اس (متعینہ) جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل

کرواؤں گا، یہاں تک کہ اس کے علاوہ اور باقی نہیں رہ جائے گا جن کو قرآن نے روکا ہوگا ۔یعنی اس آخری ''شفاعت'' کے بعد دوزخ میں وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے بارے میں قرآن نے خبر دی ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

چنانچہ حدیث کے اس جملے کی وضاحت حضرت انسؓ کے نیچے کے راوی حضرت قتادہؒ نے جو جلیل القدر تابعی ہیں ان الفاظ میں کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بس وہ لوگ دوزخ میں باقی رہیں گے جو قرآن حکیم کے بموجب ہمیشہ کے لئے عذاب دوزخ کے مستوجب قرار پاچکے ہیں اور کفار ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے یا حضرت انسؓ یا حضرت قتادہؒ نے اس بات کو مستند کرنے کے لئے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی: عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا. امید ہے کہ حضور ﷺ کا رب حضور ﷺ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔اور پھر حضور ﷺ نے یا حضرت انسؓ نے یا حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ یہی وہ مقام محمود ہے جس کا وعدہ خدا نے حضور ﷺ سے کیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث کی بہترین تشریح صاحب مظاہر حق علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلویؒ نے اپنی کتاب میں کی ہے، چونکہ یہ تشریح انتہائی جامع اور مانع ہے اس لئے مناسب ہے کہ نقل کر دیا جائے۔ لیجئے ملاحظہ فرمایئے:۔

حدیث کی تشریح

حدیث بالا میں میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ وہ پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا، چنانچہ اس عبارت کے سلسلہ میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تین نبی حضرت آدمؑ حضرت شیثؑ اور حضرت ادریسؑ دنیا میں آچکے تھے۔ تو حضرت نوحؑ دنیا والوں کی طرف پہلے نبی کیوں ہوئے؟ اس کا واضح جواب یہ ہے کہ پہلے تینوں نبی جب دنیا میں آئے تو تمام روئے زمین صرف اہل کفر کی آماجگاہ نہیں تھی بلکہ اس دنیا میں اہل ایمان بھی موجود تھے۔اور گویا ان تینوں

نبیوں کے مخاطب اہل ایمان اور اہل کفر دونوں تھے۔

ان کے برخلاف جب حضرت نوحؑ دنیا میں آئے تو تمام روئے زمین پر صرف کافر تھے اہل ایمان کا وجود نہیں تھا، اس اعتبار سے حضرت نوحؑ دنیا میں آنے والے پہلے نبی تھے جن کا واسطہ صرف کافروں سے تھا، اس اشکال کے کچھ اور جواب بھی علما نے لکھے ہیں، لیکن وہ زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔ اس مقام پر ایک خاص نکتہ کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے، کہ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ جب تمام لوگ ابتدائی اور سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس اور پھر یکے بعد دیگر ایک ایک نبی کے پاس جائیں گے یہاں تک کہ آخر میں ہمارے نبی جناب رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کریں گے اور رسولِ اکرم ﷺ ان کی درخواست کو قبول کر لیں گے۔ تو سوال یہ ہے کہ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوگا کہ وہی ان کے دلوں میں کسی ''شفاعت'' کرنے والے کے پاس جانے کا خیال ڈالے گا اور پہلا خیال حضرت آدمؑ کے بارے میں ہوگا کہ وہی ان لوگوں کے دلوں میں رسولِ اکرم ﷺ کا خیال ڈال دے اور ایک ایک نبیوں کے پاس جانے کے بجائے صرف جنابِ رسولِ اکرم ﷺ ہی کی خدمت میں پہنچ جائیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس طولِ عمل میں اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی حکمت پوشیدہ ہوگی اور وہ یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ کا سب سے افضل و برتر ہونا تمام مخلوق کے سامنے ظاہر ہو جائے، اگر یہ نہ ہو تو لوگ ابتدائی مرحلہ ہی میں رسولِ اکرم ﷺ کے پاس پہنچ کر ''شفاعت'' کی بات کریں اور رسولِ اکرم ﷺ ان کی ''شفاعت'' کر دیں تو یہ احتمال باقی رہے گا کہ دوسرے بھی ''شفاعت'' کی جرأت رکھتے ہوں گے اور اگر کسی اور نبی سے بھی ''شفاعت'' کی درخواست کی جاتی تو وہ بھی شفاعت کر دیتا۔ لیکن جب وہ لوگ ایک ایک نبی کے پاس جا کر ان سے ''شفاعت'' کی درخواست کریں گے اور ہر ایک ''شفاعت'' سے انکار کر دے گا اور پھر آخر میں آپ ﷺ سے درخواست کی جائے گی جس کو آپ ﷺ قبول کر کے ان کا مقصد پورا کر دیں گے تو رسولِ اکرم ﷺ کا سب سے عالی مرتبہ ہونا اور بارگاہ کبریائی میں کمال قرب رکھنا واضح

طور پر ثابت ہو جائے گا، اور ہر ایک پر یہ عیاں ہو جائے گا کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے مرتبہ اور درجہ کا کوئی اور نبی نہیں ہے۔ پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہمارے نبی رسولِ اکرم ﷺ تمام مخلوق حتیٰ کہ انسانوں فرشتوں اور تمام انبیاء تک پر فضیلت رکھتے ہیں کیوں کہ ''شفاعت'' جو اتنا بڑا درجہ اور اتنا اہم کام ہے کہ کوئی بھی، خواہ وہ فرشتہ یا پیغمبر ہی کیوں نہ ہو اس کی جرأت وحوصلہ نہیں کرے گا جو صرف اور صرف رسولِ اکرم ﷺ کریں گے۔

حضرت نوحؑ نے اپنی لغزش کا ذکر کیا اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت نوح کو مسلسل جھٹلانے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی سزا میں دنیا والوں پر پانی کا عذاب ہوا اور تمام روئے زمین پر ہلاکت خیز پانی ہی پانی پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت نوحؑ اپنے گھر والوں اور اپنے ماننے والوں کی ایک مختصر تعداد کو لے کر ایک کشتی میں بیٹھ گئے تا کہ وہ سب طوفانی سیلاب کی ہلاکت خیزی سے محفوظ رہیں۔ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو کافروں کے ساتھ تھا، بلایا اور کہا کہ تم کافروں کا ساتھ چھوڑ دو اب بھی ایمان لے آؤ اور میرے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ، مگر ان کا وہ بیٹا نہ مانا اور آخر کار دوسرے تمام لوگوں کے ساتھ وہ بھی غرق ہو گیا۔ اس موقع پر حضرت نوحؑ نے اپنے اس بیٹے کے حق میں غرقابی سے نجات کی دعا مانگی تھی اور بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا تھا کہ: رَبِّ اِنَّ ابْنِی مِنْ اَهْلِی وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ. ''اے میرے پروردگار! میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، اس کو نجات دے دے بیشک آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور آپ احکم الحاکمین ہیں۔'' اللہ تعالیٰ سے حضرت نوحؑ کی یہ درخواست چوں کہ ایک ایسا امر تھا جس کو انہوں نے جانے بوجھے بغیر ظاہر کیا تھا اور اس بات کی تحقیق نہیں کی تھی کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا مانگی چاہئے یا نہیں؟ اس لئے ان پر بارگاہ خداوندی سے عتاب نازل ہوا کہ نوح ہم سے وہ چیز نہ مانگو جس کی حقیقت کا تمہیں علم نہیں ہے اور جس کے بارے میں تم نہیں جانتے کہ وہ چیز مانگنی چاہئے یا نہیں۔

اور حضرت ابراہیمؑ دنیا میں تین مرتبہ جھوٹ بولنے کا ذکر کریں گے۔ حضرت

ابراہیمؑ اپنی جن تین باتوں کو "جھوٹ" سے تعبیر کریں گے حقیقت میں ان پر جھوٹ کا اطلاق نہیں ہوسکتا، گو ظاہری حیثیت کے اعتبار سے وہ جھوٹ کی صورت رکھتی ہوں، لیکن انبیاء جس عالی مرتبہ کے ہوتے ہیں اوران کا جو سب سے اونچا مقام ہوتا ہے اس کے پیش نظر ان کی اس طرح کی باتوں کو بھی جو ان کے مقام سے فروتر ہوں، بارگاہ رب العزت میں نظر انداز نہیں کیا جاتا، اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ: **حسنات الابرا سئیات المقربین**. بعض باتیں نیکوں کے حق میں تو نیکیاں ہوتی ہیں لیکن مقربین کے حق میں برائیاں ہوتی ہیں۔ رہی بات یہ کہ وہ تین باتیں کیا تھیں جن کو حضرت ابراہیمؑ "جھوٹ" کے طور پر اپنی لغزش بتائیں گے، تو ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ ایک دن حضرت ابراہیم کی قوم اپنے کسی میلہ میں تماشہ دیکھنے آبادی سے باہر جانے لگی تو ابراہیمؑ نے ارادہ کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گا اور جب یہ سب لوگ چلے جائیں گے تو ان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ان کے بت توڑ دوں گا۔ جن کو یہ پوجتے ہیں اور میری بار بار کی تنبیہ کے باوجود بت پرستی سے باز نہیں آتے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگوں کو جانا ہو تو جاؤ میں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا، کیوں کہ میں بیمار ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ دیکھنے میں ظاہری طور پر بیمار نہیں تھے، اور ان کا یہ کہنا کہ "میں بیمار ہوں۔" بظاہر جھوٹ سمجھا جاسکتا ہے، لیکن اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ان کی یہ بات "جھوٹ" میں شمار نہیں ہوسکتی کیونکہ جب انہوں نے یہ بات کہی تھی تو یہ مراد رکھ کر کہی تھی کہ تمہارے کفر شرک اور تمہاری غلط حرکتوں نے میرے دل کو دکھی کر دیا ہے اور میں تمہارے غم میں اندرونی طور پر بیمار ہوں۔ دوسری بات یہ کہ قوم کے لوگوں کے میلے میں چلے جانے کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے ان کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا، اور جب ان لوگوں نے واپس آکر دیکھا کہ آپؑ نے بتوں کو توڑ دیا ہے۔ تو انہوں نے جو جواب دیا تو ان کا یہ جواب بھی اپنی ظاہری حیثیت میں ایک جھوٹ نظر آتا ہے، لیکن یہاں بھی یہی صورت حال ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات اس مراد کے ساتھ کہی تھی کہ یہ جو بڑا بت ہے، یہ تمہاری عبادت و تعظیم کے لئے ایک ممتاز و منفرد حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اس کا وجود اس بات کا

باعث بنا کہ میں دوسرے چھوٹے بتوں کو توڑ دوں یا اس بات سے حضرت ابراہیمؑ کا اس سے مقصد ان لوگوں کا مذاق اڑانا اور ان کو شرمندہ کرنا تھا کہ جس بت کو تم سب سے بڑا مانتے ہو اور سب سے زیادہ اس کی عبادت کرتے ہو۔ اس کی لاچاری اور بے وقعتی کا یہ عالم ہے، کہ اس کے ساتھی بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا گیا، مگر وہ کسی بت کو بچانہ سکا ایسی صورت میں کیا یہ بت تمہاری پرستش کا مستحق ہوسکتا ہے؟ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص تو بہت زیادہ خوشخط ہو اور اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص بہت زیادہ بدخط ہو، اور وہ بدخط شخص خوشخط شخص کی کسی لکھی ہوئی تحریر کو دیکھ کر کہے کہ کیا یہ تحریر تم نے لکھی ہے اور خوشخط شخص اس کے جواب میں کہے کہ جی نہیں، یہ تو تم نے لکھی ہے، کہ اس جواب کے ذریعہ وہ یہی واضح کرتا ہے کہ تم تو اتنی اچھی تحریر نہیں لکھ سکتے، پھر یہاں میرے علاوہ اور کون لکھنے والا ہوسکتا ہے؟ تیسری بات یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بیوی یعنی حضرت سارہؓ کو ایک بدکار کافر کے ہاتھ سے بچانے کے لئے کہا تھا کہ یہ عورت میری بہن ہے یہ بات بھی بظاہر ''جھوٹ'' کے دائرہ میں آتی ہے، لیکن اگر اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ ایک مؤمن کی مؤمنہ بیوی بہر حال اس کی دینی بہن ہوتی ہے، اور یہ بات کہنے سے حضرت ابراہیمؑ کی مراد بھی یہی تھی کہ یہ میری دینی بہن ہے، تو اس میں جھوٹ کا اطلاق کیسے ہوسکتا ہے، ویسے یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت سارہؓ حضرت ابراہیمؑ کی چچازاد بہن تھی، اس اعتبار سے بھی ان کا حضرت سارہؓ کو بہن کہہ دینا کوئی ''جھوٹ'' نہیں تھا۔

اب لوگ حضرت عیسیٰؑ کی طرف آئے، دوسرے انبیاء کے برخلاف حضرت عیسیٰؑ ''شفاعت'' کی درخواست لے کر آنے والوں کے سامنے اپنے کسی عذر کو بیان نہیں کریں گے، اور نہ اپنی کسی لغزش کا ذکر کریں گے، اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اس وقت اپنا عذر بیان کرنے میں توقف شاید اس لئے کریں گے کہ وہ اس تہمت کی وجہ سے جو عیسائیوں کی طرف سے ان کو اللہ کا بیٹا کہے جانے کی صورت میں ان پر تھوپی گئی ہے، اس درجہ شرمندہ ہوں گے کہ وہ اپنی خاموشی ہی کو زبان حال سے عذر بنالیں گے۔ ویسے بعض

روایتوں میں ان کے کچھ عذر نقل بھی کئے گئے ہیں۔

بہر حال اصل بات یہ ہے کہ "شفاعت" کا درجہ صرف ہمارے نبی رسول اکرم ﷺ کو حاصل ہوگا جو سید المرسلین اور امام النبیین ہیں، آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء اور رسول "شفاعت" کے مقام پر کھڑا ہونے اور بارگاہ رب العزت میں "شفاعت" کرنے سے عاجز وقاصر ہیں، ان کو یہ بلند بالا مرتبہ عطا ہی نہیں ہوا ہے، لہٰذا "شفاعت" کی درخواست لے کر آنے والوں کے سامنے انہیں کوئی عذر بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی، اور وہ سب یا ان میں سے کچھ انبیاءؑ کوئی عذر بیان بھی کریں گے تو اس کا تعلق صرف ظاہری طور پر اپنی صوابدید سے ہوگا، اسی لئے دوسری حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ سارے انبیاءؑ کوئی عذر بیان کئے بغیر صرف یہی کہیں گے کہ ہم عظیم الشان امر کے اہل نہیں ہیں۔

"جن کے اگلے پچھلے سارے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیئے ہیں۔" اس جملہ کے سلسلہ میں واضح رہے، کہ تمام ہی انبیاء "معصوم عن الخطا" یعنی گناہوں سے محفوظ ہیں چہ جائیکہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی ذات گرامی۔ کہ آپ ﷺ تو بدرجہ اولیٰ اس سے پاک ومنزہ ہیں، کہ کسی گناہ کی نسبت بھی آپ ﷺ کی طرف ہو، پس یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں یہ کہنا کہ "ان کے اگلے پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیئے ہیں۔" کیا معنیٰ رکھتا ہے؟......

اس بارے میں علماء نے مختلف باتیں کہی ہیں اور اس جملہ کی متعدد تاویلیں منقول ہیں، لیکن زیادہ واضح تاویل یہ ہے کہ یہ جملہ دراصل بارگاہ رب العزت کی جانب سے رسول اکرم ﷺ کے عظیم اعزاز اور رسولِ اکرم ﷺ کی برتر فضیلت کے اظہار کا ذریعہ ہے قطع نظر اس امر کے کہ رسولِ اکرم ﷺ سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور اس کی بخشش کی جائے۔ اس کو مثال طور پر یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ: "جب کوئی امر مطلق اور بادشاہ اپنے کسی خاص مصاحب کو ہر حالت میں اپنا مطیع وفرمانبردار پرکھ لیتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے تو اپنے دوسرے مصاحبوں اور رعایا کے لوگوں کے درمیان اس خاص مصاحب کی امتیازی اور مخصوص

حیثیت کو ظاہر کرنے کے لئے اس سے یہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں معاف کیا خواہ تم نے کچھ ہی کیا ہو اور آئندہ تم جو کرو وہ بھی معاف، تم پر کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں۔

"اور میں درِرب العزت پر پہنچ کر اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا۔" یہ جملہ حدیث کی اس عبارت کا آزاد ترجمہ ہے اگر اس عبارت کا لفظی ترجمہ کیا جائے تو یوں ہوگا کہ پس میں اپنے پروردگار کے پاس اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت طلب کروں گا۔ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ "اس کے مکان" سے مراد اس کی طرف سے عطا ہونے والے اجر وثواب کی جگہ یعنی جنت ہے۔ لیکن یہ مراد گنجلک ہے، زیادہ واضح تاویل وہ ہے جو تورپشتیؒ نے بیان کی ہے۔

انہوں نے لکھا ہے کہ:۔ "پروردگار کے پاس اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے" سے مراد یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے یہ اجازت مانگیں گے کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کو اس مقام میں داخل ہونے کی اجازت عطا کرے۔ جہاں کسی کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے جہاں پہنچ کر جو بھی عرض ودعا کی جائے، اس کا مقبول ومنظور ہونا یقینی ہے اور جہاں پہنچ کر کھڑے ہونے والے اور پروردگار کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں ہے، اور یہ وہ مقام ہے جس کو "مقام محمود" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اسی کو "مقام شفاع" بھی کہتے ہیں۔ رہی بات یہ کہ پروردگار تو مکان ولا مکان کی قید سے پاک ہے، اس کو جہاں بھی پکارا جائے اور جس جگہ بھی اس سے عرض ودعا کی جائے، وہ وہیں موجود ہے اور وہیں سنتا اور دیکھتا ہے۔ تو پھر اس کی کیا ضرورت ہوگی کہ رسولِ اکرم ﷺ میدان حشر میں جس جگہ لوگوں کی شفاعت کی درخواست قبول کریں گے وہاں سے چل کر اس مقام خاص پر بارگاہ رب العزت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کریں گے، اور پھر عرض ومعروض کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مَوقف یعنی میدان حشر کہ جہاں لوگ ٹھہرے ہوں گے دراصل ایک ایسے ملکی نظام کی طرح ہوگا جو کسی باقاعدہ اور مہذب حکومت کے تحت ہو، جہاں ہر شخص کے مرتبہ ودرجہ کے مطابق طریق کار اور نظم عمل کا اصول کارفرما ہو۔

چنانچہ اس وقت رسولِ اکرم ﷺ "شافع" کی حیثیت رکھتے ہوں گے اور "شافع" کا حق یہ ہے کہ وہ اعزاز واکرام کی جگہ آکر کھڑا ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ رسولِ اکرم ﷺ کے دل میں یہ بات ڈالے گا کہ وہ اس جگہ سے چل کر جو خوف وہولنا کی اور وحشت وگھبراہٹ سے گھری ہوگی، اس جگہ آئیں گے جو آپ ﷺ کے اعزاز واکرام کا مقام ہے، تا کہ وہاں اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ عرض ومعروض کر سکیں۔

اور اس حمد وتعریف کے ساتھ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا......الخ سے آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اس وقت میں جن الفاظ، جس اسلوب اور جس انداز میں اللہ رب العزت کی تعریف وتوصیف بیان کروں گا وہ کیا ہوگا۔ اس وقت اس کا علم مجھے بھی نہیں ہے، وہ سب کچھ مجھے اسی وقت سکھایا اور بتایا جائے گا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اس موقع اور اس مقام کی مناسبت سے جس قدر وسعت وگہرائی رکھتی ہے اس کا ادراک یہاں کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اسی اعتبار سے اس مقام کو "مقام حمد" اور "مقام محمود" کہتے ہیں۔ حدیث کے اس جزو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص کسی سے سفارش کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے اس سفارش قبول کرنے والے کی تعریف وتوصیف کرے تا کہ اس کا قرب اور اس کی توجہ حاصل کر سکے اور قبول سفارش سے نوازہ جائے۔

"پھر میں شفاعت کروں گا" کے ضمن میں قاضیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی خوب خوب حمد بیان کریں گے اور پھر اس حمد وثناء کے بعد شفاعت کی اجازت پا کر امتی امتی کہنا شروع کریں گے۔

اور میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی......" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے یہ متعین فرمادے گا کہ ایسے ایسے گناہ گاروں کی شفاعت کرو، مثلاً وہ فرمائے گا کہ اپنی امت کے ان لوگوں کی شفاعت کرو جو زنا کار تھے، یا جو بے نمازی تھے، اور یا جو شراب نوش تھے۔ چنانچہ میں اسی تعیّن کے ساتھ شفاعت کروں گا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں

گے کہ میں نے زانیوں کے حق میں تمہاری سفارش قبول کی، پھر فرمائے گا کہ میں نے بے نمازیوں کے حق میں تمہاری شفاعت کی۔ اسی پر دوسرے طبقوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

علاوہ ازیں حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ "اس جماعت کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کراؤں گا......" اس جگہ پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث کے شروع میں تو یہ مذکور ہے کہ شفاعت کی درخواست کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کو میدان حشر میں محصور کیا گیا ہوگا اور وہاں کی تنگی اور کرب و ہولناکی سے تنگ آ کر رسولِ اکرم ﷺ کی سفارش چاہیں گے تاکہ آپ ﷺ انہیں اس جگہ کی پریشانیوں اور ہولناکیوں سے نجات دلائیں۔

لیکن یہاں حدیث کے ایک جزو میں جب بارگاہ خداوندی میں رسولِ اکرم ﷺ کی سفارش کرنے اور رسولِ اکرم ﷺ کی سفارش قبول ہونے کا ذکر آیا، اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "میں اس جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا"

تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سے "شفاعت" کی درخواست کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جنہیں دوزخ میں بھیجا جاچکا ہوگا؟...... اس کے جواب دو ہیں ایک تو یہ کہ شاید اہل ایمان کے دو طبقے ہونگے ایک طبقہ تو جو اپنے گناہوں کے سبب سزا کا مستوجب ہوگا میدان حشر میں محصور کیے بغیر دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ اور یہی طبقہ رسولِ اکرم ﷺ سے "شفاعت" کی درخواست کرے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ 'شفاعت' کے ذریعے اس طبقہ کو اس بدترین حالت سے کہ جس میں وہ گرفتار ہوگا، نجات دلا کر جنت میں پہنچوائیں گے اور پھر اس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ اس طبقہ کے حق میں جماعت در جماعت کر کے "شفاعت" فرمائیں گے، جو دوزخ میں ڈالے جاچکے ہوں گے، اور حضور ﷺ متعدد دفعوں میں ان کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کروائیں گے۔

اس کا حاصل جواب یہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس حدیث میں یہاں صرف اسی ایک طبقہ کا ذکر فرمایا ہے اور اختصار کلام کے طور پر دوسرے طبقہ کے ذکر کو حذف فرمادیا ہے کیوں کہ اس ایک طبقہ کو نجات دلانے کے ذکر سے دوسرے طبقہ کو نجات دلانا بطریق اولیٰ

مفہوم ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں یہاں نار یعنی آگ کا لفظ منقول ہے جس کا ترجمہ ''دوزخ'' کیا گیا ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ نار یعنی آگ سے مراد ''دوزخ'' نہ ہو بلکہ وہ سخت حبس، تپش اور گرمی مراد ہو جو میدان حشر میں سورج کے بہت قریب آجانے کی وجہ سے وہاں محسوس کی جائے گی اور ''نکلوانے'' سے اس حدیث کی مراد اس تپش اور گرمی سے لوگوں کو چھٹکارا دلانا ہو۔ اس صورت میں حدیث کی اس عبارت ''فاخرجهم من النار وادخلهم الجنة'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ میں شفاعت قبول ہونے کے بعد درگاہ رب العزت سے باہر آؤں گا اور لوگوں کو سخت ترین تپش اور گرمی سے چھٹکارا دلا کر جنت تک پہنچواؤں گا یہ جواب اگرچہ ایک ایسی وضاحت ہے جس پر مجازی اسلوب کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہی جواب حقیقت امر کے بہت قریب ہے اور حدیث کے اصل موضوع کے نہایت مناسب، کیوں کہ اس ارشاد گرامی میں جس ''شفاعت'' کا ذکر ہو رہا ہے اس سے ''شفاعت عظمیٰ'' مراد ہے، جس کو رسولِ اکرم ﷺ نے ایک ارشاد ''ادم ومن دونه تحت لوائی یوم القیامة'' کے بموجب مقام محور اور لوائے ممدود سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس ''شفاعت عظمیٰ'' کا اصل مقصد تمام مخلوق کو میدان حشر کی پریشانیوں اور ہولناکیوں سے چھٹکارا دلانا ہے، جہاں وہ حساب وکتاب کے انتظار میں کھڑے ہوں گے اور ان کا حساب وکتاب جلد کرنا ہوگا۔ نیز یہی وہ ''شفاعت'' ہے جو صرف رسولِ اکرم ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔

اور حدیث بالا میں آنے والے ارشاد کے مطابق کہ یہی وہ مقام محمود ہے......الخ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت میں رسولِ اکرم ﷺ کے لئے جس ''مقام محمود'' کا وعدہ کیا ہے وہ اسی ''شفاعت عظمیٰ'' کا مقام ہے جو آپ ﷺ کے سوا کسی اور کو عطا نہیں ہوگا۔ واضح رہے کہ اس مقام کی صفت لفظ ''محمود'' کے ساتھ یا تو اس اعتبار سے ہے کہ اس مقام پر کھڑا ہونے والا اس کی تعریف کرے گا اور اس کو پہچانے گا، یا اس اعتبار سے ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اس مقام پر کھڑے ہو کر اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کریں گے اور یا

اس اعتبار سے کہ وہ مقام عطا ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف تمام اولین وآخرین مخلوق کی زبان پر ہوگی۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

حدیث بالا کی مزید تشریح

اور صاحب معارف الحدیث حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے اچھوتے انداز میں تشریح کرتے ہیں کہ۔ مسند کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ وہاں ایک ہفتہ تک سجدہ میں پڑے رہیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کو فرمایا جائے گا کہ: ''اے محمدؐ! سر اٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو، تمہاری سنی جائے گی، اور جوں مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری مانی جائے گی۔'' پس میں کہوں گا: ''اے پروردگار! میری امت میری امت! یعنی میری امت پر آج رحم فرمایا جائے اور اس کو بخش دیا جائے۔ پس مجھ سے کہا جائے گا، جاؤ اور جس کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو نکال لو، پس میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا یعنی جس کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا، اس کو نکال لاؤں گا۔ اور پھر اللہ کی بارگاہ کرم کی طرف لوٹوں گا اور پھر انہی الہامی محامد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا، اور اللہ تعالیٰ کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔'' پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا: ''اے محمدؐ! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری شفاعت مانی جائے گی۔'' پس میں عرض کروں گا: ''اے پروردگار! میری امت میری امت! پس مجھ سے کہا جائے گا، جاؤ اور جس کے دل میں ایک ذرہ یعنی رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو نکال لو، پس میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا یعنی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا، اس کو نکال لاؤں گا۔ اور پھر اللہ کی بارگاہ کرم کی طرف لوٹوں گا اور پھر انہی الہامی محامد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا، اور اللہ تعالیٰ کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔'' پس اللہ

تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا: ''اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری شفاعت مانی جائے گی۔'' پس میں عرض کروں گا: ''میرے رب! میری امت میری امت! پس مجھ سے کہا جائے گا، جاؤ اور جس کے دل میں ایک رائی کے دانے سے کم سے کمتر بھی ایمان ہو، اس کو بھی نکال لو، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پس میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا یعنی جس کے دل میں رائی کے دانے سے کم سے کمتر بھی ایمان نور کا ہوگا، ان کو نکال لاؤں گا۔ اور اس کے بعد چوتھی دفعہ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کرم کی طرف لوٹ آؤں گا اور پھر انہی الہامی محامد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا، اور اللہ تعالیٰ کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔'' پس مجھ سے فرمایا جائے گا: ''اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری شفاعت مانی جائے گی۔'' پس میں عرض کروں گا: ''اے پروردگار مجھے اجازت دے دیجئے ان سب کے حق میں کہ جنہوں نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا ہو۔'' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''یہ کام تمہارا نہیں ہے، لیکن میری عزت وجلال اور میری عظمت وکبریائی کی قسم، میں خود دوزخ سے ان لوگوں کو نکال لوں گا، کہ جنہوں نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا ہوگا۔'' (بخاری ومسلم)

تشریح...... اس حدیث میں چند باتیں تشریح طلب ہیں۔

(۱)...... حدیث میں جَو کے برابر، رائی کے دانہ کے برابر اور رائی کے دانہ سے کم سے کمتر، دل میں ایمان ہونے کا جو ذکر ہے، اس سے مراد نورِ ایمان کے خاص خاص درجے ہیں۔ جن کا ادراک ہم کو تو نہیں ہوتا، لیکن حضور ﷺ کی بصیرت اس وقت اس کا ادراک کر لے گی، اور حضور ﷺ ان درجوں والوں کو اللہ کے حکم سے نکال لائیں گے۔

(۲)...... حدیث کے آخری حصے میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ اپنی امت کے لیے تین دفعہ ''شفاعت'' فرمانے کے بعد چوتھی دفعہ حق تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ مجھے ان لوگوں کے بارے میں اجازت دی جائے جنہوں نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا ہو۔

اس کا مطلب بظاہر یہ ہے جن لوگوں نے حضور ﷺ کی دعوتِ توحید کو تو قبول کرلیا، اور ایمان لے آئے، لیکن دوزخ سے نجات پانے اور جنت میں جانے کے لئے جو اور اعمال کرنے چاہئے تھے، وہ انہوں نے بالکل نہیں کئے، تو مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ آخر میں ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرنے کی اجازت چاہیں گے جس کے پاس کسی درجہ کا خالی ایمان اور توحید کا اعتقاد تو ہوگا لیکن عمل توحید سے وہ بالکل خالی ہوں گے۔ بخاری و مسلم ہی کی ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں غالباً اسی گروہ کے حق میں "لم یعملوا خیرًا قطّ" کے الفاظ آئے ہیں، جن کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "لیس ذالک لک" یعنی ان مسکینوں کی جہنم سے نکالنے کا کام میں نے آپؐ کے لئے نہیں رکھا، یا یہ مطلب ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے لئے یہ سزاوار اور مناسب نہیں ہے، بلکہ یہ کام میری عزت و جلال اور میری عظمت و کبریائی اور شان "فعال لما یرید" کے لئے ہی سزاوار ہے، اس لئے اس کو میں خود ہی کروں گا۔ اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لا کر احکام کی تعمیل بالکل نہیں کی، ایسوں کو دوزخ سے نکالنا پیغمبر کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اس درجہ کا عفو و درگزر اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳)...... معلوم ہوتا ہے اس روایت میں اختصار سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اسی حدیث کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں آدم علیہ السلام کے بعد اور ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اہل محشر کے نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا ذکر ہے جو اس میں نہیں ہے۔ نیز اس میں صرف اپنی امت کے حق میں رسولِ اکرم ﷺ کی "شفاعت" کا ذکر ہے، حالانکہ قرین قیاس یہ ہے کہ پہلے رسولِ اکرم ﷺ عام اہل محشر کے لئے حساب اور فیصلہ کی شفاعت فرمائیں گے، جس کو "شفاعت کبریٰ" کہتے ہیں، پھر جب حساب کے نتیجہ میں بہت سے آپ کے امتی اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کی طرف بھیج دیئے جائیں گے تو رسولِ اکرم ﷺ ان کو دوزخ سے نکالنے اور جنت میں داخل کرانے کے

لئے "شفاعت" فرمائیں گے۔ واللہ اعلم۔

(۴)......اہل محشر کے جو نمائندے کسی شفیع کی تلاش میں نکلیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے دل میں ڈالیں گے کہ وہ پہلے آدم علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر ان کی رہنمائی اور مشورہ سے نوح علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر اسی طرح ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی خدمت میں حاضر ہوں یہ سب منجانب اللہ اس دن اس لئے ہوگا کہ عملی طور پر سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اس "شفاعت" کا منصب اور "مقام محمود" اللہ تعالیٰ کے آخری نبی رسولِ اکرم ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔ بہر حال اس دن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت اور رفعتِ مقام کے بر سرِ محشر اظہار کے لئے ہو۔ (بحوالہ معارف الحدیث)

آپ ﷺ کی "شفاعت" سے متعلق ایک اور حدیث

آپ ﷺ کی شفاعت سے متعلق ایک اور حدیث بخاری و مسلم سے پیش خدمت ہے چنانچہ حضرت انس کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو میدان حشر میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ عجب اضطرب اور افراتفری کے عالم میں ہوں گے یعنی وہاں کی سختی و تنگی اور ہولناکی سے بیتاب ہو کر ادھر ادھر بھاگے پھریں گے اور آپس میں صلاح و مشورہ کریں گے کہ اس ہولنالی سے چھٹکارے کی کیا راہ نکالی جائے؟)۔

چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آپ اپنے پروردگار سے "شفاعت" کر دیجئے۔ کہ وہ ہمارے حساب و کتاب کا حکم جاری فرمادے اور ہمیں اجر و ثواب یا عذاب دے کر ہمارا معاملہ ایک طرف کرے۔ حضرت آدمؑ جواب دیں گے کہ: "میں "شفاعت" کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم حضرت ابراہیمؑ کے پاس جاؤ وہ اللہ کے دوست ہیں۔ اور تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں۔" وہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جائیں گے اور ابراہیمؑ جواب دیں گے: میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس جاؤ وہ اللہ کے کلیم ہیں۔ اور تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں۔ وہ لوگ حضرت

موسیٰ کے پاس آئیں گے، اور حضرت موسیٰ بھی یہی جواب دیں گے کہ: میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم لوگوں کو حضرت عیسیٰ کے پاس جانا چاہئے جو اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ اور تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس آئیں گے اور حضرت عیسیٰ بھی یہی جواب دیں گے کہ: میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں تمہیں محمد ﷺ پاس جانا چاہئے، وہی تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تب لوگ میرے پاس آئیں گے۔ اور مجھ سے شفاعت کی درخواست کریں گے میں ان سے کہوں گا کہ ہاں بے شک میں "شفاعت" کا اہل ہوں کہ یہ کام میں کر سکتا ہوں کسی اور کے بس میں نہیں ہے۔ پھر میں بارگاہ رب العزت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا، مجھے پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ میرے دل میں اپنی حمد وثنا کے الفاظ ڈالے گا جس کے ذریعہ اس وقت میں اللہ کی حمد وثناء کروں گا۔ اور حمد وثناء کن الفاظ اور کن اسلوب میں ہوگی اس وقت مجھے معلوم نہیں ہے، بہر حال جب میں اس کی بارگاہ میں پیش ہوں گا اور اس کو دیکھوں گا تو میں سجدہ میں گر پڑوں گا، اور میں اللہ تعالیٰ کی وہی حمد وثناء بیان کروں گا۔ پس مجھ سے کہا جائے گا: "اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری شفاعت مانی جائے گی۔" پس میں سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد عرض کروں گا: "میرے پروردگار! میری امت کو بخش دیجئے، میری امت پر رحم فرمائیے، یا یہ مطلب ہے کہ اے میرے پروردگار! میں اپنی امت کے بارے میں آپ سے "شفاعت" طلب کرتا ہوں۔ پس مجھ سے کہا جائے گا: "جاؤ اور اس کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں ایک جَو برابر بھی ایمان ہو۔" پس میں جاؤں گا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کروں گا اور اس کے بعد پھر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں گا اور پھر میں انہی الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا۔" پس مجھ سے کہا جائے گا: "اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، میں تمہاری شفاعت قبول

کروں گا۔" میں عرض کروں گا: "میرے پروردگار! میری امت کو بخش دیجئے، میری امت پر رحم فرمائیے۔ مجھ سے کہا جائے گا: "جاؤ اور اس کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں ذرہ برابر یا رائی کے برابر بھی ایمان ہو۔" پس میں جاؤں گا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کروں گا اور اس کے بعد پھر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں گا اور پھر میں انہیں الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا۔" پھر مجھ سے کہا جائے گا: "اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، میں تمہاری شفاعت قبول کروں گا۔ میں عرض کروں گا: میرے پروردگار! میری امت کو بخش دیجئے، میری امت پر رحم فرمائیے۔ پس مجھ سے کہا جائے گا: جاؤ اور ہر اس شخص کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں رائی کے ادنی سے ادنی دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، پس میں جاؤں گا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کروں گا اور اس کے بعد پھر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں گا اور پھر میں انہی الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر مجھ سے پوچھا جائے گا: "اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو جو کہنا ہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، میں تمہاری شفاعت قبول کروں گا۔" میں عرض کروں گا: "اے پروردگار! اب مجھے اجازت دے دیجئے ان سب کے حق میں کہ جنہوں نے "لا الٰہ الا اللّٰہ" کہا ہو۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "نہیں بلکہ اپنی عزت وجلال اور میری عظمت وکبریائی کی قسم، میں خود دوزخ سے ان لوگوں کو نکال لوں گا، کہ جنہوں نے "لا الٰہ الا اللّٰہ" کہا ہوگا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح...... حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ "جس کے دل میں جو برابر بھی ایمان ہو واضح رہے کہ اس طرح کے جملوں، یعنی جس کے دل میں جو برابر یا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر اور جس کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان ہو۔ کی توضیح وتاویل میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں اور یہ اختلافات اقوال پر مبنی ہے جو اصل ایمان کی بحث کے سلسلہ میں ان کے درمیان پایا جاتا ہے۔ یہ ایک لمبی چوڑی بحث ہے اس موقع پر صرف اتنا بتا دینا ضروری

ہے کہ مذکورہ جملوں میں جس چیز کو جَو یا رائی کے برابر فرمایا گیا ہے اس سے حقیقی ایمان مراد نہیں ہے بلکہ از قسم خود خیر و بھلائی وہ چیز مراد ہے جو ایمان کے ثمرات ونتائج، ایقان کی روشنی اور دعرفان کے نور سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اس چیز پر حقیقت ایمان کا اطلاق اس لئے نہیں کیا جاسکتا کہ اصل ایمان جو تصدیق قلبی یعنی خاص دل سے ماننے اور ایسے ہی اقرار لسانی زبان سے سچا اقرار کرنے کا نام ہے، ایک ایسا جوہر ہے جس کو اجزاء اور حصوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس پر کمی وزیاتی کا اجراء ہوسکتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل ایمان یعنی نفس تصدیق قلبی اور یقین دلی، نہ تو گھٹتا بڑھتا ہے اور نہ اس کو کسی مقدار یا حصہ میں بانٹا جاسکتا ہے۔ پس جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے اور اس پر کمی وبیشی اطلاق ہوسکتا ہے اگر ان کے اس قول کو اچھے اور برے اعمال کے اعتبار سے ایمان کے ثمرات ودرجات میں کمی وزیاتی پر محمول کیا جائے تو اس صورت میں معلوم ہوگا کہ مذکورہ مسئلہ سے متعلق علماء کے درمیان درحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ ان کے اختلافی اقوال محض لفظی اختلاف اور صوری نزاع ہے۔

''جس کے دل میں رائی کے ادنی سے ادنی دانہ کے برابر بھی ایمان ہے، یہ دراصل حق تعالٰی کی طرف سے انتہائی فضل وکرم کا اظہار ہوگا کہ اس شخص کو بھی دوزخ سے نکال لو جو ادنی سے ادنی درجہ کا مؤمن ہے۔

''جس نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا کا مطلب یہ ہے کہ میں ان لوگوں کی بھی شفاعت چاہتا ہوں جن کے نامۂ اعمال میں اس کلمہ طیبہ کے علاوہ اور کوئی بھی نیکی نہیں ہے، اور ملا علی قاری کی وضاحت کے مطابق اگرچہ انہوں نے اپنے ایمان کی حالت میں یا ایمان لانے کے بعد اپنی پوری زندگی میں کلمہ طیبہ بھی صرف ایک ہی مرتبہ کیوں نہ زبان سے ادا کیا ہو۔

حاصل یہ کہ حضور ﷺ آخری مرتبہ جن لوگوں کی شفاعت کریں گے وہ اس درجہ کے مؤمن ہوں گے کہ ان کے نامہ اعمال میں کوئی بھی نیکی اور کوئی بھی اچھا کام نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی کبھار اپنی زبان سے کلمہ طیبہ ادا کیا ہوگا بلکہ بعض تو

ایسے بھی ہوں گے جن کی زبان پر پوری عمر میں صرف ایک ہی مرتبہ کلمہ طیبہ آیا ہوگا اور ان کے بارے میں یہ شفاعت بھی اس امید پر کرنا چاہے گے کہ زبان سے ''لا الہ الا اللہ کہنا بھی بہر حال ایک نیکی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی بھی نیکی خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی اور کتنے ہی کم درجہ کی کیوں نہ ہو، ضائع نہیں جانے دیں گے، بلکہ اول یا آخر اس کا اجر ضرور دیں گے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے کہ مَنْ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ ''یعنی جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں جائے گا۔''

طیبیؒ نے یہ کہا ہے کہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس حدیث میں ''جو اور روئی وغیرہ کی مقدار کے برابر'' کے ذریعہ جس چیز کا اشارہ کیا گیا ہے اس سے وہ اصل ایمان مراد نہیں ہے جس کو تصدیق قلبی سے تعبیر کیا جاتا ہے بلکہ اس ایمان کے علاوہ کچھ اور مراد ہے اور وہ کچھ اور از قسم کی نیکی و بھلائی وہ چیز ہے جو ایمان کے ثمرہ کے طور پر دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور حدیث بالا میں فرمایا گیا کہ نہیں اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے الخ کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ جس شخص کے نامہ اعمال میں ''لا الہ الا اللہ'' کہنے کے علاوہ اور کوئی بھی نیکی نہیں ہے اس کو دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کا حق بھی گو آپ ﷺ کو حاصل ہے، اور آپ ﷺ شوق سے ایسے شخص کی شفاعت بھی کیجئے ہم اس کو قبول کریں گے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کو دوزخ سے نکلوانا حضور ﷺ کے ذمہ نہیں ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ بے شک ہم اس شخص کو بھی دوزخ سے نکالیں گے مگر ایسا ہم آپ کی شفاعت کی وجہ سے نہیں کریں گے بلکہ اس وجہ سے کریں گے کہ اپنے فضل و کرم کو ظاہر کرنے کے لئے ہم خود اس کو دوزخ سے نکالنا پسند کرتے ہیں۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس مؤمن کے دوزخ سے نکالے جانے کا معاملہ کہ جس نے اپنی پوری عمر میں کوئی بھی نیکی و بھلائی نہیں کی ہے، شفاعت کے دائرہ سے باہر ہوگا بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ کی ''شفاعت'' قبول کرنے کا وعدہ خداوندی

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن عاص روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ نے اپنی

مجلس میں لوگوں کے سامنے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں یہ بیان کرنے کے لئے کہ وہ قیامت کے دن اپنی امت کے متعلق بارگاہ رب ذوالجلال میں کیا کیا عرض کریں گے یہ آیت پڑھی: رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضلَلنَ كَثِيراً مِّنَ النَّاسِ فَمَن تَبِعَنِي فَاِنَّهُ مِنِّي اور آیت کا بقیہ حصہ یہ ہے: وَمَن عَصَانِي فَاِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيم اور پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے کہ: ''میرے پروردگار یہ بت بہت سے لوگوں کی گمراہی کا سبب بنے ہیں، پس ان لوگوں میں سے جنہوں نے میری اطاعت قبول کی ہے، یعنی توحید، اخلاص اور توکل کو اختیار کیا وہ میرے اپنے اور میرے تابعدار ہیں اور جنہوں نے میری نافرمانی کی ہے تو، تو معاف کرنے والا رحیم ہے۔'' پھر رسولِ اکرم ﷺ نے اسی سلسلے میں حضرت عیسیٰؑ کے تعلق سے یہ آیت پڑھی جس میں یہ بیان ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنی امت کے حق میں پروردگار سے کیا عرض کریں گے؟: اِن تُعَذِّبهُم فَاِنَّهُم عِبادُكَ اور آیت کا بقیہ حصہ یہ ہے: وَاِن تَغفِر لَهُم فَاِنَّكَ اَنتَ العَزِيزُ الحَكِيم. اور پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے: ''اگر تو ان کو عذاب میں مبتلا کرے تو بہر حال وہ تیرے ہی بندے ہیں۔'' یعنی تو ان کا مطلق مالک ہے وہ تیرے حکم کے خلاف کرہی کیا سکتے ہیں اور ان کو عذاب میں مبتلا کرنے سے تجھ کو کون روک سکتا ہے؟ اور اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔ یعنی تجھ پر کوئی غالب نہیں ہے، تو جو چاہے حکم کرسکتا ہے، کوئی بھی تیرے حکم کو پست پست ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا، پھر یہ تیری حکمت ودانائی میں بھی ذرہ برابر شبہ نہیں، تو ہر ایک کے بارے میں وہی حکم کرتا ہے، جس کا وہ مستوجب ہوتا ہے اور وہی جگہ دیتا ہے، جہاں کا وہ سزاوار ہے۔

اس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ: ''پروردگار! میری امت کو بخش دے، میری امت پر رحم فرما۔'' اور یہ دعا کرتے ہوئے رسولِ اکرم ﷺ رونے لگے۔ فوراً اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو حکم دیا کہ محمد یعنی رسولِ اکرم ﷺ کے پاس جاؤ، اور حالانکہ اے جبرائیل تمہارا رب خوب جانتا ہے اس کو کچھ مطلق دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر رسولِ اکرم ﷺ کی دلجوئی اور پروردگار کی عنایت وتوجہ کے اظہار کی خاطر ان سے

پوچھو کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ یہ حکم سنتے ہی حضرت جبرائیل رسولِ اکرم ﷺ کے پاس آئے اور رسولِ اکرم ﷺ سے رونے کا سبب پوچھا، رسولِ اکرم ﷺ نے انہیں اپنے الفاظ میں بتایا کہ اپنی امت کے بارے میں خوف خداوندی نے مجھ پر رقت طاری کردی ہے پھر حضرت جبرائیلؑ بارگاہ کبریائی میں واپس گئے اور صورت حال عرض کی اور تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور کہو کہ جب وقت آئے گا تو ہم یقیناً آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کردیں گے اور آپ کو ہرگز رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ (مسلمؒ)

تشریح...... "یہ دعا کرتے وقت حضور ﷺ رونے لگے یعنی حضور ﷺ نے اپنی امت کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی "شفاعت" کو یاد کیا تو پھر فوراً حضور ﷺ کو اپنی امت کا خیال آگیا، اور اس خوف سے حضور ﷺ پر رقت طاری ہوگئی کہ نامعلوم امت کے لوگوں کا کیا حشر ہوگا؟ کہیں ان کو تو عذاب خداوندی میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں اپنی امت کی بخشش کی دعا فرمائی۔"

آپ ﷺ کو اپنی امت کے بارے میں راضی وخوش کردیں گے......" اور آپ ﷺ راضی اور خوش کس صورت میں ہوں گے؟ اس کے متعلق بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں اس وقت تک راضی وخوش نہیں ہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ میری امت کے ایک ایک فرد کو بخش نہیں دے گا۔" "سبحان اللّٰہ" اس امت کے لئے اس سے بڑی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟ ضرورت صرف یہ ہے کہ حقیقی معنی میں جناب رسولِ اکرم ﷺ کا امتی بنا جائے، جناب رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ ایمان کے عقیدے کو ہر حال میں درست رکھا جائے، مشکل جو ہے صرف یہی ہے اور کچھ نہیں ہے۔

اس حدیث میں کئی اہم باتیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی امت سے کس قدر تعلق ہے اور حضور ﷺ اپنی امت پر کتنے زیادہ شفیق ومہربان ہیں۔ نیز حضور ﷺ اپنی امت کے لوگوں کی صلاح وفلاح کی طرف کس طرح ہر وقت متوجہ رہتے تھے۔ دوسری اور سب سے بڑی بات اس امت مرحومہ کے لئے بشارت ہے اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ

سے وعدہ فرمایا کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی وخوش کردیں گے۔ تیسری بات رسولِ اکرم ﷺ کا عظیم المرتبت ظاہر ہونا ہے۔

آپ ﷺ کی ’’شفاعت سے متعلق ایک اور حدیث

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ کی خدمت میں پکا ہوا گوشت لایا گیا اس میں سے ہاتھ کا گوشت آپ ﷺ کو پیش کیا گیا جو آپ ﷺ کو بہت پسند ومرغوب تھا، آپ ﷺ نے اس میں سے دانتوں سے نوچ نوچ کر کھایا، اور پھر فرمانے لگے کہ: ’’میں قیامت کے دن جب کہ لوگ دو جہان کے پروردگار کا فیصلہ سننے کے انتظار میں کھڑے ہوں گے، تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، اس دن سورج لوگوں کے سروں کے بہت قریب ہوگا اور لوگوں کی حالت مسلسل کھڑا رہنے، گرمی کی تپش وسختی اور وہاں کے ہولناک ماحول کے اثر سے اس قدر کربناک اور غم وفکر سے بوجھل ہوگی کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں گے، یعنی صبر واستقامت پر قادر نہیں ہوں گے۔ اور نہایت حیرانی وپریشانی کے عالم میں ایک دوسرے سے کہتے پھریں گے، کہ آخر تم کسی ایسے شخص کی تلاش کیوں نہیں کرتے جو تمہارے پروردگار سے تمہاری سفارش کردے۔ اور جو تمہیں اس کرب واذیت، کی حالت سے نجات عطا کردے، چنانچہ لوگ حضرت آدمؑ کے پاس آئیں گے۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے یا خود رسولِ اکرم ﷺ نے شفاعت کے سلسلے میں حدیث کے وہی اجزء بیان کئے جو پہلے ایک حدیث میں بیان کئے جاچکے ہیں، کہ لوگ یکے بعد دیگر تمام انبیاء کے پاس جاکر شفاعت کی درخواست کریں گے اور وہ سب جواب دیں گے کہ ہم اس کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اور پھر وہ لوگ شفاعت کی درخواست لے کر میرے پاس آئیں گے یہ ذکر کرنے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: پس میں لوگوں کے پاس سے روانہ ہوں گا اور عرش کے نیچے آؤں گا اور وہاں بارگاہ رب العزت میں اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد اور بہترین ثنا کے وہ الفاظ واسلوب منکشف کردیں گے جو مجھ سے

پہلے اللہ تعالیٰ نے کسی پر منکشف نہیں کیے ہوں گے۔ یعنی اس موقع کے لئے میرے دل میں اپنی حمد وثنا کے الفاظ اور وآداب حضوری کے وہ طریقے القاء فرمائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی اور کو القاء نہیں کیے ہوں گے بلکہ وقت سے پہلے مجھ کو بھی ان کا کوئی علم نہیں ہوگا۔ جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں اس کا بیان کیا جا چکا ہے، کہ پھر پروردگار فرمائیں گے کہ: محمدؐ! اپنا سر اٹھاؤ، جو چاہتے ہو مانگو میں دوں گا اور جو شفاعت کرنا چاہتے ہو کرو میں قبول کروں گا۔ یہ سن کر میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا: "میرے پروردگار! میری امت کو بخش دیجئے۔" تب کہا جائے گا کہ: "اے محمدؐ! آپ اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن سے حساب نہیں لیا جائے گا اور جو حساب کے بغیر جنت کے مستحق ہیں جنت کے دائیں طرف کے دروازہ سے جنت میں داخل کر دیجئے، اور وہ لوگ اس دروازے کے علاوہ دوسرے اطراف کے دروازوں کے استعمال کے حق میں بھی لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔ اس کے بعد جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، جنت کے دروازوں میں ہر ایک دروازے کے دونوں کواڑوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا کہ مکہ اور ہجر کے درمیان ہے۔ (بخاری، مسلمؒ)

تشریح...... حدیث بالا میں ارشاد فرمایا گیا کہ میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، اس میں لوگوں کا اطلاق پوری نوع انسانی پر ہے جس میں انبیاء بھی شامل ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے: یعنی قیامت کے دن میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔ اور یہ بات حضور ﷺ نے اس اعتبار سے ارشاد فرمائی کہ اس توقیر وعزت کی بنا پر کہ جو جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کو بارگاہ خداوندی میں سب سے زیادہ قرب ومحبوبیت کی وجہ سے حاصل ہوگی۔ اس دن ہر ایک آپ ﷺ کی شفاعت کا محتاج ہوگا، جب سب لوگ نہایت مضطرب ہوں گے تو آخر میں رسولِ اکرم ﷺ ہی کے پاس شفاعت کی درخواست لے کر آئیں گے اور صرف آپ ﷺ ہی ان کی شفاعت کا حوصلہ کریں گے۔ اور حدیث میں فرمایا کہ عرشِ الٰہی کے نیچے آؤں گا یہ جملہ حضرت انسؓ

سے نقل کی جانے والی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں اپنی پروردگار کے گھر میں آنے کے الفاظ ہیں، پس ان دونوں کے درمیان تطبیق یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا گھر جنت ہے اور جنت عرش الٰہی کے نیچے ہی ہے، لہٰذا دونوں حدیثوں کے الفاظ میں مفہوم کے اعتبار سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

''میرے پروردگار میری امت کو بخش دیجئے۔ان الفاظ کو تین بار کہنا یا تو عرض کو زیادہ سے زیادہ اہم اور قابل توجہ بنا کر پیش کرنے کے لئے ہوگا جیسا کہ جب کوئی شخص اپنے حاکم و آقا سے کسی اہم مقصد کی بار آوری چاہتا ہے، تو وہ اپنی عرض کو اس کے سامنے بار بار دہراتا ہے، یا ان الفاظ کو بار بار دہرانے سے گناہ گاروں کے طبقوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوگا، جیسا کہ پیچھے گزرنے والی حدیث میں بیان ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کی ایک دفع کی شفاعت کسی ایک طبقہ کے ساتھ مختص ہوگی اور پھر دوسری مرتبہ کی شفاعت کسی دوسرے طبقہ کے ساتھ، اور اسی طرح متعدد دفعوں میں سب کی شفاعت پوری ہوگی۔

اور حدیث میں فرمایا کہ جنت کے دائیں طرف کے درواز ے سے الخ یعنی ان لوگوں کے اعزاز وتکریم کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے از راہ عنایت جنت کے دائیں طرف کا دروازہ انہی لوگوں کے لئے مخصوص ہوگا۔اس کے علاوہ کسی اور کو اس دواز ے سے داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی، اس درواز ے کے علاوہ باقی اور جو تمام درواز ے ہوں گے وہ دوسرے لوگوں کے لئے مشترک ہوں گے اور مذکورہ لوگ بھی ان دروازوں کو استعمال کرنے کا حق رکھیں گے۔

''ہجر'' ایک جگہ ہے جو جزیرہ نما عرب کے مشرقی ساحل پر سعودی عرب کے اس علاقہ میں واقعہ ہے جس کو اب ''احساذ'' کہا جاتا ہے، اور پہلے زمانے میں ''بحرین'' اسی علاقہ کو کہتے تھے۔ بہرحال اس جملہ کا مقصد جنت کے دروازوں کی چوڑائی اور وسعت کو بیان کرنا ہے کہ جنت کے ہر درواز ے کی چوڑائی اس فاصلہ کے بقدر ہے جو ''مکہ'' اور ''ہجر'' کے درمیان ہے۔لیکن اس سے مراد تحدید وتعیین ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ تخمیناً فرمایا گیا ہے۔تا کہ

دروازے کی چوڑائی اور وسعت کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اور ہاں جہاں تک حقیقت حال کا تعلق ہے وہ کچھ اور ہی ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق)

قیامت کے دن شفاعت وغیرہ سے متعلق کچھ اور باتیں

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن مجلس نبویؐ میں کچھ لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہاں دیکھو گے۔" پھر رسولِ اکرم ﷺ نے دیدار الٰہی کی ثبوت کو واضح کرنے کے لئے سوال کیا کہ: کیا تم لوگ دوپہر کے وقت جب کہ آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہو، سورج کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ یا کوئی تکلیف محسوس کرتے ہو؟ اور کیا تم لوگ شفاف چودھویں رات میں، جب کہ آسمان پر بادل کا کوئی ایک ٹکڑا بھی نہ ہو، چاند کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ اور تکلیف محسوس کرتے ہو؟" لوگوں نے عرض کیا کہ "ہرگز نہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر قیامت کے دن تم اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں بھی کوئی رکاوٹ و تکلیف محسوس نہیں کرو گے۔ ہاں جیسا کہ تم ان دونوں یعنی سورج و چاند میں سے کسی کو دیکھنے میں رکاوٹ و تکلیف محسوس کرتے ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن برپا ہوگا، اور تمام مخلوق میدان محشر میں جمع ہوگی۔ تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ جو طبقہ دنیا میں جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اسی کے پیچھے رہے۔ چنانچہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں اور انصاب کو پوجتے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہیں بچے گا اور سب کے سب دوزخ میں جاگریں گے۔ کیوں کہ انصاب اور بت کہ جن کی پوجا ہوتی تھی، دوزخ میں پھینکے جائیں گے۔ لہٰذا ان کے ساتھ ان کی پوجا کرنے والے بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب ان لوگوں کے سوا کوئی موجود نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے وہ خواہ نیک ہوں یا بد تمام جہانوں کا پروردگار ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا کہ تم کس کے منتظر ہو؟ ہر طبقہ اس چیز کے پیچھے چلا جارہا ہے جس کی وہ عبادت کرتا تھا، تو تم

پھر یہاں کیوں کھڑے ہو تم بھی کیوں نہیں چلے جاتے؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ:۔

ہمارے پروردگار! ہم نے دنیا میں ان لوگوں سے جو دنیا میں غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اب اپنے معبودوں کے پیچھے پیچھے دوزخ میں چلے جائیں گے پوری طرح جدائی اختیار کر رکھی تھی، حالانکہ ہم اپنی دنیوی ضرورتوں میں ان لوگوں کی مدد واعانت کے ضرورت مند تھے لیکن ہم نے کبھی ان کی صحبت وہمنشینی کو گوارہ نہیں کیا۔ اور نہ کبھی ان کی اتباع کی بلکہ ہمیشہ ان کے مدمقابل رہے اور صرف تیری رضا کی خاطر ان سے جنگ وجدل کرتے رہے۔ پس اب جب کہ ہم ان کے کسی طرح سے ضرورت مند بھی نہیں ہیں اور ان سب کی منزل بھی دوزخ ہے تو ہم ان کے ساتھ کیسے چلے جاتے؟۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہاں یوں نقل کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ یہ کہیں گے کہ: ہم یہاں سے اس وقت تک نہیں جائیں گے کہ جب تک ہمارا پروردگار ہمارے پاس نہیں آئے گا، یعنی جب تک وہ ہم پر اس طرح تجلی نہ پرفرمائے گا کہ جس کے سبب ہم اس کو پہچان لیں گے کہ یہی ہمارا پروردگار ہے اور جب ہمارا پروردگار اپنی تجلی وصفات کے اظہار کی صورت میں جس کے سبب ہم اس کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں ہمارے پاس آئیں گے تو ہم اس کو اچھی طرح پہچان لیں گے۔

اور حضرت ابوسعید خدری کی روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا: کیا تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان کوئی نشانی ہے جس کے ذریعے تم اس کو پہچان لو گے؟ وہ کہیں گے کہ: ہاں نشانی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھولی جائے گی اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو جو دنیا میں کسی کو دکھانے سنانے اور کسی خوف اور لالچ کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اپنے نفس کے تقاضے یعنی اخلاص وعقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا تھا۔ اور ہر وہ شخص کہ جو دنیا میں کسی خوف یا لوگوں کو دکھانے یا سنانے کے لئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا تھا، اللہ تعالیٰ اس کی کمر کو پورا تختہ بنا دے گا۔ یعنی اس کی پیٹھ وکمر کی ہڈیوں کے جوڑ بالکل ختم کر دئے جائیں گے۔ اور اس کی پوری پیٹھ ایک تختہ بن جائے گی تا کہ وہ جھک نہ

سکے اور نہ سجدہ کر سکے۔ چنانچہ وہ سجدہ میں جانے کے لئے جھکنا چاہے گا۔ تو چت گر پڑے گا۔ پھر دوزخ کے اوپر اس کے بیچوں بیچ پل صراط رکھ دیا جائے گا، اور شفاعت کی اجازت عطا کی جائے گی۔

چنانچہ تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کے حق میں طلب استقامت وسلامتی کے لئے یہ دعا کریں گے کہ: اے اللہ! ان کو پل صراط کے اوپر سے سلامتی سے گزار دے، ان کو دوزخ میں گرنے سے محفوظ رکھ۔ پس مسلمان لوگ پل صراط کے اوپر سے اس طرح گزریں گے کہ بعض تو پل جھپکتے گزر جائیں گے، بعض کوندے کی طرح نکل جائیں گے، بعض ہوا کے جھونکے کی مانند، بعض پرندوں کی اڑان کی مانند گزریں گے۔ پس ان میں سے کچھ مسلمان تو وہ ہوں گے جو دوزخ کی آگ سے بالکل سلامتی اور نجات پائے ہوئے ہوں گے۔ یعنی پل صراط سے گزرنے کے وقت ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ اور کچھ مسلمان ایسے ہوں گے جو زخم کھا کر نکلیں گے، اور دوزخ کی آگ سے نجات پائیں گے۔ نیز کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو پارہ پارہ کئے جائیں گے اور دوزخ میں دھکیل دئے جائیں گے۔

یہاں تک کہ جب مؤمن دوزخ کی آگ سے نجات پالیں گے، تو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی شخص ظاہر ثابت شدہ کے حصول میں اتنی شدید جدوجہد اور سختی نہیں کرتا جتنی شدید جدوجہد مؤمن قیامت کے دن اپنے بھائیوں کی نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کریں گے جو دوزخ میں ہوں گے۔ وہ مؤمن کہیں گے کہ: ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ہمارے ساتھ حج کرتے تھے یعنی ان کی نماز ہماری نمازوں کی طرح ہوتی اور ان کا حج ہمارے ہی حج کے طریقہ سے ہوتا تھا پس تو ان کو بھی دوزخ سے نجات دیدے۔ ان سے کہا جائے گا کہ: جاؤ اور جن لوگوں کو تم اپنی مذکورہ شہادت کی روشنی میں پہچانتے ہو انہیں دوزخ سے نکال لو، پس دوزخ کی آگ پر ان کی صورتوں کو حرام کر دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ مؤمن بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لیں گے۔ پھر کہیں گے کہ: ہمارے پروردگار! جن لوگوں

کوتو نے دوزخ سے نکالنے کا حکم دیا تھا یعنی اہل نماز، اہل زکوۃ اور اہل حج وغیرہ ان سب میں سے اب دوزخ میں کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ: اچھا پھر جاؤ اور ہر اس شخص کو بھی دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں تم دینار برابر بھی نیکی پاؤ۔ پس وہ مؤمن جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے: اب ہر اس شخص کو بھی دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں آدھے دینار کے برابر بھی نیکی پاؤ۔ پس وہ مؤمن جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ: جاؤ اور اب اس شخص کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں تم از قسم نیکی ذرہ برابر بھی کوئی چیز پاؤ پس وہ مؤمن جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے اور کہیں گے کہ: پروردگار! ہم نے دوزخ میں بھلائی کو باقی نہیں رہنے دیا ہے یعنی دوزخ میں اب کوئی ایسا شخص باقی نہیں بچا ہے جس کے دل میں اصل ایمان کے علاوہ ادنی سے ادنی درجہ کی اور ذرہ برابر بھی بلکہ ذرہ سے بھی کمتر کوئی نیکی ہو خواہ اس نیکی کا تعلق اعمال سے ہو یا افعال قلب سے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: فرشتوں نے شفاعت کر لی اور پیغمبروں نے بھی شفاعت کر لی اور مؤمنوں نے بھی شفاعت کر لی) اوران سب کی شفاعت کا تعلق ان لوگوں سے تھا جن کا نامہ اعمال میں کوئی نہ کوئی نیکی ضرور تھی خواہ وہ نیکی ذرہ برابر یا اس سے کمتر درجہ ہی کی کیوں نہ ہو اور اس طرح، اب ایسی کوئی ذات باقی نہیں رہ گئی ہے۔ جو خود بھلائی پہنچانے یا بھلائی پہنچانے والے سے سفارش کے ذریعہ کسی کے ساتھ رحم و مروت اور عنایت و ہمدردی کا معاملہ کرے۔ لیکن ابھی ارحم الرحمین کی ذات باقی ہے۔ جس کی رحمت جس کا کرم اور جس کی عنایت ہر ایک پر سایہ فگن ہے اور اس کی رحمت وعنایت کے اثرات کے مقابلہ پر ہر ایک کی رحمت وعنایت ہیچ ہے اور یہ فرما کر اللہ تعالیٰ دوزخ میں سے اپنی مٹھی بھر کر ان لوگوں کو نکال لے گا جنہوں نے کبھی بھی کوئی چھوٹی یا بڑی نیکی کی ہی نہیں ہوگی، یہ لوگ دوزخ میں جلتے رہنے کی وجہ سے کوئلہ بن چکے ہوں گے۔

چنانچہ ان لوگوں کو اس نہر میں ڈالا جائے گا جو جنت کے دروازوں کے سامنے ہے

اور جس کو نہرِ حیات کہا جائے گا اور پھر یہ لوگ اس نہر سے اس طرح تروتازہ نکلیں گے جیسے دانہ سیلاب کے کوڑے کچرے میں اگتا ہے، یعنی جس طرح سیلابی کوڑے کچرے میں پڑا ہوا دانہ بہت جلد اگ آتا اور خوب ہرا بھرا معلوم ہوتا ہے، اس طرح یہ لوگ بھی اس نہر میں غوطہ دلائے جانے کے بعد نہایت تیزی کے ساتھ بہتر جسمانی حالت میں واپس آ جائیں گے اور خوب تروتازہ اور توانا معلوم ہوں گے۔

نیز یہ لوگ اس نہر سے موتی کی مانند پاک وصاف باہر آئیں گے، ان کی گردنوں میں مہریں لٹکی ہوئی ہوں گی۔ چنانچہ جب اہل جنت ان لوگوں کو ان کی امتیازی علامتوں کے ساتھ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو خود خدائے رحمان کے آزاد کئے ہوئے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم کے تحت، اس امر کے باوجود جنت میں داخل کیا ہے کہ نہ انہوں نے دنیا میں کوئی نیک عمل کیا تھا اور نہ انہوں نے کم سے کم افعال قلب ہی کی صورت میں، کوئی نیکی کر کے آگے بھیجی تھی اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان نو آزاد لوگوں سے کہا جائے گا کہ: بلکہ جنت میں تم جو کچھ دیکھ رہے ہو یعنی تمہاری حدِ نظر تک تمہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں نظر آ رہی ہے نہ صرف یہ بلکہ ان ہی جیسی اور بہت سی نعمتیں بھی، یہ سب تمہارے لئے ہیں۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح...... حدیث بالا میں ارشاد فرمایا کہ "ہاں دیکھوں گے۔" سیوطیؒ نے اپنی تالیفات میں لکھا ہے کہ قیامت کے دن موقف میں یعنی میدان حشر میں کہ جہاں ساری مخلوق کھڑی ہوگی مرد وعورت ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، یہاں تک کہ بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ تو دیدار منافقوں اور کافروں کو بھی حاصل ہوگا۔

لیکن پھر فوراً ان کو محجوب کر دیا جائے گا تا کہ وہ ہمیشہ اس دیدار کی حسرت اور اپنی محرومی کے غم میں مبتلا رہیں، تاہم منافقوں اور کافروں کو دیدار حاصل ہونے کی یہ بات زیادہ واضح نہیں ہے، بلکہ اس میں کلام ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں یہ آیا ہے کہ: كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ "یعنی ہرگز نہیں، یقیناً کفار اس دن اپنے رب کے دیدار سے

محروم ہوں گے۔"

اور جہاں تک جنت میں حق تعالیٰ کے دیدار کا سوال ہے، تو اس بارے میں علامہ سیوطیؒ نے کہا ہے، کہ اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے، کہ وہاں حق تعالیٰ کا دیدار ہر امت کے نبیوں، رسولوں، صدیقوں اور اس امت محمدی (ﷺ) کے افراد میں سے تمام مؤمن مردوں کو حاصل ہوا کرے گا۔ امت محمدی کی عورتوں کے سلسلے میں دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ ان کو وہاں دیدار نصیب نہیں ہوگا، دوسرا یہ کہ ان کو بھی وہاں دیدار نصیب نہیں ہوگا مگر تمام دنوں میں نہیں بلکہ چند مخصوص دنوں میں مثلاً عید وغیرہ کے دونوں میں فرشتوں کے بارے میں بھی دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ: وہ اپنے رب کو نہیں دیکھیں گے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ: وہ بھی اپنے رب کا دیدار کیا کریں گے، اسی طرح جنات کے بارے میں بھی اختلافی اقوال ہیں۔

کیا تم لوگ دوپہر کے وقت الخ اس سوال کے ذریعہ جناب رسولِ اکرم ﷺ نے اس امر کا اشارہ فرمایا کہ جو چیز عام طور پر مشکل نظر آتی ہے اور لوگ اس کے دیدار کے تمنائی ہوتے ہیں، اس کو دیکھتے ہیں تو دھکا پیل اور مشقت وضرر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جس طرح آفتاب وماہتاب کو دیکھنے میں کسی قسم کی مشقت وضرر اور تکلیف ورکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیدار کے وقت کسی طرح کے دھکا پیل اور مشقت وضرر کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ ہاں جیسا کہ تم لوگ ان دونوں میں سے کسی کو دیکھنے میں رکاوٹ وتکلیف محسوس کرتے ہو۔

دراصل یہ جملہ تعلق بالمحال کے طور پر پچھلے جملے کو زیادہ سے زیادہ زوردار بنانے کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر تم سورج وچاند کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ تکلیف محسوس کرتے ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں بھی رکاوٹ تکلیف محسوس کرو گے۔ لیکن جب یہ بات طے ہے کہ ان دونوں چاند وسورج میں سے کسی کو بھی دیکھنے میں کسی ادنی سے ادنی رکاوٹ وتکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تو جان لو کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں کوئی ادنی سی

رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔ ضمنی طور پر یہ بات کر دینا ضروری ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ یہاں جس دیدار الٰہی کے بارے میں ذکر ہے وہ اس دیدار الٰہی کے علاوہ ہے جو جنت میں اہل ایمان کو بطور اعزاز و اجر نصیب ہوگا۔ یہ دیدار تو محض امتحان و آزمائش کے طور پر ہوگا تا کہ دنیا میں جن لوگوں نے اللہ کی عبادت کی تھی، اور جن لوگوں نے غیر اللہ کو اپنا معبود بنایا۔ ان دونوں کے درمیان فرق و امتیاز ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ آخرت میں بھی بندوں کو امتحان آزمائش میں مبتلا کرنے کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ حساب و کتاب کے بعد ہر ایک کے حق میں آخری فیصلہ نہ ہو جائے گا کہ کون اجر و جزا کا سزاوار ہے اور کون عذاب کا مستوجب ہے۔

پس آخرت اگر چہ دار جزا (بدلہ کا گھر) ہے، لیکن کبھی کبھی وہاں امتحان و آزمائش کا مرحلہ بھی پیش آئے گا جس طرح کہ یہ دنیا اگر چہ امتحان و آزمائش کا گھر ہے۔ لیکن یہاں کبھی کبھی اجر و بدلہ بھی ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُم . اور تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ دراصل تمہاری شامت اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔

''جو لوگ۔ اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں اور انصاب کو پوجتے تھے'' اس جملہ میں انصاب دراصل ''نصب'' کی جمع ہے، اور نصب اس پتھر کو کہتے ہیں جو کسی خاص جگہ پر خاص مقصد کے لئے گاڑا اور نصب کیا جائے کہ اس کی پوجا ہو، اس کو ڈنڈوت کیا جائے اور اس کے سامنے قربت و نیکی جیسے منت اور چڑھاوے کی نیت سے جانور ذبح کیا جائے، پس ہر چیز کہ جو اس مقصد کے لئے نصب کی جائے اور اس کی پرستش و تنظیم کا عقیدہ رکھا جائے خواہ وہ پتھر ہو یا لکڑی اور یا کوئی دوسری چیز، وہ ''نصب'' ہی کہلائے گی۔

حدیث بالا میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''تو تمام جہانوں کا پروردگار ان کے پاس آئے گا'' یعنی اپنے کمال اقرب کے ساتھ ان پر تجلی ڈالے گا یہ تو اس جملہ کی سیدھی سی تاویل ہے۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ ''آنا'' پروردگار کی صفات میں سے ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے

کلام پاک میں اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے اور حدیث مقدسہ میں بھی اس کا اسی طرح اس کی ذات کی طرف منسوب ہونا ذکر ہے۔ نیز ہم اس کی حقیقت وکیفیت جانے بغیر جوں کے توں اس پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اس بات کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کی ذات پاک اس کی نقل وحرکت سے منزہ ہے جو ''آنے'' میں ہوتی ہے۔

پس یہ بات متشابہات میں سے ہے اور ہم پر ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں زیادہ نہ الجھیں بلکہ حقیقت حال کا علم بس اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، اس جملہ کی کچھ اور تاویلیں کی گئی ہیں، مثلاً یہ کہ ''آنے'' سے مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ آئے گا۔ یا یہ کہ ان لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا۔ جیسا کہ اگلے جملہ سے اشارۃً یہ بات مفہوم بھی ہوتی ہے۔ ''تب اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھولی جائے گی کے بارے میں بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ''پنڈلی کے کھلنے'' سے مراد خوف ودہشت اور گھبراہٹ وہول کا جاتا رہنا ہے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ''پنڈلی کھلنے'' سے مراد ایک عظیم نور کا ظاہر ہونا ہے یا یہ کہ فرشتوں کی جماعت کا ظاہر ہونا مراد ہے۔ لیکن سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس بارہ میں بھی توقف ہی کیا جائے اور اس جملہ کی کوئی تاویل کرنے کے بجائے اس کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کر دیا جائے۔

حدیث میں جہاں اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھلنے، لوگوں کو سجدہ کا حکم ملنے، اور پھر کچھ لوگوں کے سجدہ کرنے اور کچھ لوگوں کے سجدہ پر قدرت نہ ہونے کا حکم ہے وہاں پر علامہ نوویؒ نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے، کہ حدیث کے اس جزو سے بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ آخرت میں منافقین بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گمان کوئی بنیاد نہیں رکھتا، کیونکہ حدیث کے مذکورہ الفاظ میں یہ صراحت نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے منافقین بھی مشرف ہوں گے، بلکہ اس موقع پر صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے سامنے کہ جن میں مخلص مؤمن بھی ہوں گے اور منافق بھی اپنا حجاب مٹا دے گا اور پھر امتحان وآزمائش کے لئے سب کو سجدہ کا حکم ملے گا۔ پس جو شخص مخلص ہوگا، وہ سجدہ کرے گا، اور جو

شخص منافق ہوگا، وہ سجدہ نہیں کر سکے گا۔ اس بات سے یہ بات ہرگز لازم نہیں آتی ہے کہ منافق بھی اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔

حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ "پس مسلمان لوگ گزریں گے" یعنی اس پل صراط کے اوپر سے تمام لوگ اس طرح گزریں گے کہ دنیا میں جو شخص عقیدہ و ایمان عمل و کردار اور دین و شرف پر استقامت کے اعتبار سے جس درجہ کا رہا ہوگا اس کے مطابق آسانی کے ساتھ یا دشواری کے ساتھ اس مرحلہ کو پار کرے گا جس کی طرف حدیث کے اگلے جملہ میں اشارہ ہے۔ پس وہ پل صراط گویا دین و شریعت کے صراط مستقیم کی طرح ہے جو معنوی طور پر تلوار کی دھار سے زیادہ باریک ہے اور جس پر چلنا دشوار ہے۔ لیکن ساتھ ہی صراط مستقیم اس قدر روشن اور واضح ہے کہ جو صدق نیت اور اخلاص قلب کے ساتھ چلنا چاہے اس کے لئے کوئی دشواری نہیں ہے۔

"اور کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو زخم کھا کر نکلیں گے اور دوزخ کی آگ سے نجات پائیں گے......" کا مطلب ایک تو یہ ہے جو مسلمان گناہ گار ہوں گے وہ اس پل صراط پر سے گزرنے میں سخت دشواری اور تکلیف واذیت کا شکار ہوں گے۔ مثلاً پل صراط کے دونوں طرف جو فولادی آنکڑے ہوں گے وہ ان کو زخمی کریں گے ان کا راستہ روکیں گے ان کے جسم کو چھیلیں گے لیکن وہ مسلمان زخمی ہو کر اور چل چلا کر کسی نہ کسی طرح پل صراط کو پار کر ہی لیں گے اور جنت میں پہنچ جائیں گے۔ اس طرح وہ لوگ دوزخ میں نہیں گریں گے، بلکہ پل صراط کے اوپر ہی تکلیف اور مشقت اٹھا کر نجات پا سکیں گے۔ یہ مطلب ظاہر حدیث کے اسلوب کے زیادہ مطابق ہے اور ترجمہ میں اسی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ پہلے تو پل صراط پر اس کے آنکڑوں سے زخمی ہوں گے سخت پریشانیوں سے دوچار ہوں گے اور پھر دوزخ میں گرائے جائیں گے جہاں وہ اپنے گناہوں کے بقدر سزا پانے کے لئے ایک مدت تک رہیں گے اور پھر ان کو دوزخ کی آگ سے نجات دے کر جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

''نیز کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو پارہ پارہ کر دیئے جائیں گے اور دوزخ میں دھکیل دیئے جائیں گے۔'' یہ ان گناہ گار مسلمانوں کا ذکر ہے جن کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے بہر حال دوزخ کے سپرد کیا جائے گا۔

چنانچہ یہ لوگ نہ صرف پل صراط پر گزرتے وقت سخت زخمی، تباہ حال اور مصیبت زدہ ہوں گے بلکہ ان کو دوزخ میں بھی گرا دیا جائے گا تا کہ وہ وہاں اس وقت تک عذاب پاتے رہیں جب تک ان کا خدا چاہے۔

''یہاں تک کہ جب مؤمن دوزخ کی آگ سے نجات پالیں گے الخ'' اس جملہ میں لفظ ''حتیٰ'' (یہاں تک کہ) اس مرحلہ کے ذکر کی غایت ہے جس میں تمام مؤمن پل صراط پر سے گزریں گے، اور پھر ان میں سے کچھ لوگ تو پل کو پار کر جائیں گے اور کچھ لوگ دوزخ میں جائیں گے۔ لیکن علامہ طیبیؒ یہ کہتے ہیں کہ لفظ ''حتیٰ'' دراصل ''مکدوش فی نار جھنم'' (وہ لوگ جو پارہ پارہ ہو کر جہنم میں گر جائیں گے۔) کی غایت ہے۔ اس صورت میں پوری عبارت کا ترجمہ کچھ یوں ہوگا کہ: ''نیز کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو پارہ پارہ کئے جائیں گے اور دوزخ میں دھکیل دئے جائیں گے اور پھر آخر کار ان کو بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد یا کسی کی شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دوزخ سے نجات مل جائے گی۔

پس قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے الخ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ گار مؤمن ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب میں مبتلا نہیں رہیں گے، اور نہ صرف یہ کہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد آخر کار دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ بلکہ وہ جنت میں پہنچنے کے بعد ان دوسرے مؤمنوں کی بھی ''شفاعت'' کریں گے اور بارگاہ رب العزت میں ان لوگوں کو عذاب سے چھٹکارا دلانے کی سخت ترین جدو جہد کریں گے جو لوگ اپنے گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے اس وقت تک دوزخ سے چھٹکارہ نہیں پا سکے ہوں گے۔ جیسا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے ارشاد ''پس قسم

ہے اس ذات کی الخ'' کے ذریعہ واضح فرمایا۔

اس حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ ''تم میں سے کوئی بھی شخص ظاہر و ثابت شدہ حق کے اصول میں الخ'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر تمہارا کوئی حق بالکل ظاہری دلائل وشواہد کے ذریعہ واجب ہوتا ہے اور تم اس حق کو پانے کا بہرصورت استحقاق رکھے ہو تو اس شخص سے اپنا وہ حق حاصل کرنے کے لئے تم جتنا شدید مطالبہ وتقاضا کرتے ہو اور اس کے حصول کی جدوجہد میں جس طرح سعی وکوشش کی آخری سے آخری حد تک چلے جاتے ہو، اس سے بھی شدید تمہارا مطالبہ اس دن بارگاہ رب العزت میں اپنے ان مسلمان بھائیوں کی نجات کے لئے ہوگا جو دوزخ میں پڑے ہونگے اور تم ان کو وہاں سے نکلوانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے عرض ومعروض اور درخواست وشفاعت میں سعی وکوشش کی آخری سے آخری حد تک چلے جاؤ گے۔

''پس دوزخ کی آگ پر ان صورتوں کو حرام کردیا جائے گا'' کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کو اس بات سے منع کردیا جائے گا کہ وہ ان اہل ایمان کو اس طرح جلائے یا نقصان پہنچائے کہ ان کے چہرے مسخ ہوجائیں اور وہ پہچان میں نہ آسکیں۔ حاصل یہ کہ اس وقت تک جو اہل ایمان دوزخ میں ہونگے ان کے چہرے نہ تو جلیں گے اور نہ سیاہ ہونگے، لہٰذا ان کی شفاعت کرنے والے مؤمن اس علامت کے ذریعہ ان کو آسانی کے ساتھ پہچان لیں گے اور دوزخ سے نکلوالیں گے۔

''جس کے دل میں تم دینار کے برابر بھی نیکی پاؤ'' یہاں اور اسی طرح آگے کے جملہ میں ''نیکی'' سے مراد وہ چیز ہے جو اصل ایمان سے زائد ہوگی، کیونکہ اصل ایمان کہ جس کو تصدیق کہتے ہیں ایک ایسا جوہر ہے جو اجزاء اور حصوں میں ناقابل تقسیم ہے اور اس پر کمی بیشی وغیرہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جس نیکی کو اجزا اور حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یا جس پر کمی بیشی کا اطلاق ہوتا ہے وہ اصل ایمان سے زائد اور ایمان کے نتیجہ وثمرہ کے طور پر ایک الگ شے ہوتی ہے پس دل میں دینار برابر یا آدھے دینار برابر نیکی ہونے کا'' مطلب یہ ہے کہ

جن کے پاس معمولی درجہ کا بھی ایسا عمل صالح ہو کہ جس کے فعل کا تعلق دل سے ہے جیسے ذکر خفی (دل میں اللہ کو یاد کرنا) یا کسی غریب و مسکین پر شفقت کرنا یا خوف الٰہی اور نیت صادقہ وغیرہ تو ان کو دوزخ سے نکلوالو۔

جنہوں نے کبھی کوئی نیکی کی ہی نہیں ہوگی، یہاں بھی (نیکی) سے مراد وہ چیز ہے جو اصل ایمان سے زیادہ ہو، پس یہ لوگ کہ جن کو ارحم الراحمین محض اپنی خصوصی رحمت کے تحت دوزخ سے نکالے گا اپنے پاس افعال قلب میں سے بھی کوئی چھوٹی یا بڑی نیکی نہیں رکھتے ہوں گے البتہ اصل ایمان (یعنی تصدیق) کے حامل ضرور ہونگے اور ان لوگوں کی شفاعت کی اجازت کسی کو حاصل نہیں ہوگی۔

''ان کی گردنوں میں مہریں لٹکی ہوئی ہوں گی'' اس جملہ میں ''مہر'' سے مراد سونے وغیرہ کا زیور ہے جو گلے میں لٹکایا جاتا ہے، حاصل یہ کہ علامت کے طور پر ان کے گلوں میں کچھ مخصوص قسم کے ہار پڑے ہونگے جن کے ذریعہ وہ دوسرے لوگوں سے ممتاز نظر آئیں گے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

آپ ﷺ کی شفاعت کی مزید وضاحت

اب ذیل میں ہم حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کی مایہ ناز کتاب سیرت النبیؐ سے کچھ اقتباس نقل کر رہے ہیں، جن میں حضور ﷺ کی شفاعت کو ان حضرات نے اپنے انداز میں تحریر کیا ہے، انشاء اللہ ان اقتباسات کے مطالعے سے بھی فائدہ ہوگا لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔

عرصہ دار و گیر محشر میں جب جلالِ الٰہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہوگا اور گناہگار انسانوں کو امن کا کوئی سایہ نہیں ملے گا، اس وقت سب سے پہلے فخرِ موجودات، باعثِ خلق کائنات، سید اولاد آدمؑ، خاتم الانبیاء و رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں میں لوائے حمد لے کر اور سرِ مبارک پر تاجِ شفاعت رکھ کر گناہگاروں کی دستگیری فرمائیں گے۔

لفظ ''شفاعت'' اصل لغت میں شفع سے نکلا ہے، جس کے معنی جوڑا بننے، ایک کیساتھ دوسرے کے ہونے کے ہیں، چونکہ شفاعت اصل میں یہی ہے کہ ''کسی درخواست کنندہ اور عریضہ گزار کے ہم آہنگ ہوکر کسی بڑے کے سامنے اُس کی عرض ودرخواست کوقبول کرلینے کی خواہش کا اظہار کرنا''۔ آپ ﷺ کی شفاعت بھی یہی ہوگی کہ آپؐ گناہگاروں کی زبان بن کران کی طرف سے خداوندِ ذوالجلال کے اذن سے اُس کے سامنے اُن کی بخشائش ومغفرت کی درخواست پیش کریں گے۔ سورۂ اسرا میں ہے۔ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًامَّحْمُوْدًا. ''قریب ہے کہ خدا تجھے مقام محمود میں اٹھائے''۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تمام صحیح روایتوں میں متعدد صحابہ کبارؓ سے منقول ہے کہ مقامِ محمود سے مرادرتبہ شفاعت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ نے شفاعت کے تمام واقعات بیان کر کے یہ آیت بالا تلاوت کی، پھر حاضرین کومخاطب کر کے فرمایا ''یہی وہ مقامِ محمود ہے جس کا تمہارے پیغمبر سے وعدہ فرمایا گیاہے''۔ صحیح مسلم میں ہے کہ بصرہ کے کچھ خوارج جوگناہ کبیرہ کے مرتکب کودائمی جہنمی سمجھتے ہیں، یعنی اُن کے حق میں شفاعت کے اثر کے قائل نہیں، مدینہ منورہ آئے، یہاں مسجد نبویؐ میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ صحابی قیامت کے واقعات بیان کررہے تھے، اُن میں سے ایک صاحب نے بڑھ کر کہا ''اے رسول اللہ ﷺ کے صحابی! آپ کیا فرمارہے ہیں؟ خداتو قرآن میں یہ کہہ رہاہے''۔ یہ کہہ کرقرآن پاک کی ایک آیت پڑھی، جس کا یہ مطلب ہے کہ دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھراسی میں ڈال دیئے جائیں گے۔ کُلَّمَآ اَرَادُوْٓااَنْ یُّخْرِجُوْامِنْھَا اُعِیْدُوْافِیْھَا. حضرت جابرؓ نے پوچھا تم نے قرآن پڑھا ہے۔ اُس نے جواب دیاہاں، فرمایا تم نے اس مقامِ محمود کا حال سنا ہے جس میں خداتعالیٰ تمہارے پیغمبر کومبعوث کریگا، اُس نے کہاہاں سنا ہے۔ فرمایا تو یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ محمود ہے، جس کے ذریعہ سے خدادوزخ سے جس کونکالنا چاہے گا نکالے گا۔ یہ سن کر ایک کے سواباقی سب اپنے اپنے عقیدۂ باطل سے تائب ہوگئے اور بولے کہ کیا یہ بوڑھا صحابی رسول پرجھوٹ بولے گا۔

بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ہر امت اپنے اپنے پیغمبر کے پیچھے چلے گی اور کہے گی کہ اے رسولِ خدا! خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے۔ یہاں تک کہ شفاعت کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گا، یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقامِ محمود میں اٹھائے گا۔ جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا مانگے کہ اے خدا جو پوری دعا اور کھڑی ہونیوالی نماز کا مالک ہے، محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت اور وہ مقامِ محمود عطا فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا تو قیامت کے دن اسکے لئے میری شفاعت اترے گی۔ پھر فرمایا ہے کہ مجھ کو دیگر انبیاء پر چند فضیلتیں عطا ہوئیں، ان میں سے ایک یہ کہ مجھے شفاعت عطا کی گئی۔ (یعنی شفاعت اوّلین) مؤطا امام مالک اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے متعدد تابعیوں نے یہ متفقہ روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کو ایک مقبول دعا مانگنے کا موقع دیا گیا تو انہوں نے وہ دعا مانگ لی اور وہ قبول کر لی گئی، لیکن میں نے اپنی دعا کا یہ موقع قیامت کے دن کیلئے چھپا رکھا ہے اور وہ اپنی امت کی شفاعت ہے۔ فرمایا کہ میں سب سے پہلا شفیع ہوں گا اور سب سے پہلا وہ شخص جس کی شفاعت قبول کی جائیگی۔ اور فرمایا کہ ''میں پہلا ہوں گا جو جنت کی شفاعت کرے گا۔ اُس دن جب دنیا کی گناہ گاریاں اپنی عریاں صورت میں نظر آئیں گی اور آدم کی اولاد ترساں ولرزاں کسی شفیع کی تلاش میں ہوگی، کبھی آدمؑ کا سہارا ڈھونڈے گی، کبھی نوحؑ اور ابراہیمؑ کو یاد کریگی، کبھی موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بے تابانہ لپکے گی، مگر ہر جگہ نفسی نفسی کی آواز بلند ہوگی، بالآخر شفیع المذنبین سید الاولین والآخرین آگے بڑھیں گے اور تسکین کا پیام سنائیں گے۔

حدیث کی اکثر کتابوں میں خصوصاً صحیح بخاری میں اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انس بن مالکؓ حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت حذیفہؓ سے متعدد طریقوں سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی مجلس میں بیان فرمایا کہ قیامت کے ہولناک میدان میں لوگوں کو ایک شفیع کی تلاش ہوگی، لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی

طرف پہنچیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں، خدا نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کرنے کا حکم دیا، آپ خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجئے۔ وہ جواب دیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں، میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی، آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہ ہوا تھا اور نہ ہوگا، نفسی !نفسی (اے میری جان! اے میری جان) لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ روئے زمین کے پہلے پیغمبر ہیں، خدا نے آپ کو شکر گزار بندہ کا خطاب دیا ہے، آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجئے! وہ کہیں گے، ہمارا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا، مجھ کو ایک مستجاب دُعا کا موقع عنایت ہوا تھا وہ اپنی قوم کی تباہی کیلئے مانگ چکا۔ نفسی !نفسی !تم ابراہیم کے پاس جاؤ۔ مخلوق ان کے پاس جائے گی اور اپنی وہی درخواست پیش کرے گی کہ آپ تمام انسانوں میں خدا کے دوست ہوئے، اپنے پروردگار سے شفاعت کیجئے۔ وہ بھی کہیں گے، میرا یہ رتبہ نہیں آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا، نفسی !نفسی !تم موسیٰ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے موسیٰؑ ! آپ خدا کے پیغمبر ہیں، خدا نے اپنے پیام وکلام سے آپ کو لوگوں پر برتری بخشی ہے، اپنے خدا سے ہمارے لئے سفارش کیجئے، کیا آپ ہماری مصیبتوں کو نہیں دیکھتے"؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے کہ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا، نفسی !نفسی !تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ حضرت عیسیٰ کے پاس جا کر لوگ کہیں گے کہ اے عیسیٰؑ ! آپ خدا کے وہ رسول ہیں جس نے گہوارہ میں کلام کیا اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے، وہ بھی کہیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا۔ نفسی نفسی !تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ مخلوق آپ ﷺ کے پاس آئے گی اور کہے گی اے محمد ﷺ! آپ خدا کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہیں جس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہیں، آپ ﷺ اپنے

پروردگار سے ہماری شفاعت کیجئے۔ آپ ﷺ اٹھ کر عرش کے پاس جائیں گے اور اذن طلب کریں گے، اذن ہوگا تو سجدہ میں گر پڑیں گے، آپ ﷺ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائیگا جو کسی اور کیلئے نہیں کھولا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپ ﷺ کے دل میں القا فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کو القا نہ ہوئے۔ آپؐ دیر تک سربسجود رہیں گے، پھر آواز آئے گی ''اے محمد ﷺ! سر اٹھاؤ، کہو! سنا جائے گا، مانگو! دیا جائے گا، شفاعت کرو! قبول کی جائے گی۔ عرض کریں گے الٰہی! امتی امتی! خداوند! میری امت میری امت! حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو نجات ہے۔ آپ ﷺ خوش خوش جائیں گے اور اس کی تعمیل کر کے اور پھر حمد ثناء کر کے عرض گزار ہونگے اور سجدے میں گر پڑیں گے، پھر صدائے غیب آئے گی ے محمد ﷺ! سر اٹھاؤ، کہو! سنا جائے گا، مانگو! دیا جائے گا، شفاعت کرو! قبول کی جائے گی۔ عرض کریں گے الٰہی! امتی امتی! خداوند! میری امت میری امت! حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں چھوٹی سے چھوٹی رائی کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو بھی دوزخ سے نکالوں گا۔ آپ ﷺ پھر جا کر واپس آئیں گے اور گزارش کریں گے اور حمد و ثناء کر کے سجدے میں گر پڑیں گے۔ پھر ندا آئے گی اے محمد ﷺ! سر اٹھاؤ، کہو! سنا جائے گا، مانگو! دیا جائے گا، شفاعت کرو! قبول کی جائے گی۔ عرض کریں گے جس نے بھی تیری یکتائی کی گواہی دی اس کی شفاعت کا اذن عطا ہو۔ صدا آئے گی اس کا اختیار تم کو نہیں۔ لیکن مجھے اپنی عزت و کبریائی اور اپنی عظمت و جبروت کی قسم ہے، میں دوزخ سے ہر اس شخص کو نکالوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لئے دوسرا معبود نہیں بنایا، من قال لا الہ الا اللہ۔ کمزور انسانوں کو تسکین کا یہ پیام محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کس نے سنایا، یقیناً یہ صرف اور صرف آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے۔ (بحوالہ سیرت النبیؐ ج ۳)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۸۳

رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت کا کارنامہ سب سے عظیم کارنامہ ہے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے تراسی نمبر خصوصیت آپ کے سامنے ہے جس کا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت کا کارنامہ سب سے عظیم کارنامہ ہے۔ اور دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے حضور ﷺ کے مقدس روضہ مبارک کے سامنے بیٹھ کر ترتیب دیا بیشک اسے میں اپنے لئے بہت بڑی سعادت سمجھتا ہوں کہ صاحب خصوصیت ﷺ میرے سامنے آرام فرما ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے روضے کے سامنے بیٹھ کر ان کی خصوصیت پر لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ تعالیٰ کا جتنا شکرادا کروں کم ہے، البتہ اپنے اللہ سے یہ دعا ضرور کرتا رہوں گا کہ یارب قدوس جس طرح آپ نے اپنے محبوب ﷺ کے قدموں میں بٹھا کر محبوب ﷺ سے متعلق لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اسی طرح اپنے محبوب ﷺ کے دین پر عمل کرنے اور دین کو ساری دنیا میں پھیلانے کے لئے اپنی جان، مال، وقت قربان کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت کا کارنامہ سب سے عظیم کارنامہ ہے، اگر چہ دیگر انبیاء کرامؑ نے بھی اپنے اپنے دور میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں لیکن جب ہمارے نبی ﷺ کے کارناموں کی بات آتی ہے، تو بے شک یہ کارنامے تمام کارناموں سے اونچے نظر آتے ہیں، جس کی گواہی خدا کا قرآن خود جابجا دیتا نظر آتا ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل سے ان کارناموں کو ملاحظہ فرمائیں گے جو کہ ہمارے حضور ﷺ

کی خصوصیات کا عظیم مظہر ہیں، اور انشاء اللہ حضور ﷺ کے ان کارناموں کو پڑھ کر ضرور ہمارے ایمان میں اضافہ ہوگا اور ہمارے عشقِ رسول کو جلا ملے گی انشاء اللہ۔ اور دعا گو بھی ہوں کہ یا خداوند قدوس مجھے بھی اور تمام امت کو بھی اپنے محبوب ﷺ کی سیرت وصورت اپنانے کی توفیق عطا فرما، آمین یارب العالمین۔

تراسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اس عنوان کے ذیل میں ہم سب سے پہلے مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی ایک تقریر پیش کر رہے ہیں اسکے بعد کچھ دوسرے مضامین پیش کریں گے انشاء اللہ، چنانچہ علامہ ندویؒ کاروانِ مدینہ میں رقم طراز ہیں کہ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی ونبوت کے ذریعہ اپنے پیغمبروں کو انسانوں کی اصلاح وتکمیل پر مامور فرمایا اور ان حضرات نے اپنی دعوت ومحنت کا موضوع انسان کو بنایا۔ انبیاء علیہم السلام کی بصیرت پر اللہ تعالیٰ نے یہ نکتہ فاش کیا کہ اس دنیا کی قسمت اور اس کی آبادی وویرانی کا فیصلہ انسان پر معلق ہے، اگر حقیقی انسان موجود ہے تو یہ اپنی سب ویرانیوں اور بے سروسامانیوں کے ساتھ آباد ومعمور ہے اور اگر حقیقی انسان موجود نہیں تو یہ دنیا اپنی ساری رونقوں اور اپنے ساز وسامان کے ساتھ ایک ویرانہ اور خرابہ سے بہتر نہیں۔ اس دنیا کی بدقسمتی آلات ووسائل کی کمی اور فقدان سے نہیں، بلکہ ان کے غلط استعمال سے ہے۔ دنیا کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اس کو انسان کی غلط اندیشی اور بے راہ روی نے تباہ کیا، آلات ووسائل نے اس تباہ اور ہلاکت خیزی میں صرف اضافہ کیا۔

پھر انسان اپنی عظمت، اپنی وسعت، اپنی مرکزیت اور اپنی حکیمانہ صفت کے اعتبار سے کہیں زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کے سعی ومحنت اور توجہ وخدمت کا موضوع بنایا جائے۔ یہ کائنات پُر اسرار، بڑی پراز عجائبات، بڑی حسین وجمیل، بڑی عریض وطویل ہے، انسان کی فطرت کے اسرار وعجائبات اس کے مخفی خزانوں اور دفینوں اس کے قلب کی

وسعتوں، اس کے دماغ کی بلند پروازیوں، اس کی روح کی بیتابیوں اور گرم جوشیوں، اس کی غیر مختتم تمناؤں اور نا آسودہ حوصلوں اور اس کی غیر محدود صلاحیتوں کے سامنے اس کی کوئی حقیقت نہیں، ایسی کئی دنیائیں اس کے قلب کی وسعتوں میں، اور یہ سارے سمندر اس کے دل کی گہرائیوں میں گم ہو جائیں، پہاڑ اس کے یقین کا، آگ اس کی محبت کے سوز کا، سمندر اس کے قطرۂ اشک کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس کی حسنِ سیرت کے سامنے دنیا کا ہر حُسن ماند ہے۔ اس کے عزم و ارادہ کے آگے ہر طاقت سرنگوں ہے، اس انسان میں صحیح یقین، صحیح خواہش اور صحیح ملکات اور اخلاق کا پیدا کرنا اور اس سے خلافتِ الٰہی کا کام لینا نبوت کا اصل کارنامہ ہے۔ ہر نبوت نے اپنے دور میں یہ کارنامہ انجام دیا اور ایسے افراد تیار کیے جنہوں نے اس دنیا کو نئی زندگی بخشی اور زندگی کو جو انسان کی خود فراموشی اور غلط اندیشی سے بے معنی ہو گئی تھی با معنی بنایا' نبوت کے ان کارناموں جو میں زندگی کی پیشانی پر درخشاں و تاباں ہیں سب سے روشن کارنامہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ ہے جس کی سب سے زیادہ تفصیلات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ مردم سازی و آدم گری کے اس کام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کامیابی عطا فرمائی وہ آج تک کسی انسان کو حاصل نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ نے جس سطح سے تعمیر انسانیت کا کام شروع کیا اس سطح سے کسی پیغمبر اور کسی مصلح اور کسی مربی کو شروع کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی تھی' یہ وہ سطح تھی جہاں حیوانیت کی سطح ختم ہوتی تھی اور انسانیت کی سرحد شروع ہوتی تھی اور جس سطح پر آپؐ نے اس کام کو پہنچایا اس سطح تک بھی کبھی تعمیر انسانیت کا کام نہیں پہنچا تھا' جس طرح آپ ﷺ نے انسانیت کی انتہائی پستی سے کام شروع کیا، اسطرح انسانیت کی آخری بلندی تک اس کام کو پہنچایا۔ آپ کے تیار کئے ہوئے افراد میں سے ایک ایک نبوت کا شاہکار ہے اور نوع انسانی کے شرف و افتخار کا باعث، انسانیت کے مرقع میں بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین و جمیل، اس سے زیادہ دلکش و دل آویز تصویر نہیں ملتی جو ان کی زندگی میں نظر آتی ہے' ان کا پختہ یقین' ان کا گہرا علم' ان کا سچا دل' ان کی بے تکلیف زندگی، ان کی بے نفسی و خدا ترسی، ان کی

پاکبازی و پاکیزگی، ان کی شفقت ورافت اوران کی شجاعت وجلادت، ان کا ذوق عبادت اوران کا شوق شہادت، ان کی شہسواری اوران کی شب زندہ داری، ان کی سیم وزر سے بے پرواہی اوران کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل اوران کا حسن انتظام دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، نبوت کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے انسانی افراد تیار کئے، ان میں سے ایک ایک فرد ایسا تھا جو اگر تاریخ شہادت پیش نہ کرتی اور دنیا اس کی تصدیق نہ کرتی تو ایک شاعرانہ تخیل اور ایک فرضی افسانہ معلوم ہوتا لیکن وہ تاریخ کی ایک حقیقت ہے وہ ایک ایسا انسانی وجود تھا جس میں نبوت کے اعجاز نے متضاد اوصاف وکمالات پیدا کردیئے تھے۔

خاکی ونوری نہاد بندۂ مولیٰ صفات — ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اسکی امیدیں قلیل اسکے مقاصد جلیل — اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو ، گرم دم جستجو — رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب — عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساقی ارباب ذوق فارس میدان شوق — بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل

یہ فرد جب تیار ہو گیا تو یہ بندگی اور زندگی کے ہر محاذ پر کارآمد مستعد اور قیمتی ثابت ہوا اور جو خدمت اس کے سپرد کی گئی اس نے اپنی اہلیت اور صلاحیت اور اپنی فرض شناسی اور احساس ذمہ داری اور اپنے ذوق عمل اور جذبۂ خدمت کا ثبوت دیا، اس کو اگر فیصلہ اور ثالثی کا کام سپرد کیا گیا تو وہ بہترین قاضی اور لائق ترین جج ثابت ہوا، جس نے ترازو کے تول فیصلہ کیا، وہ اگر فوجوں کا سپہ سالار اور قائد مقرر ہوا تو اس نے اپنی جنگی قابلیت، بیدار مغزی اور شجاعت اور مرحمت کا ثبوت دیا۔ اگر فوجوں کی کمان اس کے حوالے کر دی گی تو ایک مستعد اور کارگزار اور ایک جری اور جانباز سپاہی ثابت ہوا۔ اگر اس کو فوجوں کی قیادت کے منصف سے معزول کر دیا گیا تو اس کی پیشانی پر ناراضگی کی ایک شکن اور اس کی زبان پر شکایت کا ایک حرف نہیں آیا اور لوگوں نے اس کی مستعدی اور جوش ونشاط میں کوئی فرق محسوس نہیں کیا ، اگر وہ نوکروں کا آقا اور محکمے کا افسر تھا تو ایک فراغ دل اور شفیق آقا اور ایک خیرخواہ اور محبت

کرنے والا بزرگ خاندان، اور اگر وہ مزدور واجیر تھا تو وہ ایک فرض شناس و مستعد مزدور تھا جس کو اپنی مزدوری کے اضافہ سے زیادہ کام کے اضافہ کی فکر تھی۔ وہ فرد اگر فقیر تھا تو فقیر صابر وقانع اور اگر غنی تھا تو غنی شاکر اور محسن، وہ اگر عالم تھا تو علم کو عام کرنے اور لوگوں کو خدا کا راستہ بتلانے کا حریص اور اپنے علم کی تقسیم میں فیاض اور اگر طالبعلم تھا تو علم صحیح کے حصول کا شائق اور اس کو اعلیٰ درجہ کی عبادت سمجھ کر اس کی طلب میں منہمک اور اس کے لیے بڑی سے بڑی محنت اور بڑی سے بڑی خدمت کرنے والا تھا، اور اگر وہ کسی شہر کا حاکم تھا تو راتوں کو پہرہ دینے والا اور دن کو انصاف کرنے والا تھا، غرض یہ فرد انسانی معاشرہ کے جس مقام اور جس محاذ پر تھا نگینہ کی طرح جڑا ہوا تھا۔

دنیا کی سب سے زیادہ نازک اور خطرناک ذمہ داری (حکومت) جب اس کے سپرد ہوئی تو اس نے زہد و فقر اور ایثار و قربانی اور جفاکشی و سادگی کا ایسا نمونہ پیش کیا کے دنیا محوِ حیرت رہ گی اور ابھی تک اس کے تحیر میں کوئی کمی نہیں آئی، آیئے ہمارے ساتھ خلافت راشدہ کے ان واقعات کو پڑھ لیجیے۔ عہد صدیقی کا مورخ لکھتا ہے:۔

ایک روز حضرت ابوبکرؓ کی بیوی نے شیرینی کی فرمائش کی۔ جواب دیا کے میرے پاس کچھ نہیں انہوں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں روز مرہ میں سے کچھ دام بچا کر جمع کرلوں ،فرمایا جمع کرو۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ کو دیئے کہ شیرینی لادو، پیسے لے کر کہا معلوم ہوا کہ یہ خرچ ضرورت سے زیادہ ہے لہٰذا بیت المال کا حق ہے، چنانچہ وہ پیسے خزانے میں جمع کر دیئے اور اسی قدر اپنا وظیفہ کم کر دیا۔"

آپ نے بہت سی مملکتوں کے بادشاہوں اور بہت سی جمہوریتوں کے سربراہوں کے سرکاری دوروں کی روداد سنی ہوگی اور ان کے شاہانہ واحتشام اور کروفر کا تماشا دیکھا ہوگا۔ ساتویں صدی مسیحی کے سب سے بڑے طاقتور فرمانروا حضرت عمرؓ کے سرکاری دورہ (سفر شام) کی روداد مورخ کی زبان سے سنیے۔ مولانا شبلی اپنی شہرہ آفاق تصنیف الفاروق میں ۱۶ھ کے سفر بیت المقدس کا حال بیان کرتے ہوئے مستند عربی تاریخوں کے حوالے سے

لکھتے ہیں:۔

ناظرین کو انتظار ہوگا کہ فاروق اعظم کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا کس سروسامان سے ہوگا؟ لیکن یہاں نقارہ ونوبت خدم چشم، لاؤ لشکر ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا' سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین وانصار تھے۔ تاہم جہاں ہی آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا۔ معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سم گھس کر تمام ہو گئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر اُتر پڑے' لوگوں نے تُرکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا، گھوڑا شوخ اور چالاک تھا، حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو اُلیل کرنے لگا، فرمایا کمبخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی؟ یہ کہہ کر اُتر پڑے اور پیادہ پا چلے۔ بیت المقدس قریب آیا تو حضرت عبیدہ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمرؓ کا لباس اور سروسامان جس معمولی حیثیت کا تھا اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دِل میں کیا کہیں گے، چنانچہ لوگوں نے تُرکی گھوڑا اور عمدہ پوشاک حاضر کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا ''خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے''

اسی طرح دوسرے سفر شام کا بھی مطالعہ کیجیے مؤرخ رقمطراز ہے کہ حضرت عمرؓ نے شام کا قصد کیا، حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے، یرفا ان کا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے ایلہ کے قریب پہنچے۔ کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اس کے اُونٹ پر سوار ہوئے، راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ فرماتے کہ تمہارے آگے، اسی حیثیت سے ایلہ میں آئے اور یہاں دو ایک روز قیام کیا، گزی کا کُرتہ جو زیب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا، مرمت کے لیے ایلہ کے

پادری کے حوالے کیا، اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا کرتہ پیش کیا، حضرت عمر نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔

خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی سیرت کے مختلف پہلو اور ان کے محاسنِ اخلاق کتابوں میں متفرق و منتشر موجود ہیں ان سب کو جمع کر کے آپ اپنے ذہن میں ایک فرد کی مکمل زندگی اور پوری تصویر تیار کر سکتے ہیں۔ لیکن خوش قسمتی سے ان میں سے ایک (سیدنا علی بن طالب) کا پورا اخلاقی سراپا اور ان کی زندگی کی تصویر ہمارے لٹریچر میں موجود ہے۔ اس کو پڑھیئے اور دیکھیئے کہ ایک انسان کی سیرت و اخلاق کی اس سے زیادہ حسین و دلکش تصویر اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور نبوت نے اپنی تعلیم و تربیت اور اپنی مردم سازی و کیمیا گری کے کیسے یادگار نمونے چھوڑے ہیں، ان کی خدمت میں شب و روز رہنے والے ایک رفیق ضرار بن ضمرہ اس طرح ان کی تصویر کھینچتے ہیں:۔

”بڑے بلند نظر، بڑے عالی ہمت، بڑے طاقتور، جچی تلی گفتگو فرماتے۔ حق وانصاف کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ زبان و ذہن سے علم کا سرچشمہ اُبلتا ہر ہر ادا سے حکمت ٹپکتی، دنیا اور بہار دنیا سے وحشت تھی، رات اور رات کی تاریکی میں خوش رہتے، آنکھیں پُر آب، ہر وقت فکر و غم میں ڈوبے ہوئے، رفتار زمانہ پر متعجب، نفس سے ہر وقت مخاطب، کپڑا وہ مرغوب جو موٹا چھوٹا ہو، غذا وہ مرغوب جو غریبانہ اور سادہ ہو، کوئی امتیازی شان پسند نہیں کرتے تھے۔ جماعت کے ایک فرد معلوم ہوتے تھے، ہم سوال کرتے تو یہ جواب دیتے، ہم حاضر خدمت ہوتے تو سلام و مزاج پرسی میں پہل کرتے، ہم مدعو کرتے تو دعوت قبول فرماتے لیکن اس قرب و مساوات کے باوجود رعب کا یہ عالم تھا کہ بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی سلسلۂ سخن کا آغاز کرنا مشکل ہوتا، اگر کبھی مسکراتے تو دانت موتی کی لڑی معلوم ہوتے، دینداروں کی عزت اور مساکین سے محبت کرتے۔ لیکن اس تواضع و مسکنت کے باوجود کسی طاقتور اور دولت مند کی مجال نہ تھی کہ ان سے کوئی غلط فیصلہ کروالے یا ان سے کوئی رعایت حاصل کرلے اور کمزور کو ہر وقت ان کے عدل وانصاف کا بھروسہ تھا۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان کو ایک ایسی حالت میں دیکھا کہ رات نے اپنی ظلمت کے پردے ڈال دیئے تھے اور ستارے ڈھل چلے تھے۔ آپ اپنی مسجد کے محراب میں کھڑے تھے، داڑھی مٹھی میں تھی، اس طرح تڑپ رہے تھے جیسے سانپ نے ڈس لیا ہو، اس طرح رو رہے تھے، جیسے دل پر چوٹ لگی ہو اس وقت میرے کانوں میں ان کے یہ الفاظ گونج رہے ہیں۔ ''اے دنیا! اے دنیا! کیا تو میرا امتحان لینے چلی ہے اور مجھے بہکانے کی ہمت کی ہے، مایوس ہو جا، اور کسی کو فریب دے، میں نے تو تجھے ایسی تین طلاقیں دی ہیں جن کے بعد رجعت کا کوئی سوال نہیں، تیری عمر کوتاہ، تیرا عیش بے حقیقت، تیرا خطرہ زبردست، ہائے زادراہ کس قدر کم ہے، سفر کتنا طویل اور راستہ کتنا وحشت ناک ہے''

نبوت کا یہ کارنامہ زمانہ بعثت اور پہلی صدی ہجری کے ساتھ مخصوص نہیں، آپ کی تعلیمات نے اور آپ کے صحابہ کرام نے زندگی کے جو نمونے چھوڑے تھے وہ مسلمانوں کی بعد کی نسلوں اور وسیع عالمِ اسلام کے مختلف گوشوں میں ہر شعبۂ زندگی اور صنف کمال میں عظیم انسان پیدا کرتے رہے جن کی انسانی بلندی شک وشبہ اور اختلافات سے بالاتر ہے، اس لازوال مدرسۂ نبوت کے فضلاء، اور تربیت یافتہ (جنہوں نے صرف اسی مدرسہ سے انسانیت واخلاق اور خداشناسی اور انسان دوست کا سبق لیا تھا) اپنے اپنے زمانہ کی زیب وزینت اور انسانیت کے شرف وعزت کا باعث ہیں، کسی مورخ اور کسی بڑے سے بڑے مُصنِّف اور محقق کی یہ طاقت نہیں کہ ان لاکھوں اہلِ یقین اور اہلِ معرفت کے ناموں کی صرف فہرست بھی پیش کر سکے جو اس تعلیم کے اثر سے مختلف زمانوں اور مختلف مقامات میں پیدا ہوتے رہے، پھر ان کے مکارمِ اخلاق، ان کی بلند انسانیت، ان کے روحانی کمالات کا احاطہ تو کسی طرح ممکن نہیں، ان کے حالات کو (جو کچھ بھی تاریخ محفوظ کر سکی ہے) پڑھ کر عقل حیران ہوتی ہے کہ یہ خاکی انسان روحانی ترقی، نفس کی پاکیزگی، حوصلہ کی بلندی، انسان کی ہمدردی، طبیعت کی فیاضی، ایثار وقربانی، دولتِ دنیا سے بے نیازی، سلاطین وقت سے بے خوفی، خداشناسی وخدادانی اور غیبی حقیقتوں پر ایمان ویقین کے ان حدود اور بلندیوں تک بھی پہنچ سکتا

ہے؟ ان کے یقین نے لاکھوں انسانوں کے دلوں کو یقین سے بھر دیا، ان کے عشق نے لاکھوں انسانوں کے سینوں کو عشق کی حرارت اور سوز سے گرم و روشن کر دیا، ان کے اخلاق نے خونخوار دشمنوں کو جاں نثار اور لاکھوں حیوان صفت انسانوں کو حقیقی انسان بنا دیا۔ ان کی صحبت اور ان کے فیض و تاثیر نے خدا طلبی اور خدا ترسی اور انسان دوست کا عام ذوق پیدا کر دیا، پاک و ہند اس بارے میں بڑے خوش نصیب ہیں کہ وہ اپنے آغوش میں بکثرت ایسے مردانِ خدا کو لیئے ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے عہد میں انسانیت کو بلند اور انسان کا نام روشن کیا تھا۔ بادشاہوں کی صف میں بھی جو کشور ستانی اور ملک گیری اور عیش کوشی کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے اس تعلیم نے ایسے درویش صفت اور زاہد سیرت بادشاہ پیدا کیے جنہوں نے زہد و ایثار کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کی نظیر تاریک الدنیا درویشوں اور گوشہ نشین فقیروں کے یہاں بھی مشکل ہے، تاریخ اسلام کے ہر دور اور عالمِ اسلام کے ہر گوشہ میں ایسی شخصیتیں ملتی ہیں کہ بقول اقبال ؎

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب سلطنتِ اہل دیں فقر ہے شاہی نہیں

''مدرسۂ نبوت'' کے ان فیض یافتہ سلاطین میں جن کی فہرست طویل ہے آپ صرف سلطان صلاح الدین ایوبی کا حال پڑھیں، چھٹی صدی ہجری میں مشرقِ وسطیٰ کے اس بڑے حکمران (جو کردستان کے پہاڑوں سے لے کر صحرائے نوبہ تک حکومت کرتا تھا) کے متعلق اس کا سیکریٹری قاضی ابن شداد شہادت دیتا ہے:۔

''زکوٰۃ فرض ہونے کی ساری عمر نوبت نہیں آئی، اس لئے کہ انھوں نے کبھی اتنا پس انداز ہی نہیں کیا، جس پر زکوٰۃ فرض ہو، ان کی ساری دولت صدقات و خیرات میں خرچ ہوئی۔ صرف سینتالیس درہم ناصری اور ایک سونے کا سکہ چھوڑا، باقی کوئی جائیداد و ملکیت کوئی مکان، باغ، گاؤں، زراعت نہیں چھوڑی، ان کی تجہیز و تدفین میں ایک پیسہ بھی ان کی میراث سے صرف نہیں ہوا، سارا سامان قرض سے کیا گیا، یہاں تک کہ قبر کے لئے گھاس کے پولے بھی قرض سے آئے، کفن کا انتظام ان کے وزیر و کاتب قاضی فاضل نے کسی جائز و

حلال ذریعہ سے کیا۔"

انسانی بلندی، شرافت نفس، عالی حوصلگی کے اعتبار سے بھی سلطان تاریخ کے عظیم ترین انسانوں میں شمار ہونے کے قابل ہے، بیت المقدس کے فتح کے موقع پر عیسائی فاتحین کے برخلاف جنہوں نے ظلم وسفا کی کی ایک نظیر قائم کردی تھی۔ سلطان نے جس شفقت و مرحمت اور جس احسان و فیاضی کا مظاہرہ کیا، اس کا ذکر کرتے ہوئے ان کا مغربی سوانح نگار اسٹنلی لین پول لکھتا ہے:۔

"اگر سلطان صلاح الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیاب کیا تو صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت وشہامت میں یکتا اور بے مثل شخص تھا۔" (بحوالہ سلطان صلاح الدینؒ)

آپ نے جہاں مشرقِ وسطیٰ کے ایک عظیم انسان حکمراں کے احسان و فیاضی کا واقعہ ملاحظہ ہو خود اپنے قریبی ملک کے ایک مسلمان بادشاہ کا واقعہ بھی سنتے چلیے جو خلوص و فیاضی، ایثار اور بلند حوصلگی کا ایک اور نمونہ ہے۔ یہ دسویں صدی ہجری کے ایک طاقتور فرمانروا مظفر حلیم سلطان گجرات کا واقعہ ہے کہ جس نے محمود شاہ خلجی کی مدد کے لئے (جو غاصبوں کے ہاتھوں تخت وتاج سے محروم ہو گیا تھا اور اس کی سلطنت پر اس کے نمک خواروں نے قبضہ کر لیا تھا) مانڈو پر حملہ کیا تھا اور اس کو فتح کر لیا تھا، واقعہ مورخ گجرات کی زبان سے سنیے:

تسخیرِ قلعہ کے بعد جس وقت مظفر حلیم اندر داخل ہوا اور امرائے ہم کاب نے شاہانِ مالوہ کے سامانِ تجمل اور خزائن و دفائن کو ملاحظہ کیا اور اس ملک کی سرسبزی اور شادابی پر اطلاع پائی تو انہوں نے جسارت کر کے مظفر شاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس جنگ میں تقریباً دو ہزار سوار جرار درجۂ شہادت کو پہنچ چکے ہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ اس قدر نقصان اٹھانے کے بعد پھر ملک کو اسی بادشاہ کے حوالے کر دیا جائے جس کی سوءِ تدبیری سے مندلی رائے

نے اس پر قابو پالیا تھا۔ بادشاہ نے یہ سنتے ہی سیر موقوف کی اور قلعہ سے باہر نکل کر محمود شاہ کو ہدایت فرمائی کہ اس کے ہمرکاب لوگوں میں سے کسی کو اندر نہ جانے دے، محمود نے باصرار تمام اس بات کی التجا کی کہ بادشاہ چند روز قلعہ کے اندر آرام فرمائیں، مگر مظفر شاہ نے اس التجا کو قبول نہ فرمایا اور بعد کو خود ظاہر کیا کہ میں نے یہ جہاد محض خداوند برحق کی رضامندی حاصل کرنے کو کیا تھا، مجھ کو امراء کی تقریر سے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ مبادا کوئی خطرہ فاسد میرے دل میں پیدا ہو اور میرا خلوصِ نیت برباد ہو جائے۔ میں نے محمود پر کچھ احسان نہیں کیا، بلکہ خود محمود کا مجھ پر احسان ہے کہ اس کی وجہ سے مجھ کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔"

ہم یہ نہیں کہتے کہ سارے سلاطین، وفرمانروا جو اسلامی عہد میں گزرے وہ نورالدین وصلاح الدین ناصر الدین محمود اور سلطان مظفر حلیم کا نمونہ تھے، لیکن آپ کو جن فرمانرواؤں میں انسانی بلندی، خداترسی، فقر وزہد، ایثار وقربانی اور شفقت ومرحمت کی یہ شان نظر آتی ہے اور ان میں سے جو اپنے زمانہ کی سطح سے بلند، بادشاہوں کی روایات سے الگ اور زمانے سے نرالے دکھائی دیتے ہیں وہ صرف نبوت کے فیض اور دینی جذبہ کا نتیجہ ہیں، آپ اگر ان کی زندگی اور سوانح حیات کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو سراغ لگانے کی ضرورت نہیں پڑے گی کہ ان سب کا تعلق واتصال (تعلیم وتربیت، تعلق ومحبت اتباع واطاعت کے ذریعہ سے) اسی ایک سرچشمۂ ہدایت سے تھا جس نے ہر دور میں عظیم انسان پیدا کئے خواہ ان کا زمانہ کتنا ہی دور ہو، دراصل یہ سب اسی درسگاہ نبوت کے فیض یافتہ ہیں جس نے تعمیرِ انسانیت کا کام سب سے وسیع پیمانہ پر اور سب سے اعلیٰ سطح پر انجام دیا اور جس کا فیض اب بھی انسانیت کے چراغ کو روشن کئے ہوئے ہے اور جہاں کہیں روشنی ہے اسی ایک چراغ کا پرتو ہے۔

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں   ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

ہماری جدید تہذیب اور موجودہ فکری قیادت معاشرۂ انسانی کی ذمہ داریاں سنبھالنے والے افراد تیار کرنے اور انسان کی سیرت سازی میں بڑی طرح ناکام رہی ہے، وہ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر سکتی ہے وہ خلا میں سفر کرنے کے لیے محفوظ وسریع الیسر آلات

تیار کر سکتی ہے، وہ انسان کو چاند اور سیاروں پر پہنچا سکتی ہے، وہ ذراتی طاقت سے بڑے بڑے کام لے سکتی ہے، وہ ملک سے غربی دور کر سکتی ہے، وہ علم و ہنر کو آخری نقطۂ عروج پر پہنچا سکتی ہے، وہ پوری کی پوری قوم اور ایک ملک کی آبادی کو خواندہ اور تعلیم یافتہ بنا سکتی ہے، اس کی ان کامیابیوں اور فتوحات سے کسی انکار کی گنجائش نہیں، لیکن وہ صالح اور صاحب یقین افراد پیدا کرنے سے بالکل عاجز ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی ناکامی اور بدقسمتی ہے اور اسی وجہ سے صدیوں کی محنتیں ضائع و برباد ہو رہی ہیں اور ساری دنیا مایوسی اور انتشار کا شکار ہے اور اب اس کا سائنس اور علم پر سے بھی اعتقاد اٹھ رہا ہے، اندیشہ ہے کہ دنیا میں ایک شدید ردِّ عمل کی تحریک اور علم و تمدن کے خلاف بغاوت کے دور کا آغاز نہ ہو جائے، فاسد افراد نے معصوم اور صالح وسائل و ذرائع کو بھی فاسد بلکہ آلۂ فساد و تخریب بنا دیا ہے، فاسد و کمزور تختوں سے کوئی صالح اور مضبوط سفینہ تیار نہیں ہو سکتا، یہ بالکل مغالطہ اور خام خیالی ہے کہ فاسد تختے علیحدہ علیحدہ فاسد کمزور اور ناقابلِ اعتماد ہیں لیکن جب ان کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے اور ان سے کوئی سفینہ تیار کیا جائے تو ان کی قلبِ ماہیت ہو جاتی ہے اور وہ صالح بن جاتے ہیں، رہزن اور چور علیحدہ علیحدہ تو رہزن اور چور ہیں لیکن جب وہ اپنی جماعت بنالیں تو وہ پاسبانوں اور ذمہ دار انسانوں کی ایک مقدس جماعت ہے، نئی فکری قیادت نے جو افراد دنیا کو عطا کئے ہیں وہ ایمان و یقین سے خالی، ضمیر انسانی سے محروم، حاسۂ اخلاقی سے تہی دست، محبت و خلوص کے مفہوم سے ناآشنا، انسانیت کے شرف و احترام سے غافل ہیں، وہ تو لذت و عزت کے فلسفہ سے واقف ہیں یا صرف قوم پرستی اور وطن دوستی کے مفہوم سے آشنا ہیں۔ اس نوعیت اور صلاحیت کے افراد خواہ جمہوری نظام کے سربراہ ہوں یا اشتراکی نظام کے ذمہ دار کبھی کوئی صالح معاشرہ، پرامن ماحول اور خدا ترس و پاکباز سوسائٹی قائم نہیں کر سکتے اور ان پر خدا کی مخلوق اور انسانی کنبہ کی قسمت کے بارے میں کبھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

اس دنیا میں صالح ترین افراد اور صالح ترین معاشرہ صرف نبوت نے تیار کیا ہے

اور اسی کے پس قلب کو بدلنے اور گرمانے، نفس کو جھکانے اور جمانے، نیکی و پاسبازی کی محبت اور گناہ اور ابدی سے نفرت پیدا کرنے، مال و زر، ملک و سلطنت، عزت و جاہت اور ریاست و تفوق کی سحر انگیز ترغیبات کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا کرنے کی صلاحیت ہے اور وہی افراد جوان صلاحیتوں کے مالک ہوں دنیا کو ہلاکت سے اور تہذیب کو تباہی سے بچا سکتے ہیں۔

نبوت نے دنیا کو سائنس نہیں دی، ایجادیں نہیں عطا کیں، اس کو نہ اس کا دعویٰ ہے نہ ایسا نہ کرنے پر شرمندگی اور معذرت، اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس دنیا کو افراد عطا کئے جو خود صحیح راستہ پر چل سکتے ہیں اور دنیا کو چلا سکتے ہیں اور ہر اچھی چیز سے خود نفع اٹھا سکتے ہیں اور دوسروں کو پہنچا سکتے ہیں اور جو ہر قوت اور نعمت کو ٹھکانے لگا سکتے ہیں، جو اپنی زندگی کے مقصد سے واقف اور اپنے پیدا کرنے والے سے نا آشنا ہیں اور اس کی ذات سے استفادہ کرنے اور اس سے مزید نعمتیں حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، انہیں کا وجود انسانیت کا اصل سرمایہ اور انھیں کی تربیت نبوت کا اصل کارنامہ ہے۔ (بحوالہ کاروان مدینہ)

آپ ﷺ نے انسانیت کا سر اونچا کر دیا

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ایک اور مضمون میں اس عنوان سے متعلق کچھ اس طرح سے لکھتے ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں کثرت سے افراد اور جماعتیں گزری ہیں جنہوں نے انسانیت کی خدمت کی ہے اور دنیا کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا ہے۔ اس موقعہ پر وہ سب تاریخ کی سطح سے ابھر آتے ہیں اور اپنے کو انسانیت کا معمار و خدمت گزار کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور وہ امیدوار ہوتے ہیں کہ ان کو بھی اس معیار سے جانچا اور پرکھا جائے گا، یہ ٹھیک ہے ان کو بھی موقع دینا چاہئے اور ان کی خدمات واحسانات کا موازنہ کرنا چاہئے کہ کون اس معیار پر پورا اُترتا ہے۔ سب سے پہلے ہمارے سامنے ایک سنجیدہ اور باوقار گروہ آتا ہے، یہ حکماء و فلاسفہ کی جماعت ہے، ان میں یونان کے بڑے بڑے فلسفی بھی ہیں اور ہندوستان کے بلند پایۂ حکیم بھی۔ ہمارا ذہن حکمت فلسفہ سے شروع سے مرعوب رہا ہے، ہم

ان کو دیکھ کر کہہ اٹھے ہیں کہ انہوں نے انسانیت کا سر اونچا کیا ہے اور اس کا دامن موتیوں سے بھر دیا ہے لیکن تعصبات اور عقیدت مندی سے ذرا آزاد ہو کر غور کیجئے کہ کیا ان کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے اور کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ انسانیت کے حق میں رحمت ثابت ہوئے ہیں؟ میں پوچھتا ہوں کہ انسانیت نے ان سے کیا پایا، اس کی کونسی پیاس بجھی، انہوں نے اس کے کس درد کا مداوا کیا؟ غور کرنے پر ہم کو مایوسی ہوتی ہے! ذرا آپ فلسفہ کا مطالعہ کیجئے اور فلاسفہ کی زندگی پر نظر ڈالئے۔ صاف معلوم ہوگا کہ فلسفہ زندگی کے کس سمندر میں ایک مختصر سا جزیرہ تھا، ایک محفوظ جگہ تھی، ایک محدود دائرہ تھا۔ یہ حکماء و فلاسفہ اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں، خدا کی دی ہوئی طاقتیں اس محدود دائرے کے اندر صرف کر رہے تھے۔ انسانیت کے وہ مسائل جن کو ذرا دیر کے لیے بھی ٹالا نہیں جاسکتا اور جو فوری حل کے محتاج ہیں، جن کے بغیر انسانیت کی گاڑی ایک قدم بھی نہیں چل سکتی، ان حکماء نے نہ ان مسائل کو چھیڑا نہ ان سے بحث کی اور نہ ان مسائل میں انسانیت کی کوئی مدد کی، وہ اپنے اس علمی جزیرے کے اندر عافیت کی زندگی گزارتے رہے، لیکن انسانیت تو ان چھوٹے چھوٹے جزیروں میں بند نہیں تھی، یونان جہاں فلاسفہ بہت گزرے ہیں، اس یونان میں بھی سارے کے سارے فلسفی تو نہیں تھے۔ ان فلسفیوں نے کواکب اور سیارات سے تو بحث کی اور فلکیات پر موشگافیاں کیں، مگر زندگی کے لیے کیا ہدایت دیں اور علمی طبقہ کو چھوڑ کر دوسرے طبقات کی کیا رہنمائی کی؟ اور زندگی میں رہتے ہوئے بھی زندگی سے بے تعلق تھے، انہوں نے اپنے گرد علم و حکمت کا ایک حصار کھینچ لیا تھا اور صرف چند علمی مسائل سے تعلق رکھا تھا۔ یہ ایک سیاسی دور ہے اور ہمارا ملک اب آزاد ہے، شاید آپ اس مثال سے فلاسفہ کی صحیح پوزیشن سمجھ سکیں۔ دیکھئے آپ کے ملک میں مختلف بیرونی ممالک کے سفارت خانے ہیں، کوئی امریکی سفارت خانہ ہے، کوئی روسی سفارت خانہ ہے، کوئی مصر کا ہے، کوئی ایران کا۔ ان سفارت خانوں کے اندر بھی زندگی اور حرکت ہے، ان کے اندر بھی بہت سے لوگ لکھتے پڑھتے رہتے ہیں، بڑے بڑے فاضل اور سیاسی مبصر بھی ہیں لیکن ان کو ہمارے اندرونی مسائل سے کوئی

دلچسپی نہیں ہمارے آپس کے تعلقات اور باہمی کشاکش سے کوئی واسطہ نہیں، یہاں کی غریبی، امیری، اخلاقی ترقی اور انحطاط سے ان کو بحث نہیں، ان کا محدود و مخصوص کام ہے اور وہ صرف وہ ہی کام انجام دیتے ہیں، اس لیے وہ یہاں ہو کر بھی ایسے ہیں گویا وہ یہاں نہیں ہیں۔ بس اسی طرح حکمت و فلسفہ ایک غیر مُلکی سفارت خانے کی طرح قائم تھا اور یہ حُکماء اور فلاسفہ ان سفارت خانوں کی چار دیواری کے اندر علم و حکمت کی نمائندگی کر رہے تھے، اور زندگی کے مسائل سے بے تعلق تھے۔

دوسری جماعت جو اس سلسلے میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ ادباء و شعراء کی جماعت ہے ہم کو اور آپ کو ادب و شاعری کا ذوق ہے اور ہم ادب و شعر کی تحقیر نہیں کرتے، لیکن بے ادبی معاف! کہ ادباء و شعراء نے بھی انسانیت کے دُکھ کا علاج نہیں کیا۔ انہوں نے ہمارے لئے تفریح کا سامان باہم پہنچایا، ہمارے ادب و زبان کو مالا مال کیا لیکن انسانیت کی اصلاح کا درد سر مول نہیں لیا اور نہ یہ ان کے بس کی بات تھی، زندگی بنتی اور بگڑتی رہی، انسانیت گرتی اور سنبھلتی رہی اور یہ اپنے میٹھے میٹھے بول سُناتے رہے، اس کی مثال یوں سمجھیں کہ لوگ اپنی اپنی مُصیبتوں میں مُبتلا ہوں، کہیں لڑائی جھگڑا ہو رہا ہو، کہیں زندگی کے مسائل در پیش ہوں اور کوئی بانسری بجانے والا بڑی سُریلی آواز میں بانسری بجاتا گزر جائے۔ آپ تھوڑی دیر کے لئے اس کا لُطف لے سکتے ہیں، آپ اس کیطرف متوجہ ہو سکتے ہیں، مگر اس ترنم سے آپ زندگی کے مسائل تو حل نہیں کر سکتے اور نہ اس سے کوئی پیغام حاصل کر سکتے ہیں، شعر و ادب ہماری زندگی کے لیے کتنا ہی ضروری سہی اور اس سے ہماری روح کی بالیدگی اور ہمارے دماغ کو کیسی ہی تازگی حاصل ہو، لیکن یہ ہمارے مسائل کا حل اور ہمارے درد کی دوا تو نہیں، پھر ان ادباء و شعراء کو کسی چیز پر اصرار بھی نہیں تھا۔ وہ کسی مقصد کے لیے جدو جہد بھی نہیں کرتے تھے اور نہ اس کے لیے قربانیاں کرنا ان کے بس کی بات تھی اور اصلاح و انقلاب اس کے بغیر ہوا نہیں کرتا،

تیسرا گروہ جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ فاتحین کا ہے جنہوں نے ملکوں کو فتح کیا اور

اپنے زورِ شمشیر سے قوموں کو تسخیر کیا اس گروہ سے بھی ہم اچھے خاصے مرعوب ہیں، ان کی تلواروں کی جھنکار ابھی تک ہمارے کانوں میں آرہی ہے، بظاہر ان کے شور سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے انسانیت کی بڑی خدمت کی مگر ان کے نام کیساتھ کون سی تاریخ وابستہ ہے ؟ کیا عدل وانصاف کی یا درندگی وسفا کی؟ سکندر کا نام آتا ہے تو اس کے مظالم کی داستان تازہ ہو جاتی ہے، کیا وہ انسانیت کا محسن تھا، اس نے یونان سے ہندوستان تک تمام ملکوں کو زیرو زبر کر دیا، ملک کے ملک اس کی وجہ سے امن وامان اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے اس کے چلے جانے کے بعد بھی سینکڑوں برس تک یہ ملک سنبھل نہ سکے۔ یہی حال سیزر، چنگیز خان اور دوسرے بڑے بڑے فاتحین کا ہے، فاتح چاہے اپنے ملک کا محسن ہو یا اپنی قوم کے لئے رحمت ہو مگر دوسری قوموں کے لیے عذاب اور مصیبت ہے۔

چوتھا گروہ ان لوگوں کا آتا ہے جو ملک کے آزاد کرانے والے ہیں اور قومی لیڈر ہیں ۔اس گروہ کا جب نام آتا ہے تو احترام سے ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں۔ حقیقتاً انہوں نے اپنے ملک کے لیے بڑا کام کیا مگر اس ملک کے باہر بسنے والے انسانوں کے لیے کیا کیا آپ ابراہیم لنکن کے نام سے واقف ہوں گے وہ جدید امریکہ کا معمار تھا، مگر بتائیے کہ ہندوستان، مصر وعراق اور ان جیسے اور ملکوں کو اس سے کیا فائدہ پہنچا؟ نتائج پر نظر کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اس نے ایک امپیریلسٹ طاقت پیدا کر دی اور دنیا کی غلامی کی زنجیر میں ایک اور کڑی کا اضافہ کر دیا۔ سعد زاغلول کون تھا؟ مصر کا محسن اور وہاں کی تحریک آزادی کا سب سے مشہور رہنما، مگر مصر سے باہر اس نے کیا کیا اور اس کا ہم پر کیا احسان ہے؟ یہ قوم پرستی تو دراصل دوسرے ملکوں اور قوموں کے لیے مصیبت ہے اس لیے اس کی بنیاد ہی اپنی قوم کی برتری اور دوسری قوموں کی تحقیر پر ہے اور اکثر اس کو اپنی قوم کا پایہ بلند کرنے کے لیے دوسری قوموں کو غلام بنانا پڑتا ہے۔

پانچواں گروہ وہ ہے جو سائنٹسٹ کہلاتا ہے جس نے نئی نئی ایجادیں کیں اور بہت سی کارآمد چیزیں بنائیں۔ بلاشبہ اس گروہ نے انسانوں کی بڑی خدمت کی۔ یہ تمام ایجادیں

جو ہمارے کام آتی ہیں جیسے بجلی، ہوائی جہاز، ریل اور ریڈیو انھیں سائنٹسٹ حضرات کی مرہونِ منت ہے، اس کے لیے انہوں نے بڑی محنتیں کیں اور اس میں شک نہیں کہ یہ انسانوں کے بڑے کام آرہی ہیں مگر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایجادیں تنہا کافی نہیں، ان ایجادوں کیساتھ اگر نیک ارادے نہ ہوں، صبر وضبط نہ ہو، خدمتِ خلق کا جذبہ نہ ہو، اس سے اگر انسانیت کے ضروری مسائل حل نہ ہوں تو بتایئے کہ یہ ایجادیں انسان کے لیے رحمت ہیں یا زحمت؟ انہوں نے یہ ایجادیں تو انسان کو دے دیں مگر ان کے استعمال کا صحیح جذبہ نہیں دیا، وہ ذہن وضمیر پیدا نہیں کیا جو ان سے فائدہ اُٹھائے اور ان کو ٹھکانے لگائے۔ اور ان سے غلط کام لینے سے پرہیز کرے۔ گزشتہ دو جنگوں کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اخلاقی تربیت اور خداترسی کے بغیر یہ ایجادیں اور یہ وسائل انسانیت کے حق میں قہر وعذاب ہیں، رحمت وراحت نہیں، میں ان سائنس دانوں کی تحقیر نہیں کرتا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ یہ ایجاد کا کارنامہ نیک مقاصد، اخلاقی طاقت اور دماغی توازن کے بغیر مکمل نہیں ادھورا ہے، جب تک انسان کے دل میں نیک خواہش نہ ہو اور خود اس کے اندر نیک کام کرنے کی تحریک اور تقاضا نہ پیدا ہو اس کو وسائل وآلات، مواقع وامکانات اور سہولتیں اور آسانیاں نیک نہیں بناسکتیں، فرض کیجیے میرے پاس دینے کو روپیہ بھی ہے لینے کو بہت سے محتاج بھی ہیں، میرا کوئی ہاتھ نہیں پکڑتا، مگر میرے اندر فیاضی کا جذبہ اور مدد کرنے کی خواہش نہیں تو مجھے کون دینے پر آمادہ کر سکتا ہے؟

اب ایک دوسرا گروہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ پیغمبروں کا گروہ ہے۔ یہ گروہ ایجادات واکتشافات کا دعویٰ نہیں کرتا نہ وہ علوم میں مہارت کا مدعی ہے نہ اس کو ادب و شاعری پر ناز ہے۔ وہ اپنے متعلق مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے نہ بے ضرورت خاکساری سے وہ بڑی صفائی اور سادگی سے کہتے ہیں کہ دنیا کو وہ تین چیزیں عطا کرتے ہیں (۱) صحیح علم (۲) اس علم پر یقین (۳) اس علم پر عمل کرنے اور اس یقین کے مطابق زندگی گزارنے کا جذبہ اور خواہش، یہ ہے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کی تعلیم

کا نچوڑ۔ اب میں بتاتا ہوں وہ صحیح علم کیا ہے جو پیغمبر انسانوں کو دیتے ہیں، وہ علم اس کا کہ دنیا کو کس نے بنایا؟ پیغمبر یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کو کس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا؟ اس کے معلوم کئے بغیر ہمارا ہر قدم غلط ہے، ہم کو اس دنیا کے کسی چیز سے فائدہ اُٹھانے کا کوئی حق نہیں، اس لیے اس زندگی میں جو کچھ ہو رہا ہے چلنا پھرنا، کھانا پینا، وہ سب اس عظیم کُل کا ایک حقیر جُز ہے، جب تک کہ ہم کو اس کائنات کا مرکز معلوم نہیں اور ہم اس کے مقصدِ کلی سے اتفاق نہیں رکھتے کہ ہم کو اس کے اجزاء سے فائدہ اُٹھانے کا کیا حق ہے؟ اس کے بغیر تو روٹی کا ایک ٹکڑا توڑنا حرام ہے، ہم بھی اس کائنات کا ایک حقیر جز ہیں اور غلّہ کا جو دانہ ہم استعمال کرتے ہیں وہ بھی اس مجموعہ کی ایک بہت حقیر کسر اور ایک ادنیٰ ذرہ ہے۔ بلکہ ہم جس سیارہ (زمین) پر بس رہے ہیں وہ بھی اس کائنات کا حقیر ذرہ ہے۔ ہماری اس زمین کی اس نظامِ فلکی میں کیا حیثیت ہے؟ اگر آپ کو وہ نسبت معلوم ہو جائے جو آپ کی اس سرزمین اور سورج کے درمیان ہے یا دوسروں سیاروں اور ثوابت سے ہے تو آپ کو اپنے وجود سے بھی شرم آنے لگے گی اور اپنے عظیم الشان وطن سے بھی۔ آپ کے اور اس کائنات کے دوسرے اجزاء کے درمیان کس نے ربط پیدا کیا؟ اسی خالق کائنات نے اور اسی مقصد کلی نے! اگر آپ اس خالق کائنات کو نہیں جانتے یا نہیں مانتے اور اس مقصدِ کلی سے آپ کو اتفاق نہیں ہے تو آپ کو اس کائنات کے کسی ذرے یا دوسرے جز سے فائدہ اُٹھانے کا کیا حق ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ اگر روٹی کا وہ ٹکڑا جو آپ کے ہاتھ میں ہے آپ سے سوال کرے کہ میں نے تو اپنے خالق کو پہچان لیا اور اس کے حکم کے مطابق میں نے اپنے مخدوم (انسان) کے لیے اپنے وجود کو قربان کر دیا۔ لیکن اے انسان! تو نے نہ اپنے خالق کو جانا نہ اس کی بندگی کی، تجھے مجھ سے فائدہ اُٹھانے کا کیا حق ہے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟! اسی طرح اس دنیا کی کسی چیز کا استعمال غلط ہے جب تک یہ جان نہ لیا جائے کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟ مگر یہ عجب ٹریجڈی ہے کہ آج دنیا میں تمام کام ہو رہے ہیں، بازار میں چہل پہل ہے، تعلقات قائم ہو رہے ہیں، سواریاں چل

رہی ہیں، بڑے بڑے کام ہو رہے ہیں مگر کسی کو یہ معلوم کرنے کی فرصت نہیں کہ جس دنیا میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اس کا پیدا کرنے والا کون ہے۔ اس کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ جب پیغمبر دنیا میں تشریف لائے انسانیت کی گاڑی بے مقصد جا رہی تھی۔ فلاسفہ، علماء، ادباء، شعراء، فاتحین حکمرانوں، کاشتکاروں اور تاجروں کو اپنے کاموں سے فرصت نہ تھی، حاکم بھی تھے اور محکوم بھی تھے، ظالم بھی تھے اور مظلوم بھی تھے مگر سب اصل مقصد سے غافل اور اپنے پیدا کرنے والے سے ناواقف، ان چھوٹے چھوٹے بالشتیوں جیسے انسانوں میں ایک بلند قامت انسان آتا ہے اور جن لوگوں کے ہاتھ میں انسانیت کی باگ دوڑ تھی، ان سے سوال کرتا ہے کہ جواب دو کہ تم نے انسانوں پر یہ کیا ظلم کیا ہے کہ ان کو اپنے مالک اور اس دنیا کے بادشاہ سے ہٹا کر اپنا غلام بنالیا ہے؟ تم کو کیا حق تھا کہ نابالغ انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر تم نے اس کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے؟ اے ظالم ڈرائیور تو نے مسافروں سے پوچھے بغیر زندگی کی گاڑی کس طرف چلانی شروع کر دی؟ وہ زندگی کے قلب وضمیر میں کھڑے ہو کر انسانیت کو خطاب کرتا ہے اور اس کو پکارتا ہے، اس کے سوال کو ٹالا نہیں جا سکتا، اس کی دعوت اور اس کی پکار پر دو گروہ ہو جاتے ہیں: ایک اس کی بات مانتا ہے، ایک انکار کرتا ہے، دنیا کو ان دونوں راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

پیغمبر کبھی نہیں کہتے کہ ہم قدرت کے رازہائے سربستہ کا انکشاف کرنے آئے ہیں، ہم طبعی طاقتوں کو مسخر کرنے آئے ہیں، ہم کچھ نئی ایجادیں کریں گے، وہ جغرافیہ ومعدنیات میں مہارت کا دعویٰ نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس دنیا کے بنانے والے اور اس کی ذات وصفات کا صحیح علم عطا کرتے ہیں جو ہم کو اس دنیا کے مالک نے اور انسان کے خالق نے عطا کیا ہے اور اب ہمارے ہی ذریعہ سے دوسروں کو مل سکتا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اس دنیا کا بنانے والا ایک ہے اور اسی کی مرضی وحکمت سے یہ دنیا چل رہی ہے، وہ بلاشرکتِ غیرے اس کو چلا رہا ہے، یہ دنیا بے مقصد پیدا نہیں کی گئی اور نہ بے مقصد چل رہی ہے۔ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہوگی جس میں اس پہلی زندگی کا حساب دینا ہوگا، وہاں اچھے اعمال کا

انعام ملے گا بُرے اعمال کی سزا ملے گی، قانون لانے والے اور خدا کا منشا بتلانے والے پیغمبر ہیں جو ہر ملک اور ہر قوم میں آئے اور خدا کا پیغام لائے، خدا کا راستہ ان کے بغیر طے نہیں ہوسکتا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن پر تمام پیغمبر متفق ہیں ان میں کسی کا اختلاف نہیں، فلاسفہ و حکماء میں سخت اختلاف ہے، ان میں سے دو بھی کسی ایک بات پر متفق نہیں لیکن یہاں کسی ایک بات پر بھی دو پیغمبروں میں اختلاف نہیں۔

لیکن تنہا علم کے لیے یقین ضروری نہیں، آج ہماری معلومات کتنی زیادہ ہیں مگر ہمارا یقین کتنا کم ہے، علم ہمیشہ یقین پیدا نہیں کرتا، قدیم زمانہ کے فلاسفہ میں سے بہت سے یقین سے محروم تھے اور شک کے مریض۔ آج بھی ان کا علم یقین پیدا کرنے کے بجائے الٹا شک پیدا کرتا ہے، آج بھی بڑے بڑے صاحب علم یقین کو ترستے ہیں، انبیاء علیہم السلام تنہا صحیح علم نہیں دیتے تھے اس پر یقین بھی عطا کرتے تھے، علم بڑی دولت ہے، مگر اس پر یقین اس سے بڑی دولت ہے، علم بغیر یقین کے زبان کی ورزش ہے، دماغ کا تعیش اور دل کا نفاق، پیغمبروں نے اپنے ماننے والوں کو صحیح علم عطا کیا اور مضبوط یقین، انھوں نے جو کچھ جانا اس کو مانا پھر اپنے کو اس پر قربان کر دیا، ان کے دماغ اس علم سے روشن ہوئے اور ان کے دل اس یقین سے طاقتور ان کے یقین کے قصے تاریخ میں پڑھیے، ان کے یقین کے نتائج اپنی گرد و پیش کی دنیا میں دیکھیے، آج اگر یقین ہوتا تو بد اخلاقی کیوں ہوتی؟ ظلم کیوں پھیلتا؟ رشوت کا بازار کیوں گرم ہوتا؟ کیا یہ تمام خرابیاں اس لیے ہیں کہ علم نہیں، لوگوں کو معلوم نہیں کہ چوری جرم ہے؟ رشوت حرام ہے، گرہ کٹی بد اخلاقی ہے یہ کون کہہ سکتا ہے؟ ہم تو دیکھتے ہیں جہاں علم زیادہ ہے وہاں خرابیاں بھی زیادہ ہیں، جو لوگ رشوت کی بُرائی پر کتاب لکھ سکتے ہیں اور اس کی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں، وہ زیادہ رشوت لیتے ہیں، جو چوری کی خرابی سے اور اس کے انجام سے زیادہ واقف ہیں وہ چوری زیادہ کرتے ہیں، گرہ کٹوں کو دیکھیے ان میں بہت سے ایسے ملیں گے جو گرہ کٹی کے الزام میں کئی کئی بار سزا بھگتے ہوئے ہوتے ہیں، کیا ان سے زیادہ کوئی گرہ کٹی کے انجام اور سزا سے واقف ہوگا، اگر صرف علم کافی ہوتا تو چوری کی سزا کے بعد

چوری چھوٹ جاتی اور ایک بار جرم کرنے اور سزا بھگتنے کے بعد کوئی چوری نہ کرتا لیکن ایسا نہیں ہو رہا ہے،

معلوم ہوا علم تنہا کافی نہیں۔ پھر علم ضروری اور یقین ضروری، مگر اس کی کیا ضمانت کہ عمل کا تقاضا بھی پیدا ہوگا۔ بہت سے لوگ جانتے ہیں اور یقین بھی رکھتے ہیں کہ شراب بری چیز ہے اور اس کے نقصانات کا تجربہ بھی ہے، یقین بھی، مگر پیتے ہیں، آپ کے شہر میں بہت سے ڈاکٹر حکیم ہوں گے جو بد پرہیزی کرتے ہیں، ان کو یقین ہوتا ہے کہ بد پرہیزی خطرناک ہے، مگر وہ بد پرہیزی کر گزرتے ہیں، بات یہ ہے کہ عمل کا تقاضا نہیں ہوتا اور ان کے اندر پرہیز کی خواہش اور بد پرہیزی سے نفرت نہیں ہوتی، بلکہ بد پرہیزی کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اس خواہش کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

انبیاء کرام علم و یقین کے ساتھ یہ تیسری طاقت بھی عطا کرتے ہیں، یعنی اپنے علم و یقین پر عمل کرنے کی رغبت اور اپنی غلط خواہشات کا مقابلہ کرنے کی طاقت، اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم و یقین سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتے ہیں اور ان کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، ان کا ضمیر ان کی نگرانی کرتا ہے اور غلط کام کرنے کے وقت ان کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ ہر پیغمبر نے یہ تینوں دولتیں اپنے اپنے زمانہ والوں اور اپنی اپنی امتوں کو عطا کیں اور ان کی بدولت لاکھوں انسانوں کی زندگی بن گئی اور زندگی کی چول اپنی جگہ پر آ گئی۔ انسانیت پر حقیقی احسان انھیں پیغمبروں کا ہے، اللہ کا درود و سلام ہو ان پر کہ انہوں نے انسانیت کی دستگیری کی اور اس کو عین وقت ہلاکت سے بچالیا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ دولتیں دنیا سے ناپید ہونے لگیں، علم صحیح گم ہو گیا، یقین کا چراغ بجھ گیا، نیک عمل کی خواہش مردہ ہو گئی، چھٹی صدی مسیحی آئی تو یہ تینوں دولتیں اتنی نایاب ہو چکی تھیں کہ ان کا سراغ لگانا مشکل تھا، پورے پورے ملک اور پورے پورے براعظم میں بھی ڈھونڈنے سے ایک اللہ کا بندہ نہ ملتا جو علم صحیح اور ایمان قوی کی دولت سے مالا مال ہو، انبیاء کا لایا ہوا دین اور پھیلایا ہوا یقین سمٹتے سمٹتے ایک نقطہ بن گیا تھا۔ شک و بے عملی کی ظلمتوں میں علم و یقین کا یہ نور اس طرح کہیں کہیں چمکتا تھا جیسے برسات کی

اندھیری رات میں جگنو چمکتے ہیں، اہلِ یقین کا ایسا قحط تھا کہ ایران کا ایک نوجوان سلمان فارسی یقین اور حسنِ عمل کی تلاش میں نکلتا ہے تو ایران سے شام اور وہاں سے حجاز پہنچ جاتا ہے اور ان تین ملکوں میں اس کو صرف چار صاحبِ یقین ملتے ہیں۔

اس گھٹا ٹوپ اندھیرے اور اس عالمگیر ظلمت میں خدا کا آخری پیغمبر آتا ہے وہ ان تینوں دولتوں کو اتنا عام کر دیتا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنی عام نہیں ہوئی تھیں، جو دولت کسی کسی سینہ اور کسی کسی سفینہ میں تھی جو گھروں سے نکل کر محلّوں میں بھی اور محلّوں سے نکل کر شہروں میں بھی نہیں پھیلتی تھی وہ گھر گھر عام ہو جاتی ہے اور مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتی ہے:

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

وہ ان تینوں حقیقتوں کی تلقین ہی نہیں کرتا، ان کا صور پھونک دیتا ہے دنیا میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی کان والا ایسا نہیں جو کہہ سکے کہ اس نے اس صور کی آواز نہیں سُنی اور جس نے نہیں سنی اس کے کان کا قصور ہے، اس کے اعلان کا قصور نہیں، آج دنیا کا کون سا گوشہ ہے جہاں **اشھد ان لا الٰہ اللہ** اور **اشھد ان محمد رسول اللہ** کا ترانہ سننے میں نہیں آتا، جب دنیا کی تمام آوازیں تھک کر سو جاتی ہیں، جب جیتے جاگتے شہر پر موت کی سی نیند طاری ہو جاتی ہے، جب زبانوں پر قفل پڑ جاتے ہیں، اس وقت بھی کانوں میں یہی صدا آتی ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں۔!

آج ریڈیو کے ذریعے دنیا کے کونہ کونہ میں آواز پہنچتی ہے اور گھر گھر پیغام پہنچ جاتا ہے لیکن کیا کسی ریڈیو نے، خواہ وہ امریکہ کا ہو یا برطانیہ کا، کسی حقیقت کو کسی علم کو اس طرح دنیا میں عام کیا ہے جس طرح یہ علم عام ہوا ہے جس کی صدا نبی اُمی نے کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر لگائی تھی؟ انسان کبھی ترنگ میں آتا ہے اور طفلانہ معصومیت کے ساتھ کچھ کہنے لگتا ہے۔ایسی ہی ترنگ میں اقبال نے انسانوں کی طرف سے اپنے مالک کی بارگاہ میں عرض کیا تھا:

ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

اگر آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ غلام عرض کرے تو کیا بیجا ہے کہ خدایا تیری خدائی برحق! تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالق اور اس ساری دنیا کا خالق و مالک اور ہر شے پر قادر ہے! لیکن کیا تیرے بندوں اور تیری مخلوقات میں سے کسی نے تیرا نام اس طرح پھیلایا اور دنیا کے کونہ کونہ میں پہنچایا جس طرح تیرے بندے اور پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ یہ کوئی بے ادبی اور سرکشی نہیں، اس میں بھی تعریف اسی خدا کی ہے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیغمبر بھیجا اور ان کو اپنا نام پھیلانے اور اپنا دین چمکانے کی یہ طاقت اور توفیق عطا فرمائی!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے میدان میں جب اپنی ۱۴۔۱۵ سال کی کمائی اللہ کے دین کی مدد کے سامنے رکھ دی اور ۳۱۳ کو ایک ہزار کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا تو زمین پر سر رکھ کر اپنے مالک سے یہی کہا تھا کہ ''اے اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دینے کا فیصلہ فرماتا ہے تو قیامت تک تیری عبادت نہ ہو سکے گی۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی جو صدا لگائی تھی اس سے دنیا کا کوئی مذہب، کوئی فلسفہ اور کوئی دماغ غیر متاثر نہیں رہا، جب سے دنیا نے سنا کہ انسان کے لیے خدا کے سوا کسی اور کے سامنے جھکنا ذلت اور عار ہے، خدا نے فرشتوں کو آدمؑ کے سامنے اس لیے جھکایا کہ سب سجدے اس کی اولاد پر حرام ہو جائیں، وہ سمجھ لے کہ اس کارخانۂ قدرت کے بندے ہمارے سامنے جھکا دیئے گئے تو ہم کو اس دنیا کی کسی چیز کے سامنے جھکنا کب زیب دیتا ہے، جب سے دنیا نے توحید کی حقیقت اور انسان نے اپنی یہ حیثیت سنی اس وقت شرک خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو گیا۔ اس کو احساسِ کمتری نے گھیر لیا۔ آپ کو بعثتِ نبوی کے بعد اس کے لب ولہجہ میں فرق محسوس ہوگا۔ اب وہ اپنے عمل پر نازاں نہیں، وہ اس کی تاویل اور فلسفیانہ تعبیر کرتا ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ توحید کی آواز نے دل میں گھر کر لیا ہے۔

پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم ویقین کے ساتھ وہ طاقت بھی پیدا کر کے دیکھا دی جس میں ہزار پولیس، سینکڑوں عدالتوں اور بیسیوں حکومتوں سے زیادہ طاقت

یعنی ضمیر کی طاقت، نیکی کی رغبت، گناہ سے نفرت اور نفس کا خود احتساب۔

یہ اسی طاقت کا کرشمہ تھا کہ ایک صحابی جن سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے وہ بے تاب ہو جاتے ہیں۔ ضمیر چٹکیاں لینے لگتا ہے اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: حضور ﷺ! مجھ کو پاک کر دیجئے، آپ رُخِ انور پھیر لیتے ہیں وہ اسی طرف کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ دوسری طرف رخ کر لیتے ہیں، وہ اس طرف آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، آپ تحقیق کرواتے ہیں کہ ان کی دماغی حالت خراب تو نہیں؟ جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحیح الدماغ آدمی ہیں تو آپ ان کو سزا دلواتے ہیں۔ کس چیز نے ان کو سزا پر آمادہ کیا اور کون سی چیز ان کو کھینچ کر لائی؟

آگے چلیئے غامدیہ ایک ان پڑھ عورت تھیں کسی دیہات کی رہنے والی وہ ایک گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں، نہ کوئی دیکھنے والا تھا نہ سننے والا مگر ان کے دل میں ایک تڑپ تھی جو ان کو چین نہ لینے دیتی تھی، ان کو کھانے پینے میں مزا نہ آتا تھا، وہ کھانا کھاتی تو دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، ناپاک کا کیا کھانا پینا؟ تمہیں پہلے پاک ہونا چاہیئے، اس گناہ کی سزا کے بغیر ممکن نہیں، وہ خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ان کو پاک کر دیا جائے اور اس پر اصرار کرتیں ہیں، یہ معلوم کر کے کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے آپ فرماتے ہیں کہ اس بچے کا کیا قصور، اس کی جان تمہارے ساتھ کیوں جائے؟ جب ولادت ہو جائے تو آنا، خیال کیجئے ان کو ضرور اس میں کچھ عرصہ لگا ہوگا، کیا انہوں نے کھایا پیا نہ ہوگا کیا زندگی نے خود ان سے تقاضہ نہ کیا ہوگا، کیا خود کھانے پینے کی لذت نے زندگی کی رغبت نہ پیدا کی ہوگی اور ان کو یہ نہ سمجھایا ہوگا کہ اب وہ حضور ﷺ کے پاس جانے کا ارادہ فسخ کر دیں مگر وہ اللہ کی بندی پکی رہی اور کچھ عرصے کے بعد بچے کو لے کر آئی اور عرض کیا کہ حضور ﷺ میں اس سے فارغ ہو گئی، اب میری طہارت میں کیوں دیر ہو؟ فرمایا نہیں نہیں! ابھی اس کو دودھ پلاؤ جب دودھ چھوٹے تب آنا، آپ کو معلوم ہے کہ اس کو دو برس تو ضرور لگے ہوں گے، یہ دو برس کیسی آزمائش کے تھے، نہ پولیس تھی، نہ نگرانی تھی، نہ مچلکہ، نہ ضمانت، کتنے خیال اس کو آئے ہوں

گے۔ بچہ کی معصوم صورت اس کو جینے کی دعوت دیتی ہوگی، اس کی مسکراہٹ زندگی کی خواہش پیدا کرتی ہوگی اور بچہ اپنی زبان بے زبانی سے کہتا ہوگا کہ اماں میں تو تیری ہی گود میں پلوں گا اور تیری اُنگلی پکڑ کر چلوں گا! مگر اس کا ضمیر کہتا تھا نہیں، تیری ماں ناپاک ہے، اس کو سب سے پہلے پاک ہونا ہے، دل کا یقین کہتا تھا کہ احکم الحاکمین کے یہاں جانا ہے، وہاں کی سزا سخت ہے، وہ پھر حاضر ہوئی روٹی کا ٹکڑا بچہ کے منہ میں ہے اور کہتی ہے یارسول اللہ! دیکھئے اس بچہ کا دودھ بھی چھوٹ گیا اور وہ روٹی کھانے کے قابل ہوگیا۔ اب میری پاکی میں کیا دیر ہے؟ آخر خُدا کی اس سچی اور پکی بندی کو سزا دی جاتی ہے اور حضور ﷺ خوشنودی کا پروانہ عطا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اس اکیلی توبہ کو اگر سارے مدینہ میں تقسیم کردیا جائے تو سب کے لیے کافی ہو۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا۔

میں پوچھتا ہوں کہ وہ کیا چیز تھی جو بغیر ہتکڑی بیڑی کے، بغیر مچلکہ وضمانت کے، بغیر پولیس کہ اس کو کھینچ کر لاتی ہے اور سزا کے لیے اصرار کرواتی ہے؟ آج ہزار ہا پڑھے لکھے، قابل فاضل مرد اور عورتیں ہیں جن کا علم اور نقصانات کا یقین ان کو غلط کام سے باز نہیں رکھ سکتا اور اچھے کام پر آمادہ نہیں کرسکتا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو یہی تینوں انمول موتی عطا کیے، علم صحیح، یقین کامل اور نیکی کا تقاضہ قلبی، دنیا کو نہ اس سے قیمتی سرمایہ ملا، نہ کسی نے اس پر آپ سے بڑھ کر احسان کیا۔

دنیا کے ہر انسان کو فخر کرنا چاہیے کہ ہماری نوع انسانی میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس سے انسانیت کا سر اُونچا اور نام روشن ہوا، اگر آپ ﷺ نہ آتے تو دنیا کا نقشہ کیا ہوتا اور ہم انسانیت کی شرافت اور عظمت کے لیے کس کو پیش کرتے؟ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر انسان کے ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ سے اس دنیا کی رونق اور نوع انسانی کی عظمت ہے، وہ کسی قوم کی ملک نہیں، ان پر کسی ملک کا اجارہ نہیں، وہ پوری انسانیت کا سرمایہ فکر ہیں، کیوں آج کسی

ملک کا انسان فخر و مسرت کے ساتھ یہ نہیں کہتا کہ میرا اس نوع سے تعلق ہے، جس میں محمد رسول ﷺ جیسا انسان کامل پیدا ہوا؟

آج انسانوں کا کون سا طبقہ ہے، جس پر آپ ﷺ کا براہ راست یا بالواسطہ احسان نہیں، مردوں پر آپ ﷺ کا احسان نہیں؟ کہ آپ ﷺ نے ان کو مردانگی اور آدمیت کی تعلیم دی، کیا عورتوں پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپ ﷺ نے ان کے حقوق بتلائے اور ان کے لیے ہدایتیں اور وصیت فرمائی۔ آپ نے فرمایا ''جنت ماؤں کے قدموں نیچے ہے'' کیا کمزوروں پر آپ ﷺ کا احسان نہیں؟ کہ آپ ﷺ نے ان کی حمایت کی اور فرمایا کہ ''مظلوم کی بدعا سے ڈرو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں خدا کہتا ہے کہ میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں'' کیا طاقتوروں اور حکمرانوں پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپ نے ان کے حقوق و فرائض بھی بتلائے اور حدود بھی بتلائے اور انصاف کرنے والوں اور خدا سے ڈرنے والوں کو بشارت سنادی کہ بادشاہ منصف رحمت کے سایہ میں ہوگا، کیا تاجروں پر آپ کا احسان نہیں؟ کیا آپ نے تجارت کی فضیلت اور اس پیشے کی شرافت بتلائی اور خود تجارت کر کے اس پیشے کی عزت بڑھائی، کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اور راست گفتار اور دیانتدار تاجر جنت میں قریب ہوں گے، کیا آپ کا مزدوروں پر احسان نہیں، کہ آپ نے تاکید فرمائی، کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو، کیا جانوروں تک پر آپ کا احسان نہیں، کہ آپ نے فرمایا کہ ہر وہ مخلوق جو جگر رکھتی ہے اور جس میں احساس و زندگی ہے اس کو آرام پہنچانا اور کھانا کھلانا بھی صدقہ ہے۔ کیا ساری انسانی برادری پر آپ کا احسان نہیں، کہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر آپ شہادت دیتے تھے کہ خدایا تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں، کیا ساری دنیا پر آپ کا احسان نہیں، کہ سب سے پہلے دنیا نے آپ ہی کی زبان سے سنا کہ خدا کسی قوم، نسل و برادری کا نہیں سارے جہانوں اور دنیا کے سب انسانوں کا ہے۔ جس دنیا میں آریوں کا خدا، یہودیوں کا خدا، مصریوں کا خدا، ایرانیوں کا خدا کہا جاتا تھا وہاں ''الحمد للہ رب العالمین'' کی حقیقت کا اعلان ہوا اور اس کو نماز کا جز بنا دیا گیا۔

ہماری آپ کی دنیا میں حکماء وفلاسفہ بھی آئے، ادباء وشعراء بھی، فاتح وکشور کشا بھی، سیاسی قائد اور قومی رہنما بھی، موجدین ومکتشفین (سائنٹسٹ) بھی مگر کس کے آنے سے دنیا میں وہ بہار آئی جو پیغمبروں کے آنے سے؟ پھر سب سے آخر سب سے بڑے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے آئی، کون اپنے ساتھ وہ شادابی، وہ برکتیں وہ رحمتیں نوع انسانی کے لیے وہ دولتیں اور انسانیت کے لیے وہ نعمتیں لے کر آیا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے؟ (بحوالہ کاروانِ مدینہ از علامہ ابوالحسن ندویؒ)

فرائضِ رسالت میں آنحضرت ﷺ کی کامیابی تمام انبیاءؑ پر فائق ہے

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی شفیع صاحبؒ اپنی کتاب پیغمبر امن وسلامت میں لکھتے ہیں کہ ہمارے آقا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سید الرسل اور امام الانبیاء قرار دینے کی بڑی وجہ بھی اصلاح خلق کے بارہ میں آپ کی وہ حیرت انگیز کامیابی ہے جو تمام انبیاء سابقین کے مقابلہ میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ میدان حشر میں حسبِ تصریحات حدیثِ نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام انبیاء سابقین کی امتوں سے زیادہ بھی ہوگی اور فائق بھی۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معبوث ہونے کا زمانہ وہ انتہائی ظلمت و گمراہی کا زمانہ تھا جس میں تقریباً پورا عالمِ انسانیت مشرق سے لے کر مغرب تک خدا سے اپنا رشتہ یکسر توڑ چکا تھا۔ انسان خدا و آخرت کو بھلا کر دنیا کے عام جانوروں کی طرح صرف پیٹ بھرنے اور چند روزہ راحت ولذت حاصل کر لینے کو ہی اپنی معراج کمال سمجھ بیٹھا تھا۔ قرآن کریم نے ان کے اسی حال کو بیان فرمایا، فَرِحُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِھَا یعنی یہ لوگ صرف دنیا کی زندگی پر مگن ہو گئے اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے۔ اور حقیقت شناس اہلِ بصیرت کے نزدیک ان کی مثال اس وقت اس بچے کی سی تھی، جو ایک کروڑ روپے کے چیک کو پھینک کر ایک جھنجھنے پر راضی ہو جائے۔ حقیقت شناس لوگوں کی نظر میں صرف دنیا پر مٹنے والے لوگ سب کے سب نابالغ بچے ہیں جو حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ علامہ رومیؒ نے خوب

فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ دنیا کی رنگینیوں میں مست ہو کر خدا و آخرت کو بھلا دینے والا رنگین پردوں کو اپنا محبوب سمجھ بیٹھا ہے یہاں ضرورت ہوتی ہے کسی حقیقت شناس صاحبِ بصیرت کی جو اس کی نگاہ کو ان پردوں سے آگے بڑھا کر مقصودِ اصلی تک پہنچائے۔ مولانا جامیؒ نے فرمایا کہ! اور جب کوئی ان رنگین پردوں کا فریب خوردہ حقیقت سے روشناس ہو جاتا ہے تو بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے۔

جزاک اللہ چشم باز کردی مرابا جانِ جاں ہمراز کردی

اُس وقت اس کو محسوس ہو جاتا ہے کہ میں نے جس چیز کو اپنا محبوب بنایا ہوا تھا وہ ایک فریب تھا محبوب اس سے وراء الوراء تھا۔

کچھ بھی مجنوں جو بصیرت تجھے حاصل ہو جائے تو نے لیلیٰ جسے سمجھا ہے وہ محمل ہو جائے

غرض خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بعثت وہ زمانہ ہے جب تقریباً ساری دنیا خدا، آخرت اور معاد کا سبق قطعاً بھلا کر صرف معاش کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔ انسان اپنی اصلی حیثیت کو بھلا کر زیادہ سے زیادہ ایک ہوشیار جانور بن کر رہ گیا تھا جو اپنی ہوشیاری سے دوسرے جانوروں پر حکومت کرتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئینہ حقیقت نما دکھلا کر ان کو ان کی اصلی صورت و شکل اور اس کے تقاضوں سے آگاہ کیا جس کا حاصل خدا شناسی اور خدا پرستی ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تصور معاد کے بغیر معاش بھی کبھی ہموار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ان کے معاش میں بھی طرح طرح کی ناہمواریاں ظلم و جور، چوری ڈاکہ، بدمعاشی، عیاشی، بے حیائی بری طرح چھا گئی تھی۔

یہ وہ سنگلاخ زمین اور ظلم و ظلمت سے لبریز فضا تھی جو سید الرسل فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کے لیے عطا ہوئی۔ پھر اس وقت کی دنیا اگر چہ خدا اور آخرت کو ساری ہی بھلا چکی تھی۔ مگر انسانی معاشرت، تہذیب اور تعلیم کے اعتبار سے اس کے خطوں میں خاصا تفاوت تھا۔ مصر و شام، ہند و چین معاشی علوم و فنون میں اور اس کے ساتھ میں انبیاء سابقین کی لائی ہوئی تہذیب کے مٹے ہوئے آثار میں دوسرے ملکوں اور خطوں سے ممتاز

تھے۔ خصوصاً ملک شام میں انبیاء بنی اسرائیل اس کثرت سے مبعوث ہوئے تھے کہ مٹتے مٹتے بھی ان کی تعلیم کے بعض آثار وہاں قائم تھے۔

مگر رب العزت نے اپنے آخری رسول ﷺ کی پیدائش اور بعثت کے لیے ان سب مذہب اور تعلیم یافتہ ممالک سے ہٹ کر اس خطے کا انتخاب فرمایا جو نہ زراعتی ملک ہے نہ تجارتی، نہ صنعتی اور تعلیمی بلکہ اس ملک کے باشندوں کا امتیاز ہی یہ تھا کہ امین (یعنی اَن پڑھ) کہلاتے تھے۔ انہیں میں آپ ﷺ پیدا ہوئے انہیں میں جوان ہوئے انہیں میں مبعوث ہوئے۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (۲:۶۲) اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپ کے اسی کمال کو واضح فرمایا ہے کیوں کہ کسی ماہر بڑے ڈاکٹر کا کمال اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جب اس کو کسی سسکتے ہوئے قریب المرگ مریض کا علاج کرنا پڑے اور وہ اس میں کامیاب ہو۔ اہلِ عرب عموماً جاہل تھے۔ بجز ان چند افراد کے جو ملک شام وغیرہ میں جا کر کچھ تعلیم حاصل کر آئے تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بھی کہیں موقع نہیں ملا کہ کسی تعلیمی جگہ میں چندروز قیام کر کے وہیں سے کچھ سیکھ لیں۔

اس لیے آنحضرت ﷺ کا بھی اعلیٰ وصف اُمّی ہونا تھا۔ یہ یاد رہے کہ اُمّی کے معنی اَن پڑھ کے ہیں یعنی جس نے کسی انسان سے پڑھا نہ ہو۔ اس کے لیے لازم نہیں کہ وہ بے علم ہو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی سب سے پہلی نازل ہونے والی سورت اِقْرَاْ میں یہ بتلا دیا ہے کہ علم حاصل ہونے کی جیسے ایک صورت معروف و مشہور یہ ہے کہ استاد اور قلم کے ذریعہ حاصل کیا جائے۔ اسی طرح ایک صورت یہ بھی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بدون ان واسطوں کے براہِ راست علم عطا فرما دے۔ اسی لئے سورۃ مذکورہ میں۔ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ کے بعد۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۔ فرما کر اس دوسری قسم کی طرف اشارہ فرما دیا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اُمّی تھے آپ نے کسی معلّم یا استاد سے کچھ نہیں سیکھا مگر حق تعالیٰ نے آپ کی تعلیم کا خود تکفّل فرمایا اور آپ کو تمام علوم اولین و آخرین کے خزانے عطا فرما دیئے۔

اُمّی لوح خوانِ مَا اَوْحٰی نقد یثرب سلالہ بطحا

آپ ﷺ کی زبان مبارک پر علم وحکمت کے وہ راز کھلے جن کو سن کر دنیا کے عقلاء فلاسفر حیران رہ گئے آپ کی ہدایات اور تعلیمات خود ہی معجزہ اور بہت بڑا معجزہ بن کر لوگوں کے سامنے آئیں کہ ان کو سننے والا یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تصنیف نہیں بلکہ علیم وخبیر کی دی ہوئی ہدایات ہیں۔

آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت کی حیرت انگیز خصوصیات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف علم کے خزانے عطا فرمائے گئے بلکہ تعلیم و تربیت کے وہ انداز بھی آپ کو سکھلا دیئے گئے جن سے کام لے کر آپ ﷺ نے ان جاہل، ناسمجھ، خود رائے، مغلوب الغضب، جنگجو لوگوں کو انسان کامل کا پیکر بنا دیا۔ اور یہ قریب الموت بیمار نہ صرف شفایاب ہوئے بلکہ دنیا کے لیے مسیحا ثابت ہوئے۔ دنیا کے انصاف پسند غیر مسلم بھی آج تک ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی سیاست اور عدل وانصاف کا لوہا ماننے پر مجبور ہیں۔ مسٹر گاندھی کا وہ ہدایات نامہ ابھی تک بہت لوگوں کو یاد ہوگا جو انہوں نے اپنے کانگریسی وزراء کو لکھا تھا جس میں یہ ہدایات درج تھی کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ جیسی حکومت کرو۔ اور جب اس پر ان کے ہم مذہب بعض ہندوؤں نے غیرت عصبیت کی بنا پر یہ اعتراض کیا کہ آپ نے ہندو مصلحین میں سے کسی کا نام نہیں لیا تو مسٹر گاندھی نے اس کا جواب بھی اپنی انصاف پسندی سے یہ دیا کہ ہندو مصلحین کی حکایات زمانہ قبل از تاریخ کی کہانیاں ہو کر رہ گئی ہیں زمانہ تاریخ میں مجھے ابوبکرؓ وعمرؓ سے بہتر حکومت کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

یہ ابوبکرؓ وعمرؓ بھی اسی قوم امیین کے افراد تھے۔ یہاں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ ان کے یہ علمی اور عملی اخلاقی کمالات کہاں سے آئے یہ نہ کسی تعلیم گاہ کے فاضل تھے نہ کسی آکسفورڈ یونیورسٹی کے سند یافتہ۔ انہوں نے صرف نبی الانبیاء حکیم الحکماء کی چند روزہ صحبت پائی تھی جو کچھ سیکھا وہیں سے سیکھا۔

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں وہ چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم اور عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم تو خلافت راشدہ کے اعضاء ہیں اس کی وجہ سے تمام دنیا کی نظریں ان پر پڑتی ہیں لیکن جن لوگوں نے عرب کے حالات قبل از اسلام اور بعد از اسلام کا کبھی موازنہ کیا ہو وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک صحابی آپ کا مستقل معجزہ ہے ان کی علمی عملی اخلاقی کایا پلٹ بلاشبہ معجزہ ہی ہو سکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی عمر شریف کے چالیس سال تو ایسی خاموشی اور یکسوئی میں گزرے کہ مکے کے باشندے آپ کی ثقاہت و امانت اور شرافت و نفس کے تو ایسے قائل تھے کہ پورے مکے میں آپ کا لقب امین مشہور تھا۔ مگر کسی بازار کسی جلسے کسی ہنگامے میں کبھی شرکت نہ فرمائی۔

شعر و شاعری عرب کی فطری چیز تھی ہر مرد و عورت شعر کہتا اور اس کو اپنے قومی جلسوں میں سناتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان امتیاز کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ظاہری وجہِ شہرت سے بھی الگ رکھا اور قرآن میں فرمادیا۔ **فَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ** ''یعنی ہم نے ان کو شعر نہیں سکھلایا اور شعر گوئی آپ ﷺ کے لیے شایان شان بھی نہ تھی۔'' غرض چالیس سال تو بالکل خاموشی اور یکسوئی میں گزرے اس کے بعد جب آپ کو عہد نبوت و رسالت عطا ہوا۔ وحی الٰہی کا فیضان ہوا تو تاریخ شاہد ہے کہ زمانۂ نزول وحی کے ابتدائی تیرہ سال جو مکہ میں گزرے ہیں وہ آپ کے اور آپ کے رفقاء مسلمانوں کے لیے انتہائی سخت اور صبر آزما تھے۔

جہاں بلند آواز سے اذان دینے پر قدرت نہ تھی، جہاں دوستی کے جواب میں دشمنی، خیر خواہی کے جواب میں پتھراؤ، کلمۂ حق کے جواب میں گالیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان حالات میں کوئی اصلاحی اسکیم کتنے قدم چل سکتی اور بڑے سے بڑا مصلح اعظم کیا کرسکتا تھا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا داد صلاحیت اور حکمت و دانشمندی اور خلقِ خدا کی ہمدردی و خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ انتھک کوشش اور مایوس کن حالات سے مایوس نہ ہونا

ایسے اوصاف تھے جو بالآخر میدان جیت کر رہے۔

مکی دور زندگی انہیں حالات میں گزرا مدینہ طیبہ کی ہجرت کے بعد کا دس سالہ دور ایسا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے سکون واطمینان کا اور تعمیری پروگراموں کو بروئے کار لانے کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن یہی دس سالہ دور ہے جس میں بدر واحد، خندق وخیبر، فتح مکہ وحنین کے عظیم الشان معرکے اور اسی طرح کے ستائیس غزوات ہوئے جن میں خود سرورِ کائنات بہ نفس نفیس شریک ہوئے اور سینتالیس وہ معرکے ہیں جن میں خود تشریف نہیں لے گئے صحابہ کرامؓ کو بھیجا گیا جن کو سرایا کہا جاتا ہے ستائیس غزوات اور سینتالیس سرایا کل چوہتر معرکے ہیں جو ان دس سال میں سر کرنے پڑے۔ اس میں دوسری قوموں سے معاہدات اور ان کی طرف سے عہد شکنی کے واقعات بھی سامنے آئے۔ اگر دنیا اور اقوام دنیا کے حالات سے موازنہ کیا جائے تو کیا کسی کو کوئی تصور ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے نرغوں میں گھری ہوئی کوئی حکومت اپنے اس دس سالہ دور میں بھی کوئی تعمیری پروگرام بروئے کار لا سکتی ہے۔ لیکن دنیا کی آنکھوں نے دیکھا کہ اسی دس سالہ عہد نبوی ﷺ میں پورا جزیرۃ العرب اسلام کے زیر نگین آ گیا تھا اس کی ہر بستی اذان اور تلاوت قرآن کی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ اور اس کے ہر صوبے اور ہر خطے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال بڑے آب وتاب سے اسلامی قانون جاری کر رہے تھے۔

پورے قلمرو اسلامی میں عدل وانصاف مفت اور فوری اور جبری تھا۔ امن وامان کا یہ عالم کہ جس خطے میں صدیوں سے کسی کو آزادانہ سفر ممکن نہ تھا۔ ایک کمزور بڑھیا اس میں بڑی آزادی کے ساتھ سفر کرتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی آپ ہی کے عہد میں پوری ہو گئی تھی کہ ایک وقت آنے والا ہے جب کہ ایک آدمی صنعاء یمن سے حضر موت تک تنہا سفر کرے گا۔ اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ جس ملک میں کسی کی بہو بیٹی کی عزت محفوظ نہ تھی وہاں غیر محرم کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ لوگ جن کا پیشہ رہزنی تھا وہ عام لوگوں کے اموال کے نگران اور محافظ بن گئے تھے۔ خلیج فارس سے لے کر

حدودِ شام تک تو یہ امن وسلامتی اور سکون واطمینان خود عہد نبوی میں پہنچ چکا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر پچیس سال گزرنے نہ پائے کہ یہ اسلامی نظریہ اور نظام آپ کے صحابہ کرام کے ہاتھوں اپنی برقی رفتار سے بڑھکر پورے عالم میں پھیل چکا تھا۔

اسلام کی اس حیرت انگیز ترقی سے تو موافق ومخالف ساری دنیا ہی حیرت زدہ ہے یورپین مورخین کی کتابیں اس پر اظہار حیرت سے پُر ہیں۔ کچھ متعصب لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب ان کو کچھ سمجھ میں نہ آیا تو یہی کہنے لگے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے اور یہ ایسا جھوٹ ہے کہ شاید اس آسمان کے سائے میں ایسا بڑا جھوٹ کوئی نہ بولا گیا ہوگا۔ ساری باتوں سے قطع نظر کر کے کوئی پوچھے کہ جن لوگوں کو تلوار کی جھنکار اور تیروں کی بوچھاڑ کے سائے میں اسلام کا حلقہ بگوش بنالیا گیا ہو کیا ان کی یہی شان ہوتی ہے جو قرنِ اول کے عام مسلمانوں میں مشاہد کی جاتی تھی کہ اللہ اور اس کے رسول اور اسلام کے ایسے فدائی ہیں کہ اس کے مقابلہ میں نہ مال و دولت کی پرواہ ہے، نہ بیوی بچوں کی، نہ اپنے تن من کی، اور کوئی پوچھے کہ تلوار کا کام تو اسلام کے بالکل آخری دس سالوں میں ہوا ہے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے جو اسلام کی اشاعت اور اس میں داخل ہونے والوں کی کثرت نے قریش مکہ کو خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت کونسی تلوار چل رہی تھی ہاں اسلام سے روکنے کے لیے ہر تلوار اور ہر طاغوتی قوت پوری سرگرمی سے میدان میں آئی ہوئی تھی بلال حبشیؓ کے سینہ پر پتھر رکھ کر اس کو خدا کہنے سے روکا جاتا تھا۔ سلمان فارسیؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پوچھنے پر طمانچے لگائے جاتے تھے صہیبؓ رومی پر تیروں کی بوچھاڑ ہوتی تھی۔ ہر مسلمان ہونے والے پر کوئی ستم نہ تھا جو نہ توڑا جاتا ہو۔ مگر اللہ کے بندے تھے جو ان طاغوتی قوتوں کے زیر سائے موت سے کھلایاں کرتے ہوئے مسلمان ہو رہے تھے۔ ہاں یہ بھی سوچئے کہ تلوار تو جبھی چلی ہوگی جب تلوار چلانے والوں کا کوئی جتھہ کوئی قوت پیدا ہوگئی ہوگی تو کوئی پوچھے کہ ان تلوار چلانے والوں کو کس تلوار نے اسلام کا ایسا فدائی بنا دیا تھا کہ سر کو کفن باندھ کر ہر میدان میں سر بکف کھڑے نظر آتے تھے حقیقت یہ ہے کہ اس سفید جھوٹ کی تردید کرنا بھی

سچ کی توہین ہے۔

ہاں اسلام کی حیرت انگیز ترقی کو ممکن ہے کہ کچھ ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ سراسر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اسباب وتدبیر کا اس میں کچھ دخل نہیں لیکن غور کیا جائے تو یہ صحیح نہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بے شمار اور اپنی جگہ یقینی ہیں اور ان فتوحات میں بھی ان کا ظہور کھلا ہوا ہے لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ایک معجزہ اور خرقِ عادت تھا جو ہو چکا اب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نظریہ اور نظام درجۂ اسباب میں بھی ایسی چیزیں ہیں کہ جب ان کو پورا پورا عمل میں لایا جائے تو اس کے یہی آثار وبرکات ہر زمانے اور ہر ملک میں رونما ہو سکتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو

اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

ہمیں اپنے اس مقالہ میں درحقیقت یہی دکھلانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ جس نے عام دنیا کو ایک صحیح نظریہ اور مستحکم عادلانہ نظام دیا ہے۔ وہ بجائے خود دنیا کی امن وسلامتی کا ضامن ہے اس کی مزید توضیح کے لیے آیئے ذرا اس نظام کا تجزیہ کر کے دیکھیں کہ اس میں وہ کونسی روح ہے جس کے جلو میں دنیا کی امن وسلامتی گردش کرنا چاہتی ہے، یاد رکھئے! کسی عالم گیر تحریکِ اصلاح کے لیے یہ ظاہر ہے کہ کسی کی انفرادی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی اجتماعی کام کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ اس میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے ہر قوم وملت میں جب کوئی اصلاحی تحریک اُٹھائی جاتی ہے تو اس کے پیچھے قوم کی اجتماعی قوت ہی کام کرتی ہے۔

لیکن یہاں ایک دھوکہ بڑے بڑوں کو لگ جاتا ہے اور عام دنیا اسی دھوکہ کی شکار ہے جس کی وجہ سے ان کی اجتماعی کوششیں عالمگیر اصلاح کے معاملہ میں ناکام ہو جاتی ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اجتماع اور اجتماعی قوت کا کوئی الگ وجود نہیں ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہو یا زمین سے اگتا ہو بلکہ افراد کے مجموعے کا نام اجتماع اور ان کی مجموعی طاقت اجتماعی

طاقت ہوتی ہے۔ اگر کسی قوم کے افراد صحیح نہیں تو ان کا اجتماع بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ بوگس و ناکارہ افراد کی بھیڑ کوئی اصلاحی کام نہیں کر سکتی بلکہ اس کو باقی نہیں رکھ سکتی۔ افراد کا درجہ اجتماع میں ایسا ہے جیسے مشین میں اس کے پرزوں کا، جب پرزے ہی درست نہ ہوں تو مشین کی فٹنگ کیسے درست ہو سکتی ہے اور کسی طرح فٹ بھی کر دیا تو وہ دیر تک چل نہیں سکتی۔

حکیم الحکماء خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گُر کو سمجھا اور اختیار فرمایا ہے کہ کوئی اجتماعی کام کرنے سے پہلے افراد سازی کا کام سب سے زیادہ اہم ہے، اور درحقیقت یہی کام سب سے زیادہ مشکل بھی ہے ایک فرد کے ذہن کو صحیح نظریے پر ہموار کرنا پھر اس کے اعمال و اخلاق اس نظریہ کے مطابق ڈھالنا بڑا وقت اور بڑی محنت چاہتا ہے۔ عطاء نبوت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کل تئیس سال باقی ہے جس میں سے مکی دور کے تیرہ سال پورے صرف اسی افراد سازی کے کام میں صَرف ہوئے ہیں۔

مکی اور مدنی دور کا تجزیہ کرنے والے بعض حضرات اس کو ضعف وقوت کی دو حالتوں میں تقسیم کر کے مکی دور کو ضعف کا اور مدنی کو قوت کا دور قرار دیتے ہیں اور احکام و واقعات کو اس کے تابع کرتے ہیں۔

لیکن غور کیا جائے تو صرف ضعف وقوت ہی تفاوت احکام کا سبب نہیں بلکہ دوسری حکمتیں بھی اس میں مستور ہیں۔ ورنہ مشرکین مکہ کی زیادتیوں کا کچھ نہ کچھ مقابلہ ضعف کے باوجود مکہ میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ بظاہر حکمت یہ تھی کہ مکی دور میں افرد سازی ہی کا کام پیش نظر تھا۔ کوئی اجتماعی کام خواہ دفاع کا ہو یا اقدام کا اس کی تکمیل سے پہلے صحیح نہ تھا۔ جب تک کسی مشین کے پرزے درست نہ ہوں تو ان سے کوئی مشین اور فیکٹری کیسے تیار کی جا سکتی ہے۔

آپ ﷺ کا پہلا کارنامہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں امن اور اطمینان وسکون کے علمبردار ہو کر تشریف لائے تو آپ کی نظر حقیقت شناس اس پر پڑی کہ یہ کام نہ تنہا کسی حکومت وسلطنت

سے ہوسکتا ہے۔ نہ صرف قانون اور قانونی مشینری سے۔ جب تک انسان کو صحیح معنوں میں انسان نہ بنایا جائے اور اس کو صحیح انسانیت سے روشناس نہ کیا جائے اس وقت تک یہ دنیا ظلم و جور، قتل و غارت گری، بے حیائی و بد معاشی کا جہنم ہی بنی رہے گی۔ کیوں کے حکومت کوئی کام اپنے اعوان و انصار ہی کے ذریعے عمل میں لاسکتی ہے۔ اور کوئی قانون خود کار مشین نہیں ہوتا کہ خود بخود چلے بلکہ اس کو نافذ کرنے والے انسان ہی ہوتے ہیں۔ جب انسان صحیح معنی میں انسان نہ ہوں تو کوئی قانون اور کوئی دستور اور کوئی حکومت فاسد کی اصلاح، جرائم کا سد باب اور دنیا میں امن و امان پیدا نہیں کرسکتی۔ اس لیے مکی دور کے تیرہ سال پورے اس افراد سازی کے کام پر صرف کیے گئے جس میں پیغمبرانہ حکمت کے ساتھ کچھ انسانوں کو انسان کامل بنایا گیا۔

یہ افراد سازی کا کام مکہ مکرمہ کے ایک گمنام گوشے میں ایک چھوٹے سے مکان کے اندر ہوتا تھا جو دار ارقم کے نام سے موسوم، صفا مروہ کے درمیان واقع تھا۔ اور حالیہ توسیع حرم سے پہلے تک موجود محفوظ تھا۔ عمر ابن خطابؓ اسی مکان پر ننگی تلوار لیے ہوئے پیغمبر امن و سلامتی کا قصہ ختم کرنے کے قصد سے آئے اور پھر اسلام کے حلقہ بگوش ہو کر آپ کی غلامی کی سعادت لے کر لوٹے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرح کسی خاص قوم یا خاص خطۂ ملک یا خاص زمانہ کے رسول بن کر نہیں آئے تھے بلکہ آپ کی بعثت اور دعوت پوری دنیا کے جن و انس کے لیے اور تا قیامت پیدا ہونے والی نسلوں کے لئے عام تھی۔ اور فرض منصبی آپ کو یہ سپرد تھا کہ پورے عالم کی اصلاح کر کے سب انسانوں کو دنیا میں امن و سکون اور عزت و عافیت کی زندگی عطا کریں اور ان کو اس قابل بنائیں کہ آخرت میں اپنے رب کے سامنے سرخرو ہو کر وہاں کی دائمی راحت کے وارث بنیں۔ اس مقصد کے لیے سب سے پہلا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ انسانوں کا ایک مثالی معاشرہ پیدا کرنا تھا جو اس عظیم مقصد میں آپ کے دست و بازو بنیں اور آئندہ اس بارگراں کو خود سنبھالنے کے قابل

ہوں یہ افراد سازی کا عظیم الشان کام جو دارارقم کے گمنام گوشے میں شروع ہوا تھا اس کا مختصر عنوان تو انسان کو انسان کامل بنانا ہے۔ اور اس کی تفصیل وتشریح وہ پورا قرآن ہے جو مکی دور نبوت میں نازل ہوا جس کی ہدایات کا تجزیہ کرنے سے چند چیزیں نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہیں جن کو انسان کامل بنانے میں خاص دخل ہے۔(۱) اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت (۲) فکر آخرت (۳) دنیا کی چند روزہ زندگی اور اس کی راحت وکلفت کی حقیقت کا انکشاف۔(۴) مخلوقات کے ساتھ معاملے میں ان کے حقوق کی پوری ادائیگی اور اپنے حقوق سے چشم پوشی۔ ان کی ایذاؤں پر عفوودرگزر اور اپنی طرف سے ہر حال میں ان کی خیر خواہی اور ہمدردی۔

مکی دور نبوت کی تمام صورتوں اور آیتوں کو بغور مطالعہ کیجئے تو ان میں انہیں اصولوں کی تعلیم وتلقین اور معجزانہ انداز سے انسان کے ذہن ان کے لئے تیار کرنے کا انتظام پایا جائے گا۔

ابتداء وحی کے وقت کی ابتدائی سورتوں کو پڑھیئے تو ان میں سب سے زیادہ زور ذکر اللہ کی کثرت اور حسن عبادت پر دیا گیا ہے اور اس پر کہ تمام پیش آنے والے واقعات وحالات سب اللہ تعالیٰ کے اذن ومشیت کے تابع ہیں اس کے بغیر کسی دوست ودشمن کی مجال نہیں کہ کسی کو کوئی نفع یا نقصان پہنچائے۔ اور یہ کہ اپنے تمام کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کیا جائے۔ قیامت کے حساب وکتاب اور جزاء وسزا جنت ودوزخ کی فکر سے کسی وقت غافل نہ ہوں۔ اور یہ کہ دنیا کی زندگی اور اس کی ہر راحت وتکلیف فانی ہے اس پر زیادہ دھیان نہ دیا جائے بلکہ بقدر ضرورت وحاجت روائی اس کو رکھا جائے۔ زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کا ذکر وعبادت اور اس کو راضی کرنا ہو اور اس راستے میں جتنی مشکلات پیش آئیں مردانہ واران کو عبور کیا جائے۔ اور جو مصائب سامنے آئیں ان پر صبر وثبات سے کام لیا جائے۔ لوگ اگر تمہارے حقوق ادا نہ کریں یا تم پر ظلم کریں تو تم چشم پوشی اور عفوودرگزر سے کام لو۔ اور ان کی خیر خواہی کو کسی حال میں نہ چھوڑو۔ ان کے جو حقوق تمہارے ذمہ ہیں ان کو

پورا پورا ادا کرو۔ سورۂ اقراء، فاتحہ، مزمل، مدثر جو بالکل ابتدائی سورتیں ہیں ان کا ترجمہ ہی پڑھ لیجئے تو اس کی پوری تصدیق ہو جائے گی۔ اور خلاصہ ان تمام تعلیمات کا یہ ہے کہ انسان کے رخ کو ایک خدا کی طرف پھیر کر اس کے تمام ارادوں اور خواہشات کو حق تعالیٰ کی مرضی کے تابع بنا دیا جائے۔ جس طرح اس کی عبادت صرف اللہ کے لیے ہے۔ اسی طرح اس کے تمام دنیاوی کاروبار، کھانا پینا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا اور جینا مرنا، دوستی دشمنی حب و بغض بھی مرضی مولا کہ تابع ہو جائے۔

انّ صَلاتِي وَنُسُكِي وَمَحيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰه رَبِّ العالمين کا یہی مطلب ہے حدیث صحیح میں اسی کو کمال ایمان کی علامت بتلایا گیا ہے۔ مَن أحبَّ للّٰه و أبغَضَ لِلّٰهِ فَقَد اسْتَكمَلَ اِيمَانَهُ (بخاری و مسلم) (یعنی جس شخص نے اپنی محبت بھی اللہ کے لیے وقف کر دی اور بغض و دشمنی بھی اسی کے لیے اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا) اسی صفت کے حاصل ہونے سے انسان انسان کامل اور پورے عالم کے لئے وجہ سکون و اطمینان بنتا ہے۔ یہی وہ انسان ہوتا ہے جس سے نہ کسی چوری اور بدمعاشی کا اندیشہ، نہ دھوکہ فریب یا ایذا رسانی کا خطرہ۔ نہ گروہی عصبیت اس کے پاس آتی ہے، نہ دولت دنیا کی ہوس خام اس کے دامن دل کو داغدار کرتی ہے۔ اس کو دھن ہی ایسی لگی ہے کہ لوگوں سے اپنے حقوق وصول کرنے کی بھی فرصت نہیں دوسروں کے حقوق غصب کرنے کا احتمال کہاں،

خود چہ جائے جنگ و جدل نیک و بد　　　کین و لم از صلحا ھم می رمد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ساری دنیا سے مختلف ایک نظریہ لے کر تشریف لائے اور پوری عالم میں اس نظریے کو عام کرنے اور سب کو اس کے زیر اثر چلانے کی مہم ساتھ لائے آپ نے اس عظیم مقصد کے لیے نہ ٹینک اور ہوائی جہاز بنائے، نہ قلعہ شکن توپیں اور نہ ایٹم بم اور نہ عالم گیر انداز میں کسی اجتماع اور جماعت سازی کی فکر فرمائی۔ بلکہ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جس قدر انسان آپ کے ساتھ لگ سکے ان کو مذکورہ بنیادوں پر فرشتہ خصلت بلکہ فرشتوں سے بالاتر ایک مخلوق بنا دیا جو نتیجہ تھا قرآن کریم کی تعلیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی تربیت کا۔

قرآن ورسول کی تعلیم وتربیت سے جو مقدس گروہ پیدا ہوا حق تعالیٰ نے اس کا نام حزب اللہ رکھ کران کی فلاح دنیا وآخرت کی ضمانت دے دی "اُولٰئِکَ حِزبُ اللہ اَلآ اِنَّ حِزبَ اللہ ھُمُ المُفلِحُون۔ یہ اللہ کا گروہ ہے خوب سن لو کہ اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔"

اس حزب اللہ کی صفات اور خصوصیات قرآن کریم نے مختلف سورتوں میں مختلف عنوانات سے بیان فرمائی ہیں۔ اس گروہ حزب اللہ کی خصوصیات اور صفات پر مشتمل قرآن کریم کی آیات بے شمار ہیں ان آیات سے اس گروہ کی خصوصیات کا ایک خاکہ سامنے آجاتا ہے جس سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گروہ کی تعلیم وتربیت کس نصاب اور کن خطوط پر فرمائی تھی اور آج کوئی شخص یا جماعت اگر اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو اور صحیح انسان اور اچھے افراد پیدا کرنا چاہے تو ان کو یہ کام کس طرح اور کن اصول پر انجام دینا چاہیے۔

اُن آیات سے حزب اللہ کی خصوصیات کا جو خاکہ حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے:۔

(آیات سورہ بقرہ سے)

(۱)......اللہ تعالیٰ، روزِ آخرت، ملائکہ، قرآن اور تمام انبیاء پر کامل ایمان۔

(۲)......اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں کی امداد اور غلاموں کی رہائی پر اپنا محبوب مال خرچ کرنا۔

(۳)......نماز قائم کرنا (یعنی اس کے آداب وشرائط کے موافق ادا کرنا)

(۴)......مال کی زکوٰۃ واجبہ ادا کرنا۔

(۵)......کسی سے جو معاہدہ ہوجائے اس کو پورا کرنا۔

(۶)......مصیبت اور فقر وفاقے اور دشمن دین سے جنگ کے وقت ثابت قدم رہنا

یہ چھ خصوصی اوصاف ہیں جن کے حاملین کو قرآن کی زبان میں صادقین اور متقین کا

خطاب دیا گیا ہے۔

(سورہ مؤمنین کی آیات سے)

(۷)......نماز میں خشوع۔ یعنی غیر ضروری حرکات سے سکون خواہ حرکت جسمانی ہو یا ذہنی اور فکری۔

(۸)......لغو سے اعراض و پرہیز۔ لغو سے مراد ہر وہ کام۔ کلام اور مجلس ہے جسمیں دین یا دنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

(۹)......باطنی پاکی کا اہتمام۔ یعنی عقائد فاسدہ اور اخلاق مذمومہ سے اپنے قلب کو پاک کرنا۔

(۱۰)......اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا۔ بجز ان صورتوں کے جن کی بذریعہ نکاح وغیرہ اللہ نے اجازت دی ہے۔

(۱۱)......اپنے ہر عہد و پیان پر مضبوطی سے قائم رہنا۔

(۱۲)......سب نمازوں کی پابندی اور احترام۔

(سورہ نور کی آیات سے)

(۱۳)......اللہ کی یاد۔ نماز اور روزے زکوٰۃ کا ایسا اہتمام جو دنیا کی ساری فکروں پر غالب ہو اور دنیا کے ہر کاروبار کے ساتھ قائم رہے۔

(۱۴)......روز قیامت اور اس کے حساب کا خوف۔

(۱۵)......اپنی چال ڈھال میں تواضع اور عجز بندگی کو سامنے رکھنا۔ تفاخر اور تکبر سے پرہیز کرنا۔

(۱۶)......لڑنے جھگڑنے والوں کے ساتھ سلامت روی کا معاملہ کرنا۔

(۱۷)......رات کے اکثر حصے کو رکوع، سجدے، اور عبادت میں گزارنا۔

(۱۸)......عذاب جہنم سے پناہ مانگنا۔

(۱۹)......خرچ کرنے میں اعتدال سے کام لینا کہ نہ اپنی وسعت سے زیادہ خرچ

کریں اور نہ کنجوسی سے کام لیں۔

(۲۰)......اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک یا برابر نہ ٹھہرانا۔

(۲۱)......ناحق کسی کو قتل نہ کرنا۔

(۲۲)......زنا اور بدکاری سے مکمل پرہیز کرنا۔

(۲۳)......جھوٹ کے قریب اور گناہ کی مجالس میں شریک نہ ہونا۔

(۲۴)......اگر کسی بیہودہ کام یا مجلس سے سابقہ پڑ جائے تو شریفانہ انداز سے گزر جانا۔

(۲۵)......اللہ تعالیٰ کے احکام و آیات کو صحیح سمجھنے کی فکر کرنا ان پر اندھا دھند عمل کرنے سے بچنا۔

(۲۶)......اپنے ساتھ اپنے اہل و عیال کی اصلاح کے لیے کوشش اور دعا کرنا۔

(سورۃ فتح کی آیات سے)

(۲۷)......کفر و کافر کے مقابلے میں سخت اور دلیر ہونا اسلام اور مسلمانوں کے مقابلے میں رحم و کریم ہونا۔

(۲۸)......عام اوقات کا (جو ضرورت سے فارغ ہوں) مشغلہ ہی نماز اور رکوع سجدہ ہونا۔

(۲۹)......ان کے چہروں میں نماز کے آثار و علامات موجود ہونا۔

(۳۰)......تمام معاملات میں صرف اللہ کی رضا جوئی کا اہتمام کرنا۔

یہ ہیں وہ اوصاف اور خصوصیات جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن ان پڑھ لوگوں میں پیدا کیے جن کی اعتقادی، عملی، علمی، اخلاقی یا تمدنی کوئی کل سیدھی نہ تھی۔ جس کو دیکھ کر اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر صحابی آپ کا زندہ اور چلتا پھرتا معجزہ ہے تو کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ یہ تمام اوصاف کمال اور اخلاق حسنہ اسی توحید و رسالت اور خوف آخرت کے پھل پھول ہیں جو اسلام کے بنیادی

نظریہ کی حیثیت سے ان حضرات کے قلوب میں سمویا گیا تھا۔

دارِارقم کو اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ کہو یا سب سے پہلی خانقاہ اسی میں اس قدسی گروہ کی ابتداء ہوئی اور اسی میں ان پر یہ صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) چڑھا۔ اور یہی وہ رنگ ہے جو کسی رنگ سے محروم نہیں ہوتا یہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کارنامہ اور اسلام کا پہلا سرمایہ اور اصلی طاقت ہے جس نے برقی رفتار سے دنیا کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔

آپ ﷺ کا دوسرا کارنامہ ماحول یا سوسائٹی کی اصلاح

یہاں تک کچھ افراد خاموشی کے ساتھ بنائے گئے جو نظریہ اسلام کے رنگ میں پختہ ہو کر نظام اسلام کے عمود بنے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو مہم تھی وہ صرف مکہ یا حجاز والوں ہی کی اصلاح کی نہ تھی بلکہ پوری دنیا کے مشرق و مغرب اور موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے آپ کی دعوت عام تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جتنے افراد دشمنوں کے نرغہ اور ہر طرح کے مصائب و تکلیف کو برداشت کر کے اس وقت تیار ہوئے تھے۔ وہ پورے عالم کی ہم گیر اصلاح کا کام پورا نہیں کر سکتے تھے۔

اس لیے اب دوسرا قدم اس صبغۃ اللہ کو عام کرنے اور حزب اللہ کے افراد بڑھانے اور پھیلانے کی طرف اٹھایا گیا۔ وہ بھی عام دنیا کے مروجہ طریقوں سے مختلف ایک انوکھے انداز سے خالص فطری اصول پر اس طرح اٹھایا گیا کہ۔ اس مکتب فکر کے ہر تربیت یافتہ شخص پر فرض کر دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے ماحول کو اپنے رنگ کے مطابق بنانے میں اپنی پوری کوشش اور پوری توانائی کو خرچ کرے۔ اور اس راہ میں جان و تن کی بازی لگا دے۔ اور جو ہر کوشش و تدبیر کے بعد بھی ہم رنگ نہ ہو اس سے اپنی برات اور قطع تعلق کا اعلان کر کے اس کو اپنے ماحول سے علیحدہ کر دے۔

تجربہ شاہد ہے کہ کسی فرد یا قوم کے بننے اور بگڑنے کا اصل مدار اس کے ماحول اور

سوسائٹی پر ہی ہوتا ہے۔ انسان فطرتاً اس سے متاثر ہو کر غیر شعوری طور پر بھی اس کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ جب تک انسان کا ماحول درست نہ ہو تو کوئی تعلیم و تربیت کام نہیں دیتی اور اپنے ماحول اور گردوپیش میں ایک بھی غیر جنس کا آدمی ہو تو وہ بھی ماحول کو درست کرنے میں سنگ گراں بن جاتا ہے بڑا ہی حکیمانہ مقولہ ہے: کہ

از مصاحب ناجنس احتراز کیند

اسی لئے قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص پر یہ ذمہ داری عائد کر دی کہ وہ جس طرح اپنے عمل کی اصلاح کی فکر کرے اسی طرح اپنے اہل و عیال اور خاص احباب کی اصلاح کے لیے بھی ایسی ہی کوشش کرے۔ قرآن کریم نے فرمایا: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا یعنی ''بچاؤ'' اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے'' اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کلکم راعٍ و کُلُّكم مَسئُول عن رَعيَتِهٖ یعنی تم میں سے ہر ایک اپنے کنبہ پر نگراں اور ذمہ دار ہے اور قیامت کے روز اس سے اپنے اعمال کی پرسش کے علاوہ اپنے اہل و عیال کے اعمال کا بھی سوال ہوگا۔ اہل و عیال کی اصلاح کی ایک قسط یہ بھی تھی کہ نئے پیدا ہونے والے بچوں کو شروع ہی سے ایسی تربیت دی جائے کہ ان کے قلب و دماغ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے رنگے ہوئے ہوں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی حکیم الحکماء سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصول وضع فرمائے وہ بھی ایسے فطری اور موثر ہیں کہ بغیر کسی مشقت کے بچے کی نشو و نما کے ساتھ ساتھ اس کا ذہنی اور اخلاقی ارتقا خود بخود ہوتا چلا جائے۔ سب سے پہلا کام جو بچے کی پیدائش کے متصل ماں باپ پر لازم کیا وہ یہ ہے کہ اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جائے۔ نرے فلسفہ کے طبعی کے پرستار تو کہیں گے کہ فضول حرکت ہے جو بچہ ابھی اپنی ماں کی زبان بھی نہیں سمجھتا اس کے کان میں **حی علی الصلوۃ. حی علی الفلاح** کے عربی جملے ڈالنے سے کیا فائدہ۔ مگر حقیقت شناس سمجھتے ہیں کہ یہ الفاظ درحقیقت ایمان کا بیج ہیں جو کان کے راستہ سے بچے کے دل میں ڈالا گیا ہے اور یہی بیج پرورش پا کر کسی وقت تناور

درخت بنے گا۔

دوسرا کام یہ کہ جب بچہ زبان کھولنے لگے تو اس کو سب سے پہلے اللہ کا نام سکھاؤ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بچوں کی زبان کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه سے کھلواؤ اور یہی کلمہ موت کے وقت ان کو یاد دلاؤ (رواہ الحاکم عن ابن عباس) گویا دنیا میں دخول وخروج اسی کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ ہی کے ساتھ ہونا چاہیے۔

پھر جب کچھ سمجھنے بوجھنے کے قابل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت اس کے دل نشین کرے۔اور سنت کے مطابق ادب وتہذیب سکھائے۔بچے کے سامنے جھوٹ بولنے غیبت کرنے سے خود بھی پرہیز کرے کہ بچہ ان بری چیزوں کا عادی نہ بن جائے۔ بچے کے ہاتھ سے اچھے کاموں میں خرچ کرائے کہ بخل اس کی طبیعت میں جگہ نہ پائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھے اخلاق سے بہتر کوئی دولت نہیں بخشی۔اور فرمایا کوئی شخص اپنے بچے کو ادب وتہذیب سکھائے یہ اس سے بہتر ہے کہ ہر روز بقدر ایک فطرہ کے مساکین پر صدقہ کیا کرے۔ (تحفہ بحوالہ معجم طبرانی)

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کی یہ دعا مذکور ہے۔رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ ۔ یعنی اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیبیوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا آنکھوں کی ٹھنڈک یہ ہے کہ ان کو اللہ کی اطاعت میں لگا ہوا دیکھے۔اس طرح ہر شخص پر اس کے متعلقین کی اصلاح کی ذمہ داری ڈال کر اور اس کو اصلاح وتربیت کے سہل اصول سکھا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر گھر کو ایک تعلیم گاہ بنا دیا جس میں غیر شعوری طور پر ہر چھوٹا بڑا صحیح انسانیت کے آداب نہ صرف جانتا ہے بلکہ عملاً اس کا خوگر بنتا ہے۔ (بحوالہ چیدہ چیدہ از پیغمبر امن وسلامت)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۸۴

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صحابہ جیسی عظیم جماعت عطا فرمائی

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے چراسی نمبر خصوصیت شروع کی جارہی ہے جس کا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صحابہ ﷺ جیسی عظیم جماعت عطا فرمائی" جیسا کہ پہلے بھی آپ پڑھتے آئیں ہیں اور یہاں بھی عرض کروں کہ اس خصوصیت کو بھی اللہ کے فضل سے میں نے روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے، وہ عظیم روضہ جہاں میرے آقا ﷺ کے ساتھ دو فرشتہ صفت ساتھی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق ؓ اور حضرت سیدنا عمر فاروق ؓ آرام فرما ہیں اور میں یہاں بیٹھ کر ان صحابہ ؓ ہی کی شان میں اپنے قلم کو چلا رہا ہوں اور آقا ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کے بارے میں اپنے لکھے گئے مضامین کو فائنل ترتیب دے رہا ہوں، بحمد اللہ یہ میرے لئے بہت بڑی سعادت کی بات ہے اور اس پر میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کا جس قدر شکر ادا کروں کم ہے، خداوند قدوس میری اس کاوش کو مقبول و منظور فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی یہ خصوصیت بھی بہترین خصوصیت ہے، جس خصوصیت سے دیگر انبیاء کرامؑ کے دامن خالی نظر آتے ہیں اگر چہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر نبی کے صحابہ ہوا کرتے تھے اور بڑے ایمان والے، اپنے انبیاءؑ کے لئے گردنیں کٹوانے والے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور ﷺ کو جو صحابہ ؓ کی جماعت عطا فرمائی تھی اس کا مقابلہ دیگر امتوں کے برگزیدہ لوگ کبھی نہیں کر سکتے ہمارے آقا ﷺ کے ایک ایک ساتھی کی شان بڑی اونچی اور نرالی ہے، جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں گے، جسے ہم نے عین قرآن وحدیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے دعا کیجئے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ ؓ جیسا دین کا شوق اور جذبہ عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت سے متعلق تفصیلی مضامین ملاحظہ فرمایئے:۔

چراسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن میں آپ ﷺ کے صحابہ ؓ کا ذکر خیر

آیت نمبر۱......لَقَدْ تَّابَ اللہُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بعد مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُم ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ. وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا . حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الأَرضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللہِ إِلَّا إِلَيْهِ .ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا . إِنَّ اللہَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ. (التوبۃ:۱۱۷،۱۱۸)

ترجمہ......اللہ مہربان ہوا نبی پر، اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے، پھر مہربان ہوا ان پر، بیشک وہ ان پر مہربان ہے رحم والا۔ اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا، یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے، اور تنگ ہوگئیں ان پر ان کی جانیں، اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے، مگر اسی کی طرف، پھر مہربان ہوا ان پر تا کہ وہ پھر آئیں بے شک اللہ مہربان رحم والا۔

آیت نمبر۲......لَقَدْ رَضِيَ اللہُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا. وَّمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَّأْخُذُونَهَا، وَكَانَ اللہُ عَزِيزًا حَكِيمًا. (الفتح:۱۸،۱۹)

ترجمہ......تحقیق اللہ خوش ہوا، ایمان والوں سے، جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے، پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا۔ پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔"

آیت نمبر۳...... وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا، ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (التوبہ:۱۰۰)

ترجمہ......اور جولوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے، اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کررکھے ہیں واسطے ان کے باغ، کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں، رہا کریں ان ہی میں ہمیشہ، یہ ہے بڑی کامیابی۔

آیت نمبر۴...... لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ، وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ، وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (الحشر:۸،۹)

ترجمہ......واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے، جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے، اور اپنے مالوں سے، ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل، اور اس کی رضامندی اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ وہ لوگ وہی ہیں سچے اور جولوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں، ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے، اور اگر چہ ہو اپنے اوپر فاقہ اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے۔

آیت نمبر۵...... اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ، ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ، ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ، وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ(الزمر)

ترجمہ...... اللہ نے اتاری بہتر بات کتاب آپس میں ملتی، دہرائی ہوئی، بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے، پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر۔ یہ ہے راہ دینا اللہ کا، اس طرح دیتا ہے جس کو چاہے اور جس کو راہ بھلائے اللہ اس کو کوئی نہیں سجھانے والا۔

آیت نمبر۶ ...... اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ . تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ. فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ، جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. (السجدہ:۱۵تا۱۷)

ترجمہ...... ہماری کتابوں کو وہی مانتے ہیں کہ جب ان کو سمجھائے ان سے، گر پڑیں سجدہ کر کر، اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اور بڑائی نہیں کرتے۔ جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا رکھی ہے ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک، بدلا اس کا جو کرتے تھے۔

آیت نمبر۷...... وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ. وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ .وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ. وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ . (الشوریٰ:۳۶تا۳۹)

ترجمہ...... اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے، بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے واسطے ایمان والوں کے، جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے اور جو لوگ کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی سے اور جب غصہ آوے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔ اور جنہوں نے حکم مانا اپنے رب کا اور قائم کیا نماز کو اور کام کرتے ہیں مشورہ سے آپس کے۔ اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ کہ جب ان پر ہووے چڑھائی تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔

آیت نمبر ۸...... مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ، فَمِنْهُم مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُم مَّنْ يَّنْتَظِرُ ، وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا . لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِينَ بِصِدْقِهِم وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِينَ اِن شَآءَ اَو يَتُوبَ عَلَيهِم . اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا . (الاحزاب:۲۳،۲۴)

ترجمہ...... ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے، پھر کوئی تو ان میں پورا کر چکا اپنا ذمہ۔ اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھ رہا اور بدلا نہیں ایک ذرہ۔ تا کہ بدلہ دے اللہ سچوں کو ان کے سچ اور عذاب کرے منافقوں پر اگر چاہے یا توبہ ڈالے ان کے دل پر بے شک اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

آیت نمبر ۹...... اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُل هَل يَستَوِى الَّذِينَ يَعلَمُونَ. (الزمر:۹)

ترجمہ...... بھلا ایک جو بندگی میں لگا ہوا ہے رات کی گھڑیوں میں، سجدے کرتا ہوا اور کھڑا ہوا، خطرہ رکھتا ہے آخرت کا اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہربانی کی۔ تو کہہ کوئی برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ۔''

پہلی کتابوں میں آپ ﷺ اور صحابہؓ کا ذکرِ خیر

عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے حضور ﷺ کی وہ صفات بتائیں جو توریت میں آئی ہیں۔

انہوں نے فرمایا: ''بہت اچھا خدا کی قسم! توریت میں بھی حضور ﷺ کی وہی صفات بیان ہوئی ہیں جو قرآن میں ہیں۔''

چنانچہ توریت میں ہے: ''اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور امیوں کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے، نہ آپ سخت گو ہیں نہ بازاروں میں شور

کرنے والے ہیں، اور نہ آپ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ لوگ "لا الہ الا اللہ" کہہ کر ٹیڑھے کو سیدھا کریں گے۔ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دیں گے۔" (البخاری)

حضرت وہب بن منبہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں داؤدؑ کو یہ وحی فرمائی کہ: "اے داؤدؑ! تمہارے بعد عنقریب ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد اور محمد (ﷺ) ہوگا۔ وہ سچے اور سردار ہوں گے میں ان سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا اور نہ ہی وہ مجھے کبھی ناراض کریں گے۔ اور میں نے ان کی اگلی پچھلی تمام لغزشیں کرنے سے پہلے معاف کر دیں ہیں اور رسولِ اکرم ﷺ کی امت میری رحمت سے نوازی ہوئی ہے۔ میں نے ان کو وہ نوافل عطا کئے جو انبیاء کو عطا کئے اور ان پر وہ چیزیں فرض کیں۔ حتیٰ کہ وہ قیامت کے دن میرے پاس اس حال میں آئیں گے کہ ان کا نور انبیاء کے نور جیسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرمادیا کہ: اے داؤد میں نے محمد ﷺ کو اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے حضرت کعبؓ سے فرمایا کہ مجھے حضور ﷺ اور آپ کی امت کی صفات بتائیں۔

انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب (توریت) میں ان کی یہ صفات پاتا ہوں کہ احمد (ﷺ) اور ان کی امت اللہ کی خوب تعریف کرنے والے ہیں۔ اچھے برے ہر حال میں "الحمدللہ" کہیں گے اور چڑہائی پر چڑھتے ہوئے "اللہ اکبر" کہیں گے اور نیچائی پر اترتے ہوئے "سبحان اللہ" کہیں گے۔

ان کی آذان آسمانی فضا میں گونجے گی۔ وہ نماز میں ایسی دھیمی آواز سے اپنے رب سے ہمکلام ہوں گے۔ جیسے چٹان پر شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ اور فرشتوں کی صفوں کی طرح ان کی نماز میں صفیں ہوں گی، اور نماز کی صفوں کی طرح ان کی میدان جنگ میں صفیں ہوں گی، اور جب اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے چلیں گے، تو مضبوط نیزے لے کر فرشتے ان کے آگے پیچھے ہوں گے، اور جب وہ اللہ کے راستے میں صف بنا کر

کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر ایسے سایہ کئے ہوں گے۔ (آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا) جیسے کہ گدھ اپنے گھونسلے پر سایہ کرتے ہیں۔ اور میدان جنگ سے یہ لوگ کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اس جیسی ایک اور روایت بھی منقول ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ: "ان کی امت اللہ کی خوب تعریف کرنیوالی ہوگی، ہر حال میں "الحمدللہ" کہیں گے اور ہر چڑھائی پر چڑھتے ہوئے "اللہ اکبر" کہیں گے۔ (اپنی نمازوں کے اوقات کے لئے) سورج کا خیال رکھیں گے پانچوں نماز اپنے وقت پر پڑھیں گے اگر چہ کوڑے کرکٹ والی جگہ پر ہوں میان کمر پر لنگی باندھیں گے، اور وضو میں اپنے اعضاء کو دھوئیں گے۔" (بحوالہ حیات الصحابہؓ حصہ اول)

صحابہ کرامؓ حقیقی مومن تھے

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں مؤمنوں کی جتنی خصوصیات صفات اور اخلاق بیان کئے ہیں اور ان کے لئے جتنی بھی بشارتیں اور عظمتیں ذکر کی ہیں وہ ساری خصوصیات اور صفات سب سے پہلے صحابہ کے لئے ثابت ہونگی بعد میں کسی اور کے لئے ہوں گی اگر قرآن یہ بتلاتا ہے کہ مؤمن سچے ہیں، نیکوکار ہیں ان کے ساتھ اللہ ہے مؤمنوں کے لئے اجر کریم ہے، اجر کبیر ہے، اجر عظیم ہے۔

مؤمنوں کے لئے مغفرت ہے، بشارت ہے، جنت ہے، ہدایت ہے، راحت ہے، عزت ہے، مؤمنوں پر اللہ کی رحمت ہے، ان کے لئے اللہ کی محبت ہے وہ اللہ کی جماعت ہیں وہ بھائی بھائی ہیں۔

مؤمن اللہ سے ڈرنے والے ہیں اسکے سامنے جھکنے والے اور گڑگڑانے والے ہیں تو یہ ساری باتیں عالم کے لئے بعد میں محدّث، مفسر عابد وزاہد کے لئے بعد میں مجاہد قطب اور ابدال کے لئے بعد میں ثابت ہونگی۔

سب سے پہلے یہ بشارتیں اور علامتیں صحابہ کرامؓ کے لئے ثابت ہوں گی۔ کیونکہ سب سے پہلے مؤمن صحابہؓ ہیں باقی سب بعد میں مؤمن ہیں بلکہ صاف بات تو یہ ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ مؤمن نہیں ہیں؟ تو دنیا میں کوئی بھی مؤمن نہیں۔ سوچئے تو سہی! اگر ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ وعلیؓ مؤمن نہ ہوں تو کیا ماوشما مؤمن ہو سکتے ہیں؟

وہ شخص کتنا احمق ہے جو اپنے زمین بوس جھونپڑے کا تو ڈھنڈورا پیٹتا ہے مگر آسمان کی بلندی کا انکار کرتا ہے، یا جسے اپنے چراغ کی روشنی پر تو بڑا گھمنڈ مگر آفتاب جہانتاب کی روشنی اسے دکھائی نہیں دیتی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسا وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں ایمان سچائی اور عدل وانصاف کے لئے رتی برابر جگہ بھی نہ ہو یا جسے صحابہؓ کی قربانیوں، ان کے مجاہدوں ان کے اخلاق اور صفات کا علم نہ ہو۔

اگر کوئی سوال کرے کہ صحابہؓ کون تھے؟ اس سوال کا سیدھا سا جواب تو یہ ہے کہ وہ مؤمنون سابقون تھے۔ وہ مسلمون اولون تھے۔ مگر اس سوال سے جواب کا حق ادا نہیں ہوگا جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ وہ کیسے مؤمن تھے کیسے مسلمان تھے؟ ان کا ایمان کیسا تھا؟ انہوں نے ایمان کی خاطر کیا کیا قربانیاں دیں؟ ان کی زندگیوں میں کیسا انقلاب آیا ان کی راتیں کیسے گزرتی تھیں۔ ان کے دن کہاں بسر ہوتے تھے۔

آخر ان کے اندر وہ کونسی بات پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے انہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنا دی گئی اور "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" کا سرٹیفکیٹ عطا فر دیا گیا اور یہ فیصلہ کر دیا گیا، کہ ساری دنیا کے عابد، زاہد اور مجاہد مل کر بھی ایک صحابیؓ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔

بے شک ایمان تو ہم بھی سینوں میں رکھتے ہیں لیکن صحابہ کے ایمان کی بات ہی کچھ اور تھی، ہم نے ایمان کے لئے کوئی قربانی نہیں دی ہم مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہمارا نام مسلمان والا رکھ دیا گیا اور ہم مسلمان ہو گئے، ہمارے ماحول میں مسلمان کہلوانا یا ہونا مشکل نہیں۔

لیکن صحابہ کرامؓ نے جس ماحول میں اسلام قبول کیا اس ماحول میں اسلام قبول کرنا موت کو، مصیبتوں کو، تکلیفوں کو اور جبر وتشدد کو دعوت دینا تھا۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے یہ سب دیکھتے ہوئے جانتے بوجھتے ہوئے ایمان قبول کیا، اور جناب رسولِ اکرم ﷺ کا ڈنکے کی چوٹ پر ساتھ دیا۔ معاف کیجئے گا، میں تو کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر ہم آپ ﷺ کے زمانے میں ہوتے تو کیا ہوتا؟

ویسے تو ظاہر ہے کون مسلمان ہوگا جسکے دل میں حسرت نہ اٹھتی ہو کہ اے کاش میں نے کائنات کے سردار کے منور، مقدس، مطہر اور حسین وجمیل سراپا کی زیارت کی ہوتی، مگر دل میں خیال آتا ہے کہ اگر ہم جیسے کمزوروں کو آپ ﷺ کا مبارک زمانہ نصیب ہوتا اور ہمیں بھی ویسے ہی مصائب کا سامنا کرنا پڑتا جیسے مصائب اور مخالفتوں کا صحابہ کرامؓ کو سامنا کرنا پڑا تو کیا واقعی ہم استقامت کا ثبوت دیتے؟ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تو سب کچھ ہے۔ وہ چاہے تو کمزور سی چڑیا کو ہاتھی سے لڑنے کی جرأت عطا کر سکتا ہے۔ مگر بظاہر جب اپنی کمزوری پر نظر جاتی ہے تو ان مصائب کے سامنے ڈٹے رہنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے اور ان مظالم کے تصور سے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے وہ سارے مظالم برداشت کئے اور ان کے ایمان میں ذرّہ برابر تزلزل واقع نہیں ہوا۔

صحابہ کرامؓ کی مظالم ومصائب میں استقامت

حضرت بلالؓ کو کفار نے لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا، لڑکے ان کو مکّہ کی پہاڑیوں میں گھسیٹتے پھرتے لیکن ان کی قوت ایمانی میں کسی قسم کا ضعف نہیں آیا۔

حضرت خبابؓ ام انمار کے غلام تھے وہ اسلام لائے تو ام انمار نے لوہا گرم کر کے ان کے سر پر رکھا ایک دن حضرت عمرؓ نے ان کی پیٹھ دیکھی تو کہا کہ آج تک ایسی پیٹھ میری نظر سے نہیں گزری۔

حضرت خبابؓ نے جواب دیا کہ: ''کفار نے انگاروں پر لٹا کر مجھ کو گھسیٹا تھا۔''

حضرت صہیب ؓ اور حضرت عمار ؓ کو کفار لوہے کی زر ہیں پہنا کر دھوپ میں چھوڑتے تھے۔ لیکن دھوپ کی شدت سے ان کی حرارت اسلام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی تھی۔

کفار حضرت ابوفکیہؓ کے پاؤں میں بیڑی ڈال کر دھوپ میں لٹا دیتے پھر پشت پر پتھر کی چٹانیں رکھ دیتے، یہاں تک کہ وہ مختل الحواس ہو جاتے، ایک دن امیہ نے ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں کو ان کے گھسیٹنے کا حکم دیا، اتفاق سے راہ میں ایک گبریلا جا رہا تھا، امیہ نے استہزاء کہا: ''تیرا پروردگار یہی تو نہیں ہے؟'' بولے: ''میرا اور تیرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔''

اس پر اس نے زور سے اس کا گلا گھونٹا لیکن اس کے بے درد بھائی کو (جو اس وقت اس کے ساتھ تھا) اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی، اور اس نے کہا: ''اس کو اور اذیت دو۔''

حضرت سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ تھی ایک دن کفار نے ان کو دھوپ میں لٹا دیا تھا۔ اسی حالت میں آپ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا: ''صبر کرو صبر، تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے۔'' لیکن ابوجہل کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور اس نے برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا۔ چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا۔

حضرت عمرؓ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اس قدر مارا کہ تمام بدن لہولہان ہو گیا، لیکن انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرو، میں تو اسلام لا چکی ہوں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے جب خانہ کعبہ میں اسلام کا اعلان کیا تو ان پر کفار ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے زمین پر لٹا دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب اول اول خانہ کعبہ میں قرآن مجید کی چند آیتیں بآواز بلند پڑھیں تو کفار نے ان کو اس قدر مارا کہ چہرے پر نشان پڑ گئے، لیکن انہوں نے صحابہؓ سے کہا کہ: ''اگر کہو تو کل پھر اسی طرح بآواز بلند قرآن کی تلاوت کروں۔''

ان اذیتوں کے علاوہ کفار ان غریبوں کو اور بھی مختلف طریقوں سے ستاتے تھے، پانی میں غوطے دیتے تھے، مارتے تھے، بھوکا پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ ضعف سے بے چارے بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں اکثر یا تو لونڈی، غلام تھے یا غریب لیکن ان کے علاوہ بہت سے دولت منداور معزز لوگ بھی کفار کے ظلم وستم سے محفوظ نہ رہ سکے۔

حضرت عثمانؓ نہایت معزز شخص تھے لیکن جب اسلام لائے تو خود انکے چچا نے ان کو رسی سے باندھ دیا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ جب اسلام لائے تو ان کا چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر لٹا دیتا تھا پھر نیچے سے ان کی ناک میں دھواں دیتا تھا۔ حضرت عمر کے چچازاد بھائی سعید بن زیدؓ اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ دیا۔ حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ اور حضرت سلمہ بن ہشامؓ اسلام لائے تو کفار نے دونوں کے پاؤں کو ایک ساتھ باندھ دیا۔

حضرت ابو بکرؓ اسلام لائے تو ایک تقریر کے ذریعے دعوت اسلام دی کفار نے نامانوس آواز سنی تو اُن پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ حضرت ابو بکرؓ کے قبیلے بنو تیم کو ان کی موت کا یقین آگیا اور وہ ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے گئے شام کے وقت ان کی زبان کھلی تو بجائے اس کے کہ اپنی تکلیف بیان کرتے آپ ﷺ کا حال پوچھا اب ان کے لوگ بھی ان سے الگ ہو گئے۔

لیکن ان کو اپنے اسی محبوب کے نام کی رٹ لگی رہی بالآخر لوگوں نے ان کو رسولِ اکرم ﷺ تک پہنچا دیا آپ ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو ان کے اوپر گر پڑے، ان کا بوسہ لیا اور سخت رقت طبع کا اظہار فرمایا۔

صبر واستقامت کی یہ بہترین مثالیں تھیں اور صحابہ کرامؓ میں، خود اہل کتاب تک ان کے معترف تھے۔

چنانچہ استیعاب میں ہے کہ جب صحابہ کرامؓ شام میں گئے تو ایک اہل کتاب نے ان کو دیکھ کر کہا کہ عیسٰی بن مریمؑ کے وہ اصحاب جو آروں سے چیرے اور سولی پر لٹکائے گئے ان

سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے والے نہ تھے۔

حضرت ام شریکؓ ایمان لائیں تو ان کے اعزہ واقارب نے ان کو دھوپ میں کھڑا کر دیا، اور اس حالت میں روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے تھے، اور پانی تک نہیں پلاتے تھے۔ جب اس طرح تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ: ''جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو۔'' وہ اس قدر بدحواس ہو گئیں تھیں کہ ان جملوں کا مطلب ہی نہ سمجھ سکیں اب ان لوگوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید کا انکار مقصود ہے۔ بولیں: ''خدا کی قسم میں اسی عقیدہ پر قائم ہوں۔''

صحابہ کرامؓ کو ایمان کی خاطر صرف جسمانی تکلیفوں ہی کا سامنا نہیں کرنا پڑا بلکہ انہیں عزیزانہ تعلقات کی بھی قربانی دینی پڑی، بہن بھائی چھوڑنے پڑے ماں باپ نے منہ موڑ لیے بیوی بچے روٹھ گئے۔ لیکن صحابہؓ کے ایمانی قدم پیچھے نہیں ہٹے حالانکہ انسان کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ وہ بھوک پیاس، بیماری اور فقر وفاقہ کی سختی برداشت کرسکتا ہے لیکن خون کے رشتے نہیں توڑ سکتا۔

لیکن اُن عظیم انسانوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے رشتہ جوڑنے کی خاطر باقی تمام رشتے توڑ دیئے۔ پھر صرف یہی نہیں کہ ایمان کی وجہ سے یہ خونی رشتے ہی ٹوٹ گئے ہوں بلکہ یوں بھی ہوا کہ جن سے خون اور نسل کے رشتے تھے انہوں نے ایمان قبول کرنے کے جرم کی وجہ سے اپنے ہاتھوں سے کوڑے مارے، تن کے کپڑے تک چھین لئے ہاتھوں اور پیروں میں زنجیریں ڈال دیں اور کھانا پینا بند کر دیا۔ ذرا تصور کیجئے جب باپ کوڑے مارتا ہوگا، اور بھائی لباس چھین کر کہتا ہوگا: ''جا محمدؐ سے مانگ لے۔'' تو دل پر کیا گزرتی ہوگی؟ اپنوں کے دیئے ہوئے زخم کا درد کچھ سوا ہوتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ جب اسلام لائے تو ان کی ماں نے قسم کھائی کہ جب تک وہ اسلام کو نہ چھوڑیں گے، وہ ان سے نہ بات چیت کریں گی نہ کھانا کھائیں گی اور نہ پانی پئیں گی۔

چنانچہ انہوں نے قسم پوری کی یہاں تک کہ تیسرے دن کے فاقہ میں بے ہوش ہوگئیں لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ پر اس کا کچھ اثر نہ پڑا اور انہوں نے اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا کہ: "اگر تمہارے قالب میں ہزاروں جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے ہر جان نکل جائے تب بھی میں اس دین کو نہیں چھوڑوں گا۔"

حضرت خالدؓ بن سعید اسلام لائے تو ان کے باپ نے ان کو سخت سرزنش کی، کوڑے مارے، قید کیا، کھانا پینا بند کر دیا اور اپنے دوسرے لڑکوں کو ان سے بات چیت کرنے سے منع کر دیا۔ لیکن انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی معیّت نہ چھوڑی اور آخر کار حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی: ولا تمسكوا بعصم الكوافر "کافرہ عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو" اور اس کے ذریعے صحابہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ مکہ میں ان کی جو کافر عورتیں ہیں ان کو چھوڑ دیں تو حضرت عمر ﷺ نے اسی وقت اپنی دو کافرہ بیویوں کو طلاق دے دی۔ بہت سی صحابیاتؓ اپنے اپنے شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں، اور ان میں سے ایک بھی اپنے دین سے برگشتہ نہ ہوئی۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: مانعلم ان احدا من المهاجرات ارتدت بعد ایمانها. "ہم کو ایسی مہاجر عورتوں کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر پھر مرتد ہو گئی ہوں۔"

جسمانی تکلیفوں اور عزیزوں کی بے رخی کے ساتھ ایک اور خوفناک اژدھا تھا جس کا سامنا ایمان والوں کو کرنا پڑا اس اژدھا کو غربت وافلاس کہتے ہیں جو بڑے بڑے سورماؤں کے کس بل نکال کر سیدھا کر دیتا ہے۔ لوگ اس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی عزت وناموس تک کا سودہ کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں کتنے ہی لوگ ہیں جو پیٹ کی خاطر ایمان بیچ دیتے ہیں۔ مگر اس نیلگوں آسمان نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں کہ بھوک کی وجہ سے ان کے پیٹ کمر کو لگ جاتے تھے۔ کئی کئی وقت ان کے منہ میں ایک لقمہ تک نہیں جاتا تھا۔ مگر راہِ وفا میں ان کے قدم ڈگمگاتے نہیں تھے۔ حضرت عتبہ بن غزوانؓ کا بیان ہے کہ میں ساتواں مسلمان

ہوں، اس وقت یہ حالت تھی کہ ہم لوگ درخت کے پتے کھا کر گزر اوقات کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ہمارے جبڑے پھٹ گئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ﷺ رسولِ اکرم ﷺ کے داماد تھے لیکن فقر وفاقہ کا یہ حال تھا کہ ایک بار گھر میں آئے تو دیکھا، حضرت حسن ؓ اور حسین ؓ رو رہے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ سے پوچھا: ''یہ کیوں رو رہے ہیں؟......'' حضرت فاطمہؓ بولیں: ''بھوک سے بے تاب ہیں۔''

حضرت علی ؓ گھر سے نکلے تو بازار میں ایک پڑا ہوا دینار پایا، اس کا آٹا اور گوشت خریدا، لیکن محبت رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ اس حالت میں بھی رسول اللہ ﷺ کو مدعو کئے بغیر کھانا نہیں کھایا۔

حضرت مصعب بن عمیر ؓ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تو کفن تک میسر نہ تھا، بدن پر صرف ایک چادر تھی اسی کا کفن بنایا گیا لیکن وہ اس قدر مختصر تھی کہ سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے پاؤں چھپاتے تھے تو سر پر کچھ نہیں رہتا تھا، بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''چادر سے سر کو اور پاؤں کو گھاس سے چھپا دو۔''

لیکن اور شہدائے احد کو یہ بھی نصیب نہ تھا اس لئے ایک چادر میں متعدد صحابہ ؓ دفن کئے گئے۔

اکثر صحابہ ؓ کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا جس کو گلے سے باندھ لیتے تھے کہ تہبند اور کرتا دونوں کا کام دے۔ ایک صحابی ؓ نے حضور ﷺ سے دریافت فرمایا کہ: ''ایک کپڑے میں نماز جائز ہے یا نہیں؟'' ارشاد ہوا: اولکلکم ثوبان ''کیا تم میں ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں؟''

مہاجرین کو کپڑے کی اس قدر تکلیف تھی کہ جب قرآن مجید کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے تھے تو باہم مل جل کر بیٹھتے تھے۔ تاکہ ایک جسم دوسرے جسم کی پردہ پوشی کر سکے۔ ان بزرگوں کے پاؤں میں جوتے نہ تھے، موزے نہ تھے، سر پر ٹوپی نہ تھی اور بدن پر کرتہ نہ تھا۔ چنانچہ ایک بار حضرت سعد بن عبادہ ؓ بیمار ہو گئے تو تمام صحابہ کرام ؓ اسی

حالت میں ان کی عیادت کو گئے۔

کیا منظر ہوگا جب وہ اللہ والے جن کے قدموں کی خاک جنت کی مٹی سے افضل ہے، بازار سے ننگے سر اور ننگے بدن گزرتے ہونگے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منکر، قرآن کے منکر مذاق اڑاتے ہوں گے پھبتیاں کستے ہوں گے:۔

ارے اس لئے آبائی دین چھوڑا تھا کہ یوں غربت وافلاس کی زندگی گزارو تمہیں کیا دیا اس نئے دین اور نئے نبی کی غلامی نے؟...... ''آؤ ہمارے پاس تمہیں نہال اور مالا مال کردیں گے۔'' کعب بن اشرف نے حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کو، عاص بن وائل نے حضرت خباب ؓ کو، اور شاہ غسان نے حضرت کعب بن مالک ؓ کو لالچ ہی کے ذریعے اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا تھا۔

لیکن وہ لوگ کچھ عجیب ہی قسم کے تھے نہ انہیں ظلم وستم حق سے برگشتہ کرسکا، نہ عزیزوں کی جفا کاریاں ان کے ارادوں میں تزلزل پیدا کرسکیں، نہ وطن کی جدائی ان سے ایمان چھین سکی، نہ تحریص وترغیب انہیں حضور ﷺ سے بے وفائی پر آمادہ کرسکی اور نہ ہی مشرکوں کی پھبتیاں انہیں اپنے کئے پر شرمندہ کرسکیں۔

صحابہ کرام ؓ میں قربانی کا بے پناہ جذبہ

صحابہ کرام ؓ کے دل میں اسلام کے لئے سب کچھ قربان کردینے کا ایسا جذبہ تھا کہ تاریخ میں کسی لیڈر، کسی قائد، کسی گرو، کسی پنڈت اور کسی مذہبی یا سیاسی رہبر کے ماننے والے میں میں نہیں پایا جاتا۔ ان کی سب سے بڑی خواہش اللہ کے راستے میں شہادت تھی ان میں سے ہر ایک دل میں شہادت کا بے تاب جذبہ لئے ہوئے تھا وہ اس موقع کی تلاش میں رہتے تھے جب اللہ کی راہ میں ناک کان اور گردن کٹوانے کی سعادت حاصل ہو۔

جنابِ رسولِ اکرم ﷺ پر ایک بدّو ایمان لایا اور آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت پر آمادگی ظاہر کی آپ ﷺ نے اس کو بعض صحابہ ؓ کے سپرد کردیا جن کے اونٹ وہ چرایا کرتا تھا۔ لیکن

جب ایک غزوہ میں مال غنیمت ہاتھ آیا اور حضور ﷺ نے اس کا بھی حصہ لگایا تو اس نے کہا: ''میں اس لئے ایمان نہیں لایا میں اسلیئے حلقہ اسلام میں داخل ہوا ہوں کہ میرا حلق میں تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنت میں داخل ہوں۔'' تھوڑی دیر بعد معرکہ کارزار گرم ہوا تو وہ ٹھیک حلق پر تیر کھا کر شہید ہوا، صحابہ کرام ؓ لاش کو آپ ﷺ کے سامنے لائے۔ تو رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''اس نے خدا کی تصدیق کی تو خدا نے بھی اس کی تصدیق کی۔'' یہ کہہ کر خود اپنا جبہ کفن کیلیے عنایت فرمایا۔

غزوۂ احد میں ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا: ''اگر میں شہید ہو جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟'' ارشاد ہوا کہ: ''جنت میں'' کھجوریں ہاتھ میں تھیں، ان کو پھینکا اور لڑ کر شہید ہوئے۔

غزوۂ بدر میں جب مشرکین مکہ کے قریب آ گئے تو حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا: ''اٹھو! اور وہ جنت لو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔''

حضرت عمیر بن الحمام انصاریؓ نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! آسمان وزمین کے برابر؟''

ارشاد ہوا: ''ہاں......'' بولے: ''واہ واہ......'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''واہ واہ کیوں کہتے ہو؟'' بولے: ''صرف اس امید میں کہ شاید میں بھی اس میں داخل ہوسکوں۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہوا کہ: ''تم داخل ہو گے'' اس سوال کے جواب کے بعد انہوں نے جھولی سے کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر شوق شہادت نے جوش مارا اور بولے کہ: ''اتنا وقفہ بھی جس میں یہ کھجوریں کھا سکوں، میرے لئے بہت ہے۔'' یہ کہہ کر کھجوروں کو ایک طرف پھینکا میدان میں گئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

حضرت انس کے چچا غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس لئے ہمیشہ یہ کانٹا ان کے دل میں کھٹکتا تھا۔ غزوۂ احد پیش آیا تو اس میں اس جانبازی کا ساتھ لڑ کر شہید ہوئے کہ ان کی بہن کا بیان ہے کہ تیر، نیزے اور تلوار کے اسی (۸۰) سے زیادہ زخم جسم پر تھے، میں نے صرف انگلیوں سے ان کو پہچانا۔

ایک بار ایک صحابیؓ نے معرکۂ جنگ میں یہ روایت کی کہ: ''جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ کے نیچے ہیں۔'' ایک صحابیؓ اٹھے اور کہا تم نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ بولے: ''ہاں.....'' وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے رفقاء کے پاس آئے اور سلام کر کے رخصت ہوئے، تلوار کا میان توڑ کر پھینک دیا، اور دشمن کی صف میں گھس کر لڑے، اور شہید ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن ثابت ؓ کو طاعون ہوا، رسول اللہ ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے تو آثار موت ہو چکے تھے، عورتیں رونے پیٹنے لگیں، ان کی صاحبزادی روتی تھیں اور کہتی تھیں کہ: ''مجھے توقع یہ تھی کہ آپ شہید ہوں گے آپ نے جہاد کا سامان بھی مکمل کر لیا تھا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کو نیت کا ثواب مل چکا۔''

حضرت عمرؓ و بن الجموح ایک بوڑھے اور لنگڑے صحابی تھی، غزوۂ بدر میں حضور ﷺ نے لنگڑے پن کی وجہ سے ان کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا تھا لیکن غزوۂ احد میں انہوں نے بیٹوں سے کہا کہ: مجھے میدان جہاد میں جانے دو۔ سب نے کہا: آپ کو تو رسول اللہ ﷺ نے معاف کر دیا ہے۔ بولے افسوس تم نے مجھے بدر میں جنت سے محروم رکھا اور اب احد میں بھی محروم رکھنا چاہتے ہو؟ یہ کہہ کر روانہ ہوئے، جب لڑائی کا وقت آیا تو بولے: یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں شہید ہو جاؤں تو اسی طرح لنگڑاتا ہوا جنت میں پہنچ جاؤں گا؟ ارشاد ہوا: ''ہاں..... یہ سن کر آگے بڑھے لڑے اور شہید ہوئے۔

گرامی قدر قارئین! آپ نے دیکھا ان کے اندر اسلام کے لئے قربان ہو جانے کا کس قدر جذبہ تھا، یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں بے تاب رہتے تھے کہ کب موقع ملے اور کب وہ جان کا نذرانہ اپنے مالک کے حضور پیش کریں۔

رسولِ اکرم ﷺ کی محبت واطاعت اور صحابہ کرامؓ

محترم قارئین! آپ نے عوام کو اپنے قائدین سے، شاگردوں کو اپنے استادوں سے، بچوں کو اپنے والدین سے اور مریدوں کو اپنے پیروں سے محبت کرتے دیکھا ہوگا۔ آپ

نے اس بارے میں داستانیں بھی سنیں ہوں گی اور واقعات بھی نظروں سے گذرے ہوں گے۔ لیکن وہ محبت وعقیدت جو صحابہ کرام ؓ کو رسول اللہ ﷺ سے تھی اس کی نظیر تاریخ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔

محبت وعقیدت کے ساتھ ادب اور احترام اور ادب واحترام کے ساتھ اتباع اور اطاعت میں بھی صحابہؓ اپنی مثال آپ تھے۔

حضرت اُسید بن حضیرؓ ایک شگفتہ مزاج صحابی تھے، ایک روز وہ ہنسی مذاق کی باتیں کررہے تھے کہ آپ ﷺ نے ان کے پہلو میں ایک چھڑی سے کونچ دیا، انہوں نے اس کا انتقام لینا چاہا، آپ اس پر راضی ہوگئے لیکن انہوں نے کہا کہ آپ کے بدن پر قمیص ہے حالانکہ میں برہنہ تھا۔ آپ نے قمیص بھی اٹھائی قمیص کا اٹھانا تھا کہ وہ آپ ﷺ سے لپٹ گئے، پہلو چومے اور کہا: ''یارسول اللہ! یہی مقصود تھا۔''

حضرت زاہرؓ ایک بدوی صحابی تھے جو رسول اللہ ﷺ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، آپ ﷺ بھی ان سے محبت رکھتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ: ''زاہر ہمارے بدوی ہیں اور ہم ان کے شہری ہے۔''

ایک دن وہ اپنا سودا فروخت کررہے تھے، آپ نے پیچھے سے آکر ان کو گود میں لے لیا۔ انہوں نے کہا: ''کون ہے؟ چھوڑو۔'' لیکن مڑکر دیکھا اور معلوم ہوا کہ آپ ہیں تو اپنی پشت کو بار بار آپ کے سینے سے چمٹاتے تھے اور تسکین نہیں ہوتی تھی۔

ایک دن آپ ﷺ نے وضو کیا اور پانی بچ گیا، تو تمام صحابہ کرام ؓ نے لے کر جسم پر مل لیا۔

ایک بار آپ ﷺ سر منڈوا رہے تھے، صحابہ کرام ؓ نے آپ ﷺ کو گھیر لیا، حجام سر مونڈتا جاتا تھا، اور صحابہ کرام ؓ اوپر ہی اوپر بالوں کو اچک لیتے تھے۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابومحذورہ ؓ کی پیشانی پر ہاتھ پھیر دیا اس کے بعد انہوں نے عمر بھر نہ سر کے اگلے بال کٹوائے اور نہ مانگ نکالی بلکہ اس کو بطور متبرک یادگار

کے قائم رکھا۔

غزوۂ خیبر میں آپ ﷺ نے ایک صحابیہؓ کو خود دستِ مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا، وہ اس کی اس قدر، قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کردیا جائے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آپ ﷺ کی ایک قمیص، ایک تہبند، ایک چادر اور موئے مبارک تھے، انہوں نے وفات کے وقت وصیّت کی کہ یہ کپڑے کفن میں لگائے جائیں اور موئے مبارک منہ اور ناک میں بھر دیئے جائیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کے چند بال حضرت ام سلمہؓ نے بطور یادگار کے محفوظ رکھے تھے، اور جب کوئی شخص بیمار ہوتا تھا، تو ایک برتن میں پانی بھر کر بھیج دیتا تھا، اور حضرت ام سلمہؓ اس میں بالوں کو دھو کر واپس بھیج دیتی تھیں۔ جس کو وہ شفا حاصل کرنے کے لئے پی جاتا تھا اور اس سے غسل کرلیتا تھا۔

ادب کا یہ عالم تھا کہ بغیر طہارت کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور حضور ﷺ سے مصافحہ کرنا گوارا نہ کرتے۔ مدینے کے کسی راستے میں آپ ﷺ سے حضرت ابوہریرہؓ کا سامنا ہوگیا، ان کو نہانے کی ضرورت تھی گوارا نہ کیا کہ اس حالت میں آپ کے سامنے آئیں اس لئے آپ کو دیکھا تو کترا گئے اور غسل کر کے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: ''ابوہریرہ! کہاں تھے؟'' بولے: ''میں پاک نہ تھا اس لئے آپ کے پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا۔''

آپ ﷺ کے سامنے بیٹھتے تو فرطِ ادب سے تصویر بن جاتے احادیث میں اس حالت کا نقشہ ان الفاظ سے کھینچا گیا ہے: **کانما علی رؤسھم الطیر** ''یعنی صحابہؓ آپ ﷺ کے سامنے اس طرح بیٹھتے تھے گویا ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہوں۔

ادب کے مارے آپ کے سامنے چلنا پسند نہیں کرتے، ایک سفر میں حضرت ابن عمرؓ ایک سرکش اونٹ پر سوار تھے جو رسول اللہ ﷺ سے آگے نکل جاتا تھا۔ حضرت عمر نے ان کو

ڈانٹا کہ کوئی آپ سے آگے نہ بڑھنے پائے۔

ایک شخص کا نام محمد تھا، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک آدمی اس کو گالیاں دے رہا ہے، بلا کر کہا کہ دیکھو تمہاری وجہ سے محمد کو گالی دی جارہی ہے، اب تادم مرگ تم اس نام سے نہیں پکارے جاسکتے۔

چنانچہ اسی وقت ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا پھر بنوطلحہ کے پاس پیغام بھیجا کہ جو لوگ اس نام کے ہوں سب کے نام بدل دیئے جائیں، اتفاق سے وہ لوگ سات آدمی تھے اور ان کے سردار کا نام محمد تھا لیکن انہوں نے کہا: ''خود رسول اللہ ﷺ ہی نے میرا نام محمد رکھا ہے۔'' بولے: ''اب میرا اس پر کچھ زور نہیں چل سکتا۔''

محبت وعقیدت اور ادب واحترام کے ساتھ وہ اطاعت میں بے مثال تھے، ہماری طرح زبان سے محبت کے خالی دعوے کرنے والے انسان نہیں تھے بلکہ وہ حقیقی اور سچے عاشق تھے۔ جنہوں نے حضور ﷺ کی غلامی میں اپنی مرضی، اپنی خواہش اپنا آرام، اپنا خیال اور اپنی سوچ سب کچھ قربان کر دیا تھا وہ زندگی کے ہر باب میں آپ کی اطاعت کے لئے آمادہ اور تیار رہتے تھے۔

آپ ﷺ نے ایک صحابیؓ کو ایک رنگین چادر اوڑھے دیکھا تو فرمایا: ''یہ کیا ہے؟ وہ سمجھ گئے کہ آپ نے ناپسند فرمایا وہ فوراً گھر میں آئے اور اس چادر کو چولھے میں ڈال دیا۔

وہ چادر کسی دوسرے کے استعمال میں آسکتی تھی، عورتیں پہن سکتی تھیں، گھر کے کسی کام میں آسکتی تھی مگر ان کی سوچ یہ تھی کہ جو چیز سرور کون ومکاں ﷺ کی ناراضگی کا سبب بنی وہ باقی ہی کیوں رہے؟......

حضرت خریم اسدیؓ ایک صحابی تھے جو نیچی تہبند باندھتے تھے اور لمبے بال رکھتے تھے۔ ایک روز آپ ﷺ نے فرمایا: ''خریم اسدیؓ کتنا اچھا آدمی تھا، اگر لمبے بال نہ رکھتا اور نیچی تہبند نہ باندھتا؟'' ان کو معلوم ہوا، فوراً قینچی منگوائی اس سے بال کترے اور تہبند اونچی کرلی۔ کوئی تاویل نہیں، کوئی حجت نہیں، کوئی عذر پیش نہیں کیا بس آقا کا حکم تھا فوراً تعمیل کر

ڈالی۔

حضرت حذیفہؓ کے سامنے مدائن کے ایک رئیس نے چاندی کے برتن میں پانی پیش کیا، انہوں نے اس کو اٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا کہ: "میں نے اس کو منع کیا تھا یہ باز نہ آیا، جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔"

جس چیز سے آقا نے منع فرمایا ہے۔ وہ چیز ہمارے استعمال میں کیسے آسکتی ہے؟ اور میں نے اسے ایک دفعہ بتایا تھا، تو پھر یہ وہی پیالہ میرے پاس کیوں لے کر آیا؟

ایک بار آپ راستہ سے گزرے راہ میں ایک بلند خیمہ نظر سے گذرا تو فرمایا یہ کس کا ہے، لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا، آپ کو یہ شان و شوکت ناگوار ہوئی مگر اس کا اظہار نہیں فرمایا۔

کچھ دیر بعد انصاری بزرگ آئے اور سلام کیا لیکن آپ نے ناراضگی سے منہ پھیر لیا۔ بار بار یہی واقعہ پیش آیا تو انہوں نے دوسرے صحابہؓ سے آپ کی ناراضگی کا سبب معلوم ہوا تو انہوں نے خیمہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ گویا صحابہ کو زبان سے کہنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی تھی وہ تو بس آقا کے چہرے کی سلوٹوں، چہرے کی رنگت اور آپ کے سکوت و تعلیم ہی سے آپ کی مرضی اور آپ کا منشا معلوم کرتے تھے، اور جب نبوت کی مرضی اور منشا معلوم ہو جاتا تھا تو پھر وہ تعمیل میں لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کرتے تھے۔

اصل میں انہیں حضور ﷺ فداہ امی وابی کی ہر بات ہر ارشاد اور ہر پیشینگوئی پر ایسا یقین تھا کہ شاید ہمیں آسمان کے بلند ہونے، زمین کے پست ہونے، دن کے روشن ہونے، رات کے تاریک ہونے بلکہ اپنے وجود پر بھی ویسا یقین نہ ہو۔ ان کا یقین تھا کہ ہر بات جھوٹی ہو سکتی ہے ہر خبر غلط ہو سکتی ہے مگر جو بات آقا کے منہ سے نکلی اور جو خبر آقا نے دی ہو وہ جھوٹ اور غلط نہیں ہو سکتی ہے۔

انہیں یہ بھی یقین تھا کہ ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی اور صرف نبی کی سچی غلامی اور نبی کے حکم کی اتباع اور ماننے میں ہے۔

ایک بار حضرت عمران بن حصینؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ: ''اہل وعیال کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے۔'' اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ اگر ایک خراسان میں مرجائے اور اہل وعیال یہاں پر ماتم کریں تو کیا آپ کے خیال میں اس پر خراسان میں عذاب ہوگا، بولے رسول اللہ ﷺ نے جو خبر دی ہے وہ سچ ہے اور تو جھوٹ بکتا ہے۔

ایک بار آپ ﷺ نے کسی بدو سے گھوڑا خریدا اور قیمت ادا کرنے کے لئے اس کو ساتھ لے چلے لیکن آپ ﷺ تیزی سے آگے بڑھ گئے اور بدو پیچھے رہ گیا، لیکن جن لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ نے گھوڑا خرید لیا ہے وہ بدو سے بھاؤ تاؤ کرنے لگے خریداروں کو دیکھ کر بدو نے آپ ﷺ کو پکار کر کہا، لینا ہو تو لیجئے، ورنہ میں گھوڑے کو فروخت کر ڈالتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے تو اس کو میرے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے۔''

بولا نہیں گواہ ہو تو لایئے، حضرت خزیمہؓ بن ثابت اگرچہ بیع کے وقت موجود نہ تھے، تاہم کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تم نے آپ کے ہاتھوں گھوڑا فروخت کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''خزیمہ! تم تو اس وقت موجود نہ تھے جب میرا بدو کے ساتھ سودا ہوا تھا پھر تم نے یہ شہادت کیوں کردی؟

عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی تصدیق کی بنا پر گویا وہ یوں کہنا چاہتے تھے کہ جب ہم عالم بالا کی خبروں کے بارے میں آپکی تصدیق کرتے ہیں اور آپکو سچا جانتے ہیں تو اس چھوٹی سی خبر میں ہم آپکی تصدیق کیوں نہیں کریں گے؟

چنانچہ حضرت خزیمہ ﷺ کو صحابہ ﷺ میں یہ منفرد شرف حاصل ہوا، کہ حضور ﷺ نے ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا۔

صحابہ کی کس کس ادا کا تذکرہ کیا جائے حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی ہر ادا مثالی اور ہر بات بے نظیر تھی، ان کا ایمان ان کا یقین، ان کی صداقت، ان کی دیانت، ان کا ایثار، ان کا جذبۂ جہاد ان کی فیاضی ان کے معاملات، ان کی عفت وطہارت، ان کی نمازیں اور ان کا صدقہ وخیرات ہر چیز بے مثال تھی۔ آج ہمارے پاس جو کچھ ہے یہ تو حقیقت میں نقل ہے،

اصل تو صحابہؓ کے ہاں تھی۔

ہماری تقریریں اثر سے خالی، ہماری دعائیں روح سے خالی، ہماری نمازیں خشوع سے خالی، ہماری عبادتیں مغز سے خالی اور ہمارا صدقہ وخیرات اخلاص سے خالی ہے۔ آج ہماری مسجد میں کوئی ایک نمازی ایسا نظر نہیں آتا جس کی نماز خشوع وخضوع والی ہو، کوئی ایک بندہ ایسا دکھائی نہیں دیتا جس کی آنکھیں خوفِ آخرت سے آنسو بہاتی ہوں، مگر وہ کیسا قابلِ رشک وقت تھا جب ہر نمازی خشوع وخضوع کا پیکر ہوتا تھا، جب ہر مؤمن کی آنکھیں بارش برساتی تھیں، اوردل کی وادی کو سیراب کرتی تھیں۔

آج یہ وادی بنجر ہوچکی ہے یہاں روحانیت کے پھول کے بجائے مادیت کے کانٹے اگ آئے ہیں، اگر ہم چاہتے ہیں کہ نماز سے وہ فائدے اور برکتیں حاصل ہوں جن کا وعدہ اللہ کے سچے رسول نے کیا ہے تو پھر صحابہ ؓ جیسی نماز پڑھنے کی کوشش کیجئے، ان کی نمازوں کا حال احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ اس خشوع وخضوع کے ساتھ نماز اور قرآن پڑھتے کہ ان پر شدت سے گریہ طاری ہو جاتا اور کفار کی عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر پڑتا۔

حضرت عمر ؓ نماز میں اس شدت سے روتے کہ پچھلی صف کے لوگ رونے کی آواز سنتے۔ حضرت عبداللہ بن شدّاد کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا لیکن حضرت عمر ؓ کے رونے کی آواز سنتا تھا۔

حضرت تمیم داری ؓ ایک رات تہجد کے لئے کھڑے ہوئے تو صرف ایک آیت یعنی "اَم حَسِبَ الذِینَ اجتَرَحُوا السَّیئَاتِ......الخ" کی قرأت میں صبح کردی اسی کو بار بار پڑھتے تھے، رکوع کرتے تھے، سجدے میں جاتے تھے اور روتے تھے۔

محبوب سے محبوب چیز بھی اگر صحابہؓ کی حضوری نماز میں خلل انداز ہوتی تو وہ ان کی نگاہ میں مبغوض ہوجاتی۔

ایک دن حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے ایک چڑیا اڑتی ہوئی آئی اور چونکہ باغ بہت گھنا تھا اور کھجوروں کی شاخیں باہم ملی ہوئی تھی، پھنس گئی اور نکلنے کی راہ ڈھونڈنے لگی ان کو باغ کی شادابی اور اس کی اچھل کود کا منظر بہت پسند آیا اور اس کو تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے۔

پھر نماز کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ یاد نہ آیا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں؟ دل میں کہا کہ اس باغ نے فتنہ پیدا کیا۔ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! میں اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں۔''

اسی خشوع وخضوع کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ نہایت سکون واطمینان کیساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ حضرت انسؓ رکوع کے بعد قیام میں دونوں سجدوں کے درمیان اس قدر دیر لگاتے کہ لوگ سمجھتے کہ کچھ بھول گئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو معلوم ہوتا تھا کہ ستون کھڑا ہے۔ ایک دن رکوع میں اس قدر جھکے رہے کہ ایک شخص نے "سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء" اور "مائدہ" جیسی طویل سورتوں کی تلاوت کر ڈالی لیکن انہوں نے اس درمیان سر نہ اٹھایا۔

آپ نے بہت سارے نمازی ایسے دیکھے ہوں گے جو نماز تو پابندی سے پڑھتے ہیں، مگر معاملات میں کمزور ہوتے ہیں، کم تولتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں۔ ایسے ہی نمازی حقیقت میں نماز کو بدنام کرتے ہیں۔ مگر صحابہ کرامؓ کی خشوع وخضوع والی طاقت اور نمازیں انہیں گناہوں سے روکتی تھیں، ان کے معاملات کی صفائی کو دیکھ کر ہزاروں لوگوں نے ایمان قبول کیا۔ دور صحابہؓ میں یہ چیز اتنی عام ہوگئی تھی کہ غلام، لونڈیاں اور عام چرواہے تک دیانت داری کی زندگی بسر کرتے تھے۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ کے اطراف سے نکلے ایک خداترس چرواہا بکریاں چرا رہا تھا انہوں نے اس کو کھانے پر بلایا۔ لیکن اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے

ہوں اب انہوں نے اس کے ورع وتقویٰ کا امتحان لینے کو کہا ان بکریوں میں سے ایک بکری فروخت کر دو ہم تمہیں قیمت بھی دیں گے اور افطار کرنے کے لئے گوشت بھی، لیکن اس نے کہا بکریاں میری نہیں ہیں، میرے آقا کی ہیں۔ انہوں نے کہا تمہارا آقا کیا کرے گا؟ اب چرواہے نے پیٹھ پھیر لی اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا: ''تو خدا کہاں چلا جائے گا؟''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس فقرے پر محو ہو گئے، اور بار بار اس کو دھرانے لگے، مدینہ میں پلٹ آئے تو اس کو اس کے آقا سے مع بکریوں کے خرید کر آزاد کر دیا اور بکریاں اس پر ہبہ کر دیں۔

ان حضرات کی یہ سوچ کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے انہیں ہر طرح کی خیانت اور بے اختیاری سے محفوظ رکھتی تھی، اور آج ہمارے اندر یہی سوچ نہیں رہی ہے، ہم نے جگہ جگہ اس مضمون کے کتبے لٹکا رکھے ہیں کہ: ''خدا دیکھ رہا ہے۔'' لیکن یہ مضمون ہماری فکر ونظر میں پیدا نہیں ہوسکا۔ صحابہ کرامؓ نے اس مضمون کے کتبے تو نہیں لٹکائے مگر اللہ کے ہر وقت ہر جگہ دیکھنے کا یقین ان کے رگ وریشہ میں سمایا ہوا تھا اور یہی یقین تھا جو بڑی بڑی آزمائشوں میں ان کے قدموں میں لغزش نہیں آنے دیتا تھا۔

ایک بار حضرت ابی بن کعبؓ نے سو اشرفیوں کا توڑا پایا اور کمال دیانت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سال تک مالک کی جستجو میں منادی کرتے رہو۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔ دوسرے سال پھر حاضر خدمت ہوئے، آپ ﷺ نے پھر یہی حکم دیا وہ حکم بجالائے پھر تیسرے سال آئے، آپ ﷺ نے پھر یہی ارشاد فرمایا، جب اب کے بھی مالک نہیں ملا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بحفاظت رکھ لو، اگر مالک مل گیا تو خیر ورنہ خرچ کر ڈالو۔

ایک صحابی کی اونٹنی گم ہو گئی اور انہوں نے دوسرے صحابی سے کہہ دیا کہ ملے تو پکڑ لینا، ان کو اونٹنی مل گئی لیکن اس کا مالک کہیں چلا گیا انہوں نے اونٹنی اپنے یہاں رکھ چھوڑی کہ مالک آئے تو حوالے کر دیں اسی اثناء میں اونٹنی بیمار پڑ گئی، بیوی نے کہا ذبح کر ڈالو۔ فقر وفاقہ

کی یہ حالت تھی کہ مردار کھانے پر مجبور تھے۔

چنانچہ اونٹنی مرگئی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کا گوشت کھانے کی اجازت بھی دے دی لیکن کمالِ دیانت سے ذبح کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ مالک آیا تو انہوں نے تمام سرگذشت کہہ سنائی اس نے کہا ذبح کیوں نہیں کر ڈالا؟ بولے: ''تم سے شرم آتی تھی۔''

وہ دوسروں کا حق تو کیا کھاتے ان کا حال تو یہ تھا، کہ وہ اپنا حق بھی دوسروں کے لئے چھوڑ دیتے تھے، خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلانا، خود پیاسے رہ کر دوسروں کو پلانا انہیں بڑا اچھا لگتا تھا۔

ایک بار ایک فاقہ زدہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا سوا اتفاق سے آپ ﷺ کے گھر پانی کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا آج کی شب کون اس مہمان کا حقِ ضیافت ادا کرے گا؟ ایک انصاری یعنی ابوطلحہؓ نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! میں۔'' چنانچہ اس کو ساتھ لے کر گھر آئے، بی بی سے پوچھا کچھ ہے؟ بولیں: ''صرف بچوں کا کھانا ہے۔'' بولے بچوں کو تو کسی طرح بہلاؤ جب میں مہمان کو گھر لے آؤں تو چراغ بجھا دو اور میں اس پر یہ ظاہر کروں گا کہ ہم بھی ساتھ کھا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ صبح کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ رات خدا تمہارے ان حسن سلوک سے بہت خوش ہوا اور یہ آیت نازل فرمائی: وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ''وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں گو وہ خود تنگ دست ہوں۔''

ایک غزوہ میں حضرت عکرمہؓ، حضرت حارث بن حشامؓ اور حضرت سہل بن عمروؓ زخم کھا کر زمین پر گرے اور اس حالت میں حضرت عکرمہؓ نے پانی مانگا، پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہیل پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں بولے پہلے ان کو پلاؤ، حضرت سہیلؓ کے پاس پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت حارث بن ہشامؓ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے، بولے ان کو پلاؤ بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ گیا اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دی۔

حضرت سعد بن عبادہؓ کے قلعہ کے اوپر سے روزانہ ایک آدمی پکارتا کہ جس کو گوشت اور چربی کی خواہش ہو وہ یہاں آئے۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے تو زیادہ تر وہی کھانا تیار کروا کے بھیجتے تھے۔ اصحاب صفہ کے معاش کا زیادہ تر دارومدار ان ہی کی فیاضی پر تھا۔ چنانچہ جب شام ہوتی تو اور صحابہ ان میں سے ایک یا دو کو لے جاتے لیکن وہ اسّی اسّی آدمیوں کو لے جا کر کھانا کھلاتے تھے۔ (بحوالہ چیدہ چیدہ از ندائے منبر ومحراب)

عہد صحابہؓ کی دلکش تصویر

قرآن مجید نے صحابہؓ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ''وہ کافروں کے لئے تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل'' ان کی زندگی ان کے آپس کے تعلقات ان کا ایک دوسرے کے ساتھ سلوک و باہمی محبت اکرام واحترام پاسداری اور ادائے حقوق کے واقعات اس آیت قرآنی کی تائید کرتے ہیں۔ اس کے خلاف جو بھی بیان کیا گیا ہے یا بیان کیا جائے وہ قرآن کی تکذیب تاریخ کی تغلیط اور تربیت نبوی ﷺ کے بارے میں بدگمانی اور تشکیک کے مترادف ہے، بطور دلیل یہ واقعات ملاحظہ کریں:۔

بخاری شریف کی روایت ہے، عقبہ بن حارث کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عصر کی نماز پڑھی پھر باہر نکل کر ٹہلنے لگے، آپؓ نے حضرت حسنؓ کو دیکھا کہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسے اپنے کندھے پر بٹھالیا اور فرط محبت سے کہا: ''میرا باپ قربان ہو، یہ تو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہیں، حضرت علیؓ کے مشابہ نہیں۔'' حضرت علیؓ سن رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔

ابن سعد حضرت جعفر سے روایت کرتے ہیں وہ حضرت محمد باقر سے وہ امام زین العابدین سے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس یمن کے حُلے آئے۔ حضرت عمر نے لوگوں

میں تقسیم کر دیئے وہ یہ پوشاک پہن کر مسجد نبویؐ میں آئے، آپ روضہ اور منبر کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے لوگ آتے سلام کرتے اور دعا دیتے اتنے میں حسنؓ و حسینؓ مکان سے باہر نکلے ان کے جسم پر کوئی حُلہ نہیں تھا۔

حضرت عمرؓ افسردہ اور اداس بیٹھے ہوئے تھے، لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا میں ان بچوں کی وجہ سے مغموم ہوں کہ ان کے بدن کے مطابق کوئی حُلہ نہیں تھا سب بڑی عمر والے کے لئے تھے۔ پھر آپ نے یمن اپنے عامل کو لکھا کہ حسن ﷛ وحسین ﷛ کے لئے دو حُلے بھیجو اور تاخیر نہ کرنا، اس نے فوراً دو پوشاکیں بھجیں۔ آپ نے اپنے ہاتھوں سے ان دونوں کو پہنایا۔ تب اطمینان ہوا۔ ایسی اور مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں لیکن ہم اختصاراً انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

ان خصوصیات کی بنا پر یہ پہلا اسلامی معاشرہ جس کی بنیاد صحبت نبوی تربیت ایمانی اور تعلیمات قرآنی پر پڑی تھی ایک بے خار انسانی گلدستہ بن گیا جس کا ہر پھول اور ہر پتی اس کے لئے باعث زینت تھی۔ مختلف قبائل مختلف خاندانوں اور مختلف حیثیتوں کے افراد ایک خوش اسلوب متحد القلوب خاندان میں تبدیل ہو گئے اور اسلام کی انقلاب انگیز اور رسول اللہ ﷺ کی معجزانہ صحبت نے ان کو شیر و شکر بنا دیا۔

اس موقعہ پر خواجہ الطاف حسین حالؔی کی شہرہ آفاق مسدس کا ایک اقتباس نقل کئے بغیر نہیں رہا جاسکتا جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اس معاشرہ کی بولتی ہوئی تصویر کھینچی گئی ہے۔

یہ تصویر مبنی بر حقیقت ہونے کے ساتھ ساتھ ایسی دلکش و دل آویز ہے اس کی پوری نسلِ انسانی کے وسیع اور ضخیم مرقع میں پیغمبروں کی سیرت و تاریخ کے بعد سب سے پہلی اور اونچی جگہ دینی چاہئے۔

مولانا حالؔی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور خلافتِ راشدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت　　ادا کر چکی فرض اپنا رسالت

رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت　　نبیؐ نے کیا خلق سے قصدِ رحلت

تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی

کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

سب اسلام کے حکم بردار بندے　　سب اسلامیوں کے مددگار بندے

خدا اور نبی کے وفادار بندے　　یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے

رہِ کفر و باطل سے بیزار بندے

نشہ میں مئے حق کے سرشار بندے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے　　کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے

سر احکام دین پر جھکا دینے والے　　خدا کے لئے گھر لٹا دینے والے

ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے

فقط اک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا　　تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا

جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا　　خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا

یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی

ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت　　نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت

امیر اور لشکری کی تھی ایک صورت　　فقیر اور غنی سب کی تھی ایک جیسی حالت

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا

نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہباں　　ہو گلہ کا جیسے نگہباں چوپاں

سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں　　نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں

کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

رہِ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی　　فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی　　شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی

جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کردیا گرم گرما گئے وہ

کفایت جہاں چاہتے واں کفایت　　سخاوت جہاں چاہتے واں سخاوت
جچی اور تلی دشمنی اور محبت　　نہ بے وجہ الفت نہ بے وجہ نفرت

جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی
رکا حق سے جو رک گئے اس سے وہ بھی

قرآن مجید احادیث صحیح اور مستند تاریخ کی روشنی میں اسلامی معاشرہ کے جو خدوخال اس کا جو سراپا اور نقشہ اور اس سے آگے بڑھ کر اس کا مذاج ومذاق سامنے آتا ہے اس سے نہ صرف اولین مسلمان اور آغوش نبوت کے پروردہ اور درس گاہ نبوی کے تربیت یافتہ لوگوں کی ایک ایسی بڑی تعداد میں افراد انسانی کی ایک حسین اور دلکش تصویر سامنے آتی ہے جس سے بہت کم تعداد میں بھی اور صدیوں کے فرق اور مکان وزماں کے تفاوت سے بھی کوئی ایسی معیاری اور مثالی جماعت نظر نہیں آتی اس جماعت سے انسانی فطرت کی خیر قبول کرنے کی صلاحیت، اس کی ترقی، پاکیزگی، بلند پروازی ایسے وسیع امکانات جہاں انسانوں کی ذہانت پہنچنی مشکل ہے۔ مخلص اور مؤید من اللہ مصلحین ومربیوں کی کوشش ومحنت کی کامیابی کا ثبوت ملتا ہے اور انسانیت کو خود اپنے اوپر ناز کرنے اور ہر دور کے انسانوں کو فخر ومباہات کا حق حاصل ہوتا ہے کہ ان کی جنس اور نوع میں ایسے بلند پایہ انسان پیدا ہوئے جن میں ہر ایک بقول اقبال ؎　　خاکی ونوری نہاد بندۂ مولیٰ صفات

کا مصداق تھا۔ اس سے فرد انسانی احساس کہتری مردم بیزاری اور مایوسی کے

امراض سے شفا پاتا ہے۔ صحیح خطوط پر کام کرنے والوں کا حوصلہ بلند ہوتا ہے اور انبیاء و مرسلین ؑ سے عمومیت کے ساتھ اور سید المرسلین خاتم النبیین رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے خصوصیت کے ساتھ عظمت و عزت راسخ ہوتی ہے۔

آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کے نتائج کو دیکھ کر ایمان بالغیب ایمان شہودی بن جاتا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے بہت صحیح لکھا ہے۔ مجموعی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کے بعد افرادِ انسانی کا کوئی مجموعہ اور انسانوں کی کوئی نسل صحابہ کرام ؓ سے بہتر سیرت و کردار کی نظر نہیں آتی۔ (تحریر مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ)

صحابہ کرام ؓ نے آپ ﷺ کے لئے سب کچھ لٹا دیا

صحابہ اکرمؓ کے سینوں پر انوار رسالت براہ راست پڑے تھے انہوں نے اپنے گھر بار اپنا مال و منال اپنا سب کچھ حضور ﷺ کی خاطر لٹا دیا۔

صدیق اکبرؓ کو دیکھئے ابھی اسلام کا آغاز تھا۔ مکے کی بستی کافروں سے بھری ہوئی تھی حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کی محبت سے سرشار تھے۔ آپ ﷺ سے التجا کی کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں لوگوں کو اعلانیہ آپ ﷺ کی رسالت کی اطلاع دوں اور آپ ﷺ سے فیضیاب ہونے کی دعوت دوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابوبکرؓ! ذرا صبر سے کام لو، ابھی ہم تعداد میں کم ہیں۔“ حضرت ابوبکر ؓ پر غلبہ حال طاری تھا انہوں نے پھر اصرار کیا حتیٰ کہ حضور ﷺ نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بے خوف و خطر لوگوں کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دی۔ البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: فَکَانَ اَوَّلُ خَطِیبٍ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَاِلٰی رَسُوْلِہٖ. ”حضور ﷺ کی بعثت کے بعد حضرت ابوبکرؓ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا۔“

مشرکینِ مکہ آپ ؓ پر ٹوٹ پڑے آپ ؓ کو سخت پیٹا اور روندا، عقبہ بن ربیعہ نے

آپ ﷺ کے چہرے پر بے تحاشا تھپڑ مارے۔ آپ ﷺ قبیلہ بنو تمیم سے تھے آپ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی تو وہ دوڑے ہوئے آئے مشرکین سے انہیں چھڑا کر ان کے گھر چھوڑ آئے حضرت ابوبکر صدیقؓ بے ہوش تھے اور لوگوں کا خیال تھا کہ وہ جانبر نہ ہو سکیں گے وہ دن بھر بے ہوش رہے شام ہوئی تو آپ کو ہوش آیا، آپ کے والد ابو قحافہ اور آپ کے قبیلے کے لوگ آپ کے پاس کھڑے تھے، ہوش میں آتے ہی پہلی بات انہوں نے یہ کہی کہ: ''رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟''

ان کے قبیلے کے لوگ برہم ہوئے اور انہیں ملامت کی کہ جس کی وجہ سے یہ ذلت و رسوائی تمہیں اٹھانی پڑی اور یہ مار پیٹ تمہیں برداشت کرنا پڑی ہوش میں آتے ہی تم پھر اسی کا حال پوچھتے ہو۔ ان اندھوں کو کیا خبر تھی کہ ان کی خاطر سختیاں جھیلنے میں جو لذت ہے وہ دنیاداروں کو پھولوں کی سیج پر اور بستر پر حاصل نہیں ہوتی ہے۔

اے جفاہائے و خوشتر ز وفائے دیگراں

ان کے قبیلے کے لوگ مایوس ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور ان کی ماں ام الخیر سے کہہ گئے کہ جب تک محمد (ﷺ) کی محبت سے یہ باز نہ آجائے اس کا بائیکاٹ کرو اور اسے کھانے پینے کو کچھ نہ دو ماں کی مامتا تھی جی بھر آیا کھانا لا کر سامنے رکھ دیا اور کہا کہ دن بھر کے بھوکے ہو کچھ کھالو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا: ''ماں! خدا کی قسم میں کھانا نہیں چکھوں گا اور پانی کا گھونٹ تک نہیں پیوں گا جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نہ کرلوں۔''

حضرت عمرؓ کی بہن ام جمیل آگئیں اور بتایا کہ حضور ﷺ بخیریت ہیں، اور دارِ ارقم میں تشریف فرما ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ زخموں سے چور تھے چلنے کے قابل نہ تھے اپنی ماں کے سہارے سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان پر جھک پڑے اور انہیں چوما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سخت گریہ طاری تھا۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ صدیق

اکبر حضور ﷺ کی محبت میں اپنے جسم اور اپنی جان کی سب کلفتیں بھول گئے۔

صحابہ کرام حضور ﷺ کی زیارت کو ترستے تھے آپ ﷺ نے مرض الموت میں جب پردہ اٹھا کر دیکھا اور صحابہ کرامؓ کو نماز کی حالت میں دیکھ کر مسکرائے تو صحابہ کرامؓ میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''ہم نے حضور ﷺ کے مکھڑے سے زیادہ حسین منظر نہیں دیکھا ہے۔ کچھ عاشقانِ رسول ﷺ ایسے بھی تھے جن کو اپنی آنکھیں محض اس لئے عزیز تھیں کہ ان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوتی ہے۔

نازم بچشم خود جمال تو دیدہ است

ایک صحابیؓ کی آنکھیں جاتی رہیں، لوگ عیادت کو آئے تو کہنے لگے یہ آنکھیں تو مجھے اس لئے عزیز تھیں کہ ان سے آپ ﷺ کی زیارت ہوتی تھی جب وہی نہ رہے تو ان آنکھوں کے جانے کا غم کیا ہے؟۔ کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین تو ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے روز روز کا جھگڑا ہی چکا دیا تھا۔ زندگی کا سب کاروبار چھوڑ چھاڑ کر حضور ﷺ کی خدمت کے لئے وقف ہو گئے تھے، حضرت بلال کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ آپ ﷺ کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا آپ ﷺ کے گھر کا سب کام کاج حضرت بلالؓ ہی کرتے تھے دنیا کے سب دھندوں کو خیر باد کہہ چکے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی آپ سفر کے لئے تشریف لے جاتے ساتھ ہو لیتے، آپ کو جوتیاں پہناتے آپ کی جوتیاں اتارتے سفر میں آپ کا بچھونا، مسواک، جوتا اور وضو کا پانی ان ہی کے پاس ہوتا تھا، اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو صحابہ کرامؓ سوادِ رسول (ﷺ) کہتے تھے یعنی حضور ﷺ کے میر ساماں تھے۔

حضرت ربیعہ اسلمیؓ سارا دن آپ ہی کی خدمت میں رہتے تھے جب آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر کاشانۂ نبوت میں تشریف لے جاتے تو آپؓ باہر دروازے پر بیٹھے رہتے کہ شاید آپ ﷺ کو کوئی کام پڑ جائے اور میرے بھاگ جاگ اٹھیں اور حضور ﷺ کی

خدمت کی سعادت نصیب ہو جائے۔

ایک دن حضور ﷺ نے ربیعہؓ سے فرمایا: ”ربیعہؓ! تم شادی کیوں نہیں کرتے؟......“ کہنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! شادی کی تو آپ (ﷺ) کا آستانہ مجھ سے چھوٹ جائے گا۔ مگر حضور ﷺ نے بار بار اصرار کیا اور وہ مجبور ہو گئے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ آپ کے مستقل خدمت گزار تھے آپ ﷺ سفر پر جاتے تو حضرت عقبہ بن عامرؓ پیدل آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلتے اور آپ ﷺ کی اونٹنی ہانکتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ کو ان کی والدہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت کے لئے بچپن ہی میں وقف کر گئیں تھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی بارگاہ رسالت میں ہمیشہ حاضر رہتے۔

عشق و شیفتگی کی یہی کیفیت تھی جس کی وجہ سے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتے رہے، وہ صرف مصیبتیں جھیلتے ہی نہ تھے بلکہ ان مصیبتوں میں ایک لذت اور سُرور محسوس کرتے تھے۔

محبت کا یہ جذبہ ان میں ایسی سرشاری پیدا کرتا تھا کہ جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت انہیں محسوس ہی نہیں ہوتی تھی۔ صحابہؓ میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جن کی عمر اتنی نہ ہوئی کہ وہ اسلام کی غربت کے ساتھ ساتھ اسلام کے عروج و اقبال کا زمانہ بھی دیکھتے اور عدیؓ بن حاتم کی طرح کہہ سکتے: كُنتُ فِي من فتحَ كُنُوزَ كِسرىٰ ”میں ان لوگوں میں سے تھا۔ جنہوں نے کسریٰ کے خزانوں کو کھولا“ تاہم جب دنیا سے گئے، تو اس عالم میں گئے، کہ ان سے زیادہ عیش و خوشحالی میں شاید ہی کسی نے دنیا چھوڑی ہو۔

بدر و احد کے شہیدوں کا حال پڑھو، ایمان لانے کے بعد جو کچھ بھی حصہ میں آیا وہ دن رات کی کاوشوں اور مصیبتوں کے سوا کیا تھا؟ وہ اسلام کی فتح یابیوں اور کامرانیوں سے پہلے ہی دشمنوں کی تیغ و سناں سے چور میدان جنگ میں قدم توڑ رہے تھے مگر دیکھو کہ پھر بھی ان کے دل کی شادمانیوں کا کیا حال تھا۔

جنگ احد میں سعد ﷺ بن ربیع کو لوگوں نے دیکھا کہ زخمیوں میں پڑے دم توڑ

رہے ہیں۔ پوچھا: ''کوئی وصیت اگر کرنی ہو تو کر دو۔'' کہا: ''اللہ کے رسول ﷺ کو میرا اسلام پہنچا دینا اور میری قوم سے کہہ دینا کہ راہ خدا میں اپنی جانیں نثار کرتے رہیں۔

عمارہؓ بن زیاد زخموں سے چور جانکنی کی حالت میں تھے کہ خود حضور ﷺ سرہانے پہنچ گئے اور عمارہؓ کے بھاگ جاگ اٹھے۔

فرمایا: ''عمارہ! کوئی آرزو ہو تو کہو۔'' عمارہ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹ کر آپ کے قدموں کے قریب کر دیا اور درد بھری آواز میں بولے: ''میری آرزو یہ ہے کہ جان نکلتے وقت آپؐ کے چہرے پر میری نظریں جمی ہوئی ہوں اور میری نظروں میں آپؐ کے سوا کچھ نہ ہو۔ عورتوں تک کا یہ حال تھا کہ بیک وقت انہیں ان کے شوہر بھائی اور باپ کے شہید ہو جانے کی خبر سنائی جاتی تھی اور وہ کہتی تھیں: ''یہ تو ہوا، مگر یہ تو بتلاؤ اللہ کے رسول ﷺ کا کیا حال ہے؟......'' مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں جو شخص اقتداء کرنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ اصحابِ رسول ﷺ کی اقتداء کرے، اس لئے کہ ان کے دل ساری امت سے زیادہ نیک اور پاک تھے، ان کے علم میں سب سے زیادہ گہرائی تھی۔ وہ سب سے کم تکلف کرنے والے تھے۔ وہ سب سے زیادہ سیدھی راہ پر تھے، ان کے حالات سب سے بہتر تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی صحبت کے لئے چن لیا تھا، پس تم ان کی قدر و منزلت کو پہچانو، اور ان کے نقش قدم پر چلو اس لئے کہ سیدھی راہ پہ گامزن یہی لوگ تھے۔

صحابہ کرامؓ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سید اولین و آخرین کی صحبت کے لئے چن لیا تھا اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہوئی کہ وہ خاتم النبیین سے براہِ راست فیض حاصل کریں اور حضور ﷺ خود ان کا روحانی تزکیہ کریں اور خود کتاب و حکمت کی انہیں تعلیم دیں۔

ان کی شان میں گستاخی سراسر موجب حرماں ہے، ان کے بارے میں دل میں بغض رکھنا سراسر باعث خسراں ہے، غرض یہ کہ صحابہ کرام کا ادب و احترام رکھنا ہر مسلمان پر

واجب ہے۔

۱۔ اس لئے کہ آفتاب نبوت کی شعاعیں براہ راست ان کے سینوں پر پڑی تھیں اور اس سعادت عظمیٰ میں کوئی طبقہ امت ان کا سہیم وشریک نہیں ہے۔

۲۔ صحابہ کرام نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر اپنا مال اپنا گھر بار اپنی جانیں، اپنی اولاد سب کچھ نچھاور کر دیا۔

۳۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور امت کے درمیان صحابہ کرام ہی وہ واسطہ اور رابطہ ہیں جن کے ذریعے اطراف عالم میں کتاب وسنت کی تمام تعلیمات کا ابلاغ ہوا اگر ان کی ثقاہت بے داغ نہ ہوتی تو دین کی حفاظت کا کوئی امکان نہ تھا۔

(تحریر: سید ابوبکر غزنویؒ از: حیات صحابہؓ کے درخشاں پہلو)

صحابہ کرامؓ کی خصوصیات کے چند درخشاں پہلو

رسول اکرم ﷺ کے اصحابؓ سادہ لفظوں میں محض اصحاب نہ تھے بلکہ وہ خود تاریخ رسالت کا لازمی جز تھے۔ اللہ نے ان کو اس لئے منتخب کیا تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے معاون بنیں۔ وہ آپ ﷺ کے شریک کار بن کر اس ربانی مشن کو تکمیل تک پہنچائیں جو آپ کے ذریعہ پورا کیا جانا مطلوب تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اصحاب رسول کے بارے میں فرمایا: ''ان کو اللہ نے اپنے رسول کی صحبت کے لئے اور اپنے دین کی اقامت کے لئے چن لیا تھا۔ **اختار هم الله لصحبة نبيه و لا قامة دينه.**

اصحاب رسول کو ان کی کن خصوصیات نے یہ تاریخی مقام دیا، ذیل میں اس کے چند پہلو مختصراً درج کئے جاتے ہیں۔

صحابہؓ کے لئے دین کا محبوب چیز بن جانا

اصحاب رسول کی خصوصیت قرآن میں یہ بتائی گئی ہے کہ ایمان ان کے لئے ایک محبوب شئے بن گیا تھا۔ (الحجرات)

محبت کسی چیز سے تعلق کا آخری درجہ ہے۔اور جب کسی چیز سے محبت کے درجہ کا تعلق پیدا ہو جائے تو وہ آدمی کے لئے ہر چیز کا بدل بن جاتا ہے۔اس کے بعد آدمی کا ذہن اس چیز کے بارے میں اس طرح متحرک ہو جاتا ہے کہ آدمی بغیر بتائے ہوئے اس سے متعلق ہر بات کو جان لیتا ہے۔اس کو خواہ معروف معنوں میں کوئی نقشہ کار نہ دیا گیا ہو مگر اس کا ذہن خود بتا دیتا ہے کہ اس کو اپنی محبوب شئے کے لئے کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے (التوبہ۔۴۶)

محبت کی سطح کے تعلق کا مطلب ہے دل چسپی کی سطح کا تعلق یعنی یہ کہ آدمی اسلام کے نفع نقصان کو خود اپنا نفع نقصان سمجھنے لگیں۔اصحابِ رسول (ﷺ) کو اسلام سے اسی قسم کا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔وہ اسلام کے فائدہ سے اسی طرح خوش ہوتے تھے جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے کی کامیابی سے خوش ہوتا ہے۔

اسلام کو کوئی نقصان پہنچے تو وہ اسی طرح بے چین ہو جاتے تھے جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کے متعلق ناخوش گوار خبر سن کر تڑپ اٹھتا ہے،اور اس وقت تک اسے چین نہیں آتا جب تک وہ اس کی تلافی نہ کر لے۔

کسی چیز سے محبت کے درجے کا تعلق پیدا ہو جائے تو آدمی کا ذہن اس کے بارے میں پوری طرح جاگ اٹھتا ہے۔وہ اس کی خاطر ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔اس کی ضرورت اور تقاضوں کو وہ بتائے بغیر جان لیتا ہے۔اس کی بات کو پانے کے لئے کوئی نفسیاتی گرہ اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔اس راستے میں اپنا حصہ ادا کرنے کے لئے وہ کسی چیز کو عذر نہیں بناتا۔

جب آدمی کسی معاملہ کو اپنا معاملہ سمجھ لے تو اس کے بعد اس کو نہ زیادہ بتانے کی ضرورت ہوتی اور نہ زیادہ سمجھنے کی۔اس کا قلبی تعلق اس کے لئے ہر دوسری چیز کا بدل بن جاتا ہے۔وہ کسی معاوضہ کی امید کے بغیر یک طرفہ طور پر اپنا سب کچھ اس کے لئے لٹا دیتا ہے۔اس کی خاطر کھونا بھی اس کو پانا معلوم ہوتا ہے۔اس کی خاطر بے قیمت ہو جانا اس کی نظر میں سب سے زیادہ قیمتی ہو جاتا ہے۔اس کے لئے وہ ہر دوسری مصلحت کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

اس کے لئے وہ ہر تکلیف کو اس طرح سہہ لیتا ہے جیسے کہ وہ کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔

اصحاب رسول (ﷺ) کوئی غیر معمولی انسان نہ تھے۔ وہ کوئی ماورائے بشر مخلوق نہیں تھے۔ ان کی خصوصیت صرف یہ تھی کہ "محبت" کے درجہ کا تعلق جو عام انسانوں کو صرف اپنے آپ سے ہوتا ہے وہی تعلق ان کو دین وایمان سے ہو گیا تھا۔ عام آدمی اپنے مستقبل کی تعمیر کو جو اہمیت دیتا ہے وہی اہمیت وہ اسلام کے مستقبل کی تعمیل کو دینے لگے تھے۔

وہ دین کے لئے اپنا حصہ ادا کرنے کو اتنا ہی ضروری سمجھنے لگے تھے جتنا کوئی شخص ذاتی دلچسپی کے معاملہ میں اپنے آپ کو اور اپنے اثاثہ کو استعمال کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ ان کی یہی خصوصیت تھی کہ وہ تاریخ کے وہ گروہ بنے جس نے اسلام کو عظیم ترین کامیابی کے مقام تک پہنچایا۔

صحابہؓ نے پیغمبر ﷺ کو آغاز تاریخ میں پہچانا

صحابہؓ کی یہ انوکھی صفت تھی کہ انہوں نے اپنے ایک معاصر رسول (ﷺ) کو پہچانا اور اس کا ساتھ دیا۔ یہ کام اتنا مشکل ہے کہ انسانی تاریخ میں جماعت کی سطح پر صرف ایک بار پیش آیا ہے۔ قدیم تاریخ کے ہر دور میں یہ قصہ پیش آیا کہ رسولوں کے مخاطبین نے ان کا انکار کیا اور ان کا مذاق اڑایا۔

بائبل میں ہے کہ: "تم نے میرے نبیوں کو ناچیز جانا" یہ نبیوں کو ناچیز جاننے والے کون لوگ تھے؟ یہ وہ لوگ تھے، جو وحی ورسالت کو مانتے تھے۔ نبیوںؑ کے نام پر ان کے یہاں ادارے قائم تھے اور بڑے بڑے جشن ہوتے تھے۔ مگر یہ سب قدیم نبیوںؑ کے نام پر ہوتا تھا۔ جہاں تک وقت کے نبیؑ کا سوال تھا اس کے لئے ان کے پاس استہزاء وتمسخر کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہود نے حضرت مسیحؑ کا انکار کیا، حالانکہ وہ موسیٰؑ کو مانتے تھے۔ نصاریٰ نے حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا، حالانکہ وہ حضرت مسیحؑ کی پرستش کی حد تک عزت کرتے تھے۔ اسی طرح قریش نے رسول اللہ ﷺ پر پتھر مارے اور آپ کو گھر سے نکالا، حالانکہ وہ حضرت

ابراہیم کے وارث ہونے پر فخر کرتے تھے۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم نبیؑ کی نبوت تاریخی روایات کے نتیجہ میں ثابت شدہ نبوت بن جاتی ہے۔ وہ کسی قوم کے قومی اثاثہ کا ایک لازمی جز ہوتی ہے۔ کسی قوم میں آنے والا نبی اس کے بعد کی نسلوں کے لئے ایک طرح کا مقدس ہیرو بن جاتا ہے۔ اس کو ماننا اپنے قومی تشخص کو قائم کرنے کے ہم معنی ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے نبی کو کون نہیں مانے گا۔ مگر وقت کے نبی کی نبوت ایک متنازعہ نبوت ہوتی ہے۔ وہ التباس کے پردہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کو ماننے کے لئے ظاہر کا پردہ پھاڑ کر حقیقت کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اس کا ساتھ دینے کے لئے اپنی انا کو دفن کرنا ہوتا ہے۔ اس کے مشن کی راہ میں اپنا سرمایا خرچ کرنا ہوتا ہے جس کا برسرِ حق ہونا ابھی اختلافی ہو، جس کے بارے میں تاریخ کی تصدیقات ابھی جمع نہ ہوئی ہوں۔ صحابہ کرام ﷺ وہ لوگ تھے جنہوں نے معاصر رسول (ﷺ) کو اس طرح مانا جس طرح کوئی شخص تاریخی رسول کو مانتا ہے۔

غزوۂ خندق میں جب محاصرہ شدید ہوا اور معمولی ضروریات کی فراہمی ناممکن ہوگئی تو ایک مسلمان کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ: ''محمد ﷺ ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ ہم کسریٰ اور قیصر کے خزانے حاصل کریں گے اور اب یہ حال ہے کہ ہمارا ایک شخص بیت الخلاء جانے کے لئے بھی محفوظ نہیں۔'' (سیرۃ ابن ہشام) غزوۂ خندق کے وقت رسول اللہ ﷺ کا وعدہ محض ایک لفظی وعدہ تھا، آج یہ تاریخی واقعہ بن چکا ہے، صحابہؓ نے اس وعدہ کے تاریخی بننے سے پہلے کی عظمت کو مانا۔ ہم آج اس وعدہ کے تاریخی واقعہ کے بعد رسول ﷺ کی عظمت کو مان رہے ہیں۔ دونوں ماننے میں اتنا زیادہ فرق ہے کہ ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت نہیں۔ آج ایک غیر مسلم محقق بھی پیغمبر اسلام کو تاریخ کا سب سے بڑا انسان کہنے پر مجبور ہے۔ مگر آپ کی زندگی میں آپ کی عظمت کو پہچاننا اتنا مشکل تھا کہ صرف وہی لوگ اس کو پہچان سکتے تھے جن کو خدا کی طرف سے خصوصی توفیق ملی ہو۔

(۴) صحابہؓ کا قرآن کو دورِ نزاع میں اپنانا

سیرت کی کتابوں میں صحابہؓ کا دعوتی طریقہ یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ قرآن کے نازل شدہ حصہ کو لے لیتے اور اس کو لوگوں کے سامنے پڑھ کر سناتے تھے۔ **فعرض علیھم الاسلام وتلا علیھم القرآن**۔ چنانچہ مدینہ میں جو صحابہ کرامؓ تبلیغ کے لئے گئے ان کو وہاں مقری (قرآن پڑھنے والا) کہا جاتا تھا۔ یہ بات آج کے دور میں بظاہر انوکھی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن سوا چودہ سو سال کی تاریخ کو حذف کر کے اسلام کے ابتدائی دور میں پہنچ جائیں، اور اس وقت کے حالات میں اسے دیکھیں تو یہ اتنا انوکھا واقعہ معلوم ہوگا، کہ نہ اس سے پہلے وہ کبھی جماعتی سطح پر پیش آیا ہے اور نہ اس کے بعد۔

آج جب ہم لفظ ''قرآن'' بولتے ہیں تو یہ ہمارے لئے ایک ایسی عظیم کتاب کا نام ہوتا ہے جس نے چودہ صدیوں میں اپنی عظمت کو اس طرح مسلم کیا ہے کہ آج کروڑوں انسان اس کو خدا کی کتاب ماننے پر مجبور ہیں۔ آج اپنے آپ کو قرآن سے منسوب کرنا کسی آدمی کے لئے فخر واعزاز کی بات بن چکی ہے۔ مگر زمانۂ جہالت میں لوگوں کے نزدیک اس کی یہ حیثیت نہیں تھی۔ عرب میں بہت سے لوگ تھے جو یہ کہتے تھے کہ: محمد نے پرانے زمانے کے قصے کہانیوں کو جوڑ کر ایک کتاب بنالی ہے۔ ''ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی ایک کتاب بنالیں۔'' (الانفال ۳۱)

کوئی قرآن میں تکرار کو دیکھ کر کہتا کہ یہ کوئی خاص کتاب نہیں۔ ''محمد کے پاس بس چند باتیں ہیں، انہیں کو وہ صبح وشام دہراتے رہتے ہیں۔'' (الفرقان ۵)

ایسی حالت میں قرآن کو پہچاننا گویا مستقبل میں ظاہر ہونے والے واقعہ کو حال میں دیکھنا تھا۔ یہ ایک چھپی ہوئی حقیقت کو اس کے ثابت شدہ بننے سے پہلے پالینا تھا۔ پھر ایسے وقت میں قرآن کو کتاب دعوت بنالینا اور بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ کیونکہ اس کے لئے اپنی عظمت کو کھو کر دوسروں کی عظمت میں گم ہونا پڑتا ہے۔ یہ اپنے مقابلہ میں دوسری شخصیت کا

اعتراف کرنا ہے، اور وہ بھی ایسی شخصیت کا جس کی حیثیت ابھی مسلّم نہ ہوئی ہو۔ عرب کے مشہور شاعر لبیدؓ نے اسلام قبول کیا اور شاعری چھوڑ دی۔ کسی نے پوچھا کہ تم نے شاعری کیوں چھوڑ دی؟

لبیدؓ نے کہا: ابعد القرآن ''کیا قرآن کے بعد بھی'' آج کوئی آدمی شاعری چھوڑ کر یہ جملہ کہے تو اس کو زبردست عظمت اور مقبولیت حاصل ہوگی۔ مگر لبید کے قول میں اور شاعر کے قول میں کوئی نسبت نہیں کیونکہ آج کا شاعر تاریخ کے اختتام پر یہ جملہ کہہ رہا ہے جب کہ لبیدؓ نے تاریخ کے آغاز پر یہ جملہ کہا تھا۔ یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن میں ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے: لَایَسْتَوِی مِنکُم مَّنْ اَنفَقَ مِن قَبْلِ الفَتحِ وقَاتَلَ اُولٰئکَ اَعظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الذِینَ اَنفَقُوا مِن بَعدُ وقَاتَلُوا۔ (الحدید۱۰)

''تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہوسکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا۔ ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔

(۴) صحابہؓ کا خوب مال لٹانا

ابن ابی حاتم نے ایک صحابیؓ کا واقعہ کچھ ان الفاظ میں نقل کیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ:۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب قرآن میں یہ آیت اتری کہ: ''کون ہے؟...... جو اللہ کو قرضِ حسن دے۔'' تو حضرت ابو دحداح انصاریؓ نے رسولِ اکرم ﷺ سے کہا کہ: ''اے خدا کے رسول ﷺ! کیا اللہ واقعی ہم سے قرض چاہتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابو دحداح! ہاں۔'' انہوں نے کہا: ''اے خدا کے رسول ﷺ! اپنا ہاتھ لائیے۔''

راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا۔ ابو دحداح نے کہا کہ: ''میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دے دیا۔'' ان کا ایک کھجوروں کا باغ تھا جس میں

چھ سو درخت تھے۔ اس وقت ان کی بیوی ام دحداح اپنے بچوں کے ساتھ باغ میں تھیں۔ وہ باغ میں واپس آئے اور آواز دی کہ اے ام دحداح! انہوں نے کہا ہاں! ابو دحداح نے کہا باغ سے نکلو، کیونکہ اس کو میں نے اپنے رب کو قرض میں دے دیا۔ بیوی نے کہا: ”اے ابو دحداح! آپ کی تجارت کامیاب رہی۔“ اور اس کے بعد اپنے سامان اور اپنے بچوں کو لے کر باغ سے نکل آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ابو دحداح کے لئے جنت میں کتنے ہی شاداب اور پھل دار درخت ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہ ایک نمائندہ واقعہ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ جس دین پر ایمان لائے تھے اس دین کی خاطر قربانی پیش کرنے کے لئے وہ کس قدر بے چین تھے۔ یہاں دوبارہ ذہن میں رکھ لیجئے کہ یہ واقعہ چودہ سو سال پہلے کا ہے۔ آج کوئی شخص دین پر اس قسم کا انفاق کرے تو عین ممکن ہے کہ لاکھوں مسلمانوں کے درمیان مقبولیت کی صورت میں اس کو بہت جلد اپنے انفاق سے زیادہ بڑی چیز مل جائے گی۔

مگر اصحاب رسول کے زمانے میں صورت حال بالکل مختلف تھی۔ اس وقت دین کی راہ میں اپنا مال لٹانا ماحول میں دیوانگی کا خطاب پانے کا ذریعہ تھا۔ وہ اونچے میناروں پر نمایاں ہونے کے بجائے بنیاد کی زمین میں دفن ہونے کے ہم معنی تھا۔ اس وقت ایسا اقدام ایک ایسی تحریک کے خانہ میں لکھا جانے والا تھا جس کی صداقت ابھی مشتبہ تھی جس کی پشت پر تاریخ کی تصدیقات ابھی جمع نہیں ہوئی تھی۔ یہ ایک غیر مسلمہ مد میں اپنا اثاثہ پیش کرنا تھا، جب کہ آج کا آدمی ایک مسلمہ مد میں اپنا اثاثہ پیش کرتا ہے۔

(۵) صحابہؓ کا اپنا تاج دوسرے کے سر پر رکھنا

مدینہ میں عبداللہ بن ابی بہت عاقل اور صاحب شخصیت آدمی تھا، وہ مدینہ کا سب سے ممتاز سردار سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ مدینہ کے باشندوں کو اپنا اختلاف و انتشار ختم کرنے کا احساس ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن ابی کو منتخب کیا کہ اس کو اپنا بادشاہ بنائیں اور اس کی

علامت کے طور پر اس کو ایک تاج پہنائیں۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۲)

عبداللہ بن ابی کی تاج پوشی کا انتظام مکمل ہو چکا تھا عین اس وقت اسلام مدینہ میں پہنچ گیا۔ مدینہ کے باشندوں نے اس کی صداقت کی گواہی دی اور اسلام گھر گھر میں پھیلنے لگا۔ اس کے بعد مدینہ کے باشندوں کا ایک نمائندہ وفد مکہ آیا اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ ﷺ کی زبان سے آپ ﷺ کا پیغام سنا۔

انہیں نظر آیا کہ مدینہ کی اجتماعی تنظیم کے لئے انہیں جو شخصیت درکار ہے وہ زیادہ بہتر طور پر محمدؐ بن عبداللہ کی صورت میں موجود ہے۔ انہوں نے مدینہ کے لوگوں کی طرف سے آپ کو پیش کش کی کہ آپ مدینہ آئیں اور وہاں ہمارے سردار بن کر رہیں۔ اسلامی تاریخ کا یہی وہ واقعہ ہے جو بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے۔

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ یہ اپنا تاج دوسرے آدمی کے سر پر رکھ دینے کے ہم معنی تھا۔ اپنی قوم یا قبیلہ سے باہر کسی آدمی کو اپنا غیر مشروط سردار بنا لینا ہمیشہ انسان کے لئے مشکل ترین کام رہا ہے اور قدیم زمانہ میں تو یہ اور بھی زیادہ مشکل تھا۔

مزید یہ کہ جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت ''محمدؐ'' اس پر عظیم ہستی کا نام نہ تھا جس سے ہم آج واقف ہیں۔ اس وقت محمدؐ ایک ایسے انسان تھے جن کو ان کے اہل وطن نے نکال دیا تھا۔ جن کے ساتھ قومی عصبیت اور تاریخی عظمت شامل نہ ہوئی تھی۔ جو نہ صرف متنازعہ شخصیت تھے بلکہ ایک لٹے ہوئے بے گھر انسان تھے۔ جن کو اپنا سب کچھ دے دینا تھا، اور ان سے پانا کچھ بھی نہ تھا۔ بیسویں صدی میں کسی برنارڈ شا کے لئے بہت آسان ہے کہ وہ پیغمبر اسلام کے لئے یورپ کی سرداری کی پیش کش کرے۔ لیکن چھٹی صدی میں کسی کے لئے یہ تصور بھی ناممکن تھا کہ وہ آپ کو مان کر آپ کو اپنا اجتماعی امام بنا لیں۔

(۶) صحابہؓ کا اپنی محدودیت کو جاننا

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب بھی کوئی معاملہ پیش آتا تو آپ ﷺ اس کے

بارے میں لوگوں سے مشورہ کرتے۔ آپ اپنے اصحاب کو جمع کرتے اور معاملہ بیان کر کے فرماتے کہ: **اشیروا علیّ ایها لناس "اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔"**

آپ ﷺ بظاہر سب سے مشورہ کرتے۔ مگر عملاً ہوتا کہ کچھ دیر خاموشی رہتی اور اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر مختصراً اپنی رائے ظاہر کر کے بیٹھ جاتے۔ اس کے بعد حضرت عمر کھڑے ہوتے اور مختصراً بول کر بیٹھ جاتے۔ اس کے بعد معمولی طور پر کچھ لوگ بولتے اور اتفاق رائے سے فیصلہ ہو جاتا۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو آپؓ بھی اسی طرح لوگوں کو جمع کر کے مشورہ طلب کرتے، اب یہ ہوتا کہ کچھ دیر کے بعد حضرت عمرؓ کھڑے ہوتے اور مختصراً طور پر اپنی رائے ظاہر کر کے بیٹھ جاتے، اس کے بعد چند لوگ بولتے اور اتفاق رائے سے فیصلہ ہو جاتا۔ حضرت عمرؓ کے بعد اصحاب کی تعداد بڑھ گئی، اور مذکورہ صورت باقی نہ رہی۔ یہ بظاہر ایک سادہ سی بات ہے مگر یہ اتنی اہم بات ہے کہ تاریخ میں کوئی دوسرا معاشرہ نہیں پایا جاتا جس نے اس کا ثبوت دیا ہو۔ یہ طرز عمل صرف اس وقت ممکن ہوتا ہے جب کہ آدمی اتنا خود شناس ہو جائے کہ وہ اپنی کمیوں اور محدودیتوں کو جاننے لگے۔ وہ دوسرے کے "ہے" کے مقابلہ میں اپنے "نہیں" سے واقف ہو جائے۔ وہ اپنے کو اس حقیقت سے دیکھنے لگے جس نظر سے دوسرا شخص اسے دیکھ رہا ہے۔

اس میں اتنا اور اضافہ کر لیجئے کہ یہ واقعہ جس ابوبکر اور عمر ﷺ کے ساتھ پیش آیا وہ ابوبکر اور عمرؓ وہ نہ تھے جن کو آج ہم جانتے ہیں، آج ہم تکمیل تاریخ والے ابوبکر اور عمرؓ کو جانتے ہیں۔ مگر وہ آغاز تاریخ والے ابوبکر اور عمرؓ کو جانتے تھے۔

اس وقت وہ اپنے معاصرین کے لئے صرف ان میں سے ایک تھے، جب کہ آج وہ ہمارے لئے گزری ہوئی تاریخ کے ستون ہیں، جن کو ہم اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کوئی ثابت شدہ واقعہ کو دیکھتا ہے۔ "ابوبکر و عمر" کو تاریخ بننے کے بعد جاننا انتہائی آسان ہے، لیکن "ابوبکر و عمر کو تاریخ بننے سے پہلے جاننا اتنا ہی مشکل ہے۔ اصحاب رسول وہ لوگ تھے جو اس

مشکل ترین معیار پر پورے اترے۔

(۷) صحابہؓ کا ذمہ داری کو اپنے اوپر لے لینا

غزوۂ ذات السلاسل کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ نے اولاً ایک دستہ حضرت عمرو بن العاص کی سرداری میں بھیجا۔ یہ جگہ شام کے اطراف میں تھی۔ حضرت عمرو بن العاص نے وہاں پہنچ کر دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم کیا تو اپنا دستہ انہیں ناکافی معلوم ہوا۔ انہوں نے ایک مقام پر ٹھہر کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ موجودہ فوج ناکافی ہے، مزید کمک روانہ کی جائے۔ رسول اللہ نے مہاجرین میں سے دوسو آدمیوں کا دستہ تیار کیا اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کی سرکردگی میں اس کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابوعبیدہ ؓ جب اپنے دستہ کو لے کر منزل پر پہنچے اور دونوں دستے ساتھ ہو گئے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ دونوں دستوں کا امیر کون ہو حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ دوسرا دستہ میری مدد کے لئے بھیجا گیا ہے اس لئے اصلاً میں ہی دونوں کا امیر ہوں۔ حضرت ابوعبیدہؓ کے ساتھی اس سے متفق نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یا تو ابوعبیدہ دونوں دستوں کے مشترک امیر ہوں یا دونوں دستوں کا امیر الگ الگ رہے۔ جب اختلاف بڑھا تو ابوعبیدہ نے کہا: ”اے عمرو! جان لو کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے جو آخری عہد لیا وہ یہ تھا کہ آپ نے کہا کہ جب تم اپنے ساتھیوں سے ملو تو ایک دوسرے کی بات ماننا اور اختلاف نہ کرنا۔ اس لئے خدا کی قسم اگر تم میری نافرمانی کرو گے تب بھی میں تمہاری اطاعت کروں گا۔ (رواہ البیہقی وابن عساکر)

حضرت ابوعبیدہ کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ ذمہ داری کو عمرو بن العاص پر ڈال کر ان سے لامتناہی بحث کرتے رہیں۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہتے تو وہ بہت سے ایسے الفاظ پا سکتے جن میں ان کا وجود بالکل درست اور دوسرے کا وجود بالکل باطل دکھائی دے۔ مگر اس کے بجائے انہوں نے یہ کیا کہ ساری ذمہ داری خود اپنے اوپر لے لی۔ انہوں نے مسئلہ کو یک طرفہ طور پر ختم کر دیا۔

اجتماعی زندگی میں یہ چیز بے حد ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی اجتماعی زندگی چلتی ہی اس وقت ہے جب اس کے افراد میں اتنی بلندی ہو کہ وہ حقوق کی بحث میں پڑے بغیر اپنے اوپر ذمہ داری لینے کی جرأت رکھتے ہوں۔ جہاں یہ مزاج نہ ہو وہاں صرف آپس کا اختلاف جنم لیتا ہے نہ کہ آپس کا اتحاد۔

(۸) صحابہ ؓ کا شکایات سے اوپر اٹھ کر سوچنا

خالد بن ولید ؓ بے حد بہادر تھے۔ ان کے اندر غیر معمولی فوجی قابلیت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لے کر حضرت ابو بکر کی خلافت تک وہ مسلسل اسلامی فوج کے سردار رہے۔ تاہم حضرت عمر فاروق ؓ کو ان کی بعض عادتیں پسند نہ تھیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابو بکر ؓ سے کہا کہ ان کو سرداری کے عہدے سے ہٹا دیا جائے۔ مگر حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے ان کے مشورہ کو نہیں مانا۔

مگر حضرت عمر فاروق ؓ کو اپنی رائے پر اتنا اصرار تھا کہ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حضرت خالد بن ولید کو سرداری سے معزول کر کے ایک معمولی سپاہی کی حیثیت دے دی۔

اس وقت حضرت خالد شام کے علاقہ میں فتوحات کے کارنامے دکھا رہے تھے۔ عین اس وقت خلیفہ ثانی حضرت عمر نے انہیں معزول کر کے ابو عبیدہ بن الجراح ؓ کو ان کے اوپر سردار لشکر بنا دیا۔ اس کے بعد فوجیوں کی ایک تعداد حضرت خالد بن ولید کے خیمہ میں جمع ہوئی اور ان سے کہا کہ ہم آپ ؓ کے ساتھ ہیں، آپ خلیفہ کا حکم نہ مانیئے۔ مگر حضرت خالد بن ولید نے سب کو رخصت کر دیا، اور کہا کہ میں عمر کے لئے نہیں لڑتا بلکہ عمر کے رب کے لئے لڑتا ہوں۔ وہ پہلے سردار لشکر کی حیثیت سے لڑتے تھے اور اب ایک ماتحت فوجی کی حیثیت سے لڑنے لگے۔ اس قسم کا کردار اسی وقت ممکن ہے جب کہ آدمی اتنا اونچا ہو جائے کہ وہ شکایتوں اور تلخیوں سے اوپر اٹھ کر سوچے اس کا رویہ ردعمل کے طور پر نہ بنے بلکہ مثبت فکر کے

تحت بنے۔ وہ اللہ میں جینے والا ہو نہ کہ انسانی باتوں میں جینے والا۔

(۹) صحابہؓ کا قانونی حد سے آگے بڑھ کر ساتھ دینا

شعبان ۲ھ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ قریش کے تمام سرداروں کی رہنمائی میں ایک ہزار کا لشکر مدینہ کی طرف حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہا ہے۔ اس میں چھ سو زرہ پوش تھے اسی کے ساتھ ایک سو سواروں کا خصوصی دستہ بھی شامل تھا۔ یہ ایک بہت ہی نازک وقت تھا۔ آپ نے مدینہ کے انصار اور مہاجرین کو جمع کیا اور ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے یہ سوال رکھا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے، حسب معمول اولاً مہاجرین کے ممتاز افراد اٹھے اور انہوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول ﷺ! آپ کا رب جس بات کا حکم دے رہا ہے اس کی طرف بڑھئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں ہم یہود کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑیں، ہم یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ آپ اور آپ کا خدا چل کر لڑیں، ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے ہم آپ کا ساتھ چھوڑنے والے نہیں ہیں۔" مگر رسول اللہ ﷺ مہاجرین کی اس قسم کی تقریر کے باوجود بار بار یہ فرمارہے تھے کہ: اشیر و اعلیّ ایھا الناس "لوگو! مجھے مشورہ دو۔

چنانچہ سعد بن معاذ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول ﷺ! شاید آپ کا رخ ہماری طرف ہے۔ آپ نے کہا: "ہاں......" اس پر سعد بن معاذ نے انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا: "ہم آپؐ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی، اور اس بات کی گواہی دی کی جو کچھ آپ لائے ہیں، وہ حق ہے، اور اس پر آپ سے سمع و طاعت کا پختہ عہد باندھ چکے ہیں۔ پس اے خدا کے رسول ﷺ! آپ جو کچھ چاہتے ہیں اس کو کر گزریے، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمیں لے کر سمندر کے سامنے جا پہنچیں اور اس میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں گھس جائیں گے۔ ہم میں سے ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم کو ہرگز یہ ناگوار

نہیں ہے کہ آپ ہمیں لے کر کل کے دن دشمن سے ٹکرا جائیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ مقابلہ کے وقت سچے اترنے والے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھادے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپ ہم کو لے کر چلیں۔ (سیرت ابن ہشام) انصار کے قائد کی اس تقریر کے بعد اقدام کا فیصلہ کرلیا۔

بدر کی جنگ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا بار بار انصار کی طرف رخ کرنا بے سبب نہ تھا۔ اس کا ایک خاص پس منظر تھا۔ ابن ہشام اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے:۔ اور ایسا اس لئے ہوا کہ انصار نے جب عقبہ میں بیعت کی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ اے خدا کے رسول ﷺ! ہم آپ کی ذمہ داری سے بری ہیں یہاں تک کہ آپ ہمارے دیس میں پہنچ جائیں۔ جب آپ ہمارے پاس آجائیں گے تو آپ ہماری ذمہ داری میں ہوں گے اور ہم آپ کا دفاع کریں گے جس طرح ہم اپنے لڑکوں اور عورتوں کا دفاع کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ انصار کہیں سمجھتے ہوں کہ ان پر آپکی مدد کرنا اس وقت ہے جب آپ کا دشمن مدینہ پہنچ کر حملہ کرے۔ ان پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اپنی بستی سے دور جا کر مقابلہ کریں۔ (سیرۃ ابن ہشام)

انصار کی بیعت قدیم عربی اصطلاح کے مطابق بیعت نساء (دفاعی بیعت) تھی۔ اس کے مطابق مدینہ سے ۸۰ میل دور بدر کے مقام پر جا کر لڑنا ان کے لئے ضروری نہ تھا۔ مگر انصار نے اس کو اپنے لئے عذر نہیں بنایا۔ وہ قانونی حد کو توڑ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور بدر کے میدان میں جا کر قربانی پیش کی۔

(۱۰) صحابہؓ کا اختلاف سے بچ کر اصل نشانہ پر لگے رہنا

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے سامنے تقریر کی اور فرمایا کہ: "اللہ نے مجھ کو تمام انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پس تم میری طرف سے اس ذمہ داری کو ادا کرو، خدا تم پر رحم کرے اور تم لوگ اختلاف نہ کرنا جس طرح عیسیٰ بن

مریمؑ کے حواریوں نے اختلاف کیا۔ انہوں نے اپنے حواریوں کو اسی چیز کے لئے پکارا جس کی طرف میں تم کو پکار رہا ہوں۔ پس جس کا مقام دور تھا اس کو وہاں جانا گوار ہوا تو عیسیٰ بن مریمؑ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے کہا کہ: "اے خدا کے رسول! ہم آپ کی ذمہ داری کو ادا کریں گے، آپ ہم کو بھیجیں جہاں آپ چاہیں۔"

اجتماعی کام میں رکاوٹ ڈالنے والی سب سے بڑی چیز اختلاف ہے۔ مگر صحابہ کرامؓ کو اللہ کے خوف نے اتنا بے نفس بنا دیا تھا کہ وہ اختلافات سے بلند ہو کر اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں لگے رہتے تھے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عرب میں اور اطراف عرب میں آپ ﷺ کی منشا کے مطابق اسلام کی دعوت پوری طرح پہنچائی، آپ کی وفات کے بعد وہ مال وجاہ کے حصول پر نہیں پڑے بلکہ اطراف کے ملکوں میں پھیل گئے۔ ہر صحابی کا گھر اس زمانہ میں ایک چھوٹا سا مدرسہ بنا ہوا تھا جہاں وہ اللہ کی رضا کے لئے لوگوں کو عربی سکھاتے اور قرآن وسنت کی تعلیم دیتے۔ اس زمانہ میں ایک طرف مسلمانوں کا ایک طبقہ فتوحات اور سیاسی انتظامات میں لگا ہوا تھا۔ عام طریقہ کے مطابق اصحابِ رسول کو اپنا سیاسی حصہ لینے میں سرگرم ہونا چاہئے تھا۔ مگر وہ اس سے بے پرواہ ہو گئے، انہوں نے اسلامی فتوحات کے ذریعہ پیدا ہونے والی فضا کو تبلیغ دین کے لئے استعمال کیا۔

اس طرح ان کے اور ان کے شاگردوں کے خاموش پچاس سالہ عمل کے نتیجہ میں وہ جغرافی خطہ وجود میں آیا جس کو عرب دنیا کہا جاتا ہے، جہاں لوگوں نے نہ صرف اپنے دین کو بدلہ بلکہ ان کی زبان اور تہذیب بھی بدل گئی۔

(۱۱) صحابہؓ کا پچھلی نشست پر بیٹھنے کے لئے راضی ہونا

رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو سب سے پہلا مسئلہ خلافت کا انتخاب تھا۔ انصار بنو ساعدہ کی چوپال (سقیفہ) میں جمع ہو گئے۔ اس وقت سعد بن عبادہ انصار کے سب سے

زیادہ ابھرے ہوئے سردار تھے۔ چنانچہ انصار میں بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ سعد بن عبادہ کو خلیفہ مقرر کیا جانا چاہئے۔ مہاجرین کو یہ خبر ملی تو ان کے ممتاز افراد تیزی سے چل کر مذکورہ مقام پر پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کرتے ہوئے کہا: ''اے انصار! تم نے اپنی جس فضیلت کا ذکر کیا اس کے تم اہل ہو، مگر عرب اس معاملہ (امارت) کو قریش کے سوا کسی اور قبیلہ کے بارے میں نہیں جانتے، وہ عربوں میں نسبت اور مقام کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں۔ میں تمہارے لئے ان دو آدمیوں (عمر اور ابوعبیدہ بن الجراح) میں سے کسی ایک پر راضی ہوں۔ تم دونوں میں سے جس سے چاہو بیعت کرلو۔'' (سیرت ابن ہشام)

اس کے بعد حضرت عمر اٹھے اور انہوں نے فوراً حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور پھر تمام مہاجرین نے بیعت کی، اس کے بعد انصار نے بھی حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، تاہم انصار کے ایک طبقہ کے لئے یہ واقعہ اتنا سخت تھا کہ ایک شخص نے مہاجرین سے کہا کہ: ''کہ تم لوگوں نے سعد ابن عبادہ کو قتل کر دیا۔''

انصار نے اسلام کے لئے بے پناہ قربانیاں دی تھیں۔ انہوں نے اسلام کے بے یار و مددگار قافلہ کو اس وقت پناہ دی، جب کہ انہیں اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود انصار اس فیصلہ پر راضی ہو گئے کہ اقتدار میں ان کا حصہ نہ ہو اور خلیفہ صرف مہاجرین (قریش) میں سے منتخب کیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے پیچھے بہت گہری مصلحت تھی۔

قریش سینکڑوں سال سے عرب کے قائد بنے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں اگر کسی غیر قریشی کو خلیفہ مقرر کیا جاتا تو اس کے لئے اجتماعی نظم کو اسنبھالنا ناممکن ہو جاتا۔ یہ انصار کی حقیقت پسندی تھی کہ انہوں نے اپنی اس کمی کو جانا اور یک طرفہ فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ تاہم یہ حقیقت پسندی کی اتنی نایاب قسم ہے کہ اس کی کوئی دوسری مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

(۱۲) صحابہؓ کا غیر جذباتی فیصلہ کرنے کی طاقت رکھنا

احد کی لڑائی اسلام کی تمام جنگوں میں سب سے زیادہ سخت لڑائی تھی۔ قریش کے تمام جنگی جوان غصہ میں بھرے ہوئے مسلمانوں کے اوپر ٹوٹ پڑے تھے۔ عین اس وقت جب قتل وخون کا معرکہ گرم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار ہاتھ میں لی اور کہا کہ: ''کون اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لے گا؟ کچھ لوگ آپ کی طرف بڑھے، مگر آپ نے انہیں تلوار نہ دی۔ پھر ابودجانہ سامنے آئے اور پوچھا کہ اے خدا کے رسول اس تلوار کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تم اس سے دشمن کو مارو یہاں تک کہ اس کو ٹیڑھا کردو۔'' ابودجانہ نے کہا کہ میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے انہیں تلوار دے دی۔

حضرت ابودجانہ تلوار لے کر چلے۔ اس وقت ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ اکڑ کر چلنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا: اس قسم کی چال خدا کو پسند نہیں سوا ایسے موقع کے۔

ابودجانہؓ نے اپنے سر پر لال کپڑا باندھ لیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ موت سے نڈر ہو کر جنگ کے لئے نکل پڑے ہیں۔ وہ انتہائی بہادری کے ساتھ لڑ رہے تھے، جو بھی ان کے سامنے آتا وہ ان کی تلوار کا نشانہ بن جاتا۔ اس کے بعد ایک حیرت انگیز واقعہ ہوا، جس کو خود ابودجانہؓ نقل کرتے ہیں: ''میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ بری طرح لوگوں کو جنگ پر ابھار رہا تھا، میں اس کی طرف لپکا، جب میں نے اس پر تلوار اٹھالی تو اس نے کہا ''یا ویلاہ'' (ہائے تباہی) اب میں نے جانا کہ یہ ایک عورت ہے۔ تو میں نے خدا کے رسول ﷺ کی تلوار کو اس سے پاک رکھا کہ میں اس سے کسی عورت کو قتل کروں۔ (سیرت ابن ہشام)

اس واقعہ کو ایک صحابیؓ ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں: ''پھر میں نے دیکھا کہ ان کی تلوار ہند بنت عتبہ کے سر پر اٹھ گئی ہے مگر اس کے بعد انہوں نے اپنی تلوار اس سے ہٹالی۔''

جنگ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات میں سے ایک ہدایت یہ تھی کہ

عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو نہ مارا جائے۔ حضرت ابودجانہ نے عین قتل وخون کے ہنگامہ میں اس کو یاد رکھا اور اپنی چلی ہوئی تلوار کو درمیان سے روک لیا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصحابؓ رسول ﷺ کو اپنے جذبات پر کتنا زیادہ قابو تھا۔ ان کے افعال ان کے شعور کے ماتحت تھے نہ کہ ان کے جذبات کے ماتحت وہ انتہائی اشتعال انگیز موقع پر انتہائی ٹھنڈا فیصلہ کر سکتے تھے۔ وہ غصہ اور انتقام کی آخری حد کو پہنچ کر بھی اچانک اپنا رخ دوسری طرف پھیر سکتے تھے۔ یہ بظاہر ایک سادہ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن عملاً یہ بات اتنی زیادہ مشکل ہے کہ اس پر کوئی ایسا شخص ہی قادر ہو سکتا ہے، جو خدا سے اس طرح ڈرنے والا ہو گویا خدا اپنے تمام جلال وجبروت کے ساتھ اس کے سامنے کھڑے ہوا ہے، اور وہ اس کو اپنی کھلی ہوئی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔

(۱۳) صحابہؓ کا درخت کی طرح آگے بڑھنا

قرآن میں انجیل اور تورات کے دو حوالوں کا ذکر ہے، تورات کا حوالہ صحابۂ کرامؓ کے انفرادی اوصاف سے متعلق ہے، اس کے بعد انجیل کے حوالے سے ان کی اجتماعی صفت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ”اور انجیل میں ان کی مثال یوں ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو۔ اس نے نکالا اپنا انکھوا۔ پھر اس کو مضبوط کیا۔ پھر وہ موٹا ہوا۔ پھر اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا۔ اچھا لگتا ہے کسانوں کو تاکہ منکروں کا دل ان سے جلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔“ (الفتح، آخر)

موجودہ انجیل میں یہ تمثیل ان لفظوں میں ہے: ”اور اس نے کہا، خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے، اور وہ بیج اس طرح اگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے، زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے، پتی، پھر بالیں، پھر بالوں میں تیار دانے۔ پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے۔ کیوں کہ کاٹنے کا وقت آ پہنچا۔“ (مرقس ۴: ۲۶، ۳۲)

انجیل اور قرآن کی اس تمثیل میں یہ بتایا گیا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں کے اصحاب کا اجتماعی ارتقاء درخت کی مانند ہوگا۔ اس کا آغاز بیج سے ہوگا، پھر وہ دھیرے دھیرے بڑھے گا اور اپنا تنہ مضبوط کرتے ہوئے اوپر اٹھے گا۔

یہاں تک کہ فطری رفتار سے تدریجی ترقی کرتے ہوئے اپنا کمال کو پہنچ جائے گا، اس کی ترقی اتنے شاندار ہوگی کہ ایک طرف اہل ایمان اس کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوں گے، اور دوسری طرف دشمن دانت پیس رہے ہوں گے، کہ اس کا معاملہ اتنا مضبوط ہے کہ اس کے خلاف ہمارا کچھ بس نہیں چلتا۔

اسلام کو درخت کی طرح ترقی دینے کے لئے خدا کا یہ منصوبہ تھا جو صحابہ کرامؓ کے ذریعہ انجام پایا، تاہم یہ کوئی آسان معاملہ نہ تھا۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ وہ جلد بازی کے بجائے صبر کو اپنا طریقہ بنائیں۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ فوری محرکات کے تحت وہ کوئی اقدام نہ کریں۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ وہ اپنے ذوق پر چلنے کے بجائے قوانین فطرت کی پیروی کریں، اس کے لئے ضرورت تھی کہ وہ اس سے بے پرواہ ہوکر کام کریں کہ نتیجہ ان کی زندگی میں سامنے آئے یا ان کے بعد۔ ''درخت اسلام'' کو اگانے کے لئے ضرورت تھی کہ وہ اپنے جذبات کو کچلیں اور اپنی امنگوں کو دفن کریں۔ صحابہ کرام نے یہ سب کچھ کیا۔ انہوں نے کسی تحفظ کے بغیر اپنے آپ کو خدائی اسکیم کے حوالہ کر دیا۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ زمین میں خدا کا دین ایک ایسے ابدی باغ کی صورت میں کھڑا ہو گیا جس کو ساری دنیا مل کر بھی مٹانا چاہے تو مٹا نہ سکے۔ (بحوالہ جستہ جستہ از پیغمبر انقلاب)

آپ ﷺ سے صحابہ کرامؓ کا عشق

ذیل میں اب آپ ﷺ سے صحابہؓ کے عشق سے متعلق چند روایتیں پیش کی جارہی ہیں جن سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ صحابہ کرامؓ کے دل میں آپ ﷺ کی کس قدر محبت تھی۔ لیجئے ملاحظہ فرمائیے:۔

روایت نمبر ا...... حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ ﷺ کا سر مونڈ رہا ہے۔ اور صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اور مقصد صرف یہ ہے کہ جو بال آپ ﷺ کے سر سے گرے، وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پڑ جائے۔ (صحیح مسلم)

روایت نمبر ۲...... حضرت ام سلیمؓ جو حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ ہیں۔ اور آپ ﷺ کی پھوپھی ہیں۔ آپ ﷺ کبھی کبھی دوپہر کو ان کے گھر سوتے۔ بستر چمڑے کا تھا۔ حضور ﷺ کو پسینہ بہت آیا کرتا تھا۔ حضرت ام سلیمؓ پسینے کی بوندوں کو جمع کر لیتیں اور شیشی میں بہ احتیاط رکھ لیتی تھیں۔ نبی ﷺ نے ایسا کرتے دیکھا تو پوچھا یہ کیا......؟ انہوں نے کہا: عرقک نجعله فی طیبنا وهو من أطیبِ الطیب "یہ حضور کا پسینہ ہے، ہم اسے عطر میں ملا لیں گی اور یہ تو سب سے بڑھ کر عطر ہے۔" (بخاری، مسلم)

اور مسلم کی روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ جب ان سے حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس کا کیا کرتی ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا ہم اسے اپنے بچوں کے لئے باعث برکت اور تبرک سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أصبتِ "تم نے ٹھیک کیا۔"

بعض صحیح روایات سے تو معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ خود اپنے مبارک بالوں کو صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔

روایت نمبر ۳...... صحیح بخاری باب غزوۃ الطائف میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک پانی کے برتن میں کلی کر کے حضرت ابو موسیٰ اور حضرت بلالؓ کو عطا فرمایا کہ اس کو پی لیں اور اپنے چہرے پر مل لیں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ پردہ کے پیچھے یہ واقعہ دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے اندر سے آواز دے کر ان دونوں بزرگوں سے کہا اس تبرک میں سے کچھ پانی ماں یعنی ام سلمہؓ کے لئے چھوڑ دینا۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ نزول حجاب کے بعد ازواج مطہراتؓ گھروں اور پردوں کے اندر رہتی تھیں۔

فائدہ...... اس روایت میں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ ازواج مطہراتؓ بھی

رسول اللہ ﷺ کے تبرکات کی ایسی ہی شائق تھیں جیسے دوسرے مسلمان، یہ بھی آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی کی خصوصیت تھی۔ ورنہ بیوی سے جو بے تکلفی شوہر کی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے تقدس و تعظیم کا یہ درجہ قائم رہنا عادتاً ناممکن ہے۔ (معارف القرآن)

روایت نمبر ۴...... عروہ بن مسعود ثقفی کو قریش نے صلح حدیبیہ سے پیشتر اپنا سفیر بنا کر حضورِ عالی میں روانہ کیا تھا۔ اسے سمجھایا گیا تھا کہ مسلمانوں کے حالات غور سے دیکھے اور عوام کو آ کر بتائے۔ عروہ نے دیکھا کہ نبی ﷺ وضو کرتے ہیں تو بقیہ آب وضو پر صحابہؓ یوں گرے پڑتے ہیں گویا ابھی لڑ پڑیں گے۔

حضور ﷺ کے لب (لعاب دہن) وغیرہ کو زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر روک جاتا ہے۔ جسے وہ منہ پر مل لیتے ہیں۔ حضور ﷺ کوئی حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے سب دوڑے پھرتے ہیں۔ حضور ﷺ کچھ بولتے ہیں تو سب چپ ہو جاتے ہیں۔ تعظیم کا یہ حال ہے کہ حضور ﷺ کی جانب آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ عروہ نے یہ سب کچھ دیکھا اور قوم سے آ کر بیان کیا: ''لوگو! میں نے کسریٰ کا دربار دیکھا اور قیصر کا دربار بھی دیکھا نجاشی کا دربار بھی دیکھا۔ مگر اصحاب محمد جو تعظیم محمد ﷺ کی کرتے ہیں، وہ تو کسی بادشاہ کو بھی اپنے ملک میں حاصل نہیں۔

روایت نمبر ۵...... امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہؓ سے عرض کیا کہ مجھے حضرت انسؓ یا انکے گھرانے سے حضور اقدس ﷺ کے چند موئے مبارک ملے ہیں تو انہوں نے فرمایا: ''اگر میرے پاس آپ ﷺ کا ایک موئے مبارک بھی ہو تو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہو۔'' (صحیح بخاری کتاب الوضوء)

روایت نمبر ۶...... ایک اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس لوگ بیماروں کے لئے پانی بھیجتے تو آپ حضور ﷺ کے ان مبارک بالوں کو جو آپؓ نے ایک نلکی یا خول میں رکھے ہوئے تھے۔ اس پانی میں ہلا دیتیں اور وہ پانی پھر مریض کو پلوا

دیتیں۔ (بخاری کتاب الوضوء)

روایت نمبر ۷...... امام مسلمؒ نے اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے طیالسی جبہ کو دھو کر مریضوں کو شفا کے لئے اس کا پانی پلاتی تھیں۔ "فَـنَـحْـنُ نَغسِلُهَا لِلمَرضٰی تستشفیٰ بِها" (صحیح مسلم کتاب اللباس)

مذکورہ بالا احادیث صحیح کتابوں سے لی گئی ہیں اور یہ ان بیسوں احادیث میں سے چند ایک ہیں، اور یہ تمام اس بات پر دال ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ حضور ﷺ سے منسوب اور ان سے وابستہ اشیاء سے بھی کس قدر محبت کرتے تھے اور ان سے تبرک بھی حاصل کرتے تھے۔

روایت نمبر ۸...... زید بن دثنہ ؓ کو کفار نے پکڑ لیا اور قریش نے قتل کے لئے ان سے خرید لیا تھا۔ جب ان کو سولی دینے کے لئے چلے تو ابوسفیان بن حرب نے ان سے کہا: "زید تجھے خدا کی قسم، تم چاہتے ہو کہ محمد (ﷺ) کو پھانسی دی جاتی اور تم اپنے گھر میں آرام سے ہوتے۔" زید ؓ نے کہا: "خدا کی قسم میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری رہائی کے بدلے حضور ﷺ کے پائے مبارک میں اپنے گھر کے اندر بھی کانٹا لگے۔" ابوسفیان حیران رہ گئے اور یوں کہا کہ میں نے تو کسی کو بھی نہیں دیکھا۔ جو دوسرے شخص سے ایسی محبت رکھتا ہو۔ جیسے اصحابِ محمدؐ (ﷺ) کو رسولِ اکرم ﷺ سے ہے۔

روایت نمبر ۹...... عبداللہ بن یزید صحابیؓ کا ذکر ہے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ حضور (ﷺ) مجھے اہل و مال سے زیادہ پیارے ہیں۔ جب حضور ﷺ مجھے یاد آتے ہیں تو میں گھر میں تک نہیں سکتا۔ آتا ہوں اور حضور ﷺ کو دیکھ کر تسلی پاتا ہوں۔ مگر میں اپنی موت اور حضور ﷺ کی موت کا تصور کر کے کہتا ہوں کہ حضور ﷺ تو فردوس بریں میں انبیاءؑ کے بلند درجہ پر ہوں گے۔ میں اگر بہشت میں پہنچا بھی تو کسی ادنیٰ مقام میں ہوں گا اور وہاں حضور کا دیدار نہ پاسکوں گا۔ نبی ﷺ نے اسے یہ آیت پڑھ کر سنائی اور اس کے قلب کو سکینہ عطا فرمایا: وَمَن يُّطِعِ اللهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنعَمَ اللهُ عَلَيهِم "جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر خدا کا انعام ہوا۔

روایت نمبر۱۰......ایک اور صحابیؓ کا ذکر ہے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آتے تو نبی ﷺ ہی کی جانب تاک لگائے دیکھتے رہتے۔ حضور ﷺ نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ وہ بولے میں سمجھتا ہوں دنیا ہی میں اس دیدار کی بہار لوٹ لوں۔ آخرت میں حضور کے مقام رفیقہ تک تو ہماری رسائی بھی نہ ہوگی۔ اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا ومن یطع اللہ ورسولہ کو نازل فرمایا اور رسولِ اکرم ﷺ نے حدیث انسؓ میں صاف ہی فرما دیا۔ من احبّنی کان مَعِی فی الجنۃِ جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

اس حدیث کی ابتداء میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اگر تو ایسی زندگی بسر کر سکتا ہے، کہ تیرے دل میں کسی کا کینہ نہ ہو۔ تو تو ضرور ایسا ہی کر۔'' پھر فرمایا: یہی میری روش ہیں۔ جس نے میری روش کو زندہ کیا۔ اس نے مجھ سے محبت کی۔ (رواہ الترمذی)

روایت نمبر۱۱......جنگ احد کا ذکر ہے، ایک عورت کا بیٹا، بھائی اور شوہر قتل ہو گئے تھے وہ مدینہ سے نکل کر میدان جنگ میں آئی، اس نے پوچھا کہ حضور ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بحمد اللہ وہ تو بخیریت ہیں، جیسا کہ تو چاہتی ہے۔ بولی نہیں مجھے دکھا دو کہ حضور ﷺ کو دیکھ لوں۔ جب اس کی نگاہ حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک پر پڑی تو وہ جوش دل سے بول اٹھی: کل مصیبۃ بعدک جلل آپؐ زندہ ہیں تو اب ہر مصیبت کی برداشت آسان ہے۔

روایت نمبر۱۲......عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا اور اس کا بیٹا عبداللہؓ صادقین میں سے تھا۔ اس نے حضور ﷺ سے گزارش کی: لو شئتَ لَاَتَیتُ بِراسِہٖ ''اگر حضور ﷺ چاہیں تو میں اپنے باپ کا سر کاٹ کر لے آؤں۔'' حضور ﷺ نے انکار فرما دیا۔

روایت نمبر۱۳......رسولِ اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان غنیؓ کو مکہ مکرمہ اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ قریش نے کہا: ''تم بیت الحرام میں آ گئے ہو، طواف تو کر لو۔'' انہوں نے جواب دیا کہ: ''حضور ﷺ سے پیشتر کبھی طواف نہیں کروں گا۔''

روایت نمبر۱۴......حضرت علی المرتضیٰؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ کے ساتھ تمہاری محبت کیسی ہوتی ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: ''بخدا رسولِ اکرم ﷺ ہم کو مال و اولاد، فرزند و مادر سے زیادہ محبوب اور اس سے زیادہ پیارے تھے جیسا کہ ٹھنڈا پانی پیاسے کو

ہوتا ہے۔

آپ ﷺ سے صحابہ کے جذبات محبت

جذبات محبت کو دیکھنا ہو تو اس وقت دیکھو جب کوئی صحابی حضور ﷺ کا ذکر کرتا ہو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ شکل مبارک میں سب سے زیادہ خوب صورت تھے میں نے ریشم کا دبیز یا باریک کپڑا یا کوئی اور شئے ایسی نہیں چھوئی جو نبی ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ میں نے کبھی کوئی کستوری یا کوئی عطر ایسا نہیں سونگھا جو نبی اکرم ﷺ کے پسینہ سے زیادہ خوشبو والا ہو۔“

حضرت جابر بن سمرہؓ سے کسی شخص نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار جیسا چمکدار تھا؟ تو بول اٹھے: لابل کان مثل الشمس والقمر ”نہیں نہیں حضور ﷺ کا مبارک چہرہ تو آفتاب و ماہتاب جیسا تھا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أزهَرَ اللّونِ کان عرقه اللُّؤلُؤ. ”رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ سفید روشن تھا۔ پسینہ کی بوند حضور ﷺ کے چہرے پر ایسی نظر آتی تھی، جیسے موتی۔“

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ: ”حضور ﷺ مسجد سے نکل کر گھر کو چلے تو بچوں نے حضور ﷺ کو گھیر لیا۔ حضور ﷺ ہر ایک کو پیار دیتے (پیار کرتے تھے) اس کے منہ پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ میرے رخسار پر بھی حضور ﷺ نے ہاتھ رکھا۔ میرے ٹھنڈک سی پڑ گئی اور ایسی خوشبو آئی، گویا وہ ہاتھ ابھی عطر دان سے نکالا گیا تھا۔“ (صحیحین)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ: مَن رآهُ بدِيهةً هابَهُ ومَن خالَطَهُ معرِفةً أحبَّه فيقولُ ناعتُهُ لم أرَ قبلَهُ ولا بعدَهُ مثله. ”جو کوئی یکایک حضور ﷺ کے سامنے آجاتا، وہ دہل جاتا، جو پہچان کر آ بیٹھتا، وہ شیدا ہو جاتا، دیکھنے والا کہا کرتا کہ میں نے حضور ﷺ جیسا کوئی بھی اس سے پہلے یا بعد میں نہیں دیکھا۔“

حضرت ربیع بنت معوذؓ صحابیہ ہیں، ان سے عمار بن یاسرؓ کے پوتے کہا کہ نبی ﷺ کا

کچھ حلیہ بیان فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا: لو رایت الشمس طالعة ''اگر تو حضور ﷺ کو دیکھ لیتا تو سمجھتا سورج نکل آیا۔''

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں: ''چاندنی رات تھی، حضور ﷺ حلہ حمراء اوڑھے ہوئے لیٹے تھے، میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا، کبھی حضور ﷺ پر نگاہ ڈالتا تھا۔ ''فاذا ھو احسن عندی من القمر'' بالآخر میں نے یہی سمجھا کہ حضور ﷺ چاند سے زیادہ خوشنما ہیں۔ اس روایت میں لفظ عندی عجیب طور پر لذت دید اور ذوق نظارہ کو ظاہر کر رہا ہے۔

غالباً اسی پر ایک عربی شعر کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ: ''ایسے حسین کے نظارے سے کیوں کر سیری ہو کہ جس کو تم جتنا دیکھو گے اس کا حسن اتنا ہی بڑھتا ہوا نظر آئے گا۔'' وہی مبارک چہرہ جس کے دیدار سے حضرت جابرؓ کے آنکھیں روشن ہوتی ہیں، حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے قلب کو منور کرتا ہے۔ حدیث ترمذی میں ہے حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں میں آپ ﷺ کو دیکھنے گیا تھا: فلما استبنتُ وجهه عرفتُ أنّ وجهَهٗ ليسَ بوجهِ كذّابٍ. ''مجھے تو مبارک چہرہ نظر آتے ہی عرفان ہو گیا کہ جھوٹے میں یہ بات کہاں؟''

حضرت عمرؓ ایام خلافت میں رات کو گشت کے لئے نکلے، سنا کہ ایک عورت دھنک رہی ہے اور یہ اشعار پڑھ رہی ہے۔

علیٰ محمد صلوٰةُ الأبرار .... صلّی علیهِ الطَّیّبُونَ الأخیار

قد کان قوّامًا بکّی بالأسحارِ .... یالَیتِ شعری والمَنَایا أطوار

هل تجمعُنی وحبیبی الدّارِ

ترجمہ ''محمد ﷺ پر ابرار کے درود .... اس پر طیبون واختیار درود پڑھ رہے ہیں

وہ تو راتوں کو جاگنے والے سحر کو رونے والے تھے .... موت تو بہتیری طرح آتی ہے

کاش مجھے یقین ہو جائے کہ مرنے کے بعد بھی مجھے حضور ﷺ کی زیارت ہو گی۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں بیٹھ گئے، روتے رہے اور چند دن تک صاحب فراش رہے۔ حضرت بلالؓ کو حضرت عمرؓ سیدنا بلالؓ فرمایا کرتے تھے۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت بلالؓ کا قیام ملک شام میں تھا، ایک دن ان کو حضور ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی،

ارشاد فرمایا: "بلالؓ! یہ کیا جفا ہے کہ میری زیارت کرنے کا وقت نہیں آتا۔" یہ خواب دیکھتے ہی حضرت بلالؓ کی آنکھ کھلی تو نہایت غمگین، خوفزدہ، پریشان تھے، فوراً اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور روتے ہوئے مزار پاک پر حاضر ہوئے۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ خبر سن کر تشریف لائے اور حضرت بلالؓ سے اذان کہنے کی فرمائش کی، یہ ان سے مل کر لپٹ گئے اور صاحبزادوں کی تعمیل ارشاد میں اذان کہی، آواز سن کر گھروں سے مرد و عورتیں بے قرار روتی ہوئی نکل آئیں اور حضور ﷺ کے زمانہ کی یاد نے سب ہی کو تڑپا دیا۔ (بحوالہ المعطور المجموعہ)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۸۵

رسولِ اکرم ﷺ کو قیامت کے دن حوضِ کوثر عطا کیا جائے گا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پچاسی نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو قیامت کے دن حوضِ کوثر عطا کیا جائے گا" الحمدللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ تعالیٰ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے، دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی دیگر خصوصیات کی طرح عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو قیامت کے دن حوضِ کوثر عطا کیا جائے گا جبکہ دیگر انبیاءؑ سے متعلق یہ خصوصیت نظر نہیں آتی کہ سوائے آخری نبی ﷺ کے کسی اور نبیؑ کو حوضِ کوثر ملے، چنانچہ حوضِ کوثر اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے نبی ﷺ کے لئے مختص فرمایا ہے، اور یہ بات ہم کوئی اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے، اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں واضح فرمایا اور حضور ﷺ کی احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے تو واضح ہوا کہ اس عظیم خصوصیت کا مظہر بھی ہمارے نبی ﷺ ہی ہیں، جیسا کہ آپ کو آنے والے اوراق میں تفصیل سے مکمل وضاحت ملے گی، انشاءاللہ۔ لہٰذا آیئے ہم سب ملکر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو روز قیامت حضور ﷺ کے ہاتھوں حوضِ کوثر کا پانی پینے کی توفیق عطا فرمائے، (آمین) اس کے ساتھ ساتھ ہمارے لئے بھی یہ لازم ہے کہ ہم اپنے نبی ﷺ کی سنتوں پر عمل کریں، بے شک اسی میں ہماری نجات

ہے، تو قارئین! لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

پچاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (ترجمہ) ''بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے۔''

تشریح...... کوثر بروزن فوعل ہے اور یہ وزن مبالغہ کے لئے آتا ہے۔ لفظ کثرت تو خود ہی فراوانی افزونی کے معنی کے لئے ہے، جب اُسے بھی بروزن مبالغہ استعمال کیا گیا تو اس کے معنی کثرت بالائے کثرت اور فراوانی بیش از فراوانی برافزونی ٹھہرے۔

صحیح بخاری میں ہے: عن ابی بِشرٍ عن سعیدِ بنِ جُبیرٍ عنِ ابنِ عبّاسٍ رضی اللہ عنہما الکوثرُ الخیرُ الکثیرُ الّذی اعطاہُ اللہُ اِیَّاہُ قالَ ابُوبِشرٍ قلتُ بِسعید، ابنِ جُبیرٍ اِنَّ اُناساً یَّزعمُونَ انَّہٗ نھرٌ فی الْجنَّۃِ فقالَ السَّعیدُ اَلنَّھرُ الَّذیْ فِی الْجنَّۃِ مِنَ الْخَیرِ الْکَثِیرِ الَّذیْ اَعْطَاہُ اللہُ اِیَّاہُ.

ترجمہ: ابو بشر نے سعید بن جبیر سے انہوں نے ابن عباس ؓ سے روایت کی ہے کہ کوثر کے معنی وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔ ابو بشر کہتے ہیں، میں نے سعید ابن جبیر سے کہا کہ لوگوں کا گمان تو یہ ہے کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو جنت میں ہے سعید نے جواب دیا ہاں وہ جنت والی نہر بھی تو اسی خیر کثیر میں سے ہے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے حضور ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔

حوضِ کوثر کے وجود کی تصدیق صحیحین کی حدیث عن انس ؓ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا حوض کوثر کے وجود اور عطیّہ پر یقین رکھتے ہوئے بھی یہ تفسیر صحیح ہے کہ آیت زیب عنوان میں رب العٰلمین کی طرف سے انعامات نامتناہی اور عطیات غیر محدود کی آگاہی فرمائی گئی ہے۔ اس خیر کثیر کے تحت میں بہت سی اشیا کا ذکر کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ امام فخر الدین رازی نے ذکر کیا ہے۔

منجملہ ان تمام چیزوں میں سے امت محمدیہ ہے چنانچہ ایسی نبوت جامعہ اور ریاست عامہ اور دعوت کاملہ اور ہدایت بالغہ پہلے کب کسی کو عطا ہوئی تھی اسی نبوت کے ثمرات میں سے ہے کہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ۔ (یعنی جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔)

کا فرمان صادر ہوا اور اسی نبوت کے گلہائے رنگین میں سے ہے کہ: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ. کے منشور کی اشاعت فرمائی گئی۔ جس کا ترجمہ ہے کہ ہم نے جو رسول بھیجا وہ اس لئے بھیجا کہ اس کی اطاعت ہمارے اذن کے تحت میں کیجائے۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ صاحب کوثر وہی ہے جس کی اطاعت کا امر الٰہی جاری ہوا۔ صاحب کوثر وہی ہے جس کی اطاعت کو اطاعت ربانی فرمایا گیا۔ صاحب کوثر کی نبوت وہی ہے جس کی قدامت تاریخ بشر سے پہلے کی ہے اور جس کی نہایت انتہائے عالم سے ملی ہوئی ہے۔ رب العٰلمین کے کلام پر غور کیجئے، وہ یہ بھی فرماتا ہے: شَهِدَ اللهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ. اللہ کی شہادت ہے کہ اس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں۔ نیز وہ تو یہ بھی اعلان فرماتا ہے: وَاللهُ يَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُولُهُ. اللہ کی یہ بھی شہادت ہے کہ محمد اللہ کے رسول یقیناً ہیں۔ جب رب المشرقین ورب المغربین خود شہادتین کو اپنی شہادت سے مصدق ومؤکد فرماتا ہے تو نبوت محمدیہ اور رسالت مصطفویہ کے خیر کثیر ہونے میں کیا کلام رہ جاتا ہے۔

اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کوثر سے مراد اسلام ہے، وہی اسلام جس کے سوا اور کوئی دین اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبول ومنظور ہی نہیں۔ وہی اسلام جس کا انبیائے عظام نے ہمیشہ اعلان فرمایا۔ وہی اسلام جو سعادت دارین کا جامع اور صلاح وفلاح ثقلین کا ذخیرہ ہے۔

اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کوثر سے مراد کثرتِ امتِ محمدیہ ہے، یہ کثرتِ حد وعدد کے احاطہ سے باہر ہے اور یوماً فی یوم ترقی پذیر ہے۔ ۱۸۸۱ء میں متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد پونے چار کروڑ بیان کی جاتی ہے، اور ۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں ان کی

تعداد پونے سات کروڑ شمار میں آئی ہے۔ چالیس سال میں اکیلے ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کا قریباً دو چند ہو جانا اعداد صحیح سے ثابت ہو گیا تو دیگر اقطاع عالم میں بھی اس بیشی کا اسی رفتار سے بڑھتے رہنا یقینی کہا جا سکتا ہے۔

بالمقابل اس کے اکثر اقوام ہیں جو گھٹ رہی ہیں اور آہستہ آہستہ بحرِ فنا میں گر رہی ہیں یہ اسلام ہی ہے جس کا پاک درخت اپنی جڑوں کو زمین کے سُوتوں تک پھیلا رہا ہے اور جو اپنی پھل دار شاخوں کے ساتھ فضائے آسمانی پر چھا رہا ہے۔

اور کوثر سے متعلق علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کوثر سے مراد قرآن حمید اور کتاب مجید ہے۔ یہ وہی خیر کثیر ہے کہ شاخہائے اشجار کی اقلام اور قطرات بحار کی مداد، جس کی مدح و ثنا کے استیفاء سے عاجز ہے۔ عمرِ نوح اور فہمِ جبریل بھی اگر جمع ہو جائیں تو حصرِ اسرار قرآنیہ سے قاصر ہیں۔ بے شک یہی کتاب قلزمِ حقائق ہے اور یہی کوثر علوم ہے یہی مطلع انوار ہے اور یہی مخزن الاسرار ہے۔ معجزات انبیاء کا اظہار ایک وقت خاص میں ہوتا تھا اور پھر خود انہی کے عہد مُبارک میں اُس معجزہ کا وجود و نمود پایا جاتا تھا۔ موسیٰؑ کے عصا کا اژدہا بن جانا، پھر اژدھا کا سیرتِ اولیٰ پر عود کر جانا ایک ایسا نظارہ تھا جو کوہِ طور کے بعد فرعون ہی کے دربار میں دیکھا گیا۔ وہی عصا بنی اسرائیل کے لئے انفجار ماء کا آلہ بنا ضرورت جاتی رہی تو وہی عصا کا عصا رَہ گیا۔ پھر وہی عصا کسی دوسرے کے ہاتھ میں جا کر صرف ایک لکڑی رہ جاتا تھا۔

قرآن پاک ہمارے سیّد و مولیٰ نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہے، زندہ معجزہ اور دائمی معجزہ ہے، اس کا اعجاز ہر وقت، ہر آن موجود و مشہور ہے اور ہر ایک عالم دین اس کے معجزہ ہونے کی براہین صادقہ ہر وقت ڈنکے کی چوٹ پر پیش کر سکتا ہے بے شک یہ ایسی خیر کثیر ہے جس کا اعلان منجانب ربّ رحمٰن ہونا ضروری تھا۔ اور علماء نے یوں بھی فرمایا ہے کہ کوثر سے مراد وہ فضائلِ کثیرہ اور محامد جمیلہ اور نعوت متکاثرہ ہیں، جو وجودِ مصطفوی میں مندرج و منطوی تھے ۔ انابت آدم اور استقامت نُوح، حلم اسمٰعیل و علم خلیل، درس ادریس وتنفیث شیث، حقانیت اسحٰق و عاقبت بنی یعقوب، نورانیت یوسف و صالحیت صالح، ہدیٰ ہود اور جمعیّت شعیب، لطافتِ

ہودو عبرتِ عُزیر، شکوہ سلیمان واندوہِ یحییٰ، آواز داؤد و دعائے یونس، ایابِ ایوّب وذہابِ ذکریا، املمتِ ہارون وایناسِ الیاس، زہدِ عیسیٰ وعلوّ موسیٰ، احسانیت لقمان وانقیادِ خضر، مساعی الیسع وکفالیت ذوالکفل۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام

یہ ایسے الوان گوناگوں ہیں جو الٰہی شمس حقیقت کے پیکر نوری میں مجتمع ہیں رحمۃٌ للعالمینی کا وہ رنگ ہے جس نے ان الوان کو اپنے اندر جمع کر لینے کے بعد اپنے رنگِ خاص سے رنگین بنا دیا ہے۔

اور علماء نے کوثر سے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ کوثر سے مراد سیّد کثیر الخیر ہے۔ یہ معنی صاحب صحاح اللغات نے تحریر کیے ہیں۔ یقیناً حضور سیّد وُلد آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضور ﷺ کو یٰسٓ کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔ بالیقین حضور ﷺ کثیر الخیر ہیں اور سیّد ہیں۔ حضور ہی وہ مشعل ہدایت ہیں کہ ظلمات کفر وشرک کو دُور فرمایا۔ حضورؐ ہی وہ سراج منیر ہیں کہ چشم کور سواد کو بینائے حقائق بنایا۔ حضورؐ ہی وہ نور محبت ہیں کہ قلب عالم کو منوّر اور روح اعظم کو مستنیر فرمایا۔ حضورؐ ہی وہ عبدِ کامل ہیں کہ انسانیت کو تختِ سیادت پر بٹھلایا۔

الغرض عطیّہ کوثر رسولِ اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے اور اُمید ہے کہ فردائے قیامت کو تشنگان جمال حضورؐ کے زلال الطاف سے بہرہ یاب اور عطشان خشک زبان حضورؐ کے جامِ کوثر سے ضرور شاد و سیراب ہوں گے۔ انشاء اللہ (بحوالہ رحمۃ للعٰلمین ج ۳)

اب ذیل میں ہم حوضِ کوثر کے بارے میں جو کہ آپ ﷺ کو قیامت کے دن بطور خصوصیت کے عطا کیا جائے گا، اسے قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

حوضِ کوثر کی تفصیل احادیث کی روشنی میں

حدیثوں میں آخرت کی جن چیزوں کا نام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں سے یہ تین چیزیں بھی ہیں ایک حوضِ کوثر، دوسری صراط، اور تیسری میزان۔

پھر کوثر کو بعض احادیث میں حوض کے لفظ سے بھی ذکر کیا گیا ہے اور بعض میں نہر

کے لفظ سے۔ پھر بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوثر جنت کے اندر واقع ہے، اور اکثر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محل وقوع جنت سے باہر ہے اور اہل الایمان جنت میں جانے سے پہلے اس حوض پر رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں باریاب ہو کر آپ کے دست کرم سے اس کا نہایت سفید و شفاف اور بے انتہا لذیذ و شیریں پانی نوش جان کرینگے، اور تحقیق یہ ہے کہ کوثر کا اصل مرکزی چشمہ جنت کے اندر ہے، اور جنت کے طول و عرض میں اس کی شاخیں نہروں کی شکل میں ہر طرف جاری ہیں۔ اور جس کو حوضِ کوثر کہا جاتا ہے وہ سینکڑوں میل کے طول و عرض میں ایک نہایت حسین و جمیل تالاب ہے جو جنت سے باہر ہے لیکن اس کا تعلق اسی جنت کے اندر کے چشمہ سے ہے، گویا اس میں جو پانی ہوگا وہ جنت کے اس چشمہ سے نہروں کے ذریعہ آئے گا۔ آج کل کے متمدن شہروں میں واٹر ورکس جو نظام ہے اس نے کوثر کی اس نوعیت کا سمجھنا الحمد للہ سب کے لئے آسان کر دیا۔

یہاں ایک یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ حوض کے لفظ سے عموماً لوگوں کا ذہن اسی قسم کے حوضوں کی طرف جاتا ہے جس قسم کے حوض انہوں نے عموماً دنیا میں دیکھے ہوتے ہیں، لیکن حوض کوثر اپنی معنوی کیفیات اور اپنی خوش منظری میں دنیا کے حوضوں سے اتنا ممتاز اور فائق ہوگا جتنا کہ جنت کی کسی چیز کو دنیا کی چیزوں کے مقابلے میں ہونا چاہئے۔

لغت میں ''حوض'' کے معنی ہیں پانی جمع ہونا اور بہنا۔ اسی لئے جو گندا خون عورتوں کو ہر مہینہ آتا ہے۔ ''حیض'' کہلاتا ہے اور یہ لفظ بھی حوض ہی سے مشتق ہے یہاں حوض سے وہ ''حوض'' مراد ہے جو قیامت کے دن رسولِ اکرم ﷺ کے لئے مخصوص ہوگا اور جس کی صفات و خصوصیات آنے والی احادیث سے معلوم ہوں گی۔

قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے لئے دو حوض ہونگے۔ ایک حوض تو میدان حشر میں پل صراط سے پہلے عطا ہوگا اور دوسرا حوض جنت میں ہوگا اور دونوں کا نام کوثر ہوگا۔ واضح رہے کہ عربی میں ''کوثر'' کے معنی ہیں خیر کثیر یعنی بیشمار بھلائیاں اور نعمتیں! پھر زیادہ صحیح یہ ہے کہ میدان حشر میں جو حوض عطا ہوگا وہ ''میزان'' کے مرحلہ سے پہلے ہی ہوگا پس لوگ

اپنی قبروں سے پیاس کی حالت میں نکلیں گے اور پہلے حوض پر آئیں گے۔اس کے بعد میزان (یعنی اعمال کے تولے جانے) کا مرحلہ پیش آئے گا۔اسی طرح میدان حشر میں ہر پیغمبر کا اپنا الگ حوض ہوگا جس پر اس کی امت آئے گی چنانچہ اس وقت تمام پیغمبر آپس میں فخر کا اظہار کریں گے کہ دیکھیں کس کے حوض پر زیادہ لوگ آتے ہیں ہمارے حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں امید رکھتا ہوں کہ میرے حوض پر آنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

حوض کوثر کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میرے حوض کی مسافت ایک مہینہ کی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حوض کوثر مجھے عطاء فرمایا ہے وہ اس قدر طویل ہے کہ اس کی ایک جانب سے دوسری جانب تک ایک مہینہ کی مسافت ہے) اور اس کے زاویے (یعنی گوشے) بالکل برابر ہیں (اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ وہ مربع ہے، اس کا طول وعرض یکساں ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے، اور اس کی خوشبو مشک سے بھی بہتر ہے، اور اس کے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں (غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کے ستارے جیسے حسین اور چمکدار ہیں، اور ان کی کثرت کی وجہ سے جس طرح انہیں گنا نہیں جاسکتا، اسی طرح میرے حوض کے کوزے بھی بے شمار اور حسین اور چمکدار ہیں، جو اس کا پانی پئے گا، اس کو پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح...... ''اس کو پھر کبھی پیاس نہ لگے گی'' اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں پانی یا کسی بھی مشروب کا پینا پیاس کی وجہ سے نہیں بلکہ حصول لذت کے لئے ہوگا جیسا کہ جنت میں کوئی چیز کھانا، بھوک کی بنیاد پر نہیں بلکہ از راہ تنعم ہوگا کیونکہ جنت تو وہ نظام ہے جہاں کسی کو نہ بھوک لگے گی اور نہ پیاس، قرآن کریم میں اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ فرمایا گیا ہے **وان لک ان لا تجوع فیھا ولا تعریٰ وانک لا تظموا فیھا ولا تضحیٰ** ۔یعنی یہاں جنت میں تو تمہارے لئے (یہ آرام) ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے رہوگے

اور نہ ننگے ہو گے، بلاشبہ تم نہ یہاں پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ میں تپو گے۔

اور ایک حدیث میں فرمایا کہ: حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں حوض کوثر پر تمہارا امیر ساماں ہوں (اور تم سے آگے جا کے تمہاری پیاس کا انتظام کرنے والا ہوں) جو میرے پاس پہنچے گا، وہ آب کوثر سے پئے گا، اور جو اس کو پی لے گا پھر کبھی وہ پیاس میں مبتلا نہ ہو گا، اور وہاں کچھ لوگ جن کو میں بھی پہچانوں گا، اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے میری طرف آئیں گے، لیکن میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی (اور انہیں میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا) تو میں کہوں گا کہ یہ آدمی تو میرے ہیں، پس مجھے جواب دیا جائے گا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا نئی نئی باتیں نکالیں (اور کیا نئے نئے رخنے ڈالے) تو میں کہوں گا کہ بربادی اور دوری ہو ان کے لئے جنہوں نے میرے بعد دین میں فرق ڈالا اور اس کو گڑ بڑ کیا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح...... حدیث میں جن لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ حوض کوثر پر رسول اکرم ﷺ کے پاس جانے سے روک دیئے جائیں گے، اس کا تعین مشکل ہے، کہ یہ کون اور کس طبقے کے لوگ ہونگے اور نہ اس کا معلوم کرنا ہمارے لئے ضروری ہے، اس حدیث کا خاص سبق ہمارے لئے تو بس یہ ہے کہ اگر ہم کوثر پر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے آرزومند ہیں تو مضبوطی سے اس دین پر قائم رہیں، جو رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے لائے تھے، اور اس میں اپنی طرف سے کوئی ایجاد اور کوئی ردوبدل نہ کریں۔ (بحوالہ معارف الحدیث)

حوض کوثر کی درازی اور اس کی خصوصیت

حضرت ابوھریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا میرے حوض یعنی "حوض کوثر" کے دونوں سروں کے درمیان کا فاصلہ، اَیلَہ اور عدن کے درمیانی فاصلہ سے زیادہ ہے اور بلاشبہ اس حوض کا پانی برف سے بھی زیادہ سفید اور شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے جس میں دودھ ملا ہوا ہو اور اس کے آبخورے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں اور یقیناً

میں دوسری امتوں کے لوگوں کو اس حوض پر آنے سے اس طرح روکوں گا اور بھگاؤں گا جس طرح کوئی شخص غیر لوگوں کے اونٹوں کو اپنے حوض پر آنے سے روکتا ہے (اور یہ روکنا اس وجہ سے ہوگا تا کہ امت محمدی ﷺ کی اس فضیلت وخصوصیت میں دوسرے لوگ شریک نہ ہوں اور اس امت کے لوگ دوسری امتوں کے لوگوں سے ممتاز ومنفرد رہیں)'' صحابہ نے (یہ سن کر) عرض کیا یا رسول اللہ! (اس وقت) آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ (یعنی تمام مخلوق کے اتنے زبردست ازدحام میں کیا آپ کے لئے ممکن ہوگا کہ اپنی امت اور دوسری امتوں کے لوگوں کے درمیان امتیاز کر لیں اور وہ کونسی علامت ہوگی جس کو دیکھ کر آپ ﷺ اپنے امتیوں کو پہچان کر حوض کوثر پر آنے دیں گے اور غیر امتیوں کو وہاں آنے سے روکیں گے؟) رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ''ہاں میں تمہیں (بڑی آسانی کے ساتھ) پہچان لوں گا'' دراصل تمہاری ایک خاص علامت ہوگی، جس سے دوسری امت کے لوگ محروم ہونگے، اور وہ علامت یہ ہوگی کہ جب تم میری طرف آؤ گے تو اس وقت تمہاری پیشانیاں اور تمہارے ہاتھ پاؤں، وضو کی نورانیت کے سبب روشن اور چمکدار ہونگے۔''

اور مسلمؒ کی ایک روایت میں جو حضرت انسؓ سے منقول ہے، یوں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ''اس حوض میں سونے چاندی کے آبخورے ہونگے جو (اپنی چمک دمک اور) تعداد کے اعتبار سے آسمان کے ستاروں کی طرح دکھائی دیں گے۔'' اور مسلم شریفؒ کی ہی ایک اور روایت میں حضرت ثوبانؓ سے یوں منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسولِ اکرم ﷺ سے اس حوض کے پانی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اس حوض کو لبریز رکھنے کے لئے دو زوردار پرنالے گرتے ہیں جو جنت (کی اس نہر) سے آتے ہیں (جس کا نام بھی کوثر ہے) ان میں سے ایک پرنالہ سونے کا ہے اور دوسرا چاندی کا۔''

تشریح...... ''ایلہ'' ایک شہر کا نام ہے جو ملک شام کا ایک ساحلی علاقہ تھا اور آج کل ''اسرائیل'' کی حدود میں واقع اور اس کی ایک بندرگاہ ہے جس کا موجودہ نام ایلات ہے

یہ شہر بحر احمر (جس کو بحیرہ قلزم اور انگریزی میں ریڈسی کہتے ہیں) کے شمالی سرے پر واقع ہے۔اور عدن، بحر احمر کے جنوبی سرے پر واقع ایک مشہور جزیرہ نما کا نام ہے جو کبھی یمن کا ایک شہر اور اس کی بندرگاہ تھا رسولِ اکرم ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ایلہ اور عدن کے درمیان جتنا فاصلہ ہے میرے حوض کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا ہے! واضح رہے کہ اس سلسلہ میں جو روایات منقول ہیں ان میں آپ ﷺ نے اپنے حوض کے دونوں سروں کے درمیانی فاصلے کو ظاہر کرنے کے لئے متعدد شہروں اور علاقوں کا ذکر فرمایا ہے، مثلاً اس حدیث میں مابین ایلہ اور عدن کا ذکر کیا ہے جبکہ آنے والی ایک حدیث میں مابین عدن اور عمان کا ذکر کیا ہے اسی طرح ایک اور حدیث میں مابین صنعاء اور مدینہ کا ذکر کیا ہے، تو ان تمام حدیثوں میں مفہوم کی مطابقت و یکسانیت پیدا کرنے کے لئے یہ کہا جائے گا کہ مذکورہ شہروں کے درمیانی فاصلوں کے ذریعہ حوض کوثر کے دونوں سروں کے درمیانی فاصلہ اور اس کی درازی کو ظاہر فرمانا تحدید یعنی حد بندی کے طور پر نہیں بلکہ تمثیلاً اور تقریباً ہے۔ مطلب یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اس سلسلہ کی جو بھی حدیث ارشاد فرمائی اور جو اشخاص اس وقت رسولِ اکرم ﷺ کے مخاطب تھے ان کی سمجھ بوجھ اور ان کی ذاتی معلومات کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے سامنے محض تمثیل کے طور پر بیان فرمایا کہ میرے حوض کے دونوں سروں کا درمیانی فاصلہ تقریباً اتنا ہے جتنا فلاں دو شہروں کا درمیانی فاصلہ ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

اور مولانا منظور احمد نعمانیؒ اس حدیث کی تشریح میں یوں لکھتے ہیں کہ: عدن مشہور مقام ہے، اور عمان بھی شام کے علاقہ کا مشہور شہر ہے، بلقاء عمان کے قریب ایک بستی تھی بطور امتیاز اور نشانی کے اس حدیث میں ''عمان بلقاء'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں عدن اور بلقاء کے قریب والے عمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہے ، آخرت میں حوض کوثر کی مسافت اتنی ہوگی ، اور واضح رہے کہ یہ بھی کوئی ناپی ہوئی مسافت نہیں ہے، کہ ٹھیک اتنے ہی میل اور اتنے ہی فرلانگ اور اتنے ہی فٹ ہوں ، بلکہ حوض کی وسعت کو سمجھانے کے لئے عرف کے مطابق یہ ایک تقریبی بات کہی گئی ہے، اور مطلب یہ

ہے کہ حوض کی مسافت سینکڑوں میل کی ہوگی۔

آخر میں فرمایا گیا کہ سب سے پہلے حوض پر پہنچنے والے اور اس سے سیراب ہونے والے وہ غریب مہاجرین ہونگے جو اپنے فقر و تنگدستی اور دنیا کی بے رغبتی کی وجہ سے اس حال میں رہتے ہیں کہ، انکے سروں کے بال بنے سنورے نہیں رہتے، بلکہ میلے کچیلے رہتے ہیں، جو اگر نکاح کرنا چاہیں تو ان کی اس حالت کی وجہ سے خوش عیش اور خوش حال گھرانوں کی بیٹیاں ان کے نکاحوں میں نہ دی جائیں، اور وہ کسی کے گھر پر جائیں، تو ان کے میلے کچیلے کپڑے، اور ان کی شکل وصورت کی وجہ سے کوئی ان کے لئے اپنا دروازہ نہ کھولے، اور ان کو خوش آمدید نہ کہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے جن بندوں کا یہ حال ہو، کہ دنیا کی بے رغبتی اور دین میں انہماک اور فکر آخرت کے غلبہ کی وجہ سے اس دنیا میں وہ غریب وتنگدست ہوکر رہیں، نہ اپنی صورتوں کی بناؤ سنگار کی فکر رکھیں، نہ لباس پوشاک کی، وہ اپنی غربت اور دنیوی عیش کی اس قربانی کی وجہ سے آخرت کے انعامات میں مقدم اور فائق رہیں گے، ہمارے اس زمانہ کے جو حضرات اس طرز عمل کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے، تقشف، اور رہبانیت پسندی اور دین کے غلط تصور کا نتیجہ سمجھتے ہیں، چاہئے کہ وہ اس قسم کی حدیثوں پر غور کریں۔ ہر زمانہ کچھ کے امراض ہوتے ہیں جس طرح پہلے کسی زمانہ میں واقعی رہبانیت اور ترک دنیا کی غلط اور غیر اسلام سورتوں کو اسلام کا پسندیدہ زہد بعض حلقوں میں سمجھا اور سمجھایا جاتا تھا، اسی طرح ہمارے اس زمانہ میں (شاید اس کے ردعمل میں) بعض حلقوں کا مستقل رجحان یہ ہے کہ اسلام کو اس کی تعلیمات کو اس دور کے مادہ پرستانہ اور نفس پرستانہ تقاضوں سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کیا جائے۔ واللّٰہُ یَھدِی مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِراطٍ مُّسْتَقِیْم۔ (بحوالہ معارف الحدیث)

حوض کوثر کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے موتیوں کے قبّے ہونگے

''حضرت انس ﷺ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔'' میں (معراج کی رات

میں) جنت کی سیر کررہا تھا کہ اچانک میرا گزر ایک نہر پر ہوا جس کے دونوں طرف موتیوں کے گنبد تھے میں نے پوچھا کہ جبرائیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ حوض کوثر ہے جو آپ ﷺ کو آپ کے پروردگار نے عطا کیا ہے۔ پھر جو میں نے دیکھا تو اس کی مٹی مثل مشک تیز خوشبودار تھی۔'' (بخاری شریف)

تشریح......اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایک لفظ مجوف استعمال کیا ہے چنانچہ ''مجوف'' کے معنی ہیں کھوکھلا! مجوف موتی کے گنبد سے مراد یہ ہے کہ حوض کوثر کے دونوں کناروں پر جو گنبد اور قبے ہیں اینٹ پتھر اور چونے گاری جیسی چیزوں سے تعمیر شدہ نہیں ہیں بلکہ ہر گنبد دراصل ایک بہت بڑا موتی ہے جو اندر سے کھوکھلا ہے اور اس میں نشست و رہائش کی جملہ آسائشیں موجود ہیں ''جو آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے پروردگار نے عطا کیا ہے۔'' کے ذریعہ آیت کریمہ انا اعطینک الکوثر کی طرف اشارہ ہے جس کی تفسیر میں بہت سے مفسروں نے کہا ہے کہ اس آیت کرمہ میں ''کوثر'' سے مراد ''خیر کثیر اور بیشمار بھلایاں اور نعمتوں کی کثرت'' ہے جو پروردگار نے رسولِ اکرم ﷺ کو عطا فرمائی ہیں، اس میں نبوت و رسالت، قرآن کریم اور حکمت کی نعمتیں بھی شامل ہیں اور امت کی کثرت اور وہ تمام مراتب عالیہ بھی شامل ہیں جن میں ایک بہت بڑی نعمت رسولِ اکرم ﷺ کو آخرت میں مقام محمود، لوائے ممدود اور مذکورہ حوض کا عطا کیا جانا ہے۔ اس اعتبار سے اس بارہ میں کوئی منافات نہیں ہے کہ ''اس سے مراد ''حوض کوثر'' ہے یا ''خیر کثیر'' مراد ہونے کی صورت میں بشمول حوض کوثر، تمام ہی نعمتیں اور بھلائیاں اس میں شامل ہو جائیں گی اس طرح جبرائیل کے مذکورہ جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو جو ''کوثر'' عطا کیا ہے اسی میں کی چیز یہ ''حوض کوثر'' ہے! بعض مفسرین نے ''کوثر'' کی مراد ''اولاد اور علماء امت'' لکھا ہے، لیکن یہ قول بھی ''خیر کثیر'' کے قول کے منافی نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں (یعنی اولاد اور علماء امت) بھی ''خیر کثیر'' ہی میں داخل ہیں۔ اور مولانا منظور احمد نعمانیؒ اس حدیث کی تشریح میں رقمطراز ہیں کہ:

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جنت میں سیر کرتے ہوئے نہر کوثر پر گزرنے کا جو واقعہ ذکر فرمایا ہے، غالباً یہ شبِ معراج کا ہے، اور حضرت جبرئیل نے رسول اللہ ﷺ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ "یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے۔" تو یہ قرآن مجید کی آیت "اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرْ" کی طرف اشارہ ہے، اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے آپ کو کوثر دیا" کوثر کے اصل معنی خیر کثیر کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خیر کے جو خزانے عطا فرمائے، مثلاً قرآن وشریعت اور اعلیٰ روحانی صفات، اور دنیا وآخرت میں آپ کی رفعت شان وغیرہ، سو یہ سب بھی کوثر کے عموم میں اگرچہ داخل ہیں، لیکن جنت کی یہ نہر اور اس سے متعلق وہ حوض جو میدان حشر میں ہوگا (جس سے اللہ کے بیشمار بندے سیراب ہونگے) لفظ کوثر کا خاص مصداق ہیں، یا یوں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین وایمان کے سلسلہ کی جو بیش بہا نعمتیں عطا فرمائی تھیں، جو آپ کے ذریعے سے اللہ کے بے شمار بندوں تک پہنچیں، آخرت میں ان کا ظہور اس نہر کوثر اور حوض کوثر کی شکل میں ہوگا، جن سے اللہ کے بے شمار بندے فیضیاب اور سیراب ہونگے۔

حوض کوثر کی وسعت

"حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہارے آگے (قیامت کے دن) میرا حوض کوثر (ظاہر ہونے والا) ہے جس کے دونوں کناروں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا جَربَا اور اَذْرُح کا درمیانی فاصلہ ہے۔ کسی راوی کا کہنا ہے کہ جربا اور اَذْرُح ملک شام میں دو بستیاں ہیں جن کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ اور ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "(اس حوض) کے دونوں کناروں پر آب خورے رکھے ہونگے جو (چمک دمک اور کثرت کے اعتبار سے) آسمان کے ستاروں کی مانند ہونگے، جو شخص اس حوض پر آئے گا اور اس کا پانی پئے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح...... بعض محققین نے لکھا ہے کہ ملک شام میں جربا ایک ایسی بستی کا نام ہے جو

دراصل اَذْرُح کے بالکل قریب واقع ہے لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جَربا اور اَذْرُح کے درمیان تین دن کی مسافت ہے! اس صورت میں چونکہ حدیث کا مفہوم گنجلک ہوجاتا ہے اس لئے محدثین نے یہ تحقیق کی ہے کہ اس حدیث کے کسی راوی کے وہم میں مبتلا ہوجانے کی وجہ سے وہ الفاظ نقل نہیں ہوئے جن سے حوض کوثر کی وسعت کو ظاہر کرنا مقصود تھا، چنانچہ دارقطنی کی روایت دیکھنے سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جو یوں ہے۔

یعنی میری حوض کے دونوں کناروں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا کہ مدینہ اور جَربا واذرح کے درمیان فاصلہ ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق جلد پنجم)

حوض کوثر پر سب سے پہلے آنے والے فقراء مہاجرین ہوں گے

''حضرت ثوبانؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میرے حوض (کوثر) کی لمبائی عدن اور عمان بلقاء کے درمیانی فاصلہ کے بقدر ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اس کے آب خورے (پانی پینے کے برتن) آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں۔ جو شخص بھی ایک مرتبہ اس کا پانی پی لے گا پھر اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی، اس حوض پر پانی پینے کے لئے سب سے پہلے آنے والے لوگ فقراء مہاجرین ہوں گے، وہی فقراء مہاجرین جو (اس دنیا میں اپنے فقر وافلاس کی وجہ سے) پراگندہ بال اور پریشان حال اور پھٹے پرانے کپڑوں میں نظر آتے ہیں جو خوشحال گھرانوں کی لڑکیوں سے (اگر اپنے نکاح کا پیغام بھیجیں تو ان سے) نکاح کے قابل نہیں سمجھے جاتے اور جن کے لئے (گھروں کے) دروازے نہیں کھولے جاتے۔'' اس روایت کو احمدؒ، ترمذیؒ نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔''

تشریح...... جیسا کہ پہلے بھی اسی طرح کی ایک حدیث کی تشریح میں گزر چکا ہے، عدن ایک چھوٹے جزیرہ نما کا نام ہے جو پہلے یمن کا بندرگاہ تھا کچھ عرصہ پہلے تک اس جزیرہ پر انگریزوں کا قبضہ رہا ہے مگر اب خودمختار ریاست کی حیثیت رکھتا ہے، عدن بحر احمر کے

جنوبی سرے پر واقع ہے۔ جہاں خلیج عدن، بحر احمر اور بحیرہ عرب (بحر ہند) کو ملاتی ہے۔ اسی طرح "عمان" بھی ایک شہر کا نام ہے جو بحر احمر کے شمالی سرے پر پہلے ملک شام کا ایک حصہ تھا اور اب ملک اردن کا دار السلطنت ہے۔ "بلقاء" اصل میں ایک قدیم شہر کا نام ہے جو کبھی ملک شام کے دار السلطنت "دمشق کے" قرب وجوار میں آباد تھا۔ اور "عمان" اسی شہر بلقاء سے متعلق ایک دیہاتی علاقہ تھا، اسی بناء پر حدیث میں عمان بلقاء فرمایا گیا ہے! حاصل یہ کہ آخرت میں مجھے جو حوض کوثر عطا ہوگا اس کی لمبائی کا فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا فاصلہ عمان بلقاء اور عدن کے درمیان ہے (موجودہ دور میں اس فاصلہ کو پورے بحر احمر کی لمبائی پر قیاس کیا جاتا ہے کہ حوض کوثر، بحر احمر جتنا لمبا ہوگا) اور یہ بات بھی پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ حوض کوثر کی وسعت بیان کرنے کے لئے مختلف حدیثوں شہروں اور علاقوں کے درمیانی فاصلہ کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً اس حدیث میں عدن اور عمان بلقاء کے درمیانی فاصلہ کا ذکر ہے، ایک حدیث میں یہ ہے کہ حوض کوثر کی لمبائی ایلہ (ایلات) اور صنعا، (یمن) کے درمیانی فاصلہ کے بقدر ہوگی اور ایک حدیث میں دو مہینے کی مسافت کے بقدر فاصلہ کا ذکر ہے وغیرہ وغیرہ تو حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی بھی حدیث میں حوض کوثر کی لمبائی و وسعت کو متعین طور پر حد بند کر کے بتانا مقصود نہیں ہے بلکہ ان سب حدیثوں کا اصل مقصد صرف حوض کے طول وعرض کی وسعت و زیادیت کو ظاہر کرنا ہے، پس جس موقع پر جو مخاطب و سامع جن علاقوں وشہروں کے درمیانی فاصلوں اور جس مسافت کی سمجھ اور معلومات رکھتا تھا اسی کے مطابق تمثیل کے طور پر شہروں اور علاقوں اور مسافت کا ذکر فرمایا۔

اس حوض پر پانی پینے کے لئے سب سے پہلے آنے والے لوگ فقراء مہاجرین ہونگے۔ "فقراء مہاجرین کو یہ شرف خصوصی اس لئے حاصل ہوگا کہ دنیا میں دین کی خاطر انہوں نے ہی سب سے زیادہ بھوک پیاس کی صعوبت برداشت کی ہے سب سے زیادہ پریشانی اور تباہ حالی کا شکار یہی لوگ ہوئے ہیں، اس لئے، آخرت میں سب سے پہلے انہی لوگوں کو حوض کوثر پر سیراب کیا جائے گا اور سب سے پہلے انہی کو وہاں خوش آمدید کہا جائے گا

۔اسی مفہوم کو ایک دوسری حدیث میں یوں بیان فرمایا گیا کہ: **اجوعکم فی الدنیا اشبعکم فی الآخرۃ.** ''تم میں سے جو لوگ دنیا میں سب سے زیادہ بھوکے رہتے ہیں وہی آخرت میں سب سے زیادہ شکم سیر ہونگے۔'' نیز اللہ تعالیٰ جنت میں ایسے ہی لوگوں کو حکم دے گا۔ **كُلُوا وَاشْرَبُوا هنيئاً بِما اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ** ''خوب مزے سے کھاؤ اور پیو، اس صورت حال کے صلہ میں جس سے تم گزشتہ ایام (یعنی دنیاوی زندگی) میں دوچار تھے''۔

واضح رہے کہ ''مہاجرین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے اور آنحضرت ﷺ ان کے قائد تھے، نیز انہی کے حکم میں وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے دین کی خاطر اپنے وطن اصلی سے ہجرت اختیار کر لی اور مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ جا کر بس گئے اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے راحت وچین اور خوشحالی کی زندگی پر فقر افلاس کو اور شہرت و ناموری پر گم نامی و گوشہ گیری کو ترجیح دے کر اختیار کیا اور رضائے الٰہی کے لئے جاہ و مال کے حصول کی جدوجہد کو ترک کر کے علم وعمل کے حصول میں منہمک ہوئے۔

اور جن لوگوں کے لئے دروازے نہیں کھولے جاتے'' یعنی اگر وہ لوگ بفرض محال کسی ضرورت کے تحت یا بلا ضرورت ہی کسی دنیادار کے دراوزے پر جائیں تو ان کی ظاہری شکستہ حالی کی بنا پر وہ (دنیادار) ان کو اس قابل بھی نہ سمجھے کہ اپنے یہاں گھسنے دے اور اپنے پاس آنے دے یہ گویا اس بات سے کنایہ ہے کہ یہ لوگ اپنی ظاہری حالت کی وجہ سے دنیا داروں کے یہاں کسی دعوت وضیافت میں بلائے جانے کے قابل نہیں سمجھے جاتے اور سماجی ومجلسی تعلقات میں ان کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جاتا۔

حوض کوثر پر آنے والے لوگوں کا کوئی شمار نہیں ہوگا

حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ (ایک سفر میں) ہم لوگ رسولِ اکرم ﷺ کے

ساتھ تھے کہ ایک جگہ ہمارا پڑاؤ ہوا، وہاں رسولِ اکرم ﷺ نے (اس وقت موجود صحابہؓ سے) فرمایا کہ آخرت میں جو لوگ میرے پاس حوضِ کوثر پر آئیں گے ان کی تعداد کے اعتبار سے تم لاکھ جزوں میں سے ایک جزو بھی نہیں ہو۔ حضرت زید بن ارقمؓ سے سوال کیا گیا کہ اس موقع پر آپ لوگوں کی تعداد کیا تھی؟ انہوں نے کہا کہ سات سو یا آٹھ سو۔ (ابوداؤد)

تشریح...... اس سے تحدید و تعیّن مراد نہیں ہے بلکہ حوضِ کوثر پر آنے والے لوگوں کی کثرت و بہتات کو بیان کرنا مراد ہے، کہ وہاں پانی پینے کے لئے آنے والے لوگوں کی تعداد بے شمار ہوگی۔

ہر نبی ﷺ کو ایک حوض عطا ہوگا

''اور حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا (آخرت میں) ہر ایک نبی ﷺ کو حوض عطا ہوگا (اور ہر امت اپنے اپنے نبی ﷺ کے حوض پر آ کر پانی پئیں گے، پس تمام انبیاء آپس میں فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر زیادہ آدمی آتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ سب سے زیادہ آدمی میرے حوض پر آئیں گے۔'' (ترمذیؒ)

تشریح...... مطلب یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ کی امت کے لوگوں کی تعداد چونکہ دوسری تمام امتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوگی۔ اس لئے رسولِ اکرم ﷺ کے حوض پر پانی پینے کے لئے آنے والوں کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہوگی! اور یہ بات بالکل یقینی ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، پس آپ کا یہ کہنا کہ ''مجھے امید ہے'' اور جس سے شک وتردد کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے) محض تواضع وانکساری کی بنا پر ہے۔

قیامت کے دن رسولِ اکرم ﷺ کہاں کہاں ملیں گے

''حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ قیامت کے دن عام شفاعت کے علاوہ خاص طور پر الگ سے بھی میری شفاعت فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا! اچھا میں شفاعت کروں گا۔'' میں نے عرض کیا کہ یا رسول

اللہ! آپ کو کہاں تلاش کروں اور آپ (ﷺ) مجھے کہاں ملیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! سب سے پہلے مجھے پل صراط پر تلاش کرنا میں نے عرض کیا کہ اگر آپ پل صراط پر نہ مل پائیں؟ فرمایا! تو پھر میزان کے پاس تلاش کرنا" میں نے عرض کیا اگر آپ (ﷺ) میزان کے پاس بھی نہ ملیں؟ فرمایا! اگر میں دونوں جگہ پر نہ مل پاؤں تو پھر حوض پر مجھے تلاش کرنا میں ان تینوں جگہوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔" اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح......رسولِ اکرم ﷺ کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ قیامت کے دن یہ تین موقعے اور یہ تین مقام ایسے ہونگے جہاں لوگوں کو بہت زیادہ پریشانی اور ہولناکی سے دوچار ہونا پڑے گا اور یہی وہ مقام ہونگے جہاں پیش آنے والے حالات ومعاملات، سفارش وشفاعت کے طلب گار ہونگے، پس میں ان تینوں جگہوں پر باری باری موجود رہوں گا، کبھی یہاں کبھی وہاں اور اس طرح میں اس دن ان مقامات پر لوگوں کو دیکھ بھال رکھنے اور ان کے معاملات نمٹوانے میں مصروف رہوں گا۔

اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ یہ حدیث بظاہر حضرت عائشہ ؓ کی اس حدیث کے خلاف ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ قیامت کے دن اپنے اہل وعیال کو یاد رکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن ان تینوں موقعوں پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ ؓ والی حدیث "غائبین" پر محمول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن ان تینوں موقعوں پر جو لوگ آپ ﷺ کے سامنے نہیں، ہونگے اور آپ ﷺ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کریں گے آپ ﷺ از خود ان کو یاد نہیں کریں گے، اور یہ حضرت انسؓ والی حدیث "حاضرین" پر محمول ہے یعنی آپ ﷺ کی امت میں جو لوگ ان تین موقعوں پر آپ ﷺ کی خدمت پر حاضر ہونگے اور اپنی طرف متوجہ کریں گے تو آپ ﷺ ان کی طرف توجہ دیں گے اور ان کی خصوصی شفاعت فرمائیں گے، اور طیبیؒ نے ان دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے

لئے یہ لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ کو مذکورہ جواب اس لئے دیا کہ وہ آپ ﷺ کی زوجۂ مطہرہ تھیں، اور یہ خدشہ تھا کہ کہیں وہ مخصوص حضور ﷺ کی شفاعت اور خصوصی توجہ پر اعتماد و بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائے اور عمل و ریاضت کی طرف سے بے فکر ہو جائیں! چنانچہ آپ ﷺ اپنے اہل بیت اور قرابتداروں سے یہی فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! میں تمہارے اخروی معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوں محض میرے اوپر اعتماد کر کے نہ بیٹھ جانا، آخرت میں تمہارا عمل ہی فائدہ پہنچائے گا اس کے برخلاف آپ ﷺ نے حضرت انس ؓ کو یہ جواب اس لئے دیا کہ وہ ناامید نہ ہو جائیں اور انہوں نے جس قلبی تعلق و اخلاص کی بنا پر یہ درخواست کی تھی اس کا تقاضہ یہی تھا کہ انہیں جواب بھی اس طرح کے محبت و تعلق کو ظاہر کرنے والا دیا جائے۔

بہر حال یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ وہ دن اپنی ہولنا کی شدت وسختی اور زحمت ومشقت کے اعتبار سے نہایت سخت ہوگا، اگر چہ رسول اکرم ﷺ کو شفاعت کا مقام حاصل ہوگا اور آپ ﷺ کا شفاعت کرنا برحق ہے لیکن اس دن نجات پانے کے لئے اس دنیا میں عملی زندگی کو سنوارنے اور درست کرنے کی ضرورت بھی مسلم ہے، محض حضور ﷺ کی شفاعت پر اعتماد کافی نہیں اور صرف اعمال پر اعتماد کر کے حضور ﷺ کی شفاعت سے بے نیازی کوئی معنی نہیں رکھتی، پس آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ اور حضرت انس ؓ کو جو جواب دیئے وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح تھے اور ہر جواب میں مخاطب کے حال کی رعایت ملحوظ تھی۔

مرتدین کو حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا

حضرت سہل بن سعد ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میں حوض کوثر پر تمہارا امیر سامان ہوں گا (یعنی وہاں تم سب سے پہلے پہنچ کر تمہارا استقبال کروں گا) جو شخص بھی میرے پاس سے گزرے گا وہ اس حوض کوثر کا پانی پئے گا اور جو شخص بھی اس کا پانی پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہیں رہے گا۔ وہاں میرے پاس میری امت کے کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے

جنہیں میں پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے لیکن پھر میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل کردی جائے گی تاکہ وہ مجھ سے اور حوض کوثر سے دور رہیں میں یہ دیکھ کر کہوں گا کہ یہ لوگ تو میرے اپنے ہیں!؟ یعنی یہ لوگ میری امت کے افراد ہیں، یا یہ کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میرے صحابی رہے ہیں، پھر ان کو میرے پاس آنے سے کیوں روکا جا رہا ہے!؟ اس کے جواب میں مجھے بتایا جائے گا کہ آپ ﷺ کو نہیں معلوم، انہوں نے آپ ﷺ کے بعد کیا کیا نئی باتیں پیدا کی ہیں یہ سن کر میں کہوں گا کہ وہ لوگ دور ہوں مجھ سے دور خدا کی رحمت سے دور، جنہوں نے میری وفات کے بعد دین وسنت میں تبدیلی کی۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح...... حدیث میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ حوض کوثر کی طرف آئیں گے لیکن ان کو آنحضرت ﷺ اور حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا، ان کے بارے میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ وہ کون لوگ ہونگے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسلمان ہوگئے تھے اور جب تک آپ ﷺ دنیا میں رہے مسلمان ہی رہے، لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد وہ مختلف گمراہ کن تحریکوں جیسے مسیلمہ کذاب کے جھوٹے دعوی نبوت وغیرہ کے شکار ہوکر اسلام سے پھر گئے اور مرتد ہوگئے تھے، پس اس حدیث کا مضمون اس حدیث کی طرح ہے کہ جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میدان حشر میں جب میں اپنے کچھ لوگوں کو دوزخ کی طرف لیجاتے ہوئے دیکھوں گا تو کہوں گا کہ "یہ تو میرے صحابہؓ ہیں، یہ تو میرے صحابہؓ ہیں؟! لیکن پھر مجھے بتایا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ کے سامنے مسلمان تھے لیکن آپ ﷺ کے بعد اسلام سے پھر گئے تھے۔ لہٰذا اس حدیث کے ضمن میں جو تشریح و تاویل کی گئی ہے اس کو یہاں بھی پیش نظر رکھا جائے۔

ایک احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ لوگوں سے مراد اہل بدعت ہوں جو دین میں نئی نئی باتیں نکالتے ہیں لیکن یہ بات چونکہ ثابت ہے کہ اس امت کا کوئی بھی گنہگار خواہ اس کا گناہ کتنا ہی بڑا ہو، حوض کوثر پر آنے اور اس کا پانی پینے سے روکا نہیں جائے گا

،اس لئے یہ احتمال سرے سے رد ہو جاتا ہے ہاں اگر ''بدعت'' کا تعلق دین وملت میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرنے سے ہو جس سے اصول دین کی نفی ہوتی ہو اور نبوت وشریعت پر براہ راست اس طرح کی زد پڑتی ہو کہ اس پر کفر کا اطلاق ہو جائے تو اس درجہ کے اہل بدعت یقیناً ''مرتد'' ہی کہلائیں گے اور ان لوگوں کو اس حدیث کا محمول قرار دیا جا سکتا ہے۔

(بحوالہ جستہ جستہ از مظاہر حق جدید جلد پنجم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۸۶

رسولِ اکرم ﷺ تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھیاسی نمبر خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے، بیشک رسولِ اکرم ﷺ کی تمام خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے دیگر جتنے بھی انبیاء اکرامؑ آئے مخصوص لوگوں اور مخصوص زمانے تک کے لئے آئے، صرف اور صرف ہمارے آخری نبی ﷺ ہی کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور قیامت تک کے لئے مبعوث فرمایا، تو معلوم ہوا رسولِ اکرم ﷺ کی اس خصوصیت میں بھی دوسرا کوئی نبیؑ شریک نہیں، بے شک اس خصوصیت کا مظہر صرف اور صرف ہمارے پیارے رسول ﷺ ہیں جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی کی سیرت وصورت اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

چھیاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ تک جتنے بھی انبیاءؑ مبعوث ہوئے، وہ خاص خاص زمانوں، مخصوص مقامات اور اپنی اپنی قوم کے لئے تھے مگر حضور ﷺ کو نبی کل کائنات بنا کر بھیجا گیا اس بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ** (سبا ۲۸) ''اور ہم نے آپ کو تمام

لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

تمام لوگوں میں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر تا قیامت آنے والے سب شامل میں ان سب انسانوں کے لئے حضور ﷺ کو پیغمبر بنایا گیا۔ اس لیے آپ خاتم النبیین ہونے کے ساتھ ساتھ سرور کونین ﷺ بھی ہیں۔ احادیث میں مذکور ہے کہ تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا جانا صرف حضور ﷺ کے لیے ہی خاص ہے دوسرے انبیاءؑ کی نبوت صرف انکی اقوام تک خاص تھی، وہاں یہ عموم نہ تھا۔ بلکہ جیسے لوگوں یا انسانوں کے لفظ میں اوّل دنیا سے آخرت تک تمام انسان شامل ہیں ان میں نیک و بد سب سے بلکہ حضرت حضرات انبیاءؑ بھی آگئے ہیں اور ان کی امتیں بھی حضور ﷺ ان کی لیے بھی پیغمبر ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ ﴿قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الاعراف:۱۵۸)

آپ کہہ دیجئے اے انسانو میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی جانب، بیشک حضور ﷺ کا یہ خطاب بھی بلاواسطہ اور بہ واسطہ انبیاء وعلماء اول سے آخر تک تمام انسانوں سے ہے اور حضورؐ سب کے لیے نبی ہیں۔ اپنے اس حکم کی اللہ تعالیٰ نے مزید تشریح قرآن ہی میں کردی ہے۔ مثلاً:۔ اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا، انبیاء سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم دوں، پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے، جو مصداق ہو، اس علامت کا، جو تمہارے پاس ہے، تو ضرور تم اس پر اعتقاد رکھنا اور اس کی مدد بھی کرنا۔ فرمایا: تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا؟ بولے: ہم نے اقرار کیا ارشاد ہوا: تو گواہ رہنا اور میں اس پر تمہارے ساتھ گواہ ہوں (آل عمران)

انبیاء متبوع ہیں اور آیتیں ان کی تابع فرمان، اس لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہ عہد لینا ان کی امتوں سے ان کے واسطے سے عہد لینا ہے۔ فتاویٰ حدیثیہ میں ہے کہ علامہ سبکیؒ نے ثابت کیا ہے کہ محمد ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام اور بعد کے حضرات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے...... اور پھر حضور ﷺ تو اس وقت بھی موجود تھے، جب حضرت آدم کے جسم میں روح ڈالی جا رہی تھی، ابن سعد نے شعبی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے عرض

کیا: یارسول اللہ! آپ ﷺ کب نبی بنائے گئے؟ حضور ﷺ نے فرمایا آدم اس وقت روح اور جسم کے درمیان تھے، جب مجھ سے عہد لیا گیا تھا۔ اسی روایت کی تصدیق حضرت امام زین العابدینؒ کی روایت سے بھی ہو جاتی ہے۔ آپؒ نے فرماتے ہیں: ''میرے والد حضرت امام حسینؓ نے میرے دادا حضرت علی سے روایت منسوب کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا'' میں آدمؑ کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور (روح) تھا حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے۔ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، مجھے بتا دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی؟ حضور ﷺ نے فرمایا'' اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا ہے۔ (شارحین حدیث حضور ﷺ کے نور کو روح مبارک اور اللہ تعالیٰ کے نور کو فیض کے معنی دیتے ہیں) پھر وہ نور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جہاں جمال منظور ہوا۔ سیر کرتا رہا اور اس وقت لوح تھی نہ قلم، بہشت تھی نہ دوزخ، فرشتے تھے نہ آسمان، سورج، چاند، زمین اور جن وانس کوئی بھی نہیں تھا۔ (المواہب الدنیا)

امام احمد اور امام بیہقی نے اور حاکم نے صحیح الاسناد کہہ کر اور مشکوٰۃ میں شرح السنہ سے نقل کر کے حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم نے ارشاد فرمایا: ''میں حق تعالیٰ کے یہاں خاتم النبیین ہو چکا تھا۔ کہ آدم علیہ السلام ابھی خمیر ہی میں تھے یعنی ان کا پتلا بھی تیار نہ ہوا تھا۔ حضرت جابرؓ راوی ہیں:

''حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایسی پانچ چیزوں سے نوازا گیا ہے، جو پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، (۱) پورے مہینے کی مسافت تک رعب کی مدد مجھے عطا کی گئی (۲) دنیا کی ساری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزہ بنادی گئی سو میری امت کا ہر آدمی جہاں نماز کا وقت آجائے، نماز وہیں پڑھ لے۔ (۳) میرے لئے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا۔ (۴) مجھے شفاعت کا مرتبہ دیا گیا۔ (۵) میں تمام انسانوں کے لئے بھیجا گیا، جبکہ انبیائے سابقین اپنی اپنی قوم کے لئے تھے۔ (بخاری و مسلم)

امام رازی تفسیر کبیر میں رقمطراز ہیں کہ حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میں تمہارے پاس پاک صاف شریعت لایا ہوں۔ خدا کی قسم اگر موسیٰ بن عمران بھی زندہ ہوتے، تو ان کے لئے بھی میری اتباع کے سوا کوئی گنجائش نہ رہتی۔ چنانچہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، جو صحیح اور بہت سی حدیثوں میں مذکور ہے اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔ وہ بھی حضور اکرم ﷺ کی شریعت کی پیروی کریں گے۔ مفتی جمیل احمد تھانوی کی تحقیق ہے کہ علامہ سبکیؒ کہتے ہیں ''ہم کو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے رب کی جانب سے تمام کمالات کی عطا ہوئی اور نبوّت پر انبیاء سے عہد لینا خلقِ آدم کے زمانے سے ہے۔ تاکہ سب نبی جان لیں کہ حضور ﷺ ان سے بڑھ کر ہیں اور ان کے بھی نبی اور رسول ہیں۔ اس لئے حضور نبی الانبیاء ہیں، فتاویٰ حدیثیہ شیخ ابن حجر ہیتمی میں ہے کہ علامہ تقی الدین سبکی نے بھی اس کو ترجیح دی ہے کہ حضور ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام قدیم امتوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ میں سب انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ سب کو شامل کیا ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک اور علامہ بازری نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے، اور مزید یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ تمام حیوانات اور جمادات کی طرف بھی بھیجے گئے ہیں اور اس کے لئے حضور ﷺ کے رسول ہونے پر گوہ کی گواہی اور درختوں اور پتوں کی گواہی کو دلیل بنایا ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ کہتے ہیں: ''میں اس پر مزید کہتا ہوں کہ حضور ﷺ خود اپنی طرف بھی مبعوث کئے گئے۔ الغرض حضور ﷺ تمام جہانوں کے نبی ہیں، ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضور ﷺ نبی الانبیاء ہیں اور ان سب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور اس پر قرآن و حدیث کی بہت دلیلیں قائم ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔ تو نتیجہ صاف لازم آ گیا کہ حضور ﷺ فرشتوں کے لئے بھی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور تمام فرشتے بہ طریق اُولیٰ حضور ﷺ کے پیروکاروں میں ہوئے اور حضور ﷺ کو اور تمام انبیاء پر کچھ خصوصیات بھی حاصل ہیں، جو فرشتوں کے معاملے میں بھی ہیں، مثلاً فرشتوں کا حضور ﷺ کے ساتھ ہو کر جہاد میں

قتال کرنا اور حضور ﷺ تشریف لے چلتے تو فرشتوں کا پیچھے پیچھے چلنا، اس کی دلیل ہے کہ وہ سب حضور ﷺ کے تابعداروں میں ہیں۔ آپ کی شریعت میں ہیں۔ اور آپ کی تقویت کے لئے ہیں۔ اللہ اللہ، کیا شان ہے، رسالت مآب کی۔

''ایک یہودی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں۔ ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے ایک ہندو تمام دنیا کو ملیچھ، شودر، چنڈال کہہ کر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے۔ ایک زرتشی تمام عالم کو بحرظلمات کہہ کر بھی نورانی ہوسکتا ہے اور وہ ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دینداری کا دعویٰ کرسکتا ہے، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی ان کی پیروی کا دعوے کر کے ان سے پہلے کے کسی پیغمبر کا انکار کر سکے۔ حضور ﷺ تہجد میں دعا پڑھتے تھے، اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا۔ ''سب نبی برحق تھے اور محمد بھی برحق ہے۔'' غرض کوئی شخص اس وقت تک محمدی نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ پہلے موسوی، عیسوی، اور ایرانی و ہندی نہ بن جائے اور کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا، جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت، حقانیت، راست بازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے۔ (سیرت النبی ج ۴)

ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ سے پہلے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث کئے گئے۔ ان میں سے قرآن میں صرف ان انبیاء کا ذکر ہے، جن سے عرب، یہودی اور عیسائی واقف تھے۔ بقیہ نبیوں کا تذکرہ نہیں کیا گیا اور صرف یہ اصولی بات بتادی گئی کہ ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے (بحوالہ سورہ یونس) لیکن حضور ﷺ سب کے نبی تھے اور نبی ہیں۔ آج انبیائے سابقین کے بارے میں یہ حضور ﷺ کی تعلیمات ہی کا نتیجہ ہے کہ عرب جو کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال سن کر تمسخر اڑاتے تھے، وہ کہ جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان جلالت کا تذکرہ سن کر غصہ آتا تھا، وہ انبیائے سابقین کے ایسے قائل ہوئے کہ اپنی اولاد کے نام عیسیٰ اور موسیٰ رکھنے لگے اور آج بھی انبیائے سابقین کا احترام ہر فرزند توحید کے ایمان میں شامل

ہے اور وہ یہ اقرار کرتا ہے کہ۔

زمین وزماں تمہارے لیے مکین ومکاں تمہارے لیے

علامہ محمد سلیمان منصور پوری اپنی مایہ ناز کتاب رحمۃ للعلمین جلد سوم میں آیت: وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ کے ذیل میں تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کتاب خروج باب سوم میں ہے: موسیٰ علیہ السلام نے ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوئے دیکھے اور دیکھا کہ وہ بوٹا جل نہیں جاتا، وہ یہ دیکھنے کو آگے بڑھے، تب خدا نے بوٹے کے اندر سے پکارا۔

میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں ہیں یقیناً دیکھی، جو خراج کے محصلوں کے سبب سے ہے، سُنی اور میں اُن کے دُکھوں کو جانتا ہوں۔ اور میں نازل ہوا ہوں کہ انہیں مصریوں کے ہاتھ سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کر اچھی زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے۔ کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرضیوں اور حربیوں، یوسیوں کی جگہ میں لاؤں۔

اب دیکھ، بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور میں نے وہ ظلم جو مصری اُن پر کرتے ہیں، دیکھا ہے۔

بس اب تو جا، میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں، میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں، مصر سے نکال۔ مندرجہ بالا فقرات موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کے مقصد ومدعا کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کا عمل بھی اسی کی تائید میں ہے کہ انہوں بنی اسرائیل کی رہائی اوران کو وعدہ کی زمین کی جانب لے جانے کے سوا دیگر اقوامِ عالم سے کچھ سروکار نہیں رکھا۔

کتاب استثناء (موسیٰ کی پانچویں اور آخری کتاب) میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہم کو ایک شریعت عطا فرمائی جو کہ یعقوب علیہ السلام کی جماعت کی میراث ہے، باب ۳۲، درس ۴۔

اس فقرہ نے شریعتِ تورات کا خاص اسرائیلیوں کے لئے ہی ہونا ظاہر کردیا، اگر یہ

فقرہ نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ کوئی مدعی کہہ سکتا کہ شریعت تورات سب دنیا کے لئے ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر انبیائے بنی اسرائیل ہوئے وہ سب اسرائیلیوں ہی کے لیے آتے رہے۔

اب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہم کو صراحۃً ظاہر کر دینا ہے کہ ان کی نبوت کن کن لوگوں کے لیے تھی۔

الف: انجیل متی کا باب ۱۵، پڑھنا ضروری ہے، جس میں ایک کنعانی عورت کا قصہ موجود ہے۔ یہ عورت اسرائیلی نہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس اس لئے آئی ہے کہ حضور ﷺ اپنی معجزانہ طاقت سے اُس کی بیمار بیٹی کو چنگا کر دیں۔ مسیح علیہ السلام نے فرمایا ''میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔'' پر وہ آئی اور اسے سجدہ کر کے کہا، اے خداوند میری مدد کرو۔'' مسیح علیہ السلام نے جواب دیا ''مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیں۔''

اس تمام واقعہ پر ٹھنڈے دل سے اور پوری سمجھ سے تامل کرنا چاہئے کہ مسیح علیہ السلام نے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ وہ بنی اسرائیل کے سوا اور کسی قوم کے پاس نہیں بھیجے گئے۔ انہوں نے صاف طور پر بنی اسرائیل کو فرزند سے اور دیگر اقوام کو کتوں سے تشبیہ دی اور دیگر اقوام کا اپنی برکات سے محروم ہونا اور محروم کرنا، اس دلیل سے واضح کر دیا کہ لڑکوں کی روٹی کتوں کو نہیں دی جایا کرتی۔

انجیل متی میں ذکر ہے کہ جب مسیح علیہ السلام نے اپنے بارہ شاگردوں کو تبلیغ کے لئے روانہ فرمایا تو یوں کہا! ''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔''

اس سے ظاہر ہے کہ غیر اقوام میں تبلیغ کی قطعاً ممانعت فرمائی گئی اور اسرائیلیوں میں سے بھی سامریوں کے پاس جانے سے روکا گیا۔ یہ اسناد اس امر کے ثابت کرنے کو کافی ہیں کہ جناب مسیح علیہ السلام کی نبوت اور اُن کے بارہ شاگردوں کے فرض تبلیغ کا رقبہ صرف

اسرائیلیوں کے اندر اندر محدود تھا۔ انبیائے بنو اسرائیل کے بعد دیکھو کہ دنیا میں اور کون سے مذہب میں تبلیغ شان موجود ہے، لیکن بدھ مذہب کی صدہا سالہ تاریخ پر عبور کر جاؤ۔ انہوں نے ہندوجاتی کے سوا کبھی اپنے عروج کے زمانہ میں بھی کسی دوسری قوم تک تبلیغ کو نہیں پہنچایا اور کسی غیر مذہب اسرائیلی، بابل، مصری، حجازی، مغربی وغیرہ کے معتقد کو داخل مذہب خود نہیں کیا۔ سلسلہ تکامل کی یہ زبردست شہادت بدھ ازم کو محدود رقبہ اور محدود قوم کے لئے خاص بتا رہی ہے اور اگر آریہ سماج کی تحقیقات کسی حقیقت کا انکشاف کر سکتی ہے، تب تو یہ بھی ہے کہ بدھ ازم کوئی علیٰحدہ ازم نہ تھا بلکہ بدھ مہاراج دیدمت کے تازہ کرنے والے تھے۔ اب دیدمت کو لیجئے، دیدمت کے عروج کا زمانہ مہابھارت کی جنگ سے پیشتر کا ہے۔ دید اور چھ شاسترا منوسمرتی خاموش ہیں کہ دیدمت کو کبھی تبلیغ مذہب بنایا گیا ہو، یا کبھی اقوام غیر میں اس کی تبلیغ کی گئی ہو۔

منوجی مہاراج کی سمرتی کو آریہ اور سناتنی صاحبان بالاتفاق قابل سند تسلیم کرتے ہیں اس سمرتی میں تمام آبادی کو چار ورنوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور تحصیل علم وفضل اور قرأت دید کا کام صرف برہمن ورن کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یہ تقسیم، یہ پابندی بتلا رہی ہے کہ منوجی مہاراج اور اُن کے ماتحت رشیوں نے جو سمرتی مذکور کے سیکھنے کے لئے مجتمع ہوئے تھے، دیدمت کو کبھی تبلیغی مت نہیں قرار دیا تھا۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے مذاہب کا ذکر یہاں چھوڑ دیا جاتا ہے مذکورہ بالا شاندار اقوام کا سلسلہ تعامل بھی یہی یقین دلاتا ہے غور کرو کہ شریعتِ موسوی کا امام کبھی کسی غیر اسرائیلی کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ روما کے کلیسا نے پطرس کا جانشین یعنی مسیحی برکات کا مخزن کبھی کسی غیر یورپین کو تسلیم نہیں کیا اور ایشیائی نسل کا کوئی شخص کبھی پوپ نہیں بنایا گیا۔

ہندو قوم میں کبھی کوئی یہودی یا عیسائی یا مغربی نسل کا شخص رشی یا مہارشی بلکہ کسی مندر کا پجاری بھی نہیں بنایا گیا۔ یہ عملی تجربے ثابت کر رہے ہیں کہ ان مذاہب کے بیشتر بزرگوں نے حقیقۃً اپنے اپنے مذاہب کو محدود رقبہ اور محدود قوم کے لئے خاص سمجھا ہوا تھا۔ حضور ﷺ

کے اس منصب کا کہ حضور ﷺ کل دنیا کے لئے مبعوث ہیں، آیتِ زیب عنوان کے لئے دیگر آیات میں بھی اعلام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُل یا اَیُّھا النّاسُ اِنّی رسولُ اللہِ اِلَیکُم جمیعًا نِ الّذِیْ لہٗ مُلکُ السّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ. اے نبی کہہ دیجئے کہ اے نسلِ انسانی کے بچو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، وہ اللہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ (بحوالہ رحمۃ للعلمین، ج ۳)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۸۷

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی القبلتین بنایا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے ستاسی نمبر خصوصیت پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی القبلتین بنایا بے شک ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم ہے، اس وقت جبکہ میں اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں سعودیہ ٹائم کے مطابق ساڑھے چار بج رہے ہیں، مسجد نبوی میں عصر کی نماز سے فراغت ہوئی ہے اور میں نے عصر کی نماز روضہ رسول ﷺ کے نزدیک اس طرف ادا کی، جہاں باب جبرائیل ہے، اور اب عین روضہ کے سامنے بیٹھا ہوں بلکہ یوں کہوں کہ اپنے پیارے آقا ﷺ کے مقدس روضے کے سائے تلے بیٹھا ہوں، زبان پر درود جاری ہے ہاتھ میں قلم ہے، لوگوں کا اژدھام ہے اور میں اپنے آبلہ پا قلم سے صفحہ قرطاس پر آپ ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اور اللہ کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ روزِ قیامت یہ میری ٹوٹی پھوٹی کاوش میرے لئے نجات کا ذریعہ بن جائے گی انشاء اللہ۔

بہرحال محترم قارئین! حضور ﷺ کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی بہت عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی محمد ﷺ کی دلی حالت کے مطابق عین نماز ہی میں قبلے کو تبدیل فرمادیا، یعنی پہلے قبلہ بیت المقدس تھا لیکن حضور ﷺ کی خواہش تھی کہ قبلہ بیت اللہ ہونا چاہئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فوراً آپ ﷺ کی اس خواہش کو عملی جامہ پہنایا اور وحی نازل فرمائی کہ آپ (ﷺ) کی خواہش کے مطابق اب قبلہ بیت اللہ ہوگا، یہ خاص آپ ﷺ کے لئے ہی ایسا ہوا جبکہ دیگر انبیاءؑ کو یہ خصوصیت نصیب نہیں ہوئی تو اس طرح رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی القبلتین بنایا، یقیناً یہ خصوصیت ہمارے حضور ﷺ کی

بہترین امتیازی خصوصیت ہے جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کو تفصیل سے پیش کیا جارہا ہے، لیجئے ملاحظہ فرمائیے:۔

ستاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سعادتوں اور برکتوں کا کلید بردار بنایا تھا اور اُن کو ارضِ مقدس کی تولیت کا منصب عطا کیا تھا جس کے حدود خدا نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے تھے، لیکن اسی کے ساتھ تورات میں بار بار اعلان کر کے یہ بھی اُن کو سنا دیا گیا تھا اگر انہوں نے خدا کے احکام کی اطاعت اور پیغمبروں کی تصدیق نہ کی تو یہ منصب اُن سے چھین لیا جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام و حضرت اسحاق علیہ السلام کو دو بیٹے عطا ہوئے تھے اور ارض مقدس کو ان دونوں بیٹوں درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا یعنی شام کا ملک حضرت اسحاقؑ اور عرب کا ملک حضرت اسماعیلؑ کو ملا تھا۔ شام میں بیت المقدس اور عرب میں کعبہ واقع تھا۔ حضرت اسحاقؑ کے فرزندوں کو جن کا مشہور نام بنی اسرائیل ہے (اسرائیل حضرت اسحاقؑ کے بیٹے یعقوبؑ کا لقب تھا) بیت المقدس کی تولیت عطا ہوئی تھی اور بنو اسماعیل کو کعبہ کا متولی بنایا گیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں جس قدر پیغمبر پیدا ہوئے اُن میں سے بنو اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس اور بنو اسماعیل کا کعبہ تھا۔ گویا آنحضرت ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء علیہم السلام عرب یا شام میں مبعوث ہوئے وہ ان دونوں قبلوں میں سے صرف ایک کے متولی تھے۔ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمام دوسرے پیغمبروں کے متفرق اوصاف وخصوصیت کا جامع اور برزخ بنایا تھا۔ اسی طرح حضرت اسحاق و اسماعیلؑ دونوں کی برکتوں اور سعادتوں کا گنجینہ بھی ذاتِ محمدی ﷺ ہی کو قرار دیا۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ کی وراثت جو صدیوں سے جو بیٹوں میں بٹتی چلی آتی تھی وہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پھر ایک جگہ ہوگئی اور گویا وہ ''حقیقت ابراہیمیہ'' جو خاندانوں اور نسلوں میں منقسم ہوگئی تھی ذاتِ محمدی ﷺ میں

پھر یکجا ہو گئی اور آپ ﷺ کو دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی اور نبی القبلتین کا منصب عطا ہوا یہی نکتہ تھا جس کے سبب سے آنحضرت ﷺ کو کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا اور اسی لئے معراج میں آپ کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے جایا گیا اور مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم السلام کی صف میں آپ کو امامت پر مامور کیا گیا تا کہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلانِ عام ہو جائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکارِ محمدی ﷺ کا عطا ہوتی ہے اور نبی القبلتین نامزد ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں سورہ اسراء کی ابتداء اور واقعۂ معراج کا آغاز اسی حقیقت کے اظہار سے ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔ ''پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے بندہ کو مسجد حرام سے اُس مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اردگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں تا کہ ہم اپنے اس بندہ کو اپنی بند نشانیاں دکھائیں، بے شک خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے''۔ (بنی اسرائیل)

بنو اسرائیل کو ارضِ مقدس کی تولیت کا شرف بہت سے شرائط اور معاہدوں کے ساتھ عطا ہوا تھا اور یہ کہہ دیا گیا تھا کہ جب وہ غیر معبودوں کی طرف جھکیں گے اور احکام الٰہی کی عدم پیروی کے ملزم ہوں گے۔ تو یہ منصب اُن سے چھین لیا جائے گا اور محکومی و غلامی کی زنجیر اُن کی گردنوں میں ڈال دی جائے گی۔ حضرت داؤد و سلیمان علیہم السلام کے عہد میں اُن کو نیابت اور وراثت عطا کی گئی تھی عدم ایفائے عہد کی پاداش میں بابل کے بادشاہ بخت نصر (بنو خذ نذر) کے ہاتھوں اُن سے چھین لی گئی۔ ارضِ مقدس سے وہ جلاوطن کر دیئے گئے۔ شہر اور سلیم کھنڈر کر دیا گیا۔ بیت المقدس کی ایک ایک اینٹ چور چور کر دی گئی اور تورات کے پُرزے پُرزے اڑا دیئے گئے۔

اس پُرغم سانحہ پر بنی اسرائیل نے ماتم کیا۔ خدا کے سامنے دستِ تضرّع دراز کیا۔ بنی اسرائیل کو توبہ و انابت کی دعوت دی تو پھر اُن کو معاف کیا گیا اور ایرانیوں کے عہد میں ارضِ مقدس کی دوبارہ تولیت سے وہ سرفراز ہوئے، لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ بتوں کو سجدہ کیئے۔ تورات کے احکام سے روگردانی کی تو اُن پر یونانیوں اور رومیوں

کو مسلط کیا گیا جنہوں نے بیت المقدس کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ یہودیوں کا قتلِ عام کیا۔ قربان گاہ کے مقدس ظروف توڑ پھوڑ دیئے۔ اب اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوتی ہے اور بنواسرائیل کی توبہ وانابت کا آخری موقع دیا جاتا ہے۔ اگر انہوں نے حق پسندی کو راہ دیا تو خدا ان پر رحم فرمائے گا ورنہ ہمیشہ کے لئے وہ اس منصب سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:

"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی وراس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت نامہ ٹھہرایا کہ ہمارے سواوہ کسی کو کارساز نہ بنائیں۔ اے ان لوگوں کی اولادو! جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا، دیکھو کہ اُن کا جنہوں نے اپنا کارساز دوسروں کو بنالیا تھا کیا حشر ہوا؟ تم کو اس احسان کا شکر ادا کرنا چاہیئے تھا کیونکہ تمہارا باپ نوحؑ شکر گزار بندہ تھا اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے متعلق فیصلہ کر دیا تھا کہ تم دو دفعہ زمین میں فساد کرو گے اور بڑی زیادتیوں کرو گے، جب اُن میں سے پہلے فساد کا وقت آیا تو ہم نے تم پر ایسے بندوں کو کھڑا کر دیا۔ جو بڑے سخت گیر تھے وہ تمہارے شہروں کے اندر پھیل گئے اور خدا کا وعدہ پورا ہوا، پھر ہم نے تمہارے دن پھیرے اور تم کو مال واولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد بہت بڑھادی (اور کہہ دیا کہ) اگر تم نے اچھے کام کئے تو اپنے ہی لئے اور بُرے کام کئے تو اپنے لئے، پھر جب (تمہارے) دوسرے فساد کا وقت آیا (تو پھر ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو کھڑا کر دیا) کہ وہ تمہارے چہروں کو خراب کر دیں اور یہ بھی بیت المقدس میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح تمہارے پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر وہ قابو پائیں اُس کو توڑ پھوڑ ڈالیں (اب محمد ﷺ کی بعثت کی بعد) ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم نے پھر ویسا ہی کیا تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے اور حق کے منکروں کے لئے ہم نے جہنم کا احاطہ بنا رکھا ہے"۔ (بنی اسرائیل)

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی تھی، وہاں بنی اسرائیل سے تعلقات نہ تھے، اسی لئے مکی سورتوں میں بنواسرائیل کو عموماً مخاطب نہیں کیا گیا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ بنواسرائیل کو مخاطب کیا جارہا ہے۔ کیونکہ اب اسلام کے نئے دَور کا آغاز ہوگا اور از سرِ نو خدا کے سامنے

اپنی شرمساری کے اظہار کا موقع ملے گا اور خدا اُن پر رحمت کا دروازہ کھولے گا۔لیکن اگر انہوں نے قبولِ حق سے انکار کیا تو اُن کے لئے پھر وہی سزا ہے جو اُن کو اس سے پہلے دو دفعہ مل چکی ہے۔لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے عملاً اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور حق کو قبول نہیں کیا، حالانکہ خدا نے اُن سے کہا کہ۔"تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کرونگا"۔ اس لئے خدا نے اُن پر رحمت کا دروازہ نہیں کھولا اور اُن کو تیسری دفعہ میں وہی سزا ملی اور وہ مدینہ، اطرافِ مدینہ کے باغات وغیرہ سے بے دخل کر دیئے گئے اور بیت المقدس کی تولیت مسلمانوں کے سپرد کی گئی۔

آج کفارِ مکہ کے نام آخری اعلان ہے۔اُن کا مطالبہ تھا کہ اگر اسلام سچا اور ہمارا مذہب باطل ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا، وہ کہتے ہیں کہ ہم پر عذاب آئے۔اُن کو یہ سنت الٰہی بتائی گئی کہ قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں آتا جب تک اس میں مبلغ الٰہی مبعوث نہیں ہو لیتا اور اس کو بالکل اس کی طرف سے مایوسی نہیں ہو جاتی۔اس وقت قوم کا دولت مند اور مغرور طبقہ اُس حق کی بیخ کنی کے لئے آگے بڑھتا ہے۔بہت سے دوسرے لوگ جن کو اُن کی قوت پر بھروسہ ہوتا ہے اُن کا ساتھ دیتے ہیں۔مومنوں کا طبقہ جو بظاہر کمزور ہوتا ہے اس حق کو قبول کر لیتا ہے۔ایک دنیا کے نفعِ عاجل کا طالب ہے اور دوسرا آخرت کے نفعِ جاوید کو ترجیح دیتا ہے، دنیا میں بظاہر دونوں کو برابر زندگی کی نعمتیں ملتی ہیں مگر ایک دن آتا ہے جب رات اور دن کی روشنی الگ ہو جاتی ہے۔دنیا میں کوئی ایک دوسرے کا ذمہ دار نہیں، مصلح اور ہادی اپنا فرض ادا کر دیتے ہیں، ایمان و کفر کے وہ ذمہ دار نہیں، اس دنیا میں ہر شخص اپنا آپ ضامن ہے۔اس انکار و کفر کی بدولت قریش مکہ بھی تولیتِ کعبہ کے شرف سے معزول کیئے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو فتح مکہ کی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔قرآن مجید میں ارشاد پاک ہے کہ۔"یہ قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور اُن مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ اُن کے لئے بڑی مزدوری ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جن کو آخرت پر ایمان نہیں ہم نے اُن کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے، انسان کبھی برائی

(عذاب) کو بھی اسی طرح چاہتا ہے جس طرح بھلائی کو، انسان بڑا ہی عجلت پسند واقع ہوا ہے، ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا ہے، نشانِ شب کو ہم مٹا دیتے ہیں اور نشانِ روز کو روشن کر دیتے ہیں کہ اس روشنی میں اپنے خدا کی مہربانی کو ڈھونڈو اور ماہ و سال کا شمار اور حساب جانو، ہم نے ہر چیز کھول کر بیان کر دی اور ہر انسان کے نیک و بد کو اسی کی گردن میں ڈال دیا ہے، قیامت کے دن ہم اُس کے اعمال نامہ کو نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا اور اس وقت ہم اس سے کہیں گے کہ لو اپنا اعمال نامہ پڑھو! آج تم ہی اپنا حساب آپ لے لو تو جو ہدایت کو قبول کرتا ہے وہ خود اپنے لئے کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنے لئے، کوئی ایک دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھاتا اور ہم اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک پیغمبر نہ بھیج لیں اور جب کسی آبادی کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو ہم وہاں کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں فسق و فجور کرتے ہیں (تو اُس پر قانونِ الٰہی کے مطابق) سزا واجب ہو جاتی ہے تو ہم اُس آبادی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور یاد کرو نوحؑ کے بعد سے ہم کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے جو اس دنیا کا نفع عاجل چاہتے ہیں تو ان میں سے جس کے لئے ہم چاہتے ہیں (اسی دنیا کا نفع) عاجل اُس کو دے دیتے ہیں پھر دوزخ کو اس کا ٹھکانہ بناتے ہیں جس میں وہ ہر طرح بُرا ٹھہرا کر راندۂ درگاہ بن کر داخل ہوگا اور جو آخرت کو چاہے گا اور آخرت کے لئے کوشش کرے گا اور وہ مؤمن ہوگا تو اس کی کوشش خدا کے یہاں مشکور ہوگی۔ ہم نیک و بد ہر ایک کو تیرے پروردگار کے عطیہ سے دیتے ہیں، تیرے پروردگار کا عطیہ محدود نہیں ہے۔ دیکھ! ہم نے کیونکہ دنیا میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، لیکن سب سے بڑا درجہ اور مرتبہ آخرت کا درجہ اور مرتبہ ہے۔ (بنی اسرائیل)

یہود اور قریش دونوں کی معزولی کے بعد بیت المقدس اور خانہ کعبہ دونوں کی تولیت کا منصب عطا کرنے کے لئے شہنشاہئ عالم اپنے بندۂ خاص کو اپنے حضور میں طلب کرتا ہے اور اس روحانی حکومت کے شرائط و احکام کا ایک نسخہ عطا کرتا ہے، جیسا کہ اس موقع پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کو عطا ہوا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ۔

''خدا کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ بنانا ورنہ تو بُرا ٹھہرے گا اور بے یار مددگار رہ جائے گا اور تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کو اور نہ پُوجنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اگر ان میں ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کی بات میں اونھ تک نہ کرنا اور نہ ان کو نہ جھڑکنا اُن سے ادب کے ساتھ بات کرنا اور ان کے سامنے نرم دلی سے اطاعت کا بازو جھکا دینا اور ان کے حق میں یہ دعا مانگنا کہ پروردگار! میرے والدین پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے جب میں چھوٹا تھا مجھ پر رحم کیا تھا، تمہارا پروردگار تمہارے دلوں کے راز سے خوب واقف ہے، اگر تم نیک ہو تو وہ تو توبہ کرنے والوں پر بخشش کرتا ہے اور قرابت دار کو اس کا حق ادا کر اور غریب و مسافر کا حق بھی دے اور فضول خرچی نہ کیا کر فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے آقا کا بڑا ہی ناشکر گزار ہے۔ اگر اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جس کی تجھ کو توقع ہو ان مستحقین میں سے کسی سے تجھ کو منہ موڑنا پڑے تو اُن کو نرمی سے سمجھا دے اور اپنا ہاتھ نہ اتنا سکیڑ لے کہ گویا گردن میں بندھا ہے اور نہ اتنا پھیلا ہی دے کہ ہر طرف سے تجھ کو لوگ ملامت کریں اور تُو تہی دست ہو جائے، تیرا پروردگار جس کو روزی چاہتا ہے کم کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں کے حال کا دانا و بینا ہے، اور تم افلاس کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو، ہم ہیں جو اُن کو اور تم دونوں کو روزی دیتے ہیں، اُن کا قتل کرنا درحقیقت بڑا گناہ ہے اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی ہے اور بُری راہ ہے اور جس جان کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اُن کو ناحق قتل نہ کرنا اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو اُس کے والی وارث کو قصاص کا حق ہم نے دے دیا ہے تو چاہیئے کہ وہ اس میں زیادتی نہ کرے کیونکہ اسی میں اس کی جیت ہے اور جب تک یتیم اپنی عقل و شعور و جوانی کو نہ پہنچ جائے اس کے مال و جائداد کے قریب بھی نہ جانا لیکن اس طریقہ سے جاسکتے ہو جو اُن کے حق میں بہتر ہو، عہد کو پورا کیا کرو کہ اُس کی باز پرس ہوگی اور جب ناپ کرو تو پورا ناپ کرو اور تول کرو تو سیدھی ترازو سے تول کر دو، یہ طریقہ اچھا ہے اور اس کا انجام بھی بہتر

ہے اور جس بات کا تجھ کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ ہو لے، کیونکہ کان، آنکھ، دل سب سے مواخذہ ہوگا اور زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چل کہ تُو اس چال سے نہ زمین کو چیر ڈالے گا اور نہ پہاڑوں کے برابر اونچا ہو جائے گا، ان تمام باتوں کی بڑائی تیرے پروردگار کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، یہ تمام احکام دانشمندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تجھ پر وحی کی ہیں اور خدا کے ساتھ کوئی اور دوسرا خدا نہ بنائے ورنہ تو ملامتی اور راندۂ درگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا"۔ (سورہ بنی اسرائیل)

ان احکام کی تفصیل کی بعد آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ۔"یہ تمام باتیں دانشمندی کی اُن باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تم پر وحی کی ہیں"۔

(بحوالہ سیرت النبیؐ جلد سوم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۸۸

رسولِ اکرم ﷺ کا امتیاز تمام اخلاقی معلّموں میں

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اٹھاسی نمبر خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کا امتیاز تمام اخلاقی معلّموں میں'' اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پیارے آقا حضور سرورِ کائنات ﷺ کی ذیل میں آنے والی یہ خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ جس میں کائنات کے تمام اخلاقی معلموں میں آپ ﷺ کا امتیاز واضح کیا گیا ہے، اگرچہ آپ ﷺ کے خلقِ عظیم سے متعلق پہلے بھی ایک خصوصیت کی تفصیل گزر چکی ہے، لیکن یہاں جو خصوصیت پیش کی جارہی ہے وہ اس حیثیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو تمام اخلاقی معلموں بشمول تمام انبیاء کرامؑ میں سب سے اونچا امتیاز عطا فرمایا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، امید ہے کہ آپ ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کے مطالعے سے ایمانی قوت اور نبوت کی قلبی محبت میں اضافہ ہوگا انشاء اللہ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

اٹھاسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

دنیا میں اخلاق کے بڑے بڑے معلم پیدا ہوئے جن کے مکتب میں آکر بڑی بڑی قوموں نے ادب کا زانو تہ کیا۔ اور آدابِ اخلاق کے وہ سبق ان سے حاصل کیے جو سینکڑوں اور ہزاروں برس گزر جانے کے بعد بھی اب تک ان کو یاد ہیں اور سچ یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی حسنِ اخلاق کا کوئی نمونہ ہے وہ انہی کے صحیفۂ تعلیم کا ایک ورق ہے مگر ایک تنقیدی نظریہ

بتادے گی کہ ان اخلاقی استادوں میں باہمی نسبت کیا ہے؟ ان کے تعلیمی نصاب کی ترتیب کن کن اصولوں پر مبنی ہے اور ان میں درسگاہ عالم کے سب سے آخری معلم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کیا امتیاز حاصل ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نوعِ انسانی کے معلمین کی دو جماعتیں ہیں۔ایک وہ جس نے اپنی تعلیم کی بنیاد کسی اخروی مذہب پر رکھی جیسے عام انبیاء علیہم السلام، اور بعض مذہبوں کے بانی، دوسری وہ ہے جس نے اپنے فلسفہ وحکمت اور عقل ودانائی کی بنیاد پر اپنی عمارت کھڑی کی۔ ہم ان میں سے اول کو انبیاء اور مصلحین دین اور دوسری کو حکماء کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں، ان دونوں جماعتوں نے اپنے درس وتعلیم کے اصول اور طریقے الگ الگ اختیار کیے۔ پیغمبروں اور مذہب کے بانیوں نے اپنی تعلیم کا ماخذ حکمِ ''خداوندی'' کو قرار دیا اس حکم وفرمانِ الٰہی کے سوا ان کی تعلیم کی کوئی اور بنیاد نہیں، ان کی تعلیمات علت ومعلول کا سلسلہ ہے، نہ اخلاق کے دقیق نکتوں کی گرہ کشائی ہے اور نہ ان احکام وتعلیمات کی اخلاقی مصلحتوں اور عقلی حکمتوں کی تصریح ہے، دوسرے فریق کی تعلیمات میں علت ومللول کی تحقیق، نفسیاتی خواص کی بحث، اخلاق کے غرض وغایت کی تعیین، قوائے عملی کی تحدید، یہ سب کچھ ہے مگر بحث ونظر سے آگے عمل کا درجہ صفر محض ہے، اگر ہے تو بے کیف اور بے لذت دنیا کے آخری معلم کی تعلیم میں حکمِ خداوندی اور عقلی وقیقہ رسی، فرمانِ الٰہی اور نکتہ وری، امرِ ربانی اور حکمِ فطرت کتاب اور حکمت دونوں کی آمیزش ہے۔

انبیاء اور حکماء میں جو اصلی فرق وامتیاز ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء کی اخلاقی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ان کی معصوم زندگی، ان کے مقدس کارنامے اور ان کے پاک اثرات ہوتے ہیں، جن کا ہر فیض ان کے ہر بنِ مو سے خیر وبرکت سے سلسبیل بن کر نکلتا ہے اور پیاسوں کو سیراب کرتا ہے لیکن بلند سے بلند حکیم اور اخلاق کا دانائے رموز جس کی اخلاقی سخن طرازی، اور نکتہ پروری سے دنیا محوِ حیرت ہے اور جس نے انسان کے ایک ایک اندرونی جذبہ، باطنی قوت اور اخلاقی فطرت کا سراغ لگایا ہے۔ عمل کے لحاظ سے دیکھو تو اس کی زندگی ایک معمولی

بازاری سے ایک انچ بلند نہ ہوگی وہ گو دوسروں کو روشنی دکھا سکتا ہے مگر خود تاریکی سے باہر نہیں آتا، وہ دوسروں کی رہنمائی کا مدعی بنتا ہے مگر خود عمل کی راہ میں بھٹکتا پھرتا ہے، وہ رحم ومحبت کے طلسمات کے ایک ایک راز سے واقف ہے۔ مگر غریبوں پر رحم کھانا اور دشمنوں سے محبت کرنا وہ نہیں جانتا۔ وہ سچائی اور راستبازی پر بہترین خطبہ دے سکتا ہے مگر وہ خود سچا اور راست باز نہیں ہوتا۔

اس واقعہ کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ محض زبان یا دماغ ہوتا ہے، دل اور ہاتھ نہیں اس لیے اس کے منہ کی آواز کسی دل کے لوح پر کوئی نقش نہیں بناتی بلکہ ہوا کے تموّج میں مل کر بے نشان ہو جاتی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام چونکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے بھی ہیں، جو ان کی تعلیم ہے وہی ان کا عمل ہے جو ان کے منہ پر ہے وہی دل پر ہے۔ اس لیے ان کی تعلیم اور صحبت کا فیضان خوشبو بن کر اڑتا اور ہم نشینوں کو معطر بنا دیتا ہے، یہی وہ فرق ہے جو انبیاء اور حکماء یعنی موسیٰ، عیسیٰ، محمد رسول اللہ علیہم السلام کی تعلیم وتلقین سے اخلاق کے بڑے بڑے مدارج اور مراتب پر پہنچیں، اور آج زمین کے کرہ پر جہاں کہیں بھی حسن اخلاق کی کوئی کرن ہے وہ نبوت ہی کے کسی مطلع انوار سے چھن کر نکل رہی ہے۔ مگر اس وصف میں سارے انبیاء علیہم السلام یکساں نہیں ہیں بلکہ ان کے مختلف مدارج ہیں، ان کی عملی حیثیت کے کامل ہونے کے ساتھ ضرورت یہ ہے کہ ان کے اس درجہ کمال کی ایک ایک ادا عمل کی صورت میں نمایاں ہوتا کہ ہر ذوق اور ہر رنگ کے رفیق اور اہل صحبت اپنی اپنی استعداد کے مطابق ان کی عملی مثالوں سے متاثر ہوں اور پھر وہ روایتوں کے اوراق میں محفوظ رہیں تا کہ بعد کے آنے والے بھی اس نشان قدم پر چل کر مقصود کی منزل تک پہنچ سکیں الغرض ایک کامل اور مکمل اور آخری معلم کے لیے حسب ذیل معیاروں پر پورا اترنا ضروری ہے۔

ا۔ اس کی زندگی کا کوئی پہلو پردے میں نہ ہو۔

۲۔ اس کی ہر زبانی تعلیم کے مطابق اس کی عملی مثال بھی سامنے موجود ہو۔

۳۔ اس کی اخلاقی زندگی میں یہ جامعیت ہو کہ وہ انسانوں کے ہر کارآمد گروہ کے

لیے اپنے اندر اتباع اور پیروی کا سامان رکھتی ہو۔

تنقید کے ان معیاروں پر اگر ہم سارے انبیاء اور مذہبوں کے بانیوں کی زندگیوں کو جانچیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کسی کی زندگی بھی پیغمبر اسلام علیہ السلام کی حیات پاک کے برابر جامع کمالات نہیں، دنیا کا کوئی پیغمبر یا بانی مذہب ایسا نہیں ہے جس کی اخلاقی زندگی کا ہر پہلو ہمارے سامنے اس طرح بے نقاب ہو کہ گویا وہ خود ہمارے سامنے موجود ہے تورات کے پیغمبروں میں سے کونسا ایسا پیغمبر ہے جس کے اخلاقی کمالات ہمارے علم میں ہیں، ان غیر اخلاقی قصوں کا ذکر فضول ہے جن کو توراۃ کے راویوں نے ان معصوم بزرگوں کے حالات میں شامل کر دیا اور قرآن نے ہر جگہ ان کو ان بیہودہ الزامات سے پاک اور بَری قرار دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہما السلام تک توراۃ کے ایک ایک پیغمبر پر نگاہ ڈالے جاؤ ان کی معصوم زندگی کے حالات کی کتنی سطریں تمہارے سامنے ہیں اور کیا ان کی اخلاقی شکل وصورت کی پوری شبیہ دنیا کے سامنے کبھی موجود رہی۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی تینتیس برس کی زندگی میں سے صرف تین برس کا حال ہم کو معلوم ہے اور ان تین برسوں کے حالات میں سے بھی معجزات وخوارق کے سوا کوئی اور حال بہت کم معلوم ہے، ایسی صورت میں کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی اخلاقی زندگی کا کوئی پہلو پردہ میں نہیں؟

ان انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہندوستان، ایران اور چین کے بانیان مذہب کی اخلاقی زندگیوں کا جائزہ لینا چاہو تو معلوم ہوگا کہ اس کے لیے دنیا میں کوئی سامان ہی موجود نہیں۔ کیونکہ ان کی اخلاقی زندگی کے ہر پہلو پر ناواقفیت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ صرف اسلام ہی کے ایک معلم کی زندگی ایسی ہے جس کا حرف حرف دنیا میں محفوظ اور سب کو معلوم ہے اور بقول باسورتھ اسمتھ کے کہ "یہاں (سیرت محمدی) پورے دن کی روشنی ہے جن میں محمد کی زندگی کا ہر پہلو روز روشن کی طرح نمایاں ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود یہ حکم تھا کہ میرے ہر قول اور عمل کو ایک سے دوسرے تک پہنچاؤ۔ محرمان راز کو اجازت تھی کہ جو مجھے

خلوت میں کرتے دیکھو، اس کو جلوت میں برملا بیان کرو۔ جو حجرہ میں کہتے سنو اس کو چھتوں پر چڑھ کر پکارو، الا فلیبلغ الشاهد الغائب۔

اب دوسری حیثیت سے غور کیجیے، ان مقدس ہستیوں کی اچھائی، اخلاقی احکام کی خوبی اور مواعظ ونصائح کی عمدگی میں کوئی شبہ نہیں لیکن کیا دنیا کو خود ان بزرگوں کے عملی اخلاق کا بھی تجربہ اور علم ہے، کوہ زیتون کے پُر تاثیر واعظ (حضرت عیسیٰ) کی معصومانہ باتیں، سچائی اور راستبازی کی نصیحتیں اور لفظی صنائع و بدائع اور دل کش تمثیلوں سے بھری ہوئی تقریریں دنیا نے سنیں اور ان کی فصاحت اور شیرینی کا مزہ اب تک اس کے کان و دہن میں ہے۔ مگر کیا اس کی آنکھوں نے اس معصوم واعظ کی عملی مثالیں بھی دیکھیں؟ کیا اس سلبی پہلو کے سوا اس کے اخلاق کا کوئی ایجابی پہلو بھی ہمارے سامنے ہے؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "سب کچھ جو تمہارے پاس ہے جب تک اس کو خدا کی راہ میں لٹا نہ دو آسمان کی بادشاہت میں داخل نہ ہوگے" کیا اس نے اپنا بھی سب کچھ خدا کی راہ میں لٹایا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "شریروں کا مقابلہ نہ کرو" کیا اس نے خود بھی شریروں کا مقابلہ نہیں کیا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "دشمنوں کو بھی پیار کرو" کیا اس نے بھی کبھی اپنے دشمن کو پیار کیا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "تو اپنے پڑوسی کو اپنے سارے جان و مال سے پیار کر" کیا خود بھی اسکا ایسا ہی عمل تھا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "اگر تمہارے داہنے گال پر کوئی تھپر مارے تو بایاں گال بھی اس کے سامنے کر دو" کیا اس نے خود بھی ایسا ہی کیا؟ وہ جس نے یہ کہا کہ "تم سے اگر کوئی تمہارا کُر تا مانگے تو اپنی قبا بھی اس کے حوالے کر دو" کیا ایسی فیاضی اس سے خود بھی ظہور میں آئی؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ مسیح میں یہ صفتیں موجود نہ تھیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ انجیل نے ان کی اس حیثیت کو محفوظ نہیں رکھا۔

مگر اسلام کے اخلاقی معلم کی شان اس حیثیت سے بھی بلند ہے، اس نے جو کچھ کہا سب سے پہلے اس کو کر کے دکھایا اس کا جو قول تھا وہی اس کا عمل تھا اس نے یہودیوں کو طعنہ دیا کہ "أتأمرون الناسَ بالبرّ و تنسَونَ أنفسَكم (بقرہ:۵) کیا اوروں کو نیکی کی بات بتاتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہیں اور مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ "لِمَ تقولونَ ما لا

تَفعَلُونَ. كَبُرَ مَقتاً عِندَ اللهِ اَنْ تَقُو لُو ا مَالَا تَفعَلُون " (صف:۳) (تم کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، بڑی بیزاری ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ جو نہ کرو)

ایک شخص نے آ کرام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟ فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔ کان خلقہ القرآن 'جو قرآن میں الفاظ کی صورت میں ہے وہی حامل قرآن کی سیرت میں بصورت عمل تھا۔ اگر غریبوں اور مسکینوں کی امداد و اعانت کا حکم دیا تو پہلے خود اس فرض کو ادا کیا، خود بھوکے رہے اور دوسروں کو کھلایا۔ اگر آپ نے اپنے دشمنوں اور قاتلوں کو معاف کرنے کی نصیحت کی تو پہلے خود اپنے دشمنوں اور قاتلوں کو معاف کیا کھانے میں زہر دینے والوں سے درگزر کیا، اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا جنہوں نے آپ پر تیر برسائے اور تلواریں چلائیں، مسلح ہو کر بھی کبھی ان پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ کپڑوں کی شدید ضرورت کے وقت بھی جس نے آپ سے کپڑا مانگا خود اپنی چادر اُتار کر اس کے حوالہ کر دی۔ الغرض یہی وجہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ انسانوں کو اپنے ہادیوں اور رہنماؤں کے صرف تعلیمات اور اقوال سناتے ہیں اور ان کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں اور مسلمان اپنے پیغمبر کے نہ صرف اقوال ونصائح کو بلکہ اس کے عملی نمونوں اور کاناموں کو بھی پیش کرتے اور ان کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں، دنیا کے کسی پیغمبر اور بانیِ دین کے صحیفہ نے خود اپنے پیغمبر یا بانی کی اخلاقیات کو تحدی اور اعلان کے ساتھ اس کے ہمعصروں کے سامنے پیش نہیں کیا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیفہ نے سب سے آگے بڑھ کر بلا خوف خطر اپنے داعی اور مبلغ کی زندگی کی اخلاقیت کو خود اس کے معاصرین کے سامنے نقد و تبصرہ کے لیے پیش کیا، فرمایا:۔ فَقَد لَبِثتُ فِيكُم عُمُراً مِنْ قَبلِهٖ أفَلا تَعقِلُون (یونس:۱۶) (اے منکرو) میں تو تمہارے درمیان اس سے پہلے ایک زمانہ بسر چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے پھر آپ کو خطاب کر کے خود آپ سے فرمایا انک لعلیٰ خلق عظیم (اے محمد) بے شک تو اخلاق کے بڑے درجہ پر ہے۔

اخلاقی معلم کے کمال کی ایک اور شرط یہ ہے کہ اس کی تعلیم میں یہ تاثیر ہو کہ وہ

دوسروں کو بھی اپنے فیض سے بہرہ مند کر سکے، یعنی وہ خود کامل ہو اور دوسرے ناقصوں کو بھی کامل بناتا ہو۔ وہ خود پاک ہو اور دوسرے ناپاکوں کو بھی دھو کر پاک وصاف کر دیتا ہو۔ اخلاق کے سارے معلموں کی فہرست پر ایک نظر ڈال جاؤ کہ یہ تکمیل کی شان سب سے زیادہ کس میں تھی؟ کیا اس میں جس کو قدم قدم پر بنی اسرائیل کی سنگ دلی اور کجروی کا گلہ کرنا پڑا ہے، کیا اس میں جس کہ پورے گیارہ شاگرد بھی امتحان کے وقت پورے نہ اُتر سکے۔ یا اس میں تھی جس کی نسبت اس کے صحیفہ وحی نے بار بار اعلان کیا یَتلُوا عَلیھِم اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیھِم وَ یُعَلِّمُھُمُ الکِتَابَ وَ الحِکمَۃَ. (جمعہ:۲)

وہ ان کو خدا کی باتیں سناتا اور ان کو پاک وصاف بناتا اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

اس تحدی اور اعلان میں یہ بات خاص لحاظ کے قابل ہے کہ اس میں اسلام کے معلم کی نسبت صرف یہی دعویٰ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا اور خدا کے احکام سناتا ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ ان کو اپنے فیض واثر سے پاک وصاف ومصفیٰ بھی بنا دیتا ہے۔ وہ ناقصوں کو کامل، گناگاروں کو نیک، اندھوں کو بینا اور تاریک دلوں کو روشن دل بنا دیتا ہے،۔ چنانچہ جس وقت اس نے اپنی حیات کا کارنامہ ختم کیا کم از کم ایک لاکھ انسان اس کی تعلیم سے عملاً بہرامند ہو چکے تھے۔ اور وہ عرب جو اخلاق کے پست ترین نقطہ پر تھا، تیئس برس کے بعد وہ اخلاق کے اس اوج کمال پر پہنچا جس کی بلندی تک کوئی ستارہ آج تک نہ پہنچ سکا۔

اگر کسی معلم میں تکمیل کی یہ تاثیر بھی ہو، پھر بھی یہ دیکھنا ہے۔ کہ اس عالم کی تکمیل اور نظم ونسق کے لیے ایک ہی قوت کے انسان کی نہیں بلکہ سینکڑوں مختلف قوتوں کے انسانوں کی ضرورت ہے، اخلاق کے دوسرے معلمین کی درسگاہوں پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا کہ وہاں صرف ایک فن کے طالب العلم تعلیم پاتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت گاہ میں فوجی تعلیم کے سوا کوئی اور فن نمایاں نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مکتب میں عفوودر

گزر کے سوا کوئی اور سبق نہیں، بودھ کے وہاراور خانقاہ میں دربدر بھیک مانگنے والے مرتاض فقیروں کے سوا کوئی اور موجود نہیں۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہِ اعظم میں آ کر دیکھوتو معلوم ہوگا کہ یہ ایک عمومی جامعہ ہے جس میں انسانی ترقی کی ہر قوت نشو ونما پا رہی ہے۔ خود معلم کی ذات ایک پوری یونیورسٹی ہے جس کے اندر علم وفن کا شعبہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اور ہر جنس اور ہر مزاج کے طالب علم آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق کسبِ کمال کررہے ہیں

آپ ﷺ کی حیثیت ایک انسان ، ایک باپ ، ایک شوہر، ایک دوست ، ایک خانہ دار، ایک کاروباری تاجر ، ایک افسر، ایک حاکم ، ایک قاضی ، ایک سپہ سالار، ایک بادشاہ، ایک استاد، ایک واعظ ، ایک مرشد، ایک زاہد وعابداور آخرایک پیغمبر کی نظر آتی ہے۔ یہ تمام انسانی طبقے آپ کے سامنے آ کر زانوئے ادب تہ کرتے ہیں۔ اور اپنے اپنے پیشہ وفن کے مطابق آپ کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں مدینۃ النبیﷺ کی اس درسگاہِ اعظم کوغور سے دیکھو، جس کی چھت کھجوروں کے پتوں سے اور ستون کھجوروں کے تنوں سے بنائے گئے تھے۔ اور جس کا نام مسجد نبوی تھا۔ اس کے الگ الگ گوشوں میں ان انسانی جماعتوں کے الگ الگ درجے کھلے ہوئے ہیں۔ کہیں ابوبکرؓ وعمرؓ، عثمانؓ وعلیؓ جیسے فرمانروازیر تعلیم ہیں، کہیں طلحہؓ وزبیرؓ، ومعاویہؓ سعد بن معاذؓ وسعد بن جبیرؒ جیسے ارباب رائے وتدبیر ہیں، کہیںؓ، ابوعبیدہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، اور عمرو بن العاصؓ جیسے سپہ سالار ہیں، کہیں وہ ہیں جو بعد کو صوبوں کے حکمران، عدالتوں کے قاضی اور قانون کے مقنن بنے ، کہیں ان زہاد وعباد کا مجمع ہے جن کے دن روزوں میں اور راتیں نمازوں میں کٹتی ہیں۔ کہیں ابو ذرؓ وابو درداءؓ جیسے وہ خرقہ پوش ہیں جو ''مسیح اسلام'' کہلاتے ہیں، کہیں وہ صفہ والے طالب علم تھے جو جنگل سے لکڑی لاکر بیچتے اور گزارا کرتے اور دن رات علم کی طلب میں مصروف رہتے تھے۔ کہیں حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ جیسے فقیہ ومحدث تھے جن کا کام علم کی خدمت اور اشاعت تھا۔ ایک جگہ غلاموں کی بھیڑ ہے تو دوسری جگہ آقاؤں

کی محفل ہے۔ کہیں غریبوں کی نشست ہے، اور کہیں دولتمندوں کی مجلس ہے۔ مگر ان میں ظاہری عزت اور دنیاوی اعزاز کی کوئی تفریق نہیں پائی جاتی، سب مساوات کی ایک ہی سطح پر، اور صداقت کی ایک ہی شمع کے گرد پروانہ وار جمع ہیں، سب پر توحید کا یکساں نشہ چھایا اور سینوں میں حق پرستی کا ایک ہی ولولہ موجیں لے رہا ہے اور سب اخلاق واعمال کے ایک ہی آئینۂ قدس کا عکس بننے کی کوشش میں لگیں ہیں۔

(بحوالہ سیرت النبیؐ جلد ششم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۸۹

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے میں ساری دنیا کا استاذ بنایا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ نواسی نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ نے اپنے زمانے میں ساری دنیا کا استاذ بنایا" بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں اور اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اور دل سے بار بار یہی صدا آرہی ہے کہ یا اللہ آقا ﷺ کے مدینے میں بار بار آنے کی توفیق عطا فرما اور اخلاص سے آقا ﷺ کے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما، دل چاہتا ہے کہ روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کو دیکھتا رہوں اور پھر دیکھتا ہی چلا جاؤں کہ دل کا سرور اسی میں چھپا ہے، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس تیرے محبوب پیغمبر ﷺ کے مبارک روضہ پر بیٹھ کر تیرے محبوب ﷺ کی خصوصیت پر کام کرنے کی اس گناہ گار کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور اور آخر میں نجات کا ذریعہ بنا، آمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ قرآن کریم کے فیصلے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو ساری دنیا کا استاذ بنایا جیسا کہ آپ اس کی تفصیل میں ملاحظہ فرمائیں گے جبکہ دیگر انبیاء کرام بھی اپنی امت کے استاذ ہوا کرتے تھے لیکن محدود وقت اور محدود زمانہ اور محدود علاقے کے لوگوں تک فقط، لیکن ہمارے نبی قیامت تک اور تمام علاقوں میں بسنے والوں کے استاذ ہیں، اور یہ بات ہمیں قرآن کریم نے بتلائی۔ آنے والے اوراق میں قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں ہم نے اس

بات کو وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین اور اپنے نبی ﷺ کے دین کے لئے اپنی جان ومال اور وقت لگانے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

نواسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَيُعَلِّمُكُمْ ما لم تكونوا تعلمون (نبی تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے)

آیت کا خطاب جملہ اہلِ عالم سے ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ ساری دنیا کو ان علوم کی تعلیم دیں، جن سے دنیا ناواقف و بے بہرہ تھی، آیت زیب عنوان نے صاف طور پر بتلا دیا کہ استاد عالم و عالمیان ہونے کا امتیاز اور خصوصیت حضور سرورِ کائنات ہی کو حاصل ہے۔ اس جگہ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہے کہ اور بھی ایسے مقدس بزرگوار ہو چکے ہیں، جن کو علم لدنی عطا ہوا تھا تو کیا اس سے اشتباہ گزر سکتا ہے کہ ان میں سے ہی کسی بزرگ نے اس کمی کو پورا کر دیا ہو؟

جواباً عرض ہے کہ ان سب ایسے بزرگواروں کا زمانہ حضرت مسیحؑ سے بہت پیشتر کا ہے پس وہ لوگ مسیحؑ کی کمی تعلیم کو پورا کرنے والے کسی طرح نہیں ٹھہر سکتے، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ سرپرآرائے علوم ہیں، جو فرش خاک پر بیٹھے اور خاکی ونوری ہی انسی وجانی کو ایسے ایسے علوم سے مستفیض فرمایا کہ یہ خاک کے ذرہ ہائے بے مقدار آسمان علوم پر تاباں نجوم بن کر چمکے اور ضیا بخش عالم و عالمیان قرار پائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا مسیح علیہ السلام کے تلامذہ میں بھی نمایاں تفاوت ہے، مسیحؑ کے بارہ شاگردوں میں سے شمار کرلو کہ کتنے شاگرد ان کی تعلیم کے مبلغ ٹھہرے تھے دو تین سے زیادہ کے نام نہیں لیے جاسکیں گے۔ اس قلیل تعداد کا کارنامہ بھی صرف اسی قدر ہے کہ انہوں نے جناب مسیح علیہ السلام کے حالات زندگی

کی اشاعت کی ہے اور بس۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جماعت میں ہر قسم و ہر صنف کے کاملین نظر آئیں گے، آپ دیکھیں گے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ملک داری و جہاں بانی کی تعلیم۔ ابو عبیدہؓ و خالدؓ ہنگامہ آرائی و جہاں کشائی کی۔ معاذؓ و ابو درداءؓ بیان دین دانش کی۔ سلمانؓ و ابو ذرؓ زہد و قناعت کی۔ علی مرتضیٰؓ و ابن مسعودؓ حقائق علیہ کی۔ عثمان غنیؓ و ابن عوفؓ پرورش یتامیٰ و اعانت ایامیٰ کی۔ زید بن ثابتؓ و ابی کعبؓ انصاری فرائض الٰہیہ کی تعلیم کل دنیا کو دے رہے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

یہ چند نام صرف تقریب و تفہیم مدعا کے لیے درج کر دیئے گئے ہیں، ورنہ اس بارگاہ اقدس کا وہ کون سا تلمیذ ہے جو کشف زارِ علوم کے لیے بارانِ رحمت ثابت نہیں ہوا۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا شمار ۲۲۱۰ ہے اور ابن عمرؓ و انسؓ بن مالک کی مرویات بھی اسی کے قریب پہنچ جاتی ہیں اور ابو ہریرہؓ کی روایات کا شمار ۵۳۷۴ ہے۔ پھر ان کے سوا اور بھی ایسے صحابہ کہلاتے ہیں، جن کے نام اکثر روایات کی تحت میں درج ہیں۔ مثلاً ابن عباس، جابر بن عبداللہ و ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، تو یقین ہو جاتا ہے کہ اس ادب گاہ قدس کا ہر طالب علم، استاد عالم ہونے کی شان رکھتا ہے۔

یاد رکھیے کہ یہ بزرگوار عرب کے باشندے ہیں، وہی عرب جن کی صفت اُمیُون لا یَعلَمُونَ الکِتٰبَ کے الفاظ میں نمایاں ہے، یعنی ان پڑھ اور کتاب سے بے خبر۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل نہ صرف یہی لوگ ذروہ علیائے علوم کو پہنچے، بلکہ ان کے شاگرد بھی وَاٰخَرِینَ مِنهُم لَمَّا یَلحَقُوا بِهِم کی سند سے مسند آرائے تعلیم ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی جود و عطا نے علم کو عام بنایا اور اسے رفعت کمال پر بھی پہنچایا۔ یہ حضور ہی کے ادنیٰ ترین کفش بردار تھے، جنہوں نے سپین و غرناطہ، بغداد و سسلی، ٹیونس و الجزائر، ترکستان و چین و تاتار میں سیکڑوں مدارس و مکاتب کھول دیئے تھے، جن میں جملہ

اقوام (مسلم وغیر مسلم) کو بلاتفریق مراتب یکساں تعلیم دی جاتی تھی۔ یورپ کو اقرار ہے ،انکار نہیں کہ یہی اسلامی ممالک تمام یورپ کے استاد ہیں۔

اگر ہم پادریوں کی اُس روش اور طریقہ کو دیکھیں، جو علوم جدیدہ کی مخالفت میں ان کا رہا ہے اور پھر مسلمانوں کی اس فراخ دلی و وسعتِ خاطر کا اندازہ لگائیں۔ جو علوم قدیمہ کی ترویج و اشاعت نیز علومِ جدیدہ کی ایجاد و حمایت میں ان کا معمول بہ رہا ہے۔ تو بخوبی ہویدا ہو جاتا ہے کہ صرف مسلمان ہی ہیں جنہوں نے ابتداء دنیا میں علوم کو پھیلایا۔ تمام مسلمانوں کا یہ شیوہ اپنے سیدنا و مولانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں تھا۔ لہٰذا ان غلاموں کے افعال بھی حضورؐ ہی کے سنن ہدیٰ کا بیان اور حضورؐ ہی کے اُسوہ حسنہ کی برہان ہیں۔

اور یہ ایسی خصوصیت ہے کہ شکوہ کامل و احتشام اعلیٰ کے ساتھ حضورؐ ہی میں پائی جاتی ہے، غالباً یہ بیان نامکمل رہ جائے گا اگر میں اس مقام پر مختصراً ذکر نہ کروں گا کہ علوم جدیدہ کی ترویج اشاعت میں مسیحیوں نے تنگ دلی اور اسلامیوں نے فراخ نظری کے کیسے نمونے دکھلائے۔

ڈی رومنس نے ظاہر کیا کہ قوس قزح بارش میں شعاع آفتاب کے انعکاس کا نام ہے اسے خدا کی کمان جنگ بتانا یا انتقام الٰہی کی علامت سمجھنا غلط ہے۔ صرف اتنی بات پر وہ قید کر کے روما بھیجا گیا، وہ جیل ہی میں مرا اس کے لاشہ کو اور اس کی کتابوں کو جلا دیا گیا، جو حکم سوختگی لاشہ کی بابت صادر ہوا تھا، اُس میں اُس سوختنی کا یہ جرم بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ روما کے کنیسہ کی صلح برطانیہ کے کنیسہ سے کرانا چاہتا تھا گویا مساعی صلح اسی پاداش کا مستحق تھا۔ برونو کر ۱۶۰۰ میں لمبی قید کے بعد اس لیے زندہ آگ میں جلا دیا گیا کہ اس نے دنیا کو عالم اسباب کہہ دیا تھا یا اس کے قول سے وحدت الوجود کا مسئلہ آشکار ہوتا ہے کرویت زمیں کا مسئلہ خلافت عباسیہ میں معلوم ہوا اور اس انکشاف سے مسلمانوں میں ایک پتہ بھی نہ ہلا، مگر یہی مسئلہ جب یورپ میں پہنچا تو قیامت برپا ہو گئی اور بیسیوں فلاسفر جو زمین کو گول کہنے لگے تھے قتل کر دیے گئے۔

چیچک کا ٹیکہ قسطنطنیہ میں دیر سے رائج تھا، ۱۷۲۱ء میں ایک عورت مسماۃ میری مونٹا اسے یورپ میں لے گئی۔ تو پادریوں نے اس طریقہ علاج کی بے حد مخالفت کی، حتٰی کہ بادشاہ سے بھی درخواست کی گئی کہ شاہی اختیارات سے اس کا نفاذ روک دیا جائے۔ امریکہ میں یہ جب طریقہ نکلا کہ عورت کو ولادت کے وقت مخدر کر دیا جائے تو تمام پادری مخالف ہو گئے کہ عورت کو ولادت کے وقت آرام پہنچانا خدا کی لعنت کا مقابلہ ہے، جو کتاب پیدائش باب سوم میں عورت ذات کے لیے موجود ہے۔ کردنیال اکسمینیس نے ۸ ہزار قلمی کتابیں غرناطہ میں اس لیے سوخت کر دیں کہ ان کا مضمون کنیسہ کی رائے کے مطابق نہ تھا۔

پروٹسٹنٹ کو ایک اصلاح یافتہ اور ترقی کردہ مذہب کہا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس مذہب میں دل ودماغ کو آزادی عطا کی گئی۔ اب اس آزاد مذہب کی حالت بھی سنو، کلفان نے سبرفیٹ کو جلا ڈالنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ اس کی تحقیقات میں مجلس نیقہ کے انعقاد سے بھی پیشتر دین مسیحی میں بدعت داخل ہو چکی تھی۔ اسے زندہ دہکتی آگ میں کباب کی طرح صرف اسی گناہ عظیم کی پاداش میں بھونا گیا۔ فابی بھی ۱۷۲۹ء کو اسی جرم میں شہر تلور میں جلایا گیا تھا۔ پادری لوتیر ارسطو کو ہمیشہ جھوٹا ناپاک، خنزیر کہا جاتا تھا۔

علم برداران اسلام نے نہ تو اخذ علوم میں اس لیے تنگ چشمی کی، کہ وہ علوم اقوام غیر یا ممالک غیر کے ہیں اور نہ علوم کی اشاعت میں اس لیے تنگ دلی کی کہ طالب علم غیر مذہب، غیر قوم یا رعایائے غیر ہیں۔ ان ہر دو اوصاف کے تحت میں وہ ہزاروں واقعات موجود ہیں جو مورخین اسلام پیش کرتے ہیں، جن میں سے بیسیوں کا ذکر ڈیون، لین پول اور ایڈورڈ گبن نے بھی کیا ہے۔ مسلمانوں میں یہ روشنی اسی منبع نور سے آئی، جس کی خصوصیت کے اثبات میں آیت وَيُعَلِّمُكُم مالم تكونوا تعلمونَ زیب عنوان ہے۔ محترم قارئین کو تاریخ عالم کے صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ اس خصوصیت کا تاج حضورؐ صاحب معراج ہی کے فرق مبارک پر تاباں و درخشاں ہے (بحوالہ رحمۃ للعلمین۔ جلد سوم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۹۰

رسولِ اکرم ﷺ کی امت دوسری امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ نوّے نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی امت دوسری امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی" بہرحال ذیل میں آنے والی خصوصیت اگرچہ آپ کی امت سے متعلق ہے لیکن جیسا کہ پہلے بھی ہم عرض کر چکے ہیں کہ آخری امت کو جو بھی فضیلت اور خاص مقام ومرتبہ ملا ہے وہ حضور ﷺ ہی کے صدقے ملا ہے، تو حقیقتاً جو امت کی خصوصیت ہے وہ آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے، جیسا کہ آپ آنے والے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ آپ ﷺ کی امت دوسری امتوں سے پہلے جنت میں جائے گی، باوجود سب سے آخر میں یہ امت آئی لیکن اخروی کامیابی کے لحاظ سے پہلے نمبر پر ہے اور بے شک اس امت کو یہ اعزاز حضور ﷺ ہی کی وجہ سے ملا ہے، اب اس امت کے ہر فرد کی کامیابی وکامرانی اسی میں ہے کہ وہ اپنے نبی کے دامن کو تھامے رکھے، حضور ﷺ کے دامن کو چھوڑ کر ہم کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہوسکتے، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے محبت کرنے اور آپ ﷺ سے کی جملہ تعلیمات پر دل وجان سے خود بھی عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

نوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

سب سے پہلے جنت میں جانے والے

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نحن

الاخرون ، الا ولون یو م القیامة ونحن اول من ید خل الجنة بیدانهم اوتوا الکتاب من قبلنا واو تینا من بعدهم فا ختلفوا فهدانا الله لما اختلفوا فیه من الحق .(مسلم شریف) ترجمہ: ہم آخری امت ہیں، لیکن روز قیامت ہم سب سے پہلے قبروں سے اٹھیں گے، اور ہم ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے بس اتنی بات ہے کہ ان یہودو نصاریٰ کو ہم سے پہلے کتاب تورات، زبور، انجیل عطاء کی گئی اور ہمیں ان کے بعد قرآن پاک عطاء کیا گیا پس انہوں نے ہم سے قرآن کے حق ہونے میں اختلاف کیا، پس جس چیز کے حق ہونے میں انہوں نے اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمیں ہدایت عطاء فرمائی اور اب اسلام آنے کے بعد وہ مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے گمراہی میں رہ کر دوزخ کو جائیں گے۔ اور حضرت عمر بن خطابؓ جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں ان الجنة حرمت علی الانبیاء کلهم حتی ادخلها و حرمت علی الا مم حتی تدخلها امتی. ترجمہ جنت تمام انبیاء پر حرام ہے جب تک میں اس میں داخل نہ ہو جاؤں یعنی پہلے میں داخل ہوں گا پھر تمام انبیاء علیہم السلام اور جنت تمام امتوں پر حرام ہے حتی کہ میری امت اس میں داخل ہو جائے اس کے بعد امتیں جنت میں ہو جائیں گی۔

فائدہ...... یہ امت باقی امتوں سے پہلے زمین سے باہر آئے گی اور موقف میں سے سب اعلیٰ مقام پر سب سے پہلے سرفراز ہوگی اور سب سے پہلے سایہ عرش میں سبقت کرے گی، اور سب سے پہلے ان کا حساب و کتاب ہوگا اور سب سے پہلے صراط کو عبور کرے گی اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی پس جنت سب انبیاء کرام پر حرام ہے جب تک حضرت محمد ﷺ اس میں داخل نہ ہوں اور سب امتوں پر حرام ہے جب تک کہ حضور ﷺ کی امت اس میں داخل نہ ہو۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے جنت میں جائیں گے

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اتانی جبریل

فاخذ بیدی فارانی باب الجنة الذی تدخل منه امتی ،فقال ابو بکر یا رسول اللہ وددت انی کنت معک حتی انظر الیه فقال رسول ﷺ اما انک یا ابا بکر اول من یدخل الجنة من امتی. (مسند ابوداؤد)

ترجمہ...... میرے پاس جبریل تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر جنت کا دروازہ دکھلایا جس میں سے میری امت داخل ہوگی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں پسند کرتا ہوں کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا حتی کہ میں بھی اسی دروازے کو دیکھ لیتا۔ تو سرکار رسالت پناہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ سن لو اے ابوبکر میری امت میں سب سے پہلے آپ جنت میں جائیں گے۔

حضرت بریدہ بن حصیبؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسول ﷺ نے صبح کے وقت حضرت بلالؓ کو بلایا اور فرمایا اے بلال! تم مجھ سے جنت میں کیسے سبقت کر گئے میں جب بھی جنت میں داخل ہوا اپنے سامنے تمہارے چلنے کی آواز سنتا ہوں چنانچہ میں گذشتہ رات بھی جنت میں گیا تو پھر اپنے سامنے سے تمہارے چلنے کی آواز سنی، پھر میں ایک چوکور محل پر آیا جو سونے کا بنا ہوا تھا میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ انہوں نے بتایا یہ ایک عربی شخص کا ہے۔ میں نے کہا میں بھی تو عربی ہوں یہ محل کس کا ہے؟ انہوں نے کہا یہ قریش کے آدمی کا ہے۔ میں نے کہا میں بھی تو قریشی ہوں یہ محل کس کا ہے؟ انہوں نے کہا امت محمدؐ کے ایک شخص کا ہے میں نے کہا میں محمد ہوں یہ محل کس کا ہے؟ انہوں نے کہا عمر بن الخطابؓ کا ہے۔ تو حضرت بلال نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے جب بھی اذان دی دو رکعات ادا کی ہیں، اور جب بھی وضو ٹوٹا ہے اسی وقت وضو کیا ہے اور میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی دو رکعات میرے ذمہ ہیں۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ سبقت ان رکعات کی وجہ سے ہے۔ (مسند احمد) فائدہ...... اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت بلالؓ حضور ﷺ سے پہلے جنت میں جائیں گے بلکہ حضرت بلالؓ حضور ﷺ کے آگے آگے بطور دربان اور خادم کے چلیں گے۔

سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والے

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ نے ارشاد فرمایا انــا اول من يقرع باب الجنة فيقول الخازن ، من انت ؟ فا قو ل ان محمد فيقول اقم فا فتح لک فلم ا قم لاحد قبلک و لا اقوم لا حد بعد ک.

ترجمہ..... سب سے پہلے جنت کا دروازہ میں کھٹکھٹاؤں گا۔ داروغہ جنت کہے گا آپ کون ہیں ؟ میں کہوں گا محمد ہوں۔ تو وہ کہے گا آپ ٹھہریں میں آپ کے لئے ابھی کھولتا ہوں۔ میں آپ سے پہلے کسی کے لئے نہیں اٹھا اور نہ ہی آپ کے بعد کسی کیلئے اٹھوں گا اور ایک روایت ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ سے پہلے جنت کا دروازہ کسی کیلئے نہ کھولوں۔ (مسلم شریف)

فائدہ..... یہ فرشتہ آنحضرت ﷺ کے خاص مقام و مرتبہ کی وجہ سے باب جنت پر متعین کیا گیا ہے جو آپ ﷺ کے بعد اور کسی نبی اور ولی کے استقبال اور دروازہ کھولنے کے لئے نہیں اٹھے گا بلکہ جنت کے تمام منتظم فرشتے آپ کے اکرام میں کھڑے ہوں گے اور یہ فرشتہ گویا کہ جنت کے باقی دارغوں کا بادشاہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول کی خدمت میں کھڑا کریں گے اور یہ خود آپ ﷺ کی خدمت میں چل کر آپ ﷺ کے لئے جنت کا دروازہ کھولے گا۔

اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جناب نبی کریم ﷺ کے کچھ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گئے آپ جب تشریف لائے اور ان کے قریب پہنچے تو ان کو مذکراہ کرتے ہوئے سنا جب آپ نے ان کی بات چیت سنی تو ان میں سے ایک کہہ رہا تھا کتنی عجیب بات ہے اللہ تعالیٰ کا اس کی مخلوق میں ایک خالص دوست بھی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مخلص دوست بنایا ہے، دوسرے صحابی نے کہا یہ بات اللہ تعالیٰ کے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ عجیب نہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا ہے۔ ایک صحابی نے

فرمایا حضرت عیسیٰؑ کو دیکھئے وہ اللہ کے کلمہ اور اس کی طرف سے روح ہیں۔ ایک اور صحابی نے فرمایا حضرت آدم وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے۔ پھر حضور ﷺ ان صحابہؓ کے پاس تشریف لائے سلام کیا اور فرمایا ''میں نے تمہاری گفتگو اور تمہارا تعجب سنا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے دوست ہیں واقعی ایسا ہے، موسیٰؑ اللہ کے ساتھ سرگوشی کرنے والے ہیں واقعی ایسا ہے، عیسیٰؑ اس کی طرف سے روح اور اس کا کلمہ (بن باپ کے اللہ حکم سے پیدا ہوئے) واقعی ایسا ہے اور آدم وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ بنایا وہ ایسے ہی ہیں، سن لو! میں اللہ کا حبیب (محبّ ومحبوب) ہوں اور میں کوئی فخر نہیں کر رہا۔ میں ہی قیامت کے دن ''لواء الحمد'' کو اٹھاؤں گا میں اس میں بھی کوئی فخر نہیں کر رہا۔ میں سب سے پہلے روزِ قیامت شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائیگی اور میں یہ بھی فخر اور تکبر کی بات نہیں کر رہا اور میں ہی سب سے پہلے جنت کا کنڈا کھٹکھٹاؤں گا وہ میرے لئے کھولا جائے گا اور میں جنت میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ جنت میں داخل ہوتے وقت فقراء مومنین (غریب مسلمان) ہوں گے اور اس میں بھی میں فخر نہیں کرتا، اور میں اگلوں اور پچھلوں سب مخلوقات سے زیادہ شان ومرتبہ کا مالک ہوں اور اس میں بھی میں فخر اور تکبر نہیں کر رہا۔ (ترمذی شریف)

امت محمدیہ میں سے سب سے پہلے جنت میں جانے والے

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے جو جماعت جنت میں داخل ہوگی ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی صورت جیسی ہوں گی۔ یہ نہ تو جنت میں تھوکیں گے نہ ناک بہے گی اور نہ ہی اس میں پاخانہ کریں گے (یعنی ان تینوں عیبوں سے پاک ہوں گے) ان کے برتن اور کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی، ان کی انگیٹھیاں اگر کی لکڑی کی ہوں گی، ان کا پسینہ کستوری کا ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے دو بیویاں ایسی ہوں گی جن کی پنڈلیوں کا گودا ان کے حسن کی وجہ سے گوشت

کے اندر سے نظر آئے گا۔ ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہوگا اور نہ آپس میں کوئی بغض ہو گا۔ ان کے دل ایک دل کی طرح ہوں گے یہ صبح شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں گی۔ (بخاری شریف)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی، اور وہ لوگ جو ان کے بعد جنت میں جائیں گے ان کی صورت کی چمک دمک آسمان پر تیز روشن ستارے کی طرح ہوگی۔ یہ جنتی نہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ نہ تھوک نہ رینٹ، ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کا پسینہ کستوری کا ہوگا، ان کی انگیٹھیاں اگر کی ہوں گی، ان کی بیویاں حورعین ہوں گی۔ ان کے اخلاق ایک ہی آدمی کے خلق جیسے ہوں گے۔ ان کی صورتیں اپنے ابا حضرت آدم کی صورت پر ہوں گی لمبائی میں ساٹھ ہاتھ کا قد ہوگا۔ (بخاری شریف)

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے جن کو جنت کی طرف بلایا جائے گا وہ ''حمادون'' ہوں گے جو دنیا میں خوشی اور تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بجالاتے تھے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے سامنے میری امت کے تین قسم کے لوگوں کو پیش کیا گیا جو سب سے پہلے جنت میں جائیں گے اور ان تین قسم کے لوگوں کو پیش کیا گیا جو سب سے پہلے دوزخ میں جائیں گے۔ پس وہ پہلے تین جو جنت میں جائیں گے (۱) شہید (۲) وہ مملوک غلام جس کو دنیا کی غلامی نے اس کے پروردگار کی عبادت سے نہیں روکا (۳) فقیر عیال دار دست سوال دراز کرنے سے بچنے والا۔ اور وہ تین قسم کے لوگ جو سب سے پہلے دوزخ میں جائیں گے (۱) امیر زبردستی سے مسلط ہوجانے والا (۲) دولتمند جو اپنے مال میں سے اللہ کا حق ادا نہ کرے (۳) بڑ مارنے والا تنگ دست فقیر)۔ (مسند احمد)

حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ کوئی بخیل داخل نہیں ہوگا اور نہ کوئی دھوکہ باز جو فساد پھیلاتا ہو نہ کوئی خیانتی اور نہ وہ شخص جو اپنے غلاموں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہو اور انبیاء

اور اعلیٰ درجہ کے اولیاء صدیقین کے بعد جو لوگ جنت کا دروازہ کھٹکائیں گے وہ غلام ہوں گے جنہوں نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کے حقوق کو اپنے اور مالکوں کے درمیان کے حقوق کو بہترین طریقہ سے نبھایا ہوگا۔ (ترمذی شریف)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم اخیر میں آنے والے ہیں، قیامت میں سب سے پہلے قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (مسلم شریف)

(فائدہ)...... یعنی حضور ﷺ کی امت تمام امتوں کے بعد آئی ہے اور سب امتوں سے پہلے حضور ﷺ کی امت کو ہی قبروں سے اٹھایا جائے گا سب سے پہلے آپ کی امت جنت میں داخل ہوگی۔

اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے جنت میں سب سے پہلے کون داخل ہوگا؟ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس رسول خوب جانتے ہیں۔ فرمایا مہاجرین میں سے فقراء حضرات جو گرمی سردی وغیرہ کے مشکل اوقات میں شریعت کے مشکل اعمال کو عمدگی سے ادا کرتے ہیں۔ ان میں سے جب کوئی فوت ہوجاتا ہے تو اس کی ضرورت اس کے سینے میں باقی رہتی ہے اس کے پورا کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہوتی۔ فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم آپ کے فرشتے ہیں آپ کے کاموں کے محافظ اور ذمہ دار ہیں آپ کے آسمانوں کے مکین ہیں آپ ان کو ہم سے پہلے جنت میں داخل نہ فرمایئے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ اور مشکل اوقات میں شریعت پر عمل کرنا نہیں چھوڑا۔ جب ان میں سے کوئی فوت ہوجاتا تھا تو اس کی ضرورت اس کے سینے میں باقی رہتی تھی جس کے پورا کرنے کی اس میں طاقت نہیں تھی، پس اس وقت ہر دروازے سے ان کے پاس فرشتے، حاضر ہوں گے (اور یہ کہیں گے) **سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار** تم پر سلام ہو بوجہ تمہارے صبر کرنے کے پس آخرت کا گھر کتنا ہی اچھا ہے۔ جس میں تمہاری

تمام خواہشات پوری ہوں گی۔ (مسند احمد)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا غریب اور محتاج مسلمان دولت مند مسلمانوں سے قیامت کا آدھا دن جو پانچ سو سالوں کے برابر ہوگا جنت میں پہلے جائیں گے۔ (ترمذی شریف)

اور حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول ﷺ سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا، غریب مسلمان دولت مندوں سے آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے، عرض کیا گیا یا رسول ﷺ آدھا دن کتنا ہے، فرمایا پانچ سو سال، عرض کیا گیا کہ اس کے کتنے مہینے ہیں؟ فرمایا پانچ سو مہینے عرض کیا گیا اس مہینے کے کتنے دن ہیں؟ فرمایا پانچ سو دن عرض کیا گیا پھر ایک دن کتنا طویل ہے؟ فرمایا پانچ سو دنوں کے برابر جن کو تم شمار کرتے ہو۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا فقراء مہاجرین قیامت کے دن جنت میں دولت مندوں سے چالیس سال پہلے داخل ہوں گے (مسلم شریف)

فائدہ...... فقراء کا جنت میں پانچ سو سال پہلے داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اول درجہ کے فقراء پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ حدیث جس میں چالیس سال پہلے داخل ہونے کا ذکر ہے یہ شاید آخری درجہ کے فقراء کے اعتبار سے ہے کہ کم درجہ کے فقراء دولتمندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو قسم کے مومن جنت کے دروازے پر ملیں گے ایک مؤمن دنیا میں فقیر ہوگا دوسرا دولت مند، چنانچہ فقیر کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور دولت مند کو جب تک اللہ تعالیٰ روکنا چاہیں روکا جائے گا پھر اس کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ تو جب فقیر کی اس سے ملاقات ہوگی تو وہ پوچھے گا اے بھائی! تمہیں کس چیز نے روک لیا تھا؟ اللہ کی قسم تو جب روکا گیا تو میں تیرے متعلق خوفزدہ ہو گیا تھا کہ تجھے دوزخ میں تو داخل نہیں کر دیا گیا تو وہ بتائے گا کہ اے بھائی! میں تیرے جنت میں چلے جانے کے بعد دکھ اور گھبراہٹ کے ساتھ جنت کے

باہر روک لیا گیا تھا اور تم تک نہیں پہنچ سکا تھا اور میرا پسینہ اتنا بہا کہ اگر اس پر ایک ہزار نمک اور تلخ پودے کھانے والے اونٹ جمع ہو جائیں تو اس سے سیر ہو کر واپس جائیں۔ (مسند احمد)

حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جناب رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے بتلائیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہم نشین کون ہوں گے؟ ارشاد فرمایا اللہ سے ڈرنے والے اور عاجزی و انکساری کرنے والے جو اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ عرض کیا یا رسول ﷺ کیا یہی لوگ جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے؟ فرمایا نہیں۔ اس نے عرض کیا تو پھر سب سے پہلے لوگوں میں سے کون جنت میں داخل ہوگا۔ ارشاد فرمایا لوگوں میں سے سب سے پہلے غریب مسلمان جنت میں داخل ہوں گے۔ جنت سے ان کے پاس کچھ فرشتے آئیں گے اور کہیں گے تم حساب کتاب کی طرف چلو۔ تو کہیں گے ہم کس چیز کا حساب دیں؟ اللہ کی قسم! دنیا کے مال و دولت سے ہمیں کچھ نصیب نہیں ہوا جس میں ہم بخل کرتے یا فضول خرچیاں کرتے، اور نہ ہی ہم حکمران تھے کہ انصاف کرتے اور ظلم کرتے۔ ہمارے پاس تو اللہ تعالیٰ کا دین آیا تھا ہم اس کی عبادت میں مصروف رہے یہاں تک کہ موت آ گئی۔ تو ان سے کہا جائے گا تم جنت میں داخل ہو جاؤ نیک عمل کرنے والوں کے لئے بہترین اجر ہے۔

اور جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم غریبوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میری مخلوق میں سے میرے مخلص دوست کہاں ہیں؟ تو فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! وہ کون لوگ ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے وہ فقرا محتاج جو (مصیبتوں اور تنگدستی میں) صبر کرتے تھے میری تقدیر پر راضی رہتے تھے ان کو جنت میں داخل کر دو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا وہ جنت میں عیش سے کھاتے پیتے ہوں گے جب کہ امیر لوگ حساب کتاب کی گردش میں ہوں گے۔

حضرت ابو علی دقاقؒ سے سوال کیا گیا کہ ان دو حالتوں میں سے کونسی حالت افضل

ہے فقیر ہونا یا غنی ہونا؟ تو آپ نے فرمایا غناء افضل ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور فقر مخلوق کی صفت ہے اور اللہ کی صفت افضل ہے مخلوق کی صفت سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْد (اے لوگو! تم خدا کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تمام خوبیوں والا ہے۔

حقیقت میں فقیر وہ شخص ہے اگر چہ اس کے پاس مال ہو مگر وہ اللہ کا عبد (بندگی کرنے والا) ہو وہ اس وقت غنی ہو جائے گا جب وہ اپنی تمام حاجات کا اللہ تعالیٰ سے طلب گار ہو گا، اللہ تعالیٰ کے سوا کی طرف نظر نہیں کرے گا اگر چہ اس کا دنیا کی کسی چیز کی طرف خیال ہو اور اپنے کو اس کا ضرورت مند سمجھے لیکن وہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہی رہے۔ (تذکرۃ القرطبی)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم روز قیامت میں جمع ہو جاؤ گے تو کہا جائیگا کہ اس امت کے فقراء اور مساکین کہاں ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کھڑے ہو جائیں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا عمل کئے؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! ہم پر آزمائشیں ڈالی گئیں تو ہم نے صبر کیا اور آپ نے مال و دولت اور سلطنت دوسروں کو عطاء کی تھی ہم کو نہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم نے درست کہا آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر یہ لوگ دوسرے لوگوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے جبکہ مالدار اور صاحب سلطنت (حکمرانوں) پر حساب کتاب کی سختی بدستور قائم رہے گی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اس دن مومنین حضرات کہاں ہونگے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کے لئے کرسیاں بچھائی جائیں گی اور ان پر بادل سایہ کرتے ہوں گے مؤمنین کے لئے یہ روز دن کی ایک گھڑی سے بہت کم (محسوس) ہوگا۔ (ترغیب وترہیب)

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جب تک میں اور میری امت جنت میں داخل نہ ہو جائیں اس وقت تک جنت تمام امتوں پر حرام رہے گی۔ جیسا کہ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ جب تک یہ امت جنت میں داخل نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی دوسرا نبی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

بہر حال ان روایتوں سے امت محمدی کی زبردست عظمت و بزرگی ظاہر ہوتی ہے کہ پچھلی امتوں کا کوئی شخص یہاں تک کہ ان کے بڑے زاہد، علماء و صلحا اور صوفیاء بھی جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکیں گے جب تک کہ اس امت کے گنہگار لوگ جن کو جہنم میں ڈالا جائے گا اپنی سزا پوری کر کے واپس جنت میں نہ پہنچ جائیں۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اس امت میں سے بھی سرکش لوگوں کی ایک جماعت کو یقیناً عذاب دیا جائے گا اور یہ بات بعید نہیں ہے کہ دوسری امتوں کو اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا جب تک کہ اس امت کے گنہگار اپنی سزا پوری کر کے جنت میں نہیں پہنچ جائیں گے کیونکہ سب سے پہلے جس امت کا حساب کتاب لیا جائے گا وہ یہی امت محمدی ہوگی۔ لہذا یہ بات ممکن ہے کہ دوسری امتیں اس وقت تک حساب کتاب سے فارغ نہ ہوں اور جنت کے دروازے تک بھی نہ پہنچیں کہ اس وقت تک اس امت کے وہ گنہگار جن کو جہنم میں ڈالا جائے گا اپنی سزا پوری کر کے جہنم سے باہر آ چکے ہوں اور جنت میں داخل ہو چکے ہوں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ کی امت کے ستر ہزار آدمی اس طرح آپ سے پہلے جنت میں پہنچ چکے ہوں گے کہ ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار آدمی ہوں گے جن کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔

مگر اس حدیث اور اس روایت میں اختلاف پیدا ہوتا ہے جس میں ہے کہ میں سب سے پہلا آدمی ہوں گا جو جنت میں داخل ہونگا۔ اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ جنت کے دروازے سے داخل ہونے والے سب سے پہلے شخص آنحضرت ﷺ ہی ہوں گے جہاں تک ان ستر ہزار کے داخل ہونے کا سوال ہے تو اس بارے میں ایک روایت آتی ہے کہ یہ لوگ جنت کے ایک بلند گوشے سے داخل ہوں گے۔ لہذا اس کے بعد دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

اسی طرح اس حدیث سے اس روایت کا خلاف بھی نہیں ہوتا جس میں ہے کہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوں گے۔ کیونکہ اس

کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے آزاد لوگوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے وہی ہوں گے۔

اسی طرح اس حدیث سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا خلاف بھی نہیں ہوتا جو پیچھے گزری ہے کہ جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والا شخص میں ہوں گا کیونکہ دروازہ کھٹکھٹانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ داخل بھی ہو جائیں گے لیکن اگر یہ ہی مانا جائے کہ دروازہ کھٹکھٹانے سے داخل ہونے ہی کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو پھر مراد یہ ہوگی کی غلاموں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

ایسے ہی اس حدیث سے اس روایت کا خلاف بھی نہیں ہوتا جس میں ہے کہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والی میری بیٹی فاطمہ ہوں گی کیونکہ ظاہر ہے یہاں یہ مراد ہے کہ اس امت کی عورتوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوں گی۔ لہذا یہاں یہ اولیت اضافی ہے کہ وہ مردوں کے لحاظ سے تو بعد میں لیکن عورتوں کے لحاظ سے سب سے پہلے داخل ہونے والی ہوں گی۔ (بحوالہ سیرتِ حلبیہ جلد اول نصف آخر)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۹۱

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو قیامت کے دن گواہی کا شرف حاصل ہوگا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اکانوے نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو قیامت کے دن گواہی کا شرف حاصل ہوگا" اور دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس تیرے محبوب پیغمبر ﷺ کے مبارک روضہ پر بیٹھ کر تیرے محبوب ﷺ کی خصوصیت پر کام کرنے کی اس گناہ گار کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنا، آمین۔

بہرحال محترم قارئین! جیسا کہ گزشتہ خصوصیات میں آپ نے کئی خصوصیات ایسی ملاحظہ کیں کہ جنکا تعلق اخروی زندگی کے ساتھ وابستہ تھا، اسی طرح ذیل میں آنے والی خصوصیت کا تعلق بھی قیامت کے دن سے متعلق ہے، بے شک ہمارے نبی ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اعتبار سے بھی بہت سی امتیازی خصوصیات عطا فرمائیں اور آخرت کے لحاظ سے بھی، آنے والے صفحات آپ ﷺ کی امت کی ایک عظیم خصوصیت پیش کی جارہی ہے کہ قیامت کے دن آپ ﷺ کی امت کو گواہی کا شرف حاصل ہوگا، چنانچہ حضور ﷺ کے صدقے امت کو اتنی عظیم شان ملی، اسی لئے اب ہر امتی کا فرض بنتا ہے کہ وہ بھی آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرے اور آپ ﷺ کے دین کو ساری دنیا میں عام کرنے کے لئے اپنی جان، مال، وقت اور ہر چیز کو قربان کرے، بے شک اسی میں ہم سب کی کامیابی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔ لیجئے

اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

اکانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا کیا تم نے تبلیغ کی، وہ عرض کریں گے یارب میں نے واقعۃً تبلیغ کی تھی۔ ان کی امت سے سوال ہوگا کہ بولو انہوں نے تم کو احکام پہنچائے......؟ وہ کہیں گے نہیں۔ ہمارے پاس تو کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے دعوے کی تصدیق کے لئے گواہی دینے والا کون ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کی امتی ہیں، یہاں تک بیان فرمانے کے بعد آنحضرت سید عالم ﷺ نے اپنی امت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے آیت ذیل تلاوت فرمائی: **وکذلک جعلنا کم امة وسطا لتکونوا شهدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا** ''اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنادیا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم دوسری امتوں کے لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو اور تمہارے رسول ﷺ گواہ بنیں۔''

یہ بخاری شریف کی روایت ہے اور مسند احمد وغیرہ کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں بھی انکاری ہوں گی اور کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے کہ واقعی ہم نے تبلیغ کی تھی، اس پر ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے تو وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کو گواہی میں پیش کریں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ اور آپ کی امت سے سوال ہوگا کہ اس بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں۔ وہ جواب میں

عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو اس معاملہ کی کیا خبر ہے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امت کو تبلیغ کی۔ (درمنثور ج ۱)

آیت کا عموم لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ بھی اس کو چاہتا ہے کہ حضرت نوحؑ کے علاوہ دیگر انبیاءؑ کی امتوں کے مقابلہ میں بھی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ گواہی دے گی۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ جب امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ دوسری امتوں کے بارے میں گواہی دے گی کہ ان کے نبیوں علیہم السلام نے ان کو تبلیغ کی ہے تو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو لایا جائے گا اور آپ سے آپ کی امت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کیا آپ کی امت عادل ہے گواہی دینے کے لائق ہے؟ اس پر آپ ان کا تزکیہ فرمائیں گے اور گواہی دیں گے کہ واقعی میری امت عدل ہے۔ گواہی کے لائق ہے اس کی گواہی معتبر ہے۔

بلاشبہ اس امت کا بڑا مرتبہ ہے اور بڑی فضیلت ہے جس کا میدان حشر میں تمام اولین و آخرین کے سامنے ظہور ہوگا۔ یہ امت خیر الامم ہے اس کو افضل الانبیاء کی امت ہونے کا شرف حاصل ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے سب کتابوں میں سے افضل کتاب عطا فرمائی جو اللہ کی کتاب ہی نہیں اللہ کا کلام بھی ہے۔ جو چھوٹے بچوں تک کے سینوں میں محفوظ ہے اور صغیر کبیر سب کے ورد زباں ہے۔ اللہ نے اس امت کو تمام بنی آدم سے منتخب فرمایا۔ سورۃ حج میں ارشاد ہے: وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ ،هُوَ اجْتَبَاكُم وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُم فِي الدِّينِ مِن حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُم إِبرَاهِيم ،هُوَ سَمّٰكُمُ المُسلِمِينَ مِن قَبلُ وَفِي هٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيكُم وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ.

”اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے اس نے تم کو منتخب فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم

رہو اللہ نے تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تا کہ تمہارے لئے رسول گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو۔''

امت محمدیہ ﷺ کی آپس میں گواہی پر بخشش کے فیصلے

اس امت کی فضیلتوں میں یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس کی گواہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے ان کی گواہی سے دوسری امتوں کے خلاف فیصلہ ہوگا اور آپس میں بھی ان کی گواہی معتبر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ کچھ لوگ ایک جنازے کو لے کر گزرے تو حاضرین نے اس جنازہ کے بارے میں اچھے کلمات کہے اور اس کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا وجبت پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے تو حاضرین نے برائی کے ساتھ اس کا ذکر کیا آپ نے اس پر بھی وجبت فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ وجبت کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں تم نے خیر کے کلمات کہے لہذا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور اس کے بارے میں تم نے شر کے الفاظ استعمال کیے اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی انتم شھدآء اللّٰہ فی الارض یعنی تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔

(صحیح بخاری ج ۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کے لئے چار آدمی خیر کی گواہی دے دیں اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے، ہم نے عرض کیا کہ اگر دو شخص گواہی دے دیں؟ آپ نے فرمایا اس کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر ہم نے ایک کی گواہی کے بارے میں دریافت نہیں کیا۔ (صحیح بخاری ج ۱)

تفسیر در منثور ج ۱ میں بحوالہ مسند احمد و سنن ابن ماجہ وغیرہ حضرت ابوزہیر ثقفی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب ایسا ہوگا کہ تم اپنے اچھے لوگوں کو برے لوگوں سے ممتاز کر سکو گے۔ اور جان سکو گے کہ کون کیسا ہے ... ت صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اچھا ذکر ہونے سے اور برا ذکر ہونے سے یعنی

جسے مسلمان اچھا کہیں گے وہ اچھا ہے اور جسے برا کہیں وہ برا ہے تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ گواہی دینے کے اس بڑے مرتبہ سے وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو لعنت کے الفاظ زیادہ نکالتے ہیں۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ شہید ہوں گے نہ شفیع ہوں گے یعنی قیامت کے دن یہ لوگ نہ گواہی دینے کے اہل ہوں گے اور نہ سفارش کرنے کے لائق ہوں گے۔ (بحوالہ جستہ جستہ انوار البیان)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر۹۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے بہترین فصیح وبلیغ انسان بنایا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ بانوے نمبر خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے بہترین فصیح وبلیغ انسان بنایا'' بیشک ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو باوجود امی یعنی ان پڑھ ہونے کے ایسی فصاحت وبلاغت عطا فرمائی کہ جس کا دنیا میں کوئی انسان مقابلہ نہیں کرسکتا، آپ ﷺ کی فصاحت وبلاغت کیسی تھی آنے والے اوراق میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے، ہمیں امید ہے کہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کے مطالعے سے بھی انشاءاللہ ہمارے ایمان میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العٰلمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

بانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

عرب میں رحمت عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے کا زمانہ دور جاہلیت کہلاتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس دور کی تصویر صرف چار لفظوں میں کھینچ دی گئی ہے۔

ظن الجاهلية (آل عمران آیۃ۱۵۴) اللہ کے بارے میں جاہلانہ گمان

حكم الجاهلية (المائدہ آیۃ۵۰) زمانہ جاہلیت کا سا فیصلہ

تبرج الجاهلية (الاحزاب آیۃ۳۳) دور جاہلیت کی سی (عورتوں) کی سج دھج

حمية الجاهلية (الفتح آیۃ۲۶) زمانہ جاہلیت کی سی ضد (اپنی ناک کی خاطر ایک

ناروا کام کرنے پر اصرار)

اس تفصیل کے مطابق جاہلیۃ کا لفظ قرآن پاک میں صرف چار مقامات پر استعمال ہوا ہے اور اس کے ساتھ ظن۔ حکم۔ تبرج۔ اور حمیت کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جن آیات میں یہ الفاظ آئے ہیں، مفسرین نے ان کی جو تشریح کی ہے اس کو دیکھ کر دور جاہلیت کے عربوں کی معاشرت اور مزاج کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ دینی اور اخلاقی زاویۂ نگاہ سے یہ بدترین تاریکی اور جہالت کا دور تھا۔ شرک (بت پرستی، کواکب پرستی) شراب خواری، قمار بازی، سود خوری، لوٹ مار، بدکاری، بے حیائی، بے شرمی، سفاکی، بے رحمی، دختر کشی، اور باہمی کشت و خون وغیرہ عرب قوم کے چہرے کے بدنما داغ تھے لیکن یہی قوم کچھ ایسے اوصاف اور ایسی خصوصیات کی حامل تھی جن کی بناء پر دنیا کی دوسری قوموں میں اس کو ایک خاص مقام حاصل تھا مثلاً شجاعت و شہامت، حریت پسندی، مساوات پسندی، مہمان نوازی اور سخاوت جیسی خوبیاں عربوں کی گھٹی میں پڑی تھیں، صاف گو ایسے تھے کہ جو دل میں ہوتا وہ زبان پر ہوتا، دوغلا پن ان میں بالکل نہیں تھا، یا تو کھلے دشمن ہوتے تھے، یا کھلے دوست، اگرچہ عام طور پر وہ نوشت و خواند سے عاری تھے لیکن ذہن اور حافظہ کے غیر معمولی طور پر تیز تھے، ایک چیز جو ان کے لیے ہر شے سے بڑھ کر سرمایہ ناز اور باعث افتخار تھی، وہ ان کی زبان (عربی) اور اس زبان کا شعر و ادب تھا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عربی زبان دنیا کی قدیم زبانوں میں سے ایک ہے اور اس کی وسعت، جامعیت اور ہمہ گیری کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے، ایک ایک چیز کے لیے دو تین سے لے کر کئی سو تک الفاظ ہیں دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

(ا)..... مرد سفید رنگ کا ہو تو اسے ازہر، عورت سفید رنگ کی ہو تو رغوب گھوڑا سفید ہو تو اسے اشہب، گائے سفید ہو تو اسے لیاح، بیل سفید ہو تو اسے لهق، اونٹ سفید ہو تو اسے اعیس، گدھا سفید ہو تو اسے اقمر، ہرن سفید ہو تو اسے ادم، بال سفید ہو تو اسے اشمط، پانی سفید ہو تو اسے صاف یا خالص، شہد صاف ہو تو اسے ابیض، انگور سفید ہو تو اسے ملاحی، کاغذ یا کپڑا

سفید ہوتو اسے ابیض، چاندی سفید ہوتو اسے یقق، روئی سفید ہوتو اسے سواری کہتے ہیں۔

(۲)...... بہادر آدمی کو شجاع کہتے ہیں، اس سے بڑھ کر آدمی کو بطل، اس سے بڑھ کر صمه، اس سے بڑھ کر بهمه، اس سے بڑھ کر ذمر، اس سے بڑھ کر حلس، اس سے بڑھ کر نکل، اس سے بڑھ کر محرب اور اس سے بھی بڑھ کر بہادر آدمی کو غشمشم کہتے ہیں۔

اسی طرح تلوار، صبح، اونٹ، شیر، عورتوں کے جسمانی محاسن اور معائب کے لئے کئی سو الفاظ ہیں، چونکہ عربی زبان میں ہر خیال کے اظہار کے لیے موزوں الفاظ کی کثرت ہے، اس لئیے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ وسعت کے اعتبار سے اور شعر وادب کے میدان میں دنیا کی کوئی اور زبان عربی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتی، عربوں کا شعر وادب، فصاحت وبلاغت میں اپنی مثال آپ تھا اور عرب بجا طور پر اپنی زبان آوری اور فصاحت وبلاغت پر ناز کرتے تھے اور اپنے علاوہ باقی سب کو عجم (گونگا) کہتے تھے۔

فصاحت وبلاغت قریب قریب ہم معنی الفاظ ہیں، ان کا مطلب ہے خوش بیانی، خوش کلامی، علم معانی کی رو سے کلام میں ایسے الفاظ لانا جو اہل زبان کے روزمرہ اور محاورہ کے خلاف نہ ہوں، مشکل اور بھدے نہ ہوں، موقع اور محل کے مطابق ہوں، ایسی عبارت یا ایسا کلام (تقریر یا جملہ) جس میں الفاظ تو تھوڑے ہوں لیکن ان میں مطالب ومعانی کی کثرت ہو، بھی فصاحت وبلاغت میں داخل ہے۔

عربوں میں شاعروں اور خطیبوں کو بہت اونچا مقام حاصل تھا، شعلہ بیان خطباء اور قادر الکلام شعراء کا تعلق جس قبیلے سے ہوتا وہ قبیلہ بھی ان کی وجہ سے معزز سمجھا جاتا، دور جاہلیت میں عربوں کے ہاں کمال کا معیار ہی بیان وبلاغت اور فصاحت لسانی تھی، چنانچہ اس دور میں ایسے نامور شعراء اور خطباء پیدا ہوئے جن کی طلاقت لسانی اور سحر البیانی نے ایک دنیا کو مسخر کر لیا، ان میں سے بعض شعراء ایسے تھے جن کے کلام کو آب زر سے لکھ کر کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کیا گیا۔

خطیبانہ فصاحت و بلاغت اور حسن کلام کو اپنا طرہ امتیاز سمجھنے والی یہی قوم تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کو مبعوث فرمایا، چونکہ اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کی ذات گرامی کو افضل الناس اور تمام کمالات وصفات کی جامع بنایا تھا اس لئے فصاحت وبلاغت اور حسن بیان کا وصف بھی آپ کو علیٰ وجہ الکمال عطا کیا گیا، اس کے دو پہلو تھے ایک تو یہ کہ آپ ﷺ کو قرآن کا لافانی معجزہ عطا ہوا جس کی فصاحت و بلاغت نے تمام فصحاء عرب کو ساکت ومبہوت کردیا اور وہ اس کی ایک آیت کا جواب بھی پیش کرنے میں ناکام رہے، یہ معجزہ لسان رسالت ہی کے ذریعے خلق خدا تک پہنچا۔

دوسرا پہلو یہ تھا کہ ذاتی طور پر بھی آپ ﷺ کو تمام فصحاء عرب سے بڑھ کر فصاحت وبلاغت عطا کی گئی، چنانچہ آپ ﷺ تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ انا افصح العرب (یعنی میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح اللسان ہوں) اگرچہ تمام عرب قبائل کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر فصاحت و بلاغت کا دعویٰ تھا لیکن قریش اور بنوسعد بن بکر بن ہوازن مسلّم طور پر اس میں ممتاز تھے، قریش حضور اکرم ﷺ کا اپنا قبیلہ تھا اور نجد کے بدوی قبیلہ بنوسعد میں آپؐ نے بچپن میں پرورش پائی تھی، اس ماحول میں پرورش پاکر آپ ﷺ تمام فصحاء عرب سے بڑھ کر فصیح اللسان ہوگئے تھے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فصاحت نبوی کا خاکہ یوں کھینچا ہے:

"اس طرح (قریش میں ولادت اور بنوسعد میں پرورش سے) آپ ﷺ کی فصاحت وبلاغت میں بادیہ نشینوں کی قوت بیان ومقابلہ، عمدہ لفظی اسلوب کے ساتھ شہری الفاظ کی چمک دمک اور انداز گفتگو کی رونق ایک ساتھ جمع ہوگئی تھی، اس کے علاوہ تائید الٰہی بھی آپ ﷺ کے شامل حال تھی جس کی امداد اس وحی ربانی سے ہوئی تھی جس کا احاطہ انسانی قدرت علم سے باہر ہے۔" (فصاحت نبوی بحوالہ الشفا)

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! میں سارے عرب میں گھوما پھرا ہوں اور فصحائے عرب کا کلام سنا ہے مگر آپؐ سے بڑھ کر فصیح و بلیغ میں نے نہیں

دیکھا، تو آپ کو یہ ادب کس نے سکھایا؟" آپ ﷺ نے فرمایا **ادبنی ربی فاحسن تادیبی** یعنی مجھے تو میرے رب نے ادب سکھایا ہے اور بہت خوب ادب سکھایا ہے۔

ایک اور روایت میں آپؐ کے جواب میں یہ الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں **و نشأت فی بنی سعد** (اور میں نے قبیلہ بنی سعد میں پرورش پائی ہے) اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا بات ہے کہ آپ فصاحت میں ہم سب سے بالاتر ہیں حالانکہ آپؐ ہم سے کبھی الگ نہ ہوئے؟ آپؐ نے فرمایا میری زبان اسماعیل علیہ السلام کی زبان ہے، اسے جبریل امین میرے پاس لائے اور مجھے سکھادی۔ (طبقات ابن سعد)

حضور ﷺ کی گفتگو کی شان یہ تھی کہ آپؐ بلاضرورت کبھی نہ بولتے تھے اور جب گفتگو فرماتے تھے تو تمام لسانی بلاغتیں اور فکری بلندیاں سرگریباں نظر آتی تھیں، یہی حسن کلام اور فکری اعجاز تھا کہ مشرکین مکہ کبھی آپ کو شاعر اور کبھی ساحر کہتے تھے، اور مکہ میں نو وارد لوگوں کو اس ڈر کی بناء پر آپ ﷺ سے ملنے نہیں دیتے تھے کہ وہ آپ کی گفتگو سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف مائل ہو جائیں گے، خوامخواہ کی لفاظی، تکلف، مصنوعی انداز سے فصاحت چھانٹنا اور منہ بنا بنا کر گفتگو کرنا آپ کو سخت ناپسند تھا، اس کے برعکس آپؐ کی گفتگو اتنی عام فہم، سادہ (مگر سہل ممتنع یعنی جس کی کوئی نقل نہ اتار سکے) دلآویز، مربوط اور مرتب ہوتی تھی کہ فوراً سامع کے دل و دماغ پر اثر انداز ہوتی تھی، اس میں کسی گھٹیا یا عامیانہ لفظ کے آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ آپؐ کے ارشادات مکالمات اور خطبات حشو و زوائد سے خالی ہوتے تھے اور ان میں ایجاز کامل کے ساتھ اعجاز اکمل بھی پایا جاتا تھا، کلام کا طول و اختصار مطالب کے مطابق ہوتا تھا، جہاں اطناب کا تقاضا ہوتا وہاں کلام تشریحی اور تفصیلی ہوتا، جہاں ایجاز مناسب ہوتا وہاں ایجاز کو ترجیح دیتے اور اس اعجاز میں ایک جہانِ معنی پنہاں ہوتا، حضورؐ الفاظ ایسی ترتیب سے ادا فرماتے تھے کہ اگر سننے والا چاہے تو الفاظ کا شمار کر سکتا تھا، آپؐ ہر شخص سے گفتگو کرتے وقت اس کی ذہنی سطح اور معاشرتی درجے کا خیال رکھتے، بدوی (دیہاتی، صحرائی) لوگوں سے ان کے انداز و معیار کے مطابق گفتگو فرماتے اور

گفتگو میں ایسے الفاظ استعمال فرماتے جن کو وہ آسانی سے سمجھ سکتے تھے، آپؐ سامع کے لب ولہجے کا خیال بھی رکھتے تھے اور یہ بھی دیکھتے تھے کہ اس کا تعلق کس قبیلے سے ہے اور اس میں کس نوعیت کی زبان رائج ہے، عربی زبان پر آپ کی اسی غیر معمولی قدرت اور مسحور کن فصاحت وبلاغت کو دیکھ کر آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ بھی حیران ہوا کرتے تھے اور عرب کے دوسرے فصحاء اور نامور شعراء بھی انگشت بدنداں ہو جاتے تھے، عہدِ رسالت میں ایسی مثالیں کثیر تعداد میں ملتی ہیں جن میں حضور ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن پاک کا کوئی حصہ یا آپؐ کے اپنے ارشادات سن کر سامع کے دل کی دنیا بدل گئی اور وہ کفر وشرک کے ظلمت کدہ سے نکل کر اسلام کی وادیِ نور میں داخل ہو گیا، آنحضرت ﷺ کی فصاحت وبلاغت، آپؐ کے اندازِ تکلم، اقوال، مکالمات، نصائح، خطبات، معاہدات، مکتوبات، فرامین، ادعیہ اور وصایا ہر شے میں جلوہ گر تھی، یہ ساری چیزیں حدیث وسیرۃ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، ان کا بنظر غائر مطالعہ کرنے والا قاری بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ محمد ﷺ فی الواقع افصح العرب تھے اور آپؐ کی گفتار اور آپ کے کلام کی ہر نوع جامعیت اور فصاحت وبلاغت کا شاہکار بلکہ منفرد اور بے مثال تھی، گویا آنحضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں، دعویٰ نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت تھا اور کتبِ حدیث وسیرۃ اس کی سب سے بڑی مصدق ہیں، یہاں بطورِ تبرک ایک مثال پیش کی جاتی ہے، یہ ایک مکالمہ ہے جو دعوتِ اسلام کے اوائل میں آنحضور ﷺ اور ایک سلیم الفطرت اعرابی عمروؓ بن عبسہ کے درمیان ہوا۔ باختلاف روایت یہ مکالمہ عکاظ کے بازار میں یا خاص مکہ شہر میں ہوا، اس کے بعد حضرت عمروؓ بن عبسہ مشرف بہ اسلام ہو گئے، اس مکالمہ میں سوال حضرت عمروؓ بن عبسہ کی طرف سے ہیں اور جواب رسول اکرم ﷺ کی طرف سے۔

سوال: ما الاسلام؟ اسلام کیا ہے؟

جواب: طیب الکلام واطعام الطعام ۔ پاکیزہ گفتگو اور غرباء کو کھانا کھلانا۔

سوال: ما الایمان؟ ایمان کیا ہے؟

جواب: الصبر و السماعة۔ صبر اور سیر چشمی۔

سوال: ای الاسلام افضل ؟ اسلام کس کا افضل ہے؟

جواب: من سلم المسلمون من لسانه ویده ۔ جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

سوال: ای الایمان افضل ؟ ایمان کون سا افضل ہے۔

جواب: خلق حسن۔ بہترین خلق۔

سوال: ای الصلوٰة افضل ؟ نماز کون سی افضل ہے؟

جواب: طول القنوت۔ لمبے قیام والی۔

سوال: ای الهجرة افضل ؟ ہجرت کون سی افضل ہے؟

جواب: ان تهجر ما کره ربک۔ جو چیز تیرے رب کو ناپسند ہو اس کو چھوڑ دینا۔

سوال فای الجهاد افضل؟ جہاد کون سا افضل ہے؟

جواب: من عقر جواده واهريق دمه ۔ جس کا گھوڑا بھی کام آئے اور خود بھی شہید ہو جائے۔

سوال: ای الساعات افضل ؟ کون سا وقت افضل ہے؟

جواب: جوف الیل الآخر ۔ رات کا پچھلا پہر۔ (مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان۔ بحوالہ مسند احمد)

حضورؐ نے ہر سوال کا جو جواب دیا اس پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں ایک جہان معانی پوشیدہ ہے جس کی تشریح کے لیے دفتر درکار ہے یوں سمجھئے کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔

حضور ﷺ کی فصاحت و بلاغت کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ عام احادیث میں آپ کا انداز بیان بالعموم ابلاغی ہوتا تھا اور خطبوں میں تبلیغی ،ابلاغ میں بیان پُرسکون اور بات منطقی ہوتی ہے جبکہ تبلیغ میں زبان پر جوش اور بیان بلیغ جس پر تفہیم و ترغیب کا رنگ غالب ہوتا ہے دونوں صورتوں میں آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت مبالغہ غلو اور خیال آرائی سے پاک ہوتی

تھی، حضور ﷺ نے مختلف موقعوں پر بے شمار خطبے دیئے، احمد ذکی صفوت نے ان میں سے بارہ خطبے اپنی کتاب ''جمهرة خطب العرب'' میں جمع کیے ہیں، ان میں بلحاظ جامعیت اور زور بیان پانچ خطبے سب سے بڑھ کر ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱)......اولین خطبہ جس کے ذریعے آپؐ نے قریش کو پہلی مرتبہ دعوت توحید دی۔

(۲)......یوم فتح مکہ کا خطبہ۔

(۳)......مدینے میں داخلے کا خطبہ۔

(۴)......مدینہ میں پہلا خطبۂ جمعہ۔

(۵)......خطبۂ حجۃ الوداع۔

ان میں سے آخر الذکر خطبہ سب سے ممتاز اور جامعیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے، اس میں حضور ﷺ نے کئی ابدی آفاقی حقائق بیان کرنے کے علاوہ دوسرے کئی اہم امور کو بھی خطبے کا موضوع بنایا ہے، مثلاً حقوق اللہ، حقوق العباد، خواتین اور زیردستوں کے ساتھ حسن سلوک، خانگی معاشی اور سیاسی زندگی کے رہنما اصول، اسلام کا حقیقی مفہوم اور اس کے تقاضے وغیرہ، اتنے بہت سے مسائل وموضوعات کو بہت تھوڑے الفاظ میں سمیٹ لینا کمال کی بلند ترین حد ہے، آپ ﷺ کے خطبات کو پڑھ کر لامحالہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپ ﷺ دنیا کے سب سے بڑے خطیب تھے، نہ آپؐ سے پہلے کوئی خطیب ہوا اور نہ بعد میں۔

ان کا تکلم جانِ بلاغت، نطق ہے ان کا کانِ فصاحت
ہر ہر لفظ ہے لولوئے لالا، صلی اللہ علیہ وسلم (امین گیلانی)

خلقِ مبارک حاصلِ قرآں، نطقِ مطہر شہدِ بداماں
جانِ بلاغت، روحِ فصاحت صلی اللہ علیہ وسلم (مخمور سدیدی)

(بحوالہ حسنت جمیع خصالہ)

بہر حال اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سرور عالم ﷺ جس طرح فصیح العرب تھے اسی

طرح صاحب جوامع الکلم بھی تھے،''جوامع الکلم'' فی الحقیقت فصاحت و بلاغت ہی کے ذیل میں آتے ہیں، ان سے مراد آنحضور ﷺ کے وہ کلمات ہیں جو ہیں تو مختصر لیکن معنوی اعتبار سے بڑی وسعت رکھتے ہیں یعنی قلیل الالفاظ مگر کثیر المعانی، جاحظ نے ''جوامع الکلم'' کی تعریف یوں کی ہے: ''جوامع الکلم سے مراد رسول اللہ ﷺ کے وہ کلمات ہیں جو قلیل الالفاظ ہوتے ہوئے بھی کثیر المعانی ہیں۔'' (البیان والتبیین)

''جوامع الکلم'' کی اصطلاح حضور ﷺ کے اپنے اس ارشاد پر مبنی ہے۔ اعطیت (اوتیت) جوامع الکلم (مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں)۔

علامہ محمد عطیۃ الابراشی نے ''جوامع الکلم'' کے بارے میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے: ''آپ کا وہ جامع کلام جس کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ اور برابری کی ہی نہیں جا سکتی جو بیان و بلاغت کا آخری درجہ اور بے انتہا مدلل بھی ہے، جو جامع کلمات اور انوکھی حکمت پر مشتمل ہوتا ہے، اس کے الفاظ و حروف کی تعداد تو قلیل ہوتی ہے لیکن معانی کی فراوانی ہوتی ہے۔'' (فصاحت نبوی، بحوالہ عظمت الرسول)

یہاں ہم بطور تبرک ''جوامع الکلم'' کی پچاس مثالیں پیش کرتے ہیں:

(۱)......انما الاعمال بالنیات اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

(۲)......اذا سرتک حسنتک وساء تک سیئتک فانت مومن۔

جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو اور برے کام سے رنج و قلق ہو تو تم مومن ہو (مسند احمد)

(۳)......ان الغضب لیفسد الایمان کما یفسد الصبر العسل. غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسا کہ مصبر (ایلوا) شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ (شعب الایمان بیہقی)

(۴)......من کان یومن باللّٰہ والیوم الاٰخر فلا یوذ جارہ. جو شخص بھی اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ (صحیح بخاری)

(۵)......الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت۔ (صحیح مسلم)

(۶)......ان لکل امة فتنة وفتنة امتی المال . ہر امت کے لیے خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی خاص آزمائش مال ہے۔ (جامع ترمذی)

(۷)......الطھور شطر الایمان پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ (صحیح مسلم)

(۸)......الطاعم الشاکر کالصائم الصابر کھانا کھا کر شکر کرنے والا صابر روزہ دار کی مانند ہے۔ (جامع ترمذی)

(۹)......ان من خیارکم احسنکم اخلاقا . بے شک تم میں سے نیک ترین وہ ہے جو تم میں سے اخلاق میں اچھا ہو۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۱۰)......الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیاله مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اس لیے اللہ کے نزدیک بہترین شخص وہ ہے جو اللہ کے کنبے کے ساتھ احسان کرے۔ (بحوالہ بیہقی)

(۱۱)......لایدخل الجنة القاطع . قطع رحمی کرنے والا (یعنی قرابت داروں کے ساتھ قطع تعلق کرنے والا یا ان سے برا سلوک کرنے والا) جنت میں نہ جا سکے گا۔

(۱۲)......الغنی غنی النفس تونگری (دولت مندی) دل کی تونگری (دولت مندی) ہے۔ (صحیح مسلم و بخاری)

(۱۳)......ان من البیان لسحرا بے شک بعض بیان (کلام، باتیں) جادو (کا اثر رکھتے) ہیں (صحیح بخاری)

(۱۴)......الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة اخراجات میں میانہ روی (اعتدال) آدھی زندگی ہے (یعنی ضروری اور سودمند ہے)۔ (بیہقی)

(۱۵)......الدین النصیحة دین نام ہے خیر خواہی کا (یا دین سراسر خیر خواہی ہے)۔ (صحیح بخاری)

(۱۶)......الندم توبة . نادم (شرمندہ یا پشیماں) ہونا ہی توبہ ہے۔ (مسند احمد)

(۱۷)......من احب ان یبسط له فی رزقه وینساله فی اثره فلیصل

رحمه . جو شخص اپنے رزق میں فراخی (اضافہ) اور لمبی عمر کا خواہشمند ہو اسے چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۱۸)......لا یومن عبد حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه انسان اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۱۹)......ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء تم زمین والوں پر رحم کرو اور آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۲۰)..ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۱)......ان اللہ تعالیٰ جمیل ویحب الجمال بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور پسند کرتا ہے جمال کو۔ (صحیح مسلم)

(۲۲)......لیس الشدید بالصُّرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عندالغضب . طاقتور وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۲۳)......من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ جس نے (احسان کرنے والے) بندہ کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا (مسند احمد، جامع ترمذی)

(۲۴)......افضل الجهاد من قال کلمة حق عندسلطان جائر . ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۲۵)......زن وارجح تول اور (ترازو کا پلڑا) جھکتا رکھ۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۲۶)......الصوم جنة روزہ گناہوں سے بچنے کے لیے ڈھال ہے۔ (صحیح بخاری)

(۲۷)......تصافحوا یذهب الغل وتهادوا تحابوا وتذهب الشحناء . تم ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ کیا کرو، اس سے کینہ دور ہوتا ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو

ہدیہ دیا کرو، اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی۔ (موطا امام مالک)

(۲۸)......الطیرۃ شرک. شگون لینا شرک ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۲۹)..الاناۃ من اللّٰہ و العجلۃ من الشیطان. کاموں کو متانت سے اور اطمینان سے انجام دینا اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی کرنا شیطان کی طرف سے (جامع ترمذی)

(۳۰)......کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل دنیا میں ایسے رہ جیسے کہ تو پردیسی ہے یا رستہ چلتا مسافر۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۳۱) لایرحم اللّٰہ من لا یرحم الناس اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو اللہ کے بندوں پر رحم نہیں کرتا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۳۲)......المؤمن مالف و لا خیر فی من لایالف و لا یولف. مومن الفت و محبت کا مرکز ہے اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔ (مسند احمد و شعب الایمان للبیہقی)

(۳۳)......ان احب الاعمال الی اللّٰہ تعالیٰ الحب فی اللّٰہ و البغض فی اللّٰہ. اللہ تعالیٰ کو بندوں کے اعمال میں سب سے محبوب یہ عمل ہے کہ اس کی محبت بھی اللہ کے لیے ہو اور بغض بھی اللہ کے لیے ہو۔ (سنن ابی داوٗد)

(۳۴)......حسن الظن من حسن العبادۃ. اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں) نیک گمانی بہترین عبادت ہے۔ (مسند احمد، سنن ابی داوٗد)

(۳۵)......من یحرم الرفق یحرم الخیر جو شخص نرمی کی صفت سے محروم کیا گیا وہ تمام خیر (ہر اچھائی اور بھلائی) سے محروم کیا گیا۔ (صحیح مسلم)

(۳۶)......طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ. (دیگر) فرائض کے بعد حلال کمائی کی تلاش فرض ہے۔ (جامع ترمذی)

(۳۷)......تعوذوا باللّٰہ من جھد البلاء و درک الشقاء و سوء القضاء و شماتۃ الاعداء. اللہ کی پناہ مانگو بلاؤں کی سختی سے اور بدبختی کے لاحق ہونے سے اور بری

تقدیر سے اور دشمنوں کی شماتت سے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

(۳۸)......ھدیة الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم ۔ زندوں کا خاص ہدیہ مردوں کے لیے ان کے حق میں دعائے مغفرت ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(۳۹)......اماطة الاذی عن الطریق ۔ایمان کا ایک ادنیٰ حصہ ہے راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا۔ (صحیح بخاری ومسلم)

(۴۰)......انما الطاعة فی معروف ۔ اطاعت تو صرف نیک کاموں میں ہوتی ہے۔ (صحیحین)

(۴۱)......ادومه وان اقل وہ کام سب سے زیادہ پسندیدہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو۔ (صحیح بخاری ومسلم)

(۴۲)......طاعة النساء ندامة۔ عورتوں کی (بلاسوچے سمجھے) اطاعت سے ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔ (ابن عساکر)

(۴۳)......الدعا مخ العبادة۔ دعا عبادت کا مغز ہے۔ (جامع ترمذی)

(۴۴)......کل معروف صدقة ہر بھلائی صدقہ ہے۔ (بیہقی)

(۴۵)......ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث خبردار بدگمانی سے بچنا، بے شک بدگمانی تو بالکل جھوٹی بات ہے۔ (صحیح مسلم، سنن نسائی)

(۴۶)......الحکمة ضالة المومن یلتقطھا حیث وجدھا۔ دانائی مومن کی گمشدہ متاع ہے جہاں کہیں اسے پاتا ہے چن لیتا ہے۔ (سیرۃ المختار)

(۴۷)......المرء مع من احب ۔ انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی (یعنی قیامت کے دن اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا) (الشفاء)

(۴۸)......قل امنت باللہ ثم استقم کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس قول پر) جم جاؤ۔ (صحیح مسلم)

(۴۹)......رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما علیھا ۔اللہ کی راہ

میں ایک دن پاسبانی کرنا دنیا اور اس کے تمام ساز و سامان سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(۵۰)...... **الید العلیا خیر من الید السفلیٰ الید العلیا ھی المنفقة والسفلیٰ ھی الشائلة .** اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا۔ (صحیح بخاری)

(بحوالہ حسنت جمیع خصالہ)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۹۳

رسولِ اکرم ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ترانوے نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا'' الحمدللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا، بے شک دیگر انبیاء کو بھی اللہ تعالیٰ نے معجزات عطا فرمائے لیکن سب سے بڑا معجزہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمایا، تو معلوم ہوا کہ کائنات کا سب سے بڑا معجزہ کا ملنا بھی ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیت ہے جبکہ دیگر انبیاءؑ کے پاس یہ خصوصیت نہیں، علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ سب سے بڑے معجزے سے ہماری مراد قرآن کریم ہے، بے شک قرآن کریم دنیا کا سب سے بڑا معجزہ ہے، جیسا کہ مکمل تفصیل آنے والے اوراق میں آرہی ہے، اگرچہ قرآن کریم بذات خود ایک الگ خصوصیت ہے اور پھر اس میں کئی اور خصوصیات ہیں، چنانچہ اسی لئے قرآن کریم سے متعلق ایک الگ خصوصیت کو بھی ترتیب دیا گیا، جسے آپ پہلی جلد میں ملاحظہ فرما چکے ہیں، لہٰذا یہاں قرآن کے معجزہ ہونے سے متعلق تفصیل ہے، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کائنات کے

اس سب سے بڑے معجزے کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین) بے شک جو قوم بھی اس معجزے کو سینے سے لگائے گی، وہ سر بلند ہوگی، اور جس نے اسے چھوڑا وہ قعرِ مذلت میں جا گرے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس قرآن پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

ترانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: انبیاء میں سے ہر ایک نبی کو معجزات سے صرف اتنا دیا گیا جس پر انسان ایمان لائے، اور جو معجزہ مجھ کو ملا وہ خدا کی وحی ہے جو اس نے میری طرف بھیجی (اور جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے) اس کی بناء پر مجھے یقین ہے کہ قیامت کے دن میرے ماننے والوں کی تعداد تمام انبیاء کے ماننے والوں سے زیادہ ہوگی۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام چونکہ مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت ونبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو کچھ ایسے معجزے عطا فرماتا ہے جس کو وہ اپنے دعوے کی دلیل وبرہان کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کرسکیں، چنانچہ جتنے بھی نبی اور رسول اس زمین پر آئے ان کو کسی نہ کسی نوعیت کا ایسا معجزہ دیا گیا جس کو دیکھ کر عقلِ سلیم رکھنے والا انسان اس نبی کی تصدیق کرسکے اور اس پر ایمان لاسکے لیکن رسولِ اکرم ﷺ سے پہلے جس نبی کو جو بھی معجزہ دیا گیا وہ اس نبی کے زمانہ اور اس کی حیات تک مخصوص اور باقی رہا، اس نبی کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے ساتھ اس کا معجزہ بھی ختم ہوگیا، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر اور جادو کا زبردست چرچا تھا، بڑے بڑے جادوگر اپنے فن کا کمال دکھایا کرتے تھے اور لوگ ان کے فن کے کمال سے متاثر ہوتے تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصا کا معجزہ دیا گیا، ان کے دونوں معجزوں نے تمام چھوٹے بڑے جادوگروں کا چراغ گل کردیا اور نہ صرف عام لوگوں کو بلکہ خود

ان جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب وحکمت کا بڑا زور تھا اس وقت ایسے ایسے قابل اور ماہر فن طبیب اور حکیم موجود تھے جو پیچیدہ سے پیچیدہ دکھ اور بیماری کو جڑ سے اکھیڑ دیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ وہ مردوں کو زندہ کردیتے تھے، کوڑھی کو تندرست اور اندھے کو بینا بنادیتے تھے، اس طرح ان کا یہ معجزہ اپنے زمانہ کے نہایت ترقی یافتہ طب وحکمت پر غالب رہا، لیکن نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ان کے بعد باقی رہا اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دائمی حیثیت حاصل ہوئی! رسولِ اکرم ﷺ کے زمانہ میں فصاحت وبلاغت کا زور تھا، عرب فصحاء کا دعویٰ تھا کہ ان کی فصاحت وبلاغت کے سامنے دنیا کے تمام لوگ ''گونگے'' ہیں، چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ پر قرآن کریم نازل کیا گیا جس کی فصاحت وبلاغت نے عرب کے بڑے سے بڑے فصیح وبلیغ کی فصاحت وبلاغت کو ماند کردیا، اپنی زبان دانی اور معجز بیانی کا بلند بانگ دعویٰ کرنے والے مغلوب ہوگئے، تمام فصیح مل کر بھی قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت جیسا کلام بھی پیش نہ کرسکے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم معجزہ کو قیامت تک کے لئے باقی رکھا جو ہر زمانے اور ہر طبقہ میں سید العلمین ﷺ کی نبوت ورسالت کی صداقت پر پوری حقانیت اور یقین کے ساتھ گواہی پیش کرتا رہا ہے اور پیش کرتا رہے گا۔ لہٰذا رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ مجھے عطا کیا جانے والا یہ عظیم معجزہ چونکہ قیامت تک باقی رہے گا اور لوگ برابر اس پر ایمان لاتے رہیں گے اس لئے قیامت کے دن اکثریت ان اہل ایمان کی ہوگی جو میری نبوت ورسالت پر عقیدہ رکھنے والے اور میرے اس معجزہ قرآن کریم کو ماننے والے ہونگے۔

قرآن آپ ﷺ کا عظیم معجزہ ہے

جب معجزات کی بات ہوگی تو ہم آپ ﷺ کے سب سے بڑے معجزے کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے، جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی، جو کل بھی معجزہ تھا اور آج بھی معجزہ ہے

،دوسرے معجزات کو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا مگر اسے ہم دیکھ سکتے ہیں۔ہم نے شقِ قمر نہیں دیکھا، ہم نے درختوں کو سلام کرتے نہیں دیکھا، ہم نے ستونِ حنانہ کا گریہ نہیں سُنا، ہم نے کنکریوں کی تسبیح نہیں سُنی ، ہم نے انگلیوں سے چشمہ جاری ہوتے نہیں دیکھا، ہم نے گونگوں کو بولتے اور اندھوں کو بینا ہوتے نہیں دیکھا ،اگر چہ ہم ان تمام معجزات کو تسلیم کرتے ہیں مگر ان کا ہم نے مشاہدہ نہیں کیا، مگر اس معجزے کا مطالعہ اور مشاہدہ ہم دن رات کرتے ہیں یہ معجزہ ہر ملک ہر شہر، ہر بستی بلکہ اکثر گھروں میں بھی موجود ہے۔

یہ معجزہ قرآن حکیم ہے اس معجزے کا مقابلہ عام لوگ تو کیا کریں گے حقیقت میں دوسرے انبیاء کے معجزات بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے ،نوح علیہ السلام کی کشتی ،سلیمان علیہ السلام کا تخت، صالح علیہ السلام کی اونٹنی، موسیٰ علیہ السلام کا عصا، موسیٰ علیہ السلام کا یدِ بیضا، مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام کی زندگی، اور یوسف علیہ السلام کی قمیص ان میں سے کوئی چیز بھی قرآن کے مقابلے میں نہیں رکھی جاسکتی۔

قرآن حکیم اور ان معجزات میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ وہ معجزات عارضی اور فانی تھے، جبکہ قرآن دائمی اور ابدی معجزہ ہے، وجہ صاف ظاہر ہے وہ یہ کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے، نبوت کی صداقت کا شاہد ہوتا ہے اور دلیل اور شاہد کی صرف اس وقت تک ضرورت ہوتی ہے جب تک دعویٰ ہو، جب دعویٰ ہی باقی نہ رہے تو دلیل اور شاہد کی ضرورت باقی نہیں رہتی ،سابقہ انبیاء نے یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ ہماری نبوت دائمی ہے، ان کی نبوتیں ایک مخصوص وقت کے لئے اور مخصوص قوموں کے لئے ہوتی تھیں، اس لئے ان کے معجزات بھی عارضی اور وقتی تھے۔

لیکن سید الکونین رسول اللہ ﷺ کی نبوت دائمی ہے اس وقت تک کے لئے ہے جب تک زندگی کا سوز و ساز باقی ہے، اس لئے آپ کو معجزہ بھی ایسا عطا کیا گیا جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے، قرآن نے جیسے اپنے نزول کے زمانے کے انسانوں کو چیلنج کیا تھا، کہ اگر تمہیں میری صداقت میں کوئی شک ہے تو مثل بنا کے دکھادو۔

اسی طرح آج دنیا کے شرق وغرب کے تمام انسانوں کو بھی اس کا چیلنج ہے کہ اگر تمہیں میرے کلامِ ربانی ہونے میں شک ہے تو لاؤ میری چھوٹی سی چھوٹی سُورت کی مثل تیار کرکے۔

قرآن کا معجزہ ہونا رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت کی ایک مستقل دلیل ہے اگر آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی نے آنا ہوتا تو آپ ﷺ کو ایسا معجزہ نہ دیا جاتا جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے ، بلکہ دوسرے انبیاء کی طرح آپ ﷺ کو بھی ایسا معجزہ دیا جاتا جو آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے ساتھ ہی نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔

ایسا نہیں ہوا اس لئے نہیں ہوا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین تھے آپ کی نبوت کو ہمیشہ رہنا تھا تو رسولِ اکرم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی ایسے لوگ آسکتے تھے جو آپ کی نبوت اور صداقت کی نشانی مانگتے ،جیسا کہ ہر نبی سے اس کے زمانے کے لوگ نشانیاں مانگتے رہے ہیں اس لئے آپ کو نبوت کی ایک ایسی ابدی نشانی عطا کردی گئی جو ان لوگوں کا منہ بند کر سکے۔

قرآن اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے درمیان ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن علمی معجزہ ہے جبکہ وہ معجزات مادّی تھے ،اصل میں ان معجزات کے ظہور کا جو وقت تھا وہ انسان کے عہد طفولیت یا آغازِ شباب کا وقت ،سائنسی تحقیقات کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا اور قرآن جن زمانوں کے لئے نازل ہو رہا تھا ان زمانوں میں علمی اکتشافات ،سائنٹیفکٹ تحقیقات اور سائنسی ایجادات کا سلسلہ شروع ہونے والا تھا ،قرآن کو مستقبل کے چیلنجوں کا سامنا تھا قرآن کو نازل کرنے والا اللہ جانتا تھا کہ انسان علمی اعتبار سے دورِ شباب میں قدم رکھنے والا ہے ،وہ وقت آرہا ہے جب کائنات کا گوشہ گوشہ کھنگالا جائے گا ،ستاروں پر کمندیں ڈالی جائیں گی ،شمس وقمر کی تسخیر کی کوشش کی جائے گی ،معاشیات ،نفسیات ،سیاسیات اور اخلاقیات کے الگ الگ شعبے قائم ہوں گے اور ان پر ریسرچ ہوگی تو میرے آقا کو ایسا معجزہ عطا کیا ،جن میں ان سب علوم کے اصول موجود ہیں ،اسی لئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

فرماتے ہیں: مَن أرادَ التّعلیم فعلیهِ بِا لقرآنِ فإنَّ فیهِ خیرُ الأولینَ والآخرین. جو شخص علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس پر قرآن کا دامن تھامنا لازم ہے کیونکہ قرآن میں پہلوں اور بعد والوں سب کا علم موجود ہے۔

اور ابن ابی الفضل المرسیؒ فرماتے ہیں: جمعَ القرآنُ عُلومَ الأولین والآخرینَ بِحَیثُ لَم یُحطْ علماً حقیقةً اِلّا المُتکلِّمُ ثُمَّ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم. اسی قرآن نے اول سے آخر تک ابتداء سے انتہاء تک تمام علوم کو اس طرح اپنے اندر جمع کر لیا ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے۔ ان علوم کا نہ آج تک کوئی احاطہ کر سکا ہے نہ کر سکے گا۔

اور محقق ابن سراقہ کتاب الاعجاز میں لکھتے ہیں: ما مِن شیءٍ فِی العالِمِ اِلّا وھوَ فِی کتابِ اللهِ. کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کا ذکر قرآن میں موجود نہ ہو۔

تو علمی اور سائنسی دور کے اعتبار سے آپ ﷺ کو علوم ومعارف کا ایسا بے مثال انسائیکلو پیڈیا عطا کیا گیا جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے آپ دنیا کے کسی مفید علم وفن کی نشاندہی نہیں کر سکتے جن کی اصل قرآن میں موجود نہ ہو، اس میں علم تاریخ ہے، علم قصص ہے علم قرأت وتجوید ہے علمِ نحو ہے علم اصول اور علم کلام ہے علمِ تذکیر اور وعظ ہے علمِ میراث ہے علم معانی اور بیانی اور بدیع ہے، علم تصوف ہے، فلسفہ ہے بعض عُلماء نے تو قرآن سے سائنس، طبّ، ہیئت، ہندسہ، جدل اور جبر ومقابلہ تک کے اصول بھی اخذ کئے ہیں۔

علاوہ ازیں ایک تیسری بات بھی پیشِ نظر رکھیں وہ یہ کہ مختلف انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات عطا کئے گئے وہ ان کے دور کے ذوق اور حالات کے اعتبار سے دیئے گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا بڑا زور تھا جادوگر اپنے فن پر اتراتے پھرتے تھے اور عوام تو کیا خواص بھی ان سے بڑے متاثر تھے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا معجزہ دیا گیا جس نے جادوگروں کو سرِ عام شکست سے دوچار کیا، حضرت سُلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنّات کی ہیبت دلوں پر چھائی ہوئی تھی، اور وہ اپنی طاقت کے بل پر عجیب عجیب کرشمے دکھاتے

تھے اللہ تعالیٰ نے جنات کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا جو ان سے ہر طرح کی خدمت لیتے تھے اور وہ زر خرید غلاموں کی طرح ان کے حکموں کی بجا آوری میں مصروف رہتے تھے۔ اسی طرح ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا جس کے دوش پر سوار ہو کر وہ جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے، اور یہ ایک ایسا معجزہ تھا جس کی مثال پیش کرنے سے جن وانس عاجز تھے، حضرت عیسیٰ کے زمانے میں طبّ وحکمت کا بڑا چرچا تھا۔ حکماء اور اطباء ایسی ایسی دوائیں اور مرہمیں تیار کرتے تھے کہ عقل ان کی قوتِ تاثیر پر دنگ رہ جاتی تھی، پرانے پرانے مریض شفایاب ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں میں ایسی شفا رکھ دی کہ مادر زاد اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے تھے تو اس کی بینائی بحال ہو جاتی تھی۔ کوڑھی کے جسم پر ہاتھ پھیرتے تھے تو اس کا کوڑھ ختم ہو جاتا تھا، اور اس کی جلد خوبصورت ہو جاتی تھی۔ اپاہج کی ٹانگوں پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ چلنے لگتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرماتے تھے کہ میں جو کچھ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے کرتا ہوں یہ میرا کوئی ذاتی کارنامہ نہیں ہے۔ اور اس بات کی وضاحت اللہ کا ہر رسول کرتا رہا ہے عام لوگوں میں انبیاء کی نسبت یہ غلط عقیدہ پیدا ہو گیا تھا، کہ وہ براہ راست عالمِ کائنات کے تصرف پر قادر ہیں۔ چنانچہ موجودہ انجیل کے مصنفوں نے حضرت عیسیٰ کے معجزات کو جس طریقے سے پیش کیا ہے، اس نے عیسائیوں کے دلوں میں یقین پیدا کر دیا ہے کہ یہ تمام کائنات حضرت عیسیٰ کے قبضۂ قدرت میں تھی۔ اور وہ جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے، یہی بنیادی پتھر ہے جس پر انجیل کے مصنفوں نے دین کی دیوار کھڑی کی، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ توحید کی عمارت اس پر قائم نہ رہ سکی، قرآن مجید نے نہایت شدت اور نہایت اصرار سے یہ حقیقت واضح کی ہے، کہ معجزات اور نشانات پیغمبر کی قوت اور ارادہ سے نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور مشیت سے ظاہر ہوتے ہیں ۔فرمایا: قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ. (الانعام ع ۴)

ترجمہ: کہہ دے اے پیغمبر کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔ قُلْ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً. (انعام ع ۴) ترجمہ: کہہ دے اے پیغمبر کہ خدا کو قدرت ہے کہ وہ نشانی

اتارے۔سب سے زیادہ صاف اور صریح آیت یہ ہے۔ وما کانَ لِرَسولٍ اَنْ یأتِیَ بِاٰیۃٍ اِلّا بِاِذْنِ اللہ ۔(رعد ع ۶) ترجمہ: کسی رسول کی قدرت نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لائے۔

انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات جس عبارت اور لب ولہجہ میں بیان ہوئے ہیں۔ان کا صاف منشاء یہ ہے کہ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام کائنات کی بادشاہی سپرد کردی گئی تھی۔اس لئے وہ خاص اپنی قدرت سے جو چاہتے تھے کردیتے تھے۔لیکن قرآن مجید اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات کو بیان کردیا ہے، مگر اس کے ساتھ اس عقیدہ باطل کو بھی رد کرتا گیا ہے اور نہایت تصریح کے ساتھ یہ ظاہر کردیا ہے کہ یہ جو کچھ تھا، خدا کی قدرت سے تھا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اختیار سے نہیں چنانچہ خود عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے قرآن کہتا ہے۔

اَنّی قَدْ جِئْتُکُم بِاٰیَۃٍ مِنْ رَبِّکُم اَنِّی اَخْلُقُ لَکُم مِنَ الطِّینِ کَھَیْئَۃِ الطَّیرِ فَاَنْفُخُ فِیہِ فَیَکُونُ طَیراً بِاِذْنِ اللہ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللہ ۔(آل عمران) ترجمہ: میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں مٹی سے پرندہ کی صورت کا جانور بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں۔تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہوجاتا ہے اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا اور مُردے کو زندہ کرتا ہوں خدا کے حکم سے۔

بہرحال چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب اور حکمت کا بڑا شہرہ تھا اس لئے انہیں طب اور حکمت کی صورت میں ایسا معجزہ دیا گیا جس کی مثال لانے سے ان کے مخاطب قاصر تھے ظاہر ہے کہ وہ سر اور پیٹ کی بیماریوں کا علاج کرسکتے تھے، زخموں کو مرہم سے صحیح کرسکتے تھے، جوڑوں کے درد کی دوا دے سکتے تھے، مگر اندھوں کو بینا کرنا، کوڑھیوں کو تندرست کرنا اور اپاہجوں کو چلتا کردینا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

اسی طرح سرکارِ دوجہاں ﷺ کی ولادت جس خطے میں ہوئی اور جہاں آپ کو نبوت

سے نوازا گیا اس خطے کے باسیوں کو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس طریقے سے ہم مافی الضمیر کا اظہار کر سکتے ہیں دنیا کی کوئی دوسری قوم اس طریقے سے مافی الضمیر کا اظہار نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہ اپنے مقابلے میں ساری دنیا کو گونگا (عجمی) سمجھتے تھے کسی بھی قبیلے کا شاعر اور ادیب اس قبیلے کی جان ہوتا تھا اور ہر قبیلے کا فرد اس پر فخر کرتا تھا۔ حالت یہ تھی کہ اگر کوئی نامی گرامی شاعر کسی نادار کے گھر میں قدم رکھ لیتا تھا تو اس گھر کی اور گھر والوں کی قسمت بدل جاتی تھی تو چونکہ اہل عرب کو اپنی قادر الکلامی اور فصاحت و بلاغت پر بڑا غرور تھا اس لئے حضور ﷺ کو فصاحت و بلاغت کا ایسا شاہکار عطا کیا گیا جس کی مثال لانے سے ان کی زبانیں گنگ اور ان کی قلم اور دواتیں خشک ہو گئیں اور یہ صرف ماضی کی بات نہیں بلکہ آج بھی قرآن حکیم کی مثال لانے سے مشرق و مغرب اور شمال وجنوب میں رہنے والے سب عاجز ہیں اور حقیقت میں قرآن مجید ایک معجزہ نہیں بلکہ کئی معجزوں کا مجموعہ ہے اس کا اندازِ بیان معجزہ ہے، یہ جامعیت میں معجزہ ہے، یہ اثر آفرینی میں معجزہ ہے بلکہ جو خوش قسمت انسان قرآن میں ڈوب جاتا ہے اور قرآن کو اپنے قلب و دماغ اور سیرت و کردار میں سمو لیتا ہے اس کے اندر بھی اعجازی صفت پیدا ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم معجزہ کی قدر کرنے اور اس کے سارے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (بحوالہ جستہ جستہ از ندائے منبر ومحراب)

قرآن ایک زندہ اور قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے

اب ذیل میں ہم حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحبؒ کی مایہ ناز تفسیر معارف القرآن سے قرآن کریم کے اس عظیم معجزہ سے متعلق یہ شاندار مضمون پیش کر رہے ہیں، جس میں بڑے بہترین انداز میں اعجازِ قرآنی کی تشریح کی گئی ہے۔ چونکہ ہمارے موضوع کی مناسبت سے ہے، اس لئے افادہ عام کے لئے درج کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات صرف ان کی حیات تک معجزہ ہوتے، لیکن قرآن کا معجزہ بعد وفات رسولِ اکرم ﷺ بھی اسی طرح معجزہ کی حیثیت میں باقی ہے، آج بھی ایک ادنیٰ مسلمان ساری دنیا کے اہل علم ودانش کو للکار کر دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کی مثال نہ کوئی پہلے لا سکا نہ آج لا سکتا ہے، اور جن کو ہمت ہو پیش کر کے دکھلائے۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ مفسر جلالین نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں آپ ﷺ کے دو معجزوں کے متعلق بحوالۂ حدیث لکھا ہے کہ قیامت تک باقی ہیں، ایک قرآن کا معجزہ، دوسرے یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ سے حضرت ابوسعید خدری ؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ایامِ حج میں تینوں جمرات پر لاکھوں آدمی تین روز تک مسلسل کنکریاں پھینکتے ہیں پھر کوئی اُن کنکریوں کے ڈھیر کو یہاں سے اٹھاتا بھی نظر نہیں آتا، اور ایک مرتبہ پھینکی ہوئی کنکر کو دوبارہ استعمال کرنا بھی ممنوع ہے، اس لئے ہر حاجی اپنے لئے مزدلفہ سے کنکریاں نئی لے کر آتا ہے، اس کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ جمرات کے گرد ایک ہی سال میں ٹیلہ لگ جاتا، جس میں جمرات چھپ جاتے اور چند سال میں تو پہاڑ ہو جاتا، رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے کہ جس جس شخص کا حج قبول ہو اس کی کنکریاں اٹھالی جائیں، تو اب اس جگہ صرف اُن کم نصیبوں کی کنکریاں رہ جاتی ہیں جن کا حج قبول نہیں ہوا، اس لئے اس جگہ پڑی ہوئی کنکریاں بہت کم نظر آتی ہیں، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہاں پہاڑ کھڑا ہو گیا ہوتا، یہ روایت سننِ بیہقی میں موجود ہے۔

یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے ذریعہ رسولِ اکرم ﷺ کی سچائی کی تصدیق ہر سال اور ہر زمانے میں ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ حج میں لاکھوں آدمی ہر سال جمع ہو جاتے ہیں، اور ہر شخص ہر روز سات سات کنکریاں پھینکتا ہے، اور بعض جاہل تو بڑے بڑے پتھر پھینکتے ہیں، اور یہ بھی یقینی طور پر معلوم ہے کہ ان کنکریوں کو یہاں سے اٹھانے اور صاف کرنے کا حکومت یا کوئی جماعت بھی روزانہ انتظام نہیں کرتی، نہ اٹھائی جاتی ہیں، اور جیسا قدیم سے دستور چلا آتا ہے کہ اس جگہ سے کنکریاں اٹھائی ہی نہیں جاتیں، تو اگلے سال

اس کا دُوگنا اور تیسرے سال تگنا ہو جائے گا، پھر کیا شبہ ہے کہ چند سال میں یہ حصۂ زمین مع جمرات کے اُن کنکریوں میں چھپ جائے گا، اور بجائے جمرات کے ایک پہاڑ کھڑا نظر آئے مگر مشاہدہ اس کے خلاف ہے، اور یہ مشاہدہ ہر زمانے میں رسولِ اکرم ﷺ کی تصدیق اور آپؐ پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے، سُنا ہے کہ اب یہاں سے کنکریاں اٹھانے کا کچھ انتظام ہونے لگا ہے، مگر تیرہ سو برس تک کا عمل بھی اس مضمون کی تصدیق کے لئے کافی ہے ۔اسی طرح معجزۂ قرآن ایک زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ ہے جیسے رسولِ اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں اس کی نظیر یا مثال پیش نہیں کی جاسکی، آج بھی نہیں کی جاسکتی۔

اعجازِ قرآنی کی تشریح

اس اجمالی بیان کے بعد آپ کو یہ معلوم کرنا ہے کہ قرآن کریم کو کس بناء پر رسولِ اکرم ﷺ کا معجزہ قرار دیا گیا، اور اس کا اعجاز کن کن وجوہ سے ہے، اور کیوں ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہوگئی۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ چودہ سو برس کے عرصہ میں قرآن کی زبردست تحدّی (چیلنج) کے باوجود کوئی اس کی یا اس کے کسی ٹکڑے کی مثال پیش نہیں کرسکا، یہ تاریخی حیثیت سے کیا وزن رکھتا ہے، یہ دونوں باتیں طویل الذکر اور تفصیل کی طالب ہیں۔

وجوہِ اعجازِ قرآنی

پہلی بات کہ قرآن کو معجزہ کیوں کہا گیا؟ اور وہ کیا وجوہ ہیں جن کے سبب ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے، اس پر قدیم وجدید علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں ،اور ہر مفسر نے اپنے اپنے طرز میں اس مضمون کو بیان کیا ہے، ہم اختصار کے ساتھ چند باتیں عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

اس جگہ سب سے پہلے غور کرنے کی چیز ہے کہ یہ عجیب وغریب کُل علوم کی جامع کتاب، کس جگہ، کس ماحول میں، اور کس پر نازل ہوئی؟ اور کیا وہاں کچھ ایسے علمی سامان

موجود تھے، جن کے ذریعہ دائرہ اسباب میں ایسی جامع بے نظیر کتاب تیار ہو سکے، جو علوم اوّلین و آخرین کی جامع، اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق بہترین ہدایت پیش کر سکے، جس میں انسان کی جسمانی اور روحانی تربیت کا مکمل نظام ہو، اور تدبیر منزل سے لے کر سیاست ممالک تک ہر نظام کے بہترین اصول ہوں۔

جس سرزمین اور جس ذات پر یہ کتاب مقدس نازل ہوئی اس کی جغرافیائی کیفیت اور تاریخی حالت معلوم کرنے کے لئے آپ کو ایک ریگستانی خشک اور گرم علاقہ سے سابقہ پڑے گا جس کو بطحاء مکہ کہتے ہیں اور جو نہ زرعی ملک ہے نہ صنعتی، نہ اس ملک کی آب و ہوا ہی کچھ ایسی خوشگوار ہے جس کے لئے باہر کے آدمی وہاں پہنچنے کی رغبت کریں، نہ راستے ہی کچھ ہموار ہیں جن سے وہاں پہنچنا آسان ہو، اکثر دنیا سے کٹا ہوا ایک جزیرہ نما ہے، جہاں خشک پہاڑوں اور گرم ریگ کے سوا کچھ نہیں نظر آتا، اور دور تک نہ کہیں بستی نظر آتی ہے نہ کوئی کھیت نہ کوئی درخت۔

اس پورے خطۂ ملک میں کچھ بڑے شہر بھی نہیں، چھوٹے چھوٹے گاؤں اور ان میں اونٹ بکریاں پال کر اپنی زندگی گزارنے والے انسان بستے ہیں، اس کے چھوٹے دیہات کا تو دیکھنا کیا، جو برائے نام چند شہر کہلاتے ہیں، ان میں بھی کسی قسم کے علم و تعلیم کا کوئی چرچا نہیں، نہ وہاں کوئی اسکول اور کالج ہے نہ کوئی بڑی یونیورسٹی یا دارالعلوم، وہاں کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے محض قدرتی اور پیدائشی طور پر فصاحت و بلاغت کا ایک فن ضرور دے دیا ہے، جس میں وہ ساری دنیا سے فائق اور ممتاز ہیں، وہ نثر اور نظم میں ایسے قادر الکلام ہیں کہ جب بولتے ہیں تو رعد کی طرح کڑکتے اور بادل کی طرح برستے ہیں، ان کی ادنیٰ ادنیٰ چھوکریاں ایسے فصیح و بلیغ شعر کہتی ہیں کہ دنیا کے ادیب حیران رہ جائیں۔

لیکن یہ سب کچھ اُن کا فطری فن ہے، جو کسی مکتب یا مدرسہ میں حاصل نہیں کیا جاتا، غرض نہ وہاں تعلیم و تعلّم کا کوئی سامان ہے، نہ وہاں کے رہنے والوں کو اُن چیزوں سے کوئی لگاؤ یا دلبستگی ہے، اُن میں کچھ لوگ شہری زندگی بسر کرنے والے ہیں تو وہ تجارت پیشہ ہیں،

مختلف اجناس، مال کی درآمد برآمد ان کا مشغلہ ہے۔

اس ملک کے قدیم شہر مکہ کے ایک شریف گھرانہ میں وہ ذات مقدس پیدا ہوتی ہے جو مہبطِ وحی ہے، جس پر قرآن اترا ہے، اب اُس ذاتِ مقدس کا حال پڑھیئے:

ولادت سے پہلے ہی والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، پیدا ہونے سے پہلے یتیم ہو گئے، ابھی سات سال بھی عمر نہ تھی کہ والدہ کی بھی وفات ہوگئی، آغوشِ مادر کا گہوارہ بھی نصیب نہ رہا، شریف آباء واجداد کی فیاضی اور بے مثل سخاوت نے اپنے گھر میں کوئی اندوختہ نہ چھوڑا تھا، جس سے یتیم کی پرورش اور آئندہ زندگی کا سامان ہو سکے، نہایت عُسرت کی زندگی پھر ماں باپ کا سایہ سر پر نہیں، ان حالات میں رسولِ اکرم ﷺ نے پرورش پائی، اور عمر کا ابتدائی حصہ گزارا جو تعلیم و تعلّم کا اصلی وقت ہے، اس وقت اگر مکہ میں کوئی دارالعلوم یا اسکول و کالج بھی ہوتا تو بھی آپ ﷺ کے لئے اس سے استفادہ مشکل تھا، مگر معلوم ہو چکا کہ وہاں سرے سے یہ علمی مشغلہ اور اس سے دلچسپی ہی کسی کو نہ تھی، اسی لئے یہ پوری قوم عرب امیّین کہلاتے تھے، قرآن کریم نے بھی اُن کے متعلق یہ لفظ استعمال کیا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ آپ ﷺ ہر قسم کی تعلیم و تعلّم سے بے خبر رہے، وہاں کوئی بڑا عالم بھی ایسا نہ تھا جس کی صحبت میں رہ کر یہ علوم حاصل کئے جا سکیں، جن کا قرآن حامل ہے، پھر قدرت کو تو ایک فوق العادۃ معجزہ دکھلانا تھا، آپ ﷺ کے لئے خصوصی طور پر ایسے سامان ہوئے معمولی نوشت و خواند جو ہر جگہ کے لوگ کسی نہ کسی طرح سیکھ ہی لیتے ہیں آپ نے وہ بھی نہ سیکھی، بالکل امی محض رہے، کہ اپنا نام تک بھی نہ لکھ سکتے تھے، عرب کا مخصوص فن شعر و سخن تھا، جس کے لئے خاص خاص اجتماعات کئے جاتے اور مشاعرے منعقد ہوتے، اور اس میں ہر شخص مسابقت کی کوشش کرتا تھا، آپ کو حق تعالیٰ نے ایسی فطرت عطا فرمائی تھی کہ ان چیزوں سے بھی دلچسپی نہ لی، نہ کبھی کوئی شعر یا قصیدہ لکھا، نہ کسی ایسی مجلس میں شریک ہوئے۔

ہاں اُمی محض ہونے کے ساتھ بچپن سے ہی آپ ﷺ کی شرافتِ نفس، اخلاق فاضلہ، فہم و فراست کے غیر معمولی آثار، دیانت و امانت کے اعلیٰ ترین شاہکار آپ کی ذاتِ مقدس

میں ہر وقت مشاہدہ کئے جاتے تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب کے بڑے بڑے مغرور و متکبر سردار آپ ﷺ کی تعظیم کرتے تھے، اور سارے مکہ میں آپ ﷺ کو امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ یہ امی محض چالیس سال تک مکہ میں اپنی برادری کے سامنے رہتے ہیں، کسی دوسرے ملک کا سفر بھی نہیں کرتے، جس سے یہ خیال پیدا ہو سکے کہ وہاں جا کر علوم حاصل کئے ہونگے، صرف ملکِ شام کے دو تجارتی سفر ہوئے وہ بھی گنے چنے چند دن کے لئے جس میں اس کا کوئی امکان نہیں۔

اس امی محض ذاتِ مقدس کی زندگی کے چالیس سال مکہ میں اپنی برادری میں اس طرح گزرے کہ نہ کبھی کسی کتاب یا قلم کو ہاتھ لگایا، نہ کسی مکتب میں گئے، نہ کسی مجلس میں کوئی نظم و قصیدہ ہی پڑھا، ٹھیک چالیس سال کے بعد اُن کی زبان پر وہ کلام آنے لگا جس کا نام قرآن ہے جو اپنی لفظی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اور معنوی علوم و فنون کے لحاظ سے محیر العقول کلام ہے، اگر صرف اتنا ہی ہوتا تو بھی اس کا معجزہ ہونے میں کسی انصاف پسند کو کیا شبہ رہ سکتا ہے، مگر یہاں یہی نہیں بلکہ اس نے ساری دنیا کو تحدّی کی چیلنج دیا کہ کسی کو اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں شبہ ہو تو اس کا مثل بنا لائے۔ اب ایک طرف قرآن کی یہ تحدّی اور دوسری طرف ساری دنیا کی مخالف طاقتیں جو اسلام اور پیغمبر اسلام کو شکست دینے کے لئے اپنی مال جان، اولاد، آبرو سب گنوانے کو تیار ہیں، مگر اتنا کرنے کے لئے کوئی جرأت نہیں کرتا، کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کی مثال بنا لائے، فرض کر لیجئے کہ یہ کتاب بے مثال بے نظیر بھی نہ ہوتی، جب بھی ایک اُمی محض کی زبان سے اس کا ظہور اعجاز قرآن اور وجوہِ اعجاز کی تفصیل میں جائے بغیر بھی قرآن کریم کے معجزہ ہونے کے لئے کم نہیں جس کو ہر عالم و جاہل سمجھ سکتا ہے۔

اعجاز قرآن کی دوسری وجہ

اب اعجاز قرآن کی دوسری وجہ دیکھئے، یہ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن اور اس کے احکام

ساری دنیا کے لیۓ آئے ،لیکن اس کے بلاواسطہ اور پہلے مخاطب عرب تھے ،جن کو اور کوئی علم وفن آتا تھا یا نہیں مگر فصاحت وبلاغت ان کا فطری ،ہنر اور پیدائشی وصف تھا ،جس میں وہ اقوامِ دنیا سے ممتاز سمجھے جاتے تھے ،قرآن اُن کو مخاطب کر کے چیلنج کرتا ہے کہ اگر تمہیں میرے کلامِ الٰہی ہونے میں کوئی شبہ ہے تو تم میری ایک سورت کی مثال بنا کر دکھلا دو ،اگر قرآن کی یہ تحدّی (چیلنج) صرف اپنے حسن معنوی یعنی حکیمانہ اصول اور علمی معارف واسرار ہی کی حد تک ہوتی تو قومِ امیّین کے لئے اس کی نظیر پیش کرنے سے عذر معقول ہوتا لیکن قرآن نے صرف حسنِ معنوی ہی کے متعلق تحدّی نہیں کی ،بلکہ لفظی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے بھی پوری دنیا کو چیلنج دیا ہے ،اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے اقوامِ عالم میں سب سے زیادہ مستحق عرب ہی تھے ،اگر فی الواقع یہ کلام قدرتِ بشر سے باہر کسی مافوق قدرت کا کلام نہیں تھا تو بلغاء عرب کے لئے کیا مشکل تھا کہ ایک امی شخص کے کلام کی مثال بلکہ اس سے بہتر کلام فوراً پیش کر دیتے ،اور ایک دو آدمی یہ کام نہ کر سکتے تو قرآن نے ان کو یہ سہولت بھی دی تھی کہ ساری قوم مل کر بنا لائے ،مگر قرآن کے اس بلند بانگ دعوے اور پھر طرح طرح سے غیرت دلانے پر بھی عرب کی غیور قوم پوری کی پوری خاموش ہے ،چند سطریں بھی مقابلہ پر نہیں پیش کرتی۔

عرب کے سرداروں نے قرآن اور اسلام کے مٹانے اور پیغمبر اسلام ﷺ کو مغلوب کرنے میں جس طرح اپنی ایڑھی چوٹی کا زور لگایا ،وہ کسی پڑھے لکھے آدمی سے مخفی نہیں ،شروع میں رسولِ اکرم ﷺ اور آپؐ کے گنے چنے رفقاء کو طرح طرح کی ایذائیں دے کر چاہا کہ وہ کلمۂ اسلام کو چھوڑ دیں ،مگر جب دیکھا کہ ''یاں وہ نشہ نہیں جسے تُرشی اتار دے۔'' تو خوشامد کا پہلو اختیار کیا عرب کا سردار عتبہ ابن ربیعہ قوم کا نمائندہ بن کر آپؐ کے پاس حاضر ہوا ،اور عرب کی پوری دولت وحکومت اور بہترین حسن وجمال کی لڑکیوں کی پیشکش اس کام کے لئے کی کہ آپ اسلام کی تبلیغ چھوڑ دیں ،آپ نے اس کے جواب میں قرآن کی چند آیتیں سنا دینے پر اکتفا فرمایا ،جب یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو جنگ ومقابلہ کے لئے تیار

ہو کر قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت جو قریشِ عرب نے رسولِ اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں سر دھڑ کی بازی لگائی، جان، مال، اولاد، آبرو، سب کچھ اس مقابلہ میں خرچ کرنے کے لئے تیار ہوئے، یہ سب کچھ کیا، مگر یہ سب کچھ کسی سے نہ ہو سکا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کرتا، اور چند سطریں مقابلہ پر پیش کر دیتا، کیا ان حالات میں سارے عرب کا اس کے مقابلہ سے سکوت اور عجز اس کی کھلی ہوئی شہادت نہیں کہ انسان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کلام ہے، جس کے کام یا کلام کی نظیر انسان کیا ساری مخلوق کی قدرت سے باہر ہے۔

پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ عرب نے اس کے مقابلہ سے سکوت کیا، بلکہ اپنی خاص مجلسوں میں سب نے اس کے بے مثل ہونے کا اعتراف کیا، اور جو ان میں سے منصف مزاج تھے انہوں نے اس اعتراف کا اظہار بھی کیا، پھر اُن میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے، اور کچھ اپنی آبائی رسوم کی پابندی یا بنی عبد مناف کی ضد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے باوجود اعتراف سے محروم رہے، قریشِ عرب کی تاریخ ان واقعات پر شاہد ہے۔

ہم اس میں سے چند واقعات اس جگہ بیان کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہو سکے کہ پورے عرب نے اس کلام کے بے مثل، بے نظیر ہونے کو تسلیم کیا، اور اس کی مثال پیش کرنے کو اپنی رسوائی کے خیال سے چھوڑ دیا، جب رسولِ اکرم ﷺ اور قرآن مجید کا چرچا مکہ سے باہر حجاز کے دوسرے مقامات میں ہونے لگا، اور حج کا موسم آیا تو قریشِ مکہ کو اس کی فکر ہوئی کہ اب اطراف عرب سے حجاج آئیں گے، اور رسولِ اکرم ﷺ کا یہ کلام سنیں گے، تو فریفتہ ہو جائیں گے، اور غالب خیال یہ ہے کہ مسلمان ہو جائیں گے، اس کے انسداد کی تدبیر سوچنے کے لئے قریش نے ایک اجلاس منعقد کیا، اس اجلاس میں عرب کے بڑے بڑے سردار موجود تھے، اُن میں ولید بن مغیرہ عمر میں سب سے بڑے اور عقل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، سب نے ولید بن مغیرہ کو یہ مشکل پیش کی کہ اب اطرافِ ملک سے لوگ آئیں گے، اور ہم سے محمد (ﷺ) کے متعلق پوچھیں گے تو ہم کیا کہیں؟ ہمیں آپ کوئی ایسی بات بتلایئے کہ ہم سب وہی بات کہہ دیں، ایسا نہ ہو کہ خود ہمارے بیانات میں اختلاف ہو جائے، ولید بن

مغیرہ نے کہا کہ تم ہی کہو کیا کہنا چاہئے؟

لوگوں نے کہا ہمارے خیال میں ہم سب یہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) معاذ اللہ مجنون ہیں، اُن کا کلام مجنونانہ بڑ ہے، ولید بن مغیرہ نے کہا کہ تم ایسا ہرگز نہ کہنا، کیونکہ یہ لوگ جب اُن کے پاس جائیں گے، اور اُن سے ملاقات وگفتگو کریں گے، اور ان کو ایک فصیح و بلیغ عاقل انسان پائیں گے تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے، پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ اچھا ہم ان کو یہ کہیں کہ وہ ایک شاعر ہیں، ولید نے اس سے بھی منع کیا، اور کہا کہ جب یہ لوگ ان کا کلام سنیں گے وہ تو شعر و شاعری کے ماہر ہیں، انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ شعر نہیں اور نہ آپ ﷺ شاعر ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ سب لوگ تمہیں جھوٹا سمجھیں گے، پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ تو پھر ہم ان کو کاہن قرار دیں، جو شیاطین وجنات سے سن کر غیب کی خبریں دیا کرتے ہیں، ولید نے کہا یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جب لوگ اُن کا کلام سُنیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ یہ کلام کاہن کا نہیں ہے، وہ پھر بھی تمہیں ہی جھوٹا سمجھیں گے، اس کے بعد قرآن کے بارے میں جو ولید بن مغیرہ کے تاثرات تھے اُن کو ان الفاظ میں بیان کیا:

”خدا کی قسم! تم میں کوئی آدمی شعر و شاعری اور اشعارِ عرب سے میرے برابر واقف نہیں، خدا کی قسم! اس کلام میں خاص حلاوت ہے، اور ایک خاص رونق ہے، جو میں کسی شاعر یا فصیح و بلیغ کے کلام میں نہیں پاتا۔“ پھر اُن کی قوم نے دریافت کیا کہ آپ ہی بتلایئے پھر ہم کیا کریں؟ اور اُن کے بارے میں لوگوں سے کیا کہیں؟ ولید نے کہا میں غور کرنے کے بعد کچھ جواب دوں گا، پھر بہت سوچنے کے بعد کہا کہ اگر کچھ کہنا ہی ہے تو تم ان کو ساحر کہو، کہ اپنے جادو سے باپ بیٹے اور میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں۔ قوم اس پر مطمئن اور متفق ہوگئی، اور سب سے یہی کہنا شروع کیا، مگر خدا کا چراغ کہیں پھونکوں سے بجھنے والا تھا؟ اطرافِ عرب کے لوگ آئے قرآن سُنا اور بہت سے مسلمان ہوگئے، اور اطرافِ عرب میں اسلام پھیل گیا۔ (بحوالہ خصائص کبریٰ)

اسی طرح ایک قریشی سردار نضر بن حارث نے ایک مرتبہ اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا

"اے قومِ قریش! آج تم ایک مصیبت میں گرفتار ہو کہ اس سے پہلے کبھی ایسی مصیبت سے سابقہ نہیں پڑا تھا کہ محمد (ﷺ) تمہاری قوم کے ایک نوجوان تھے، اور تُم سب ان کے عادات واخلاق کے گرویدہ اور اپنی قوم میں سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانت دار جانتے اور کہتے تھے، اور جب ان کے سر میں سفید بال آنے لگے، اور انہوں نے ایک بے مثال کلام اللہ کی طرف سے پیش کیا تو تم ان کو جادوگر کہنے لگے، خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں، ہم نے جادو گروں کو دیکھا اور برتا ہے، اُن کے کلام سُنے ہیں، اور طریقوں کو سمجھا ہے، وہ بالکل اس سے مختلف ہیں۔ اور کبھی تم ان کو کاہن کہنے لگے، خدا کی قسم! وہ کاہن بھی نہیں، ہم نے بہت کاہنوں کو دیکھا اور اُن کے کلام سنے ہیں، ان کو ان کے کلام سے کوئی مناسبت نہیں۔ اور کبھی تم ان کو شاعر کہنے لگے، خدا کی قسم! وہ شاعر بھی نہیں، ہم نے خود شعر، شاعری کے تمام فنون کو سیکھا سمجھا ہے، اور بڑے بڑے شعراء کے کلام ہمیں یاد ہیں، ان کے کلام سے اُس کو کوئی مناسبت نہیں، پھر کبھی تم ان کو مجنون بتاتے ہو، خدا کی قسم! وہ مجنون بھی نہیں ہم نے بہت سے مجنونوں کو دیکھا بھالا، ان کی بکواس سُنی ہے، اُن کے مختلف اور مختلط کلام سُنے ہیں، یہاں یہ کچھ نہیں، اے میری قوم تم انصاف کے ساتھ اُن کے معاملہ میں غور کرو، یہ سرسری ٹلا دینے کی چیز نہیں۔ (خصائص کبریٰ ج ۱)

حضرت ابوذر صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میرا بھائی اُنیس ایک مرتبہ مکہ معظمہ گیا، اس نے واپس آ کر مجھے بتلایا کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے، میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ بھائی نے کہا کہ کوئی ان کو شاعر کہتا ہے، کوئی کاہن بتلاتا ہے، کوئی جادوگر کہتا ہے، میرا بھائی اُنیس خود بڑا شاعر اور کہانت وغیرہ سے واقف آدمی تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ جہاں تک میں نے غور کیا لوگوں کی یہ سب باتیں غلط ہیں، اُن کا کلام نہ شعر ہے نہ کہانت ہے، نہ مجنونانہ کلمات ہیں، بلکہ مجھے وہ کلامِ صادق نظر آتا ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بھائی سے یہ کلمات سن کر میں نے مکہ کا سفر کیا، اور مسجد حرام میں آ کر پڑ گیا تیس روز میں نے اس طرح گزارے کہ سوائے

زمزم کے پانی کے میرے پیٹ میں کچھ نہیں گیا، اس تمام عرصہ میں نہ مجھے بھوک کی تکلیف معلوم ہوئی نہ کوئی ضعف محسوس کیا۔ (خصائص، ج ۱)

واپس گئے تو لوگوں نے کہا کہ میں نے روم اور فارس کے فصحاء و بلغاء کے کلام بہت سنے ہیں، اور کاہنوں کے کلمات اور حمیرؑ کے مقالات بہت سنے ہیں، محمد (ﷺ) کے کلام کی مثال میں نے آج تک کہیں نہیں سُنی، تم سب میری بات مانو، اور آپ کا اتباع کرو، چنانچہ فتح مکہ کے سال میں اُن کی پوری قوم کے تقریباً ایک ہزار آدمی مکہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے (خصائص)

اسلام اور رسولِ اکرم ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل اور اخنس بن شریق وغیرہ بھی لوگوں سے چھپ کر قرآن سُنا کرتے، اور اس کے عجیب و غریب، بے مثل و بے نظیر اثرات سے متاثر ہوتے تھے، مگر قوم کے کچھ لوگوں نے ان کو کہا کہ جب تم اس کے کلام کو ایسا بے نظیر پاتے ہو تو اس کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ تو ابوجہل کا جواب یہ تھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ بنی عبد مناف میں اور ہمارے قبیلہ میں ہمیشہ سے رقابت اور معاصرانہ مقابلہ چلتا رہتا ہے، وہ جس کام میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں ہم بھی اس کا جواب دیتے ہیں، اب جبکہ ہم اور وہ دونوں برابر حیثیت کے مالک ہیں تو اب وہ یہ کہنے لگے کہ ہم میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے اب ہم اس میں کیسے اُن کا مقابلہ کریں، میں تو کبھی اس کا اقرار نہ کروں گا۔ (خصائص کبریٰ)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن کے اس دعوے اور چیلنج پر صرف یہی نہیں کہ پورے عرب نے ہار مان لی اور سکوت کیا، بلکہ اس کے بے مثل و بے نظیر ہونے اور اپنے عجز کا کھلے طور پر اعتراف بھی کیا ہے، اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس کی کوئی وجہ نہ ہوتی کہ سارا عرب بلکہ ساری دنیا اس کا مثل لانے سے عاجز ہو جاتی۔

قرآن اور پیغمبر قرآن کے مقابلہ میں جان و مال، اولاد آبرو سب کچھ قربان کرنے کے لئے تو تیار ہو گئے، مگر اس کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کر کے دو سطریں اس کے مقابلہ میں پیش کر دیتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اپنے جاہلانہ اعمال

وافعال کے باجود منصف مزاج تھے، جھوٹ کے پاس نہ جاتے تھے، جب انہوں نے قرآن کوسُن کر یہ سمجھ لیا کہ جب درحقیقت اس کلام کی مثل ہم نہیں لاسکتے تو محض دھاندلی اور کٹھ حجتی کے طور پر کوئی کلام پیش کرنا اپنے لئے عار سمجھا، کیونکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہم نے کوئی چیز پیش بھی کردی تو پورے عرب کے فصحاء و بلغاء اس امتحانی مقابلہ میں ہمیں فیل کردیں گے ،اور خواہ مخواہ رسوائی ہوگی ،اسی لئے پوری قوم نے سکوت اختیار کرلیا ،اور جو زیادہ منصف مزاج تھے انہوں نے صاف طور پر اقرار و تسلیم بھی کیا جسکے کچھ وقائع پہلے بیان ہوچکے ہیں۔

اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ عرب کے سردار سعد بن زرارہ نے رسولِ اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے اقرار کیا کہ: ''ہم نے خواہ مخواہ محمد (ﷺ) کی مخالفت کرکے اپنے رشتے ناتے توڑے ،اور تعلقات خراب کئے ،میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں ،ہرگز جھوٹے نہیں ،اور جو کلام وہ لائے ہیں بشر کا کلام نہیں ہوسکتا۔ (خصائص کبریٰ ،ج۱)

قبیلہ بنی سلیم کا ایک شخص مسمّٰی قیس بن نسیبہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ،آپ سے قرآن سنا ،اور چند سوالات کئے ،جن کا جواب رسولِ اکرم ﷺ نے عطا فرمایا تو اُسی وقت مسلمان ہوگئے ،اور پھر اپنی قوم میں واپس گئے ،تو لوگوں سے کہا: ''میں نے روم و فارس کے فصحاء و بلغاء کے کلام سُنے ہیں ،بہت سے کاہنوں کے کلمات سُننے کا تجربہ ہوا ہے حمیرؔ کے مقالات سنتا رہا ہوں ،مگر محمد ﷺ کی کلام کی مثل میں نے آج تک کہیں نہیں سُنا ،تم سب میری بات مانو اور ان کا اتباع کرو۔'' انہیں کی تحریک و تلقین پر ان کی قوم کے ایک ہزار آدمی فتح مکہ کے موقع پر رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرّف باسلام ہوگئے۔'' (خصائص ،ج۱)

یہ اقرار و تسلیم صرف ایسے ہی لوگوں سے منقول نہیں جو آپ ﷺ کے معاملات سے یکسو اور غیر جاندار تھے ،بلکہ وہ لوگ جو ہر وقت ہر طرح رسولِ اکرم ﷺ کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے قرآن کے متعلق ان کا بھی یہی حال تھا ،مگر اپنی ضد اور حسد کی وجہ سے اس کا اظہار لوگوں پر نہ کرتے تھے۔

علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں بحوالۂ بیہقی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابو جہل اور ابوسفیان اور اخنس بن شُریق رات کو اپنے اپنے گھروں سے اس لئے نکلے کہ چھپ کر رسولِ اکرم ﷺ سے قرآن سنیں، ان میں ہر ایک علیحدہ علیحدہ نکلا، ایک کی دوسرے کو خبر نہ تھی، اور علیحدہ علیحدہ گوشوں میں چھپ کر قرآن سننے لگے، تو اس میں ایسے محو ہوئے کہ ساری رات گزر گئی، جب صبح ہوگئی تو سب واپس ہوئے، اتفاقاً راستہ میں مل گئے، اور ہر ایک نے دوسرے کا قصہ سنا، تو سب آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، کہ تم نے یہ بری حرکت کی، اور کسی نے یہ بھی کہا کہ آئندہ کوئی ایسا نہ کرے، کیونکہ اگر عرب کے عوام کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔

یہ کہہ سن کر اپنے اپنے گھر چلے گئے، اگلی رات آئی تو پھر اُن میں سے ہر ایک کے دل میں یہی ٹیس اٹھی کہ قرآن سُنیں، اور پھر اسی طرح چھپ چھپ کر ہر ایک نے قرآن سُنا، یہاں تک کہ رات گزر گئی، اور صبح ہوتے ہی یہ لوگ واپس ہوئے، تو پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، اور اس کے ترک پر سب نے اتفاق کیا، مگر تیسری رات آئی تو پھر قرآن کی لذت وحلاوت نے انہیں چلنے اور سننے پر مجبور کر دیا، پھر پہنچے اور رات بھر قرآن سن کر لوٹنے لگے، تو پھر راستہ میں اجتماع ہوگیا، تو اب سب نے کہا کہ آؤ آپس میں معاہدہ کرلیں کہ آئندہ ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے، چنانچہ اس معاہدہ کی تکمیل کی گئی، اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، صبح کو اخنس بن شُریق نے اپنی لاٹھی اٹھائی، اور پہلے ابوسفیان کے پاس پہنچا، کہ بتلاؤ اس کلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اُس نے دبے دبے لفظوں میں قرآن کی حقانیت کا اعتراف کیا، تو اخنس نے کہا کہ بخدا میری بھی یہی رائے ہے، اس کے بعد وہ ابو جہل کے پاس پہنچا، اور اُس سے بھی یہی سوال کیا کہ تم نے محمد ﷺ کے کلام کو کیسا پایا؟

ابو جہل نے کہا کہ صاف بات یہ ہے کہ ہمارے خاندان اور بنو عبد مناف کے خاندان میں ہمیشہ سے چشمک چلی آتی ہے، قوم کی سیادت وقیادت میں وہ جس محاذ پر آگے

بڑھنا چاہتے ہیں ہم ان کا مقابلہ کرتے ہیں، انہوں نے سخاوت و بخشش کے ذریعہ قوم پر اپنا اثر جمانا چاہا تو ہم نے اُن سے بڑھ کر یہ کام کر دکھایا، انہوں نے لوگوں کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں تو ہم اس میدان میں بھی ان سے پیچھے نہیں رہے، یہاں تک کہ پورا عرب جانتا ہے کہ ہم دونوں خاندان برابر حیثیت کے مالک ہیں۔ ان حالات میں اُن کے خاندان سے یہ آواز اُٹھی کہ ہمارے میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے، اب ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ ہم کیسے کریں، اس لئے ہم نے تو یہ طے کر لیا ہے کہ ہم زور اور طاقت سے اُن کا مقابلہ کریں گے، اور ہرگز ان پر ایمان نہ لائیں گے۔ (خصائص، ج ۱)

یہ ہے قرآن کا وہ کھلا ہوا معجزہ جس کا دشمنوں کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے، یہ تمام واقعات علاّمہ جلال الدین سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں نقل کئے ہیں۔

اعجازِ قرآن کی تیسری وجہ

تیسری وجہ اعجاز قرآنی کی یہ ہے کہ اس میں غیب کی اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کی بہت سی خبریں ہیں جو قرآن نے دیں، اور ہو بہو اسی طرح واقعات پیش آئے جس طرح قرآن نے خبر دی تھی، مثلاً قرآن نے خبر دی کہ روم و فارس کے مقابلہ میں ابتداء اہل فارس غالب آئیں گے اور رومی مغلوب ہوں گے، لیکن ساتھ ہی یہ خبر دی کہ دس سال گزرنے نہ پائیں گے کہ پھر روم اہل فارس پر غالب آجائیں گے، مکہ کے سرداروں نے قرآن کی اس خبر پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہار جیت کی شرط کر لی اور پھر ٹھیک قرآن کی خبر کے مطابق رومی غالب آگئے تو سب کو اپنی ہار ماننا پڑی، اور ہارنے والے پر جو مال دینے کی شرط کی تھی، وہ مال ان کو دینا پڑا، رسولِ اکرم ﷺ نے اس مال کو قبول نہیں فرمایا، کیونکہ وہ ایک قسم کا جُوا تھا، اسی طرح اور بہت سے واقعات اور خبریں ہیں جو امورِ غیبیہ کے متعلق قرآن میں دی گئیں اور ان کی سچائی بالکل روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی۔

اعجازِ قرآن کی چوتھی وجہ

چوتھی وجہ اعجاز قرآنی کی یہ ہے کہ اس میں پچھلی امتوں اور ان کی شرائع اور تاریخی حالات کا ایسا صاف تذکرہ ہے کہ اُس زمانے کے بڑے بڑے علماء یہود ونصاریٰ جو پچھلی کتابوں کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ان کو بھی اتنی معلومات نہ تھیں، اور رسول اکرم ﷺ نے تو کبھی نہ کسی مکتب میں قدم رکھا نہ کسی عالم کی صحبت اٹھائی، نہ کسی کتاب کو ہاتھ لگایا، پھر یہ ابتدائے دنیا سے آپ ﷺ کے زمانہ تک تمام اقوامِ عالَم کے تاریخی حالات اور نہایت صحیح اور سچے سوانح اور ان کی شریعتوں کی تفصیلات کا بیان ظاہر ہے، کہ بجز اس کے نہیں ہوسکتا کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو یہ خبر دی ہوں۔

اعجازِ قرآن کی پانچویں وجہ

یہ ہے کہ اس کی متعدد روایات میں لوگوں کے دل کی چھپی ہوئی باتوں کی اطلاع دی گئی اور پھر اُن کے اقرار سے ثابت ہوگیا کہ وہ بات صحیح اور سچی تھی، یہ کام بھی عالم الغیب والشہادۃ ہی کرسکتا ہے، کسی بشر سے عادۃً ممکن نہیں، مثلاً ارشاد قرآنی ہے: اِذْ هَمَّتْ طَآئِفَتٰنِ مِنكُم اَنْ تَفْشَلَا "جب تمہاری دو جماعتوں نے دل میں ارادہ کیا کہ پسپا ہوجائیں" اور یہ ارشاد ہے کہ: يَقُولُونَ فِي اَنفُسِهِم لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُولُ "وہ لوگ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔" یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کو انہوں نے کسی سے ظاہر نہیں کیا، قرآن کریم نے ہی ان کا انکشاف کیا ہے۔

اعجازِ قرآن کی چھٹی وجہ

چھٹی وجہ اعجاز قرآنی کی، وہ آیات ہیں جن میں قرآن نے کسی قوم یا فرد کے متعلق یہ پیشنگوئی کی کہ وہ فلاں کام نہ کرسکیں گے، اور پھر وہ لوگ بوجود ظاہری قدرت کے اس کام کو نہ کرسکے، جیسے یہود کے متعلق قرآن نے اعلان کیا کہ اگر وہ فی الواقع اپنے آپ کو اللہ کے

دوست اور ولی سمجھتے ہیں تو انہیں اللہ کے پاس جانے سے محبت ہونا چاہئے، وہ ذرا موت کی تمنا کر کے دکھائیں اور پھر ارشاد فرمایا: ولن یتمنوہ ابداً ''وہ ہرگز موت کی تمنا نہ کرسکیں گے''موت کی تمنا کرنا کسی کے لئے مشکل نہ تھا، خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو قرآن کو جھٹلاتے تھے، قرآن کے ارشاد کی وجہ سے اُن کو تمنائے موت میں خوف وہراس کی کوئی وجہ نہ تھی، یہود کے لئے تو مسلمانوں کو شکست دینے کا موقع بڑا غنیمت تھا کہ فوراً تمنائے موت کا ہر مجلس ومحفل میں اعلان کرتے۔

مگر یہودیوں یا مشرکین زبان سے کتنا ہی قرآن کو جھٹلائیں ان کے دل جانتے تھے کہ قرآن سچا ہے، اس کی کوئی بات غلط نہیں ہوسکتی، اگر موت کی تمنا ہم اِس وقت کریں گے تو فوراً مر جائیں گے، اس لئے قرآن کے اس کھلے ہوئے چیلنج کے باوجود کسی یہودی کی ہمت نہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زبان سے تمنائے موت کا اظہار کردے۔

اعجازِ قرآن کی ساتویں وجہ

وہ خاص کیفیت ہے جو قرآن کے سننے سے ہر خاص وعام اور مؤمن وکافر پر طاری ہوتی ہے، جیسے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے سے پہلے پیش آیا کہ اتفاقاً انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سُنا، جب آپ ﷺ آخری آیات پر پہنچے تو جُبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا دل گویا اڑنے لگا، اور یہ سب سے پہلا دن تھا کہ میرے دل میں اسلام نے اثر کیا، وہ آیات یہ ہیں: اَم خُلِقُوا مِن غیر شئٍ اَم ھُمُ الْخالقُون . اَم خلَقُوا السّمٰوٰتِ والأرضَ بَل لّا یُوقِنُونَ . اَم عندَھُم خزائنُ ربِّکَ اَم ھُمُ المُصیطِرُونَ ''کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ، یا وہی ہیں بنانے والے، یا انہوں نے بنائے ہیں آسمان اور زمین! کوئی نہیں، پر یقین نہیں کرتے، کیا اُن کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے، یا وہی داروغہ ہیں

اعجازِ قرآن کی آٹھویں وجہ

یہ ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے اور سننے سے کوئی اُکتاتا نہیں، بلکہ جتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے اس کا شوق اور بڑھتا ہے، دنیا کی کوئی بہتر سے بہتر اور مرغوب کتاب لے لیجئے اس کو دو چار مرتبہ پڑھا جائے تو انسان کی طبیعت اُکتا جاتی ہے، پھر نہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے نہ سننے کو یہ صرف قرآن کا خاصہ ہے کہ جتنا کوئی زیادہ اس کو پڑھتا ہے اُتنا ہی اس کا شوق ورغبت بڑھتا جاتا ہے، یہ بھی قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے ہی کا اثر ہے۔

اعجازِ قرآن کی نویں وجہ

یہ ہے کہ قرآن نے اعلان کیا ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ وہ قیامت تک بغیر کسی ادنیٰ تغیر وترمیم کے باقی رہے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو اس طرح پورا فرمایا کہ جب سے قرآن نازل ہوا ہے آج چودہ سو برس کے قریب ہونے کو آئے ہیں ہر قرن ہر زمانے میں لاکھوں انسان ایسے رہے ہیں اور رہیں گے جن کے سینوں میں پورا قرآن اس طرح محفوظ رہا کہ ایک زیروزبر کی غلطی کا امکان نہیں، ہر زمانے میں مرد، عورت، بچے، بوڑھے اس کے حافظ ملتے ہیں۔ بڑے سے بڑا عالم اگر کہیں ایک زیروزبر کی غلطی کر جائے تو ذرا ذرا سے بچے وہیں غلطی پکڑ لیں گے، دنیا کا کوئی مذہب اپنی مذہبی کتاب کے متعلق اس کی مثال تو کیا اس کا دسواں حصہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ بہت سے مذاہب کی کتابوں میں تو آج یہ پتہ چلانا بھی مشکل ہو گیا ہے کہ اس کی اصل کس زبان میں آئی تھی، اور اس کے کتنے اجزاء تھے۔

کتاب کی صورت میں بھی ہر قرن ہر زمانے میں جتنی اشاعت قرآن کی ہوئی شاید دنیا کی کسی کتاب کو یہ بات نصیب نہیں، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کی تعداد دنیا میں بہ نسبت منکرین اور کافروں کے بہت کم رہی، اور ذرائع نشرواشاعت بھی جتنے غیر مسلموں کو حاصل رہے ہیں مسلمانوں کو اس کا کوئی معتد بہ حصہ نصیب نہ تھا، مگر ان باتوں

کے باوجود کسی قوم کسی مذہب کی کوئی کتاب دنیا میں اتنی شائع نہیں ہوئی جتنا قرآن شائع ہوا۔

پھر قرآن کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے صرف کتابوں اور صحیفوں پر موقوف نہیں رکھا جن کے جل جانے اور محو ہونے کا امکان ہو، بلکہ اپنے بندوں کے سینوں میں بھی محفوظ کردیا ،اگر آج ساری دنیا کے قرآن (معاذ اللہ) نابود کردیئے جائیں، تو اللہ کی یہ کتاب پھر بھی اسی طرح محفوظ رہے گی، چند حافظ مل کر بیٹھ جائیں تو چند گھنٹوں میں پھر ساری کی ساری لکھی جاسکتی ہے، یہ بے نظیر حفاظت بھی صرف قرآن ہی کا خاصہ اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا نمایاں ثبوت ہے، کہ جس طرح اللہ کی ذات ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اس پر کسی مخلوق کا تصرف نہیں چل سکتا اسی طرح اس کا کلام بھی ہمیشہ تمام مخلوقات کی دستبرد اور تصرفات سے بالاتر ہو کر ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا، قرآن کی یہ پیشنگوئی چودہ سو برس تک مشاہدہ میں آچکی ہے ،اور تا قیامت انشاء اللہ آتی رہے گی ،اس کھلے معجزے کے بعد قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے میں کیا کسی کو شک وشبہ کی گنجائش رہ سکتی ہے؟۔

اعجازِ قرآن کی دسویں وجہ

وہ علوم ومعارف ہیں جن کا احاطہ نہ آج تک کسی کتاب نے کیا ہے، نہ آئندہ امکان ہے، کہ اتنے مختصر حجم اور محدود کلمات میں اتنے علوم وفنون جمع کئے جاسکیں جو تمام کائنات کی دائمی ضروریات کو حاوی اور انسان کی زندگی کے ہر شعبہ اور حال سے متعلق پورا مرتب اور بہترین نظام پیش کرسکے، شخصی پھر عائلی زندگی سے لے کر قبائلی اور شہری زندگی تک اور پھر عمرانیات واجتماعیات اور سیاستِ ممالک کے ہر پہلو پر حاوی نظام پیش کردے۔

پھر صرف نظری اور علمی طور پر نظام پیش کرنا ہی نہیں عملی طور پر اس کا رواج پانا اور تمام نظامہائے دنیا پر غالب آکر قوموں کے مزاج ،اخلاق ،اعمال ،معاشرت اور تمدن میں وہ انقلاب عظیم پیدا کرنا جس کی نظیر نہ قرونِ اولیٰ میں مل سکتی ہے نہ قرونِ مابعد میں ،یہ حیرت

انگیز انقلاب کیا کسی انسان کی قدرت اور اس کی حکمت عملی کا نتیجہ ہوسکتا ہے؟ خصوصاً جبکہ وہ انسان بھی اُمّی اور اس کی قوم بھی اُمّی ہو۔

مخدرات سراپردہائے قرآنی　　　چہ دلبرند کہ دل می برند پنہائی

یہی وہ محیرّ العقول تاثیرات ہیں کہ جن کی وجہ سے قرآن کو کلامِ الٰہی ماننے پر ہر وہ شخص مجبور ہے جس کی عقل وبصیرت کو تعصب وعناد نے بالکل ہی برباد نہ کردیا ہو۔

یہاں تک کہ اس دورِ مادہ پرستی کے مسیحی مصنفین جنہوں نے کچھ بھی قرآن میں غور وفکر سے کام لیا اس اقرار پر مجبور ہوگئے کہ یہ ایک بے مثل وبے نظیر کتاب ہے۔

فرانس کا مشہور مستشرق ڈاکٹر مارڈریس جس کو حکومتِ فرانس کی وزارتِ معارف نے قرآن حکیم کی باسٹھ سورتوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کرنے پر مامور کیا تھا اس نے اعتراف کیا ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:۔ ”بے شک قرآن کا طرزِ بیان خالق جل وعلا کا طرز بیان ہے، بلاشبہ جن حقائق ومعارف پر یہ کلام حاوی ہے وہ ایک کلامِ الٰہی ہی ہوسکتا ہے ،اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں شک وشبہ کرنے والے بھی جب اس کی تاثیر عظیم کو دیکھتے ہیں تو تسلیم واعتراف پر مجبور ہوتے ہیں، پچاس کروڑ مسلمان جو سطحِ زمین کے ہر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں اُن میں قرآن کی خاص تاثیر کو دیکھ کر مسیحی مشن میں کام کرنے والے بالاجماع اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا کہ جس مسلمان نے اسلام اور قرآن کو سمجھ لیا وہ کبھی مرتد ہوا یا قرآن کا منکر ہوگیا ہو۔“

مسلمانوں میں تاثیر قرآنی کا یہ اعتراف اس مسیحی مستشرق سے ایک ایسے دور میں ہورہا ہے جبکہ خود مسلمان اسلام اور قرآن سے بیگانہ اس کی تعلیمات سے دور، اس کی تلاوت سے غافل ہوچکے ہیں، کاش! یہ مصنف اسلام اور قرآن کے اُس دور کو دیکھتا جبکہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں قرآن کا عمل تھا اور ان کی زبانوں پر قرآن کی آیات تھیں۔

اسی طرح دوسرے مسیحی مصنفین نے بھی جو منصف مزاج ہیں اسی قسم کے اعتراف کیے ہیں۔ مسٹر ولیم میور نے اپنی کتاب ”حیاتِ محمد“ میں واضح طور پر اس کا اعتراف کیا ہے

،اورڈاکٹر شبلی شمیل نے اس پرایک مستقبل مقالہ لکھا ہے۔

قرآن کے کلام الٰہی اور معجزہ نبوی ﷺ ہونے پر دس وجوہ آپ پڑھ چکے ہیں ،آخر میں ایک اجمالی نظر اس پر ڈالئے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ پیدائشی یتیم ہوکر دنیا میں تشریف لائے ہیں،عمر بھر کسی مکتب میں قدم نہیں رکھتے ،قلم اور کتاب کو ہاتھ نہیں لگاتے ،اپنا نام بھی خود نہیں لکھ سکتے ،اسی میں جوان ہوتے ہیں،آپ کی طبیعت عزلت پسند ہے ،کسی کھیل ،تماشہ ،جلسوں ہنگاموں میں جانے کے بھی عادی نہیں ،شعروسخن سے بھی مناسبت نہیں ،کسی قومی اجتماع میں کبھی کوئی خطبہ دینے یا تقریر کرنے کا بھی عمر بھر اتفاق نہیں ہوتا ،چالیس سال ہونے کے بعد جبکہ ادھیڑ عمر میں پہنچ جاتے ہیں،اور عادۃً کسی علم کے سیکھنے سکھانے کا وقت ختم ہوجاتا ہے اُس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک پر ایک ایسا محیر العقول ،جامع حقائق فصاحت وبلاغت میں اعجاز نما کلام آنے لگتا ہے ،جو کسی بڑے سے بڑے عالم ،ماہر اور فصیح وبلیغ سے بھی ممکن نہیں ،جس کے ذریعہ آپ ﷺ عرب کے بڑے بڑے فصحاء وبلغاء کو خطاب فرماتے ہیں ،ان کے جلسوں میں پہنچ کر خطبے دیتے ہیں ،اور پوری دنیا کے لئے عموماً عرب کے لئے خصوصاً یہ چیلنج سناتے ہیں کہ کوئی اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں شبہ کرے تو اس کے کسی چھوٹے سے حصہ کی مثال بنا کر دکھلادے ،اس پر پوری قوم مثال پیش کرنے سے عاجز ہوجاتی ہے۔پوری قوم جو آپ ﷺ کو پہلے امین کے لقب سے پکارتی اور تعظیم کرتی تھی ،آپ کی مخالف ہوجاتی ہے ،اس کلام کی تبلیغ سے باز رکھنے کے لئے دولت ،حکومت اور ہر انسانی خواہش کی چیزیں پیش کرتی ہے آپ اُن میں سے کسی چیز کو قبول نہیں کرتے ،پوری قوم آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے رفقاء کو ستانے ،ظلم کرنے پر آمادہ ہوجاتی ہے ،آپ ﷺ یہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں ،مگر اس کلام کی تبلیغ نہیں چھوڑتے قوم آپ ﷺ کے قتل کی سازشیں کرتی ہے ،جنگ وجدل پر آمادہ ہوجاتی ہے ،آپ ﷺ کو اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ جانا پڑتا ہے ،آپ ﷺ کی قوم وہاں بھی سکون سے نہیں بیٹھنے دیتی۔

سارا عرب اور اہل کتاب آپ ﷺ کی مخالفت پر جمع ہوجاتا ہے ،آئے دن مدینہ پر

حملے ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کے مخالفین یہ سب کچھ کرتے ہیں، مگر قرآن کے چیلنج کو قبول کر کے ایک چھوٹی سی سورت قرآن کی مثل بنا کر پیش نہیں کرتے، قرآن ان کو غیرت دلاتا ہے اس پر بھی ان کی رگِ حمیت میں حرکت نہیں ہوتی۔

صرف یہی نہیں کہ پورا عرب قرآن کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہا، بلکہ خود وہ ذاتِ اقدس جس پر یہ قرآن نازل ہوا، وہ بھی اس کی مثال اپنی طرف سے پیش نہیں کر سکتے، ان کا سارا کلام یعنی حدیث جس طرح کا ہے قرآن کا کلام یقیناً اس سے ممتاز ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے: قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَا اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِي. ''جو لوگ آخرت میں ہمارے سامنے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسی جیسا ایک اور قرآن بنا دیجئے یا اسی کو بدل دیجئے، تو آپ فرما دیجئے، کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس کو بدل ڈالوں''

ایک طرف تو قرآن کے یہ کھلے کھلے معجزات ہیں جو اس کلامِ الٰہی ہونے پر شاہد ہیں، دوسری طرف اس کے مضامین و مضمرات اور حقائق و معارف پر نظر ڈالئے تو وہ اس سے زیادہ محوِ حیرت بنا دینے والی چیز ہے۔ نزولِ قرآن کے ابتدائی دور کے چند سال تو اس حالت میں گزرے کہ قرآنی تعلیمات کو کھلے طور پر پیش کرنا بھی ممکن نہ تھا، رسولِ اکرم ﷺ خفیہ طور پر لوگوں کو اصولِ قرآنی کی طرف دعوت دیتے تھے، پھر بے شمار مزاحمتوں اور مخالفتوں کے نرغہ میں کچھ علانیہ دعوت بھی شروع کی جاتی ہے، مگر قرآن کریم کے مجوزہ قانون کی تنفیذ کا کوئی امکان نہ تھا۔

ہجرت مدینہ کے بعد صرف دس سال ایسے ملے جن کو مسلمانوں کے لئے آزادی کا زمانہ کہا جا سکتا ہے، جس میں قرآنی نظام کی مکمل تعلیم اور تنفیذ کی کوشش اور کوئی تعمیری کام کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اُن دس سال میں بھی آپ تاریخِ اسلام پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ابتدائی چھ سال دشمنوں کے نرغہ اور منافقین اور یہود مدینہ کی سازشوں سے کس کو فرصت تھی کہ کوئی تعمیری کام اور ایسا نظام جو ساری دنیا کے نظاموں سے مختلف ہے، عملی طور پر نافذ کر سکے

،مسلمانوں کے خلاف سب بڑے بڑے معرکے انہیں چھ سال کے اندر پیش آئے ،غزوۂ بدر ،احد،احزاب وغیرہ سب اسی مدت کے اندر ہوئے ،ہجرت کے چھٹے سال دس سال کے لئے حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا گیا اور صرف ایک سال اس معاہدہ پر قریشِ عرب قائم رہے،اس کے بعد انہوں نے اس کو بھی توڑ ڈالا ،اور پھر جنگ و جہاد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

ظاہر اسباب میں صرف یہ ایک دو سال ہیں جو رسولِ اکرم ﷺ کو اس کام کے لئے ملے، کہ قرآن کی دعوت کو عام کر سکیں ،اور اس کے نظام کو نافذ کرنے کی کوشش کر سکیں ،اسی عرصہ میں آپ نے بڑے بڑے سلاطینِ دنیا کو خطوط لکھے ،قرآن کی دعوت اُن کو پہنچائی،قرآنی نظام کو قائم کرنے پھیلانے کی سعی فرمائی ،اور رسولِ اکرم ﷺ کی آخری عمر مبارک تک اس آزادی کے صرف چار سال ہوتے ہیں جن میں فتحِ مکہ کا جہاد بھی پیش آیا اور مکہ مکرمہ فتح ہوا۔

اب اس چار سال کی قلیل مدت کو دیکھئے،اور قرآن کے اس نفوذ واثر پر نظر ڈالئے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کے وقت تقریباً پورے جزیرۃ العرب پر قرآن کی حکومت تھی،ایک طرف سرحدِ روم تک اور دوسری طرف عراق تک،تیسری طرف عدن تک پہنچ چکی تھی۔

بہر حال اعجازِ قرآنی کے پورے وجوہ اور اُن کی تفصیلات کا بیان ایک نہایت طویل بحث ہے ،علماء امت نے اس پر بیسیوں مستقل کتابیں ہر زمانہ میں مختلف زبانوں میں تصنیف فرمائی ہیں،

سب سے پہلے تیسری صدی ہجری میں جاحظ نے نظم القرآن کے نام سے مستقل کتاب لکھی پھر چوتھی صدی کے اوائل میں ابو عبد اللہ واسطی نے بنام اعجاز القرآن ایک کتاب تصنیف کی ،پھر اسی صدی میں ابن عیسیٰ ربانی نے ایک مختصر رسالہ بنام اعجاز القرآن لکھا،قاضی ابو بکر باقلانی نے پانچویں صدی کے اوائل میں اعجاز القرآن کے نام سے ایک مفصل ومبسوط کتاب لکھی ،علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اتقان اور خصائص کبریٰ میں امام ترمذی نے تفسیر کبیر میں،قاضی عیاضؒ نے شفاء میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ اس مضمون کی

تفصیل لکھی آخری دور میں مصطفیٰ صادق رافعی مرحوم نے اعجاز القرآن کے نام سے اور جناب سید رشید رضا مصری نے الوحی المحمدی کے نام سے مستقبل، جامع اور مبسوط کتابیں لکھیں، اردو زبان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک رسالہ بنام اعجاز القرآن تصنیف فرمایا۔

یہ بھی قرآن مجید کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس کے ایک ایک مسئلہ پر مکمل تفسیروں کے علاوہ مستقل رسائل وکتابیں اتنی لکھی گئی ہیں کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ عرض کرنا یہ ہے کہ یہ مضمون اپنی پوری تفصیل کے ساتھ تو اس جگہ بیان نہیں ہوسکتا، لیکن جتنا بیان ہو چکا ہے وہ بھی ایک منصف مزاج انسان کو اس پر مجبور کردینے کے لئے کافی ہے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور رسول اللہ ﷺ کا عظیم الشان معجزہ تسلیم کرلے۔

قرآن کریم سے متعلق چند شبہات اور ان کے جوابات

بعض لوگوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ قرآن کے مقابلہ میں کتابیں اور مقالات لکھے گئے مگر وہ محفوظ نہ رہے ہوں۔

لیکن اگر ذرا بھی انصاف سے کام لیا جائے تو اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ جب سے قرآن نازل ہوا، پوری دنیا میں قرآن کے ماننے والے کم اور منکرین زیادہ رہے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہے کہ ذرائع نشرواشاعت جتنے منکرین قرآن کو حاصل رہے ہیں قرآن کے ماننے والوں کو اکثر قرون میں اس کا کوئی قابل ذکر حصہ حاصل نہیں رہا، قرآن اتنا بلند بانگ دعویٰ اپنے مخالفین کے سامنے کرتا ہے، اُن کو چیلنج دیتا ہے، غیرتیں دلاتا ہے، اور مخالفین اسلام اس کے مقابلہ میں جان، مال اور اولاد سب کچھ قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں، اگر انہوں نے قرآن کا چیلنج قبول کرکے کوئی چیز مقابلہ کے لئے پیش کی ہوتی تو کیسے ممکن تھا کہ وہ ساری دنیا میں شائع نہ ہوتی، اور ہر زمانہ میں منکرینِ قرآن مسلمانوں کے مقابلہ میں اس کو پیش نہ کرتے، اور مسلمانوں کی طرف سے

اس پر جرح وقدح میں سینکڑوں کتابیں نہ لکھی گئی ہوتیں۔

اسلام کے قرون اول میں صرف ایک واقعہ مسیلمہ کذاب یمامی کا پیش آیا کہ اس نے کچھ چند بے حیائی کے اُلٹے سیدھے کلمات لکھ کر یہ کہا تھا کہ یہ وحی آسمانی قرآن کی مثل ہے، مگر دنیا جانتی ہے کہ اُن کلمات کا کیا حشر ہوا، خود اس کی قوم نے اس کے منہ پر مار دیئے، وہ کلمات ایسے شرمناک غیر مہذب تھے کہ کسی مہذب سوسائٹی میں ان کو بیان بھی نہیں کیا جاسکتا، اور بہر حال جیسے بھی تھی وہ آج تک کتابوں میں نقل ہوتے چلے آئے ہیں، اگر کسی اور شخص نے کوئی اچھا کلام قرآن کے مقابلہ میں پیش کیا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ دنیا کی تاریخ اس کو یکسر بھلا دیتی، اور منکرین قرآن اس کو ہر قیمت پر باقی رکھنے کی کوشش نہ کرتے۔

وہ لوگ جو قرآن کے مقابلہ پر ہر وقت سینہ سپر تھے قرآن کے اس چیلنج کے جواب میں انہوں نے طرح طرح کی باتیں کیں جن کو قرآن میں نقل کر کے جواب دیا گیا، مگر اس کا ایک واقعہ نہیں کہ کوئی کلام مقابلہ پر پیش کر کے اس کے قرآن کا مثل ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہو، ایک رومی غلام جو مدینہ میں لوہار کا کام کیا کرتا تھا اور کچھ تورات وانجیل پڑھا ہوا تھا، کبھی کبھی رسول اکرم ﷺ سے ملتا تھا، عرب کے کچھ جاہلوں نے تعصب وعناد سے یہ مشہور کیا کہ رسول اکرم ﷺ کو یہ قرآنی مضامین اس نے سکھائے ہیں، قرآن نے اُن کا یہ اعتراض نقل کر کے خود جواب دیا کہ جس شخص کی طرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں وہ تو خود عجمی ہے، عربی زبان کی بلاغت کو کیا جانے، اور یہ قرآن عربی کی انتہائی بلیغ کتاب ہے سورۂ نحل کی آیت نمبر ۱۰۳ دیکھئے: لِسَانُ الَّذِی یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ. ''(ہم جانتے ہیں کہ یہ مخالفین اسلام یہ کہتے ہیں آپ کو یہ قرآن ایک آدمی سکھاتا ہے حالانکہ) وہ جس آدمی کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ عجمی ہیں، اور قرآن ایک بلیغ عربی زبان میں ہے۔'' کچھ لوگوں نے قرآن کی تحدی کے جواب میں یہ کہا کہ: لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا ''اگر ہم چاہتے تو ہم بھی قرآن کے مثل کلام کہہ دیتے'' لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ پھر چاہا کیوں نہیں؟ قرآن کے مقابلہ کے لئے سارا ایڑی چوٹی کا زور تو خرچ کیا، جان ومال کی

قربانی دی، اگر تمہیں اس کا مثل کلام لکھنے یا کہنے کی قدرت تھی تو قرآن کی اس تحدّی کے بعد تم نے اس کی مثل کلام بنا کر فتح کا سہرا اپنے سر کیوں نہ لیا؟

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے اس دعویٰ کے بعد مخالفین نے کچھ شریفانہ سکوت نہیں کرلیا بلکہ جو کچھ اُن کے منہ پر آیا اس کے مقابلہ پر کہتے رہے لیکن یہ پھر بھی کسی نے نہ کہا کہ ہم میں سے فلاں آدمی نے قرآن جیسا فلاں کلام لکھا ہے، اس لئے قرآن کا یہ دعویٰ یکتائی (معاذ اللہ) غلط ہے۔

بعض معاندین کو یہ سوجھی کی رسولِ اکرم ﷺ جو قبل از نبوت کے لئے ملک شام تشریف لے گئے، اور راستہ میں بُحیراء راہب سے ملاقات ہوئی وہ تورات کا ماہر تھا، اس سے آپ نے علوم سیکھے، مگر کوئی ان سے پوچھے کہ ایک دن کی ایک ملاقات میں اس سے یہ سارے علوم و معارف فصاحت و بلاغت کا اعجاز، اخلاقی تربیت، نظامِ خانگی، نظامِ مملکت کیسے سیکھ لئے۔

آج کل کے بعض معترضین نے کہا کہ کسی کلام کی مثل نہ بنایا جانا اس کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ وہ خدا کا کلام یا معجزہ ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک اعلیٰ درجہ کا ماہر بلاغت کوئی نثر یا نظم ایسی لکھے کہ دوسرے آدمی اس کی نظیر نہ لاسکیں۔ سعدی شیرازی کی گلستاں، فیضی کی تفسیر بے نقط کو عام طور پر بے مثل و بے نظیر کتابیں کہا جاتا ہے تو کیا وہ بھی معجزہ ہیں؟

لیکن اگر ذرا غور کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ سعدی اور فیضی کے پاس سامانِ تعلیم و تالیف کس قدر موجود تھا، کتنے عرصہ تک انہوں نے تعلیم حاصل کی، برسوں مدرسوں میں پڑے رہے، راتوں جاگے، مدتوں محنتیں کیں، بڑے بڑے علماء کے سامنے زانوئے ادب طے کیے، سالہا سال کی محنتوں اور دماغ سوزیوں کے نتیجہ میں اگر بالفرض فیضی یا حریری یا متنبی یا کوئی اور عربی زبان میں اور سعدی فارسی میں اور ملٹن انگریزی میں یا ہومر یونانی میں یا کالی داس سنسکرت میں ایسے ہوئے ہیں کہ ان کا کلام دوسروں کے کلام سے فائق ہوگیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

معجزہ کی تعریف تو یہ ہے کہ وہ اسبابِ متعارفہ کے توسط کے بغیر وجود میں آئے، کیا ان لوگوں کی باقاعدہ تحصیل علوم، استادوں کے ساتھ طویل ملازمت وصحبت، وسیع مطالعہ، مدتوں کی مشاق ان کی علمی مہارت کے کھلے ہوئے اسباب نہیں ہیں؟ اگر ان کے کلام دوسروں سے ممتاز ہوں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جس نے کبھی کتاب وقلم کو ہاتھ نہ لگایا ہو، کسی مدرسہ ومکتب میں قدم نہ رکھا ہو، وہ ایسی کتاب دنیا کے سامنے پیش کرے کہ ہزاروں سعدی اور لاکھوں فیضی اس پر قربان ہو جانے کو اپنا سرمایہ فخر سمجھیں، اور ان کو جو کچھ علم وحکمت حاصل ہوئی اس کو بھی آپ ہی کے فیضِ تعلیم کا اثر قرار دیں، اس کے علاوہ سعدی اور فیضی کے کلام کا مثل پیش کرنے کی کسی کو ضرورت بھی کیا تھی؟ کیا انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور اپنے کلام کے بے مثل وبے نظیر ہونے کو اپنا معجزہ کہا تھا، اور دنیا کو اس کا چیلنج دیا تھا کہ ہمارے کلام کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی جس کے نتیجہ میں لوگ اس کا مقابلہ کرنے اور مثال پیش کرنے کے لئے مجبور ہوتے۔

پھر قرآن کی صرف فصاحت وبلاغت اور نظم وترتیب ہی بے مثال نہیں، لوگوں کے دل ودماغ پر اس کی تاثیراتِ عجیبہ اس سے زیادہ بے مثال اور حیرت انگیز ہیں، جن کی وجہ سے قوموں کے مزاج بدل گئے، انسانی اخلاق میں ایک کایا پلٹ ہوگئی، عرب کے تند خو، گنوار، حلم واخلاق اور علم وحکمت کے استاد مانے گئے، ان حیرت انگیز انقلابی تاثیرات کا اقرار صرف مسلمان نہیں موجودہ زمانے کے سینکڑوں غیر مسلموں نے بھی کیا ہے، یورپ کے مستشرقین کے مقالات اس بارے میں جمع کئے جائیں تو ایک مستقل کتاب ہو جائے، حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بنام ''شہادۃ الاقوام علی صدق الاسلام'' تحریر فرمائی ہے۔ اس جگہ چند حوالے نقل کئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر گستاولی بان نے اپنی کتاب ''تمدن عرب'' میں صفائی سے اس حیرت انگیزی کا اعتراف کیا، اُن کے الفاظ کا ترجمہ اردو میں یہ ہے:''

اس پیغمبر اسلام اس نبی اُمّی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگزشت ہے، جس کی آواز

نے ایک قوم ناہنجار کو جو اُس وقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہ آئی تھی رام کیا، اور اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیروزبر کر ڈالا، اور اس وقت بھی وہی نبی اُمّی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگانِ خدا کو کلمۂ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہیں"

مسٹر وڈول جس نے قرآن مجید کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا ہے لکھتا ہے کہ: "جتنا بھی ہم اس کتاب یعنی قرآن کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اُسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی نامرغوبی نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے، لیکن فوراً ہمیں مسخر کر لیتی ہے، متحیر بنا دیتی ہے، اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے، اس کا طرزِ بیان باعتبار اس کے مضامین اور اغراض کے، عفیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جا بجا اس کے مضامین سخن کی غایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں، غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پُر زور اثر دکھاتی رہے گی (شہادۃ الاقوام)

مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بک زاغلول نے ۱۸۹۸ء میں مسٹر کونٹ ہنروی کی کتاب الاسلام کا ترجمہ عربی میں شائع کیا تھا، اصل کتاب فرنچ زبان میں تھی، اس میں مسٹر کونٹ نے قرآن کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں ظاہر کیے ہیں: "عقل حیران ہے کہ اس قسم کا کلام ایسے شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل اُمّی تھا، تمام مشرق نے اقرار کر لیا ہے کہ نوعِ انسانی لفظاً ومعنیً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن خطاب کو مطمئن کر دیا، اُن کو خدا کا معترف ہونا پڑا، یہ وہی کلام ہے کہ جب یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالب نے حبشہ کے بادشاہ کے دربار میں پڑھے تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے، اور بشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، جلد ۱۶ ص ۵۹۹ میں ہے: "قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل متفاوت ہیں، بہت سی آیات دینی واخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں، مظاہر قدرت، تاریخ الہاماتِ انبیاء کے ذریعہ اس میں خدا کی عظمت، مہربانی اور صداقت کی یاد دلائی گئی ہے، بالخصوص حضرت محمد ﷺ کے واسطہ سے خدا کو واحد اور

قادرِ مطلق ظاہر کیا گیا ہے، بُت پرستی اور مخلوق پرستی کو بلالحاظ ناجائز قرار دیا گیا ہے، قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔"

انگلستان کے نامور مورّخ ڈاکٹر گبن اپنی مشہور تصنیف (سلطنتِ روما کا انحطاط وزوال) کی جلد ۵ باب ۵۰ میں لکھتے ہیں: "قرآن کی نسبت بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی روح ہے، قانونِ اساسی ہے، اور صرف اصول مذہب ہی کے لئے نہیں، بلکہ احکامِ تعزیرات کے لئے اور قوانین کے لئے بھی ہے، جن پر نظام کا مدار ہے، جن سے نوعِ انسانی کی زندگی وابستہ ہے، جن کو حیاتِ انسانی کی ترتیب وتنسیق سے گہرا تعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) کی شریعت سب پر حاوی ہے ، یہ شریعت ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی،

اس جگہ مستشرقینِ یورپ کے اقوال واعتراف کا استیعاب کرنا نہیں کہ اس کی گنجائش نہیں، نمونہ کے طور پر چند اقوال نقل کئے گئے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ باعتبار فصاحت وبلاغت کے اور باعتبار اغراض ومقاصد کے اور باعتبار علوم ومعارف کے قرآن کے بے نظیر وبے مثل ہونے کا اقرار صرف مسلمانوں نے نہیں ہر زمانہ کے منصف مزاج غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔ قرآن نے ساری دنیا کو اپنی مثال لانے کا چیلنج دیا تھا اور کوئی نہ لا سکا، آج بھی ہر مسلمان دنیا کے ماہرینِ علم وسیاست کو چیلنج کر کے کہہ سکتا ہے کہ پوری دنیا کی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا دکھلا دو کہ ایک بڑے سے بڑا ماہر حکیم فیلسوف کھڑا ہو اور ساری دنیا کے عقائد ونظریات اور رسوم وعادات کے خلاف ایک نیا نظام پیش کرے، اور اس کی قوم بھی اتنی جاہل گنوار ہو، پھر وہ اتنے قلیل عرصہ میں اس کی تعلیم کو بھی عام کر دے اور عملی تنفیذ کو بھی اس حد پر پہنچا دے کہ اس کی نظیر آج کے مضبوط ومستحکم نظاموں میں ملنا ناممکن ہے۔ دنیا کی پہلی تاریخ میں اگر اس کی کوئی نظیر نہیں تو آج تو بڑی روشنی، روشن خیالی، بڑی تیز رفتاری کا زمانہ

ہے، آج کوئی کر کے دکھلا دے، اکیلا کوئی نہ کر سکے تو اپنی قوم کو بلکہ دنیا کی ساری اقوام کو جمع کر کے اس کی مثال پیدا کر دے۔ فَاِن لَم تَفعَلُوا وَلَنْ تَفعَلُوا فَاتَّقُوا النَّار الَّتِی وَقُودُها النَّاسُ والحِجارۃُ ۔اُعِدَّتْ لِلْکافرینَ. ”اگر تم اس کی مثال نہ لا سکے اور ہرگز نہ لا سکو گے تو پھر اس جہنم کی آگ سے ڈرو، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، جو منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔“ (بحوالہ از معارف القرآن جلد اول)

یا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۹۴

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کا مقام اخروی لحاظ سے بھی سب سے اونچا ہوگا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چرانوے نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی امت کا مقام اخروی لحاظ سے بھی سب سے اونچا ہوگا'' آج جمعرات کا دن ہے فجر کی نماز سے فراغت کے بعد روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوں اور رسولِ اکرم ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس میں میرا کوئی کمال نہیں بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ اس ذاتِ باری تعالیٰ نے مجھ جیسے گناہ گار اور حقیر انسان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں صاحبِ خصوصیت ﷺ کے روضہ مبارک کے سائے تلے بیٹھ کر ان کی خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس پر میں اپنے اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے، اور امید بھی یہی ہے کہ جس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی توفیق عطا فرمائی وہی اللہ انشاء اللہ میری اس کاوش کو مقبول ومنظور بھی فرمائے گا، اور روز قیامت میری یہی کاوش میری نجات کا باعث ہوگی، انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہمارے نبی ﷺ کو دنیاوی زندگی کے اعتبار سے بہت سی بے مثال خصوصیات عطا فرمائیں، اور خصوصی فضائل سے نوازا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اخروی لحاظ سے ہمارے نبی ﷺ کو خصوصی فضائل سے نوازا، جیسا کہ یہ خصوصیت جو آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہے، اگر چہ یہ خصوصیت آپ ﷺ کی امت سے متعلق ہے، لیکن چونکہ امت کو بھی یہ فضیلت آپ ﷺ ہی کی برکت سے عطا ہوئی تو حقیقتاً یہ خصوصیت آپ ﷺ ہی کی ہے، کہ آپ ﷺ کی امت کا مقام جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اعتبار سے اونچا رکھا، اسی طرح اخروی لحاظ سے بھی اونچا رکھا، آنے والے اوراق میں

احادیث کی روشنی میں اسی خصوصیت کی تفصیل پیش کی جارہی ہے، ملاحظہ فرمائیے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مقام کو جان کر صحیح معنوں میں زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

چرانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا گناہ کبیرہ کرنے والوں کے حق میں میری شفاعت صرف میری امت کے لوگوں کے لئے مخصوص ہوگی ترمذی، ابوداود اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کی معافی کی میری شفاعت صرف میری امت کے لوگوں کے حق میں مخصوص ہوگی، دوسری امتوں کے لوگوں کے لئے نہیں ہوگی۔

طیبیؒ نے کہا ہے کہ یہاں جس شفاعت کا ذکر ہے اس وہ شفاعت مراد ہے عذاب سے نجات اور خلاصی دلانے کے لئے ہوگی ورنہ وہ شفاعت جو درجات کی بلندی اور اعزاز و کرامات میں اضافہ کے لئے ہوگی اتقیاء اولیاء اور صلحاء کے حق میں ثابت ہے۔ واضح رہے کہ شفاعت کی مکمل تفصیل پیچھے گزر چکی ہے البتہ شفاعت کے بارے میں کچھ باتیں یہاں بھی نقل کی جارہی ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک قیامت کے دن شفاعت و سفارش کا ہونا اس آیت سے ثابت ہے۔ یومئذ لاتنفع الشفاعة الامن اذن له الرحمٰن ورضی له قولا ''اس دن کسی کی سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی مگر اس شخص کی جسے خدا اجازت دے اور اس بات کو پسند فرمائے۔

نیز اس بارے میں اتنی زیادہ احادیث منقول ہیں کہ وہ سب مل کر حد تواتر کو پہنچتی ہیں اس لئے تمام سلف صالحین (صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین وغیرہ) اور تمام اہل سنت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے، ہاں خوارج اور معتزلہ کے بعض طبقے اس کے منکر ہیں اور وہ قیامت کے دن شفاعت کے قائل نہیں ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ "شفاعت" کی پانچ قسمیں ہیں پہلی وہ جو آنحضرت ﷺ کے واسطے مخصوص ہے، اس شفاعت کا حق و اذن کسی اور کو حاصل نہیں ہوگا، اور یہ شفاعت وہ ہوگی جس کا تعلق تمام لوگوں کو موقف (میدان حشر میں کھڑے رہنے کی ہولناکیوں اور پریشانیوں سے چھٹکارا دلا کر حساب وکتاب جلد شروع کرانے سے ہوگا۔ دوسری قسم وہ ہے جو لوگوں کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کردینے کے لئے ہوگی اور اس شفاعت کا ثبوت بھی ہمارے حضور ﷺ کے لئے منقول ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو ان لوگوں کے لئے ہوگی جنہیں دوزخ کا مستوجب قرار دیا گیا۔ چنانچہ ان میں سے جن لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کی شفاعت ہمارے حضرت نبی کریم ﷺ کریں گے چوتھی قسم وہ ہے جو ان لوگوں کے لئے ہوگی جنہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں ڈالا جا چکا ہوگا، پس ان لوگوں کی شفاعت کے سلسلے میں جو حدیثیں منقول ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ، فرشتوں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی جانب سے کی جانے والی شفاعت کے نتیجہ میں دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچائے جائیں گے اور پھر آخر میں خود اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت کے تحت ان لوگوں کو عذاب دوزخ سے نجات عطا فرمائے گا، جنہوں نے لاالـــہ الا اللہ کہا ہوگا، اور پانچویں قسم وہ ہے جس کا تعلق جنت میں اہل ایمان کے درجات میں بلندی اور اعزاز وکرامات میں اضافہ سے گا۔

اور حضرت عوف بن مالک ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے پاس سے ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور اس نے بارگاہ رب العزت کی جانب سے مجھے ان دو باتوں میں سے ایک بات چن لینے کا اختیار دیا کہ یا تو میری آدھی امت جنت میں داخل ہو جائے یا سب کے حق میں شفاعت کا حق مجھے حاصل ہو، پس میں نے اپنی پوری امت کے حق میں ،شفاعت کا حق حاصل ہونے کو چن لیا تاکہ بلا استثناء سب ہی مومن و مسلمان اس سے فیضیاب ہوں اور کوئی بھی محروم نہ رہے چنانچہ میری شفاعت میری امت میں سے ہر اس شخص کے لئے طے شدہ ہے جس نے اس حال میں اپنی جان آفرین کے سپرد کی ہو کہ اللہ کے بارے میں شرک میں مبتلا نہیں تھا۔ حاصل یہ کہ قیامت کے دن تمام اہل ایمان کو میری

شفاعت نصیب ہونا یقینی ہے (ترمذی، ابن ماجہ) اور حضرت عبداللہ بن ابی جدعاءؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا! میری امت کے ایک بزرگ وصالح شخص کی شفاعت سے بنی تمیم کے آدمیوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے (ترمذی، دارمی، ابن ماجہ)

تشریح...... بنوتمیم ایک بہت بڑے قبیلے کا نام تھا، جس کے افراد کثرت وزیادتی کے اعتبار سے بطور مثال پیش کیے جاتے تھے۔ حاصل یہ کہ جب اس امت کے ایک اچھے آدمی کی شفاعت کے نتیجے میں اتنے زیادہ لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے تو اندازہ کرنا چاہیے کہ اس امت میں اچھے لوگوں کی کتنی تعداد ہوگی اور ان میں سے ہر ایک شفاعت کرے گا، پس ان سب کی شفاعتوں کے نتیجہ میں امت محمدی کے لوگوں کی کتنی بڑی تعداد جنت میں داخل کی جائے گی۔ بعض محدثین حضرات نے ''میری امت کے ایک شخص'' کو متعین کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے حضرت عثمانؓ کی ذات مراد ہے، بعض نے حضرت اویس قرنیؒ کا نام لیا ہے اور کچھ اس نے کہا ہے کہ یہ تعین مشکل ہے اور کوئی بھی شخص مراد ہوسکتا ہے، اسی قول کو زین العرب نے حدیث کے مفہوم سے زیادہ قریب قرار دیا ہے۔

اور حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے جن لوگوں کو شفاعت کا حق واذن حاصل ہوگا، جیسے علماء، شہدا اور صلحاء، ان میں سے کوئی تو اپنے متعلقین کی جماعتوں کی شفاعت کرے گا، کوئی ایک عصبہ کے لوگوں کے برابر اپنے متعلقین کی شفاعت کرے گا، اور کوئی اپنے متعلق صرف ایک آدمی کی سفارش کریگا، غرضیکہ اسی طرح ہر ایک شفاعت کے نتیجہ میں ساری امت جنت میں داخل ہو جائے گی۔ (ترمذی)

تشریح...... ''قبیلہ'' ویسے تو بڑے خاندان، یا ایک باپ کی کئی پشتوں کے بیٹوں کو کہتے ہیں، لیکن عام طور پر اس لفظ کا اطلاق ''بہت زیادہ لوگوں'' پر ہوتا ہے اور عصبہ دس سے چالیس تک افراد کی ٹولی کو کہتے ہیں۔

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: خدا عزوجل نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمیوں کو بلا حساب وکتاب اور مواخذہ وعذاب میں مبتلا کیے بغیر جنت میں داخل فرمائے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ ارشاد سن کر عرض کیا کہ

یارسول اللہ! ہماری اس تعداد میں اضافہ کر دیجئے یعنی اللہ تعالیٰ سے اس تعداد میں اور اضافہ کرنے کی درخواست کر دیجئے، یا یہ کہ پروردگار نے آپ ﷺ سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے اس کو بڑھا کر بیان کیجئے، کیونکہ آپ ﷺ رحمت خداوندی پر اعتماد کر کے ہم سے جتنا زیادہ بیان بیان کریں گے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرمائے گا آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا اتنا اور زیادہ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو یکجا کر کے چلو بنایا حضرت ابوبکر نے پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہماری اس تعداد و مقدار میں اور اضافہ کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے پھر چلو بنا کر کہا کہ اچھا اتنا اور زیادہ حضرت عمر بھی اس مجلس میں موجود تھے، انہوں نے محسوس کر کے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ بس اب ہمیں رہنے دیجئے یعنی اتنی رعایت نہ کرائیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کرم وعنایت ہی پر اعتماد کر کے بیٹھ جائیں اور عذاب خداوندی کے خوف سے اسطرح بے فکر ہو جائیں کہ عمل کرنا ہی ترک کر دیں، حضرت ابوبکرؓ نے یہ سن کر کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم سب کو بغیر حساب کتاب ومواخذہ کے جنت میں بھیج دے تو تمہارا کیا نقصان ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر اللہ عزوجل اپنی ساری مخلوق کو جنت میں داخل کرنا چاہے تو کر سکتا ہے پھر بار بار درخواست کرنے کی کیا ضرورت ہے، نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر فرمایا کہ: ''عمر نے بالکل سچ کہا۔'' اس روایت کو بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔

تشریح...... (یہ کہہ کر) آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو یکجا کر کے چلو بنایا یعنی ابوبکرؓ کی درخواست پر آنحضرت ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو چلو بنا کر گویا ان کے آگے اور فرمایا کہ اتنے اور لوگوں کا اضافہ کرتا ہوں! اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ ﷺ کو چلو بنانا اور یہ کہنا کہ ''اچھا اور اتنا زیادہ'' دراصل حق تعالیٰ کے فعل کی حکایت کے طور پر تھا، یعنی یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ میں نے بلاحساب جنت میں جانے والوں کی مذکورہ تعداد متعین طور پر بیان نہیں کی ہے بلکہ اس تعداد سے ''کثرت'' مراد ہے، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ اس طرح چلو بھر کر یعنی بیشمار اور بے تعداد لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا اس لئے حدیث کے شارحین نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر چلو بنانے کی تمثیل اس حقیقت کے پیش نظر

اختیار کی کہ دل کھول کر دینے والے کی شان یہی ہوتی ہے کہ جب اس سے زیادہ دینے کی درخواست کی جاتی ہے تو وہ تعداد و مقدار سے صرف نظر کر کے چلو بھر بھر کے بے حساب دیتا ہے۔ پس چلو بھر کر دینا دراصل ایک تمثیل ہے جو زیادہ سے زیادہ دینے کی شان کو ظاہر کرتی ہے۔ اس حدیث میں ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق جو کچھ ذکر ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مذکورہ مسئلہ میں ان دونوں کے درمیان کوئی ذہنی وفکری اختلاف تھا، بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جو کچھ کہا وہ اظہار عجز و بیچارگی، رحمت خداوندی کے تئیں بھر پور امیدواری اور نیاز مندی اور درخواست گزاری کے قبیل سے تھا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا وہ مصلحت و حکمت اور تسلیم و رضا کے قبیل سے تھا، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی کہ پہلے تو حضرت ابو بکرؓ کی درخواست کو قابل اعتناء قرار دیا اور ان کو جواب نہیں دیا اور حضرت عمرؓ کی تصدیق کر کے ان کو بھی مزید پسندیدگی عنایت فرمادی! اس بات کو ایک دوسرے نکتہ نظر سے بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کی درخواست کا مثبت جواب دے کر گویا یہ ظاہر فرمایا کہ عمل کے راستے پر لگنے اور دین وشریعت کی طرف متوجہ رہنے میں ایک بڑا دخل "بشارت کا بھی ہے، لہذا آپ ﷺ نے اس بشارت کو (کہ اللہ تعالیٰ ایک بہت بڑی تعداد کو جنت میں داخل کردے گا) اور زیادہ وسعت عطا فرمائی، پھر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے قول کی تصدیق کر کے اس طرف اشارہ کیا کہ عمرؓ نے جو بات کہی ہے وہ بشارت ہی ہے بلکہ پہلی بشارت سے بھی بڑی بشارت ہے۔ اس اعتبار سے دونوں کا مافی الضمیر ایک ہی تھا۔

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "اہل ایمان میں سے جو لوگ اپنے گناہوں کے سبب دوزخی قرار دیئے جاچکے ہوں گے وہ اہل جنت یعنی علماء اخیار اور صلحاء وابرار کے راستوں میں صف باندھے کھڑے رہتے ہیں اور پھر جب ایک جنتی ان کے سامنے سے گزرے گا تو ان دوزخیوں میں سے ایک شخص اس جنتی کا نام لیکر کہے گا اے فلانے! کیا تم مجھے نہیں پہنچانتے؟ میں وہ شخص ہوں جس نے ایک مرتبہ تم کو پانی پلایا تھا انہیں

میں سے کوئی شخص یہ کہے گا کہ میں وہی آدمی ہوں جس نے ایک مرتبہ تمہیں وضو کے لئے پانی دیا تھا وہ جنتی یہ سن کر اس کی شفاعت کرے گا اور اس کو جنت میں داخل کرائے گا۔ (ابن ماجہ)

تشریح...... اس سے معلوم ہوا کہ فاسق و گناہ گار اگر اس دنیا میں اہل دین اور ارباب طاعت وتقویٰ کی کوئی خدمت وامداد کریں گے تو اس کا بہتر ثمرہ عقبیٰ میں پائیں گے اور ان کی مدد وشفاعت سے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔

حضرت مظہرؒ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس امر کی ترغیب دی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں اور خصوصاً بزرگ و نیک لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور مروت واحسان کا برتاؤ کرنا چاہئے اور جب بھی ان کی ہم نشینی وصحبت میسر ہو جائے اس کو اختیار کرنے کا موقع گنوانا نہ چاہئے کیونکہ ان کی صحبت اور محبت دنیا میں حصول زینت و پاکیزگی اور آخرت میں حصول نور کا باعث ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اہل ایمان میں سے جو لوگ اپنے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں داخل ہوں گے ان میں سے دو آدمی بہت زیادہ شور مچائیں گے یعنی رونا دھونا اور آہ و فریاد شروع کر دیں گے اور خوب چیخیں چلائیں گے پروردگار دوزخ کے فرشتوں کو حکم دے گا کہ ان دونوں کو باہر نکالو اور جب وہ باہر آئیں گے تو ان سے فرمائے گا کہ کیوں اس قدر چیخ چلا رہے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم اس لئے چیخ چلا رہے تھے تا کہ آپ کی رحمت ہمارے طرف متوجہ ہو جائے اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ آپ اس شخص کو پسند کرتے ہو جو آپ کے آگے روئے دھوئے اور آہ و فریاد کرے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارے حق میں میری رحمت یہی ہے کہ تم واپس جاؤ اور دوزخ میں جہاں تھے وہیں پڑے رہو۔ ان میں سے ایک شخص تو یہ سنتے ہی کامل اطاعت اور رضاء الٰہی کی طلب میں) واپس ہو جائے گا اور خود کو دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا اور اللہ تعالیٰ اس آگ کو اس کے لئے ٹھنڈا کر دے گا جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم کے لئے آگ کو گل وگلزار بنا دیا تھا اور دوسرا شخص اپنے کو اس معاملے میں بالکل بے بس پاتا ہوا اور اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم پر کامل یقین رکھتے ہوئے وہیں کھڑا رہیگا اور خود کو آگ میں نہیں ڈالے گا!

اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے خود کو آگ میں کیوں نہیں ڈالا جب کہ تیرا ساتھی میرا حکم سنتے ہی چلا گیا اور آگ میں کود پڑا؟ وہ عرض کرے گا کہ پروردگار میں اسی امید پر قائم ہوں کہ آپ نے مجھے دوزخ سے باہر بلوالیا ہے تو اب دوبارہ وہاں نہیں بھیجیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا! تو نے جو امید قائم کی ہے وہ تیرے حق میں پوری کی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ دونوں شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کے صدقے میں ایک ساتھ جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ (ترمذیؒ)

تشریح...... تمہارے حق میں میری رحمت یہی ہے کہ تم واپس جاؤ الخ کے سلسلے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے ہوسکتا ہے کہ دوزخ میں واپس جا کر سپردِ آگ ہونے کو رحمت پر کس اعتبار سے حمل کیا گیا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہوگا کہ یہ ارشاد اصل سبب کو سبب پر حمل کرنے کے اسلوب سے تعلق رکھتا ہے! وضاحت کے ساتھ اس بات کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں کو دوزخ میں اس کے قصور کی پاداش میں داخل کیا جائیگا کہ انہوں نے اس بات کی اطاعت کے حکم کے ذریعہ کہ وہ دوزخ میں واپس جا کر اپنے آپ کو آگ کے سپرد کردیں۔ اس امر پر تنبیہ کی جائے گی کہ رحمت خداوندی کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو ہر حالت میں اس کے حکم کی اطاعت وفرمابرداری کرے۔

"تو نے جو امید قائم کی ہے وہ تیرے حق میں پوری کی جاتی ہے" سے ثابت ہوا کہ بندہ کا پروردگار پر امید باندھنا اس کے عطا وکرم کے حصول میں بہت موثر ہے، خواہ وہ بندہ اپنے عجز وناتوانی کے سبب اطاعت دفرمابرادری کے دائرہ سے باہر نکلا ہوا کیوں نہ ہو۔

(بحوالہ جستہ جستہ مظاہر حق جلد پنجم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

چنانچہ محترم قارئیں مندرجہ بالا تمام احادیث سے یقیناً اندازہ ہوا ہوگا کہ اخروی لحاظ سے آپ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر نوازا ہے اور کتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے رب کی رضا میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

خصوصیت نمبر ۹۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پچانوے نمبر خصوصیت پیش کی جارہی ہے جس کا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا الحمدللہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے، اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکرادا کرتا ہوں۔

بہرحال محترم قارئین! ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا، جیسا کہ اس کی وضاحت آپ آنے والے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے، اور جب ہم دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں، تو کہیں کسی نبی یا رسول کے بارے میں یہ نظر نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی یا رسول کے بارے میں خود فرمائیں کہ ہم نے انہیں پڑھایا، صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کا یہ خاصہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود پڑھایا، اور قرآن کریم میں اس کا اعلان بھی فرمایا جیسا کہ آگے آپ اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عظیم نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

پچانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ ترجمہ: تجھے علم سکھایا ان چیزوں کا جن کا تجھے علم نہ تھا۔

قرآن مجید کی آیات متعددہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نہ پڑھنا جانتے تھے اور نہ لکھنا جانتے تھے۔ اب لفظ علمک ظاہر کرتا ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود تعلیم دی تھی۔

دنیا میں شاگرد کو تعلیم قوت شنوائی و بینائی یعنی حسیات کے ذریعہ سے دی جاتی ہے۔

پھر جب یہ تعلیم حواس انسانی میں قیام پذیر ہو جاتی ہے تو اس کا نام "تعلیم پانا" رکھا جاتا ہے۔

انبیاء کی تعلیم ان کے قلب سے شروع ہوتی ہے انزلنهٗ علٰی قلبک لہٰذا اللہ کی تعلیم دینے میں اور بندہ کی تعلیم دینے میں بڑا نمایاں تفاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی۔ ہم تجھے پڑھائیں گے اور پھر تو نہ بھولے گا۔ تعلیم ربانی کا نسیان سے برتر ہونا وہ خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی معلم یا متعلم میں نہیں پائی جا سکتی۔ جب ہم قرآن پاک پر تدبر کی نگاہ ڈالتے ہیں اور احادیث پاک کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں احوال ماضیہ بھی موجود ہیں اور اخبار مستقبلہ بھی مذکور ہیں اور عہد حال کے احکام بھی بکثرت ہیں، تب یقین ہو جاتا ہے کہ نبی الامی کو ٹھیک اللہ تعالیٰ ہی سے تعلیم ملی تھی جو ماضی و حال و استقبال کا علم رکھنے والا ہے۔

نبی ﷺ کے لئے یہ خصوصیت نہایت خاص ہے کہ ایسی قوم میں پیدا ہوئے جن کو ان پڑھ ہونے پر فخر حاصل تھا۔ ایسے ملک میں پیدا ہوئے جو ممالک متمدنہ سے بالکل الگ تھلگ ہے، پھر چالیس سال تک حضور ﷺ کی زبان تعلیم و تعلم سے ناآشنا بھی رہی۔

لیکن جب رب العالمین نے حضور ﷺ کو اپنے تلمذ میں لیا تو حضور ﷺ نے جملہ علوم و معارف اور حقائق و معانی کے دفتر کھول دیئے۔ آیت اولین: اقرء باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق. پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو علق سے پیدا کیا۔ پر نگاہ ڈالیے کہ حضور ﷺ کی الف، با، تا حقیقت خلقت انسانی سے شروع ہوتی ہے یہ وہ مسئلہ دقیق ہے جس میں منتہی فلسفی بھی حیران ہیں۔ لہٰذا آیت بالا حضور ﷺ کی خصوصیت کی مظہر ہے۔ (بحوالہ رحمۃ للعلمین ج ۳)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۹۶

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے نبیوں والا کام (تبلیغی کام) عطا فرمایا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھیانوے نمبر خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے نبیوں والا کام (تبلیغی کام) عطا فرمایا'' بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ اس ذاتِ باری تعالیٰ نے مجھ جیسے گناہ گار اور حقیر انسان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں صاحبِ خصوصیت ﷺ کے روضہ مبارک کے سائے تلے بیٹھ کر ان کی خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس پر میں اپنے اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے، اور امید بھی یہی ہے کہ جس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی توفیق عطا فرمائی وہی اللہ انشاء اللہ میری اس کاوش کو مقبول و منظور بھی فرمائے گا، اور روز قیامت میری یہی کاوش میری نجات کا باعث ہوگی، انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! جیسا کہ اس سے قبل بھی آپ کچھ ایسی خصوصیات ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جو آپ ﷺ کی امت سے متعلق ہیں تو چونکہ وہ تمام خصوصیات بھی حضور ﷺ ہی کے صدقے امت کو ملیں تو حقیقتاً وہ آپ ﷺ ہی کی خصوصیات ہیں، منجملہ ان خصوصیات میں سے ایک عظیم خصوصیت ذیل میں آرہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسی عظیم امت عطا فرمائی کہ جسے انبیاء کرامؑ والا کام نصیب ہوا، یعنی دعوت و تبلیغ کا عظیم کام جسے پہلے صرف اور صرف انبیاء کرامؑ ہی کیا کرتے تھے، لیکن چونکہ ہمارے نبی ﷺ آخری نبی ہیں، اور آپ ﷺ کے بعد اب قیامت تک کسی اور نبی نے نہیں آنا تو آپ ﷺ کی ختم نبوت کے صدقے اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم کام امتِ محمدیہ کے سپرد کر دیا، چنانچہ آنے والے اوراق میں

تفصیل کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے، جس میں آپ دعوت وتبلیغ کے فضائل، اہمیت، موجودہ دور میں اس کام کی ضرورت، اور اس کام کو کرنے کے لئے رہنما اصول اسکے علاوہ دیگر اور بھی بہت سی کارآمد باتیں ملاحظہ فرمائیں گے انشاءاللہ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عظیم کام میں جڑنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

چھیانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

دعوت وتبلیغ کی ترغیب قرآن کریم کی روشنی میں

آیت نمبر۱...... ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ! تم بہترین امت ہو کہ لوگوں کی (نفع رسانی) کے لئے نکالے گئے ہو۔ تم لوگ نیک کام کا حکم کرتے ہو اور بُرے کام سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ (پ۴،ع۳)

آیت نمبر۲...... فرمان باری تعالیٰ ہے کہ! عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر (وبرکت) نہیں ہوتی مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ صدقہ خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کرنے کی ترغیب دیتے ہیں (اور اس تعلیم وترغیب کے لئے خفیہ تدبیریں اور مشورے کرتے ہیں ان کے مشوروں میں البتہ خیر وبرکت ہے) اور جو شخص یہ کام (یعنی نیک اعمال کی ترغیب محض) اللہ کی رضا کے واسطے کریگا (نہ کہ لالچ یا شہرت کے غرض سے) اس کو ہم عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ (پ۵،ع۱۴)

آیت نمبر۳...... فرمان باری تعالیٰ ہے کہ! اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور بُرے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہونگے۔ (پ۴،ع۲)

آیت نمبر۴...... اعلان باری تعالیٰ ہے کہ! اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے؟ جو خدا تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے

ہوں۔ (پ۲۴؍۱۹)

فائدہ...... شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نوراللہ مرقدہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کو بلائے وہ اس بشارت اور تعریف کا مستحق ہے خواہ کسی بھی طریقے سے بلائے۔ مثلاً انبیاءؑ معجزہ وغیرہ کے ذریعے بلاتے ہیں اور علماء دلائل سے، مجاہدین تلوار سے، اور مؤذنین اذان سے، غرض جو بھی کسی شخص کو دعوت الی الخیر کرے وہ اس میں داخل ہے۔

آیت نمبر ۵...... قرآن کریم کی ایک آیت کا مفہوم ہے کہ! بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر کہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ (پ۲۱؍۱۱)

فائدہ...... مندرجہ بالا آیات قرآنی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دعوت وتبلیغ کے قرآن کریم میں کس قدر فضائل بیان فرمائیں ہیں اور فکر نبوی ﷺ کو اپنانے کی کس قدر ترغیب دی ہے۔ ان آیات سے واضح طور پر ہمیں یہ بات سمجھ میں آجانی چاہئے کہ درِدامت کو اپنے قلوب میں بسانا، اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو راہ ہدایت دکھانا ہماری اہم ترین ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں ہی مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی بھلائی مضمر ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو دردامت وفکر نبوی ﷺ سے سرشار فرمائیں۔ آمین

اب ہم دعوت تبلیغ کے فضائل احادیث کی روشنی میں بیان کرنا چاہیں گے۔ انشاءاللہ لیجئے ملاحظہ فرمایئے:

دعوت وتبلیغ کی ترغیب احادیث کی روشنی میں

ایمان کا آخری درجہ

حضرت ابوسعید خدریؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ! جو شخص کسی ناجائز امر کو ہوتے ہوئے دیکھے اگر اس پر قدرت ہو کہ اسکو ہاتھ سے بند

کر دے تو اس کو بند کر دے اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے اس پر انکار کر دے اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا بہت ہی کم (یعنی آخری) درجہ ہے۔

(ترمذی شریف)

تبلیغ نہ کرنے کا انجام

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ !بنی اسرائیل میں سب سے پہلا تنزل اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی دوسرے سے ملتا اور کسی ناجائز بات کو کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو منع کرتا کہ دیکھ اللہ سے ڈر ایسا نہ کر لیکن اس کے نہ ماننے پر بھی وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے کھانے پینے میں اور نشست و برخاست میں ویسا ہی برتاؤ کرتا جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔ جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے بعضوں کے قلوب کو بعضوں کے ساتھ خلط کر دیا (یعنی نافرمانوں کے قلوب جیسے تھے، انکی نحوست سے فرماں برداروں کے قلوب بھی ویسے ہی کر دیئے گئے) پھر ان کی تائید میں کلام پاک کی آیتیں لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُو سے فَاسِقُوْن تک پڑھیں اس کے بعد حضور ﷺ نے بڑی تاکید سے یہ حکم فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ظالم کو ظلم سے روکتے رہو اور اس کو حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو۔ (ترمذی شریف)

امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے رہیں

حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ دولت کدہ پر تشریف لائے تو میں نے چہرہ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ آپ ﷺ نے کسی سے کوئی بات چیت نہیں فرمائی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ میں حجرے کی دیوار سے لگ کر سننے کھڑی ہوگئی کہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، مبادا کہ وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو۔ تم سوال

کرواور سوال پورا نہ کیا جائے تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔ یہ کلمات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ (ابن ماجہ)

کلمہ توحید کے حقوق

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ! (کلمہ توحید) لاالہ الااللّٰہ (محمدرسول اللّٰہ) کہنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب اور بلا کو رفع کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی واستخفاف نہ کیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اسکے حقوق سے بے پرواہی واستخفاف کیئے جانے کا کیا مطلب ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی نافرمانیاں کھلے طور پر کیجائیں اور ان کو بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ (فضائل اعمال)

دنیا میں ہی عذاب

حضرت جریر بن عبداللہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ! اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ جماعت اور قوم باوجود قدرت کے اس شخص کو اس گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔ (ابوداؤد شریف)

تبلیغ والوں کے لئے انعام

حضرت ابوذر غفاریؓ روایت نقل فرماتے ہیں کہ! حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ کیا مشرکین سے جنگ کے بغیر بھی جہاد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں اے ابوبکر اللہ تعالیٰ کے ایسے مجاہدین بھی زمین پر ہیں جو کہ ان شہداء سے افضل ہیں جو زندہ ہیں انہیں روزی ملتی ہے یہ زمین پر چل رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ آسمان سے فرشتوں کے سامنے فخر فرماتے ہیں ان کے لئے جنت سجائی جاتی ہے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا نیکی کا حکم کرنے

والے، برائی سے روکنے والے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرنے والے۔ پھر ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ بندہ بلند ترین مکان میں ہوگا جو شہداء کے مکانات سے بلند ہوگا ہر مکان کے تین سو دروازے ہوں گے یاقوت اور سبز زمرد کے۔ ہر دروازے پر روشنی ہوگی۔ ایسا آدمی تین لاکھ حوروں سے نکاح کرے گا جو انتہائی پاکباز اور خوبصورت ہوں گی جب بھی وہ کسی ایک کی طرف دیکھے گا تو وہ کہے گی ،آپ نے فلاں دن اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور آپ نے اسی طرح نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا۔ الغرض جب بھی کسی حور کی طرف دیکھے گا تو وہ نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کی وجہ سے اس کا ایک اعلیٰ مقام بتائی گی۔ (بحوالہ احیاء العلوم ج ۱)

اسلام کی دعوت کو پھیلانا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنے ایک خطاب میں فرماتے ہیں کہ! مسلمانوں کی اصلی شناخت یہی ہے کہ یا تو اسلام کی دعوت اور عملی جدجہد میں مشغول ہوں ،یا پھر اس دعوت و عملی جدجہد میں مشغول ہونے والوں کے لئے پشت پناہ و مددگار ہوں اور اس کے ساتھ بھی عملی جدجہد میں حصہ لینے کا عزم اور شوق رکھتے ہوں، مطمئن شہری اور محض کاروباری زندگی اسلامی زندگی نہیں ،اور کسی طرح بھی یہ ایک مسلمان کا مقصود حیات نہیں ہوسکتا۔ جائز مشاغل زندگی ،جائز وسائل معیشت ہرگز ممنوع نہیں بلکہ نیت اور اجر طلبی کے ساتھ عبادت و قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں، مگر اس وقت جب یہ سب دین کے سایہ میں ہو اور صحیح مقاصد کا وسیلہ ہوں نہ خود مقصود بالذات۔

چنانچہ ہم پوری صراحت کے ساتھ عرض کرتے ہیں کے اگر مسلمان دعوتِ حق سے کنارہ کش اور سبکدوش ہوگئے جو ان کے سپرد کی گئی ہے اور جس کی خاطر ان کو سرفراز کیا گیا ہے تو پھر دنیا میں ان کے حفظ و بقاء کی کوئی ضمانت نہیں لی جاسکتی، خواہ ان کے پاس فوجی طاقت ہو، عددی طاقت ہو، اقتصادی طاقت ہو، بہتر سے بہتر مواقع میسر ہوں اور جو بھی جاہ

وحشمت ان کو ملی ہو سب بے کار سب بے سود و بے نفع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت ان کی اسی صفت کی بنا پر کی تھی۔ بہر حال مسلمانوں کو سب کچھ مل سکتا ہے، حکومتیں ملتی رہیں گی، دولت پا سکتے ہیں مگر امانت خداوندی یعنی دعوت الی اللہ جس سے صرف اللہ کی پرستش ہو اور اس کا پیغام سرمدی دنیا میں باقی رہے اور غلبہ وسطوت صرف اللہ کا رہے، اس کے احکام زمین پر جاری ہوں، زندگی کے ہر موڑ پر اس کے احکام کی پیروی ہو، یہ نہیں ہوگا اور جب یہ نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت ونوازش بے پایاں سے امت محروم ہو جائے گی۔ اس لئے وہ چیز جس کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے اور جس کے لئے ان کے اندر غیرت اور حمیت ہونا چاہئے اور جس کو وہ اپنی جان سے صحت سے اپنی دانائی وہوش مندی سے زیادہ عزیز رکھیں اور جس کو دولت وحکومت پر ترجیح دیں، اپنی شہرت و ناموری کے پروپیگنڈے اور اپنی سیاسی تگ ودو سے زیادہ اہمیت دیں اور جذبہ حکمرانی اور اپنے حدود سلطنت کو وسیع کرنے کی تمنائیں اس کے مقابلے میں ہیچ ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے دین کا داعی ومبلغ سمجھیں، علم توحید کو سر بلند اور اللہ کے دین کو سرسبز وشاداب رکھنے کی آرزوؤں اور تمناؤں کو غالب رکھیں آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں اللہ کی رضا اور اس کے احکام کے اجزاء کو ہر مقصد اور ہر نسبت پر قربان کرنے کا جذبہ اپنے اندر بیدار کریں، مسلمانوں کے بقاء کی ضمانت اسی میں ہے کیونکہ ان کا وجود ملّی اسی دھاگے سے بندھا ہوا ہے۔

دین کی تبلیغ ودعوت کو لیکر اٹھئیے

یاد رکھیئے! قیامت کا دن بڑا کٹھن ہے، اس دن دل کی کیفیت چہروں پر عیاں ہوگی۔ جن کے دل نور ایمان سے منور ہیں قیامت کے دن ان کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوں گے اور جن کے باطن میں دین وایمان کی دوری کے باعث گمراہی کی تاریکی جمی ہوئی ہے، اس روز ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ کامیابی اسی میں ہے کہ ہم اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر کے اللہ کی دین کی دعوت لیکر نکلیں تا کہ ہمیں بھی اللہ

تعالیٰ روشن چہروں والوں کے ساتھ ملا دے۔ قیامت کے روز بعض پر انعام اور اکرام کی بارش اور بعضوں پر غضب و ناراضگی کی پھٹکار ہوگی، اور یہ بلاوجہ نہیں ہوگی بلکہ ہر ایک کے اعمال کا یہ نتیجہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس سے بلند ہے کہ وہ کسی پر زیادتی کرے یا اس کے اعمال کو ضائع کرے۔ اللہ تعالیٰ تو کسی پر ظلم نہیں فرماتے ہاں ہم خود جان بوجھ کر اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ اور اپنے اعمال بد سے اپنے نامہ اعمال کی سیاہی میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

یاد رکھیے! اللہ کی دین کی دعوت کا کام چھوڑ کر ہم خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کے امتی ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے خیر الامم کے جلیل القدر لقب سے سرفراز کیا ہے۔ ہم سے پہلے جتنی بھی امتیں صفحہ ہستی پر ظاہر ہوئی ہیں ان سب سے ہمیں بہتر کہا گیا ہے کیونکہ ہماری زندگی کا مقصد بڑا پاکیزہ اور بہت بلند ہے ہمیں اس لئے زندہ رہنا ہے کہ حق کا بول بالا ہو، ہدایت کی رشنی پھیلے، گمراہی کی ظلمت کافور ہو، باطل کا طلسم ٹوٹے اور اخلاق حسنہ کو قبولیت حاصل ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی صداقت (یعنی توحید) پر جب خود بھی ایمان لا چکے ہیں تو ہمارے ذمہ یہ فرض ہے کہ ہم دوسروں کو بھی اس کے قبول کرنے کی دعوت دیں۔ یہ ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے اسلئے ہمیں چاہئے کہ ہم ہمت، خلوص اور سرفروشی کا جذبہ لے کر اللہ کے دین کی دعوت لیکر اٹھیں اور دنیا کے کونے کونے میں اللہ کے دین کو پہنچانے کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اقوام عالم کی بھری محفل میں ہمارے سر پر فضیلت کا تاج رکھا ہے۔ جبکہ دوسری قوموں کے فیضان ہدایت سے ایک محدود علاقہ، ایک مخصوص قوم، ایک مقررہ وقت تک مستفیض ہوسکتی تھی لیکن اللہ کے دین کی دعوت کا کام کرنے والے مسلمانوں کا ابر کرم بحر و بر، نشیب و فراز، سیاہ و سفید، نزدیک و دور ہر خطہ پر برستا رہا۔ اور ہر خطے کے پیاسوں کی پیاس بجھتی رہی۔ دین کے کام کرنے والے مسلمانوں کی برکتیں صرف اپنے لئے اور صرف اپنوں کے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے ہیں۔ آیئے ہم بھی عہد کریں کہ آج کے بعد ہم نے دین کی دعوت کو اپنی

زندگی کالازمی جزو بنانا ہے اوراللہ کے دین کوساری دنیامیں پھیلانے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کواسلام کاسچا مبلغ وداعی بنادے۔آمین

تبلیغ ودعوتِ حق اور مشکلات

یادرکھیئے!دعوتِ حق میں مصائب ومشکلات کاآناضروری ہے،آزمائشوں کی منزل سے گزرکرہی ایمان میں قوت آتی ہےاوراخلاق وکردار میں پختگی پیداہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کوضرورآزماتا ہے،جوایمان کادعوی کرتے ہیں اورجواپنے دین وایمان میں جتنازیادہ پختہ ہوتا ہےاس کی آزمائش بھی اسی لحاظ سے سخت ہوتی ہے۔

ارشادباری تعالیٰ ہے کہ!اورہم ضرورتمہیں خوف اورخطرہ،فاقہ کشی،جان اورمال کے نقصانات اورآمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلاکرکےتمہاری آزمائش کریں گے۔ان حالات میں جولوگ صبرکریں گےاورجب کوئی مصیبت پڑےتوکہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اوراللہ ہی کی طرف لوٹ کرجانا ہے،انہیں خوشخبری دیجئے!ان پران کےرب کی طرف سے عنایات ہوں گی۔اس کی رحمت ان پرسایہ کریگی اورایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (سورہ بقرہ)

چنانچہ دعوت وتبلیغ کی راہ میں آنے والی مشکلات،تکالیف اورآزمائشوں کوخندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرناچاہیے ارشادباری تعالیٰ ہے کہ!اورنیکی کاحکم دواوربرائی سے روکواوراس راہ میں جومصائب بھی آئےان کواستقلال کےساتھ برداشت کرتے رہو(سورہ لقمان)

ایک دفعہ حضرت سعدؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا!یارسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ آزمائش کس شخص کی ہوتی ہے آپ نے فرمایاانبیاءکی،پھردین وایمان میں جوان سے زیادہ قریب ہواورپھرجواس سے قریب ہو۔آدمی کی آزمائش اس کے دین کے اعتبارسے ہوتی ہے، پس جوشخص اپنے دین میں پختہ ہوتا ہےاس کی آزمائش سخت ہوتی ہےاورجودین میں کمزورہواس کی آزمائش ہلکی ہوتی ہےاوریہ آزمائش برابرہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ زمین پراس حال میں چلتا ہے کہ اس پرگناہ کاکوئی اثرنہیں رہ جاتا۔ (مشکوۃ شریف)

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ! مجھے اللہ کی راہ میں اتنا ستایا گیا کہ کبھی کوئی انسان اتنا نہیں ستایا گیا اور مجھے اللہ کی راہ میں اتنا ڈرایا گیا کہ کبھی کوئی آدمی اتنا نہیں ڈرایا گیا اور ہم پر تیس شب وروز ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے کھانے کے لئے کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس مختصر توشے کہ جو بلال کے بغل میں تھا۔ (ترمذی شریف)

اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ آزمائش تحریک کو قوت پہنچانے اور آگے بڑھانے کا ذریعہ ہیں، آزمائشوں کی منزلوں سے گزرے بغیر کوئی تحریک کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی خصوصاً وہ تحریک جو عالم انسانی میں ہمہ گیر انقلاب کی دعوت دیتی ہو اور پوری انسانی زندگی کو نئی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا منصوبہ رکھتی ہو۔

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ جس زمانے میں مکہ کے سنگ دل آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر بے پناہ ظلم وستم ڈھا رہے تھے انہی دنوں کا ایک واقعہ حضرت خباب بن الارت بیان فرماتے ہیں!

رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے سائے میں چادر سر کے نیچے رکھے آرام فرما رہے تھے، ہم آپ ﷺ کے پاس شکایت لے کر پہنچے، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب نہیں فرماتے۔ آپ اس ظلم کے خاتمے کی دعا نہیں کرتے (آخر یہ سلسلہ کب تک دراز رہے گا اور کب یہ مصائب کا دور ختم ہوگا؟) رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا! تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے بعض کے لئے گھڑا کھودا جاتا، پھر اس کو اس گھڑے میں کھڑا کر دیا جاتا، پھر آرا لایا جاتا اور اس کے جسم کو چیرا جاتا یہاں تک کہ اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتا اور اس کے جسم میں لوہے کے کنگھے چبھوئے جاتے جو گوشت سے گزر کر ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتے مگر وہ اللہ کا بندہ حق سے نہ پھرتا۔ قسم ہے خدا کی یہ دین غالب ہوکر رہے گا یہاں تک کہ سوار (یمن کے دارالخلافے) صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور راستے میں اللہ کے سوا اس

کو کوئی خوف نہ ہوگا۔ البتہ چرواہوں کو صرف بھیڑیوں کا خوف رہے گا کہ کہیں بکری اٹھا نہ لے جائیں۔ لیکن افسوس کہ تم جلدی مچا رہے ہو (بخاری شریف)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ راہ حق میں مشکلات ومصائب کا آنا ہمیشہ سے جاری ہے اور ہمیشہ ہمیشہ تک جاری رہے گا۔ اس لئے دعوت حق کے سلسلہ میں آنے والی مشکلات کے سامنے حوصلہ ہار دینا ایک کامیاب مبلغ وداعی کی علامت نہیں بلکہ مشکلات کو سہہ کر آگے بڑھنا ہی ایک سچے، پکے داعی کا شیوہ ہونا چاہیئے اس کے بعد ہی اللہ کی مدد ونصرت آتی ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ! میری امت میں برابر ایک گروہ ایسا موجود رہے گا جو اللہ کے دین کا محافظ رہے گا۔ جو لوگ ان کا ساتھ نہیں دیں گے اور جو لوگ ان کی مخالفت کریں گے وہ ان کو تباہ نہ کرسکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے اور یہ دین کے محافظ لوگ اپنی اسی حالت پر قائم رہیں گے۔ (بخاری شریف) اللہ تعالیٰ ہمیں دین حق کا سچا پکا مبلغ بنادے۔ آمین

دعوت وتبلیغ کا عظیم شرف حاصل کیجئے

''دین اسلام'' اس صالح طریق زندگی اور اس خداوندی ہدایت کا نام ہے جس کا پیغام انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو پہنچتا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کے دو کام تھے۔

ایک وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اس طریق زندگی اور اس ہدایات کا حکم حاصل کرنا، اور دوسرے اس علم وہدایت کو بندوں تک پہنچانا، بتانا، سکھانا اور ان کو اس پر چلانے کی کوشش کرنا۔

ان میں سے پہلا کام تو سلسلہ نبوت ختم ہونے کے ساتھ ختم ہوگیا۔ ختم نبوت کا مطلب ہی یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب کسی کو یہ مقام و منصب عطا نہیں فرمایا جائے گا کہ وحی کے ذریعہ اس پر دین وشریعت کے احکام نازل ہوں

اور اس کو نبی مان کر اس کی اطاعت و پیروی کرنا لوگوں کے لئے ضروری ہو۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی اس ہدایت و شریعت نے جو قیامت تک پیدا ہونے والے سب انسانوں کی رہنمائی کے لئے کافی ہے اور جس کے آخری زمانہ تک محفوظ رہنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام بھی کر دیا گیا ہے اس ضرورت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ لیکن سلسلہ نبوت کا دوسرا کام (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی اس ہدایت و شرافت وشریعت کو بندوں تک پہنچانا اور اس کو اسی طرح چلانے کی کوشش کرنا) باقی اور جاری ہے اور امت محمدی ﷺ کا یہ خاص شرف ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نیابت میں وہ اس مقدس مشن کو قیامت تک جاری رکھنے اور اس کارنبوت کو انجام دینے کی ذمہ دار ہے۔

حضور ﷺ نے مکہ معظمہ میں یہ کام دعوت و تبلیغ سے شروع کیا تھا، لوگوں کو آپ ﷺ اللہ کی طرف اور اس کے دین کی طرف بلاتے تھے، اس راستہ پر یہ آپ کا پہلا قدم تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کے کچھ بندوں نے آپ ﷺ کی ایمانی دعوت کو قبول کر لیا اور اپنے لئے اس دین حق اور اس صالح طریق زندگی کا فیصلہ کر لیا جس کی طرف آپ ﷺ دعوت دیتے تھے تو ابتدائی دعوت و تبلیغ کے ساتھ ان اہل ایمان کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و ارشاد اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے کام کا اور اضافہ ہو گیا۔

پھر ایک وقت آیا کہ ہدایت و ارشاد کے اس مقدس مشن کی حفاظت اور اس کے آگے بڑھانے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے زیادہ سے زیادہ بندوں کو ایمان و عمل صالح کی دولت سے بہرہ مند کرنے کے لئے ان باطل کوش مخالف طاقتوں سے نمٹنا ضروری ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کے نور کی اس شمع کو زبردستی بجھا دینا چاہتی تھیں، یا اس کے راستہ میں مزاحم ہوتی تھیں۔ اس وقت اس مقدس مہم کے پروگرام میں جہاد و قتال کا بھی اضافہ ہو گیا اور پھر زمانہ کی رفتار کے ساتھ یہ کام بھی روز بروز بڑھتے ہی گئے۔

جو لوگ آپ ﷺ کی دعوت قبول کرتے تھے، ان کو آپ ﷺ دین کے بنیادی اصول و احکام بتلانے کے ساتھ اس کی بھی تلقین فرماتے تھے کہ دین کی دعوت و خدمت اور اللہ تعالیٰ

کے بندوں کی اصلاح وہدایت کا جو کام اور اس راستہ میں جو جدوجہد میں کررہا ہوں تمہیں بھی حالات وامکانات کے مطابق اس میں میرا ساتھ دینا ہے اور اس کام کو اپنا کام بنانا ہے۔

جب تک آپ اس دنیا میں رونق افروز رہے، امت آپ ﷺ کی زیر قیادت، ہدایت وارشاد اور دین کی خدمت ونصرت کی اس پیغمبرانہ مہم میں اپنے جان ومال سے پوری طرح آپ کی شریک رفیق رہی۔ دعوت وتبلیغ، تعلیم وتربیت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے میدانوں میں اور جہاد وقتال کے معرکوں میں آپ کے زیر ہدایت اپنا یہ فرض ادا کرتی رہی۔ پھر جب آپ ﷺ اس عالم سے دوسرے عالم کی طرف تشریف لے گئے تو اس پوری مقدس مہم کو اسی طرح جاری رکھنا اور اس کے تمام شعبوں کے تقاضوں کو انجام دیتے رہنا بطور نیابت اس امت ہی کا فریضہ ہوگیا اور اب قیامت تک کے لئے خدمت دین ونصرت دین کے ان سب شعبوں میں آپ ﷺ کی امت ہی آپ ﷺ کی قائم مقام اور مسئول وجواب دہ ہے۔

اس کام کی اہمیت وفضیلت کے لئے اگرچہ یہی کافی ہے کہ یہ دراصل پیغمبرانہ کام اور کام نبوت کی نیابت ہے لیکن پھر بھی اس بارے میں قرآن وحدیث مبارکہ کے بعض تاکیدی اور ترغیبی نصوص یہاں ذکر کردینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس کام کے مختلف شعبے ہیں، دعوت وتبلیغ، تعلیم وتزکیہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور قتال فی سبیل اللہ ''دین کی نصرت'' کا لفظ (جس کے معنی ہیں دین کی مدد) اور اس طرح ''جہاد'' اور ''جہد'' کا لفظ (جس کے معنی ہیں کسی مقصد کے لئے پوری محنت وکوشش) اپنے اصل معنی کے لحاظ سے خدمت دین کے ان سب شعبوں پر حاوی ہیں اور قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ بکثرت اسی عام معنی میں استعمال ہوئے ہیں اور بعض مقامات پر نصرت دین کی آخری مخصوص شکل یعنی قتال فی سبیل اللہ کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

اگرچہ دعوت وتبلیغ کے حوالے سے کچھ آیات واحادیث آپ گذشتہ صفحات میں بھی پڑھ چکے ہیں، البتہ کچھ نہ کچھ مزید یہاں بھی ہم چند وہ آیتیں پیش کرتے ہیں جن میں دین کے متعلق خدمت ونصرت اور دین کے لئے جدوجہد کی عام تاکید کی گئی ہے یا ترغیب دی گئی

ہے۔خواہ وہ کسی طور پر اور کسی شکل میں ہو۔اس کے بعد ہم وہ آیتیں پیش کریں گے جن میں خدمت دین کے خاص خاص شعبوں کے لئے تاکید فرمائی گئی یا ترغیب دی گئی ہے۔سورۂ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے (قرب و رضا کا) ذریعہ تلاش کرو (یعنی ایسے عمل جن سے اس کی رضا حاصل ہو اور اس سلسلہ کا خاص الخاص عمل یہ ہے کہ) اس کے دین کی راہ میں جدوجہد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ''۔ (سورۂ مائدہ)

اور سورۂ حج کے آخر میں ارشاد ہوا ہے کہ۔''اور جدوجہد کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اس کے دین کے راستہ میں جیسی جدوجہد کا اس کا حق ہے (اے امت محمد ﷺ!) اللہ تعالیٰ نے تم کو اس خدمت کے لئے چنا ہے، یہ طریقہ ہے تمہارے باپ ابراہیمؑ کا، اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے، اس (کتاب قرآن مجید) میں اور اس سے پہلے (والی کتابوں میں) تو ایسا ہے کہ رسول تو تمہارا نگران اور معلم ہو اور (رسول سے دین کی تعلیم و تربیت پا کے) تم باقی دنیا کے نگران و معلم بنو''۔ (سورۂ حج)

اور سورۂ صف میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا ہے کہ۔''اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسا کاروبار بتادوں جو دردناک عذاب سے تمہیں نجات دلا دے؟ (سنو وہ یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس ایمان کے مطالبوں کو ادا کر کے اپنے حقیقی مومن ہونے کا ثبوت دو) اور اپنے جان و مال سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اور اس کے دین کے لئے جدوجہد کرو، یہ تمہارے لئے سراسر خیر ہے اگر تم کو حقیقت کا علم ہو (تم نے اگر ایسا کیا) تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو بہشت میں ان باغات میں پہنچا دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور سدا بہار جنتوں کے نہایت نفیس مکانات میں تمہیں بسائے گا یہ عظیم الشان کامیابی ہے (اور آخرت کی اس جنت اور کامیابی کے علاوہ اس سے پہلے) ایک دوسری نعمت بھی تم کو عطا کرے گا جس کی تمہیں چاہت ہے (اور وہ ہے) دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کی مدد اور قریبی فتح، اور اے پیغمبر ﷺ! آپ ایمان لانے والے بندوں کو اس کی خوشخبری سنا دیجئے۔اے ایمان والو! ہو جاؤ اللہ کے مددگار، جیسا کہ عیسیٰؑ بن مریمؑ نے

حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہیں میری مدد کرنے والے اللہ کے راستہ میں؟ تو حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے انصار اور اس کے راستہ میں آپ ﷺ کے مددگار"۔

سورۂ صف کی ان آیتوں کے آخر میں اس امت کے اہل ایمان کو **کونوا انصار اللہ** کے دلنواز نعرے کے ذریعے دین کی نصرت اور مدد کا حکم اور اس کی ترغیب دیتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پکار **من انصاری الی اللہ** اور حواریوں کے جواب **نحن انصار اللہ** کا ذکر جس طرح کیا گیا ہے اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان آیتوں میں جس جہاد اور نصرت کی اہل ایمان کو دعوت و ترغیب دی گئی ہے اس سے مراد خاص جہاد بالسیف ہی نہیں ہے بلکہ دین کی عام کوشش اور مدد مراد ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے متعلق یہ معلوم و مسلم ہے کہ انہوں نے کبھی بھی جہاد بالسیف نہیں کیا، ان کا جہاد دعوت و تبلیغ، تعلیم و تزکیہ اور اصلاح و ارشاد کی راہ میں تکلیفیں اٹھانا اور مصیبتیں سہنا ہی تھا۔

بہر حال قرآن مجید کی ان سب آیتوں میں اہل ایمان کو جہاد یا نصرت کے لفظ سے دین کی جدوجہد اور خدمت و نصرت کی جو دعوت دی گئی ہے اس میں ہر وہ سعی و کوشش اور ہر وہ محنت و خدمت اور ہر وہ قربانی داخل ہے جو دین کے فروغ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے کی جائے، خواہ وہ تبلیغ و دعوت کی شکل میں ہو یا تعلیم و تربیت کی شکل میں، یا جنگ و قتال کی صورت میں۔

ایک آیت مبارکہ میں ارشاد ہے کہ "اے پیروان محمد ﷺ! تم تمام امتوں میں بہترین امت ہو، جو لوگوں (کی اصلاح و ہدایت) کے لئے ظہور میں لائی گئی ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

اس آیت مبارکہ میں اس امت کے ظہور کی غرض و غایت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ اس کو ایمان باللہ کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور لوگوں کی اصلاح و ہدایت کی خدمت انجام دینا ہے اس لئے ان آیتوں کی رو سے ان کاموں کی انجام دہی کی ذمہ داری تو پوری

امت کی ہے، لیکن ان کاموں کی خاص نوعیت ایسی ہے کہ ان کی انجام دہی کے لئے اکثر حالات میں امت کے ہر ہر فرد کا ان میں لگنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ ان کاموں کی اہلیت اور صلاحیت رکھنے والے لوگ بقدر کفایت اگر ان کاموں میں لگ جائیں اور باقی افراد امت کی تائید اور تعاون ان کو حاصل رہے تو بھی کام پورا ہو جاتا ہے۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے کہ۔ ''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر لعنت ہوئی اللہ کے نبی داؤدؑ اور عیسیٰؑ بن مریمؑ کی زبان پر، یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حدود سے تجاوز کرتے تھے (ان کا ایک خاص گناہ جو اس لعنت کا سبب بنا یہ تھا) کہ جو برائیاں وہ کرنے لگے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو ان سے روکتے نہیں تھے (نہی عن المنکر، کا فریضہ انہوں نے معطل کر رکھا تھا) ان کا یہ بہت برا فعل تھا''۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس درجہ کا فریضہ ہے کہ اس سے غفلت برتنے اور اس کو ترک کرنے کی وجہ سے بنی اسرائیل قابل لعنت ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں اس کے ذکر کا خاص مقصد امت محمدی ﷺ کو یہ آگاہی دینا ہے کہ اگر اس بارے میں اس نے بھی وہی غفلت کی جو بنی اسرائیل نے کی تھی تو بنی اسرائیل ہی کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و نصرت سے محروم اور لعنت کی مستحق ہو جائے گی۔

اس موقع پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی چند حدیثیں بھی رقم کی جاتی ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہو، اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو ضرور ایسا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیجے، پھر تم اس عذاب سے نجات کے لئے اس سے دعائیں کرو گے اور تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔ (ترمذی شریف)

دراصل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث اسی اشارے کی تفصیل اور وضاحت ہے جو سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت سے مفہوم ہوتا ہے۔ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔"تم میں سے جو شخص کوئی برا عمل ہوتے دیکھے تو (اگر اپنی طاقت وقوت سے اس برائی کو نیکی سے بدل سکتا ہو) تو وہ اپنی طاقت استعمال کر کے اس کی تبدیلی کی کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے اس کی کوشش کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو پھر دل ہی سے کرے (یعنی دل ہی سے اس کو برا سمجھے اور اس کی اصلاح کے بارے میں سوچتا رہے) اور یہ آخری صورت ایمان کے سخت ضعف کے وقت ہوگی"۔ (مسلم شریف)

اور حضرت جریر ابن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔"جو شخص کسی قوم میں رہتا ہو اور ان کے اندر رہ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہو اور وہ لوگ اس کے اس طرز عمل کے بدلنے کی قدرت رکھتے ہوں، لیکن اس کے باوجود نہ بدلیں تو اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے دنیا ہی میں ان کو اپنے عذاب میں مبتلا کر دے گا"۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا ہے کہ۔من دل علی خیر فله مثل اجر فاعله ٥ (رواہ مسلم)

"اللہ تعالیٰ کا جو بندہ کسی دوسرے بندے کو کسی نیک عمل کی رہنمائی کرے تو اس بتانے والے کو بھی کرنے والے کے برابر ثواب ہے"۔

اور حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔"کیا تم جانتے ہو کہ جود وسخا میں کون سب سے بڑھا ہوا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ "اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو خبر ہے"۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جود وسخا میں سب سے اعلیٰ اور بالا تو اللہ تعالیٰ ہیں، پھر اس کے بعد جود وسخا میں میرا درجہ ہے اور میرے بعد اس شخص کا درجہ ہے جس نے اللہ کی ہدایت کا علم حاصل کیا، پھر اس کو پھیلانے اور دوسروں تک پہنچانے میں جدوجہد کی۔ ایسا شخص قیامت کے دن سردار اور حاکم بن کر آئے گا (یا فرمایا کہ یہ اکیلا شخص ایک امت بن کر آئے گا)"۔

ایک حدیث مبارکہ اسی سلسلہ میں اور بھی نقل کی جاتی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن

ابزیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ۔ ”ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں مسلمانوں کے بعض گروہوں اور قبیلوں کی (ان کی کارکردگی اور خدمت کی بناء پر) تعریف فرمائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا بعض دوسرے گروہوں اور قبیلوں کا یہ کیا حال ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں میں دین کی سمجھ اور اس کا شعور پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ ان کو تعلیم دیتے ہیں اور نہ نصیحتیں کرتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی ادا نہیں کرتے (اس کے بعد آپ ﷺ نے روئے سخن بدلتے ہوئے فرمایا) اور بعض گروہوں کا یہ حال ہے کہ وہ پڑوسیوں سے دین کا علم اور اس کا فہم وشعور حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ وہ ان سے نصیحتیں لینے کے لئے جاتے ہیں۔ اللہ کی قسم (دین کا علم اور دین کی سمجھ رکھنے والے) ہر گروہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کی تعلیم کا اہتمام کرے اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کرنے کی کوشش کرے اور ان کو وعظ و نصیحت کیا کرے اور بری باتوں سے ان کو روکا کرے اور اچھی باتوں کے لئے ان سے کہا کرے۔ اور اسی طرح (جن گروہوں میں علم دین نہ ہو) ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے علم رکھنے والے پڑوسیوں سے علم حاصل کیا کریں اور نصیحت لیا کریں اور دین کو سمجھنے کی کوشش کیا کریں۔ (بہر حال نہ جاننے والوں کے لئے جاننے والوں سے سیکھنا ان کے دینی فرائض میں سے ہے اور ہر گروہ کو چاہیئے کہ وہ اپنا یہ فرض ادا کیا کرے) اور اگر کسی گروہ نے اپنے اس فریضہ کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کی تو میں ان کو جلدی سخت سزا دلواؤں گا“۔

اس حدیث سے یہ بات وضاحت کے ساتھ معلوم ہوگئی کہ دین کی تبلیغ اور ناواقفوں کی تعلیم وتربیت اور اصلاح وارشاد کے بارے میں اس امت کی ذمہ داری کیا ہے اور اگر وہ اس ذمہ داری کو ادا نہ کریں تو اللہ اور رسول کے نزدیک وہ کتنے بڑے جرم کی مرتکب ہے۔

امت کی اسی عام ذمہ داری کو رسول اکرم ﷺ نے اپنے ایک بہت مختصر اور مشہور جملہ میں اس طرح ادا فرمایا ہے کہ۔ الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ ○
”جس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے حلقہ کا نگراں ہے اور ہر ایک کو

اپنے زیر نگرانی حلقہ کی بابت خدا کے سامنے جواب دہی کرنا ہے"۔

ان آیتوں اور حدیثوں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ دین کی خدمت ونصرت کے ان شعبوں اور ان شکلوں یعنی تبلیغ و دعوت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، تعلیم وتربیت اور اصلاح وارشاد کی اس امت پر کتنی عظیم ذمہ داری ہے اور اس کے بارے میں اللہ ورسول کی طرف سے کتنی سخت تاکید ہے اور اس کام کے کرنے والوں کا کیا مقام اور کتنا بلند درجہ ہے اس میں غفلت اور سستی کرنے والے کتنے معتوب اور اس کو بالکل چھوڑ دینے والے کتنے ملعون اور مغضوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو "امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (بحوالہ جستہ جستہ از دین وشریعت)

ہر فرد کے تبلیغی فرائض وذمہ داریاں

دین اسلام محض عقائد وعبادات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مکمل اور جامع نظام حیات ہے۔ اس میں انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر رخ کے لئے ابدی ہدایات اور احکام موجود ہیں، جو ایک مسلمان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کے تمام دائروں اور گوشوں پر حاوی ہیں۔ ان کی روشنی میں جو معاشرہ تشکیل پاتا ہے اسے حسن کردار کی مظہر انفرادیت اور اجتماعیت کا نہایت حسین امتزاج کہا جاسکتا ہے۔ اسلام جہاں معاشرے کے ہر فرد کے حقوق وفرائض متعین کرتا ہے وہاں وہ مسلمانوں سے یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ تم میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت رہنی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے، انہیں اچھے کاموں پر لگائے اور برائی سے روکے۔ ظاہر ہے کہ جماعت افراد ہی سے تشکیل پاتی ہے۔ اس لئے بنیادی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ فرد ہی پر عائد ہوتا ہے، گویا ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ۔

اسلام "نیک بنو اور نیکی پھیلاؤ" کا علمبردار ہے۔ اس لئے کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں کہلاسکتا جب تک وہ اُن چار صفات کا حامل نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور

آخرت میں انسان کی کامیابی کے لئے ضروری قرار دی ہیں۔ یہ صفات ہیں ایمان، اعمال صالح، دوسروں کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرنا۔ قرآن حکیم کی سورۃ العصر میں اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھا کر کہا ہے کہ ان صفات سے تہی دامن شخص ہمیشہ خسارے میں رہے گا۔ خسارہ فلاح کی ضد ہے اس لئے فرمان الٰہی کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایسا انسان دنیا اور آخرت میں ناکام ونامراد رہے گا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ قرآن حکیم کا تصور فلاح محض دینوی خوشحالی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ دنیا سے لے کر آخرت تک انسان کی حقیقی کامیابی پر حاوی ہے اور یہ حقیقی کامیابی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا حاصل ہونا ہے۔ اگر ان صفات پر الگ الگ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ اسلامی معاشرے کے ہر فرد کے ہر پہلو کی داخلی نگران اور خارجی معیار ہیں۔ خلوت ہو یا جلوت، گھر ہو یا میدان، تجارت ہو یا سیاست، امن ہو یا جنگ تنگ دستی ہو یا آسودہ حالی، سفر ہو یا قیام، ہر حالت میں یہ صفات انسان کو راہِ راست پر رکھیں گی۔

سب سے پہلی صفت ایمان ہے۔ ایمان لانے کا مطلب ہے اللہ وحدہ لاشریک، اس کے پیغمبروں، ملائکہ، کتب الٰہیہ اور آخرت کا ماننا۔ یہ ایمان ہی ہے جو اخلاق اور سیرت وکردار کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے جس پر ایک پاکیزہ زندگی کی عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ ورنہ جہاں سرے سے ایمان ہی نہ ہو وہاں انسان کی زندگی بظاہر کتنی ہی خوشنما کیوں نہ ہو، اس کی حیثیت ایک ایسے جہاز کی ہے جس کا کوئی لنگر نہ ہو اور جو موجوں کے تھپیڑوں کے ساتھ بہتا چلا جائے۔ یوم آخرت پر عقیدہ دل میں اللہ کا خوف پیدا کرتا ہے، یہی ایمان کی روح ہے۔

دوسری صفت نیک کاموں پر عمل کرنا ہے۔ نیک کاموں کی تعریف یہ ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے وہ کیے جائیں اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان سے باز رہا جائے۔ اعمال صالح یا نیک کاموں میں سے چند کے عنوانات یہ ہیں کہ سچ بولنا، عہد کا پورا کرنا، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، نرمی سے بات کرنا، عفو ودرگزر

کرنا، اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، والدین کی خدمت کرنا، صلۂ رحمی، مہمان نوازی کرنا، امانت داری کرنا، تواضع وانکساری کرنا، بڑوں کا ادب کرنا، چھوٹوں پر شفقت، سچی گواہی دینا، عدل کرنا رحم وکرم کرنا، اخلاص کے ساتھ عبادت کرنا مخلوق خدا کی بے غرض خدمت کرنا، جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، اللہ کی رضا کے لئے ان سے رک جانا بھی نیکی ہے۔ ایسے کاموں میں سے چند کے عنوانات یہ ہیں۔

بدعہدی، بخل، قطع رحمی، چوری، بے حیائی، بدچلنی، سودخوری، تکبر، غصہ، فتنہ وفساد، قتل ناحق، ریاکاری، رشوت دینا اور لینا، خیانت، بدگمانی، دروغ گوئی، ناپ تول میں کمی، غیبت، خوشامد، تمسخر، فضول خرچی، جوئے بازی، شراب خوری، اہانت نفسِ انسانی۔

نیکی کی ترویج کے لئے محسن انسانیت ہادیٔ برحق ﷺ کے چند اور ارشادات ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے کہ نہ تو خود اس پر ظلم وزیادتی کرے نہ دوسروں کا نشانہ ظلم بننے کے لئے اس کو بے مدد چھوڑے۔ اور کوئی اپنے ضرورت مند بھائی کی حاجت پوری کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا اور جو کسی مسلمان کو کسی تکلیف اور مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی پردہ داری کرے گا۔ (صحیحین)

حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس شخص پر اللہ کی رحمت نہ ہوگی جو اس کے پیدا کئے ہوئے انسانوں پر رحم نہ کھائے گا اور ان کے ساتھ ترحم کا معاملہ نہ کرے گا۔ (صحیحین)

حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (گویا اس کا کنبہ) ہے اس لئے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان اور

اچھا سلوک کرے۔ (شعب الایمان بیہقی)

غور فرمایئے کہ اگر ہم میں سے ہر فرد رحمت عالم ﷺ کے ان ارشادات کو اپنی زندگی کا شعار بنالے تو سارا معاشرہ نیکی کی خوشبو سے کیوں نہ مہک اٹھے گا اور اس میں خود بخود ہی باطل سوز اجتماعیت کیوں نہ پیدا ہو جائے گی۔ خسارے سے بچنے کے لئے تیسری اور چوتھی صفتیں قرآن نے یہ بتائی ہیں کہ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والے لوگ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اول تو ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنیوالوں کو فرد فرد بن کر نہیں رہنا چاہیئے بلکہ ان کے باہمی ربط وضبط سے ایک صالح معاشرہ وجود میں آنا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ اس معاشرے کے ہر فرد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اسے بگڑنے سے بچائے اور اس کے تمام افراد ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کریں۔ حق کا لفظ باطل کی ضد ہے اور بالعموم یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک صحیح اور سچی بات اور دوسرے کو حق کی نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں اگر حق کے خلاف کام کیئے جارہے ہیں تو خاموشی کے ساتھ اس کا تماشہ نہ دیکھیں بلکہ حق کی قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں۔ معاشرے کا ہر فرد نہ صرف خود حق کے تقاضے پورے کرے بلکہ دوسروں کو بھی اس طرز عمل کی تلقین کرے۔ یہ وہ چیز ہے جو معاشرے میں حق کی سربلندی اور نیکی کی ترویج کی ضامن ہے اور اس کو اخلاقی انحطاط سے بچاتی ہے۔ بعض اوقات باطل اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اس کا مقابلہ کرنا سخت دشوار ہوتا ہے اور اس سلسلے میں حق کے علمبردار بے پناہ مصائب وآلام سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ ان کو یہ سب کچھ صبر واستقامت سے برداشت کرنا ہوگا۔ اسی لئے معاشرے کے تمام افراد کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کی ہمت بندھاتے رہیں اور ان حالات کو صبر سے برداشت کرنے کی نصیحت کرتے رہیں۔ صبر کی تلقین کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کا کوئی فرد کسی مصیبت میں مبتلا ہو، کسی اذیت ناک بیماری کا شکار ہو جائے یا اس کا کوئی پیارا ہمیشہ کے داغ مفاقت دے جائے تو اس کو نصیحت کی جائے کہ صبر سے کام لے، جزع فزع نہ کرے اور اللہ کی رضا کے سامنے سر

تسلیم خم کردے۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر اسلامی معاشرے کا کوئی فرد نیکی کی ترویج میں ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو نیک بننے اور نیکی پھیلانے کی توفیق دے۔ آمین

دعوت و تبلیغ والوں کے لئے حضور ﷺ کی دعا

کس مومن کے دل میں یہ آرزو نہ ہوگی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی مقبول دعا کا مستحق بنے اور رسول اکرم ﷺ کی یہ دعا کہ "اے اللہ! تو اس بندے کو خوش وخرم اور شاداب رکھ!" اس کے حق میں بھی خدا کے یہاں شرف قبولیت پائے۔

کیسا خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کے لئے اللہ کے رسول ﷺ دعا فرمائیں، اس بات میں کیسے تردد ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا شرف قبولیت نہ پائے گی اور خدا اپنے حبیب کی فرمائش ہرگز رد نہ فرمائے گا۔

رسول اکرم ﷺ کی دعا کا مستحق دنیا میں بھی خوش وخرم اور شاداب رہے گا، لیکن اصل خوشی اور شادابی تو اس کو اس دن حاصل ہوگی جب وہ حشر کے میدان میں خدا کے حضور پہنچے گا۔ ذرا تصور تو کیجئے اس بندے کی خوش نصیبی کا جو حشر کے میدان میں اس طرح آئے کہ اس کا چہرہ مسرت و کامرانی سے چمک رہا ہو اور اس کی نگاہیں دیدار الٰہی میں محو ہوں۔

وُجُوہ یومئذ ناضرۃ ○ الی ربھا ناظرہ (القیمہ)

"اس دن بہت سے (خوش نصیبوں کے) چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے اور رب کے دیدار میں محو ہوں گے"۔

جب کہ اُسی دن بہت سے بدنصیب وہ بھی ہوں گے جن کے چہرے شرم وندامت اور گناہوں کی تپش سے جھلسے ہوئے ہیبت ناک حد تک سیاہ اور اداس ہوں گے۔

ووجوہ یومئذٍ باسرۃ ○ تظن ان یفعل بھا فاقرۃ ○

"اور بہت سے (بدنصیبوں کے) چہرے اداس اور بے رونق ہوں گے اس آفت

کے اندیشے سے جو اُن پر آنے والی ہے"۔

ذرا اپنے دل کو ٹٹولئے کیا آپ کے دل میں یہ تڑپ نہیں کہ آپ بھی اپنے رسول ﷺ کی اس دعا کے مستحق بنیں کہ "اے اللہ! تو اس بندے کو خوش وخرم اور شاداب رکھ!"۔ اور آپ بھی چمکتے چہرے کے ساتھ خدا کے حضور پہنچیں اور اس کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن کریں۔

رسول اکرم ﷺ نے کن لوگوں کے لئے یہ دعا فرمائی ہے اور کون لوگ اس کے مستحق ہیں، یقیناً آپ جاننا چاہتے ہوں اور بڑی بے تابی کے ساتھ! رسول اکرم ﷺ نے یہ دعا اُن لوگوں کے حق میں فرمائی ہے جو رسول اکرم ﷺ کا پیغام رسول ﷺ سے سن کر خدا کے بندوں تک پہنچائیں اور دعوت وتبلیغ کا کام کریں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے "خدا اس بندے کو شاداب ومسرور رکھے جس نے مجھ سے میرا پیغام سنا اور اسے ٹھیک ٹھیک دوسروں تک پہنچایا۔

بلاشبہ آپ نبی ﷺ کا پیغام نبی ﷺ کی زبان سے نہیں سن سکتے، لیکن یہ موقع بہرحال آپ کو حاصل ہے کہ آپ نبی ﷺ کا پیغام دوسروں تک ٹھیک ٹھیک پہنچائیں اور قلب کی لگن کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیں اور نبی ﷺ کی دعا کے مستحق بنیں۔

رسول اکرم ﷺ کی یہ دعا یقیناً آپ کے حق میں بھی ہے اگر آپ دعوت وتبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں، اور حسن وخوبی کے ساتھ یہ عمل کررہے ہیں، یہی آپ کی زندگی کا مشن ہے اور یہی شب وروز کی سرگرمی۔

پھر دعوت وتبلیغ کے اجر وانعام کی کوئی حد اور انتہا نہیں، بالکل ممکن ہے کہ آپ جن لوگوں تک خدا کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچائیں، وہ آپ کے مقابلے میں اس پیغام کی زیادہ حفاظت کریں۔ آپ سے زیادہ اس کے تقاضوں کو سمجھیں، آپ سے زیادہ اس کا حق ادا کریں، اور آپ سے زیادہ شوق ومحنت کے ساتھ دوسروں تک اُسے منتقل کریں، لیکن خدا کا فضل واحسان تو دیکھئے چونکہ ان تک دین کا پیغام پہنچنے کا واسطہ آپ بنے ہیں، اس لئے اب

رہتی زندگی تک اس واسطے سے جن جن لوگوں کو بھی یہ پیغام پہنچے گا، ان سب کے اجر وانعام کے برابر آپ کو اجر وانعام ملتا رہے گا۔ آپ کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ یہ بے پایاں فضل وکرم فرمائے گا اور اُن لوگوں کے اجر وانعام میں بھی کوئی کمی نہ کرے گا۔

البتہ دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے وقت یہ بنیادی بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ نبی ﷺ کی دعا کے مستحق صرف وہی لوگ ہوں گے جو ٹھیک ٹھیک آپ ﷺ کی دعوت کو منتقل کریں، آپ ﷺ سے سننے والوں نے جس طرح آپ ﷺ سے سنا، جس طرح سمجھا اور جس طرح اپنے بعد کی امت کو پہنچایا، ٹھیک اسی طرح آپ بھی دوسروں تک وہ دعوت پہنچائیں، اس میں آپ کو کسی کمی کی اجازت ہے اور نہ کسی اضافے کا اختیار، اگر آپ اسی آرزو کے ساتھ دعوتِ دین کا کام کررہے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی دعا کے مستحق بنیں، خدا کا دیدار آپ کو نصیب ہو، اور قیامت کے دن آپ کامیاب اور شاد ماں خدا کے حضور پہنچیں تو آپ نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا کریں، نہ کسی لالچ سے مرعوب ہوں، نہ کسی قوت سے خوف کھائیں اور نہ کسی آزمائش سے ہراساں ہوں۔ ہر آنے والی آفت کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور خدا کا دین بے کم وکاست ٹھیک خدا کے بندوں تک پہنچائیں، اور اس تمنا کے ساتھ یہ سب کچھ کریں کہ رسول اکرم ﷺ کی دعا آپ کے حق میں قبول ہو، دنیا میں بھی آپ کامیاب وشاد ماں ہوں اور کل قیامت کے روز بھی آپ کا چہرہ مسرت وکامرانی سے دمک رہا ہو، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ۔

نضّر الله امرأً سمع منا شيئاً فبلّغ كما سمع فربّ مبلّغ اوعى لها من سامع. (ابوداؤد، ترمذی) ”خدا اُس بندے کو مسرور وشاداب رکھے جس نے مجھ سے سنا اور پھر اس کو ٹھیک اسی طرح دوسروں تک پہنچایا جس طرح مجھ سے سنا تھا، بہت سے وہ لوگ جن تک واسطوں سے بات پہنچتی ہے وہ ان سے زیادہ اس پیغام کی حفاظت کرتے ہیں جو براہِ راست سننے والے ہوتے ہیں۔

دعوت وتبلیغ کی سعادت ملنے پر شکرادا کیجئے

خدانے اپنے دین کی خدمت کے لئے آپ کو پکارا، آپ نے اس کی پکار پر لبیک کہا، اور دین کی دعوت واشاعت کے کام میں لگ گئے۔ یہ محض خدا کی توفیق اوراحسان ہے کہ اُس نے اپنے دین کی دعوت وتبلیغ کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا جبکہ روئے زمین پر کروڑوں بندے ہیں جو مال ودولت، اثر وشہرت، علم وبصیرت اورقوت واقتدار کے لحاظ سے آپ سے کہیں زیادہ آگے ہیں۔ اس کے باوجود خدا کی نظر آپ پر پڑی اوراس نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لئے منتخب فرمایا۔ اُسی نے آپ کے سینے میں یہ عزم وحوصلہ پیدا فرمایا ہے کہ آپ دین حق سے ناواقف اور غافل بندوں تک خدا کا پیغام پہنچا ئیں، اور انہیں اسلام کا سیدھا سچا راستہ بتا ئیں۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے جو خدانے محض اپنے فضل وکرم سے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

دل کی اتھاہ گہرائیوں سے خدا کا شکرادا کیجئے کہ اس نے آپ کو اس عظیم منصب کے لئے چنا۔ یہ انتخاب خدا کا بہت بڑا انعام بھی ہے اور بہت بڑی آزمائش بھی، دین حق کا علم وشعوراور دعوتِ دین کی ذمہ داری کا احساس دے کر خدانے آپ پر اپنا خصوصی فضل فرمایا ہے اور یقیناً اس نے آپ کو بہت بڑے انعام سے نوازا ہے۔ لیکن یہ شعور واحساس آپ کا امتحان اورآزمائش بھی ہے، اس عظیم منصب پر سرفراز فرما کر دراصل اللہ تعالیٰ آپ کو آزمارہا ہے کہ آپ اس کی وفاداری میں کس حد تک پورے اترتے ہیں۔ خدا کے احسان وسلوک کا اپنے عمل وکردار سے کیا جواب دیتے ہیں، اوراپنی ذمہ داری کا حق ادا کرنے میں کس قدر مخلص ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ۔ **وان اللہ مستخلفکم فیھا فینظر کیف تعملون.** ”اور یہ کہ اللہ نے تمہیں ان لوگوں کا جانشین بنایا ہے جو تم سے پہلے ہوگزرے ہیں، تاکہ وہ یہ دیکھے کہ تم کیا روش اختیار کرتے ہو“۔

خدا کی سونپی ہوئی اس ذمہ داری کا حق ادا کرنے کے لئے تین حقیقتوں کو ہمہ وقت

پیشِ نظر رکھئے اور کسی وقت بھی ان کی طرف سے غفلت اور لاپرواہی اختیار نہ کیجئے۔

☆ ایک یہ کہ خدا کی نظر میں بندے کے لئے اس سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو خدا کے دین کی طرف بلائے۔

☆ دوسری یہ کہ خدا ہی نے اس کام کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا ہے، وہ انتخاب نہ فرماتا تو آپ ہرگز اس کام نہیں لگ سکتے تھے۔

☆ تیسری یہ کہ خدا کی پکار پر لبیک کہنے والوں کے جذبات اور سرگرمیاں کیا ہوتی ہیں۔

یہ تینوں باتیں ہمہ وقت آپ کے دل و دماغ میں تازہ رہیں، صرف ایک بار انہیں پڑھ لینا یا سمجھ لینا کافی نہیں ہے، بار باران باتوں کو دہرایئے، بار بار انہیں اپنے ذہن میں تازہ کیجئے، آدمی بار بار بھولتا ہے، اور ضرورت ہوتی ہے کہ اسے بار بار یاددہانی کرائی جائے۔

خدا کے بندوں میں سب سے اونچا مرتبہ رسولوں اور پیغمبروں کا ہے، جو خدا کے بندوں کو خدا کے دین کی طرف بلاتے ہیں، اور اپنے قول و عمل سے لوگوں کو دین کا سیدھا اور سچا راستہ بتاتے ہیں، خدا کے یہ رسول ہر دور میں آئے، ہر قوم میں آئے، ہر ملک میں آئے اور اپنے اپنے زمانے میں انہوں نے اپنی قوم کو اسلام کی تعلیم سے روشناس کرایا، سب سے آخر میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خدا نے اس کام کے لئے رسول بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد پورے ۲۳ سال تک خدا کے بھٹکے ہوئے بندوں کو خدا کی راہ پر لگایا، اور دین کی روشن تعلیمات سے ان کی انفرادی، سماجی اور سیاسی زندگی کو آراستہ کیا۔ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، یعنی آپ ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی ہے، اب رہتی زندگی تک کوئی اور نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

نبوت کا سلسلہ تو ختم ہوگیا لیکن لیکن وہ کام ختم نہیں ہوا جس کے لئے نبی آتے تھے، یعنی خدا کے ناواقف اور غافل بندوں کو خدا کے دین کی تعلیمات پہنچانا اور دین کی طرف دعوت دینا، اب یہ کام رہتی دنیا تک رسول اکرم ﷺ کی امت یعنی ''امت مسلمہ'' انجام دے

گی، بیت اللہ کی تعمیر کرتے وقت خدا کے برگزیدہ پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک ط (البقرہ۔۱۲۸)

''اے ہمارے رب! ہمیں اپنا مسلم اور فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد سے ایک ایسی امت کو اٹھا جو تیری مسلم اور فرمانبردار ہو''۔

خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور رسول اکرم ﷺ کی قیادت میں امت مسلمہ کو اٹھایا جو اس وقت تک دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتی رہے گی۔ جب تک یہ دنیا آباد ہے۔ یہ امت رسول اکرم ﷺ کی جانشین ہے، اور اس کو وہی کام انجام دینا ہے جو رسول اکرم ﷺ انجام دیتے رہے ہیں۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد پاک ہے کہ۔

''خدا نے تمہارا انتخاب فرمالیا ہے، اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، پیروی کرو اس دین کی جو تمہارے اپنے باپ ابراہیم کا دین ہے، اس نے پہلے ہی سے تمہیں مسلم کے نام سے نوازا تھا اور اسی سلسلہ میں کہ رسول ﷺ تمہارے لئے دین حق کی شہادت دیں، اور تم دنیا کے سارے انسانوں کے سامنے دین حق کی شہادت دو۔ (سورۃ الحج)

دین میں اس سے بڑی سعادت اور کوئی نہیں ہے کہ آپ وہ خدمت انجام دیں جس کے لئے ہمیشہ انبیا علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے ہیں، اور جس کے لئے خدا نے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیجا۔ خدا کے بندوں کو خدا کے دین کی دعوت دے کر آپ رسول اکرم ﷺ کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ دین ودنیا میں انسان کے لئے اس سے زیادہ شرف اور عظمت کا کوئی دوسرا کام نہیں ہوسکتا، اپنے منصب کی یہ قدر و عظمت کا یہ شعور آپ کو ہمیشہ سرگرم رکھے گا۔ آپ کو عزم، حوصلہ، ولولہ اور لگن بخشے گا اور کسی وقت بھی آپ کی داعیانہ جذبات کو مضمحل نہ ہونے دے گا۔

دوسری حقیقت جو کسی وقت بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونی چاہیئے، وہ یہ ہے کہ آپ اشاعت دین کی کوششوں میں اسی لئے شریک ہیں، کہ خدا نے اپنی حکمت کے تحت اس کام کے لئے آپ کو منتخب فرمالیا ہے۔ اس کی توفیق نہ ہوتی تو آپ اس عظیم کام کا حوصلہ

ہرگز نہ کر سکتے تھے، اس کی توفیق کے بغیر آپ نیکی کے لئے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے، یقیناً خدا ہی نے اپنے دین کی خدمت کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا ہے اور اس کا ہر کام علم وحکمت کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے، اس یقین وشعور کا زبردست فائدہ یہ ہے کہ آپ دو بہت بڑی نفسیاتی اور اخلاقی کمزوریوں سے محفوظ رہیں گے۔

☆ احساس پستی اور کہتری

☆ احساس برتری اور غرور

یہ وہ بدترین کمزوریاں ہیں جن کے ہوتے نہ آپ دعوت اسلامی کے لئے کسی طور مفید ہو سکتے ہیں اور نہ آپ کو دعوت اسلامی سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

احساس کہتری اور پستی کا شکار آدمی دنیا میں کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔ دعوت اسلامی کے لئے بھی وہ لوگ ہرگز مفید نہیں ہو سکتے جو احساسِ پستی میں مبتلا ہوں، اس کے لئے ایسے ہی کارکن درکار ہیں، جو ہر محفل میں، ہر طبقہ میں، اور ہر مقام پر کسی خوف وخطر کے بغیر یقین کی پوری قوت اور جرأت کے ساتھ اپنی بات پیش کر سکیں، اور اپنے پیغام کی قدر وعظمت پر یقین رکھتے ہوئے پیش کر سکیں۔

ایرانی سپہ سالار رستم کے دربار میں جہاں آدمی پر داخل ہوتے ہوئے لرزہ طاری ہوتا تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت ربعی بن عامرؓ نے جس جرأت، بے باکی اور شان عظمت کے ساتھ اسلام کی دعوت پیش کی، حضرت جعفر طیارؓ نے جس شان کے ساتھ نجاشی کے دربار میں اسلام کی ترجمانی کی، اور حضرت ابو ذر غفاریؓ نے جس جرأت اور بے خوفی کے ساتھ مکّے کے خونخوار نادانوں کے سامنے اعلانِ حق کیا وہ تاریخ دعوت کے ایسے روشن باب ہیں جن سے داعیانِ حق کے قافلے رہتی دنیا تک روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔

نبوت کے ابتدائی دور میں رسول اکرم ﷺ نے قریش کے سرداروں کو اپنے دستر خوان پر مدعو کیا اور ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ جو پیغام میں لے کر آیا ہوں، اس میں تمہارے لئے دونوں جہان کی سعادت وفلاح ہے۔ بتاؤ تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟

سب خاموش تھے، ایک نوعمر لڑکا اٹھا اور اس نے کہا۔ ''اے چچا کے بیٹے! اگر چہ میری آنکھوں میں آشوب ہے، میری ٹانگیں پتلی ہیں، اور میں نوعمر ہوں لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا۔

مکے کے ابتدائی دور، قریش کے تنومند سرداروں کی غضبناک نگاہیں، اور ایک نوعمر، ناتواں اور بظاہر بے مایہ لڑکے کا یہ جرأت مندانہ اعلان، کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا، دراصل اس یقین وشعور کا اظہار ہے کہ اس عظیم کام کے لئے خدا ہی میرا انتخاب فرما رہا ہے، اور جب قوت وطاقت اور اثر ورسوخ رکھنے والے ان تندرست وتوانا سرداروں کو چھوڑ کر خدا کی نظر انتخاب مجھ ناتواں اور نوعمر پر پڑی ہے تو میں ظاہر کی ہر بے بسی اور ناتوانی سے بے نیاز ہو کر اعلان کرتا ہوں کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا، جس ہستی نے آپ ﷺ کی رفاقت ومعیت کے لئے میرا انتخاب کیا ہے وہ قوتوں کا سرچشمہ ہے، کائنات اسی کی چٹکی میں ہے، وہی میری پشت پناہی کرے گا۔ جب اس نے میرا انتخاب کیا ہے، تو میری پتلی ٹانگوں میں وہی استقلال کی قوت بھرے گا۔ میری دکھتی آنکھوں میں وہی روشنی پیدا کرے گا جس سے میں دور تک دیکھ سکوں اور پیغامِ حق ملک کے دور دراز گوشوں تک پہنچا سکوں۔ یہ اندازِ فکر رکھنے والا داعی حق کبھی احساس پستی اور کہتری کا شکار نہیں ہوسکتا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس تاریخ ساز بچے نے وہ کارنامے انجام دیئے جس کے تصور سے بڑے بڑوں کے زہرے بے آب ہوتے ہیں۔

آپ بھی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، اور بجا طور پر آپ کو اپنے اس حوصلے پر فخر ہے۔ بے شک آپ معذور بھی ہو سکتے ہیں، کمزور ناتواں بھی ہو سکتے ہیں، آپ کو کوئی اثر ورسوخ اور شہرت واقتدار بھی حاصل نہیں ہے اور دنیوی اعتبار سے آپ کسی اونچے مقام کے مالک بھی نہیں ہیں، لیکن خدا نے آپ کو اسلام کے شعور سے نوازا ہے اور آپ دعوت وتبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں، تو یقین کیجئے کہ خدا نے آپ کا انتخاب فرمایا ہے، ہر احساس پستی اور کہتری کو دل سے کھرچ پھینکئے اور وہی الفاظ دہرا کر کہ ''اگر چہ میری ٹانگیں پتلی ہیں، میری آنکھوں میں آشوب ہے، لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا'' تن من دھن

سے اس کام میں لگ جایئے جس نے آپ کا انتخاب کیا ہے وہ خود آپ کی ناتوانی کو توانائی سے بدل دے گا اور آپ کو وہ حوصلہ اور جرأت بخشے گا کہ اس دور کے بڑے سے بڑے جبار اور بڑے سے بڑے علم وفکر رکھنے والوں کے سامنے آپ کامل یقین اور مثالی جرأت کے ساتھ اسلام کا پیغام رکھ سکیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ اس تاریخ ساز لڑکے کے الفاظ میں آپ کے لئے ایک اور سبق بھی ہے، وہ یہ کہ تبلیغ دین کا یہ عظیم فریضہ انجام دیتے ہوئے آپ پر غرور و کبر اور احساس برتری کا سایہ بھی کبھی نہ پڑنے پائے۔ یہ وہ بدترین برائی ہے جس کے ہوتے آپ کا سارا کیا کرایا اکارت جائے گا اور آپ کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ آپ کی کوششوں سے دعوت اسلامی کو کچھ فائدہ پہنچ بھی جائے تو بھی آپ کا دامن خالی ہی رہے گا، اور دعوت اسلامی سے نسبت وتعلق رکھنے کے باوجود آپ کو اپنی عبرتناک محرومی پر رونا پڑے گا۔

حضرت علی مرتضیٰ نے اپنی ناتوانی، معذوری، بے مائیگی اور نوعمری کی تصویر کشی کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے وہ ان کی ذہنی عظمت کا اظہار ہے، وہ یوں سوچتے ہیں "میں اپنی شخصیت کے لحاظ سے کسی پہلو سے بھی اس قابل نہیں ہوں کہ اس عظیم کام کی ذمہ داری اپنے سرلوں، یہ محض خدا کی توفیق اور کرم ہے کہ اُس نے مجھے اس عظیم خدمت کے لئے منتخب فرمایا، میں صرف اُسی ذات کے بھروسے پر ان سنگین حالات میں رسول اکرم ﷺ کا ساتھ دینے کی ہمت کر رہا ہوں جس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی اور مجھے اس عزم وارادے کی توفیق بخشی"۔

آپ اسی عظیم شخصیت کے جانشین اور پیرو ہیں، اپنے دل کے ایک ایک گوشے میں جھانک کر دیکھئے، دعوت دین کا عظیم کام انجام دیتے ہوئے کہیں آپ اپنی عظمت کے دھوکے میں مبتلا نہیں ہو رہے ہیں، نفس آپ کو فریب دینے میں کامیاب نہیں ہو رہا ہے، یقین کیجئے کہ اگر اس میدان میں آپ نفس سے دھوکا کھا گئے تو پھر دعوت اسلامی میں آپ کا کوئی مقام نہیں ہے، سمجھ لیجئے! آپ نے اپنی شخصیت کو تباہ کر دیا اور آپ کی عاقبت خراب ہو

گئی۔ کبر و غرور کے مریضوں کا دین میں کوئی حصہ نہیں، وہ لوگ ہرگز خدا کی بندگی نہیں کرسکتے، جو اپنے نفس کی بندگی میں مگن ہوں اور اُن کا اُن کوششوں کے اجر و انعام میں کوئی حصہ ہے جو خدا کی بندگی کا نظام قائم کرنے کے لئے کی گئی ہوں، خواہ ان میں وہ خود بھی شریک رہے ہوں۔

تیسری حقیقت یہ علم و شعور ہے کہ خدا کی پکار پر لبیک کہنے والوں کے جذبات کیا ہوتے ہیں۔ مگر یاد رکھئے! اس باب میں صرف علم و شعور ہی کافی نہیں ہے مگر عملی طور پر ان جذبات اور اوصاف سے اپنی زندگیوں کو آراستہ کرنے کی مسلسل جدوجہد کے بغیر، آپ اپنے داعیانہ منصب کا حق ادا نہیں کرسکتے، آپ کے لئے بہترین صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں ہیں، جو رسول اکرم ﷺ کی دعوت قبول کرکے آخر دم تک ہر طرح کے حالات میں آپ ﷺ کا ساتھ دیتے رہے، خدا کے دین کو قبول کرنے کے بعد انہوں نے کوئی چیز اپنے لئے بچا کر نہیں رکھی، بلکہ سب کچھ اس دین پر نثار کردیا، مال و دولت، اثر و اقتدار، قوت و صلاحیت، وطن و اولاد، محبت و دشمنی، حتیٰ کہ اپنی جان عزیز بھی اس راہ میں قربان کردی اور پھر بھی یہ احساس انہیں بے چین کئے رہا کہ ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا''

آیئے حواریین عیسیٰ علیہ السلام کی زندگیوں کی ایک جھلک دیکھیں، یہ بھی خدا کے انصار تھے اور دین حق کے داعی اور نقیب، داعیان اسلام کے لئے ان کی زندگی میں بڑی، کشش بھی ہے اور سبق بھی۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔ **فلما احس عیسیٰ منھم الکفر قال من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ امنا باللہ واشھد بانا مسلمون ربنا امنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشھدین۔** ''پس جب عیسیٰؑ نے ان کی طرف سے مسلسل انکار کو بھانپ لیا۔ تو انہوں نے پکارا کون میرا مددگار بنتا ہے، خدا کی راہ میں؟ حواری نے جواب دیا ہم ہیں اللہ کے انصار، ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں، آپ گواہ رہیئے کہ ہم اور فرمانبردار ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے اس چیز پر جو تو نے نازل کی اور ہم نے اس رسول کی پیروی کی سو تو ہمیں گواہی دینے

والوں میں لکھ۔

رسول کی پکار کے جواب میں انصار اللہ ہونے کا عزم واظہار، اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا حوصلہ اور حق کی شہادت دینے والوں میں شامل ہونے کی تمنا۔ یہ حوارین عیسیٰ ؑ کی ایسی ایمان افروز داستان ہے جسے بار بار دہرائیے اور دل کی دنیا کو ان جذبات اور تمناؤں سے آباد کرنے کی فکر کیجئے۔

حواری کے معنی ہیں، خیر خواہ، مددگار، حامی وناصر، جس طرح انصار کا لفظ مدینے کے ان جاں نثاروں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو رسول اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور انہوں نے ہر طرح کے حالات میں رسول اکرم ﷺ کا ساتھ دیا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ ؑ کے حواری وہ جاں نثار کہلائے جو اخلاص کے ساتھ آپ کی دعوت پر ایمان لائے، اور ہر طرح کے نرم گرم حالات میں انہوں نے آپ کا ساتھ دیا، حضرت عیسیٰ ؑ نے نہایت شفقت، دلسوزی اور لگن کے ساتھ اپنے شاگردوں کی تعلیم وتربیت فرمائی، اور پھر یہ آپ ﷺ کے داعی، نقیب، اور پیغامبر بن کر بنی اسرائیل کی ایک ایک بستی تک پہنچے۔

دنیوی اعتبار سے یہ کسی بڑے مرتبے کے لوگ نہ تھے، لیکن اس اعتبار سے یہ سب پر بازی لے گئے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جوشِ دعوت میں ان کے سامنے حقیقت رکھی کہ مجھے تو ہر حال میں خدا کی راہ میں چلنا ہے، اب کون یہ حوصلہ کرتا ہے کہ میرا ساتھ دے تو حوارین نے ہر لالچ اور خوف سے بے نیاز ہو کر کہا **نحن انصار اللہ** اور ان نازک حالات میں یہ اعلان کیا کہ جب قوم کے علماء، سردار اور مقتدر لوگ محروم رہ گئے اور خدا نے ان بے اثر لوگوں کو اپنے کام کے لئے منتخب فرما کر اپنے رسول کی رفاقت اور نصرت کی توفیق بخشی۔

انصار اللہ ہونے کا اعلان کرتے ہوئے وہ خوب سمجھ رہے تھے کہ اس اعلان کا کیا مطلب ہے، انصار اللہ ہونے کے کیا تقاضے ہیں اور یہ اعلان کر کے ہم کن ذمہ داریوں اور وفاداریوں کا اقرار کر رہے ہیں۔ چنانچہ **نحن انصار اللہ** کہنے کے بعد انہوں نے خود ہی

ان تقاضوں کو واضح کیا، اور خدا سے اپنی وفاداری کا عہد استوار کر ا

☆ ہم سچے دل سے خدا پر ایمان لائے۔ اب ہماری زندگی ایمان کی روشنی میں گزر یگی۔

☆ آپ گواہ رہیئے کہ ہم مسلم اور فرمانبردار ہیں، ہم اقرار کرتے ہیں اور آپ کو گواہ بنا کر اقرار کرتے ہیں، آپ دیکھیں گے کہ ہم خدا کے وفادار بندے ہیں، وفاداری اور جاں نثاری ہی ہمارا شیوہ ہے۔

☆ ہم خدا کی بھیجی ہوئی وحی پر ایمان لائے۔ ہم بے چون و چرا اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

☆ ہم رسول کی پیروی میں زندگی گزارتے ہیں اور کسی مرحلے میں بھی ان کی قیادت سے سرتابی نہیں کرتے۔

☆ اور ہم نے اپنے قول و عمل سے اس حق کی شہادت دیتے ہیں جس کا تو نے ہمیں امین بنایا ہے۔

پروردگار! ہماری دعا یہ ہے کہ حشر کے میدان میں ہمارا شمار حق کی شہادت دینے والوں میں ہو، حق کو چھپانے والوں میں نہ ہو، تو نے جب ہمیں اپنے دین کا شعور دیا ہے، اپنے دین کی دعوت قبول کرنے کی توفیق دی ہے اور ہمیں دین کی خدمت کے لئے قبول کرلیا ہے تو ہم ہر حال میں حق کی شہادت دیں گے، دل سے، زبان سے، عمل سے، اور اگر ضرورت ہوگی تو جان دے کر یہ شہادت دیں گے۔ کہ یہی اصل شہادت ہے۔ لہٰذا اے ہمارے رب! ہمارا نام حق کی شہادت دینے والوں میں لکھ اور اُن لوگوں میں ہرگز نہ لکھ جو حق واضح ہونے کے بعد اپنے قول و عمل سے حق کی شہادت دینے کے بجائے حق کو چھپانے کا سنگین جرم کرتے ہیں۔ (آمین یارب العالمین)

آپ نے بھی خدا کی دعوت پر لبیک کہا ہے، دعوت اسلامی کو قبول کیا ہے اور انصار اللہ ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اپنے جزبات، احساسات، تمناؤں اور آرزوؤں کا جائزہ لیجئے۔

اپنے حوصلوں، ارادوں اور ولولوں پر نگاہ ڈالئے، اپنے قول وعمل پر نظر کیجئے، اپنی شب وروز کی سرگرمیوں کا تجزیہ کیجئے اور اپنے رب سے آپ نے جو عہد کیا ہے اسی کو گواہ بنا کر انصاف کے ساتھ اپنا احتساب کیجئے کہ آپ کے ذہن وفکر، علم وفن، مال ودولت اور جسم وجان کی قوتیں کہاں صرف ہو رہی ہیں اور خدا نے اس دور میں اپنے کروڑوں بندوں میں سے اپنے دین کی خدمت کے لئے آپ ہی کو منتخب فرمایا ہے تو خدا کے اس انتخاب کے ساتھ آپ کا سلوک کیا ہے؟۔ (بحوالہ چیدہ چیدہ از شعورِ حیات)

بے شک دعوت وتبلیغ کرنے والوں کے لئے بھلائی ہے

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے اعمال کی وجہ سے تمام لوگوں کو عذاب نہیں دیتے البتہ جب گناہ کھلے بندوں کیے جائیں اور روکنے والا کوئی نہ ہو تو تمام قوم عذاب کے لائق ہو جاتی ہے اور آپ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میں تیری قوم میں سے چالیس ہزار اچھے لوگوں اور ساٹھ ہزار برے لوگوں کو ہلاک کردوں گا انہوں نے عرض کی یا اللہ برے تو برے ہیں نیکوں کو ہلاک کرنے کی کیا وجہ ہے۔ ارشاد ہوا کہ انہوں نے میرے لئے کبھی غصہ نہیں دکھایا، بلکہ بروں کے ساتھ ہم پلہ ہم نوالہ بنے رہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کا ارشاد پاک نقل کرتے ہیں بھلائی کی تلقین کرو اگرچہ خود عمل نہ بھی کرو اور برائی سے روکتے رہو گو خود نہ بھی رکتے ہو۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بھلائی کے پھیلنے کا اور برائی کے روکنے کا ذریعہ ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو برائی کے پھیلنے کا اور بھلائی کی رکاوٹ کا ذریعہ ہوتے ہیں سو مبارک ہے ان لوگوں کے لئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خیر پھیلنے کا ذریعہ بنایا اور ہلاکت

ہے ان لوگوں کے لئے جو برائی پھیلانے پر ہو گئے حاصل یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا بھلائی کو پھیلاتا ہے اور برائی کے لئے رکاوٹ ہے اور وہ مومنین میں سے ہے۔ارشاد خداوندی ہے: والمومنون والمؤمنت بعضھم اولیاء بعض یامرون با لمعروف وینھون عن المنکر، "اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مدد گار ہیں نیک بات سکھلاتے اور برائی سے روکتے ہیں" اور جو برائی پر لوگوں کو لگاتا اور بھلائی سے روکتا ہے وہ اپنے میں منافقوں والی علامات رکھتا ہے۔جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد مبارک ہے۔﴿المنافقون والمنافقات بعضھم من بعض یامرون بالمنکر وینھون عن المعروف﴾ "منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں بری بات سکھاتے اور بھلائی سے روکتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" بہترین عمل ہے اور فاسق کو جلانے والا ہے، پس امر بالمعروف کرنے والا مومن کی پشت پناہی کرتا ہے اور نہی عن المنکر کرنے والا منافق کو ذلیل کرتا ہے۔

سب سے زیادہ محبوب عمل

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا جبکہ آپ مکہ میں تھے، کہنے لگے کہ آپ ہی ہیں جو اللہ کا رسول ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں ارشاد فرمایا ہاں! سائل نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے، فرمایا اللہ پر ایمان لانا، پوچھا پھر کون سا! ارشاد ہوا صلہ رحمی کرنا۔عرض کیا پھر کون سا، ارشاد فرما بھلائی کی تلقین کرنا اور برائی سے روکنا، پھر پوچھا حق تعالیٰ کے ہاں سب سے ناپسند عمل کون سا ہے، ارشاد فرمایا شرک کرنا، سائل نے عرض کیا پھر کون سا، فرمایا قطعی رحمی کرنا، سائل نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون سا عمل برا ہے، فرمایا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دینا، سفیان ثوری ؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی عالم کو دیکھو کہ وہ ہمسایوں میں محبوب ہے، برادری والے اس کی

تعریف کرتے ہیں تو یقین کرلو کہ وہ شخص مداہن ہے۔

حضرت جریرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں کوئی گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور لوگ طاقت کے باوجود اس کو روکتے نہیں تو مرنے سے پہلے وہ لوگ عذاب میں داخل ہوجاتے ہیں۔ فقیہؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قدرت کی شرط لگانے کا مطلب یہ ہے کہ جب معاشرہ یا ماحول میں نیک لوگ کا غلبہ ہو تو ان پر واجب ہے کہ وہ معصیت کرنے والوں کو روکیں جب کہ وہ اعلانیہ طور پر معصیت کرنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس امت کی تعریف اسی وصف کی وجہ سے فرمائی ہے۔ ارشاد پاک ہے۔ ﴿کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ ولو اٰمن اھل الکتب لکان خیر الھم منھم المومنون واکثرھم الفسقون﴾ ''تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجے گئے عالم میں۔ حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔ اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو ان کے لئے بہتر تھا۔ کچھ تو ہیں ان میں سے ایمان پر اور اکثر ان میں نافرمان ہیں۔''

بعض علماء فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ میں تمہیں بہترین امت لکھا گیا ہے جسے لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے لئے تمہیں بنایا ہے کہ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے رہو اور اہل معاصی کو معصیت سے روکتے ہو۔ المعروف وہ کام ہے جو اللہ کی کتاب اور عقل سلیم کے موافق ہو اور المنکر وہ کام ہے جو کتاب اللہ کے خلاف ہو اور عقل سلیم بھی اسے پسند نہ کرے ایک اور آیت میں ارشاد ہے۔ ﴿ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون﴾ اور چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کرے برائی سے اور وہی لوگ پہنچنے والے ہیں مراد کو۔''

فائدہ......شروع آیت میں لام امر کا لگا ہوا ہے یعنی تم میں سے ایسی جماعت ہونی چاہیے جو بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے روکتی ہو۔ اور اسی فریضہ کو چھوڑنے پر اللہ تعالیٰ نے اقوامِ سابقہ کی مذمت فرمائی ہے۔ ارشاد پاک ہے: ﴿کَانُوا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ﴾ ''آپس میں منع نہ کرتے برے کام سے جو وہ کرتے تھے۔''

یعنی جن برائیوں کا وہ ارتکاب کرتے تھے۔ باہم ایک دوسرے کو اس سے روکتے نہیں تھے اور ان کا یہ عمل بہت ہی برا تھا ایک اور آیت میں ہے: ﴿وَلَوْ لَا یَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ، لَبِئْسَ مَا كَانُوا یَصْنَعُوْنَ﴾ ''کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بہت ہی برے عمل ہیں جو وہ کرر ہے ہیں۔

یعنی اہل علم اور نیک لوگوں کو انہیں برا کلام اور گندے کاموں سے روکنا چاہیے تھا۔ تو کیوں نہ روکا یقیناً انہوں نے بہت برا کیا۔ مناسب ہے کہ بھلائی کی دعوت و تبلیغ تنہائی یا پوشیدگی میں ہو سکے تو یوں ہی کرے کہ یہ موثر طریقہ ہے۔ حضرت ابودرداء فرماتے ہیں کہ جس کسی نے اپنے بھائی کو اعلانیہ نصیحت کی اس نے اسے رسوا کیا۔ اور جس کسی نے چپکے سے کی تو اسے زینت بخشی۔ اگر پوشیدہ وعظ مؤثر نہ ہو تو اعلانیہ کرے بلکہ دوسرے نیک لوگوں سے بھی تعاون حاصل کرے کہ سب مل کر اسے برائی سے روکیں اگر ایسا نہ کر سکیں تو اہل معیصت ان پر غالب آجائیں گے اور سب کے سب عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے۔

ترکِ تبلیغ کا نتیجہ

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ کے حقوق میں نرمی اور سستی کرنے والے اور ان حقوق کو ضائع کرنے والے، اور ان کی حفاظت کرنے والے، ان تین قسم کے لوگوں کی طرح ہیں جو ایک بحری جہاز میں سوار تھے، انہوں نے اس کی منزلیں باہم تقسیم کر لیں ایک کو بالائی دوسرے کو درمیانی اور تیسرے کو پہلی

منزل ملی، سفر جاری تھا کہ ایک شخص کلہاڑا لے آیا، ساتھی کہنے لگے کہ کیا کرنا چاہتا ہے کہنے لگا اپنی منزل میں سوراخ کرنا چاہتا ہوں، پانی بھی قریب رہے گا اور دیگر حاجات میں بھی آسانی رہے گی، اب بعض لوگ تو یوں کہنے لگے کہ اسے دفع کرو اپنے حصہ کی منزل میں جو چاہے کرے، دوسرے بولے ہرگز ایسا نہ کرنے دو ورنہ یہ ہمیں بھی ڈبودے گا اور خود بھی غرق ہوگا، پس اگر وہ شخص اس کا ہاتھ پکڑتے ہیں تو وہ خود بھی بچتا ہے اور یہ لوگ بھی بچتے ہیں اگر اسے چھوڑتے ہیں تو وہ خود بھی ہلاک ہوگا اور انہیں بھی ہلاک کرے گا۔

حضرت ابودرداءؓ کا مقولہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسا ظالم حاکم مسلط کردیں گے جو نہ کسی بڑے کی تعظیم کا خیال کرے گا اور نہ چھوٹے پر رحم کھائے گا اور تمہارے نیک لوگ دعائیں بھی کریں گے تو قبول نہ ہوں گی اور مدد مانگے گے تو مدد نہ کی جائے گی اور بخشش چاہیں گے تو بخشش نہ ہوگی۔ حضرت حذیفہؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ ورنہ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دیں پھر تم دعائیں مانگو گے تو قبول نہ ہوں گی، حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میری امت جب ظالم کو ظالم کہنے سے خوف کھانے لگے گی تو ان سے الگ ہوجائیو۔

حضرت ابوسعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تم میں سے جب کوئی شخص برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے ایسا نہ کرسکے تو زبان سے روکے اور یہ بھی نہ کرسکے تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ یعنی اہل ایمان کا کمزور ترین عمل ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ ہاتھ سے روکنا اُمراء و حکام کا فریضہ ہے اور زبان سے روکنا اہل علم کا اور دل سے برا سمجھنا اور بیزاری دکھانا عام لوگوں کا عمل ہے اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جو شخص بھی ان تینوں درجوں میں سے کسی پر قدرت پائے لازم ہے کہ اسے اختیار کرے۔

دعوت وتبلیغ سے دین کی برتری اور اللہ کی رضا مقصود ہو

فقیہہ ابولیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ دعوت وتبلیغ کرنے والے کو چاہئے کہ اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی برتری کا قصد کرلے۔ اپنی کوئی غرض پیش نظر نہ ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی برتری مقصود ہوگی تو اس عمل کی توفیق اور نصرت خداوندی حاصل ہوگی۔ اگر کوئی نفسانی غرض آگے رکھی تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے محروم کردیتے ہیں۔ حضرت عکرمہؓ راوی ہیں کہ ایک آدمی ایک درخت کے سامنے سے گزرا جس کی لوگ پوجا کیا کرتے تھے اس کو طیش آیا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس درخت کی پوجا کررہے ہیں۔ ایک دن کلہاڑا پکڑ کر گدھے پر سوار ہوکر اس درخت کی جانب چل دیا کہ اسے کاٹ ڈالے۔ راستے میں ابلیس لعین انسانی شکل میں ملا اور پوچھنے لگا کہ کدھر جارہے ہو، یہ شخص بولا کہ میں نے ایک درخت دیکھا ہے کہ لوگ اس کی پوجا کررہے ہیں، میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ گدھے پر سوار ہوکر وہاں جاؤں گا اور اسے کلہاڑے سے کاٹ ڈالوں گا، ابلیس کہنے لگا بھلا تجھے اس سے کیا غرض اس درخت کا خیال چھوڑ اور اس کے پجاریوں کو دفع کر ان کو خدا خود ہی سمجھ لے گا۔ دونوں میں تکرار ہونے لگا حتیٰ کہ دست وگریباں ہوگئے۔ ابلیس لعین عاجز آگیا اور یہ شخص اپنے ارادے پر پکا رہا۔ یہ دیکھ کر شیطان ملعون کہنے لگا کہ تو واپس ہوجا تجھے روزانہ چار درہم دیا کروں گا روزانہ اپنے بستر کا کنارہ اٹھا کرلیا کرنا یہ شخص سن کر کہنے لگا کہ سچ کہتا ہے وہ بولا میں بالکل اس کا ضامن ہوں۔ یہ شخص واپس آگیا اور حسب وعدہ دو تین دن تک دو چار درہم یومیہ وصول کرتا رہا اس کے بعد ایک دن چادر اٹھائی تو نیچے سے کچھ نہ ملا۔ اور اگلے روز بھی کچھ نہ ملا۔ تو پھر کلہاڑا لے کر گدھے پر سوار ہوکر چلا۔ ابلیس پھر انسانی شکل میں سامنے آیا اور کہنے لگا کہ کہاں کا ارادہ ہے یہ شخص بولا ایک درخت ہے لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں اسے کاٹنے جارہا ہوں ابلیس کہنے لگا اب تو یہ کام نہیں کرسکتا کیونکہ تیرا پہلی بار کا جانا اللہ کے لئے تھا اگر تمام زمین وآسمان

والے جمع ہو جاتے تو تجھے روک نہ سکتے تھے اور اب تیرا جانا محض خود غرضی کا ہے کہ درھم نہیں ملے تو اٹھ کر چل دیا ہے خبردار اگر ذرا بھی آگے بڑھا تو تیری گردن ماردوں گا، یہ شخص چپکے سے واپس لوٹ گیا اور درخت کا خیال چھوڑ دیا۔

دعوت وتبلیغ کیلئے پانچ چیزوں کی ضرورت ہے

فقیہ ؒ فرماتے ہیں کہ دعوت وتبلیغ کرنے والے کو پانچ چیزوں کی ضرورت ہے۔ پہلی چیز علم کہ جاہل اس کام کو اچھی طرح نہیں کرسکتا۔ دوسری یہ کہ مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی برتری ہو۔ تیسری یہ کہ نرمی اور محنت کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کرے سخت اور تندخو نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا تھا ﴿فقولا له قولا لينا﴾ ”کہ اس کے ساتھ نرمی کے ساتھ بات کرنا۔“

چوتھی یہ کہ صبر اور تحمل اختیار کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان علیہ السلام کے بیان میں ارشاد فرمایا: وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ ”اور سکھلا بھلی بات اور منع کر برائی سے اور تحمل کر جو تجھ پر (مصیبت) پڑے۔“

پانچویں چیز یہ کہ جس بات کو دوسروں کو تلقین کرتا ہے خود بھی اس پر عمل کرتا ہو تا کہ لوگ اس کو خود عمل نہ کرنے کی عار نہ دلائیں۔ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم ”کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو۔“ کے تحت داخل نہ ہو جائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے معراج کے سفر میں ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جواب دیا کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے اے آدم زاد تو دوسروں کو میری یاد

دلاتا ہے اور خود مجھے بھلاتا ہے لوگوں کو میری طرف بلاتا ہے اور خود مجھ سے بھاگتا ہے یہ کیا غلط طریق ہے۔

حضرت ابو معاویہ فرازی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تم لوگ آج اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ طریقہ پر قائم ہو بھلائی کی دعوت دیتے ہو برائی سے منع کرتے ہو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہو لیکن ایک وقت آئے گا کہ تم اس طریق سے ہٹ جاؤ گے۔ جب کہ تم میں دنیا کی محبت عام ہو جائے گی تو تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرو گے۔ اللہ کی راہ کے ماسوا میں جدوجہد کرنے لگو گے۔ اس وقت پوشیدہ اور اعلانیہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر قائم رہنے والے ان مہاجریں اور انصار کا درجہ پائیں گے جو اول اول ایمان لائے تھے ور دوسروں سے سبقت لے گئے تھے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے دین کی حفاظت کی غرض سے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف ہجرت کی خواہ ایک بالشت ہی سفر کیا ہو تو اس نے جنت اپنے لئے لازم کرلی۔ اور وہ حضرت ابراہیم اور ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کا ساتھی بنے گا۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَقَالَ اِنِّی مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّی اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم ''اور فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ترک وطن کر کے چلا جاؤں گا وہ زبردست حکمت والا ہے۔''

اور فرماتے ہیں ﴿اِنِّی ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّی سَیَھْدِیْن﴾ ''میں اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ مجھ کو پہنچا ہی دے گا۔''

یعنی اپنے رب کی اطاعت اور رضا کی طرف۔ اور بنی کریم ﷺ نے مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی تو جو شخص ایسی جگہ میں ہو جہاں گناہ ہوتے ہوں اور وہاں سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نکل آیا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی

پیروی کی۔ لہٰذا جنت میں ان دونوں حضرات کا رفیق اور ساتھی بنایا جائے گا اللہ پاک کا ارشاد ہے۔ ﴿ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ وکان اللہ غفورا رحیما﴾ ''اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہو کہ اللہ و رسول کی طرف ہجرت کروں گا۔ پھر اس کو موت آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والا ہے۔''

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو مسلمان اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لئے نکلتا ہے اور سواری کی رکاب میں پاؤں ڈال کر خواہ ایک قدم ہی چلا تھا کہ اسے موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ اس کو مہاجرین جیسا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔ اور جو مسلمان جہاد کی غرض سے گھر سے نکلا ابھی لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی، کہ جانور نے گرا دیا یا کسی زہریلے جانور نے ڈس لیا، یا یوں ہی فوت ہو گیا تو یہ شخص شہید ہوگا، اور جو شخص بیت اللہ شریف کا قصد کر کے گھر سے نکلا اور راستے ہی میں موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت واجب کر دیتے ہیں۔

فقیہ ؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے وطن کو نہیں چھوڑتا جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور اس میں کوتاہی نہیں کرتا اور کوئی رکاوٹ نہیں پاتا تو اسے گنجائش ہے کہ وطن نہ چھوڑے، مگر لوگوں کے گناہوں سے بیزار رہے اور ناپسند سمجھتا رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ تمہارے کسی آدمی کے لئے یہ چیز کافی ہے کہ جب کسی برائی کو دیکھے اور روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ دل سے اس کو ناپسند کرتا ہے، بعض صحابہ سے منقول ہے کہ کوئی شخص جب کسی برائی کو دیکھے اور اس کو روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو تین مرتبہ یوں کہے کہ اے اللہ! یہ بات یقیناً بری ہے تو مجھے اس کی وجہ سے نہ پکڑیو۔ یوں کہنے پر اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کا ثواب مل جائے گا۔ جب لوگ دنیا کے حریص ہو جائیں اور برائیاں پھیل جائیں اس وقت اپنی فکر کرو ابوامیہ کہتے ہیں کہ میں نے ثعلبہ خشنیؓ سے اس آیت کے متعلق

سوال کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ﴾ ''اے مسلمانوں تم اپنی جانوں کا فکر کرو۔''

فرمانے لگے تو نے ایک باخبر آدمی سے سوال کیا ہے پھر کہنے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ثعلبہ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو حتی کہ جب دیکھو کہ دنیا کو ترجیح دی جارہی ہے۔ اور بخل وحرص کی اطاعت ہورہی ہے اور ہر شخص اپنی عقل کے گھمنڈ میں مبتلا ہے تو پھر اپنی فکر میں لگ جاؤ، کیونکہ تمہارے موجودہ حالات کے بعد بڑے صبر آزما ایام آنے والے ہیں ان دنوں میں تمہارے جیسی دینداری پر پکار ہنے والا شخص پچاس دینداروں کے برابر اجر پائے گا صحابہ نے عرض کیا کہ وہ اپنے زمانہ کے پچاس عمل کرنے والوں کا اجر پائے گا یا ہمارے زمانہ کے عمل کرنے والوں کا، فرمایا بلکہ تمہارے زمانہ کے پچاس عاملوں جیسا ثواب پائے گا۔

قیس بن اَبی حازِمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ کو یہ فرماتے سنا کہ تم لوگ یہ آیت یٰاَیھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم پڑھتے ہو مگر اس کا مطلب غلط لیتے ہو۔ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا کہ جس قوم میں برائیاں ہوتی ہوں اور وہ روک ٹوک نہ کرتے ہوں تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پوری قوم پر اپنا عذاب نازل فرمائے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ ابھی اس آیت کا زمانہ نہیں آیا۔ ہاں جب خواہشات بکثرت پھیل جائیں گی جھگڑے عام ہو جائیں گے تو ہر کسی کو اپنے دین کی فکر کرنی چاہئے بس اس آیت کا مطلب یہ ہے۔ (بحوالہ چیدہ چیدہ از تنبیہ الغافلین)

دعوت وتبلیغ اور اس کے آداب

جو لوگ اعمال خیر سے برگشتہ ہوں معاصی میں لگے ہوں ان کو خیر کی راہ دکھانا معاصی سے متنفر کرنا اور بچانا ایک اہم دینی ضرورت ہے جس کی ذمہ داری پوری امت مسلمہ پر ہے اور حضرات علماء کرام اس کو بہتر طریقہ پر انجام دے سکتے ہیں اس کام کے بہت سے

احکام وآداب ہیں ذیل میں اولاً سورۃ النحل کی آیت اور اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے اس کے بعد کچھ تفصیل سے احکام وآداب لکھے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ، وھو ولی التوفیق.

سورۂ نحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِی هِیَ أَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِیلِهٖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِینَ﴾ ”اپنے رب کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے بلائیے اور ان سے ایسے طریقے پر بحث کیجئے جو اچھا طریقہ ہو، بلاشبہ آپ کا رب ان کو خوب جاننے والا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گئے اور وہ ان کو خوب جانتا ہے جو ہدایت کی راہ پر چلنے والے ہیں۔“ اس آیت میں دعوت الی اللہ کا طریقہ بتایا ہے اور ارشاد فرمایا: ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیلِ رَبِّکَ بِالحِکمَةِ﴾ ”آپ اپنے رب کی طرف حکمت کے ذریعے بلائیے“ ﴿وَالمَوعِظَةِ الحَسَنَةِ﴾ ”اور موعظہ حسنہ کے ذریعے“ ﴿وَجَادِلهُم بِالَّتِی هِیَ أَحسَنُ﴾ ”اور ان سے ایسے طریقے سے بحث کیجئے جو بہت اچھا طریقہ ہو“ اس میں تین چیزوں کی رعایت رکھنے کا حکم فرمایا (۱) حکمت (۲) موعظہ حسنہ (۳) اچھے طریقہ پر بحث کرنا، حکم تو رسول اللہ کو فرمایا ہے۔ اور وہ سب حضرات اس کے مخاطب ہیں جو رسول اللہ کے نائب ہیں جو بھی کوئی شخص دعوت کا کام کرے عالم ہو یا غیر عالم وہ ان چیزوں کا خیال رکھے، ان کا خیال رکھا جاتا ہے تو عموماً منصف مزاج بات مان لیتے ہیں اور دعوت حق قبول کر لیتے ہیں۔ دعوت الی الایمان ہو یا اعمال صالحہ کی دعوت ہو سب میں مذکورہ بالا چیزیں اختیار کرنا ضروری ہے۔

حکمت سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے ﴿انھا الکلام الصواب الواقع من النفس اجمل﴾ ”یعنی حکمت وہ صحیح بات ہے جو نفس انسانی میں خوبصورت طریقہ پر واقع ہو جائے۔“ حکمت کی دوسری تعریفیں بھی کی گئی ہیں لیکن ان سب کا حال یہی ہے کہ ایسے طریقے پر بات کی جائے جسے مخاطب قبول کر لے یہ طریقے افراد واحوال کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں جو شخص

اخلاص کے ساتھ یہ چاہتا ہے، کہ مخاطبین میری بات کو قبول کر ہی لیں وہ اس کے لئے تدبیریں سوچتا ہے، واسطوں کو استعمال کرتا ہے، نرمی سے کام لیتا ہے ثواب بتاتا ہے اور عذاب سے ڈراتا ہے، موقع دیکھ کر بات کرتا ہے جو لوگ مشغول ہوں ان سے بات کرنے کے لئے فرصت کا انتظار کرتا ہے اور اتنی دیر بات کرتا ہے جس سے وہ تنگدل اور ملول نہ ہو جائیں، اگر پہلی بار مخاطبین نے اثر نہ لیا تو پھر موقع کا منتظر رہتا ہے پھر جب موقع پاتا ہے پھر بات کہہ دیتا ہے اور اس میں زیادہ تر نرمی ہی کام دیتی ہے، اللہ جل شانہ نے جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجنے کا حکم دیا تو فرمایا: ﴿فقولا له قولا لينا لعله يتذكر او يخشى﴾ (سو تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا، ممکن ہے وہ نصیحت حاصل کرلے یا ڈر جائے) البتہ اپنے لوگوں کو موقع کے مناسب کبھی سختی بھی کرنا مناسب ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت سرور دو عالم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو سختی سے مخاطب فرمایا جب کہ انہوں نے عشاء کی نماز میں لمبی قراءت کردی تھی صاحب حکمت اپنے نفس کے ابھار اور کسی بغض وحسد کی وجہ سے مخاطب کو نہیں ڈانٹتا داعی کے لئے ضروری ہے کہ ناصح یعنی خیر خواہ بھی ہو اور امین یعنی امانت دار بھی ہو جیسا کہ حضرت ہود نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿وانالکم ناصح امين﴾ ''اور میں تمہارے لئے خیر خواہ ہوں اور امین ہوں۔''

حکمت کا یہ بھی تقاضہ ہے جو بہت ہی اہم ہے کہ دین کو آسان کر کے پیش کرے اور نفرت پیدا ہونے کا سبب نہ بنے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿يَسِّرُوا وَلَاتُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا﴾ ''آسانی کی بات کرو اور سختی سے پیش نہ آؤ اور بشارت دو، نفرت نہ دلاؤ۔''

بہت سے لوگوں میں حق کہنے کا جذبہ ہوتا ہے لیکن وہ موقع نہیں دیکھتے، ہتھوڑا مار کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے تو بات کہہ دی اپنا کام کر دیا لیکن اس سے مخاطب کو فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ بعض مرتبہ ضد وعناد پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں جہاں پر حق دب رہا ہو، وہاں زبان سے کہہ دینا بھی بڑی بات ہے ایسے موقع پر حکمت کا تقاضہ یہی ہوتا ہے کہ حق کلمہ کہہ دیا

جائے اسی کو فرمایا ہے: ﴿افضل الجهاد من قال كلمة حق عند سلطان جائر﴾ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ) سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد اس شخص کا جہاد ہے جس نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق کلمہ کہہ دیا)۔

حکمت کی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بات کہنے میں اس کا لحاظ رکھا جائے کہ سننے والے ملول اور تنگ دل نہ ہوں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ روزانہ بیان فرمایا کرتے تو اچھا ہوتا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں روزانہ اس لئے بیان نہیں کرتا کہ تمہیں ملول اور تنگدل کرنا گوارا نہیں ہے تمہیں رغبت کے ساتھ موقع دیتا ہوں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے موقع کا دھیان رکھتے تھے تا کہ ہم تنگ دل نہ ہو جائیں۔

حکمت کے تقاضوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں کے سامنے ایسی بات نہ کرے جو لوگوں کے لئے عجوبہ بن جائے، اگرچہ باتیں صحیح ہوں، لوگوں کو قریب کرتے رہیں تھوڑا تھوڑا علم ان کے دل میں داخل کرتے رہیں جب جس بات کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں اس وقت وہ بات کہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: ﴿حدثوا الناس بما يعرفون اتحبون ان يكذب الله ورسوله﴾ ''یعنی لوگوں کے سامنے وہ باتیں بیان کرو جنہیں وہ پہچانتے ہوں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے (مطلب یہ ہے کہ بات تو تم صحیح پیش کرو گے مخاطبین کی سمجھ سے بالاتر ہوگی تو وہ کہیں گے ایسا نہیں ہے یا یوں کہیں گے ایسا نہیں ہو سکتا)۔

اس وجہ سے حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ جس علاقہ میں جو قرات اور جو روایت رائج ہو عوام کے مجمع میں اسی کو پڑھا جائے جیسے ہمارے ملکوں میں حضرت عاصم کی قرات اور حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہما کی روایت رواج پزیر ہے کوئی کلمہ کسی دوسرے قرات کا پڑھ دیا جائے تو حاضرین کہیں گے کہ اس نے قرآن غلط پڑھ دیا اور اس تکذیب کا سبب وہ قاری بنے گا جس نے کسی دوسری قرات کے مطابق تلاوت کر دی۔

حکمت کے تقاضوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اجتماعی خطاب میں سختی ہو اور انفرادی گفتگو میں نرمی ہو اور حکمت کے طریقوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو غیر شرعی کاموں میں مبتلا دیکھے تو بجائے اس کو خطاب کرنے کے محفل عام میں یوں کہہ دے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں فلاں فلاں گناہ کی یہ وعید ہے اس طرح سے ہر وہ شخص متنبہ ہو جائے گا جو اس گناہ میں مبتلا ہو۔

''لفظ حکمت بہت جامع لفظ ہے اس کی جتنی بھی تشریح کی جائے کم ہے چنانچہ اجمالی طور پر بات کی جائے کہ بات قبول کر لینا اقرب ہو اور ایسا انداز اختیار کیا جائے جس سے وہ متوحش نہ ہوں داعی کے طریقہ کار کی وجہ سے نہ چڑ جائیں نہ عناد پر کمر باندھ لیں مقصود حق قبول کرانا ہو نفرت دلانا نہ ہو جب کوئی شخص نیک نیتی سے اس مقصد کو آگے لے کر بڑھے گا تو خیر پہچانے کے وہ طریقے اس کے ذہن میں آئیں گے جو اسے کسی نے نہیں بتائے اور جو اس نے کتابوں میں نہیں پائے۔ انشاء اللہ اور واضح رہے کہ کسی فرد یا جماعت کو راہ حق پر لانے کے لئے خود گناہ کرنا حلال نہیں بعض لوگ دوسروں کو ہدایت دینے کے لئے بدعتوں میں شریک ہو جاتے ہیں یا جانتے بوجھتے ہوئے حرام مال سے دعوت کھالیتے ہیں یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے، ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ دوسروں کو خیر پر لگانے کے لئے خود گناہ گار ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت دینے کا طریقہ ارشاد فرماتے ہوئے مزید فرمایا ﴿و الموعظة الحسنة﴾ کہ موعظہ حسنہ کے ذریعے دعوت دو یہ لفظ بھی بہت جامع ہے ترغیب و ترہیب والی آیات اور احادیث بیان کرنا اور ایسی روایات سنانا جس سے دل نرم ہو اور ایسے واقعات سامنے لانا جس سے آخرت کی فکر ذہنوں میں بیٹھ جائے اور گناہ چھوڑنے اور نیک اعمال اختیار کرنے کے جذبات قلوب میں بیدار ہو جائیں یہ سب چیزیں موعظہ حسنہ میں آجاتی ہیں مخاطبین کو ایسے انداز سے خطاب نہ کرے جس سے وہ اپنی اہانت محسوس کریں اور دل خراش طریقہ اختیار نہ کرے جب اللہ کی راہ پر لگانا ہے تو پھر ایسا طریقہ

اختیار کرنا کہ جس سے کہ لوگ مزید دور ہو جائیں کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کا عمل موعظہ حسنہ کے خلاف ہوگا۔

تیسری بات یوں فرمائی: ﴿وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ ''کہ ان سے اچھے طریقے سے جدال کرو۔''

جدال سے جھگڑنا مراد نہیں سوال جواب مراد ہے جس کا ترجمہ مباحثہ سے کیا گیا ہے جن لوگوں سے خطاب ہو ان میں بہت سے لوگ باوجود باطل پر ہونے کے حق کو دبانے کے لئے الٹے الٹے سوال کرتے ہیں ان کے جواب دینے کے لئے ایسا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے جس سے ان کا منہ بند ہو جائے اور ان کے لاجواب ہونے کو دیکھ کر ان کے ماننے والے گمراہی سے منحرف ہو جائیں اور حق کو قبول کرلیں جب کسی شخص میں اخلاص ہوتا ہے او اللہ کے بندوں کی ہمدردی پیش نظر ہوتی ہے تو اللہ کی توفیق سے سوال و جواب اور مباحثہ میں عمدگی اور نرمی اور موثر طریقے پر گفتگو کی توفیق ہو جاتی ہے حضرات انبیاء کرام علیھم الصلوۃ والسلام کو دیوانہ جادوگر، گمراہ، احمق کہا گیا اور بے تکے سوالات کئے گئے ان حضرات نے صبر وتحمل سے کام لیا جس کے واقعات سورہ اعراف اور سورہ ہود اور سورہ شعراء میں مذکور ہیں اگر کوئی شخص برے طریقے پر پیش آئے تو اس سے اچھے طریقے پر پیش آنا لازمی ہے۔

سورہ حم سجدہ میں فرمایا: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ، ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ، وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾ ''اور اس سے اچھی کس کی بات ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور یوں کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں اور نہیں برابر ہوتی اچھی خصلت اور بری خصلت، تو اس طریقے پر دفع کر جو طریقہ اچھا ہو پھر اچانک وہ شخص جس میں دشمنی تھی ایسا ہو جوئے گا جیسا خالص دوست ہوتا ہے اور یہ خصلت انہی لوگوں کو دی جاتی ہے جنہوں نے صبر کیا اور انہی کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے

ہیں۔“

جاہلوں اور معاندوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ نمٹنا پڑتا ہے، اگر داعیٔ حق نے بھی جاہل اور معاند کے مقابلے میں آستین چڑھالی، آنکھیں سرخ کرلیں، لہجہ تیز کردیا، ناشائستہ الفاظ زبان سے نکال دیئے تو پھر داعی اور مدعو اور صاحب حق اور صاحب باطل میں فرق ہی کیا رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک بادشاہ نے (جس کا نام نمرود بتایا جاتا ہے) اللہ تعالیٰ کے بارے میں بحث کی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾ ”کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔“

اس پر اس نے جیل خانہ سے دو قیدی بلائے ان میں سے ایک کو قتل کردیا اور ایک کو رہا کردیا اور کہنے لگا کہ (میں بھی زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں) اس نے اپنی جہالت سے یا اعتماد سے ایسا کیا۔ حضرت ابراہیم نے زندہ کرنے اور موت دینے کا مفہوم کے بارے میں بحث کرنے کے بجائے بات کا انداز بدل دیا اور فرمایا کہ میرا رب وہ ہے کہ جو سورج کو پورب سے لے کے آتا ہے تو اسے مغرب سے لے کر آ۔ یہ سن کر وہ حیران رہ گیا ، اور کوئی جواب بن نہ پڑا، اگر حضرت ابراہیمؑ زندہ کرنے اور موت دینے کا مفہوم متعین کرنے اور سمجھانے منوانے میں لگتے تو ممکن تھا کہ وہ جاہل کافر غلط مفہوم پر اڑا رہتا۔ خواہ مخواہ جھک جھک کرتا۔ حضرت ابراہیمؑ نے بات کا انداز ایسا اختیار فرمالیا جس سے وہ کافر جلد ہی خاموش ہوگیا۔

یہ واقعہ سورۃ بقرہ رکوع (۳۵) میں مذکور ہے حضرت ابراہیمؑ کا ایک اور واقعہ بھی ہے جو سورہ قصص میں مذکور ہے ان کی قوم بت پرست تھی حضرت ابراہیمؑ نے ایک دن ان کے بتوں کو توڑ ڈالا۔ وہ لوگ کہیں گئے ہوئے تھے واپس آئے تو دیکھا کہ بت ٹوٹے ہوئے پڑے ہیں، کہنے لگے کہ اے ابراہیم! کیا تم نے یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ ان کے بڑے نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں تو انہی سے پوچھ لو اس پر وہ لوگ کہنے لگے یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ یہ تو بولتے نہیں، حضرت ابراہیمؑ گفتگو کرتے کرتے انہیں یہاں تک

لے آئے اوران سے کہلوادیا کہ یہ بولتے نہیں، تو اب تبلیغ فرمائی اور توحید کی دعوت دی: ﴿قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ ''سوکیا تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع دے سکے اور نہ ضرر پہنچا سکے، تم پر افسوس کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔'' اس ترکیب سے بات کرنا اور تدبیر سوچنا موعظہ حسنہ میں داخل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کبھی اصلاح کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ کسی کی غلطی پر متنبہ فرمانے کے لئے بعض مرتبہ سلام کا جواب نہیں دیا اور فرمایا جاؤ اس کو دھوڈالو۔

اور آپ ﷺ کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ کسی کے پیچھے کوئی کلمہ فرما دیا اور وہ اسے پہنچ گیا اس پر اس نے اپنی اصلاح کر لی۔ حضرت خریم اسدی ایک صحابی تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ خریم اچھے آدمی ہیں اگر ان کے بال بہت لمبے نہ ہوتے اور تہبند لٹکا ہوا نہ ہوتا۔ حضرت خریمؓ کو یہ بات پہنچ گئی تو انہوں نے اپنے بال کاٹ لئے جو کانوں تک رہ گئے تھے اور اپنے تہبند کو آدھی پنڈلیوں تک کر لیا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے وہاں دیکھا ایک اونچا قبہ بنا ہوا ہے آپ نے صحابہؓ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا یہ فلاں انصاری کا ہے، آپ خاموش ہو گئے اور اس بات کو دل میں رکھا جب قبہ والے حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے سلام کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب نہیں دیا، کئی بار ایسا ہوا جس کی وجہ سے قبہ والے صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ آپ ﷺ ناراض ہیں۔ حاضرین سے انہوں نے دریافت کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا رخ بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں، صحابہ نے بتایا کہ آپ ﷺ ایک دن باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارے قبہ کو دیکھ لیا تھا۔ یہ معلوم کر کے وہ صاحب واپس لوٹے اور اپنے قبہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ اب حضرات صحابہؓ کا ادب دیکھو کہ واپس آ کے یوں نہیں کہا کہ میں گرا آیا ہوں، پھر آپ ﷺ کسی دن اس طرف تشریف لے گئے تو دیکھا کہ قبہ نہیں ہے دریافت فرمایا کہ وہ قبہ کیا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ قبہ والے صاحب نے آپ ﷺ کی بے رخی کی شکایت کی تو ہم نے

یہ بتادیا کہ تمہارے قبہ پر آپ ﷺ کی نظر پڑ گئی تھی لہٰذا انہوں نے اسے گرادیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ خبردار! ہر عمارت صاحب عمارت کے لئے وبال ہے سوائے اس عمارت کے جس کی ضرورت ہو۔

ان روایات سے معلوم ہوا ہے کہ ڈانٹنا، ڈپٹنا، جھڑکنا، سختی کرنا ہی تعلیم و تبلیغ نہیں ہے۔ زیادہ تر نرمی سے اور حکمت اور تدبیر سے کام چلانا چاہئے۔ کہیں ضرورت پڑ گئی تو سختی بھی کر لینی چاہئے لیکن ہمیشہ نہیں۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے تو نرمی اور تواضع سے پیش آتے ہیں لیکن اپنی آل واولاد کے ساتھ سختی کرتے ہیں۔ اور مار پٹائی کا معاملہ کرتے ہیں پھر جب بڑے ہو جاتے ہیں تو بڑھ چڑھ کر نافرمانی کرتے ہیں، اس وقت ان کو دین پر ڈالنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: ”اے عائشہ نرمی کو پکڑ لو اور سختی سے اور بدکلامی سے بچو بلاشبہ جس کسی چیز میں نرمی ہوگی وہ اسے زینت دے دے گی اور جس چیز سے نرمی ہٹالی جائے گی تو وہ اسے عیب دار بنادے گی۔“

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ﴿من یحرم الرفیق یحرم الخیر﴾ ”جو شخص نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ خیر سے محروم کر دیا گیا۔“

اصلاح کا طریقہ یہ بھی ہے کہ گناہ کرنے والوں سے قطع تعلق کر لیا جائے لیکن یہ اسی وقت مفید ہے جب وہ شخص اثر لے جس سے تعلق قطع کیا گیا ہے۔ آج کل تو یہ زمانہ ہے کہ گناہوں میں جو لوگ مبتلا ہیں اگر ان سے تعلق توڑ لیا جائے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں اچھا ہوا تم روٹھے اور ہم چھوٹے، لہٰذا کسی نیک آدمی کے ناراض ہونے کا اثر نہیں لیتے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ معاشرہ میں شر اور معاصی کا اٹھان زیادہ ہے۔ دینداروں کو حاجت ہے کہ اہل معاصی سے ملیں جلیں، ان سے مال خریدیں، گناہ گاروں کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ دینداروں کے پاس آئیں، اسی لئے قطع تعلق اور بائیکاٹ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اصل مقصود اصلاح ہونی چاہئے، داعی اور مبلغ ہمدردانہ طور پر یہ سوچے کہ فلاں فرد اور فلاں جماعت میں کیا طریق کار ہوگا۔ پھر اس کے مطابق عمل کرے۔ لیکن کسی کو نیکی پر لانے کے لئے خود گناہ کرنا جائز نہیں بعض وہ جماعتیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہی سب سے بڑے پکے سچے مسلمان ہیں انہوں نے الیکشن کے موقع پر لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے گانے بجانے تک کا انتظام کرلیا اور اپنے خیال میں اس عمل کو خدمت اسلام سمجھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ﴿امرنی ربی بمحق المعازف والمزامیر﴾ ''میرے رب نے مجھے گانے بجانے کی چیزوں مٹانے کا حکم دیا'' جو لوگ امامت صالحہ کے مدعی ہیں وہ ممنوعات شرعیہ کے ذریعے اپنے خیال میں دینی خدمت کررہے ہیں۔

یہ بھی سمجھنا چاہئے جہاں دعوت و تبلیغ میں اخلاص ہوگا، اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہوگی وہاں نفس اور نفسانیات کا دخل نہ ہوگا۔ بعض لوگ کسی کو گناہ پر ٹوکتے ہیں تو اصلاح کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے ٹوکتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں جس کسی شخص سے ان بن ہوگئی اسے ذلیل کرنے کے لئے مجمع میں ٹوک دیا۔ مقصود اصلاح نہیں ہوتی بلکہ بدلہ لینا اور ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے جب بات کرنے والے ہی کی نیت اصلاح کی نہیں ہے تو مخاطب پر کیا اثر ہوگا، بہر حال مبلغ اور داعی کو خیر خواہ ہونا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (بحوالہ جستہ جستہ از اصلاحی مقالات)

دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے کچھ راہنما اصول

ا......اپنے منصب کا حقیقی شعور پیدا کیجئے

دردامت اور فکر نبوی ﷺ ایک بہت بڑی ذمہ داری اور ہر مسلم نوجوان کے لئے خصوصًا، ہر مسلمان کے لئے عمومًا ایک اہم ترین فریضہ ہے جسے پورا کیئے بغیر کامیابی نہیں۔ اس لئے اپنے اندر اپنے اس اعلیٰ اور حقیقی منصب کا شعور پیدا کیجیے، آپ رسول اقدس ﷺ

کے جانشین ہیں کیونکہ آپ نے دعوت دین، شہادت حق اور تبلیغ کا وہی فریضہ سرانجام دینا ہے جو اللہ کے محبوب پیغمبر ﷺ انجام دیتے رہے۔ چنانچہ وہی داعیانہ تڑپ پیدا کرنے کی کوشش کیجیے جو رسول اقدس ﷺ کا خصوصی اور امتیازی وصف ہے۔ قرآن کریم کا اعلان ہے کہ! ''اس نے تمہیں منتخب فرمالیا ہے، اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، پیروی کرو اس دین کی جو تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے، اس نے پہلے تمہیں مسلم کے نام سے نوازا تھا اور اسی سلسلے میں رسول تمہارے لئے دین حق کی شہادت دیں گے اور تم دنیا کے سارے انسانوں کے سامنے دین حق کی شہادت دو گے''۔ (سورۃ حج آیہ ۷۸)

گویا کہ امت مسلمہ رسول اقدس ﷺ کی جانشین ہے اور اس کو وہی کام انجام دینا ہے جو رسول اقدس ﷺ نے انجام دیا۔ جس طرح آپ نے اپنے قول وعمل اور شب وروز کی تگ ودو سے اللہ تعالیٰ کے دین کو امت تک پہنچانے کا صحیح حق ادا کردیا۔ ٹھیک اسی طرح اب امت مسلمہ کو بھی دنیا کے سارے ہی انسانوں کے سامنے اللہ کے دین کو پہنچانا ہے۔ اور اسی طرح احساس فرض کو سمجھتے ہوئے اور داعیانہ تڑپ اور فکر کے ساتھ دین حق کی تابندہ شہادت بن کر زندہ رہنا ہے۔ اس کے لئے جیسی ہی قربانی دینا پڑے اس سے قطعاً کسی قسم کا گریز نہیں کرنا ہے یہی ہمارا منصب اور یہی ہمارا مقصد ہے۔

۲......اپنے نصب العین کا حقیقی علم حاصل کیجئے

آپ کا نصب العین کیا ہے؟ اور کیا ہونا چاہیئے؟ اور اللہ تعالیٰ نے کیا نصب العین دیا ہے؟ اس کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اپنے نصب العین کا حقیقی علم حاصل کیجیئے اور شرح صدر کے ساتھ اس کو اپنانے کی کوشش کیجیے، اللہ تعالیٰ کی نظر میں امت مسلمہ کا نصب العین قطعی طور پر یہ ہے کہ وہ کامل یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ اس پورے دین کو قائم اور نافذ کرے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے اور جو عقائد وعبادات، اخلاق ومعاشرت، اور معیشت وسیاست غرض انسانی زندگی سے متعلق تمام ہی آسمانی ہدایت پر مشتمل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک دور میں اس دین کو اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ قائم فرمایا، آپ ﷺ نے عقائد واخلاق کی تعلیم بھی دی، عبادت کے طریقے بھی سکھائے، دین کی بنیادوں پر معاشرے کی تعمیر بھی فرمائی، اور انسانی زندگی کو منظم کرنے اور خیر وبرکت سے مالا مال کرنے کے لئے اپنی سیرت کے تابندہ اصول بھی چھوڑے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے نصب العین کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ!

''مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ منتخب کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوحؑ کو کی تھی اور جس کی وحی اے رسول! ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں کہ اس دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو''۔ (سورۃ شوریٰ آیت ۱۳)

اور دوسری جگہ پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!''اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک امت وسط بنایا ہے تا کہ تم سارے انسانوں کے لئے دین حق کے گواہ بنو، اور ہمارے رسول تمہارے لئے گواہ ہیں''۔ (سورۃ بقرہ)

چنانچہ اپنی اس اصل حیثیت کو ہمیشہ نگاہ میں رکھیئے اور اسی کی شایان شان اپنی زندگی کو بنانے اور بنائے رکھنے کی کوشش پیہم جاری رکھیئے۔

یہ امت گزشتہ امتوں کی طرح ایک عام نہیں ہے بلکہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے ایک امتیازی شان بخشی ہے، اس امت کو دنیا کی تمام قوموں میں صدر کی طرح رہنمائی کا مقام حاصل ہے اس لئے آپ ہمیشہ افراط وتفریط سے پاک اور اللہ تعالیٰ کی سیدھی شاہراہ پر اعتدال کے ساتھ قائم رہیئے۔

۳......دعوت وتبلیغ کے لئے ہمہ وقت تیار رہیے

امر بالمعروف ونہی عن المنکر دردامت وفکر نبوی کا ایک اہم ترین جزو ہے، اس لئے آپ برائیوں کو مٹانے اور بھلائیوں کو قائم کرنے کے لئے ہمہ وقت کمر بستہ رہیئے یہی آپ

کے ایمان کا تقاضا ہے اور یہی آپ کی ملی وجود کا مقصد ہے، اسی مقصد کے لئے زندہ رہیئے اور اسی کے لئے جان دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کام کو انجام دینے کے لئے آپ کو خیر امت کے عظیم لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!''تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے لئے وجود میں لائی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھتے ہو''۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۱۰)

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم لوگ لازمًا نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو، ورنہ عنقریب اللہ تم پر ایسا عذاب بھیج دے گا کہ پھر تم پکارتے رہو گے اور کوئی شنوائی نہ ہوگی۔ (ترمذی شریف)

۴......اپنے اندر مثالی تڑپ پیدا کیجئے

انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانا اور انہیں ساحل پر لاکر راہ نجات دکھانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ چنانچہ امت کے ہر فرد تک راہ نجات کا پیغام پہنچانے اور بندگان خدا کو جہنم کے ہولناک عذاب سے بچانے کے لئے اپنے اندر داعیانہ تڑپ اور مثالی درد وسوز پیدا کیجئے۔ رسول اقدس ﷺ کی بے مثال تڑپ اور بے پایاں درد کا اعتراف قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ!''شاید آپ ان لوگوں کے پیچھے اپنی جان ہلاک ہی کر ڈالیں گے اگر یہ لوگ اس کلام ہدایت پر ایمان نہ لائیں۔ (سورۃ کہف آیت ٦)

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ! میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی اور جب آس پاس کا ماحول آگ کی روشنی سے چمک اٹھا تو یہ کیڑے پتنگے اس پر گرنے لگے اور وہ شخص پوری قوت سے ان کیڑے پتنگوں کو روک رہا ہے، لیکن پتنگے ہیں کہ اس کی کوشش کو ناکام بنائے دیتے ہیں اور آگ میں گھسے جارہے ہیں۔ (اسی طرح) میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے روک رہا ہوں اور تم ہو کہ آگ میں

گرے جا رہے ہو۔ (مشکوٰۃ شریف)

ایک بار حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! احد سے زیادہ سخت، دن بھی آپ پر گزرا ہے، فرمایا ہاں عائشہ! میری زندگی میں سب سے زیادہ سخت عقبی کا دن تھا۔ یہ وہ دن تھا جب آپ ﷺ مکہ والوں سے مایوس ہو کر طائف والوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے تشریف لے گئے، وہاں کے سردار عبد یالیل نے شرارتی لڑکوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا اور انھوں نے پیغام رحمت کے جواب میں آپ ﷺ کے جسد اطہر پر پتھر برسائے، آپ ﷺ لہولہان ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر آپ ﷺ انتہائی پریشان اور غمگین حالت میں وہاں سے چلے۔ جب قرن الثعالب پہنچے تو غم کچھ ہلکا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب کے فرشتے کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ عذاب کے فرشتے نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ فرمائیں تو میں ابو قبیس اور جبل احمر کو آپس میں ٹکرا دوں؟ اور ان دونوں پہاڑوں کے بیچ یہ بدبخت پس کر اپنے انجام کو پہنچ جائیں رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا! نہیں نہیں مجھے چھوڑ دو تا کہ میں اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا رہوں، شاید کہ اللہ انہی کے دلوں کو ہدایت کے لئے کھول دے یا پھر ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو ہدایت کو قبول کر لیں۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی بے مثال تڑپ کا ایک اور واقعہ ملاحظہ کیجئے اور اپنے اندر بھی ایسی ہی تڑپ اور درد پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

آپ ﷺ مکے میں ہیں اور یہاں کے لوگوں میں آپ ﷺ کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔ کوئی کہتا ہے انہیں شہر سے نکال دو۔ کوئی کہتا ہے کہ انہیں قتل کر دو۔ ان ہی دنوں میں مکہ کو قحط نے آگھیرا۔ اور قحط بھی ایسا کہ قریش کے لوگ پتے اور چھال کھانے پر مجبور ہو گئے، بچے بھوک سے بلبلاتے اور بڑے ان کی یہ حالت زار دیکھ کر تڑپ تڑپ اٹھتے۔ رحمت دو عالم ﷺ ان لوگوں کو اس لرزہ خیز مصیبت میں مبتلا دیکھ کر بے قرار ہو گئے آپ ﷺ کے مخلص ساتھی بھی آپ ﷺ کا اضطراب دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ آپ ﷺ نے اپنے ان جانی

دشمنوں کو جن کے پہنچائے ہوئے زخم ابھی بالکل تازہ تھے، اپنی دلی ہمدردی کا پیغام بھیجا اور ابوسفیان اور صفوان کے پاس پانچ سو دینار بھیج کر کہلوایا کہ یہ دینار ان قحط کے مارے ہوئے غریبوں میں تقسیم کردیئے جائیں۔

حقیقت یہی ہے کہ گمراہ بندوں کے غم میں گھلنا، ان کی گمراہی اور مصیبت پر کڑھنا، ان کو اللہ کے غضب سے بچانے کے لئے تڑپنا، ان کی تکلیف دیکھ کر بے قرار ہونا اور ان کی ہدایت کے لئے غیر معمولی حریص ہونا، یہی ایک داعیٔ حق کے وہ جوہر ہیں جن کے ذریعے اس کی زندگی انتہائی دل کش اور غیر معمولی اثر انگیز بن جاتی ہے۔

۵......اپنے مقصد کی عظمت کو سامنے رکھیئے

جیسا کہ معلوم ہے کہ ہمارا مقصد دین اسلام کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلانا ہے اور اپنی زندگیوں میں درد امت وفکر نبوی کے جذبے کو بسانا ہے۔ یقیناً یہ انتہائی عظیم، اعلیٰ وارفع مقصد ہے، چنانچہ آپ اپنے اس مقصد اور نصب العین کی عظمت واہمیت کو ہمیشہ مدنظر رکھیئے اور اس بات کا خیال رہے کہ یہ وہ عظیم کام ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ انبیاء مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ اور اس بات کا یقین اپنے دل میں پختہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین اسلام کی جو دولت عطا فرمائی ہے یہی دونوں جہاں کی عظمت وسربلندی کا سرمایہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین تو اسلام ہی ہے، اس دین حق کو چھوڑ کر جو بھی طریق بندگی اختیار کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر وقیمت نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں تو وہی دین مقبول ہے جو قرآن پاک میں ہے اور جس کی عملی تفسیر رسول اقدس ﷺ نے اپنی مبارک زندگی سے پیش فرمائی۔ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کو صاف صاف بتلا دیجیے کہ میں نے جو راہ بھی اپنائی ہے سوچ سمجھ کر پوری بصیرت کے ساتھ اپنائی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!" (اے رسول) آپ ان سے صاف صاف کہ

دیکھئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اور میرے پیچھے چلنے والے پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے اور میرا ان سے کوئی تعلق نہیں جو شرک کرنے والے ہیں"۔ (سورۃ یوسف آیت ۱۰۸)

اور اللہ تعالیٰ کا صاف صاف ارشاد مبارک ہے !"اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو اختیار کرنا چاہے گا۔اس کا وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد ہوگا"۔ (سورۃ آل عمران آیت ۸۵)

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامَ ۔ بے شک اللہ کے نزدیک دین تو بس اسلام ہی ہے۔ چنانچہ جب آپ اپنے دین کی صحیح عظمت دل میں بٹھا کر لوگوں کو اس دین کی طرف بلائیں گے تو آپ کی بات میں بھی اثر ہوگا۔

۶......خود اپنے گھر کی اصلاح کو بھی سامنے رکھیئے

یاد رکھیئے! اپنے بچوں کی اصلاح و تربیت اور ان کو اقامت دین کا فریضہ انجام دینے کے لئے تیار کرنا آپ کا اولین فریضہ بھی ہے اور آپ کی سرگرمیوں کا فطری میلان بھی۔اس میدان کو چھوڑ کر اپنی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کے لئے محض باہر کے میدان تلاش کرنا غیر حکیمانہ اور غیر فطری عمل ہے۔ یقیناً یہ بہت بڑی کوتاہی اور فرار ہے۔اس کی مثال ایسی ہے کہ آپ قحط کے زمانے میں اپنے گھر والوں کو بھوک و پیاس سے نڈھال اور جان بلب چھوڑ کر باہر کے ضرورت مندوں کو تلاش کر کے غلہ تقسیم کرنے کی فیاضی کا مظاہرہ کریں ۔گویا نہ تو آپ کو بھوک پیاس اور قربت و محبت کا احساس ہے اور نہ غلے کی تقسیم کی حکمت ہی سے آپ کا ذہن آشنا ہے۔قرآن پاک میں مؤمنوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ !"مؤمنو! بچاؤ اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے"۔

چنانچہ یہاں سب سے پہلے اپنی فکر اور پھر اپنے گھر والوں کی فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔دوسرے مسلمانوں کی فکر کرنا بھی ضروری ہے لیکن اپنے گھر کی فکر چھوڑ کر نہیں۔

جب آپ کے گھر کی اصلاح ہو جائے گی تو یقیناً آپ کے لئے باہر کی اصلاح کرنا آسان ہو گی۔

اور رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ! تم میں سے ہر ایک نگران اور ذمہ دار ہے، اور تم میں سے ہر ایک سے ان لوگوں کے بارے میں باز پرس کی جائے گی جو تمہاری نگرانی میں ہوں گے۔ حاکم نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اور شوہر اپنے گھر والوں کا نگران ہے۔ تو تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر ایک سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی جو اس کی نگرانی میں دیئے گئے ہیں۔ (بخاری)

۷......اپنے پڑوسیوں کی بھی فکر کرتے رہیئے

اپنے پڑوسیوں اور محلے داروں کی اصلاح و تعلیم کی بھی فکر کرتے رہیئے اور اس کو بھی اپنا فریضہ سمجھئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں کچھ مسلمانوں کی تعریف فرمائی۔ پھر فرمایا! ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا نہیں کرتے اور انہیں دین نہیں سکھاتے اور انہیں دین سے ناواقف رہنے کے عبرتناک نتائج نہیں بتاتے ،اور انہیں بُرے کاموں سے نہیں روکتے؟ اور ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم حاصل نہیں کرتے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا نہیں کرتے اور دین سے جاہل رہنے کے عبرتناک نتائج معلوم نہیں کرتے۔ خدا کی قسم! لوگ اپنے پڑوسیوں کو لازماً دین کی تعلیم دیں۔ ان کے اندر دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں۔ انہیں نصیحت کریں۔ ان کو اچھی باتیں بتائیں اور بُری باتوں سے روکیں نیز لوگوں کو چاہیئے کے لازماً اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھیں، دین کی سمجھ پیدا کریں، اور ان کی نصیحتوں کو قبول کریں ورنہ میں انہیں بہت جلد سزا دوں گا۔

پھر آپ ﷺ منبر سے اتر آئے اور تقریر ختم فرمادی۔ سننے والوں میں سے بعض لوگوں نے بعض سے پوچھا۔ یہ کون لوگ تھے جن کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے تقریر فرمائی؟ دوسرے لوگوں نے بتایا کہ آپ ﷺ کا روئے سخن قبیلہ اشعر کے لوگوں کی طرف تھا۔ یہ لوگ دین کا علم رکھنے والے لوگ ہیں اور ان کے پڑوس میں چشموں پر رہنے والے دیہاتی اجڈ لوگ ہیں۔

جب اس تقریر کی خبر اشعری لوگوں کو پہنچی تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے اپنے خطبے میں کچھ لوگوں کی تعریف فرمائی اور ہمارے اوپر غصہ فرمایا تو فرمائیے ہم سے کیا قصور ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو دین کی تعلیم دیں، انہیں وعظ ونصیحت کریں، اچھی باتوں کی تلقین کریں اور بُری باتوں سے روکیں، اسی طرح لوگوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم حاصل کریں، ان کی نصیحتوں کو قبول کریں اور اپنے اندر دین کی سمجھ پیدا کریں ورنہ میں بہت جلد ان لوگوں کو سزا دوں گا۔ یہ سن کر قبیلہ اشعر کے لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم دوسرے لوگوں میں سمجھ پیدا کریں آپ نے فرمایا جی ہاں یہ تمہاری ذمہ داری ہے تو یہ لوگ بولے حضور ﷺ ہمیں ایک سال کی مہلت دیجئے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان کو ایک سال کی مہلت دی کہ جس میں وہ اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں اور دینی سمجھ پیدا کردیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائی جنکا مفہوم یہ ہے! ''بنی اسرائیل کے کفر کرنے والوں پر لعنت کی گئی داؤد کی زبان سے اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے اور یہ لعنت اس لئے کی گئی کہ انہوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور برابر اللہ کے احکام توڑتے چلے گئے۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کو بری باتوں کے کرنے سے نہیں روکتے تھے۔ بلاشبہ ان کی یہ حرکت انتہائی بُری تھی''۔ (سورۃ مائدۃ آیت ۷۸)

۸......اپنے قول و فعل میں یکسانی پیدا کیجئے

جب تک قول و فعل یکساں نہ ہو اس وقت تک بات نہ دل سے نکلتی ہے اور نہ اثر کرتی ہے اس لئے اپنے قول اور فعل میں یکسانی پیدا کیجئے اور جو کچھ دنیا کے سامنے پیش کریں اس کا مخاطب سب سے پہلے اپنی ذات کو بنائیں، دوسروں کو بتانے سے پہلے خود اپنے آپ کو مخاطب کر کے بتائیں اور جو دوسروں سے آپ چاہتے ہیں پہلے خود وہ کر کے دکھائیں۔

دین حق کے داعی کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنی دعوت کا سچا نمونہ ہوتا ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اپنے عمل و کردار کو اس پر گواہ بناتا ہے، جن حقیقتوں کو قبول کرنے میں وہ دین کی بھلائی دیکھتا ہے خود اس کا سب سے زیادہ حریص ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب جب قوم کے سامنے دعوت دینے اٹھے آپ نے اعلان کیا "اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" میں خود سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

آپ کی زبان اور آپ کا قلم بھی اس بات کی گواہی دے کہ حق وہی ہے جو آپ پیش کر رہے ہیں۔ اور اپنے انفرادی عمل، خانگی تعلقات، سماجی معاملات اور سیاسی اور ملکی سرگرمیوں سے بھی یہ ثابت کریں کہ اسلامی تعلیمات کو اپنا کر ہی پاکیزہ کردار وجود میں آتا ہے، مستحکم خاندان بنتا ہے، اچھا سماج تشکیل پاتا ہے اور ایک ایسا نظامِ تہذیب و تمدن بنتا ہے جس کی بنیاد عدل و انصاف پر ہو۔

یاد رکھیئے! جو لوگ اپنی تربیت اور اصلاح سے غافل ہو کر دوسروں کی اصلاح و تربیت کی باتیں کرتے ہیں وہ انتہائی نادان ہیں اور اپنا گھر جلتا ہوا دیکھ کر بے فکر ہیں اور پانی کی بالٹیاں لئے تلاش کر رہے ہیں کہ کسی کے گھر کو آگ لگی مل جائے تو اس کو بجھا دیں، ایسے لوگ دنیا میں بھی ناکام ہیں اور آخرت میں بھی ناکام ہیں یہ انتہائی عبرت ناک عذاب بھگتیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات انتہائی ناگوار ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے والے خود بے

عمل رہیں اور ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ﴾ یعنی وہ کہیں جو خود نہیں کرتے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسے بے عمل داعیوں کو انتہائی ہولناک عذاب سے ڈرایا ہے چنانچہ ارشاد ہے! قیامت کے روز ایک آدمی لایا جائے گا اور آگ میں پھینک دیا جائے گا، اس کی انتڑیاں اس آگ میں باہر نکل پڑیں گی پھر وہ آدمی ان انتڑیوں کو اس طرح لیئے لیئے پھرے گا جس طرح گدھا اپنی چکی میں پھرتا ہے۔ یہ دیکھ کر دوسرے جہنمی لوگ اس کے پاس جمع ہوں گے اور پوچھیں گے اے فلاں! تمہارا کیا حال ہے؟ کیا تم دنیا میں ہمیں نیکیوں کی تلقین نہیں کرتے تھے؟ اور برائیوں سے نہیں روکتے تھے؟ (ایسی نیکی کے کام کرنے کے باوجود تم یہاں کیسے آگئے؟) وہ آدمی کہے گا، میں تمہیں تو نیکیوں کا سبق دیتا تھا لیکن خود نیکی کے قریب بھی نہ جاتا تھا، تمہیں تو برائیوں سے روکتا تھا لیکن خود برائیوں پر عمل کرتا تھا۔ (بخاری شریف) اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے آمین۔

۹...... حق کے سچے سپاہی بنئے

ہمیشہ حق کی بات کہیئے چاہے اس کے لئے کوئی بھی قربانی دینی پڑے۔ اسلام میں کتمان حق (حق کو چھپانا) بہت بڑا جرم ہے۔ جو لوگ دنیا کے مال ومتاع حاصل کرنے کے لئے کتمان حق کرتے ہیں وہ اللہ کو ناراض کرتے ہیں۔

چنانچہ ہمیشہ دنیا کی گہما گہمی، اس کی عیش پرستی اور اللہ سے غافل کر دینے والی زندگی سے دور رہیئے اور حق کے پکے اور سچے ایسے سپاہی بنیئے جو ہر ڈیوٹی پر چوکس ہو اور کسی وقت بھی ہتھیار نہ اتارے (یعنی کبھی بھی حق بات دوسروں تک پہنچانے کے ذرائع سے غفلت نہ برتے)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ! میں عیش اور سہولت کی زندگی کیسے گزاروں! جبکہ اسرافیل صور منہ میں لئے کان لگائے، سر جھکائے انتظار کر رہے ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں مؤمنوں کوخطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ !اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے ،زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے مہیار کھوتا کہ اس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں اور خود اپنے دشمنوں کو اوران دوسرے اعداء دین کوخوف زدہ کرو، جنہیں تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اللہ کی راہ میں تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے ،اس کا پورا پورا بدلہ تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارا حق دینے میں ذرا کمی نہ کی جائے گی۔ (سورۃ انفال آیت ۶۰)

۱۰......اپنے اندر قربانی دینے کا جذبہ پیدا کیجئے

دین اسلام کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے اور ضرورت پڑنے پر اپنے وطن عزیز سے ہجرت کرنے کے لئے بھی خود کو آمادہ رکھیئے ۔اور خود کو تو لتے رہیئے کہ کس حد تک آپ کے اندر یہ جذبہ قوت پکڑ رہا ہے ۔قرآن کریم میں حضرت ابراہیم کا واقعہ ہجرت بیان کرتے ہوئے ہجرت کی ترغیب اور قربانیوں کے لئے تیار رہنے کی تلقین اس طرح کی گئی ہے کہ !''اور اس کتاب میں ابراہیمؑ کے قصے سے نصیحت حاصل کیجئے بے شک وہ ایک سچے نبی تھے (لوگوں کو اس وقت کا ذکر سنایئے)جب انہوں نے اپنے والد سے کہا ابا جان! آپ ان چیزوں کی عبادت کیوں کر رہے ہیں؟ جو نہ سنتی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کے کسی کام آسکتی ہیں ۔ابا جان میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا ہے آپ میرے کہے پر چلیئے ،میں آپ کو سیدھی راہ پر چلاؤں گا۔ ابا جان آپ شیطان کی بندگی نہ کیجئے شیطان تو رحمٰن کا بڑا نافرمان ہے ۔ابا جان! مجھے ڈر ہے کہ (آپ اسی طرح اگر رہے تو) رحمٰن کا عذاب آپ کو آ پکڑے اور آپ شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں۔

باپ نے کہا! کیا تم میرے معبودوں سے پھر گئے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دوں گا ،اور جاؤ ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جاؤ۔ ابراہیم نے کہا آپ کو میرا اسلام ہے ۔میں پروردگار سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کی بخشش فرمادے ۔ بے شک

میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں سے بھی کنارہ کرتا ہوں اور ان ہستیوں سے بھی جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہو، میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ مجھے پوری امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر ہرگز نامراد نہ ہوں گا۔ (سورۂ مریم آیت ۴۱ تا ۴۸)

(تلخیص و ترمیم اور عنوانات کے اضافہ کے ساتھ از آدابِ زندگی)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۹۷

رسولِ اکرم ﷺ کا نام لیکر خطاب کرنے سے امت کو منع فرمایا گیا جبکہ دیگر امتیں اپنے نبیوں کا نام لیا کرتی تھیں

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ستانوے نمبر خصوصیت پیش کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کا نام لیکر خطاب کرنے سے امت کو منع فرمایا گیا جبکہ دیگر امتیں اپنے نبیوں کا نام لیا کرتی تھیں'' بیشک ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے، جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا نام لے کر خطاب کرنے سے منع کیا گیا جبکہ دیگر امتیں اپنے نبیوں کا نام لیا کرتی تھیں تو معلوم ہوا کہ یہ ہمارے نبی ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی نظر میں خاص مقام ہے، کہ نام لینے کی ممانعت صرف اور صرف آخری محمد الرسول اللہ ﷺ سے متعلق فرمائی گئی، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کرنے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

ستانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن کریم کی روشنی میں

رسولِ اکرم ﷺ کو نام مبارک کے ساتھ خطاب کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ حالانکہ دوسری قومیں اپنے نبیوں کو نام کے ساتھ خطاب کیا کرتی تھیں۔ ملاحظہ کیجئے آیات ذیل:

قالُوا یٰمُوسی اجْعل لَّنَآ اِلٰھاً کمالَھُم اٰلِھَۃٌ. (پ۹ اعراف۔ع ۱۶)

ترجمہ: کہنے لگے اے موسیٰؑ ہمارے لئے بھی ایک (مجسم) معبود ایسا ہی مقرر کردیجئے ،جیسے ان کے یہ معبود ہیں،

وإِذْقَالَ الْحَوارِيُّونَ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مآئِدَةً مِّنَ السَّمآءِ. (پ۷ مائدہ۔ع ۱۵)

ترجمہ: وہ وقت قابل یاد ہے، جبکہ حواریوں نے عرض کیا کہ اے عیسیٰؑ ابن مریمؑ! کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں، کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا نازل فرمادیں۔

قَالُوا يٰهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِي اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ. (پ۔ ہود ع ۵)

ترجمہ: ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ہودؑ آپ نے ہمارے سامنے کوئی دلیل تو پیش نہیں کی اور ہم نے آپ کے کہنے سے تو اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم کسی طرح آپ کا یقین کرنے والے نہیں۔

قَالُوا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا اَتَنْهٰنَا اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَآ اِلَيْهِ مُرِيبٍ. (پ۔ ہود ع ۶)

ترجمہ: وہ لوگ کہنے لگے اے صالحؑ تم تو اس کے قبل ہم میں ہونہار تھے، کیا تم ہم کو اُن چیزوں کی عبادت سے منع کرتے ہو، جن کی عبادت ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں اور جس دین کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو، واقعی ہم تو اُس کی طرف سے بڑے شبہ میں ہیں جس نے ہم کو تردد میں ڈال رکھا ہے۔

مگر ہمارے آقائے نامدار کی نسبت یوں ارشاد باری ہوتا ہے:۔

ترجمہ: مت مقرر کرو پکارنا پیغمبر کا درمیان اپنے جیسا پکارنا بعض تمہارے کا ہے بعض کو۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۹۸

رسولِ اکرم ﷺ جس راستے سے چلتے وہاں خوشبو آیا کرتی تھی

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اٹھانویں نمبر خصوصیت شروع کی جاتی ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ جس راستے سے چلتے وہاں سے خوشبو آیا کرتی تھی" بیشک دیگر خصوصیات کی طرح ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی حضور ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس کی وضاحت پیش کی جارہی ہے، بے شک یہ ہمارے نبی ﷺ کا خاصہ ہے اگر چہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تمام انبیاء کرام؊ معصوم اور جسمانی وروحانی لحاظ سے پاک ومنزّہ تھے لیکن آخری نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کے بارے میں ایسی بات نہیں ملتی کہ وہ جس راستے سے چل کر جاتے وہاں سے خوشبو آتی ہو لہٰذا معلوم ہوا کہ جسم کی خوشبو اپنی جگہ لیکن اُن راستوں سے بھی خوشبو کا آنا جہاں سے آپ ﷺ گزر کر جایا کرتے تھے صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کا خاصہ ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر کرنے کی اور آپ کی جملہ تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

اٹھانویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

حضرت انس ؓ نے فرمایا ہے کہ میں نے کوئی عنبر اور کوئی مشک اور کوئی چیز رسول اللہ ﷺ کی مہک سے زیادہ خوشبودار نہیں دیکھی۔ اور آپ ﷺ کسی سے مصافحہ فرماتے تو تمام دن اس شخص کو مصافحہ کی خوشبو آتی رہتی۔ اور کبھی کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ خوشبو کے سبب دوسرے لڑکوں میں پہچانا جاتا، چنانچہ آپ ﷺ ایک بار حضرت انس ؓ کے گھر

میں سوئے ہوئے تھے۔ اور آپ ﷺ کو پسینہ آیا ہوا تھا تو حضرت انس کی والدہ ایک شیشی لا کر آپ ﷺ کے پسینے کو جمع کرنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس بارہ میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملاویں گے اور یہ پسینہ اعلیٰ درجے کی خوشبو ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس راستے سے گزرتے تو وہاں سے خوشبو آیا کرتی تھی اور کوئی شخص آپ ﷺ کی تلاش میں جاتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ ﷺ اس راستے سے تشریف لے گئے ہیں۔ یہ خوشبو آپ ﷺ کے بدن مبارک میں تھی۔

اور ابراہیم بن اسمٰعیل مزنی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی کہ مجھ کو ایک بار رسول ﷺ نے اپنے پیچھے سواری پر بٹھا لیا میں نے مہر نبوت کو اپنے منہ میں لے لیا۔ سو اس میں سے مشک کی لپٹ آ رہی تھی اور مروی ہے کہ آپ ﷺ جب بیت الخلاء میں جاتے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ ﷺ کے بول و براز کو نگل جاتی اور اس جگہ نہایت ہی پاکیزہ خوشبو آتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس طرح روایت کیا ہے اور اسی لئے علماء آپ ﷺ کے بول و براز کے طاہر ہونے کے قائل ہوئے ہیں، مالک بن سنان یوم احد میں آپ ﷺ کا خون زخم چوس کر پی گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو کبھی دوزخ کی آگ نہ لگے گی اور عبداللہ بن زبیر نے آپ ﷺ کا خون جو پچھنے لگانے سے نکلا تھا پی لیا اور برکتؓ اور آپ ﷺ کی خادمہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ کا بول پی لیا تھا۔ سو ان کو ایسا معلوم ہوا جیسے شیریں نفیس پانی ہوتا ہے اور آپ ﷺ مختون آ ون، نال کٹے ہوئے سرمہ لگے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت آمنہ آپ کی والدہ کہتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو پاک صاف جنا کہ کوئی آلودگی آپ ﷺ کو لگی ہوئی نہ تھی اور آپ ﷺ باوجود یہ کہ ایسا سوتے تھے کہ خراٹے بھی لینے لگتے مگر بدون وضو کئے ہوئے نماز پڑھ لیتے تھے یعنی سونے سے آپ ﷺ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ (بحوالہ دینی دسترخوان جلد سوم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۹۹

رسولِ اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر گزشتہ انبیاءؑ کی مسلمہ کتب میں بھی آیا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ننانوے نمبر خصوصیت ہے جس کا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر گزشتہ انبیاءؑ کی مسلمہ کتب میں بھی آیا" بحمد اللہ اس خصوصیت کو بھی میں نے اپنے آقا ﷺ کے مقدس روضہ کے سامنے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے یعنی اس خصوصیت سے متعلق جو مضامین میں نے تیار کئے تھے ان کی فائنل ترتیب میں نے روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر مکمل کی ہے، بحمد اللہ یہ میرے لئے بڑی سعادت کی بات ہے کہ میرے اللہ نے مجھے اپنے پیارے نبی ﷺ کے روضہ پر بیٹھ کر ان کی شان میں کچھ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی، اور اللہ کی ذات سے مجھے امید ہے کہ روز قیامت یہ میری کاوش انشاء اللہ میری نجات کا باعث بنے گی، دعا گو ہوں کہ یا خداوند قدوس میری اس کاوش کو مقبول و منظور فرما، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے پیارے نبی ﷺ کی یہ عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے آنے سے قبل ہی آپ ﷺ کے اوصاف کا ذکر اللہ تعالیٰ نے پچھلے انبیاءؑ کی مسلمہ کتب میں فرما دیا تھا جبکہ دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرتوں میں ہمیں یہ بات نظر نہیں آتی، لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ دیگر انبیاء کرامؑ بھی اپنا بہت بڑا مقام رکھتے ہیں، یہی تعلیم ہمارے قرآن سے بھی ہمیں دی جا رہی ہے اور ہمارے نبی ﷺ کی تعلیمات سے بھی یہی سبق دیا جا رہا ہے اور ہمارا ایمان بھی یہی ہے، لیکن جہاں تک ہمارے نبی ﷺ کے مقام کا تعلق ہے وہ اللہ کے کلام سے ثابت ہے کہ جو مقام اللہ نے اپنے آخری نبی کو عطا فرمایا وہ مقام کسی کو بھی نہیں ملا، "ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء " اور جیسا کہ اس خصوصیت سے بھی ہمارے نبی ﷺ کا

مقامِ ارفع واعلیٰ نکھر کر سامنے آجاتا ہے، تفصیل کے لئے آنے والے اوراق میں ملاحظہ فرمایا جائے، انشاء اللہ ایمان ومحبت میں اضافہ ہوگا۔ اور دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی تعلیمات کی قدر کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

ننانوے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

تورات میں رسولِ اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر

حضرت عطاء ابن یسارؒ جو مشہور جلیل القدر تابعی ہیں، کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاصؓ کی ملاقات سے مشرف ہوا، تو ان سے عرض کیا کہ یہودیوں کی آسمانی کتاب تورات میں رسولِ اکرم ﷺ کی جن صفات وخصوصیات کا ذکر ہے ان کے بارے میں مجھے کچھ بتایئے۔

حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ ضرور بتاؤں گا۔ خدا کی قسم تورات میں رسولِ اکرم ﷺ کی ان بعض صفات وخصوصیات کا ذکر ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں آپ ﷺ کی جو خصوصیات وصفات ذکر کی ہیں، ان کو اپنی زبان اور اپنے اسلوب میں اس طرح بیان کیا جا سکتا کہ: اے نبی! ہم نے تمہیں اہل ایمان کا شاہد، اجر وانعام کی خوشخبری دینے والا، عذاب وعتاب سے ڈرانے والا اور امیوں کو پناہ دینے والا بنا کر بھیجا۔ اے محمد (ﷺ)! تم میرے بندے ہو (عبدیت وبندگی کا وہ مرتبۂ خاص تمہیں حاصل ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں) تم بندوں کی طرف بھیجے جانے والے میرے خاص رسول ہو، میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے، یعنی تمہیں توکل واعتماد کی وہ دولت عطا کی ہے جو کسی اور کو نہیں ملی، اسی بنا پر تم اپنے تمام معاملات ومہمات میں اپنی طاقت وصلاحیت پر اعتماد کرنے کے بجائے صرف میری ذات اور میرے حکم پر بھروسہ رکھتے ہو نہ تم بدخو ہو، نہ سخت گو اور سخت دل ہو، اور نہ بازاروں میں شور وغل مچانے والے ہو۔“

تورات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ (محمد ﷺ) برائی کو برائی کے ساتھ دور نہیں کریں گے یعنی وہ اپنے ساتھ برائی کرنے والے سے انتقام نہیں لیں گے اور اس کو سزا نہیں دیں گے بلکہ درگذر کریں گے، اور احسان پر احسان یہ کریں گے کہ برائی کرنے والے کے لئے مغفرت کی دعا کریں گے۔

اور اللہ تعالیٰ ان (محمد ﷺ) کی روح کو اس وقت تک قبض نہیں کریں گے جب تک ان کے ذریعہ کج رو اور گمراہ قوم کو راہ راست پر نہ لے آئیں اس طرح قوم کے لوگ اعتراف واقرار کرلیں گے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اس وقت ان کی روح قبض نہیں کی جائے گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ) کے ذریعہ اندھی آنکھوں بہرے کانوں اور بے حس دلوں کو درست نہ کردے۔

اس روایت کو بخاریؒ نے عطاء ابن یسارؒ سے نقل کیا ہے، نیز یہی حدیث دارمیؒ نے بھی عطاء ابن یسارؒ ہی سے نقل کی ہے، البتہ دارمی میں عطاء ابن یسار کی یہ روایت عبداللہ ابن عاصؓ کے بجائے عبداللہ ابن سلامؓ سے منقول ہے۔

تشریح...... حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاصؓ نہایت عالم فاضل قاری صحابی تھے، کتابت خوب جانتے تھے، پچھلی آسمانی کتابوں تورات وانجیل پر بھی ان کی اچھی نظر تھی، رسول اکرم ﷺ نے ان کو اپنی احادیث لکھنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ سے جو سنتے تھے لکھ لیتے تھے، اس لئے حضرت ابوہریرہؓ کی طرح یہ بھی کثیر الاحادیث ہیں، اور بہت سے تابعین آپ سے حدیثیں نقل کرتے ہیں۔

بہر حال حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے توراۃ پڑھ رکھی تھی اور انہیں معلوم تھا کہ اس آسمانی کتاب میں ہمارے رسول ﷺ کے بارے میں کیا کیا پیشن گوئیاں ہیں اور آپ ﷺ کے کن فضائل واوصاف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس لئے انہوں نے حضرت عطاء ابن یسار کے سوال پر بتایا کہ: ”اللہ تعالیٰ نے جنابِ رسول ﷺ کے جو بعض اوصاف وفضائل قرآن کریم میں ذکر کئے ہیں اور جن کو ہم نے جناب رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں دیکھا بھی

ہے وہ تورات میں مذکور ہیں۔"

پھر انہوں نے کچھ تفصیل کے ساتھ آپ ﷺ کے ان اوصاف وفضائل کو بیان کیا جو تورات میں مذکور ہیں۔ نیز انہوں نے تورات میں مذکورہ باتوں کو بیان کرنے کے لئے تفنن عبارت کے طور پر شروع میں تو وہی اسلوب اختیار کیا، جو قرآن میں آپ ﷺ کو خطاب کا ہے، اور پھر وہ اسلوب بھی اختیار کیا جو تورات میں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے متعلق پیشن گوئی کا ہے۔

"امیوں کو پناہ دینے والا" میں "امیوں" سے مراد اہل عرب ہیں، اور ان کو "امی" سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ ان کی اکثریت پڑھنا لکھنا نہیں جانتی تھی۔ اور یا ان کو "ام القریٰ" یعنی اہل مکہ کی طرف منسوب کر کے "امی" کہا گیا۔ نیز یہاں اہل عرب کی تخصیص اس لئے ہے کہ جناب رسولِ اکرم ﷺ کا نسلی اور وطنی تعلق انہی سے ہے اور انہی میں مبعوث فرمائے گئے، تا کہ ان کو غیر عرب کے غلبۂ تسلط سے محفوظ رکھیں اور سب سے پہلے ان ہی کو ایمان واخلاق کے ہتھیار سے مسلح کر کے ان کی حفاظت وفلاح کا سامان کریں، اور اگر شیطانی گمراہیوں اور نفسانی آفات سے پناہ مراد لی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا بابرکت وجود تمام ہی عالم کے لئے پشت پناہ ہے۔

اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ "پناہ" سے مراد آپ ﷺ کی قوم وملت کا اس وقت تک عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے اور تباہ وہلاک ہوجانے سے محفوظ ومامون رہنا ہے جب تک آپ ﷺ اپنی قوم کے درمیان موجود ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا: وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُم وَأَنتَ فِيهِم "یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں پر عذاب نازل کرے اور آپ ﷺ ان میں موجود ہوں۔"

تورات میں رسولِ اکرم ﷺ اور امت محمدی ﷺ کے اوصاف کا ذکر

حضرت کعب احبارؒ (جو جلیل القدر تابعی ہیں اور مسلمان ہونے سے پہلے زبردست

یہودی عالم تھے) تورات کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے تورات میں یہ لکھا ہوا پایا ہے: محمد (ﷺ) اللہ کے رسول اور برگزیدہ بندے ہوں گے، وہ نہ درشت خو ہوں گے، اور نہ سخت گو، نہ بازار میں شور مچاتے ہوں گے، اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے لینے والے بلکہ معاف کر دینے والے اور بخش دینے والے ہوں گے، ان کی پیدائش کی جگہ مکہ ہوگا، ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ) ہوگا اور ان کی حکومت کی جگہ ملک شام ہوگا، ان کی امت بہت زیادہ تعریف اور شکر کرنے والی ہوگی جو ہر حالت میں کیا غمی، کیا خوشی اور کیا فراخی، کیا تنگی، خدا کی حمد وثنا اور شکر کرے گی۔

وہ لوگ جہاں بھی اتریں گے اور جہاں بھی چڑھیں گے خدا کی بڑائی بیان کریں گے، یعنی جب اونچی جگہ پر چڑھیں گے تو اللہ اکبر کہیں گے اور سورج کا لحاظ رکھیں گے، جب نماز کا وقت ہوگا نماز پڑھیں گے، اپنی کمر پر (یعنی ناف کے اوپر) ازار باندھیں گے یعنی ستر پوشی کا بہت زیادہ خیال رکھیں گے جسم کے اعضاء پر وضو کریں گے یعنی ہاتھ پاؤں اور منہ دھوئیں گے اور پورا وضو کریں گے۔

ان کا منادی کرنے والا زمین وآسمان کے درمیان منادی کرے گا، یعنی موذن کسی بلند جگہ جیسے منارہ وغیرہ پر کھڑا ہو کر اذان دیا کرے گا۔ جنگ میں اور نماز میں ان کی صف یکساں ہوگی۔ یعنی وہ دشمنان اسلام کے خلاف میدان جنگ میں بھی صف بندی کے اصول وقواعد کی پابندی کریں گے اور باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے بھی اپنی صفیں استوار کریں گے۔ رات میں اپنے نفس اور شیطان کی سرکوبی کے لئے عبادت کے وقت ان کی آواز پست ہوگی۔ یعنی تسبیح وتہلیل اور ذکر وتلاوت ہلکی آواز سے کیا کریں گے۔ جیسے شہد کی مکھی کی آواز ہوا کرتی ہے۔'' مصابیح نے اس روایت کو انہی الفاظ کے ساتھ اور دارمیؒ نے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔''

تشریح...... ''ان کی حکومت کی جگہ ملک شام ہوگا'' میں حکومت سے مراد دین ونبوت کے ثمرات وآثار کا ظاہر ہونا اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ خدا کا پرچم بلند ہونا

ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی دعوت اسی ملک میں سب سے زیادہ پھیلی اور مسلمانوں کو جہاد بھی اسی علاقہ میں زیادہ کرنا پڑا۔

ورنہ جہاں تک رسولِ اکرم ﷺ کی دینی ودنیاوی حکومت کا تعلق ہے اس کا دائرہ اثر کسی خاص ملک یا علاقہ تک محدود نہیں ہے بلکہ کسی نہ کسی حیثیت میں پورے عالم تک پھیلا ہوا ہے۔ یا اس جملہ کی یہ مراد ہے کہ حضور ﷺ کا پایۂ تخت آپ کی حیات اور خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد ملک شام کو منتقل ہو جائیگا۔ چنانچہ تاریخی طور پر ایسا ہی ہوا کہ حضرت معاویہؓ اور بنوامیہ کے زمانہ میں مسلمانوں کا دارالخلافہ ملک شام میں رہا۔

"سورج کا لحاظ رکھا کریں گے۔" کے ذریعہ نماز روزے اور دیگر عبادت کے ایام و اوقات کی پابندی ورعایت کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمان سورج کے طلوع وغروب اور زوال کے اعتبار سے اپنی نماز وعبادت کے اوقات کا دھیان رکھیں گے اور جو وقت جس عبادت کا متعین ہوگا اس میں اس عبادت کا اہتمام کریں گے۔ ایک روایت میں، جس کو حاکم نے عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ فرمایا گیا ہے: "بلاشبہ خدا کے بندوں میں بہتر لوگ وہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے (اوقات کے تعین کی خاطر) سورج چاند ستاروں اور سایوں کا دھیان رکھتے ہیں۔

"اور حضرت عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ تورات میں رسولِ اکرم ﷺ کے اوصاف کا ذکر ہے اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ عیسیٰ ابن مریمؑ کے حجرۂ اقدس میں جمع کئے جائیں گے۔ حضرت مودودؒ (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں) کا بیان ہے کہ (حضرت عائشہؓ کے) حجرۂ مبارک میں (جہاں آپ ﷺ زیر زمین آرام فرما ہیں) ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔"

تشریح...... حجرہ مبارک میں، جہاں رسولِ اکرم ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مدفون ہیں۔ تینوں قبروں کی ترتیب اس طرح ہے، کہ سب سے آگے قبلہ کی جانب رسولِ اکرم ﷺ کی قبر مبارک ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی قبر اس طرح ہے کہ جہاں آپ ﷺ سینہ مبارک ہے وہاں حضرت ابوبکرؓ کا سر ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی قبر کے بعد حضرت عمرؓ کی قبر اس طرح ہے کہ جہاں حضرت ابوبکرؓ کا سینہ مبارک ہے وہاں حضرت عمرؓ کا سر ہے، اور حضرت عمر کے پہلو میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے اس جگہ میں متعدد صحابہ نے دفن ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن خواہش قصد کے باوجود کسی کو وہاں دفن ہونا نصیب نہ ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ قدرت کی حکمت اس جگہ کو خالی رکھنا تھی تا کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰؑ اسی جگہ دفن کئے جائیں۔

چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اس دنیا میں اپنی عمر کے آخری حصہ میں پہنچیں گے تو حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے جائیں گے۔ وہاں سے واپس آرہے ہوں گے، کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان انتقال فرما جائیں گے، اور ان کی نعش مبارک مدینہ منورہ لائی جائے گی، جہاں روضہ اقدس میں حضرت عمر فاروقؓ کے پہلو میں دفن کئے جائیں گے۔ اس طرح یہ دونوں صحابی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں نبیوں کے درمیان تا قیامت آرام فرما رہیں گے۔ (بحوالہ مظاہر حق جلد پنجم)

اور بیہقی نے اپنی سند سے وہب بن منبہ یمانیؒ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رازدارانہ گفتگو کے لئے قریب کیا تو انہوں نے کہا:۔ اے میرے رب! میں ایک ایسی امت کی خبر پاتا ہوں، جو لوگوں کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے روکیں گے، اور اللہ پر ایمان لائیں گے۔ اے میرے اللہ! ان کو میری امت بنا دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ احمد (یعنی رسولِ اکرم ﷺ) کی امت ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں تورات میں خیر الامم کی خبر پاتا ہوں، جو امتوں کے آخر میں ہوں گے، اور بروز قیامت سابقون میں ہوں گے، ان کو میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ احمد (رسولِ اکرم ﷺ) کی امت ہے'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں تورات میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں، جن کی اناجیل ان کے سینوں میں ہوں گی، اور وہ انہیں پڑھیں گے۔ اور ان

سے پہلے لوگ اپنی اپنی کتابوں کو دیکھ کر پڑھتے تھے۔ اور انہیں حفظ نہ کرتے تھے، ان کو میری امت بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ احمد (رسولِ اکرم ﷺ) کی امت ہے۔''

حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں جو پہلی اور پچھلی کتاب پر ایمان لائیں گے، اور ضلالت کے سرخیلوں سے جنگ کریں گے، حتیٰ کہ یک چشم کذاب سے بھی جنگ کریں گے، ان کو میری امت بنادے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ احمد (رسولِ اکرم ﷺ) کی امت ہے۔'' حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں تورات میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں، جو صدقات کو اپنے پیٹوں میں ڈالیں گے، (اور ان سے پہلے کا آدمی جب اپنا صدقہ نکالتا تو اللہ تعالیٰ اس پر آگ بھیجتا تھا جو اسے کھا جاتی تھی، اور اگر وہ قبول نہ ہوتا تو آگ اس کے قریب نہ جاتی) ان کو میری امت بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ احمد (رسولِ اکرم ﷺ) کی امت ہے۔''

حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں تورات میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں، جب ان میں سے کوئی شخص برائی کا ارادہ کرے گا تو اس کی برائی نہیں لکھی جائے گی، اور جب ان میں سے کوئی شخص نیکی کا اردہ کرے گا، اور اس پر عمل نہیں کرے گا تو اس کی نیکی لکھی جائے گی، اور اگر اس پر عمل کرے گا تو دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک اس کی نیکیاں لکھی جائیں گی۔ ان کو میری امت بنادے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ احمد (رسولِ اکرم ﷺ) کی امت ہے۔'' حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں تورات میں ایک امت کی خبر پاتا ہوں، جو جواب دیتے ہیں اور ان کی دعا قبول ہوتی ہے، ان کو میری امت بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ احمد (رسولِ اکرم ﷺ) کی امت ہے۔''

راوی بیان کرتے ہیں کہ وہب بن منبہؒ نے حضرت داؤدؑ کے واقعہ میں اور جو اللہ نے ان کی طرف زبور روحی کیا، بیان کیا ہے کہ:۔ اے داؤدؑ! عنقریب آپؑ کے بعد ایک نبی آئے گا، جس کا نام احمد (ﷺ) اور محمد (ﷺ) ہے، وہ صادق اور سردار ہے، میں اس پر کبھی

ناراض نہ ہوں گا، اور نہ وہ کبھی مجھے ناراض کرے گا، اور قبل اس کے کہ وہ میری نافرمانی کرے، میں نے اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دئے ہیں، اس کی امت مرحومہ ہے، میں انہیں نوافل کا انبیاء کی طرح ثواب دوں گا، اور ان پر وہ فرائض ادا کروں گا جو میں نے انبیاء ورسل پر عائد کیے ہیں، حتیٰ کہ وہ قیامت کے روز میرے پاس آئیں گے، اور ان کا نور انبیاء کے نور کی طرح ہوگا، اور یہ اس لئے کہ میں نے ان پر فرض عائد کیا ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے پاک ہوں، جیسا کہ میں نے ان سے پہلے انبیاء پر عائد کیا تھا، اور میں نے ان کو غسل جنابت کا حکم دیا ہے، جیسا کہ میں نے پہلے انبیاء کو حکم دیا تھا، اور میں نے ان کو حج کا حکم دیا ہے، جیسا کہ میں نے پہلے انبیاء کو دیا تھا، اور میں نے ان کو جہاد کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ان سے پہلے رسولوں کو حکم دیا تھا۔

اے داؤد! میں نے محمد ﷺ اور محمد ﷺ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے، میں نے ان کو چھ ایسی باتیں عطا کی ہیں جنہیں میں نے ان کے سوا کسی امت کو نہیں دیا، میں خطا ونسیان پر ان سے گرفت نہیں کروں گا، اور ہر وہ گناہ جسے وہ بلا ارادہ کریں، اگر وہ مجھ سے بخشش طلب کریں تو میں وہ گناہ انہیں بخش دوں گا، اور جس چیز کو وہ بطیب خاطر اپنی آخرت کے لئے بھیجیں گے، میں اُسے کئی گنا بڑھاؤں گا، اور میرے پاس خزانے میں ان کے لئے کئی گناہ اور اس سے بہتر بھی ہے، اور جب وہ مصائب میں صبر کریں گے اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہیں گے تو میں نے انہیں جنات النعیم تک صلوٰۃ ورحمت اور ہدایت دوں گا۔ اور اگر مجھ سے دعا کریں گے تو میں ان کی دعا قبول کروں گا، خواہ وہ اسے جلد طلب کریں، یا میں ان سے برائی کو دور کروں گا، اور یا میں ان کے لئے اسے آخرت کے لئے ذخیرہ کر دوں گا۔ اے داؤدؑ! جو شخص محمد ﷺ کی امت سے ''لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ'' کی شہادت حقہ دیتا ہوا مجھے ملے گا وہ میرے ساتھ میری جنت میں ہوگا، اور اسے میری عزت سے بھی حصہ ملے گا، اور جو شخص محمد ﷺ اور محمد ﷺ کی لائی ہوئے تعلیم کی تکذیب کرتا ہوا مجھے ملے گا، اور میری کتاب سے استہزاء کرے گا، میں اس کی قبر میں اس پر عذاب نازل کروں گا، اور جب وہ اپنی قبر سے

اٹھے گا تو اس وقت فرشتے اس کے منہ اور اس کی پشت پر ماریں گے، پھر اسے دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں داخل کروں گا۔"

اور حافظ بیہقی بیان کرتے ہیں کہ ام عثمان بنت سعید بن محمد بن جبیر بن مطعم نے اپنے باپ سے، اس کے باپ کے حوالے سے بیان کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ جبیر بن مطعم کو بیان کرتے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (محمد ﷺ) کو مبعوث فرمایا اور محمد ﷺ کا امر مکہ میں ظاہر ہوا تو میں شام کی طرف گیا جب میں بصرہ میں تھا تو نصاریٰ کی ایک جماعت میرے پاس آئی، اور انہوں نے مجھے کہا کہ کیا تو حرم کے علاقے کا ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں، انہوں نے کہا، کیا تم اس شخص کو جانتے ہو جس نے تم میں دعویٰ نبوت کیا ہے؟ میں نے کہا: "ہاں!......" راوی بیان کرتا ہے، انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور مجھے اپنے گرجا میں لے گئے جس میں تصاویر اور اسٹیچو پڑے تھے، اور کہنے لگے، دیکھو کیا تم اس نبی کی تصویر کو دیکھتے ہو جو تم میں مبعوث ہوا ہے؟ میں نے دیکھا تو محمد ﷺ کی تصویر نہ پائی، میں نے کہا: میں محمد ﷺ کی تصویر نہیں دیکھتا تو وہ مجھے اس سے بھی بڑے گرجے میں لے گئے، جس میں اس گرجے سے بھی زیادہ تصاویر اور اسٹیچو تھے، اور مجھے کہنے لگے: کیا تم اس (نبی ﷺ) کی تصویر دیکھتے ہو؟، میں نے دیکھا، تو آپ ﷺ کی صفت اور تصویر دیکھ لی، اور حضرت ابوبکرؓ کی صفت اور تصویر بھی دیکھی آپ رسولِ اکرم ﷺ کی پشت کو پکڑے ہوئے ہیں انہوں نے مجھے کہا: کیا تم ان کی صفت دیکھتے ہو؟ میں نے جواب دیا: ہاں، اور انہوں نے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی صفت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا: یہ وہ ہے؟ میں نے کہا ہاں، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ وہی ہے، انہوں نے پوچھا کیا تم اس شخص کو بھی جانتے ہو، جو اس (نبی ﷺ) کی پشت پکڑے ہوئے ہے میں نے جواب دیا: ہاں، انہوں نے کہا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ تمہارا آقا ہے اور یہ اس کے بعد خلیفہ ہوگا۔

اور بخاری نے اسے تاریخ میں عن محمد غیر منسوب عن محمد بن عمر اپنے اسناد کے ساتھ مختصر روایات کیا ہے، اور بخاری کے نزدیک انہوں نے یہ بھی کہا کہ جو نبی ہوا ہے اس کے

بعد نبی ہوا، مگر اس نبی (رسولِ اکرم ﷺ) کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر کی کتاب میں سورہ اعراف کی آیت " اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ الایة" کی تفسیر میں وہ روایت بیان کی ہے، جسے بیہقی وغیرہ نے ابوامامہ باہلی کے طریق سے بحوالہ ہشام بن العاص اموی بیان کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ:۔ مجھے اور قریش کے ایک آدمی کو رومیوں کے بادشاہ ہرقل کی طرف دعوت اسلام دینے کے لئے بھیجا گیا، اور اس نے اس کے پاس ان کے اجتماع کا ذکر کیا، اور جب میں نے اسے پہچانا، تو جب انہوں نے اللہ کا ذکر کیا تو میری طبیعت مکدر ہوگئی، پس اس نے انہیں مہمان خانہ میں اتارا، اور تین دن بعد انہیں بلایا، اور ایک بڑی حویلی کی طرح کی چیز منگوائی، جس میں چھوٹے چھوٹے گھر تھے، جن کو دروازے لگے ہوئے تھے، اور ان میں ریشم کے ٹکڑوں پر حضرت آدمؑ سے لے کر رسولِ اکرم ﷺ تک انبیاء کی تصاویر بنی ہوئی تھیں، اور وہ انہیں ایک ایک کر کے نکالنے لگا، اور ہر ایک تصویر کے متعلق بتانے لگا، اور اس نے ان کے لئے حضرت آدمؑ، پھر حضرت نوحؑ اور پھر حضرت ابراہیمؑ کی تصاویر نکالیں۔ پھر اس نے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی تصویر نکالنے میں جلدی کی۔

راوی بیان کرتا ہے، پھر اس نے ایک اور دروازہ کھولا، اور اس گھر میں سفید تصاویر تھیں، اور خدا کی قسم رسولِ اکرم ﷺ کی تصویر بھی تھی، اس نے پوچھا کیا تم اسے جانتے ہو؟ ہم نے کہا: "ہاں! یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔"

راوی بیان کرتا ہے، ہم رو پڑے، راوی بیان کرتا ہے کہ اللہ جانتا ہے کہ وہ کچھ دیر کھڑا رہا پھر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: "خدا کی قسم یہ وہی ہے۔"

ہم نے کہا: ہاں یقیناً یہ وہی ہے، جیسا کہ آپ اس کی طرف دیکھ رہے ہیں، پھر وہ اسے کچھ دیر دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا: یہ آخری گھر تھا، لیکن میں نے تمہارے لئے جلدی کی، تا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اسے دیکھوں پھر اس نے انبیاء کی بقیہ تصاویر کو نکالنے کی پوری

بات بیان کی، اور ان کا تعارف کرایا۔

راوی بیان کرتا ہے کہ آخری میں ہم نے اسے کہا کہ آپ نے یہ تصاویر کہاں سے حاصل کی ہیں؟ کیوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان پر انبیاء کی تصاویر ہیں، اور ہم نے اپنے نبیؐ کی تصویر کو بھی ان کی مثل دیکھا ہے، اس نے کہا کہ حضرت آدمؑ نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ انہیں ان کی اولاد میں سے ہونے والے انبیاء دکھائے تو اس نے ان کی تصاویر کو حضرت آدم علیہ السلام پر نازل کیا جو مغرب الشمس کے پاس حضرت آدم علیہ السلام کے خزانہ میں تھیں اور ذوالقرنین نے انہیں مغرب الشمس سے نکال کر دانیال کو دیا، پھر اس نے کہا، خدا کی قسم، میرا دل اپنی حکومت سے نکل جانا چاہتا ہے، اور میں تمہارے سب سے بڑے آدمی کا مملوک ہونا چاہتا ہوں، حتیٰ کہ مجھے موت آجائے۔

راوی بیان کرتا ہے، پھر اس نے ہمیں بہت اچھے عطیات دیئے، اور رخصت کیا، پس جب ہم حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تو ہم نے جو کچھ دیکھا، اور جو کچھ بیان کیا اور جو ہمیں عطیات دیئے، اس کا سارا حال آپؓ سے بیان کیا، راوی کہتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ رو پڑے، اور فرمایا وہ مسکین ہے، اگر اللہ نے اس سے بھلائی کا اردہ کیا تو وہ ضرور ایسا کرے گا، پھر فرمایا: محمد ﷺ نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ اور یہودی اپنے ہاں آپ ﷺ کی صفت پاتے ہیں۔

واقدی کا بیان ہے کہ علی بن عیسیٰ الحکیمی نے اپنے باپ سے بحوالہ عامر بن ربیعہ مجھ سے بیان کیا کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو بیان کرتے سنا کہ میں اولادِ اسماعیل میں سے ایک نبی کا منتظر ہوں، یہ بنی عبدالمطلب میں سے ہے، اور میرا خیال ہے کہ میں اسے نہیں ملوں گا، اور میں اس پر ایمان لاتا ہوں، اور اس کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں، اور اگر تیری عمر لمبی ہوئی اور تو نے اسے دیکھا، تو اُسے میرا اسلام کہنا اور میں تمہیں اس کی صفت بتاؤں یہاں تک کہ وہ تجھ سے مخفی نہ رہے گا، میں نے کہا: آؤ بتاؤ۔ اس نے کہا: "وہ آدمی نہ لمبا ہے نہ چھوٹا، اور نہ بہت بالوں والا ہے اور نہ تھوڑے بالوں والا اور اس کی آنکھ سے سرخی زائل نہیں

ہوتی اور مہر نبوت اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ہے، اور اس کا نام احمدؐ ہے، اور یہ شہر اس کا مولد و مبعث ہے، پھر اس کی قوم اسے اس شہر سے نکال دے گی اور وہ اس کی تعلیم کو ناپسند کریں گے، یہاں تک کہ وہ یثرب کی طرف ہجرت کر جائے گا، اور اس کا امر غالب آ جائے گا، اس کے بارے میں دھوکہ کھانے سے بچنا، میں نے دین ابراہیم کی تلاش میں تمام ممالک کا چکر لگایا ہے، اور جو کوئی یہود و نصاریٰ اور مجوس سے پوچھا ہے وہ کہتے ہیں یہ کامل دین ہے، اور وہ کامل نبی ہے، اور اس کی ایسے ہی صفت بیان کرتے ہیں، جیسی میں نے تیرے سامنے بیان کی ہے، اور کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی نبی باقی نہیں رہا۔''

عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں جب میں مسلمان ہوا تو میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو زید بن عمرو بن نفیل کی بات کی اطلاع دی اور اس کا سلام بھی دیا، رسولِ اکرم ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اس کے لئے رحم کی دعا کی، اور فرمایا: ''میں نے اُسے جنت میں دامن گھسیٹتے دیکھا ہے۔'' (بحوالہ جستہ جستہ از البدایہ والنہایہ)

تورات کی پہلی کتاب میں حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں لکھا ہے جس کا مضمون اور ترجمہ یہ ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے نارِ نمرود سے حضرت ابراہیمؑ کو بچانے کے بعد ان کی طرف وحی کی کہ کھڑا ہو جا اور اپنی اولاد کے لئے زمین کے مشارق و مغارب میں جا، اور آپؑ نے حضرت سارہ کو یہ بات بتائی تو اس نے لالچ کیا کہ یہ اس کے بیٹوں کے لئے ہو جو حضرت ابراہیم سے اس کے ہاں پیدا ہوں اور اس نے حضرت ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو دور بھیجنے کی کوشش کی، حتیٰ کہ خلیلؑ ان دونوں کو حجاز کے جنگل اور فاران کے پہاڑوں میں لے گئے اور حضرت ابراہیم نے خیال کیا کہ یہ بشارت آپؑ کے بیٹے اسحاقؑ کے لئے ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی طرف وحی کی جس کا مضمون یہ ہے کہ آپؑ کے بیٹے اسحاق کو بہت اولاد ملے گی اور آپؑ کے بیٹے اسماعیل کو میں برکت اور عظمت دوں گا اور اولاد بہت ہوگی اور میں اس کی ذریت سے ماذ ماذ (یعنی محمد ﷺ) کو پیدا کروں گا اور ان کی اولاد میں بارہ امام بناؤں گا اور ان کی امت بہت ہوگی اور اسی طرح میں نے حضرت ہاجرہؑ کو اس وقت بشارت دی جب

حضرت خلیل انہیں بیت اللہ کے پاس چھوڑ آئے انہیں پیاس لگی اور وہ اپنے بیٹے کے بارے میں غمگین ہوئیں اور فرشتے نے آکر زمزم کو کھول دیا اور انہیں اس بچے کی حفاظت کا حکم دیا، بلاشبہ اس کی اولاد سے ایک عظیم فرزند پیدا ہوگا، جس کی ذریت کی تعداد آسمان کے ستاروں جتنی ہوگی اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ حضرت اسماعیل کی اولاد سے بلکہ حضرت آدم کی ذریت سے، رسولِ اکرم ﷺ سے بڑی عظمت وجاہ منزلت ومنصب کا آدمی پیدا نہیں ہوا اور حضور ﷺ ہی کی امت کی حکومت مشارق ومغارب پر چھائی ہے اور انہوں نے دیگر اقوام پر حکومت کی ہے۔''

اسی طرح پہلی کتاب میں حضرت اسماعیل کے واقعہ میں بیان ہوا ہے کہ حضرت اسماعیل کی اولاد کا ہاتھ تمام اقوام کے اوپر ہوگا اور تمام اقوام آپ کے ہاتھ تلے ہوں گی اور وہ اپنے بھائیوں کے تمام مساکن میں رہے گا اور یہ بات صرف حضور ﷺ کے گروہ پر ہی صادق آتی ہے۔

اور اسی طرح پانچویں کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی کی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیجئے کہ اے موسیٰ میں ان کے اقارب میں سے تیری مانند ایک نبی پیدا کروں گا اور اپنی وحی اس کے منہ میں ڈالوں گا اور تم اسی سے سنو گے۔

اور پانچویں کتاب میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی آخری عمر میں بنی اسرائیل سے خطاب کیا اور انہیں ایام اللہ اور جو احسانات اس نے ان پر کئے تھے یاد دلائے اور انہیں فرمایا: ''جان لو کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارے اقارب میں سے ایک نبی میری مانند بھیجے گا جو تم کو نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے منع کرے گا اور تمہارے لئے طیبات کو حلال کرے گا اور خبائث کو تم پر حرام قرار دے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اسے دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ملے گا۔

اور اسی طرح پانچویں کتاب کے آخر میں جو اس تورات کا آخر ہے ان کے پاس

ہے بیان ہوا ہے کہ خداوند سینا سے آیا اور ساعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اس کے دائیں جانب نور اور بائیں جانب نار ہے تو میں اس کے پاس جمع ہوں گی، یعنی امر الٰہی اور اس کی شریعت طور سینا سے آئی۔

(یہ وہ پہاڑ ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا...... اور ساعیر سے طلوع ہوا، یہ بیت المقدس کے پہاڑ ہیں...... یعنی وہ جگہ جہاں حضرت عیسیٰ فروکش تھے...... اور فاران کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا، یعنی جبال فاران سے امر الٰہی ظاہر ہوا اور بلا اختلاف یہ حجاز کے پہاڑ ہیں۔) اور یہ صرف رسولِ اکرم ﷺ کی زبان سے ہوا ہے پس اللہ تعالیٰ نے وقوعی ترتیب کے لحاظ سے ان تینوں مقامات کا ذکر کیا ہے، پہلے حضرت موسیٰ کے اترنے کی جگہ کا، پھر حضرت عیسیٰ کے اترنے کی جگہ کا اور پھر رسولِ اکرم ﷺ کے شہر کا ذکر کیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات کی قسم کھائی تو قسم کے اصول کے مطابق پہلے فاضل کا پھر افضل کا اور پھر اس سے افضل مقام کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ "والتین والزیتون" اس سے مراد بیت المقدس کا محلّہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ رہتے تھے۔ "وطور سینین" یہ وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کیا۔ "وھذا البلد الامین" اور یہ وہ شہر ہے جہاں رسولِ اکرم ﷺ کو بھیجا گیا۔ یہ بات ان آیات کریمہ کی تفسیر میں کئی مفسرین نے بیان کی ہے۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں اس امت کے جہاد و عبادت کا بیان ہے اور اس میں رسولِ اکرم ﷺ کی ایک مثال بیان ہوئی ہے کہ آپ تعمیر شدہ عمارت کا آخر ہیں جیسا کہ اس کے متعلق صحیحین میں حدیث بیان ہوئی ہے کہ: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور ایک اینٹ کی جگہ کے سوا، اس کو مکمل کر دیا اور لوگ اس کے نزدیک آ کر کہنے لگے، یہ اینٹ نہیں رکھی گئی؟ اور اس کا مصداق اس آیت میں ہے: "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ."

اور زبور میں رسولِ اکرم ﷺ کی یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت و نبوت

پھیل جائے گی اور آپ کا کلام ایک سمندر کو پار کر کے دوسرے سمندر تک جائے گا اور دیگر علاقوں کے بادشاہ خوشی خوشی آپ کے پاس تحائف وہدایا لائیں گے اور آپ مضطر کو رہائی دلائیں گے اور قوموں کی مصیبت کو دور کریں گے اور بے یار و مددگار کمزور کو بچائیں گے اور ان پر ہر وقت درود پڑھا جائے گا اور اللہ ہر روز ان کو برکت دے گا اور ان کا ذکر ہمیشہ رہے گا، اور یہ بات صرف محمد ﷺ پر منطبق ہوتی ہے۔

اور شعیاء کے صحائف میں طویل کلام میں بنی اسرائیل پر ناراضگی پائی جاتی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ: بلا شبہ میں تمہاری طرف اور قوم کی طرف ایک امی نبی بھیجوں گا جو بد اخلاق اور تند خو نہ ہوگا اور نہ بازاروں میں شور کرنے والا ہوگا میں اسے ہر اچھائی اور تمام کریمانہ اخلاق سے بہرور کروں گا پھر میں سکینت کو اس کا لباس اور نیکی کو اس کا شعار بناؤں گا اور تقویٰ اس کے ضمیر میں رکھوں گا اور حکمت کو اس کی عقل اور وفا کو اس کی عادت اور عدل کو اس کی سیرت اور حق کو اس کی شریعت اور ہدایت کو اس کی ملت اور اسلام کو اس کا دین اور قرآن کو اس کی کتاب بناؤں گا۔ اس کا نام احمدؐ ہوگا، میں اس کے ذریعے ضلالت سے ہدایت دوں گا اور گمنامی کے بعد اسے مشہور کروں گا اور تفرقہ کے بعد اس کے ذریعے اکٹھا کروں گا اور پراگندہ دلوں کو اس کے ذریعے متالف کروں گا اور اس کی امت کو بہترین امت بناؤں گا جو لوگوں کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے ان کے خون ان کی قربانیاں ہوں گی اور ان کے سینوں میں اناجیل ہوں گی۔:"ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْم"..

اور شعیاء کے کلام کی پانچویں فصل میں ہے کہ...... وہ قوموں کو کھلیانوں کی طرح روند ڈالے گا اور مشرکین عرب پر مصیبت نازل کرے گا اور وہ اس کے آگے شکست کھا جائیں گے۔ اور چھبیسویں فصل میں ہے کہ:۔ پیاسے صحرا کی زمین خوش ہو جائے اور احمد کو لبنان کے محاسن عطاء ہوں گے اور وہ اس کے چہرے پر جلال الٰہی کو دیکھیں گے۔

اور الیائل کے صحائف میں ہے کہ...... وہ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ

روزہ دار ہو کر نکلے اور جب انہوں نے عربوں کو ارض حجاز میں دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے، ان لوگوں کی طرف دیکھو یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے عظیم قلعوں پر قابض ہوں گے۔ انہوں نے کہا: یا نبی اللہ! ان کا معبود کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ ہر بلند ٹیلے پر رب العزت کی تعظیم کرتے ہیں۔''

اور حزقیل کے صحائف میں ہیں کہ..... میرا بندہ افضل ہے اس پر وحی نازل ہوتی ہے وہ قوموں میں میرا عدل نمایاں کرے گا میں نے اسے اپنے لئے چن لیا ہے اور اسے اقوام کی طرف احکام صادقہ کے ساتھ بھیجا ہے۔

اور کتاب النبوات میں ہے کہ ایک نبی مدینہ کے پاس سے گزرا تو بنو نضیر اور بنو قرنطیہ نے اس کی ضیافت کی اور جب اس نے انہیں دیکھا تو رو پڑا انہوں نے اس سے پوچھا: اے نبی اللہ! آپ کو کون سی بات رلاتی ہے؟ اس نے جواب دیا ایک نبی سیاہ پتھروں میں مبعوث ہوگا جو تمہارے دیار کو برباد کردے گا اور تمہاری بیویوں کو قیدی بنائے گا، راوی بیان کرتا ہے کہ یہود نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ بھاگ گیا۔

اور جزقیل علیہ السلام کے کلام میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اس سے قبل کہ میں اندرونے میں تیری صورت بناتا میں نے تجھے پاک کیا اور تجھے نبی بنایا اور تجھے تمام اقوام کی طرف بھیجا۔''

اور اسی طرح شعیا کے صحائف میں مکہ شریف کے لئے ایک مثال بیان کی گئی ہے کہ اے بانجھ اس بیٹے سے خوش ہو جا جو تیرے رب نے تجھے دیا ہے، اس کی برکت سے تیرے لئے جگہیں وسیع ہو جائیں گی اور تیری پہنچیں زمین میں گڑ جائیں گی اور تیرے مساکن کے دروازے بلند ہو جائیں گے اور تیرا یہ بیٹا تمام اقوام کا وارث ہوگا اور تمام شہروں اور براعظموں پر قبضہ کرلے گا، تو خوف وغم نہ کر تجھے دشمن سے پہنچنے والا ظلم ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے اور تو اپنی بیوگی کے تمام ایام بھول جائے گی اور یہ سب کچھ جنابِ حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ سے ہوا اور اس جگہ بانجھ سے مراد مکہ ہے پھر جیسے اس کلام میں بیان کیا گیا لامحالہ

ایسے ہی وقوع میں آیا۔

اور اہل کتاب میں سے جو شخص اس میں ردوبدل کرنا چاہے اور اس کی تاویل بیت المقدس سے کرے تو یہ کسی لحاظ سے اس کے لئے مناسب نہیں، واللہ اعلم۔

اور ارمیا کے صحائف میں ہے کہ جنوب سے ایک ستارہ نمودار ہوگا جس کی شعاعیں بجلی اور اس کے تیز خوارق ہوں گے، پہاڑ اس کے لئے ہموار ہو جائیں گے۔ اور اس سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

اور انجیل میں حضرت عیسیٰؑ بیان کرتے ہیں کہ...... میں بلند جنات کی طرف جاؤں گا اور تمہارے پاس فارقلیط روح حق کو بھیجوں گا وہ تمہیں ہر چیز سکھائے گا اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا۔ اور فارقلیط سے مراد محمد ﷺ ہیں اور یہ حضرت عیسیٰؑ کے پہلے قول کے مطابق ہے کہ: "وَمُبَشِّراً بِرَسُولٍ یَّأتِی مِن بَعدِ اسمُهُ أحمَد"

بہر حال یہ باب بہت وسیع ہے اور اگر ہم لوگوں کی سب بیان کردہ باتوں کا استقصاء کریں تو یہ بات بہت لمبی ہو جائے گی، چنانچہ ہم نے اس میں سے چند باتوں کی طرف اشارہ کر دیا جن سے، ان کی بصیرت نور الٰہی سے ہدایت پا سکتی ہے اور صراط مستقیم کی طرف اس کی رہنمائی کر سکتی ہے اور ان نصوص کی اکثریت کو ان کے علماء جانتے ہیں اس کے باوجود انہیں چھپاتے ہیں۔

حافظ ابوبکر بیہقیؒ ایک صحابی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ: "ہم رسولِ اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے ٹکٹکی باندھ کر ایک شخص کو دیکھا اور اسے بلایا تو یہود کا ایک آدمی قمیص، سلوار اور جوتے سمیت آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! اور آپ ﷺ کہنے لگے: "کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟" تو وہ کوئی جواب نہ دیتا صرف یا رسول اللہ ﷺ کہتا اور آپ ﷺ فرماتے: "کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟" تو وہ انکار کر دیتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تو تورات پڑھتا ہے؟" اس نے کہا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: "اور انجیل بھی پڑھتا ہے؟" اس نے کہا: "ہاں، اور رب محمد کی قسم اگر

چاہوں تو فرقان بھی پڑھ لوں۔" تو جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں تجھے اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات اور انجیل کو نازل کیا ہے اور اس سے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے تو ان دونوں میں میرا ذکر پاتا ہے؟۔" اس نے کہا:

"ہم آپ کی تعریف کی مانند پاتے ہیں وہ آپ کے ظہور کی جگہ سے ظاہر ہوگا ہم امید رکھتے تھے کہ وہ ہم سے ہوگا اور جب آپ نے ظہور کیا تو ہم نے دیکھا کہ آپ وہی ہیں اور جب ہم نے غور سے دیکھا تو آپ وہ نہیں ہیں۔" تو جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "تم نے یہ بات کہاں سے معلوم کی؟....." اس نے کہا: ہم آپ کی امت میں ستر ہزار آدمیوں کو بلاحساب جنت میں داخل ہوتا پاتے ہیں حالانکہ آپ کی تعداد تھوڑی ہے۔

راوی بیان کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے تہلیل و تکبیر پڑھی پھر فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے بلاشبہ میں وہی ہوں اور میری امت میں سے ستر ہزار سے زیادہ اور ستر ستر سے زیادہ ہوں گے۔" (بحوالہ چیدہ چیدہ تاریخ ابن کثیر، جلد ششم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر۱۰۰

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کی تعداد قیامت کے دن سب سے زیادہ ہوگی

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ آخری خصوصیت پیش کی جارہی ہے، جس کا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی امت کی تعداد قیامت کے دن سب سے زیادہ ہوگی'' الحمدللہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے، اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے ریاض الجنۃ میں بٹھا کر اپنے محبوب ﷺ کی خصوصیت سے متعلق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

بہرحال محترم قارئین! ذیل کی خصوصیت حضور ﷺ کی امت سے متعلق ہے، بے شک یہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر خصوصیت عطا فرمائی کہ روزِ قیامت انشاء اللہ آپ ﷺ کی امت کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی، اگرچہ ہمارے نبی ﷺ کو دیگر انبیاء کرامؑ کی بنسبت عمر بہت کم ملی لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا اور خاص فضائل سے نوازا، چنانچہ قیامت کے دن تک امت کے جتنے افراد بھی اس دھرتی پر جنم لیں گے سب کے سب رسولِ اکرم ﷺ کے امتی ہی کہلائیں گے، لہٰذا آنے والے اوراق میں آپ ﷺ کی اسی خصوصیت کی وضاحت پیش کی جارہی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کا سچا امتی بننے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العلمین، لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

آخری خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت انسؓ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''قیامت کے دن پیغمبروں میں

سے جس پیغمبر کے ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی وہ میں ہوں گا اور جنت کا دروازہ سب سے پہلے جو شخص کھٹکھٹائے گا یعنی کھلوائے گا وہ بھی میں ہی ہوں گا۔ (مسلم)

تشریح...... قیامت کے دن امت محمدیہ کی تعداد کی کثرت کے بارے میں ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کی امت تمام جنت کی مجموعی تعداد کا دو تہائی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کی اتباع اور پیروی کرنے والوں کی کثرت، اس شخص کی فضیلت و برتری کا باعث بنتی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مرتبہ زیادہ بلند ہے کیونکہ ائمہ فقہ میں سے ان ہی کا مسلک زیادہ رائج ہے اور مسلمانوں کی کثرت اسلام کے فروعی احکام میں ان ہی کی پیروکار ہیں، اسی طرح قاریوں میں امام عاصمؒ کا برتبہ بلند تر ہے کیونکہ فن تجوید وقرات میں ان کے پیروکار زیادہ ہیں۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

''حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوگی۔ اسی (۸۰) اس امت کی، اور چالیس صفیں باقی امتوں کی۔''

اور ''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک قبہ میں تقریباً چالیس آدمی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مخاطب کر کے فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم (یعنی تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے افراد) اہل جنت کا چوتھائی حصہ ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ، جی ہاں (ہم اس پر راضی ہیں) فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم (یعنی تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے افراد) اہل جنت کا تہائی حصہ ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ، جی ہاں فرمایا کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم نصف اہلِ جنت ہو؟ (اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اس بات کا جواب اثبات میں دیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبض میں میری جان ہے بے شک میں امید رکھتا ہوں کہ تم (کم از کم) نصف اہل جنت ہو گے اس کی وجہ یہ ہے کہ) جنت میں صرف وہی شخص داخل ہوگا جو مسلمان ہو۔ اور تم اہل شرک کے مقابلے میں اس سفید بال کیطرح ہو جو سیاہ بیل کی کھال میں ہو۔ یا اس سیاہ بال کی طرح ہو جو سرخ رنگ کے بیل کی کھال میں ہوتا ہے۔''

تشریح...... یہ قبہ آنحضرت ﷺ کے لئے منیٰ میں نصب کیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا تھا۔ اس میں یہ بشارت سنائی تھی۔ پہلے چوتھائی، پھر تہائی، پھر نصف کا ذکر فرمانا سامعین کی مسرت میں اضافہ کے لئے تھا، اور آخر میں جو فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم نصف اہل جنت ہو گے۔ اس میں زیادہ کی نفی نہیں۔ چنانچہ متعدد احادیث میں یہ مضمون ہے کہ اس امت کی تعداد اہل جنت میں دو تہائی ہوگی حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ بالا حدیث بھی اسی کی موید ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوگی۔ اسی (۸۰) اس امت کی، اور چالیس صفیں باقی امتوں کی۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

ماخذ ومراجع

تفسیرِ مظہری..................................حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

تفسیرِ عثمانی..................................حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

معارف القرآن..................................حضرت مفتی شفیع عثمانیؒ

بخاری شریف..................................محمد اسماعیل البخاریؒ

مسلم شریف..................................ابی الحسن بن الحجاج القشیریؒ

ترمذی شریف..................................ابی عیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ

ابوداؤد..................................ابی داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ

ابن ماجہ..................................ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینیؒ

مشکوٰۃ شریف..................................ابومحمد الحسین بن مسعودؒ

الادب المفرد..................................حضرت امام بخاریؒ

ریاض الصالحین..................................حضرت امام نوویؒ

معارف الحدیث..................................حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ

تاریخ ابن خلدون..................................علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدونؒ

طبقات ابن سعد..................................علامہ ابوعبداللہ محمد بن سعد البصریؒ

کلیدِ مثنوی..................................حضرت مولانا تھانویؒ

سیرت حلبیہ..................................علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

غزوات النبیؐ..................................علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

تاریخ ابن کثیر.......................حافظ عماد الدین ابو الفراء اسماعیل ابن کثیرؒ

تاریخ طبری.......................علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبریؒ

سیرت النبیؐ.......................علامہ شبلی نعمانیؒ

ترجمان السنۃ.......................حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ

تاریخ بغداد.......................خطیب بغدادیؒ

تذکرۃ الحفاظ.......................حافظ ذہبیؒ

کشف الباری.......................حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ

کتاب الآثار.......................حضرت امام ابو حنیفہؒ

انوار البیان.......................مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

معارف القرآن.......................حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ

تفسیر ابن کثیر.......................حافظ عماد الدین ابو الفراء ابن کثیرؒ

تفسیر فی ظلال القرآن.......................حضرت سید قطب شہیدؒ

تفسیر جلالین.......................علامہ جلال الدین سیوطیؒ

تفسیر ماجدی.......................حضرت مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ

تفسیر ابن عباسؓ.......................حضرت جلال الدین سیوطیؒ

انوار القرآن.......................ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ صاحبؒ

الاتقان فی علوم القرآن.......................علامہ جلال الدین سیوطیؒ

سیرت النبیؐ ابن ہشام.......................محمد بن اسحاق بن یسار/ ابو محمد عبد الملک بن ہشامؒ

الترغیب والترہیب.......................حافظ ذکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذریؒ

سیرت النبیؐ.......................علامہ شبلی نعمانیؒ/ علامہ سید سلیمان ندویؒ

العطور المجموعہ.......................افادات از حضرت مولانا تھانویؒ

تاریخ ابن الخلکان.......................احمد بن محمد بن ابراہیم بن خلکانؒ

مسند امام اعظمؒ.................................حضرت امام ابوحنیفہؒ

رسولِ رحمت.................................مولانا ابوالکلام آزادؒ

تقویۃ الایمان.................................حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ

تاریخ اسلام.................................مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادیؒ

سیرۃ المصطفیٰ.................................حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

رحمۃ للعلمین.................................قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ

پیغمبر انسانیتؐ.................................مولانا شاہ محمد جعفر پھلواریؒ

النبی الخاتم.................................مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

الرحیق المختوم.................................جناب صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ

محمد رسول اللہؐ.................................حضرت مولانا سید محمد میاںؒ

سیرت رسول اکرمؐ.................................حضرت علامہ ابوالحسن علی ندویؒ

سیرت الحبیبؐ.................................حضرت تھانویؒ

عہد نبوت کے ماہ وسال.................................مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

شرح اسماء حسنیٰ.................................قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ

ذکر رسولؐ.................................عبدالماجد دریابادیؒ

سیرتِ رسول عربیؐ.................................پروفیسر علامہ نور بخش توکلیؒ

معجزاتِ رسول اکرمؐ.................................مفتی عنایت احمد صاحبؒ

خطبات مدارس.................................حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

محمد رسول اللہ صبر وثبات کے پیکرِ اعظم.................................مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

آئینہ جمالِ نبوت.................................محترم ابراہیم بن عبداللہ الحازمیؒ

محبوب خداؐ.................................محترم چوہدری افضل حقؒ

پیغمبر انقلابؐ.................................مولانا وحید الدین خانؒ

خصائل نبویؐ..................حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریاؒ

فضائل درود شریف..................حضرت مولانا زکریاؒ

سیرتِ سید المرسلینؐ..................مولانا صدیق احمد مہاجر ندویؒ

تاریخ ملت..................مفتی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ

اسوۂ رسول اکرمؐ..................حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ

تاریخ اسلام..................مولانا محمد میاںؒ

معراج رسولؐ..................حافظ محمد اسحاق دہلویؒ

رسول اللہ کے تین سو معجزات..................مولانا احمد سعیدؒ

سیرت الرسولؐ..................حضرت ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ

کاروانِ مدینہ..................مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

حضورؐ استاد و مربی..................شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ

سیرتِ سرورِ کونینؐ..................حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

کتاب الشفاء..................قاضی عیاض بن موسیٰ مالکیؒ

جامع الاخلاق..................حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے..................مولانا محمد منظور نعمانیؒ

رحمتِ دو عالمؐ..................سید سلیمان ندویؒ

سید المرسلینؐ..................مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ

سیرتِ مصطفیٰؐ..................مولانا عبدالعزیز ہزارویؒ

طبِ نبویؐ..................حافظ ابن قیم الجوزیؒ

نشر الطیب..................حضرت تھانویؒ

تاریخ ارض القرآن..................علامہ سلیمان ندویؒ

ماہتاب عربؐ..................مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ

انسانیت کے محسنِ اعظم..........مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

سیرتِ رسولِ اکرمؐ..........مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

ہمارے حضورؐ..........امۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ

قصص القرآن..........مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

انوارِ حرمین..........مولانا احتشام الحسن کاندھلویؒ

صدائے فاروقی..........مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ

رسولِ کریمؐ کے آخری لمحات..........مولانا عبدالکلام آزادؒ

مطالعہ سیرت..........مولانا وحید الدین خان صاحبؒ

محمد بن عبداللہ سے محمد رسول اللہ تک..........قاری محمد طیب قاسمیؒ

مرقع حبیبؐ..........حضرت مولانا حبیب اللہ نعمانیؒ

منتخب احادیث..........مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

نور البصر..........مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاریؒ

ذریعۃ الوصول الی جنابِ رسولؐ..........حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

سیرتِ طیبہؐ..........الحاج امیر الدینؒ

سرور کائنات کی معاشرت..........ملا واحدی مرحومؒ

آخری نبیؐ، آخری امت، آخری شریعت..........مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

سیرت مبارکہ قرآن کی روشنی میں..........مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ

ہجرتِ مدینۃ النبیؐ..........علامہ سید سلیمان ندویؒ

سیرت کا پیغام..........مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

امام النبیینؐ بحیثیت خاتم النبیین..........مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

ختم نبوت کامل..........حضرت مفتی شفیع عثمانی صاحبؒ

خاتم النبیین..........مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

مسک الختام فی ختم نبوت الانامؐ.......................مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

فلسفہ ختم نبوت.......................مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

عقیدہ ختم نبوت.......................مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

شان رسالتؐ.......................قاری طیب صاحبؒ

خطبہ رحمت العلمین.......................مولانا صادق سیالکوٹیؒ

سرورِ دو عالمؐ کا پیغام آخریں.......................مولانا صادق سیالکوٹیؒ

نبی اکرمؐ بحیثیت سپہ سالار.......................مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

اطلس السیرۃ النبویہؐ.......................دکتور سوقی ابو خلیلؒ

تجلیات نبوتؐ.......................مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ

مہر نبوتؐ.......................قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ

سیرتِ جامع.......................امام غزالیؒ

سید البشرؐ.......................قاضی سلیمان منصور پوریؒ

مختصر سیرت الرسولؐ.......................امام محمد بن عبدالوهابؒ

ولادت نبویؐ.......................مولانا ابوالکلام آزادؒ

ساقی کوثرؐ.......................مولانا محمد صادق سیالکوٹیؒ

سید الکونینؐ.......................مولانا صادق سیالکوٹیؒ

اخلاق اور فلسفہ اخلاق.......................مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

جمال مصطفیٰؐ.......................مولانا محمد اسحاق سیالکوٹیؒ

مقدس رسولؐ.......................مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

مدارج النبوۃ.......................علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ

نزہۃ المجالس.......................علامہ عبدالرحمٰن صفوریؒ

قرآنی شعور انقلاب.......................مولانا عبیداللہ سندھیؒ

تحفہ خلافت............................حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ

سراجاً منیراً............................مولانا ابراہیم میر سیالکوٹیؒ

فیوض الحرمین............................حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

تفسیر روح البیان............................حضرت علامہ اسماعیل حقیؒ

مسندِ احمد بن حنبل............................امام احمد بن حنبلؒ

حلیۃ الاولیاء............................امام حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانیؒ

سیرتِ خیر الانامؐ............................مولانا قاری طیب صاحب قاسمیؒ

رسولِ اکرمؐ اور خلفائے راشدین کے آخری لمحات............................مولانا ابو الکلام آزادؒ

میلاد و وفات............................مولانا حافظ اسحاق دہلویؒ

حقوق المصطفیٰؐ............................قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسیؒ

جوامع السیرۃ............................علامہ ابن حزمؒ

تہذیب التہذیب............................علامہ ابن حجر عسقلانیؒ

سیر اعلام النبلاء............................امام علامہ ذہبیؒ

فتوح البلدان............................احمد بن یحییٰ البلاذریؒ

السنن الکبریٰ بیہقی............................علامہ ابی بکر احمد بن الحسین البیہقیؒ

خلاصہ تذہیب الکمال للخزرجی............................صفی الدین احمد بن عبد اللہؒ

تاریخ کبیر الامام بخاری............................محمد بن اسماعیل البخاریؒ

الخصائص للنسائی............................ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائیؒ

التبیان فی اقسام القرآن............................علامہ حافظ ابن قیمؒ

تفسیر روح المعانی............................علامہ آلوسیؒ بغدادیؒ

مظاہرِ حق جدید............................حضرت نواب محمد قطب الدینؒ

حجۃ اللہ البالغہ............................حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

تنبیہُ الغافلین .... حضرت ابولیث سمرقندیؒ

احیاء العلوم .... حضرت امام غزالیؒ

آداب المعاشرت .... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

احکامِ اسلام عقل کی نظر میں .... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

التبلیغ .... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

مخزن اخلاق .... حضرت مولانا رحمت اللہ سبحانیؒ

خطباتِ حکیم الاسلام .... حضرت قاری طیب صاحبؒ

فضائل صدقات .... حضرت مولانا زکریا صاحبؒ

فضائل اعمال .... حضرت مولانا زکریا صاحبؒ

خطبات حکیم الامت .... مولانا اشرف علی تھانویؒ

ملفوظات حکیم الامت .... مولانا اشرف علی تھانویؒ

خطباتِ اکابر .... ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ

خطباتِ مدنی .... مولانا حسین احمد مدنیؒ

خطبات حضرت لاہوریؒ .... حضرت لاہوریؒ

اصلاح معاشرہ اور اسلام .... حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختیار شہیدؒ

اصلاحی مواعظ .... حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

خطباتِ علی میاں .... حضرت ابوالحسن علی ندویؒ

خطباتِ مسیح الامت .... حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ

خطبات جمیل .... حضرت مولانا طارق جمیل صاحب

رسول اللہ ﷺ کی نصیحتیں .... حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

کام کی باتیں .... حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ

نورستان .... جناب حکیم سعید شہیدؒ

خطباتِ حرم .... ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ صاحب

قوت القلوب .... شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکیؒ

اصلاحی مضامین .... حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ

اصلاحی نصاب .... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

خطباتِ نعمانی .... حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ

الدین القیم .... مولانا سید منظر احسن گیلانیؒ

گلزارِ سنت .... حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب شہیدؒ

دین وشریعت .... مولانا منظور احمد نعمانیؒ

قرآنی افادات .... حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

اسلامی آدابِ زندگی .... امام غزالیؒ

گناہوں کے نقصانات اوران کا علاج .... امام ابن قیم جوزیؒ

اصلاحِ انقلابِ امت .... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

پیغام اسلام اقوام عالم کے نام .... حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ

منتخب احادیث .... حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

تبلیغ دین .... حضرت امام غزالیؒ

گلزارِ سنت .... حضرت مولانا سید اصغر حسنؒ

کراماتِ اولیاء .... حضرت امام عبداللہ یافعی یمنیؒ

خصائص الکبریٰ .... امام سیوطیؒ مترجم مولانا عبدالاحد صاحب

معالم العرفان فی دروس القرآن .... حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی

سیرتِ طیبہ رحمتِ دارینؐ .... از طالب ہاشمی

سیرت النبیؐ بعداز وصال النبیؐ .... محمد عبدالمجید صدیقی ایڈوکیٹ

رسولِ اکرم کی سیاسی زندگی .... ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب

سیرت نبویؐ کے درخشاں پہلو..........مولانا عاصم زبیر ہاشمی

خزینہ درود شریف..........مولانا محمد ارشاد قاسمی

معلمِ کائنات..........مولوی محمد انور صاحب

محبوبؐ کے حسن و جمال کا منظر..........خواجہ محمد اسلام

حضورؐ بحیثیت سپہ سالار..........محمد فتح اللہ گلن صاحب

پیارے رسولؐ کی پیاری باتیں..........جناب عالم فقری صاحب

عشقِ رسولؐ کے ایمان افروز واقعات..........مولانا عماد الدین محمود

محبوب کا حسن و جمال..........مفتی محمد سلیمان صاحب

ہادیٔ اعظم نمبر..........مخدوم زادہ احمد خیر الدین انصاری

رسول اکرمؐ کی ازدواجی زندگی..........ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

معمولاتِ نبویؐ..........مولانا عبد الرحمٰن جامی

لمحاتِ نبویؐ..........مولانا محمد الیاس ندوی

شمائل کبریٰ..........مولانا ارشاد احمد قاسمی

سنتِ نبویؐ اور جدید سائنس..........حکیم طارق محمود چغتائی

مقام محمدؐ قرآنِ کریم کے آئینے میں..........ڈاکٹر ابو الخیر کشفی

رسولِ اکرمؐ کا اندازِ ترتیب..........مفتی ثناء اللہ محمود صاحب

ہمارے حضورؐ..........اہلیہ ڈاکٹر سہراب انور

نبی اکرمؐ بطورِ ماہر نفسیات..........سیدہ سعدیہ غزنوی

حیات محمد مصطفیٰ..........مرتب شوکت قدیر

پیارے نبیؐ کے پیارے اخلاق..........محمد الیاس عادل صاحب

رسولِ اکرمؐ کی صورت اور سیرت..........مفتی عبد الرؤف سکھروی صاحب

معارفِ ترمذی..........قاری سعید الرحمٰن صاحب

خطبہ حجۃ الوداع.........................ڈاکٹر نثار احمد

تاریخ حرمِ نبویؐ.........................محی الدین قادری الرزاقی

معجزاتِ محمدؐ.........................محترم خالد سراج صاحب

جب حضورؐ آئے.........................محمد متین خالد

معارفِ اسم محمدؐ.........................محترم ثناء اللہ سعد صاحب

آخری نبیؐ اور توراۃ موسوی.........................محترم بشیر احمد حسینی

رحمتِ دو عالمؐ اور اسلامی اخلاق.........................مفتی محمد صادق/مفتی محمد فاروق صاحب

اخلاق رسولؐ.........................محمد ندیم باری

اخلاق پیغمبریؐ.........................طالب ہاشمی صاحب

مثالی بچپن.........................محمد اسحاق ملتانی صاحب

تاریخ حرمین شریفین.........................علامہ الحاج عباس کرارہ مصری

طبِ نبویؐ.........................حافظ اکرام الدین صاحب

عہد نبویؐ کا نظام تعلیم.........................مولانا عبدالمعبود صاحب

محمد عربیؐ انسائیکلو پیڈیا.........................ڈاکٹر ذوالفقار صاحب

فضائل مدینہ منورہ.........................امام محمد بن یوسف

سیرتِ کبریٰ.........................مولانا ابو قاسم رفیق دلاوری

قصص الحدیث.........................مولانا محمد زکریا اقبال

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام.........................جناب محمد یامین قریشی سہارنپوری

تزکرۃ الانبیاء.........................امیر علی خان

تزکرۃ معجزاتِ انبیاء.........................امیر علی خان

معلومات سیرۃ النبیؐ.........................امیر علی خان

تعمیرِ اخلاق.........................مولانا قاضی اسامہ صاحب

خطباتِ سیرت..........................مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

آئینہ محمدیؐ..........................مولانا سرفراز خان صفدر صاحب

مقالہ ختمِ نبوت..........................مولانا سرفراز صفدر خان صفدر صاحب

معالجاتِ نبویؐ اور جدید سائنس..........................حکیم طارق محمود چغتائی

تعلیماتِ نبویؐ اور جدید سائنس..........................حکیم طارق محمود چغتائی

نفائس النبیؐ..........................حضرت سید نفیس الحسینی صاحب

حضورؐ کی اطاعت..........................پروفیسر مولانا محمد رفیق چودھری

تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ..........................ڈاکٹر احمد شبلی

نبی اکرمؐ کی معاشی زندگی..........................ڈاکٹر نور محمد غفاری

اسماء الرسولؐ..........................مکتبہ المیزان

حیات محمدؐ..........................محمد حسن ہیکل

فتوح العرب..........................حضرت مولانا بشیر احمد انصاری

پیارے نبی کی پیاری سنتیں..........................مولانا شاہ حکیم اختر صاحب

بچوں کے لئے سیرت النبیؐ..........................ڈاکٹر فیوض الرحمٰن صاحب

درود شریف سے آپ کی پریشانیوں کا حل..........................مولانا قاسم ضیاء صاحب

معراج مصطفیٰؐ..........................مولانا احمد علی جانباز

محسن انسانیتؐ کی سنتوں پر عمل اور اس کے فوائد..........................ڈاکٹر نور احمد صاحب

عہد نبویؐ میں نظام تعلیم..........................مولانا عبد المعبود صاحب

حضرت محمدؐ..........................مولانا مظہر علی خان صاحب

یوم میلاد النبیؐ کے تقاضے..........................قاری محمد قاسم صاحب

آئینہ قادیانیت..........................مولانا اللہ وسایا صاحب

ختم نبوت قرآن و سنت کی روشنی میں..........................مولانا سرفراز خان صفدر

ہادی کونینؐ..................حکیم محمد اسماعیل ظفر آبادی

آئینہ تاریخ..................جناب مختار احمد

اخلاق النبیؐ..................محترم عالم فقری صاحب

معجزات نبویؐ..................محترم عالم فقری صاحب

حلیہ مصطفیٰؐ..................حکیم علی محمد صمصام

نبیوں کے قصے..................مولانا محمود احمد غضنفر

اسوۂ حسنہؐ..................پروفیسر حمید احمد خان

مدینہ منورہ کے تاریخی مقامات..................محترم امتیاز احمد صاحب

تاریخ خانہ کعبہ..................محمد طاہر الکردی صاحب

تعلیم القرآن..................مولانا محمد ادریس ندوی

مطالعات قرآن..................ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی

قرآن کریم کے عظیم فضائل..................شیخ ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد

قرآن کریم کا اعجاز بیان..................ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی

اسلامی طرز فکر..................محترم کلیم چغتائی

نظارہ حرمین..................فاروق ارگلی صاحب

آدمؑ سے محمدؐ تک..................مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب

اخلاق العلماء..................امام ابوبکر محمد حسین آجری صاحب

اخلاقِ حسنہ..................علامہ عالم فقری

پیغمبر صحراؐ..................کے ایل گابا

فضائل نعلینؐ..................امام احمد المقری التلمسانی

معمولات مصطفیٰؐ..................صوفی محمد اکرم مدنی

صحابہ کرامؓ اور عشق حبیب کے تقاضے..................علی اصغر چودھری

شانِ محمدؐ.............................سید ابوالاسد وارثی صاحب

شاہ نامہ اسلام.............................حفیظ جالندھری صاحب

درِیتیمؐ.............................مولانا ماہر القادری

رسولِ اکرمؐ کا نظام جاسوسی.............................پروفیسر محمد صدیق قریشی

سیرت الامینؐ.............................محمد رفیق ڈوگر

سیرت رسولِ اکرمؐ.............................مائل خیر آبادی

سیرتِ نبویہ قرآن مجید کے آئینہ میں.............................مولانا محدم اسجد قاسمی ندوی

تاجدار مدینہؐ.............................جاوید انجم صاحب

میلادِ مصطفیٰؐ.............................مولانا ابوالکلام احسن صاحب

ذکرِ جمیلؐ.............................مولانا شفیع اوکاڑوی

معراج النبیؐ.............................علامہ سید محمود احمد رضوی

طبِ نبویؐ.............................حافظ اکرام الدین صاحب

قرآن سائنس اور تہذیب وتمدن.............................ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری صاحب

رحماء بینھم.............................حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ

رسولِ اکرمؐ کی مسکراہٹیں.............................مولانا عبدالغنی طارق صاحب

رسولِ اکرمؐ کے آنسو.............................مولانا عبدالغنی طارق صاحب

انعامات ربانی.............................حضرت مولانا حکیم اختر صاحب

احقاقِ حق وابطال باطل.............................مولانا شفیق عبدالرحمٰن القریشی صاحب

جمالِ حرمین.............................حافظ لدھیانوی صاحب

اسلامی عقائد.............................مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب

حدیث کا درایتی معیار.............................مولانا تقی امینی صاحب

حیاتِ صحابہ کے درخشاں پہلو.............................جناب محمود احمد غضنفر صاحب

حیات تابعین کے درخشاں پہلو..................جناب محمود احمد غضنفر صاحب

رحمتِ دارین کے سوشیدائی..................محترم طالب ہاشمی صاحب

منہج انقلاب نبویؐ..................ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

امن عالم اور اسلام..................عالمی تناظر میں اسلام کا مکمل تعارف

شمائل کبریٰ..................مولانا مفتی ارشاد القاسمی صاحب

پیارے رسول کا پیار..................کرنل (ر) محمد عمر خان صاحب

اصلاحی خطبات..................حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب

خطباتِ فقیر..................حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی صاحب

ندائے منبر ومحراب..................حضرت مولانا اسلم شیخوپوری صاحب

صدائے منبر..................حضرت مفتی محمد امین صاحب

اخلاق النبی..................ڈاکٹر محمد احمد قمر مختیار صاحب

محسنِ انسانیت اور انسانی حقوق..................ڈاکٹر حافظ محمد ثانی صاحب

قرآن کیا کہتا ہے..................جناب خالد خان خلجی

قرآن کا پیغام..................مولانا شہاب الدین ندوی

دینی دستر خوان..................حضرت مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی

خلق خیر الخلائق..................جناب طالب ہاشمی

اسلام اور جدید دور کے مسائل..................مولانا محمد تقی امین

حسن گفتار..................جناب طالب ہاشمی صاحب

اسلاف کی یادیں..................حضرت مولانا مفتی اسد اللہ عمر نعمانی

حسنت جمیع خصالہ..................جناب طالب ہاشمی صاحب

خلاصۃ القرآن..................مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب

جواہرات علمیہ..................ابو احمد حافظ محمد سلیمان صاحب

اللہ سے شرم کیجئے..................................مفتی محمد سلیمان منصور پوری

منتخب احادیث..................................مولانا امداد اللہ انور

آدابِ زندگی..................................جناب محمد یوسف اصلاحی صاحب

حقوق العباد..................................جناب اوصاف علی صاحب

تبلیغ بالیقین کارِ نبوت ہے..................................مولانا قاری محمد احمد صاحب

مؤلف کی چند دیگر کتب

(1)......مثالی نوجوان......................................صفحات 528

(2)......مثالی عورت......................................صفحات 600

(3)......ازدواجی زندگی کے رہنما اصول......................صفحات 456

(4)......ازدواجی زندگی کی مشکلات اوران کا حل..............صفحات 440

(5)......مردوں کی مثالی زندگی کے درخشاں پہلو..............صفحات 600

(6)......خواتین کی مثالی زندگی کے درخشاں پہلو..............صفحات 592

(7)......کامیاب زندگی کے راز..............................صفحات 422

(8)......جنت اور جنت میں لے جانے والے اعمال...........صفحات 700

(9)......جہنم اور جہنم میں لے جانے والے اعمال.........صفحات 700

(10)......اصلاحِ معاشرہ کے رہنما اصول....................صفحات 664

(11)......تعمیر معاشرہ اور ہماری ذمہ داریاں...................صفحات 600

ناشر:۔ دارالاشاعت کراچی

میر پور خاص میں ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ یوسفیہ دوکان نمبر 303 بلدیہ شاپنگ سینٹر میر پور خاص